حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

کے جملہ خطبات، ملفوظات اور تحریری مجلات و تصانیف

سے منتخب سینکڑوں انمول تفسیری نکات

اشرف التفاسیر

تقدیم و کلمات

Ketabton.com

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

نظر ثانی

عالم ربانی حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

ناشر

ادارہ تالیفات اشرفیہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

کے جملہ خطبات ملفوظات اور تقریباً جملہ تصانیف سے منتخب سینکڑوں

الہامی تفسیری نکات

اشرف التفاسیر (جلد ۱)

جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

سورۃ الفاتحۃ — تا — آل عمران

تقدیم و کاوش

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

نظر ثانی

عالم ربانی حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ

مرتبین

صوفی محمد اقبال قریشی صاحب

ابوحذیفہ محمد اسحاق ملتانی

ادارۂ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 540513-519240

Email:Taleefat@mul.wol.net.pk

نام کتاب..................اشرف التفاسیر (جلد-۱)

تاریخ اشاعت........................ صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

ناشر.... اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

طباعت..................سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

بک لینڈ اردو بازار لاہور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121-HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اشرف التفاسیر

کا جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

الحمدللہ ''اشرف التفاسیر'' بہت مقبول ہوئی' اہل علم نے خاص طور پر اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھا اور ہاتھوں ہاتھ لیا جزاہم اللہ تعالٰی احسن الجزاء۔ حضرت صوفی محمد اقبال قریشی مدظلہٗ نے حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے ملفوظات میں سے مزید بہت سارے تفسیری نکات جمع کر کے ہمیں ارسال فرمائے ہیں جو اس ایڈیشن میں شامل کتاب کر دیئے گئے۔

اس مبارک اضافہ کے علاوہ خود حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا عربی رسالہ ''**سبق الغایات فی نسق الآیات**'' بھی سورتوں کی ترتیب کے مطابق آخر میں لگایا گیا ہے۔

امید ہے کہ یہ اضافہ جات تمام علم دوست حضرات کے لئے مزید علمی و عملی برکتوں کا باعث ثابت ہوں گے۔

اللہ تعالٰی قبول فرمائے۔ آمین

(c) ketabton.com: The Digital Library

اجمالی فہرست

جلد — ۱

سورۃ الفاتحة	۴۸
سورۃ البقرۃ	۵۰
سورۃ آل عمران	۲۴۴

جلد — ۲

سورۃ النساء	۵
سورۃ المائدۃ	۸۰
سورۃ الانعام	۱۱۳
سورۃ الاعراف	۱۵۱
سورۃ الانفال	۱۹۴
سورۃ التوبہ	۲۰۴
سورۃ یونس	۲۷۴
سورۃ ھود	۲۵۶۰
سورۃ یوسف	۳۱۸
سورۃ الرعد	۳۳۷
سورۃ ابراھیم	۳۴۱
سورۃ الحجر	۳۵۶
سورۃ النحل	۳۷۳
سورۃ بنی اسرائیل	۳۹۸

جلد — ۳

سورۃ الکہف	۵
سورۃ مریم	۳۰
سورۃ طٰہٰ	۴۳
سورۃ الانبیاء	۵۶
سورۃ الحج	۶۶
سورۃ المؤمنون	۸۷
سورۃ النور	۹۳
سورۃ الفرقان	۱۳۱
سورۃ الشعرآء	۱۴۳
سورۃ النمل	۱۴۸
سورۃ القصص	۱۵۰

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ العنکبوت	۱۷۲	سورۃ الذاریات	۸۶
سورۃ الروم	۱۹۶	سورۃ الطور	۹۰
سورۃ لقمان	۲۰۴	سورۃ النجم	۹۴
سورۃ الاحزاب	۲۱۷	سورۃ القمر	۱۰۴
سورۃ سبا	۲۵۵	سورۃ الرحمٰن	۱۱۱
سورۃ فاطر	۲۶۱	سورۃ الواقعہ	۱۲۳
سورۃ یٰس	۲۷۶	سورۃ الحدید	۱۲۵
سورۃ الصافات	۲۷۹	سورۃ المجادلۃ	۱۳۷
سورۃ ص	۲۸٤	سورۃ الحشر	۱۵۲
سورۃ الزمر	۲۹۲	سورۃ الممتحنہ	۱۵۷
سورۃ المؤمن	۳۲۲	سورۃ الصف	۱٦۲
سورۃ حٰمٓ السجدۃ	۳۲۸	سورۃ الجمعۃ	۱٦۷
سورۃ الشوریٰ	۳٤۵	سورۃ المنافقون	۱۷٦
جلد — ۴		سورۃ التغابن	۱۹۲
سورۃ الزخرف	۲٤	سورۃ الطلاق	۲۰۸
سورۃ الدخان	۲۸	سورۃ التحریم	۲۱٤
سورۃ الجاثیہ	۳۱	سورۃ الملک	۲۲۲
سورۃ الاحقاف	٤۲	سورۃ الحاقہ	۲۲٤
سورۃ محمد	٤٦	سورۃ نوح	۲۲۷
سورۃ الفتح	۵۱	سورۃ المزمل	۲٤۰
سورۃ الحجرات	۵۵	سورۃ القیامۃ	۲۵۲
سورۃ قٓ	٦۲	سورۃ المرسلات	۲٦۰

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ عبس	۲۶۲
سورۃ التکویر	۲۶۷
سورۃ الانفطار	۲۶۸
سورۃ المطففین	۲۷۳
سورۃ البروج	۲۷۵
سورۃ الاعلیٰ	۲۷۷
سورۃ الغاشیہ	۲۹۰
سورۃ الفجر	۲۹۳
سورۃ البلد	۲۹۷
سورۃ الشمس	۳۰۱
سورۃ اللّیل	۳۱۰
سورۃ الضُّحٰی	۳۱۳
سورۃ الانشراح	۳۲۲
سورۃ العلق	۳۲۵
سورۃ القدر	۳۲۸
سورۃ البینۃ	۳۳۰
سورۃ الزلزال	۳۳۵
سورۃ العصر	۳۳۹
سورۃ الکافرون	۳۵۱
سورۃ النصر	۳۵۳
سورۃ الفلق	۳۵۸
سورۃ الناس	۳۶۵

(c) ketabton.com: The Digital Library

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنعاماتِ اِلٰہیہ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد!

تصوف وطریقت جو کہ دین اسلام کا ایک اہم جزو ہے اس کے مطالعہ سے ایک عام قاری اھل اللہ کی صحبت کی اہمیت وافادیت کو نظر انداز کر سکتا ہے لیکن وہ خوش نصیب جن کو یہ دولت حاصل ہوئی ہے وہی اسکی حقیقت وافادیت' ضرورت و اہمیت کو سمجھتے ہیں۔

احقر کی زندگی میں تقریباً ۱۹۷۰ء کا سال ایک خوشگوار انقلاب کا سال تھا جس نے احقر کو دینی ودنیاوی نعمتوں سے مالا مال کر دیا جس دن کہ مجھے سیدی ومرشدی ومربی عارف باللہ حضرت الحاج مولانا محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ ارشد حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ) کا دامن نصیب ہوا جن کی صحبت اور پرخلوص دعاؤں نے وہ ثمرات عطا کئے کہ جن پر جس قدر بھی شکر خداوندی ادا کیا جائے کم ہے' اللہ پاک اس کی صحیح قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وعظ "طریق القلندر" کا صرف ایک ہی نسخہ تھا جس کو حضرتؒ کافی سنبھال کر رکھا کرتے تھے۔ ایک دن احقر نے اس وعظ کی نایابی اور حضرتؒ کی اس سے خصوصی عقیدت کی بنا پر عرض کیا کہ حضرت کیوں نہ اس وعظ کو چھپوا دیا جائے؟ جس پر حضرتؒ نے کافی مسرت کے ساتھ دعاؤں سے نوازا اور یوں احقر نے اپنی زندگی میں اس وعظ کی طباعت سے حکیم الامتؒ کی کتب کی طباعت واشاعت کی ابتداء کی اور اس وعظ کی طباعت کے موقع پر میرے محسن جناب حاجی انوار الٰہی صاحبؒ نے خصوصی معاونت فرمائی جن کا کچھ عرصہ قبل انتقال ہو گیا ہے۔ اللہ پاک ان کی بال بال مغفرت فرمائیں۔ آمین

مذکورہ وعظ کی طباعت پر حضرت مرشدی حاجی صاحبؒ نے خصوصی شفقت ومہربانی کا معاملہ فرمایا بلکہ ایک دفعہ میری درخواست پر کہ حضرت اگر ادارہ کی مطبوعات پر اظہار مسرت کے طور پر کچھ تحریر فرما دیں تو کتب کے شروع میں اس تحریر کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

لکھ دیا جائے تو حوصلہ افزائی و برکت کا باعث ہوگی جس پر حضرتؒ نے درج ذیل کلمات تحریر فرما دیئے۔

''مجھے دلی خوشی ہے کہ عزیز القدر حافظ محمد اسحاق صاحب' مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تالیفات شائع کرنے کے حریص ہیں انہیں حضرتؒ سے صرف محبت ہی نہیں محبت کا نشہ ہے حضرت کے مسلک و مذاق کی تبلیغ کے بہت خواہشمند ہیں اور زر کثیر خرچ کر کے حضرت کی کتب جو نایاب ہیں چھپواتے رہتے ہیں''

مرشدی حضرت حاجی صاحبؒ کی وفات کے بعد احقر نے اپنا اصلاحی تعلق عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب سے قائم کیا۔ رفتہ رفتہ حضرت عارفی صاحب کی بے پناہ شفقت و محبت حاصل ہوگئی۔

ایک دفعہ حاضری پر کسی صاحب نے حضرت عارفیؒ سے کلید مثنوی شرح مثنوی رومی کے بارہ میں پوچھا کہ حضرت کلید مثنوی کے بارہ میں سنتے ہیں کیا حضرت کے پاس مکمل کلید مثنوی موجود ہے جواب میں حضرت عارفی رحمہ اللہ نے حسرت بھرے لہجے میں فرمایا' میری دلی خواہش تھی کہ میں اسے مکمل حاصل کروں لیکن بہت کوشش کی تو صرف دو تین جلدیں ہی حاصل کر سکا ہوں۔

بس حضرت کی حسرت بھری تمنا سن کر دل میں اس کو مکمل حاصل کر کے طبع کرانے کا داعیہ پیدا ہوا اور ہندو پاک سے تلاش کے بعد الحمدللہ اس وقت مکمل **24** حصے بارہ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ **اللھم لک الحمد و لک الشکر**۔

اب اس وقت عارف ربانی مرشدی حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مہاجر مدنی دامت برکاتہم کی خصوصی شفقتوں اور دعاؤں سے اس وقت ''اشرف التفاسیر'' چار جلدوں میں تکمیل کے مراحل میں ہے۔

اشرف التفاسیر کیا ہے؟ یہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے جملہ خطبات و تالیفات سے ان قرآنی آیات کی عجیب و غریب الہامی تفسیر و تشریح کا مجموعہ ہے جن کو حضرت تھانویؒ کے سلسلہ کے اکابرین دیکھ کر حسرت بھری تمنا رکھتے تھے کہ یہ کسی طرح جمع ہو کر کتابی شکل میں آ جائے۔ خصوصاً حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارف صاحبؒ مؤرخ اسلام سید سلیمان ندوی صاحبؒ حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ جیسے ارباب علم حضرات اسکی تالیف و ترتیب کے خواہش مند رہے۔ انہی اکابر کی دعاؤں اور توجہات سے یہ مبارک مجموعہ ''اشرف التفاسیر'' کے نام سے منظر عام پر آ رہا ہے اگر چہ بندہ اس کا بالکل اہل نہیں تھا اور نہ ہے۔

اپنے اکابر کی دعاؤں اور توفیق خدا سے ان نکات کو جمع کرنے کا یہ کام شروع کیا تھا۔ جیسے بن پایا جمع کرتا رہا پھر اس کا تذکرہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم سے کیا تو انہوں نے شفقت کی انتہا فرما دی کہ کثیر تعداد میں خطبات جن پر حضرت مطالعہ کے دوران تفسیری نکات پر نشان لگا چکے تھے ان تمام جلدوں کو ارسال فرما کر بندہ کی حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ اس سے اس کام کو چار چاند لگ گئے اور ایک جامع مقدمہ بھی اس پر تحریر فرما دیا جس کو شروع کتاب میں لگا دیا گیا ہے۔

اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ نے بھی اس کام کو شروع کر رکھا ہے۔ انہوں نے بھی از راہ شفقت ارسال کرنے کو فرمایا۔ بندہ نے ان سے درخواست کی کہ ہم اپنا مسودہ آپ کی خدمت میں بھیج دیتے ہیں آپ سب نکات کو ترتیب دے دیں۔ انہوں نے کرم بالا کرم فرماتے ہوئے اس درخواست کو قبول فرمایا اور کافی محنت و

(c) ketabton.com: The Digital Library

کاوش سے ان نکات کو مرتب فرمادیا اور بیان القرآن سے منتخب آیات کا ترجمہ بھی لکھا۔ فجزاهم الله خير الجزاء.

اس کے بعد بھی مسودہ تشنۂ تکمیل تھا جس کی وجہ سے نظر ثانی کیلئے علماء کی ضرورت شدت سے تھی تاکہ ہر لحاظ سے یہ مسودہ مستند ہو جائے اس لئے درج ذیل علماء کی خدمات حاصل کی گئی۔

اولاً یادگار سلف حضرت مولانا مفتی عبدالقار صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث دارالعلوم کبیروالا) نے بھی نظر فرمائی اور اپنی نگرانی میں اپنے شاگرد رشید مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب (استاد حدیث جامعہ محمدیہ عربیہ نواب شاہ) سے بقیہ پر نظر ثانی کروائی۔ اس کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آباد اور مولانا محمد ازہر صاحب مدیر ماہنامہ الخیر نے بھی تصحیح و ترتیب میں کافی معاونت فرمائی۔ فجزاهم الله احسن الجزاء

بہر حال یہ سب کچھ اپنے بزرگان کی دعاؤں کا ثمرہ ہے ورنہ ہماری حالت تو بزبان حال یہ ہے

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہو گا ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہو گا
جو کچھ ہوا ہوا تیرے کرم سے جو کچھ ہو گا تیرے ہی کرم سے ہو گا

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا آیات کے ربط کے بارہ میں خصوصی شغف تھا اور اللہ پاک نے آپ کو اس میں کافی مہارت سے نوازا تھا۔ جس کی بناء پر حضرت نے ایک مستقل رسالہ ''سبق الغایات فی نسق الایات'' تحریر فرمایا تھا جس کی افادیت و ضرورت کے پیش نظر اہل علم حضرات کیلئے ہر سورۃ کے آخر میں رسالہ کا متعلقہ مضمون لگا دیا گیا ہے

جہاں ہمیں دوسرے حضرات کی دعائیں حاصل ہوئیں وہاں جناب نواب عشرت علی خان قیصر صاحب (مسترشد خاص حضرت تھانویؒ) کی بھی خصوصی دعائیں اور توجہات شامل حال رہیں اور کچھ عرصہ قبل ایک خط میں یوں تحریر فرمایا کہ ''حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی تالیفات کی اشاعت و طباعت سے حضرت مجدد صاحبؒ کی روح مسرور ہے اور آپ پر برزخی توجہ ہے۔ اللهم لک الحمد والشکر

اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی ناتمام کو شرف قبولیت نصیب فرمائیں اور اپنے اکابرین کے مسلک و مذاق پر قائم رکھیں اور انہی کی سرپرستی میں اپنے دین کی خدمت لیتے رہیں۔ آمین

والسلام

احقر محمد اسحٰق بن عبدالقیوم عفی عنہما

(ربیع الثانی) ۱۴۲۰ھ

(c) ketabton.com: The Digital Library

مقدمہ

از شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین. والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم و علی آلہ واصحابہ اجمعین' امابعد

قرآن کریم کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا گیا ہے کہ "لاتنقضی عجائبہ" یعنی اس کے الفاظ واسالیب میں پنہاں اسرار وحکم کے اتھاہ خزانے کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ یہ کلام الٰہی کا اعجاز ہے کہ جب ایک معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی اسے سادگی سے پڑھتا ہے تو اس کا وہ سادہ مفہوم سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آتی۔ جو اسے عمومی ہدایت دینے کے لئے کافی ہو۔ لیکن جب کوئی عالم اسی کلام سے احکام اور حکمتوں کا استنباط کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہی کلام بڑے دقیق وعمیق نکات کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ان نکات کی گہرائی اور وسعت ہر شخص کے علم وبصیرت کی نسبت سے بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے جابجا اس کلام میں تدبر کا حکم دیا ہے، جس کے نتیجے میں بسا اوقات ایک عالم پر وہ نکات واضح ہوتے ہیں جن کی طرف سے پہلے کسی نے توجہ نہیں کی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اس آخری دور میں مآخذ دین کی تشریح وتبلیغ کی غیر معمولی توفیق عطا فرمائی تھی' یوں تو دین کے تمام ہی علوم میں حضرت کو کامل دستگاہ حاصل تھی لیکن وہ خود فرماتے تھے کہ انہیں تفسیر اور تصوف سے خاص مناسبت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تدبر قرآن کا خصوصی ذوق عطا فرمایا تھا' ان کی تفسیر "بیان القرآن" اہل علم کیلئے ایک گرانقدر سرمایہ ہے' اور اس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب مشکل مواقع پر انسان پچھلی تفاسیر کو کنگھالنے کے بعد اس کی طرف رجوع کرے۔

لیکن حضرت کے تدبر قرآن کا شاہکار درحقیقت وہ تفسیری نکات ہیں جو آپ نے اپنے مواعظ وملفوظات میں کسی اور سلسلہ کلام کے ضمن میں بیان فرمائے۔ ہوتا یہ ہے کہ کسی وعظ یا کسی مجلس میں کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے قرآن کریم کی کوئی آیت آپ کے قلب پر وارد ہوتی ہے' اور آپ اس کی تفسیر کرتے ہوئے اس سے عجیب وغریب مسائل مستنبط فرماتے ہیں۔ قرآن کریم کے نظم واسلوب کی بے مثال توجیہات بیان فرماتے ہیں فوائد وقیود کی دلنشین تشریح فرماتے ہیں۔ مختلف آیات قرآنی کے درمیان الفاظ وتعبیر کا جو فرق ہے اس کی حکمتیں ظاہر فرماتے ہیں اور بیشتر مواقع پر انسان ان تفسیری نکات کو پڑھ کر بیساختہ پھڑک اٹھتا ہے اور واقعۃً یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ نکات منجانب اللہ حضرت کے قلب پر وارد فرمائے گئے ہیں۔ مواعظ وملفوظات میں بکھرے ہوئے ان تفسیری نکات کی یہ اہمیت وندرت ہر اس باذوق شخص نے محسوس

(یہاں یہ واضح رہے کہ نت نئے نکات کی دریافت وعظ وتذکرہ معارف وحقائق اسرار تکوین اور تشریع کی حکمتوں سے متعلق ہوتی ہے۔ اس میدان میں نئے آنے والے ایسے حقائق دریافت آ سکتے ہیں جن کی طرف حقدمین کی نظر نہیں گئی اور اسی کو حضرت علیؓ نے "او فھم یؤتاہ الرجل" سے تعبیر فرمایا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عقائد اور احکام کے تعین میں بھی ایک شخص پوری امت کے اجماع کے برخلاف قرآن کریم کی کوئی ایسی نئی تفسیر کر سکتا ہے جو مسلمہ عقائد واحکام کے منافی ہو۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن جن عقائد واحکام کی تبلیغ کیلئے آیا تھا وہ اب تک مبہم اور ناقابل فہم ہے اور اس کے دین کا ناقابل اعتبار ہونا لازم آتا ہے۔ والعیاذ باللہ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی ہے جس نے اہتمام سے ان مواعظ و ملفوظات کا مطالعہ کیا ہو۔

عرصہ دراز سے احقر کی خواہش تھی کہ مواعظ و ملفوظات میں منتشر ان تفسیری نکات کو یکجا مرتب کر کے سورتوں کی ترتیب سے ان کا مجموعہ شائع کیا جائے لیکن مواعظ و ملفوظات کے سمندر سے (جو تقریباً ۳۵، ۴۰ ضخیم جلدوں پر محیط ہے) ان جواہر کی تلاش و انتخاب اور ان کی ترتیب و تدوین بڑا محنت طلب کام تھا جس کے لئے مدت درکار تھی۔ اپنی شدید مصروفات کی وجہ سے احقر کو براہ راست یہ کام شروع کرنے کی تو ہمت نہ ہوئی لیکن احقر نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ احقر روزانہ حضرتؒ کے مواعظ میں سے جس تھوڑے سے حصے کا معمولاً روزانہ مطالعہ کیا کرتا تھا اس میں ایسے تفسیری نکات پر نشان لگا لیتا تھا۔ خیال یہ تھا کہ اس طرح آہستہ آہستہ تمام مواعظ میں سے ایسے مقامات منتخب ہو جائیں گے۔ پھر انہیں نقل کرا کر سورتوں کی ترتیب پر مرتب کر لیا جائے گا اور پھر یہ مجموعہ شائع کیا جا سکتا ہے۔ احقر کے ذہن میں یہ تجویز بھی تھی کہ بعد میں اس مجموعہ کا عربی میں بھی ترجمہ کیا جائے۔

اس طرح بڑی سست رفتار ہی سے سہی، لیکن بفضلہ تعالیٰ احقر کے پاس حضرتؒ کے تقریباً ایک سو تیں مواعظ (تیرہ جلدوں) میں منتخب تفسیری نکات پر نشانات لگ گئے اور اپنے بعض رفقاء کی مدد سے احقر نے انہیں نقل کرانا بھی شروع کر دیا۔

اسی دوران برادر مکرم جناب مولانا محمد اسحاق صاحب مدظلہم ناظم ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے احقر کو بتایا کہ انہوں نے بھی اسی قسم کا کام شروع کیا ہوا ہے۔ احقر کو اس بات سے خوشی ہوئی اور احقر نے اپنا کیا ہوا کام ان کے حوالے کر دیا۔ اس طرح الحمد اللہ تقریباً ساڑھے تین سو مواعظ سے ان تفسیری نکات کا انتخاب تیار ہو گیا۔ مولانا موصوف نے بڑی عرق ریزی سے ان تمام نکات کو قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب پر مرتب فرمایا۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ احقر کا کام صرف مواعظ کی حد تک محدود تھا۔ مولانا نے ملفوظات سے بھی ان نکات کا انتخاب کیا ہے، احقر نے ان کے کئے ہوئے کام کا نمونہ دیکھا ہے، اگرچہ پورا کام نہیں دیکھ سکا لیکن انہوں نے اپنا کام بعض دوسرے علماء کو بھی دکھالیا ہے اس لئے امید ہے کہ ان شاء اللہ وہ مناسب ہوگا۔

اب حضرت حکیم الامت کے تفسیری جواہر کا یہ عظیم مجموعہ آپ کے سامنے آ رہا ہے۔ یہ نہ جانے کتنے علماء اور کتنے بزرگوں کی خواہش کی تکمیل اور کتنے اہل ذوق کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا صوفی محمد اقبال قریشی صاحب اور محمد اسحاق صاحب کو دنیا و آخرت میں بہترین جزاء عطا فرمائیں کہ وہ اس عظیم کام کو منظر عام تک لانے کا ذریعہ بنے۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہے کہ حضرت حکیم الامت کے مواعظ و ملفوظات میں تفسیری نکات کے ساتھ احادیث کی تشریح کے سلسلے میں بھی بڑے قیمتی نکات ملتے ہیں۔ احقر نے اپنے کام کے دوران ایسے نکات پر بھی نشان لگائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ ان تفسیری نکات کے بعد ان حدیثی نکات پر مشتمل بھی ایک مجموعہ مرتب اور شائع فرمائیں۔ آمین

ان گزارشات کے ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس مجموعے کو مبارک و مسعود فرمائیں۔ اسے امت کے لئے نافع فرمائیں اور یہ ان تمام حضرات کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہو جنہوں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

محمد تقی عثمانی عفی عنہ　　　　طیارہ پی آئی اے براہ کراچی از ملتان

۱۸ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ

(c) ketabton.com: The Digital Library

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمات تشکر

از شیخ الحدیث حضرت مفتی عبدالقادر صاحب دامت برکاتہم العالیہ

الحمد لله حمدا یوافی نعمه و یکافی مزیده و صلی الله علی

سیدنا محمد و علی اله و اصحابه اجمعین. امابعد

حق تعالیٰ نے جب سے انسانوں کو وجود بخشا اس وقت سے ان کی ہدایت کا سامان بھی بھیجا یعنی انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ یکے بعد دیگرے نبی اور رسل آتے رہے جب ایک نبی کی امت میں دینی قوت مضمحل ہو جاتی تو دوسرا نبی بھیج دیا جاتا جوان میں علم وعمل کی روح پھونک دیتا۔ یہ سلسلہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء ربانیین سے اللہ تعالیٰ نے وہ کام لیا جو پہلے انبیاء علیہم السلام سے لیا جاتا تھا اس امت کے علماء اگرچہ شان ومرتبہ میں انبیاء سابقین کے برابر نہیں مگر نور ہدایت کے پھیلانے میں انبیاء بنی اسرائیل کے مثل ضرور ہیں۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے۔

بحمداللہ یہ سلسلہ ہدایت امت کے ابتدائی دور سے شروع ہوا اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں علماء آئے اور علوم کے دریا بہائے بعد میں آنے والے علماء سے بھی اللہ تعالیٰ نے دین کی حیرت انگیز خدمتیں لیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عالی شان صادق آ گیا جس میں آپ نے فرمایا انما مثل امتی مثل الغیث لایدری اخرہ خیر ام اولہ یعنی میری امت کی مثال بارش جیسی ہے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اول بہتر ہے یا آخر اور علماء نے صحیح فرمایا۔ کم ترک الاول للاخر ۔ پہلے لوگ پچھلوں کے لئے بہت سی چیزیں چھوڑ گئے بعد میں آنے والے حضرت میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کی ذات ستودہ صفات بھی ہے حق تعالیٰ نے علم تفسیر' حدیث' فقہ' تصوف' تجوید وقراءت اصلاح معاشرت غرضیکہ دین کی جمیع ابواب میں آپ کو خدمت کا موقع عطا فرمایا اور ہر باب میں حضرت کی گراں قدر تصنیفات میں جن سے امت کے افراد خصوصاً علماء وتعلیم یافتہ حضرات نفع اٹھا رہے ہیں آپ کی باقیات صالحات میں سے آپ کے کثیر تعداد مواعظ بھی ہیں جو آپ نے اپنے مستقر پر رہتے ہوئے اور کبھی دور دراز کا سفر کر کے عوام وخاص کے مجامع میں بیان فرمائے ان مواعظ میں اللہ تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی تھی۔

؎ بتقاضا از دل خیزد و بر دل ریزد

(c) ketabton.com: The Digital Library

آپ کے مواعظ دلوں کو گرما دیتے تھے۔ بے شمار لوگ متاثر ہوتے اور ان کی زندگیوں میں انقلاب آ جاتا تھا۔ مجلس وعظ کیا ہوتی ایک شیخ کامل کی اصلاحی مجلس ہوتی تھی۔ جس میں سامعین کے قلوب میں نسبت مع اللہ کا القاء کیا جاتا' اور سامعین وعظ سننے کے بعد دین پر عمل کرنے کے ذوق وشوق میں سرشار ہوتے' کتنے گناہ گار اور غفلت شعار لوگوں کو توبہ کی توفیق مل جاتی بحمد اللہ سینکڑوں کی تعداد میں حضرت کے مواعظ آپ کی زندگی میں اور آپ کے بعد شائع ہوئے ہیں جن سے عوام وخواص نفع اٹھا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ مواعظ عربی زبان میں ہوتے تو غزالی ورازی رحمہم اللہ کے علوم سے کم نہ ہوتے حضرت کی تصنیفات اور مواعظ کا مطالعہ مسلمانوں کے لئے بے حد مفید ہے بعض اکابر کا تجربہ ہے کہ حضرت کے مواعظ کے مطالعہ انگریزی خواں اور دیگر جدت پسند لوگوں کے اشکالات کے جوابات خوب ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور ایسا شخص کبھی ان لوگوں سے نہیں دبتا اور نہ مات کھاتا ہے۔ حضرت قاری محمد طیب ؒ نے اپنی ایک کتاب میں اکابر دیوبند کا تعارف پیش کیا ہے اور ہر ایک کی تصنیف اور کلام پر تبصرہ کیا ہے کسی کے بارہ میں فرمایا کہ ان کا کلام متکلمانہ ہے کسی کے بارہ میں فرمایا کہ ان کا کلام فقیہانہ ہے اور کسی کا محدثانہ اور کسی کا عارفانہ لیکن حضرت تھانوی ؒ کے متعلق فرمایا کہ ان کا کلام محدثانہ فقیہانہ متکلمانہ عارفانہ ہے سب صفات جمع کر دیں حضرت ؒ کے مواعظ کو جہاں سے پڑھنا شروع کر دیا جائے اس سے دین کی رہنمائی حاصل ہونا شروع ہو جاتی ہے ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت کے اہل حق ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت کا دینی فیض وفات کے بعد بھی روز افزوں ہے۔

حضرت کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء اور ان کے خلفاء اصلاح امت کے کام میں لگے ہوئے ہیں اسی طرح حضرت کے شاگردوں کے شاگرد اور ان کے شاگرد علمی وتحقیقی ضیاء پاشیوں میں مشغول ہیں اور حضرت کی تصنیفات اور مواعظ مستقل صدقہ جاریہ ہیں اور عجیب اور حیران کن بات یہ ہے کہ حضرت ؒ کی تصنیفات ومواعظ کے بحر بے کراں کے ذریعہ سے نئی نئی تصنیفات وجود میں آ رہی ہیں جن سے حضرت کا فیض عام سے عام ہو رہا ہے۔ بعض اہل علم نے حضرت کی تصنیفات اور مواعظ کو کھنگال کر ایک موضوع سے متعلق حضرت کی تحقیقات کو یکجا جمع کر دیا ہے جس سے گویا نئی تصانیف وجود میں آ گئی ہیں بندہ نے ایک ضخیم کتاب جو دو جلدوں پر مشتمل ہے دیکھی ہے جس کا نام تحفۃ العلماء ہے اس میں حضرت کی تصانیف سے وہ مضامین جمع کئے گئے ہیں جن کا تعلق علماء سے ہے اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت مفتی محمد زید مدظلہ کو جنہوں نے محنت کر کے اتنا بڑا ذخیرہ حضرت کی تصنیفات سے اخذ کر کے امت کو پیش کر دیا ہے اس طرح انہوں نے کئی موضوعات پر حضرت کی تصنیفات سے مواد جمع کر کے اس کو مستقل نام کے ساتھ شائع کیا ہے جو امت کے لئے بہت مفید چیز ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

اہل باطل اور اہل بدعت کی زندگی میں ان کا خوب غلغلہ رہتا ہے لیکن ان کے مرنے کے بعد عموماً سارا شور اور جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور اہل حق علماء کے مرنے کے بعد بھی ان کا فیض جاری وساری رہتا ہے۔

حضرت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن فہمی کا عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا خود بطور تحدیث بالنعمت کے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے

(c) ketabton.com: The Digital Library

شیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے تفسیر اور تصوف کے بارہ میں دعا کرائی تھی کہ مجھے ان میں مہارت نصیب ہو چنانچہ حضرت کی دعا و برکت سے ان دونوں میں بحمد اللہ مجھ کو مہارت نصیب ہوئی چنانچہ حضرت کی تفسیر بیان القرآن باوجود مختصر ہونے کے حضرت کے علوم کا شاہکار ہے اس طرح مجالس وعظ میں آپ نے موقع کے مناسب آیات کی جو تفسیر فرمائی وہ بھی حضرت کی مہارت کا زندہ جاوید ثبوت ہے۔ آیات قرآن کے بارے میں نت نئے علوم' نکات' رموز' حقائق ولطائف القاء ہوتے تھے۔

جن کو آپ مجلس وعظ اور مجلس ملفوظات میں لطف لے لے کر بیان فرماتے رہتے تھے ان میں بہت سے رموز و نکات ایسے ہیں جو عموماً تفسیر کی کتابوں میں نہیں ملتے بلکہ یہ خداداد قرآن فہمی کا نتیجہ ہیں گویا حضرت والا اس شعر کا صحیح مصداق تھے

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید واوستا

یہ نکات و رموز حضرت کے مواعظ و ملفوظات کے سمندر میں موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے ان کو یکجا جمع کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہمارے محترم دوست حافظ محمد اسحاق صاحب کو جنہوں نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا خود بھی محنت کر کے تفسیری نکات کا ایک ذخیرہ جمع کیا اور دوسرے اہل علم حضرات اس سلسلہ میں جو کام کر چکے تھے انہوں نے وسعت ظرف اور اخلاص کا ثبوت دیتے ہوئے کیا کرایا حافظ صاحب موصوف کے سپرد کیا۔ حافظ صاحب موصوف کے لئے اب راہ آسان ہوگئی طبع کرنے کا عزم بالجزم کرلیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حافظ صاحب موصوف کو شیخ کامل حضرت حاجی محمد شریف صاحب کے فیض صحبت سے حکیم الامت کی کتب چھاپنے کا ایسا جذبہ پیدا ہوا ہے جو ان کو ہر وقت بے تاب کئے رہتا ہے ماشاء اللہ حضرت حکیم الامتؒ کی سینکڑوں کتابیں اور مواعظ طبع کرائے ہیں اور تا حال اس میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ موصوف کو اپنی شان کے مطابق بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائیں اور ان کی کوششوں کو بارآور فرمائیں۔ ماشاء اللہ ''اشرف التفاسیر'' تیار ہو کر منظر عام پر آرہی ہے اہل علم اور باذوق حضرات ان شاء اللہ اس کی قدر کریں گے اس سے نفع اٹھائیں گے اور اپنے ذوق علمی کی تسکین کا سامان پائیں گے۔

ان تفسیری نکات کی لذت کا حال ان سے پوچھیے جو قبل ازیں اس ذلت سے آشنا ہو چکے ہیں معنوی لذت حسی لذت سے کم نہیں ہوا کرتی عربی کا مشہور مقولہ ہے تداول الافکار خیر من افتضاض الابکار.

اشرف التفاسیر کو اس نظر سے نہ دیکھا جائے کہ یہ کتاب باقاعدہ کوئی تفسیر کی کتاب ہے کہ جس میں ہر آیت کا ترجمہ اور تفسیر لکھی گئی ہو بلکہ اس میں صرف وہ آیات لی گئی ہیں کہ جن کے متعلق حضرتؒ نے مواعظ میں کچھ بیان فرمایا باقی آیات زیر بحث نہیں لائی گئیں اور جن آیات سے تعرض کیا گیا ہے بعض مواقع میں ان کی بھی مکمل تشریح و تفسیر نہیں کی گئی بلکہ صرف اسی قدر اکتفاء کیا گیا جس قدر حضرتؒ کے مواعظ و ملفوظات میں مواد موجود ہے بندہ نے اشرف التفاسیر پر نظر ثانی کی ہے۔ مضامین تو حضرتؒ کے ہیں جن کے بارہ میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں البتہ بعض جگہ کہیں کہیں تکرار آ گیا ہے پھر اسی آیت شریفہ کے بارے میں دوسرے وعظ سے مضمون نقل کیا گیا دونوں مضمون ملتے جلتے ہیں اس لئے ممکن ہے کہ سطحی نظر

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے اس کو تکرار محض سمجھ لیا جائے حقیقت میں ایک مضمون میں دوسرے سے کچھ اضافہ ہوتا ہے یا ان کا فرق ہوتا ہے بالفرض اگر تکرار بھی مان لیا جائے تو قند مکرر سمجھ کر پورا مضمون پڑھ لینا چاہیے۔

اسی طرح اصل مضمون جو مقصود ہوتا ہے اس کا ربط دوسرے مضمون سے ہوتا ہے۔ دونوں مضمونوں کو جدا نہیں کیا جا سکتا اس لئے مقصود سے قبل یا بعد دوسرے مضامین بھی آ گئے ہیں جن کا بظاہر آیت سے کوئی ربط نہیں نظر آتا مگر مجبوراً ان مضامین کو شامل کرنا پڑا وہ مضامین بھی فائدے سے خالی نہیں ہوتے پس یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ غیر متعلقہ مضامین کیسے آ گئے بہر حال اگر کوئی فروگذاشت نظر سے گزرے تو وہ مرتب' کاتب یا مصحح کی طرف سے ہوگی حضرتؒ اس سے بری ہیں۔

پس اس تفسیر کو اس نظر سے دیکھا جائے کہ جو تفسیر اور سبب نزول' استنباط مسائل اور رموز و نکات حضرت نے بیان فرمائے ہیں وہ کس قدر وقیع' دقیق اور دلچسپ ہیں ان کو بغور پڑھنے سے ان شاء اللہ قرآن دانی میں مدد ملے گی اور قرآن پاک کے مضامین کے مناسبت پیدا ہوگی اس کے بعد اصل کام آگے ہے یعنی ان پر عمل کرنا اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا اور یہی مقصود اعظم ہے کیونکہ اسی سے آخرت کی دائمی کامیابیاں نصیب ہوں گی اسی کو فرماتے ہیں

جان جملہ علم ہا ایں است و ایں   کہ بدانی من کے ام یوم دین

حق تعالیٰ اس محنت و کاوش کو قبول فرمائیں اور حضرت حکیم الامت اور مؤلفین اور حافظ موصوف کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں اور ان حضرات کو اور ہم سب کو اپنی رضا نصیب فرمائیں...... آمین برحمتک یا ارحم الراحمین

عبدالقادر عفی عنہ
ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
مدرس دارالعلوم کبیر والا ضلع خانیوال

(c) ketabton.com: The Digital Library

تعارف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم. و علی الہ و اصحابہ و اولیاء ہ اجمعین و بارک وسلم تسلیما کثیراً کثیرا۔

اما بعد الحمد اللہ اس ناکارہ نے ۱۹۶۵ء میں عارف باللہ استاذ العلماء سیدی ومرشدی حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ سے بیعت ہو کر مواعظ اشرفیہ کا مطالعہ شروع کیا تو اس میں معارف ہائے قرآنی کا دریا موجزن دیکھا اور الحمد اللہ ان تفسیری نکات کو جمع کرنا شروع کیا اور اس کا معتد بہ حصہ ماہنامہ ''صدائے اسلام'' پشاور میں بالاقساط شائع ہوا۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس سیدی ومرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے بھی اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور اس سلسلہ کو جاری رکھنے کی ہدایت فرمائی اور اپنے ادارہ کی طرف سے اسے شائع کرنے کا عزم صمیم کر رکھا تھا۔ برادر مکرمی جناب حافظ محمد اسحاق صاحب ملتانی کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اصرار فرمایا کہ مناسب ہے کہ یہ تفسیری نکات یکجا شائع ہوں تاکہ قارئین زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں چنانچہ انہوں نے ازراہ ذرہ نوازی اپنا مسودہ بھی ناکارہ کے حوالے کر دیا اور

۱- احقر نے قرآنی سورتوں کے مطابق آیت نمبر بھی درج کر کے انہیں یکجا کیا۔

۲- شروع میں آیت بحوالہ قرآنی سورت درج کر کے بیان القرآن سے اس کا اردو ترجمہ نقل کیا۔

۳- بعدہ تفسیری نکات کے مطابق ذیلی عنوانات قائم کئے اس طرح ملفوظات کی صورت کی بجائے یہ نکات تفسیری شکل میں سامنے آ گئے۔

۴- دونوں مسودات کو یکجا کرنے کے بعض مواقع پر تفسیری نکات کا تکرار ہو گیا جناب حافظ صاحب نے نظر ثانی میں اس تکرار کو حذف فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں سب کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرما کر زاد آخرت اور وسیلہ نجات بنا دیں آمین کیونکہ عنداللہ مقبولیت ہی اصل سرمایہ ہے۔

گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ وفریاد ہم — یاں تو اپنا بھی اک نالہ ہے گر پہنچے وہاں

محتاج دعا بندہ محمد اقبال قریشی غفرلہ

امام وخطیب جامع مسجد تھانہ والی ہارون آباد ۲۵ ذوالحجہ 1419ھ

(c) ketabton.com: The Digital Library

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی خدمات قرآنی کا اجمالی تعارف

از مؤرخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی رحمہ اللہ

اسلام میں علم کا سب سے پہلا سفینہ خود اسلام کا صحیفہ ہے یعنی قرآن پاک' مولانا نے اسکی خدمت کی سعادت جس جس نوع سے حاصل فرمائی وہ بجائے خود ان کی ایک علمی کرامت ہے۔ کانپور کے زمانہ قیام میں مطبع انتظامی میں تشریف رکھتے تھے وہاں خیر امت اولین مفسر قرآن حضرت ابن عباسؓ کو خواب میں دیکھا جن کو آنحضرت ﷺ نے اللھم علمہ الکتاب کی دعا دی تھی اور بشارت سنائی تھی۔ مولانا فرماتے تھے کہ اس رویا کے بعد سے میری مناسبت قرآنی بہت بڑھ گئی تھی اور یہ رویا اس کی طرف اشارہ تھا۔

قرآن پاک کی خدمت کی یہ سعادت نہ صرف معنوی حیثیت سے حاصل فرمائی بلکہ لفظ و معنی دونوں حیثیتوں سے وہ حافظ تھے اور بڑے جید حافظ و قاری تھے اور فنون و تجوید و قراءت کے بڑے ماہر' اخیر زمانہ میں پانی پت کو قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی کی برکت سے قراءت سے ایک خاص مناسبت حاصل ہوگئی تھی۔ مولانا ایک دفعہ جب پانی پت گئے تو لوگوں نے ان کو بالقصد کسی جہری نماز کا امام بنا دیا' مولانا نے بے تکلف کسی تصنع کے بغیر ایسی قراءت فرمائی کہ قاریوں نے تعریف کی کہ صحت مخارج' کے ساتھ تکلف کے بغیر اس قدر مؤثر قراءت نہیں سنی۔ ایک اور مقام پر جہاں اہل نظر موجود تھے صبح کی نماز پڑھائی تو ایک صاحب نے کہا کہ موسیقی کے قاعدہ سے آپ کی قراءت میں بھیرویں کی کیفیت تھی جو صبح کی ایک سہانی راگنی کا نام ہے۔

مولانا کی قراءت کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مخارج کی پوری صحت ہوتی تھی لیکن لہجہ میں قاریوں کی بناوٹ نہ تھی اور نہ تحسین آواز کے لئے بہ تکلف اتار چڑھاؤ ہوتا تھا بلکہ فطری آواز بلا تکلف حسب موقع گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور تاثیر میں ڈوب کر نکلتی تھی کہ "ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد"

تجوید قراءت ومتعلقات قرآن

علوم القرآن میں سے یہ پہلا فن ہے' مولانا نے اس پر حسب ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں۔

۱- جمال القرآن:- یہ فن تجوید کا رسالہ ہے جس میں قرآن مجید کو ترتیل اور تجوید سے پڑھنے کے مسائل ہیں' مخارج اور صفات حروف' اظہار واخفاء' ابدال' وادغام' تفخیم وترقیق' وقف ووصل کے مسائل درج فرمائے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

۲-تجوید القرآن:-اس مختصر منظوم رسالہ میں بچوں کی یاد کے لئے تجوید کے عام مسائل لکھے ہیں۔

۳-رفع الخلاف فی حکم الاوقاف:-اوقاف قرآنی کے بارے میں قاریوں میں جو اختلاف ہے اس رسالہ میں اس کی توجیہ وتطبیق کی صورت بیان کی گئی ہے۔

۴-وجوہ المثانی:-اس میں قرآن شریف کی مشہور قراءتوں کے اختلاف کو قرآن پاک کی سورتوں کی ترکیب سے سلیس عربی میں جمع فرمایا ہے اور آخر میں تجوید وقراءت کے کچھ قوائد تحریر فرمائے ہیں۔

۵-تنشیط الطبع فی اجراء السبع:-قراءت سبع اور اس فن کے رواۃ کی تفصیل درج کی گئی ہے۔

۶-زیادات علی کتب الروایات:- اس میں قراءت کی غیر مشہور روایتوں کی سندیں ہیں یہ "وجوہ المثانی" کے آخر میں بطور ضمیمہ ہے۔

۷-زنابات لمافی الروایات:-یہ اگلے رسالہ کا ضمیمہ ہے۔

۸-یادگار حق القرآن:-اس میں قرآن مجید کے آداب اور تجوید کے مسائل کا مختصر بیان ہے۔یہ "تجوید القرآن" کا اختصار وضمیمہ ہے۔

۹-متشابہات القرآن لتراویح رمضان:-قرآن پاک کے حفاظ کو تراویح میں قرآن سنانے میں بعض مشہور مقامات پر جو متشابہات لگتے ہیں ان سے بچنے کے لئے ان میں چند قواعد کلیہ یعنی گر بعض آیات کے ضبط فرمائے گئے۔

۱۰-آداب القرآن:-قرآن پاک کی تلاوت کے آداب اور تلاوت کرنے والوں کی کوتاہیوں کی اصلاح کے لئے ہدایات وتنبیہات ہیں۔

۲-ترجمہ وتفسیر قرآن

۱-ترجمہ:-قرآن پاک کا سلیس وبامحاورہ اردو ترجمہ جس میں زبان کی سلاست کے ساتھ بیان کی صحت کی احتیاط ایسی کی گئی ہے جس سے حقیر کی نظر میں بڑے بڑے تراجم خالی ہیں۔قرآن پاک کا سب سے صحیح اردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے لیکن وہ بہت ہی لفظی ہے اس لئے عام اردو خوانوں کے فہم سے باہر ہے۔مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ترجمہ میں دونوں خوبیاں یکجا ہیں یعنی ترجمہ صحیح اور زبان صحیح ہے اس ترجمہ میں ایک خاص بات اور ملحوظ رکھی گئی ہے کہ اس زمانہ میں کم فہمی یا ترجموں کی عدم احتیاط کی وجہ سے جو شکوک قرآن پاک کی آیات میں عام پڑھنے والوں کو معلوم ہوتے ہیں انکا ترجمہ ہی اس میں ایسا کیا گیا ہے کہ کسی تاویل کے بغیر وہ شکوک ہی ان ترجموں کے پڑھنے سے پیش نہ آئیں اور پھر قرآن پاک کے لفظوں سے عدول بھی نہ ہونے پائے۔اسی لئے کہیں کہیں مزید تفہیم کی غرض سے قوسین میں ضروری تفسیری الفاظ بھی بڑھائے گئے ہیں یہ مولانا کی عظیم الشان خدمت ہے۔

۲-تفسیر بیان القرآن:-یہ بارہ جلدوں میں قرآن پاک کی پوری تفسیر ہے جس کو ڈھائی سال کی مدت میں مولانا نے تمام فرمایا (اب تین جلدوں میں شائع ہوتی ہے) اس تفسیر کی حسب ذیل خصوصیات ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سلیس و بامحاورہ حتی الوسع تحت اللفظ۔ ترجمہ نیچے "ف" کے اشارہ فائدہ سے آیت کی تفسیر تفسیری روایات صحیحہ اور اقوال سلف صالحین کا التزام کیا گیا ہے فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے۔ لغات اور نحوی ترکیبوں کی تحقیق فرمائی گئی ہے شبہات اور شکوک کا ازالہ کیا گیا ہے صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی درج کئے گئے ہیں تمام کتب تفاسیر کو سامنے رکھ کر ان میں سے کسی قول کو دلائل سے ترجیح دی گئی ہے۔ ذیل میں اہل علم کے لئے عربی لغات اور نحوی تراکیب کے مشکلات حل کئے گئے ہیں اور حاشیہ پر عربی میں اعتبارات وحقائق ومعارف الگ لکھے گئے ہیں ماخذوں میں غالباً سب سے زیادہ آلوسی بغدادی حنفی کی تفسیر "روح المعانی" پر اعتبار فرمایا گیا ہے۔ یہ تفسیر اس لحاظ سے حقیقتاً مفید ہے کہ تیرہویں صدی کے وسط میں لکھی گئی ہے۔ اس لئے تمام قدماء کی تصانیف کا خلاصہ ہے اور مختلف ومنتشر تحقیقات اس میں یکجا ملتی ہیں۔

عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اردو تفسیر صرف عوام اردوخوانوں کے لئے علماء لکھتے ہیں یہی خیال مولانا کی اس تفسیر کے متعلق بھی علماء کو تھا لیکن ایک دفعہ اتفاق سے مولانا کی یہ تفسیر مولانا انور شاہ صاحبؒ نے اٹھا کر دیکھی تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ اردو میں یہ تفسیر عوام کے لئے ہوگی مگر یہ تو علماء کے دیکھنے کے قابل ہے خود میرا (یعنی علامہ سید سلیمان ندویؒ) کا خیال یہ ہے کہ قدیم کتب تفسیر میں سے راجح ترین قول مولانا کے پیش نظر رہا ہے۔ ساتھ ہی ربط آیات وسورہ کا ذوق مولانا کو ہمیشہ رہا ہے اور اس کا لحاظ اس تفسیر میں بھی کیا گیا ہے مگر چونکہ ربط آیات کے اصول سب کے سامنے یکساں نہیں اس لئے وجوہ ربط میں قیاس اور ذوق سے چارہ نہیں اس لئے ہر مستند ذوق والے کے لئے اس میں اختلاف کی گنجائش ہے اسی طرح مفسرین کے مختلف اقوال میں سے کسی قول کی ترجیح میں زمانہ کی خصوصیات اور ذوق ووجدان کا اختلاف بھی امر طبعی ہے اس لئے اگر کلام سلف کے اصول متفقہ سے دور نہ ہو تو تنگی نہ کی جائے۔

۳- چونکہ مسلمانوں پر شفقت اور انکی اصلاح کی فکر مولانا پر بہت غالب تھی اس لئے وہ ہمیشہ ان کو گمراہیوں سے بچانے میں بجان ودل ساعی رہتے تھے۔ اردو میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے جو ترجمے شائع ہوئے تھے وہ بالکل کافی تھے مگر نئے زمانہ میں پہلے سرسید نے بضمن تفسیر اور پھر شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنے اپنے ترجمے شائع کئے تو انہوں نے پہلی دفعہ یہ کوشش کی کہ اپنے جدید عقائد کو پیش نظر رکھ کر ترجمے کریں اولین توجہ زبان کی طرف رکھیں اور اقوال سلف کی پروانہ کریں اس طرز عمل نے علماء کو مضطرب کر دیا اور ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کی اصلاح کی جائے۔ مولانا نے اپنا ترجمہ اسی ضرورت سے مجبور ہو کر کیا مگر اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کے ترجمہ کو بغور پڑھا اور اس کے اغلاط پر نشان دے کر ایک رسالہ اس ترجمہ کی اصلاح پر لکھا جس کا نام "اصلاح ترجمہ دہلویہ" ہے۔

۴- مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ کی عام اشاعت نے دہلی کے ایک بلند بانگ اخبار نویس مرزا حیرت کو حیرت میں ڈال دیا اور انہوں نے پہلے تو ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمے پر اعتراضات شروع کئے اور پھر اپنا ترجمہ چھپوایا جس کی نسبت عام طور پر مشہور ہے کہ وہ لکھنؤ کے ایک عالم کا کیا ہوا ہے لیکن نام سے وہ مرزا صاحب کے چھپا ہے کیونکہ مرزا صاحب خود عربی سے نابلند تھے بہرحال مولانا نے اس ترجمے کی اغلاط کی اصلاح پر بھی ایک رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام "اصلاح ترجمہ حیرت" ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

۵-بعض معاصر علماء نے اردو میں قرآن شریف پر حواشی لکھے ہیں جن میں ربط آیات کا خاص طور سے اظہار کیا گیا ہے اور آیات کو بہ تاویل واعتبار سیاسی مسائل پر منطبق کیا ہے اور اس تاویل واعتبار میں کہیں کہیں اعتدال سے قلم باہر نکل گیا ہے مولانا نے ان تاویلات بعیدہ پر تنبیہات لکھیں جن کا نام "التقصیر فی التفسیر" ہے۔

۶-لاہور کے ایک بزرگ نے قرآنی مطالب کو کئی جلدوں میں "تفصیل البیان فی مقاصد القرآن" کے نام سے جمع کیا ہے اس کے مولف کی درخواست پر اس میں جو شرعی نقائص نظر آئے وہ مولانا نے "الهادی للحیران فی وادی تفصیل البیان" کے نام سے ظاہر فرمائے۔

۷-مولانا کے خاندان کی بعض لڑکیوں نے مولانا سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تھا اور اکثر آیات کی تفسیر وتقریر کو ضبط تحریر میں کرلیا تھا وہ ایک مجموعہ ہوگیا اور اس کا نام "تقریر بعض البنات فی تفسیر بعض الایات" رکھا مگر چھپا نہیں۔

۸- "رفع البناء فی نفع السماء" الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء کی تفسیر جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آسمان سے کیا فائدے ہیں یہ درحقیقت ایک سوال کے جواب میں ہے۔

۹- "احسن الاثاث فی نظر الثانی فی تفسیر المقامات الثلث" سورہ بقرہ کی تین آیاتوں پر نظر ثانی فرمائی ہے۔

۱۰-''اعمال قرآنی'' قرآن مجید کی بعض آیات کے خواص جو بزرگوں کے تجربہ میں آئے ان کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۱-''خواص فرقانی'' اس کا موضوع بھی وہی ہے اس کا ایک اور حصہ ہے جس کا نام ''آثار تبیانی'' ہے ان رسائل سے مقصود عوام کو ناجائز غیر شرعی تعویذ گنڈوں اور عملیات سفلی سے بچا کر قرآنی آیات کے خواص کی طرف ملتفت کرنا ہے اور اس قسم کے بعض خواص احادیث میں بھی مروی ہیں۔

۳-علوم القرآن

علوم القرآن کے مختلف مباحث ومسائل تو مولانا کی ساری تصانیف ومواعظ ملفوظات اور رسائل میں ملتے ہیں۔ اگر ان کو کوئی یکجا کردے تو خاصی ضخیم کتاب ہوجائے مگر ان پر مستقل طور پر بھی بعض کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے اول ''سبق الغایات'' ہے۔

۱-"سبق الغایات فی نسق الایات" یہ قرآن پاک کی آیات وسورہ کے ربط ونظم پر عربی میں پندرہ صفحوں کی کتاب ہے جس کو ۱۳۱۶ھ میں ڈھائی مہینوں میں تصنیف فرمایا اس میں مولانا نے سورہ فاتحہ سے سورۃ الناس تک تمام سورتوں اور ان کی آیات کے ربط پر کلام فرمایا ہے اور اس کا بڑ حصہ امام رازی کی ''تفسیر کبیر'' اور مفتی ابوالسعود بغدادی المتوفی ۱۹۵۱ھ کی "ارشاد العقل السلیم الی ضرایا القرآن الکریم" سے ماخوذ ومستنبط ہے ان دو کے علاوہ مولانا نے خود اپنے اضافوں کو "قال المسکین" کہہ کر بیان فرمایا ہے۔ یہ حصہ بھی اچھا خاصا ہے اور اخیر کی صورتوں میں زیادہ تر اضافات ہی ہیں جن میں مولف نے ان سورتوں کے موضوع اور عمود کی تعین فرمائی ہے چونکہ یہ امور زیادہ تر ذوقی ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس لئے ان ذوقیات کی نسبت ہمیشہ رائیں مختلف ہو سکتی ہیں' تاہم ان سے مولانا کے ذوق قرآنی کا اندازہ بہت کچھ ہو سکتا ہے تفسیر ''البیان'' میں بھی ربط و نظم پر گفتگو التزام کے ساتھ کی گئی ہے۔

ذوق ربط آیات

مولانا کے ذوق ربط آیات و سورہ کا حال چونکہ عام طور سے لوگوں کو معلوم نہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مواعظ میں دو قول نقل کر دیئے جائیں جن سے ان کا ذوق اور ان کے بعض اصول ربط واضح ہو جائیں سبیل النجاح ص ۹ میں فرماتے ہیں۔

جواب اس شبہ کا کہ ''مفسرین کے بیان کردہ روابط مخترع ہیں کیونکہ خدائے تعالے نے ان ارتباط کا لحاظ کیا ہی نہیں'' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں باوجود طرز تصنیف اختیار نہ کرنے اور شفقت کا طرز اختیار کرنے کے پھر بھی ربط کا لحاظ کیا گیا ہے اس لئے مفسرین کے بیان کردہ روابط مخترع نہیں ہیں اور اس ربط کو ملحوظ فرمانے کی دلیل یہ ہے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ ترتیب نزول آیات اور ہے اور ترتیب تلاوت مصحف اور ہے۔ یعنی قرآن کا نزول تو واقعات کے موافق ہوا کہ ایک واقعہ پیش آیا اور اس کے متعلق ایک آیت نازل ہوگئی۔ پھر دوسرا واقعہ پیش آیا تو دوسری آیت نازل ہوگئی وعلی ہذا تو ترتیب نزول تو حسب واقعات ہیں۔ اگر تلاوت میں بھی یہی ترتیب رہتی تو واقعی ربط کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ترتیب تلاوت خود جناب باری تعالی عزاسمہ نے بدل دی۔ یعنی حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی آیت کسی واقعہ کے متعلق نازل ہوتی تو جبرئیل علیہ السلام بحکم خداوندی حضور ﷺ سے یہ کہتے کہ اس آیت کو مثلاً سورہ بقرہ کی فلاں آیت کے بعد رکھا جاوے اور اس کو فلاں آیت کے بعد اور اس کو فلاں سورہ کے ساتھ علی ہذا تو مصحف میں ترتیب آیات ترتیب نزول پر نہیں بلکہ اس کی ترتیب حق تعالیٰ نے دوسری رکھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کو بھی کسی آیت کے ساتھ ملایا گیا ہے دونوں میں کوئی مستقل ربط اور مناسبت اور تعلق ضرور ہے کیونکہ اگر اب بھی دونوں میں کوئی ربط نہ ہوتو ترتیب آیات ترتیب نزول کا بدلنا مفید نہ ہوگا'' (سبیل النجاح)

پھر اسی کتاب کے ص ۶ میں ارشاد ہے کہ ایک شفیق باپ چاہتا ہے کہ بیٹے کو ایسے عنوان اور ایسے طرز سے نصیحت کروں جو اس کے دل میں گھر کرے کیونکہ وہ دل سے یہ چاہتا ہے کہ اس کے بیٹے میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اور اگر وہ کوئی مشکل کام بھی بتلاتا ہے تو اس طریقہ کو وہ اختیار کرتا ہے جس سے بیٹے کو عمل آسان ہو جائے اور ان سب رعایتوں کا منشاء وہی شفقت ہے۔ شفقت ہی کے ساتھ تمام پہلوؤں کی رعایت کی جاسکتی ہے اور اسی لئے باپ کا کلام نصیحت کے وقت بے ربط اور بے ترتیب بھی ہو جاتا ہے مثلاً باپ بیٹے کو کھانا کھاتے ہوئے نصیحت کرے کہ بری صحبت میں نہیں بیٹھا کرتے اور اس مضمون پر وہ مفصل گفتگو کر رہا ہو اسی درمیان میں اس نے دیکھا کہ بیٹے نے ایک بڑا سا لقمہ کھانے کو لیا ہے تو وہ فوراً پہلی نصیحت کو قطع کر کے کہے گا کہ یہ کیا حرکت ہے لقمہ بڑا نہیں لیا کرتے۔ اس کے بعد پھر پہلی بات پر گفتگو شروع کر دے گا اب جس کو شفقت کی اطلاع نہ ہو وہ کہے گا کہ یہ کیسا بے ترتیب کلام ہے بری صحبت سے منع کرنے میں لقمہ کا کیا ذکر مگر جو شخص کبھی کسی کا باپ بنا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ بے ترتیب کلام مرتب و مرتبط کلام سے افضل ہے۔ شفقت کا مقتضا یہی ہے کہ ایک بات کرتے ہوئے اگر دوسری بات کی ضرورت ہو تو ربط کا لحاظ نہ کرے دوسری بات کو بیچ میں رکھ کر پہلی بات کو پورا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرے۔ یہی راز ہے اس کا کہ خدائے تعالیٰ کا کلام ظاہر میں بے ربط بھی معلوم ہوتا ہے اس ظاہری بے ربطی کا منشاء شفقت ہی ہے کہ حق تعالیٰ مصنفین کی طرح گفتگو نہیں کرتے کہ ایک مضمون پر کلام شروع ہو تو دوسرے باب کا کوئی مضمون اس میں نہ آئے بلکہ وہ ایک نئے مضمون کو بیان فرماتے ہوئے اگر کسی دوسرے امر پر تنبیہ کی ضرورت دیکھتے ہیں تو شفقت کی وجہ سے درمیان میں فوراً اس پر بھی تنبیہ فرمادیتے ہیں اس کے بعد پھر پہلا مضمون شروع ہو جاتا ہے چنانچہ ایک آیت مجھے یاد آئی جس پر لوگوں نے غیر مرتبط ہونے کا اعتراض کیا ہے سورہ قیامہ میں حق تعالیٰ نے قیامت کا حال بیان فرمایا ہے کہ انسان اس وقت بڑا پریشان ہوگا اور بھاگنے کا موقع ڈھونڈے گا اپنے اعمال پر اسے اطلاع ہوگی اس روز اس کو سب اگلے پچھلے کئے ہوئے کام جتلا دیئے جائیں گے پھر فرماتے ہیں بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ (یعنی انسان کا اپنے اعمال سے آگاہ ہونا کچھ اس جتلانے پر موقوف نہ ہوگا بلکہ اس دن انسان اپنے نفس کے احوال و اعمال سے خوب واقف ہوگا کیونکہ اس وقت حقائق کا انکشاف ضروری ہو جائے گا۔ اگرچہ وہ (بمقتضائے طبیعت) کتنے ہی بہانے بنائے جیسے کفار کہیں گے واللہ ہم تو مشرک نہ تھے مگر دل میں خود بھی جانیں گے کہ ہم جھوٹے ہیں غرض انسان اس روز اپنے سب احوال کو خوب جانتا ہوگا اس لئے یہ جتلانا محض قطع جواب اور اتمام حجت اور دھمکی کے لئے ہوگا نہ کہ یاددہانی کے لئے یہاں تک تو قیامت ہی کے متعلق مضمون ہے اس کے بعد فرماتے ہیں لاتحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ و قرانہ فاذا قرانہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن نازل ہوتے ہوئے اس کے یاد کرنے کے خیال سے زبان نہ ہلایا کیجئے ہمارے ذمہ ہے آپ کے دل میں قرآن کا جما دینا اور زبان سے پڑھوا دینا۔ تو جب ہم قرآن نازل کریں اس وقت فرشتہ کی قراءت کا اتباع کیجئے پھر یہ بھی ہمارے ذمہ ہے کہ آپ قرآن کا مطلب بھی بیان کردیں گے۔ اس کے بعد پھر قیامت کا مضمون کلا بل تحبون العاجلۃ و تذرون الاخرۃ کہ تم لوگ دنیا کے طالب ہو اور آخرت کو چھوڑتے ہو پھر فرماتے ہیں وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ بعض کے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے الخ تو لاتحرک بہ لسانک سے اوپر بھی قیامت کا ذکر ہے اور بعد کو بھی اس کا ذکر ہے اور درمیان میں یہ مضمون ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے جلدی یاد کرنے کے لئے زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے لوگ اس مقام کے ربط میں تھک تھک گئے ہیں اور بہت سی توجیہات بیان کی ہیں مگر سب میں تکلف ہے اور کسی نے خوب کہا ہے

''کلامے کہ محتاج یعنی باشد لایعنی است''

تو جس کو حق تعالیٰ کے اس تعلق کا علم ہے جو حق تعالیٰ کو حضور ﷺ کے ساتھ ہے اس کو آفتاب کی طرح نظر آتا ہے کہ اس کلام کا درمیان میں کیا موقع ہے صاحبو! اس کا وہی موقع ہے جیسے وہ باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا کہ بری صحبت میں نہیں بیٹھا کرتے اور اس کے مفاسد بیان کر رہا تھا کہ درمیان میں بیٹے کو بڑا سا لقمہ اٹھاتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ کیا حرکت ہے لقمہ بڑا نہیں لیا کرتے تو ظاہر میں لقمہ کا ذکر ترتیب کلام سے بالکل بے ربط ہے لیکن جو باپ ہوا ہوگا وہ جانے گا کہ نصیحت کرتے کرتے درمیان میں لقمہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ لڑکے نے بڑا لقمہ لیا تھا۔ باپ نے فرط شفقت سے درمیان کلام میں اس پر بھی تنبیہ کردی اسی طرح یہاں بھی حق تعالیٰ قیامت کا ذکر فرما رہے تھے اور حضور ﷺ اس خیال

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے کہ کہیں یہ آیتیں ذہن سے نہ نکل جائیں جلدی جلدی ساتھ ساتھ پڑھ رہے تھے تو درمیان میں خدا تعالیٰ نے فرط شفقت سے اس کا بھی ذکر فرمادیا کہ آپ یاد کرنے کی فکر نہ کریں یہ کام ہم نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ آپ بے فکر ہو کر سنتے رہا کریں قرآن آپ کے دل میں خود بخود محفوظ ہو جائے گا تو اس مضمون کو درمیان میں ذکر فرمانے کی وجہ فرط شفقت ہے اور اس کا مقتضاء یہ تھا کہ اگر یہاں بالکل بھی ربط نہ ہوتا تو بھی یہ بے ربطی ہزار ربط سے افضل تھی مگر پھر بھی باوجود اس کے یہاں ایک مستقل ربط بھی ہے اور یہ خدا کے کلام کا اعجاز ہے کہ جہاں ربط کی ضرورت نہ ہو وہاں بھی کلام میں ربط موجود ہے۔

۲۔''اشرف البیان لما فی علوم الحدیث والقرآن'': مولانا کے چند مواعظ سے ان کے ایک معتقد و خادم نے ان اقتباسات کو یکجا کر دیا ہے جن میں آیات قرآنی اور احادیث کے متعلق لطیف نکات و تحقیقات ہیں افسوس ہے کہ اس کام کو اگر زیادہ پھیلاؤ کے ساتھ کیا جاتا تو کئی حصے اس کے مرتب ہو سکتے تھے۔

۳۔''دلائل القرآن علی مسائل النعمان'': مولانا کو حضرت امام اعظمؒ کی فقہ سے جو شدید شغف تھا' وہ ظاہر ہے۔ اس کا مدت سے خیال تھا کہ ''احکام القرآن'' ابوبکر جصاص رازی اور ''تفسیرات احمدیہ'' ملا جیون کی طرح خاص اپنی تحقیقات اور ذوق قرآنی سے ان آیات اور ان کے متعلق مباحث و دلائل کو یکجا کر دیں جن سے فقہ حنفی کے کسی مسئلہ کا استنباط و اخراج ہو لیکن یہ کام انجام نہ پا سکا۔ آخر میں یہ خدمت اپنے مسترشد خاص مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو سپرد فرمائی کہ وہ ان کی ہدایت کے مطابق اس کو تالیف فرمائیں' چنانچہ مفتی صاحب اس کام میں مصروف ہو گئے۔ ابھی حال میں جب وہ مدرسہ سے الگ ہوئے تو خانقاہ امدادیہ میں جا کر خاص اس کام کی تکمیل میں لگ گئے' مولانا روزانہ کی مجلس میں اس کے متعلق جو جو نکتے ان کو یاد آتے جاتے' بیان فرماتے اور جناب مفتی صاحب اس کو اپنے مقام پر آ کر قلمبند فرما لیتے یہ تصنیف اس طور سے جاری تھی کہ مولانا کا مرض الموت شروع ہوا اور کام ناتمام رہ گیا۔

مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی روایت میں نے سنی ہے جن کو خود بھی ماشاءاللہ قرآن پاک کے فہم کا ذوق ہے' وہ نقل کرتے تھے کہ مجلس میں مولانا ان آیات پر جب گفتگو فرماتے تھے اور فقیہانہ دقت نظر سے کسی حنفی مسئلہ کی صحت پر استدلال کرتے تھے تو اچنبھا ہوتا تھا کہ یہ مسئلہ اس میں موجود تھا لیکن اب تک اس پر اس حیثیت سے نظر نہیں پڑی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا کہ بادل چھٹ گیا اور آفتاب نکل آیا۔ اس کے ساتھ وہ مفتی صاحب موصوف کے حافظہ کی تعریف کرتے تھے کہ مولانا سے سن کر اپنے مستقر پر پہنچ کر اس کو بعینہٖ اسی طرح قلمبند کرتے تھے جس طرح مولانا نے تقریر فرمائی تھی۔

۴۔''تصویر المقطعات لتیسیر بعض العبارات'': تفسیر بیضاوی میں حروف مقطعات کا جو مجمل و مغلق بیان ہے اس رسالہ میں بزبان عربی اس کو آسان کر کے بیان کیا گیا ہے۔ جس سے حروف مقطعات کی تاویل کا ایک طریق معلوم ہوتا ہے۔

۵-۶ مولانا کے دو رسالے علم القرآن سے متعلق اور ہیں اور ان دونوں کا تعلق سلوک سے ہے ایک کا نام ''مسائل السلوک من کلام ملک الملوک'' اور دوسرا کا نام تائید الحقیقۃ بالآیات العتیقہ'' ہے ان دونوں رسالوں کا موضوع قرآن پاک کی ان آیتوں کی تفسیر ہے جن سے سلوک کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ اس دوسرے رسالہ کی بنا ایک سابق مولف کی تالیف ہے۔ جس کا قلمی رسالہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۲۲۷ھ میں بہاولپور میں ملا تھا اس پر مزید اضافہ کر کے یہ رسالہ مرتب ہوا ہے۔ (ماخوذ از حکیم الامت کے آثار علمیہ معارف اعظم گڑھ صفر ۱۳۶۳ھ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے کمال بیان
ربط آیات قرآن کی چند مثالیں

ازفقیہ عصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ العالی (ساہیوال ضلع سرگودھا)

ربط کی ایک مثال

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ ------ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (پ ۷) کا ربط اوپر کی آیت

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ ---- وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ پ ۷ سے بیان القرآن میں اس طرح تحریر فرمایا گیا ہے۔ اوپر مشرکین پر وقوع عذاب فرض کر کے اس بنا پر ان کے دعویٰ شرک کو باطل کیا گیا تھا۔ آگے اس فرض کا غیر مستبعد ہونا ثابت کرنے کے لئے بعض امم سابقہ کا معذب و ہلاک ہونا بیان فرماتے ہیں تا کہ مخاطبین کو اس فرض کے غلط کہنے کی گنجائش نہ ہو اور اس ہلاکت کا ذکر بھی ایک خاص طور سے فرمایا ہے جس سے کفار موجودین کے منشاء انکار کا جواب بھی ساتھ ساتھ ہو جاوے کیونکہ بڑا منشاء انکار کا یہ ہوتا ہے کہ بعض مصائب آ آ کر ٹل جاتے ہیں تو نادان کو دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ سزائے اعمال نہ تھی ورنہ ٹلتی نہیں اس لئے سنا دیا کہ ان ہالکین کی داروگیر کی ترتیب بھی یہی ہوتی تھی کہ اول نزول بلیات ہوا کہ تضرع کریں پھر استدراجاً نزول نعم فرمایا گیا جب خوب کفر بڑھ گیا پھر ہلاک کر دیئے گئے تو تم بعض بلیات کے ٹلنے سے دھوکہ مت کھانا (بیان القرآن جلد ۳ ص ۹۳)

بعض اور مثالیں

قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ کا ترجمہ ''کہہ دو کہ میں تمہارے اوپر نگہبان یا داروغہ نہیں ہوں'' کر دینے سے جیسا کہ اکثروں نے کیا نہ مطلب کھلتا ہے نہ ربط معلوم ہوتا ہے' بخلاف اس کے کہ حضرت علیہ الرحمۃ نے یہ فرمایا کہ ''آپ کہہ دیجئے کہ میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا ہوں'' اور تفسیری ترجمہ میں یوں فرمایا کہ ''کہہ دیجئے کہ میں تم پر عذاب واقع کرنے کے لئے تعینات نہیں کیا گیا ہوں کہ مجھ کو مفصل اطلاع ہو یا میرے اختیار میں ہو البتہ ہر چیز کے وقوع کا وقت اللہ کے علم میں ہے اور جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ عذاب آیا''

اسی طرح آگے وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ پ ۷ کا ترجمہ بالعموم یہ کر دیا جاتا ہے کہ جو لوگ پرہیزگاری کرتے ہیں ان پر ان کا کچھ حساب نہیں حضرت تھانوی نے ترجمہ فرمایا کہ ''جو لوگ احتیاط رکھتے ہیں ان پر ان کی بازپرس کا کوئی اثر نہ ہوگا'' اور تفسیری ترجمہ میں یوں فرمایا کہ ''جو لوگ منہیات شرعیہ سے جن میں بلاضرورت ایسی مجالس

(c) ketabton.com: The Digital Library

(خائضین فی آیات اللہ) میں جانا بھی ہے احتیاط رکھتے ہیں ان پر ان (طاعنین اور مکذبین) کی باز پرس (اور گناہ طعن) کا کوئی اثر نہ پہنچے گا (یعنی ضرورت) وہاں جانے والے گنہگار نہ ہوں گے (بیان القرآن)

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (پ ۷) اس آیت کا ترجمہ مع تفسیر اس طرح کیا گیا ہے اور ایسے لوگوں کو (کفر و معصیت پر عذاب الٰہی سے خاص طور پر ڈرایئے جو اعتقاداً یا احتمالاً) اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ (قیامت میں) اپنے رب کے پاس (قبروں) سے زندہ کرنے کے بعد ایسی حالت سے جمع کیے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ (کفار کے زعم میں مددگار اور مستقل شفیع سمجھے جاتے) ہیں (اس وقت) نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی مستقل شفیع ہوگا (اور ایسے لوگوں کو) اس امید پر (ڈرایئے) کہ وہ (عذاب سے) ڈر جائیں (اور کفر و معصیت سے باز آ جائیں کیونکہ نہ ڈرنا کسی ولی و شفیع کے بھروسے سے ہوتا ہے اور وہ معدوم ہے)'' (بیان القرآن)

ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر پڑھنے والا شخص یہ محسوس کرے گا کہ وہ ایک مسلسل اور مربوط کتاب پڑھ رہا ہے جس کا ہر جملہ دوسرے جملہ سے ملا ہوا ہے اور جڑا ہوا ہے۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ الایۃ اکثر لوگوں کو یہ گمان ہوگا کہ قرآن شریف کی اس آیت اور پہلی آیت میں ربط نہیں ہے کیونکہ اوپر کی آیت میں احکام روزے کے بیان ہیں اور یہاں ہے کہ حرام مال سے بچو اس میں جوڑ کیا ہے؟ لیکن اگر غور کیجیے تو آپس میں بڑا جوڑ ہے روزہ میں فرماتے ہیں وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ یعنی جب تک صبح صادق نہ ہو اس وقت تک کھاؤ پیو اور جب صبح صادق نکل آوے تو اس وقت کھانا پینا چھوڑ دو پھر سورج غروب ہو جائے اس وقت روزے کو ختم کر دو سو روزہ تو موقت ہے کہ اس میں جو چیزیں چھڑوائی گئی ہیں وہ ایک خاص وقت تک چھڑائی گئی ہیں کھانے پینے کی چیزیں خاص وقت تک حرام کر دی گئیں مگر حرام سے بچنے کا روزہ کبھی ختم نہیں ہوتا گویا ایک روزہ کے ساتھ دوسرے روزہ کا ذکر فرمایا خیال تو فرمایئے کتنا لطیف ربط ہے (احکام الجاہ)

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا پ ۵ یعنی حق تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز غلبہ نہ دیں گے اگر اسی آیت کے الفاظ پر نظر کو مقصود کر دیا جائے تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو خلاف مشاہدہ ہے ہم تو دیکھتے ہیں بعض دفعہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ ہو گیا ہے اس کا جواب بھی دیا گیا ہے اور اچھا جواب کہ غلبہ فی الحجت مراد ہے' مطلب یہ ہوا کہ حجت میں کافروں کو کبھی غلبہ نہ ہوگا مشاہد اور مشاہدے کے موافق ہے حجت میں ہمیشہ اسلام ہی کو غلبہ ہوا ہے اور ہوتا ہے گو یہ جواب فی نفسہ صحیح ہے مگر کیا اچھا ہو کہ اشکال ہی نہ پڑے جو جواب دینے کی ضرورت ہو تو سیاق میں نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ یہاں اوپر سے یہ فیصلہ قیامت کا ذکر ہے اور یہ جملہ اس فیصلہ کے متعلق ہے۔ پوری آیت یوں ہے فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (پ ۵) یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلے کریں گے۔ قیامت کے دن اور حق تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز غلبہ نہ دیں گے دیکھیے سیاق میں نظر کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ اشکال وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ یہاں غلبہ فی الدنیا کا ذکر ہی نہیں بلکہ فیصلہ قیامت میں غلبہ نہ ہونے کا ذکر ہے (التراحم)

ربط کی ایک عجیب مثال

سورہ قیامت میں حق تعالیٰ نے قیامت کا حال بیان فرمایا ہے کہ انسان اس وقت پریشان ہوگا اور بھاگنے کا موقع

(c) ketabton.com: The Digital Library

ڈھونڈے گا اس سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؕ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۙ وَّ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ترجمہ: اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا ہوا جتلا دیا جائے گا (اور انسان کا اپنے اعمال سے آگاہ ہونا کچھ اس جتلانے پر موقوف نہیں ہوگا بلکہ انسان خود اپنی حالت پر بوجہ انکشاف ضروری کے خود مطلع ہوگا گویا بمقتضائے طبیعت اس وقت بھی اپنے حیلے حوالے پیش لاوے۔

یہاں تک تو قیامت کے بارے میں مضمون تھا آگے ارشاد فرماتے ہیں لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ؕ ترجمہ: یعنی حضور کو ارشاد ہے کہ قرآن نازل ہوتے وقت اس کو یاد کرنے کے خیال سے زبان نہ ہلایا کیجئے۔ قرآن کو آپ کے دل میں جما دینا اور زبان سے پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم قرآن نازل کریں تو اس وقت فرشتے کی قراءت کا اتباع کیجئے پھر یہ بھی ہمارے ذمہ ہے کہ آپ کی زبان سے اس کو بیان کرا دیں گے۔

اس کے بعد قیامت ہی کا ذکر ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ۔ ترجمہ: بہت سے چہرے تو اس روز بارونق ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

تو اوپر بھی قیامت کا ذکر اور بعد کو بھی اس کا ذکر اور درمیان میں یہ مضمون کہ قرآن پڑھتے ہوئے جلدی یاد کرنے کے لئے زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے لوگ اس مقام کے ربط میں تھک گئے اور بہت سی توجیہات کی گئیں مگر سب میں تکلف ہے لیکن جس کو حق تعالیٰ کے اس تعلق کا علم ہے جو حق تعالیٰ کو حضور کے ساتھ ہے اس کو صاف نظر آتا ہے کہ اس کلام کا درمیان میں کیا موقع اور ربط ہے چنانچہ بیان القرآن میں اس کا جو ربط تحریر فرمایا ہے وہ یہ ہے یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؕ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۙ سے دو مضمون مستفاد ہوئے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے عالم اور محیط ہیں دوسرا یہ کہ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب حکمت مقتضی ہوتی ہے تو علوم غائبہ کثیرہ کو ذہن مخلوق میں حاضر کر دیتا ہے گو ان علوم غائبہ کا حاضر ہو جانا خلاف عادت طبعی ہو جیسا کہ قیامت میں اس کا وقوع ہوگا۔

اب آگے اس کا ربط ملاحظہ ہو

جب یہ بات ہے تو آپ وحی کے نزول کے وقت جیسا کہ اب تک آپ کی عادت ہے اس قدر مشقت کہ سنتے بھی ہیں پڑھتے بھی ہیں دھیان بھی رکھتے ہیں محض اس احتمال سے کیوں برداشت کرتے ہیں کہ شائد کچھ مضمون میرے ذہن سے نکل جائے کیونکہ جب ہم نے آپ کو نبی بنایا ہے اور آپ سے تبلیغ کا کام لینا ہے تو یہاں مقتضائے حکمت یہی ہوگا کہ وہ مضامین آپ کے ذہن میں رکھے جائیں اور ہمارا محصی ہونا تو ظاہر ہی ہے اس لئے آپ یہ مشقت برداشت نہ کیا کیجئے (بیان القرآن)

یہ چند مثالیں تو آیات کے درمیان ربط کی پیش کی گئی ہیں اب ذیل میں ایک ایسی مثال پیش کی جاتی ہے جس میں ایک ہی آیت کے اجزاء میں بڑا ہی عجیب اور نفیس ربط بیان فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ (پ ۱۴) ترجمہ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے ظلم کے سبب دارو گیر فرماتے تو سطح زمین پر کوئی حرکت کرنے والا نہ چھوڑتے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

بظاہر اس کلام میں ربط معلوم نہیں ہوتا کہ مواخذہ تو صرف لوگوں سے کیا جاتا اور ہلاک جانوروں کو بھی کر دیا جاتا حضرت تھانوی نے بیان القرآن میں اس آیت کی تقریر اس طرح فرمائی ہے۔

تقریر ملازمت شرط و جزا میں احقر کے نزدیک یہ ہے کہ ظالم تو اپنے ظلم کی وجہ سے ہلاک ہوتے اور غیر ظالم اس لئے کہ حکمت خداوندی باعتبار اکثر اوقات کے اس عالم مجموعے کے آباد کرنے کو متقضی ہے ورنہ نیکوں کی آبادی زمین پر بغیر ظالموں کے مثل آبادی ملائکہ کے آسمان پر ہوتی پھر آبادی زمین کو جدا کیوں جاتا اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے لولم یذنبوا الذهب الله بكم الخ یعنی لولم یکن فیکم مذنبون اس لئے نیک بھی نہ رہتے اور چونکہ حیوانات انسان ہی کے منافع کے لئے مخلوق ہوتے ہیں یہ نہ ہوتے تو وہ بھی نہ ہوتے۔ هذا من المواهب ولله الحمد اور اکثر اوقات کی قید اس لئے لگائی کہ بعض اوقات دنیا میں صرف غیر ظالم ہی رہیں گے جیسے زمانہ عیسیٰ علیہ السلام میں (بیان القرآن)

اس کی تفصیل حضرتؒ کے ایک وعظ میں نظر سے گزری وہ بھی افادہ عام کے لئے پیش ہے حضرتؒ فرماتے ہیں بظاہر یہ کلام بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے مقدم (لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ) اور تالی (ما ترک علی ظهرها من دابة) میں بظاہر علاقہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ ظاہر تو یہ ہے کہ یوں فرماتے کہ اگر آدمیوں سے مواخذہ فرماتے تو زمین پر کسی آدمی کو نہ چھوڑتے نہ کہ مواخذہ تو صرف آدمیوں سے فرماتے اور ہلاک جانوروں کو بھی کر دیتے بظاہر یہ بالکل بے جوڑ معلوم ہوتا ہے بات یہ ہے کہ عین عتاب میں بھی ان کا شرف بتلایا ہے کہ مقصود بالخلق انسان ہی ہے اور دوسری چیزیں اسی کے واسطے بنائی گئی ہیں تو اگر ان سے مواخذہ کرتے تو ان میں سے کسی کو نہ چھوڑتے اور جب ان کو نہ رکھتے تو جانور رہ کر کیا کرتے کیا رحمت ہے کہ عتاب میں بھی ہمارا شرف بیان کیا جا رہا ہے کہ انسان ہی اشرف المخلوقات ہے۔ (الصلوۃ)

ربط کی ایک اور انوکھی مثال اور منصب نبوت کا احترام

سورہ ص کے دوسرے رکوع میں حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ان کے عبادت خانے میں دیوار پھاند کر اہل مقدمہ کے آنے کا ذکر کیا گیا ہے اور قصے کے اخیر میں فرمایا گیا ہے وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ۔ فتنہ کی تفسیر میں قول مشہور کسی عورت سے نکاح کرنے کے واقعہ کو محققین نے باطل قرار دیا ہے اور بعض نے داؤد علیہ السلام کا لَقَدْ ظَلَمَكَ بلا تحقیق کہہ دینا اس کی تفسیر میں کہا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ان کی گستاخیوں پر غصہ آ گیا تھا اس سے استغفار کیا مگر غصہ آنا ثابت نہیں کر سکے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کے صبر و تحمل کا امتحان مقصود تھا کہ آیا زور سلطنت میں متواتر گستاخیوں پر دار و گیر کرتے ہیں یا غلبۂ نور نبوت سے عفو فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس میں صابر ثابت ہوئے لیکن انبیاء کی جلالت شان عدل کے جس درجہ عالیہ اور ذروہ قصوی کو متقضی ہے اس سے بظاہر ایک گونہ بعید اتنا خفیف سا یہ امر پیش آ گیا کہ بعد قیام برہان شرعی کہ وہ بینہ ہو یا اقرار بجائے اس کے صرف ظالم سے خطاب فرماتے کہ تو نے ظلم کیا اس مظلوم سے خطاب فرمایا کہ تجھ پر ظلم کیا جس سے ایک طرح کی طرفداری متوہم ہوتی ہے اور گو مظلوم ہونے کی حیثیت سے یہ طرفداری بھی عبادت ہے خصوص مقدمہ ختم ہو چکنے کے بعد لیکن فریق مقدمہ ہونے کی حیثیت سے اور عدم تبدل مجلس تخاصم اور مجلس واحد کے جامع

(c) ketabton.com: The Digital Library

الحفر قات ہونے کی حیثیت سے اس تو ہم طرفداری کا بھی نہ ہونا اعدل واکمل تھا سو داؤد علیہ السلام غائت تقوی سے اتنی بات کو بھی مخل کمال صبر ومنافی ثبات فی الامتحان سمجھے اور انہوں نے اس سے بھی اپنے رب کے سامنے توبہ کی۔ الخ

حضرت فرماتے ہیں کہ بندہ نے جو تفسیر کی ہے اس کا مبنی خود منصوص قرآنی ہے اور اِصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ کے ساتھ اس قصہ کا یاد دلانا قرینہ ہے کہ اس میں بھی صبر علی الاقوال تھا گو دونوں جگہ اقوال میں کفر اور سوء ادب کا اختلاف ہے البتہ یہ امر مظنون ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اس کو مبنی سمجھا ہو سو چونکہ اور تفسیر کا مبنی بھی قرآن میں نہیں اس لئے یہ تفسیر اوروں سے اقرب ہے (بیان القرآن)

مطلب یہ کہ اس کے مبنی کا قرآن میں منصوص ہونا تو متیقن ہے مگر یہ امر محض مظنون ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اس کو مبنی سمجھا اور وہ مبنی یہ قول ہے لَقَدْ ظَلَمَكَ (حاشیہ بیان القرآن)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان دراصل اس بات میں تھا کہ انہوں نے ایک دن عبادت کے لئے اس طرح خاص کر لیا تھا کہ اس دن وہ مخلوق سے بے تعلق ہو جاتے تھے ایک دن کو عبادت الٰہی کے لئے اس طرح خاص کر لینا کہ ان کا تعلق مخلوق خدا سے منقطع ہو جائے منصب نبوت اور منصب خلافت کے منافی تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر اور خلیفۃ اللہ کے لئے کسی طرح موزوں نہیں تھا چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اس روش کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح آزمائش میں مبتلا کیا (قصص القرآن)

اور بعض اکابر نے لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش ان کی عاجزی اور بندگی میں تھی کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی عبادت کے پروگرام کا بارگاہ حق میں اظہار کیا اور اس اظہار میں عجب وبڑائی کا شائبہ تھا اس پر گرفت کی گئی اور دو آدمی خلاف معمول اندر آ گئے اور حضرت داؤد علیہ السلام متنبہ ہوئے کہ خدا تعالیٰ کی توفیق کے بغیر آدمی کچھ نہیں کر سکتا۔

یہ دونوں توجیہیں بھی اگرچہ درست ہو سکتی ہیں مگر قرآن کریم کے کسی لفظ میں ان کی طرف اشارہ نہیں پایا جاتا اور اوپر کی آیات سے ان کا کوئی ربط ظاہر نہیں ہوتا اس کے برخلاف حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اختیار کردہ توجیہ کا ذکر خود لفظ قرآنی لَقَدْ ظَلَمَكَ میں بھی موجود ہے اور اس کا ربط اوپر کی آیت اِصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ سے بھی قائم ہو جاتا ہے اس لئے اس توجیہ کا سب توجیہات سے لطیف واولیٰ ہونا بعد امعان نظر کے ثابت ہوتا ہے۔ **فلله در حكيم الامت التهانوى ما ابهى درره وامعن نظره والله اعلم.**

منصب نبوت کے احترام اور عظمت پیغمبرانہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت نے آیات کا باہمی ربط اور حضرت داؤد علیہ السلام کی انابت واستغفار کرنے کے ساتھ غیر مستند روایات اور غلط توجیہات کی تردید بھی فرما دی۔ تفسیر بیان القرآن میں حضرت تھانوی نے اسرائیلی روایات سے حتی الامکان احتراز کیا ہے اور قرآن مجید کی تفسیر خود قرآن کی آیات اور مستند روایات سے ہی فرمائی ہے خاص طور پر منصب نبوت کے احترام اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات کی وضاحت میں اسرائیلی خرافات سے پرہیز کرنے میں یہ تفسیر خصوصی امتیاز رکھتی ہے بیان القرآن میں انبیاء علیہم السلام کے تمام واقعات کی تفسیر میں ایسے کسی واقعہ کو نقل نہیں فرمایا اور نہ کسی ایسی روایات کو تفسیر کی بنیاد بنایا جس سے اسلام کے مسلمہ عقائد پر زد پڑتی ہو یا حضرات انبیاء

(c) ketabton.com: The Digital Library

علیہم السلام کا احترام ومقام مجروح ہوتا ہو ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔

قرآن مجید میں اس واقعہ کے بعد دو واقعے حضرت سلیمان علیہ اسلام کے بیان فرمائے گئے ہیں ارشادربانی ہے

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا بہت اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع کرنے والے تھے جبکہ شام کے وقت ان کے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے میں اس مال کی محبت میں اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا۔ یہاں تک کہ آفتاب پردہ مغرب میں چھپ گیا ان گھوڑوں کو ذرا میرے سامنے لاؤ سو انہوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا اور ہم نے سلیمان کو ایک اور امتحان میں ڈالا اور ہم نے ان کے تخت پر ایک دھڑ لا ڈالا پھر انہوں نے رجوع کیا کیا اے میرے رب میرا قصور معاف کر اور مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو آپ بڑے دینے والے ہیں۔ (پ۲۳ سورہ ص)

بیان القرآن میں ان دونوں واقعات کی ایسی تفسیر بیان کی گئی ہے جس میں ایسی غیر مستند اسرائیلی روایات وخرافات سے مکمل طور پر پرہیز کیا گیا ہے جو انبیاء علیہم السلام کی شان عالی اور منصب نبوت کے قطعی طور پر لائق نہیں ہیں۔ حضرت تھانوی نے اپنی تفسیر کی بنیاد روایات صحیحہ پر رکھی۔ پہلے واقعہ کے متعلق حضرت تھانوی فرماتے ہیں۔

(وہ قصہ ان کو یاد کرنے کے قابل ہے) جبکہ شام کے وقت اس کے روبرو اصیل اور عمدہ گھوڑے (جو بغرض جہادوغیرہ رکھے تھے) پیش کیے گئے (اور ان کے ملاحظہ کرنے میں اس قدر دیر ہو گئی کہ دن چھپ گیا اور کچھ معمول از قسم نماز فوت ہو گئی۔ کذا فی الدر المنثور عن علی اور بوجہ ہیبت اور جلالت کے کسی خادم کی جرأت نہ ہوئی کہ مطلع ومتنبہ کرے۔ کذا فی الدر عن ابن عباس پھر جب خود متنبہ ہوا) تو کہنے لگے کہ افسوس میں اس مال کی محبت میں لگ کر اپنے رب کی یاد سے (یعنی نماز سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب پورا (مغرب میں چھپ گیا (پھر چشم وخدم کو حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو ذرا پھر تو میرے سامنے لاؤ (چنانچہ لائے گئے) سو انہوں نے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (تلوار سے) ہاتھ صاف کرنا شروع کیا (کذا فی الدر مرفوعا بسند حسن یعنی ان کو ذبح کر ڈالا اس کو اصطلاح تصوف میں غیرت کہتے ہیں کہ جو چیز سبب غفلت عن اللہ ہو جاوے اس کو اپنے پاس نہ رہنے دیں۔ پھر فائدہ میں اس کی وضاحت اس طرح فرمادی کہ: یہ نماز جو رہ گئی تھی اگر نفل تھی تو کوئی اشکال نہیں مگر انبیاء کی شان اعظم ہوتی ہے اس لئے انہوں نے اس کا بھی تدارک کیا اور اگر فرض تھی تو نسیان میں گناہ نہیں ہوتا اور یہ قطع کرنا سوق واعناق کا اتلاف مال نہ تھا بلکہ بطور قربانی کے تھا اور قطع سوق کو شاید خروج دم اور زہوق روح میں آسانی ہونے کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔ کذا فی الروح مگر ہماری شریعت میں قطع سوق مشروع نہیں للنهي عن النخع كذا في تخريج الزيلعي عن الطبراني و هذا مثله.

اس وضاحت سے بڑی خوبی کے ساتھ تمام اشکالات کا حل اور ذہنوں میں پیدا ہونے والے ہر سوال کا جواب ہو گیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ نسیان فرض میں گناہ نہیں اگر فرض کرلیا جائے کہ وہ فرض نماز تھی اور قطع سوق واعناق بظاہر اتلاف مال معلوم ہوتا ہے وہ بطور قربانی کے تھا جو کہ مالی اور جانی عبادت ہے اور اب ہماری شریعت میں قطع سوق مشروع نہیں ہے۔

اس تفسیر سے حضرت تھانوی کی فقہی بصیرت اور جامعیت اور ہر پہلو پر عمیق نظر کا ہونا ثابت ہو رہا ہے اور احترام نبوت کا لحاظ بھی بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔

دوسرے قصہ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ (حدیث شیخین میں ہے کہ ایک بار سلیمان علیہ السلام اپنے امراء لشکر کی کسی کوتاہی جہاد پر خفا ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں آج کی رات اپنی ستر بیبیوں سے ہمبستر ہوں گا اور ان سے سو مجاہد پیدا ہوں گے فرشتہ نے قلب میں القاء کیا کہ ان شاء اللہ کہہ لیجئے آپ کو کچھ خیال نہ رہا چنانچہ صرف ایک عورت حاملہ ہوئی اور اس سے بھی ایک ناقص الخلقت بچہ پیدا ہوا (جس کے ایک طرف کا دھڑ نہ تھا) اور (اسی کی نسبت کہا گیا ہے کہ) ہم نے ان کے تخت پر ایک (ادھورا) لاڈلا (یعنی قابلہ نے آپ کے سامنے تخت پر لا رکھا کہ یہ پیدا ہوا کذا فی الروح) پھر انہوں نے (خدا کی طرف) رجوع کیا (اور ترک ان شاء اللہ سے توبہ کی اور توبہ کرنا ایسے امر سے چونکہ دلیل ہے کمال ثبات فی الدین کی اس کو امتحان میں پورا اترنا کہیں گے ان توجیہات کی تائید کی مستند احادیث سے ہو رہی ہے اور منصب نبوت کا ان میں پورا پورا احترام ملحوظ ہے اور بعض بے سروپا اسرائیلی قصے جو بعض کتب تفسیر میں نقل ہو گئے ہیں اور ان میں عظمت پیغمبرانہ کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ایسے قصوں سے اپنی اس تفسیر کو مکمل طور پر محفوظ رکھا۔

ربط کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی محققانہ تحقیق

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ربط کے سلسلہ میں عربی رسالہ بھی لکھا اور اپنی تفسیر بیان القرآن میں بھی آیات اور سورتوں کے درمیان ارتباط کا لحاظ رکھا اور واقع میں بھی ترتیب نزول آیات اور ترتیب تلاوت کے مختلف ہونے سے ربط کی ضرورت ثابت ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ باہم آیات میں کوئی مناسبت اور تعلق ضرور ہے لیکن اگر آیات میں ربط نہ بھی ہو تب بھی قرآن کریم پر اعتراض کی گنجائش نہ تھی کہہ سکتے تھے کہ قرآن میں طرز تصنیف نہیں اختیار کیا گیا بلکہ نصیحت مع لحاظ شفقت اختیار کیا گیا ہے اور اس میں ضرورت مخاطب کے لحاظ سے گفتگو کی جاتی ہے جس کی بے ربطی ہزار ربط سے افضل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سمجھئے کہ نصیحت کرنے والا ایک تو استاذ ہوتا ہے اور ایک باپ ہوتا ہے۔ استاذ تو ضابطہ پری کر دیتا ہے مگر باپ ضابطہ پری نہیں کر سکتا نصیحت کرتے ہوئے اس کا خیال رکھتا ہے کہ بیٹے کو ایسے عنوان سے نصیحت کروں جو اس کے دل میں گھر کر لے۔ اسی لئے باپ کا کلام نصیحت کرتے وقت کبھی بے ربط و بے ترتیب بھی ہو جاتا ہے مثلاً باپ بیٹے کو کھانا کھاتے وقت نصیحت کرے کہ بری صحبت میں نہیں بیٹھا کرتے اسی درمیان اس نے دیکھا بیٹے نے ایک بڑا سا لقمہ کھانے کو لیا ہے تو وہ فوراً پہلی نصیحت کو قطع کر کے کہے گا کہ یہ کیا حرکت ہے لقمہ بڑا نہیں لیا کرتے اس کے بعد پہلی بات پر گفتگو شروع کر دے گا اب جس کو شفقت کی اطلاع نہ ہو وہ کہے گا کہ یہ کیسا بے ترتیب کلام ہے بری صحبت سے منع کرنے میں لقمہ کا کیا ذکر مگر جو شخص کبھی کسی کا باپ بنا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ ترتیب کلام مرتب و مرتبط کلام سے افضل ہے شفقت کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

مقتضا یہی ہے کہ بات کرتے ہوئے اگر دوسری بات کی ضرورت ہو تو ربط کا لحاظ نہ کرے دوسری بات کو بیچ میں کہہ کر پہلے بات کو پورا کرے یہی راز ہے اس کا کہ خدا تعالیٰ کا کلام ظاہر میں کہیں بے ربط بھی معلوم ہوتا ہے اس ظاہری بے ربطی کا منشا شفقت ہی ہے کہ حق تعالیٰ مصنفین کی طرح گفتگو نہیں کرتے کہ ایک مضمون پر کلام شروع ہو تو دوسرے باب کا کوئی مضمون اس میں نہ آسکے (وعظ سبیل النجاح ص ۳۳۵ وغیرہ)

اس نصیحت و شفقت کے پیش نظر اللہ تبارک و تعالیٰ ہر سورت میں بہت سے احکام بیان فرما کر اخیر میں ایسی بات بیان فرماتے ہیں جس میں ساری سورت کا مضمون اجمال کے ساتھ مذکور ہوتا ہے اور تھوڑے سے مختصر لفظوں میں بڑا مضمون ادا کر دیا جاتا ہے جس کو بلاغت میں ایجاز کہتے ہیں اس طرح تمام احکام پر عمل کرنے میں سہولت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں مختلف ابواب کے احکام بیان فرما کر کلام کو ختم نہیں کیا بلکہ اخیر کی آیت میں بطور میزان الکل کے ایک بات ایسی بتا دی جو سب کو جامع ہے اس طرح یہ آیت اخیرہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ تمام سورت کے احکام کو اجمالا جامع ہے جس میں بالا جمال جملہ احکام مذکور داخل ہیں اور دیکھنے میں دو تین باتیں ہیں جن پر عمل بہت آسان ہے۔

سورتوں کے درمیان ربط

آیتوں کے درمیان ربط کے علاوہ سورتوں کے درمیان ربط کا بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر اہتمام فرمایا ہے مثلاً سورہ فاتحہ سے سورہ بقرہ کا ربط اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

سورہ فاتحہ سے اس سورت کا یہ ربط ہے کہ اس میں راہ ہدایت کی درخواست کی گئی تھی اور اس میں اس درخواست کی منظوری ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے اس پر چلو (بیان القرآن)

اور سورہ بقرہ کے ختم پر سورہ آل عمران سے ربط اس طرح ذکر کیا ہے فرماتے ہیں

میرے نزدیک یہ تمام سورت جملہ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ سے مرتبط ہے کیونکہ اس سورت کے زیادہ اجزاء میں کفار کیساتھ مجاہدہ باللسان و بالسنان مذکور ہے جیسا تتبع سے معلوم ہوتا ہے (بیان القرآن جلد۱)

اگر آیتوں اور سورتوں کے روابط کو تفسیر بیان القرآن سے علیحدہ جمع کر کے شائع کر دیا جائے تو طلباء علوم دینیہ کے لئے نہایت درجے مفید ہو سکتا ہے پھر کسی اور جگہ سے ربط کے تلاش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ سکتی۔

حضرت حکیم الامت کی بعض خاص تفسیری تحقیقات

اردو عربی محاورے کا فرق

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض الفاظ لغت عربی میں کسی معنی خاص میں صریح نہیں ہیں مگر اردو محاورہ میں وہ اس معنی میں صریح ہو گئے ہیں اب ان الفاظ کو قرآن میں دیکھ کر بعض جاہلوں کو قرآن پر اشکال ہوتا ہے کہ اس میں تو غیر

(c) ketabton.com: The Digital Library

مہذب الفاظ ہیں مثلاً ذکر عربی میں (نر) کو کہتے ہیں جو انثی (مادہ) کا مقابل ہے وذکر وانثی عربی میں نر و مادہ کو کہتے ہیں اور کبھی کنایہ عضو مخصوص کو بھی کہتے ہیں یہ تو عربی کا استعمال ہے مگر اردو میں ذکر کا استعمال عضو ہی کے لئے ہونے لگا۔

اب اگر کوئی قرآن میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ دیکھ کر اعتراض کرنے لگے کہ اس میں غیر مہذب الفاظ ہیں یہ اس کی حماقت ہوگی کیونکہ جو لفظ تمہارے محاورے میں غیر مہذب ہے وہ عربی میں اس معنی کے لئے موضوع ہی نہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ اور أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا بعض جہلا اس کو غیر مہذب سمجھتے ہیں یہ بھی حماقت ہے کیونکہ عربی میں لفظ فرج شرمگاہ عورت کے لئے موضوع نہیں بلکہ اس کے اصل معنی شگاف کے ہیں کنایۃً کبھی شرمگاہ کے لئے بھی بول دیا جاتا ہے۔ چنانچہ احصنت فرجھا کا ترجمہ ہے کہ مریم علیہا السلام اپنے گریبان کو دست اندازی غیر سے بچانے والی تھیں۔ اس کا مرادف یہ ہے کہ پاکدامن تھیں کتنا نفیس عنوان ہے جس میں بتلایئے کون سا لفظ غیر مہذب ہے اور فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے گریبان میں دم کردیا جس سے وہ حاملہ ہو گئیں بتلایئے اس میں کیا اشکال ہے (المورد الفرخی)

چنانچہ بیان القرآن میں اس لفظ کا اس طرح ترجمہ کیا گیا ہے جنہوں نے اپنے ناموس کو (حرام اور حلال دونوں سے) محفوظ رکھا (بیان القرآن)

مگر محض ترجمہ سے یہ باتیں تھوڑا ہی معلوم ہوسکتی ہیں ترجمہ دیکھنے والے ایک لفظ کا ترجمہ اپنے محاورہ کے موافق کر کے قرآن کریم پر اشکال کرنے لگتے ہیں۔ قرآن کریم عربی کلام ہے اور اس کی بلاغت و فصاحت اور اس کے معانی و مطالب کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عربیت کا پورا ماہر ہو اور عربی زبان پر پوری قدرت رکھتا ہو۔ قرآن کریم کو اسی زبان میں سمجھتا ہو جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہو۔ (المورد الفرخی)

اردو زبان کی تنگ دامانی

اردو میں جب عربی زبان کا ترجمہ کیا جاتا ہے تو چونکہ اردو عربی زبانیں مختلف ہیں دونوں کے محاورات الگ ہیں اس لئے اگر کسی کا عربی میں علم کافی نہیں ہے اس کے ترجمے میں بعض دفعہ ایہام رہ جائے گا جس سے شبہات پیدا ہوں گے اور بعض جگہ ترجمہ غلط ہو جائے گا۔

مثلاً سورہ والضحٰی میں ضالا کا ترجمہ بعض نے گمراہ کردیا۔ جو باوجود فی نفسہ صحیح ہونے کے ایک عارض کے سبب غلط ہوگیا وہ عارض یہ ہے کہ ضال لفظ عربی ہے اس کا عربی میں مختلف استعمال ہوتا ہے۔ یعنی اس میں بھی جس کو وضوع دلیل نہ ہوا ہو اور اس میں بھی جو بعد وضوع دلیل کے مخالفت کرے گمراہ ہمارے محاورہ میں صرف اس کو کہتے ہیں جو وضوع دلیل کے بعد حق کا اتباع نہ کرے اور لغت عربیہ کے اعتبار سے لفظ ضال دو معنی کو جیسا کہ مذکور ہوا عام ہے ایک معنی ضال کے وہ ہیں جو ہمارے محاورے میں گمراہ کے آتے ہیں اور دوسرے معنی بے خبر کے ہیں اور بے خبر اس کو کہتے ہیں جس پر دلائل ظاہر ہی نہیں ہوئے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہور حق کے بعد اس کا اتباع نہ کرنا محال ہے لہٰذا اس جگہ گمراہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ کرنا غلط ہے بلکہ بے خبری سے ترجمہ کرنا مناسب ہے۔

اور گو بے علمی بھی بے خبری کا مرادف ہے مگر اس سے بھی ترجمہ مناسب نہیں کیونکہ ہمارے محاورہ میں بے علم جاہل کو کہتے ہیں جو علوم صحیحہ سے بالکل عاری ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے گو علوم نبوت سے بے خبر ہوں مگر علوم عقلیہ میں کامل تھے۔ پس بے علمی سے بھی ترجمہ مناسب نہیں بلکہ بے خبری ہی سے ترجمہ کرنا مناسب ہے اور کسی بات سے بے خبری کچھ عیب نہیں کیونکہ ذاتی اور علم محیط سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہر شخص علم میں تعلیم الٰہی کا محتاج ہے بالخصوص علوم سمعیہ نقلیہ میں جن کے ادراک کے لئے عقل محض ناکافی ہے اور ہر شخص کو جو علم حاصل ہوتا ہے معلوم کرنے سے پہلے وہ غیر معلوم ہی ہوتا ہے پس علم بعد عدم علم کوئی عیب نہیں۔ مناسب ترجمہ ضالا کا اس جگہ ناواقف ہے اس لفظ کا یہ صحیح ترجمہ موجود تھا مگر مترجمین کی نظر اس پر نہیں پہنچی اور وہ ضالا کا ترجمہ گمراہ کر گئے حاصل یہ کہ الفاظ عربیہ کا ترجمہ ہر جگہ کافی نہیں ہوتا اور مقصود کے سمجھنے میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اس لئے ترجمہ کے لئے خود عربی کا بھی پوری طرح جاننا اور اس زمانے کے محاورات سے بھی جس میں ترجمہ کیا جارہا ہے پورا واقف ہونا ضروری ہے (زکوۃ النفس)

آج کل اردو میں محاورہ بدل گیا گمراہ کا استعمال ہی معنی میں ہوتا ہے دوسرے موقع میں ناواقف اور بے خبر کہا جاتا ہے۔

اسی طرح لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ترجمہ دیکھنے والوں کو خیال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو ایسے لخت لفظ سے خطاب فرمایا گیا یہ شبہ اصل میں خلط محاورہ سے ہوا ہے ہمارے محاورہ میں جاہل بہت سخت لفظ ہے اور اس کا اگر ترجمہ کیا جائے تو آسان لفظ ہو جاتا ہے جاہل کا ترجمہ نادان ہے یہ کتنا پیارا لفظ ہے اس سے توہین لازم نہیں آتی بلکہ شفقت کے موقع پر یہی بولا کرتے ہیں ظاہر میں تو جاہل کا لفظ کتنا سخت ہے مگر ترجمہ کے بعد اس کی حقیقت بالکل آسان ہے یہ اشکالات خلط محاورہ سے ہوتے ہیں (آداب التبلیغ)

محاورہ کے درپے ہونا

لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن کریم کے ترجمے میں یہ ضروری ہے کہ قرآن کا مدلول باقی رہے۔ آج کل کے ترجموں میں ان کو بامحاورہ کرنے کے درپے ہو کر اس کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا حالانکہ قرآن مجید کے ترجمہ میں محاورہ کی اتباع کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی مدلول کے باقی رکھنے کی ضرورت ہے۔

زمانہ حال کے بعض ترجمہ کرنے والوں نے محاورات کے اتباع کی پابندی میں اصل مدلول قرآن کا لحاظ نہیں رکھا اور بعض ایسے محاورات استعمال کئے جو فصاحت کے مقام سے گرے ہوئے ہیں حالانہ ترجمہ قرآن کریم میں زبان فصیح ہونی چاہئے اور محاورہ بھی شاہانہ انداز کا استعمال کرنا چاہیے جس سے کلام کی عظمت و ہیبت قلوب میں باقی رہے اور عامیانہ بازاری محاوروں سے کلام کی وقعت متاثر ہو سکتی ہے مگر عامیانہ طبائع ایسے ہی محاورات پر فریفتہ اور لٹو ہیں۔

مثلاً ایک ایسے ہی مترجم صاحب نے جن کی محاورات دانی پر لوگ فریفتہ ہیں یعمھون کا ترجمہ ٹامک ٹوئیاں مارنا لکھا ہے اور ذھبنا نستبق میں استباق کا ترجمہ کبڈی کھیلنا کیا ہے۔ یہ ترجمہ لغت کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے لغت

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں استباق کے معنی آپس میں اس طرح دوڑنے کے ہیں کہ جس میں ایک دوسرے سے آگے نکلنا مقصود ہو اور عقلاً بھی ترجمہ غلط ہے اس لئے کہ کبڈی کھیلنے میں اتنی دور نہیں جایا کرتے جس سے محافظ بچے کی نسبت بھیڑیئے کے کھا جانے کا احتمال ہوا گر ایسا ہوتا تو حضرت یعقوب علیہ السلام اس پر ضرور جرح فرماتے۔ اسی طرح وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ کی تفسیر میں اس مفسر نے لکھ دیا کہ جو شخص روزہ نہ رکھے وہ فدیہ دے یہ تفسیر اس آیت کی بالکل غلط ہے (وعظ الصوم) حالانکہ روزہ کے بدلے میں فدیہ کا یہ حکم شروع اسلام میں مشروع تھا پھر فمن شهد منكم الشهر فليصمه سے منسوخ ہو گیا البتہ جو شخص بہت بوڑھا ہو یا ایسا بیمار ہو کہ اب صحت کی توقع نہیں ایسے لوگوں کے لئے یہ حکم اب بھی باقی ہے مگر روزہ کی طاقت رکھنے والوں کے لئے یہ حکم منسوخ ہے جیسا کہ بیان القرآن مع حاشیہ میں مذکور ہے۔

قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے عربی لغت اور صرف نحو کے علاوہ دوسرے قواعد (عقلیہ) منطقیہ جاننے کی ضرورت بھی ہے کیونکہ آج کل عقول سلیمہ بہت کم ہیں اگر عقل سلیم ہو تو نتیجہ نکالنے کا سلیقہ اور اس کی غلطیاں خود معلوم ہو جاتی ہیں مگر جب عقل سلیم نہ ہو تو قواعد منطقیہ کی ضرورت ہے اس سے صحت استدلال اور نتیجے کا صحیح وغلط ہونا معلوم ہو جاتا ہے بدوں اس کے قرآن میں بعض جگہ غلطی ہو جانے کا اندیشہ ہے مثال کے طور پر ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ یہاں اشکال ہوتا ہے کہ ان دونوں مقدموں سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ. اور اس کا بطلان ظاہر ہے اس اشکال کا حل علم معقول جاننے والا جلد دے سکتا ہے کہ یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کیونکہ صحت نتیجہ تکرار حد اوسط پر موقوف ہے اور یہاں حد اوسط مکرر نہیں کیوں مطلب یہ ہے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ سماع قبول وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ سماع عدم قبول لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ اور اس پر کوئی اشکال نہیں اس لئے بقدر ضرورت علم معقول کی بھی ضرورت ہے (المورد الفرخی)

بیان القرآن کے عربی حاشیہ میں حضرت نے اس اشکال اور جواب کی تقریر ان لفظوں میں کی ہے۔

اندفع بهذا مايوهم من الشرطيتين من الاستلزام علم الله منهم خير التوليهم بناء على ان لازم الازم لازم وجه الاندفاع ظاهر فان الاسماع الازم غير اللسماع الازم و قدرايت التصريح بهذا المعنى في الدر المنثور عن ابن زيد نصر هكذا ولو اسمعهم بعد ان يعلم ان لا خير فيهم مانفعهم بعد ان علم بانهم لا ينتفعون به.

اسی طرح آیت انما يخشى الله من عباده العلماء میں علماء کو یہ شبہ ہوا کہ ہم عالم ہیں تو ہم میں خشیت بھی ہے اور جب خشیت بھی ہے تو اس فضیلت میں داخل ہوئے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ محض علم سے خشیت ہونا ضرور نہیں اس کے لئے تدبیر مستقل کی حاجت ہے اور عوام کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ علم سے خشیت ہوتی ہے حالانکہ ہم نے تو بہت سے عالم دیکھے ہیں کہ ان کو خوف خدا کچھ بھی نہیں۔ عوام کے اعتراض کا اکثر یوں جواب دیا جاتا ہے کہ جس عالم کو خوف خداوندی نہ ہو اس کا علم معتد بہ نہیں ہے پس جہاں علم معتد بہ ہوگا وہاں خشیت ضروری ہے حضرت

(c) ketabton.com: The Digital Library

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جواب فی نفسہ توصحیح ہے مگر اس مقام پر نہیں چلتا۔ (حضرتؒ کی تقریر سمجھنے کے لئے علوم الٰہی اور اصطلاحات منطقیہ کی ضرورت ہوگی۔) چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس پر مفہوم آیت کا یہ ہوگا کہ خشیت علم پر ضرور مرتب ہو گی اور علم سے مراد علم مع الخشیت ہوگا۔ پس خشیت مرتب ہوگی خشیت پر پس تقدم الشی علی نفسہ لازم آئے گا اور یہ دور صریح ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ خوف کا پیدا کرنا ضروری ہے اور اس کا موقوف علیہ ہے علم اس کو حاصل کرو لیکن علم حصول خشیت کی علت تامہ نہیں ہے بلکہ اس علت کا ایک جزو ہے دوسرا جزو تقوی ہے۔ غرض دو چیزوں کی ضرورت ہوئی ایک تو علم دین کی کیونکہ یہ نہ ہو تو خشیت ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اذا فات الشرط فات المشروط اور دوسری چیز خلوت ہے۔

(فضائل العلم والخشیت)

اب ظاہر ہے کہ ان دونوں آیتوں کا مطلب اور مقصد بغیر قواعد منطقیہ کے کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟

دوسری مثال

قرآن کریم کی آیت وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ اس زمین کے وارث و مالک میرے نیک بندے ہوں گے۔ کے بارہ میں حضرت تھانویؒ سے ایک عالم نے سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ زمین کے مالک کفار ہو گئے؟ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ مولانا آپ تو عالم ہیں مگر ذرا یہ تو دیکھئے کہ یہ قضیہ دائمہ ہے یا مطلقہ چونکہ وہ عالم تھے اتنی ہی بات سے سمجھ گئے (حاصل جواب کا یہ ہوا کہ آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ زمین کے مالک ہمیشہ نیک ہی بندے ہوں گے بلکہ اس میں اطلاق کے ساتھ یہ وعدہ ہے کہ میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے اور اطلاق کے صدق کے لئے ایک بار وقوع کافی ہے چنانچہ صحابہؓ کے زمانے میں اس کا وقوع ہو چکا۔ یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ آیت میں ان الارض سے مراد بھی دنیا کی زمین ہے ورنہ ظاہراً آیت کے سیاق وسباق سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ارض جنت ہے اور جنت کی زمین کے مالک نیک بندے ہوں گے اس پر کچھ بھی اشکال نہیں۔

بیان القرآن میں حضرت نے اس زمین سے جنت کی زمین ہی مراد لی ہے فرماتے ہیں کہ اس زمین (جنت) کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے اور اسی صفحہ کے حاشیہ عربیہ میں فرماتے ہیں کہ جنت کے لفظ سے اشارہ اس طرف ہے کہ الارض محمول ہے ارض جنت پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ میں الْأَرْضَ سے مراد جنت کی زمین ہے۔

تیسری مثال

اور مسئلہ روایت باری تعالیٰ کی دقیق تحقیق

ایک صاحب نے سوال کیا فلما تجلی ربہ الی. خر موسی سے معلوم ہوتا ہے کہ خرور بعد تجلی کے ہوا پس

(c) ketabton.com: The Digital Library

رویت ثابت ہوگئی پھر لن ترانی کے کیا معنی؟ جواب یہ دیا کہ تقدم زمانی نہیں تقدم ذاتی ہے پس تجلی اور خرور میں کوئی زمانہ نہیں ہوا جس میں رویت ہو (ملفوظ ۱۹۳ از مقالات حکمت)

ایک اور سوال و جواب جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی رویت کی توضیح کیلئے مفید معلوم ہوتا ہے سوال کیا گیا کہ وادی ایمن میں موسیٰ علیہ السلام کو جو نور نظر آیا وہ اگر نور مخلوق نہ تھا تو رویت میسر ہوگئی پھر رب ارنی انظر الیک کی درخواست کی کیا وجہ؟ اور اگر نور مخلوق تھا تو موسیٰ علیہ السلام میں اور ہم میں کہ دوسرے انوار مخلوقہ کو مثل نور شمس و قمر دیکھتے ہیں کیا فرق ہوا؟ جواب دیا۔

کہ وہ نور غیر مخلوق نہ تھا مگر چونکہ مخلوق بالواسطہ تھا اس لئے اس کو بنسبت دوسرے انوار کے حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ تلبس و تعلق تھا کہ اس تلبس زائد سے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا یعنی ایک معنی کو نور حق کہنا بھی صحیح ہے جیسے کلام لفظی کہ ماتریدیہ کے نزدیک مخلوق ہے مگر اس خاص تلبس کی وجہ سے اس کو کلام اللہ کہنا صحیح ہے۔ بخلاف کلام زید وعمرو کہ اس کو کلام اللہ کہنا جائز نہیں پس سب اشکالات رفع ہو گئے۔ (ملفوظ)

واقعی وادی ایمن میں نور حق نظر آنے کے بعد رویت کی وجہ اور دونوں رویتوں میں اور پھر اس رویت نور وادی ایمن اور دوسرے انوار میں فرق کو بڑی عجیب مثال کلام لفظی سے واضح فرما کر ہر طرح کے اشکالات کو رفع کر دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ علم کلام سے پوری مناسبت اور اس میں مہارت تامہ کے بغیر ایسے دقیق علوم کا سمجھنا سمجھانا ممکن نہیں۔ اسی طرح کی دقیق تحقیق مسئلہ رویت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان القرآن میں کی گئی ہے جو قابل ملاحظہ ہے جس سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وقت نظر اور علوم عقلیہ منطقیہ میں بھی کامل مہارت کا اندازہ ہوسکتا ہے فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے کلام فرمایا مگر یہ کہ اس کی حقیقت کیا تھی اللہ ہی کو معلوم ہے جن احتمالات عقلیہ کی شریعت نفی نہ کرے ان سب کے قائل ہونے کی گنجائش ہے لیکن بلا دلیل عدم تعین اسلم ہے تفصیل اس کی کتب کلامیہ میں ہے البتہ قرآن مجید کے ظاہر الفاظ سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کلام کو بنسبت اس کلام کے جو عطائے نبوت کے وقت ہوا تھا کچھ زیادہ اختصاص تکلم سے ہے چنانچہ یہاں مطلق کلمہ ربہ ہے۔ وہاں نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیِٔ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَکَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ آیا ہے اور غالباً زیادہ اختصاص کے سبب یہ کلام مورث اشتیاق رویت ہوا وہ نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

اس تقریر سے دونوں کلاموں میں فرق واضح ہو کر سوال رویت کی وجہ بھی معلوم ہوگئی کہ زیادت اختصاص تکلم ہے اور آگے فرماتے ہیں۔

پہاڑ پر تجلی ہونے کے معنی واللہ اعلم یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا نور خاص بارادہ خداوندی خلائق سے محجوب ہونے کے جو وسائط ہیں وہ حجب اور موانع ہیں تعیین ان کی اللہ کو معلوم پس غالباً ان حجب میں بعض حجب مرتفع کر دیئے ہوں اور چونکہ وہ حجب مرتفعہ قلیل تھے اس لئے ترمذی کی حدیث مرفوع میں تمثیلاً اس کی حالت کو انملہ خنصر سے تشبیہ دی ہے ورنہ صفات الٰہیہ تجزی و مقدار سے منزہ ہیں اور چونکہ افعال حق تعالیٰ کے اختیاری ہیں اس لئے ممکن کہ وہ حجب کے اعتبار سے مرفوع ہوئے ہوں اور موسیٰ علیہ السلام اور دیگر خلق کے اعتبار سے مرتفع نہ ہوئے ہوں یہ معنی ہو جاویں گے لــلـجبـل

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے صفات حق اور افعال حق کے درمیان فرق واضح فرما کر صفات الٰہیہ میں تجزی کے تحت اشکال کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت ہی مختصر اور جامع لفظوں میں حل فرما دیا ہے کہ عقل حیران ہے۔ اب تجلی للجبل کے معنی بھی واضح ہو گئے ہیں اور صفات الٰہیہ کی تجزی کا اشکال بھی رفع ہو گیا آگے فرماتے ہیں۔

اور چونکہ ارتفاع حجب کا خاصہ احراق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے **لاحرقت سبحات النور ما انتھی الیہ بصرہ۔** اس لئے پہاڑ کی یہ حالت ہوا اور یہ ضروری نہیں کہ سارے پہاڑ کی یہ حالت ہو جائے گی کیونکہ تجلی فرمانا با اختیار خود کسی خاص قطعہ پر ممکن ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی بے ہوشی ان پر تجلی فرمانے سے نہ تھی چونکہ ظاہر الجبل کے خلاف ہے بلکہ پہاڑ کی یہ حالت دیکھ کر نیز محل تجلی کیساتھ ایک گونا تعلق وتلبس ہونے سے یہ بے ہوشی ہوئی۔

سبحان اللہ کیا عجیب علمی تحقیق ہے ورنہ تو بظاہر نظر اس تجلی کا حضرت موسیٰ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ بصیرت نے اس کو للجبل کی قید سے خارج سمجھا اور یہ اشکال بھی اس سے مرتفع ہو گیا کہ جس طرح جبل پر تجلی ہوئی ایسے ہی ایک گونا حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تجلی کے مورد ہوئے اور کسی نہ کسی درجے میں گو ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کیوں نہ ہو رویت ہو گئی اور یہ لن ترانی کے خلاف ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کی اس تقریر بلیغ سے سمجھ میں آ گیا کہ تجلی صرف پہاڑ پر تھی اور یہ تجلی فرمانا چونکہ فعل حق تھا اور افعال حق اختیاری ہیں اسی لئے پہاڑ کے علاوہ دوسری کسی مخلوق سے یہ حجابات مرتفع نہیں کیے گئے۔

آگے استقرار جبل کی تقریر رویت کے وقوع اور عدم استقرار کی تقریر پر رویت کے عدم وقوع میں باہم علاقہ کی تحقیق فرماتے ہیں۔ ''ظاہراً فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي سے استقرار کی تقریر پر رویت کا وقوع اور عدم استقرار کی تقدیر پر رویت کا عدم وقوع مفہوم ہوتا ہے اس میں قابل تحقیق یہ امر ہے کہ ان میں باہم علاقہ کیا ہے سو عدم استقرار اور عدم وقوع رویت میں تو علاقہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاسہ بصریہ موسویہ ترکیب عنصر میں جبل سے اضعف والطف ہے جب اقوی واشد متحمل نہ ہوا تو اضعف کیسے متحمل ہوگا اور اس تقریر پر گو استقرار مستلزم تحمل بصر موسوی عقلاً نہ ہوگا لیکن اس کو وعدے پر محمول کرنے سے اشکال رفع ہو جائے گا یعنی باوجود دونوں کی عدم تساوی ہم تبرعاً وعدہ کرتے ہیں کہ اگر یہ متحمل ہو گیا تو تمہارے حاسہ بصریہ کو بھی متحمل کر دیا جائے گا''۔

واقعۃً یہ اشکال بڑا وزنی معلوم ہوتا ہے کہ استقرار جبل سے رویت کا تحمل کیسے لازم ہوگا اور ان دونوں میں عقلاً کیا ملازمہ ہے کہ استقرار جبل سے رویت کا تحمل بھی ثابت ہو سکے جب یہ ملازمہ ثابت نہ ہوگا تو اشکال رویت پر رہے گا لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے استقرار جبل اور رویت موسوی میں بنا بر وعدہ عطائے تحمل کے مساوات اور ملازمہ ثابت کر کے اس اشکال کی اساس کو ہی منہدم کر دیا۔

نیز فرماتے ہیں ''وقوع تجلی سے وقوع رویت کا شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ دونوں مترادف یا متلازم نہیں بلکہ تجلی کا معنی کسی شے کا ظہور ہے گو دوسرے کو اس کا ادراک نہ ہو پس تجلی کا انفکاک رویت سے ممکن ہے جیسے آفتاب کو متجلی وطالع کہہ سکتے ہیں لیکن خفاش کو رائی اور مدرک کہنا لازم نہیں آتا چونکہ ممکن ہے کہ مبادی تجلی کے سبب چشم خفاش معطل ہو جاتی ہو تجلی کے قبل بہ قبلیت زمانیہ یا تجلی کے ساتھ بمعیت زمانیہ وقبلیت ذاتیہ'' (بیان القرآن) وقوع تجلی سے وقوع رویت کے شبہ کو کس طرح

(c) ketabton.com: The Digital Library

واضح مثال کے ساتھ دور فرمایا گیا ہے کہ باید و شاید واقعی سخت سے سخت تر شبہ کا حل کر کے پھر اس کو ذہن نشین کر دینا حضرت ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔

اس بحث کے متعلق آیت لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (پ ۸) کے تحت حضرت فرماتے ہیں "حاصل مقام کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی مبصر و مرئی خواہ کیسا ہی اکبر اعظم ہوا ایسا نہیں کہ اس کا احاطہ کسی رائی کی بصر سے خواہ وہ کیسا ہی اصغر و احقر ہو محال ہو چنانچہ اس کا امکان باقتضائے عقل ظاہر ہے بخلاف حق تعالیٰ کے باوجود کہ دنیا میں عقلاً مبصر ہونا فی حد ذاتہ ممکن ہے جیسا کہ رب ارنی کی درخواست سے ظاہر ہے گو شرعاً ممتنع ہے جیسی کہ لن ترانی سے یقینی ہے نیز احادیث میں علی الاطلاق اس کی تصریح ہے اور آخرت میں مبصر ہونا واقع ہے لیکن احاطہ ہر حالت میں محال ہے اور یہ امر خواص باری تعالیٰ سے ہے پس یہ شبہ دفع ہو گیا کہ بعض اجسام عظیمہ پر بھی یہ امر صادق آتا ہے کہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وجہ دفع ظاہر ہے کہ وہاں ادراک بمعنی الاحاطہ محال تو نہیں پس نفی ادراک مذکور فی الایت مرتبہ استحالہ میں خواص واجب سے ہوا اور احاطہ عقلیہ کا محال ہونا مستقلاً بھی کتب کلامیہ میں مذکور ہے اور لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ بھی بالاولی اس پر دال ہے۔ اس کی تقریر اثنائے ترجمہ میں کر دی گئی اور يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ میں تخصیص ابصار کی باقتضائے خصوصیت مقام ہے کہ مقام بیان ابصار کا ہے خصوصیت حکم کی مقصود نہیں کیونکہ عموم دوسرے دلائل سے ثابت ہے اور اس کا مضمون خواص واجب سے اس طور پر ہے کہ ممکنات میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ دوسری چیز کا اس کو محیط ہونا محال ہو اور اس کا احاطہ اس دوسری چیز کو واجب ہو پس لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ میں نفی مرتبہ استحالہ میں معتبر ہوگی اور يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ میں اثبات مرتبہ وجوب میں معتبر ہوگا۔ اب دونوں حکموں کا خواص باری میں سے ہونا ظاہر و متیقن ہو گیا"۔ (بیان القرآن)

اس آیت مبارکہ کی تفہیم میں مسائل کلامیہ اور قواعد میزانیہ کے علم کی سخت ضرورت ہے ورنہ اس کی صحیح تفسیر و تفہیم ممکن نہیں لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کے ظاہر سے یہ عقلی شبہ ہوتا ہے کہ بعض اجسام عظیمہ کا بھی ادراک ابصار سے نہیں ہوتا تو پھر اس میں باری تعالیٰ کی کیا خصوصیت ہوئی؟ مگر حضرت کی تقریر بالا سے یہ شبہ دور ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصیت واضح ہو گئی کہ ایک تو کسی ممکن چیز کا منفی ہونا اور اس کے وقوع کی نفی کرنا ہے اور ایک اس کا محال ہونا ہے اس آیت میں ابصار سے احاطہ کے وقوع کی صرف نفی مقصود نہیں بلکہ ادراک کا محال ہونا ثابت کرنا مقصود ہے اور یہ باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس کا ادراک ابصار سے محال ہے بعض اجسام عظیمہ کا احاطہ اور ادراک ابصار سے اگرچہ منفی اور غیر واقع ہو مگر غیر ممکن اور محال نہیں ہے حاصل یہ کہ ادراک کی نفی مرتبہ استحالہ میں معتبر ہے جیسا کہ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ میں اثبات ادراک مرتبہ وجوب میں معتبر ہے مطلب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے خواص میں سے ہے کہ ابصار سے اس کا ادراک محال ہے اور ابصار کا ادراک باری تعالیٰ کے لئے مرتبہ وجوب میں ثابت ہے اور وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ میں جو بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابصار کے علاوہ اور سب چیزوں کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہے پھر صرف ابصار کے ادراک و احاطے کا اس جگہ خصوصیت سے کیوں ذکر فرمایا گیا تو اس تخصیص ذکری کی وجہ مقام کی خصوصیت ہے کہ مقام بیان ابصار کا ہے خصوصیت حکم کی مقصود نہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

کیونکہ عموم اور اللہ تعالیٰ کا ہر چیز کو محیط ہونا دوسرے دلائل سے ثابت ہے مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر ابصار سے احاطہ کی نفی کا ذکر تھا تو باری تعالیٰ کے لئے اسی کے احاطہ اور ادراک کا اثبات فرما دیا گیا۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کا ترجمہ اس کو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہوسکتی فرمایا گیا ہے اس کے بارے میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں اور ''ادراک کا جو ترجمہ کیا گیا ہے اس سے معتزلہ کا استدلال در بارانکار رویت الٰہیہ کے اہل جنت کے واسطے ساقط ہوگیا اور ادراک کے یہ معنی ابن عباس سے منقول ہیں۔ چنانچہ در منثور میں ہے۔

اخرج ابن جریر عن ابن عباس لاتدرکہ الابصار و لا یحیط بصر احد باللہ تعالیٰ آہ اور روح میں ہے و الیہ ذھب الکثیر من ائمۃ اللغۃ و غیرھم پس مطلق رویت ثابت اور احاطہ منفی اور حدیثوں میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سوال کے جواب میں ھل رایت ربک دو جواب آئے ہیں ایک نورانی اراہ دوسرا رائیت نورا پہلے جواب میں احاطہ مراد ہے دوسرے میں مطلق رویت'' (بیان القرآن)

رویت اور عدم رویت کی حدیثوں میں تطبیق کی یہ کیسی عجیب وغریب صورت تجویز فرمائی گئی ہے جس میں نقل اور عقل ہر ہر پہلو کی رعایت کے ساتھ مذھب اہلسنت والجماعت کی موافقت بھی حاصل ہے۔ آگے ایک اور شبہ کا جواب ارقام فرماتے ہیں جو بظاہر اس تقریر پر ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کی رویت دنیا میں شرعاً ممتنع ہے فرماتے ہیں'' جاننا چاہیے کہ لیلۃ المعراج میں آپ کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جیسا کہ جلالین سے بتخریج مستدرک حاکم بروایت حضرت ابن عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے۔ رایت ربی عزوجل الحدیث وہ اس حکم امتناعی شرعی فی الدنیا سے مخصوص ہے اور شیخ اکبر رحمۃ اللہ سموت و ما فوقھا کو دنیا سے خارج فرماتے ہیں اور آخرت میں داخل کرتے ہیں اس بنا پر کہ آخرت کا ایک زمانہ ہے جو قیامت میں آوے گا اور ایک مکان ہے جو اوپر مذکور ہو پس یہ رویت آخرت میں ہوئی تھی فلاحاجۃ الی القول بالتخصیص'' (بیان القرآن)

شروع میں گزر چکا ہے کہ تفسیر قرآن کے لئے بہت سے علوم کی ضرورت ہے جیسا کہ تفصیل مذکور سے ناظرین پر واضح ہو چکا بغیر علوم عربیہ اور قواعد ضروریہ کے قرآن کریم کی آیات کا صحیح مفہوم ومطلب نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ تعارض اور اشکالات کا دروازہ کھل جاتا ہے اور انسان شبہات میں گھر جاتا ہے اس کی ایک مثال اور پیش ہے ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے قد افلح من زکھا (جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہوگیا) فرمایا ہے جس سے تزکیہ کا مدار فلاح اور مامور بہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ فلا تزکوا انفسکم (تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو) اس کا ترجمہ ناواقف یوں کرے گا کہ اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو کیونکہ لاتزکوا نہی کا صیغہ ہے مشتق تزکیہ سے تو اب اس کو اشکال واقع ہوگا کہ ایک جگہ تو تزکیہ کا امر ہے اور ایک جگہ اس سے نہی ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ اگر اس آیت میں لاتزکوا انفسکم کو اس کے مابعد سے ملا کر غور کیا جائے تو شبہ حل ہو جائے گا۔ قرآن کریم میں اکثر شبہات ماسبق اور مابعد کو نہ ملانے سے پیدا ہوتے ہیں اگر شبہ وارد ہونے کے وقت آیت کے ماسبق اور مابعد میں غور کر لیا جائے گا تو خود قرآن ہی سے شبہ رفع ہو جایا کرے تو اس جگہ شبہے کا جواب موجود ہے۔ چنانچہ لا تزکو انفسکم پر جو قد افلح من زکھا سے تعارض کا شبہ ہوا

(c) ketabton.com: The Digital Library

تھا اس کا جواب اسی جملے کے ساتھ ساتھ دوسرے جملے میں مذکور ہے یعنی ھو اعلم بمن اتقی کیونکہ اس میں نہی مذکور کی علت کا ذکر ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ تم اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو کیونکہ حق تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کون متقی ہے اس میں حق تعالیٰ نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں ایک اپنا زیادہ علیم ہونا دوسرے من اتقی کے ساتھ اپنے علم کا متعلق ہونا اور نصوص شرعیہ میں غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ تقوی باطنی عمل ہے۔ نیز تقوی کے معنی لغۃ ڈرنے اور پرہیز کرنے کے ہیں یعنی معاصی سے بچنا اور ڈرنا تو ظاہر ہے کہ باطن کے متعلق ہے اور معاصی سے ڈرنا خود اصلاح باطنی ہے لہٰذا تقوی اور تزکی دونوں مرادف ہوئے آیت کا حاصل یہ ہوا ھو اعلم بمن تزکیٰ ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ اب یہ سمجھو کہ اس میں تزکی کو عبد کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس سے اس کا داخل اختیار ہونا مفہوم ہوتا ہے تو وہ مقدور ہوا پھر یہ کہ اعلم فرمایا ہے اقدر نہیں فرمایا اس سے بھی اشارۃً معلوم ہوا کہ بندہ کی قدرت کی نفی نہیں ہے پس اس سے بھی تقوی اور تزکی کا مقدور عبد ہونا مفہوم ہوا ورنہ اعلم نہ فرماتے بلکہ اقدر علی جعلکم متقین یا اس کے مناسب اور کچھ فرماتے جب تقوی اور تزکی ایک ٹھہرے اور مقدور عبد ٹھہرے اب غور کرنا چاہیے کہ ھو اعلم بمن اتقی'' لاتزکوا انفسکم کی علت بن سکتی ہے یا نہیں اگر لاتزکوا کے معنی یہ لئے جائیں کہ نفس کا تزکیہ نہ کیا کرو یعنی نفس کو رذائل سے پاک کرنے کی کوشش نہ کرو تو ھو اعلم بمن اتقی اس کی علت نہیں ہوسکتی کیونکہ ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے نفسوں کو رذائل سے پاک نہ کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کس نے تزکیہ اور تقوی کیا ہے اور یہ ایک بے جوڑ سی بات ہے یہ تو ایسا ہوا جیسے یوں کہا جائے کہ نماز نہ پڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کس نے نماز پڑھی ہے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کا بندے کے کسی فعل کو جاننا اس کے ترک کی علت نہیں ہوسکتی ورنہ پھر سب افعال کو ترک کر دینا چاہئے کیونکہ حق تعالیٰ بندہ کے سب افعال کو جانتا ہے بلکہ اس کے مناسب یہ علت ہوسکتی تھی کہ ھو اقدر علی جعلکم متقین یعنی یوں فرماتا کہ تم نفس کو رذائل سے پاک نہ کرو کیونکہ تم کو متقی بنانے پر حق تعالیٰ زیادہ قادر ہیں تم پورے قادر نہیں پھر کیوں کوشش کرتے ہو۔ جب یوں نہیں فرمایا بلکہ اعلم بمن اتقی فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں تزکیہ کے وہ معنی نہیں بلکہ کچھ اور معنی ہیں جس کے ترک کی علت ھو اعلم بن سکے سو وہ معنی یہ ہیں کہ اپنے نفسوں کو پاک نہ کہو یعنی پاکی کا دعویٰ نہ کرو کیونکہ حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کون متقی ہیں اور کون پاک ہوا ہے یہ بات تم کو معلوم نہیں اس لئے دعویٰ بلا تحقیق مت کرو اب کلام میں پورا جوڑ ہے اور علت معلول میں کامل ارتباط ہے (وعظ زکوۃ النفس)

لاتزکوا انفسکم پر جو قد افلح من زکھا سے تعارض کا شبہ ہو رہا تھا تقریر مذکور سے وہ رفع ہوگیا اور آیت کے اگلے حصے ھو اعلم بمن اتقیٰ میں غور کرنے کے بعد یہ شبہ جاتا رہا حسب تقریر سابق علت و معلول میں ارتباط اور کلام میں اتصال سے یہ ثابت ہوگیا کہ تزکیہ کے دو معنی ہیں پاک کرنا اور پاک کہنا ایک آیت میں ایک معنی مراد ہیں اور دوسری میں دوسرے معنی اگر دونوں میں ایک ہی معنی مراد لئے جائیں تو تعارض پیدا ہوتا ہے اب تزکیہ کے دو معنی ہونے کی علت اور اس کی حقیقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان فیض ترجمان سے سنئے فرماتے ہیں

''اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ تزکیہ باب تفعیل کے مصدر ہے اور تفعیل کی خاصیتیں مختلف ہیں جس طرح اس کی ایک

(c) ketabton.com: The Digital Library

خاصیت تعدیہ ہے اسی طرح ایک خاصیت نسبت بھی ہے۔ پس قد افلح من زکھا میں تزکیہ کا استعمال خاصیت تعدیہ کے ساتھ ہوا اس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے نفس کو رذائل سے پاک کیا وہ کامیاب ہوگیا اس میں نفس کو رذائل سے پاک کرنے کا امر ہے اور لاتزکوا انفسکم میں تزکیہ کا استعمال خاصیت نسبت کے ساتھ ہوا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے نفسوں کو پاک نہ کہو۔ اس میں نفس کو پاک کہنے کی ممانعت ہے اب ان دونوں میں کچھ بھی تعارض نہیں کیونکہ جس چیز کا ایک جگہ امر ہے دوسری جگہ اس کی ممانعت نہیں بلکہ ایک نئی چیز کی ممانعت ہے حکم تو نفس کے پاک کرنے کا ہے اور ممانعت پاک کہنے سے ہے'' (زکوٰۃ النفس)

مگر اس حقیقت کو وہی سمجھے گا جو عربیت اور ابواب کی خاصیات سے واقف ہوگا اس لئے فہم قرآن کے لئے لغت اور صرف ونحو وغیرہ جاننے کی ضرورت ہے ایسے علوم کے حاصل کئے بغیر قرآن کا صحیح ترجمہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ جو شخص خاصیت ابواب کو نہ جانتا ہوگا وہ دونوں آیتوں میں ایک ہی معنی سمجھے گا اور شبہات میں پڑے گا اور جو شخص جانتا ہوگا وہ سمجھ لے گا کہ باب تفعیل کی خاصیت جس طرح تعدیہ ہے اس کی ایک خاصیت نسبت بھی ہے اور پاک نہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کو تزکیہ کی طرف منسوب نہ کرو یعنی یہ دعویٰ نہ کرو کہ ہم پاک ہو گئے یعنی گفتن کے دو معنی ہیں ایک تو مطلق کہنا کہ بقصد قبول حق کے دوسرا اکمال کا دعویٰ کرنا پس لاتزکوا میں تزکیہ بمعنی پاک گفتن سے مراد دعویٰ پاکی کردن ہے (زکوٰۃ النفس)

علم باری کی وسعت

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ کی تفسیر میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں۔

یہ گردن کی رگیں ورید اور شریان دونوں کو محتمل ہیں مگر شریان مراد لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ ان میں روح غالب اور خون مغلوب رہتا ہے اور ورید میں بالعکس یہاں جس کو روح میں زیادہ دخل ہو اس کا مراد لینا مناسب ہے اور سورہ حاقہ میں وتین بمعنی رگ دل سے تعبیر کرنا اس کا مؤید ہے کیونکہ جو رگیں قلب سے ثابت ہیں شرائین ہیں اور گو قرآن میں لفظ ورید ہے مگر معنی لغوی اس کے عام ہیں پس مطلب یہ ہوا کہ ہم باعتبار علم کے اس کی روح اور نفس سے بھی نزدیک تر ہیں یعنی جیسا علم انسان کو اپنے احوال کا ہے ہم کو اس کا علم خود اس سے بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ علم حصولی میں انسان کو اپنی بہت سی حالتوں کا علم نہیں ہوتا اور جن کا علم ہوتا ہے بعض اوقات ان کا نسیان یا ان سے ذہول ہوجاتا ہے اور حق تعالیٰ میں یہ احتمالات گنجائش ہی نہیں رکھتے اور علم حضوری میں گو حضور معلوم کا لازم ہے مگر بوجہ حادث ہونے کے خود وہ وجود معلوم سے متاخر ہے اور حق تعالیٰ کا علم جو اس سے متعلق ہے جو اس کے وجود سے متقدم ہے اور ظاہر ہے کہ جو علم ہر حالت میں ہو اس کا تعلق بہ نسبت اس کے کہ ایک حالت میں ہو زیادہ ہوگا غرض علم باری کا جمیع احوال انسانیہ کے ساتھ متعلق ہونا بھی ثابت ہوگیا۔ (بیان القرآن)

اور سورہ ق میں جان کو رگ گردن سے تعبیر فرمایا اور یہاں رگ دل سے جس سے ظاہر مراد شرائین ہیں جن کا منبت قلب ہے بات یہ ہے کہ اسی رگ قلب کی شاخیں گردن تک بھی پہنچی ہیں پس دونوں تعبیروں کا حاصل ایک ہی ہے اور اگر

(c) ketabton.com: The Digital Library

وہ مراد ہوں جن کا منبت کبد ہے اور وہ دل میں ہو کر بدن میں پھیل گئی ہیں اور اسی لئے اس کو رگ دل کہہ دیا ہو تو اس کی شاخ بھی گردن میں گئی ہے (بیان القرآن)

لغوی تحقیق کے ساتھ دونوں آیتوں میں مطابقت کیسے اچھے اور عمدہ طریقے سے فرمادی گئی ہے علم لغت میں مناسبت اور مہارت کے بغیر ایسی عجیب تحقیق اور حسین تطبیق کا سمجھنا اور لکھنا ممکن ہے۔

قرب حق کی تحقیق

اسی آیت کے سلسلے میں مزید تشریح سنئے حضرت فرماتے ہیں حق تعالیٰ کو بندہ سے جتنی محبت ہے اتنی بندہ کو حق تعالیٰ سے نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ محبت موقوف ہے معرفت پر اور ظاہر ہے کہ جیسی معرفت بندہ کی خدا کو ہے بندہ کو خدا کی نہیں اور یہ معنی ہے آیت وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کے کہ علماء و معرفۃً بندہ سے ہم قریب ہیں۔ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ اسی وجہ سے وَنَحْنُ اَقْرَبُ فرمایا ہے کہ ہم قریب ہیں۔ انتم اقوب الینا نہیں فرمایا کہ تم بھی ہم سے قریب ہو۔ سو اگر اس سے قرب حقیقی مراد ہوتا تو دونوں طرف سے قرب ہوتا چونکہ یہ قرب نسبت متکررہ سے ہے اگر ایک طرف سے قرب ہوگا تو دوسری سے بھی ضرور ہوگا رہا قرب علمی سو اس میں یہ ضرور نہیں کہ اگر ایک طرف سے قرب ہو گا تو دوسری طرف سے بھی ہو تو قرب علمی خدا کی طرف سے تو ہے اس لئے کہ ان کا علم کامل ہے اور بندہ کی طرف سے نہیں چونکہ بندہ ہے غافل پس بندہ تو خدا سے دور ہو اور اللہ تعالیٰ بندہ سے قریب (الصلوۃ ص ۴۰)

چونکہ قرب حق کا یہ مسئلہ نہایت دقیق اور عمیق تھا اور اس کی کنہ اور حقیقت و کیفیت تک رسائی ناممکن تھی اس لئے قرب علمی مراد لے کر تفسیر کی جاتی ہے اور اسی سے یہ اشکال بھی حل ہو جاتا ہے کہ قرب تو نسبت متکررہ سے ہے جس میں دونوں طرف سے قرب کا تحقق ہونا چاہئے یہاں ایسا نہیں اس کا حل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر مذکور سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ قرب علمی میں یہ بات ضروری نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ ایک طرف سے قرب علمی ہو اور دوسری طرف سے نہ ہو یہ تقریر تو عام فہم اور علمی اصطلاحی تھی جو علماء کرام میں مشہور اور متعارف ہے آگے ایک نہایت عجیب وغریب تحقیق اور بڑی ہی لطیف تقریر سنئے ارشاد ہوتا ہے۔

اب رہا یہ سوال (اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ) رگ گردن سے زیادہ قریب کیسے؟ اس کا حقیقی جواب یہ ہے اس مسئلہ کو کوئی حل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ بعض نے تو یہ کہہ دیا ہے کہ یہاں قرب علمی مراد ہے مگر من حبل الورید کا لفظ بتلا رہا ہے کہ یہاں قرب علمی سے زیادہ کوئی دوسرا اقرب بتلانا مقصود ہے کیونکہ حبل الورید ذی علم نہیں ہے کہ اس سے اقرب ہونا اقربیت فی العلم پر دال ہو کیونکہ یہاں قرب ذات پر دلالت مفہوم ہوتی ہے مگر اس کیفیت کو ہم بیان نہیں کر سکتے چونکہ حق تعالیٰ کیفیت سے منزہ ہیں ان کا قرب بھی کیفیت سے منزہ ہے مگر تقریب فہم کے لئے اتنا بتلائے دیتا ہوں کہ ہم کو جو اپنی ذات سے قرب ہے یہ قرب وجود کی فرع ہے اگر وجود نہ ہوتا تو نہ ہم ہوتے نہ ہم کو اپنی ذات سے قرب ہوتا اور ظاہر ہے کہ وجود میں حق تعالیٰ واسطہ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ہمارے اور اس تعلق کے درمیان میں واسطہ ہیں جو ہم کو اپنی جان کے ساتھ ہے تو ہم کو اول حق تعالیٰ سے تعلق ہے پھر اپنی جان کے ساتھ تعلق ہے اس تقریر کے استحضار سے قرب حق کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

مشاہدہ گو بہت کچھ ہو جائے گا مگر کیفیت اب بھی واضح نہ ہوگی۔ البتہ عقلاً یہ معلوم ہو جائے گا کہ حق تعالی کو ہمارے ساتھ ہماری جان سے بھی زیادہ قرب وتعلق ہے اور یہی مقصود ہے (وعظ عصم ص ۲۰)

اس تقریر پر انیق کی خصوصیت اور اس کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ قرب سے علمی قرب کے علاوہ غیر معلوم الکیفیت قرب مراد ہے صفات الٰہیہ کے کلامی مسائل میں دسترس اور ان میں عبور ومہارت حاصل کئے بغیر اس تقریر کی تہہ تک نہیں پہنچا جا سکتا اور اس کی وقت وغموض تک رسائی نہیں حاصل ہو سکتی۔

رحمۃ للعالمین کا مطلب

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور ہم نے (ایسے مضامین نافعہ دے کر) آپ کو اور کسی ذات کے واسطے (رسول بنا کر) نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں (یعنی مکلفین) پر (اپنی) مہربانی کرنے کے لئے (وہ مہربانی یہی ہے کہ لوگ رسول سے ان مضامین کو قبول کریں اور ہدایت کے ثمرات حاصل کریں اور جو قبول نہ کرے یہ اس کا قصور ہے اس مضمون کی صحت میں کوئی خلل نہیں پڑتا) (بیان القرآن)

اس پر ایک طالب علمانہ اشکال عام طور پر ہوتا ہے اس کی تقریر اور رفع اشکال ذیل میں پڑھئے اگر چہ اس تفسیر پر جو اوپر کی گئی ہے کوئی اشکال متوجہ نہیں ہوتا یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ جب رحمۃ اللعالمین ہیں تو ابوجہل پر بھی کچھ رحمت ہونا چاہیے کیونکہ عالمین میں وہ بھی داخل ہے یہ تو ہوا اشکال اب اس کا جواب سنئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں رحمت سے مراد رحمت تبلیغ وارسال ہے نجات وآخرت کے اعتبار سے رحمت مراد نہیں دلیل یہ ہے کہ اِلَّا رَحْمَةً اس جگہ ارسال کی غایت ہے یہ اس کا قرینہ ہے کہ یہاں رحمت سے وہی مراد ہے جو ارسال پر مرتب ہوتی ہے نیز اس سے پہلے ارشاد ہے اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ یہ بھی اس کا قرینہ ہے کہ یہاں تبلیغ کی برکات کا ذکر ہے پس مطلب یہ ہوا کہ ہم نے جو آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے اس سے اہل عالم پر مہربانی کرنا منظور ہے کہ آپ کے ذریعے سے لوگوں کی طرف وحی پہنچائیں اور ظاہر ہے کہ یہ رحمت تمام عالم کو ہے کوئی فرد بشر اس سے محروم نہیں رہا چاہے کوئی ہدایت قبول کرے نہ کرے۔ (المورد فالفرنخی)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں تفسیر ہی ایسے طریقے سے کر دی ہے جس پر کوئی اشکال وارد ہی نہیں ہوتا جس کے جواب کی ضرورت ہو اور عام طور پر جو اشکال الفاظ کے اطلاق کی وجہ سے ذہنوں میں پیدا ہو سکتا ہے اس کا حل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس واضح تقریر وبیان سے ہو جاتا ہے

ملحقات الترجمہ عربی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس کا حاصل مطلب اس طرح ہے کہ ترجمے میں (اور کسی بات کے واسطے) بڑھا کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ رحمت علت اور مفعول لہ ہے اور تمام علتوں میں سے ایک علت رحمت مستثنیٰ ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے رسول بنا کر بھیجنے کے سوائے رحمت کے اور کوئی وجہ نہیں اور مہربانی سے پہلے (اپنی) کا لفظ بڑھا کر اشارہ اس طرح ہے کہ رحمت مصدر کا فاعل اللہ ہے (بیان القرآن)

(c) ketabton.com: The Digital Library

ظاہر ہے اس تقریر کو علم نحو میں مناسبت کے بغیر اچھی طرح ذہن نشین نہیں کیا جا سکتا یہ مسئلہ علم نحو کا ہے کہ مفعول لہ کا فاعل وہی ہوتا ہے جو اس کے فعل عامل کا فاعل ہوتا ہے اور وما ارسلنک میں ارسال فعل عامل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہیں اس لئے مفعول لہ کا فاعل بھی اللہ ہے اس نحوی قاعدہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مفعول لہ کے ترجمے سے پہلے اپنی کا لفظ بڑھا کر ظاہر کر دیا ہے۔

ایک آیت کی تفسیر میں علم معانی کی رعایت

آیت ذیل کی تفسیر میں علم بیان و معانی اور قواعد عربیت کی رعایت جس عجیب انداز سے کی گئی ہے وہ اہل علم کی توجہ کی طالب ہے فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى جو لوگ شیطان سے بچتے ہیں یعنی اس کی عبادت سے بچتے ہیں اس ترجمے ہی سے معلوم ہوگیا کہ ان یعبدوھا الطاغوت سے بدل ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے جو ہر شیطان کو شامل ہے۔ وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ یہ تقابل بدیع ہے یعنی وہ لوگ شیطان کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور اسی کو مقصود و معبود سمجھتے ہیں اس کے بعد مبتداء کی خبر ہے۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى کی جن کی یہ شان ہے بشارت سنانے کے مستحق ہیں جیسا کہ مفہوم ہے لام کا اس کے بعد ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ کہ اچھا پھر ان کو بشارت سنا ہی دیجئے۔ سبحان اللہ قرآن بھی کس قدر بلیغ ہے کہ اول تو اس کا مستحق بشارت ہونا بیان فرمایا پھر بشارت فرمانے کا حکم دیا کہ ان کو بشارت سنا ہی دیجئے اس طرز تشویق کا جس درجے مخاطب پر اثر ہوتا ہے اہل ذوق پر مخفی نہیں۔

اب یہ سمجھئے کہ یہاں عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ وہ شیطان سے بچتے ہیں اور اس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں کیونکہ عربیت کا قاعدہ ہے اذا عیدت المعرفة کانت الثانية عين الاولى کہ جب معرفہ کو دوبارہ معرفہ ہی بنا کر اعادہ کیا جائے تو ثانی سے مراد وہی ہوگا جو اولی سے مراد ہے مگر اعادہ معرفہ کی بھی ظاہر صورت یہ تھی کہ یہاں ضمیر لائی جاتی اسم اشارہ یعنی فبشر ھم یا فبشر ھؤلا فرمایا جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے ضمیر کو چھوڑ کر وضع الظاہر موضع المضمر اختیار کیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس عنوان سے تحصیل کمالات کا طریقہ بتلایا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ تحصیل کمالات میں ترتیب ہے حاصل اس ترتیب کا یہ ہے کہ تم کو اول استماع القول لازم ہے جس کا حاصل طلب علم ہے اس کے بعد اس کا اتباع لازم ہے اس کا حاصل عمل ہے خلاصہ یہ ہوا کہ تحصیل کمال کا طریقہ علم و عمل ہے (وعظ الاستماع والاتباع)

اس آیت مبارکہ کی کیا ہی عجیب و غریب اور مربوط و مرتبط نفیس تفسیر فرمائی گئی ہے جس سے پوری آیت کا مفہوم بڑا ہی وجد آفرین ہو جاتا ہے اور علم معانی و بیان اور دوسرے قواعد عربیت کی ضرورت کس درجہ واضح ہو جاتی ہے وہ اہل علم کے غور کرنے کی چیز ہے اب رہا یہ کہ القول سے مراد آیت مبارکہ میں کونسا قول ہے اور اس کی کیا دلیل ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اب سمجھئے کہ یہاں یستمعون القول قول سے مراد کلام اللہ ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ اس میں لام عہد کا ہے اور یہاں معہود کلام اللہ ہی ہے دوسرے قاعدہ عربیت کا ہے المطلق اذا اطلق يراد به الفرد الكامل کہ مطلق سے مراد فرد

(c) ketabton.com: The Digital Library

کامل ہوتا ہے پس یہاں بھی مطلق قول سے مراد قول کامل ہونا چاہیے اور قول کامل قرآن ہی ہے۔ یہ عقلی دلیل تھی القول سے قرآن کی مراد ہونے کی اور اس آیت کے چند آیات بعد ہی نقلی دلیل بھی مذکور ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ اس میں قرآن کو احسن الحدیث کہا گیا ہے اور یہاں احسنہ فرمایا جس کا مرجع قول ہے تو حاصل احسن القول ہوا اور احسن الحدیث و احسن القول کے ایک ہی معنی ہیں اور اس سے یعنی قرآن کو احسن الحدیث کہنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ میں احسن کی اضافت تغایر کے لئے نہیں بلکہ بیانیہ ہے یہاں تک یہ بات ثابت ہوگئی کہ طریقہ تحصیل کمال کا یہ ہے کہ اول علم قرآن حاصل کیا جائے پھر اس پر عمل کیا جائے اور علم قرآن کو استماع سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے شبہ نہ کیا جائے کہ صرف الفاظ کا سننا مراد ہے معنی کا جاننا مطلوب نہیں کیونکہ آگے فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ بھی ہے اور اتباع الفاظ مجردہ کا نہیں ہوسکتا بلکہ اتباع بعد علم معانی کے احکام کا ہوگا اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ مراد تو علم معانی ہیں مگر اس کو استماع سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ معانی کا سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ اول الفاظ کو غور سے سنا جائے جو شخص تحصیل علم کے وقت معلم کی تقریر کو توجہ سے نہیں سنتا وہ مراد بھی نہیں سمجھ سکتا (الاستماع)

مسائل سائنس

مسائل سائنس کے بارہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق درج ذیل کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ یہ مسائل قرآن کریم کے موضوع لہ نہیں ہیں اس لئے ان مسائل پر تفسیر قرآن کی بنیاد رکھنا درست نہیں۔ ویسے بھی یہ مسائل یقینی نہیں ہیں۔ محض ظن و تخمین کے درجہ کی چیزیں ہیں جو آئے دن تجربات کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں اس وجہ سے بھی قرآن کریم کی تفسیر مسائل سائنس پر مبنی نہیں کرنی چاہیئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں

آج کل لوگوں نے قرآن کے ماوضع لہ کو بالکل نہیں سمجھا قرآن میں وہ چیزیں تلاش کی جاتی ہیں جو کہ قرآن کا موضوع نہیں ہے پھر جب کوئی فلسفہ کی نئی تحقیق ظاہر ہوتی ہے تو اس کو زبردستی قرآن مجید میں ٹھونس کر بڑے فخر سے بیان کیا جاتا ہے قرآن نے تیرہ سو برس پہلے ہی اس کی خبر دی ہے اور اس سے قرآن کی بلاغت ثابت کی جاتی ہے۔ قرآن کریم ایک قانون کی کتاب ہے سائنس وغیرہ کا ذکر اگر اس میں آئے گا تو مقصود کے تابع ہو کر آئے گا۔ چنانچہ سائنس کے متعلق جو گفتگو ہوگی محض اس قدر کہ یہ سب مصنوعات ہیں اور ہر مصنوع کے لئے ایک صانع کی ضرورت ہے لہٰذا ان کے لئے بھی کسی صانع کی ضرورت ہے مگر اس استدلال کے لئے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ اس چیز کی حقیقت بھی دریافت ہو جائے بلکہ مجملاً ان کا علم ہونا کافی ہے۔

قرآن کریم نے توحید کا دعویٰ کیا اس کی دلیل میں اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الایہ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں بھی توحید کے دلائل ہیں تو اس کائنات میں چند حیثیتیں ہیں اول ان کا دلیل توحید ہونا دوسرے ان کے پیدا ہونے کے طریق اور تیسرے ان کے تغیرات کے ڈھنگ قرآن کریم کو صرف پہلی حیثیت سے ان سے تعلق ہے اس کے بعد اگر کوئی یہ سوال کرنے لگے کہ بادل کس طرح پیدا ہوتے ہیں اور بارش کیونکر ہوتی ہے اور اس قسم کے حالات تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن سے ان کا تلاش کرنا غلطی ہے (ضرورت العلم)

کائنات سے وجود صانع پر بیان القرآن میں اس طرح عقلی استدلال فرمایا گیا ہے۔

اس استدلال عقلی کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ یہ اشیاء مذکورہ سب ممکن الوجود ہیں بعض تو بداہتہ بسبب مشاہدہ وجود بعد العدم یا تغیر وتبدل احوال کے اور بعض بدلیل ترکیب من الاجزا یا افتقار بعض الی البعض کے اور ممکن بوجہ تساوی الوجود والعدم ہونے کے محتاج ہوتا ہے کسی مرجح کا وہ مرجح اگر ممکن ہے تو اس میں پھر یہی کلام ہوگا تو قطع تسلسل محال کے لئے انتہا واجب ہے کسی واجب الوجود کی طرف یہ تو دلیل ہے وجود صانع کی۔

تقریر توحید صانع

آگے رہا اس کا واحد ہونا سو اس کی تقریر یہ ہے اگر نعوذ باللہ متعدد مثلاً دو فرض کئے جاویں تو ان میں سے کسی کا عاجز ہونا ممکن ہے یا دونوں کا قادر ہونا ضروری ہے شق اول محال ہے کیونکہ عجز منافی ہے وجوب وجود کے اور شق ثانی پر اگر ان میں سے ایک نے کسی امر کا مثلاً ایجاد زید کا ارادہ کیا تو دوسرا اس کے خلاف ارادہ کرسکتا ہے یا نہیں اگر نہیں کرسکتا تو اس کا عجز لازم آوے گا جو منافی وجوب وجود کے ہے اور گر ارادہ کرسکتا ہے تو اس پر ترتیب مراد کا ضروری ہے یا نہیں اگر ضروری نہیں تو تخلف مراد کا ارادہ قادر مطلق سے لازم آوے گا جو کہ محال ہے اور اگر ضروری ہے تو دو مختلف مرادوں کا اجتماع لازم آوے گا کیونکہ ایک واجب کے ارادے پر ایک مراد مرتب ہوا دوسرے واجب کے ارادے پر دوسرا اس مراد اول کی ضد مرتب ہوا تو اجتماع ضدین لازم آیا اور وہ محال اور مستلزم محال کو محال ہے تو تعدد واجب کا محال ہے پس وحدت واجب ہے اور یہی مطلوب تھا خوب سمجھ لو۔ (بیان القرآن)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر دلائل توحید میں سائنس کے مسائل مذکور ہوتے تو توحید کو سمجھنا ان کے علم پر موقوف ہوتا اور مسائل سائنس خود نظری ہیں تو توحید بدوں ان کے سمجھے ہوئے ثابت نہ ہوتی اور مخاطب ان دلائل کے عرب کے بادیہ نشین تک ہیں تو وہ توحید کو کیسے جانتے یہ نقصان ہوتا سائنس کے مسائل کو قرآن میں داخل کرنے کا کہ اصل مقصود ختم ہو جاتا۔

ایک مثال

یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جگہ جگہ سموات اور ارض (مذکور) ہیں لیکن سموات بصیغہ جمع اور ارض بصیغہ واحد لایا گیا تا کہ مقدمات میں شغب نہ ہونے لگے پھر مستقل دلیل سے بتلایا کہ زمین بھی سات ہیں چنانچہ بعض کو اس پر بھی اعتراض ہے کہ ہم تو سب جگہ پھرے ہم کو کوئی دوسری زمین نہیں ملی اور ارض کا ترجمہ حدیث تعدد ارض میں اقلیم کا کیا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن شریف میں بعد سبع سموات کے من الارض مثلهن فرمایا ہے تو اقلیم ترجمہ کرنے کی گنجائش کہاں ہے اور حدیث میں صاف آ گیا ہے کہ آسمان سات ہیں اور ہر دو آسمانوں کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

درمیان پانچ سو برس کی راہ ہے۔ پانچ سو برس سے مراد کثرت ہے اس کے بعد زمین کے متعلق بھی فرمایا اب اقلیم کی تاویل کیسے چل سکتی ہے۔

باوجود کہ یہ ثابت تھی مگر پھر بھی قرآن نے ارضین نہیں فرمایا بلکہ ارض بصیغہ واحد ارشاد فرمایا وجہ اس کی یہ ہے کہ مقصود صرف یہ ہے کہ ان مصنوعات سے توحید پر استدلال کیا جائے اور استدلال مقدمات مسلمہ سے ہوا کرتا ہے تو اگر ارضین فرماتے تو اصل مقصود تو ثابت نہ ہوسکتا اور مسئلہ گفتگو کے قابل ہو جاتا اور اب یہ ہوا کہ جو واقف ہیں وہ لفظ ارض ہی سے جو کہ اسم جنس ہے قلیل کثیر سب کو شامل سمجھ لیتے ہیں اور جو لوگ واقف نہیں وہ بھی بوجہ ایک ارض کے محسوس ہونے کے نفس استدلال کو بخوبی سمجھ گئے تو معلوم ہوا کہ قرآن میں کسی ایسے مسئلے سے کام نہیں لیا گیا جس سے سامع کو الجھن ہو اگر سائنس کے مسئلے اس میں ہوتے تو سامعین ان کی تحقیق میں پڑ جاتے اور ہر شخص کو اس کے آلات و ذرائع کی تحصیل ممکن نہ تھی تو ہر شخص ایک الجھن میں پڑ جاتا نیز ان میں اختلاف اس قدر ہے کہ آج تک بھی کوئی بات محقق نہیں ہوئی۔

خاتمہ

دل چاہا کہ اس ''مقالہ اشرف'' کو حضرت حکیم الامت کی بیان کردہ اس لطیف مناسبت اور عجیب و غریب ارتباط کے بیان پر ختم کیا جائے جس کو حضرت نے قرآن مجید کے آغاز سورہ فاتحہ اور انجام سورہ الناس کے مضامین میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت حکیم الامت تفسیر بیان القرآن کے خاتمہ پر ارشاد فرماتے ہیں۔

اور ایک عجیب لطیفہ اس سورت میں جس سے قرآن کا حسن آغاز و انجام بھی ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ اس کے اور فاتحہ کے مضامین میں غایت درجے کا تقارب کہ حکم اتحاد میں ہے محقق ہے چنانچہ رَبِّ النَّاسِ کے مناسب رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور مَلِكِ النَّاسِ کے مناسب يَوْمِ الدِّيْنِ اور اِلٰهِ النَّاسِ کے مناسب اِيَّاكَ نَعْبُدُ اور استعاذہ کے مناسب اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ امر الْوَسْوَاسِ ڏ الْخَنَّاسِ الخ کے مناسب اِهْدِنَا الخ ہے۔(بیان القرآن)

اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم و اعذنا من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة و الناس وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی اله و اصحابه اجمعین الی یوم الدین سبحان ربک رب العزة عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد لله رب العالمین.

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

26 رجب المرجب 1404ھ

29 اپریل 1984ء

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوۡرَةُ الفَاتِحَة

سُوۡرَةُ الۡفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبۡعُ اٰيٰتٍ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ؕ﴿۳﴾ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ؕ﴿۴﴾ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ۬ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ﴿۷﴾

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں جو مالک ہیں روز جزا کے ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کرتے ہیں بتلا دیجئے ہم کو راستہ سیدھا راستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا جو راستہ سے گم ہو گئے۔

اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کرتے ہیں۔

استعانت کا مفہوم

سوال کیا گیا کہ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ سے حصر استعانت معلوم ہوا ہے حالانکہ کام کاج میں لوگوں سے استعانت کی جاتی ہے ارشاد فرمایا مراد یہ ہے کہ بالاستقلال کسی کو معین سمجھ کر سوائے خدا کے کسی سے مدد نہ مانگنا چاہئیے۔ باقی جو چیزیں لوگوں کے اختیار میں ہیں ان میں ان سے مدد لینا جائز ہے کیونکہ وہاں ان کا غیر مستقل ہونا ظاہر ہے سب جانتے ہیں کہ ابھی خدا معذور یا بے کار کر دے تو وہ اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے اسی طرح صوفیہ فیوض باطنی میں مشائخ احیا و اموات سے مستفیض ہوتے ہیں اور یہ کشف اور تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ نفع ہوتا ہے اس لئے اس نفع کا ظن اعتقاد رکھنا جائز ہے لیکن اس میں مستقل سمجھ کر استعانت کرنا جیسا کہ عوام کا اعتقاد ہوتا ہے کہ وہ مستقل حاجت روا سمجھتے ہیں بالکل ناجائز ہے۔ (اشرف المقالات)

(c) ketabton.com: The Digital Library

4

اِیَّاكَ نَعْبُدُ الخ ان شاء ہے

فرمایا یہ ان شاء ہے خبر نہیں واعظ اس میں غلطی کیا کرتے ہیں (خیر الافادات ص ۷۹)

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا جو راستہ سے گم ہوئے۔

ضَآلِّیْنَ کا مفہوم

عرض کیا گیا کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ سے مراد مغضوب فی الدنیا ہے مغضوب فی الاخرہ فرمایا کہ دونوں ہو سکتے ہیں کیونکہ مَغْضُوْبُ عَلَیْهِمْ یہود پر اطلاق فرمایا گیا ہے جن پر دنیا میں بھی غضب کیا گیا مثل مسخ وغیرہ عرض کیا گیا کہ پھر ضَآلِّیْنَ میں بقرینہ مقابلہ غضب فی الاخرہ کی نفی ہوتی ہے فرمایا کہ جی نہیں کلام مجید میں صفت غالبہ کے اعتبار سے عنوانات اختیار کئے گئے ہیں۔ مَغْضُوْبُ عَلَیْهِمْ یہود کے لئے فرمایا گیا ان میں صفت مغضوبیت غالب تھی کیونکہ باوجود علم کے محض شرارت وعناد کی رو سے مخالفت کرتے تھے۔ ایسے لوگ زیادہ مورد غضب ہوتے ہیں اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں ان میں صفت ضلال غالب تھی کیونکہ عیش پرستی کی وجہ سے دین سے غافل اور بے پرواہ تھے لہٰذا ضَآلِّیْنَ میں ان کی صفت ضلال کا اظہار فرمایا گیا ہے گو مغضوب فی الاخرۃ وہ بھی ہونگے دوبارہ استفسار پر فرمایا کہ قرینہ ضالین سے تو مغضوب علیہم میں غضب فی الدنیا مراد معلوم ہوتا ہے کیونکہ ضالین کا ضلال بالمعنی المذکور دنیا میں واقع ہوتا تھا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْبَقَرَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ

ترجمہ: یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو، وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں کہ یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جا چکی ہیں اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں

تفسیری نکات

قرآن میں شک نہ ہونے کا مفہوم

حالانکہ اسی سورت کے تیسرے رکوع میں ہے وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا (اور اگر تم کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمائی) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو قرآن میں شک بھی تھا مگر قرآن باجود اس کے لاریب فیہ بے دھڑک کہہ رہا ہے کیونکہ ان لوگوں کے شک کی مثال ایسی ہے جیسے یرقان والا کہتا ہے یہ کپڑا زرد ہے اور تندرست آدمی اس کے جواب میں کہتا ہے کہ اس میں زردی نہیں تو وہ صحیح کہتا ہے کیونکہ وہ زردی تو اس کی آنکھوں میں ہے (التیسیر للتفسیر ص ۱۳)

حروف مقطعات

چنانچہ اس فائدہ کی نسبت ارشاد ہے کہ ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ الف لام

(c) ketabton.com: The Digital Library

میم کو ایک حرف نہیں کہتا بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے میم ایک حرف ہے سو صرف الم کہنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں اور بقول بعض کے نوے نیکیاں ملتی ہیں۔ اس طرح کہ الم میں جو الف ہے اس کو تعبیر کرنے میں جو تین حرف ہوتے ہیں (ا۔ل۔ف) ہر ایک کے عوض میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔ دس الف پر اور دس لام پر اور دس فاء پر سب تیس ہوئیں اس طرح لام کی تعبیر میں تین حرف (ل۔ا۔م) ہوئے جس کی تیس نیکیاں ہوئیں اسی طرح سے میم کی تعبیر میں تین حروف (یعنی م۔ی۔م) پر تیس نیکیاں ملیں سب کا مجموعہ نوے ہو گیا۔

قرآن پاک میں کوئی بات موجب خلجان نہیں

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ترجمہ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اس جملہ میں قرآن کی مدح ہے کہ یہ کتاب کامل ہے اس میں کوئی بات موجب خلجان نہیں رہا یہ شبہ کہ کفار تو اس میں بہت شبہات نکالتے ہیں اس کا جواب ایک تو مشہور ہے کہ قرآن میں کوئی بات فی نفسہ موجب خلجان نہیں ہے اور شبہ نکالنے والوں کو جو شبہات پیش آتے ہیں ان کا منشا قرآن کے مضامین نہیں بلکہ ان کا قصور فہم ہے اور اگر کسی اندھے کو دن میں طلوع آفتاب میں شک ہو تو اس کے شک سے طلوع آفتاب مشکوک نہیں ہو جاتا اور دوسرے جواب میں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ میں اشارہ ہے۔ حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ اگر کسی کو قرآن میں کوئی شک وشبہ پیش آتا ہے تو وہ شبہ اسی وقت تک ہے جب تک قرآن کی تعلیم پر عمل نہ کیا جائے اور اگر قرآن کی تعلیم پر پوری طرح عمل کیا جائے تو سب شبہات خود بخود زائل ہو جاتے ہیں کیونکہ قرآن متقین کے لئے ہدایت ہے پس اہل شبہات کو چاہیے کہ وہ تعلیم قرآن پر عمل کرنا شروع کریں۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب عمل کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت میں قرآن سرتاپا ہدایت ہی ہدایت ہے اس میں کوئی امر موجب خلجان نہیں۔

درجات ہدایت

اب سمجھئے کہ ان آیات میں زیادت فی الہدی کی مطلوبیت کا ذکر ہے حق تعالیٰ قرآن کی صفت میں فرماتے ہیں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اس پر اشکال مشہور ہے کہ متقین تو خود ہی ہدایت یافتہ ہیں ان کے لئے ہدایت ہونے کا کیا مطلب ہے؟
اس کے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ متقین میں تاویل کرو کہ اس سے مراد متقی بالفعل نہیں بلکہ صائرین الی التقوی مراد ہیں جن کو باعتبار ما یؤل کے متقی کہہ دیا گیا مگر حقیقت ممکن ہوتے ہوئے مجاز لینا خلاف اصل ہے اس لئے راجح توجیہ یہ ہے کہ لفظ متقین اپنے معنی پر رہے اور ہدی میں درجات نکالے جائیں کہ ہدایت کے لئے مدارج مختلف ہیں جن میں سے بعض مدارج کا حصول ان لوگوں کو بھی نہیں ہے جو بالفعل متقی ہیں۔ قرآن ان مدارج کی طرف متقیوں کو پہنچاتا ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہدایت کے مدارج بہت ہیں۔
رہا یہ کہ زیادت فی الہدی مطلوب ہے۔ اس کی دلیل سورہ فاتحہ کی آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہے جس میں طلب ہدایت کا امر ہے۔ سورہ بقرہ کو سورہ فاتحہ سے ربط بھی ہے کہ اس میں دعائے ہدایت بھی ہے اس میں اجابت دعا ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ لو یہ کتاب ہدایت ہے اس پر چلو اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پر بھی یہی اشکال عود کرتا ہے کہ وہ لوگ تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہیں جن کو یہ دعا تعلیم کی گئی ہے اس کا بھی یہی جواب ہے کہ مراد زیادت فی الہدی کی طلب ہے اب هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ پر کوئی اشکال نہ رہا کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ اور کتابیں تو ان پڑھوں کو پڑھائی جاتی ہیں اور یہ کتاب پڑھے ہوؤں کو پڑھانے والی ہے۔ یہ ہدایت یافتوں کے لئے ہدایت ہے اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ہدایت اور علم متقارب ہیں اور یہاں سے زیادت فی الہدی کا مطلوب ہونا ثابت ہے تو زیادت فی العلم کا مطلوب ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

قرآن غیر متقیوں کے لئے بھی ہے

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ آیت ۲) راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ محض متقیوں کے لئے ہے اور غیر متقی کے لئے نہیں اس آیت سے اکثر لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے نیز دوسری آیات میں بھی غلط سمجھ لیتے ہیں اور وجہ اس کی زیادہ تر یہ ہوتی ہے کہ قرآن کو فلسفی نظر سے دیکھا جاتا ہے چنانچہ ایک سفر میں مجھ سے ایک صاحب نے اس کے متعلق دریافت کیا میں نے کہا کہ یہ تو کوئی بات نہیں یہ محاورہ ہے مطلب یہ ہے کہ اب جو لوگ متقی نظر آتے ہیں یہ اسی کی بدولت متقی بنے ہیں اس جواب سے وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اب بالکل صاف ہو گیا۔ تو اس میں کوئی توجیہ یا تاویل نہیں ہے۔ صرف بات یہ ہے کہ لوگ محاورات سے قطع نظر کر کے فلسفیانہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اسی واسطے ضروری ہے کہ قرآن کو تمام علوم فلسفیہ سے پہلے کسی محقق عالم سے پڑھ لیں۔ باقی نرے ترجمے کا خود مطالعہ کرنے سے قرآن حل نہیں ہوتا۔

کورس تقوی

ایک مقام پر حافظ محمد احمد صاحب مرحوم (مہتمم دارالعلوم دیوبند) سے نیچری سوال کر رہے تھے کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کا کیا مطلب ہے حافظ صاحب مرحوم جواب دیتے تھے انکی سیری نہ ہوتی تھی آخر میں کہا اس کی مثال ایسی ہے جیسے تم کہا کرتے ہو یہ کورس بی اے کا ہے یعنی اس کے پڑھنے سے بی اے ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی یہ کورس تقویٰ کا ہے یعنی اس کی ہدایت اختیار کرنے سے متقی بن جاتا ہے۔

متقین کا معنی

فرمایا کہ ایک بار مولانا صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ قرآن کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ سو متقین تو پہلے ہی سے ہدایت پر ہیں تو یہ تحصیل حاصل ہوا۔ اس کے جواب مختلف حضرات نے مختلف دیئے ہیں چنانچہ ایک جواب صاحب جلالین نے دیا ہے کہ مراد متقین سے صائرین الی التقوی ہیں مگر مولانا محمد قاسم نے ایک دوسرا جواب دیا کہ یہاں تقوی سے مراد اس کے اصطلاحی معنی نہیں بلکہ لغوی معنی ہیں یعنی خوف اور کھٹک تو آیت کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے قلب میں کھٹک ہے اور فکر ہے اور قصد ہے اپنی اصلاح کا ان کو قرآن ہدایت کرتا ہے باقی جو شخص اپنی اصلاح کا قصد ہی نہ کرے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے قرآن کا اس میں کیا نقص ہے تو مولانا محمد قاسم صاحب کا جب یہ جواب میں نے سنا تو فوراً اس جواب کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک تائید قرآن سے میری سمجھ میں آئی۔ وہ یہ کہ سورہ والیل میں ارشاد ہے فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ اس کے بعد ارشاد ہے وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ یہاں صنعت تقابل کا استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں اعطاء کا ذکر ہے تو دوسری آیت میں اس کے مقابل میں لفظ بخل کا استعمال کیا گیا ہے اور اعطاء اور بخل میں تقابل ظاہر ہے اس طرح پہلی آیت میں کذب ہے تو دوسری میں صدق اور صدق اور کذب میں بھی تقابل موجود ہے۔ پس اس طرح پہلی آیت میں استغنے ہے تو دوسری میں اس میں مقابل کوئی مفہوم ہونا چاہیے اور وہ اتقی ہے پس اس تقابل کی وجہ سے یہاں تقوی کے وہ معنی مراد ہونگے جو استغنا کے مقابل ہوں۔ پس استغنا کے معنی ہیں بے فکری کے تو یہاں تقوی کے وہ معنی ہوں گے فکر اور کھٹک ورنہ فصاحت کے خلاف ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ متقین کے وہ معنی جو مولانا محمد قاسم صاحب نے بیان فرمائے وہ قرآن سے ثابت ہیں اب میں ان لوگوں سے جو محض ترجمہ کے مطالعہ سے قرآن کو حل کرنا چاہتے ہیں دریافت کرتا ہوں کہ کیا وہ اس اشکال کا جواب محض ترجمہ سے حل کر سکتے تھے (الافاضات الیومیہ ج ۱)

آیت کی تفسیر پر شبہ اور اس کا جواب

چند نو تعلیم یافتہ حضرات نے سوال کیا کہ حضرت آیت هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ قرآن ہدایت ہے متقی لوگوں کے لئے حالانکہ متقی لوگ تو خود ہی ہدایت پر ہیں ان کو تو ضرورت نہیں غیر متقی جن کو ضرورت ہے ان کے لئے یہ ہدایت نہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ میں ایک مثال پیش کرتا ہوں اس سے یہ مفہوم سمجھ میں آ جائے گا کہ کسی جگہ چند انگریزی کی کتابیں رکھی ہوں جو بی اے کورس میں داخل ہیں ان کو یہ کہنا کہ یہ بی اے کا کورس ہے صحیح ہے یا نہیں سب نے کہا کہ بالکل صحیح ہے حضرت نے فرمایا کہ جو شخص بی اے کر چکا ہے اس کو تو اس کورس کی ضرورت نہیں اور جس نے نہیں کیا وہ بی اے نہیں جو جواب آپ یہاں دیتے ہیں وہ ہی ھدی اللمتقین کا جواب ہے سب کے سب مطمئن ہو کر خاموش ہو گئے۔ مطلب واضح ہو گیا کہ یہ کتاب متقی بنانے والی ہے (مجالس حکیم الامت)

درجات تقوی میں ترقی

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ ہے کہ اس تقریر کی بنا پر ھدی للمتقین سے معلوم ہوتا ہے کہ تقوی سبب ہے ھدی مفسر بزیادت فی العلم کا اور آیت والذین اھتدو از ادھم ھدی واتھم تقوٰھم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدی سبب ہے ہدی کے درجہ علیا اور تقوی کا جو کہ موہبت ہے تو حاصل مجموعہ نصین کا یہ ہوا کہ بندہ اول نفس تقوی جب بکسب اختیار کرتا ہے اس پر ہدی مرتب ہوتا ہے پھر اس ہدی پر ثابت رہنے سے خود اس میں بھی ترقی ہوتی ہے اور تقوی کا درجہ علیا موہوبہ بھی اس سے عطا ہوتا ہے اور قرینہ اس ارادہ موہبت کا لفظ اتاھم ہے اور قرینہ اس کے علیا ہونے پر اضافت ہے تقوی کے ضمیر مھتدین کی طرف جو اس کے کمال پر دال ہے جیسے وسعی لھا سعیھا ای السعی المناسب لھا۔ اسی طرح یہاں مراد

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے ای التقوی المناسب لشانھم و ھم الکاملون والتقوی المناسب للکاملین ھو الکامل منہ.

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ پر اشکال کا جواب

(ملفوظ) کسی سلسلۂ کلام میں یہ فرمایا کہ ھدی للمتقین پر ایک اشکال کیا جاتا ہے کہ جو متقی ہوگا اس کے لئے ہدایت کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے متقی ہے۔ اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں لیکن میرے نزدیک یہاں تقوی کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی دل میں کھٹک پیدا ہونا اور یہ امر محقق ہے کہ اول دل میں کھٹک ہی پیدا ہوتی ہے پھر ہدایت ہوتی ہے اور میری سمجھ میں قرآن سے اتقاء بمعنی کھٹک کی ایک تائید آئی ہے۔ سورہ واللیل میں فاما من اعطی واتقی و صدق بالحسنی فسنیسرہ للیسری واما من بخل و استغنی و کذب بالحسنی فسنیسرہ للعسری. یہاں سب متعاطفات میں تقابل ہوگا اور استغنے کے معنی ہیں بیفکری تو اتقی کے معنی ہوں گے فکر اور یہی حاصل ہے کھٹک اور خوف کا جو لغوی معنی ہیں تقوی کے اور وہ ہمیشہ مقدم ہوتا ہے ہدایت پر پس کوئی اشکال نہیں رہا۔

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ مجلس شام

(ملفوظ) فرمایا ایک بار مولانا محمد قاسم صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ قرآن کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ سو متقین تو پہلے ہی سے ہدایت پر ہیں تو یہ تحصیل حاصل ہوا اس کے جواب مختلف حضرات نے مختلف دیئے ہیں چنانچہ ایک جواب صاحب جلالین نے دیا ہے کہ مراد متقین سے صائرین الی التقویٰ ہیں مگر مولانا محمد قاسم صاحب نے ایک دوسرا جواب دیا کہ یہاں تقویٰ سے مراد اس کے اصطلاحی معنی نہیں بلکہ لغوی معنی ہیں یعنی خوف اور کھٹک تو آیت کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے قلب میں کھٹک ہے اور فکر ہے اور قصد ہے اپنی اصلاح کا ان کو قرآن ہدایت کرتا ہے باقی جو شخص اپنی اصلاح کا قصد ہی نہ کرے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے قرآن کا اس میں کیا نقص ہے تو مولانا محمد قاسم صاحب کا جب یہ جواب میں نے سنا تو فوراً اس جواب کی ایک تائید قرآن سے میری سمجھ میں آئی۔ وہ یہ کہ سورۂ واللیل میں ارشاد ہے فاما من اعطی واتقی و صدق بالحسنی اسکے بعد ارشاد ہے واما من بخل واستغنی و کذب بالحسنی ۔ یہاں صنعت تقابل کا استعمال کیا گیا چنانچہ پہلی آیت میں اعطاء کا ذکر ہے تو دوسری آیت میں اس کے مقابل میں لفظ بخل کا استعمال کیا گیا ہے اور اعطاء اور بخل میں تقابل ظاہر ہے۔ اس طرح پہلی آیت میں کذب ہے تو دوسری میں صدق اور صدق اور کذب میں بھی تقابل موجود ہے۔ بس اس طرح پہلی آیت میں استغنے ہے تو دوسری میں اس کے مقابل کوئی مفہوم ہونا چاہیے اور وہ اتقی ہے پس اس تقابل کی وجہ سے یہاں تقوی کے وہ معنی مراد ہونگے جو استغناء کے مقابل ہوں۔ پس استغناء کے معنی ہیں بے فکری کے تو یہاں تقوی کے وہ معنی ہوں گے فکر اور کھٹک ورنہ فصاحت کے خلاف ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ متقین کے وہ معنی جو مولانا محمد قاسم صاحب نے بیان فرمائے وہ قرآن سے ثابت ہیں اب میں ان لوگوں سے جو محض ترجمہ کے مطالعہ سے قرآن کو حل کرنا چاہتے ہیں دریافت کرتا ہوں کہ کیا وہ اس اشکال کا جواب محض ترجمہ سے حل کر سکتے تھے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

رزق باطن کے انفاق پر آیت قرآنی سے استدلال

فرمایا کہ صوفیہ نے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں فیض باطنی پہنچانا بھی مراد لیا ہے سو اگر یہ محض بطور علم اعتبار کے ہوتب تو کچھ شبہ کی گنجائش نہ تھی لیکن میرا جی چاہتا تھا کہ اگر اس کو تفسیر مان لیا جائے تو اچھا ہے کیونکہ کسی لغت یا قواعد تفسیر یہ کے خلاف نہیں ہے اور اس خیال کی تائید اس سے ہوگئی تھی کہ اہل ظاہر نے بھی اس قول کو لیا ہے چنانچہ بیضاوی نے کہا ہے ومن انوار المعرفة یفیضون اگر یہ بات قواعد سے صحیح نہ ہوتی تو اہل ظاہر اس کو نہ لیتے لیکن مزید تائید کے لئے جی یہ بھی چاہتا تھا کہ اگر کسی جگہ قرآن شریف میں رزق کا استعمال اس معنی میں یعنی رزق حسی کی طرح رزق معنوی میں بھی ثابت ہو جائے تو خوب ہو چنانچہ بحمد اللہ ایک مقام کئی روز ہوئے نظر میں آیا بہت خوشی ہوئی لیکن بھول گیا جس کا اس خوشی سے بھی زیادہ رنج ہوا اور جی چاہتا تھا کہ یاد آ جائے تو کہیں لکھا دوں مگر الحمد للہ آج یاد آ گیا وہ یہ ہے کہ سورہ واقعہ میں ہے وتجعلون رزقكم انكم تكذبون.

اس میں تکذیب کو جو کہ ایک امر معنوی ہے رزق فرمایا یعنی تم اپنا حصہ تکذیب کو کرتے ہو اس میں انكم تكذبون مفعول ثانی ہے اور ان بالفتح معنی میں مصدر کے کر دیتا ہے تو انكم تكذبون کے معنی ہوئے تكذيبكم اى تجعلون رزقكم تكذيبكم پس تکذیب کو جو کہ رزق متعارف نہیں رزق فرمایا اور ایک غالی درویش جو صاحب مجاہدہ و صاحب کشف بھی تھے اور سانس کے ساتھ ستارے نظر آنے کے مدعی بھی تھے انہوں نے اس کی عجیب تفسیر کی یعنی و تجعلون رزقكم انكم تكذبون کے یہ معنی کئے کہ تم مواقع النجوم کو اپنا رزق بھی بناتے ہو اور پھر اس کی تکذیب بھی کرتے ہو اور بمواقع النجوم کا ترجمہ یہ کیا کہ نجوم جو سانس کے ساتھ جوف میں داخل ہوتے ہیں ان کی قسم کھاتا ہوں ایسے ہی جاہل صوفیوں نے ابوالدرداءؓ کی جو حدیث نسائی میں ہے لاابالی اشرب الخمر اور اعبد هذه السارية (یعنی میں پرواہ نہیں کرتا کہ ستون کی عبادت کر لوں یا شراب پی لوں اور مراد اس سے تغلیظ ہے شرب خمر کی کہ عبادت ساریہ کی برابر ہے) اس کے یہ معنی گھڑے ہیں کہ تصوف میں ایک مقام ایسا ہے کہ وہاں پہنچ کر شراب اور بت پرستی یعنی حرام چیزیں سب جائز ہو جاتی ہیں اور آدمی مرفوع القلم ہو جاتا ہے اللہ بچائے اس جہالت سے۔ (الافاضات الیومیہ ج۱۱ص۲۱۵-۲۱۶)

أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

ترجمہ: بس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر۔ جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے، اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب

تفسیری نکات

صراط مستقیم ہونے کا نفع

یہاں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی جزاء میں دو باتیں بیان فرمائی ہیں جن میں ایک جزا دنیوی یعنی واقع فی الدنیا ہے عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ (اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں) دوسری جزا اخروی یعنی واقع فی الاخرة ہے۔ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(c) ketabton.com: The Digital Library

(اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں مسلمانوں کے لئے جس اصلی جزاء کا وعدہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہدایت پر ہے اور سیدھے راستہ پر چل رہا ہے۔ پس ہدایت پر ہونا یہی بڑی رحمت اور راحت کی چیز ہے۔

ہدایت کا دنیوی نعمت ہونا

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۞ (البقرہ آیت ۸) کہ یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

اعمال صالح کے ثمرات

یعنی اعمال صالحہ کا ایک ثمرہ اخروی فلاح تو ہے ہی دوسرا عاجلہ ہدایت بھی ہے یہاں ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ ہدایت کا ثمرہ ہونا کیسا ثمرہ تو وہ جس میں حظ ہو اور ہدایت تو خود عملی حالت ہے اس میں کیا حظ ہوتا مگر ایک حکایت سے آپ کو اسکا ثمرہ ہونا معلوم ہو جائے گا اور وہ خود مجھے پیش آیا میں ایک دفعہ سہارنپور سے کانپور جا رہا تھا تو سہارنپور سے لکھنو جانے والی ریل میں سوار ہوا اسی گاڑی میں میرا ایک دوست اور ہم وطن مگر جنٹلمین بھی پہلے سے سوار تھا میں یہ سمجھا تھا کہ شاید یہ لکھنو جا رہے ہوں گے کیونکہ ایک زمانہ میں ان کے تعلقات لکھنو میں بہت رہ چکے تھے سردی کا موسم تھا اور وہ حضرت بیک بینی دو گوش تھے نہ ساتھ میں کمبل نہ رضائی کیونکہ آج کل جنٹلمینوں کے سفر کا اصول یہی ہے کہ سفر میں اسباب ساتھ نہیں لیتے جب ریل چھوٹ گئی تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ لکھنو جائیں گے کہنے لگے میں میرٹھ جا رہا ہوں میں نے کہا کہ ممکن ہے کہ آپ میرٹھ جا رہے ہوں لیکن میں افسوس کرتا ہوں یہ گاڑی لکھنو جا رہی ہے میں نے انہی کے محاورہ میں گفتگو کی اب تو وہ بڑے چونکے کہنے لگے کیا یہ گاڑی لکھنو جا رہی ہے؟ میں نے کہا ہاں پھر تو ان کی یہ حالت تھی کہ بار بار لاحول پڑھتے ہیں اور ادھر ادھر دیکھتے جاتے ہیں میں نے کہا ہاں میاں اب تو رڑکی سے اس طرح یہ گاڑی ٹھہرتی نہیں پریشان ہونے سے کیا حاصل اطمینان سے بیٹھو اور باتیں کرو تو وہ جھلا کر کہتے ہیں کہ تم کو باتوں کی سوجھی ہے اور مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔ اس وقت میں نے اپنی اور ان کی حالت میں غور کیا کہ حالانکہ میں ابھی تک منزل پر نہیں پہنچا اور یہ ابھی اپنے مقصود سے بہت دور نہیں آئے بلکہ لوٹتی گاڑی میں یہ اپنی منزل مقصود پر مجھ سے پہلے پہنچ جائیں گے مگر پھر بھی میں مطمئن ہوں اور یہ غیر مطمئن تو آخر میرے اطمینان اور ان کی بے اطمینانی کا سبب کیا ہے یہی معلوم ہوا کہ میرے اطمینان کا سبب یہ تھا کہ میں راہ پر تھا اور ان کی بے اطمینانی کا سبب یہ تھا کہ وہ راہ سے ہٹے ہوئے تھے۔ اس وقت ریل جس قدر مسافت طے کرتی تھی میری مسرت و راحت بڑھتی تھی اور ان کو ہر ہر قدم خار تھا تو اس واقعہ سے آیت کی تفسیر واضح ہوئی کہ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ (یہ لوگ ہیں ہدایت پر اپنے رب کی جانب سے) یہی ایک بڑا ثمرہ ہے اور ہدایت پر ہونا بڑی نعمت اور بڑی دولت ہے۔ یہ ثمرہ دنیا میں ہر مسلمان کو حاصل ہے کافر کو یہ بات نصیب نہیں۔

مزید برآں یہ بات سونے پر سہاگہ ہے کہ اعمال صالحہ باقیات صالحات بھی ہیں کہ آخرت میں ان کا اجر ہمیشہ کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

لئے باقی رہنے والا ہے مگر اس بقاء میں بھی تفصیل ہے کہ بعض اعمال تو مطلقا باقیات ہیں اور بعض کو امتی (زیادہ باقی رہنے والا) کہنا چاہیے جیسے مدرسہ اور خانقاہ کہ یہ صدقات جاریہ ہیں یعنی بعض اعمال اس طرح ہیں کہ زندگی کے بعد ان کا ثواب نہیں بڑھتا بس جتنا ثواب زندگی میں کما چلے ہوا تنا ہی باقی رہے گا۔ اس میں ترقی نہ ہوگی اور صدقات جاریہ کا ثواب مرنے کے بعد بھی برابر بڑھتا رہتا ہے۔ تم قبر میں پڑے سو رہے ہوگے اور اس وقت بھی فرشتے نامہ اعمال میں ثواب لکھتے ہوں گے تو مدرسہ اور خانقاہ کی بنا ایسے ہی اعمال ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے (مظاہر الامال)

راہ پر آگاہ کرنا بڑی چیز ہے

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ ہدی کو فلاح سے بھی پہلے فرمایا۔ اصل چیز تو راہ ہی ہے جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں دنیا میں مسلمان کے لئے جس اصلی جزاء کا وعدہ ہے وہ یہی ہے کہ وہ ہدایت پر ہے اور سیدھے راستے پر چل رہا ہے اور جو اس راہ پر چلنا شروع کر دیتا ہے اس کے لئے مفلحون فرمایا گیا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسے بزرگوں کی جوتیوں میں پہنچا دیا کہ انہوں نے سیدھے راستہ پر ڈال دیا خلاصہ یہ ہے کہ بڑی چیز راہ پر آگاہ کر دینا اور پتہ ونشان بتلا دینا ہے۔

ایک آیت کی تفسیر اور شبہ کا ازالہ

آیت أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ اس میں دو چیزیں ہیں ایک ہدایت دوسرے فلاح کو بطور جزاء کے ذکر فرمایا ہے کیونکہ ان سے پہلے ایمان بالغیب اور ایمان بالرسل کے اوصاف مذکور ہیں۔ اس ایمان کی جزاء کے طور پر اس میں ہدایت وفلاح کو بیان فرمایا گیا ہے ان میں فلاح کا جزائے عمل ہونا تو سمجھ میں آتا ہے کہ فلاح کے معنی کامیابی اور مراد پوری ہونے کے ہیں لیکن ہدایت تو راستہ دکھانے کو کہا جاتا ہے کسی چیز کا راستہ دیکھ لینا نہ کوئی مقصد ہے اور نہ وہ جزائے عمل میں ہو سکتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

ترجمہ: بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لاویں گے۔

تفسیری نکات

حضور علیہ السلام کو تبلیغ میں بہر صورت ثواب ہے

یہ فرمایا کہ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ یہ نہیں فرمایا کہ سواء علیک کیونکہ آپ کے لئے انذار و عدم انذار مساوی نہیں بلکہ انذار ثواب مرتب ہوا جو کہ عدم انذار کی صورت میں نہ ہوتا اور یہیں سے اہل علم کے نزدیک اس اعتراض کا بھی جواب ہو جاوے گا کہ جب آپ کا انذار و عدم اذار مساوی تھا تو ایک عبث فعل آپ کے کیوں سپرد ہوا۔ حاصل جواب کا یہ ہے کہ عبث تو اس وقت کہا جا سکتا تھا کہ جب آپ کے حق میں بھی برابر ہوتا اور جب آپ کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

حق میں برابر نہ تھا۔ لترتب الثواب علی الانذار و انتفائه علی عدمه (لیبب ثواب مرتب ہونے کے ڈرانے پر اورنہ مرتب ہونا نہ ڈرانے پر تو یہ فعل عبث نہ رہا۔ (فوائد الصحبۃ)

غرض اس میں تو شبہ نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ وانذار پر ثواب تو ملتا ہے لیکن گفتگو یہ ہے کہ یہ ثواب آپ کی نظر میں بھی انذار سے مقصود تھا یا نہیں تو حضور ﷺ کی شفقت دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو محض ثواب مقصود نہ تھا کیونکہ اگر آپ کو محض ثواب مقصود ہوتا تو اس قدر دل سوزی کی کیا وجہ تھی ثواب تو صرف تبلیغ پر بھی مرتب ہو جاتا تھا جس کے باب میں قرآن مجید میں ارشاد ہے

لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مؤمنین (شاید آپ اپنی جان کو ہلاک کرنے والے ہیں اس وجہ سے کہ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں) اور مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ (آپ ان پر وکیل نہیں ہیں) اور لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (دوزخ والوں کی نسبت آپ سے سوال نہ ہوگا) ان سب آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بے حد غم تھا ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس کو صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا (فوائد)

قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا

ترجمہ: تو ہر بار یہی کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پیشتر اور ملے گا بھی ان کو دونوں بار کا پھل ملتا جلتا۔

تفسیری نکات

ثمرات جنت دنیا کے مشابہ ہونگے

چنانچہ هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ میں مفسرین نے چند اقوال نقل کئے ہیں ایک یہ کہ نعمائے جنت صورۃ نعمائے دنیا کے مشابہ ہونگے ان کو دیکھ کر جنتی کہیں گے کہ یہ تو وہی چیزیں ہیں جو ہم نے اس سے پہلے دنیا میں کھائی تھیں اور بعض نے کہا ہے کہ ثمرات جنت باہم مشابہ ہوں گے اس لئے ایک بار کسی چیز کو کھا کر پھر دوبارہ جب کوئی چیز سامنے آئے گی تو صورۃ پہلے کے مشابہ ہونے کی وجہ سے کہیں گے کہ یہ تو ابھی کھائی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ وہ نعمتیں اعمال کی صورت ہوں گے جن کو دیکھتے ہی سمجھ جائیں گے کہ یہ تو وہی نماز ہے جس کو ہم کو دنیا میں توفیق ہوئی تھی اور وہ مناسب ایسی ہوگی جس کو صاحب عمل فوراً سمجھ جائے گا اور گو اس تفسیر کو علماء ظاہر نے زیادہ قبول نہیں کیا مگر اس کی تغلیط بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ احادیث سے اس کا پتہ چلتا ہے ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے اِنَّ الْجَنَّةَ قِيْعَانٌ وَغِرَاسُهَا سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ کہ جنت چٹیل میدان ہے اور اس کے درخت تسبیح وتحمید وغیرہ ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت کے درخت ان کلمات کی صورت ہیں اسی طرح بعض نصوص قرآنیہ میں ہے ذوقوا ما کنتم تعملون کہ چکھو ان چیزوں کو جو تم کرتے تھے۔ اگر اس میں تاویل نہ کی جائے تو ظاہر نص ان لوگوں کی تائید کرتا ہے جو جزاء کی صورت اعمال کہتے ہیں باقی یہ مقدمات اقناعیہ ہیں میں ان کی بنا پر دعویٰ نہیں کرتا اور نہ آیات کی تفسیر کرتا ہوں بلکہ ایک لطیف استشہاد علم اعتبار کے طور پر کرنا چاہتا ہوں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ

ترجمہ: فرشتے کہنے لگے کہ کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد اس میں اور خوں ریزیاں کریں

تفسیری نکات

فساد سے مراد تحلیل ہے

ایک مولوی صاحب کے کسی سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر بالفرض آدم علیہ السلام سے بھی لغزش نہ ہوتی تب بھی چونکہ مادہ تو ایسی لغزش کا ان میں تھا ہی جس سے بلزوم عادی ان کی اولاد میں سے جنت میں کوئی نہ کوئی گڑ بڑ کرتا اور اس کو نکالا جاتا اس وقت وہ کسی کا بیٹا ہوتا کسی کا پوتا کسی کا بھتیجا کسی کا بھانجا کسی کا بھائی تو روزانہ جنت میں کہرام مچا رہتا اس وجہ سے باپ ہی آ گئے ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جنت میں رنج کیسے ہوتا فرمایا کیوں شبہ کیا ہے آخر آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جنت سے نکلو اس وقت آدم علیہ السلام کو رنج ہوا ہوگا یا نہیں وہ رنج طبعی سہی عقلی نہ سہی اس وقت وہ دنیا میں تھے یا جنت میں عرض کیا کہ جنت میں فرمایا بس ثابت ہو گیا کہ جنت میں بھی رنج ہو سکتا ہے اور یہ تو پیشتر ہی حق تعالیٰ نے فرشتوں سے ظاہر فرما دیا تھا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اس سے بھی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ ارض میں خلیفہ ہونگے جنت سے نکل جانا آدم علیہ السلام کا اسی وقت فرشتوں کو معلوم ہو چکا تھا اسی سلسلہ میں فرمایا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا کی تفسیر جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی عجیب وغریب ہے بہت سی تفسیریں دیکھیں مگر وہاں تک کسی مصنف کی رسائی نہیں ہوئی وہ یہ کہ یہ امر فطری ہے کہ اپنی بنی ہوئی چیز کے بگڑنے سے رنج ہوتا ہے اور خلافت کے لئے تصرف لازم ہوگا اور تصرف کا حاصل یہی تحلیل وترکیب ہے اور تحلیل بھی توڑ پھوڑ ہے بس فساد سے یہی تحلیل مراد ہے فساد بمعنی معصیت مراد ہونا ضروری ہی نہیں اسی طرح سفک دماء سے سفک محرم مراد ہونا ضروری نہیں چونکہ فرشتوں کا کام تھا پرورش کرنا شجر کو مویشی وغیرہ کو اور یہ آدمی کسی درخت کو کاٹے گا کسی کی کڑیاں بنائے گا کسی میں تختے' جانوروں میں کسی پر سواری کرے گا کسی سے کھیتی کا کام لے گا کسی کو ذبح کرے گا فرشتوں کو یہ گراں ہوا اب یہ شبہ بھی نہ رہا کہ فرشتوں نے بنی آدم کی طرف معصیت کو کیسے منسوب کر دیا عجیب تحقیق ہے۔

فساد کے لغوی معنی

اس آیت سے بظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جو فساد اور خونریزی اس میں بیان کی گئی ہے یہ خود آدم علیہ السلام میں بھی ہے حالانکہ وہ نبی معصوم ہیں اس کا جواب دوسرے حضرات نے تو یہ دیا ہے کہ اس سے خود آدم علیہ السلام کی ذات مراد نہیں بلکہ بنی آدم مراد ہیں۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب نے جواب یہ دیا ہے کہ یہاں فساد اور خونریزی کے شرعی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں کیونکہ انسان ان جانوروں کو ذبح کرکے کھائے گا شکار کرے گا تو لغوی معنی کے اعتبار سے فساد کی ایک صورت ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تخلیق آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا حاکمانہ اور حکیمانہ جواب

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ الارض بنانے کے لئے پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں نے عرض کیا تھا کہ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ تو حق تعالیٰ نے فرشتوں کو دو جواب دیئے ایک تو حاکمانہ جواب دیا کہ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے) میرے معاملات کی تمہیں کیا خبر۔

؎ رموز مملکت خویش خسرواں دانند

میں اپنے معاملات کا تم سے زیادہ علم رکھتا ہوں دوسرا جواب حکیمانہ دیا کہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (اور علم دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمی علیہ السلام کو سب چیزوں کا) کہ تم اوصاف اور اسماء اور خواص اشیاء کے جن سے ان کو کام پڑنے والا تھا تعلیم فرمادیئے تاکہ وہ ان اشیاء میں تصرف کرنے پر قادر ہوتے۔ آدم علیہ السلام کو بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں انہوں نے کہا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ یعنی آپ زمین میں ایسے لوگوں کو پیدا کریں گے جو فساد اور سفک دماء کریں گے اور ہم آپ کی تسبیح اور تقدیس کے لئے ہر دم تیار ہیں۔ اس آیت کی تفسیر عام مفسرین نے تو معصیت سے کی ہے یعنی مشہور تفسیر تو یہ ہے کہ انسان زمین میں فساد کریں گے خون بہاویں گے مگر مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایک عجیب تفسیر کی ہے فرمایا کہ فساد فی الارض معصیت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہاں فساد کے معنی بگاڑنے کے ہیں یعنی انسان پیدا ہوگا تحلیل و ترکیب کے لئے انسان کا کام جوڑنا اور توڑنا ہے یعنی جوڑی ہوئی چیزوں کو توڑنا اور علیحدہ چیزوں کو جوڑنا۔ بس ترکیب تحلیل کام ہے۔ انسان ایجاد و اعدام تو کرتا نہیں یعنی اعطائے وجود یا سلب وجود نہیں کرسکتا۔ بس اس کا کام اتنا ہی ہے کہ کسی کو جوڑ دیا کسی کو توڑ دیا مثلاً یہ پنکھا ہے اس میں آپ نے کیا کھجور کی تو ٹہنی کاٹ کر لائے اس کو پیڑ سے توڑا اور پھر سب پتوں کو جوڑ لیا پنکھا ہو گیا۔ تو اس میں آپ نے صرف تحلیل و ترکیب ہی کی اور کوئی کمال آپ کا نہیں ہے اور فساد کے معنی ہیں بگاڑنا۔ جب کسی کو توڑو گے تو ضرور بگڑیگا اور یہ سب چیزیں فرشتوں کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی ہیں اور اپنی بنائی ہوئی چیز سے محبت ضرور ہوتی ہے اس لئے طبعی طور پر ان کو قلب ہوا اور رحم آیا کہ یہ انسان ہماری بنائی ہوئی چیزوں کو توڑے پھوڑے گا کیونکہ یہ سب چیزیں شجر حجر حیوانات جمادات نباتات، جن وغیرہ سب انسان سے پہلے ہو چکے تھے۔ اور ان سب کے پیدا ہونے میں فرشتوں سے کام لیا گیا ہے پھر انسان ان سب سے بعد میں ان میں تصرف کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے اور یہ بعد میں پیدا ہونا دلیل ہے اس کی شرافت کی دیکھئے جب آپ کا کوئی معزز مہمان آتا ہے اس کی خاطر مدارات کی جتنی اشیاء ہوتی ہیں سب پہلے سے موجود کر لیتے ہیں پھر اس کو بلاتے ہیں چنانچہ اس کے آنے سے پہلے مکان کو جھاڑ و دلواتے ہیں عمدہ فرش بچھاتے ہیں میز کرسی تیار رکھتے ہیں۔ قالین، لالٹین، دیوار گیری سب لگائے رکھتے ہیں۔ جب وہ آتا ہے تھوڑی دیر باہر بٹھلا کر اندر لے آتے ہیں یہ نہیں کرتے کہ جب مہمان آجائے اسی وقت جھاڑو دلواتے ہوں تاکہ وہ گرد اس کے اوپر پڑے اور نہ اس وقت فرش بچھاتے ہیں تو انسان کا سب سے پیچھے آنا ہی دلیل ہے اس کے معزز ہونے اور شریف ہونے کی غرض

(c) ketabton.com: The Digital Library

سب چیزیں پہلے موجود تھیں اور انسان بعد میں آیا اور فرشتے جانتے تھے کہ انسان ان سب کو توڑے پھوڑے گا اور یہ ان کی بنائی ہوئی چیزیں تھیں ان کو قلق ہوا عرض کیا آپ ایسے شخص کو پیدا کرتے ہیں جو توڑ پھوڑ کرے گا۔ اب فساد کی تفسیر معصیت سے کرنے کی ضرورت نہ رہی واقعی عجب تفسیر ہے۔ (اجر الصیام حصہ اول)

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: اور علم دے دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام (کو پیدا کر کے) سب چیزوں کے اسماء کا پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کر دیں پھر فرمایا کہ بتلاؤ مجھ کو اسماء ان چیزوں کے (یعنی ان کے آثار وخواص) اگر تم سچے ہو (فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ تو پاک ہیں ہم کو علم ہے ہی نہیں بے شک آپ بڑے علم والے حکمت والے ہیں (کہ جس قدر جس کے لئے مصلحت جانا اسی قدر فہم وعلم عطا کیا) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام ان کو چیزوں کے اسماء بتلا دو جب بتلا دیئے آدم علیہ السلام نے ان کو چیزوں کے اسماء تو حق تعالیٰ نے فرمایا (دیکھو) میں تم سے کہتا نہ تھا کہ میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں اور زمینوں کی اور جانتا ہوں جس بات کو تم ظاہر کر دیتے ہو اور جس بات کو دل میں رکھتے ہو۔

تفسیری نکات

تعلیم اسماء کی استعداد

اور دوسرا امر یہ فرمایا کہ استعداد کا مسئلہ بڑا اہم ہے قصہ آدم علیہ السلام اور ان کی تعلیم اسماء میں اور فرشتوں کے عجز عن الجواب کی بناء یہی استعداد ہے ان علوم اسماء کے اخذ کرنے کی استعداد آدم علیہ السلام میں تھی ملائکہ میں نہ تھی اس لئے آدم علیہ السلام کو جو علم عطاء ہوا وہ فرشتوں کو عطا نہیں ہوا پس اس سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ آدم علیہ السلام کو جن علوم خاصہ کی تعلیم دی گئی اگر ملائکہ کو دی جاتی وہ بھی ان علوم سے متصف ہو جاتے پھر آدم علیہ السلام کا کمال کیا ہوا وجہ دفع تقریر بالا سے ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام کو کوئی خفیہ تعلیم نہیں دی گئی مگر ملائکہ میں ان علوم کی استعداد نہ تھی اس لئے ان کو تلقی نہیں کر سکے باقی یہ سوال کہ ان کے عجز عن الجواب کے بعد پھر قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ کے کیا معنی اس وقت وہ علم ان کو کیسے حاصل ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تعلیم محض الفاظی اطلاع تھی معنوی نہ تھی معنوی اطلاع صرف آدم علیہ السلام کو عطا فرمائی گئی

(c) ketabton.com: The Digital Library

تھی مگر آدم علیہ السلام کے اخبار سے ملائکہ کو یہ معلوم ہو گیا کہ ان کو جو حقیقت معلوم ہے ہم کو معلوم نہیں اگر کوئی کہے کہ وہ استعداد فرشتوں کو کیوں نہ دے دی گئی جواب یہ ہے کہ وہ استعداد خواص آدم سے تھی اگر ملائکہ کو عطاء ہوتی تو فرشتہ فرشتہ نہ رہتا اسی کے متعلق ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ انبــاء جو اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ کا مادہ ہے مطلق اخبار کو کہتے ہیں اور تعلیم عَلَّمَ اٰدَمَ کا مادہ ہے حقیقت کا منکشف کر دینا ہے پس انباء سے تعلیم لازم نہیں آتی غرض استعداد خاص عطاء ہونا یہ بھی محض وموہبت ہے کسی عمل کا ثمرہ نہیں چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے کوئی عمل سابق نہیں ہوا تھا۔

خاصیت اور استعداد

پھر فرشتوں پر پیش کیا اور پھر فرشتوں نے فرمایا اَنۡۢبِئُوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ اگر تم سچے ہو ان کے نام بتلاؤ اور اسماء کی تخصیص محض ذکری ہے۔ مقصود اوصاف وخواص بتلایا ہے۔ پھر فرشتوں نے حق تعالیٰ سے اپنے عجز کا اقرار کیا اور کہا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا الایۃ (آپ تو پاک ہیں ہم کو علم نہیں مگر وہی جو آپ نے ہم کو سکھلایا ہے) پھر حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم ان کے نام بتلاؤ قَالَ يٰٓـاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ (حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تم بتلاؤ ان کو ان چیزوں کے نام) پس آدم علیہ السلام نے سب بتلا دیا۔ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ جب آدم علیہ السلام نے نام بتلا دیئے تو قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّـكُمۡ الایۃ۔ حق تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں تو خلاصہ یہ ہوا کہ خلافت کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ان کو تعلیم فرمائی۔

جواب اشکال

اب اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جو چیزیں آدم علیہ السلام کو بتلائیں اگر فرشتوں کو بھی بتلا دیتے تو وہ بھی اسی طرح بتلا سکتے تھے۔ یہ تو ایسا ہوا کہ دو طلبہ کو امتحان میں اس طرح شریک کریں کہ ایک کو تو پندرھویں مقالہ کی شکل اول خلوت میں سکھلا دیں اور دوسرے سے اسی شکل میں بغیر سکھلائے ہوئے امتحان لیں۔

اس شبہ کا جواب سننے کے قابل ہے یہ کہیں سے ثابت نہیں کہ خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تنہائی میں اسماء وغیرہ بتلائے تھے اور جب ثابت نہیں تو یہ بھی احتمال ہے کہ فرشتوں کے سامنے ہی بتلا دیا ہو اور یہی احتمال خدا تعالیٰ کے لطف کے اعتبار سے راجح ہے تو اب وہ مثال صحیح نہیں ہو سکتی بلکہ اب اس کی مثال ایسی ہوگی کہ پندرھویں مقالہ کی شکل اول دونوں طلباء کے سامنے بیان کی گئی اور امتحان کے وقت ایک تو بوجہ مناسبت بتلا سکا اور دوسرا نہیں بتلا سکا۔ اعتراض جو وارد ہوتا ہے اول صورت میں ہوتا ہے اور اس پر منع کافی ہے اور وہ احتمال بالفرض راجح نہ سہی مگر احتمال تو ہے کہ فہرست سب کے سامنے پیش ہوئی اور پھر جب آدم علیہ السلام نے تو بتلا دیا اور فرشتے نہ بتلا سکے کیوں کہ علم کے واسطے استعداد کی ضرورت ہے اول علوم کی استعداد بشر ہی میں تھی۔ مثلاً بھوک کی حقیقت کہ جبرائیل علیہ السلام نہیں سمجھ سکتے تو فرشتے باوجود سننے کے بھی بوجہ عدم استعداد اس کی حقیقت نہ بتلا سکے تو حق تعالیٰ نے اس امتحان سے یہ بتلا دیا کہ تم میں وہ استعداد نہیں اور وہی شرط تھی خلافت کی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اب ایک شبہ اور رہا کہ جب آدم علیہ السلام نے ان کو بھی بتلا دیا تو وہ ضرور سمجھ سکے ہوں گے تو ان میں بھی استعداد ثابت ہوگئی مگر یہ محض لغو اعتراض ہے کیونکہ بتلانے کے لئے مخاطب کا سمجھ لینا لازم نہیں اور اس لئے انباء فرمایا علم نہیں فرمایا۔ تعلیم کے معنی ہیں سمجھا دینے کے اور انباء کے معنی ہیں اخبار کے یعنی تقریر کردی گو مخاطب نہ سمجھا ہو۔ بہرحال استعداد کی ہر علم کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔

اس تقریر پر بھی اعتراض پڑتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ خاصیت ہی بدل دیتے اور وہ استعداد ملائکہ میں پیدا کر دیتے تو وہ بھی سمجھ لیتے۔ جواب یہ ہے کہ خاصہ اس کو کہتے ہیں کہ اس ذات کے علاوہ کسی اور ذات میں نہ پایا جائے ورنہ خاصہ نہ رہے گا تو استعداد جو خاصہ بشر ہے ملائکہ میں کیسے پائی جاسکتی ہے اور اگر کہو کہ اول ہی فرشتوں کو بشر کر کے خلیفہ کر دیتے تو یہ مسئلہ تقدیر کا ہے اس میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کو بشر کیوں نہیں کیا اس کی نسبت صرف یہی کہا جائے گا

حدیث مطرب و می گو و راز دہر کمتر جو ۔۔۔ کہ کس نکشو دو نکشاید بحکمت ایں معمارا

مطرب و می کی بات کر زمانے کے راز تلاش نہ کر کہ کسی نے حکمت سے اس معمہ کو نہیں کھولا۔

فہم کی ایک مثال

(ملفوظ ۲۳۳) ایک مولوی صاحب نے سوال کیا کہ حق تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا ہے کہ میں ضرور بناؤں گا زمین میں ایک نائب۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ کیا آپ ایسے لوگوں کو زمین میں پیدا کریں گے جو فساد کریں گے اس میں اور خونریزیاں کریں گے اور ہم برابر آپ کو تسبیح اور تقدیس کرتے رہتے ہیں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (یعنی میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے) تو یہ مجمل جواب دیا اس کے بعد آدم علیہ السلام کو اسماء بتلا دیئے اور ملائکہ سے فرمایا۔

أَنۢبِـُٔونِي بِأَسْمَآءِ هَٰٓؤُلَآءِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ

فرشتوں نے عرض کیا سُبْحَٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ

حق تعالیٰ نے فرمایا يَٰٓـَٔادَمُ أَنۢبِئْهُم بِأَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ أَنۢبَأَهُم بِأَسْمَآئِهِمْ الخ یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر فرشتوں کو بھی بتلا دیا جاتا تو ان کو بھی یہ علم حاصل ہو جاتا تو اس میں آدم علیہ السلام کی کیا فضیلت ثابت ہوئی جواب میں فرمایا کہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ فرشتوں سے اخفاء کیا گیا مگر فرشتوں میں خاص ان علوم کی استعداد نہ تھی اس لئے باوجود اعلانیہ تعلیم کے بھی ان علوم کو نہیں سمجھ سکتے تھے جیسے استاد اقلیدس کے کسی دعوے کی تقریر دو طالب علموں کے سامنے کرے مگر جس کو مناسبت ہے وہ تو سمجھے گا دوسرا نہیں سمجھے گا اگر کہا جائے۔

فَلَمَّآ أَنۢبَأَهُم بِأَسْمَآئِهِمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی علم اسماء کی استعداد تھی اس کا جواب یہ ہے کہ انباء محض اخبار روایت کو کہتے ہیں جس کا درجہ تعلیم سے کم ہے پس اس سے علم حقائق اسماء کا حاصل ہو جانا لازم نہیں آتا حاصل یہ کہ علم اسماء کی استعداد بشر کے ساتھ خاص تھی فرشتوں کے اندر وہ استعداد ہی نہ تھی اب رہا یہ سوال کہ فرشتوں میں وہ استعداد رکھ

(c) ketabton.com: The Digital Library

دیتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بشر میں رکھنا اور فرشتوں میں نہ رکھنا یہ حکمت ہے جس پر کوئی اعتراض ہی نہیں کر سکتا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتہ جیسا فرشتہ ہے ویسا ہی رہے اور آدمی جیسا آدمی ہے ویسا ہی رہے اس وقت یہ تفاوت ہوگا جس کا منشا اختلاف استعداد ہے جس کو مختلف محل میں مختلف پیدا کرنا محض حکمت ہے ایک بدعقیدہ صوفی نے اس سوال کے جواب میں یہ غضب کیا ہے اور اس کو لکھ بھی دیا ہے اور وہ رسالہ چھپ بھی گیا یہاں مدرسہ میں ہے یہ لکھا ہے کہ وہ استعداد غیر مخلوق اور قدیم اور مقتضاداتِ ممکن کا ہے اس واسطے یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ ایک میں استعداد رکھی اور ایک میں نہیں رکھی اس شخص نے اپنے زعم میں خدا تعالیٰ کو اعتراض سے بچایا ہے مگر بیچارہ خود ہی نہیں سمجھا اب ایک سوال اور رہا وہ یہ کہ جب فرشتے آدم علیہ السلام کے اخبار سے بھی نہیں سمجھے تو فرشتوں کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو یہ علم حاصل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تقریر کی قوت سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کہہ رہا ہے گو اس تقریر کو کوئی نہ سمجھے یہ ایسا ہے کہ جیسے اقلیدس کا ماہر کی شکل بیان کرے تو اس کو سمجھے گا تو وہی جو پہلے سے مبادی سے باخبر ہے اور جو مبادی ہی سے بے خبر ہے وہ سمجھے گا تو نہیں مگر اتنا سمجھ لے گا کہ یہ سمجھ کر کہہ رہا ہے آگے اس میں قصور سمجھنے والے کا ہے کہ نہیں سمجھا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو (اور جنوں کو بھی) کہ سجدہ میں گر جاؤ آدم کے سامنے سو سب سجدہ میں گر پڑے بجز ابلیس کے اس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آ گیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔

تفسیری نکات

شیطان کے مردود ہونے کا سبب

اس پر شبہ کیا کہ شیطان کے مردود ہونے کی وجہ کیا ہے اس کو تو سجدہ کا حکم ہوا ہی نہیں بلکہ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف ملائکہ کو ہوا تھا۔ نہ معلوم ان صاحبوں کو شیطان کے ساتھ اتنی ہمدردی کیوں ہے

جواب اشکال کا یہ ہے کہ عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم نہیں اور یہاں اس کے ذکر کی اس لئے ضرورت نہ تھی کہ آگے اِلَّآ اِبْلِيْسَ میں اس کا ذکر آ رہا ہے یہ اس کا قرینہ ہے کہ وہ بھی مخاطب تھا۔ بلاغت کا قاعدہ ہے کہ جب ایک چیز کا ذکر آگے موجود ہو تو کلام سابق میں اکتفاء باللاحق اس کا ذکر نہیں کیا کرتے جیسا کہ عرض امانت میں انسان کا ذکر اس لئے نہیں ہوا کہ آئندہ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ میں اس کا ذکر موجود ہے یہ جواب اس اشکال کا بہت سہل ہے اس میں استثناء متصل و منفصل کی بحث کی ضرورت نہ رہے گی۔ بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ابلیس کا ذکر کلام سابق میں ایجازاً محذوف ہے اور تقدیر کلام اس طرح تھی وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ والابلیس اسجدوا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ابلیس کا سجدہ نہ کرنا آدم کے کمال کی دلیل

فرمایا۔ ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملائکہ کا سجدہ کرنا جیسا ان کے یعنی آدم علیہ السلام کے کمال کی دلیل ہے ویسا ہی ابلیس کا سجدہ نہ کرنا بھی ان کے کمال کی دلیل ہے کیونکہ اگر ابلیس بھی سجدہ کرتا تو اہل کمال کو یہ شبہ ہوتا کہ شیطان کو آدم علیہ السلام سے کچھ مناسبت ضرور ہے جس کی وجہ سے اس کو ان کی طرف میلان ہوا اور ان کو سجدہ کیا اب سجدہ نہ کرنے کی صورت میں یہ تحقیق ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور ابلیس کے درمیان کوئی مناسبت نہیں کیونکہ الجنس یمیل الی الجنس (الکلام الحسن حصہ اول ۷۹)

وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۞
ترجمہ: اور نزدیک نہ جائیو اس درخت کے ورنہ تم بھی ان ہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔

تفسیری نکات

لاتقربا فرمانے میں حکمت

حق تعالیٰ نے زنا کی حرمت اس لفظ سے بیان فرمائی ہے کہ لاتقربوا الزنا حالانکہ یہ لفظ بھی کافی تھا لاتزنوا یعنی زنا نہ کرو مگر بطور تاکید اور پیش بندی کے یہ لفظ اختیار کیا جس کے معنی یہ ہیں کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ اور آدم علیہ السلام کو اکل من الشجرہ سے منع فرمانے کے لئے بھی لَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اختیار کیا گیا جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قریب بھی مت جاؤ ایک حدیث تو اس بارہ میں صریح موجود ہے من یرتع حول الحمی یوشک ان یقع فیہ یعنی ارشاد فرماتے ہیں حضور ﷺ جو کوئی سرکاری چراگاہ کے آس پاس بکریاں چرائے گا تو ممکن ہے کہ کوئی بکری چراگاہ میں بھی گھس جائے یہ ٹکڑا ہے ایک حدیث کا وہ یہ ہے کہ الحلال بین والحرام بین و بینھما مشتبھات فمن اتقی الشبھات فقد استبرء لدینہ و من یرعی حول الحمی یوشک ان یقع فیہ.

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حلال بین ہے اور حرام بین ہے اور دونوں کے درمیان میں مشتبہات ہیں یعنی وہ اعمال ہیں جن کا حلال وحرام ہونا پوری طرح واضح نہیں ہے اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ جو شبہات سے بھی بچا رہے اس نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا اور جو کوئی سرکاری چراگاہ کے قریب اپنے مویشی کو لے جائے گا (یعنی شبہات کا ارتکاب کرے گا جو حرام کی سرحد سے ملی ہوئی ہے) تو تعجب نہیں کہ مویشی چراگاہ میں بھی گھس جائیں اور وہ سرکاری مجرم ہو جائے۔

لَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ. یعنی اس درخت کے قریب مت جاؤ۔ حالانکہ منہی عنہ اکل شجرہ ہے لیکن منع کیا گیا اس کے پاس جانے سے اس لئے کہ حق تعالیٰ نہایت رحیم وکریم ہیں انہوں نے دیکھا کہ جب پاس جاویں گے تو پھر رکنا دشوار ہے اس لئے پاس جانے سے ہی روک دیا جیسے بچے کو شفیق باپ کہتا ہے کہ دیکھو بیٹا چولہے کے پاس نہ جانا حالانکہ جانتا ہے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

چولہے کے پاس جانا کچھ مضر نہیں لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی جانتا ہے کہ پاس جا کر بچنا مشکل ہے اس لئے روکتا ہے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ

ترجمہ: اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے (یعنی قرآن پر) ایسی حالت میں کہ وہ سچ بتلانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے (یعنی توریت کے کتاب الٰہی ہونے کی تصدیق کرتی ہے) اور مت ہو پہلے کافر اس کے ساتھ۔

تفسیری نکات

اہل کتاب سے خطاب

ارشاد وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ یہ خطاب اہل کتاب ہی کو ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے اہل کتاب ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے اتاری ہے کہ وہ تمہاری کتابوں کی بھی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کے ساتھ اول کافر نہ بنو یعنی اگر تم اس کا انکار کرو گے تو کافر ہو گے اور سب سے اول درجہ کے کافر ہو گے کیونکہ تم اہل علم ہو اور پہلے بھی تم کو کتاب مل چکی ہے برخلاف مشرکین کے کہ وہ اہل علم نہیں اور کسی کتاب کو نہیں مانتے ان سے اس کتاب کا انکار بھی اتنا بعید نہیں جتنا تم سے ہے اس آیت میں مَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ سے سوائے قرآن کے اور کچھ مراد نہیں ہو سکتی لہذا ثابت ہوا کہ قرآن پر ایمان لانا بھی شرط ایمان ہے بلا اس کے آدمی مومن نہیں ہو سکتا کافر ہی رہے گا اور کافر کی نجات نہیں اور ظاہر ہے کہ تمام قرآن حضور کی رسالت سے بھرا پڑا ہے قرآن پر جو کوئی ایمان لائے وہ حضور کی رسالت کا ضرور قائل ہو گا اس سے ثابت ہوا کہ بلا حضور کی رسالت پر ایمان لائے بھی نجات نہیں ہو سکتی۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝

ترجمہ: اور قائم کرو تم لوگ نماز کو (یعنی مسلمان ہو کر) اور زکوۃ دو اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ

تفسیری نکات

حب مال اور حب جاہ کا علاج

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ میں حب جاہ کا معالجہ ہے وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ میں حب مال کا علاج ہے۔

ازالہ کبر کی تدبیر

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ جو تتمہ ہے واقیموا الصلوۃ کا یہ کبر کے زائل ہونے کی تدبیر ہے۔ (التہذیب حصہ اول ۱۷)

(c) ketabton.com: The Digital Library

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: یا غضب ہے کہ کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے

تفسیری نکات

امر بالمعروف اور نسیان النفس

مگر یہ دھوکہ ہے اور سبب اس دھوکہ کا یہ ہے کہ ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ قرآن کا مقصود یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ عمل نہ کرو تو دوسروں کو بھی نصیحت نہ کرو حالانکہ یہ مقدمہ بالکل غلط ہے کیونکہ امر بالمعروف طاعت ہے اور اس طاعت کی شرائط میں یہ شرط کہیں نہیں کہ اگر خود بھی عمل کرے تو طاقت ہوگی ورنہ نہیں ہاں اپنا عمل نہ کرنا ایک مستقل گناہ ہے جو کہ قابل ترک ہے لیکن امر بالمعروف کے ساتھ اس کو شرطیت وغیرہ کا کچھ تعلق نہیں اور یہ کسی حدیث سے یا کسی مجتہد کے قول سے ثابت نہیں کہ اگر گناہ سے نہ بچے تو دوسری طاعت بھی طاعت نہ ہوگی اور اگر اس کو مانا جائے تو پھر اس آیت کے کیا معنی ہوں گے۔ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے بارے میں ہے جو کہ نیکی بھی کرتا ہے لیکن گناہ میں بھی مبتلا ہے تو اگر گناہ کرنا دوسری اطاعت کے طاعت نہ ہونے کا موجب ہو تو اس کے کفارہ سیئات کی کوئی صورت ہی نہ رہے گی اور مضمون آیت کے بالکل خلاف لازم آتا ہے البتہ اگر کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہو جو کہ مفوت طاعت ہے تو بیشک پھر طاعت طاعت نہ رہے گی اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں طاعت اپنی حالت پر رہے گی اگرچہ معصیت کرنے سے گناہ بھی ہوگا ہاں اتنا اثر ضرور ہوگا کہ گناہ کی وجہ سے طاعت کی برکت کم ہو جائے گی مگر طاعت منعدم نہ ہو جائے گی اور دلیل اس کی یہ آیت ہے إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

جب اس کی بناء الگ ہوئی تو یہ سمجھنا کہ اگر وعظ کہوں گا تو گنہگار رہوں گا غلطی پر مبنی ہے پس امر بالمعروف طاعت ہوا اور اس کا طاعت ہونا گناہ نہ کرنے پر موقوف نہ ہوا بلکہ آیت میں ملامت اس پر ہے کہ تم خود کیوں عمل نہیں کرتے اور وعظ کے چھوڑ دینے سے تو دوسرا جرم قائم ہو گیا یعنی نہ خود عمل کریں اور نہ باوجود معلوم ہونے کے دوسروں کو بتلائیں دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب ایک شخص امر بالمعروف کرتا ہے جو کہ طاعت ہے اور طاعت مزیل ہوتی ہے معصیت کی تو اس کا اقتضاء یہ ہو سکتا تھا کہ یہ کفارہ ہو جاتا نسیان نفس بمعنی ترک عمل کا مگر اس طاعت کے ہوتے ہوئے بھی اس کا یہ نسیان اس امر بالمعروف سے ہوا تو جہاں امر بالمعروف بھی نہ ہو نری بدعملی ہی ہو جس میں عیب جوئی بھی داخل ہے تو کیونکر موجب ملامت نہ ہوگی ضرور ہوگی۔ خلاصہ یہ ہوگا کہ اے شخص جو کہ اپنی حالت کو بھول رہا ہے جبکہ تیری حالت ایک معصیت اور ایک طاعت کے مجموعہ پر بھی محل ملازمت ہے تو جب طاعت ایک بھی نہ ہو بلکہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

دونوں امر معصیت ہوں تو کیونکر موجب ملامت نہ ہوگی اور دو معصیتیں اس طرح ہوئیں کہ بدعملی تو اپنی حالت پر رہی جس کو تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ فرمایا ہے اور امر بالمعروف کے بجائے دوسرے کی عیب جوئی ہوگئی تو اس حالت میں تو بدرجہ اتم ملامت ہونی چاہیے پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں جس میں ملامت کی بناء بدعملی وعیب جوئی ہے علماء کو ہی خطاب نہیں بلکہ جہلاء کو بھی ہے کیونکہ اس کا ارتکاب وہ بھی کرتے ہیں بلکہ جہلا کو زیادہ سخت خطاب ہے اور علماء کو ہلکا کیونکہ ان کے پاس ایک ہونے کی تو ہے امر بالمعروف اور جہلاء کے پاس تو ایک بھی نہیں اب اس کو غور کیجئے اور جہل پر اپنے فخر کو دیکھئے کہ اس کی بدولت تعزیرات الٰہیہ کی ایک دفعہ اور بڑھ گئی اور مقصود اس سب سے یہ ہے کہ ہماری جو یہ عادت پڑ گئی ہے کہ ہم دوسروں کی عیب جوئی کیا کرتے ہیں اس کو چھوڑ دینا چاہیے اور اپنی فکر میں لگنا چاہئے۔

اپنی برائیوں پر نظر رکھنے کی ضرورت

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی کیا تم سمجھتے نہیں ہو جس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ جس طرح نقلی ہے عقلی بھی ہے یعنی عقل بھی اس کے قبح کا فتوی دیتی ہے بہرحال اس آیت سے بدلالت مطابقی اس پر وعید ہوئی کہ اوروں کو سمجھاؤ اور خود عمل نہ کرو اور بدلالت التزامی و بدلالت النص یہ ثابت ہوا کہ اوروں کی برائی کے درپے ہونا اور اپنی برائیوں کو فراموش کرنا برا ہے ضرورت اس کی ہے کہ ہر وقت اپنے گناہوں اور عیوب پر نظر ہو اور اسکے معالجے کی فکر کی جائے اور جس میں اپنی فکر کافی نہ ہو اس میں دوسرے ماہر سے رجوع کرو شرم وحجاب کی وجہ سے اپنے امراض کو معالج سے چھپایا نہ جائے کیونکہ اظہار مرض کے بغیر علاج ممکن نہیں۔

اپنی صلاح ہمیشہ پیش نظر رکھنے کی ضرورت

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ (وہ اس سے یہ سمجھے کہ اگر اپنی اصلاح نہ کرے تو دوسرے کی اصلاح بھی نہ کرے) کیونکہ ہمزہ تامرون پر انکار کے لئے داخل ہوا ہے تو امر بالبر منکر ہوا یعنی جس حالت میں تم اپنے نفسوں کو بھولے ہوئے ہو لوگوں کو امر بالبر کیوں کرتے ہو مگر یہ محض غلط ہے بلکہ ہمزہ مجموعہ پر داخل ہوا ہے اور انکار مجموعہ کے دوسرے جزو کے اعتبار سے ہے کہ اپنے کو اصلاح میں بھلانا نہیں چاہیے۔

آیت اتامرون الناس کا مطلب

نیز قبل روانگی ریل ایک شخص نے سوال کیا کہ آیت اتامرون الناس بالبرو تنسون انفسکم کا مطلب کیا ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جسکے اپنے اعمال درست نہ ہوں اسکو دوسروں کو بھی نصیحت نہ کرنی چاہئے۔ فرمایا یہ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آمر بالبر کو ناسی نفس نہ ہونا چاہیے ورنہ امر بالبر ضروری چیز ہے اور کچھ نہ کچھ نفع اس سے ضرور ہوتا ہے سامع کو تو ہوتا ہی ہے آمر کو بھی ہوتا ہے میرا تجربہ ہے کہ جس بات کی میں اپنے آپ میں کسر پاتا ہوں اس کا وعظ کہہ دیتا ہوں بس اسی دن سے وہ کام شروع ہو جاتا ہے کیونکہ شرم آتی ہے کہ میں لوگوں کو اس کی تعلیم کر چکا ہوں اور میں اس میں سے خالی ہوں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝۴۵ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۴۶

ترجمہ: (اور اگر تم کو مال و جاہ کے غلبہ سے ایمان لانا دشوار معلوم ہو) تو مدد لو صبر اور نماز سے اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں اور خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بے شک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں۔

تفسیری نکات

نماز کی گرانی کا علاج

اب ایک اشکال رہ گیا کہ نماز و صبر خود بھی تو مشکل ہے پس ایسی چیز سے مدد لینے کی تعلیم دی جو خود بھی آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتی اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اعمال جن میں مدد لی جاتی ہے بہت سے ہیں اور یہ صرف دو ہی چیزیں ہیں۔ سو ہمت اور محنت سے دو باتوں کا حاصل کرنا کچھ دشوار نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کی بھی تدبیر بتلائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (ہاں بے شک نماز بہت گراں ہے مگر خاشعین پر) اس کے جزو اول پر تعارض کا شبہ نہ ہو کہ ابھی تو نماز کو آسان کہہ رہے تھے ابھی اس کو بھاری مان لیا۔

بات یہ ہے کہ نماز فی نفسہ آسان ہے اور عارض مزاحمت نفس سے گراں ہو جاتی ہے دوسرے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت میں بطور ارخائعنان کے اس کو گراں مان لیا گیا ہے تا کہ مخاطب کو ابتدا ہی سے وحشت نہ ہو بلکہ مصلح کو اپنی موافقت کرتا ہوا دیکھ کر اس کی بات کو سن لے۔

کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ مصلح اگر مریض کی بات کو مان کر اصلاح کرے تو مریض کا دل بڑھتا ہے۔ مثلاً طبیب نے مونگ کی کھچڑی بتلائی مریض نے کہا کہ وہ بدمزہ ہوتی ہے اب ایک صورت تو یہ ہے کہ اس کی بات کو رد کیا جائے۔ اس سے تو بحث کی صورت پیدا ہو جائے گی اور مریض ہرگز اس کی بات نہ مانے گا بلکہ اپنی بات پر اڑ جائے گا ایک صورت یہ ہے کہ طبیب یوں کہے کہ ہاں واقعی بدمزہ ہے مگر اس لئے تجویز کی جاتی ہے کہ مریض زیادہ نہ کھا جائے۔ فرماتے ہیں واقعی نماز بہت گراں ہے سبحان اللہ کیسا شفقت کا عنوان اختیار فرمایا کہ گرانی کو تسلیم کر لیا آگے فرماتے ہیں خاشعین پر کچھ گراں نہیں پس تم خشوع حاصل کر لو تم پر نماز گراں نہ رہے گی۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۴۶ ترجمہ: جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ رب کی ملاقات کرنے والے ہیں اور اسی طرح لوٹنے والے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

لقائے رب کا استحضار مشکل نہیں

کہ تم لقاء رب و رجوع الی اللہ کا استحضار کرو اور یہ کچھ مشکل نہیں کیونکہ خیالات کا بالکل روکنا تو مشکل ہے مگر ایک خیال کا استحضار تو مشکل نہیں اگر وہ دل سے ہٹ جائے تو پھر لے آ و اس طریقہ سے خشوع قلب جلد حاصل ہو جائے گا۔

خشوع کی حقیقت

مگر لوگ اس میں یہ غلطی کرتے ہیں کہ عدم حضور وساوس کو خشوع سمجھتے ہیں۔ حالانکہ خشوع کی حقیقت عدم احضار وساوس ہے قصداً خیال نہ لایا جائے اور جو بلا قصد آوے وہ مضر نہیں نہ خشوع کے منافی ہے بلکہ اس کو دفع بھی نہ کرو اس کی طرف التفات ہی نہ کرو۔

صوفیا نے لکھا ہے کہ وساوس کی مثال ہوا کی طرح ہے کہ جو شخص برتن میں سے تنہا ہوا نکالنا چاہے وہ عاجز ہو جائے گا کیونکہ خلا محال ہے ہاں برتن میں پانی بھر دو۔ جب بھر جائے تو پھر ہوا کا نام بھی نہ رہے گا۔ پس تم اپنے قلب میں لقاء رب و رجوع الی اللہ کا خیال اچھی طرح بھر لو پھر وساوس کا نام بھی نہ رہے گا۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ یعنی مدد لو صبر اور نماز سے اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں وہ خشوع کرنے والے وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بے شک اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ بے شک اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں۔

اکثر مفسرین نے صبر سے مراد صوم لیا ہے اور اس کو آیت میں مشکل نہیں فرمایا بلکہ صرف نماز کے ساتھ اس حکم کو مخصوص کیا اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ عورتیں روزہ رکھنے میں بڑی مستعدی کرتی ہیں اور نماز پڑھنا ان پر قیامت ہوتا ہے اس لئے کہ افعال وجودی میں مشقت زیادہ ہے اور نہ کھانے میں عورتوں کا کچھ کمال بھی نہیں اس لئے اول تو مزاج بارد جس میں تحلیل رطوبات کم ہوتی ہیں دوسرے کھانا پکانے سے طبیعت سیر ہو جاتی ہے اور مردوں میں یہ امور محقق نہیں ہیں۔

خشوع کی ضرورت

نماز کو جو آیت میں دشوار کہا گیا ہے اس سے خاشعین کو مستثنیٰ بھی فرمایا ہے کہ وہ خاشعین پر مشکل نہیں اس لئے خشوع کی بھی ضرورت ہے تا کہ اس سے نماز آسان ہو اس واسطے خشوع پیدا کرنے کی ترکیب بھی الذین یظنون الخ میں ارشاد فرمائی یعنی وہ یوں خیال کرتے ہیں کہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں بخدا یہ خشوع پیدا کرنے کے لئے عجیب علاج ہے آدمی ہر عبادت میں یہی خیال کر لے کہ یہ میرا خدا سے ملنے کا آخری وقت ہے تو بڑا خشوع ہی ہوگا اسی لئے رسول ﷺ کا ارشاد ہے صل صلوة مودع مودع یعنی رخصت کئے گئے شخص جیسی نماز پڑھو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن شریف اور محاورات عرب میں ظن کے وسیع معنی

فرمایا کتب درسیہ کے بعد قرآن شریف کی تفسیر کو پڑھنے سے لغات اور اصطلاحات میں خلط ہو جاتا ہے اور اس سے بہت سی غلطیاں ہو جاتی ہیں مثلاً لفظ ظن کو قرآن شریف میں ملا کر حسن کے ظن کی اصطلاح میں سمجھ گئے پھر اس سے احکام میں خبط ہونے لگا حالانکہ قرآن شریف میں اور اسی طرح محاورات عرب میں ظن یقین سے لے کر خیالات باطلہ تک بولا جاتا ہے مثلاً اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ میں ظن بمعنی یقین ہے اور ان نظن الا ظنا میں ظن بمعنی خیالات باطلہ مستعمل ہے اور باقی مراتب کی مثالیں تم خود سمجھ لو گویا علم کے جمیع مراتب پر ظن کا اطلاق آتا ہے جیسا قرینہ ہو۔ اب یہ اشکال نہ رہا کہ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا سے بعض مسائل کی تخصیص کی جائے کیونکہ فروع فقیہ میں تو ظن بمعنی جانب راجح معتبر بلکہ آیت میں ظن سے مراد خیال بلا دلیل ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس قسم کا ظن اثبات حق کے لئے کافی نہیں باقی جو ظن مستند الی الدلیل ہو وہ مثبت حکم ظنی ہو سکتا ہے۔

نماز روزہ سے زیادہ مشکل ہے

ارشاد ربانی ہے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (یعنی مدد لو صبر اور نماز سے اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں۔ (البقرہ آیت ۴۵)

حضور علیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے سے نماز میں تو تخفیف کی درخواست کی لیکن روزہ کا عدد تمیں سے تین نہیں کرایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ روزہ نماز سے آسان ہے (عصم الصوف ۲۹)

اگر نماز روزہ کے برابر ہوتی تو نانی یاد آجاتی (عصم الصوف ۱۲) چنانچہ اب بھی لوگ روزہ کا اہتمام زیادہ کرتے ہیں بلکہ اپنے نابالغ بچوں تک کو رکھواتے ہیں لیکن سارا ماہ اہتمام سے تراویح با جماعت نہیں پڑھتے اور دشوار سمجھتے ہیں۔ بعض تو مطلقاً تراویح نہیں پڑھتے۔

نماز میں پابندی زیادہ ہے چنانچہ بولنے کی بھی پابندی ہے لیکن روزہ میں کوئی ایسی پابندی نہیں چنانچہ اگر کوئی دن بھر سوتا رہے تب بھی اس کا روزہ صحیح ہو جائے گا (عصم الصوف)

نماز میں کوئی فعل مفسد صلوۃ نسیان سے صادر ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور روزہ میں کوئی فعل نسیان ہو جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا اور اس کی وجہ یہی ہے کہ نماز کی ہیئت مذکر ہے اس لئے نسیان عذر نہیں اور روزہ کی ہیئت مذکر نہیں اس لئے نسیان عذر ہے اور ظاہر ہے کہ نماز کا مذکر ہونا اس کے وجودی ہونے اور صوم کا مذکر نہ ہونا اس کے عدمی ہونے کی دلیل ہے اور وجودیت کا شاق ہونا اور عدمی کا سہل ہونا لوازم طبعیہ سے ہے (عصم الصوف عن عم الانوف)

حق تعالیٰ شانہ نے بھی مذکورہ آیت میں نماز کو وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ فرما کر بندوں کے جذبات کی رعایت فرما دی لیکن اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ فرما کر گرانی کی تسہیل کا طریقہ بھی بتلا دیا کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

خشوع حاصل ہونے کے بعد نماز گراں نہ رہے گی اور خشوع دیدار الٰہی کا استحضار اور موت کا دھیان رکھنے سے حاصل ہوگا۔

نماز کی گرانی دور کرنے کا طریقہ

بہرحال اس میں شک نہیں کہ نماز کے اندر جو پابندی ہے وہ نفس کو بہت گراں ہے اور قرآن میں اس کی گرانی کو تسلیم کیا گیا ہے وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ بے شک نماز بہت گراں ہے مگر اب حق تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ آگے اس گرانی کے زائل کرنے کی بھی تدبیر بتلاتے ہیں اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ یعنی مگر خشوع کرنے والوں پر نماز گراں نہیں ظاہر میں مقصود استثنا ہے مگر درحقیقت اس میں بتلانا مقصود ہے کہ نماز کی گرانی کے رفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خشوع حاصل کرو۔ خشوع کے معنی عربی میں سکون ہیں اور سکون حرکت کا ضد ہے اور قاعدہ ہے کہ علاج بالضد ہوتا ہے پس حاصل علاج کا یہ ہوا کہ نماز گراں اس لئے تھی کہ قلب متحرک رہنا چاہتا ہے تم اس کو سکون کا عادی کرو تو یہ گرانی باقی نہ رہے گی۔ اس جگہ میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ آیت کی اس عنوان سے تقریر کرنا ہمارے ذمہ ضروری نہیں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ خشوع سے گرانی نہیں رہتی مگر ایسی تقریر کردینا محض سامعین کی خاطر ہے مگر شاید کوئی اس علاج پر یہ شبہ کرے کہ یہ تدبیر تو صحیح مگر یہ تو ایسی تدبیر ہوئی جیسے کسی نے کہا تھا کہ ایک منٹ میں سات دفعہ سورہ بقرہ پڑھ لو تو سلطنت ہفت اقلیم مل جائے گی۔ یا جیسے گاندھی نے کہا تھا کہ سب ہندوستانی اتفاق کرکے گورنمنٹ سے ترک موالات کردیں تو سورج مل جائے گا یہ تو مسلم مگر سوال یہ ہے کہ کیا ہندوستان میں اتفاق ہو بھی سکتا ہے ہرگز نہیں یہاں کی آب و ہوا میں خاصیت یہ ہے کہ یہاں اتفاق ہو نہیں سکتا اور ہو بھی جائے تو رہ نہیں سکتا تو یہ علاج بھی ایسا ہی ہوا کہ قلب کو سکون کا عادی کرلو نماز گراں نہ رہے گی یہ تو مسلم مگر سکون کیونکر حاصل ہو۔

خشوع قلب حاصل کرنے کا طریق

تو صاحبو! اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر نہیں بتلائی جو حاصل نہ ہوسکے چنانچہ آگے خشوع حاصل کرنے کا بھی طریقہ بتلاتے ہیں اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ کہ خشوع قلب حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لقاء رب کا مراقبہ کرو کیونکہ لقاء رب کا مراقبہ قاطع جملہ افکار ہے جس دل میں یہ مراقبہ ہوگا وہاں اور کوئی فکر جم نہیں سکتا پس سکون قلب اور خشوع حاصل ہو جائے گا اسی کو دوسری آیت میں فرماتے ہیں اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کہ اللہ کی یاد سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے خشوع اور اطمینان اور سکون سب متحد ہیں اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اطمینان ایمان کے علاوہ کوئی اور شے ہے کیونکہ اطمینان خشوع کا مرادف ہے اور بغیر خشوع کے ایمان حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بہت لوگ ایماندار ہیں جن کو خشوع حاصل نہیں تو ایمان بھی بدوں اطمینان متحقق ہوسکتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا
هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ
لَّنَا مَا هِىَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌ بَيْنَ
ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ
اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا
رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ
لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى
الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا
كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧١﴾ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا
كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْىِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى
وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ
كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ
مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ
اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٤﴾

ترجمہ: اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ بیل ذبح کرو وہ لوگ کہنے لگے کہ آیا آپ ہم کو مسخر بناتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ معاذ اللہ جو میں ایسی جہالت والوں کا سا کام کروں وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ درخواست کیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے ہم سے بیان کردیں کہ اس کے کیا اوصاف ہیں آپ نے فرمایا کہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسا بیل ہو نہ بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو پٹھا ہو دونوں عمروں کے درمیان سو اب کر ڈالو جو کچھ تم کو حکم ملا ہے کہنے لگے درخواست کردیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے یہ بیان کردیں کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ آپ

(c) ketabton.com: The Digital Library

نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں زرد رنگ کا بیل ہو جس کا رنگ تیز زرد ہو وہ ناظمین کو فرحت بخش ہو کہنے لگے ہماری خاطر اپنے رب سے دریافت کر دیجئے کہ ہم سے بیان کر دیں سے اس کے اوصاف کیا کیا ہوں کیونکہ ہم کو اس بیل میں اشتباہ ہے اور ہم ان شاء اللہ ٹھیک سمجھ جاویں گے۔ موسیٰ علیہ اسلام نے جواب دیا کہ حق باری تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ وہ نہ ہل چلا ہوا ہو جس سے زمین جوتی جاتی ہے اور نہ اس سے زراعت کی آب پاشی کی جاوے سالم ہو اس میں کوئی داغ نہ ہو کہنے لگے کہ اب آپ نے پوری بات فرمائی اور پھر اس کو ذبح کیا اور کرتے ہوئے معلوم ہوتے نہ تھے کہ جب تم لوگوں نے ایک آدمی کا خون کر دیا پھر ایک دوسرے پر اس کو ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو اس امر کا ظاہر کرنا منظور تھا جس کو تم مخفی رکھنا چاہتے تھے اس لئے ہم نے حکم دیا کہ اس کو اس کے کوئی سے ٹکڑے سے چھوادو اس طرح حق تعالیٰ مردوں کو زندہ کر دیں گے اللہ تعالیٰ اپنے نظائر تم کو دکھلاتے ہیں اس موقع پر کہ تم عقل سے کام لیا کرو ایسے واقعات کے بعد پھر بھی تمہارے دل سخت ہی رہے تو ان کی مثال پتھر کی سی ہے یا سختی میں اس سے زیادہ اور بعض پتھر تو ایسے ہیں جن سے نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں اور ان ہی پتھروں میں بعض ایسے ہیں جو شق ہو جاتے ہیں پھر ان سے پانی نکل آتا ہے اور ان ہی پتھروں میں بعض ایسے ہیں جو خدا کے خوف سے اوپر سے نیچے کو لڑھک آتے ہیں اور حق تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں)

تفسیری نکات

قصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک مالدار شخص تھا اس کے وارثوں نے طمع مال میں اس کو قتل کر دیا تھا کہ جلدی سے اس کے مال پر قبضہ ہو جائے قتل کر کے پھر خود ہی خون کے مدعی ہو گئے۔ جب قاتل خود مدعی ہو تو قاتل کا پتہ کون دے اس لئے سب کی رائے ہوئی کہ اس قصہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے جایا جائے وہ وحی وغیرہ سے قاتل کا پتہ بتلا دیں گے چنانچہ سب لوگ آپ کے پاس آئے آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا تو وہاں سے ایک جانور ذبح کرنے کا حکم ہوا۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ (جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک بیل ذبح کرنے کا حکم دیتے ہیں) بقرہ سے خاص گائے مراد نہیں اور نہ اس میں تاء تانیث کے لئے ہے بلکہ تاء وحدت کے لئے ہے اور بقرہ گائے بیل دونوں کو عام ہے اور بظاہر اس جگہ بیل ہی مراد ہے کیونکہ آگے اس کی صفت میں یہ بات مذکور ہے لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ کہ وہ کام کاج میں پامال نہ ہو زمین کو جوتتا اور کھیتی کو پانی نہ دیتا ہو اور یہ شان بیل کی ہوتی ہے گائے سے ہل نہیں چلاتے نہ اس سے کھیتی کو پانی دیتے ہیں ہاں اس زمانہ میں اگر گائے سے بھی یہ کام لیا جاتا ہو تو خیر ممکن ہے اس وقت گائیں مضبوط ہوتی ہوں جو بیل کا کام دیتی ہوں جیسے بعض لوگ عورتوں سے چور مروایا کرتے ہیں بعض عورتیں اللہ کی بندیاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ مردوں کی طرح چور کو مار لیتی ہیں اور جس طرح بعض عورتیں بہادر ہوتی ہیں ایسے ہی بعض مرد عورت ہوتے ہیں۔

جب بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے آ کر قصہ عرض کیا انہوں نے جناب باری سے دعاء کی وہاں سے حکم ہوا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ ایک بقرہ ذبح کرو اور یہ نہیں بتلایا کہ بقرہ ذبح کرنے سے کیا ہوگا قاتل کا پتہ اس سے کیونکر معلوم ہوگا کیونکہ آقا کو کچھ ضرورت نہیں ہے پوری بات بیان کرنے کی اور اپنے احکام کی علت وحکمت اور غایت بتلانے کی مگر غلام کا ادب یہ ہے کہ چون وچرا نہ کرے جو حکم ہو فوراً بجالائے اور جتنی بات کہی جائے اس کی جلدی تعمیل کر دے چاہے اس کا فائدہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے مگر بنی اسرائیل نے ایسا نہ کیا وہ چوں وچرا میں پڑ گئے حکم کے سنتے ہی نبی پر اعتراض کر دیا۔ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا کیا آپ ہم سے مسخرہ کرتے ہیں۔

حکیم کے احکام حکمت سے خالی نہیں

منشاء بنی اسرائیل کی اس غلطی کا یہ ہوا کہ وہ تو قاتل کو دریافت کرنے آئے تھے اور یہاں حکم ہوا ذبح بقرہ کا تو وہ سوچنے لگے کہ سوال جواب میں جوڑ کیا ہوا ہمیں قاتل کا پتہ پوچھنا تھا اس کا جواب یہ تھا کہ نام بتلا دیتے فلاں ہے یا فلاں یہ بے جوڑ حکم کیسا کہ بقرہ ذبح کرو۔

درس عبرت

بنی اسرائیل کو سمجھنا چاہیے تھا کہ حق تعالیٰ حکیم ہے ان کے احکام میں کچھ حکمت ہوگی ہم نہ سمجھیں تو کیا ہے مگر انہوں نے اپنی عقل سے چون وچرا کو دخل دیا یہ خلاف ادب ہے خوب سمجھ لو اول تو انہوں نے ذبح بقرہ کے حکم کو معاذ اللہ اس پر محمول کیا کہ موسیٰ علیہ السلام ہم سے دل لگی کرتے ہیں یہ نبی کا ادب تھا بھلا نبی ان سے مسخرپن کیوں کرنے لگے تھے اور اگر مزاح کرتے بھی تو اس کے لئے وقت موقع ہوتا ہے یہ کیا موقع تھا مزاح کا کہ لوگ تو ایک مقدمہ فیصل کرانے آئیں اور نبی ان سے دل لگی کریں پھر دل لگی بھی اس عنوان سے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً (اللہ تعالیٰ تم کو ایک بیل ذبح کرنے کا حکم دیتے ہیں) خدا تعالیٰ کی طرف ایک حکم کو منسوب کر کے اگر یہ بھی دل لگی ہو سکتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ معاذ اللہ موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی طرف یہ حکم غلط منسوب کر دیا استغفر اللہ بھلا اس عنوان سے کچھ بھی مزاح کا احتمال ہو سکتا ہے ہرگز نہیں مگر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو بے دھڑک کہہ دیا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا (کیا آپ ہم سے مسخرہ پن کرتے ہیں) موسیٰ علیہ السلام نے لرز کر ڈر کر فرمایا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (نعوذ باللہ جو میں جہالت والوں کا سا کام کروں) بتلا دیا کہ احکام الٰہی بیان کرتے ہوئے دل لگی کرنا جہالت ہے اور نبی جہالت سے معصوم ہے پھر تمہارا اپنے پیغمبر کو ایسی بات کہنا گنوار پن کی دلیل ہے اب ان کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ حکم خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے چاہئے تھا کہ اب دیر نہ کرتے فوراً تعمیل کر دیتے مگر چونکہ ان کو یہ خلجان ہو رہا تھا کہ ذبح بقرہ کو قاتل کو پتہ سے کیا جوڑ ہے اس لئے مختلف حالات میں پڑ کر متردد ہو گئے اور سوچنے لگے کہ شاید کوئی خاص بقرہ ہوگا جس کو اس کام میں دخل ہوگا اسلئے سوال کیا قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ صاف صاف ہم کو بتلا دیں وہ بقرہ کیا چیز ہے یعنی کیسی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن کو ہمیشہ مذاق عربیت پر سمجھنے کی ضرورت

ما ھی سے اصطلاح معقول پر سوال مراد نہیں جو سوال حقیقت کے لئے موضوع ہے کیونکہ حقیقت تو ان کو معلوم ہو چکی تھی کہ بقرہ ہے بلکہ ماھی سے سوال صفات مراد ہے ای ماصفاتھا (اس کی صفات کیا ہیں) اور محاورات میں ماھی سے سوال صفات بھی ہوتا ہے یہاں محاورات ہی کے موافق استعمال ہے لوگ غضب کرتے ہیں قرآن مجید کو اصطلاحات فنون حاصل کرنے کے بعد پڑھتے ہیں پھر ان اصطلاحات کو قرآن مجید میں جاری کرتے ہیں جس سے اشکال پڑتا ہے اور خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں۔ بھلا قرآن کریم کو اصطلاحات فنون کا اتباع کس دلیل سے لازم ہے قرآن کو ہمیشہ مذاق عربیت اور محاورات پر سمجھنا چاہیے اصطلاحات علوم پر منطبق نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ سب اصطلاحات نزول قرآن کے بعد مدون ہوئی ہیں باقی اس کا انکار نہیں کیا جاتا کہ ماھی محاورات میں بھی کبھی سوال حقیقت کے لئے آتا ہے مگر اس میں ہی منحصر نہیں۔ سوال کیفیات وصفات کے لئے بھی بہت مستعمل ہے اور ممکن ہے کہ اس کو سوال عن الماہیۃ پر محمول کر کے کہا جاوے کہ ان لوگوں نے صفات کا سوال ماھی سے اس لئے کیا ہو کہ اس عجیب بقرہ کے صفات کا مجہول ہونا گویا ان کے ذہن میں خود ذات کا مجہول ہونا تھا وہ یہ سمجھے کہ جس بقرہ کے ذبح کا ہم کو حکم ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے گائے بیلوں کے ساتھ صرف نام میں شرکت رکھتا ہے اور خواص وکیفیات میں شاید ان سب سے ممتاز ہوگا۔

وہاں سے جواب ملا قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ (آپ نے یہ فرمایا کہ وہ فرماتے ہیں وہ ایسا بیل ہو نہ بالکل بوڑھا بچہ ہو پٹھا ہو دو عمروں کے درمیان سواب کر ڈالو جو تم کو حکم ملا ہے)

بے ادبی کی سزا

اب ادھر سے بھی تشدد شروع ہوا کیونکہ غلام کا آقا کے حکم میں چون وچرا اور توقف کرنا خلاف ادب ہے جس کی سزا ان کو دی گئی کہ اچھا جب تم ہمارے حکم کو بے جوڑ سمجھتے ہو (کہ اس کو ہمارے سوال سے کچھ ربط نہیں) اور اس لئے بقرہ کے بارہ میں متعجب ومتردد ہو کہ شاید کوئی خاص بقرہ ہوگا تو ہم بھی ایسی قیود کا اضافہ کرتے ہیں جن سے تم کو حقیقت نظر آ جائے اس کی ایسی مثال ہے جیسے ہم کسی نوکر سے کہیں کہ بازار سے پانی پینے کا کٹورا خرید لاؤ اس کو چاہیے کہ اس بات کے سنتے ہی حکم کی تعمیل کرے مگر نہیں اب وہ پوچھتا ہے حضور کتنا بڑا لاؤں یہ سوال محض لغو ہے کیونکہ پانی پینے کا کٹورا سب جانتے ہیں کتنا بڑا ہوا کرتا ہے مگر اس کی اس کاوش پر کہا جاتا ہے کہ اتنا بڑا ہو جس میں پورا آدھ سیر پانی آتا ہو نہ اس سے زیادہ ہو نہ کم اگر کچھ بھی کم وبیش ہوا تو واپس کر دیں گے لیجئے اب اس کے لئے دن بھر کا دھندا ہو گیا پھر ٹکریں مارتا ہوا سارے بازار میں اگر وہ سنتے ہی حکم کی تعمیل کر دیتا تو یہ مصیبت نہ اٹھانی پڑتی اسی طرح بنی اسرائیل نے چون وچرا کر کے خود اپنے سر مصیبت دھری ورنہ کوئی سی گائے بیل بھی ذبح کر دیتے تو کافی ہو جاتا چنانچہ حدیث شریف میں ہے لو ذبحوا ای بقرة اجزاتهم ولكن شددوا فشدد الله عليهم (اگر وہ کوئی سا بیل بھی ذبح کر ڈالتے تو ان کو کافی ہوتا لیکن انہوں نے اپنے اوپر

(c) ketabton.com: The Digital Library

سختی کی تو اللہ نے ان پر سختی ڈال دی اب ان کے سوال پر یہ قید بڑھائی گئی کہ وہ بقرہ نہ تو عمر رسیدہ ہو نہ بچہ ہو بلکہ درمیانی عمر کا ہو یہ قید بھی کچھ زیادہ سخت نہ تھی کیونکہ اس شان کے بیل گائے بھی بہت دستیاب ہو سکتے ہیں اور خیر خواہی اور شفقت کے طور پر یہ بھی کہہ دیا گیا فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ کہ جو کچھ تم کو حکم دیا گیا ہے اس کو کر ڈالو۔ اس میں زیادہ کاوش نہ کرو مگر وہ کب ماننے والے تھے ان کو اس صفت سے اور تردد پیدا ہو گیا کہ یہ تو کوئی خاص صفت نہ ہوئی ایسی گائے بیل تو بہت موجود ہیں اس لئے دوبارہ پھر سوال کیا قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا یعنی ہم کو یہ بھی بتلا دیا جائے کہ اس کا رنگ کیسا ہے وہاں سے رنگ بھی متعین کر دیا گیا۔ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ کہ وہ بقرہ زرد رنگ کا ہو جس کی زردی خوب گہری ہو جو اپنے رنگ سے دیکھنے والوں کو خوش کر دے ان کو اس سے بھی تسلی نہ ہوئی کیونکہ اس رنگ کی بھی بہت سی گائے بیل تھیں اور وہ لوگ تعین جزئی کے طالب تھے کہ بس ایسا پتہ نشان بتلا دیا جائے جس میں غیر کا احتمال ہی نہ رہے (مثلاً یہ کہہ دیا جائے کہ وہ گائے یا بیل جو فلاں جنگل میں فلاں کھیت میں ایسے ایسے درخت کے پاس چر رہا ہے یا وہ بیل جو فلاں شخص کے پاس وغیرہ وغیرہ اور حق تعالیٰ کی طرف سے جتنی صفات بتلائی گئیں وہ سب صفات کلیہ تھیں اور قاعدہ ہے کہ صفات کلیہ چاہے کتنی ہی ہوں ان سے تعیین نہیں ہوتی احتمال شرکت باقی رہتا ہے جیسے ایک وہمی کا قصہ ہے کہ وہ نماز میں جب کسی امام کی اقتدا کرتا تو پہلے یہ کہتا کہ اقتدا کرتا ہوں میں اس امام کی جو میرے آگے ہے اس سے بھی تسلی نہ ہوتی تو پھر کہتا کہ جس کا لباس ایسا ہے جس کا یہ نام ہے پھر وہم ہوتا کہ شاید میں نے پہچاننے میں غلطی کی ہو اور اس کا یہ نام ہو تو پھر اس کی کمر میں انگلی چھو کر کہتا پیچھے اس امام کے تو یہ شخص اس حقیقت کو سمجھا کہ صفات کلیہ سے تعیین نہیں ہوتی تعیین اشارہ جزئیہ سے ہوتی ہے وہ بھی اس طرح کہ اس پر ہاتھ رکھ دیا جائے۔

اسی طرح بنی اسرائیل کو بھی ان صفات سے تسلی نہ ہوئی تو سہ بارہ پھر سوال کیا قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ (کہنے لگے ہماری خاطر اپنے رب سے دریافت کر دیجئے کہ ہم سے بیان کر دیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہوں ہم کو اس بیل میں اشتباہ ہے اور ہم ان شاء اللہ ضرور ٹھیک سمجھ جائیں گے)

یعنی ایک مرتبہ اور بتلا دیا جائے کہ وہ بقرہ کیسی ہے ان صفات سے تو تعیین نہیں ہوتی بلکہ اس شان کی بہت افراد ہیں جن کو ہم کو تشابہ التباس ہو رہا ہے ہم متردد ہیں کہ کون سا بقرہ ذبح کریں ایک دفعہ اور وضاحت کر دی جائے ان شاء اللہ ہم راہ پا جائیں گے یعنی سمجھ جائیں گے اس مرتبہ یہ خیر ہوئی کہ ان کے منہ سے ان شاء اللہ نکل گیا۔

ان شاء اللہ کی برکت

حدیث میں آتا ہے ولو لم یستثنوا لما بین لھم اخر الابد (اوکما قال) یعنی بنی اسرائیل اگر استثناء نہ کرتے (یعنی ان شاء اللہ نہ کہتے) تو قیامت تک ان کو پتہ نہ دیا جاتا مگر ان شاء اللہ کی برکت سے یہ سلسلہ سوالات و جوابات کا جلدی ہی ختم ہو گیا چنانچہ ارشاد ہوا۔ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ (موسیٰ) علیہ السلام نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

وہ ہل چلا ہوا ہو جس سے زمین جوتی جاتی ہے اور نہ اس سے زراعت کی آب پاشی کی جائے سالم ہو اس میں کوئی داغ نہ ہو کہنے لگے اب آپ نے پوری بات فرمائی اور اس کو ذبح کیا اور کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے کہ وہ ایسا بقرہ ہے جو کام کاج میں استعمال نہیں کیا گیا نہ زمین کو جوتتا ہے نہ کھیت کو پانی دیتا ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بقرہ سے بیل مراد ہے تندرست بدن کا ہے جس پر کوئی داغ دھبہ ذرا نہیں مطلب یہ کہ جو جانور کھیتی وغیرہ کے کام میں مشغول ہوتا ہے اس کے بدن پر جوا رکھنے کا نشان یا مار پیٹ کا نشان ہو جاتا ہے وہ ایسا نہ ہو اب سمجھنے لگے بس اب لائے تم ٹھیک بات یہاں اشکال ہوتا ہے کہ اخیر میں بھی تو کچھ زیادہ تعیین نہیں ہوئی کیونکہ اس میں بھی تو صفات کلیہ ہی ہیں جزئیات نہیں اور تعیین جزئیات سے ہوتی ہے نہ کلیات سے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر میں استثناء کی برکت سے ان کے لئے بیان ہو گیا تھا (جس سے متبادر یہ ہے کہ پہلے سے کچھ زیادہ وضاحت ہوگئی تھی)

حالانکہ بظاہر اب بھی پہلے سے کچھ زیادہ وضاحت نہیں ہوئی جو صفات اخیر میں مذکور ہوئی ہیں اس شان کے بیل بھی بہت ہوتے ہیں تو بات یہ ہے کہ گو تعیین جزئی اب بھی نہیں ہوئی مگر ان کی تسلی اس طرح ہوگئی کہ ان کے ذہن سے ان شاء اللہ کی برکت سے وہ مقدمات واہیہ نکل گئے اور وہ سمجھ گئے کہ تعیین درست ہوگئی غرضیکہ اس کے بعد جانور کی تلاش ہوئی اور اس قدر گراں قیمت میں ان صفات کا جانور ملا کہ بقرہ کی کھال میں سونا بھر کر دینا پڑا مگر اس گرانی سے بنی اسرائیل گھبرائے نہیں خرید کر ذبح ہی کر دیا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ کہ انہوں نے اس کو ذبح کر ہی دیا اور وہ کرنے والے تھے نہیں۔ یہاں سے ان شاء اللہ کی برکت معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض افعال کی تاثیر ایسی ہوتی ہے جو ظاہر ہو کر رہتی ہے گو محل زیادہ قابل نہ ہو (یعنی فاعل ان افعال کا چاہے کیسا ہی ہو پورا قابل یا کم قابل مگر فعل کا اثر ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ بعض افعال مؤثر بالخاصہ ہوتے ہیں جیسے بعض ادویہ مؤثر بالخاصہ ہوتی ہیں کہ خصوصیت مزاج ان کے اثر کو نہیں روک سکتی۔ تو جب بنی اسرائیل کے ان شاء اللہ کا یہ اثر ہوا کہ ان کی فہم اس کی برکت سے درست ہوگئی حالانکہ وہ کچھ زیادہ مؤدب بھی نہ تھے ان کا ادب تو اسی سے ظاہر ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ خطاب کیا اتتخذنا هزوا (کیا آپ ہم سے مسخرہ پن کرتے ہیں) پھر حکم الٰہی میں چون و چرا کی اور سب سے بڑی "ادب" کی بات تو وہ تھی جو انہوں نے اخیر میں کہی یعنی الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ کہ اب لائے ٹھیک بات گویا اس سے پہلے جو کچھ کہا تھا وہ ٹھیک نہ تھا اور یہ جملہ اس وقت کہا جب ان شاء اللہ کی برکت سے راہ پر آ گئے تھے فہم درست ہوگئی تھی تو جن کا سمجھ آ جانے کے بعد یہ ادب ہے ان کا مودب ہونا ظاہر ہے مگر پھر بھی ان شاء اللہ نے اپنا اثر کیا گو قابل زیادہ قابل نہ تھے بلکہ نا قابل تھے۔

تشبیہ نفس

نفس کو بقرہ کے ساتھ تشبیہ دینا بہت ہی مناسب ہے اس کے بعد ارشاد ہے قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ (یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بقرہ جس کے ذبح کا حکم ہوا ہے نہ تو بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو (بلکہ) پٹھا ہو دونوں عمروں کے اوسط میں لغت میں فارض کے معنی منقطع العمر ہیں یعنی جس نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

قطع کرلیا ہو فرض کے معنی قطع ہیں تو فارض کے معنی بہت بوڑھے کے ہوئے اور بکر کہتے ہیں اس نر یا مادہ کو جو دوسرے سے جفت نہ ہوا ہو اور جانور عادۃً جوانی سے پہلے ہی بکر رہتا ہے جوان ہونے کے بعد بکر نہیں رہتا پس بکر کے معنی یہاں بچہ کے ہیں جو ابھی تک جوان نہ ہوا ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ بقرہ نہ بچہ ہو نہ بوڑھا ہو بلکہ ان دونوں عمروں کے درمیان ہو جس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ جوان ہو کیونکہ بچپن اور بڑھاپے کے درمیان جوانی ہی کا درجہ ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ علم اعتبار کے طور پر بقرہ سے نفس کو تشبیہ دی جاتی ہے تو اس صفت کو بھی نفس پر جاری کرنا چاہیے جس سے اشارۃً یہ ثابت ہوا کہ جوانی میں مجاہدہ نفس کی زیادہ فضیلت ہے کیونکہ اس وقت غلبہ قوت نفس کے سبب مجاہدہ شاق ہوتا ہے والاجر بحسب المشقۃ (یعنی ثواب اعمال کا مشقت کے موافق ہے) جس عمل میں زیادہ مشقت ہو وہ اس سے افضل ہے جس میں مشقت کم ہو نیز قوت بدن کے سبب عمل بھی زیادہ ہے اور ظاہر ہے کہ کثرت عمل موجب ہوگا کثرت ثواب کا اور اس سے لازم یہ آتا ہے کہ بچپن اور بڑھاپے میں مجاہدہ کرنا جوانی کے مجاہدہ کی برابر نہ ہوا مگر یہاں ایک سوال و جواب ضروری ہے وہ یہ کہ جوانی کے مجاہدہ میں دو درجے ہیں ایک یہ کہ جوانی میں مجاہدہ کرتے ہوئے کام زیادہ کیا یا مقاومت نفس میں مشقت زیادہ برداشت کرنا پڑی اور اتنا کام اور اتنی مشقت بچپن اور بڑھاپے میں نہ کرنا پڑی اس صورت میں تو جوانی کے مجاہدہ کا بچپن کے اور بڑھاپے کے مجاہدہ سے افضل ہونا ظاہر ہے کیونکہ اس وقت عمل اکثر واشد ہوا تو قرب واجر بھی زیادہ ہوگا اور ایک درجہ یہ ہے کہ جوانی میں بحالت مجاہدہ عمل زیادہ نہیں کیا نہ مشقت زیادہ ہوئی بلکہ اتفاق سے کسی محل میں عمل و مشقت اتنی ہی کرنا پڑی جتنی بچپن یا بڑھاپے کے مجاہدہ میں ہوتی تو کیا اس صورت میں بھی جوانی کا مجاہدہ بچپن اور بڑھاپے کے مجاہدہ سے افضل ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں جوانی اور بڑھاپے کا مجاہدہ برابر ہو کیونکہ مجاہدہ شباب کی فضیلت بوجہ شدت و کثرت عمل کے تھی اور وہ اس صورت میں مفقود ہے۔

بقرہ کی ایک صفت یہ مذکور ہے قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ. یعنی ارشاد ہے کہ وہ بقرہ زرد رنگ کی ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو۔ اس صفت کو بھی نفس سے مناسبت ہے کیونکہ صوفیہ کو لطیفہ نفس کا رنگ بھی زرد ہی مکشوف ہوا ہے اور اس کو لطیفہ میں نے اصطلاح کے اعتبار سے کہہ دیا اور وہ اصطلاح بھی تغلیب پر مبنی ہے ورنہ وہ تو کثیفہ ہے البتہ مجاہدہ سے مطمئن ہونے کے بعد ایک معنی کر لطیفہ ہی بن جاتا ہے ایک صفت بقرہ کی یہ ہے لَا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِی الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِیَةَ فِیْهَا کہ وہ بقرہ کام کاج میں مستعمل نہ ہو نہ زمین کو جوتتا ہو نہ کھیت کو پانی دیتا ہو اس میں داغ دھبہ نہ ہو اس میں اشارہ ہے نفس کے فراغ کی طرف یعنی مجاہدہ سے پہلے نفس کو تمام افکار و تعلقات سے فارغ کر کے یکسو ہو کر مجاہدہ کرنا چاہیے کہ اسی حالت میں مجاہدہ کا اثر پورا ظاہر ہوتا ہے کچھ دنوں کے لئے سارے کاروبار کسی کے سپرد کر کے عزلت گزیں ہو کر مجاہدہ کرو پھر دیکھو کہ کتنی جلدی اثر ہوتا ہے گو مجاہدہ بحالت شغل بھی اپنا اثر دکھاتا ہے مگر تجربہ ہے کہ حالت فراغ میں جیسا اثر کامل ہوتا ہے ویسا بحالت شغل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ پہلے زمانہ میں نسبتیں قوی ہوتی تھیں اور حالات بھی عالی طاری ہوتے تھے کیونکہ پہلے زمانہ میں طالبین فراغ کے ساتھ مشغول مجاہدہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوتے تھے اور مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا صحیح وسالم ہو اس میں داغ ودھبہ نہ ہو میں اس طرف اشارہ ہے کہ نفس مجاہدہ سے پہلے تمام معاصی سے پاک صاف ہو جائے یعنی معاصی سابقہ سے توبہ صادق کر کے مجاہدہ کرے اگر کسی بندہ کے حقوق ذمہ ہوں ان کو ادا کر دے یا معاف کرالے اور خدا کا حق جیسے نماز روزہ قضا ہو گیا ہو تو اس سے توبہ کر کے ان کی قضا شروع کر دے اس طرح توبہ کرنے سے نفس گناہوں سے بالکل پاک ہو جائے گا کیونکہ التائب من الذنب کمن لا ذنب له (پس وہ اسی کا مصداق ہوگا مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا)

احکام خداوندی میں حجتیں نکالنا بڑا جرم ہے

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ اور جب تم نے ایک جان کا خون کر دیا پھر اس کو ایک دوسرے پر ڈالنے لگے اور حق تعالیٰ کو اس بات کا ظاہر کرنا تھا جسے تم چھپا رہے تھے یہ اس قصہ کی ابتداء ہے جس کو ترتیب میں مؤخر کیا گیا ہے۔ مفسرین نے اس تقدیم وتاخیر میں بہت سے نکات لکھے ہیں ان سب میں سہل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس مقام پر دور سے بنی اسرائیل کی بے عنوانیوں کا ذکر چلا آرہا ہے اور یہاں بھی اس کا بتلانا مقصود ہے اور اس قصہ میں بنی اسرائیل سے دو بے عنوانیاں ہوئی تھیں ایک قتل کر کے اخفاء واردات کرنا دوسرے احکام خداوندی میں خواہ مخواہ کی حجتیں نکالنا۔ پہلی بے عنوانی ابتداء قصہ میں ہوئی اور دوسری اس کے بعد اگر قصہ کو ترتیب وار بیان کیا جاتا تو ناظرین پہلے جزو کو مقصود سمجھتے اور دوسرے جزو کو تتمیم قصہ پر محمول کرتے اور ترتیب بدلنے سے صاف معلوم ہو گیا کہ دونوں ہی جزو مقصود ہیں اور ہر جزو سے ایک مستقل بے عنوانی پر تنبیہ کرنا منظور ہے (دوسرے احکام خداوندی میں حجتیں نکالنا اخفاء واردات سے بھی بڑھ کر جرم ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا گیا کہ ناظرین کو تنبیہ ہو جائے تاکہ خدا کے نزدیک قتل وغیرہ کی نسبت احکام میں حجتیں نکالنا زیادہ شدید ہے جس کو عام لوگ معمولی بات سمجھتے ہیں۔

امتثال امر پر رحمت خداوندی

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (پس ہم نے حکم دیا کہ اس کو اس کے کوئی سے ٹکڑے سے چھوا دو اس طرح حق تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور اپنے نظائر تم کو دکھلاتے ہیں اس توقع پر کہ تم عقل سے کام لیا کرو)

پھر ہم نے کہا کہ اس مقتول پر بیل کے کسی عضو کو لگاؤ اس سے وہ زندہ ہو کر قاتل کا نام بتلائے گا اس وقت گر کی بات بتلا دی کہ بیل کے ذبح کرنے کا حکم اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کے کسی عضو کے مس کرنے سے مقتول زندہ ہو جائے گا پہلے یہ بات نہیں بتلائی کیونکہ بنی اسرائیل کی اطاعت کا امتحان مقصود تھا جس میں وہ ناکام ثابت ہوئے مگر جب حجتیں نکالنے کے بعد انہوں نے بقرہ کو ذبح کر دیا اس وقت امتثال امر پر یہ رحمت فرمائی کہ اس حکم کی حکمت بتلائی گئی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتلا دیا اور پھر مر گیا یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ مقتول کے قول پر فیصلہ کیونکر

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوا کیونکہ مقتول بھی فی الجملہ مدعی ہوتا ہے اور مدعی کا قول محتاج بینہ یا اقرار مدعی علیہ کا ہے خود حجت نہیں۔
جواب یہ ہے کہ یہاں مقتول کا قول فی نفسہ حجت نہ تھا بلکہ حجت وحی تھی جس سے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ مقتول زندہ ہو کر جو کچھ کہے گا وہ صحیح ہوگا۔

علم اعتبار کی حقیقت

یہ تو قصہ تھا اب میں اس کو منطبق کرنا چاہتا ہوں مقصود پر یعنی مضمون مجاہدہ پر قربانی سے تو مناسبت اس قصہ کے جزو اول ہی کو تھی اس کا بیان تو بوجہ مناسبت زمانہ کے ضروری تھا ہی مگر چونکہ مجھے مجاہدہ سے بھی اس مضمون کی مناسبت بیان کرنا ہے اس لئے میں نے جزو اخیر کو بھی تلاوت کیا مجاہدہ کے مقصود سے اس کو مناسبت ہے اب یہ سمجھو کہ اس وقت میں جو کچھ بیان کروں گا وہ علم اعتبار ہوگا جو کہ تفسیر آیات نہیں ہے اور جن لوگوں نے اس کو تفسیر سمجھا ہے وہی صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں مگر صوفیہ کی مراد علم اعتبار سے یہ نہیں ہے کہ نصوص کو ظاہر سے محرف کریں بلکہ ظاہر کو ظاہر پر رکھ کر پھر بطور قیاس کے امثال قرآنی کو وہ اپنے مقصود پر جاری کرتے ہیں اور یہ بھی ایک قسم کا قیاس ہے جس کی نصوص سے اجازت ہے جیسے فقہی قیاس کی اجازت ہے چنانچہ حق تعالیٰ سورہ حشر میں قصہ بنی نضیر کے بیان کے بعد فرماتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار (اے بصیرت والو عبرت حاصل کرو اس واقعہ سے) تو اب اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنے کا مطلب کیا ہے یہی تو مطلب ہے کہ تم اپنے حال کو ان کے حال پر موازنہ کر کے دیکھو اگر تمہارے اندر ان جیسے اعمال و خصائل ہوں گے تو سمجھ لو کہ یہی معاملہ تمہارے ساتھ بھی ہوگا اسی طرح عاد و ثمود وغیرہ کے قصے بیان فرما کر ارشاد فرمایا لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (البتہ ان قصوں میں عقلمندوں کے لئے عبرت ہے) اب بتلایا جائے کہ ان کے قصے میں عبرت کیا ہے یہی تو ہے کہ ان کے اعمال میں غور کر کے اپنے کو ان سے بچائے یہی صوفیہ نے کیا ہے قصص قرآنیہ کو وہ اپنے نفس پر جاری کرتے ہیں ان قصوں کو سرسری نظر سے نہیں دیکھتے (بلکہ ہر چیز کی نظیر اپنے اندر قائم کر کے مشبہ کے احکام کو مشبہ بہ پر جاری کرتے ہیں ۱۲)

مثلاً قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ جا بجا مذکور ہوا ہے اس کی تفسیر صوفیہ کے نزدیک بھی وہی ہے جو کتب تفاسیر میں مذکور ہے موسیٰ علیہ السلام سے وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ فرعون سے مراد خاص وہی شخص ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ تھا لیکن صوفیہ اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ تفسیر آیات کے بعد اس قصہ کو اپنے نفس پر جاری کرتے ہیں کہ ہمارے اندر بھی ایک چیز موسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے یعنی روح یا عقل اور ایک چیز فرعون کے مشابہ ہے یعنی نفس اور جس طرح فرعون کا غلبہ موسیٰ علیہ السلام پر باعث فساد تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا غالب ہونا موجب صلاح ہے اس کے بعد وہ تمام قصے کو روح و نفس کے معاملات پر منطبق کرتے چلے جاتے ہیں اب وہ کہتے ہیں کہ اِذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ (فرعون کی طرف جاؤ اس نے سرکشی کی ہے) کے معنی علم اعتبار کے طور پر یہ ہیں اذھب ایھا الروح الی النفس انہ طغی (اے روح نفس کی طرف جا اس نے سرکشی کی ہے) تو بتلایئے اس میں شرعاً کیا خرابی ہے اس کی حقیقت قیاس فقہی کے قریب ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قیاس اور تشبیہ

اتنا فرق ہے کہ قیاس کا نتیجہ بواسطہ قیاس مدلول نص ہے اور اعتبار کا نتیجہ مدلول نص نہیں بلکہ مدلول نص کے مشابہ ہے اور اسی فرق کا یہ اثر ہے کہ حکم قیاسی میں تو اگر مستقل نص نہ ہو تب بھی مقیس علیہ سے مقیس میں حکم کو متعدی کر سکتے ہیں اور حکم اعتباری میں اگر مستقل نص نہ ہو تو مشبہ بہ سے مشبہ میں حکم کو متعدی نہیں کر سکتے جیسے حدیث شریف میں ہے لاتدخل الملئکة بیتا فیه کلب (اس گھر میں فرشتہ نہیں آتا جس میں کتا ہو) اور اس سے بطور اعتبار یہ کہا گیا ہے کہ لاتدخل الانوار الالهته قلبافیه صفات سبعية (نہیں ہوتے داخل انوار الٰہی اس دل میں جس میں بہائی صفات ہوں) تو اگر یہ حکم کسی مستقل دلیل سے ثابت نہ ہو تو محض اس نص سے حکم کا تعدیہ نہیں کر سکتے اس لئے بجائے قیاس کے اگر اس کا نام تشبیہ رکھا جاوے تو مناسب ہے تا کہ خلط نہ ہو۔

علم اعتبار کا سلف سے ثبوت

شاید تم یہ کہو کہ دلائل سے تو علم اعتبار کا صحیح ہونا اور خلاف شرع نہ ہونا معلوم ہو گیا لیکن یہ بتلاؤ کہ اس کا ثبوت کہیں سلف سے بھی اس قسم کی نظائر منقول ہیں چنانچہ رزین نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے جس کو تیسیر الاصول میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک آیت میں اسی طرح کا مطلب بیان فرمایا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان کے قبل کتاب ملی تھی پھر ان پر ایک زمانہ گزر گیا پھر ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان میں کے کافر ہیں)

اس میں تو خشوع کا امر ہے اور قساوت قلب سے بچنے کی تاکید ہے اس کے بعد فرماتے ہیں اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (جان لو کہ حق تعالیٰ زمین کو بعد اس کے مردہ ہونے کے زندہ کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نظائر تم کو دکھلاتے ہیں اس توقع پر کہ تم عقل سے کام لیا کرو)

قال ابن عباس لين القلوب بعد قسوتها فيجعلها مخبتة منيبة يحي القلوب الميتة بالعلم والحكمة والا فقد علم احياء الارض بالمطر مشاهدة و مقصودة ان هذا امثل ضربه الله لعباده و يريد ان قلوبكم كالارض فلاتيئسوا من قساوتها فانها يحي بالاعمال كالارض تحيى بالغيث

(حضرت ابن عباس نے فرمایا نرم کر دیا دلوں کو بعد ان کی قساوت کے پس ان کو مطیع و فرمانبردار بنا دیا اسی طرح اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو علم و حکمت کے ساتھ زندہ کرتے ہیں ورنہ جان لیا تھا زمین کے زندہ ہونے کو بارش سے مشاہدہ سے اور یہ مثال ہے کہ بیان کیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اور مراد یہ ہے کہ ان کے دل مثل زمین کے ہیں پس ان کی قساوت سے ناامید مت ہو زندہ کر دیں گے ان کو اعمال سے مثل زمین کے کہ اس کو بارش سے زندہ کرتے ہیں)

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی مقصود عبداللہ بن عباسؓ کا یہ ہے کہ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا الخ (جان لو کہ حق تعالیٰ زمین کو بعد مردہ ہونے کے زندہ کر دیتے ہیں) اس میں حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے ایک مثال بیان فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ اس طرح زمین خشک ہو جانے کے بعد بارش سے زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح قلوب بھی قساوت کے بعد اعمال صالحہ سے زندہ ہو جاتے ہیں پس اگر کسی کے قلب میں معاصی گزشتہ سے قساوت پیدا ہو گئی ہو تو وہ اصلاح سے مایوس نہ ہو کیونکہ زمین کی نظیر تمہارے لئے ہم نے بیان کر دی ہے اس پر اپنے قلوب کو بھی قیاس کر لو۔

تو اب دیکھ لو کہ حضرت عباسؓ نے اس آیت میں ارض سے قلب مراد لیا اور موت سے قساوت یہی علم اعتبار ہے ورنہ لغۃً ارض کے معنی قلب اور موت کے معنی قساوت کے کہیں نہیں ہیں مگر انہوں نے آیت کو تشبیہ پر محمول کر کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں اسی طرح صوفیہ بطور تشبیہ کے کہہ دیتے ہیں کہ موسیٰ سے مراد روح اور فرعون سے مراد نفس ہے وعلی ھذا جب علم اعتبار کی نظیر سلف سے بھی منقول ہے اور قواعد شرع کے بھی وہ خلاف نہیں تو اب کوئی مضائقہ نہیں ہے اگر وہ علم اعتبار کے طور پر اس قصہ کو مضمون مجاہدہ پر منطبق کر کے بیان کریں۔ الغرض اس جگہ یہ ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل کو ذبح بقرہ کا امر ہوا تھا۔

نفس کشی کا امر

اور اہل لطائف علم اعتبار کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ گویا نفس کشی کا امر ہوا تھا گویا بقرہ سے نفس کو تشبیہ دی گئی ہے اور یہ تشبیہ بہت مناسب ہے کیونکہ گائے بیل بھی بہت حریص ہوتے ہیں کھانے پینے کے اور نفس بھی بہت حریص ہوتا ہے اس لئے نفس کو بقرہ کہنا تو مناسب ہے لیکن آج کل نفس کو کتا کہا جاتا ہے چنانچہ شعراء کے کلام میں سگ نفس بکثرت مستعمل ہے مگر یہ واہیات ہے اسی طرح بعض لوگ نفس کو کافر کہتے ہیں یہ اس سے بھی واہیات ہے ہمارا نفس تو الحمدللہ نہ کتا ہے نہ کافر ہے ہاں بقرہ تو ہوگا۔ نہ معلوم لوگ نفس کو کیا سمجھتے ہیں لغت میں تو نفس حقیقت شئے کو کہتے ہیں پس نفس زید حقیقت زید ہوئی تو حقیقت میں نفس ہمارا ہی نام ہے ہم سے الگ کوئی چیز تھوڑا ہی ہے تو اپنے کو کتا یا کافر کہنا کیا زیبا ہے اور اگر نفس کوئی مستقل چیز بھی ہو تب بھی اول تو وہ ہمیشہ شریر نہیں ہوتا کہ اس کو کتے سے تشبیہ دی جاوے۔

نفس کے تین اقسام

بلکہ کبھی مطمئنہ ہوتا ہے کبھی لوامہ بھی ہوتا ہے کبھی امارہ ہوتا ہے چنانچہ نصوص میں یہ تینوں صفات مذکور ہیں ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتا نفس تو بری ہی بات بتلاتا ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہے لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۝ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے)

اور تیسری جگہ ارشاد ہے

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً

(c) ketabton.com: The Digital Library

(اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح کہ تو اس سے خوش ہو اور وہ تجھ سے خوش ہو) پھر اگر شریر بھی ہو تب بھی مسلمان تو ہے تو مسلمان کو کافر کہنا یا کتے سے تشبیہ دینا کیا مناسب ہے ہاں بقرہ کے ساتھ تشبیہ دینے کا مضائقہ نہیں غرض جس طرح بقرہ کے ذبح کا امر ہوا تھا اسی طرح نفس کو بھی مجاہدہ سے ذبح کرنا چاہیے۔ بدون مجاہدہ کے کامیابی نہیں ہوتی بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کرنا نہ پڑے بس ویسے ہی کامیاب ہو جائیں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: اور ان میں بہت سے ناخواندہ ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن دل خوش باتیں اور خیالات پکا لیتے ہیں۔

تفسیری نکات

خودرائی کی مذمت

ایک خط میں کسی نے یہ لکھا تھا کہ کلام کا بلامعنی پڑھنا لا حاصل ہے بربناء آیت وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ الخ فرمایا کہ افسوس لوگوں کو کیا ہو گیا کہ خودرائی اس درجہ ہو گئی ہے کہ کلام مجید ہی کو اڑانا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کو جواب لکھنے سے کچھ نفع نہیں لیکن اس لئے لکھ دیتا ہوں کہ شاید اوروں کو ان کی تقریر سے شبہ پڑ جائے چنانچہ جواب لکھ دیا گیا کہ اس میں ان یہود کی تقبیح ہے جو نہ علم کو فرض سمجھتے تھے نہ عمل کو پس اس کی مذمت ہے نہ کہ ترجمہ نہ جاننے کی۔ (ملفوظات حکیم الامت)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ: آپ (ان سے) یہ کہیے کہ جو شخص جبرئیل سے عداوت رکھے سو انہوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی حکم سے اس کی (خود) یہ حالت ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل والی (سماوی) کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے اور خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو۔

تفسیری نکات

قلب معانی کا ادراک کرتا ہے

چنانچہ ارشاد ہے قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن حضور کے قلب پر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ قلب معانی کا ادراک کرتا ہے اور الفاظ کا ادراک سمع کو ہوتا ہے پس اس سے لازم آتا ہے کہ منزل من اللہ صرف معانی ہوں الفاظ منزل من اللہ نہ ہوں اس کا ایک

(c) ketabton.com: The Digital Library

جواب تو یہ ہے کہ اس سے بہت سے بہت معانی کا منزل ہونا معلوم ہوا الفاظ کا منزل نہ ہونا کیسے معلوم ہوا کیونکہ عدم ذکر دلیل ذکر عدم نہیں ہے ان کا منزل ہونا دوسری نصوص سے معلوم ہوتا ہے۔ انا انزلناہ قرانا عربیا اور عربی ہونا صفت الفاظ ہی کی ہے مگر اس جواب سے عوام کو شفا نہیں ہوتی دوسرا جواب قاضی ثناء اللہ صاحب نے دیا ہے اور یہ جواب ان کے سوا کسی کے کلام میں نہیں دیکھا گیا وہ فرماتے ہیں کہ قاعدہ یہ ہے کہ زبان داں کو اپنی مادری زبان میں گفتگو سنتے ہوئے اول التفات معانی کی طرف ہوتا ہے اور الفاظ کی طرف بعد میں التفات ہوتا ہے اور غیر مادری زبان میں اول التفات الفاظ کی طرف ہوتا ہے ثانیا معانی کی طرف جیسا کہ آپ لوگ اس وقت میرا بیان سن رہے ہیں چونکہ میں آپ کی مادری زبان میں بول رہا ہوں اس لئے معانی کی طرف آپ کو اول التفات ہوتا ہے اور الفاظ کی طرف اگر ہوتا ہے تو ثانیا پس قرآن مجید چونکہ آپ کی زبان میں ہے اس لئے وحی کے اسماع کے وقت اول التفات آپ کو معانی کی طرف ہوتا پھر الفاظ کی طرف اس لحاظ سے قرآن کو منزل علی القلب کہہ دیا گیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ الفاظ منزل نہیں۔

نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ کی عجیب وغریب تفسیر

اور نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ کے متعلق ایک بات طلبہ کے کام کی یاد آ گئی گو مقام سے اجنبی ہے مگر استطرادا اسی آیت کے ذکر کی مناسبت سے بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ بعض اہل باطل کے نزدیک یہ الفاظ قرآنیہ منزل من اللہ نہیں ہیں اور ان کو نزلہ علیٰ قلبک سے دھوکہ ہوا کہ اس میں محل نزول قرآن قلب کو فرمایا ہے اور قلب معانی کا مورد ہوتا ہے اور الفاظ کا مورد سمع ہوتا ہے نہ کہ قلب سو واقع میں یہی غلط ہے کیونکہ الفاظ دل میں بھی ہوتے ہیں چنانچہ ہر حافظ قرآن سوچ لے کہ الحمدللہ وغیرہ کے الفاظ دل میں ہیں یا نہیں یقیناً ہیں اسی کو ایک شاعر کہتا ہے

ان الکلام لفی الفواد و انما جعل اللسان علی الفواد دلیلا

تحقیق کلام منہ میں ہوتا ہے اور اسی وجہ سے زبان کو دل پر نشان بنایا ہے

البتہ اس پر یہ سوال ضرور ہوگا کہ گو قلب پر بھی الفاظ کا ورود ہوتا ہے مگر بواسطہ سمع کے ہوتا ہے تو یہاں سمع کا ذکر چھوڑ کر قلب کی قید کی کیا ضرورت تھی اس کا جواب ایک محقق نے خوب دیا ہے کہ مادری زبان اور غیر مادری زبان میں فرق ہوتا ہے غیر مادری زبان میں تو اول التفات الفاظ پر ہوتا ہے پھر معانی پر اور مادری زبان میں بالعکس ہے التفات اول معانی پر ہوتا ہے پھر الفاظ کی خصوصیات پر گو خارج میں دونوں مقارن ہیں مگر التفات میں تقدم وتاخر ضرور ہے پس نزلہ علی قلبک میں اس امر کو بتلایا گیا ہے چونکہ قرآن آپ کی مادری زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے اس کا نزول اول آپ کے قلب پر ہوتا ہے یعنی الفاظ پر التفات ہونے سے پہلے قلب کو معانی کا ادراک ہو جاتا ہے واقعی یہ بات بہت عجیب ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ

ترجمہ: اور اس (سحر) کا بھی گو کہ ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا شہر بابل میں جن کا نام ہاروت ماروت تھا۔

تفسیری نکات

قصہ ہاروت وماروت

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ انہی میں سے ہاروت وماروت زہرہ کا قصہ بھی ہے جس کو آج کل بھی بہت لوگ صحیح سمجھتے ہیں کیونکہ بعض مفسرین نے یہ غضب کیا ہے کہ اس قصہ کو تفسیروں میں ٹھونس دیا ہے مگر محدثین نقاد نے اس کو موضوع کہا ہے وہ قصہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں نبی آدم کے اندر معاصی کی کثرت ہوئی تو فرشتوں نے طعن کیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو خلیفۃ اللہ بنائے گئے ہیں کہ گناہ کرا کے خدا تعالیٰ کو ناراض کرتے ہیں اور ہم خدا کی نافرمانی کبھی نہیں کرتے ہم تو ہمیشہ اس کی اطاعت ہی کرتے ہیں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان میں جو شہوت کا مادہ رکھا گیا ہے اگر وہ تمہارے اندر پیدا کر دیا جائے تو تم بھی گناہ کرنے لگو گے۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم ہرگز گناہ نہ کریں گے بلکہ اس وقت بھی ہم اطاعت ہی کریں گے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتوں کو منتخب کرو جو سب سے زیادہ عبادت گزار ہوں چنانچہ ہاروت وماروت کو منتخب کیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے ان دونوں میں شہوت کا مادہ رکھ دیا اور زمین پر ان کو اتارا اور حکم دیا کہ انسان کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرو اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' نہ شراب پینا اور نہ زنا کرنا نہ کسی آدمی کو ناحق قتل کرنا چنانچہ وہ دن بھر مقدمات کا فیصلہ کرتے اور شام کو اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چلے جاتے۔

اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا ایک دن ان کے پاس ایک عورت کا مقدمہ آیا جو کہ نہایت ہی حسین وجمیل تھی یہ دونوں ان پر فریفتہ ہو گئے اور اس کے موافق فیصلہ کر دیا پھر اس سے اپنی خواہش ظاہر کی اس نے کہا ایک شرط سے میں راضی ہو سکتی ہوں یا تم شراب پیو یا میرے شوہر کو قتل کر دیا بت کو سجدہ بھی کرو جو تمہارے سامنے ہے یا مجھ کو وہ اسم اعظم بتلا دو جس سے تم آسمان پر جاتے ہو۔ اول تو انہوں نے انکار کیا مگر پھر نہ رہا گیا تو انہوں نے شراب پینے کو منظور کیا اور یہ سمجھا کہ یہ سب سے سہل گناہ ہے اس سے توبہ کر لیں گے۔

چنانچہ شراب پی کر اس سے زنا کیا اور اسی مدہوشی کی حالت میں شوہر کو بھی قتل کر دیا اور بت کو سجدہ کیا اور بے خبری کی حالت میں اس عورت کو اسم اعظم بھی بتلا دیا وہ عورت تو اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چلی گئی۔ خدا تعالیٰ نے اسے ستارہ کی صورت میں مسخ کر دیا۔ چنانچہ زہرہ ستارہ وہی ہے۔

یہ دونوں فرشتے جب مستی سے ہوش میں آئے تو بڑے پریشان ہوئے شام کو آسمان پر جانے لگے تو ان کو روک دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ یا تو دنیا کا عذاب اختیار کر و یا آخرت کا۔ انہوں نے دنیا کو عذاب سمجھ کر اختیار کر لیا۔ چنانچہ وہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

دونوں بابل کے کنویں میں اوندھے منہ لٹکے ہوئے ہیں جہاں ان کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ دونوں فرشتے سحر بھی تعلیم کرتے ہیں جس کی تعلیم کا ان کو حکم ہوا تھا۔ یہ سحر انہیں سے منقول چلا آتا ہے۔

اس قصہ کو سن کر وہ شخص جس کو حدیث سے ذرا بھی مس ہے فوراً موضوع کہے گا اس کا طرز بتلا رہا ہے کہ یہ رسول ﷺ کی حدیث نہیں ہو سکتی یقیناً اسرائیلیات میں سے ہے دوسرے شرعی حیثیت سے اس میں بہت سے اشکالات ہیں۔

ایک اشکال تو یہی ہے کہ فرشتے خدا تعالیٰ کے سامنے اس طرح گفتگو نہیں کر سکتے کہ حق تعالیٰ تو یہ فرمائیں کہ اگر تم میں شہوت پیدا کر دی جائے تو تم بھی انسانوں کی طرح گناہ کرنے لگو گے اور وہ خدا تعالیٰ کی بات کو رد کر دیں گے کہ نہیں ہم اس حال میں بھی گناہ نہیں کر سکتے فرشتے ہرگز خدا کی بات کو رد نہیں کر سکتے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ جس زنا کی وجہ سے یہ فرشتے معذب ہوئے وہ عورت کیوں نہ معذب ہوئی وہ اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر کیوں کر چلی گئی اور ایسی مقرب کیوں کر ہو گئی۔

اور بہت سے اشکالات ہیں جن کے بیان کی اس وقت گنجائش نہیں مگر بعض مفسرین نے تفاسیر میں اس واقعہ کو لکھ دیا ہے اس لئے بہت لوگ اسے صحیح سمجھتے ہیں اسی لئے ہر کتاب دیکھنے کے قابل نہیں ہوتی کسی عالم کو تجویز کرو۔ اس کو کتاب دکھلاؤ کہ جب وہ کہہ دے کہ یہ دیکھنے کے قابل ہے اس کے بعد مطالعہ کرنا چاہیے اس سے میرا یہ مطلب نہیں جن کتابوں میں یہ قصہ مذکور ہے وہ معتبر کتابیں نہیں ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ ہر معتبر کتاب کا ہر جز و معتبر نہیں ہوتا یہ ممکن ہے کہ ایک کتاب معتبر ہو لیکن اس میں کوئی بات غیر معتبر بھی ہو۔ ایک دو مضمون کے غیر معتبر ہونے سے ساری کتاب کو غیر معتبر نہیں کہہ سکتے لیکن اس کا امتیاز عالم محقق ہی کر سکتا ہے کہ اس کتاب میں کون سی بات غیر معتبر ہے۔ غرض یہ قصہ محض غیر معتبر ہے۔

حقیقت قصہ ہاروت و ماروت

صرف ہاروت و ماروت کے قصہ کی مختصر حقیقت یہ ہے کہ ایک زمانہ میں دنیا میں بالخصوص بابل میں جادو کا بہت چرچا ہو گیا تھا حتیٰ کہ اس کے عجیب آثار دیکھ کر جہلاء کو انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں اور سحر میں اشتباہ ہونے لگا کیونکہ سحر سے بھی بعض باتیں خرق عادت کے طور پر ظاہر ہو سکتی ہیں حالانکہ سحر اور معجزہ میں کھلا فرق ہے۔

ایک فرق تو یہی ہے کہ سحر میں اسباب طبعیہ کو خفیہ دخل ہوتا ہے اور زیادہ تر اس کا مدار تخیل پر ہوتا ہے۔ بخلاف معجزہ کہ اس میں اسباب طبعیہ کو ذرا بھی دخل نہیں ہوتا محض حق تعالیٰ کے حکم کے بدوں اسباب کے خلاف عادت امور ظاہر ہو جاتے ہیں۔

دوسرے صاحب معجزہ کے اخلاق و عادات و اطوار و اعمال میں اور ساحر کی حالت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

نبی کی صحبت سے خدا تعالیٰ کی محبت و معرفت اور آخرت کی رغبت دنیا سے نفرت پیدا ہوتی ہے ان کے پاس بیٹھنے سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے اور ساحر کی صحبت میں اس کے خلاف اثر ہوتا ہے لیکن اس فرق کو وہی دریافت کر سکتا ہے جس کی طبیعت سلیم ہو عقل صحیح ہو عوام اس فرق کو نہیں سمجھ سکتے ان کے لئے تو نبوت کی دلیل معجزہ ہوتا ہے اور ظاہر میں معجزہ اور سحر دونوں یکساں نظر آتے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اس اشتباہ کو دور کرنے کے لئے بابل میں دو فرشتے ہاروت و ماروت نام کے نازل کئے تاکہ وہ لوگوں کو سحر کی حقیقت پر مطلع کر دیں کہ اس میں فلاں فلاں اسباب کو دخل ہے اس لئے یہ منجاب اللہ ساحر

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی مقبولیت کی دلیل نہیں ان اسباب کے ذریعہ سے ہر شخص وہ کام کر سکتا ہے جو ساحر کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں۔

اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ سحر تو حرام و کفر ہے۔ اس کی تعلیم کے لئے فرشتے کیوں نازل کیئے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سحر پر عمل کرنا حرام اور کفر ہے باقی اس کا جاننا اور بضرورت شرعی سیکھنا جب کہ اس پر عمل مطلق نہ ہو حرام نہیں۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے سور اور کتے کا گوشت کھانا حرام ہے لیکن اس کے گوشت کی خاصیت معلوم کر لینا اس کو بیان کر دینا یہ حرام نہیں کیونکہ خاصیت جاننے اور بتلانے کو گوشت کھانا نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح شراب پینا حرام ہے لیکن اگر طبی کتاب میں شراب کی خاصیتیں لکھی ہوئی ہوں تو ان کو پڑھنا اور پڑھانا حرام نہیں کیونکہ اس کو شراب پینا نہیں کہہ سکتے۔ اس طرح کلمات کفریہ کا عمداً زبان سے نکالنا کفر ہے لیکن اگر کوئی شخص کلمات کفریہ سے بچنے کے لئے ان کو جاننا چاہے کہ کن کلمات سے ایمان جاتا رہتا ہے تاکہ میں ان سے بچتا رہوں یہ کفر نہیں بلکہ جائز ہے۔

چنانچہ فقہا نے کتابوں میں کلمات کفر کے لئے مستقل باب منعقد کیا ہے جس میں ایسی باتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ ان کے جاننے اور پڑھنے کو کوئی حرام نہیں کہتا کیونکہ نقل کفر کفر نہیں اسی طرح فلسفہ کے مسائل بہت سے کفر میں داخل ہیں لیکن لوگوں کو اس کی حقیقت پر مطلع کرنے کے لئے فلسفہ کے مسائل بہت سے کفر میں داخل ہیں لیکن لوگوں کو اس کی حقیقت پر مطلع کرنے کے لئے فلسفہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور ساتھ میں اس کا رد بھی کر دیا جاتا ہے۔

جس سے مقصود صرف یہی ہے فلسفہ کی حقیقت اور اس کا بطلان معلوم کر لینے کے بعد کوئی شخص ان کے دلائل سے متاثر نہ ہو اور ضرورت کے وقت ان کے دلائل کا جواب دے سکے پس یہ اشتباہ جاتا رہا کہ تعلیم سحر کا اہتمام کیوں کیا گیا۔

رہا یہ اشکال کہ پھر اس کی تعلیم کے لئے فرشتے کیوں نازل ہوئے انبیاء علیہم السلام سے یہ کام کیوں نہ لیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہدایت محضہ کے لئے مبعوث ہوتے ہیں اور تعلیم سحر میں یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس کو سیکھنے کے بعد اسی میں مشغول و مبتلا ہو جائے تو اس طرح انبیاء علیہم السلام ضلالت و گمراہی کا سبب بعید بن جاتے جو ان کی شان ہدایت محضہ کے منافی ہے اس لئے حق تعالیٰ نے ان کو ضلالت کے سبب بعید بنانا بھی گوارا نہیں کیا۔ بخلاف فرشتوں کے کہ ان سے تشریع اور تکوین دونوں قسم کے کام لئے جاتے ہیں اور تکوین میں جس طرح وہ مسلمانوں کی پرورش کرتے ہیں اس طرح کفار کی بھی کرتے ہیں۔

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڐ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ: اور ایسی چیزیں سیکھ لیتے ہیں جو (خود) ان کو ضرر رساں ہیں اور ان کو نافع نہیں ہیں اور ضرور یہ یہودی بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بیشک بری چیز ہے سحر و کفر جس میں یہ جان دے رہے ہیں کاش ان کو اتنی عقل ہوتی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

علوم نافعہ

اس آیت میں ایک نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہودیوں کو معلوم ہے کہ جو شخص علم مضر کو اختیار کرے۔ آخرت میں اس کے لئے (اس علم کی وجہ سے) کچھ حصہ نہیں آگے فرماتے ہیں۔ لو کانوا یعلمون۔ کاش وہ جاننے والے ہوتے اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب وہ جانتے تھے تو پھر اس کا کیا مطلب کہ کاش وہ جانتے ہوتے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ جس علم پر عمل نہ ہو وہ بمنزلہ جہل کے ہے اس لئے یہودیوں کا وہ جاننا تو نہ جاننے کے برابر ہو گیا۔ اب آئندہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ کاش اب بھی جان لیں یعنی اپنے علم پر عمل کرنے لگیں۔

اور یہاں سے میں ایک اور غلطی پر آپ کے متنبہ کرتا ہوں وہ یہ کہ اس آیت سے یہ معلوم ہو گیا کہ علوم نافعہ وہ ہیں جو آخرت میں کام آئیں مطلق علوم مراد نہیں اب آج کل بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ علم کی فضیلت میں آیات واحادیث لکھتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں کہ شریعت میں علم حاصل کرنے کی بہت تاکید ہے اور اس کے بعد ان تمام فضائل کو انگریزی تعلیم پر چسپاں کرتے ہیں اس تمام تمہید کے بعد وہ انگریزی پڑھنے کی ضرورت ثابت کرتے اور اس کی ترغیب دیتے ہیں جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گویا انگریزی پڑھنے سے یہ تمام فضائل حاصل ہو جائیں گے۔

ویتعلمون ما یضرّھم ولا ینفعھم

یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے۔

مضر و نافع علوم

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب بعض علوم مضر ہیں تو کوئی نافع بھی ضرور ہے تو اس سے دو حکم معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ علم مضر سے بچنا چاہیے دوسرے یہ کہ علوم نافعہ کو سیکھنا چاہیے رہا یہ کہ مضر کون ہے اور نافع کون ہے اس کی تعیین خود اسی آیت میں موجود ہے۔

ولقد علموا لمن اشتراہ مالہ فی الاخرۃ من خلاق

اس سے معلوم ہوا کہ علم مضر وہ ہے جو آخرت میں کام نہ آدے تو اس کے مقابلہ میں نافع وہ ہوا جو آخرت میں کام آوے اور ان دونوں کے مجموعہ سے دو غلطیاں معلوم ہوئیں۔ ایک علماء کی ایک عوام کی۔ علماء کی غلطی تو یہ ہے کہ ان میں سے بعضے ساری عمر علوم غیر نافع ہی میں صرف کر دیتے ہیں یعنی صرف معقول ہی پڑھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ معقول آخرت میں کام آنے والی نہیں البتہ اگر علم دین کے ساتھ معقول کو اس غرض سے پڑھا جاوے کہ اس سے فہم واستدلال میں سہولت ہو جاتی ہے تو اس وقت اس کا وہی حکم ہے جو نحو صرف بلاغت وغیرہ کا حکم ہے کہ یہ سب علوم الٰہیہ ہیں۔ اگر ان سے علم دین میں مدد لی جائے تو تبعاً ان سے بھی ثواب مل جاتا ہے لیکن ساری عمر علوم الٰہیہ ہی میں گنوانا یہ سراسر حماقت ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص ساری عمر ہتھیار کی درستی اور صفائی میں گزار دے اور ان سے کام ایک دن بھی نہ لے تو ہر شخص اس کو بیوقوف بتلائے گا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور بعضے صرف معقول تو نہیں پڑھتے مگر علوم دینیہ اس کی تقدیم کرتے ہیں یہ بھی غلطی ہے۔ اس میں ایک ضرر تو یہ ہے کہ اگر اس حالت میں موت آ گئی تو معقولیوں ہی میں اس کا حشر ہوگا۔ دوسرا ضرر یہ ہے کہ اس شخص کی عقل پر معقول رچ جاتی ہے۔ پھر یہ حدیث وقرآن کو معقول ہی کے طرز پر سمجھنا چاہتا ہے اور ہر جگہ اس کو چلاتا ہے اس لئے حدیث وقرآن کا اثر اسکی طبیعت پر نہیں جمتا۔

گنگوہ میں حضرت مولانا قدس سرہ کے پاس ایک معقولی طالب علم حدیث پڑھنے آئے۔ ایک دن سبق میں یہ حدیث آئی **لایقبل اللہ صلوۃ بغیر طھور ولا صدقۃ من غلول** یعنی نماز بدوں طہارت (اور وضو) کے قبول نہیں ہوتی الخ۔ مولانا نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کے بغیر نماز فاسد ہے معقولی صاحب نے اعتراض کیا کہ اس سے تو قبول نہ ہونا معلوم ہوتا ہے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ بغیر وضو کے نماز صحیح نہیں ہوتی ممکن ہے کہ صحت تو بدوں وضو کے بھی ہو جاتی ہو لیکن قبول بدوں وضو کے نہ ہو اس پر سب کو ہنسی آ گئی سو معقول پہلے پڑھنے کا یہ ضرر ہوتا ہے کہ حدیث کا ذوق اس شخص کو حاصل نہیں ہوتا۔ (الصیرۃ التعلیم ملحقہ مواعظ عمل وعمل)

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: معاف کرو اور درگزر کرو جب تک حق تعالیٰ (اس معاملہ کے متعلق) اپنا حکم (قانون جدید) بھیجیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیری نکات

تہذیب نفس ابتداء میں کامل نہیں ہوتی

فرمایا کہ امام غزالی نے کہیں لکھا ہے کہ مبتدی سلوک کو وعظ وغیرہ نہ کہنا چاہیے کیونکہ تہذیب نفس ابتدا میں کامل نہیں ہوتی احتمال نفس کے خراب ہو جانے کا ہوتا ہے جب شہرت وعجب وغیرہ سے اس رائے کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے **فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ**۔ کیونکہ یہ آیت ممانعت قتال بالکفار مکہ میں نازل ہوئی۔ وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک مخاطبین تازہ اسلام لائے تھے۔ تہذیب نفس کامل طور پر نہیں ہوئی تھی احتمال تھا کہ شاید قتال میں نفس کا شائبہ ہو جائے اور یہ وجہ نہ تھی کہ اس وقت تک صحابہ کا عدد کم تھا کیونکہ مسلمانوں کو قلت عدد سے کبھی رکاوٹ نہیں ہوئی آخر ساٹھ آدمی ساٹھ ہزار سے لڑے اور مظفر ومنصور ہوئے اور جب مدینے میں آئے تو چونکہ اکثر کو تہذیب نفس کی کامل ہو چکی وراقل تابع ہوتے ہیں اکثر کے اس لئے اجازت قتال دے دی گئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ **اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا**

(c) ketabton.com: The Digital Library

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ: وہاں جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے شخص کو اس کا عوض ملتا ہے پروردگار کے پاس پہنچ کر اور نہ ایسے لوگوں پر کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ مغموم ہونے والے ہیں۔

تفسیری نکات

ہماری فلاح کا مدار

یہ ایک آیت ہے کہ جس کے اول میں رد ہے بعض مدعین کے ایک غلط دعوے کا اور بعد میں دلیل رد کے مقام پر ایک قاعدہ کلیہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں حق تعالیٰ نے ایک نہایت ضروری مضمون ذکر فرمایا ہے جو جامع ہے تمام مشرب ومسلک حق کا' عرصہ سے ہم لوگوں کی تمام حالتیں تباہ و برباد ہو رہی ہیں جس کے اسباب مختلف عنوانوں سے بیان کئے جاتے ہیں مگر حقیقت میں اس تباہی و بربادی کا اصلی سبب اس قاعدہ کلیہ کا چھوڑ دینا ہے اس آیت میں اسی کا ذکر ہے ہر چند کے رد اور قاعدہ کلیہ دونوں میں یہاں زیادہ محط فائدہ رد ہے مگر وہ قاعدہ کلیہ جو کہ رد کے لئے بھی کافی ہے اور نیز ہماری حالتوں کی اصلاح بھی اس سے وابستہ ہے چونکہ وہ متضمن (ضمن میں لینے والا) فائدہ کو ہے اس لئے اس وقت بیان میں وہ ہی زیادہ مقصود ہے اور وہ قاعدہ کلیہ کہ جس پر مدار ہے ہماری فلاح کا اور جس سے غافل رہنے کی وجہ سے ہماری خرابی اور تباہی بڑھتی جاتی ہے اور نہایت ضروری ہے وہ تعبیر میں تو بہت چھوٹی سی بات ہے مگر حقیقت میں بڑی بات ہے اور اس امر ضروری کا نام جس کا تکفل (ذمہ داری) اس قاعدہ نے کیا ہے حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھنا ہے اب ان لفظوں کی حقیقت پر جب تک زیادہ غور نہ کیا جاوے یہ سمجھ میں نہ آوے گا کہ ہم نے اس قاعدہ کو چھوڑ رکھا ہے اس واسطے کہ ہر شخص یہی جانتا ہے کہ ہمارا خدا سے تعلق ہے یہ تو ٹھیک ہے کہ ہمارا خدا سے تعلق ہے مگر یہ امور غور طلب ہے کہ آیا آپ کو خدا سے تعلق ہے یا خدا کو آپ سے تعلق ہے پس یہ ہے سمجھ لینے کی بات سو اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ خدا کو ہم سے تعلق ہے اور ہمیں خدا سے تعلق نہیں ہے اور اس نے باوجود یہ کہ اس کے ذمہ واجب نہیں لازم نہیں مگر اتنے حقوق ادا کئے ہیں کہ ہم ان کا شمار و اندازہ بھی نہیں کر سکتے یہ محض تعلق اور رحمت ہے ورنہ ہمارا کیا حق اور کیا لزوم اہل سنت نے اس مسئلہ کی حقیقت کو خوب سمجھ لیا ہے کہ ہمارا کوئی حق خدا پر واجب نہیں جو کچھ وہ عطا فرمائے محض رحمت اور خالص عنایت ہے۔

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ ۱۱۲)

غلط دعویٰ پر رد

اور اگر فکر ہے تو سنو حق تعالیٰ اسی کا طریق بتلاتے ہیں بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ

(c) ketabton.com: The Digital Library

عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ بلی میں رد ہے اہل باطل کے ایک غلط دعویٰ کا کہ جس کے متعلق رد سے پہلے ارشاد ہے تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ یہ ان کی آرزوئیں ہیں دعویٰ یہ تھا کہ ہم ہی جنت میں جاویں گے پہلے اس کو اس طرح رد فرمایا تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ یہ ان کی آرزوئیں کہ بجز ان کے اور لوگ جنت میں نہیں جاویں گے آگے ارشاد ہوا بلیٰ یعنی کیوں نہیں جاویں گے پھر اس کی دلیل قاعدہ کلیہ کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ الخ جو شخص سپرد کردے اپنی وجہ یعنی ذات کو خداوند تعالیٰ کے لئے اس حال میں وہ محسن ہو ان کا اجر اللہ کے پاس ہے نہ ان پر خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے یہ ترجمہ ہوا۔

یہاں پر حق تعالیٰ نے اس عمل منجی کو اسلام سے تعبیر فرمایا اس کی تفصیل سمجھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ وہ کیا چیز ہے سو ہمارے روشن خیال حضرات کے نزدیک اس کی حقیقت ایسی چیز ہے کہ نہ اس میں کچھ مامورات ہیں نہ منہیات ان کی کیفیت یہ ہے کہ ان کو کسی منہی عنہ سے منع کرو تو کہتے ہیں کیا اس سے ایمان جاتا رہا مولویوں نے خواہ مخواہ تنگی کردی ہے جی اسلام بہت وسیع چیز ہے وہاں ایسے ایسے افعال کا کیا اثر بس لاالہ الا اللہ کے قائل ہو گئے اور اسلام کامل ہوگیا نہ کسی فعل سے اس میں نقصان آتا ہے نہ کسی عقیدہ سے اس میں خلل آتا ہے اس کے لئے ایک حدیث یاد کر رکھی ہے۔ من قال لاالہ الا اللہ فقد دخل الجنة (جس نے لاالہ الا اللہ کہہ دیا یقیناً وہ جنت میں داخل ہوگا) سبحان اللہ اچھا ست نکالا کہ لاالہ الا اللہ کہہ لیا بس کافی ہے اب اور اعمال کی کیا ضرورت بے شک حدیث صحیح ہے مگر جو مطلب آپ سمجھے وہ اس کا مطلب ہی نہیں اس کا مطلب ایک دیہاتی مثال میں سمجھئے ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرلے قاضی پوچھے تم نے قبول کی وہ کہے قبول کی لیجئے نکاح ہوگیا یہ میاں یوں سمجھے کہ عورت ہاتھ آئی خوب چین کریں گے یہ خبر نہ تھی کہ تھوڑے دنوں میں لدنا پڑے گا جس کی حقیقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کسی کے پوچھنے پر خوب بیان فرمائی۔ سرور شہر ایک مہینہ کی خوشی پھر پوچھا ثم ماذا یعنی پھر کیا ہوا فرمایا لزوم مہر یعنی مہر لازم آجاتا ہے پوچھا ثم مذا پھر کیا فرمایا غموم دھر یعنی تمام زمانہ کے رنج وغم پھر پوچھا ماذا (پھر کیا) فرمایا کسور ظہر یعنی کمر ٹوٹ جاتی ہے غرض میاں ایک ماہ نوشہ ہے خوب عزت رہی دعوتیں ہوا کیں اس کے بعد ماں باپ نے الگ کردیا اب گھر کرنے بیٹھے اب وہ غموم دھر میں مبتلا ہوئے الگ ہوتے وقت ماں باپ نے ایک ماہ کا غلہ وغیرہ دے دیا تھا مہینہ بھر تک وہ کھاتے رہے جب ختم ہوگیا اب بیوی نے کہنا شروع کیا کہ غلہ لاؤ گھی لاؤ کپڑا لاؤ وغیرہ وغیرہ یہ لاؤ وہ لاؤ تو آپ کہتے ہیں بی بی تو پاگل ہوگئی ہے کیسی لکڑی کیسا کپڑا کیسا گھی میں نے ان چیزوں کی کہاں ذمہ داری کی ہے اس نے کہا آخر تم نے ایجاب قاضی پر کہا نہ تھا کہ میں نے قبول کی وہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہ تو نہ کہا تھا کہ میں نے غلہ وغیرہ بھی قبول کیا میں نے تو فقط تجھے قبول کیا تھا نہ میں نے آٹا قبول کیا نہ لکڑی قبول کی غرض جھگڑا اس قدر بڑھا کہ محلے کے عقلاء فیصلہ کرنے کے لئے جمع ہوگئے ان میں آپ بھی ہوں اب آپ بتایئے کہ کیا فیصلہ کیا جائے کہ روٹی کپڑا سب اس سے دلائیں گے اور کہیں گے کہ ارے احمق بیوی کا قبول کرنا اس کی تمام ضروریات کا قبول کرلینا ہے اس کے لئے کسی مستقل معاہدہ کی ضرورت نہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

بس لا الٰہ لا اللہ کے بھی یہی معنی ہیں اب ذرا سنبھل کر کہے گا بس اسی مختصر کلمہ نے تو باتوں کو لے لیا لہٰذا جب وضع خلاف شرع ہوگئی تو ایک جزو لا الٰہ الا اللہ کا چھوٹا تو مولوی اہل محلہ کے مثل ہیں اور یہ اسی نادان کے مثل ہے جو کہتا ہے کہ میں نے لا الٰہ الا اللہ کہا تھا یہ کہاں کا جھگڑا نکالا کہ وضع خلاف شرع نہ رکھو داڑھی مت منڈاؤ یا مت کتاؤ مونچھیں مت بڑھاؤ نماز پڑھو روزہ رکھو۔ حاصل یہ کہ سپرد کردینے کے بعد پھر رائے نہیں دی جایا کرتی جس طرح مقدمہ وکیل کے سپرد کردینے کے بعد کوئی رائے نہیں دیتا اسی کو فرماتے ہیں اسلم وجھہ (جس نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردیا) باقی ذات کو 'وجہ' سے کیوں تعبیر کیا۔

سو 'وجہ' کہتے ہیں منہ کو عموماً مفسرین نے تو لکھا ہے کہ یہاں تسمیۃ الکل باسم الجزء ہے یعنی جز بول کر کل مراد لیا ہے اور وجہ تخصیص یہ کہ 'وجہ' تمام اعضاء میں اشرف تھا جب اشرف کو سپرد کردیا تو کل کو سپرد کردیا گر ایک اس سے زیادہ بات لطیف ہے وہ یہ کہ پہچان چہرہ سے ہوتی ہے تو گویا تشخص میں زیادہ دخل چہرہ کو ہے پس وجہ سے تعبیر کرنا ذوات مشخصہ کو نہایت برمحل ہے یہ تو پرانے طالب علموں کے کام کی بات تھی۔

ایک بات تو تعلیم یافتہ لوگوں کے کام کی بھی سمجھ میں آئی کہ آج کل جو رائے دی جاتی ہے اس کی قوت دماغ کے اندر ہے اور وجہ کو دماغ سے خاص تلبس ہے گویا دونوں متلازم ہیں پس وجہ کو سپرد کرنا گویا دماغ کو سپرد کرنا ہے اور دماغ کے سپرد کرنے کے بعد جب دماغ ہی آپ کا نہ رہا تو رائے اور خیال آپ کا کہاں سے آیا تو یہ تعبیر مشیر ہے خود رائی کے قطع کردینے کی طرف۔

اگر کوئی کہے کہ کیا دماغ سے کام نہ لیں اسلام کے احکام تو سب دماغ ہی کے متعلق ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مقدمہ کسی بیرسٹر کے سپرد کردو تو اگر وہ گواہوں کی شناخت کے واسطے کہے تو کیا اس کو یہ جواب دو گے کہ ہم نے تو آپ کے سپرد کردیا' جس چیز کو سپرد کردیا ہے اس میں اپنی رائے کا دخل مت دو باقی جتنے میں وہ خود دخل دینے کو کہے اس میں دخل دو پس اسی طرح یہاں بھی دماغ سے اتنا کام لو جتنا حکم ہے۔

اور یہ توجیہیں تو جب ہیں کہ 'وجہ' کو ظاہری وجہ پر رکھا جائے اور اگر 'وجہ' کہ وجہ باطن پر محمول کیا جائے تو یہاں پر 'وجہ' کے معنی قلب کے ہوں گے جیسے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ (میں اپنے قلب کو اسی ذات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا) میں کہا گیا ہے کہ یہاں وجہ سے مراد چہرہ نہیں ہے کیونکہ اس کو خدا کی طرف کرنے کے کیا معنی بلکہ یہاں مراد قلب ہے کہ میں نے پھیر دیا رخ قلب اپنا خدا کی طرف جس نے مجھے پیدا کیا تو یہ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ کا بطن اور باطن تھا خلاصہ مجموعہ توجیہین کا یہ ہوا کہ اپنی ہر چیز کو خدا کے سپرد کردیا۔ اب سمجھے کہ کبھی سپرد کرنا غرض کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی خوف سے اور کبھی محبت سے محققین کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی نے غرض کی وجہ سے سپرد کیا کہ کام خوب نکلیں گے تو یہ شرک خفی ہے کہ کام بنانے کے لئے اطاعت کرتا ہے خدا کے لئے نہیں کرتا پس یہ تسلیم اس لئے کرو کہ اس کا حق ہے اس لئے وھو محسن بھی فرمایا کہ سپرد کرنے میں اخلاص ہو اپنی کوئی غرض وابستہ نہ ہو۔ چنانچہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اسلام جب ہی مقبول ہے کہ اس میں ریا نہ ہو کیونکہ یہ خلاف اخلاص ہے اس تفسیر کے بعد معلوم ہو گیا ہو گا کہ اسلام مطلوب کی یہی حقیقت ہے کہ خالصاً للہ کے ہو جاؤ۔

بلاغت قرآن مجید

اس کے بعد وعدہ ہے کہ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اس کے لئے اس کا اجر ہے اس کے پروردگار کے نزدیک فله اجره پر کفایت نہیں بلکہ عِنْدَ رَبِّهٖ بھی بڑھایا اس میں بڑا راز ہے ایک تو کسی مزدور سے کہتے کہ کام کرو ہم تمہیں کھانا کھلائیں گے اور ایک یہ کہ اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلائیں گے اور وہ مزدور عاشق بھی ہو تو کس قدر شوق سے کام کرے گا اور کھانے سے کس قدر مسرور ہو گا عندربه اس لئے بڑھایا ہے۔

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ جنت ست آں گرچہ باشد قعر چاہ
ہر کجا دلبر بود خرم نشیں فوق گردوں است نے قعر زمیں

(جہاں محبوب ہو وہ جگہ جنت ہے اگرچہ کنواں ہی کیوں نہ ہو جس جگہ محبوب ہو خوش و خرم بیٹھ وہ جگہ مرتبہ میں آسمان سے بلند تر ہے نہ پست زمین)

سبحان اللہ کیا قرآن کی بلاغت ہے بس یہ شعر صادق آتا ہے

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

(اس کی عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل و جان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل و جان کو بو سے تازہ رکھتی ہے) یعنی دو مذاق کے لوگ ہیں ایک تو روٹ کھانے والے جیسے ہم ہیں ان کو فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ سے خوش کر دیا کہ گھبراؤ نہیں روٹیاں مل جائیں گی ایک وہ ہیں جو دیدار کے مشتاق ہیں ان کے واسطے عند ربه فرمایا کہ دعوت ہو گی اور ہمارے پاس ہو گی اور یہ سب انعام ہوا انعام کا کمال یہ ہے کہ منفعت عطا ہو اور مضرت سے بچایا جاوے منفعت کا مذکور تو ہو چکا آگے مضرت سے بچانے کا وعدہ ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ان پر کوئی خوف نہیں کوئی قید نہیں لگائی کہ کہاں خوف نہیں گو بعض جگہ سے آخرت کی قید معلوم ہوتی ہے کہ آخرت میں کوئی خوف نہیں لیکن یہاں کا اطلاق اگر بحالہ رکھا جاوے تو دنیا و آخرت دونوں کو عام رہے گا رہا یہ کہ دوسری آیات میں یخافون سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خوف ہے سو محققین نے جواب دیا ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ فرمایا لاخوف بهم یا لهم نہیں فرمایا یعنی ان پر خوف کی چیز واقع نہ ہو گی گو خود وہ خوف کیا کریں اس کے بعد ارشاد ہے وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ وہ غمگین ہوں گے خوف آئندہ کا اندیشہ ہے اور حزن واقعہ ماضیہ کے متعلق ہوتا ہے تو حاصل یہ ہوا کہ نہ تو مستقبل میں کسی مضرت کا احتمال ہے نہ کسی ماضی کی فوت سے ان پر حزن ہے کہ ہائے یہ نہ ہوا ہائے وہ نہ ہوا دنیا میں نہ آخرت میں خلاصہ یہ کہ ہر قسم کی مضرتوں سے محفوظ ہوں گے یہ اسلام پر انعام ہوا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں ان کا ذکر اور عبادت کئے جانے سے روکے اور ان کے ویران اور معطل ہونے میں کوشش کرے ان لوگوں کو کبھی بے ہیبت ہو کر ان میں قدم نہ رکھنا چاہیے تھا بلکہ جب جاتے ہیبت اور ادب سے جاتے ان لوگوں کو دنیا میں بھی رسوائی نصیب ہوگی اور آخرت میں سزائے عظیم ہوگی۔

تفسیری نکات

ویرانی مساجد کا مفہوم

شان نزول میں گو اختلاف ہو مگر قدر مشترک اتنا ضرور شامل ہے تعطل مساجد کے بارے میں مسلم اور غیر مسلم کو جیسا آگے آتا ہے اور جملہ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ الخ (ان لوگوں کو بے ہیبت ہو کر ان میں قدم نہ رکھنا چاہیے تھا) گویا بطور دلیل کے ہے ماقبل کے لئے گویا یہ فرمایا گیا ہے کہ ان کو چاہیے تھا کہ خود بھی جب مساجد میں داخل ہوتے خاشع وخاضع ہو کر داخل ہوتے' دوسرے آنے والوں کو جو ذاکرین مخلصین ہیں ان کو بھی روکتے ہیں کیونکہ یہ بے خوف ہونے کی اور بھی زیادہ علامت ہے اس لئے ایسا شخص بہت زیادہ ظالم ہوگا یہاں پر ایک طالب علمانہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ آیت تو کفار کے حق میں ہے اس کا مخاطب مسلمانوں کو کیوں بنایا جاتا ہے تو اس کا جواب بطور اصولیین کے یہ ہوسکتا ہے کہ العبرہ لعموم اللفظ الالخصوص المورد (اعتبار لفظ کا ہے نہ کہ مورد کا) اور اس کی نظیر شرعی لعان وحدزنا ہے اور تمثیل جیسے اگر کوئی محسن اپنے کسی نوکر کو کسی بات پر سزا دے اور کہے کہ جو ایسی حرکت کرے گا اس کو ایسی سزا ہوگی تو اس کے کہنے کا سبب اس وقت یہ خاص نوکر ہے مگر چونکہ الفاظ عام اس لئے دوسرے نوکر بھی اپنے لئے اس کو عبرت سمجھتے ہیں اور وہ کام نہیں کرتے میرے نزدیک یہ قاعدہ اصولیہ کہ العبرة لعموم اللفظ الخ (اعتبار عموم لفظ کا ہے عموم کے ساتھ مقید ہے جہاں تک مراد متکلم کی ہو اس کے آگے تجاوز کر کے ہر عموم کو شامل نہیں ہوسکتا اس کی نظیر حدیث لیس من البر الصیام فی السفر (سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے) کو باوجود (لفظ کے عموم کے چونکہ مطلق کو عام ہونا مراد متکلم کی نہیں ہے ہر مسافر کو شامل نہیں بلکہ صرف اسی کو جس کو خوف ہلاک واز دیاد مرض ہو دوسری نظیر یہ کہ اگر آج کل کوئی شخص کسی عالم سے رہن کا مسئلہ پوچھے تو وہ عالم بوجہ اطلاع عرف متعارف کے حکم منع ہی کا دے گا کیونکہ عرف رھن مع الانتفاع ہے اس لئے مراد یہی رہن خاص ہوگا گو فتوے کا لفظ ہوگا کہ رہن جائز نہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

پس محض کسی لفظ کا عام ہونا دلیل ہر عموم کی نہیں ہے تاوقتیکہ قرائن مستقلہ سے اس عموم کا مراد ہونا ثابت نہ ہو جائے۔
حاصل یہ آیت میں لفظا تعمیم نہیں مسلم وغیر مسلم کو بلکہ آیت تو کفار ہی کے حق میں ہے جو منع خاص یہاں مراد ہے ایسا منع مخصوص ہے کفار سے مگر مسلمان کو یہ اس طرح سے شامل ہے وہ یہ کہ منع کے بعد سَعٰی فِیْ خَرَابِهَا (ان کی ویرانی میں کوشش ہے فرمانا بطور تعلیل کے ہے اور خراب مقابل عمارت کا ہے اور عمارت مسجد کی صلوۃ سے ہے بس خراب یعنی ویرانی ایسے امر سے ہوگی جو منافی ہو ذکر وصلوۃ کے پس اگر مسلم سے مسجد میں کوئی فعل خلاف ذکر وصلوۃ ہو تو وہ بھی اس ملامت میں شریک ہوگا بوجہ اشتراک علت کے رہا یہ قیاس کہ ظنی ہوتا ہے تو ذم یقینی نہیں جواب اس کا یہ ہے کہ قیاس ظنی جب ہوتا ہے کہ اس کی علت بھی ظنی ہو اور اگر منصوص علیہ قطعی ہو جیسا کہ یہاں ہے تو قیاس بھی قطعی ہوگا رہا یہ کہ مسلمان اگر ایسا فعل بھی کرے تو قصد خرابی مسجد کا تو نہ ہوگا جو متبادر ہے سعی سے پھر اس کو کیسے شامل ہوا' جواب یہ ہے کہ اگر سعی خاص ہوتی تو مباشر کے ساتھ تو اس شبہ کی گنجائش تھی غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سعی عام ہے مباشر اور سبب کو دلیل اس کی یہ ہے کہ جب رسول ﷺ نے مدینہ میں خواب دیکھا انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہے عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ تشریف لائے اور صحابہ سے آپ نے یہ خواب بیان کیا گو اس میں یہ نہ تھا اس سال ہوگا مگر شدت اشتیاق میں صحابہ نے سفر کی رائے دی اور آپ نے خوش خلقی سے قبول فرمایا تو کفار قریش نے آپ کو دخول مکہ سے روک دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس روکنے کو مسجد کی ویرانی کا سبب قرار دے کر ان کو سَعٰی فِیْ خَرَابِهَا اور ان کی ویرانی میں سعی کریں کا مصداق بنایا حالانکہ کفار مکہ نہ صرف مسجد حرم بلکہ تمام حد حرم کی غایت تعظیم کرتے تھے اور عمارت بھی مگر با ایں معنی وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا اور ان کی ویرانی میں کوشش کریں کا مصداق بنایا گیا صرف اس لئے کہ انہوں نے رسول ﷺ وصحابہ کو کہ ذاکرین مخلصین تھے روکا' اس سے اب بدلالۃ النص یہ بات ثابت ہوگی کہ کوئی ایسا کام کرنا مسجد میں جس میں ذکر اللہ سے اس کا تعطل ہو گو علی سبیل التسبب ہی سہی منع مساجد اللہ وسعی فی خرابها مساجدوں سے روکنا اور ان کی ویرانی میں کوشش کرنا کا مصداق بنا ہے ورنہ کفار نے کوئی قفل نہیں ڈالا تھا اور نہ مسجد کی بے تعظیمی کی تھی اور نہ عمارت میں کوئی رابی کی تھی ظاہر ہے کہ مسجد میں بلاضرورت دنیا کی باتیں کرنا دنیا کے کام کرنا نہ ذکر ہے نہ ذکر کے متعلق ہے اس لئے بلاشبہ معصیت اور ظلم ہے پھر ان یذکر کی تقریب فضیلت ذکر کے متعلق متعدد واقعات بیان کئے گئے اس میں یہ بھی بیان تھا کہ آدمی ذکر تلاوہ پر عوض دنیوی لیتے ہیں حالانکہ اللہ کا نام ایسا گراں مایہ ہے کہ دونوں عالم بھی اس کی قیمت نہیں ہو سکتے اور یہ شعر پڑھا۔

حکمت خود ہر دو عالم گفتہ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(تونے اپنی قیمت دونوں جہاں بتلائی ہے نرخ بڑھاؤ ابھی ارزانی ہے)

تقریب ختم کلام مجید حفاظ کا بعوض مال رمضان میں یا رسوم وغیرہ میں اور قبور پر قرآن پڑھنے کا ممنوع ہونا بیان ہوا اور اہل اللہ دنیا کو تو اللہ کے نام اور رضا سے بڑا کیا سمجھتے آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دولت تو نعمائے جنت سے بھی افضل ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (رضا الٰہی بہت بڑی چیز ہے) نص صریح ہے اور دین فروشی کے شبہ سے بچنے کے لئے بعض

(c) ketabton.com: The Digital Library

بزرگ بازار میں نہیں جاتے کہ شاید ان کو دیندار سمجھ کر ان کے دین کی وجہ سے کوئی دوکاندار داموں میں رعایت کرے تو وہ اس قسم کا عوض ہو جائے گا دین کا پس نہ جانا بازار میں دو وجہ سے ہوتا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ وہ تو حرام ہے دوسرا اس وجہ سے کہ لوگوں پر ہماری وجاہت سے رعب پڑے گا اور وہ دب کر ارزاں دیں گے جس سے ان کو نقصان ہوگا یہ مستحب بھی ہے اور ضروری ہے اس میں شبہ دین فروشی سے بچنے کے علاوہ رفع التاذی عن الخلق (مخلوق سے اذیت کو ہٹانا)

حاصل یہ ہے کہ مشرکین میں لیاقت مسجد کے آباد کرنے کی نہیں کیونکہ جس چیز سے مسجد کی آبادی ہے جس کا ذکر آیت آئندہ میں ہے وہ ان میں نہیں ہے یعنی وہ تعمیر ذکر اللہ ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ الخ (اللہ تعالیٰ کی مساجد کو وہی بناتا ہے جو اللہ پر ایمان لائے الخ) اس آیت میں مقصود اصلی اقام الصلوة ہے جس کے لئے مسجد موضوع ہے اور امن بطور شرط کے لایا گیا اور اتی الزکوة اقام کی تتمیم ہے یعنی اقامت بمعنی ادائے حقوق صلوۃ موقوف ہے خلوص اور محبت پر اور اس کی ایک علامت انفاق اموال ہے حاصل یہ کہ نراذکر زبان سے جیسا کہ نماز میں ہوتا ہے دلیل خلوص قلب کی نہیں مال بھی دینا چاہیے اور زکوۃ وہی دے گا جس کے قلب میں خلوص ہوگا کیونکہ حاکم تو مطالبہ کرنے والا ہی نہیں اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ زمانہ خلفائے راشدین میں تحصیل زکوۃ کے لئے عامل مقرر تھے وہ جبراً لیتے ہوں گے پھر اس میں خلوص کہاں رہا جواب یہ ہے کہ عامل صرف مواشی کی زکوۃ لیتے تھے اور اموال باطنہ زر و سیم مالکوں کے اختیار میں تھے مواشی کے لئے بھی عامل تحصیل کی وجہ سے نہ تھا بلکہ محض بہ نظر سہولت مصارف تاکہ اصحاب اموال میں دقت نہ ہو اور مال پورے طور پر مستحقین کو مل جائے اور اموال تجارت میں بھی عاشر کی طرف سے کچھ زبردستی نہ تھی بلکہ پوچھا جاتا تھا حولان حول سال گزرا یا نہیں اگر کسی نے کہا نہیں گزرا تو چھوڑ دیا اور اگر اس نے کہا کہ ہم نے زکوۃ خود دے دی ہے تب بھی چھوڑ دیا دوسری دلیل اس دعوے کی مسجد کا موضوع لہ ذکر ہے یہ آیت فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ (ایسے گھروں میں جا کر عبادت کرتے ہیں جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے) اس میں رفعت معنویہ مراد ہے تیسری دلیل حدیث انما بنیت المساجد لذکر الله (مساجد اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بنائی گئی ہیں پس جو کام ذکر کے متعلق نہ ہو وہ مسجد کی ویرانی ہے) منع ہے جیسا بعض کاتب اجرت مسجد میں لکھنے بیٹھ جاتے ہیں یا درزی کپڑے سینے بیٹھ جاتے ہیں بلکہ فقہانے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جو شخص اجرت پر علم دین پڑھاتا ہو اس کو بھی مسجد میں بیٹھ کر پڑھانا منع ہے۔ علی هذا القیاس مسجد میں قرآن خواں لڑکوں کا پڑھانا جن سے کسی قسم کی اجرت لی جاتی ہے ممنوع ہے البتہ درس دینیات بلا اجرت خود ذکر ہے اس کا کچھ مضائقہ نہیں ایسا ہی معتکف جو ذکر اللہ کی غرض سے مسجد میں آ بیٹھا ہے اس کو بیع و شرا کا معاملہ بلا حضور مبیع بضرورت جائز ہے تاکہ ذکر اللہ سے حرمان نہ رہے ورنہ مشتغلین بالتجارت کا اعتکاف معتبر نہ ہوتا اور یہ شرط عدم حضور مبیع کی اس وقت ہے جب وہ متاع مسجد کی جگہ کو گھیرے ورنہ اگر کوئی مختصر سی چیز ہو تو احضار سلعہ بھی جائز ہے اور بجز معتکف کے دوسرے کو خرید و فروخت کا معاملہ خواہ کیسا ہی چھوٹا ہو مثلاً ریزگاری وغیرہ کا لین دین مسجد میں منع ہے اسی طرح کسی ایسی چیز کا اعلان سے پوچھنا جو مسجد سے کہیں باہر کھوئی گئی ہو منع ہے البتہ اگر مسجد کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اندر چیز گم ہوگئی تو اس کا پوچھ لینا مضائقہ نہیں اسی طرح اپنی تجارت کے اشتہار مسجد میں تقسیم کرنا ممنوع ہے چوتھی دلیل دعویٰ مذکور کی یہ کہ حدیث میں قرب قیامت کی علامات میں وارد ہے مساجد هم عامرة وهي خراب (مساجد ان کی آباد ہونگی مگر خلوص سے کم ہوں گی) عمارت اور خرابی کا جمع ہونا اسی طرح ہوسکتا ہے کہ ظاہری عمارت میں تو بڑی زیب و زینت اور مجمع کی کثرت ہوگی مگر معنوی آبادی یعنی جو خلوص ہے کم ہوگا۔ اس سے بھی وہی بات ثابت ہوئی پانچویں دلیل لوگوں نے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ شر البقاع (بری جگہیں) کیا چیز ہے اور خیر البقاع (اچھی جگہیں) کون سی جگہ ہے فرمایا مجھے معلوم نہیں جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا انہوں نے بھی یہی جواب دیا اور یہ کہا کہ دربار خداوندی سے دریافت کر کے جواب دوں گا چنانچہ پوچھنے گئے اس وقت بہ برکت اس مسئلہ کے پوچھنے کے حضور اقدس ﷺ کے لئے ان کو اس قدر قرب ہوا کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو بھی اتنا قرب نہیں ہوا یعنی ستر ہزار حجاب درمیان میں رہ گئے غرض دربار خداوندی سے جواب ارشاد ہوا کہ شر البقاع بازار ہے اور خیر البقاع مسجد سو غور کرنا چاہیے کہ دونوں میں مابہ الامتیاز کیا ہے بجز ذکر الله و ذکر الدنیا کے پس معلوم ہوا کہ مسجد کا موضوع یہی ذکر اللہ ہے پس اس میں ذکر الدنیا کرنا اس کو شر البقاع بنانا ہے جو اس کی ویرانی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کی مملوک ہیں (سب سمتیں) مشرق بھی اور مغرب بھی کیونکہ تم لوگ جس طرف منہ کرو ادھر (ہی) اللہ تعالیٰ کا رخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (تمام جہات کو) محیط ہیں کامل العلم ہیں۔

تفسیری نکات

بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنے میں حکمت

فرمایا کہ کعبے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا جو حکم ہے اس میں یہی مصلحت ہے کہ تفریق کلمہ نہ ہو اور شریعت کے تمام کام انتظام سے انجام پائیں ورنہ اگر آیت فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ سے ہر شخص جس طرف چاہے نماز پڑھ لیا کرے تو اس مطلق العنانی سے جماعت کا کام انجام کو نہیں پہنچ سکتا۔

علم کلام کی ضرورت

فثم وجه الله۔ يداه مبسوطتان۔ على العرش استوىٰ۔ والسمٰوٰتُ مطويت بيمينه (یعنی کسی جگہ کہا گیا ہے کہ جدھر تم منہ کرو خدا کا رخ ادھر ہی ہے کہیں فرمایا کہ خدا کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں کہیں فرمایا ہے کہ خدا عرش پر مستوی ہے کہیں فرمایا کہ آسمان خدا کے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تو اس پر بعض جاہلوں کو یہ شبہ ہوگا کہ خدا کے بھی ہماری طرح منہ اور ہاتھ اور پیر ہیں مگر علم کلام کے دلائل سے معلوم ہو گا خدا تعالیٰ جوارح اور مکان و زبان سے پاک ہے اس کے لئے ان چیزوں کا ثابت ہونا حقیقۃً ممکن نہیں ہاں مجازاً کوئی دوسرے معنی مراد لئے جاویں تو ممکن ہے چنانچہ علماء نے ان آیات کے معانی خدا کی شان کے لائق بیان بھی کئے ہیں اور سلف کا طرز اس بارہ میں سکوت ہے تو علم کلام سے معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے لئے کس صفت کا ثابت ہونا ضروری ہے اور کن کن باتوں سے اس کا پاک ہونا ضروری ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی بشرطیکہ وہ اس کی تلاوت کرتے رہے جس طرح کہ تلاوت کا حق ہے ایسے لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو شخص نہ مانے گا خود ہی ایسے لوگ خسارہ میں رہیں گے۔

تفسیری نکات

تلاوت کرنے والوں کی مدح

اس کی دو تفسیریں ہیں مگر دونوں میں یہ قدر مشترک ہے کہ تلاوت کرنے والوں کی مدح ہے اس آیت میں ہر چند کتاب سے مراد توریت ہے مگر ظاہر ہے کہ توریت کی تلاوت قابل مدح ہونے کا سبب توریت کا کتاب اللہ ہونا ہے اور چونکہ قرآن افضل کتب ہے تو اس کی تلاوت زیادہ قابل مدح ہوگی اور اسی آیت سے اس کی فضیلت بطریق اولیٰ ثابت ہو گئی اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ تلاوت کتاب اللہ کی حقیقت اللہ میاں سے باتیں کرنا ہے اب آیت میں فرماتے ہیں کہ تم ہم سے باتیں تو کرو گے مگر قاعدے اور ادب کے ساتھ کرنا يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ترکیبا تو اخبار ہے مگر مقصداً انشاء ہے یعنی تلاوت کرنے والوں کو چاہیے کہ حقوق ادا کریں۔

حقوق تلاوت

جب تلاوت کی حقیقت معلوم ہو گئی تو اب سمجھ لیجئے کہ حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں باطنی اور ظاہری قربان جایئے تعلیم شریعت کے کہ اعمال میں صرف بناوٹ نہیں بلکہ ظاہری حقوق بھی بتائے اور باطنی کو ظاہری سے زیادہ ضروری رکھا ماں باپ کے حق ظاہری کو فرمایا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ کہ ان کے سامنے پستی اختیار کرو وضع قطع میں تکلم میں نشست و برخاست میں غرض ہر چیز میں ان سے تذلل برتو کسی بات پر ترفع مت کرو یہ حق ظاہری ہے اور حق باطنی کو سبحان اللہ کیسے ذرا سے لفظ سے فرمادیا یعنی مِنَ الرَّحْمَةِ یعنی ان کے سامنے نری ظاہری پستی پر اکتفانہ کرو اس کا اعتبار نہیں بلکہ اس ظاہری

(c) ketabton.com: The Digital Library

پستی کا منشاء رحمت ہو رحمت رقت قلب کو کہتے ہیں یعنی ان کی عزت دل سے کرو جیسا کہ ظاہر ان کے سامنے پست کیا ہے باطن کو بھی پست کرو۔ دل کے اندر تواضع بھی ہو خضوع بھی ہو قرآن میں کوئی ضروری بات چھوٹی نہیں جاتی یہی خوبی ہے کلام اللہ کی کسی حاکم یا کسی فلسفی کی تعلیم میں یہ بات نہیں پائی جاتی اور اس پر بھی اکتفاء نہیں کیا آگے فرماتے ہیں وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا اور کہواے پروردگار ان دونوں (یعنی والدین کو نواز جس طرح کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی اوپر تو ان حقوق کا حکم تھا جن کی ادا کا علم ان کو اور لوگوں کو وقت ادا ہو جائے گا اور اس میں فرمادیا تھا کہ صرف ظاہری بناوٹ نہ ہو ان کو بھی دل سے ادا کرو یہاں حکم ہے کہ ان کے ان حقوق کو بھی ادا کرو جن کی اطلاع نہ ہو قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا یعنی ان کے لئے دعا بھی کرو یہ بھی ایک حق باطنی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ حق تین ہیں ظاہری اور باطنی اور ابطن اور تینوں قسم کے ادا کا حکم ہے اسی طرح حق تلاوت بھی مختلف ہوتے ہیں میں اس کی ایک مثال دیئے دیتا ہوں جس سے اچھی طرح توضیح ہو جائے گی۔ فرض کیجئے بادشاہ کسی کے ہاتھ میں شاہی قانون دے کر کہے کہ اس کو پڑھو تو اس کی حالت پڑھتے وقت کیا ہو گی کہ ہر ہر لفظ کو صاف صاف پڑھے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا پڑھنا بادشاہ کو ناپسند ہو اور اس کے معنی اور مفہوم کو بھی سمجھتا جائے گا ایک تو اس خیال سے عبارت کا لہجہ بلا معنی سمجھے ٹھیک نہیں ہو سکتا اور ایک اس خیال سے کہ شاید کہیں بادشاہ پوچھ بیٹھے کہ کیا مطلب سمجھا تو خفت نہ ہو اور ایک حالت پڑھنے والے کی یہ ہو گی کہ دل میں اس قانون کے احکام کی تعمیل کا بھی عزم ہو گا اور یہ کسی قرینہ سے ظاہر نہ ہونے دے گا کہ میں اس کی پابندی میں کچھ کوتاہی کرتا ہوں بلکہ حال سے قال سے یہی ثابت کرے گا کہ میں سب سے زیادہ تعمیل کرنے والا ہوں بس اس مثال کو ذہن میں حاضر رکھئے اور سمجھئے کہ قرآن مجید کی تلاوت میں بھی اسی طرح کے تین مرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ الفاظ ظاہری کا ہے یعنی ہر ہر حرف کو علیحدہ علیحدہ صاف صاف اور مخرج سے ادا کرنا ہے اور ایک مرتبہ معنی کا یعنی مدلول الفاظ کو سمجھ لینا یہ نہیں کہ خیال کہیں پہلے صرف طوطے کی طرح لفظ ادا کردیئے۔ یہ مرتبہ حق باطنی کا ہے اور ایک مرتبہ اس سے بھی ابطن ہے وہ اس کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ جب یہ تینوں باتیں جمع ہوں گی تب کہا جائے گا کہ حق تلاوت کا ادا کیا۔ غرض کل تین حق ہوئے ایک حق ظاہری یعنی تلاوت۔ دوسرا حق باطنی یعنی معنی سمجھ لینا۔ تیسرا عمل کرنا یہ بمقابلہ دوسرے کے بھی باطن ہے تو اس کو ابطن کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ معاملہ فیما بینہ و بین اللہ ہے ان تینوں میں وجوداً سب سے مقدم حق ظاہری ہے اور موکد ہے وہ تیسرا درجہ یعنی عمل ان دونوں میں حقیقت اور صورۃ کا فرق ہے اصل چیز حقیقت ہی ہوتی ہے لیکن وجود اس کا لباس صورت میں ہوتا ہے بس حقیقت بلا صورت کے باطل ہے اور صورت بلا حقیقت کے باطل دیکھئے اللہ میاں نے آگے فرمایا أُولَٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهٖ جو لوگ تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہی ایمان رکھتے ہیں پس عمل موقوف علیہ ہے کمال ایمان کا اور کمال ایمان کی تحصیل واجب ہے پس ضرور عمل بھی واجب ہو گا کمال ایمان کا وجوب اس آیت میں صاف مصرح ہے۔ غرض حق تلاوت کا تیسرا درجہ مستحب نہیں بلکہ واجب ہے۔ ہاں وجوب فی الفور نہیں تدریجاً ہے مسلمان ہوتے ہی یہ فرض نہیں ہو جاتا کہ جملہ فروع ایمان پر بھی عبور ہو جائے اور نہ یہ فرض ہو جاتا ہے کہ قرآن شریف کے تینوں حق فوراً ہی ادا کرے بلکہ مہلت دی گئی ہے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس میں سیکھ لینا چاہیے البتہ یہ جائز نہیں کہ بالکل بیٹھ رہے اور کمال کی طرف توجہ نہ کرے غرض حق ظاہری تو یہ ہے کہ ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ترتیل کی یہ تفسیر منقول ہے تجوید الحروف و معرفة الوقوف ترتیل اس کو کہتے ہیں (حقوق القرآن)

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور اس شخص کو جو کافر رہے سو ایسے شخص کو تھوڑے روز تو خوب آرام برتاؤں گا پھر اس کو کشاں کشاں عذاب دوزخ میں پہنچاؤں گا وہ پہنچنے کی جگہ تو بہت بری ہے۔

تفسیری نکات

اسلام مسلمان کو انہماک فی الدنیا سے مانع ہوتا ہے

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ نے قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ (فرمایا اور کوئی کفر کرے سو ایسے شخص کو خوب آرام برتاؤں گا) کی تفسیر میں ایک لطیف بات فرمائی ہے اس آیت میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ فَأُمَتِّعُهُ (اس کو خوب آرام برتاؤں گا) کو ماقبل سے اعرابا کیا تعلق ہے بعض نے کہا کہ فَأُمَتِّعُهُ (سو اس کو بھی خوب آرام برتاؤں گا) کلام مستانف ہے اور من كفر (جو کفر کرے) فعل مقدر کا مفعول ہے تقدیر یوں ہے وارزق من كفر کہ میں کافروں کو بھی رزق دوں گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں مومنین کی تخصیص کی تھی۔ وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (اور اس کے بسنے والوں کو پھلوں سے بھی عنایت کیجئے جو کہ ان میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں) حق تعالیٰ نے ومن كفر (جو کفر کرے) بڑھا دیا کہ دعا رزق کو مومنین کے ساتھ خاص کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں کفار بھی شریک ہوں گے اور ابراہیم علیہ السلام نے یہ تخصیص ادبا کی تھی کیونکہ اس سے پہلی دعاء میں انہوں نے تعمیم فرمائی تھی قال و من ذريتي (کہا اور میری ذریت سے) جس کو حق تعالیٰ نے مومنین کے ساتھ خاص کر دیا تھا تو اب انہوں نے دوسری دعا کو خود ہی مومنین کے ساتھ خاص کر دیا حق تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اس کو خاص کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ رزق تو میں سب کو دونگا اس کے بعد فامتعه (سو اس کو بھی خوب آرام برتاؤں گا) سے کافر کو رزق دینے کی تفصیل ہے کہ اسکو صرف دنیا میں رزق دیا جائے گا آخرت کے رزق سے وہ محروم ہے اور بعض نے کہا کہ فَأُمَتِّعُهُ (سو اس کو بھی خوب آرام برتاؤں گا) خبر ہے من كفر کی اب اس پر سوال ہوتا ہے کہ خبر پر فاء اس وقت داخل ہوتی ہے جبکہ مبتدا میں معنی شرطیت کے ہوں اور مبتدا سبب ہو خبر کے لئے تو لازم آئے گا کہ کفر کو تمتع میں دخل ہو جمہور نے تو اس لازم کا التزام نہیں کیا اور یوں کہا کہ محط فائدہ ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ (پھر اس کو کشاں کشاں دوزخ میں پہنچاؤں گا) ہے اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا (سو اس کو بھی تھوڑے روز خوب آرام برتاؤں گا) اس کی تمہید ہے جس پر فاء اس لئے داخل ہوگی کہ مبتدا کو فَأُمَتِّعُهُ کے معطوف میں دخل ہے گو معطوف علیہ میں دخل نہ ہو مگر مقصود و معطوف ہے معطوف علیہ محض اس کی تمہید ہے لیکن قاضی ثناء اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ اس تکلف کی ضرورت نہیں بلکہ مَنْ كَفَرَ کو فَأُمَتِّعُهُ (سو اس کو بھی ضرور آرام برتاؤں گا) کے ساتھ ہی شرطیت کا علاقہ ہے اور کفر کو تمتع دنیا میں دخل ہے متاع دنیا کامل طور پر کافر ہی کو دی جاتی ہے کیونکہ وہ آخرت کا قائل نہیں اس لئے ہمہ تن دنیا میں منہمک ہوتا ہے اور ہر وقت اسی دھن میں رہتا ہے کہ دنیا میں ترقی کیونکر ہو اور مال کس طرح جمع کیا جائے تو دنیا کی تمتع اس کے لئے ہوتی ہے بخلاف مسلمان کے کہ اس کو اسلام انہماک فی الدنیا سے مانع ہوتا ہے اس لئے اس کو تمتع دنیا کافر سے کم ہوتی ہے۔

تشریح دعائے ابراھیمی

چنانچہ قرآن شریف میں ہے قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ یہ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ہے اس سے اوپر یہ ارشاد ہے وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ کہ حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو چند احکام میں آزمایا اور جب اس میں پورے اتر گئے تو خطاب فرمایا کہ میں تم لوگوں کا امام اور مقتداء بناؤں گا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اور میری اولاد میں سے بھی بعض کو امام اور پیشوا بنائیے۔ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ارشاد ہوا کہ امامت ظالم کافر کو نہیں مل سکتی یعنی ذریت میں سے۔ پھر مناسبت مقام سے درمیان میں خانہ کعبہ کا ذکر فرمایا وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا۔ کہ ہم نے خانہ کعبہ کو مقام امن اور لوگوں کا مرجع فی العبادات بنا دیا۔ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى الایۃ اس کے آگے ہے وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا کہ یا اللہ اس مقام کو امن والا شہر کر دیجئے وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ اور اس کے رہنے والوں کو پھل بھی دے۔ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان لاوے آپ نے ثمرات دنیوی کو دینی امامت پر قیاس کیا وہاں حکم ہوا تھا لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ کہ کافر ظالم کو امامت اور نبوت نہیں مل سکتی۔ آپ نے اس پر قیاس کیا کہ شاید نعمت دنیوی بھی کافر کو نہ ملے اس لئے دعا میں مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ کی قید لگا دی تا کہ بے ادبی کا احتمال نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ۔ عام مفسرین نے تو اس کی اور تفسیر کی ہے مگر حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے تفسیر مظہری میں ایک عجیب تفسیر کی ہے۔ عام مفسرین نے تو یہ تفسیر کی ہے کہ یہ معمول ہے ارزق مقدر کا یعنی وارزق من کفر کہ میں کافر کو بھی رزق دوں گا۔ آگے اس کی تفصیل ہے فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ اس تفسیر کے موافق گویا من کفر پر جملہ ختم ہو گیا۔ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا الخ الگ جملہ ہے اور قاضی ثناء اللہ صاحب نے کہا ہے کہ من مبتداء ہے اور فامتعه خبر ہے یا یوں کہو وہ من شرطیہ ہے اور امتعه اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی جزاء ہے۔ خواہ من کو مبتدا مانو یا شرطیہ اور امتعہ کو خبر بناؤ یا جزا دونوں جائز ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ جملہ مستقلہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو کفر کرے گا اس کو دنیا سے متمتع کروں گا اور قلیلا قید واقعی ہے۔ کما قال تعالیٰ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ۔ اب اس پر ایک سوال ہوتا ہے کہ اس تقریر کا تو حاصل یہ ہوا کہ جو کفر کرے گا اسی کو متاع حاصل ہوگی تو کیا کفر سبب تمتع کا ہے؟ قاضی صاحب نے اس کا جواب دیا کہ دنیا کو مومن سے کم مناسبت ہے اور کافر سے زیادہ مناسبت ہے۔ یہ ایسی بات ہے جیسے ارشاد ہے اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ کہ خبیث کو خبیث ہی ملا کرتا ہے۔ دنیا خسیس ہے اور کفار بھی خسیس ہے لہٰذا ان میں باہم تناسب ہے اور مومن شریف ہے اور دنیا خسیس ہے لہٰذا ان میں باہم تناسب نہیں ہے۔ میں نے اسی تفسیر پر دعویٰ کیا تھا کہ کفار کا دنیا سے تناسب نقل سے ثابت ہے۔ اس لئے تدابیر باطلہ کفار کے لئے مفید ہے۔ بخلاف اہل اسلام کے ان کے لئے تو وہی تدابیر نافع ہوں گی جو اسلام کے مناسب ہیں وہ تدابیر کیا ہیں وہ وہ ہیں جو اللہ میاں نے بیان فرمائی ہیں جن کو میں نے اب بیان کیا ہے کہ اپنی اصلاح کرو اخلاق کو درست کرو عقائد و اعمال کو سنوارو۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ دوسرے کو تمہارے بہکانے کی طمع نہ ہوگی دست درازی کی ہمت نہ ہوگی۔ یہ تو اپنا ذاتی فائدہ ہے اپنے نفس کی حفاظت ہے آگے دوسرا درجہ اشاعت اسلام کا ہے اس سے بھی اس میں کامیابی ہوگی۔ کیونکہ اس کا حسن ایسا ہے کہ دوسروں کے دل میں کھینچتا ہے۔ اگر تمہارے اندر اسلام کے پورے اوصاف پائے جائیں گے۔ اس کے انوار و برکات تم میں جمع ہو جائیں تو دوسری قومیں خود ہی اس کے اندر آ جائیں گی۔ زیادہ بولنے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر ہی میں ایک ایسے پیغمبر مقرر کر دیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو آسمانی کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کر دیں بلاشبہ آپ ہی غالب القدرت کامل الانتظام ہیں۔

تفسیری نکات

ابراہیم علیہم السلام نے جہاں اپنی اولاد کے لئے نفع دنیاوی کی دعا کی کہ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ وہاں اس دینی نفع کی بھی دعا کی کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ ــــــــــــ

دعائے ابراہیمی کی تشریح

فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری اولاد میں ایک رسول بھیجئے جن کی یہ صفت ہو کہ ان لوگوں کو آپ کے احکام سنائیں اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ شان ہو کہ ان کو کتاب اور حکمت تعلیم کریں اور ان کا تزکیہ کریں رذائل سے' بے شک آپ قادر ہیں اور حکیم ہیں کہ موافق حکمت کے کرتے ہیں اور ایسا کرنا مصلحت ہے تو آپ اس کو ضرور قبول فرمائیں گے اس آیت کے ترجمے سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ رسول کی تین صفتیں اس آیت میں بیان کی گئی ہیں اور ان رسول سے مراد ہمارے حضور انور ﷺ ہیں۔ اس لئے کہ داعی حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل ہیں لہٰذا ضرور ہے کہ یہ رسول ان دونوں حضرات کی اولاد میں ہونا چاہیے اور ہر چند کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضور ﷺ کے علاوہ بھی متعدد انبیاء ہوئے مگر وہ بسلسلہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہوئے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے سلسلے میں صرف ہمارے حضور ﷺ ہی ہیں لہٰذا آپ ہی مراد ہوئے۔

دعا کے درمیان میں بعثت رسول کی دعا کرنا ایک بڑی رحمت کاملہ کا مانگنا ہے۔ ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ یوں کہتے' ان کو پاک کیجئے اور ان کو کتاب دیجئے اور ان کو قبول کیجئے لیکن تعلیم بواسطہ وحی اس تعلیم سے افضل ہے جو کہ بلاواسطہ وحی کے بذریعہ الہام کے ہو۔

دین کے ضروری شعبے

اس حکایت کے نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اے سننے والو سمجھ جاؤ کہ ضروری چیزیں یہ ہیں جن کا اہتمام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا اور سمجھ کر ہم سے دعا کی۔

اب سمجھنا چاہیے کہ وہ ضروری چیزیں کیا ہیں۔ سو وہ مفصلاً تو تین چیزیں ہیں۔ یتلو اور یعلم اور یزکی۔ اور مجملاً ایک چیز ہے جس کو دین کہتے ہیں کیونکہ یہ سب دین ہی کے شعبے ہیں اس لئے کہ دین مرکب ہے دو چیزوں سے ایک علم اور دوسرا عمل جیسے فن طب کہ اس میں اول علم کی ضرورت ہوتی ہے پھر عمل کی۔ قرآن مطلب روحانی ہے اس میں صرف دو چیزیں ہیں ایک علم اور دوسرا عمل یزکی میں عمل کی طرف اشارہ ہے اور یعلم میں علم کی طرف۔ حاصل یہ ہوا کہ اے سننے والے! اہتمام کے قابل دو چیزیں ہیں علم اور عمل۔ انہی کا اہتمام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ (ضرورت الاسلام والدین)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِی الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

ترجمہ: اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو اور ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کیا اور وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں جبکہ ان کے پروردگار نے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو تو انہوں نے عرض کیا میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی۔

تفسیری نکات

اسلام کی حقیقت

اس میں حق جل وعلا شانہ نے اسلام کی حقیقت بتائی ہے کہ اسلام کیا چیز ہے تو فرماتے ہیں وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ فرماتے ہیں کون شخص ایسا ہے جو اعراض کرے ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ سے ابراہیم علیہ السلام کا طریق تو ایک ایسی ملت تھا اور ایک ایسا مشرب تھا کہ کون سا مقبول بندہ ہے جو اس سے روگردانی کرے اور اعراض کرے اباء کرے استغنا کرے اور اس کو ترک کرے یا اس سے ہٹ جاوے سوا اس کے جس نے اپنے نفس کی بے قدری کی سوا اس کے جس نے اپنے نفس کی قدر نہ جانی۔ سوا اس کے کوئی ایسا نہ کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جو نفس کی قدر جانے گا وہ اس کو نفع پہنچائیگا اور ضرر سے بچائے گا کیونکہ نفس کی یہ قدر ہے کہ وہ اس کو نفع پہنچانا اور اس کو مضرت سے بچانا۔ تو جو اپنے نفس کی قدر جانے لگا وہ ملت ابراہیمی کو ضرور اختیار کرے گا اور کیوں اختیار کرے گا جب وہ چیز ہی اس درجہ کی ہے کیونکہ اس کی ہی برکت سے ابراہیم علیہ السلام اس درجہ کو پہنچے جس کو فرماتے ہیں وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ یعنی ہم نے انہیں مقبول بنایا تھا دنیا میں۔ اور حرف تاکید کے ساتھ فرماتے وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ اور آخرت کے اندر بھی وہ صالحین میں سے ہیں یعنی اس ملت کی برکت سے وہ دنیا میں بھی مقبول تھے اور آخرت میں بھی مقبول ہیں۔ تو ملت ابراہیم ایسی چیز ہے کہ اس کی بدولت ابراہیم علیہ السلام ایسے مرتبہ کو پہنچے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ کتنی بڑی چیز ہو گی۔ پھر بھلا ایسی چیز سے کون اعراض کرے گا سوا جاہل کے اور سوا اس کے جس نے اپنے نفس کی قدر نہ جانی آگے اس ملت کی تعیین فرماتے ہیں کہ وہ کیا ہے ارشاد ہے اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ یعنی جب ان کے رب نے کہا کہ اسلام اختیار کرو۔ اگر کوئی کہے کہ حضرت ابراہیم علیہم السلام پہلے سے ہی اسلام لائے ہوئے تھے تو پھر اس کے کیا معنی تو یہ سمجھو کہ یہ کہنا ایسا ہے جیسے میاں جی نے سبق پڑھا دیا لڑکے نے اسے یاد کر کے سنا بھی دیا۔ اب دوسرے دن میاں جی نے جب کہا کہ آؤ سبق پڑھو تو وہ کہے کہ آج کل تک

سبق پڑھ چکا ہوں اور یاد کر کے سنا بھی چکا ہوں۔ یہ اجی پڑھانا کیسا تو وہ میاں جی کہتا ہے کہ ارے بھائی کل جو تم نے پڑھا ہے تو کیا ساری کتاب ختم کر لی ہے۔ کیا اب کچھ پڑھنے کو باقی نہیں رہا۔ کیا ایک ہی سبق میں علم کی پوری تکمیل کر چکے۔ ارے ابھی اور بھی تو بہت کچھ پڑھنا پڑھانا ہے تو جس طرح میاں جی کہتا ہے کہ اور پڑھو اسی طرح یہ ارشاد ہے کہ اسلم مگر اتنا فرق ہے کہ وہاں لڑکے نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ کل تو پڑھ چکا تھا اور یہاں کوئی نبی ایسا نہیں جو اسلم کے جواب میں یہ کہے کہ اسلام لا چکا بلکہ جواب میں وہ کہیں گے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا یعنی یہ کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ میں نے اسلام اختیار کیا یہ ترجمہ کا حاصل ہوا اس میں تعیین ہو گئی اس ملت کی کہ وہ کیا ہے یعنی اسلام غرض ان دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ اس میں اسلام ہی کی فضیلت وارد ہوئی ہے اور معلوم ہوا کہ یہی وہ ملت ابراہیمی ہے جس کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اب اس کے ساتھ اگر سیاق وسباق کو بھی ملا لیجئے تو اسلام کی فضیلت اور عظمت اور زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی اس کے قبل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ جمع ہو کر بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تھی اس کا واقعہ مذکور ہے اور اس دوران میں جو دعائیں دونوں نے مل کر مانگی تھیں وہ نقل کی گئی ہیں چنانچہ ارشاد ہے وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (اور جبکہ اٹھا رہے تھے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل (علیہ السلام) بھی کہ اے ہمارے پروردگار یہ خدمت ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں) پھر ان کی دوسری دعا نقل فرمائی ہے رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ تو یہاں اپنے واسطے بھی دعا مانگی ہے کہ اے اللہ ہم کو سچا مسلمان بنا دے۔ دیکھئے کتنی بڑی چیز ہے اسلام کہ انبیاء علیہم السلام بھی باوجود اتنے بڑے درجہ پر ہونے کے یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں کامل اسلام عطا فرما۔ پھر کتنی بڑی سخاوت اور خیر خواہی ہے کہ اپنے ساتھ ہم نالائقوں کو بھی یاد فرمایا وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اور اے اللہ میری اولاد میں سے بھی ایک مسلمان جماعت بنائیو خواہ وہ اولاد جسمانی ہو یا روحانی اس کے واسطے کہ ایک جگہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ اس کے مخاطب ہیں امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اور ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ساری امت کے جسمانی باپ نہیں ہو سکتے۔ تو لامحالہ یہاں روحانی باپ ہونا مراد ہے اور کہا جائے کہ خاص عرب مخاطب ہیں جن کے آپ جسمانی باپ بھی ہیں تو اس آیت میں سباق وسیاق اس کا مساعد نہیں چنانچہ اوپر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں عام اہل ایمان کو خطاب یہ ہے کہ خاص عرب کو پھر آگے سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ اور تَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ آیا واقع ہے جو کہ صفت مشترکہ ہے تمام امت کی تو معلوم ہوا ابیکم عام ہے جسمانی باپ ہونے کو بھی اور روحانی باپ ہونے کو بھی۔ غرض وہ یعنی اہل عرب جسمانی اولاد ہیں اور غیر اہل عرب روحانی اولاد ہیں ان سب کو بھی اپنے ساتھ دعا میں یاد فرما لیا البتہ اس اولاد میں سے اس کو مستثنیٰ کر دیا جو اسلام کے ساتھ موصوف نہ ہوں چنانچہ یوں نہیں فرمایا ذریتنا بلکہ من بڑھا دیا کیونکہ اس سے قبل جو اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ (میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا) کی بشارت سن کر دعا کی تھی۔ و من ذریتی اور اس کے جواب میں ارشاد ہوا تھا لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ اس سے ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ کچھ ایسے بھی ہوں

(c) ketabton.com: The Digital Library

گے جو طریق حق پر نہ ہوں گے اس لئے اس دعا کو ان کو مستثنیٰ کر دیا اس دعا میں ایک بات یہ بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ آپ نے لقب اس امت کا مسلمہ رکھا جس کا ذکر ایک تفسیر کی بنا پر دوسری آیت بھی ہے هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ کیونکہ اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے اور ایک تفسیر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف ضمیر راجع ہو۔ بہر حال ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لئے بھی اسلام کو ثابت کیا اور امت محمدیہ علیہ السلام کے لئے بھی اسلام کی درخواست کی اس سے اسلام کا جو کچھ شرف ثابت ہے ظاہر ہے۔ یہ تو سابق میں نظر تھی آگے سیاق یعنی مابعد میں دیکھئے تو ایک صفحہ کے اندر ہی اندر جا بجا اسلام کا ذکر فرمایا ہے سب سباق و سیاق میں جو میں نے غور کیا تو سات جگہ اسلام کا ذکر ہے ایک وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ میں دوسرا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ میں تیسرے قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ میں چوتھے اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ میں پانچویں فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ میں چھٹے وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ میں ساتویں لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ میں اور محاورات عرب میں سات کا عدد یہ کثرت کا مرتب ہے اور جب اور مبالغہ مقصود ہوتا ہے تو ستر کا عدد استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ سات اور ستر کا استعمال کثرت کے لئے احادیث کثیرہ میں موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا کیا درجہ ہے کہ ایک ہی مقام پر بار بار اس کا کئی طرح ذکر کیا جاتا ہے نیز اس امام کی آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا مذہب اسلام ہی رہا ہے تو اسلام اتنی قدر کی چیز ہے۔ یہ تو اسلام کی اہمیت وعظمت کا ذکر ہوا اب اسلام کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے۔

اسلام اصل میں ایک لغت عربی ہے پھر اور قرآن حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نصوص میں جو اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے تو اس کے ساتھ لغوی معنوی پر ایک قید لگائی گئی ہے اس لحاظ سے دو قسم کا اسلام ہوا ایک تو اسلام لغوی اور ایک اسلام شرعی۔ اسلام لغوی کے معنی ہیں سپردن سونپ دینا۔ اس کو تعبیر کردیتے ہیں گردن نہادن بہ طاعت سے۔ غرض جو تسلیم کے معنی ہیں وہی اسلام کے معنی ہیں۔ مادہ دونوں کا سین لام میم ہے اور ان حروف میں تسلیم کے معنی مودع ہیں چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے بلی من اسلم ای من فوض ذاته لله یعنی جس نے سپرد کر دیا اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے لئے۔ غرض اسلام کے معنی ہیں سپرد کر دینا۔ شریعت نے اس میں ایک اور قید بڑھائی یعنی ایک قید تو اسلم کے معمول میں بڑھائی اور ایک قید اس کے متعلق میں۔ لغوی اسلام میں کوئی قید نہیں۔ اس کے معنی ہیں مطلق سپرد کرنا۔ جس کو چاہے سپرد کرنا اور جس کے چاہے سپرد کرنا۔ اب اسلام شرعی کی قیدیں سنئے ایک قید تو یہ ہے کہ اسلم کا معمول کون ہے خود اپنی ذات اور اس کا متعلق کون ہے اللہ۔ اصل کیا ہوا اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔ یہ ہے حقیقت اسلامی شرعی کی۔ (ملت ابراہیم علیہ السلام)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا

ترجمہ: اب تو بے وقوف لوگ کہیں کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے (سابق سمت) قبلہ سے جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس (بات) نے بدل دیا۔

تفسیری نکات

مسلمانوں کو تلقین

یہ آیت تحویل قبلہ کے متعلق ہے کیونکہ قبلہ کے احکام اول اول بدلتے رہتے تھے۔ پہلے مسلمانوں کا قبلہ بھی بیت المقدس تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو عارضی قبلہ بنایا تھا اور آئندہ اس کو منسوخ کرنا تھا اور اس پر کفار کی طرف سے اعتراض واقع ہونے والا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا اہتمام فرمایا کہ آئندہ واقع ہونے والے اعتراضات سے مسلمانوں کو زیادہ رنج نہ پہنچے۔ تو پہلے ہی سے اطلاع فرمادیا کہ بے وقوف اور نادان لوگ تمہارے اوپر اس اس طرح اعتراض کریں گے تم ان سے دلگیر نہ ہونا۔ (الجبر بالصبر)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

ترجمہ: اور ہم نے تم کو ایسی جماعت بنادیا جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے

تفسیری نکات

غرض اخلاق پسندیدہ کے اصول تین ہیں: ۱- حکمت '۲- عفت '۳- شجاعت

اور ان کے مجموعہ کا نام عدل ہے اور یہی شریعت کا حاصل ہے اور قرآن میں جو فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ اس سے بھی عدل مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے (ایک ایسی شریعت دے کر جو سراپا عدل ہے) امۃ وسط یعنی امت عادلہ بنایا۔

ایک مقدمہ اور لیجئے کہ وسط دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وسط حقیقی ایک وسط عرفی۔ وسط حقیقی وہ خط ہے جو بالکل بیچوں بیچ ہو۔ وہ قابل تقسیم نہیں ہوتا اور ایک وسط عرفی ہے جیسے کہا کرتے ہیں کہ یہ ستون مکان کا وسط ہے تو وہ وسط حقیقی نہیں کیونکہ وہ تو منقسم ہے اس کے اندر بھی ایک جزو دائیں اور ایک بائیں اور ایک بیچ میں نکل سکتا ہے پھر وہ وسط حقیقی کہاں سے ہوا۔ حقیقی وسط تو وہ ہے جس میں دایاں بایاں کچھ نہ نکل سکے۔ سو ایسا وسط ہمیشہ غیر منقسم ہوگا۔ پس سمجھ لو کہ شریعت اس وسط کا نام ہے جس میں افراط تفریط کا ذرا بھی نام نہ ہو بلکہ عین وسط ہو۔ یہی وسط حقیقی روح شریعت ہے اور یہی کمال ہے اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ وسط حقیقی ہمیشہ غیر منقسم ہوتا ہے تو شریعت کی روح بھی غیر منقسم ہے۔ چنانچہ جن اصول اخلاق کو میں نے بیان کیا ہے ان میں افراط تفریط کو چھوڑ کر جو ایک وسط نکلے گا جس کو نہ افراط کی طرف میلان ہوگا نہ تفریط کی طرف وہ ہمیشہ غیر منقسم

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوگا۔ اور ایسے وسط پر رہنا ضرور دشوار ہے۔

پس شریعت ان دونوں جانبوں پر نظر کر کے اپنی دشواری کی وجہ سے تلوار سے تیز اور بوجہ غیر منقسم ہونے کے بال سے باریک ہوگی۔ کیونکہ بال بھی غیر منقسم ہے اور وسط حقیقی بھی غیر منقسم ہے۔ پس قیامت میں یہی روح شریعت یعنی وسط حقیقی جوہر بن کر پل صراط کی شکل میں ظاہر ہوگا جس پر سے مسلمانوں کو چلایا جائے گا۔ پس جو شخص دنیا میں شریعت پر تیزی وسہولت کے ساتھ چلا ہوگا وہ وہاں بھی تیزی کے ساتھ چلے گا کیونکہ وہ یہی شریعت تو ہوگی جس پر دنیا میں چل چکا ہے اور جو یہاں نہیں چلا یا کم چلا ہے وہ پل صراط پر بھی نہ چل سکے گا یا سستی کے ساتھ چلے گا۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ

ترجمہ: اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں یعنی بیت المقدس وہ تو محض اس مصلحت کے لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتا ہے اور کون پیچھے ہٹتا ہے۔

تفسیری نکات

ایک آیت کی عجیب تفسیر

فرمایا ایک بہت بڑے معقولی فاضل نے آیت لنعلم میں دفع اشکال حدوث کے لئے غضب کیا ہے کہ علم سے مراد علم تفصیلی لیا ہے وہ حادث ہے البتہ علم اجمالی کا ترتب حادث پر صحیح نہیں کیونکہ وہ صفت قدیمہ ہے اور یہ توجیہ بالکل غلط ہے کیونکہ علم تفصیلی تو اصطلاح میں خود معلومات کا نام ہے اس لئے نہ اس سے اشتقاق صحیح ہے اور نہ ہی اس کی اسناد الی الواجب صحیح اور آیت میں اشتقاق بھی ہے اور اسناد بھی۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے اس کی تفسیر پارہ سیقول میں نہایت عمدہ کی ہے اور کہا ہے کہ علم حق جو اشیاء کے متعلق ہے وہ واقع کے مطابق ہے پس ماضی کے ساتھ صفت مضی اور حال استقبال کے ساتھ حال واستقبال کی صفت کے ساتھ متعلق ہے پس جو چیز مستقبل تھی اس کے ساتھ علم یوں متعلق تھا کہ یہ چیز مستقبل میں واقع ہوگی۔ اب اس علم ثابت فی الآیہ کی یوں تعبیر ہوگی کہ جس چیز کو اس طرح جانتے تھے کہ مستقبل میں ہوگی۔ اب اس طرح جان لیں کہ ماضی میں ہو چکی اور دونوں انکشافوں میں مطلق تفاوت نہیں پس یہ تغیر اضافۃ میں ہوا جو صفت معلوم کی ہے علم میں نہیں جو صفت عالم کی ہے۔ (الکلام الحسن حصہ اول)

تفسیر کے اشکال کامل

فرمایا ایک بہت بڑے معقولی فاضل نے آیت لنعلم میں دفع اشکال حدوث کے لئے یہ غضب کیا ہے کہ علم سے مراد علم تفصیلی لیا ہے اور وہ حادث ہے البتہ علم اجمالی کا ترتب حادث پر صحیح نہیں کیونکہ وہ صفت قدیمہ اور یہ توجیہ بالکل غلط ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کیونکہ علم تفصیلی تو اصطلاح میں خود معلومات کا نام ہے اس لئے نہ اس سے اشتقاق صحیح ہے اور نہ ہی اس کی اسناد الی الوجب صحیح اور آیت میں اشتقاق بھی ہے اور اسناد بھی۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے اس کی تفسیر پارہ سیقول میں نہایت عمدہ کی ہے اور کہا ہے کہ علم حق جو اشیاء کے متعلق ہے وہ واقع کے مطابق ہے پس ماضی کے صفات صفت مضٰی کے ساتھ متعلق ہے اور حال اور استقبال کے ساتھ حال و استقبال کی صفت کے ساتھ متعلق ہے۔ پس جو چیز مستقبل تھی اس کے ساتھ علم یوں متعلق تھا کہ یہ چیز مستقبل میں واقع ہوگی۔ اب اس علم ثابت فی الآیہ کی یوں تعبیر ہوگی کہ جس چیز کو اس طرح جانتے تھے کہ مستقبل میں ہوگی۔ اب اس طرح جان لیں کہ ماضی میں ہو چکی اور دونوں انکشافوں میں مطلق تفاوت نہیں پس یہ تغیر اضافۃ میں ہوا جو صفت معلوم کی ہے علم میں نہیں جو صفت عالم کی ہے۔ (الکلام الحسن ج ا ف ۷۰)

تفسیر عجیب لِنَعْلَمَ

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ

ترجمہ: اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں وہ تو محض اس کے لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جاوے کہ کون تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے۔

ایک تقریر اس کی یہ ہو سکتی ہے جو مظہری میں ہے کہ شیخ ابومنصور کہتے ہیں کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ جس چیز کو ہم پہلے اس طرح جانتے تھے کہ وہ موجود کی جاوے گی۔ اس کو ہم موجود فی الحال جان لیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں جن چیزوں کو وہ موجود کرنا چاہتا ہے اس طرح تو علم ہے کہ اس کو فلاں وقت میں موجود کروں گا۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کو ازل میں ان چیزوں کا اس طرح علم تھا کہ وہ فی الحال موجود ہے کیونکہ جب وہ واقع میں موجود نہیں تو حکیم خلاف واقع موجود فی الحال کیسے جان سکتا ہے اور یہ تغیر معلوم میں ہوا ہے علم میں نہیں ہوا۔ (ماخوذ البدائع)

تفسیر آیت

فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ الآیہ میں لنعلم پر جو اعتراض ہے کہ اس حدیث میں حدوث علم لازم آتا ہے اس لئے کہ جعل قبلہ حادث ہے اور علم جو اس پر مرتب ہو ظاہر ہے کہ وہ بھی حادث ہی ہوگا۔ بعض معقولین نے اس اعتراض کا ایک جواب دیا جو بالکل غلط ہے وہ یہ کہ مراد علم تفصیلی ہے وہ حادث ہے اور صفات میں سے نہیں اور یہ غلط اس واسطے ہے کہ یہ ایک اصطلاحی لفظ بمعنی معلومات ہے نہ کہ لغوی بمعنی مصدر جس سے اشتقاق ہوتا ہے پس لنعلم میں بمعنی علم تفصیلی لینے سے ایک تو اشتقاق لنعلم درست نہیں ہوتا۔ دوسرے اگر بتکلف اشتقاق کا دعویٰ کیا جاوے تو معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے تبدیل قبلہ اس لئے کیا تاکہ ہم ممکنات کے عین ہو جاویں کیونکہ تفصیلی معلومات ممکنہ کا عین ہوتا ہے اور بہترین جواب اس اعتراض کا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے دیا ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ کا علم واقع کے مطابق ہوتا ہے اور یہ مقدمہ ظاہر ہے اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ واقعات تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ماضی، مستقبل اور حال۔ پس اللہ تعالیٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

جملہ واقعات کو مع ان کے زمانہ کے جانتے ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ جملہ اشیاء کو کشف تام سے جانتے ہیں مع ان کے قیود واقعیہ کے مثلاً جو چیزیں ماضی میں واقع ہیں ان کو اسی طرح جانتے ہیں کہ قد وقع اور جو مستقبل میں ہیں ان کو اس طرح جانتے ہیں کہ سیقع اور جب وہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کو قد وقع کی قید سے جانتے ہیں اور یہ تغیر معلوم میں ہے عالم میں نہیں۔ پس تحویل قبلہ کے وقوع سے پہلے تو اس طرح جانتے تھے کہ فلاں فلاں اشخاص اسلام پر رہیں گے اور فلاں فلاں مرتد ہو جاویں گے جب تحویل قبلہ ہو گئی تو بصورت ماضی جان لیا باقی انکشاف دونوں حالتوں میں تام اور کامل ہے اور یہی مراد معلوم ہوتی ہے مفسرین کے اس قول کی لنعلم علم ظہور۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ

ترجمہ: اور ہر شخص (ذی مذہب) کے واسطے ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ عبادت میں منہ کرتا رہا ہے۔

تفسیری نکات

ترقی کو شرعاً واجب فرمانا

فرمایا۔ لکھنؤ میں ایک ترقی یافتہ مجمع کی درخواست پر میرا وعظ ہوا۔ میں نے آیہ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ الآیہ کا بیان کیا اور استباق کی حقیقت ترقی بتلا کر میں نے کہا صاحبو! تم تو ترقی کو عقلاً واجب کہتے ہو اور ہم شرعاً واجب کہتے ہیں تو ہم ترقی کے زیادہ حامی ہوئے۔ کیونکہ ہم جب اس کو شرعاً واجب کہتے ہیں تو اس کے ترک پر گناہ کے بھی قائل ہوں گے۔ غرض تم اور ہم اس پر تو متفق ہوئے کہ ترقی مطلوب ہے اور اس پر بھی تم کو اتفاق کرنا پڑے گا کہ ہر ترقی مطلوب نہیں کیونکہ اگر بدن پر مثلاً ورم ہو جائے تو وہ بظاہر ترقی جسمانی ہے مگر تم بھی اس کا علاج کراتے پھرو گے۔ اسی طرح اگر سمن مفرط ہو جاوے تو اس کا بھی علاج کرانا ضروری سمجھو گے۔ پس اس سے صاف ظاہر ہوا کہ ترقی وہ مقصود ہے جو نافع ہو اور جو ضار یعنی نقصان دہ ہو وہ مطلوب نہیں پس اتنے حصہ میں تو ہمارا تمہارا اتفاق ہے اختلاف اگر ہے تو صرف اس امر میں ہے کہ کونسی ترقی نافع ہے کونسی مضر سو تم صرف دنیاوی ترقی کو نافع سمجھتے ہو اگرچہ آخرت میں مضر ہو اور ہم دینی ترقی کی مطلقاً نافع سمجھتے ہیں اور دنیاوی ترقی کو قید عدم ضرر کے ساتھ ورنہ ترقی فی الورم والسمن کی طرح مضر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن عزیز میں اسی نافع ترقی کا حکم فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ میں فرمایا ہے کیونکہ خیر نافع کو کہتے ہیں باقی مولویوں پر جو شبہ کیا جاتا ہے کہ مولوی تو جائز دنیوی ترقی کا بھی وعظ نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیوی ترقی کا وعظ جب کہتے جبکہ تم لوگ اس کو نہ جانتے ہوتے تو وعظ سے اس کی ضرورت کو بتلایا جاتا۔ تم تو خود اس قدر زیادہ اس میں مشغول ہو کر حدود سے بھی نکل گئے ہو۔ پھر ہمارے وعظ کی آپ کو اس ترقی کے متعلق کیا ضرورت رہ گئی بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ تم جو حدود سے نکل گئے ہو اس سے تم کو روکا جائے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو نہایت تصریح کے ساتھ صاف کر دیا ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی اول قارون کی دنیوی زندگی کا ذکر فرمایا ہے۔ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ پھر دنیوی ترقی کے مقصود سمجھنے والوں کا قول نقل فرمایا ہے قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۔ اس کے بعد مولویوں کا جواب ہے۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ یہ تو دنیاداروں اور دینداروں کے اختلاف کی حکایت تھی آگے اللہ تعالیٰ ان میں فیصلہ فرماتے ہیں اور فیصلہ بھی عملی فیصلہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ۔ جب اللہ تعالیٰ کا یہ عملی فیصلہ دیکھا تو دنیوی ترقی کے طالبوں کی رائے بدل گئی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ یَقُوْلُوْنَ وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ اور میں بقسم کہتا ہوں کہ تم بھی عملی فیصلہ کے وقت اقرار کرو گے کہ مولوی ٹھیک کہتے تھے مگر یہ فیصلہ کب ہوگا جب موت آوے گی اس وقت اپنی غلطی کا اقرار کرو گے کہ ہائے علماء حق پر تھے۔

فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ: پس (ان نعمتوں پر) مجھ کو یاد کرو میں تم کو (عنایت سے) یاد رکھوں گا اور میری (نعمت کی) شکر گزاری کرو اور میری ناسپاسی مت کرو۔

تفسیری نکات

ذکر اللہ کا ثمرہ

فرمایا کہ انسان کے جملہ اعمال دو طرح کے ہوتے ہیں بعض وہ ہیں جس کا کچھ دنیا میں بھی مشاہدہ ہوتا ہے جیسے تصنیف کتب وغیرہ۔ بعض وہ ہیں جن کا ثمرہ دنیا میں کچھ مشاہدہ نہیں ہوتا جیسے ذکر اللہ و نماز وغیرہ پہلی قسم کے اعمال نفس پر بہت آسان ہو جاتے ہیں لیکن دوسری قسم کے عمل بے حد کٹھن ہیں اور ان کے کرنے میں نفس پر سخت بار ہوتا ہے اس کے آسان کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ خاص ثمرات پر نظر ہی نہ کرے بلکہ اس نیت سے ذکر کرے کہ وعدہ خداوندی ہے فاذکرونی اذکرکم جب اس کو یاد کریں گے تو وہ ہم کو ضرور یاد کرے گا اور اس کا یاد کرنا مطلوب ہے پھر جب مطلوب حاصل ہے تو اس سے لذت وغیرہ اگر نہ بھی حاصل ہوئی تو کیا مضائقہ ہے اور یہی علاج ہے قبض کا جب ایسی حالت پیش آئے سمجھے کہ ہم کو نہ قبض مطلوب ہے نہ بسط اور نہ یہ ثمرہ ذکر ہے بلکہ جو حالت ہو ہم اس میں راضی ہیں اور وہی خدا کا فضل ہے اس لئے کہ

دل کہ اوبستہ غم و خندیدن ست　　تو مگو کے لائق آں دیدن ست

ذکر اللہ کا مقصود

فرمایا حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ذکر سے مقصود یہ ہونا چاہیے کہ فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور کسی چیز کا طالب نہ ہونا چاہیے۔ نہ حالات کا نہ واردات کا کہ یہ مقصود نہیں ہے صرف رضائے حق مقصود ہے۔ پھر جس کے لئے جو مناسب ہوتا ہے عطا فرماتے ہیں۔ کسی کو ذوق شوق میسر ہوا۔ کسی کو قبض ہر شخص کو انعام مناسب ملتا ہے مثلاً دنیا میں کسی کو کپڑا انعام میں ملا کسی کو روپیہ کسی کو غلہ علی ہذا القیاس۔ پس فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ پر نظر رہنا چاہیے۔

اللہ کے ذکر سے قرب خداوندی نصیب ہوتا ہے

ایک ذاکر نے عرض کیا کہ میں ذکر کرتا ہوں مگر کوئی اثر اس کا محسوس نہیں ہوتا کوئی نور یا خواب تک بھی نظر نہیں آتا۔ فرمایا ذکر اس واسطے بتایا ہی نہیں گیا کہ کچھ نظر آوے ذکر سے غرض قرب ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ذکر سے قرب ہوتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ جو کوئی میرا ذکر کرتا ہے میں اسکو اس سے بہتر مجمع میں ذکر کرتا ہوں خود قرآن شریف میں ہے فاذکرونی اذکرکم پھر یہ کیا تھوڑا ثمرہ ہے کہ آپ کا ذکر وہاں ہو۔

ہمینم بس کہ داند ماہرویم کہ من نیز از خریداران اویم
ہمینم بس اگر کاسہ تماشم کہ من نیز از خریدار انش باشم

لوگوں کو یہ خبط ہے کہ ذکر کا کچھ نظر آنا قرار دیا ہے۔ ذکر کا محسوس اثر بڑا یہ ہے کہ اس پر دوام ہو۔ حضرت حاجی صاحب سے کسی نے یہی شکایت کی تھی تو فرمایا کہ تمہارا کام یہی ہے کہ

یابم اور ایا نیابم جستجوئے می کنم حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

اور حضرت کے پاس ایک شخص آیا کہ میں نے طائف میں چلہ کھینچا سوا لاکھ مرتبہ روزانہ اسم ذات کا ورد کیا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا اس سے مجھے خیال ہے کہ آپ مجھ سے ناخوش ہیں فرمایا میں ناخوش ہوتا تو ممکن بھی تھا کہ تم یہ چلہ پورا کر لیتے۔ ثابت ہوا کہ بعض وقت کسی کی امداد ہمارے ساتھ ہوتی ہے اور ہم کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا تو جو شخص ذکر پر مداومت کرتا ہے اسکے ساتھ امداد حق ہے گو کوئی محسوس علامت اسکی نہیں ہے اس سے زیادہ اور کیا چاہیے۔ نظر آنا کیا چیز ہے۔ ان کیفیات کو لوگ مقصود سمجھ لیتے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ یہ کیفیات اکثر محمود ہوتی ہیں مگر مقصود نہیں۔

فوائد ونتائج

محمود اور مقصود میں فرق یہ ہے کہ مقصود غرض کو کہتے ہیں اور اس کے حصول وعدم حصول پر فعل کا دارومدار ہوتا ہے اور محمود وہ امر حسن ہے کہ اسکے حصول وعدم پر دارومدار نہ ہو جیسے دوا کا میٹھا ہونا کہ محمود ہے مقصود نہیں مقصود شفا ہے اگر حصول مقصود کے ساتھ دوا میٹھی بھی ہو تو خوبی دوبالا ہے اور اگر صرف مقصود یعنی شفا حاصل ہو تو کڑوی دوا بھی پینا چاہیے اور جب مقصود حاصل نہ ہو تو چاہے کیسی ہی میٹھی اور خوشگوار دوا ہے اس کا اختیار کرنا غلطی ہے یہی حکم واردات وکیفیات کا ہے کہ جب کسی عمل میں وہ شرائط موجود ہوں جن کی تعلیم شریعت نے تصریحاً دی ہے یا وہ شرائط جن کی شیخ نے تعلیم فرمائی ہے تو انکی پروا نہ کرنا چاہیے۔ اگر عمدہ حالات محسوس ہوں ورنہ کچھ ملال نہ کرے اور اگر وہ شرائط موجود نہیں ہیں تو خواہ اسکے زعم میں معراج ہی کیوں نہ

ہونے لگےمگراس کوجولاہےوالی معراج سمجھے۔ الحائک اذا صلے یومین انتظر المعراج وہ ضرور سلسلہ شیطانی ہے۔یہ وہ خوفناک چیز ہے کہ ہزارہامخلوق خدااسکی بدولت ایمان تک کھو بیٹھے ہیں۔جوگی دہریئے قادیانی سب اسی خبط میں گمراہ ہیں اور حقیقت صرف یہ ہے وقیضنا لھم قرناء فزینوا لھم ما بین ایدیھم و ما خلفھم و کذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا ہ و کذالک زینا لکل امۃ عملھم. افمن زین لہ سوء عملہ فراہ حسناء. کشف وکرامت اوراچھے خوابوں کے متعلق رسالہ ہذا میں بہت جگہ تحقیق موجود ہے ملاحظہ فرماویں خصوصاً حکمت ششم اور حکمت سی و یکم اور حکمت بست و ہفتم میں۔(مجالس الحکمت ص ۵۱-۵۲)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

ترجمہ: اے مومنو! صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیری نکات

حصول صبر کی سہل تدبیر

استعینوا خود بتلارہا ہے کہ اس میں کسی کام کوآسان کرنے کی تعلیم ہے تب ہی تو استعانت کی حاجت ہوئی اور سہولت کی توجیہ یہ ہے کہ نماز سے خدا تعالیٰ کی عظمت بڑھ جائے گی اور اپنی عظمت یعنی حب جاہ نکل جائے گی آگے نماز میں خود ایک دشواری تھی اس لئے صبر کی تعلیم دی اس کا دخل نماز کی سہولت میں اس طرح ہے کہ نماز فعل ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ
الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ
قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

ترجمہ: اور البتہ ہم تم کو ضرور آزمائیں گے کسی قدر خوف سے یعنی تم کو دشمنوں کی طرف سے اندیشہ اور خوف بھی پہنچے گا۔اور جوع سے یعنی کسی وقت تم پر فاقہ بھی آئے گا اور اموال ونفوس اور ثمرات کے نقصان سے (یعنی کسی وقت تمہارا مال بھی ضائع ہوگا جانیں بھی ضائع ہوں گی اور ثمرات بھی ضائع ہوں گے) اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہم نے اس کی طرف لوٹنا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

ثمرات کی ایک تفسیر

ثمرات کی ایک تفسیر تو پیداوار ہے مطلب یہ ہے کہ کسی وقت تمہاری کھیتوں اور باغات کی پیداوار پر آفت آئے گی اور گو اموال میں یہ بھی آ گئے تھے مگر چونکہ زمینداروں کے نزدیک یہ اعز الاموال (مالوں میں سے عزیز تر) ہیں اور مدینہ والے اکثر زمیندار تھے اس لئے ثمرات کو مستقلاً بیان فرما دیا اور ایک تفسیر ثمرات کی اولاد ہے کیونکہ وہ ماں باپ کے جگر کے ٹکڑے ہیں اسی لئے اولاد کو ثمرات الفواد (دلوں کا پھل) کہا جاتا ہے اور گو وہ نفوس میں داخل ہو سکتے ہیں مگر یہاں بھی تخصیص کی وہی وجہ ہوگی جو ثمرات بمعنی پیداوار کو اموال کے بعد ذکر کرنے کی وجہ تھی یعنی چونکہ اولاد اعزالنفوس (جانوں میں زیادہ عزیز) ہیں اور ان کے مرنے کا غم زیادہ ہوتا ہے اس لئے ان کو جدا بیان کر دیا کہ کسی وقت تمہاری اولاد بھی ہلاک ہوگی۔ اس میں ایک تو یہ بتلا دیا کہ تم پر یہ واقعات وارد ہوں گے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے امتحان

دوسرے یہ بھی بتلا دیا کہ ان واقعات سے ہم تمہارا امتحان لیں گے یہی ایک لفظ ایسا ہے کہ اگر اور کچھ بھی نہ ہوتا تو اسی سے مصیبت ہلکی ہوگئی ہوتی کیونکہ امتحان کا لفظ سنتے ہی مخاطب کو فکر ہو جاتی ہے کہ مجھے اس امتحان میں پاس ہونے کی کوشش کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ میں فیل ہو جاؤں اور قاعدہ ہے کہ انسان امتحان کے وقت اپنے حواس وعقل کو مجتمع رکھنے کی کوشش کرتا ہے پس یہ سن کر یہ واقعات بطور امتحان کے آئیں گے ہر شخص اس کی کوشش کرے گا کہ ان مواقع میں اپنے عقل وحواس کو مجتمع رکھے از خود رفتہ نہ ہو جائے کیونکہ امتحان کے وقت بدحواس ہو جانے سے آدمی فیل ہو جاتا ہے اور مصیبت کے وقت عقل وحواس قائم رکھنا بھی اس کے اثر کو بہت کم کر دیتا ہے۔ پس لنبلونکم (ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے) میں اس پر تنبیہ کر دی ہے کہ مصائب کے وقت بدحواس نہ ہونا چاہیے بلکہ ان کو امتحان میں کامیاب ہونے کی کوشش کرنا چاہیے پھر اس میں صیغہ جمع متکلم اختیار فرمایا جس سے عظمت ابتلا پر دلالت ہے کیونکہ معلوم ہو گیا کہ یہ امتحان حق تعالیٰ خود لیں گے اور جیسا ممتحن عظیم الشان ہوتا ہے ویسا ہی امتحان بھی عادتاً مہتم بالشان ہوتا ہے گو واقع میں حق تعالیٰ کی طرف سے امتحان عظیم نہ ہو آسان اور سہل ہی ہو مگر مخاطب کو بتلا دیا کہ وہ ابتلا عظیم کے لئے تیار رہے اور اس میں بھی حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ پہلے سے ہم کو مطلع فرما دیا کہ تم کو ایسے ایسے واقعات پیش آئیں گے اس صورت میں تکلیف کی کلفت تو ہوگی مگر دفعۃً جو ایذاء پہنچنے کی جو تکلیف ہوتی ہے وہ نہ ہوگی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو پہلے سے کہہ دیا جائے کہ تمہارا اپریشن کیا جائے گا۔ اس صورت میں اس کو اپریشن کی تکلیف تو ہوگی مگر دفعۃً کلفت پہنچنے کا صدمہ نہ ہوگا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضرات کاملین کے عشق ومحبت کا امتحان

یہاں شاید یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ غافلین کو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ناگوار واقعات میں حق تعالیٰ کی رحمت میں اعتقاد نہ ہو ناگوار واقعات پیش آنے کی تو یہ حکمت ہے مگر کاملین کو ایسے واقعات کیوں پیش آتے ہیں وہ تو بدشوق نہیں ہیں جس سے ان کو تنبیہ کی ضرورت ہو اور ہم دیکھتے ہیں کہ اہل اللہ کاملین کو بھی ایسے واقعات بکثرت پیش آتے ہیں اس شبہ کا جواب اسی آیت میں لفظ لنبلونکم سے نکلتا ہے کیونکہ اس میں اولاً حضرات صحابہ کو خطاب ہے جو سب کے سب کاملین ہیں اور ان سے فرمایا گیا ہے کہ تم کو ان واقعات سے آزمائیں گے معلوم ہوا کہ کاملین پر ایسے واقعات بطور تنبیہ اور تادیب کے نہیں آتے بلکہ بطور امتحان کے پیش آتے ہیں حق تعالیٰ ناگوار واقعات سے ان کی محبت وعشق کا امتحان فرماتے ہیں اور حق تعالیٰ کو خود امتحان کی کوئی ضرورت نہیں ان کو ہر شخص کی حالت خوب معلوم ہے بلکہ اس امتحان سے دوسروں کو دکھلانا منظور ہے مثلاً ملائکہ وغیرہ کو کہ دیکھو ہمارے بندے مصائب میں بھی کیونکہ ہم کو چاہتے ہیں کاملین کو بھی مصائب میں کلفت ہوتی ہے۔ نیز لفظ لنبلونکم (ہم تم کو ضرور آزمائیں گے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کاملین کو مصائب سے کلفت بھی ہوتی ہے کیونکہ یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ اس آیت کے مخاطب حضرات صحابہؓ ہیں جو سب کے سب کامل ہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا ان پر یہ واقعات بطور امتحان کے آتے ہیں اور بغیر احساس کلفت کے امتحان نہیں ہو سکتا رنج طبعی کو کم کرنے کی کوشش کا اہتمام کرنا چاہیے۔

بلکہ حق تعالیٰ نے تو رنج طبعی کے کم کرنے کے بھی سامان کئے ہیں چنانچہ وہ باتیں تعلیم فرمائی ہیں جن کے استحضار سے رنج طبعی بھی کم ہو جاتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ یعنی حضور ﷺ کو خطاب ہے کہ ان صابرین کو بشارت دے دیجئے جو مصیبت پہنچنے کے وقت یہ کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) اس جملہ میں ایسا مضمون سکھلایا گیا ہے جو رنج وغم کی بنیادیں اکھاڑنے والا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ کسی واقعہ سے صدمہ جب ہوا کرتا ہے جب وہ خلاف مرضی واقع ہوا ہو اور کوئی واقعہ خلاف مرضی جب ہوتا ہے کہ ہم پہلے سے اپنے ذہن میں اس کے متعلق کوئی شق تجویز کر لیں کہ یوں ہونا چاہیے جب اس کے خلاف دوسری شق ظاہر ہوتی ہے تو وہ ناگوار اور خلاف مرضی ہوتی ہے چنانچہ کسی عزیز کی موت پر ہم کو صدمہ اسی لئے ہوتا ہے کہ ہم نے یہ تجویز کر رکھا تھا کہ یہ ہم سے کبھی جدا نہ ہو ہمیشہ پاس ہی رہے حق تعالیٰ نے انا للہ میں تجویز کا استیصال کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تم کو یہ مضمون پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہم خدا کی ملک ہیں خدا تعالیٰ ہمارے مالک ہیں اور ہم ان کے مملوک ہیں اور مملوک کی ہر چیز مالک کی ہوا کرتی ہے تو ہماری چیز ہی خدا ہی کی ملک ہے اس کے ساتھ ایک مقدمہ عقلیہ یہ ملالو کہ تجویز کا حق مالک کو ہوتا ہے غلام کو کسی تجویز کا حق نہیں۔ جب تجویز کا حق مالک کو ہوتا ہے تو ہمارا کسی عزیز کی مفارقت پر اس لئے غم کرنا کہ ہم نے اس کے متعلق یہ تجویز کر رکھا تھا کہ ہمیشہ ہمارے پاس رہے بڑی غلطی ہے آپ تجویز کرنے والے ہوتے کون ہیں۔ اس کی تو ایسی مثال ہوئی کہ گھر کی مالکہ نے الماری میں برتنوں کو ایک خاص ترکیب سے رکھ دیا ہو۔ جو ماما کی ترکیب کو دیکھ کر نالہ وشیون کرنے لگے کہ ہائے میری تجویز

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے خلاف کیوں ہوا۔ تو بتلایئے آپ اس کو احمق کہیں گے یا نہیں یقیناً ہر شخص اس کو پاگل کہے گا آخر کیوں۔ اسی وجہ سے کہ تجویز کا حق مالک کو ہے ماما کو کسی تجویز کا حق نہیں پھر حیرت ہے کہ آپ کی ادنیٰ سی ملک تو ایسی ہو کہ اس کے سامنے دوسروں کا حق باطل ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی حقیقی ملک کے سامنے آپ کی تجویز باطل نہ ہو۔ یقیناً اگر خدا تعالیٰ کو مالک حقیقی سمجھا جاتا ہے تو آپ کو اور کسی کو تجویز کا حق نہ ہونا چاہیے پس سمجھ لیجئے کہ حق تعالیٰ نے عالم کے دو درجے بنائے ہیں۔ آسمان اور زمین جیسے الماری کے دو درجے اوپر نیچے ہوتے ہیں جس میں انہوں نے بعض ارواح کو اوپر کے درجہ میں رکھا ہے۔ یعنی آسمان میں اور بعض کو نیچے کے درجہ میں رکھا ہے یعنی زمین میں پھر وہ کبھی اس ترتیب کو بدل کر اوپر کی روحوں کو نیچے بھیج دیتے ہیں اور نیچے کی روحوں کو اوپر رکھ دیتے ہیں اور وہ مالک ہیں ان کو ہر طرح تصرف کا اختیار ہے۔ اس میں ہم غلاموں کا اس لئے نالہ وشیون کرنا کہ ہائے ہماری تجویز کے خلاف کیوں کیا گیا حماقت ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا مفہوم

غرض قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (ہم اللہ ہی کی مملوک ہیں اور اسی کی طرف جانے والے ہیں) میں دو جملے ہیں پہلے جملے میں حق تعالیٰ کی مالکیت کو ظاہر کر کے بندوں کی تجویز کا استیصال کیا گیا ہے پھر جب ہم پہلے سے کسی چیز کے متعلق کوئی تجویز ہی نہ کریں گے تو کوئی واقعہ ہمارے خلاف مرضی نہ ہوگا کیونکہ خلاف مرضی ہونے کا منشا تجویز ہی تھی جب وہ نہ رہی تو اب جو کچھ بھی ہوگا خلاف مرضی نہ ہوگا دوسرے جملے میں عوض ملنے پر تنبیہ کی گئی ہے اس کے استحضار سے رہا سہا غم اور بھی ہلکا ہو جائے گا۔

رنج طبعی کم کرنے کی تدبیر

البتہ مفارقت کا طبعی غم اس کے بعد رہ سکتا ہے سو طبعی غم پر مواخذہ نہیں اور نہ وہ دفعتہً زائل ہو سکتا ہے مگر حق تعالیٰ نے اس کو کم کرنے کا بھی سامان کیا چنانچہ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (اور ہم اللہ کے پاس جانے والے ہیں) میں اس کا بھی سامان موجود ہے۔ وہ یہ کہ ہم کو جو موت عزیز سے مفارقت کا صدمہ ہوتا ہے تو غور کر لیا جائے کہ یہ صدمہ نفس مفارقت پر نہیں بلکہ اعتقاد مفارقت دائمہ اس کا سبب ہے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بس اب یہ ہمیشہ کے واسطے ہم سے جدا ہو گیا اگر یہ خیال ذہن میں نہ جمے تو نفس مفارقت سے زیادہ صدمہ نہیں ہوتا کیونکہ دنیا میں بھی بعض دفعہ اس سے مفارقت ہوتی تھی چنانچہ کبھی ہم کو سفر پیش آتا تھا کبھی عزیز کو سفر پیش آتا تھا جس میں مہینہ دو مہینہ اور بعض دفعہ سالہا سال کی مفارقت ہوتی تھی مگر یہ اس لئے گوارا تھا کہ پھر ملاقات کی امید رہتی ہے تو اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ تم اس مفارقت کو دائمی مفارقت نہ سمجھو کیونکہ تم بھی ایک دن وہیں جانے والے ہو جہاں یہ عزیز گیا ہے اور وہاں اس سے ملاقات ہو جائے گی پس یہ مفارقت ویسی ہی چند روزہ مفارقت ہے جیسی دنیا میں کبھی سفر وغیرہ سے پیش آیا کرتی تھی ایک دن یہ مفارقت ختم ہو کر مبدل بہ وصال ہو جائے گی اور قاعدہ ہے کہ جس فراق کے بعد وصال کی امید ہو وہ زیادہ گراں نہیں ہوتا اس کی ایسی مثال

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے جیسے نظام حیدر آباد ایک شخص کو اپنے یہاں کسی اعلیٰ ملازمت پر بلالیں اور اس کے بھائی کو مفارقت کا صدمہ ہو نظام اس کے صدمہ کی خبر سن کر لکھ دیں کہ گھبراؤ نہیں ہم تم کو بھی بلالیں گے تو غور کر لیجئے کہ نظام کے اس خط سے غمگین بھائی کا صدمہ فوراً زائل ہو جائے گا یا نہیں یقیناً پہلا سا غم تو ہر گز نہ رہے گا۔ البتہ اب اس فکر میں پڑ جائے گا کہ دیکھئے وہ دن کب آتا ہے کہ میں بھی وہاں پہنچ جاؤں اور جب تک مفارقت رہے گی اس وقت تک گن گن کر دن گزارے گا اور امید واصل میں فراق کے دن خوشی سے گزار دے گا پس ہم کو بھی کسی عزیز کی وفات پر یہی سمجھنا چاہیے کہ یہ مفارقت چند روزہ ہے ایک دن خدا تعالیٰ ہم کو بھی بلالیں گے جیسا اسے بلایا ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کل الینا راجعون (ہر شخص ہمارے پاس آنے والا ہے) پھر حیرت ہے کہ نظام حیدر آباد کے تو اس کہنے سے کہ ہم تم کو بھی بلالیں گے مفارقت کا غم جاتا رہے اور خدا تعالیٰ کے فرمانے سے ہلکا بھی نہ ہو غرض اس نصوص سے معلوم ہوا کہ صاحب شریعت کا مقصود یہ ہے کہ صدمہ کے وقت ہمارے زخم پر مرہم لگا دیں چنانچہ حزن عقلی کے استیصال کا اور حزن طبعی کی تخفیف کا ہر طرح مکمل سامان کر دیا ہے۔

بے صبری امتحان میں ناکامی کی دلیل ہے

پھر چونکہ لَنَبْلُوَنَّكُمْ (ہم تمہارا ضرور امتحان لیں گے) سے معلوم ہو گیا کہ مصائب کا آنا بغرض امتحان ہے اور قاعدہ ہے کہ امتحان میں دو درجے ہوتے ہیں ایک فیل ہونے کا ایک پاس ہونے کا تو آگے اس امتحان میں پاس ہونے کا طریقہ بتلاتے ہیں چنانچہ (وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ) آپ صابرین کو بشارت دے دیجئے۔ اس جملہ سے معلوم ہو گیا کہ اس امتحان میں پاس ہونے والے صابرین ہیں اور پاس ہونے کا طریقہ صبر ہے کیونکہ بشارت انہی لوگوں کو دی جایا کرتی ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۔ اس میں حق تعالیٰ نے مواقع صبر کو بیان فرمایا کہ ہم تم کو ان واقعات سے آزمائیں گے تم ان میں صبر کرنا آگے صابرین کو بشارت دی گئی ہے۔ عام مفسرین نے تو خوف و جوع و نقص اموال وغیرہ کی تفسیر واقعات تکوینیہ سے کی ہے کہ خوف سے دشمن کا خطرہ مراد ہے اور جوع سے قحط اور نقص اموال و انفس و ثمرات سے آفات و مصائب خسران و ہلاک و قتل و موت و مرض مراد ہیں مگر امام شافعی نے بعض کی تفسیر احکام تشریعیہ سے کی ہے کہ خوف سے مراد خوف حق اور جوع سے مراد صوم ہے اور نقص اموال سے مراد زکوٰۃ و صدقات اور نقص انفس سے مراد امراض اور نقص ثمرات سے مراد موت اولاد ہے اور ان احکام تشریعیہ کی تعمیل کرنے والا صابر ہے پس صائم بھی صابر ہوا اور ایک آیت میں خود لفظ صبر کی تفسیر بعض مفسرین نے صوم کے ساتھ کی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ مفسرین نے کہا ہے کہ ای بالصوم و الصلوۃ اس لئے یہاں بھی صابرون کی تفسیر صائمون سے ہو سکتی ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ یہاں بغیر حساب سے فرمایا ہے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجر بغیر حساب بجز صوم کے کسی طاعت کا نہیں مگر یہ اس پر موقوف ہے کہ بغیر حساب کی تفسیر بغیر حد لی جائے جیسا کہ ظاہر و متبادر یہی ہے مگر آیت اس مضمون میں مصرح نہیں ہے اس میں دونوں احتمال برابر درجہ کے ہیں یہ احتمال بھی کہ بغیر حساب سے بغیر حد مراد ہے اور یہ احتمال بھی بغیر حساب سے مطلق

(c) ketabton.com: The Digital Library

کثرت مراد ہو اس صورت میں اجر کا غیر متناہی ہونا ثابت نہ ہوگا۔ نیز آیت میں جیسے یہ احتمال ہے کہ صابر سے صائم مراد ہو یہ بھی احتمال ہے کہ مطلق صبر مراد ہو۔

حقیقت بلاء نعمت

مگر یہ احکام اپنی خاصیت سے ایسے ہیں اور ان کی جامعیت اور برکت ہے کہ ان سے منافع دنیوی بھی بلاقصد نصیب ہو جاتے ہیں مگر مختلف طور پر حاصل ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات حساً اور ظاہراً تو بلا ہوتی ہے مگر معنیً و باطناً نعمت ہوتی ہے یہ نکتہ حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشاد سے معلوم ہوا۔ ایک بار فرمایا کبھی نعمت بصورت بلا ہوتی ہے چنانچہ خضر علیہ السلام کا کشتی کا توڑنا ظاہر میں بلا تھی مگر حقیقت میں نعمت تھی "نعمت کا بصورت بلا ہونا قرآن میں بھی آیا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ظاہر میں یہ بلائیں ہیں مگر اصلاح اخلاق کے اعتبار سے یہ نعمتیں ہیں کہ اس سے تربیت باطنی ہوتی ہے۔

صیغہ جمع موجب تسلی

صیغہ جمع انا للہ (ہم اللہ ہی کے ہیں) بھی ایک گونہ تسلی بخش ہے کیونکہ اس میں دلالت ہے کہ میں تنہا مصیبت میں نہیں اور لوگ بھی میرے ساتھ شریک ہیں جیسے علماء نے آیت كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ (یعنی تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں) میں بھی نکتہ اشتراک کا بیان فرمایا ہے اسی کے قریب نکتہ ہے إِيَّاكَ نَعْبُدُ (تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں) جمع لانے میں اس لئے ایہام تعظیم عابد کی پروا نہیں کی گئی مگر اللہ بچاوے جہل سے ایک جاہل إِيَّاكَ نَعْبُدُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) کی جگہ ایاک اعبد (میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں) پڑھتا تھا اور کہتا تھا کہ نعبد میں اپنی تعظیم ہے اسے اعبد کہنا چاہیے شاید یہ جاہل یہاں بھی انی اللہ (میں اللہ ہی کا ہوں) پڑھنے کی رائے دے مگر اس جاہل نے یہ نہ سوچا کہ اگر اس میں کوئی نکتہ بھی نہ ہوتا تب بھی سب سے بڑی عبدیت تو امتثال امر ہے جب اللہ تعالیٰ خود فرمائیں کہ تم اپنے کو صیغہ جمع سے تعبیر کرو تو ہم کو ایسی لفظی تواضع کی کیا ضرورت ہے۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دریں خاک برفرق قناعت بعد ازیں

(یعنی جب بادشاہ حقیقی مجھ سے طمع کرنے کی خواہش کرتے تو اس کے بعد قناعت کو ترک کر دوں گا)

مگر امتثال امر میں بھی بعض کو غلو ہو جاتا ہے چنانچہ اہل ظاہر نے اس غلو سے ضروری اجتہاد کو بھی ترک کر دیا۔ یہ بھی نہ چاہیے افراط تفریط تو ہر چیز میں مذموم ہے ضرورت ہر امر میں اعتدال کی ہے۔ غرض ایاک نعبد (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) کو کسی متبع احکام نے ایاک اعبد (میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں) نہیں پڑھا اسی طرح انا للہ کو انی للہ نہیں پڑھا باقی آجکل کے مدعیان ذوق جو حقیقت میں بدذوق ہیں اگر نعبد کو اعبد' انا للہ (ہم اللہ ہی کے ہیں) کو انی

(c) ketabton.com: The Digital Library

للہ (میں اللہ کا ہی ہوں) کہنے لگیں تو اس کا کچھ علاج نہیں۔ میں نے یہ کہا تھا کہ انا للہ میں صیغہ جمع بھی موجب تسلی ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مبتلائے مصائب میں تنہا نہیں ہوں بلکہ اور بھی بہت ہیں اور قاعدہ ہے مرگ انبوہ جشنے دارد چنانچہ بہت آدمی جیل میں جا رہے ہوں تو وہ بھی گھر سا معلوم ہونے لگتا ہے بلکہ پچھلے دنوں تو بعض لوگ تمنا کیا کرتے تھے کہ حکومت ان کو جیل میں بھیجے کیونکہ اس جیل کے بعد قوم میں عزت ہوتی تھی تو وہ جیل جیل ہی معلوم نہ ہوتا تھا پہلے تو کوئی معمولی آدمی جیل میں جاتا تھا اب بڑے بڑے آدمی جیل جانے لگے تو جیل خانہ مصیبت نہ رہا۔ اور دیکھئے روزہ رکھنا بہت دشوار ہے مگر رمضان میں آسان ہے کیونکہ سب کا ایک ہی حال ہوتا ہے۔ ممکن ہے کوئی مصیبت زدہ اس تسلی کے نسبت شبہ کرے اور یہ کہے کہ گو مبتلائے مصیبت دوسرے بھی ہیں دوسرے کے اوپر سب سے زیادہ مصیبت ہے مگر یہ تو تفتیش کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے سوچا کرو تو یقینا بعضے تم سے بھی زیادہ مصیبت میں گرفتار ملیں گے۔ اب یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۝ (کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اس کیطرف لوٹنے والے ہیں) کی تعلیم سے مقصود تو اہل مصائب کی تسلی اور ازالہ حزن و غم ہے۔

مصیبت کا ایک ادب

مصیبت کا ایک ادب یہ ہے کہ زبان سے تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۝ کی کثرت کرے اور دل سے ان باتوں کو سوچے اور ان کے ذریعہ سے اپنے نفس کو تسلی دے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہمارے حال پر کس قدر رحمت وشفقت ہے کہ ان کو ہمارا زیادہ غم گوارا نہیں گویا فرماتے ہیں کہ گو ہم نے کسی کی وجہ سے تم کو رنج دیا ہے مگر تمہارا زیادہ رنجیدہ ہونا پریشان ہونا ہم کو گوارا نہیں اس لئے مصیبت کے موقع پر تم اس اس طرح اپنے آپ کو تسلی دیا کرو اور چنانچہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ کے غم کے ناگوار ہونے کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے **ماترددت فی شیء ترددی فی قبض نفس عبدی ارید لقائہ وھویکرہ الموت و لن یلقانی حتی یموت او کما قال** یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی کام میں ایسا تردد نہیں ہوتا جیسا اپنے بندے کی جان قبض کرنے میں تردد ہوتا ہے (میں اس سے ملاقات کا ارادہ کرتا ہوں اور وہ موت کو مکروہ سمجھتا ہے اور جب تک نہ مرے گا مجھ سے ہرگز ملاقات نہیں کر سکتا) اس کی تفسیر ہم نہیں کر سکتے بلکہ اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے حوالے سے کرتے ہیں مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کے ساتھ کس قدر تعلق ہے کہ موت سے جو اس کو تکلیف ہوتی ہے وہ بھی ان کو گوارا نہیں حالانکہ موت ضروری اور لابدی ہے۔

اور جس طرح مصیبت زدہ کو خود تسلی کا مضمون سکھلایا گیا ہے اسی طرح دوسروں کو بھی حکم ہے مصیبت زدہ کو تسلی دیں چنانچہ تسلی دینے کی فضیلت حدیث میں بہت آئی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شفقت و رحمت کی دلیل ہے کہ خود بھی اپنے بندے کو تسلی دیتے ہیں اور کوئی دوسرا تسلی دے تو اسکو ثواب عطا فرماتے ہیں حدیث میں ہے **من عزی ثکلی کسی بردا فی الجنة او کما قال** جو ایسی عورت کو تسلی دے جس کا بچہ مر گیا ہو اس کو جنت میں بڑھیا چادر یا لباس پہنایا جائے گا اور **من عزی مصابا فلہ مثل اجرہ او کما قال** جس نے کسی مصیبت زدہ کی تسلی کی اس کو مصیبت زدہ کے برابر

(c) ketabton.com: The Digital Library

ثواب ملے گا یہ تو قول کلی کے طور پر بیان تھا مقصود آیت کا اب اس کی دو چار تفریعات بیان کرتا ہوں۔

ایک یہ کہ اس آیت میں تسلی کا جو طریقہ بتلایا گیا ہے اس کی حقیقت مراقبہ ہے اس مضمون کو زیادہ سوچنا اور ذہن میں حاضر رکھنا چاہیے۔ خصوصاً جس وقت رنج وغم کا غلبہ ہو اور اگر کسی وقت مراقبہ دشوار ہو تو زبان ہی سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۞ کی کثرت رکھے۔ کہ حق تعالیٰ سے ہماری کوئی قرابت نہیں اور اسی سلسلہ میں قرابت کے موہم الفاظ کے استعمال کو خلاف ادب بتلایا تھا مگر باوجود قرابت نہ ہونے کے پھر بھی ان کی شفقت و رحمت ہمارے ساتھ بے انتہا ہے۔ چنانچہ کیا یہ عین شفقت و رحمت نہیں ہے کہ جو مشقت ہم اپنے اختیار سے برداشت کریں اس پر بھی اجر اور جو بلا اختیار وارد ہو جائے اس پر بھی اجر اور گو باوجود قرابت نہ ہونے کے حق تعالیٰ سے ہمارا ایسا تعلق ہے جس کے مقابلہ میں نہ قرابت کوئی چیز ہے نہ ابوۃ و بنوۃ اور بعض صوفیہ تو اس تعلق کی تفسیر میں بہت آگے پہنچ گئے ہیں کس کا تحمل عقول عامہ کو نہیں ہو سکتا مگر اتنی بات تو سب سمجھ سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو ہمارے ساتھ رحمت بلا علت ہے اس سے بڑھ کر کیا تعلق ہوگا اور اس شدت تعلق کا مقتضا بھی یہی ہے کہ وہ ہم پر خاص توجہ فرمائیں تو پھر ہر حال میں اجر دینا کیا عجیب ہے سو یہ شدت تعلق اس کا یہ مقتضا مسلم مگر اس کے ساتھ استغناء حق پر بھی تو نظر کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے تو اس پر نظر کرنے سے پھر عقل کا فتویٰ یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو کوئی نفع نہ پہنچائیں کیونکہ جب ان کا کوئی کام ہمارے اوپر اٹکا ہوا نہیں اور وہ تمام عالم سے مستغنی ہیں تو وہ ہم پر کوئی انعام کیوں کریں؟ کیونکہ سلاطین جو کسی پر انعام کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو بھی رعیت کی احتیاج ہے وزراء وافسران فوج کو خوش رکھنے کی ان کو ضرورت ہے تاکہ رعیت باغی نہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کو کسی کے خوش رکھنے کی ضرورت نہیں وہ جس پر رحمت فرماتے ہیں بلا سبب اور بلا علت فرماتے ہیں۔

لطف بشارت

الغرض حق تعالیٰ کی عنایت ہے کہ مشاق اختیاریہ وغیر اختیاریہ دونوں پر ثواب کی بشارت ہے اور بشارت بھی بلا واسطہ نہیں بلکہ رسول ﷺ کے واسطہ سے بشارت دلوائی ہے بظاہر بشارت بلا واسطہ کو ترجیح معلوم ہوتی ہے چنانچہ بعض مقامات پر اسی وجہ سے بلا واسطہ بھی وارد ہے مگر عام قاعدہ یہ ہے کہ سلطان عظیم الشان کی بشارت بلا واسطہ سے ہیبت میں اضافہ ہو کر حواس گم ہو جاتے ہیں اور بشارت کا لطف حاصل نہیں اس لئے حضور ﷺ کے واسطہ سے بشارت دلوائی ہے کہ آپ ہم جنس بھی ہیں ہم نوع بھی ہیں بلکہ مثل عین کے ہیں چنانچہ اسی لئے قرآن میں حضور ﷺ کے لئے کسی جگہ تو منھم فرمایا کسی جگہ مثلکم اور کسی جگہ من انفسکم اور ظاہر ہے کہ نفسی شیء و عین شیء کے ایک ہی معنی ہیں اور اس معنی کا مصداق آپ میں یہ کہ آپ مسلمانوں کو جان سے زیادہ محبوب ہیں اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ آپ ﷺ مسلمانوں کو ان کی جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ اور محب و محبوب کو ایک گونہ اتحاد ہوتا ہے یہی مراد ہے صوفیہ کی عین سے لوگوں نے اس سے عین باصلاح سمجھ لیا اور اعتراض کرنے لگے ورنہ اس میں اعتراض کی بات کیا ہے محاورات میں دوسرے کو کہہ دیا کرتے ہیں کہ تم غیر تھوڑا ہی ہو اور جب غیر نہ ہوا تو عین ہوگا بس جو عین کے یہاں ہیں وہی صوفیہ کے کلام

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں ہیں مگر نااہلوں کے سامنے ایسے الفاظ جوان کی عقول سے بالا ہوں کلموا الناس علی قدر عقولهم (لوگوں سے ان کے عقلوں کے اندازہ پر گفتگو کرو) غرض اللہ تعالیٰ نے اس بشارت میں بھی ہمارے جذبات کی رعایت فرمائی ہے چونکہ بشارت بلاواسطہ ہے بوجہ غایت عظمت حق تعالیٰ کے ہیبت ہوتی اور بشارت کا پورا لطف نہ آتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے بواسطہ بشارت دلوائی بات میں واسطہ بھی حضور ﷺ کا ہے جو مسلمانوں کو اپنی جان سے زیادہ محبوب ہیں پھر آپ کو بھی یہ نہیں فرمایا کہ اخبر یا نبی یعنی خبر دیجئے بلکہ بشر فرمایا اور بشارت وہ خبر ہے جس سے سننے والے کا چہرہ کھل جائے چہرہ پر اسی کے آثار نمایاں ہو جائیں پس اگر کوئی بشارت بھی نہ ہوتی تو بشر کا لفظ ہی ہمارے خوش ہونے کو کافی تھا مگر اس پر بس نہیں ہے بلکہ آگے بھی دلجوئی کے بہت سے سامان جمع فرمائے گئے ایک یہ کہ ان کو صابرین خطاب دیا اور اس معزز جماعت میں شامل کیا جس میں انبیاء علیہم السلام سب سے پیش پیش ہیں یہ صبر تو پہلا درجہ کا ہے۔ صبر کے بعد یہ ہے الَّذِينَ اَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ الخ (وہ لوگ جبکہ ان کو تکلیف پیش آتی ہے) جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ صابر ایسے ہیں کہ صبر کے بعد اپنے دل کو تھام لیتے ہیں۔ بس یہ دوسرا درجہ تسلی کا ہے اور تسلی بھی کس طرح دیتے ہیں اس کا طریقہ خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ جب مصیبت کا سامنا ہوتا ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ ہی کے ہیں اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اس میں لفظ اذا کا اختیار فرمانا منجانب اللہ ایک مستقل تسلی ہے کیونکہ لغت عرب میں اذا تیقن کے موقعہ پر بولا جاتا ہے شرط کا وقوع متیقن ہو تو آگیس بتلا دیا گیا کہ اے مخاطبو دنیا میں تو مصیبت کا پیش آنا یقینی ہے اس کے لئے پہلے ہی سے تیار رہو اور یہ بھی رحمت ہے کہ پہلے سے انسان کو خبردار کر دیا جائے کہ تجھے ایسا واقعہ پیش آنے والا ہے علماء نے سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ (یعنی اب تو بے وقوف لوگ ضرور کہیں گے ان کو ان کے قبلہ سے جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس نے بدل دیا میں بھی نکتہ بیان فرمایا ہے خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دنیا میں مصیبت ضرور آئے گی کیونکہ انسان دنیا میں مشقت ہی کے واسطے پیدا ہوا ہے یہاں چین کہاں؟

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ **ترجمہ**: آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے اور ہم سب اللہ ہی کے پاس جانے والے ہیں ان لوگوں پر خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کو رسائی ہوگی۔

مصائب غیر اختیاریہ پر ثواب کی بشارت

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے جس میں مصائب اور بلیات کا تذکرہ ہے یعنی مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ہم تم کو مختلف مصائب و بلیات سے آزمائیں گے یعنی تمہارا امتحان لیں گے۔ یہ عنوان اس لئے اختیار فرمایا تاکہ بندوں کو مصائب و بلیات سے توحش نہ ہو بلکہ وہ اس کے لئے پہلے سے آمادہ رہیں اور ظاہر ہے کہ انسان جس چیز کے لئے پہلے سے آمادہ رہتا ہے وہ زیادہ پریشانی کا سبب نہیں بنتی۔ پھر اس کو امتحان و آزمائش قرار دینے سے ہر شخص کو اس بات کی فکر ہو

(c) ketabton.com: The Digital Library

گی کہ اس امتحان میں کامیابی حاصل ہونا کامی کا سامنا نہ ہو اور کامیابی کا طریقہ آگے صبر بتلایا ہے تو پہلے ہی سے صبر کی تیاری کرے گا اور تکمیل کی کوشش کرے گا تو یقیناً وقت پر مصیبت کا اثر بہت ہی معمولی رہ جائے گا۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ جن مصائب و بلیات کا اس مقام پر ذکر ہے ان کی تفسیر مختلف ہے بعض تفاسیر پر ان سے تکوینی مصائب ہیں یعنی مصائب غیر اختیاریہ چنانچہ خوف سے ناگہانی خوف مراد لیا ہے جیسے ڈاکو چور درندہ وغیرہ کا خوف اور جوع سے فاقہ جس کا سبب عسرت و افلاس اور نقص اموال سے ناگہانی نقصان مال جیسے تجارت میں نقصان ہو گیا یا مال چوری ہو گیا اور نقص انفس سے عزیزوں کی موت جو کسی مرض یا وبا کی وجہ سے ہو جائے اور نقص ثمرات سے باغات کا نقصان جیسے بجلی یا پالے یا آندھی سے پھل گر جائیں یا خراب ہو جائیں وغیرہ وغیرہ اور بعض تفاسیر پر ان کا محل تکالیف تشریعیہ ہیں یعنی وہ امور اختیاریہ جن کا شریعت نے انسان کو مکلف کیا ہے چنانچہ امام شافعی سے جوع کی تفسیر روزہ سے اور نقص ثمرات کی تفسیر زکوٰۃ سے اور خوف اور نقص انفس کی تفسیر جہاد سے منقول ہے اور چونکہ کسی نے کسی تفسیر کو غلط نہیں کہا اس لئے یہاں دونوں مراد ہو سکتے ہیں مصائب تکوینیہ بھی تشریعیہ بھی اور جو ثواب مصیبت پر صبر کرنے کا اس جگہ مذکور ہے وہ دونوں پر متفرع و مرتب ہوگا اور چونکہ امت نے دونوں تفسیروں کو قبول کر لیا ہے اس لئے تلقی امت بالقبول (امت کی قبولیت) کے بعد کسی کو اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال (یعنی جب احتمال نکل آئے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے) کہنے کا موقع نہیں رہا'' یہ میں نے اس لئے کہہ دیا کہ شاید کوئی ذہین طالب اشکال کرے کہ جب آیت کی تفسیر میں اختلاف ہو تو اس سے کچھ بھی ثابت نہ ہوا'' جواب یہ ہے کہ اذا جاء الاحتمال (جب احتمال نکل آئے) اس مقام کے لئے ہے جہاں دونوں شقوں کا حکم جمع نہ ہو سکے اور جہاں دونوں شقیں حکم میں جمع ہو سکیں اور امت نے دونوں کو قبول بھی کر لیا ہو وہاں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پس سبحان اللہ حق تعالیٰ کو کس قدر رحمت ہے کہ امور اختیاریہ پر تو اجر ملتا ہی ہے غیر اختیاریہ پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں۔ جو مشقت انسان اپنے اختیار سے اٹھائے اس پر تو استحقاق اجر ہو سکتا ہے مگر جو مصیبت بلا اختیار و ارادہ کے وارد ہو اس پر اجر دینا رحمت ہی رحمت ہے اور اگر زیادہ غور کیا جائے تو ترقی کر کے کہتا ہوں کہ طاعات اختیاریہ پر اجر ملنا بھی رحمت ہے کیونکہ طاعات تو غذا روحانی ہیں جن سے ہم کو ہی نفع ہوتا اور ہمارے باطن کو غذا ملتی ہے تو ان طاعات کے بعد اجر عطا فرمانا ایسا ہی ہے جیسے کسی کو دعوت کھلا کر دانت گھسائی کے دو روپے بھی دیئے جائیں۔ اسی طرح مجاہدات غیر اختیاریہ کی ایسی مثال ہے جیسے مسہل دیا جاتا ہے اب اگر کوئی طبیب مسہل دے کر مریض کو دو روپے بھی دے تو یہ عنایت ہے یا نہیں؟ پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے ہماری کوئی قرابت اور رشتہ داری تو ہے نہیں اور جن لوگوں نے قرابت جتلائی تھی ان کو بہت سختی کے ساتھ زجر کیا گیا ہے اور ایسا سخت خطاب کیا گیا کہ وہ دم بخود ہی رہ گئے وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (یعنی یہود و نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں آپ یہ پوچھیے کہ اچھا تو پھر تم کو تمہارے گناہوں کے عوض عذاب کیوں دیں گے بلکہ تم بھی منجملہ اور مخلوقات کے ایک معمولی آدمی ہو) یہ تو ان کے متعلق ارشاد ہے جنہوں نے اپنے کو حق تعالیٰ کا قرابت دار بتلایا تھا

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور جنہوں نے دوسرے مقبولین کو اللہ کا قرابت دار ٹھہرایا تھا ان پر تو بہت مقامات میں انکار و وعید مذکور ہے۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۞ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۞ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کی مملوک ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور سب ان کے خادم بھی ہیں۔ حق تعالیٰ موجد بھی ہیں آسمانوں اور زمین کے اور جب کسی کام کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو بس اس کی نسبت فرما دیتے ہیں کہ ہو جا بس وہ ہو جاتا ہے) اسی طرح جا بجا مختلف طریقوں سے ابنیت کا ابطال فرمایا ہے اور گو یہ دلائل ابنیت حقیقیہ کی نفی کرتے ہیں اور یہود و نصاریٰ ابنیت حقیقہ کے قائل نہ تھے صرف ابنیت مجازیہ کے قائل تھے مگر حق تعالیٰ نے ابنیت حقیقیہ کے ابطال سے اس بات پر ہم کو متنبہ فرمایا ہے جس بات سے اللہ تعالیٰ منزہ ہیں اور اس کا ثبوت حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے لئے محال اور خلاف شان ہے اس کے ایہام سے بھی بچنا واجب و لازم ہے کیونکہ موہم الفاظ کا استعمال کرنا خلاف ادب ہے۔

جو امتحان میں پاس ہوں اور اس سے بطریق مفہوم یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بے صبری فیل ہونے کا سبب ہے پھر اس جگہ بشر بشارت کا اجمال ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ کو ارشاد ہو رہا ہے کہ بس آپ تو صابرین کو بشارت دے دیجئے تفصیل نہیں کہ کس چیز کی بشارت دے دیجئے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جو کچھ وہ چاہیں گے وہی ملے گا کیونکہ بشارت کہتے ہیں خوش خبری کو۔ اب اگر اس کی تفصیل کر دی جائے تو جن چیزوں کو بیان کیا جائے گا ان ہی میں بشارت کا حصر ہو جائے گا اور جب اجمالاً کہہ دیا گیا کہ صابرین کو خوشی ہونے کی خبر دے دیجئے تو اس میں کسی چیز کی تخصیص نہیں بلکہ عموم ہے جس سے تمام خوش ہونے کی باتوں کی طرف اشارہ ہو گیا کہ جس چیز سے بھی وہ خوش ہوں گے وہی ملے گا اور یہ کام حق تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں کہ ہر شخص کی خواہش کو پورا کر دیں۔

غرض بشر کا عموم قدرت کے عموم پر دلالت کرتا ہے پھر اس میں بجائے نبشر (ہم بشارت دیتے ہیں) صیغہ متکلم کے بشر صیغہ امر اختیار کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ بشارت بواسطہ زیادہ موثر ہوتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ ہم سے خود تکلم فرماتے ہیں تو غلبہ جلال و ہیبت ایسا ہوتا کہ اس غلبہ کے سامنے لذت بشارت حاصل نہ ہوتی اور جنت میں ہمارے قویٰ بڑھ جائیں گے وہاں ہم کو اس ہیبت و جلال کا تحمل ہو جائے گا تو تکلم بلا واسطہ مفید ہو گا۔ باقی دنیا میں تکلم بلا حجاب کا ہم کو تو کیا تحمل ہوتا حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو بھی تحمل نہ ہوا ان سے بھی حجاب کے ساتھ کلام ہوا ہے۔

صابرین کو بشارت

حق تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان غم سے پریشان نہ ہوں چنانچہ اسی لئے پیشگی اطلاع فرما دی کہ ہم تم کو طرح طرح کی تکالیف سے آزمائیں گے تاکہ دفعتہً کلفت آنے سے پریشانی نہ ہو۔ پہلے سے اس کے لئے آمادہ رہیں پھر چونکہ لبنلونکم سے معلوم ہو گیا ہے کہ مصائب کا آنا بغرض امتحان ہے اور قاعدہ ہے کہ امتحان میں دو درجے ہوتے ہیں ایک فیل ہونے کا ایک پاس ہونے کا تو آگے اس امتحان میں پاس ہونے کا طریقہ بتلاتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔ وبشر الصبرین اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

صبر کرنے والوں کو خوش خبری دو۔

اس جملہ سے معلوم ہو گیا کہ اس امتحان میں پاس ہونے والے صابرین ہیں اور پاس ہونے کا طریقہ صبر ہے کیونکہ بشارت انہی لوگوں کو دی جایا کرتی ہے جو امتحان میں پاس ہوں اور اس سے بطریق مفہوم یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بے صبری فیل ہونے کا سبب ہے۔

پھر اس جگہ بشر میں بشارت کا اجمال ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور کو ارشاد ہو رہا ہے کہ بس آپ ﷺ تو صابرین کو بشارت دے دیجئے تفصیل نہیں کی کس چیز کی بشارت دے دیجئے اس میں اشارہ ہے کہ جو کچھ وہ چاہیں گے وہی ملے گا کیونکہ بشارت کہتے ہیں خوشخبری کو۔ اب اگر اس کی تفصیل کر دی جائے تو جن چیزوں کو بیان کیا جائے گا انہی میں بشارت کا حصر ہو جائے گا اور جب اجمالاً کہہ دیا گیا کہ صابرین کو خوش ہونے کی خبر دے دیجئے تو اس میں کسی چیز کی تخصیص نہیں بلکہ عموم ہے جس سے تمام خوش ہونے کی باتوں کی طرف اشارہ ہو گیا کہ جس چیز سے بھی وہ خوش ہوں گے وہی ملے گی اور یہ کام اللہ تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں کہ ہر شخص کی خواہش پوری کر دیں۔

صابرین کو دنیوی جزا

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ یعنی صابرین پر ان کے پروردگار کی طرف سے خاص رحمتیں بھی ہیں اور عام رحمتیں بھی۔ اس میں صابرین کے لئے دوسری بشارت ہے جو بلاواسطہ سنائی گئی ہیں۔ بشر الصابرین میں بشارت بواسطہ تھی یہ بلاواسطہ ہے اور یہ مبنی ہے اس قاعدہ پر کہ تاسیس تاکید سے اولیٰ ہے۔

بعض علماء نے اس کو بشر الصابرین ہی کا بیان سمجھا ہے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ مستقل کلام ہے ماقبل کا بیان نہیں کیونکہ دونوں مستقل آیتیں ہیں۔ پس ظاہر یہی ہے کہ دونوں کا مفہوم بھی مستقل ہو بیان کہنے میں یہ آیت مضمون سابق کی تاکید ہو گی اور مستقل ماننے میں تاسیس ہے اس لئے یہی اولی ہے۔ پس میرے ذوق میں بشر الصابرین میں بواسطہ بشارت ہے اور اس جملہ میں بلاواسطہ بشارت ہے۔

تیسری بشارت

بہر حال اس میں بتلا دیا گیا ہے کہ صابرین پر خاص و عام دونوں طرح کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ خاص رحمت تو آخرت میں ہو گی اور رحمت عامہ کا ظہور دنیا میں ہوتا ہے صابرین کو صبر و استقلال کا ثمرہ دنیا میں بھی حق تعالیٰ کھلی آنکھوں دکھلا دیتے ہیں بشرطیکہ صبر کی حقیقت صحیح طور پر موجود ہو اس کے بعد ایک تیسری بشارت تو ایسی بیان فرمائی ہے کہ وہ جزا تو ہر صابر مومن کو ضرور ہی حاصل ہے۔ یعنی وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ ۔ کہ یہی لوگ راہ صواب پر چلنے والے ہیں۔ صاحبو جو شخص ناگوار واقعات میں شریعت پر کامل طور پر جما رہتا ہے گو ظاہر میں اس کو کیسی ہی کلفت ہو مگر دل میں اس کی خوشی بھی ہوتی ہے کہ خدا کے فضل سے میں حق پر ہوں۔ (فضائل صبر و شکر)

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک آیت کی تفسیر سے شبہ کا ازالہ

ارشادفرمایا کہ قرآن کریم میں لم تقولون مالا تفعلون. یعنی کیوں کہتے ہو وہ جو خودنہیں کرتے۔اس کے ظاہر سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ جو شخص خودکوئی نیک عمل نہیں کرر ہا اس کے لئے جائزنہیں کہ وہ دوسروں کو اس نیکی کی طرف دعوت دے حالانکہ تبصریحات یہ غلط ہے۔اس غلط فہمی کی اصل وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے اس کو دعوت پر محمول کرلیا حالانکہ یہ آیت دعوت کے متعلق نہیں بلکہ دعویٰ کے متعلق ہے اور مراد یہ ہے کہ جو وصف تم میں موجودنہیں اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو۔مطلب یہ ہے کہ جو کام تم نے کیا نہیں یا جو وصف تم میں موجودنہیں اس کا دعویٰ نہ کرو۔

اہل اللہ کی شان

اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ فرمایا ان اَصَابَتْهُمْ نہیں فرمایا اذا یقین کے موقعہ پر استعال ہوتا ہے اور ان احتمال کے موقعہ پر پس اِذَآ اَصَابَتْهُمْ میں بتلایا گیا کہ مصیبت تو آوے ہی گی۔

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نو زجام دہر مئی کل من علیھا فان

اوراس علم کے بعد مصیبت سے وہ غم نہیں ہوتا جو دفعۃً آنے سے ہوتا ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ اھل اللہ بڑے عاقل ہیں جو موت کو ہر دم یاد کرتے رہتے ہیں کیونکہ ان پر موت دفعۃً نہ آئے گی اس لئے ان کو موت سے وحشت ہی نہ ہو گی دنیادار اپنے کو عاقل سمجھتے ہیں یہ غلط ہے وہ بہت سے بہت آکل ہیں عاقل نہیں ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے دل میں حساب وکتاب ومعاش کا لگاتے رہتے ہیں اور بڑے بڑے منصوبے قائم کرتے ہیں اور وہ حساب وکتاب پورا ہوتا نہیں کیونکہ

ما کل ما یتمنی المرء یدر که تجرب الاریاح بما لا تشتھی السفن

انسان کی ہر آرزو پوری نہیں ہوا کرتی بلکہ ہوائیں کبھی کشتی کے خلاف بھی چلتی ہیں

تو جب خلاف امید واقعات ان کو پیش آتے ہیں اس وقت سخت پریشانی کا سامنا ہوتا ہے اور اہل اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر وقت یہ سمجھتے ہیں شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود (الجبر بالصبر)

اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ترجمہ: وہ لوگ ایسے ہیں جبکہ ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اس کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔

تقلیل غم اور تسہیل حزن کا طریقہ

عارفین نے اس مضمون پر غور کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ اس میں حق تعالیٰ نے تقلیل غم وتسہیل حزن کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔معلوم ہوا کہ ان کو یہ مطلوب نہیں کہ غم بڑھایا جائے بلکہ اس کا کم کرنا مطلوب ہے۔چنانچہ اول تو انا للہ (ہم اللہ ہی کے ہیں) کی تعلیم ہے کہ یوں سمجھو کہ تم خدا کے ہو اور تمہاری ہر چیز خدا کی ہے پھر اگر اللہ تعالیٰ تمہاری ذات میں یا متعلقین ومتعلقات میں کچھ تصرف کریں تو تم کو ناگواری کا کیا حق ہے اور جن عارفین نے وحدۃ الوجود کو ظاہر کیا ہے جن میں اول شیخ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ابن عربی ہیں وہ تو یوں کہتے ہیں کہ ہمارا وجود ہی کوئی چیز نہیں یہاں تک کہ ہم کسی شے کے مستحق ہوں عارفین کی تو اسی سے تسلی ہوگئی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ ہمارا کوئی استحقاق نہیں بلکہ اصل مالک اور اصل موجود حق تعالیٰ ہیں دنیا و آخرت دونوں انہیں کے ہیں ان کو اختیار ہے کہ جب چاہیں کسی کو دنیا میں رکھیں اور جب چاہیں آخرت کی طرف بلالیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی شخص کے پاس ایک الماری ہو جس کے اندر متعدد تختے لگے ہوئے ہوں اور اس نے ایک خاص ترتیب سے برتنوں کو ان میں لگا رکھا ہو اب کسی وقت وہ اس ترتیب کو بدل دے اور نیچے کے برتن اوپر اور اوپر کے نیچے رکھ دے تو کسی کو اعتراض یا ناگواری کا کیا حق ہے؟ اسی طرح حق تعالیٰ کے یہاں عالم کے دو تختے ہیں ایک دنیا ایک آخرت اگر وہ کسی وقت ان کی موجودات کی ترتیب کو پلٹ دیں کہ اوپر کی ارواح کو نیچے بھیج دیں اور نیچے کی ارواح کو اوپر بلالیں تو کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے؟ وہ الماری کے بھی اور اس کے برتنوں کے بھی مالک ہیں تم کھڑ بڑ کرنے والے کون ہو؟ عارفین کو تو اس سے پوری تسلی ہوگئی مگر اہل ظاہر کو صرف عقلی تسلی ہوئی اور طبعی غم مفارقت کا باقی رہا تو اس کی تقلیل و تسہیل کے لئے آگے تعلیم فرماتے ہیں کہ تم یوں سمجھو اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؁ (ہم اس کی طرف پھر لوٹ کر جانے والے ہیں) کہ ایک دن ہم بھی وہیں جانے والے ہیں جہاں ہمارا عزیز گیا ہے اس تصور سے مفارقت کا غم بھی ہلکا ہو جائے گا اس کی ایسی مثال ہے جیسے نظام حیدرآباد نے ایک بھائی کو دکن بلا کر وزیر کر دیا دوسرا بھائی مفارقت کے غم میں رونے لگا نظام نے اس کو لکھ بھیجا کہ ارے تو کیوں روتا ہے تجھے بھی عنقریب یہیں بلا لیا جائے گا اس مضمون سے دوسرے بھائی کی یقیناً تسلی ہو جائے گی تو یہاں اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؁ کا مطلب یہی ہے کہ تم مفارقت کا غم نہ کرو بہت جلدی تم بھی وہیں جاؤ گے جہاں تمہارا عزیز گیا ہے۔ عارفین کو یہ مضمون ہر دم پیش نظر رہتا ہے اس لئے ان کو مفارقت حبیب کا زیادہ غم نہیں ہوتا۔

مصیبت کا آنا یقینی ہے

یہیں سے نکتہ معلوم ہوتا ہے اس کا کہ اللہ تعالیٰ نے اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ فرمایا ان اصابتھم نہیں فرمایا کیونکہ اذا یقین کے موقع پر استعمال ہوتا ہے اور ان احتمال کے موقع پر پس اذا اصابتھم میں بتلا دیا گیا کہ مصیبت تو آوے ہی گی۔

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید ؎ زجام دہر مے کل من علیھا فان

جو بھی پیدا ہوا ضروری طور پر اسے فنا کی شراب زمانے کے پیالے سے پینی ہوگی

علم کے بعد مصیبت سے وہ غم نہیں ہوتا جو دفعتہً آنے سے ہوتا ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ بڑے عاقل ہیں جو موت کو ہر دم یاد کرتے رہتے ہیں کیونکہ ان پر موت دفعتہً نہ آئے گی اس لئے ان کو موت سے وحشت بھی نہ ہوگی۔ (الجبر بالصبر)

تمام غموم اور احزان کا علاج

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؁ تمام غموم واحزان کا علاج ہے اگر اس کو شرائط سے استعمال کیا جائے۔ اب اس کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

شرائط سنئے۔ مگر تمام شرائط کو تو کون ادا کرے گا اور میں ہی کیا ادا کروں گا مگر سب سے ادنیٰ شرط تو یہ ہے کہ اس کو تفکر و فہم معنی سے ادا کیا جائے۔ محض طوطے کی طرح بے سمجھے بوجھے نہ کیا جائے۔ اب سنئے اس کے معنی کیا ہیں۔ اس میں پہلا جملہ تو یہ ہے انا للہ۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ بے شک ہم سب خدا ہی کی ملک ہیں۔ وہ ہمارے اور تمام چیزوں کے مالک ہیں۔ ہم کسی چیز کے مالک نہیں۔ حتیٰ کہ اپنی جان کے بھی مالک نہیں۔ یہ جان بھی خدا ہی کی ملک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی جان میں بھی ہم کو ہر طرح کا تصرف جائز نہیں خودکشی حرام ہے۔ مضر چیزیں کھانا جائز نہیں ہے۔ اپنے کو ذلیل کرنا' رسوا کرنا ممنوع ہے۔ آخر کیوں۔ اس لئے کہ تم اپنی جان کے مالک نہیں ہو۔ بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی امانت ہے بدوں اس کے اذن کے تم کوئی تصرف اس میں نہیں کر سکتے اگر کرو گے مواخذہ ہوگا جب تم اپنی جان کے مالک نہیں۔ تو مال و اولاد و اعزہ و اقرباء کے تو کیونکر مالک ہو سکتے ہو۔ مال جائیداد گھر بار جو کچھ ہے برائے نام تمہاری ملک ہے اور یہ برائے نام ملک بھی اس لئے مقرر کی گئی ہے تا کہ نظام عالم میں اختلال نہ ہو۔ ورنہ کسی کے پاس کوئی چیز بھی نہ رہا کرتی۔ اگر شریعت بندوں کو مالک نہ کہتی تو خدا کی چیز سمجھ کر ہر شخص اس کو چھیننا چاہتا۔ اس لئے برائے نام تم کو مالک بنا دیا گیا ہے مگر حقیقت میں ہر چیز اس کی ملک ہے۔

در حقیقت مالک ہر شے خداست　　　این امانت چند روزہ نزد ماست

ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ یہ ملاؤ کہ مالک کو اپنی مملوکات میں ہر طرح کا اختیار ہوتا ہے وہ جیسا چاہے تصرف کرے۔ دوسرے کو کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ اس مضمون کے استحضار کے بعد کسی مصیبت اور کلفت سے بھی پریشانی نہیں ہو سکتی کیونکہ سارے غم کی جڑ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو مالک سمجھتے ہیں۔ یہ مال ہمارا ہے جائیداد ہماری ہے۔ بیوی بھی ہماری ہے اولاد بھی ہماری ہے۔ پھر اس میں طرح طرح کی تجویزیں کرتے ہیں کہ یہ مال بڑھنا چاہیے۔ ہمارے ہی پاس رہنا چاہیے۔ ضائع نہ ہونا چاہیے۔ باغ میں ہمیشہ پھل آنے چاہئیں۔ اولاد کے متعلق تجویزیں کرتے ہیں کہ یہ پھلیں پھولیں۔ بڑے ہوں۔ کمائیں کھائیں۔ ہماری خدمت کریں۔ اسی طرح تمام چیزوں کے متعلق ہم ایسی ایک تجویز ذہن میں قائم کر لیتے ہیں کہ یوں ہونا چاہیے۔ اس کے خلاف نہ ہونا چاہیے۔ پھر جب اس کے خلاف ہوتا ہے تو رنج غم ہوتا ہے کہ ہائے میں نے تو یہ امید کر رکھی تھی مجھے تو یہ توقع تھی۔ یہ کیا ہو گیا پس انا للہ میں ان تمام تجاویز کی جڑ کٹ گئی کہ تم کو کسی چیز کے متعلق کوئی تجویز قائم کرنے کا حق نہیں کیونکہ تم اور یہ سب چیزیں خدا کی ملک ہو۔ تجویز کا حق مالک کو ہوتا ہے۔ غلام کو کیا حق ہے کہ وہ مالک کی چیزوں میں تجویزیں لگاتا پھرے۔ (ایواء الیتامی)

جذبات طبعیہ کی رعایت

مرنے سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں اس سے زیادہ کوئی امر پریشان کن نہ تھا پھر اس کے بارے میں کیسی عمدہ تعلیم فرمائی ہے کہ قرآن شریف میں ہے اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ کہ ان پر مصیبت آتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اس کے اندر ہم کو تسلی کا طریقہ بتلایا ہے کہ مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ کہنے سے تسلی ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہم نے تو مصیبت میں تو اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

کو پڑھا تھا مگر کچھ بھی نہ ہوا تو جواب یہ ہے کہ وظیفہ کی طرح پڑھنے کو کس نے کہا تھا بلکہ ساتھ اس کی حقیقت پر بھی تو غور کرنا چاہیے۔ وہ یہ کہ مصیبت آنے پر دو باتوں کا لحاظ رہے۔

ایک تو یہ کہ ہم خدا کی ملک ہیں۔ ہم اپنے نہیں۔ جب خدا کے ہیں تو ان کے اختیار ہے کہ جیسے چاہیں ہم میں تصرف کریں۔ یہاں رکھیں یا اٹھالیں۔ اس میں تو عقل کی تسلی ہوگئی۔ دوسری یہ ہے کہ جہاں ہمارے عزیز چلے گئے ہم بھی وہیں چلے جائیں گے۔ اس میں طبع کی رعایت ہے۔ ایک عقل ہے اور ایک طبیعت عقل انا للہ سے راضی ہوگئی تھی کیونکہ عقل تسلیم کرتی ہے کہ ہم اللہ کے ہیں تو پھر ہم کو ان کے کسی تصرف پر رنج کا کیا حق۔ ان کو اختیار ہے جیسا چاہیں کریں مگر طبع ابھی راضی نہ ہوئی تھی کہ باپ مرگیا اس کے مرنے کا کیسے رنج نہ ہو۔ تعلق ہی ایسا ہے کہ خواہ مخواہ رنج ہوتا ہے۔ اس کو ہم کیا کریں۔ اس لئے دوسرا جملہ طبع کے سنبھالنے کو بتلایا کہ جس عشرت کدہ میں وہ گئے ہیں ہم بھی وہیں چلے جائیں گے۔ گھبرانے کی بات نہیں۔ جلدی ہی ملاقات ہو جائے گی۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو حیدرآباد کی وزارت کا عہدہ مل گیا اور وہ وہاں چلا گیا۔ اس کے بیٹے کو اس کے چلے جانے سے سخت صدمہ ہوا اور اس سے کہا گیا کہ تم کیوں گھبراتے ہو وہ تو بڑے عیش میں ہے وزارت کے عہدہ پر ہے اور تم بھی عنقریب وہیں بلالئے جاؤ گے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کا صدمہ اس کو سن کر باقی رہے گا۔ یہ دوسرا جملہ (وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝) طبع کی تسلی کے لئے بڑھایا ہے۔

دوسرے عارفین نے اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ کے مضمون پر غور کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ اس میں حق تعالیٰ نے تقلیل غم و تسہیل حزن کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کو یہ مطلوب نہیں کہ غم کو بڑھایا جائے بلکہ اس کا کم کرنا مطلوب ہے۔ چنانچہ اول تو انا للہ کی تعلیم ہے کہ یوں سمجھو کہ تم خدا کے ہو اور تمہاری ہر چیز خدا کی ہے۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ تمہاری ذات میں یا متعلقین و متعلقات میں کچھ تصرف کریں تو تم کو ناگواری کا کیا حق ہے اور جن عارفین نے وحدۃ الوجود کو ظاہر کیا ہے جن میں اول شیخ ابن عربی ہیں وہ تو یوں کہتے ہیں کہ ہمارا وجود ہی کوئی چیز نہیں یہاں تک کہ ہم کسی شے کے مستحق ہوں۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی شخص کے پاس ایک الماری ہو جس کے اندر متعدد تختے لگے ہوں اور اس نے ایک خاص ترتیب سے برتنوں کو ان میں لگا رکھا ہو اب اگر کسی وقت وہ اس ترتیب کو بدل دے اور نیچے کے برتن اوپر اور اوپر کے نیچے رکھ دے تو کسی کو اعتراض یا ناگواری کا کیا حق ہے؟

اسی طرح حق تعالیٰ کے یہاں عالم کے دو تختے ہیں۔ ایک دنیا اور ایک آخرت اگر وہ کسی وقت ان کی موجودات کی ترتیب کو پلٹ دیں کہ اوپر کی ارواح کو نیچے بھیج دیں اور نیچے کی ارواح کو اوپر بلالیں تو کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے وہ الماری کے بھی اور اس کے برتنوں کے بھی مالک ہیں۔ تم گڑبڑ کرنے والے کون ہو؟

عارفین کو تو اس سے پوری تسلی ہوگئی مگر اہل ظاہر کو صرف عقلی تسلی ہوئی اور طبعی غم مفارقت کا باقی رہا تو اس کی تقلیل

(c) ketabton.com: The Digital Library

وتسہیل کے لئے آگے تعلیم فرماتے ہیں کہ تم یوں سمجھو انا الیہ راجعون کہ ایک دن ہم بھی وہیں جانے والے ہیں جہاں ہمارا عزیز گیا ہے اس تصور سے مفارقت کا غم بھی ہلکا ہو جائے گا۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے نظام حیدر آباد نے ایک بھائی کو دکن بلا کر وزیر کر دیا۔ دوسرا بھائی مفارقت کے غم میں رونے لگا۔ نظام نے اسکو لکھ بھیجا کہ ارے تو کیوں روتا ہے۔ تجھے بھی عنقریب یہیں بلا لیا جائے گا۔ اس مضمون سے دوسرے بھائی کی یقیناً تسلی ہو جائے گی تو یہاں انا الیہ راجعون کا مطلب یہی ہے کہ تم مفارقت کا غم نہ کرو۔ بہت جلدی تم بھی وہیں جاؤ گے جہاں تمہارا عزیز گیا ہے۔ عارفین کو یہ مضمون ہر دم پیش نظر رہتا ہے اس لئے ان کو مفارقت حبیب کا زیادہ غم نہیں ہوتا۔

ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بڈھا روتا ہوا آیا کہ حضرت میری بیوی مر رہی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھو کیسی عجیب بات ہے ایک قیدی قید سے چھوٹ رہا ہے اور دوسرا رو رہا ہے کہ ہائے یہ قید سے کیوں نکل رہا ہے۔ پھر فرمایا تم بھی ایک دن اسی طرح قید سے چھوٹ جاؤ گے۔ میں نے دل میں کہا کہ اور بیوی کو چھڑانے آؤ تم بھی منگوائے گئے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

ترجمہ: اور جو مومن ہیں ان کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ قوی محبت ہے۔

تفسیری نکات

ایمان کے لئے شدت محبت الٰہی لازم ہے

حاصل جملہ آیت کا یہ ہوا کہ مسلمان خدا تعالیٰ کی محبت میں بہت مضبوط ہوتے ہیں ترجمہ سن کر معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس مقام پر ایک جملہ خبریہ ارشاد ہوا لیکن بقاعدہ مذکورہ یہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس خبر سے ایک نتیجہ مقصود ہے اور وہی اس خبر کا ثمرہ ہے لیکن بصورت خبر اس لئے بیان فرمایا کہ یہ حکم بہت ہی مہتم بالشان ہو جائے جیسا کہ علم بلاغۃ میں ثابت ہو چکا ہے کہ اس تعبیر میں یہ نکتہ ہوتا ہے کہ مخبر صادق کے کلام میں خبر تو ضروری الوقوع ہے ہی پس انشاء کو اس کی صورت میں لانا تحریض ہے سامع کو کہ اس کو ضرور واقع کرے تاکہ صورت عدم وقوع کی نہ ہو اور وہ نتیجہ اور ثمرہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کو خدا تعالیٰ کی محبت میں نہایت مضبوط ہونا چاہیے اور خدا تعالیٰ کے برابر کسی کی محبت اس کے دل میں نہ ہونی چاہیے۔ اب دیکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ جو شان مومن کی خدا تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے وہ ہم میں پائی جاتی ہے یا نہیں یعنی ہم خدا تعالیٰ کی محبت میں پورے طور سے مضبوط ہیں یا نہیں اگر پورے طور سے مضبوط ہیں تو ہم وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا کے پورے مصداق ہیں ورنہ جس درجہ کی محبت ہوگی اسی درجے کا ایمان بھی ہوگا یعنی یہ تو کہہ ہی نہیں سکتے کہ کسی مسلمان کو خدا تعالیٰ سے بالکل ہی محبت نہیں تھوڑی بہت تو سب کو ہی ہے کیونکہ یہ اس آیت کی رو سے ایمان کے لئے لازم ہے اور انتفاء لازم مستلزم ہوتا ہے انتفاء

(c) ketabton.com: The Digital Library

ملزوم کو پس اگر محبت کی بالکل نفی کی جائے تو اس کے ساتھ ہی ایمان کی بھی نفی کردینی پڑے گی حالانکہ ایمان بحمد اللہ ہم سب میں پایا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ محبت سب میں ہے بلکہ محبت کے ساتھ اس کی شدت بھی ہر مومن میں پائی جاتی ہے اسی آیت کی رو سے لیکن خود شدت کے بھی مراتب مختلف ہیں کہ کسی میں بہت شدت ہے اور کسی میں اس سے کم اور اسی مناسبت سے ایمان کے مراتب بھی مختلف ہوں گے باقی ضعف محبت کسی مسلمان میں پایا ہی نہیں جاتا اور نہ پایا جاسکتا ہے کیونکہ شدت محبت کی نفی سے بھی ایمان کی نفی ہو جائے گی تو اس اعتبار سے مراتب کا اختلاف شدت بلکہ اشدیت ہی میں رہا یعنی کسی کو اشد محبت ہے اور کسی کو اشد سے بھی اشد۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اشدیت محبت ہر مسلمان کے لئے لازم ہے اب اپنی حالت کو دیکھئے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ آپ کو اشدیت محبت کس درجے کی ہے اور اسمیں کلام ہی نہیں کہ آپ کو اشدیت محبت حاصل ہے اور یہ بالکل نئی بات ہے ورنہ سب واعظین یہی کہتے ہیں کہ ہم کو خدا تعالیٰ سے محبت نہیں تو گویا میں نے آپ کو یہ نئی بشارت دی ہے یعنی اگر کوئی شخص فاسق فاجر گنہگار شرابی بھی ہے تو اس میں بھی اشدیت محبت کی ہے لیکن باوجود اس اشتراک کے پھر بھی مراتب اس کے مختلف ہیں کیونکہ ہر اشدیت برابر نہیں ہوتی اور اشتراک اشدیت اگر چہ اسوقت محسوس نہیں ہوتا لیکن امتحان کے موقع پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے مثلاً اگر کسی مسلمان کے سامنے کوئی شخص خدا تعالیٰ کی شان میں یا اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو اگر چہ وہ مسلمان نہایت کم درجہ کا ضعیف الایمان ہو لیکن اس گستاخی کو سن کر اس قدر بے چین ہو جاتا ہے کہ ماں کی گالی سننے سے بھی اس قدر بے چین نہیں ہوتا اور اس درجہ کی بے چینی بدوں اشدیت محبت کے نہیں ہوسکتی پس معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کو خدا تعالیٰ سے اشد محبت ہے اگر ضعیف محبت ہوتی تو اس قدر بے چین نہ ہوتا۔ گو نہ بے چینی کسی نہ کسی مرتبے میں اس وقت بھی ہوتی ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ شدت محبت لازم ایمان اور اس کے مراتب مختلف اور جس مرتبے کی شدت اسی مرتبہ کا ایمان ہوگا اور یہی بات خدا تعالیٰ کو اس آیت میں بتلانا ہے اور مقصود اس بتلانے سے یاد لانا ہے کہ تم شدت محبت اختیار کرو جس کی علامت اطاعت کاملہ ہے اور اس کی تائید کے لئے کچھ وقت ذکر اللہ کے لئے مقرر کرنا اور طاعت کے لئے علم دین سے واقفیت حاصل کرنا تا کہ طاعت میں سہولت ہو اور اس سے محبت بڑھے۔

محبت کا طبعی اثر

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ یعنی جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو سب سے زیادہ اللہ کی محبت ہے اس لئے محبت ہونے سے انکار بھی نہیں کر سکتے جب تمہاری محبت اور عشق نص سے ثابت ہو گیا تو عشق تو ایسی چیز ہے کہ سوائے محبوب کے کسی کو نہیں چھوڑتا پھر موانع پر نظر کیسی، خوب فرمایا۔

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت	ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لادر قتل غیر حق براندہ	درنگر آخر کہ بعد لاچہ ماند
ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت	مرحبا اے عشق شرکت سوز تفت

(c) ketabton.com: The Digital Library

محبت خداوندی کا رنگ سب پر غالب آنا چاہیے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ اس سے پہلے کفار کے بارہ میں فرمایا ہے یُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ کہ وہ اپنے اصنام سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے خدا تعالیٰ سے یہاں شبہ ہوگا کہ کفار کو خدا تعالیٰ سے محبت کہاں تھی جو اس کے برابر بتوں سے محبت کرتے تو خوب سمجھ لو کہ کاف مماثلت میں نص نہیں بلکہ مشابہت کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ بتوں کے ساتھ ان کی محبت مشابہ اس محبت کے ہے جو خدا سے محبت رکھنے والوں کو خدا سے ہوا کرتی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کہ مسلمانوں کو خدا سے زیادہ محبت ہے اس میں مشابہت مذکورہ پر بھی نکیر ہے یعنی کسی مخلوق کی محبت خدا تعالیٰ کی محبت کے مشابہ بھی نہ ہونا چاہیے برابر ہونا تو درکنار محبت خدا کا رنگ ایسا غالب ہونا چاہیے کہ سارے عالم پر ظاہر ہو جائے کہ ان کو سوائے حق تعالیٰ کے کسی کی محبت نہیں ہے۔

حق سبحانہ تعالیٰ سے منشاء محبت

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ یعنی جو لوگ مومن ہیں وہ اللہ کی محبت میں سخت ہیں اگر کوئی کہے کہ کفار کو تو نہیں ہے ورنہ وہ کفر نہ کرتے اگر غور کیا جائے تو ان کو بھی ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۔ (یعنی بے شک اس دن (قیامت کے دن) وہ کفار اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے۔ اس آیت کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی محبت ہے ورنہ وعید ان کو کیوں سنائی جاتی یہ تو دلیل ہے۔ محبت کی اور واقعات میں اگر غور کیا جائے تو بہت واضح ہے کہ ہر شخص کو اپنے خالق سے تعلق جبی ہے دیکھو جس وقت آدمی سب کاموں سے فارغ ہوتا ہے اس کو ایک توجہ اپنے مولی کی طرف ہوتی ہے اور اگر یہ سمجھ میں نہ آئے تو یوں سمجھئے کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی شے سے یا آدمی سے محبت ہے کسی کو عورت سے کسی کو اولاد سے کسی کو باغ سے کسی کو جانوروں سے اور یہ ظاہر ہے کہ منشاء محبت کا یہ اشیاء من حیث ہی نہیں بلکہ محبوب ان کا کوئی وصف ہوتا ہے مثلاً کسی کو حسن محبوب ہے۔ کسی کو علم کی وجہ سے محبت ہے کسی کو محسن ہونے کی وجہ سے محبت ہے۔ اس کے بعد سمجھئے کہ تمام کمالات حق تعالیٰ کے لئے بالذات ثابت ہیں اور مخلوق کے لئے بالعرض جو کمال جس کے اندر ہے حق تعالیٰ کی ذات پاک اس کے لئے واسطہ فی الاثبات ہے جیسے کسی نے کہا

چاہ باشد آں نگار کہ بندد ایں نگار ہا

(وہ محبوب کس قدر حسین ہوگا جس نے ایسی اعلیٰ درجہ کی حسین صورتیں بنائی ہیں)

اور بعض کے کلام سے واسطہ فی العروض بھی معلوم ہوتا ہے چنانچہ کہتے ہیں

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردہ — پس بہ چشم عاشقاں خود را تماشا کردہ

(اپنے حسن کو محبوبان دنیا کے ذریعے آشکارا کر کے تو نے عاشقوں کی آنکھ سے خود ہی اس کا نظارہ کیا ہے یعنی حقیقتاً حسن اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے محبوبان دنیا مظہر ہیں)

(c) ketabton.com: The Digital Library

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴿۱۷۲﴾

ترجمہ: اے ایمان والو جو (شرع کی رو سے) پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو۔

تفسیری نکات

وَاشْكُرُوْا سے مراد

مقصود تو اشکروا للّٰہ تھا اور شکر سے مراد عبادت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر یہی ہے کہ اس کی عبادت کی جائے مگر اس حکم سے پہلے فرماتے كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ یعنی اے مسلمانو ہم نے تم کو جو کچھ پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں ان کو کھاؤ پیو اس کے بعد فرماتے ہیں وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ یعنی ان نعمتوں کو کھا پی کر خدا کا شکر بھی ادا کرو۔ دیکھئے بلا تشبیہ ایسی ہی صورت ہے جیسے باپ کو یہ منظور ہو کہ بیٹے کا سبق سنے تو وہ اس کو بلا کر کہتا ہے کہ آؤ بیٹا یہ لڈو مٹھائی کھالو ہم تمہارے واسطے لائے ہیں پھر مٹھائی دے کر کہتا ہے کہ اچھا بیٹا سبق تو سنا دو ہم تمہیں پھر بھی مٹھائی دیں گے وہی صورت یہاں ہے کہ پہلے تو پاکیزہ نعمتوں کے کھانے کا حکم فرمایا پھر عبادت کا حکم فرمایا اور عبادت کے بعد پھر مٹھائی دینے کا وعدہ ہے وہ کیا ہے جنت۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴿۱۷۲﴾

ترجمہ: اے ایمان والو جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو۔

چاہے مزا آئے یا نہ آئے دل لگے یا نہ لگے اس میں آجکل بہت کوتاہی ہو رہی ہے لوگ اعمال کو مقصود نہیں سمجھتے بلکہ لذت کو مطلوب سمجھتے ہیں اس لئے اعمال کی ضرورت کا بتلانا ضرور ہے سو اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴿۱۷۲﴾۔ اس میں طیبات کی بھی دو تفسیریں اور شکر کی بھی طیبات کی ایک تفسیر تو حلال ہے مطلب یہ ہے حلال کھاؤ حرام نہ کھاؤ اس صورت میں امر وجوب کے لئے ہوگا یعنی اگر کھاؤ تو اس میں حلال کی رعایت واجب ہے اور اگر کی قید میں نے اس لئے بڑھائی کہ کھانا فی نفسہ واجب نہیں لغیرہ واجب ہے البتہ اس میں حلال کی رعایت کرنا فی نفسہ واجب ہے اور ایک تفسیر جس کی طرف اکثر مفسرین گئے ہیں یہ ہے کلوا من مستلذات ما رزقناکم کہ طیبات سے مراد لذیذ اور پاکیزہ چیزیں ہیں یعنی حلال اشیاء میں سے لذیذ عمدہ عمدہ چیزیں کھاؤ اور یہی تفسیر راجح ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اس سے پہلے فرمایا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ (اے لوگوں جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال اور پاک چیزوں کو کھاؤ اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

شیطان کے قدم بقدم نہ چلو) اس میں اول تو حلالا کے ساتھ طیبا لایا گیا ہے جس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ طیب حلت کے علاوہ کوئی صفت مراد ہے کیونکہ تاسیس تاکید سے اولی ہے دوسرے اس آیت میں کفار عرب کے طریقہ پر انکار کیا گیا ہے اب دیکھنا چاہئے کہ وہ طریقہ کیا تھا آیت سے ظاہر ہے کہ کفار عرب کا وہ طریقہ حرام کو حلال کرنے کا نہ تھا بلکہ حلال کو حرام کرنے کا تھا۔ حق تعالیٰ اس سے منع فرماتے ہیں کہ حلال کو حرام نہ کرو بلکہ حلال کو حلال سمجھو اس میں ترغیب دینے کے طیب کی تفسیر مستلذ ہی کے ساتھ زیادہ مناسب ہے کہ شیطان تمہارا راہ مارتا ہے کہ تم کو لذیذ چیزوں سے محروم کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کا اتباع نہ کرو تمہارا دشمن ہے اور ان لذیذ پاکیزہ اشیاء کو کھاؤ پیو اس میں خدا تعالیٰ کی کس قدر رحمت ٹپکتی ہے کہ تحریم حلال سے ناخوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میرے بندے لذیذ چیزیں کھالیں کوئی لذیذ چیز نہ کھاوے تو کسی کا کیا حرج ہے مگر وہ نہیں چاہتے کہ بندے ان لذیذ نعمتوں سے محروم رہیں بخدا مجھ کو تو ہر آیت میں رحمت نظر آتی ہے چنانچہ سورہ رحمٰن میں حق تعالیٰ نے نعمتوں کے ذکر کے بعد تو فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ فرمایا ہی ہے دوزخ اور ذکر عذاب کے بعد بھی فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ فرمایا ہے بعض لوگوں کو ذکر عذاب کے بعد اس کا موقع سمجھ میں نہیں آتا مگر حقیقت میں یہ وہاں بھی موقع پر ہے اور ذکر عذاب میں بھی ایک رحمت ہے وہ یہ کہ ہم کو ایک مضر چیز کی اطلاع دے دی تاکہ اس سے بچنے کی کوشش کریں اگر طبیب کسی شے کے متعلق یہ کہہ دے کہ دیکھو اسے نہ کھانا یہ زہر ہے تو اس کو شفقت کہیں گے یا نہیں اسی طرح یہاں بھی سمجھو مجھے تو آیات قہر میں بھی رحمت نظر آتی ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آیت مداینہ سے زیادہ کوئی بھی آیت رحمت کی نہیں کیونکہ اس میں حق تعالیٰ نے حفاظت مال کے طریقے بتلائے ہیں کہ جب کسی کو قرض دیا کرو تو لکھ لیا کرو اور اس پر دو آدمیوں کو گواہ کرلیا کرو اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو ہمارے پیسہ کا نقصان بھی گوارا نہیں تو جان کا نقصان تو کب گوارا ہوگا پھر وہ جنت سے محروم کر کے دوزخ میں ہم کو کب ڈالنا چاہیں گے جب تک کہ تم خود ہی اس میں نہ گھسو۔ چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ سبحان اللہ کیا شفقت ہے یوں نہیں فرمایا لایعذبکم اللہ بلکہ فرماتے ہیں مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ کہ خدا تعالیٰ تم کو عذاب کر کے کیا لیں گے اگر تم ایمان لے آؤ اور عمل کرو۔ اسی شفقت کا ظہور اس آیت میں ہے کہ حق تعالیٰ ہم کو ترغیب دیتے ہیں لذیذ اور مرغوب غذاؤں کی کہ لذیذ چیزیں کھاؤ عمدہ عمدہ کھانے کھالو پھر کچھ عمل کرلو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کا تم سے محض حاکمانہ ہی تعلق نہیں ہے بلکہ ماں باپ جیسا تعلق ہے حاکمانہ تعلق تو ایسا ہوتا ہے جیسا کلکٹر تم سے کہہ دیتا ہے کہ سالانہ مال گزاری ادا کرو جب تم مال گزاری ادا کرتے ہو تو اسکے صلہ میں تمہاری کوئی دعوت ضیافت نہیں ہوتی اور ماں باپ کا تعلق ایسا ہوتا ہے کہ باپ بیٹے کو پڑھانا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ روپیہ لے لو اور سبق پڑھ لو یا مٹھائی کھالو اور سبق سنا دو اور ایسے ہی برتاؤ حق تعالیٰ کا تمہارے ساتھ ہے۔

وما اهل به لغير الله (اور ایسے جانور کو جو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو)

اولیاء اللہ کے نام پر نذر نیاز کا حکم اور اس کی علمی تحقیق

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جو لوگ اولیاء اللہ کے نام پر کسی جانور کو ذبح کرتے ہیں یا ان کے مزار پر

(c) ketabton.com: The Digital Library

نذر و نیاز کی مٹھائی وغیرہ چڑھاتے ہیں اس میں دو قسم کے عقائد کے لوگ ہیں ایک تو یہ کہ ان کو حاجت روا سمجھ کر ایسے کرتے ہیں اس کے تو شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور ایک صورت یہ ہے کہ ذبح تو کرتے ہیں اللہ ہی کے نام پر مگر اولیاء کو ایصال ثواب کرتے ہیں اور انکو مقبول سمجھ کر ان سے دعاء کے طالب ہوتے ہیں اس میں کیا حکم ہے فرمایا کہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں مگر عوام کا کچھ اعتبار نہیں اس لئے اس میں بھی احتیاط ضروری ہے سو یہ ایک واقعہ میں اختلاف ہے حکم میں اختلاف نہیں وہ کہتے ہیں کہ سب عوام کی نیت شرک نہیں ہوتی اور ہم کہتے ہیں قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کی نیت شرک کی ہوتی ہے تو یہ ایک واقعہ میں اختلاف ہوا حکم میں اختلاف نہیں باقی غالب واقعہ یہی ہے کہ نیت عوام کی یہ ہی ہوتی ہے کہ وہ راضی ہو کر خوش ہو کر ہماری حاجت کو پورا کر دیں گے بس یہی شرک ہے اور بعضے اہل کی تفسیر ذبح سے کر کے اس مذبوح بہ نیت تقرب الی غیر اللہ وعلی اسم اللہ کو حلال کہتے ہیں سو یہ ان کی غلطی ہے اور اگر ان کی تفسیر کو مان لیا جاوے اور ما اهل لغير الله (اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو) میں داخل نہ مانا جاوے تب بھی وہ ذبح على النصب (اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جاوے) میں داخل ہونا تو قطعی ہے اس لئے کہ وہ عام ہے ہر منوی لغیر اللہ جس میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کے تقرب کی نیت کی گئی ہو) کو گو مذبوح باسم اللہ (اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو) ہی ہو اس لئے سب ایک ہی حکم میں داخل ہیں البتہ قرائن سے یہ عموم حیوانات کو شامل ہوگا۔ غیر حیوان کو جیسے شیرینی وغیرہ کو شامل نہ ہوگا یعنی لفظاً اس کو عام نہ ہوگا اشتراک علت سے حکم عام ہوا اور گو لفظ ما اهل ظاہراً اس کو بھی عام ہے مگر عموم وہی معتبر ہے جو مراد متکلم سے متجاوز نہ ہو حدیث ليس من البر الصيام في السفر (سفر میں روزہ رکھنا ضروری نہیں) اس کی دلیل ہے چنانچہ جمہور فقہا کا مذہب ہے کہ سفر میں روزہ افطار کرنا واجب نہیں کیونکہ قرائن سے مراد متکلم کی حدیث میں وہی صوم ہے جو سبب ورود یعنی مشقت شدید تک مفضی ہو بہر حال اس عموم لفظی میں ایک حد ہوتی ہے یہ اور بات ہے کہ قرائن میں کلام ہو مراد آباد کے ایک وعظ میں میں نے یہ مسئلہ عموم کے محدود ہونے کا بیان کیا تھا جسمیں مولانا انور شاہ صاحب بھی شریک تھے انہوں نے بہت پسند کیا۔

ف- احقر اشرف علی کہتا ہے کہ ضابطہ ملفوظات اس مضمون کو کافی طور پر ضبط نہیں کر سکتے اس لئے میں خلاصہ لکھے دیتا ہوں خلاصہ یہ ہے کہ ما اهل به لغير الله کو بعض نے خاص کیا ہے اس جانور کے ساتھ جس کو غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جاوے اور جو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جاوے گو اصل نیت تقرب الی غیر اللہ کی ہو اس کو حلال کہا ہے اور منشا اس کا یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اس میں عند الذبح (ذبح کے وقت) کی قید لگادی ہے مگر یہ قول محض غلط ہے دوسری آیت ماذبح على النصب میں ما عام ہے اور وہاں کوئی قید نہیں اور مذبوح باسم اللہ کو بھی شامل ہے سو اس کی حرمت کی علت بجز نیت تقرب کے کیا ہیں پس اسی طرح ما اهل به لغير الله بھی عام ہوگا اور دونوں کے مفہوم میں اتنا فرق ہوگا کہ ما اهل به لغير الله میں غیر اللہ کے لئے نامزد ہونا قرینہ ہوگا قصد تقرب بغیر اللہ کا اگرچہ انصاب بتوں پر ذبح نہ کیا جاوے اور ماذبح على النصب میں ذبح علی الانصاب اس مقصد کا قرینہ ہوگا اگرچہ غیر اللہ کے نامزد نہ کیا گیا ہو پس دونوں میں عموم وخصوص من وجہ ہوگا اور یہی تغایر مبنی ہوگا ایک کے دوسرے پر معطوف ہونے کا سورہ مائدہ میں پس علت حرمت کی قصد مذکور ہوگا یہ تو قرآن مجید سے استدلال ہے ما اهل به لغير الله میں عند الذبح کی قید نہ ہونے کی اور فقہاء نے مذبوح لقدوم الامیر (جو امیر کے آنے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے وقت اس کے تقرب کے لئے ذبح کیا ہو) کی حرمت میں اس کی تصریح کی ہے وان ذبح علی اسلم اللہ تعالٰی (اگرچہ اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو) اور یہ علت بیان کی ہے لانہ ما اھل بہ لغیر اللہ

بس معلوم ہوا کہ عند الذبح کی قید اتفاقی جزماً علی العادۃ ہے یا اس قید سے یہ مقصود ہے کہ ذبح کے وقت تک وہ نیت تقرب کی رہی ہو یعنی اگر ذبح کے قبل توبہ کرلی تو پھر حرمت نہ رہے گی اور تفسیر احمدی میں جو بقر منذورۃ اولیاء (اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کے لئے جو جانور ذبح کیا جاوے) کو حلال کہا ہے وہ اس تحقیق کے خلاف نہیں ہے کیونکہ منبہ میں یہ تاویل کی ہے کہ ذبح للہ ہے اور نذر سے مقصود ان کو ایصال ثواب ہے تو یہ اختلاف واقعہ کی تحقیق میں ہوا کہ ان کے نزدیک عوام کی نیت تقرب کی نہیں نہ کہ معنوی للتقرب (جس میں تقرب کی نیت کی گئی ہو) کی حرمت میں اس تاویل سے خود ظاہر ہے کہ معنوی للتقرب کو وہ بھی حرام سمجھتے ہیں اور بعض نے ما اھل بہ کو ایسا عام کہا ہے کہ حیوان وغیر حیوان دونوں کو شامل ہے یعنی طعام وشیرینی بھی اسمیں داخل ہے مگر تامل وقرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مقصود بیان کرنا احکام حیوان کا ہے رہا ماکے عام ہونے سے استدلال سو محقق یہ ہے کہ اس عموم میں ایک قید بھی ہے وہ یہ کہ مراد متکلم سے متجاوز نہ ہو اور یہاں مجاوز ہو جاویگا مگر اس سے حلت لازم نہیں آتی بلکہ اشتراک علت سے حکم بھی مشترک ہوگا حیوان میں نص قطعی سے اور غیر حیوان میں قیاس ظنی سے واللہ علم۔ (الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۹)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾

ترجمہ: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب کا اخفاء کرتے ہیں اور اس کے معاوضہ میں متاع قلیل وصول کرتے ہیں ایسے لوگ اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نہ تو قیامت میں کلام کریں گے اور نہ ان کی صفائی کریں گے اور ان کو سزائے دردناک ہوگی۔

تفسیری نکات

منشاد ین فروشی کتمان حق

اس میں اہل کتاب کی دین فروشی اور کتمان حق کا ذکر ہے اور اس پر سخت عذاب کی دھمکی ہے اس کے بعد یہ آیت ہے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ الخ ہے اس میں ان اعمال سابقہ کا منشا بتلایا گیا ہے کہ اہل کتاب جو دین فروشی اور کتمان حق پر دلیر ہیں اس کا منشا دو باتیں ہیں ایک یہ کہ ان لوگوں نے (دنیا میں) ہدایت چھوڑ کر ضلالت اختیار کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

دوسرے یہ کہ انہوں نے (آخرت کی چیزوں میں سے) اسباب مغفرت کو چھوڑ کر اسباب عذاب کو اختیار کیا اس کے بعد ان دونوں پر سخت وعید ارشاد فرماتے ہیں فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ (دوزخ کے لئے کس قدر باہمت ہیں) یہ ایسا ہے جیسا ہمارے محاورہ میں کہا کرتے ہیں کہ شاباش ہے اس کی ہمت کو آگ میں کودنے کے لئے کیسا باہمت ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شاباش ہے ان کی ہمت کو دوزخ میں جانے کے لئے کیسے باہمت ہیں۔

اسباب مغفرت کو اختیار کرنے کی ضرورت

خلاصہ یہ کہ آیت ترک ہدایت اور اختیار ضلالت پر اور ترک اسباب مغفرت واختیار اسباب عذاب پر وعید ہے اور میں نے اسباب کا لفظ ترجمہ میں اس لئے بڑھا دیا کہ عذاب کو بالواسطہ کوئی اختیار نہیں کرسکتا جس سے بھی پوچھا جائے ہر شخص عذاب سے نفرت وکراہت اور خوف ہی ظاہر کرے گا اور کوئی نہ کہے گا کہ مجھے عذاب لینا منظور ہے مگر حق تعالیٰ نے اسباب کے لفظ کو اس لئے حذف کردیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسباب کو اختیار کرنا عذاب کو اختیار کرنا ہے دیکھئے جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ بغاوت وقتل کی سزا پھانسی ہے وہ اگر قتل وبغاوت پر اقدام کرے تو عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ کمبخت پھانسی پر لٹکنا چاہتا ہے۔ حالانکہ وہ پھانسی پر لٹکنا ہرگز نہیں چاہتا مگر اس کے اسباب کو جان بوجھ کر اختیار کرنا عقلاء کے نزدیک پھانسی ہی کو اختیار کرنا ہے ایسے ہی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ان لوگوں نے اسباب مغفرت کو چھوڑ کر اسباب عذاب کو اختیار کر لیا تو یوں کہنا چاہیے کہ گویا مغفرت کو چھوڑ کر اسباب عذاب کو اختیار کرلیا تو یوں کہنا چاہئے کہ گویا مغفرت کو چھوڑ کر خود عذاب ہی کو اختیار کیا ہے یہ تو وجہ ہوئی جانب عذاب میں اسباب کو مقدر کرنے کی یہی وجہ ہے کیونکہ خود عذاب کو بلاواسطہ کوئی اختیار نہیں کرسکتا اور جانب مغفرت میں لفظ اسباب کے مقدر کرنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ مغفرت ہر شخص کو مطلوب ہے اسکو بھی بلاواسطہ کوئی ترک نہیں کرتا جس سے بھی پوچھو گے وہ طالب مغفرت ہی ہوگا پس ترک مغفرت کے بھی یہی معنی ہیں کہ اس کے اسباب کو ترک کردیا اور ایک علت مشترکہ مقدر کرنے کی یہ بھی ہے کہ ترک واختیار کا تعلق ان اشیاء سے ہوا کرتا ہے جو بندہ کی قدرت میں داخل ہوں اور عذاب ومغفرت انسان کی قدرت سے خارج ہیں اس لئے بلاواسطہ ہمارے ترک واختیار کا تعلق ان کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ البتہ دونوں کے اسباب ہمارے قدرت کے تحت میں ہیں۔ ان کے ساتھ ہمارا ترک واختیار متعلق ہوسکتا ہے اور اسباب کے واسطہ سے عذاب ومغفرت کے ساتھ بھی ان کا تعلق ہوتا ہے۔

تو یہ ترجمہ تھا آیت کا جس سے معلوم ہوگیا کہ ترک ہدایت واختیار ضلالت اور ترک اسباب مغفرت واختیار اسباب عذاب بڑا سنگین جرم ہے جس کے مرتکب کی بابت حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جہنم میں جانے پر بڑے ہی دلیر ہیں۔ اور اس جرأت کو تعجب کے صیغہ سے بیان فرماتے ہیں کہ شاباش ہے ان کی ہمت کو یہ جہنم میں جانے کے لئے کیسے دلیر اور بے باک ہیں اور غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہی افعال منشا ہیں تمام جرائم کا جن میں سے دین فروشی اور کتمان حق کا ذکر خصوصیت سے اوپر آ بھی چکا ہے کہ ان کا منشاء یہی ترک ہدایت واختیار ضلالت وغیرہ ہوا ہے اور اس سے بطور مفہوم کے بھی معلوم ہوا کہ جس طرح ترک ہدایت وترک مغفرت صدور معاصی ودخول جہنم کا سبب ہے اسی طرح

(c) ketabton.com: The Digital Library

اختیار ہدایت وطلب مغفرت صدور طاعات ودخول جنت کا سبب ہے۔

اس کے مقابلہ میں یہاں وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ہے تو اس ایک حدیث کی بنا پر وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ کی تفسیر وَاعْمَلُوْا صَالِحًا سے ہوئی ہے کیونکہ شکر کا طریقہ شرعاً عمل ہی ہے جیسا کہ ایک مقام پر ارشاد ہے اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا اے آل داؤد عمل کرو شکر یہ کے طور پر یہاں شکرا مفعول بہ نہیں بلکہ مفعول لہ ہے۔ جس کے بڑھانے میں اس پر تنبیہ ہے کہ تم سے عمل کو بے وجہ نہیں کہا جاتا بلکہ تم پر عقلاً شکر لازم ہے اور وہ زبان ہی سے فقط نہیں ہوتا بلکہ حقیقت شکر کی یہ ہے کہ کچھ کر کے دکھاؤ زبانی شکر یہ کافی نہیں بلکہ عملی شکر یہ بجالاؤ۔ اہل بلاغت نے بھی اس راز کو سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ حمد تو زبان کے ساتھ خاص ہے اور شکر زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ قلب اور لسان اور جوارح سب سے ادا ہوتا ہے اور گو زبانی شکر یہ میں شکر کی تصریح ہوتی ہے اور عملی شکر میں اس کی تصریح نہیں ہوتی مگر درجہ عملی شکر کا بڑھا ہوا ہے دیکھو اگر تم اپنے دو غلاموں کو انعام دو جن میں سے ایک غلام نے تو محض زبان سے شکر یہ ادا کر دیا اور ایک غلام روپیہ اور خلعت ہاتھ میں لے کر آپ کے پیروں میں گر پڑا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر زبان سے کچھ نہیں کہا تو بتلاؤ کس کا شکر بڑھا ہوا ہے۔ یقیناً جو پیروں میں گر پڑا اس کا شکر بڑھا ہوا ہے معلوم ہوا کہ شکر عمل سے بھی ہوتا ہے اور اس میں قدرے نعمت زیادہ ظاہر ہوتی ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

گرچہ تفسیر زبان روشن ترست   لیک عشق بے زبان روشن گرست

اور اگر زبان سے بھی شکر یہ ہو اور پھر پیروں میں گر پڑے تو یہ تو نور علی نور ہے (عمل الشکر)

یہاں طیبات کے ساتھ مارزقنا کم بڑھایا گیا تا کہ لذت مطعومات میں منہمک ہو کر عطائے حق سے غافل نہ ہو جائیں پس ساتھ ساتھ تنبیہ کر دی کہ یہ ہماری دی ہوئی نعمتیں ہیں یاد رکھنا چونکہ انبیاء میں یہ احتمال نہ تھا اس لئے وہاں كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ مطلق فرمایا اور نیز وہاں وَاعْمَلُوْا صَالِحًا میں صراحۃً عمل کا مطالبہ فرمایا کیونکہ عمل ان پر گراں نہیں اور غیر انبیاء پر چونکہ گرانی کا احتمال ہے اس سے واعملو کے مضمون کو وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ کے عنوان سے بیان فرمایا کیونکہ شکر نعمت انسان میں فطرت تقاضا ہے اس کی طلب گراں نہیں ہوتی اس طرح یہ آیت ترغیب وترہیب دونوں کو جامع ہوگئی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾

ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر ضلالت اختیار کی اور مغفرت کو چھوڑ کر عذاب سو دوزخ کے لئے کیسے باہمت ہیں۔

تفسیری نکات

گناہوں کا سبب جہالت اور عذاب سے بے خوفی ہے

پس حاصل یہ ہوا جہل اور عذاب سے بے خوفی گناہوں کا سبب ہے اور علم و رغبت مغفرت طاعات کا سبب ہے آیت کا حاصل مدلول یہ ہوا کہ تحصیل علم کی بھی سخت ضرورت ہے اور عمل کی بھی۔ اس کے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۔ یہ سخت وعید ہے جس میں حق تعالیٰ صیغہ تعجب سے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو ہدایت اور مغفرت کو اور بعنوان دیگر علم و عمل کو چھوڑ کر ضلالت و معصیت میں مبتلا ہیں جہنم میں جانے کے لئے کیسے دلیر اور بے باک ہیں۔ لفظ اصبر کے اختیار کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ وعید صبر و ثبات علی المعصیت پر ہے یعنی گناہوں پر اصرار کرنا اور ان پر جمار ہنا سب پر وعید ہے ورنہ ایک بار گناہ کر کے پھر نادم ہو کر اس پر ثبات نہ کرنا اس وعید کا محل نہیں بلکہ توبہ کر لینے سے آئندہ و ماضی دونوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ حق تعالیٰ کے کلام میں کیسی بلاغت اور کتنی رعایت ہے کہ لفظ لفظ سے علم عظیم پیدا ہوتا ہے۔ (الھدی والمغفرہ)

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ

ترجمہ: کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آ گیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو (لیکن اصلی کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور (سب) کتب (سماویہ) پر اور پیغمبروں پر۔

تفسیری نکات

نیکی محض استقبال قبلہ نہیں

ایک شخص ایک تصوف کی کتاب لائے اس میں ایسی باتیں تھیں روزہ رکھنا بخل ہے آخر میں تھا دل کو قابو میں لانا مردوں کا کام ہے۔ فرمایا کتاب اچھی ہے لیکن عوام کے لئے مضر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ روزہ نہیں رکھنا چاہیے بلکہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

مطلب یہ ہے کہ اگر دل قابو میں نہ لایا جائے تو بے اس کے روزہ بخل کے مثل ہے اور کامل جب ہی ہوگا جب دل بھی قابو میں ہو اس کی نظیر قرآن میں ہے لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ظاہر ہے کہ یہاں یہ مقصود نہیں کہ استقبال قبلہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ مقصد یہ ہے کہ بغیر ایمان کے جو کہ اصل بر ہے استقبال محض معتبر نہیں۔ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ○ ترجمہ: اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگ دستی میں اور بیماری میں اور قتال میں۔ یہ لوگ ہیں جو سچے کمال کے ساتھ موصوف) ہیں اور یہی لوگ ہیں جو (سچے) متقی (کہے جاسکتے) ہیں۔

وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں۔

کمال اسلام کی شرائط

آیت وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اوپر سے اس آیت میں کمال اسلام کے شرائط کا بیان چلا آتا ہے۔ پھر اوپر سے آیت کو پڑھا اور فرمایا کہ عقائد بھی اس میں ہیں اور اعمال بھی ہر قسم کے ہیں۔ پھر آداب المعاشرت بھی ہیں۔ پھر اخلاق یعنی اعمال باطنیہ صبر وغیرہ بھی ہیں اور مجاہدہ کی حقیقت بھی کہ مخالفت نفس ہے اور نفس کو فطرتاً آزادی پسندیدہ ہے اور جس قدر اعمال شرعیہ ہیں ان میں تقلید ہے اور تقلید نفس کی خواہش کے خلاف ہے۔ پھر فرمایا کہ مصیبت میں دو اثر ہیں "قربت" اور "بعد عن اللہ" اگر صبر کرے تو قربت اگر شکایت کرے تو بعد من اللہ۔ (الکلام الحسن)

صبر کی تین حالتیں

حق تعالیٰ نے مختصر لفظوں میں تینوں حالتوں کے متعلق دستور العمل بیان فرمادیا ہے چنانچہ ارشاد ہے ان تینوں حالتوں کے فہرست میں کچھ تطویل ہے لیکن دستور العمل صرف ایک حکمت میں ہے وہ کیا ہے والصابرین یعنی ان تینوں میں تعلیم صبر کی فرمائی ہے صبر کی حقیقت تو میں بعد میں بیان کروں گا اور باساء ضراء . باس. ان تینوں لفظوں کی تفسیر میں کلام کرتا ہوں۔ باس کی تفسیر میں کچھ اختلاف نہیں باقی۔ باساء اور ضراء کے مدلول میں اختلاف ہے کہ ان دونوں سے کیا مراد ہے جو میرے نزدیک راجح ہے وہ بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ باساء کے معنی شدت کے ہیں اب رہی یہ بات کہ کون سی شدت مراد ہے فقر و فاقہ کی یا مرض کی۔ ضراء کی تفسیر اگر مرض سے کی جاوے جیسا کہ مشہور ہے تو باساء۔ سے مراد فقر و فاقہ ہوگا لیکن یہ تفسیر میرے نزدیک مرجوح ہے میں کہتا ہوں کہ ضراء کے معنی تو فقر و فاقہ کے ہیں اور باساء کا مدلول مرض ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عباد متقین کی فضیلت میں دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔

يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ (یعنی وہ لوگ خرچ کرتے ہیں خوشی اور ناخوشی میں)

مفہوم آیت

اب اس مقام پر دیکھنا چاہیے کہ خوشی اور ناخوشی سے کیا مراد ہے اور وہ کون سی ناخوشی ہے جو خرچ کرنے کی ہمت کو گھٹا

(c) ketabton.com: The Digital Library

دیتی ہے۔ سو ظاہر ہے کہ وہ ناداری اور فقر و فاقہ ہی ہے نہ کہ مرض اس لئے کہ مرض کی حالت میں خرچ کرنے کی ہمت نہیں گھٹتی بلکہ خرچ کرنا بہت آسان ہے دو وجہ سے اول تو اس وجہ سے کہ آدمی کو خیال ہوتا ہے کہ خرچ کروں گا تو بیماری سے چھوٹ جاؤں گا دوسرے یہ کہ بیماری کی حالت مایوسی کی ہوتی ہے مال سے تعلق کم ہو جاتا ہے اس لئے آدمی سمجھتا ہے جو خرچ کروں گا وہ میرا ہے اور جو رہ جائے گا وہ پرایا ہے پس سراء و ضراء سے مراد تنگدستی اور بیماری کی خوشی و ناخوشی مراد نہیں ہے بلکہ سراء سے مراد فراخی اور ضراء سے مراد تنگ دستی و فقر و فاقہ ہے اس لئے کہ تنگ دستی کی حالت میں خرچ کرنا بڑی ہمت کی بات ہے پس جب کہ ضراء سے مراد فقر و فاقہ ہوا تو باساء سے مراد اس کا مغائر ہونا چاہیے وہ کیا ہے مرض پس حاصل آیت کا یہ ہوا کہ صبر کرنے والے ہیں مرض اور فقر و فاقہ میں اور قتال کے وقت بھی جہاں پیش آجاوے حاصل اور ملخص کیا ہوا کہ ناگواری کی حالتوں میں صبر کرنے والے ہیں۔ یہ تو مجملاً دستور العمل ہو گیا۔

صبر کی تعریف

اب اس کے بعد دیکھنا چاہیے کہ صبر کس کو کہتے ہیں شکوہ شکایت کا مذموم ہونا تو لفظ صبر ہی سے معلوم ہو گیا ہو گا اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں رہا بعض اور امور میں اشتباہ باقی ہے اس وقت اس کا زائل کرنا ضروری ہے۔

سو ایک شبہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ میں نے باساء کا مدلول مرض لیا ہے تو مرض میں صبر کرنے کے معنی شاید کوئی یہ سمجھے کہ دوا دارو بھی نہ کرے اس کا کرنا بھی صبر کے خلاف ہے تو یاد رکھو کہ تداوی صبر کے خلاف نہیں شریعت نے اس کا مکلف نہیں کیا دوا نہ کرو تدبیر نہ کرو یہ شبہ صبر کی حقیقت نہ جاننے سے ہوا ہے صبر کے معنی استقلال کے ہیں تو دوا دوا نہ کرنا یا تدبیر کرنا بے استقلالی کا فرد نہیں ہے۔ حضور علیہ نے خود تدبیر اور دوا فرمائی ہے چنانچہ پچھنے لگوائے ہیں زخم پر مہندی رکھی ہے۔ بارش کی دعا فرمائی ہے اور زیادتی بارش میں کمی بارش کی دعا فرمائی ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور علیہ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ! وھلکت الاموال فادع اللہ لنا آپ نے دعا فرمائی اللھم اسقنا چنانچہ بادل آئے اور برسنا شروع ہو گئے اور ایک ہفتہ تک برستے رہے دوسرے ہفتے میں وہی اعرابی یا کوئی اور کھڑا ہوا کہ یارسول اللہ علیہ گھر گر گئے اور کام بند ہو گئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بارش روک دیں حضور علیہ نے دعا فرمائی اللھم حوالینا ولا علینا اللھم علی الاکام والاودیہ و علی ال ا لظراب و علی الجبال اور کما قال. چنانچہ اسی وقت بادل پھٹ گیا اور چاروں طرف بادل تھے اور بیچ میں صاف تھا پس دعا بھی ایک تدبیر ہے اور احسن تدبر ہے لوگ اس تدبیر کو نہیں سمجھتے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ (یعنی یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں)

مقبول کون؟

صدق صرف قول کے ساتھ خاص نہیں بلکہ صدق اصل میں قلب کی صفت ہے جس کا اثر قول و فعل و حال سب میں ظاہر ہوتا ہے اور تقوی بھی گو صفت قلب کی ہے چنانچہ حضور علیہ نے فرمایا الا ان التقوی ھھنا واشار الی صدرہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی آگاہ رہو کہ تقویٰ یہاں ہے اور اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا لیکن اس کا زیادہ ظہور افعال جوارح سے ہوتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ مقبول وہ ہے جسکا ظاہر بھی اچھا ہو باطن بھی اچھا بعنوان دیگر یوں سمجھئے کہ ظاہر و باطن دونوں کو جمع کرلو۔

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ اول فرمایا ہے اس کے بعد اقام الصلوۃ و اتی الزکوۃ یعنی انفاق کا ایک مرتبہ تو یہ فرمایا کہ مال دیا کرو قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو۔ پھر دوسرا عمل یہ فرمایا کہ زکوۃ دیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال دینے سے اور مراد ہے اور زکوۃ دینے سے اور اس کو سمجھ کر حضور ﷺ نے فرمایا ان فی المال لحقا سوی الزکوۃ. اس لئے ہمیں یہ حقوق سمجھ کر فرائض کے علاوہ اور بھی کچھ کرنا چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا (اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ)

تفسیری نکات

روزہ ایک عظیم نعمت خداوندی

اس تشبیہ میں اس کی رعایت ہے کہ سہل ہو جائے کیونکہ ایک تو مسابقت میں رغبت ہوتی ہے اور ایک مرتبہ جوش ہوتا ہے کہ ہم بھی کریں گے دوسرے یہ کہ ہماری شان کنتم خیر امۃ (تم بہتر امت ہو) ہے تو غیرت بھی ہوتی ہے کہ ہم باوجود افضل ہونے کے حق تعالیٰ کا وہ کام نہ کریں۔ جو ہم سے مفضول کر گئے تو گویا پہلی قوم میں ایک ایسی چیز لے گئیں جو تمہیں اب تک نہیں دی گئی۔ انہیں ہم نے ایک بائیسیکل دی تھی جس سے وہ بہت جلد اپنا راستہ قطع کر سکتے تھے۔ تمہیں بھی دے دی تا کہ تم ان سے پیچھے نہ رہ جاؤ۔ اسی لئے فرمایا کتب علیکم (تم پر فرض کیا گیا) یہ خدا کی بڑی رحمت ہے کہ فرض کر دیا جس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شفیق باپ اپنے بیٹے کو زبردستی مسہل پلائے واقعی بڑی رحمت ہے کہ فرض کر دیا کیونکہ جانتے تھے کہ بغیر اس کے نہیں کریں گے۔ ہمارے والد صاحب نے بچپن میں مجھے مسہل پلانا چاہا میں نے انکار کیا مجھ سے کہا کہ پی لو تو ایک روپیہ دیں گے میں جانتا تھا کہ اب اگر انکار کروں گا تو دھمکی دے کر پلائیں گے پھر روپیہ بھی جائے گا اور پینا پڑے گا اس لئے پی لیا۔

حق تعالیٰ نے بھی ہماری ہی ضرورت اور ہماری ہی مصلحت کے لئے مسلسل تجویز فرمایا اور اس کے پی لینے پر انعام کا وعدہ فرمایا اور نہ پینے پر دھمکی بھی دی۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے اس عنایت و شفقت کا۔ واللہ وجد کے قابل ہے۔ لوگ ستار کی تن تن اور سارنگی کی روں روں پر کودتے ناچتے ہیں۔ افسوس انہیں حس نہیں۔ وجد کی چیزیں یہ علوم ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ادراک اوامر

شاید کوئی یہ شبہ کرلے کہ قرآن مجید نازل ہوئے سینکڑوں برس ہو گئے جو کچھ حکم ہونا تھا ایک بار ہو چکا روز روز صوموا (تم روزہ رکھو) کہا جاتا ہے فقہا حقیقت میں بڑے عارف تھے وہ اس کی حقیقت کو خوب سمجھے وہ کہتے ہیں کہ قوم کا سبب وجوب شہود شہر (مہینہ کا حاضر ہونا) ہے لہٰذا جب شہود شہر ہو گا تو تقدیراً امر ہو گا کہ صوموا (تم روزہ رکھو) جس طرح جب ظہر کا وقت ہو گا تو تقدیراً ہمیں امر ہو گا صلوا (تم نماز پڑھو) کیونکہ وقت ظہر وجوب ہے ہاں حج کا سبب بیت اللہ ہے اور وہ چونکہ مکرر نہیں اس لئے حج بھی مکرر نہیں اور یہاں چونکہ یہ اسباب مکرر ہوتے رہتے ہیں اس لئے ان کے مسببات بھی مکرر ہوں گے مگر تمہیں ادراک نہیں ہوتا۔ عارفوں جیسے کان پیدا کرو تو تمہیں بھی ہر ظہر کے وقت صلوا (نماز پڑھو) اور رمضان کے ہر دن میں صوموا سنائی دینے لگے۔ اسی کو عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

پنبہ اندر گوش حس دوں کنید تا خطاب ارجعی رابشنوید

ترجمہ: ان ظاہری کانوں میں جو ادنیٰ درجہ کے حواس سے ہیں روئی رکھ کر گوش باطن کو درست کرو جب اس قابل ہو گئے کہ ارجعی کا خطاب سنو اور عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

الست از ازل ہمچناں شان بگوش بفریاد قالو بلیٰ در خروش

ترجمہ: الست بربکم کی ندا ان عاشقان صادق کے کانوں میں ہنوز ویسی ہی ہے قالوا بلیٰ کی فریاد سے شور کر رہے ہیں کہ جو الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) ازل میں کہا گیا تھا وہ منقطع نہیں ہوا اسی طرح صلوا وصوموا (نماز پڑھو اور روزہ رکھو) منقطع نہیں ہوا آج بھی موجود ہے اور برابر رہے گا۔ اہل ادراک ہی اس کو ادراک کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔

محکمہ نفع وضرر

الغرض حق تعالیٰ کو ہمارے ساتھ کس قدر شفقت ہے کہ پرہیز کرایا مگر تھوڑی دیر کہ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (تم رات کو روزہ کو پورا کیا کرو) اس سہولت پر طبیعت اس لئے قادر نہیں کہ وہ مظہر نفع وضرر ہے اور حق تعالیٰ محدث ہے نفع وضرر کا کہ جب تک چاہا ایک شئے کو نافع رکھا اور جب چاہا اسے ضار بنا دیا حق تعالیٰ کو کس قدر تمہاری رعایت منظور ہے کہ ایک محکمہ نفع وضرر کا قائم کیا کہ ایک ہی شے رات بھر نافع رہتی ہے اور صبح کو کا ضار ہو جاتی ہے دن بھر مضر رہتی ہے رات سے پھر مفید ہو جاتی ہے۔ ایک یہ رحمت دوسری یہ شفقت کہ جب مضر ہوا تو اس سے بچنا فرض کر دیا اور یہی نکتہ ہے کتب علیکم میں آگے فرماتے ہیں لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ؕ روزہ تم پر فرض کیوں ہوا اس امید پر کہ تم متقی ہو جاؤ۔

مقصود روزہ

اس ترجمہ سے یہ اشکال رفع ہو گیا ہو گا کہ لعل تردد و ترجی کے لئے ہے جب باری تعالیٰ کو تمام اشیاء کا علم ہے تو تردد کا کلمہ کیوں استعمال کیا۔ مطلب یہ ہے کہ روزہ فرض ہوا ہے تمہاری اس امید پر کہ تم متقی ہو جاؤ گے یعنی روزہ رکھ کر یہ امید رکھو

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ متقی ہو جاؤ گے یہاں بھی امید و بیم میں رکھا کہ تمہیں روزہ رکھ کر متقی بن جانے کی امید رکھنا چاہیے یقین نہ رکھنا چاہیے۔ یہ بھی خدا کا لطف ہے کیونکہ اگر یہ فرما دیتے کہ تم متقی ہونے کا یقین رکھو تو روزہ رکھنے کے بعد تو متقی ہونے کا ناز ہی ہو جاتا جو بالکل خدا سے بعید کر دیتا کیونکہ ناز و نیاز جمع نہیں ہوتے جیسے صحابہ کے بارے میں ارشاد ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ان سے مغفرت اور ثواب عظیم کا) یہاں بھی منهم فرمایا اگر منهم نہ فرماتے تو اس لفظ سے جو نیاز اب پیدا ہوتا ہے وہ پیدا نہ ہوتا۔ ایک ذرا سا لفظ بڑھایا اور سارے جہان کو ہلا دیا تو منهم اس واسطے بڑھایا کہ صحابہ کو یہ کیفیت بھی میسر ہو کیونکہ نازوالوں کو قرب نہیں ہوتا قرب نیاز والوں کو ہوتا ہے اسی واسطے تمام انبیاء اہل نیاز ہوئے اور یہی نکتہ ہے منهم کے بڑھانے کا کہ نیاز کی صورت دیکھنا چاہتے ہیں اور ناز کو پسند نہیں کرتے۔

احکام اسرار

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اس کا مفعول محذوف ہے یا تو النار اس کا مفعول ہوگا یا المعاصی مگر دونوں کا حاصل ایک ہے کیونکہ نار سے بچنے کے لئے اولاً معاصی سے بچنا ضروری ہے اسی طرح معاصی سے بچ کر نار سے بچ سکتے ہیں لیکن یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ معاصی سے بچنے میں روزہ کو کیا دخل ہوا۔ اطباء جانتے ہیں کہ اشیاء کی تاثیر دو طرح پر ہوتی ہے کوئی شے مؤثر بالکیف ہوتی ہے اور کوئی شئے مؤثر بالخاصیت بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ تمام اشیاء مؤثر بالخاصیت ہی ہیں کیونکہ اگر مؤثر بالکیفت ہوتیں۔ تو ایک ہی درجہ کی تمام اشیاء ایک ہی اثر کرتیں یعنی جو اشیاء پہلے درجہ میں گرم ہیں ان سب کا ایک ہی کا اثر ہونا چاہیے تھا اور جو دوسرے درجہ میں سرد ہیں ان سب کا بھی ایک اثر ہونا چاہیے اور جو اشیاء تیسرے درجہ میں خشک ہیں ان کا ایک اثر ہوتا ہے اور جو چوتھے درجہ میں تر ہیں ان کا ایک اثر ہوتا ہے جب ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ایک ہی درجہ کی اشیاء اثر میں مختلف ہو جاتی ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کی تاثیر بالخاصیت ہے اور یہ کوئی طب کے خلاف نہیں بلکہ یہ مسئلہ تو فلسفہ کا ہے اس میں کوئی امر خلاف لازم نہیں آتا سو ہم سے یہ سوال کہ معاصی سے بچنے میں روزہ کو کیا دخل۔ اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم یہ کہیں کہ روزہ مؤثر بالکیفیت ہے اور اگر ہم مؤثر بالخاصیت کہیں تو یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ اس طرح جس قدر عبادات کے آثار بیان کئے گئے ہیں سب ان عبادات کے آثار بالخاصہ ہیں۔ لوگ رمضان سے پہلے کیسے ہی فسق و فجور میں مبتلا ہوں مگر رمضان میں ضرور کمی کر دیتے ہیں۔ نماز بھی پڑھ لیتے ہیں تلاوت بھی کرنے لگتے ہیں تو جتنی دیر ان عبادات میں لگے رہتے ہیں معاصی سے بچے رہتے ہیں۔ ایک جواب تو اس سوال کا یہ ہوا کہ معاصی سے بچنے میں روزہ کو کیا دخل؟ دوسرا جواب جس کی ایک تو مشہور تقریر ہے اور ایک حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے قلب پر وارد کی ہے۔ مشہور تقریر تو یہ ہے جسے امام غزالی وغیرہ سب نے لکھا ہے کہ روزہ سے قوت بہیمیہ گھٹ جاتی ہے کیونکہ لذات و شہوات کو چھوڑنا پڑتا ہے اور یہی چیزیں گناہ کا باعث تھیں۔ میرے قلب پر جو تقریر وارد ہوتی ہے وہ بالکل بے غبار ہے اور اس پر ایک غبار ہے وہ یہ ہے کہ شہوات اور لذات میں کیا کمی ہوئی ہم پوچھتے ہیں کہ رات کو پیٹ بھر کھانا بیوی سے مشغول ہونا جائز ہے یا نا جائز۔ اگر جائز ہے تو قوت بہیمیہ کچھ بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں گھٹی کیونکہ رات کو بہت سے لوگ اس قدر کھاتے ہیں کہ ایک دن کیا ڈیڑھ دن کی فرصت ہو جائے۔ اس تقریر پر تو روزہ کا نفع جب ہوتا کہ دن کی طرح رات کو بھی منہ بند ہوتا اور اگر نا جائز کہو تو نص کے خلاف لازم آتا ہے۔

سو اس پر یہ غبار ہے جس کے لئے بڑے بڑے لوگوں کو ایک نئی اور بے دلیل بات کا قائل ہونا پڑا اور وہ یہ کہ رات کو بھی کم کھاوے کیونکہ اگر کمی نہ کی تو غایت صوم حاصل نہ ہوگی۔ بظاہر یہ توجیہ رنگین اور اقرب ہے مگر حقیقت میں ابعد ہے کیونکہ سوال یہ ہے کہ کہیں روزہ میں تقلیل طعام کی ترغیب دی گئی ہے یا نہیں اگر دی گئی ہے تو کہاں ہے ہم نے تو باوجود یہ کہ بہت تلاش کیا کہیں نہ پایا بلکہ پایا تو اس کے خلاف کُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ الخ (کھاؤ پیو بھی اس وقت تک کہ تم کو سفید خط یعنی نور صبح (صادق) سے متمیز ہو جاوے) اور جن احادیث میں تقلیل طعام کی فضیلت آئی ہے وہ عام ہے اور روزہ کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہو سکتی۔ سوال تو یہ ہے کہ روزہ کے اندر تقلیل طعام کی خصوصیت کے ساتھ کیا دلیل ہے لامحالہ کہنا پڑے گا کہ نص میں ترغیب نہیں دی گئی۔

یہ البتہ صواب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ بھی ہے کہ باوجود شب کو توسع ہونے کے آخر رمضان میں کس قدر ضعف ہو جاتا ہے اور اسی پر عاجز عن النکاح (نکاح سے عاجز) کے لئے صوم کا معالجہ تجویز فرمایا گیا ہے پھر اس پر اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ رمضان میں رات کو کم کھاوے ورنہ غایت حاصل نہ ہوگی بلکہ اس کا قائل ہونا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

دوسری تقریر حق تعالیٰ نے انہیں حضرات کی برکت سے میرے قلب پر وارد کی ہے اس میں ایک دوسرا معنیٰ بھی ہے کہ صوم کو گناہوں سے بچنے میں دخل اور طرح سے بھی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح شرک وکفر سے بچانے کے لئے جا بجا عذاب کا ذکر ہے مگر اس شرک وکفر سے بچنے میں وقوع عذاب کو دخل نہیں۔ تصور عذاب کو دخل ہے کہ یہ سوچنا کہ عذاب ایسا ہوگا سبب بن جاتا ہے ترک کفر وشرک کا اسی طرح تصور حقیقت صوم کو بھی معاصی سے بچنے میں دخل ہے مشہور تقریر کا حاصل تو یہ تھا کہ صوم ایسی ہیئت ہے کہ اس کا وقوعہ معاصی سے روکتا ہے اور اس تقریر کا حاصل یہ ہے کہ صوم ایک ایسی شئے ہے کہ جس کی ہیئت کا تصور معاصی سے روکتا ہے کسی کو عقل سلیم ہو تو روزہ کی حقیقت میں غور کرے کہ کیا ہے۔ روزہ کی حقیقت ہے نہ کھانا نہ پینا بیوی سے مشغول نہ ہونا اس سے یہ سمجھے گا کہ یہ چیزیں حلال تھیں۔ جب یہ حرام کر دی گئیں تو جو چیزیں پہلے سے حرام ہیں ان کا کیا درجہ ہوگا۔ پھر یہ خیال کرے گا کہ غیرت کی بات ہے کہ جو چیزیں حلال تھیں انہیں چھوڑ دیں اور حرام میں مبتلا ہوں۔ (روح الصیام) لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (شاید تم متقی ہو جاؤ)

شاہانہ محاورہ

یہ بھی شاہانہ محاورہ ہے بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ وہ انہی لفظوں کے ساتھ وعدہ لیا کرتے ہیں کہ امیدوار باشید (امیدوار ہو) اور یہ لفظ ان کے کلام میں دوسروں کی قسموں سے زیادہ مؤکد ہے پس ایک بات آخرت کی یہ قابل رغبت ہے کہ اس کی طلب بے کار نہیں جاتی بلکہ ثمرہ ضرور مرتب ہوتا ہے بخلاف دنیا کے کہ وہاں اس کا وعدہ نہیں پھر یہ کہ طالب آخرت کو طلب سے زیادہ ملتا ہے چنانچہ ایک عمل کا دس گنا ثواب تو ہر شخص کے لئے مقرر ہے۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس حصہ ملیں گے) اور بعضوں کو سات سو گنا بھی ملے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے سات بالیں جمیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہر بالی کے اندر سو دانہ ہوں) پھر اس پر بس نہیں بلکہ دوسری جگہ ارشاد ہے فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً (اس کو اس کی افزونی عطا کریں گے کثرت سے افروزنی عطا کرنا) اب تو کچھ حد ہی نہ رہی کیونکہ دوسری آیت کا نزول اس وقت ہوا ہے جب پہلی آیت کے نزول پر حضور اقدس ﷺ نے دعا مانگی تھی۔ اللھم زدنی (کذ اذکر فی التفسیر المظھری من عدۃ کتب الحدیث) (اے اللہ مجھے زیادہ عنایت کیجئے اس کو تفسیر مظہری میں حدیث کی متعدد کتابوں سے ذکر کیا ہے) تو یقیناً اس میں پہلی آیت سے زیادہ ہی تضاعف ہے اور مفسرین نے اس کے ہر ضعف کو سات سو کہا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو کثرت کثیرہ میں تو شبہ ہی نہیں وہ تو منصوص ہے اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ کے راستے میں ایک چھوارہ کوئی دے تو حق تعالیٰ اس کو یہاں تک بڑھاتے ہیں کہ احد پہاڑ سے بڑا ہو جاتا ہے اس سے تو اور بھی حد بڑھ گئی کیونکہ چھوارہ کے برابر احد پہاڑ کے اجزا کرنے بیٹھو تو اجزا کرنے ہی میں سو دو سو برس لگ جائیں گے گویا اتنا بے حساب ملے گا کہ بعض جاہل لوگ تو اتنی جزا کو سن کر ہی گھبرا گئے چنانچہ ایک جاہل آریہ نے لکھا ہے کہ جزا کا جو قاعدہ مسلمانوں میں ہے وہ ٹھیک نہیں کیونکہ ہمارے اعمال تو محدود ہیں ان پر جزائے غیر محدود کا مرتب ہونا ایسا ہے جیسا کہ پاؤ بھر غذا والے کو پچاس من کھلا دیا جائے تو وہ مر جائے گا پس محدود کو جزائے غیر محدود کی طاقت کہاں۔ اس جہالت کی بات کا جواب ظاہر ہے کہ پاؤ بھر کی غذا والا پچاس من کھلانے سے اس وقت مرے گا جب اسکو ایک وقت میں ایک دم سے کھلا دیا جائے اور اگر جزائے غیر محدود کے ساتھ عمر بھی غیر محدود ہو اور عمر غیر محدود میں غذا کھلائی جائے تو بتلایئے اس میں کیا اشکال ہے اس جاہل نے جزا کو تو غیر محدود رکھا اور عمر کو محدود لے لیا اور خواہ مخواہ اعتراض کر دیا یہ نہ دیکھا کہ مسلمان عمر دار الجزاء کو بھی غیر محدود کہتے ہیں۔

تقویٰ دواماً مطلوب ہے

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کے عامل میں گفتگو ہوئی ہے کہ کیا ہے مفسرین نے ایک صوموا مقدر نکال کر اس کا معمول بنایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ تتقون کے متعلق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ تقویٰ تو دواماً مطلوب ہے و ایاماً کا عامل کیسے ہو سکتا ہے لیکن اس تقریر سے ان کا تتقون سے معمول ہونا سمجھ میں آ گیا ہو گا مطلب یہ ہو گا کہ چند روز متقی بن جاؤ یہ تم کو دائمی متقی بنا دے گا۔ باقی بات کہ یہ تفسیر کسی نے کی نہیں سو یہ کوئی بات نہیں۔ قواعد شرعیہ وعربیہ کی موافقت کے بعد نقل خاص کی ضرورت نہیں۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ترجمہ: پھر جو کوئی تم سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے

یعنی مسافر اور مریض کے لئے ارشاد ہے کہ روزہ افطار کر لینا جائز ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ یہ شیخ فانی کا حکم ہے یعنی اس کے لئے روزہ کا فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا دو وقت کا شکم سیر کر کے اور اگر کوئی زیادہ دے دے اپنی خوشی سے تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ گو بعض یہ سمجھتے ہیں کہ ان تصوموا خیر لکم و علی الذین یطیقونہ سے متعلق ہے مگر اس کی کوئی دلیل نہیں۔ ظاہراً تو تینوں ہی کے متعلق ہے یعنی مسافر مریض اور شیخ فانی ان تینوں کے لئے روزہ رکھ لینا بہتر ہے مگر دوسرے دلائل کی وجہ سے اس حکم میں قید یہ ہے کہ تحمل ہو۔ یعنی اگر تحمل ہو تو روزہ رکھ لینا اچھا ہے تو ان تصوموا خیر لکم سے مسافر کے لئے بھی روزہ رکھنا افضل ہوا اور اگر قرآن کو اس بارہ میں نص نہ کہا جائے کیونکہ بعض کے نزدیک اس کا تعلق شیخ فانی کے ساتھ محتمل ہے اور اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال مگر حدیثیں تو صریح ہیں۔ چنانچہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

صحابہؓ نے حضور ﷺ کے ہمراہ سفر میں روزہ رکھا اور حضور ﷺ نے انکار نہیں فرمایا اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا جیسا جائز ہے ویسا ہی افضل بھی ہے بہر حال سفر میں روزہ رکھنا ہی افضل ہوا (شرائط الطاعۃ)

اس زمانے میں ایک قرآن شریف کا ترجمہ طبع ہوا ہے اس میں:

وعلى الذين يطيونه فدية. جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے نہ ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے۔

کی تفسیر میں لکھ دیا ہے کہ جو شخص روزہ نہ رکھے وہ فدیہ دے دے اس سے لوگوں کی جرات بڑھ گئی اور بجائے روزہ کے فدیہ کو کافی سمجھ لیا۔

یاد رکھو کہ یہ تفسیر اس آیات کی بالکل غلط ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ ترجمہ کرنے والا ہی علوم سے بالکل جاہل ہے اس لئے کہ مولوی تو مولا والا ہے اور نفس علم کی وجہ سے اگر کوئی مولوی ہو جائے تو شیطان بڑا علم ہے بلکہ معلم الملکوت و فرشتوں کا استاد مشہور ہے۔ خدا جانے یہ کہاں کی روایت ہے کسی بزرگ کے کلام میں ہو تو اس کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ علوم میں فرشتوں سے زیادہ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ فرشتوں کو میاں جی کی طرح پڑھایا کرتے تھے اور شیطان کا علم میں زیادہ ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مولویوں کو بہکاتا ہے مولوی کو وہی شخص بہکا سکتا ہے جو اس سے زیادہ علم رکھتا ہو دیکھئے اگر وکلاء کو کوئی دھوکا دے تو وہ وکالت ذاتی میں اس سے زیادہ ہوگا۔ جب مولویوں کو بھی دھوکا دیتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ مولویوں سے زیادہ علم رکھتا ہے مگر صاحبو! علم تو اور ہی شے ہے علم وہ ہے جس کی نسبت فرماتے ہیں

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت ۔۔۔ زنگ گمراہی زدل بزدایدت

تو ندانی جز یجوز لا یجوز ۔۔۔ خود ندانی تو کہ حوری یا عجوز

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ: ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور واضح الدلالت ہے منجملہ اُن کتب کے جو کہ ہدایت ہیں اور فیصلہ کرنے والی ہیں سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اُس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہیے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں اور تاکہ تم لوگ شمار کی تکمیل کر لیا کرو اور تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کیا کرو۔ اس پر کہ تم کو طریقہ بتلا دیا اور تاکہ تم لوگ شکر ادا کیا کرو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

احکام عشرہ آخیرہ رمضان

یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے اس آیت میں خدا تعالیٰ نے رمضان کی ایک فضیلت کا بیان فرمایا ہے اس آیت سے بظاہر عشرہ اخیرہ کے مضمون کو کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا لیکن غور کیا جائے تو عشرہ اخیرہ سے اس آیت کا تعلق معلوم ہو جاوے گا خدا تعالیٰ نے اس آیت میں رمضان کی جو فضیلت بیان کی ہے اسی فضیلت میں غور کرنے سے معلوم ہو جاوے گا کہ وہ فضیلت عشرہ اخیرہ کے لئے بدرجہ اولیٰ واتم ثابت ہے فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان ایسا مہینہ ہے جس میں ہم نے قرآن نازل کیا ایسا اور ایسا ہے سو اس آیت سے اس قدر معلوم ہوا کہ قرآن کا نزول ماہ رمضان میں ہوا لیکن ظاہر ہے کہ رمضان تیس دن کے زمانہ کا نام ہے اور اس آیت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس طویل زمانہ کے کس جزو میں نزول ہوا ہے لیکن اگر ہم اس کے ساتھ دوسری آیت کو بھی ملا لیں تو دونوں کے مجموعہ سے تعیین وقت بھی ہم کو معلوم ہو جاوے گی سو دوسری آیت فرماتے ہیں إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ پس ان دونوں آیتوں کے دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآن مجید کا نزول ماہ رمضان کی شب قدر میں ہوا۔ رہا یہ شبہ کہ ممکن ہے کہ شب قدر رمضان میں نہ ہو تو اس صورت میں دوسری آیت کا ضم مفید نہ ہوگا سو اس کا جواب یہ کہ اول تو شب قدر کا رمضان میں ہونا حدیث میں موجود ہے اس سے قطع نظر اگر ہم ذرا فہم سے کام لیں ان دونوں آیتوں سے ہی معلوم ہو جاوے گا کہ شب قدر رمضان ہی میں ہے اس لئے کلام مجید کا نزول دو طرح ہوا ہے ایک نزول تدریجی جو کہ ۲۳ برس میں حسب ضرورت نازل ہوتا رہا اور جس کا ثبوت علاوہ کتب سیر کے خود کلام مجید سے ہوتا ہے۔ لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا کہ یہ آیت مشرکین و نصاریٰ کے اس اعتراض پر نازل ہوئی تھی کہ اگر محمد ﷺ نبی ہیں تو ان کو کوئی کتاب دفعۃً پوری کی پوری آسمان سے کیوں نہیں دی گئی جس طرح موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو دی گئی تھی خدا تعالیٰ کفار کے اعتراض کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کذالک لنثبت به فوادک جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے کلام مجید کو بتدریج ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس لئے نازل کیا اس تدریج کے ذریعے سے آپ کے دل کو تثبت اور اس کو محفوظ کرنے اور سمجھ لینا آسان ہو جائے واقعی اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس قدر تثبت فواد اور ضبط وفہم بتدریج نازل کرنے میں ہو سکتا ہے نزول دفعی میں نہیں ہو سکتا (احکام العشر الاخیرہ)

قرآن شریف لوگوں کے لئے بہت بڑی ہدایت ہے

اس آیت میں (ھدی للناس) میں تنوین تعظیم کی ہے یعنی بڑی ہدایت ہے لوگوں کے لئے اور دلائل واضح ہیں یہ عطف تفسیری ہے من الھدیٰ میں من تبعیضیہ اور الف لام جنس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن بڑی ہدایت ہے لوگوں کے لئے اور دلائل واضح ہیں ان شرائع سماویہ میں سے جن کی شان ہدایت ہے یعنی شرائع سماویہ تو متعدد ہیں ان سے ایک قرآن بھی ہے اب من کا تبعیضیہ ہونا واضح ہو گیا اور یہ تخصیص بعد تعمیم ہے یوں تو تمام کتب سماویہ اور تمام شرائع کی شان ہدایت ہے مگر اس تخصیص سے قرآن کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے اور فرقان لوازم ہدیٰ سے ہے کیونکہ وضوح حقیقت کے بعد امتیاز بین الحق والباطل لازم ہے۔

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ موقع تو ہے رمضان کی فضیلت بیان کرنے کا چنانچہ اوپر سے صوم ہی کا ذکر چلا آ رہا ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور بیان کی گئی قرآن کی فضیلت اس کی کیا وجہ ہے جواب یہ ہے کہ فضیلت بیان کرنے کی دو صورتیں ہوا کرتی ہیں ایک تو یہ کہ خود اس چیز کی فضیلت بیان کریں اور ایک یہ فضیلت تو بیان کریں دوسرے شئے کی اور اس کی فضیلت اس سے لازم آ جاوے اور یہ احسن طریق ہے کیونکہ اس میں دعوے کے ساتھ دلیل بھی ہے اسی کو کہتے ہیں۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

مثلاً ہم کو حضرت حاجی صاحبؒ کی فضیلت بیان کرنا ہو تو اس کا ایک طریق تو یہ ہے کہ خود ان کی فضیلت بیان کریں اور دوسرا طریق یہ ہے کہ یوں کہیں کہ حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ حضرت مولانا گنگوہیؒ جیسے شخص ہیں اور یہ احسن طریقہ ہے پس اسی طریق رمضان کی فضیلت اس طرح لازم آ گئی کہ ماہ رمضان وہ ہے جس میں ایسا ایسا کلام نازل ہوا ہے جس ماہ کو اتنی بڑی چیز سے ملابست ہوگی تو وہ ماہ کتنی فضیلت رکھتا ہوگا ظاہر ہے کہ بڑی فضیلت والا ماہ ہوگا۔

اہتمام تلاوۃ

اب ماہ رمضان میں نزول قرآن سے برکت ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ برکت اس کو قرآن کے نازل ہونے سے حاصل ہوئی ایک یہ کہ برکت اس ماہ میں پہلے سے تھی اور قرآن کے نازل ہونے سے یہ ماہ نور علی نور ہو گیا ہو۔ اسی کے مناسب نعت کا یہ شعر ہے

نبی خود نور اور قرآن ملا نور نہ ہو پھر ملکے کیوں نور علی نور

اسی طرح عیاں ہوگا کہ رمضان خود نور پھر قرآن دوسرا نور ملکر نور علی نور یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (البقرہ آیت)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظر ہے اور تمہارے ساتھ (احکام وقوانین مقرر کرنے میں) دشواری منظور نہیں اور تا کہ تم لوگ ایام ادا یا قضا کی تکمیل شمار کر لو اور تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بزرگی (ثنا) بیان کیا کرو اس پر کہ (تم کو ایک ایسا طریقہ بتلا دیا جس سے تم برکات اور ثمرات صیام سے محروم نہ رہو گے) اور تا کہ تم شکر کرو۔

مجاھدہ میں آسانیاں اور سہولتیں

بعض مجاہد ایسے ہیں کہ گوشت، گھی میوہ جات نہیں کھاتے اور جب یہ نعمتیں ان کو میسر نہ ہوں گی تو شکر بھی حق تعالیٰ کا ان پر نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کا جواب اور مجاہدات ارشاد شدہ کی شان اس آیت میں بیان فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ سہولت کا ارادہ فرماتے ہیں اور تم پر تختی کا ارادہ نہیں کرتے۔ یہ ابطال اس کوتاہی کا کہ ان کے مجاہدات میں دشواری ہی دشواری ہے۔ یہاں تو یہ بات نہیں ہے۔ چنانچہ جن مجاہدات کی تعلیم کی گئی ہے وہ سب نہایت لطیف اور ہماری طبیعت اور مذاق کے موافق اور نفع میں سب مجاہدوں سے بڑھ کر ہیں آگے ارشاد ہے وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ اور تا کہ تم شمار کو پورا کر لو یہ اس کوتاہی کا ابطال ہے کہ ان کے مجاہدہ کا کہیں خاتمہ ہی نہیں اور نہ اس میں اکمال ہے۔ یہاں اختتام بھی ہے اور اکمال بھی۔ ایک کوتاہی یہ تھی کہ مجاہدہ کر کے ناز ہوتا تھا اور یہ اس طریق میں سخت مضر ہے اس کو دفع فرماتے ہیں وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ یعنی تا کہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تم کو راہ بتائی ولعلکم تشکرون یعنی اور تا کہ تم شکر کرو۔ یہ اس کوتاہی کی تکمیل ہے کہ ان کے مجاہدہ کے اختیار کرنے

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں نعم اور لذات سے محرومی تھی تو نعمتوں کا شکر بھی ادا نہ ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے ایسی آسانی فرمائی کہ خوب سب کچھ کھاؤ پیو اور شکر و۔ بعض مفسرین نے لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ سے تکبیرات عیدین مراد لی ہیں یعنی روزوں کے شمار کو پورا کرنے کے بعد اللہ اکبر اللہ اکبر عید کی نماز میں کہو۔ میں نے اس کو اختیار نہیں کیا اس لئے کہ میرا ذوق اس سے آبی ہے اس لئے میں نے اپنی تفسیر میں بھی اس کو اختیار نہیں کیا لیکن اس سے بھی میرے دعوے کی تائید ہوتی ہے یہ تو اجمالاً اس آیت کا حاصل ہے اب میں تفصیلاً اس کی شرح کرتا ہوں فرماتے ہیں کہ اللہ تمہاری آسانی چاہتے ہیں منجملہ آسانیوں کے ایک آسانی تو یہ ہے کہ مجاہدہ کو ختم فرمادیا اور خود عین مجاہدہ کے وقت بہت آسانیاں ہیں چنانچہ اعتکاف میں یہ سہولت فرمائی کہ مسجد میں اس کو شروع فرمایا تا کہ خلوت درانجمن کا مضمون ہو جائے۔ اعتکاف سے آدمی اس کا خوگر ہو جاتا ہے سب سے الگ ایک گوشہ میں بیٹھے ہیں اور سب کے ساتھ شریک بھی ہیں۔

از بروں شو آشنادہ ازروں بیگارش — ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

عُجب کی مذمت

آگے ارشاد ہے وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ یہ ابطال ہے اس کمی کا جو اہل مجاہدہ کو بعض اوقات مجاہدہ سے پیش آجاتی ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شدت مجاہدہ سے بعض اہل مجاہدہ کو عجب پیدا ہو جاتا ہے اور مجاہد یہ سمجھتا ہے کہ میں جو کچھ کرتا ہوں یہ بڑی شئے ہے اور یہ بہت بڑا مرض ہے اپنے کو یہ شخص مستحق ثمرات سمجھتا ہے اور جب وہ ثمرات نہیں حاصل ہوتے تو دل میں حق تعالیٰ کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے اور جانتا ہے کہ جو کچھ میرے ذمہ ہے وہ میں ادا کرتا ہوں اور جو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے وہ (نعوذ باللہ) ادا نہیں فرماتے حالانکہ کام مقصود ہے ثمرات مقصود نہیں ہیں۔ یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ تم کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ہمارے حضرتؒ ایسے موقع پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے

یابم اور ایا نیابم جستجوئے میکنم — حاصل آید یا نہ آید آرزوئے میکنم

(میں اسے پاؤں یا نہ پاؤں مگر اس کی جستجو کرتا رہتا ہوں مقصود حاصل ہو یا نہ ہو آرزو کرتا رہتا ہوں)

مولاناؒ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک ذاکر تھے ہمیشہ رات کو اٹھ کر نماز پڑھتے ذکر کرتے ایک مدت گزر گئی ایک شیطان نے بہکایا جی میں آیا کہ اتنے دن ہو گئے اللہ کا نام لیتے ہوئے نہ ادھر سے سلام ہے نہ پیام ہے۔ یہ محنت ہماری اکارت ہی گئی یہ سوچ کر سو رہا خواب میں حکم ہوا۔

گفت آں اللہ تو لبیک ماست — ویں نیاز و سوز و دردت لبیک ماست

(اس نے کہا کہ اے اللہ ہماری لبیک تیرے لئے ہے اور یہ عاجزی اور سوز و درد ہمارے تیرے لئے ہیں)

کہ جب حق تعالیٰ کی بڑائی پیش نظر ہو گی تو اپنے اعمال اور خود اپنی ذات لاشئی نظر آوے گی اور بجائے عجب کے شکر کرے گا۔ چنانچہ آگے ارشاد ہے وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اور جیسے دل سے بڑائی کی تعلیم ہے اسی طرح زبان سے بھی سکھلائی گئی ہے کہ عید کے راستہ میں اللہ اکبر اللہ اکبر زبان سے کہتے جائیں اور نیز پانچوں وقت کی نماز میں بھی اسی واسطے حکم فرمایا اللہ اکبر زبان سے کہیں اور اسی کی نظر ہے نماز کی نیت کہ اصل نیت تو دل سے ہے لیکن زبان سے کہنا بھی فقہاء نے مشروع فرمایا ہے۔ الحاصل یہ بڑی رحمت ہے کہ مجاہدہ کو ختم فرمادیا۔ اور وجوبی حکم فرمایا کہ عید کے دن ضرور کھاؤ پیو۔ دیکھئے اس میں ہمارے مذاق طبعی کی کس قدر رعایت ہے جیسے جمعہ کے بارہ میں ارشاد فرمایا فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ

(c) ketabton.com: The Digital Library

فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ یعنی جب نماز ادا کر لی جاوے تو زمین میں متفرق ہو جاؤ ہم لوگ خود ایسے تھے کہ نماز کے بعد خود ہی بھاگتے لیکن حکم بھی فرما دیا۔ اس میں بھی مذاق طبعی کی کس قدر رعایت ہے اور یہی وجہ تشبیہ ہے گو یہ حکم وجوبی نہیں اور نیز ایسے دلدادہ بھی تھے جو مسجد ہی میں رہ جاتے ہیں بقول امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

خسرو غریب ست ایں گدا افتاد در کوئے شما　　باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

(خسرو غریب ایسا فقیر ہے جو تیری گلی میں پڑا ہوا ہے پس اب تجھ کو چاہیے کہ خدا کے واسطے غریبوں کی طرف نظر کرے)

ان کے لئے بھی انتشار فی الارض کو مصلحت سمجھا اور اس میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ ایک کام سے طبیعت اکتا جاتی ہے اور نیز طبائع اکثر ضعیف ہیں جب زیادہ پابندی ہوتی ہے اور اس سے حرج معاش ہوتا ہے اور حاجت ستاتی ہے تو ساری محبت رکھی رہ جاتی ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ یعنی زمین میں متفرق ہو جاؤ اور اللہ کا فضل یعنی رزق طلب کرو علاوہ اس کے اس میں ایک تمدنی وسیاسی مصلحت بھی ہے۔ جس کو میں نے ایک مرتبہ کراچی میں وعظ کے اندر بیان کیا تھا اس طرح سے کہ تمدن کے مسائل جیسے قرآن مجید سے ثابت ہوتے ہیں ایسے دوسری جگہ سے نہیں ہوتے چنانچہ اس آیت سے بھی ایک مسئلہ مستنبط ہوا کہ بلا ضرورت اجتماع نہ ہونا چاہیے اگر بضرورت ہو تو رفع ضرورت کے بعد فوراً منتشر ہو جانا چاہیے۔ یہی وہ مضمون ہے جو تمام اہل سیاست پائے ہوئے ہیں کہ ناجائز مجمع کو منتشر کر دیا جائے قرآن مجید میں اس مجمع کے ناجائز بننے سے پہلے یہ محض اس احتمال پر کہ اب ان کو کوئی کام تو رہا نہیں یہ ناجائز مجمع نہ بن جاوے سب کو منتشر کر دیا گیا۔ اس وعظ میں ایک بڑا اعالی مرتبہ انگریز بھی تھا اس نے بعد وعظ کے مسرت ظاہر کی۔ الحاصل مجاہدہ کو ختم کر کے کھانے پینے اور عیدگاہ میں جانے اور خوشی منانے کی اجازت دی اور اس میں بھی یہ نہیں کہ کوئی لہو ولعب ہو بلکہ اس دن میں ایک خاص عبادت مقرر فرمائی اور اس کا طرز علیحدہ رکھا کہ شہر سے باہر صحرا میں جائیں اور اچھے اچھے کپڑے پہنیں اور وہاں نماز پڑھیں اور اس نماز کا طریقہ بھی جداگانہ رکھا اور نمازوں سے اس میں چھ مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر زیادہ ہے۔ یہ اس لئے کہ جوش مسرت میں موحد اور خدا پرست کی زبان سے اللہ اکبر ہی نکلا کرتا ہے غرض ہماری فرحت بھی ایسی ہے کہ اس میں بھی عبادت ہے اور مشقت میں بھی راحت ہے بخلاف اور قوموں کے کہ ان کے یہاں خوشی کے دن لہو ولعب اور بعض قوموں میں فسق وفجور تک ہے اور اس دن میں ایک طریق ادائے شکر اور اظہار خوشی کے کا یہ مقرر فرمایا کہ اغنیاء پر صدقہ فطر مقرر فرمایا اس لئے کہ حق تعالیٰ نے جو نعمت ہم پر فائز فرمائی کہ روزے ہم سے ادا ہو گئے اس کا شکر یہ ہے کہ اپنے بھوکے ہونے کو یاد کر کے اپنے بھوکے مسلمان بھائی کی امداد کریں اور کم از کم دو وقت کی کفایت کے لئے اس کو کھانا دیدیں اور نیز اس میں اپنی خوشی کی تکمیل بھی ہے اس لئے کہ مجمع میں اگر ایک شخص بھی کبیدہ ہوتا ہے تو اس کا اثر سب پر ہوتا ہے تو اغنیاء پر صدقہ فطر مقرر فرما دیا تاکہ سب مسلمان بھائی آج سیر اور خوش نظر آویں اور خوشی کی تکمیل ہو جائے ورنہ اپنے بھائی کو افسردہ دیکھ کر دل پھٹ جاتا ہے غرض اس میں ادائے شکر بھی اور فرحت کی تکمیل بھی اور اس کے ساتھ معنی صدقہ کی بھی اس لئے کہ غیر صائمین اور صبیان کی طرف سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

بھی ادا کیا جاتا ہے۔ بہر حال رمضان کا تمام مہینہ تو مجاہدہ کا وقت ہے اور عید اس کا اختتام ہے اور اس اختتام یعنی عید اور مقصود یعنی مجاہدہ رمضان میں چند امور مشترک ہیں وہ یہ ہیں کہ رمضان المبارک میں بعض عبادتیں فرض ہیں بعض نفل ہیں مثلاً روزہ رکھنا فرض ہے اور تراویح واعتکاف مسنون ہیں عید کے دن میں بھی بعض عبادتیں واجب ہیں بعض مستحب ہیں۔ عید کی نماز واجب ہے صدقہ فطر واجب ہے اور غسل کرنا، عطر لگانا اور اچھے کپڑے پہننا مستحب ہے۔

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ اس جملہ میں ایک عجیب بات غور کرنے کی ہے وہ یہ کہ اس میں واؤ عطف کا ہے اور لام غایت کا ہے واؤ عطف معطوف علیہ کو چاہتا ہے اور لام غایت عامل کو چاہتا ہے پس یہاں دو تقدیریں ہیں ایک لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ کا عامل دوسرا اس عامل کا معطوف علیہ پس عامل یہ ہے یسیر بکم جو یرید الله بکم الیسر سے مفہوم ہوتا ہے اور معطوف علیہ یہ ہے کہ شرع لکم الاحکام المذکورۃ جو اوپر کی آیتوں سے مفہوم ہے مشہور توجیہ یہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے روزہ کو مشروع کیا اور اس کے احکام میں سہولت کی رعایت کی تا کہ تم ایک مہینہ کی شمار پوری کرلو کیونکہ اس شمار کے پورا کرنے میں تمہارے واسطے منافع ہیں اس سے یہ لازم آیا کہ اکمال عدت مقصود ہے کیونکہ اس پر لام غایت داخل ہوا ہے اور ہر کام میں غایت زیادہ مطمح نظر ہوتی ہے کیونکہ وہ مقصود ہے مگر اس تقدیر مشہور میں صرف اکمال عدت کی مقصودیت ثابت ہوئی۔ یسر کی مقصودیت ثابت نہ ہوئی حالانکہ ظاہراً اثبات یسر زیادہ مہتم بالشان معلوم ہوتا ہے اس لئے دوسری توجیہ یہ ہے کہ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ کو قوت میں اسی جملہ کے کیا جاوے کہ یرید بکم الیسر اور اس کا عامل شرع بکم الاحکام کو کہا جاوے پس کلام کا حاصل یہ ہوگا کہ شرع الله لکم ماذکر لیرید بکم الیسر ولیرفع عنکم العسر و لتکملوا العدۃ کہ اللہ نے روزہ کے احکام مذکورہ کو اس لئے مشروع کیا کہ وہ تم کو آسانی دینا اور تنگی رفع کرنا چاہتے ہیں اور اس لئے مشروع کیا تا کہ تم شعار کو پورا کرلو۔ اس صورت میں دو مقصود ہوئے ایک یسر کہ اول مذکور ہونے کے سبب اصلی مقصود اور دوسرا اکمال عدت کہ تاخر فی الذکر دوسرے درجہ میں مقصود ہوا کیونکہ عادت یہی ہے کہ اگر کوئی عارض نہ ہو تو اہم کو ذکر میں مقدم رکھتے ہیں پس آسانی اسی توجیہ پر غایت درجہ کی آیت کی مدلول ہوگی کیونکہ مدخول لام ہونے کے سبب وہ خود بھی مقصود ہوگی اگرچہ ثواب وقرب ورضا مقصود ہے مگر آسانی بھی فی نفسہ مقصود ہوگی اس تقدیر پر صرف عامل مقدر ہوگا باقی معطوف علیہ ظاہر ہوگا اس لئے یہی اولیٰ ہے اور ہر حال میں یسر ثابت ہے اب اس ثبات یسر پر جو نتائج مرتب ہوتے ہیں ان کو بیان کرتا ہوں اول یہ کہ بے روزوں کو شرم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تو صاف وعدہ فرماتے ہیں کہ ہم روزوں میں تم کو آسانی دینا چاہتے ہیں تنگی کو رفع کرنا چاہتے ہیں اور یہ لوگ روزہ میں دشواری ظاہر کر کے ناحقیقت شناس مخالفین کو فرمان خداوندی پر ظاہراً اعتراض کا موقع دیتے ہیں ارے ظالمو تم نے روزہ رکھ کر تو دیکھا ہوتا اس کے بعد ہی اس کو دشوار کہا ہوتا سب سے اول تو روزہ میں روحانی یسر آپ کو عطا ہوتا ہے اس سے دلچسپی ہو جاتی پھر جسمانی یسر بھی حاصل ہوتا غرض اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتے ہیں کہ ہم روزہ کو آسان کر دیں گے اور مراد کا ارادہ آلہیہ سے تخلف ہو نہیں سکتا تو یہ مراد یقیناً متحقق ہو گی چنانچہ مشاہد ہے کانپور میں ایک شخص نے چالیس سال

(c) ketabton.com: The Digital Library

تک روزہ نہیں رکھا تھا میں نے ان سے کہا کہ یہ تو بہت آسان چیز ہے تم رکھ کر تو دیکھو پھر چاہے رکھنے کے بعد درمیان میں دشواری معلوم ہوگی توڑ دینا۔ انہوں نے رکھا اور روزہ پورا ہوگیا تو بعد میں اقرار کیا کہ واقعی بہت آسان چیز ہے پھر رکھنے لگے یہ روزہ کی خاصیت ہے کہ اس میں ترک طعام وشرب آسان ہو جاتا ہے اگر کوئی بدوں نیت صوم کے دن بھر بھوکا پیاسا رہنا چاہے تو بہت دشوار ہے مگر نیت کے بعد آسان ہو جاتا ہے ان دونوں صورتوں میں وجہ فرق صرف یہی ہے کہ پہلی صورت میں صوم نہیں اور دوسری صورت میں صوم ہے۔

روزہ کو مشروع فرمانے کے مصالح

حاصل آیت کا یہ ہوا شرع اللہ لکم الصوم للیسرو اکمال العدۃ ولتکبرواللہ علی ماھدکم جس میں متعدد غایات ہیں اور ایک غایت پر دوسری غایت مرتب چلی آتی ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ کی ایک نعمت تو یہ ہے کہ روزہ کو مشروع کیا ورنہ ہم کیسے رکھتے دوسرے یہ کہ اس کو آسان کر دیا تیسرے یہ کہ احکام میں ایسی رعایت فرمائی جس سے شمار کا پورا کرنا آسان ہوگیا اس کے بعد خدا تعالیٰ کی عظمت دل میں آتی ہے تو اس پر خدا کی تکبیر کہو گے یہ چوتھی نعمت ہے اب اس کا دشوار ہونا ایسا ہے جیسا ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میاں لاالہ الا اللہ سے زیادہ کیا چیز آسان ہوگی مگر کفار کے لئے یہ سب سے زیادہ دشوار ہے تو اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جن لوگوں کو آسان ہے وہ خدا تعالیٰ کا فضل ہی ہے ورنہ ہم لوگ اپنی قوت سے کوئی کام نہیں کر سکتے جب تک اللہ تعالیٰ اس کو آسان نہ کر دیں۔ عوارف میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ کسی زمانہ میں ان کی زبان سے کوئی کلمہ ناگوار خلاف شرع نکل گیا تھا اس کے بعد وہ ولی ہوئے صاحب معرفت شیخ ہوئے مگر اس کلمہ کو کہنا یاد بھی نہ رہا اس سے خاص توبہ نہیں کی ایک دن لاالہ الا اللہ کہنے کا ارادہ کیا تو زبان سے کلمہ نہ نکلا اور سب باتیں کر سکتے تھے مگر لاالـہ الا اللـہ نہ کہہ سکتے تھے یہ حالت دیکھ کر لرز گئے جناب باری میں دعا کی یہ میرے کس گناہ کی سزا ہے مجھے بتلایا جائے الہام ہوا کہ فلاں زمانہ میں تم نے فلاں کلمہ کہا تھا اور اب تک اس سے استغفار نہیں کیا اس لئے آج اتنے برس کے بعد ہم نے اس کی سزا دی یہ فوراً سجدہ میں گر پڑے اور توبہ کی تو فوراً زبان کھل گئی۔ اسی واقعہ سے سمجھنا چاہیے کہ کبھی طاعت کی دشواری کا سبب دوسرے معاصی بھی ہو جاتے ہیں اس کا علاج توبہ واستغفار ہے کبھی دشوار کا سبب وحشت بھی ہوتی ہے کہ ذکر اللہ سے وحشت ہو وحشت کی وجہ سے اللہ نہ کہہ سکے آپ بہت لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ بہت وقت بیکار ضائع کرتے ہیں مگر ذکر اللہ کے لئے ان کی زبان نہیں اٹھتی اسکا سبب بھی وہی معصیت ہے کہ اس کی وجہ سے ان کے دل کو ذکر اللہ سے وحشت ہے اسی کو ایک شاعر کہتا ہے

احب مناجاۃ الحبیب باوجہ ولکن لسان المذنبین کلیل

اسی واسطے بے ضرورت گناہوں کو یاد کرنا اپنے ہاتھوں وحشت کا سامان کرنا ہے اسی کے متعلق شیخ ابن عربی نے لکھا ہے کہ گناہ معاف ہو جانے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ گناہ دل سے مٹ جائے اور جب تک وہ مٹے گا نہیں قلب پر وحشت سوار رہے گی جو اس گناہ کی سزا ہے اسکی شرح میں مشائخ طریق کا ارشاد ہے کہ گناہ کے بعد جی بھر کے توبہ کر کے پھر

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس کو جان جان کر یاد نہ کرے اس سے بندہ اور خدا کے درمیان ایک حجاب سا معلوم ہونے لگتا ہے جو محبت اور ترقی سے مانع ہے پس خوب سمجھ لو یہ تیسیر بھی بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کام کو ہمارے لئے آسان کردیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ میں ہم کو اس نعمت پر متنبہ فرمایا ہے کہ یہ احکام اس واسطے مشروع کئے گئے ہیں کہ ان کو تمہارے واسطے آسان کردیں اور گنتی پورا کرنے کی توفیق دیں پس تم اس کو دشوار نہ سمجھو اور نہ اس کی فکر کرو کہ تیس دن کیوں کر پورے ہوں گے اس کے بعد ارشاد ہے وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ یعنی اور تاکہ ان نعمتوں پر تم خدا کی بڑائی ظاہر کرو یہاں اللہ تعالیٰ نے ھداکم فرمایا ہے شرع لکم نہیں فرمایا کیونکہ ھداکم سب نعمتوں کو شامل ہے تشریعی نعمتوں کو بھی اور تکوینی نعمتوں کو بھی اور یہاں دونوں قسم کی نعمتیں مذکور ہوتی ہیں کیونکہ تیسیر و اکمال عدۃ تکوینی نعمتیں ہیں تو ان سب نعمتوں پر جس کا میزان الکل ھداکم ہے خدا کی تکبیر کہو پھر یہاں لتحمدوا اللہ نہیں بلکہ لتکبروا اللہ فرمایا کیونکہ اس سے حادثہ کی وقت معلوم ہوتی ہے اور حادثہ عظیمہ پر ہمارے اندر تکبیر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے نہ کہ حمد کا اور قرآن شریف میں ہماری محاورات و جذبات کی بہت رعایت کی گئی ہے۔

ہمارے جذبات کی رعایت

غرض اس مقام پر لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ ہمارے جذبات کی رعایت سے فرمایا گیا ہے کہ یہ نعمتیں بڑی ہیں اور بڑی نعمت کو دیکھ کر ہم کو اللہ اکبر کا تقاضا ہوتا ہے نہ الحمد للہ کا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس جذبہ کی ایسی رعایت فرمائی کہ تکبیر کو ہماری رائے پر نہیں چھوڑا بلکہ خود شروع کر کے دکھلا دیا چنانچہ عید کے روز تکبیر کہنا ضروری کردیا نماز عید کی ہر رکعت میں تین تکبیریں زیادہ کہی جاتی ہیں یہ تو واجب ہیں راستہ میں بھی عیدگاہ کو جاتے ہوئے تکبیر کہنا سنت ہے بعض آئمہ کے نزدیک جہراً اور ہمارے امام صاحب کے نزدیک سراً اور عجب نہیں کہ صلوۃ عید میں تین تکبیریں اس لئے ہوں کہ ایک بمقابلہ یسر کے ہے دوسری مقابلہ رفع عسر کے تیسری بمقابلہ اکمال عدۃ کے اس کے بعد ارشاد ہے وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اور یہ نعمتیں اس لئے تم کو عطا کیں تاکہ تم ان پر شکر کرو اور یہ عجیب نعمت کا بیان ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یسر و عدم عسر و اکمال عدۃ و تکبیر ان سب پر شکر کرو اور شکر دوسری عبادت کے اعتبار سے تو ان عبادات کے متعلق ہے مگر فی نفسہ یہ خود بھی مستقل عبادت ہے اس لئے یہ خود بھی مطلوب اور مقصود ہے۔ اس اعتبار سے یہ بھی ایک غایت ہے جس کے لئے یسر و اکمال عدۃ و غیرہ ہم کو عطا کیا گیا۔

ربط آیات

پھر چونکہ منعم کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے نعمتوں کا استحضار ہو کر منعم کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے اور محبت کے بعد محبوب سے قرب کا تقاضا ہوتا ہے تو اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے قرب کو بیان فرماتے ہیں وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اس تقریر سے تمام آیات و اجزاء آیات کا ربط بخوبی ظاہر ہوگیا اور جس طرح ان آیات کی تفسیر آج ذہن میں آئی ہے اس سے پہلے کبھی نہیں آئی آیت (واذا سالک عبادی) کا ربط پہلی آیت سے مشہور یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو صوم اور تکبیر و شکر

(c) ketabton.com: The Digital Library

وغیرہ کا امر کیا ہے تو ممکن ہے کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ نہ معلوم خدا تعالیٰ کو ہمارے ان افعال کی خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں خصوصاً شکر قلب کی کیونکہ افعال قلبیہ مستور ہوتے ہیں جن کی اطلاع دنیا میں تو کسی کو نہیں ہوتی اور چونکہ طبیعت انسانیہ قیاس الغائب علی الشاہد کی عادی ہے اس لئے بعض لوگوں نے سوال بھی کیا اقریب ربنا فنا جیہ ام بعید فنادیہ کیا ہمارا پروردگار ہم سے قریب ہے کہ ہم اس سے خفیہ طور پر مناجات کرلیا کریں یا بعید ہے کہ پکارا کریں اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی یہ ربط بھی عمدہ ہے مگر ربط اول احسن ہے اور ربط مشہور پر اس آیت کا پہلی آیت سے متصل آنا امام ابوحنیفہؒ کے اس قول کی تائید کرتا ہے کہ تکبیر عید الفطر راستہ میں سرا ہونی چاہیے جہر کی ضرورت نہیں رہی تکبیر صلوۃ تو وہ چونکہ قراءت کے متصل ہے اور قراءت جہری ہے اس لئے اتصال جہری کی وجہ سے اس میں بھی جہر ہو گیا دوسرے اس میں جہر کی یہ بھی وجہ ہے کہ مقتدیوں کو اعلام کی ضرورت ہے کہ اس وقت تکبیر کہہ رہا ہے تو وہ بھی اس کی اقتدا کریں اور تکبیر طریق میں ہر شخص مستقل ہے وہاں اعلام کی ضرورت نہیں اور تکبیر تشریق کا جہر خلاف قیاس نص سے ثابت ہے۔ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم الحج العج والثج و فی تکبیر التشریق تشبیہ تلبیۃ الحاج فافہم اور اذا سالک عبادی عن فانی قریب کی بلاغت عجیب قابل دید ہے کہ فقل انی قریب یا فانہ قریب ہیں فرمایا بلکہ بلاواسطہ فانی قریب فرمایا ہے یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی سے سوال کرے کہ فلاں شخص کہاں ہے اور وہ بول پڑے کہ میں تو موجود ہوں اور یہ جب یہ ہوگا جبکہ مجیب کو سائل کے ساتھ خاص تعلق ہو اور اگر خاص تعلق نہ ہو تو وہ قریب ہوتے ہوئے بھی خود نہ بولے گا بلکہ جن سے سوال کیا گیا ہے ان سے کہے گا کہ اس سے کہہ دو وہ یہاں موجود ہے اور تعلق کی صورت میں ایسا نہ کرے گا خود بول پڑے گا کہ میں تو موجود ہوں اسی طرح یہاں حق تعالیٰ نے خود بلاواسطہ جواب دیا کہ میں تو قریب ہوں حضور ﷺ سے نہیں فرمایا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں اس میں جس خاص تعلق کو ظاہر کیا گیا ہے اور وہ تعلق ایسی نعمت ہے کہ اس پر ہزار جانیں قربان کردی جائیں تو تھوڑا ہے پھر اس جواب کا حضور کی زبان سے ادا ہونا بتلاتا ہے کہ رسول ﷺ کا بولنا خدا ہی کا بولنا ہے۔

گرچہ قرآں از لب پیغمبر است ہر کہ گوید حق نگفت او کافر است

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

حضور ﷺ میں ایک شان تو مبلغ ہونے کی ہے اور دوسری شان لسان حق ہونے کی ہے کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے لئے بمنزلہ لسان یعنی ترجمان کے ہیں اس عنوان سے گھبرائیں نہیں کیونکہ جب شجرہ طور لسان حق ہو گیا اور اس سے ندا آئی اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ تو حضور ﷺ کا لسان حق ہونا تعجب خیز کیوں ہے پھر حدیث میں اہل قرب کے لئے آیا ہے کنت بصرہ الذی یبصر بہ و سمعۃ الذی یسمع بہ و رجلہ التی یمشی بہا اور ظاہر ہے کہ حضور ﷺ سے زیادہ مقرب کون ہوگا تو آپ کی یہ شان سب سے زیادہ ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے خلاصہ ان اجزاء مرتبہ کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو دیکھ کر خود بخود آپ کے دل پر شکر کا تقاضا ہوگا کہ آپ کی ہی مصلحت و نفع کے لئے صوم کو مشروع فرمایا پھر اس میں تشریعاً و تکویناً یسر و عدم عسر کی رعایت فرمائی تاکہ روزہ کی تکمیل ہو جائے اور تکمیل کے بعد اس نعمت پر تکبیر کہو اور شکر کرو پھر شکر سے محبت پیدا ہوگی اور محبت سے قرب حق کا تقاضا ہوگا تو اس آیت میں تسلی فرمادی کہ میں تم سے قریب ہوں

(c) ketabton.com: The Digital Library

مجھے تمہارے سب اعمال واقوال کی خبر ہے اور اسی پر بس نہیں بلکہ اُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ میں ہر دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کر لیتا ہوں یہاں دعا سے مراد عبادت ہے وہ دعائے ظاہری مراد نہیں جیسا آیۃ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ میں بقرینہ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي یہی مراد عبادت ہے اور عبادت کو دعا سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ بتلا دیا گیا کہ تمہاری عبادت کی حقیقت محض دعا والتجا ہے جیسے کوئی شخص ڈوبتا ہو تو وہ دوسروں کو پکارتا ہے پس آپ کی عبادت کا صرف یہ درجہ ہے اس کے بعد جو کچھ ہے حق تعالیٰ کی عطاء وفضل ہے اگر ہم اپنی عبادت پر ناز کرنے لگیں تو اس کی ایسی مثال ہوگی ڈوبنے والے کی پکار سن کر کسی نے اس کو بچالیا ہو اور وہ ڈوبنے والا اس کے بعد فخر کرنے لگے کہ میں شناور ہوں ارے تجھے خبر بھی ہے کہ دوسرے نے تجھ کو بچالیا ورنہ محض پکارنے سے تو کہاں بچ سکتا تھا اور حقیقت میں ہمارا تو پکارنا بھی ان ہی کی عطا ہے اگر وہ طلب دل میں پیدا نہ کریں تو ہم سے پکارنا بھی نہ ہو سکتا مولانا فرماتے ہیں

ہم دعا از تو اجابت ہم زتو ایمنی از تو مہابت ہم زتو

اس کے بعد فرماتے ہیں فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي کہ جب ہم تمہارا کام کر دیتے ہیں اب تم بھی ہمارا کہنا مانو کہ میری باتوں کی تصدیق کرو اور عملاً اس کی تعمیل کرو لعلکم یرشدون کہ تم کو رشد وفلاح حاصل ہو اور ہدایت میں ترقی ہو (یہ ترجمہ لفظی نہیں حاصل مطلب ہوا) اس میں بتلا دیا کہ ہم جو تم سے یہ کہتے ہیں کہ ہمارا کہنا مانو تو اس میں ہمارا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس کا نفع بھی تمہارے ہی لئے ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ میرا کہنا مانو ایسا ہے جیسا ہم بچے سے کہا کرتے ہیں کہ میاں ہماری ایک بات مان لو اور وہ یہ ہے کہ کھانا کھالو اس عنوان سے اس پر گرانی نہ ہوگی اور وہ اپنا کام تمہاری خاطر سے کرے گا اسی طرح یہاں اللہ تعالیٰ نے جو کام بتایا ہے وہ ہمارا ہے ہمارے ہی فائدہ کا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کیا ٹھکانہ ہے کہ اس کو اپنا کام قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمارا کہنا مان لو یہ تو مختصر طور سے آیت کی تفسیر تھی اور اصل مقصد اکمال کا بیان کرنا تھا اب میں اصل مقصود کو مختصر طور پر بیان کرتا ہوں پس سنئے کہ اللہ تعالیٰ نے اکمال عدت کی مقصودیت کو بیان فرمایا ہے کہ ہم نے احکام صوم میں آسانی کی رعایت اس لئے کی ہے تاکہ اس مدت کو جو روزہ کے لئے مقرر کی گئی ہے پورا کر لو ہر چند کہ اس عنوان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکمال عدت خود مقصود ہے مگر در حقیقت خود اسی مقصود سے بھی مقصود دوسری چیز ہے جس کے لئے اکمال عدت ذریعہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کی تعلیم کا طریقہ یہ ہے کہ ذرائع کو بھی مقصود بنا کر سکھاتے ہیں تاکہ مخاطب ذریعہ کا پورا اہتمام کرے تو نتیجہ اس پر خود مرتب ہو جائے گا اور یہی اصول صوفیہ نے قرآن سے سیکھا ہے چنانچہ وہ طالبین کو یہی تعلیم کرتے ہیں کہ مقصود عمل ہے وصول مطلوب نہیں کیونکہ عمل اختیاری ہے اور وصول غیر اختیاری ہے تم عمل کے مکلف ہو اسی کو مقصود سمجھ کر بجالاتے رہو اس پر وصول خود مرتب ہو جائے گا اب سمجھئے کہ وہ مقصود کیا ہے جس کے لئے اکمال عدت کا حکم ہے اکمال عدت اصل میں ذریعہ ہے تقوی کا جس کو اللہ تعالیٰ نے صوم کے ذکر میں ابتداہی بیان فرمایا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ اور تقوی کی حقیقت ہے دنیا میں گناہوں سے بچنا اور آخرت میں عذاب سے نجات پانا یہ نفع ہے اکمال کا اس کے بعد یہ بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

سمجھئے کہ اکمال عدت کے دو درجے ہیں ایک اکمال ظاہری کہ رمضان کا پورا مہینہ روزہ میں تمام ہو جائے ایک اکمال معنوی کہ اس پر یہ غایت مرتب ہو جو اکمال سے مطلوب ہے پس روزہ کا حقیقی پورا کرنا یہ ہے کہ ہم ہر دن یہ دیکھتے رہیں۔ کہ گناہوں سے کس قدر بچے اور آئندہ کے لئے کس قدر اہتمام کیا۔ اگر یہ غایت مرتب نہ ہوئی تو اکمال عدت محض ظاہری ہو گی حقیقی اکمال حاصل نہ ہوگا اسی لئے حدیث میں ہے **من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة ان یدع شرابه و طعامه** جو شخص روزہ میں بے ہودہ باتیں اور بے ہودہ کام نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کچھ پروا نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اکمال عدت کا یہ درجہ مطلوب ہے جس پر تقوی مرتب ہو پس ہم کو اپنی حالت کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ ہم رمضان میں گناہوں سے کس قدر بچے اور کتنا اس کا اہتمام کیا افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ہم لوگوں کو روزہ میں گناہوں سے بچنے کا ذرا بھی اہتمام نہیں ہماری حالت وہی ہے جو پہلے تھی بلکہ بعضوں کے تو رمضان میں گناہ پہلے سے بھی بڑھ گئے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا مذاق یہ ہو۔

ہر گناہ ہے کہ کنی در شب ادینہ کن تا کہ از صدر نشینان جہنم باشی

یہ وہ بیباک لوگ ہیں جن کو متبرک زمانہ میں بھی تنبہ نہیں ہوتا کہ اس زمانہ میں گناہ کرنے کا وبال اور دنوں سے زیادہ ہے قاعدہ سے تو یہ چاہیے تھا کہ جن لوگوں نے ان متبرک دنوں کو یوں برباد کیا ہے ان کے لئے ان ایام کی مکافات کا کوئی طریقہ نہ ہوتا مگر خدا تعالیٰ کی رحمت بے انتہا ہے وہ اب بھی رحمت کرنے کو موجود ہیں اگر ان بقیہ دنوں کی درستی کر لی جائے اور اب تک کے گناہوں سے توبہ کر لی جائے۔ صاحبو! ہمیں اس رحمت کی قدر کرنا چاہیے ورنہ پھر یہ وقت شاید نہ ملے اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو ایک اور اندیشہ ہے کہ یہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا نہ لگ جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو بددعا دی ہے جس نے رمضان میں بھی اپنے گناہوں کی مغفرت نہ کرائی ہو۔

جملہ احکام شریعت آسان ہیں

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں)

شبہ یہ ہے کہ بہت سی دشواریاں بھی پیش آتی ہیں اگر یہ عسر بارادہ (دشواری) حق ہے تو نص مذکورہ کے خلاف ہے کہ مثلاً وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (یعنی آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کروں گا مگر خدا کے چاہنے کو ملا دیا کیجئے)

چند تکبیریں بڑھا دیں کہ امتیاز علامت ہے اہتمام شان کی اور اسی لفظ سے قرآن میں بھی ارشاد ہے وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ میں تکمیل رمضان مراد ہو اور لتکبروا سے عید اور ایک حکمت دیکھئے مسلمان میں دو چیزیں ہیں ایک دین اور ایک طبیعت اور جس طرح اس کی طبیعت میں بعض امور کا جوش اور تقاضا پیدا ہوتا ہے اسی طرح اس کے دین کو بھی جوش ہوتا ہے اور ان دونوں کی معدل عقل ہوتی ہے۔

پس خدا تعالیٰ نے جوش دین کا تو یہ انتظام فرمایا کہ نماز مقرر فرمائی اور جوش طبیعت کا یہ انتظام فرمایا کہ اس دن اچھے سے اچھا کپڑا پہننے کی اجازت دی۔ سبحان اللہ شریعت کا کیا پاکیزہ انتظام ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

مجاہدات میں انسانی مزاج کی رعایت

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ۔یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ سہولت کا ارادہ فرماتے ہیں اور تم پر سختی کا ارادہ نہیں کرتے۔

یہ ابطال ہے اس کوتاہی کا کہ ان کے مجاہدات میں دشواری ہی دشواری ہے یہاں تو یہ بات نہیں. ہے چنانچہ جن مجاہدات کی تعلیم کی گئی ہے وہ سب نہایت لطیف اور ہماری طبیعت اور مذاق کے موافق اور نفع میں سب مجاہدوں سے بڑھ کر ہیں آگے ارشاد ہے وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّةَ (اور تا کہ تم شمار کو پورا کرلو) اس کوتاہی کا ابطال ہے کہ ان کے مجاہدہ کا کہیں خاتمہ ہی نہیں اور نہ اس میں اکمال ہے۔ یہاں اختتام بھی ہے اور اکمال بھی۔ایک کوتاہی یہ تھی کہ مجاہدہ کر کے ناز ہوتا تھا اور یہ اس طریق میں سخت مضر ہے اس کو دفع جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یرید سے مراد ارادہ تشریعیہ ہے یعنی حق تعالیٰ نہیں چاہتے کہ مشکل احکام مشروع کریں بلکہ آسان آسان احکام مشروع کرنا چاہتے ہیں چنانچہ کہیں کوئی حکم شریعت کا مشکل بتلا تو دو کہیں نہیں بہر حال یہ مراد ہے ارادہ سے۔

جوش دین اور جوش طبیعت کا انتظام

صاحبو! غور کیجئے کہ خدا تعالیٰ ہماری خوشی کو بھی کس انداز پر دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس میں نماز کا حکم فرمایا اکثار صدقہ کا حکم فرمایا کہ یہ زکوۃ کے مشابہ ہے اور نماز کی بھی ایک خاص ہیئت مقرر فرمائی کہ اس میں فرماتے ہیں

وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ (یعنی تا کہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تم کو راہ بتائی) لعلکم تشکرون ۔یعنی تا کہ تم شکر کرو۔

یہ اس کوتاہی کی تکمیل ہے کہ ان کے مجاہدہ کے اختیار کرنے میں نعم اور لذات سے محرومی تھی تو نعمتوں کا شکر بھی ادا نہ ہوتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے ایسی آسانی فرمائی کہ خوب سب کچھ کھاؤ پیو اور شکر کرو۔

بعض مفسرین نے لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ سے تکبیرات عیدین مراد لی ہیں یعنی روزوں کے شمار کو پورا کرنے کے بعد اللہ اکبر اللہ اکبر عید کی نماز میں کہو۔میں نے اس کو اختیار نہیں کیا اس لئے کہ میرا ذوق اس سے آبی ہے اس لئے میں نے اپنی تفسیر میں بھی اس کو اختیار نہیں کیا لیکن اس سے بھی میرے دعوے کی تائید ہوتی ہے یہ تو اجمالاً اس آیت کا حاصل ہے۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ احکام وقوانین مقرر کرنے سے دشواری منظور نہیں تا کہ لوگ ایام (ایام قضا) کی تکمیل کرلیا کرو اور تا کہ تم لوگ اللہ کی بزرگی اور ثنا بیان کیا کرو اس پر تم کو ایسا طریقہ بتلا دیا (جس سے تم برکات وثمرات ماہ رمضان سے محروم نہ رہو گے) اور تا کہ تم شکر کرو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیر رحمۃ للعالمین

اب میں آیت کی تفصیل کیلئے دو حدیثیں پڑھتا ہوں جن میں ایک کو تو لِتُکْمِلُوا الْعِدَّةَ سے مناسبت ہے یعنی ختم رمضان سے اور ایک کو لِتُکَبِّرُوا اللہَ سے تفسیر اول پر یعنی عید کی نماز سے مناسبت ہے۔

پہلی حدیث تو یہ ہے کہ جس کے راوی غالباً ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین شخصوں پر بددعا کی ہے کہ ان کی ناک رگڑی جائے۔ ذلیل وخوار ہو جائیں۔ اب سمجھ لیجئے کہ حضور ﷺ کی بددعا کیسی ہوگی۔ شاید اس پر کوئی طالب علم یہ کہے کہ ہم حضور ﷺ کی بددعا سے نہیں ڈرتے کیونکہ آپ رحمۃ اللعالمین ہیں دوسرے آپ نے حق تعالیٰ سے یہ بھی عرض کیا ہے۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَیُّمَا مُؤْمِنٍ اٰذَیْتُہٗ اَوْ شَتَمْتُہٗ فَاجْعَلْھَا لَہٗ صَلٰوۃً وَّزَکٰوۃً وَّقُرْبَۃً تُقَرِّبُہٗ اِلَیْکَ۔

اے اللہ! میں بشر ہی ہوں (اس لئے عوارض بشریہ مجھے بھی لاحق ہوتے ہیں) تو جس شخص کو میں ایذا دوں یا برا بھلا کہوں یا سزا دوں یا کسی پر لعنت (بددعا) کروں تو اس کو اس کے حق میں رحمت اور گناہوں سے پاکیزہ اور قربت کا سبب بنا دیجئے کہ اس کے ذریعے سے آپ اس کو اپنا مقرب بنالیں۔ تو جب آپ نے اپنی بددعا کے متعلق خود یہ دعا کی ہے کہ وہ سبب رحمت وقرب بن جایا کرے تو پھر آپ کی بددعا سے کیا ڈر؟

اس کا جواب یہ ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ میں تو یہی امر محل سوال ہے کہ عالمین سے مراد کیا ہے اور عالمین کے لئے رحمت ہونے کا کیا مطلب ہے۔ مشہور یہ ہے کہ عالمین اپنے عموم پر ہے اور اس عموم میں کفار بھی داخل ہوں گے اور چونکہ آیت میں کوئی تحدید وتقیید نہیں ہے تو لازم آئے گا کہ کفار کے لئے دنیا وآخرت دونوں میں سبب رحمت ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کفار پر آخرت میں آپ کی رحمت کس طرح ظاہر ہوگی۔

بعض علماء نے جواب دیا ہے کہ اگر ہمارے حضور ﷺ کا وجود نہ ہوتا تو کفار کو آخرت میں اب سے زیادہ عذاب ہوتا۔ حضور ﷺ کی برکت سے اس میں کچھ کمی تجویز کی گئی ہے مگر میرے دل کو یہ جواب نہیں لگتا کیونکہ اس دعوے پر کوئی دلیل قائم نہیں کی گئی کہ حضور ﷺ نہ ہوتے تو عذاب زیادہ تجویز کیا جاتا۔ دوسرے جہنم کا عذاب قلیل بھی ایسا شدید ہے کہ ہر شخص یوں سمجھے گا کہ سب سے زیادہ عذاب میں ہوں تو اس قلت سے ان کو نفع کیا ہوا۔

میرے ذہن میں جو اس کا جواب آیا ہے وہ یہ ہے کہ عالمین سے مراد تو معنی عام ہی ہیں مگر رحمت سے مراد خاص وہ رحمت ہے جس کا تعلق ارسال سے ہے یعنی رحمت فی الدنیا۔ کیونکہ ارسال دنیا ہی کے ساتھ خاص ہے آخرت سے اس کو کوئی علاقہ نہیں اور دنیا میں جو آپ کی رحمت مومنین وکفار سب کو عام ہے وہ رحمت ہدایت وایضاح حق ہے چنانچہ قرینہ مقام اسی پر دلالت کر رہا ہے اس لئے کہ پہلے تبلیغ ہی کا ذکر ہے ان فی ھذا البلاغا اس میں کافی مضمون میں لِقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ایسے لوگوں کے لئے جو بندگی کرتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ پھر اس میں آپ کی تخصیص کیا ہے۔ ہدایت ایضاح حق میں تو تمام انبیاء آپ کے شریک ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تخصیص محض رحمت کے اعتبار سے نہیں بلکہ مجموعہ رحمۃ للعٰلمین کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اعتبار سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام عالمین سے مراد تمام مکلفین کے لئے ہادی بن کر آپ ہی مبعوث ہوئے ہیں اور عالمین سے مراد تمام مکلفین ہیں جن میں جن وانس، عرب عجم سب داخل ہیں، حاصل یہ ہوا کہ بعثت عامہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔ بخلاف اور انبیاء کے کہ ان کی دعوت خاص خاص اقوام کے لئے تھی۔ اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ دیگر انبیاء کی دعوت خاص تھی تو نوح علیہ السلام کی تکذیب سے تمام عالم کے کفار کیوں غرق کئے گئے بلکہ چاہیے تھا کہ عذاب صرف ان لوگوں پر آتا جن کی طرف خاص طور پر مبعوث ہوئے تھے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ کے ساتھ جو دعوت عامہ مخصوص ہے اس سے مراد دعوت عامہ فی الفروع ہے باقی اصول میں تو ہر نبی کا دعوت عام ہوتی ہے کیونکہ اصول تمام انبیاء کے یکساں ہیں اور نوح علیہ السلام کے زمانہ میں تمام عالم کے کفار اصول ہی میں ان کی تکذیب کرتے تھے یعنی توحید و اعتقاد رسالت ہی میں خلاف تھے اس لئے سب پر عذاب نازل ہوا۔

بہر حال اس آیت کی تفسیر اگر وہی ہے جو میں سمجھا جب تو اس میں صرف عموم دعوت کا بیان ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ آپ کی بددعا بھی رحمت ہے جو اس سے بے فکری کی جائے اور اگر دوسری مشہور تفسیر ہے تو وہ منافی عذاب کے نہیں۔

رہی حدیث تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی یہ درخواست اس بددعا کے ساتھ مخصوص ہے جو غلبہ غضب میں بلا عمد صادر ہو اور یہ بددعا تو عمداً ہے کیونکہ اس میں تو آپ تبلیغ احکام کے ساتھ رغم انفہ فرما رہے ہیں۔ اگر یہ مضمون الخ ہر بددعا کے لئے عام ہوگا۔ تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا۔ اگر آپ کی بددعا مطلقاً قبول نہیں ہوتی تو لعنتھم کے بعد کل نبی مستجاب سے تاکید کیوں کی جارہی ہے۔

بہر حال یہ شبہ تو رفع ہوگیا۔ اس لئے آپ کی بددعا سے بے فکری نہیں ہوسکتی مگر حضور علیہ نے اس حدیث میں بددعا ایسے لفظوں سے کی ہے جن سے دعا بھی نکل سکتی ہے۔ کیونکہ آپ رغم انفہ فرما رہے ہیں۔ اور رغم انفہ نماز میں بھی ہوتا ہے۔ تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اے اللہ! ان کو نمازی بنا دیجئے۔ گو محاورہ میں یہ معنی مراد نہیں ہوتے مگر لفظ سے بنا بر لغت نکل سکتے ہیں اور کبھی حضور علیہ نے بھی ایسا کیا ہے کہ ایک لفظ کو معنی عرفی سے صرف کر کے بنا بر لغت دوسرے معنی پر محمول کیا ہے تو ہم بھی کر سکتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس وقت حضور علیہ عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین کے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو روکا کہ آپ ایسے لوگوں کی نماز کیوں پڑھاتے ہیں جن کے لئے استغفار کرنے سے حق تعالیٰ نے آپ کو منع فرمایا ہے اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ان کے لئے دعا کریں یا نہ کریں اگر ستر مرتبہ بھی کریں تب بھی ان کی بخشش نہیں ہوگی۔

حضور علیہ نے فرمایا کہ اے عمر! حق تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے اور اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ستر سے زیادہ کرنے سے ان کی مغفرت ہو جائے گی تو میں اس سے زیادہ کرلوں گا۔

فلسفی مزاج مصنفین تو اگر حدیث کو سن لیتے ہیں تو موضوع ہی کہہ دیتے کیونکہ اس سے اشکال ہوتا ہے کہ کیا نعوذ باللہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضور ﷺ کو عربی محاورہ کی بھی خبر نہ تھی کہ اس قسم کی تردید سے تخییر مراد نہیں ہوتی بلکہ نسوة فی عدم النفع مراد ہوتا ہے اور ذکر سبعین سے تحدید کا قصد نہیں ہوتا بلکہ تکثیر مراد ہوتی ہے مگر حدیث صحیح ہے۔ بخاری مسلم کی روایت ہے اس کو موضوع نہیں کہا جاسکتا۔ باقی علماء نے اس اشکال کے متعدد جوابات دیئے ہیں مگر میں نے ان جوابوں کو یاد نہیں رکھا بلکہ اپنے استاد رحمۃ اللہ علیہ کا جواب مجھے بہت پسند آیا وہی یاد رکھا۔

ہمارے استاد علیہ الرحمۃ کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے غایت رحمت سے محض الفاظ سے تمسک فرمایا۔ اس جواب کا حاصل وہی ہے کہ آپ نے معنی عرفی سے عدول کر کے معنی لغوی پر کلام کو محمول فرمالیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ معنی عرفی کی آپ نے نفی فرمادی بلکہ لفظی احتمال کے طور پر فرمایا کہ فی نفسہ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا۔ ایسے ہی ہم بھی کہتے ہیں کہ گو عرفاً رغم انفہ بددعا کے لئے ہے مگر لغۃً اس سے دعا بھی نکل سکتی ہے کہ اے اللہ! ان کو نمازی بنادے تاکہ ان کے یہ عیوب سب مٹ جائیں۔ یہ ایسی تاویل ہے جیسے مثنوی کے اس شعر کی شرح میں

آتش ست ایں بانگ نای و نیست باد ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد

شراح کا اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے مصرع ثانی میں نیست باد کو بددعا محمول کیا ہے۔ جس پر یہ آتش عشق نہ ہو خدا کرے وہ ملیامیٹ ہوجائے اور بعض نے اس کو دعا پر محمول کیا ہے کہ مولانا ان کے لئے مقام فنا کی دعا کر رہے ہیں کہ خدا ان کو بھی فنا عطا فرمادے۔ ایسے ہی رغم انفہ میں دعا اور بددعا دونوں مراد ہوسکتے ہیں۔

اہمیت ذکر رسول

اب سنئے وہ تین شخص کون ہیں ایک تو وہ شخص ہے جو حضور ﷺ کا نام سنے اور ﷺ نہ کہے۔ حضور ﷺ کا بڑا حق ہے کہ جب آپکا نام مبارک لیا جائے یا سنا جائے تو صلی اللہ علیہ وسلم کہنا واجب ہے اگر نہ کہے گا تو گنا ہوگا ایسے ہی حق تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ جل جلالہ یا کوئی اور لفظ تعبیر کرنا مشعر ہے کہ تعظیم کرنا واجب ہے ورنہ گناہ ہوگا۔ لیکن اگر ایک مجلس میں چند بار نام لیا جائے تو حضور ﷺ کے نام کے ساتھ ﷺ کہنا اور حق تعالیٰ کے نام کے ساتھ جل جلالہ یا تعالیٰ ایک بار کہنا تو واجب ہے اور ہر بار کہنا مستحب ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ: اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو (آپ میری طرف سے فرمادیجئے) میں قریب ہی ہوں (اور باستثنا نامناسب درخواست کے) منظور کرلیتا ہوں (ہر) عرضی درخواست کرنے والے کی جبکہ وہ میرے حضور میں درخواست دے سوان کو چاہیئے کہ میرا کہا مانے اور میرے ساتھ ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پالیں۔

تفسیری نکات

شان نزول

حدیث میں آتا ہے کہ لوگوں نے رسول ﷺ سے عرض کیا اقریب ربنا فنناجیه ام بعید فنادیه کیا اللہ تعالیٰ ہم سے نزدیک ہیں تو آہستہ سے عرض معروض کرلیا کریں یا دور ہیں کہ زور سے پکارا کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ سلاطین دنیا تک ہر شخص کی بات نہیں پہنچتی ہے مگر ان سوال کرنے والوں کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ زور کی آواز کو سنتے ہوں آہستہ کو نہ سنتے ہوں یا تو اس لئے کہ وہ ہم سے دور ہیں اور بعد کا خیال بوجہ عظمت کے ہو (وایضا فان قوله تعالیٰ فوق العرش منصوص واثبات العولہ لازم شرعا کما ھوا عقیدۃ للسف من غیر بیان کیفیته علوہ وفوقیته یا اس لئے کہ وہ بہت سے کاموں میں مشغول ہیں اور شغل کی حالت میں آہستہ آواز مسموع نہیں ہوتی گو سامع قریب ہی ہو آگے اس سوال کا جواب ہے فانی قریب ظاہر حال کا مقتضا یہ تھا کہ یہاں فقل انی قریب ہوتا کیونکہ اوپر اذا سالک میں سوال واسطہ حضور ﷺ کے ہے تو جواب بھی حضور ﷺ کے واسطہ سے دیا جاتا کہ آپ ﷺ اس سوال کے جواب میں فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہیں دور نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے جواب بلاواسطہ دیا ہے کہ یہاں قل کو حذف کردیا گو یہ جواب پہنچے گا بواسطہ رسول ہی کے مگر حذف قل میں اس بات کو ظاہر فرمادیا کہ ہم تمہارے سوال کا جواب بلاواسطہ دیتے ہیں گو یہ سوال ہماری شان وعظمت کے خلاف ہے مگر ہم اس خطا کو عفو کرکے بلاواسطہ جواب دیتے ہیں اس طرز وعنوان میں جو کچھ عنایت وکرم مزید ہے ظاہر ہے آگے جواب کے بعد ارشاد ہے اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ اس میں ایک دوسری عنایت کا اظہار ہے کیونکہ سوال کا جواب تو اس سے ہوگیا کہ فانی قریب اس کے بعد سائل کو کسی اور بات کا انتظار نہ تھا مگر کلام علی اسلوب الحکیم کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ جس میں اس پر تنبیہ ہے کہ قرب کی دو قسمیں ہیں ایک قرب علمی یہ تو فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ سے معلوم ہو چکا دوسرے قرب تعلق خصوصیت جیسا اردو میں ہم کبھی تو یوں کہتے ہیں کہ میں پاس ہی ہوں کہو کیا کہتے ہو یعنی سن رہا ہوں اس میں تو پاس ہونے سے قرب علمی وقرب سامع

(c) ketabton.com: The Digital Library

کا بیان مقصود ہے اور کبھی ہم یوں کہتے ہیں کہ فلاں تو ہمارا قریب ہے یعنی اس کو ہم سے خاص تعلق ہے نیز کہتے ہیں کہ تم تو دور رہ کر بھی پاس ہی ہو یعنی تم سے ہمارے دل کو خاص تعلق ہے۔ پس اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ میں دوسرے قرب کو یعنی قرب تعلق کو اور اب اس قرب کی خصوصیت بیان کیا گیا کہ میں باعتبار علم کے قریب قریب ہوں کہ سب کی بات سنتا ہوں اور باعتبار شفقت ورحمت وتوجہ وعنایت کے بھی قریب ہوں کہ ہر دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔ پس اجیب کے معنی یہ ہیں کہ ہم ہر دعا کرنے والے کی درخواست کو لے لیتے ہیں اس پر توجہ کی جاتی ہے بے توجہی نہیں ہوتی۔

اسی لئے عشاق کو دعا قبول ہونے یا نہ ہونے پر کبھی التفات نہیں ہوتا کیونکہ عاشق کے لئے یہی بڑی بات ہے کہ محبوب اس کی بات سن لے عاشق کے لئے یہی بات بہت کافی ہے اس کے بعد اگر اجابت کی دوسری قسم کا بھی ظہور ہو جائے تو مزید عنایت ہے تو چاہیے کہ حق تعالیٰ سے خاص تعلق پیدا کیا جائے جس کا بہت آسان طریقہ دعا ہے بغیر اس کے خاص تعلق نہیں ہوتا بلکہ ہوائی تعلق ہوتا ہے کہ اگر سوچا جائے اور غور کیا جائے تو حق تعالیٰ سے بہت بعد نظر آتا ہے صاحبو! پھر یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارا ایک تو خدا جس سے سابقہ اور آئندہ بھی سابقہ پڑے گا اور ہم اس سے اس قدر دور ہو رہے ہیں وہ تو قریب ہی ہیں بس ہم دور ہو رہے ہیں اسی لئے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ فرمایا انتم اقرب الینا نہیں فرمایا کیونکہ یہاں قرب علمی مراد ہے اور قرب علمی میں طرفین سے قرب لازم نہیں ہے بخلاف قرب حسی کے کہ یہاں طرفین سے قرب لازم ہے پس اس وقت ہماری حالت سعدیؒ کے شعر کی مصداق ہے

دوست نزدیک تر از من بمن ست ایں عجب تر کہ من از وے دورم

اس مقام پر استطراداً میں ایک شبہ کو بھی رفع کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگوں کو پوری آیت نحن اقرب الیہ سے یہ شبہ ہو گیا ہے کہ وساوس پر بھی مواخذہ ہوتا ہے کیونکہ پوری آیۃ ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ. اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم ان باتوں کو جانتے ہیں جو اس کے دل میں بطور وسوسہ کے آتی ہیں) ان لوگوں نے نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ کو وعید پر محمول کیا ہے اور منشا شبہ کا یہ ہو کہ بہت سی آیتوں میں جیسے وما اللہ بغافل عما تعملون. وھو علیم بذات الصدور. انہ خبیر بما تعملون۔ علم وعید کے لئے وارد ہے۔ انہوں نے وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ کو بھی اسی پر قیاس کیا حالانکہ یہاں سیاق وسباق میں نظر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کو وعید سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ دراصل یہاں اوپر سے حق تعالیٰ معاد کو ثابت فرما رہے ہیں جس کے لئے کمال قدرت کمال علم کی ضرورت ہے۔ پس اولاً کمال قدرت کو ثابت فرمایا اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا الایہ میں اور اس کے بعد وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ سے کمال علم کو ثابت فرماتے ہیں جس کو انسان کے وساوس کا علم ہو جو دل میں چھپے بھی نہیں پھر اعیان خارجہ واجزاء اجسام کا علم کیونکہ نہ ہوگا اس کے بعد ونحن اقرب الیہ میں قرب علمی کو بیان فرمایا ہے کہ ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں اور یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو ہمارا اور ہماری حالت کا جس قدر علم ہے ہم کو حق تعالیٰ کا اس قدر علم نہیں بلکہ یوں کہیے کہ ہم کو بجز اسماء کے حق تعالیٰ کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کچھ بھی علم نہیں بلکہ ہم کو خود اپنی حالت کا بھی پورا علم نہیں کہ ہمارے اندر کتنی رگیں ہیں اور ان سے کیا کیا کام لئے جا رہے ہیں اور یہ اوپر معلوم ہو چکا کہ آیت میں قرب علمی مراد ہے پس یقیناً حق تعالیٰ کو ہم سے قرب علمی اس درجہ ہے کہ ہم کو بھی اپنے ساتھ نہیں۔ اس کو اس طرح تعبیر فرمایا کہ وہ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ ہمارے قریب ہیں (دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ خالق ہیں تمام اعضا اور تمام قویٰ انہی کے عطا کئے ہوئے ہیں پس یقیناً حق تعالیٰ کو ہم سے ہمارے اعضا سے زیادہ قرب ہے)

اجابت کا وعدہ

پس اجابت کا وعدہ ہے اس کے معنی درخواست لے لینا اور درخواست پر توجہ کرنا ہے یہ اجابت یقینی ہے اس میں کبھی تخلف نہیں ہوتا آگے دوسرا درجہ ہے کہ جو مانگا ہے وہی مل جائے اس کا وعدہ نہیں بلکہ وہ ان شا سے مقید ہے کہ اگر مشیت ہو گی تو ایسا ہو جائے گا ورنہ نہیں چنانچہ ارشاد ہے بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ بعض علماء نے اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ کو بھی ان شاء سے مقید کیا ہے اور اس کو بعض لوگوں نے حذاقت میں شمار کیا ہے مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہیں کیونکہ دوسری آیت میں ہے وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ یہاں سیاق آیت بتلا رہا ہے کہ دعا پر اجابت ضرور مرتب ہوتی ہے کیونکہ جواب امر کا ترتب ضروری ہے اس میں ان شاء کی قید خلاف ظاہر ہے نیز یہاں بھی انی قریب کے بعد اجیب دعوة الداع کو بیان فرمایا جس میں قرب کو محقق وموکد کیا گیا ہے اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اجابت مشیت کے ساتھ مقید نہیں ورنہ قرب کا معلق بالمشیت ہونا لازم آئے گا حالانکہ حق تعالیٰ کا قریب ہونا محقق ہے علما بھی اور تعلق خصوصیت سے بھی (لقوله سبقت رحمتي غضبي وهو المراد بالتعلق پس میرے نزدیک اجابت بالمعنی الاول نہیں ہاں اجابت بالمعنی الثانی ان شاء سے مقید ہے جب دعا اس طرح سے قبول ہے پھر دعا میں کوتاہی کیوں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آپ استجابت کے یہی معنی لیجئے میں اپنی تفسیر سے رجوع نہ کروں گا میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس آیت میں صرف اتنی ہی بات کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مان لو۔ اور وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ تفسیر ہے فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ کی پس استجابت سے مراد ایمان لانا اور احکام الٰہیہ کو مان لینا ہے اب یہ آیت نظیر ہے دوسری آیت کی یعنی یا يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ یہاں بھی اجیبوا کی تفسیر آمنوا سے وارد ہوئی اور اجابت واستجابت دونوں متحد المعنی ہیں پس آپ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہاں استجابت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے احکام کو مان لو یہاں عمل کا ذکر نہیں لیکن عدم ذکر سے یہ سمجھ لینا غلط ہے کہ یہاں اعمال کی نفی کی گئی ہے ہرگز نہیں یہاں یوں کہو کہ سکوت ہے اس کا مضائقہ نہیں کیونکہ ایک آیت میں سب باتوں کا ذکر ہونا ضروری نہیں بلکہ ایک بات کا حکم ایک آیت میں ہے دوسری باتوں کا دوسری آیتوں میں ہے پس فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ کو اجابت بالمعنی الاول پر محمول کرنا تو صحیح مگر اس سے عمل کی نفی کرنا غلط جیسا کہ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ میں ہم نے بھی اجابت بالمعنی الاول کا اثبات کیا ہے مگر اجابت بالمعنی الثانی کی نفی تو نہیں کی بلکہ اس سے آیت کو ساکت مانا ہے پھر تم تفعیل کی زیادت کیسے کرتے ہو۔ دوسرے اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ میں ہم نے بھی اجابت بالمعنی الاول کا اثبات کیا ہے مگر اجابت بالمعنی الثانی کی نفی تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں کی بلکہ اس سے آیت کو ساکت مانا ہے پھر تم نفی عمل کی زیادت کیسے کرتے ہو۔ دوسرے اُجِیۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ میں توسکوت عن عطاء المراد کی ایک وجہ ہے۔ وہ یہ کہ تمہاری درخواست بعض دفعہ نامناسب خلاف مصلحت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں یہ بات نہیں ہے تو ہم کو یہ بھی حق ہے کہ ہم فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لِىۡ وَلۡيُؤۡمِنُوۡا بِىۡ کو طلب عمل سے ساکت نہ مانیں کیونکہ جو احکام سراپا خیر اور سراپا مصلحت ہیں ان کو ماننے کے معنی یہی ہیں کہ ان کے موافق عمل کیا جائے۔ اس کے بعد ارشاد ہے لَعَلَّهُمۡ يَرۡشُدُوۡنَ بظاہر یہ سب امور مذکورہ کے متعلق ہے مطلب یہ ہوا کہ بندوں کو میرے قرب علمی اور قرب تعلق سے اطلاع دے دیجئے تا کہ وہ اس کو معلوم کر کے میرے احکام کو مانیں اور اس مجموعہ سے توقع ہے کہ ان کو ثواب ورشد حاصل ہو جائے گا۔ یہ جملہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ صواب ورشد یہی ہے کہ حق تعالیٰ سے اس طرح معاملہ کیا جائے کہ اعتقاد ان کو اپنے سے قریب سمجھے اور عموماً اللہ تعالیٰ سے مانگتے اور دعا کرنے کی عادت کی جائے اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

اجابت کا مفہوم

اُجِیۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لِىۡ وَلۡيُؤۡمِنُوۡا بِىۡ کہ میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں اس سے متبادر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دعا کرتا ہے وہ ضرور ہی مستجاب ہوتی ہے تو ایک جواب تو وہی ہے جو مذکور ہوا کہ مطلوب سے زیادہ اچھی چیز مل جانا یہ بھی مطلوب ہی کا ملنا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اجابت کے معنی منظور کردن ہیں عطا کردن نہیں ہیں عطا کرنا قبول کے بعد کا درجہ ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی کلکٹر کو درخواست دے کہ مجھے تحصیلدار کر دو اس کا جواب آ جائے کہ تمہاری درخواست منظور کر لی گئی ہے تو اگر یہ شخص دو چار مہینہ کے بعد کہیں تحصیلداری پر بھیجا جائے فوراً نہ بھیجا جائے تو کیا اس کے یہ معنی ہوئے کہ وہ درخواست مردود ہو گئی؟ نہیں وہ منظور ہو گئی۔ تو پھر اللہ کے فعل میں کیوں انتظار نہیں کرتے کیا خدا کے فعل کو اتنی بھی قدر نہیں۔ وہاں یہ چاہتے ہو کہ فوراً ہو جاوے کسی نے کہا شام کو دعوت ہے تم نے منظور کر لی تو اب اجابت کے معنی یہ ہونا چاہئیں کہ قبول کرتے ہی فوراً کھانا کھا لو شام کا انتظار نہ کرو اگر اجابت کے یہی معنی ہیں کہ فوراً ہی اس کا وقوع ہو تو تم نے اس صورت میں کھانا تو کھایا ہی نہیں پھر اس پر قبول دعوت کیسے صادق آیا۔

قبولیت دعا کا مفہوم

اس طرح سمجھو کہ اُجِیۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ کے معنی یہ ہیں کہ میں منظور تو فوراً کر لیتا ہوں پھر موقع پر دے دیتا ہوں کبھی تو اسی شکل میں جیسا کہ مانگا ہے اور کبھی شکل بدل کر اور کبھی فوراً کبھی توقف سے کبھی دنیا میں کبھی آخرت میں۔ دیکھو موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے فرعون کے حق میں بددعا کی تھی جس پر ارشاد ہوا۔ قد اجیبت دعوتکما تمہاری دعا منظور کر لی گئی پھر اسی کے متعلق فرماتے ہیں فاستقیما اس کی تفسیر میں لکھا ہے لاتستعجلا جلدی نہ کرنا انتظار کرنا جب چاہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

گے پورا کر دیں گے تو دیکھئے یہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے اور سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ چالیس برس کے بعد اس کی قبولیت کا ظہور ہوا۔ پھر آپ تو ان کے مقابلہ میں موسیٰ نہیں تو آپ کی اتنی عجلت کیوں ہے۔

اجابت دعا کی تین صورتیں

فرمایا۔ اجابت دعا کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ بعینہ وہ شے مطلوب مل جائے۔ دوسری صورت یہ کہ کوئی بلا آنے والی ٹل جائے۔ مگر انسان کو چونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہوا۔ کون سی بلا ٹل گئی۔ ایسے وقت بہت سے اوہام اور شکوک انسان کو گھیر لیتے ہیں اور عدم قبول کا شبہ ہونے لگتا ہے حالانکہ وعدہ ہے أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ حدیث شریف میں آیا ہے دعا مانگتے وقت اجابت کا یقین رکھو۔ جب شک اور شبہ کی ممانعت ہے تو پھر دعا مقبول کیونکر نہ ہوگی۔ البتہ صورت اجابت بعض اوقات یہ ہوتی ہے کہ بلا سے محفوظ ہو گیا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ شے مطلوب کا ذخیرہ رکھ دیا جاتا ہے مثلاً کوئی لڑکا نادان اشرفی روپیہ مانگے تو بعض اوقات اس کے نام سے کسی تجارت کی کوٹھی میں جمع کر دیتے ہیں اور بوجہ نادانی خود اس کو نہیں دیتے کہ جب ہوشیار ہوگا۔ لیکر حسب مصلحت خرچ کرلے گا۔ اب لیکر بجز اس کے کہ خراب کر دے اور کیا کرے گا حق تعالیٰ بھی اپنے بندے کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں کہ اس مسئول سے اچھی نعمت آخرت میں ذخیرہ فرما دیتے ہیں۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط

ترجمہ: بیبیاں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو

تفسیری نکات

لباس کا مفہوم

(اس آیت مبارکہ) میں زوجین کو لباس سے تشبیہ دے کر ایک اشارہ تو اس طرف فرمایا کہ ہم نے ادائے حقوق کی تسہیل کے لئے زوجین میں ایسا قوی تعلق پیدا کیا ہے کہ جس کی وجہ سے گویا دونوں متحد ہیں کہ ایک دوسرے کو مشتمل ہیں دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ دو قالب یک جان ہیں۔

اور دوسرا اشارہ اس تشبیہ میں اس طرف فرمایا کہ جیسے لباس میں ستر کی شان ہے اسی طرح عورت مرد کی ساتر ہے اور مرد عورت کے لئے ساتر ہے اور یہ ستر کئی طرح پر ہے ایک اس طرح کہ ہر ایک دوسرے کے عیوب کے لئے ساتر ہے کیونکہ نفس میں جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں اگر ان کے پورا ہونے کے لئے ایک محل بھی تجویز نہ کیا جائے تو پھر انسان تقاضے کو ہر جگہ پورا کرے گا اور اس طرح اس کی بے حیائی کا عیب نمایاں ہو جائے گا اسی لئے شریعت نے نکاح تجویز کیا ہے اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک محل میں ترک حیا کا یہ انجام ہوگا وہ دوسرے مواقع میں حیا وعفت محفوظ رہے گی پھر معاصی کا تقاضا شدید نہ ہوگا جوش کو سکون ہو جائے گا باقی اگر کوئی یہ چاہے کہ نکاح کے بعد معاصی کا وسوسہ بھی نہ آئے ذرا بھی تقاضا نہ ہو تو یہ نہیں ہو سکتا۔

پس تشبیہ باللباس سے ایک اشارہ اس طرف ہوا کہ شوہر بیوی کا اور بیوی شوہر کی ساتر ومحافظ ہے یعنی ایک دوسرے کی حیا وعفت کو محفوظ رکھتا اور بچاتا ہے بشرطیکہ کوئی خود بھی بچنا چاہے اور جو گوہی کھانا چاہے تو اس کے لئے کوئی تدبیر بھی نافع نہیں یہ دو وجہ تشبیہ تو علماء کے کلام میں منقول ہیں۔ایک وجہ شبہ میرے ذہن میں یہ آئی ہے کہ جیسے بدوں کپڑے کے انسان سے صبر نہیں ہو سکتا اس طرح بدوں نکاح کے مرد عورت کو صبر نہیں آ سکتا کوئی تقاضائے نفس ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ اعانت وغیرہ میں عورت اپنے خاوند کی محتاج ہے اور خدمت وراحت رسانی میں مرد عورت کا محتاج ہے۔

ایک وجہ تشبیہ میرے ذہن میں اور آئی کہ جس طرح لباس زینت ہے اسی طرح زوجین میں عورت مرد کے لئے اور مرد عورت کے لئے زینت ہے لباس کا زینت ہونا خود نص سے ثابت ہے یعنی یابنی ادم خذوا زینتکم و قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ۔ میں بالاتفاق زینت سے مراد لباس ہے چنانچہ اس سے پہلے ارشاد ہے یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا مرد کی زینت یہ ہے کہ بیوی بچوں والا آدمی لوگوں کی نظر میں معزز ہوتا ہے وہ اگر کسی سے قرض مانگے تو اس کو قرض بھی مل جاتا ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ اس کی اکیلی جان نہیں بلکہ آگے پیچھے اور بھی آدمی ہیں یہ کہاں جا سکتا ہے اور اکیلے آدمی کو ادھر قرض (آسانی سے) نہیں ملتا۔

قرآن میں جہاں تک میں نے غور کیا لباس کا لفظ عذاب وضرر کے واسطے مستعمل نہیں ہوا سوائے ایک جگہ کے فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ۝ اور اس کے ساتھ ہی بطور جملہ معترضہ کے ایک فائدہ بتلاتا ہوں کہ لفظ ذوق قرآن میں زیادہ تر عذاب ہی کے واسطے آیا ہے تو اس آیت میں عجیب صنعت ہے کہ عذاب کے لئے لفظ ذوق بھی اور لباس بھی۔تو ذوق کے لفظ سے تو عذاب کو مطعوم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے صفت احساس میں کہ اس کا ایسا احساس ہوگا جیسا منہ میں رکھی ہوئی چیز کا ہوتا ہے اور لباس کے لفظ سے عذاب کو تشبیہ دی گئی ہے ملبوس کے ساتھ اشتمال واحاطہ میں۔تو عورتوں کو لباس کہنے میں اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ عورتوں میں اضرار کی شان بھی ہے گو قلیل ہی ہے۔

عورت میں جہاں بہت سے منافع ہیں کچھ ضرر بھی ہے چنانچہ اس شان ضرر کی طرف اس طرح حدیث میں اشارہ ہے ماانخوف فتنة اضر علی امتی من النساء کہ میں اپنی امت کے لئے عورتوں سے زیادہ خطرناک فتنہ کوئی نہیں سمجھتا۔

ایک نکتہ تشبیہ باللباس کا اور سمجھ میں آیا وہ یہ کہ لباس تابع ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں مردوں کی تابع ہیں پھر لباسیت نساء کا ذکر مقدم کیا گیا تو معلوم ہوا کہ تابعیت میں عورتیں مقدم ہیں۔یہاں یہ سوال ہوگا کہ آگے تو مردوں کو بھی عورتوں کا لباس کہا گیا تو کیا وہ بھی عورتوں کے تابع ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ایک درجہ میں وہ بھی تابع ہیں مگر ان کی تابعیت موخر ہے متبوعیت مقدم ہے اور عورتوں کی تابعیت مقدم ہے متبوعیت موخر ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عورتیں تو فطرتاً اور قانوناً مردوں کی تابع ہیں اور مرد محبت کی وجہ سے تابع ہو جاتے ہیں اور یہ تابعیت محبت کی بقا تک ہے اور محبت کا بقا پردہ کی بقا تک ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: اوران بیبیوں (کے بدن سے) اپنا بدن بھی مت ملنے دو جس زمانہ میں تم کہ لوگ اعتکاف والے ہو مسجدوں میں یہ خداوندی ضابطے ہیں سوان سے نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے اور احکام بھی لوگوں کی اصلاح کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اس امید پر کہ وہ لوگ مطلع ہو کر خلاف کرنے سے پرہیز رکھیں۔

تفسیری نکات

دواعی وطی حکم وطی میں ہے

لاتباشروا جو بشرہ سے ماخوذ ہے اس لئے ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں کیونکہ دواعی وطی حکم میں ہے اسی لئے ان سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے اور دیکھئے کہ کیسی خوبصورتی سے استدلال کیا ہے کہ بالعکس کیوں نہ ہوا۔یعنی یہ ہوتا کہ مباشرت تو جائز ہوتی اور اکل و شرب ناجائز ہوتا۔بات یہ ہے کہ ہر ایک میں دو حیثیتیں ہیں حاجت ولذت۔مگر فرق اتنا ہے کہ عادۃً کل وشرب میں تو حاجت غالب ہے اور لذت مغلوب اور مباشرت میں لذت غالب ہے اور حاجت مغلوب چنانچہ کھانے پینے میں حاجت کا غالب ہونا ظاہر ہے مگر چونکہ لذت بھی ایک درجہ میں مقصود ہے اس لئے اس میں تکلفات بھی سوجھتے ہیں اور بیوی کے پاس جانا اس میں عادتاً حاجت مغلوب ہے لذت غالب ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ اکثر لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ قرآن شریف کی اس آیت اور پہلی آیت میں ربط نہیں ہے کیونکہ اوپر کی آیت میں تو احکام روزہ کے بیان ہوئے ہیں اور اس آیت میں فرماتے ہیں وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ الخ کہاں تو روزہ کا بیان اور کہاں یہ کہ حرام مال سے بچو۔اس میں جوڑ کیا ہے لیکن اگر غور کیجئے۔تو آپس میں بڑا جوڑ ہے۔روزہ میں فرماتے ہیں وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۔یعنی جب تک صبح صادق نہ ہو اس وقت تک کھاؤ پیو اور جب صبح صادق نکل آوے تو اس وقت کھانا پینا چھوڑ دو۔پھر جبکہ سورج غروب ہو جائے۔اس وقت روزہ کو ختم کر دو۔سو روزہ تو موقت ہے۔کہ اس میں جو چیزیں چھڑائی گئی ہیں وہ ایک وقت خاص تک کے لئے چھڑائی گئی ہیں۔کھانے پینے کی چیزیں خاص وقت سے خاص وقت تک حرام کی گئیں۔مگر حرام مال سے بچنے کا روزہ کبھی ختم نہیں ہوتا گویا ایک روزہ کے ساتھ دوسرے روزہ کا ذکر فرمایا۔خیال تو فرمایئے کتنا لطیف ربط ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حدود معاملات

اسی طرح معاملات کو دیکھ لیا جائے ان میں بھی حدود ہیں نکاح کی بھی ایک حد ہے کہ چار بیبیوں سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ اسی طرح ہر عورت سے نکاح جائز نہیں بلکہ بعض حلال ہیں بعض حرام ہیں بہت سی عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں بعض رضاع کی وجہ سے بعض مصاہرت کی وجہ سے بیع وشراء کے لئے بھی حدود ہیں بعض صورتیں ربوا میں داخل ہیں بعض صورتیں بیوع فاسدہ ہیں بعض صورتیں بیوع باطلہ ہیں۔

حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا احکام کو ذکر فرما کر اکثر موقعہ پر **تلک حدود الله** (یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں) فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تمام احکام شرعیہ حدود ہی ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا ہے **تلک حدود الله فلاتقربوھا** (یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں ان کے پاس بھی نہ جاؤ) طلاق کے مسائل کے بعد فرمایا **تلک حدود الله فلاتعتدوھا** ۔ (یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرو)

شریعت میں رعایت حدود کا حکم

گویا تمام شریعت میں حدود ہی حدود ہیں ان کو مہمل سمجھنا کتنی بڑی غلطی ہے مگر آجکل اس میں ابتلاء عام ہو رہا ہے لوگ عام طور پر کاموں میں حدود کی رعایت نہیں کرتے اس لئے ضرورت ہے کہ اس بحث پر قدرے گفتگو کی جائے اور احکام کی حدود سے لوگوں کو مطلع کیا جائے چنانچہ اس آیت میں بھی جس کو میں نے ابھی تلاوت کیا ہے حق تعالیٰ نے بعض احکام فرما کر **تلک حدود الله** (یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں) فرمایا ہے مجھے اس آیت میں اخیر کا حصہ مقصود ہے۔ پہلا حصہ مقصود نہیں شاید آپ کو پوری آیت سن کر تعجب ہوا ہوگا کہ طلاق کے ذکر کو اس مقام سے کیا مناسبت۔ مگر میں نے پوری آیت کو تبرکاً پڑھ دیا ہے مقصود اخیر کا حصہ ہے کیونکہ اس میں رعایت حدود کی تاکید مخصوص طور پر مذکور ہے جو دوسرے مقام پر نہیں۔

احکام طلاق کے حدود میں حکمت

حق تعالیٰ نے اس جگہ اول طلاق کے احکام بیان فرمائے ہیں اس کے بعد ارشاد ہے۔

تلک حدود الله و من یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه

یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں اور جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ ظلم اخروی تو ظاہر ہے کہ تعدی حدود سے گناہ ہوتا ہے جس کا نتیجہ آخرت میں بہت سخت ہے تو یہ شخص اپنے ہاتھوں مصیبت آخرت کو خریدتا ہے مگر تعدی حدود میں اپنے نفس پر ظلم دنیوی بھی ہے کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ان حدود کے مقرر کرنے سے یہ بھی مقصود ہے کہ لوگ راحت سے زندگی بسر کریں تو ان سے تعدی کرنے میں دنیوی پریشانی بھی ضرور لاحق ہوتی ہے لہٰذا اس میں اپنے نفس پر ظلم دنیوی بھی ہے۔ آگے فرماتے ہیں

لاتدری لعل الله یحدیث بعد ذالک امرا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تم نہیں جانتے ممکن ہے حق تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردیں۔ یہ حکمت ہے ان حدود کی جو طلاق کے متعلق اس جگہ ذکر کئے گئے ہیں اور یہی وہ مضمون ہے جو اس مقام میں خاص طور پر مذکور ہے۔ دوسرے مقام پر مذکور نہیں لاتدری (تم نہیں جانتے) میں خطاب بظاہر حضورؐ کو ہے لیکن حقیقت میں خطاب امت کو ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ترجمہ: اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ اور ان (جھوٹے مقدمہ) کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ (اس کے ذریعہ سے) لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ (یعنی ظلم) کے کھا جاؤ اور تم کو (اپنے ظلم اور جھوٹ کا) علم بھی ہو۔

تفسیری نکات

شفقت کی رعایت

غرض اس آیت میں حق تعالیٰ ہم کو نصیحت کرتے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ اور اس آیت میں خدا تعالیٰ نے لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ کہ اپنا مال مت کھاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ لاتاکلو اموال اخوالکم کہ اپنے بھائیوں کا مال مت کھاؤ۔ حالانکہ مطلب یہی ہے۔ قرآن شریف کی تعلیم بھی حکمت اور عقل پر اس قدر منطبق ہے کہ کسی کی تعلیم ہو ہی نہیں سکتی اس کی تعلیم ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسے کا کلام ہے جو بڑا حکیم ہے اور شفیقانہ کلام ہے نرا ضابطہ کا کلام نہیں۔ یہ ایسا ہی کلام ہے جیسے باپ اپنے بیٹے کو خطاب کرتا ہے کہ اس میں ہر پہلو سے شفقت کی رعایت ہوتی اور ایک نرا ضابطہ کا کلام نہیں ہوتا ہے جیسے کوئی منادی کرنے والا حاکم کی طرف سے اعلان کرتا ہے اس میں نرے ضابطہ کے الفاظ ہوتے ہیں اس میں اس کی کوشش نہیں ہوتی کہ مؤثر الفاظ ہوں اور بلیغ عنوان جو قلب پر اثر کریں۔ ضابطہ کی منادی میں اس کا اہتمام کہاں ہوتا ہے اور شفیقانہ کلام میں ایسے الفاظ ہوتے ہیں جن کو سننے سے دشوار کام بھی آسان ہو جاوے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اسی طرح نصیحت فرمائی جیسے باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے۔ اگر یہ خدا تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا تو یوں ہوتا ولاتاکلوا اموال غیر کم۔ یہ کلام ہوتا تو درست مگر اس کا وہ اثر نہ ہوتا جو آیت کے الفاظ کا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اموالکم اس واسطے فرمایا کہ انسان کو اپنا مال زیادہ محبوب ہوتا ہے دوسرے کے مال سے۔ اگر اپنا مال زیادہ محبوب نہ ہوتا تو پرائے مال کو اپنا مال بنانے کی کیوں کوشش کرتا۔ تو چونکہ انسان کو غیر مال سے چنداں محبت نہ تھی اس لئے ضرورت اس امر کی تھی کہ ایسے عنوان سے کہا جاوے جو داعی ہو حفاظت کا اور اس کی حفاظت کا داعی بجز اس کے اور کوئی

(c) ketabton.com: The Digital Library

لفظ نہ تھا کہ اس کو امو الکم سے تعبیر فرمائیں یعنی غیر کا مال بھی ایسا ہی سمجھو جیسے اپنا ہی ہے۔ اس کی ایسی ہی حفاظت کرو جیسے اپنے مال کی کیا کرتے ہو۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ تو شاعری ہے کہ غیر کے مال کو اپنا سمجھو غیر کے مال کو تو غیر ہی سمجھا جاوے گا اس کو اپنا کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

مکافات عمل

جواب یہ ہے کہ غیر کا مال تو غیر ہی کا ہے واقعی اپنا نہیں مگر لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ فرمانے سے اشارہ اس طرف ہے کہ جب کسی کا مال تلف کرو گے تو تمہارا مال تلف ہوگا۔ خواہ دنیا میں یا آخرت میں۔ اس معنی سے بھی دوسرے کا مال تلف کرنا اپنا ہی مال تلف کرنا ہے۔ اکثر تو یہ دنیا ہی میں ہو جاتا ہے کہ جو کوئی دوسرے کا مال تلف کرتا ہے تو اپنا بھی تلف ہو جاتا ہے۔ اگر دنیا میں نہ ہوا تو آخرت میں تو ضرور ہی ہوگا۔ حضرت یہ تجربہ ہوا ہے کہ جو لوگ مال وجوہ باطلہ سے حاصل کرتے ہیں دنیا میں بھی ان کا بھلا نہیں ہوتا۔

سودی مال اور محق کی حقیقت

اب وجوہ باطلہ کی کچھ مثالیں سنیے سو اس میں سے ایک سودی معاملہ ہے جس کے بارہ میں يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا سودی مال جمع ہوتا ہے اور ایک دن مٹ کر رہتا ہے اور حقیقتاً تو مٹتا ہی ہے مگر صورۃً بھی مٹتا ہے ایک دن بے طرح مارے جاتے ہیں اور اگر اتفاقاً کبھی نہ بھی مٹے تب بھی اس سے کلام الٰہی پر اعتراض نہیں آتا۔ کیونکہ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا قضیہ مہملہ ہے جو قوت میں جزئیہ کے ہوتا ہے۔ اگر ایک دفعہ بھی مٹ جائے تو وہ صادق آ جائے گا معنی یہ ہیں کہ سود والے اکثر مٹتے ہیں اور اس کے بہت سے واقعات ہیں جن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اگر کہیں ظاہراً نہ مٹے تو اور طریقہ سے مٹتا ہے۔

محق کی قسمیں مختلف ہیں۔ ایک یہ ہے کہ مال جاتا رہے چوری وغیرہ ہو جائے۔ یہ تو ظاہری محق ہے اور ایک محق ہے معنوی وہ یہ کہ سود والا مال سے خود منتفع نہیں ہوتا فاقہ بھر بھر کر عمر ختم ہو جاتی ہے۔ سود لینے کا سبب بخل ہے جتنا سود لیتا ہے اتنا ہی بخل بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے تن پر بھی خرچ نہیں کرتا۔ (احکام المال)

(c) ketabton.com: The Digital Library

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ: لوگ آپ سے چاندوں کی حالت کی تحقیقات کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ وہ چاند آلۂ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں اُن کی پشت کی طرف سے آیا کرو ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام سے بچے اور گھروں میں اُن کے دروازوں سے آؤ اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہو۔

تفسیری نکات

چاند گھٹنے اور بڑھنے میں حکمت

اس کے آگے مذکور ہے لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ۔ (یہ کوئی نیک کام نہیں ہے گھروں میں تم پچھواڑوں سے آؤ) کو تو اس کو کیا ربط ہے۔ سو وہ ربط یہ ہے کہ ماقبل میں چاند کے متعلق یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کی کیا وجہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں وجہ اور علت نہیں بیان کی گئی بلکہ حکمت بتلا دی گئی۔ اس سے سائنس دانی کا فضول ہونا یقیناً ثابت ہو گیا۔ فرماتے ہیں کہ لوگ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے متعلق آپ سے سوال کرتے ہیں کہ اس کی علت کیا ہے تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ چنانچہ اس سے لوگوں کو اپنے کاروبار کے لئے وقت کا اندازہ ہوتا ہے (یہ تو دنیوی نفع ہے) اور حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوتے ہیں یہ دینی نفع ہے تو علت کو چھوڑ کر حکمت بتلانے میں اس پر تنبیہ کر دی گئی کہ علت کا دریافت کرنا فضول ہے حکمت کو معلوم کرنا چاہیے اس کے بعد ارشاد ہے وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا۔ اور گھروں میں پشت کی طرف سے آنا کچھ نیک کام نہیں بلکہ نیک کام تقوی کا اختیار کرنا ہے۔ پس اس کا تعلق سابق سے یہ ہوا کہ سوال برمحل اور بے محل کی مثال ایسی ہے جیسے گھر میں دروازہ سے داخل ہونا اور پشت کی طرف سے داخل ہونا۔ پس جس طرح گھر میں بغیر دروازہ کے آنا برا ہے اسی طرح سوال بے محل بھی برا ہے آگے فرماتے ہیں۔ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا۔ اور گھروں میں دروازہ سے آیا کرو۔ یعنی سوالات بھی برمحل کیا کرو بے محل سوال نہ کیا کرو۔ پس اس صورت میں وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا اور گھروں میں دروازہ سے آیا کرو۔ حکم عام ہوگا اس کو خاص اس واقعہ ہی سے تعلق نہیں ہوگا جو اہل جاہلیت میں رائج تھا کہ وہ حالت احرام میں دروازے سے گھر میں آنا برا سمجھتے تھے بلکہ ایک عام قاعدہ کا بیان ہوگا کہ ہر کام کو اس کے طریقہ سے کیا کرو جس میں وہ واقعہ بھی داخل ہو گیا اور تبعاً اس کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ احرام میں غیر دروازہ سے آنا نیک کام نہیں پس

(c) ketabton.com: The Digital Library

پہلی تفسیر پر تو وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا . اور گھروں میں دروازہ سے داخل ہوا کرو۔ میں اہل جاہلیت کے خاص فعل کا حکم مذکور تھا اور دوسری تفسیر پر یہ حکم عام ہوگا اور میرا مقصود جس کو اس وقت بیان کرنا منظور ہے اس دوسری تفسیر پر تو آیت کا مدلول بلاواسطہ ہے۔ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص (حرام چیزوں سے) بچے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ)

شریعت کو ہر شئے میں تصرف کا اختیار ہے

غرض یہ ثابت ہوگیا کہ مباحات میں بھی شریعت کو تصرف کا اختیار ہے چنانچہ اسی بناء پر ارشاد ہے وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا کہ گھر میں دروازہ سے آیا کرو۔ ظاہر ہے کہ یہ امر عبادات کے متعلق نہیں بلکہ عادات کے متعلق ہے اور اس میں یہ تصرف کیا کہ بدوں حکم شرعی کے کسی عادت کو ناجائز اور کسی کو باعث ثواب نہ سمجھو۔ اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انتظام بھی مطلوب شرعی ہے ہر کام میں خواہ دینی کام ہو یا دنیوی۔ چنانچہ گھر میں پیچھے سے آنا خلاف انتظام ہے اس سے منع کیا گیا اور دروازے سے آنے کا امر فرمایا گیا۔ اس میں رعایت انتظام کی تاکید ہے مگر ایک تاویل پر تو قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ تعلیم کی گئی ہے وہ تاویل یہ کہ وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا (گھروں میں دروازوں سے آیا کرو) میں بیوت عام ہو مقاصد کو اور ابواب عام ہو ان طرق کو جو ہر عام کے لئے مقرر ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ سب کاموں کو ان کے طریقوں سے کیا کرو۔ اس میں گھروں میں دروازوں سے آنا بھی داخل ہے۔ اور ایک تاویل پر بطور قیاس کے اس پر دلالت ہوگی کہ جس طرح بیت میں باب سے داخل ہونا ایک انتظام ہے اسی طرح ہر مقصود میں اس کے طریق سے داخل ہونا ایک انتظام ہے۔

آیت کا محل

اس آیت کے دو محل ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اس کا تعلق خاص رسم جاہلیت سے ہو جو حج کے متعلق تھی اور اس صورت میں ماقبل سے اس کا ارتباط ظاہر ہے دوسرا محل یہ کہ بطریق استعارہ کے اس میں مطلقاً ہر فعل کو صحیح طریق سے کرنے کی تعلیم ہو اور اس کا ربط ماقبل میں چاند سے متعلق اس طرح کہ لوگوں کو اپنے کاروبار کے لئے وقت کا اندازہ ہوتا ہے (یہ تو دنیوی نفع ہے اور حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوتے ہیں یہ دینی نفع ہے) تو علت کو چھوڑ کر حکمت بتلانے میں اس پر تنبیہ کردی گئی کہ علت کا دریافت کرنا فضول ہے حکمت کو معلوم کرنا چاہیے اس کے بعد ارشاد ہے وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا اور گھروں میں پشت کی طرف سے آنا کچھ نیک کام نہیں بلکہ نیک کام تقویٰ کا اختیار کرنا ہے) پس اس کا تعلق ساقی سے یہ ہوا کہ سوال برمحل اور بے محل کی مثال ایسی ہے جیسے گھر میں دروازہ سے داخل ہونا اور پشت کی طرف سے داخل ہونا۔ پس جس طرح گھر میں بغیر دروزہ کے آنا برا ہے اسی طرح سوال بے محل بھی برا ہے۔ آگے فرماتے ہیں وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا اور گھروں میں دروازہ سے آیا کرو۔ یعنی سوالات بھی برمحل کیا کرو بے محل سوال نہ کیا کرو۔ پس اس صورت میں وَاْتُوا الْبُیُوْتَ

(c) ketabton.com: The Digital Library

مِنْ اَبْوَابِهَا (گھروں میں دروازوں سے آیا کرو) حکم عام ہوگا اس کو خاص اس واقعہ ہی سے تعلق نہیں ہوگا جو اہل جاہلیت میں رائج تھا کہ وہ حالت احرام میں دروازہ سے گھر میں آنا برا سمجھتے تھے بلکہ ایک عام قاعدہ کا بیان ہوگا کہ ہر کام کو اس کے طریقہ سے کیا کرو جس میں وہ واقعہ بھی داخل ہو گیا اور تبعاً اس کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ احرام میں غیر دروازہ سے آنا نیک کام نہیں پس پہلی تفسیر پر تو وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا (گھروں میں دروازہ سے داخل ہوا کرو) میں اہل جاہلیت کے خاص فعل کا حکم مذکور تھا اور دوسری تفسیر پر یہ حکم عام ہوگا اور میرا مقصود جس کو اس وقت بیان کرنا منظور ہے اس دوسری تفسیر پر تو آیت کا مدلول بلا واسطہ ہے اور پہلے تفسیر پر چونکہ بواسطہ قیاس اس سے مستنبط ہوتا ہے اس لئے مدلول بواسطہ ہے اور وجہ قیاس اس ظاہر ہے کہ ایتان بیوت من الظھور (مکانوں میں پشت سے آنا) ایک بے موقع فعل ہے اور اس لئے مذموم ہے پس ہر فعل بے موقع مذموم ہوگا۔

اصل تقوی

پس معلوم ہوا کہ کوئی خاص تکلیف اپنی طرف سے اختراع کر کے برداشت کرنا تقوی نہیں ہے لیکن اس سے ان لوگوں پر شبہ نہ کیا جائے جنہوں نے اپنے نفس کی اصلاح کے لئے بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں اس لئے کہ اول تو وہ حضرات حدب اباحت سے تجاوز نہ کرتے تھے پھر وہ بھی اس کو بطور علاج کے کرتے تھے عبادت اور ذریعہ قریب نہیں سمجھتے تھے ان کے مجاہدے کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص گل بنفشہ پینے لگا کسی مرض کی وجہ سے چند کھانے برائے چندے چھوڑے کہ وہ اس دوا پینے اور ترک اطعمہ کو عبادت نہیں سمجھتا بلکہ ذریعہ حصول صحت سمجھتا ہے اور اگر کوئی اس کو ثواب سمجھ کر پینے لگے تو وہ یقیناً گنہگار ہوگا اس واسطے کہ اس نے قانون شریعت میں ایک دفعہ کا اضافہ اپنی طرف سے کیا اور بدعت کے قبح کا یہی راز ہے اگر اس میں غور کیا جائے تو پھر بدعت کے منع میں تعجب نہ ہو روزمرہ میں اس کی مثال دیکھئے اگر کوئی صاحب مطبع گورنمنٹ کے قانون کو طبع کرے اور اخیر میں ایک دفعہ کا اضافہ کرے اور ملک سلطنت کے لئے بھی حد مفید ہو تب بھی اس کو جرم سمجھا جائے گا اور یہ شخص مستوجب سزا ہوگا پس جب قانون دنیا میں ایک دفعہ کا اضافہ جرم ہے تو قانون شریعت میں ایک دفعہ کا اضافہ جس کو اصطلاح شریعت میں بدعت کہتے ہیں کیوں جرم نہ ہوگا تو اگر اس طرح سے کوئی گوشت وغیرہ کو ترک کرے گا تو بلاشبہ جرم ہوگا لیکن ان حضرات نے ایسا نہیں کیا بلکہ محض علاج کے طور پر ترک کیا ہے بخلاف اس وقت کے جہلاء کے کہ وہ اس کو دین اور عبادت اور ذریعہ قرب سمجھ کر کرتے ہیں بہر حال نفس کو راحت پہنچانا اور اس کے حقوق کو ادا کرنا بھی ضروری ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے ہر چیز کی ایک حد مقرر کردی ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ صحابی کا واقعہ ہے کہ وہ رات کو بہت جاگتے تھے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو روکا آخر مقدمہ جناب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سلمان سچ کہتے ہیں اور یہ ارشاد فرمایا ان لنفسک علیک حقا الخ غرض ایام جاہلیت میں لوگ منجملہ اور تکالیف کے ایک تکلیف اپنے نفس کو یہ بھی دیتے تھے خدا تعالیٰ اس کو فرماتے ہیں کہ اصل چیز تقوی ہے اس کو اختیار کرو اور گھر میں پس پشت سے آنا کوئی ثواب کا کام نہیں ہے یہ حاصل ہے اس آیت کا اور یہ گو لفظاً خاص ہے ایک ہی امر کو مگر معناً عام ہے ایسے امور کو جو اس کی نظیر ہوں وہ معنی مشترک

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ ہیں کہ جس کام کا جو طریقہ ہے اسی طریقے سے اس کام کو کرو بے طریقے نہ کرو اور یہ مضمون عام ہے لہٰذا آیت میں معنی تعمیم ہو گئے اور جملہ ثانیہ واتقوا اللہ الخ سے بدلالت مطابقی بھی تعمیم ہو رہی ہے کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو بات تقوی پر مبنی نہ ہو گی گو ظاہر اوہ موجب قربت نظر آئے گی وہ موجب کامیابی نہ ہو گی اور تمہارے ظہور ابواب سے بیوت میں داخل ہونا تقوی پر مبنی نہیں ہے لہٰذا یہ بھی اس کامیابی کا سبب نہیں جو تمہارا مقصود ہے کہ رضاء حق حاصل ہو اب آیت کا مضمون پیش نظر رکھ کر اپنی حالت کو دیکھئے کہ ہم اکثر کام ایسے ہی طریقے سے کرتے ہیں جس میں کامیابی نہیں ہوتی اور مراد اس وقت دنیا کے کام نہیں کیونکہ اسکی کامیابی کے طریقہ کا تعلیم کرنا ہمارا کام نہیں ہم سے یہی بہت غنیمت ہے کہ ہم دنیا کے کام کی اجازت دے دیتے ہیں اس وقت مجھے یہ شعر یاد آتا ہے جس میں اہل دنیا کے اس انتظار کا جو کہ علماء سے کامیابی دنیا کا طریقہ بتلانے کے متعلق ان کو رہتا ہے جواب ہے کہتے ہیں

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم   چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

نہ تو میں شب ہوں اور نہ شب پرست ہوں جو خواب کی کہانی کہوں جب میں آفتاب کا غلام ہوں تو ساری باتیں آفتاب کی کہوں گا۔

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم   الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

جو کچھ ہم نے پڑھا ہے سب بھول گئے ہیں علاوہ حدیث یار کے کہ بار بار اس کو دہراتے ہیں۔

یعنی ہم کو خدا تعالیٰ کی باتوں کے سوا کچھ یاد نہیں رہا اور ہم دنیا کی باتیں کچھ نہیں جانتے اور اگر اب تک جانتے تھے تو اب بھول گئے غرض اس وقت گفتگو دین کے کاموں کے متعلق ہے کہ ان میں بھی وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہونے کے سبب اخروی کامیابی سبب نہ ہو۔

قاعدہ کلیہ

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کام کرو اس میں یہ دیکھ لو ہم خلاف شرع تو نہیں کرتے یعنی دین کا جو کام کرو اسکا طریقہ کامیابی بھی دیکھ لو اور دنیا کا جو کام کرو اس میں بھی یہ دیکھ لو کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ (اور اپنے آپ کو) اپنے ہاتھوں سے تباہی میں مت ڈالو۔

مجاہدین فی العبادات

فرمایا کہ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ یہ دلیل ہے مجاہدین فی العبادات کی کیونکہ ان کو تقلیل عبادت سے تکلیف و پریشانی ہوتی ہے۔

عشاق کا حال

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے بزرگوں کی تحقیقات اور علوم و معارف کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بڑے درجہ کے لوگ تھے اپنے زمانہ کے رازی اور غزالی تھے خصوصاً حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو فن تصوف کے امام اور مجتہد تھے۔ ایک

(c) ketabton.com: The Digital Library

صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ اب اس زمانہ کے علماء میں رازی اور غزالی نہیں پیدا ہوتے تو میں نے کہا ان سے بڑھ کر موجود ہو سکتے ہیں۔ سب بزرگوں کے ملفوظات اور تحقیقات کو دیکھ لیا جائے معلوم ہو جائے گا۔ پھر حضرت حاجی صاحبؒ کی ایک عجیب تحقیق کو نقل فرمایا وہ یہ کہ بعض اہل ظاہر کثرت عبادت پر نکیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ کے خلاف ہے حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اہل باطن اور عشاق کہتے ہیں کہ قلت عبادت ہمارے لئے القاء الی التهلكة ہے ہم کو اس سے تکلیف شدید ہوتی ہے۔ ہم اسی آیت سے اس کے خلاف پر استدلال کرتے ہیں یہ نمونہ ہے حضرت کے علوم اور معارف کا سبحان اللہ۔ (الافاضات الیومیہ جلد ہشتم)

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (اور جس کو دین کا فہم مل جائے اسکو بڑی خیر کی چیز مل گئی)

علم کا زیادہ حصہ غیر مکتسب ہے

فرمایا وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (بقرہ آیت ۲۶۹)

اور جس کو دین کا فہم مل جائے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی۔

صیغہ مجہول سے مفہوم ہوتا ہے کہ زیادہ حصہ علم کا غیر مکتسب اور وہبی ہے اور حکمت سے مراد دین کی سمجھ ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت ۴۹)

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْکُرُوْهُ کَمَا هَدٰىکُمْ ۚ وَاِنْ کُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۱۹۸﴾

ترجمہ: تم کو اس میں (ذرا بھی) گناہ نہیں کہ (حج میں) معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس مزدلفہ میں قیام کر کے خدا کو یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے اور حقیقت میں تم اس سے قبل ناواقف ہی تھے۔

تفسیری نکات

حج اور تجارت

شبہ یہ ہے کہ اس حدیث سے تو زیادت مال کے حرص کی مذمت معلوم ہوتی ہے اور نص قرآنی سے اجازت معلوم ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ یہ آیت احکام حج کے متعلق ہے۔ جاہلیت میں لوگ حج کو ایک میلہ سمجھتے تھے۔ اس لئے حج کے زمانہ میں باہر کے لوگ تجارت کی نیت سے مکہ آیا کرتے

(c) ketabton.com: The Digital Library

تھے جب اسلام آیا اور مسلمانوں کو خلوص کی تعلیم دی گئی تو صحابہ کو شبہ ہوا کہ شاید سفر حج میں مال تجارت کو ساتھ لے جانا خلاف خلوص ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس میں کچھ گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے پروردگار کا رزق جو تفسیر ہے فضل کی طلب کرو جس میں تجارت کی بحالت حج کی اجازت دی گئی۔ حق تعالیٰ کی بھی کتنی بڑی رحمت ہے کہ خاص اپنے دربار کی زیارت کو آتے ہوئے بھی تجارت کی اجازت دے دی۔

بھلا اگر تم کسی بادشاہ یا ادنیٰ حاکم سے ملنے جاؤ اور ساتھ میں تجارتی مال بھی لے جاؤ تو اس کو یہ بات معلوم کر کے کتنا ناگوار ہوگا اس کے دل میں تمہاری اس ملاقات کی کچھ بھی وقعت نہ ہوگی۔ بلکہ کان پکڑ کے دربار سے نکال دیئے جاؤ گے کہ تم ہم سے ملنے نہیں آئے تھے بلکہ سوداگری کو آئے تھے مگر حق تعالیٰ نے اجازت دے دی کہ سفر حج میں تجارت کرنا گناہ نہیں۔ یہاں تو اباحت ہی ہے مگر قواعد فقہ سے ایک صورت میں یہ تجارت مستحب بھی ہے جب کہ یہ نیت ہو کہ اس سے رقم بڑھے گی تو سفر حج میں سہولت ہوگی۔ فقراء کی امداد کریں گے۔

رہا یہ کہ اس صورت میں خلوص ہوگا یا نہیں اس کے جواب میں تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ اگر اصل مقصود حج ہو اور تجارت تابع ہو جس کی علامت یہ ہے کہ تجارت کا سامان نہ ہوتا جب بھی ضرور حج کو جاتا۔ تو اس صورت میں خلوص محفوظ ہے اور ثواب حج بھی کم نہ ہوگا اور اگر حج اور تجارت دونوں کی نیت برابر درجہ میں ہے تو اس حالت میں تجارت جائز تو ہے مگر خلوص کم ہوگا۔ اور جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حج کے ساتھ ایک فعل مباح ہی کو منضم کیا ہے فعل حرام کو تو منضم نہیں کیا اور اگر تجارت اصل مقصود ہے اور حج تابع ہے تو اس صورت میں گناہ ہوگا اور یہ شخص ریاکار ہوگا کیونکہ یہ مخلوق کو دھوکا دے رہا ہے کہ جاتا تجارت کے لئے ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ میں حج کو جا رہا ہوں۔

رہا یہ کہ اگر اصل مقصود حج ہو اور تجارت تابع ہو تو اس صورت میں مال تجارت لے جانا افضل ہے یا نہ لے جانا افضل ہے تو اگر زاد راہ بقدر کفایت موجود ہی ہے بقدر کفایت نہیں اور نیت تجارت تابع ہے تو اس نیت سے کہ سفر میں سہولت واعانت ہوگی مال تجارت لے جانا موجب ثواب ہے۔

اب اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اور اس آیت میں تعارض کچھ نہیں۔ کیونکہ حدیث میں طلب معاش سے منع نہیں کیا گیا جو مدلول ہے آیت کا بلکہ انہماک اور زیادت حرص سے منع کیا گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں طلب مال کی مطلقاً اجازت نہیں بلکہ اس قید سے اجازت ہے کہ وہ ابتغاء فضل کا مصداق بھی ہو اور ابتغاء معاش ابتغاء فضل میں اسی وقت داخل ہو سکتا ہے جب کہ اس میں ابتغاء رضا بھی ہو جس کا قرینہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ابتغاء فضل کے ساتھ بعض جگہ ذکر اللہ کو بھی بڑھایا ہے سورہ جمعہ میں فرماتے ہیں وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ تو وَاذْكُرُوا اللّٰهَ کو بڑھانا بتلا رہا ہے کہ طلب معاش کو ابتغاء فضل جبھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کے ساتھ ذکر اللہ ہو ورنہ وہ ابتغاء فضل نہیں بلکہ ابتغاء فضول ہے بلکہ طلب نقصان ہے اور جو شخص طلب معاش میں ابتغاء رضا کر رہا ہے وہ گناہ کا مرتکب نہیں بلکہ ثواب کا کام کر رہا ہے اور حدیث میں اس طلب کی ممانعت ہے جو حد سے متجاوز ہو۔ خوب سمجھ لو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سفر حج میں مال تجارت ہمراہ لے جانے کا حکم

فرمایا کہ سفر حج میں مال تجارت ساتھ نہ لے جانا بہتر ہے لیکن اگر زاد راہ کم ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ میرا دل پریشان ہوگا اور نیت ڈگمگا جاوے گی قوت توکل نہ ہونے سے خدا تعالیٰ کی شکایت دل میں پیدا ہوگی تو مال تجارت ساتھ لینے میں مضائقہ نہیں اور قرآن مجید میں لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ سے اذن تجارت فی الحج کا اسی حکمت کے لئے ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچایئے۔

تفسیری نکات

لفظ حسنہ کا مفہوم

بعض محرفین نے اس آیت میں حسنہ اول انگریزی سے مفسر کیا ہے اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ حسنہ کہتے ہی اچھی حالت کو اور اچھی حالت یعنی خوشحالی صرف انگریزی پڑھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہوگا ہمیں بھی آخرت میں انگریزی والوں کا ساتھ نصیب ہو یہ محض تحریف ہے بلکہ یہاں حسنہ سے مراد اعمال حسنہ ہیں اور دونوں جگہ مراد ہیں مگر ایک جگہ باعتبار صورت کے اور ایک جگہ باعتبار حقیقت' نعماء جنت کی حقیقت بھی اعمال حسنہ ہیں اور اتنے فرق کا مضائقہ نہیں فرق تو ضروری کیونکہ نکرہ کے اعادہ میں مغائرت فی الجملہ لازم ہے۔ حسنہ سے اعمال حسنہ مراد لینے میں اور ایک جگہ صورت اعمال اور دوسری جگہ حقیقت اعمال سے تفسیر کرنے میں اتحاد کے ساتھ مغائرت فی الجملہ بھی موجود ہے دوسرے یہاں حسنہ سے دنیوی خوشحالی مراد لینا اس لئے بھی غلط ہے کہ آیت میں دنیا کو حسنہ کا ظرف بنایا گیا ہے اور ظرف ومظروف میں تغایر لازم ہے تو فی الدنیا حسنۃ کا لفظ چاہتا ہے کہ وہ حسنہ دنیا سے مغائر ہے تو کلام کی تقدیر یہ ہوگی رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا۔ دنیا اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے اور دنیوی خوش حالی بھی دنیا ہی ہے وہ دنیا سے مغائر نہیں اس لئے تفسیر صحیح نہیں ہو سکتی پس انگریزی کو حسنہ کا مصداق بنانا بالکل غلط ہے یہاں تک دو قسمیں مذکور ہوئیں پہلی قسم کا مصداق تو کافر ہے اور دوسری قسم کا مصداق عام مومنین ہیں اور چونکہ سیاق کلام بتلا رہا ہے کہ یہ تقسیم موقع حج ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اور عام آدمیوں میں بعض منافق بھی ہوں گے اس لئے تیسری قسم منافقین کی بھی ذکر کر دی گئی۔

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو)

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضرات صوفیا کا استدلال

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرات چشتیہ کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو سب غیر اللہ سے ذہول ہو گیا تھا ایک کے سوا سب کو فنا کر دیا تھا اس فنا کے غلبہ میں بعض اوقات بعض اہل ظاہر کو ان حضرات پر شبہ ہو گیا ہے خلاف شریعت عمل کرنے کا حالانکہ واقعی شان انکی بالکل اسکی مصداق ہے۔ و اصطنعتک لنفسی یعنی اللہ نے تم کو اپنا لیا اس شبہ کی ایک مثال ہے کہ شدت شوق میں تمام شب جاگے اسکو اہل ظاہر نے خلاف سنت میں داخل کیا اور بدعت کہا حالانکہ حقیقی عشاق پر اعتراض کرنا ہی بدعت ہے گو بعض اہل ظاہر نے کثرت عبادت کو بدعت کہا ہے اور اس سے استدلال کرتے ہیں وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ مگر وہ حضرات بھی اس ہی آیت سے استدلال کرتے ہیں ان کے لئے اسکا مدلول اسکا عکس ہے آیت وہی ہے وہ استدلال میں یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم کثرت سے عبادت نہ کریں تو ہلاک ہو جائیں تو تقلیل عبادت تہلکہ ہے کیسا عجیب اور لطیف استدلال ہے جسکا معترض کے پاس کوئی معقول جواب نہیں۔ یہ استدلال حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ سبحان اللہ۔ (الافاضات الیومیہ)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

ترجمہ: اور بعض آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزیدار معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر بتاتا ہے اپنے دل کی بات پر حالانکہ وہ مخالفت میں شدید ہے۔ جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس فکر میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے اور کھیتیاں اور جانیں تباہ کرے اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو نخوت اس کو اس گناہ پر آمادہ کرتی ہے سو ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے اور وہ بری ہی آرام گاہ ہے۔

تفسیری نکات

حق تعالیٰ کی رحمت عظیمہ

آگے چوتھی قسم بیان فرماتے ہیں جس کا مصداق مومن کامل ہے اور اس کو اس لئے الگ بیان فرمایا تا کہ پہلی صورت میں مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً کو کوئی مومن کامل مخصوص نہ کرے پس حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ مومن کامل کو مستقل بیان فرما دیا چنانچہ ارشاد ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ اور بعض آدمی وہ ہے جو اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کے لئے بیچ دیتا ہے اس میں دو قول ہیں کہ شراء سے یہاں کیا مراد ہے بعض نے یشری کو یشتری کہا یعنی ومن الناس من یشتری نفسہ من المھالک والمخاوف ایسا ہوگا جیسے بئسما اشتروا بہ انفسھم (وہ حالت بری ہے جس کو اختیار کر کے وہ جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں) میں اشتراء نفس مذکور ہے اس تفسیر پر ترجمہ یہ ہوگا کہ بعض آدمی وہ ہیں جو (اعمال صالحہ کر کے) اپنے آپ کو خطرات اور خوفناک امور سے بچالیتے ہیں مگر اس تفسیر میں اتنا بعد ہے کہ اشتراء تو اس چیز کا ہوتا ہے جو اپنے پاس نہ ہو اور جان تو اپنے پاس ہے گو اس جگہ کلام میں مجاز ہے مگر مجاز میں بھی قرب ہو تو بہتر ہے اور گو بیع کے معنی مراد لینے کے بھی مجاز ہے مگر وہ بعید نہیں کیونکہ بیع کے معنی مراد لینے کے مجاز صرف یہ ہوگا بیع میں طرفین سے مالیت ہوتی ہے اور یہاں نفس مال نہیں سو یہ مجاز تو دونوں صورتوں میں مشترک ہے باقی یہ بات بیع حقیقی کی باقی رہے گی کہ بیع ایسی چیز کی ہوتی ہے جو بائع کے پاس تھی اور وہ بعد بیع کے ثمن کا مستحق ہو جاتا ہے سو یہ بات یہاں متحقق ہے کیونکہ جان اپنے پاس تھی اب اس کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ بیع کر دیا ہے تو وہ جنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کی جان حق تعالیٰ کی ملک ہو جاتی ہے کہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں رہا یہ کہ یہاں تو بیع کے بعد بھی ہماری جان ہمارے پاس ہی رہتی ہے سو یہ وجہ بعد نہیں کیونکہ تمام بیع کے لئے یہ ضروری نہیں کہ مبیع بائع کے قبضہ سے نکال دی جائے بلکہ بلا تسلیم بیع ہو جاتی ہے دوسرے یہاں تو تسلیم بھی متحقق ہے کیونکہ مومن کامل اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔

ایک آیت پر منطقی اشکال اور اسکا جواب

ارشاد فرمایا قرآن کریم میں ہے ولو علم اللہ فیھم خیر الاسمعھم ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون۔ منطقی قاعدے سے یہ قیاس کی شکل اول ہے جسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے ولو علم اللہ فیھم خیرا لتولوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ان میں کوئی بھلائی معلوم ہوتی تو یہ منہ پھیر کر بھاگتے حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ یہ نتیجہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

فرمایا کہ جواب اسکا یہ ہے کہ شکل اول کا نتیجہ جب صحیح نکلتا ہے جب حد اوسط مکرر ہو یہاں مکرر نہیں ہے کیونکہ لفظ اسمعھم جو مکرر آیا ہے وہ درحقیقت مکرر نہیں ہے کیونکہ ان دونوں لفظوں کے معنی الگ الگ ہیں کیونکہ پہلے جملے میں اسمعھم سے مراد وہ سماع ہے جو علم خیر کے ساتھ جمع ہوتا ہے یعنی سماع مقبول ومؤثر اور دوسرے جملے میں سماع سے وہ سماع مراد ہے جو علم خیر کے ساتھ جمع نہیں ہوتا یعنی صرف کانوں سے سننا اور دل میں کوئی اثر نہ لینا۔ اس لئے تقدیر عبارت دوسرے جملے کی یہ ہے ولو اسمعھم مع عدم علم الخیر لتولوا یعنی اگر اللہ تعالیٰ یہ جانتے ہوئے کہ ان کی حق بات سنانا مفید نہیں ہوگا پھر بھی سنائیں تو وہ سننے کے باوجود منہ پھیر کر بھاگے لیکن جیسے آیت ولو شاء اللہ ما اشرکنا جو اہل جہنم بشور عذر کے کہیں گے یہ غلط ہوگا اور تقریباً یہی الفاظ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں ولو شاء اللہ ما اشرکوا۔ یہ غلط نہیں وجہ یہ ہے کہ شاء اللہ کا مفہوم دونوں جملوں میں الگ الگ ہے پہلے جملے میں مشیت معنی رضا ہے یعنی اہل جہنم یہ عذر کریں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے شرک وکفر پر راضی نہ ہوتا تو ہم شرک کر ہی نہ سکتے تھے اور دوسرے جملے میں مشیت بمعنی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ارادہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اگر ارادہ یہ ہوتا کہ لوگ شرک نہ کریں تو انکو شرک کرنے کی قدرت ہی نہ ہوتی کیونکہ اللہ کے ارادہ پر کسی کا ارادہ غالب نہیں ہوسکتا۔ اور بغیر اللہ کے ارادہ کے دنیا میں نہ کوئی اچھا کام ہوسکتا ہے نہ برا۔ البتہ رضاء اللہ تعالیٰ کی اچھے کاموں کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ برے کاموں سے رضا متعلق نہیں ہوتی بلکہ برے کاموں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝

(ترجمہ)(اور بعض آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزے دار معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر بتاتا ہے وہ آپ کی مخالفت میں نہایت شدید ہے)

اعتبار عموم الفاظ

اس پر نظر کر کے تو تفسیر آیت کی یہ ہوئی کہ حق تعالیٰ نے یہاں تقسیم کی ہے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو معجب بالحیوۃ الدنیا ہے۔ دوسرے وہ جو حیات دنیا کو ابتغاء رضا الٰہی میں بیچ کر چکا ہے۔ اس کا بیان وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ الخ میں ہے اور اس پر سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ وہ ومن الناس من یعجبک قولہ الخ یہ آیت مع اپنے توابع کے ایک منافق کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جس کا نام غالباً اخنس تھا۔ گو حکم مذکور میں اس کی تخصیص نہیں بلکہ جو بھی ویسا ہو اس کا وہی حکم ہے جو یہاں بیان ہوا ہے۔

جو لوگ استرسال نفس کے لئے بہانہ ڈھونڈتے ہیں وہ تخصیص شان نزول سے بے فکر ہو جاتے ہیں کہ جہاں کسی فعل شنیع پر وعید نظر آئی انہوں نے فوراً کہہ دیا کہ یہ تو فلاں شخص یا فلاں جماعت کے بارہ میں نازل ہوئی ہے ہم سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ مگر خدا جزائے خیر دے اصولیین کو کہ انہوں نے قاعدہ مقرر کر دیا ہے۔ العبرۃ لعموم اللفظ لالخصوص السبب کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہے خصوص سبب نزول کا اعتبار نہیں پس جہاں کسی فعل پر کوئی وعید عموم الفاظ کے ساتھ وارد ہوگی یا کوئی حکم مرتب ہوگا اس کو عام ہی کہا جائے گا۔ مورد کے ساتھ خاص نہ کیا جائے ورنہ چاہیے کہ لعان کا حکم حضور ﷺ کے بعد نہ ہوتا۔ کیونکہ اس کا نزول ایک خاص واقعہ میں ہوا ہے مگر خود حضور ﷺ نے بھی اس واقعہ کے بعد دوسرے واقعہ میں اس حکم کو جاری کیا ہے اور خلفاء نے بھی ہمیشہ اس کو جاری رکھا ہے اسی طرح یہاں رکھا جائے گا کہ گو نزول آیت کا ایک خاص منافق کے باب میں ہے مگر حکم اسی کے ساتھ خاص نہیں۔ شان نزول صرف محرک نزول ہو جاتا ہے مقصود اصلی وہی نہیں ہوتا۔

لسانی کا طبعی اثر

غرض وہ منافق بڑا لسان تھا ایسا کہ کبھی کبھی حضور ﷺ پر بھی طبعاً اس کی لسانی کا اثر ہو جاتا تھا۔ اسی لئے تو یعجبک قولہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ باوجود یہ کہ حضور ﷺ ایسے عاقل تھے۔ کہ میں آپ ﷺ کے عاقل ہونے پر ایک لطیفہ بیان کیا کرتا ہوں وہ یہ کہ مسلمان تو آپ ﷺ کو عاقل مانتے ہی ہیں وہ تو غلام ہیں اپنے آقا کو اچھا کہیں ہی گے اور جتنا کچھ کہیں تھوڑا ہے مگر لطیفہ یہ ہے کہ کفار مسلمانوں سے زیادہ آپ ﷺ کو عاقل مانتے ہیں کیونکہ اس کا اقرار کفار کو بھی ہے۔ حضور ﷺ نے تھوڑی سی مدت میں اتنے بڑے بڑے کام کئے ہیں جو دوسرا نہیں کر سکتا۔ عرب کے جاہلوں کو تھوڑے ہی دنوں میں ایسا شائستہ اور مہذب بنا دیا کہ تمام تعلیم یافتہ قومیں ان کے سامنے پست ہو گئیں پھر اس کے ساتھ

(c) ketabton.com: The Digital Library

قواعد متعلقہ معاش و معاد ایسے ممہد کئے جن کی نظیر نہیں مل سکتی یہ سب باتیں کفار کو تسلیم ہیں مگر ہم تو حضور کو محض سلطان نہیں کہتے بلکہ نبی بھی کہتے ہیں اور ان فیوض و شرکات کو تائید من اللہ اور نبوت کی برکت سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ محمد عربی ﷺ کو نبی نہیں مانتے وہ حضور کے ان سب کارناموں کو آپ کی عقل سے ناشی سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ محمد عربی ﷺ بہت بڑے عاقل انسان تھے۔ کہ تھوڑی سی مدت میں آپ نے ایسے ایسے کام انجام دیئے تو وہ آپ ﷺ کو ہم سے زیادہ عاقل مانتے ہیں کہ جو کام ہمارے نزدیک خدا کے کرنے کا تھا۔ ان کے نزدیک وہ حضور ﷺ کی عقل کا نتیجہ ہے غرض حضور ایسے عاقل تھے کہ موافق و مخالف سب کو آپ کا عاقل کامل ہونا مسلم ہے مگروہ منافق ایسا لسان تھا کہ حضور ﷺ جیسے عاقل پر بھی اس کی لسانی کا طبعاً اثر ہو جاتا تھا۔ طبعاً اس لئے کہا کہ عقلاً آپ کو دھوکہ نہ ہوتا تھا کیونکہ عاقل دھوکہ نہیں کھایا کرتا۔ چنانچہ دوسری آیت میں اس کی تفسیر موجود ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ

ترجمہ: جن لوگوں کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا اور ہم تو اگر چاہتے تو آپ کو ان کا پورا پتہ بتلا دیتے۔ سو آپ ان کو حلیہ سے پہچان لیتے اور آپ ان کو طرز کلام سے (اب بھی) ضرور پہچان لیں گے۔

عقلاً آپ ﷺ کو ہرگز دھوکہ نہیں ہوسکتا

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو دھوکہ نہ ہوتا تھا۔ طرز کلام سے آپ ہر شخص کو پہچان لیتے تھے کہ یہ مومن ہے یا منافق۔ سچا ہے یا جھوٹا کیونکہ ولتعرفنھم میں لام تاکید اور نون تاکید کے ساتھ کلام کو مؤکد کیا گیا ہے یعنی آپ ضرور پہچان لیں گے۔ پس عقلاً آپ کو ہرگز دھوکہ نہ ہوتا تھا اور یہاں جو فرمایا ہے یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا اس سے طبعی اثر مراد ہے کہ آپ پر اس منافق کی لسانی کا طبعاً ایک گونہ اثر ہو جاتا تھا اور یہ بشری خاصہ ہے کہ فصیح و بلیغ زوردار کلام سے تھوڑی دیر کے لئے انسان ضرور متاثر ہو جاتا ہے (جیسے کوئی شاعر عمدہ غزل سنا دے تو سننے والا ضرور متاثر ہوتا ہے) گو اس سے عقلاً دھوکہ نہیں ہوتا کیونکہ جانتا ہے کہ شاعر مبالغہ بہت کیا کرتے ہیں اسی طرح کوئی بلیغ آدمی زوردار تقریر کرے تو کلام کا اثر تھوڑی دیر کے لئے ضرور ہوگا گو یہ بھی جانتے ہوں کہ یہ شخص جھوٹی باتیں بہت بنایا کرتا ہے اسی کو حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ ان من الشعر لحکمة و ان من البیان لسحرا۔ پس اب دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں رہا ایک میں طبعی تاثر کا اثبات ہے دوسری میں عقلی تاثر کی نفی ہے۔

آثار طبیعہ

اور یہ بھی حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ان آثار طبیعہ و لوازم بشریہ کو ظاہر کر دیا تاکہ آپ پر الوہیت کا شبہ نہ ہو۔ گو بعض جہال نے اس پر آپ کو الوہیت تک پہنچا دیا ہے بلکہ اب تو جہلاء نے

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضرت غوث اعظمؒ کو بھی الوہیت پر پہنچا رکھا ہے۔

یُعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزیدار معلوم ہوتی ہے)

آرام دہ اشیاء

آجکل کی باتیں لوگوں کی چکنی چپڑی تو ضرور ہوتی ہیں مگر ان میں نور نہیں ہوتا اور ان حضرات کے کلام میں ایسا نور ہوتا ہے گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آفتاب نکل آیا آخر مقبولین اور غیر مقبولین میں کوئی فرق تو ہونا ہی چاہیے مگر اس نور کے ادراک کے لئے بصیرت کی ضرورت ہے کیونکہ بعض اوقات ظاہراً باطل میں آب وتاب ہوتی ہے اور حق میں ظاہراً کم رونقی اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کبھی پیشاب صاف ہوتا ہے اور پانی بمقابل اس کے گدلا ہوتا ہے اسی طرح مقبولین اور غیر مقبولین کے اقوال و افعال میں جو فرق ہوتا ہے وہ صورت کا نہیں ہوتا بلکہ بعض مرتبہ صورۃً غیر مقبولین کا کلام اچھا معلوم ہوتا ہے الفاظ نہایت بڑے بڑے اور چست ہوتے ہیں۔ یُعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا اس کی دلیل ہے بلکہ ان میں فرق جو ہوتا ہے وہ حقیقت کا ہوتا ہے جیسے میں نے پیشاب اور پانی کی مثال بیان کی۔ پیشاب ہے صاف مگر ہے ناپاک۔ پانی گدلا ہے مگر ہے پاک۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾
ترجمہ: اور بعض آدمی ایسا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہے۔

تفسیری نکات

حق سبحانہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے شدت محبت

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ یعنی لوگ مختلف ہیں اوپر کئی قسم کا بیان ہو چکا انہی میں سے ایک قسم یہ ہے کہ بعضے بیچ دیتے ہیں اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی مرضی کی تلاش میں بیع ایک امر ہے جس کا تحقق بدلین سے ہوتا ہے جب ایک طرف سے اپنے نفس کو بیع کی تو دوسری طرف سے بھی عوض ہوگا جس کا بیان اس جملہ میں واللہ روف بالعباد یعنی حق تعالیٰ بڑے مہربان ہیں بجائے تصریح عوض کے یہ مضمون لایا گیا جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے عوض ہوگا جو حق تعالیٰ کے شان رافت کے مناسب ہوگا جس کا ترجمہ ہے شدت رحمت حق تعالیٰ کی رحمت اگر خفیف سی ہو تو یہ بھی بہت ہے چہ جائیکہ شدید ہو اور الف لام العباد میں یا تو عہدی ہے اس کے معنی یہ ہونگے کہ حق تعالیٰ ایسے بندوں کے ساتھ شدت رحمت سے محبت کرنے والے ہیں اور اگر جنس کا بھی لیں تب بھی ظاہر ہے کیونکہ ترجمہ یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ عام طور سے بندوں کے ساتھ مہربان ہیں اس سے التزاماً نکلتا ہے کہ ایسے خاص بندوں کے ساتھ تو اولیٰ رافت کا برتاؤ کریں گے معلوم

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوا کہ ادھر سے عوض وہ چیز یہ عطا ہوگی جس سے اس بدل کو کچھ مناسبت ہی نہیں پھر یہ نہیں کسی عوض کی نہ معلوم کیا عطا ہوگا بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ عدم کی وجہ یہ ہے کہ وہ عوض سمجھ میں آنے کی چیز نہیں کہ اس کا بیان کیا جاوے پس بدلین میں کچھ مشابہت اور مناسبت ہی نہیں ہوگی جن کی نسبت کہا ہے شعر

چند دادم جاں خریدم چند پیسوں میں جان خریدی ہے
بنام ایزد عجب ارزاں خریدم خدا کی قسم بڑی سستی خریدی ہے

یہی معاملہ حق تعالیٰ کا ہے اس وقت کے مال کے یعنی لذات کے مشتری بنتے ہیں مگر جتنا لیں گے اس کا عوض نہیں بلکہ اضعافا مضاعفہ اور ہزاروں گنا زیادہ دیں گے محبت میں ظاہر ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدہ عالم دوا ما

یعنی جس کو عشق حقیقی سے روحانی زندگی حاصل ہوگی وہ اگر مر بھی جائے تو واقعہ میں اس کو زندہ کہا جائے۔

نیم جاں بستاند صد جاں دہد آنکہ دروہمت نیایدآں دہد

فانی اور حقیقت جان لیتے ہیں اور اسکے بدلے باقی جان عطا کرتے ہیں جو وہم گماں میں بھی نہیں ہوتا عنایت کرتے ہیں۔ غرض یہ بیع بھی فرض ہے اور درحقیقت عطا ہی عطا ہے۔ بہرحال فرماتے ہیں کہ بعض لوگ وہ ہیں جو بیچتے ہیں اپنی جان کو ابتغاء مرضاۃ اور اس کے دام ادھر سے کیا ہیں۔ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۔ اپنے بندوں کے ساتھ بہت ہی مہربان ہیں۔ ترجمہ آپ نے فرمایا میں بتاتا ہوں وہ یہ کہ وہ انتہائی مرتبہ کیا ہے جس کا اس آیت کو میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کروں گا پس جان لو کہ سلوک جس کا یہ مسئلہ ہے اس کے ماہرین اور محققین نے اکثر علامات اعمال باطنہ میں ترتیب کا حکم کیا ہے اور ان مقامات کی مثال درسیات کے سبق کی سی ہے کوئی سبق تو ایسا ہے کہ اس میں اور اسباق میں ترتیب ضروری ہے جیسے الف بے اور سپارہ کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ الف بے کو سپارہ پر مقدم نہ کیا جاوے اور بعضے سبق ایسے ہیں جو کئی کئی ہوسکتے ہیں جیسے کافیہ اور قطبی لوگ اس فن سے چونکہ بالکل ناآشنا ہوگئے ہیں اس واسطے قاعدہ اور طریقہ جانتے نہیں جو چال سمجھ میں آجاتی ہے اختیار کرلیتے ہیں اور مدتوں پریشان رہتے ہیں اور کچھ بھی نہیں جیسے کوئی یہ نہ جانتا ہو کہ الف بے اور سپارہ میں ایک ضروری ہے اور وہ بلا الف بے پڑھے سپارہ شروع کردے ایک حصہ عمر کا گزار دے مگر سپارہ میں کماحقہ کامیاب نہ ہوگا جبکہ اس کو ایک شخص ترتیب سے پڑھے تو اس کو اتنی محنت کرنی پڑے گی نہ اتنا وقت صرف ہوگا اور کامیاب بھی ہوجاوے گا دوسرے کے نزدیک سپارہ اس قدر مشکل چیز ہے کہ اس کے پڑھنے میں وقت بھی بہت زیادہ صرف ہوگیا اور دماغ بھی خالی ہوگیا اور کچھ بھی نہیں آرام سے پڑھا اور وقت زیادہ لگا اور کامیابی بھی خاطر خواہ ہوئی یہ طریقہ اچھا ہے۔

بیع کا مفہوم

اس میں دو قول ہیں ایک شراء سے یہاں کیا مراد ہے بعض نے یشری کو بمعنی یشتری کہا ہے یعنی وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ من المهالک والمخاوف اور یہ ایسا ہوگا جیسے بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ میں اشتراء نفس مذکور ہے اس تفسیر پر ترجمہ یہ ہوگا کہ بعض آدمی وہ ہیں جو (اعمال صالحہ کرکے) اپنے آپ کو خطرات اور خوفناک امور سے خرید لیتا ہے یعنی بچا لیتا ہے مگر اس تفسیر میں اتنا بعد ہے کہ اشتراء تو اس چیز کا ہوتا ہے جو اپنے پاس نہ ہو اور جان تو اپنے پاس ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

گو اس جگہ کلام میں مجاز ہے مگر مجاز میں بھی قرب ہو تو بہتر ہے اور گو بیع کے معنی مراد لینے میں بھی مجاز ہے مگر وہ بعید نہیں کیونکہ بیع کے معنی مراد لینے میں مجاز یہ ہوگا کہ بیع میں طرفین سے مالیت ہوتی ہے اور یہاں نفس مال نہیں سو یہ مجاز تو دونوں صورتوں میں مشترک ہے باقی یہ بات بیع حقیقی کی باقی رہے گی کہ بیع ایسی چیز ہوتی ہے جو بائع کے پاس تھی اور وہ بعد بیع کے ثمن کا مستحق ہو جاتا ہے۔ یہ بات یہاں متحقق ہے کیونکہ جان اپنے پاس تھی اب اس کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ بیع کر دیا ہے تو وہ جنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کی جان حق تعالیٰ کی ملک ہو جاتی ہے کہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔

رہا یہ کہ یہاں تو بیع کے بعد بھی ہماری جان ہمارے پاس ہی رہتی ہے سو یہ وجہ بعد نہیں کیونکہ تمام بیع کے لئے یہ ضروری نہیں کہ مبیع بائع کے قبضہ سے نکال دی جائے بلکہ یہ بیع بلا تسلیم بھی ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہاں تو تسلیم بھی متحقق ہے کیونکہ تسلیم کے لئے دوسرے کے قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کو قادر کر دینا کافی ہے۔ جس کو فقہا تخلیہ سے تعبیر کرتے ہیں پس مومن کامل اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اور وہ اس پر ہر طرح قادر ہیں اب یہ ان کی عنایت ہے کہ وہ مبیع کو ہمارے ہی پاس امانت چھوڑ دیں۔ غرض یشری نفسه میں بیع کے معنی بعید نہیں ہیں البتہ مالیت کے اعتبار سے مجاز ضرور ماننا پڑے گا۔

ہاں ایک اشکال یہ ہوگا کہ جیسے اشتراء میں مشتری وہ شی ہوتی ہے جو پہلے سے اپنے پاس نہ ہو ایسے ہی مبیع وہ شی ہوتی ہے جو پہلے سے مشتری کی ملک نہ ہو اور ہماری جان تو پہلے ہی سے حق تعالیٰ کی ملک ہے جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے مگر چونکہ ہم اس کو اپنی ملک سمجھتے ہیں اس لئے ہمارے زعم کے موافق بیع کا اطلاق صحیح ہے اور جو لوگ اپنی جان کو خدا کی ملک سمجھتے ہیں ان کو یہ علم کہ مخاطبین جان کو اپنی ملک سمجھتے ہیں بعد سماع لفظ بیع کے حاصل ہوا ہے پہلے حاصل نہیں ہوا۔ ابن عطاء کا قول ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ کو سن کر عوام تو خوش ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلہ میں ہماری جانیں خرید لی ہیں ہم کو اس کے عوض جنت ملے گی مگر خواص شرم کے مارے زمین میں گڑ گئے کہ ہمارے اندر دعوی مالکیت تھا جبھی تو اشتری فرمایا اس سے میرے جواب کی تائید ہو گئی کہ یہاں ہمارے مذاق کی رعایت کی گئی ہے پس راجح یہی ہے کہ یشری نفسه میں بیع مراد ہے میں نے اپنی تفسیر میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ بعض وہ لوگ جو طلب رضا الٰہی کے لئے اپنی جان (تک) بیچ دیتے ہیں یہ تک میں نے اس لئے بڑھایا ہے کہ شان نزول اس آیت کا حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو آ رہے تھے راستہ میں کفار نے گھیر لیا تو انہوں نے کہا تم جانتے ہو کہ میں کیسا تیر انداز ہوں (تیر اندازی کے فن میں یہ بہت مشہور تھے) اگر مقابلہ کرو گے تو میں تیروں سے سب کو مار ڈالوں گا باقی اگر تم کو مال کی ضرورت ہو تو مکہ میں میرا مال بہت ہے لاؤ میں تم کو رقعہ لکھ دوں تم جا کر میرے وکیل سے مال لے لو۔ کفار نے اسی کو غنیمت سمجھا کیونکہ مقابلہ میں ان کو اپنی جان کا خطرہ تھا چنانچہ انہوں نے رقعہ لکھ دیا اور وہ سب واپس چلے گئے۔ سو یہاں تو حضرت صہیب نے جان بچائی تھی اور جان بچانے کو مال دیا تھا جان دی نہیں تھی سو شان نزول کو دیکھ کر معنی بیع پر اشکال ہوتا ہے کہ واقعہ نزول میں جان کی بیع کہاں ہوئی تھی بلکہ وہاں تو جان کو بچایا گیا تھا (اسی وجہ سے بعض مفسرین نے یشری نفسه کو تفسیر یشتری نفسه من المهالک والمخاوف کی ہے) مگر میں نے لفظ تک بڑھا کر اشکال کو رفع کر دیا ہے کہ گو حضرت صہیب نے اس واقعہ میں بظاہر مال ہی دیا تھا مگر حقیقت

میں وہ اپنی جان تک کو اللہ کی رضا کے لئے بیچ کر چکے تھے جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ تن تنہا ہجرت کے لئے چل کھڑے ہوئے اور یہ وہی کر سکتا ہے جو اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے حوالہ کر چکا ہو کیونکہ کفار کے نرغہ میں سے تن تنہا ہجرت کر کے نکلنا جان کو ہتھیلی پر رکھ کر چلنا ہے پھر یہ تو ایک اتفاقی بات تھی کہ کفار مال لینے پر راضی ہو گئے اگر وہ مقابلہ پر آمادہ ہوتے تو حضرت صہیبؓ اللہ کے لئے جان دینے پر بھی تیار تھے اور اس کے لئے تیار ہو کر ہی نکلے تھے شاید کوئی یہ کہے کہ حضرت صہیبؓ مقابلہ کرتے تو واقعی کمال تھا یا مال کو صدقہ کرتے تو یہ بھی ایک کمال تھا باقی جان بچانے کو مال دے دینا کیا بڑا کمال ہے یہ تو ہر شخص کیا کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے تو جان بچاتے ہیں اپنی جان کی محبت سے اور حضرت صہیبؓ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جان بچائی تھی جیسا کہ ابتغاء مرضاۃ اللہ سے معلوم ہو رہا ہے۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي
الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝
وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ
وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ
عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ
لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ ۚ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ
مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً
وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝

ترجمہ: سو بعضے آدمی ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں دے دیجئے اور ایسے شخص کو آخرت میں کوئی حصہ نہ ملے گا اور بعضے آدمی ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے ایسے لوگوں کو بڑا حصہ ملے گا ان کے اس عمل کی بدولت اور اللہ تعالیٰ جلدی ہی حساب لینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک پھر جو شخص دو دن میں جلدی کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں تاخیر کرے اس پر بھی گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو ڈرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین کرو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے اور بعض آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو صرف دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزیدار معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر مانتا ہے اپنے دل کی بات پر حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے اور تباہ کر دے کھیتیاں اور جانیں اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتے۔ اور جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو نخوت اس کو اس گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے سو ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے اور وہ بری آرام گاہ ہے اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہے اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

مکلّف کی دو قسمیں ہیں

مومن اور کافر اور ان میں سے ہر ایک دو دو قسم پر ہے تو چار قسمیں ہوئیں۔ خلاصہ یہ کہ ایمان اور کفر کے اعتبار سے مکلّف کی چار قسمیں ہیں یہ مضمون ان آیات کے بعض اجزاء میں مذکور ہے جہاں جہاں لفظ من ہے وہاں ایک ایک قسم ہے اس بیت میں تین جگہ من ہے اور ایک جگہ منھم ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے۔ کہیں من مظہر پر داخل ہے اور کہیں مضمر پر اور معنی من الناس اور منھم کے ایک ہی ہیں۔ غرض چار قسمیں کی گئی ہیں۔ مقسم وہی مکلّف ہے باعتبار ایمان اور کفر کے تقسیم اول یہ ہے کہ مکلّف یا مومن ہے یا کافر اور دونوں کی دو دو قسمیں ہیں۔ تو کل قسمیں یہ ہوئیں مطلق مومن اور مطلق اور مومن کامل اور کافر شدید اول مطلق مومن اور مطلق کافر کا بیان ہے اور ان دونوں میں سے مقدم ہے کافر کا بیان اور اس کے بعد بطور مقابلہ مومن کا بیان مطلق کافر کا بیان یہ ہے فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا یعنی ایک قسم ان میں سے وہ لوگ ہیں جو صرف دنیا کے طالب ہیں ان کی نسبت ارشاد ہے۔ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ آخرت میں ان کا کچھ بھی حصہ نہیں یہاں نکرہ ہے بعد نفی کے جس سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں۔ ذرا بھی حصہ ان کے واسطے آخرت میں نہیں ہوگا اس میں کافر کی ایک حالت تو دنیا کی بیان ہوئی اور ایک آخرت کی جو کہ دنیاوی حالت پر بطور نتیجہ مفترع ہے اور مومن کا ذکر گو آگے صریح آتا ہے۔

مطلق مومن کا شان

مگر اتنی بات یہیں سے معلوم ہو سکتی ہے کہ جب مومن کافر کا مقابل ہے تو اس کی دنیاوی حالت اس کی دنیاوی حالت کے مقابل ہوگی اور اخروی اور اس کی اخروی کے مقابل ہوگی یعنی مطلق مومن کی شان یہ ہوگی خواہ وہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہو کہ نہ تو وہ دنیا میں محض دنیا کا طالب ہوگا اور نہ آخرت میں اس کے واسطے مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ہوگا۔

مومن کے لئے خلود فی النار نہیں

یعنی ہر مومن کی نجات ضرور ہے گو اخیر میں ہو اور اولاً جزا اور سزا اعمال کی بھگتنی پڑے چنانچہ حدیث میں اس معنی کی تصریح موجود ہے لايبقى فى النار من كان فى قلبه مثقال ذرة من ايمان (نہیں باقی رہے گا دوزخ میں کوئی ایسا شخص جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو) کہ دوزخ میں کوئی وہ شخص نہیں رہے گا۔ دوزخ اس کے رہنے کا مکان نہیں ہے۔ مکان اصلی اس کا جنت ہے مگر بعارض دوزخ میں آ گیا ہے غرض جس کے دل میں ذرا سا بھی ایمان ہے جس کی وجہ سے اس کو کافر نہ کہہ سکیں اس کے واسطے بھی جنت ثابت ہے اور خلود فی النار نہ ہوگا اور کبھی نہ کبھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا حتی کہ اس قدر ضعیف اور قلیل الایمان شخص بھی جس کے دل میں اس قدر تھوڑا حصہ ایمان کا ہوگا جس کا پتہ انبیاء اور ملائکہ کو بھی نہ لگے گا اور اس کی اطلاع فقط اللہ تعالیٰ کو ہوگی وہ بھی نکال لیا جاوے گا چنانچہ ایک حدیث ہے جو شفاعت کے بارہ میں وارد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اخیر میں فرمائے گا کہ سب لوگ شفاعت کر چکے انبیاء بھی اور ملائکہ بھی اور مومنین بھی۔

حدیث شفاعت میں ایک لطیف تحقیق

اور جس جس کو شفاعت کا حق تھا سب کر چکے یہ لفظ ہے حدیث کا کہ بقی ارحم الراحمین یعنی اب شفاعت حق تعالیٰ کی باقی رہی اس کو شفاعت مجازاً فرمایا۔ دراصل تو رحمت ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو کسی دوسرے سے سفارش کرنا نہیں ہے۔ یہ فرما کر ایک لپ بھر کر دوزخیوں کی جنت میں داخل کر دیں گے۔ یہ لپ بھر کنایہ ہے تعداد کثیر سے۔ اس حدیث میں غور کرنا یہ ہے کہ تھوڑے تامل سے بخوبی واضح ہو سکتا ہے کہ اس سے میرے اس دعوے کا اثبات ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے قلب میں اتنا ضعیف ایمان ہوگا جس کا پتہ کسی شفاعت کرنے والے کو حتیٰ کہ انبیاء اور ملائکہ کو بھی نہ چلے گا اور ان کو بھی نجات ہوگی۔ یہ بات ذرا غامض معلوم ہوتی ہے مگر تھوڑی تقریر کے بعد غامض نہ رہے گی وہ تقریر یہ ہے کہ نص قطعی موجود ہے اس پر کہ کافر کی کبھی مغفرت نہ ہوگی۔ چنانچہ سورہ بینہ میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا (جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) اور اس مضمون کی آیتیں صدہا قرآن شریف میں موجود ہیں چنانچہ عقیدہ اہل سنت کا یہی ہے کہ کافر کے لئے خلود فی النار ضرور ہوگا اور اس کی کبھی مغفرت نہ ہوگی تو اب یہ لوگ جن کو حق تعالیٰ نے اخیر میں دوزخ سے نکالا وہ اس دلیل سے مومن تو ضروری ہیں تو اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی نے ان کی سفارش کیوں نہیں کی مومنین کے لئے سفارش کی اجازت ہو چکی اس کی وجہ اگر ہو سکتی ہے تو یہی کہ یہ لوگ اس قدر ضعیف الایمان ہوں گے کہ کسی کو ان کے ایمان کا احساس نہ ہو سکے گا باوجودیکہ سب حدید البصر ہیں مومن کے لئے حدیث میں وارد ہے اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور الله یعنی مومن کے تاڑ لینے سے ڈرو کیونکہ وہ نور خدا سے دیکھتا ہے۔ غرض کسی مومن پر مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔ صادق نہیں آ سکتا یہ شان صرف کافر کی ہے۔

کافر کی دو حالتیں

تو کافر کی حالتیں دو ہوئیں دنیا میں یہ کہ وہ فقط طالب دنیا ہو اور آخرت میں یہ کہ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ کا مصداق ہو اب سمجھ میں آ گیا ہوگا۔

کفر ذرا سا بھی موجب خلود فی النار ہے

اس جزو آیت میں یعنی فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ میں مطلق کافر کا ذکر ہے اور اس کے درجات کا بیان نہیں کیونکہ ضعیف سے ضعیف کفر کا بھی یہ حکم مشترک ہے کہ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ یعنی آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہرگز اس کی نجات نہیں ہو سکتی اور راز اس میں یہ ہے کہ کفر اپنی حقیقت کے اعتبار سے اس درجہ قبیح ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی خوبی موثر نہیں کہ اس پر کوئی حصہ آخرت میں اس کو ملتا اور وہ حقیقت بغاوت ہے جس کا یہ اثر مسلم ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

غرض یہ شبہ محض بے اصل ہے کہ کافر کی کسی خوبی کا اعتبار کفر کے ہوتے ہوئے ہو سکتا ہے کافر کے واسطے چاہے وہ تمام اوصاف کا مجموعہ ہو عقلاً یہی حکم ہونا چاہیے کہ اس کی سب خوبیاں بے سود ہیں اور نتیجہ یہی ہے کہ مَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ بعض لوگ انکار توحید پر تو اس سزا کے ترتب کو موافق عقل کے سمجھتے ہیں مگر انکار رسالت پر شبہ کرتے ہیں کہ مقصود اعتقاد رسالت سے بھی اعتقاد توحید ہی ہے کہ انبیاء اسی واسطے آگے ہیں پس جب مقصود حاصل ہے تو طریق کے انکار سے کیا ضرر پس اصل دین یعنی توحید اس میں موجود ہے محض ایک رسالت کے متعلق اس کا خیال غلط ہے سو یہ غلطی ایسے شخص کو معاف ہونا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ منکر توحید کی نسبت تو اس سزا کا استحقاق تم کو بھی مسلم ہے صرف منکر رسالت کے بارے میں شبہ ہے سو ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ جو شخص منکر رسالت ہوگا وہ منکر توحید بھی ہوگا پس اب منکر رسالت کے استحقاق پر بھی شبہ نہ رہا۔ غرض یہ جزو آیت کا یعنی مَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ مطلق کافر کی شان میں ہے۔

مکلّفین کی دوسری قسم

دوسری قسم مکلف کی اس دوسرے جملہ میں ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک گروہ آدمیوں کا وہ ہے جو کہتا ہے اے اللہ ہم کو دنیا میں بھی نیکی دیجئے اور آخرت میں بھی۔ ترجمہ ہی سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ مومن مطلق کی شان میں ہے کیونکہ اعتقاد آخرت ہر مومن میں مشترک ہے۔

آیت فی الدنیا حسنة سے ترقی دنیا مراد نہیں

اور یہاں ایک بات پھر یاد آئی کہ اس آیت کو آج کل کے تعلیم یافتہ بہت پڑھتے ہیں اور اپنا ایک مدعا اس سے ثابت کرتے ہیں وہ مدعا کیا ہے ترقی دنیا کہتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم تو یہ ہے کہ آخرت کی ترقی کے ساتھ دنیا میں بھی ترقی کرو اور خشک مغز مولوی دنیا کی ترقی کو بالکل روکتے ہیں یاد رکھئے کہ آیت ہی میں اس کا جواب موجود ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے من الدنیا حسنة نہیں فرمایا بلکہ فی الدنیا حسنة فرمایا اگر من الدنیا حسنة فرمایا ہوتا تو یہ معنی ہو سکتے تھے کہ دنیا کی وہ حالت دیجئے جو اچھی ہو۔ جس کو بلفظ دیگر ترقی کہہ سکتے ہیں۔ جس کے ثبوت کے لئے یہ آیت پیش کی جایا کرتی ہے اور فی الدنیا حسنة کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں بھی ہم کو اچھی چیز دیجئے اور اس اچھی چیز کا جزو دنیا ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ لفظ حسنہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دنیا کی چیز نہیں کیونکہ یہی لفظ حسنة آگے بھی موجود ہے اور ظاہر یہی ہے جو معنی اس کے وہاں ہیں وہی یہاں بھی ہوں گے اور ظاہر ہے کہ و فی الآخرة حسنه میں مراد ترقی مصطلح نہیں ہے بلکہ نیکی مراد ہے تو اس دعا میں دنیا کی اچھی حالت نہیں مانگی بلکہ دنیا میں نیکی مانگی اور دنیا میں وہ نیکی اعمال صالحہ ہیں اور آخرت میں وہ نیکی ان کی جزا ہے تو حسنہ دنیا میں جس کی طلب کی گئی ہے وہ انگریزی پڑھنا نہیں ہوئی بلکہ توفیق اعمال صالحہ ہوئی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترقی دین کی دعا

قرآن شریف میں فی الدنیا کا لفظ ہے نہ کہ من الدنیا کا تو حسنۃ کے معنی نیک کام کے ہوئے تو معنی یہ ہوئے کہ اے اللہ ہم کو دنیا میں نیک کام کی توفیق دیجئے اور آخرت میں ان کی جزا دیجئے بلکہ اشارۃً ترقی متعارف کی نفی ہے اس کا قرینہ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہے ورنہ اس کے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً کافی تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکی مانگنے کے ساتھ دوزخ میں لے جانے والی برائی سے بچنے کی بھی دعا ہے جس میں وہ ترقی بھی داخل ہے جو موجب معصیت ہو غرض اس آیت میں دعاء ترقی دین ہی کی ہے اور ظاہر ہے کہ دین کی دعا کرنا یہ شان مومن کی ہے اتنا تو بہت ہی صاف ہے البتہ اس میں مومن کا درجہ کا بیان نہیں کہ ادنیٰ ہے یا کامل مگر میرا مدعا ہر طرح محفوظ ہے کہ اقسام اربعہ مکلفین میں سے اس آیت میں ایک قسم یعنی مومن مطلق کا بیان ہے جیسا کہ اس سے اوپر کافر مطلق کا بیان تھا باقی دو قسمیں آگے آتی ہیں بیچ میں چند جملے اور ہیں جن کا مضمون مقام کے ساتھ گو مرتبط ہے مگر اس کو تقسیم سے تعلق نہیں۔

مکلفین کی تیسری قسم

لہٰذا آگے کی آیتوں سے بقیہ اقسام اور ان کے احکام بیان کرتا ہوں تیسری قسم یہ ہے کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۔ ترجمہ یہ کہ بعض آدمی وہ ہیں جن کی بات دنیا کے بارہ میں آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی قلبی حالت پر گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ بڑا جھگڑالو ہے۔ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ترجمہ یہ ہے اور جب وہ یہاں سے جاتا ہے تو اس کا کام یہ ہے کہ زمین میں قتل اور غارت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا اور اس کی حالت یہ ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۔ یعنی جب اس کو اس پر نصیحت کی جاتی ہے اور خدا کا خوف دلایا جاتا ہے تو اس کو گناہ کرنے پر حمیت اور عار مجبور کرتی ہے یعنی باوجودیکہ گناہ ہونا اس کے قلب میں ثابت ہو جاتا ہے مگر حمیت اور عار اور ضد سے گناہ کرتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ اس کے لئے جہنم کافی ہے۔ اور وہ بری جگہ ہے اس کے شان نزول سے معلوم ہوا ہے کہ یہ آیت مطلق کافر کے بارہ میں نہیں ہے کیونکہ یہ آیت اخنس نامی منافق کے بارہ میں اتری ہے ایک مقدمہ تو یہ ہے اور دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ ملایئے کہ منافق اشد ہے کافر مجاہر سے اور اسی واسطے منافق کا عذاب مطلق کافر سے اشد ہے کیونکہ یہ دھوکہ دیتا ہے اس لئے قرآن شریف میں منافق کے بارہ میں وارد ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ یعنی منافقین دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں ہوں گے ہر دو مقدموں کے ملانے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس آیت میں معمولی کافر کا ذکر نہیں ہے بلکہ اشد کافر کا ہے نیز جن اعمال کا اس آیت میں ذکر ہے وہ نہایت شدید جرائم ہیں مثلاً فساد فی الارض اور اهلاک حرث والنسل یعنی قتل و غارت سب جانتے ہیں کہ یہ شدید جرائم ہیں چنانچہ خود حق تعالیٰ نے بھی فرمایا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی خدا تعالیٰ کو یہ اعمال پسند نہیں اس بھی ثابت ہوتا ہے کہ آیت مطلق کافر کے بارہ میں نہیں بلکہ شدید کافر کے بارہ میں ہے شدید ہونا تو تقریر مذکور سے معلوم ہوا باقی یہ کہ یہ شخص کافر ہے سو اس کا پتہ مال سے چلتا ہے وہ مال یہ ہے فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۔ یعنی اس کے لئے جہنم کافی ہے جو بری جگہ ہے یہ حکم کافر ہی کا ہو سکتا ہے نہ کہ مومن کا غرض آیت کے اس ٹکڑے میں کافر شدید کا ذکر ہے۔ نہ مطلق کافر کا جیسا کہ اوپر کافر مطلق کا ذکر آ چکا ہے یہ تین قسمیں ہو گئیں۔

مکلفین کی چوتھی قسم

اس کے بعد آیت ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ یہ عطف دور سے چلا آ رہا ہے اور یہ جملہ اس واسطے میں نے دور سے اس آیت کو شروع کیا وہیں سے ومن الناس کا سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ قرآن شریف روزمرہ پڑھا جاتا ہے مگر پڑھنے والے کی نظر کبھی نہیں جاتی اس پر کہ یہ سب ایک ہی سلسلہ میں مرتبط ہیں اول کی دو قسموں پر تو نظر پڑ جاتی ہے کیونکہ ان کا عطف قریب قریب ہے اور یہ دو قسمیں جملہ مستانفہ معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ان کا عطف بعید ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان قسموں کو ماقبل سے کوئی تعلق نہیں لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ سب جملے باہم مرتبط ہیں اور ایک ہی مقسم کی چاروں قسمیں آیت میں موجود ہیں۔ غرض چوتھی قسم یہ ہے کہ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۔ بمعنی بیع کے ہے تو ترجمہ یہ ہوا کہ ایک قسم آدمیوں کی وہ ہے جو اپنی جان کو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے بیچ ڈالتے ہیں ان کا کام تو یہ ہے اور حق تعالیٰ کا ان کے ساتھ برتاؤ یہ ہے وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ اس کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ہی اشخاص کی شان میں ہے جو کمال درجہ ایمان پر پہنچے ہوئے تھے جن کو مومن کامل کہنا چاہیے اور لفظ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ بھی بتاتا ہے کہ آیت مطلق مومن کے بارے میں نہیں ہے بلکہ بڑے مومن کے بارہ میں ہے کیونکہ رؤف مبالغہ کا صیغہ ہے رافت خود شدت رحمت کو کہتے ہیں اور اس سے مبالغہ کا صیغہ بنا تو اور رحمت میں شدت ہو گئی پس ایسی رحمت اسی شخص کے واسطے ہو سکتی ہے جو بدرجہ کمال اس کا مستحق ہو اور وہ مومن کامل ہی ہے اور لفظ بالعباد بھی بتاتا ہے کہ مومن کامل ہی مراد ہے کیونکہ اعلیٰ درجہ کا کمال عبدیت ہی ہے غرض ہر ہر لفظ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس آیت میں بیان مومن کامل کا ہے تو کل قسمیں مکلفین کی چار ہوئیں یہ تو مدلول لفظی تھا ان آیات کا اب اس مدعائے مستنبط کو بیان کرتا ہوں تقریر مذکور میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ ایمان کے مراتب بھی مختلف ہیں اور کفر کے مراتب بھی مختلف ہیں ایک کفر کامل (کامل تو کیوں کہوں کیونکہ کفر تو بدترین عیب اور بدترین نقص ہے اس کی جگہ لفظ کفر شدید اختیار کرتا ہوں) دوسرا غیر شدید اور ظاہر ہے کہ آخری وہ درجہ جس کو کامل اور شدید کہا جائے انتہائی درجہ ہوتا ہے پھر اس کے مقابل جو سب میں اول ہو ابتدائی کہلاتا ہے جیسے درسیات میں ہدایہ امور عامہ وغیرہ کو کہا جاتا ہے کہ پہلی کتاب ہے اسی کو ابتدائی کتاب بھی کہہ سکتے ہیں غرض کمال کو انتہاء اور پہلے درجہ کو ابتداء کہتے ہیں اور جب کفر میں یہ مراتب ہیں تو ضرور ایک مرتبہ اخیر ہو گا جس کو میں نے شدت کفر کہا تھا اور ایک درجہ سب سے کم ہو گا جس کو ابتدا کہہ سکتے ہیں غرض کفر میں دو مرتبے نکلے ابتدا اور انتہا اور ایسے ہی ایمان میں بھی ابتداء اور انتہاء ہوئی اور مجھ کو اس وقت صرف ایمان کے ان

(c) ketabton.com: The Digital Library

مراتب کا بیان مقصود ہے اور یہی ہے وہ مضمون مستنبط جس کی تمہید کو گو طول تو ہوا مگر ضرورت کی وجہ سے ہوا کیونکہ ایمان کے ان مراتب کا ثابت کرنا اس سب بیان پر موقوف تھا غرض تقسیم مذکور تو مکلفین کی قرآن سے ثابت ہوئی اور اس کے ساتھ ایک مقدمہ عقلی ملا یا گیا جو بہت ظاہر ہے پس اس طرح سے آیت میں ابتدائی اور انتہائی درجہ کا بیان ہو گیا اور سوق کلام میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اولاً بیان ہے ابتدائی مرتبہ کا اس کے بعد انتہائی کا اور ذکر مراتب میں اسی طرح تدریجاً ترقی کیا کرتے ہیں اور کمال کو بعد میں بیان کیا کرتے ہیں اکثر عادت یہی ہے گو یہاں قرآن میں کوئی لفظ صریح نہیں اس ترتیب کے بارہ میں مگر ایسی ترتیب بلغاء کی عادت ہے اور قرآن بلیغ ہے تو قرآن میں بھی یہی ترتیب ہونا بہت قرین قیاس ہے پھر اقسام کی حقیقت میں نظر کرنے سے بھی یہی ترتیب واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ اول مطلق کا درجہ مذکور ہو۔ پھر کمال کا پس اس طور پر آیت کے مجموعی مضمون سے یہ دعویٰ مستنبط ہو گیا کہ کفر کی طرح ایمان میں بھی یہ مراتب ہیں یعنی ابتدائی اور انتہائی اور اس وقت میری بحث کا تعلق صرف ایمان سے ہے میں درجات کفر سے تعرض نہ کروں گا غرض ایمان کا ایک درجہ تو ابتدائی ہوا اور ایک انتہائی اور آگے کی ایک آیت ہے یہ دلالت بہت ہی واضح ہو جائے گی اور وہ آیت یہ ہے يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۔ یہ صاف ہے اس بارہ میں کہ دو مرتبے ہیں اسلام میں کیونکہ اس میں خطاب ہے ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اور ان کو حکم ہے دخول فی السلم کافۃ کا معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد بھی کوئی مرتبہ باقی ہے جس کو دخول فی السلم کافۃ کہہ سکتے ہیں اور اس سے پہلے یہ مرتبہ حاصل نہیں غرض ایمان کے دو درجہ ہونا بہت ہی صراحت کے ساتھ ثابت ہو گیا۔ ایک مطلق جو ابتدائی درجہ پر بھی صادق ہے اور چونکہ تفاوت ایمان کا اعمال سے ہوتا ہے چنانچہ بعض اعمال سے نفس ایمان کا وجود ہوتا ہے مثلاً کلمہ شریف کا پڑھنا اور بعض اعمال سے کمال ایمان ہوتا ہے جیسے دوسرے اعمال پس ایمان میں ان دو درجے کے ہونے کے معنی یہ ہوں گے کہ ایمان سے جن اعمال کا تعلق ہے ان اعمال میں دو درجے میں ایک اول الاعمال دوسرا آخر الاعمال۔ حق تعالیٰ نے حج کے احکام کے ساتھ فرمایا ہے۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا

ترجمہ: یعنی جب تک مناسک حج پورا کر چکو تو خدا تعالیٰ کو یاد کرو جیسا اپنے آباؤ اجداد کو یاد کرتے تھے یا ان کے ذکر سے بھی زیادہ یاد کرو۔

مسلمان طالب حسنہ ہیں

زمانہ جاہلیت میں حج کے بعد منیٰ میں اہل عرب قیام کرتے اور وہاں مشاعرہ ہوتا۔ اور مفاخرت کے طور پر اپنے خاندانی فضائل کا مذاکرہ ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ذکر اللہ سے بدل دیا کہ اب بجائے ذکر دنیا کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ جاہلیت کا طریقہ چھوڑ دو۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اب ذکر اللہ یعنی دین کے اعتبار سے لوگوں کی چند قسمیں ہیں چنانچہ ارشاد ہے فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ یعنی بعض آدمی تو وہ ہے جو (دعا میں) یوں کہتا ہے اے پروردگار! ہم کو (جو کچھ دینا ہو) دنیا میں ہی دے دے اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ تو کافر ہے کیونکہ جس کو آخرت میں کچھ نہ ملے وہ کافر ہی ہے مسلمان اس کا مصداق نہیں ہوسکتا آگے دوسری قسم ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اس آیت کا سیاق کلام بتلا رہا ہے کہ اس کے مصداق وہ مسلمان ہیں جو طالب آخرت ہیں اس پر شاید سوال ہو کہ جب یہ لوگ مسلمان طالب آخرت ہیں۔ تو انہوں نے دنیا کیوں مانگی۔ اور اس سے بعض انگریزی خوانوں نے طلب دنیا کا مضمون سمجھ کر یہ کہا ہے کہ دنیا جس کی مذمت کی جاتی ہے اور جس کی طلب سے علماء منع کرتے ہیں۔ ایسی چیز ہے جس کی طلب نص میں بیان کی گئی ہے اور اس پر مدح کی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دنیا کو کہاں مانگا گیا ہے حق تعالیٰ نے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا فرمایا ہے۔ دنیا تو نہیں فرمایا اگر یوں فرماتے تو بے شک طلب دنیا مفہوم ہوتی۔ مگر نص میں تو رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وارد ہے۔ جس میں مطلوب حسنہ ہے اور دنیا محض ظرف ہے پس اس سے طلب دنیا لازم نہیں آتی بلکہ طلب حسنة فی الدنیا لازم آئی۔ اس لئے ان کو طالب دنیا کہنا غلط ہے بلکہ وہ تو طالب حسنه فی الدنیا ہیں۔ اس پر شاید سوال ہو کہ پھر ان کو طالب آخرت کہنا بھی صحیح نہ ہوگا بلکہ طالب حسنه فی الاخرة کہنا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ طلب آخرت کے تو معنی یہی ہیں کہ طلب حسنہ ہو۔ اب چاہے تم اس کو طالب آخرت کہو یا طالب حسنه فی الآخرة کہو۔ دونوں برابر ہیں۔

اس پر اگر تم کہو پھر ہم بھی طالب دنیا نہیں بلکہ طالب حسنة فی الدنیا ہیں۔ یعنی مال و دولت حسنہ ہے اور ہم اس کے طالب ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حسنہ سے مراد حسنہ واقعیہ ہے نہ کہ حسنہ مزعومہ اور یہ شریعت سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حسنہ واقعیہ کیا ہے اور جس چیز کے تم طالب ہو وہ تمہارے نزدیک حسنہ ہے مگر شرعاً تو وہ حسنہ نہیں ہے پس شریعت پر فیصلہ ہے پس اس آیت کا مصداق وہی شخص ہوسکتا ہے جو حسنہ شریعت کا طالب ہو اور حسنہ شریعہ سے بھی وہ مراد ہے جو حقیقتاً حسنہ شریعہ ہو۔ محض سورۃ ہی حسنہ نہ ہو کیونکہ بعض افعال صورۃ دین کے کام معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقتاً دین نہیں ہوتے ہم ان سے بھی منع کرتے ہیں۔

بہرحال اس میں تو شک نہیں کہ پہلی آیت کا مصداق کافر ہے اور دوسری آیت کا مصداق مومن عام مفسرین نے تو یہی دو قسمیں سمجھی ہیں اور آگے مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ سے مستقل کلام لیا ہے مگر قاضی ثناء اللہ صاحب نے مجموعہ کلام میں چار قسمیں سمجھی ہیں دو تو وہ ہیں جو ابھی مذکور ہوئیں اور دو مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ الخ اور وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ الخ۔

خلاصہ فرق دونوں توجیہوں کا یہ ہے کہ عام مفسرین کے نزدیک تو یہاں پر دو تقسیمیں ہیں۔ تقسیم اول انسان کی تقسیم ہے۔ مومن و کافر کی طرف تقسیم ثانی انسان کی تقسیم ہے منافق اور مخلص کی طرف مگر یہ اقسام باہم جمع ہوسکتی ہیں چنانچہ کافر و منافق جمع ہوسکتے ہیں اور مومن و مخلص جمع ہوسکتے ہیں۔ اس تقسیم کی ایسی مثال ہے جیسے نحاۃ نے کلمہ کی تقسیم کی ہے اسم و فعل و حرف کی طرف۔ پھر دوبارہ تقسیم کی ہے مذکر و مونث کی طرف و علیٰ ھذا تو یہ اقسام باہم جمع ہوسکتی ہیں۔ یہ تو جمہوری مفسرین کی توجیہ کا حاصل ہے۔

اور بعض دوسرے مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ یہاں ایک ہی تقسیم ہے اور مقسم بھی واحد ہے۔ یعنی انسان مقسم ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں مومن و کافر۔ پھر کافر کی دو قسمیں ہیں۔ مجاھر و منافق اور مومن کی دو قسمیں ہیں ایک طالب آخرت اور ایک طالب حق پس کل چار قسمیں متبائن ہوگئیں کافر مجاہر اور کافر غیر مجاہر۔ اور مومن طالب آخرت اور مومن طالب حق بدوں التفات الی الاخرة (بدوں اس کے کہ آخرت کا طالب ہو)

(c) ketabton.com: The Digital Library

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔ میں کافر مجاہد کا ذکر ہے جو کہ دنیا محضہ کا طالب ہے اور وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً الخ. میں مومن طالب آخرت کا ذکر ہے اور ومن الناس من یعجبک قولہ میں کافر غیر مجاہد یعنی منافق کا ذکر ہے اور وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ میں مومن طالب حق کا ذکر ہے جو محض طالب رضا ہے آخرت اور دنیا دونوں کی طرح ملتفت نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ

ترجمہ: کہ بعض لوگ وہ ہیں جو اپنے نفسوں کو بدل کر دیتے ہیں یعنی خرچ کر دیتے ہیں اللہ کی مرضی طلب کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت مہربان ہیں۔

شراء نفس کی فضیلت اور غایت

حاصل یہ ہے کہ اس جگہ ایک عمل کی فضیلت مذکور ہے یعنی شراء النفس کی اور ایک اس کی غایت مذکور ہے یعنی ابتغاء مرضات اللہ اور گو غایت بھی ایک فعل ہی ہے مگر اس میں جہت مقصودیت غالب ہے اس لئے بہ نسبت عمل کہنے کے اس کو غایت کہنا زیادہ زیبا ہے اور ایک ثمرہ مذکور ہے وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ کہ اس فعل اور غایت کا ثمرہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت اور رافت متوجہ ہوتی ہے یہ تین مضمون اس آیت میں مذکور ہیں اور اس کی تفسیر میں سیاق وسباق پر نظر کر کے مفسرین نے اس کی توجیہیں بیان کی ہیں بعض نے ایک توجیہ بیان کی ہے اور بعض نے دوسری توجیہ بیان کی ہے اس میں بھی سیاق وسباق پر نظر ہے مگر دور تک نہیں انہوں نے صرف قریب کی آیت سر نظر کی ہے سیاق کا لفظ ویسے ہی زبان سے نکل گیا مقصود صرف سباق ہے کیونکہ ان توجیہات میں سباق ہی کو دخل ہے اور سباق پر نظر کرنا بھی تفسیر کا بڑا جزو ہے خصوصا ربط سمجھنے کے لئے اس کی بہت ضرورت ہے ورنہ بعض اشکالات ہونے لگتے ہیں اس کی نظیر میں ایک آیت اس وقت یاد آئی جس میں سباق پر نظر نہ کرنے سے اشکال واقع ہوا ہے آیت یہ ہے وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۔ یعنی حق تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز غلبہ نہ دیں گے اگر اسی آیت کے الفاظ پر نظر کو مقصود کر دیا جائے تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو خلاف مشاہدہ ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ہو گیا ہے اس کا جواب بھی دیا گیا اور اچھا جواب ہے کہ غلبہ سے غلبہ فی الحجت مراد ہے مطلب یہ ہوا کہ حجت میں کافروں کو کبھی غلبہ نہ ہوگا اور یہ مشاہدہ کے موافق ہے حجت میں ہمیشہ اسلام ہی کو غلبہ ہوا ہے اور ہوتا ہے گو یا جواب فی نفسہ صحیح ہے مگر کیا اچھا ہو کہ اشکال ہی نہ پڑے جو جواب دینے کی ضرورت ہو تو سباق میں نظر کرے سے معلوم ہوا کہ یہاں اوپر سے فیصلہ قیامت کا ذکر ہے اور یہ جملہ اسی فیصلہ کے متعلق ہے پوری آیت یوں ہے فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا یعنی بس اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کرینگے قیامت کے دن اور (اس فیصلہ میں) حق تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز غلبہ نہ دینگے۔ دیکھئے سباق میں نظر کرنے سے یہ فائدہ ہوا کہ اشکال وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ یہاں غلبہ فی الدنیا کا ذکر ہی نہیں بلکہ فیصلہ قیامت میں غلبہ نہ ہونے کا ذکر ہے علماء کو یاد کر لینا چاہیے کہ تفسیر آیت کے وقت صرف آیت کے اسی ٹکڑے کو نہ دیکھیں جس کی تفسیر مقصود ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

بلکہ اوپر سے ملا کر دیکھیں ان شاء اللہ اس طرح اول تو اشکال ہی وارد نہ ہوگا اور اگر ہوا بھی تو جواب بھی اسی موقع پر مل جاوے گا دوسری نظیر ایک اور یاد آئی کہ وہاں بھی سباق پر نظر نہ کرنے ہی سے اشکار واقع ہوا ہے۔ آیت یہ ہے

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

ترجمہ: اے اولاد آدم اگر تمہارے پاس تمہارے میں سے کچھ رسول آئیں جو میری آیتیں تمہارے سامنے پڑھیں تو پھر جو شخص (ان کے حکم کے موافق) تقوی اختیار کرے اور (اعمال کی) اصلاح کرے گا ان پر کچھ اندیشہ نہ ہوگا نہ وہ غمگین ہونگے۔ (سورہ اعراف)

اس آیت کے الفاظ پر نظر کر کے بعض اہل باطل نے استدلال کیا ہے کہ ارسال رسل کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا کیونکہ اس آیت میں حق تعالیٰ جملہ بنی آدم کو جن میں امت محمدیہ ﷺ بھی داخل ہے خطاب فرما رہے ہیں کہ اگر تمہارے پاس رسول آئیں الخ اگر باب رسالت مسدود ہو چکا ہے تو اب اس قسم کے خطاب کے کیا معنی ہوئے یہ اشکال اس لئے ہوا کہ ان لوگوں نے محض اسی آیت کے الفاظ کو دیکھا اگر سباق پر نظر کی جائے تو پھر قصہ سہل ہو جاتا ہے وہ یہ کہ اوپر سے آیات میں نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سے اوپر آدم علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے کہ وہ پیدا کئے گئے پھر جنت میں رکھے گئے پھر وہاں سے زمین پر اتارے گئے اور اس وقت آدم علیہ السلام کو ان کی ذریت کو کچھ خطابات ہوئے ہیں چنانچہ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ۝ قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَ فِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ میں آدم و ذریت آدم دونوں کو خطاب ہے پھر یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِیْشًا ۚ اور یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۚ میں اسی وقت اولاد آدم کو خطاب ہوا ہے اسی وقت کے خطاب کا یہ بھی تتمہ ہے۔ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ الایۃ پس یہ سب خطابات قصہ ہبوط آدم علیہ السلام کے وقت یا اس کے متصل ہی ارواح بنی آدم کو ہوئے ہیں جن کو اس وقت اس لئے نقل کر دیا گیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ عہود ہم سے قدیم زمانہ میں لے لئے گئے ہیں کوئی نئی بات نہیں اور اس وقت باب رسالت بند نہ تھا لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں (اور اس خطاب کے قدیم ہونے کی تائید آثار سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ بیان القرآن میں بروایت ابن جریر ابو سیار سلمی کا قول نقل کیا گیا ہے) دوسرے القرآن یفسر بعضه بعضا کے قاعدہ سے سورہ بقرہ کی آیت بھی اس کی موید ہے کیونکہ وہاں ارسال رسل کا مضمون حکم ہبوط کے ساتھ متصل ہی بیان ہوا ہے۔ فرماتے ہیں قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا ۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ اس خطاب میں بجز اس وقت کا خطاب ہونے کے اور کوئی احتمال ہو ہی نہیں سکتا پس ایسے ہی یہاں بھی خطاب یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ الخ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ سے مربوط ہے گو بیچ میں اور مضامین بھی آ گئے ہیں اس کا کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ بات میں سے بات نکل ہی آیا کرتی ہے بلاغت کا مسئلہ ہے الکلام یجر بعضه بعضا چنانچہ بلغاء کا قاعدہ ہے کہ ایک بات کو شروع کرتے ہیں اس سے دوسری بات نکل آئی تو تبعاً اس کو بھی بیان کر دیا اس کے بعد پھر پہلی بات کی طرف عود کرتے ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن کا نزول اسی طرز محاورہ پر ہوا ہے معقولیین یا مصنفین کے طرز پر نہیں ہوا لہٰذا یہاں ربط سمجھنے اور تفسیر دریافت کرنے کے لئے دور تک آیات کو دیکھنے کی ضرورت ہے لطف تفسیر کا اسی میں ہے اور اس سے سب اشکالات حل ہو جاتے ہیں ایسے ہی یہاں بھی سیاق میں نظر کر کے آیت کی تفسیر کرنا چاہیے گو یہاں سیاق میں نظر نہ کرنے سے کوئی اشکال تو واقع نہ ہوگا مگر لطف بھی حاصل نہ ہوگا اس لئے مفسرین نے سیاق پر نظر کر کے اس کی دو توجیہیں کی ہیں بعض نے سیاق قریب پر نظر کی ہے اور وہ یہ ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ الآية اس پر نظر کر کے تو تفسیر آیت کی یہ ہوئی کہ حق تعالیٰ نے یہاں تقسیم کی ہے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو معجب بالحیوۃ الدنیا ہے دوسرے وہ جو حیات دنیا کو ابتغاء رضا الیہ میں بیع کر چکا ہے اس کا بیان وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ الخ میں ہے اور اس پر سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ الخ یہ آیت مع اپنے توابع کے ایک منافق کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جس کا نام غالباً اخنس تھا۔ گو حکم مذکور میں اس کی تخصیص نہیں بلکہ جو بھی ویسا ہو اس کا وہی حکم ہے جو یہاں بیان ہوا ہے جو لوگ استرسال نفس کے لئے بہانہ ڈھونڈتے ہیں وہ تخصیص شان نزول سے بے فکر ہو جاتے ہیں کہ جہاں کسی فعل شنیع پر وعید نظر آئی انہوں نے فوراً کہہ دیا کہ یہ تو فلاں شخص یا فلاں جماعت کے بارہ میں نازل ہوئی ہے ہم سے اس کا کچھ تعلق نہیں مگر خدا جزائے خیر دے اصولیین کو کہ انہوں نے قاعدہ مقرر کر دیا ہے العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہے خصوص سبب نزول کا اعتبار نہیں پس جہاں کسی فعل پر کوئی وعید عموم الفاظ کے ساتھ وارد ہوگی یا کوئی حکم مرتب ہوگا اس کو عام ہی کہا جائے گا مورد کے ساتھ خاص نہ کیا جائے گا۔

ورنہ چاہیے کہ لعان کا حکم حضور ﷺ کے بعد نہ ہوتا کیونکہ اس کا نزول ایک خاص واقعہ میں ہوا ہے مگر خود حضور ﷺ نے بھی اس واقعہ کے بعد دوسرے واقعہ میں اس حکم کو جاری کیا ہے اور خلفاء نے بھی ہمیشہ اس کو جاری رکھا ہے اسی طرح یہاں رکھا جائے گا گو نزول آیت کا ایک خاص منافق کے باب میں ہے مگر حکم اس کے ساتھ خاص نہیں شان نزول صرف محرک نزول ہو جاتا ہے مقصود اصل وہی نہیں ہوتا غرض وہ منافق بڑا لسان تھا ایسا کہ کبھی کبھی حضور ﷺ پر بھی طبعاً اس کی لسانی کا اثر ہو جاتا تھا اسی لئے تو یعجبک قولہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے باوجودیکہ حضور ﷺ ایسے عاقل تھے کہ میں آپ کے عاقل ہونے پر ایک لطیفہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ مسلمان تو آپ کو عاقل مانتے ہی ہیں وہ تو غلام ہیں اپنے آقا کو اچھا کہیں ہی گے اور جتنا کچھ کہیں تھوڑا ہے مگر لطیفہ یہ ہے کہ کفار مسلمانوں سے زیادہ آپ کو عاقل مانتے ہیں کیونکہ اس کا اقرار کفار کو بھی ہے کہ حضور ﷺ نے تھوڑی سی مدت میں اتنے بڑے بڑے کام کئے ہیں جو دوسرا نہیں کر سکتا عرب کے جاہلوں کو تھوڑے ہی دنوں میں ایسا شائستہ اور مہذب بنا دیا کہ تمام تعلیم یافتہ قومیں ان کے سامنے پست ہو گئیں پھر اس کے ساتھ قواعد متعلقہ معاش و معاد ایسے ممہد کئے جن کی نظیر نہیں مل سکتی یہ سب باتیں کفار کو تسلیم ہیں مگر ہم تو حضور ﷺ کو محض سلطان نہیں کہتے بلکہ نبی بھی کہتے ہیں اور ان فیوض و برکات کو تائید من اللہ اور نبوت کی برکت سمجھتے ہیں اور کفار حضور ﷺ کو نبی نہیں مانتے وہ حضور کے ان سب کارناموں کو اپنی عقل سے ناشی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد عربی ﷺ بہت

(c) ketabton.com: The Digital Library

بڑے عاقل انسان تھے کہ تھوڑی سی مدت میں ایسے ایسے کام انجام دیئے تو وہ آپ کو ہم سے زیادہ عاقل مانتے ہیں کہ جو کام ہمارے نزدیک خدا کے کرنے کا تھا ان کے نزدیک وہ حضور علیہ کی عقل کا نتیجہ ہے غرض حضور علیہ ایسے عاقل تھے کہ موافق و مخالف سب کو آپ کا عاقل کامل ہونا مسلم ہے مگر وہ منافق ایسا لسان تھا کہ حضور جیسے عاقل پر بھی اس کی لسانی کا طبعاً اثر ہو جاتا تھا طبعاً اس لئے کہا کہ عقلاً آپ کو دھوکہ نہ ہوتا تھا کیونکہ عاقل دھوکہ نہیں کھایا کرتا چنانچہ دوسری آیت میں اس کی تفسیر موجود ہے۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ (ترجمہ) جن لوگوں کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا اور ہم تو اگر چاہتے تو آپ کو ان کا پورا پتہ بلا دیتے سو آپ ان کو حلیہ سے پہچان لیتے اور آپ ان کو طرز کلام سے (اب بھی) ضرور پہچان لیں گے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضور علیہ کو دھوکہ نہ ہوتا تھا طرز کلام سے آپ ہر شخص کو پہچان لیتے تھے کہ یہ مومن ہے یا منافق سچا ہے یا جھوٹا کیونکہ ولتعرفنهم میں لام تاکید اور نون تاکید کے ساتھ کلام کو موکد کیا گیا ہے یعنی آپ ضرور پہچان لیں گے پس عقلاً آپ کو ہرگز دھوکہ نہ ہوتا تھا۔

خاصہ بشری

اور یہاں جو فرمایا ہے يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اس سے طبعی اثر مراد ہے کہ آپ پر اس منافق کی لسانی سے طبعاً ایک گونہ اثر ہو جاتا تھا اور یہ بشری خاصہ ہے کہ فصیح و بلیغ زوردار کلام سے تھوڑی دیر کے لئے انسان ضرور متاثر ہو جاتا ہے (جیسے کوئی شاعر عمدہ غزل سنادے تو سننے والا ضرور متاثر ہوتا ہے گو اس سے عقلاً دھوکہ نہیں ہوتا کیونکہ جانتا ہے کہ شاعر مبالغہ بہت کیا کرتے ہیں اسی طرح کوئی بلیغ آدمی زوردار تقریر کرے تو کلام کا اثر تھوڑی دیر کے لئے ضرور ہوگا گو ہم یہ بھی جانتے ہوں کہ یہ شخص جھوٹی باتیں بہت بنایا کرتا ہے اسی کو حضور فرماتے ہیں ان من الشعر لحكمة و ان من البيان لسحرا) پس اب دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں رہا ایک میں طبعی تاثر کا اثبات ہے دوسری میں عقلی تاثر کی نفی ہے اور یہ بھی حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ کے ان آثار طبیعہ ولوازم بشریہ کو ظاہر کر دیا تا کہ آپ پر الوہیت کا شبہ نہ ہو گو بعض جہال نے اس پر بھی آپ کو الوہیت تک پہنچا دیا ہے بلکہ آپ تو آپ جہلاء نے حضرت غوث اعظم کو بھی الوہیت تک پہنچا رکھا ہے چنانچہ ایک حکایت مشہور کی جاتی ہے کہ آپ کے پاس ایک بڑھیا آئی جس کا لڑکا مر گیا تھا کہ حضرت اس کو زندہ کر دو آپ نے فرمایا کہ اس کی عمر تو ختم ہو چکی اب زندہ نہیں ہو سکتا وہ رونے اور اصرار کرنے لگی تو آپ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا کہ اس لڑکے کو زندہ کر دیا جائے وہاں سے خطاب ہوا کہ اس کی تقدیر میں اور حیات نہیں اس لئے اب زندہ نہیں ہو سکتا تو حضرت غوث اعظم حق تعالیٰ سے کہتے ہیں ذرا ملاحظہ کیجئے یہ حق تعالیٰ سے باتیں ہو رہی ہیں کہ حضرت آپ سے کہنے کی تو اسی لئے ضرورت ہوئی کہ اس کی تقدیر میں اور حیات نہیں اگر اس کی تقدیر میں کچھ اور زندگی ہوتی تو آپ سے کہنے کی کیا ضرورت تھی پھر تو پ مجبور ہو کر خود ہی زندہ کرتے (نعوذ بالله منه) وہاں سے حکم ہا کہ پھر تقدیر کے خلاف تو نہیں ہو سکتا اس پر غوث اعظم کو جلال آیا اور اپنے قوت کشفیہ سے ملک الموت کو ٹٹولا کہ وہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہاں ہیں آخر نظر آئے تو دیکھا کہ وہ ایک تھیلے میں اس دن کے مردوں کی روحیں بھر کر لے جا رہے ہیں ابھی تک ہیڈ کوارٹر پر نہ پہنچے تھے کہ غوث اعظم نے ان کو ٹوکا اور کہا بڑھیا کے لڑکے کی روح واپس کردو تم اس کو نہیں لے جا سکتے وہ انکار کرنے لگے آپ نے وہ تھیلا ان کے ہاتھ سے چھین کر کھول دیا جتنی روحیں تھیں سب پھر پھرا گئیں اور اس دن جتنے آدمی مرے تھے وہ سب زندہ ہوگئے تو غوث اعظم نے حق تعالیٰ سے کہا کہ کیوں اب راضی ہوگئے ایک مردے کے زندہ کرنے پر تو راضی نہ ہوئے اب بہت جی خوش ہوا ہوگا جب ہم نے سارے مردوں کو زندہ کر دیا توبہ توبہ استغفر اللہ۔

کیا خدا تعالیٰ کے ساتھ اس طرح گفتگو کرنے کی کسی کو مجال ہے مگر یہ سب حکایتیں جاہلوں نے گھڑی ہیں اور ان کو بیان کر کے کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ غوث اعظم وہ کام کر سکتے ہیں جو خدا بھی نہیں کر سکتا بھلا کچھ ٹھکانا ہے اس کفر کا جب جاہلوں نے غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو اس رتبہ پر پہنچا دیا تو اگر حضور ﷺ کی نسبت آثار طبعیہ اور لوازم بشریہ کو ذکر نہ کیا جاتا ہے تو نہ معلوم یہ لوگ حضور ﷺ کو کہاں پہنچاتے اور اب اگر کوئی ایسی غلطی کرے تو یہ محض حماقت ہے کیونکہ قرآن میں سب باتیں بیان کر دی گئیں کہ آپ کھاتے بھی تھے سوتے بھی تھے بیوی کی بھی آپ کو ضرورت تھی آپ لسان آدمی کی بات سے متاثر بھی ہوتے تھے ان آثار کے ہوتے ہوئے الوہیت کا احتمال کہاں؟ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجاہدہ سے لوازم بشریت اور امور طبعیہ زائل نہیں ہوا کرتے اس میں بعض لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مجاہدہ سے لوازم بشریت و تقاضاء طبعی مسلوب ہو جاتا ہے پھر بعد اعتدال و تمکین کے جب ان آثار کا عود ہوتا ہے تو پریشان ہوتا ہے کہ ہائے میری ساری محنت برباد اور میرا سارا مجاہدہ ضائع گیا حالانکہ یہ اعتقاد غلط ہے مجاہدہ سے امور طبعیہ مسلوب نہیں ہوتے بلکہ جوش مجاہدہ سے صرف مغلوب ہو جاتے ہیں پھر بعد اعتدال کے جب ہنڈیا پک جاتی ہے تو وہ جوش نہیں رہتا بلکہ سکون ہو جاتا ہے (فناء النفوس فی رضا القدوس)

آیت ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ پر رفع اشکال

ارشاد ہے فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ یعنی بعض آدمی تو وہ ہے جو (دعا میں) یوں کہتا ہے کہ اے پروردگار ہم کو (جو کچھ دینا ہو) دنیا ہی میں دے دے اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں یہ تو کافر ہے کیونکہ جس کو آخرت میں کچھ نہ ملے وہ کافر ہی ہے مسلمان اس کا مصداق نہیں ہو سکتا آگے دوسری قسم ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (ان میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے رب ہمیں دنیا میں خیر دیجئے اور آخرت میں بھی خیر دیجئے اور نار کے عذاب سے بچایئے) اس آیت کا سیاق کلام بتلا رہا ہے کہ اس کے مصداق وہ مسلمان ہیں جو طالب آخرت ہیں۔ اس پر شاید یہ سوال ہو کہ جب یہ لوگ مسلمان طالب آخرت ہیں تو انہوں نے دنیا کیوں مانگی اور اس سے بعض انگریزی خوانوں نے طلب دنیا کا مضمون سمجھ کر یہ کہا ہے کہ دنیا جس کی مذمت کی جاتی ہے اور جس کی طلب سے علماء منع کرتے ہیں ایسی چیز ہے جس کی طلب نص میں بیان کی گئی ہے اور اس پر مدح کی گئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دنیا کو کہاں مانگا گیا ہے۔ حق تعالیٰ نے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا دنیا۔ تو نہیں فرمایا گیا۔ اگر یوں فرماتے تو بے شک طلب دنیا مفہوم ہوتی مگر نص میں تو رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي

(c) ketabton.com: The Digital Library

الدُّنْيَا حَسَنَةً (اے رب ہمیں دنیا میں خوبی دیجئے) وارد ہے جس میں مطلوب حسنہ ہے اور دنیا محض ظرف ہے پس اس سے طلب دنیا لازم نہیں آتی' بلکہ حسنة فی الدنیا لازم آئی اس لئے ان کو طالب دنیا کہنا غلط ہے بلکہ وہ طالب حسنہ فی الدنیا ہیں۔ اس پر شاید سوال ہو کہ ان کو طالب آخرت کہنا بھی صحیح نہ ہوگا بلکہ طالب حسنہ فی الآخرہ کہو۔ دونوں برابر ہیں۔ اس پر اگر تم کہو کہ پھر بھی طالب دنیا نہیں ہیں بلکہ طالب حسنہ فی الدنیا ہیں۔ یعنی مال و دولت حسنہ ہے اور ہم اس کے طالب ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حسنہ سے مراد حسنہ واقعیہ ہے نہ کہ حسنہ مزعومہ اور یہ شریعت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حسنہ واقعہ کیا ہے اور جس چیز کے تم طالب ہو وہ تمہارے نزدیک حسنہ ہو مگر شرعاً تو وہ حسنہ نہیں ہے پس شریعت پر فیصلہ ہے۔ پس اس آیت کا مصداق وہی شخص ہو سکتا ہے جو حسنہ شرعیہ کا طالب ہو اور حسنہ شرعیہ سے بھی وہ مراد ہے جو حقیقۃً حسنہ شرعیہ ہو۔ محض صورۃً ہی حسنہ نہ ہو کیونکہ بعض افعال صورۃً دین کے کام معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقۃً دین نہیں ہوتے ہم ان سے بھی منع کرتے ہیں اس سے آپ کو ہمارے انصاف کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہم صرف صورت دنیا ہی کے مخالف نہیں بلکہ دنیا بصورت دین کے بھی مخالف ہیں۔ جیسے بدعات وغیرہ کہ گو ظاہر میں وہ دین کے کام معلوم ہوتے ہیں مگر ان سے بھی منع کرتے ہیں۔ کیونکہ دنیا کہتے ہیں مانع عن اللہ کو اور یہ مال و دولت ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بعض ایمان بھی مانع عن اللہ ہوتا ہے۔ جیسے وہ ایمان جس کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ. یعنی ظاہری ایمان جس میں حقیقت کا پتہ نہ ہو۔ ایسے ہی بعض اعمال بھی جو صورۃً دین ہیں مگر حقیقت دین ان میں موجود نہیں مانع عن اللہ ہیں۔ یہاں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہم صرف طالبان دنیا ہی کی مذمت نہیں کرتے بلکہ بعض طالبان دین کی بھی مذمت کرتے ہیں جو حقیقت میں دین کی صورت میں دنیا ہی کے طالب ہیں۔

بہر حال اس میں تو شک نہیں کہ پہلی آیت کا مصداق کافر ہے اور دوسری آیت کا مصداق مومن عام مفسرین نے تو یہی دو قسمیں سمجھی ہیں اور آگے مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ سے مستقل کلام لیا ہے مگر قاضی ثناء اللہ صاحب نے مجموعہ کلام میں چار قسمیں سمجھی ہیں دو تو وہی جو ابھی مذکور ہوئیں اور دو مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ الخ اور مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ الخ خلاصہ فرق دونوں توجیہوں کا یہ ہے کہ عام مفسرین کے نزدیک تو یہاں پر دو قسمیں ہیں تقسیم اول انسان کی تقسیم ہے۔ مومن و کافر کی طرف تقسیم ثانی' انسان کی تقسیم ہے۔ منافق اور مخلص جمع ہو سکتے ہیں اور مومن مخلص جمع ہو سکتے ہیں اس تقسیم کی ایسی مثال ہے جیسے نحاۃ نے کلمہ کی تقسیم کی ہے اسم فعل و حرف کی طرف پھر دوبارہ تقسیم کی ہے۔ مذکر و مونث کی طرف وعلی ہذا۔ تو یہ اقسام باہم جمع ہو سکتی ہیں یہ تو جمہوری مفسرین کی توجیہ کا حاصل ہے اور بعض دوسرے مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ یہاں ایک ہی تقسیم ہے اور مقسم بھی واحد ہے۔ یعنی انسان مقسم ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ مومن و کافر پھر کافر کی دو قسمیں ہیں۔ مجاہر و منافق اور مومن کی دو قسمیں ہیں ایک طالب آخرت اور ایک طالب حق۔ پس کل چار قسمیں متباین ہو گئیں۔ کافر مجاہد اور کافر غیر مجاہر اور مومن طالب آخرت اور مومن طلب حق بدوں التفات الی الآخرت (بدون اس کے کہ آخرت کا طالب ہو) فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ میں کافر مجاہر کا ذکر

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے جو کہ دنیائے محضہ کا طالب ہے اور مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً الخ میں مومن طالب آخرت کا ذکر ہے اور وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ قَوۡلُهٗ میں کافر غیر مجاہر یعنی منافق کا ذکر ہے اور وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ میں مومن طالب حق کا ذکر ہے جو محض طالب رضا ہے آخرت اور دنیا دونوں کی طرف ملتفت نہیں۔ (ماخوذ البدائع)

وَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـــًٔا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡۚ وَعَسٰۤى اَنۡ تُحِبُّوۡا شَيۡـــًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّـكُمۡؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱۶﴾

ترجمہ: ترجمہ: اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی ہو اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم (پورا پورا) نہیں جانتے۔

تفسیری نکات

تمنّی کا علاج

فرماتے ہیں عَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـــًٔا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡۚ وَعَسٰۤى اَنۡ تُحِبُّوۡا شَيۡـــًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّـكُمۡؕ یعنی ممکن ہے تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے واسطے بہتر ہو اسی طرح ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھا سمجھو اور وہ تمہارے لئے مضر ہو اور ممکن ہمارے اعتبار سے فرمایا یعنی تم اس بات کا احتمال رکھو آگے فرماتے ہیں وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ کہ اللہ تعالیٰ کو (ہر خیر و شر کا) علم ہے اور تم نہیں جانتے۔ اس ترجمے کے سننے سے معلوم ہوا ہوگا کہ یہ آیت ہمارے ایک مرض کی اصلاح کر رہی ہے جس کو ہم بہت ہی ہلکا سمجھتے ہیں یعنی تمنّی ہماری نظر تو اس طرف جاتی نہیں لیکن آیت بتلا رہی ہے کہ ہم جو یہ کہا کرتے ہیں کہ یوں نہ ہوتا تو اچھا ہوتا اور یوں ہوتا تو اچھا ہوتا یہ سب ناپسندیدہ بات ہے اور یہاں سے غلطی کو ظاہر فرما رہے ہیں کہ تم کو کیا خبر ممکن ہے کہ جس کو تم نے مضر سمجھا ہے وہ واقع میں تمہارے لئے نافع ہو اور جس کو تم نے نافع سمجھا ہے وہ واقع میں مضر ہو یہ تو محض احتمال عقلی کے طور پر فرمایا تھا آگے فرماتے ہیں وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔ یعنی شاید کسی کو یہ احتمال ہوتا کہ ممکن ہے وہی نافع ہو اس لئے فرماتے ہیں کہ اللہ جانتا ہے یعنی جو شخص خدا کا قائل ہوگا وہ صفت علم کا بھی قائل ہوگا اور کمال اس کا یہ ہے کہ کوئی اس کے برابر علم میں نہ ہو تو اپنے علم کے اثبات سے استدلال کرتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے جو کہ واقعی نفع وضرر کو جانتے ہیں اس کو واقع فرمایا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ وہ حکیم بھی ہیں تو ان کا واقع کرنا دلیل اس کی ہے کہ یہی بہتر تھا تو دوسرا احتمال بالکل قطع ہو گیا اور معلوم ہوا کہ تمہاری رائے غلط ہے اگر اس میں مصلحت ہوتی تو خدا تعالیٰ اس کو واقع فرماتے۔

ہماری غلطی پر تنبیہ

خدا تعالیٰ نے ہم کو ہماری ایک غلطی پر تنبیہ فرمائی اب دو باتیں دیکھنے کے قابل ہیں ایک یہ کہ آیا ہم میں یہ غلطی ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

یا نہیں سو اس کا ہم میں ہونا تو اس قدر ظاہر ہے کہ شاید کوئی قلب اس سے خالی ہو اور یہ اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ تکوینیات سے گزر کر تشریعیات تک اس کی نوبت پہنچی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ احکام دو قسم کے ہیں ایک احکام تشریعیہ جیسے نماز روزہ کا فرض ہونا۔ چوری غضب جھوٹ تفاخر ریا بخل کا حرام ہونا۔ دوسرے احکام تکوینیہ جن کو حوادث کہتے ہیں جیسے مرنا جینا قحط طاعون یا اور کوئی وبا۔ مال کا ضائع ہو جانا آگ لگ جانا اور ان دونوں قسم کے امور کا صدور خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے تو ہم کو یہاں تک تمنی کا ہیضہ ہوا ہے کہ دونوں قسموں کے متعلق تمنائیں کرتے ہیں یعنی جس طرح یہ کہتے ہیں کہ فلانا اور جیتا تو اچھا ہوتا اسی طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ روزہ فرض نہ ہوتا سود حرام نہ ہوتا تو خوب ہوتا تفرق اتنا ہے کہ جو علم دین پڑھے لکھے ہیں وہ احکام تشریعیہ میں ایسی بیباکی نہیں کرتے اور جو آزاد و بیباک ہیں وہ دونوں میں ایسی تجویزیں کرتے ہیں چنانچہ ایک نوجوان نے تو یہاں تک نوبت پہنچائی کہ نماز کے متعلق یہ رائے ظاہر کی اسلام میں اگر نماز نہ ہوتی تو اسلام کی خوب ترقی ہوتی کیونکہ نماز سے اکثر لوگ گھبراتے ہیں نعوذ باللہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو بھی رائے دیتے ہیں۔

امور تشریعیہ وتکوینیہ

لفظ شیئا اس آیت میں عام ہے امور تشریعیہ اور امور تکوینیہ سب کو کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ (یعنی تم پر جہاد فرض کیا گیا اور تم اس کو ناپسند کر رہے ہو) ھو کی ضمیر یا تو قتال کی طرف راجع ہے جو کہ امر تکوین ہے یا کتابت قتال کی طرف جو کہ امر تشریعی ہے یا ترجیح بلا مرجح سے بچنے کے لئے عام کہا جائے دونوں کو مرجع قتال ہو باعتبار وجود تشریعی اور تکوینی کے اور بہتر یہی ہے کہ عام کہا جائے اور معنی عام کی تعلیل میں اس جملہ و عسی الخ کو کہا جائے۔

دعاء کو مشروع فرمانے میں حکمت

اصل مضمون یہ تھا کہ جو امر اپنے اختیار سے خارج پیش آئے اس کو مصلحت سمجھے اور اس پر خدا کا شکر کرے خواہ بلائے ظاہری ہو خواہ بلائے باطنی ہو۔ یہ تھا بیان مرض تمنی کا جس میں اہل سلوک بھی کم و بیش مبتلا ہیں اس کی ممانعت اس حدیث میں ہے کہ ایاکم ولوفان لو یفتح عمل الشیطان ہم نے ہزاروں مرتبہ یہ آیت شریف پڑھی ہو گی لیکن آج جو بات اس سے سمجھ میں آئی وہ آج تک سمجھ میں نہ آئی تھی۔

الحمد للہ اور ایک بڑی رحمت اس کے ساتھ یہ فرمائی ہے کہ طبیعت انسانی کا بھی لحاظ فرمایا یعنی تمنا خود بخود طبیعت سے پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کی تعدیل فرما دی وہ یہ کہ دعا کو مشروع فرما دیا کہ اگر کسی چیز کی تمنا پیدا ہو تو بجائے اس کے خدا تعالیٰ کو رائے دو وہ ارمان اس طرح نکالو کہ دعا کر لیا کرو کہ تمنا سے وہ بہتر ہے کیونکہ تمنا کے معنی تو خدا کو رائے دینا ہے کہ اس طرح کرنا مناسب تھا بخلاف دعا کے کہ وہ عرض ہے جناب باری میں اور ساتھ ہی اس پر رضا ہے کہ اگر یہ اس طرح نہ ہو گا تو میں اسی کو مصلحت سمجھوں گا حاصل مضمون عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا الآیۃ کا یہ ہے کہ پس دعاء غبار نکالنے میں تو تمنی کے ہم پلہ ہے اور عرض میں اس کے خلاف مثلاً جب بیمار ہو تو صحت کی دعا کرو اسی طرح صبر کی دعا کرو تو اس سے غبار تو نکل جائے گا۔ جو بات پسند آئے کہہ لے اور حسرت نہیں ہو گی جیسے تمنی میں ہوتی ہے کیونکہ حسرت مافات پر ہوتی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

غرض دعا کو بھی مشروع فرمایا جیسا دوسرے نصوص میں ہے اور تمنی کو منع فرمایا جیسا اس آیت میں وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ الخ یہ ہے کہ خداتعالیٰ کے جتنے احکام ہیں تکوینی یا تشریعی ان کے خلاف تمنا نہ کرے بلکہ ان پر صبر اور جو دل میں کوئی تمنا پیدا ہو بجائے اس کے دعا کرتا رہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ

ترجمہ: یعنی لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں ہیں لوگوں کو بعض فائدے بھی ہیں اور وہ گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔

تفسیری نکات

خلاصہ آیت

اول بطور تمہید کے اس جزو آیت کا خلاصہ عرض کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جناب رسول ﷺ سے لوگوں نے خمر اور قمار کا حکم پوچھا تھا اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے ان میں منافع بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت تحریم خمر و میسر سے پہلے کی ہے اور اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے لیکن لفظوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ تسامح ہوا ہے اس لئے کہ باوجود لفظ اثم کبیر کے یہ سمجھ میں نہیں آتا پس بظاہر یہ آیت بھی تحریم کے بعد ہی کی ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ اس کے بعد والی آیت یعنی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ الخ (یعنی اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں) اس کی زیادہ تاکید ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس آیت کو سن کر بعض لوگوں نے لفظ منافع پر نظر کر کے شراب کے ترک میں سستی کی ہو اور فیهما اثم کبیر (ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں ہیں) میں کچھ تاویل کر لی ہو مثلاً یہ کہ ان کو خود اثم نہیں فرمایا بلکہ متضمن اثم فرمایا ہے اس طرح سے کہ کبھی یہ مفضی الی المعاصی ہو جاتے ہیں تو جب ایسا انتظام کر لیا جائے کہ یہ احتمال نہ رہے تو جائز ہوگا جیسے قبح لغیرہ کی بات ہوتی ہے مگر یہ تاویل بہت بعید ہے اس لئے نہایت شدومد سے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا الخ نازل ہوئی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے قبل تحریم نہیں ہوئی تھی اور منافع للناس سے جواز پر تمسک نہیں ہو سکتا اس لئے کہ کسی محرم شے میں منافع کے وجود سے اس کی اباحت پر استدلال نہیں ہو سکتا بلکہ منافع کا ذکر منشا شبہ کو رفع کرنے کے واسطے ہے یعنی اگرچہ ان دونوں میں منافع بھی ہیں چنانچہ خمر میں قوۃ غریزیہ اور میسر میں تکثیر مال بہ سہولت ہے لیکن مفاسد ان کے منافع سے زیادہ ہیں اس لئے حرام ہیں یہ حاصل ہے آیت کا۔ (ترجیح المفسدہ علی المصلحۃ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

پاکیزہ طرز کلام

سبحان اللہ کیا پاکیزہ طرز کا جواب ہے یعنی لوگوں کو شراب اور جوئے کی حرمت میں یہ وسوسہ ہو سکتا تھا کہ ان میں منافع دنیویہ بہت ہیں اسی لئے ان کو حرام نہ کرنا چاہیے تو حق تعالیٰ اس شبہ کے اصل سے انکار نہیں فرماتے بلکہ اس کو تسلیم فرماتے ہیں کہ واقعی ان میں لوگوں کے لئے نفع بھی ہے اور ایک ہی نفع نہیں بلکہ ہم صیغہ واحد کی بجائے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں کہ ان میں بہت سے منافع ہیں مگر بات یہ ہے کہ ان میں ایک گناہ بھی ہے۔

اس جگہ یہ بات قابل غور ہے کہ حق تعالیٰ نے منفعت کے بیان میں تو جمع کا صیغہ اختیار فرمایا یعنی منافع للناس اور مضرت کے بیان میں صیغہ واحد یعنی اثم۔ اگر یہ کلام بشر کا ہوتا تو مقابلہ کے لئے یہاں بھی جمع کا صیغہ اثام ہوتا مگر حق تعالیٰ نے اس جگہ صیغہ واحد ہی اختیار فرمایا جس سے اس حقیقت پر متنبہ فرمانا منظور ہے۔ اگر کسی چیز میں ہزاروں منفعتیں ہوں مگر اس میں ایک گناہ بھی ہو یعنی ادنیٰ شائبہ ناراضی حق کا ہو تو وہ ہزاروں منفعتیں ایک گناہ کے سامنے ہیچ ہیں کیونکہ جس طرح خدا کی رضا خواہ ذرا ہی سی ہو بڑی دولت ہے چنانچہ ارشاد ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ -- خدا کی ناراضی بھی بڑی وبال چیز ہے خواہ اس ناراضی کا سبب ایک ہی گناہ کیوں نہ ہو۔ اس لئے اس جگہ اثم بصیغہ واحد لایا گیا مگر اس کو کبیر کے ساتھ موصوف کر دیا گیا ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ شراب اور جوئے میں منافع تو بہت ہیں مگر ایک گناہ بھی ہے اور وہ ایک ہی گناہ اتنا بڑا ہے جس نے ان سب منافع کو گاؤ خورد کر دیا ہے اس لئے آگے منافع کا لفظ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ نفع کا لفظ اختیار فرمایا۔ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا کہ ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے۔ یہاں صیغہ واحد اختیار کرنے کی وجہ یہی ہے کہ پہلے کلام سے یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ ان منافع کے مقابلہ میں ایک گناہ بھی ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر ایک من مٹھائی میں تولہ بھر زہر ملا ہوا ہو تو وہ ساری مٹھائی اس ایک تولہ زہر کی وجہ سے خاک میں مل جاتی ہے۔ اسی طرح جب وہ منافع ایک گناہ کی وجہ سے خاک میں مل گئے تو اب وہ اس قابل نہیں رہے کہ ان کو جمع کے صیغہ سے تعبیر کیا جائے۔ اس لئے فرماتے ہیں وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا اس آیت نے فیصلہ کر دیا کہ کسی چیز کے حرام ہونے اور گناہ ہونے کا مدار دنیا کے نفع و نقصان پر نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھے ہوئے ہیں اور بعض دفعہ زبان سے بھی کہہ دیتے ہیں کہ اس کام میں کیا حرج ہے یہ تو نفع کی چیز ہے۔ چنانچہ تعویذ اور عملیات میں بہت لوگ اسی دھوکا میں پڑے ہوئے ہیں کہ جس عمل سے کسی کو نفع ہوتا ہو وہ جائز ہے۔ خواہ اس میں شیاطین سے استعانت ہو یا کیسے ہی بے ہودہ کلمات استعمال کرنے پڑتے ہوں۔ آپ نے دیکھ لیا کہ شراب اور جوئے کی نسبت حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ ان میں لوگوں کے لئے ایک نفع نہیں بلکہ بہت سے منافع ہیں مگر پھر بھی یہ حرام ہیں۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ خدا تعالیٰ ان کو پسند نہیں فرماتے' ان سے ناراض ہوتے ہیں اب یہ مسئلہ بالکل حل ہو گیا کہ حرمت کا مدار خدا تعالیٰ کی ناراضی پر ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

ترجمہ: (یعنی اللہ تعالیٰ یہ احکام صاف صاف اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ) دنیا و آخرت میں فکر کرو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

گناہ میں مصلحت

میں کہتا ہوں کہ آج کل عقل پرستی کا بہت زور ہے لیکن افسوس ہے کہ اس عقل کو دین کے اندر صرف نہیں کیا جاتا آپ مصلحت کی وجہ سے ایک شے کو جائز کہتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ چونکہ اس میں یہ مصلحت مضر تھی اسی واسطے تو ضرورت ممانعت کی ہوئی کیونکہ جس میں کوئی مصلحت نہ ہوئی اس کے منع کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ منع ہمیشہ اسی امر کو کیا جاتا ہے کہ جس میں کچھ مصلحت بھی ہو جس کے سبب سے اس کے کرنے کی رغبت ہو مگر اس میں مفاسد دقیق ہوتے ہیں کہ ان مفاسد تک ہماری عقل نہیں پہنچتی پس گناہ ایسا ہی ہے کہ جس میں کوئی مصلحت باعث علی الفعل ہوتی ہے اور وقوع اس کا ہمیشہ اسی مصلحت کی وجہ سے ہوتا ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو منع کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ اس کو تو ہر ذی ہوش شخص واجب الترک سمجھتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مصلحت گناہ کی منافی نہیں ہے چنانچہ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھا ہوا ہے) میں اول بیان ہو چکا ہے کہ یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اس میں نفع ضرور ہے لیکن نقصان زیادہ ہے باقی یہ کہ وہ نقصان کیا ہے تو اس کا اگر ہم نہ جانتے تب بھی ماننا جاننے پر موقوف نہ تھا دیکھو حکام جو قوانین مقرر کرتے ہیں۔ تو قوانین کا علم تو ہر شخص کو ضروری ہے لیکن اس کی لم اور مصالح کا جاننا ہر شخص کے لئے ضروری نہیں پس حق تعالیٰ کا اجمالاً یہ فرما دینا کافی ہے کہ اس میں نقصان ہے باپ کا بیٹے کو یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ہم کو تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ فلاں شے مضر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس مضرت کی وہ تفصیل بھی بیان کرے۔ پس خداوند جل جلالہ کو بطریق اولیٰ یہ حق حاصل ہے لیکن باوجود اس حق کے حاصل ہونے کے پھر بھی کچھ دینی و دنیوی مضرتیں خمر و میسر کی بیان فرما دیں چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ (یعنی شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے پس میں بغض اور عداوت واقع کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے) بہر حال وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھا ہوا ہے) سے معلوم ہو گیا کہ گناہ میں مصلحت ہو سکتی ہے چنانچہ شراب کے اندر قوت اور یہ کہ شرابی سیر چشم ہو جاتا ہے۔ بخل جاتا رہتا ہے چنانچہ شعراء جاہلیت نے اپنے اشعار میں اس کا ذکر بھی کیا ہے اور میسر میں اگر جیت ہو تب تو حصول مال اور اگر ہار ہو تو مال سے بے رغبتی ہو جانا پس گناہ میں بعض اوقات امر محمود کا منضم ہو جانا بعید نہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ گناہ گناہ نہ رہے اسی طرح جی بھر کر گناہ کرتا اگر اس میں یہ مصلحت ہو بھی کہ وہ سبب توبہ اور اطاعت کا ہو جائے تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ گناہ حرام نہ ہو بلکہ گناہ حرام رہے گا۔

حاصل جواب کا یہ ہوا کہ اگر چہ ہم نے تسلیم کر لیا ہے کہ اس میں مصلحت ہے لیکن چونکہ مفاسد بھی ہیں اسی لئے حرام ہے۔ (ترجیح المفسدہ ملحقہ مواعظ مفاسد گناہ)

تفکر فی الدنیا کی دو لطیف تفسیریں

یہاں تفکر فی الدنیا کی تاکید ہے اس پر یہ اشکال ظاہر میں ہوتا ہے کہ دنیا میں تفکر کی کیا ضرورت ہے بلکہ اس سے تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

فکر کو ہٹانا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کے اندر جو فکر مذموم ہے وہ وہ ہے جو تحصیل دنیا کے لئے ہو اس کو مقصود بالذات سمجھ کر اور اگر مقصود بالذات نہ سمجھے تو وہ فکر بھی جائز ہے کیونکہ حدیث میں ہے طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ (حلال روزی کا طلب کرنا فرضوں کے بعد ایک فرض)

دوسری تفسیر اس سے لطیف ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں تفکر کرو موازنہ کے لئے کہ ان میں کون قابل اختیار کرنے کے ہے اور کون قابل ترک ہے یعنی جو فکر ترک دنیا کے لئے ہو وہ مطلوب ہے اسی لئے اہل اللہ نے دنیا میں فکر کر کے اس کی حقیقت کو سمجھا ہے اس لئے انہیں دنیا سے سخت نفرت ہے۔

فکر فی الدنیا کی ایک عمدہ تفسیر

دنیا کی تکالیف اور دنیا کی لذات میں غور کرے کہ یہاں کی لذات سب ایک دن فنا ہو جائیں گی اور دنیا کی زندگی تکالیف سے بھری ہوئی ہے اور فکر آخرت سے اس کا عکس ثابت ہوگا' اس مجموعہ سے سوچنے سے دنیا کی بے قدری ہوگی اور آخرت کی طرف رغبت بڑھے گی جب دونوں کا موازنہ کرے گا تو معلوم ہوگا کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا لاشیء محض ہے اور اس مراقبہ سے دنیا کی تکالیف میں بھی کمی ہوگی کیونکہ جب سوچے گا کہ دنیا میں بالفرض اگرچہ تکالیف ہیں مگر ایک روز یہ فنا ہو جائے گی اور آخرت میں راحت ہی راحت ہے تو وہ تکالیف نہ معلوم ہوں گی۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۖ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

ترجمہ: اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اُن کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم اُن کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور اللہ مصلحت کے ضائع کرنیوالے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو جانتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مصیبت میں ڈال دیتے اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تفسیری نکات

طریق اصلاح

چنانچہ اسی مقام پر دیکھئے۔ وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى (آپ سے یتامی) کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۔ آپ ان کے سوال کے جواب میں کہہ دیجئے حقیقی جواب تو آگے آئے گا۔ پوچھا تو واقعہ جزئیہ۔ اس کے جواب میں پہلے ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں۔ پوچھا ایک بتائیں سو کہ شاید ادب کی وجہ سے بار بار نہ پوچھ سکیں۔ اس لئے ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں کہ اسے یاد رکھیں۔ وہ یہ ہے اصلاح لھم خیر (یعنی ان کے حال کی درستی کرنا) یہ ہے بڑی اچھی بات۔ آگے جواب ہے وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

(اگر تم ملا جلا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں) غیر نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کچھ حرج نہیں مگر یہ قاعدہ کلیہ پیش نظر رہے۔ اصلاح لھم۔ یہ کھانا ان کی مصلحت کے لئے ہو۔ اصلاح لکم۔ نہ ہو۔ یعنی تمہاری مصلحت کے لئے نہ ہو کیونکہ مخالطت میں دو مصلحتیں ہیں۔ ایک اپنی کہ اپنا کم ملایا ان کا زیادہ ملایا اور ان کی مصلحت ہے کہ یوں بچا ہوا بگڑتا ہے اور اب ملا جلا کر کھالو۔ اگلے وقت ان کی کم جنس سے لیں گے۔ یا خود اپنی ہی جنس میں ان کو شریک کر لیں گے۔ تو مخالطت کرو مگر ان کی مصلحت سے اپنی مصلحت سے نہیں تو فرماتے ہیں اس طور پر مخالطت کر لو کہ تمہارے بھائی ہی ہیں۔ واقعی اگر اتنی بھی مخالطت نہ ہوگی تو آپس میں یک جہتی نہ ہوگی اور وہ بھی غیر سمجھ کر الگ تھلگ رہیں گے۔ ان کی شفقت بھی ظاہر نہ ہوگی۔ بس دل میں حساب کتاب رہے کہ خود سمجھ رہے ہیں کہ یہ ان چیز ہے اور یہ ہماری ہے۔

اب ایک سوال باقی رہا تھا کہ نیت تو اصلاح کی ہے مگر اس طرح کرنے سے ممکن ہے کہ کچھ ان کے ہمارے ہاں صرف ہو جائے۔ شاید اس کا مواخذہ ہو۔ اس کا جواب ارشاد ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (یعنی خدا جانتا ہے مفسد اور مصلح کو)

مطلب یہ کہ کوڑی کوڑی کا حساب نہیں دیکھتے صرف نیت دیکھتے ہیں اگر نیت اصلاح کی ہے اور ان کا کچھ اپنے ذمہ صرف ہو گیا تو وہ معاف ہے نیت تو کھلانے کی ہے اگر اس پر بھی کچھ کھا لیا گیا تو وہ ہمارے یہاں معاف ہے اور اس قسم کے کھانے کی اجازت ہے۔

اللہ اکبر! کس قدر رعایتیں ہیں ایسی تعلیم تو کسی بڑے سے بڑے حکیم کی بھی نہیں ہو سکتی حق یہ ہے کہ ذرا سے غور میں ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ واقعات پیش آنے کے بعد ان احکام کی اچھی طرح قدر ہوتی ہے جیسے ایک اور مقام پر والدین کے حقوق کے ضمن میں فرمایا ہے لَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ (یعنی انہیں "ہوں" بھی نہ کہو) وَلَا تَنْهَرْهُمَا انہیں مت جھڑکو الی قوله تعالیٰ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا یعنی ان کے ساتھ کرم کرو۔ تواضع سے پیش آؤ ان کے حق میں دعا کرو۔

جامعیت کلام الٰہی

چنانچہ اس مقام میں بھی آگے ارشاد ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۔ اور خدا کو منظور ہوتا تو تمہیں خوب مشقت میں ڈالتے یعنی مخالطت کی اجازت ہی نہ دیتے اور حفاظت اموال کا امر فرماتے تو ظاہر ہے بے انتہا مشقت ہوتی اس میں دو دعوے ہیں ایک تو یہ کہ اسے مشقت میں نہیں ڈالا آگے دونوں کی دلیل علی الترتیب فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے غالب ہے اس لئے کہ مشقت ڈالنے کی قدرت ہے حکمت والا ہے دانا ہے اس لئے کہ مشقت میں ڈالنا مناسب نہیں سمجھا)

یہ ان آیات کا ترجمہ ہے اور اس ترجمہ سے مفصل مضمون معلوم ہو گیا ہوگا۔ اس وقت مجھے قل اصلاح لھم خیر کے متعلق بیان کرنا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں اصلاح جو مبتداء ہے نکرہ ہے اور خیر جو خبر ہے وہ بھی نکرہ ہے مگر خبر میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

اصل نکارت ہی ہے اور مبتداء میں اصل تعریف ہے کیونکہ مثلاً رجل جاء نی ایک آدمی میرے پاس آیا کہنے سے مخاطب کو کوئی نفع نہیں ہوتا تاوقتیکہ کہ رجل کی تعریف یا تخصیص نہ کردی جاوے اس لئے مبتداء کا معرفہ ہونا یا کسی صفت یا ظرف کے ساتھ مقید ہو کر اس میں تخصیص ہونا ضروری ہے یہاں پر اصلاح اگرچہ نکرہ ہے مگر لھم کی قید نے اسے مبتداء بننے کے قابل کردیا اور یہاں معرفہ بھی فرماسکتے تھے یعنی اصلاح لهم کی بجائے اصلاحھم مگر نکرہ ہی لائے۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ اصلاح کی تنوین تقلیل کی ہے کہ اگر تھوڑی بھی اصلاح ہو تب ہی خیر ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ اصلاح کتنا بڑا حق ہے اور اس کے لئے کس قدر اہتمام کی ضرورت ہے آگے فرماتے ہیں خیر یہ افعل التفصیل کا صیغہ ہے مبتداء میں تقلیل اور خبر میں تکثیر سبحان اللہ! کیا رعایت ہے یعنی تھوڑی بھی اصلاح بہت بہتر ہے اور اس کا اتنا اجر ہے کہ ہزاروں عبادتوں سے بڑھ کر ہے سبحان اللہ!

یوں تو یتامی پر توجہ کے لئے بہت مضامین ہیں مگر اس چھوٹے سے جملہ کی نظیر نہیں اور کوئی نظیر کہاں سے لائے۔ نہ وہ خدا ہوگا نہ ایسے جملے لا سکے گا۔ واقعی قرآن عجیب چیز ہے

علوم قرآن

یہ ہیں قرآن کے علوم (اصلاح لهم خیر) کیا عجیب وغریب جملہ ہے اور کتنا بڑا اہتمام ہے کہ اصلاح کو نکرہ لائے جس سے اصلاح کی تعیین نہ رہی تو اصلاح کی جونسی قسم چھوٹی ہو یا بڑی' خوہ جسمانی' خواہ روحانی سب کی خیریت حق تعالیٰ نے بیان فرمادی ہے۔ اصلاح لھم بالکل عام ہے اس میں نہ قید ہے بدن کی نہ روح کی بلکہ یہ دونوں کی جامع ہے۔ سبحان اللہ! جیسے وہ خود جمیع صفات کمالیہ کے جامع ہیں ویسا ہی ان کا کلام بھی کیا جامع ہے اس لئے نام ہی نہیں لیا کسی خاص اصلاح کا۔

اب اصلاحات کی فہرست سنئے ان اصلاحات کے ایک بدن کی ہے کہ انہیں کھلایا جاوے پلایا جاوے سردی گرمی سے بچایا جاوے مگر اس کھلانے پلانے کے آداب کا خیال رکھا جاوے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا

میں اسی کھلانے پلانے کا ادب بیان کیا گیا ہے بعض ادب تو علی حبه میں ہیں اس طرح سے کہ اس کی ضمیر میں کئی احتمال ہیں یا تو اس کا مرجع حق تعالیٰ ہے تو مطلب یہ ہے کہ کیوں کھلاتے ہیں؟ حق تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے کھلاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کھلانے پلانے میں ناموری یا تفاخر مقصود نہیں ہوتا بلکہ محض خدا کی محبت اس کا سبب ہے سو یہ بھی ادب ہے جس کا حاصل اخلاق ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کا مرجع الطعام ہو اس وقت یہ معنی ہوں گے کہ کھانا کھلاتے ہیں باوجود اس کھانے کے محبوب ومرغوب ہونے کے حاصل یہ ہے کہ بچا کھچا گرا پڑا جو بالکل اپنے کام نہ آسکے نہیں کھلاتے بلکہ خود کو بھی مرغوب ہے اور اس کے حاجت مند بھی ہیں وہ کھلاتے ہیں یہ نہیں کہ کھانا خراب ہوگیا لاؤ یتیم کو دے دیں۔ مؤذن کو دے دیں۔

اس آیت سے معلوم ہوگیا کہ ان کو وہ کھانا دینا چاہیے جسے دینے کو جی بھی چاہتا ہو یہ نہیں کہ جو لامحالہ پھینکنا پڑے گا وہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

دے دیا یہ دونوں احتمال تو منقول تھے۔

ایک تیسرا احتمال جو میری سمجھ میں آیا ہے اور کہیں منقول نہیں دیکھا یہ ہے کہ جملہ کی ترتیب یہ ہے سب سے پہلے فعل اور اس کے بعد فاعل پھر مفعول بہ اور اس کے بعد ظرف وغیرہ ہوتا ہے یہاں الطعام کو تو جو مفعول بہ اول ہے موافق قاعدہ کے مقدم کیا اس کے بعد علی حبہ لائے پھر مسکینا و یتیما و اسیرا کو لائے جو معطوف علیہ سب مل کر مفعول بہ ثانی ہے اور اس سے وجہ اسے علی حبہ پر لفظا نہ سہی مگر معنا تقدم حاصل ہے اور اب علی حبہ کی ضمیر بہ تاویل کل واحد کے ان کی طرف پھر سکتی ہے اور اب اضمار قبل الذکر کا اشکال بھی نہیں رہا کیونکہ اضمار قبل الذکر وہ نا جائز ہے جو لفظا اور رتبۃ ہو یہاں اگرچہ لفظا ہے مگر رتبۃ اضمار قبل الذکر نہیں ہے اب معنی یہ ہوئے کہ ان کو جو کھلاتے ہیں ان کی محبت کر کے کھلاتے ہیں تو تیسرا ادب یہ ہوا کہ انہیں محبت و شفقت سے کھلائے۔

غرض پہلا ادب یہ ہوا کہ خدا کی محبت کی وجہ سے کھلاؤ نا موری شہرت اور تفاخر کی نیت سے نہ کھلاؤ دوسرا یہ ہوا کہ عمدہ کھانا کھلاؤ۔ تیسرا ادب یہ ہوا کہ محبت اور شفقت سے کھلاؤ۔

یہ نہیں کہ کھلا پلا کے اور دے کر ان سے شکریہ کے متوقع ہو۔ اے خدمت کرنے والو! مصارف خیر میں رقم دے کر کسی سے متوقع شکریہ کے مت ہو۔ اگر تم نے توقع شکریہ کر رکھی تو یاد رکھو اس کا حق ادا نہ کیا کیونکہ دینے والے کا ادب تو یہ ہے۔

لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (کہ ہم جو کچھ دیتے ہیں تم سے اس کا اجر اور شکریہ نہیں چاہتے)

اور اے مہتممان یتیم خانہ و مدارس و انجمن تم بھی کسی کا شکریہ ادا نہ کرو کیونکہ شکریہ تو اسے ادا کرنا چاہیے جس کے ساتھ احسان کیا جائے۔

من لم یشکر الناس لم یشکر الله

کا مطلب یہی ہے کہ اگر ہو سکے تو احسان کی مکافات کرو۔ اگر استطاعت نہ ہو مکافات دعا اور تعریف سے کرو اور یہی شکریہ ہے مگر یہ شکریہ خواہ مکافات کے طور پر ہو یا دعا و تعریف کے طور پر اس شخص کے ذمہ ہے جس کے ساتھ احسان کیا جائے بلکہ تمہارے شکریہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں دیا ہے اس سے ایک فہیم شخص کی حوصلہ افزائی کے بدلے اسے بدظنی کا موقع مل سکتا ہے کہ شکریہ ادا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود کھا جائیں گے بلکہ بجائے آپ کے انہیں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کیونکہ ایک کام میں جو انہیں کرنا چاہیے تھا۔ آپ ان کا ہاتھ بٹا رہے ہیں مال کا موقع پر صرف کرنا حساب کتاب کو مرتب کرنا جھگڑے اور دشواری کے کام ہیں جنہیں بجائے ان کے آپ نے اپنا ذمہ لیا ہے اس لئے آپ کا ممنون ہونا چاہیے نہ یہ کہ آپ ان کا الٹا شکریہ ادا کریں۔ (اصلاح الیتامی)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

ترجمہ: کیا تجھ کو ان لوگوں کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جو کہ اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ ہزاروں ہی تھے موت سے بچنے کے لئے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فرما دیا کہ مر جاؤ پھر ان کو جلا دیا بے شک اللہ تعالیٰ بڑے فضل کرنے والے ہیں لوگوں پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

تفسیری نکات

شان نزول

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ کیا تم نے ان لوگوں کی حالت نہیں سنی جو اپنے گھروں سے نکل گئے تھے یہ استفہام تعجب کے لئے ہے کہ قصہ بہت عجیب ہے چنانچہ ہمارے محاورات میں بھی ایسے موقع پر کہا کرتے ہیں خبر بھی ہے آج ایسا ہو گیا اس سوال و استفہام سے محض تعجب دلانا مقصود ہوتا ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قصہ بنی اسرائیل کی ایک بستی کا ہے جہاں طاعون ہوا تھا جس سے گھبرا کر لوگ بھاگ گئے مگر حق تعالیٰ نے حذر الموت (موت سے ڈر کر) فرمایا ہے حذر الطاعون (طاعون سے ڈر کر) نہیں فرمایا کیونکہ خوف تو اصل موت ہی کا ہے اور طاعون کا خوف بھی اسی لئے ہے کہ وہ اسباب موت سے ہے۔ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا حق تعالیٰ نے ان سب سے کہا مر جاؤ سب مر گئے موت ہی سے بھاگے تھے اور موت ہی نے پکڑ لیا۔ واقعی خدا تعالیٰ کے سوا کسی جگہ پناہ نہیں مل سکتی بھاگنے سے کیا ہوتا ہے بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ طاعون سے بھاگنے والے بہت کم بچتے ہیں وہ دوسری جگہ جا کر بھی مبتلائے طاعون ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ دوسروں کی نظروں میں ذلیل بھی ہوتے ہیں دوسری بستی والے ان سے ملنے ملانے سے پرہیز کرتے ہیں پھر ذلت گوارہ کرنے پر موت سے وہاں بھی بچاؤ نہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

گر گریزی بر امید راحتے ہم ازاں جا پیشت آید آفتے

(اگر کچھ راحت کی امید پر بھاگے تو اس جگہ بھی تجھ کو کوئی آفت پیش آئے گی)

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

(کوئی گوشہ بغیر دوڑ دھوپ کے نہیں ہے سوائے خلوت گاہ حق کے آرام نہیں ہے)

ثُمَّ اَحْيَاهُمْ یعنی پھر حق تعالیٰ نے ان کو دفعۃً زندہ کر دیا بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حزقیل علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہوئے ایک تو ان سب کا دفعۃً مرنا عجیب تھا پھر سب کا دفعۃً زندہ ہو جانا اس سے بڑھ کر عجیب ہوا کیونکہ موت کے لئے

(c) ketabton.com: The Digital Library

تو اہل طبعیات ظاہر میں کوئی سبب تراش بھی سکتے تھے مثلاً یہی کہ طاعون کی جگہ سے آ رہے تھے وہاں کب آب وہوا اثر کر چکی تھی اس لئے مر گئے مگر زندہ ہونے کے لئے کون سا سبب نکالا جائے گا اور اگر اس کا بھی کوئی سبب ہوتا تو لوگ اس کو بھی اختیار کرتے اور اگر کسی کو دعویٰ ہو کہ اس کا بھی کوئی طبعی سبب تھا تو میں ان سے کہتا ہوں کہ ذرا مہربانی کر کے آج کل بھی اس سے کام لے کر دکھا دیجئے اور حقیقت میں تو ان کی موت بھی بلا سبب ظاہری تھی کیونکہ تبدیل آب وہوا کو اور طاعون کی جگہ سے چلے جانے کو اطبا یا ڈاکٹر تو سبب موت کہہ نہیں سکتے بلکہ وہ اس کو سبب حیات بتلاتے ہیں رہا اثر سابق سو اول تو موثر سے بعد میں اس کے اثر کو ضعیف ہو جانا چاہیے نہ کہ قوی۔ دوسرے اتنی بڑی جماعت میں ایک وقت میں او ایک درجہ میں اثر ہونا یہ خود قانون طبعی کے خلاف ہے پس واقع میں زندگی اور موت سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔

سب کا دفعۃً مر جانا اور دفعۃً زندہ ہو جانا دونوں واقعے عجیب اور خلاف عادت ہی تھے جن سے حق تعالیٰ کو اس امر کا اظہار مقصود تھا کہ احیا و اماتت ہمارے قبضہ میں ہے کہ خلاف مقتضاء اسباب بھی واقع کر سکتے ہیں فرار سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور پہلی امتوں میں ایسے ایسے عجائبات بہت ہوتے تھے آج کل کھلی کھلی نشانیاں ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ اب تو جو کچھ ہوتا ہے اسباب کے درجہ میں ہوتا ہے کیونکہ کھلم کھلا واقعات کے بعد انکار کرنے پر عذاب بھی بہت سخت ہوتا تھا اور اس امت پر رحمت زیادہ ہے اس لئے اب جو کچھ نشانات ظاہر ہوتے ہیں اسباب کے پردہ میں ہوتے ہیں اس سے عدم تذکیر پر عذاب بھی کم ہوتا ہے دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس امت کے کفار پر رحمت ہے کہ پہلی امتوں کے کفار کی طرح ان پر سخت عذاب نہیں آتا اسکے بعد فرماتے ہیں۔ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ (یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت فضل فرماتے ہیں لیکن اکثر شکر نہیں کرتے) یہاں مفسرین نے الناس کو عام لیا ہے اور یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ لوگوں پر بہت فضل کرنے والے ہیں کہ ایسے ایسے عجائبات و واقعات سے ان کو ہدایت فرماتے ہیں یا یہ کہ قہر کے بعد لطف بھی بے انتہا ہوتا ہے تو فضل سے مراد یہ لطف شامل ہو جاوے گا مگر میرے ذوق میں الناس سے یہاں مراد امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بنی اسرائیل کا واقعہ سنا کر یہ مضمون حق تعالیٰ نے ہم کو سنایا ہے کہ تم پر اے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ پہلے لوگوں کے قصے سنا کر تم کو عبرت دیتے ہیں یہ نہیں کیا کہ تم کو معذر کر کے دوسروں کو عبرت دیں۔

طاعون سے بھاگنے کے احکام

حدیث شریف میں آتا ہے الطاعون من اعداء کم الجن۔ (طاعون تمہارے دشمن جنوں کی ایذا اور طعن سے ہے) مگر قتال میں مدافعت بالشل ہے اور اس کی اجازت بھی ہے بلکہ امر ہے اور یہاں اس مدافعت کی کوئی صورۃ نہیں کیونکہ وخز اور واخز کا ہم کو ادراک ہی نہیں ہوتا ہاں مدافعت بالعلاج کی اجازت ہے کہ دوا دارو کرو۔ طبی تدابیر کا استعمال کرو۔ یہ تو مشابہت حقیقت میں ہے دوسری مشابہت طاعون کو قتال سے کہ فرع ہے پہلی مشابہت کی وہ مشابہت حکم میں ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح فرار من الزحف (میدان جنگ سے بھاگنا) حرام ہے اسی طرح طاعون سے بھاگنا بھی حرام ہے اور حدیث شریف فرار من الطاعون کو فرار من الزحف (میدان جنگ سے بھاگنا) حرام ہے اسی طرح طاعون سے بھاگنا بھی حرام ہے اور حدیث شریف فراز من الطاعون کو فرار من الزحف (میدان جنگ سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

بھاگنا) کے مثل قرار دیا گیا ہے اور یہ تو فعل قبیح نقلی ہے پھر طاعون سے بھاگنا عقلاً بھی قبیح ہے کیونکہ مفید تو ہے نہیں کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ بھاگنے والوں کی موت بھی طاعون ہی میں ہوتی ہے اور اس کے علاوہ اس میں ذلت بھی ہے جہاں یہ لوگ جاتے ہیں وہاں کے باشندے ان سے پرہیز بلکہ نفرت ووحشت کرتے ہیں اور کہتے ہیں ان سے دور رہو یہ طاعون کی جگہ سے آئے ہیں اور مان بھی لو کہ بھاگنا مفید ہے لیکن اخیر بات یہ ہے کہ جان حق تعالیٰ کی ہے جہاں جس طرح حکم ہو ہم کو اس کی تعمیل ضروری ہے۔ کہیں حق تعالیٰ نے احتیاط کی اجازت دی ہے اور یہاں یہی حکم ہے کہ اس طریقہ سے احتیاط نہ کرو جیسے فوج میں تم خود کہتے ہو کہ بھاگنا قانوناً جرم ہے حالانکہ وہ بھی احتیاط ہی ہے یہ اہل فلسفہ کا منہ بند کرنے کے لئے جواب ہے کہ وہ اس حکم عدم فرار پر عقلی اعتراض کیا کرتے ہیں البتہ چونکہ مسئلہ فرعی ہے اعتقادی اور اصولی نہیں اس لئے اس میں محل فرار کی تعیین میں اجتہاد سے اختلاف کی گنجائش ہوگئی ہے اکثر علماء اس حکم کو علت خاصہ کے ساتھ معلل کرتے ہیں پھر ان میں سے بعض نے تو یہ کہا ہے فرار فی نفسہ حرام نہیں بلکہ خلل فی الاعتقاد کی وجہ سے حرام ہے یعنی جس کا یہ اعتقاد نہ ہو کہ یہاں سے بھاگ کر طاعون سے بچ جاؤں گا اور عدم فرار سے ہلاک ہو جاؤں گا اس کو بھاگنا جائز نہیں اور جس کا یہ اعتقاد ہو اس کو چلا جانا جائز ہے مگر اول تو حدیث شریف میں جو اس فرار کو فرار من الزحف سے تشبیہ دی گئی ہے وہ اس تعلیل سے آبی ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ فرار من الزحف میں بھی یہی تفصیل ہو دوسرے یہ کہ اس اعتقاد سے تو ہر مرض اور ہر بلا سے فرار حرام ہے طاعون ہی کیا تخصیص ہے حالانکہ حدیث سے صریح تخصیص مفہوم ہوتی ہے تیسرے یہ کہ جس کا اعتقاد درست ہوگا وہ بھاگے گا ہی کیوں بھاگے گا تو وہی جس کا اعتقاد کمزور ہوگا تو تفصیل بھی بے معنی ٹھہرتی ہے اور بعض نے اس ممانعت کی علت یہ بتلائی ہے کہ بھاگنے کی صورت میں پیچھے رہنے والوں کو تکلیف ہوگی اس علت کی بناء پر وہ کہتے ہیں کہ اگر سب کے سب بھاگ جائیں تو جائز ہے اور انفراداً بھاگنا حرام ہے اور ان لوگوں نے ایک واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر ایک مقام میں فروکش تھا وہاں طاعون شروع ہو گیا اور حضرت عمرؓ نے لشکر کو وہاں سے منتقل ہونے کا امر فرمایا مگر یہ علت بھی اسی شبہ سے مخدوش ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ جہاد میں بھی یہی تفصیل کر کے سب کا بھاگ جانا جائز ہو بعض کا ناجائز ہو اسی طرح یہ استدلال بھی تام نہیں کیونکہ وہ مقام لشکر مسکن نہ تھا عارضی قیام گاہ تھی اور فرار مسکن سے حرام ہے نہ کہ عارضی قیام گاہ سے مثلاً کوئی شخص مسافر ہو کر کسی مقام پر جائے اور طاعون شروع ہو جائے تو وہاں پر رفع طاعون تک قیام کرنا اس پر واجب نہیں دوسرے یہ کہ کیا معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ نے طاعون کی وجہ سے ان کو انتقال کا حکم دیا ممکن ہے کسی دوسری وجہ سے حکم دیا ہو کیونکہ لشکر تو ہوتا ہی ہے تبدل وتفرج کے لئے اس لئے استدلال تام نہیں راجح اور صحیح یہی ہے کہ ان علل کے حکم میں کوئی اثر نہیں بلکہ اقرب العلل وہ ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ ہے کہ چونکہ اس میں کفار جن سے مقابلہ ہے اس لئے فرار ناجائز ہے البتہ اتنی گنجائش ہے کہ جس شہر میں طاعون ہو وہاں بستی سے نکل کر فناء شہر میں آ پڑیں۔ ہمارے اکابر نے بھی اتنی اجازت دی ہے گو یہ اجازت بھی اجتہادی ہے اس میں بھی اختلاف رائے کی گنجائش ہے مگر ظاہر اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں اور اس کی نظیر یہ ہے کہ جیسے لشکر اسلام کا خرگاہ اس میدان جنگ میں بدل دیا جاوے تو یہ فرار نہیں ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ بلاد مع فناء بقعہ واحدہ ہے اس کے ہر جز و میں رہنا اس بقعہ ہی میں رہنا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرض حسن

آگے فرماتے ہیں مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا کَثِیْرَةً کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے یہاں قرض حسن سے وہ معنی مراد نہیں جو عوام میں مشہور ہیں۔عوام بے سودی قرض کو قرض حسن کہتے ہیں جس میں اتنا ہی ملتا ہے جتنا دیا تھا بلکہ قرض حسن سے مراد وہ ہے کہ خلوص محبت کے ساتھ طوع ورغبت سے دے پھر اس کا معاوضہ مساوی نہ ملے گا بلکہ بہت زیادہ ملے گا جیسا کہ ابھی آگے آتا ہے تو مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے میں تو قرض حسن قرض بلا زیادت ہے اور خالق کے ساتھ معاملہ کرنے میں قرض حسن قرض مع الزیادت ہے یہاں ایک بات طالب علموں کے کام کی ہے وہ یہ کہ اس آیت کے ربط میں لوگوں کو اشکال پیش آیا ہے کہ ماقبل سے اس کا کیا ربط ہے مشہور یہ ہے کہ اس آیت کے ربط میں لوگوں کو اشکال پیش آیا ہے کہ ماقبل سے اس کا کیا ربط ہے مشہور یہ ہے کہ اوپر بذل نفس کا ذکر تھا یہاں بذل مال کا ذکر ہے اور قتال میں دونوں کی ضرورت ہوتی ہے نیز تہیؤ للقتال میں اصلاح ہے نفس کی اور اس اصلاح نفس میں بذل مال کو بھی بڑا دخل ہے بلکہ بعض لوگ نفس کے لئے تو تیار ہوتے ہیں مگر بذل مال ان پر گراں ہوتا ہے چنانچہ اسی مذاق کے ایک شخص کا قول ہے

گر جاں طلبی مضائقہ نیست   ور زر طلبی سخن دریں ست

(اگر جان مانگو مضائقہ نہیں اور اگر مال مانگو اس میں کلام ہے)

ممکن ہے شاعر کا خود یہ مذاق نہ ہو اس نے دوسروں کا مذاق بیان کیا ہو تو بہت لوگ اس مذاق کے بھی ہیں اس لئے حق تعالیٰ نے مجاہدہ بذل النفس کے ساتھ ہر جگہ مجاہدہ بذل المال کا بھی ذکر فرمایا ہے تاکہ اصلاح کامل ہو جائے اور نسخہ مکمل ہو جائے یہ ربط بہت عمدہ ہے مگر اس کی ضرورت اسی وقت ہے جبکہ قرض کا استعمال بذل نفس میں نہ ہو سکتا ہو نہ حقیقۃً نہ مجازاً اور نہ اس کو بذل مال کے ساتھ خاص کرنے کی ضرورت نہیں میں اس کو عام کہوں گا اور اس صورت میں بذل نفس سے بے تکلف ربط ہو جائے گا کیونکہ قرض میں بذل نفس بھی داخل رہے گا خواہ حقیقۃً خواہ مجازاً مطلب یہ ہو گا کہ اوپر بذل نفس کی ترغیب بصورت امر تھی یہاں دوسرے عنوان سے اسی کی ترغیب ہے کہ تم اپنی جان اللہ تعالیٰ کو ادھار ہی دے دو پھر تم کو ہی مع الزیادت واپس دیدی جائے گی مگر میں اس تفسیر پر اس لئے جرأت نہیں کرتا بلکہ صرف احتمالاً اس توجیہ کو بیان کر رہا ہوں کہ مجھے لغت یا محاورہ کی تحقیق نہیں کہ قرض کا استعمال بذل نفس میں ہو سکتا ہے یا نہیں۔

اَضْعَافًا کَثِیْرَةً کا مفہوم

فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا کَثِیْرَةً۔یعنی پھر اللہ اس قرض کو بڑھا کر ادا کریں گے دوگنے چوگنے کر کے دیں گے دوسری آیت سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ سات سو تک بڑھائیں گے مگر اس آیت میں بقرینہ سبب نزول اَضْعَافًا کَثِیْرَةً (بڑھا چڑھا کر) سے سات سو سے بھی زیادہ مراد ہے کیونکہ لباب النقول میں اس آیت کے تحت میں ایک حدیث لکھی ہے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

جب آیت مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ (جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کیے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانے کی حالت جس سے سات بالیں جمیں اور ہر بالی کے اندر سو دانہ ہوں) نازل ہوئی جس میں سات سو تک تضاعف کا ذکر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رب زدنی ۔ہمیں اس سے بھی زیادہ دیجئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً (اور کون شخص ہے کہ اللہ کو دے قرض کے طور پر قرض دینا اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر بہت حصے کو دیوے) معلوم ہوا اس آیت میں سات سو سے زائد تضاعف کا ذکر ہے اس بناء پر کم از کم سات سو سے دوگنا تو ہوگا اضعاف کی جمعیت اور اس کے اتصاف بالکثرت پر نظر کی جاوے تو پھر کچھ حد نہیں رہتی۔ اور ایک حدیث سے تو صریح معلوم ہوتا ہے کہ تضاعف فوق المتعارف ہے وہ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں ایک چھوارہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے یمین میں لے کر اس کو پروان فرماتے ہیں یہاں تک کہ وہ جبل احد سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے تو اب خیال کیجئے جبل احد میں اگر تمر کے مساوی حصے فرض کیے جاویں تو کتنے اجزاء نکل سکتے ہیں ان کا کیا عدد ہوگا پھر اگر وہ حصے تمر کے مساوی حصے فرض کیے جائیں تو اور زیادہ عدد بڑھ جاوے گا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ احد سے بھی زیادہ ہوگا تو معلوم ہوا کہ تضاعف کی کوئی حد نہیں بلکہ لا الی النہایۃ ہے مگر یہ لاتناہی تناہی متعارف ہے لاتناہی عقلی نہیں پھر اگر قرض کو بذل مال کے ساتھ خاص کیا جائے تب تو تضاعف میں کوئی اشکال نہیں اور اگر بذل نفس کے لئے بھی عام کیا جائے تو وہاں تضاعف کی کیا صورت ہے کیا ایک جان کی ہزار جانیں ہو جائیں اول تو قدرت حق سے یہ بھی بعید نہیں کہ اس پر مجھے مولانا کا شعر یاد آتا ہے

نیم جان بستاند و صد جاں دہد   انچہ درو ہمت نیاید آں دہد

(ضعیف وحقیر اور فانی جان لیتے ہیں جان باقی دیتے ہیں جو تمہارے وہم وگمان میں نہیں آسکتا وہ دیتے ہیں)

صد جان دہد (سو جانیں دیتے ہیں) کے کیا معنی ہیں۔ بعض نے تو کہا ہے کہ جان تو ایک ہوگی مگر قوت سو کے برابر ہو گی مگر صوفیہ اس سے آگے بڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں اگر حقیقۃً ایک جان سو جان ہو جائیں تو یہ بھی بعید نہیں کیونکہ وہ دنیا میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں پھر آخرت میں اس کا وقوع مستبعد کیوں ہے۔ حضرت قضیب البان کا قصہ ہے کہ کسی نے ان کے متعلق کسی امر منکر کی قاضی شہر کو اطلاع دی وہ درہ لے کر تعزیر کی نیت سے چلے وہ سامنے اس طرح نمودار ہوئے کہ بجائے ایک قضیب البان کے سو قضیب البان قاضی کے سامنے آگئے اور کہا ان میں سے ایک کو پکڑ لو جو تمہارا ملزم ہے۔ قاضی صاحب یہ کرامت دیکھ کر معتقد ہوگئے تو وہاں سچ مچ ایک جان کی سو جان اور ایک جسم کے سو جسم ہو گئے تھے۔

وھو العلی العظیم (البقرہ) اور وہ عالی شان عظیم الشان ہے

ملفوظ فرمایا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد کے نام کو بجائے مملوک علی کے مملوک العلی

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی لام کے ساتھ لکھا ہے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے نام پر الف لام نہیں داخل کیا جاتا۔ گو علی اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے لیکن بلا الف لام داخل کئے اسکا ایہام تھا کہ لفظ علی کو بجائے اللہ تعالیٰ کے نام کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام سمجھ لیا جاتا۔ اسی ایہام سے بچنے کے لئے الف لام داخل کر دیتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جو نام علی ہے وہ الف لام کے ساتھ بھی مستعمل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا خود ارشاد ہے **وھو العلی العظیم** نیز بلا الف لام بھی مستعمل ہے جیسے اس آیت میں **انہ علی حکیم** لیکن لفظ علی جو حضرت علی کا علم ہے۔ وہ ہمیشہ بلا الف لام ہی کے ہوتا ہے۔ اس لئے الف لام داخل کرنے کے بعد اسکا اشتباہ ہی نہیں ہوسکتا کہ یہ اللہ کا نام نہیں ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۲۰)

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

ترجمہ: سو جو شخص کہ شیطان کے ساتھ کفر کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کو کسی طرح شکستگی نہیں (ہوسکتی) اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں (اور) خوب جاننے والے ہیں۔

تفسیری نکات

کفر محمود

معلوم ہوا کہ ہر کفر مذموم نہیں ہے بلکہ ایک کفر محمود بھی ہے یعنی **کفر بالطاغوت** (شیطان کے ساتھ کفر کرنا) تو کافر بھی بایں معنی محمود ہے اور صوفیہ کی اصلاح میں بھی کافر کے معنی اسی کے قریب ہیں کیونکہ وہ فانی کو کافر کہتے ہیں جو غیر حق سے نظر قطع کر چکا ہو تو اس کا حاصل بھی وہی ہے جو کافر بالطاغوت کا حاصل ہے کیونکہ صوفیہ کے نزدیک ہر غیر حق طاغوت ہے جس کو وہ صنم اور بت سے تعبیر کرتے ہیں اور مسلمان ان کی اصلاح میں باقی کو کہتے ہیں اور کفر و اسلام فنا و بقا کو کہتے ہیں اس معنی کر حضرت خسرو فرماتے ہیں۔

کافر عشقم مسلمانی در کار نیست   ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

(میں عشق میں فانی ہوں مجھ کو بقا کی خواہش نہیں ہے میری ہر رگ تار ہوگئی ہے زنار کی ضرورت نہیں ہے)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِىۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِىۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ ۘ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحۡىٖ وَاُمِيۡتُ‌ؕ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاۡتِىۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىۡ كَفَرَ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ‌ۚ

ترجمہ: اے مخاطب تجھ کو اس شخص کا قصہ تحقیق نہیں ہوا (یعنی نمرود کا) جس نے ابراہیم علیہ السلام سے مباحثہ کیا تھا اپنے پروردگار کے (وجود) کے بارے میں جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا ہے کہ وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے کہنے لگا میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آفتاب کو (روز کے روز) مشرق سے نکالتا ہے تو (ایک ہی دن) مغرب سے نکال دے اس پر متحیر رہ گیا وہ کافر (اور کچھ جواب نہ بن پایا) اور اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے کہ) ایسے بے جا راہ پر چلنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیری نکات

نمرود کی کج فہمی

اسی طرح نمرود بھی منکر صانع تھا۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مناظرہ کیا تھا کہ تم جو خدا کی ہستی کے مدعی ہو بتلاؤ خدا کیسا ہے قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب ایسا ہے کہ وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ (یعنی مارنا اور جلانا اس کے خاص کمالات میں سے ہے کوئی دوسرا ایسا نہیں کر سکتا اور عالم میں ان دونوں فعلوں کا وقوع مشاہد ہے پس خدا کا وجود بھی ضروری التسلیم ہے) وہ کوڑھ مغز جلانے اور مارنے کی حقیقت کو تو سمجھا نہیں کہنے لگا کہ یہ کام تو میں کر سکتا ہوں یہ کوئی خدا کی خاص صفت نہیں جس کے وجود سے خدا کا وجود تسلیم کرنا لازم آ جائے کیونکہ میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں چنانچہ جس کو چاہوں قتل کر دوں یہ تو مارنا ہے اور جس واجب القتل کو چاہوں چھوڑ دوں یہ جلانا ہے پھر جیل خانہ میں سے دو واجب القتل قیدیوں کو بلا کر ایک کو رہا کر دیا اور ایک کو مار ڈالا۔ ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ تو بالکل ہی بھدی عقل کا ہے اسے جلانے اور مارنے کی حقیقت بھی معلوم نہیں حالانکہ جلانے کی حقیقت یہ ہے کہ بے جان چیز میں جان ڈالے نہ یہ کہ جاندار کو چھوڑ دے اسی طرح مارنا یہ ہے کہ زندہ کی جان اپنے اختیار سے نکالے اور گردن کاٹنے میں قاتل کے اختیار سے جان نہیں نکلتی اس کا کام تو صرف گردن کاٹنا ہے۔ اس کے بعد بدوں اس کے اختیار کے جان نکلتی ہے ورنہ پھر یہ بھی اختیار ہونا چاہیے کہ گردن الگ کر دے اور جان نہ نکلنے دے اور یہ گفتگو حضرت ابراہیم نے اس لئے نہ چھیڑی کہ قرائن سے معلوم ہو گیا کہ یہ جلانے اور مارنے کی حقیقت تو سمجھے گا نہیں یا سمجھ بھی گیا تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

تسلیم نہ کرے گا اور خواہ مخواہ اس میں الجھے گا اس ضرورت سے دوسری دلیل کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اچھا اللہ تعالیٰ آفتاب کو روز کے روز مشرق سے نکالتا ہے تو (اگر بزعم خود خالق ہے تو ایک ہی دن) مغرب سے نکال کر دکھلا دے۔

نمرود کی مرعوبیت

فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ اس پر وہ کافر ان کا منہ تکنے لگا اور کچھ جواب بن نہ آیا پھر اس نے بھی وہی کیا جو فرعون نے کیا تھا کہ سلطنت کے زور سے کام لینے لگا اور حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈلوا دیا جس کی گزند سے خدا تعالیٰ نے ان کو بچا لیا اور آگ کا مطلق اثر نہ ہوا اس جگہ دو سوال وارد ہوتے ہیں ایک یہ کہ نمرود کو یہ کہنے کی تو گنجائش تھی کہ اگر خدا موجود ہے تو وہی سورج کو مغرب سے نکال دے پھر اس نے یہ کیوں نہ کہا جواب اس کا یہ ہے کہ اس کے قلب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر سے بلا اختیار یہ بات پڑ گئی کہ خدا ضرور ہے اور یہ مشرق سے نکالنا اسی کا فعل ہے اور وہ مغرب سے بھی نکال سکتا ہے۔ اور یہ بھی بے اختیار اس کے دل میں آ گیا کہ یہ شخص پیغمبر ہے اس کے کہنے سے ضرور ایسا ہو جائے گا اور ایسا ہونے سے جہان میں انقلاب عظیم پیدا ہو گا کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں کہ یہ لوگ اس خارق عادت کو دیکھ کر مجھ سے منحرف ہو کر ان کی راہ پر ہو لیں اور ذرا سی حجت میں سلطنت ہاتھ سے جاتی رہے یہ جواب تو اس لئے نہ دیا اور کوئی دوسرا جواب تو تھا نہیں اس لئے حیران ہو کر منہ دیکھتا رہ گیا دوسرا سوال یہ ہے کہ یہاں حضرت ابراہیم نے اپنی حجت کیوں بدلی یہ تو آداب مناظرہ کے خلاف ہے کیونکہ اس طرح تو گفتگو کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا پس جہاں مدعی کی دلیل پر نقض وارد ہوا ہو وہ اس دلیل کو چھوڑ کر دوسری بیان کرنے لگے گا پھر اس پر نقض وارد ہو گا تو تیسری دلیل پیش کر دے گا وعلی ہذا القیاس یوں تو سلسلہ غیر متناہی ہو جائے گا اسی لئے اہل مناظرہ نے مدعی کے لئے تبدیل حجت کو منع کیا ہے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اہل مناظرہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مدعی کو اپنی مصلحت سے تبدیل دلیل کی اجازت نہیں باقی خصم کی مصلحت سے کہ مثلاً وہ غبی ہے اور دلیل اول کو غموض کی وجہ سے نہیں سمجھ سکتا۔ حجت کا بدلنا اور دوسری صحیح دلیل بیان کرنا جائز ہے بلکہ جہاں سمجھانا مقصود ہو وہاں ایسا کرنا واجب ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سمجھانا ہی مقصود تھا وہاں ایسا کرنا دلیل غامض کو بدل کر سہل دلیل اختیار کی اور گو اہل مناظرہ نے اس کی تصریح نہیں کی مگر ان کے قول کو اس پر محمول کرنا ضروری ہے کیونکہ جس طرح ایک مصلحت عقلیہ تبدیلی کے عدم جواز کو مقتضی ہے اسی طرح ایک مصلحت عقلیہ بھی فہم مخاطب اس کے جواز کو مقتضی ہے اور ظاہر ہے کہ ہم نے پہلے قاعدہ کو محض اقتضاء عقل کی وجہ سے تسلیم کیا ہے ورنہ محض اہل مناظرہ پر کوئی وحی تھوڑا ہی نازل ہوئی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اقتضائے عقل کی وجہ سے اس قاعدہ میں استثناء کا قائل نہ ہوا جائے یہ گفتگو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق تھی۔

احیاء وامات کا مفہوم

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ۔ کہ میرا خدا احیاء وامات کرتا ہے تو اس نے کہا کہ یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ اس کے بعد قید خانہ سے دو قیدیوں کو بلا کر ایک کو مار ڈالا ایک کو رہا کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا کہ یہ تو محض گدھا ہے اس پر گھوڑے کا پالان کیوں لادا۔ تو آپ نے دوسری دلیل بیان فرمائی کہ میرا خدا تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال دے اس پر وہ مبہوت ہو گیا اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔

اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ نمرود اس کے جواب میں کہہ سکتا تھا کہ مشرق سے تو میں نکالتا ہوں اگر خدا کوئی ہے تو اس سے کہو کہ مغرب سے نکالے۔

اس کا جواب ہمارے بعض اساتذہ نے یہ دیا ہے کہ ہاں اس کو اس کہنے کی گنجائش تھی مگر خدا تعالیٰ نے یہ جواب اس کے دل میں نہیں ڈالا کیونکہ اگر وہ یہ جواب دیتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا تعالیٰ سے دعا کرتے اور آفتاب مغرب سے طلوع ہو جاتا او یہ علامت قیامت سے ہے تو اسی وقت قیامت قائم ہو جاتی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو ابھی عالم کا بقاء مقصود تھا۔ اس لئے نمرود کے دل میں یہ سوال نہیں ڈالا۔

وہی میرے استاد یہ بھی فرماتے تھے کہ فبھت الذی کفر۔ میں بھت بصیغہ مجہول اسی لئے لایا گیا کہ اس کافر مجہول کو حیران بنا دیا گیا اس لفظ میں اشارہ ہے کہ اس کو سوال کی گنجائش تھی مگر اس کو حیران بنا دیا گیا مگر یہ نکتہ اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ بھت معروف بھی متعدی حیرت میں ڈالنے کے معنی میں مستعمل ہو۔ میرا خیال یہ ہے کہ بھت مجہول ہی تحیر کے معنی میں ہے اور اس کا معروف متعدی مستعمل نہیں۔

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ اس مقام پر ایک علمی اشکال ہے میں اس کو بھی رفع کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ علم مناظرہ میں یہ طے ہو چکا ہے کہ مناظر کو ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف انتقال جائز نہیں ورنہ مناظرہ کبھی ختم ہی نہ ہو۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری دلیل کی طرف کیوں انتقال کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف انتقال اپنی مصلحت سے ممنوع ہے اور مخاطب کی مصلحت سے جائز ہے جب کہ وہ بلادت فہم کی وجہ سے دلیل اول کو نہ سمجھ سکے۔ نمرود احمق تھا وہ سمجھا نہیں کہ احیاء و اماتت کے معنی ایجاد حیات و ایقاع موت کے ہیں اور ابقاء حی کو احیاء نہیں کہتے نہ قتل کو اماتت کہتے ہیں کیونکہ قتل عین موت نہیں بلکہ سبب موت ہے اور بعض دفعہ قتل سے موت کا تخلف بھی ہو جاتا ہے۔

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔

نمرود کا احمقانہ ذہن

تو نمرود کہنے لگا میں بھی جلاتا اور ماتا ہوں یہ کہہ کر اس نے قید خانہ سے دو قیدیوں کو بلایا جن میں سے ایک واجب القتل تھا اس کو تو رہا کر دیا اور ایک قیدی رہائی کے قابل تھا اس کو قتل کر دیا۔ حالانکہ یہ احیاء و اماتت نہ تھا کیونکہ احیاء کے معنی حیات بخشنے کے ہیں جس قیدی کو نمرود نے رہا کیا تھا اس کو پہلے سے حیات حاصل تھی نمرود نے اس کو اپنے گھر سے حیات نہ دی تھی اور اماتت ازہاق روح کا نام ہے اور جس قیدی کو اس نے قتل کیا تھا اس میں نمرود کا فعل صرف اس قدر تھا کہ اس نے اس کی گردن جدا کر دی اب یہ عادۃ اللہ ہے کہ انگلی یا ہاتھ کے جدا کر دینے سے جان نہیں نکلتی اور گردن کے جدا کر دینے سے جان نکل جاتی ہے پس گردن کا جدا کرنا نمرود کا فعل تھا اس کے بعد جان خود بخود عادۃ اللہ کے موافق نکل گئی انسان کا اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں کچھ دخل نہ تھا پس نمرود کی یہ حماقت تھی کہ اس نے تفریق جزاء وعدم تفریق اجزاء کو احیاء واماتت سمجھا جب ابراہیم علیہ السلام نے اس کی کور مغزی دیکھی تو آپ نے دوسری دلیل کی طرف اس کو عجز عن الفھم (فہم کے عاجز ہونے) کے سبب نہ کہ اپنے عجز عن الجواب کے سبب انتقال کیا کیونکہ آپ نے یہ دیکھا کہ اگر میں اس کا جواب دوں اور احیاء واماتت کی حقیقت بیان کروں اور یہ بتلاؤں کہ تیرا فعل احیاء واماتت میں داخل نہیں تو یہ کوڑ مغز اس فرق کو نہ سمجھ سکے گا۔ اس لئے آپ نے دوسری دلیل اس سے بھی زیادہ واضح بیان فرمائی وہ یہ کہ میرا خدا وہ ہے جو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو خدا کا منکر ہے تو مغرب سے آفتاب کو نکال اس پر وہ کافر مبہوت ہو کر ان کا منہ تکنے لگا اور اس کا کچھ جواب نہ دے سکا۔

اہل مناظرہ کے اشکال کا جواب

یہاں سے اہل مناظرہ کے ایک اشکال کا جواب بھی ظاہر ہو گیا۔ اشکال یہ ہے کہ فن مناظرہ کا مسئلہ ہے کہ ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف انتقال کرنا مناظر کو جائز نہیں اور یہ ایک مسئلہ عقلیہ ضروریہ ہے کیونکہ اگر ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف انتقال جائز کر دیا جائے تو اس طرح سلسلہ مناظرہ کبھی ختم ہی نہ ہوگا۔ تم نے ایک دلیل بیان کی خصم نے اس کو توڑ دیا تم نے اس سے انتقال کر کے دوسری دلیل بیان کر دی اس نے اس کو بھی توڑ دیا تم نے تیسری دلیل بیان کر دی تو یہ تو غیر متناہی سلسلہ ہو جائے گا۔ پھر حق کبھی ظاہر ہی نہ ہو سکے گا اس لئے علماء مناظرہ نے انتقال الی دلیل آخر کو ناجائز مانا اور کوئی شخص اس اشکال کا یہ جواب نہ سمجھے کہ یہ تو علم مناظرہ کا ایک مسئلہ ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی ہیں ان کے ذمہ ہمارے اصول کا ماننا کب لازم ہے بلکہ ہم کو نبی ان کی بات کا ماننا لازم ہے جواب ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ محض ہمارے اصول مسلمہ کی قسم سے نہیں بلکہ عقلی مسئلہ ہے جس کا تسلیم کرنا فی نفسہ ضروری ہے۔ پس اب اس اشکال کا صحیح جواب سنئے۔ بات یہ ہے کہ مناظرہ میں انتقال الی دلیل آخر اپنی مصلحت سے تو ناجائز ہے لیکن خصم کی مصلحت سے جائز ہے مثلاً ہم نے ایک دلیل غامض بیان کی جس کو خصم نہیں سمجھ سکتا تو اب دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دلیل غامض کو سہل عنوان سے بیان کیا جائے سو اگر اس میں تطویل زیادہ نہ ہو نیز مخاطب تسہیل کے بعد سمجھنے پر قادر ہو تب تو اس کی تسہیل کر دینی چاہیے اور اگر تسہیل میں تطویل ہو یا مخاطب ایسا بلید ہو کہ تسہیل کے بعد بھی دلیل غامض کو نہ سمجھ سکے تو اب دوسری صورت یہ ہے کہ اس دلیل غامض سے انتقال کر کے دوسری واضح دلیل بیان کر دی جائے جس کو خصم بخوبی سمجھ سکے تو ابراہیم علیہ السلام نے اس صورت میں مخاطب کی مصلحت سے انتقال کیا تھا کیونکہ آپ نے دیکھا کہ مخاطب بڑا ہی کور مغز ہے۔ اس لئے اس سے کیا امید تھی کہ وہ اماتت واحیاء کو سمجھے گا اور جھک جھک نہ کرے گا۔ اگر نمرود کو کچھ بھی علم وفہم ہوتا تو اس کی بات کا جواب بہت سہل تھا ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ سکتے تھے کہ ازہاق روح تیری قدرت میں نہیں تیرا کام صرف گردن جدا کر دینا تھا اس کے بعد روح کا نکل جانا عادۃ اللہ کے موافق ہوا تیرا اس میں کچھ دخل نہیں کیونکہ قاعدہ عقلیہ ہے القدرۃ تتعلق بالضدین کہ قدرت ضدین کے ساتھ متعلق ہوا کرتی ہے جو شخص جان نکالنے پر قادر ہوگا وہ اس کے روکنے پر بھی ضرور قادر ہوگا پس تفریق گردن کے بعد اگر زہوق روح تیرے اختیار سے تھا تو اس پر بھی تجھ کو قدرت ہونی چاہیے کہ ایک شخص کی گردن جدا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کر کے اس کی جان کو نہ نکلنے دے اگر تو اس پر قادر ہے کہ گردن کاٹنے کے بعد جان کو روک لے اور نہ نکلنے دے تو ایسا بھی کر دکھا اس کا جواب اس کے پاس ہرگز کچھ نہ تھا۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی دلیل کمزور نہ تھی اور نہ اس کی کمزوری کی وجہ سے آپ نے دوسری دلیل کی طرف انتقال کیا تھا بلکہ محض اس وجہ سے انتقال کیا کہ پہلی دلیل کے سمجھنے کی اس کور مغز سے امید نہ تھی غرض انسان کا کام محض تحلیل وترکیب ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶۰﴾

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے ارشاد فرمایا کہ تم ایمان نہیں لائے انہوں نے عرض کیا کہ یقین کیوں نہ لاتا لیکن اس غرض سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو سکون ہو جائے ارشاد ہوا کہ اچھا تم چار پرندے لے لو پھر ان کو (پال کر) اپنے لئے ہلا لو پھر ہر پہاڑ پر ان میں ایک ایک حصہ رکھ دو (اور) پھر ان سب کو بلاؤ (دیکھو) تمہارے پاس سب دوڑے (دوڑے) چلے آئیں گے اور خوب یقین رکھو اس بات کا کہ حق تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔

تفسیری نکات

تردد کے اقسام

وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي آخر لیطمئن کا کیا مطلب ہے خود واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کو کس درجہ کا تردد تھا۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ میں دیکھ لوں۔ فرمایئے کہ ابراہیم کو کون سا تردد تھا۔ ظاہر بات ہے کہ وہ تردد تو ہو نہیں سکتا جو منافی ایمان ہو۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مطلق تردد منافی ایمان کے نہیں۔ ایک فرد تردد کی وہ بھی ہے جو منافی ایمان ہو۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مطلق تردد منافی ایمان کے نہیں۔ ایک فرد تردد کی وہ بھی ہے جو منافی ایمان نہیں۔ تردد کی بہت سی قسمیں ہیں۔ یہ تردد جو حضرت ابراہیم کو تھا ایمان کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے اول تو ابراہیم علیہ السلام کی شان ایسی ہے کہ ان کی نسبت یہ گمان ہو ہی نہیں سکتا کہ ان میں ایسا تردد تھا جو کہ ایمان کے منافی ہے اور پھر قرآن میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ جب ان سے کہا گیا کہ اولم تومن کہ کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ بلیٰ یعنی ایمان کیوں نہیں۔ میں تو صرف اس لئے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو اطمینان ہو جاوے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یقین آپ کو پورا تھا' شک ذرا بھی نہ تھا۔ ہاں تردد کا وہ درجہ تھا جو اطمینان کے مقابل ہے اور وہ منافی ایمان نہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن اور ترجمہ

اطمینان عربی کا لفظ ہے جس کے معنی سکون کے ہیں یہ یقین کا مرادف نہیں ہے البتہ اردو میں اطمینان بمعنی یقین مستعمل ہے۔ ممکن ہے کہ قرآن شریف کے کسی ترجمہ میں اطمینان کا لفظ دیکھ کر اس سے دھوکا ہوا ہو۔ اور آج کل تو ایسے ترجمے بھی ہو گئے ہیں کہ ان کے اندر ایسے دقیق فرقوں کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ یہی تو وجہ ہے کہ قرآن شریف کے ترجمہ میں بہت علوم جاننے کی ضرورت ہے کہ ہر شخص کو ترجمہ دیکھنا بھی نہ چاہئے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اس آیت کے متعلق مجھ کو پوچھنا ہے مگر اول اس کا ترجمہ کر دیجئے۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى وہ سمجھے ہوئے تھے کہ ضالاً کا ترجمہ گمراہ کروں گا اور گمراہ فارسی میں تو عام ہے۔ اس کو بھی جو واقفیت نہ رکھتا ہو اور اس کو جو واقف ہو کر راہ سے بھٹکا ہو۔ لیکن اردو میں گمراہ اسی کو کہا جاتا ہے جو قصداً راہ سے الگ ہو گیا ہو کسی مترجم نے ضالاً کا ترجمہ لفظ گمراہ سے کر دیا ہے۔ بس اس کو دیکھ کر دل میں اعتراض آیا ہو گا میں نے کہا سنئے ترجمہ یہ ہے پایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ناواقف پھر واقف بنا دیا اس کو سن کر چپکے ہی تو ہو گئے۔

اسی وجہ سے میں کہا کرتا ہوں کہ قرآن میں بہت سے علوم کی ضرورت ہے۔ ترجمہ کے مطالعہ کے لئے صاحب کشاف نے مفسر کے لئے چودہ علوم کی ضرورت لکھی ہے۔ میں نے ایک موقعہ پر (فتح پور کے وعظ میں) ثابت کر دیا تھا کہ اگر نحو نہ جانتا ہو گا تو ترجمہ میں یہ غلطی کرے گا اور فلاں علم سے واقف نہ ہو گا تو یہ غلطی کرے گا۔ خوب واضح طور سے ثابت کر دیا تھا کہ اتنے علوم کی ضرورت ہے قرآن شریف کے ترجمہ کے لئے آج کل ہر شخص اپنے کو مجتہد سمجھتا ہے جیسی کہ لفظ گمراہ ہے اسی طرح لفظ اطمینان بھی ہے یہ اردو میں تو مرادف ہے ایقان کا مگر عربی میں اس کا مرادف نہیں بلکہ عربی میں اس کے معنی ہیں سکون قلب اور اس کا مقابل ہے تردد یعنی اضطراب قلب یعنی قلب میں حرکت سکون کی قسم کے خلاف ظاہر ہونا۔

وساوس اور اسباب

مطلب یہ ہے کہ اس کا تو یقین ہے کہ آپ زندہ کرنے پر قادر ہیں مگر یہ نہیں معلوم کہ کیسے کریں گے۔ یہ دکھا دیجئے۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا تھا انی یکون لی غلام کہ یہ تو یقینی ہے کہ آپ بیٹا دینے پر قادر ہیں مگر یہ بتلا دیجئے کہ کس طرح ہو گا۔ آیا ہم میاں بیوی جوان کئے جاویں گے یا اسی حالت میں ہو گا انی استبعاد کے لئے نہیں انی بمعنی کیف یعنی سوال عن الکیفیت کے لئے ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى کہ آپ کس کیفیت سے مردوں کو زندہ کریں گے۔ اس کی کیا نظیر دکھا دیجئے۔ اس پر حکم ہوا فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ۔ الخ ان کو ہلالو۔ پھر ذبح کرے خوب ان کا قیمہ کر لو اور چار حصے کر کے چار جگہ رکھ دو پھر ان کو پکارو سب دوڑے چلے آئیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور پکارا بس سب زندہ ہو کر ان کی طرف چلے آئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھ سے تماشا دیکھ لیا بس اس سے معلوم ہو گیا کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

مطلق تردد نہ ایمان کے منافی ہے اور نہ کمال ولایت کے۔

یہ سالکین کے کام کی بات ہے

اطمینان اور ایمان اور چیز ہے

فرمایا اطمینان اور چیز ہے اور ایمان اور چیز ہے ان میں فرق قرآن مجید سے سمجھنا چاہیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ارشاد ہوا اَوَلَمْ تُؤْمِنْ عرض کیا بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قلبی اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو تھا یعنی تصدیق مگر اطمینان کی طلب تھی اور وہ فرق یہ ہے کہ ایمان تو فقط تصدیق سے ہے اور اطمینان وہ کیفیت خاص ہے جو بعد مشاہدہ کے ہوتی ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کے مال کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں کو عمل شاق کا خوگر بنا کر ان میں پختگی پیدا کریں مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیلے پر ہو کہ اس پر زور کی بارش پڑی ہو پھر وہ دگنا چگنا پھل لایا ہو اور اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار بھی کافی ہے اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔

تفسیری نکات

انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض س اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں میں پختگی پیدا کریں (تا کہ آئندہ انفاق بھی اور دوسرے اعمال صالحہ بھی سہولت سے صادر ہوا کریں) ان لوگوں کے صدقات ونفقات کی حالت مثل ایک باغ کی حالت کے ہے جو بلند زمین پر ہے اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ زمین تو نشیب کی اچھی ہوتی ہے جس میں پانی ٹھہرے بلند زمین میں پانی کیونکر ٹھہرے گا۔ جواب یہ ہے کہ زمین بلند سے یہ کیونکہ سمجھ لیا گیا کہ وہ گنبد ہے بلکہ بلند بھی ہے اور مسطح بھی ہے کیونکہ بلندی پر ہوا لطیف ہوتی ہے اس کے بعد ارشاد ہے اصابہا وابل اس کو موسلا دھار بارش نصیب ہوگئی تو وہ اپنا پھل دو چند لایا چار چند۔ دو باتیں اس لئے کہی کہ ضعف کے معنی میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ ضعف کہتے ہیں مجموعہ مثلین کو تو ضعفین تثنیہ ہے اس کے معنی چار مثل یعنی چار چند کے ہو

(c) ketabton.com: The Digital Library

گئے اور بعض نے کہا ہے کہ ان مثلین میں سے ہر مثل کو ضعف کہتے ہیں ان کے نزدیک ضعفین کا ترجمہ دو چند ہوگا جیسے زوج کبھی ہر فرد کو کہتے ہیں جس کا تثنیہ زوجین بمعنی صنفین آتا ہے اور کبھی مجموعہ فردین کو کہتے ہیں جیسے دو کے عدد کو زوج کہتے ہیں بمعنی مجموعہ عددین آگے فرماتے ہیں فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ اور اگر اس کو موسلا دھار بارش نہ پہنچے تو پھوار بھی کافی ہے ای فطل یکفیہ طل یا تو طل مبتدا ہے خبر محذوف ہے یا فاعل ہے جس کا فعل مقدر ہے اور نکرہ کا مبتداء ہونا جو ممنوع ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ مفید نہیں ہوتا اور اگر مفید ہو تو مبتدا ہونا جائز ہے اور یہاں مفید ہے وجہ افادہ کی یہ ہے کہ یہ صورۃ نکرہ ہے اور معنی نکرہ موصوفہ ہے کیونکہ طل سے مراد مطلق طل نہیں بلکہ وہ طل ہے جو اس باغ سے لگے اس کو پہنچے اس کے بعد ارشاد ہے وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔ اس کا ربط آیت کے اجزاء کی تحلیل سے معلوم ہوگا بدوں اس کے معلوم نہ ہوگا۔

اخلاص کی تشبیہ

ہمیں اعمال اختیاریہ کی تحصیل کا مکلف کیا ہے اور شارع کے ذمہ تسہیل کی رعایت نہیں مگر محض عنایت کی وجہ سے بعض دفعہ تسہیل کی بھی رعایت فرما لیتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں کیا گیا ہے پس سالکین کی یہ بڑی غلطی ہے کہ وہ سہولت کے طالب ہیں اور طلب تحصیل میں کوتاہی کرتے ہیں اس میں مقصود بالذات کو تابع اور مقصود بالعرض کو اصل قرار دینا ہے نیز صفت اختیار کا ابطال ہے جو امانت الٰہیہ ہے اب میں مختصراً تشبیہ کے متعلق جو اس آیت میں مذکور ہے کچھ عرض کرتا ہوں حق تعالیٰ نے یہاں نفقات کو جنات سے تشبیہ دی ہے وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح باغ میں پھل کو ترقی ہوتی ہے اسی طرح نفقات میں زیادت ہوتی ہے اور وابل سے اخلاص کی تشبیہ مقصود ہے جس کی دلیل اوپر کی آیات ہیں کیونکہ اوپر ریاء فی الانفاق کی مذمت ہے كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ الایہ۔ اس کے بعد اخلاص فی انفاق کی فضیلت بیان فرمائی گئی اور جب وابل سے مراد اخلاص ہے اور اس کے مقابلہ میں طل مذکور ہے اور وابل کہتے ہی موسلا دھار بارش کو اور طل کہتے ہیں پھوار کو تو اس تقابل سے معلوم ہوا کہ وابل سے اخلاص کامل مراد ہے اور طل سے اخلاص قلیل مراد ہے حاصل یہ ہوا کہ اگر اخلاص کامل ہوا تو نفقات میں ترقی زیادہ ہوگی اور اگر اخلاص قلیل ہوا تو وہ بھی ترقی کے لئے کافی ہے گو زیادہ ترقی نہ ہو اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اخلاص قلیل بھی مطلوب ہے بلکہ اس سے وہمیوں کا علاج کیا گیا ہے کیونکہ اگر اخلاص کامل کا مطلوب ہونا ان کے ذہن نشین ہو جائے تو ان سے کوئی عمل نہ ہو سکے گا کیونکہ پہلے ہی دن اخلاص کامل میسر نہیں ہو سکتا۔

جیسے ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے سامنے ایک جنازہ کی نماز شروع ہوئی اور وہ شریک نہ ہوئے کسی نے پوچھا کہ آپ نے نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی فرمایا کہ میں نیت کی تصحیح میں مشغول رہا یہی سوچتا رہا کہ اس وقت اس میت کی نماز پڑھنے میں کیا نیت ہے کیونکہ نماز جنازہ میں مختلف نیتیں ہوتی ہیں کبھی اعزہ و اقرباء کی خاطر سے پڑھی جاتی ہے کبھی میت کی وجاہت کا اثر ہوتا ہے کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ میت محلہ دار ہے اگر نماز نہ پڑھیں گے تو اہل محلہ ملامت کریں گے یہی وجہ ہے کہ رئیس یا عالم کے جنازہ کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے غریبوں کے جنازہ کا اس قدر اہتمام نہیں ہوتا اگر اخلاص منشاء ہوتا تو یہ فرق کیوں ہوتا۔ اسی طرح حافظ اگر تراویح میں سوچتا رہے کہ میں تراویح میں جو بنا سنوار کر قرآن پڑھ رہا ہوں اس میں کیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

نیت ہے کیونکہ تنہا نماز پڑھتے ہوئے ایسا اہتمام نہیں ہوتا تو ظاہر ہے کہ وہ تراویح ہرگز نہ پڑھا سکے گا پس اس وہم کا علاج کر دیا گیا کہ تم کس وہم میں پڑے ہو ہمارے یہاں اخلاص قلیل بھی کافی ہے بس تم اپنی طرف سے برا قصد نہ کرو اس کے بعد بے فکر ہو کر کام میں لگو اور اخلاص کامل کے لئے سعی کرتے رہو اسی طرح سے ایک دن اخلاص کامل بھی میسر ہو جائے گا اور اگر پہلے ہی دن اخلاص کامل پر عمل کو موقوف رکھا تو تم سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا یہ مطلب ہے فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ کا کہ ابتداء میں اخلاص قلیل ہی کو کافی سمجھو اور عمل شروع کر دو یہ مطلب نہیں کہ اخلاص قلیل ہی مطلوب ہے بلکہ مطلوب تو اخلاص کامل ہے مگر اس کے حصول کا طریقہ یہی ہے کہ اول قلیل ہی سے عمل شروع کر دو۔

بعض نے جو ارشاد خداوندی اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ سے تضاعف حسنات کی تحدید سات سو تک نکالی ہے سو آیت میں درحقیقت تحدید نہیں بلکہ تکثیر ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک تمرۃ جو راہ خدا میں دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی تربیب فرماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جبل احد کے برابر ہو جاتا ہے اور جبل احد کے اگر ایک تمرۃ کے برابر اجزا بنائے جائیں تو سات سو گنے کیا کروڑوں اربوں گنے تک نوبت پہنچے گی پس معلوم ہوا کہ آیت میں تحدید مراد نہیں بلکہ تکثیر اجر الی ما یحصی مقصود ہے۔ محاورات میں ایسے اطلاقات ہوتے ہیں کیونکہ بسا اوقات بول چال میں عدد مخصوص بولا جاتا ہے اور مراد عدد معین نہیں ہوتا بلکہ تکثیر مراد ہوتی ہے جیسا ہمارے محاورے میں بھی بولا جاتا ہے کہ بیسیوں دفعہ یہ کام کیا۔ پچاس دفعہ کھایا۔ باوجودیکہ عدد معین بولا گیا ہے لیکن مراد صرف کثرت ہے نہ عدد مخصوص۔ اسی طرح عربی زبان میں بھی سبع۔ سبعین وغیرہ اکثر بول کر مراد کثرت لی جاتی ہے۔ پس بعض ظاہر بین کوتاہ نظر جو شبہ کیا کرتے ہیں کہ احادیث وروایات میں بعض نعمائے جنت اور عذاب دوزخ کے بیان میں ستر ستر کی تحدید کیوں ہے اس کا جواب ہو گیا۔ کہ بدلالت محاورہ عرب تحدید مراد نہیں بلکہ تکثیر مراد ہے اور ہر زبان کے محاورات اور خواص جدا ہوتے ہیں۔

عمل کے بعض ثمرات خاص عامل ہی کو ملتے ہیں

عمل کی بعض خاصیتیں وہ ہیں کہ ان کا ثمرہ خاص عامل ہی کو حاصل ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ۔ یعنی مثل ان لوگوں کی جو اپنے مالوں کو اللہ کی رضامندی کی طلب کرنے اور اپنے نفسوں کو نیک کاموں پر جمانے کے لئے خرچ کرتے ہیں دیکھئے اس آیت میں مال کے خرچ کرنے کی خاصیتیں ارشاد فرمائی ہیں اول تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کرنا یعنی ثواب دوسرے اپنے نفس کو جمانا یعنی اس میں سخاوت کا ملکہ پیدا کرنا جس کا حاصل اخلاق کی درستی ہے۔

چنانچہ واؤ عاطفہ ان دونوں کے تغائر پر دال ہے۔ پس ثواب تو وہ شے ہے کہ دوسرے کے کرنے سے بھی مل جاتا ہے اور نفس عمل کو جو خاصیت ہے یعنی نفس میں ملکہ اور قوۃ پیدا ہونا یہ بغیر اپنے کئے نہیں ہو سکتا دیکھو پہلوان درست دشمن ہے بچاوے گا لیکن تمہارے اندر وہ قوۃ پیدا کر سکتا قوت ہی ہوگی جب تم خود ورزش کرو گے خلاصہ یہ ہے کہ بدوں اپنے کئے نفس کے اندر قوۃ نیک اعمال کی پیدا نہیں ہو سکتی اور اس قوۃ ہی کا نام خال ہے سو لوگوں کو بالعموم اس کی فکر ہی نہیں۔ نماز پڑھتے

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہیں لیکن اس کا فکر نہیں کہ اس کی دھن لگ جائے۔ روزہ رکھتے ہیں حج کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں مگر اترے دل سے اس کا شوق نہیں کہ بعض فرائض و واجبات سے ترقی کر کے ذکر بھی کرتے ہیں لیکن ان کا ذکر صرف زبان پر ہے قلب میں کچھ اثر نہیں اور اس اثر نہ ہونے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کی ان عبادات کو دوام نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ ان کی جڑ قلب میں پیدا نہیں ہوئی اگر نماز قضا ہو جائے تو ہو جائے کچھ غم نہیں۔

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ اس میں تیمم اور قصد کی ممانعت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے چھانٹ کر بری چیز کا قصد نہ کرو تیمم کی قید میں بھی رحمت ہے کیونکہ حق تعالیٰ جانتے ہیں کہ بعض لوگ غریب بھی ہوں گے جن کے پاس گھٹیا ہی مال ہوگا تو اگر وہ گھٹیا دیں تو مضائقہ نہیں کیونکہ وہ گھٹیا کا انتخاب اور قصد نہیں کرتے بلکہ اس لئے گھٹیا دیتے ہیں کہ ان کے پاس اور ہے ہی نہیں پھر آگے اسکا معیار بتلاتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ ہر شخص کے اعتبار سے گھٹیا کا درجہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ. یعنی بس یہ دیکھ لو کہ اگر ایسی چیز کوئی تم کو دے تو تم بھی خوشی سے اس کو لے سکتے ہو لحاظ کر لینا معتبر نہیں اس لئے آگے إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ بھی بڑھا دیا پس جو چیز تم دوسرے سے خوشی کے ساتھ لے سکتے ہو اس کو اللہ کے نام پر بھی دے سکتے ہو اور ظاہر ہے کہ جس غریب کے پاس سب گھٹیا ہی مال ہے وہ دوسرے سے بھی اس جیسی چیز کو لے سکتا ہے لہٰذا ان کو گھٹیا جانور کی قربانی جائز ہے اور جو لوگ ایسے نازک ہیں کہ بیمار اور دبلے جانور کا گوشت کبھی نہیں لیتے ہمیشہ عمدہ جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں اگر یہ دبلا پتلا جانور قربانی کریں گے تو اس کی ممانعت ہوگی کیا رحمت ہے کہ حق تعالیٰ نے معیار بھی خود ہی بتلا دیا تمہاری رائے پر نہیں چھوڑا آگے فرماتے ہیں و الله غنی یعنی خدا تعالیٰ غنی ہے اس کو تمہارے مال کی ضرورت نہیں پس خدا کے نام پر ایسا مال دو جیسا اغنیاء کو دیا کرتے ہیں اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ جب خدا تعالیٰ کو احتیاج نہیں پھر ہم جیسا چاہیں خرچ کر دیں تو فرماتے ہیں حمید یعنی گو ان کو احتیاج نہیں مگر کرتے تو ان کی رضا کے لئے ہو جب یہ ہے تو وہ محمود بھی ہیں اس لئے ان کے نام پر ہر حال میں مال محمود ہی خرچ کرنا چاہیے پھر بعض کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ تو سب کچھ ہے کہ اللہ کے لئے مال محمود خرچ کرنا چاہیے کیونکہ وہ غنی حمید ہے مگر عمدہ مال میں روپے بھی تو بہت خرچ ہوتے ہیں پھر محتاج ہو جاویں گے اس کا جواب دیتے ہیں اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے وہ تم کو فقر سے ڈراتا اور بے حیائی کی بات بتلاتا ہے فحشاء سے مراد یہاں مفسرین کے نزدیک بخل ہے واقعی یہ کیسی بے حیائی کی بات ہے کہ خدا ہی کا مال اس کے حکم سے دینا نہیں چاہتا آگے زیادہ ہمت بڑھاتے ہیں وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا اور اللہ تعالیٰ تم سے (انفاق پر) مغفرت کا وعدہ فرماتے ہیں اور ترقی (مال و دولت) کی امید دلاتے ہیں پس مطمئن رہو کہ صدقہ خیرات سے مال میں کمی نہ آئے گی بلکہ ترقی ہوگی (حدیث میں اس کی زیادہ تصریح ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا) آگے وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ بھی ایک اشکال کا جواب ہے کہ حق تعالیٰ بڑے وسعت والے ہیں ان کے یہاں کچھ کمی نہیں اس لئے وعدہ فضل پر شبہ نہ کرو اور وہ ہر شخص کے عمل کو خوب جانتے ہیں اس لئے یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

وسوسہ نہ کرو کہ اتنے آدمیوں میں ہمارے عمل کی کیا خبر ہوگی ان سے ذرہ برابر کسی کا عمل مخفی نہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَنفِقُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا۟ ٱلْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِـَٔاخِذِيهِ إِلَّآ أَن تُغْمِضُوا۟ فِيهِ ۚ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ غَنِىٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾ ٱلشَّيْطَٰنُ يَعِدُكُمُ ٱلْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِٱلْفَحْشَآءِ ۖ وَٱللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُؤْتِى ٱلْحِكْمَةَ مَن يَشَآءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ ٱلْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِىَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٢٦٩﴾

ترجمہ: اے ایمان والو (نیک کام میں) خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہے اور ردی (ناکارہ) چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کرو حالانکہ تم کبھی اس کے لینے والے نہیں ہاں مگر چشم پوشی کر جاؤ (تو اور بات ہے) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں تعریف کے لائق ہیں شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے اور تم کو بری بات (یعنی بخل) کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تم سے وعدہ کرتا ہے اپنی طرف سے گناہ معاف کر دینے کا اور زیادہ دینے کا اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں خوب جاننے والے ہیں دین کا فہم جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کو دین کا فہم مل جاوے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں (یعنی جو عقل صحیح رکھتے ہیں)

تفسیری نکات

رعایت غربا

اس میں غرباء کی رعایت کی گئی ہے اگر طَيِّبَٰتِ مَا كَسَبْتُمْ نہ فرماتے بلکہ اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَٰتٍ مطلقاً فرماتے تو غرباء کو فکر ہوتی کہ ہمارے پاس تو جتنا کچھ ہے امیروں کی نظروں میں سب ہیچ ہے تو طیبات کاملہ ہم کہاں سے لائیں اس لئے حق تعالیٰ نے فرما دیا کہ طیبات کاملہ کی ضرورت نہیں بلکہ تمہارے پاس جو کچھ ہے اس میں سے پاکیزہ مال خرچ کرو اور اس میں سے چھانٹ کر ردی مال اللہ کے واسطے نہ نکالو۔

اب یہاں ایک اشکال واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے کہ جب نیا کپڑا پہنے تو پرانے کو خیرات کر دے اور نیا جوتا پہنے تو پرانے کو اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ ردی مال صدقہ کیا جائے گا تو میں اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہوں کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

پرانے کپڑے اور جوتے کو اللہ کے نام پر ثواب کی نیت سے نہ دیا جائے بلکہ اعانت غریب کی نیت سے صدقہ کیا جائے تم اعانت غریب کے سوا کچھ قصد نہ کرو۔ چاہے اللہ تعالیٰ تم کو ثواب بھی دیدیں خوب سمجھ لو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مراد اس سے وہ پرانا ہو جو ردی کے درجہ تک نہ پہنچا ہو بہر حال تحصیل بر کے لئے احب الاشیاء کا انفاق ضروری نہیں اور حضرت ابوطلحہؓ کا احب الاشیاء کا خرچ کرنا یہ اس غرض سے تھا کہ وہ خیر کامل کے قصد سے انفاق اعلیٰ کرنا چاہتے تھے کیونکہ حضرات صحابہؓ کی یہی شان تھی کہ وہ ہر کام میں اعلیٰ درجہ کا قصد کرتے تھے۔ دوسرے خود نص میں ایک قرینہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حصول بر کے لئے انفاق احب الاشیاء ضروری نہیں اور وہ قرینہ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ۔

اس آیت کی مشہور تفسیر تو یہ ہے کہ آیت سابقہ کی علت ہے کہ تم کو انفاق پر ثواب کیونکر نہ ملے اللہ تعالیٰ تمہارے انفاق کو خوب جانتے ہیں اس تفسیر پر تو اس کا حاصل آیت سابقہ سے متحد ہے مگر میری سمجھ میں خود بخود یہ بات آئی تھی کہ یہ آیت پہلی آیت کے مقابل ہے کہ پہلی آیت میں انفاق محبوب پر بر کامل کے حصول کو موقوف کیا گیا تھا اور اس آیت میں ماتنفقوا عام ہے محبوب وغیر محبوب دونوں کا مطلب یہ ہے کہ بر کامل تو انفاق محبوب ہی سے حاصل ہوگی اور ویسے جو کچھ بھی تم خرچ کرو خواہ محبوب ہو یا غیر محبوب بشرطیکہ ردی نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں یعنی ثواب کچھ نہ کچھ مل ہی جائے گا۔ گو بر کامل حاصل نہ ہو۔ یہ تفسیر میرے ذہن میں آئی تھی مگر میں اس پر مطمئن نہ ہوا بلکہ تفاسیر میں تلاش کیا تو بیضاوی نے یہی لکھا ہے جو میں سمجھا تھا اس سے میرا جی بہت خوش ہوا اور اطمینان ہو گیا کہ یہ تفسیر بالرائے نہیں۔

وَمَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِىَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ؕ (اور جس کو دین کا فہم مل گیا اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی)

حکمت موہبت خداوندی ہے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص حکمت یعنی علم دین عطا کیا جاوے تو اس کو بیشک خیر کثیر مل گئی اب یہ سمجھئے کہ آیت میں یُؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فرمایا۔ یہ نہیں ارشاد فرمایا من تعلم الحکمة یامن حصل الحکمة۔ یعنی حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ جو شخص حکمت دیا جاوے اس کو خیر کثیر مل گئی یہ نہیں فرمایا جو حکمت سیکھے یا جو حکمت حاصل کرے اس کو خیر کثیر مل گئی اس میں یہ رمز ہے کہ کہیں طالب علم و محصل کو زعم اور عجب اور ناز نہ پیدا ہو جاوے کہ میں نے اپنی فطانت و ذہانت و محنت سے علم حاصل کیا ہے پس من یوت میں یہ بتلا دیا کہ یہ محض موہبت خداوندی ہے جس کو چاہیں عطا فرما دیں گو اس کے اسباب مکتسبہ ضرور ہیں اور اسی بناء پر انسان اس کی تحصیل کا مکلف قرار دیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے طلب العلم فریضة علی کل مسلم (قال الجامع رواہ ابن عبداللہ باسناد صحیح سچ یہ ہے کہ بعد سعی کے علم دین کا حاصل ہو جانا یہ محض موہوب من اللہ ہے مکسوب نہیں ہے جیسے نکاح فعل اختیاری ہے اور اسی طرح مجامعت بھی فعل اختیاری ہے مگر اولاد کا ہونا بالکل غیر اختیاری ہے اگر حق تعالیٰ چاہیں عطا فرما دیں اور چاہیں محروم فرمائیں سو اسی طرح کتاب پڑھنا محنت کرنا سامان تحصیل مہیا کرنا افعال اختیاریہ ہیں لیکن حصول علم دین غیر اختیاری ہے کیونکہ درحقیقت علم دین حقائق دینیہ کا قلب پر وارد ہونا ہے اور وہ محض موہوب ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آپ وہ طالب علم لیجئے جو ہر طرح ظاہری اسباب تحصیل

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں مساوی درجہ کے ہوں یعنی استاد دونوں کا ایک ہو توجہ بھی استاد کی دونوں پر مساوات کے ساتھ ہو تدریس وتحشیہ وتصنیف وغیرہ کا کام بھی دونوں سے برابر درجہ میں لیا گیا ہو مدت تکمیل بھی دونوں کی ایک ہو عمر بھی ایک ہو فطانت وذہانت میں بھی برابر ہوں مگر ایک میں تقویٰ زیادہ ہو تو ضرور ہے کہ متقی کا علم لطیف اور بڑھا ہوا ہوگا اور یہ امر مشاہدہ ہے لاریب فیہ بلکہ بعض اوقات متقی اس درجہ کا ذہین نہیں ہوتا جس درجہ کا وہ دوسرا شخص ذہین ہوتا ہے جو اس سے تقویٰ میں کم درجہ کا ہے مگر باوجود اس کے متقی کا علم زیادہ اور لطیف ہوتا ہے پھر اسباب ظاہریہ کی مساوات کے ہوتے ہوئے تقویٰ سے علم کا زیادہ لطیف ہوجانا یہ موہوب ہونے کے سبب نہیں ہوسکتا تو اور کیا ہے پس معلوم ہوا کہ حصول علم دین محض وہبی ہے۔

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید وا وستا

(اگر شبہ ہو کہ تقویٰ بھی تحصیل علم کا سبب ہے اور وہ ایک شخص میں کم ہے اسی لئے اس کے علم میں بھی کمی ہے پھر موہوب علم کہاں رہا اور مساواۃ کہاں متحقق ہوئی تو جواب یہ ہے کہ اول تو یہی مسلم نہیں کہ تقویٰ بھی تحصیل علم کا ایک سبب ہے چنانچہ کوئی شخص خاص اس نیت سے تقویٰ کر کے دیکھے کہ ہمارے علم میں ترقی ہوگی سو دیکھ لے گا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے علم میں خاک بھی ترقی نہ ہوگی ترقی تو عادۃً ہوجاتی ہے جبکہ مقصود تقویٰ سے خالص رضائے الٰہی ہو اور بر تقدیر تسلیم یہ اسباب ظاہریہ میں سے نہیں ہے اور یہاں ذکر اسباب ظاہری کا ہے اور جو اسباب کو عام لیا جاوے تو اسباب غیر ظاہری تو رحمت خداوندی بھی ہے جو سبب ہے موہبت کا تو پھر یہ بھی کہا جاوے گا کہ ایک کے شامل رحمت الٰہیہ ہے اور وہ سبب ہے زیادت کا اور دوسرے کو یہ میسر نہیں فلا مساواۃ حالانکہ یہ اعتراض کوئی فہیم نہیں کرسکتا ۱۲)

اسی طرح مجامعت بھی فعل اختیاری ہے مگر اولاد کا ہونا بالکل غیر اختیاری ہے اگر حق تعالیٰ چاہیں عطا فرمادیں اور چاہیں محروم فرمائیں سو اسی طرح کتاب پڑھنا محنت کرنا سامان تحصیل مہیا کرنا افعال اختیاریہ ہیں لیکن حصول علم دین غیر اختیاری ہے کیونکہ درحقیقت علم دین حقائق دینیہ کا قلب پر وارد ہونا ہے اور وہ محض موہوب ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آپ دو طالب علم لیجئے جو ہر طرح ظاہری اسباب تحصیل میں مساوی درجہ کے ہوں یعنی استاد دونوں کا ایک ہو توجہ بھی استاد کی دونوں پر مساوات کے ساتھ ہو تدریس وتحشیہ وتصنیف وغیرہ کا کام بھی دونوں سے برابر درجہ میں لیا گیا ہو مدت تکمیل بھی دونوں کی ایک ہو عمر بھی ایک ہو فطانت وذہانت بھی برابر ہوں مگر ایک میں تقویٰ زیادہ ہو تو ضرور ہے کہ متقی کا علم لطیف اور بڑھا ہوا ہوگا اور یہ امر مشاہدہ ہے لاریب فیہ۔

اور ایک یہ بات سمجھنے کی ہے کہ آیت میں حکمت یعنی علم دین کو خیر کثیر کہا گیا حالانکہ صرف خیر کا لفظ بھی کافی تھا کیونکہ یہ لفظ موہم تفضیل ہے اس کے معنی ہیں بہت اچھا اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ جیسی عظیم الشان ذات جس چیز کو بہت اچھا فرمائے اس کی خوبی کس درجہ کی ہوگی مگر صرف اسی لفظ پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ مزید مبالغہ کے لئے کثیرا کا لفظ بھی اضافہ فرمایا یعنی علم دین بہت ہی بڑی نعمت ہے اور بہت اچھا ہونے کے دو درجے ہیں ایک تو یہ کہ کوئی چیز بہت سی چیزوں سے یا کسی خاص چیز سے بہت اچھی ہو اور دوسرے یہ کہ تمام چیزوں سے زیادہ عمدہ ہو اور یہاں ظاہراً دوسری صورت مراد ہے کیونکہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہاں مفضل علیہ مذکور نہیں ہے پس مراد یہ ہے کہ علم دین تمام اچھی چیزوں سے زیادہ بڑھ کر ہے واضح ہو کر اس خیر کے مفضل علیہ میں تمام واقعی عمدہ چیزیں داخل ہیں اور مال و دولت تو واقع میں کمال ہی نہیں اور نہ وہ کچھ زیادہ اچھا ہے بلکہ بقدر حاجت روائی محمود ہے اور وسیلہ ہے مقصود کا خود بذاتہ کچھ محمود مقصود نہیں اس لئے اس خیر کے مفضل علیہ میں اس کے داخل ماننے کی ضرورت ہی نہیں اب رہا ایمان سو وہ خود ایمان اس علم ہی میں داخل ہے کیونکہ ایمان تصدیق بالقلب کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ علم ہے۔ اب رہی جنت سو وہ اس خیر کے مفضل علیہ میں داخل ہے کیونکہ ایمان کہ علم دین کی ایک فرد ہے جنت سے افضل ہے گو بعض لوگوں نے جنت کو ایمان سے افضل کہا ہے اور یہ دلیل بیان کی ہے کہ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا یعنی جو شخص نیکی کرے تو اس کو اس نیکی سے بڑھ کر جزا دی جاوے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم سے جزاء افضل ہے اور اعمال میں ایمان بھی ہے لہٰذا ایمان کی جزاء یعنی جنت ایمان سے افضل ہوئی لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں خیر سے مراد جنت نہیں بلکہ نفس حسنہ ہے تو مطلب یہ ہوا کہ آدمی جو نیکی کرتا ہے خواہ وہ ایمان ہو یا دیگر اعمال اللہ تعالیٰ اس عمل کو بڑھا دیتے ہیں مثلاً ایک نیکی کو بڑھا کر دس نیکی کر دیں پھر ان دس نیکی پر جزاء مرتب ہوتی ہے اور دوسری آیت میں تصریح ہے کہ وہ بڑھائی ہوئی چیز حسنہ ہی ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اور ظاہر ہے کہ امثالہا میں ضمیر مضاف الیہ کا مرجع حسنہ ہے تو حسنہ کے امثال حسنات ہی ہیں مثلاً کسی نے دو رکعت نماز پڑھی تو اس کو اول بیس رکعت یعنی دس گنا فرمایا پھر اس بیس رکعت کا ثواب مرحمت فرمایا کام کمزور تھا لیکن لکھا گیا قوی، تھوڑا کیا تھا تحریر میں لایا گیا زیادہ، پس حسنات مضاعفہ کا حسنہ معمول بہا سے افضل ہونا لازم آیا نہ کہ جزاء کا عمل سے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: ان فقراء کے لئے جو کہ اللہ کے راستے میں گھرے ہوئے ہیں زمین میں چلنے کی طاقت نہیں رکھتے جاہل ان کو غنی گمان کرتے ہیں ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو (کہ فکر و فاقہ سے چہرے پر اثر ضرور آ جاتا ہے) وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے اور جو مال خرچ کرو گے بیشک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے۔

تفسیری نکات

امور دین میں مصروف لوگوں کا حق

دیکھو! لام للفقراء میں استحقاق کا ہے یعنی یہ لوگ اس کا استحقاق رکھتے ہیں کہ اگر نہ دو تو نالش کر کے سکتے ہیں گو

(c) ketabton.com: The Digital Library

دنیا میں نالش نہ ہو سکے لیکن خدا تعالیٰ کے ہاں قیامت میں دیکھئے گا کتنی ڈگریاں آپ پر ہوتی ہیں۔
خدا تعالیٰ نے آیت میں ان لوگوں کو بلفظ فقراء ذکر فرمایا ہے فقیر آج کل کے عرف میں ایک ذلیل لفظ ہے مگر یہ ذلت اگر ذلت ہے جیسا کہ تمہارے نامعقول عرف نے سمجھ لیا ہے تو صرف انہی لوگوں کو نہیں ساری دنیا کے لئے فرماتے ہیں یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ (اے لوگو! تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو) تو ہم کو تو فخر ہے کہ ہم خدا کے فقیر ہیں

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

(ہم اگر مفلس اور دیوانہ ہیں لیکن پھر اس ساقی اور اس پیمانہ میں مست ہیں)

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (البقرہ آیت ۲۷۳)

صدقات اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مقید ہو گئے ہیں۔ ان کو زمین میں سفر کرنے کی طاقت نہیں۔ ناواقف ان کو بے سوالی سے تونگر خیال کرتا ہے تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو کہ فقر و فاقہ کا چہرہ پر ضرور اثر نمایاں ہوتا ہے وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے پھرتے۔

اس میں احصروا فرمایا ہے جس کا ترجمہ سہل یہ ہے کہ محبوس ہو گئے دین کے کام میں اور تجارت وغیرہ کے لئے سفر نہیں کر سکتے۔ مجھے خوب یاد آیا کہ آج کل بعض لوگ مولویوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ اپاہج ہیں کھانے کمانے کے قابل نہیں۔ مگر یہ اپاہج کا خطاب ان کو خدائی دربار سے ملا ہے فرماتے ہیں لایستطیعون ضربا فی الارض یعنی ان کو زمین میں سفر کرنے کی طاقت نہیں۔ پس اس کہنے پر برا نہ مانا کرو بلکہ یہ پڑھا کرو۔

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم۔ مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

ہم اگر مفلس و دیوانہ ہیں تو کیا غم ہے۔ محبوب حقیقی اور اس کی محبت کے متوالے ہیں۔

اے گروہ علماء و طلباء اگر کوئی تمہیں دیوانہ کہے تو برا نہ مانو۔ پس یہ اپاہج ہی ایسا وصف ہے کہ سب انبیاء اس سے متصف تھے۔

انبیاء درکار دنیا جبری اند کافراں درکار عقبےٰ جبری اند

یعنی انبیاء علیہم السلام تو کار دنیا میں جبری اور تارک اسباب ہیں اور کفار کار عقبیٰ میں جبری اور تارک اسباب ہیں۔

انبیاء راکار عقبےٰ اختیار کافراں راکار دنیا اختیار

یعنی انبیاء علیہم السلام کو کار عقبےٰ اختیار ہوا ہے کہ اس کے اسباب میں سعی کرتے ہیں۔ کفار کو کار دنیا اختیار ہوا ہے کہ اس سے اسباب میں سعی کرتے ہیں۔ (حق الاطاعۃ ملحقہ مواعظ نظام شریعت)

غرض جو لوگ دین کے کاموں میں وقف ہیں ان کا حق آپ کے ذمہ ہے اور علامت وقف ہونے کی یہ ہے کہ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ۔ یہ وہی بات جس کو آپ بروئے طعن مولویوں سے کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپاہج ہو جاتے

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہیں صاحبو! بیشک اپاہج ہیں اور کیوں نہ ہوں جب خداتعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان میں طاقت ہی نہیں کہ دوسرے کام کریں اگر طاقت سے مراد شرعی طاقت ہے کہ ان کو اجازت نہیں کہ یہ دوسرے کام میں لگیں اس مسئلے کو میں ایک مثال دے کر زیادہ واضح کرتا ہوں ہمارے اطراف میں ایک صاحب نے جو کہ سرکاری ملازم تھے ایک مطبع کرلیا شدہ شدہ حکام کو اس کی خبر ہوئی تو ان کے نام ایک پروانا آیا کہ یا تو نوکری سے استعفیٰ دیدو ورنہ مطبع بند کردو۔ آخر اس حکم کی کیا وجہ وجہ یہی ہے کہ مطبع کرنے کی صورت میں وہ نوکری کا کام پورے طور پر انجام نہیں دے سکتے تھے اب تو غالباً تسکین ہوگئی ہوگی کیونکہ سفید رنگ والوں کا بھی اس پر اتفاق ہے یہ تو شرعی طور پر تھا اب میں تمدنی طور پر اس مسئلے کو بیان کرتا ہوں کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کو جو تنخواہ ملتی ہے اس کی کیا حقیقت ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام قوم کا ایک ایک پیسہ دو دو پیسہ جمع کرکے جس کو خزانہ کہا جاتا ہے کیونکہ خزانہ واقع میں اسی مجموعے کا نام ہے جو کہ تمام قوم سے چن چن کر جمع کیا جاتا ہے کسی نے پوچھا تھا کہ بیوی فوج کس کو کہتے ہیں اس نے کہا کہ میرا میاں تیرا میاں بس یہی فوج ہے تو آپ کا پیسہ ان کا پیسہ اسی کے مجموعے کا نام خزانہ ہے تو واقع میں خزانہ قوم کی چیز ہے اب سمجھئے کہ اس خزانہ سے جو تنخواہ دی جاتی ہے اس کی کیا حقیقت ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ چونکہ بادشاہ اور پارلیمنٹ ایسے قوم کاموں میں مصروف ہیں کہ وہ دوسرا کوئی کام نہیں کرسکتے اس لئے قوم کے مجموعہ مال میں سے اس کو نفقہ دیا جاتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو قومی کام میں مشغول ہو اس کا حصہ قوم کے اموال میں ہے اگر کہا جائے کہ خزانہ تو سلطنت کی ملک ہوگیا تو سمجھو کہ وہ سلطنت مجموعہ افراد قوم کی نائب ہے تو سلطان کے ہاتھ سے جو کچھ پہنچ رہا ہے وہ واقع میں قوم ہی کے ہاتھ سے پہنچ رہا ہے اگرچہ قوم کا ہاتھ ایک حجاب میں دست سلطان کی آڑ میں آگیا ہے اب تو غالباً آپ پورے طور پر اس کو سمجھ گئے ہوں گے۔

صدقات کے مستحق

صدقات اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مقید ہوگئے ہیں۔ ان کو زمین میں سفر کرنے کی طاقت نہیں۔ ناواقف ان کو بے سوالی سے تونگر خیال کرتا ہے تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو کہ فقر و فاقہ کا چہرہ پر ضرور اثر نمایاں ہوتا ہے وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے پھرتے۔

اس میں احصروا فرمایا ہے جس کا ترجمہ سہل یہ ہے کہ محبوس ہوگئے دین کے کام میں اور تجارت وغیرہ کے لئے سفر نہیں کرسکتے۔ مجھے خوب یاد آیا کہ آج کل بعض لوگ مولویوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ اپاہج ہیں کھانے کمانے کے قابل نہیں مگر یہ اپاہج کا خطاب ان کو خدائی دربار سے ملا ہے فرماتے ہیں لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یعنی ان کو زمین میں سفر کرنے کی طاقت نہیں۔ پس اس کہنے پر برا نہ مانا کرو بلکہ یہ پڑھ دیا کرو۔

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم   مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

ہم اگر مفلس و دیوانہ ہیں تو کیا غم ہے۔ محبوب حقیقی اور اس کی محبت کے متوالے ہیں۔

اے گروہ علماء و طلباء اگر کوئی تمہیں دیوانہ کہے تو برا نہ مانو۔ پس یہ اپاہج ہی ایسا وصف ہے کہ سب انبیاء اس سے متصف تھے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

انبیاء درکار دنیا جبری اند کافراں درکار عقبےٰ جبری اند

یعنی انبیاء علیہم السلام تو کاردنیا میں جبری اور تارک اسباب ہیں اور کفار کار عقبیٰ میں جبری اور تارک اسباب ہیں۔

انبیاء راکار عقبےٰ اختیار کافراں راکار دنیا اختیار

یعنی انبیاء علیہم السلام کو کار عقبےٰ اختیار ہوا ہے کہ اس کے اسباب میں سعی کرتے ہیں کفار کو کار دنیا اختیار ہوا ہے کہ اس کے اسباب میں سعی کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو ہر کام میں قرآن پر نظر کرنی چاہیے تھی اور اسی سے سبق لینا چاہیے تھا اور یوں کہنا چاہیے تھا کہ حسبنا کتاب اللہ یعنی ہم کو قرآن شریف ہی کافی ہے) مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ حدیث وفقہ کوئی چیز نہ ہوئی کیونکہ قرآن ایک متن ہے حدیث وفقہ سب اس کے لئے شروح ہیں۔ اسی کو فقہا نے کہا ہے القیاس مظہر لا مثبت (یعنی قیاس حکم کا ظاہر کرنے والا ہے ثابت کرنے والا نہیں ہے) تو حدیث وفقہ نے قرآن کے مطالب کو ظاہر کر دیا ہے کوئی حکم قرآن کے خلاف نہیں بیان کیا۔

اس کی تو ایسی مثال ہے کہ ایک صندوق مقفل ہے اور کنجی سے اسے کھول دیا اور بہت سے جواہرات نظر آنے لگے تو یہ جواہرات کنجی سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ وہ صندوق میں موجود تھے مگر پوشیدہ تھے کنجی نے ان کو ظاہر کر دیا تو حدیث وفقہ قرآن کے لئے کنجی ہیں۔ جتنے علوم ہیں سب قرآن ہی سے نکلے ہیں اس کی تو یہ شان ہے۔

عبار اتنا شتی و حسنک واحد وکل الی ذاک الجمال یشیر

یعنی عنوانات مختلف ہیں اور حسن یعنی قرآن ایک ہی ہے ہر عنوان اس ایک ہی حسن کی طرف مشیر ہے

ایک محبوب ہے جس نے صبح کو دھانی جوڑا پہنا۔ شام کو دوسرا جوڑا پہنا تو جو عاشق نہیں وہ تو نہیں پہچانے گا مگر عاشق کہے گا

بہر رنگے کہ داہی جامہ مے پوش من انداز قدت رامی شناسم!

آیت میں فقراء سے کیا مراد ہے

تو قرآن میں جو فرمایا ہے اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ الایۃ کہ وہ مقید اور اپاہج ہیں وہ جو کچھ نہیں کر سکتے۔ یعنی دنیا کے کاموں سے اپاہج ہیں ورنہ دینی کام میں ان سے بڑھ کر چست کون ہوگا اور اگر غور کیا جائے تو یہ اپاہج ہاتھ پیر چلانے والوں سے بدرجہا افضل ہیں۔ باقی عرف کا تو کوئی علاج نہیں اور اب تو عرف بھی بدل گیا۔ غرض جب ہندوؤں نے یہ عہد کر لیا کہ ان کے مذہب (باطل) کی خدمت کے لئے ایک جماعت وقف کر دی جائے جس کو دنیاوی امور سے کچھ سروکار نہ ہو تو کیا مذہب حق کی خدمت کے لئے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں پس ان لوگوں کے لئے جو خدام دین ہیں کسب ناپسندیدہ ہے اوروں کے لئے نہیں بلکہ اوروں سے ترک کسب پر باز پرس ہوگی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

فقراء کی شان

حق تعالیٰ فرماتے ہیں لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا کہ صدقہ ان لوگوں کا حق ہے کہ اللہ کے کام میں گھرے ہوئے ہیں۔ وہ نہ تجارت کرتے ہیں نہ زراعت کرتے ہیں۔ کیونکہ ایک شخص سے دو کام نہیں ہوتے تو للفقراء میں لام استحقاق کا ہے کہ ان کا حق ہے تو حق تعالیٰ کی تصریح سے ان کا قرض دیانۃ واجب ہے پس جب کہ ان کا حق ہے تو وہ مطالبہ بھی کر سکتے ہیں مگر غیرت علم کی وجہ سے مطالبہ نہیں کرتے کیونکہ علم وہ چیز ہے کہ صاحب علم کے دماغ میں اس سے علو اور استغناء پیدا ہو جاتا ہے اور یہ جو لوگ اسوقت ادھر ادھر وعظ کے ذریعہ سے مانگتے اور علماء کے طبقہ کو ذلیل کرتے پھرتے ہیں ان میں دینداری تو کیا استعداد علمی بھی نہیں ہے تو یہ علماء نہیں ہیں۔ بس یہی ہے کہ ادھر ادھر کے مضامین یاد کر لئے ہیں۔ اب انہی پر لوگ اور علماء کو بھی قیاس کرتے ہیں حالانکہ جو عالم ہوگا گو باعمل نہ ہو پھر بھی وہ ایسی حرکتوں سے علم کی تذلیل نہ کرے گا۔

لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے)

دباؤ سے چندہ لینا ناجائز ہے

فرمایا کہ مدارس کے چندوں کے بارے میں ہمیشہ سے میری رائے یہ ہے کہ زور دے کر اور دباؤ ڈال کر وصول نہ کیے جائیں اور اس طرز کو میں سدا سے ناجائز کہتا تھا لیکن اب اس کے متعلق ایک عجیب تائید تفصیل کے ساتھ قرآن شریف کی آیت سے مل گئی جس پر اس کے قبل کبھی نظر نہ ہوئی تھی۔ وہ یہ ہے کہ چندہ لینے میں ایک سوال کا مرتبہ ہے اور وہ ناجائز ہے اور ایک ترغیب کا مرتبہ ہے اور وہ جائز ہے اور سند اس کی کلام مجید کی اس آیت سے ملتی ہے خدا تعالیٰ مذمت سوال میں فرماتے ہیں کہ لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا اس سے معلوم ہوا کہ سوال نہ کرنا چاہیے اور دوسری جگہ فرماتے ہیں وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ. اس لئے چندے میں ترغیب کا مضائقہ نہیں کیونکہ حفاظت دین ضروری امر ہے اور بغیر سلسلہ تعلیم و تعلم ممکن نہیں اور یہ سلسلہ اس وقت عادۃً بدوں اعانت نہیں چل سکتا۔ پس اعانات ایک امر خیر کا مقدمہ اور موقوف علیہ ہے لہٰذا خیر ہے بلکہ ایک امر ضروری کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے ضروری ہے۔ پھر فرمایا کہ جس طرح علماء کو دباؤ ڈال کر سوال نہ کرنا چاہیے اسی طرح اہل دنیا کو ترغیب پر انکار بھی نہ کرنا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا یُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا یَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ اِنْ یَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَیُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۝

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم لوگ ایمان لا کر متقی بن جاؤ تو خدا تعالیٰ تم کو اجر بھی دے گا اور تم سے تمہارے مال کا سوال نہ کرے گا کیونکہ اگر تم سے تمہارے مال کا خدا تعالیٰ سوال کرے اور سوال میں مبالغہ بھی کرے تو تم ضرور بخل کرو گے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور تمہارے بخل کو یہ سوال ظاہر کرے گا (گویا اڑ کر سوال کرنے کا خلاصہ یہ ہے کہ اس پر دینے کو جی نہیں چاہتا اور انسان انکار ہی کر دیتا ہے اور اسی طبعی خاصہ کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ خدا تم سے تمہارے مال کا سوال نہ کرے گا لیکن اس سوال نہ کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بالکل چھٹکارا ہو گیا اور اب کوئی بات بھی ہمارے ذمہ نہیں رہی کیونکہ باوجود سوال نہ کرنے کے) اے لوگو تم کو انفاق فی سبیل اللہ کی دعوۃ (ترغیب) دی جائے گی اور تم لوگوں کی محبت مال اور دینی بے پروائی سے یہ خیال ہے کہ کچھ لوگ تم میں سے ترغیب پر دینے میں بھی بخل کریں گے لیکن یہ سمجھ لو کہ وہ لوگ اپنا ہی نقصان کریں گے (کیونکہ اس اعطاء کا ثواب ان ہی کو ملتا ہے) خدا (تو تمہارے مالوں سے) بالکل غنی ہے اور تم (اس کے افضال اور انعامات کے) سراپا محتاج ہو اور (سن رکھو کہ) اگر تم لوگ (اس طرح بھی دینے سے) پھرو گے تو خدا تعالیٰ (تم کو نیست و نابود کر کے) تمہاری جگہ دوسری ایسی قوم پیدا کرے گا کہ وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔ پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر اڑ کر سوال کرنے پر انکار کیا جائے تو چنداں عیب نہیں کیونکہ انسان کا طبعی خاصہ ہے لیکن اگر محض ترغیب پر انکار کیا جائے تو سخت وبال کا اندیشہ ہے پس چندہ مانگنے والوں کو بھی اس کا لحاظ رکھنا چاہیے فرمانے سے کام نہ لیں محض ترغیب کا مضائقہ نہیں اور اس کی دو صورتیں خاص رہی ہوہی نہی اور یا اگر خاص خطاب ہو تو ایسے بے تکلف دوست تکلف تم سے انکار بھی کر سکے۔

سوال اور الحاف برا ہے

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم لوگ ایمان لا کر متقی بن جاؤ تو خدا تعالیٰ تم کو اجر بھی دے گا اور تم سے تمہارے مال کا سوال نہ کرے گا کیونکہ اگر تم سے تمہارے مال کا خدا تعالیٰ سوال کرے اور سوال میں مبالغہ بھی کرے تو تم ضرور بخل کرو گے اور تمہارے بخل کو یہ سوال ظاہر کر دے گا (گویا اڑ کر سوال کرنے کا یہ خاصہ ہے کہ اس پر دینے کو جی نہیں چاہتا۔ اور انسان انکار ہی کر دیتا ہے اور اس طبعی خاصہ کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ایک گونہ ان لوگوں کو معذور رکھ کر یہ فرما دیا کہ خدا تم سے تمہارے مال کا سوال نہ کرے گا لیکن اس سوال نہ کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بالکل چھٹکارا ہو گیا اور اب کوئی بات بھی ہمارے ذمہ نہیں رہی کیونکہ باوجود سوال نہ کرنے کے) اے لوگو! تم کو انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت (ترغیب) دی جائے گی (اور تم لوگوں کو جو محبت مال اور دینی بے پروائی ہے اس کے سبب) کچھ لوگ تم میں سے ترغیب دینے میں بھی بخل کریں گے لیکن یہ سمجھ لو کہ وہ لوگ اپنا ہی نقصان کریں گے (کیونکہ اس دینے کا ثواب انہیں کو ملتا اور انہیں کی دینی اور دنیوی ضرورتیں اس سے پوری ہوتیں) خدا (تمہارے مالوں سے) بالکل غنی ہے اور تم (اس کے افضال اور انعامات کے) سراپا محتاج ہو اور (سن رکھو کہ) اگر تم لوگ (اس طرح بھی دینے سے) پھرو گے تو خدا تعالیٰ (تم کو نیست و نابود کر کے) تمہاری جگہ دوسری ایسی قوم پیدا کر دے گا کہ وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔ پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر اڑ کر سوال کرنے پر انکار کیا جاوے تو چنداں عیب نہیں کیونکہ یہ انسان کا طبعی خاصہ ہے لیکن اگر محض ترغیب پر انکار کیا جاوے تو سخت وبال کا اندیشہ ہے اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سوال والحاف برا ہے اور دعوت و ترغیب حسن ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

ترجمہ: اللہ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو (اور) کسی گناہ کے کام کرنے والے کو۔

تفسیری نکات

سود کے مال میں برکت نہیں ہوتی

ارشاد فرمایا ہے یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا محق سے مراد محق برکت ہے نہ محق ذات ربوا۔ کیونکہ ذات ربوا اکثر ربوا خواروں کے پاس موجود رہتی ہے یہی روپیہ حاصل کردہ سود بنفسہ قائم رہتا ہے لیکن برکت اس سے مسلوب ہوتی ہے یعنی مالک کے حوائج ضروریہ میں کارآمد نہیں ہوتا بلکہ فضولیات میں صرف ہوتا ہے مثلاً عمارت تیار کرنا۔ بیاہ شادی میں اڑانا اس کے لوازمات میں خرچ کرنا اگرچہ ہاتھ ہی سے اٹھتا ہے لیکن اس کے کارآمد نہیں ہوتا سو ثابت ہوگیا کہ ربوا سے مراد برکت ربوا ہی ہے ذات ربوا نہیں اور ربوا کی کوئی تخصیص نہیں ہر شے حرام کی یہی حالت ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ

(یعنی اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو مہلت دینی چاہیے جب تک کہ وہ دے سکے)

قرض کا ایک ضروری حکم

اور آپ کے اس قرض کا وقت وہ مقرر ہے جبکہ شادی ہو خواہ کسی کے پاس ہو یا نہ ہو اور ایک حکم یہ ہے کہ مدیون جس وقت ادا کرنا چاہے تو ادا ہو سکتا ہے اگر کوئی ایک مدت کا وعدہ بھی کر کے قرض لے اور اس مدت سے پہلے ادا کرے تو دائن کو نہ لینے کا اختیار نہیں اسی وقت لینا پڑے گا اور آپ کے اس نیوتہ کو اگر کوئی بلا تقریب کے واپس کرنا چاہے تو نہیں لیا جاتا یہ کیسا قرض ہے۔ یہ حق تعالیٰ کے احکام میں مداخلت ہے اور ایک فساد اس میں بہت بڑا یہ ہے کہ جب نیوتہ قرض ہوا تو قرض میں میراث جاری ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ عورت مرجاتی ہے تو اس کے وارث خاوند پر نالش کر کے مہر کا روپیہ وصول کر لیتے ہیں تو نیوتہ کے روپیہ میں بھی میراث جاری ہونی چاہیے اور حصہ شرعی کے موافق سب وارثوں کو پہنچنا چاہیے مگر اس کا کوئی اہتمام نہیں کرتا یہ میراث کے احکام کو بدلنا ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا یعنی میراث کی تقسیم خدائے تعالیٰ کی مقرر کردہ ہے اور خدائے تعالیٰ علیم و حکیم ہیں

تقسیم کے مواقع اور مقادیر حصص کو تم سے زیادہ جانتے ہیں اسی کے آگے دوسری آیت ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُۥٓ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا ٱلسُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوٓا۟ أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى ٱلثُّلُثِ ۚ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۞ تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ۞ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدْخِلْهُ نَارًا خَٰلِدًا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۞

یعنی خدائے علیم حلیم کے مقرر کردہ احکام ہیں جو کوئی اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کو مانے گا اس کو جنت میں داخل کریں گے اور جو کوئی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کو نہ مانے گا اس کو دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈالیں گے۔

اس آیت میں وصیۃ من اللہ سے احکام میراث میں تشدد پیدا ہوتا ہے پھر حکم ماننے پر وعدہ ہونے اور حکم نہ ماننے پر وعید ہونے سے اس میں اور تاکید ہوتی ہے اور وعید بھی کیسی کہ جس کی شدت ظاہر ہے اب دیکھئے کہ نیوتے میں کیا ہوتا ہے۔ اگر دینے والا بہت جگہ نیوتہ چھوڑ کر مر جاتا ہے تو وہ نیوتہ بڑے بیٹے کی شادی کے وقت ادا کیا جاتا ہے اور وہ اس کو اپنی شادی کے خرچ میں لاتا ہے حالانکہ یہ سب وارثوں کا مال ہے جو ایک کے خرچ میں آ رہا ہے اس سے کھانا کیا جاتا ہے اور سب برادری کھاتی ہے اس میں دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوئی۔ اور بلا اجازت ان کے ان کھانے والوں نے کھایا یہ حق العبد ہوا اور اگر ان وارثوں میں کچھ نابالغ بچے بھی ہیں تو ان کا حصہ بھی کھانے والوں نے کھایا۔ اس میں حق العبد ہونے کے ساتھ اتنا اور اضافہ ہے کہ یتامی کا مال ہے جو ظلماً کھایا گیا جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا یعنی جو لوگ یتیموں کا مال بلا کسی حق کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔

یہ آپ کے نیوتہ کے مختصر نتائج ہیں جن میں ساری برادری والے گرفتار ہوتے ہیں کیا کوئی مسلمان ان وعیدوں کے سننے کے بعد اس کے جاری رکھنے کی جرأت کرے گا دینا تو درکنار یہ ایسی وعیدیں ہیں کہ ان کے خوف سے عجب نہیں کہ اپنا آتا ہوا بھی وصول کرنا بھول جائے۔ یہ تو ایسی رسم کا حال ہے جس کو سب سے اچھی رسم کہا جاتا ہے اور جن رسموں کو آپ خود بھی برا کہتے ان کا حال کیا ہوگا یہ تو خوشی کی رسمیں ہیں اسی کے قریب قریب غمی کی رسمیں ہیں۔

جب کوئی مرتا ہے تو اس کی فاتحہ تیجہ اور دسواں سب اسی کے مال میں سے ہوتا ہے حالانکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ وہ مال وارثوں کا حق ہو چکا سب سے اول تو اس قرض میں دینا چاہیے جو کوئی چیز گروی رکھ کر لیا گیا ہے۔ تجہیز و تکفین بھی اس کے بعد ہے وہ گروی چیز چھڑا کر بیچی جاوے وراس میں سے تجویز و تکفین کی جاوے اور بعد تجہیز و تکفین کے اور قرض دیئے جاویں اور میراث بعد ادائے قرض ہے رہی میت کی فاتحہ اور ایصال ثواب اس کا شریعت میں کہیں پتہ نہیں ہے اس کو کوئی حق میت کے مال کے متعلق نہیں قرار دیا گیا اگر میت کسی مصرف میں صرف کرنے کی وصیت بھی کر جائے تب بھی ایک

(c) ketabton.com: The Digital Library

تہائی سے زیادہ میں نافذ نہیں اور اس تہائی سے مراد بھی اس مقدار کا تہائی ہے جو بعد ادائے قرض بچے اگر قرض میں سب آ جائے تو وصیت بھی نافذ نہیں۔

اب دیکھ لیجئے کہ آپ کے یہاں میت کا مال کس طرح اڑایا جاتا ہے نہ کسی کو قرض کی خبر نہ وصیت کی نہ میراث کی بلا سوچے سمجھے سب سے پہلے تیجہ اور دسویں پر لگا دیا جاتا ہے جس کا شرعاً یہ حکم ہوا کہ اگر میت قرض دار ہے تو تیجہ اور دسویں کے کھانے والے ان قرض خواہوں کا حق مارتے ہیں اور اگر میت قرضدار نہیں بھی ہے تو وارثوں کا حق اس مال کے ساتھ متعلق ہو چکا ان کا حق مارنے والے ہیں۔ غرض ہر صورت میں حق العبد کے دین دار ہیں یہاں کوئی یہ نہ کہے کہ وارثوں کی تو اجازت ہوتی ہے کیونکہ میں بارہا بیان کر چکا ہوں کہ رکی اور شرما حضوری کی اجازت معتبر نہیں۔ اجازت جب معتبر ہے کہ مال تقسیم کر کے سب کو دیدیا جائے پھر ان سے کہا جائے کہ اتنا اتنا سب مل کر دو تو فاتحہ کی جائے یہ اجازت معتبر ہو سکتی ہے مگر یاد رکھئے کہ اگر آپ ایسا کریں گے تو ایک وارث بھی آیا ہوا پیسہ دینا گوارا نہ کرے گا یہ حکم بھی بالغین کا ہے اور اگر وارثوں میں کوئی نابالغ ہے تو بعد تقسیم کے بھی اس کا خوشی سے دینا معتبر نہیں۔

فقہ کا مسئلہ ہے کہ نابالغ کے تصرفات تبرعات کے متعلق نافذ نہیں غرض یہ مال جو تیجہ اور دسویں پر لگایا جاتا ہے مال سحت ہے غنی کو یا فقیر کو کسی کو بھی اس کا کھانا جائز نہیں کیونکہ حق غیر ہے خاص کر اس صورت میں کہ جب وارث نابالغ ہوں کہ اس میں حق غیر ہونے کے ساتھ اتنا اور اضافہ ہے کہ مال یتامی ہے جس پر قرآن شریف کی یہ وعید ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۔

آثم قلبہ کا مفہوم

وَمَنْ یَّکْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ (اور جو شخص اس کا اخفاء کرے گا اس کو قلب گناہ گار ہوگا)

فرمایا کہ آثم قلبہ میں قلب کی تخصیص اس لئے کی کہ کتمان اصل فعل قلب کا ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جوارح کو سزا نہ ہوگی بلکہ جوارح کو بھی سزا دی جائے گی۔

قرض دیتے وقت لکھنے کا حکم

حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَکْتُبُوْهُ صَغِیْرًا الایۃ۔ یعنی لکھنے سے اکتاؤ نہیں چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا اور فرمایا کہ لوگ خدا تعالیٰ کی وسعت رحمت پر لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں لیکن میں اس آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ الخ۔ سے استدلال کرتا ہوں کیونکہ خداوند کریم کے نزدیک دنیا نہایت ذلیل ہے تو جب اس کی حفاظت کے لئے یہ طرق بتلائے تو معلوم ہوا کہ خدائے کریم ہماری آخرت میں تو ذرا بھی کمی نہ فرمائیں گے غرض ہر شئے میں ایک طریقہ خاص ہے اسی کے موافق اس کو انجام دینا چاہیے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ (اے ایمان والو جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک معین مدت کے لئے تو اس کو لکھ لیا کرو) آخر رکوع تک یہ بہت بڑی آیت ہے حتیٰ کہ اس سے بڑی کوئی اور آیت قرآن شریف میں نہیں ہے۔اس کا مضمون یہ ہے کہ جب ادھار کا کوئی معاملہ کرو تو اس کو لکھ لو اس کے بعد کاتب کے لئے کچھ ہدایات ہیں پھر یہ ارشاد ہے کہ دو گواہ کرلو پھر گواہوں کے متعلق کچھ ہدایات ہیں پھر آگے دین کا ذکر ہے اور اس کے متعلق کچھ ہدایات ہیں غرض اس آیت میں اول سے آخر تک کہیں عذاب ثواب کا ذکر نہیں صرف بعض معاملات کا ذکر ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو اس کو ثواب بھی اس کا ملے گا جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے۔اے ہمارے پروردگار ہم پر دارو گیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں۔اے ہمارے پروردگار ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے۔جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔اے ہمارے رب ہم کو کوئی ایسا بار (دنیا یا آخرت) نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو اور درگزر کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے ہم کو اور رحم کیجئے ہم پر آپ ہمارے کارساز ہیں آپ ہم کو کافروں پر غالب کیجئے۔

تفسیری نکات

بیان اعذار میں حکمت

جیسے ایک شخص نمازی ہے نماز کو ضروری سمجھتا ہے اس کی پابندی بھی کرتا ہے وضو کو بھی ضروری سمجھتا ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ بیماری کی حالت میں بھی وضو کو ترک نہیں کرتا وہاں ضرورت ہے اعذار شرعیہ بتلانے کی کہ ان اعذار سے وضو ساقط ہو کر تیمم جائز ہو جاتا ہے تطہیر ثیاب معاف ہو کر ناپاک کپڑوں ہی سے نماز درست ہو جاتی ہے استقبال قبلہ معاف ہو کر جس طرح بھی نماز پڑھ سکے نماز صحیح ہے اور قیام پر قادر نہ ہو تو قعود سے اور قعود پر قدرت نہ ہو تو اضطجاع سے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ایسے وقت میں بیان اعذار کی ضرورت کا راز یہ ہے کہ اگر ایسے شخص کو اعذار نہ بتلائے جائیں تو اس کو اعتقادی اور عملی تنگی پیش آئے گی۔اعتقادی تنگی تو یہ ہوگی کہ اس کو لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے صدق میں وسوسہ اور شبہ ہو گا جو کہ زوال یا ضعف ایمان کا سبب ہے اور عملی تنگی یہ پیش آئے گی کہ اگر اس کو تیمم کا قاعدہ نہ بتلایا گیا تو وہ عذر کے وقت مجبور ہو کر وضو ترک کرے گا اور چونکہ وضو کو شرط سمجھتا ہے اس لئے بے وضو نماز پڑھے گا نہیں یہ عملی تنگی ہے پس ایسے شخص کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

سلامت ایمان اور سلامت اعمال کے لئے ضروری ہے کہ اس کو اعذار شرعیہ کے احکام سے مطلع کیا جائے اس سے اس کا ایمان یوں سلامت رہے گا کہ اس کو لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے صدق میں وسوسہ نہ ہوگا اور عمل یوں سلامت رہے گا کہ وہ کسی عذر کے وقت عمل کو فوت نہ کرے گا۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتے بلکہ ثواب وعذاب کا مدار کسب واکتساب پر ہے معلوم ہوا کہ انسان اختیارات کا مکلف ہے اور احوال اختیاری نہیں اس لئے ان کا مکلف نہیں اور یہ بات اس آیت کے شان نزول سے زیادہ واضح ہو جائے گی کیونکہ اس کا نزول احوال کی تحقیق میں ہے۔ شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ جب آیت اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ۔ نازل ہوئی تو صحابہ اس سے ڈر گئے کیونکہ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ بظاہر عام ہے وسواس غیر اختیاریہ وعزائم اختیاریہ سب کو تو صحابہ یہ سمجھے کہ شاید ان سب پر مواخذہ ہوگا اور اس خیال کا منشا صحابہ کی قلت علم نہ تھا بلکہ اسکا منشا غلبہ عشق تھا جس کی شان یہ ہے

با سایہ ترانمی پسندم عشق ست و ہزار بدگمانی

عاشق کو ضعیف احتمالات پر بھی بڑی فکر رہتی ہے ورنہ صحابہ قواعد سمعیہ وعقلیہ سے جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ امور غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہ فرمائیں گے کیونکہ مقتضائے رحمت کے خلاف ہے مگر عشق ومحبت کی وجہ سے خشیت کا غلبہ تھا آیت میں عموم دیکھ کر ڈر گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کہنا چاہتے ہو۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہو کہ ہم نے سن لیا اور ہم اطاعت کریں گے صحابہ نے ادب سے کام لیا اور سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کہا گو زبان لڑکھڑاتی تھی کیونکہ اندیشہ تھا کہ وسواس غیر اختیاریہ میں شاید اس حکم کی تعمیل نہ ہو سکے مگر ادب کی وجہ سے اطاعت کا وعدہ کرہی لیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا پسند آگئی اس پر اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے آخر سورۃ تک آیت نازل ہوئیں اور ادب کی برکت سے آیت کی تفسیر کر دی گئی۔ ادب بڑی چیز ہے۔ مولانا نے ادب کے متعلق قصہ لکھا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی اور ان پر عتاب ہوا اور حضرت آدم نے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا کہا اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تو بعد میں ان سے پوچھا کہ اے آدم خالق افعال تو میں ہوں تم نے ظلمنا انفسنا کیونکر کہا۔ آدم علیہ السلام نے جواب دیا۔

گفت من ہم پاس آنت داشتم لیک من پاس ادب نگذاشتم

اسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہاں ادب سے کام لیا کہ خود اس آیت کی تفسیر نہ کی ورنہ آپ خود بھی تفسیر کر سکتے تھے مگر آپ نے وحی کا انتظار کیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کی تعریف ہے کہ سب نے ایمان پر استقامت ظاہر کی اور سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہا اور جس کوتاہی کا اندیشہ تھا اس سے استغفار کیا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۝ اس تعریف کے بعد آیت سابقہ کی تفسیر کی گئی لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا میں جس کا حاصل یہ ہے کہ مدار تکلیف کا صرف اختیار ہے اور خطرات اختیاری نہیں تو عبد ان کا مکلف بھی نہیں۔ اب اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ غیر اختیاری کا مکلف تو نہ ہو مگر اس پر مواخذہ ہو جاوے اس کا جواب آئندہ جملہ میں ارشاد فرمایا گیا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

امور غیر اختیار یہ پر مواخذہ نہ ہوگا

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ کیونکہ کسب واکتساب کے معنی عمل بالاختیار کے ہیں اور لہا و علیہا میں لام اور علی کا مدلول ثواب وعقاب ہے پھر دونوں میں مجرور کو مقدم کیا گیا ہے جو مفید حصر ہے اس حصر سے معلوم ہو گیا کہ استحقاق ثواب وعقاب صرف امور اختیار یہ ہی پر ہے۔ پس آیت بالا کی تفسیر ہو گئی کہ مراد مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ سے اعمال اختیار یہ ہیں اور مسئلہ کا منصوص ہونا ثابت ہو گیا جس کا میں نے دعویٰ کیا تھا اسی مسئلہ پر اپنے مقصود کی پھر تصریح کرتا ہوں کہ جب ثواب وعقاب کا مدار اختیار پر ہے اور مقصود عبد کا صرف حصول ثواب اور نجات عن العقاب ہے پھر غیر اختیاری کے فکر میں کیوں پڑے یہاں ایک اور سوال کے جواب پر بھی متنبہ کرتا ہوں وہ سوال یہ ہے کہ بعض مصائب ایسے آتے ہیں جو تحمل سے زیادہ ہوتے ہیں جواب یہ ہے کہ یہاں تکلیف سے مراد تکلیف شرعی ہے تکلیف تکوینی مراد نہیں سو اس کی یہاں نفی نہیں پس امور تکوینیہ میں فوق طاقت کا وقوع ہو سکتا ہے شاید اس پر یہ سوال کہ جب تشریعات میں رحمت کی وجہ سے یہ قاعدہ ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا تو تکوینیات میں بھی رحمت کا یہ متقضا کیوں ظاہر نہ ہوا جواب یہ ہے کہ تکوینیات میں بوجہ زیادت اجر کے فوق طاقت کا وقوع خلاف رحمت نہیں) رہا یہ سوال کہ پھر تشریعیات میں بھی زیادت اجر کے لئے ایسا کیا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ تشریع سے عمل مقصود ہے اور فوق طاقت کا صدور کیونکر ہوتا اور تکوینیات میں صدور اس کا فعل نہیں ایک دوسری بات مطلوب ہے جو کہ وہ اختیاری ہے یعنی صبر کہ خدا تعالیٰ کی شکایت نہ کرے اور اس میں بھی اتنی توسیع ہے کہ حقیقی شکایت نہ کرے گو صورت شکایت ہو جائے تو وہ معاف ہے۔

بس شکایت حقیقی نہ ہونا چاہیے اور یہ امر اختیاری ہے اور تکوینیات میں انسان اسی کا مکلف ہے اس کے سوا کسی عمل وغیرہ کا مکلف نہیں۔ پس تکوینیات میں فوق الطاقت کا وقوع جائز ہے اور تشریعیات میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہاں تکوینیات کے بارہ میں آگے دعا کی تعلیم ہے کہ فوق الطاقت مصائب سے بچنے کی بھی دعا مانگا کرو چنانچہ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا کے بعد جو کہ تشریعیات کے باب میں ہے اس کا اضافہ بھی فرمایا گیا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ۔ ایک نکتہ اس مقام میں قابل غور یہ ہے کہ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ میں دو عنوان کیوں اختیار کئے گئے حالانکہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ اور ایک مقام پر ارشاد ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ۔ ان جگہوں میں اکتساب نہیں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ اکتساب میں کسب سے زیادت ہے کیونکہ افتعال کی خاصیت تکلف ہے اب خیر کے لئے کسب اور شر کے لئے اکتساب اختیار کرنے میں نکتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاصی کے لئے انسان کو اہتمام زیادہ کرنا پڑتا ہے گو وقوع اس کا سہولت سے ہو جائے مگر اہتمام شر کے لئے زیادہ ہوتا ہے اور خیر کے لئے اس قدر اہتمام کی ضرورت نہیں کیونکہ انسان کی اصلی فطرت خیر ہے جیسا کہ حدیث کل مولود یولد علی الفطرة۔ سے معلوم ہوتا ہے اور فطریات کے لئے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی نیز خیر سے مانع کوئی قوی قوت انسان کے اندر نہیں رکھی گئی اور شر سے مانع ایک قوی قوت اس کے اندر موجود ہے یعنی عقل، عقل خود معاصی سے روکتی ہے اسی لئے بعد

(c) ketabton.com: The Digital Library

معاصی کے انسان کو ندامت بے حد ہوتی ہے اس لئے شر کے واسطے اکتساب فرمایا اور خیر کے لئے کسب اور جو حدیث میں ہے حفت الجنة بالمكاره و حفت النار بالشهوات. وہ اس تقریر کے منافی نہیں کیونکہ شر میں فی نفسہ سہولت نہیں ہاں عادت کے غلبہ سے وہ سہل اور مرغوب ہو جاتی ہے اور خیر میں فی نفسہ دشواری نہیں ہاں عادت نہ ہونے سے اس میں عارضی دشواری ہو جاتی ہے اور اسی درجہ کے لحاظ سے ان کا مکارہ کہا گیا ہے اب کچھ اشکال نہ رہا (میں کہتا ہوں کہ یہاں کسب واکتساب میں تبدیل عنوان کی توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خیر میں مطلق کسب پر اجر ملے گا خواہ اتفاقاً خیر کا صدور ہو جائے اور شر میں مطلق کسب پر عذاب نہیں بلکہ تعمد کسب پر مواخذہ ہوتا ہے چنانچہ خطا ونسیان عفو ہے واللہ اعلم)

ایک سوال و جواب یہاں حصر کے متعلق ہے جو لها اور علیها کی تقدیم سے حاصل ہوا ہے وہ یہ کہ اس حصر سے لازم آتا ہے کہ جیسے عقاب بلا کسب نہیں ہونا چاہیے کہ ثواب بھی بلا کسب نہ ہو حالانکہ ثواب کبھی بلا عمل محض فضل سے بھی مل جاتا ہے جیسا کہ نصوص میں وارد ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ حصر باعتبار حصول کے نہیں بلکہ باعتبار استحقاق کے ہے یعنی استحقاق تو ثواب کا بھی بدوں کسب نہیں گو عطا ہو جاوے اور اوپر میرے کلام میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ (اے ہمارے رب! ہم پر دارو گیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجے جیسا ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو)

جو چیزیں اس آیت میں مذکور ہیں یعنی نسیان اور خطا وغیرہ ان پر مواخذہ نہ ہونا اس کا لوگوں سے وعدہ ہو گیا تھا اور پہلی آیت یعنی

اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں اگر تم ظاہر کرو گے یا کہ پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے۔

بالمعنی العام منسوخ ہو گئی تھی نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمادیا ہے کہ رفع عن امتی الخطاء والنسیان میری امت سے خطا اور بھول معاف کر دی گئی۔

مگر پھر بھی یہ حکم ہوا کہ یوں ہی مانگے جاؤ اور یہ دعا تعلیم کی گئی تو بات یہ ہے کہ منسوخ ہونے کے قبل تو یہ سوال طلب کے لئے تھا کہ ہم سے یوں مانگا کرو اب بطور شکر کے ہے کہ جیسے ہم ملنے سے پہلے محتاج تھے اب بھی محتاج ہیں۔

غیر اختیاری وساوس پر موخذہ نہیں

ایک نکتہ اس مقام پر قابل حل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا کی ہم کو تعلیم فرمائی ہے اور حدیث میں ہے کہ یہ دعا قبول ہو چکی ہے چنانچہ حضور فرماتے ہیں رفع عن امتی الخطاء والنسیان. اب سوال یہ ہوتا ہے کہ نسیان وخطا امر اختیاری ہے یا غیر اختیاری ظاہر یہ ہے کہ غیر اختیاری ہے اور لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا الخ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے معلوم ہو چکا ہے کہ غیر اختیاری پر مواخذہ نہیں پھر بعد رفع مواخذہ آئندہ کے لئے دعائے عدم مواخذہ کی تعلیم کے کیا معنی جبکہ مواخذہ کا احتمال ہی نہیں دوسرا اشکال یہ ہے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے رفع خطا ونسیان اس امت کے ساتھ مخصوص ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ دوسری امتوں پر مواخذہ تھا اور یہ عقل کے خلاف ہے کہ دوسری امتوں کو تکلیف مالا یطاق دی گئی ہے نیز نص لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا میں نفس عام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشریعیات میں تکلیف لا یطاق کسی کو نہیں دی گئی اور عقل بھی عموم کو چاہتی ہے اس کے جوابات علماء نے مختلف دیئے ہیں مگر میرے ذہن میں جو جواب آیا ہے میں اس کو عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ خطرات ووساوس میں دو درجے ہیں ایک درجہ حدوث کا ہے وہ تو غیر اختیاری ہے اور ایک درجہ بقاء کا ہے یہ بعض اوقات اختیاری ہوتا مثلاً کسی اجنبیہ کا دل میں بلا قصد خیال آ گیا تو یہ غیر اختیاری ہے مگر اس وسوسہ کا کچھ دیر تک باقی رہنا یہ بعض اوقات اختیاری ہوتا اور یہ بقاء کبھی قصیر ہوتا ہے اور کبھی طویل اور یہ بقاء اکثر ہوتا ہی ہے۔ کیونکہ وسوسہ کا ایسا وقوع نادر ہی ہے کہ حدوث کے ساتھ ہی فنا ہو جاوے زیادہ یہی ہے کہ وسوسہ کچھ دیر کو ضرور باقی رہتا ہے مگر انسان کو اکثر بقاء قصیر کا احساس کم ہوتا ہے بقاء طویل ہی کا احساس ہوتا ہے کیونکہ ابتداء میں اس کو اس پر التفات نہیں ہوتا کہ وسوسہ درجہ حدوث سے تجاوز کر کے درجہ بقاء حاصل کر چکا ہے جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب سمجھو کہ درجہ حدوث پر تو کسی سے مواخذہ نہیں کیونکہ وہ تو من کل وجہ غیر اختیاری ہے اور تیسرے درجہ پر سب سے مواخذہ ہے یعنی بقاء طویل پر کیونکہ وہ من کل وجہ اختیاری ہے اب ایک درجہ بیچ کا ہے یعنی جبکہ وسوسہ کو بقاء قصیر ہو یہ امت محمدیہ سے عفو ہے اور پہلی امتوں سے اس پر مواخذہ تھا کیونکہ یہ درجہ فی نفسہ اختیاری ہے اس لئے محل مواخذہ ہونے کے قابل ہے مگر مشبہ غیر اختیاری کے ہے اس لئے امت محمدیہ سے اس کے متعلق مواخذہ مرتفع ہو گیا رہا یہ سوال کہ جب یہ درجہ مشابہ غیر اختیاری کے ہے تو پہلی امتیں اس سے کس طرح بچی ہوں گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب فی نفسہ اختیاری ہے تو وہ اہتمام مزید کر کے بچے ہوں گے اور نہ بچتے ہوں تو ان پر اس سے استغفار واجب ہوگا اور امت محمدیہ پر اس سے استغفار کا وجوب نہ ہوگا گو استحباب ضرور ہے او یہی دو درجہ خطا ونسیان میں ہیں کہ خود خطا ونسیان تو غیر اختیاری ہے مگر اس کا منشاء یعنی عدم استحضار یا تذکرہ اختیاری ہے اگر مذکرہ کا استحضار کامل ہو تو پھر خطا ونسیان کا صدور نہیں ہو سکتا ان کا صدور جب بھی ہوگا عدم استحضار وغفلت ہی سے ہوگا چنانچہ اگر دن میں ہر وقت روزہ کا دھیان رہے تو نسیان طاری نہ ہوگا نماز میں اگر افعال صلوٰۃ پر پوری توجہ ہو تو سہو نہ ہوگا اور یہ امر اختیاری ہے کہ توجہ رکھو تو اس کے ترک پر مواخذہ ہو سکتا ہے اب آیت وحدیث رفع عن امتی الخ پر تو اشکال نہ رہا لیکن ایک مستقل اور اشکال وارد ہوگا کہ رسول اللہ علیہ وسلم کو جو نماز میں سہو ہوا ہے کیا اس کا منشاء بھی عدم استحضار افعال صلوٰۃ تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں سہو نبوی کی علت بھی یہی ہے لیکن علت عدم استحضار افعال صلوٰۃ ہم میں اور ہے اور حضور اقدس میں اور یعنی ہماری عدم توجہ الی الصلوٰۃ کا منشاء تو یہ ہے کہ ہم کو ایسی چیز کی طرف توجہ ہوتی ہے جو نماز سے ادنیٰ ہے یعنی دنیا اور حضور کی عدم توجہ الی الصلوۃ کا منشاء یہ ہے کہ آپ کو ایسی چیز کی طرف توجہ ہوتی تھی جو نماز سے اعلیٰ ہو۔ یعنی ذات حق خوب سمجھ لو (الفصل والانفصال ص ۳۸)

(c) ketabton.com: The Digital Library

نگاہ بد اختیاری ہے

فرمایا کہ ایک صاحب کو اسی میں کلام تھا کہ نگاہ بد اختیار میں نہیں۔ اس پر بہت ہی اصرار کرتے رہے۔ میں نے کہا کہ سوچو تو بعد کو انہوں نے لکھا کہ واقعی میں غلطی پر تھا نگاہ اختیار میں ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ اصل وجہ یہ ہے کہ نفس سے تکلیف گوارا نہیں ہوتی۔ نگاہ ہٹانے میں الجھن ہوتی ہے تکلیف گوارا نہیں کرتے نفس کے ساتھ ہو لیتے ہو تمہارا جو خیال ہے اس سے تو شریعت پر اعتراض لازم آتا ہے کہ اس نے ایسی چیز کا مکلف کیا ہے جو اختیار میں نہیں۔

احقر عرض کرتا ہے کہ اس گفتگو کے وقت احقر بھی حاضر تھا۔ یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر عورت کی چھاتی پر سوار اور زنا کا مرتکب ہونے والا ہو اس وقت بھی ہٹنا اختیار میں ہے گو مشقت چاہے جتنی ہو۔ کیونکہ اس وقت بھی اس کو شریعت حکم کرتی ہے کہ اس سے باز آ جاؤ ایسی حالت میں اگر اختیار نہ مانا جائے تو اس سے نعوذ باللہ قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ ارشاد ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا الخ سوچئے تو کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کہاں تک یہ بات پہنچتی ہے۔

ہم کو اسی قدر کا مکلف کیا گیا ہے کہ جس قدر طاقت ہو اگر اس پر کوئی کہنے لگے کہ ہم کو تو صرف ایک ہی وقت کی نماز کی طاقت ہے تو جواب یہ ہے کہ تم نے صرف اسی کو دیکھا ہے دوسرے مقام کو نہیں دیکھا کہ حق تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز کا مکلف فرمایا اور پھر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا اس سے صاف معلوم ہوا کہ جتنے کا مکلف فرمایا ہے اس کی طاقت ضرور ہے پس اب جو یہاں فرمایا ما استطعتم مطلب یہ ہوا کہ جتنا تم کو بتلایا سب کرو اور یہ عنوان دل بڑھانے کے لئے فرمادیا جیسے کوئی نوکر سے کہے کہ تم سے یہ کام تو ہو سکتا ہے تو جو ہو سکتا ہے وہ تو کرو تو گویا تصریحاً متنبہ کیا کہ تم سے تو ہو سکتا ہے تو یہ شبہ تو دفع ہو گیا۔

عدم توجہی

اب ایک اور شبہ رہا کہ یہ تو مشاہدہ ہے کہ نہیں ہو سکتا تو یہ دعویٰ مشاہدہ کا بالکل غلط ہے بات یہ ہے کہ آپ ہمت نہیں کرتے اس لئے کچھ ثقل معلوم ہوتا ہے جس کو انسان کو اسکی طاقت کے مطابق ہی مکلف کیا گیا۔

آپ نے سمجھ لیا کہ نہیں ہو سکتا اس کی مثال ایسا ہے کہ آپ کو رات کے وقت خفیف ترشح میں پیاس لگی مگر سردی کی وجہ سے آپ کو باہر جانا ایسا دشوار ہوا کہ یوں سمجھے کہ ہم جا ہی نہیں سکتے لیکن رات کو دو بجے کے وقت ایک سوار آیا اور پروانہ دیا کہ کلکٹر صاحب نے بلایا ہے پس آپ نے معاً حکم دیا کہ گھوڑا کسو اور بارانی پہن کر دو میل چلے گئے اور راستہ میں رعد و برق بھی ہوا سب کچھ ہوا مگر گئے ضرور تو اگر اس وقت پانی پینے کے لئے باہر نکلنا مشکل تھا تو اسی وقت دو میل چلنا کیسے آسان ہو گیا تو بات یہ ہے کہ فرق فقط ہمت کا ہے کہ اول پیاس کے وقت عزم و ارادہ نہ کیا تھا اور اب ارادہ کیا ہے تو جتنے کاموں کو آپ کہہ رہے ہیں کہ نہیں ہو سکتا ان سب میں آپ نے ارادہ ہی نہیں کیا بس یہ ہے وجہ حضرت مولانا استاذ نا کی حکایت یاد آئی کہ نماز کے بارہ میں ایک حدیث ہے کہ ایسی نماز ہو کہ جس میں حدیث النفس وسوسہ نہ دلاوے وہ حدیث

(c) ketabton.com: The Digital Library

سبق میں آئی ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت کیا ایسی نماز ہو سکتی ہے مولانا نے کہا خوب فرمایا کیا کبھی ارادہ کیا تھا کہ نہیں ہوئی ویسے ہی سمجھ لیا کہ نہیں ہو سکتی کر کے دیکھا ہوتا۔ (التقوی ملحقہ مواعظ حقیقت تصوف وتقوی)

وسوسے آنے پر مواخذہ نہیں

(۳۴) فرمایا۔ معصیت اگر غلطی سے ہو جاوے تو اس کے اثر سے ظلمت مانع نہ ہوگی کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (۱) رفع عن امتی الخطاء والنسیان اور اس رفع عن امتی کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاء اور نسیان پر مواخذہ تو ہو سکتا تھا مگر رفع کر دیا گیا کیونکہ یہ مواخذہ تکلیف مالا یطاق نہیں ہے جیسا ابھی معلوم ہوگا لیکن رحمت خداوندی سے یہ خطاء ونسیان معاف فرما دیا گیا یہی وجہ ہے کہ اس نسیان وخطاء کے رفع کی دعا بھی تعلیم فرمائی۔ (۲) ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا او اخطانا (البقرہ:۲۸۶) اور نسیان وخطاء پر مواخذہ کا تکلیف مالا یطاق نہ ہونے کی وجہ سے پیشتر کے دونوں اختیار سے باہر نہیں جیسا مولانا روم ایک مقام پر فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ نسیان وخطا بھول سے ہوتا ہے۔ اگر ہر وقت تیقظ رہے تو نسیان وخطا کا ہونا ممکن ہی نہیں اور ہر وقت تیقظ رکھنا گو مشکل ہے مگر ہے اختیاری اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ تعلیم فرمائی (۳) ربنا لاتؤاخذنا ان سینا او اخطانا (البقرہ آیت ۲۸۶) اور اس دعاء کو قبول فرما کر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری فرما دیئے۔ رفع عن امتی الخطاء والنسیان۔ بخلاف امم سابقہ کے کہ ان سے خطاء ونسیان پر بھی مواخذہ ہوتا رہا کیونکہ یہ مالا یطاق نہیں جیسا ابھی مذکور ہوا اسی طرح حدیث میں ہے میری امت سے وسوسہ پر مواخذہ نہ ہوگا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وسوسہ پر مواخذہ ہو سکتا ہے اور وہ بھی مالا یطاق ہے اگر مالا یطاق ہوتا تو اس میں اس امت کی کیا تخصیص ہوتی۔ اس کے مایطاق ہونے کی تحقیق یہ ہے کہ وسوسہ جو ذہول وعدم تنبہ سے ہو سو حدوث وسوسہ تو غیر اختیاری ہے۔ اور اس پر کسی سے مواخذہ نہیں ہے اس امت کو بھی تخصیص نہیں اور بقاء وسوسہ جو عدم تنبہ سے ہو سو یہ درجہ تنبہ نہ ہونے تک امم سابقہ سے معاف نہ تھا اور ہماری اس امت سے معاف ہے۔ باقی تنبہ ہو جانے کے بعد پھر وسوسہ وغیرہ کا امتداد یہ کسی سے بھی معاف نہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُورۃ اٰل عِمرٰن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالۡبَنِیۡنَ وَالۡقَنَاطِیۡرِ الۡمُقَنۡطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالۡفِضَّةِ وَالۡخَیۡلِ الۡمُسَوَّمَةِ وَالۡاَنۡعَامِ وَالۡحَرۡثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الۡمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی) مثلاً عورتیں ہوئیں بیٹے ہوئے لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے نمبر (یعنی نشان) لگے ہوئے گھوڑے ہوئے (یا دوسرے) مواشی ہوئے اور زراعت ہوئی (لیکن) یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیاوی زندگی میں اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

تفسیری نکات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان چیزوں کو دیکھا تو جو اثر ان پر ہوا اور جو رائے انہوں نے ظاہر کی وہ دیکھنے کے قابل ہے اس کے بعد ان پر یا ان کے پیروکاروں پر یہ الزام لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مطلقاً ترک دنیا سکھاتے ہیں۔ پہلے تو آپ ان ذخائر وغنائم کو دیکھ کر روئے اور پھر یہ دعا کی کہ اے اللہ یہ تو ہم نہیں عرض کرتے کہ آپ ان چیزوں کی محبت ہمارے دل سے نکال دیجئے کیونکہ آپ کا ارشاد ہے زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالۡبَنِیۡنَ وَالۡقَنَاطِیۡرِ الۡمُقَنۡطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالۡفِضَّةِ وَالۡخَیۡلِ الۡمُسَوَّمَةِ وَالۡاَنۡعَامِ وَالۡحَرۡثِ ۔ جب آپ نے خود ان چیزوں کی محبت کو ہمارے قلوب میں مزین فرما دیا ہے تو اس کے زائل ہونے کی دعا کرنا تو سخت گستاخی ہے لیکن یہ عرض ہے کہ ان چیزوں کی محبت کو آپ اپنی محبت کی معین بنا دیجئے۔ سبحان اللہ کیا اچھی دعا فرمائی کیسا حقیقت کو سمجھا۔

زین کی دو مختلف تفسیریں

زین کی دو مختلف تفسیریں ہیں اور وہ اختلاف اس میں ہے کہ زین جو مبنی للمفعول ہے اس کا فاعل کون ہے ان چیزوں کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

جو محبت مزین (بفتح الیاء) کردی گئی تو اس کا مزین بکسر الیاء) کون ہے یعنی اس تزئین کا فاعل کون ہے۔ یعنی اس میں اختلاف ہے کہ اس تزیین کے فاعل حق تعالیٰ ہیں یا شیطان ہے اب یہاں ضرورت علم کی ہے۔ افعال میں ایک مرتبہ تو خلق کا ہے اور ایک کسب کا سو مرتبہ خلق میں تو اللہ تعالیٰ فاعل ہیں اور مرتبہ کسب میں شیطان۔ یعنی اس زینت کے پیدا کرنے والے اور خالق تو حق تعالیٰ ہیں۔ انہوں نے یہ چیز قلب میں پیدا فرما دی اگر تم اس کو اپنے محل میں استعمال کرو تو وہ خیر ہے۔ اگر غیر محل میں استعمال کرو تو وہی شر ہے۔ یہ استعمال مرتبہ کسب کا ہے اور اس مرتبہ میں شیطان متصرف ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مرتبہ خلق پر نظر تھی کیونکہ عارف کی غلبہ توحید میں اول اسی پر نظر جاتی ہے۔ اسی کے غلبہ میں آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کہ ان چیزوں کی محبت تو آپ نے طبائع میں پیدا کر دی ہے یہ کیسے زائل ہو سکتی ہے اور اس سے ہم اپنا تمرّیہ کیسے کر سکتے ہیں۔ ہر شخص کو ان چیزوں کی طرف طبعی میلان ہے۔ روپیہ پیسہ کیا کسی کو برا لگتا ہے اگر برا لگتا تو انبیاء علیہم السلام دوسروں کو بانٹتے نہ اگر سانپ بچھو سمجھتے تو کیا دوسروں کو سانپ بچھو بانٹے جاتے ہیں۔ ہمارے حضور اقدس ﷺ نے سو سو اونٹ ایک ایک شخص کو ایک ایک وقت میں عطا فرمائے ہیں۔ کوئی بادشاہ بھی ایسی داد و دہش کیا کرے گا جیسی حضور نے کی ہے تو کیا آپ نے سانپ بچھو بانٹے۔ بہر حال ان چیزوں کی ہر شخص کو طبعی محبت ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا نہیں کی کہ ان کی محبت زائل فرما دیجئے بلکہ یہ دعا کی کہ آپ نے جو ان چیزوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر دی ہے وہ معین ہو جاوے آپ کی محبت کی۔ غرض دنیا کی محبت میں بھی بڑی مصلحتیں ہیں۔ مولانا رومیؒ اسی مصلحت کو فرماتے ہیں۔

شہوت دنیا مثال گلخن است کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

اموال دنیا کی طرف طبعی میلان

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں کی طرف میلان اور رغبت اور ان کی محبت آپ نے طبعی طور پر نفوس میں رکھی ہے (یہ ایک خاص تفسیر پر مبنی ہے کہ تزئین کا فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیا جاوے اور اس صورت میں یہ تزئین حکمت کے لئے ہو گی خواہ وہ حکمت کچھ ہی ہو) اور جب یہ محبت طبعی ہے تو اس سے ہم بھی بری نہیں اور نہ اس کے ازالہ کی ہم دعا کرتے ہیں البتہ یہ ضرور دعاء کرتے ہیں کہ اس کی محبت معین ہو جائے آپ کی محبت میں اللہ اکبر ان حضرات کی حقائق کیسی نظر تھی۔ (ملفوظات جلد۴)

ملکات اور دواعی اپنی ذات میں مذموم نہیں

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں جب عراق فتح ہوا۔ کسریٰ کے خزائن مسجد نبوی میں لا کر ڈھیر کر دیئے گئے تو حضرت فاروق اعظمؓ نے بارگاہ حق تعالیٰ میں عرض کیا یا اللہ آپ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ یعنی لوگوں کے دلوں میں خواہشات نفسانی کی چیزیں عورتیں، بچے، سونے چاندی کے ڈھیر وغیرہ کی محبت ڈال دی گئی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس لئے میں یہ دعا تو نہیں کرتا کہ یہ فطرت بدل دی جائے گی مگر یہ دعاء کرتا ہوں کہ ان چیزوں کی محبت آپ کے راستہ اور آپ کی رضا جوئی میں ہمارے لئے معین و مددگار ہو جائے۔ حضرت نے اس واقعہ کو نقل کر کے فرمایا کہ اسی لئے ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ رذائل کا ازالہ مقصد نہیں۔ امالہ مقصود ہے یعنی رذائل کے جذبات و دواعی کو خیر و طاعت کی طرف مائل کر دینا مطلوب ہے اصل داعیہ کو زائل کرنا نہیں کیونکہ ملکات اور دواعی مثلاً شہوت و غضب وغیرہ۔ یہ اپنی ذات میں مذموم نہیں۔ شہوات کو حلال میں صرف کیا جائے اور قوت غضب کو شیطان اور کفر کے مقابلہ میں خرچ کیا جائے تو یہی درجات عالیہ کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ حضرت مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ہے۔

شہوت دنیا مثال گلخن ست   کہ ازو حمام تقوی روشن است

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

ترجمہ: بلاشبہ دین (حق اور مقبول) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے

تفسیری نکات

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ کہ دین خدا تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اہل علم اس کو سمجھتے ہیں کہ یہ ترکیب مفید حصر ہے جس سے ایک گونہ قوت پیدا ہو گئی مضمون میں۔ اس سے اسلام کی فضیلت ظاہر ہے کہ وہ ایسا دین ہے کہ خدا کے نزدیک وہی مقبول ہے۔ یہاں یہ شبہ ظاہر میں ہو سکتا ہے کہ ادیان تو بہت ہیں۔ پھر اس کا کیا مطلب کہ خدا کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے یوں فرمانا چاہیے تھا کہ دین حق صرف اسلام ہی ہے مطلق دین کو اس میں منحصر کرنا کیسا؟ میں کہتا ہوں کہ حصر کے علاوہ یہ دوسرا مبالغہ ہے کیونکہ قاعدہ ہے المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل کہ مطلق سے فرد کامل مراد ہوا کرتا ہے پس ہر چند کہ مطلب تو یہ ہے کہ دین کامل اسلام ہی ہے اور یہ بلا کلام صحیح ہے کیونکہ دوسرے بعض ادیان تو اصل ہی سے حق نہیں اور یا منسوخ ہیں مگر مطلق کو منحصر کرنے میں ایک قسم کا دعویٰ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام ایسا کامل دین ہے جس کے سامنے اور مذاہب اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو دین کہا جائے چنانچہ محاورات میں بولا جاتا ہے کہ بس حسین تو فلاں شخص ہے جس میں دعویٰ ہے کہ اس کا حسن ایسا کامل ہے کہ دوسرے حسین اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو ان کے سامنے حسین کہا جائے اس ادعا کی وجہ سے مطلق کا حصر کر دیا جاتا ہے یہی صورت اس جگہ ہے پس حاصل یہ ہوا کہ گو ادیان اور بھی ہیں مگر اسلام ایسا کامل و مکمل دین ہے کہ اس کے سامنے دوسرے ادیان کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ یہ فضیلت تو اس آیت میں مذکور ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ جو شخص اسلام کے سوا کسی دین کو طلب کرے گا وہ ہرگز قبول نہ ہوگا۔ یہاں حقیقت کے موافق کلام فرمایا گیا ہے کہ دوسرے مذاہب کو بھی دین کہہ دیا گیا، مگر اسلام کے مقابلہ میں ان کو غیر مقبول قرار دیا گیا۔ یعنی اسلام کے بغیر کسی دین کے اختیار کرنے سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تدبیر حسن خاتمہ

امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ اگر ایمان پر خاتمہ چاہتے ہو تو ہمیشہ نعمت ایمان پر خدا کا شکر کرتے رہو کیونکہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ اگر تم میرا شکر کرو گے تو میں نعمت کو بڑھاؤں گا اسے زیادہ کردوں گا۔ سبحان اللہ یہ نہیں فرمایا لَئِنْ شَكَرْتُمْ لا اسلبنکم یا لا انقصنکم کہ اگر شکر کرو گے تو میں نعمت سلب نہ کرونگا یا کم نہ کرونگا بلکہ لَاَزِيْدَنَّكُمْ فرمایا جس میں زیادت کا وعدہ ہے وعدہ زیادت سے نقصان کی نفی ہوگئی اور نفی نقصان سے سلب کی نفی بدرجہ اولیٰ ہوگئی کیا بلاغت ہے کہ ایک لفظ ایسا فرمادیا جس سے نقصان وسلب دونوں کی نفی بھی ہوگئی اور ترقی کا وعدہ بھی ہوگیا۔ کوئی کلام ایسا بلیغ ہے جس کے ایک لفظ سے اتنے معانی حاصل ہوتے ہوں اگر خدا فہم دے تو قرآن کا لفظ لفظ اعجاز سے بھرا ہوا ہے جب شکر پر وعدہ زیادت ہے تو جو شخص نعمت ایمان پر شکر ادا کرتا رہے گا اس کا ایمان کبھی زائل یا کم نہ ہوگا بلکہ دن بدن بڑھتا رہے گا پس یہ ورد دستور العمل بنانے کے قابل ہے اگر اپنا ایمان دنیا سے سلامت لے جانا چاہتے ہو تو ایمان کا شکر کبھی نہ بھولو۔

اللھم فلک الحمد ولک الشکر علی ما اٰتیتنی من نعمته الاسلام ولک الحمد ولک الشکر علی ما اکرمتنی بنعمة الایمان. اللھم توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین خیر خزایا ولا مفتونین امین ۱۲ جامع)

حضور علیہ السلام کو معلوم تھا کہ میری امت غافل ہے یہ از خود ایمان واسلام کا شکر بہت کم ادا کریگی۔ (محاسن الاسلام ص ۲۵۶-۲۵۸)

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک جس کو چاہیں دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں اور جس کو چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جس کو چاہیں پست کر دیتے ہیں آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

تفسیری نکات

آداب سوال

ارشاد فرمایا کہ اس وقت تلاوت کے وقت اس آیت قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ کے متعلق ایک نکتہ خیال میں آیا ہے وہ یہ کہ اوپر سے اضداد کو بیان فرمایا ہے اور اس کی تعلیل میں ارشاد ہے بیدک الخیر حالانکہ اوپر دونوں ضدوں کا ذکر ہے۔ خیر کا بھی شر کا بھی۔ تعز خیر ہے تذل شر ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ بیدک الخیر والشر فرماتے چنانچہ مفسرین نے والشر مقدر کہا ہے مگر مقدر ماننے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ قدرت ضدین کے ساتھ متعلق ہوتی ہے پس یہ کہنا کہ بیدک الخیر یہ خود ہی بیدک الشر ہے لیکن منجملہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

آداب سوال کے یہ بھی ہے کہ صرف مطلوب کو ذکر کرتے ہیں۔ اس کو ضد کو ذکر نہیں کرتے۔ گو مسئول عنہ دونوں پر قادر ہوتا ہے مثلاً سائل ملازمت یہ نہیں کہتا۔ آپ کے اختیار میں ملازمت دینا بھی ہے اور موقوف کرنا بھی۔ (اشرف البیان)

محبیت اور محبوبیت دونوں متلازم ہیں

راز اس کا یہ ہے کہ اس سرکار میں محبیت اور محبوبیت دونوں متلازم ہیں جہاں محبیت ہے وہاں محبوبیت بھی ہے اور جہاں محبوبیت ہے وہاں محبیت بھی ہے اسی معنی کو کہا ہے

ہر کہ عاشق بینیش معشوق داں گو بوہ نسبت ہست ہمیں و ہم آں

اور اسی واسطے مشورہ دیتے ہیں

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجو شد آیت از بالاؤ پست

پیاسے کو مشورہ دیتے ہیں کہ تو پانی کا طالب ہے تو سمجھ لے کہ تو مطلوب بھی ہے جیسے تو پانی کو ڈھونڈتا ہے ایسے ہی پانی بھی تجھ کو ڈھونڈتا ہے چنانچہ صاف فرماتے ہیں

تشنگاں گر آب جویند از جہاں آب ہم جوید بعالم تشنگاں

یعنی جیسا کہ پیاسے پانی کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں ایسے ہی پانی بھی خود پیاسوں کو ڈھونڈتا ہے دیکھ لیجئے پیاسوں کے پیدا ہونے سے پہلے پانی پیدا ہوا تو پانی جو مطلوب کہا جاتا ہے وہ درحقیقت طالب اور پیاسا جو طالب سمجھا جاتا ہے اس اعتبار سے مطلوب ہے تو طالبیت اور مطلوبیت دونوں طرف سے ہوئی یہ حالت تو مخلوق کی باہم ہے اور جو کوئی خدا تعالیٰ کے ساتھ علاقہ پیدا کرے تو خدا تعالیٰ تو بہت کریم ہیں ذرا سا بہانہ ڈھونڈتے ہیں ادھر سے ارادہ ہوا اور ادھر سے خود کرم فرماتے ہیں تو جو شخص خدا تعالیٰ سے محبت کرے گا خدا تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ محبت کریں گے جب ادھر سے محبت ہوئی تو یہ محبوب ہو گیا نتیجہ یہی ہوا کہ محبیت کے لئے محبوبیت لازم ہے چنانچہ ایک جگہ صاف فرماتے ہیں یحببکم اللہ اس سے اوپر ارشاد ہے ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی اور یہ اس کا ثمرہ ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ کے محب ہو تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو حق تعالیٰ تم کو محبوب بنالیں گے یہاں بظاہر موقع تحبو اللہ کا تھا یعنی تمہارا محب ہونا اس وقت معتد بہ ہوگا جب تم اتباع کرو اس سے تم اللہ کے محبین میں شمار ہو سکتے ہو سو یہ نہیں فرمایا بلکہ یحببکم اللہ فرمایا یعنی ایسا کرنے سے تم کو حق تعالیٰ اپنے محبوبین میں داخل کرلیں گے یہ آیت تو بالکل ہی صریح ہے اس باب میں کہ محبیت کے لئے محبوبیت لازم ہے اور بہت آیتوں میں یہ مضمون آیا ہے مثلاً واللہ یحب المحسنین اور واللہ یحب الصابرین وغیرہ وغیرہ اس قسم کی بہت سی آیات ہیں یحب کے معنی یہی تو ہیں کہ محبت رکھیں گے اس کی ضمیر حق تعالیٰ کی طرف ہے تو فاعل اس کی ذات حق ہوئی اور محبت کے فاعل کو محب کہتے ہیں اور مفعول اس کا صابرین یا شاکرین ہیں بلفظ دیگر مومنین ہیں اور محبت کے مفعول کو محبوب کہتے ہیں تو مومنین کے لئے بشارت ہوئی محبوب بنالینے کی یہ مضمون جابجا آیات میں موجود ہیں اور یحببکم اللہ میں تو بالکل ہی صاف موجود ہے جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا۔ کتنی بڑی بات ہے اس پر تو عاشق کو شادی مرگ ہو جائے تو عجب نہیں عاشق

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ اگر اتنا بھی سن لے کہ محبوب نے میرا نام لیا تو پھولا نہیں سماتا اور کہاں اتنا بڑا لفظ کہ مجھ کو پسند کرلیا۔

اداء حق محبت عنایتے است زدوست وگرنہ عشق مسکیں ہیچ خورسند است

محبوبیت کا لفظ تو بہت ہی بڑا ہے عاشق کے لئے تو محبین ہی میں شمار ہوجانا بڑے سے بڑا درجہ ہے وہ کہتا ہے۔

بمینم بس کہ داند ماہر ویم کہ من نیز از خریداران اویم

بمینم بس اگر کاسد قماشم کہ من نیز از خریدار انس ہاشم

عاشق کا حوصلہ تو اس سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کو محب اور بلفظ دیگر عاشق کہہ دیا جائے اور اگر خود محبوب ہی اس کی نسبت یوں کہہ دے کہ یہ میرا عاشق ہے تو شاید مرا ہوا بھی جی جائے یا جیا ہوا مر جائے اور دوسرے محبوبوں سے تو اتنی بھی توقع ہونا مشکل ہے کہ اپنے طالب کو عاشق ہی کہہ دے لیکن حق تعالیٰ کا فضل ہے اور عنایت کرم ہے کہ اپنے ناچیز بندوں کو محبوبیت کی بشارت سناتے ہیں ان کی رحمتوں اور راحتوں کی کیا حد ہوسکتی ہے۔ (الاسلام الحقیقی ملحقہ مواعظ رحمت دوعالم ﷺ ۲۵۸ تا ۲۶۰)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

اعمال صالحہ سے حق تعالیٰ شانہ کی محبت پیدا ہوتی ہے

فرمایا عمل سے حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہوجاتی ہے جیسے روز مرہ کسی کے پاس آنے جانے سے اس سے محبت ہوجاتی ہے آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ یعنی اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری (یعنی رسول اللہ ﷺ کی) پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

محبت کو اتباع پر مرتب فرمایا اور اتباع عمل ہے تو عمل سے محبت آئے گی۔ بظاہر اشکال ہے کہ یوں چاہیے تھا

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا سے تم کو محبت ہوجائے گی۔

جواب یہ ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ کی محبت نہیں کیونکہ محبت موقوف ہے معرفت پر اور ہم کو معرفت کامل ہی نہیں۔ (الکلام الحسن ج ۲ ص ۴۰، ص ۴۱)

(c) ketabton.com: The Digital Library

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

ترجمہ: سو جب کبھی زکریا علیہ السلام ان کے پاس عبادت خانہ میں تشریف لاتے تو آپ کے پاس تشریف لاتے تو ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں پاتے (اور) یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے پاس کہاں سے آئیں وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں۔

تفسیری نکات

حضرت مریم علیہا السلام کا کمال فہم

حضرت مریم علیہا السلام جب حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں تو جب حضرت زکریا علیہ السلام تشریف لاتے تو تازہ پھل مریم علیہا السلام کے پاس دیکھتے تو پوچھتے قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا اے مریم یہ کہاں سے آئے؟ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔یعنی مریم علیہا السلام فرماتیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بغیر حساب رزق دیتے ہیں۔ اس آیت کی اسی وقت ایک عجیب تفسیر سمجھ میں آئی ہے کہ مشہور تفسیر تو یہ ہے کہ ان اللہ یرزق من یشاء حق تعالیٰ کا مقولہ ہے لیکن اگر اس کو قالت کے تحت میں داخل کر کے مریم علیہا السلام کا مقولہ بنایا جاوے تو حضرت مریم کے کمال فہم کی دلیل ہوگی کہ جزئیہ کے بعد کلیہ بھی بیان کر دیا۔

اے مریم (علیہا السلام) اطاعت کرتی رہو اپنے پروردگار کی اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والیاں ہیں۔

تحصیل تواضع کا طریق

اب تم یہ سمجھو کہ حضرت مریم علیہا السلام آخر تم سے تو بزرگی میں زیادہ ہی تھیں باوجود اتنے کمالات کے پھر ان کو یہ حکم ہے کہ اے مریم تواضع کرو اپنے رب کے سامنے اور سجدہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ قلب کو بھی مشغول رکھو اور جوارح کو بھی کہ نماز پڑھو چونکہ تمام ارکان صلوۃ میں اعظم مقصود سجدہ ہے۔ اس لئے اس کی تخصیص فرمائی اور وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ میں یا تو رکوع اصطلاحی مراد ہے اور یا لغوی معنی ہیں اور میں اخیر احتمال پر تفسیر کو مبنی کرنا چاہتا ہوں۔ پس مطلب یہ ہے کہ جھکو یعنی عاجزی کرو۔ اس کے بڑھانے سے اشارہ اس طرف ہے کہ سب کچھ کرو مگر اپنے کو بڑا نہ سمجھو۔ اپنے کو پست کرو۔ خدا کے سامنے کمزور سمجھو اور مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کے بڑھانے میں یہ نکتہ ہے کہ تواضع کے حاصل ہونے کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی تحصیل کا کیا طریقہ ہے۔ حاصل طریق کا یہ ہے کہ تواضع کرنے والوں کے ساتھ رہو یعنی نیک صحبت اختیار کرو۔ صحبت نیک اخلاق کی درستی کا نہایت عمدہ ذریعہ ہے۔ بغیر صحبت کے اخلاق کی درستی نہیں ہوتی۔ اور چونکہ مستورات کو اس کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

موقع بہت کم ملتا ہے اسی واسطے ان کے اخلاق عموماً درست نہیں ہوتے۔ پس ان کو صحبت نیک کی بہت ہی ضرورت ہے کہ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ میں تواضع کے حاصل ہونے کا طریقہ بھی ارشاد ہوا ہے اور دوسری توجیہ اور ہوسکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اقنتی میں تو تواضع للرب مراد ہے جیسا کہ لربک کی تقیید سے ظاہر ہے اور وارکعی سے تواضع للخلق مراد ہے خلاصہ یہ ہوا کہ خدا کے سامنے بھی عاجزی کرو اور مخلوق سے بھی تواضع سے پیش آؤ۔ اس صورت میں یہ آیت تواضع مع اللہ اور تواضع مع الخلق دونوں کو جامع ہو جاوے گی۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ

ترجمہ: اور لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب تدبیری کرنے والوں سے اچھے ہیں۔

تفسیری نکات

عربی اور اردو کے معنی کا فرق

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ سے بعض لوگوں کو اشکال ہوتا ہے کہ اس میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے بھی مکر کیا۔ اور خدا نے بھی مکر کیا اور خدا سب سے بہتر مکر کرنے والا ہے۔ اشکال کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو اس سے خدا کا نعوذ باللہ مکار ہونا لازم آتا ہے تو منشاء اس اشکال کا صرف یہی ہے کہ انہوں نے عربی لفظ کا ترجمہ اردو محاورہ کے موافق کیا' اردو میں مکر کرنا فریب دینے کو کہتے ہیں جو کہ عیب کی صفت ہے اگر یہ لوگ اس عربی کے لفظ کا ترجمہ محاورہ عربیہ کے موافق کرتے تو اشکال کچھ بھی نہ تھا' عربی میں مکر کے معنی تدبیر خفی کے بھی آتے ہیں اور تدبیر خفی کرنا یہ عیب نہیں' بلکہ صفت کمال ہے' ترجمہ آیت کا یہ ہوا کہ کافروں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے واسطے مخفی تدبیر کی اور حق تعالیٰ نے ان کو بچانے کے واسطے مخفی تدبیر کی اور حق تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں میں بہتر ہے کہ کسی کی تدبیر اس کی تدبیر پر غالب نہیں آسکتی' اس ترجمہ کے بعد کچھ بھی اشکال نہیں' اسی طرح ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے مجھ کو کچھ پوچھنا ہے' مگر اول اس آیت کا ترجمہ کردو' وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى میں نے کہا کہ اس کا ترجمہ یہ ہے اور پایا خدا نے آپ کو ناواقف پس واقف بنادیا سن کر میرا منہ دیکھنے لگے' میں نے کہا جو پوچھنا ہو پوچھئے' کہنے لگے۔ اب تو کچھ بھی نہیں رہا! میں نے کا کہ کیا آپ مجھ سے یہ امید کرتے ہیں کہ میں اس جگہ ضالا کا ترجمہ گمراہ سے کرونگا' بعض تراجم میں گمراہ سے ترجمہ کیا ہے' جس سے لوگوں کو اشکال پڑ جاتا ہے لیکن ان حضرات پر کوئی الزام نہیں ممکن ہے اس وقت گمراہ کے معنی ناواقف بھی مستعمل ہوتے ہوں' جیسا کہ عربی میں ضلالت کے معنی غیبت اور فقدان کے بھی آتے ہیں چنانچہ کھوئی ہوئی چیز کو ضالہ کہتے ہیں جس کے معنی مفقود الخبر کے ہیں اسی طرح ضال کا اطلاق فاقد الخبر پر بھی آتا ہے' جس کا ترجمہ ناواقف ہے لیکن اب فارسی و اردو کا محاورہ بدل گیا' اب گمراہ اسے کہتے ہیں جو باوجود راستہ جاننے کے ٹیڑھے راستہ پر چلے' آجکل بے خبر اور ناواقف کو گمراہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں کہتے، اس لئے اب گمراہ سے ترجمہ کرنا صحیح نہیں اور حضور علیہ السلام کا نبوت سے پہلے بعض علوم سے ناواقف ہونا کچھ عیب نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ جو علوم نبوت کے بعد آپ کو عطا ہوئے نبوت سے پہلے آپ ان سے ناواقف تھے اگر چہ اس وقت بھی دنیا بھر کے عقلاء سے زیادہ آپ واقف کار تھے لیکن علوم قرآن واحکام سے تو خبردار نہ تھے یہ علم تو نبوت کے بعد ہی آپ کو حاصل ہوا! اسی کو حق تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اور کسی بشر کی (بحالت موجودہ) یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمادے مگر (تین طریق سے) یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتہ کو بھیج دے۔ کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے۔ بے شک وہ بڑا عالی شان بڑی حکمت والا ہے اسی طرح (یعنی اسی قاعدہ کے موافق ہم نے آپ کے پاس (بھی) وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے (اور اس کے قبل آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان ومعرفت کا اعلیٰ درجہ جو کہ اب آپ کو حاصل ہے وہ) کیا چیز ہے (گو نفس ایمان ہر نبی کو ہر وقت نبوت سے پہلے بھی حاصل ہوتا ہے) لیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ آپ (اس قرآن اور وحی کے ذریعہ سے عام لوگوں کو) ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کرتے ہیں) (سورۃ الشوریٰ) پارہ ۲۵

حضور علیہ السلام کا پہلے علوم سے بے خبر ہونا عین کمال ہے

پس وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى میں ضال کے معنی وہی ہیں جو آیت ما کنت تدری الخ سے معلوم ہوتا ہے یعنی خدا کی تعلیم وہدایت سے پہلے آپ ان علوم سے بے خبر تھے اور یہ حضور علیہ السلام کے لئے کوئی نقص نہیں، بلکہ عین کمال ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے بتلانے سے پہلے انبیاء کو کچھ معلوم نہیں ہو سکتا، نہ ان کے پاس کمالات بدوں اعطاء الٰہی کے ہوتے ہیں گو ہم کو ایسا کہنا زیبا نہیں دیتا کہ انبیاء کے پاس کچھ کمالات نہ تھے کیونکہ اس سے ایہام بے ادبی کا ہوتا ہے مگر حق تعالیٰ کے ذمہ تو حضور کا ادب لازم نہیں آپ تمام عالم کے سردار اور سب سے افضل ہیں مگر حق تعالیٰ کے تو بندے ہی ہیں اس لئے حق تعالیٰ آپ کو ناواقف اور بے خبر جو چاہیں کہہ سکتے ہیں تو دیکھئے اس سائل کو حقیقت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى میں اشکال پڑا کیوں کہ اس نے ترجمہ میں گمراہ کا لفظ دیکھا اور اس کے وہ معنی سمجھا جو آج کل کے محاورہ میں گمراہ کے معنی ہیں اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ عوام کو خود نہ دیکھنا چاہیے بلکہ علماء سے پڑھنا چاہیے ورنہ ایسے ایسے اشکالات ترجمہ دیکھنے سے پیدا ہوں گے جن کا جواب عوام کے ذہن میں نہ آئے گا، چنانچہ قرآن میں حق تعالیٰ کی صفت استغناء کو دیکھ کر بعض لوگ یہی سمجھے کہ حق تعالیٰ ایسے مستغنی ہیں جیسے ہمارے محاورہ میں کسی کو مستغنی کہا کرتے ہیں حالانکہ استغنا کے معنی عربی میں یہ ہیں کہ اس کو کسی کی حاجت نہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں اور ہمارے محاورہ میں مستغنی اسے

(c) ketabton.com: The Digital Library

بھی کہتے ہیں جسے کسی کے نفع وضرر کی پرواہ نہ ہو! اب لوگ غضب کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو بایں معنی بھی غنی سمجھتے ہیں چنانچہ ایسے مقام پر اس صفت کو استعمال کرتے ہیں جہاں سوا اس کے اور کچھ معنی ہو ہی نہیں سکتے۔

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! آ ؤ ایک بات سنو جو ہمارے تمہارے نزدیک برابر (درجہ میں ماننے کے قابل) ہے وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور آپس میں ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں پھر اگر وہ لوگ (حق سے) اعراض کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ تم (ہمارے) اس (اقرار) کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔

تفسیری نکات

یہ عنوان ایسا ہے جس سے وحشت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کفار بھی شرک کو برا سمجھتے تھے۔ گو اپنے شرک کو برا نہ سمجھتے تھے۔ اس کے بعد ارشاد ہے فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (یعنی اگر وہ اس بات کو مان لیں تب تو گویا اسلام کو مان لیا کیونکہ اسلام کی تعلیم یہی ہے) اگر وہ اس سے اعراض کریں تو (صاف) کہہ دو۔ کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔ اس میں تالیف قلب کی رعایت نہیں جب کہ مخاطب کسی طرح سمجھنے پر آتا ہی نہیں۔ سبحان اللہ! اس آیت میں ایسی بات بتلائی گئی ہے جس کا فیصلہ عقلاء ہزاروں برس میں بھی نہ کر سکتے تھے کیونکہ عقلاء میں بعض کی رائے تو اصلاح میں تالیف قلب کی طرف مائل ہوتی ہے اور بعض کی رائے صفائی کی طرف مائل ہوتی ہے۔ مگر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ بتلایا ہے کہ ابتداء میں تو تالیف قلب کرو اور انتہا میں صفائی سے کام لو۔

چنانچہ اس آیت میں ابتداء تو ایسے عنوان سے ہے جس میں تالیف قلب ہے اور انتہا میں صفائی کی تعلیم ہے مگر آج کل حالت یہ ہے کہ اگر مصالح کی رعایت ہے تو عمر بھر مصالح ہی مصالح چلتے جائیں گے۔ کبھی صاف بات منہ پر نہ آئے گی اور اگر صفائی اختیار کرتے ہیں تو شروع ہی لٹھ سا مار دیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ ۪ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (آل عمران آیت ۷۷)

ترجمہ: یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے (انہوں نے) کیا ہے اور بمقابلہ اپنی قسموں کے ان لوگوں کو کچھ حصہ آخرت میں وہاں کی نعمت کا نہ ملے گا اور نہ خدا تعالیٰ ان سے لطف کا کلام فرمائیں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

گناہگار مسلمانوں کا دخول جہنم میں تزکیہ کے لئے ہوگا

یہاں کفار کی نسبت وَلَا يُزَكِّيهِمْ فرمایا ہے اور وعید میں مفہوم مخالف بالاتفاق معتبر ہے۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں جس کے لئے جہنم کا دخول تزکیہ کے طور پر ہوگا جیسے یہاں حمام کا دخول تنظیف کے لئے ہوتا ہے۔ گو اس میں کچھ تکلیف بھی ہوتی ہے مگر پھر بھی خوشی زائل نہیں ہوتی۔ دیکھئے مسہل اور اپریشن میں کیسی تکلیف ہوتی ہے۔ بعض لوگ رونے لگتے ہیں مگر خوش بھی ہوتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس اپریشن کا انجام صحت و راحت ہے۔ اسی طرح گنہگار مسلمان کو بھی موت پر خوش ہونا چاہیے اور یہ سمجھ لے کہ اگر جہنم میں جانا بھی ہوا تو تزکیہ اور اپریشن کے لئے جانا ہوگا جس کا انجام راحت و عافیت ہے ہاں کافر کے لئے کچھ خوشی نہیں کیونکہ اس کے واسطے جہنم تزکیہ نہیں بلکہ دائمی قید خانہ ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: کسی بشر سے یہ بات نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور فہم اور نبوت عطا فرمائیں پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر لیکن (کہے گا کہ) تم لوگ اللہ والے بن جاؤ بوجہ اس کے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور بوجہ اس کے کہ پڑھتے ہو۔

تفسیری نکات

ربانی بننے کی ضرورت

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ تقدیر کلام اس طرح ہے ولکن ینبغی له ان یقول کونوا ربانین یعنی رسول سے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کا امر کرے ہاں رسول کی شان یہ ہے کہ وہ حکم دے۔ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ جس کے معنی یہ ہیں اللہ والے ہو جاؤ ربانی میں یاء نسبت ہے اور الف ونون مبالغہ کے لئے بڑھایا گیا ہے قرآن میں ایک مقام پر اصل کے موافق والربیون بھی آیا ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو اللہ والا بننے کا حکم فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ سب مسلمانوں کو عموماً اور اہل علم کو خصوصاً ضروری ہے اس پر توجہ کریں اور دیکھیں کہ اس میں ان سے کیا کوتاہی ہو رہی ہے غور کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ وہ کوتاہی کیا ہے آگے اس امر کو اس امر کے ساتھ معلل فرماتے ہیں اس پر بھی اہل علم کو غور کرنا چاہیے وہ علت یہ ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ حاصل یہ ہوا کہ چونکہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے ہواس لئے تم کو اللہ والا بننا چاہیے کتاب معہود ہے یا تو کتاب مراد ہے (یعنی قرآن) یا جنس کتاب مراد ہے یعنی کتب دینیہ لیکن لام جنس کی صورت میں بھی ہر قسم کی کتابیں خواہ ان کو دین سے تعلق ہو یا نہ ہو مراد نہیں ہوسکتیں بلکہ کتب دینیہ مراد ہیں کیونکہ اس جگہ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ 'علت بنایا گیا ہے' كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ کا پس اسی کتاب کی تعلیم وتدریس مراد ہوسکتی ہے جس کو اللہ والا بنانے میں دخل ہواور ظاہر ہے کہ یہ اکثر کتب دینیہ ہی کی تعلیم میں ہے نہ کہ اور کتب کی تعلیم وتعلم میں لہٰذا جنس کو عموم کلی پر محمول نہیں کیا جاسکتا یہ تفصیل میں نے اس لئے کی کہ آج کل تعلیم کا لفظ نئی تعلم پر بھی اطلاق ہونے لگا ہے نئی انگریزی تعلیم پر چنانچہ اخباروں اور رسالوں میں جب تعلیم کے اہتمام پر زور دیا جاتا اور انگریزی کی ضرورت کو ظاہر کیا جاتا ہے تو جہل کی مذمت وعلم کی فضیلت وضرورت میں جو آیات واحادیث وارد ہیں ان کو استدلال میں پیش کیا جاتا ہے جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان آیات واحادیث میں علم سے مراد عام علم ہے جس کا مصداق علم دنیا بھی ہے یاد رکھو یہ سراسر تحریف ہے اور اصطلاحات شرعیہ کا بدل دینا ہے اس سے امام غزالی کی پرانی شکایت تازہ ہوگئی وہ فرماتے ہیں منجملہ احداثات کے ایک احداث یہ بھی ہے کہ الفاظ شرعیہ کو ان کے معانی شرعیہ سے بدلا جاتا ہے چنانچہ اے عزیزتم نے فقہ کے نئے معنی گھڑ لئے ہیں کہ صرف مسائل حیض وصلوۃ وغیرہ کا نام فقہ رکھ لیا ہے اور اس کا نام فقہ رکھ کر تمام ان فضائل کو اپنے اوپر منطبق کرلیا جو فقہاء کے لئے وارد ہوئے ہیں حالانکہ نص میں فقہ سے مراد مجموع علم وعمل ہے اور وہ فضائل علماء عاملین کے لئے مخصوص ہیں مگر تم نے اصطلاح شرع کو بدل کر صغریٰ تو خود گھڑ لیا کہ نحن فقهاء اور کبریٰ نصوص واحادیث سے اخذ کیا۔ ومن كان فقيها فقد اراد الله به خيرا وهو كذا وكذا پھر ان سے نتیجہ نکال لیا فنحن قد اراد الله بنا خيرا و نحن كذا وانحن كذا العلماء ورثة الانبياء و فضل العالم على العابد كفضلي على ادنا كم وفقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد وغیرہ۔ یاد کر کے اپنے آپ کو بھی علماء وفقہاء میں داخل کرلیا حالانکہ دیکھنا یہ ہے کہ قرآن نے بھی آپ کو عالم کہا ہے یا نہیں۔

حقیقی علم

سنئے قرآن نے علماء بنی اسرائیل کی نسبت اول تو: وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ کہا پھر فرمایا وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ اول لقد علموا ان کی اصطلاح کے موافق فرمایا کیونکہ وہ بھی محض جان لینے اور لکھ پڑھ لینے کو علم کہتے تھے پھر لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ اپنی اصطلاح کے موافق فرمایا جس میں ان سے علم کی نفی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاح شریعت سے علم الفاظ ومعانی کا نام علم نہیں ورنہ یہ تو علماء بنی اسرائیل کو بھی حاصل تھا اس سے نفی ان سے کیونکر ہوسکتی ہے بلکہ علم الفاظ کے ساتھ جب عمل بھی ہو اس وقت وہ علم کہلانے کا مستحق ہوتا ہے (حقوق وفرائض)

انبیاء کا طریق تعلیم

اس مقدمہ کے بعد واضح ہوگیا ہوگا کہ تعلیم بہ نسبت تعلم کے کونوا ربانین کو زیادہ مقتضی ہے اس لئے تعلمون کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

تدرسون پر مقدم کیا گیا نیز یہ بھی نقطہ ہو سکتا ہے کہ تعلم سے مقصود تعلیم ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں
فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون
اور مقصود گوحساً مؤخر ہو مگر قصداً مقدم ہوتا ہے اس لئے **تعلمون** کو مقدم فرمایا کہ وہ غایت ہے **تدرسون** کی اس سے علماء بہت خوش ہوئے ہوں گے کہ اس غایت پر تو ہمارا پورا عمل ہے کہ پڑھنے کے بعد ہم پڑھانے میں مشغول ہیں حضرات آپ خوش نہ ہوں کیونکہ حق تعالیٰ نے یہاں **بما کنتم تدرسون العلوم و بما کنتم تدسون** نہیں فرمایا بلکہ **کنتم تعلمون** فرمایا اور آپ درس کے بعد تدریس میں مشغول ہیں تعلیم میں مشغول نہیں ہیں تعلیم کی حقیقت وہ ہے جس کو دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے نذر سے تعبیر کیا ہے۔ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ ۔

اور وہ اصل میں وعظ کا کام ہے جو میں اس وقت آپ کے سامنے کر رہا ہوں جس سے آج کل علماء متنفر ہیں اور اس کے اصل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا کیا طرز تھا کیا وہ کتابیں پڑھایا کرتے تھے ہرگز نہیں ان کی تعلیم کا طریقہ یہی وعظ تھا اور اصل مقصود یہی ہے مگر وعظ کہنے کے لئے ہم جیسوں کو ضبط علوم کی ضرورت ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم تو علوم وہبی تھے۔ ان کو نہ کتاب پڑھنے کی ضرورت تھی۔ نہ وہ اس کے محتاج تھے کہ کتاب کو سامنے رکھ کر دوسروں کو پڑھائیں کیونکہ وہ حقائق کو بدوں اصطلاحات کی مدد کے سمجھانے پر قادر تھے وہ معقول کو محسوس بنا دیتے تھے اس لئے ان کو کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کی ضرورت نہ تھی پھر بعد میں صحابہ بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ تھے وہ بھی اس کے محتاج نہ تھے بعد میں جب حفظ میں کمی آئی اور علوم وھبیہ کی استعداد کم ہوگئی تو علوم کو کتابوں میں مدون کیا گیا اور اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کتابیں پڑھی اور پڑھائی جائیں مگر اس کی ضرورت اس بات کے واسطے ہوئی کہ کتابوں سے علم حاصل کر کے عوام کو صحیح علوم کی تبلیغ کریں غلط سلط باتیں نہ بنائیں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

ترجمہ: یعنی حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا ہے کہ اگر ہم تم کو کتاب و حکمت دیں پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو تمہاری کتاب کا مصدق ہو تو تم اس کی تصدیق و نصرت ضرور کرنا)

تفسیری نکات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جو مفسر القرآن ہیں اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا بھی فرمائی ہے اللھم علمہ الکتاب اس لئے ان کی تفسیر حجت ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہاں رسول سے مراد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور یہ عہد جملہ انبیاء سے حضور ﷺ کے متعلق لیا گیا ہے کہ جو نبی حضور ﷺ کا زمانہ پائے اس کے ذمہ ضروری ہے کہ آپ کی تصدیق ونصرت کرے۔ پھر یہ بات ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے بھی آپ کا زمانہ نہیں پایا تو یہ عہد ان سے کیوں لیا گیا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ہر وقت اور ہر زمانہ میں حضور ﷺ کے اتباع وتصدیق کے لئے تیار رہنا چاہیے خواہ وہ آپ کا زمانہ پائیں یا نہ پائیں مگر اپنی طرف سے ہر وقت اس کے لئے آمادہ رہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بھی حضور ﷺ سے کسی وقت اپنے تعلق کو قطع نہیں کر سکتے۔

دوسرے اگر یہ عہد بھی نہ لیا جائے جب بھی انبیاء علیہم السلام حضور ﷺ سے تعلق قطع نہیں کر سکتے تھے کیونکہ مسئلہ شرعیہ اصولیہ ہے۔ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (جس نے (ان) لوگوں کا شکر نہیں کیا (جو واسطہ نعمت ہیں) اس نے خدا تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کیا)

اور پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ انبیاء علیہم السلام کے لئے واسطہ فی الکمالات ہیں گو نفی النبوت سہی تو اس قاعدہ کے موافق انبیاء علیہم السلام حضور سے بھی تعلق قطع نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے شکر الٰہی میں نقصان لازم آتا ہے جس سے وہ حضرات مبرا ہیں اور انبیاء علیہم السلام پر آپ کے تعلق کا وجوب بالقوہ تو اس حدیث سے ظاہر ہے۔

لو کان موسی حیا لما وسعہ الا اتباعی اور بالفعل اس سے کہ حضرت عیسی علیہ السلام بعد نزول الی الارض کے وجوباً آپ کا اتباع فرماویں گے اور کسی کو وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا سے اس کے خلاف کا شبہ نہ ہو کیونکہ ملت ابراہیم خود آپ کی ملت کا بوجہ تناسب لقب ہے جس میں حکمت ترغیب ہے تمام اہل ملل کی اس ملت کے اختیار کرنے پر کیونکہ ابراہیم علیہم السلام کی جلالت متفق علیہ تھی اس لئے اتبع ابراہیم نہیں فرمایا۔ اسی طرح بعد ذکر انبیاء علیہم السلام کے حضور کو جو خطاب کیا گیا ہے فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ط یوں نہیں فرمایا فبھم اقتدہ۔ پس ھداھم سے مراد ھدی اللہ ہے اس کو ملابست کے سبب ھداھم فرمادیا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: تم خیر (کامل) کو ہرگز نہیں پا سکتے جب تک وہ چیز خرچ نہ کرو جو تم کو محبوب ہے اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیری نکات

خیر کامل

البر سے مراد یہاں پر خیر کامل ہے اولا اس لئے کہ المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل مسئلہ عقلیہ ہے دوسرے دیگر نصوص وقواعد شرعیہ سے بھی اسی کو تائید ہوتی ہے کہ یہاں خیر کامل مراد ہے۔ حَتّٰى تُنْفِقُوْا یہ غایت ہے اور عربی میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

غایات افعال کو صیغہ اثبات سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور اردو میں صیغہ نفی سے تعبیر کیا جاتا ہے پس ترجمہ یہ ہوگا کہ جب تک خرچ نہ کرو اتنح یہ تو ترجمہ ہے اور بظاہر لفظ انفاق خاص ہے انفاق مال کے ساتھ مگر میرے دل میں ایک بار یہ آیا تھا کہ یہ عام ہے انفاق مال و بذل نفس جاہ و بذل علم وغیرہ سب کو۔

شانِ نزول

پھر میں نے علامہ قسطلانیؒ کا ایک قول دیکھا جس سے میرے خیال کی تائید ہوئی اور قسطلانی کا قول اس طرح نظر سے گزرا کہ میں اس آیت کی تفسیر حدیث میں دیکھ رہا تھا کیونکہ حدیث میں اس کے متعلق حضرت ابو طلحہ کا قصہ مذکور ہے کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سبحان اللہ! حضرات صحابہ کا بھی کیا حال تھا کہ ہر آیت کے نزول کے بعد یہ مستعد تھے کہ ہم سے اس پر عمل ہوا ہے یا نہیں دوسرا کمال یہ تھا کہ عمل میں رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کرتے تھے چنانچہ اس مشورہ کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ حضور ﷺ کبھی تو کسی صحابی کی رائے کی تصویب فرماتے اور کبھی اس میں ترمیم فرما دیتے حضرت کعب بن مالکؓ نے اپنی توبہ قبول ہونے پر اپنا تمام مال صدقہ کرنا چاہا اور حضور سے مشورہ لیا تو حضور ﷺ نے تمام مال کے صدقہ کرنے سے منع فرمایا۔ یہ فائدہ ہے کاملین سے مشورہ لینے میں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ طبعاً متبع سنت واقع ہوئے تھے۔ حاجی صاحب نے بھی ایک شخص کو تمام جائیداد کے وقف کرنے سے منع فرمایا تھا جس میں ایک سنت نبویہ سے بلاقصد موافقت ہوگئی غرض حضرت ابو طلحہؓ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ انی اری الله تعالی یقول لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون وان احب اموالی الی بیر حاء فھی صدقة الله تعالی فضعه یارسول الله حیث اراک الله فقال صلی الله علیه وسلم بخ بخ مال رابح اورائح واری ان تضعه فی عشیرتک الاقربین. (او کمال قال)

یعنی یا رسول اللہ ﷺ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے نیل بر یعنی نیکی کے حصول کو انفاق محبوب پر موقوف فرمایا ہے اور میرے اموال میں سب سے زیادہ محبوب مجھے بیرحا ہے (جو ایک باغ کا نام ہے) تو میں اس کو اللہ کے نام پر صدقہ کرتا ہوں آپ جہاں مناسب سمجھیں اس کو صرف کر دیں حضورؐ نے فرمایا شاباش یہ مال نفع دینے والا ہے یا ختم ہونے والا (اس لئے کسی مصرف خیر میں صرف کر دینا اچھا ہے) مگر میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو اپنے قریب قرابت داروں میں تقسیم کر دو حضرت انس کہتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہؓ نے حضور ﷺ کے ارشاد کے موافق اس باغ کو حضرت حسان و ابی بن کعب کے درمیان تقسیم کر دیا کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ ان کے قریب تھے اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں ان دونوں سے زیادہ قریب تھا مگر مجھے اس میں سے کچھ نہیں دیا۔ ان روایتوں میں بظاہر تعارض ہے مگر محدثین نے دونوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ حضرت انسؓ باعتبار خدمت و اختلاط کے قریب تھے کیونکہ ہر وقت ایک ہی گھر میں ان کے پاس رہتے تھے۔ اور حضرت حسان و ابی بن کعب باعتبار نسب کے قریب تھے۔ سبحان اللہ خوب تطبیق ہے۔ غرض میں حدیث میں حضرت ابو طلحہ کا یہ قصہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے ساتھ ہی علامہ قسطلانی کا یہ قول نظر سے گزرا انفاق محبوب میں بذل جاہ و بذل

(c) ketabton.com: The Digital Library

نفس وبذل علم بھی داخل ہے اس سے میرا دل بہت خوش ہوا لیکن اگر لغت سے اس کی تائید نہ ہو اور انفاق ان سب کو عام نہ ہو تو علامہ قسطلانی پر پھر بھی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے عموم لفظ کی وجہ سے بذل نفس وبذل جاہ و بذل علم کو اس آیت میں نہیں داخل کیا بلکہ دلالۃ النص کی وجہ سے داخل کیا ہے کیونکہ مال بمقابلہ جاہ ونفس وعلم کے ادنیٰ ہے تو جب انفاق مال سے برکامل حاصل ہوتی ہے جو ادنیٰ ہے تو بذل اعلیٰ سے بدرجہ اولی برکامل حاصل ہوگی۔ غالباً اسی بنا پر بیضاویؒ نے وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنفِقُونَ ۝ کی تفسیر میں بعض صوفیہ کا قول نقل فرمایا ہے ومن انوار المعرفة يفيضون کہ انہوں نے افاضہ انوار معرفت کو بھی انفاق میں داخل کیا کیونکہ یہ انفاق مال سے اعلیٰ ہے تو جب ادنی کا انفاق محمود ہے اعلیٰ کا انفاق کیوں محمود نہ ہوگا اور بیضاوی کی نقل اس بات کی کافی حجت ہے کہ یہ قول محتمل صحت ہے اب چاہے انفاق کو لغۃً عام کہا جائے یا دلالۃ النص کی وجہ سے عام کہا جائے بہرحال تعمیم غلط نہیں بلکہ اگلی آیت کے ربط کے لئے تعمیم ضروری ہے بغیر اس کے چارہ نہیں کیونکہ اس کے بعد یہ آیت ہے كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسۡرَآءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسۡرَآءِيلُ عَلَىٰ نَفۡسِهِۦ مِن قَبۡلِ أَن تُنَزَّلَ ٱلتَّوۡرَىٰةُ ۔ جس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ قصہ جیسا مفسرین نے عام طور پر بیان کیا ہے یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو ایک دفعہ مرض عرق النساء ہوا تھا جس کے علاج میں آپ کو اونٹ کے گوشت سے بہت نفع ہوا تھا تو آپ نے نذر کی تھی کہ اگر مجھے اس مرض سے شفا ہوگئی تو اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دونگا حالانکہ وہ آپ کو محبوب تھا کیونکہ مرض میں نافع ہوا تھا مگر آپ نے ترک مرغوب کی اس لئے نذر کی کہ ترک مرغوب خدا کو محبوب ہے تو اس قصہ کا ربط سابق سے جب ہی ہوگا کہ انفاق کو عام کیا جائے اور ترک مرغوب کو بھی انفاق میں داخل کیا جائے اور اگر انفاق کو مال کے ساتھ خاص کیا گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس قصہ کو لَن تَنَالُوا۟ ٱلۡبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا۟ مِمَّا تُحِبُّونَ ۝ سے ربط نہ ہوگا یعنی ربط ظاہر نہ ہوگا ورنہ ربط خفی ممکن ہے غرض بیضاوی اور قسطلانی کا قول دیکھ کر مجھے تعمیم انفاق کی ہمت ہوئی ورنہ اس سے پہلے اس خیال کے اظہار کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

مجاہدہ کا مقصود

مجاہدہ اس واسطے کیا جاتا ہے تاکہ ریا اختیاری کی مدافعت سہل ہو جائے۔ کیونکہ اس کا بار بار دفع کرنا قدرے دشوار ضرور ہے مجاہدہ سے یہ مشقت دفع ہو جاتی ہے۔ نیز وسوسہ ریا جو کہ مضر نہیں بعض دفعہ اعمال کے ساتھ مزاحمت کرتا ہے اور اس کے ساتھ عمل دشوار ہو جاتا ہے مجاہدہ سے وسوسہ ریا بھی ضعیف ہو جاتا ہے۔ بہرحال تم جن احوال غیر اختیاریہ کے طالب ہو ان کو چھوڑ دو ان کی طلب کو قطع کر دو یہ بھی لَن تَنَالُوا۟ ٱلۡبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا۟ مِمَّا تُحِبُّونَ ۝ میں داخل ہے کہ ان ہوسوں کو قطع کرو۔ لیکن مِمَّا تُحِبُّونَ ۝ کی ما اس قدر عام نہیں کہ سارے بچے اس کے اندر آ جائیں کہیں تم یہ کہنے لگو کہ ہم کو جنت کی بھی ہوس ہے ہم کو رضائے حق بھی مطلوب ہے تو کیا اس کو بھی قطع کر دیں۔ اس کا جواب میں قرآن ہی سے دیتا ہوں وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے مما تحبون فرمایا ہے۔ مما احب نہیں فرمایا اور جنت ورضائے حق تو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اس کا قطع کرنا مقصود نہیں۔ حاصل یہ ہوا کہ جو حالت تم کو محبوب ہو اور اللہ تعالیٰ کو من حیث المطلوبیت محبوب نہ ہو اس کی طلب قطع کرو

(c) ketabton.com: The Digital Library

اب اشکال نہ رہا دوسری قید یہ بھی ضروری ہے کہ یہ انفاق فی سبیل اللہ ہو کہ مطلق انفاق کافی نہیں یعنی احوال و کیفیات و ہو سات کی ترک طلب رضائے الٰہی کے واسطے ہو راحت نفس کے واسطے نہ ہو یعنی اپنے محبوب کو خدا کے محبوب پر فدا کرنا یہ ہے۔ انفاق مما تحبون ایک بات یہ بھی سمجھو کہ آیت سے کس قدر مفہوم ہوتا ہے جو چیز خرچ کرو اس کا محبوب ہونا تو ضرور ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ سب اشیاء میں احب ہو مگر حدیث ابو طلحہؓ سے ظاہراً شرط احبیت بھی مفہوم ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا تھا انی ارى الله تعالى يقول لن تنالوا البرا حتى تنفقوا مما تحبون و ان احب الاموال الى بيرحا الخ اس میں انہوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک محبوب! چیز خرچ نہ کرو گے اس وقت تک بر کامل حاصل نہ کر سکو گے اور مجھے سب سے زیادہ محبوب مال باغ بیر حا ہے تو گویا ان کی فہم میں بر کامل کا حصول احب اشیاء کے انفاق پر موقوف تھا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے فہم کی تقریر فرمائی اس سے احب الاشیاء کے انفاق پر حصول بر کا توقف پختہ ہو گیا اس غلطی میں بہت روز تک میں بھی رہا ہوں مگر پھر خدا نے ہدایت کی اور یہ سمجھ میں آیا کہ احب الاشیاء کے انفاق پر حصول بر موقوف نہیں کیونکہ نص مطلق ہے نص میں تو مما تحبون ہے احبیت کی قید نہیں اور حدیث میں جو حضرت ابو طلحہ کا قول وان احب الاموال الى بير حاء وارد ہے تو کسی دلیل سے اس کا مما تحبون کی تفسیر ہونا ثابت نہیں بلکہ حضرت ابو طلحہ نے از خود یہ ظاہر کرنا چاہا کہ گو حصول بر نفس محبوبیۃ شئے سے بھی حاصل ہو سکتی ہے مگر احب الاشیاء کا انفاق کرنا چاہتا ہوں غرض مطلق محبوب کے انفاق سے بھی بر حاصل کر لو گے خواہ حب ہو یا نہ ہو ہاں ردل خدل نہ ہو (افناء المحبوب)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّ لَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ اس میں تو یہ بتلایا گیا ہے کہ کفار کو اس مال سے کچھ نفع نہ ہو گا۔ اب اس کے مقابل مسلمانوں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کو اپنے اموال سے نفع حاصل ہو گا وہ یہ کہ مسلمانوں کو انفاق مال سے خیر کامل حاصل ہو گی مگر اس کے لئے کچھ شرائط ہیں غرض حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ کفار کے ذکر کے ساتھ مسلمانوں کا ذکر فرماتے ہیں اور بالعکس اور اسی معاملہ کے متعلق ذکر ہوتا ہے جس کے متعلق کفار کا ذکر تھا۔ اور ایک کے ساتھ قہر کا خطاب اور عین اسی موقع پر دوسرے کے ساتھ لطف کا خطاب فرماتے ہیں۔

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّ لَوِ افْتَدٰى بِهٖ (آل عمران آیت نمبر ۹۱)

ترجمہ: سوان میں سے کسی کا زمین بھر سونا بھی نہ لیا جائے گا اگر چہ وہ معاوضہ میں اسی کو دینا بھی چاہے۔

یہ آیت کفار کے بارے میں ہے مطلب یہ نہیں ہے کہ کافر سے اس کے جرم کے فدیہ میں تمام زمین بھر بھی سونا نہیں قبول کیا جائے گا اگر چہ وہ دینا چاہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قیامت میں ایسا ہو گا کہ کافر زمین بھر کر سونا دیگا مگر قبول نہ کیا جائے گا بلکہ یہی مطلب ہے کہ ایسا نہ ہو گا اور بالفرض ایسا ہوتا بھی تب بھی قبول نہ کیا جاتا اور کافر کو دوزخ ہی میں ڈالا جاتا۔ (جلاء القلوب)

امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر خصوصی انعامات

پس حسب قاعدہ مذکورہ ان کو تو فضیلت ذبح ولد کی حاصل ہو گئی۔ تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ دیکھنا چاہیے بیٹے کے ذبح

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرنے اور اللہ کی راہ میں نثار کرنے کا کتنا ثواب ہے تو قواعد شرعیہ سے یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ جس شئے کو خرچ کیا ہے وہ جس قدر زیادہ محبوب ہوگی اسی قدر زیادہ ثواب ہوتا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۃ (تم ہرگز بھلائی حاصل نہ کرسکو گے جب تک کہ اپنی محبوب چیز خرچ نہ کرو) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر زیادہ محبوب کا انفاق ہوگا اسی قدر بر حاصل ہوگی اگر کوئی کہے کہ اس آیت سے تو نفس بر کا حاصل ہونا معلوم ہوا فضیلت اس سے کیسے معلوم ہوئی جواب یہ ہے کہ بر سے مراد بر کامل ہے اور دلیل اسکی اگلی آیت ہے فرماتے ہیں۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ یعنی یوں جو بھی تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں یعنی اس کا ثواب دے ہی دیں گے تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ خواہ محبوب شئے خرچ کی جائے یا غیر محبوب ثواب تو ہر صورت میں ہوتا ہے اس لئے کہ شئے بیان ہے ما کا اور وہ عام ہے شامل ہے ہر قلیل وکثیر کو پس خلاصہ دونوں آیتوں کا یہ ہوا کہ نفس ثواب تو تم کو ہر شئے کے انفاق میں مل جائے گا لیکن بر خاص محبوب ہی کے انفاق میں ہے تو یہ اسلوب دال ہے اس پر کہ بر سے مراد ثواب کامل ہے پس وہ مدعا ثابت رہا کہ شئے منفق جس درجہ محبوب ہوگی اسی درجے کا ثواب زیادہ ہوگا پس جب یہ امر ثابت ہو چکا تو دیکھنا چاہیے کہ بیٹے سے آدمی کو کس قدر محبت ہوتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ بیٹے کے ساتھ اپنے نفس سے زیادہ محبت ہوتی ہے اپنے لئے جو کمال انسان کو محبوب ہوتا ہے وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ دوسرے کو ہو لیکن بیٹے کے لئے چاہتا ہے کہ ہر کمال میں مجھ سے بڑھ جائے۔ ان مقدمات سے ثابت ہوا کہ ابراہیم علیہم السلام نے وہ کام کیا کہ اس سے بڑھ کر ہو نہیں سکتا تو ظاہر ہے کہ اس کا ثواب نہایت ہی عظیم الشان ہوگا۔

اس کے بعد معلوم کرنا چاہیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اضحیہ کو سنت ابراہیم علیہ السلام فرمایا ہے حالانکہ جو عمل ابراہیم علیہ السلام نے کیا وہ اور ہے اور تضحیہ دوسرا عمل ہے ابراہیم علیہ السلام کا عمل ذبح ولد ہے اور تضحیہ ذبح حیوان ہے پھر اضحیہ سنت ابراہیمی کیسے ہوئی تو یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ ہم کو اضحیہ میں اسی قدر ثواب ملے جس قدر کہ ابراہیم علیہ السلام کو ذبح ولد میں ملا تھا۔ دونوں عملوں کی غایت کی اتحاد کی وجہ سے دونوں عمل کو ایک فرمایا گو عمل متغائر ہوں گویا یہ فرمایا اے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جانور کے ذبح میں وہی اجر ملے گا جو ابراہیم علیہ السلام کو ذبح ولد میں ملا تھا۔ دیکھئے کہ کس قدر فضیلت اضحیہ کی اس حدیث سے معلوم ہوئی اور ایک نکتہ اس سے اور معلوم ہوا وہ یہ کہ جب کوئی بادشاہ انعام تقسیم کرتا ہے جو لوگ زیادہ مقرب ہوتے ہیں اور مرتبہ ان کا زیادہ ہوتا ہے ان کو ان کے مرتبے کے موافق انعام ملا کرتا ہے پھر ان سے جو کم درجے کے ہیں ان کو اسی درجے کا انعام ملے گا مثلاً وزراء وارکان دولت کو بہت بڑا انعام ملے گا اور ادنیٰ ادنیٰ چپڑاسیوں اور خدام کو کم۔ پس حق تعالیٰ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ سب مخلوق سے زیادہ ہے اور انبیاء علیہم السلام میں ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے جلیل القدر ہیں کہ خلیل اللہ ہیں تو جو انعام ان کو دیا گیا ہوگا ظاہر ہے کہ بہت بڑا انعام ہوگا کہ باوجود اتحاد فعل کے بھی دوسرے شخص کو اتنا انعام نہ دیا جانا چاہیے یعنی اگر یہی فعل ذبح ولد کا دوسرا کرتا تو وہ اس قدر

(c) ketabton.com: The Digital Library

انعام پانے کا مستحق نہ سمجھا جاتا جس قدر کہ ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا ہے اور جہاں فعل بھی اس فعل سے ادنیٰ ہو وہاں تو اتنا ملنے کی گنجائش ہی نہیں مگر باوجود اس کے یہ عمل ہمارا ذبح ولد سے بدرجہا ادون ہے پھر وہی انعام ہمارے لئے تجویز ہوا ہے اللہ اکبر کتنا بڑا انعام ہے اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ برکت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لطف و کرم ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم بجز اسلام کے کسی حالت پر جان نہ دو۔

تفسیری نکات

حسب استطاعت تقویٰ اختیار کرو

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (اللہ تعالیٰ سے جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے خدا کی شان کے لائق تقویٰ کس سے ہوسکتا ہے تو آیت میں تکلیف مالا یطاق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تقاتہ سے مراد غایۃ ما تقدرون علیہ (جس قدر تم اس پر قادر ہو) ہے کہ جتنا تم کر سکتے ہو اتنا تقویٰ کرو۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے اور یہ بھی حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ دوسری جگہ اس مضمون کو ایک سہل عنوان سے بیان فرمایا کیونکہ ہم سے اپنی استطاعت کے موافق بھی عمل نہیں ہوتا تو فرماتے ہیں فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اللہ تعالیٰ سے ڈرو جتنی تم استطاعت رکھتے ہو) جس میں بجائے قدرت کے استطاعت کا لفظ وارد ہے اور استطاعت کہتے ہیں قدرۃ یسیرہ کو نہ قدرت ممکنہ کو بعض مفسرین نے دوسری آیت کو پہلی کے لئے ناسخ فرمایا ہے اس سے بعض طلبہ خوش ہو گئے ہوں گے کہ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ منسوخ ہو گیا چلو چھٹی ہوئی۔ ارے منسوخ تو وہ ہو جس میں نسخ کی قابلیت بھی ہو بھلا ایمان بھی کہیں منسوخ ہوا ہے اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اس شان کا امر ہے جیسے امنوا باللّٰہ (اللہ پر ایمان لاؤ) میں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی عظمت کا مقتضی یہی ہے کہ تقویٰ حق تقاتہ کیا جائے اور مقتضائے عظمت بدل نہیں سکتا بلکہ بات یہ ہے کہ صحابہ کے عرف میں لفظ نسخ بیان تبدیل کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ بیان تفسیر کو بھی نسخ کہتے ہیں پس قواعد شرعیہ سے اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ کا مطلب ہی یہ تھا کہ اپنی استطاعت کے موافق تقویٰ اختیار کرو یہ تو طالب علمانہ اشکال کا جواب تھا مگر افسوس یہ ہے کہ طلبہ تو صرف تفسیر میں پڑ گئے اشکالات اور جوابات حل کرنے کے درپے ہو گئے اصل مقصود پر نظر ہی نہیں کہ یہاں امر کس چیز کا ہے اور ہم کو کیا کرنا چاہیے (الدوام علی الاسلام)

مسلمان کون ہے؟

یہ کیا بات ہے کہ امر میں تو تقویٰ کا لفظ اختیار کیا گیا اور نہی میں اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ فرمایا گیا کہ مرتے وقت

(c) ketabton.com: The Digital Library

تک مسلمان رہنا۔ پس یہ صاف دلیل ہے کہ اتقوا اللہ اور مسلمون دونوں کا حاصل ایک ہی ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ مسلم وہ ہے کہ حق تقوی کو حاصل کر چکا ہو اور اسی پر قائم رہے ورنہ وہ مسلم کامل نہیں علی ہذا اسلام کامل حق تقوی ہے اور جب اسلام کامل یہ ہے تو اب دیکھئے کہ آپ میں یہ اسلام ہے یا نہیں سو اس کے لئے حق تقوی کی تفسیر کو دیکھ لیجئے اگر وہ حاصل ہے تو اسلام کامل حاصل ہے ورنہ نہیں تو مفسرین میں سے بعض نے تو اس کی تفسیر میں یہ لکھا ہے ان یطاع ولا یعصی اور بعض نے یہ لکھا ہے ان یشکروا ولا یکفروا اسی طرح اور بھی تفسیریں ہیں مگر ان میں کچھ تعارض نہیں سب کا اتباع مقصود ہے خلاصہ سب کا یہ ہے کہ اعمال اسلام کو کامل کر لیا جائے سو اس کا ایک جز واطاعت و ترک معصیت بھی ہے ایک جز وشکر و ترک کفر بھی ہے اور ان کی تخصیص بطور تمثیل کے ہے مقصود یہ ہے کہ سب اعمال کو جمع کرنا چاہیے۔ پس اسلام کامل تو یہ ہے مگر اس وقت لوگوں نے اسلام کی حقیقت کو دوسرے طور پر سمجھ رکھا ہے اہل سائنس نے دواؤں کا ست نکالا تھا مگر اس وقت کے عقلاء نے اسلام کا ست نکالا ہے کہ اپنے خیال کے موافق کچھ چیزیں اسلام میں داخل رکھ لیں کچھ چیزوں کو خارج کر دیا مگر صاحبو ست اس چیز کا نکلا کرتا ہے جس میں کوئی فضول جز و بھی ہو تو کیا آپ کے نزدیک اسلام میں کوئی فضول جزو بھی موجود ہے اگر کسی کا یہ خیال ہے تو اس سے تو خدا تعالیٰ پر اعتراض لازم آتا ہے۔ صاحبو! اسلام کا کوئی جزو بھی قابل ترک کے نہیں حتیٰ کہ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مرتبہ یہ خیال ہوا کہ اگر میں اونٹ کا گوشت نہ کھاؤں تو اسلام کے خلاف نہ ہوگا کیونکہ کچھ فرض نہیں اور توریت پر بھی عمل ہو جائے گا اس پر یہ آیت نہی شدومد کے ساتھ نازل ہوئی۔ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ الخ (اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ شیطان کے قدم بقدم مت چلو) خیال کیجئے کہ گوشت کھانا بھی کیا کوئی رکن اعظم تھا مگر اس کے ترک کو قربت سمجھنے پر کس قدر شدومد ہوا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا اتنا جزو بھی ترک کے قابل نہیں پھر ست کیسے نکل سکتا ہے اور ست اسلام کا اس طرح نکالا ہے کہ بعض نے تو صرف عقیدوں کو کافی سمجھا اور اعمال وغیرہ کی کچھ بھی ضرورت نہ سمجھی اگرچہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے عہدوں میں بھی انتخاب کیا ہے لیکن وہ بہت اقل و نادر ہیں مگر ہیں چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز کی ضرورت اب نہیں رہی یہ عرب کے واسطے مقرر ہوئی تھی کہ وہ نامہذب تھے اب متمدن ہیں ہم میں کوئی توحش کی شان باقی نہیں رہی لہٰذا (نعوذ باللہ) اس کو اسلام سے حذف کر دیا جائے۔ انا اللہ۔ اس مشورے کا سیدھا اور صحیح جواب یہ ہے کہ یہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔ افسوس ہے کہ لوگ آجکل اس جواب کی قدر نہیں کرتے اس کو عجز اور دفع الوقتی پر محمول کرتے ہیں اور علماء سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ قطع نظر حوالہ قرآن و حدیث سے ہر قانون کی لم بیان کرو۔ صاحبو! قوانین ظاہری جن میں بہت سے خلاف عقل عوام بھی ہیں ان کی لم کیوں نہیں تلاش کی جاتی۔ صرف وجہ یہ ہے کہ اس قانون کی وقعت دلوں میں ہے اور قانون اسلام کی وقعت نہیں ورنہ اگر اس کی بھی وقعت ہوتی تو ہرگز اس میں چون و چرا نہ کی جاتی بلکہ یہ کہا جاتا کہ

زبان تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو

(زبان کو ہر وقت تیرے ذکر سے تازہ رکھنا چاہیے تیرے کام کے لئے کوئی وجہ اور شرط نہ ہونی چاہیے) اور یہ شان ہوتی ہے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو　　جاں شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اگر تو زندگی بخشے تو یہ تیری مہربانی ہے اور تو موت دے تو ہم خود تجھ پر فدا ہیں میری جاں تیرے حوالہ ہے جو تیرے مرضی چاہے وہ کر میں ہر حالت میں راضی ہوں۔ (تکمیل الاسلام)

قدر استطاعت حصول تقوی کا حکم

جب آیت فَاتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ نازل ہوئی تو صحابہ یہ سمجھے کہ امر کا صیغہ اس میں فور کے واسطے ہے کہ اسی وقت اللہ سے ایسا درجہ تقوی کا حاصل کرلو۔ جو حق ہے اس کا اور قاعدہ تو یہی ہے کہ امر فور کے لئے نہیں ہوتا۔ لیکن گاہ گاہ قرائن سے فور بھی محتمل ہوتا ہے۔ پس صحابہ اسی احتمال سے کانپ اٹھے اس لئے کہ جو حق ہے تقوی کا وہ فوراً کیسے حاصل ہوسکتا ہے تو اس کے بعد یہ آیت فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ بطور اس کی تفسیر کے نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہوا کہ حق تقاتہ درجہ منتہی کا ہے اور اس مامور بہ کا حاصل کرنا علی الفور واجب نہیں ہے بلکہ بقدر استطاعت تقوی اختیار کرو اور بتدریج اسمیں جتنی جتنی ہو سکے ترقی کرتے رہو۔ حتی کہ جو تقوی مطلوب ہے اس پر جا پہنچو گے پس اس تقریر پر ان دونوں آیتوں میں نسخ اصطلاحی نہیں ہوا اور بعض روایات میں جو نسخ کا لفظ آیا ہے وہ بالمعنی المصطلح نہیں بلکہ بالمعنی الاعم ہے جو تفسیر مبہم کو بھی شامل ہے۔

تصوف کا حاصل کرنا فرض ہے

مولانا سے سوال کیا گیا کہ کیا تصوف حاصل کرنا فرض ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہاں ہر مسلمان کے لئے فرض ہے کیونکہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ کہ اللہ سے حق ڈرنے کا ڈرو اس کا دوسرا اصطلاحی نام تصوف ہے۔ صیغہ امر کا ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے اس پر بعض نے شبہ کیا ہے کہ یہ تو منسوخ ہے چنانچہ روایات میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ پر سخت گزری اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حق ڈرنے کا کون ڈر سکتا ہے یہ تو طاقت سے باہر ہے اس پر آیت نازل ہوئی کہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت پہلی کے لئے ناسخ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ اس سے منسوخ ہونا حسب اصطلاح اہل اصول کے لازم نہیں آتا کیونکہ سلف کی اصطلاح میں لفظ نسخ کا اطلاق مطلق تغیر پر آتا ہے گو وہ بیان تفسیر ہی ہو چنانچہ یہاں بیان بھی یہی ہے کہ ظاہراً اتقوا اللّٰہ حق تقاتہ سے فور مستفاد ہوتا تھا اور یہی صحابہؓ پر شاق ہوا۔ اس کی تفسیر کے لئے دوسری آیت نازل ہوئی۔ یعنی حسب استطاعت اس کا اہتمام رکھو فی الفور تحصیل درجہ کمال کا مامور نہیں۔

کامل تقوی کیلئے حسب استطاعت کوشش کا حکم

فرمایا کہ ایک جگہ تو اللہ کا ارشاد ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ اور دوسری جگہ ارشاد ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ عموماً مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ دوسری آیت پہلے کی ناسخ ہے لیکن قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر مظہری میں ان آیتوں کی عجیب تفسیر لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ دوسری آیت میں پہلی آیت کے حکم کی توضیح ہے نہ کہ نسخ۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

چونکہ اس میں امر کا صیغہ اختیار فرمایا گیا تھا اور امر گو اپنی حقیقت میں عموماً فور کو متقضی نہیں ہوتا لیکن محاورات میں متبادر فور ہی ہوتا ہے اس لئے صحابہ غایت خشیت سے یہی سمجھے کہ حق تقوی اختیار کرنے کا جو حکم ہے وہ فوری ہے اور فوری طور پر حق تقوی اختیار کر لینا استطاعت سے باہر تھا لہٰذا اس آیت کو سن کر گھبرا گئے کہ فوراً اس درجہ کا تقوی کیونکر اختیار کر سکیں گے۔ اس پر دوسری آیت نازل ہوئی جس میں یہ تفسیر کر دی گئی کہ کامل تقوی اختیار کرنے کا فوری حکم نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حسب استطاعت کوشش کرو اور رفتہ رفتہ کامل تقوی اختیار کر لو۔ رہا روایات میں اس کو نسخ کہنا سو نسخ متقدمین کی اصطلاح میں عام ہے رفع حکم و توضیح حکم کو یعنی صرف رفع حکم ہی کو نسخ نہیں کہتے بلکہ توضیح حکم کو بھی نسخ ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جانیں نہ دینا۔

اسلام کی حقیقت

یہ ایک آیت کا ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ خدا تعالیٰ نے ایمان والوں کو خطاب کیا ہے دو چیزوں کا جن میں سے ایک امر ہے اور دوسرا نہی ہے۔ امر یہ ہے کہ خدا سے ڈرو اور نہی یہ کہ بجز اسلام کے کسی حالت پر مت مرو۔

یہاں چند امور قابل غور ہیں ایک یہ کہ یہ خطاب جو ایمان والوں کو ہے تو اس سے یہ مقصود نہیں کہ دوسرے لوگ نہ ڈریں بلکہ اوروں کو خطاب اس لئے نہیں کیا کہ یہ خطاب ان کے لئے قبل از وقت تھا اور اسی سے فیصلہ ہو جائے گا کہ کفار جزئیات کے مخاطب ہیں یا نہیں سو قبل از وقت وہ مخاطب جزئیات کے نہیں ہیں البتہ جب وہ اس زمرے میں داخل ہو جائیں اس وقت وہ بھی مخاطب ہیں۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کالج میں ایک کورس بنایا گیا اور یہ خطاب کر کے اس کو پیش کیا گیا کہ اے طالب علمو! اس کو سیکھو۔ تو یہاں جو خاص طالب علموں کو خطاب ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اوروں سے سیکھنے کا مطالبہ نہیں کیونکہ یہ پرنسپل اوروں کو بھی کالج میں داخل ہو کر طالب علمی کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔ تو مطلوب ہر ایک سے ہوا لیکن جو شخص ہنوز کالج کا طالب نہیں بنا اس کو یہ خطاب قبل از وقت ہے اس کو یہ کہیں گے کہ تم طالب علم ہو جاؤ۔ اس کے بعد وہ نام لکھ لے گا تو اس کو یہ خطاب کیا جائے گا تم فلاں کورس سیکھو۔

اسی طرح کلام مجید کے اس خاص خطاب کا یہ مطلب نہیں کہ غیر اہل اسلام سے تقوی مطلوب نہیں۔ لیکن ان کو یہ خطاب کرنا قبل از وقت ہے ان سے اول یہ کہا جائے گا کہ تم ایمان لے آؤ۔ اس کے بعد تقوی کا حکم کیا جائے گا اور اگر کہیں قرآن میں خطاب عام سے اتقوا فرمایا ہے تو وہاں اتقوا سے آمنوا مراد ہے کیونکہ ایمان بھی تقوی کا ادنیٰ درجہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں ایک بات کا تو امر فرمایا ہے اور ایک سے نہی چنانچہ ترجمے سے ظاہر ہے۔ اس کا قائل ہونا ممکن نہیں کہ مضامین میں ارتباط نہیں اور یہ تو ایک ہی آیت کے دو جملے ہیں۔ خود آیتوں میں بھی اس کا قائل ہونا صحیح نہیں کیونکہ اگر آیتوں میں نہ ہوتی۔ تو ترتیب تلاوت کی ترتیب نزول کے خلاف رکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ نازل تو کہیں ہوئی اور رکھی گئی کسی دوسری جگہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ مناسب مضامین کے لحاظ سے ترتیب مقرر ہوئی ہے اور جب آیتوں میں ارتباط

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے تو اجزائے آیات میں علی سبیل الاولیت ارتباط ہوگا اور جب یہ ہے تو بظاہر امر و نہی دونوں میں عنوان ایک ہونا چاہیے تھا۔ یہ کیا بات ہے کہ امر میں تقوی کا لفظ اختیار کیا گیا اور نہی میں اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ مگر در آں حالیکہ تم مسلمان ہو۔ فرمایا گیا ہے مرتے وقت تک مسلمان رہنا اور ربط کا ہونا ضروری ہے پس یہ صاف دلیل ہے اس کی کہ اتقوا اللّٰہ اور مسلمون دونوں کا حاصل ایک ہی ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ مسلم وہ ہے کہ حق تقوی کو حاصل کر چکا ہو اور اسی پر قائم رہے ورنہ وہ مسلم کامل نہیں علی ہٰذا اسلام کامل حق تقوے ہے اور جب اسلام کامل یہ ہے تو اب دیکھئے کہ آپ میں یہ اسلام ہے یا نہیں۔ اس کے لئے حق تقوی کی تفسیر کو دیکھ لیجئے اگر وہ حاصل ہے تو اسلام کامل حاصل ورنہ نہیں۔ تو مفسرین میں سے بعض نے تو اس کی تفسیر میں یہ لکھا ہے ان یطاع ولا یعصیٰ یہ کہ اطاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے اور بعض کے لکھا ہے ان یشکروا ولا یکفر شکر کیا جائے اور ناشکری نہ کی جائے۔ اسی طرح اور بھی تفسیریں ہیں مگر ان میں کچھ تعارض نہیں۔ سب کا اجتماع مقصود ہے۔

شان نزول

یہ آیتیں ہر چند کہ ایک خاص قصہ میں نازل ہوئی ہیں مگر مقصود اسی قصہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ حق تعالیٰ نے ان میں ہم کو ایک دستور العمل بتلایا ہے تا کہ پھر ایسے قصے رونما نہ ہوں اور دیگر آفات سے بھی محفوظ رہیں۔ قصہ یہ ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے آپ کے دو خاندانوں میں جن کا نام اوس وخزرج ہے سخت عداوت تھی۔ جب مدینہ والے مسلمان ہو گئے تو یہ عداوت اتحاد سے اور وہ بغض ونفرت دوستی اور محبت سے مبدل ہو گئی اور جب سیدنا رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اس وقت تو یہ اتحاد اور بھی زیادہ مستحکم ہو گیا اور یہ اتحاد یہود کو بہت ناگوار گزرا اور ایک یہودی نے جو اوس وخزرج دونوں قبیلوں کے آدمیوں کو ایک جلسہ میں باہم شیر وشکر دیکھا تو حسد سے جل مرا اور اس نے ایک شخص کو اس کام پر مقرر کیا کہ اوس وخزرج میں جو وقائع وحروب ہوئے ہیں اور ان کے متعلق ہر قبیلے کے شعراء نے جو اشعار کہے ہیں وہ اشعار انصار کی مجلسوں میں پڑھ دے چنانچہ اس میں وہ کسی قدر کامیاب ہو گیا کہ اشعار کا پڑھنا تھا فوراً ایک آگ سی بھڑک اٹھی اور آپس میں تو تو میں میں ہونے لگی یہاں تک کہ لڑائی کا موقع اور وقت بھی مقرر ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جو اطلاع ہوئی آپ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا یہ کیا اندھیر ہے کہ میرے سامنے ہی کہ میں تمہارے اندر زندہ موجود ہوں پھر مسلمان ہو جانے اور باہم متفق ومتحد ہو جانے کے بعد یہ واہیات حرکت۔ کیا تم اسلام کے بعد پھر اسی حالت کفر کی طرف عود کرنا چاہتے ہو۔ حضور ﷺ کے ارشاد سے سب کو تنبہ ہوا اور سمجھے کہ یہ شیطانی حرکت تھی اور ایک دوسرے کے گلے لگ کر بہت روئے اور توبہ کی جس سے حاسدین کی کوشش اکارت گئی۔ وَاَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَخۡسَرِيۡنَ (ان لوگوں نے ان کے ساتھ برائی کرنا چاہا تھا سو ہم نے ان ہی لوگوں کو ناکام کر دیا) کیونکہ اب پہلے سے بھی زیادہ اتحاد ہو گیا اور صحابہ کو معلوم ہو گیا کہ نفسانیت کی بناء پر باہم قتال وجدال عملی کفر ہے اس لئے ہمیشہ کے واسطے اس کا دروازہ بند ہو گیا۔ جس سے دشمنوں کی تدابیر الٹی ہو گئیں اور صحابہ میں پہلے سے بھی زیادہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

محبت والفت قائم ہوگئی مصلین کو بھی بعض دفعہ دھوکہ ہو جاتا ہے کہ وہ ایک کام کرتے ہیں اہل حق کو ضرر پہنچانے کے لئے اوراس کا انجام خیر ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ شیطان کو بھی جو رئیس المضلین ہے دھوکہ ہو جاتا ہے کہ وہ بندہ سے ایک معصیت کرانا چاہتا ہے تاکہ خدائے تعالیٰ سے اس کو بعد ہو جائے مگر اس کو پہلے سے بھی زیادہ قرب بڑھ جاتا ہے بعض دفعہ تو اس طرح کہ وہ گناہ کا ارادہ کر کے پھر خدا کے خوف سے رک جاتا ہے اور بعض دفعہ گناہ کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہے مگر اس کے بعد ندامت اس درجہ غالب ہوتی ہے کہ بندہ روتے روتے ہلاکت کے قریب ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کو یہ عجز و نیاز پسند ہے وہ اس کو پہلے سے بھی زیادہ مقرب بنا لیتے ہیں پھر یہ شخص آئندہ کو اس گناہ کے وہ دروازے بالکل بند کر دیتا ہے جن کی وجہ سے شیطان کے دھوکہ میں آیا تھا غرض شیاطین الانس والجن دونوں کو بعض دفعہ دھوکہ ہو جاتا ہے جیسا کہ اس یہودی کو ہوا جس نے اوس وخزرج میں نفاق وشقاق ڈالنا چاہا تھا اگر اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ میری سعی کا انجام یہ ہوگا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوشش کو صرف اسی واقعہ میں ناکام نہیں کیا بلکہ آئندہ کا بھی انتظام فرما دیا اور جدال وقتال کے دروازے بالکل بند کر دیئے چنانچہ اس سے پہلے جو آیات ہیں ان میں اول تو اہل کتاب پر ملامت ہے جنہوں نے یہ کارروائی کی تھی اور یہ ملامت بڑی بلاغت سے کی گئی اس فعل پر ملامت کرنے سے پہلے ان کو کفر پر ملامت کی گئی جس کا حاصل یہ ہوا کہ چاہئے تو یہ تھا کہ تم خود بھی مسلمان ہو جاتے نہ یہ کہ الٹا دوسروں کے گمراہ کرنے کی فکر میں لگ رہے ہو پھر مسلمانوں کو خطاب اور فہمائش ہے کہ اہل کتاب کو تمہارا اتحاد و اتفاق جو ذریعہ ہے دین ودنیا کی ترقی کا سخت ناگوار ہے وہ تم کو آپس میں لڑانا چاہتے ہیں اور اگر تم ان کا کہنا مانو گے تو وہ تم کو ایمان کے بعد کافر بنا دیں گے (اور دشمنوں کے فریق میں آ کر اپنا نقصان کرنا اور ان کا دل خوش کرنا سخت جہالت وحماقت ہے۔ اس سے پہلے ارشاد ہے وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ھُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور بھلا تم کیسے کفر کر سکتے ہو حالانکہ اسباب مانعہ عن الکفر (کفر سے روکنے والے اسباب) پورے طور پر جمع ہیں کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں او(پھر) تم میں اللہ کے رسول ﷺ بھی موجود ہیں اور یہ دونوں قوی ذرائع ہیں ایمان پر قائم رہنے کے پس تم کو چاہیے کہ کتاب اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیم کے موافق ایمان پر اور ایمان کی باتوں پر قائم رہو اور (یاد رکھو کہ) جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑتا ہے (یعنی اس کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے مخالف کی اطاعت نہیں کرتا) تو ایسا شخص ضرور راہ راست کی طرف مائل کیا جاتا ہے (الدوام علی الاسلام)

اس آیت میں کفر سے مراد معنی عام ہیں، جو کفر اعتقادی وعملی دونوں کو شامل ہے اور قتال وجدال کفر عملی ہے کیونکہ فعل قریب کفر ہے اس سے نااتفاقی پیدا ہوتی ہے جو گناہ بھی ہے اور قوت وترقی کی زائل کرنے والی بھی پر ان بکھیڑوں میں پڑ کر دین حق سے بعد ہو جاتا ہے۔ نااتفاقی میں ہر شخص دوسرے کو زک دینے کے لئے ہر ممکن سے ممکن تدبیر کو کام میں لاتا ہے خواہ جائز ہو یا ناجائز۔ انسانیت سے قریب ہو یا بعید۔

اسی واسطے حدیث میں فساد ذات البین کو حالق فرمایا ہے کہ یہ مونڈنے والی چیز ہے پھر حضور ﷺ نے اس کی تشریح

(c) ketabton.com: The Digital Library

بھی خود ہی فرمائی۔ لااقول تحلق الشعر بل تحلق الدین میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ دین کو مونڈتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب مسلمان کو دین سے بعد ہوگا تو کفر سے قرب ہوگا (اور قاعدہ عقلیہ ہے القریب من الشیء یاخذ حکمہ کہ جو جس سے قریب ہوا اسی کا حکم لے لیتا ہے اسی وجہ سے فقہاء نے اقرب الی القعود (بیٹھنے کی طرف قریب تر) کو قاعد اور اقرب الی القیام (کھڑے ہونے کے قریب) کو قائم اور غالب الغش (کھوٹ غالب) کو مغشوش اور غالب الفضہ (چاندی غالب) کو فضہ (چاندی) فرمایا ہے۔ اس قاعدہ سے فعل قریب من الکفر (قریب کفر کے) کو کفر کہنا اور اس کے مرتکب کو عملاً کافر کہنا صحیح ہے کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے قتال وشقاق کو تکفرون سے تعبیر فرمایا ہے یہ استعمال محاورات کے موافق ہے حقیقت پر محمول نہیں۔ خوارج ومعتزلہ کی جہالت ہے کہ انہوں نے محاورات کی تدقیق پر محمول کرنا شروع کر دیا اس لئے متکلمین کو علم کلام مدون کرنے کی ضرورت ہوئی اور یہاں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ آج کل جو ہم لوگوں میں یعنی مسلمانوں میں نااتفاقی ہے دیکھ لیا جائے کہ یہ کیسی سخت حالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ حضرات صحابہ اس کو سن کر چونکے اور اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے ان کو دستور العمل بتلایا کہ خیر جو ہو چکا ہو چکا گزشتہ تو گذشت ہوا آئندہ کا بندوبست کرو تا کہ پھر اس معصیت کا خطرہ نہ رہے۔ چنانچہ اول تقوی اور اسلام پر مداومت کا امر ہے پھر اعتصام بحبل اللہ کا امر ہے پھر ارشاد ہے وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (اور تم پر جو اللہ کا انعام ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم خدا کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے) جس میں نعمت اتفاق کے یاد کرنے کا حکم ہے کہ اس نعمت کو اور اس کی برکات کو یاد کرو اور موازنہ کرو کہ تمہاری پہلے کیا حالت تھی اور اس کا نتیجہ کیا وخیم تھا اور اتفاق کے بعد کیا حالت ہوگئی اور اس کا انجام نعیم مقیم ہے۔

اسلام کا مفہوم

اسلام کے معنی لغت میں سپرد کرنے کے ہیں جس کو تسلیم بھی کہتے ہیں جس کو صوفیہ نے تفویض سے تعبیر کیا ہے۔ یہی اسلام کی حقیقت ہے مگر اب لفظ اسلام سے اس کی طرف ذہن ہی نہیں جاتا قرآن میں کہیں اسلام کا ذکر مجملاً ہے کہیں مفصل ہے اور مفصل بمعنی تفویض ہی ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ الایہ (جو شخص بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو) دوسری جگہ ہے وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (اور ایسے شخص سے اچھا زیادہ کس کا دین ہوگا جو کہ اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ شخص مخلص بھی ہو اور ملت ابراہیم کا اتباع کرے جس میں کجی کا نام نہیں)

اور ایک جگہ ہے وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا) یہاں اسلام وجہ کے ساتھ اتباع ملت ابراہیم کا بھی ذکر ہے اور اس کو دوسری جگہ اس طرح بیان فرمایا ہے وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝۔ اور ملت ابراہیم سے وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات سے احمق ہو اور ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کیا اور وہ آخرت میں بڑے لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں جبکہ ان کے پروردگار نے ان سے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی جس سے معلوم ہوا کہ ملت ابراہیم بھی اسلام وجہ رب العالمین ہے کہ اپنے کو خدا کے سپرد کرے جس کو ایک مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا (میں یکسو ہو کر اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں) سے بیان فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن میں اسلام کی تفسیر اسلام وجہ ہے جس کے پورے معنی نماز روزہ کے نہیں ہیں بلکہ اسلام وجہ بمعنی تفویض ہے یعنی اپنی ذات کو خدا کے سپرد کر دینا اور اپنے کو ہر تصرف الٰہی کے لئے آمادہ کر دینا کہ وہ جو چاہیں کریں جو چاہیں حکم دیں سب منظور ہے نماز روزہ بھی اس تفویض کا ایک فرد ہے لیکن عین نہیں اگر قرآن میں اسلام کا استعمال اطلاق ہی کے ساتھ ہوتا اور اس کے ساتھ وجہ اللہ یا وجھہ الی اللہ مذکور نہ ہوتا تو یہ بھی احتمال تھا کہ اسلام بمعنی اطاعت ہے مگر ان قیود کے ساتھ اطاعت کے معنی نہیں بنتے بلکہ تفویض ہی کے معنی مستقیم ہوتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ آیات میں بعض بعض کی مفسر ہوتی ہیں تو اب جہاں اسلام بلا قید مذکور ہے وہاں بھی مقید ہی مراد ہے۔ جیسے احادیث میں علم کے فضائل بلا قید مذکور ہیں حالانکہ علم مصدر ہے جس کے لئے قید کی ضرورت ہے خواہ بصورت مفعول ہو یا مضاف الیہ اس لئے لفظ کے اطلاق سے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ فضائل مطلق علم کے ہیں بلکہ یقینی بات ہے کہ علم سے علم دین مراد ہے ایسے ہی نصوص میں اسلام سے اسلام وجہ مراد ہے یعنی تفویض یہی وہ چیز ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کمالات وفضائل ہیں جابجا حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

پس ان آیات میں اصل مقصود وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (بجز اسلام کے اور کسی حالت میں جان مت دو) ہے اور اتَّقُوا اللّٰهَ (اللہ سے ڈرو) وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ (اللہ کے انعام کو یاد کرو) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو مضبوط پکڑو) یہ سب اسی کے لقب ہیں۔ اس لئے میں نے اس بیان کا نام الدوام علی الاسلام والاعتصام بالانعام تجویز کیا ہے جس میں اصل مقصود کے ساتھ اس کے دوسرے عنوانات پر بھی دلالت ہے جیسے مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی کا سجع میں نے کہا تھا ثاقب از لطف محمد اسحاق جس کا ترجمہ تو یہ ہے کہ اسحاق علیہ السلام محمد ﷺ کے لطف سے روشن ہوئے ہیں مگر اس میں لطیفہ یہ بھی ہے کہ اس مصرع میں مولوی محمد اسحاق صاحب اور ان کے والد کا اور دادا کا نام بھی آ گیا ہے کیونکہ ان کے والد کا نام لطف اللہ یا لطف الہدیٰ تھا اور دادا کا محمد ثاقب ایسے ہی اس وعظ کے نام میں اسلام بھی ہے اور اعتصام بھی ہے اور نعمت پر بھی دلالت ہے جس سے وہ تمام عنوانات جمع ہو گئے جو اس آیت میں اختیار کئے گئے ہیں بہر حال اس جگہ اول تو اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (تو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) فرمایا گیا ہے۔ جس میں تفویض کی کسی قدر تفصیل ہے پھر وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (اور تم اسلام کے سوا کسی حالت میں جان مت دو)

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں مجملاً تفویض کا ذکر ہے اس کے بعد پھر تفصیل ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ - وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (اللہ کے سلسلہ کو مضبوط پکڑو اور اللہ کے نام کو یاد کرو) میں کیونکہ مقصود کی علامت یہی ہے کہ اس کا ذکر شروع میں بھی ہو۔ درمیان میں بھی ہو تو یہاں اول ترکیب ہے پھر جمع ہے۔ پھر تحلیل ہے۔ جس کا لطف اہل علم کو خاص طور سے حاصل ہوگا۔

موت کے وقت تفویض کامل کا حکم

بہرحال یہاں مراد دادموا علی الاسلام (اسلام پر مداومت کرو) ہے مگر اس کو لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (اسلام کے علاوہ اور کسی حالت میں جان مت دو) کے عنوان سے اس لئے ظاہر کیا گیا کہ دوا موا علی الاسلام (اسلام پر مداومت کرو) کو سن کر عشاق پر مصیبت آ جاتی کہ حکم تو دوام علی التفویض کا ہے اور ہم سے اس میں کوتاہی ہوتی ہے تو اس عنوان میں ان کی تسلی کر دی گئی کہ اگر موت کے وقت بھی تفویض کامل ہو جائے تو کافی ہے۔ عوام تو اس کو سن کر بے فکر ہو گئے ہوں گے کہ بس مرتے ہوئے تفویض کامل حاصل کر لیں گے۔ ارے اس کے ساتھ یہ مقدمہ بھی تو ملاؤ کہ مرتے وقت تفویض کلی عادۃً اسی کو حاصل ہوتی ہے جو زندگی بھر اس میں مشغول رہا ہو۔ ورنہ موت کا وقت تو سخت نازک ہے۔ وہ تحصیل نسبت (طے مقامات وتکمیل تفویض کا وقت تھوڑا ہی ہے کہ اسی وقت کام شروع کرو اور اسی وقت حاصل بھی کر لو اور یوں خلاف عادت حق تعالیٰ جو چاہیں کر دیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام وآدم علیہ السلام وحوا علیہا السلام کو بدوں ماں باپ کے بنا دیا' ورنہ عادت یہی ہے کہ بدوں مرد وعورت کے مباشرت کے بچہ پیدا نہیں ہوتا اسی طرح عادۃً مرتے ہوئے انہی کو مقامات حاصل ہوتے ہیں جو زندگی بھر انہی کی فکر میں لگے رہے تھے (الدوام علی الاسلام)

اتفاق کی حقیقت

حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا (ترجمہ: اس کا یہ ہے کہ تم سب لوگ مل کر دین اللہ کے ساتھ تمسک کرو) اور سب کے سب دین پر قائم رہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود دین ہے۔ اتفاق بھی وہی مطلوب ہے جو تمسک بالدین کے ساتھ ہو۔

آج کے عقلاء نے صرف اتفاق کا نام سن لیا ہے اور اس کی رٹ میں دن رات مصروف رہتے ہیں تو ان کے نزدیک اتفاق کے معنی صرف یہ ہیں کہ ایک شخص دوسرے کے ہم خیال ہو جائے کہ جو شخص حق کو چھوڑ کر باطل پرست کے ساتھ ہو جائے وہ بھی اتفاق سمجھا جاتا ہے حالانکہ کوئی صحیح العقل اس کا طالب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کا اتفاق برادری کا اتفاق ہے۔ مثلاً ناچ برابر کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ برا بھی سمجھتے ہیں اگر منع کرو تو کہتے ہیں کیا کریں برادری تو نہیں بگاڑی جاتی۔ خلاف وضع کیسے کریں بزرگوں کا طریقہ چلا آ رہا ہے تو ایک اتفاق یہ بھی ہے۔

قرآن پاک نے فیصلہ کر دیا کہ اتفاق مطلقاً مطلوب نہیں بلکہ اتفاق کے خاص فرد کی طلب ہے یعنی باطل کے ساتھ نہ ہو اور عکس کی صورت مطرود ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ عز اسمہ نے اجتمعوا نہیں فرمایا بلکہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا فرمایا کہ وہ اتفاق مطلوب ہے جس میں زمام دین ہاتھ سے نہ چھوٹے اور اس کی پوری توضیح مثالوں سے ہو جاتی ہے مثلاً دو سلطنتوں میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

جنگ ہو اور بازار گرم ہو۔ اب خواہان قوم کیا اتفاق اتفاق وہاں بھی پکاریں گے اور اتفاق کی صورت یہ تجویز کریں گے کہ ایک سلطنت بلا کسی ترجیح کے اپنی حکومت سے دستبردار ہو جائے اور دوسری سلطنت بانیل مرام واپس پھرے تو کیا یہ اتفاق ہے؟

یا ایک ظالم شخص ایک مظلوم سے لڑنے لگے۔ اب یہاں اتفاق کی صورت ایک یہ بھی ہے کہ مظلوم محض ساکت کھڑا پٹتا رہے تاکہ اتفاق ہاتھ سے نہ جائے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ اتفاق نہیں بلکہ اتفاق مطلوب کے معنی یہ ہیں کہ ظالم اس فعل شنیع سے باز رہے اور مظلوم کے ساتھ اتفاق کرے۔ نہ کہ مظلوم بیچارہ مصیبت میں مبتلا رہے۔

ان سب باتوں سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ مطلق اتفاق مطلوب نہیں بلکہ مطلوب و مرغوب فیہ وہی اتفاق ہے جس میں ناحق کو حق کے تابع کیا جائے نہ کہ بالعکس۔ لہٰذا یہ عنوان کہ آپس میں اتفاق سے رہو نہایت یہ مہمل عنوان ہے اول تعیین حق کی ضرورت ہے اس کے بعد جو ناحق پر ہو اس سے فہمائش کی جائے کہ اہل حق کے ساتھ متفق ہو کر رہے نہ کہ علی الاطلاق اتفاق اتفاق پکارنا شروع کر دیا۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا۔ سبحان اللہ! کیا قرآن پاک کی بلاغت ہے اوپر تو خود تفرق سے نفی فرمائی اب یہاں ارشاد ہے کہ تفرق کی مشابہت بھی نہ کرو کیونکہ مشابہت کرنے سے تم متفرقین کی طرح بن جاؤ گے چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے من تشبہ بقوم فھو منھم گو بعض لوگوں نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے لیکن آیت تو ضعیف نہیں۔ خوب سمجھ لو۔ آیت کے معنی یہ ہو گئے کہ لاتکونوا کالکفار کیونکہ الذین تفرقوا کا مصداق کفار ہی ہیں اور یہ ممانعت اعمال میں تھی جو ہر وقت مشاہد بھی نہیں اور جو امور ہر وقت مشاہد بھی ہیں (اور جو امور ہر وقت ظاہر رہتے ہیں) جیسے لباس وغیرہ اوران میں مشابہت کیسے جائز ہو سکتی ہے۔

آیت میں اجتمعوا کا لفظ نہیں فرمایا بلکہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ فرمایا جیسے کے پہلے علوم ہو چکا ہے کہ مطلق اجتماع مراد نہیں بلکہ وہ اجتماع جس میں دین اللہ فوت ہوتا ہو اس کو دور ہی سے سلام کرنا چاہیے اگرچہ ساری قوم کے خلاف وضع اختیار کرنی پڑے مگر دین اللہ سے ہرگز منہ نہ موڑے۔

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾

ترجمہ: اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

تفسیری نکات

ہر شخص امر بالمعروف کرنے کا اہل نہیں

ایک صاحب نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ ایک حافظ صاحب مسجد میں باتیں بہت کیا کرتے تھے میں نے ان سے کہا کہ آپ مسجد میں باتیں نہ کیا کریں کیا آپ کو اپنے حافظ ہونے پر گھمنڈ ہے اس پر وہ حافظ صاحب بیٹھے رہے اور دو دن تک

(c) ketabton.com: The Digital Library

مسجد میں نہیں آئے مولانا نے فرمایا کہ ان کے بیٹھے رہنے کا گناہ آپ پر بھی ہوا پھر فرمایا کہ بعض مفسرین نے جو لکھا ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ میں کہ من تبعیضیہ ہے یہ مجھ کو بہت پسند آتا ہے کیونکہ امر واقعی یہ ہے کہ ہر شخص کو امر بالمعروف کا سلیقہ نہیں ہوتا اور اسی واسطے ہر شخص کا کہنا گوارا نہیں ہوتا (اشرف المقالات)

انتظام شریعت

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ یعنی ایک جماعت تم میں سے ایسی ہونی چاہیے جو داعی الی الخیر ہو۔ یعنی جو دین کی بقا میں کوشاں ہو اور شرعی امور اور دینی معاملات کا انتظام کرے اور امة منکم اس لئے فرمایا کہ اگر سب یہی کرنے لگیں تو کھیتی کون کرے گا اور نوکری تجارت وغیرہ کون کرے گا۔ یہ شریعت کا انتظام ہے کہ زراعت تجارت وغیرہ کو فرض کفایہ کیا ہے۔ اگر سب چھوڑ دیں تو سب کے سب گنہگار ہوں کیونکہ مجموعہ کو اسباب معیشت کی بھی حاجت ہے ورنہ سب ہلاک ہو جائیں اور نہ دین رہے نہ دنیا اور جو لوگ تارک اسباب ہیں ان کی جمعیت وتوکل بھی مباشرین اسباب ہی کی بدولت ہے گو ان احاد کی تعیین نہیں مگر مجموعہ میں ایسے احاد کا ہونا ضروری ہے خصوصاً ہم جیسے ضعفاء کے لئے تو اگر ظاہری سامان نہ ہو تو تشویش سے دین ہی میں خلل پڑنے لگے۔

حاصل یہ ہے کہ دنیا سے سب کو تعلق ہے کوئی سگا ہے کوئی سوتیلا اور مطلق مذموم بھی نہیں کیونکہ دنیا مطلقاً بری نہیں ہے بلکہ دنیا جو معصیت ہے صرف وہ بری ہے۔ اس لئے باری تعالیٰ نے ولتکن فرمایا کونوا نہیں فرمایا۔ جیسا کہ اوپر وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا فرمایا۔ اس لئے مقصود تو یہ کہ دین تو سب میں ہو لیکن ایک ایسی ہی جماعت ہو جو مولویت ہی کا کام کریں اور کچھ دوسرا کام نہ کریں۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ۔ لفظ منکم سے معلوم ہوتا ہے کہ سب اس کام کے لائق نہیں ہیں اور یہ تجربہ ہے کہ جو لوگ اس کے اہل نہیں سمجھے جاتے۔ ان کا کہنا لوگوں کو ناگوار گزرتا ہے اور جو لوگ اہل ہیں ان کا کہنا چنداں گراں نہیں گزرتا۔ نیز علماء جو کچھ کہتے ہیں تہذیب سے اور شائستگی سے کہتے ہیں۔ غرض یہ طعن وتشنیع کا شیوہ مناسب نہیں ہے اپنے کام میں لگے رہو اگر کوئی برا ہو تم اس پر ترحم کرو اور اس کے لئے دعا کرو۔

تبلیغ کا ایک درجہ سب کے ذمہ ہے

اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ تو یوں فرمایا وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ کہ اے مسلمانو! تمہارے اندر ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے۔ یہاں تو دعوت کو ایک جماعت کے ساتھ خاص فرمایا اور اس کے بعد ارشاد ہے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ کہ اے مسلمانو! تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے ظاہر کئے گئے ہو۔ تم نیک کاموں کا حکم کرتے ہو برے کاموں سے روکتے ہو۔

یہاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو سب کے لئے عام کیا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ایک درجہ ایسا بھی ہے جو سب کے ذمہ ہے اور علماء کے ساتھ خاص نہیں۔ (آداب تبلیغ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اہل علم کی شان

جن کو اس آیت میں فرماتے ہیں وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں) اس آیت میں یدعون (بلاویں) کا مفعول ذکر نہیں فرمایا یہ ذکر نہ کرنا مشیر (اشارہ کرنے والا) ہے اس کے عموم کی طرف مطلب یہ ہے کہ یدعون الناس یعنی عام لوگوں کو خیر کی طرف بلاویں تو یہ شان اہل علم کی ہے یعنی ان لوگوں کی جنہوں نے سب علوم کا بقدر ضرورت احاطہ کیا اور فرض یہ بھی ہے مگر فرض علی الکفایہ ہے۔ کہ امت میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہونا چاہئیں کہ جن سے عوام امت کا کام چلے اسی لئے محققین نے من کو اس آیت سے تبعیضیہ کہا ہے یعنی تم میں بعض ایسے ہونے چاہئیں۔

دعوت عامہ کے اقسام

یہ ایک خاص جماعت کا کام ہے ساری امت کا کام نہیں ہے اور دعوت الی الخیر اور دعوت الی اللہ کے ایک ہی معنی ہیں سو اس میں تو اس کو صرف ایک خاص جماعت کا کام فرمایا گیا ہے اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ أَدْعُوْٓا إِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۖ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کہ فرما دیجئے یہ میرا راستہ ہے بلاتا ہوں میں اللہ کی طرف بصیرت پر ہو کر میں اور جتنے میرے متبع ہیں اور حق تعالیٰ تمام برائیوں سے پاک ہیں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ دیکھئے یہاں پر مطلقا ومن اتبعنی ہے یعنی جتنے میرے متبع ہیں سب حق کی طرف بلاتے ہیں اس میں عموم ہے۔

اس خصوص اور اس عموم سے معلوم ہوا کہ اس کے درجات ومراتب ہیں ایک درجہ کا پہلی آیت میں ذکر ہے اور ایک درجہ کا دوسری آیت میں اور وہ درجات دو ہیں ایک دعوت عامہ ایک دعوت خاص پھر دعوت عامہ کی دو قسمیں ہیں ایک دعوت حقیقیہ اور ایک دعوت حکمیہ۔ دعوت حکمیہ وہ جو کہ معین ہو دعوت حقیقیہ میں میں نے آسانی کے لئے یہ لقب تجویز کئے ہیں ان میں اصل دو ہی قسمیں ہیں دعوت الی اللہ کی۔ دعوت عامہ، دعوت خاصہ۔ اور ایک قسم معین ہے دعوت عامہ کی۔ تو اسی طرح یہ کل تین قسمیں ہو گئیں۔ تو ہر شخص کے متعلق جدا جدا مرتبہ کے لحاظ سے ایک ایک دعوت ہو گی۔ چنانچہ دعوت خاصہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے اور وہ وہ ہے جس میں خطاب خاص ہو اپنے اہل وعیال کو، دوست احباب کو اور جہاں جہاں قدرت ہو اور خود اپنے نفس کو بھی۔ چنانچہ حدیث میں ہے کلکم راع و کلکم مسئول۔ کہ تم میں ہر ایک راعی و نگران ہے اور تم میں ہر ایک (قیامت میں) پوچھا جائے گا کہ رعیت کیساتھ کیا کیا۔ یہ دعوت خاصہ ہے اور قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے۔ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو عذاب دوزخ سے بچاؤ۔ یہ بھی دعوت خاصہ ہے کہ اپنے اہل وعیال کو عذاب دوزخ سے بچانے کا حکم ہے سو اس کا تو ہر شخص کو اپنے گھر میں اور تعلقات کے محل میں اہتمام کرنا چاہیے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

عمومی دعوت میں تخصیص کا راز

ایک اور دعوت عام ہے جس میں خطاب عام ہو یہ کام ہے صرف مقتداؤں کا۔ جیسا کہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ الایۃ سے معلوم ہو رہا ہے اور اس تخصیص میں ایک راز ہے۔ وہ یہ کہ دعوت عامہ (یعنی وعظ) اسی وقت مؤثر ہوتی ہے کہ جب مخاطب کے قلب میں داعی کی وقعت ہو۔ بلکہ مطلق دعوت میں بھی اگر داعی کی وقعت نہ ہو تو وہ مؤثر نہیں ہوتی تو عام دعوت میں عام مخاطبین کے قلب میں داعی کی وقعت ہونی چاہیے اور ظاہر ہے کہ بجز مقتداء کے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو عام لوگوں کے دل پر اثر ڈال سکے اور ایسے لوگ کتنے ہوتے ہیں۔ جو یہ سمجھتے ہوں کہ انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال اور یہ سمجھتے ہوں کہ

مرد باید کہ گیرد اندر گوش　　　　در نبشت است پند بر دیوار

(انسان کو چاہیے کہ نصیحت پر عمل کرے۔ وہ نصیحت کی بات خواہ دیوار پر لکھی ہوئی کیوں نہ ہو)

تو ایسے لوگ تو بہت کم ہی ہوتے ہیں۔ ورنہ عموماً یہ دیکھتے ہیں کہ واعظ یا داعی باوقعت ہے یا نہیں اگر وقعت نہیں ہوتی تو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ جب ہمارے برابر کا ہو کے ہم کو نصیحت کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ترفع چاہتا ہے اور ہم سے بڑا بننا چاہتا ہے اور واقع میں اکثر ہوتا بھی یہی ہے۔ اس وجہ سے دعوت عامہ میں مقتداء ہونے کی ضرورت ہے۔ (دعوت الی اللہ)

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے حکم کرتے ہو نیکیوں کا اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان)

فضائل امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس آیت میں اس امت کی تین فضیلتیں بیان فرمائی ہیں جن میں فضیلت ایمان باللہ کی تو ہر شخص کے پاس اپنے لئے ہے اور باقی دو فضیلتیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی یہ دوسروں کے نفع کے لئے ہیں کیونکہ اس سے دوسروں پر نفع کا اثر پہنچتا ہے اور مقتضاء قواعد کا یہ تھا کہ یہاں تو مومن باللہ کو مقدم فرماتے کیونکہ وہ اساس اعمال ہے مگر مؤخر کرنے میں غالباً یہ نکتہ ہے کہ عوارض پر نظر کر کے اصلاح ہمہ گیر کا اہتمام زیادہ مقصود ہے کیونکہ اپنی ضرورت کا اہتمام تو ہر شخص خود ہی کر لے گا۔ ورنہ فی نفسہ اپنی اصلاح غیر کی اصلاح سے مقدم ہے مگر اس تقدیم کے یہ معنی نہیں کہ اگر اپنی اصلاح نہ کرے تو دوسرے کی اصلاح بھی واجب نہیں بلکہ یہ تو محض عمل کی ترتیب ہے کہ پہلے اپنی اصلاح کرنا چاہیے۔ پھر دوسرے کی کرے یہ نہیں کہ اگر مقدم کام نہ کیا ہو تو مؤخر کو بھی نہ کرے کیونکہ دراصل یہ دو کام الگ الگ ہیں اور ایک دوسرے کا موقوف علیہ نہیں۔ ایک کو بھی ترک کرے گا تو اس کے ترک کا گناہ ہوگا اور دوسرے کو ترک کرے گا تو دوسرے کے ترک کا گناہ ہوگا اور دونوں کو ترک کرے تو دونوں کے ترک کا گناہ ہوگا۔

تو یہ غلطی ہے کہ اپنی اصلاح نہ ہوئی تو دوسروں کو بھی تنبیہ نہ کرے۔ بعض اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھلاتے ہو) وہ اس سے بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

سمجھے گا کہ اگر اپنی اصلاح نہ کرے تو دوسرے کی اصلاح بھی نہ کرے۔ کیونکہ ہمزہ تامرون پر انکار کے لئے داخل ہوا ہے تو امر بالبر (نیکی کا حکم) منکر ہوا۔ یعنی جس حالت میں تم اپنے نفسوں کو بھولے ہوئے ہو لوگوں کو امر بالبر کیوں کرتے ہو مگر یہ محض غلط ہے بلکہ ہمزہ مجموعہ پر داخل ہوا ہے اور انکار مجموعہ کے دوسرے جزو کے اعتبار سے ہے کہ اپنے کو اصلاح میں بھلانا نہیں چاہیے۔ اس آیت کا تو یہ جواب ہو گیا۔

اب ایک دوسری آیت کا مطلب بھی سنئے جس سے ان لوگوں نے اس پر استدلال کیا ہے کہ بے عمل کو وعظ و نصیحت نہ کرنا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (کہ تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ خدا کے نزدیک نہایت مبغوض ہے کہ جو کام خود نہ کرو اسے کہو) دراصل یہ لوگ محض ترجمہ دیکھنے سے دھوکے میں پڑ گئے' ترجمہ سے یہ سمجھے کہ مطلب یہ ہے کہ جو کام خود نہ کرے وہ دوسروں کو بھی کرنے کو نہ کہے۔

اصلاح غیر کے مدارج

البتہ اصلاح غیر کے بقدر استطاعت مدارج ہیں چنانچہ ایک درجہ یہ ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزے سے بچاؤ) اس درجہ کا حاصل اپنے خاص متعلقین کی اصلاح ہے۔ افسوس اس بات میں بھی ہم سے کتنی کوتاہی ہو رہی ہے خود تو نماز پڑھ بھی لیتے ہیں مگر کبھی بیوی بچوں کو نوکروں کو اور متعلقین کو نہیں کہتے بچے اگر امتحان میں فیل ہو جائیں تو رنج ہوتا ہے مگر نماز قضاء کر دیں تو کچھ بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ سات برس کے بچے کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور دس برس کے بچے اگر کہنے سے نہ پڑھیں تو مار کے پڑھاؤ اگر کوئی دس برس کا بچہ سرپرست کی غفلت کی وجہ سے بے نماز ہوگا تو اس کا سرپرست گنہگار ہوگا تو اگر اصلاح غیر کی ضرورت نہ ہوتی تو قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ (اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے بچاؤ) میں اھلیکم کے کیا معنی ہوں گے۔

دوسرا درجہ یہ ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِؕ . (کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جس کا کام صرف یہی ہو کہ لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے) اس درجہ کا حاصل تبلیغ عام ہے اور ایک جگہ ہے کہ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (ایک دوسرے کو حق کی فرمائش کرتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو پابندی کی فرمائش کرتے رہتے ہیں) اس میں بھی تخصیص نہیں اہل و عیال کی۔ یہ تو قرآن میں اس امر و نہی کی تاکید ہے۔ اسی طرح حدیث میں تاکید ہے۔ ارشاد ہے کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ (یعنی ہر ایک تم میں سے نگہبان ہے اور ہر ایک تم میں سے اپنی رعیت کے بارہ میں پوچھا جاوے گا) اس سے بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کی اصلاح بھی ضروری ہے اگر دوسرے کی اصلاح ضروری نہیں ہے تو پھر ان آیات اور احادیث کے کیا معنی ہیں۔

غرض یہ مسئلہ اتنا بدیہی ہے کہ اب زیادہ تفصیل سے شرم آتی ہے مگر کیا کروں۔ اس وقت ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی خبریں اخباروں میں آپ کو بھی معلوم ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائیوں کو دو قومیں مرتد بنا رہی ہیں۔ اس کے متعلق مجھے ایک آیت یاد آئی۔ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِیَآءَ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس کے ترجمہ سے اس وقت کی حالت کا اندازہ کر کے آپ کو عبرت ہوگی۔ ترجمہ یہ ہے (کہ کفار تو دل سے پسند کرتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ تاکہ سب برابر ہو جاویں) جیسے ایک کبڑے سے کسی نے پوچھا تھا کہ تو اپنا اچھا ہونا چاہتا ہے یا دوسروں کا کبڑا ہونا' کہنے لگا کہ دوسروں کا کبڑا ہونا تاکہ میں بھی دوسروں کو اس نظر سے دیکھ لوں جس نظر سے لوگوں نے مجھ کو دیکھا ہے۔

تو کفار تو یہ چاہتے ہیں کہ تم سب ان کے برابر ہو جاؤ۔ آگے مسلمانوں کو ارشاد ہے کہ فلا تتخذوا منھم اولیا (ان سے دوستی اور اتحاد مت کرو) کیونکہ جب ان کی یہ حالت ہے کہ وہ دل سے تمہارا کافر ہونا پسند کرتے ہیں تو لامحالہ وہ تم سے مل کے اس کی کوشش کریں گے۔ افسوس مسلمانوں کو تو ان سے ملتے ہوئے اس کا خطرہ بھی نہیں ہوتا کہ ان کو مسلمان بنا دیں اور وہ ہر وقت دل میں یہی خیال رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو کافر بنا دیں۔

ترجمہ: یہ سب برابر نہیں ان اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو قائم ہیں۔ اللہ کی آیتیں اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

کثرت تلاوت و نفل کی ترغیب

یَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اور هُمْ یَسْجُدُوْنَ حقیقت تلاوت و سجدہ کی حاصل ہونے کی کوشش کرو اور اس کا طریق یہی ہے کہ حقوق ان دونوں عبادتوں کے ادا کرو۔ قبل اس کے کہ میں ان کے حقوق بیان کروں ایک بات بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس مقام پر ایک سوال اور اشکال متوجہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جن اعمال کی فضیلت بیان کی گئی ہے آیا یہ اعمال فرض ہیں یا نہیں اگر فرض نہیں ہیں تو فرض کا ذکر بہ نسبت نفل کے اہم ہے اور ذوق لسانی اور قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مراد نفل ہے اس لئے کہ اسلوب کلام اور الفاظ سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ مقصود کثرت تلاوت و نفل ہے تو کثرت تلاوت و نفل دونوں فرض نہیں ہیں اور اگر کہا جاوے کہ مراد صلوۃ تہجد ہے تو صلوۃ تہجد بھی فرض نہیں ہے۔ غرض بہر صورت نفل ہے پھر فرائض کو چھوڑ کر نفل کی فضیلت کیوں بیان فرمائی اور اگر کہو کہ مراد فرض ہے تو میں عرض کر چکا ہوں کہ ذوق لسان اور قرائن اس سے آبی ہیں اس اشکال کا جواب میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ مراد تو نفل ہی ہے باقی رہی یہ بات کہ فرائض کی اہمیت ان کے ذکر کو مقتضی ہے یہ صحیح ہے لیکن ذکر کے انواع مختلف ہیں صریح اور لازمی۔ فرائض کی اہمیت اس نفل کی فضیلت بیان کرنے سے اور زیادہ بڑھ گئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب وہ لوگ نفلوں میں کوتاہی نہیں کرتے تو فرائض میں تو بطریق اولی کوتاہی نہ کریں گے۔ پس فرائض کا ذکر گو عبارۃ النص سے نہیں ہے لیکن دلالۃ النص سے فرائض کی اہمیت زیادہ محفوظ ہوگئی ہے اور اس زمانہ کے لوگ ایسے نہ تھے جیسے آج کل بعض ہیں کہ نوافل کا تو اہتمام کریں فرائض کی پرواہ نہ کریں۔ ایک شخص کہتے تھے کہ میں اپنے پیر کا اس قدر اتباع کرتا ہوں کہ فرض نماز چاہے قضا ہو جائے مگر پیر کا بتلایا ہوا وظیفہ ناغہ نہیں ہوتا اگر ایسے ہی لوگ اس وقت بھی ہوتے تو واقعی فرض کی اہمیت پر اس آیت کی دلالت ظاہر نہ ہوتی۔ حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں مراد نفل ہے پس اس تفسیر کے موافق اس آیت میں قیام لیل یعنی تہجد کا ذکر ہوا اور تراویح کا لقب ہے قیام رمضان۔ قیام میں تو بعینہ محفوظ رہا۔ اس میں صرف ایک مضاف الیہ اور بڑھ گیا یعنی قیام لیلۃ رمضان۔ جبکہ اس آیت کا مدلول قیام لیل ہے تو قیام لیل

(c) ketabton.com: The Digital Library

رمضان بھی اس میں ضرور داخل ہوگا بس اب میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ اس آیت سے تراویح کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور وہ بھی مدار خیریت کا ہے پس ان کو ایسے پڑھیئے کہ آپ کی
خیریت محفوظ رہے اور جو اس میں منکرات ہیں اس سے بچئے (التھذیب)

عقائد

یعنی یہ اہل کتاب سب برابر نہیں ہیں سب کو ایک لکڑی سے نہ ہانکنا۔ ان میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق پر قائم و ثابت ہیں۔ یہ تو عقائد کی طرف اشارہ ہے آگے یَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ.

اعمال

یہ اعمال کی طرف اشارہ ہے یعنی پڑھتے ہیں وہ اللہ کی آیتوں کو ساعات شب میں اور وہ نماز پڑھتے ہیں اس ترجمہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ ان آیتوں میں دونوں چیزوں کا ذکر ہے تلاوت قرآن کا اور نماز کا بھی لیکن مفصلاً ذکر نہیں بلکہ اجتماعی طور سے ذکر ہے یعنی نماز میں قرآن پڑھنے کا ذکر ہے اس لئے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ

تراویح

وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ میں واؤ عاطفہ ہے۔ اس وقت تو اقتران پر یہ آیت نصف نہ ہوگی گو محتمل ہو دوسری تفسیر یہ ہے کہ واؤ حالیہ ہو اور ذوق ارجح یہی معلوم ہوتا ہے اس صورت میں اقتران اس کا مدلول ہوگا یعنی مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کی آیتیں ساعات لیل میں تلاوت کرتے ہیں اس حالت میں کہ سجدہ کرتے ہیں پس اس تفسیر کے موافق اس آیت کا مضمون تراویح کے نہایت مناسب ہو گیا۔ بہرحال اس آیت سے اس عمل کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور نیز دوسری وجہ فضیلت کی یہ ہے کہ شروع رکوع۔

اعمال خیر

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ میں اس امت کی خیریت کا ذکر ہے۔ پس آگے ان اعمال کا ذکر ہوگا۔ جن کو خیریت میں دخل ہوگا اور یہاں خیریت کے معنی یہ نہ سمجھنا جو لوگ بولا کرتے ہیں کہ تمہارے یہاں خیریت ہے بلکہ خیریت کے معنی ہیں بہت اچھا ہونا خیر صیغہ افعل التفضیل کا ہے۔ پس حاصل یہ ہوگا کہ اگر تم یہ اعمال کرو گے تو بہت اچھے ہو جاؤ گے حق تعالیٰ جن کو بہت اچھا کہیں ان سے بڑھ کر کون ہوگا۔ (التھذیب)

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا اس سے معلوم ہوتا ہے بکاء اور خشوع تلاوت قرآن کے وقت ہونا چاہیے یہاں پر طالب علموں کو ایک شبہ ہوگا وہ یہ کہ رونا تو اختیاری نہیں اور سالکین کو یہ شبہ ہوگا کہ جب یہ صفت ایمان والوں کی ہے اور ہم کو رونا آتا نہیں تو ہمارے اندر ایمان نہیں ہے ایک دوست نے بھی مجھ کو لکھا تھا کہ جب سے میں حج کر کے آیا ہوں رونا نہیں آتا اور پہلے رونا آتا تھا۔ میں نے ان کو جواب لکھا کہ رونے سے مراد آنکھوں کا رونا نہیں اس لئے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

وہ غیر اختیاری ہے۔اور غیر اختیاری کی اللہ تعالیٰ تکلیف نہیں دیتے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا بلکہ مراد دل کا رونا ہے۔پس تم کو آنکھوں سے رونا نہیں آتا لیکن دل کا رونا تم کو حاصل ہے۔باقی اختیار سے رونے کی عورتیں مشاق ہیں۔کسی کے یہاں تعزیت کے لئے جائیں گے اور اپنے کسی مردہ کو یاد کر کے بس رونا شروع کر دیں گی۔اور ان کا کوئی تازہ مرا ہوا نہ ہوگا تو یہ حکمت کریں گی کہ کپڑے سے منہ چھپالیں گی اور جھوٹ موٹ ہوں ہوں کرنے لگیں گی۔لیکن مردوں کا رونا اختیاری نہیں ہے اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ رونا نہ آوے تو رونے کی شکل بنالو۔یہاں بھی دل کا ہی رونا مقصود ہے اس لئے کہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے جب رونے کی شکل بنائے گا تو دل میں بھی رونا آ ہی جائے گا۔

ترجمہ: اللہ پر اور قیامت والے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام بتلاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہ لوگ تھے شائستہ لوگوں سے ہیں۔

مدار اصلاح

اس آیت میں بعض آیات کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور آیت کے خاتمہ پر ان اعمال کو مدار اصلاح قرار دیا ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ صلاحیت اور درستی حال منظور ہو تو ان اعمال کو اختیار کرنا ہے۔

علماء کی قسمیں

وحی کے بتانے والے جن کو علماء کہتے ہیں دو قسم کے ہیں علماء ظاہر اور علماء باطن ظاہر جو ہر چیز کا حکم بتاتے ہیں۔لیکن علماء باطن کی تعلیم اثر میں ان سے بڑھی ہوئی ہے۔علماء ظاہر دعوت عام سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ضابطہ کی تبلیغ کرتے ہیں بس اتنا بتا دیتے ہیں کہ اگر یہ صورت ہے تو یہ حکم ہے اور یہ صورت ہے تو یہ حکم ہے۔مثلاً ایک شخص اچھا کپڑا پہنتا ہے اور علماء ظاہر سے اس کا حکم پوچھے گا تو بتائیں گے کہ اگر نیت تکبر کی نہ ہو تو جائز ہے اور ہو تو ناجائز علماء باطن چونکہ خاص تربیت کا بھی تعلق رکھتے ہیں اس لئے وہ تعلیم میں اس کا بھی فیصلہ کرتے ہیں کہ اس خاص شخص کی نیت تکبر کی ہے یا نہیں اور اس کو وہ کپڑا پہننا جائز ہے یا نہیں۔نیز وہ اپنی تعلیم میں اصل منشاء کو دیکھتے ہیں اور اسی کا علاج کرتے ہیں اور آثار کی طرف ان کی توجہ زیادہ نہیں ہوتی اور اہل ظاہر زیادہ تر آثار کو دیکھتے ہیں اور اسی اختلاف طرز تعلیم کے سبب علماء باطن بعض اوقات ظاہری احتساب کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے جس سے کبھی اہل ظاہر ان پر طعن کرتے ہیں کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے۔ڈاڑھی مونڈے ان کے یہاں آتے ہیں اور کچھ روک ٹوک نہیں کرتے۔حقیقت اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ حکیم ہیں ایسا راستہ ڈھونڈتے ہیں جس سے اس منکر کا منشاء ہی ندارد ہو جاوے پھر وہ منکر ہی نہ رہے گا۔وہ علاج پورا کرتے ہیں مگر مریض کو بھڑکاتے نہیں۔جیسے شفیق طبیب کہ دوا بھی دیتا ہے اور بوجہ شفقت مریض کے مذاق کی بھی رعایت رکھتا ہے کہ اس کا منہ بھی کڑوا نہ ہونے پائے بتاشہ مقدر میں رکھ کر دوا کھلا دیتا ہے یا کوئی ایسی چیز ملا دیتا ہو کہ اس سے تلخی زائل ہی ہو جاتی ہے طبیبان الٰہی طبائع کی خصوصیات کو سمجھتے ہیں اور اس کی رعایت سے دوا دیتے ہیں مگر عجلت نہیں کرتے مولانا جامی فرماتے ہیں

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

(c) ketabton.com: The Digital Library

(نقشبندی حضرات قافلہ کے عجیب سردار ہیں کہ لوگوں کو خفیہ راستہ سے قافلہ کو حرم کی طرف لے جاتے ہیں)

تمام مشائخ کا یہی طرز ہے۔ان حضرات کے یہاں امرونہی سب کچھ ہے لیکن تدبیر کے موافق ان کے معالجات بہت مفید اور مرض کا استیصال کرنے والے ہوتے ہیں مگر ان کے معالجات اور اہل ظاہر کے معالجات میں بڑا فرق ہوتا ہے۔مثلاً کبر کا ایک مریض ہو تو اہل ظاہر اسکے عمل کو دیکھ کر جو اس شخص سے صادر ہوا کہہ دیں گے تم نے یہ فعل مذموم کیا اس کا علاج یہ ہے کہ توبہ کرلو۔یہ علاج مفید ہے کیونکہ توبہ گناہ کو مٹادیتی ہے لیکن آپ خیال کرسکتے ہیں کہ دس برس کے مرض کے علاج کے لئے یہ توبہ استیصال میں کیسے کافی ہوسکتی ہے۔اس علاج سے صرف ایک خاص فعل کا گناہ جاسکتا ہے مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔آج اس فعل سے بچ گیا تو کل اس کبر سے کسی دوسرے فعل میں مبتلا ہوسکتا ہے۔اس فعل سے توبہ کرائی جائے گی تو پرسوں کو اور ایسے ہی گناہ میں طول ہوجائے گا تو ساری عمر توبہ بھی رہے گی اور گناہ بھی ہوتا رہے گا۔معالجہ ہورہا ہے مگر مرض سے نجات نہیں ملتی اور اہل باطن کیا کریں گے کہ اس فعل کی طرف زیادہ توجہ نہ کریں گے مگر کسی اور تدبیر سے اس رذیلہ کا یعنی اس کے غلبہ اور قوت کا اخراج قلب میں سے کردیں گے جو منشا ہے اس فعل کا۔جب منشا ہی نہ رہا تو یہ فعل بھی نہ رہے گا اور آئندہ کے لئے بھی اس جیسے افعال سے اطمینان ہوجائے گا یہ علاج کام کا ہے یا وہ اور یہ ہی ابلغ ہے یا وہ۔میں کرانہ گیا تھا ایک صاحب آئے اس شان سے کہ خدمت گار ساتھ مٹھائی لئے ہوئے اور فرمائش کی مجھے بیعت کر لیجئے۔میں اس حرکت کو دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ ان میں مرض تکبر اور ترفع کا ہے میں نے کہا جلدی نہ کیجئے مجھے اس وقت وعدہ کے سبب ایک اور جگہ جانا ہے وہاں میرے ساتھ چلئے اور یہ مٹھائی بھی لے چلئے وہ خود مٹھائی لیکر میرے ساتھ چلے دوسرے مکان پر میں اسی طرح وہاں سے ایک اور مکان پر گیا اور وہاں سے اور مکان پر۔اسی طرح بہت سے مکانوں پر گیا اور ایسی جگہ سے قصداً گذرا جو خوب آباد ہیں۔اسی طرح خوب چکر لگوایا ان کا علاج ہوگیا ترفع اور تکبر سب ملیا میٹ ہوگیا۔یہ عملی علاج ایک ہی جلسہ میں ان کے لئے اکسیر ہوگیا اور مرض کا نام ونشان بھی نہیں رہا۔دیکھئے اتنی سی دیر میں مزاج درست ہوگیا اتنی ذرا سی تدبیر نافع ہوگئی۔زبان سے اس حرکت کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا گیا لیکن اس حرکت کا منشاء مع تمام اس جیسے اور حرکات کے رخصت ہوا۔دیکھئے یہ ہی ابلغ اور انفع ہوئی یا یہ ہی ہوتی کہ اس حرکت سے توبہ کرالی جاتی مگر منشاء کے باقی رہنے سے اور حرکات ترفع کی صادر ہوتی رہتی ہیں ایسے ہی موقع پر بعض وقت زبان سے کہنے کا وہ اثر نہیں ہوتا جو سکوت کا ہوتا ہے فرماتے ہیں

گرچہ تفسیر زبان روشنگر است لیک عشق بے زبان روشن تر است

(اگرچہ)(عشق کا حال) زبان سے معلوم ہونا چاہیے لیکن واقع میں بے زبان کا عشق زیادہ روشن ہے کیونکہ وہ ذوقی امر ہے)

اہل اللہ کی نظر بہت دقیق ہوتی ہے اس واسطے ان کے معالجات بھی بہت لطیف ہوتے ہیں لیکن اہل ظاہر کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی اس واسطے ان کے معالجات بھی اس شان کے نہیں ہوتے۔حاصل اس تمام تقریر کا یہی ہے کہ ان میں وہ دین نہ تھا جو مطلوب ہے۔دین مطلوب جبھی حاصل ہوسکتا ہے کہ وحی کا اتباع کیا جائے اور بلفظ دیگر حضور ﷺ کے آگے ارشاد ہے یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ یعنی پیش قدمی کرتے ہیں نیک کاموں میں۔یہ بھی صفت اہل کتاب کی اسی جماعت کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے جس کو مذمت سے مستثنیٰ کیا اور اس میں بھی وہی کلام ہے جو پہلے متنوں میں تھا یعنی يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں) اور يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (حکم کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں بری بات سے) میں۔ آگے ارشاد وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (یہی لوگ صالحین سے ہیں) اس میں اس جماعت اہل کتاب کا ذکر فرمایا جس جماعت میں یہ اوصاف ہیں یعنی وہ صالحین میں سے ہیں یہاں پر ایک اور بات قابل غور ہے اس دوسری جماعت کے واسطے جو فرمایا ہے وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (یہی صالحین میں سے ہیں) ظاہرا صالحین کے لفظ سے کچھ ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کے لئے کچھ زیادہ فضیلت نہیں کیونکہ صالحین کا درجہ مومنین کے سارے درجوں سے سب سے کم درجہ ہے جیسا کہ مشہور ہے اور سب جانتے ہیں کہ صالحین کے اوپر شہداء کا درجہ ہے اور ان کے اوپر صدیقین کا تو اس سے ثابت ہوا کہ یہ جماعت مومنین کے ادنیٰ درجہ میں سے شمار کی جائے گی حالانکہ واقع میں اس کے خلاف ہے اس لئے کہ جو کوئی ایمان لایا وہی مومن ہے۔ خواہ پہلے اہل کتاب رہا ہو یا بت پرست یا مجوس غرض کچھ بھی رہا ہو اسلام لانے کے بعد اسے یہ سب درجات مل سکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ محاورات کے درجات سے اس قسم کے اوہام پیدا ہوا کرتے ہیں چنانچہ اس شبہ کی بناء بھی یہ ہے کہ لفظ صالحین کو اسی معنی پر محمول کیا گیا جو ایک درجہ والوں کا لقب ہے حالانکہ اس کا استعمال دوسرے معنوں میں بھی آیا ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں بھی اس کا استعمال قرآن میں موجود ہے وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (دنیا میں ہم ان کو بھلائی عطا کریں گے اور بلاشک وہ آخرت میں صالحین سے ہوں گے) یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں ہے جو انبیاء علیہم السلام میں بعد حضور ﷺ کے سب سے بڑے نبی ہیں ان کو بھی صالحین میں سے فرمایا یہاں معنی صالحین کے وہ ہو ہی نہیں سکتے جو ادنیٰ درجہ ہے نیز اس کے ساتھ فرمایا ہے فی الاخرۃ جس کے معنی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آخرت کی صلاحیت ہے۔ علما نے اتفاق کیا ہے اس بات پر کہ انبیاء علیہم السلام کو آخرت میں بھی برابر ترقی ہوتی رہے گی اور اس سب کو حق تعالیٰ نے صلاح فرمایا تو معلوم ہوا کہ صلاح ایک ایسا مفہوم ہے جو بڑے اور چھوٹے مراتب کو شامل ہو سکتا ہے اس درجہ کے لئے بھی صلاح ثابت جو مومنین کا ادنیٰ درجہ ہے جس سے یہ دھوکہ ہوا اور اس درجہ کو بھی حاصل ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آخرت میں ہوگا اور اس کی کوئی حد مقرر نہیں کیونکہ درجات بلند ہو جائیں گے اور صلاح کا لفظ سب میں استعمال کیا جاتا ہے۔ غرض صالحین کا درجہ ادنیٰ بلکہ بڑے بڑے مدارج کو بھی شامل ہے تو اب وہ وہم دفع ہو گیا کہ اس جماعت اہل کتاب کو کوئی بڑی فضیلت ثابت نہ ہوئی۔ ایک تو جیہہ یہ تو اس وہم کے دفع کی یہ ہوئی اور ایک توجیہہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ قاعدہ ہے کہ المطلق اذا اطلق یرادبہ الفرد الکامل (مطلق جب بولا اس سے مراد فرد کامل ہوا کرتا ہے) صالحین کے آگے یہاں کوئی قید نہیں ہے تو ہم اس صالحین سے انہیں لوگوں کو مراد لیتے ہیں جو اس کے فرد کامل ہیں تو معنی آیت اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ کے یہ ہوئے کہ اس جماعت کا شمار ان صالحین میں ہوگا جو اعلیٰ درجہ کے صالحین ہیں اب وہم جاتا رہا کہ اس جماعت کی زیادہ فضیلت ثابت نہیں ہوئی بلکہ پورے طور سے ثابت ہو گئی کہ یہ سب اعلیٰ درجہ میں شمار ہوں گے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اوراس تقریر سے غلط فہمی میں نہ پڑ جانا کہ انبیاء علیہم السلام کی مساوات لازم آ گئی کیونکہ ان کے لئے بھی مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (صالحین میں سے) کا لفظ آیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بھی یہی لفظ مستعمل ہوا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ صالحین ایک مفہوم ہے جو ادنیٰ درجہ والوں پر بھی بولا جاسکتا ہے اور اعلیٰ درجہ والوں پر بھی۔ اس کے بعض افراد وہ بھی ہیں جو مومنین کے ادنیٰ درجہ میں ہیں اور وہ بھی ہیں جو اعلیٰ درجہ میں ہیں میں نے محض آپ لوگوں کے وہم کو دفع کرنے کے لئے (کہ ان کے لئے کچھ زیادہ فضیلت نہیں ثابت ہوئی) قرآن شریف سے اس لفظ کا استعمال دکھلایا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ والے کے لئے بھی یہ لفظ مستعمل ہوا ہے اور ادنیٰ درجہ والے کے لئے بھی غرضیکہ جب اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (اور یہ صالحین میں سے ہیں) میں صالحین کو مطلق رکھا ہے تو ہم باقاعدہ المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل (جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد فرد کامل ہوا کرتا ہے اعلیٰ ہی درجہ کیوں نہ مراد لیں جیسا کہ حضرات انبیاء علیہ السلام کے لئے ثابت ہے اور اس استدلال سے ہمیں ان سے مساوات نہیں ثابت کرنا ہے اور نہ ہو سکتی ہے ہمارے لئے تو یہ معراج ہے ہم ان کے خدام میں شامل ہو جائیں یہ بسا غنیمت ہے۔ مساوات کا تو نام ہم کیا لے سکتے ہیں ہمارے لئے تو ان کی معیت وتبعیت ہی باعث فخر ہے اور یہی ہمارے لئے اعلیٰ درجہ ہے۔ سو اتباع سے ان شاء اللہ یہ ضرور حاصل ہوگی اس لئے یہ معیت قرآن شریف کی نص قطعی سے ثابت ہے فرماتے ہیں وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا (اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں پس یہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین (کے ساتھ) اور یہ لوگ اچھے رفیق ہیں) اس آیت میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنیوالوں کے لئے ان حضرات کے ساتھ معیت ثابت کی گئی ہے جن پر خدا کا انعام ہوا اور منعم علیہ کون ہیں انبیاء اور صدیقین وشہدا اور صالحین۔ گو بطریق تابعیت ہی ہو مگر یہ بھی کتنی بڑی بات ہے

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا　　بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

اگر اللہ تعالیٰ یہ معیت نصیب فرمادیں تو بہت ہی بڑی خوش قسمتی ہے کہ یہ درجہ کس کو نصیب ہوتا ہے الحمد اللہ کہ لفظ صالحین کے لفظ کے متعلق ایک بہت بڑا وہم رفع ہوا اب میں بیان ختم کرنا چاہتا ہوں جو مدعا ہے اسے سن لیجئے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ جس کا ترجمہ یہ ہے یہ لوگ صالحین میں سے ہیں اور لفظ اولئک کا مشارالیہ اہل کتاب کی وہ جماعت ہے جس میں یہ صفات ہوں یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ (اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اچھی بات کا حکم کرتے ہیں اور بری بات سے منع کرتے ہیں اور نیکیوں میں پیش قدمی کرتے ہیں) مگر اس حکم میں خصوصیت اہل کتاب کی نہ سمجھی جاوے کیونکہ گو مورد آیت کا خاص ہو مگر عموم الفاظ یا علت سے حکم عام ہوا کرتا ہے اس کا حاصل یہ ہوا کہ اصلاح کامل اس شخص کو نصیب ہو سکتی ہے جو ان صفات کے ساتھ متصف ہو گو یا دوسرے کے حق میں حکم بیان کر کے اس امت کو بھی سنانا ہے کہ اگر اصلاح

(c) ketabton.com: The Digital Library

کامل چاہیے ہو جس سے انبیاء علیہ السلام کی رفاقت نصیب ہو تو یہ صفات حاصل کرو جو آیت میں مذکور ہیں اور بناء ان سب کی حضور علیہ اور وحی کی اتباع ہے چاہے وہ بواسطہ ہو یا بلا واسطہ اس طرح سے کہ کسی حالت میں اپنی رائے کا اتباع نہ کیا جائے چنانچہ اہل کتاب کی دونوں جماعت میں جو ایک کی تعریف اور ایک کی مذمت فرمائی گئی ہے ان کا منشاء یہی ہے۔ جس جماعت کی مذمت ہوئی انہوں نے حضور علیہ کا اتباع نہ کیا اور اپنی رائے کو کافی سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہے اور دوسری جماعت نے اپنی رائے کو چھوڑ کر حضور علیہ اور وحی کا اتباع کی اب انہیں واقعات سے لوگ اپنی حالتوں کا موازنہ کر لیں کہ کہاں تک ان میں وحی الٰہی اور حضور علیہ کا اتباع ہے اور کہاں تک خود رائی ہے خلاصہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کے سارے اعمال گندے اور قابل اصلاح ہیں اور اصلاح ہر ایک پر واجب ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ہر کام میں حضور علیہ کا اتباع کیا جائے اور اپنی رائے و ہوائے نفسانی کو چھوڑ دیا جائے بلا اس کے کام نہیں چلتا۔

محال است سعدی کہ راہ صفا　　تواں رفت جز درپے مصطفیٰ

(سعدی محمد علیہ کی پیروی کے بغیر راہ صفا پر چل سکنا محال ہے)

اور فرماتے ہیں

دریں راہ جز مرد دائی نرفت　　گم آں شد کہ دنبال رائی نرفت

مراد دائی سے حضور علیہ ہیں سو جس نے حضور علیہ کا پیچھا پکڑا اور حضور علیہ کا اتباع کیا وہ منزل مقصود کو پہنچ گیا اور جس نے حضور علیہ کے اتباع کو چھوڑ کر اپنی رائے اور خواہشات نفسانی کو اپنا رہنما بنایا وہ گمراہ ہو کر جادہ مقصود سے بالکل دور ہو گیا۔ اب دعا کیجئے حق تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور توفیق اعمال صالحہ کی ہدایت عطا فرمائیں۔ (آمین)

اوصاف صالحین

اور اس میں بھی وہی کلام ہے جو پہلی صفتوں میں تھا یعنی يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ میں آگے ارشاد ہے اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ. اس میں اس جماعت اہل کتاب کا حکم بیان فرمایا جس جماعت میں یہ اوصاف ہیں یعنی وہ صالحین میں سے ہیں یہاں ایک بات اور قابل غور ہے اس دوسری جماعت کے واسطے جو فرمایا ہے وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ظاہرا صالحین کے لفظ سے کچھ ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کے لئے کچھ زیادہ فضیلت نہیں کیونکہ صالحین کا درجہ مومنین کے سارے درجات میں سب سے کم درجہ ہے جیسا کہ مشہور ہے اور سب جانتے ہیں کہ صالحین سے اوپر شہدا کا درجہ ہے اور ان کے اوپر صدیقین کا تو اس سے ثابت ہوا کہ یہ جماعت اہل کتاب کی مومنین کے ادنیٰ درجہ میں شمار کی جائے گی حالانکہ واقع میں ہے اس کے خلاف ہے اس لئے کہ جو کوئی ایمان لایا وہی مومن ہے خواہ وہ پہلے اہل کتاب رہا ہو یا بت پرست یا مجوسی غرض کچھ بھی رہا ہو اسلام لانے کے بعد اسے یہ سب درجات مل سکتے ہیں جواب یہ ہے محاورات کے نہ جاننے سے اس قسم کے اوہام پیدا ہوا کرتے ہیں چنانچہ اس شبہ کی بناء بھی یہی ہے کہ لفظ صالحین کو اسی معنی پر محمول کیا گیا جو ایک درجہ والوں کا لقب ہے حالانکہ اس کا استعمال دوسرے معنوں میں بھی آیا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان

حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں بھی اس کا استعمال قرآن میں موجود ہے۔ وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں ہے جو انبیاء علیہم السلام میں بعد حضور ﷺ کے سب سے بڑے نبی ہیں ان کو بھی صالحین میں سے فرمایا یعنی معنی صالحین کے وہ ہو ہی نہیں سکتے جو ادنیٰ درجہ ہے نیز اس کے ساتھ فرمایا ہے فی الاخرۃ جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آخرت کی صلاحیت ثابت ہے۔ علماء نے اتفاق کیا ہے اس بات پر کہ انبیاء علیہم السلام کو آخرت میں بھی برابر ترقی ہوتی رہے گی اور اس صفات کو اس خاص جماعت میں موجود مانا گیا جن میں یہ صفات اس طرح موجود ہیں جس طرح ہونی چاہئیں۔ اس سے قاعدہ کا استنباط بالکل ظاہر ہے یہ بیان ہوا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ کا آگے فرماتے ہیں یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی حکم کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں بری بات سے یہ بھی صفت ہے اہل کتاب کی اس جماعت کی جس کو مذمت سے مستثنیٰ کیا ہے اس میں وہی کلام ہے جو یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ میں تھا کہ یہ صفت اگر چہ اس دوسری جماعت میں بھی تھی جس کی مذمت کی گئی لیکن اس وجہ سے کہ ان میں یہ صفت بلا اتباع حضور ﷺ کے تھی تو اس طرح نہ ہوئی جس طرح مطلوب تھی لہٰذا اس کا وجود کالعدم ہوا اور یہ کہا جاوے گا کہ یہ صفت قبل اسلام لانے کے گو صورۃ ہو مگر حقیقتاً ان میں تھی ہی نہیں خلاصہ یہ کہ گو ان میں دین تھا مگر وہ دین جو مطلوب ہے نہ تھا اور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حالت تھی بھی ایسے ہی گو وہ بظاہر دین کا کام کرتے تھے۔ لیکن دین کو من حیث الدین نہ کرتے تھے بلکہ ان میں اغراض کو بھی شامل کر دیتے تھے مثلاً غریب کو مسئلہ کچھ اور بتاتے تھے اور امیر کو کچھ اور جیسا کہ ایک مولوی نے ہزار روپیہ دینے والے کے لئے ساس کے ساتھ نکاح کو جائز کر دیا اگر کوئی غریب ہوتا اور کچھ نہ دیتا تو وہ شخص قیامت تک اس کے جواز کا فتویٰ نہ دیتا اس کی نسبت فرمایا گیا ہے وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اگر چہ ہزار روپیہ کی رقم بظاہر کثیر معلوم ہوتی ہے۔

پھر اس کو قلیل کیسے کہا جائے مگر آخرت کے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی سلطنت بھی قلیل کیا بلکہ اقل ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ دین تو حکم الٰہی کا نام ہے امیر و غریب سب اس کے بندے ہیں حکم الٰہی میں کوئی تخصیص کسی کی نہیں تو اس میں تخصیص کرنا نفس اور ہوی کا اتباع ہوا دین کا اتباع نہ ہوا حاصل اس تمام تقریر کا یہی ہے کہ ان میں وہ دین نہ تھا جو مطلوب ہے دین مطلوب جبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ وحی کا اتباع کیا جائے اور یہ لفظ دیگر حضور ﷺ کا' آگے ارشاد ہے یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ یعنی پیش قدمی کرتے ہیں نیک کاموں میں یہ بھی صفت اہل کتاب کی اسی جماعت کی ہے جس کو خصوصاً اس صورت میں کہ آیت سابقہ میں باوجود الفاظ تانیث موجود ہونے کے بھی تعمیم تھی۔ غرض وہ بیان بھی مشترک تھا مردوں اور عورتوں کے لئے اور آج کا بیان بھی مشترک ہے دونوں کے لئے یہ دوسرا تناسب ہوا۔

دونوں بیانوں میں یہ مصلحت اور وجہ نکل آئی اس آیت کے اختیار کرنے کے لئے یہ عجیب اتفاقی تناسب پیدا ہوا ہے کہ عورتیں مضمون رجال میں شریک اور رجال مضمون عورتوں میں شریک یہ تمہید ہوئی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اب آیت کا مضمون سنئے فرماتے ہیں يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ (وہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں نیک کاموں کو بتلاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں سبقت کرتے ہیں یہی لوگ صالحین سے ہیں) اس کے کچھ اوپر کمالات امت محمدیہ علیہ کے بیان فرمائے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ اس سے قبل کمالات امت محمدیہ کے ذکر فرماتے ہیں۔ گو مومنین کے اوصاف کمال بہت ہیں مگر اس آیت میں بیان ان اوصاف کا کیا گیا ہے جوام الاوصاف ہیں وہ یہ ہیں تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔ آگے اس امت کے مخالفین اہل کتاب کی مذمت کا بیان ہوا ہے لیکن عادت الٰہیہ یہ ہے کہ مخالفین کی مذمت کے ساتھ مومنین کے استثناء کو بھی ذکر فرمادیتے ہیں یعنی کسی قسم کے لئے کوئی حکم ایسا نہیں فرمادیتے کہ بس اچھوں اور بروں کو عام ہو بلکہ ان میں جو برے ہیں ان کے لئے برائی کا حکم فرماتے ہیں اور جو اچھے ہیں ان کے لئے اچھائی کا حکم فرماتے ہیں۔ ہماری طرح نہیں کہ جس قوم سے خفا ہوئے تو ایک عام حکم لگادیا کہ وہ ساری قوم ایسی ہے کسی شخص کو اس میں مستثنیٰ نہیں کرتے اور اگر کسی شخص سے خفا ہوئے تو اس کی ہر بات پر برائی کا حکم لگادیا گویا وہ سرتاپا عیب ہی عیب ہو گیا کوئی ادا اس کی پسند نہیں رہی۔ اور اگر کسی کو کسی خطا کی معافی بھی دے دیں تو اس میں بھی کچھ نہ کچھ کدورت باقی رہتی ہے ایسا دل صاف نہیں ہوتا جیسا اس خطا سے پہلے تھا اور وہاں یہ شان ہے کہ چاہے کتنی ہی خطائیں کرو اور ایک دفعہ دل سے توبہ کرلو بس راضی ہو جاتے ہیں بلا کسی ناخوشی کے اور ان خطاؤں کو ایسا محو کردیتے ہیں کہ گویا اس نے کوئی خطا کی ہی نہ تھی اور کسی کو ایک خطا کی وجہ سے ہمہ عیب نہیں کردیتے اور کسی خاص فرد کی خطا سے ساری قوم پر الزام نہیں لگادیتے دیکھئے اہل کتاب کے بعض آحاد کی مذمت بیان فرمائی۔ لیکن ان آحاد کی وجہ سے تمام قوم کو مذموم نہیں کردیا بلکہ جو برے ہیں ان کی مذمت فرمائی اور جو اچھے ہیں ان کی مدح فرمائی۔

موصل الی المقصود

مقصود کے حاصل کرنے کے لئے جو تکلیفیں پیش آتی ہیں عقلمند آدمی ان کو برداشت کرتا ہے چونکہ شریعت کی پابندی موصول الی المقصود ہے پس جس شخص کی نظر مقصود پر ہے وہ اس پابندی کو چھوڑ نہیں سکتا ان آیات میں اس شریعت موصل الی المقصود کی پابندی کا ذکر فرماتے ہیں اور پابند وغیر پابند کے فرق کو بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ یعنی اہل کتاب سب برابر نہیں ان میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو دین پر قائم ہے وہ خدائے تعالیٰ کی آیتوں کو رات کے اوقات میں پڑھتی ہیں (تو دن میں تو بدرجہ اولیٰ) اور وہ سجدہ کرتے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور امر بالمعروف و نھی عن المنکر کرتے ہیں اور نیک کاموں میں پیش قدمی کرتے ہیں اور یہ لوگ صالحین میں سے ہیں حق تعالیٰ نے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس جماعت کو دیگر اہل کتاب میں جن کی مذمت بیان فرمائی تھی مستثنیٰ کیا اور ان کو صالحین میں سے فرمایا اسمیں سب سے پہلے سمجھنے کے قابل یہ بات ہے کہ اہل کتاب کی اس جماعت صالحین میں اور اس دوسری جماعت میں جس کی مذمت فرمائی گئی کیا فرق تھا وہ گمراہ جماعت بھی گو بعض پیغمبروں کو ابن اللہ کہتے تھے چنانچہ بعض حضرات عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے اور بعض حضرات عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے لیکن یہ عقیدہ کسی کا بھی نہ تھا کہ خدا کوئی چیز نہیں اور نہ یہ کہ ابن اللہ من کل الوجوہ خدا کے مقابل ہیں۔ واجب مطلق کو سب ایک مانتے تھے مگر ہاں ایسی بات ثابت کرتے تھے جو خدائے تعالیٰ پر محال ہے یعنی بیٹے کا ہونا لیکن ان دونوں عقیدوں سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مومنین باللہ نہ تھے اللہ پر ایمان ضرور رکھتے تھے ہاں بعض ایسی باتوں کے قائل ضرور تھے جو غلط اور بے ثبوت ہیں۔ غرض وہ لوگ بھی مومن باللہ اور آخرت کے بھی قائل تھے سب جانتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کا کوئی فرد بھی یہ نہیں کہتا تھا کہ قیامت نہیں آئے گی۔

اصل الاصول

حاصل یہ کہ وہ گروہ جس کی مذمت فرمائی گئی اللہ پر بھی ایمان رکھتا تھا اور قیامت کا بھی قائل تھا تو اس گروہ میں اور اس گروہ میں جن کی مدح فرمائی گئی ہے ان دونوں میں تو اختلاف نہ تھا اختلاف تھا تو اس بات میں کہ یہ گروہ جناب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آیا تھا اور وہ گروہ حضور پر ایمان نہیں لاتا تھا تو اس لحاظ سے یہاں دونوں کے فرق بیان کرنے کے لئے بظاہر یہ مناسب تھا کہ یوں فرماتے یومنون بالرسول بجائے یومنون باللہ کے کیونکہ دونوں میں یہی مابہ الفرق تھا مگر اللہ رے بلاغت قرآن شریف کی کہ ایسا عنوان اختیار کیا جس میں مخاطب کے حالات کی بے حد رعایت ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اصلاح کا اصل الاصول یہ ہے کہ جس کی اصلاح کا قصد ہوتا ہے اس کو شرمندہ نہیں کیا کرتے یہ ایسا پاکیزہ طرز ہے کہ دشمن کو بھی دوست بنالیتا ہے کیسا ہی دشمن ہو مگر اس رعایت کو دیکھ کر وہ دشمنی سے باز آ جائے گا۔ اگر یوں تصریحاً فرماتے یومنون بالرسول تو وہ لوگ اس وجہ سے کہ ابھی قریب ہی زمانہ میں رسول ﷺ کی مخالفت کر چکے ہیں اور اب ایمان لائے ہیں تو اس مخالفت کو یاد کر کے آپ کے سامنے آنکھیں نیچی ہوتیں کہ ابھی تو ہم نے آپ کو ایذائیں دی تھیں اب کیا منہ لے کر آپ کے سامنے جائیں اور مطیع و دولت ہونے کا دم بھریں تو ممکن تھا کہ یہ خیال شرمندگی کا مانع عن الایمان ہو جاتا اس وجہ سے بجائے یومنون بالرسول کے یومنون باللہ جس میں اس ایذاء سے کچھ تعرض ہی نہیں بلکہ یہ تعلیم ہوگئی کہ تمہارا وہ ایمان باللہ جواب تک رکھتے رہے کافی نہیں بلکہ دوسرے طریق سے ایمان لانا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ بات ایسے شخص سے کہی جاتی ہے جو ایمان باللہ کا خود مدعی ہے تو اس کے معنی یہی ہو سکتے کہ گو تم ایمان باللہ کے مدعی ہو لیکن یہ ایمان تمہارا ایمان باللہ نہیں ہے ایمان باللہ صحیح معنی میں وہ ہے جو حضور ﷺ کے ذریعہ سے حاصل ہوا اور جس پر اہل اسلام عامل ہیں اور جس میں حضور ﷺ کی تصدیق بھی شرط ہے۔ اس عنوان میں یہ خوبی ہوئی کہ ایمان بالرسول کی تعلیم بھی کر دی اور ان کی اس قدر رعایت بھی ہوگئی کہ رسول ﷺ کا نام نہیں آیا جس سے وہ شرمندہ ہوتے اور ایمان سے رہ جاتے یہ کس قدر رحمت و شفقت ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیاوی زندگانی میں اس کی حالت اس حالت کے مثل ہے کہ ایک ہوا ہو جس میں تیز سردی ہو وہ لگ جاوے ایسے لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے اپنا نقصان کر رکھا ہو پس وہ اس کو برباد کر ڈالے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے آپ کو ضرر پہنچا رہے ہیں۔

تفسیری نکات

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کفار حیوۃ الدنیا میں جو خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسی کسی کافر قوم کی کھیتی میں پالا پڑ جائے اور اس کو تباہ کردے۔ تو جیسے وہ کھیتی ہری بھری ہونے کے بعد بالکل ضائع ہو جاتی ہے یونہی کفار کا خرچ کیا ہوا مال بوجہ عدم ایمان کے ضائع محض ہوتا ہے یہ تو آیت کا حاصل تھا۔

مگر سوال یہ ہے کہ اس مثال میں حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ کیوں فرمایا۔ حالانکہ پالہ کافر کی کھیتی کو بھی تباہ کر دیتا ہے اور مسلمان کی کھیتی کو بھی تو بات یہ ہے کہ مسلمان کی کھیتی کا پالہ سے کامل طور سے نقصان نہیں ہوتا گو کھیتی برباد ہو جائے مگر اس مصیبت سے اجر صبر بڑھ جائے گا اور آخرت میں جو ثواب اس کا بدلہ ملے گا وہ اس کھیتی سے لاکھ درجہ افضل ہو گا کیونکہ اجر آخرت کی تو شان یہ ہے

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد　　　آنچہ در وہمت نیاید آں دہد
خود کو باید ایں چنیں بازار را　　　کہ بیک گل می خری گلزار را

پس ضیاع اعمال کافر کے لئے کافر ہی کی کھیتی مثال ہو سکتی ہے کہ پالہ سے فنائے کامل اسی کو ہوتا ہے کیونکہ اس کا بدلہ بھی نہیں ملتا۔ مسلمان کو کامل اور حقیقی نقصان نہیں ہوتا۔ اس لئے ظلموا انفسھم کی قید بڑھا دی۔ واللہ یہ بڑے مزے کی قید ہے۔ اور مسلمانوں کے لئے بڑی خوشی کی بات ہے کہ دنیا کے کسی نقصان سے بھی ان کا حقیقی نقصان نہیں ہوتا۔ حقیقی نقصان صرف کافر کو ہوتا ہے۔ مسلمان کے لئے ہر وقت خوشی اور مسرت ہی ہے راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی (مظاہر الامال) پس اس وجہ سے بھی قلق نہ ہونا چاہیے۔

البتہ اعمال صالحہ اگر فوت ہوں اس کا قلق ہونا چاہیے مگر اس میں بھی ایک تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ اعمال صالحہ کے فوت ہونے کا عوام تو جس قدر چاہیں قلق کریں ان کو تو مفید ہے اور سالکین زیادہ اس کا بھی قلق نہ کریں بلکہ تھوڑی دیر تک رنج کر لیں پھر جی بھر کے توبہ کر لیں اور اپنے کام میں لگیں اور ماضی کی فکر میں نہ پڑیں کہ ہائے یہ کام کیوں فوت ہوا ہائے یہ خطا کیوں ہوئی۔ ہر وقت اسی کا شغل رکھنا سالک کو مضر ہے کیونکہ یہ فکر ترقی تعلق مع اللہ میں حجاب ہو جاتا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ تعلق مع اللہ بڑھتا ہے نشاط قلب سے اور یہ قلق نشاط کو کم کر دیتا ہے لیکن تھوڑی دیر تک تو قلق کرنا چاہیے اور خوب رونا دھونا چاہیے تا کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

نفس کو کوتاہی کی سزا تو ملے۔ پھر توبہ کر کے اور اچھی طرح استغفار کر کے اس سے التفات کو قطع کرے اور کام میں لگے۔

آج کل زیادہ قلق کرنے میں ایک اور بھی نقصان ہے وہ یہ کہ قلوب اس وقت بے حد ضعیف ہیں۔ زیادہ قلق سے ان کا ضعف بڑھ جاتا ہے جس سے بعض اوقات تعطل کی نوبت آ جاتی ہے جو کھلا ضرر ہے۔ بہر حال جب بعض منافع باقیہ کا فوت بھی زیادہ محل قلق نہیں تو منافع فانیہ یعنی منافع دنیویہ تو بالکل ہی محل قلق نہ ہوں گے تو ان پر تحسر بالکل ہی بے معنی ہے۔ خصوصاً جب کہ یہ بات ثابت ہے کہ مسلمان کی جو چیز بھی ضائع ہوتی ہے سب حق تعالیٰ کے ہاں جمع ہو جاتی ہے جس کا اسے ثواب ملتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک کانٹا بھی چبھ جائے تب بھی ثواب سے محروم نہیں رہا) جب اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہوئے رسول ﷺ کا بھی بدل ہے تو اور کیا رہ گیا۔ اب کوئی مصیبت ایسی نہیں جس سے خدا کے ہوتے ہوئے مسلمان پریشان ہو۔ ہاں دین میں کمی ہو تو قلق ہونا چاہیے کیونکہ اس کا عوض کچھ نہیں مگر اس میں بھی اعتدال ہونا چاہیے جیسا کہ اوپر بتلایا گیا کیونکہ نقصان دین کی تلافی بھی توبہ اور استغفار اور گریہ وزاری سے ہو سکتی ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

ترجمہ: اور خوشی سے کہا مانو اللہ اور رسول ﷺ کا تا کہ تم پر رحم کیا جائے

تفسیری نکات

حُبِ رسول

بہر حال یہ وہ آیت ہے کہ اس میں شریعت و طریقت دونوں کو بھر دیا ہے۔ یہ تمہید تھی اب ترجمہ اور مقصد بیان ہوتا ہے کہ خدا کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو۔ یہی مضمون قرآن میں جا بجا مختلف طور پر مذکور ہے کہیں صرف اطیعوا اللہ (خدا کا کہنا مانو) کہیں فقط اطیعوا الرسول (رسول کا کہنا مانو) اور کہیں دونوں کو ساتھ ذکر کیا ہے اس سے ایک عجیب مسئلہ ظاہر ہو گیا کہ اطاعت تو فقط اللہ تعالیٰ کی ہے اور واسطہ اس میں حضور ہیں۔ تو جہاں اطیعوا اللہ کے ساتھ والرسول بھی فرما دیا وہاں معنی یہ ہیں کہ رسول کا کہنا مانو ان کے ذریعے سے اللہ کی اطاعت ہو گی اور کہیں اطیعوا الرسول ہی فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کو خدا کے ساتھ تعلق ہو اس کے ساتھ تعلق کرنا خدا کے ساتھ تعلق کرنا ہے۔ اس سے صاف طور پر اہل سلوک کا ایک شبہ کھل گیا وہ یہ کہ ذکر لا الٰہ الا اللہ (خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) میں لا الٰہ کہتے وقت جو ماسوائے اللہ کی محبت کو قلب سے نکالا جاتا ہے تو کیا رسول کی محبت کو بھی نکالا جائے۔

جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت خدا کی محبت کا غیر نہیں کیونکہ حضور سے محبت اسی لئے ہے کہ وہ ذریعہ ہیں وصول الی اللہ (اللہ تعالیٰ تک پہنچے) کا تو یہ تو بعینہ خدا کی محبت ہے تو یہ لا الٰہ کے تصور سے خارج نہ کی جائے گی۔

مولانا نے ایک مقام پر اس کی ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص نے لعل سے پوچھا کہ تو کس کو زیادہ محبوب رکھتا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے؟ اپنے کو یا آفتاب کو۔ اس نے کہا کہ جس کو زیادہ محبوب بتلاؤں اس سے دوسرے کا محبوب ہونا لازم آتا ہے کیونکہ اگر اپنے نفس سے محبت ہے تو بوجہ لعل ہونے کے وصف کے ہے اور اس کا یہ وصف آفتاب سے آیا ہے تو آفتاب سے محبت ہوئی اور اگر آفتاب سے محبت ہے تو اسی لئے کہ اس نے یہ وصف میرے نفس کو عطا کیا ہے تو اپنے نفس کی محبت ہوئی۔

اس تمثیل سے یہ مسئلہ خوب حل ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ سے اسی واسطے محبت ہے کہ آپ مظہر (ظاہر ہونے کی جگہ (صفات خداوندی ہیں حق تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ آپ نور من انوار اللہ (انوار الٰہی کا ایک نور ہیں) آپ موصل (الی اللہ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے) ہیں تو یہ بعینہ خدا ہی کی محبت ہے۔

پس اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو) سب صحیح ہو گیا۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اطاعت کا حکم دیا ہے اور اس کا ثمرہ یہ بیان فرمایا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس آیت کے متعلق دو مضمون ہیں۔ مختصر بیان کرتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ اس میں اطاعت کا حکم ہے۔ لوگ اس کے معنی کہنا ماننا سمجھتے ہیں مگر اس میں ایک جزو اور بھی ہے جس کو لوگ بیان نہیں کرتے یعنی اطاعت کے معنی خوشی سے کہنا ماننا ہے کیونکہ طوع اس کا مادہ ہے اور طوع کے معنی رضا و خوشی کے ہیں تو اس میں حکم صرف کہنا ماننے کا نام نہیں بلکہ خوشی اور رضامندی کے ساتھ کہنا ماننے کا ہے۔

اب ٹٹولنا چاہیے کہ رغبت اور خوشی سے کہنا ماننے والے کتنے ہیں بہت کم ہیں۔ اکثر تو اس واسطے نماز روزہ کرتے ہیں کہ اگر نہ کریں گے تو پٹیں گے عذاب ہوگا۔ اس مذاق کے لوگوں کو اگر عذاب کا ڈر نہ ہو تو کبھی کہنا نہ مانتے سو اس کا نام اطاعت نہیں یہ تو سزا کے خوف سے کام کرنا ہوا۔

تسلیم و رضا

اور دوزخ نہ ہوں تب بھی کہنا مانے۔ چاہے کچھ انعام ملے یا نہ ملے سزا کی وعید ہو یا نہ ہو۔ ہر حال میں سر تسلیم خم رہے کیونکہ اس کی ذات کی عظمت کا یہی مقتضا ہے صاحب کمال کی اطاعت کرے کو خود بخود جی چاہا کرتا ہے اس کی طرف خود قلب مائل ہوا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کون صاحب کمال ہوگا جس میں ظاہری اور باطنی ساری خوبیاں جمع ہیں اور سب خوبیوں کے دینے والے بھی وہی ہیں۔

صاحبو! اگر غلام سے کہا جائے کہ یہ کام کرو اور وہ ساتھ ہی یہ کہے کہ کیا ملے گا۔ تو انصاف سے کہو وہ بے ہودہ ہے یا نہیں۔ بیشک ایسا غلام گردن زنی (گردن مارنے کے لائق) ہے جو بدلہ لے کر اپنے آقا کا کام کرے اس کی تو حالت یہ ہونی چاہیے تھی

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو   دل شدہ جتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

یعنی زندگی عطا فرمائیں تو آپ کی مہربانی ہے اور اگر آپ قتل کریں تو آپ پر قربان ہوں۔ دل آپ پر آ گیا جو تصرف کریں میں راضی ہوں۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن   کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

(c) ketabton.com: The Digital Library

تم اللہ کی اطاعت مزدوروں کی طرح مزدوری کی وجہ سے مت کرو۔ یعنی ثمرات کے لئے عبادت و اطاعت مت کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی وجہ سے کرو۔ ثمرات خود مرتب ہو جائیں گے۔ اس لئے آقائے حقیقی خود بندہ پروری کی روش کو جانتے ہیں۔

خدا کو خدا سمجھ کر عبادت کرو۔ یہ ہے خوشی سے کہنا ماننا اور یاد رکھو خوشی سے کہنا وہ مانے گا جس کو محبت ہو۔ ظاہرا اس مقام پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ محبت تو قلبی کیفیت ہے اور دل پر کیا اختیار ہے مگر یہ خیال غلط ہے دل کی حرکت کا ارادہ کرو۔ دیکھو حرکت ہوتی ہے یا نہیں تم نے نہ ارادہ کیا نہ سیکھا پہلے ہی سے خیال پکا لیا دل پر کیا اختیار ہے۔

دیکھو! بچہ کو پہلے پہل چلنا نہیں آتا مگر ماں باپ کو چلتا دیکھ کر وہ بھی سیکھ جاتا ہے۔ اگر ماں باپ سے نہ سیکھے تو ہرگز نہیں چل سکتا۔ آپ صاحبوں نے تحصیل کا قصد نہیں کیا۔ اگر طلب ہوتی تو ڈھونڈتے اور کامیاب ہوتے مگر افسوس کہ ناامید ہو کر بیٹھے رہے شریعت نے کم ہمتی کی تعلیم نہیں دی۔ حضور نے عالی ہمتی کا حکم فرمایا۔

ایک شخص آپ کے فیصلہ میں ہار گیا تو اس نے حسبی اللہ و نعم الوکیل (یعنی اللہ تعالیٰ مجھ کو کافی ہیں اور وہ اچھے کارساز ہیں) حضور نے فرمایا کہ تدبیر کرو اور جب کچھ نہ بنے تب کہو حسبی اللہ و نعم الوکیل دنیا کے بارے میں سب حضور کی اس تعلیم پر عمل کرتے ہیں کہ پہلے اپنی طرف سے انتہا درجہ کی کوشش کر لیتے ہیں' مگر دین کے بارے میں یہ حکم یاد نہیں رہتا اس میں آپ ہی ہمت ہار بیٹھتے ہیں۔

اسباب محبت

چنانچہ یہ شبہ بھی اسی وجہ سے پیدا ہوا کہ دل پر کیسے اختیار ہوگا۔ تو سنو واقعی محبت کی کیفیت قلبی ہے اور براہ راست تمہارے اختیار میں نہیں مگر اس کے لئے چند اسباب ہیں۔ وہ تمہارے اختیار میں ہیں۔ تو دارمدار ان اسباب پر ہے اور وہ موقوف محبت پر نہیں۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ " دین میں تنگی نہیں جب محبت کا حکم ہے تو اس کی تحصیل کے اسباب بھی آسان فرمائے ہیں۔ سنئے! میں اسباب کو بیان کرتا ہوں جن سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لئے چند باتوں کا التزام کرنا چاہیے۔

ایک تو اس کا کہ کسی وقت خاص میں خدائے تعالیٰ کے انعامات کو سوچا کرے اور اس کے ساتھ ہی اپنی نالائق حرکتوں کا مطالعہ کرے اور غور کرے کہ اگر احکام ظاہری کی اتنی مخالفتیں کرتا تو کیا انجام ہوتا اور ان کی نگاہوں میں کیسی ذلت ہوتی۔ مگر حق تعالیٰ نے باوجود میری سرکشی کے اپنے انعامات مجھ سے بند نہیں کئے۔

ولیکن خداوند بالا و پست   بعصیاں در رزق بکس نہ بست

یعنی خدائے عالی نے گناہوں کی وجہ سے کسی پر رزق کا دروازہ بند نہیں کیا۔

ایک جزو تو یہ ہے۔ دوسرا جزو یہ ہے کہ احکام ظاہر یہ شرعیہ کو بتکلف شروع کر دے یہ تجربہ ہے کہ اعمال میں محبت کرنے کا خاصہ ہے کہ اگر اول اول محبت نہ بھی ہو تو بھی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے مقناطیس کی کیفیت ہے کہ لوہا جب دور

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے تو کچھ نہیں اور جہاں پاس آیا تو یہ خود کھینچ لیتا ہے۔ اعمال میں بھی مقناطیسی اثر ہے۔ تیسرا جزو یہ ہے کہ کچھ وقت ذکر کے لئے بھی نکال لے خواہ تھوڑی ہی دیر ہو خواہ بلا مرید بنے ہو۔ مگر خلوت میں ہو ذرا توجہ کے ساتھ۔ چوتھا جزو یہ ہے کہ اہل اللہ کے پاس بیٹھا کرے۔ ان شاء اللہ ان کی صحبت کا اثر یہ ہوگا کہ بہت جلد دنیا کی محبت دل سے کم ہو جائے گی۔ اور اہل اللہ کی پہچان یہی ہے کہ ان میں دنیا کی محبت کم ہو اور ان میں خدا کی محبت ہو۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (تا کہ تم پر رحم کیا جائے) اس میں ایک بہت باریک بات ہے۔ وہ یہ کہ جتنے حکام دنیا میں ہیں ان کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر اطاعت نہ کرو تو سزا ہوتی ہے اور اطاعت کرو تو کچھ انعام نہیں اور جہاں معاوضہ ہوتا ہے وہ زیادہ کام کرنے کا ہوتا ہے۔ نفس اطاعت پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا۔ پابندی قوانین بلا معاوضہ ہر شخص کے ذمہ ہوتی ہے اگر پابندی نہ کرے تو مستحق سزا ہوتا ہے اور کوئی پابندی کرے تو اپنے فرض منصبی کو ادا کر رہا ہے۔ مستحق معاوضہ نہیں ہوتا تو کیا اس کو ظلم کہا جا سکتا ہے کیا کوئی اسے خلاف انصاف کہہ سکتا ہے جو شخص حکومت کا راز جانتا ہے وہ اس کو ظلم نہیں کہہ سکتا بلکہ خود حکومت کا حق سمجھتا ہے تو دنیا میں تو ہوتا ہے کہ کام لیا جاوے اور کچھ نہ دیا جاوے مگر یہ نہیں ہوتا کہ بغیر کام کئے صرف اطاعت پر کچھ دیا جائے۔

اب گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو نماز پڑھنے سے منتظر ہیں کہ کچھ ملے گا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی قدر دل میں نہیں وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (جیسی اللہ تعالیٰ کی قدر ہونی چاہیے ویسی انہوں نے قدر نہیں کی) اگر اتنی بھی خدا کی قدر ہوتی جتنی حکام دنیوی کی تو کیا خدا کا ہم پر حق نہیں ہے۔ پھر کیا منہ لے کر ہم معاوضہ و انعام کے متمنی ہیں۔ معلوم ہوا کہ خدا کی عظمت دل میں نہیں ہے۔ اگر عظمت ہوتی تو اگر کچھ بھی نہ ملتا تب بھی اطاعت کرتے مگر حق تعالیٰ کے قربان جایئے کہ اطاعت کا بدلہ صرف سزا نہ دینا گوارا نہ کیا بلکہ فرماتے ہیں لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (تا کہ تم پر رحم کیا جائے) اور رحمت کا لفظ فرمایا جو جنت دیدار بقاء سب کو شامل ہے اور پھر شفقت تو دیکھئے کہ تُرْحَمُوْنَ فرمایا یرحمکم اللہ (اللہ تعالیٰ تم پر رحم کریں) نہیں فرمایا۔ نکتہ یہ ہے کہ اتنا بھی شرمندہ نہ کیا کہ ہم تم پر احسان کریں گے تا کہ عبادت کے ساتھ احسان کے بھی زیر بار نہ ہوں۔ بلکہ بصیغہ مجہول فرمایا کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔

شاہی محاورہ

ایک نکتہ اور رہ گیا لعلکم کیوں فرمایا کیونکہ لعل تو امید و شک کے مقام پر استعمال کیا جاتا ہے اور حق تعالیٰ اس سے بری ہیں۔ تو نکتہ یہ ہے کہ شاہی محاورہ ہے۔ محاورہ میں شاید اور امید کا لفظ یقین ہی کے لئے ہوتا ہے بادشاہ یوں ہی خطاب کیا کرتے ہیں کہ تم کو امید رکھنی چاہیے اگر عظمت باری کو پیش نظر رکھا جائے تو اشکال وارد ہی نہ ہوتا۔ شاہی خطوط میں کثرت سے یہ محاورہ مستعمل ہے۔ لکھتے ہیں امیدوار بودہ بداند (تم کو امیدوار رہنا چاہیے) اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ قرآن مجید سب کتابوں سے پہلے پڑھے جب تک طرز تصنیفی کا دماغ خوگر نہ ہو۔

یہ مضمون تو آیت کے متعلق تھا۔ مقصود یہ ہے کہ احکام خداوندی کو مانو اور ان کا ماننا ان کے جاننے کے اوپر موقوف ہے بدوں جانے قانون کی پابندی کیسے ممکن ہے۔ پس علم دین حاصل کرو۔ میں نے علم دین کی فضیلت بیان نہیں کی کیونکہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ضرورت کا بیان کافی ہے اور ضرورت آپ کو معلوم ہوگئی کہ بدوں علم دین حاصل کئے اطاعت خدا ناممکن ہے۔

اب ایک فضیلت بھی بیان کرتا ہوں تاکہ زیادہ رغبت ہو فرماتے ہیں العلماء ورثه الانبیاء علیهم السلام کے وارث ہیں) امام محمد کو کسی نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا جب میں درگاہ رب العزت میں حاضر ہوا مجھ سے فرمایا گیا کہ کیا مانگتے ہو میں نے عرض کیا رب اغفرلی (اے پروردگار مجھ کو بخش) ارشاد ہوا کہ اے محمد! اگر میں نے تم کو عذاب دینا ہوتا تو تم کو یہ علم عطا نہ کرتا اور اسی سے بعض نے استنباط کیا ہے کہ کسی کو خبر نہیں کہ میرے ساتھ خدا کو کیا منظور ہے بجز علماء کے کیونکہ ارشاد ہے من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین (جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کرنا چاہتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا کر دیتے ہیں) اب سمجھ میں آیا کتنی بڑی ضرورت ہے اور کیسی فضیلت ہے علم دین کی کہ خدا تعالیٰ بدوں اس کے خوش نہیں ہو سکتے۔ رضاء حق علم دین حاصل کرنے پر موقوف ہے۔ ہاں اگر کوئی خدا ہی کو خوش کرنے کی ضرورت نہ سمجھے تو ایسے لوگ میرے مخاطب نہیں مگر ایسا ہو نہیں سکتا جس انسان کو بیوی بچوں سے صبر نہیں وہ خدا سے صبر کر کے کیوں چین سے بیٹھ سکتا ہے عرفاً وہ شخص بہت باہمت سمجھا جاتا ہے جس کو بیوی بچوں کا صبر آ جائے مگر نہیں اس سے بڑھ کر باہمت گو مذموم یہی وہ ہے جس نے خدا کو چھوڑ دیا اور صبر آ گیا۔

اے کہ صبرت نیست از فرزند وزن صبر چوں داری ز رب المنن

تم کو جب بیوی بچوں سے صبر نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ سے تم کو کیوں کر صبر آ گیا

اے کہ صبر نیست از دنیائے دوں صبر چوں داری از نعم العاہدوں

جنت کی طرف کشش کا سبب

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ کہ جنت خدا سے ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے تو خواہ مخواہ اس کی طرف کشش ہوتی ہے اور تقویٰ کو جی چاہتا ہے۔ مسلمانوں میں بعض لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ جنت ابھی پیدا نہیں ہوئی بعد میں پیدا ہوگی اور وہ اس کی وجہ بتلاتے ہیں کہ ابھی سے اس کا پیدا ہونا عبث ہے اور خدا تعالیٰ فعل عبث سے پاک ہے مگر ان کا یہ خیال غلط ہے جس کو اولاً نص قرآنی اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے) رد کر رہی ہے کیونکہ صیغہ ماضی کو مستقبل کے معنی میں لینا مجاز ہے حقیقت یہی ہے کہ اپنے معنی پر محمول ہو اور بلا وجہ معنی مجازی لینا جائز نہیں اور جو وجہ وہ بیان کرتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ میں نے ابھی اس کی حکمت بتلا دی ہے جس کو دوبارہ اعادہ کرتا ہوں۔ وہ حکمت یہ ہے کہ جنت کے پیدا کرنے کے بعد تو حق تعالیٰ ہم کو ان الفاظ سے خوشخبری سنا رہے ہیں کہ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (جنت متقیوں کے واسطے تیار کی گئی ہے) اور اگر پیدا نہ ہوتی تو بجائے اس کے یہ فرماتے تعد للمتقین (یعنی جنت متقیوں کے واسطے تیار کی جائے گی) اور ان دونوں کی تاثیر فی الطبیعة میں جو فرق ہے اس کو ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ اس وقت ایک شے موجود کی طرف راغب ہے اور اس وقت شی معدوم کی طرف رغبت ہوتی۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے پس جس فعل میں اتنی بڑی حکمت ہو اس کو عبث کون کہہ سکتا ہے اور یہ حکمت تو ہمارے ذہن میں آ گئی ہے اور نہ معلوم کیا کیا حکمتیں ہوں گی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

معبود ہونے کے لئے خالق ہونا ضروری ہے

حاصل استدلال کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں اور ان کے سوا صانع و خالق کوئی نہیں تو معبود بھی وہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ معبود کے لئے کامل الصفات و جامع الکمالات ہونا ضروری ہے اور خلق بہت بڑی صفت کمال ہے پس جو خالق نہیں وہ معبود بھی نہیں ہو سکتا اور جو خالق ہو گا وہ یقیناً تمام صفات کمال کا جامع ہو گا کیونکہ خلق کے معنی اعطاء وجود کے ہیں اور ظاہر ہے کہ تمام کمالات وجود کے تابع ہیں۔ پس جو ذات معطی وجود ہے۔ یقیناً اس کے قبضہ میں خزائن وجود ہیں اور جس کے قبضہ میں وجود کے خزائن ہوں وہ تمام صفات کمال کا جامع ہو گا۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے اکثر مواقع میں توحید کی دلیل میں صفت خالقیت کو بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ صفت خالقیت تمام کمالات کو مستلزم ہے حق تعالیٰ نے توحید کے دلائل میں زیادہ دقیق دلائل نہیں فرمائے بلکہ نہایت سہل سہل دلائل بیان فرمائے ہیں جن کو تھوڑی سی عقل والا بھی بہت جلدی سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر جگہ صرف خالقیت سے توحید کو ثابت فرمایا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ تدقیقات سے مخاطب ساکت تو ہو جاتا ہے مگر اس کی تسلی نہیں ہوتی اور سہل عنوانات سے تسلی خوب ہو جاتی ہے جیسا کہ اس آیت میں کتنا سہل عنوان ہے کہ کیا تم نے اس بات کو نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں تو ذہن توحید کی طرف جلد منتقل ہو جاتا ہے۔

اس میں انفاق غیظ وعفو واحسان کا بیان ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

کچھ سارا کمال اس میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کو۔ لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں اور آسمانی کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ تعالیٰ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو لوگ اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کریں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگ دستی اور بیماری میں اور جنگ میں' تو یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

اس میں تمام ابواب تقوی کو اجمالاً بیان کر دیا گیا ہے جس میں اول محض صورت بے معنی کو کافی سمجھنے کی ممانعت ہے (دل علیہ قولہ لیس البر ان تولوا وجوھکم) جیسا کہ منافقین و یہود نے تحویل قبلہ کی گفتگو کا شغل بنا لیا تھا۔ اس کے بعد ایمان باللہ و ایمان بالمعاد اور ایمان بالملئکۃ اور ایمان بکتب سماویہ اور ایمان بالانبیاء کا امر ہے۔ یہ تو اعتقادیات کے متعلق ہے۔ پھر حب مال کو انفاق سے زائل کرنے کا امر ہے (یا محبت الیہ میں مال خرچ کرنے کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترغیب ہے) یہ اصلاح قلب کے متعلق ہے۔ پھر اقامت صلوۃ کا امر ہے۔ یہ طاعت بدنیہ ہے پھر ایتاء الزکوۃ کا یہ اطاعت مالیہ ہے اور اوپر جو ایتاء مال کا ذکر ہوا ہے وہ انفاق تطوع ہے جس کی حدیث ترمذی میں تصریح ہے۔

ان فی المال لحقا سوی الزکوۃ ۔زکوۃ کے علاوہ بھی مال میں محتاجوں کا حق ہے (اور علی حبہ اس کا قرینہ بھی ہے کیونکہ اگر اسکا مرجع مال ہے تو حب مال کے ازالہ کے لئے فقط ایتاء زکوۃ کافی نہیں کچھ زائد انفاق کرنا چاہئے اور اگر اللہ تعالیٰ مرجع ہیں تو حب الٰہی کا مقتضا بھی یہی ہے کہ فرض کے علاوہ کچھ مال محض محبت کی وجہ سے خرچ کیا جائے)

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ: اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

تفسیری نکات

عفو کی فضیلت

عفو بھی بہت بڑی فضیلت ہے۔ اگر غضب نہ ہوتا اس سے محروم رہتے۔ پس نہ یہ فضیلت ہے کہ بالکل ہی غصہ نہ آوے اور نہ یہ فضیلت ہے کہ ذرا ذرا سی باتوں میں خفا ہو جائیں تحمل و عفو جانتے ہی نہ ہوں۔ فضیلت تو یہ ہے کہ اذا ما غضبوا ھم یغفرون مگر یہ واضح رہے کہ عفو اور تحمل کے مواقع ہیں ہر محل و موقع میں نہ غضب مناسب ہے اور نہ عفو بلکہ جو محل عفو کا ہے وہاں عفو کرنا چاہیے اور جو موقع غضب کا ہے وہاں غضب نافع ہے۔

غصہ کا آنا غیر اختیاری امر ہے

سخت غلطی ہے اس شخص کی جو غصہ کو بالکل دور کرنا چاہے کہ وہ بالکل ہی ملیا میٹ ہو جائے اگر یہ مطلوب ہوتا تو یوں نہ فرماتے وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ اور یہ ارشاد نہ ہوتا وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ اور لا تغضب صیغہ نہی کا ارشاد نہ ہوتا اس لئے کہ محو ہو جانے کے وقت مادہ ہی غضب کا نہ رہتا تو اس سے نہی ہی کی ضرورت نہ رہتی پس جوش اور غصہ کا آنا منہی عنہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ امور غیر اختیاریہ میں سے ہے اور امر و نہی امور اختیاریہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور امور اختیاریہ نہ محمود ہیں نہ مذموم۔ ہاں اس اعتبار سے ان کو محمود کہا جا سکتا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی قضا سے پیش آئے ہیں جیسے حافظ شیرازی اسی مضمون کی نسبت کہتے ہیں

درطریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست　　بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

بہر حال یہ درجہ تو منہی عنہ نہیں ہے اب دو درجہ باقی رہ گئے ایک تو جوش کے موافق کارروائی کرنا دوسرے جوش کو دبا کر عقل اور شرع کی اقتضاء کے موافق عمل کرنا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۣ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

ترجمہ: اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو یا اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے اور ہو جانتے ہیں۔

تفسیری نکات

وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی سخت گناہ کرتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں (یعنی صغائر کا ارتکاب کرتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اس کے بعد اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ صاحبو! ایسا بھی کوئی آقا اور مولیٰ دیکھا ہے کہ اس کی نافرمانی کریں اور وہ خود تعلیم کرے کہ ہم سے معافی چاہو اور اسی پر بس نہیں۔ اگر کوئی توبہ کرنے اور بخشش چاہنے سے شرمائے کہ کس منہ سے توبہ کروں میرا کیا منہ رہا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگوں تو اس کو ارشاد ہے وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی شرمانے کا موقع تو جب تھا کہ خدا کے سوا کوئی اور ٹھکانا ہوتا۔ خدا کے سوا کون گناہوں کو بخشنے والا ہے۔

تعلق مع اللہ کبھی نہ چھوڑو

مولانا رومی رحمۃ اللہ نے حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص آلودہ نجاسات چلا جا رہا تھا دریا نے کہا کہ میرے پاس آ میں تجھے پاک کر دوں۔ اس نے کہا میں تو آلودہ ہوں کیسے آؤں پاک ہو کر آؤنگا۔ دریا نے کہا کہ میاں صاحب شرم کو چھوڑو جب پاک ہو گے مجھ ہی سے یا میرے کسی جزو سے ہو گے اور اگر شرم ہی شرم میں رہو گے تو تمام عمر ناپاکی اور آلودگی میں گزر جاوے گی۔ تو صاحبو خدا تعالیٰ کا تعلق ہی ایک ایسی شے ہے کہ جو تم کو پاک صاف کرے گی پھر تعلق و توجہ میں پاکی کا انتظار کیا معنی۔ پس کیسے ہی برے ہو جاؤ مگر اللہ تعالیٰ سے تعلق نہ چھوڑو۔ گناہوں کا ہو جانا عجیب نہیں۔ مگر خدا کے ساتھ تعلق اور اللہ والوں سے تعلق یہ بھی خدا ہی سے تعلق رکھنا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: اور محمدؐ نرے رسول ہی تو ہیں آپؐ سے پہلے اور بھی بہت رسول گزر چکے ہیں سو اگر آپ کا انتقال ہو جاوے یا آپ ﷺ شہید ہی ہو جاویں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹا پھر بھی جاوے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ جلد ہی عوض دے گا حق شناس لوگوں کو۔

تفسیری نکات

ثبوت وصال رسول اکرم ﷺ

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ یہاں حق تعالیٰ نے ان شرطیہ کے ساتھ ان مات او قتل فرمایا ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ ان شرطیہ مقام شک میں لایا جاتا ہے۔ تو کیا صحابہ کو حضور ﷺ کی وفات واقع ہونے میں شک تھا کیا وہ حضور کے متعلق خلود کے معتقد تھے کہ آپ کو موت آئے ہی گی نہیں۔ ایسا گمان صحابہؓ کے متعلق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بات یہ تھی کہ غایت محبت کی وجہ سے حضور کا کسی وقت زندہ نہ ہونا ان کے ذہن میں نہ آتا تھا۔ اور آپ کو جو ایک خاص امتیاز تمام مخلوق سے کمالات نبوت وغیرہ کی وجہ سے حاصل تھا۔ اس کا اثر عام طبائع پر حالا یہ تھا کہ موت تو عوام کو آیا کرتی ہے۔ نبی کو کیا موت آتی ہے۔ گو اسکا اعتقاد نہ ہو۔ مگر تاہم حضور ﷺ کی موت ان کو کچھ مستبعد سی معلوم ہوتی تھی اور اجلہ صحابہ کو گو موت نبوی مستبعد نہ معلوم ہوتی ہو مگر ان کا خیال یہ تھا کہ حضور ﷺ اپنا کار منصبی پورا کرنے سے پہلے تشریف نہیں لے جا سکتے تکمیل دین سے پہلے آپ کا وصول نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واقعہ وفات میں حضور کی موت سے انکار کیا۔ اور تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ خبردار میں کسی کے منہ سے یہ لفظ نہ سننے پاؤں کہ حضور کا وصال ہو گیا۔ ابھی حضور کا وصال نہیں ہو سکتا بلکہ آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی ہے۔ آپ اس وقت تک دنیا سے نہیں جا سکتے جب تک اسلام تمام عالم میں نہ پھیل جائے اور دین کی ہر پہلو سے تکمیل نہ ہو جائے اور منافقین کا قلع قمع نہ ہو جائے۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ ابھی فروعات دین کی تکمیل نہیں ہوئی۔ چنانچہ قرآن کی ترتیب بھی نہ ہوئی تھی۔ گو اصولاً تکمیل ہو چکی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ تکمیل فروع بھی حضور ﷺ ہی کے ہاتھوں سے ہو گی اس لئے وہ وصال نبوی کا انکار کر رہے تھے۔ اور کفار و منافقین کو دھمکا رہے تھے کہ من قال ان محمدا مات ضربت عنقه۔ مگر ان کو یہ خبر نہ تھی کہ جس کام کے پورا ہونے کی وجہ سے میں حضور کی وفات کا انکار کر رہا ہوں حق تعالیٰ کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

وہی کام مجھ سے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لینا ہے۔ بحمد اللہ حضرات صحابہ کے زمانہ میں خصوصاً حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں اسلام کی فروئی تکمیل بھی کمال کے درجہ پر ہوگئی۔ خدا تعالیٰ کو یہ فضیلت شیخین رضی اللہ عنہما کو دینا منظور تھی۔ اس لئے حضور کو قبل تکمیل فروع بلا لیا۔ واقعی اگر حضور اس وقت تک زندہ رہتے تو علماء امت سے جو کام حق تعالیٰ نے لیا ہے وہ کام ان سے کیونکر لیا جاتا۔ قتال مرتدین واصلاح اہل عرب کا فخر حضرت صدیق کو کہاں نصیب ہوتا سب کام حضور ہی کے ہاتھ سے ہوتا۔ اسی طرح حضور کے ہوتے ہوئے امام ابوحنیفہ اور شافعی کو اجتہاد کی کیا ضرورت ہوتی۔ بس ہر مسئلہ حضور سے دریافت کر کے معلوم ہو جایا کرتا۔ ان حضرات کو یہ فضائل و کمالات حضور کی وفات ہی کی بدولت حاصل ہوئے اسی کو متنبی کہتا ہے۔

ولا فضل فیھا للمساحة والندی و فضل الفتی لو لا لقاء شعوب

خوش اعتقادی

یہ محرک آپ کی خبر موت کے بعد کہاں باقی رہ سکتا تھا اس لئے بعض کے قدم اکھڑ گئے یہ تو واقعہ تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ الآیہ یہاں حق تعالیٰ نے ان شرطیہ کے ساتھ ان مات او قتل فرمایا اور اھل علم جانتے ہیں کہ ان شرطیہ مقام شک میں لایا جاتا ہے تو کیا صحابہ کو حضور ﷺ کی وفات کے واقع ہونے میں شک تھا کیا وہ حضور کے متعلق معتقد خلود تھے کہ آپ کو موت آئے ہی گی نہیں ایسا گمان صحابہؓ کے متعلق ہرگز نہیں کیا جا سکتا بلکہ بات یہ تھی کہ غایت محبت کی وجہ سے حضور کا کسی وقت زندہ نہ ہونا ان کے ذہن میں نہ آتا تھا اور آپ کو جو ایک خاص امتیاز تمام مخلوق سے کمالات نبوت وغیرہ کی وجہ سے حاصل تھا اس کا اثر عام طبائع پر حالاً یہ تھا کہ موت تو عوام کو آیا کرتی ہے نبی کو کیا موت آتی گو اس کا اعتقاد نہ ہو مگر تاہم حضور کی موت ان کو کچھ مستبعد سی معلوم ہوتی تھی جیسے ایک بیوہ عورت نے مجھ سے اپنا حال بیان کیا جس کو اپنے خاوند کے انتقال کا بہت زیادہ صدمہ تھا کہ ایسا صدمہ عموماً نہیں ہوا کرتا تو اس نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ میرے میاں مولوی تھے اور میرا خیال یہ تھا کہ مولوی مرا نہیں کرتے تو میں ان سے بیاہ کر کے بڑی خوش تھی کہ بس ساری عمر سہاگن ہی رہوں گی ایسے ہی صحابہ کو حضور کی موت کا تصور ہی نہ آتا تھا اس لئے ان کے ساتھ اسی طرح کلام کیا گیا جس طرح متردد اور صاحب شک کے ساتھ کیا جاتا ہے مگر یہ حالت اکثر صحابہ کی تھی سب کی یہ حالت نہ تھی چنانچہ ایک بڑھیا صحابیہ کا قصہ حدیث میں آتا ہے کہ وہ حضور کے پاس کسی کام کو آئی تھی حضور نے فرمایا پھر کسی وقت آنا اس نے کہا یا رسول اللہ اگر میں آپ کو نہ پاؤں تو پھر کس کے پاس جاؤں اس میں اس نے حضور ﷺ کی وفات سے کنایہ کیا تھا تو آپ نے فرمایا فان لم تجدینی فاتی ابابکر کہ اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ: ہم ابھی ڈالے دیتے ہیں ہول کافروں کے دلوں میں بسبب اس کے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایسی چیز کو شریک ٹھہرایا جس پر کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی اور ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے بے انصافوں کی۔

تفسیری نکات

مراتب شرک

بعضے گناہ اور بھی ہیں جو ان تشرکوا باللہ (یعنی اللہ کا شریک کرنا اور ان تقولوا علی اللہ یعنی اللہ پر جھوٹ باندھنا کے اندر داخل ہیں۔ اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ مومنین میں نہیں کفار ہی کے اندر ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کفار جیسے کفر کے اندر اشد تھے اسی طرح ان کے اندر یہ گناہ بھی اعلیٰ درجہ میں تھے اور مومنین کے اندر بھی ان کی حقیقت پائی جاتی ہے گو اس درجہ کی نہ ہو مثلاً وہ قصداً شرک کرتے تھے اور مسلمان قصداً شرک نہیں کرتے گو لازم آ جاوے مثلاً نذر لغیر اللہ بعضے لوگ بزرگوں کے نام کی فاتحہ دلواتے ہیں اور ان کو حاجت روا سمجھتے ہیں یہ بحث بہت طویل ہے اس کے مراتب مختلف ہیں جس کو کچھ شبہ ہو تحقیق کر سکتے ہیں اسی طرح اور بہت سی رسوم شرکیہ ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہیں۔ غرض شرک کے مراتب مختلف ہیں کہ اعلیٰ درجہ ان کا کفار میں پایا جاتا ہے اور یہ ادنیٰ مرتبہ مومنین میں بھی متحقق ہے۔

اتباع ظن

اس مقام پر ایک بات طالب علموں کے کام کی یاد آئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ جو فرمایا ہے وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا یعنی حرام فرمایا ہے اللہ کے ساتھ ایسی شئے کے شریک کرنے کو جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ اگر دلیل اتارتے تو شرک جائز ہوتا۔ حالانکہ شرک قبیح بعینہ ہے اس میں کسی وقت بھی احتمال جواز کا نہیں ہے جو سب بدعات ہیں اسی طرح یہ مشہور ہے کہ شب برات کے حلوے سے اگر پہلا روزہ افطار کیا جائے تو بہت ثواب ہے یہ بالکل غلط ہے۔ مولوی عبدالرب صاحب واعظ مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ حلوے کی تین قسمیں ہیں۔ ایک اب کا ایک جب کا ایک تب کا۔ اب کا تو گڑ کا ہے جو مسجد کے ملانوں اور موذنوں کا اور جب کا شکر سفید کا ہے وہ خالہ اماں کے ہاں اور پھوپھی اماں کے ہاں جاوے گا اور تب کا وہ مصری کا ہے جو کس کے لئے ہے وہ اپنے لئے ہے اس سے پہلا روزہ افطار کیا جاوے گا واقعی انہوں نے بات بڑی سچی کہی اور لقب بھی خوب تراشے ہیں اس لئے کہ اب قریب کے لئے ہے اور جب بعید کے لئے اور تب ابعد کے لئے بولتے ہیں واللہ خوب ہی لطیفہ ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک اور اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ کسی کی افطاری سے روزہ نہ کھولو سارا ثواب اسی کو مل جاوے گا غرض اس قسم کی بہت سی بدعات ہیں جو اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں داخل ہوسکتی ہیں۔ بطور فہرست کے مختصراً پھر عرض کرتا ہوں سو بات یہ ہے کہ مقصود یہ ہے کہ بندہ کو چاہیے کہ جو کام کرے وہ کام ایسا ہو کہ اس پر دلیل موجود ہو اور شرک ممالا دلیل لہ سے ہے بلکہ اس کے خلاف کے دلائل بکثرت موجود ہیں پس ایسا کام کرنا جس پر دلیل نہ ہو یہ تو برا ہے ہی اور ایسا کام کرنا اور بھی زیادہ برا ہے جس کے خلاف پر دلائل ہوں پس مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا سلطانا کنایہ ہے اس بات سے کہ اس کے خلاف پر دلائل ہیں۔

یہاں پر ایک شبہ اور ہوتا ہے کہ بہت سے احکام قیاسیہ و مجتھد فیھا بلکہ کل ایسے ہی ہیں کہ ان کی اللہ تعالیٰ نے دلیل نہیں اتاری پس اس سے منکرین قیاس اچھی خاصی طرح استدلال کرسکتے ہیں جواب یہ ہے کہ سلطانا عام ہے اس لئے کہ نکرہ اور تحت میں نفی کے ہے پس معنی یہ ہیں۔

مالم ینزل به سلطانا ما ای لاخاصاً به ولایرجع الیه والاحکام القاسیة و ان لم ینزل به سلطانا خاصا به ولکن ننزل به سلطانا مما یرجع الیه ای النص المقیس علیه ولھذا قالو القیاس مظھر لا مثبت

اور یہاں سے جواب ہوگیا اس شبہ کا بھی جو **لاتقف ما لیس لک به علم** سے ابطال قیاس پر استدلال کیا کرتے ہیں کہ جس کا علم یقینی نہ ہو اس کے درپے نہ ہونا چاہیے اور احکام قیاسیہ ظنی ہیں تقریر جواب کی یہ ہے کہ علم نکرہ ہے اور تحت میں نفی کے ہے پس فائدہ عموم کا دے گا۔ مطلب یہ ہے۔ **ولاتقف ما لیس لک به علم** یعنی اس بات کی پیروی نہ کرو جس کا کسی درجہ میں علم نہ ہو نہ یقین کے درجہ میں اور نہ ظن کے۔

اور یہاں سے ایک اور آیت کی بھی تفسیر اور ایک شبہ کا جواب ہوگیا وہ یہ ہے کہ منکرین قیاس آیت اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ سے بھی ابطال قیاس پر استدلال کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیاس بھی ظنی ہے اس کا اتباع کرنا بھی قابل ملامت وشکایت ہوگا تقریر جواب کی یہ ہے کہ جس ظن کے اتباع کی شکایت ہے وہ ظن ہے کہ **بنفسه و باصله** ہر طرح ظن ہو یعنی نہ خود یقین ہو اور نہ وہ یقینی ہو جس کی طرف یہ راجع ہے باقی جو کسی قطعی کی طرف راجع ہو گو راجع ہونا اس کا محض ظنی ہو وہ اس سے خارج ہے اور قیاس میں یہی ہے کہ **مقیس علیه** تو **فی نفسه** قطعی اور یقینی ہوتا ہے اگرچہ طریق اس کا ظنی ہو اور اتباع اسی کا مقصود ہے باقی راجع ہونا اس حکم قیاسی کا اس اصل کی طرف یہ ظنی ہے اور اس کے ظنی ہونے سے کچھ اعتراض لازم نہیں آتا۔

اور ایک جواب اور ہے وہ یہ ہے کہ ظن کے معنی وہ نہیں ہیں جو ملا حسن اور قاضی میں لکھے ہیں یعنی الطرف الراجح اس لئے کہ قرآن شریف تو لغت عرب میں نازل ہوا ہے عرب ظن کا اطلاق وہم اور جانب مغلوب سب پر بھی کرتے تھے چنانچہ آیت اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا میں ظن سے وہم مراد ہے اس لئے کہ یقینی بات یہ ہے کہ ان کو قیامت کا ظن بمعنی معروف نہیں تھا پس اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ میں بھی ظن کے معنی یہی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ وہم پرستی میں مشغول ہیں۔ خیر یہ ایک طالب علمی تحقیق تھی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

بدعات رمضان

اسی طرح ان تقولوا علی اللہ کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ اعلیٰ درجہ تو اس کا کفار میں پایا جاتا ہے اور ادنیٰ درجہ اس کا بدعات ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہیں اور اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں اس لئے داخل ہیں کہ ان کو عبادت سمجھ کر کرتے ہیں تو گویا لسان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بتلائی ہیں منجملہ ان بدعات کے رمضان کی بدعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مجھلے روزہ کو افضل سمجھتے ہیں اور اس کے کچھ احکام بھی تراش رکھے ہیں۔

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ: تم میں سے بعضے تو وہ شخص تھے جو دنیا چاہتے تھے اور بعضے تم میں سے وہ تھے جو آخرت کے طلب گار تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے اپنی نصرت کو بند کر دیا اور پھر تم کو ان کفار سے ہٹا دیا تا کہ خدا تعالیٰ تمہاری آزمائش فرما دے اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بڑے فضل والے ہیں۔

تفسیری نکات

ارادہ دنیا مطلقاً مذموم نہیں

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ تم میں سے بعضے تو وہ شخص تھے جو دنیا کو چاہتے تھے اور بعض تم میں وہ تھے جو آخرت کے طلب گار تھے یہ قرآن شریف کا جملہ ہے اس پر شبہ ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ دنیا کے بھی طالب تھے۔ اس کے علماء نے بہت سے جواب دیئے ہیں۔ مگر سب سے اچھا جواب ابن اعطاء اسکندری کا ہے وہ یہ کہ اگر ہم مان بھی لیں کہ بعض صحابہ دنیا کے طالب تھے تو جواب یہ ہے کہ ارادہ دنیا مطلقاً مذموم نہیں۔ ارادہ دنیا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ارادہ دنیا للدنیا اور ایک ارادہ دنیا للآخرۃ۔ پہلا ارادہ مذموم ہے۔ دوسرا مذموم نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا جامی کا قصہ ہے کہ وہ خواجہ عبید اللہ احرار کی خدمت میں بیعت کے ارادہ سے گئے۔ خواجہ صاحب کے پاس بڑی ثروت تھی۔ مولانا جامی چونکہ طالب تھے اور طالب بے باک ہوا ہی کرتا ہے اس وجہ سے ان کی یہ حالت دیکھ کر مولانا جامی نے یہ مصرعہ پڑھا نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد اور واپس چلے آئے۔ اور مسجد میں آ کر سو رہے۔ خواب میں دیکھا کہ میدان حشر برپا ہے۔ اسی حالت میں کسی صاحب معاملہ نے آ کر ان کو پکڑ لیا اور کہا کہ دو پیسے لاؤ۔ فلاں معاملہ میں تمہارے ذمے رہ گئے تھے۔ اب یہ ہر چند پیچھا چھڑاتے ہیں۔ وہ چھوڑتا نہیں۔ اتنے میں دیکھا کہ خواجہ صاحب کی سواری آئی آپ نے فرمایا کہ فقیر کو کیوں

(c) ketabton.com: The Digital Library

تنگ کر رکھا ہے ہم نے جو یہاں خزانہ جمع کیا ہے وہ کس واسطے ہے۔ ان کے ذمے جتنا مطالبہ ہے اس میں سے ادا کر دو۔ ان کے کہنے سے انہیں رہائی ملی۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ خواجہ صاحب کی سواری آ رہی ہے۔ اب یہ بہت ہی محجوب ہیں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ وہ مصرعہ تو پڑھو جو تم نے پڑھا تھا۔ اب یہ شرم کے مارے پڑھتے نہیں اصرار کرنے پر پڑھا (نہ مردست آنکہ دنیا دوست دارد) آپ نے فرمایا کہ ابھی یہ ناتمام ہے۔ اس کے ساتھ یہ اور ہونا چاہیے (اگر دارد برائے دوست دارد) دنیا اگر ہو بھی تو اپنے واسطے نہ ہو دوست کے واسطے ہو۔ ایسی دنیا میں کیا حرج ہے۔ ان حضرات کے پاس جو دنیا ہوتی ہے وہ حق تعالیٰ ہی کے لئے ہوتی ہے۔ انہیں کے حکم سے اس کو اپنے پاس رکھتے ہیں چنانچہ وہ اس میں مالکانہ تصرف نہیں کرتے بلکہ جہاں ان کا حکم ہوتا ہے وہاں صرف کرتے ہیں (الحیوۃ)

فرمایا۔ غزوہ احد میں جو یہ آیت نازل ہوئی مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ

ترجمہ: تم میں سے بعض تو وہ شخص تھے جو دنیا کو چاہتے تھے اور بعض تم میں وہ تھے جو آخرت کے طلبگار تھے۔

آیت کی تفسیر لطیف

اس کی لطیف تفسیر یہ ہے کہ منکم من یرید الدنیا للاخرة و منکم من یرید الاخرة الخالصة. کیونکہ احد میں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مرکز کو چھوڑ گئے تھے وہ مراد ہیں یرید الدنیا سے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان سے یہ بعید ہے کہ صرف دنیا کو مقصود ہو۔ نیز قواعد سے ردہ اور مدد کو بھی غنیمت میں شریک کیا جاتا ہے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اگر نہ جاتے تو بھی غنیمت میں شریک تھے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مرکز کو چھوڑنا اجتہادی غلطی تھی کہ اب یہاں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ غنیمت جمع کرنے والے کی امداد کریں۔ یہ بھی دین تھا مگر بذریعہ دنیا اور جو جماعت حضور ﷺ کے فرمانے سے وہاں رکی رہی وہ دین تھا خالص۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝

ترجمہ: وہ وقت یاد کرو جب کہ تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور رسول ﷺ تمہارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہے تھے سو خدا تعالیٰ نے تم کو پاداش میں غم دیا بسبب غم دینے کے تاکہ تم مغموم نہ ہوا کرو نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس پر جو تم پر مصیبت پڑے اور اللہ تعالیٰ سب خبر رکھتے ہیں تمہارے سب کاموں کی۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک غم دیا بہ سبب اس کے کہ ہمارے رسول ﷺ کو تم نے غم دیا اور غرض اس غم دینے کی یہ فرمائی کہ تم لوگ غمگین نہ ہو تو بظاہر یہ فہم میں نہیں آتا اس لئے کہ غم تو اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ حزن ہو نہ کہ اس لئے کہ غم نہ ہو اسی واسطے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لا زائد ہے مطلب یہی ہے کہ غم اس لئے دیا تاکہ تم کو حزن ہو۔

شانِ نزول

یہ کہ غزوہ احد کے قصہ میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں کچھ خطا واقع ہوئی تھی وہ یہ کہ جس ناکہ پر حضور ﷺ نے ثابت اور قائم رہنے کا امر فرمایا تھا بوجہ خطا اجتہادی کے اس پر قائم نہ رہے اس کے بارہ میں ارشاد ہے۔

حضرات صحابہؓ کی حیثیت خداوندی

الحمدللہ میری سمجھ میں اس کی تفسیر ایسی آئی ہے کہ اس تقدیر پر لا ماننے کی ضرورت نہیں ہے اور معنی بے تکلف درست ہیں وہ یہ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حق تعالیٰ سے نہایت شرماتے تھے جب ان سے یہ خطا واقع ہوئی تو ان کا جی چاہتا تھا کہ ہم کو سزا اس کی دنیا میں مل جائے تو ہماری طبیعت صاف ہو جاوے اور اپنے مالک حقیقی سے سرخرو ہو جائیں اگر سزا نہ ہوتی تو ساری عمر رنجیدہ رہتے اور یہ غم ان کے نزدیک نہایت جانکاہ و جان فرسا تھا اس بناء پر فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو اس خطا کی یہ سزا دے دی تاکہ تم کو غم نہ ہو غرض کہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک تو وہ جو سزا کا نام سن کر ڈرتے ہیں اور ایک وہ جو صرف اطلاع کی خبر دینے سے شرماتے ہیں اور اس کام کے قریب نہیں جاتے تو جو بے حیا تھے وہ تو یوں رکے کہ یعلم میں اشارہ سزا کی طرف بھی ہے چنانچہ مفسرین ایسے مقام پر فیجازیکم بہ فرماتے ہیں اور دوسرے مذاق والے اس لئے رکے کہ شرم سے گڑ گئے کہ اللہ دیکھ رہا ہے بہر حال یہ دونوں مذاق والوں کے لئے عید ہے۔ (غض البصر)

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۔

تصفیہ باطن

اس میں مشہور تفسیر یہی ہے کہ لا زائدہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا ۔ کہ تم کو غم پر غم اس لئے دیا تاکہ تم کو رنج ہو اور رنج کیوں دیا؟ اس کی وجہ تھوڑی دیر آگے مذکور ہے وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔ جس کا حاصل وہی تصفیہ و تجلیہ باطن ہے اور تصفیہ و تجلیہ باطن سے مقصود رفع درجات ہے اور یہی اصل مقصود ہے۔ سزا بعض دفعہ رنج کم کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔

آداب اعصاب برائے دفع رنج

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ سزا بعض دفعہ رنج کم کرنے کے لئے آداب اعصاب دی جاتی ہے تاکہ تم کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

(انتقام لینے کے بعد) اس بات پر (زیادہ) رنج نہ ہو۔ جو تم سے فوت ہوگئی تھی۔ یہ وہی بات ہے کہ بعض شریف طبیعتوں پر خطا کا انتقام نہ لینے سے ندامت زیادہ غالب ہوتی ہے اور انتقام لینے سے ندامت کم ہو جاتی ہے۔ اسی بنا پر ارشاد ہے کہ ہم نے تم کو تھوڑی سی مصیبت اس لئے دے دی تا کہ بدوں سزا کے معافی دینے سے تم پر ندامت و رنج کا زیادہ غلبہ نہ ہو۔ بعض مفسرین نے اس جگہ لکیلا تحزنوا میں لائے نافیہ کو زائد مانا ہے۔ ان کو یہ خیال ہوا کہ موقع عتاب کا ہے اور سزا تو رنج دینے ہی کے لئے دی جاتی ہے۔ پھر اس کا کیا مطلب کہ تم کو اس لئے غم دیا تا کہ تم مافات پر رنج نہ کرو ان کے نزدیک لا کو اپنے معنی پر رکھ کر مطلب نہ بن سکا اس لئے انہوں نے لا کو زائد کہہ کر یہ مطلب بیان کیا کہ تم کو غم دیا تا کہ تم کو مافات پر رنج ہو مگر جس نے اس حالت کو سمجھا ہے جو میں نے ابھی بیان کی ہے وہ سمجھے گا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خدا اور رسول کے عاشق تھے۔ اگر ان کی خطا بدوں کسی انتقام کے معافی کر دی جاتی تو عمر بھر مارے ندامت کے آنکھ نہ اٹھا سکتے۔ اس لئے ان کو تھوڑی سی مصیبت دے دی گئی تا کہ زیادہ رنج غالب نہ ہو۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ سزا ہمیشہ رنج دینے ہی کے لئے ہوا کرتی ہے بلکہ بعض دفعہ رنج کم کرنے کے لئے بھی سزا دی جایا کرتی ہے۔ اس حالت پر نظر کر کے تفسیر نہایت صاف ہے اور لا کو زائد کہنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ (ذم النسیان)

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (آل عمران)

ترجمہ: اور جو کچھ ہوا اس لئے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے باطن کی بات کی آزمائش کرے اور تا کہ تمہارے دلوں کی بات کو صاف کر دے اور اللہ تعالیٰ سب باطن کی باتوں کو خوب جانتے ہیں۔

شان نزول

اس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب غزوہ احد میں مسلمانوں کی صف بندی کی تو ایک گھاٹی کا جو مسلمانوں کی پشت پر تھی اور وہاں سے دشمن کے حملہ کا خطرہ تھا یہ انتظام فرمایا کہ ایک دستہ مختصر جماعت کا اس کی حفاظت کے لئے مقرر فرما دیا کہ تم یہاں سے بدوں میری اجازت کے نہ ہٹنا۔ گو ہمارے اور کچھ ہی گزر جائے انبیاء علیہم السلام ہر قوت میں کامل ہوتے ہیں۔ انتظام میں بھی کامل ہوتے ہیں۔ انبیاء بھولے نہیں ہوتے۔ ان میں ضروری انتظام سب کامل ہوتا ہے۔

تمحیص و ابتلا کا فرق

اس کے بعد وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ فرمانے میں نکتہ یہ ہے کہ تمحیص و ابتلاء میں فرق ہے جس کو ایک مثال سے سمجھو کہ سونے چاندی کو پرکھنے کا قاعدہ یہ ہے کہ اول کسوٹی پر رکھتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سونا چاندی ہے یا نہیں۔ اس کے بعد اس کو آگ پر رکھتے ہیں تا کہ میل کچیل کو الگ کر دیا جائے پس وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ کا حاصل تو یہ تھا کہ نفس ایمان کی آزمائش کی جاتی ہے کہ اس میں ایمان بھی ہے یا نہیں اور تمحیص کا حاصل یہ ہے کہ مصیبت کے ذریعہ سے ایمان کو میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

رہا یہ کہ ایمان کے میل کچیل سے کیا مراد ہے تو سنئے بعض لوگوں کا ایمان وساوس ومعاصی سے مشوب ہوتا ہے۔ مصیبت کے ذریعہ سے وساوس ومعاصی کا میل دھو دیا جاتا ہے کیونکہ مصیبت کی خاصیت یہ ہے کہ دل کو اللہ کی طرف متوجہ کر دیتی ہے اور وہ غفلت جو وساوس ومعاصی سے قلب میں پیدا ہوگئی تھی مصیبت کے وقت دور ہو جاتی ہے۔ یہی تمحیص ہے اور یہ تفسیر اہل سنت کے مذہب پر سب سے زیادہ منطبق ہے کیونکہ وہ ایمان خالص وایمان غیر خالص کے قائل ہیں بخلاف معتزلہ وخوارج کے کہ وہ معاصی کو مزیل ایمان یا موجب کفر کہتے ہیں۔ پس ان کے نزدیک یا ایمان اور عدم ایمان ہے خواہ ایمان وکفر۔ وہ ایمان ناقص و کامل کا فرق نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک معاصی سے ایمان زائل ہو جاتا ہے یا کفر بھی لازم آ جاتا ہے۔

غرض! مصائب میں ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے ایمان کی آزمائش ہوتی ہے اور ایمان کے اندر معاصی و وساوس سے جو میل کچیل آ جاتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے اور اس تمحیص سے بندہ پر عبدیت غالب ہو جاتی ہے اور دعویٰ اور غرور اور تکبر کا میل و کچیل کم ہو جاتا ہے اور اپنی حقیقت منکشف ہو کر سمجھ میں آ جاتا ہے کہ آدمی کبھی دعویٰ نہ کرے۔

اصلاح قلب

خلاصہ یہ کہ مصائب میں ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے استحضار عظمت ہوتا ہے اور عبدیت حاصل ہوتی ہے اس کی طرف لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ رہا یہ کہ اس آیت میں ایک جگہ صدورکم اور ایک جگہ قلوبکم کیوں فرمایا اس میں اسلم یہ ہے کہ تفنن پر محمول کیا جائے جیسا کشاف نے کہا ہے اور اگر نکتہ ہی کی ضرورت ہو تو احسن یہ ہے کہ کہا جاوے کہ دو لفظ اس لئے اختیار کئے گئے تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے باطن کی بات کی آزمائش کرے۔ ای فعل ما فعل من واقعات جمتلمصالح کثیرۃ منھا ان یبتلی اللہ ما فی صدورکم یعنی جو کچھ یہ واقعات ہوئے ہیں ان میں بہت سی حکمتیں ہیں منجملہ ان کے ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے تمہارے دل کی بات کا امتحان مقصود تھا۔ دل کی بات سے مراد ایمان ہے کہ ان واقعات میں تمہارے ایمان کی آزمائش تھی کہ دیکھیں مصیبت کے وقت بھی ہم سے تعلق رکھتے ہو یا نہیں کیونکہ احسان کے وقت تو ہر شخص آقا سے راضی رہتا ہے۔ ہاں! جب وہ تنخواہ بند کر دے اس وقت بھی علاقہ رہے تو کہا جائے گا کہ واقعی اس کو تعلق ہے۔

کہ صدر باعتبار اپنی حقیقت کے ظاہر ہے کہ قلب بہ اعتبار اپنی حقیقت کے باطن ہے تو اس میں اشارہ اس پر ہے کہ کبھی ظاہر کی اصلاح سے باطن کی اصلاح ہوتی ہے اور کبھی باطن کی اصلاح سے ظاہر کی اصلاح ہوتی ہے یعنی کبھی ابتلاء سے اولا صدر کی اصلاح کی جاتی ہے جو کہ جوارح ہے اور اس کا اثر باطن تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی تمحیص سے قلب کی اصلاح کی جاتی ہے جو کہ باطن ہے اور اس کا اثر ظاہر تک پہنچ جاتا ہے۔ پس دو لفظ اختیار کرنے میں اشارہ اس پر تنبیہ کر دی گئی کہ کسی جانب میں ظاہر کی اصلاح سے باطن کی سہل ہو جاتی ہے اور کسی حالت میں برعکس غرض جس طرح بھی ہو اصلاح کرنا چاہیے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ اللہ سب باطن کی چیزوں کو خوب جانتے ہیں۔ میرے ذوق میں اس جملہ سے ایک شبہ کا جواب دیا گیا ہے وہ یہ کہ بعض لوگوں کو لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ سے یہ وسوسہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہو سکتا ہے کہ دوا سے تو علاج اسی مرض کا ہوتا ہے جس کا ہم کو علم ہو اور ہم اس کے علاج کا قصد کریں۔ اور اگر ہم نے ایک مرض کا علاج کیا جس کا ہم کو علم تھا تو اس سے دوسرے مرض کا تو ازالہ نہ ہوگا جس کا علم نہیں۔ جیسے بعض لوگوں کو استغفار میں بھی یہی خیال ہے کہ توبہ و استغفار سے وہی گناہ معاف ہوتا ہے جس کا نام لیا جائے۔ یا دل میں خیال کیا جائے اور جس گناہ کا اس وقت خیال بھی نہ ہو وہ معاف نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ ان لوگوں کو یہ وسوسہ ہوا کہ مصائب سے تمحیص کامل نہ ہوگی کیونکہ ہم کو اپنے بہت سے امراض کا علم نہیں ہوتا اور بہت سے گناہ ہم کر کے بھول جاتے ہیں تو یہ گناہ کیونکر معاف ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ میں اس شبہ کا جواب دیا ہے۔ تمہارا یہ گمان صحیح نہیں کہ علاج سے اسی مرض کا ازالہ ہوتا ہے جس کا مریض کو علم ہو بلکہ طبیب کا علم کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلوب کی پوری حالت معلوم ہے۔ تو وہ ان مصائب سے سب امراض کا علاج کر دیں گے اور سارے گناہ دھو دیں گے اور استغفار میں بھی یہی بات ہے کہ اجمالی استغفار سب گناہوں کی مغفرت کے لئے کافی ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے واستغفرک مما تعلم ولا اعلم یہ دوسری رحمت ہے جو مصائب سے حاصل ہوتی ہے۔ پس ان منافع و مصالح کو پیش نظر رکھ کر مصیبت کی پریشانی کو ہلکا کرنا چاہیے اور مایوس نہ ہونا چاہیے اور آئندہ کے لئے بھی اعمال صالح کی پابندی کا عہد کرنا چاہیے کہ ہمیشہ عبدیت کا یہی برتاؤ رکھوں گا جو مصیبت میں تھا اور ان مضامین کو یاد کر کے غم و حزن کو کم کرنا چاہیے۔

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

آیت غزوہ احد کے متعلق ہے جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب غزوہ احد میں مسلمانوں کی صف بندی کی تو ایک گھاٹی کا جو مسلمانوں کی پشت پر تھی اور وہاں سے دشمن کے حملہ کا خطرہ تھا یہ انتظام فرمایا کہ ایک دستہ مختصر جماعت کا اس کی حفاظت کے لئے مقرر فرما دیا کہ تم یہاں سے بدوں میری اجازت کے نہ ہٹنا۔ گو ہمارے اوپر کچھ ہی گزر جائے انبیاء علیہم السلام ہر قوت میں کامل ہوتے ہیں۔ انتظام میں بھی کامل ہوتے ہیں۔

غرض! حضور نے نقشہ جنگ کا اس طرح انتظام فرمایا کہ اس گھاٹی پر ایک دستہ فوج مقرر فرما دیا کہ اس طرف سے کفار نہ آسکیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو کفار پر حملہ کا حکم دیا تو تھوڑی ہی دیر میں کفار کو شکست ہوئی (اور ان کا جھنڈا زمین پر گر پڑا۔ سات دفعہ اس کو اٹھایا گیا مگر ہر دفعہ سرنگوں ہوا اور کفار بری طرح بھاگے) اب اس دستہ فوج میں جو گھاٹی پر متعین تھا' اختلاف ہوا۔ اکثر کی یہ رائے ہوئی کہ اب ہم کو یہاں رہنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے بھائیوں کا پورا غلبہ حاصل ہو چکا ہے اور وہ کفار کے تعاقب میں جا رہے ہیں۔ ہم کو بھی اس جہاد و غنیمت میں حصہ لینا چاہیے۔ ان کے افسر نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ حضور نے ہم کو یہاں سے بدوں اجازت کے ہٹنے سے منع فرما دیا ہے تم کہ یہاں سے نہ ہلنا چاہیے مگر بجز دس پانچ آدمیوں کے کسی نے افسر کی رائے نہ مانی اور زیادہ تعداد وہاں سے ہٹ کر قتال و غنیمت میں مشغول ہو گئی۔

یہاں سے آپ کو کثرت رائے کی حقیقت واضح ہو گی کہ کثرت رائے کا ہمیشہ حق پر ہونا ضروری نہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضرت خالد کی قابلیت

یہاں اتنی بات سمجھ لینا چاہیے کہ ان صحابہ کا یہ خیال تو نہ تھا کہ اگر ہم غنیمت جمع نہ کریں گے تو غنیمت سے ہم کو حصہ نہ ملے گا کیونکہ شرکت غنیمت کے لئے شرکت جنگ لازم نہیں۔ غنیمت میں محافظان فوج بھی شریک کئے جاتے ہیں حالانکہ وہ جنگ میں شریک نہیں ہوتے بلکہ ان حضرات کو یہ خیال ہوا کہ بدوں شرکت جنگ کے شاید ہم کو جہاد کا ثواب نہ ملے یا کم ملے۔ اس خیال سے وہ گھاٹی چھوڑ کر تعاقب میں اور مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔

اس وقت تک حضرت خالد بن ولیدؓ مسلمان نہ ہوئے تھے بلکہ کفار کے ساتھ تھے اور جنگ آزمودہ ہمیشہ سے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی ان کے جاسوس بہت چھپے ہوئے تھے (اور یہ ان کی جنگی قابلیت کی دلیل ہے کہ عین معرکہ کے وقت بھی جاسوس محکمہ کو اپنے فرائض انجام دینے پر مامور کر رکھا تھا) عین اس وقت جب کہ کفار بھاگے جا رہے تھے اور مسلمان ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ حضرت خالد کو جاسوس نے اطلاع دی کہ مسلمانو کے عقب کی گھاٹ خالی ہو چکی ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت خالد نے اپنے کافی تعداد سواروں کو ساتھ لے کر گھاٹی کا رخ کیا اور دس پانچ صحابی جو وہاں جمع ہوئے تھے ان کو تہ تیغ کر کے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا حالت دیکھ کر کفار کا باقی ماندہ لشکر بھی بھاگتے بھاگتے رک گیا اور اس نے مڑ کر مسلمانوں پر حملہ کیا۔

اجتہادی غلطی

اب مسلمان دو طرف سے گھر گئے اور سخت مصیبت کا سامنا ہوا اس حالت میں شیطان لعین نے پکار دیا الاان محمدا قد قتل کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے اس آواز کا صحابہ کے کانوں میں پڑنا تھا کہ ان کے قدم اکھڑ گئے کیونکہ قدم کا جمنا تو دل کے تابع ہے جب دل ہاتھ سے نکل گیا تو قدم کیونکر جمیں۔

پس صحابہ کے قدم اکھڑنے پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر ان کے قدم نہ اکھڑتے تو بعض کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ ان کے دل میں محبت نہ تھی رہا یہ کہ پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں عتاب فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھاگنے اور قدم اکھڑنے پر عتاب نہیں فرمایا بلکہ معصیت رسول پر عتاب فرمایا ہے جو کہ فعل اختیاری تھا اور قدم کا اکھڑ جانا مغلوب الحال لوگوں کے لئے غیر اختیاری تھا اور گو اس معصیت میں بھی اجتہادی غلطی تھی (کہ گھاٹی والے صحابہ نے ثواب کا مدار مباشرت عمل کو سمجھا حالانکہ اس کا مدار محض اطاعت پر ہے خواہ بصورت عمل ہو یا بصورت ترک عمل) مگر اجتہادی غلطی پر بھی عتاب لطیف ہو سکتا ہے ہاں عقاب نہیں ہوتا۔

اجتہادی غلطی پر عتاب کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ تم نے پوری طرح سمجھ سے کام نہیں لیا۔ بہر حال واقعہ احد کی مصیبت میں حق تعالیٰ نے یہ حکمت بیان فرمائی کہ اس سے تمہارے ایمان کی آزمائش مطلوب تھی کہ کون مخلص ہے کون منافق ہے۔ کیونکہ اس مصیبت کے وقت منافقین میں باہم سرگوشیاں ہونے لگی تھیں۔ ان کو معرکہ میں آنے سے رنج تھا۔

کبھی کہتے۔ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ کہ ہمارا کچھ اختیار بھی ہے اور کبھی کہتے لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ

(c) ketabton.com: The Digital Library

شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا اگر ہمارا بس چلتا تو ہم یہاں اس طرح نہ قتل کئے جاتے اور صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ عین اس پریشانی میں بھی ان کو نیند آ رہی تھی۔ چنانچہ ایک صحابی کے ہاتھ سے کئی بار تلوار گر پڑی۔ ایسے سو رہے تھے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے چاروں طرف سے اسباب تخفیف جمع فرما دیئے کہ معرکہ میں مسلمانوں کو سلا بھی دیا بعد میں عتاب کر کے رلا بھی دیا پھر ہنسا بھی دیا۔

اور غور کیا جائے تو عتاب میں بھی عنایت تھی کیونکہ خطا پر اگر عاشق کو کچھ کہہ لیا جائے تو اس کے دل کو تسلی ہو جاتی ہے کہ بس محبوب نے دل کی بات ظاہر کر کے بدلہ لے لیا ہے۔ اب اس کے دل میں کچھ نہیں رہا اور اگر اس کو کچھ نہ کہا جائے تو سخت بے چین رہتا ہے اور بار بار یہ کہتا ہے کہ بدوں سزا کے چین نہ آئے گا۔ بدوں اس کے میری تسلی نہ ہوگی جیسے بعض صحابہ سے زنا کا صدور ہو گیا تھا۔ ان کو بدوں اجرائے حد کے چین نہ آیا۔ پس یہ عتاب بھی درحقیقت اسباب تخفیف ہی سے تھا)

اب آپ کی سمجھ میں آیا ہوگا کہ ان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا کا مطلب کہ واقعی حق تعالیٰ مصیبت کے ساتھ ہی ایک راحت بھی دیتے ہیں اور اگر عسر کو واحد اور یسر کو متعدد مانو۔ جیسا مشہور قاعدہ ہے تو ایک عسر کے ساتھ دو یسر ہوئے۔

تلافی مصائب کی صورت

صاحبو! جو لوگ اہل ایمان ہیں ان کے لئے اب بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ عسر واحد پر یسرین کا ترتب ہوتا ہے۔ یہ آیت صحابہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سب کے لئے عام ہے۔ پس مصیبت سے پریشان نہ ہوں بلکہ اس کو ہلکا کرنے کی کوشش کرو چنانچہ ایک تدبیر تو یہ ہے کہ اس وقت اپنے اعمال کو یاد کرے کیونکہ اکثر مصائب بوجہ اعمال سیۂ کے آتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ تم کو اے گنہگارو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے۔

کہ جو مصیبت تم پر آتی ہے تمہارے اعمال کی وجہ سے آتی ہے اس پر انبیاء کے مصائب سے شبہ نہ کیا جائے کیونکہ وہاں صرف صورتاً مصیبت ہوتی ہے حقیقتاً مصیبت نہیں ہوتی۔ کیونکہ گو انبیاء علیہم السلام کو مصیبت کے وقت بوجہ ادراک لطیف اور صفائی قلب کے رنج تو ہوتا ہے مگر پریشانی نہیں ہوتی کیونکہ وہ معصوم ہیں ان تکالیف کا ورود معاصی کے سبب نہیں ہوتا پھر وہ پریشان کیوں ہوں پریشانی تو گناہ کا نتیجہ ہے۔

پس ہم کو مصیبت کے وقت اول تو اپنے گناہوں کو یاد کرنا چاہیے تاکہ اپنی خطا کا استحضار ہو کر مصیبت سے پریشان زیادہ نہ ہو کیونکہ اپنی خطا پر جو سزا ہوتی ہے اس سے دوسرے کی شکایت نہیں ہوتی بلکہ انسان خود نادم ہوتا ہے کہ میں اسی قابل تھا۔

پھر اجر کو یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت کا بہت ثواب رکھا ہے حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان کو جو ایک کانٹا لگتا ہے وہ بھی اس کے لئے ایک حسنہ ہے۔

ایک دفعہ حضور ﷺ کے گھر میں چراغ گل ہو گیا۔ آپ نے انا للہ پڑھا۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ بھی مصیبت ہے فرمایا ہاں! جس چیز سے مسلمان کو تکلیف ہو وہ مصیبت ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ ہے جب ادنیٰ ادنیٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

تکلیف پر ثواب کا وعدہ ہے تو زیادہ کلفت پر ثواب کیوں نہ ہوگا۔ پس ثواب کو یاد کر کے غم کو ہلکا کرنا چاہیے۔

پھر اس بات کو سوچے جو اس آیت میں بتلائی گئی ہے وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت دے کر ہمارے ایمان کو آزمایا ہے کہ اس کو مصیبت میں بھی ہم سے تعلق ہے یا نہیں۔ پس مصیبت میں ثابت قدم رہنا چاہیے خدا کی شکایت نہ کرے۔ کوئی بات ایمان کے خلاف زبان و دل پر نہ لائے۔

غزوہ احد

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِنْكُمْ ۖ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

ترجمہ: پھر تم پر اتارا تنگی کے بعد امن کو۔ وہ اونگھ تھی کہ گھیر رہی تھی تم میں سے بعضوں کو اور بعضوں کو فکر پڑی تھی اپنی جان کی۔ خیال کرتے تھے اللہ پر جھوٹے خیال جاہلوں کے سے۔ کہتے تھے کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ میں تو کہہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے اپنے جی سے چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھوں میں تو ہم مارے نہ جاتے اس جگہ آپ کہہ دیجئے اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں البتہ باہر نکلتے جن پر لکھا تھا مارا جانا اپنے پڑاؤ پر۔ اور اللہ کو آزمانا تھا جو کچھ تمہارے جی میں ہے اور نکھارنا تھا جو کچھ تمہارے دل میں ہے اور اللہ کو معلوم ہے دل کی بات۔

سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے

یہ حاصل ہے مدلول آیات کا غزوہ احد میں اول غلبہ مسلمانوں کو تھا اور آثار فتح کے نظر آتے تھے۔ اس کے بعد مسلمانوں سے بے حکمی ہوئی اور شکست ہوئی۔ اس میں بہت سے شہید ہو گئے اور جو میدان میں باقی رہے ان پر اونگھ آئی اور اس کے بعد سب رعب و دہشت جاتی رہی۔ سب نے حضور ﷺ کے پاس جمع ہو کر پھر لڑائی قائم کی۔ جو لوگ اس میں ضعیف الایمان تھے انہوں نے کہا ھل لنا من الامر من شیء۔ ظاہر معنی تو اس کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو چاہا سو کیا ہمارا کیا اختیار ہے اور یہ معنی نہایت اچھے ہیں مگر ان کی نیت میں یہ نہ تھا۔ بلکہ نیت میں تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے مشورہ پر عمل نہ کیا جو اتنے لوگ مرے اگر ہمارے مشورہ پر عمل کرتے تو کیوں مارے جاتے۔ حق تعالیٰ نے انکار فرمایا۔ فرماتے ہیں يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ کہ دل کی بات آپ سے ظاہر نہیں کرتے ان کے دلوں میں تو یہ ہے لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا کہ اگر ہمارے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو یہ نوبت کیوں آتی۔ آگے

(c) ketabton.com: The Digital Library

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم گھروں میں بھی ہوتے تو بھی موقع پر آ کر مارے جاتے بچ نہیں سکتے یہ تمہارا غلط خیال ہے۔
اس آیت میں جو یہ کلمہ ہے ھَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ۔ یہ کلمہ تو حق ہے (جس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے اختیار میں کچھ نہیں اللہ نے جو چاہا سو کیا) مگر انہوں نے اس سے باطل مراد لیا کیونکہ ان کی نیت میں دوسری بات تھی کیونکہ ان کی مراد یہ تھی کہ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا ھٰھُنَا (پس یہ قول) ھَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ (کیا کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ میں منافقین کا ہے اور وہ علی الاطلاق کفر کی بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ ذو وجھین بات کہہ سکتے تھے۔ چنانچہ یہ بات انہوں نے ذو وجھین کہی۔

اس کا ایک عمل تو حق ہے۔ وہ عمل حق یہ ہے کہ وہ اعتقاد قدر ظاہر کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے اختیار میں کوئی چیز نہیں۔ سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے جو اس نے چاہا وہ کیا۔ ظاہر تو یہ کر رہے ہیں مگر ان کے دل میں تھا کہ اگر ہمیں اختیار ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ پس وہ ظاہر تو کچھ کر رہے تھے اور دل میں ان کچھ اور تھا۔ سامنے تو اعتقاد حق ظاہر کیا جو اسلام کے موافق ہے اور دل میں یہ کہ اگر یوں ہوتا تو یوں ہو جاتا یعنی اگر ہمیں اختیار ہوتا تو مارے نہ جاتے۔ یہ اعتقاد اسباب کے مؤثر ہونے کا ہے۔ اور یہی ان کا عقیدہ تھا کہ اسباب مؤثر بالذات ہیں۔ پس اسی پر یُخْفُوْنَ فِیْ اَنْفُسِھِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَکَ اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تم سے ظاہر نہیں کرتے۔ مرتب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں تو کچھ ہے اور ظاہر کچھ کر رہے ہیں۔ آگے اس کو بیان فرماتے ہیں یَقُوْلُوْنَ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا ھٰھُنَا کہتے ہیں کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ میں۔ کہ ان کے دلوں میں یہ ہے کہ اگر ہمارا اختیار ہوتا تو ہم مارے نہ جاتے آگے اس کا رد ہے۔ قُلْ لَّوْ کُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ الخ کہہ دیجئے اگر تم گھروں میں بھی ہوتے الخ

مطلب یہ ہے کہ یہ تمہارا خیال باطل ہے۔ تم کہیں بھی ہوتے جن کے لئے قتل لکھا گیا تھا وہ یہیں آ کر قتل ہوتے' جا نہیں سکتے تھے غرض اس آیت سے ان کی تائید ہوگئی کہ سچی بات سے جھوٹی بات مراد لینا کس قدر برا ہے یہی حال ہے اس شخص کا جو المرء مع من احب سے غرض باطل یعنی عدم ضرورت عمل پر تمسک کرتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّھُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ

ترجمہ: یقیناً تم میں جن لوگوں نے پشت پھیر دی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دی ان کے بعض اعمال کے سبب سے اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑے حلم والے ہیں۔

سابقہ گناہوں کے غم میں مبتلا رہنا مضر ہے

حاصل بیان کا یہ ہے کہ گناہوں کے غم میں مبتلا ہو جانا بعض اوقات بجائے نفع ہونے کے ضار ہو جاتا ہے اس میں مبالغہ نہ کرے ہاں ضروری توبہ کر کے کام میں لگ جاوے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم چونکہ بعد توبہ کے بھی اس غم میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

مبتلا تھے اور یہ کسی وقت میں مضر ہوتا حق تعالیٰ نے ان آیات میں اور ان کے سیاق و سباق میں اس غم کو خفیف فرمایا ہے چنانچہ ایک تسلی او پر فرمائی فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا الآیۃ اور اس تقریر پر لا کو زائد لکھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ مطلب صاف ہے کہ ہم نے تم کو غم اس لئے دیا تھا کہ اس کو پاداش سمجھ کر تمہارا حزن ہلکا ہو جاوے کیونکہ مطیع کے لئے یہ بھی ایک موت ہے کہ اس کی خطا پر سزا نہ ہو وہ اس سے کچھ ہلکا ہو جاتا ہے کچھ سزا بھی دے دی جاوے دوسری تسلی اس آیت میں فرمائی لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ تیسری تسلی بعد میں فرمائی فبـاذن اللـه الآیۃ اور اگر غور کیا جاوے ان آیا میں اور بھی وجوہ تسلی کے متعدد ہیں مثلاً ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً اور مثلاً اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا اور مثلاً قد اصبتم مثليها اور مثلاً وليعلم المومنين الآیۃ بس مقصود اس بیان سے یہ تھا اور انما استزلهم الخ سے ایک یہ فائدہ بھی ماخوذ ہوا کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کا سبب ہو جاتا ہے اس لئے جو گناہ چھوٹ جائے چھوڑ دو اس کے کچھ گناہوں کا سلسلہ تو کم ہوگا۔ اس کا انتظار نہ کرو کہ سب ہی چھوٹیں تو چھوڑوں سبحان اللہ قرآن مجید کی کیا تربیت ہے اب وعدہ فرمایئے حق تعالیٰ فہم و توفیق دے آمین (البحاح)

تفسیر عجیب آیت اذ تصعدون

اسی بنا پر ایک آیت کی تفسیر یاد آ گئی وہ یہ کہ غزوہ احد کے قصہ میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو حضور کے حکم میں کچھ خطا واقع ہوئی تھی وہ یہ کہ جس ناکہ پر حضور نے ثابت اور قائم رہنے کا امر فرمایا تھا بوجہ خطاء اجتہادی کے اس پر قائم نہ رہے اس کے بارہ میں ارشاد ہے اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک غم دیا بہ سبب اس کے کہ ہمارے رسول ﷺ کو تم نے غم دیا اور غرض اس غم دینے کی یہ فرمائی کہ تم لوگ غمگین نہ ہو تو بظاہر یہ فہم میں نہیں آتا اس لئے کہ غم تو اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ حزن ہو نہ کہ اس لئے کہ غم نہ ہو اسی واسطے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لا زائد ہے مطلب یہی ہے کہ غم اس لئے دیا تاکہ تم کو حزن ہو لیکن الحمد للہ میری سمجھ میں اس کی تفسیر ایسی آئی ہے کہ اس تقدیر پر لا ماننے کی ضرورت نہیں ہے اور معنی بے تکلف درست ہیں وہ یہ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حق تعالیٰ سے نہایت شرماتے تھے جب ان سے یہ خطا واقع ہوئی تو ان کا جی چاہتا تھا کہ ہم کو سزا اس کی دنیا میں مل جائے تو ہماری طبیعت صاف ہو جاوے اور اپنے مالک حقیقی سے سرخرو ہو جائیں اگر سزا نہ ہوتی تو ساری عمر رنجیدہ رہتے اور یہ غم ان کے نزدیک نہایت جانکاہ و جان فرسا تھا اس بناء پر فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو اس خطا کی یہ سزا دی تاکہ تم کو غم نہ ہو غرض کہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک تو وہ جو سزا کا نام سن کر رکتے ہیں اور ایک وہ جو صرف اطلاع کی خبر دینے سے شرماتے ہیں اور اس کام کے قریب نہیں جاتے تو جو بے حیا تھے وہ تو یوں رکے کہ یعلم میں اشارہ کی سزا کی طرف بھی ہے چنانچہ مفسرین ایسے مقام پر فیجازیکم بہ فرماتے ہیں اور دوسرے مذاق والے اس لئے رکے کہ شرم سے گڑ گئے کہ اللہ اکبر وہ جانتے ہیں بہر حال یہ دونوں مذاق والوں کے لئے وعید ہے اس تمام تر تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ مرض نہایت اہتمام کے قابل ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

بدنگاہی سے بچنے کے اہتمام کی ضرورت

اب ہم کو اپنی حالت دیکھنا چاہیے کہ ہمارے اندر اس معصیت سے بچنے کا کتنا اہتمام ہے میں دیکھتا ہوں کہ شاید ہزار میں ایک اس سے بچا ہوا ہو ورنہ ابتلائے عام ہے اور اس کو نہایت درجہ خفیف سمجھتے ہیں جو جوان ہیں ان کو تو اس کا احساس ہوتا ہے اور جن کی قوت شہویہ ضعیف ہوگئی ان کو احساس بھی نہیں ہوتا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو تو شہوت ہی نہیں اس لئے کچھ حرج نہیں ہے سو ان کو مرض کا بھی پتہ نہیں لگتا اور بعضوں کو اور دھوکہ ہوتا ہے وہ یہ کہ شیطان بہکاتا ہے کہ جیسے کسی پھول اچھے کپڑے اچھے مکان وغیرہ کو دیکھنے کو دل چاہتا ہے ایسے ہی اچھی صورت دیکھنے کو بھی دل چاہتا ہے سو یہ بالکل دھوکہ ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ: بعد اس کے کہ خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تندخو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ ﷺ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور آپ ان کے لئے استغفار کر لو اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے پھر جب آپ رائے پختہ کر لیں تو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

تفسیری نکات

احباب سے مشورہ

بس فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ اس کی تمہید ہے اور فاعف عنهم مقصود ہے اور سبحان اللہ کیا رحمت ہے کہ اسی پر اقتصار نہیں فرمایا۔ آگے اس کے وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ بڑھایا یعنی آپ بھی معاف فرما دیجئے کہ ہم سے بھی درخواست کیجئے کہ ہم معاف کر دیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی معاف فرما دیا تھا تو وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ اب تحصیل حاصل ہے بات یہ ہے کہ وہ معافی تو قانونی ہے اس کا اثر تو یہ ہے کہ عذاب سے نجات ہو جاوے گی اب دوسری قسم جو معافی کی ہے یعنی دفع کدورت جس کا سبب فاعف عنهم ہوگا لیکن سبب کا وجود تو وجود مسبب کے لئے علت تامہ نہیں یعنی آپ کے معاف کر دینے سے بدوں حق تعالیٰ کے تصرف کے رفع کدورت تو ضروری نہیں کیونکہ وہ آپ کے اختیار میں تو نہیں اس لئے حق تعالیٰ نے وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ کا امر فرمایا یعنی مغفرت کی قسم دوم کے وجود کی ہم سے درخواست کیجئے اور یہاں تک قسمیں متحقق ہوگئیں لیکن اس کا اثر صرف یہ ہوا کہ حالت اصلی انشراح کی لوٹ آئی مگر یہاں اور چیز کی بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ضرورت ہے وہ کیا یعنی اس انشراح کی ترقی کیوں کہ اعمال میں آئندہ کو ترقی موقوف ہے زیادہ انشراح پر پس رحمت پر رحمت اور نعمت پر نعمت حق تعالیٰ کی دیکھئے کہ آگے اس کی تدبیر بھی ارشاد فرماتے ہیں تاکہ ہماری یہ مقبول جماعت کسی پہلو سے ناقص نہ رہے چنانچہ فرماتے ہیں وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ یعنی ان سے کام میں مشورہ بھی کیجئے اس سے ان کا انشراح ترقی پذیر ہو کر وسیلہ ترقی مراتب کا ہوگا اس لئے کہ مشورہ کے اندر جو مصلحتیں خاص نفس مشورہ کے اعتبار سے ہیں ان کے علاوہ ایک اور عجیب خاصہ ہے وہ یہ ہے کہ اول یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ دیکھیے مشورہ کس سے لیا کرتے ہیں مشورہ اس شخص سے لیا کرتے ہیں کہ جس میں وہ وصف پائے جاویں اول تو اس پر پورا وثوق اور نہایت اطمینان اور اعتماد ہو اور اس کو اپنا خیر خواہ اور اس سے خصوصیت سمجھی جاوے دوسرے جس امر میں مشورہ کیا جاوے اس کے اندر وہ صاحب بصیرت ہو اسی واسطے بعض مرتبہ بھائی سے مشورہ نہیں کرتے بلکہ دوست سے کرتے ہیں۔

اصلاح میں نرمی اور سختی دونوں درکار ہیں

واقعہ تبوک میں اصلاح کے لئے سختی کی گئی اور واقعہ احد میں اصلاح کے بعد فاعف عنهم (پس آپ ان کو معاف کر دیجئے) فرمایا بعض مطلین کو وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (اگر آپ تندخو اور سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے) سے غلطی ہو گئی کہ انہوں نے مطلقاً نرمی کو مطلوب سمجھا حالانکہ نرمی مطلقاً محبوب نہیں ہے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ فرمانے میں حکمت

اللہ تعالیٰ نے جب عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ فرمادیا تو حضور علیہ السلام صحابہ رضی اللہ عنہم کی خطا کو کیوں معاف نہ فرماتے بس فقط تطییب قلب صحابہ کے لئے اس کی اطلاع کی ضرورت تھی کہ حضور علیہ السلام نے بھی معاف کر دیا کیونکہ صحابہ کے اس طبعی رنج کے ازالہ کا طریقہ یہی تھا کہ حضور علیہ السلام بھی زبان مبارک سے معاف فرمادیں کہ لَقَدْ عَفَا عَنكُمْ (میں نے تم کو معاف فرمادیا کیونکہ عاشق کی اس کے بغیر تسلی نہیں ہوتی)

جلالت شان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آپ ان کے واسطے استغفار کیجئے) میں اول حضور اکرم علیہ السلام کی جلالت شان کا اظہار ہے کہ مسلمانوں کو متنبہ کر دیا گیا کہ تمہاری معافی کی تکمیل حضور اکرم علیہ السلام کے استغفار کے بعد ہوگی دوسرے اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا تطییب قلب ہے کیونکہ وہ اکثر خطاؤں کے لئے حضور علیہ السلام سے استغفار کی درخواست کیا کرتے تھے اور اس واقعہ میں خطا ایسی ہوئی تھی جس سے حضور علیہ السلام ہی کو ملال پہنچا اس لئے اس واقعہ میں وہ خود استغفار کی استدعا کرتے ہوئے شرماتے مگر طبعاً ان کو یہ ضرور خیال ہوتا کہ اگر حضور علیہ السلام نے ہمارے لئے استغفار نہ کیا تو اس درجہ کی معافی نہ ہوگی جو حضور کے استغفار کے بعد ہوتی کیونکہ قاعدہ ہے کہ کریم کے بیٹے کی سفارش پر کچھ زائد ہی مل جاتا ہے اور حق تعالیٰ تو اولاد

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے پاک ہیں مگر حضور ﷺ سے حق تعالیٰ کو ایسی محبت ہے کہ کسی باپ کو اولاد سے بھی نہیں ہو سکتی اس لئے حضور ﷺ کی سفارش کے بعد مغفرت کاملہ کی یقینی امید ہے۔

عظمت صحابہ

واقعہ یہ ہے کہ قرآن میں اس کے حروف سے بھی زیادہ علوم ہیں اور یہ بات بالکل بلا مبالغہ ہے مگر ان علوم کے سمجھنے کے لئے ضرورت ہے توفیق خداوندی کی۔ جس کا ایک شعبہ علم عربیت بھی ہے تو یہ علوم محض توفیق سے عطا ہوتے ہیں۔ تیسرا نکتہ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آپ ان کے واسطے استغفار کیجئے) میں یہ ہے کہ حضور ﷺ کی معافی سے صحابہ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ آپ نے خطا معاف کر دی مگر اس سے وہ اجنبیت کیسے دور ہو گئی جو خطا سے پیدا ہو گئی تھی اس کے لئے تو خصوصیت کی ضرورت ہے ورنہ معافی کی تو ایک یہ بھی صورت ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر کہہ دے کہ ہم نے سب خطائیں معاف کیں کیا اس معافی سے تعلقات شگفتہ ہو گئے ہرگز نہیں تو حق تعالیٰ نے فَاعْفُ عَنْهُمْ (آپ ان کو معاف کر دیجئے) کے بعد وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آپ ان کے لئے استغفار کیجئے) بڑھا کر یہ بتلایا ہے کہ صرف عفو خطا کافی نہیں بلکہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ آپ صحابہ سے خصوصیت کا برتاؤ کریں کہ پہلے کی طرح اس واقعہ میں بھی ہم سے ان کی مغفرت کی درخواست کریں۔ و نیز ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اوپر جیسا دوسرے نکتہ میں بیان ہوا ہے کہ اس واقعہ میں صحابہ یہ خود کیسے کہتے کہ ہمارے واسطے استغفار کر دیجئے وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ ہی خود ہم سے خفا ہیں۔ پس جب وہ یہ عرض نہ کر سکے تو خدا نے ان کا کام کر دیا۔ حاصل اس نکتہ کا صحابہ کی شان تفویض کا اور اس کی برکات کا اظہار ہے جیسا کہ بچہ کے سب کام کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ وہ خود نہیں کر سکتا۔

طفل تا گیرا تا پویا نبود مرکبش جز گردن بابا نبود

(بچہ جب تک ہاتھ سے پکڑنے کے اور پاؤں سے چلنے کے قابل نہیں ہوتا تو بابا کی گردن پر چڑھا چڑھا پھرتا ہے)

یعنی چونکہ بچہ ہاتھ پاؤں سے کچھ کام نہیں کر سکتا اس لئے حق تعالیٰ خود اس کے سارے کام بنا دیتے ہیں اور جب خود کرنے لگے اس کا بوجھ اسی پر ڈال دیتے ہیں۔ بس جس نے یہ نکتہ سمجھا وہ مفلوج ہو گیا مگر تم خود اپنی رائے سے مفلوج نہ بننا بلکہ کسی محقق شیخ کی اجازت سے ایسا کرنا چاہیے اور حضرات صحابہ پر اپنے کو قیاس نہ کرنا چاہیے کیونکہ صحابہ حدود کو جانتے تھے اس لئے ان کی خاموشی بدوں صریح اجازت کے بھی محدود تھی بہر حال وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آپ ان کے لئے استغفار کیجئے) میں خصوصیت کے برتاؤ کا امر ہے اور انہیں خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (اور آپ خاص خاص باتوں میں سے ان سے مشورہ کر لیا کیجئے) کہ بعض معاملات میں جو محل ہیں مشورہ کے ان سے مشورہ کیا کیجئے۔ یہاں الامر میں لام عہد کا ہے اس کی توضیح کے لئے ایک مسئلہ بتاتا ہوں وہ یہ کہ مشورہ ہر کام میں نہیں ہوا کرتا چنانچہ جو کام خیر محض ہو کہ اس میں کسی ضرر کا احتمال ہی نہ ہو اس میں مشورہ کی کوئی ضرورت نہیں مثل مشہور ہے۔ در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست (کار خیر میں استخارہ کی کچھ ضرورت نہیں ہے) میں نے اس میں تصرف کر کے اس مصرعہ کو اس طرح بنایا ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

درکار خیر حاجت ہیچ استشارہ نیست (کار خیر میں مشورہ لینے کی ضرورت نہیں ہے) اور دونوں کا ایک ہی حکم ہے اگر شر کا احتمال نہ ہو تو استشارہ اور استخارہ دونوں مسنون ہیں ورنہ نہیں۔

مشورہ میں حکمت

غرض مشورہ کی ہر جگہ ضرورت نہیں اس لئے لام عہد سے فرمایا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ای فی بعض الامر المعلوم لک (آپ ان سے مشورہ لیتے رہا کریں یعنی بعض امور میں جو آپ کو معلوم ہیں) اور جہاں لام استغراق کا نہ ہو وہاں عہد ہی کا ہوتا ہے ائمہ فن نے اس کی تصریح کی ہے بلکہ محققین کا قول یہ ہے کہ لام میں اصل عہد ہی ہے جہاں عہد نہ بن سکے وہاں دوسرے معانی پر محمول کیا جاتا ہے اور یہاں کوئی شخص یہ سوال نہیں کر سکتا کہ حضور ﷺ کو مشورہ کی حاجت تھی یا نہ تھی کیونکہ یہ امر تو صحابہ کی تطییب کے لئے تھا باقی اصل مشورہ کی ضرورت سے سکوت ہے اور اس میں روایتیں مختلف ہیں میں ان میں تطبیق دیتا ہوں۔ ایک روایت میں تو یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو مشورہ کی ضرورت نہیں مگر امت پر رحمت کے لئے تطییب قلب بھی اس میں داخل ہے کر لیتا ہوں اخرجه ابن عدی او البیهقی فی الشعب بسند حسن عن ابن عباس لما نزلت و شاورهم فی الامر قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اما ان الله ورسوله یغنیان ولکن جعلها الله تعالیٰ رحمة لامتی کذافی روح المعانی (ابن عدی اور بیہقی شعب الایمان میں ابن عباس سے مسند حسن سے روایت کیا ہے جبکہ آیت شاورهم فی الامر نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ تو مستغنی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے رحمت اس کو بنا دیا ایسے ہی روح المعانی میں ہے) اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حاجت مشورہ کی نہ تھی اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما کے مشورہ کے خلاف کوئی کام نہ کرتے تھے اخرجه الامام احمد عن عبد الرحمن بن غنیم ان رسول الله ﷺ قال لابی بکر و عمر لو اجتمعتما فی مشورة ما خالفتکما کذا فی روح المعانی ایضا (امام احمد نے عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت کی ہے کہ رسول ﷺ نے ابوبکر و عمر سے فرمایا اگر تم دونوں کسی مشورہ میں متفق ہو جاؤ گے تو میں تمہاری مخالفت نہ کروں گا ایسے ہی روح المعانی میں ہے) مراد انتظام و بعث عساکر وغیرہ کا کام۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ حضور ﷺ کو مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ حضور ﷺ کو غالب اوقات میں تو مشورہ کی حاجت نہ ہوتی تھی کبھی کبھی اتفاقاً ضرورت پڑ جاتی تھی اور یہ بات شان نبوت کے خلاف نہیں بلکہ مناسب شان ہے۔ میں نے اس میں ایک نکتہ نکالا ہے کہ حضور ﷺ کو مشورہ کی حاجت ہونے میں ولو فی بعض الاحوال (اگر چہ بعض حالتوں میں ہو) حکمت ہے کیونکہ حاجت منافی الوہیت ہے اس میں حضور ﷺ کی شان شریف کا اظہار تھا کہ حضور ﷺ نبی ہیں اللہ نہیں اور بعض علماء نے حضور ﷺ کے مشورہ کی حکمت تعلیم امت بیان کی ہے۔

اب مشورہ کے بعد حضور ﷺ کے اختیارات کی وسعت بیان فرماتے ہیں فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (پھر جب آپ رائے پختہ کر لیں تو خدا پر اعتماد کیجئے) اس میں مطلقاً یہ فرمایا کہ مشورہ کے بعد جدھر آپ کا عزم ہو اپنے عزم پر عمل

(c) ketabton.com: The Digital Library

کیجئے اس میں قید نہیں ہے کہ حضور ﷺ کی رائے سب کے خلاف ہو یا ایک کے موافق اور اکثر کے خلاف ہو ہر حال میں تو کلا علی اللہ (اللہ پر بھروسہ کرکے) اپنے عزم پر عمل کرنے کے واسطے حکم فرمایا۔

قرآن حکیم سے سلطنت شخصی کا ثبوت

یہاں سے جڑ کٹتی ہے سلطنت جمہوری کی کیونکہ اس میں کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہے اور محض مشورہ کرنے سے کثرت رائے پر فیصلہ کرنا لازم نہیں آتا اس لئے وشاورھم سے سلطنت جمہوری پر استدلال نہیں ہوسکتا اور اگر کھینچ تان کر کوئی اس سے استدلال کرتا بھی تو فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (پھر جب آپ رائے پختہ کرلیں تو خدا پر اعتماد کیجئے) نے اس کو بالکل ہی اڑا دیا اور اس سے مشورہ کو بیکار نہ کہا جاوے کہ جب اس پر عمل نہ کیا تو نفع ہی کیا ہوا دراصل مشورہ میں یہ فائدہ ہے کہ اس سے معاملہ کے ہر پہلو پر نظر پہنچ جاتی ہے اس کے بعد جو رائے ہوگی اس میں سب مصالح کی رعایت ہوگی اسی واسطے کہا گیا ہے رایان خیر من الواحد (دورائیں ایک رائے سے بہتر ہے) یہ حاصل ہے مشورہ کا نہ یہ کہ عوام کی رائے کو بادشاہ کی رائے پر ترجیح دی جائے جیسا کہ جمہوری سلطنت میں ہوتا ہے وہ بادشاہ ہی کیا ہوا جو رعایا کی رائے پر مجبور ہوگیا۔ اسلام میں یہ حکم نہیں بلکہ اس کو پورے اختیارات ہیں۔ ہاں البتہ انتخاب سلطان کے وقت جمہور اہل حل وعقد کی کثرت رائے معتبر ہے جبکہ وہ رائے خلاف شرع نہ ہو بہرحال وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آپ بعض باتوں میں ان سے مشورہ لیتے رہا کریں) تو جمہوری سلطنت کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ البتہ ایک اور آیت سے بظاہر اس پر استدلال ہوسکتا ہے شاید وہ کسی کے ذہن میں بھی نہ آئی ہو مگر میں اس کو بیان کرتا ہوں مع جواب کے کوئی صاحب فقط لَا تَقْرَبُوا (مت قریب جاؤ) کو نہ دیکھیں بلکہ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (اس حال میں کہ نشہ کی حالت میں ہوں) کو بھی دیکھیں یعنی جواب کو بھی ساتھ ہی ساتھ ملاحظہ فرمالیں۔ وہ آیت یہ ہے وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا الایۃ (اور جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم میں نبی بنائے اور تم سب کو بادشاہ بنایا) اس میں حق تعالیٰ شانہ بنی اسرائیل پر انعام نبوت کے مضمون میں تو ارشاد فرماتے ہیں جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ یعنی تم میں نبی بنائے اور انعام سلطنت کے بارے میں ارشاد ہے جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا یعنی تم سب کو بادشاہ بنایا (اس سے معلوم ہوا کہ ان کی بادشاہت جمہوری تھی اور نہ یہاں بھی یوں فرمایا جاتا جعل فیکم ملوکا کہ تم میں بادشاہ بنائے جیسا کہ نبوت کے متعلق فرمایا یہ تو دلیل ہوئی اور اس کے دو جواب ہیں ایک عقلی ایک نقلی۔ عقلی جواب تو یہ ہے کہ فاتحہ قوم کا رعب شاہی عام ہوتا ہے نیز جس قوم میں بادشاہت ہوتی ہے اس کے ہر فرد کا حوصلہ بڑھا ہوا ہوتا ہے اور ہر شخص اپنے کو فاتح اور سلطان سمجھتا ہے قوم مفتوح کے مقابلہ میں اس لئے جعلکم ملوکا (تم سب کو بادشاہ بنایا) فرمایا یہ نہیں کہ وہ سب کے سب بادشاہ تھے اور نقلی دلیل یہ ہے کہ جب ہماری شریعت میں شخصی سلطنت کی تعلیم ہے تو اگر بنی اسرائیل کے لئے جمہوری سلطنت بھی مان لیں تو وہ منسوخ ہوچکی اور ہمارے لئے حجت نہیں ہوسکتی۔ غرض قرآن شریف سے تو سلطنت شخصی ہی ثابت ہوتی ہے۔ اب جو اہل اسلام میں جمہوریت کے مدعی ہیں وہ یاد

(c) ketabton.com: The Digital Library

رکھیں کہ ہمارے ذمہ شخصیت پر دلیل قائم کرنا لازم نہیں بلکہ دلیل ان کے ذمہ ہے اور ہم تو مانع ہیں پس جب وہ دلیل لا دیں گے اس کا جواب بھی ان شاء اللہ ہم دیں گے اور میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ وہ اپنے دعوے پر کوئی دلیل نہیں لا سکتے۔

توکل اور اس کے درجات

اور فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (خدا ہی پر اعتماد رکھئے) میں یہ بھی بتلا دیا کہ باوجود مشورہ کرنے سے جو کہ اسباب رویت صواب سے ہے خدا ہی پر اعتماد رکھئے مشورہ کے بعد کام بنانے والا وہی ہے۔ مشورہ پر اعتماد نہ کرنا چاہیے آگے فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (بے شک اللہ تعالیٰ اعتماد رکھنے والوں کو پسند فرماتے ہیں) اس میں مسلمانوں کو امر وجوبی ہے توکل کا ہر کام میں خدا ہی پر نظر رکھیں دلیل وجوب کی یہ ہے کہ یہاں یحب فرمایا ہے جس سے مقابلہ کی بناء پر لازم آیا کہ لایحب غیر المتوکلین وہ غیر اعتماد رکھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے ہیں اور قرآن کا محاورہ یہ ہے کہ لایحب اپنے لغوی معنے پر مراد نہیں بلکہ یبغض کے معنے میں ہے پس یحب المتوکلین کو یبغض غیر المتوکلین (غیر اعتماد رکھنے والے کو مبغوض رکھتے ہیں) لازم ہے اور عدم توکل کا مبغوض ہونا دلیل ہے توکل کے وجوب کی البتہ توکل کے مراتب مختلف ہیں اس کا ہر درجہ فرض نہیں اس لئے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ فرض کا درجہ کیا ہے۔ اس کی تفصیل سنو توکل کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ اعتقاداً ہر حال میں خالق پر نظر رہے اسی پر اعتماد ہو یہ تو فرض ہے یعنی اسباب ہوں یا نہ ہوں ہر حال میں بھروسہ خدا پر ہو اصلی کارساز اسی کو سمجھیں اسباب پر نظر نہ رکھیں۔ دوسرا درجہ توکل کا عملی ہے یعنی ترک اسباب اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ سبب کسی ضروری مقصود دینی کے لئے ہے تو اس کا ترک حرام ہے۔ جیسا کہ اسباب جنت میں سے نماز وغیرہ ہیں ان کا ترک جائز نہیں اور اگر مقصود دنیوی کا سبب ہے تو پھر اس میں بھی تفصیل ہے کہ اگر عادۃً اس مقصود کا توقف ثابت اور وہ مسبب مامور بہ ہے تو اس کا ترک بھی حرام ہے جیسے کھانا سبب شبع ہے اور پانی پینا سبب ارتوا ہے ان اسباب کا ترک جائز نہیں اور اگر سبب پر مقصود دنیوی کا ترتب ضروری اور موقوف نہیں تو اقویا کے لئے اس کا ترک جائز بلکہ بعض صورتوں میں افضل ہے اور اگر اشتغال میں کوئی دینی ضرر ہے تو اس کا ترک واجب ہے۔ مقصود آیت کا یہ ہے کہ حضور ﷺ ہمارے حق میں رحمت ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کو نہایت رحیم کریم بنایا ہے۔

یارب تو کریم و رسول تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

لیکن آیت کو ختم فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ پر جس سے مفہوم ہوا کہ تدبیر تو کریئے لیکن اصل مقصود تدبیر کے وقت بھی توکل اور خدا پر نظر رکھنا چاہیے۔ تدبیر کی مشروعیت کی علت تو محض ہمارا ضعف ہے اور اظہار ہے غایت افتقار کا کہ اے اللہ ہم ایسے مضبوط نہیں کہ آپ کی بنائی ہوئی چیزوں کے محتاج نہ ہوں (التوکل)

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تندخو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے۔ سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور آپ ان کے لئے استغفار کر دیجئے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے پھر جب آپ رائے پختہ کر لیں سو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجئے بے شک اللہ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اس کے بعد ایسا کون ہی جو تمہارا ساتھ دے اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہیے۔

شانِ نزول

یہ دو آیتیں ہیں جو اپنی خصوصیت شان نزول کے اعتبار سے ایک خاص مقصود کے واسطے نازل ہوئی تھیں جس کا حاصل جناب رسول ﷺ سے خطا معاف کرانا ہے بعض مفسرین صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ میں سے بعض سے حضور ﷺ اس لئے ناخوش ہو گئے تھے کہ ان سے کچھ کوتاہی جس کا حاصل کسی قدر تجاوز ہے حدود شرعیہ سے ہو گئی تھی گو صحابہ اس میں معذور تھے اس لئے کہ بقصد تجاوز ان سے وہ کوتاہی نہیں ہوئی تھی اور حضور ﷺ بھی حق بجانب تھے اس لئے کہ گو تعمد نہ تھا لیکن تاہم غفلت تو تھی اس لئے حضور ﷺ قدرے ناخوش ہو گئے تھے مگر حق تعالیٰ کی تو بڑی رحمت ہے اور نیز نظر ہے بندے کے عذروں پر بلکہ بندہ کو اپنے بعضے وہ عذر معلوم بھی نہیں جو حق تعالیٰ کو معلوم ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بندہ کو اپنے نفس پر وہ رحمت نہیں ہے جو خالق تعالیٰ شانہ کو اس کے حال پر ہے۔

باری عز اسمہ چاہتے ہیں کہ ہمارے رسول ﷺ کے صحابہ اس سے بھی پاک ہو جاویں اور یہ کیفیت ان میں نہ رہے اس لئے ارشاد ہے کہ آپ بھی معاف فرما دیں پس فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ اس کی تمہید ہے اور فَاعْفُ عَنْهُمْ مقصود ہے سبحان اللہ کیا رحمت ہے کہ اسی پر اقتصار نہیں فرمایا آگے اس کے واستغفر لھم بڑھایا یعنی آپ ہی معاف فرما دیجئے اور ہم سے بھی درخواست کیجئے کہ ہم معاف کر دیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی معاف فرما دیا تھا تو وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ اب تحصیل حاصل ہے بات یہ ہے کہ وہ معافی تو قانونی ہے اس کا اثر تو یہ ہے کہ عذاب سے نجات ہو جاوے گی اب دوسری قسم جو معافی کی ہے یعنی دفع کدورت جس کا سبب فاعف عنھم ہوگا لیکن سب کا وجود تو وجود مسبب کے لئے علت تامہ نہیں یعنی آپ کے معاف کر دینے سے بدوں حق تعالیٰ کی تصرف کی رفع کدورت تو ضرور نہیں کیونکہ وہ آپ کے اختیار میں تو نہیں اس لئے حق تعالیٰ نے وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ کا امر فرمایا یعنی مغفرت کی قسم دوم کے وجود کی ہم سے درخواست کیجئے اور یہاں تک دونوں قسمیں متحقق ہو گئیں لیکن اس کا اثر صرف یہ ہوا کہ حالت اصلی انشراح کی لوٹ آئی مگر یہاں اور چیز کی بھی ضرورت ہے وہ کیا یعنی اس انشراح کی ترقی کیونکہ اعمال میں آئندہ کو ترقی موقوف ہے زیادہ انشراح پر پس رحمت پر اور نعمت پر نعمت حق تعالیٰ کی دیکھئے کہ آگے اس کی تدبیر بھی ارشاد فرماتے ہیں تاکہ ہماری یہ مقبول جماعت کسی پہلو سے ناقص نہ رہے چنانچہ فرماتے ہیں وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ یعنی ان سے کام میں مشورہ بھی کیجئے کہ اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے ان کا انشراح ترقی پذیر ہو کر وسیلہ ترقی مراتب کا ہوگا اس لئے کہ مشورہ کے اندر جو مصلحتیں خاص نفس مشورہ کے اعتبار سے ہیں ان کے علاوہ ایک اور عجیب خاص ہے وہ یہ ہے کہ اول یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ دیکھئے مشورہ کس سے لیا کرتے ہیں مشورہ اس شخص سے لیا کرتے ہیں کہ جس میں دو وصف پائے جاویں اول تو اس پر پورا وثوق اور نہایت اطمینان اور اعتماد ہو اور اس کو اپنا خواہ اور اس سے خصوصیت سمجھی جاوے دوسرے جس امر میں مشورہ کیا جاوے اس کے اندر وہ صاحب بصیرت ہو اسی واسطے بعض مرتبہ بھائی سے مشورہ نہیں کرتے بلکہ دوست سے کرتے ہیں۔ غرض مشورہ ہر شخص سے نہیں لیا جاتا پس جس شخص سے مشورہ لیا جاوے گا تو اس کو پہلے سے اور زیادہ تعلق بڑھ جاوے گا اس لئے کہ وہ اس سے استدلال کرے گا کہ ہماری بات پر اس کو پورا اطمینان ہے ہماری دیانت پر اس کو اعتماد ہے اور ہم کو اس قابل سمجھتا ہے کہ ہم سے امر خاص میں مشورہ لیا جاوے اس سے دل بڑھ جاوے گا اور دل کے بڑھ جانے کو بڑا دخل ہے اعمال صالحہ کی ترقی میں پس یہ راز ہے اس کا کہ حضور ﷺ کو امر فرمایا کہ ان سے مشورہ لیجئے تا کہ وہ انشراح ان کا اور زیادہ بڑا ہو کر سبب ہو جاوے اعمال صالحہ کے اندر ترقی کا جو سبب ہے قرب کا۔

سلطنت جمہوری کا ثبوت قرآن پاک سے نہیں ملتا

غضب یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ قرآن سے ثابت ہے کہ سلطنت جمہوری سلطنت شخصی سے بہتر ہے اور دلیل ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کو پیش کرتے ہیں اس استدلال کی ایسی مثال ہے جیسے کسی شخص نے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا سے یہ فتویٰ لکھا تھا اور وہ فتوی میں نے بھی دیکھا تھا کہ جمع ہو کر کھانا واجب ہے۔ اگر سلطنت جمہوری کی حقیقت صرف اسی قدر ہوتی ہے کہ جس میں صرف مشورہ ہو تو بے شک یہ استنباط صحیح تھا سلطنت جمہوری میں تو یہ ہوتا ہے کہ مشورہ کے بعد کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہے اور بادشاہ کی رائے دو رائے کے برابر سمجھی جاتی ہے اور اس آیت سے اس کے خلاف سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کے بعد ارشاد ہے فَإِذَا عَزَمْتَ صیغہ مفرد مخاطب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشورہ تو کیجئے لیکن مشورہ کے بعد عمل اس پر کیجئے جس کا آپ عزم کر لیں اور اس میں کوئی قید ہے نہیں تو اس میں سب مختلف صورتیں آ گئیں ان صورتوں میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ سب کی رائے ایک جانب ہو اور حضور ﷺ کی رائے ایک طرف تو اس صورت میں بھی آپ ہی کے عزم اور ترجیح پر مدار رہا پس اس سے تو سلطنت جمہوری کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ سلطنت جمہوری کی بناء ہی اس سے منہدم ہوتی ہے کیونکہ اس میں ایسا نہیں ہوتا غرض اس آیت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مشورہ کے بعد فیصلہ کثرت رائے سے ہوگا بلکہ سلطان مشورہ کے بعد مستقل و مستعد ہے کہ اپنی بصیرت خداداد سے جس صورت کو چاہے اختیار کر لے۔

مشورہ کی مصلحت

اور مشورہ کا فائدہ یہ ہوگا کہ کام کرنے والے کی نظر سے کوئی پہلو اس امر کا مخفی نہ رہے گا اور نہ بسا اوقات ایک شخص کی نظر

(c) ketabton.com: The Digital Library

تمام پہلوؤں کو محیط نہیں ہوتی ہے اور ایک دوسری آیت سے بھی سلطنت جمہوری کا ابطال اور سلطنت شخصی کا اثبات ہوتا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ اسی اخیر جملہ سے سلطنت شخصی کا اثبات ہوتا ہے اس لئے کہ فرض کرو مجلس میں دس آدمی ہیں اور وہ دس اعلیٰ طبقہ کے ہیں اور سردار قوم ہیں ان سب آدمیوں نے اجازت چاہی تو سلطنت جمہوری کا مقتضا تو یہ ہے کہ چونکہ سب اہل مجلس ایک طرف ہو گئے تو بادشاہ کو اجازت دینا واجب ہوگا حالانکہ اس صورت میں بھی ارشاد ہے فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ کہ جس کو آپ چاہیں اجازت دیں یہ صاف دلیل ہے کہ حضور علیہ مستقل بادشاہ ہیں اگر قرآن حدیث میں اور زیادہ غور کیا جاوے تو بہت دلائل نکلیں گے ایک فائدہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ آیت میں مشورہ کا بھی ذکر ہے اور عزم کا بھی جو کہ منجملہ تدابیر کے ہیں۔

اسلام اور جمہوریت

بعض لوگوں کو یہ حماقت سوجھی ہے کہ وہ جمہوری سلطنت اسلام میں ٹھونسنا چاہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت ہی کی تعلیم ہے اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ مگر یہ بالکل غلط ہے ان لوگوں نے مشورہ کے دفعات ہی کو دفع کر دیا اور اسلام میں مشورہ کا جو درجہ ہے اس کو بالکل نہیں سمجھا۔ اسلام میں مشوہ کا درجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ اے بریرہ تم اپنے شوہر سے رجوع کر لو قصہ یہ ہوا تھا کہ حضرت بریرہ پہلے باندی تھیں اور اسی حالت میں ان کا نکاح ایک شخص سے جن کا نام مغیث تھا ان کے آقا نے آزاد کر دیا تھا۔ جب وہ آزاد ہوئیں تو قانون اسلام کے مطابق ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ جو نکاح حالت غلامی میں ہوا تھا اگر چاہیں اس کو باقی رکھیں اگر چاہیں فسخ کر دیں۔ اصطلاح شریعت میں اس کو خیار عتق کہتے ہیں۔ اس اختیار کی بنا پر حضرت بریرہ نے نکاح سابق کو فسخ کر دیا لیکن ان کے شوہر کو ان سے بہت محبت تھی وہ صدمہ فراق میں مدینہ کی گلی کوچوں میں روتے پھرا کرتے تھے۔ حضور علیہ کو اس پر رحم آیا اور حضرت بریرہ سے آپ نے فرمایا کہ اے بریرہ کیا اچھا ہوا گر تم اپنے شوہر سے رجوع کر لو۔ تو وہ دریافت فرماتی ہیں کہ یا رسول اللہ علیہ یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ کی ایک فرد ہے اگر حکم ہے تو بسر وچشم منظور ہے گو مجھ کو تکلیف ہی ہو آپ نے فرمایا حکم نہیں صرف مشورہ ہے تو حضرت بریرہ نے صاف عرض کر دیا کہ اگر مشورہ ہے تو میں اس مشورہ کو قبول نہیں کرتی لیجئے اسلام میں یہ درجہ ہے مشورہ کا کہ اگر نبی اور خلیفہ رعایا کے کسی آدمی کو کوئی مشورہ دیں تو اس کو بدرجہ اولیٰ حق ہے کہ مشورہ پر عمل نہ کرے اور یہ محض ضابطہ کا حق نہیں۔ بلکہ واقعی حق ہے چنانچہ جب حضرت بریرہ نے حضور علیہ کے مشورہ پر عمل نہ کیا تو حضور علیہ ان سے ذرا بھی ناراض نہیں ہوئے نہ حضرت بریرہ کو کچھ گناہ ہوا نہ ان پر کچھ عتاب ہوا تو جب امت اور رعایا اپنے نبی یا بادشاہ کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے اسلام میں مجبور نہیں تو نبی یا خلیفہ رعایا کے مشورہ سے کیونکر مجبور ہو جائے گا کہ رعایا جو مشورہ دے اسی کے موافق عمل کرے۔ اس کے خلاف کبھی نہ کرے۔ پس شَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ سے صرف یہ ثابت ہوا کہ حکام رعایا سے مشورہ کر لیا کریں۔ یہ کہاں ثابت ہوا کہ ان

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے مشورہ پر عمل بھی ضرور کیا کریں اور اگر کثرت رائے بادشاہ کے خلاف ہو جائے تو وہ کثرین کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہے اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو اس وقت تک شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ سے جمہوریت ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔ جب اسلام میں ایک معمولی آدمی بھی بادشاہ کے مشورہ پر مجبور نہیں ہوتا تو تم بادشاہ کو رعایا کے مشورہ پر کیونکر مجبور کرتے ہو۔ آخر اس کی کوئی دلیل بھی ہے یا محض دعوئی ہی دعوئی ہے اور ہمارے پاس حدیث بریرہ سے دلیل موجود ہے کہ کسی کے مشورہ پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ خواہ نبی ہی کا مشورہ کیوں نہ ہو۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر حکام رعایا سے مشورہ لیں تو وہ ان کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہرگز نہیں ہیں بلکہ عمل خود اپنی رائے پر کریں۔ خواہ وہ دنیا بھر کے مشورہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس آیت میں آگے ارشاد ہے فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ کہ مشورہ کے بعد جب آپ ارادہ کسی بات کا کریں تو خدا پر بھروسہ کر کے اس پر عمل کریں۔ یہاں اذا عزمت صیغہ واحد ہے۔ معلوم ہوا کہ عزم میں حضور ﷺ مستقل تھے۔ اسی طرح آپ کا نائب یعنی سلطان بھی عزم میں مستقل ہے۔ اگر عزم کا مدار کثرت رائے ہوتا تو اذا عزمت نہ فرماتے بلکہ اس کے بجائے اذا عزم اکثر کم فتوکلوا علی اللہ فرماتے پس جس آیت سے یہ لوگ جمہوریت پر استدلال کرتے ہیں اس کا اخیر جزو خود ان کے دعوے کی تردید کر رہا ہے مگر ان کی حالت یہ ہے حفظت شیئا و غابت عنک اشیاء کہ ایک جزو کو دیکھتے ہیں اور دوسرے جزو سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

دوسرا اس آیت میں صرف حکام کو یہ کہا گیا ہے کہ وہ رعایا سے مشورہ کر لیا کریں۔ رعایا کو تو یہ حق نہیں دیا گیا کہ تم از خود استحقاقاً حکام کو مشورہ دیا کرو چاہے وہ مشورہ لیں یا نہ لیں اہل مشورہ ان کو مشورہ سننے پر مجبور کر سکیں۔ چنانچہ شریعت میں اشیروا الحکام وھو حقکم علیھم کہیں نہیں کہا گیا۔ جب رعایا کو از خود مشورہ دینے کا کوئی حق بدرجہ لزوم نہیں تو پھر اسلام میں جمہوریت کہاں ہوئی کیونکہ جمہوریت میں تو پارلیمنٹ کو از خود رائے دینے کا حق ہوتا ہے۔ چاہے بادشاہ ان سے رائے لے یا نہ لے یہاں تک کہا اگر بادشاہ پارلیمنٹ سے بغیر رائے لئے کوئی حکم نافذ کر دے تو اس پر چاروں طرف سے لے دے ہوتی ہے کہ ہم سے بدوں مشورہ لئے یہ حکم کیوں جاری کیا گیا۔ بھلا رعایا کو یہ حکم اسلام میں کہاں دیا گیا ہے۔ ذرا کوئی صاحب ثابت تو کریں۔ پس یہ دعوئی بالکل غلط ہے کہ اسلام میں جمہوریت کی تعلیم ہے اور جس آیت سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں میں نے بتلا دیا کہ اس سے استدلال نہیں ہو سکتا بلکہ اگر غور کریں تو اسی آیت سے شخصی حکومت کا ثبوت ہو رہا ہے۔ اور اسی آیت میں فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ جو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اس میں ایک عجیب حکمت ہے۔ یہ بات اسی وقت ذہن میں آئی ہے وہ حکمت یہ ہے کہ بعض لوگوں کا جو خیال ہے کہ ایک شخص کی تنہا رائے کبھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ ضرور اسی میں غلطی ہوگی اس کا جواب فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ میں دیا گیا ہے۔ سبحان اللہ حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آوے گا جس میں مادہ پرستی غالب ہوگی اور بعض لوگوں کا یہ اعتقاد ہوگا کہ شخص واحد کی رائے ضرور غلطی کرے گی۔ اس لئے پہلے ہی سے اس کا بھی جواب دے دیا اور ایسا جواب دیا جس میں گفتگو کی مجال نہیں۔ اس خیال کا ایک جواب تو یہ تھا کہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے تم تجربہ کر کے دیکھ لو معلوم ہو جائے گا بعض دفعہ ایک شخص کی رائے تمام دنیا کے خلاف صحیح ہوتی ہے مگر اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے گفتگو قطع نہیں ہوتی اور تُو تُو میں میں شروع ہو جاتی ہے چنانچہ آج کل یہ جواب دے کر دیکھ لو جو کبھی گفتگو قطع ہو۔ مخاطب کبھی اس کو اتفاق پر محمول کریگا۔ کبھی یہ کہے گا کہ واقع میں اکثر ہی کی رائے صحیح تھی مگر بعض موانع کی وجہ سے ان کو کامیابی نہیں ہوئی اور شخص واحد کی رائے واقع میں غلط تھی۔ مگر اسباب خارجہ ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے اس کی رائے کامیاب ہوگئی۔ وعلی ھذا کچھ نہ کچھ تو جیہیں نکال لی جائیں گی مگر حق تعالیٰ نے یہ جواب نہیں دیا حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ جواب ایسا دیا کرتے ہیں جس سے مخاطب کی تسلی ہو جائے۔ قرآن میں مقدمات اور صغری کبری اور قیاسی اشکال سے جواب نہیں دیا گیا کیونکہ اس سے گفتگو قطع نہیں ہوتی۔ مخاطب مقدمات میں گفتگو کرنے لگتا۔ بلکہ قرآن میں جواب ایسی مختصر بات سے دیا جاتا ہے جو دل میں گھس جائے اور مخاطب کو گفتگو کی جگہ نہ ملے چنانچہ اس خیال کا دوسرا جواب وہ ہے جو فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ میں دیا گیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حاکم کا قلب مشورہ کے بعد جب ایک شق کی طرف مائل ہو جائے تو خدا پر بھروسہ کر کے عمل شروع کردے۔ تمہارے ہاتھ میں خزائن کامیابی نہیں ہیں بلکہ سب خزائن ہمارے ہاتھ میں ہیں تم خدا پر بھروسہ کر کے عمل کرو حق تعالیٰ شخص واحد کی رائے کو بھی کامیاب کر سکتے ہیں۔ بلکہ اگر وہ رائے غلط بھی ہوگی تب بھی توکل کی برکت سے صحیح ہو جائے گی اور اگر عقل اس کو تسلیم نہ کرے تو تم عقل کے فتوے پر عمل نہ کرو بلکہ ہمارے قانون پر عمل کرو۔ ہمارا قانون یہ ہے کہ مشورہ کے بعد حاکم کی رائے جس طرف قائم ہو جائے اس کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا چاہیے اور خدا پر نظر رکھنی چاہیے۔ وہ ایک آدمی کی رائے کو بھی تمام عالم کی رائے پر غالب کر سکتے ہیں۔ عقل اگر یہ کہے کہ ایک کی رائے صحیح نہیں ہو سکتی تو اس کی بات پر التفات نہ کرو عقل بیچاری ہے کیا چیز جو قانون خداوندی میں اس کے فتویٰ سے مزاحمت کی جائے۔ (تقلیل الاختلاط)

حضرات صحابہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے

حق تعالیٰ نے اس واقعہ میں مسلمانوں پر مصیبت آنے کا سبب ان صحابہ کی غلطی اجتہادی کو قرار دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر گھاٹی سے ہٹ گئے تھے چنانچہ ارشاد ہے وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ (اور تم کہنے پر نہ چلے بعد اس کے کہ تم کو تمہاری دل خواہ بات دکھادی گئی تھی)

اس کے بعد بطور عتاب کے فرماتے ہیں فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ یعنی پھر خدا تعالیٰ نے تم کو بھی غم دیا بدلہ (اس) غم کے (جو تم نے نافرمانی کر کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا) اس کے بعد اس انتقام کی حکمت ارشاد فرماتے ہیں لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ تا کہ تم کو (انتقام) لینے کے بعد) اس بات پر زیادہ رنج نہ ہو جو تم سے فوت ہوگئی تھی یہ وہی بات ہے جو میں نے ابھی بیان کی تھی کہ بعض شریف طبیعتوں پر خطا کا انتقام نہ لینے سے ندامت زیادہ غالب ہوتی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

شان رحمۃ اللعالمین ﷺ

چونکہ رسول ﷺ مظہر اتم صفات باری ہیں اس لئے حضور ﷺ کی بھی یہی شان ہے کہ آپ میں رحمت کا غلبہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو رؤف رحیم فرمایا اور سخت کلامی وسنگ دلی سے آپ کی براءت کی ہے۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ پس خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تند خوسخت طبیعت ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

یہ حضور کی اصلی صفت ہے اور غضب۔ حدت آپ کی اصلی صفت نہیں بلکہ کسی عارض و مقتضی کی وجہ سے اس کا ظہور ہوا۔ اب بتلایئے کہ حضور کا اتباع آپ کی صفات اصلیہ کا اتباع ہے یا صفات عارضیہ کا یقیناً ہر شخص یہی کہے گا کہ حضور ﷺ کا اتباع یہی ہے کہ صفات اصلیہ میں آپ کا اتباع کیا جائے ورنہ حضور ﷺ سے بعض دفعہ نماز فجر بھی قضا ہوئی ہے تو کیا تم بھی اس عارض کا اتباع کر کے ہر روز نماز فجر قضا کیا کرو گے ہرگز نہیں! یہ مثال عجیب ذہن میں آئی کہ جس نے راستہ کو واضح کر دیا۔

بل احیاء عند ربھم یرزقون (آل عمران)

بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق ملتا ہے۔

حیات نبوی ﷺ پر ایک نکتہ

فرمایا ایک شخص نے حیات نبوی ﷺ میں مجھ سے گفتگو کی میں نے کہا جو لوگ مقتول فی سبیل اللہ ہیں ان کے حق میں ارشاد ہے بل احیاء عند ربھم اور جو لوگ فی سبیل اللہ سے بڑھ کر مقتول فی اللہ ہیں وہ کیونکر زندہ نہ ہوں گے اور اس نکتہ پر مدار مسئلہ کا نہیں اس میں حدیث صریح موجود ہے اور یہ تائید کے درجہ میں ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۳۱۱)

سلطنت شخصی میں بھی مشورہ واجب ہے

فرمایا بعض لوگ آیت وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ سلطنت شخصی ہونا خلاف قرآن کے ہے۔ شاورھم سے کثرت رائے مفہوم ہوتی ہے جو حاصل ہے سلطنت جمہوری کا۔ مگر اس استدلال کی غلطی خود اس آیت کے اگلے جزو سے ظاہر ہے فاذا عزمت فتوکل علی اللہ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو مشورہ مطلوب ہے مگر بعد مشورہ مدار محض آپ کے عزم اور رائے پر ہے اس سے تو بالعکس سلطنت کا شخصی ہونا ثابت ہوا البتہ یہ ضرور ہے کہ شخص واحد پر مشورہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے لیکن مدار کثرت رائے پر نہیں رکھا گیا بلکہ اس مستشیر کو اطلاق آیت سے اس کی بھی اجازت ہے کہ وہ مقابلہ جماعت کے ایک کے مشورہ کو قبول کر کے اس کے موافق عزم کرے۔ (مقالات حکمت ص ۶۳)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

ترجمہ: بلاشبہ آسمانوں اورزمین کے بنانے میں یکے بعد دیگرے رات اوردن کے آنے جانے میں اہل عقل کے لئے دلائل ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بیٹھے بھی لیٹے بھی اور آسمانوں اورزمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے ان کو لایعنی پیدا نہیں کیا پس ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔

تفسیری نکات

ترغیب ذکر وفکر

یہاں دو عملوں کی ترغیب ہے ایک ذکر کی ایک فکر کی اور ان ہی دونوں میں کوتاہی کرنا ہماری دنیوی اور دینی خرابی کا سبب ہے ہر چند کہ اس آیت میں خاص فکر کا ذکر ہے جو کہ آسمان وزمین کی پیدائش اور بناوٹ میں کیا جائے کیونکہ یہ موقع اثبات توحید کا ہے اور مقصود مقام بھی ہے اور اثبات توحید میں تفکر فی السماء والارض کو خاص دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان مخلوقات میں غور کرو کہ یہ سب حادث ہیں اور حادث کے وجود کے لئے موجد کی ضرورت ہے اگر موجد بھی حادث ہوا تو اس کے لئے پھر موجد کی ضرورت ہوگی اور سلسلہ غیر متناہی چلے گا اور تسلسل محال ہے پس ضروری ہے کہ انتہا واجب پر ہوگی اور اس کو ہم اللہ کہتے ہیں غرض فکر اس جگہ مقید ہے مگر مجموعی آیات سے جو اس باب میں وارد ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو ہر چیز میں فکر ہونا چاہیے رسالت میں بھی توحید میں بھی اسی طرح اور کوئی عمل بھی فکر سے خالی نہ ہونا چاہیے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اس باب میں ہمارا کیا حال ہے سو ہماری حالت یہ ہے کہ ہم کو کسی کام میں فکر نہیں ہوتی اپنی ہر حالت کو یاد کر کے دیکھ لو کوئی وقت بھی ایسا ہوتا ہے جس سے ہم فکر کرتے ہوں یا کسی کام میں سوچ سے کام لیتے ہیں یقیناً آپ اپنے سب اوقات کو فکر سے خالی پائیں گے حالانکہ قرآن وحدیث میں تو توحید ورسالت تک بھی فکر کی تاکید ہے گو توحید ورسالت کے حاصل ہوتے ہوئے ان میں فکر نہ کرنے کی شکایت نہ ہو کیونکہ اس فکر کا نتیجہ بحمد للہ ہم سب کو حاصل ہے کیونکہ بحمد للہ سب مومن مسلمان ہیں یہ اور بات ہے کہ خلل اعمال کی وجہ سے ایمان کی نورانیت بعض میں کم ہے باقی نفس ایمان میں کمال ونقص نہیں ہے بحمد للہ نفس ایمان سب کو حاصل ہے حتیٰ کہ نفس ایمان فاسق کو بھی حاصل ہے بعض عارفین کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

قول ہے کہ ضعیف الایمان کا نور بھی اگر ظاہر ہو جائے تو آسمان وزمین سب کو چھپا لے بہر حال یہ فکر اگر نہ ہو تو کچھ شکایت نہیں کیونکہ اس فکر کا حاصل یہ ہوگا کہ شے موجود کو قوی کیا جائے گا اور موجود کو قوی کرنا مفقود کے حاصل کرنے سے موخر ہے مقدم یہ ہے کہ مقصود کو حاصل کیا جائے۔

جزا وسزا میں فکر کی ضرورت

میں اسی فکر کو بتلانا چاہتا ہوں جس کی ہر عمل میں ضرورت ہے اور فکر یہ ہے کہ جزا وسزا میں فکر کیا جائے چنانچہ سورۃ رحمٰن میں اول سے آخر تک اسی کا بیان ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی نعمتیں اور عقوبتیں بیان فرما کر بار بار سوال کیا ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ جس کا حاصل یہی ہے کہ ان نعمتوں کو اور عقوبتوں کو سوچنا اور یاد کرنا چاہیے مگر اس مقام پر کسی طالب علم کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ نعمتوں کے ساتھ تو فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ موقع پر ہے مگر عذاب کے ساتھ اس کے ذکر کا کیا موقع ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب کے ذکر سے انسان کو تنبیہ ہوتی ہے اور وہ عذاب کو سوچ کر نافرمانی سے بچتا ہے اس حیثیت سے اس کا ذکر بھی نعمت ہے اگر ہم کو فکر کی عادت ہوتی تو یہ راز معلوم ہو جاتا اس کی ایسی مثال ہے جیسے حاکم منادی کراتا ہے کہ جو شخص سرکاری درخت کاٹے گا اس پر اس قدر جرمانہ ہوگا اور سزا دی جائے گی عاقل اس منادی کو بھی نعمت سمجھے گا کہ اس منادی کی وجہ سے ہم جیل خانہ سے بچ گئے اگر ہم کو خبر نہ ہوتی تو قید بھگتنا پڑتی یا طبیب کسی مضر شے کی مضرت سے ہم کو اطلاع دے۔ عاقل اس کی بھی قدر کرے گا اسی طرح یہاں سمجھو کہ عذاب گو فی نفسہ نعمت نہ ہو مگر اس سے مطلع کر دینا ضرور نعمت ہے پس اب فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کسی جگہ بے موقع نہیں ہے بہر حال سارا قرآن فکر کی تاکید سے بھرا ہوا ہے کہیں قیامت کے بارہ میں ارشاد ہے اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ ان کو قیامت کے امکان کو سمجھنے کے لئے مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں نظر چاہیے نظر وفکر ایک ہی ہے

تفکر فی الدنیا

ایک جگہ ارشاد ہے لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ کہ اللہ تعالیٰ یہ احکام صاف صاف اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ دنیا وآخرت میں فکر کرو۔ یہاں تفکر فی الدنیا کی بھی تاکید ہے اس پر یہ اشکال ظاہر میں ہوتا ہے کہ دنیا میں تفکر کی کیا ضرورت ہے بلکہ اس سے تو تفکر کو ہٹانا چاہیے اشکال سننے کے بعد اب دو تفسیریں سنو! جن میں ایک دوسرے سے لطیف ہے ایک تفسیر تو یہ ہے کہ دنیا کے اندر جو فکر مذموم ہے وہ وہ ہے جو تحصیل دنیا کے لئے ہو اس کو مقصود بالذات سمجھے اور اگر مقصود بالذات نہ سمجھے تو وہ فکر بھی جائز ہے کیونکہ حدیث میں ہے طلب الحلال فریضة بعد الفریضة کو اور طلب کے لئے فکر لازم ہے مگر یہ فکر مقصود ا مطلوب نہیں بلکہ تبعاً ہے کیونکہ دنیا بقدر ضرورت کو دین کی تکمیل وتحصیل میں دخل ہے دوسری تفسیر اس سے لطیف ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا وآخرت میں تفکر کرو موازنہ کے لئے ان میں کون اختیار کرنے کے لئے ہے اور کون قابل ترک ہے اور دنیا میں جو فکر مذموم ہے وہ وہ ہے جو تحصیل کے لئے ہو اور جو فکر ترک دنیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے لئے ہو وہ تو مطلوب ہے پہلی تفسیر کا حاصل یہ تھا کہ دنیا میں تبعاً تفکر کرو اور آخرت میں مقصوداً اور دوسری تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ دونوں میں مقصوداً تفکر کرو موازنہ کے لئے اہل اللہ نے دنیا میں فکر کر کے ہی اس کی حقیقت کو سمجھا ہے اسی لئے ان کو دنیا سے سخت نفرت ہے۔

باوجود وعدہ کے خوف

حاصل یہ ہے کہ باوجود وعدے کے بھی خوف ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیے اسی واسطے یہ دعا سکھلائی گئی ہے رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ جس کا ترجمہ ہے کہ اے اللہ جن باتوں کا آپ نے رسولوں کی زبان پر ہم سے وعدہ کیا وہ ہم کو دینا اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کرنا اس میں ظاہراً یہ اشکال ہے کہ جس چیز کا وعدہ کیا گیا اس میں خلاف تو ہو ہی نہیں سکتا پھر اس کے مانگنے کی کیا ضرورت ہے جس سے وہم ہوتا ہے کیا وعدہ پورا ہونے پر ایمان نہیں۔

اور یہ دعا خود حق تعالیٰ نے تعلیم فرمائی ہے تو یہ کیا بات ہے۔

اس کی وجہ علماء نے یہی لکھی ہے کہ جس قید کے ساتھ وعدے کئے گئے ہیں ممکن ہے کہ وہ قید ہم میں باقی رہے یا نہ رہے اور ہم محل وعدہ رہیں یا نہ رہیں خدانخواستہ حالت ایسی متغیر ہو جاوے کہ ہم اس وعدہ کے مصداق ہی نہ رہیں۔ مثلاً وعدہ کیا گیا ہے کہ جو کوئی ایمان لائے گا اور عمل صالح کرے گا تو اس کو جنت ملے گی۔ اس میں وعدہ ہے جنت کا مگر مقید ہے بقاء ایمان اور عمل صالح کے ساتھ فرض کر لیجئے ہم میں اس وقت ایمان بھی ہے اور عمل صالح بھی ہے اور اس وقت ہم اس وعدہ کے مصداق ہیں۔

لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ خاتمہ کے وقت یہ حالت نہ رہے اور اس وعدہ کے مصداق نہ رہیں اور جنت نہ مل سکے تو وعدہ بھی سچا رہا اور موعود ظاہری کے خلاف کا وقوع میں آنا بھی ممکن ہو گیا کیونکہ وہ حقیقۃً موعود ہی نہ تھا اس واسطے سوال کیا جاتا ہے اب اس آیت پر وہ اشکال نہ رہا کہ جس چیز کا وعدہ ہے اس کا سوال کیوں کیا جاتا ہے حاصل جواب کا یہ ہوا کہ سوال اس بات کا کیا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ ہمارے اندر ان قیود کو پیدا کر دیں اور باقی رکھیں جن کے ساتھ وہ وعدہ مقید ہے تو اتنا ما عدتنا کا حاصل یہ ہوا کہ ہم کو ان لوگوں میں سے کر دیجئے جو اس وعدہ کے مصداق ہیں۔ غرض وعدہ سچا ہے لیکن کبھی واقع میں وہ وعدہ مقید ہوتا ہے اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ وہ قید ہم کو بتلا بھی دی جائے۔ (الاسلام الحقیقی)

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ

اے ہمارے پروردگار جو آپ نے وعدہ کیا ہے اپنے رسول علیہ ﷺ کی معرفت وہ عنایت کیجئے اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کیجئے بلاشبہ آپ کا وعدہ خلاف نہیں۔

وعدہ کا اہل بنانا

یہ تو ظاہر ہے کہ جس امر کا وعدہ حق تعالیٰ فرما چکے ہیں وہ ملے ہی گا خدا تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتے پھر کیا معنی ہیں واتنا ما وعدتنا کے اس کی توجیہ بعض نے یہ کی ہے کہ ہم کو اس وعدہ کے اہل بنا دیجئے مگر یہ تاویل بعید ہے کیونکہ یہ تو مومن

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے وعدہ ہے اور وہ تو اس وعدہ کا اہل ہے ہی پھر یہ کہ لاتخلف المیعاد کیوں بڑھایا گیا واقع یہ ہے کہ یہ تذکیر ہے نعمت کی اور عبدیت کی کہ جیسے وعدہ میں محتاج تھے وعدہ کے بعد بھی محتاج ہی رہے۔ بعد وعدہ کے بھی یونہی کہا کریں وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا اور اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

بہر حال نقوص قرآنیہ اور احادیث مؤید ہیں اس کے کہ بعد عطا کے بھی طاعت کو نہ چھوڑا جائے جب نصوص سے ایک قاعدہ کلیہ نکل آیا تو اس کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ بعد عزم کے اگر بارش بھی ہو جائے تو نماز استسقاء کو ترک نہ کیا جائے۔ پہلے طلب کے لئے تھی اب شکر کے لئے ہے حاصل یہ ہے کہ بعد عطا کے وہ فرد ہوگی شکر کی۔ اس لئے اس کو کرنا چاہیے اور یہ بات میں عیدگاہ میں بیان کر چکا ہوں کہ سبب بارش نہ ہونے کا عصیان ہوتا ہے اس لئے گناہوں سے توبہ کرنا چاہیے اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ توفیق مرحمت فرما دیں۔ (شکر العطاء ملحقہ مواعظ حقیقت عبادت ۳۶۷)

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ: سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا خواہ کہ مرد ہو یا عورت ہو تم آپس میں ایک دوسرے کے جز و ہو سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیئے گئے اور جہاد کیا اور شہید ہو گئے میں ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کر دوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ عوض ہے اللہ کے پاس اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے۔

تفسیری نکات

حقیقت عمل

اول سمجھ لیجئے کہ اس سے اوپر حق تعالیٰ نے کچھ ذکر کیا ہے اہل طاعت کا اور ان کے بعض اقوال و افعال ذکر فرمائے ہیں کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ وہ ذکر کرتے ہیں حق تعالیٰ کا اور کائنات میں تفکر کرتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں وہ دعائیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

نقل فرمائی ہیں اور نقل کیا اور فرمائی ہیں بلکہ تعلیم فرمائی ہیں۔ نہایت پاکیزہ اور جامع دعائیں ہیں اس کے بعد یہ آیت ہے فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی دعا قبول ہوئی اور ان کی درخواست منظور کی گئی اگلے جملے ایں اسی کی وجہ ارشاد ہے اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ یہاں لام مقدر ہے یعنی تقدیر لانی ہے مطلب یہ ہوا کہ درخواست ان کی اس وجہ سے منظور ہوئی کہ میری عادت یہی ہے کہ میں کسی شخص کا عمل اور کسی کام کرنے والے کا کام ضائع اور برباد نہیں کیا کرتا چونکہ دعا بھی عمل ہے اس واسطے اس کو بھی میں نے ضائع نہیں کیا بلکہ اس کو منظور کرلیا اور وہ جو سوال کرتے ہیں وہ میں پورا کروں گا۔ ایک تو یہ توجیہ ہے اور ایک یہ ہے کہ انی کی تقدیر لانی نہیں ہے اور یہ علت نہیں ہے فاستجاب کی بلکہ یہ جملہ مفعول ہے استجاب کا اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ حق تعالیٰ نے اس بات کو منظور فرمایا کہ ان کا کوئی عمل ضائع نہیں کریں گے۔ اس میں دعا بھی آ گئی اور اعمال بھی آ گئے اور گو اوپر اعمال کے ضائع نہ کرنے کی درخواست نہیں تھی پھر استجاب کے کیا معنی مگر اعمال تو مذکور ہیں یذکرون اور یتفکرون میں جواب اعمال کو شامل ہے۔ لما قالوا کل مطیع الله فهو ذاکر. اور جو شخص عمل کرتا ہے بہ نیت قبول کے کرتا ہے تو عمل بھی درخواست ہے ضائع نہ کرنے کی پس اس طرح سے عدم اضاعۃ استجاب کا مفعول بہ ہو گیا یہ توجیہ کا اختلاف ہے لیکن ہر حال میں خلاصہ مشترک اس کا یہ ہے کہ یہ بات معلوم کا دی گئی کہ خدا تعالیٰ کسی کا عمل ضائع نہیں کرتے یہ مضمون ایسا ہے کہ سب جانتے ہیں اور جا بجا آیتوں میں مذکور ہے چنانچہ کئی جگہ آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ اور مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ بہر حال اس میں کسی کو اختلاف نہیں اور اسمیں کوئی اشتباہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کسی کا کام ضائع نہیں کرتے چونکہ یہ بہت ہی ظاہر اور مسلم بات ہے لہٰذا اس وقت یہ بیان سے مقصود بھی نہیں۔

ضرورت عمل

چنانچہ اللہ تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ اس وقت مقصود بیان صرف تعمیم رحمت حق کا ظاہر کرنا ہے جس پر من ذکر او انثی کا لفظ دال ہے اور اسی جزو کا مجھے بیان کرنا مقصود ہے۔ فرماتے ہیں میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا' خواہ وہ مرد ہو یا عورت یعنی ہمارے یہاں نیک عمل ہر مومن کا مقبول ہے یہ نہیں کہ عورت کے عورت ہونے کی وجہ سے کوئی عمل مردود ہو جائے یا مرد کے مرد ہونے کی وجہ سے کوئی عمل مقبول ہو جائے۔ دوسری آیت میں فرماتے ہیں مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ یعنی جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو حیات طیبہ نصیب کریں گے اور اس کو جزا دیں گے اچھے عمل کی آپ کو معلوم ہوگا کہ اصول کا قاعدہ ہے کہ جن آیات میں کوئی تصریح عورت یا مرد کی نہیں ہوتی ان کا مضمون مردوں اور عورتوں سب کو عام ہوتا ہے اس بناء پر اس تصریح کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت پھر ان آیتوں میں لفظ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی کے لانے کا کیا سبب ہے؟ اس کا پتہ شان نزول سے چلتا ہے۔ شان نزول حسب روایت ترمذی یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے ایک

(c) ketabton.com: The Digital Library

دفعہ بطور حسرت کے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ قرآن شریف میں عورتوں کا ذکر کہیں نہیں آتا ان کی خاطر سے حق تعالیٰ نے بعض آیات میں صراحۃً عورتوں کا ذکر فرمادیا تا کہ یہ حسرت نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یاد نہیں فرماتے دیکھو عورتوں کی خاطر اللہ میاں کو کس قدر منظور ہے کہ باوجود ضرورت نہ ہونے کے تصریح کے ساتھ عورتوں کا ذکر بھی کردیا اس کی قدر ہم کو اس وجہ سے نہیں کہ جب سے ہوش سنبھالا قرآن سنا تو اس میں بہت جگہ ایسے الفاظ سنے جو عورتوں کی شان میں ہیں بس سنتے سنتے مساوات ہوگئی۔ اب جب ایسی آیتیں پڑھتے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی اس کی قدر ان عورتوں کے دل سے پوچھو جن کو یہ حسرت ہو چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمارا ذکر نہیں فرماتے پھر ان کی حسرت کو حق تعالیٰ نے پورا کیا یہ بیچاری قرآن میں ہر جگہ مردوں کا ہی ذکر پاتی تھیں اس سے ان کا دل مرجاتا ہوگا اور یہ خیال ہوتا ہوگا کہ کیا ہم عورتیں حق تعالیٰ کے نزدیک کسی شمار میں بھی نہیں جو کہیں ہمارا ذکر نہیں فرماتے اب سوچئے کہ جس وقت ان کی تمنا کے موافق قرآن میں الفاظ اترے ہوں گے تو ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ اس کا لطف دوسرا کوئی کب سمجھ سکتا ہے؟

جوش محبت

ایک صحابی ہیں حضرت ابی کعب ؓ شیخین کی روایت میں ہے کہ ان سے ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ابن کعب خداوند تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں تم کو سورہ لم یکن پڑھ کر سناؤں۔ یہ سن کر ان کو وجد سا آگیا اور عرض کیا اللہ سمانی یعنی کیا اللہ میاں نے میرا نام لیا' حضور ﷺ نے فرمایا' ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لیا واقعی اس وقت جو حالت بھی ان کی ہوئی ہو کم ہے سوچئے تو سہی کہ جس وقت حضور ﷺ نے یہ پیغام ان کو سنایا ہوگا۔ اگر ان کو شادی مرگ ہوجاتی تو بجا تھا پھر جب حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا نعم اللہ سماک یعنی ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لے کر فرمایا بس یہ سن کر وہ پھوٹ کر رو پڑے اس حالت کا اندازہ کوئی کیا کرسکتا ہے رہا یہ کہ پھر رونا کس لئے تھا تو حضرت نے فرمایا یہ رونا شادی کا تھا نہ رنج کا تھا بلکہ گرمی عشق کا تھا اس کی تحقیق مشکل ہے بعضے سمجھتے ہیں کہ خوشی کا رونا تھا مگر یہ بات نہیں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی تحقیق ہے کہ یہ رونا محبت کے جوش کا تھا کہ ان کو یہ خیال ہوا کہ اے اللہ! میں اس قابل کہاں تھا کہ آپ میرا نام لیں۔ اس خیال سے محبت کا جوش اٹھا اور گریہ طاری ہوا۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

غرض اس وقت اس لفظ او انثی کی اس لئے قدر نہیں محسوس ہوتی کہ تمام عمر سے ہمیں قرآن میں یہ لفظ موجود ملا ہے اس کی قدر ان سے پوچھی جائے جن کی حسرت وتمنا کے بعد یہ لفظ نازل ہوا اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک عاشق کو محبوب کے دربار کے قریب تک پہنچنے کا موقع تو ملتا ہے مگر محبوب کبھی اس کی طرف توجہ نہیں کرتا دوسروں سے ہی بات چیت کرتا رہتا ہے اور یہ اس حسرت میں گھلا جاتا ہے کہ افسوس میرا نام بھی تو کبھی اس کی زبان پر آتا اس نے کسی خاص مقرب بارگاہ سے اپنی حسرت کو ظاہر کیا اس نے محبوب کے کان تک بات پہنچادی دوسرے وقت محبوب نے مجلس میں کوئی چیز مثلاً پان تقسیم کئے اور خادم سے کہا کہ سب صاحبوں کو پان دے دو اور فلاں صاحب کو ضرور دینا عاشق کا نام لے کر کہا تو آپ اندازہ کیجئے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ اس وقت اس عاشق کی کیا حالت ہوگی یقیناً اس کو وجد آ جاوے گا اور ناچتا پھرے گا مگر دوسرے حضار مجلس کے نزدیک یہ بات بھی کچھ نہ ہوگی وجہ یہ ہے کہ اس کو بڑی تمنا کے بعد یہ دولت نصیب ہوئی ہے اور دوسروں کو بلا تمنا کے نصیب تھی۔

خواتین اور قرآن حکیم

صاحبو! ہم لوگوں کو قرآن پورا مکمل جمع شدہ مل گیا ہے۔ ہم اس قسم کی آیتیں ہر دور میں پڑھتے ہیں اور کبھی اس طرف خیال بھی نہیں جاتا کہ ان میں کیا دولت بھری ہوئی ہے اس کو حضرت ام سلمہؓ سے یا اس وقت کی دوسری بیبیوں سے پوچھنا چاہیے کہ ان آیتوں کو سن کر ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ اے بیبیو! کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو خاص طور سے یاد فرمایا اور یاد بھی کس طرح فرمایا کہ مردوں کے برابر بٹھا دیا کیونکہ اس آیت میں جن باتوں کا وعدہ کیا ہے ان میں مردوں اور عورتوں میں کچھ فرق نہیں کیا تو یہ کہنا صحیح ہے کہ عورتوں کو مردوں کے برابر بٹھا دیا۔ گو بائیں طرف بٹھایا ہے کیونکہ آیت میں پہلے لفظ من ذکر ہے اس کے بعد او انثی ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ قرآن عربی زبان ہے اور عربی زبان کا خط دائیں سے بائیں طرف کو ہوتا ہے تو دائیں طرف والے کو اول اور بائیں طرف والے کو دوم کہہ سکتے ہیں۔ قرآن کی تحریر انگریزی نہیں ہے کہ بائیں طرف سے دائیں طرف کو ہو اور بائیں طرف والے کو اول اور دائیں طرف والے کو دوم کہہ سکیں۔ یہ اس واسطے کہہ دیا کہ آج کل انگریزیت کا غلبہ ہے کوئی ذہین بی بی یہ استدلال نہ کر بیٹھے کہ بائیں طرف والا اول اور دائیں طرف والا دوم ہوتا ہے خیر یہ ایک لطیفہ سا ہے مگر یہ بات شریعت میں ثابت ہے کہ عورت کسی قدر مرد سے درجہ میں گھٹی ہوئی ہے (بدلیل وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ و مثلها من الایات جامع) اور گو اس آیت میں کسی بات میں مرد عورت میں فرق نہیں کیا گیا لیکن چونکہ ترتیب عبارت میں عورتیں مؤخر ہیں مردوں سے اس واسطے میں نے یہ کہا کہ ان کو بائیں طرف بٹھایا یوں سمجھو کہ عورتیں جسم میں بائیں آنکھ ہیں اور مرد دائیں آنکھ ہیں اور بائیں آنکھ کسی بات میں داہنی سے کم نہیں نہ ضروری ہونے میں نہ کام دینے میں باقی یہ بات ضروری ہے کہ شریعت نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ من کل الوجوہ مساوات نہیں دی جیسا کہ اس زمانہ کے نئے تعلیم یافتہ طبقہ کا خیال ہے۔

مسئلہ مساوات مرد وزن

وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ ناانصافی ہے کہ ایک صنف کو دوسری صنف سے گھٹا دیا جائے۔ بیبیو؟ تمہارا بائیں طرف رہنا یہ بہتر ہے ہر چیز ایسے موقع پر اچھی ہوتی ہے سر کی چیز سر ہی پر اچھی ہوتی ہے اور پاؤں کی چیز پاؤں میں اور وجہ اس میں سلامتی ہونے کی یہ ہے کہ عورت میں عقل کم ہوتی ہے اور جس میں عقل کم ہو اس سے ہر کام میں غلطی کرنیکا احتمال ہے لہٰذا اس کے واسطے سلامتی اسی میں ہے کہ وہ زیادہ عقل والے کا تابع ہو اسی واسطے حق تعالیٰ نے مردوں کو ان پر حاکم بنایا چنانچہ فرماتے ہیں۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ تاکہ ان کے کام سب ان کی نگرانی میں ہوں اور غلطی سے حفاظت رہے اس کا نام سختی نہیں بلکہ یہ تو عین عدل وحکمت وشفقت ہے دیکھو بچے ناقص العقل ہوتے ہیں اب اگر ان کو خودسر بنا دیا جاوے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور وہ کسی کے تابع ہو کر نہ رہیں تو اس کا کیا انجام ہوگا؟ پس یہ حق تعالیٰ کی نہایت رحمت ہے کہ عورتوں کو خود سر نہیں بنایا ورنہ ان کا کوئی کام بھی درست نہ ہوتا دین اور دنیا سب کاموں میں ان سے غلطیاں ہوا کرتیں خودسری میں بڑی مصیبت ہے حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ ۔یعنی خوب سمجھ لوا ے مسلمانو! کہ تمہارے پاس اللہ کے رسول ﷺ موجود ہیں۔ اگر بہت سی باتوں میں یہ تمہارا کہنا مانتے تو تم بڑی مصیبت میں پڑ جاتے مطلب یہ ہے کہ تم کو رسول ﷺ کا تابع ہو کر رہنا چاہیے نہ یہ کہ رسول ﷺ تمہارے تابع ہوں اگر ایسا ہوتا کہ رسول ﷺ تمہارے تابع ہوتے تو تم مصیبت میں پڑ جاتے معلوم ہوا کہ عافیت اور سلامتی اسی میں ہے کہ چھوٹا بڑے کا اور ناقص العقل کامل کا تابع ہو کر رہے غور کرنے کی بات ہے کہ آیۃ میں یہ نہیں فرمایا اگر حضور ﷺ تمہارے تابع ہو کر رہیں تو حضور ﷺ کو تکلیف پہنچے گی بلکہ یہ فرمایا کہ خود تم مصیبت میں پڑ جاتے معلوم ہوا کہ چھوٹے کو بڑے کا تابع ہو کر رہنے میں خود چھوٹے کا نفع ہے اسی طرح اگر تم مردوں کے تابع رہو تو یہ تمہارے ہی واسطے سلامتی اور عافیت ہے۔ غرض اس کو بڑی رحمت سمجھو کہ حق تعالیٰ نے تم کو خود سر نہیں بنایا ورنہ تمہارے لئے بڑی مصیبت ہوتی کیونکہ اول تو عورتوں میں سمجھ کم ہوتی ہے۔ دوسرے ان میں ضد کا مادہ بھی ہے کہ جس کام پر اڑ جائیں گی اس کو کر کے ہی چھوڑیں گی تو ان کو دو وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے ایک تو عقل کم ہونے سے کہ جو کام کرتیں بے سوچے سمجھے اور بلا غور وفکر کے کرتیں پھر ضد کا مادہ ان میں اس قدر ہے کہ جو چڑھ گئی سو چڑھ گئی گو معلوم بھی ہو جاوے کہ یہ کام مضر ہے مگر اس کو چھوڑ نہیں سکتیں (چنانچہ دیکھا ہوگا کہ ذرا ذرا سی بات پر عورتیں کنویں میں کود پڑتی ہیں۔ اس حماقت کا منشاء کم عقلی اور ضد ہی تو ہے) پس عورتوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ ان کو تابع بنایا جاوے ان کے اوپر کوئی ایسا حاکم مسلط رہے جو ان کو ہر وقت سنبھالتا رہے۔ جیسے پیر مرید کی اصلاح کیا کرتا ہے مگر ان کے لئے بیعت کا پیر کافی نہیں کیونکہ وہ ہر وقت ان کے پاس کیسے رہ سکتا ہے۔ ان کے لئے بیت کا پیر چاہیے یعنی گھر کا پیر جو گھر میں ہر وقت موجود رہے وہ کون ہے؟ وہی گھر والا یعنی خاوند۔ یہ پیر اور قسم کے پیروں سے بہتر اور افضل اور ان کے لئے انفع ہے اور اسی کا رتبہ سب سے زیادہ ہے اور بعض عورتوں کے لئے بجائے بیعت کا بیت کا پیر بہت نافع ہے یعنی جو عورتیں مہذب اور شائستہ سمجھدار ہیں ان کے لئے تو بیت کا پیر کافی ہے یعنی خاوند اور جو عورتیں غیر مہذب اور کم سمجھ اور بدتمیز ہیں ان کے واسطے بیت کا پیر ہونا چاہیے جو آلہ ضرب ہے۔ رتبہ کے لفظ پر ایک کام کی بات یاد آگئی عورتوں میں مشہور یہ ہے کہ پیر کا رتبہ خاوند اور باپ سب سے زیادہ ہے یہ محض غلط ہے اس میں بہت سی غلطیاں ہیں۔

درجات مرد وزن

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے جو عورتوں کو محکوم اور خاوند کو حاکم بنایا ہے اس کو سختی اور ظلم نہ سمجھنا چاہیے بلکہ عورتوں کے حق میں یہ عین رحمت وحکمت ہے کیونکہ تابع ہونے میں بڑی راحت ہے اور مساوات میں کبھی نظام اور تمدن قائم نہیں ہو سکتا ہمیشہ جھگڑا اور فساد ہی ہوتا ہے خوب یاد رکھو کہ دنیا اور دین دونوں کا نظام اسی طرح قائم رہ سکتا ہے کہ ایک تابع ہو ایک متبوع ہو۔ لوگ آجکل اتفاق واتحاد لئے بڑی لمبی لمبی تقریریں کرتے ہیں اور تجویزیں پاس کرتے ہیں مگر جڑ کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں دیکھتے یاد رکھو اتفاق واتحاد کی جڑ یہ ہے کہ ایک کو بڑا مان لیا جاوے اور سب اس کے تابع ہوں جس جماعت میں متبوع اور تابع کوئی نہ ہو سب مساوات ہی کے دائی ہوں ان میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو مساوات کا خیال تو عورتوں کو اپنے دل سے نکال دینا چاہیے کیونکہ یہی فساد کی جڑ ہے۔ اب دو ہی صورتیں رہیں یا تو عورتیں متبوع ہوں یا مرد تابع یا مرد متبوع اور عورتیں تابع اس کا فیصلہ انصاف کے ساتھ خود عورتوں کو ہی اپنے دل سے کر لینا چاہیے کہ متبوع بننے کے قابل وہ ہیں یا مرد ہیں سلیم الفطرت عورتیں کبھی اس کا انکار نہیں کر سکتیں کہ عقل اور طاقت میں مرد ہی بڑھے ہوئے ہیں وہی عورتوں کی حفاظت وحمایت کر سکتے ہیں۔ عورتیں مردوں کی ہرگز حفاظت نہیں کر سکتیں۔ پس مردوں کو ہی متبوع اور عورتوں کو تابع ہونا چاہیے یہی شریعت کا فیصلہ ہے اور اسی لئے اس جگہ بھی مردوں کا ذکر عورتوں سے مقدم کیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں من ذکر او انثی اور یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ ہی عورتوں کا ذکر فرمایا آگے پیچھے کا فرق تو بہت تھوڑا فرق ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عورتوں کی قدر بہت بڑھائی ہے کہ سرسری نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مردوں کی برابر ہی ہیں گو میں نے دوسری آیتوں کی وجہ سے اصل مسئلہ کی تحقیق بیان کر دی کہ فی الجملہ دونوں کے رتبہ میں فرق ہے ورنہ اس آیت سے تو مساوات کا بھی شبہ ہو سکتا ہے گو تقدیم وتاخیر پر نظر کر کے مساوات کے استدلال کو رد کیا جا سکتا ہے بہرحال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں مرد وعورت دونوں اس قانون میں برابر ہیں کہ ہم کسی کا عمل ضائع نہ کریں پھر آگے بعضکم من بعض میں اس کی اور بھی تائید فرما دی یعنی تم سب ایک دوسرے کے جزو ہو یہ جملہ بمنزلہ تعلیل کے ہے ماقبل کے لئے کہ مرد وعورت اس قانون میں برابر کیوں نہ ہوں یہ تو آپس میں سب ایک ہی ہیں ایک ہی نوع کے دونوں افراد ہیں خلقت میں بھی برابر کیونکہ مردوں کی خلقت عورتوں پر موقوف ہے اور عورتوں کی خلقت مردوں پر وہ ان کے لئے سبب ہیں اور یہ ان کے لئے۔

مساوات حقوق مرد وزن

اس مقام پر میں ایک علمی اشکال کو رفع کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ قرآن مجید میں بعض آیتیں اس قسم کی بھی ہیں جن سے سرسری نظر میں مردوں اور عورتوں کی مساوات ثابت ہوتی ہے مثلاً وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ جس کا حاصل یہ ہے کہ اوپر محرکات کا بیان تھا اس کے بعد بیان فرمایا کہ ان کے سوا جن عورتوں سے چار نکاح کر سکتے ہو ہاں مہر دینا ہوگا اور جن کو آزاد عورتیں میسر نہ ہوں بوجہ ان کے اخراجات زیادہ ہونے کے تو ان کو چاہئے کہ مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر لیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ اور تمہارے ایمان کا پورا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے (لیکن ظاہری ایمان کے اعتبار سے) تم سب ایک دوسرے سے بنے ہو غرض یہاں بھی وہی لفظ ہے بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ یعنی تم سب ایک ہی ہو مگر یہ آیت اپنے سیاق سے مساوات میں بظاہر اس سے زیادہ صاف ہے پہلی آیت میں تو (جس کا بیان ہو رہا ہے یعنی فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ الخ) بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ کے ساتھ اس کا بھی بیان ہے کہ مساوات اس بات میں ہے کہ کسی کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

عمل ضائع نہ کیا جاوے گا چاہے مرد ہو یا عورت عدم اضاعت عمل میں سب مساوی ہیں مگر اس آیت میں بظاہر کوئی بھی قید نہیں کہ کس بات میں مساوات ہے بس مطلقاً فرما دیا بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ پھر مساوات بھی ایسی عام کہ لونڈی باندی کو آزاد مسلمانوں کے ساتھ غرض اس آیت سے بھی بظاہر عدم تفاوت ثابت ہوتا ہے گو جواز نکاح میں بعض ائمہ کے قول پر من کل الوجوہ مساوات نہ ہو کیونکہ آیت میں یہ قید لگی ہوئی ہے کہ جس کو آزاد عورتوں کی مقدرت نہ ہو وہ باندیوں سے نکاح کرے معلوم ہوا کہ آزاد عورت اور باندی برابر نہیں سو یہ تفاوت ایک امر خاص میں ہے یہ اس مساوات میں حارج نہیں جس کو میں ثابت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ خاص خاص صفات میں تو مردوں میں بھی تفاوت ہو سکتا ہے مثلاً بڑے چھوٹے میں یا امیر غریب میں باپ بیٹے میں عالم جاہل میں وغیرہ وغیرہ سو اس قسم کا تفاوت قابل اعتبار نہیں آخر بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ کے کچھ تو معنی ہیں ایک آیت اور یاد آئی وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی عورتوں کے حقوق بھی ویسے ہی ہیں جیسے ان کے ذمہ مردوں کے حقوق ہیں یہ وہ آیات جس سے عورتوں کی مساوات مردوں سے مفہوم ہو سکتی ہے مگر اس کے ساتھ دوسری آیتوں کو بھی ملانا چاہئے جن میں مردوں کی فوقیت عورتوں پر ثابت ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ نیز ارشاد ہے وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ اور یہ آیات مردوں کی فوقیت اور فضیلت ثابت کرنے میں بالکل صریح ہیں اور جن آیات سے مساوات ثابت ہوتی ہے وہ اس مدلول میں صریح نہیں بلکہ قرائن مقامیہ سے خاص امور میں مساوات بتلاتی ہیں چنانچہ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ میں عدم اضاعت عمل میں مساوات بتلائی گئی اور وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ میں انسانیت اور آدمیت یا ایمان میں مساوات بتلائی گئی ہے کہ باندی کو حقیر نہ سمجھو تم سب آدم و حوا کی اولاد ہو یا سب اہل ایمان ہو اور وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے حقوق بھی لزوم و وجوب میں مردوں کے حقوق کے برابر ہیں گو باعتبار نوعیت کے دونوں کے حقوق میں تفاوت ہو ورنہ مساوات کلی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عورتوں پر بھی مردوں کے لئے مہر اور نان نفقہ لازم ہو حالانکہ کوئی اس کا قائل نہیں باقی اس سے انکار نہیں کہ بعض حقوق اور بعض امور میں یعنی حقوق مشترکہ میں عورتیں مردوں کے برابر ہیں وہ ایسی گھٹیا نہیں ہیں جیسا مردوں نے انہیں سمجھ رکھا ہے مگر افسوس آجکل عام طور سے یہ شکایت سنتے ہیں کہ غریب عورتیں

کہتی ہیں کہ مردوں کے تو کیا کچھ حقوق ہمارے اوپر ہیں اور ہم بالکل جانوروں کی طرح ان کے ہاتھ میں ہیں کہ وہ ماریں پیٹیں یا ذبح کریں ہم کچھ نہیں بول سکتیں پس سن لو کہ اللہ سبحانہ کیا فرما رہے ہیں اور مرد بھی سن لیں ذرا کان کھول لیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جیسے ان کے اوپر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی ان کے بھی مردوں پر ہیں پھر یہ کہنے کی گنجائش کہاں رہی کہ ہم جانوروں کی طرح ہیں اس شکایت کی اصل وجہ یہ ہے کہ مردوں نے ان کے کان میں اتنا ہی ڈالا ہے کہ ہمارے حقوق تمہارے اوپر اس قدر ہیں اور یہ بات بالکل ان کے کان تک نہیں پہنچائی کہ تمہارے بھی کچھ حقوق ہمارے اوپر ہیں اور عام مرد تو ایسی بات ان کے کان تک کیوں ہی پہنچنے دیتے کیونکہ اپنے خلاف ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

ترجمہ: اے ایمان والو خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پورے کامیاب ہو جاؤ

تفسیری نکات

فلاح آخرت کے لئے ایمان شرط ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو!) سے ایمان کی ضرورت معلوم ہوئی لیکن اس کو بصورت امر آمنوا (تم ایمان والو) کہہ کر اس لئے ظاہر نہیں کیا گیا کہ مخاطب اہل ایمان ہی ہیں ان کو امنوا (ایمان لاؤ) کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ احکام کی دو قسمیں ہیں ایک وہ احکام جو ان لوگوں سے متعلق ہیں جنہوں نے ایمان قبول کر لیا ہے پہلی قسم میں اول ایمان کا حکم کیا جائے گا اور دوسری قسم میں ایمان کا حکم صیغہ امر سے نہ کیا جائے گا جیسے طلب علم کے متعلق ایک تو غیر طالب علم کو خطاب کیا جائے اور ایک طالب علم کو تو جس وقت غیر طالب علم کو خطاب کیا جائے گا اس وقت اسے کہنے کی ضرورت ہے کہ علم طلب کرو جس وقت طالب علم مخاطب ہو اس وقت اس شرط کے اظہار کی ضرورت نہیں قرآن میں بھی اس طرح دونوں قسم کے خطاب ہیں اور یہ مثالیں میں نے اس لئے دے دیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ قرآن کے

مضامین میں کوئی نئے نہیں ہیں اگر غور کیا جائے تو جس طرح ہم لوگ محاورات میں گفتگو کرتے ہیں اسی طرح قرآن میں بھی کلام کیا جاتا ہے ہاں طرز تعلیم ایسا عجیب ہے کہ دوسرے کسی سے ممکن نہیں کیونکہ قرآن میں تمام پہلوؤں کی پوری رعایت ہوتی ہے، بہرحال چونکہ اس صورت میں زیادہ احکام اور اکثر خطابات مومنین کو ہیں اس لئے امنوا (ایمان لاؤ بصیغہ امر نہیں لایا مگر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ہی سے ایمان کا شرط ہونا معلوم ہو گیا جیسا کہ اوپر چند مثالوں سے میں نے اس کو سمجھا دیا ہے مجھ کو اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ آجکل بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ وہ فلاح کے لئے ایمان کو بھی شرط نہیں سمجھتے اس وقت ہم کو دنیوی فلاح سے تو بحث نہیں اس کے متعلق تو ہماری حالت یہ ہے

ماقصہ سکندرو دارانہ خواندہ ایم — از ما بجز حکایت مہر وفا مپرس

ہم نے دارا اور سکندر کے قصے نہیں پڑھے ہیں ہم سے تو محبت اور وفا کے علاوہ کچھ نہ پوچھو ہم دنیوی ترقی سے منع بھی نہیں کرتے مگر اس کے ساتھ ہی ہم کو اس کے احکام بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں تو ہم اس سے بحث نہیں کرتے کیونکہ دنیوی فلاح و کامیابی کے لئے بھی ایمان شرط ہے یا نہیں بلکہ اس وقت فلاح آخرت سے بحث ہے افسوس یہ ہے کہ بعض مسلمان فلاح آخرت اور وصول الی اللہ کے لئے بھی اس کو ضروری نہیں سمجھتے چنانچہ بہت لوگ ایسے بھنگڑوں کے پیچھے

(c) ketabton.com: The Digital Library

پھرتے ہیں جن کو نہ ایمان سے ربط ہے نہ نماز روزہ سے اور کہتے ہیں کہ درویشی کا راستہ ہی دوسرا ہے چنانچہ اگر کوئی ہندو جوگی آجائے اور دو چار شعبدے ظاہر کردے اور کسی پر اس کی توجہ سے کچھ اثر بھی ہونے لگے تو اس کو ولی سمجھنے لگتے ہیں اور بہت سے لوگ معتقد ہو جاتے ہیں غرض یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو) سے یہ مسئلہ مستنبط ہو گیا کہ فلاح آخرت کے لئے ایمان یقیناً شرط ہے اور اس سے قرآن کی جامعیت معلوم ہوتی ہے کہ ذرا سے لفظ سے کتنا بڑا مسئلہ ثابت ہو گیا گو یہاں اس پر کوئی زور نہیں دیا گیا نہ صیغہ امر سے اس کو تعبیر کیا گیا مگر طرز خطاب سے یہ لفظ اس مفہوم پر دلالت کر رہا ہے کہ فلاح کے لئے سب سے اول ایمان شرط ہے۔ پس اول درجہ تو ایمان کا ہے۔

دنیا کی فلاح بھی اعمال صالحہ سے ہوتی ہے

دوسرا درجہ اس کے بعد مراتب متوسط کا ہے جن کو اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ (صبر کرو خود تکالیف اور کفار کے مقابلہ پر صبر کرو اور مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو) میں بیان کیا گیا ہے یہ چار چیزیں ہیں اور تیسرا درجہ نتیجہ کا ہے جس کا بیان لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (تا کہ فلاح پاؤ) میں ہے جو شمار میں چھٹی چیز ہے گو ترتیب کا مقتضا یہ تھا کہ میں اول مراتب متوسط کو بیان کرتا لیکن میں ضرورت کی وجہ سے نتیجہ کو مقدم کرتا ہوں کیونکہ آجکل ترقی وفلاح پر بہت گفتگو ہو رہی ہے اور ہر شخص اسکا طالب ہے تو سنئے حق تعالیٰ ایمان اور چند احکام کا بیان فرما کر بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کہ امید ہے تم کو فلاح حاصل ہو اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ اخیر چیز اور مقصود فلاح ہے دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اسکا وعدہ ان اعمال مذکورہ پر کیا گیا ہے اور یہاں فلاح مطلق ہے جس کو فلاح دین وغیرہ کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا تو اس درجہ میں عموم الفاظ کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ فلاح خواہ دین کی ہو یا دنیا کی ان احکام پر ہی عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور یہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اعمال شرعیہ سے مقصود تو محض فلاح دین ہے مگر ترتب فلاح دنیا کا بھی ہوتا ہے پس فلاح دین تو اس لفظ کا مدلول مطابقی اور فلاح دنیا مدلول التزامی ہے یعنی اعمال شرعیہ کے لئے فلاح دنیا لازم ہے گو مقصود نہ ہو۔ اب سنئے کہ اس زمانہ میں ہر شخص فلاح کا طالب ہے فلاح دنیوی کے طالب تو بہت کثرت سے ہیں حتیٰ کہ اس کے لئے دین کو بھی برباد کر دیا جاتا ہے اور اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک دین کو برباد نہ کریں اس وقت تک فلاح دنیوی حاصل نہیں ہو سکتی (یہ بالکل غلط ہے) آجکل زیادہ تر فلاح دنیا کے طالب ہیں تو میں نے بتلا دیا کہ فلاح دنیا بھی دین ہی کے اتباع سے مل سکتی ہے اس کے بغیر مسلمان کو تو مل نہیں سکتی۔ یہ مسئلہ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (تا کہ تم کامیاب ہو) سے مستنبط ہے۔

لَعَلَّ کا مفہوم

اور یہاں لعل شک کے لئے نہیں ہے بلکہ ترجی یعنی امید دلانے کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ اعمال بجالا کر فلاح کے امیدوار ہو لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس میں کوئی وعدہ تو ہے ہی نہیں تو شاید ایسا نہ بھی ہو کیونکہ یہ شاہانہ کلام ہے اور بادشاہ کسی کو امید دلا کر نا امید نہیں کیا کرتے۔ شاہانہ کلام میں امیدوار باشد (امیدوار رہو) ہزار پختہ وعدوں سے زیادہ ہوتا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے پھر رفع شک کے لئے بعض مقامات پر حق تعالیٰ نے پختہ وعدہ بھی فرمادیا چنانچہ ارشاد ہے حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (ہم پر مومنین کی مدد کرنا حق ہے) رہا یہ کہ پھر سب جگہ حَقًّا عَلَيْنَا (ہم پر حق ہے) ہی کیوں نہ فرمایا لیکن لعلکم کس لئے فرمایا تو اس میں ایک راز ہے جو اہل سنت نے سمجھا ہے وہ یہ کہ پختہ وعدہ کے بعد بعض جگہ لعل فرما کر اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ ہم وعدہ کر کے مجبور نہیں ہو گئے بلکہ اب بھی جزا کا دینا نہ دینا ہمارے اختیار میں ہے تمہاری مجال نہیں کہ ہم پر تقاضا کرنے لگو اور ہم کو ایفاء وعدہ پر مجبور سمجھ کر کچھ سے کچھ ہانکنے اور بکنے لگو ہماری شان یہ ہے لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (جو وہ کرتا ہے اس سے اس کو نہ پوچھا جائے گا اور نہ ان سے دریافت کیا جائے گا) یہ اور بات ہے کہ ہم وعدہ کر کے ایفا ضرور کریں گے مگر اس پر مجبور بھی نہیں ہیں بلکہ وعدہ کے بعد بھی ویسے ہی مختار ہیں جیسے قبل وعدہ تھے اس لئے تم تو لعلکم ہی کے مفہوم پر نظر رکھو لان پر ناز نہ کرو گو ہمارے یہاں لعل بھی لان ہی کے حکم میں ہے اس نکتہ کو اہل سنت ہی نے سمجھا ہے۔

اعمال کی دو قسمیں

اعمال دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جن کا وقت آ گیا ایک وہ جن کا وقت نہیں آیا سو یہاں ایک حکم قسم اول کے متعلق ہے اور ایک حکم قسم دوم کے متعلق ہے۔ قسم اول کے متعلق تو اصبروا ہے یعنی جس عمل کا وقت آ جاوے اس وقت صبر سے کام لو یعنی پابندی اور استقلال سے رہو تو حق تعالیٰ نے اس میں اعمال حاضرہ میں مستقل رہنے کا حکم فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دینداری کے یہی معنی ہیں کہ ہر کام کو پابندی اور استقلال سے کیا جاوے۔ آج کل بعض لوگ ولولے اور جوش میں بہت سا کام شروع کرنے میں ساتھ دیتے ہیں پھر نباہ نہیں ہوتا تو یہ دیندار کامل نہیں ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے اتنا ہی بتلایا ہے جس پر نباہ ہو سکے واجبات و فرائض و سنن موکدہ پر نباہ کچھ دشوار نہیں اس سے زیادہ کام کرنے میں البتہ بعض سے نباہ نہیں ہوتا تو انکو اپنے ذمہ اتنا ہی کام بڑھانا چاہیے جس پر نباہ اور دوام ہو سکے تو اصبروا کا حکم ان اعمال کے متعلق ہے جن کا وقت آ گیا ہے پھر ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کا تعلق صرف اپنی ذات سے ہے دوسرے وہ جن کا تعلق دوسروں سے بھی ہے ان کے متعلق صابروا فرمایا ہے دوسروں کے ساتھ صبر و استقلال سے کام لو بعض لوگ اپنے ذاتی کام تو کر لیتے ہیں مگر دوسروں کے متعلق باہمت نہیں ہوتے اور اگر کچھ ہمت بھی کی تو وہ اسی وقت تک رہتی ہے جب تک کوئی دوسرا مزاحم نہ ہو اور اگر کوئی مزاحم ہوا تو پھر مستقل نہیں رہتے جیسے نکاح وغیرہ کی رسموں میں اکثر لوگوں کی یہی حالت کہ بیٹے والا بیٹی والوں کی مزاحمت کو برداشت نہیں کرتا بلکہ وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو نچاتا ہے پھر یہ دین پر مستقل نہیں رہ سکتے اس کے متعلق صابروا میں یہ حکم ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں بھی ثابت قدم رہو اسی طرح اگر کبھی اعداء اللہ دین میں مزاحمت کرنے لگیں تو ان کے مقابلہ میں بھی مستقل رہنے کا صابروا میں حکم ہے۔ غرض ایک تو وہ افعال ہیں جن میں کسی سے مقابلہ نہیں کرنا پڑتا ان پر مداومت و استقلال کرنے کا حکم تو اصبروا میں ہے اور جن میں دوسروں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے ان میں ثابت قدم رہنے کا حکم صابروا میں ہے۔ یہ تو وہ افعال تھے جن کا وقت آ گیا ہے اور ایک وہ افعال ہیں جن کا ابھی وقت نہیں آیا ان کے متعلق حکم رابطوا ہے جس کا حاصل ہے کہ ان کاموں کے لئے تیار و مستعد رہنا چاہیے اور یہ میں نے اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے سمجھا کہ لغت میں رباط کے معنی اعداء کے مقابلہ میں سرحد پر گھوڑے باندھنا ہے یعنی مورچہ بندی اور ظاہر ہے کہ مورچہ بندی حفظ ماتقدم کے لئے اور پہلے سے مقابلہ کو تیار و مستعد رہنے کے واسطے کی جاتی ہے۔ عام لغت کے موافق ایک تفسیر تو رباط کی یہ ہے دوسری ایک تفسیر حدیث میں آئی انتظار الصلوۃ بعد الصلوۃ یعنی ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے لئے منتظر رہنا۔ حضور علیہ ﷺ نے اس کے متعلق بھی فرمایا ہے فذالکم الرباط فذالکم الرباط یہی رباط ہے یہی رباط ہے اور اس تفسیر میں اور پہلی تفسیر میں کچھ منافات نہیں بلکہ اس میں حضور علیہ ﷺ نے ہم کو اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ رباط اعداء ظاہری کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ جیسے اعداء ظاہری کے مقابلہ میں رباط ہوتا ہے اسی طرح بھی اعدا باطنی یعنی نفس وشیطان کے مقابلہ میں بھی رباط ہوتا ہے وہ مجاہدہ ظاہری کا رباط ہے اور یہ معاہدہ باطنی کا رباط ہے۔ اسی کو ایک حدیث میں حضور علیہ ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

المجاهد من جاهد نفسه والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب (مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے اور مہاجر وہ جو گناہوں اور خطاؤں سے بچتا ہے) یعنی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے مقابلہ میں مجاہدہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ کی ایک قسم مجاہدہ نفس بھی ہے اور اس کیلئے بھی ایک رباط ہے جیسے اعداء ظاہر کے مقابلہ کی پہلے سے تیاری کی جاتی ہے اسی طرح نفس وشیطان کے مقابلہ میں بھی مورچہ بندی کی ضرورت ہے کیونکہ یہ بھی بڑے سخت دشمن ہیں جو بدوں مورچہ بندی کے قابو میں نہیں آتے اسی کو فرماتے ہیں۔

اے شہاں کشتیم ما خصمے بروں ماند خصمے زوبتر دراندروں

(اے بزرگو ہم نے ظاہری دشمن کو تو ہلاک کر دیا مگر ایک دشمن جو اس سے بھی بدتر اور زیادہ ضرر رساں ہے باطن میں رہ گیا جس کو نفس کہتے ہیں) اور فرماتے ہیں

کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست شیر باطن سخرہ خرگوش نیست

(اس باطنی دشمن کو ہلاک کرنا محض عقل وہوشیاری کا کام نہیں ہے کیونکہ شیر باطن خرگوش کے قابو کا نہیں ہے)

یعنی اس کا زیر کرنا عقل وہوش کا کام نہیں کیونکہ شیر خرگوش کے پھندے میں نہیں آیا کرتا بلکہ ان کو زیر کرنے کے لئے شارع علیہ السلام کی تعلیم کا اتباع ضروری ہے چنانچہ اس کا ایک شعبہ یہ رباط ہے یعنی نماز کا انتظار کرنا بعد ایک نماز کے یہ نفس پر سب سے زیادہ گراں ہے کیونکہ اس میں کوئی حظ نہیں ہے۔ بس نماز پڑھ کر خالی بیٹھے ہیں اور دوسری نماز کا انتظار کر رہے ہیں۔ آج کل بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ اس خالی بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ میں کہتا ہوں اس میں دو فائدے ہیں ایک تو نفس کو طاعات پر جمانا دوسرے وہ فائدہ ہے جس کو حضور علیہ ﷺ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے۔

ان العبد فی الصلوۃ ما انتظر الصلوۃ کہ بندہ جب تک نماز کے انتظار میں ہے اس وقت تک وہ نماز میں رہتا ہے یعنی اس انتظار میں وہی ثواب ملتا ہے جو نماز پڑھنے میں ملتا ہے۔ بہرحال اصبروا و صابروا کا تعلق تو ان اعمال سے ہے جن کا وقت آ گیا اور رابطوا کا تعلق ان اعمال سے ہے جن کا وقت نہیں آیا اب سمجھو کہ اعمال کی دو قسمیں ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک ظاہر۔ ایک باطن اعمال ظاہر کی یہ تقسیم تھی جو میں نے اب تک بیان کی کہ ان میں ایک قسم تو وہ ہے جس کا وقت آ گیا اور پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک اپنے متعلق ایک دوسرے کے متعلق اور دوسری قسم وہ ہے جس کا وقت نہیں آیا ان سب اقسام کے احکام تو اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا میں مذکور ہوئے اور اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان احکام کا تعلق تمام شریعت سے ہے کیونکہ کوئی عمل اس تقسیم سے باہر نہیں ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مصالح دنیویہ سے ان احکام کو پورا تعلق ہے کیونکہ دنیا کے کام بھی دو ہی قسم کے ہیں ایک وہ جن کا وقت آ گیا ان میں استقلال و ثبات قدم کی ضرورت ہے دوسرے وہ جن کا وقت نہیں آیا ان کے لئے تیاری و مستعدی کی ضرورت ہے۔ اب ایک قسم رہ گئی یعنی اعمال باطنہ اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں وَاتَّقُوا اللّٰهَ کہ خدا سے ڈرتے رہو یہ تمام اعمال باطنہ کی جڑ ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

رَابِطُوْا کا مفہوم

ارشاد ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ میں بھی صبر کرو۔ دو لفظ اس واسطے اختیار کئے گئے کہ صبر کبھی لازم ہوتا ہے کبھی متعدی یعنی جس حالت پر صبر کیا جاوے کبھی اس کا تعلق صرف اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے جیسے مرض وغیرہ کبھی دوسروں سے تعلق ہوتا ہے جیسے محاربہ وغیرہ تو دونوں حالتوں میں صبر کا امر ہے اس کے بعد ارشاد ہے ورابطوا اصبروا و صابروا اس کی تمہید ہے اور وَاتَّقُوا اللّٰهَ تکمیل ہے اور لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تتمیم ہے اب رابطوا کے معنی سنیے۔ بیضاوی نے اس کی تفسیر داوموا اور رابطوا کی ہے یعنی عمل پر مداومت اختیار کرو کیونکہ رابط کے معنی لغت میں باندھنا ہے اور مواظبت و دوام میں بھی نفس کو باندھنا ہے اور اسی واسطے بعض نے اس تفسیر مرابطۃ الخیل سے بھی کی ہے کیونکہ اس سورت کے زیادہ حصہ میں محاجہ باللسان کا ذکر ہے اس کے مناسب رباط الخیل ہی ہے تو اس لفظ کی تفسیر میں دو احتمال ہو گئے یہاں صبر و مصابرت و مرابطت کا امر ہے اور تقوی اس کی تکمیل ہے۔ صبر کے معنی ہیں حبس النفس علی ماتکرہ یعنی نفس کو نا گوار امور پر جمانا اور مصابرت کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے نا گوار امور پر نفس کو ثابت قدم رکھنا اور مرابطت کے معنی یہ ہیں کہ صبر و مصابرت پر مواظبت کی جائے۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ عمل ان سب میں مشترک ہے مطلب یہ ہوا کہ عمل میں مستعد رہو اور اسی پر برابر لگے رہو اب بعض اعمال تو اپنے کرنے سے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ ان کو دیانات کہا جاتا ہے ان پر جمنا تو صبر ہے اور بعض اعمال میں دوسروں سے واسطہ ہے جیسے نکاح و بیع و جہاد وغیرہ یہ معاملات ہیں ان میں احکام شرعیہ پر جمار ہنا مصابرت ہے۔ پھر دیانات میں تو صبر سہل ہے کیونکہ ان میں حظ نفس بھی ہے زکوٰۃ میں حظ یہ ہے کہ دوسروں پر احسان ہے حج میں حظ یہ ہے کہ سیر و تفریح ہوتی ہے (نماز میں حظ یہ ہے کہ اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے جو موجب راحت ہے روزہ میں طبیعت ہلکی ہلکی رہتی ہے اس سے بھی راحت ہوتی ہے) مگر معاملات میں صبر دشوار ہے اس لئے وہاں بھی صاف طور سے مصابرت کا امر کیا گیا ہے کہ نفس کو معاملات میں بھی شریعت کے موافق عمل کرنے پر مجبور کرو اور یہ حکم صبر و مصابرت اعمال باطنیہ کو بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

شامل ہے کیونکہ وہ بھی اعمال کی ایک قسم ہیں عمل کہتے ہیں فعل اختیاری کو اس لئے اعمال باطنیہ بھی عمل میں داخل ہیں چنانچہ ایمان کو نصوص میں عمل کہا گیا ہے پھر جس طرح نماز روزہ کا شریعت میں امر ہے اسی طرح محبت وشکر وغیرہ کا امر ہے اور جیسے چوری زنا وغیرہ سے منع کیا گیا ہے اسی طرح ریا وحسد وکبر سے ممانعت ہے۔ پھر جس طرح اعمال ظاہرہ میں بعض اعمال اپنے متعلق ہیں بعض میں دوسروں سے واسطہ ہے اسی طرح اعمال باطنہ بھی دو قسم کے ہیں بعض اپنے کرنے کے ہیں بعض میں دوسروں سے واسطہ ہے پس وہاں بھی صبر ومصابرت دونوں کا امر ہے بلکہ اعمال باطن میں صبر ومصابرت کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ باطن میں بعض دفعہ ایسے مصائب ومصاعب پیش آتے ہیں جن کا تحمل اہل ظاہر ہرگز نہیں کر سکتے۔

تقویٰ شرعی

آگے ارشاد ہے واتقوا اللہ یعنی خدا سے ڈرو یہ تکمیل ہے مضمون سابق کی کیونکہ اگر خدا کا خوف نہ ہو تو نہ مرابطہ ہو گا نہ مشارطہ نہ معاتبہ نہ محاسبہ۔ ان سب کی بنیاد خدا کا خوف ہی ہے پس واتقوا اللہ اس لئے بڑھایا کہ مدار ان سب اعمال کا اسی پر ہے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ جب تقویٰ سب اعمال کی بنیاد ہے تو پھر وَاتَّقُوا اللّٰهَ کو مقدم کرنا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تقویٰ شرعی مراد ہے تقویٰ شرعی وہ ہے کہ خوف خدا کے ساتھ عمل بھی ہو اگر عمل نہ ہو محض خوف ہی ہو وہ تقویٰ شرعی نہ ہوگا اور قاعدہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ایسی عظمت ان اعمال ہی سے قلب میں پیدا ہوتی ہے پس یہ تقویٰ اعمال کا اثر ہوا اس لئے وَاتَّقُوا اللّٰهَ کو مؤخر کیا گیا حاصل یہ ہوا کہ ان اعمال سے جو عظمت حق تمہارے قلب میں پیدا ہوگی اس کا استحضار رکھو تو یہ اعمال سہل ہو جائیں گے پس تقویٰ ان اعمال کا نتیجہ بھی ہے اور ان کو سہل کرنے والا بھی ہے اب میں یہاں بمناسبت مقام تقویٰ کے متعلق ایک اشکال کا جواب دینا چاہتا ہوں ترجمہ دیکھنے والے ذرا اس کا حل کریں وہ یہ کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس میں تو تحصیل حاصل ہے جو لوگ پہلے سے متقی ہیں ان کو تو ہدایت حاصل ہے پھر ان کے واسطے ہدایت کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں تقویٰ لغوی مراد ہے یعنی قرآن ان لوگوں کے واسطے ہدایت ہے جن کے دل میں خدا کا خوف ہو دوسرا جواب یہ ہے کہ مان لیا کہ تقویٰ شرعی ہی مراد ہے اور یہی مدار تھا اشکال کا کہ تقویٰ شرعی کے بعد ہدایت کے کیا معنی ہدایت تو ایسے شخص کو پہلے ہی سے حاصل ہے پس اس معنی کو تسلیم کر کے دوسرا جواب دیا جا سکتا ہے ایک بار ہردوئی میں ایک مولوی صاحب کو چند جنٹلمینوں نے اس اشکال سے پریشان کر رکھا تھا اور وہ اس کو تسلیم کر رہے تھے کہ مراد تقویٰ شرعی ہی ہے مگر اشکال کو حل نہ کر سکے تھے میں بھی اس جلسہ میں آ گیا اور میں نے اسی کی تائید کی تا کہ مولوی صاحب کی بات نیچی نہ ہو مگر اس اشکال کو سہل عنوان سے حل کر دیا جس سے سامعین کا شبہ زائل ہو گیا وہ عنوان یہ تھا کہ میں نے ان سے کہا کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ایسا ہے جیسے آپ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ کورس بی اے کا ہے۔ تو آپ بتلائیے کہ اس قول کے کیا معنی ہیں کیا یہ مطلب ہے کہ اس کو وہ پڑھتا ہے جو بی اے کا ہو چکا کہنے لگے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ کورس ایسا ہے کہ جو اس کو پڑھ لے گا وہ بی اے ہو جائے گا۔ میں نے کہا پس یہی مطلب اس کا ہے کہ یہ کورس ایسا ہے کہ جو اس کو پڑھے گا بی اے ہو جائے گا میں نے کہا پس یہی مطلب اس کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے کہ یہ قرآن متقین کے واسطے ہدایت ہے یعنی جو اس پر عمل کرے گا وہ متقی بن جائے گا۔ اس تقریر سے وہ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ اس مضمون کی تعبیر کرنا چاہتے تھے مگر قادر نہ تھے میری تعبیر سن کر ان کی خوشی کی حد نہ رہی اور یہ جواب میرا گھڑا ہوا نہیں بلکہ منقول ہے جلالین میں الصائرین الی التقوی سے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے لوگ تقوی کے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں مگر لوگ جلالین پڑھتے پڑھاتے تو ہیں سمجھتے نہیں ہیں۔

ترغیب فلاح

اس کے بعد ارشاد ہے لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ اس میں ترغیب ہے کیونکہ سہولت عمل میں دو ہی چیزوں کو زیادہ دخل ہے ایک ترہیب کی دوسرے ترغیب کو وَاتَّقُوا اللّٰهَ میں ترہیب تھی۔ اس جملہ میں ترغیب ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے تمام اعمال مذکورہ کو سہل فرما دیا ہے اور اس کی اس واسطے ضرورت تھی کہ ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ سے دو طرح کا ہے ایک محکومیت کا ایک محبت کا محکومیت کا مقتضا تو یہ ہے کہ تسہیل اعمال کا طریقہ نہ بتلایا جائے کیونکہ خود محکوم ہونا وجوب امتثال کے لئے کافی ہے مگر محبت کا مقتضا یہ ہے کہ تسہیل کا طریقہ بھی بتلا دیا جائے کیونکہ محبت خاص رعایت کو مقتضی ہوتی ہے خواہ حاکم کی جانب میں محبت ہو خواہ محکوم کی جانب میں اور دونوں طرف ہو تو نُورٌ عَلٰی نُورٍ پھر اس کی دو صورتیں تھیں ایک یہ کہ ترغیب کے لئے اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے کسی وصف کی طرف متوجہ فرماتے مثلاً یوں فرماتے کہ میں تم سے راضی ہو جاؤں گا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم کو ہمارے وصف کی طرف متوجہ کیا جائے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت اختیار فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف تو ہم سے غائب ہیں اور اپنے اوصاف کو ہم زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔ تمام احکام کو ذکر کر کے اخیر میں ایک ایسا گر بتلاتے ہیں جو گویا تمام سورت کا موضوع ہے جس کو اس کے سب احکام سے تعلق ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

ترجمہ: اے ایمان والو (تکالیف پر) صبر کرو اور (جب کفار سے مقابلہ ہوا تو) مقابلہ میں صبر کرو اور (احتمال مقابلہ کے وقت) مقابلہ کے لئے مستعد رہو اور (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (حدود شرعیہ سے باہر نہ نکلو) تا کہ تم پورے کامیاب ہو جاؤ (آخرت میں تو ضرور ہی اور اکثر اوقات ان اعمال پر محافظت کی بدولت دنیا میں بھی پوری کامیابی ہوتی ہے)

احکام شرعیہ مصالح دنیویہ کو بھی متضمن ہیں

جن باتوں کا اس آیت میں ذکر ہے یہ وہ چیزیں ہیں کہ ان کو اس صورت کے احکام سے تو تعلق ہے ہی میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جس قدر بھی احکام شرعیہ ہیں سب سے ان کا تعلق ہے اور اس سے آگے میں اور ترقی کرتا ہوں کہ اتفاق سے ہم کو یہ بات بھی ثابت ہوگی ہے کہ جیسے ان کو احکام شرعیہ سے تعلق ہے اسی طرح تمام دنیوی مصالح معاشیہ سے بھی ان کو تعلق ہے مگر نہ اس وجہ سے کہ یہ شریعت کا موضوع و مقصود ہے بلکہ اس لئے کہ شریعت تکمیل آخرت کے ساتھ ہماری دنیا کی بھی تکمیل ساتھ ساتھ کرتی ہے۔ اس لئے احکام شرعیہ اس طور سے مقرر کئے گئے ہیں جو تبعاً مصالح دنیویہ کو بھی متضمن

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہیں۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا یعنی اے ایمان والو! صبر کرو اصبروا کا تعلق تو اعمال لازمہ سے ہے جن میں دوسروں سے کچھ تعلق نہیں۔ ان میں حکم ہے صبر کا۔ اور ایک صبر ہے دوسرے مقام پر۔ وہ یہ کہ کسی عمل میں مخالفت کی مزاحمت ہو اس کے متعلق ارشاد ہے وصابروا کہ مقابلہ میں بھی صبر کرو یعنی استقلال کے ساتھ رہو۔ آگے ارشاد ہے ورابطوا اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ سرحد کی حفاظت کرو دوسرے یہ کہ مستعد رہو۔ پہلے معنی خاص عمل کے متعلق ہیں اور دوسرے معنی سب اعمال کو عام ہو سکتے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ اور اللہ سے ڈرو امید ہے کہ تم کو فلاح حاصل ہو جائے۔ اس ترجمہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ اس مقام پر ایک تو صبر کا حکم ہے اور صبر کے دو درجے ہیں اور ایک رباط کا حکم ہے اور ایک تقوے کا تو چار حکم ہوئے۔ ایک پانچویں اور ایک چھٹی چیز اور ہے جن میں سے ایک کا اول میں ذکر ہے اور ایک کا آخر میں۔ اول میں ایمان ہے اور آخر میں فلاح ہے۔ ایک چیز بطور مبداء کے ہے اور ایک صورت نتیجہ میں ہے اور چار حکم درمیان میں ہیں کل چھ ہوئے اور ان کے مراتب میں فرق ایسا ہے جیسے سفر اور مسافت اور منزل میں فرق ہے کہ سفر کی ایک ابتداء ہوتی ہے اور ایک درمیانی مسافت ہوتی ہے جس کے بعد کے لئے کچھ مراتب ہوتے ہیں اور ایک نتیجہ ہوتا ہے یعنی منزل مقصود پر پہنچنا۔

پس یہ کلام ایسا ہے جیسے ہم کسی سے یوں کہیں کہ اے مسافر فلاں راستہ جانا اور فلاں مقامات پر ٹھہرنا اور چوروں سے اپنی حفاظت رکھنا تو دہلی پہنچ جائے گا۔ اس کلام سے تین باتیں معلوم ہوں گی۔ ایک یہ کہ دہلی پہنچنے کے لئے سفر کی بھی ضرورت ہے کیونکہ یہ وعدہ مسافر ہی سے کیا گیا ہے مگر اس کو بصورت امر اس لئے ظاہر نہیں کیا کہ مخاطب خود ہی سفر شروع کر چکا ہے۔ اب اس سے یہ کہنا کہ اے مسافر سفر کرنا تحصیل حاصل ہے اور بلا ضرورت کلام کو طول دینا ہے۔ بس سفر کی ضرورت اس کو مسافر کہہ کر خطاب کرنے ہی سے معلوم ہو گئی۔ یہ مختصر کلام ہے اور دلالت اس کی علی التمام ہے۔ غرض ایک تو سفر کرنا ضروری ہوا اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ منازل پر سے گزرنا اور اپنی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے تیسرا وعدہ ہے کہ اس طرح تم دہلی پہنچ جاؤ گے۔ تو سفر شرط وصول ہے اور درمیانی باتیں احکام وصول ہیں اور تیسری بات نتیجہ ہے۔ ہر مقصود کے لئے ان تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اس کی ایک مثال اور لیجئے مثلاً کوئی کہے کہ اے طالب علم رات کو جاگنا اور محنت کرنا تو علم آوے گا۔ اس کلام سے اول تو طلب علم کا ضروری ہونا معلوم ہوا۔ دوسرے رات کو جاگنے اور محنت کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔ تیسرے نتیجہ کا وعدہ ہے کہ اس طرح کرنے سے علم حاصل ہو جائے گا مگر یہاں بھی طلب علم کو بصورت امر اس لئے ظاہر نہیں کیا گیا کہ مخاطب خود ہی طلب میں مشغول ہے۔

اسی طرح یہاں بھی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے ایمان کی ضرورت معلوم ہوئی لیکن اس وقت بصورت امر امنوا کہہ کر اس لئے ظاہر نہیں کیا گیا کہ مخاطب اہل ایمان ہی ہیں ان کو امنوا کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ احکام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ احکام جو ان لوگوں کے متعلق ہیں جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا اور دوسرے وہ جو ان کے متعلق ہیں جنہوں نے ایمان

(c) ketabton.com: The Digital Library

قبول کرلیا ہے۔ پہلی قسم میں اول ایمان کا حکم کیا جائیگا اور دوسری قسم میں ایمان کا حکم صیغہ امر سے نہ کیا جائے گا۔ جیسے طالب علمی کے متعلق ایک تو غیر طالب کو خطاب کیا جائے اور ایک طالب علم کو۔ تو جس وقت غیر طالب کو خطاب کیا جائے اس وقت یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ علم طلب کرو۔ اور جب وقت طالب علم مخاطب ہو اس وقت اس شرط کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ قرآن میں بھی اسی طرح دونوں قسم کے خطاب ہیں۔

یہ مثالیں میں نے اس لئے دے دیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ قرآن کے مضامین کوئی نئے نہیں ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو جس طرح ہم لوگ محاورات میں گفتگو کرتے ہیں اسی طرح قرآن میں بھی کلام کیا جاتا ہے۔ ہاں طرز تعلیم ایسا عجیب ہے کہ دوسرے سے ممکن نہیں کیونکہ قرآن میں تمام پہلوؤں کی پوری رعایت ہوتی ہے بہر حال چونکہ اس سورت میں زیادہ احکام اور اکثر خطابات مومنین کو ہیں اس لئے امنوا بصیغہ امر نہیں کہا گیا۔ مگر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ہی سے ایمان کا شرط ہونا معلوم ہو گیا جیسا کہ اوپر چند مثالوں سے میں نے اس کو سمجھا دیا ہے۔ مجھ کو اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ آج کل بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ وہ فلاح کے لئے ایمان کو بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ اس وقت ہم کو دنیوی فلاح سے تو بحث نہیں اس کے متعلق تو ہماری حالت یہ ہے

ما قصہ سکندر و دارانہ خواندہ ایم　　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

فلاح آخرت کے لئے ایمان شرط

غرض يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے یہ مسئلہ مستنبط ہو گیا کہ فلاح آخرت کے لئے ایمان یقیناً شرط ہے اور اس سے قرآن کی جامعیت معلوم ہوتی ہے کہ ذرا سے لفظ سے کتنا بڑا مسئلہ ثابت ہو گیا۔ گو یہاں اس پر کوئی زور نہیں دیا گیا نہ صیغہ امر سے اس کو تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر طرز خطاب ہی سے یہ لفظ اس مفہوم پر دلالت کر رہا ہے کہ فلاح کے لئے سب سے اول ایمان شرط ہے۔ پس اول درجہ تو ایمان کا ہے۔ دوسرا درجہ اس کے بعد مراتب متوسطہ کا ہے۔ جن کا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ چار چیزیں ہیں اور تیسرا درجہ نتیجہ کا ہے جس کا بیان لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ میں ہے جو شمار میں چھٹی چیز ہے۔ گو ترتیب کا مقتضا یہ تھا کہ میں اول مراتب متوسطہ کو بیان کرتا لیکن میں ضرورت کی وجہ سے نتیجہ کو مقدم کرتا ہوں کیونکہ آج کل ترقی و فلاح پر بہت گفتگو ہو رہی ہے اور ہر شخص اس کا طالب ہے تو سنئے! حق تعالیٰ ایمان اور چند احکام کا بیان فرما کر بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کہ امید ہے کہ تم کو فلاح حاصل ہو۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ اخیر چیز اور مقصود فلاح ہے۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اس کا وعدہ ان اعمال مذکورہ پر کیا گیا ہے اور یہاں فلاح مطلق ہے جس کو فلاح دین وغیرہ کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا۔ تو اس درجہ میں عموم الفاظ کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ فلاح خواہ دین کی ہو یا دنیا کی ان احکام پر ہی عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اعمال شرعیہ سے مقصود تو محض فلاح دین ہے مگر ترتب فلاح دنیا کا بھی ہوتا ہے پس فلاح دین تو اس لفظ کا مدلول مطابقی ہے اور فلاح دنیا مدلول التزامی ہے یعنی اعمال شرعیہ کے لئے فلاح دنیا لازم ہے گو مقصود نہ ہو۔

رسالۃ وجیزۃ ومفیدۃ فی ربطِ الآیات

سبق الغایات
فی
نسق الآیات

تالیف

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ، رأس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

بسم الله الرحمن الرحيم

سورة الفاتحة

(اعلم) ان مراتب احوال الخلق خمسة اولها الخلق وثانيها التربية فى مصالح الدنيا وثالثها التربية فى تعريف المبدأ ورابعها التربية فى تعريف المعاد وخامسها نقل الارواح من عالم الاجساد الى دار المعاد فاسم الله تعالٰى منبع الخلق والايجاد والتكوين والابداع واسم الرب يدل على التربية بوجوه الفضل والاحسان واسم الرحمٰن يدل على التربية فى معرفة المبدأ واسم الرحيم فى معرفة المعاد حتى يحترز عما لاينبغى ويقدم على ما ينبغى واسم الملک يدل على انه ينقلهم من دار الدنيا الى دار الجزاء ثم عند وصول العبد الى هذه المقامات انتقل الكلام من الغيبة الى الحضور فقال اياک نعبد كانه يقول انک اذا انتفعت بهذه الاسماء الخمسة فى هذه المراتب الخمس وانتقلت الى دار الجزاء صرت بحيث ترى الله فحينئذ تكلم معه على سبيل المشاهدة لاعلى سبيل المغائبة ثم قل اياک نعبد واياک نستعين كانه قال اياک ونعبد لانک الله الخالق واياک نستعين لانک الرب الرازق اياک نعبد لانک الرحمٰن واياک نستعين لانک الرحيم اياک نعبد لانک الملک واياک نستعين لانک المالک واعلم ان قوله مالک يوم الدين دل على ان العبد منقل من دار الدنيا الى دار الآخرة ومن دار الشرور الى دار السرور فقال لابد لذلک واليوم من زاد واستعداد وذلک هو العبادة فلا جرم قال اياک نعبد ثم قال العبد الذى اكتسبة بقوتى وقدرتى قليل لايكفينى فى ذلک اليوم الطويل فاستعان بربه فقال ما معى قليل فاعطنى من خزائن رحمتک ما يكفينى فى ذلک اليوم الطويل فقال واياک ونستعين ثم لما حصل الزاد ليوم المعاد قال هذا سفر طويل شاق والطرق كثيرة والخلق قد تاهوا فى هذه البادية

(c) ketabton.com: The Digital Library

فـلا طريق الا ان اطلب الطريق ممن هو بارشاد السالكين حقيق فقال اهدنا الصراط المستقيم ثم انه لابد لسالک الطريق من رفيق ومن بدرقة ودليل فقال صراط الذين انعمت عليهم والذين انعم اللّٰه عليهم هم النبيون والصديقون والشهداء والصٰلحون فالانبياء هم الادلاء والصديقون هم البدرقة والشهداء والصالحون هم الرفقاء ثم قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين وذلک لان الحجب عن اللّٰه قسمان الحجب النارية وهى عالم الدنيا ثم الحجب النورية وهى عالم الارواح فاعتصم باللّٰه سبحانه وتعالٰى من هذين الامرين وهو ان لايبقى مشغول السر لابالحجب النارية لابالحجب النورية.

(وجه المناسبة بين آخر الفاتحة واوّل البقرة ان العبد لما سال الهداية من اللّٰه تعالٰى بقوله اهدنا الصراط المستقيم الخ. اجاب اللّٰه تعالٰى سؤاله فقال ذلک الكتٰب لاريب فيه هدى للمتقين الى خذ ما سئلت من الهداية فهٰذا الكتاب هو الهداية الكبرٰى ۱۲ عفى عنه).

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة البقرة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٓمّٓ ذلک الکتٰب لاریب فیه هدی للمتقین بیانه انه نبه اولاً علی انه الکلام المتحدی به ثم اشیر الیه بانه الکتٰب المنعوت بغایة الکمال فکان تقریرا لجهة التحدی ثم نفی عنه ان یتثبت به طرف من الریب فکان شهادة بکماله ثم اخبر عنه بانه هدی للمتقین فقرر بذلک کونه یقینًا لایحوم الشک حوله الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلٰوة ومما رزقنٰهم ینفقون الاقرب ان یکون هذه الاشیاء تفسیرا لکونهم متقین وذلک لان کمال السعادة لایحصل الا بترک الا ینبغی وفعل ما ینبغی فالترک هو التقوی والفعل اما فعل القلب وهو الایمان او فعل الجوارح وهو الصلٰوة والزکٰوة والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالآخرة هم یوقنون اعلم ان قوله الذین یؤمنون بالغیب عالم یتناول کل من آمن بمحمد صلی اللّٰه علیه وسلم سواء کان قبل ذلک مؤمنا بموسی وعیسی علیهما السلام او ما کان مؤمنا بهما ودلالة اللفظ العام علی بعض ما دخل فیه التخصیص اضعف من دلالة اللفظ الخاص علی ذلک والبعض لان العام یحتمل التخصیص والخاص لایحتمله فلما کانت هذه السورة مدینة وقد شرف اللّٰه تعالٰی المسلمین بقوله هدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب فذکر بعد ذلک اهل الکتاب الذین آمنوا بالرسول کعبد اللّٰه بن سلام وامثاله بقوله والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک لان فی هذا التخصیص بالذکر مزید تشریف لهم کما فی قوله تعالٰی من کان عدوّا للّٰه وملٰئکته ورسله وجبریل ومیکال ثم تخصیص عبد اللّٰه بن سلام وامثاله بهذا التشریف ترغیب لامثاله فی الدین فهذا هو السبب فی ذکر هذا الخاص بعد ذلک العام اولٰئک علی هدی من ربهم واولٰئک هم المفلحون فی کیفیة تعلق هذه الآیة بما قبلها وجوه ثلثة احدها ان ینوی الابتداء بالذین یؤمنون بالغیب وذلک لانه لما قیل هدی للمتقین فخصّ المتقین بان الکتٰب هدی لهم کان لسائل ان یسأل فیقول ما السبب فی اختصاص المتقین بذلک فوقع قوله الذین یؤمنون بالغیب الی قوله واولٰئک هم المفلحون جوابا عن السؤال کانه قیل الذی یکون مشتغلا

(c) ketabton.com: The Digital Library

بالایمان واقامة الصلوة وایتاء الزکوة والفوز بافلاح والنجاة لابد ان یکون علی هدی من ربه وثانیها ان لاینوی الابتداء به بل یجعله تابعا للمتقین ثم یقع الابتداء من قوله اولٓئک علی هدی من ربهم کانه قیل ایّ سبب فی ان صار الموصوفون بهذه الصفات مختصّین بالهدی فاجیب بان اولٓئک المصوفین غیر مستبعد ان یفوز وادون الناس بالهدی ماجلا وبالفلاح آجلا وثالثها ان یجعل الموصول اللاول صفة المتقین ویرفع الثانی علی الابتداء واولٓئک خبره ویکون المراد جعل اختصاصهم بالفلاح والهدی تعریضا باهل الکتب الذین لم یؤمنوا بنبوة رسول الله صلی الله علیه وسلم وهم ظانون انهم علی الهدی وطامعون انهم ینالون الفلاح عند اللّٰه تعالیٰ ان الذین کفروا سواء علیهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم لایؤمنون کلام مستانف سیق لشرح احوال الکفرة الغواة المردة العتاة اثر بیان احوال اضدادهم المتصفین بنعوت الکمال الفائزین بمباغیهم فی الحال والمآل (ربط هذه الآیة من ابی المسعود) ختم الله علی قلوبهم وعلی سمعهم وعلی ابصارهم غشاوة ولهم عذاب عظیم اعلم انه تعالیٰ لما بین فی الآیة انهم لایؤمنون خبر فی هذه الآیة بالسبب الذی لاجله لم یؤمنوا وهو الختم ومن الناس من یقول الخ اعلم ان المفسرین اجمعوا علی ان ذلک فی وصف المنافقین قالوا وصف اللّٰه الاصناف والثلاثة من المؤمنین والکافرین والمنافقین فبدأ بالمؤمنین المخلصین الذین صحت سرائرهم وسلمت ضمائرهم ثم اتبعهم بالکافرین الذین من امتهم الاقامة علی الجحود والعناد ثم وصف حال من یقول بلسانه انه مؤمن وضمیره یخالف ذلک یخادعون اللّٰه الخ اعلم ان اللّٰه تعالیٰ ذکر من قبائح افعال المنافقین اربعة اشیاء احدها ما ذکره فی هذه الآیة وهو انهم یخٰدعون اللّٰه والذین آمنوا واذا قیل لهم لاتفسدوا الخ اعلم ان هذا هو النوع الثانی من قبائح افعال المنافقین واذا قیل لهم آمنوا الخ اعلم ان هذا هو النوع الثالث من قبائح افعال المنافقین وذلک لانه سبحانه لما نها هم فی الآیة المتقدّمة عن الفساد فی الارض امرهم فی هذه الآیة بالایمان لان کمال حال الانسان لایحصل الا بِمَجْمُوْعِ الامرین اولهما ترک ما لاینبغی وهو قوله لاتفسدوا وثانیها فعل ما ینبغی وهو قوله آمنوا واذا لقوا الذین آمنوا الخ هذا هو النوع الرابع من افعالهم القبیحة اولٓئک الذین اشتروا الضلالة الخ الجملة مسوقة لتقریر ما قبلها وبیان لکمال جهالتهم فیما حکی عنهم من الاقوال والافعال باظهار غایت سماجتها وتصویرها ما لایکاد یتعاطاه من له ادنی تمیز فضلا عن العقلاء (ربط هذه الآیة من

(c) ketabton.com: The Digital Library

ابی السعود) مثلهم کمثل الذی استوقد الخ لما بین حقیقة صفات المنافقین عقبها بضرب مثلین زیادة فی الکشف والبیان احدهما هذا المثل او کصیّب من السماء الخ اعلم ان هذا هو المثل الثانی للمنافقین یایها الناس اعبدوا الخ ان اللّٰہ لما قدم احکام الفرق الثلثة اعنی المؤمنین والکفار والمنٰفقین اقبل علیهم بالخطاب من باب الالتفات وان کنتم فی ریب الخ اعلم انه سبحانه وتعالیٰ لما اقام الدلائل القاهرة علی اثبات الصانع وابطل القول بالشریک عقبه بما یدل علی النبوة ولما کانت نبوة محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم مبنیة علی کون القران معجزا اقام الدلالة علی کونه معجزا وبشر الذی اٰمنوا الخ اعلم انه سبحانه وتعالی لما تکلم فی التوحید والنبوة تکلم بعدهما فی المعاد وبین عقاب الکافر وثواب المطیع ومن عادة اللّٰہ تعالیٰ انه اذا ذکر آیة فی الوعید ان یعقبها بآیة فی الوعد ان اللّٰہ لایستحی الخ اعلم انه تعالی لما بین بالدلیل کون القرآن معجزا او رد ههنا شبهة اوردها الکفار قدحًا فی ذلک واجاب عنها وتقریر الشبهة انه جاء فی القرآن ذکر النحل والذباب والعنکبوت والنمل وهذه الاشیاء لایلیق ذکرها بکلام الفصحاء فاشتمال القرآن علیها یقدح فی فصاحته فضلا عن کونه معجزا فاجاب اللّٰہ تعالیٰ عنه بان صغر هذه الاشیاء لایقدح فی الفصاحة اذا کان ذکرها مشتملا علی حکم بالغة کیف تکفرون باللّٰہ الخ اعلم انه سبحانه وتعالیٰ لما نکلم فی دلائل التوحید والنبوة والمعاد الی هذا الموضع فمن هذا الموضع الی قوله یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم فی شرح النعم التی عمت جمیع المکلفین وهی اربعة اولها نعمة الاحیاء وهی المذکورة فی هذه الآیة هو الذی خلق لکم الخ اعلم ان هذا هو النعمة الثانیة التب عمت المکلفین باسرهم وما احسن ما راعی اللّٰہ سبحانه وتعالیٰ هذا الترتیب فان الانتفاع بالارض والسماء انما یکون بعد حصول الحیاة فلهذا ذکر اللّٰہ امر الحیٰوة اولاً ثم اتبعه بذکر السماء والارض واذ قال ربک الخ اعلم ان هذه الایة دالة علی کیفیة خلقة آدم علیه السلام وعلی کیفیة تعظیم اللّٰہ تعالیٰ ایاه فیکون ذلک انعاما عاما علی جمیع بنی آدم فیکون هذا هو النعمة الثالثة من تلک النعم العامة التی اوردها فی هذا الموضع وعلم آدم الاسماء الخ اعلم ان الملٰئکة لما سألوا عن وجه الحکمة فی خلقة آدم علیه السلام وذریته واسکانه تعالیٰ ایاهم فی الارض واخبر اللّٰہ تعالیٰ عن وجه الحکمة فی ذلک علی سبیل الاجمال بقوله انی اعلم ما لاتعلمون اراد تعالیٰ ان یزیدهم بیانا وان یفصل لهم ذلک المجمل فبین

(c) ketabton.com: The Digital Library

تعالٰی لهم من فضل آدم علیه السلام ما لم یکن ذلک معلوما لهم وذلک بان علم آدم الاسماء کلها ثمّ عرضهم علیه لیظهر بذلک کمال فضله وقصورهم عنه فی العلم فیتاکد ذلک الجواب الاجمالی بهذا الجواب التفصیلی قالوا سبحٰنک الخ استیناف واقع موقع الجواب کانه قیل فماذا قالوا حینئذ هل خرجوا من عهدة ما کلفوه اولا فقیل قالوا (ربط هذه الایة من ابی السعود) واذ قلنا للملٰئکة اسجدوا الخ اعلم ان هذا هو النعمة الرابعة من النعم العامة علی جمیع البشر وهو انه سبحانه وتعالٰی جعل ایانا مسجودًا للملائکة وذلک لانه تعالٰی ذکر تخصیص آدم بالخلافة اولا ثم تخصیصه بالعلم الکثیر ثانیا ثم بلوغه فی العلم الی ان صارت الملائکة عاجزین عن بلوغ درجته فی العلم وذکر الامن کونه مسجودا للملائکة وقلنا یا آدم اسکن الخ ان اللّٰه تعالٰی لما امر الکل بالسجود لآدم وابٰی ابلیس السجود صیره اللّٰه ملعونا ثم امر آدم بان یسکنها مع زوجیة یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی الخ اعلم انه سبحانه وتعالٰی لما اقام دلائل التوحید والنبوة والمهعاد اولا ثم عقبها بذکر الانعامات العامة لکل البشر عقبها بذکر الانعامات الخاصة علی اسلاف الیهود کسرًا لعنادهم ولجاجتهم بتذکیر النعم السالفة واستمالةً لقلوبهم بسببها وتنبیها علٰی مَا یدل علی نبوة محمد صلی اللّٰه علیه وسلم من حیث کونها اخبارا عن الغیب واعلم انه سبحانه ذکرهم تلک النعم اولا علی سبیل الاجمال فقال یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم واوفوا بعهدی اوف بعهدکم وفرع علی تذکیرها الامر بالایمان بمحمد صلی اللّٰه علیه وسلم فقال وآمنوا بما انزلت مصدقا لما معکم ثم عقبها بذکر الامور التی تمنعهم عن الایمان به ثم ذکرهم تلک النعم علی سبیل الاجمال ثانیا بقوله مرة اخری یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم تنبیها علی شدة غفلتهم ثم اردف هذا التذکیر بالترغیب البالغ بقوله وانی فضلتکم علی العٰلمین مقرونا بالترهیب البالغ بقوله واتقوا یوما لاتجزی نفس عن نفس شیئا الی آخر الآیة ثم شرع بعد ذلک فی تعدید تلک النعم علی سبیل التفصیل ومن تأمل وانصف علم ان هذا هو النهایة فی حسن الترتیب لمن یرید الدعوة وتحصیل الاعتقاد فی قلب المستمع وآمنوا بما انزلت الخ اعلم ان قوله سبحانه وتعالٰی وآمنوا بما انزلت امر بترک الکفر والضلال وقوله ولاتلبسوا الحق بالباطل امر بترک الاغواء والاضلال واعلم ان اضلال الغیر لایحصل الا بطریقین وذلک لان ذلک الغیر ان کان قد سمع دلائل الحق فاضلا له لایمکن الا بتشویش

(c) ketabton.com: The Digital Library

تـلک الدلائل علیه و ان کان ما سمعها فاضلا له انما یمکن باخفاء تلک الدلائل عنه ومنعه من الوصول الیها فقوله ولاتلبسوا الحق بالباطل اشارة الی القسم الاول وهو تشویش الدلائل علیه وقوله وتکتموا الحق اشارة الی القسم الثانی وهو منعه من الوصول الی الدلائل واقیموا الصلوة الخ اعلم ان اللّٰه سبحانه وتعالیٰ لما امرهم بالایمان اولا ثم نهاهم عن لبس الحق بالباطل وکتمان دلائل النبوة ثانیا ذکر بعد ذلک بیان ما لزمهم من الشرائع وذکر من جملة الشرائع ما کان کالمقدم والاصل فیها وهو الصلوة التی هی اعظم العبادات البدنیة والزکوة التی هی اعظم العبادات المالیة اتأمرون الناس الخ تجرید للخطاب وتوجیه له الی بعضهم بعد توجیهم الی الکل (هذا الرط لهذه الآیة من ابی السعود) واعلم انه سبحانه وتعالیٰ لما امر بالایمان والشرائع بناء علی ما خصهم به من النعم رغبهم فی ذلک بناء علی ماخذ آخر وهو ان التغافل عن اعمال البر مع حث الناس علیها مستقبح فی العقول اذ المقصود من امر الناس بذلک اما النصیحة او الشفقة ولیس من العقل ان یشفق الانسان علی غیره او ان ینصح غیره ویهمل نفسه فحذرهم اللّٰه تعالیٰ من ذلک بان قرعهم بهذا الکلام واستعینوا بالصبر الخ لما امرهم بالایمان وبترک الاضلال وبالتزام الشرائع وهی الصلوة والزکوة وکان ذلک شاقا علیهم لما فیه من ترک الریاسات والاعراض عن المال والجاه لاجرم عالج اللّٰه تعالیٰ هذا المرض فقال واستعینوا بالصبر والصلوة کانه قیل واستعینوا علی ترک ما تحبون من الدنیا والدخول فیما تستثقله طباعکم من قبول دین محمد صلی اللّٰه علیه وسلم بالصبر ای بخمیس النفس عن اللذات فانکم اذا کلفتم انفسکم ذلک ومرّنت علیه وخف علیها ثم اذا ضممتم الصلوة الی ذلک تم الامر لان المشتغل بالصلوة لابد وان یکون مشتغلا بذکر اللّٰه عز وجل وذکر جلاله وقهره وذکر رحمته وفضله فاذا تذکر رحمته صار مائلا الی طاعته واذا تذکر عقابه ترک معصیت فیسهل عند ذلک اشتعاله بالطاعة وترکه للمعصیة یبنی اسرائیل اذکروا الخ اعلم انه سبحانه وتعالیٰ انما اعاد هذا الکلام مرة اخری توکیدا للحجة علیهم وتحذیرًا من ترک اتباع محمد صلی اللّٰه علیه وسلم ثم قرنه بالوعید وهو قوله واتقوا یوما کانه قال ان لم تطیعونی لاجل سوالف نعمتی علیکم فاطیعونی للخوف من عقابی فی المستقبل واذ نجیناکم الخ اعلم انه تعالیٰ لما قدم ذکر نعمه علی بنی اسرائیل اجمالا بین بعد ذلک اقسام تلک النعم علی سبیل التفصیل لیکون ابلغ فی التذکیر واعظم فی

(c) ketabton.com: The Digital Library

الحجة فکانه قال اذکروا نعمتی واذکروا اذ نجیناکم واذکروا اذ فرقنا بکم البحر وهی انعمات والمذکور فی هذه الآیة هو الانعام الاول واذ فرقنا بکم الخ هذا هو النعمة الثانیة واذ واعدنا الخ ان هذا هو الانعام الثالث واذ آتینا الخ اعلم هذا هو الانعام الرابع واذ قال موسی الخ اعلم ان هذا هو الانعام الخامس واذ قلتم یموسی الخ اعلم ان هذا هو الانعام السادس وظللنا الخ اعلم ان هذا هو الانعام السابع واذ قلنا الدخلوا الخ اعلم ان هذا هو الانعام الثامن واذ استسقی الخ اعلم ان هذا هو الانعام التاسع واذ قلتم یموسی لن نصبر الخ تذکیر بعنایة اخری لاسلافهم وکفرانهم لنعمت اللّٰه عز وجل واخلادهم الی ما کانوا فیه من الدناءة والخساسة (ربط هذه الآیة من ابی السعود) ان الذین آمنوا الخ واعلم ان عادة اللّٰه اذا ذکر وعدا ووعیدا عقبه بما یضاده لیکون الکلام تاما فههنا لما ذکر حکم الکفرة من اهل الکتاب وما حلّ بهم من العقوبة اخبر بما للمؤمنین من الاجر العظیم والثواب دالاً علی انه سبحانه وتعالیٰ یجازی المحسن باحسانه والمسیئ باساءته واذ اخذنا میثاقکم الخ اعلم ان هذا هو الانعام العاشر وذلک لانه تعالیٰ انما اخذ میثاقهم لمصلحتهم فصار ذلک من انعامه علیهم ولقد علمتم الذین الخ اعلم انه تعالی لما عدد وجوه انعامه علیهم اولاً ختم ذلک بشرح بعض ما وجه الیهم من التشدیدات وهذا هو النوع الاول واذ قال موسی لقومه الخ اعلم ان هذا هو النوع الثانی من التشدیدات افتطمعون الخ اعلم انه سبحانه لما ذکر قبائح افعال اسلاف الیهود الی ههنا شرح من ههنا قبائح افعال الیهود الذین کانوا فی زمن محمد صلی اللّٰه علیه وسلم واذ القوا الذین اٰمنوا الخ اعلم ان هذا هو النوع الثانی من قبائح افعال الیهود الذین کانوا فی زمن محمد صلی اللہ علیه وسلم ومنهم امیون الخ اعلم ان المراد بقوله ومنهم امیون الیهود لانه تعالیٰ لما وصفهم بالعناد وازال الطمع عن ایمانهم بیّن فرقهم فالفرقة الاولی هی الفرقة الضالة المضلة وهم الذین یحرفون الکلم عن مواضعه والفرقة الثانیة المنافقون والفرقة الثالثة الذین یجادلون المنافقین والفرقة الرابعة هم المذکورون فی هذه الآیة وهم العامة الامیون الذین لامعرفة عندهم بقراءة ولاکتابة وطریقتهم التقلید وقبول ما یقال لهم فبیّن تعالیٰ ان الذین یمتنعون عن قبول الایمان لیس سبب ذلک الامتناع واحدا بل لکل قسم منهم سبب اٰخر وقالوا لن تمسنا النار الخ اعلم ان هذا هو النوع الثالث من قبائح اقوالهم وافعالهم وهو جزمهم بان اللّٰه تعالیٰ لایعذبهم الا ایاما قلیلة بلی من کسب الخ

(c) ketabton.com: The Digital Library

جواب عن قولهم المحکی وابطال له من جهته تعالیٰ وبیان لحقیقة الحال فی ضمن تشریع کلی شامل لهم ولسائر الکفرة بعد اظهار کذبهم اجمالا (ربط هذه الآیة من ابی السعود) والذین آمنوا الخ اعلم انه سبحانه وتعالی ما ذکر فی القرآن آیة فی الوعید لا وذکر بجنبها آیة فی الوعد واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل الخ اعلم ان هذا نوع آخر من انواع النعم التی خصهم اللّٰه تعالیٰ بها وذلک لان التکلیف بهذه الاشیاء موصل الی اعظم النعم وهو الجنة والموصل الی النعمة نعمة فهذا التکلیف لامحالة من النعم واذ اخذنا میثاقکم الخ اعلم ان هذه الآیة تدل علی نوع آخر من نعم اللّٰه تعالیٰ علیهم وهو انه تعالیٰ کلفهم هذا التکلیف وانهم اقروا بصحته ثم خالفوا العهد فیه ولقد آتینا موسی الکتاب الخ اعلم ان هذا نوع آخر من النعم التی افاضها اللّٰه علیهم ثم انهم قابلوه بالکفر والافعال القبیحة ولمّا جاء هم کتب من عند اللّٰه الخ اعلم ان هذا نوع من قبائح افعال الیهود واذا قیل لهم الخ اعلم ان هذا النوع ایضا من قبائح افعالهم ولقد جاء کم موسی الخ من تمام التکبیت والتوبیخ داخل تحت الامر لاتکریر لما قص فی تضاعیف تعداد النعم التی من جملتها العفو عن عبادة العجل واذ اخذنا میثاقکم الخ توبیخ من جهة اللّٰه تعالیٰ وتکذیب لهم فی ادعائهم الایمان بما انزل علیهم بتذکیر جنایاتهم الناطقة بکذبهم (ربط هاتین الآیتین من ابی السعود) قل ان کانت لکم الدار الآخرة الخ اعلم ان هذا نوع آخر من قبائحهم وادعائهم ان الدار الآخرة خالصة لهم من دون الناس ولتجدنهم احرص الناس الخ اعلم انه سبحانه وتعالیٰ لما اخبرنا عنهم فی الآیة المتقدمة انهم لایقنون الموت اخبر فی هذه الآیة انهم فی غایة الحرص علی الحیوة قل من کان عدوا لجبریل الخ اعلم ان هذا النوع ایضا من انواع قبائح الیهود ومنکرات اقوالهم وافعالهم ولقد انزلنا الیک الخ اعلم ان هذا نوع آخر من قبائحهم وفضائحهم او کلما عاهدوا الخ اعلم ان هذا نوع آخر من قبائحهم واتبعوا ما تتلوا الخ ان هذا نوع آخر من قبائح افعالهم وهو اشتغالهم بالسحر واقبالهم علیه ودعاءهم الناس الیه ولو انهم آمنوا الخ انه تعالیٰ لما بین فیهم الوعید بقوله ولبئسما شروا به اتبعه بالوعد جامعًا بین الترهیب والترغیب لان الجمع بینهما ادعی الی الطاعة والعدول عن المعصیة یایها الذین آمنوا لاتقولوا الخ اعلم ان اللّٰه تعالیٰ لما شرح قبائح افعالهم قبل مبعث محمد علیه الصلوة والسلام اراد من ههنا ان یشرح قبائح افعالهم عند مبعث محمد صلی اللّٰه علیه وسلم وجدهم واجتهادهم فی القدح فیه والطعن فی دینه

(c) ketabton.com: The Digital Library

وهـذا هو النوع الاول من هذاالباب ما يود الذين كفروا الخ واعلم انه تعالٰی لما بين حـال اليهـود والـكفار فی العداوة والمعاندة حذر المؤمنين منهم فقال ما يودّ الذين كـفـروا فنفی عن قلوبهم الود والمحبة لكل ما يظهر به فضل المؤمنين ما ننسخ من آية الـخ ان اعـلـم ان هذا هو النوع الثانی من طعن اليهود فی الاسلام فقالوا الاترون الـی محمد يامر اصحابه بامر ثم ينهاهم عنه ويأمرهم بخلافه ويقول اليوم قولا وغدا يـرجـع عنه فنزلت هذه الآية الم تعلم ان اللّٰه له ملک الخ اعلم انه سبحانه وتعالٰی لما حكم بجواز النسخ عقبه ببيان ان ملک السموٰت والارض له لالغيره وهذا هو التنبيه عـلـی انـه سبـحانه وتعالٰی انما حسن الامر والنهی يكونه مالكا للخلق ام تريدون ان تسـألوا الخ لما حكم بجواز النسخ فی الشرائع فلعلهم كانوا يطالبونه بتفاصيل ذلک الحكم فمنعهم اللّٰه تعالٰی عنها وبين انهم ليس لهم ان يشتغلوا بهذه الاسئلة كما انه مـا كـان لـقوم موسی ان يذكروا اسئلتهم الفاسدة ود كثير من اهل الكتب الخ اعلم ان هـذا هو النوع الثالث من كيد اليهود مع المسلمين واقيموا الصلوة الخ اعلم انه تعالٰی امر بالعفو والصفح عن اليهود ثم عقبه بقوله تعالٰی واقيموا الصلوة وآتوا الزكوة تنبيها علی انه كما الزمهم لحظ الغير وصلاحه العفو والصفح فكذالک الزمهم لحظ انـفسهـم وصلاحها القيام بالصلوة والزكوة الواجبتين ونبه بهما علی ما عداهما مِنَ الـواجبـات وقالوا لن يدخل الخ اعلمْ ان هذا هو النوع الرابع من تخليط اليهود والقاء الشبه وفی قلوب المسلمين وقالت اليهود الخ بيان لتضليل كل فريق صاحبه بخصوصة اثـر بيـان تضليله كل من عداة علی وجه العموم (ربط هذه الآية من ابی السعود) ومن اظـلـم مـمن منع الخ فی كيفية اتصال هذه الآية بما قبلها وجوه فاما من حملها علی النصاری وخراب بيت المقدس قال تتصل بما قبلها من حيث ان النصٰری ادعوا انهم مـن اهـل الـجـنة فقط فقيل لهم كيف تكونون كذلک مع ان معاملتكم فی تخريب الـمسـاجد والسعی فی خرابها هكذا واما من حمله علی المسجد الحرام وسائر المساجد قال جری ذكر مشركی العرب فی قوله كذلک قال الذين لايعلمون مثل قولهم وقيل جـری ذكر جميع الكفار وذمهم فمرة وجه الذم الی اليهود والنصری ومرة الی المشركين وللّٰه المشرق والمغرب الخ فان منعتم من اقامة العبادة فی المسجد الاقصی او اسجد الحرام فاينما تولوا ای ففی ایّ مكان فعلتم تولية وجوهكم شطر القبلة فثم وجه اللّٰه ای هـنـاک جهته التی امر بها (ربط هذه الآية من ابی السعود) وقالوا اتخذ اللّٰه ولدا

(c) ketabton.com: The Digital Library

الخ اعلم ان هذا هو النوع لحادى عشر من قبائح افعال اليهود والنصٰرى والمشركين وقال الذى لا يعلمون الخ اعلم ان هذا هوا النوع لحادى عشر من قبائح اليهود والنصٰرى والمشركين انا ارسلنک بالحق الخ اعلم ان القوم لما اصروا على العناد واللجاج الباطل واقترحوا المعجزات على سبيل التعنت بين اللّٰه تعالٰى لرسوله صلى اللّٰه عليه وسلم انه لامزيد على ما فعله فى مصالح دينهم من اظهار الادلة وكما بين ذلک انه لامزيد على ما فعله الرسل فى باب الابلاغ والتنبيه لكيلا يكثر عمه بسبب اصرارهم على كفرهم ولن ترضى عنک الخ بيان لكمال شدة شكيمة هاتين الطائفتين خاصةً اثر بيان ما يعمها والمشركين من الاصرار على ما هم عليه الى الموت وفيه من المبالغة فى اقناطه صلى اللّٰه عليه وسلم من اسلامهم ما لاغاية وراءه (ربط هذه الاية من ابى السعود) الذين آتينا هم الكتٰب الخ لما ذم طريقتهم وحكى عنهم سوء افعالهم اتبع ذلک بمدح من ترک وطريقتهم بل تأمل التوراة وترک تحريفها وعرف مناصحة نبوة محمد صلى اللّٰه عليه وسلم يا بنى اسرائيل اذكروا الخ وتخصيصهم بتكرير التذكير واعادة التحذير للمبالغة فى التصح والايذان بان ذلک فذلكة القضية والمقصود من القضية لما ان نعم عز وجل عليهم اعظم وكفرهم بها اشد واقح (ربطها من ابى السعود) واذ ابتلى ابراهيم الخ اعلم انه سبحانه وتعالٰى لما استقصى فى شرح وجوده نعمه على بنى اسرئيل ثم فى شرح قبائحهم فى اديانهم واعمالهم وختم هذا الفصل بما بدء وهو قوله يا بنى اسرائيل اذكروا نعمتى الى قوله ولا هم ينصرون شرع سبحانه ههنا فى نوع آخر من البيان وهو ان ذكر قصة ابراهيم عليه السلام وكيفية احواله والحكمة فيه ان ابراهيم عليه السلام شخص يعترف بفضله جميع الطوائف والملل فالمشركون كانوا معترفين فضله متشرفين بانهم من اولاده ومن ساكنى حرمه وخادمى بيته اهل الكتب من اليهود والنصارى كانوا ايضًا مقرين بفضله متشرفين بانهم من اولاده فحكى اللّٰه تعالٰى عن ابراهيم عليه السلام امورا توجب على المشركين وعلى اليهود والنصارى قبول قول محمد صلى اللّٰه عليه وسلم والاعتراف بدينه والانقياد لشرعه وفى ابى السعود شروع فى تحقيق ان هدى اللّٰه ما عليه النبى صلى اللّٰه عليه وسلم من التوحيد والاسلام الذى هو ملة ابراهيم عليه السلام وان ما عليه اهل الكتابين اهواء زائغة وان ما يدعونه من انهم على ملته عليه السلام فرية بلا مرية ببيان ما صدر عن ابراهيم وابنائه الانبياء عليهم السلام من الاقاويل والافاعيل الناطقة بحقيقة التوحيد

(c) ketabton.com: The Digital Library

والاسلام وبطلان الشرک وبصحة نبوة النبی صلی الله علیه وسلم وبکونه ذلک النبی الذی استدعا ابراهیم واسماعیل علیهما الصلوة والسلام بقولهما ربنا وابعث فیهم رسولا منهم الآیة واذ جعلنا البیت مثابة الخ اعلم انه تعالیٰ بین کیفیة حال ابراهیم علیه السلام حین کلفه بالامامة وهذا شرح التکلف الثانی وهو التکلیف بتطهیر البیت واذ قال ابراهیم رب اجعل الخ اعلم ان هذا هو النوع الثالث من احوال ابراهیم علیه السلام التی حکاها تعالیٰ ههنا واذ یرفع ابراهیم الخ اعلم ان هذا هو النوع الرابع من الامور التی حکاه الله تعالیٰ عن ابراهیم واسماعیل علیهما السلام وهو انهما عند بناء البیت ذکرا ثلاثة من الدعاء ومن یرغب الخ انکار واستبعاد لان یکون فی العقلاء من یرغب عن ملته التی هی الحق الصریح والدین الصحیح (ربطها من ابی السعود) اذ قال له ربه الخ اعلم ان هذا هو النوع الخامس من الامور التی حکاها الله تعالیٰ عن ابراهیم علیه السلام ووصی بها ابراهیم الخ اعلم ان هذا هو النوع السادس من الامور المستحنة التی حکاها الله تعالی ابراهیم ام کنتم شهداء الخ اعلم انه تعالیٰ لما حکی عن ابراهیم علیه السلام انه بالغ فی وصیته بنیه فی الدین والاسلام ذکر عقیبه ان یعقوب وصّی بنیه بمثل ذلک تاکیدا للحجة علی الیهود والنصٰری ومبالغة فی البیان وقالوا کونوا هودا الخ اعلم انه تعالیٰ لما بین بالدلائل التی تقدمت صحة دین الاسلام حکی بعدها انواعا من شبه المخالفین الطاعنین فی الاسلام الشبهة الاولی حکی عنهم انهم قالوا کونوا هودا او نصاری تهتدوا وفی ابی السعود شروع فی بیان فن آخر من فنون کفرهم وهو اضلالهم لغیرهم اثر بیان ضلالهم فی نفسهم قولوا امنا الخ لما اجاب بالجواب الجدلی اولاً ذکر بعده جوابا برهانیا فی هذه الایة وهو ان الطریق الی معرفة نبوة الانبیاء علیهم السلام ظهورا لمعجز علیهم ولما ظهر المعجز علی ید محمد صلی الله علیه وسلم وجب الاعتراف بنبوته والایمان برسالته وفی ابی السعود خطاب للمؤمنین بعد خطابه علیه السلام برد مقالتهم الشنعاء علی الاجمال وارشاد لهم الی طریق التوحید والایمان علی ضرب من التفصیل ای قولوا لهم بمقابلة ما قالوا تحقیقا وارشادا ضمنیا لهم الیه فان آمنوا بمثل ما امنتم الخ اعلم انه تعالیٰ لما بین الطریق الواضح فی الدین وهو ان یعترف الانسان بنبوة من قامت الدلالة علی نبوته وان یحترز فی ذلک عن المنافقیة رغبهم فی مثل هذا الایمان فقال فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا صبغة الله الخ اعلم انه تعالیٰ لما ذکر الجواب الثانی

(c) ketabton.com: The Digital Library

وهو ان ذکر ما یدل علی صحة هذا الدین ذکر بعده ما یدل علی ان دلائل هذا الدین واضحة جلیة فقال صبغة اللّٰہ قل اتحاجوننا الخ فی ابی السعود تجرید الخطاب للنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عقیب الکلام الداخل تحت الامر الوارد بالخطاب العام لما ان المامور به من الوظائف الخاصة به علیه الصلوٰة والسلام تقولون ان ابراهیم الخ فی ابی السعود اما معادلة للهمزة فی قوله تعالٰی اتحاجوننا داخلة فی حین الامر علی معنی ای الامرین یودون اقامة الحجة وتنویر البرهان علی حقیة ما انتم علیه والحال ما ذکر ام التشبث بذیل التقلید والافتراء علی الانبیاء وتقولون ان ابراهیم الخ واما منقطعة عقررة ببل والهمزة دالة علی الاضراب والانتقال من التوبیخ علی حاجة ای التوبیخ علی الافترا علی الانبیاء علیهم السلام تلک امة قد خلت الخ فی ابی السعود تکریر للمبالغة فی لزجر عما هم علیه من الافتخار بالآباء والاتکال علی اعمالهم وقیل الخطاب السابق لهم وهذا لنا تحذیرا عن الاقتداء بهم وقیل المراد بالامة الاولی الانبیاء علیهم السلام وبالثانیة اسلاف الیهود. سیقول السفهاء الخ اعلم ان هذا هو الشبهة الثانیة من الشبه التی ذکرها الیهود والنصاری طعنا فی الاسلام وکذلک الخ فی ابی السعود توجیه للخطاب الی المؤمنین بین الخطابین المختصین بالرسول صلی اللّٰہ علیه وسلم التائید ما فی مضمون الکلام من التشریف وما جعلنا القلبة الخ فی ابی السعود جرد الخطاب للنبی صلی الله علیه وسلم رمزا الی ان مضمون الکلام من الاسرار الحقیقة بان یخص معرفته به علیه السلام ولئن اتیت الذین الخ اعلم انه تعالٰی لما بین فی الآیة الاولی ان الذین اوتوا الکتٰب یعلمون ان هذه القبلة حق بین بعد ذلک ان صفتهم لاتتغیر فی الاستمرار علی المعاندة الذین اتینهم الکتب الخ انه تعالی فی الأیة المتقدمة لما حذرامة محمد صلی الله علیه وسلم عن اتباع الیهود والنصٰری بقوله ولئن اتبعت اخبر المؤمنین بحال علیه السلام فی هذه الأیة فقال اعلموا یا معاشر المؤمنین ان علماء اهل الکتب یعرفون محمد او ما جاء به وصدقه ودعوته وقبلته لا یشکون فیه کما لا یشکون فی ابناء هم ولکل وجهة الخ والمراد منه ان للشرائع مصالح فلا جرم التلفت الشرائع بحسب اختلاف الاشخاص وکما اختلفت بحسب اختلاف الاشخاص لم یبعد ایضا اختلافها بحسب اختلاف الزمان بالنسة الی شخص واحد فلهذا اصح القول بالنسخ والتغییر ومن حیث خرجت الخ فی ابی السعود تاکید لحکم التحویل وتصریح بعدم تفاوت الامر فی حالتی السفر

(c) ketabton.com: The Digital Library

والحضر والتکویر لما ان القبلة لها شان خطیر و النسخ من مظان الشبهة والفتنة فبالحری ان یؤکد امرها مرة غب اخری مع انه قدذکر فی کل مرّة حکمة مستقلة کما ارسلنا فیکم الخ فی ابی السعود متصل بما قبله ای ولا تم نعمتی علیکم فی امر القبلت اوفی الأخرة اتما ما کائنا کاتمامی لها بار سال رسول کائن منکم فان ارسال الرسول لا سیما المجانس لهم نعمة لا یکافئة نعمة قط وقیل متصل بما بعده ای کما ذکرتم بالارسال فاذکرونی الخ الفاء للدلالة علی ان ترتب الامر علی ما قبله من موجباته یایها الذین اٰمنوا استعینوا الخ اعلم انه تعالی لما اوجب بقوله فاذکرونی جمیع العبادات وبقوله واشکرو الی ما یتصل بالشکر اردفه ببیان ما یعین علیها فقال استعینوا بالصبر والصلوٰة ولا تقولوا لمن یقتل الخ وجه تعلق الأیة بما قبلها کانه قیل استعینوا بالصبر والصلوٰة فی اقامة دینی فان احتجتم فی تلک والاقامة الی مجاهدة عدوی باموالکم وابدانکم ففعلتم ذلک فتفلت نفوسکم فلا تحسبوا انکم ضیعة انفسکم بل اعلموا ان قتلاکم احیاء عندی ولنبلونکم الخ متعلق بقوله واستعینوا بالصبر والصلوٰة ای استعینوا بالصبر والصلوٰة فانا نبلونکم بالخوف وبکذا الذین اذا اصابتهم الخ اعلم انه تعالی لما قال وبشر الصٰبرین بین فی هذه الأیة ان الانسان کیف یکون صابرا وان تلک البشارة کیف هی ان الصفا والمروة الخ ان الله تعالیٰ بین انه انما حول القبلة الی الکعبة لیتم انعامه علی محمد صلی الله علیه وسلم وامته باحیاء شرائع ابراهیم ودینه علی ما قال والاتم نعمتی علیکم وکان السع بین الصفا والمروة من شعائر ابراهیم علی ما ذکر فی قصة بناء الکعبة وسعی هاجر بین الجبلین فلما کان الامر کذلک وذکر اللّٰه تعالیٰ هذا الحکم عقیب تلک الآیة ان الذین یکتمون الخ قال العبد المسکین هذه مرتبطة بقوله تعالیٰ الذین آتیناهم الکتٰب یعرفونه کما یعرفون ابناءهم وان فریقا منهم لیکتمون الحق الخ بین ثمه ان منهم کاتمین للحق وبین ههنا الوعید لهم الا الذین تابوا الخ اعلم انه تعالیٰ لما بین عظیم الوعید فی الذین یکتمون ما انزل اللّٰه کان یحوز ان یتوهم ان الوعید یلحقهم علی کل حال فبین تعالیٰ انهم اذا تابُوا تغیر حکمهم ودخلوا فی اهل الوعد ان الذین کفروا الخ فی ابی السعود جملة مستانفة سیقت لتحقیق بقاء اللعن فیما وراء الاستثنا وتاکید دوامه واستمراره علی غیر التائبین جسما یفیده الکلام والهکم اله واحد الخ فی ابی السعود قیل کان للمشرکین حول الکعبة المکرمة ثلثمائة وستون صنما فلما سمعوا هٰذِهِ الآیة تعجبوا

(c) ketabton.com: The Digital Library

وقالوا ان كنت صادقًا فأت بآية نعرف بها صدقك فنزلت ان فی خلق الخ قال العبد المسكين فهذا مرتبط بقصة الكعبة كان المقصود ثمه ردّ زعم الذين فرطوا فی امرها بنفي صلاحية القبلة عنها وههنا ردّ زعم الذين افرطوا فی امرها باشراک من حولها مع اللّٰه تعالٰی فاثبت التوحيد وابطل الشرک ان فی خلق السمٰوٰت الخ اعلم انه سبحانه وتعالٰی لما حكم بالفردانية والوحدانية ذكر ثمانية انواع من الدلائل التی يمكن ان يستدل بها علی وجوده سبحانه اولاً وعلی توحيده وبراءته عن الاضداد والانداد ثانيًا ومن الناس من يتخذ الخ فی ابی السعود بيان لكمال ركاكة آراء المشركين اثر تقرير وحدانيته سبحانه وتعالٰی وتحرير الآيات الباهرة الملجئة للعقلاء الی الاعتراف بها الفائضة باستحالة ان يشاركه شئ من الموجودات فی صفة من صفات الكمال فضلا عن المشاركة فی صفة الا لوهية اذ تبرء الذين الخ اعلم انه تعالٰی لما بين حال من يتخذ من دون اللّٰه اندادا بقوله ولو يری الذين ظلموا اذ يرون العذاب علی طريق التهديد زاد فی هذا الوعيد بقوله تعالٰی اذ تبرء الذين اتبعوا من الذين اتبعوا فبين ان الذين افنوا عمرهم فی عبادتهم واعتقدوا انهم من اوكد اسباب نجاتهم فانهم يتبرؤن منهم عند احتياجهم اليهم يايها الناس كلوا الخ قال المسكين هذا ابطال لبعض اعمال المشركين مما يوجب الشرک من تحريم الحلال والتقليد الباطل بعد ابطال عقائدهم ومثل الذين كفروا الخ اعلم انه تعالٰی لما حكی عن الكفار انهم عند الدعاء الی اتباع ما انزل اللّٰه تركوا النظر والتدبر واخلدوا الی التقليد وقالوا بل نتبع ما الفينا عليه آباءنا ضرب لهم هذا المثل تنبيها للسامعين لهم انهم انما وقعوا فيما وقعوا فيه بسبب ترک الاصغاء وقلت الاهتمام بالدين فصيرهم من هذا الوجه بمنزلة الانعام يايها الذين آمنوا كلوا الخ ان اللّٰه سبحانه وتعالٰی تكلم من اوّل السورة الی ههنا فی دلائل التوحيد والنبوة واستقصی فی الرد علی اليهود والنصاری ومن هنا شرع فی بيان الاحكام انما حرم عليكم الخ اعلم انه سبحانه وتعالٰی لما امرنا فی الآية السابقة بتناول الحلال فصّل فی هذه الآية انواع الحرام ان الذين يكتمون الخ الحكم الثانی ان الذين الخ قال المسكين كان المقصود سابقا بيان المحرمات الحسية وفی هذه الآية بيان المحرم المعنوی من الرشوة ونحوها كالهدايا التی يأخذها علماء اهل الكتٰب من اتباعهم علی تبديل الكتاب وكتمان الحق اولٰئک الذين اشتروا الخ اعلم انه تعالٰی لما وصف علماء اليهود بكتمان الحق وعظم فی الوعيد عليه وصف ذلک الجرم

(c) ketabton.com: The Digital Library

لیعلم ان ذلک العقاب انما عظم لهذا الجرم العظیم ذلک بان اللہ الخ لماحکم علٰی الذی یکتمون بالوعید بیّن ان ذلک الوعید انما کان لان اللہ نزل الکتٰب بالحق وان ھٰؤلاء الیهود والنصاری یحقونه فلا جرم استحقوا ذلک لیس البر الخ الحکم الثالث یایها الذین آمنوا کتب علیکم القصاص الخ الحکم الرابع کتب علیکم اذ حضر الخ الحکم الخامس فمن بدله الخ اعلم انه تعالٰی لما ذکر امر الوصیة ووجوبها وعظم امرها اتبعه بما یجری مجری الوعید فی تغییرها فمن خاف الخ اعلم انه تعالٰی لما توعد من یبدل الوصیة بیّن ان المراد بذلک التبدیل ان یبدله عن الحق الی الباطل اما اذا غیره عن باطل الی حق علی طریق الاصلاح فقد احسن یایها الذین آمنوا کتب علیکم الصیام الخ الحکم السادس واذا سألک عبادی الخ فی ابی السعود لما امرهم اللہ تعالٰی بصوم الشهر ومراعاة العدة وحثهم علی القیام بوظائف التکبیر والشکر عقبه بهذه الایة الکریمة الدالة علی انه تعالٰی خبیر باحوالهم سمیع لاقوالهم مجیب لدعائهم مجازیهم علی اعمالهم تاکیدا له وحثا علیه ثم شرع فی بیان احکام الصیام ولا تباشروهن الخ الحکم السابع ولاتأکلوا اموالکم الخ هذا الحکم الثامن یسئلونک عن الاهلةالخ الحکم التاسع ولیس البر الخ فی ابی السعود وجه اتصاله بما قبله انهم سألوا عن الامرین او انه لما ذکر انها مواقیت للحج ذکر عقبین ما هو من انعاهم فی الحج استطرادا او انهم لما سألوا عما لایعنیهم ولا یتعلق بعلم النبوة فانه علیه الصلوة والسلام مبعوث لبیان الشرائع لا لبیان حقائق الاشیاء وترکوا السؤال عما یعنیهم ویختص بعلم الرسالة عقب بذکره جواب ما سالوا عنه تنبیها علی ان اللائق بهم ان یسألوا عن امثال ذلک ویهتموا بالعلم بها الحکم العاشر ما یتعلق بالقتال قوله تعالٰی وقاتلوا فی سبیل اللہ الخ وانفقوا فی سبیل اللہ الخ فی ابی السعود امر بالجهاد بالمال بعد الامر به بالانفس واتموا الحج والعمرة للہ الخ قال المسکین هذا هو الحکم الحادی عشر فمن الناس من یقول الخ فی ابی السعود تفصیل للذاکرین الی من لایطلب بذکر اللہ تعالٰی الا الدنیا والی من یطلب خیر الدارین والمراد به الحث علی الاکثار والانتظام فی سلک للآخرین ومن الناس من یعجبک الخ اعلم انه تعالٰی لما بین ان الذین یشهدون مشاعر الحج فریقان کافر وهو الذی یقول ربنا آتنا فی الدنیا و مسلم وهو الذی یقول ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة بقی المنافق فذکره فی هذه الآیة وشرح صفاته وافعال ومن الناس من یشری الخ اعلم انه تعالٰی لما وصف

(c) ketabton.com: The Digital Library

فی الآیة المتقدمة حال من یبذل دینه لطلب الدنیا ذکر فی هذه الآیة حال من یبذل دنیاه ونفسه وماله لطلب الدین فقال ومن الناس من یشری نفسه یایها الذین آمنوا ادخلوا الخ اعلم انه تعالی لما حکی عن المنافق انه یسعی فی الارض لیفسد فیها ویهلک الحرث والنسل امر المسلمین بما یضاد ذلک وهو الموافقة فی الاسلام وفی شرائعه فقال یایها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم سل بنی اسرائیل الخ بیان هذا الکلام انه تعالیٰ قال یایها الذین آمنوا فامر بالاسلام ونهی عن الکفر ثم قال فان زللتم ای فان اعرضتم عن هذا التکلیف صرتم مستحقین للتهدید بقوله فاعلموا ثم بین ذلک التهدید بقوله هل ینظرون ثم ثلث ذلک التهدید بقوله سل بنی اسرائیل یعنی سل هؤلاء الحاضرین انا لما آتینا اسلافهم آیات بینات فانکروها لاجرم استوجبوا العقاب من اللّٰه تعالیٰ وذلک وتنبیه لهؤلاء الحاضرین علی انهم لوزلو عن آیات اللّٰه تعالیٰ لوقعوا فی العذاب کما وقع اولئک المتقدمون فیه زین للذین کفروا الخ اعلم انه تعالیٰ لما ذکر من قبل حال من یبدل نعمة اللّٰه من بعد ما جاء ته وهم الکفار الذین کذبوا بالدلالة والانبیاء وعدلوا عنها اتبعه اللّٰه تعالیٰ بذکر السبب الذی لاجله کانت هذه طریقتهم فقال زین الخ کان الناس الخ اعلم انه تعالیٰ لما بین فی هذه الآیة المتقدمة ان سبب اصرار هؤلاء الکفار علی کفرهم هو حب الدنیا بین فی هذه الآیة ان هذا المعنی غیر مختص بهذا الزمان بل کان حاصلا فی الازمنة المتقادمة لان الناس کانوا امة واحدة قائمة علی الحق ثم اختلفوا وما کان اختلافهم الا بسبب البغی والتحاسد والتنازع فی طلب الدنیا ام حسبتم الخ فی ابی السعود وخوطب به رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ومن معه من المؤمنین خالهم علی الثبات علی المصابرة علی مخالفة الکفرة وتحمل المشاق من جهتهم اثر بیان اختلاف الامم علی الانبیاء علیهم السلام وقد بین فیه مآل اختلافهم وما لقی الانبیاء ومن معهم من قبلهم من مکابدة الشدائد ومقاساة الهموم وان عاقبة امرهم النصر یسألونک ما ذا ینفقون الخ اعلم انه سبحانه وتعالیٰ لما بالغ فی بیان انه یجب علی کل مکلف ان یکون معرضا عن طلب العاجل وان یکون مشتغلا بطلب الآجل وان یکون بحیث یبذل النفس والمال فی ذلک شرع بعد ذلک فی بیان الاحکام وهو من هذه الآیة الی قوله الم تر الی الذین خرجوا لان من عادة القرآن ان یکون بیان التوحید وبیان الوعظ والنصیحة وبیان الاحکام مختلطا بعضها بالبعض لیکون کل واحد منهما مقویا للآخر ومؤکدا له فالحکم الاول

(c) ketabton.com: The Digital Library

هو هٰذه الآیة الحکم الثانی قوله تعالیٰ کتب علیکم القتال الخ الحکم الثالث قوله عز وجل یسئلونک عن الخمر الخ الحکم الرابع قوله ویسئلونک ما ذا ینفقون الخ الحکم الخامس قوله تعالیٰ ویسئلونک عن الیتامیٰ الخ الحکم السادس قوله تعالیٰ ولاتنکحوا المشرکات الخ الحکم السابع قوله تعالیٰ ویسئلونک عن المحیض الخ الحکم الثامن قوله تعالیٰ نساء کم حرث لکم الخ الحکم التاسع قوله تعالیٰ ولاتجعلوا الله عرضة الخ الحکم العاشر قوله تعالیٰ للذین یؤلون الخ الحکم الحادی عشر قوله تعالیٰ والمطلقات یتربصن الخ اعلم انه تعالیٰ ذکر فی هذا الموضع احکاما کثیرة للطلاق فالحکم الاول للطلاق وجوب العدة وبعولتهن احق الخ اعلم ان هذا هو الحکم الثانی للطلاق وهو الرجعة الطلاق مرتان الخ اعلم انه هذا هو الحکم الثالث من احکام الطلاق وهو الطلاق الذی تثبت فیه الرجعة ولایحل لکم الخ اعلم ان هذا هو الحکم الرابع من احکام الطلاق وهو بیان الخُلع فان طلقها الخ اعلم ان هذا هو الحکم الخامس من احکام الطلاق وهو بیان الطلقة الثالثة قاطعة لحق الرجعة واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن الخ اعلم ان هذا هو الحکم السادس من احکام الطلاق وهو حکم المرأة المطلقة بعد انقضاء العدة الحکم العاشر (ینظر الی هذا العاشر بعد ای تاسع ۱۲ منه) قوله والوالدات یرضعن اولادهن الخ الحکم الحادی عشر عدة الوفاة قوله تعالیٰ والذین یتوفون منکم الخ الحکم الثانی عشر خطبة النساء قال تعالیٰ ولا جناح علیکم الخ الحکم الثالث عشر حکم المطلقة قبل الدخول قوله تعالیٰ لاجناح علیکم ان طلقتم الخ الحکم الرابع عشر قوله تعالیٰ حافظوا علی الصلوات الخ وفی ابی السعود لعل الامر بها فی تضاعیف بیان احکام الازواج والاولاد قبل الاتمام للایذان بانّها حقیقة بکمال الاعتناء بشانها والمثابرة علیها من غیر اشتغال عنها بشانهم بل بشان انفسهم ایضا کما یفصح عنه الامر بها فی حالة الخوف ولذلک امر بها فی خلال بیان ما یتعلق بهم من الاحکام الشرعیة المتشابکة الآخذ بعضها بحجزة بعض فان خفتم فرجالا الخ اعلم انه تعالیٰ لما اوجب المحافظة علی الصلوات والقیام علی ادائها بارکانها وشروطها بین من بعد ان هذه المحافظة علی هذا الحد لاتجب الا مع الامن دون الخوف فقال فان خفتم فرجالا او رکبانا الحکم الخامس عشر قوله تعالیٰ والذین یتوفون منکم الخ الحکم السادس عشر قوله تعالیٰ وللمطلقات متاع بالمعروف. الم تر الی الذین خرجوا الخ اعلم ان عادته تعالیٰ فی القرآن ان یذکر

(c) ketabton.com: The Digital Library

بعد بيان الاحكام القصص ليفيد الاعتبار للسامع ويحمله ذلك الاعتبار على ترك التمر والعناد ومزيد الخضوع والانقياد فقال الم تر الخ وقاتلوا الخ فی ابی السعود عطف على مقدّر يعيّنه ما قبله كانهٗ قيل فاشكروا فضله بالاعتبار بما قص عليكم وقاتلوا فی سبيله لما علمتم ان الفرار لاينجی من الحمام وان المقدر لامردّ له فان كان قد حان الاجل فمرت فی سبيل اللّٰه والا فنصر عزيز وثواب من ذا الذی يقرض الخ فی ابی السعود المراد ههنا اِما الجهاد الذی هو عبارة عن بذل النفس والمال فی سبيل اللّٰه عز وجل ابتغاء لمرضاته واِما مطلق العمل الصالح المنتظم له انتظاما اوليًا. القصة الثانية القصة طالوت قوله عز وجل الم تر الی الملأ الخ قوله تعالیٰ تلک آيات اللّٰه الخ فی ابی السعود اشارة ابی ما سلف من حديث الالوف وخبر طالوت علی التفصيل المرقوم وانک لمن المرسلين فهی شهادة منه سبحانه برسالته عليه الصلوة والسلام اثر بيان ما يستوجبها تلک الرسل الخ فی ابی السعود فيه رمز الی انه عليه الصلوة والسلام من افاضل الرسل العظام عليهم الصلوة والسلام اثر بيان كونه من جملتهم وفی الكبير عزی اللّٰه رسوله عمار ای من قومه من التكذيب والحسد فقال هؤلاء الرسل الذين كلم اللّٰه تعالیٰ بعضهم ورفع الباقين درجات وايد عيسی بروح القدس قد نالهم من قومهم ما ذكرناه بعد مشاهدة المعجزات وانت رسول مثلهم فلاتحزن علی ما تری من قومک فلو شاء اللّٰه لم تختلفوا انتم واولئک ولكم ما قضی اللّٰه فهو كائن يايها الذين آمنوا انفقوا الخ اعلم ان اضعف الاشياء علی الانسان بذل النفس فی القتال وبذل المآل فی الانفاق فاما قدم الامر بالقتال عقبه بالامر بالانفاق اللّٰه لا اله الا هو الخ اعلم ان من عادته سبحانه وتعالیٰ فی هذا الكتاب الكريم انه يخلط هذه الانواع الثلثة بعضها بالبعض اعنی علم التوحيد وعلم الاحكام وعلم القصص والمقصود من ذكر القصص اما تقرير دلائل التوحيد وامّا المبالغة فی الالزام والاحكام والتكاليف وهذا الطريق هو الطريق الاحسن لا ابقاء الانسان فی النوع الواحد لانه يوجب الملال فاما اذا انتقل من نوع من العلوم الی نوع آخر فكانه يشرح به الصدر ويفرح به القلب فكانه سافر ممن بلد الی بلد آخر وانتقل من بستان الی بستان آخر وانتقل من تناول طعام لذيذ الی تناول نوع آخر ولاشک انه يكون الذواشهی ولما ذكر فيما تقدم من علم الاحكام ومن علم القصص ما رآه مصلحة ذكر الآن ما يتعلق بالتوحيد فقال اللّٰه لا اله الا هو الخ لا اكراه فی الدين الخ فی ابی السعود جملة

(c) ketabton.com: The Digital Library

مستانفة جیٔ بها اثر بیان تفرده سبحانه وتعالٰی بالشؤن الجلیلة الموجبة للایمان به وحده ایذانا بان من حق للعاقل ان لایحتاج الی التکلیف والالزام بل یختار الدین الحق من غیر تردّد وتلعثم وقیل هو خبر فی معنی النهی ای لاتکرهوا فی الدین فقیل منسوخ بقوله تعالی جاهد الکفار وقیل خاص باهل الکتٰب حیث حصنوا انفسهم باداء الجزیة الم تر الی الذی حاج الخ اعلم انه تعالٰی ذکر ههنا قصصا ثلاثا الاولی منها فی بیان اثبات العلم بالصانع والثانیة والثالثة فی اثبات الحشر والنشر والبعث وفی ابی السعود استشهاد علی ما ذکر من ان الکفرة اولیاءهم الطاغوت وعلی ما ذکر من ولایته تعالٰی للمؤمنین مثل الذین ینفقون الخ اعلم انه سبحانه وتعالٰی لما ذکر من بیان اصول العلم بالمبدأ وبالمعاد ومن دلائل صحتهما ما اراد اتبع ذلک ببیان الشرائع والاحکام والتکالیف فالحکم الاول فی بیان التکالیف المعتبرة فی انفاق الاموال الذین ینفقون اموالهم الخ اعلم انه تعالٰی لما عظم امر الانفاق فی سبیل اللّٰه اتبعه ببیان الامور التی یجب تحصیلها حتی یبقی ذلک الثواب منها ترک والمنّ والاذی ایود احدکم الخ ان هذا مثل آخر ذکر اللّٰه تعالٰی فی حق من یتبع انفاقه بالمن والاذی یایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات الخ اعلم انه رغب فی الانفاق ثم بین ان الانفاق علی قسمین منه ما یتبعه المن والاذی ومنه ما لایتبعه ذلک ثم انه تعالی شرح ما یتعلق بکل واحد من هذین القسمین وضرب لکل واحد منهما مثلا یکشف عن المعنی ویوضح المقصود منه علی ابلغ الوجوه ثم انه تعالٰی ذکر فی هذه الآیة ان المال الذی امر بانفاقه فی سبیل اللّٰه کیف ینبغی ان یکون فقال انفقوا من طیبات ما کسبتم الشیطان یعدکم الفقر. اعلم انه تعالٰی لما رغب الانسان فی انفاق اجود ما یملکه حذره بعد ذلک من وسوسة الشیطان فقال الشیطان یعدکم الفقر ای یقول ان انفقت الاجود صرت فقیرا فلا تبال بقوله فان الرحمٰن یعدکم مغفرة منه وفضلا یؤتی الحکمة الخ اعلم انه تعالٰی لما ذکر فی الآیة المتقدمة ان الشیطان یعد بالفقر ویامر بالفحشاء وان الرحمٰن یعد بالمغفرة والفضل نبه علی ان الامر الذی لاجله وجب ترجیح وعد الرحمٰن علی وعد الشیطان هو ان وعد الرحمٰن الحکمة والعقل ووعد الشیطان الشهوة والنفس من حیث انهما یامر ان بتحصیل اللذة الحاضرة واتباع احکام الخیال والوهم ولاشک ان حکم الحکمة والعقل هو الحکم الصادق المبرأ عن الزیغ والخلل وحکم الحس والشهوة والنفس یوقع الانسان فی البلاء

(c) ketabton.com: The Digital Library

والمحنة فكان حكم الحكمة والعقل اولى بالقبول فهذا هو الاشارة الى وجه النظم وما انفقتم الخ فى ابى السعود بيان لحكم كلي شامل لجميع افراد النفقات وما فى حكمها اثر بيان حكم ما كان منها فى سبيل الله ان تبدوا الصدقات الخ ذكر فى هذه الآية ان الانفاق قد يكون ظاهرا وقد يكون خفيا وذكر حكم كل واحد من القسمين ليس عليك هدٰهم الخ هذا هو الحكم الرابع من احكام الانفاق وهو بيان ان الذى يجوز الانفاق عليه مَن هو للفقراء الذين احصروا الخ اعلم انه تعالىٰ لما بين فى الآية الاولى انه يجوز صرف الصدقة الى اى فقير كان بين فى هذه الآية ان الذى يكون اشد الناس استحقاقا بصرف الصدقة اليه من هو الذين ينفقون الخ لما بين فى الآية المتقدمة ان اكمل من تصرف اليه النفقة من هو بين فى هذه الآية ان اكمل وجوه الانفاق كيف هو فكلما نزلت بهم حاجة محتاج عجلوا قضاءها ولم يؤخروها ولم يعلقوها بوقت ولاحال الحكم الثانى من الاحكام الشرعية المذكورة فى هذا الموضع من هذه السورة حكم الربا قوله تعالىٰ الذين يأكلون الربوا الخ اعلم ان بين الربٰى وبين الصدقة مناسبة من جهة التضاد وذلك لان الصدقة عبارة عن تنقيص المال بسبب امر الله تعالىٰ بذلك والربا عبارة عن طلب الزيادة على المال مع نهى الله عنه فكانا متضادين فلاجرم ذكر عقيب حكم الصدقات حكم الربوا يمحق الله الربوا الخ ذكر هنا ما يجرى مجرى الداعى الى ترك الصدقات وفعل الربا وكشف عن فساده ان الذين آمنوا الخ اعلم ان عادة الله تعالىٰ فى القرآن مطردة بانه مما ذكر وعيدا ذكر بعده وعدا فلما بالغ ههنا فى وعيد المرابى اتبعه بهذا الوعد يايها الذين آمنوا اتقوا الله الخ اعلم انه تعالى لما بين فى الآية المتقدمة ان من انتهى عن الربوا فله ما سلف فقد كان يجوز ان يظن انه لافرق بين المقبوض منه وبين الباقى فى ذمة القوم فقال تعالىٰ وذروا. الحكم الثالث من الاحكام الشرعية المذكورة فى هذا الموضع من هذه السورة آية المداينة قوله تعالى يايها الذين آمنوا اذا تداينتم بدين الخ لما ذكر قبل هذا الحكم نوعين من الحكم احدهما الانفاق فى سبيل الله وهو يوجب تنقيص المال والثانى ترك الربوا وهو ايضا سبب تنقيص المال اتبع ذلك بان ندبه الى كيفية حفظ المال الحلال وصونه عن الفساد والبوار فان القدرة على الانفاق فى سبيل الله وعلى ترك الربوا وعلى ملازمة التقوى لايتم ولا يكمل الا عند حصول المال والوجه الثانى لما منع الربا اذن فى السلم مع ان جميع المنافع المطلوبة من الربا حاصلة فى

(c) ketabton.com: The Digital Library

السلم وان کنتم علی سفر الخ لما امر فی آخر الآیة المتقدمة بالکتبة والاشهاد وانه ربما تعذر ذلک فی السفر ذکر نوعا آخر من الاستیثاق وهو اخذ الرهن لله ما فی السمٰوٰت الخ اعلم انه تعالٰی لماجمع فی هذه السورة اشیاء کثیرة من علم الاصول وهو دلیل التوحید والنبوة واشیاء کثیرة من علم الاصول ببیان الشرائع والتکالیف ختم اللّٰہ تعالٰی هذه السورة بهذة الآیة علی سبیل التهد وقال الشعبی وعکرمة ومجاهد انه تعالٰی لما نهی عن کتمان الشهادة واوعد علیه بین ان له ملک السمٰوٰت والارض فیجازی علی الکتمان والاظهار آمن الرسول الخ قال المسکین وجه الارتباط ظاهر من شان النزول وفی ابی السعود لما ذکر فی فاتحة السورة الکریمة ان ما انزل الی الرسول صلی اللّٰہ علیه وسلم من الکتٰب العظیم الشان هدی للمتقین بما فصل هناک من الصفات الفاضلة التی من جملتها الایمان به وبما انزل قبله من الکتب الالهة وانهم حائزون لاثرتی الهدی والفلاح من غیر تعیین لهم بخصوصهم ولاتصریح بتحقق اتصافهم بها اذ لیس فیما یذکر فی حیز الصلة حکم بالفعل وعقب ذلک ببیان حال من کفر به من المجاهرین والمنافقین ثم شرح فی تضاعیفها من فنون الشرائع والاحکام والمواعظ والحکم واخبار سوالف الامم وغیر ذلک مما یقتضی الحکمة شرحه عیّن فی خاتمتها المتصفون بها وحکم باتصافهم بها علی طریق الشهادة لهم من جهته عز وجل بکمال الایمان وحسن الطاعة لایکلف اللّٰہ نفسا الخ فی ابی السعود جملة مستقلة جیٔ بها اثر تلیتهم لتکالیفه تعالٰی بحسن الطاعة اظهارا لماله تعالٰی علیهم فی ضمن التکلیف من محاسن آثار الفضل والرحمة ابتداء لابعد السؤال کما سیجیٔ هذا. ربنا لاتؤاخذنا الخ فی ابی السعود شروع فی حکایة بقیة دعواتهم اثر بیان سر التکلیف.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُورۃ اٰل عِمرٰن

(وجه تعلق اولها بآخر ما قبلها ان السورة المتقدمة ختمت على سوال النصر على الكافرين وفي مفتح هذه السورة بين لصرتهم على الكفار باللسان والسنان ۱۲ منه عفى عنه).

الـم الله لا اله الا هو الخ اعلم ان مطلع هذه السورة له نظم لطيف عجيب وذلک لان اولئک النصارى الذين نازعوا رسول الله صلى الله عليه وسلم كانه قيل لهم اما ان تنازعوه في معرفة الآله اوفي النبوة فان كان النزاع في معرفة الآله وهو انكم تثبتون انه ولدا وان محمدا لايثبت له ولدا فالحق معه بالدلائل العقلية القطعية فانه قد ثبت بالبرهان انه حى قيوم والحى القيوم يستحيل عقلا ان يكوم له ولدا وان كان النزاع في النبوة فهذا ايضا باطل لان بالطريق الذى عرفتم ان الله تعالىٰ انزل التوراة والانجيل علىٰ موسىٰ وعيسىٰ فهو بعينه قائم في محمد صلى الله عليه وسلم وما ذاک الا بالمعجزة وهو حاصل ههنا فكيف يمكن منازعته في صحة النبوة فهذا هو وجه النظم وهو مضبوط حسن جدا ان الله لايخفى عليه شئ الخ قال المسكين تقرير التوحيد وابطال الالُوهية عيسىٰ عليه اللاسلام هو الذى انزل الخ في ابى السعود شروع في ابطال شبهتم الناشئة عما نطق به القرآن في نعت عيسىٰ عليه السلام بطريق الاستيناف اثر بيان اختصاص الربوبية ومناطها به سبحانه وتعالىٰ تارة بعد اخرى وكون كل من عداه مقهورا تحت ملكوته تابعًا لمشيته ربنا لاتزغ قلوبنا الخ اعلم انه تعالىٰ لما حكى عن الراسخين انهم يقولون آمنا به حكى عنهم انهم يقولون ربنا لا تزغ انک الخ اعلم ان هذا الدعاء من بقية كلام الراسخين في العلم ان الذين كفروا الخ اعلم ان الله سبحانه وتعالىٰ لما حكى عن المؤمنين دعائهم وتضرعهم حكى كيفية حال الكافرين وشديد عقابهم في ابى السعود الر ما بين الدين الحق والتوحيد وذكر احوال الكتب الناطقة به وشرح شأن القرآن العظيم وكيفية ايمان العلماء الراسخين شرع في بيان حال من كفر به قل للذين كفروا الخ قال المسكين هذا بيان لعقاب الكفار في الدنيا والآخرة قد كان لكم آية الخ هذه الآية

(c) ketabton.com: The Digital Library

کالدلالة علی صحة قوله قل للذین کفروا ستغلبون زین للناس الخ فی ابی السعود کلام مستانف سیق لبیان حقارة شان الحظوظ الدنیویة باصنافها وتزهید الناس بها وتوجیه رغباتهم الی ما عنده تعالیٰ اثر بیان عدم نفعها للکفرة الذین کانوا یتعززون بها قل اؤنبئکم بخیر الخ فی ابی السعود اثر ما بین شان من خرفات الدنیا وذکر ما عنده تعالیٰ من حسن المآب اجمالا امر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بتفصیل ذلک المجمل للناس مبالغة فی الترغیب شهد اللّٰه الخ اعلم انه تعالیٰ لما مدح المؤمنین واثنیٰ علیهم بقوله الذین یقولون ربنا آننا آمنا اردفه بان بین ان دلائل الایمان ظاهرة جلیة فقال شهد اللّٰه ان الدین عند اللّٰه الخ فی ابی السعود جملة مستانفة مؤکدة للاولی ای لادین مرضیا للّٰه تعالیٰ سوی الاسلام الذی هو التوحید والتدرف بالشریعة الشریفة وما اختلف الذین الخ الغرض من الایة بیان ان اللّٰه تعالی اوضح الدلائل ازال الشبهات والقوم ما کفروا الا جل التقصیر فان حاجوک الخ اعلم انه تعالیٰ لما ذکر من قبل ان اهل الکتاب اختلفوا من بعد ما جائهم العلم وانهم اصروا علیٰ الکفر مع ذلک بین اللّٰه تعالیٰ للرسول صلی اللّٰه علیه ما یقوله فی محاجتهم فقال فان حاجوک الخ ان الذین یکفرون الخ اعلم انه تعالیٰ لما ذکر من قبل حال من یعرض ویتولی بقوله وان تولوا اردفه بصفة هذا المتولی الم تر الی الذین الخ اعلم انه تعالیٰ لما نبه علی عناد القوم بقوله فان حاجوک بین فی هذه الآیة غایة عنادهم وهو انهم یدعون الی الکتاب الذین یزعمون انهم یؤمنون به وهو التوراة ثم انهم یتمردون ویتولون وذلک یدل علی غایة عنادهم قل اللهم مالک الخ امر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بدعاء وتمجید یدل علی مبانیة طریقه وطریق اتباعه لطریقة هؤلاء الکٰفرین المعاندین المعرضین فقال معلما نبیه کیف یمجد ویعظم ویدعو ویطلب قال المسکین لعل الاقرب انه اوعد الکفار فیما قبل انهم سیغلبون فاستبعدوه وتعجبوا منه فاشار اللّٰه تعالیٰ الی قرب وقوعه بانه تعالیٰ مالک الملک وکل شئ بمشیته وقدرته فلا غرو ای یغلب المغلوب ویغلب الغالب لا یتخذ المؤمنون الخ لما بین انه تعالیٰ مالک الدنیا والآخرة بین انه ینبغی ان تکون الرغبة فیما عنده وعند اولیاءه دون اعدائه قل ان تخفوا الخ فی ابی السعود من الضمائر التی من جملتها ولایة الکفرة یوم تجد کل نفس الخ اعلم ان هذه الآیة من باب الترغیب والترهیب ومن تمام الکلام الذی تقدم قل ان کنتم

(c) ketabton.com: The Digital Library

تحبون اللّٰہ الخ اعلم انه تعالٰی لما دعا القوم الی اللایمان به والایمان برسوله علی سبیل التهدید والوعید دعاهم الی ذلک من طریق آخر وهو ان الیهود کانوا یقولون نحن ابناء اللّٰه واحباءه فنزلت هذه اللآیة ان اللّٰه اصطفٰی الخ اعلم انه تعالٰی لما بین ان محبته لاتتم الا بمتابعة الرسل بین علو درجات الرسل وشرف مناصبهم فقال ان اللّٰه اصطفٰی آدم فی ابی السعود لما بین اللّٰه تعالٰی ان الذین المرضی عنده هو الاسلام والتوحید وان اختلاف اهل الکتابین فیه انما هو للبغی والحسد وان الفوز برضوانه ومغفرته ورحمته منوط باتباع الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم واطاعته شرع فی تحقیق رسالته وکونه من اهل بیت النبوة القدیمة فبدأ ببیان جلالة اقدار الرسل علیهم الصلوة والسلام کافة واتبعه ذکر مبدأ امر عیسٰی علیه الصلوة والسلام وامه وکیفیة دعوته للناس الی التوحید والاسلام تحقیقًا للحق وابطالاً لما علیه اهل الکتابین فی شانهما من الافراط والتفریط ثم بین بطلان محاجتهم فی ابراهیم علیه الصلوة والسلام وادعائهم الانتماء الی ملته وتره ساحته العلیة عما هم علیه من الیهودیة والنصرانیة ثم نص علی ان جمیع الرسل علیهم الصلوة والسلام دعاة الی عبادة اللّٰه عز وجل وحده وطاعته منزهون عن احتمال الدعوة الی عبادة انفسهم او غیرهم من الملٰئکة وان امهم قاطبة مامورون بالایمان بمن جاءهم من رسول مصدق لما معهم تحقیقا لوجوب الایمان برسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وکتابه المصدق لما بین یدیه من التورٰة والانجیل وتحتم الطاعة له جسما سیأتی تفصیله اذ قالت امرأة عمران الخ فی ابی السعود لتقریر اصطفاء آل عمران وبیان کیفیته هناک الخ فی ابی السعود کلام مستأنف وقصة مستقلة سیقت فی تضاعیف حکایة مریم لما بینهما من قوة الارتباط وشدة الاشتباک مع ما فی ایرادها من تقریر ما سیقت له حکایتها من بیان اصطفاء آل عمران فان فضائل بعض الاقرباء دالة علی فضائل الآخرین واذ قالت الملٰئکة یٰمریم ان اللّٰه اصطفک الخ فی ابی السعود شروع فی شرح بقیة احکام اصطفاء آل عمران اثر الاشارة الی نبذ من فضائل بعض اقاربهم اذ قالت الملٰئکة یا مریم ان اللّٰه یبشرک الخ اعلم انه تعالٰی لما بین شرح حال مریم علیها السلام فی اول امرها وفی آخر امرها شرح کیفیة ولادتها بعیسٰی علیه السلام فلما احس الخ شرع فی بیان ان عیسٰی لما شرح لهم تلک المعجزات واظهر لهم تلک الدلائل فهم بماذا عاملوه فقال تعالٰی فلما احس

(c) ketabton.com: The Digital Library

فاما الذین کفروا الخ اعلم انه تعالیٰ لما ذکر الیّ مرجعکم بین بعد ذلک مفصلاً ما
فی ذلک الاختلاف ذلک نتلوه الخ قال المسکین اشارة الی اثبات نبوة محمد علیه
السلام فی تضاعیف القصة کنظائرها فیما قبل لان المحاجّة کانت فی التوحید والرسالة
فمن حاجک فیه الخ بعد هذه الدلائل الواضحة والجوابات اللائحة فاقطع الکلام
معهم وعاملهم بما یعامل به المعاند وهو ان تدعوهم الی الملاعنة قل یا هل الکتاب
تعالوا الخ واعلم ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لما اورد علی نصاری نجران انواع
الدلائل وانقطعوا ثم دعاهم الی المباهلة فخافوا وما شرعوا فیها وقبلوا الصغار باداء
الجزیة وقد کان علیه السلام حریصا علی ایمانهم فکانه تعالیٰ قال یا محمد اترک
ذلک المنهج من الکلام واعدل الی منهج آخر یشهد کل عقل سلیم وطبع مستقیم
انه کلام مبنی علی الانصاف وترک الجدال قل یاهل الکتاب لم تحاجون الخ قال
المسکین هو من بقیة الکلام مع اهل الکتاب ودت طائفة الخ اعلم انه تعالیٰ لما بین
ان من طریقة اهل الکتاب العدول عن الحق والاعراض عن قبول الحجة بین انهم
لایقتصرون علی هذا القدر بل یجتهدون فی اضلال من آمن بالرسول علیه السلام
بالقاء الشبهات یآهل الکتٰب لم تکفرون الخ ویاهل الکتاب لم تلبسون الخ اعلم ان
علماء الیهود والنصاری کانت لهم حرفتان احدهما انهم کانوا یکفرون بمحمد صلی
اللّٰه علیه وسلم مع انهم کانوا یعلمون بقلوبهم انه رسول حق من عند اللّٰه واللّٰه تعالیٰ
نهاهم عن هذه الحرفة فی الآیة الاولی وثانیتهما انهم کانوا یجتهدون فی القاء الشبهات
وفی اخفاء الدلائل واللّٰه تعالیٰ نهاهم عن هذه الحرفة فی هذه الآیة الثانیة فالمقام
الاول مقام الغوایة والضلال والمقام الثانی مقام الاغواء والاضلال وقالت طائفة من
اهل الکتٰب الخ اعلم انه تعالیٰ لما حکی عنهم انهم یلبسون الحق بالباطل اردف ذلک
بان حکی عنهم نوعًا واحدا من انواع تلبیساتهم وهو المذکور فی هذه الآیة ومن
اهل الکتاب الخ فی ابی السعود شروع فی بیان خیانتهم فی المال بعد بیان خیانتهم
فی الدین ان الذین یشترون بعهد اللّٰه الخ اعلم انه تعالیٰ ذکر فی الآیة السابقة خیانتهم
فی اموال الناس ثم ذکر فی هذه الآیة خیانتهم فی عهد اللّٰه وخیانتهم فی تعظیم اسمائه
حین یحلفون بها کذبا وان منهم لفریقا الخ قال المسکین هذه بقیة خیانات الیهود
فی الاحکام الالٰهیة ما کان لبشر الخ فی ابی السعود بیان لافترائهم علی الانبیاء علیهم

(c) ketabton.com: The Digital Library

السلام حیث قال نصاری نجران ان عیسیٰ علیه السلام امرنا ان نتخذه ربا حاشاه علیه السلام وابطال له اثر بیان افترائهم علی اللّٰه سبحانه وابطاله واذ اخذ اللّٰه میثاق الخ اعلم ان المقصود منْ هذه الآیات تعدید تقریر الاشیاء المعروفة عند اهل الکتاب مما یدل علی نبوة محمد صلی اللّٰه علیه وسلم قطعا لعذرهم واظهار العنادهم ومن جملتها ما ذکره اللّٰه تعالیٰ فی هذه الآیة افغیر دین اللّٰه الخ اعلم انه تعالیٰ لما بین فی الآیة الاولی ان الایمان بمحمد صلی اللّٰه علیه وسلم شرع شرعه اللّٰه تعالیٰ واوجبه علی جمیع من مضی من الانبیاء والامم لزم ان کل من کره ذلک فانه یکون طالبًا دینا غیر دین اللّٰه قل آمنا باللّٰه الخ اعلم انه تعالیٰ لما ذکر فی الآیة المتقدمة انه انما اخذا المیثاق علی الانبیاء فی تصدیق الرسول الذی یأتی مصدقا لما معهم بین فی هذه الآیة ان من صفته صلی اللّٰه علیه وسلم کونه مصدقا لما معهم ومن یتبع غیر الاسلام الخ اعلم انه تعالیٰ لما قال فی آخر الآیة المتقدمة ونحن له مسلمون اتبعه بان بین فی هذه الآیة ان الدین لیس الا اللاسلام وان کل دین سوی الاسلام فانه غیر مقبول عند اللّٰه تعالیٰ کیف یهدی اللّٰه الخ اعلم انه تعالیٰ لما عظم الامر الاسلام والایمان یقوله ومن یبتغ اکد ذلک التعظیم بان بین وعید من ترک الاسلام فقال کیف یهدی اللّٰه قومًا الخ الا الذین تابوا الخ وان الذین کفروا بعد ایمانهم الخ ان الذین کفروا وماتوا الخ اعلم ان الکافر علی ثلثة اقسام احدها الذی یتوب عن الکفر توبة صحیحة مقبولة وهو الذی ذکره اللّٰه تعالیٰ فی قوله الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا وثانیها الذی یتوب عن ذلک الکفر توبة فاسدة وهو الذی ذکره اللّٰه تعالیٰ فی الآیة المتقدمة وقال اللّٰه لن یقبل توبة وثالثها الذی یموت علی الکفر من غیر توبة البتة وهو المذکور فی هذه الآیة لن تنالوا البر الخ اعلم انه تعالیٰ لما بین ان الانفاق لاینفع الکافر البتة علم المؤمنین کیفیة الانفاق الذی ینتفعون به فی الآخرة کل الطعام کان حلا الخ اعلم ان الآیات المتقدمة الی هذه الآیة کانت فی تقریر الدلائل الدالة علی نبوة محمد صلی اللّٰه علیه وسلم وفی توجیه الالزامات الواردة علی اهل الکتاب فی هذا الباب واما هذه الآیة فهی فی بیان الجواب عن شبهات القوم وفی ابی السعود وهو رد علی الیهود وتبکیت لهم فی ضنع النسخ والطعن فی دعوی الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم موافقته لابراهیم علیه السلام بتحلیله لحوم الابل والبانها ان اول بیت وضع الخ فی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ابی السعود شروع فی بیان کفرھم ببعض آخر من شعائر ملتہ علیہ السلام اثر بیان کفرھم بکون کل المطعومات حلاً لہ علیہ السلام وفی الکبیر المراد منہ الجواب عن شبھۃ اخری وذلک لانہ علیہ السلام لما حول الی الکعبۃ طعن الیھود فی نبوتہ فاجاب اللّٰہ تعالٰی بقولہ ان اول بیت الخ وان الیھود والنصاری زعم کل فرقۃ منھم انہ علی ملۃ ابراھیم وقد سبقت ھذہ المناظر فی الآیات المتقدمۃ فاللّٰہ تعالٰی بین کذبھم من حیث ان حج الکعبۃ کان ملۃ ابراھیم والیھود والنصاری لایحجون فیدل ھذا علی کذبھم فی ذلک وللّٰہ علی الناس الخ اعلم انہ تعالٰی لما ذکر فضائل البیت ومناقبہ اردفہ بذکر ایجاب الحج قل یاھل الکتاب لم تکفرون الخ لما اورد الدلائل علی نبوۃ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم ذکر عقیب ذلک شبھات القوم فالشبھۃ الاولی ما یتعلق بانکار النسخ واجاب عنھا بقولہ کل الطعام والشبھۃ الثانیۃ ما یتعلق بالکعبۃ ووجوب استقبالھا فی الصلوۃ ووجوب حجھا واجاب عنھا بقولہ وان اول بیت فعند ھذا تممت وظیفۃ الاستدلال وکمل الجواب عن شبھات ارباب الضلال فبعد ذلک خاطبھم بالکلام اللین وقال لم تکفرون بآیات اللّٰہ بعد ظھور البینات وزوال الشبھات یایھا الذین آمنوا ان تطیعوا الخ واعلم انہ تعالٰی لما حذر الفریق من اھل الکتاب عن الاغواء والاضلال حذر المؤمنین عن اغوائھم واضلالھم ومنعھم عن الالتفات الی قولہ یایھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ الخ اعلم انہ تعالٰی لما حذر المؤمنین من اضلال الکفار ومن تلبیساتھم فی الآیۃ الاولی امر المؤمنین فی ھذہ الآیات بجمامع الطاعات ومعاقد الخیرات ولتکن منکم امۃ الخ اعلم انہ تعالٰی فی الآیات المتقدمۃ عاب اھل الکتاب علی شیئین احدھما انہ عابھم علی الکفر ثم بعد ذلک عابھم علی سعیھم فی القاء الغیر فی الکفر فلما انتقل منہ الی مخاطبۃ المؤمنین امرھم اولا بالتقوی والایمان ثم امرھم بالسعی فی القاء الغیر فی الایمان والطاعۃ فقال ولتکن الخ کنتم خیر امۃ الخ فی ابی السعود کلام مستانف سیق لتثبیت المؤمنین علی ما ھم علیہ من الانفاق علی الحق والدعوۃ الی الخیر ولو آمن اھل الکتٰب الخ المقصود من ھذا الکلام ترغیب اھل الکتاب فی ھذا الدین ضربت علیھم الذلۃ الخ اعلم انہ تعالٰی لما بین انھم ان قاتلوا رجعوا مخذولین غیر منصورین ذکر انھم مع ذلک قد ضربت علیھم الذلۃ لیسوا سواء الخ فی ابی السعود جملۃ مستانفۃ سیقت تمھید التعداد محاسن مؤمن اھل

(c) ketabton.com: The Digital Library

الکتاب وتذکیرا لقوله تعالٰی منهم المؤمنونَ ان الذین کفروا لن تغنی الخ لما وصف من آمن من الکفار بما تقدم من الصفات الحسنة اتبعه تعالٰی بوعید الکفار مثل ما ینفقون الخ اعلم انه تعالٰی لما بین ان اموال الکفار لاتغنی عنهم شیئا ثم انهم ربما انفقوا اموالهم فی وجوه الخیرات فیخطر ببال الانسان انهم ینتفعون بذلک فازال اللّٰہ تعالٰی بهذه الآیة تلک الشبهة یایها الذین آمنوا لاتتخذوا الخ اعلم انه تعالٰی لما شرح احوال المؤمنین والکفرین شرع فی تحذیر المؤمنین عن مخالطة الکفرین فی هذه الآیة هانتم اولاء الخ اعلم ان هذا نوع آخر من تحذیر المؤمنین عن مخالطة المنافقین ان تمسسکم الخ فی ابی السعود بیان لتناهی عداوتهم الخ واذ غدوت الخ اعلم انه تعالٰی لما قال وان تصبروا وتتقوا لایضرکم کیدهم شیئا اتبعه بما یدلهم علی سنة اللّٰہ فیهم فی باب النصر والمعونة ودفع مضار العدو اذاهم صبروا واتقوا وخلاف ذلک فیهم اذا لم یصبروا ولقد نصرکم اللّٰہ ببدر الخ فی ابی السعود جملة مستانفة سیقت لایجاب الصبر والتقوی بتذکیر ما ترتب علیهما من النصر اذر تذکیر ما ترتب علی ما عدمهما من الضرور وقیل لایجاب التوکل علی اللّٰہ تعالٰی بتذکیر ما یوجبه وما جعله اللّٰہ الا بشری الخ مسوق من جنابة تعالٰی لبیان ان الاسباب الظاهرة بمعزل من التاثیر وان حقیقة النصر مختص به عز وجل لیثق به المؤمنون ولایقنطوا منه عند فقد ان اسبابه لیس لک من الامر الخ فی ابی السعود اعتراض لتحقیق ان لا تاثیر للمنصورین اثر بیان ان لاتاثیر للناصرین یایها الذین آمنوا لاتأکلوا الخ فی ابی السعود کلام مبتدأ مشتمل علی ما هو ملاک الامر فی کل باب لاسیما فی باب الجهاد من التقوی والطاعة وما بعدهما من الامور المذکورة علی نهج الترغیب والترهیب جئ به فی تضاعیف القصة مسارعة ای ارشاد المخاطبین الی ما فیه وایذان بکمال وجوب المحافظة علیه فیما هم فیه من الجهاد فان الامور المذکورة فیه مع کونها مناطا للفوز فی الدارین علی الاطلاق عمدة فی امر الجهاد علیها بدر فلک النصر والغلبة کیف لا ولو حافظوا علی الصبر والتقوی وطاعة الرسول صلی اللّٰہ علیه وسلم لما لقوا ما لقوا ولعل ایراد النهی عن الربا فی اثنائها لما ان الترغیب فی تحصیل المال فکان مظنة مبادرة الناس الی طرق الاکتساب ومن جملتها الربا فنهوا عن ذلک قد خلت من قبلکم الخ فی ابی السعود رجوع الی تفصیل بقیة القصة بعد تمهیده مبادی الرشد والصلاح وترتیب

(c) ketabton.com: The Digital Library

مقدمات الفوز والفلاح ولا تهنوا الخ فی ابی السعود تشجیع للمؤمن وتقویة لقلوبهم وتسلیة عما اصابهم یوم احد من القتل والقرح ان یمسسکم الخ هذا من اتمام قوله ولا تهنوا ام حسبتم الخ اعلم انه تعالٰی لما بین فی الآیة الاولی الوجوه التی هی الموجبات والمؤثرات فی مداولة الایام ذکر فی هذه الآیة ما هو السبب الاصلی لذلک فقال ام حسبتم ان تدخلوا الجنة بدون تحمل المشاق وما کان لنفس الخ فی ابی السعود کلام مستأنف سیق للتنبیه علی خطأهم فیما فعلوا حذرا من قتلهم وبناء علی الارجاف بقتله علیه السلام وکاین من نبی الخ فی ابی السعود کلام مبتدأ ناع علیهم تقصیرهم وسوء صنیعهم فی صدورهم عن سنن الربانیین المجاهدین فی سبیل اللّٰه مع الرسل الخالیة علیهم السلام وما کان قولهم الخ فی ابی السعود کلام مبیّن لمحاسنهم القولیة معطوف علی ما قبله من الجمل المبیّنة لمحاسنهم الفعلیة فاتاهم اللّٰه ثواب الدنیا الخ اعلم انه تعالٰی لما شرح طریقة الربیین فی الصبر وطریقتهم فی الدعاء ذکر ایضا ما ضمن لهم فی مقابلة ذلک فی الدنیا والآخرة یایها الذین آمنوا ان تطیعوا الخ واعلم ان هذه الآیة من تمام الکلام الاول وذلک ولان الکفار لما ارجفوا ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قد قتل ودعا المنافقون بعض ضعفة المسلمین الی الکفر منع المسلمین بهذه الآیة عن الالتفات الی کلام اولٰئک المنافقین سنلقی فی قلوب الخ اعلم ان هذه الآیة من تمام ما تقدم ذکره فانه تعالٰی ذکر وجوهًا کثیرة فی الترغیب فی الجهاد وعدم المبالاة بالکفار ومن جملتها ما ذکر فی هذه الآیة انه تعالٰی یلقی الخوف فی قلوب الکفار ولاشک ان ذلک مما یوجب استیلاء المسلمین علیهم ولقد صدقکم الخ لما وعدهم اللّٰه تعالٰی فی الآیة المتقدمة القاء الرعب فی قلوبهم اکد ذلک بان ذکرهم ما انجزهم من الوعد بالنصر فی واقعة احد ثم انزل علیکم الخ انه تعالٰی لما بین انه نصر المؤمنین اولا فلما عصی بعضهم سلط الخوف علیهم ثم ذکر انه ازال ذلک الخوف عن قلب من کان صادقا فی ایمانه مستقرا علی دینه بحیث غلب النعاس علیه یایها الذین آمنوا لاتکونوا الخ اعلم ان المنٰفقین کانوا یعیرون المؤمنین فی الجهاد مع الکفار بقولهم لو کانوا عندنا ما ماتوا وما قتلوا ثم انه لما ظهر عن بعض المؤمنین فتور وفشل فی الجهاد حتی وقع یوم احد ما وقع وعفا اللّٰه بفضله عنهم ذکر فی هذه الآیة ما یدل علی النهی عن ان یقول احد من المؤمنین مثل مقالتهم فبما رحمة

(c) ketabton.com: The Digital Library

من اللّٰہ الخ فی ابی السعود تلوین للخطاب وتوجیه له الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم والفاء لترتیب مضمون الکلام علی ما ینبئ عنه السیاق من استحقاقهم اللائمیة والتعنیف بموجب الجبلة البشریة او من سعة مساحة مغفرته تعالیٰ ان ینصرکم اللّٰہ الخ فی ابی السعود جملة مستأنفة سیقت بطریق تلوین الخطاب تشریفا للمؤمنین لایجاب توکلهم علیه تعالیٰ وحثهم علی اللجا الیه وتحذیرهم عما یفضی الی خذلانه وما کان لنبی الخ اعلم انه تعالیٰ لما بالغ فی الحث علی الجهاد اتبعه بذکر احکام ومن جملتها المنع من الغلول افمن اتبع الخ اعلم انه تعالیٰ لما قال ثم توفی اتبعه بتفصیل هذه الجملة وبین ان جزاء المطیعین ما هو وجزاء المسیئین ما هو لقد من اللّٰہ علی المؤمنین الخ لما بین خطأهم من نسبته الی الغلول والخیانة اکد ذلک بهذه الآیة وذلک لان هذا الرسول ولد فی بلدهم ونشأ فیما بینهم ولم یظهر منه طول عمره الا الصدق والامانة والدعوة الی اللّٰہ والاعراض عن الدنیا فکیف یلیق بمن هذا حاله الخیانة او لما اصابتکم الخ فی ابی السعود کلام مبتدأ مسوق لابطال بعض ما صدر عنهم من الظنون الفاسدة والاقاویل الباطلة الناشئة منها اثر ابطال بعض آخر منها وما اصابکم الخ اعلم ان هذا متعلق بما تقدم من قوله او لما اصابتکم فذکر فی الآیة الاولی انها اصابتهم بذنبهم ومن عند انفسهم وذکر فی هذه الآیة انها اصابتهم بوجه آخر وهو ان یتمیز المؤمن عن المنافق الذین قالوا لاخوانهم الخ اعلم ان الذین حکی عنهم انهم قالوا لو حلم قتالا لاتبعناکم وصفهم اللّٰہ تعالیٰ بانهم کما قعدوا واحتجوا القعود هم فکذلک ثبطوا غیرهم واحتجوا لذلک ولاتحسبن الذین قتلوا الخ فی ابی السعود کلام مستأنف مسوق لبیان ان القتل الذی یحذرونه ویحذرون الناس منه لیس مما یحذر بل هو من اجل المطالب التی یتنافس فیها المتنافسون اثر بیان ان الحذر لایجدی ولایغنی یستبشرون بنعمة الخ فی ابی السعود کر لبیان ان الاستبشار المذکور لیس بمجرد عدم الخوف والحزن بل به وبما یقارنه من نعمة عظیمة لایقادر قدرها وهی ثواب اعمالهم وقد جواز ان یکون الاول متعلق بحال اخوانهم وهذا بحال انفسهم بیانا لبعض ما اجمل فی قوله تعالیٰ فرحین الذین استجابوا الخ اعلم ان اللّٰہ تعالیٰ مداح المؤمنین علی غزوتین تعرف احداهما بغزوة حمراء الاسد والثانیة بغوة بدر الصغری وکلاهما متصلة بغزوة احدا ما غزوة حمراء الاسد فمهی المراد من هذه الآیة الذین قال لهم الناس الخ نزلت

(c) ketabton.com: The Digital Library

فی غزوة بدر الصغری ولایحزنک الخ فی ابی السعود تلوین للخطاب وتوجیه له الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لتشریفة بتخصیصه بالتسلیة والا لان باصالته فی تدبیر امور الدین والاهتمام بشؤنه ولایحسبن الذین کفروا الخ قال المسکین له جواب عن ما یتوهم ان الکفار الذین اوعدو اللّٰه تعالٰی نراهم فی خصب وسعة فکیف هذا فاجاب عنه فی هذه الآیة ما کان اللّٰه لیذر المؤمنین الخ هذه الآیة من بقیة الکلام فی قصة احد ولا یحسبن الذین یبخلون الخ اعلم انه تعالٰی لما بالغ فی التحریض علی بذل النفس فی الجهاد فی الآیات المتقدمة شرع ههنا فی التحریض علی بدل المال فی الجهاد وبین الوعید الشدید لمن یبخل ببذل المال فی سبیل اللّٰه لقد سمع اللّٰه الخ لما امر المکلفین ببذل النفس والمال فی سبیل اللّٰه شرع بعد ذلک فی حکایة شبهات القوم فی الطعن فی نبوته فاشبهة الاولی انه تعالٰی لو طلب الانفاق فی تحصیل مطلوبه لکان فقیرا ولما کان الفقر علی اللّٰه تعالٰی محالاً کان ذلک یدل علی کذب اسناد هذا الطلب الی اللّٰه تعالی الذین قالوا الخ اعلم ان هذه هی الشبهة الثانیة للکفار فی الطعن فی نبوته صلی اللّٰه علیه وسلم کل نفس الخ فی ابی السعود وعد ووعید للمصدق والمکذب لبتلون فی اموالکم الخ فی ابی السعود شروع فی تسلیة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ومن معه من المؤمنین عما سیلقونه من جهة الکفرة من المکارة اثر تسلیتهم عما قد وقع منهم لیوطنوا انفسهم علی احتماله عند وقوعه واذ اخذنا میثاق الخ فی ابی السعود کلام مستأنف سیق لبیان بعض اذیاتهم وهو کتمانهم من شواهد نبوته علیه السلام وغیرها لایحسبن الذین یفرحون الخ فی ابی السعود الجملة مسوقة لبیان ما تستتبعه اعمالهم المحکیة من العقاب الاخروی اثر بیان قباحتها وقد ادمج فیها بیان بعض آخر من شنائعهم وهو اصرارهم علی ما هم علیه من القبائح وفرحهم بذلک ومحبتهم لان یوصفوا بما لیس فیهم من الاوصاف الجمیلة ان فی خلق السمٰوٰت الخ اعلم ان المقصود من هذا الکتاب الکریم جذب القلوب والارواح من الاشتغال بالخلق الی الاستغراق فی معرفة الحق فلما طال الکلام فی تقریر الاحکام والجواب عن شبهات المبطلین عاد الی انارة القلوب بذکر ما یدل علی التوحید والالٰهیة والکبریاء والجلال الذین یذکرون الخ اعلم انه تعالٰی ذکر دلائل الالٰهیة والقدرة والحکمة وهو ما یتصل بتقریر الربوبیة ذکر بعدها ما یتصل بالعبودیة فاستجاب لهم

(c) ketabton.com: The Digital Library

الـخ بین فی هذه الآیة انه استجاب دعاءهـم لایـغرنکـ الخ اعلم انه تعالیٰ لما وعد المـؤمنین بالثواب العظیم وکانوا فی الدنیا فی نهایة الفقر والشدة والکفار کانوا فی الـنعم ذکر اللّٰه تعالیٰ فی هذه الآیة ما یسلیهم ویصبرهم علی تلکـ الشدة لکن الذین اتـقوا الخ لما ذکر الوعید اتبعه بالوعد وان من اهل الکتٰب الخ اعلم انه تعالیٰ لما ذکر الـمـؤمنین وکان قد ذکر حال الکفار من قبل بان مصیرهم الی النّار بین فی هذه الآیة ان من آمن منهم کان داخلا فی صفة الذین اتقوا فی ابی السعود جملة مستانفة سیقت لبیـان ان اهل الکتاب لیس کلهم کمن حکیت هناتهم من نبذ المیثاق وتحریف الکتاب وغیـر ذلکـ بل منهم من له مناقب جلیلة یایها الذین آمنوا الخ فی ابی السعود اثر ما بین فی تضاعیف السورة الکریمة فنون الحکم والاحکام ختمت بما یوجب المحافظة علیها.

(جلد اول مکمل)

(c) ketabton.com: The Digital Library

فہرست مضامین

سُوْرَةُ الفَاتِحَة

استعانت کا مفہوم	۴۸
اِيَّاكَ نَعْبُدُ الخ ان شاء ہے	۴۹
ضَآلِّيْنَ کا مفہوم	۴۹

سُوْرَةُ البَقَرَة

قرآن میں شک نہ ہونے کا مفہوم	۵۰
حروف مقطعات	۵۰
قرآن پاک میں کوئی بات موجب خلجان نہیں	۵۱
درجات ہدایت	۵۱
قرآن غیر متقیوں کے لئے بھی ہے	۵۲
کورس تقوی	۵۲
متقین کا معنی	۵۲
آیت کی تفسیر پر شبہ اور اس کا جواب	۵۳
درجات تقوی میں ترقی	۵۳
ھدی للمتقین پر اشکال کا جواب	۵۴

(c) ketabton.com: The Digital Library

۲۶ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ مجلس شام		۵۴
رزق باطن کے انفاق پر آیت قرآنی سے استدلال		۵۵
صراط مستقیم ہونے کا نفع		۵۵
ہدایت کا دنیوی نعمت ہونا		۵۶
اعمال صالح کے ثمرات		۵۶
راہ پر آگاہ کرنا بڑی چیز ہے		۵۷
ایک آیت کی تفسیر اور شبہ کا ازالہ		۵۷
حضور علیہ السلام کو تبلیغ میں بہر صورت ثواب ہے		۵۷
ثمرات جنت دنیا کے مشابہ ہونگے		۵۸
فساد سے مراد تحلیل ہے		۵۹
فساد کے لغوی معنی		۵۹
تخلیق آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا حاکمانہ اور حکیمانہ جواب		۶۰
تعلیم اسماء کی استعداد		۶۱
خاصیت اور استعداد		۶۲
جواب اشکال		۶۲
فہم کی ایک مثال		۶۳
شیطان کے مردود ہونے کا سبب		۶۴
ابلیس کا سجدہ نہ کرنا آدم کے کمال کی دلیل		۶۵
لاتقربا فرمانے میں حکمت		۶۵
اہل کتاب سے خطاب		۶۶
حب مال اور حب جاہ کا علاج		۶۶
ازالہ کبر کی تدبیر		۶۶
امر بالمعروف اور نسیان النفس		۶۷

(c) ketabton.com: The Digital Library

اپنی برائیوں پر نظر رکھنے کی ضرورت	٦٨
اپنی صلاح ہمیشہ پیش نظر رکھنے کی ضرورت	٦٨
آیت اتامرون الناس کا مطلب	٦٨
نماز کی گرانی کا علاج	٦٩
لقائے رب کا استحضار مشکل نہیں	٧٠
خشوع کی حقیقت	٧٠
خشوع کی ضرورت	٧٠
قرآن شریف اور محاورات عرب میں ظن کے وسیع معنی	٧١
نماز روزہ سے زیادہ مشکل ہے	٧١
نماز کی گرانی دور کرنے کا طریقہ	٧٢
خشوع قلب حاصل کرنے کا طریق	٧٢
حکیم کے احکام حکمت سے خالی نہیں	٧٥
درس عبرت	٧٥
قرآن کو ہمیشہ مذاق عربیت پر سمجھنے کی ضرورت	٧٦
بے ادبی کی سزا	٧٦
ان شاء اللہ کی برکت	٧٧
تشبیہ نفس	٧٨
احکام خداوندی میں حجتیں نکالنا بڑا جرم ہے	٨٠
امتثال امر پر رحمت خداوندی	٨٠
علم اعتبار کی حقیقت	٨١
قیاس اور تشبیہ	٨٢
علم اعتبار کا سلف سے ثبوت	٨٢
نفس کشی کا امر	٨٣

(c) ketabton.com: The Digital Library

نفس کے تین اقسام	۸۳
خودرائی کی مذمت	۸۴
قلب معانی کا ادراک کرتا ہے	۸۴
نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ کی عجیب وغریب تفسیر	۸۵
قصہ ہارون وماروت	۸۶
حقیقت قصہ ہاروت وماروت	۸۷
علوم نافعہ	۸۹
تہذیب نفس ابتداء میں کامل نہیں ہوتی	۹۰
ہماری فلاح کا مدار	۹۱
غلط دعویٰ پررد	۹۱
بلاغت قرآن مجید	۹۴
ویرانی مساجد کا مفہوم	۹۵
بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنے میں حکمت	۹۸
علم کلام کی ضرورت	۹۹
تلاوت کرنے والوں کی مدح	۹۹
حقوق تلاوت	۱۰۱
اسلام مسلمان کوانہماک فی الدنیا سے مانع ہوتا ہے	۱۰۲
تشریح دعائے ابراہیمی	۱۰۳
دعائے ابراہیمی کی تشریح	۱۰۴
دین کے ضروری شعبے	۱۰۵
اسلام کی حقیقت	۱۰۸
مسلمانوں کوتلقین	۱۰۹
ایک آیت کی عجیب تفسیر	۱۰۹

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیر کے اشکال کا حل	۱۰۹
تفسیر عجیب لِنَعۡلَمَ	۱۱۰
تفسیر آیت	۱۱۰
ترقی کو شرعاً واجب فرمانا	۱۱۱
ذکر اللہ کا ثمرہ	۱۱۲
ذکر اللہ کا مقصود	۱۱۲
اللہ کے ذکر سے قرب خداوندی نصیب ہوتا ہے	۱۱۳
فوائد و نتائج	۱۱۳
حصول صبر کی سہل تدبیر	۱۱۴
ثمرات کی ایک تفسیر	۱۱۵
حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے امتحان	۱۱۸
حضرات کاملین کے عشق و محبت کا امتحان	۱۱۶
اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ کا مفہوم	۱۱۷
رنج طبعی کم کرنے کی تدبیر	۱۱۷
بے صبری امتحان میں ناکامی کی دلیل ہے	۱۱۸
حقیقت بلاء نعمت	۱۱۹
صیغہ جمع موجب تسلی	۱۱۹
مصیبت کا ایک ادب	۱۲۰
لطف بشارت	۱۲۱
مصائب غیر اختیاریہ پر ثواب کی بشارت	۱۲۲
صابرین کو بشارت	۱۲۴
صابرین کو دنیوی جزا	۱۲۵
تیسری بشارت	۱۲۵

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک آیت کی تفسیر سے شبہ کا ازالہ	۱۲۶
اہل اللہ کی شان	۱۲۶
تقلیل غم اور تسہیل حزن کا طریقہ	۱۲۶
مصیبت کا آنا یقینی ہے	۱۲۷
تمام غموم اور احزان کا علاج	۱۲۷
جذبات طبیعہ کی رعایت	۱۲۸
ایمان کے لئے شدت محبت الٰہی لازم ہے	۱۳۰
محبت کا طبعی اثر	۱۳۱
محبت خداوندی کا رنگ سب پر غالب آنا چاہیے	۱۳۲
حق سبحانہ تعالیٰ سے منشاء محبت	۱۳۲
وَاشْكُرُوْا سے مراد	۱۳۳
اولیاء اللہ کے نام پر نذر نیاز کا حکم اور اس کی علمی تحقیق	۱۳۴
منشاء دین فروشی کتمان حق	۱۳۶
اسباب مغفرت کو اختیار کرنے کی ضرورت	۱۳۷
گناہوں کا سبب جہالت اور عذاب سے بے خوفی ہے	۱۳۹
نیکی محض استقبال قبلہ نہیں	۱۳۹
کمال اسلام کی شرائط	۱۴۰
صبر کی تین حالتیں	۱۴۰
مفہوم آیت	۱۴۰
صبر کی تعریف	۱۴۱
مقبول کون؟	۱۴۱
روزہ ایک عظیم نعمت خداوندی	۱۴۲
ادراک اوامر	۱۴۳

(c) ketabton.com: The Digital Library

محکمہ نفع وضرر	۱۴۳
مقصود روزہ	۱۴۳
احکام اسرار	۱۴۴
شاہانہ محاورہ	۱۴۵
تقوی دواماً مطلوب ہے	۱۴۶
احکام عشرہ آخیرہ رمضان	۱۴۸
قرآن شریف لوگوں کے لئے بہت بڑی ہدایت ہے	۱۴۸
اہتمام تلاوة	۱۴۹
مجاھدہ میں آسانیاں اور سہولتیں	۱۴۹
عُجب کی مذمت	۱۵۰
روزہ کو مشروع فرمانے کے مصالح	۱۵۳
ہمارے جذبات کی رعایت	۱۵۴
ربط آیات	۱۵۴
جملہ احکام شریعت آسان ہیں	۱۵۷
مجاہدات میں انسانی مزاج کی رعایت	۱۵۸
جوش دین اور جوش طبیعت کا انتظام	۱۵۸
تفسیر رحمة للعالمین	۱۵۹
اہمیت ذکر رسول	۱۶۱
اجابت کا وعدہ	۱۶۴
اجابت کا مفہوم	۱۶۵
قبولیت دعا کا مفہوم	۱۶۵
اجابت دعا کی تین صورتیں	۱۶۶
لباس کا مفہوم	۱۶۶

(c) ketabton.com: The Digital Library

دوائی وطی حکم وطی میں ہے	۱۶۸
حدود معاملات	۱۶۹
شریعت میں رعایت حدود کا حکم	۱۶۹
احکام طلاق کے حدود میں حکمت	۱۶۹
شفقت کی رعایت	۱۷۰
مکافات عمل	۱۷۱
سودی مال اور محق کی حقیقت	۱۷۱
چاند گھٹنے اور بڑھنے میں حکمت	۱۷۲
شریعت کو ہر شئے میں تصرف کا اختیار ہے	۱۷۳
آیت کا محل	۱۷۳
اصل تقوی	۱۷۴
قاعدہ کلیہ	۱۷۵
مجاہدین فی العبادات	۱۷۵
عشاق کا حال	۱۷۵
علم کا زیادہ حصہ غیر مکتسب ہے	۱۷۶
حج اور تجارت	۱۷۶
سفر حج میں مال تجارت ہمراہ لے جانے کا حکم	۱۷۸
لفظ حسنہ کا مفہوم	۱۷۸
حضرات صوفیا کا استدلال	۱۷۹
حق تعالیٰ کی رحمت عظیمہ	۱۷۹
ایک آیت پر منطقی اشکال اور اسکا جواب	۱۸۰
اعتبار عموم الفاظ	۱۸۱
لسانی کا طبعی اثر	۱۸۱

(c) ketabton.com: The Digital Library

عقلاً آپ علیہ کو ہرگز دھوکہ نہیں ہوسکتا	۱۸۲
آثار طبیعہ	۱۸۲
آرام دہ اشیاء	۱۸۳
حق سبحانہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے شدت محبت	۱۸۳
بیع کا مفہوم	۱۸۴
مکلف کی دوقسمیں ہیں	۱۸۷
مطلق مومن کا شان	۱۸۷
مومن کے لئے خلود فی النار نہیں	۱۸۷
حدیث شفاعت میں ایک لطیف تحقیق	۱۸۸
کافر کی دو حالتیں	۱۸۸
کفر ذرا سا بھی موجب خلود فی النار ہے	۱۸۸
مکلفین کی دوسری قسم	۱۸۹
آیت فی الدنیا حسنة سے ترقی دنیا مراد نہیں	۱۸۹
ترقی دین کی دعا	۱۹۰
مکلفین کی تیسری قسم	۱۹۰
مکلفین کی چوتھی قسم	۱۹۱
مسلمان طالب حسنہ ہیں	۱۹۲
شراء نفس کی فضیلت اور غایت	۱۹۴
خاصہ بشری	۱۹۷
آیت ربنا اتنا فی الدنیا حسنة پر رفع اشکال	۱۹۸
تمنّی کا علاج	۲۰۰
ہماری غلطی پر تنبیہ	۲۰۰
امور تشریعیہ وتکوینیہ	۲۰۱

(c) ketabton.com: The Digital Library

دعاء کو شروع فرمانے میں حکمت	۲۰۱
خلاصہ آیت	۲۰۲
پاکیزہ طرز کلام	۲۰۳
گناہ میں مصلحت	۲۰۴
تفکر فی الدنیا کی دو لطیف تفسیریں	۲۰۴
فکر فی الدنیا کی ایک عمدہ تفسیر	۲۰۵
طریق اصلاح	۲۰۵
جامعیت کلام الٰہی	۲۰۶
علوم قرآن	۲۰۷
طاعون سے بھاگنے کے احکام	۲۱۰
قرض حسن	۲۱۲
اَضْعَافًا كَثِيْرَةً کا مفہوم	۲۱۲
کفر محمود	۲۱۴
نمرود کی کج فہمی	۲۱۵
نمرود کی مرعوبیت	۲۱۶
احیاء و اماتت کا مفہوم	۲۱۶
نمرود کا احمقانہ ذہن	۲۱۷
اہل مناظرہ کے اشکال کا جواب	۲۱۸
تردد کے اقسام	۲۱۹
قرآن اور ترجمہ	۲۲۰
وساوس اور اسباب	۲۲۰
اطمینان اور ایمان اور چیز ہے	۲۲۱
انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت	۲۲۱

(c) ketabton.com: The Digital Library

اخلاص کی تشبیہ	۲۲۲
عمل کے بعض ثمرات خاص عامل ہی کو ملتے ہیں	۲۲۳
رعایت غربا	۲۲۵
حکمت موہبت خداوندی ہے	۲۲۶
امور دین میں مصروف لوگوں کا حق	۲۲۸
صدقات کے مستحق	۲۳۰
آیت میں فقراء سے کیا مراد ہے	۲۳۱
فقراء کی شان	۲۳۲
دباؤ سے چندہ لینا ناجائز ہے	۲۳۲
سوال اور الحاف برا ہے	۲۳۳
سود کے مال میں برکت نہیں ہوتی	۲۳۴
قرض کا ایک ضروری حکم	۲۳۴
آثم قلبہ کا مفہوم	۲۳۶
قرض دیتے وقت لکھنے کا حکم	۲۳۶
بیان اعذار میں حکمت	۲۳۷
امور غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہ ہوگا	۲۳۹
غیر اختیاری وساوس پر موخذہ نہیں	۲۴۰
نگاہ بد اختیاری ہے	۲۴۲
عدم توجہی	۲۴۲
وسوسے آنے پر مواخذہ نہیں	۲۴۳
سُورۃ اٰل عِمرٰن	۲۴۴
زین کی دو مختلف تفسیریں	۲۴۴
اموال دنیا کی طرف طبعی میلان	۲۴۵

(c) ketabton.com: The Digital Library

ملکات اور دواعی اپنی ذات میں مذموم نہیں	۲۴۵
تدبیر حسن خاتمہ	۲۴۷
آداب سوال	۲۴۷
محبیت اور محبوبیت دونوں متلازم ہیں	۲۴۸
اعمال صالحہ سے حق تعالیٰ شانہ کی محبت پیدا ہوتی ہے	۲۴۹
حضرت مریم علیہا السلام کا کمال فہم	۲۵۰
تحصیل تواضع کا طریق	۲۵۰
عربی اور اردو کے معنی کا فرق	۲۵۱
حضور ﷺ کا پہلے علوم سے بے خبر ہونا عین کمال ہے	۲۵۲
گناہگار مسلمانوں کا دخول جہنم میں تزکیہ کے لئے ہوگا	۲۵۴
ربانی بننے کی ضرورت	۲۵۴
حقیقی علم	۲۵۵
انبیاء کا طریق تعلیم	۲۵۵
رسول اکرم ﷺ کی شان	۲۵۶
خبر کامل	۲۵۷
شان نزول	۲۵۸
مجاہدہ کا مقصود	۲۵۹
امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر خصوصی انعامات	۲۶۰
حسب استطاعت تقویٰ اختیار کرو	۲۶۲
مسلمان کون ہے؟	۲۶۲
بقدر استطاعت حصول تقویٰ کا حکم	۲۶۴
تصوف کا حاصل کرنا فرض ہے	۲۶۴
کامل تقویٰ کیلئے حسب استطاعت کوشش کا حکم	۲۶۴

(c) ketabton.com: The Digital Library

اسلام کی حقیقت	۲۶۵
شان نزول	۲۶۶
اسلام کا مفہوم	۲۶۸
موت کے وقت تفویض کامل کا حکم	۲۷۰
اتفاق کی حقیقت	۲۷۰
ہر شخص امر بالمعروف کرنے کا اہل نہیں	۲۷۱
انتظام شریعت	۲۷۲
تبلیغ کا ایک درجہ سب کے ذمہ ہے	۲۷۲
اہل علم کی شان	۲۷۳
دعوت عامہ کے اقسام	۲۷۳
عمومی دعوت میں تخصیص کا راز	۲۷۴
فضائل امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ﷺ	۲۷۴
اصلاح غیر کے مدارج	۲۷۵
کثرت تلاوت ونفل کی ترغیب	۲۷۶
عقائد	۲۷۷
اعمال	۲۷۷
تراویح	۲۷۷
اعمال خیر	۲۷۷
مدار اصلاح	۲۷۸
علماء کی قسمیں	۲۷۸
اوصاف صالحین	۲۸۲
سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان	۲۸۳
موصل الی المقصود	۲۸۴

(c) ketabton.com: The Digital Library

اصل الاصول	۲۸۵
حُبِ رسول	۲۸۷
تسلیم ورضا	۲۸۸
اسباب محبت	۲۸۹
شاہی محاورہ	۲۹۰
جنت کی طرف کشش کا سبب	۲۹۱
معبود ہونے کے لئے خالق ہونا ضروری ہے	۲۹۲
عفو کی فضیلت	۲۹۳
غصہ کا آنا غیر اختیاری امر ہے	۲۹۳
تعلق مع اللہ کبھی نہ چھوڑو	۲۹۴
ثبوت وصال رسول اکرم ﷺ	۲۹۵
خوش اعتقادی	۲۹۶
مراتب شرک	۲۹۷
اتباع ظن	۲۹۷
بدعات رمضان	۲۹۹
ارادہ دنیا مطلقاً مذموم نہیں	۲۹۹
آیت کی تفسیر لطیف	۳۰۰
حضرات صحابہؓ کی حیثیت خداوندی	۳۰۱
تصفیہ باطن	۳۰۱
آداب اعصاب برائے دفع رنج	۳۰۱
تمحیص وابتلا کا فرق	۳۰۲
اصلاح قلب	۳۰۳
حضرت خالد کی قابلیت	۳۰۵

(c) ketabton.com: The Digital Library

اجتہادی غلطی	۳۰۵
تلافی مصائب کی صورت	۳۰۶
غزوہ احد	۳۰۷
سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے	۳۰۷
سابقہ گناہوں کے غم میں مبتلا رہنا مضر ہے	۳۰۸
تفسیر عجیب آیت اذ تصعدون	۳۰۹
بدنگاہی سے بچنے کے اہتمام کی ضرورت	۳۱۰
احباب سے مشورہ	۳۱۰
اصلاح میں نرمی اور سختی دونوں درکار ہیں	۳۱۱
جلالت شان رسول اکرم ﷺ	۳۱۱
عظمت صحابہ	۳۱۲
مشورہ میں حکمت	۳۱۳
قرآن حکیم سے سلطنت شخصی کا ثبوت	۳۱۴
توکل اور اس کے درجات	۳۱۵
شان نزول	۳۱۶
سلطنت جمہوری کا ثبوت قرآن پاک سے نہیں ملتا	۳۱۷
مشورہ کی مصلحت	۲۱۷
اسلام اور جمہوریت	۳۱۸
حضرات صحابہؓ حضور اکرم ﷺ کے عاشق تھے	۳۲۰
شان رحمۃ اللعالمین ﷺ	۳۲۱
حیات نبوی ﷺ پر ایک نکتہ	۳۲۱
سلطنت شخصی میں بھی مشورہ واجب ہے	۳۲۱
ترغیب ذکر وفکر	۳۲۲

(c) ketabton.com: The Digital Library

جزاوسزامیں فکر کی ضرورت	۳۲۳
تفکرفی الدنیا	۳۲۳
باوجودوعدہ کے خوف	۳۲۴
وعدہ کا اہل بنانا	۳۲۴
حقیقت عمل	۳۲۵
ضرورت عمل	۳۲۶
جوش محبت	۳۲۷
خواتین اور قرآن حکیم	۳۲۸
مسئلہ مساوات مردوزن	۳۲۸
درجات مردوزن	۳۲۹
مساوات حقوق مردوزن	۳۳۰
فلاح آخرت کے لئے ایمان شرط ہے	۳۳۲
دنیا کی فلاح بھی اعمال صالحہ سے ہوتی ہے	۳۳۳
لَعَلَّ کا مفہوم	۳۳۳
اعمال کی دوقسمیں	۳۳۴
رَابِطُوْا کا مفہوم	۳۳۶
تقویٰ شرعی	۳۳۷
ترغیب فلاح	۳۳۸
احکام شرعیہ مصالح دنیویہ کوبھی متضمن ہیں	۳۳۸
فلاح آخرت کے لئے ایمان شرط	۳۴۰

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن کریم کے معانی ومطالب سے واقف کرانے کیلئے، واضح عربی متن تحت اللفظ
بامحاورہ آسان ترجمہ، عام فہم، مختصراور جامع تفسیر پر مشتمل آسان تعلیمی

درسِ قرآن

تسہیل شدہ ترجمہ

از حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

تفسیر ملخص از تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن، بیان القرآن و دیگر تفاسیر

اگر آپ روزانہ پندرہ بیس منٹ قرآن پاک کو دیں اور اس "درسِ قرآن" سے ایک درس پڑھیں تو انشاءاللہ آپ قرآنِ کریم کے معانی ومطالب کو سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اے ابوذر! اگر تو صبح کو ایک آیت کلامِ پاک کی سیکھ لے تو نوافل کی سو رکعت سے افضل ہے، اور اگر علم کا ایک باب سیکھ لے تو ہزار رکعت نفل پڑھنے سے افضل ہے۔
آیئے! ہم بھی روزانہ ایک درس قرآن پڑھنے کا معمول بنائیں اور اجر و برکات حاصل کریں۔

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان 061-540513-519240 ✆
Email:Taleefat@mul.wol.net.pk/Website: www.taleefat-e-ashrafia.co

(c) ketabton.com: The Digital Library

پاکستان میں پہلی بار جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ بڑے سائز میں

تفسیر مکمل بیان القرآن

کامل ۳ جلد

۱۴۲۷ھ

مع

رفع الشکوک (اردو) مسائل السلوک من کلام ملک الملوک

وجوہ المثانی مع توجیہ الکلمات والمعانی (عربی)

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ، رأس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

تعارف و تقدیم فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی

عبد الشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

تفسیر بیان القرآن اور اس کے متعلقہ تمام رسائل کی جدید اشاعت کیلئے کمپوزنگ و ترتیب اس قدیم نسخہ کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔ جو خود حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا نظر فرمودہ ہے اور اس پر حضرت کی تصدیق اور دستخط ہیں نیز حضرت مولانا شبیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھی دستخط موجود ہیں یہ نسخہ ۱۳۵۳ھ میں مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون سے شائع ہوا تھا۔

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان 061-540513-519240 ✆
E-mail: ishaq90@hotmail.com/Website: www.taleefat-e-ashrafia.co

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

کے جملہ خطبات ملفوظات اور تقریباً جملہ تصانیف

سے منتخب سینکڑوں الہامی تفسیری نکات

اشرف التفاسیر

تقدیم و کاوش

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

نظر ثانی

عالم ربانی حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ

ناشر

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

☎061-540513-519240

(c) ketabton.com: The Digital Library

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کے جملہ خطبات ملفوظات اور تقریباً جملہ تصانیف

سے منتخب سینکڑوں الہامی تفسیری نکات

اشرف التفاسیر (جلد ۲)

جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

سورۃ النساء — تا — بنی اسرائیل

تقریظ

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

تقریظ

عالم ربانی حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ

مرتبین

صوفی محمد اقبال قریشی صاحب

ابو حذیفہ محمد اسحاق ملتانی

ادارۂ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 540513-519240

Email:Taleefat@mul.wol.net.pk

(c) ketabton.com: The Digital Library

نام کتاب.....................اشرف التفاسیر (جلد-۲)

تاریخ اشاعت.....................صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

ناشر.... اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہؒ چوک فوارہ ملتان

طباعت.............................سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

بک لینڈ اردو بازار لاہور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح واصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اشرف التفاسیر

کا جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

الحمدللہ ''اشرف التفاسیر'' بہت مقبول ہوئی' اہل علم نے خاص طور پر اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھا اور ہاتھوں ہاتھ لیا جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ حضرت صوفی محمد اقبال قریشی مدظلہٗ نے حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے ملفوظات میں سے مزید بہت سارے تفسیری نکات جمع کر کے ہمیں ارسال فرمائے ہیں جو اس ایڈیشن میں شامل کتاب کر دیئے گئے۔

اس مبارک اضافہ کے علاوہ خود حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا عربی رسالہ ''**سبق الغایات فی نسق الآیات**'' بھی سورتوں کی ترتیب کے مطابق آخر میں لگایا گیا ہے۔

امید ہے کہ یہ اضافہ جات تمام علم دوست حضرات کے لئے مزید علمی و عملی برکتوں کا باعث ثابت ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

اجمالی فہرست

سورۃ النساء	٥
سورۃ المائدۃ	٨٠
سورۃ الانعام	١١٣
سورۃ الاعراف	١٥١
سورۃ الانفال	١٩٤
سورۃ التوبہ	٢٠٤
سورۃ یونس	٢٧٤
سورۃ ھود	٢٥٦
سورۃ یوسف	٣١٨
سورۃ الرعد	٣٣٧
سورۃ ابراھیم	٣٤١
سورۃ الحجر	٣٥٦
سورۃ النحل	٣٧٢
سورۃ بنی اسرائیل	٣٩٨

(c) ketabton.com: The Digital Library

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ النِّسَاءِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

ترجمہ: پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو

قرآن کریم کی اس آیت پر ایک اشکال اور اس کا جواب

فرمایا سید احمد نے کہا اور پھر ڈپٹی نذیر احمد نے اس کے اتباع کیا یہ دعویٰ کیا کہ ایک عورت سے زیادہ نکاح کرنا جائز نہیں اور دلیل یہ پیش کی کہ فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة اس سے معلوم ہوا کہ اگر عدل نہ ہو سکے تو ایک سے زائد نکاح کرنا جائز نہیں ایک مقدمہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ ہے وہ دوسری جگہ ہے۔ ولن تستطیعوا ان تعدلو بین النساء ولو حرصتم اس سے معلوم ہوا عدل کی قدرت ہی نہیں ایک تو موٹا جواب ہے کہ اللہ میاں کو اتنے ہیر پھر کی ضرورت ہی کیا تھی صاف کہہ دیتے کہ ایک سے زائد نکاح جائز نہیں دوسرا یہ کہ چودہ سو برس تک کسی نے اس آیت کو نہ سمجھا حتیٰ کہ حضور ﷺ نے بھی نہ سمجھا آپ ہی نے سمجھا یہ تو موٹی بات تھی۔ باقی حقیقت دلیل کی یہ ہے کہ ایک تو ہے عدل فی المعاملہ اور ایک ہے عدل فی الحبة تو فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة جو ممانعت ہے وہ یہ کہ اگر عدل فی المعاملہ نہ ہو سکے تو ایک سے زائد نکاح نہ کرو اور دوسری آیۃ میں جو ہے ولن تستطیعوا ان تعدلوا الایہ وہاں مراد عدل فی المحبة ہے۔ جب یہ اس کی قدرت میں ہے نہیں تو اس پر دوسرا مقدمہ ملاتا ہوں۔ لا یکلف الله نفسا الا وسعها کہ عدل فی المحبة کے حکم ہی نہیں وہ غیر اختیاری ہے جب میل ہو گا ایک جانب ہو گا تو فرماتے ہیں فلا تمیلو اکل المیل یعنی محبت کی وجہ سے بعض المیل کی تو اجازت ہے جو کہ عدل فی المعاملہ کو مانع نہیں باقی کل المیل نہ ہو جس سے عدل فی المعاملہ بھی نہ ہو سکے۔ فتذروھا کالمعلقه ضمیر محال عنها کی طرف راجع ہے کہ اس کو بالکل معلقہ چھوڑ دو فتذروھا کالمعلقه صریح قرینہ ہے اس بات کی کل المیل کی ممانعت ہے بعض المیل کی اجازت ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ج ۱۵)

(c) ketabton.com: The Digital Library

میاں بیوی کے مال پر بھی طیب نفس شرط ہے۔ یہ آیت ازاج کے متعلق ہے کہ اگر وہ اپنے مہر میں سے کچھ تم کو طیب نفس کے ساتھ دیدیں تو اس کا کھانا اور لینا جائز ہے۔ ظاہر ہے میاں بیوی کا تعلق کیسا کچھ ہوتا ہے کہ اس تعلق سے زیادہ کوئی تعلق بے تکلفی کا نہیں ہوسکتا۔ جب یہاں بھی طیب نفس کی شرط ہے تو اور جگہ طیب نفس کی ضرورت کیوں نہ ہوگی اور حدیث میں ہے۔

الا لا یحل مال امرء مسلم الابطیب نفس منه

اوراذن بطیب نفس کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کے عدم اذن پر بھی قدرت ہو اور تجربہ یہ ہے کہ یہاں مرید پیر کے استیذ ان کے بعد عدم اذن پر قادر نہیں ہوتا اس لئے اذن معتبر نہیں) ارضاء الحق حصہ دوم)

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا پھر اگر یہ لوگ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے۔ وصیت نکالنے کے بعد جس کی وصیت کردی جائے یا دین کے بعد بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچاوے یہ حکم کیا گیا ہے خداتعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں۔ حکیم ہیں۔

دوسری آیت یہ ہے اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

ترجمہ: اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو (اور نہ ماں باپ) اور اس کے (ایک عینی یا علاتی بہن) ہو تو اس کو اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث ہوگا اور اگر (وہ بہن مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو اور (والدین بھی نہ ہوں) اور اگر بہنیں دو ہوں یا زیادہ تو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا اور اگر وارث چند بھائی بہن ہوں مرد وعورت تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر ملے گا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت کلالہ سے متعلق ایک عجیب نکتہ

قرآن مجید میں دو آیتیں فرائض کے متعلق جس میں کلالہ کا حکم مذکور ہے ایک عجیب نکتہ بیان کیا سب کا اجماع ہے کہ پہلی آیت میں اخوت واخوات اخیافیہ کا حکم مذکور ہے اور دوسری میں اعیانیہ وعلاتیہ کا اور دلیل اس کی ہمارے لئے اجماع ہے اور اہل اجماع کے لئے پہلی آیت میں قرأت بزیادہ من ام ہے نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ غور کرنے سے خود قرآن میں بھی اس کا قوی اور قریب قرینہ ہے وہ یہ کہ پہلی آیت سے کچھ اوپر سہام ابوین کے مذکور ہوئے ہیں۔ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ پس اس میں ماں کو ہر حالت میں ذی فرض فرمایا ہے اور فرض دو قسم کا ہے سدس اور ثلث اور باپ کو ایک حالت میں ذی فرض اور ایک حالت میں عصبہ فرمایا ہے آگے آیات کلالہ میں بھی ایک جگہ اخوۃ واخوات کو ہر حال میں ذی فرض قرار دیا ہے سدساً وثلثاً اور یہی حالت تھی ان کی تو یہ قرینہ اس کا ہے کہ یہ من الام ہیں کہ ان کا حکم مستفاد ہوا ماں سے اور دوسری جگہ اخوۃ اور اخوات کو بعض حالات میں ذی فرض اور بعض حالات میں عصبہ قرار دیا ہے اور یہی حالت تھی باپ کی اور یہ قرینہ ہے اس کا کہ یہ اخوۃ واخوات باپ میں تو ضرور شریک ہیں خواہ مع الاشتراک فی الام خواہ بدونہٗ

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ
يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾
ترجمہ: توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر قریب ہی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں سو ایسوں پر تو خدا تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور یہ اللہ خوب جانتے ہیں حکمت والے ہیں۔

تفسیری نکات

جہالت کی حقیقت

فرمایا اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ میں صوفیہ کے نزدیک بجہالت کی قید واقعی ہے احترازی نہیں پس وہ فرماتے ہیں کہ جہالت کے بغیر کوئی گناہ ہو ہی نہیں سکتا وہ گناہ عمد کو بھی جہالت ہی سے صادر

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہونے والا سمجھتے ہیں کیونکہ علم جو مقابل ہے جہل کا اور اس کی تعریف ان کے ہاں اعتقاد جازم مطابق للواقع مع غلبۃ الحال ہے اور گناہ کرنے کے وقت غلبہ حال مفقود ہوتا ہے اس لئے گناہ جہل ہی سے ہوگا۔ یعنی جس وقت عقوبت گناہ کا کامل استحضار ہو اس وقت گناہ ہو ہی نہیں سکتا' الزانی وھو مومن میں ایمان کی نفی اسی حال کی نفی ہے پس غلبہ حال ہی سے گناہ سے رک سکتے ہیں اور یہ شبہ کہ یہ غلبہ حال اختیاری چیز نہیں اس طرح مدفوع ہے کہ یہ غلبہ تکرار مراقبہ اور استحضار سے حاصل ہو جاتا ہے اور تکرار استحضار اختیاری ہے۔ پس اس سے جو حال پیدا ہو وہ بھی اختیاری ہے جیسا ابصار (فتح عین) تو اختیاری ہے اور نظر آنا فی نفسہٖ غیر اختیاری ہے مگر فتح العین اس کا سبب جو کہ اختیاری ہے اس لئے ابصار کو بھی اختیاری ہی کہا جاسکتا ہے (فیوض الخالق)

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ الخ (ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ توبہ کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ان لوگوں کے لئے ہے جو جہالت سے برے کام کرتے ہیں یا پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں پس یہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے توجہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جاننے والے اور حکمت والے ہیں۔

نص کا مدلول چار طرح سے ثابت ہے

اہل علم کو معلوم ہے کہ نص کا مدلول چار طرح سے ثابت ہوتا ہے اول عبارۃ النص دوم اشارۃ النص سوم اقتضاء النص چہارم دلالۃ النص آیت میں مدلول بعبارۃ النص تو اور مضمون ہے اور اس سے میرا مدعا ثابت نہیں میرا مدعا مدلول باشارۃ النص سے ہے عبارۃ النص کو اور اشارۃ النص کو اصطلاحا تو اہل علم جانتے ہی ہیں لیکن عوام کے فہم کے لئے یہاں صرف ان دونوں کی حقیقت مختصراً بیان کرتا ہوں جس مضمون کے لئے متکلم نے کلام کو وارد کیا ہے وہ تو مدلول بعبارۃ النص ہے اور مدلول باشارۃ النص یہ ہے کہ اس کے لئے کلام کا مسوق تو نہیں ہوا لیکن وہ مضمون نص کے الفاظ ہی سے نکلتا ہے اب سمجھئے کہ عبارۃ النص کا مدلول تو یہاں صرف یہ ہے کہ قبول توبہ کی شرط بیان کرنا منظور ہے کہ قبول توبہ جب ہوگا کہ گناہ جہالت سے ہو جاوے اور فوراً توبہ کر لے اور اس سے دوسرا مضمون اشارۃ ایک اور معلوم ہو گیا گو اس کے لئے کلام وارد نہیں کیا گیا وہ یہ کہ صدور معصیت ہمیشہ جہالت سے ہوگا اور اسی سے میرا مدعا ثابت ہوگا اور یہ مضمون بھی صریح لفظوں سے مدلول آیت کا ہے مگر عبارۃ النص سے نہیں اس لئے کلام مسوق نہیں ہے۔ بلکہ اشارۃ النص سے ثابت ہے جو قطعیت میں عبارۃ النص کے برابر ہے باقی خود یہ مضمون کہ صدور معصیت کا ہمیشہ جہالت سے ہوتا ہے اس کا سمجھنا ایک مقدمہ پر موقوف ہے وہ یہ ہے کہ نص کے اندر جو یہ بجہالۃ کی قید ہے یہ قید واقعی ہے احترازی نہیں ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر قید احترازی لی جاوے گی تو اس کا قائل ہونا پڑیگا کہ اگر کوئی جان کر گناہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہ ہو حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ گناہ خواہ جان کر ہو یا انجان پن سے ہو توبہ کرنے سے معاف ہو جاتا ہے حتیٰ کہ کفر اور شرک جو جان کر ہی کئے جاتے ہیں ان

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے بھی توبہ ہو جاتی ہے پس یہ قید واقعی ہے احترازی نہیں پس معنی یہ ہیں کہ گناہ ہمیشہ جہالت سے ہوتا ہے اب اگر کوئی کہے کہ جب گناہ ہمیشہ جہالت ہی سے ہوتا ہے تو اس کے بتلانے سے کیا فائدہ۔

فائدہ اس کے بتلانے میں یہ ہے کہ بغیر اس قید کے بتلائے علاج کی طرف متنبہ نہ ہوتا یہ قید گویا مادہ مرض ہے مرض کا اگر مادہ نہ بتلایا جاوے تو معالجہ کے اندر اشکال ہوتا ہے مثلاً سوداویت کی وجہ سے مرض ہو اور اطلاع نہ کی جاوے تو ممکن ہے کہ بلغم کا مسہل پی لے اور بجائے نفع کے ضرر ہو اور اگر بتلا دیا جاوے گا تو مریض سودا ہی کی دوا پی لے گا۔ پس بجہالت کی قید سے یہ بتلا دیا کہ گناہ ہمیشہ جہالت سے ناشی ہوتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جاوے کہ جہل کا ازالہ گناہوں کا علاج ہے اب غور کرنا چاہئے کہ جہالت کے یہاں کیا معنی ہیں جو گناہ کے لئے لازم ہے سو قرآن مجید میں جہل کا لفظ بہت جگہ آیا ہے اور ہر جگہ ایک معنی نہیں اسی طرح علم کا لفظ بہت متعدد معانی میں آیا ہے اور علم و جہل میں تقابل ہے۔ جس قدر علم کی اقسام نکلیں گے اسی قدر جہل کی بھی اور علم کے تعین سے جہل کی بھی تعین ہو جائے گی اس لئے میں علم کی اقسام بیان کئے دیتا ہوں۔

علم و جہل کے معنی

علم کے ایک معنی تو دانستن ہیں۔ جس کو سب جانتے ہیں اس کے مقابلہ میں جہل کے معنی نادانستن ہیں دوسرے معنی علم کے عمل ہیں قرآن شریف میں اس معنی میں بھی علم کا استعمال آیا ہے چنانچہ علماء یہود کے بارہ میں ارشاد ہے وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ یعنی یہود جانتے ہیں کہ جو شخص سحر اختیار کرتا ہے اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ان کے لئے ایک علم ثابت کیا ہے آگے ارشاد ہے وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ یعنی جس شے کے بدلہ انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا ہے وہ بری شے ہے کاش وہ جانتے یہاں علم کی ان سے نفی فرمائی ہے معلوم ہوا کہ اس علم سے مراد دوسری قسم ہے علم کی ورنہ اجتماع نقیضین لازم آوے گا اور وہ قسم ترک عمل ہے پس معلوم ہوا کہ علم کے دو معنی ہیں' علم بمعنی دانستن اور عمل بالعلم پس جہل کے بھی دو معانی ہوئے ایک نادانستن دوسرے عدم العمل اور معنی ثانی جہل کے دوسرے مقام پر بھی آئے ہیں چنانچہ ارشاد قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْۤ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ یہاں کفار کو جاہل فرمایا ہے یہاں جہل کے معنی نادانستن نہیں ہیں اس لئے کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا اس سے معلوم ہوا کہ وہ خوب جانتے تھے پس معلوم ہوا کہ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ میں جہل سے مراد نادانستن نہیں بلکہ ترک عمل بالعلم ہے اور دیکھئے معجزات کی فرمائش کے بارہ میں ارشاد ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ یہاں بھی جہل کے مشہور معنی نہیں اس لئے کہ جہل بمعنی نادانستن تو مرتفع ہو چکا تھا اس لئے کہ حضور ﷺ کو حکم تھا بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ معلوم ہوا کہ یجھلون سے مراد لا یعلمون نہیں بلکہ لا یعملون ہے پس دو معنی تو علم اور جہل کے یہ تھے اب تیسرے معنے اور ہیں۔ جس جگہ یہ دونوں معنی نہیں بن سکتے وہاں یہ تیسرے معنی مراد ہوتے ہیں اب میں کہتا ہوں کہ اس آیت

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں دونوں معنی نہیں بن سکتے اول معنی تو اس لئے نہیں ہو سکتے کہ اس سے لازم آوے گا کہ گناہ ہمیشہ نادانستگی سے ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے اس لئے کہ گناہ بسا اوقات جان کر بھی ہوتا ہے اور دوسرے معنی یعنی عدم العمل اس لئے نہیں ہو سکتے کہ بجھالة قید یعملون السوء کی ہے۔ پس اگر بجہالۃ کے معنی علم پر عمل نہ کرنے کے ہوں گے تو مقید اور قید کا حاصل ایک ہی ہو جاوے گا اور یہ کلام قوۃ میں اس کے ہوگا یعملون السوء عاملین السوء اور قرآن پاک ہے اس سے کہ اس میں ایسا بے معنی کلام ہو۔ پس جب جہل کے دونوں معنی نہیں بن سکتے تو معنی ثالث متعین ہو گیا اب کوئی صاحب مہربانی فرما کر بتلائیں کہ وہ تیسرے معنی جہالت کے کیا ہیں جو اس آیت میں مراد ہیں ورنہ میں عرض کرتا ہوں کہ وہ معنی ثالث بجز غلبۃ الحال کے اور کچھ نہیں یعنی احکام شرعیہ کی محبت اور منہیات شرعیہ سے نفرت قلب میں رچ جائے اسی کا نام حال ہے اور اسی کو صوفیہ یقین بھی کہتے ہیں جس جگہ کتاب وسنت میں یقین کی تحصیل کا امر ہے اس سے یہی کیفیت مراد ہے پس جب گناہ صادر ہوگا اسی حال کے نہ ہونے سے ہوگا اور حال کے ہوتے ہوئے گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا اور یہی میرا مدعا تھا کہ ہماری ساری خرابیاں حال کے نہ ہونے سے ہیں یہ تو مجملاً اس کا اثبات آیت سے ہوا باقی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مومن کے اندر دو قوتیں رکھی ہوئی ہیں ایک قوت تو اس کو خیر پر حامل ہوتی ہے اور دوسری شر سے روکتی ہے اگر یہ دونوں قوتیں مغلوب ہیں اور کالعدم ہیں تو گناہ کا ہمیشہ صدور ہوگا اور اگر کسی وقت غالب ہیں اور کسی وقت مغلوب تو مغلوبیت کے وقت اس کیفیت مانعہ کا مشاہدہ نہیں ہوتا اس لئے اس وقت بھی گناہ اس سے صادر ہوگا اور غالبیت کے وقت صادر نہ ہوگا اور اگر قریب قریب ہر وقت ان کا غلبہ ہے کسی وقت مغلوبیت نہیں ہوتی الا نادراً اسی کا نام حال ہے ایسے شخص سے گناہ کا ارتکاب نہ ہوگا۔ دیکھئے ہر مسلمان جانتا ہے کہ زنا حرام ہے شراب پینا حرام ہے ترک صلوۃ حرام ہے۔ مگر یہ علم بہت سے مسلمانوں کو گناہ سے نہیں روکتا تو اس کی کیا وجہ ہے وجہ یہی ہے کہ حال نہیں ہے اور جو مغلوب الحال ہے وہ خدا کی نافرمانی نہ کرے گا۔

دوام ترک معاصی عادۃ حال کے پیدا کرنے پر موقوف ہے

پس معلوم ہو گیا کہ دوام ترک معاصی عادۃ حال کے پیدا کرنے پر موقوف ہے اور ترک معاصی علی الدوام واجب ہے اور مقدمۃ الواجب واجب تو حال کی تحصیل ہر مسلمان پر ضروری ہے دیکھو حدیث شریف سے اس مضمون کی صاف تائید ہوتی ہے ارشاد لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مومن معتزلہ کو اس مقام پر لغزش ہوئی وہ اس حدیث سے کہتے ہیں کہ زنا اور دیگر کبائر سے ایمان نہیں رہتا حالانکہ نصوص قطعیہ شاہد ہیں کہ عصاۃ مومنین بھی مومن ہیں چنانچہ بہت سے آیتوں میں ان کو یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب ہے اس لئے اہل سنت کا عقیدہ ہے اور حق یہی ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں ہے اس کے معنی اور کچھ ہیں۔ محققین علمائے ظاہر نے اس معنی کو سمجھا

(c) ketabton.com: The Digital Library

لیکن اس کی پوری شرح نہ کر سکے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ مومن سے مراد حدیث میں مومن کامل ہے اور اس میں نفی ایمان کامل کی ہے مطلق ایمان کی نہیں ہے۔ یہ معنی نہایت لطیف اور بالکل صحیح ہیں لیکن ان حضرات نے یہ نہ بتلایا کہ وہ شے کونسی ہے کہ جس کے نہ ہونے سے اس کا ایمان ناقص ہوا اور اس کے ہونے سے کامل ہو جاتا ہے کہ جو اس کو گناہ نہ کرنے دیتی صوفیہ کرام نے اس راز سربستہ کو کھولا اور انہوں نے فرمایا کہ ہم بتلاتے ہیں ہم سے سنو وہ شے حال ہے اس کے نہ ہونے سے ایمان میں نقصان رہتا ہے اور اسی کے نہ ہونے سے آدمی گناہ سے رکتا اور سوائے حال کے کوئی اور شے نہیں ہے جو گناہ سے روک سکے اور بدوں اس کے اعمال اور عبادات کرنا ایسا ہے جیسے بے انجن کی گاڑی ہوتی ہے کہ اس کو مزدور ٹھیلتے ہیں جب تک وہ ٹھیلتے رہیں چلتی رہتی ہے اور جب ٹھیلنا موقوف کر دیں تو رک جاتی ہے اسی طرح ہمارے روزہ نماز کی گاڑی ہے کہ ہم اپنی طبیعت پر جبر کر کے اس کو چلاتے ہیں اور بعض مرتبہ جب عاجز ہو جاتے ہیں تو رک جاتی ہے اور اگر انجن کے اندر چنگاری ڈال کر اس کو گاڑیوں سے متصل کر دیں پھر دیکھئے وہ روکنے سے نہ رکیں گی وہ چنگاری کیا ہے۔ حال بس وہ چنگاری ہمارے اندر نہیں ہے اگر وہ ہوتی تو اعمال شرعیہ ہم سے بے تکلف صادر ہوتے بلکہ بغیر عبادات کے ہم کو چین نہ آتا اس لئے کہ وہ آگ ہر وقت ہم کو حرکت دیتی۔

بز میں چو سجدہ کردم ز زمین ندا برآمد   کہ مرا خراب کر دی تو ز سجدہ ریائی

جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین سے یہ ندا آئی کہ تو نے ریا کا سجدہ کر کے مجھے خراب کیا'

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند   تو برون درچہ کردی کہ درون خانہ آئی

(جب میں خانہ کعبہ کے طواف کو گیا تو حرم نے مجھ کو راستہ نہ دیا اور کہا کہ تو نے حرم کے باہر کیا کیا ہے جو خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوتا ہے۔

ایک آیت کی تفسیر بے نظیر

فرمایا اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ (ا) (توبہ کرنا جس کا قبول اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے گناہ کر بیٹھتے ہیں) میں صوفیہ کے نزدیک بجہالت کی قید واقعی ہے احترازی نہیں پس وہ فرماتے ہیں کہ جہالت کے بغیر کوئی گناہ ہو ہی نہیں سکتا وہ گناہ (جو جان بوجھ کر کئے) عمد کو بھی جہالت ہی سے صادر ہونے والا سمجھتے ہیں۔ کیونکہ علم جو مقابل ہے۔ جہل کا اس کی تعریف ان کے ہاں اعتقاد و جازم (سکون دینے والا یقین) مطابق للواقع مع غلبہ الحال ہے اور گناہ کرنے کے وقت غلبہ حال مفقود ہوتا ہے اس لئے گناہ جہالت ہی سے ہوگا۔ یعنی جس وقت عقوبت گناہ کا کامل استحضار ہو اس وقت گناہ ہی نہیں سکتا الزانی وھو مومن میں ایمان کی نفی ہے پس غلبہ حال ہی سے گناہ سے رک سکتے ہیں (ملفوظات حکیم الامت ج ۲۴ صفحہ ۶۰)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿۱۹﴾

ترجمہ: اوران عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرواور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شخص کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔

تفسیری نکات

مستورات کے لئے سفارش قرآن میں

یہ ہے کتاب اللہ کہ اس کی ایک اسی تعلیم کو دیکھ کر عقل سلیم والا کہہ اٹھے گا بے شک قرآن کتاب اللہ ہے فرماتے ہیں عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور اگر کسی وجہ سے وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم کو کوئی چیز ناپسند ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت بھلائیاں رکھ دیں۔ ظاہر ہے کہ ناپسند ہونا کسی وجہ ہی سے ہوگا اور زیادہ تر عورتوں کے ناپسند ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے اور یہ بات مرد کے لئے باعث اذیت ہے مگر اللہ تعالیٰ کا گویا وعدہ ہے کہ عورتوں کی بداخلاقی وغیرہ کو بھی خیر کثیر کا سبب بنا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں وہ سب کچھ کر سکتے ہیں مثلاً اس سے اولاد ہی ہو جائے گی جو قیامت میں اس شخص کی دستگیری کرے گی (کیونکہ قیامت میں ایسا بھی ہوگا کہ کسی شخص کے گناہ اس قدر ہوں گے جس کی وجہ سے اس کو دوزخ میں ڈال دینے کا حکم ہوگا مگر اس کا کوئی بچہ صغیر سن مر گیا ہو گا وہ کہے گا کہ میں اس وقت تک جنت میں نہ جاؤں گا جب تک میرا باپ نہ جائے گا چنانچہ اس کی خاطر سے باپ کو جنت مل جائے گی۔ حدیث میں اس قسم کی خبریں بکثرت آئی ہیں' کاتب) نیز عورتوں کی زبان درازی کی صورت میں خیر کثیر اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ مرد اس کی ایذارسانی پر صبر کرے اور صبر کی جزا جنت ہے ہی اور جنت کا خیر کثیر ہونا ظاہر ہے کیونکہ دنیا میں جو عورت سے تکلیف پہنچی وہ تھوڑی تھی چند روزہ تھی اور اس کے عوض جو راحت آخرت میں حاصل ہو گی وہ یقیناً زیادہ ہو گی کیونکہ وہ باقی اور دائمی ہو گی تو عورتوں کا سبب خیر کثیر ہونا صحیح ہو گیا ان صورتوں میں مرد کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کے اس وعدہ پر نظر رکھے اور بیوی کی بداخلاقی پر نظر نہ کرے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیوی کو روک ٹوک بھی نہ کرے اصلاح ضرور کرے مگر نرمی کے ساتھ کبھی دھمکانا بھی برا نہیں مگر ستاوے نہیں اور زیادہ دھمکانا بھی اچھا نہیں جناب رسول ﷺ کے اخلاق بیبیوں کے ساتھ ایسے عجیب تھے کہ آج کل کے مدعیان تہذیب سنیں تو شاید حیرت کریں مگر ہمیں ان کی حیرت واستعجاب کی پرواہ نہیں ہم ان کی بیوقوفی پر

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہنسیں گے اور حضور ﷺ کے حالات واقعات کو کسی کی نکتہ چینی کے خوف سے مخفی نہ رکھیں گے ہمارا مذہب ایسا نہیں جس کی باتوں کو چھپا چھپا کر رکھا جاوے ہم علی رؤس الاشہاد ان کو پیش کرنا چاہتے ہیں کیونکہ دنیا میں سب لوگ بے وقوف ہی نہیں بستے بہت سے اہل عقل بھی دنیا میں موجود ہیں جو ان باتوں کی قدر کریں گے۔

شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عورت کو راحت دو اس کو پریشان اور تنگ مت کرو نان نفقہ فراغت کے ساتھ اس کی دلجوئی کرو اس کی بہت سی ایذاؤں پر صبر کرو اور حق تعالیٰ کے اس وعدہ پر نظر رکھو فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝ مسلمانوں کو بیبیوں کے ساتھ حضور ﷺ کے طرز عمل و معاشرت کی موافق عمل کرنا چاہئے متانت وغیرہ کو بالائے طاق رکھنا چاہئے متانت وہی ہے جو حضور ﷺ کے اعمال وافعال میں ہے خوب سمجھ لو۔

مسئلہ تساوی

بیان یہ ہو رہا تھا کہ قرآن میں عورتوں اور مردوں کے متعلق آیتیں مختلف مضامین کی آئی ہیں ایک وہ آیت ہے جس کا بیان ہو رہا ہے جس سے مردوں عورتوں کی تساوی معلوم ہوتی ہے اور بعض آیتوں سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے مثلاً وللرجال علیهن درجة کہ مردوں کا درجہ عورتوں سے زیادہ ہے اس کے آگے ہے۔ واللہ عزیز حکیم یہ جملہ تعلیلیہ ہے جس کا حاصل یہ ہوا اس فضیلت میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیوں کہ یہ اللہ کی دی ہوئی ہے جو غالب ہیں ان کے حکم کو کوئی روکنے والا نہیں اور یہ حکم نرا حاکمانہ بھی نہیں کیونکہ وہ حکیم بھی ہیں انہوں نے جو کچھ بھی حکم دیا ہے حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا لہٰذا کچھ چوں و چرا کی گنجائش نہیں ایک آیت اور یاد آئی وہ یہ ہے وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَاسْأَلُوا اللَّهَ جس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت ام سلمہ نے حسرت کے ساتھ تمنا کی کہ کاش ہم بھی مرد ہوتے تو مردوں کی طرح جہاد کرتے' اس پر یہ آیت اتری جس میں حق تعالیٰ نے ایسی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے اور ممانعت کا عنوان یہ ہے کہ ہم نے جو تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی تمنا ایک دوسرے کو نہ کرنی چاہئے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اسی لئے تو حضرت ام سلمہ نے مرد ہونے کی تمنا کی تھی آگے اس آیت میں ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ یعنی مردوں کو ان کے عمل کی جزا ملے گی اور عورتوں کو ان کے عمل کی' اس جملہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدار عمل پر ہے اور جب مدار عمل پر ہے تو اگر عورت عمل زیادہ کرے تو مرد سے بھی بڑھ سکتی ہے حاصل یہ کہ یہ تین آیتیں ہیں ایک سے تساوی ثابت ہوتی ہے مرد و عورت میں اور ایک سے فضیلت مردوں کو عورتوں پر اور ایک سے یہ کہ عورت مرد سے بھی بڑھ سکتی ہے۔ ان آیتوں میں سے کسی ظاہر بین کو تعارض

(c) ketabton.com: The Digital Library

کا شبہ ہو سکتا ہے مگر حقیقت میں تعارض نہیں ہے۔ اور اس کا فیصلہ خود قرآن کی آیتوں میں موجود ہے اور یہ خاص شان ہے قرآن کی کہ یفسر بعضہ بعضا یعنی قرآن اپنی شرح خود کرتا ہے اس کو دیکھ کر بے اختیار زبان پر آتا ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلت باید ازوے رومتاب

سورج کے وجود کی دلیل یہی ہے کہ دیکھ لو سورج نکلا ہوا ہے اور دلیل کیا ہوتی ہے یہی قرآن کی شان ہے کہ جہاں کوئی اشکال پیدا ہو غور کر وہ ہیں اس کا حل بھی ہوگا اب آیتوں میں غور کیجئے پہلے میں ایک قاعدہ بیان کرتا ہوں اس کو سمجھ لیجئے پھر دیکھئے کہ آیتوں میں تعارض کہاں ہے.....؟

اقسام فضائل

وہ قاعدہ یہ ہے کہ فضائل دو قسم کے ہیں ایک خلقی اور ایک مکتسب خلقی کہتے ہیں پیدائشی کو اور مکتسب کہتے ہیں ان صفات کو جو اختیار اور کسب سے حاصل ہوتی ہیں تو صفات خلقیہ میں تو مرد عورتوں سے بڑھے ہوئے ہیں جیسے کمال عقل شجاعت قوت عمل تدبیر ان ملکات میں حق تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے عورت چاہے کیسی امیر زادی ہو کتنی ہی حسین وجمیل ہو چونکہ ان صفات میں وہ مردوں سے گھٹی ہوئی ہے اس لئے فرمایا لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ اور جو صفات مکتسب ہیں یعنی جو حاصل ہوتی ہیں اور عمل اور اختیار سے جیسے اصلاح اخلاق واعمال وغیرہ ان میں نہ مرد کو بڑھا ہوا کہہ سکتے ہیں نہ عورت کو بلکہ جو زیادہ کام کرے اور اخلاق فاضلہ اختیار کرے گا وہی بڑھا ہوا ہوگا اگر مرد کوشش کرے گا تو مرد بڑھ جاوے گا عورت کوشش کرے گی تو عورت بڑھ جاوے گی۔ یہ حاصل ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ کا ان دونوں کے علاوہ ایک قسم فضیلت کی اور ہے جس کو اصطلاح میں فضیلت اضافی کہنا چاہئے کیونکہ اس فضیلت کا منشاء خالق و عبد کا تعلق ہے یعنی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہ ہونا' سو یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے اس میں مرد و عورت دونوں مساوی ہیں عمل کسی کا ضائع نہ ہوگا۔

یہ اور بات ہے کہ ہر عامل میں تفاوت ہو لیکن اس قانون میں مساوات رہے گی کہ کسی کا عمل ضائع نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ تین قسم کے فضائل ہوئے فضائل خلقیہ اور فضائل مکتسبہ اور فضائل اضافیہ اول میں مرد بڑھے ہوئے ہیں دوسرے میں کبھی مرد بڑھے ہوئے ہوں گے کبھی عورتیں' تیسرے میں دونوں برابر ہیں اب جو فضائل خلقیہ ہیں ان کی تمنا کرنا اور نہ حاصل ہونے پر دل شکستہ ہونا فضول بات ہے جیسے عورتیں یوں کہیں کہ کاش ہم بھی مرد ہوتے اور اس حسرت میں رات دن رویا کریں تو اللہ تعالیٰ اس سے منع فرماتے ہیں وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ کیونکہ جو چیز محض وہبی ہے اور ہمارے اختیار کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں نہ ہم اس کو اپنی سعی وکوشش سے حاصل کر سکتے ہیں تو اس کے لئے رونا رنج کرنا بے ہودہ حرکت نہیں تو اور کیا ہے؟ سوائے تضیع وقت کے اس میں کچھ بھی نہیں پھر

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس کی دھن میں آدمی دوسرے ضروری کاموں سے بھی رہ جاتا ہے جن کا حصول اختیاری ہے تو کون عقلمند اس صورت کو پسند کرے گا کہ وہبی غیر اختیاری کے فکر میں رات دن مریں اور اس کے لئے رویا کریں اور تعطل سے مضرت میں پڑیں پس شریعت کی یہ تعلیم عین مطابق عقل اور بالکل صحیح تعلیم ہے کہ ایسی باتوں کی فکر میں مت پڑو جو تمہارے اختیار سے باہر ہیں مثلاً کوئی رات دن اس رنج میں رویا کرے کہ ہائے ہم نبی ہوتے یہ تو یقیناً احمق ہے کیونکہ نبوت تو ایک وہبی چیز ہے کسب سے کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتی رونے سے کیا فائدہ؟ اور فضائل مکتسبہ میں تمنا کرنا جائز ہے مگر صرف تمنا کرنا کافی نہیں بلکہ عمل کسب اور ہمت کی ضرورت ہے اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ کہ فضائل مکتبہ اکتساب سے حاصل کرو کہ ان کا مدار صرف کسب پر ہے ہمت کرو نری تمنا سے کچھ نہیں ہوتا۔

امور اختیاری و غیر اختیاری

غرض خلاصہ تعلیم کا یہ ہوا کہ امور غیر اختیاریہ کی تو تمنا بھی نہ کرو اور امور اختیاریہ میں ہمت کرو اور یہ وعدہ یاد رکھو کہ کسی کا عمل ضائع نہ ہوگا۔ یہ کیسی پاکیزہ تعلیم ہے اور یہ تعلیم سالکین کے لئے نہایت کارآمد ہے سالک کو چاہئے کہ اس کو ہر وقت پیش نظر رکھے یہ ایک بڑا بھاری دستور العمل ہے کہ جو بات اس کے اختیار میں نہ ہو اس کے درپے نہ ہو اور جو بات اختیار میں ہو اس میں ہمت کرے مثلاً ذکر و شغل ہے ذوق و وجد ہے ان میں ذکر و شغل اختیاری چیزیں ہیں اور ذوق اور وجد اختیاری نہیں تو سالک کو چاہئے کہ ذکر و شغل جس قدر ہوسکے کرے یعنی جس قدر اس کا مربی تعلیم کرے اس کی پابندی رکھے اور ذوق و وجد کے پیچھے نہ پڑے بعض لوگ جب ذکر و شغل کرتے ہیں اور ذوق و وجد پیدا نہیں ہوتا دلگیر ہوتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ صاحب ہم کو ذکر و شغل کرتے ہوئے اتنے دن ہوئے اب تک کوئی بات ہی نہیں پیدا ہوئی یعنی ذوق و وجد کشف وغیرہ وغیرہ حاصل نہیں ہوا میں کہتا ہوں خدا کے بندے اگر یہ امور اختیاری ہیں (حالانکہ یہ غلط ہے) تو شکایت کیوں کرتے ہو کوشش کئے جاؤ پیدا ہو جاویں گے اور غیر اختیاری ہیں تو ان کے پیچھے کیوں پڑے اور کیوں رنج کیا۔ غرض رنج کرنا اور شکایت کرنا تو ہر حال میں بے سود ہے کام کرنا چاہئے جس کسی کو یہ امور حاصل ہوتے ہیں ان کے اختیار اور کسب کو اس میں دخل نہیں ہوتا ایسے ہی امور کے بارے میں ارشاد ہے وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ کہ ان باتوں کی تمنا مت کرو اپنا کام کئے جاؤ غیر اختیاری امور تمنا سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ ان کے درپے ہونے سے بے حد پریشانی اٹھانا پڑتی ہے۔ کبھی اس پریشانی میں قبض ہو جاتا ہے پھر آدمی ذکر و شغل سب کچھ کرتا ہے مگر دل نہیں کھلتا کیونکہ یکسوئی نہیں ہوتی ہر وقت دل میں ایک بند لگا ہوا معلوم ہوتا ہے کبھی آدمی ان پریشانیوں سے گھبرا کر کام ہی کو چھوڑ بیٹھتا ہے حتی کہ ضروری اعمال سے بھی محروم ہو جاتا ہے حاصل یہ کہ آیت وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ

میں یہ تعلیم ہے کہ امور غیر اختیاریہ کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے یہ بات سالکین کے لئے بڑے ہی کام کی ہے اس کی قدر کرنی چاہئے۔ یہ بات درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر آ گئی۔

تمنا کی حقیقت

اصل بیان عورتوں کے متعلق ہو رہا تھا کیونکہ آیت لَا تَتَمَنَّوْا کی اصل مخاطب عورتیں ہی ہیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم حضرت ام سلمہؓ نے تمنا کی تھی کہ ہم مرد ہوتے تو اچھا تھا اس پر یہ آیت اتری جس میں بتا دیا گیا کہ ایسی تمنا فضول ہے یہ تو قانونی جواب ہے کہ منع کر دیا گیا کہ ایسی تمنا فضول ہے۔ اور اس میں ایک راز بھی ہے وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے جس کو مرد بنایا اس کے لئے یہی مناسب تھا اور جس کو عورت بنایا اس کے لئے بھی یہی مناسب تھا ہر شخص کو خدا تعالیٰ نے وہی دیا جو اس کے لئے مناسب تھا اس کی تفصیل کہاں تک کی جاوے اہل بصیرت خود سمجھ سکتے ہیں اور ذرا سے غور سے ہر موقع پر سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جس کو جیسا حق تعالیٰ نے بنا دیا ہے اس کے لئے وہی مناسب تھا۔ گو ہر شخص دوسرے کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ میں ایسا ہوتا اور اپنی حالت پر قناعت نہیں ہوتی لیکن غور کر کے دیکھئے اور سوچئے تو اس کو معلوم ہوگا کہ میرے مناسب وہی حالت ہے جس میں خدا نے مجھ کو رکھا ہے آج کل بھی ایسے لوگ موجود ہیں کہ دوسروں کی حالتوں کو سن کر تمنا کرتے ہیں کہ ہم فلاں ہوتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝ (النساء آیت ۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورت کو جبراً مالک ہو جاؤ اور ان کو اس غرض سے مقید مت کرو جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ وصول کر لو مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں اور ان کے ساتھ خوبی گزران کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بڑی منفعت رکھ دے۔

حرۃ کی مملوکیت جائز نہیں

یہ ہے اس کا ترجمہ اب دیکھئے کہ قرآن میں اس رسم کو مٹایا گیا ہے یا نہیں اور کرھا کی قید واقعی ہے۔ احترازی نہیں کیوں کہ عورتیں اس وراثت سے راضی بھی نہیں ہوتی تھیں اور اگر وہ راضی بھی ہوں تب بھی حرۃ کی مملوکیت جائز نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد بہو کا حصہ دے کر اس کے ماں باپ کے سپرد کر دو مگر خبردار اس کا حق مت دبانا آگے بھی سن لو حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ولا تعضلوھن الخ عرب میں بھی یہ رسم تھی کہ جب کوئی شخص

(c) ketabton.com: The Digital Library

مال چھوڑ کر مر جاتا تو اس کی بیوی کو نکاح نہ کرنے دیتے تا کہ اس کا مال اسی کے پاس رہے اور یہ رسم ہندوستان میں بھی ہے کہ بیوہ کا نکاح نہیں کرنے دیتے تو اکثر اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس کی جائیداد علیحدہ کرنی پڑے گی۔ لوگ یوں کہتے ہیں کہ جائیداد اچھی چیز ہے مگر صاحبو! عورت کے لئے تو حقیقت میں سخت مصیبت ہے کیونکہ ان کی جائیداد کی وجہ سے ہر شخص ان پر جال ڈالتا ہے۔ اور میں نے تو زمین کی وجہ سے عورتوں کو ہمیشہ مصیبت ہی میں دیکھا کہ ہر شخص ان کو اپنی طرف کھینچتا ہے تو صاحبو ان کو حصہ دے کر ماں باپ کے سپرد کر دو اپنے گھر میں نہ رکھو کیونکہ جب تک اپنے گھر میں رکھو گے یہ خیال دل سے نہ نکلے گا تو واجب ہے کہ حصہ دے کر ماں باپ کے سپرد کر دو خواہ وہ اس کو بٹھلا دیں یا کہیں نکاح کر دیں اگر کوئی کہے کہ جہاں شوہر کچھ چھوڑ کر مرے یہ حکم اس کے لئے ہے اور جہاں کچھ چھوڑ کر ہی نہ مرے اس صورت میں اگر عورت کو روکا جائے تو قرآن سے ممانعت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ آیت میں نہی مقید ہے۔ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ تو جواب یہ ہے کہ جب مال کے ہوتے ہوئے روکنا جائز نہیں تو بغیر مال کے روکنا بدرجہ اولی جائز نہ ہوگا کیونکہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

ایک تو کسی باعث سے ایک بغیر کسی باعث کے' پہلا کسی درجہ میں ہلکا ہے عقلاً بھی شرعاً بھی اور دوسرا گناہ بڑا گناہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ تین شخصوں کو خدا بہت ہی مبغوض رکھتا ہے ملک کذاب شیخ زانی عائل متکبر یعنی جھوٹا بادشاہ' زنا کار بڈھا' اور متکبر فقیر اس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں ان معاصی کا کوئی داعی نہیں ہے اور پھر یہ لوگ گناہ کرتے ہیں بادشاہ کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے جھوٹ اسی واسطے لوگ بولا کرتے ہیں کہ اس سے کارروائی کریں۔ بادشاہ کی قدرت کارروائی کے لئے کافی ہے۔ اس کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے اسی طرح زنا بوجہ شدت باہ کے ہوتا ہے بڈھے کو کیا مستی سوار ہوئی اگر وہ ضبط کرنا چاہے تو کچھ بھی دشوار نہیں۔ اسی طرح غریب آدمی تکبر کرے تو اس کی حماقت ہے اس کے پاس بڑائی کا کونسا سامان ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو گناہ بغیر داعی کے ہو وہ زیادہ گناہ ہے تو یہ تقیید شبہ کرنے والے کو مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب عورت کے پاس کچھ مال ہو تو اس وقت حرص کی وجہ سے یہ تقاضا ہو سکتا ہے کہ اس کو بھی حق تعالیٰ نے منع فرما دیا تو جس کے پاس مال بھی نہ ہو وہاں روکنا تو محض پابندی رسم ہے اس میں روکنے کا کوئی داعی بھی موجود نہیں تو بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيمًا ۝

ترجمہ: ہم تمہیں بہترین جگہ داخل کریں گے۔

تفسیری نکات

بے برکت نیکی

اب ضرورت ہے اس حدیث اور آیت کے معنی سمجھنے کی تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کفارات لما بینھن ما اجتنب الکبائر اور ما عام ہے تو ترجمہ یہ ہوا کہ سارے گناہوں کا کفارہ تو جب ہی ہے کہ کبائر سے بچے ورنہ سب کا نہیں بلکہ صرف صغائر کا ہوگا یہ لازم نہیں آتا کہ صغیرہ بھی معاف نہ ہو اور آیت کے معنی اس سے بھی زیادہ صاف ہیں یعنی ان تجتنبوا میں ایک شرط کی دو جزائیں ہیں نکفر اور ندخلکم مدخلا کریما '(ہم تمہیں بہترین جگہ داخل کریں گے) پس اس مجموعہ کے لئے جزا میں بیشک یہی شرط ہے کہ کبائر سے بھی بچے اور اگر کبائر صادر ہوئے تو مجموعہ مرتب نہ ہوگا۔ یعنی مدخلا کریما بمعنی دخول جنت بلا عقاب و عتاب توبہ یا فضل پر موقوف ہوگا۔ پس اب وہ شبہ نہ رہا اور یہ ثابت رہا کہ گناہ معاف ہوتے ہیں حسنات سے تو اگر نیکیاں قبول نہ ہوتیں اور اس میں یہ اثر کہاں سے ہوا' پس معلوم ہوا کہ قبول تو ہوئیں لیکن ان میں برکت نہیں ہوئی اور یہ برکت نہ ہونا اس حدیث سے ثابت ہے جس کو میں نے روزے کے باب میں پڑھا ہے چنانچہ اب میں اس حدیث سے اس کو ثابت کرتا ہوں فرماتے ہیں کہ اگر گناہوں سے نہ بچے تو کھانا پینا چھوڑنے سے کیا فائدہ' حضور علیہ فائدہ کی نفی فرما رہے ہیں اور یہ میں پہلے بدلیل کہہ چکا ہوں کہ روزہ ہو جاتا ہے باوجود گناہوں کے بھی تو جو فائدہ منفی رہا وہ روزے کی برکت ہے اور اس سے وہ مقصود بھی ثابت ہوا جس کے لئے مقصود اس حدیث کو پڑھا ہے یعنی گناہ کے ترک کا اہتمام بالخصوص روزے میں ضروری ہے۔ (مضار المعصیت ملحقہ مواعظ مفاسد گناہ ص ۱۹۰)

پھوہڑ عورتوں میں ایک کمال

فرمایا عادتاً عورتیں پھوہڑ ہو جاتی ہیں وہ اکثر عفیف ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ ایسے ہی امور کے متعلق فرماتے ہیں فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (ملفوظات حکیم الامت ۱۱ج)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

ترجمہ: اور تم ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعض پر فوقیت دی ہے مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیری نکات

مطلوب کی دو قسمیں

میرا ذوق یہ ہے کہ اس آیت میں مطلوب کی دو قسمیں کی گئی ہیں ایک موہوب جس کو مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ اور وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ میں فضل سے تعبیر کیا گیا ہے دوسرے مکسوب جس کو لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ میں اکتساب کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے اب حاصل یہ ہوا کہ موہوب کی تمنا نہ کرنا چاہئے بلکہ مکسوب کا اہتمام وفکر کرنا چاہئے۔ مدار نجات اعمال مکسوبہ ہیں۔

اب رہا تمنائے موہوب سے جو ممانعت ہے اس میں نہی تحریم کے لئے ہے یا کراہت تحریم یا کراہت تنزیہ کے لئے اس سے مجھے بحث نہیں عشاق سے پوچھو کہ جب محبوب کسی کام سے منع کردے تو کیا عاشق محبوب سے یہ سوال کرسکتا ہے کہ حضور یہ بات آپ کو کس درجہ میں ناپسند ہے کس قدر ناگوار ہے اگر کوئی ایسا سوال کرے گا تو محبوب اس کو نکال باہر کرے گا کہ تو عاشق نہیں۔

اس کے بعد حق تعالیٰ ہمارے جذبات کی رعایت فرماتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ موہوب کے لئے ان کا دل للچائے گا ضرور اس لئے دعا کی اجازت دیتے ہیں وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ کہ دعا کرسکتے ہو آگے بعض اوقات عدم قبول دعا سے پریشان نہ ہونے کی تعلیم ہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا کہ اگر دعا قبول ہونے میں دیر ہو اور قبول کے آثار معلوم نہ ہوں تو گھبراؤ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بات کو اچھی طرح جانتے ہیں یعنی وہ ہر چیز کی مصلحت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں پس اس بات کو بھی وہی خوب جانتے ہیں کہ یہ نعمت موہوبہ تمہارے لئے مناسب ہے یا نہیں اور مناسب ہے تو کس وقت اور کس حالت میں مناسب ہے (اتباع العلماء دعوت وتبلیغ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

عنایت رحمت خداوندی

حق تعالیٰ نے ہر چیز کے اندر حکمت اور مصلحت رکھ دی ہے خواہ عطاء ہو یا منع ہو اسی لئے فرماتے ہیں وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ یہ مسئلہ قرآن پاک نے طے فرمادیا ہے یعنی ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر (وہبی طور پر) فوقیت بخشی ہے آگے فرماتے ہیں لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ یعنی مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے پس جب موہوب میں دخل نہیں تو کیوں پیچھے پڑے اور فرماتے ہیں وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو یہ فرما کر تعجب سے بچایا ہے کہ اگر ایسی چیز کو جی چاہے تو مانگ لو تحصیل کے درپے مت ہو اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں دیکھئے جذبات کو روکا نہیں یہ بھی گوارا نہ فرمایا کہ جذبات کو روکا جائے کیا ٹھکانا ہے حق تعالیٰ کی اس رحمت کا یعنی اگر جی چاہے مانگ لو اگر مناسب ہوگا دے دیں گے ورنہ خیر تو دیکھئے تعب کیسا بچالیا

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ

ترجمہ: مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر (قدرتی) فضیلت دی ہے اور سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال (عورتوں) پر خرچ کئے ہیں (اس میں بتلادیا گیا کہ عورتیں تمہارے قبضہ میں ہیں ان کی اصلاح کچھ مشکل نہیں، طلاق کی کیا ضرورت ہے اول تو خدا نے تم کو قدرتی طور پر عورتوں کا حاکم بنایا ہے، دوسرے تم ان پر مالی احسانات کرتے ہو) تو جو عورتیں نیک اور لائق ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بھی بحفاظت وتوفیق الٰہ (اس کی آبرو اور مال کی) نگہداشت کرتی ہیں۔

عورتوں سے مساویانہ سلوک نہ کرنے کا حکم

خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم دو باتوں کی رعایت کرو تو شائستہ اور نیک عورتیں تو فوراً تمہارے تابعدار ہو جائیں گی ایک یہ کہ تم حاکم بن کر رہو، برابری اور غلامی کے ساتھ نہ رہو، کیونکہ جو شخص ابتداء میں عورتوں کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرتا یا ان کی غلامی اختیار کرتا ہے تو پھر وہ ساری عمر اسی برتاؤ کی منتظر رہتی ہیں لہٰذا تم کو اول ہی سے ایسا برتاؤ کرنا چاہئے جیسا کہ حاکم محکوم سے کرتا ہے۔

دوسرے تم ان کے ساتھ مالی احسانات کرو مثلاً مہر کی ادائیگی میں جلدی کرو، نفقہ اور کپڑے میں تنگی نہ کرو، ان کی دلداری اور دل جوئی کا خیال رکھو، اس برتاؤ کی خاصیت ہے کہ شریفوں کے دل کو مسخر کر لیتا ہے ہاں اگر کوئی

(c) ketabton.com: The Digital Library

بہت بدطینت عورت ہو وہ ممکن ہے کہ اس برتاؤ سے مسخر نہ ہو اس کے لئے آگے دوسری تدبیر بتلاتے ہیں کہ اگر کوئی عورت بد دماغ ہے تو اس کو بھی طلاق دینے کی ضرورت نہیں بلکہ حکمت اور تدبیر سے کام لو۔

بدطینت عورت کا طریق تنبیہ

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو (قرآئن سے) ان کی بد دماغی کا احتمال (قوی) ہو (محض گمان اور خیال ہی نہ ہو) تو ان کو (اول) زبانی نصیحت کرو اور (اگر اس سے نہ مانیں تو) ان کو خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو (یعنی ان کے پاس مت لیٹو اس کا بھی عورت پر بہت اثر ہوتا ہے) اور (اس سے بھی نہ مانیں تو) ان کو (اعتدال سے مارو) حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے ضربا غیر مبرح کہ ایسا مارو جس سے ہڈی پر صدمہ نہ پہنچے، خون نہ نکلے سبحان اللہ کیسی حدود ہیں) فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو ان پر (زیادتی کرنے کے لئے) بہانہ (اور موقعہ) مت ڈھونڈو ان اللہ کان علیا کبیرا کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی رفعت وعظمت والے ہیں۔

یہ عجیب مراقبہ بتلایا گیا یعنی اگر تم عورتوں پر زیادتی کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈو گے تو یہ سمجھ لو کہ تمہارے اوپر بھی ایک حاکم ہے وہ کون خدا تعالیٰ ان کے حقوق اور علم وقدرت سب سے زیادہ ہیں۔ اگر وہ بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنے لگیں اور تم کو مجرم بنانے کے لئے تو بہانے ڈھونڈنے کی بھی ضرورت نہیں واقعی جرائم بے انتہا ہیں تو تمہارا کہاں پتہ رہے پس تم کو اپنے محکوموں کے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہئے جو حق تعالیٰ تمہارے ساتھ کرتے ہیں کہ باوجود تمہاری نافرمانی کے توبہ واستغفار کے بعد سب معاف کر دیتے ہیں اور پچھلے گناہوں کا کچھ اثر نہیں رکھتے نیز چھوٹی چھوٹی خطاؤں کو ویسے ہی معاف کرتے رہتے ہیں چنانچہ وضو اور نماز اور جماعت وغیرہ سے گناہ صغیرہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔

طلاق سے قبل ضرورت پنچ

اگر اس سے بھی کسی عورت کو تنبیہ نہ ہو تو اس کے لئے کیا عجیب بات بیان فرماتے ہیں وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اس میں خطاب زوجین کو نہیں ہے بلکہ اوپر والے آدمیوں کو خطاب ہے۔ کہ اگر قرآئن سے تم کو ان دونوں میں میاں بیوی کی (ایسی) کشاکش کا اندیشہ ہو (جس کو وہ باہم نہ سلجھا سکیں) تو تم لوگ ایک ایسا آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی ایسا ہی عورت کے خاندان سے (تجویز کر کے اس کشاکش کے رفع کرنے کے لئے ان کے پاس بھیجو (کہ وہ جا کر تحقیق حال کریں اور جو بے راہی پر ہو اس کو سمجھا دیں) دیکھئے یہ کیسی اچھی ترکیب ہے کہ جب تک زوجین اپنے معاملہ کو خود سلجھا سکیں اس وقت

(c) ketabton.com: The Digital Library

تک خود سلجھانے کی کوشش کریں اور جب ان سے سلجھ نہ سکے تو کسی کو حکم مقرر کریں کیونکہ اپنا معاملہ فریقین سے طے نہیں ہو سکتا اس لئے پنچ کی ضرورت ہوئی۔

آگے حق تعالیٰ ان پنچوں کی بابت ارشاد فرماتے ہیں اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اگر ان دونوں پنچوں میں اصلاح معاہدہ منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان دونوں زن وشوہر کو اصلاح کی توفیق دے دیں گے اس میں اپنی اعانت کا وعدہ ہے کہ اس صورت میں ہم بھی معاملہ سلجھنے میں امداد کریں گے مگر اس کے لئے ایک شرط ہے وہ یہ کہ اگر ان دونوں پنچوں کے درمیان خوشی سے صلح اور اصلاح معاملہ منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں اتفاق پیدا کریں گے (بشرطیکہ وہ ان دونوں کی رائے پر بھی عمل کریں اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔ یعنی جس طریق سے زوجین میں باہم مصالحت ہو سکتی ہے اس کو وہ خوب جانتے ہیں پس جب حکمین کی نیت ٹھیک دیکھیں گے وہ طریق ان کے قلب میں القا فرمادیں گے دیکھئے حق تعالیٰ نے طلاق سے بچنے کی کتنی عمدہ ترکیبیں بتلائی ہیں اگر لوگ ان طریقوں سے کام لیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی طلاق کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اور اگر بدوں طلاق کے چارہ ہی نہ رہے تو اس کے لئے یہ تعلیم ہے کہ اول ایک طلاق دو اس سے عورت کا ناز ٹوٹ جائے گا اور اگر اس میں کچھ بھی صلاحیت ہوگی تو وہ سنور جائے گی شریعت نے نہ تو طلاق سے ممانعت کی کہ چاہے باہم کیسا ہی اختلاف ہو طلاق دے ہی نہ سکے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو شوہر ہمیشہ اندر ہی اندر گھٹا کرتا اپنے غصہ کا بخار اس نہ نکال سکتا اس لئے غصہ نکالنے کی اجازت دی کہ ضرورت کے وقت دے سکتے ہو مگر حدود کے ساتھ شریعت میں جذبات کی بہت رعایت کی گئی ہے۔

احکام شرعیہ میں رعایت جذبات

چنانچہ ایک حدیث میں لا يحل لاحد ان يهجر اخاه فوق ثلاثة ايام کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال وغیرہ موقوف رکھے دیکھئے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ چاہے آپس میں کیسا ہی رنج و تکرار ہو بولنا مت چھوڑو حالانکہ شریعت کو یہ بھی اختیار تھا کہ ایسا حکم دے دیتی چنانچہ بعض مشائخ نے طالبین کی اصلاح کے لئے کبھی ایسا حکم دیا پھر اس میں سوال ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ضعیف کیوں پیدا فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تمدن کی حفاظت ہے تاوقتیکہ ایک کو دوسرے کا تابع اور محتاج نہ بنایا جائے تمدن محفوظ نہیں رہ سکتا اور طبیعت مساوی میں ہوتی نہیں اسی واسطے فرماتے ہیں اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ یعنی مرد عورتوں پر سردار ہیں اور وجہ اس کے آگے ارشاد فرمائی ہے فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔

یعنی بسبب اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور جن لوگوں نے برعکس اس حکم کے عورتوں کو متبوع بنالیا وہاں کی خرابیاں پوشیدہ نہیں ہیں آج کل اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ کی تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

مرد عورتوں کے مزدور ہیں۔ سبحان اللہ کیا تفسیر دانی ہے ان مفسر صاحب سے کوئی پوچھے کہ فضل اللہ بعضھم (اللہ تعالیٰ نے بعض کو فضیلت دی) کے کیا معنی ہیں؟ اگر جرات کر کے یہ کہیں کہ اس میں بھی بعضھم سے مراد عورتیں ہی ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے مسلم لیکن آگے جو فرماتے ہیں وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں) اس میں تو ضمیر یقیناً رجال ہی کی طرف ہے کیونکہ منفق وہی ہیں تو کیا پھر فضل اللہ کی وہ تفسیر سراسر مہمل اور تحریف قرآن نہ ہوگی اگر یہ معنی ہوتے تو للنساء فرماتے ہیں' علی جو کہ تسلط کے لئے ہے نہ فرماتے'

خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر خلقۃً بھی فضیلت ہے چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ مشرکین جو ملائکہ کو بنات اللہ کہتے تھے ان کا رد اس طرح فرماتے ہیں کیا تم ایسی مخلوق کی حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہو جو کہ پست خیال ہے اور ہمیشہ بناؤ سنگار اور زیور میں نشو ونما پاتے ہیں اور دوسرے یہ کہ ان میں مقابلہ کے وقت قوت بیانیہ نہیں ہے واقعی یہ دو صفتیں جو عورتوں کی ارشاد فرمائی ہیں کھلم کھلا نظر آتی ہیں۔ زیور اور آرائش اور بناؤ سنگار میں شب و روز رہتی ہیں۔ اس سے آگے ان کا خیال ترقی ہی نہیں کرتا' غایۃ مقصود اپنا اسی کو سمجھتی ہیں۔ اور مقابلہ اور مناظرہ کے وقت ان کے دلائل میں قوت بالکل نہیں ہوتی ادھر ادھر کی باتیں بہت کریں گی لیکن کسی امر پر دلیل صحیح ہرگز نہ بیان کر سکیں گی۔

کوئی عورت یہ نہ کہے کہ یہ زیور تو ہم کو ماں باپ نے پہنا دیا اس سے عادت ہوگئی اس سے میلان کہاں ثابت ہوا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر ماں باپ بھی نہ پہنا دیں تب بھی ان کا طبعی میلان نمائش و آرائش کی طرف ہے چنانچہ بہت سے واقعات اس کے مشاہد ہیں اور اسی طرح اگر کوئی صاحب دوسری جزو میں یعنی قوت بیانیہ میں کمی کے بارے میں فرمادیں کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ ہماری عورتوں کی تعلیم نہیں ہوتی اگر تعلیم و تربیت کامل ہو تو یہ نقصان ہرگز نہ رہے یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ جو عورتیں تعلیم یافتہ کہلاتی ہیں وہ بھی معلوم ہوا کہ لیکچروں میں ناقص تقریر کرتی ہیں ان کے شوہر اس لیکچر کی تکمیل کرتے ہیں یہ حکمت تبرعاً بیان کردی گئی ورنہ یہ کہنا کافی ہے کہ خدا تعالیٰ کی کوئی حکمت ہوگی ہمارا کوئی فائدہ اس کی تعیین پر موقوف نہیں' اسی واسطے جو چیزیں فضول ہیں ان کی تحقیق و تفتیش سے منع کردیا گیا ہے۔ ہم کو اس تحقیق سے کیا فائدہ ہے کہ فلاں ناقص کیوں ہے فلاں کامل کیوں ہم کو تو اس کے نتائج و احکام پر عمل کرنا چاہئے بہر حال تقریر سے معلوم ہوگیا کہ نقصان عقل اضطراری اور خلقی ہے اور دوسرا نقصان یعنی نقصان صلوٰۃ' جس کو نقصان دین فرمایا ہے جس کا سبب حیض کا آنا فرمایا ہے وہ تو ظاہر ہی ہے کہ خلقی ہے اور تین امر اخر ان کی طرف منسوب فرمائے کہ ان کا ازالہ ان کے اختیار میں ہے۔ وہ کفران عشیر و اذھاب لب رجل حازم و اکثار لعن چونکہ یہ اختیاری ہیں اس لئے ان کو نقص نہ کہنا

(c) ketabton.com: The Digital Library

چاہئے بلکہ ان کے شر کے نام سے موسوم کرنا مناسب ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ عورتوں میں دو نقص اور تین شر ہیں۔ جو نقص ہیں ان کا فکر تو بے سود ہے اس لئے کہ وہ معاملے زائل ہونے والے نہیں بلکہ اس کی تو تمنا سے بھی منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ وارد ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے مردوں کے فضائل سن کر فرمایا تھا کہ یا لیتنا کنا رجالا' یعنی اے کاش ہم مرد ہوتے تو مردوں کی ہی فضیلت ہم کو بھی ملتی اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعۡضَكُمۡ یعنی مت تمنا کرو اس شے کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس شے سے بعض کو بعض پر فضیلت یعنی خلقی آگے فرماتے ہیں

لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبۡنَ ؕ یعنی مردوں کے لئے حصہ ہے اس شے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی تمنا چھوڑو عمل میں کوشش کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدِ افۡتَـرٰۤى اِثۡمًا عَظِيۡمًا ﴿۴۸﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوائے اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے بڑے جرم کا مرتکب ہوا۔

تفسیری نکات

شرک کی حقیقت

فرمایا شرک جس کی نسبت وعید ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ اس کی تعریف یہ ہے کہ کسی کو مستحق عبادت سمجھنا اور عبادت کہتے ہیں کسی کے سامنے نہایت تضرع و تذلل سے پیش آنے کو چونکہ حق تعالیٰ قادر مطلق و خالق رازق ہیں ان کو غیرت آتی ہے کہ سوا ان کے کسی دوسرے کے سامنے غائت تضرع و تذلل سے پیش آئے مثلاً دو شخص ہوں ایک ان میں بڑے مرتبے کا ہے اور اس بڑے مرتبہ والے نے کسی سائل کو کچھ دیا اور سائل بجائے اپنی معطی کے دوسرے کی ایسی ہی تعریف و توصیف کرنے لگے جو اس کے لئے چاہئے تھی تو طبعی بات ہے کہ معطی کس قدر غضبناک ہوگا۔ اسی طرح حق تعالیٰ کو بھی غیرت آتی ہے جو لوگ مزارات پر اولیاء اللہ سے سوال کرتے ہیں اب

(c) ketabton.com: The Digital Library

دیکھنا چاہئے آیا محض وسیلہ سمجھ کر سوال کرتے ہیں یا کوئی امر اس سے زائد ہے۔ سو مشرکین عرب بھی بتوں کی عبادت وسیلہ قرب الٰہی سمجھ کر کرتے ہیں چنانچہ مذکور ہے مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى نہ خدا سمجھ کر مگر پھر بھی وہ مشرک قرار دیئے گئے سو سمجھنے کی بات یہ ہے کہ وسیلے میں بھی دو صورتیں ہیں مثال سے فرق معلوم ہوگا مثلاً ایک کلکٹر ہے اس کے پاس ایک منشی نہایت زیرک عاقل ہے کلکٹر نے اپنا سارا کاروبار حساب وکتاب اس منشی کے سپرد کر دیا ہے اور اس کے ذمہ چھوڑ دیا ہے اور ایک دوسرا کلکٹر ہے اس کے پاس بھی منشی ہے مگر کلکٹر زبردست عادل ہے اپنا کاروبار خود دیکھتا رہتا ہے منشی کے ذمہ نہیں چھوڑا اب اگر کوئی شخص اس منشی زیرک کے پاس سے جو پہلے کلکٹر کے پاس ہے جس کے سپرد سب کام ہے کوئی درخواست پیش کرے تو کیا سمجھ کر پیش کریگا یہ ظاہر ہے کہ منشی کو کاروبار میں دخیل سمجھ کر پیش کرے گا۔ اور اسی واسطے اس کو خوشامد کرے گا کہ یہ خود سب کام کر دیں گے کیونکہ ان کے کل کام سپرد ہیں۔ کلکٹر تو فارغ بیٹھا ہے گو ضابطہ کے دستخط وہی کرے گا مگر اس منشی کے خلاف کبھی دستخط نہ کرے گا اور اگر دوسرے کلکٹر کے منشی کے یہاں عرضی دی جائے گی تو محض اس خیال سے کہ کلکٹر زبردست ہے۔ رعب والا ہے اس کے سامنے کون جا سکتا ہے اس منشی کے ذریعہ سے درخواست کرنی چاہئے کیونکہ اس منشی کو تقرب حاصل ہے یہ وہاں پر پیش کر دے گا کیونکہ کل کام خود کلکٹر دیکھتا ہے اب دیکھئے ان دونوں صورتوں میں کس قدر فرق ہے عوام اہل مزار سے اکثر پہلی صورت کا سا برتاؤ کرتے ہیں ان کے افعال اعمال سے ظاہر ہے پھر شرک نہیں تو اور کیا ہے برخلاف محض وسیلہ سمجھنے کے پس شرع شریف میں عبادت غیر اللہ جہاں صادق آئے گا گو بہ نیت توسل ہی سہی وہ شرک ہوگا غرض توسل جائز مگر تعبد التوسل شرک. اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ باقی جن آیات میں افعال کبیرہ کا عقاب مذکور ہے وہاں استحقاق مراد ہے لزوم وقوع مراد نہیں یعنی کبائر سے وہ شخص عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ وقوع عقاب لازم نہیں ممکن ہے حق تعالیٰ ویسے ہی بخش دیں باقی وقوع کے متعلق آیات اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ الخ سے صاف معلوم ہوگیا کہ سب گناہوں پر عذاب لازم نہیں بجز شرک وکفر کے کہ ان پر عذاب لازم ہے (یعنی شرعاً) غرض گناہ کبیرہ تو بدوں عقاب کے معاف ہو سکتا ہے مگر کفر وشرک کا ارتکاب بدوں عذاب کے نہیں رہ سکتا اس پر عذاب لازم ہے اور وہ بھی ابدالآباد کے لئے جس کا انقطاع کبھی نہ ہوگا یہ جرم کسی طرح معاف نہ ہوگا نہ عذاب سے نہ بغیر عذاب کے۔

مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ خدا تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائیں گے اس کے سوا دوسرے گناہ جس کے لئے چاہیں معاف فرمائیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس آیت میں بھی حق تعالیٰ نے مغفرت واجر عظیم کا قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ کن کن شرطوں کے بعد یہ دونوں حاصل ہو سکتے ہیں سب سے پہلے ایمان واسلام کو بیان فرمایا ہے یہ اصل شرط ہے اس کا چھوڑنا اصولی جرم ہے یہ ہرگز معاف نہ ہوگا اور اس کے تارک کو کبھی نجات حاصل نہ ہوگی اس کے بعد دیگر فروعی شرائط مذکور ہیں جن کے پورا نہ کرنے سے انسان عذاب کا تو مستحق ہوتا ہے مگر بعد چندے نجات پا جائے گا پس جو لوگ مغفرت واجر عظیم کے طالب ہیں وہ اس آیت کے مضمون کو بغور سن لیں کہ مغفرت کن اعمال سے حاصل ہوگی ہم لوگ صرف اسی پر اکتفا کیے بیٹھے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے ہم یقیناً مستحق مغفرت واجر عظیم ہو گئے یہ بڑا دھوکہ ہے کہ جس نے ہم کو اصلی کام سے روک رکھا ہے جو کہ شرائط کو بجالانا اور پورا کرنا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾

ترجمہ: اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول ﷺ کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اولی الامر ہیں ان کا بھی پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ و رسول ﷺ کے حوالہ کر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یہ امور سب سے بہتر ہیں اور ان کا انجام خوش تر ہے۔

تفسیری نکات

اپنی رائے کی اتباع کی مذمت

غرض ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ بجائے خدا اور رسول ﷺ کے ہوی کا اتباع کر رہے ہیں اور دنیا کو ترجیح دے رہے ہیں اور ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرتا ہے اور بڑا سخت مرض یہ ہے کہ دنیا کے امور میں تو اپنی رائے لگاتے ہیں دین کے اندر بھی کہتے ہیں کہ ہماری رائے یہ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے اور رایت شحا مطاعا وهوی متبعا و اعجاب کل ذی رای برایه فعلیک بخاصة نفسک یعنی خواہش نفسانی کا اتباع لیا جاتا ہے اور ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرتا ہے تو ایسے وقت اپنے نفس کی فکر کرو اور عوام کے حال سے تعرض چھوڑ دو (اطاعۃ الاحکام)

(c) ketabton.com: The Digital Library

حدیث شریف حجت مستقلہ ہے

اب اس آیت کے اسلوب سے ایک اور امر ضروری مستنبط ہوتا ہے اس کو بھی اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں تین ذاتوں کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے اپنی ذات پاک کا اور جناب رسول ﷺ کا اور اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (جولوگ تم میں سے جو اولی الامر ہیں) کی اطاعت کا رسول ﷺ کے لئے تو مکرر اطیعوا لائے اور اولی الامر کے لئے تکرار اطیعوا کا نہیں کیا سو اس کی وجہ یہ تو ہے نہیں کہ حق تعالیٰ کی اطاعت علیحدہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت جدا بلکہ اس اسلوب میں ایک فائدہ کی طرف اشارہ لطیف یہ ہے کہ ہر چند کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے لیکن بعض خصوصیات کے اعتبار سے من وجہ استقلال ظاہری کا حکم رکھتی ہے پس اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جیسے قرآن مجید حجت مستقلہ ہے اسی طرح حدیث شریف بھی حجت مستقلہ ہے اور میں قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف کی برابری کا دعویٰ نہیں کرتا ہوں۔ لیکن اس اعتبار سے دونوں برابر ہیں کہ جیسے قرآن مجید کے احکام کو ماننا ضروری ہے اسی طرح احادیث سے جو احکام ثابت ہیں ان پر بھی ایمان وایقان واجب ہے کسی کو کہنا جائز نہیں کہ جو مسئلہ قرآن شریف میں نہیں میں اس کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جو قرآن شریف میں نہیں احادیث سے ہی ثابت ہوتے ہیں (اطاعۃ الاحکام)

غرض بہت سے احکام احادیث سے بھی ثابت ہوئے ہیں۔ اور بعض مسائل وہ ہیں جو اجماع وقیاس ملحق کتاب وسنت کے ساتھ ہیں اس لئے کہ اجماع دو طور سے ہوتا ہے ایک تو یہ کہ کسی مسئلہ کے متعلق خبر واحد بھی پھر اس مسئلہ پر اجماع ہو گیا اور دوسرے یہ ہے کہ وہ مسئلہ قیاس سے ثابت تھا اور اس پر اجماع ہوا پہلی صورت میں تو اجماع کا لحق بالسنۃ ہونا ظاہر ہے اور دوسری صورت میں الحاق اس لئے ہے کہ قیاس وہی حجت ہے جو مستنبط من الکتاب والسنۃ (قرآن و حدیث سے مستنبط ہے) ہو تو اگر وہ مسئلہ جس پر اجماع ہوا ہے قیاس مستنبط من الکتاب سے ثابت ہے تو یہ اجماع ملحق بالکتاب ہے اور اگر قیاس مستنبط من السنۃ سے ثبوت ہوا تو ملحق بالسنۃ ہے اور اسی تقریر سے قیاس کا الحاق بھی کتاب و سنت سے معلوم ہو گیا اس لئے کہ اس میں قید استنباط من الکتاب والسنۃ کی موجود ہے۔ اور اسی وجہ سے قیاس کو علماء نے مظہر کہا ہے مثبت نہیں مانا مثبت اصل میں کتاب وسنت ہی ہے پس ثابت ہو گیا کہ حدیث شریف میں من وجہ استقلال ہے بہ خلاف اجماع وقیاس کے کہ وہ محض تابع وملحق ہیں صرف کتاب وسنت کی حجیت میں صرف ہمارے اعتبار سے اس قدر فرق ہے کہ قرآن شریف چونکہ تواتر سے ثابت ہے اس لئے وہ قطعی ہے اور احادیث میں بھی جو متواتر ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے۔ البتہ بعض جو خبر واحد ہیں وہ قطعی نہیں مگر ماننا ان کا بھی واجب وضروری ہے باقی جن حضرات نے خود حضور ﷺ سے سنا ہے ان کے حق میں یہ بھی فرق نہیں بلکہ حضور ﷺ کا فرمایا ہوا بھی مثل قرآن ہی کے حجت قطعیہ ہے بہر حال نفس حجیت میں سب احادیث مشترک ہیں پس بڑی حسرت ہے ان لوگوں پر جو احادیث کو حجت نہیں مانتے وہ بڑے نور سے محروم ہیں۔ اس کا عجیب نور ہے حتیٰ کہ اس میں اور عامہ بشر کے کلام میں کھلا فرق ہے۔ عام کلام کے سامنے تو احادیث مثل کلام اللہ کے معلوم ہوتی ہیں ہاں کلام اللہ کے مقابلے میں جب رکھ کر دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی بندے کا کلام ہے حضرات محدثین کی شان یہ بھی کہ وہ اکثر اپنی فراست سے حدیث

(c) ketabton.com: The Digital Library

موضوع کوسن کر پہچان لیتے تھے کہ یہ موضوع ہے پھر تحقیق سے موضوع ہونا اس کا ثابت ہوتا تھا۔ (اطاعۃ الاحکام)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۠

ترجمہ: اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول ﷺ کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اولی الامر ہیں ان کا بھی پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ و رسول ﷺ کے حوالہ کر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو بے شک وہ بہتر ہیں اور ان کا انجام خوشتر ہے۔

اطاعت کی دو قسمیں

اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمانبرداری کا حکم فرمایا ہے وہ کون سے قسم کی فرمانبرداری ہے۔ اطاعت کی دو قسمیں ہیں ایک تو ضابطہ کی اور ایک دل سے اور خوشی سے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلوب دوسری نوع ہے اس لئے کہ اطیعوا کا ماخذ طوع ہے اور طوع کے معنی رغبت ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت رغبت اور خوش دلی سے کرو یعنی ہر امر دین کے اندر رغبت اور خوش دلی ہو کسل اور کراہیت نہ ہو یہ تو مختصر سا بیان تھا

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (خوشی سے اللہ کا کہنا مانو اور خوشی سے رسول ﷺ کا کہنا مانو)

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۝۶۵

ترجمہ: قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرائیں پھر اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور پورے طور پر تسلیم کر لیں۔

تفسیری نکات

حضور اکرم ﷺ کی شان محبوبیت

فَلَا وَ رَبِّكَ اس میں لا حرف نفی کے بعد قسم لے آئے اور منفی کا ذکر بوجہ قرینہ مقام کے چھوڑ دیا گیا یعنی یہ بات نہیں جو منافقین سمجھے ہوئے ہیں کہ باوجود دعوی ایمان کے تحکیم الی الطاغوت کو اختیار کریں اور حضور ﷺ کے حکم

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے اعراض کریں اور قبل از مقصود نفی کا لانا نہایت بلاغت ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ قبل ذکر مقصود کے اس کی ضد کی نفی کر دیتے ہیں تا کہ اس سے یکسوئی ہو کر ذہن خالی ہو جائے اور مقصود کی طرف متوجہ ہونے کے لئے آمادہ ہو جائے (شرط الایمان)

پس فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ آپ کے رب کی قسم ہے یہاں چند امور قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قسم کھا کر کیوں فرمایا دوسرے یہ کہ اگر قسم ہی کھانا تھا تو اپنے اسماء میں سے اسم رب کو کیوں خاص فرمایا تیسرے یہ کہ اس کو حضور ﷺ کی طرف کیوں مضاف کیا بات یہ ہے کہ جو مضمون اس آیت میں ارشاد ہوا ہے وہ چونکہ نہایت قابل اہتمام ہے اور قسم کھا کر جو بات کہی جاتی ہے طبعی بات ہے کہ وہ نفس میں اچھا اثر کرتی ہے اس لئے تو قسم کھائی باقی رہی یہ بات کہ وربک کیوں فرمایا واللہ یا والرب کیوں نہ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ مقصود اصلی اس آیت کا' آپ کا مطاع یعنی واجب الاطاعت ہونا بیان کرنا ہے چنانچہ الالیطاع میں اس کی تصریح ہے اور آدمی جو دوسرے کی اطاعت کرتا ہے اس کی تین وجہ ہوا کرتی ہیں یا تو احسان کہ انسان کا طبعی امر ہے کہ محسن سے اس کو محبت ہوتی ہے اور یا عظمت شان خواہ محسن بھی نہ ہو چنانچہ حکام کی جو اطاعت کی جاتی ہے اس کا سبب ان کی عظمت ہے اور تیسری وجہ محبت ہے گو نہ احسان کچھ ہوا اور نہ حکومت و عظمت ہو مگر محبت کا بھی خود اقتضا یہ ہے کہ محبوب کی اطاعت کی جائے۔ جناب باری تعالیٰ کو وربک سے حضور ﷺ کا تینوں وجہ سے مطاع ہونا بیان کرنا منظور ہے۔ (شرط الایمان)

محسن کائنات

فَلَا وَرَبِّكَ کے اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ قسم ہے آپ کے مربی کی اور تربیت ایک اعلیٰ درجہ کا احسان ہے پس مربی بہ معنی محسن ہوا پس حاصل یہ ہوا کہ قسم ہے آپ کے محسن کی اور ظاہر ہے کہ آپ کی طبیعت اور فطرت ہے سلیم اور طبائع سلیمہ کا مقتضی یہ ہے کہ اس صلے میں کہ خالق کا اس پر احسان ہے وہ خلق خدا پر احسان کرتا ہے پس اس قاعدہ سے آپ خلق کے محسن ہوئے یہ تو محسن ہونا آپ کا قاعدہ عقلیہ سے ہوا دوسری وجہ بطرز فن تصوف آپ کے محسن ہونے کی اور بھی ہے وہ یہ کہ صفات حمیدہ حقیقتاً ذات باری تعالیٰ نے لئے ہیں اور مخلوق کے اندر ان کا ظل ہے مثلاً مخلوق کسی مجرم کا قصور معاف کر دے تو یہ صفت عفو کا پرتو ہے اور اگر کوئی کسی کو کچھ دے تو یہ جوادیت کا اثر ہے اور یہ مسلم ہے کہ جناب رسول ﷺ تمام افراد بنی آدم میں سے صفات باری تعالیٰ کے مظہر اکمل واتم ہیں پس صفت احسان کے بھی آپ مظہر اتم ہوئے تو آپ تمام جہان کے محسن ہوئے اور تربیت کا منشاء چونکہ ہمیشہ محبت ہوتا ہے اور اس کی اضافت ہے حضور ﷺ کی طرف تو گویا یوں فرمایا فلا ومحبک (آپ کے محب کی قسم) اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

جو خدا کا محبوب ہو وہ مخلوق کا بدرجہ اولیٰ محبوب ہونا چاہئے پس آپ محبوب بھی ہوئے تو تمام مخلوق کے فلا وربک سے آپ کا عظیم الشان ہونا اور محسن ہونا اور محبوب ہونا سب ثابت ہوا (شرط الایمان)

احکام شرعیہ کے بارے میں دل میں تنگی محسوس ہونا علامت کفر ہے

اسی واسطے حق تعالیٰ نے صرف یُحَكِّمُوْكَ (یہ لوگ اپنے جھگڑے کا آپ سے تصفیہ کرائیں) پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ ایک تو یہ فرمایا ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ یعنی حضور ﷺ کے فیصلے کے بعد اپنے دلوں میں آپ کے فیصلہ سے کوئی تنگی نہ پائیں اور پھر عدم وجدان حرج کا بڑا دعویٰ بھی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ دوسری بات وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اور پورے طور سے تسلیم کرلیں) بھی فرمائی یعنی علامت تنگی قلب نہ ہونے کی یہ ہے کہ اس پر عمل بھی نہایت مضبوطی سے شروع کردیں ورنہ نرے دعوے سے تو کوئی شخص بھی عاجز نہیں ہے اس لئے اس کی یہ علامت بیان فرمائی یہ حاصل ہے آیت شریفہ کا' اس آیت نے اس کا فیصلہ کردیا کہ ایمان اس وقت تک میسر نہیں ہوتا جب تک کہ احکام شرعیہ کو دل سے نہ مانے اور کسی قسم کی دل میں تنگی نہ ہو اور اس طرح دل سے ماننے کی علامت یہ ہے کہ عمل شروع کردے اور اگر دل میں تنگی ہوئی یا تسلیم نہ کیا تو مومن نہیں (شرط الایمان)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان عظمت وجلال محبوبیت اور محسنیت

اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے فَلَا وَرَبِّكَ میں حضور ﷺ کی تین شانیں بیان فرمائی ہیں عظمت وجلال محبوبیت' محسنیت چنانچہ تفصیلاً اول گذر چکا ہے اور آگے مقصود کے اندر بھی تین امر کا بیان ہے اول یُحَكِّمُوْكَ (یہ لوگ آپ کو حکم بنالیں) دوسرے ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا (یعنی پ کے فیصلہ کے بعد اپنے دل میں تنگی نہ پائیں) وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پورے طور پر تسلیم کرلیں) یہ تینوں امر حضور ﷺ کے اوصاف ثلثہ سابقہ پر مرتب معلوم ہوتے ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عظمت شان پر یُحَكِّمُوْكَ (یہ لوگ آپ کو حکم بنالیں) مبنی ہے اس لئے کہ حاکم اس کو بناتے ہیں جو عظیم الشان ہو اس مقام پر ایک امر قابل غور ہے کہ آج کل لوگوں نے یہ شیوہ اختیار کیا ہے کہ احکام شرعیہ کی علتیں دریافت کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے حالانکہ احکام سلطنت کی وجوہ دریافت نہیں کرتے سو اس کی وجہ یہی ہے کہ حکام کی عظمت قلب میں ہے اور حضور ﷺ کی عظمت نہیں ہے عظمت وہ شے ہے کہ علت کا سوال تو کیا معنی خطرہ بھی اس کا نہیں آتا۔ کبھی کسی نے اس کی وجہ دریافت نہیں کی کہ رسید کا ٹکٹ اگر خط پر لگا کر ڈاک میں چھوڑ دیا جائے تو خط بے رنگ کیوں ہوجاتا ہے۔ حالانکہ محصول پورے سے بھی زیادہ ہے اگر کوئی پوچھے بھی تو یہی جواب ملتا ہے کہ سرکاری حکم ہے۔ بخلاف احکام شرعیہ کے کہ اس میں ہر مسئلے کی علت

(c) ketabton.com: The Digital Library

پوچھتے ہیں یہ صاف دلیل ہے کہ حاکم شرع کی دل میں عظمت نہیں ہے صاحبو! افسوس ہے کہ مسلمان ہو کر احکام میں چوں چرا کرو اور لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا (یعنی آپ کے فیصلہ کے بعد اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں) محبوبیت کا مقتضی ہے کہ محبوب محب کو اگر یہ کہے کہ اپنے سر میں جوتیاں مارتے ہوئے بازار میں نکل جاؤ تو اگر محبت صادق ہے تو اس سے عار و ننگ نہ کرے گا اس لئے کہ محبت کا یہ خاصہ ہے کہ عار و ننگ نہیں رہا کرتی بلکہ یہ بھی ثابت ہو جائے کہ یہ امر عقل کے خلاف ہے تب بھی اس کے امتثال میں کوئی تنگی نہ ہو گی بلکہ تنگی تو کیا اس امر کو اپنا فخر سمجھتا ہے اور يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (پورے طور پر تسلیم کر لیں) محسنیت پر متفرع ہے کہ طبع سلیم کا مقتضی محسن کے امر کو تسلیم کرنا اور اس میں چوں و چرا نہ کرنا ہے اس مقام پر ایک طالب علمانہ شبہ یہ ہے کہ کیا اگر ان امور ثلاثہ میں سے کوئی امر کسی کے اندر مفقود ہو گا تو وہ مومن نہ ہو گا۔ بات یہ ہے کہ تحکیم اور عدم وجدان حرج اور تسلیم کے مراتب مختلف ہیں۔ جس مرتبے کی تحکیم اور عدم وجدان حرج اور تسلیم ہو گی اسی مرتبے کا مومن ہو گا اور مراتب تین ہیں ایک مرتبہ اعتقاد کا ہے الحمد للہ کہ سب مسلمانوں میں یہ مرتبہ امور ثلاثہ کا موجود ہے اور یہ ادنی ایمان ہے اگر کسی کے اندر مرتبہ اعتقاد میں بھی یہ امور نہ ہوں تو وہ واقعی مومن نہیں دوسرا مرتبہ عمل کا ہے کہ امور ثلاثہ پر عمل بھی ہو یعنی اپنے مقدمات و منازعات میں شریعت کی طرف رجوع ہو عقلاً تنگی نہ ہو اور اس پر عمل ہو اگرچہ طبعاً تنگی ہو اور یہ اوسط درجہ ایمان کا ہے تیسرا مرتبہ طبیعت کا ہے یعنی امور ثلاثہ طبعی ہو جائیں یہ اعلیٰ درجہ ایمان کا ہے اور ایسا شخص مومن اکمل ہے بہر حال جیسے ایمان کے درجات ہیں ایسے ہی ان امور کے بھی درجے ہیں اب ہر شخص کو اپنے اندر غور کر لینا چاہئے کہ میں کس درجہ کا مومن ہوں اور کس درجے کی ضرورت ہے ظاہر ہے کہ ضرورت تو ہر مطلوب میں کمال ہی کی ہے اب اپنی حالت دیکھ لے کہ اگر صرف درجہ اعتقاد کا ہی ہے تو اس کو مومن کہا جائے گا لیکن کمال ایمان کے اعتبار سے وہ مومن نہ کہلائے گا اور عرفاً بھی وہ مومن کہلانے کا مستحق نہیں ہے دیکھو اگر کسی کے پاس ایک روپیہ ہو تو اس کو مالدار نہیں کہتے مالدار اسی کو کہتے ہیں جس کے پاس بہت سامال ہو پس ایسے شخص کو کمال کی طرف ترقی کرنا چاہئے۔ صاحبو! غضب کی بات ہے کہ مال دنیا اگر قلیل ہو تو اس پر تو قناعت نہیں اور ہر وقت یہی فکر ہے کہ یہ بڑھ جائے اور دین کی ترقی کی فکر نہیں

اری الملوك بادنى الدين قد قنعوا　　وما اراهم رضوا فى العيش بالدون

(بادشاہوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ ادنیٰ و قلیل دین پر قانع ہیں اور میں نے ان کو نہیں دیکھا کہ قلیل دنیا پر انہوں نے اکتفا کیا ہو)

فاستغن بالدين عن دنيا الملوك كما　　استغنى الملوك بدنيا هم عن الدين

(سو تم دین کی وجہ سے بادشاہوں کی دنیا سے مستغنی رہو جیسا کہ بادشاہ اپنی دنیا کی وجہ سے دین سے مستغنی ہیں)

حالانکہ دین کا کمال تو اس سے زیادہ اہتمام کے قابل ہے۔ غرض ایمان جب ہی کامل ہو گا کہ تحکیم اور عدم وجدان حرج اور تسلیم کا درجہ کامل ہو (شرط الایمان)

(c) ketabton.com: The Digital Library

کمال ایمان کی تحصیل کا طریقہ اور دستور العمل

اس پر عمل کرنے سے یہ درجہ ایمان کا میسر ہو وہ طریقہ مرکب ہے تین اجزاء سے اول تو علم دین خواہ کتب درسیہ کی تحصیل سے ہو یا اردو کے رسائل سے یا علماء سے سن کر دوسرے صحبت اہل اللہ کی تیسرے یہ کہ چوبیس گھنٹہ میں سے ایک گھنٹہ نکال کر اس میں بیٹھ کر یہ سوچا کرو کہ ہم کو ایک روز یہ دنیا چھوڑنا ہے اور قبر میں جانا ہے اور وہاں دو فرشتے آئیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم بنانے کا امر

فرماتے ہیں فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اس آیت کو سن کر ذرا مسلمانوں کے کان کھڑے ہو جانے چاہئیں اور بدن پر لرزہ پڑ جانا چاہئے اس میں ایمان مطلوب کا معیار بیان کیا گیا ہے اور اس بات کی ایک پہچان بتلائی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہم یہ دیکھیں کہ ہمارے دلوں میں ایمان مطلوب ہے یا نہیں جس کو اپنی قلبی حالت ایمان کے متعلق معلوم کرنی ہو وہ اس علامت سے بہت آسانی کے ساتھ معلوم کر سکتا ہے مطلب آیت مذکورہ بالا کا یہ ہے کہ یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ کو اپنے ہر کام میں حکم نہ بنائیں اللہ تعالیٰ نے حصر فرمایا مومن ہونے کو اس بات میں کہ آپ کو جملہ امور میں حکم بنایا جائے حکم اس کو کہتے ہیں جس کا فیصلہ بلا دلیل مان لیا جاوے اور اس میں چوں وچرا نہ کیا جاوے اب ہم غور کر لیں کہ ہم میں یہ علامت ایمان کی موجود ہے یا نہیں اگر موجود ہے تو آیا درجہ مطلوبہ میں ہے یا نہیں۔ اگر انصاف کو دخل دیں گے تو غالباً یہی کہنا پڑے گا کہ اگر معدوم نہیں جو کہ کفر ہے مگر کالعدم تو ضرور ہے جو اگر کفر نہیں مگر ناقص ہونے میں تو شبہ ہی نہیں پھر معلوم نہیں کس بات پر ہم کو ناز ہے اور کس کرتوت پر پھولے ہوئے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایمان حقیقی سے جو کہ مطلوب ہے ہم لوگ بالکل کورے نہیں بلکہ کورے ہیں۔ اگر یہ بات محض اجمالی طور سے سمجھ میں نہ آتی ہو تو تفصیلی نظر سے دیکھئے اس سے بخوبی سمجھ میں آجائیگا کہ میرا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی ایک ایک حالت کو لیجئے اور اس کو حضور کے ارشادات پر منطبق کرتے جائیے کہ ہم کو اس حالت میں حضور ﷺ کے ارشادات پر انشراح اور تسلیم حاصل ہے یا نہیں اس سے خود بخود پتہ چل جائے گا اور آپ خود ہی یہ کہیں گے خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم حضور ﷺ کے تمام ارشادات منضبط ہیں یہ فقہ وحدیث وتصوف اور اخلاق کی کتابیں سب آپ ہی کے ارشادات کا مجموعہ ہیں۔ اور ہمارے حالات کی تقسیم پانچ چیزوں کی طرف ہے عبادات' معاملات' عادات' اخلاق' معاشرات' ان پانچوں میں سے جس شعبہ کو کتاب پر پیش کریں گے تو یہی معلوم ہوگا کہ کتاب کہہ رہی ہے پچھم کی طرف چلنے کو اور ہم جا رہے ہیں پورب کی طرف اور کتاب کہہ رہی ہے دکھن کی طرف جانے کو ہم جا رہے ہیں اور تر کی طرف

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہم کو جانا ہے کلکتہ اور ہم اس ریل میں بیٹھے ہیں جو شملہ کو جا رہی ہے اور جی میں خوش ہیں کہ اب کلکتہ پہنچ جائیں گے حالانکہ واقعہ میں وہ بدم کلکتہ سے بعد ہو رہا ہے۔ یہ حالت کم وبیش ہر شعبہ میں نظر آئے گی اور ظاہر ہے کہ اگر انشراح وتسلیم کامل ہوتو ان شعبوں میں یہ نقصان ہرگز پیش نہ آوے مگر جب ہر ہر شعبہ میں یہ نقصان ہے تو کیسے مان لیا جائے کہ ہم میں انشراح وتسلیم کامل ہے۔ غرض تفصیل سے دیکھو اجمال سے دیکھو تو کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ ہم میں ایمان مطلوب کی علامت موجود ہے۔ پھر کیا فتوی ہوا ہمارے بارہ میں قرآن کا اس کا جواب ہر شخص کا دل خود ہی دے رہا ہے۔ اور حضور ﷺ کے حکم بنانے کے متعلق قرآن میں جہاں تذکرہ ہے وہاں صرف اسی پر بس نہیں کیا گیا کہ لوگ حضور ﷺ کو محض زبانی اور ظاہری طور پر حکم بنالیں بلکہ فرماتے ہیں۔

ہمارے سارے کام ناقص ہیں

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ یعنی صرف ظاہری حکم بنانا کافی نہیں بلکہ یہ حالت ہونی چاہئے کہ حضور نے جو حکم کیا ہو اس سے کسی قسم کی تنگی دلوں کے اندر نہ پائیں اور ذرا بھی انقباض نہ ہو پھر اس پر بھی بس نہیں بلکہ اس مضمون کی اور تاکید پر تاکید ہے فرماتے ہیں وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا یعنی اس حکم کو مان لیں پورا مان لینا یعنی صرف یہی نہیں کہ اس سے انقباض نہ ہو جیسا لَا يَجِدُوْا سے معلوم ہوتا ہے بلکہ اس کے ساتھ تسلیم کامل ہو اب ہم لوگ دیکھ لیں کہ ہماری یہ حالت ہے یا نہیں کیا کہا جائے۔ سوائے اس کے کہ جواب نفی میں ہے افسوس صد افسوس اس آیت سے کمر ٹوٹ جاتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ ایمان مطلوب سے بالکل خالی ہیں اور ایسے ایمان سے خالی ہونے والے کا جو لقب ہے وہ سب کو معلوم ہے اس لفظ کو منہ سے نکالتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے یعنی غیر مومن بدرجہ خاص ہے لیکن منہ کے نہ نکالنے سے کیا ہوتا ہے اگر ہماری حالت اس کے اطلاق کے قابل ہے تو وہ ہے ہی کانے کو کوئی زبان سے کانا نہ کہے تو اس سے کیا ہوتا ہے اس نہ کہنے سے کیا عیب اس کا مٹ جائے گا جب ایک آنکھ نہیں ہے تو کانا تو ہے ہی چاہئے کوئی کہے یا نہ کہے اب یہ سمجھئے کہ ہم لوگوں نے اپنی براءت کے لئے ایک اور ترکیب نکال رکھی ہے۔ جس سے دل کو سمجھا لیتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس آیت میں و نیز اس کے مثل دوسری آیتوں میں ایمان سے مراد کامل ایمان ہے تو معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ کمال ایمان اس وقت حاصل ہوگا جب یہ علامت موجود ہو اور جب یہ علامت موجود نہ ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ ایمان کامل نہیں ہے مگر نفس ایمان تو جب بھی رہے ہی گا خدا بھلا کرے اس تاویل کا کہ اس کی بدولت ذرا سہارا تو ہے اور یہ امید ہوتی ہے کہ ہم لوگ بھی کچھ پٹ پٹا کر عذاب سے نجات پا جائیں گے کیونکہ ایمان کامل نہ سہی ناقص سہی کچھ تو موجود ہے میں اس ترکیب کو باطل نہیں کہتا مسئلہ صحیح ہے لیکن یہ حفظت شيئا و غابت عنك اشياء کا مصداق ہے یہ بھی تو دیکھو کہ تم ایمان لاکر کس ثمرہ کے طالب ہو کامل کے یا ناقص کے جواب ظاہر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ثمرہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کامل ایمان کامل ہی پر مرتب ہوسکتا ہے اور تمام مقاصد اور ذرائع میں یہی قاعدہ ہے۔ اسی لئے عادات میں ثمرات ہی پر نظر کر کے جو طریق ترتب ثمرہ مطلوبہ میں ناقص ہو اس کو محاورات میں کالعدم ہی قرار دیا جاتا ہے چنانچہ کسی کو مالدار کہا جائے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر کسی کے پاس ایک کوڑی یا ایک پیسہ ہے تو وہ بھی مالدار ہے اگرچہ لغۃً اس حالت میں بھی مالداری کا اطلاق اس پر صحیح ہے لیکن اپنے محاورہ کو دیکھئے' آپ اس شخص کو کبھی مالدار نہیں کہیں گے۔ علی ہذا جتنی صفات ہیں سب میں یہی قاعدہ جاری ہے کہ جب صفت کا اطلاق کسی چیز پر کیا جاتا ہے تو اس کا ادنی درجہ بلکہ اوسط درجہ بھی مراد نہیں ہوتا بلکہ کامل ہی درجہ مراد ہوتا ہے جیسے شجاع' سخی' حسین وغیرہ کہ ان صفتوں میں ادنی درجہ والے کو شجاع سخی حسین نہیں کہہ سکتے جب یہ بات ہے تو مومن ہونا بھی ایک صفت ہے اس کا اطلاق بھی عادات میں کسی شخص پر جبھی کیا جائے گا کہ اس میں صفت ایمان کی بدرجہ کمال موجود ہو ورنہ آپ کے محاورہ مذکور کے موافق اس پر عدم ایمان کا اطلاق اقرب ہوگا تو پھر وہی بات لوٹ آئی کہ ہم سے جس ایمان کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ ہم میں موجود نہیں تو پھر کس بات سے دل خوش کیا جائے اگر قیامت کے دن یہی سوال ہو کہ ہم نے تم سے جس صفت ایمان کا مطالبہ کیا تھا وہ تم نے حاصل کی یا نہیں تو کیا اس کے جواب میں آپ اس ضعیف اور ناقص ایمان کو جس پر آپ خود عدم کا حکم لگا چکے ہیں پیش کر سکتے ہیں۔ اور اگر آپ فرضاً پیش بھی کر دیں اور ادھر سے یہ کہا جائے کہ تم اپنے واسطے تو ہر صفت کا اطلاق اس وقت کافی سمجھتے تھے جبکہ وہ کمال کے درجہ میں موجود ہو اور ہمارے مقابلہ میں یہ صفت ناقص کس منہ سے پیش کرتے ہو تو کوئی صاحب ذہین سے ذہین مجھے بتائیں کہ اس کا کیا جواب ہوگا۔ میرے نزدیک کچھ جواب نہیں ہوسکتا۔ غرض جب ہمارا ایمان باوجود ہونے کے کالعدم ہے تو وہ تو حضرت حق کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہے نہ اپنے ہی دل کی تسلی کے لئے کافی ہے مگر خیر بالکل نہ ہونے سے جیسی کفار کی حالت ہے ناقص ہی ہونا غنیمت ہے جہاں ہمارے سارے کام ناقص ہیں ایمان بھی ناقص سہی اس طرح دل کو سمجھا لو کوئی جز تو ایمان کا ہے ہی اگر ذرا برابر بھی ایمان موجود ہے تو ان شاء اللہ وہ بھی اپنا اثر ضرور دکھلائے گا۔ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ابتداء نہ سہی سزا کے بعد تو نجات ہو ہی جائے گی اور بڑی بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اگر وہ ہمارے ضعف اور اپنی قدرت پر نظر فرما کر رحم فرما دیں تو ان کو کون روکنے والا ہے اس کے علاوہ ایک اور امید گاہ ہے وہ یہ کہ ہم کو محض اپنے فضل و کرم سے اپنے محبوب کی امت میں پیدا کیا ہے اس سے بہت کچھ امید ہوتی ہے کیا عجب ہے کہ پہلے ہی سے رحمت ارادہ ہو۔

رسول اکرم ﷺ کی محبوبیت کے دلائل

اور حضور ﷺ کی محبوبیت کے مستقل دلائل تو ہیں ہی خود اس آیت میں اس محبوبیت پر ایک عجیب دلالت ہے وہ یہ کہ اس آیت میں یعنی فَلَا وَرَبِّكَ میں مقسم بہ ذات حق ہے اور انہوں نے اپنی ذات کی قسم کھائی مگر ایک

(c) ketabton.com: The Digital Library

عجیب عنوان سے جو حضور کی محبوبیت پر دال ہے۔ کیونکہ قسم کے لئے تو اور بھی الفاظ ہو سکتے تھے مثلاً واللہ تاللہ جیسا کہ اور دوسرے مقامات پر موجود ہیں۔ تاللہ لقد ارسلنا الی امم من قبلک یعنی یہ کہ حق تعالیٰ نے قسم کھائی اپنی یا مثلاً یوں ہی فرمادیتے و نفسی و امثال ذالک مگر سارے عنوان کو چھوڑ کر یہ عنوان اختیار کیا فلا و ربک جس کے معنی ہیں قسم ہے آپ کے رب کی اور ظاہر ہے وہ رب خود ہی ہیں تو معنی یہ ہوئے کہ مجھے اپنی قسم ہے مگر اس حیثیت سے کہ میں آپ کا رب ہوں کیا ٹھکانا ہے حضور کی محبوبیت کا کہ حضرت حق اپنی ذات کی قسم من الذات نہیں کھاتے بلکہ اس حیثیت سے قسم کھاتے ہیں کہ وہ رب ہیں۔ حضور کے اس ابلغ کون سا لفظ محبوبیت کے معنی ادا کرنے کے لئے ہو سکتا ہے۔ اور بظاہر تو یہ خیال میں آتا ہے کہ اگر اس قسم کے موقع پر ورب العلمین فرماتے تو باعتبار موقع کے بہت ابلغ ہوتا کیونکہ جس بات پر قسم کھائی گئی ہے وہ حضور کی ذات سے متعلق نہیں بلکہ ایک مسئلہ بتاتا ہے جس میں ایمان کے معیار کو ظاہر کیا گیا ہے اور جس کا تعلق عامۃ الناس سے ہے تو اس موقع پر ربوبیت عامہ کو جتلانا زیادہ مناسب تھا۔ لیکن بجائے اس کے یہ عنوان اختیار کیا گیا کہ رب العالمین کی جگہ وربک فرمایا گیا جس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ صحیح معیار ایمان کا یہی ہے کہ حضور کے فیصلہ کو بدل و جان تسلیم کیا جاوے سو اس کے لئے یہی زیادہ مناسب تھا کہ لوگوں پر یہ بات ظاہر کردی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور ﷺ کا مرتبہ جس کی بناء پر آپ کے فیصلہ کو تسلیم کرانا ہے کیا ہے جب یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ حضور کا مرتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے تو حضور کے فیصلہ کی پوری وقعت ہوگی اور پھر کسی کی یہ مجال نہ ہوگی کہ اس کو بخوشی تسلیم نہ کرے اس واسطے وَ رَبِّكَ فرمایا گیا پس اس میں قسم کے ساتھ حضور ﷺ کی عظمت بھی ظاہر ہو گئی یعنی یہ ظاہر ہو گیا کہ حضور کا درجہ اس حد تک پہنچا ہوا ہے کہ حق تعالیٰ اپنی قسم بلحاظ اس علاقہ کے کھاتے ہیں جو حضرت حق کو حضور کے ساتھ ہے اور یہ علاقہ اتنا بڑا ہے کہ جب عامۃ الناس کو اس کی اطلاع ہو جائے گی تو پھر حضور کے فیصلہ میں ان کو کسی چون و چرا کی گنجائش نہ رہے گی۔ اس بیان سے اس کا نکتہ واضح ہو گیا کہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی قسم حضور کے علاقہ سے کیوں کھائی اب ایک سوال اور باقی رہتا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ سے تو کئی قسم کے تعلقات ہیں مثلاً سب سے بڑا علاقہ الوہیت کا ہے جو ام العلائق ہے تو بجائے وربک کے والٰھک کیوں نہ فرمایا سبحان اللہ قرآن کی بلاغت قابل ملاحظہ ہے چنانچہ اس میں بھی ایک نکتہ ہے جو اس وقت سمجھ میں آیا اور یہ آپ لوگوں کی برکت ہے بعض وقت بیان کرنے والا بالکل خالی الذہن ہوتا ہے مگر سامعین کی طلب اور کشش کی برکت سے اس کے قلب میں کسی نئے مضمون کا القاء ہو جاتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ماں کی چھاتیوں میں دودھ اس وقت آتا ہے جب پینے والا ہو جاتا ہے جس کی بابت مولانا فرماتے ہیں۔

تانہ گرید ابر کے خندد چمن تانگرید طفل کے جوشد لبن

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی جب تک بادل نہیں برستا چمن سرسبز و شادات نہیں ہوتا اور جب تک بچہ نہیں روتا ماں کے پستانوں میں دودھ نہیں اترتا اور جب تک دودھ پینے والا نہیں ہوتا تب تک وہ بھی نہیں آتا۔

اصل موثر فضل الٰہی ہے

غرض حاصل یہ ہوا کہ پستانوں میں دودھ پینے والے کی کشش سے آیا مگر اس پر آپ غرہ نہ ہوں کہ ہم ایسے طالب صادق اور متبرک ہیں کہ ہماری طلب سے مضامین کا القاء ہوتا ہے کیونکہ محض آپ کا یہ خیال کر لینا آپ کے دعوے کے لئے کافی نہیں ہوگا وجہ یہ کہ بچہ کی طلب اور کشش سے دودھ جبھی آتا ہے جب کہ چھاتی میں موجود ہو کسی بچہ کے ذریعہ سوکھی لکڑی میں سے تو دودھ نکلوا لیجئے غرض اس میں آپ کی کشش کا بھی اثر ہے مگر اصل موثر فضل الٰہی ہے بہرحال یہ نکتہ اس وقت سمجھ میں آیا وہ یہ ہے کہ اگر والھک فرماتے تو اس میں اتنی لطافت نہ پیدا ہوتی جتنی کہ وَرَبِّكَ کے لفظ میں پیدا ہوئی کیونکہ صفت الوہیت کا مقتضا یہی ہے کہ تمام عالم بحیثیت عبد ہونے کے بلاچوں و چراں سارے حقوق بندگی کے ادا کریں تو الوہیت کا تعلق ایک حاکمانہ تعلق ہے۔ کوئی شفیقانہ تعلق نہیں۔ برخلاف صفت ربوبیت کے کہ وہ شفیقانہ تعلق ہے تو ربک کے معنی یہ ہوئے کہ ہم اس علاقہ سے قسم کھاتے ہیں جس کی رو سے ہم تمہاری خاص رعایتیں کرتے ہیں۔ اب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ لفظ الھک و ربک میں کیا فرق ہوا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان محبوبیت

اب غور کیجئے کہ جب حق تعالیٰ خود ہی حضور کی خاص رعایتیں فرماتے ہیں تو عامۃ الناس کا کیا منہ ہے کہ وہ حضور کی رعایت نہ کریں اور اس رعایت کی حقیقت اور حقوق جس کا حاصل اطاعت ہے مستقل دلائل سے ثابت ہے اور خود اس آیت میں بھی ہے حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ اس سے حضور کی محبوبیت کی تاکید پر اور تاکید ہوگئی کیا بلاغت ہے قرآن کی کہ ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف اس کا موتی کی لڑی کی طرح پرو دیا ہوا ہے غرض یہ آیات حضور کی شان محبوبیت سے لبریز ہے جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے ایسے محبوب کی امت میں پیدا کیا ہے تو اس سے جس قدر لطف و کرم کی ہم امید رکھیں وہ ہر صورت سے کم ہے گو ہماری حالت اس قابل نہ ہو۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

اے رب تو بھی کریم ہے اور تیرا رسول بھی کریم ہے سینکڑوں شکر کہ ہم دو کریموں کے درمیان ہیں۔

اصل بیان یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مومن ہونے کا معیار اور دل میں ایمان ہونے کا نشان بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ یعنی یہ لوگ مومن جب ہی کہلائیں گے جب کہ آپ کو ہر بات میں اپنا حکم قرار دیں اور اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ فرماتے ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ' وہ تحکیم ظاہری حکم تھا اور یہ تسلیم باطنی ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ آپ کے فیصلہ پر عمل بھی کریں اور دل سے خوشی کے ساتھ اسے تسلیم بھی کریں خواہ کوئی قضیہ ہو حضور ہی کی طرف سے اس میں رجوع کریں خواہ وہ حق سلطنت ہو یا حق دشمن اور خواہ حق مشترک ہو یا منفرد حتی کہ حقوق بہائم میں بھی حضور ہی کی طرف رجوع کریں اور حضور ہی کے فیصلہ کا اتباع کریں جو حضور بتائیں اس کو بطیب خاطر تسلیم کریں اور اس کے موافق عمل کریں اور یہ بتلانا حضور کا صحابہ کے لئے تو بلا واسطہ تھا مگر ہمارے لئے بواسطہ ہے گو حضور ﷺ اب موجود نہیں مگر دین کا سارا کام چل رہا ہے اور قیامت تک چلا جائے گا جیسا کہ مولانا فرماتے ہیں

چونکہ گل رفت و گلستان شد خراب — بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

چوں کہ شد خورشید و ما را کرد داغ — چارہ نبود در مقامش جز چراغ

جب پھول کا موسم چلا گیا اور چمن اجڑ گیا تو اب پھول کی تمنا ہی فضول ہے ہاں پھول سے اثر ایسا ہی موجود ہے جب سورج غروب ہو گیا اور ہم کو داغ دے گیا اب اس کی جگہ میں سوائے چراغ کے چارہ کار نہیں ہے۔

اسلام کیلئے صرف اعتقاد کافی نہیں

فرمایا اسلام کے لئے صرف اعتقاد کافی نہیں انقیاد اور اطاعت ہونی چاہئے یعرفون کما یعرفون ابناء هم' ابوطالب حضرت ﷺ کے بہت معتقد تھے مگر مسلمان نہیں حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا' مما قضیت ویسلموا تسلیما یہ ہونا چاہئے جب اعتقاد ہے تو انا مسلم کیوں نہیں کہتا یہی تو کفر ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت صفحہ ۵۵)

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے شخص بھی ان حضرات کیساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات اچھے رفیق ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

شان نزول

حدیث میں ایک صحابی حضرت ثوبانؓ کا واقعہ آیا ہے کہ وہ حضرت سرور کائنات ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم جنت میں گئے بھی تو ہم کو وہ درجہ تو نصیب نہیں ہو سکتا جو درجہ آپ کا ہو گا اور جب ہم اس درجہ پر نہ پہنچ سکیں گے تو آپ کے دیدار سے محروم رہیں گے اور جب آپ کا دیدار نصیب نہ ہو گا تو ہم جنت کو لے کر کیا کریں گے' حضور کرام ﷺ نے یہ سن کر سکوت فرمایا آخر وحی نازل ہوئی وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ الایہ (جو شخص اللہ اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتا ہے وہ قیامت میں ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء' صدیقین شہداء اور صالحین کے ساتھ ہو گا۔ جب حضور ﷺ نے ان کی تسلی فرمائی یعنی یہ ضرورت نہیں کہ اس درجہ میں عارضی طور پر پہنچنے کیلئے اسی درجہ کے اعمال کی ضرورت ہو صرف اتباع اور محبت نبی کافی ہے جیسے دربار شاہی میں خدمت گار محض معیت و خدمت شاہ کی وجہ سے دیگر رؤساء سے پہلے پہنچتا ہے اس لئے مَعَ الَّذِيْنَ فرمایا آگے ذٰلِكَ الْفَضْلُ میں بھی تصریح فرمادی ہے کہ اس کو اپنے اعمال کا اثر مت سمجھنا یہ محض فضل ہے اور واقع میں اگر غور کیا جاوے تو صاف معلوم ہو گا کہ ہمارا دین اور ایمان ہماری دنیا اور سب سامان ہماری نماز ہمارا روزہ ہمارا ثواب درجات جو بھی کچھ ہے سب حضور ﷺ کا ہی طفیل ہے۔ چنانچہ ان آیات کے شان نزول کے انضمام سے صاف معلوم ہوتا ہے جن میں ارشاد ہوتا ہے ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا اس کا یا تو یہ مطلب ہے کہ اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں یہ محض فضل خداوندی یہ ہے کہ تم کو ایک بہانہ محبت سے بازیابی کی دولت نصیب ہو گئی اور یا یہ مطلب ہے کہ ذالک الفضل سے بعض مغلوب الیاس لوگوں کی ناامیدی دور کرنا ہے کہ شاید کسی کو خیال ہو جاوے کہ ہمارے ایسے نصیب کہاں کہ ہم اس درجہ تک پہنچ سکیں تو اس کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ اگرچہ تم اس قابل نہیں لیکن نعمت تمہارے اعمال کی جزا نہیں ہے کہ تم ان پر نظر کر کے اس نعمت سے مایوس ہو جاؤ یہ تو محض خدا تعالیٰ کا فضل وجود میں ہے جس کے لئے تمہارے اعمال کامل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ سبحان اللہ قرآن پاک بھی کیا عجیب چیز ہے کہ دو متعارض شبے ایک عجب دوسرا یاس اور ایک جملہ میں دونوں کا جواب خواہ یوں کہہ لو خواہ یوں کہہ لو۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ' ابو رافع ایک صحابی ہیں ان کو پاک بار یہ غم ہوا کہ یہاں تو جب چاہتے

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہیں حضور اقدس ﷺ کے دیدار سے مشرف ہو جاتے ہیں مگر جنت میں آپ بڑے درجہ میں ہوں گے اور ہم چھوٹے درجہ میں جہاں ہماری رسائی کس طرح دیدار میسر ہوگا اور اس خیال سے ان کو بے حد قلق ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جب انہوں نے یہ سنا تو بے حد خوش ہوئے کہ الحمد للہ جنت میں بھی حضور ﷺ کی زیارت کیا کریں گے۔ اسی طرح دوسرے دوستوں سے جن کا ذکر صدیقین وشہداء وصالحین میں ہے ملا کریں گے ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اس صورت میں تو کم درجہ والے بڑے درجوں میں پہنچ جائیں گے فرمایا کہ پہنچ جائیں تو حرج اور نقص کیا واقع ہوا یہاں پر بھی تو ایسا ہوتا ہے کہ کم درجہ والے بڑے درجوں والوں کے پاس ملنے کے لئے پہنچ جاتے ہیں یہاں پر معیت کے وہ معنی نہیں جو آپ سمجھے کہ اس درجہ پر مستقلاً پہنچ جائیں گے۔ اب فرمایئے کیا شبہ ہے عرض کیا اب کوئی شبہ نہیں رہا' عرض کیا کہ کیا جنت میں پہنچ کر حسرت ہوگی اور جی چاہے گا کہ ہم بڑے درجوں میں ہوتے فرمایا کہ جی ہی نہیں چاہے گا جو جس کے لئے تجویز ہوگی اس پر دل سے راضی رہیگا۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۞

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء وصدیقین شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں)

معیت سے مراد

کہ جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ رہیں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء وصالحین کے ساتھ (جنت میں ہوں گے اور یہ لوگ اچھے رفیق (اور اچھے دوست) ہیں۔ ساتھ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ سب کے سب ان کے درجہ میں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے قریب ہوں گے اور ان سے زیارت وملاقات کیا کریں گے۔ آگے ناز کو قطع کرتے ہیں کہ اپنے عمل پر ناز نہ کرنا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض فضل ہوگا۔ اس کے بعد فضل پر تکیہ کو توڑا وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا فضل پر تکیہ کر کے بے فکر نہ ہو جانا' اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ فضل کس پر ہوگا کس پر نہیں ہوگا۔ جس کو دوسرے مقام پر صراحت کے ساتھ بتلا دیا گیا ہے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وفضل نیکوکار بندوں سے قریب ہے)۔

ہم بہ قاعدہ المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل اعلیٰ ہی درجہ کیوں نہ مراد لیں' جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت ہے اور اس استدلال سے ہم ان سے مساوات نہیں ثابت کرنا چاہتے اور نہ ہو سکتی ہے ہمارے لئے تو یہی معراج ہے کہ ہم ان کے خدام میں شامل ہو جائیں یہ بسا غنیمت ہے مساوات کا تو نام ہم کیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

لے سکتے ہیں ہمارے لئے تو ان کی معیت و تبعیت ہی باعث فخر ہے اور یہی ہمارے لئے اعلیٰ درجہ ہے سو اتباع سے ان شاء اللہ یہ ضرور حاصل ہوگی۔ اس لئے کہ یہ معیت قرآن شریف سے جو کہ نص قطعی ہے ثابت فرماتے ہیں وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۞ اس آیت میں اللہ ورسول کی اطاعت کرنے والوں کے لئے ان حضرات کے ساتھ معیت ثابت کی گئی ہے جن پر خدا کا انعام ہوا اور منعم علیہ کون ہیں' نبیین وصدیقین وشہداء وصالحین گو بطریق تبعیت ہی ہو مگر یہ بھی کتنی بڑی بات ہے۔

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

فی الجملہ تمہارے ساتھ مجھ کو نسبت ہی کافی ہے بلبل کو یہی کافی ہے کہ گل کا قافیہ ہو جائے۔

اگر اللہ یہ معیت نصیب فرما دیں تو بہت ہی بڑی خوش قسمتی ہے یہ درجہ کس کو نصیب ہوتا ہے۔

الحمد للہ کہ صالحین کے لفظ کے متعلق ایک بہت بڑا وہم رفع ہوا اب میں بیان ختم کرنا چاہتا ہوں جو اصل مدعا ہے اسے سن لیجئے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یہ لوگ صالحین میں سے ہیں اور لفظ اولٰئک کا مشار الیہ اہل کتاب کی وہ جماعت ہے جس میں یہ صفات ہوں يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ وَمَا يَفْعَلُوْا مگر اس حکم میں خصوصیت محض اہل کتاب کی نہ سمجھی جاوے کیونکہ گو مورد آیات کا خاص ہو مگر عموم الفاظ یا علت سے حکم عام ہوا کرتا ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ اصلاح کامل اس شخص کو نصیب ہو سکتی ہے جو ان صفات کے ساتھ متصف ہو گویا دوسروں کے حق میں حکم بیان کر کے اس امت کو بھی سنانا ہے کہ اگر اصلاح کامل چاہتے ہو جس سے انبیاء علیہم السلام کی رفاقت نصیب ہو تو یہ صفات حاصل کرو جو آیات میں مذکور ہیں اور بناء ان سب کی حضور ﷺ اور وحی کی اتباع ہے چاہے وہ بواسطہ ہو یا بلاواسطہ اس طرح سے کسی حالت میں اپنی رائے کا اتباع نہ کیا جائے چنانچہ اہل کتاب کی دونوں جماعتوں میں جو ایک کی تعریف اور ایک کی مذمت فرمائی گئی ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ جس جماعت کی مذمت ہوئی انہوں نے حضور کا اتباع نہ کیا اور اپنی رائے کو کافی سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہ اور دوسری جماعت نے اپنی رائے کو چھوڑ کر حضور ﷺ و وحی کا اتباع کیا۔ اب انہیں واقعات سے لوگ اپنی حالتوں کا موازنہ کرلیں کہ کہاں تک ان میں وحی الٰہی اور حضور ﷺ کا اتباع ہے اور کہاں تک خود رائی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾

ترجمہ: بے شک شیطانی تدبیر لچر ہوتی ہے۔

تفسیری نکات

فرمایا بعض نے استنباط کیا ہے کہ عورتوں کا مکر شیطان سے بھی بڑھا ہوا ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے (۱) ان کید الشیطان کان ضعیفا (بے شک شیطان کا مکر کمزور ہے) میں شیطان کے کید کو تو ضعیف فرمایا اور (۲) ان کید کن عظیم (بیشک تمہاری چالاکیاں ہی غضب کی ہوتی) میں عورتوں کے کید کو عظیم فرمایا مگر میرے یہ استنباط درست نہیں شیطان کے کید کو حق تعالیٰ کی قوت کے مقابلہ میں ضعیف فرمایا جیسا کہ آیۃ کے شروع سے معلوم ہوتا ہے (۳) الذین امنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت فقاتلوا اولیاء الشیطان (جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کے رستہ میں قتال کرتے ہیں ان کافروں سے جو شیطان کے رستہ میں لڑتے ہیں پس شیطان کے دوستوں سے قتال کرو) ورنہ عورتوں کو تو خود شیطان ہی شیطان بناتا ہے۔ تو اس کا کید ان سے زیادہ ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ج ۱۴ صفحہ ۱۳۸)

چالاکی اور عقل دونوں الگ الگ ہیں

فرمایا' چالاکی اور چیز ہے اور عقل اور چیز چالاکی تو مذموم ہے اور عقل محمود ہے دیکھئے ان کید کن عظیم (۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں میں کید اور چالاکی بہت ہے اور باوجود اس کے ان کو ھن ناقصات العقل والدین فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِۦ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنۢبِطُونَهُۥ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُۥ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَٰنَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۳﴾

ترجمہ: اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کردیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جوان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کرلیا کرتے ہیں اور اگر تم لوگوں پر خدا کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم سب کے سب شیطان کے پیرو ہو جاتے بجز تھوڑے سے آدمیوں کے۔

تفسیری نکات

احوال منافقین

سو منافقین کی یہ کیفیت تھی کہ جیسی خبر ان کو پہنچی مشہور کردیتے یہ نہ خیال کرتے کہ کون سی خبر عوام میں شائع کرنے کے قابل ہے اور کونسی نہیں سب خبروں کو یکساں شائع کردیتے ہیں حق تعالیٰ اس بات پر ان کی اس آیت میں شکایت فرماتے ہیں اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ آگے ان کو مشورہ دیتے ہیں وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ کہ ان کو یوں چاہئے تھا کہ رسول اور اُولِی الْاَمْر (یعنی جن کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ہے اور وہ صاحب اختیار اور تجربہ کار ہیں ان کے حوالے کردیتے بس جن میں قوت استنباطیہ ہے وہ ان خبروں میں استنباط کرتے کہ یا یہ قابل اشاعت ہیں یا نہیں اور پھر یہ منافقین ان کی رائے کے مواقع عمل کرتے۔

پس جب معمولی خبروں میں قوت استنباطیہ کی ضرورت ہے اور ہر شخص اس کا اہل نہیں بلکہ اہل استنباط کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے تو جو احکام غامض اور دقیق ہیں ان میں کیسے ہوسکتا ہے کہ ہر شخص ان کو سمجھ لے اور ان سے استنباط کی طرف رجوع کرنے کی اس کو ضرورت نہ ہو یہی وجہ ہے کہ احکام کے سمجھے اور اس کے اندر استنباط کرنے کو عام طور سے جائز نہیں قرار دیا گیا کہ ہر شخص ان کو کرے پس یہ حصہ قرآن شریف کا غامض ہے اور دوسرا جو تذکیر کا حصہ ہے جس میں ترغیب ترہیب اور عقائد کا بیان ہے اس میں کچھ خفا نہیں ہر شخص اس کو سمجھ سکتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا (کہ اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو عمداً بلا وجہ قتل کردے تو قاتل کی سزا یہ ہے کہ وہ قاتل ہمیشہ دوزخ میں رہے گا)

(c) ketabton.com: The Digital Library

قتل عمد کی سزا

تو اس کا مطلب بعض لوگوں نے یہی سمجھا ہے جو بظاہر آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل ہمیشہ دوزخ میں رہے گا لیکن محققین نے دوسرا مطلب لیا ہے۔ یعنی اس آیت میں جو حق تعالیٰ نے فجزاء فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یعنی اس قاتل کی فی نفسہ تو سزا ایسی تھی کہ قاتل ہمیشہ دوزخ میں رہے لیکن یہ سزا دی نہیں جائے گی بلکہ اس سے ہلکی سزا دی جاوے گی کہ ایک عرصہ دراز تک قاتل کو جہنم میں رکھا جاوے گا جیسے کہ دوسری نصوص قطعیہ میں تصریح ہے البتہ بقول مشہور حضرت ابن عباسؓ اسی کے قائل ہیں کہ قاتل عمد کو خلود ہوگا لیکن ان سے تاویل رجوع بھی منقول ہے یہ بات طالب علموں کے سمجھنے کی ہے۔

ہر اخبار کی اشاعت کی مضرت

میں نے یعنی جامع نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا تھا جو بہت اخبار دیکھتے تھے تو ان مولوی صاحب نے جواب دیا کہ اس سے عقل بڑھتی ہے سیاسی امور میں معلومات پیدا ہوتی ہے میں نے کہا کہ اسی واسطے علماء منع کرتے ہیں اخبار بینی کو کہ تم سمجھتے نہیں اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ ہر اخبار کی اشاعت کی مضرت تو قرآن مجید میں موجود ہے۔ کقولہ تعالیٰ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ مطلب ہے کہ جب ان لوگوں کو یعنی منافقین کو کسی امر جدید کی خبر پہنچتی ہے تو خواہ وہ موجب امن ہو یا موجب خوف تو اس خبر کو فوراً مشہور کر دیتے ہیں حالانکہ وہ بعض اوقات غلط نکلتی ہے اور اگر صحیح بھی ہو تب بھی بعض اوقات اس کا مشہور کرنا خلاف مصلحت انتظامیہ ہوتا ہے۔ اور اگر بجائے خود مشہور کرنے کے یہ لوگ اس خبر کو رسول ﷺ کی اور جو حضرات صحابہؓ ان میں سے ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کی رائے کے اوپر رکھتے اور خود دخل نہ دیتے تو صحت و غلطی ہونے کا اور قابل تشہیر ہونے نہ ہونے کا وہ پورا اندازہ کر سکتے اس کی پوری تفصیل تو تفسیر میں دیکھ لینے کے قابل ہے یا کسی عالم محقق سے سمجھنی چاہئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اخبار کے بالعموم مشہور کرنے کی ممانعت قرآن مجید میں موجود ہے اور حدیث میں بھی وارد ہے کفی بالمرء كذبا ان يحدث بكل ماسمع (انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہے کہ جو سنے (اسے آگے بغیر تحقیق کے) بیان کر دے) (ملفوظات حکیم الامت ج ۱۵ صفحہ ۱۲۱)

وانهم اليه راجعون کا مشاہدہ کا مراقبہ کیا جائے یعنی موت کا اور موت کے واقعات رات دن مشاہدہ سے فرض ہے محض ظن کافی نہیں مگر چونکہ مقصود یہ ہے کہ نماز میں لقاء اللہ و رجوع الی اللہ کا استحضار کیا جائے اور یہ استحضار درجہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

وقوع میں لازم نہیں بلکہ اس کا ظن اور تصور بھی نماز میں کافی ہے کہ گویا میں اسی وقت خدا کے سامنے حاضر ہوں اور مر گیا ہوں یا مرنے والا ہوں اور گویا میں اس وقت عالم آخرت میں حاضر ہوں اس واسطے لفظ ظن اختیار کیا گیا اس طرح نماز پڑھنے سے خشوع خاص ہو جائے گا اور تمام خیالات وساوس قلب سے نکل جائیں گے واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ جامع)

قرآن عجیب کیمیا ہے

صاحبو! قرآن عجیب کیمیا ہے۔ جس میں سارا کام مفت ہی ہے مگر ذرا سی نگہداشت ہمارے ذمہ ہے اور جتنے طریقے سلوک کے ہیں جو دوسرے مذاہب میں معمول بہا ہیں ان کی مثال اس کیمیا کے مشابہ ہے جس میں اکیس روپے خرچ کئے جائیں اور مال بیس کا بھی حاصل نہ ہو اور شریعت مقدسہ کی کیمیا ایسی ہے جس میں نفع ہی نفع ہے نقصان کچھ نہیں شریعت مقدسہ نے بڑے سے بڑے کام کو بھی ایسا آسان کر دیا ہے کہ پھول سے زیادہ ہلکا ہو گیا ہے مگر توفیق نہ ہو تو وہ بھی سخت مشکل ہے غور تو کیجئے کہ اسلام میں کیا دشواری ہے رحمت ہی رحمت اور سہولت ہی سہولت ہے مگر توفیق رفیق نہ ہو تو بہت مشکل ہے ایک تو یہ جزو ہے اجزاء ثلاثہ مذکورہ فی الحدیث میں سے جس کا بیان کرنا مقصود نہ تھا مگر چونکہ جزو مقصود الحج یھدم ما کان قبلہ کے لئے معین تھا جیسا عنقریب اس کا بیان ہوتا ہے اس لئے اس کا مفصل بیان کر دیا گیا۔

دارالکفر کی دو قسمیں

دوسرا جزو یہ ہے الھجرۃ تھدم ما کان قبلھا کہ ہجرت بھی پہلے گناہ گرا دیتی ہے ہجرت کے معنی ہجرت دار خوف سے دار امن کی طرف کیونکہ دارالکفر دو قسم کے ہیں ایک دارالخوف جس میں شعار اسلام ظاہر کرنے پر مسلمانوں کو قدرت نہ ہو بلکہ اس اظہار میں جان و مال کا خطرہ ہو دوسرا دارالامن جہاں سلطنت تو کافر کی ہے مگر مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے کہ وہ شعائر اسلام کو بے خوف و خطر ظاہر کر سکتے ہیں اور ہجرت اس دارالکفر سے فرض ہے جو دارالخوف بھی ہو اور دارالکفر دارالامن ہو وہاں سے ہجرت فرض نہیں تو جاہلوں کا یہ شبہ دور ہو گیا کہ اگر ہندوستان دارالکفر ہے تو یہاں سے ہجرت کیوں نہیں کی جاتی اس شبہ کا جواب ہمارے استاد محقق و مدقق مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے خوب دیا تھا کہ مکہ معظمہ سے جبکہ وہ دارالحرب تھا پہلی ہجرت صحابہ نے حبشہ کی طرف کی جہاں اس وقت تک اسلام موجود نہ تھا پس حبشہ بھی اس وقت دارالحرب تھا اور وہاں جانے والوں کو مہاجر کہا گیا اور صحابہ وہاں ہجرت کر کے اسی واسطے گئے کہ وہ دارالامن تھا اور ان کی یہ ہجرت معتبر ہوئی اور ان کو ہجرت کا ثواب بھی ملا پھر ان صحابہؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان کا لقب ذوالہجرتین ہوا پس معلوم ہوا کہ دارالامن گو دارالایمان نہ ہو بلکہ دارالکفر ہی ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض نہیں بلکہ وہ تو خود ہجرت گاہ بن سکتا ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہاں اس میں شک نہیں کہ دارالایمان کی طرف ہجرت کرنا افضل ہے مگر اداءِ فرض کے لئے دارالامن کی طرف ہجرت بھی کافی ہے جو شخص دارخوف سے دارالامن کی طرف بھی ہجرت نہ کرے وہ تارک فرض ہے اور اسی کے لئے سخت وعید ہے۔ ان الذین توفٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم قالو فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فاولٰئک ماوٰھم جھنم وساءت مصیراً الا المستضعفین من الرجال والنسآء والولدان لایستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا فاولٰئک عسی اللہ ان یعفو عنھم وکان اللہ عفواً غفورا (ترجمہ) جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر (ترک ہجرت سے) ظلم کرنے والے تھے ان سے ملائکہ نے کہا کہ تم کس کام میں تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس سرزمین میں محض مغلوب اور کمزور تھے فرشتوں نے کہا کیا خدا کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم اس کے کسی حصہ میں ہجرت کر جاتے (اس کا ان کے پاس کچھ جواب نہ تھا) ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری بجائے بازگشت ہے ہاں مگر وہ مرد اور وہ عورتیں اور بچے جو واقعی مغلوب و کمزور تھے جو نہ کوئی تدبیر (ہجرت کی) کر سکتے تھے۔ اور نہ ان کو کوئی راہ ملتی تھی ان کو امید ہے کہ خدا تعالیٰ معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ تو معاف کرنے والے مغفرت کرنے والے ہی ہیں (وہ عذاب کے لئے بہانہ نہیں ڈھونڈتے بلکہ اسی کو عذاب کرتے ہیں جو بلاوجہ گناہ کا مرتکب ہوا)' جو لوگ محض ترجمہ دیکھ کر محقق بننے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو عسی اللہ ان یعفو عنھم میں امید کے لفظ سے یہ شبہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے اس مضمون کو شک کے ساتھ کیوں بیان فرمایا ان کو تو اپنے فعل کا یقین ہے پھر یقینی بات کو یقین کے لفظ سے بیان کرنا چاہئے تھا اس کا جواب یہ ہے کہ تم نے محض ترجمہ دیکھا ہے قرآن کو سمجھا نہیں اس واسطے یہ شبہ ہوا تم کو چاہئے کہ پہلے یہ بھی دیکھ لو کہ یہاں متکلم کون ہے اور مخاطب کون ہیں سو ظاہر ہے کہ متکلم حق تعالیٰ شانہ احکم الحاکمین ہیں۔

شاہانہ محاورات

پس خدا تعالیٰ کے کلام کو شاہانہ محاورات پر منطبق کر کے دیکھو یہ عامیانہ محاورات پر منطبق نہ کرو اور شاہانہ محاورات میں وعدہ جازمہ کے لئے بھی امید ہی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اسی سے ڈپٹی صاحب دہلوی کے ترجمہ کی غلطی معلوم ہوگئی جنہوں نے دہلی کی بازاری زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا چنانچہ ایک جگہ ٹامک ٹوئیاں مارنا استعمال کیا ہے اگر جگہ کبڈی کھیلنا لکھا ہے اور سب جانتے ہیں کہ یہ الفاظ شاہی زبان میں استعمال نہیں ہوئے مترجم قرآن کو لازم ہے کہ ترجمہ میں شاہانہ طرز و انداز کو ہاتھ سے نہ دے جو قرآن کا خاص طرز ہے عربی دان طبقہ خوب جانتا ہے کہ قرآن کی زبان کیسی پرشوکت اور کس قدر باسطوت ہے دوسرے یہ دیکھو کہ مخاطب کلام کے کون ہیں سو ظاہر ہے کہ مخاطب بندے ہیں اور بندہ کا فرض یہ ہے کہ اخیر دم تک امید و بیم ہی میں رہے کسی وقت

(c) ketabton.com: The Digital Library

جلال شاہی سے بے خوف نہ ہو اسی لئے حکام مقدمات میں اخیر تک فریقین کو امید و ہم ہی میں رکھتے ہیں فیصلہ کے دن ظاہر ہوتا ہے کہ کون کامیاب ہے اور کون ناکام ایسے ہی یہاں بھی فیصلہ کے دن سے پہلے یعنی قیامت کے دن سے پہلے بندوں کو امید و ہم ہی میں رکھا گیا ہے اتنا فرق ہے کہ حکام تو اپنی غرض کے واسطے ایسا کرتے ہیں اور حق تعالیٰ نے بندوں کے فائدہ کے لئے ایسا کیا ہے کیونکہ بندے کو اگر کسی وقت اطمینان ہو جائے کہ میں جنتی ہوں تو وہ جرائم سے نڈر ہو جائے گا اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ میں جہنمی ہوں تو وہ ناامید ہو کر بھلائی سے بالکل دور جا پڑے گا اور اس میں علاوہ اس کے نقصان کے نظم عالم کے درہم برہم ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے کیونکہ کثرت جرائم سے نظام کا درہم برہم ہونا ظاہر ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ۝

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق تاکہ آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا ہے اور پ ان خائنوں کی طرفداری کی بات نہ کیجئے اور آپ استغفار فرمائیے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے بڑے رحمت والے ہیں اور آپ ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب دہی کی بات نہ کیجئے جو کہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں چاہتے جو بڑا خیانت کرنے والا بڑا گناہ کرنیوالا ہو۔

تفسیری نکات

ایک اشکال کا جواب

اس سے ظاہری نظر میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ آپ سے خائنین کی طرفداری صادر ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے آپ کو اس سے نہی کی گئی مگر سب کا عمدہ جواب یہ ہے کہ نہی اور امر میں زمانہ استقبال کا ہوتا ہے ماضی اور حال کا نہیں ہوتا تو لَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ' کے معنی یہ ہیں کہ آپ آئندہ کبھی ان کے طرفدار نہ ہوں جیسے کہ اب

(c) ketabton.com: The Digital Library

تک نہیں ہوئے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ طرفدار ہوئے ہوں بلکہ معنی اس کے یہ ہیں کہ جیسے آج تک نہیں ہوئے آئندہ بھی یہ طرز رکھئے اس کی ایسی مثال ہے جیسے وَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ فرمایا ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ نعوذ باللہ آپ کو شبہ تھا؟ اور آپ سے منہیات کے صادر نہ ہونے کی صاف دلیل یہ ہے جو ایک جگہ فرماتے ہیں وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا یعنی اگر ہم آپ کو نہ سنبھالے رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف کسی قدر مائل ہو جاتے تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو غیر حق کی طرف کبھی میلان نہیں ہوا تو اب کیا شبہ رہا' غرض حضور ﷺ کی عصمت میں کبھی ذرا بھی فتور نہیں پڑا۔ (الفضل العظیم)

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ یعنی وہ آپ کو غلطی میں کیسے ڈال سکتے ہیں آپ پر اللہ تعالیٰ نے کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور ایسی ایسی باتیں سکھلائی ہیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے اور اس آیت میں جو تین چیزوں کا علم دینا مذکور ہے کتاب اور حکمت اور مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ سمجھ میں یوں آتا ہے کہ علوم تین قسم کے ہیں ایک کا نام کتاب رکھا اور ایک کا حکمت اور ایک کو مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ سے تعبیر فرمایا تفصیل اس کی یہ ہے کہ علم کی اصل میں دو قسمیں ہیں ایک علم احکام اور ایک علم واقعات اور یہ تقسیم خصوصاً جناب رسول مقبول ﷺ کی شان میں تاویل کرنے سے بہت زیادہ سمجھ میں آ جائے گی کیونکہ حضور ﷺ صاحب سلطنت بھی تھے تو حضور کو دو قسم کے علم کی ضرورت تھی۔ ایک حکم کے علم کی اور ایک واقعات کے علم کی' جیسے حکام کو دونوں باتوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے کیونکہ اگر واقعہ معلوم نہ ہو تو نرے قانون سے کیا ہوتا ہے یا اس کا عکس ہو کہ قانون نہ معلوم ہو تو صرف واقعہ معلوم ہو جانے سے کیا ہوتا ہے۔ فیصلہ میں دونوں ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے واقعہ کا بھی علم ہو اور اس کے حکم کا بھی علم ہو لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور ﷺ کو ہر واقعہ کا علم وحی سے عطا ہوا ہو خاص خاص ضروری واقعات کا علم دینا مراد ہے جیسے یہاں اس واقعہ کا علم ہے جس میں منافقین نے چوری کا الزام بے قصور پر لگایا تھا۔ تمام واقعات کا علم مراد نہیں ہے چنانچہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے فلعل بعضکم یکون الحن بحجة من بعض فاذا امرت لاحلهم بشي فانما اقطع له بقطعة من نار (پس آپ کو تمام واقعات کا علم نہیں دیا گیا)

رسول اکرم ﷺ کی عصمت

ایک جگہ فرماتے ہیں ولو لا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیهم شینا قلیلا یعنی اگر ہم آپ کو نہ سنبھالے رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف کسی قدر مائل ہو جاتے تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو غیر حق کی طرف کبھی میلان نہیں ہوا تو اب کیا شبہ رہا غرض حضور ﷺ کی عصمت میں کبھی ذرا بھی فتور نہیں پڑا اس وقت مختصراً میں نے بیان کر دیا ہے اپنی تفسیر میں میں نے اس کو مفصل لکھا ہے یہ تو پہلا رکوع اور دوسرا رکوع ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ (اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ آپ کو غلطی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا) اس سے بھی آپ کی عصمت میں شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ فرماتے ہیں یعنی اگر حق تعالیٰ کا آپ پر فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ارادہ کرتا ایک گروہ یہ کہ آپ کو غلطی میں ڈال دے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ کا مرتبہ بھی نہیں ہوا کیونکہ ھم اس کو کہتے ہیں جس کے بعد صدور فعل کا ہو جاوے اور وہ مرتبہ عزم کا ہے اور بعض نے ھم کو عزم سے قبل کہا ہے اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ قرآن میں وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا (اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال عزم کے درجہ میں جم رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا خیال ہو چلا تھا) بھی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے ھم بالمرءۃ (آپ کے دل میں اس عورت کا خیال ہو چلا تھا) اور انبیاء چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس لئے عزم معصیت ان سے متحقق نہیں ہو سکتا اس لئے وہ اس کے قائل ہو گئے کہ ھم عزم سے پہلے ہوتا ہے۔

قرآن پاک کے ایک مشکل مقام کی تفسیر

مگر محققین نے کہا ہے کہ اس کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ آگے لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (اگر اپنے رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا) ہے جو شرط موخر ہے هَمَّ بِهَا کی یعنی اگر برہان رب نہ دیکھتے تو ارادہ کر لیتے تو یہاں ھم کا اثبات ہی نہیں جو اس کی ضرورت ہو کہ ھم کو عزم سے قبل مانا جاوے بلکہ ھم کی نفی مقصود ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ آگے فرماتے ہیں كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (اسی طرح ہم نے ان کو علم دیا تا کہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں) تو اس میں ان سے صغائر اور کبائر کی نفی فرما رہے ہیں یہ قرینہ ہے اس کا کہ ھم کی یہاں نفی کی جا رہی ہے نہ کہ اثبات اور گو بعض نے کہا کہ لولا کی جزا مقدم نہیں ہوتی لیکن اول تو اس میں اختلاف ہے دوسرے اگر مان بھی لیں کہ لولا کی جزا مقدم نہیں ہوتی تو یہ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (اگر اپنے رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا) دال علی الشرط (شرط پر دلالت کرنے والا) ہوگا اور شرط محذوف مقدم ہوگی بہر حال یہاں ھم کا اثبات نہیں اس لئے ہم کو عزم سے قبل ماننے کی بھی ضرورت نہیں غرض ھم کا مرتبہ اکثر علماء کے نزدیک وہ ہے جس کے بعد فعل کا صدور ہوتا ہے لیکن حضور ﷺ کے متعلق اس کا تحقق نہیں ہوا کیونکہ یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا آپ پر فضل نہ ہوتا تو ایک جماعت ان میں سے ایسا ارادہ کر لیتی تو حق تعالیٰ کا فضل مانع ہے پھر مجال ہی کیا ہے کہ کوئی ایسا ارادہ کر سکے اور اگر کسی مفسر نے اس کے خلاف کہا ہے تو ہم قرآن کے مقابلہ میں اس کا اعتبار نہ کریں گے بعض تفاسیر میں بعض باتیں بلا سند نقل ہو گئی ہیں وہ قابل اعتبار نہیں اسی طرح افک کے قصہ میں بھی بعض تفاسیر محض بے سند نقل ہو گئی ہیں۔ چند مقامات

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن شریف میں مشکل ہیں ان میں سے ایک یہ مقام بھی ہے چنانچہ اس مقام پر جو اشکال تھا وہ رفع ہو گیا۔
غرض ان آیات میں ان منافقین کی شرارت اور ان کی تدابیر کا بے سود ہونا بیان کیا گیا ہے آگے اس کی تتمیم ہے وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الآیہ) یعنی وہ آپ کو غلطی میں کیسے ڈال سکتے ہیں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ نے کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور ایسی باتیں سکھلائی ہیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے اور اس آیت میں جو تین چیزوں کا علم دینا مذکور ہے کتاب اور حکمت اور مالم تکن تعلم (اور باتیں جن کا آپ کو علم نہ تھا) سمجھ میں یوں آتا ہے کہ علوم تین قسم کے ہیں ایک کا نام کتاب رکھا اور ایک کا حکمت اور ایک کو مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (وہ باتیں جن کا آپ کو علم نہ تھا) سے تعبیر فرمایا:

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب اور علم کی باتیں بھی نازل فرمائیں اور آپ کو وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ ﷺ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کی جو تصوف کے خاص شعبہ اسرار سے تفسیر کی گئی ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ اب تو قواعد سے معلوم ہو گیا کہ اس سے وہ علوم مراد ہیں جو مقصود ہیں شریعت کے چنانچہ حق تعالیٰ رسول مقبول ﷺ سے فرماتے ہیں وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ظاہر ہے کہ انزل سے مقصود ان علوم کا سکھانا ہے جو کتاب وحکمت میں موجود ہیں پس مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (وہ باتیں جن کی آپ کو خبر نہ تھی) میں اس کتاب و حکمت کے متعلق اس کا بیان ہے کہ یہ آپ کو پہلے سے معلوم نہ تھا انزل کے بعد معلوم ہوا اسی طرح ایک مقام پر امت کو خطاب ہے۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَكِّیْكُمْ وَیُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول کو کہ تلاوت ہماری آیتوں کی تمہارے سامنے کرتا ہے اور تم کو پاک کرتا ہے اور وہ چیزیں تم کو بتلاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے ہو) یعنی اے امتیو تمہیں سکھاتے ہیں وہ باتیں جو تم نہیں جانتے تھے) ان دونوں کا ایک ہی مقصد ہے اور مضمون و مدلول بھی دونوں کا ایک ہی ہے اور جس طرح یُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (تم کو وہ چیزیں بتلائی جن کی آپ کو خبر نہیں) کو بعض نے تصوف پر محمول کیا ہے یہاں بھی یُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (وہ چیزیں تم کو بتلاتے ہیں جن کی تم کو خبر نہیں ہے) تصوف پر محمول کیا ہے مگر واقع میں وہاں بھی علمک (سکھائی تجھ کو) سے علم مکاشفہ مراد نہیں کہ وہ مقصود نہیں بلکہ ایسا علم مراد ہے جس کی اشاعت کا اور نشر کا اہتمام واجب ہے اور یہاں یعلمکم (سکھاتا ہے تم کو) سے یہی علوم مقصود مراد ہیں۔ اب معلوم ہو گیا کہ علوم مکاشفہ سے تفسیر کرنا صحیح نہیں کیونکہ علم تصوف باعتبار اپنے ایک شعبہ خاص یعنی علوم معاملہ کے گو علوم مقصودہ میں سے ہے کیونکہ یہ بھی نص کا مدلول ہے جیسا اہل فن جانتے ہیں مگر ان لوگوں نے غلطی کی کہ تصوف کی جو حقیقت یہ سمجھے ہیں یعنی علوم مکاشفہ و اسرار وہ نہ نص کا مدلول ہے اور نہ تصوف کا اور اسی لئے

(c) ketabton.com: The Digital Library

(ان لوگوں کو بھی ہمت نہ ہوئی کہ اس کو کتاب وحکمت میں داخل کرتے تو انہوں نے کہا الاؤ اسے مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (وہ باتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی) میں داخل کردو اب اس کا حاصل انہی کی تسلیم پر یہ ہوا کہ تصوف کتاب وحکمت میں بلاواسطہ بھی داخل نہیں اور بواسطہ بھی ان کا مدلول نہیں حالانکہ تصوف میں جو اصل چیز ہے یعنی علم معاملہ وہ یقینا کتاب وحکمت کا مدلول ہے کیونکہ تصوف کا علم معاملہ کے سب مسائل اور احکام اور آداب اور قواعد یہ سب قرآن وحدیث ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً اپنے معاملہ کو حق تعالیٰ کے ساتھ درست کرنا تعمیر الظاہر والباطن یعنی اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرنا در حقیقت یہ سب فقہ ہی میں داخل ہے جس کا کتاب وحکمت میں داخل ہونا معلوم ومسلم ہے چنانچہ امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تعریف یہی کی ہے معرفۃ النفس مالھا وما علیھا کہ نفس کا یہ پہچاننا کہ اس کے لئے کیا چیزیں نافع ہیں کیا چیزیں مضر ہیں سو یہ تعریف ظاہر و باطن دونوں قسم کے احکام کو عام ہے البتہ علم مکاشفہ نہ تو نافع ہے نہ مضر مثلاً کسی کو تجدد امثال' توحید وجودی' تنزلات ستہ وغیرہ منکشف نہ ہوں تو ذرا بھی قرب الٰہی میں مانع نہیں لیکن اگر معاملہ درست نہ ہو تو قرب حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ حضرت جنید کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کیا گزری فرمایا کہ فنیت الرموز و الاشارات و نفدت الحقائق و العبادات وما نفعنا الا رکیعات فی جوف اللیل (یعنی حقائق ومعارف متعارفہ سب فیل ہو گئے صرف چند رکعتیں جو پچھلی رات میں پڑھ لیا کرتا تھا وہ کام آئیں اور علمی تحقیقات کچھ کام نہ آئیں حالانکہ ان کے پاس کتنے بڑے علوم تھے مگر وہ فقہ نہیں تھے بلکہ علوم مکاشفہ تھے جو کچھ بھی کارآمد نہیں ہوئے علوم مکاشفہ اور علوم معاملہ کی ایسی مثال ہے جیسے دیوار سے پیچھے ایک بادشاہ ہے اور کسی طریقہ سے ہماری نگاہ دیوار توڑ کے اس تک جا سکتی ہے جیسے اس زمانہ میں بجلی کے ذریعہ سے بکس کے اندر کا پرکار نظر آتا ہے اور بکس نظر نہیں آتا۔ بجلی شعاع کو اجسام ثقیلہ کے پار کر دیتی ہے اس لئے درمیانی چیز نہیں دکھائی دیتی اور جو اس کے آگے ہے وہ نظر آئے گا چنانچہ یوں ہی کسی طریقہ سے دیوار کے پیچھے بادشاہ نظر آنے لگا اور ایک شخص وہ ہے جسے بادشاہ تو نظر نہیں آتا مگر وہ خالی نام سن کر اطاعت کرتا ہے اور وہ پہلا شخص بادشاہ کو دیکھ کر اطاعت کرتا ہے تو ان دونوں میں بتلایئے کون زیادہ مقبول ہوگا آیا وہ جو بغیر دیکھے اطاعت کرتا ہے یا وہ صاحبو! بادشاہ کے دیکھنے سے گو حظ تو زیادہ ہوگا مگر قرب نہیں بڑھے گا کیونکہ قرب دو قسم کا ہوتا ہے ایک رضا ومقبولیت کا' دوسرا معائنہ کا سو یہ دوسرا درجہ خود مقصود بالتحصیل نہیں کیونکہ یہ اس کا فعل نہیں ہے بلکہ اس کے قبضہ واختیار سے باہر ہے گو اس کے بعض افراد جو موہوب ہیں بدلالت نصوص سب درجات مکسوبہ سے افضل ہوں جیسے نبوت وولایت موہوبہ مگر مامور بہ نہیں اور یہ مکلف ہے امور اختیاریہ کا ہاں اسے ایک اصطلاح پر وصول کہہ سکتے ہیں تحصیل نہیں کہہ سکتے۔ اور مامور بہ تحصیل ہے وصول مامور بہ نہیں اور جو قرب بمعنی مقبولیت واجبۃ التحصیل ہیں تحصیل مامور بہ پر مرتب ہوتا ہے سو دنیا میں حق تعالیٰ کی ذات وصفات

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے اسرار کا منکشف ہونا یہ قرب مقصود نہیں نہ اس پر ثمرہ مرتب ہوگا جو قرب مقصود و مامور بہ جو وہ اطاعت و اعمال میں ہوتا ہے اور ان کا ثمرہ آخرت میں مرتب ہوگا غرض قرب کی اس قسم میں مقصودیت بالکل نہیں ہے مقصود تو وہ شئی ہے جس کی تحصیل کے لئے کوئی طریقہ شرعا وضع کیا گیا ہو اور اس کی تحصیل کے لئے طریقہ وضع نہیں کیا گیا اس لئے یہ مقصود نہیں ہوسکتا اور اگر یہ مکاشفہ مقصود ہوتا تو عالم ملکوت مومنین کو نظر آتا نافرمانوں کو نظر نہ آتا۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ جنگ بدر میں شیطان مثل انسان آیا اور اس نے کفار کو بہکایا لیکن فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ یعنی جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں اور شیطان نے فرشتوں کو دیکھا تو بھاگا کہ انی اری مالا ترون میں وہ شئے دیکھ رہا ہوں جو تمہیں دکھائی نہیں دیتی تو دیکھئے ملائکہ کے منکشف ہونے سے ابو بکرؓ و عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی محروم رہے اور شیطان لعین کو یہ مکاشفہ حاصل ہوا اس سے معلوم ہوا کہ کشف مقصود نہیں اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ قیامت میں حقائق منکشف ہوجائیں گے اور قیامت میں وہ خوب آنکھوں والے ہو جائیں گے چنانچہ ارشاد ہے اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○ (کیسے شنوا ہو جائیں گے لیکن یہ ظالم آج صریح غلطی میں ہیں) اگر مکاشفات مقصود ہوتے تو مسلمانوں کو خوب حاصل ہوتے اس سے معلوم ہوا کہ مقصود صرف اعمال ظاہری و باطنی یعنی نماز روزہ وغیرہ اور توکل وغیرہ ہیں کہ قلب کو اعمال باطنہ سے اور جوارح کو اعمال ظاہرہ سے آراستہ کیا جاوے بس یہی تصوف ہے گو بعض نے اپنی اصطلاح و عرف میں تصوف صرف فن اصلاح باطن کا نام رکھ لیا ہے جو لوگ علوم دینیہ اور اس کے حاملین یعنی علماء کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں وہ ذرا اس آیت کو تو دیکھیں جس کو میں نے تلاوت کیا ہے دیکھو اس میں حق تعالیٰ نے علم کتاب و حکمت کو فضل عظیم فرمایا ہے اس سے مراد یقیناً علوم دینیہ ہیں جو تمام علوم دنیا سے افضل ہیں اور افضل العلوم اور اشرف العلوم ان ہی کو کہہ سکتے ہیں۔ جب یہ علوم افضل ہیں تو اس علم کے علماء بھی افضل ہوں گے۔ اب جو لوگ علماء کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں وہ ذرا بتلائیں تو کہ ان بیچاروں نے ان کا کیا قصور کیا ہے کچھ نہیں بلکہ وہی بات ہے جس کو حق تعالیٰ نے فرمایا وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۭ یعنی کافروں نے مسلمانوں میں کوئی عیب نہیں پایا بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو غالب اور سزاوار حمد ہے وہ کہ اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی تو مطلب یہ ہوا کہ وہ بلاوجہ محض عناد کی بناء پر ان پر طعن کرتے ہیں اسی مضمون پر کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم بھن فلول من قراع الکتائب

(ان میں سوائے اس کے کوئی عیب نہیں ہے کہ ان کی تلواروں کی دھار شمشیر زنی سے گرگئی ہے) صاحبو! اسی طرح علماء کا بس یہی جرم ہے کہ انہوں نے علم دین حاصل کرلیا ہے اور آج کل لوگوں نے علم دین کو حقیر سمجھ

(c) ketabton.com: The Digital Library

رکھا ہے افسوس اس تحقیر کی وجہ سے لوگوں کی مشغولی علم دین سے ٹوٹ گئی ہے اور جو بیچارے اللہ کے نیک بندے مشغول بھی ہوتے ہیں تو ان پر طرح طرح کے اعتراضات کئے جاتے ہیں کہ مولوی تنگ خیال ہیں علماء کو وسیع الخیال ہونا چاہئے۔

اور جو شخص رسول علیہ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے اس کو امر حق واضح ہو چکا تھا۔

اجماع امت کا حجت شرعیہ ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے

حضرت امام شافعیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اجماع امت کا حجت شرعیہ ہونا قرآن مجید سے بھی ثابت ہے یا نہیں اس کے جواب کے لئے آپ نے چار دفعہ کلام مجید ختم کیا جب یہ آیات خیال میں آئی وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى جس سے اجماع امت کا حجت شرعیہ ہونا ثابت ہوتا ہے بس جو کچھ محنت اس آیت کے ڈھونڈنے میں پڑی وہ صرف حضرت امام شافعیؒ پر پڑی اس کے بعد سب کے لئے راستہ صاف ہو گیا اور اب تک اس مسئلہ میں ہر عالم اسی آیات کو پیش کرتا چلا آتا ہے کسی کو پھر کوئی زحمت ہی نہیں اٹھانی پڑی۔

فرماتے ہیں وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا۝

دوسری جگہ ارشاد ہے فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ۝

بعثت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان مواقع میں فضل اللہ و رحمة کی تفسیر بعثت محمدیہ سے کی ہے تو معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اگر محمد علیہ کو مبعوث فرما کر خدا تعالیٰ تم پر اپنا فضل و رحمت نہ فرماتے تو تم ناکام اور محروم رہتے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ بعثت محمدیہ سے تم پر رحم و کرم نہ فرماتے تو تم شیطان کا اتباع کرنے لگتے سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے اس جگہ ایک اشکال طالب علمی ہو سکتا ہے کہ الا قلیلا کے بڑھا دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو بدوں بعثت محمدیہ کے بھی راہ مستقیم پا لیتے ہیں جواب یہ ہے کہ اتباع سے مراد اتباع مطلق ہے نہ کہ مطلق اتباع، پس معنی یہ ہوئے کہ تم شیطان کے پورے متبع ہوتے۔ صرف بعضے لوگ جن کو خدا تعالیٰ نے عقل کامل وسلیم عطا فرمائی ہے وہ البتہ کامل اتباع شیطان کا نہ کرتے یعنی ایسے امور میں جن میں عقل کام دے سکتی ہے صرف ان میں اتباع شیطان کا خاص ایسے لوگ نہ کرتے گو مطلق اتباع شیطان سے یہ بھی نہ بچتے کیونکہ جن میں عقل کام نہیں دیتی ان میں کوئی مانع اتباع شیطان سے نہ تھی (راس الاربعین)

تفصیل امور مذکورہ کی یہ ہے کہ بعض احکام شریعت کے بدیہی اور ظاہر بھی ہیں تو ذکر کے لئے آسان ہے اجتہاد کے لئے ہر ایک کو آسان نہیں اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ واقعات جو کہ احکام کی برابر غامض

(c) ketabton.com: The Digital Library

(باریک) نہیں ان کے باب میں فرماتے ہیں وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۚ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۔ منافقین کی یہ عادت تھی کہ حضور ﷺ جب کہیں لشکر بھیجتے اور وہاں سے کوئی خبر آتی تو وہ اس کو مشہور کر دیتے اس پر یہ آیات نازل ہوئی یعنی جب ان کے پاس کوئی خبر امن کی یا ڈر کی پہنچتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اس کو رسول اور اپنے اہل حکومت کے حوالے کرتے تو اہل تحقیق ان میں سے ان کی تحقیق کر لیتے (کہ یہ خبر قابل اشاعت ہے یا نہیں) پس جبکہ معمولی خبروں میں قوت استنباطیہ کی ضرورت ہے اور ہر شخص اس کا اہل نہیں تو احکام جو کہ غامض (باریک) اور دقیق ہیں ان میں کیسے ہوسکتا ہے کہ ہر شخص ان کو سمجھ لے اب یہ سمجھنا کیا کوئی آسان بات ہے قرآن شریف میں مہاجرین کی نسبت جنہوں نے مکہ سے مدینے کو ہجرت کی تھی فقراء کا لفظ وارد ہوا تھا۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ (ان حاجت مندوں مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے ہیں) اس سے فقہا نے استنباط کیا کہ استیلا (غالب آنا) کفار سبب ہوتا ہے اس کی ملک کا کیونکہ مہاجرین کے اموال اہل مکہ کے پاس رہ گئے تھے تو اگر وہ ان کی ملک نہ ہو جاتے بلکہ انہیں کی ملک میں رہتے تو ان کو فقراء کیوں کہا جاتا۔ فقیر تو اسی کو کہتے ہیں جس کی ملک میں کچھ نہ ہو یہ ایک جزئی مثال کے طور پر ہے ورنہ ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ اجتہاد اور استنباط بہت مشکل ہے غرض علوم اجتہادیہ بھی علم دین ہیں اور اس سے ایک مسئلہ یہ بھی ثابت ہوا کہ علوم اجتہادیہ بھی نازل من اللہ (اللہ کی طرف سے اترے) ہیں اور اس کی شرح فقہاء کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ **القیاس مظهر لا مثبت** (قیاس حکم شرعی کو ظاہر کر دیتا ہے اس کے لئے مثبت نہیں) تو یہ بھی منزل من اللہ ہے (اللہ کی طرف سے نازل کیا ہوا) اور ایک اور مسئلہ اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ فرماتے ہیں وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ (یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت آپ پر نہ ہوتی تو ایک گروہ ان میں سے آپ کو غلطی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا) تو گمراہی سے بچانے والا فضل کو فرمایا اور اس آیت سے کہ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے) معلوم ہوا کہ فضل علیم دین ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا تو ثابت ہوا کہ علم دین میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گمراہی سے بچاتا ہے اور جو علم دین جان کر بھی عملی غلطی کرے تو اس کو صاحب علم نہ کہا جاوے گا۔

علم دین سے دین و دنیا کا نفع

اور ایک مسئلہ یہ مستنبط ہوا کہ علم دین سے دین اور دنیا دونوں کو نفع ہوتا ہے اور یہ اس طرح کہ اول آپ کو اس واقعہ میں علم دینے کا ذکر فرمایا اور پھر اس کے لئے دو لفظ فرمائے ایک فضل اور ایک رحمت چنانچہ ارشاد ہے وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ الخ اور نصوص کے تتبع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فضل کا استعمال تو اکثر منافع دنیویہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں آیا ہے اور رحمت کا استعمال منافع اخروی میں چنانچہ مسجد میں داخل ہونے کا وقت جو کہ منافع آخرت حاصل کرنے کا ہے اس کا ذکر رحمت کے لفظ سے وارد ہے اللھم انی اسئلک من رحمتک (یعنی اے اللہ آپ سے آپ کی رحمت کی درخواست کرتا ہوں) اور مسجد سے نکلنے کا وقت جو کہ منافع دینوی حاصل کرنے کا ہے اس کا ذکر لفظ فضل سے ہے اللھم انی اسئلک من فضلک (اے اللہ آپ سے آپ کا فضل مانگتا ہوں) اور ارشاد ہے فاذا قضیت الصلوة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ (پھر جب نماز جمعہ پوری ہو چکے تو اس وقت اجازت ہے کہ تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو) اور لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ (تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پرودگار کی طرف سے ہے) تو جب فضل سے مراد منافع دینوی ہوئے اور رحمت سے مراد منافع اخروی اور علم دین کے لئے دونوں لفظ لائے گئے تو معلوم ہوا کہ علم دین سے دین اور دنیا دونوں کو نفع ہوتا ہے مگر اس میں ایک غلطی ہوتی ہے اس کو میں ذکر کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ لوگ ان منافع دنیا کو بھی احکام کا ثمرہ مقصود سمجھتے ہیں یہ غلط ہے اور اگر اس سے شبہ ہو کہ بعض علماء نے کہا کہ احکام کے اندر منافع دینویہ بھی ہیں تو سمجھ لو کہ ان کی یہ غرض نہیں ہے کہ احکام سے دنیا کے منافع مقصود ہیں ہرگز نہیں بلکہ مقصود تو احکام سے صرف حق تعالیٰ کی رضا اور جنت ہی ہے ہاں دنیا کے منافع بھی بطور خاصیت کے خود بخود اس سے حاصل ہو جاتے ہیں۔

تنزیل کتاب کا مفہوم

حق تعالیٰ نے جو کتاب نازل فرمائی اس سے مقصود محض تنزیل ہی نہ تھی بلکہ تنزیل سے مقصود تعلیم تھی یہ نکتہ ہے عنوان کے جدا جدا ہونے میں آگے فرماتے ہیں الکتاب و الحکمة ایک عنوان یہ ہے کہ اس کے بعد اس کو مالم تکن تعلم سے تعبیر فرمایا ایک عنوان یہ ہے اول عنوان میں ذات کا بیان ہے کہ وہ ایک کتاب حکمت کی اور دوسرے میں اس کے ایک وصف کا اول عنوان سے معطی کی وقعت و عظمت بتلانا ہے اس کے لئے اس کو کتاب و حکمت فرمایا اور دوسرے عنوان سے اس کے ایک خاص وصف یعنی مالم تکن تعلم سے ایک خاص امتنان پر دلالت کرتا ہے کہ ہم نے آپ کو ایسی چیز دی ہے کہ اس کے قبل آپ کو اس کی خبر بھی نہ تھی ہمارے خبر کرنے سے خبر ہوئی تو پھر ذات میں بھی دو عنوان ہیں۔

کتاب وحکمت

کتاب اور حکمت بعض نے اس کا فرق یہ بیان کیا ہے کہ کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت سے مراد سنت (حدیث) پھر اس پر ایک سوال پیدا ہوا ہے کہ اس پر انزل کا حکم فرمایا گیا ہے اور حکمت کو اگر سنت کہا جاوے تو یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

نازل نہیں ہوئی پھر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تنزل عام ہے نزول ظاہری و نزول باطنی کو میں کہتا ہوں کہ ایک توجیہہ یہ بھی لطیف ہے کہ خود کتاب ہی کو عام کہا جاوے قرآن و حدیث دونوں کے لئے چنانچہ حدیث میں ہے کہ اقض بیننا بکتاب اللہ یعنی ایک صحابی نے حضور ﷺ سے ایک مقدمہ میں عرض کیا تھا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق فیصلہ فرما دیجئے پھر آپ نے جو فیصلہ فرمایا قرآن میں اس کا کہیں ذکر نہیں مگر اس پر بھی آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ بھائی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر چیز قرآن میں ہو سو آپ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ خود ہی فیصلہ فرما دیا اور پھر فیصلہ کرانے والے نے بھی کوئی شبہ نہیں کیا کہ یہ فیصلہ تو قرآن میں نہیں اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ دونوں کو عام ہے۔ قرآن کو بھی حدیث کو بھی اسی طرح حکمت کو بھی سنت کے ساتھ خاص کرنے کی ضرورت نہیں' یہ بھی دونوں کو عام ہے اور یہ عطف تفسیری ہے کتاب کا کہ ایسے علوم دیئے جو کتاب و حکمت دونوں کے ساتھ متصف ہیں رہا یہ کہ جب کتاب و حکمت دونوں کو عام ہے تو سنت پر انزلنا کیسے صادق آوے گا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ انزال کو بھی عام کہا جاوے گا کہ انزال دو قسم کا ہے حسی اور معنوی چنانچہ اس بناء پر وحی کی بھی دو قسمیں ہیں ایک جلی جو بواسطہ جبرئیل کے آتی ہے اور ایک معنوی کہ براہ راست قلب پر القاء ہوتا تھا۔ بس اسی طرح تنزیل کی بھی دو قسمیں کہیں گے اور جس طرح قرآن و حدیث کو اس میں اشتراک ہے دونوں پر تنزیل کا حکم صحیح ہے جیسا ابھی مذکور ہوا اسی طرح ان دونوں کو ایک اور وصف میں بھی اشتراک ہے وہ یہ کہ حدیث کا محل ورود تو سب کے نزدیک قلب ہی ہے مگر ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا محل ورود بھی قلب ہی ہے وہ آیت یہ ہے فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ پس حکم تنزیل اور محل تنزیل یعنی قلب قرآن و حدیث دونوں کو شامل ہو گیا اور نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ پر ایک شبہ کیا ہے ملحدین نے جو کہتے ہیں کہ الفاظ قرآن کے نزل نہیں کیونکہ الفاظ کا محل ورود تو مسامع ہیں نہ کہ قلب قلب پر صرف معنی کا ورود ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے معانی تو منزل من اللہ ہیں الفاظ خود حضور اقدس ﷺ کے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ تنزیل علی القلب کے حکم سے نفی لازم نہیں آتی تنزیل علی السامع کی دونوں جمع ہو سکتے ہیں باقی تنزیل علی القلب کا عنوان کیوں اختیار کیا گیا۔

زبانوں کی دو قسمیں

سو اس میں نکتہ یہ ہے کہ زبانیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک مادری' اور ایک مکتسب ان دونوں کے احکام میں ایک فرق یہ بھی ہوتا ہے کہ زبان جو کہ مکتسب ہوتی ہے اس کی خاصیت تو یہ ہے کہ جب اس زبان میں آپ سے کوئی گفتگو کرتا ہے تو اول التفات اس میں الفاظ کی طرف ہوتا ہے جس کا مدرک سمع ہے اور اس کے بعد معانی کی طرف' اور مادری زبان میں اس کے برعکس ہوتا ہے کہ اول ہی سے التفات معانی کی طرف ہوتا ہے۔ پھر بعض

(c) ketabton.com: The Digital Library

اوقات الفاظ کی طرف چنانچہ میں جو مضمون اس وقت آپ کے سامنے عرض کررہا ہوں یہ آپ کی مادری زبان میں ہے اس لئے اول التفات آپ کو معانی کی طرف ہو رہا ہے اور پھر الفاظ کی طرف قصد کرنے سے ہوتا ہے تو نکتہ عَلٰی قَلْبِكَ میں اس پر دلالت ہے کہ قرآن آپ کی مادری زبان یعنی عربی میں ہے تا کہ آپ کے فہم میں کوئی کمی نہ رہے اور گو عربیا بھی اس معنی کو مفید ہو سکتا تھا مگر یہ خاص بات نہ پیدا ہوتی جو عَلٰی قَلْبِكَ میں پیدا ہوئی کہ تصریح ہوگئی کہ اول التفات آپ کے قلب کو ہوتا ہے اس لئے فہم میں کوئی کمی نہیں رہ سکتی غرض کتاب و حکمت دونوں میں تعمیم ہوگئی قرآن و حدیث دونوں کے لئے چنانچہ قرآن کو ایک جگہ کتاب حکیم بھی فرمایا ہے اور یہاں زید عدل کے قاعدہ سے الحکمۃ کہہ دیا رہ گئی یہ بات کہ حکمت کیا چیز ہے سو حکمت کا مفہوم تو وہی چیز ہے جو حکماء نے بیان کیا ہے یعنی العلم بحقائق الاشياء على ماهي عليه بقدر الطاقة البشرية البتہ اس حکمت اور اس حکمت کے مصداق میں ضرور فرق ہے وہ فرق یہ ہے کہ قرآن میں تو اصالۃ ان اشیاء کی حقیقت سے بحث کی گئی ہے جن کو نجات و قرب میں دخل ہے اور اس حکمت میں مطلق اعیان خارجیہ سے بدوں قید مذکور بحث کی گئی ہے تو اب حکمتیں دو ہوگئیں ایک وہ جس میں امور تشریعیہ سے بحث کی جاوے اور ایک وہ جس میں امور تکوینیہ سے بحث کی جاوے مثلاً فلسفہ ریاض منطق اقلیدس وغیرہ کہ سب حکمۃ تکوینیہ ہیں اور گو فلاسفہ بھی اپنی حکمت میں الٰہیات سے بحث کرتے ہیں اور اس کو علم اعلیٰ کہتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عقول و واجب کے ساتھ جس حکمت کا تعلق ہے وہ سب سے افضل ہے مگر ان کی بحث کی حیثیت وہ نہیں جو شریعت کی بحث کی ہے بلکہ دلائل صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ ان کے بعض مباحث خلاف حق بھی ہیں مثلاً عقول کا قائل ہونا گو بعض نادانوں نے ان کی حمایت کی ہے کہ عقول کی تفسیر ملائکہ سے لے کر ان مباحث کو شریعت پر منطبق کیا ہے مگر واقع میں عقول کا ترجمہ ملائکہ سے کرنا خود بھی صحیح نہیں کیونکہ شریعت کے نزدیک ملائکہ اجسام ہیں ان میں حرکت بھی ہے اور حکماء عقول کو مجرد اور منزہ عن الحرکۃ مانتے ہیں تو دونوں کی حقیقت متحد کیسے ہوئی البتہ عقول کی نفی سے مطلق مجردات کے استحالہ کا حکم صحیح نہیں جیسا بعض نے کہا ہے کہ کیونکہ بکثرت صوفیہ نے بھی روح اور قلب اور لطائف کو مانا ہے اور ان کے نزدیک عالم امر عالم مجرد کہ کہتے ہیں گو بعض متکلمین نے اس شخص کی تکفیر کی ہے جو ان کے تجرد کا قائل ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ مقدمہ مسلمہ ہے کہ تجرد اخص صفات باری تعالیٰ سے ہے اور ظاہر ہے کہ اخص صفات باری میں کسی کو شریک ماننا محض کفر ہے۔ مگر صوفیہ نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ تجرد اخص صفات باری تعالیٰ سے ہے بلکہ اخص صفات حکماء کے نزدیک تو صرف وجوب بالذات ہے اور اہل حق کے نزدیک وجوب بالذات کی طرح قدم بھی اخص صفات میں سے ہے بلکہ وجوب بالذات اور قدم دونوں متلازم ہیں اور یہ جو فلاسفہ کہتے ہیں کہ قدم کی دو قسمیں ہیں قدم بالذات اور قدم بالزمان اور قدم بالزمان کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

واجب کے ساتھ خاص نہیں کہتے تو میں کہتا ہوں کہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ قدم بالزمان ممکن کے لئے کوئی چیز نہیں اسی لئے تو کہتا ہوں ممکن چیز قدیم بالزمان بھی نہیں بہر حال حکماء بھی اس کے قائل ہیں کہ جس حکمت کا تعلق واجب کی ذات وصفات واحکام سے ہے وہ سب سے افضل ہے مگر واقع میں وہ حقائق صحیحہ تک نہیں پہنچے اس لئے ان کی حکمت کو حکمت الٰہیہ کہنا بھی صحیح نہیں اسی طرح گو انہوں نے اپنے یہاں اخلاق سے بھی بحث کی ہے مگر شریعت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ شریعت مصطفویہ نے علم اخلاق کی حاجت کو پورا کر دیا اور اس کی بحث سے ہم کو مستغنی کر دیا بہر حال انہوں نے تکوین کے احکام وآثار بیان کئے ہیں اور ان میں بھی زیادہ تر مادیات کے متعلق اور اس میں بھی بہت غلطیاں کی ہیں اور تشریعیات میں تو حکماء بالکل چل ہی نہیں سکے کیونکہ اس کا تعلق وحی سے ہے اور وہ اس کے اتباع سے محروم ہیں۔ غرض یہ حاصل تھا حکمت کا جو بقدر ضرورت بیان کیا گیا۔

حاصل آیت

اب حاصل آیت کا یہی ہوا کہ ایسے علوم عطا فرمائے جنہیں نجات وقرب میں دخل ہے پھر اس کے بعد فرماتے ہیں وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ یعنی آپ پر خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے یوں تو تمام نعماء فضل ہی ہیں چنانچہ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ میں رزق کو فضل فرمایا ہے کیونکہ اسی آیت میں فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ بھی ہے اور انتشار فی الارض پر جس فضل کی طلب مرتب ہوتی ہے ظاہر ہے کہ وہ طلب رزق ہی ہے لیکن سب افراد فضل کے برابر نہیں اسی لئے اس امر کو یعنی وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ کو مفسرین نے اباحت پر محمول کیا ہے کیونکہ اس کے اوپر ہے و ذروا البیع اس سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ شاید ترک بیع کا امر مستمر ہو پس فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ سے بتلا دیا گیا کہ بعد فراغ صلوۃ کے وہ اب جائز ہو گیا ہے کیونکہ امر بعد الحظر اباحت کے لئے ہوتا ہے غرض یہاں سب کے نزدیک تفسیر فضل کی رزق ہی ہے اسی لئے اس کے بعد یوں بھی فرمایا کہ واذکروا اللّٰہ کہ خدا کی بھی یاد رکھو یہ نہ ہو کہ رزق کو فضل مقصود بالذات سمجھ کر اس کی تلاش میں خدا کو بھول جاؤ نہیں بلکہ دنیا غالب نہ ہو

حق تعالیٰ رسول ﷺ سے فرماتے ہیں وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ (اور نازل کی حق تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اور وہ چیزیں بتائیں جن کی آپ کو خبر نہ تھی اور حق تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ یہ تذئیل ہے مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ آپ پر کتاب وحکمت نازل فرمائی۔ یہی کتاب حکمت فضل ہے حق تعالیٰ کا یعنی انزل اللہ سے والحکمۃ تک پر علمک سے تعلم تک کا عطف تفسیری ہے اگرچہ علمک میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

مادہ علم کا ہے اور علم ہی کے لئے نزول بھی ہو تو واقع میں عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ عطف تفسیری ہے کہ جو معنی اور جو مقصود اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ سے ہے وہی اس سے بھی مقصود ہے۔ گو اس میں اور اقوال بھی ہیں یعنی بعض لوگوں نے یہاں واؤ کو عطف تفسیری کے لئے نہیں مانا بلکہ تغایر کے لئے لیا اور کہا ہے کہ نازل کی اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب و حکمت اور وہ علوم جن کی آپ کو خبر نہ تھی یعنی تین چیزیں نازل فرمائیں کتاب' حکمت' علوم غیر معلومہ' اور یہ تیسری چیز جو مالم تکن تعلیم میں مذکور ہے وہ تصوف ہے۔

قال یبنؤم لا تاخذ بلحیتی ولا براسیۚ (طٰہٰ آیت ۹۵)

ہارون علیہ السلام نے کہا کہ میرے میا جائم میری داڑھی مت پکڑو اور نہ سر پکڑو'

کسی نے داڑھی کا ثبوت قرآن سے دیا

ایک صاحب نے داڑھی کا ثبوت قرآن شریف سے دیا اس لفظ سے لاتاخذ بلحیتی ولا براسی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا کہ میری داڑھی نہ پکڑیئے معلوم ہوا کہ حضرت ہارون کی داڑھی تھی میں نے کہا جناب اس سے وجود لحیہ کا ثبوت ہوا نہ وجوب لحیہ کا اور وجود کے لئے اتنا تکلف ناحق کیا اپنی داڑھی دکھا دینی تھی۔ وجود کا ثبوت ہو جاتا اور اگر وجود کا ثبوت دیا ہے تو وہ تو آیت سے بھی نہ ہوا۔

(ملفوظات حکیم الامت ج۲ صفحہ ۱۸۵)

ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا و نحشره یوم القیمة اعمیٰ

یعنی جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملتی ہے گزران تنگی کی یعنی دنیا میں' اور قیامت کے روز اس کو اندھا اٹھائیں گے۔

غفلت ذکر کا انجام

یہ نتیجہ ہے خدا کی یاد سے غفلت کا کہ یہاں بھی مصیبت وہاں بھی مصیبت چنانچہ مشاہدہ ہے کہ دنیا داروں کی یہاں بھی زندگی تنگ ہے یہ حال ہے کہ مال و دولت تو ان کے پاس سب کچھ ہے مگر اطمینان و راحت جس کا نام ہے وہ میسر نہیں' بعض اوقات تو انکی یہ حالت ہوتی ہے کہ موت کی تمنا کرتے ہیں اور اعمال صالحہ سے حال کا عیش بھی اور مال کا عیش بھی دنیا بھی اچھی اور آخرت بھی اچھی' اصلی مال اس کو کہنا چاہئے دنیوی مال کو تو مال اسی لئے کہتے ہیں یمیل الیه القلب یعنی اس کی طرف قلب مائل ہوتا ہے۔ پس اعمال صالحہ کو بھی مال کہنا اس وجہ سے درست ہے کہ وہ اس قابل ہیں کہ قلب ان کی طرف مائل ہو۔ (خیر المال الملر جال لحقہ مواعظ حقیقت مال و جان صفحہ ۲۸۹)

اب رہی بات یہ کہ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے) میں صرف ایک

(c) ketabton.com: The Digital Library

لفظ کیوں فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس کو عام لے لیا ہے جو شامل ہے دونوں کو علم ک مالک تکن تعلیم (جو باتیں آپ نہ جانتے تھے ان کا بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا کر دیا۔) میں بعض نے لفظ ما کو عام لیا ہے کہ تمام مجہولات کا آپ کو علم دے دیا تو اول تو آیت میں کوئی دلیل نہیں عموم کی رہا لفظ ما کا کلمات عموم میں سے ہونا تو اس کا جواب یہ ہے کہ عموم اس کے لئے لازم نہیں ما مخصوص میں بھی مستعمل ہوا ہے جیسے يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان باتوں کا علم دیا جن کو تم نہ جانتے تھے) اور عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا) دوسرے اگر لفظ ما یہاں عام بھی ہو تو عموم ان ہی امور کا ہوگا جو اس مقام کے مناسب ہیں مثلاً امور متعلقہ نبوت وسیاست۔

تنبیہ ثانی

علم کو فضل فرمانا اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ علم میں محض اکتساب ہی کافی نہیں فضل خداوندی کی بھی ضرورت ہے۔ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ تفسیری ہے کہ معطوف علیہ و معطوف کا مصداق ایک ہے۔

تنزیل اور تعلیم

اور عنوان دو ہیں اسی طرح انزل وعلم میں بھی باوجود معنوں کے اتحاد کے ایک خاص نکتہ کے لئے دو جداگانہ عنوان ہیں وہ نکتہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ ہم نے محض تنزیل ہی پر بس نہیں کہ بلکہ تعلیم بھی فرما دی۔

فضل عظیم صرف علوم دینیہ ہیں

صاحبو! واللہ اگر تم آزادی چاہتے ہو تو خدا کی غلامی کرو کہ اس غلامی میں تمہیں دوسرے ہم جنسوں کی غلامی سے آزادی ہو جائے گی۔ اور فطری طور پر تم غلامی سے تو کسی حال میں بچ نہیں سکتے اور جب نہیں بچ سکتے تو انہیں کی غلامی کیوں نہ قبول کرو جن کی غلامی سے بادشاہوں کو بھی فخر ہے ان کی غلامی کے یہ معنی ہیں کہ شریعت سے آزاد نہ ہو اب میں اس مضمون کی طرف عود کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت خوش عیشی وغیرہ ہے تو سب فضل، مگر فضل عظیم نہیں ہے فضل عظیم صرف علوم دینیہ ہی ہیں البتہ جب کمائی مطلق فضل ہے تو اس کے حاصل کرنے کے لئے اسی کے مناسب علوم کی بھی ضرورت ہوگی بشرطیکہ وہ شریعت کے اندر ہوں تو اسے علوم کا حاصل کرنا بھی جائز بلکہ لغیرہ مستحسن ہوگا مگر ان علوم شریعت سے اعظم واہم نہ سمجھو کیونکہ رزق کو مطلق فضل فرمانے اور علوم شرعیہ کو فضل عظیم فرمانے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ علوم شریعت افضل ہیں ان علوم سے اور راز اس میں یہ ہے کہ وہاں بھی علوم سے خاص اعمال پیدا ہوتے ہیں اور یہاں بھی تو علوم و اعمال تو دونوں جگہ ایک

(c) ketabton.com: The Digital Library

دوسرے سے وابستہ ہیں مگر اب دیکھ لو کہ علوم شریعت سے کون سے اعمال پیدا ہوتے ہیں اور علوم معاش سے کون سے اعمال ظاہر ہے کہ علوم شرعیہ سے اعمال آخرت پیدا ہوتے ہیں اور علوم معاش سے اعمال دنیا اور اعمال آخرت یقیناً مقدم ہیں اعمال دنیا سے کیونکہ مسلمان کے نزدیک دین یقیناً دنیا سے مقدم ہے نیز اعمال آخرت کا ثمرہ دائم اور عظیم ہے۔ اعمال دینا کا ثمرہ فانی اور حقیر ہے اور اسباب کی فضیلت مسببات کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے جب علوم شرعیہ کا مسبب علوم دنیا کے مسبب سے افضل ہے تو یقیناً علوم شرعیہ علوم دنیا سے افضل ہیں۔ نیز دنیا واسطہ ہے آخرت کے لئے خود مقصود نہیں ہے اور مقصود واسطہ سے افضل ہوتا ہے۔ تو مقصود کا علم بھی واسطہ کے علم سے افضل ہوگا اور یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ دنیا کے علوم وہی جائز ہوں گے جو مقصود کے لئے مزاحم نہ ہوں اور اسی سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جب یہ علوم افضل ہیں تو اس علم کے علماء بھی افضل ہوں گے۔

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ○

ترجمہ: نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے جو شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کے عوض میں سزا دیا جائے گا اور اس شخص کو خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی یار ملے گا اور نہ مدد گار ملے گا اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔

تفسیری نکات

شان نزول

شان نزول آیت کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہود اور اہل اسلام میں قبلہ کے تقدم و تاخر پر تفاخر ہو رہا تھا یہود کہتے تھے کہ ہمارا قبلہ مقدم ہے مسلمان کہتے تھے ہمارا قبلہ مقدم ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا کا قرب اور دخول جنت نہ تمہاری تمناؤں سے حاصل ہو سکتا ہے نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے بلکہ ہمارے یہاں تو یہ قانون ہے کہ جو کوئی

(c) ketabton.com: The Digital Library

برا کام کرے گا اس کو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اور جو نیک کام کرے گا اس کو جنت ملے گی۔ تو ان باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ عمل کا اہتمام کرو۔

اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ نری تمنا سے کام نہیں چل سکتا اور نری تمنا کا درجہ وہی ہے جس کے ساتھ عمل کا اہتمام نہ ہو معلوم ہوا ہے کہ مقصود اعمال ہیں ان کو اختیار کرنا چاہئے اس کے بعد جو تمنا ہو گی وہ رجاء کا درجہ ہو گا خلاصہ یہ ہے کہ جب عمل کا مقصود ہونا ثابت ہو گیا تو اس کا اہتمام سب مسلمانوں کو کرنا چاہئے رہا اس کا طریقہ تو اس کے لئے ساری شریعت موجود ہے شریعت سے پوچھ پوچھ کر عمل کرو اور اعمال پر مداومت واستقامت کی سہولت اور ان کی اصلاح وتکمیل یہ موقوف ہے اہل اللہ کی صحبت پر چنانچہ اسی آیات لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہے وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا اور اس شخص سے اچھا کون ہے جو اپنی ذات کو خدا کے سپرد کردے دراں حالیکہ وہ صاحب اخلاص ہو اور ملۃ ابراہیم کا متبع ہو جو کہ حنیف تھے یعنی ماسوائے اللہ سے یکسو تھے یہاں اسلام وجہ سے مراد فنا ہے کیونکہ کامل سپردگی اسی سے ہوتی ہے جس کے بعد نسبت احسان عطاء ہو جاتی ہے چنانچہ وھو محسن میں نسبت احسان ہی کی طرف اشارہ ہے۔ مقام اخلاص جب کامل ہو جاتا ہے تو اسی کو نسبت احسان سے صوفیہ کی اصطلاح میں تعبیر کیا جاتا ہے۔

آگے بتلاتے ہیں کہ یہ دولت کس طرح حاصل ہو گی۔ ارشاد ہے وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا یعنی جو شخص ملۃ ابراہیم کا اتباع کرے گا اسے یہ دولت عطا ہو گی اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ اتباع ابراہیم علیہ السلام سے یہ نعمت عطا ہو گی حتیٰ کہ یہ شبہ ہو کہ بس جو لوگ ابراہیم علیہ السلام کی امت میں نہیں ان کو یہ دولت نہ ملے گی بلکہ اتباع ملت ابراہیم پر اس نعمت کو موقوف کیا گیا ہے۔ جس سے مراد ان کے مذاق کا اتباع ہے اور ان کا مذاق فنا تھا اور یہ دولت ہر نبی کو عطا ہوتی ہے (الالباب لاولی الالباب)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا

بلاشبہ جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشیں گے اور نہ ان کو منزل مقصود یعنی بہشت کا راستہ دکھائیں گے۔

ارتداد کی خاصیت

حالانکہ ثُمَّ ازْدَادُوا کے بعد بھی ثم امنوا کی گنجائش تھی مگر اس کے بعد حق تعالیٰ نے ثم امنوا نہیں فرمایا کیونکہ اس پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ اس فعل میں خاصیت یہ ہے کہ اس کے بعد اکثر توفیق ایمان نہیں ہوتی پس ایمان کی قدر کرو اور اس کی حفاظت کی کوشش کرو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ
الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ
الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ
اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَیُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی
یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ
الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ
فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ
نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ
فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَی
الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾

ترجمہ: منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے اس امر کی کہ ان کے واسطے بڑی دردناک سزا ہے جن کی یہ حالت ہے کہ کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہیں سو اعزاز تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ جب احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جبکہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کر دیں کہ اس حالت میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع کر دیں گے وہ ایسے ہیں کہ تم پر افتاد پڑنے کے منتظر رہتے ہیں پھر اگر تمہاری فتح منجانب اللہ ہو گی تو باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل گیا تو باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچا نہیں لیا سو اللہ تعالیٰ تمہارا اور ان کا قیامت میں (عملی) فیصلہ فرما دیں گے اور (اس فیصلہ میں) ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمائیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

منافقین کو ملامت

اس مقام پر جن لوگوں کی یہ شکایت ہے وہ جماعت منافقین کی ہے کہ گو وہ زبان سے کہتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے مگر وہ واقع میں مومن نہ تھے اسی وجہ سے ان کو فروع کا مکلف نہ کہا جائے گا پس باوجود غیر مکلف ہونے کے جس امر پر ان کی شکایت کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ جرم بہت شدید ہے تو جو مدعی اطاعت ہیں یہ اگر مرتکب اس جرم کے ہوں تو بہت زیادہ اقبل شکایت ہیں پس وہ امر کہ جس پر منافقین کو اس آیت میں ملامت کی گئی ہے افسوس ہے کہ وہ ہم میں بھی موجود ہے اس لئے اور بھی زیادہ ضروری ہوا کہ اس مضمون کو اختیار کیا جاوے پس تین حیثیتوں سے اس مضمون کی ضرورت ثابت ہوئی اول تو فی نفسہ ضروری ہونا دوسرے اس میں غلطی واقع ہونا تیسرے ہم میں وہ غلطی ہونا اب سنئے کہ وہ مضمون کیا ہے ارشاد ہے اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ یعنی کیا یہ منافقین کفار کے پاس جا کر عزت کے طالب ہوتے ہیں عزت تو تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کی ملک ہے یہ ترجمہ ہے۔ آیت کا قصہ اس کے نزول کا یہ تھا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک جماعت تھی منافقین کی وہ بظاہر مومن تھے اور واقع میں کافر تھے تو ان کا یہ شیوہ تھا کہ مسلمانوں کے فریق کے مقابل بن کر کفار سے میل جول رکھتے تھے اس لئے کہ اپنے زعم فاسد میں یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اسلام بڑھنے والا تو ہے نہیں یہ دو چار دن کا شور وغل ہے پھر بدستور کفار کا ہی پلہ بھاری رہے گا تو کیا ضرورت ہے کہ ہم ان سے بگاڑیں اور پھر مسلمانوں سے اس لئے ملتے تھے کہ ان کے حملوں سے محفوظ رہیں اور شاید ان کو غلبہ ہو جائے تو کہنے کو موقعہ رہے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی شکایت فرماتے ہیں اور ان کی رائے کا غلط ہونا ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا یہ منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ کفار کے پاس عزت ہے اس لئے ان سے میل جول رکھ کر عزت کے طالب ہیں خوب سمجھ رکھو کہ غلبہ اور عزت تو ہماری ملک ہے پس جو اس کا طالب ہو وہ ہم سے میل جول کرے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جو شے جس کی ملک ہو اور تم اس کے طالب ہو تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ اس کی اطاعت کرو یہ عجیب بات اور قلب موضوع ہے کہ اس کو ناراض کر کے اس سے وہ لینا چاہیں یہ دوسری بات ہے کہ کسی مصلحت سے وہ شے پھر بھی اس کو دیدے مقصود یہ ہے کہ طریقہ اس کا یہی ہے کہ اس کی اطاعت بھی اختیار کی جاوے یہاں سے یہ شبہ رفع ہو گیا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مومنین کو بھی عزت اور غلبہ حاصل ہے تقریر اندفاع کی یہ ہے کہ لام اللہ میں ملک کا ہے تو حاصل یہ ہے کہ عزت اور غلبہ اللہ کی ملک ہے یہ مطلب نہیں کہ عزت اور غلبہ ہم کسی کو نہیں دیتے ممکن ہے کہ کسی مصلحت اور حکمت کی وجہ سے غیر مطیع کو بھی دے دیں اور وہ حکمت یہ ہے کہ یہ دنیا امتحان اور ابتلاء کا گھر ہے بس اگر دنیا میں مسلمانوں ہی کو غلبہ ہوتا تو یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

حکمت ابتلاء فوت ہو جاتی اس لئے کہ اسلام قبول کرنے والوں کا کوئی امتحان اور ابتلاء نہ ہوتا اس واسطے کہ جب کہ غلبہ انہیں کو ہوتا تو پھر مسلمان ہونا کوئی کمال نہ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایسا ملا جلا قصہ رکھا ہے کہ ظاہری نظر میں کوئی امتیاز نہ ہو کبھی کسی قوم کو غلبہ دے دیا کبھی کسی کو تا کہ اس کا امتحان ہو کہ دیکھیں ہمارے بندے کس طرف رخ کرتے ہیں آیا دنیا کی شان و شوکت پر مائل ہوتے ہیں یا ہماری طرف آتے ہیں۔ پس باوجود اس کے اگر کوئی اسلام قبول کرتا ہے اس کا منشاء محض اخلاص ہوتا ہے کوئی دوسری غرض نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو یعنی خانہ کعبہ کو وادی غیر ذی زرع میں بنایا ہے کہ وہاں نہ کھیتی باڑی ہوتی ہے نہ سرسبزی کا نام و نشان ہے نہ نہریں اور چشمے اور کنوئیں ہیں بجز خشک میدانوں اور پہاڑوں کے کوئی شے نہیں اگر بیت اللہ شریف خطہ کشمیر میں ہوتا تو وہاں مسلمانوں کا جانا کوئی کمال نہ تھا۔ حق تعالیٰ نے ایسی جگہ بنایا کہ وہاں ہر شے کی کمی ہے تا کہ جو کوئی وہاں جاوے ہماری ہی محبت کی وجہ سے جاوے چنانچہ مسلمان وہاں مشقتیں اٹھا اٹھا کر مال خرچ کر کے جو جاتے ہیں اس کا منشاء سوائے اخلاص اور حق تعالیٰ کی محبت کے کوئی شے نہیں ہے اسی واسطے حضور ﷺ نے اپنی اولاد کے لئے زکوٰۃ کو حرام فرما دیا ورنہ کم فہموں کو یہ شبہ ہوتا کہ یہ سب ترغیب اور دعوۃ الاسلام اپنی غرض کے لئے ہے کہ ہم اور ہماری اولاد کو دنیا حاصل ہو اب یہ شبہ ہی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جو صدقات واجبہ ہیں جیسے زکوٰۃ عشر فدیہ وغیرہ یہ تو سب اپنے خاندان پر حرام ہی فرما دیئے ہیں اب رہ گئے صدقات نافلہ کہ ان میں اختیار ہے خواہ دو یا نہ دو ان میں کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ صدقات ہی خود ضروری نہیں کہ ضرور دیئے جائیں۔ پس حق تعالیٰ کی یہ حکمت اور شان ہے کہ جہاں ذرا بھی خود غرضی کا شبہ ہوا ہے اسی کو دفع فرما دیا ہے پس اگر تنعم اور عیش و دولت اور عزت وجاہ غلبہ اسلام کے ساتھ مخصوص ہوتا تو اسلام لانے میں پھر کوئی کمال نہ ہوتا اور مخلص و غیر مخلص میں اشتباہ ہو جاتا اور اب جو کوئی ادھر آتا ہے وہ اخلاص ہی کی وجہ سے آتا ہے۔

قیامت میں مسلمانوں ہی کو کفار پر غلبہ حاصل ہوگا

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا یعنی حق تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز غلبہ نہ دیں گے اگر اسی آیت کے الفاظ پر نظر کو مقصود کر دیا جائے تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو خلاف مشاہدہ ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ہو گیا ہے اس کا جواب بھی دیا گیا ہے اور اچھا جواب ہے کہ غلبہ سے غلبہ فی الحجت مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ حجت میں کافروں کو کبھی بھی غلبہ نہ ہوگا اور یہ مشاہدہ کے موافق ہے۔ حجت میں ہمیشہ اسلام ہی کو غلبہ ہوا ہے اور ہوتا ہے گو یہ جواب فی نفسہ صحیح ہے مگر کیا اچھا ہو کہ اشکال ہی نہ پڑے جو جواب دینے کی ضرورت ہو تو سیاق میں نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ یہاں اوپر سے فیصلہ قیامت کا ذکر ہے اور یہ جملہ اسی فیصلہ کے متعلق ہے پوری آیت یوں ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

5

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا یعنی پس اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کریں گے قیامت کے دن اور (اس فیصلہ میں) حق تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز غلبہ نہ دیں گے۔ دیکھئے سباق میں نظر کرنے سے یہ فائدہ ہوا کہ اشکال وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ یہاں غلبہ فی الدنیا کا ذکر ہی نہیں بلکہ فیصلہ قیامت میں غلبہ نہ ہونے کا ذکر ہے۔ (فناء النفوس)

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا 'اس میں شبہ ہوتا ہے کہ ہم تو کفار کو مسلمانوں پر مسلط غالب ہوتا ہوا دیکھتے ہیں پھر اس آیت کے کیا معانی اس شبہ کا منشاء یہی ہے کہ اوپر سے غور نہیں کیا گیا اس سے پہلے ارشاد ہے فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا معلوم ہوا کہ یہ حکم فیصلہ قیامت کے متعلق ہے عام نہیں ہے اور یہ شبہ ہوا غور نہ کرنے سے اور غور نہ کرنے کا سبب یہ ہوا کہ یوم القیمۃ پر وقف کیا جاتا ہے جس سے وہ مستانف کلام سمجھا گیا کاش کہ یہاں طانہ لکھی ہوتی تو یہ شبہ نہ پڑتا اسی طرح لاریب فیہ میں جو شبہ واقع ہوتا ہے کہ قرآن میں تو بہت کفار نے شبہات کئے ہیں اس کا جواب مولانا کی طرف سے مشہور ہے کہ حق تعالیٰ نے لاریب فیہ ہی تو فرمایا ہے لاریب فیھم تو نہیں فرمایا تو کفار بے شک شبہ کرتے تھے مگر اس کا منشا خود ان کے اندر تھا یعنی حسن وعناد وجہل وغیرہ قرآن میں منشاء ریب کچھ نہیں ہے اس کی توضیح میں نے اس طرح کی ہے کہ جیسے یرقان والا ہر چیز کو زرد دیکھتا ہے مگر باوجود اس کے یہ کہنا صحیح ہے لا صفرۃ فیہ کیونکہ منشاء صفرۃ کارائی میں ہے اسی طرح یہاں سمجھو علی ھذا لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون میں شبہ واقع ہوتا ہے مولانا نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے لا خوف لھم و بھم تو نہیں فرمایا بلکہ لا خوف علیھم فرمایا مطلب یہ ہے کہ ہماری طرف سے ان پر کوئی واقعہ اندیشناک واقع نہ ہوگا گو وہ خود اپنی سعادت مندی سے ڈرتے رہیں تو اس کی نفی نہیں کی جاتی اسی طرح امیر شاہ خان صاحب نے امیر الروایات میں مولانا کی ایک حکایت لکھوائی ہے کہ کسی نے مولانا سے آ کر عرض کیا کہ ایک پادری کہتا تھا کہ مسلمان خواہ مخواہ انجیل وتورات کو محرف مبدل کہتے تھے حالانکہ قرآن سے خود اس کی نفی ہوتی ہے کیونکہ قرآن میں ہے کہ کلام اللہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی اور انجیل وتورات کا کلام اللہ ہونا مسلمانوں کو مسلم ہے۔ پھر وہ ان میں تبدیلی کے قائل کیونکر ہوسکتے ہیں امیر شاہ خان صاحب نے یہ اشکال تو لکھوایا ہے مگر جواب کچھ نہیں لکھوایا کہ مولانا نے اس کا کیا جواب دیا نیز وہ آیت بھی اس کی جگہ منقول نہ تھی جس میں عدم تبدیلی فی کلام اللہ کا دعویٰ ہے اس لئے یہاں پر حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہوئی چنانچہ غور کرنے سے آیت بھی مل گئی جو پارہ ولوانا میں ہے وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۗ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ اور جواب اشکال کا یہ ہے کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے اوپر سے قرآن کی حقانیت کا بیان فرمایا چنانچہ اس سے اوپر کی آیت یہ ہے

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

(c) ketabton.com: The Digital Library

یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنۡ رَّبِّكَ بِالۡحَقِّ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ﴿﴾ وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ الآیۃ

آیت اولی میں اَنۡزَلَ اِلَيۡكُمُ الۡكِتٰبَ میں کتاب سے مراد یقینا قرآن ہے (کیونکہ حضور کے مخاطبین اولین پر اسی کا نزول ہوا ہے اور اسی کے متعلق جا بجا یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اہل کتاب کو اس کے منزل بالحق ہونے کا خوب علم ہے وہی دعویٰ یہاں بھی ہے پس یہ اس کا قرینہ ہے کہ وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ سے بھی قرآن ہی مراد ہے اور مثل اوصاف سابقہ کے یہ عدم تبدیلی بھی اسی کی صفت ہے اب کچھ اشکال نہیں رہا اس کا ایک جواب ہماری جماعت کے بعض اکابر سے دوسری طرح منقول ہے جس کا عنوان یہ ہے کہ کلام اللہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی اور کتاب اللہ میں ہوسکتی ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ قرآن تو کلام اللہ ہے اور دوسری کتابیں کلام اللہ نہیں بلکہ محض کتاب اللہ ہیں۔ یہ جواب میری سمجھ میں نہیں آیا اس لئے میں اس کو بیان کرنا بھی پسند نہیں کرتا ممکن ہے کہ اصل مجیب کی دلیل کے تمام مقدمات ملا کر یہ جواب صحیح ہو جائے اور راوی نے سب مقدمات نقل نہ کئے ہوں مگر چونکہ ہم کو یہ جواب ناتمام ہی پہنچا ہے اس لئے ہمیں اس سے تسلی نہیں ہوئی غرض یہاں بھی اشکال کا منشاء یہی ہوا کہ سیاق سباق میں غور نہیں کیا یا صرف لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ کو دیکھ کر عموم سمجھ لیا گیا (اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی لیس من البر الصیام فی السفر کو عام سمجھ لے حالانکہ قرآن سے اس کا حکم سفر مشقت کے ساتھ مخصوص ہونا ظاہر ہے) اگر اس سے اوپر کی آیت کو دیکھ لیا جاتا تو اشکال واقع نہ ہوتا اور معلوم ہوتا کہ یہ حکم عام نہیں بلکہ قرآن کے ساتھ خاص ہے۔

قرآن سمجھنے کیلئے ضروری علوم

فرمایا' درسیات پڑھو' سمجھ پیدا ہو جائے گی اس سلسلہ میں فرمایا قواعد صرف ونحو سمجھ کر پڑھنے کے بعد قرآن شریف پڑھا جائے اس کے بعد صرف ایک کتاب فقہ کی پڑھ لی جائے تو بس کافی ہے اور جو خود عالم تبحر ومحقق نہ ہو اس کو تو دوسرے کی تقلید واتباع کرنی چاہئے زمخشری نے لکھا ہے کہ چودہ علم پڑھنے کے بعد یعنی تمام علوم سے فارغ ہونے کے بعد قرآن پاک پڑھا جائے یہ اس کی رائے ہے فرمایا میری رائے تو یہ ہے کہ قرآن وفقہ احادیث کا سمجھنا منطق کے بغیر مشکل ہے اس لئے منطق پڑھنی ضروری ہے فرمایا اوامر ونواہی کا سمجھنا تو آسان ہے لیکن استنباط مسائل اور تحقیق کے لحاظ سے قرآن کا سمجھنا بدوں منطق اور علوم آلیہ کے دشوار ہے اس لئے علوم عالیہ کے لئے علوم آلیہ کی ضرورت ہے بعدہ اصطلاحات منطق کے ماتحت حضرت والا نے چند آیات قرآن سے اس کی توضیح فرمائی مثلاً آیہ کریمہ (پ۹)

ولو علم اللّٰہ فیھم خیر الا سمعھم ولو اسمعھم لتولوا اوھم معرضون (انفال)

(c) ketabton.com: The Digital Library

(اور گر اللہ تعالیٰ ان میں خوبی دیکھتے تو ان کو سننے کی توفیق دیتے اگر ان کو اب سنا دیں تو ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے)

اس میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ قیاس منطق کی ایک شکل ہے اور حد اوسط حذف ہونے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے ولو علم اللہ فیھم خیر التولوا لیکن ظاہر ہے کہ یہ نتیجہ بالکل غلط ہے تو اب اشکال یہ ہے کہ نتیجہ غلط کیوں نکلا تو پھر فرمایا کہ ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ حد اوسط کا مکرر ہونا جو شرط انتاج ہے وہ اس شکل میں موجود نہیں کیونکہ پہلا اسمعھم سماع بمعنے القبول سے مشتق ہے اور دوسرا اسمعھم سماع حاسہ کے معنی میں ہے اس لئے دو جگہ اسمعھم کا لفظ اگرچہ مکرر ہے مگر معنے الگ الگ ہیں اس لئے حقیقۃ تکرار اوسط نہیں ہوا اس لئے نتیجہ غلط نکلا اب اگر کسی کو منطق نہ آتی ہو تو اشکال کا حل سمجھنا اس کو دشوار ہے۔

(آیۃ) ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (پ ۱۷)

(اور ہم کتابوں میں لوح محفوظ کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے)

کے متعلق ایک صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ آج کل یہ واقعہ اور مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ عموماً زمین پر کفار و فجار کا تسلط ہے سوال کرنے والے ایک مولوی صاحب تھے میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون سا قضیہ ہے محصورہ یا مہملہ کہنے لگے مہملہ ہے میں نے کہا کہ قضیہ مہملہ حکم میں جزیہ کے ہوتا ہے کلیہ نہیں ہوتا اس لئے اس آیت کا یہ مفہوم ہی نہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت اور ہر زمانہ میں یہی حال رہیگا کہ صالحین زمین کے وارث ہوں گے بعض مرتبہ ایسا ہونا اس قضیہ کے صدق کے لئے کافی ہے (ملفوظات حکیم الامت ج ۱۵ صفحہ ۱۹۴ تا ۱۹۶)

اسی طرح ایک اور آیت ہے ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ کافر مسلمانوں پر کبھی غالب نہ آئیں گے پھر اس پر بڑا اشکال کہ قرآن شریف میں تو یہ ہے اور واقعہ اس کے خلاف ہے وہ یہ کہ کفار کو بہت دفعہ دنیا میں مسلمانوں پر غلبہ ہوا ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا مشاہدہ کا کیا انکار مگر حقیقت میں آیت کا یہ مطلب ہی نہیں جو سمجھا گیا ہے یہ آیت دنیا کے متعلق ہے ہی نہیں یہ تو آخرت کے متعلق ہے کیونکہ اوپر ذکر منافقین کا ہے ان کا ذکر کر کے فرماتے ہیں فاللہ یحکم بینکم یوم القیمۃ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں فیصلہ کے وقت ڈگری مومنین کی ہوگی اور منافقین ہاریں گے خود فاللہ یحکم بینکم یوم القیمۃ بتلا رہا ہے کہ یہ حکم آخرت کے متعلق ہے یعنی قیامت میں جب مقدمہ پیش ہوگا تو اس میں مسلمان مغلوب نہ ہوں گے اب کوئی اشکال نہیں (الہال والجاہ ملحقہ مواعظ حقیقت مال وجاہ صفحہ ۱۸۳)

ایک اشکال نہ پڑھنے والوں کو اس آیت پر ہوتا ہے۔ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا اور ہرگز نہیں دیں گے حق تعالیٰ مسلمانوں پر کوئی راہ یعنی غلبہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اشکال یہ ہوتا ہے کہ ہم تو بار ہا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کفار مسلمانوں پر غالب ہوجاتے ہیں اس کے بہت سے جواب علماء نے دیئے ہیں لیکن اگر قرآن کے ساتھ ذوق ومناسبت ہو تو وہ ضرور یہ سمجھ گا کہ کلام اللہ غیر مرحبط نہیں ہے پھر جب اس کو مرحبط سمجھے گا تو ہر مقام پر سیاق وسباق کو بھی دیکھے گا چنانچہ اس آیت پر اشکال اس لئے ہوا کہ لوگوں نے لن یجعل الله للکافرین علی المومنین سبیلا کے سباق کو نہ دیکھا اس میں یہ حکم آخرت کے ساتھ مخصوص ہے چنانچہ اس سے پہلے یہ ارشاد ہے فالله یحکم بینکم یوم القیمة حق تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کریں گے یعنی قیامت میں کفار ومسلمان کا فیصلہ ہوجائے گا کہ کون حق پر تھا کون ناحق پر اس کے بعد فرماتے ہیں ولن یجعل الله للکافرین علی المومنین سبیلا اور اللہ تعالیٰ کفار کو مسلمانوں پر ہرگز غلبہ نہ دیں گے یعنی اس فیصلہ میں جو آخرت میں ہوگا اب کوئی اشکال نہ رہا' (تعلیم التعلیم لحقہ مواعظ علم وعمل صفحہ ۲۱۸)

الفاظ کو صحیح معنوں میں محمول کرنے سے بہت جگہ قرآن مجید میں مجاز وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں رہتی مثلاً ومکروا ومکر الله میں قبیح کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف نہیں لازم آتی جس کے لئے تاویل کی ضرورت ہو کیونکہ مکر اور کید کی حقیقت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ یہاں یہ فرماتے تھے کہ مکر وکید کہتے ہیں تدبیر خفی کو تدبیر خفی کبھی محمود بھی ہوتی ہے کبھی مذموم بھی نہ کسی مجاز کی ضرورت نہ توجیہ کی ضرورت۔

اسی اصل کی ایک فرع یہ ہے کہ الا ان اولیاء الله لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون کے متعلق یہ اشکال ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ تو اکثر بہت خائف اور محزون رہتے ہیں اس اشکال کا جواب بھی اسی اصل پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لا خوف لھم یا لا خوف بھم نہیں فرمایا بلکہ لا خوف علیھم فرمایا یعنی ان پر آخرة میں خوف واقع نہیں ہوگا یہ نہیں کہ ان میں خوف نہیں خلاصہ اس توجیہ کا یہ ہے کہ ان میں خوف ہے ان پر خوف نہیں اسی طرح ذالک الکتاب لاریب فیه پر جو اشکال ہوتا ہے قرآن مجید میں تو بہت لوگوں کو شک ہے پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں اس کی توجیہ بھی مولانا نے اسی اصل پر یہ فرمائی کہ وہ شک اس کتاب میں نہیں ہے بلکہ جن کو شک ہے خود ان میں خباثت ہے درحقیقت ان کے فہم میں کھوٹ ہے اس کتاب میں کوئی کھوٹ نہیں یہ تو حضرت مولانا کی تحقیق ہے اور مجھ کو اس کی ایک مثال مل گئی جس سے مولانا کا مقصود اور واضح ہوگیا وہ مثال یہ ہے کہ یرقان اصفر والے کو جو سب چیزیں زرد ہی زرد نظر آتی ہیں تو اس کی آنکھوں میں زردی ہوتی ہے نہ کہ ان چیزوں میں جب وہ کسی چیز کو دیکھ کر یہ کہتا ہے کہ اس میں زردی ہے تو اس سے یہی کہا جاتا ہے کہ لاصفرة فیه کہ اس چیز میں زردی نہیں ہے تیری آنکھوں میں ہے۔ اسی طرح درحقیقت قرآن میں کوئی شک نہیں ہے اور جو اس میں شک کرتا ہے اس کے فہم کا قصور ہے۔ مولانا یوں فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں جہاں کوئی شبہ ہو وہیں ایک لفظ ایسا ہے جس میں اس شبہ کا جواب ہے جیسے تکوین

(c) ketabton.com: The Digital Library

نظام میں جہاں ...... ڈنک کا درخت ہوتا ہے اسی کی جڑ میں ایک اور درخت نکلتا ہے جو اس کا علاج ہے اور اسی کے پاس ہوتا ہے اسی طرح چونکہ آم ثقیل ہوتا ہے اس لئے اسی موسم میں جامن بھی ہوتی ہے جو اس کی مصلح ہے اور خود جامن میں بھی جو ایک ثقل ہے اس کا آم میں علاج ہے غرض آم کی مصلح جامن ہے اور جامن کا مصلح آم ہے چنانچہ اس آیۃ پر بھی ایک اشکال مشہور ہے۔ لن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا یعنی مومنین پر کافروں کا ہرگز غلبہ نہ ہوگا حالانکہ مومنین

کافروں کا غلبہ بہت جلد مشاہد ہے اس اشکال کا بھی جواب وہیں موجود ہے چنانچہ جس سلسلہ میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے فاللہ یحکم بینکم یوم القیامۃ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت میں کفار اور مومنین کے درمیان جو فیصلہ کیا جائے گا اس فیصلہ میں مومن پر کافر غلب نہ ہوں گے پوری آیۃ اگر پڑھی جاوے تو وہیں اس اشکال کا جواب بھی موجود ہے۔ اسی لئے غیر محقق کا قرآن مجید سے استدلال سراسر بے محل اور مضر ہو گا چنانچہ قصبہ رام پور میں حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک واقعہ میں طلاق کے متعلق کوئی فتویٰ دیا تھا کسی عورت نے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ کر اس کے خلاف یہ فتویٰ دیدیا کہ قرآن میں یہ لکھا ہے کہ حکیم ضیاء الدین صاحبؒ سے کسی نے بیان کیا فرمایا کہ وہ کیا جانے مسئلہ چڈو کہیں کی کہدو اس سے کہ اگر زبان درازی کرے گی تو ناک چوٹی کاٹ دی جائیں گی۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ: بلاشبہ منافق لوگ چال بازی کرتے ہیں اللہ سے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر بہت ہی مختصر۔

تفسیری نکات

اعمال صالحہ میں ہمیشہ مشقت رہتی ہے

بہرحال خوب سمجھ لو کہ اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ وہ اعمال نفس کی خواہش کے خلاف ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

نفس ان میں منازعت ضرور کرتا ہے قلیل یا کثیر اس لئے مخالفت نفس کی عمر بھر ضرورت ہے اور یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے۔ اور یہاں سے بعض واعظین کی غلطی معلوم ہوگئی کہ وہ یہ آیت یعنی وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى کو مسلمانوں کے حق میں پڑھ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو نماز میں کسل کرے وہ منافق ہے بات یہ ہے ان لوگوں کو قرآن کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ کسل کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ عمل میں مشقت کا سامنا ہو مگر عقیدہ میں ضعف یا شک نہ ہو تو یہ وہ کسل نہیں ہے جو منافقین کی شان تھی یہ تو کسل طبعی ہے اور طبعی کسل اعمال شرعیہ میں مخلصین کو بھی ہوسکتا ہے کیونکہ یہ اعمال نفس پر گراں ہیں نفس ان میں بعض دفعہ کسل کرنے لگتا ہے اور اعمال شرعیہ میں مشقت کا سامنا ہونا آیت وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ کے خلاف نہیں کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دین فی نفسہ آسان ہے دشوار نہیں یہ اور بات ہے کہ منازعت نفس کی وجہ سے اس میں دشواری آجائے کیونکہ یہ ضرور ہے کہ اعمال شرعیہ میں نفس کی خواہشوں کو پامال کیا جاتا اور اس کی مخالفت کی جاتی ہے اور یہ نفس کو ضرور گراں ہے تو اس منازعت وکشاکشی کی وجہ سے دشواری آجانا یسر فی نفسہ کے خلاف نہیں اسی لئے قرآن میں وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ سے پہلے وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ بھی آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دین میں مجاہدہ کی بھی ضرورت ہے پس ایک جزو ہی کو مت دیکھو دونوں جزوں کو ملاؤ تو حاصل وہی نکلے گا جو میں نے عرض کیا ہے اب سنئے ایک تو طبعی کسل ہے جس کا منشا منازعت نفس ہے یہ منافقین کے ساتھ خاص نہیں اور ایک اعتقادی کسل ہے کہ اس شخص کو نماز کی فرضیت پر اور خدا و رسول ﷺ پر ہی ایمان نہیں ہے محض کسی مصلحت کی وجہ سے نماز پڑھ رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دل سے نہ پڑھے گا بلکہ بیگاری ٹالے گا اور کسل کے ساتھ نماز ادا کرے گا یہ کسل منافقین کی شان ہے اور خدا نہ کرے کہ کسی مسلمان کی ایسی شان ہو۔

کسل اعتقادی

فرمایا کہ کلام مجید میں جو ارشاد ہے اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى اس میں کسل سے مراد وہ کسل ہے جو ضعف اعتقاد سے ہو جیسا کہ منافقین میں تھا کہ چونکہ نماز کو فرض نہ سمجھتے تھے صرف مصلحت دینوی کی وجہ سے پڑھتے تھے اس لئے وہ ان کو ثقیل معلوم ہوتی تھی کسل طبعی مراد نہیں پس کسی مسلمان کی حالت پر اس کو پڑھ دینا صحیح نہیں جیسا بعض کم فہم واعظ کرتے ہیں کیونکہ مسلمان اگر عبادت میں کسل بھی کرے تو وہ طبعی ہوگا اعتقادی نہ ہوگا۔

غیر محقق واعظین کی ایک غلطی

واعظین میں بعضے غیر محقق واعظ ایسی چھری پھیرتے ہیں کہ مسلمانوں کو کافر بناتے چلے جاتے ہیں چنانچہ جو لوگ نماز میں سستی کرتے ہیں ان کو منافق کہہ دیتے ہیں اور یہ آیت پڑھ دیتے ہیں وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ آیت منافقین کی شکایت میں ہے کہ جب وہ نماز کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں تو اس حالت میں کھڑے ہوتے ہیں کہ کاہل ہوتے ہیں خوب سمجھ لو کسل اعتقادی اور شے ہے اور کسل طبعی جدا منافقین میں کسل اعتقادی تھا یعنی ان کو نماز کے فرض نہ سمجھنے کے سبب کسل تھا اور مسلمانوں میں کسل طبعی ہے فرض ہونے میں تردد نہیں اس کو دوسرے عنوان سے سمجھئے کہ بعض مرتبہ لازم اعم ہوتا ہے اس کا تعلق ملزومات متعددہ سے ہوتا ہے کسل ایک لازم ہے منافقین میں اس کا ملزوم اعتقادی سستی ہے اور مسلمانوں میں طبعی ہے مسلمان کیسا ہی ضعیف الایمان ہو اس کو کسل اعتقادی کبھی نہ ہوگا تو یہاں مطلق کسل مراد نہیں ہے لیکن ہمارے واعظین سب کو ایک لکڑی سے ہانک دیتے ہیں۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ: حق تعالیٰ تم کو عذاب کر کے کیا کریں گے اگر تم خدا کا شکر کرو یعنی ایمان (کامل اختیار کرو)

تفسیری نکات

شکر کی اہمیت

سبحان اللہ اس آیات میں یہ لفظ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اس قابل ہے کہ اس پر جان قربان کر دی جائے فرماتے ہیں کہ ہم کو تمہارے عذاب کرنے میں کیا نفع ہے ہم تو تم پر رحمت ہی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر تم نافرمانی کر کے خود ہی عذاب کو مول لیتے ہو تو اس عنوان سے کس درجہ شفقت ٹپکتی ہے یہاں ایک ضروری تنبیہ بطور جملہ معترضہ کے ہے بعض لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ حق تعالیٰ کو مخلوق سے بے پرواہ بے معنی بے توجہ سمجھتے ہیں اور اس غلطی کا منشاء یہ ہے کہ ان لوگوں نے غناء کا مطلب غلط سمجھا اس میں تو شک نہیں کہ غناء حق تعالیٰ کی صفت یقیناً ہے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ - وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ لیکن لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ ان آیات میں مستغنی کے معنی وہ مراد لیتے ہیں جو ہمارے محاورہ میں مستعمل ہیں کہ ہمارے محاورہ میں مستغنی اس کو بھی کہتے ہیں جو دوسروں سے بالکل بے پرواہ جو کسی کے نفع نقصان کی اسے رعایت نہ ہو حالانکہ مستغنی کے معنی آیات میں صرف یہ ہیں کہ حق تعالیٰ کو کسی کی احتیاج نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں پس محتاج نہ ہونا اور بات ہے اور بے پرواہ ہونا اور رعایت مصالح نہ کرنا دوسری بات ہے غناء جو حق تعالیٰ کی صفت ہے اس کے معنی عدم احتیاج کے ہیں اور یہاں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ آج کل جو لوگ محض ترجمے دیکھ کر محقق بن جاتے ہیں وہ کیسا ستم ڈھاتے ہیں پھر غضب یہ کہ یہ لوگ ترجمے دیکھ کر محققین سے مزاحمت کرتے ہیں اور معارضہ میں کہتے ہیں کہ صاحب مشارق الانوار میں تو یہ لکھا ہے مظاہر حق میں یہ لکھا ہے میں کہتا ہوں کہ اس میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

وہی لکھا ہے جو محقق بیان کرتا ہے مگر تم ترجمہ دیکھ کر اس کی حقیقت کو نہیں سمجھے۔

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے

تفسیری نکات

غیر محبوب کا مبغوض ہونا مسلم ہے

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا اور لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ اور اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ اور لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ وغیرہ وغیرہ

ظاہر ہے کہ یہ سب اعمال مبغوض ہی ہیں تو لا یحب کے معنی صرف یہی نہیں کہ یہ محبوب نہیں گو مبغوض بھی نہیں جیسا امور مباحہ ہوتے ہیں بلکہ یہی مراد ہے کہ یہ مبغوض ہیں پس جب ترک دوام کا غیر محبوب ہونا ثابت ہوا تو اس محاورہ سے معلوم ہوا کہ ترک دوام غیر محبوب بمعنی مبغوض ہے اور جو شے خدا تعالیٰ کو مبغوض ہو وہ حرام ہے اور حرام کی ضد واجب ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مستحبات پر دوام واجب ہے تو ترک دوام پر رنج کرنا بھی مثل ترک واجب کے جائز ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غیر محبوب کا مبغوض ہونا تو مسلم ہے مگر ہر مبغوض کا حرام ہونا مسلم نہیں یہ کبریٰ کلیہ نہیں بلکہ بعض مبغوض مباح بھی ہوتے ہیں جیسے ابغض الحلال عند اللہ الطلاق' اس میں طلاق کو حلال بھی فرمایا اور ابغض بھی فرمایا ہے معلوم ہوا ہے کہ بغض کا اجتماع اباحت کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے میاں کے لئے طلاق دینا فی نفسہ تو جائز ہے مگر بلا ضرورت طلاق دینا خدا تعالیٰ کو پسند نہیں اسی طرح یہاں سمجھئے کہ اعمال مستحبہ پر دوام کرنا حق تعالیٰ کو محبوب ہے اور ترک دوام غیر محبوب ہے یعنی مبغوض ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فی نفسہ گو ترک دوام جائز ہے مگر بلا ضرورت شرعیہ یا طبعیہ دوام کا ترک کرنا حق تعالیٰ کو پسند نہیں۔

تکبر کی صورتیں

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ اللہ تعالیٰ متکبر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے) اور ان اللہ لا یحب المستکبرین (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) یہ تین صیغے ہیں مختال اور فخور اور مستکبرین اور تینوں کی نسبت لا یحب (نہیں پسند کرتے) کا لفظ ہے کیا یہ جامع کلام ہے ان تین لفظوں کی شرح یہ ہے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کبر کے آثار کبھی تو ظاہر ہو جاتے ہیں اور کبھی تہذیب کی وجہ سے دل میں رہتے ہیں تو یہ مستکبر ہیں کیونکہ استکبار کے معنی بڑا سمجھنا اور یہ دل سے ہوتا ہے اس کی نسبت فرماتے ہیں ان اللہ لا یحب المستکبرین یعنی جن لوگوں کے دل میں تکبر ہے خواہ وہ ظاہر نہ ہو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ بھی مبغوض ہیں اور کبھی تہذیب کم ہوئی تو کبر کا اثر ظاہر بھی ہو جاتا ہے مثلاً کوئی آدمی فیشن بناتا اور طرح طرح کی وضع اختیار کرتا ہے جس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنا چاہتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ ایسا آدمی بعض دفعہ اس دھوکے میں رہتا ہے کہ مجھ میں تکبر نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں نے اسی کا نام تکبر رکھا ہے کہ زبان سے بڑائی کا کلمہ کہا جائے حالانکہ یہ فیشن اور وضع بنانا سب تکبر ہی ہے زبان سے نہ سہی مگر ان کی ہر ہر ادا سے تکبر ٹپکتا ہے بعضوں کی حال تو فیشن میں آ کر بالکل ایسی ہو جاتی ہے جیسے لقا کبوتر اپنی دم کو سنبھال سنبھال کر حرکت کرتا ہے ایسی ہی چال یہ لوگ چلتے ہیں کہ قدم قدم پر دیکھتے جاتے ہیں کہ کہیں سے فیشن تو نہیں بگڑ گیا غرضیکہ ان افعال کا کرنے والا گو خود ان کو تکبر نہ سمجھے لیکن واقع میں ہی سب تکبر ہے اور ان کے تکبر ہونے کو کیسا ہی چھپا دے مگر اہل فہم کو معلوم ہو جاتا ہے یہ سب مختال کے اندر داخل ہیں اور بعضوں کی زبان سے بھی تکبر کے کلمات نکلنے لگتے ہیں ان کو فخور فرمایا پس مختال تو وہ ہے جس کے دل میں تکبر ہو اور افعال سے بھی ظاہر ہو مگر اقوال سے ظاہر نہ ہو اور فخور وہ ہے جس کی زبان سے بھی ظاہر ہونے لگے تو تین مرتبہ ہوئے ایک مستکبرین ایک مختال اور ایک فخور تینوں کے واسطے لفظ لا یحب فرمایا خلاصہ یہ ہے کہ تکبر کا ظہور ہو یا نہ ہو یعنی زبان سے تکبر ہو یا قلب سے افعال سے ان سب کو اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ؕ (اللہ تعالیٰ متکبر فخر کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے) اور ان اللہ لا یحب المستکبرین (اللہ تعالیٰ متکبر فخر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) سے منع فرما دیا ان میں سے ایک درجہ کی بھی اجازت نہیں دی اب یہ سمجھے کہ اس مقام پر اس پر کسی عذاب کی وعید نہیں فرمایا صرف لا یحب فرما دیا سو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ اس آیت نہ سہی دوسری آیتوں میں تکبر پر عذاب کی وعید بھی موجود ہے۔ مثلاً اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ (کیا غرور کرنے والوں کا دوزخ میں ٹھکانہ نہیں ہے) دوسرے یہ کہ یہ وعید کیا تھوڑی وعید ہے کہ لا یحب فرمایا یہ تھوڑی بات ہے کہ حق تعالیٰ کو ناپسند ہو غور سے دیکھئے تو وعید کی اصل یہی ہے کیونکہ وعید اسی پر ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو مرضی کے خلاف ہونا کسی کام کا اور ناپسند ہونا ایک ہی بات ہے پس لا یحب اصل ہوگئی توحید کی بلکہ دوسرے لفظوں میں یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کو دشمنی ہے اس شخص سے جو متکبر ہے یا مختال ہے یا فخور ہے کیونکہ محبت گو لغت کے اعتبار سے عداوت کی ضد ہے نقیض نہیں لیکن محاورات میں جس پر اطلاقات قرآنیہ مبنی ہیں وہ عداوت کی نقیض ہے لا یحب میں محبت کی نفی کر کے اس کی نقیض کا اثبات ہے تو یہ کہنا کہاں صحیح رہا کہ اس پر کوئی وعید نہیں آئی کیا عداوت کا اثبات وعید نہیں بلکہ یہ تو وعیدوں کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

اصل الاصول ہے اگر کسی ایک معین عذاب کی وعید ہوتی وہ وعید کا ایک فرد خاص ہوتا اور اس میں تو کسی فرد کو عذاب کی خصوصیت نہیں رہی بلکہ وہ وعید فرمائی جو جز ہے تمام وعیدوں کی یعنی عداوت تو اس سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ اس کی جزا میں کسی فرد عذاب کی خصوصیت نہیں ہر قسم کا عذاب بلکہ بڑے بڑا عذاب اس جرم پر ہو سکتا ہے۔

حب اور بغض

رہی یہ بات کہ لا یحب سے اگر عداوت کا ثابت کرنا مقصود ہے تو پھر بجائے لا یحب کے یبغض کیوں نہ فرما دیا تا کہ تصریح ہو جاتی سو اس میں ایک نکتہ ہے جو اسی وقت قلب پر وارد ہوا کہ جو زیادہ تر طالب علموں کے کام کا ہے اور سمجھ میں آ جائے تو سب کے کام بھی ہے بات یہ ہے کہ افعال کے تین مرتبہ ہیں ایک محبوب ایک غیر محبوب گو مبغوض بھی نہ ہو ایک مبغوض یعنی ایک تو کسی کا پسند ہونا اور ایک کسی کام کا نہ پسند ہونا گو ناگوار بھی نہ ہو اور ایک ناگوار ہونا ظاہر ہے کہ تکبر قسم اول کا عمل تو نہیں ہے یعنی محبوب قسمین اخیرین میں سے کسی ایک قسم کا عمل ہے اور دوسری آیتوں اور نیز حدیثوں پر نظر کرنے کے بعد یہ ظاہر ہے کہ قسم آخیر ہی کا عمل ہے۔ یعنی مبغوض ہے اس لئے کوئی طالب علم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس جگہ لا یحب کے بدلے یبغض ہونا چاہئے تھا سو اتنا تو مفسرین نے بھی لکھا کہ بناء علی المحاورات مراد لا یحب سے یبغض ہے مگر یہ کہ اس میں نکتہ کیا ہے لفظ یبغض ہی کیوں نہ لایا گیا یہ کہیں نظر سے نہیں گزرا وہ نکتہ اس وقت سمجھ میں آیا جس کو وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو مذاق محبت رکھتا ہو دوسرا کوئی نہیں سمجھ سکتا اور قریب علم میں کوئی سمجھ بھی لے تو اس کو حظ نہیں آ سکتا اس کا پورا حظ وہی شخص پا سکتا ہے جس کے دل میں محبت کی آگ لگی ہوئی ہو اس ہلکے لفظ کو اختیار کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ مبغوض ہونا تو بڑی بات ہے عاشق کے لئے تو لا یحب کا لفظ بھی مر جانے کی بات ہے۔ ہائے وہ بندہ کیسے زندگی بسر کرتا ہے جس سے خدا تعالیٰ کو محبت نہیں ہے واللہ مر جانے کی بات ہے دنیا میں آدمی احکام کی اور محبوبین کی نظروں میں محبوب ہونے کے لئے کیا کچھ مصیبتیں اٹھاتا ہے دیکھئے سپاہی بادشاہ کے حکم سے جان بازی کرتے ہیں اور سر کٹواتے ہیں صرف اس امید پر کہ بادشاہ ہم سے خوش رہے کسی نمک حلال نوکر کو جب یہ بات معلوم ہو جائے کہ آقا کو مجھ سے آج کل ہمدردی اور محبت نہیں تو کیسا قلق ہوتا ہے خاص اس نوکر کو جس سے آقا کو پہلے محبت رہی ہو اس کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب مجھ سے محبت کچھ کم ہو گئی ہے تو دیکھئے اس پر کیا گزرتی ہے حالانکہ اسے یہ تھوڑا ہی ثابت ہو گیا ہے کہ مجھ سے آقا کو دشمنی ہو گئی ہے بلکہ صرف اسی مرتبہ کی نوبت آئی ہے جس کے واسطے لفظ لا یحب بولا جاتا مگر یہی درجہ اس کی پریشانی کے لئے کافی ہے تو ایسے شخص کو اگر آقا کسی فعل سے منع کرنا چاہتا ہے تو ایسا لفظ نہیں اختیار کرنا چاہتا جو یبغض کے مرادف ہو بلکہ یہی لفظ انتہائی لفظ ہے کہ ہم کو یہ کام پسند نہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور انتہائی اس واسطے کے اکثر تو ایسے نوکر کے لئے جس سے محبت کا برتاؤ رہا ہو اس لفظ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ کسی لفظ کی بھی ضرورت نہیں صرف آقا کی نظر کا پھرا ہوا ہونا کافی ہوتا ہے اسی سے اس کا دم فنا ہو جاتا ہے یہ واقعات دن رات نظروں میں ہیں دیکھئے ایک پیش کار ایسا ہو جس سے کلکٹر کسی قدر انس ہو وہ اگر ایک دن اجلاس میں صرف اتنی بات نئی دیکھے کہ آج کلکٹر صاحب نے انس سے بات نہیں کی تو سہم کر رہ جاتا ہے اور احباب میں کہتا پھرتا ہے کہ آج صاحب کی نظریں کچھ پھر ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ خدا خیر کرے معلوم نہیں کیا بات خلاف طبع ہوئی اس صورت میں اگر کلکٹر صاحب زبان سے کہہ دیں کہ ہم کو تمہارا فعل پسند نہیں پھر تو کیا کہنا مر ہی تو جائے گا اور کبھی بھی اس کام کے پاس نہیں جائے گا اور یہ لفظ کہ ہم کو تمہارا فلانا کام پسند نہیں لا یحب ہی تو ترجمہ ہے جو حقیقت لغویہ کے اعتبار سے یبغض سے کم مرتبے کا لفظ ہے مگر یہ اتنا اثر کیوں رکھتا ہے بات یہی ہے کہ جس کو تعلق ہے اس کے لئے تو یہی لفظ سب کچھ ہے اور تعلق نہ ہو تو کوئی لفظ بھی موثر نہیں۔

کبر قلبی

اور قرآن شریف میں ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ (اللہ تعالیٰ متکبر شیخی باز کو پسند نہیں کرتے) اور ان اللہ لا یحب المستکبرین (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) یہ تین لفظ اس واسطے ہیں کہ کبر قلبی کبھی تہذیب کی وجہ سے مخفی رہتا ہے اس کے واسطے لفظ مستکبرین ہے اور تہذیب کی کمی سے اس کا ظہور ہونے لگتا ہے پھر اگر زبان سے ظہور ہو تو اس کی نسبت لفظ فخور ہے اور اگر صرف افعال سے ہو تو اس کے لئے مختال ہے فیشن بنانا بھی مختال میں داخل ہے۔ اس تکبر پر وعیدیں بہت ہیں مگر اس آیت میں لا یحب آیا ہے یہ بھی کچھ کم نہیں بلکہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ تمام وعیدوں کی انتہا اسی پر ہوتی ہے اور اس میں بجائے یبغض کے لا یحب فرمایا گیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ جملہ کاموں میں تین مرتبے ہیں پسند ہونا اور پسند نہ ہونا اور گو برا بھی نہ سمجھا جائے اور برا سمجھنا ظاہر ہے کہ کبر قسم اول کا عمل تو یہ ہے نہیں اور قسمیں اخیرین میں سے بھی اخیر کا ہے مگر اس کے واسطے بجائے یبغض کے درمیانی قسم کا لفظ یعنی لا یحب فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ محب خدا کو تیسری قسم کے لفظ سنانے کی نوبت ہی نہیں آسکتی درمیانی لفظ بھی اس کے مر جانے کے لئے کافی ہے۔ دیکھئے حکام کی نظر پھری ہوئی دیکھ کر اہلکاروں پر کیا گزرتی ہے اور محب خدا ہر مسلمان ہے خواہ وہ کیسا ہی عاصی اور گناہ گار کیوں نہ ہو اس محبت کا ظہور عوام سے بھی جان بازی کے وقت ہوتا ہے کہ خواص سے بھی زیادہ کام کر جاتے ہیں تو مسلمان کے لئے لا یحب انتہائی لفظ ہے کیا بلاغت ہے اور ہر مسلمان کو جو میں نے محب خدا کہا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اول حق تعالیٰ کو عبد سے محبت ہوتی ہے پھر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عبد کو حق تعالیٰ سے محبت ہو جاتی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے اور اس اولیت کی دو دلیلیں ہوتی ہیں ایک نقلی اور ایک عقلی نقلی تو یہ ارشاد ہے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (ہم نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ چاہیں) تو اول ادھر سے توجہ ہوئی اور عقلی اس طرح کہ محبت موقوف ہے معرفت پر اور معرفت نام حق تعالیٰ کی ہو نہیں سکتی کیونکہ وہ مرئی نہیں نہ اس کا کوئی نمونہ ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (اس کی مثل کوئی چیز نہیں) اور آثار سے پتہ چلتا ہے کہ انسان میں محبت خدا ضرور ہے تو ضرور وہ با ارادہ و توجہ باری تعالیٰ ہوئی یہاں سے اہل ظاہر کا بھی جواب ہوگیا۔ انہوں نے محبت خدا کا انکار کیا ہے بدلیل مذکور یعنی وہ مرئی نہیں ہے نہ اس کا کوئی مماثل و مشابہ ہے نیز اس واسطے کہ محبت نام ہے خاص تعلق کا جو موقوف ہے طرفین کی مناسبت پر اور ممکن اور واجب میں مناسبت نہیں تو ان کی محبت کیسے ہو سکتی ہے جواب یہ ہوا کہ محبت محال جب ہی ہے کہ بندہ کی طرف سے مانی جاوے اور جبکہ حق تعالیٰ کی طرف سے مانی جاوے تو محال نہیں تو قدرت کے سامنے کوئی چیز محال نہیں اور حق تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے اہل اللہ سے محبت بھی انہی کی طرف سے شروع ہوتی ہے اس کا شاہد یہ ہے کہ مرید کو اتنا تعلق نہیں ہوتا جتنا ان کو ہوتا ہے۔ غرض محبت حق بندہ کی غذا ہے تو اس کی ضد یعنی بغض تو بہت دور ہے بندہ کے مر جانے کے لئے تو عدم محبت بھی کافی ہے جو ترجمہ ہے لا یحب کا جیسے مرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ظاہر کھایا جاوے بلکہ منع غذا بھی قاتل ہے۔ یہ بیان ہے لا یحب کے انتہائی لفظ ہونے کا پس جبکہ کبر مبغوض ہو تو اس کی ضد یعنی تواضع محبوب اور محمود ہوئی نیز تواضع علاج بھی ہے کبر کا اس وجہ بھی ضروری ہے مگر تواضع کے معنی سے لوگ علی العموم ناواقف ہیں جہلاء تو خاطر داری کو کہتے ہیں اور نئے تعلیم یافتہ اکثر تو لفظ تک بھی صحیح نہیں جانتے اور جو جانتے بھی ہیں تو وہ تصنع اور جھک جھک کر سلام کرنے کو سمجھتے ہیں حالانکہ تصنع تواضع نہیں بلکہ درحقیقت تکبر ہے جو ضد ہے تواضع کی تواضع کے حقیقی معنی پستی اور انکسار اختیار کرنا نہ صرف ظاہراً بلکہ قلب سے اسی لئے متواضعین جھک جھک کر سلام نہیں کرتے بلکہ کوئی ان کی مدح کرے تو اس پر بھی انکار نہیں کرتے۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝
ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے بڑا رعب دیا

تفسیری نکات

سلطانا کے معنی اور آیت کا صحیح مفہوم

فرمایا وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا کے معنی اقبال اور ہیبت جیسے بعض بزرگوں کو اللہ تعالیٰ عنایت فرماتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ

ترجمہ: یعنی اے اہل کتاب تم لوگ اپنے دین میں حد سے مت بڑھو اور اللہ پر بجز حق بات کے مت کہو

تفسیری نکات

مخلوق کی شان میں تجاوز اللہ تعالیٰ کی تنقیص ہے

اور ولا تقولو اعلی اللہ الا الحق میں ایک نکتہ عجیب اسی وقت سمجھ میں آیا ہے اور وہ میرے مقصد کی پوری دلیل ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ عیسیٰ علیہ اسلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے تو اس کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ یہ فرماتے لا تقول علی عیسی الا الحق "یعنی عیسیٰ پر سوائے حق بات کے مت کہو" پھر علی اللہ کیوں فرمایا؟ پس سمجھئے کہ علی اللہ فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ جب مخلوق کی شان میں حد سے تجاوز کرو گے تو یہ ضرور خدا تعالیٰ کی تنقیص ہوگی پس عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا یہ تنقیص ہے باری تعالیٰ کی یہاں سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ہم لوگ جو بدنام ہیں کہ یہ رسول کی مدح سے منع کرتے ہیں تو جو مدح حد کے اندر ہو اس کو ہم اپنا ایمان سمجھتے ہیں ہاں ہم خدا تعالیٰ کی تنقیص کو منع کرتے ہیں پس رسول کی اتنی مدح کرنا کہ جس سے حق تعالیٰ کی شان میں بے ادبی ہو یہ رسول کی تو ظاہرا مدح ہوگی لیکن واقع میں اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہوگی۔ ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص کسی کی اتنی مدح کرے کہ اس کے باپ کی اہانت ہو جاوے پس ایسی مدح کو وہ بیٹا بھی پسند نہ کرے گا بلکہ اس سے ناراض ہوگا۔

پس لا تقولوا علی اللہ الا الحق سے صاف ظاہر ہو گیا کہ مدح کے اندر حد شرعی سے بڑھنا یہ خدا تعالیٰ کی تنقیص ہے آگے جو ارشاد ہے اس سے میرا مقصود جو نکتہ کے عنوان سے بیان کیا ہے بہت صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ لا تقولو اعلیٰ اللہ الا الحق بھی اس مدح عیسوی ہی کے متعلق ہے اور وہ ارشاد یہ ہے کہ

انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ

"یعنی مسیح عیسیٰ ابن مریم اور کچھ نہیں ہیں صرف اللہ کے رسول ہیں"

پس اگر آیت کے یہ معنی نہ ہوں جو میں نے بیان کئے ہیں تو درمیان میں لا تقولوا علی اللہ الا الحق بالکل بے ربط معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اول و آخر میں تو عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے اور درمیان میں لا تقولوا علی اللہ الا الحق کے کیا معنی ہیں پس صاف ظاہر ہے کہ مدعا یہی ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ اسلام کی جزئیت کے قائل ہو گے تو اللہ تعالیٰ پر بہتان ہوگا اور اس سے تنقیص جناب باری تعالیٰ کی لازم آئے گی۔ پس مدح بھی اسی وقت تک جائز ہوگی کہ حد سے نہ گزرے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حدود مدح

اسی طرح حضور ﷺ کی شان میں بھی سمجھ لو کہ حضور کی نعت اسی حد تک جائز ہوگی کہ حد شرعی سے متجاوز نہ ہو' باقی اس کی حد کیا ہے اس کو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بہت مختصر الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یعنی خواص ربوبیت کے علاوہ سب کمالات حضور کے لئے امکاناً تو سب ثابت اور وقوعاً جس میں روایت وارد ہو وہ ثابت' اور خواص ربوبیت کے علاوہ اگر کوئی ایسا امر ثابت کرو گے جو روایت سے ثابت نہ ہو تو یہ کذب اور گناہ تو ہوگا لیکن اس سے تنقیص حق تعالیٰ کی لازم نہ آوے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدح نبوی کے اندر دو چیزوں کی رعایت رکھو' ایک تو یہ کہ حضور کو خدا کے درجہ مت پہنچاؤ'

دوسرے یہ کہ وہ امر ثابت کرو کہ روایات ثابتہ اس کی مساعد ہوں ان دو امروں کی رعایت کے بعد جو چاہو ثابت کرو کوئی منع نہیں کرتا۔ مختصر یہ ہے کہ اس باب میں نسبت الوہیت اور کذب سے احتراز رکھو لیکن چونکہ ابنائے زماں ان دونوں باتوں سے اجتناب نہیں کرتے حضور کی شان کو ایسا بڑھاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تک پہنچا دیتے ہیں اور حکایات و واقعات وہ بیان کرتے ہیں کہ روایات صحیحہ میں ان کا پتہ بھی نہیں' اور اس کی اصلاح ضروری ہے۔ اس لئے ہم حکایات و واقعات سے زیادہ ضروری مضمون بیان کرتے ہیں جس کو میں نے راز ولادت سے تعبیر کیا ہے اور اگر یہ غلو ہم نہ دیکھتے تو ہم بھی صرف واقعات صحیحہ بیان کرتے اس لئے کہ

اذکر نعمان لنا ان ذکرہ هو المسک ما کررته یتضوع

(نعمان کے ذکر کا اعادہ کر' اس لئے کہ اس کا ذکر مشک ہے جتنا اس کو مکرر کرو گے مہکے گا)

اور اس لئے کہ محبوب کا ذکر بھی مایۂ تسلی ہے بقوائے حکایت

دید مجنوں را یکے صحرا نورد — در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم — می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں — می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلی می کنم — خاطر خود را تسلی میدہم

پس حقیقت یہ ہے کہ محبوب کا ذکر بھی محبوب ہے لیکن کیا کیا جاوے اسی محبوب کے آمر کی وجہ سے یہ بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ محبوب کے احکام کا ذکر زیادہ اہتمام سے ہو اس لئے واقعات بیان نہ کروں گا نیز وقت بھی نہیں اور ضرورت بھی نہیں اس لئے کہ بفضلہ تعالیٰ وہ واقعات جو علماء محققین نے صحیح روایات سے مدون کر دیئے ہیں مشہور اور السنہ پر مذکور ہیں اس لئے میں بجائے حضور کی تشریف آوری کے واقعات کے وہ حکمت اور راز بیان

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرنا چاہتا ہوں جو حضور کے تشریف لانے سے مقصود ہے اور نیز حضور کے واقعات اور حکایات کا بھی مقصود اور غایت اصلی وہی ہے۔

غایات قصص القرآن

اور قرآن مجید کے اندر بھی غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جتنے واقعات اور قصص حق تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں مطمح نظر ان سے ان کی غایات ہی ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔

کتاب انزلنه الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور

(یعنی یہ کتاب ہے ہم نے اس کو آپ کی طرف اس لئے نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالیں)

ارشاد ہے **هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ**

(یعنی اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لئے بھیجا کہ اس دین کو تمام دینوں پر غلبہ دے دیں)

اور فرماتے ہیں: **قد انزل الله علیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم ایت الله مبینت لیخرج الذین امنوا و عملوا الصلحت من الظلمت الی النور** (یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے ایک یادداشت یعنی رسول کو کہ وہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھتے ہیں کہ وہ آیات (حق کو ظاہر کرنے والی ہیں) تا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کئے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالیں)

آیت مؤخر الذکر میں اللہ تعالیٰ نے ذکرا اور رسول کو مبدل منہ اور بدل واقع کر کے گویا ایک قرار دیا ہے اس سے عقلاء سمجھ سکتے ہیں کہ حضور کی ذات مقدس سے مقصود ذکر ہے بہر حال قرآن شریف کے اندر جہاں حضور کا ذکر ہے وہاں غایت بھی حق تعالیٰ نے بیان فرمائی اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضور کی ذات بابرکات سے اور آپ کے واقعات سے وہ غایت ہی مطلوب ہے۔

پس الحمد للہ میرا یہ بیان اور دعویٰ بے دلیل نہیں رہا پس راز و غایت کو بیان کرنا عین امتثال ہے اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا اور نیز یہ اس حیثیت سے افضل ہوگا صرف واقعات کو بیان کرنے سے یہ تو اجمالی تعین تھی مقصود کی۔

(الظہور ملحقہ مواعظ عید میلاد النبی)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْمَائِدَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ
لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ
وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ
تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ
فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

ترجمہ: تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گلہ گھٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اونچے سے گر کر مر جائے اور جو کسی کی ٹکر سے مر جائے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جاوے اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے یہ سب گناہ ہیں آج کے دن ناامید ہو گئے کافر لوگ تمہارے دین سے سو ان سے مت ڈرنا مجھ سے ڈرتے رہنا آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کیلئے پسند کر لیا ہے پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے تاب ہو جاوے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے رحمت والے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

شرک کی حقیقت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جو لوگ اولیاء اللہ کے نام سر کسی جانور کو ذبح کرتے ہیں یا ان کے مزار پر نذر و نیاز کی مٹھائی وغیرہ چڑھاتے ہیں اس میں دو قسم کے عقائد کے لوگ ہیں ایک تو یہ کہ ان کو حاجت روا سمجھ کر ایسا کرتے ہیں اس کے تو شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور ایک صورت یہ ہے کہ ذبح تو کرتے ہیں اللہ ہی کے نام پر مگر اولیاء کو ایصال ثواب کرتے ہیں اور ان کو مقبول سمجھ کر ان سے دعا کے طالب ہوتے ہیں اس میں کیا حکم ہے فرمایا کہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں مگر عوام کا کچھ اعتبار نہیں اس لئے اس میں بھی احتیاط ضروری ہے سو یہ ایک واقعہ میں اختلاف ہے حکم میں اختلاف نہیں وہ کہتے ہیں کہ سب عوام کی نیت شرک نہیں ہوتی اور ہم کہتے ہیں قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کی نیت شرک کی ہوتی ہے تو یہ ایک واقعہ میں اختلاف ہوا حکم میں اختلاف نہیں باقی غالب واقعہ یہی ہے کہ نیت عوام کی یہی ہوتی ہے کہ وہ راضی ہو کر خوش ہو کر ہماری حاجت کو پورا کر دیں گے بس یہی شرک ہے اور بعضے اہل کی تفسیر ذبح سے کر کے اس مذبوح بہ نیت تقرب الی غیر اللہ و علی اسم اللہ کو حلال کہتے ہیں سو یہ ان کی غلطی ہے اور اگر ان کی تفسیر کو مان لیا جاوے اور مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ (اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو) میں داخل نہ مانا جاوے تب بھی وہ ذبح علی النصب (اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو) میں داخل ہونا تو قطعی ہے اس لئے کہ وہ عام ہے ہر منوی لغیر اللہ (جس میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی رضا مقصود ہو) کو۔

تفسیر مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ

احقر اشرف علی کہتا ہے کہ ضابطہ ملفوظات اس مضمون کو کافی طور پر ضبط نہیں کر سکے اس لئے میں خلاصہ لکھ دیتا ہوں خلاصہ یہ ہے کہ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ کو بعض نے خاص کیا ہے اس جانور کے ساتھ جس کو غیر اللہ کا نام لیکر ذبح کیا جاوے اور جو اللہ کا نام لیکر ذبح کیا جاوے گو اس میں نیت تقرب الی غیر اللہ کی ہو اس کو حلال کہا ہے اور منشا اس کا یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اہل میں عند الذبح (ذبح کے وقت) کی قید لگا دی ہے مگر یہ قول محض غلط ہے دوسری آیت مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ میں ما عام ہے اور وہاں کوئی قید نہیں اور مذبوح باسم اللہ کو بھی شامل ہے سو اس کی حرمت کی علت بجز نیت تقرب کے کیا ہے بس اسی طرح وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بھی عام ہوگا اور دونوں کے مفہوم میں اتنا فرق ہوگا کہ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں غیر اللہ کے لئے نامزد ہونا قرینہ ہوگا قصد تقرب

(c) ketabton.com: The Digital Library

لغیر اللہ کا اگر چہ انصاب (بتوں) پر ذبح نہ کیا جاوے اور مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ میں ذبح علی الانصاب اس مقصد کا قرینہ ہوگا اگر چہ غیر اللہ کے لئے نامزد نہ کیا گیا ہو پس دونوں میں عموم وخصوص من وجہ ہوگا اور یہی تغائر بنی ہو گا ایک کے دوسرے پر معطوف ہونے کا سورہ مائدہ میں پس علت حرمت کی قصد مذکور ہوگا یہ تو قرآن مجید سے استدلال ہے مَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں عند الذبح کی قید نہ ہونے کی اور فقہاء نے مذبوح لقدوم الامیر (جو امیر کے آنے کے وقت اس کے تقرب کے لئے ذبح کیا ہو) کی حرمت میں اس کی تصریح کی ہے وان ذبح علی اسم اللہ تعالیٰ (اگر چہ اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو) اور یہ علت بیان کی ہے لانہ مَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بس معلوم ہوا کہ عند الذبح کی قید اتفاقی جریا علی العادۃ ہے یا اس قید سے یہ مقصود ہے کہ ذبح کے وقت تک وہ نیت تقرب کی رہی ہو یعنی اگر ذبح کے قبل توبہ کر لی تو پھر حرمت نہ رہے گی اور تفسیر احمدی میں جو بقر منذورۃ الاولیاء (اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کے لئے جو جانور ذبح کیا جاوے) کو حلال کہا ہے وہ اس تحقیق کے خلاف نہیں ہے کیونکہ منیہ میں یہ تاویل کی ہے کہ ذبح للہ ہے اور نذر سے مقصود ان کو ایصال ثواب ہے تو یہ اختلاف واقعہ تحقیق میں ہوا کہ ان کے نزدیک عوام کی نیت تقرب کی نہیں نہ کہ منوی للتقرب (جس میں تقرب کی نیت کی گئی ہو) کی حرمت میں اس تاویل سے خود ظاہر ہے کہ منوی للتقرب کو بھی حرام سمجھتے ہیں اور بعض نے ما اہل بہ کو ایسا عام کہا ہے کہ حیوان اور غیر حیوان دونوں کو شامل ہے یعنی طعام وشیرینی بھی اس میں داخل ہے مگر تامل وقرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مقصود بیان کرنا احکام حیوان کا ہے رہا ما کے عام ہونے سے استدلال سو محقق یہ ہے کہ اس عموم میں ایک قید بھی ہے وہ یہ کہ مراد تکلم سے متجاوز نہ ہو اور یہاں متجاوز ہو جائے گا مگر اس سے حلت لازم نہیں آتی بلکہ اشتراک علت سے حکم بھی مشترک ہوگا حیوان میں نص قطعی سے اور غیر حیوان میں قیاس ظنی سے۔ واللہ علم

وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ۔

امراض روحانی کا انجام

امراض قلب کے واسطے اس سے بھی امراض باطنہ کا اثبات ہوتا ہے غرض یہ جہل بھی ایک مرض ہے اور مرض بھی شدید بلکہ اشد کیونکہ امراض جسمانی کا انجام تو صرف ہلاک دنیوی ہی ہے اور ہلاک دنیوی کی حقیقت کیا ہے کچھ بھی نہیں بلکہ وہ تو دراصل جملہ امراض سے فارغ ہو جانا ہے اس کے بعد وہ حیات ہے جو بنا پر اخبار صادقہ منقطع ہی نہیں ہو سکتی بخلاف مرض روحانی کے کہ اس کا انجام اخروی ہے جو یا ابدی ہے یا غیر ابدی ممتد ارشاد ہے...... وہاں تو ایک دن کی سزائے قید ہزار برس کے برابر ہے اور پھر امتداد کے ساتھ وہاں کی قید

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں استداد بھی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ وہاں کی آگ یہاں کی آگ سے ستر حصہ زیادہ تیز ہے جب اسی آگ کی برداشت نہیں ہو سکتی تو اس کی کیسے ہوگی۔ تمام بدن تو در کنار ایک دیا سلائی کی آگ انگلی تک پہنچ جائے تو تحمل نہیں ہوتا اور وہ آگ تو محیط ہوگی کہ انسان اس میں غرق ہوگا اور رگ و پے تک آگ پہنچے گی اس کی برداشت کیسے ہو سکتی ہے اور کون برداشت کر سکتا ہے اور کافر کے لئے تو عذاب ابدی ہے یعنی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ہرگز ہرگز کسی طرح نہ ہو سکے گی۔

دین کا مذاق اڑانا بھی کفر ہے

اور یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کافر وہ ہے جو کفر کا کام کرے یا کفر کی بات کہے اگر چہ عقائد کفریہ نہ ہو کہ پس اگر کوئی مسلمان کفر کا کام کرے گا جیسے بلا عذر زنار پہن لینا وہ بھی کافر ہو جاوے گا یا جب زبان سے کلمہ کفر کا کہا فوراً کفر عائد ہو جائے گا اس سے بھی آج کل نہایت بے پروائی ہو رہی ہے مثلاً بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ روزہ وہ رکھے جس کے پاس کھانے کو نہ ہو اور کچھ خیال نہیں ہوتا کہ ہم نے کس درجہ کا گناہ کیا حالانکہ وہ کافر ہو گیا اب یا تو اس کو اپنے کفر کی خبر نہیں یا خبر ہے تو کفر کو خفیف خیال کرتا ہے اور در حقیقت یہ کلمہ بہت شدید اور سخت ہے۔

وقت نزول آیت مذکور

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ کہ آج کے دن کفار تمہارے دین سے مایوس ہو گئے یعنی اس بات سے کہ اس کو مٹائیں یا اس پر غالب آ جائیں یہاں بدل اشتمال محذوف ہے ای الیوم یئس الذی کفروا من دینکم ان یغلبوہ یا ان یمحقوہ اور وہ کیوں مایوس ہوئے لکثرۃ شیوعہ ولنصرتہ تعالی یعنی بحمد اللہ اس وقت اسلام اس قدر پھیل بھی گیا ہے کہ عادت الٰہیہ میں اب مٹ نہیں سکتا اور نیز اللہ تعالیٰ نے وعدہ بھی فرما لیا ہے کہ یہ قیامت تک قائم رہے گا چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے چند دعائیں کی تھیں کہ میری امت عامہ عذاب سے ہلاک نہ ہو یہ دعا قبول ہوگئی۔ دوسری یہ دعاء کی تھی کہ اس پر قحط مہلک نہ ہو یہ بھی دعاء قبول ہوئی۔ تو اس میں وعدہ ہو گیا قیامت تک بقاء دین کا۔ تیسرے یہ کہ میری امت میں نا اتفاقی نہ ہو یہ قبول نہ ہوئی تو فرماتے ہیں کہ آج کے دن کفار مایوس ہو گئے تمہارے دین سے جب یہ آیت نازل ہوئی تو حدیث میں ہے کہ وہ دن حجۃ الوداع کا تھا یعنی نویں تاریخ ذی الحجہ کو عرفہ کے میدان میں جمعہ کے روز نازل ہوئی وقت بھی عصر کا تھا۔ تو گویا جب یہ آیت نازل ہوئی وہ وقت تقریباً سال کا بھی آخر تھا دن کا بھی آخر تھا حضور کی عمر شریف کا بھی آخر تھا کیونکہ حجۃ الوداع کے بعد محرم صفر اور ربیع الاول کی چند تاریخوں تک آپ زندہ رہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ابتداع فی الدین

کسی یہودی نے حضرت عمر سے کہا تھا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ پہلے یہ مرض یہودیوں میں تھا۔ اب مسلمانوں میں بھی یہ مرض ہو گیا ہے کہ ہر بات کی یادگار میں عید کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیات کب نازل ہوئی اور کس جگہ نازل ہوئی یعنی عرفات میں حجۃ الوداع میں جمعہ کے روز نازل ہوئی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ جہاں یہ آیت نازل ہوئی ہے وہ مقام ہمیشہ سے من جانب اللہ جائے عید ہے اور جس وقت نازل ہوئی ہے وہ زمانہ بھی من جانب اللہ عید کا ہے۔ ہمیں اور عید کی ضرورت نہیں۔ بس یہی عید کافی ہے یہ تو حقیقت تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظاہر فرمادی۔ مگر اب مسلمانوں میں ایک یہ رسم پیدا ہوگئی ہے کہ وہ یہود کی طرح ہر بات کی عید اور ہر چیز کی ایک یادگار بنانا چاہتے ہیں یاد رکھو یہ ابتداع فی الدین ہے جن ایام کو شریعت نے عید بنا دیا ہے ان کے علاوہ کسی دن کو عید بنانا حرام و بدعت ہے اور پہلے تو صرف یادگار کا یہی طریقہ تھا کہ اس دن کو عید بناتے تھے حتیٰ کہ کسی کے مرنے کے دن کو بھی عرس کا دن بناتے تھے اور اب اس کے علاوہ ایک نئی ایجاد ہوئی ہے کہ یادگار کے لئے ہڑتال کر دیتے نہ معلوم یہ ہڑتال کیسا نام ہے ہڑتال سے تو بال صاف کئے جاتے ہیں ہڑتال تو ان کی اور سر منڈتا ہے غریبوں اور مزدوروں کا کہ وہ بیچارے اس دن کھائیں کہاں سے کمائیں کیسے۔ کیونکہ اس دن بازار اور تمام کاروبار بند ہو جاتا ہے جس سے غریبوں اور مزدوروں کو بے حد تکلیف ہوتی ہے مگر ان کو اس کی ذرا پرواہ نہیں۔

یہ رسم بھی بعض کفار ہی سے لے لی ہے۔ نہ معلوم مسلمانوں میں اتباع طریقہ کفار کا اتنا شوق کیوں پیدا ہو گیا اپنے بزرگوں کی حالت نہیں دیکھتے کہ وہ کیا کر گئے ہیں اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت سال کا آخر تھا' ہفتہ کا آخر تھا دن کا بھی آخر تھا' حضور ﷺ کی عمر کا بھی آخر تھا۔ ان سب چیزوں کا آخر تھا۔ اس کے متعلق ایک بات طالب علموں کے کام کی ہے وہ بھی عرض کرتا ہوں کہ اس آخر سے آخر حقیقی مراد نہیں بلکہ قریب آخر کے مراد ہے۔ چنانچہ سال بھی قریب آخر کے تھا۔ حضور کی عمر بھی قریب آخر کے تھی' دن بھی قریب آخر کے تھا اور جیسے یہ چیزیں قریب آخر کے تھیں اسی طرح اس آیات کو بھی جو آخر آیات کہا جاتا ہے وہ بھی قریب آخر کے ہے آخر حقیقی نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے بعد فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ نازل ہوئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے تاب ہو جائے۔ بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے رحم کرنے والے ہیں تو ان سب میں (آخر حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ قریب آخر مراد ہے)

(c) ketabton.com: The Digital Library

احکام کی آخری آیت

اور مجھ کو اس سے ایک فائدہ نکالنا مقصود ہے وہ یہ کہ یہاں پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ جب دین کامل اور تام ہو چکا تو پھر حکم اضطرار اور مخمصہ کا اس کے بعد کیسا اور اس کا یہ جواب نہیں دیا جا سکتا ہے کہ احکام کے بارے میں جو آیتیں نازل ہوئی ہیں ان میں یہ آخر ہے اس کے بعد کوئی اور حکم نازل نہیں ہوا کیونکہ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ (الآیۃ) تو احکام ہی میں سے ہے اور یہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کے بعد میں نازل ہوا ہے تو پھر آخر کہاں ہوا پس جواب صحیح وہی ہے جو میں نے کہا ہے کہ آخر سے مراد قریب آخر ہے اس پر کوئی خدشہ نہیں وارد ہوتا۔ مشکل یہ ہے کہ لوگ قرآن کو اصطلاحات منطقیہ پر اتارتے ہیں محاورہ کو نہیں دیکھتے۔ محاورہ میں قریب آخر کو بھی آخر کہا جاتا ہے مثلاً کوئی کسی دوست سے ملنے جاتا ہے تو کہتا ہے اب تمہارے ساتھ میری یہ آخری ملاقات ہے اور اس کے بعد دو گھنٹہ تک بیٹھا رہتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ الیوم سے مراد خاص آج ہی کا دن نہیں جس پر یہ شبہ ہو کہ جب آج اکمال دین ہو گیا تو اس کے بعد کوئی حکم نازل نہ ہونا چاہئے اور آیات احکام میں یہ آخری آیت اور آخر احکام ہونا چاہئے سو یہ شبہ اس لئے وارد نہیں ہوتا کہ الیوم سے مراد خاص آج ہی کا دن نہیں بلکہ الیوم سے مراد زمانہ حاضرہ مع متصل ما قبل و ما بعد کے ہے اور محاورہ میں اس مجموعہ کو زمانہ حاضرہ کے منافی نہیں۔ الغرض حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کہ آج سے کافر مایوس ہو گئے تمہارے دین سے کہ اسکو مٹا دیں یا اس پر غالب آ جائیں جب یہ بات ہے فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ تو تم ان سے ڈرو مت تمہارا کچھ کر نہیں سکتے۔ اگر اسلام سے تم کو محبت ہے تو اس میں پختہ رہو کسی سے مت ڈرو۔

افسوس اب بہت لوگوں کو دعویٰ ہے محبت اسلام کا اور کفار سے ڈر کر ان سے دوستی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ ساتھ نہ ہوں تو ہمارا دین قائم نہیں رہ سکتا اس لئے ان سے مدد لیتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا رد فرماتا ہے کہ اب وہ تمہارے دین سے مایوس ہو گئے۔ پھر تم کیوں ڈرتے ہو۔ افسوس کفار تو سمجھ گئے کہ ہم اس دین کو دنیا سے نہیں مٹا سکتے۔ چنانچہ ان کا یاس اس سمجھنے کی دلیل ہے اور مسلمان نہیں سمجھتے پس ارشاد ہے فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ تو تم ان سے مت ڈرو مجھ سے ڈرو یعنی ان کی خوشامد میں شریعت کے خلاف نہ کرو دین کو تباہ مت کرو کوئی اس دین کو مٹا ہی نہیں سکتا اسلام تو وہ چیز ہے کہ

؎ چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

اسلام کا معجزہ

کیا یہ اسلام کا معجزہ نہیں کہ فتنہ تاتار میں چنگیز خان نے اپنے نزدیک اسلام کو فنا کر دیا تھا کیونکہ خلافت کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

جڑ اکھاڑ دی تھی مگر یہ اس کی حماقت تھی کہ خلافت کے مٹانے کو اسلام کا مٹانا سمجھا۔ آخر خلافت کیا ہے وہ تو اسلام کی ایک شاخ ہے خدانخواستہ خلافت کے مٹ جانے سے اسلام نہیں مٹ سکتا بلکہ کبھی پیڑ کی ایک شاخ کٹنے سے ایک اور شاخ نکل آتی ہے جو پہلی شاخ سے اچھی ہوتی ہے خلافت تو فرع ہے اسلام کی۔ اس کے جانے سے کہیں اسلام مٹ سکتا ہے؟ غرض چنگیز خاں نے خلافت کی جڑ کاٹ ڈالی تھی مگر خدا نے یہ کیا کہ جنہوں نے اسلام کو مٹانا چاہا تھا انہیں سے اسلام کی خدمت کرائی۔ چنانچہ وہی اب اسلام کو مخالفین کے حملوں سے بچا رہے ہیں یعنی ترک جو چنگیز خاں کی اولاد اور خاندان اور قوم سے ہیں میں نے بعض مورخین سے سنا ہے کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی ترک نہیں جو مسلمان نہ ہو اور انہوں نے اتنی بڑی خدمت اسلام کی کی ہے جس سے لوگوں کو ان کے متعلق گمان ہو گیا خلافت کا کہ وہ خلیفہ ہیں اسی لئے کہتے ہیں

چراغے راہ کہ ایزد بر فروزد ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

جس چراغ کو خدا روشن کرے وہ گل نہ ہو گا اس کی بیخ کنی کوئی کر ہی نہیں سکتا اور یاد رکھو جس دن یہ ڈوبے گا اس دن سب ڈوب جائیں گے۔ اسلام وہ مذہب نہیں جو دنیا سے تنہا رخصت ہو بلکہ اس کا مٹنا تمام مذاہب اور تمام عالم کا مٹنا ہے اس کی تو وہ شان ہے کہ ہم تو ڈوبیں گے مگر تم کو بھی لے ڈوبیں گے

صاحبو! جس روز اسلام نہ رہے گا اس دن عالم فنا ہو جائے گا اور راز اس کا یہ ہے کہ اگر کسی شہر میں سب باغی نہ ہوں بلکہ مطیع بھی ہوں تو بادشاہ ایک طرف سے اس شہر کو نہیں اڑایا کرتا بلکہ پہلے مطیعین کو وہاں سے الگ کرتا ہے پھر شہر کو اڑاتا ہے تو جب تک شہر میں مطیعین موجود ہیں اس وقت تک اطمینان رہتا ہے کہ یہ شہر ابھی نہیں اڑایا جائے اور جس دن مطیعین کو وہاں سے الگ کر لیا جائے پھر بستی کی خیر نہیں کیونکہ اب اس میں سارے باغی ہی باغی ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جس کی رعایت سے شہر کو باقی رکھا جائے چنانچہ قرآن میں لوط علیہ السلام کے قصہ میں بھی اسی اصل کا ذکر ہے لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ابراہیم علیہ السلام سے فرشتوں نے کہا کہ ہم اس بستی کے باشندوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ کیونکہ وہاں کے باشندے بڑے ظالم و شریر ہیں قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ان میں لوط علیہ السلام بھی تو موجود ہیں اس حالت میں بستی کو کیسے ہلاک کرو گے قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا فرشتوں نے کہا کہ جو وہاں رہتے ہیں ہم کو سب معلوم ہیں لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ہم ان کو اور ان کے خاص متعلقین متبعین کو بچالیں گے۔ مگر ان کی عورت کو کیونکہ وہ بھی نافرمانوں میں تھی۔ دوسری جگہ اس تجیہ کی صورت فرماتے ہیں فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ کہ ہم نے جتنے ایماندار تھے۔ سب کو وہاں سے نکال دیا علیحدہ کر دیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور مسلمانوں کا بجز ایک گھر کے اور کوئی گھر نہ پایا جب ان کو الگ کر دیا اب قہر خدا نازل ہوا۔ غرض یہ خدا کی رحمت ہے کہ اگر کسی بستی میں ایک مطیع بھی موجود ہو تو وہاں قہر عام نازل نہیں فرماتے یہ ان کی عنایت ہے رحمت ہے۔ جب یہ سمجھ گئے تو اگر دنیا میں ایک اللہ اللہ کہنے والا بھی موجود ہوگا تو حق تعالیٰ عالم کو فنا نہ کریں گے عالم باقی رہے گا اور اگر ایک بھی مسلمان نہ رہے تو پھر اسی دم عالم کو فنا کر دیں گے جب بقائے عالم بقائے اہل اسلام پر موقوف ہے تو تمام دنیا کو اس کی خوشامد کرنا چاہئے نہ کہ مسلمان کسی کی خوشامد کریں اس لئے فرماتے ہیں فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ یعنی کفار کی خوشامد کر کے اور ان سے دوستی بڑھا کر اسلام کو مت کھو بیٹھو۔ ہماری خوشامد کرو ہم سے ڈرو وہ ہیں کیا چیز۔ آگے اس کے بعد فرماتے ہیں اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ اب ہم نے دین کو کامل کر دیا دین ایسا کامل ہو گیا کہ اس کو دیکھ کر کسی کی ہمت نہ ہوگی اس کے مٹانے کی وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ یعنی تم پر اپنی نعمت پوری کر دی دو اعتبار سے ایک قوت سے دوسرے قواعد و احکام سے قوت کے اعتبار سے تو اتنا مضبوط کر دیا کہ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کفار مایوس ہو گئے ان کے اندر اتنی قوت نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکیں سو اب اس کو مٹانے کی ان کو ہمت نہ ہوگی اور قواعد کے اعتبار سے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ یعنی قواعد و احکام کے اعتبار سے اتنا کامل کر دیا کہ قیامت تک کے جتنے احکام ہیں سب اس سے نکل سکتے ہیں کوئی حادثہ ایسا پیش نہ آوے گا جس کا حکم اس میں نہ ملے اگر کوئی کہے پھر اور دلائل کی کیا ضرورت ہے حدیث و اجماع امت و قیاس تو یہ بات نہیں حدیث تو خود دین کا جزو ہے اور دینکم میں داخل ہے دینکم کا مقابل نہیں باقی قیاس مظہر ہے مثبت نہیں وہ احکام قیاسیہ بھی قرآن و حدیث ہی سے ثابت ہیں۔ رہا اجماع امت سو وہ اجماع کسی آیت یا حدیث ہی کے مضمون پر ہوتا ہے تو یہ سب حقیقت میں ایک ہی چیز ہوئے یعنی دین صرف نام الگ الگ ہیں ایک لحاظ سے اس کا نام قرآن ہے اور ایک اعتبار سے حدیث ایک اعتبار سے اجماع امت ایک اعتبار سے قیاس

عبارا تنا شتی وحسنک واحد وکل الی ذالک الجمال یشیر

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش من از رفتار پایت مے شناسم

دین اسلام کبھی ناسخ ہونے والا نہیں

یہ سب ایک ہی چیز ہے کسی وقت کسی رنگ میں ہے کسی وقت کسی لباس میں اسی کی نسبت فرماتے ہیں اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ یعنی تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور اپنی نعمت پوری کر دی ظاہرا بھی اور باطنا بھی کسی قسم کا نقص کوئی کمی اس میں نہیں رہی وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا اور پسند کیا میں نے تمہارے

(c) ketabton.com: The Digital Library

لئے دین اسلام کو یہی دین خدا کے نزدیک مرضی اور پسندیدہ ہے یہاں پر ایک شبہ ہوتا ہے وہ یہ کہ رضیت کا عطف ظاہر ہے کہ اکملت و اتممت پر ہے اور معطوف علیہ مقید ہے الیوم کے ساتھ یعنی اکمال اور اتمام دین اب ہوا تو رضیت معطوف میں بھی وہ قید ہو گئی ہے معطوف علیہ میں تو کچھ اشکال نہیں کیونکہ وہ واقعی ابھی متحقق ہوا لیکن رضیت میں کیا کہا جاوے گا۔ کیا یہ رضا بالاسلام بھی آج ہی ہوئی کیونکہ عطف کا مطلب تو یہی نکلتا ہے کہ جیسے اکمال و اتمام اب ہوا ایسے ہی یہ رضا بالاسلام بھی ابھی ہوئی' حالانکہ اسلام کو ان کے لئے پسند کرنا پہلے سے ہے یہ اشکال ہے اس کا جواب بعض نے تو یہ دیا ہے کہ اکملت پر عطف نہیں بلکہ الیوم پر ہے اب کوئی اشکال نہیں مگر یہ ضعیف توجیہ ہے کیونکہ اس میں متبادر کا ترک لازم آتا ہے محققین کہتے ہیں کہ اس تکلیف کی ضرورت نہیں کہ الیوم پر عطف ہے بلکہ سہل تفسیر یہ ہے کہ یہاں ایک قید ہے یعنی رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا مطلب یہ کہ ہمیشہ کے لئے ہم نے اسی کو پسند کیا ہے یہ دنیا سے کبھی زائل نہ ہوگا کوئی اسکا مٹانے والا نہیں' کوئی اس کا ناسخ نہیں جیسے اور ادیان کے بعد دیگرے منسوخ ہوتے گئے یہ ایسا نہ ہوگا ہمیشہ رہے گا۔ سو یہ خبر بقاء الی یوم القیامہ کی تصریحاً آج ہی ارشاد فرمائی گئی اگرچہ ختم نبوت کی خبر سے لزوماً یہ بھی معلوم ہو گیا تھا یہاں شائد کسی کو وہم ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام تو آخر زمانہ میں آویں گے اور وہ اپنے خاص احکام جاری کریں گے۔ مثلاً جزیہ کا قانون اٹھادیں گے جو کہ حکم اسلام ہے یا خنزیر کی نسل کو مٹا دینے کا حکم فرما دیں گے اور یہ سب ظاہراً نسخ ہے جواب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس حیثیت سے نہ آویں گے کہ ان کو اس وقت نئی نبوت یا شریعت اسلامیہ کے خلاف کوئی شریعت عطا ہوگی لانبی بعد کے یہی معنی ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی جدید نبوت نہیں۔ یعنی بعد حضور کی وفات کے کسی کو جدید نبوت یا شریعت اسلامیہ کے خلاف کوئی شریعت عطا نہ ہوگی یہ مطلب نہیں کہ کوئی پہلے کی نبوت عطا کیا ہوا نبی بھی شریعت اسلامیہ کا متبع ہو کر بھی دنیا میں نہ آوے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام تو پہلے سے نبی تھے اور شریعت اسلامیہ ہی کے تابع ہو کر تشریف لائیں گے ان کا حضور کے بعد آنا اور متبع ہو کر آنا لا نبی بعدی کے خلاف نہیں سو وہ آ کر حضور ہی کی شریعت کے موافق عمل کریں گے تو لانبی کے یہ معنی نہیں کہ کوئی پرانا نبی بھی حضور کے دین کی خدمت کے لئے نہ آوے گا۔

غرض عیسیٰ علیہ السلام نازل بھی ہونگے اور اس وقت نبی بھی ہوں گے' مگر اعطائے نبوت ان کے لئے پہلے ہو چکی ہے اور آپ ﷺ کی نیابت کے طور پر آویں گے نہ کہ مستقل بنکر اور حاکم ہو کر بلکہ حضور ﷺ کے محکوم ہو کر آویں گے۔

اس میں تو حضور کی اور فضیلت بڑھ گئی کہ نبی بھی حضور کے خادم ہوں گے۔ حدیث میں ہے لو کان موسی حیا لما وسعه الا اتباعی کہ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو وہ سوائے میری اتباع کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور کچھ نہ کرتے آپ نے یہ نہیں فرمایا لسلبت نبوتہ کہ ان کی نبوت چھن جاتی بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ متبع ہو کر رہتے غرض رضیات کے یہ معنی ہوئے کہ ہم نے ہمیشہ کے لئے اسی دین کو پسند کیا ہے پس حدیث میں جو ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر جزیہ کو موقوف کر دیں گے اور اس وقت دو ہی باتیں رہ جائے گی یا اسلام لاؤ یا قتال کرو تو وہ نسخ نہیں ہے بلکہ اس وقت کے لئے شریعت محمدیہ کا یہی قانون ہوگا جس کو عیسیٰ علیہ السلام جاری فرمادیں گے اور بڑے مزہ کا لطیفہ ہے کہ عیسائی لوگ مسئلہ جہاد کے اوپر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے اس کو کیوں رکھا میں کہتا ہوں کہ اپنے پیغمبر سے ہی پوچھو وہ عنقریب آنے والے ہیں وَانْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ حضور نے تو پھر بھی تمہاری رعایت کی ہے کہ جزیہ دے کر بچ سکتے ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تو اس کی بھی پرواہ نہ کی۔ ان کے عہد میں دو ہی باتیں ہوں گی یا اسلام یا سیف' غرض عیسیٰ علیہ السلام حکم اسلامی قدیم کو منسوخ نہ فرمائیں گے کہ پہلے جزیہ کا حکم تھا اور آپ اس کو اٹھا دیں گے تا کہ ان کو ناسخ کہا جاوے۔

پھر رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا تابید پر شبہ کیا جائے کہ تابید تو جب ہوتی ہے کہ اسلام کا ہر حکم قیامت تک رہتا۔ سو جواب ظاہر ہے کہ اس حکم کو عیسیٰ علیہ السلام نے منسوخ نہیں کیا بلکہ حضور ہی نے منسوخ کیا ہے پس اس حدیث میں کہ یضع الجزیۃ خبر بمعنے انشاء ہے۔ یعنی حضور ہی خود یہ حد مقرر کر گئے ہیں کہ اے عیسیٰ جب تم آ ؤ اس وقت کفار کے ساتھ یہ معاملہ برتنا اس کی مثال ایسی ہے کہ طبیب نے کسی مریض کو مسہل دیا اور اس سے کہہ دیا کہ مسہل لینے کے بعد یہ ٹھنڈائی پیئے گا تو اب مریض جو ٹھنڈائی پیتا ہے یہ اس کی ایجاد نہیں بلکہ طبیب ہی کا کہنا پورا کرتا ہے طبیب ہی نے بتلا دیا تھا کہ تین روز کے بعد تدبیر تجویز ہوگی اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہے کہ اس وقت آپ جزیہ کو موقوف کر دیں عیسیٰ علیہ السلام اپنی طرف سے ایجاد نہیں کریں گے بلکہ آپ ہی کے فرمان کو بجا لاویں گے غرض اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (خدا کے نزدیک دین پسندیدہ اسلام ہی ہے) اور رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کے معنی یہی ہیں کہ ہمیشہ یہی دین رہے گا آگے ایک نکتہ ہے اہل علم کے لئے وہ یہ کہ فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ یہ حکم یہاں بظاہر بے جوڑ معلوم ہوتا ہے ماقبل کے ساتھ اس آیت کا ربط نہیں معلوم ہوتا کہ یا تو اوپر تکمیل اسلام کی بشارت دی جا رہی ہے یا اب فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ کا حکم نازل فرمادیا اور پھر اس مضمون کو فاء کے ساتھ لائے جو ترتیب کے لئے آتا ہے تو بعض نے تو اس اشکال سے گھبرا کر یہ کہہ دیا کہ فاء ترتیب ذکری کے لئے ہے ترتیب حکمی کے لئے نہیں لہٰذا حکم مرتب ہونا اور مسلسل ہونا ضروری نہیں مگر الحمد للہ میری سمجھ میں آ گیا ہے کہ یہاں پر فاء ترتیب حکمی ہی کے لئے ہے اور پھر بھی اشکال نہیں چنانچہ عنقریب مذکور ہوگا باقی جن لوگوں نے فاء کو ترتیب ذکری کے لئے قرار دیا ہے ان پر ایک اشکال پھر بھی باقی رہتا ہے وہ یہ کہ اس مضمون کو ماقبل سے کیا جوڑ ہوا اس بے ربطی کا کیا جواب ہے انہوں نے اس کا بھی ایک جواب دیا وہ یہ کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ یہ بیچ میں آ گیا ہے فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ ہے کہ اول میں حلال وحرام چیزوں کا ذکر تھا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ یہ احکام حق تعالیٰ نے پہلے ذکر فرمائے ہیں ان احکام کے ساتھ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ مرتبط ہے کہ یہ چیزیں جو ہم نے بیان کی یہ ہیں تو حرام مگر مضطر کے لئے جائز ہیں اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ بیچ میں جملہ معترضہ ہے اور جملہ معترضہ کو بھی اول سے کچھ مناسبت ہوتی ہے وہ مناسبت یہ ہے کہ دیکھو اسلام میں کیسے کیسے قواعد ہیں اور چونکہ خدا تعالیٰ کو اسلام کا اکمال مقصود ہے۔ اس لئے دیکھو اللہ میاں نے سارے ضروری احکام بتا دیئے تا کہ کسی طرح کی نہ رہ جاوے یہ تو مشہور جواب ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر فاء ترتیب حکمی ہی کے لئے ہو پھر بھی کچھ اشکال نہیں اور جو اشکال کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ متجانف لاثم کا ترتب اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ پر ہو سکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے تمہارے دین کو مکمل کیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا اور تمہارے لئے اس دین کو ہمیشہ کے لئے پسند کیا آگے ارشاد ہے فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ یعنی ہم اتنے کامل النعمۃ ہیں اور تم سے اتنے خوش ہیں اور ہماری اس قدر تم پر رحمت ہے بعض حالات میں تمہاری راحت وسہولت ومصلحت کے لئے حرام کو بھی حلال کر دیتے ہیں اس پر فاء کا ترتب نہایت لطیف اور چسپاں ہو گیا اور اس میں ایک اور لطیفہ بھی حاصل ہو گیا وہ یہ کہ اسمیں اشارہ ہے سبقت رحمتي علی غضبي کی طرف چنانچہ آیت کو ختم بھی رحمت پر کیا ہے یعنی غفور رحیم پر گویا اشارہ ہے اس طرف کہ اے بندو! ہمارے احکام کو تنگ مت سمجھو احکام میں کوئی تنگی نہیں ہے جہاں تنگی کا وہم ہے جیسے تحریک محرمات وہاں بھی رحم کی رعایت ہوتی ہے۔ بخدا میں دعوے سے کہتا ہوں کہ دین میں کوئی تنگی اور حرج نہیں ہے۔ میرا ایک وعظ ہے نفی الحرج وہ چھپ گیا ہے اس میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ دین میں تنگی بالکل نہیں ہے کسی قسم کی رکاوٹ اس میں نہیں ہے۔ اس کا جواب دے کر بیان کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ میں نے تو کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت پر اپنے کلام کو ختم فرمایا ہے چنانچہ تکمیل دین کے مضمون کو اس پر ختم کیا ہے کہ ہماری اتنی رحمت ہے کہ کبھی حرام کو بھی حلال کر دیتے ہیں اور غفور رحیم میں رحمت کی تصریح فرما دی۔ مگر یہ ثابت ہے کہ سب سے آخر آیات قرآن کی یہ ہے وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ یعنی ڈرو تم اس دن سے جس روز تم اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اپنے کئے ہوئے کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا اور اس میں ظاہر ہے کہ وہ وعید کا مضمون ہے سو اس سے تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو وعید پر ختم کیا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور یہاں کلام کو وعید پر ختم کرنے کی ایک وجہ یہ بھی علماء نے لکھی ہے کہ جو کلام آخر میں ہوتا ہے وہی نقش دل رہتا ہے اور اس کا اثر قلوب پر زیادہ رہتا ہے تو اس نقل میں اور میرے قول میں تعارض ہو گیا کیونکہ میں نے تو لکھا تھا کہ مضمون رحمت پر کلام ختم ہوا ہے اور اس نقل سے معلوم ہوا وعید پر ختم ہوا ہے۔ سو رفع اس تعارض کا یہ ہے کہ کلام تو رحمت ہی پر ختم ہوا ہے مگر اس مصلحت سے کہ اس رحمت پر نظر کر کے کوئی بالکل لاپرواہی نہ کرنے لگے ذرا سی دھمکی بھی دے دی۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے احکام میں تو بالکل تنگی نہیں بہت آسان احکام ہیں لیکن اگر سہل سہل احکام پر بھی عمل نہ کرو گے تو تمہاری کمبختی آوے گی کہ اتنی تو تم پر رحمت کی کہ بالکل ہلکے ہلکے احکام نازل کئے پھر اگر اس میں بھی کاہلی برتو گے تو بس جان جاہی میں آ جائے گی تو یہ آیت ہماری تقریر کے مخالف نہ ہوئی بلکہ اس سے رحمت کی اور تائید ہو گئی اسکی ایسی مثال ہے کہ بچہ کو سبق آسان بتلا دیا اور اس کی یاد کی بھی آسان صورت بتلا دی پھر اگر اس میں بھی وہ شوخی اور سستی کرے تو اس کے کان کھینچ لئے تا کہ اس ڈر کے مارے سبق جلدی یاد کر لے اور پھر دس روپیہ انعام کے لئے اس صورت میں سبق تو اس کا بالکل آسان تھا مگر وہ لاپروائی سے یاد نہیں کرتا اس لئے تنبیہا اس کے کان کھینچ لئے تا کہ اس کو یاد کرے تو یہ گوشمالی بھی رحمت ہی کا اثر ہے بہر حال تعارض نہ رہا۔

حاصل آیت

خلاصہ اس آیت کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نعمت اسلام کا کامل اور تام ہونا ذکر فرمایا ہے تا کہ اس نعمت پر متنبہ ہو کر اس کا شکر بجا لاویں اور شکر یہ ہے کہ اس کے فضائل و برکات خود بھی حاصل کریں اور دوسروں کو بھی اس سے بہرہ ور کریں دوسروں کے سامنے بھی اس کے فضائل و برکات بیان کریں تبلیغ کریں جس کی خصوصاً اس وقت سخت ضرورت ہے خلاصہ یہ کہ اپنی بھی اصلاح کریں اور دوسروں کی بھی اصلاح کریں ان کو ترغیب دیں ادھر متوجہ کریں قرآن میں جہاں نماز روزہ زکوٰۃ کا حکم ہے وہاں امر بالمعروف کا بھی حکم ہے اس لئے امر بالمعروف بھی کریں مگر خوبصورتی کے ساتھ کسی سے لڑے بھڑے نہیں اور جیسے نماز باوجود فرض ہونے کے بھی بھی کسی عذر سے ساقط ہو جاتی ہے جیسے حائض سے نماز ساقط ہو جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی اعذار و قیود ہیں اسی لئے میں نے کہا ہے کہ جو کچھ کرو علماء سے پوچھ کر کرو۔ وہ ہر ایک کے مناسب کام بتادیں گے۔ کسی کے تصنیف کا کام سپرد کر دیں گے۔ کسی کو زبانی تبلیغ واشاعت کے لئے تجویز کریں گے کسی کو مالی امداد کا مشورہ دیں گے۔ کسی کو زبانی تبلیغ واشاعت کے لئے تجویز کریں گے کسی کو دعا کا حکم کریں گے کہ تم دعا ہی کرتے رہو اور دعا کا کام تو سب ہی کر سکتے ہیں اور کام کرنے والے بھی اس میں شریک رہیں گے اب دعا کیجئے کہ خداوند کریم فہم سلیم عطا فرمادیں اور ہم کو ظاہری و باطنی اصلاح کی توفیق بخشیں۔ آمین

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ اگر کسی کا روحانی مرض لاعلاج ہوتا اور کوئی مریض روحانی مایوس العلاج ہوتا تو سب سے زیادہ مستحق اس کے وہ لوگ تھے جن کے بارہ میں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ نازل ہوا ہے مگر ان کا کفر بھی فی نفسہ لاعلاج نہ تھا۔ بلکہ ان کی بد پرہیزی کی وجہ سے یہ پیشین گوئی کی گئی ہے۔

خاتمہ کا حال

بعض مفسرین کا قول تو یہ ہے کہ یہ آیات خاص خاص لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جن کا نام حضور اقدس ﷺ کو بتلا دیا گیا تھا اور بعض کا قول یہ ہے کہ بلا تعیین یہ ان سب لوگوں کے بارے میں ہے جن کا خاتمہ کفر پر ہونے والا ہے اور خاتمہ سے پہلے کسی کو بھی حتی کہ ابو جہل کو بھی علی الاطلاق کافر نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ شاید اخیر میں اسلام لے آتا۔ اس کو مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ کافر را بخواری منگرید — کہ مسلمان بودنش باشد امید

مگر اس وقت وحی کا زمانہ تھا اس وقت خاتمہ کا حال معلوم ہو سکتا تھا کہ کس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے اس لئے جن کفار کی نسبت صحابہ کو رسول ﷺ کے ارشاد سے یہ معلوم ہو گیا ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے ان کے نام صحابہ نے اس آیت کی تفسیر میں تمثیلاً بیان کر دیئے۔

بے ہوشی کا قول و فعل شرعاً معاف ہے

اور مطلب یہ تھا کہ یہ آیت ان جیسے لوگوں کے بارہ میں ہے جن کا خاتمہ کفر پر ہو گا سب کافروں کے بارہ میں نہیں ہے مگر اب تو خاتمہ کا حال معلوم ہونا دشوار ہے اگر ظاہر میں کسی کا کفر ہی پر خاتمہ ہو جب بھی یقینی طور پر کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم کو دل کا حال کیا معلوم ہے شاید وہ دل میں مسلمان ہو اور زبان سے اقرار کرنے کا موقعہ نہ ملا ہو یا ملا ہو اور اس نے تساہل کیا ہو تو بہت سے بہت گنہگار ہو گا مگر کافر نہ ہو گا۔ بلکہ عند اللہ ایسا شخص مسلمان ہے اسی طرح اگر کوئی مسلمان مرتے ہوئے کلمہ کفر کہتا ہوا جائے جب بھی کفر کا حکم مشکل ہے فقہاء نے اس کا راز سمجھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مرتے ہوئے کسی کے منہ سے کلمہ کفر نکل جائے تو اس کو کافر نہ کہو کیونکہ ممکن ہے شاید نزع کی وجہ سے اس کی عقل درست نہ ہو اور بے ہوشی کی غفلت میں یہ کلمہ زبان سے نکلا ہو اور شریعت میں ایسا شخص مکلف نہیں رہتا بے ہوشی میں جو فعل و قول بھی صادر ہو شرعاً معاف ہے یا ممکن ہے کوئی ہوش ہی میں کلمہ کفر کہہ رہا ہو مگر اس کا مطلب وہ نہ ہو جو تم سمجھے بلکہ کچھ اور مطلب ہو پھر اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے حکم کفر کیونکر لگایا جا سکتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

روحانی مطلب میں کوئی مرض لاعلاج نہیں

غرض اس وقت تو کسی کے کفر پر یقین نہیں ہوسکتا مگر جس زمانہ میں خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ کا مشاہدہ ہوسکتا تھا اس وقت بھی یہ لوگ مایوس العلاج اور ان کا کفر لاعلاج نہ تھا۔ بلکہ ان لوگوں کے اختیار میں تھا اس طرح سے کہ ایمان لے آتے گو اس کا عدم وقوع حق تعالیٰ کو معلوم تھا مگر عدم وقوع کے یقینی ہونے سے اس کا اختیاری ہونا منفی نہیں ہوا اور میرے پاس اس کی دلیل موجود ہے جو چند مقدمات پر مبنی ہے ایک مقدمہ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فعل عبث سے پاک ہیں اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ محقق طبیب بعد مایوسی کے دوا نہیں دیا کرتا اور اگر دیتا بھی ہے تو مریض کو مجبور نہیں کرتا بلکہ بعض تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ مریض بچے گا نہیں اس کو دوا مت دو اور اگر کوئی محقق اس حالت میں بھی جبراً دوا دیتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو علم غیب نہیں وہ اپنے قواعد ظنیہ سے اس مرض کو لاعلاج سمجھتا ہے مگر یہ سمجھنا ظنی ہے قطعی نہیں وہ قدرت خدا تعالیٰ پر نظر کر کے امیدوار ہے۔

عقل در اسباب میدارد نظر　　　عشق میگوید مسبب رانگر

مگر حق تعالیٰ کو تو علم غیب ہے اگر ختم اللہ علی قلوبھم سے ان لوگوں کے لاعلاج ہونے اور علاج کے غیر اختیاری ہونے پر دلالت ہوتی تو یہ دلالت قطعی ہوتی کیونکہ عالم الغیب کا کلام ہے اور نفی اختیار کے متعلق علم ہوتے ہوئے یہ محال ہے کہ دوا پر جبر کیا جاوے کیونکہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کے خلاف ہے تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان لوگوں کو دوا پر مجبور کیا ہے کیونکہ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ میں خطاب عام ہے اور یہ آیت مکی ہے پھر لفظ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ خود عموم کو بتلا رہا ہے جسمیں تمام کفار کو توحید و ایمان اختیار کرنے کے متعلق خطاب ہے جن میں وہ لوگ بھی تھے جن کے بارہ میں خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فرمایا گیا ہے پھر اس پر اجماع بھی ہے کہ ابوجہل و ابوطالب وغیرہ ایمان کے مکلف تھے اگر وہ ایمان کے مکلف نہ ہوں اور اس حکم سے مستثنیٰ ہوں تو پھر ان کو عذاب نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ کہہ سکیں گے کہ حضور ہم کو جو ترک ایمان اور کفر کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے تو اخیر زمانہ میں ہم تو حکم ایمان سے مستثنیٰ ہو گئے تھے آپ نے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ نازل فرما دیا تھا حالانکہ ان کا معذب ہونا منصوص ہے کیونکہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ کے ساتھ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ بھی وارد ہے پس یہ ماننا پڑے گا کہ جن کے بارہ میں وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ فرمایا گیا ہے ایمان کے مکلف وہ بھی تھے اس سے مستثنیٰ نہ تھے اب میرا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ جن لوگوں کے متعلق خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ نازل ہوا ان کا مرض روحانی لاعلاج نہ تھا اگر روحانی مطب میں کوئی مایوس العلاج ہوتا تو یہ لوگ ہوتے مگر وہ مایوس العلاج نہیں تو ثابت ہو گیا کہ مرض روحانی کبھی لاعلاج نہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

کلام اللہ میں صیغہ واحد اور جمع کے استعمال حکمت

فرمایا کلام اللہ میں کہیں صیغہ واحد متکلم کا ہے کہیں جمع کا مثلاً اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ میں واحد متکلم ہے وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ میں جمع متکلم ہے غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس مقام پر رحمت اور شفقت کا مضمون ہے وہاں واحد متکلم کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں۔ چنانچہ آیت مذکورہ میں تکمیل دین کا ذکر تھا جو سراسر نعمت ہے اس لئے اکملت فرمایا اور جہاں شان جلال واستغناء وعظمت کا بیان ہے وہاں جمع کا صیغہ آیا ہے کہ تم نے ایسا کیا ہم ایسا کریں گے۔ یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوو اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور دھوو اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت۔

تفسیری نکات

نحوی قاعدہ سے ایک اشکال کا جواب

بعض اشکالات کا جواب نحوی قاعدہ سے دیا جاتا ہے چنانچہ میرے پاس ایک ملاجی آئے اور کہنے لگے کہ وضو میں پاؤں دھونا جو فرض ہے اس کی دلیل کیا ہے قرآن میں تو پیروں کے واسطے مسح کا حکم ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن میں کہاں ہے۔ کہنے لگے کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر وہ مترجم قرآن میرے پاس لائے اور آیت دکھائی۔

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

ترجمہ: یہ لکھا ہوا تھا پس دھوؤ اپنے مونہوں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور ملو اپنے سروں کو اور پیروں کو دو ٹخنوں تک شاہ صاحب نے یہاں فعل مقدر کو ظاہر نہ کیا تھا اور مسح کا ترجمہ محاورہ کے موافق کر دیا ورنہ بعضے تراجم میں تقدیر فعل کو ظاہر کر کے اس طرح ترجمہ کیا ہے اور دھوؤ اپنے پیروں کو دو ٹخنوں تک اور بعض ترجموں میں مسح کا ترجمہ مسح ہی سے کیا ہے اس طرح کہ مسح کرو اپنے سروں کا تو اس میں لفظ کو نہیں آیا۔ اس ترجمہ پر کچھ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اشکال نہیں ہوسکتا مگر شاہ صاحب کے ترجمہ میں ملاجی کو یہ شبہ ہوا کہ پیروں کے لئے بھی مسح کا حکم ہے میں بہت پریشان ہوا کہ اس اشکال کا جواب تو نحوی قاعدہ پر موقوف ٹھہرا اگر میں ان کو نحوی قاعدہ سے جواب دوں تو اس کے یہ معنی ہیں ان کے سامنے عطف اور تقدیر کی تحقیق بیان کروں جس کو یہ سمجھ ہی نہیں سکتے آخر میں نے ان سے کہا کہ جس کلام کا یہ ترجمہ ہے یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ کلام اللہ ہے بولے کہ علماء کے کہنے سے معلوم ہوا میں نے کہا افسوس یا تو علماء اتنے ایمان دار ہیں کہ وہ ایک عربی عبارت کو کلام اللہ کہہ دیں تو سچے اور یا اتنے بے ایمان ہیں کہ اگر وہ ایک فعل کو مرض کہیں تو جھوٹے اس پر چپ ہوئے میں نے کہا خبردار جو تم نے بھی ترجمہ دیکھا ایسوں کو ترجمہ دیکھنا بیشک ناجائز ہے۔

اسی طرح بہت سے اشکالات ہیں جن کے جواب علوم الیہ پر موقف ہیں اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ عوام کو ترجمہ خود نہ دیکھنا چاہئے۔ بلکہ اگر شوق ہو تو کسی عالم سے سبقا سبقا پڑھنا چاہئے غرض اس اشکال کا جواب یہ تھا کہ یہاں ارجلکم کا عطف وجوھکم پر ہے خیر یہ اشکال تو کچھ نہیں بڑا اشکال اس جگہ یہ ہوتا ہے کہ ایک قراءت متواترہ میں وارجلکم بالجر بھی آیا ہے اور اس صورت میں بظاہر اس کا عطف رؤسکم کے اوپر اور فامسحوا کے تحت میں ہے اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ اس میں جر جرار ہے ورنہ حقیقت میں اس کا عطف فاغسلوا کے تحت میں ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ اس کا عطف فامسحوا کے تحت میں ہے جب بھی پیروں کے لئے مسح کا حکم لازم نہیں آتا کیونکہ محاورات میں بعض دفعہ دو ایسی چیزوں کو جن کے ساتھ دو فعل متعلق ہوتے ہیں اختصار کے لئے ایک ہی فعل کے تحت میں بیان کردیتے ہیں۔

مثلاً دعوت کے موقعہ پر کہا کرتے ہیں کہ کچھ دانا پانی ہمارے یہاں بھی کھا لیجئے گا حالانکہ پانی تو پینے کی چیز ہے کھانے کی چیز نہیں اصل کلام اس طرح تھا کچھ دانا کھا لیجئے گا پانی پی لیجئے گا مگر اختصار کیلئے ایک فعل کو حذف کر کے دونوں چیزوں کو ایک فعل کے تحت میں ذکر کردیتے ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی پوچھے کہ تم نے دعوت میں کیا کھایا تھا؟ تو جواب میں کہا کرتے ہیں پلاؤ زردہ دودھ دہی گوشت کھایا تھا حالانکہ دودھ پینے کی چیز ہے یوں کہنا چاہئے تھا کہ دودھ پیا تھا باقی چیزیں کھائی تھیں جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سمجھو ارجلکم کا عطف اگر فامسحوا کے تحت میں بھی مان لیا جائے تو یہ لازم نہیں آتا کہ پیروں کے لئے مسح کا حکم ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ رؤس وارجل کا تعلق اصل میں دو فعلوں سے تھا ایجازا ایک فعل کو حذف کردیا گیا اور ظاہر میں دونوں کو فامسحوا کے متعلق کردیا گیا اور مطلب وہی ہے کہ سر کا مسح کرو اور پیروں کو دھوؤ عربی میں اس کی نظیر یہ کلام ہے علفته تبنا وماء باردا۔ اور اگر وامسحوا کے حکم کو بھی ارجلکم کے متعلق مان لیا جائے تب بھی کچھ اشکال نہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ دو قراءتیں بمنزلہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

دو آیتوں کے ہوا کرتی ہیں جس طرح دو آیتیں اپنے اپنے حکم کو مستقلا ثابت کرتی ہیں اور دونوں پر عمل ضروری ہے اسی طرح دو قراءتیں بھی معمول بہا ہوتی ہیں پس ارجلکم میں قراءت بالجر ہونے سے معلوم ہوا کہ پیروں کے لئے مسح کا بھی حکم ہے۔

رہا یہ کہ غسل کا حکم نہیں ہے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کیونکہ قراءت نصب غسل کو لازم کر رہی ہے تو مجموع قراءتیں سے یہ ثابت ہوا کہ پیروں کے لئے مسح اور غسل دونوں کا حکم ہے اس طرح کہ قراءت جر بحال لبس خف ہے اور قراءت نصب بحالت عدم خف ہے یہ تاویل بھی بہت عمدہ ہے۔

اور ایک توجیہ میرے ذہن میں ایک سوال کے وقت آئی۔ وہ یہ کہ مسح کے معنے ملنے ہیں خواہ بدوں غسل کے یا مع غسل کے پس دھونا تو ایک قراءت سے حدیث متواتر سے فرض ہوا اور ملنا قراءت جر سے مامور بہ ہوا بمعنی مستحب اس کی وجہ یہ ہے کہ پیروں کی کھال سخت ہوتی ہے تو عادۃً اکثر اس پر پانی بہانا کافی نہیں ہوتا ملنے سے پانی پہنچتا ہے چنانچہ فقہا نے اسی اہتمام کے لئے اس کو بھی مندوب کہا ہے کہ وضو کے قبل پاؤں کو تر کر لیا جاوے پھر آخر وضو میں دھویا جاوے غرض آپ نے معلوم کر لیا کہ نحو کی کس قدر ضرورت ہے کیونکہ بعض اشکالات اسی سے رفع ہوتے ہیں۔

نکتہ در مسح از جل

سوال: ایک مجتہد شیعہ میرے شناسا ہیں ایک دن وہ ایک آبشار کے کنارے پاؤں سکھلا رہے تھے تاکہ وضو کریں میرا ان سے ذرا مذاق بھی ہے میں نے مذاقیہ کہا کہ کیوں تمام دنیا سے الٹا وضو کرتے ہو سیدھے ہو جاؤ اس نے فوراً کھڑے ہو کر کہا کہ اس مسئلہ کو تم لوگوں نے نہیں سمجھا لو۔

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ الآیہ پڑھ کر کہا کہ چار فرض ہیں دو کا دھونا فرض اور دو کا مسح کرنا فرض ہے اس کی تشریح تیمم کے مسئلہ نے کر دی جن کا دھونا فرض تھا وہ تیمم میں رہ گئے اور جن کا مسح فرض تھا وہ معاف کئے گئے اگر پاؤں کا دھونا فرض ہوتا تو تیمم میں معاف نہ ہوتے چونکہ سر کا مسح معاف ہے معلوم ہوا کہ پاؤں کا بھی مسح تھا جو سر کی طرح معاف ہو گیا انتہی کلامہ اس کی اس گفتگو کا مجھ سے کچھ جواب نہ بن پڑا مذاق میں ٹلانا پڑا البتہ اس وقت سے ایک کھٹک سی دل میں ہے۔

جواب: یہ تو محض ایک نکتہ تھا جو خود موقوف ہے پاؤں کی ممسوح ہونے کے ثبوت پر پھر اس کے ثبوت پر پھر اس کے ثبوت کو اس نکتہ پر مبنی کرنا دور صریح ہے کیا اس استلزام کی کوئی دلیل ہے کہ ساقط ہونا مستلزم ہے ممسوحیت کو تعجب ہے ایسے صریح تحکم سے آپ متاثر ہو گئے۔ (ماخوذ بوادر النوادر)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اختلاف قراءة

اگر ہم جر جوار کے بھی قائل نہ ہوں اور ارجل کے مسح ہی کو مان لیں تب بھی اس کا غیر مغسول ہونا لازم نہیں آتا بلکہ احتمال ہے کہ یہ وہ مسح ہو جو عین غسل کے وقت کیا جاوے یعنی دلک بوجہ اس کے کہ پاؤں کی جلد سخت ہوتی ہے اس لئے غسل کے ساتھ کہ مفہوم ہے ایک قراءۃ کا دلک کا حکم کہ مفہوم ہے دوسری قراءت کا فرمایا ہو (ماخوذ بوادر النوادر)

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى
ترجمہ: عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

کفار و مشرکین سے بھی عدل کا حکم

کفار کو نوکر رکھنا یا انکی نوکری کرنا یا انکو قرض دینا یا ان سے قرض لینا قال اللہ تعالیٰ لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے کفار کی یہاں مزدوری کرنا ثابت ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے قرض لینا اور مثلاً مظلوم کی دادرسی کہ یہ نہ صرف مباح ہے بلکہ مستحسن اور واجب اور ضروری ہے قال اللہ تعالیٰ واذا قلتم فاعدلوا الخ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مسلمان کو ذمی کافر کے قصاص میں قتل کیا اور مثلاً احسان کا بدلا احسان کے ساتھ دینا قال تعالیٰ ھل جزاء الاحسان الخ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کافر لونڈی سے پانی لیا تھا تو اسکو کھجوریں دیں اور اس کے تمام گانوں کو قتال سے چھوڑ دیا حالانکہ اس لونڈی کا کچھ احسان بھی نہ ہوا تھا حضور کے اعجاز سے پانی اس کا اتنا ہی رہا تھا اسی جنس سے نرم گفتاری بھی ہے قال تعالی ولو کنت فظا غلیظ القلب الخ اسلام میں جس قدر اسکی تعلیم ہے دنیا پر آشکارا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگ کیسے کیسے برے لفظ کہتے تھے ان تتبعون الا رجلا الخ مگر کبھی حضور ﷺ نے برے لفظ کے جواب میں برا لفظ نہیں کہا غایت سے غایت یہ لفظ تھا لا حجۃ بیننا الخ غرض نرم برتاؤ کے قسم اول کے سب مراتب محمود ہیں۔ الا آنکہ مقتضی الی الشر ہو جاویں مثلاً کفار سے امداد لینا جبکہ اپنی توہین یا توہین اسلام کی موجب ہو جیسے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب غزوہ تبوک سے رہ گئے اور حضور ﷺ نے ان سے بولنے چالنے کو منع فرمادیا تو شاہ غسان نے ان کے پاس رقعہ بھیجا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تمہاری صاحب نے (ﷺ) تمہارے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے اور تمہاری قدر نہیں جاتی آپ یہاں آ جائیے آپ کی قدر افزائی کی جائے گی تو انہوں نے اس رقعہ کو تنور میں جھونک دیا یا مثلاً کفار کا احسان لینے میں اندیشہ ہوا کہ ان کے ساتھ بھی بے موقعہ شرکت کرنا پڑے گی مثلاً وہ کسی مدرسہ یا مسجد کے چندہ میں شریک ہونا چاہیں کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کبھی ان کے مندر میں شریک ہونا پڑے گا تو یہ مسل درست نہیں جیسے ایک مرتبہ ہندو مسلمانوں میں اتفاق کی ہوا چلی تھی کہ ہندو تعزیہ داری میں شریک ہوئے اور مسلمان ہولی میں یہ سب قصور فہم ہے اور **ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** کے خلاف ہے اور **من کثر سواد قوم فهو منهم** کا مصداق ہے یا کفار سے بے موقعہ نرم بولنا جیسے بروقت مناظرہ ضرورت سے زیادہ نرمی اختیار کی جائے جس کا انجام خود بھی ذلیل ہونا اور دین کو بھی ذلیل کرنا ہے ایسے ہی موقعہ کے لئے وارد ہے **واغلظ علیهم** حضور ﷺ نے باجود رحمت مجسم ہونے کے مرتدین عرنیین کو یہ سزا دی کہ ان کو ہاتھ پیر کٹوا کر اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروادیں کہ آنکھیں پھوٹ گئیں اور ان کو گرم زمین پر ڈلوادیا یہاں تک کہ مر گئے کیونکہ انہوں نے چرواہوں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔

نکوئی بابدان کردن چنان است — کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

اور قسم دوم یعنی زائد از ضرورت کفار کی طرف میلان کے بھی چند مراتب یہ ہیں مثلاً تشبہ بالکفار ان کے رسوم قبیحہ میں شرکت بیجا خوشامد متعصب کفار کی چاپلوسی اور ابلہ فریبیوں میں آ جانا کہ

من تشبه بقوم فهو منهم اور **من کثر سواد قوم فهو منهم** اور **ها انتم اولاء تحبونهم ولا یحبونکم** اور **فتری الذین فی قلوبهم مرض یسارعون فیهم یقولون نخشی ان تصیبنا دائرة** ان کے بارہ میں وارد ہیں یہ سب قبیح اور ممنوع ہیں حال آنکہ کوئی ضرورت شدید یا اکراہ داعی ہو تو مجبوری ہے۔ اختیار اور ارادہ سے اور ان افعال کو جائز سمجھ کر کرنا کسی حالت میں درست نہیں الغرض حسن خلق اور چیز ہے اور مودۃ و محبت اور تولی اور حسن خلق کی نسبت دار ہے **وانک لعلی خلق عظیم** اور مودۃ اور تولی کی نسبت وارد ہے **لایتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذلک فلیس من الله فی شیء الا ان تتقوا منهم تقة ومن یتولهم منکم فانه منهم ان الله لا یهدی القوم الظلمین** حسن خلق کفار کے ساتھ مندوب و مستحسن ہے اور مودہ و محبت ممنوع اور مذموم ہندوؤں سے ملنا اور مزاج پرسی وغیرہ کرنا جیسے حضرت والا نے کیا حسن خلق ہے اور ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا اور ان سے نفرت ظاہر کرنا سوء خلق اور تکبر بلکہ تصنع ہے کہ درحقیقت تو مقصود ان کو اور راغب کرنا اور ان پر اپنا اثر بٹھانا ہے اور صورت بے نیازی سے کیسے اختیار کی جاتی ہے اور اگر کوئی ہندو کوئی رقم دینے لگے تو انکار نہ ہو اور سو حیلوں سے اس کو جائز کر لیا جاوے۔

عارف کو حقیقت پر نظر چاہئے نہ کہ صورت پر مکانوں پر بلانے کی صورت تو تبرک تھی مگر حقیقت صرف پابندی رسم

(c) ketabton.com: The Digital Library

۴- ہر ایک ہدیہ بھی لے لینا سنت نہیں جو ہدیہ کسی دینی و دنیاوی خرابی کو مستلزم نہ ہو اس کا قبول کرنا سنت ہے دینی خرابی جیسے طمع حرام وحلال میں تمیز کرنا حق پوشی میں مبتلا ہونا وغیرہ اور دنیاوی جیسے نظروں میں ذلیل ہونا وغیرہ ایسے ہی ہدیہ کی نسبت عارف شیرازی کا قول ہے

مابروے صبر و قنعات نے بریم　　　بابادشہ بگوے کہ روزی مقدار است

ہدیہ کے شرائط حضرت والا کے مواعظ میں بارہا ذکر ہوئے ہیں۔

(۵) دعا مانگنا ہر حاجت کے لئے مندوب و مستحسن ہے ایک شخص نے مدتوں ایک حاجت کے لئے دعا مانگی حالانکہ کبھی وہ حاجت پوری نہیں ہوئی کسی نے کہا کہ جب مدت گزر گئی اور حاجت پوری نہیں ہوئی تو معلوم ہوتا ہے کہ منظور خدا نہیں ہے کہ وہ حاجت پوری ہو پھر دعا سے کیا فائدہ بلکہ گونہ گستاخی ہے اگر دینا ہوتا تو اب تک دیدی ہوتی اور جب نہیں دی تو اب دعا مانگنا مجبور کرنا ہے اور یہ گستاخی ہے اس نے کہا میرا کام یہی ہے کہ میں مانگوں دینا نہ دینا ان کا کام ہے میں اپنے کام کا ذمہ دار ہوں ان کے کام کا ذمہ دار نہیں اگر وہ کام میرا ہو جاتا تو مانگنا ختم ہو جاتا اور جب وہ کام نہیں ہوا تو معلوم ہوتا ہے کہ مجھے منگوانا ہی منظور ہے مجھے اسی میں حظ آتا ہے کہ جو کام مجھ سے وہ چاہیں وہ مجھ سے ہوتا ہے اور وہ مجھے تڑپا دیں میں تڑپا رہوں۔

بوقت ذبح اپنا انکے زیر پائے ہے　　　کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

خدا کرے کہ مزا انتظار کا نہ مٹے　　　مرے سوال کا دیں وہ جواب برسوں میں

تڑپ میں اس سے زیادہ حظ حاصل ہے جو اس کام کے پورا ہونے میں ہوتا ہے

جو مزا انتظار میں دیکھا　　　پھر وہ وصل یار میں دیکھا

اور حدیث میں وعدہ ہے کہ جس دعا کی قبولیت ظاہر نہیں ہوتی وہ ذخیرہ ہو جاتا ہے آخرت کے لئے تو فانی کی جگہ باقی کے ملنے کی انشاء اللہ تعالیٰ امید ہے جس کو حاجت کی طرف سے اطمینان بھی ہو اس کو بھی دعا مانگنی چاہئے۔ ثواب مفت ہاتھ آتا ہے۔ (مجالس الحکمت صفحہ ۱۴۳ تا ۱۴۷)

(c) ketabton.com: The Digital Library

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح (یعنی قرآن مجید)

تفسیری نکات

دو نعمتیں

یہ ایک مختصری آیت ہے اس میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی دو نعمتوں کا عطا فرمانا اور ان دونوں نعمتوں پر اپنا احسان ظاہر فرمانا بیان فرمایا ہے ان دونوں نعمتوں میں ایک تو حضور علیہ کا وجود باوجود ہے اور دوسری نعمت قرآن مجید کا نزول ہے۔ ایک کو لفظ نور سے ذکر فرمایا ہے اور دوسرے کو کتاب کے عنوان سے ارشاد فرمایا ہے اور یہ توجیہ اس آیت کی ایک تفسیر کی بناء پر ہے یعنی جب کہ نور سے حضور علیہ کا وجود باجود مراد لیا جائے اور اگر دوسری تفسیر اختیار کی جاوے یعنی نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید ہی مراد لیا جاوے تو توجیہ بدل جاوے گی اور اس صورت میں عطف کتاب کا نور پر باوجود اتحاد ذات کے تغائر حیثیت وصفت کے اعتبار سے ہوگا کہ ایسی کتاب عطا فرمائی کہ اس میں ایک صفت نوریت کی ہے اور دوسری صفت کتابیت کی ہے اور اس توجیہ کی بناء پر بھی وہ تعداد نعمت فوت نہ ہوگی یعنی وہ دو نعمتیں اب بھی رہیں گی لیکن ایک پر دلالت مطابقی ہوگی اور دوسری پر دلالت التزامی یعنی قرآن پر تو دلالت مطابقی ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور چونکہ قرآن کا نزول حضور علیہ پر ہوا اور حضور علیہ کی برکت سے ہم کو یہ نعمت عطا ہوئی ہے اس لئے بہرحال دونوں بطریق مطابقت مذکور ہوں یا ایک بطریق مطابق اور دوسری بطریق لزوم مگر ہر حال میں اس آیت میں دو نعمتوں کا ذکر ہے۔ الفاظ دانی کا نام علم ہوتا تو وہ معاصی کے ساتھ بھی جمع ہو جاتا بلکہ کفر کے ساتھ بھی ورنہ بیروت اور جرمن میں عیسائی عرب کے ادیب کیسے ہوتے۔ ان کا حافظہ بھی قوی ہے ذہن بھی تیز ہے۔

حقیقت علم

حقیقت میں علم کی حقیقت نور ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ان کو روح بھی فرمایا وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ بس حقیقت میں یہی چیز علم ہے امام ابوحنیفہؒ نے کتابیں زیادہ نہیں پڑھی تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے قلب میں ایک نور بخشا تھا کہ جس چیز کو بیان فرماتے تھے بالکل صحیح فرماتے تھے۔ اور اب کسی کو کتنا ہی متبحر ہو جاوے مگر وہ علم نصیب نہیں جو امام صاحب کو حاصل تھا اس حالت میں اگر کوئی کہنے لگے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ میں ابو حنیفہؒ سے علم میں زیادہ ہوں تو وہ جاہل ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞ صراط مستقیم بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور اور کتاب آئی ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضامندی کا اتباع کرتے ہیں سلامتی کے راستے بتلاتے ہیں اور اپنی مشیت سے ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالتے اور سیدھے راستے کی ہدایت کرتے ہیں۔

نور سے کیا مراد ہے

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں جن کی طرف پہلے بھی اشارہ ہو چکا ہے اس میں بعض نے نور سے بھی قرآن ہی مراد لیا ہے اور ان کے پاس وجہ ترجیح یہ ہے کہ آگے يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ میں ضمیر واحد ہے اگر نور سے مراد حضور اور کتاب سے مراد قرآن ہو تو یهدی بهما الله بصیغہ تثنیہ ہوتا گو دوسرے حضرات یہ جواب دے سکتے ہیں کہ چونکہ حضور ﷺ اور قرآن باہم متلازم ہیں اس لئے ان میں سے ایک کی ضمیر میں لزوماً دوسرے کا ذکر بھی ہو گیا۔ دوسرے مفسرین یہ کہتے ہیں کہ نور سے حضور ﷺ مراد ہیں ان کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ یہاں نور کی طرف جاء کی اسناد کی گئی ہے اور اصل میں یہ ہے کہ مجی کی اسناد ذوی العقول کی طرف ہو چنانچہ اسی بناء پر دوسری ایک آیت ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا سے مراد رسول ﷺ ہیں اور نور سے مراد قرآن ہے کیونکہ انزال کی اسناد میں اصل یہ ہے کہ کتاب کی طرف ہو اور اس سے معلوم ہوا کہ نور قرآن کی بھی صفت ہے اور حضور کی بھی اسی طرح برھان قرآن کی بھی صفت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی بھی بہر حال یہ وجوہ ترجیحات ہیں ہر قول کی گو ان میں یہ احتمال باقی ہے کہ بعض جگہ اسناد مجی قرآن کی طرف ہے۔ جیسے قد جاء کم الحق من ربکم میں اور بعض جگہ انزال کی اسناد رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے جیسے قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۞ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ میں اور اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ یہ اسناد مجازی ہے اور اصل وہی ہے کہ اسناد مجی کی حضور کی طرف ہوا اور اسناد انزال کی قرآن کی طرف اب اس اصل کو کسی قرینہ صارفہ کی وجہ سے چھوڑا جا سکتا ہے جو اس جگہ موجود نہیں تو گو تفسیریں سب صحیح ہیں مگر جی یہ چاہتا ہے کہ نور سے مراد حضور ﷺ ہوں لیکن میں اس پر زور نہیں دیتا کیونکہ ہر قول کی طرف مفسرین کی ایک جماعت ہے اور ہر ایک کے پاس وجوہ ترجیح ہیں مگر اس جگہ میرے ذوق میں ترجیح ان حضرات کے قول کو ہے جو نور سے حضور کو مراد لیتے ہیں مگر اس پر زور دینے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ ہمارا مطلب ہر طرح حاصل ہے خواہ حضور نور کے مصداق ہوں یا قرآن ہر ایک کا نور ہونا دوسرے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے نور ہونے کو مستلزم ہے میں پھر وہی کہوں گا۔

بخت اگر مدد کنا دامنش آورم بکف　　گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

اور یوں کہوں گا۔

عبارا تنا شتی و حسنک واحد　　وکل الی ذاک الجمال یشیر

اور جب حضور بھی نور ہیں اور قرآن بھی نور ہے تو اب ہمارے پاس نور علی نور ہے جیسا کہا گیا ہے۔

نبی خود نور اور قرآن ملا نور　　نہ ہو پھر مل کے کیوں نور علی نور

اس حالت میں ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہم کو حضور سے محبت زیادہ ہے یا قرآن سے ہر اک کی محبت دیکھو اپنی طرف کھینچتی ہے ہم کو تو حضور ﷺ سے بھی تعلق محبت ہے اور قرآن سے بھی وہ اپنی طرف کھینچتی ہیں وہ اپنی طرف بس ہمارا تو وہ حال ہے کہ لعل سے کسی نے پوچھا کہ تو اپنے کو چاہتا ہے یا آفتاب کو کہا کچھ نہ پوچھو اگر میں یہ کہوں کہ مجھے اپنے سے محبت ہے تو وہ بھی آفتاب ہی کی محبت ہے کیونکہ میرے اندر جو کچھ نور اور رونق ہے سب اس کی بدولت ہے اور اگر کہوں کہ آفتاب سے محبت ہے تو یہ بھی اپنے ہی ساتھ محبت ہے کیونکہ آفتاب سے اسی لئے محبت ہے کہ اس نے مجھ کو لعل بنایا تو وہ اپنی ہی محبت ہوئی تو بعض جگہ دونوں طرف سے تلازم ہوتا ہے وہاں ہر ایک کی محبت دوسرے کی محبت کو مستلزم ہے اس پر کسی عاشق کا شعر یاد آتا ہے واقعی تلازم محبتین کو خوب ہی ظاہر کیا۔

قاصد رسید و نامہ رسید و خبر رسید　　در حیرتم کہ جاں بکدام کنم نثار

ہائے قاصد بھی محبوب کا ہے اور نامہ بھی محبوب کا ہے اب کیا کہیں کہ کس سے مسرت زیادہ ہے یہی حال یہاں ہے حضور ﷺ قاصد ہیں اور قرآن نامہ حق ہے ہر ایک اپنی طرف دل کو کھینچ رہے ہیں بس یوں کہنا چاہئے کہ ہمارے لئے ہر ایک میں دوسرا موجود ہے حضور نہ ہوتے تو ہم کو قرآن کیسے ملتا اور قرآن ملنے والا نہ ہوتا تو حضور کیوں تشریف لاتے اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں دونوں شانیں موجود ہیں قرآن میں حضور کی بھی شان ہے یعنی نور کی اور حضور میں قرآن کی شان موجود ہے یعنی کتاب مبین کی شاید تم کہو کہ حضور میں کتاب کی شان کیونکر ہے میں کہتا ہوں کہ سبحان اللہ حضرت علیؓ تو ہر انسان کے متعلق فرماتے ہیں۔

دوائک فیک و ما تشعر　　وداءک منک وما تبصر

وانت الکتاب المبین الذی　　با حرفہ یظہر المضمر

وتزعم انک جرم صغیرہ　　وفیک انطوی العالم الاکبر

سو حضرت علیؓ تو ہر شخص کی نسبت فرماتے ہیں کہ تم کتاب مبین ہو کیونکہ انسان مظہر اتم ہے الٰہیات کا اور ملکوت کا اس میں ہر شے کی نظیر موجود ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب پیدا کیے تم میں نبی اور کر دیا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو جو نہیں دیا تھا کسی کو جہان میں۔

تفسیری نکات

ارشاد فرمایا کہ جناب مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو فرماتے ہیں کہ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ اور اس کے آگے فرماتے ہیں وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا یعنی ملوک تو سب کو فرمایا اور انبیاء میں فیکم فرمایا کہ انبیاء بعض ہیں اس میں نکتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت تو بعض افراد کے ساتھ خاص ہوتی ہے مگر سلطنت جس قوم کی ہوتی ہے اس کا ہر فرد عرفاً صاحب سلطنت سمجھا جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

ضرورت شیخ نص کی روشنی میں

فرمایا کہ لوگ شیخ طریقت کی ضرورت میں یہ آیت پیش کیا کرتے ہیں وابتغوا الیہ الوسیلۃ حالانکہ اس میں شیخ مراد نہیں بلکہ اعمال صالحہ مراد ہیں البتہ ضرورت شیخ دوسری آیت سے ثابت ہو سکتی ہے واتبع سبیل من اناب الی الایۃ اور یہ جو مشہور ہے (۲) الشیخ فی قومہ النبی فی امتہ (شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی امت میں) اس سے مراد شیخ طریقت نہیں بلکہ بوڑھا آدمی مراد ہے۔ کیونکہ یہ مقولہ حدیث کہا جاتا ہے اور اس زمانہ میں شیخ کا لفظ شیخ طریقت کے معنی میں قطعاً استعمال نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ حرف بالکل مستحدث ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت جلد نمبر ۱۴ ص ۳۷-۳۸)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

ترجمہ : اور ہم نے ان میں باہم قیامت تک عداوت ور بغض ڈال دیا۔

تفسیری نکات

اہل کتاب کے اتحاد کی غرض

اور اہل کتاب میں آج کل بظاہر بہت اتحاد اور اتفاق دیکھا جاتا ہے اس واقعہ کی تکذیب تو ہو نہیں سکتی تو اس سے اس آیات میں شبہ ہوسکتا ہے جواب یہ ہے کہ اس سے اوپر یہود کا ذکر ہے تو اول تو جب تک ان میں اتحاد ثابت نہ کیا جائے آیت کے مضمون پر کوئی شبہ نہیں دوسرے اگر اس کے قبل اہل کتاب کا ذکر ہونے کی وجہ سے مطلق اہل کتاب کی طرف بھی ضمیر کو راجع کیا جائے تو جواب یہ ہے کہ اس عداوت سے مراد مذہبی عداوت ہے اور اب جن لوگوں میں اتحاد دیکھا جاتا ہے وہ مذہب سے بالکل علیحدہ ہیں۔ ان میں جو اتحاد ہے وہ اغراض دینوی ہی میں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ تجھ کو بچا لے گا لوگوں سے بیشک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قوم کفار کو۔

تفسیری نکات

عجیب وغریب ربط

پھر چونکہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ فرمانے سے آپ کو غایت حرص علی ایمان الکفار سے طمع ہوسکتی تھی کہ بس اب تو سب کافر مسلمان ہو جائیں گے۔ کیونکہ جب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تو میں ہر کافر کو قرآن سناؤں گا اور وہ بھی آپ کی زبان سے بھلا کون کافر ہے۔ مگر ایسا ہونا مقدر نہیں تھا اس لئے آگے تسلی کے لئے فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ کہ سب کے اسلام کی طمع نہ کیجئے بعضوں کو حق تعالیٰ ہدایت نہ کریں گے اس اخیر جملہ کا یہ ربط ہے ماقبل سے جو شاید بہت لوگوں کے ذہن میں نہ آیا ہو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: نہیں ہے مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول گذر چکے اس سے پہلے بہت رسول اور اس کی ماں ولی ہے دونوں کھاتے تھے کھانا دیکھ ہم کیسے بتلاتے ہیں ان کو دلیلیں پھر دیکھ وہ کہاں الٹے جا رہے ہیں۔

تفسیری نکات

اسی لئے حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کی نسبت كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ فرمایا یتغوطان و یبولان نہیں فرمایا کیونکہ اکل و شرب ان کا جد امجد ہے جو بول و براز کرے گا وہ پہلے کھائے پئے گا بھی ضرور تو اکل و شراب ہی سبب ہے بول و براز کا اس لئے حق تعالیٰ نے سبب کو بیان فرما دیا کہ اس سے مسبب پر خود دلالت ہو جائے گی صریح نہ فرمانا اس وجہ سے ہے کہ قرآن میں تہذیب کی بہت رعایت کی گئی ہے اسی لئے بول و براز کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ سبب کے ذکر سے اسی پر دلالت کر دی گئی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جنت میں تو اکل کو بول براز سے مفارقت ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا دعویٰ یہ نہیں کہ اکل بول و براز سے مفارق نہیں بلکہ دعویٰ یہ کہ بول و براز اکل سے مفارق نہیں دوسرے یہاں گفتگو اکل و شرب فی الدنیا میں ہے اور دنیا میں طرفین سے تلازم ہے اور یہاں عیسیٰ و مریم علیہما السلام کے متعلق دنیا ہی میں اکل طعام کا ذکر ہے پس اس بول و براز پر کنایہ صحیح ہے علاوہ ازیں یہ کہ اگر اس طعام کے بعد بول و براز دنیا میں بھی نہ ہوتا جب بھی اکل و شرب صفات نقص ہے تو اس لئے ہے کہ

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری بہ غفلت نہ خوری

یعنی اس میں احتیاج سب سے زیادہ ہے۔ سارے عالم کو چکر لگنے کے بعد انسان کی غذا حاصل ہوتی ہے دوسرے جیسا اوپر مذکور ہوا تو شہادت حالیہ اس کے ادون ہونے پر دال رہی ہے کہ انسان اس کو خود حقیر سمجھتا ہے اور دوسروں کے سامنے کھانے پینے سے ایسا شرماتا ہے گویا کوئی عیب کا کام کر رہا ہو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا
يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ
وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ: ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم کو فلاح ہو شیطان کی جوئے اور شراب سے یہ غرض ہے کہ آپس میں دشمنی ڈال دے اور ذکر اللہ سے اور نماز سے روک دے حق تعالیٰ نے اس آیت میں جوئے اور شراب کے دو نقصان بتلائے ہیں ایک یہ ہے کہ شیطان اس کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں نفاق ڈال دے گا دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے روک دے گا۔ سو اب بھی باز نہ آؤ گے۔

تفسیری نکات

ایک غلطی کا ازالہ

یہ ایک آیۃ ہے لیکن جملہ خاص اس کے پہلے جزو کی تفسیر کرنا اور جس بارے میں یہ جزو آیت ہے خصوصیت سے اسی کو بیان کرنا مقصود ہے اور مجھ کو اس سے ایک غلطی کے رفع کا استنباط کرنا منظور ہے جس کو میں عرض کروں گا اول بطور تمہید کے اس جزو آیت کا خلاصہ عرض کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جناب رسول ﷺ سے لوگوں نے خمر و قمار کا حکم پوچھا تھا اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے ان میں منافع بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیات تحریم خمر و میسر سے پہلے کی ہے اور اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے لیکن لفظوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ تسامح ہوا ہے اس لئے کہ باوجود لفظ اثم کبیر کے یہ سمجھ میں نہیں آتا پس بظاہر یہ آیت بھی تحریم کے بعد ہی کی ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ اس کے بعد والی آیات يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ الخ (یعنی اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں) اس کی زیادہ تاکید ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس آیۃ کو سن کر بعض لوگوں نے لفظ منافع پر نظر کر کے شراب کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترک میں سستی کی ہو اور فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ (ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں ہیں) میں کچھ تاویل کرلی ہو مثلاً یہ کہ ان کو خود اثم نہیں فرمایا بلکہ متضمن اثم فرمایا ہے اس طرح سے کہ کبھی یہ مفضی الی المعاصی ہوجاتے ہیں تو جب ایسا انتظام کرلیا جائے کہ یہ احتمال نہ رہے تو جائز ہوگا جیسے قبیح لغیرہ کی شان ہوتی ہے مگر یہ تاویل بہت بعید ہے اس لئے نہایت شد و مد سے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا الخ نازل ہوئی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے قبل تحریم نہیں ہوئی تھی اور منافع للناس سے جواز پر تمسک نہیں ہوسکتا اس لئے کہ کسی محرم شے میں منافع کے وجود سے اس کی اباحت پر استدلال نہیں ہوسکتا بلکہ منافع کا ذکر منشاء شبہ کو رفع کرنے کے واسطے ہے یعنی اگرچہ ان دونوں میں منافع بھی ہیں چنانچہ خمر میں قوت عزیزیہ اور میسر میں تکثیر مال بہ سہولت لیکن مفاسد ان کے منافع سے زیادہ ہیں اس لئے حرام ہیں۔ یہ حاصل ہے۔

دور حاضر کی رسومات کا حال

صاف ظاہر ہے کہ عداوۃ اور بغضاء اور نماز اور ذکر اللہ سے غافل کرنے کے لئے یہ دونوں چیزیں آلہ ہیں اور آلہ اور علت ایک ہی چیز ہیں اسی واسطے اس کی شرح میں فرماتے ہیں جناب رسول ﷺ کل ما الھاک عن ذکر اللہ فھو میسر یعنی جو چیز تجھ کو ذکر اللہ سے غافل کرے وہ سب جوا ہے۔ ظاہر ہے کہ لغت میں تو اس کو جوا نہیں کہتے حدیث میں جو اس کو فرمایا گیا وہ باشتراک علت ہے اس میں تصریح ہوگئی کہ نھی عن الخمر و المیسر کی علت الہاء عن ذکر اللہ ہے۔

پس جہاں الہاء عن ذکر اللہ پایا جاوے گا وہ سب حکماً خمر اور میسر ہوگا اب اس سے اپنی رسموں کا حکم نکال لیجئے۔

حدیث کے الفاظ صاف کہتے ہیں کہ ان کا حکم بھی شراب اور جوئے کا سا ہے کیونکہ نماز سے غافل ہونے کا سبب ہوگئیں اگر اور دلیلوں سے قطع نظر بھی کرلیا جائے تو یہ دلیل میں نے ایسی پیش کی ہے کہ اس کے سامنے کسی دلیل کی حاجت نہیں اور اس کا جواب آپ کچھ بھی نہیں دے سکتے جب چاہے مشاہدہ کرلیجئے کہ جہاں یہ رسمیں روا ہوتی ہیں وہاں نماز کی گت نہیں ہوتی' تو بموجب ارشاد حضور ﷺ کے میسر یعنی جوئے کے حکم میں ہوئیں اور میسر کو قرآن شریف میں رجس اور عمل شیطان فرمایا گیا ہے تو میں نہیں کہتا بلکہ قرآن ان کو عمل شیطان کہتا ہے

پس اور دلیلوں کو جانے دیجئے یہی کیا کم خرابی ہے کہ اس کا نام عمل شیطان ہوا حکم شرعی تو یہی ہے۔ جس کے لئے ایسی دلیل بتلائی گئی کہ موٹی سے موٹی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے لیکن سمجھے تو وہ جس کی طبیعت میں یہ کچھ کھٹکیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا
طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا
ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اُس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں سے محبت رکھتے ہیں۔

تفسیری نکات

شانِ نزول

شان نزول آیت کا یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ نے شراب کو مسلمانوں پر حرام کر دیا تو بعض صحابہ کو یہ خیال ہوا کہ ہم میں جو لوگ تحریم سے پہلے شراب پیتے تھے مر گئے ہیں کہیں ان کو گناہ نہ ہوا ہو (یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب اس وقت تک شراب کی حرمت نازل نہ ہوئی تھی تو انہوں نے حرام کا ارتکاب ہی نہ کیا تھا پھر صحابہ کو ان پر گناہ کا فہم کیوں ہوا؟ جواب یہ ہے کہ اتنی بات تو صحابہ بھی جانتے تھے کہ اس وقت حرمت خمر کا نزول نہ ہوا تھا لیکن ممکن ہے ان کو یہ خیال ہوا ہو کہ نامعلوم اس وقت تک جو شراب کی حرمت نازل نہ ہوئی تو اس کا سبب یہ ہے کہ شراب اب تک واقع میں حلال تھی یا یہ سبب ہے کہ واقع میں تو وہ پہلے بھی حرام تھی لیکن چونکہ ہم لوگ اس کے عادی بہت زیادہ تھے تو دفعتہ اس کی تحریم اس وجہ سے نازل نہیں کی گئی کہ ہم اس پر عمل نہ کر سکیں گے پھر تدریجاً جب ہمارے اندر قابلیت عمل زیادہ ہو گئی اس وقت حکم تحریم نازل ہو گیا پس صورت اول میں جن لوگوں نے تحریم سے پہلے شراب پی تھی انہوں نے حلال ارتکاب کیا لیکن دوسری صورت میں حرام کا ارتکاب لازم آتا ہے گو بوجہ نص نازل نہ ہونے کے ان کو گناہ نہ ہوا ہو لیکن شاید ان کے درجات میں کچھ کمی اس لئے ہو گئی کہ وہ حرام فی نفسہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دنیا سے گئے ہیں۔)

اس شبہ کا ازالہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں پر کچھ گناہ نہیں ہے اس چیز میں جو انہوں نے) اب تک) کھایا پیا ہے (یعنی حکم تحریم سے پہلے شراب پینے میں تو ان پر کچھ گناہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں ہوا) جب کہ وہ دوسرے گناہوں سے بچتے رہے ہوں اور ایمان دار رہے ہوں اور نیک اعمال کرتے رہے ہوں پھر وہ تقوی کرتے رہے ہوں اور ایمان دار رہے ہوں اور اخلاص سے کام لیتے رہے ہوں اور اللہ تعالٰی اہل اخلاص سے محبت رکھتے ہیں۔

اس جگہ اصل مقصود تو یہ بتلانا تھا کہ نزول تحریم سے پہلے جن لوگوں نے شراب پی ہے ان پر اس فعل کی وجہ سے کچھ گناہ نہیں ہوا لیکن لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا سے چونکہ بظاہر گناہ کی نفی مطلقاً ہو رہی ہے اس لئے آگے قاعدہ کلیہ کے طور پر وہ شرائط بھی بیان فرما دیں جن کے اجتماع کے بعد گناہ کی نفی مطلقاً صحیح ہو سکتی ہے کیونکہ اگر کسی شخص نے تحریم خمر سے پہلے شراب بھی پی ہو اور زنا بھی کیا ہو تو یہ کہنا صحیح ہے کہ شراب کی وجہ سے اس کو گناہ نہیں ہوا لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کو کچھ بھی گناہ نہیں ہوا پس حاصل آیت کا یہ ہوا کہ جب وہ لوگ دوسرے گناہوں سے بچتے رہے ہوں جن کی حرمت اس وقت نازل ہو چکی تھی نیز ان اعمال صالحہ کو بھی بجا لاتے رہے ہوں جن کا امر اس وقت نازل ہو چکا تھا تو پھر ان کو شراب پینے کی وجہ سے کچھ گناہ نہیں ہوا۔

اب اس جگہ ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں تقوی اور ایمان کا ذکر تین مرتبہ ہوا ہے اس کا کیا مطلب ہے جب ان کو ایک بار مومن کہہ دیا گیا اور اس کے بعد تقوی سے ان کو موصوف کر دیا گیا تو پھر دوبار امنو واتقوا کے ذکر سے کیا مقصود ہے یہ ایمان کے بعد ایمان لانا اور تقوی کے بعد پھر تقوی کرنا کیسا ہے تکرار ایمان کا جواب تو یہ ہے کہ ایمان کے مختلف مراتب ہیں ایک مرتبہ ایمان کا یہ ہے کہ کفر و شرک سے توبہ کرے یہ درجہ تو ایمان کا وہ ہے جو صحت کے لئے شرط ہے کہ اس کے بغیر کوئی عمل صالح مقبول نہیں ہوتا اور ایک مرتبہ ایمان کا وہ ہے جو اعمال صالحہ سے پیدا ہوتا ہے یعنی اس کے دل میں پیوستہ اور جاگزین ہو جانا اور اس پر ثبات استقامت حاصل ہو جانا دوبارہ لفظ امنوا اس درجہ کی طرف اشارہ ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ ایک مرتبہ ایمان لا کر وہ اعمال صالحہ کرتے رہے اور محرمات سے بچتے رہے تو اس سے ان کو ایمان پر مداومت و استقامت حاصل ہوئی پھر اس کے بعد جیسے اعمال ہوتے ہیں ویسا ہی ایمان ان سے پیدا ہوتا ہے مطلق مداومت و ثبات علی الایمان کہ اعمال صالحہ کے ہمیشہ بجا لانے سے ہر شخص کو حاصل ہو جاتی ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ جس شخص کے اعمال ناقص ہیں ان سے جو ایمان پیدا ہوگا وہ بھی ناقص ہوگا اور جس کے اعمال کامل ہیں ان سے کامل ایمان پیدا ہوگا۔

تیسری مرتبہ ذکر ایمان سے اس درجہ کی طرف اشارہ ہے کہ بعد ثبات علی الایمان کے حسب اعمال ان کو ایمان میں ترقی حاصل ہوتی رہتی ہے اس کے بعد پھر ایمان کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ احسان کا ذکر فرمایا جس کے معنی شریعت میں اخلاص کے ہیں اور یہ اعلیٰ درجہ ایمان کا ہے اسی کو صدق سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور صدیق بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

صاحب احسان ہی کو بولتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اس کے بعد ترقی اعمال سے درجہ احسان کا عطا ہوتا ہے اور یہی درجہ ایمان کا مطلوب ہے اور جو شخص اس درجہ میں فائز ہوتا ہے وہ خدا کا محبوب بن جاتا ہے پھر اس کو کچھ عذاب اور گناہ نہیں ہوتا کیونکہ محبوب مطیع کو کوئی بھی عذاب نہیں دیا کرتا یہ جواب تو تکرار ایمان کے اشکال کا ہوا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝

ترجمہ: اے ایمان والو لازم پکڑو اپنے نفسوں کو نہ نقصان پہنچا سکے گا تمہارا وہ شخص جو گمراہ ہے جبکہ تم نے ہدایت پائی اللہ تعالیٰ کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے پس اللہ تعالیٰ تم کو آگاہ کرے گا جو تم لوگ عمل کرتے ہو۔

تفسیری نکات

علوم کی دو قسمیں

ایک جملہ انشائیہ ہے اور دوسرا جملہ خبریہ جو کہ معنی انشائیہ ہے کیونکہ ہر جگہ خبر مقصود بالذات نہیں ہوتی۔

حاصل یہ ہے کہ علوم دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں کہ خود وہ علوم ہی مقصود بالذات ہیں جیسے عقائد مثلاً قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ ایک ہے وزن (اعمال کا تولا جانا) اس دن حق ہے اس میں تو خود خبر ہی مقصود ہوتی ہے کیونکہ ان کے متعلق کوئی عمل نہیں ہوتا دوسرے وہ علوم ہیں کہ خود وہ علم مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس علم سے عمل مقصود ہوتا ہے خواہ وہ امر ہو یا نہی ایسے مقام پر اگر خبریہ ہو تو وہ معنی انشاء ہوگا جس کی تعیین قرائن سے ہو جائے گی مثلاً اس مقام پر خدا تعالیٰ نے اول ایک جملہ ذکر فرمایا ہے اس کے بعد جملہ خبریہ ذکر فرمایا ہے جس سے مقصود اس امر کی تاکید ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ اس امر کی مخالفت نہ کرو پس معلوم ہوا کہ اعمال میں وہ خود مقصود نہیں ہوتی لہذا میں اس خبر سے تعرض نہیں کرتا بلکہ صرف دو مضمونوں کو لیتا ہوں ایک امر کو دوسرے نہی کو جو کہ جملہ خبریہ سے مقصود ہے یعنی لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ سے کیونکہ مقصود یہ ہے کہ تم دوسروں کی فکر میں نہ پڑو لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ علیکم انفسکم کے بیان کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اور اگرچہ مسوق لہ الکلام صرف لا یضر کم ہے لیکن جملہ الی اللہ مرجعکم جمیعاً کا زیادہ تعلق عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ سے ہے کیونکہ دوسروں کو فکر کرنا کچھ ایسا گناہ نہیں جس پر اس جملہ الی اللہ مرجعکم کو مرتب فرمایا جائے پس علیکم انفسکم کے ساتھ مرتبط ہے اور اس پر مرتب ہے اور اس ترتب سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

معلوم ہوتا ہے کہ علیم بھی مقصود ہے کیونکہ حاصل اس کا یہ ہے کہ چونکہ تم کو خدا کے پاس جانا ہے اس لئے تم اپنی فکر کرو اور غفلت میں نہ پڑو اپنی اصلاح کرو۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ

ترجمہ: وہ وقت قابل یاد ہے جبکہ حواریین نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا نازل فرمائیں؟

آیت هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ کے ایک لطیف معنی

پوچھا گیا آیت هل يستطيع ربک ان ينزل علينا مائدة من السماء کے کیا معنی ہیں ظاہرا تو ثابت ہوتا ہے کہ حواریین خدا تعالیٰ کو اتنا بھی قادر نہ مانتے تھے کہ مائدہ کو اتارے اس سے تو ان کے ایمان میں بھی شبہ ہوتا ہے فرمایا اس کا بیان با قاعدہ تو یہ ہے کہ دو معنی ہیں ایک بمعنی قدرت جو قبل الفعل ہے۔ دوسرا استطاعت حقیقیہ جو مع الفعل ہے جس کے بعد وجود فعل لازم آتا ہے یہاں مراد یہ دوسرے معنی ہیں یعنی ہر اہل ينزل ربک علينا مائدة اور اس مضمون کو عام فہم کرنے کے لئے مجھے یہ نیا محاورہ بہت کارآمد معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ہمارے اوپر مائدہ اتار سکتا ہے یہ ایسا ہے جیسے آج کل کہتے ہیں کیا آپ میرے یہاں آسکتے ہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت ج ۲۶ ص ۲۵۳)

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: عیسیٰ بن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمایئے کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد میں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جائے اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جائے اور آپ ہم کو عطا فرمایئے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

روح عید

اس آیات سے بعض نے عید میلا دالنبی بھی استدلال کیا ہے مگر چونکہ اس کا جواب وعظ السرور میں بیان ہو چکا ہے ہے اس لئے اس وقت اس کے متعلق بیان کرنا مقصود نہیں ہے اس وقت اس سے صرف یہ استنباط کرنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے عید کو نزول مائدہ پر مرتب کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ عید کا مقتضا ایک درجہ میں اقتران ہے عید اور نزول مائدہ کا' چنانچہ امت عیسیٰ علیہ السلام کو مائدہ کے نزول پر عید ملی پس اس امت کو عید عطا ہونے سے بھی باقتضائے مذکور معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی ایک مائدہ ملا ہے جس کی ایک صورت ہے کھانا پینا خوشی کرنا اور ایک معنی ہے مشاہدہ' پس اس طرح سے یہ آیات دال ہے روح عید پر مگر بنی اسرائیل کے مائدہ میں اور ہمارے مائدہ میں یہ فرق ہے کہ ان کو محض مائدہ صوری ملا تھا جس میں احتمال ردونکس (لوٹنا ۱۲) کا تھا اور چونکہ ہمارا مائدہ مقرون ہے مائدہ معنوی کے ساتھ اس لئے اس میں کوئی ردونکس رجوع وسقوط وحور نہیں ہو سکتا' چنانچہ بنی اسرائیل کو اسی لئے ارشاد ہوا تھا قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ' کہ ہم مائدہ نازل تو کر دیں گے لیکن اس کے بعد جو کوئی ناشکری کرے گا اس کو ایسا سخت عذاب ہوگا کہ کبھی کسی کو نہ ہوا ہوگا اور نہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ناشکری کی اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے الحمد للہ ہم کو دو مائدے عطا ہوئے ایک جسمانی ایک روحانی' یا ایک صوری ایک معنوی یا ایک ظاہری ایک باطنی تا کہ اگر مائدہ جسمانی سے کم ناشکری کرنا چاہیں تو روحانی ہم کو سنبھالے رہے اور ناشکری نہ کرنے دے اور وہ روحانی مائدہ کیا چیز ہے وہ محبت ومعرفت ہے حق تعالیٰ کی جس کا دوسرا عنوان مشاہدہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْاَنْعَام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

ترجمہ: اور نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر کھیل اور جی بہلانا اور آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے کیا تم نہیں سمجھتے۔

تفسیری نکات

لہو اور لعب کا مفہوم

یہاں حق تعالیٰ نے دنیا کے لئے دو لفظ اختیار کئے ہیں ایک لہو اور ایک لعب' اور دونوں کے مفہوم میں لغۃً کچھ فرق ہے وہ یہ کہ لہو کہتے ہیں شغل کو اور لعب کہتے ہیں عبث کو اس سے معلوم ہوا ہے کہ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس میں دو صفتیں ہیں ایک تو لہو ہونے کی کہ یہ لوگوں کو اپنی طرف لبھاتی اور مشغول کرتی ہے اور دوسرے لعب یعنی عبث ہونے کی کہ اس میں مشغول ہونا عبث یعنی بے نتیجہ ہے۔ اس پر کوئی معتد بہ ثمرہ مرتب نہیں ہوتا جیسے بچوں کا کھیل کہ اس پر بھی کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا۔

اصلاح زاہد خشک

اس سے ایک اور دقیق علم کی طرف بھی اشارہ ہے وہ یہ کہ تمام حیات دنیا مذموم نہیں' بلکہ وہ حیات دنیا مذموم ہے جس میں محض لہو و لعب ہو یعنی جو بے نتیجہ ہو اور اس کا کوئی معتد بہ ثمرہ نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ دنیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

صوری کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس پر ثمرہ مرتب ہو اور ایک وہ جس پر ثمرہ مرتب نہ ہو کہ جس پر ثمرہ مرتب نہ ہو وہ مذموم ہے اور جس پر ثمرہ مرتب ہو وہ واقع میں دنیا ہی نہیں۔

یہاں سے اصلاح ہے غالی فی الزہد اور زاہد خشک کی کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز مذموم ہے عمدہ کپڑا اچھا کھانا ٹھنڈا پانی سب مذموم ہے بعض لوگ اسی خیال سے نکاح بھی نہیں کرتے کہ عورت بھی دنیا ہے اور بعض کر بھی لیتے ہیں تو نان ونفقہ نہیں دیتے اور اس کے حقوق ادا نہیں کرتے کیونکہ وہ بیوی کی طرف التفات کرنے کو التفات الی الدنیا سمجھتے ہیں۔

اور ایک دفعہ کفار نے کوئی خاص معجزہ مانگا تھا کہ ایسا نشان ظاہر ہو ہم مانیں آپ ﷺ کا دل چاہا کہ ان کی درخواست کے مطابق ہی معجزہ ظاہر ہو جائے تو اچھا ہے اس پر حق تعالیٰ نہایت تشدید کے ساتھ فرماتے ہیں۔

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَى فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝

یعنی اگر آپ پر ان کافروں کا اعراض اور انکار ایسا ہی گراں ہے (اور اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ کسی طرح مان ہی جائیں) تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں سرنگ لگا کر یا آسمان میں سیڑھی لگا کر کوئی معجزہ (ان کی خواہش کے موافق لے آیئے ہم تو ایسا نہ کریں گے)

ضرورت زبان دانی

آگے فرماتے ہیں فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ یہاں زبان دانی کی ضرورت ہے اس جگہ ہمارے محاورہ کے اعتبار سے جاہل کے ساتھ ترجمہ کرنا غلط ہے بلکہ یہاں ترجمہ یہ ہے کہ بس آپ نادان نہ بنئے بچوں کی سی ضد نہ کیجئے دیکھئے اس ترجمہ سے کیسی شفقت ٹپکتی ہے جو اس ترجمہ سے ہرگز ظاہر نہ ہوتی کہ بس آپ جاہلوں کی سی باتیں نہ کیجئے بات ایک ہی ہے نادان اور جاہل لغۃً مرادف ہیں مگر ہمارے محاورہ میں جاہل تحقیر کے موقع میں اور نادان شفقت کی جگہ بولا جاتا ہے اور یہ مقام شفقت ہی کا ہے اس لئے یہاں جاہل کا ترجمہ نادان ہی کرنا ضروری ہے۔

آگے آپ کی نیت کا جواب دیتے ہیں کہ آپ خود ان کی خواہش کے موافق معجزہ کو اس لئے چاہتے ہیں کہ یہ لوگ مان جائیں گے تو اس خیال کو دل سے دور کیجئے یہ ماننے والے نہیں ہیں۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ بات تو وہی مانتے ہیں جو (کان لگا کر) سنیں بھی اور یہ کم بخت تو مردوں کی طرح سنتے ہی نہیں اگر یہ توجہ سے قرآن کو سن لیں تو پھر اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے معجزے کی بھی ان کو ضرورت نہ رہے پھر خیال ہو سکتا تھا کہ جب یہ ایسے ہیں تو پھر ان کم بختوں کو سزا ہی دیجائے تو فرماتے ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ اور مردوں کو خدا تعالیٰ (ایک دن) اٹھائیں گے پھر سب اس کے پاس لوٹ کر جائیں گے (اسی دن ان مردوں کو بھی دیکھ لیا جائے گا) آپ سزا کی فکر میں کیوں پڑتے ہیں ہمارا ان کا معاملہ ہے ہم خود دیکھ لیں گے چاہے ہم جلدی سزا دیں یا دیر میں آپ کو اس سے کچھ مطلب نہیں۔

اس کے یہ معانی نہیں کہ حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کی تمنا کو پسند نہیں کیا بلکہ آپ کے حزن وفکر کو پسند نہ فرمایا کہ آپ اپنی پھول سی جان کو کیوں پریشانی میں ڈالتے ہیں بس ان کا معاملہ ہمارے سپرد کر کے بے فکر ہو جایئے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ
نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ

ترجمہ: اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈھ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو۔

تفسیری نکات

آیات تسلی

حتی کہ آپ کے غلبہ غم کی وجہ سے آپ کو تسلی دینے کے لئے خاص اس مضمون کی بار بار آیتیں نازل فرمائیں چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین (جس کا حاصل یہ ہے کہ اے محمد ﷺ آپ کی حالت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کے غم میں اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے لا تسئل عن اصحاب الجحیم کہ آپ سے ان لوگوں کی حالت کا سوال نہ کیا جائے گا یعنی پھر آپ کیوں غم کرتے ہیں اگر یہ ایمان نہیں لاتے نہ لائیں ایک اور جگہ ارشاد ہے لست علیھم بمصیطر کہ آپ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ آپ ضرور ہی ان سے تعمیل کرا لیں آپ کا کام صرف تبلیغ ہے کیونکہ آپ مبلغ ہیں رہا عمل کرانا یہ کام مصیطر کا ہے اور آپ مصیطر مقرر نہیں ہوئے پھر اگر یہ لوگ عمل نہیں کرتے اور تبلیغ کو نہیں مانتے تو آپ کو کیا غم ہے ایک اور جگہ فرماتے ہیں وان کان کبر علیک اعراضھم فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض او سلما فی السماء فتاتیھم بایة (اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین کی کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ) ایک جگہ فرماتے ہیں ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعاً افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین' کہ آپ زبردستی تو ان کو ایمان دار نہیں بنا سکتے کو ان کی قسمت میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

دولت ایمان نہ ہوا ایک اور جگہ ارشاد ہے ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون' کہ آپ ان کی حالت پر غم نہ کیجئے اور ان کے مکروں سے تنگدل نہ ہو جیے۔ ایک جگہ ارشاد ہے ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون فسبح بحمد ربک وکن من السجدین' کہ ہم جانتے ہیں ان لوگوں کے اقوال سے جو تنگدلی آپ کو ہوتی ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شانِ عشق کے مطابق ایک آیت کی تفسیر

حق تعالیٰ فرماتے ہیں قد نعلم انہ لیحزنک الذی یقولون فانھم لا یکذبونک ولکن الظلمین بایات اللہ یجحدون ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کافروں کی باتوں سے رنج ہوتا ہے آگے مشہور تفسیر تو یہ ہے کہ اور میں نے بھی بیان القرآن میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ فانھم لا یکذبونک علت ہے ایک جملہ محذوفہ کی تقریر یوں ہے فلا تحزن وکل امر ھم الی اللہ فانھم لا یکذبونک الخ یعنی آپ غم نہ کیجئے اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیجئے کیونکہ یہ لوگ آپ کو تو نہیں جھٹلاتے (کیونکہ آپ کو تو محمد امین کہتے ہیں صادق مانتے تھے) بلکہ یہ ظالم تو خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں (سو آپ کس لئے رنج کرتے ہیں وہ آپ کو تو کچھ نہیں کہتے ہماری آیتوں سے' (الانعام ۳۳)

سو آپ تسبیح و تحمید میں لگ گئے اور عبادت کو اپنا مشغلہ بنالیجئے کہ اس سے یہ تنگدلی دفع ہو جائے گی اور یہ غم ہلکا ہو جائیگا۔

رسول اکرم ﷺ کے غم و حزن کا منشاء

غرض بہت سی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کفار کی حالت پر بہت ہی حزن و غم تھا نیز ان آیات سے اس کے منشی کا بھی پتہ لگتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں اور اپنے کفر وضلالت سے باز آ جائیں تو معلوم ہوا کہ آپ کو ان لوگوں سے نفسانی عداوت اور بغض نہ تھا بلکہ ان کی اس ردی حالت پر رحم آتا تھا اور دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے کیونکہ اگر آپ کو ان کے ساتھ اس قسم کی عداوت اور بغض ہوتا تو آپ ہرگز ان کے ایمان لانے اور راہ راست پر آ جانے کی تمنا نہ کرتے بلکہ یوں چاہتے کہ یہ لوگ ساری عمر اس کفر و گمراہی کے تیرہ و تاریک غار میں پڑے رہیں اور کبھی ان کو اس سے نکلنا نصیب نہ ہو کیونکہ قاعدہ ہے کہ اپنے دشمن کے لئے انسان خیر خواہی نہیں کیا کرتا بلکہ عادۃ اس کی بدخواہی کے درپے ہوتا ہے اور اگر بدخواہی کے درپے بھی نہ ہو تو خیر خواہی کی تو گنجائش نہیں ہوتی اور آپ کی یہ حالت تھی کہ یوں چاہتے تھے گو مجھے تکلیف ہو لیکن ان لوگوں کو تکلیف نہ ہونے پائے حتی کہ جس معجزے کے وہ طالب ہوتے تھے حضور ﷺ چاہتے تھے کہ وہ معجزہ ہو ہی جائے تا کہ اسی کو دیکھ کر یہ لوگ سنبھل جائیں درست کرلیں پس معلوم ہوا کہ نماز میں ایسا قوی قرب و مشاہدہ ہوتا ہے جو کسی اور امر سے نہیں ہوتا ورنہ حق تعالیٰ تسلی کے لئے اسی امر کی تعلیم کو اختیار فرماتے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ واذا حزبہ امر فزع الی الصلوة کہ جب حضور کو کوئی بڑا فکر پیش آیا تو آپ جلدی سے نماز میں مشغول ہو جاتے کیوں اسی لئے تا کہ حق تعالیٰ سے باتیں کر کے دل بہلائیں اور تسلی و سکون حاصل کریں واقعی تجربہ و مشاہدہ ہے کہ رنج و فکر میں نماز میں مشغول ہو جانے سے رنج بہت کم ہو جاتا ہے اور اگر موانع قرب کم ہوں تو بالکل رنج کا ازالہ ہو جاتا ہے تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے زیادہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ بہر حال نماز میں جو حق تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی ہے اور ان کی تسبیح اور تقدیس ہے یہی مشاہدہ کافی ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کی طرف بشراشرہ متوجہ ہو جائے اگر اس میں کمی ہو تو البتہ مشاہدہ میں کمی ہے اس کی تلافی کرنا چاہئے پھر جب یہ مرتبہ حاصل ہو جائے گا کہ نماز میں حق تعالیٰ کے سوا کسی طرف توجہ نہ رہے تو آپ کو خود ہی اس کا لطف حاصل ہو گا اور اس وقت آپ سمجھیں گے کہ میں نے جو اس مشاہدہ کو کافی کہا ہے یہ صحیح تھا دنیا میں بڑی کامیابی بندہ کی یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف یکسوئی کے ساتھ نماز میں توجہ نصیب ہو جائے۔ (اصلاحات فی الصلوت صفحہ ۲۷)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: اور ہم نے امتوں کی طرف بھی جو آپ سے پہلے گزر چکی ہیں پیغمبر بھیجے تھے سو ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری سے پکڑا تا کہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی وہ ڈھیلے کیوں نہ پڑے لیکن ان کے قلوب تو سخت ہی رہے اور شیطان ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کر کے دکھلاتا رہا پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھی وہ اترا گئے ہم نے ان کو دفعتہً پکڑ لیا تو وہ بالکل حیرت زدہ ہو گئے پھر وہ ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گی اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کی تعریف کے لائق ہیں جو تمام عالم کے پرودگار ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

کلفتوں کی قسمیں

کلفتیں اور مصیبتیں دو طرح کی ہوتی ہیں داخلی دوسری خارجی یا یوں کہو کہ ایک انفسی ایک آفاقی یہ ہے کہ مثلاً کوئی دشمن چڑھائی کرکے چلا آوے انفسی وہ کہ خود اپنے بدن میں کوئی مرض ہو باساء سے مراد آفاقی ہے اور ضراء سے مراد نفسی بلیات ہیں اور یہاں ایجاز ہے اصل کلام اس طرح ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَلَمْ تَنْعَمْ۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچتی ہے اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے قبض کر لیتے ہیں اور ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔

تفسیری نکات

لغو قصے

فرمایا کہ بعضے قصے جو مشہور ہیں کہ کوئی شخص مر گیا اور تھوڑی دیر میں وہ زندہ ہو گیا اور دوسرا اس نام کا مر گیا اور اس زندہ ہونے والے نے بیان کیا کہ مجھ کو کسی مقام پر لے گئے وہاں حکم ہوا کہ نہیں اس کو نہیں بلایا بلکہ فلانے کو بلایا تھا تو فرمایا کہ بالکل لغو قصے ہیں عزرائیل غلطی نہیں کر سکتے اگر یہ ممکن ہو تو پھر جبرئیل سے بھی ایسی غلطی ممکن ہو گی تو شیعہ کے اس قول کے صحیح ہونے کا بھی احتمال ہو گا کہ جبرئیل غلط کردہ مقصود علی بود نیز کلام مجید میں ہے حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ○ میں نے چار عالموں کو شبہ میں مبتلا دیکھا ایک تو مر چکے تھے اور ان کی تصنیف میں یہ مضمون تھا اور ایک کے زمانے میں میں بچہ تھا اور دو کی خدمت میں میں نے عرض کیا اور انہوں نے قبول کر لیا باقی ایسے قصے کا راوی مریض اگر کوئی ثقہ ہو تو یہ کہا جائے گا کہ اس مریض کو سرسام ہو گیا تھا اس میں ایسے خیالات نظر آ گئے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھاگئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے سو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہوجانے والوں سے محبت نہیں رکھتا پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے سو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہوجاؤں، پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے سو جب وہ غروب ہوگیا آپ نے فرمایا اے میری قوم بے شک میں تمہارے شرک سے بے زار ہوں۔

تفسیری نکات

مراۃ خداوندی

مشہور تفسیر تو یہ ہے کہ یہ ارخاء عنان بطور الزام ہے کہ ستاروں کو دیکھ کر فرمایا ہاں بھائی ہاں تو یہ خدا ہے پھر جب وہ غروب ہوگئے تو ان کے نقائص کو ظاہر کر کے توحید کو ثابت کیا کہ خدا بھی کوئی ایسا ہوتا ہے کہ کبھی عالی کبھی سافل

مگر ہمارے حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ ابراہیمؑ کو کوکب میں اول ظاہر پر نظر پڑی اس کی نسبت فرمایا ھذا ربی پھر مظہر کی طرف التفات ہوا اس کی نسبت فرمایا لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ مطلب یہ تھا کہ اس کوکب کے اندر جو مجھے نظر آرہا ہے وہ میرا خدا ہے اور تم جو کوکب کی پرستش کرتے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔

غرض عارفین مخلوق کو مراۃ سمجھتے ہیں۔ سو دوسرے لوگ تو اول مراۃ کو دیکھتے ہیں اور عارفین اول مراۃ کے اندر محبوب کو دیکھتے ہیں تبعاً مراۃ پر بھی نظر پڑ جاتی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

عاقل اور حقیقت شناس ابراہیمی المشرب لوگ ہیں یعنی اہل ایمان میں کہ وہ متبع ہیں ابراہیم علیہ السلام کے چنانچہ خود حضور کو ارشاد ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کیجئے اور ابراہیم علیہ السلام کا مشرب یہ تھا کہ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا جب رات ہوئی ایک ستارہ کو دیکھا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ تو کہا کہ میں نے فرض کیا کہ یہ رب ہے یہ بطور مجازات خصم کے فرمایا فَلَمَّآ اَفَلَ جب وہ چھپ گیا قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ وہ خدا کیسا جس کو زوال ہو میں ایسے خدا کو پسند نہیں کرتا۔ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ جب چاند کو دیکھا تو کہا فرض کرو۔ شاید یہ رب ہو۔ فَلَمَّآ اَفَلَ جب وہ بھی ڈھل گیا قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ۝ معلوم ہوا یہ بھی خدا نہیں فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ جب سورج کو دیکھا تو کہا یہ سب سے بڑا ہے۔ اگر اس کی خدائی باطل کر دی تو سب کو پکڑ لیا فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝ حضرت اسی طرح ہر مومن کی نظر مصداق اس قول کا ہے۔ اول ما آخر ہر منتہی است۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ
فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ
مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ
وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝

ترجمہ: اور اسی نے اتارا آسمانوں سے پانی پھر نکالی ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز پھر نکالی اس میں سے سبز کھیتی جس سے ہم نکالتے ہیں دانے ایک پر ایک چڑھا ہوا اور کھجور کے گابھے میں سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے اور باغ انگور کے اور زیتون کے اور انار کے آپس میں ملتے جلتے ہیں جدا جدا بھی دیکھو ہر ایک درخت کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور اس کے پکنے کو ان چیزوں میں نشانیاں ہیں۔ واسطے ایمان والوں کے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

تقسیم مال وعقل میں حکمت خداوندی

پس حق تعالیٰ کی یہ تقسیم عین حکمت ہے کہ اہل عقل کو مال کم کر دیا اور کم عقلوں کو مالدار بنا دیا۔ کیونکہ کم عقل جب اتنی بڑی دولت سے محروم ہیں تو کیا وہ چند روز دنیا میں بھی بہار نہ دیکھیں پس قارون کے خیال کی غلطی آپ کو معلوم ہوگئی کہ اس نے مال و دولت کو اپنی سعی سے پیدا کیا ہوا سمجھا' حالانکہ نہ یہ سعی پر ہے نہ علم و سلیقہ پر بلکہ خدا کی عطاء پر ہے اور نقد میں تو کسب کے سبب کچھ دعویٰ کا بھی ہے زمین کی پیداوار کو تو عام طور پر کوئی بھی اپنا پیدا کیا ہوا نہیں سمجھتا۔ اس کے اسباب تو ظاہراً بھی غیر اختیاری ہیں۔

حقوق اللہ

اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو چیز ہماری دی ہوئی ہماری پیدا کی ہوئی ہے اس کو ہمارے نام پر خرچ کرتے ہوئے کیوں جان نکلتی ہے۔

اس کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ مجموعہ کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ کیونکہ زیتون اور انار کے پتے تو یکساں ہیں مگر پھل مختلف ہیں اور بعض کا یہ قول ہے کہ یہ ہر واحد کے اعتبار سے فرمایا کہ زیتون زیتون میں بھی تشابہ اور اختلاف ہوتا ہے اور انار انار میں بھی اس کے بعد ارشاد ہے کہ جب پھل آجائے تو اس کو کھاؤ کام میں لاؤ اور اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرو پھل کاٹنے کے وقت' کیونکہ جب سب کچھ خدا کا پیدا کیا ہوا ہے تو پھر اس کے نام پر خرچ کرتے ہوئے کیوں جان نکلتی ہے۔

ارے بے وقوف اگر یہ کھیتی اور پھل پیدا ہی نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ اس وقت تم اپنے گھر میں کیا لے آتے؟ ابھی کا قصہ ہے کہ ایک گاؤں میں آگ لگ گئی تو ساری کھیتی جل کر خاک سیاہ ہوگئی۔ اسی لئے اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝

(بتلاؤ جو کھیتی کرتے ہو کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس کو (جلا پھونک کر سکھا کر) ریزہ ریزہ کر دیں پھر حیرت زدہ ہو کر کہنے لگو کہ اب کے تو بڑے خسارے میں رہے بلکہ محروم ہی رہ گئے)

واقعی آدمی کیا کر سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں' خصوصاً زراعت میں کہ اس کا معاملہ تو بالکل توکل پر ہے آدمی روپیہ جمع کر سکتا ہے بیج کا انتظام کر سکتا ہے بالدی کیرے لگا سکتا ہے مگر ٹڈیوں کا کیا انتظام کر سکتا ہے۔ پالے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور اولے کا کیا بندوبست کرسکتا ہے اسی طرح باغ کا کہ کبھی اندھا ہو جاتا ہے اس کا کیا انتظام کرسکتا ہے غرض کھیت اور باغ کا معاملہ اور مدار بالکل توکل پر ہے اگر تم خدا کے حق میں کوتاہی کرو گے تو ڈرتے رہو کہیں خدا تعالیٰ بھی تمہارے حق میں کمی نہ کردیں اور جو کچھ صدقہ زکوٰۃ تم دیتے ہو وہ تو مجازاً خدا کا حق کہلاتا ہے ورنہ حقیقت میں وہ تمہارے ہی نفع کے واسطے مقرر کیا گیا ہے تاکہ دنیا میں تمہارے مال میں برکت ہو اور آخرت میں ثواب ملے۔ قرآن کریم میں ایک واقعہ بھی ایسے لوگوں کا مذکور ہے۔ جو خدا کا حق ادا کرنے میں جان چراتے تھے۔

عشر ادا نہ کرنے کا عبرتناک واقعہ

قصہ یہ ہے کہ ایک شخص کھیتی باڑی اور باغ والا تھا۔ اس کی یہ عادت تھی کہ جب کھیت کاٹتا یا باغ کا پھل توڑتا تو غریبوں کے واسطے ایک حصہ الگ کر دیتا جو اللہ واسطے تقسیم کیا جاتا جب غریبوں کو اس کی یہ عادت معلوم ہوگئی تو وقت پر خود ہی اس کے کھیت اور باغ پر جمع ہو جاتے اور وہ خوشی کے ساتھ ان کا حق نکال کر دے دیتا۔ ایک عرصہ بعد اس کا انتقال ہوگیا تو اس کے بیٹوں نے کہا کہ ہمارا باپ بے وقوف تھا جو مسکینوں کو اپنی محنت کی پیداوار میں سے ایک معقول حصہ دے دیا کرتا تھا ہم ایسا نہیں کریں گے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ ہم تو محنت کریں مشقت کریں اور بڑی مصیبت کے بعد محنت کا پھل دیکھیں اور یہ غریب لوگ بیٹھے بٹھائے ہمارے مال میں حق دار بن جائیں۔

مگر اس زمانہ میں کچھ آنکھ میں شرم و لحاظ بہت تھا اس لئے ان لڑکوں کو یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ اگر غرباء حسب عادت جمع ہو گئے منہ توڑ کے جواب دینا بھی ممکن نہیں اس لئے کوئی ایسی صورت اختیار کرنا چاہئے کہ غریبوں کے آنے سے پہلے ہی باغ اور کھیت کے کاٹنے سے فراغت ہو جائے۔ بالآخر یہ طے پایا کہ صبح کو سویرے چلیں گے تاکہ غریبوں کے آنے سے پہلے خفیہ طور پر غلہ کاٹ کر لے آئیں اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا مگر ایک لڑکے نے اختلاف کیا اس نے کہا کہ باپ کے طریقہ کو نہ بدلنا چاہئے کیونکہ غرباء کو خیرات دینے سے اپنا ہی بھلا ہے اور اس سے کچھ کمی نہیں آتی آخر ہمارا باپ بھی تو خیرات ہمیشہ کرتا رہا اور کبھی اس کو پریشانی کا سامنا نہیں ہوا لیکن اس ایک کی رائے نہ چلی کثرت رائے پر یہی فیصلہ ہوا کہ سویرے چل کر غریبوں کے آنے سے پہلے باغ اور کھیت کاٹ لینا چاہئے یہ رائے طے کر کے چلے مگر وہاں یہ معاملہ ہوا کہ نیت بدلتے ہی خدا تعالیٰ کا معاملہ بدل گیا اور راتوں رات باغ اور کھیت پر عذاب نازل ہوا کہ ایک آگ آئی اور ساری کھیت اور باغات کو جلا پھونک کر رکھ گئی۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے اور باغ اور کھیت کو جلا ہوا پایا تو اول تو خیال کیا شاید راستہ بھول کر کسی دوسرے کھیت پر آ گئے ہمارا کھیت یہ نہیں ہے مگر جب صبح کی روشنی پھیل گئی تو معلوم ہوا کہ اپنا ہی کھیت اور اپنا ہی باغ ہے مگر جلا ہوا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اب کہنے لگے کہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی پھر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہ تیری برائی کا نتیجہ ہے۔ دوسری نے کہا تیرے مشورہ کا ثمرہ ہے۔ اب وہ لڑکا بولا جس نے اس تدبیر سے مخالفت کی تھی اور کہنے لگا کہ آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے سے کیا نفع' اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو تو امید ہے کہ خدا اس سے بہتر کھیت اور باغ ہم کو دے دے۔ اب سب نے توبہ کی اور آئندہ کے لئے باپ کے طریقہ پر چلنے کا عہد کیا تو دفعتاً سارا باغ کھیت ہرا بھرا ہو گیا۔

صاحبو! صدقہ خیرات سے مال کم نہیں ہوتا۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کنواں کہ اگر اس میں سے پانی نکلتا رہے بھرائی ہوتی رہے تو پانی کی آمد ہوتی رہتی ہے اور اگر بھرائی نہ ہو تو کچھ دنوں کے بعد سوت بند ہو جاتا اور کنواں سوکھ جاتا ہے۔

اسراف کی حقیقت

اب میں ایک جملہ نہی کی تفسیر عرض کر کے وعظ ختم کرنا چاہتا ہوں تا کہ لطف کامل ہو جائے وہ جملہ یہ ہے وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝

یہ جملہ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ سے متصل ہے ترجمہ یہ ہے کہ (اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) ترجمہ تو سب کی سمجھ میں آ گیا ہو گا مگر قابل غور یہ ہے کہ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ سے اس کا کیا ربط ہے۔

عام طور پر مفسرین نے فرمایا ہے کہ ربط یہ ہے کہ اوپر حکم ہے فقراء کو دینے کا' اس جملہ میں یہ فرمایا گیا ہے فقراء کو اتنا نہ دو کہ اپنا بھی خیال نہ رکھو بلکہ کچھ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے واسطے بھی بچالو' اگر ایسا نہ کرو گے بلکہ سب خیرات کر دو گے تو یہ اسراف ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ مسرفین کو پسند نہیں کرتے۔

میں اس تفسیر کی صحت میں کلام نہیں کرتا' واقعی یہ مسئلہ صحیح ہے کہ بعض دفعہ فقراء کو زیادہ دے دینا یا کل پیداوار دے دینا اسراف میں داخل ہوتا ہے۔ جبکہ دینے والے میں قوت توکل کامل نہ ہو اور پریشانی کا اندیشہ ہو مگر یہ حکم کلی نہیں کہ ہر شخص کے لئے کل مال کا خیرات کرنا اسراف میں داخل ہو کیونکہ حدیث سے حضرت صدیق کا واقعہ ثابت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ اپنا کل مال خیرات کر دیا اور حضور ﷺ نے ان کی مدح فرمائی: جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سارا مال خیرات کر دینا علی الاطلاق اسراف نہیں پس جو ربط مفسرین نے عموماً بیان کیا ہے۔ وہ بعض صورتوں میں تو ترجیح ہے مگر بعض صورتوں پر منطبق نہیں دوسرے خود نص میں موجود ہے۔ ومن تطوع خیراً فھو خیر لہ' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حد معین سے زیادہ خیرات کرنا مطلقاً مذموم نہیں اس لئے میں ان دو جملوں میں دوسرا ربط بیان کرتا ہوں جو عام تفسیر سے الطف ہے اور ان شاء اللہ قواعد سے صحیح ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ربط ماسبق

میرے نزدیک ربط یہ ہے کہ جملہ امر میں تو فقراء کے حق ادا کرنے کا امر ہے اور جملہ نہی میں فقراء کا حق کھا جانے کی ممانعت ہے۔ (واقعی حضرت حکیم الامت بیان کرنے کے امام ہیں حضرت کو ایسا ربط القاء ہوتا ہے جو کتابوں میں تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتا۔ اور خوبی یہ ہے کہ بے تکلف ربط ارشاد فرماتے ہیں جو دل کو لگ جائے وهذا من ايات ذوقه في القرآن فلله در' حاصل یہ ہوا کہ پیداوار میں سے فقراء کا حق ادا کرو اور سارا کا سارا خود ہی نہ کھا جاؤ کہ مسکینوں کا حق بھی کھا لو کہ یہ اسراف ہے اور حق تعالیٰ مسرفین کو پسند نہیں فرماتے اور یہ اسراف اس لئے ہے کہ اس میں حد شرعی سے تجاوز ہے اور اسراف کی حقیقت یہی ہے تجاوز عن الحد' پس مطلب یہ ہوا کہ مساکین کا حق ادا کرو اور اتنا نہ کھاؤ کہ مسکینوں کا حق بھی نہ بچے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جملہ نہی میں زیادہ خیرات کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ زیادہ کھا جانے کی ممانعت ہے۔ اور اسراف جیسے انفاق میں ہوتا ہے اکل میں بھی ہوتا ہے چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے كلوا واشربوا ولا تسرفوا۔ اور ایک آیت میں دوسرے کا مال کھا جانے کو خصوصیت کے ساتھ اسراف فرمایا ہے وَلَا تَأْكُلُوهَآ إِسْرَافًا وَّبِدَارًا أَن يَكْبَرُوا۔ اور گو عرف میں دوسرے کا حق نہ دینا اور خود ہی سارا مال کھا جانا اسراف نہیں کہلاتا بلکہ اس کو بخل کہتے ہیں مگر لغۃ و شرعاً یہ بھی اسراف ہی کا فرد ہے اور عرفی بخل کو اسراف سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ نفس انسانی کو مال سے محبت زیادہ ہے اس لئے اس کو اسراف کی مذمت زیادہ معلوم ہے بخل کی مذمت اس کی نظر میں زیادہ نہیں' اس لئے حق تعالیٰ نے بخل کو بھی اسی عنوان سے بیان فرمایا جس سے نفس انسانی کو کراہت زیادہ ہے۔ اس لئے میرے خیال میں یہ تفسیر الطف ہے امید ہے کہ اہل علم اس سے محظوظ ہوں گے (سبحان اللہ یہ ربط تو سنا نہ کتابوں میں دیکھا عجیب بے تکلف ربط ہے۔ جس سے آیت کی تفسیر بالکل آئینہ ہوگئی)

ادراک کی قسمیں

فرمایا آیت لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار سے جو معتزلہ نے استدلال کیا ہے اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ ادراک بالکنہ نہیں ہوتا ایک یہ کہ ادراک دو قسم ہے ایک یہ کہ رائی مرئی تک چلا وے۔ دوسرے یہ کہ مرئی رائی کے قریب آ جاوے آیت میں پہلی قسم کی نفی ہے اور دعویٰ دوسری کے ثبوت کا ہے۔ اور آیت کا آخری حصہ اس کے نہایت مناسب ہے کیونکہ آخری حصہ ہے وهو اللطيف الخبير فرمایا ہے پس لطیف لا تدركه الابصار کے مناسب ہے اور خبیر یدرک الابصار کے مطابق ہے۔ (الکلام الحسن جلد ۱ صفحہ ۸۵)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝

ترجمہ: اور تم برا نہ کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا پس وہ برا کہنے لگیں اللہ کو بے ادبی سے بدوں سمجھے اسی طرح ہم نے مزین کر دیا ہر ایک فرقہ کی نظر میں ان کے اعمال کو پھر ان سب کو اپنے رب کے پاس پہنچنا ہے تب وہ جتلا دے گا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے۔

تفسیری نکات

سبب معصیت ممنوع ہے

دیکھئے بتوں کی برائی کرنا مباح بلکہ طاعت ہے تاکہ لوگوں کو ان سے نفرت ہو مگر جب احتمال اس کا ہو کہ یہ سبب ہو جائے گا اللہ تعالیٰ کو برا کہنے کا اس حالت میں منہی عنہ ہے یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ جو مباح بلکہ مندوب بھی سبب ہو جاوے گا معصیت کا وہ بھی معصیت ہے اس سے زیادہ کون سی دلیل ہوگی کہ سب اصنام عین طاعت تھا اور وہ ممنوع ہو گیا۔ اور حدیث لیجئے حدیث میں ہے کہ جناب رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے برا وہ شخص ہے جو اپنے ماں باپ کو گالی دے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ماں باپ کو کون گالی دیا کرتا ہے۔ فرمایا کہ یہ کسی کے ماں باپ کو گالی دے اور وہ اس کے ماں باپ کو گالی دے معلوم ہوا کہ جو فعل سبب معصیت کا ہو وہ بھی اسی کے حکم میں ہے یہاں کوئی طالب علم شبہ نہ کرے کہ اس حدیث سے اس مسئلہ پر تو استدلال جب ہو سکتا جبکہ وہ فعل مباح ہو اور حدیث میں تو کسی کے ماں باپ کو گالیاں دینا ہے جو خود بھی معصیت ہے بات یہ ہے کہ میرا مطلب قاعدہ کو ثابت کرنا ہے اور قاعدہ کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ معصیت کا سبب من حیث السبب معصیت ہے خواہ پہلے سے مباح ہو یا معصیت اس سے بحث نہیں علاوہ اس حدیث و آیت کے اگر میں غور کروں تو بہت احادیث و آیات اس مدعا پر ملیں گی غرض قرآن سے حدیث سے فقہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا کَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ○

ترجمہ: تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ بلاشبہ جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو ان کے کیے کی سزا عنقریب ملے گی۔

تفسیری نکات

گناہ کی دو قسمیں

پس اس میں یہ بات بھی بتلا دی کہ بڑی بات یہ ہے کہ گناہ کو چھوڑا جائے اور سب کو چھوڑا جائے اور یہ بھی بتلا دیا کہ گناہ دو قسم کے ہیں ظاہری اور باطنی یعنی جوارح کے متعلق بھی اور قلب کے متعلق بھی گناہ کی فہرست تو بہت بڑی ہے مگر میں مثال کے طور پر مختصراً کہتا ہوں کہ مثلاً آنکھ کا گناہ ہے کسی نامحرم کو دیکھنا امرد کو دیکھنا یا اجنبی کا ایسا بدن دیکھنا کہ اس کا دیکھنا شرعاً ناجائز ہے جیسے عورت کے سر کے بال اور یہ مسئلہ عورتوں کو بھی بتلانا چاہئے کیونکہ وہ اس میں بہت مبتلا ہیں ایک گناہ آنکھ کا یہ ہے کہ کسی کی چیز دیکھ کر حرص کرے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (ہرگز مت اٹھاؤ اپنی آنکھوں کو اس چیز کی طرف جو ہم نے کفار کو ان کی آزمائش کے لئے نفع کے واسطے دی ہیں یعنی دنیا کی رونق وغیرہ) اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ مال حاصل نہ کرو بلکہ مطلب یہی ہے کہ مال کو قبلہ و کعبہ نہ بناؤ کہ اس کی بدولت دین ہی ہاتھ سے جاتا رہے اسی طرح زبان کا گناہ چغل خوری ہے غیبت ہے جھوٹ بولنا ہے آج کل کوئی بھی اس سے بچا ہوا نہیں الا ماشاء اللہ اس کا علاج یہ ہے کہ جو کچھ بولو سوچ کر بولو کہ میں کیا کہوں گا اور وہ بات خلاف مرضی حق تو نہ ہوگی پھر ان شاء اللہ تعالیٰ زبان کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔ کان کا گناہ یہ ہے کہ چھپ چھپ کر کسی کی بات سنے گانا سنے ہاتھ کا گناہ یہ ہے کہ کسی نامحرم کو چھوئے کوئی ناجائز مضمون لکھے پیر کا گناہ یہ ہے کہ کسی ناجائز موقع پر چلا جائے اور ایک پیٹ کا گناہ ہے کہ بہت ہی کم لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روزی حلال مل ہی نہیں سکتی جب حلال نہیں مل سکتی تو حرام حلال سب برابر پھر کہاں تک بچیں صاحبو! یہ گمان بالکل غلط ہے جس کو فقہ حلال کہہ دے وہ بلا شبہ حلال ہے وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں ظاہری گناہ اور باطنی گناہ ظاہر گناہ کی تفسیر یہ ہے کہ جو محسوس ہو دوسروں کو اور باطنی گناہ وہ ہے جو دوسروں کو محسوس نہ ہو پس معلوم ہوا کہ یہ جو ظاہر گناہ ہیں صرف یہی گناہ نہیں ہیں بلکہ اور بھی گناہ ہیں جو محسوس نہیں اور یہ جو محسوس گناہ ہیں ظاہر کے یہ محسوس کیوں ہیں' محسوس اس لئے ہیں کہ ان کا محل محسوس ہے یعنی ہاتھ پاؤں آنکھ زبان وغیرہ ان جوارح سے جو گناہ ہوتے ہیں چونکہ یہ جوارح محسوس ہیں اس واسطے ان کے افعال بھی محسوس ہوتے ہیں۔ اور باطنی گناہ ایسے محل کے ہیں جو خود محسوس نہیں اس لئے وہ بھی غیر محسوس ہیں۔ وہ محل کون ہے وہ محل ہے قلب اور نفس تو معلوم ہوا کہ بعضے گناہ قلب اور نفس کے بھی ہیں۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو تنگ بہت تنگ کر دیتے ہیں جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتا ہے اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے ان آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا۔

تفسیری نکات

صراط مستقیم فقط اسلام ہے

پہلی آیت میں تو اسلام کا لفظ ہی موجود ہے اور دوسری آیت میں اسلام کا لقب صراط مستقیم ہے اور تیسری آیت میں ثمرہ مذکور ہے۔ پہلی آیت فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ میں صریح لفظ اسلام موجود ہے اور دوسری آیت هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا میں حذا اسم اشارہ ہے اس کے لئے مشار الیہ چاہئے وہ مشار الیہ یہاں سوائے اسلام کے کچھ نہیں جس سے معلوم ہوا کہ جو اسلام ہے وہی صراط مستقیم ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حاصل آیت

تیسری آیت لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ میں تفریع کے طور پر یہ نتیجہ بیان کیا گیا اس میں ضمیریں جمع کی ہیں جو راجع ہیں من کی طرف 'من' گو لفظ مفرد ہے مگر معنی جمع ہیں لہذا جمع کی ضمیر اس کی طرف پھیرنا جائز ہے جیسا کہ نحو جاننے والے سمجھتے ہوں گے حاصل آیت کا یہ ہوا کہ جس کو ہدایت کرنا حق تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اس کو اسلام کے متعلق شرح صدر دیتے ہیں اور دوسرے جملہ میں اس کا مقابل مذکور ہے کہ جس کو گمراہ کرنا مقصود ہوتا ہے اس کے دل کو تنگ کر دیتے ہیں۔

دار السلام کی عجیب وغریب تفسیر

تو اب دار السلام کو لیجئے کہ وہ گھر بنایا ہے آفات سے محفوظ ہونے کے لئے دار السلام کے معنی یہ ہوں گے کہ سلامت وحفظ عن الآفات کی صفت میں وہ کامل ہے اور پھر اس کے ساتھ یہ دیکھا جائے کہ وہ گھر بنایا کس نے ہے حق تعالیٰ نے جس کو تکمیل سے کوئی مانع نہیں کیونکہ مانع دو ہوتے ہیں علم نہ ہونا یا قدرت نہ ہونا اور وہاں ان میں سے کوئی بھی نہیں حق تعالیٰ کا علم بھی کامل اور قدرت بھی کامل پھر یہ کیسے خیال کیا جاتا ہے کہ جس گھر کو حق تعالیٰ نے سلامتی اور حفاظت عن الآفات کے لئے بنایا ہے اس میں کوئی بھی وہ چیز چھوٹ گئی ہوگی جس کو اس موضوع میں دخل ہو تو ثابت ہوا وہاں ہر قسم کی تکالیف سے حفاظت رہے گی کہ جو تکالیف اس وقت ہمارے خیال میں بھی ہو اور کبھی آئندہ ہو سکتی ہوں جس کا علم حق تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں وہ بھی نہیں ہیں۔

اصل مقصود یہ تھا کہ دنیا میں جب ادنی ثمرہ پر اکتفا نہیں کرتے تو وہاں کے ثمرات کے درجہ کامل کو کیوں نہیں طلب کرتے اور یہاں تو معطی کا کرم محدود ہوتا ہے اس لئے بعض اوقات زیادہ طلبی ناگوار ہونے لگتی ہے اور وہاں تو معطی وہ ذات ہے جس کا کرم غیر محدود ہے کما بھی کہ جتنا زیادہ لو خوش ہوتے ہیں وہ کیفاً بھی چنانچہ ایک کرم یہ بھی ہے کہ جہاں ثمرات کا وعدہ کیا ہے وہاں یہ بھی کہتے جاتے ہیں۔

اعمال کا صلہ

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً تا کہ بندہ شرمندہ نہ ہو چنانچہ خود اس آیات میں بھی جس کا بیان ہو رہا ہے وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور جابجا اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آخرت میں جو کچھ درجات اور نعمتیں ملیں گی وہ سب مومنین کے اعمال کا صلہ ہے یہ غایت کرم ہے کہ خود نعمتیں دیتے ہیں لیکن احسان جتلانا نہیں چاہتے ایسے موقع پر بھی کوئی چوک جائے تو بڑا ہی کم

(c) ketabton.com: The Digital Library

قسمت ہے سچ تو یہ ہے کہ ایسی جگہ تو لوٹ مچانی چاہئے قناعت چہ معنی الا یہ دار العمل ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ ثمرات کی سندیں ایک جگہ تیار کر کے رکھ دی ہیں اور اذن عام دے دیا ہے کہ جتنے چاہو لو اور ثمرات بے تعداد لوٹ لو پھر حیرت ہے کہ آدمی کیوں نہ لے اور کیوں بڑھ کر ہاتھ نہ مارے اور کیوں کامل درجہ کی کوشش نہ کرے ادنیٰ درجہ پر بس کر کے کیوں بیٹھ رہے یا اتنی ہمت کیوں ہارے کہ کچھ عذاب ہی بھگت کر جنت مل رہے گی۔ کامل درجہ کیوں نہ حاصل کرے۔ کہ جنت ابتداء اور بلا عذاب ملے یہ بیان ہوا لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس کے معنی ہیں کامل سلامتی کا گھر لفظ دار السلام ہی اس کمال پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ اول تو سلام مطلق ہے اور مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے پھر دار کے لفظ کو اس کی طرف مضاف کیا گیا ہے جو محاورہ کے اعتبار سے اسی معنی کو مفید ہے اور مراد اس سے جنت ہے جس کو حق تعالیٰ نے کامل امن کا گھر بنایا ہے وہاں خوف و خطر کا نام بھی نہیں آگے عند ربھم کو سمجھئے اس کے معنی ہیں ان کے رب کے پاس مراد اس سے فی الآخرۃ تو معنی یہ ہوئے کہ ان کو دار السلام ملے گا آخرت میں اس کو میں بیان کروں گا کہ عند ربھم سے مراد دار آخرت قرآن کے محاورات جاننے کی زیادہ ضرورت ہے۔ میں نے جس بناء پر اس کا ترجمہ دار آخرت کیا ہے وہ آگے بیان کروں گا پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ عند ربھم کا اطلاق متعدد معانی پر آتا ہے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

ترجمہ: اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور مت چلو اور راستوں پر کہ وہ تم کو جدا کر دیں گے اللہ کے راستے سے اور یہ حکم کر دیا ہے تم کو تا کہ تم بچتے رہو۔

تفسیری نکات

ترجمہ سے معلوم ہوا کہ راستے بہت ہیں جن میں ایک خدا کا بتلایا ہوا راستہ ہے اور دوسرے خود بندوں کے تراشے ہوئے ہیں پس ان سب رستوں میں ایک تو اتباع کے قابل ہوگا باقی سب ترک کے قابل لیکن یہ ضرور ہے کہ طریق الٰہی کو دوسرے طرق سے ممتاز اور جدا کرنے کے لئے کوئی معیار ہو جس سے ہم کو معلوم ہو سکے کہ فلاں راستہ خدا تعالیٰ کا بتلایا ہوا اور قابل اتباع ہے اس کے سوا دوسرے قابل ترک

جس طرح معاملات حکام و رعایا میں معیار تعیین و تصحیح کا قانون ہے اسی طرح طریق نجات کے لئے بھی معیار صحیح قانون الٰہی ہے جس کو وحی کہا جاتا ہے اور جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتے ہیں اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ

(c) ketabton.com: The Digital Library

الکتٰب وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کہ جو آپ پر وحی ہوا ہے اس کو پڑھئے تو خلاصہ دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ نکلا کہ جو وحی سے ثابت ہو وہ خدا تعالیٰ کا راستہ ہے اور هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا میں صراط کو جو اپنی طرف منسوب ومضاف فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ تک پہنچانے والا اور میرا بتلایا ہوا راستہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو راستہ خدا تک پہنچانے والا ہو گا وہ مستقیم ہی ہو گا مستقیما فرمایا اور مستقیم کے یہ معانی نہیں کہ کوئی خط مستقیم ہے نیز یہ بھی مقصود نہیں کہ خدا تعالیٰ کا بتلایا ہوا کوئی دوسرا غیر مستقیم راستہ بھی ہے۔ جس سے احتراز کرنے کو اس کی صفت مستقیم لائے ہوں بلکہ خدا تعالیٰ کا ایک ہی راستہ بتلایا ہوا ہے جو کہ مستقیم ہی ہے تو آج کل چونکہ لوگوں نے اس طریق کو معیار نہیں بنایا اس لئے بہت سے فرقے ہو گئے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ فرقوں سے مراد مسلمانوں کے فرقے ہیں۔

ترجمہ اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ 'کہ واقعی یہ میرا راستہ ہے ھذا کا اشارہ اوپر کے احکام کی طرف ہے۔ جو امہات احکام ہیں جو تمام دین کا خلاصہ ہیں مگر وہ تو اجمال بصورت تفصیل تھی اور یہ یعنی آیت اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا اجمال بعد تفصیل ہے۔

رفع اشکال

قبل ازیں کہ میں اس آیت کے عنوان میں طرز شفقت کو واضح کروں ایک اشکال کو رفع کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ شاید کسی ذہین کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ تو اس پر بھی قادر ہے کہ ہم کو بدوں ابتلاء بالا احکام کے جنت عطا فرما دیں اور شفقت کا مقتضیٰ بھی بظاہر یہی تھا کہ ابتلاء سے محفوظ رکھ کر ہم کو نجات عطا فرماتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک حق تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ بدوں ابتلاء وامتحان کے سب کچھ عطا فرما دیتے مگر وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ انسان کو ابتلاء وتکلیف کے بعد ہی دولت قرب عطا فرما دیتے ہیں۔ اور قرب ہی کا نام نجات ہے اور ہلاکت فراق وبعد کا نام ہے۔

شنیدہ ام سخن خوش کہ پیر کنعاں گفت ۔۔۔ فراق یار نہ آں می کند کہ بتواں گفت
حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر ۔۔۔ کنایتے ست کہ از روزگار ہجراں گفت

محبت کا اثر

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا کہ یہ میرا راستہ ہے سیدھا جس میں اس راستہ کو اپنی طرف اس لئے

(c) ketabton.com: The Digital Library

منسوب فرمایا کہ سننے والوں کو حظ آئے کہ یہ محبوب کا راستہ ہے اس عنوان سے سب کو اس کی طرف حرکت ہوگی خواہ اس اضافت کا یہ مطلب ہو کہ یہ راستہ میرا ایجاد کیا ہوا میرا بتلایا ہوا ہے یا یہ مطلب ہو کہ اس پر چل کر تم مجھ تک یعنی میری رضا تک پہنچ سکتے ہو خواہ کچھ ہی مطلب ہو مگر ہر حال میں محبت کا یہی اثر ہے کہ جب عاشق کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں کام کرنے سے محبوب مجھ سے راضی ہو جائے گا تو اس کو اس کام میں سب مشقتیں آسان ہو جاتی ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اگر محبوب کی تجویز رضا کا بھی علم نہ ہو مگر اس کا عمل ہو جاوے کہ وہ میرے مشقتوں کو دیکھ رہا ہے تب بھی یہی اثر ہوتا ہے چنانچہ ایک عاشق رسوائی عشق کی وجہ سے پٹ رہا تھا۔ اور ذرا اف نہ کرتا ننانوے کوڑوں کے بعد جو ایک کوڑا اور لگا تو آہ کی کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ ننانوے کوڑوں پر آہ نہ کی اخیر میں ایک کوڑے پر آہ کی کہا ننانوے کوڑوں تک تو محبوب میرے سامنے تھا میری حالت کو دیکھ رہا تھا کہ اس کی محبت میں مجھ پر یہ مصیبت آئی تو اس وقت تک مجھے مصیبت کا احساس ہی نہیں ہوا بلکہ میں یوں کہہ رہا تھا۔

کرم عشق تو ام می کشد غوغا ئیست ۔ تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

اس کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا تو اس وقت مجھے کلفت کا احساس ہوا جب اطلاع محبوب کے علم میں یہ اثر ہے تو رضا و تجویز محبوب کے علم میں تو کیا کچھ اثر ہوگا۔ اسی بناء پر جب یہاں بندوں کو یہ بتلایا گیا کہ یہ میرا راستہ ہے یعنی میری رضا کا راستہ ہے یا میرا تجویز کیا ہوا راستہ ہے یہ سن کر اس کی محبت کو حرکت ہوئی اور اب اس راستہ میں ان کو کوئی مشقت محسوس نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ سمجھیں گے کہ یہ کلفت محبوب کے راستہ میں ہے اور محبوب کے راستہ میں تو جان بھی جاتی رہے تو کچھ زیادہ نہیں تو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عنوان سے طریق کی گرانی کو کیسا پھولوں کا سا ہلکا کر دیا یہی وہ بات ہے جس کو میں نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت ہے اول تو دین کوئی نفسہ آسان کیا پھر نفس کی کشا کشی سے جو اس میں عارضی گرانی اور مشقت آ جاتی ہے نہ اس کو اس طرح دور کیا کہ اس آیت میں تمام دین کا خلاصہ ایسے عجیب عنوان سے بیان فرمایا ہے جس سے ساری مشقت دور ہو گئی کہ اس کو اپنا راستہ فرمایا اپنی طرف اس کی نسبت فرمائی اس کا لطف عشاق سے پوچھو کہ محبوب کے نام لگے کی کیسی محبت ہوتی ہے۔

بعض سنیاسیوں پر ذکر و شغل کا اثر

اَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا کو سن کر ایک دفعہ تو کافر کو بھی اس کی طرف حرکت ہوگی اور وہ اس راستہ پر چلنا چاہئے گا کیونکہ خدا سے محبت کافر کو بھی ہے چنانچہ میں دیکھتا ہوں اور آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ بعض سنیاسی ذکر و شغل کرتے ہیں اور لذائذ کو ترک کر دیتے ہیں اس کا منشاء وہی محبت ہے گو وہ غلط راستہ پر چل رہے ہیں اور یہاں سے ایک بات اور بتلاتا ہوں وہ یہ کہ کفار کو ذکر الٰہی سے گو آخرت میں کچھ نفع نہ ہو اور یہ ذکر وہاں

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان کے لئے نجات کا سبب نہ ہو مگر دنیا میں ان کو بھی کچھ مل جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ کہ وہ کسی اچھے کام کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں فرماتے بلکہ اگر ذاکر طالب آخرت ہے تو اس کو آخرت میں بھی اجر عطا فرماتے ہیں اور دنیا میں بھی طالب دنیا ہے تو اس کو دنیا میں کیفیات نفسانیہ ذوق وشوق وغیرہ عطا ہو جاتا ہے یہ اس کا اجر ہے۔

ترجمہ: یہ دین میرا سیدھا راستہ ہے سو اس پر چلو جو کہ مستقیم ہے دوسری راہوں پر مت چلو وہ تم کو اللہ کی راہوں سے جدا کر دیں گی۔

ضرورت تدبیر

یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے اس سے اوپر خدا تعالیٰ نے بعض احکام اعتقادیہ اور بعض احکام عملیہ بیان فرمائے ہیں ان کے بعد یہ جملہ ارشاد ہوا ہے ترجمہ اس کا یہ ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرا راستہ ہے جو سیدھا ہے اس کا اتباع کرو دوسرے طریقوں کا اتباع نہ کرو کہ وہ تم کو خدا کے راستہ سے دور کر دیں گے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ترجمہ: یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کے اوپر نازل کیا تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں۔

دوسری جگہ شکایت فرماتے ہیں۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں میں قفل لگ گیا ہے۔ یہ لوگ قرآن میں غور ہی نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ گئے ہیں کہ تدبر کی قدرت ہی نہیں رہی کیونکہ تدبر کرتے تو یہ حالت ہرگز نہ رہتی تدبر کا خاصہ ہے کہ اس سے رحمت کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں اور بغیر اس کے کچھ نہیں ہوتا' چنانچہ فرماتے ہیں۔

اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ○ یعنی کیا ہم ان کو زبردستی اپنی رحمت چمٹا دیں گے اگرچہ وہ کراہت کرتے ہیں۔

سو اس کی ہم کو کیا ضرورت ہے۔ کیا ہمارے یہاں اس کے رکھنے کی جگہ نہیں اگر ہزار بار چاہیں تو ہم بھی متوجہ ہوں گے اور تمہاری توجہ سے زیادہ متوجہ ہوں گے اور کام بھی ہماری ہی توجہ سے چلتا ہے۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی بچہ کو آپ لینا چاہیں اور لینے کو ہاتھ بڑھائیں تو اگر بچہ اپنی بساط کے بموجب دوڑے اور کوشش کرے اگرچہ گر ہی جائے تو آپ خود دوڑ کر اٹھا لیتے ہیں اور یہ مسافت آپ ہی کے بڑھ کر اٹھا لینے سے طے ہوتی ہے ورنہ اس بچے میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ خود مسافت کو طے کر سکے۔

اسی طرح خدا تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی طرف بلاتے ہیں اگر یہ بھی کچھ ہاتھ پیر ہلائے اور کوشش کرے تو اس جانب سے جذب ہوتا ہے اور اس جذب کی بدولت یہ وہاں پہنچتا ہے اور یہ فرلانگ دو فرلانگ کی مسافت تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

ممکن ہے کہ بچہ قطع کرے برخلاف اس بعد کے جو ممکن اور واجب میں ہے کہ اگر ادھر سے جذب نہ ہو تو کبھی یہ مسافت طے ہی نہیں ہو سکتی لیکن ادھر سے جذب ہونا آپ کی طلب پر موقوف ہے۔ جس کو افسوس ہے کہ آپ نے بالکل چھوڑ دیا ہے۔ وہ ہر وقت ہدایت دینے کو تیار ہیں مگر افسوس کہ ہم ہی قاصر ہیں اور وہ طلب بھی ہے کہ ہم تدبر کریں اور سوچ لیا کریں اس سے خدا تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہوتا ہے۔

ایک مشترک مرض

غرض خدا تعالیٰ اس مقام پر فرماتے ہیں وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ -- هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا میں عامل اشیر ہے جو کہ ھذا سے مفہوم ہے ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ میرے اس سیدھے راستہ کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو خدا کے راستہ سے جدا کر دیں گے۔ جن میں ایک خدا کا بتلایا ہوا راستہ ہے اور دوسرے خود بندوں کے تراشے ہوئے ہیں پس ان سب راستوں میں ایک تو یہ اتباع کے قابل ہو گا باقی سب ترک کے قابل لیکن یہ ضرور ہے کہ طریق الٰہی کو دوسرے طریق سے ممتاز اور جدا کرنے کے لئے کوئی معیار ہو جس سے ہم کو یہ بات معلوم ہو سکے کہ فلاں راستہ خدا کا بتلایا ہوا اور قابل اتباع ہے اور اس کے سوا دوسرے قابل ترک اگر غور کیا جائے تو اسی آیت کے پورے مضمون سے اس معیار کا پتہ چل جائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ اس معیار کو چھوڑ دینے ہی سے یہ ساری خرابیاں پیدا ہوئیں جن کی وجہ سے یہ حالت ہو گئی کہ بعض لوگوں کو یہ بھی پتہ نہیں چل سکتا کہ ہم نے طریق الٰہی کو چھوڑ دیا یا لئے ہوئے ہیں چنانچہ اس جزو آیت سے اوپر کا جزو اس کے ساتھ ملا جائے تو اس سے معلوم ہو جائے گا فرماتے ہیں قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے کہ آپ فرما دیجئے کہ آؤ میں تم کو احکام خداوندی بتلاؤں اور وہ فلاں اور فلاں ہیں اس ارتباط باہمی سے اس بات کا فیصلہ ہو گیا کہ معیار طریق خداوندی کے دوسرے طریق سے ممتاز ہو جانے کا یہ ہے کہ جس بات کو نبی کریم ﷺ فرمائیں اور پڑھ کر سنائیں اور طریق خداوندی ہو گا اور حضور جو کچھ فرمائیں وہ وحی ہوتا ہے تو خلاصہ یہ نکلا کہ وحی سے جو ثابت ہو وہ طریق الٰہی ہے تو وحی معیار ہوئی مختلف طریق کے ممتاز کرنے کی اور اسی پر دارومدار ہوا۔

اب میں اس مضمون کا انطباق آیت متلوہ پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو) یہ معنی معطوف ہے قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ (آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے) جو قل کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

تحت میں ہے تقدیر یہ ہوئی قُلْ تَعَالَوْا الخ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا الخ (آپ کہہ دیجئے یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے) اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ اس جگہ اِنَّ مکسورہ ہوتا کیونکہ قول کے تحت میں اِنَّ مکسورہ ہی آیا کرتا ہے اور ایک قراءت میں مکسورہ ہے بھی مگر ہماری قراءت میں اَنَّ مفتوحہ ہے جس کی وجہ صحت یہ ہے کہ اس قراءت میں یہاں اخبر (خبر دے دیجئے) مقدر ہے جس کے ملانے کے بعد لفظاً یہ قل کے اوپر معطوف ہے اس لئے منصوب ہو گیا گو معناً تعالیٰ پر عطف ہے ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ (لوگوں کو) بتلا دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے سیدھا اس کا اتباع کرو۔ هٰذَا سے مذکور سابق کی طرف اشارہ ہے اوپر تقریباً دس احکام اوامر ونواہی کا مجموعہ مذکور ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ
اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ
حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ
لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا

ترجمہ: آپ (ان سے) کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے وہ (چیزیں یہ ہیں ایک) یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ (پس شریک ٹھہرانا حرام ہوا) اور دوسرے یہ کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو (پس ان سے بری طرح رہنا حرام ہوا) اور (تیسرے یہ کہ) اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کیا کرو (زمانہ جاہلیت میں اس کی عادت تھی کہ اولاد کو زندہ درگور کر دیتے تھے (کیونکہ) ہم تم کو اور ان کو دونوں کو رزق (مقدر) دیں گے (وہ تمہارے رزق مقدر میں شریک نہیں ہیں پھر کیوں قتل کرتے ہوئے پس قتل کرنا حرام ہوا) اور (چوتھے یہ کہ) بے حیائی (یعنی بدکاری) کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ (پس زنا کرنا حرام ہوا) خواہ وہ علانیہ ہو یا پوشیدہ اور (پانچویں یہ کہ) جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق (شرعی) پر قتل جائز ہے مثلاً قصاص یا رجم میں پس قتل ناحق حرام ہوا اس سب کا تم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تاکہ تم (ان کو) سمجھو (اور سمجھ کر عمل کرو) اور (چھٹے یہ کہ) یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ (یعنی اس میں تصرف نہ کرو) مگر ایسے طریقے سے (تصرف کی اجازت ہے) جو شرعاً مستحسن ہے (مثلاً اس کے کام میں لگانا اس کی حفاظت کرنا اور بعض اولیاء واوصیاء کو اس میں یتیم کے لئے تجارت کرنے کی بھی اجازت ہے جس کا حکم فقہ میں مذکور ہے) یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جاوے (اس کے بعد اس کا مال اس کو دیدیا جائے گا بشرطیکہ سفید یعنی بے وقوف نہ ہو پس تصرف غیر مشروع مال یتیم میں حرام ہوا) اور ساتویں یہ کہ ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو

(c) ketabton.com: The Digital Library

انصاف کے ساتھ (کہ کسی کا حق اپنے پاس نہ رہے اور نہ آدے پس آپس میں دغا کرنا حرام ہوا اور آگے بتلاتے ہیں کہ یہ احکام کچھ دشوار نہیں جن پر عمل دشوار ہو کیونکہ) ہم (تو) کسی شخص کو اس کے امکان سے زیادہ (احکام کی) تکلیف نہیں دیتے (پھر ان احکام میں کوتاہی کی کیا وجہ) اور آٹھویں یہ کہ جب تم (فیصلہ یا شہادت وغیرہ کے متعلق) کوئی بات کیا کرو تو (اس میں) انصاف (کا خیال) رکھا کرو گو وہ شخص (جس کے مقابلہ میں وہ بات کہہ رہے ہو) قرابت داری ہو (پس خلاف عدل حرام ہوا) اور (نویں یہ کہ) اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو جیسے قسم یا نذر اس کو پورا کیا کرو (بشرطیکہ وہ نذر و قسم خلاف شرع نہ ہو پس اس کا عدم ایفاء حرام ہوا) اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس کا اتباع کرو پس اس کا عدم ایفاء حرام ہوا) اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس کا اتباع کرو پس گو ھذا کا مرجع یہ امور مذکورہ ہیں لیکن یہ اشارہ علی سبیل التخصیص نہیں بلکہ علی سبیل التعمیم ہے یعنی وہ دین جس کے یہ احکام بطور نمونہ کے ہیں سب کا سب واجب الاتباع ہے اور اشارہ میں تعمیم کی وجہ ظاہر ہے کہ وجوب اتباع کچھ انہی احکام میں منحصر نہیں اور نہ حضور ﷺ کا راستہ انہی کے ساتھ مخصوص ہے پس ھذا کے بعد صراطی فرمانا خود تعمیم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس صراط کا دیگر احکام پر مشتمل ہونا سب کو معلوم ہے خود قرآن میں ان کے علاوہ اور بہت سے احکام مذکور ہیں اور احادیث میں بہت سے احکام موجود ہیں پس مطلب یہ ہوا کہ لوگوں سے بھی کہہ دیجئے کہ کچھ انہی احکام کی تخصیص نہیں بلکہ دین اسلام اور اس کے سب احکام جن میں سے بعض اوپر مذکور ہوئے ہیں میرا سیدھا راستہ ہے اس کا اتباع کرو پس ہذا سے حقیقت میں دین اسلام کی طرف اشارہ ہے جو احکام مذکورہ کے ضمن میں اجمالاً مفہوم ہو چکا ہے اور ان احکام تسعہ مذکورہ کے ذکر کے بعد ھذا سے مجموعہ دین کی طرف اشارہ کی وجہ صحت یہ بھی ہے کہ یہ احکام مذکورہ گو ظاہر میں چند احکام ہیں مگر حقیقت میں یہ سارے اسلام کا خلاصہ ہے کیونکہ ان میں عقائد ومعاملات ومعاشرات وعبادات کے مہتم بالشان امور سب مذکور ہیں اور اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ یہ احکام سب محکوم ہیں جو کسی شریعت میں کبھی منسوخ نہیں ہوئے اس طرح یہ گویا تمام شریعت کا خلاصہ ہے پھر اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا (یہ دین میرا راستہ ہے) میں صراحۃً تعمیم کر دی گئی جس سے بقیہ احکام غیر محکمہ بھی اجمالاً سب مذکور ہو گئے اور صراطی میں ضمیر متکلم کا مرجع حق تعالیٰ نہیں ہیں بلکہ حضور ﷺ ہیں کیونکہ یہاں حضور ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ یہ آیت معنی تعالو پر معطوف ہے جو قل کے تحت میں ہے اور لفظاً یہاں اخبر محذوف ہے پس خطاب قل وخبر (آپ کہہ دیں اور خبر دیدیں) کے بعد ضمیر متکلم کا مرجع قائل ہی ہو سکتا ہے اور قائل حضور ﷺ ہیں تو اس ضمیر کا مرجع بھی آپ ہی ہیں چنانچہ اس کی نظیر دوسری جگہ بھی مذکور ہے کہ وہاں بھی دین اسلام کو حضور ﷺ کا راستہ کہا گیا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

صراط الرسول علیہ وسلم صلی اللہ دراصل صراط اللہ ہے

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ (آپ فرمادیجئے یہ میرا طریق ہے میں خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم ہوں میں بھی اور میرے ساتھ والے بھی) اور اسلام کو حضور علیہ ﷺ کا راستہ کہنا بطور دعوت کے ہے کہ آپ اس طریق کے داعی ہیں ورنہ حقیقت میں یہ صراط اللہ ہے چنانچہ بعض جگہ حقیقت کے موافق ارشاد ہے۔ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ (اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کررہے ہیں یعنی اس خدا کے راستہ کی کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) اس پر یہ سوال وارد ہوگا کہ جب حقیقت میں یہ صراط اللہ ہے تو پھر ہر جگہ حقیقت کے موافق کلام کیوں نہ فرمایا بعض جگہ مجازاً اس کو صراط رسول علیہ ﷺ اور بعض جگہ حقیقت کے موافق صراط اللہ کیوں فرمایا تو جواب اس کا یہ ہے کہ بعض جگہ حضور علیہ ﷺ کی طرف اس صراط کو اس لئے مضاف کردیا گیا تا کہ سامعین کو اس پر عمل کرنے کی ہمت ہو اور وہ سمجھ لیں کہ ہم اس راستہ کو طے کرسکتے ہیں اگر پہلے ہی یہ فرمادیا جاتا کہ یہ خدا کا راستہ ہے اس پر چلو تو لوگ یہ سن کر گھبرا جاتے۔

تفسیری نکتہ

ایک بات یہاں اور قابل توجہ ہے وہ یہ کہ پہلے تو صراطی میں ضمیر متکلم کا مرجع حضور علیہ ﷺ تھے جس میں اس راستہ کی طرف اضافت حضور علیہ ﷺ کی طرف تھی اور یہاں عن سبیلہ بضمیر غائب فرمایا گیا ہے اس کا مرجع حق تعالیٰ ہیں حضور علیہ ﷺ نہیں ہیں ورنہ سبیلی بیاء متکلم فرماتے سو اس کی توجیہ کی اس لئے کوئی ضرورت نہیں کہ یہ اضافت تو حقیقت کے موافق ہے۔ توجیہ کی ضرورت تو صراطی میں تھی جس کا نکتہ میں بیان کرچکا ہوں اس کے بعد ارشاد ہے

وَصّٰكُمْ کا مفہوم

ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اس کی خدا تعالیٰ نے تم کو وصیت فرمائی ہے تا کہ تم تقوی حاصل کرسکو وصیت کرنے سے مراد تاکیدی حکم دینا ہے کیونکہ وصیت اصل میں اس بات کو کہتے ہیں جو انسان اپنے مرنے کے وقت عزیزوں اور وارثوں سے کہا کرتا ہے چونکہ وہ انسان کا آخری وقت ہوتا ہے اس لئے اس وقت جو بات کہتا ہے وہ خاص ضرورت کی باتیں ہوتی ہیں جن کی تعمیل کو وہ بہت مؤکد و لازم کیا کرتا ہے چونکہ حق تعالیٰ عدم وفنا سے پاک ہیں اس لئے یہاں پر وصیت کے معنی متعارف تو ہو نہیں سکتے بلکہ اس کا لازم مراد ہے یعنی حکم تاکیدی

(c) ketabton.com: The Digital Library

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ یہ نتیجہ ہے اتباع صراط مذکور کا مطلب یہ ہے کہ تم اس راستہ پر چلو تو امید ہے کہ تم کو وصال مقصود حاصل ہو جائے گا اس طرح سے تم نجات آخرت سے کامیاب ہو جاؤ گے کیونکہ تقوی کے معنے لغت میں بچنے کے ہیں تو حاصل یہ ہوا کہ تم عذاب سے بچے رہو گے۔

خلاصہ نجات

اور یہی خلاصہ ہے نجات کا اور شریعت کی اصطلاح میں تقوی کمال دین کو کہتے ہیں چنانچہ موارد نصوص میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔ اس تفسیر پر مطلب یہ ہوا کہ اس راستہ پر چلنے سے تم کو کمال دین حاصل ہو جائے گا اور یہی حاصل ہے مقصود پر پہنچنے اور منزل پر وصول ہو جانے کا اس کے بعد میں اس آیت کو مضمون پر منطبق کرنا چاہتا ہوں گو اس تفصیل کے بعد تقریر انطباق کی ضرورت نہیں رہی مگر میں تبرعاً اس کو بھی بیان کئے دیتا ہوں تا کہ پوری تسلی ہو جائے کہ آیت مضمون مقصود پر بسہولت منطبق ہے سو اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ھذا صراطی سے دین اسلام کی طرف اشارہ ہے اور اسلام گو لغتہ ہے مجموعہ اعمال کا اور عقائد اس میں مجازاً داخل ہیں اور حقیقۃً عقائد ایمان کا مدلول ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ایمان فعل قلب ہے اور اسلام فعل جوارح اور یہ اصطلاح لغوی ہے کیونکہ ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں جو اولاً بالذات قلب سے صادر ہوتی ہے اور اسلام کے معانی گردن نہادن بطاعت ہیں جس کا محل جوارح ہیں اور بعض نصوص میں بھی اسلام و ایمان کا اطلاق اس حقیقت کے موافق وارد ہے۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لائے آپ کہہ دیجئے تم ایمان نہیں لائے لیکن یہ کہو کہ ہم اسلام لائے) لیکن یہ حقیقت لغویہ ہے اصطلاح شرعی میں اسلام نام ہے۔ مجموعہ عقائد و اعمال کا اور ایمان نام ہے مجموعہ عقائد کا تو شرعاً اسلام عام ہے اور ایمان خاص اور یہاں پر ھذا صراطی سے جو اسلام کی طرف اشارہ ہے اس سے یہی اسلام شرعی مراد ہے جو عقائد و اعمال سب کو شامل ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ اوپر قل تعالوا (آپ کہیے کہ آؤ) میں عقائد و اعمال دونوں کا ذکر ہے اس کے بعد وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا (یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے) فرمایا گیا ہے تو اس میں مجموعہ عقائد و اعمال کی طرف اشارہ ہونا مناسب ہے اور ان اعمال و عقائد کو جو صراط فرمایا گیا تو تخصیص ان ہی اعمال و عقائد کی مقصود نہیں یہ تو بطور تمثیل کے فرمایا ہے مقصود اتباع صراط اسلام کا ہے جو تمام اصول و فروع کو شامل ہے البتہ ایک تحقیق سمجھنے کی یہاں ضرورت ہو گی وہ یہ کہ اوپر بعض نواہی کا ذکر ہے جیسے لا تشرکوا ۔ ولا تقتلوا ۔ ولا تقربوا (مت شریک کرو اور مت قتل کرو اور نہ قریب جاؤ اور جب کوئی بات کہو تو انصاف کرو) اور بعض مامورات کا ذکر ہے جیسے بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۔ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ ۔ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا (والدین کے ساتھ احسان کرو ناپ تول پوری کرو) اور ان سب کو صراطی فرمایا اس کے اتباع کا امر فرمایا تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

صراط کہیں فعل ہوگا کہیں ترک اور اتباع فعل سے ہوگا کہیں ترک سے غرض صراط سے مراد تمام وہ اعمال و مامورات ہیں جو معین آخرت و مفید مقصود ہیں جن کا مفید ہونا مستقیما میں مدلول ہے کہ استقامت کے لئے موصل الی المقصود ہونا لازم ہے اور وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ (دوسری راہ پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی) میں تمام وہ اعمال آ گئے جو مانع عن الآخرت و مضر للمقصود ہیں اور مضر ہونا تفرق سے ظاہر ہے۔ پس ان مقدمات سے حاصل یہ ہوا کہ وہ ہم کو ہر کام میں دیکھنا چاہئے کہ یہ فعل معین آخرت ہے یا مضر آخرت ہے اب اس میں تمام شریعت آ گئی کوئی مضمون شریعت کا اس سے خارج نہیں رہا۔

آگے فرماتے ہیں مستقیما یعنی یہ راستہ مستقیم ہے لفظ مستقیم کے معنی ایک تو لغوی ہیں یعنی اقصر الخطو الواصلة بين النقطتين (دو نقطوں کے درمیان میں جو خطوط واصل ہو سکیں ان میں جو سب سے چھوٹا ہو وہ مستقیم لغوی ہے) اور ایک معنی عرفی ہیں یعنی بے خوف و خطر راستہ عرف میں راہ راست کو کہتے ہیں جس میں کوئی خطرہ نہ ہو چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں گاؤں کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ اس کو چلے جاؤ حالانکہ اس میں موڑ بھی آتے ہیں مگر مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ راستہ بے خطر ہے اس میں تم کو غلطی پیش نہ آئے گی۔ صاف سڑک پڑی ہوئی ہے اور یہی عرفی معنی اس شعر میں مراد ہیں۔

راہ راست برو اگرچہ دور است (بے خطر راستہ پر چلو اگرچہ دور ہو)

بے خطر راستہ صراط حق ہے

اگر راہ راست کے معنی عرفی نہ لئے جائیں تو لغوی معنی کے اعتبار سے اگرچہ دور است (اگرچہ دور ہو) نہیں بن سکتا کیونکہ جو راستہ لغۃ مستقیم ہوگا وہ اوروں سے دور کبھی نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے اقصر الطرق ہونا لازم ہے جن لوگوں کو مستقیم کے لغوی اور عرفی معنی میں فرق معلوم نہیں وہ اس شعر کو حل نہیں کر سکتے مگر اس تحقیق کے بعد مطلب صاف ہے کہ بے خطر راستہ کو اختیار کرو اگرچہ وہ دور ہی کیوں نہ ہو یہ تو لفظ کی تحقیق تھی اب میں کہتا ہوں کہ صراط حق یعنی اسلام کے متعلق یہ دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ صراط مستقیم بے خطر بھی ہے اور وصول الی اللہ میں وہ تمام طرق سے اقرب و اقصر بھی ہے تو آپ کو اختیار ہے کہ چاہے مستقیم کو لغوی معنی پر محمول کیجئے یا عرفی پر (یا دونوں پر ۱۲) یہاں سب کی گنجائش ہے اس کے بعد ارشاد ہے وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ یعنی اس راستہ (اسلام) کا اتباع کرو اور دوسرے مختلف راستوں کا اتباع نہ کرو ورنہ وہ تم کو خدا کے راستہ سے جدا اور دور کر دیں گے اور دور ہونا اس طرح کا نہیں ہے کیونکہ وہ موصل تو ہوتے ہیں نقطہ مقصود سے دور تو نہیں کرتے بلکہ اس طرح کی دوری ہے جیسے مثلث کی ایک ساق کو چھوڑ کر اگر دوسری ساق پر چلنے لگے تو ساق اول سے وقتاً

(c) ketabton.com: The Digital Library

فوقاً بعد ہی بڑھتا جاتا ہے جیسے اقصر الخطوط کے سوا تمام خطوط واصلہ دور دراز ہوا کرتے ہیں اور جدا ہونا زیادہ ظاہر ہے کیونکہ بے خطر راستہ کو چھوڑ کر خطرناک راستہ اختیار کرنے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ مقصود تک وصول میسر نہیں ہوتا بیچ ہی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔

تینوں آیات کے آخر میں ذالکم وصکم کا عجیب نکتہ

اب یہاں آیت کے متعلق ایک نکتہ ہے اس کو بیان کر کے میں ختم کیے دیتا ہوں نکتہ یہ ہے کہ اس جگہ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ (آپ کہہ دیجئے آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے) سے وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا (یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے) تک تین آیتیں ہیں اور ہر آیت کے ختم پر حق تعالیٰ نے ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ (اللہ نے تم کو ان چیزوں کا حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو) فرمایا ہے لیکن پہلی آیت کے اخیر میں تو وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (اللہ نے تم کو ان چیزوں کا حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو) فرمایا اور دوسری آیت کے ختم پر ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (اللہ نے تم کو ان چیزوں کا حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو) فرمایا اور اس تیسری آیت کے اخیر میں ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ فرمایا ہے اب سوال یہ ہوتا ہے کہ جب وصیت سب کی مقصود ہے تو اس تفرق عنوان کی کیا ضرورت ہے گو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ مقصود تفنن کلام ہے جو ایک شعبہ ہے بلاغت کا اور کسی نکتہ کے بیان کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی مگر بعض لوگ چلبلے ہوتے ہیں وہ اتنی بات پر کفایت نہیں کرتے بلکہ ان کا ذہن اس سے آگے چلتا ہے تو انہوں نے اس تفرق عنوان میں یہ نکتہ بتلایا ہے کہ پہلی آیت میں جن پانچ امور کا ذکر ہے ان میں سے بجز اساءۃ بالوالدین یعنی ماں باپ کے ساتھ برا سلوک کرنے) کو اعتقاداً اچھا نہ سمجھتے تھے اس کے سوا سب میں ان کی اعتقادی غلطی تھی اس لئے باعتبار اکثر کے وہاں تعقلون فرمایا کیونکہ اعتقادیات کا تعلق زیادہ تر عقل سے ہے اور دوسری آیت میں مخاطبین کی کوئی اعتقادی غلطی نہ تھی بلکہ وہ احکام عمل کے متعلق ہیں جن میں وہ تغافل و سہو کرتے تھے اس لئے وہاں تذکرون مناسب ہوا اور تیسری آیت میں کسی خاص حکم کا بیان نہیں بلکہ عام حکم ہے اتباع صراط مستقیم کا تو وہاں تتقون مناسب ہوا کیونکہ تقویٰ بھی شرعاً عام ہے جس کا تعلق عقائد و اعمال وغیرہ سب سے یکساں ہے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسروں کی راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہوں سے جدا کر دیں گی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

محبت کا اثر

اور چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس لئے اس مقام پر فرماتے ہیں وان ھذا صراطی مستقیما کہ یہ میرا استہ ہے سیدھا جس میں اس راستہ کو اپنی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ سننے والوں کو حظ آئے کہ یہ محبوب کا راستہ ہے اس عنوان سے سب کو اس کی طرف حرکت ہوگی خواہ اس اضافت کا یہ مطلب ہو کہ یہ راستہ میرا ایجاد کیا ہوا میرا بتلایا ہوا ہے یا یہ مطلب ہو کہ اس پر چل کر تم مجھ تک یعنی میری رضا تک پہنچ سکتے ہو خواہ کچھ ہی مطلب ہو مگر ہر حال میں محبت کا یہی اثر ہے کہ جب عاشق کو یہ معلوم ہو جائے فلاں کام کرنے سے محبوب مجھ سے راضی ہو جائے گا تو اس کو اس کام میں سب مشقتیں آسان ہو جاتی ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اگر محبوب کی تجویز رضا کا بھی علم نہ ہو مگر اس کا علم ہو جاوے کہ وہ میری مشقتوں کو دیکھ رہا ہے تب بھی یہی اثر ہوتا ہے چنانچہ ایک عاشق رسوائی عشق کی وجہ سے پٹ رہا تھا اور ذرا اف نہ کرتا ننانوے کوڑوں کے بعد جو ایک کوڑا اور لگا تو آہ کی کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ ننادونے کوڑوں پر آہ نہ کی آخیر میں ایک کوڑے پر آہ کی کہا ننانوے کوڑوں تک تو محبوب میرے سامنے تھا میری حالت کو دیکھ رہا تھا کہ اس کی محبت میں مجھ پر یہ مصیبت آئی ہے تو اس وقت تک مجھے مصیبت کا احساس ہی نہیں ہوا بلکہ میں یوں کہہ رہا تھا

بجرم عشق تو ام می کشند وغو غایست　　　　تو نیز بر سر بام آ کہ خوشنما شائیست

اس کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا تو اس وقت مجھے کلفت کا احساس ہوا جب اطلاع محبوب کے علم میں یہ اثر ہے تو رضا و تجویز محبوب کے علم میں تو کیا کچھ اثر ہوگا۔ اسی بناء پر جب یہاں بندوں کو یہ بتلایا گیا کہ یہ میرا راستہ ہے یعنی میری رضا کا راستہ ہے یا میرا تجویز کیا ہوا راستہ ہے یہ سن کر اس کی محبت کو حرکت ہوئی اور اب اس راستہ میں ان کو کوئی مشقت محسوس نہ ہوگی کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ یہ کلفت محبوب کے راستہ میں ہے اور محبوب کے راستہ میں تو جان بھی جاتی رہے تو کچھ زیادہ نہیں تو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عنوان سے طریق کی گرانی کو کیسا پھولوں کا ہلکا کر دیا۔ یہی وہ بات ہے جس کو میں نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت ہے کہ اول تو دین کوئی نفسہ آسان کیا پھر نفس کی کشاکشی سے جو اس میں عارضی گرانی اور مشقت آ جاتی ہے نہ اس کو اس طرح دور کیا کہ اس آیت میں تمام دین کا خلاصہ ایسے عجیب عنوان سے بیان فرمایا ہے جس سے ساری مشقت دور ہو گئی کہ اس کو اپنا راستہ فرمایا۔ اپنی طرف اس کی نسبت فرمائی اس کا لطف عشاق سے پوچھو کہ محبوب کے نام لگنے کی کیسی محبت ہوتی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا

ترجمہ: یعنی جو شخص نیکی لائے اسکے لئے اسکی دس مثل اور جو برائی کرے تو اسکے برابر جزا ملے گی۔

اس سے مضاعفت اور خیریت مذکور آیت سابقہ کی تعیین ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قانون عام ہے اس لئے لفظ من عام ہے کوئی اس سے مخصوص نہیں پس مضاعفت دس سے کم تو کسی حال میں نہ ہو گی اور جو حدیث میں نے اول پڑھی تھی اس سے منتہائے اکثری بھی اس مضاعفت کا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اخلاص کے تفاوت سے سات سو تک مضاعفت ہوتی ہے یعنی اگر کوئی ایک پیسہ دے تو سات سو پیسوں کا اگر ایک روزہ رکھے تو سات سو روزوں کا ثواب لگتا ہے علیٰ ہذا ایک آیت پڑھے تو سات سو آیت کا ایک قرآن ختم کرے تو سات سو قرآن کا ثواب ملتا ہے۔

اس منتہا کو جو میں نے اکثری کہا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ لیکن یہ کثرت اضافی نہیں بلکہ فی نفسہ کثرت مراد ہے کہ قرآن وحدیث میں غور کرنے سے سات سو کی تحدید معلوم نہیں ہوتی بلکہ غیر متناہی مضاعفت ہوتی ہے اور متناہی سے مراد غیر متناہی بالفعل مراد نہیں بلکہ بمعنی لا نقف عند حد (یعنی کسی پر موقوف نہیں) مراد ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی راہ میں خرچ کرنے اولوں کی ایک مثال ارشاد فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مضاعفت کا انتہا نہیں چنانچہ ارشاد ہے مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ ' جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کا حال ایسا ہے جیسے ایک دانہ ہو وہ سات بالیں اگا دے اور ہر بال میں سو دانے ہوں۔

اس کے آخر میں ارشاد ہے: واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم

یعنی اللہ جس کے واسطے چاہیں اس سے بھی زیادہ بڑھا دیں اللہ تعالیٰ وسعت والے علم والے ہیں۔

یہ جملہ ماسبق کی علت ہے کہ اس مضاعفت سے حیرت اور تعجب نہ کرو اللہ تعالیٰ صاحب وسعت ہیں ان کے یہاں تنگی نہیں اور اس کے ساتھ ہی دھوکا میں پڑنے والے کا علاج بھی ارشاد فرما دیا کہ وسعت پر مغرور مت ہو جاؤ اور یہ مت سمجھو کہ ہماری نیکی قابل مضاعفت ہے اس کے لئے وہ علیم بھی ہیں یعنی یہ بھی جانتے ہیں کہ کسی کی نیکی مضاعفت کے قابل ہے اور کسی کی نہیں۔ جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا اسی قدر مضاعفت ہوتی جائے گی اور چونکہ اخلاص کی کوئی حد نہیں لہٰذا اس مضاعفت کی بھی تعیین نہیں کی جا سکتی ہے۔

نیکی کا قانون

الحاصل نیکی کا قانون عام کہ جس سے کوئی مومن مخصوص و مستثنیٰ نہیں یہ ہوا کہ ایک نیکی کے بدلے دس ملتی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہیں اور باعتبار اکثر کے سات سو تک مضاعفت ہوتی ہے اور سات سو سے آگے (غیر حد تک) مضاعفت ہو سکتی ہے یہ تو آیت سے مضاعفت کا غیر محدود ہونا معلوم ہوا ہے۔

اب حدیث لیجئے حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص ایک چھوہارا صدقہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کو اپنے دست مبارک میں لیتے ہیں اور اس کی پرورش فرماتے ہیں کما یربی احدکم فلوہ یعنی ایسے پرورش فرماتے ہیں یعنی اس کو بڑھاتے ہیں جیسے ایک تمہارا اپنے بچھیرے کو پرورش کرتا ہے اور بڑھاتا ہے۔

بچھیرے کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ عرب کے لوگ گھوڑوں کو بہت محبوب رکھتے تھے۔اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ ایک جنگ جو اور بہادر قوم ہے اور گھوڑا جنگ میں بڑا کام آنے والا ہے قرار میں بھی اور فرار میں بھی اگر میدان میں قائم رہ کر حرب میں مشغول رہیں تو اس میں بھی گھوڑا کام دینے والا ہے۔اور اگر مغلوب ہونے کی حالت میں بھاگنے کی ضرورت ہو تو اس موقع پر بھی گھوڑے سے زیادہ کوئی جانور کام کا نہیں اور حرب میں یہی دو موقع ہوتے ہیں کبھی قرار ہوتا ہے اور کبھی فرار، اور جیسے قرار فی الحرب (لڑائی میں برقرار رہنا) شجاعت شمار ہوتی ہے اس لئے موقع سے اپنی جان بچا کر نکل بھاگنا یہ بھی درستی حواس سے ہوتا ہے اور درستی حواس جب ہی ہوگی جب کہ قلب ضعیف نہ ہو آدمی دلیر اور بہادر ہو چنانچہ عرب جہاں اشعار میں قرار پر یعنی جم رہنے پر فخر کرتے ہیں اسی طرح فرار یعنی میدان سے بھاگ جانے پر بھی فخر و ناز کرتے ہیں اس لئے کہ عرب کی شاعری نہایت سادہ رنگ لئے ہوئے ہے عجم کے تکلفات وہاں نہیں ہیں۔غرض گھوڑا قرار اور فرار دونوں وقت میں چونکہ کام آتا ہے اس لئے وہ عرب کو بہت محبوب تھا اور ظاہر ہے کہ بچہ تو ہر شے کا پیار معلوم ہوتا ہے خاص کر محبوب کا بچہ تو اور بھی زیادہ محبوب ہوگا۔اس لئے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جیسے تم بچھیرے کو پالا کرتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ اس چھوارہ کو پرورش فرماتے ہیں آگے فرماتے ہیں۔

حتی یکون اعظم من احد یعنی اس چھوارہ کی اتنی تربیت فرماتے ہیں کہ وہ احد پہاڑ سے بھی زیادہ بڑا ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کے اندر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سات سو کی تخصیص تحدید کے لئے نہیں اس لئے کہ چھوہارہ کے برابر احد پہاڑ کے ٹکڑے کیے جائیں تو سات سو کیا سنکھوں مہاسنکھوں سے بھی زیادہ پر نوبت پہنچے گی اور وزن کے اعتبار سے اگر چھوارہ کے برابر حصے کیے جائیں تو اور بھی زیادہ ہو جائیں گے۔مولانا فرماتے ہیں

خود یابد ایں چنیں بازار را　　　　　　که بیک گل مے خری گزار را

(c) ketabton.com: The Digital Library

نیم جاں بستاند وصد جان دہد ہرچہ درو ہمت نیا یدآں دہد

(الصوم ملحقہ مواعظ فضائل صوم وصلوٰۃ صفحہ ۸۹تا۹۱)

چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ رہا یہ کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ سواس کے بارے میں ہمارے بزرگوں کا مسلک یہ ہے کہ حکم کی تفصیل میں گفتگو نہیں فرماتے اُن کا طریقہ یہ ہے ابھمو ما ابھمہ اللّٰہ کہ جس چیز کو خدا تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے تم بھی اس کو مبہم ہی رکھو پس اجمالاً ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ابتلاء میں حکمت ضرور ہے گو ہم کو معلوم نہ ہو اور اس باب میں ایک بات جو بے ساختہ دل میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر انسان سے طاعت بدوں ابتلاء مقصود ہوتی تو اسکے لئے ملائکہ پہلے سے موجود تھے۔ انسان کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ ملائکہ میں اطاعت بدوں ابتلاء ہی ہے ان میں منازعت کا مادہ ہی موجود نہیں اور انسان کے اندر مقاومت و منازعت احکام کا مادہ رکھا گیا ہے مگر وہ ایک خاص درجہ پر ہے اور وہ بھی تکمیل اجر کے لئے اس میں رکھا گیا ہے کیونکہ طاعت بلا منازعت سے طاعت بمنازعت افضل ہے بوجہ مجاہدہ کے۔

ترجمہ اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے سو اس پر چلو

تمام دین کا خلاصہ

یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام دین کا خلاصہ ارشاد فرمایا ہے دین اس کی تفسیر ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے خاص عنوان سے بیان فرمایا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ اس کو سن کر عمل کی رغبت ہوتی ہے اور یہ حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ وہ احکام جو فی نفسہ آسان ہیں مگر مخالفت نفس اور منازعت نفس کے عارض سے دشوار ہو گئے ہیں ان کو نہایت سہل عنوان سے بلکہ شوق دلانے والے عنوان سے بیان فرمایا ہے تا کہ یہ عارضی دشواری شوق کی حرکت سے مغلوب ہو جائے اور یہ دلیل ہے حق تعالیٰ کے شفیق ہونے کی حق تعالیٰ نے ہمارے ساتھ ضابطہ کا تعلق نہیں رکھا ہے اور جتنے ضوابط و قواعد حق تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب بندوں کی مصلحت کے لئے ہیں۔ وہ ضابطہ محضہ نہیں بلکہ عین شفقت ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بچہ کنویں میں گرنے لگے تو اس کو گرنے سے اس طرح روکتے ہیں کہ ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور دو چار طمانچہ لگا کر وہاں سے ہٹا دیتے ہیں شفقت کا ہٹانا یہی ہے نہ یہ کہ اہل حکومت کی طرح ضابطہ سنا دیا جائے جیسے حکام و سلاطین اور ان کے نواب کا طریقہ ہے کہ منادی کرنے والا ایک طرف سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

منادی کرتا چلا گیا چاہے کوئی سنے یا نہ سنے سمجھے یا نہ سمجھے اور رغبت ہو یا نہ ہو سو یہ ضوابط ہیں اور حق تعالیٰ کے احکام میں ایسے ضوابط نہیں ہیں ہاں صورت ضوابط کی ہے سو اس کی ایسی مثال ہے جیسے حکیم دوا کی مقدار معین کرتا ہے وقت مقرر کرتا ہے پرہیز متعین کرتا ہے تو ظاہر میں یہ بھی ضوابط ہیں مگر حقیقت میں یہ محض ضوابط نہیں ہیں کیونکہ اگر یہ ضوابط مرتفع ہو جائیں تو حقیقت میں اہلاک ہوگا۔ طبیب یہ قیدیں صرف مریض کی مصلحت سے لگاتا ہے اپنی مصلحت کے لئے نہیں لگاتا اسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے اپنی شان حکومت کے لحاظ سے ضوابط مقرر نہیں فرمائے بلکہ بندوں کی مصالح اور منافع کے لئے متعین فرمائے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو بندوں ہی کا ضرر تھا پس احکام میں بظاہر جو کچھ قواعد و ضوابط ہیں ان کا مبنیٰ شفقت ہے اور اسی شفقت کا یہ اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ احکام کو ایسے عنوان سے بیان فرماتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندوں کو ان کو اختیار کرنے کی رغبت پیدا ہوئی اور شوق پیدا ہو جاتا ہے جیسے باپ بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے اس کی رعایت کرتا ہے کہ بیٹا سمجھ لے اور اس کی سمجھ میں بات آجائے چنانچہ اس آیت میں بھی اس طرز شفقت کی پوری رعایت ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

ترجمہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اس طرح حکم ہوتا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔

تفسیری نکات

اسلام کامل کی تفسیر

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو ارشاد فرمایا ہے کہ اپنا مشرب ظاہر کر دیجئے اس واسطے کہ صیغہ امر لایا گیا ہے اور حضور ﷺ کو ایسا امر کرنے سے غرض یہ ہے کہ ہم لوگ بھی امتثال کریں۔

بحمد للہ ہم صفت اسلام کے ساتھ متصف تو ہیں اور اسلام ہم میں موجود ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ کامل ہے یا ناقص؟ تو اب پہلے کامل کو سمجھئے اس سے خود معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں وہ درجہ ہے یا نہیں فرماتے ہیں اپنا

(c) ketabton.com: The Digital Library

مسلک ظاہر کردیجئے کہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ
میں اس کا ترجمہ کرتا ہوں کہ (میرا مسلک تو یہ ہے کہ) میری نماز عبادت مرنا جینا سب اللہ کے لئے ہے (وہ
کیسے ہیں) وہ رب العلمین ہیں ان کا کوئی شریک نہیں ہے وبذالک امرت اور مجھ کو اسی کا حکم کیا گیا ہے
وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ اور میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ہوں۔ یہ لفظ مسلمین کو خوب مل گیا ہے
یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ آیت میں اسلام ہی کی شرح کی گئی ہے کیونکہ مامور بہ باجزاء بیان کرنے کے بعد اس
کی تعمیل کرنے والوں کا لقب مسلمین فرمایا گیا ہے تو اس کے یہی معانی ہوئے کہ اس مامور بہ کے اجزاء جمع
کرنے سے یہ لقب مسلم حاصل ہوتا ہے اور مسلم وہی ہے جس میں یہ امور ہوں جن کا یہاں ذکر ہے تو یہ معنی
ہوئے کہ یہ مامور بہ کا مجموعہ عین اسلام ہے لیجئے تصریح ہوگئی کہ آیت میں اسلام کامل کی تفسیر بتائی گئی
ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کو تعلیم کی جاوے کہ کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہو پھر الحمد اور سورت پڑھو پھر کر جھکاؤ
پھر کھڑے ہو پھر زمین پر ماتھا رکھو پھر کھڑے ہو جاؤ اور اسی ترکیب سے چار دفعہ ان سب کاموں کو کرو اور بعد
میں کہہ دیا جائے کہ جب تم چار دفعہ ایسا کرلو گے تو سمجھ لینا کہ نمازی بن گئے تو اس تعلیم میں گو اس نے شروع
سے یہ نہیں کہا کہ میں تم کو نماز سکھلاتا ہوں لیکن اخیر میں یہ لفظ کہہ دینے سے کہ ان افعال کے کرنے سے تم
نمازی بن جاؤ گے۔ صاف یہ مطلب نکلتا ہے کہ ان افعال کا کرنے والا نمازی ہے اور ان افعال کا مجموعہ نماز
ہے۔ اور یہ سب اجزاء نماز کے ارکان ہیں اسی طرح یہ تعلیم فرما کر کہ اپنا مسلک یہ رکھئے کہ نماز بھی خدا کے لئے
ہو اور ہر عبادت بھی خدا کے لئے ہو اور مرنا بھی خدا کے لئے ہو اور جینا بھی خدا کے لئے ہو اس کے بعد یہ فرمانا
کہ بس مجھے اسی کا امر ہے اور میں اپنے آپ کو سب سے پہلا مسلم کہتا ہوں یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے مثال میں
کہا گیا تھا کہ ان افعال کے کرنے سے تم نمازی بن جاؤ گے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلک اختیار
کرنا مسلم بننا ہے اور یہ مسلک اسلام ہے اور یہ اجزاء اسلام کے اجزاء ہیں اور اول کا لفظ صاف بتلاتا ہے کہ
اسلام کامل مراد ہے کیونکہ اولیت سے مراد اولیت زمانی نہیں ہے بلکہ اولیت فی الرتبہ ہے جس کا ترجمہ ہے
سب سے بڑھ کر مسلمان ہونا یہی بعینہ ترجمہ ہے اسلام کامل کا جیسا کہ ظاہر ہے لیجئے اب تو میرے مدعا کے
لئے بالکل صاف صاف الفاظ مل گئے۔

اسلام کامل کے اجزاء

اب سمجھئے کہ یہاں اسلام کامل کی حقیقت چار اجزا میں بیان فرمائی گئی ہے کہ یہ چار چیزیں اللہ ہی کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

لئے خالص کردو نماز عبادت موت حیات ان سب کو اللہ ہی کا کردو بس اتنی حقیقت ہے اسلام کامل کی اجمال تو یہ ہے جو بہت ہی ذرا سا ہے مگر اس کی تفصیل کچھ شرح اور طول چاہتی ہے اور تفصیل بھی ایک تو اختصار کے ساتھ ہوسکتی ہے اور ایک طول وبسط کے ساتھ اختیار کے ساتھ تو یہ ہے کہ یہاں جو حقیقت اسلام کامل کی چار اجزاء میں بتلائی گئی ہے کہ ان چار کو یعنی نماز اور عبادت اور موت اور حیات کو اللہ ہی کے لئے خالص کردو اس کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ ان چاروں کو صرف عقیدہ کے مرتبہ میں اللہ کی سمجھتے رہو کیونکہ اس سے تو کوئی ادنی درجہ کا مسلمان بھی خالی نہیں ہر مسلمان ان چار چیزوں کو ہی کیا بلکہ ہر چیز کو اعتقاداً اللہ ہی کی سمجھتا ہے تو پھر کامل اور ناقص میں فرق ہی کیا ہوا؟ بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان چار چیزوں کو اعتقاداً اللہ کی سمجھ کر حالاً بھی ان کو ان کے ہی سپرد اور تابع کردو جب اپنے کو اللہ کی ملک سمجھا تو ان کو اعتقاداً بھی تصرف کا مستحق سمجھو اور حالاً بھی منقاد ہو جاؤ یعنی دل سے عقیدہ یہ رکھو کہ یہ سب چیزیں خدا کی ہیں اور حالاً بھی ان کے تصرف کو تسلیم کر کے بالکل منقاد اور مطیع اور فرماں بردار بن جاؤ کہ ان چاروں میں جس طرف چلائیں اسی طرف کو چلو تو حاصل یہ ہوا کہ حق تعالٰی جو تصرف بندہ کی نماز میں عبادت میں حیات میں موت میں کریں اس کا اعتقاداً وحالاً منقاد اور فرماں بردار ہونا اسلام کامل ہے۔ یہ تفصیل ہوئی اختصار کے ساتھ

کمال اسلام کے بارے میں تفصیل

اب قدرے طول اور بسط کے ساتھ تفصیل سنئے وہ یہ ہے کہ یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں چنانچہ میں نے ابھی کہا ہے کہ حق تعالٰی کو تصرف کا مستحق سمجھو اور تم انقیاد کرو تو یہ چیزیں دو ہوئیں تصرف اور انقیاد تصرف تو حق تعالٰی کا فعل ہے اور انقیاد ہمارا فعل ہے اب خدا کے فعل یعنی تصرف کی حقیقت بھی سمجھنا اور اس کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے اور اپنے فعل یعنی انقیاد کی حقیقت معلوم کرنا اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے تو چار چیزیں ہوئیں تصرف کی حقیقت سمجھنا اور عقیدہ رکھنا تصرف پر اور اپنے فعل یعنی انقیاد کی حقیقت سمجھنا اور عمل کرنا اس پر بس اسی سے اسلام کامل ہوگا ان چاروں کو ترتیب وار سن لیجئے اول حقیقت سمجھنا تصرف حق کی ان چار چیزوں میں یعنی نماز میں عبادت میں موت میں حیات میں اس کی تفصیل عنقریب آتی ہے مگر اس کے قبل اس کے متعلق ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ یہ جو چار چیزیں بتلائی گئیں یہ چار برائے نام ہیں۔ عنوانات چار ہیں ورنہ معنوں حقیقت میں تین ہیں یا دو اس طرح کہ صلوۃ کے معنی ہیں نماز اور نسک کے معنی ہیں عبادتیں اور نماز بھی عبادت میں داخل ہے تو یہ تعمیم بعد تخصیص ہے اس کے لئے دراصل صرف نسک کا لفظ بھی کافی تھا نماز بھی اس میں آجاتی لیکن نماز کا نام جدا لیا گیا بغرض اہتمام کے تو یہ معنی ہوگئے کہ ساری عبادتیں ملک ہیں اللہ کی تو اب ان دو جزو

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں سے ایک جزو رہ گیا یعنی عبادت جس میں نماز بھی آ گئی جب چار جزو میں سے ایک کم ہو گیا تو تین جزو رہ گئے یہ تو تین جزو ہونے کی تقریر ہوئی اور دو جزو ہونے کی تقریر یہ ہے کہ اس کے بعد و محیای و مماتی آیا ہے اس کے معنی ہیں میرا مرنا اور میرا جینا اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ ہے کہ ان سے حالت حیات اور حالت موت مراد ہو دوسرا یہ کہ حیات و موت کے احکام مراد ہوں اگر حالت حیات اور حالت موت مراد ہو تو پھر یہ دونوں مل کر ایک ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ دونوں غیر اختیاری امور ہیں اور صفت غیر اختیاری دونوں میں مشترک ہے اور پیشتر صلوتی و نسکی کا متحد ہونا معلوم ہو چکا ہے تو معنوں کے درجہ میں بجائے چار کے دو جزو رہ گئے اس طرح کہ موت اور حیات تو حالت غیر اختیاری ہوئی اور عبادت فعل اختیاری ہے تو معنی آیت کے یہ ہو جائیں گے کہ ہمارے تمام حالات اختیاریہ و غیر اختیاریہ اللہ تعالیٰ کے ملک ہیں اور دوسری شق پر یعنی جب کہ حیات اور موت سے مراد احکام ہیں جو بعد موت کے جاری ہوتے ہیں اور احکام حیات تمام ان احکام کو شامل ہے جو زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اس میں تمام عبادتیں آ گئیں نماز بھی آ گئی اور بقیہ احکام متعلقہ حیات بھی آ گئے۔ تو اس طرح سے تین چیزیں تو احکام حیات میں آ گئیں یعنی نماز اور عبادتیں اور بقیہ احکام متعلقہ حیات، اور ایک چیز احکام موت میں آ گئی تو پھر بھی دو چیزیں ہو گئیں۔ غرض تین چیزیں کہو یا دو کہو سب کا حاصل یہ ہوا کہ ہمارے حالات اختیاریہ اور غیر اختیاریہ پھر وہ حالات موت کے ہوں یا حیات کے سب ملک اللہ کے ہیں یہ حاصل ہے آیت کا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مضمون بہت مختصر الفاظ میں بھی آ سکتا تھا مثلاً یوں ہوتا کہ احوالنا الاختیاریۃ وغیرہ الاختیاریۃ للہ پھر ان سب کو الگ الگ کیوں بیان کیا گیا ایجاز کی جگہ اطناب کو کیوں اختیار کیا گیا اس کی ایک توجیہ تو یہ ہے کہ لوگوں کے مذاق مختلف ہیں اور ان سب مذاقوں پر اصلاح مقصود ہے سو ایک مذاق جو آج کل غالب ہے یہ بھی ہے کہ ان کے خیال میں عبادات تو حقوق اللہ ہیں اور ان میں ہر طرح اللہ کو اختیار تصرف کا ہے جس فعل کو چاہیں عبادت قرار دے دیں اور جس کیفیت سے چاہیں اس کو مقرر فرما دیں نماز میں چار رکعتیں رکھ دیں تو بھی ٹھیک ہے اور تین رکھ دیں تو وہی ٹھیک ہے اور دو رکھ دیں تو وہی ٹھیک ہے۔ غرض عبادات میں ہر قسم کے تصرف کا حق تعالیٰ کو حق حاصل ہے۔

آیت کی بلاغت

حاصل یہ ہے کہ مقصود بیان کرنا اس بات کا ہے کہ ہمارے حالات اختیاریہ و غیر اختیاریہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اس کے واسطے اتنے لمبے الفاظ کو کیوں اختیار کیا۔ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي کیوں کہ اس کے لئے کوئی مختصر لفظ بھی ہو سکتا تھا مثلاً کوئی ایسا لفظ جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہمارے حالات

(c) ketabton.com: The Digital Library

اللہ کے ملک ہیں کافی ہو جاتا تو اس کو اتنا طول کیوں دیا اس کے لئے دو توجیہیں بیان کی گئی ہیں خلاصہ ان کا یہ ہے کہ لوگوں کے مذاق مختلف ہیں ایک مذاق یہ ہے کہ عبادات تو حقوق اللہ ہیں اور ان میں حق تعالیٰ کو تصرف کا اختیار ہے اور اس کے احکام کا نام دین ہے رہے احکام موت وحیات یعنی معاشرت اور تمدن تو ان سے دین کو کچھ علاقہ نہیں اس مذاق کی تردید کے لئے لفظ محیای ومماتی بڑھایا۔ اس صورت میں محیای ومماتی سے مراد احکام حیات وموت ہوں گے اور دوسرا مذاق یہ ہے کہ موت اور حیات میں تو تصرف حق تعالیٰ کا مانتے ہیں کیونکہ مشاہد ہے اور یہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس صورت میں محیای ومماتی سے نفس حیات اور موت مراد ہے احکام حیات وموت مراد نہیں مگر یہ لوگ احکام اور عبادات میں حق تعالیٰ کے تصرف کو نہیں مانتے اور اس کے معنی میں نے بیان کر دیئے ہیں کہ گو زبان سے اس تصرف کا انکار نہیں کرتے اور حق تعالیٰ کو حاکم مانتے ہیں مگر ان احکام کی بناء اپنی اختراعی مصالح پر مانتے ہیں جس سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ حق تعالیٰ کو کسی حکم کا اختیار نہیں ہے بلکہ حکم ہمیشہ مصلحت کے موافق ہوتا ہے اور مصلحت ہی پر احکام کی بنا ہے۔ اس مذاق کی تردید کے لئے صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ کو بڑھایا تو ایک توجیہ پر محیای ومماتی کو بڑھایا اور ایک توجیہ پر صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ بڑھایا تو کیا مزہ کا مضمون ہو گیا جس کے ہر جملہ سے ایک ایک مذاق فاسد کی تردید ہو رہی ہے یہ بات اختصار میں حاصل نہ ہوتی اس واسطے ایجاز کو چھوڑ کر اطناب کو اختیار کیا گیا حاصل یہ ہے کہ ان چاروں اجزاء میں حق تعالیٰ کو تصرف کا حق ہے ان چاروں کے نام یہ ہیں صلاتی اور نسکی اور محیای اور مماتی ان کا خلاصہ دو لفظوں میں بھی آ جاتا ہے وہ دو لفظ یہ ہیں حالات اختیاریہ وغیر اختیاریہ' اختیاریہ میں نماز وغیرہ آ گئیں۔ اور موت وحیات غیر اختیاریہ میں۔

غرض ہمارے تمام حالات حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور ان کو ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے میں نے بیان کیا تھا کہ اسلام کامل کے دو جزو ہیں ایک یہ کہ ان چاروں باتوں میں حق تعالیٰ کے تصرف کو ماننا یہ تو فعل حق تعالیٰ کا ہے دوسرے اس تصرف کو ماننے کا حق ادا کرنا ہے جس کا نام انقیاد ہے یہ فعل بندہ کا ہے۔

رب العلمین کو ذکر کرنے کا فائدہ

حق تعالیٰ یہ حالت نصیب کریں کہ حقیقت سمجھ میں آ جائے اور ہر وقت یہ امر منکشف ہوتا رہے کہ ہر چیز حق تعالیٰ کی طرف سے ہے دیکھئے قرآن شریف میں کیا بلاغت ہے یہاں رب العالمین کا لفظ موقع سے بڑھایا ہے جس کے معنی ہیں تمام جہانوں کا پالنے والا اور وہ رب العالمین ہیں ہمارے بدخواہ نہیں ہیں جو کچھ امر تکوینی کرتے ہیں یا تشریعی وہ سب ہمارے لئے خیر ہی خیر ہے اگر اس حقیقت کا انکشاف ہو جاوے تو آدمی دل وجان سے کہہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اٹھے گا اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور تشریعیات کو بہت خوشی سے سر پر رکھے گا اور تکوینیات میں بھی دل و جان سے تفویض کرے گا یہ فائدہ ہوا لفظ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا اب ایک وسوسہ یہ ہو سکتا ہے کہ کیا کسی اور بادشاہ کی سلطنت بھی ایسی ہے جس میں عنایت ہی عنایت ہو اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

لفظ لَاشَرِیْکَ لَہٗ کی حکمت

لَاشَرِیْکَ لَہٗ ان کا کوئی شریک نہیں کسی بات میں کوئی ان کا مماثل نہیں تو اس صفت ربوبیت میں بھی جس کا مقتضٰی رافت اور رحمت اور بھی خواہی تھا کوئی ان کے برابر نہیں بلفظ دیگر یوں کہئے کوئی بھی ہمارے واسطے اتنا رؤف و رحیم اور بھی خواہ نہیں ہو سکتا جتنے حق تعالیٰ ہیں جب یہ بات ہے تو ان کے تجویز کردہ احکام کے ماننے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ اب سارے شبہات دور ہو گئے اور کوئی داعیہ ایسا نہ رہا جو مانع عن الانقیاد ہو۔

آگے فرماتے ہیں وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ الخ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ میں تو بیان تھا مشرب کا اس میں تصریح ہے اس کے مامور بہ ہونے کی حاصل یہ ہے کہ پہلے ارشاد فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میرا مشرب اور طریقہ یہ ہے کہ میں اپنے تمام حالات اختیاریہ اور غیر اختیاریہ کو حق تعالیٰ کی ملک سمجھتا ہوں مومنین کو تحریض کے لئے یہی بات کافی تھی حضور ﷺ کے ساتھ مومنین کو تعلق عشق و محبت کا ہے ان کو صرف اتنا معلوم ہو جانا ہی کافی ہے کہ یہ بات حضور کو پسند ہے اور یہ وہ طریقہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو خود بھی اختیار کیا ہے محبت کا مذاق رکھنے والوں کے لئے تو اس سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہیں لیکن بہت سے آدمی ضابطہ کے متبع اور قانونی بھی ہوتے ہیں ان کے واسطے تصریح بھی کر دی کہ اس مشرب کا رکھنے کا مجھ کو حکم بھی ہوا یعنی میں نے از خود یہ مشرب اختیار نہیں کیا بلکہ بامر خداوندی اختیار کیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہو نہیں سکتا کہ حضور ﷺ کو حکم ہو اور ہم کو نہ ہو کیونکہ آپ محبوب تھے جب محبوب سے احکام میں تخفیف نہیں کی گئی تو ہم سے کیسے ہو سکتی ہے۔

اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کا مطلب

اس کے آگے ارشاد ہے وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ترجمہ اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں ظاہر ہے کہ اپنے دور میں سب سے پہلے مسلمان آپ ہی ہیں دوسرا جو کوئی بھی مسلمان ہوا وہ آپ ہی کی بدولت ہوا اس قول پر تو حضور ﷺ کے لئے اولیت فی الاسلام اس امت میں ثابت ہوئی ہے جس کو اولیت زمانی اضافی کہنا چاہئے۔

اور اہل لطائف کا قول یہ ہے کہ حضور کو اولیت فی الاسلام بالمعنی الحقیقی بھی حاصل ہے کیونکہ روز الست

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں جب ارشاد ہوا الست بربکم تو سب سے پہلے حضور ﷺ ہی نے جواب دیا بلٰی تو حضور ﷺ تمام اولین وآخرین سب سے اول ہوئے اسلام میں اور یہ تو اولیت ہے اسلام تشریعی میں اور بھی دلائل سے ثابت ہے کہ حضور تکوین میں بھی سب سے یعنی سب انسانوں سے بلکہ تمام کائنات سے اول ہیں کیونکہ سب سے پہلے حق تعالیٰ نے حضور ﷺ ہی کے نور کو پیدا کیا اور تمام کائنات کو حضور ﷺ ہی کے نور سے بنایا اور ہر سکون کے لئے انقیاد تکوینی لازم ہے تو سب سے پہلے اسلام وانقیاد تکوین کے ساتھ بھی حضور ﷺ ہی متصف ہوئے یہ اولیت ہے اسلام تکوینی میں آپ اول ہیں اسلام تشریعی میں بھی اور اسلام تکوینی میں بھی' بلفظ دیگر درجہ حال میں بھی آپ اول ہیں اور درجہ قال میں بھی آپ ہی اول ہیں اور جملہ انا اول المسلمین کے لانے سے یہ مقصود نہیں کہ تم بھی اس اولیت فی الاسلام میں میری تقلید کرو کیونکہ اس میں تو تقلید ہو ہی نہیں سکتی بلکہ تحریض مقصود ہے۔

یہ ایسا ہے جیسا چندہ مانگنے کے وقت کوئی بڑا آدمی کہے کہ پہلے میں دیتا ہوں کہ اس سے تحریض مقصود ہوتی ہے دوسروں کو اور اس سے ایک عام تحریک پیدا ہو جاتی ہے یا جیسے ایک فوج کو کوئی حکم ہوتا ہے اور اس کا سردار بول اٹھے کہ اس حکم کی تعمیل کے لئے سب سے پہلے میں تیار ہوں تو اس سے یہ اثر ہوتا ہے کہ اس حکم کو سب خوشی سے قبول کر لیتے ہیں۔ آیت میں ایسے بلیغ انداز میں تعلیم کی گئی کہ کوئی پہلو نظر انداز نہیں ہوا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْاَعْرَاف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمٓصٓ ﴿۱﴾

تفسیری نکات

قرآن اصطلاحات فنون پر وارد نہیں

اس لئے اہل علم کو چاہئے کہ محاورہ کو دیکھ کر قرآن کو سمجھا کریں کیونکہ قرآن اصطلاحات فنون پر وارد نہیں ہے اور اگر اصطلاح ہے بھی تو اصطلاحات شرعیہ پر ہے اور نہ فنون کی اصطلاح پر ہے مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ قرآن کے ہر ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں ملتی ہیں مثلاً اگر کسی نے الم پڑھا تو اس کی تیس نیکیاں مل گئیں آگے حضور علیہ فرماتے ہیں لا اقول الم حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف تو دیکھئے الف اور لام اور میم کو حرف فرمایا گیا حالانکہ اصطلاح نحاۃ کے نزدیک حرف ہے اور الم میں جو الف ہے وہ اسم ہے مگر محاورہ یا اصطلاح شرع کے اعتبار سے یہ الف بھی حرف ہے یہ ایسی اصطلاح ہے جیسے عام محاورہ ہے یہ محاورہ حضور علیہ کے ارشاد کے موافق ہے غرض شارع علیہ السلام کی کلام میں الف حرف ہی ہے گو نحاۃ کے نزدیک اسم ہو بعض اہل علم حدیث میں اس الف سے بھی مسمی سمجھ گئے اور مسمی بالالف مراد لیا یعنی الف جو نام ہے حرف کا اس میں جو تین جزو ہیں الف اور لام اور فاء حدیث میں یہ الف مراد ہے اور اس پر محمول کر کے کہنے لگے کہ اس حساب سے الم میں نوے نیکیاں ہوئیں او یہ محض تکلف ہے اگر حساب بڑھانے کے لئے یہ توجیہ کی ہے تو میاں وہاں کا تو تھوڑا بھی کافی ہے اس تکلف کی کیا ضرورت ہے حاجی صاحب فرماتے ہیں۔

گرچہ کرتے ہیں بہت نالہ و فریاد ہم
بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہنچے وہاں

اور ذوق سے اگر کام لیا جاتا تو صاف معلوم ہوتا ہے اگر الف سے مسمی مراد ہوتا تو حضور علیہ اس طرح فرماتے بل الف حرف لام حرف فا حرف اسی طرح لام حرف والف ومیم حرف ایسا ہی میم حرف ویا حرف ومیم

(c) ketabton.com: The Digital Library

حرف جب آپ نے اس طرح نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ مراد شارع کی وہ نہیں ہے جو تم کہتے ہو اور اگر اختصار کی وجہ سے تین ہی حرف کا بتلانا تھا اور پورے نو کو بیان فرمانا تطویل کی وجہ سے مد نظر نہیں تھا تو اسم اول ہی کے تین حرف بیان فرما دیتے یہ کیا کہ ہر ایک سے ایک ایک حرف لیا گیا کہ الف سے الف لیا اور لام سے لام اور میم سے میم یہ تو کچھ جی کو نہیں لگتا اور یوں تو ملاں آں باشد کہ چپ نہ شود کچھ نہ کچھ جواب نکال ہی لیں گے مگر ہمارے جی کو تو نہیں لگتا ہمارے جی کو تو وہی لگتا ہے کہ حضور ﷺ نے یہاں مسمی کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اسم کا ذکر فرمایا ہے اور محاورہ کے لحاظ سے اسم نحوی کو حرف فرمایا گیا ہے غرض محاورہ اور اصطلاح کے خلط سے یہ ہوتا ہے کہ مطلب اور مراد متکلم میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: حق تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا تجھ کو اس سے کون سا امر مانع ہے کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے حق تعالیٰ نے فرمایا تو اس (آسمان) سے اتر تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر سے اس (آسمان) میں رہ سو نکل تو بے شک ذلیلوں میں شمار ہونے لگا۔

تفسیری نکات

شیطان کو حاکمانہ جواب

قرآن میں زیادہ تر حاکمانہ ہی جواب دیئے گئے ہیں چنانچہ شیطان سے جب انکار سجدہ کی وجہ پوچھی گئی اور اس نے جواب دیا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (پ ۸) تو اس کی اس دلیل کا حاکمانہ ہی جواب دیا گیا فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

اسی طرح مقبولین کو بھی حاکمانہ جواب دیا ہے یعنی فرشتوں کو جب کہ انہوں نے آدم علیہ السلام کی خلافت پر سوال کیا تو فرمایا اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (پ ۱) کہ تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں اور یہی تو قرآن کی خاص بات ہے جس سے اس کا کلام الٰہی اور شاہانہ کلام ہونا معلوم ہوتا ہے ورنہ اگر ہر سوال کا حکیمانہ جواب دیا جاتا تو شاہانہ کلام نہ معلوم ہوتا بلکہ فلسفی کا کلام معلوم ہوتا اس لئے حکیمانہ جوابات کم دیئے گئے ہیں اور اگر دیئے بھی ہیں تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

حاکمانہ جواب کے ساتھ دیئے ہیں۔

مگر افسوس طلباء مصنفین کی کتابیں پڑھنے کے بعد قرآن کو پڑھتے ہیں اور اس میں بھی وہی طرز ڈھونڈتے ہیں اس لئے ان کو قرآن کا پورا لطف نہیں آتا ورنہ عجیب پر لطف کلام ہے بس اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (پ۱۱) میں اس شبہ کا حاکمانہ جواب دیا گیا ہے۔

يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ لَا يَفۡتِنَنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ كَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَيۡكُمۡ مِّنَ الۡجَـنَّةِ يَنۡزِعُ عَنۡهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوۡاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰٮكُمۡ هُوَ وَقَبِيۡلُهٗ مِنۡ حَيۡثُ لَا تَرَوۡنَهُمۡ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّيٰطِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ لِلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: یعنی اے بنی آدم تم کو شیطان گمراہی میں نہ ڈالے جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو اس نے جنت سے نکالا یعنی ایسا کام کرایا جس سے وہ جنت سے نکلے اور اس حالت میں کہ ان سے ان کا لباس اتارتا تھا تاکہ ان کو ان کے مستور بدن دکھلائے وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو ہم شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لائے۔

تفسیری نکات

خطا اجتہادی

اس میں حق تعالیٰ نے کئی باتیں بیان فرمائیں ایک تو یہ کہ شیطان تمہارا بہت پرانا آبائی دشمن ہے اس سے بہت بچنا چاہئے دوسرے یہ کہ گناہ کا مقتضی یہ ہے کہ جنتی کپڑے بدن سے اتر جائیں اور لیریھما لام عاقبت کا ہے یعنی انجام شیطان کے کہنا ماننے کا یہ ہوا کہ آدم وحوا کو ان کا ستر دکھلا دے اس میں ایک باریک مسئلہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ معلوم ہے کہ آدم وحوا علیہما السلام دونوں میاں بیوی ہیں اور یہ بھی کہ اپنا بدن دیکھنا جائز ہے اور نیز اپنی بیوی کا بدن دیکھنا بھی جائز ہے پھر اس میں کیا حرج تھا کہ آدم وحوا نے آپس میں اپنا یا دوسرے کا بدن دیکھا انجام تو کوئی ایسا امر بیان فرمانا چاہئے تھا کہ جو کوئی امر مذموم ہوتا یہ تو امر مباح ہے تو بات یہ ہے بعض مباحات ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے انسان کو طبعی نفرت ہوتی ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آدم وحوا علیہما السلام کا گیہوں کھانا خطا اجتہادی تھی گناہ نہیں تھا لیکن مجواے مقربان را بیش بود حیرانی عتاب

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس پر ہوا کہ عزم اور احتیاط کا درجہ کیوں فروگذاشت ہوا اس لئے اس کا انجام واثر بھی ایسا ہی امر ہوا کہ وہ فی نفسہ مباح تھا قبیح وشنیع نہیں تھا لیکن ان کی شان کے خلاف تھا یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم وحوا تقدس کے اس درجہ میں تھے کہ ان کے لئے یہ امر مباح بھی باعث تکدر ہوا اور نیز یہ مسئلہ بھی مستفاد ہوا کہ اراءۃ عورۃ زوجین میں گو جائز ہے لیکن ادب کے خلاف ہے۔اور بلاضرورت ایسا کرنا نامناسب ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: آپ ﷺ کپڑوں کو جن کو اس اللہ نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ اشیاء اس طور پر کہ قیامت کے روز بھی خالص رہیں دنیوی زندگی میں بھی خاص اہل ایمان ہی کے لئے ہیں۔ہم اس طرح تمام آیات کو سمجھ داروں کے واسطے صاف صاف بیان کرتے ہیں۔

تفسیری نکات

دنیا کی نعمتوں کو اہل ایمان کیلئے پیدا کیا گیا

دیکھئے یہاں کافروں کا ذکر ہی نہیں اس سے معلوم ہوا کہ حیات دنیا میں بھی یہ نعمتیں اصل میں اہل ایمان ہی کے لئے پیدا فرمائی گئی ہیں اوروں کو انہیں کے طفیل میں مل جاتی ہیں مگر اہل ایمان کے لئے ان طیبات کا خاص ہونا مقید ہے ایک قید کے ساتھ اور وہ یہ ہے خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی اس قید کی ساتھ ان کے لئے مخصوص ہیں کہ قیامت کے روز بھی خالص رہیں کدورات سے تو مومنین کے ساتھ یہ نعمتیں حیات دنیا میں اس طرح خاص ہیں کہ وہ ان کو اس طرح برتیں کہ وہ قیامت میں بھی کدورات سے خالص رہیں اور ان سے وہاں کوئی ضرر نہ ہو اور کفار جو ان چیزوں کو برتتے ہیں تو وہ اس قید سے نہیں برتتے پس خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ کے مصداق مومنین ہی ہیں جو برتنے میں یہ قید بھی ملحوظ رکھتے ہیں پھر جو اس کی تحریم کا اعتقاد رکھے اس کی اللہ تعالیٰ ہی مذمت فرماتے ہیں پھر آگے فرماتے ہیں کہ اور کون سی چیزیں ممنوع ہیں قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ

(c) ketabton.com: The Digital Library

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ غرض ان سے بجز کھانے پینے سے کس نے منع کیا ہے۔ دیکھئے قرآن کی تو یہ تعلیم ہے تو اس تفسیر کے سمجھنے سے پہلے خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ کی ترکیب میں میں بہت پریشان تھا اللہ کا شکر ہے کہ نہایت آسانی سے سمجھ میں آ گیا کہ مومنین کی تخصیص اس قید کے ساتھ ہے کہ ان کے لئے قیامت کے روز بھی یہ نعمتیں کدورات سے خالی اور بے خطر ہوں گی۔ یہ بات اور کسی کو نصیب نہیں پس یہ حال ہے اور حال قید ہوتی ہے۔ عامل کی۔

زینت کی دو قسمیں

ایک روز سالکین میں سے ایک شخص سیاہ پائجامہ اور سیاہ عمامہ اور سیاہ صدری پہن کر آئے جو کہ ہیئت تزئین کی تھی مولانا نے فرمایا کہ تم لوگ جس غرض کے لئے یہاں آئے ہو یہ وضع اس کے مناسب نہیں بالکل اس کے بالکل خلاف ہے اس ہیئت سے تکبر کی شان پیدا ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑے رئیس ہیں پھر فرمایا کہ صدری پہننے کی کیا غرض ہے سوائے اس کے کہ زینت ہو خاص کر اس وقت کہ گرمی کا بھی وقت ہے اس شخص نے اقرار کیا کہ میں نے زینت کے لئے پہنی ہے فرمایا کہ جاؤ اور اس وضع کو بدلو اور فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے البذاذة من الایمان یعنی سادگی ایمان کی بات ہے اس طرف کسی کو خیال نہیں ہوتا اور فرمایا کہ یہ ہیئت اگرچہ نصاً مذموم نہیں ہے لیکن وجدان سلیم سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کون سی ہیئت کس نیت سے بنائی ہے فرمایا کہ لباس فاخرہ اگر اپنی تفریح طبع کے لئے ہو تو جائز ہے اور وہ اس آیت کے تحت میں داخل ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ الخ اور اگر تفاخر عند الناس کی غرض سے ہو تو حرام ہے اور اس آیت کے تحت میں داخل ہے وزینة و تفاخر بینکم اس تقریر سے معلوم ہوا کہ زینت کی دو قسمیں ہیں۔

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی اے محمد ﷺ آپ فرما دیجئے کہ یہ نعمتیں اہل ایمان کے لئے ہیں دنیا میں اس سے معلوم ہوا جب ہمارے لئے تیار کی گئی تو ہم اگر نہ کھائیں گے تو یقیناً یہ نامرضی اور غیر پسندیدہ ہوگا۔

دیکھو اگر کوئی میزبان بڑے اہتمام سے مہمان کے لئے کھانے تیار کرائے اور وہ مہمان نہ کھائے تو میزبان کا دل ضرور ناخوش ہوگا۔

انتفاع طیبات

یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں تو مومن اور کافر سب کے لئے ہیں پھر یہ کیوں فرمایا۔

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اس کا جواب موقوف ہے اس آیت کی ترکیب سمجھنے پر اس آیت کی ترکیب میں بہت سے اقوال ہیں اور ان اقوال ہی کے اعتبار سے تفسیر بھی آیت کی بدلے گی میرے ذہن میں جو اس آیت کی ترکیب و تفسیر آتی ہے وہ یہ ہے کہ خالصة حال ہے ھی ضمیر مقدر سے جو ھی ملفوظ کی خبر ثانیہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں مقدر ہے اور فاعل ہے ثابتۃ کی اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حال ذی الحال کے لئے بمنزلہ قید کے ہوتا ہے پس یہ تخصیص مومنین کی مطلق انتفاع کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ مطلق انتفاع تو عام ہے مومن و کافر سب کو پس یہ تخصیص انتفاع کی اس قید خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ کے لحاظ سے ہے مطلب یہ ہے کہ یہ طیبات جس حال میں کہ کدورات وتبعات ومعاتبات قیامت سے خالص ہوں یہ مومنین کے ساتھ دنیا میں مخصوص ہیں اور کفار جو ان سے متمتع ہوتے ہیں وہ معاقبات وتبعات قیامت کے ساتھ مشوب ہیں یعنی مومنین کو ان طیبات کے متعلقہ کوئی سزا وعقاب نہ ہوگا اور کفار کو ہوگا اور یہ خلوص عن العقاب تو آخرت کے اعتبار سے ہے جو یہاں مذکور ہے باقی مشاہدہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ دنیا میں بھی خالص لذت از کدورت مومنین ہی کے لئے ہے اور کفار کے لئے کدورت سے خالی نہیں گو ان کو اس کدورت کا احساس نہ ہو اور غایت بے حسی سے ان کی ایسی مثال ہو گئی ہے جیسے ایک شخص کل مثلاً پھانسی ہوگی آج سلطان وقت کی طرف سے اس کو کھانے پینے کو دیا جارہا ہے اور اس کو خبر نہیں ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا اور مومنین کی مثال ایسی ہے کہ بادشاہ ان سے راضی ہے اور ان کو اپنی عطا سے سرفراز فرمارہا ہے پس اب واضح ہوگیا کہ طیبات کو اللہ تعالیٰ نے مومنین ہی کے لئے پیدا کیا ہے پس ترک کرنا ان کا افضل نہ ہوا بلکہ کھانا ہی افضل ہے اور اسی واسطے اس سے پہلے جو كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ہے اس کے معنی میرے نزدیک یہ ہے ولا تسرفوا عن حدود الشرع ای تحریم الحلال غرض سیاق و سباق دونوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تنگی نہیں ہے بلکہ توسیع ہے خوب کھاؤ پیو اگر حلال کو حرام سمجھو گے تو اسراف ہو جاوے گا مجھ کو اس تفسیر پر بالکل اطمینان ہے اس لئے اسی کو میں نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے یہاں تک ذکر تھا ان چیزوں کا جو حلال تھیں اور وہ لوگ ان کو حرام سمجھتے تھے اب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ حصر اضافی مراد ہے یعنی اے اہل مکہ وہ اشیاء حرام نہیں جن کو تم حرام کرتے ہو بلکہ میرے رب نے تو وہ چیزیں حرام کی ہیں جن کو تم حلال سمجھتے ہو یہ مطلب نہیں کہ یہی چیزیں حرام ہیں اور کوئی اور شے حرام نہیں ہے۔

مفتاح سعادات

اور ربی میں عجیب رحمت کا ظہور ہے وہ یہ ہے کہ حرم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اشیاء مرغوب نفس کو ہم سے روکتے ہیں تو اس میں محبت کی کمی کا شبہ ہو سکتا تھا جیسے کوئی کہے کہ دیکھو جی ایک روپیہ لینا زیادہ مت لینا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت کم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو حرم فرمایا تو بس بدگمانی معلوم ہوتی ہے ہماری آزادی سلب کی جاتی ہے حالانکہ

بدگمانی کردن و حرص آوری　　　کفر باشد نزد خوان مہتری

(c) ketabton.com: The Digital Library

پس ربی سے اس کو دفع فرماتے ہیں کہ ارے وہ حرام کرنے والی ایسی ذات ہے جس نے تم کو پالا ہے تمہارا مربی ہے تمہارا وجود نہ تھا وہ تم کو وجود میں لایا ہے تم تھے اور پھر تم پر رحمت فرمائی۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝

ترجمہ: آپ ﷺ فرمایئے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو ان میں جو اعلانیہ ہیں وہ بھی اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگادو جس کو تم نہیں جانتے۔

شانِ نزول

سبب نزول اس کا ایک خاص قصہ ہے وہ یہ ہے کہ اہل جاہلیت میں منجملہ دیگر رسوم جہالت کے یہ بھی ایک بے حیائی کی رسم تھی کہ وہ بیت اللہ شریف کا برہنہ طواف کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نافرمانی کرتے ہیں ان میں طواف نہیں کرتے دیکھئے ظاہر میں تو کیسی خوبصورت بات ہے لیکن ان احمقوں نے جہالت میں یہ نہ سمجھا کہ برہنہ طواف کرنے میں کس قدر بے حیائی اور بیت اللہ شریف کی بے ادبی ہے۔

اہل نظر کو گناہ کا ادراک ہو جاتا ہے

اور نیز کپڑوں کے اتارنے سے کیا ہوتا ہے چاہئے کہ کھال اتار دیا کریں اس لئے کہ اصل اثر تو گناہ کا بدن کے اندر ہے گو اس شخص کو ادراک اس کا نہ ہو چنانچہ بعض اہل نظر آنکھ کی پتلی کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ شخص بدنگاہی میں مبتلا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خطبہ پڑھ رہے تھے چند آدمی آئے اور وہ کسی کو بری نظر سے دیکھ کر آئے تھے آپ نے فرمایا کہ کیا حال ہے لوگوں کا کہ مسجد میں آتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے۔ صحابہ کی شان تو بڑی ہے طاعت کا نور اور معصیت کی ظلمت گورے چٹے یا کالے ہونے پر موقوف نہیں وہ نور وظلمت دوسرا ہے بعضے لوگ رنگ کے کالے ہوتے ہیں لیکن چہرہ پر ان کے ایسا نور طاعت چمکتا ہے کہ بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں حق تعالیٰ نے اسی نور کی نسبت ارشاد فرمایا ہے۔ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

مولانا اسی نور کی نسبت فرماتے ہیں۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی ۔۔۔ نیک بیں باشی اگر اہل دلی

(ولی کے اندر نور حق ہوتا ہے اگر تو اہل دل ہے تو تو بھی اس نور کو دیکھ لے)

غرض گناہ کا اثر کپڑوں پر اتنا نہیں ہوتا جس قدر کہ بدن میں ہوتا ہے تو اگر ایسا ہی ادب تھا تو بدن سے کھال اتارنا چاہئے تھا اور جن اعضاء سے گناہ کئے تھے ان کو پارہ پارہ کرنا تھا اور وہ اپنی اس بے حیائی کی نسبت یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے۔

زینت کا لباس پہننے کی اجازت

حق تعالیٰ اس سب کا رد فرماتے ہیں اول بطور تمہید ارشاد ہے یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَرِیۡشًا یعنی اے اولاد آدم ہم نے تم پر لباس اتارا ہے جو تمہارے شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور زینت کا لباس بھی اتارا ہے حق تعالیٰ کی رحمت تو دیکھئے کہ کس قدر ہے گویا ارشاد ہے کہ ارے ظالمو اللہ تعالیٰ کپڑے اتارنے کی اجازت تو کیا دیتے انہوں نے تو تمہارے لئے زینت کا لباس عطا فرمایا ہے اور زینت کی بھی اجازت دی ہے سبحان اللہ کیا بلاغت ہے آگے لباس کی مناسبت سے ایک دوسرے مہتم بالشان لباس کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور اس کی اطلاع دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے وَلِبَاسُ التَّقۡوٰی ذٰلِکَ خَیۡرٌ یعنی جبکہ ہم لباس باطنی کے اتارنے کو پسند نہیں کرتے جس کا اترنا اعلانیہ بے حیائی بھی نہیں تو اس لباس ظاہر کے اتارنے کو کیسے پسند کریں گے اور نیز اس تمہاری حرکت سے لباس حقیقی ولباس ظاہری دونوں اترتے ہیں۔ کیونکہ ظاہری لباس کا اتارنا تقویٰ میں بھی مخل ہے اس مضمون کو حق تعالیٰ نے اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا میں ایک عام اور عقلی عنوان سے ذکر فرمایا ہے کہ جس سے یہ مسئلہ عقلی ہو گیا حاصل اس کا یہ ہے کہ لباس کو جب ہم نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے یعنی یہ امر فطری ہے تو فطرۃ بھی عقل اس کو گوارہ نہیں کرتی کہ اس کو اتارا جاوے اور اس کے ضمن میں تقویٰ کی تاکید جو کہ اصل مبحث ہے قرآن شریف کا اور روح ہے شریعت کی نیز بعنوان لباس ایک نہایت عجیب طریقہ ہے وَلِبَاسُ التَّقۡوٰی میں ارشاد فرمائی کہ جس میں لفظاً بھی رعایت مقصود مقام کی رہی گویا نہ جزی مقصود کو چھوڑا اور نہ کلی مقصود کو اس میں بے حد بلاغت ہے کہ زبان اس کے بیان سے کوتاہ ہے اگر اہل علم غور کریں گے تو سمجھ لیں گے یہاں تک تو لباس سے اپنے بدن کو چھپانے کو محبوب عند الحق ہونے کا بیان تھا۔ اب آگے نزع لباس کا محبوب عند الشیطان ہونا بیان فرماتے ہیں۔ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ کَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَیۡکُمۡ مِّنَ الۡجَنَّۃِ یَنۡزِعُ عَنۡہُمَا لِبَاسَہُمَا لِیُرِیَہُمَا سَوۡاٰتِہِمَا ؕ اِنَّہٗ یَرٰىکُمۡ ہُوَ وَقَبِیۡلُہٗ مِنۡ حَیۡثُ لَا تَرَوۡنَہُمۡ ؕ یعنی اے بنی آدم تم کو شیطان گمراہی میں نہ ڈالے جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو اس نے جنت سے نکالا یعنی ایسا کام کرایا جس سے وہ جنت سے نکلے اور اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

حالت میں کہ ان سے ان کا لباس اتارتا تھا تا کہ ان کو ان کے مستور بدن دکھائے اس میں حق تعالیٰ نے کئی باتیں بیان فرمائیں ایک تو یہ کہ شیطان تمہارا بہت پرانا آبائی دشمن ہے۔ اس سے بہت بچنا چاہئے دوسرے یہ کہ گناہ کا مقتضی یہ ہے کہ جنتی کپڑے بدن سے اتر جائیں اور لیریھما میں لام عاقبت کا ہے یعنی انجام شیطان کے کہنا ماننے کا یہ ہوا کہ آدم وحوا علیہم السلام کو ان کا ستر دکھلا دے اس میں ایک باریک مسئلہ کی طرف اشارہ ہے کہ آدم وحوا علیہما السلام دونوں میاں بیوی ہیں یہ بھی ہے کہ اپنا بدن دیکھنا جائز ہے اور نیز بیوی کا بدن دیکھنا بھی جائز ہے پھر اس میں کیا حرج تھا کہ آدم وحوا علیہما السلام نے آپس میں اپنا یا دوسرے کا بدن دیکھا یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ آدم وحوا تقدس کے اس درجہ میں تھے کہ ان کے لئے یہ امر مباح بھی باعث تکدر ہوا اور نیز یہ مسئلہ بھی مستفاد ہوا اراءۃ سورۃ زوجین کو جائز ہے مگر ادب کے خلاف ہے۔ بوقت صحبت اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا اور کوئی سمجھے اس دعا پڑھنے میں شیطان کا خیال ضرور آئے گا بات یہ ہے کہ ایک تو کسی شے کا خیال اس کو مقصود و مرغوب بنا کر لانا ہے اور ایک مہروب عنہ بنا کر دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس دعا کا حاصل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا گیا ہے کہ اے اللہ ہم کو اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچائیے تو اس کا تصور بحیثیت تنفر کے ہوا۔ پس اثر اسی کے مناسب ہوگا چنانچہ اس دعا کا اثر یہ آیا ہے فانہ لن یضرہ الشیطن یعنی شیطان اس کو ضرر نہ پہنچائے گا اولاد پاک اور مقدس ہوگی اور یوں اپنے ہاتھوں بگڑیں وہ دوسری بات ہے پس ہم کو اس تصور کے ہوتے ہوئے کسی اور تصور کی حاجت نہیں بہر حال بیوی کو برہنہ دیکھنے سے اخلاق پر اولاد کے اثر پڑتا ہے اور اس میں آدم وحوا کے رتبہ کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔

لفظ قل لانے میں حکمت

آگے اس تمہید کے بعد صراحۃ عنوان عام میں ان کا رد فرماتے ہیں وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝ یعنی جب وہ کوئی بے حیائی کی بات کرتے ہیں جیسے برہنہ طواف کرنا تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کا حکم کیا ہے آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں فرماتے آگے ارشاد ہے۔ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ الخ اس میں ماموارت کی تقسیم ہے اور قل سے اشارہ نہایت اہتمام کی طرف ہے اس لئے کہ حضور ﷺ تو بغیر قل کے بھی تبلیغ فرماتے پس قل لانا نہایت اہتمام کی دلیل ہے۔

ماموارت کی تین قسمیں

قسط میں حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے اور اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ میں حقوق اللہ آ گئے اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ میں عقائد داخل ہو گئے مامورات کی بھی تین قسمیں ہیں تینوں کو جمع فرما دیا آگے اصل مقصود کو بیان فرماتے ہیں يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ یعنی اے اولاد آدم اپنی زینت یعنی کپڑے پہنا کرو مسجد کے وقت یعنی طواف کے وقت جو کہ مسجد میں ہوتا ہے اور چونکہ کفار نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس برہنہ ہونے کا حکم دیا ہے تو اس تقریب سے آگے فرماتے ہیں قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اور اگرچہ مامورات کے ضمن میں منہیات بھی آ گئے تھے اس لئے کہ ماموربہ پر عمل کرنے سے منہیات سے خود ہی احتراز ہو گا اور کسی منہی کا ارتکاب کرنے سے کسی واجب العمل ماموربہ پر عمل ضرور ترک ہو گا لیکن چونکہ کفار نے کہا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس بے حیائی کا حکم فرمایا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مقابلہ میں منہیات کی فہرست مصرحا بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے تو یہ چیزیں حرام کی ہیں یہ تمام تمہید اس لئے بیان کی گئی تاکہ اس مضمون کی وقعت ذہن نشین ہو جائے غرض ارشاد ہوتا ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ الخ قل لانے کی وجہ تو وہی اہتمام شان ہے اور انما حصر کے لئے ہے اس میں بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ کیا یہی چیزیں حرام ہیں اور ان کے علاوہ سب حلال ہیں جواب اس کا یہ ہے کہ حصر کی دو قسمیں ہیں ایک حصر حقیقی دوسرے حصر اضافی' یہاں حصر اضافی مراد ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اہل مکہ دو بلاؤں میں مبتلا تھے تحریم حلال اور تحلیل حرام کپڑا پہننا حلال تھا اس کی تحریم کرتے تھے ایسے ہی بعض حیوانات کو حرام سمجھتے تھے اور ننگا پھرنا اور شرک کرنا حرام تھا اس کو حلال جانتے تھے اور لڑنا بھڑنا تو ان کی شب و روز کی دال روٹی تھی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اول تو تحریم حلال کی نسبت ارشاد فرمایا قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی اس زینت کو جو اس نے بندوں کے لئے پیدا کی ہے یہ تو ملبوسات کی نسبت ہے وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ یعنی کس نے حرام کی ہیں پاکیزہ چیزیں رزق سے' یہ ماکولات کی نسبت ارشاد فرمایا حاصل یہ ہے کہ پہننے اور کھانے پینے کی چیزیں خواہ درجہ حاجت میں ہوں یا درجہ لذت میں حرام نہیں یعنی اچھا کپڑا اور اچھا کھانا حرام نہیں ہے یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجاہدہ کے اندر غلو کرنا مناسب نہیں بعض اہل مجاہدہ اس میں حد سے آگے نکل جاتے ہیں پھل چھوڑ دیتے ہیں بعضے گوشت کھانا ترک کر دیتے ہیں بعضوں کی شہرت کی جاتی ہے کہ فلاں بزرگ اناج نہیں کھاتے لیکن ان کو یہ خبر نہیں کہ انہوں نے ایک غذا کو تو چھوڑا جو کہ حلال تھی اور ایک دوسری غذائے حرام یعنی عجب اور حب شہرت کو اختیار کیا چاروں طرف سے جب شہرت ہو گی اور سب کی نظریں پڑیں گی تو نفس کو بڑی غذا ملے گی اور نفس موٹا ہو گا مولانا فرماتے ہیں۔

آدمی فربہ شود از راہ گوش ۔۔۔ جانور فربہ شود از نادے نوش

(c) ketabton.com: The Digital Library

مجاہدہ میں غلو مذموم ہے

قُلْ ہِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا یعنی اے محمد ﷺ آپ فرما دیجئے کہ یہ نعمتیں اہل ایمان کے لئے ہیں دنیا میں اس سے معلوم ہوا کہ ترک کرنا مناسب نہیں بلکہ افضل واولیٰ استعمال ہی کرنا ہے اس لئے کہ جب ہمارے لئے طیار کی گئی تو ہم اگر نہ کھائیں گے تو یقیناً یہ ناراضی اور غیر پسندیدہ ہوگا دیکھو اگر کوئی میزبان بڑے اہتمام سے مہمان کے لئے کھانے تیار کرائے اور وہ مہمان نہ کھائے تو میزبان کا دل ضرور ناخوش ہوگا۔

اشیاء حرام کی پانچ اقسام

اب آگے آیت میں چند چیزیں مذکور ہیں جن پر تحریم وارد ہوئی ہے فواحش اثم بغی شرک اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ظاہر میں تو یہ پانچ قسمیں ہیں لیکن جیسے اوامر کی تین قسمیں تھیں واقع میں یہ پانچ بھی تین قسموں کی طرف راجع ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اوامر میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کل تین قسمیں ہیں۔ عقائد حقوق اللہ حقوق العباد یہاں بھی یہی قسمیں ہیں فواحش ما ظہر ہوں یا ما بطن ہوں اثم میں داخل ہیں اور اثم کا اطلاق اعمال متعلقہ دیانات پر زیادہ آتا ہے۔ اس لئے یہ حقوق اللہ ہوئے یعنی ان کا ارتکاب کرنے سے اللہ تعالیٰ کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور بغی کے معنی کسی پر ظلم کرنا ہے یہ حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے اور ان تشرکوا میں ان کے عقائد فاسدہ آگئے۔ باقی فواحش کو جداگانہ لائے حالانکہ الاثم کے اندر داخل ہے اس لئے کہ خصوصیت مقام اور سبب نزول اس کو مقتضی ہے اور نیز اسی اہتمام کی وجہ سے اس کی تقسیم بھی فرمائی۔ مَا ظَہَرَ مِنْہَا وَمَا بَطَنَ۔ مَا ظَہَرَ میں تو کھلی بے حیائی داخل ہے جیسے برہنہ رہنا اور برہنہ طواف کرنا اور ما بطن میں وہ بے حیائیاں ہیں جو چھپ کر کرتے تھے جیسے زنا کرنا اور اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کا منشا بھی فساد عقیدہ ہے اس لئے یہ بھی حکماً ان تشرکوا میں داخل ہے یہ تو تفسیر ہے الفاظ آیت کی اس آیت سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے سب قسم کے گناہ اور سب زمانوں میں حرام فرمائے ہیں۔ رمضان شریف کی کوئی تخصیص نہیں مگر فرق اتنا ہے کہ رمضان المبارک میں حرمت اور زیادہ بڑھ جائے گی۔ جیسے کہ شرف مکان وزمان سے نیکی کا ثواب بڑھ جاتا ہے اسی طرح گناہ کے اندر بھی شدت زیادہ ہو جاتی ہے بعضے گناہ اور بھی ہیں جو ان تشرکوا باللہ (یعنی اللہ کا شریک کرنا اور اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ یعنی اللہ پر جھوٹ باندھنا کے اندر داخل ہیں۔ اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ مومنین میں نہیں ہیں کفار ہی کے اندر ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کفار جیسے کفر کے اندر اشد تھے اسی طرح ان کے اندر یہ گناہ بھی اعلیٰ درجہ میں تھے اور مومنین کے اندر بھی ان کی حقیقت پائی جاتی ہے گو اس درجہ کی نہ ہو مثلاً وہ قصداً شرک کرتے تھے اور مسلمان قصد سے شرک نہیں کرتے گو لازم آجاوے مثلاً نذر غیر اللہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: اے اولاد آدم اگر تمہارے پاس تمہارے میں سے کچھ رسول آئیں جو میری آیتیں تمہارے سامنے پڑھیں تو پھر جو شخص (ان کے حکم کے موافق) تقوی اختیار کرے اور (اعمال کی) اصلاح کریگا ان پر کچھ اندیشہ نہ ہوگا۔ نہ وہ غمگین ہوں گے (سورہ اعراف رکوع ۴)

خطابات قدیم

اس آیت کے الفاظ پر نظر کر کے بعض اہل باطل نے استدلال کیا ہے کہ ارسال رسل کا باب منقطع نہیں ہوا۔ کیونکہ اس آیت میں حق تعالیٰ جملہ بنی آدم کو جن میں امت محمدیہ بھی داخل ہے خطاب فرما رہے ہیں کہ اگر تمہارے پاس رسول آئیں الخ اگر باب رسالت مسدود ہو چکا ہے تو اب اس قسم کے خطاب کے کیا معنی ہوئے یہ اشکال اس لئے ہوا کہ ان لوگوں نے محض اسی آیت کے الفاظ کو دیکھا اگر سباق پر نظر کی جائے تو پھر قصہ سہل ہو جاتا ہے وہ یہ کہ اوپر سے آیات میں نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سے اوپر آدم علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے کہ وہ پیدا کئے گئے پھر جنت میں رکھے گئے۔

پھر وہاں سے زمین پر اتارے گئے اور اس وقت آدم علیہ السلام کو اور ان کی ذریت کو کچھ خطابات ہوئے چنانچہ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝ میں آدم ذریت آدم دونوں کو خطاب ہے اسی وقت اولاد آدم کو خطاب ہوا ہے اسی وقت کے خطاب کا یہ بھی تتمہ ہے يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا (الآیہ) يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ میں پس یہ سب خطابات قصہ ہبوط آدم علیہ السلام کے وقت یا اس کے متصل ہی ارواح بنی آدم کو ہوئے ہیں جن کو اس وقت اس لئے نقل کر دیا گیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ عہود ہم سے قدیم زمانہ میں لے لئے گئے ہیں۔ کوئی نئی بات نہیں اور اس وقت باب رسالت بند تھا لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں اور اس خطاب کے قدیم ہونے کی تائید آثار سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ بیان القرآن میں بروایت ابن جریر ابوسیار سلمی کا قول نقل کیا گیا ہے دوسرے القرآن یفسر بعضہ بعضا کے قاعدہ سے سورۃ بقر کی آیت بھی اس کی موید ہے کیونکہ وہاں ارسال رسل کا مضمون حکم ہبوط کے ساتھ متصل ہی بیان ہوا ہے فرماتے ہیں قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ اس خطاب میں بجز اس وقت کا خطاب ہونے کے اور کوئی احتمال ہو ہی نہیں سکتا پس ایسے ہی یہاں بھی یہ خطاب يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ الخ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ سے مربوط ہے گو بیچ میں اور مضامین بھی آ گئے ہیں اس کا کچھ مضائقہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں کیونکہ بات میں سے بات نکل آیا ہی کرتی ہے بلاغت کا مسئلہ ہے الکلام یجر بعضہ بعضا چنانچہ بلاغت کا قاعدہ ہے کہ ایک بات کو شروع کرتے ہیں اس سے دوسری بات نکل آئی تو تبعاً اس کو بھی بیان کر دیا اس کے بعد پھر دوسری بات کی طرف عود کرتے ہیں قرآن کا نزول اسی طرز محاورہ پر ہوا ہے۔ معقولیین یا مصنفین کے طرز پر نہیں ہوا لہذا یہاں ربط سمجھنے اور تفسیر دریافت کرنے کے لئے دور تک آیات کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ لطف تفسیر کا اسی میں ہے اور اس سے سب اشکالات حل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ اسی حکمت کی بناء پر ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ نے پانی پی کر مجھے خاص خطاب کیا کہ میاں اشرف علی جب پانی پیو تو خوب ٹھنڈا پینا کہ ہر بن مو سے الحمد للہ نکلے ورنہ گرم پانی پینے پر زبان تو کہتی ہے الحمد للہ لیکن قلب نہیں کہتا آہ حضرت حاجی صاحب کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ آخر اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈا پانی اور گرم کھانا اپنے بندوں ہی کے لئے تو پیدا فرمایا ہے یا صرف یہود و نصاریٰ کے لئے' خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق قل ھی للذین امنوا فی الحیوة الدنیا خالصة یوم القیمة دیکھئے یہاں کافروں کا ذکر ہی نہیں اس سے معلوم ہوا کہ حیات دنیا میں بھی یہ نعمتیں اصل میں اہل ایمان ہی کے لئے پیدا فرمائی گئی ہیں اوروں کو انہیں کے طفیل میں مل جاتی ہیں۔ مگر اہل ایمان کے لئے ان طیبات کا خاص ہونا مقید ہے۔ ایک قید کی ساتھ اور وہ ہے خالصة یوم القیامہ یعنی اس قید کی ساتھ ان کے لئے مخصوص ہیں کہ قیامت کے روز بھی خالص رہیں کدورات سے تو مومنین کے ساتھ یہ نعمتیں حیات دنیا میں اس طرح خاص ہیں کہ وہ ان کو اس طرح برتیں کہ وہ قیامت میں بھی کدورات سے خالص رہیں اور ان سے وہاں کوئی ضرر نہ ہو' اور کفار جو ان چیزوں کو برتتے ہیں تو وہ اس قید سے نہیں برتتے پس خالصة یوم القیامة کے مصداق مومنین ہی ہیں جو برتنے میں یہ قید بھی ملحوظ رکھتے ہیں پھر جو اس کی تحریم کا اعتقاد رکھے اس کی اللہ تعالیٰ ہی مذمت فرماتے ہیں پھر آگے فرماتے ہیں کہ اور کونسی چیزیں ممنوع ہیں قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون غرض ان سے بچو کھانے پینے سے کس نے منع کیا ہے دیکھئے قرآن کی تو یہ تعلیم ہے تو اس تفسیر کے سمجھنے سے پہلے خالصة یوم القیامة کی ترکیب میں میں بہت پریشان تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ نہایت آسانی سے سمجھ میں آ گیا کہ مومنین کی تخصیص اس قید کے ساتھ ہے کہ ان کے لئے قیامت کے روز بھی یہ نعمتیں کدورات سے خالی اور بے خطر ہوں گی یہ بات اور کس کو نصیب نہیں پس یہ حال ہے اور حال قید ہوتی ہے عامل کی جس کی کافی تقریر ابھی گزری' جب علماء کی یہ تحقیق قرآن مجید سے ہے تو ان پر یہ شبہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ مطلقاً تحصیل دنیا سے منع کرتے ہیں مگر اس پر بھی معترضین کی یہ حالت اور جہالت ہے کہ دنیا میں کوئی کمی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہو کوئی کوتاہی ہو کوئی پستی ہو ہر معاملہ کو مولویوں ہی کے ذمہ تھوپتے ہیں بس وہی مثل صادق آتی ہے کرے گا کوئی بھرے گا کوئی' لیکن اہل علم کو اس ملامت سے رنج ہرگز نہ کرنا چاہئے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ خوش ہونا چاہئے کیونکہ تجربہ ہے کہ ملامت سے آدمی دین میں زیادہ پختہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ حمیت ضد اور بیچ انسان کا طبعی امر ہے۔ جب چاروں طرف سے لتاڑ پڑتی ہے تو اپنی بات کی بیچ پڑ جاتی ہے کہ اب تو یہی کریں گے اس لئے لوگوں کی ملامت سے علماء کو دل گیر نہ ہونا چاہئے اس سے ان کا دین پختہ ہو جائے گا۔ میں نے تو اسی ملکہ پر نظر کر کے ایک خاص علاج کیا تھا جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ ایک بریلی کے خان صاحب کا پوتا علی گڑھ کالج میں پڑھتا تھا۔ خان صاحب نے میرے سامنے اسے پیش کیا کہ یہ نماز نہیں پڑھتا اس کو سمجھا دیجئے' میں نے بلا کسی تمہید کے سادگی اور ہمدردی کے ساتھ پوچھا کہ بھائی تم نماز کیوں نہیں پڑھتے تو اس نے بے تکلف کہا کہ سچ کہہ دوں میں نے کہا ہاں سچ ہی کہہ دو' کہنے لگا بات یہ ہے کہ میں خدا ہی کا قائل نہیں نماز کس کی پڑھوں اور اس کہنے کے ساتھ ہی رونے لگا اور کہنے لگا کہ اس کے ذمہ دار خود میرے والدین ہیں جنہوں نے شروع ہی سے مجھے انگریزی میں لگا دیا اور دین کی کوئی تعلیم ہی نہ دی میں نے خان صاحب سے کہا کہ اجی آپ تو نماز کو لئے پھرتے ہیں اس شخص میں تو ایمان بھی نہیں پہلے اس کے ایمان کی فکر کیجئے خواہ بے نمازی ہی ہے۔ وہ بہت پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ اس کا کیا علاج' میں نے کہا کہ اس کا علاج تو ہے لیکن اگر اس کی لم نہ پوچھی جاوے اور بلا دلیل اس پر عمل کیا جاوے تو بتاؤں انہوں نے یہ شرط مان لی میں نے کہا کہ ان کو علی گڑھ کالج سے ہٹا کر کسی سرکاری سکول میں داخل کرا دیا جاوے چنانچہ انہوں نے یہی کیا تقریباً سال بھر کے بعد پھر جب بریلی جانے کا اتفاق ہوا وہ پھر ملے اور بیان کیا کہ اب وہ لڑکا پکا دیندار اور نمازی ہو گیا اس وقت خان صاحب نے مجھ سے کہا کہ اب تو اس کی وجہ بتا دیجئے میں نے کہا کہ علی گڑھ کالج میں تو سب آزاد خیال مسلمان ہی لڑکوں کا مجمع تھا آزادی سے جو چاہتے تھے بک دیتے تھے۔ اسلامی کے جذبہ کا کوئی محرم نہ تھا جب سرکاری اسکول میں داخل ہو گیا تو وہاں زیادہ تر ہندوؤں کے لڑکوں سے سابقہ پڑا اور ان میں عادت چھیڑ چھاڑ کی ہوتی ہے وہ مذہبی گفتگو اسلام کے خلاف کرتے تھے۔ یہ حمیت قومی میں جواب دیتا تھا اس ضد میں آ کر یہ دین پر پختہ ہو گیا اس کو سن کر خان صاحب کہنے لگے کہ جی ہاں یہی واقعہ بھی ہے پھر تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ اس نے مجھ سے بیعت ہونے کی درخواست کی گو میں نے مرید نہیں کیا کیونکہ میں ایسی جلدی کسی کو بیعت نہیں کیا کرتا مگر وہ یہاں تک پہنچ گیا تھا تو میری اسی پر نظر ہو گئی کہ انسان کے اندر بیچ کا مادہ ہے چنانچہ اس موقع پر یہ بیچ ہی کام آئی جو ملامت اور اعتراض سے ابھری تو علماء کو بھی جہلاء کے ملامت سے بددل نہ ہونا چاہئے اور اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی دستگیری ہے کہ اس کے لئے جو تجویز نافع تھی وہ ہی ذہن میں آئی حالانکہ بظاہر یہ الٹی سی

(c) ketabton.com: The Digital Library

بات تھی اور قیل و قال دوسروں کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی اسی لئے میں اس پر تفریعاً یہ ایک بات بھی کہا کرتا ہوں کہ جس پر اعتماد ہو اس سے قیل و قال نہیں کرنا چاہئے کہ اس کی کیا وجہ اس کی کیا وجہ اگر مریض طبیب سے ہر نسخہ کی وجہ پوچھے گا تو طبیب بددل ہو جائے گا البتہ اگر کسی طبیب پر اعتماد نہ رہے تو اس کو چھوڑ دینا تو برا نہیں لیکن اس سے ہر ہر دوا کی وجہ پوچھنا یہ بالکل خلاف معمول ہے اور ہرگز مناسب نہیں اب آپ اسی علاج کو دیکھئے جو اس لڑکے کا میں نے کیا بھلا آپ عقلاء زمانہ سے سن تو لیں یہ علاج بس اس کی مرض کی لم منجانب اللہ سمجھ میں آ گئی مگر یہ بھی نہیں ہے کہ ہر جگہ اسی علاج کو برتنے لگے بعض جگہ یہی چیز مضر بھی ہو جاتی ہے یہ طبیب ہی کا کام ہے کہ نبض دیکھ کر ذوقی طور پر مرض کی تشخیص کرے تشخیص ایک ذوقی چیز ہے اسی طرح امراض روحانی کی تشخیص بھی ایک ذوقی چیز ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۱۰ ص ۹۱)

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: اور پکاریں گے اعراف والے ان لوگوں کو کہ ان کو پہچانتے ہیں ان کی نشانی سے کہیں گے نہ کام آئی تمہارے جماعت تمہاری اور جو تم تکبر کیا کرتے تھے۔

تفسیری نکات

اہل اعراف

بہرحال قرآن محاورہ پر نازل ہوا ہے محاورہ کے موافق کسی کافر کو عذاب خفیف نہیں ہوگا کیونکہ محاورہ میں خفیف وہی ہے جس کی برداشت ہو سکے اور وہاں برداشت نہیں ہوگی۔ اسی معنی کو ہلکا کسی کا بھی عذاب نہ ہوگا۔ نیز یہاں دنیا میں تو کسی کو کوئی تکلیف زیادہ دنوں سے ہو تو کچھ دنوں کے بعد ایک عادت سی ہو جاتی ہے اس سے برداشت ہونے لگتی ہے مگر وہاں یہ بھی نہیں ہو سکے گی۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا یعنی وہاں ایک کھال ہی نہ رہے گی بلکہ جہاں ایک گلی معاً دوسری کھال نئی پیدا کر دی جائے گی تاکہ احساس زیادہ ہو ورنہ پہلی کھال جلتے جلتے عادت ہو جاتی پھر تکلیف نہ ہوتی مگر وہاں تو یہ بھی نہیں آگے تبدیل کی وجہ بتلاتے ہیں لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ تاکہ عذاب کو چکھیں بلکہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ یعنی عذاب زیادہ ہی ہوتا چلا جائے گا مگر پھر بھی شدید و اشد کا فرق ضرور ہوگا کوئی تخفیف مشترک ہو تو کسی مسلمان کی نیکیاں جو کافر کو ملیں گی یہ نہیں کہ وہ عبث اور بے کار رہوں گی نہیں ہر چیز کا ایک اثر ہے ان سے عذاب میں کچھ کمی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوگی مگر اس کی سے وہ خفیف نہ ہوگا لہٰذا نہ اس کا بھلا ہوا نہ اُس کا بھلا۔ اور اگر مسلمان کو یہ نیکی ملتی تو نفع ہوتا اس واسطے کہ قیامت میں تین قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ جن کی نیکیاں زیادہ ہوں اور بدی کم ہو وہ تو جنتی ہے اور ایک وہ جن کی نیکی کم اور بدی زیادہ وہ دوزخی ہے۔

تیسرے وہ جن کی نیکی اور بدی دونوں برابر ہوں گی وہ اہل اعراف ہیں چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں اہل اعراف وہ ہیں کہ من استوت حسناته و سیئاته چندروز اعراف میں رہ کر ان کی نجات ہو جائے گی کیونکہ جب بہت سے اہل نار کو نجات ملے گی اور وہ جنت میں داخل ہوں گے تو اہل اعراف کو تو بدرجہ اولی نجات و دخول جنت ہونا چاہئے۔

کفار ذی اخلاق کے اہل اعراف ہونے کی کوئی دلیل نہیں

بعض لوگوں نے بلا دلیل کہہ دیا کہ اعراف میں کفار ذی اخلاق جائیں گے اور ان میں سے نوشیرواں اور رستم اور حاتم کو بھی شمار کر لیا ہے کیونکہ نوشیرواں عادل تھا اور رستم شجاع اور حاتم کی سخاوت کے سب ہی معتقد ہیں مگر یہ سب واہیات ہے اس کی کچھ اصل نہیں ہے رستم میں اول تو جو کچھ کمال ہے صرف شاہ نامہ اس کی دلیل ہے لو سنئے خود ہی شاہ نامہ والے نے اس کا فیصلہ کیا ہے کہتے ہیں کہ

منش کردہ ام رستم پہلواں — وگرنہ یلے بود در سیستاں

تو اس کے کمال کی حقیقت اس شعر ہی سے ظاہر ہے کہ رستم کس قدر شجاع تھا دوسرے شجاعت کا نفع تو عدل و سخاوت کے برابر بھی نہیں اب عدل و سخاوت کو سنو نوشیرواں کی بابت کہا جاتا ہے کہ بڑا عادل تھا تو دیکھنا یہ ہے کہ عدل کہتے کس کو ہیں عدل کے معنی ہیں حقوق کو حدود پر رکھنا پھر یہ دیکھو کہ حدود کیا ہیں سو حدود وہ ہیں جن کو خدا اور رسول نے بتلایا ہے کیونکہ بغیر ان کے بتلائے ہم کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ حدود ہیں یا نہیں تو جو ان حدود سے متجاوز ہوگا وہ عادل نہیں بلکہ ظالم ہے اس کو عادل کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہاں ظلم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظالم بقصد ظلم دوسرا ظالم بلا قصد ظلم تو اگر چہ نوشیرواں ظالم بقصد ظلم تو نہیں مگر عادل بھی نہیں ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ نیت سے عادل تھا اور عمل سے ظالم تو نیت سے حقیقت تو نہ بدلی رہی سخاوت حاتم تو اس کے مخالف کوئی روایت اب تک نظر سے نہیں گذری۔

انفاق کے لئے محل کا ہونا ضروری ہے

لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ سخاوت کی حقیقت کیا ہے آیا مطلق انفاق سخاوت ہے یا اس کا کوئی محل بھی ہے اگر اس کے لئے کوئی محل نہیں تو اگر دریا میں کوئی شخص ایک لاکھ روپیہ پھینک دے تو کیا اس کو بھی سخی کہو گے حالانکہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس کو کوئی سخی نہیں کہتا بلکہ جاہل محض سمجھتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ انفاق کے لئے محل کا ہونا ضروری ہے اگر محل میں خرچ ہو تو سخی ہے۔ والا فلا اور محل معلوم ہوتا ہے شریعت سے جب اس کو محل ہی معلوم نہ تھا اور شریعت کی اس کو خبر ہی نہ تھی تو وہ سخی کیسے ہوا پس اول تو وہ سخی نہیں اور اگر ہو بھی تو کیا ہوا جب باغی تھا اور باغی کا کوئی کمال کمال نہیں پھر وہ سخاوت کس کام کی دیکھئے اب جو شورش ہوئی تھی اس میں اگر کوئی باغی ہوا اور وہ بہت بڑا تعلیم یافتہ تبحر عالم ہو تو کیا سرکار کے نزدیک اس کے کمال کی کوئی وقعت ہوئی تھی ہرگز نہیں بلکہ اس پر تو اور زیادہ غیض ہوا کہ جان بوجھ کر اس نے بغاوت کی ایسے ہی جو خدا تعالیٰ سے بغاوت کرے اس کا کوئی کمال مقبول نہیں جب تک کہ ایمان نہ ہو پھر وہ دوزخ سے کیوں بچے گا اور جب اس سے نہ بچا پھر اعراف میں کیوں جائے گا بس اعراف میں تو وہی لوگ جائیں گے جن کو دوزخ سے نجات مل چکی ہے اور جنت میں جلدی جانے کا سرمایہ پاس نہیں چنانچہ ابن عباسؓ سے روایت ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور وہ روایت غیر مدرک بالقیاس ہے اس لئے وہ حکم میں مرفوع کے ہے اور اہل اعراف کی مغفرت کی ایک عام دلیل تو اوپر مذکور ہوئی ہے کہ جب اہل نار کی مغفرت ایمان کے سبب ہو جائے گی تو اہل اعراف کی بدرجہ اولی ہوگی دوسری خاص دلیل قرآن کی ایک آیت ہے ایک خاص تفسیر پر وہ یہ ہے وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ الآية کہ اہل اعراف پکاریں گے چند لوگوں کو جن کو وہ پہچانتے ہیں ان کے نشان سے اس کے آگے ہے۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ایک تفسیر اس کی یہ ہے کہ قیل لهم ادخلو الجنة کہ اہل اعراف کو کہا جائے گا کہ جنت میں چلے جاؤ تو وہ جنت میں چلے جائیں گے علماء نے اس تفسیر پر بھی نکیر نہیں کیا تو عدم نکیر (انکار نہ کرنا) سے اجماع ہوگا ان کے دخول جنت پر یہ مضمون مناسبت کے سبب مذکور ہو گیا اس سے پہلے میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر کسی مسلمان کو نیکی ملے تو خیر اپنے ایک بھائی کا تو بھلا ہو گیا ممکن ہے کوئی مسلمان ایسا ہو جس کے حسنات وسیئات برابر ہوں اور وہ ایک نیکی تم سے لے کر بہشت میں فوراً چلا جائے گا۔ چنانچہ قیامت میں ایک شخص ایسا بھی آئے گا جس کی نیکی بدی بالکل برابر ہوگی کہ اگر ایک نیکی مل جائے تو وہ فوراً جنت میں چلا جائے وہ بیچارہ سب کے پاس جائے گا کوئی اسے نیکی نہ دے گا کہ تیرا تو ایک نیکی کی کمی کی وجہ سے یہ حال ہے اور یہاں تو کتنے گناہ کے انبار ہیں ہم پر نہ معلوم کیا کیا مصیبتیں آنے والی ہیں ہم کیونکر نیکی دے دیں آخر اس کو ایک شخص صاحب درد ملے گا وہ کہے گا کہ میرے پاس کل ایک ہی نیکی ہے اس کو تو ہی لے جا کیونکہ جب تیرا ایک نیکی کے کم ہو جانے سے کام نہیں چلا پھر میرا ایک نیکی سے کیا بھلا ہوگا اتنے معاصی کے مقابلہ میں لے بھائی اسے تو ہی لے جا تیرا تو بھلا ہو جائے وہ نیکی لائے گا اور جنت میں چلا جائے گا اس واقعہ میں اس دینے والے کی بھی اس سخاوت کی وجہ سے بخشش ہو جائے گی کیونکہ اس نے بہت بڑی ہمت

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور ہمدردی کی تو دیکھو ایک نیکی کے مل جانے سے وہ مسلمان پار ہو گیا غرض وہاں پر نیکیاں مومنین کے کام آئیں گی کفار کو کچھ کام نہ دیں گی اس کا یہ مطلب نہیں کہ لہذا کفار کے حق دبا لینے کی بجائے مسلمانوں کے ہاں چوری شروع کر دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ چوری دغابازی تو مسلمانوں کے مال میں بھی کرنا بہت بری بات ہے مگر کفار کے مال کی اس سے بھی زیادہ برا ہے۔

قرآن حکیم میں صرف دو فریق کا ذکر ہے

فرمایا اور اس سے بھی صاف لیجئے کہ فریق فی الجنة و فریق فی السعیر ایک فریق جنت میں ہوگا ایک فریق دوزخ میں ہوگا تو دو فریق فرماتے ہیں تیسرا فریق نہیں فرمایا اور یہ یقین ہے کہ دوزخ سے بچے رہیں گے تو اب اگر وہ جنت میں نہ جاویں تو تیسرا فریق ہونا لازم آتا ہے نہ وہ فریق فی الجنة (جنت کے فریق) میں داخل ہوئے نہ فریق فی السعیر (دوزخ کے فریق) میں اب رہی یہ بات کہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اعراف میں بھی رہیں پس تیسرے فریق کا بھی ثبوت ہوا مگر یہ شبہ بہت جلد زائل ہو جاوے گا کیونکہ اسی مقام پر فرماتے ہیں ادخلو الجنة لا خوف علیکم و لا انتم تحزنون (تم جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر کوئی خوف نہیں نہ تم رنجیدہ ہوگے) اس میں دو تفسیریں ہیں۔ ایک تو وہ جو میں اختیار کرتا ہوں کہ یہ اہل اعراف کا قول ہے اور دوزخیوں کو چڑانے کے لئے اہل جنت کے بارہ میں کہیں گے۔

اہل اعراف امیدوار جنت ہوں گے

اھو لاء الذین اقسمتم لا ینالھم اللہ برحمة (کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارہ میں تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے گا۔ قیل لھم ادخلو الجنة الخ دیکھو انہیں تو یہ کہہ دیا گیا کہ تم جنت میں چلے جاؤ تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہوگے دوسرا ایک قول اور ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے اہل اعراف کے لئے ادخلوا الجنة یعنی تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ سو اس آیت میں تو دونوں احتمال ہیں مگر میں دوسری آیت سے استدلال کرتا ہوں فرماتے ہیں بینھما حجاب و علی الاعراف رجال یعرفون کلا بسیما ھم و نادوا صحاب الجنة ان سلام علیکم لم یدخلو ھا و ھم یطمعون (ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے وہ لوگ ہر ایک کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے اور جنت والوں کو پکار کر کہیں گے السلام علیکم ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور اس کے امیدوار ہوں گے) اس سے معلوم ہوا کہ اہل اعراف کو جنت میں داخل ہونے کی امید ہوگی اور عالم آخرت عالم انکشاف حقائق ہے وہاں غلط امید نہیں ہو سکتی دوسرا استدلال اور ہے کہ سورة

(c) ketabton.com: The Digital Library

حدیث میں ہے فضرب بینھم بسور لہ باب باطنہ فیہ الرحمۃ و ظاھرہ من قبلہ العذاب (پھر ان کے درمیان ایک دیوار قائم کردی جاوے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا کہ اس کے اندرونی جانب میں رحمت ہوگی اور بیرونی جانب میں عذاب ہوگا۔)

اہل اعراف

مگر اس سے قبل سمجھئے کہ حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ کہ ان کے حسنات زیادہ ہوں گے سیئات سے وہ تو جنت میں جائیں گے یہ لوگ اعراف میں ہوں گے اب سنئے بسور لہ باب کو مفسرین نے بالاجماع اعراف کہا ہے تو اس کے دوزخ ہیں ایک طرف عذاب ہے اور ایک طرف رحمت ہے تو وہاں دونوں طرف کا اثر ہے اب دوسرا مقدمہ یہ سمجھئے کہ مومن میں سے جو جاویں گے وہ گناہوں کی سزا ملنے کے بعد جنت میں جاویں گے تو اہل اعراف جو ان سے اصلح حالاً ہیں وہ کیوں جنت میں نہ جاویں گے اور گفتگو ان جنوں میں ہو رہی ہے جو صالح ہوں ہاں اس کے ہم بھی قائل ہوں گے کہ جنوں میں بھی تین قسم کے لوگ ہوں گے اس میں سے ایک قسم کے لوگ وہ بھی ہیں جن کے حسنات وسیئات برابر ہوں گے اور وہ اولاً اعراف میں ہوں گے مگر کچھ دنوں کے بعد پھر جنت میں جاویں گے اور اعراف کے متعلق ایک اور بات یاد آئی جو عوام میں مشہور ہے اور بالکل غلط ہے وہ یہ کہ رستم اور نوشیرواں اور حاتم طائی یہ سب اعراف میں رہیں گے لوگوں کی بھی عجیب حالت ہے اپنی طرف سے جو چاہتے ہیں کہہ دیتے ہیں گویا یہ اس محکمہ کے حاکم ہیں کہ ان کے اختیار میں ہے جس کو چاہیں بھیج دیں خوب سمجھ لو کہ اگر ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے تو محض سخاوت یا شجاعت یا عدالت کی وجہ سے جنت کے مستحق نہیں ہوسکتے۔ کسی کے اندر کتنی ہی خوبیاں خوبیاں ہوں جب تک ایمان نہ ہوگا بیکار ہیں۔ مجھے یہ شعر یاد آتا ہے۔

شاہد آں نیست کہ موئے ومیانے دارد   بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد

(محبوب وہ نہیں جو پتلی کمر اور عمدہ بال رکھتا ہو بلکہ محبوبیت ایک آن اور ادا میں ہوتی ہے)

آج کل بعض لوگ کفار کی ظاہری خوبیاں دیکھ کر ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ذلیل سمجھتے ہیں مگر سمجھئے کہ ان کا ایک ایمان سب کے مقابلہ میں ہے ان میں ایک ایمان کی آن ایسی ہے کہ اس کے مقابلہ میں دوسروں کی ساری خوبیاں ہیچ ہیں کیونکہ

شاہد آں نیست کہ موئی ومیانے دارد   بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد

(محبوب وہ نہیں جس کے عمدہ بال اور پتلی کمر ہو بلکہ محبوب وہ ہے جس کے ایک آن اور ادا ہو)

(اجابت الداعی ملحقہ مواعظ جلد)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی برکت والا ہے اللہ جو رب ہے سارے جہان کا۔

تفسیری نکات

اصطلاحات قرآن

اس میں الا تو تنبیہ کے لئے ہے اور لہ کو حصر کے لئے مقدم کیا گیا ہے کیونکہ تقدیم ما حقہ التاخیر حصر کو مفید ہے اور خلق و امر کی تفسیر لغۃ ظاہر ہے خلق کے معنی پیدا کرنا اور امر کے معنی حکم کرنا حاصل یہ ہوا کہ تکوین و تشریع دونوں قسم کے تصرفات اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں وہی خالق ہیں وہی حاکم ہیں پس ہر قسم کے تصرفات انہی کے لئے مخصوص ہیں یہ تو لغت کے اعتبار سے خلق و امر کی تفسیر ہے جو ظاہر بھی ہے اور صحیح بھی مگر بعض لوگوں میں یہ مرض ہے کہ وہ اپنی اصطلاحات کو قرآن میں ٹھونستے ہیں یہ بڑی جہالت ہے چنانچہ صوفیہ کی ایک اصطلاح ہے عالم مادی کو عالم خلق کہتے ہیں اور مجردات کو عالم امر جس کی تفصیل یہ ہے کہ تجرد عالم کے بارہ میں تین مذاہب ہیں متکلمین کے یہاں تو اشیاء عالم میں مجرد کوئی نہیں سب مادی ہیں اور فلاسفہ کے نزدیک بعض اشیاء مجرد بھی ہیں اور زیادہ مادی ہیں مگر مجردات کو قدیم مانتے ہیں تیسرا مذہب صوفیہ کا ہے کہ عالم میں بعض اشیاء مجرد بھی ہیں اور مادی بھی مگر سب حادث ہیں کوئی مجرد قدیم نہیں متکلمین نے نفی تجرد پر یہ استدلال کیا ہے کہ تجرد اخص صفات باری تعالیٰ سے ہے حکماء و صوفیہ نے اس مقدمہ کو رد کیا ہے اور کہا ہے کہ اس قول میں خود مصادرہ علی المطلوب ہے کہ چونکہ تم کسی شے کو مجرد نہیں مانتے اس لئے تجرد کو اخص صفات سے کہتے ہو ورنہ اس مقدمہ کی کوئی دلیل نہیں صوفیہ و حکماء کہتے ہیں کہ اخص صفات باری سے وجوب بالذات ہے واجب بالذات بجز حق تعالیٰ کے کوئی نہیں اور مجرد عن المادہ مخلوقات میں بھی ہیں مگر صوفیہ اور فلاسفہ میں فرق یہ ہے کہ صوفیہ مجردات کو حادث مانتے ہیں اور فلاسفہ قدیم کہتے ہیں بہر حال صوفیہ کا مذہب یہ ہے کہ بعض اجزاء عالم مجرد عن المادہ ہیں چنانچہ روح کو وہ مجرد کہتے ہیں اور اس کے علاوہ انسان میں بعض لطیفے ان کو اور مکشوف ہوئے ہیں اور ان کے نزدیک حقیقت انسان ان مجردات اور جسد مادی سے مرکب ہے ان لطائف کو بھی صوفیہ نے مجرد کہا ہے اور یہ ان کو کشف صحیح سے معلوم ہوا ہے بجز کشف کے اس کی اور کوئی دلیل نہیں مگر ان میں نفس مادی ہے بمعنے حال فی المادی اس کو لطائف میں تغلیباً شمار کر لیا ہے نیز صوفیہ نے فرمایا ہے کہ ان کا مقام فوق العرش ہے اور اس کا یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

مطلب نہیں کہ فوق العرش انکا حیز ہے تاکہ مجرد کے لئے مکان وحیز لازم آئے بلکہ فوق العرش سے مراد یہ ہے کہ ان کا کوئی مکان نہیں تو جیہ اس ارادہ کی یہ ہے کہ عرش منتہی ہے امکنہ کا اور فوق کے لئے خارج ہونا لازم ہے پس فوق العرش کے معنی یہ ہوئے خارج عن الامکنہ باقی رہی یہ تحقیق کہ وراء العرش مکان تو نہیں لیکن پھر کیا ہے آیا خلاء ہے یا خلاء بھی نہیں تو دونوں امر ممکن ہیں لیکن حکماء نے بلا دلیل دعویٰ کیا ہے کہ محدود جہات کے ادھر نہ خلاء ہے نہ ملا خلا تو اس لئے نہیں کہ محال ہے اور یہ دعویٰ خود بلا دلیل ہے اور ملا اس لئے نہیں کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں یہ عجیب دلیل ہے کہ جس شے کی آپ کو ضرورت نہ ہو وہ معدوم محض ہے یہ حال ہے ان کے دلائل کا جو مضحکہ خیز ہیں غرض صوفیہ نے عالم کی تقسیم مجردات و مادیات کی طرف کر کے یہ اصطلاح مقرر کی ہے کہ مجردات کو عالم امر سے تعبیر کرتے ہیں اور مادیات کو عالم خلق کہتے ہیں سو اول تو یہ ایک اصلاح ہے ولا مشاحۃ فی الاصطلاح لیکن اس تسمیہ میں ایک مناسبت بھی ہے وہ یہ کہ خلق کے معنی لغت میں مادہ میں صورت پیدا کرنا اور اس کے مقابل ہے ابداع یعنی خود مادہ کو پیدا کرنا جس کا ذکر اس آیت میں ہے بدیع السموات والارض چنانچہ اس کے متصل ہی واذا قضی امرا فانما یقول لہ کن فیکون اس پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ قضاء محض کن سے ہے اس میں مادہ کا توسط نہیں اور اللہ تعالیٰ تو مادہ کے بھی خالق ہیں اور صورت وہیئت کے بھی باقی مادہ میں صورت بنانا یہ ایک درجہ میں بندہ سے بھی ممکن ہے چنانچہ رات دن ایجادات میں یہی ہوتا ہے کہ مادہ کے اندر نئی نئی صورتیں پیدا کی جاتی ہیں مگر مادہ کا خالق سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں اسی واسطے قرآن میں فتبارک اللہ احسن الخالقین فرمایا ہے احسن المبدعین نہیں فرمایا کیونکہ مبدع بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں بہر حال مادیات کو عالم خلق اس لئے کہا کہ ان کا وجود مادہ اور صورت کے ملانے سے ہوا ہے ان میں مادہ اور صورت کی ترکیب ہوتی رہتی ہے اور مجردات کو عالم امر اس لئے کہا کہ وہاں مادہ و صورت کی ترکیب نہیں ان کا وجود صرف کلمہ امر اور خلق کو متقابل ٹھہرایا گیا ہے یہ قرینہ ہے اس کا کہ امر سے مراد امر تکوین نہیں بلکہ تشریعی ہے یہاں تک الحمد للہ الا لہ الخلق والامر کی تفسیر تو واضح ہوگی۔

علمی اشکال

اب میں تتمیم فائدہ کے لئے اس کے بعد کی آیات کی بھی تفسیر کرتا ہوں کیونکہ ان کو اس مضمون کی تتمیم میں دخل ہے اور اس سے پہلے ایک شبہ کو جو کلام سابق کے متعلق ہے رفع کرتا ہوں جو کہ خلق پر وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جو معدوم کو موجود کرتے ہیں تو اس کی صورت دوسری آیات میں یہ وارد ہے کہ کن کہہ دیا اور موجود ہو گیا تو کن میں خطاب کس کو ہے کیا معدوم کو امر ہے میرے پاس ابھی ایک خط آیا تھا جس میں یہ سوال تھا کہ کن

(c) ketabton.com: The Digital Library

کس کو کہا جاتا ہے میں نے اس کو تو یہ جواب لکھ دیا کہ

؎ آرزو می خواہ لیک اندازہ خواہ برنیاید کوہ رایک برگ کاہ

یعنی سوال اپنی حیثیت کے موافق کرنا چاہئے یہ سوال تمہاری قابلیت سے زیادہ ہے مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ سوال لاجواب ہے لاجواب نہیں بلکہ اگر آپ اپنی قابلیت کے بعد ہم سے کہیں کہ لاجواب (لا امر کا صیغہ یعنی پیش کر اس میں صنعت کی رعایت ہے) تو ہم اس کا جواب دیں گے کہ موجود علمی کو یہ خطاب کیا گیا ہے کہ موجود خارجی ہو جا۔ یعنی جو شئی خارج میں معدوم ہے وہ معدوم محض نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود ہے پس ایجاد تو معدوم کا ہے اور خطاب اس شئے کا ہے جو موجود ہے اور اس جواب کی ضرورت ایجاد اوّل میں ہے اور ایجاد ثانی یعنی قیامت کے بعث ونشر میں تو خطاب ایسی شئے کو ہے جو موجود خارجی بھی ہے اور علمی بھی کیونکہ قیامت میں جو عالم معدوم ہو گا تو وہ عدم محض نہ ہو گا بلکہ عدم خاص ہو گا۔ کہ صورت عالم فنا ہو جائے گی مادہ باقی رہے گا اس کا یہ مطلب نہیں کہ عدم محض محال عقلی ہے ہرگز نہیں عدم محض بھی حق تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں وہ اس پر بھی قادر ہیں کہ صورت و مادہ دونوں کو فنا کر دیں پھر ایجاد کر دیں جیسا ایجاد اول میں ہوا مگر عادۃ اللہ یوں ہی واقع ہے کہ ایجاد اول کے بعد وہ موجود کو معدوم محض نہیں کرتے یہ عادت نہ نصوص سے معلوم ہوئی کہ قیامت میں جو عالم فنا ہو گا وہ فنائے صوت ہے فناء محض نہیں چنانچہ ایک حدیث میں اس طرف اشارہ ہے ان الانسان یفنی و لا یبقی منہ شئی الا عجب الذنب (اوکما قال) کہ انسان کے کل اجزاء فنا ہو جائیں گے مگر ریڑھ کی ھڈی فنا نہ ہو گی قیامت میں اسی ہڈی سے انسان کا تمام جسم بن جائے گا جیسا کہ گٹھلی سے درخت پیدا ہو جاتا ہے گویا یہ جزو بمنزلہ تخم کے ہے شاید کسی کو شبہ ہو کہ جب انسان کو جلا دیا جاوے گا جیسا کہ بعض اقوام مردہ کو جلاتے ہیں تو اس وقت تو ہڈی بھی راکھ ہو جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو مسلم نہیں کہ سب ہڈیاں راکھ ہو جاتی ہیں کیونکہ مرگھٹوں میں ہڈیاں دستیاب ہوتی ہیں اور مان بھی لیا جائے تو ہم کہیں گے کہ ہڈیوں کی راکھ میں جو جزو ریڑھ کی ہڈی کا ہے وہ قیامت تک محفوظ رہے گا اور ممکن ہے کہ وہ اتنا چھوٹا ہو کہ محسوس بھی نہ ہوتا ہو جیسا جزو لا یتجزی سو حدیث تو یہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت یا قیامت سے فناء محض نہ ہو گا۔

خلق و امر

فرمایا اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ کے معنی اس وقت یہ سمجھ میں آئے کہ اس کے قبل حق تعالیٰ نے تفصیلاً عالم کو پیدا کرنا اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ میں اور عالم میں امر کا جاری ہونا یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ میں بیان فرمایا تھا۔ اب اس تفصیل سابق کو بطور اجمال کے فرما رہے ہیں کہ خلق اور امر جس کا ذکر سابق میں ہوا وہ تو میرے قبضہ میں ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: اور دنیا میں بعد اسکے کہ درستی کردی گئی ہے فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار ہوتے ہوئے بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے۔ نیک کام کرنے والوں سے۔

تفسیری نکات

فساد فی الارض

اس میں ایک امر ہے اور ایک نہی' نہی ہے فساد فی الارض سے اور امر ہے طاعت کا ادعوا مشتق ہے دعا سے اور دعا ایک فرد ہے طاعت کا پس مراد طاعت ہے۔ بعض خصوصیات کی وجہ سے ایک فرد کو یہاں ذکر کیا گیا جو اکمل افراد ہے اس وقت ان خصوصیات سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے اصل مدعا یہ ہے کہ ان دونوں نہی اور امر میں ارتباط کیا ہے جس کی وجہ سے دونوں یکجا لائے گئے ظاہراً بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے کہ فساد سے منع کر کے فرماتے ہیں اور خدا کا نام لیا کرو (عبادت کیا کرو) سو ان میں جوڑ یہی ہے کہ ایک سبب ہے اور اصل ہے اور دوسرا مسبب اور فرع ہے یعنی عبادت سبب اور اصل ہے عدم فساد کا اس لئے فساد سے منع کر کے عبادت وطاعت کا امر کیا گیا کہ فساد فی الارض سے بچنا چاہتے ہو تو طاعت کو اختیار کرو پس اصل مقصود وادعوہ ہے یعنی عبادت اس کی کمی سے فساد پیدا ہوتا ہے اور اس کی ترکی سے انسداد فساد یعنی اصلاح کو ترقی ہوتی ہے پس معصیت وفساد میں باہم تعلق ہے اور طاعت اور اصلاح میں باہم ارتباط اور ان دونوں کے تعلق میں کچھ وسائط نہیں ہیں بہت کھلی ہوئی بات ہے وہ یہ کہ عبادت صرف روزہ اور نماز ہی کا نام نہیں ہے عبادت جملہ نیک کاموں کو شامل ہے اس میں معاملات بھی داخل ہیں اور معاشرت بھی اور عادات بھی اور اخلاق بھی اگر یہ سب طریق پر پورے ادا کئے جاویں یعنی اس طریق سے جس کی شریعت نے تعلیم کی ہے تو ان کا لازمی نتیجہ ہے کہ فساد نہ رہے اسی لئے آگے وادعوہ سے بھی بڑھ کر ایک چیز لائے ہیں اور فرماتے ہیں اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ یعنی رحمت اللہ تعالیٰ کی قریب ہے ان سے جو عبادت میں عمل احسان بھی اختیار کرتے ہیں احسان کے معنی وہی ہیں جو حدیث میں آئے ہیں کہ ان تعبد اللہ کانک تراہ یعنی خدا تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر عبادت کرو جس کے لئے

(c) ketabton.com: The Digital Library

مختصر لفظ خلوص ہے تو مطلب یہ ہوا کہ نری عبادت پر بھی یہ وعدہ نہیں کہ رحمت قریب ہے بلکہ اس عبادت پر ہے جس میں خلوص محض ہو اب آپ انصاف سے دیکھیں کہ اگر ایک جماعت ایسی ہو جو سب کے سب خلوص محض کے ساتھ شریعت کی تعلیم کے موافق عبادات کے اور عادات کے اور معاملات کے معاشرات کے اخلاق کے پابند ہوں تو کیا ان میں بھی فساد ہوگا یا کسی کو ان سے اذیت پہنچے گی حاشا وکلا وہ فرشتہ صفت انسان ہوں گے اور کسی کو ان سے ناگواری تو کیسی وہ ہر دلعزیز ہوں گے چنانچہ جو افراد اس کے مصداق ہوئے ہیں یعنی اہل اللہ ان کے حالات تواریخ میں موجود ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کا وجود دنیا میں کیسا تھا کیا ان سے کسی کو تکلیف پہنچی تھی یا ان کا وجود باعث فساد تھا نہیں بلکہ ان کا وجود باعث رحمت اور باعث رفع فساد ہوتا ہے اسی وجہ سے عالم کا عالم ان پر فدا ہوتا ہے اور ہر شخص کا قلب ان کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے یہ بات ان میں کاہے سے پیدا ہوئی اسی چیز سے جس کا نام عبادت یا طاعت ہے اس سے ثابت ہوا کہ طاعت کو رفع فساد میں ضرور دخل ہے اور فساد اسی کے نہ ہونے سے ہوتا ہے یہ علاقہ ہوا لا تفسدوا اور وادعوا میں کہ طاعت کو دخل ہے رفع فساد میں۔

فساد اور اصلاح کا مفہوم

اب ان آیتوں سے اس کو ثابت کرتا ہوں تو سمجھئے کہ ان دو آیتوں میں یہ بھی ارشاد ہے کہ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا اور یہی جزو ہے جو اس وقت مقصود بالبیان ہے یعنی اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔

اب یہ دیکھئے کہ فساد کیا ہے اور اصلاح کیا ہے۔ اسی کے فیصلے کے لئے میں نے یہ دونوں آیتیں پوری پڑھ دی ہیں تاکہ سیاق وسباق سے اس کی تعیین ہو جائے تو پہلے تو یہ فرمایا ہے کہ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اور بعد میں یہ فرمایا کہ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا اور دعا میں دو احتمال ہیں یا تو دعا کے وہی معنی ہوں جس کو عرف میں دعا کہتے ہیں یا دعا کے معنی عبادت کے ہوں کیونکہ قرآن میں دعا کے معنے عبادت کے بھی آئے ہیں چنانچہ بعض نے اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ میں عبادت کے معانی لئے ہیں اور بعض نے دعا کو اپنے معنی میں رکھ کر لفظ عبادت کو جو اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ میں ہے دعا کے معنوں میں لیا ہے نیز دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہاں دعا بمعنے عبادت ہے غرض دعا دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

تو اس آیت میں اگر عبادت کے معنے لئے جائیں تب تو خلاصہ یہ ہوگا کہ اول بھی عبادت کا حکم ہے اور بعد میں بھی اور درمیان میں فساد کی ممانعت ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبادت نہ کرنا فساد ہے اور اس سے اصلاح کی بھی تعیین ہوگئی کہ بعد انتظام عبادت ترک عبادت نہ کرو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اگر دعا کے معنی عبادت کے نہ لئے جائیں بلکہ اپنے ظاہری معنی پر رکھا جائے تو اس وقت بظاہر یہ آیت اس دعویٰ کے اثبات کے لئے مفید نہ ہوگی لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس صورت میں بہت زیادہ مفید ہے کیونکہ عبادت دو قسم کی ہیں ایک تو وہ عبادت جس سے مقصود دین ہی ہے اور ایک وہ عبادت جس سے کبھی دنیا بھی مقصود ہوتی ہے ہر شخص جانتا ہے کہ پہلی عبادت اپنے عبادت ہونے میں زیادہ قوی ہے۔

اب سمجھئے کہ دعا عبادت کی ایسی فرد ہے کہ اس سے دنیا کی بھی طلب ہو سکتی ہے تو اس اعتبار سے دعا دوسرے درجے کی عبادت ہوگی۔ تو جب اس کے ترک کو فساد فرمایا گیا ہے تو جو عبادت خالصہ ہے اس کا ترک تو کیوں موجب فساد نہ ہوگا تو قرآن اس کا دعویٰ کرتا ہے کہ عبادت کا ترک کرنا موجب فساد فی الارض ہے اور انتظام عبادت کو اصلاح فی الارض فرما رہا ہے۔

باقی یہ کہ جس وقت یہ ارشاد ہو رہا ہے اس وقت بہمہ وجوہ اصلاح کہاں تھی جس کے بعد فساد سے منع فرماتے ہیں کیونکہ کفار کی کثرت تھی جو ہر وقت فساد میں ہی رہتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اصلاح سے سامان اصلاح کی کہ نبی کریم ﷺ کو بھیج کر سامان اصلاح کر دیا اگر تم ان کو چھوڑو گے تو تم فساد کرو گے یہ تو آیت کا مدلول ہوا جس کا حاصل یہ ہوا کہ عبادت یعنی دین نہ ہونا موجب فساد ہے۔

دین کی حقیقت

لیکن اول اس کو سمجھئے کہ دین کیا چیز ہے تا کہ آپ کو پھر مدلول آیت میں تعجب نہ ہو تو دین حقیقت میں چند چیزوں کے مجموعے کا نام ہے مگر ہم لوگوں نے اس وقت دین کا یہ ست نکالا ہے کہ پانچ وقت کی نماز پڑھ لی اور بس بعض نے تو یہ بھی نہیں رکھا بلکہ محض من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ اپنی مزعوم تفسیر کے اعتبار سے ان کا مذہب ہے اور اس پر غضب یہ ہے کہ بعض نے محمد رسول ﷺ کی بھی ضرورت نہیں سمجھی میں نے اس کی تفسیر دیکھی ہے کہ (نعوذ باللہ) رسالت کا ماننا نجات کا موقوف علیہ نہیں۔

صاحبو مولوی اسی کو روتے ہیں کہ آپ کے گھر میں آگ لگی ہے لیکن آپ کو خبر نہیں صاحبو: غضب ہے کہ غیر قومیں تو اسلام کی تعریف کرتی چلی جاتی ہیں اور ہم اسلام کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں غرض چونکہ ہم لوگوں نے دین کا ست نکال لیا ہے دین واقع میں چند چیزوں کا نام ہے اور وہ پانچ چیزیں ہیں۔

۱۔عقائد ۲۔عبادات ۳۔معاملات ۴۔آداب معاشرت ۵۔اخلاق باطنی

یعنی یہ کہ تکبر نہ ہو ریا نہ ہو تواضع ہو اخلاص ہو قناعت ہو شکر ہو صبر ہو وعلی ہذا بس ان پانچ چیزوں کا نام دین ہے حاصل آیت کا یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کو اصلاح فی الارض میں اور ان پانچ کے اخلال کو افساد فی الارض میں دخل ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تصرف وحکمت

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ سے ثابت ہو چکا ہے کہ خالق بھی اللہ تعالیٰ ہیں حاکم بھی وہی ہیں یعنی پس ان کے ہر تصرف پر راضی رہنا چاہئے کیونکہ ان کو ہر تصرف کا اختیار ہے اس پر یہ ایہام ہوتا ہے کہ ہر تصرف پر راضی ہونا جب ممکن ہے جب کہ ہر تصرف مفید اور گوارا اور موافق مصلحت ہو اور اگر کوئی تصرف مضر یا خلاف حکمت ہو تو اس پر کون راضی ہوگا ہر چند کہ اس شبہ کا ایک جواب اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ میں بھی آ گیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ غالب علی الحکمت ہیں مغلوب عن الحکمت نہیں وہ اپنے تصرفات واحکام میں حکمتوں کے تابع نہیں بلکہ حکمت ان کی تصرف کے تابع ہے یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ حکمت کو سوچ کر تصرف کریں بلکہ وہ جو تصرف کرتے ہیں حکمت خود ادھر ہی ہو جاتی ہے مگر یہ جواب اذہان عامہ سے بالا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہمارے مذاق کے موافق گفتگو فرمایا کرتے ہیں۔ اس لئے آگے اس شبہ کا دوسرا جواب دیتے ہیں جو اذہان عامہ کے قریب ہے فتبارک اللہ رب العلمین یعنی اللہ تعالیٰ خوبیوں کے بھرے ہیں ان کا کوئی قول وفعل حکمت سے خالی یا حکمت کے خلاف کیونکر ہو سکتا ہے آگے اس کی دلیل مذکور ہے کہ وہ رب ہیں پالنے والے ہیں یعنی ان کو تمہارے ساتھ یا صمط کی محبت ہے پھر یہ احتمال کیوں ہے کہ ان کا کوئی تصرف خلاف حکمت یا مضر ہوگا پھر یہاں ربکم کی جگہ رب العلمین فرمایا ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ایسے پروردگار ہیں کہ انہوں نے تمہاری تربیت کی یہ صورت کی کہ محض تمہارے واسطے تمام عالم کی پرورش کرتے ہیں بلاشبہ یہ شان ہے۔

کشند از برائے دلے بارہا　　　خورند از برائے گلے خارہا

خدا تعالیٰ بار وخار سے منزہ ہیں یہ شعر صرف اسی معنی کی تشبیہ وتوضیح کے لئے پڑھ دیا ہے کہ ایک انسان کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا سامان پیدا کیا ہے اور اتنا بڑا کارخانہ جاری کیا ہے۔

دعا وتفویض

پھر اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب ہر تصرف حق تعالیٰ کا حکمت کے موافق ہے تو اب تفویض کے ساتھ دعا کیونکر جمع ہوگی بس دعا کو چھوڑ دینا چاہئے چنانچہ بعض صوفیہ کو جن پر تفویض غالب ہے یہ شبہ ہوا کہ تفویض ودعا جمع نہیں ہو سکتا میں کہتا ہوں کہ دونوں جمع نہ ہو سکتے تو یہاں تفویض ودعا کو جمع کیونکہ کیا جاتا ہے کہ اول تعلیم تفویض کی گئی پھر دعا کا امر کیا گیا۔

غرض آگے اس شبہ کو دفع کیا جاتا ہے کہ تفویض سے ترک دعا لازم نہیں آتا بلکہ ہم حکم دیتے ہیں کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفویض کے ساتھ دعا بھی کرو اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اپنے پروردگار سے الحاح کے ساتھ دعا کرو ذلت ظاہر کرتے ہوئے بھی اور آہستہ آہستہ بھی میرے نزدیک تضرع و خفیہ دونوں کے مجموعہ سے الحاح و اظہار عبدیت مقصود ہے کیونکہ الحاح اور اظہار بندگی کے وقت لہجہ ایک نہیں رہتا کبھی آواز بلند ہوتی ہے کبھی آہستہ ہوتی ہے اس لئے دو لفظ لائے گئے جس سے اس پر تنبیہ کردی گئی کہ ایک لہجہ اور ایک وضع کے پابند نہ ہو کیونکہ تقید سے عبدیت سے خشوع فوت ہو جاتا ہے اس میں تنبیہ کردی گئی کہ دعا تفویض کے منافی نہیں کیونکہ تفویض کا منشا بھی عبدیت ہے اور دعا کا منشا بھی عبدیت ہے بلکہ دعا میں شکستگی اور عجز و نیاز زیادہ ظاہر ہوتا ہے جو عین مقتضائے عبدیت ہے پھر یہ تفویض کے خلاف کیونکر ہو تفویض کے خلاف تو وہ دعا ہے جس سے مقصود یہ ہو کہ جو ہم نے تجویز کرلیا ہے جو ہم مانگ رہے ہیں وہی ہو جائے تو راضی ہیں ورنہ ناراض ہیں اور جس دعا سے محض اظہار عبدیت مقصود ہو اور دعا کرنے والا دل سے ہر شق پر راضی ہو کہ خواہ دعا منظور ہو یا نہ ہو یعنی جو مانگا جا رہا ہے وہ عطا ہو یا نہ ہو میں ہر صورت میں راضی ہوں تو یہ دعا تفویض کے خلاف کیونکر ہو سکتی ہے پس تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً کے بڑھانے سے متنبہ کردیا گیا کہ دعا اظہار عجز و عبدیت کے لئے ہونا چاہئے اور خفیہ کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تضرع سے مراد اعلان ہے۔ مگر بعض دفعہ اعلان میں بے ادبی کا لہجہ ہو جاتا ہے اسی لئے رفع صوت عند النبی کی ممانعت ہے تو اعلان کو تضرع سے تعبیر کر کے بتلا دیا گیا کہ دعا اعلانا ہو تو تذلل کے ساتھ ہو

خلاف تفویض دعاء

آگے ارشاد ہے اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ اس میں متنبہ کردیا گیا ہے کہ دعا کے لئے حدود ہیں ان سے تجاوز کرنا چاہئے مثلاً دعا میں استعجال نہ کرے عدم ظہور اثر سے گھبرائے نہیں اور حرام چیزوں کی دعا نہ کرے اور مستحیل عادی و عقلی کی دعا نہ کرے جیسے یوں کہنے لگے کہ اے اللہ مجھے نبی کردے وغیرہ وغیرہ کیونکہ نبوت مانگنے سے نہیں ملا کرتی۔

اب ایک شبہ اور رہا کہ جب تفویض کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر تصرف پر راضی رہنا چاہئے تو پھر گناہ بھی ترک نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ بھی تصرف حق ہی ہے اس شبہ کو رفع کرتے ہیں کہ خبردار گناہ مت کرنا وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا کہ زمین میں فساد نہ کرنا بعد اس کے کہ اس کی درستی کردی گئی ہے مطلب یہ کہ گناہ موجب فساد ہے اور ہم نے فساد کو نبوت اور تشریع احکام کے ذریعہ سے ممنوع قرار دیا ہے پس اب تم اصلاح کے بعد فساد نہ کرو اور گو گناہ بھی خدا کا پیدا کیا ہوا ہے کیونکہ خالق خیر و شر وہی ہے مگر یہ تصرف بلا واسطہ حق تعالیٰ کا تصرف نہیں بلکہ اس کے اندر تم واسطہ ہو کیونکہ بندہ کا سب افعال ہے اور واسطہ مذموم ہے اور گناہ میں بندہ کے واسطہ ہونے پر لا تفسدوا میں خطاب کے صیغہ سے بھی دلالت ہو رہی ہے جس سے معلوم ہوا کہ فساد و گناہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں بندوں کے ارادہ واختیار کو بھی دخل ہے خلاصہ تعلیم کا یہ ہوا کہ تفویض کے معنی یہ ہیں کہ جو تصرف حق تعالیٰ کی طرف سے بلاواسطہ ہو اس پر راضی رہو اور جو تصرف ایسا ہو جس میں تمہارے فعل قبیح کا واسطہ ہو اس پر راضی ہونا بایں معنی کہ گناہوں پر جرأت کرنے لگو اور ان سے بچنے کا اہتمام نہ کرو تفویض نہیں۔

امن عامہ

اور اوپر جو میں نے کہا ہے کہ بعد اصلاحھا کے معنی یہ ہیں کہ اوامر ونواہی کے نزول اور نبی کے مبعوث ہونے سے زمین کی اصلاح کر دی گئی اس میں ایک بڑے مسئلہ کا فیصلہ ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ اوامر شرعیہ پر عمل کرنا اور نواہی شرع سے بچنا یہ جڑ ہے امن کی اور یہی رافع ہے فساد کا۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ: موسیٰ علیہ اسلام سے ساحروں نے پوچھا کہ تم اپنا عصا ڈالتے ہو یا ہم ڈالیں موسیٰ علیہ اسلام نے فرمایا کہ تم ہی ڈالو۔ پس جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھلایا۔

تفسیری نکات

ساحران کو عاجز کرنے کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجازت دی

موسیٰ علیہ السلام نے ساحران فرعون سے فرمایا تھا اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿﴾ (جو کچھ تم ڈالنے والے ہو ڈالو) بظاہر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ساحران فرعون کا سحر تو کفر یا معصیت تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس سحر کی اجازت کیوں دی جواب یہ ہے کہ یہ اجازت ابقاء کفر کے لئے نہ تھی بلکہ اس سے احقاق حق اور ابطال باطل مقصود تھا کیونکہ

جب وہ لوگ اولاً اپنا سحر ظاہر کریں گے اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا سب کو فنا کر دے گا تو اس طرح اظہار حق کامل طور سے ہوگا۔ اس مصلحت اظہار حق کے لئے انہوں نے فرمایا تھا۔ اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ۝ وعندی جواب اخر وھو ان الامر ھناک للتعجیز القوا ما انتم ملقون فانی لا اعباء بہ فافعلوا ما شئتم کما فی قولہ تعالیٰ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ

(میرے نزدیک ایک دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر اجازت دینا ان کو عاجز کرنے کے لئے تھا یعنی تم جو کچھ سحر بندی کر سکتے ہو کرو میں پہلے سے تم کو روکتا نہیں تاکہ ان کی کامل سحر بندی کے بعد اس کو تار عنکبوت کی طرح ختم کر دیں اور وہ عاجز ہو کر اقرار کریں حق کا) تو یہ اجازت ابقاء سحر کو مٹانے کے لئے تھی کیونکہ اس کے مٹانے کا طریقہ اس سے بہتر کوئی نہ تھا کہ اول وہ اپنی کوشش کو ظاہر کریں بعد میں موسیٰ علیہ السلام کا عصا نہایت سہولت سے دفعۃً سب کو مٹا دے یہ آیت صوفیہ کے اس طرز عمل کی دلیل ہے جس سے بعض اہل ظاہر متوحش ہوتے ہیں کہ انہوں نے منکر شرعی کی اجازت دی حالانکہ وہ منکر کی اجازت نہیں دیتے بلکہ اس کو جڑ سے مٹانا چاہتے ہیں جس کا طریقہ اس سے بہتر کوئی نہ تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔

سحر عظیم اور نظر بندی

فرمایا کہ یہ تو مسلم ہے کہ جادو میں حق تعالیٰ نے اثر رکھا ہے مگر اب اس میں اختلاف ہوا ہے کہ وہ اثر کیا ہے آیا جادو کے ذریعہ سے کسی چیز کے عین کی تبدیلی بھی ہو سکتی ہے یا صرف نظر بندی تک ہی جادو کا اثر محدود ہے تو جو لوگ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ تبدیل عین نہیں ہوتی صرف نظر بندی ہوتی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے سحران فرعون کے متعلق فرمایا ہے۔ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ۝ جس میں نظر بندی کو بڑا جادو فرمایا گیا سو اگر تبدیل عین سحر سے ممکن ہوتا تو سحر عظیم وہ ہوتا اور جو لوگ سحر سے تبدل عین کے قائل ہیں وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے سحران فرعون کے اس سحر کو عظیم ہی تو فرمایا ہے ممکن ہے کہ اس سے بھی کوئی اعظم ہو اور وہ تبدیل عین ہے تو اس کے عظیم ہونے سے اعظم کی کیسے نفی ہوئی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ: اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وقت (موعود) پر آئے اور ان کے رب نے ان سے بہت ہی (لطف وعنایت کی) باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو سو اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی دیکھ سکو گے پس ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی تجلی نے اس کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب آفاقہ میں آئے تو عرض کیا بے شک آپ کی ذات منزہ ہے میں آپ کی جناب میں معذرت کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں۔

تفسیری نکات

لَنْ تَرٰىنِيْ کی عجیب تفسیر

جب موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا اور تجلی کی درخواست کی اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ لَنْ تَرٰىنِيْ یعنی تم ہم کو نہیں دیکھ سکتے ہم میں تو مرئی ہونے کی قابلیت تام ہے کوئی شئے ہماری رویۃ سے مانع نہیں اس لئے لن اری (ہرگز مجھ کو دیکھا نہیں جا سکتا) نہیں فرمایا مگر تم میں اس وقت رائی کی قابلیت نہیں کیونکہ ہم نور محض ہیں اور تم جسم کثیف سے متلبس ہو جو ہمارے نور کا متحمل نہیں ہو سکتا گویا بتلا دیا کہ اس وقت تم میں اتنی استعداد نہیں کہ ہم کو دیکھنے کے بعد صحیح وسالم رہو اور ہر چند کہ یہ یہاں بھی نہ ہونے کے سبب کو صاف سے بتلا رہا تھا اور اس کے سن لینے کے بعد ہر ایک مومن کو عقیدہ اپنی عدم قابلیت کا کافی طور سے ہونا لازم ہے چہ جائیکہ موسیٰ علیہ السلام چونکہ موسیٰ علیہ السلام عاشق تھے اس لئے گو عقیدہ کے اعتبار گردان کو اپنی عدم استعداد کا ہو گیا تھا لیکن شوق اور جذبہ رویت الٰہی کا حد سے بڑھا دا تھا اس کی اب تک کی نہ ہوئی تھی لہٰذا آگے خود ہی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان کی اس حالت کی رعایت سے ارشاد فرماتے ہیں کہ لیکن اگر تمہیں اب بھی شوق ہے تو انظُرْ اِلَی الْجَبَلِ الآیۃ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ پہاڑ صحیح و سالم رہا اور ہماری تجلی کا متحمل ہو گیا تو تم کو اس سے نہ محروم رکھا جائے گا۔ چنانچہ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ جب اس پر تجلی فرمائی پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے اور اطمینان وافی ہو گیا اور عدم قابلیت کا مشاہدہ بھی ہو گیا کہ جب پہاڑ باجود اس قدر حجم جثہ اور شدت کے نہ ٹھہر سکا تو میں کیا ٹھہر سکوں گا۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ پہاڑ کو موسیٰ علیہ السلام سے کیا نسبت تھی یہ جماد محض وہ ایک انسان باکمال صاحب نبوۃ کلیم اللہ لہٰذا یہ قیاس اور تلازم سمجھ میں نہیں آتا جو کہ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ (سو اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی دیکھ سکو گے) میں استقرار جبل و رویت موسیٰ کے درمیان ثابت کیا گیا ہے ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی روحانی قوت کی وجہ سے تجلی کے متحمل ہو جاتے تو جواب اس کا یہ ہے کہ جس تجلی کا موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ سے زیادہ تحمل تھا وہ تو ان کو اس درخواست سے پہلے ہی حاصل تھی یعنی تجلی بالقلب بالروح مگر اس وقت تو انہوں نے آنکھ سے دیکھنے کی درخواست کی تھی اور آنکھ کی رویت تجلی بالروح نہیں بلکہ بالجسم ہے تو اس صورت میں تجلی خداوند تعالیٰ کی موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ آنکھ کے ہوتی اور آنکھ ایک جسمانی شے ہے مگر نہایت ضعیف اور نازک عضو ہے اور پہاڑ بھی ایک جسم ہے اگرچہ غیر جاندار ہی سہی مگر آخر جسمیت میں آنکھ مشارک ہے ہی اور پہاڑ باوجود اس کے نہایت ثقیل و قوی ہے کہ ہر ایک بھاری بھاری بوجھ کو سہہ سکتا ہے اس صفت میں یہ تمام جسم انسانی اور اس کے جمیع افراد سے بڑھا ہوا ہے چنانچہ خود خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰىهَا (بھلا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا اللہ نے اس کو بنا) اور فرماتے ہیں لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (اللہ تعالیٰ کا آسمان اور باعتبار زمین پیدا کرنا سخت تر ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے) اشدیت و اکبریت سماوات اور ارضین سے اس آیت سے ظاہر ہے کہ باعتبار مادہ کے آسمان و زمین انسان سے سخت تر ہیں اور جلال و جمال خداوندی کے جلوہ کا تحمل جب ایک ایسا جسم سخت و قوی نہ کر سکا تو موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ تو کیا جمال جہاں آراء کی تاب لا سکتی تھی اور وہ خود کیونکہ قائم رہ سکے لہٰذا اپنے ضعف اور پہاڑ کی شدت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب انہوں نے پہاڑ کا حال دیکھا تو ان کو مشاہدہ سے اطمینان اپنے غیر متحمل ہونے کا ہو گیا اور یہاں بظاہر ایک شبہ ہوتا ہے کہ اس تقریر سے تو معلوم ہوا کہ تجلی نہ ہوئی لیکن لفظ تجلی جو آیت میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تجلی ہوئی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام تجلی کے بعد بے ہوش ہوئے آیت میں فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا (پس ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی تجلی نے اس کے پرخچے اڑائے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے) سے صاف ظاہر ہے کہ اول تجلی ہوئی اور اس کے بعد

(c) ketabton.com: The Digital Library

پہاڑ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوا اور موسیٰ علیہ السلام بھی بے ہوش ہوئے لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کیلئے ثبوت تجلی اس آیۃ سے واضح ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ تو مسلم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا بے ہوش ہونا تجلی سے موخر ہے موخر کی دو قسمیں ہیں ایک زمانی دوسرے ذاتی تو موسیٰ علیہ السلام کا بے ہوش ہونا تجلی سے موخر ہے ذاتاً نہ کہ زماناً لہٰذا زمان میں بجائے تاخر کے اقتران تھا اگر تاخر زمانی کا ثبوت ہو جاتا تو تجلی کا ثبوت ہوتا مگر محض تاخر ذاتی سے اس کا ثبوت دشوار ہے کیونکہ زماناً معیت پر تجلی کے معنی ظہور کے ہیں اور ظہور مستلزم ادراک و رویت کو نہیں پس ذات خداوندی کا ظہور تو ضرور ہوا چنانچہ اس کے اثر سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا لیکن اس کا موسیٰ علیہ السلام کو ادراک نہیں ہوا بلکہ آپ فوراً بے ہوش ہو گئے لہٰذا تجلی خداوند تعالیٰ کی فی نفسہ ممکن ہے اور ہو سکتی ہے مگر ہمیں ابھی اتنی قابلیت نہیں کہ ہم اس کے متحمل ہو سکیں بلکہ وہاں تجلی کا خود تقاضا ہے چنانچہ عارف جامی فرماتے ہیں۔

نکور و تاب مستوری ندارد چو در بندی سر از روزن برارد

(حسین مستور سونے کی تاب نہیں رکھتے اگر تم دروازہ بند کرلو تو روزن سے سر نکالتے ہیں)

ان الفاظ کا ظاہر مدلول مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ادھر سے تو ظہور ہی کا تقاضا جاری ہے بوجہ غایت رحمت و رافت کے کہ آؤ اور ہماری تجلی سے مستفیض ہو مگر کیا کریں ہم مجبور ہیں ہم میں اتنی قابلیت ہی نہیں کہ ہم اس سے فائدہ اٹھا سکیں اگر ہم میں ہمت ہوتی تو ضرور مستفیض ہوتے چنانچہ تجلی کلامی لفظ کے تحمل کی طاقت ہم میں تھی لہٰذا ہم کو اس سے فیض یاب کیا گیا لیکن یہ نہ سمجھنا کہ یہ ہماری ذاتی قابلیت کا طفیل ہے اور ہمارے اندر بھی کوئی جوہر اگرچہ بقدر قلیل ہو رکھا ہوا ہے جس سے ہم خود اس کے متحمل ہو گئے بلکہ درحقیقت شدت اور طاقت بھی خداوند تعالیٰ ہی نے ہم کو دی ہے یہ بھی انہیں کی عنایات کا ثمرہ ہے اس نور کی بدولت ہمارے قلوب روشن ہیں نیز اس تحمل سے یہ بھی نہ خیال کرنا چاہئے کہ اس نے اپنی عظمت کو چھوڑ کر نقص اختیار کر لیا ہے جس کی بناء پر ہم متحمل ہوئے بلکہ وہ اسی شدت و صلوت پر باقی ہے جیسے اصل میں تھی جس کا یہ اثر ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ کے زانو پر سر رکھے ہوئے بیٹھے تھے کہ نزول وحی ہونا شروع ہوا وہ صحابی فرماتے ہیں کہ اس وقت ثقل سے یہ حالت تھی کہ قریب تھا کہ میرا زانو پھٹ جاوے ایک مرتبہ آپ اونٹنی پر سوار تھے کہ آپ پر نزول وحی ہوا اور اونٹنی اس شدت کو برداشت نہ کر سکی اور بیٹھ گئی۔

تقدم ذاتی

ایک صاحب علم نے سوال کیا فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ الی خَرَّ مُوْسٰی سے معلوم ہوتا ہے کہ خرور بعد تجلی کے ہوا۔ پس رویت ثابت ہوئی پھر لن ترانی کے کیا معنی جواب یہ دیا کہ یہ تقدم زمانی نہیں تقدم ذاتی ہے پس تجلی اور خرور میں کوئی زمانہ نہیں ہوا جس میں رویت ہو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

نور مخلوق

آیت میں یہ سوال کیا گیا کہ وادی ایمن میں موسیٰ کو جو نور نظر آیا وہ اگر نور مخلوق نہ تھا تو رویت میسر ہو گئی تھی پھر رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ کی درخواست کی کیا وجہ اور اگر نور مخلوق تھا تو موسیٰ علیہ السلام میں اور ہم میں کہ دوسرے انوار مخلوقہ کو مثل نور شمس و قمر دیکھتے ہیں کیا فرق ہوا۔

جواب دیا کہ وہ نور غیر مخلوق نہ تھا مخلوق تھا مگر چونکہ مخلوق بلا واسطہ تھا اس لئے اس کو بہ نسبت دوسرے انوار کے حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ تلبس و تعلق تھا کہ اس تلبس زائد سے اس کو بہ نسبت دوسرے انوار کے حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ تلبس و تعلق تھا کہ اس تلبس زائد سے اس کو حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا یعنی ایک معنی میں نور حق کہنا بھی صحیح ہے جیسے کلام لفظی کہ ماتریدیہ کے نزدیک گو مخلوق ہے مگر اس خاص تلبس کی وجہ سے اس کو کلام اللہ کہنا صحیح ہے بخلاف کلام زید و عمرو کے کہ اس کو کلام اللہ کہنا جائز نہیں پس سب اشکالات رفع ہو گئے۔

غیب کا علم محیط حاصل ہونا استکثار خیر کا سبب ہو سکتا ہے

بس حق تعالیٰ کی یہی بڑی رحمت ہے کہ سب کام اپنے قبضہ میں رکھا اور ہم کو کچھ بھی خبر نہیں دی کہ کل کو کیا ہونے والا ہے۔ لوگ علم غیب کی تمنا کیا کرتے کشف کو کمال سمجھتے ہیں مگر دیکھ لیجئے کہ یہ ایسی چیز ہے کہ بعض دفعہ وبال جان ہو جاتی ہے غیب کا علم محیط شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ قرآن میں تو علم غیب کو استکثار خیر و دفع مضرت کا سبب بتلایا گیا ہے اور تم کہتے ہو کہ کشف بعض دفعہ وبال جان ہو جاتا ہے قرآن کی آیت یہ ہے وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚۛ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚ اور اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو خیر بہت زیادہ حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی مضرت نہ پہنچتی' اس کے چند جوابات ہیں اول تو یہ کہ آیت میں قضیہ کلیہ نہیں ہے بلکہ جزئیہ ہے یعنی کبھی ایسا بھی ہو جاتا کہ خیر ہی خیر حاصل ہوتی اور شر مس بھی نہ کرتا (دوسرے یہ کہ آیت میں غیب سے مراد جمیع الغیب ہے حاصل یہ ہوا کہ اگر مجھ کو غیب کا علم محیط حاصل ہوتا الخ اور ظاہر ہے کہ غیب کا علم محیط حاصل ہونا استکثار خیر و رفع مضرت کا ضرور سبب ہو سکتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ؕ

ترجمہ: عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے

تفسیری نکات

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ؕ میں یہ سوال کیا گیا کہ وادی ایمن میں موسیٰ کو جو نور نظر آیا وہ اگر نور مخلوق نہ تھا تو رویت میسر ہو گئی تھی پھر قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ؕ کی درخواست کی کیا وجہ اور اگر نور مخلوق تھا تو موسیٰ علیہ السلام میں اور ہم میں کہ دوسرے انوار مخلوقہ کو مثل نور شمس و قمر دیکھتے ہیں کیا فرق ہوا۔ جواب دیا کہ وہ نور غیر مخلوق نہ تھا مخلوق تھا۔ مگر چونکہ مخلوق بلا واسطہ تھا اس لئے اس کو بہ نسبت دوسرے انوار کے حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ تلبس و تعلق تھا کہ اس تلبس زائد سے اس کو حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا یعنی ایک معنی میں نور حق کہنا بھی صحیح ہے جیسے کلام لفظی کہ ماتریدیہ کے نزدیک گو مخلوق ہے مگر اس خاص تلبس کی وجہ سے اس کو کلام اللہ کہنا صحیح ہے بخلاف کلام زید و عمرو کے کہ اس کو کلام اللہ کہنا جائز نہیں پس سب اشکالات رفع ہو گئے۔ (مقالات حکمت ۱۴۳)

وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ

ترجمہ: اور (جلدی سے) تختیاں ایک طرف رکھ دیں۔

تفسیری نکات

قذف کے معنی اور عجیب و غریب تفسیر

فرمایا کہ بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مغلوب الغضب تھے تختیاں پھینک دیں جواب یہ ہے کہ "القاء" اور "قذف" کے معنی ایک ہی ہیں فاقذفیہ میں قذف کے معنی یہ نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے موسیٰ علیہ السلام کو پھینک دیا بلکہ معنی یہ ہے کہ جلدی سے دریا میں رکھ دیا اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے الواح کو جلدی سے رکھ دیا تھا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ: اور اس وقت کا حال جبکہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک کرنے والے ہیں یا سخت سزا دینے والے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور اس لئے شاید یہ ڈر جاویں۔

تفسیری نکات

تبلیغ میں دو نیتیں

ہمیں اس سے کیا بحث قرآن مجید میں حکایت ہے وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ کہ اصحاب السبت میں سے ایک جماعت نے دوسری جماعت سے کہا کہ تم ایسی جماعت کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو خدا تعالیٰ ہلاک کرنے والے ہیں۔ یا جن پر عذاب شدید نازل فرمانے والے ہیں ایسے لوگوں کو خطاب کرنے سے کیا فائدہ؟ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ انہوں نے کہا کہ صاحب ہم اس لئے نصیحت کرتے ہیں تا کہ ہمارے لئے ایک عذر ہو خدا کے نزدیک کہ یا اللہ ہم نے تو کہا تھا انہوں نے مانا نہیں جو ہمارا کام تھا وہ ہم نے ادا کر دیا تھا ایک تو یہ بات ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ کہ ممکن ہے یہ لوگ ڈریں شاید ان میں سے کسی کو ہدایت ہو جاوے کیونکہ نرمی کے ساتھ سمجھانے سے امید تو ہے ان کے ایمان کی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں یہ حکایت ہے بس یہی دو نیتیں آپ بھی تبلیغ میں رکھئے ایک معذرت عند اللہ اور دوسری ان کے ایمان لانے کی توقع جن میں سے پہلا مقصود تو قطعی الحصول ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اور دوسرا محتمل و متوقع ہے بس تم ان کو اسلامی محاسن سناتے رہو ان شاء اللہ بہت کچھ اصلاح کی امید ہے اور اس سے بہت اصلاح ہوئی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ

ترجمہ: یقیناً جو لوگ خداترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے پیش آ جاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں۔ سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

تفسیری نکات

خوف کی حقیقت

خوف کے یہ معنی نہیں کہ گناہ کی طرف میلان ہی نہ ہو بلکہ یہ معنی ہیں کہ جب میلان ہو تو فوراً عذاب کا تصور کر کے گناہ سے رک جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ نہیں فرمایا سو یہ تو خوف عقلی تھا۔ اور ایک خوف ہے بمعنے دل دھڑ کنے کے سو یہ غیر اختیاری ہے یہ کسی وقت بھی مطلوب نہیں گو محمود اور مفید ہے اور نہ بندہ اس کا مکلف ہے مگر لوگ آج کل اسی کو مطلوب سمجھتے ہیں اور یہ ساری خرابی واعظوں کی ہے انہوں نے عوام کا ناس کیا ہے چنانچہ وعظ میں کہا کرتے ہیں کہ تم لوگ تھانہ دار سے تو ڈرتے ہو خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتے' حالانکہ تھانیدار سے جو خوف ہے وہ طبعی ہے جیسا سانپ بچھو سے خوف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عقلی خوف ہے کیونکہ وہ نظر نہیں آتے بلکہ ان کی صفات کو یاد کر کے ان سے ڈرا جاتا ہے۔ اور غائب سے خوف عقلی ہی ہو سکتا ہے پھر خدا تعالیٰ سے طبعی خوف کا مکلف انسان کو کیونکہ کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: یقیناً جو جول خداترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آ جاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

متقین کی شان

جو لوگ اہل علم ہیں اور علم معانی سے مس رکھتے ہیں وہ اس آیت کے الفاظ میں غور فرمائیں کہ اذا اور ان میں فرق یہ ہے کہ اذا شرط یقینی پر آتا ہے اور ان شرط مشکوک پر ثابت ہوا کہ مس شیطان متقین کے لئے بھی یقینی الوقوع ہے ایک تو یہ اور دوسرے فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ (سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں) کو خیال فرمایئے وہاں تو مس فرمایا اور نتیجہ میں فرمایا مبصرون معنی یہ ہوئے کہ متقین کی شان یہ ہے کہ جب ان پر شیطان کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ذرا بھی اثر ہو جائے تو فوراً ہی متنبہ ہو جاتے ہیں غیر متقین اور متقین میں یہ فرق ہو گیا کہ مس شیطان تو دونوں میں موجود ہے مگر متقین میں تنبہ بھی ہے غیر متقین میں تنبہ نہیں بلکہ مس کا لفظ بتلاتا ہے کہ متقین شیطان کے ذرا سے اثر سے بھی کامل طور پر متنبہ ہو جاتے ہیں مس چھونے کو کہتے ہیں اور غیر متقین ہم جیسے چھونے سے تو کیا متنبہ ہوں گے صریح گناہ کرنے سے بھی ڈر کار نہیں لیتے غرض اس آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نفس وشیطان کے داؤں میں متقین کا آ جانا بھی تعجب کی بات نہیں اسی بناء پر حضرت ماعز بن مالک سے گناہ ہو گیا اس سے ان کی شان میں کوئی منقصت لازم نہیں آئی بلکہ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا (جو لوگ خدا ترس ہیں) کی بشارت ان کے واسطے ثابت ہے کیونکہ مس شیطان کے ساتھ ان میں فاذا هم مبصرون (سویکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں) کا وجود بھی ہوا اور یہی شان یہ متقین کی ہے اور ایسا تنبہ ہوا کہ گناہ کی توبہ میں بدوں جان دیئے چین ان کو نہ آیا حتی کہ حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ستر گناہ گاروں پر ڈال دی جائے تو سب کو کافی ہو جائے۔

اہل تقویٰ کی حالت

حق تعالیٰ نے اس آیت میں اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا یعنی اہل تقویٰ کی حالت یہ ہے کہ جب ان پر شیطان کا اثر ہو جاتا ہے (میں بتا چکا ہوں کہ وہ اثر غفلت ہے بقرینہ تذکروا تو وہ تذکرا ختیار کرتے ہیں تو علاج غفلت کا تذکر ٹھہرا ' تذکروا کا مفعول یہاں مذکور نہیں میں اس کی حکمت تو شروع میں بیان کر چکا ہوں اب میں اس کی تعیین بتاؤں گا کہ وہ مفعول کیا محذوف ہے پہلے آیت کا خلاصہ سمجھ لیجئے وہ یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ بندگان خدا کی شان یہ ہے کہ جب ان پر شیطان کا اثر ہوتا ہے یعنی غفلت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ تذکر سے اس کا علاج کرتے ہیں نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ فاذهم مبصرون پس ناگہاں ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اس میں گناہ کی مذمومیت اور اثر کا بھی بیان ہو گیا اس طرح کہ جب علاج کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنکھیں کھل گئیں معلوم ہوا کہ گناہ سے نہیں بند ہو گئی تھی اور معصیت کے تقاضے کے وقت اندھے ہو گئے تھے واقعی گناہ میں یہی اثر ہے آدمی تقاضے کے وقت اندھا ہو جاتا ہے قتل تک کر گزرتا ہے حالانکہ معلوم ہے کہ پھانسی ہو گی اس وقت اس سے ذہول ہو جاتا ہے نیز فاذا هم مبصرون سے یہ بھی معنی پیدا ہوتے ہیں وہ چیز فی نفسہ مخفی نہ تھی بلکہ یہ اثر جو ہو گیا تھا یہ اس کی آنکھ کا قصور ہے کہ اس میں شعاع نہ رہی تھی جو اس پر پڑتی اور دیکھ لیتی تذکر سے شعائیں پیدا ہو گئیں اور وہ آنکھوں والے ہو گئے اور وہ چیز تو اس کی موجود تھی ہی اب نظر آنے لگی اور امتناع عن المعصیت اس پر مرتب ہو گیا اور وہ چیز جو مفعول ہے تذکر کو جس کو یہاں حذف کر دیا گیا ہے اب اس کی تعیین بتلاتا ہوں اس کا دوسری آیت سے پتہ چلتا ہے وہ آیت یہ ہے وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۟ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ

اس میں بھی متقین کی شان کا بیان ہے کہ ان کی حالت یہ ہے کہ جب ان سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ گناہوں سے استغفار کرتے ہیں اور گناہوں کا بخشنے والا سوائے اللہ کے کون ہے اور وہ اپنے اس فعل پر (جان بوجھ کر) اصرار نہیں کرتے۔ دیکھئے اس میں صاف مذکور ہے کہ وہ یاد کرنے کی چیز کیا ہے وہ بس ایک چیز ہے اللہ مفسرین نے ذکروا اللہ کی تفسیر کی ہے ذکروا عذاب اللہ کیونکہ عذاب ہی کا خوف سبب ہوتا ہے استغفار اور کف عن المعصیت کا میں کہتا ہوں لفظ عذاب محذوف ماننے کی کوئی ضرورت نہیں اس میں کیا اشکال ہے کہ اللہ کو یاد کرتے ہیں یاد خدا کافی معصیت سے روکنے کو بلکہ عذاب کا خوف اتنا مانع نہیں ہو سکتا جتنا کہ خدا کی یاد مانع ہوتی ہے اہل بصیرت اس کو خوب سمجھتے ہیں یہ تو جب ہے کہ ذات کی طرف توجہ مراد لی جاوے اور خدا کی یاد کی ایک توجیہ اور بھی ہو سکتی ہے جس میں اس یاد کی کسی نوع کی تخصیص ہی نہ رہے اور وہ توجیہہ یہ ہے کہ دیکھئے خدا کی یاد کس کو کہتے ہیں کیا صرف اللہ اللہ زبان سے کہنے کو کہتے ہیں نہیں بلکہ خدا کی ہر بات کی یاد کو خدا کی یاد کہہ سکتے ہیں تو جہ الی الذت کو بھی خدا کی یاد کہہ سکتے ہیں لفظ اللہ اللہ زبان سے کہنے کو بھی خدا کی یاد کہہ سکتے ہیں اور عذاب اور دوزخ کی یاد کو بھی خدا کی یاد کہہ سکتے ہیں کیونکہ خدا نے اس کو یاد دلایا ہے اور ثواب اور نعمائے آخرت اور جنت کی یاد کو بھی خدا کی یاد کہہ سکتے ہیں (اسی لئے صاحب حصن حصین نے کہا ہے کہ کل مطیع للہ فھو ذاکر ۱۲ ظ) تو آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جب ان پر شیطان کا اثر ہو جاتا ہے تو وہ خدا کی یاد کرتے ہیں یعنی خدا کی کسی چیز کو یاد کر لیتے ہیں خواہ ذات کو یاد کرتے ہیں خواہ ذکر اللہ بلسان سے کرنے لگتے ہیں یا عذاب کو یاد کرتے ہیں یا ثواب اور جنت کو یاد کرتے ہیں یہ اپنا اپنا مذاق ہے بعضوں کو تقاضائے معصیت مغلوب کرنے کے لئے صرف ذکر اللہ ہی بالمعنی التبادر کافی ہوتا ہے اور بعضوں کو عذاب کے استحضار کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور بعضوں کو جنت کا یاد کرنا مفید ہوتا ہے بلکہ میں یہاں تک تعمیم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کو یاد کرنا یہ بھی اللہ ہی کی یاد ہے کیونکہ جس طرح جنت دوزخ اللہ ہی کی چیزیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مذکر ہیں اسی طرح مقبولین وصلحاء اللہ کی چیزیں ہیں اور اس کی مذکر ہیں چنانچہ مشاہدہ ہے کہ صلحائے کے اقوال افعال اخلاق کے ذکر سے طاعت کی رغبت اور معصیت سے نفرت ہوتی ہے اور اس تعمیم سے ایک بڑا مسئلہ حل ہوا وہ یہ کہ ایک ذاکر نے مجھ سے پوچھا کہ ذکر لا الہ الا اللہ میں تعلیم کی جاتی ہے کہ لا الہ کے ساتھ سب غیر اللہ کی نفی کی جاوے تو غیر اللہ میں تو حضور ﷺ بھی آ گئے تو مطلب یہ ہوا کہ ذاکر کو اللہ سے بھی قطع تعلق کرنا چاہئے وہ حل یہ ہے کہ غیر اللہ سے مراد وہ ہے جو حق تعالیٰ سے حاجت ہو اور حضور ﷺ کا تعلق ہادی اصل ہونے کا ہے اس لئے آپ اس نفی میں داخل نہیں ہو اس خاص تعلق کے سبب حضور ﷺ کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ذکر غیر اللہ کا ذکر نہیں بلکہ اللہ ہی کا ذکر ہے غرض خدا تعالیٰ کے تعلق کی چیزوں کا ذکر ذکر اللہ ہی ہے (اسی لئے حدیث میں ہے الدنیا ملعونۃ و ملعون مافیہا الاذکر اللہ و ما والاہ جملہ والاہ میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو ذکر اللہ میں معین ہیں پس وہ بھی ذکر اللہ کے حکم میں ہیں ۱۲ ظ) تو ذکروا اللہ میں جنت اور دوزخ اور ذکر لسانی وغیرہ یہ سب آ گئے تو کوئی ضرورت لفظ عذاب کے تخصیص کی نہ رہی کیونکہ اس میں مانع کی تخصیص ہوئی جاتی ہے کہ صرف ترہیب ہی مانع عن المعصیت ہوتی ہے حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے بعضوں کو ترغیب زیادہ نافع ہوتی ہے اس لئے ذکر اللہ کو عام ہی رکھا جاوے جس میں سب داخل رہیں ترغیب بھی اور ترہیب بھی اور خود یاد خدا بھی چنانچہ بعضوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کو ترغیب کام دے نہ ترہیب جس پر غلبہ ہوتا ہے فناء کا اور توحید کا وہ جو معصیت سے رکتا ہے اس کو نہ جنت روکتی ہے نہ دوزخ اس کو صرف یاد خدا روکتی ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ بے حیائی کا کام باپ کے سامنے بیٹے سے نہیں ہو سکتا۔ گو اس کو یہ بھی ڈر نہ ہو کہ یہ مجھے مارے پیٹے گا۔ یہاں خوف نے نہیں روکا بلکہ باپ کی عظمت سے روکا اسی طرح بعضوں کا علاقہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ خیال کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ دیکھ رہے ہیں تو شرما جاتے ہیں اور اس وقت ان سے معصیت ہو ہی نہیں سکتی یہاں صرف ذکر اللہ مانع ہوا اور بعضے ایسے حیادار نہیں ہوتے بلکہ محتاج ہوتے ہیں ترغیب کے ان کے لئے یہی کار آمد ہے کہ تقاضائے نفس کے وقت عذاب الٰہی کو یاد کریں اور بعضے ترہیب سے متوحش ہوتے ہیں ان سے اگر ترغیب سے کام لیا جائے تو رجوع ہوتے ہیں تو ان کو جنت کا ذکر چاہئے بعضوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ احسان کا اثر ان پر بہت زیادہ ہوتا ہے اگر وہ حق تعالیٰ کی نعمتیں یاد کریں تو شرماتے ہیں احسان سے دبے جاتے ہیں ان کے واسطے حق تعالیٰ کی نعمتوں کا یاد کرنا ہی گناہ سے رکنے کے لئے طریق نافع ہے کیونکہ وہ نعمتوں کو گناہ میں استعمال کرنے سے شرماتے ہیں۔

غرض اس کو بھی یاد کر کے بعض لوگ شرما سکتے ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ذکروا اللہ کو بمعنے ذکروا عذاب اللہ کے لیں غرض جب کسی کو عذاب کے تذکر سے نفع ہوتا ہے اور کسی کو ثواب کے اور کسی کو احسان کے تذکر سے لہٰذا تذکر کو بلا قید ہی رکھنا چاہئے اب ایک دوسری بات سمجھو کہ آیت میں تذکروا فرمایا اور اس کی کچھ حد نہیں فرمائی سو باب تفعل تدریج کو چاہتا ہے پس تذکر کے معنی یہ ہوئے کہ بتدریج تذکر میں بڑھتے چلے جائیں اور حد نہ ہونے سے اس تدریج کا قطع نہ ہونا مفہوم ہوا پس دو مسئلہ کی طرف اشارہ ہو گیا ایک تو یہ کہ اضطراب نہ کریں سکون کے ساتھ چلتے رہیں دوسرا یہ کہ سلوک کو کہیں ختم نہ کریں ہمیشہ چلتے ہی رہیں اس میں سالکین دو غلطیاں کرتے ہیں ایک اضطراب دوسری اس سے بڑھ کر انقطاع یعنی کسی مقام پر پہنچ کر ٹھہر جاتے ہیں اور قناعت کر لیتے ہیں مثلاً حضور قلب حاصل ہو گیا اور مجاہدہ کرنے سے یہ ملکہ پیدا ہو گیا کہ جب چاہیں خیال کو ایک طرف کر

(c) ketabton.com: The Digital Library

لیں تو بس حضور قلب کو چھوڑ بیٹھے اس اعتبار پر کہ ہم کو قدرت تو حاصل ہے ع کیوں صاحب وہ قدرت کس کام کے لئے حاصل ہوئی ہے قوت سے فعل میں لانے کے لئے یا فقط دل کو سمجھانے کے لئے۔

مجاہدہ سے مادہ قطع نہیں ہوتا

خود اس آیت سے بھی میری اس تقریر کا ثبوت ملتا ہے کہ مجاہدہ سے مادہ کا قطع نہیں ہو جاتا کیونکہ آیت میں صاف موجود ہے کہ تقویٰ کے بعد بھی مس شیطان ہو جاتا ہے فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ یعنی متقیوں پر بھی مس واقع ہوتا ہے مگر فرق ہوتا ہے اس مس میں اور اس مس میں جو غیر متقین پر واقع ہوتا ہے غیر متقین اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اور شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور متقین پر یہ اثر ہوتا ہے کہ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ یعنی وہ فوراً چونک اٹھتے ہیں اور صاحب بصیرت ہو جاتے ہیں دیکھئے کتنا بڑا فرق ہے ڈاکو ایک اناڑی اور غافل پر چھاپہ مارتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب مال واسباب لوٹ کرلے جاتے ہیں بلکہ اس کو بھی مار کر ڈال دیتے ہیں یا باندھ کر لے جاتے ہیں اور کبھی ایک کار کردہ اور تجربہ کار اور ہوشیار پر چھاپہ مارتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے غل تو مچ جاتا ہے اور تماشائیوں کا مجمع ہو جاتا ہے لیکن اس کی ذات کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا بلکہ یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ ہوشیار ہو کر پھر سے چوکی کو اور درست کر لیتا ہے بلکہ کبھی ڈاکوؤں کو بھی باندھ لیتا ہے چھاپہ مارنا دونوں جگہ ہوا مگر اثر میں فرق ہے اسی طرح فرق ہے متقین پر مس شیطان کے اثر میں اور غیر متقین پر اثر میں اور اس آیت میں تو مس شیطان کو مجملاً ہی بیان فرمایا ہے اور اس کے کسی خاص اثر کا بیان نہیں کیا کہ اس مس سے کچھ اثر بھی ہوتا ہے یا نہیں بس اتنا فرمایا ہے کہ مس شیطان متقین کو بھی ہوتا ہے مگر ایک دوسری جگہ اس اثر کے بعض افراد کی تعیین بھی فرما دی ہے چنانچہ ارشاد ہے وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ یہ بھی متقین کی شان میں ہے ترجمہ یہ ہے کہ جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں یہاں مس شیطان کا ایک اثر غضب مذکور ہے کہ جب ان کو غصہ آتا ہے جو شیطان کا اثر ہے تو وہ شیطان کے کہنے پر عمل کر کے مقتضائے غضب پر عمل نہیں کرتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں یہاں سے معلوم ہوا کہ متقین کو غصہ بھی آجایا کرتا ہے کیونکہ اذا اور ان میں فرق ہے اذا یقینیات پر آتا ہے اور ان محتملات پر اور یہاں لفظ اذا لایا گیا ہے تو معنی یہ ہوئے کہ متقین کو بھی غصہ آنا غالب ہے مگر اثر اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ مغلوب نہیں ہوتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں غصہ مس شیطان کا ایک فرد ہے اس آیت میں اس کی تصریح ہو گئی۔

اس تحقیق کی بناء اس پر ہے کہ مادہ شر کا سلب مطلوب نہیں ہے بلکہ اس پر غلبہ حاصل کر لینا مطلوب ہے جس سے وہ اعتدال پر رہے اور یہی کمال ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ تقویٰ کے بعد

(c) ketabton.com: The Digital Library

مس شیطان ہی نہیں ہوتا اور ان کو معصیت کا خیال ہی نہیں آتا بلکہ تذکروا فرمایا کیا معنی کہ وہ سنبھل جاتے ہیں اور ہوشیار ہو جاتے ہیں حاصل یہ کہ مس تو ہوتا ہے مگر اس مس کو قیام نہیں ہوتا اور اس مس کرنے والی چیز کو طائف سے تعبیر فرمایا اس کے معنی ہیں گرد پھرنے والا یعنی آیا اور بھاگ گیا بس متقی کی حالت تو یہ ہے کہ وساوس اس کے دل میں جمتے نہیں اور غیر متقی کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے دل میں وہ خیالات جمتے ہیں اور طائف کا ترجمہ جو میں نے گرد پھرنے والا کیا اس میں ایک اور اشارہ بھی ہے کہ اس کو قدرت آس پاس ہی پھرنے کی ہے قلب کے اندر نہیں جا سکتا یہ ایسا ہے جیسے ایک شاعر نے کہا ہے

عذل العو اذل حول قلب التاءہ وھوی الاحبة منہ فی سوداءہ

یہ حالت تو وساوس کی ہے اور تقویٰ کی شان یہ ہے کہ وہ اندرون قلب میں جاگزیں ہوتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے الا ان التقویٰ ھھنا واشار الی صدرہ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے اور سینہ کی طرف اشارہ کیا یعنی قلب کے اندر ہے اور طائف کے معنی آس پاس پھرنے والے کے ہیں تو آیت اور حدیث کو ملا کر یہ بات ثابت ہوگئی کہ متقی کے دل میں تقویٰ ہی کا غلبہ ہوتا ہے اور شیطان اندر نہیں جا سکتا اس میں شیطان کے ضعیف ہونے کو بیان فرمایا اور سالک کو تسلی دی کہ اے قلعہ دار ڈرنا نہیں خندق کے باہر ہی شیطان ہے اسی واسطے عارف شیطان کی بالکل پروا نہیں کرتا حتیٰ کہ اس کے دفع کی طرف بھی زیادہ التفات نہیں کرتا ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب وہ اعوذ باللہ پڑھتے تو شیطان کو مخاطب کر کے کہتے کہ چونکہ شریعت کی تعلیم ہے ایسے موقع پر اعوذ پڑھنے کی سو اس واسطے پڑھتا ہوں تیرے ڈر سے نہیں پڑھتا تجھ سے کیا خوف قرآن شریف میں موجود ہے۔ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہ شیطان کو کسی قسم کی قدرت اور اختیار نہیں ایمان والوں پر بلکہ عارف کو بعض وقت بجائے نقصان کے شیطان سے الٹا نفع پہنچ جاتا ہے عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد اور شیطان گو بڑا ہی عاقل اور تجربہ کار ہے مگر کبھی اس سے غلطی بھی ہو جاتی ہے وہ اس لالچ سے کہ انسان اس کے کہنے میں آ جاوے گا بھکاتا برابر ہے کبھی اس سے نہیں چوکتا مگر کبھی اس کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ کسی کو خوب بھکایا اور اس میں بڑا وقت صرف کیا اور اس میں ایسا مشغول ہوا کہ اور کاموں سے رہ گیا اور یہاں اس شخص کو جس پر اتنی محنت کی تھی تذکر ہو گیا بس ساری محنت ضائع گئی بلکہ اتنا اور نقصان پہنچا کہ وہ شخص بمقتضائے فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ کے اور صاحب بصیرت ہو گیا اور آئندہ کو بھی اس کے فریب میں آنے کی امید کم ہوگئی اس وقت شیطان پچھتاتا ہے کہ میں ایسا نہ کرتا تو اس وقت اور کاموں سے بھی نہ رہ جاتا اور آئندہ کو اس سے امید تو مغالطہ میں آنے کی رہتی اور ہمت اس کی ٹوٹ جاتی ہے مگر بے حیا ہے کہ پھر تھوڑی دیر میں آتا ہے اور گو کامیابی کی امید نہیں مگر پھر بھی اپنا کام کرتا ہی ہے ہمت میں تو شیطان استاد بنانے کے قابل ہے کہ تھکتا ہی نہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تذکر کی اہمیت

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا جولوگ متقی ہیں ان کی شان یہ ہے کہ اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ جب ان کو شیطان کا ذرا سا بھی اثر ہو جاتا ہے تو تذکروا وہ یاد کر لیتے ہیں اور ہوشیار ہو جاتے ہیں تذکروا کا مفعول ذکر نہیں کیا اس میں اشارہ ہے کہ یاد کر لینے کی چیز کو یاد کر لیتے ہیں اس کے بیان کی ضرورت نہیں مقصود یہ ہے کہ اس وقت یاد سے کام لیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس وقت کا علاج یاد ہے مطلقاً قطع نظر اس کے کسی خاص فرد سے اور اس کے افراد وغیرہ کی تعیین مستقل مسئلہ ہے اگر کسی فرد کو یہاں ذکر کر دیتے تو وہی متعین ہو جاتا باقی افراد کی نفی ہو جاتی مگر کسی فرد کی تعیین نہیں کی گئی اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کسی فرد کا بھی ذکر ہوتا تو بے محل ہوتا کیونکہ محط فائدہ یہاں صرف ضرورت تذکر ہے نہ کہ تعیین افراد کی اس کی کسی قدر تفصیل یہ ہے کہ سب جانتے ہیں کہ علاج بالضد ہوتا ہے مثلاً حرارت کا علاج برودت سے اور برودت کا حرارت سے ہوتا ہے۔ یہاں دیکھنا چاہئے کہ شیطان کے اثر سے کیا مرض پیدا ہوا جو مرض پیدا ہوا ہو اس کی ضد کا پیدا کرنا علاج ہوگا سو شیطان کے اثر سے بہت سے امراض پیدا ہوتے ہیں مگر ان سب امراض کی جڑ غفلت ہے یعنی شیطان کے اثر سے اولاً غفلت ہی پیدا ہوتی ہے مگر آیت میں اس کا بیان صراحۃً نہیں ہے اور اس کی وجہ دو ہیں ایک تو یہ کہ یہ بہت ظاہر ہے دوسرے یہ کہ تذکروا کے لفظ سے اس کا پتہ چل جاویگا کیونکہ ایک مقابل سے دوسرے مقابل پر تنبیہ ہو جاتی ہے اور خود بخود دوسری کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے جیسے اندھے کا ذکر سن کر سوانکھے کی طرف خود ذہن چلا جاتا ہے اسی طرح تذکر سے غفلت خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے تو چنداں حاجت اس کے بیان کی نہ رہی اور کلام کی بلاغت اسی میں ہے کہ زائد از کار بات بالکل نہ ہو پس آیت میں مقابلہ ہے غفلت اور یاد کا باقی اس سے بحث نہیں کہ کس کی یاد یہ ایسا ہے جیسے اگر بھوکے کو علاج بتادیں تو کہیں گے کہ کچھ کھاؤ اور اس وقت یہ کہنا بے موقع ہوگا کہ پلاؤ یا قورمہ یا فیرنی کھاؤ اس وقت اجمال میں جو بلاغت ہوگی تفصیل میں ہرگز نہ ہوگی بلکہ جتنی تفصیل بڑھتی جاویگی کلام بلاغت سے گرتا جاویگا مثلاً کوئی بھوکے سے یوں کہنے لگے کہ علاج تمہارا یہ ہے کہ گوشت کو لے کر پانی سے دھو کر یخنی پکاؤ اور اس میں سونف دھنیاں گرم مصالحہ اتنا اتنا ڈالو اور اتنی دیر تک پکاؤ پھر ہاتھ تین دفعہ دھو اور دستر خوان بچھا کر بیٹھو اور اس پلاؤ کو کھاؤ' تو ظاہر ہے کہ اس طویل تقریر کو کوئی بھی نظر استحسان سے نہ دیکھے گا اس وقت بلیغ جواب یہی ہے کہ بھوک کا علاج یہ ہے کہ کچھ کھاؤ اور یہ مستقل بات ہے کہ کیا کھاؤ اس کے لئے مستقل علم موجود ہے یعنی علم طب غرض آیت پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ تذکروا کے مفعول کی تعیین نہیں کی جواب یہی ہے کہ مقصود کی اہمیت کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا اور یہاں مقصود نفس تذکر ہے دوسرے تذکر کی اہمیت جتلانا بھی مقصود ہے یہ نکتہ ہوا تذکروا کے مفعول کے حذف ہونے کا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ازیں یہ کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جمل میں اصل جملہ انشائیہ ہی ہے وہی مقصود ہوتا ہے جملہ خبر یہ خود مقصود نہیں ہوا اور جس خبر سے محض خبر مقصود ہو اور کسی معنی انشائی پر دلالت نہ ہو وہ عقلاء کے نزدیک مہمل ہے پس یہاں ان دونوں قسموں کے بیان کرنے سے صرف ایک واقعی بات کی خبر دینا مقصود نہیں ہوسکتی کہ معلوم کرلو کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں کیونکہ یہ تو فعل زائد ہے جو کسی ادنی عاقل سے بھی بعید ہے چہ جائیکہ خدا تعالی کے کلام میں ایسا ہو بلکہ مقصود انشاء ہے یعنی امر کرنا اس بات کا کہ تم اول گروہ کے موافق بنو اور دوسرے کے موافق نہ بنو اور گناہ کے ترک کی ترکیب بتانا اور گناہوں میں مبتلا ہونے کے سبب پر مطلع کرنا منظور ہے کہ اس طرح گناہ سے بچ سکتے ہیں اور فلاں طریق اختیار کرنے سے گناہ میں پڑ جاتے ہیں سو متقین کی حالت یہ بیان کی کہ جب ان کو ذرا سا بھی اثر شیطان محسوس ہوتا ہے تو وہ تذکر اختیار کرتے ہیں۔

فرمایا آج رات میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک طالب علم میرے پاس یہ آیت شریف پڑھ رہا ہے هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ آیت آخر سورہ اعراف میں نے خواب ہی میں اس سے پوچھا کہ بصائر کو جمع کیوں لائے ہیں اور ہدی ورحمۃ کو مفرد کیوں لائے ہیں اس نے جواب دیا تا کہ راستہ چلنے والے پریشان نہ ہوں میں نے کہا کہ یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہوا اس کے بعد میں نے خود کہا کہ راستہ چلنے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے ایک ضیاء کی دوسرے طریق کی تیسرے منزل کی لیکن ضیاء سے کام لینے کے لئے آنکھیں شرط ہیں اور آنکھیں ہر شخص کے لئے علیحدہ ہونی چاہئے اس کے لئے بصائر کو جمع لایا گیا اور ہدی مثل طریق کے واحد ہے اس لئے وہ مفرد لایا گیا اور رحمت مثل ثمرہ طریق یعنی منزل کے ہے وہ بھی متعین اور واحد ہے اس واسطے اس کو بھی واحد لایا گیا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْاَنْفَال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۳

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو ان کو سننے کی توفیق دیتے اور اگر ان کو سنا دیں تو ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے۔

تفسیری نکات

وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ کا مفہوم

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ بظاہر اس آیت میں شکل اول کی صورت معلوم ہوتی ہے ترجمہ یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ ان (کفار) میں کچھ بھلائی اور خیر دیکھتے تو ان کو (دین کی باتیں) سنا دیتے اور اگر ان کو سنا دیتے تو وہ اعتراض کرتے ہوئے پیٹھ موڑ دیتے۔ شکل اول کے قاعدہ پر اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے لو علم الله فيهم خيرا لتولوا یعنی اگر حق تعالیٰ ان میں بھلائی دیکھتے تو وہ پیٹھ موڑ دیتے حالانکہ یہ نتیجہ محال کو مستلزم ہے کیونکہ جس صورت میں حق تعالیٰ کو ان کے اندر بھلائی معلوم ہوتی ہے اس صورت میں تو وہ حق بات کو قبول کرتے اس حالت میں اعراض کیونکر ممکن تھا کیونکہ اعراض تو شر ہے خیر کے ساتھ اس کا اجتماع نہیں ہو سکتا ورنہ لازم آئے گا کہ ان میں خیر ہی نہیں

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں شکل اول ہی نہیں کیونکہ یہاں حد اوسط مکرر نہیں،

لاسمعهم اول سے مراد تو یہ ہے لاسمعهم فی حالة علم الخير فيهم اور ثانی سے مراد یہ ہے کہ لو اسمعهم فی حال عدم علیم الله فيهم خيرا، حاصل آیت کا یہ ہوا کہ اگر خدا تعالیٰ کو ان میں بھلائی کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہونا معلوم ہوتا تو وہ ضرور ان کو دین کی باتیں سنا دیتے اور وہ ان کو قبول بھی کر لیتے اور اگر اس حالت میں کہ خدا کو معلوم ہے کہ ان میں بھلائی نہیں ہے سرسری طور پر ان کو دین کی باتیں سنا دی جائیں تو وہ اعراض ہی کریں گے۔ اب وہ اشکال رفع ہو گیا اس سے آپ کو منطق کی ضرورت معلوم ہو گئی ہوگی۔

مذمت کفار

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝ اس آیت میں کفار کی مذمت کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ علم خیر کے لئے اسماع لازم ہے اور اسماع کے لئے تولی لازم ہے اور قاعدہ عقلیہ ہے کہ لازم کا لازم لازم ہوا کرتا ہے تو علم خیر کے لئے تولی لازم ہوئی جس کا مطلب اس قاعدہ مذکورہ کی بناء پر یہ ہوا کہ اگر حق تعالیٰ کو ان کفار کے متعلق خیر اور بھلائی کا علم ہوتا تو ان کفار سے تولی اور اعراض کا صدور ہوتا اور اس کا استحالہ ظاہر ہے کیونکہ اس سے حق تعالیٰ کے علم کا واقع کے مطابق نہ ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے اب اس کا شبہ کا رفع کرنا اس شخص کے لئے جو علوم درسیہ سے واقف نہ ہو بہت دشوار ہے اور جو علوم درسیہ پڑھ چکا ہو اس کے لئے ایک اشارہ کافی ہے وہ یہ کہ یہ شبہ تو جب صحیح ہوتا کہ یہاں اسماع حد اوسط ہوتا حالانکہ اسماع حد اوسط نہیں اس لئے کہ وہ مکرر نہیں کیونکہ پہلا اسماع اور ہے اور دوسرا اسماع اور ہے۔ لہٰذا تولی کو جو لازم کا لازم سمجھا گیا اور اس بناء علم خیر کے لئے تولی کو لازم قرار دیا گیا خود بھی غلط ہوا پس حق تعالیٰ کے علم کے متعلق واقعہ کے غیر مطابق ہونے کا جو شبہ ہوا تھا وہ رفع ہو گیا اب آیت کا صحیح مطلب یہ ہوا کہ اگر حق تعالیٰ ان کے اندر کوئی خیر دیکھتے تو ان کو باسماع قبول سناتے مگر جبکہ حق تعالیٰ کے علم میں ان کے اندر کوئی خیر نہیں ہے ایسی حالت میں اگر ان کو نصیحت سنا دیں جو اسماع قبول نہ ہوگا کیونکہ یہ اسماع حالت عدم خیر میں ہوگا تو وہ لوگ اس کو ہرگز قبول نہ کریں گے بلکہ تولی اور اعراض کریں گے اسی طرح قرآن کی آیت پر ایک دوسرا شبہ اور اس کا جواب یاد آیا اس کا واقعہ یہ ہے کہ جنگ بلقان کے زمانہ میں جب ایڈریانوپل پر کفار کا قبضہ ہوا تو ہندوستان کے مسلمانوں کو بہت پریشانی ہوئی اور طرح طرح کے خیالات فاسدہ آنے لگے حتیٰ کہ بعض کو نصوص پر کچھ شبہات بھی پیدا ہو گئے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر دہلی کے مسلمانوں نے ایک بڑا جلسہ کیا اور مجھ کو اس جلسہ کے اندر مدعو کیا اور صدر بنایا اور لوگوں کے عقائد کی اصلاح کی نیت سے مجھ سے وعظ کی درخواست کی چنانچہ میری اس جلسہ میں تقریر ہوئی جب وعظ ہو چکا تو آواز بلند میں نے کہا کہ اگر کسی کو کوئی شبہ ہو یا کسی کو کچھ دریافت کرنا ہو تو دریافت کر لے تاکہ بعد میں کوئی شخص یہ نہ کہے کہ مجھ کو یہ پوچھنا تھا اور نہ پوچھ سکا۔ یہ سن کر ایک ولایتی منتہی طالب علم کھڑے ہوئے یہ لوگ معقول زیادہ پڑھتے ہیں قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ معقولی ہیں کہنے لگے کہ قرآن شریف میں وعدہ ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ' مگر باوجود اس کے پھر ایڈریانوپل پر کفار کا قبضہ ہو گیا تو اس کی کیا وجہ میں نے کہا کہ مولانا یہ تو بتلایئے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

موجہات میں سے یہ کونسا قضیہ ہے بس میرے اس کہنے پر ہی وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے پھر میں نے ہی خود ان سے کہا کہ آپ کو جو یہ شبہ ہوا کہ یہ قضیہ ضروریہ یا دائمہ ہے تو اس کی کیا دلیل ہے ممکن ہے کہ مطلقہ عامہ ہو جس کا ایک بار بھی وقوع کافی ہوتا ہے جو ہو چکا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گیا اس کے بعد پھر کوئی شخص نہیں کھڑا ہوا تو دیکھئے چونکہ یہ طالب علم علوم درسیہ پڑھے ہوئے تھے اور مبادی ان کے ذہن میں تھے اس لئے میرے ایک لفظ سے ان کا شبہ حل ہو گیا۔ اسی طرح ایک اور مولوی صاحب کو قرآن شریف کی ایک آیت کے متعلق شبہ تھا وہ یہ کہ آٹھویں پارہ میں ارشاد ہے۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اول کفار مشرکین کا مقولہ نقل فرمایا ہے کہ اگر حق تعالیٰ یہ چاہتے کہ ہم سے شرک کا وقوع نہ ہو تو ہم شرک نہ کرتے (مگر جب ہم سے شرک وقوع ہوا تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ہی نے چاہا ہے کہ ہم سے شرک ہو تو پھر ہم پر کیوں ملامت کی جاتی ہے کیونکہ ہم نے وہ کام کیا ہے جو حق تعالیٰ کا چاہا ہوا تھا) پھر اس مقولہ کے نقل فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے کذلک سے تخرصون تک کفار کے اس مقولہ کا رد فرمایا اور ساتویں پارہ میں ہے ولو شاء الله ما اشر کو ۹ یعنی حق تعالیٰ حضور ﷺ کو خطاب فرماتے ہیں کہ ان مشرکین کی حالت پر تارنج و غم نہ کیجئے کیونکہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں ہماری مشیت سے کر رہے ہیں اگر ہم چاہتے کہ یہ شرک نہ کریں تو یہ شرک نہ کرتے تو آٹھویں پارہ میں جو آیت ہے وہاں تو شرک کے متعلق مشیت کی نفی فرمائی اور اس دوسری آیت میں اس مشیت کا اثبات فرما رہے ہیں تو ان دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے وہ مولوی صاحب مجھ سے اس کے جواب کے طالب ہوئے اب وہ لوگ جو بلا علوم درسیہ پڑھے ہوئے محض ترجمہ قرآن کو بطور خود دیکھ کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم نے قرآن کو سمجھ لیا ذرا اس شبہ کا تو جواب دیں میں نے یہ جواب دیا کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ تعارض تو جب ہوتا کہ جس مشیت کی ایک جگہ نفی کی گئی ہے اسی مشیت کا دوسری جگہ اثبات کیا جاتا حالانکہ ایسا نہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ مشیت کی دو قسمیں ہیں ایک مشیت تشریعی جس کا دوسرا نام رضا اور دوسرے مشیت تکوینی جس کا نام ارادہ ہے تو آٹھویں پارے میں جس مشیت کا اثبات کیا گیا ہے اس سے مراد مشیت تکوینی یعنی ارادہ ہے کیونکہ پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے کفار کا عقیدہ بیان فرمایا ہے تو کفار اپنے سے شرک کے متعلق مشیت تشریعی یعنی حق تعالیٰ کی رضاء کے معتقد تھے اور دوسری آیت میں ایک عقیدہ شرعیہ بیان فرما کر حق تعالیٰ حضور ﷺ کی تسلی فرماتے ہیں اور وہ عقیدہ شرعیہ بھی ہے کہ عالم میں جس سے بھی کفر و شرک کا وقوع ہو رہا ہے وہ حق تعالیٰ کے علم و ارادہ سے ہو رہا ہے گو مشیت تشریعی نہ ہو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کرے گا۔ اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے

اس آیت میں حق تعالیٰ نے فرقان کو مایہ بشارت بتلایا ہے جس کو تقویٰ پر مرتب فرمایا ہے اور اسی لئے قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن ہمیشہ جوڑتا ہی نہیں بلکہ کہیں جوڑتا ہے اور کہیں توڑتا ہے جو لوگ حق پر ہوں۔ ان کے ساتھ وصل کا حکم ہے اور جو باطل پر ہوں ان کے ساتھ فصل کا حکم ہے پس یہ سخت غلطی ہے جس میں لوگ آج کل مبتلا ہیں کہ جہاں دو جماعتوں میں اختلاف دیکھتے ہیں دونوں کو مورد ملامت بنانے لگتے ہیں کہ تم کیسے مسلمان ہو کہ آپس میں اختلاف کرتے ہو اور دونوں کو باہم اتفاق پر مجبور کرتے ہیں جس کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہے کہ دیندار کو دین چھوڑ کر بددین ہو جانا چاہئے اور صاحب حق حق کو چھوڑ کر باطل طریقہ اختیار کرلے اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے بلکہ مقتضائے عقل یہ ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو شخصوں میں اختلاف ہو تو اول یہ معلوم کیا جائے کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون' جب حق متعین ہو جائے تو صاحب حق سے کچھ نہ کہا جائے بلکہ اس کا ساتھ دیا جائے۔ اور صاحب باطل کو اس کی مخالفت سے روکا جائے۔ قرآن میں اس پر ایک جگہ نص ہے۔ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الی امر اللہ

فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْۤ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَ اللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: پھر جب سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔

تفسیری نکات

کشف بلا اتباع شریعت شیطانی چیز ہے

اب دیکھ لیجئے کہ بہت سے صحابہ تو فرشتوں کو نہ دیکھ سکے اور شیطان نے دیکھ لیا قبر میں جب عذاب ہوتا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے تو جانوروں کو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ کتوں اور بلیوں کو کشف قبور ہوتا ہے مگر آج کل پیری کی یہ خاص علامت ہے بھلا جو چیز حیوانات تک میں مشترک ہو وہ کیسے انسانی کمال ہوسکتی ہے افسوس یہ لوگ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔

فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ شیطان کفار کے ساتھ تھا بلکہ جنگ میں شیطان ہی بڑھاوے دے کر کفار کو مقابلہ میں لایا تھا لیکن جب دونوں طرف سے صف بندی ہوئی اور شیطان کی نظر ان فرشتوں پر پڑی جو مسلمانوں کی تائید کے واسطے بھیجے گئے تھے تو نکص علی عقبیہ الٹے پیروں بھاگا۔ خدا تعالیٰ کا جلال اور عظمت تو بڑی چیز ہے فرشتوں کے سامنے بھی ٹھیرنے کی تاب نہ لاسکا یہاں کوئی طالب علمانہ اشکال یہ نہ کرے کہ شیطان کو کیا خوف پڑا فرشتے اس کا کیا کرتے۔ اسے خدا تعالیٰ نے قیامت تک کی مہلت دی ہے پھر فرشتے اسے مار تھوڑا ہی ڈالتے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ خوف عقلی کے دفعہ کرنے کیلئے یہ دلیل کافی ہے لیکن خوف طبعی اس سے نہیں جاسکتا چاہے کتنی ہی دلیلیں قائم ہوں اس کی مثال یہ ہے کہ جب آدمی زمین پر چلتا ہے تو ایک ہاتھ بھر چوڑا راستہ اس کے چلنے کے لئے بہت کافی ہے بلکہ اس سے کم میں بھی چل سکتا ہے لیکن اگر ایک دیوار بہت اونچی بنائی جاوے کہ وہ ہاتھ بھر سے بھی بہت زیادہ چوڑی ہو اور اس پر کوئی چلنا چاہے تو دلیل عقلی اور تجربہ اور مشاہدہ سب ہی کچھ موجود ہے کہ اس پر چلنے میں کوئی خوف نہیں اور گر پڑنے کی کچھ وجہ نہیں مگر خوف طبعی غالب آجائے گا اور دیوار پر چلا نہ جائے گا۔ یہاں ایک مسئلہ اور زبان پر آگیا وہ طالب علموں کے خاص کر کام کا ہے اور میری تقریر سے کچھ زیادہ بے جوڑ بھی نہیں وہ یہ ہے کہ اس بدر کے قصہ سے معلوم ہوا کہ شیطان صاحب کشف ہے کفار نے بلکہ بہت سے صحابہ نے بھی فرشتوں کو نہیں دیکھا اور شیطان نے دیکھ لیا یہی کشف کہلاتا ہے اور باوجود اس کے سب جانتے ہیں کہ شیطان ملعون ہے اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ کشف بلا اتباع شریعت شیطانی چیز ہے اور ذرا بھی فضیلت کی چیز نہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ

ترجمہ: وہ اللہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا۔

تفسیری نکات

اتفاق کا تعلق تدابیر سے نہیں

ملفوظ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب تھے ندوہ کے فاضل ان کا خیال تھا کہ اگر کوشش کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

جائے تو تدبیر سے مسلمانوں میں اتفاق ہوسکتا ہے۔ میں نے کہا کہ نری تدبیر سے مسلمانوں میں اتفاق نہیں ہوسکتا اور میں نے یہ آیت پڑھی ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین والف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم' دیکھئے حضور ﷺ جیسے مدبر اور تدبیر کا اتنا بڑا سامان کہ تمام ما فی الارض کا انفاق' مگر ان سب تدبیروں کا نتیجہ اور حاصل دیکھئے کیا ارشاد ہے کہ ما الفت بین قلوبھم وہ فاضل بیحد مطمئن ہوئے کہنے لگے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کبھی میری نظر سے نہ گزری تھی اور چونکہ اتفاق کا تعلق تدابیر سے نہیں اسی لئے میں نے اس اتفاق کا بیان آج تک وعظوں میں مستقلاً بیان نہیں کیا اس لئے کہ بیکار ہے جو چیز اصل ہے اتفاق کی وہ اعمال صالحہ ہیں اگر مسلمان ان کو اختیار کریں خود بخود اتفاق ہوجائے گا۔

عادت اللہ یونہی جاری ہے کہ مل کر کام ہوتا ہے دیکھئے ھو الذی ایدک بنصرہ میں وبالمومنین بھی بڑھا دیا گیا ہے ورنہ مومنین کے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی اس میں حق تعالیٰ نے بتلادیا کہ اتنی بڑی ہستی کی نصرت میں سنت یہی ہے کہ مل کر کام کیا جائے غرض ہر حال میں کام کرنے کی ضرورت ہے محض زبانی باتوں سے کچھ نہیں ہوتا (الافاضات الیومیہ ص ۳۸ ج ۷)

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: اگر خدائے تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکتا تو جو عمل تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارے میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی۔

تفسیری نکات

کثرت رائے کے غیر صحیح ہونے کی دلیل

کثرت رائے کے غیر صحیح ہونے کی ایک خاص دلیل نہایت قوی یہ ہے کہ جنگ بدر میں ستر قیدی حضور ﷺ کے حضور میں لائے گئے اس وقت تک اس کے متعلق کوئی نص تھی نہیں کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاوے حضور نے صحابہ سے مشورہ کیا خود حضور ﷺ کی رائے مبارک یہ تھی کہ کچھ فدیہ لے کر سب کو چھوڑ دیا جائے آپ تو بڑے رحیم وکریم تھے۔ خود صحابہ کی بھی زیادہ تر یہی رائے ہوئی کیونکہ اسی میں مصلحت معلوم ہوئی اور مصلحت کھلی ہوئی تھی کیونکہ وہ سب قیدی بڑے بڑے سردار تھے۔ یہ خیال ہوا کہ اگر ان کو چھوڑ دیا جائے گا تو اس کی تالیف قلب ہوگی ممکن ہے کہ حضور کی شان کرم کو دیکھ کر ان لوگوں کو محبت ہو اور اسلام لے آئیں اور یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

رائے محض اس وجہ سے نہ تھی کہ خود حضور اقدس ﷺ کی بھی رائے مبارک یہی تھی بلکہ خود صحابہ کی بھی آزادانہ رائے اس مصلحت سے جس کا ابھی ذکر کیا گیا یہی تھی اور مشورہ اسی لئے کیا بھی جاتا ہے کہ مختلف رائیں معلوم ہوں جن میں سے پھر مستشیر یا امیر ایک کو ترجیح دے سکے اور مشورہ کا حاصل یہی ہے کہ سب کی رائے ظاہر ہو جائے اس لئے سب صحابہ نے آزادانہ اپنی رائے پیش کی تھی اتنی بڑی جماعت میں صرف حضرت عمرؓ اور سعد بن معاذ اس رائے میں موافق نہ تھے کہ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ سارے مجمع میں ان دو بزرگوں کی یہ رائے تھی کہ یہ بڑے بڑے سردار ہیں ان سب کو قتل کر دیا جائے تاکہ کفر کی شوکت ٹوٹ جائے اور مسلمانوں کی یہ دھاک بیٹھ جائے کہ افواہ ان میں اتنی قوت ہے کہ کسی جماعت کی پرواہ نہیں کی اور کسی کو تدبیر وتالیف سے اپنے میں مدغم کرنا نہیں چاہتے سب سے مستغنی ہیں جب رائے کا انتخاب ہوا تو یہی رائے منتخب ہوئی کہ فدیہ لے کر سب کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس وقت دیکھئے صاف اسی کثرت رائے کی صورت تھی اگر یہ طریقہ کثرت رائے کا حق ہوتا تو اس کے خلاف آیت کیوں نازل فرمائی گئی اور آیت بھی کیسی سخت۔ ارشاد ہوا لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۝ یعنی اگر تمہاری تقدیر میں پہلے سے خیر نہ لکھ دی گئی ہوتی تو تم نے جو عمل کیا اس پر عذاب عظیم آتا' جب یہ آیت نازل ہو چکی تو حضور کو دیکھا گیا کہ رو رہے ہیں' حضرات صحابہؓ نے پریشان ہو کر پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب قریب آ گیا تھا لیکن رک گیا اور اگر نازل ہو جاتا تو سوائے عمر اور سعد بن معاذ کے کوئی نہ بچتا سب ہلاک ہو جاتے او اللہ تعالیٰ نے غلطی دکھلانے کے لئے عذاب دکھلا دیا اور یہ دکھلانے کے لئے اجتہادی غلطی معاف ہے عذاب کو ٹال دیا۔ اور حضرت عمرؓ بجائے اس کے کہ فخر کرتے کہ میری رائے کے مطابق وحی نازل ہوئی بہت مغموم اور شرمندہ تھے کہ میں اس قابل کہاں کہ میری رائے کے موافق وحی نازل ہوئی خیر یہ قصہ تو ہو لیکن جن کو فدیہ دے کر چھوڑ دیا گیا ان میں سے اکثر نے بعد کو اسلام قبول کر لیا انہیں میں حضرت عباسؓ بھی تھے اگر وہ قتل کر دیئے جاتے تو ان کے اولاد کہاں ہوتی اور بنو عباس کی خلافت کہاں ہوتی اور جو ان سے اسلام کی رونق اور قوت ہوئی وہ کہاں ہوتی بہر حال کثرت رائے کا باطل ہونا اس سے زیادہ کسی دلیل سے ثابت ہو سکتا ہے۔ ترجمہ' اے پیغمبر ﷺ آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلب میں ایمان معلوم ہوگا تو جو کچھ تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے دنیا میں تم کو اس سے بہتر دے گا۔ اور آخرت میں تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔

مصیبت کی حقیقت

جو تم سے (اس وقت فدیہ میں) لیا گیا ہے اور تمہاری مغفرت فرمادیں گے مراد یہ ہے کہ اس جملہ میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

اعطاء فی الدنیا مراد ہے اور جملہ ثانیہ میں اجر آخرت مراد ہے **ویغفر لکم** یعنی آخرت میں تمہاری مغفرت فرما دیں گے واللہ غفور رحیم کہ اللہ تعالیٰ تو بہت مغفرت فرمانے والے اور رحم فرمانے والے ہیں (اس لئے تم کو اس وعدہ میں تردد نہ کرنا چاہیے)

حاصل آیت کا یہ ہے کہ اگر تمہارے دل میں ایمان ہو تو تم کو اس مالی نقصان کا اندیشہ نہ کرنا چاہیے جو فدیہ سے اس وقت پہنچا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تم کو دنیا و آخرت میں اس کا نعم البدل عطا فرمائیں گے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ ہر نقصان و مصیبت کا نعم البدل ملتا ہے۔ اور ہر چند کہ مورد آیت کا خاص ہے مگر جس امر پر اس وعدہ کو مرتب فرمایا ہے وہ مورد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اس لئے آیت سے یہ قاعدہ مفہوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ ہر مصیبت کا نعم البدل ملتا ہے۔ یہاں تو تعمیم پر کوئی صیغہ صراحۃً دال نہیں مگر دوسری نصوص سے اس تعمیم کی تائید ہوتی ہے اس وعدہ اور قاعدہ کو ملحوظ رکھ کر ایک اور حقیقت واضح ہوئی کہ وہ یہ کہ مصیبت کی حقیقت تجارت ہے یہی حقیقت ہماری نظر سے غائب ہوتی ہے اس لئے مصیبت سے رنج زیادہ ہوتا ہے۔

اب دیکھو کہ تجارت میں انسان یہ چاہا کرتا ہے کہ میرے مال کی نکاسی ہو کہ جو چیزیں میرے ہاتھ کے تلے ہیں کوئی ان کا لینے والا خریدنے والا ہو۔ اگر خریدار کوئی نہ آئے تو تاجر گھبرا جاتا ہے خاص کر ایسی اشیاء میں جو باقی رہنے والی نہیں جیسے کل کے روز برف بہت ارزاں دہلی کے بھاؤ پر مل گئی تھی۔ کیونکہ خریدار کم ہوئے اور برف کا رہنا دشوار تھا اس لئے دہلی کے بھاؤ پر یعنی اپنی خریداری پر ہی دے گیا شہروں میں تو ایسا بہت ہوتا ہے کہ شام کو برف نہایت ارزاں ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ تاجر اپنے مال تجارت کے پڑا رہنے پر رنجیدہ ہوتا ہے نکل جانے پر رنجیدہ نہیں ہوتا حالانکہ وہ اپنے خریداروں کے ہاتھ ایک محدود نفع پر بیچتا ہے مگر پھر بھی وہ خریداروں کا مشتاق رہا ہے کہ کوئی میرا مال لے لے مرابحہ نہ ہو تو تولیہ ہی ہو تولیہ نہ ہو تو میلی کچیلی صافی ہی سہی لیکن نفع نہ ہو تو کچھ خسارہ ہی سہی چنانچہ بعض دفعہ ایسے مال کو جس کا خریدار کوئی نہ ہو کسی قدر خسارہ سے بھی فروخت کر دیتا ہے۔

جب تجارت کی یہ حقیقت ہے تو صاحبو! اگر میں یہ ثابت کر دوں کہ یہ واقعات رنج و مصیبت تمام تر تجارت ہی ہیں اور تجارت بھی ایسی جس سے بڑھ کر نفع کسی تجارت میں نہیں ہوتا تو کیا پھر بھی نالہ و شیون باقی رہے گا میں رنج طبعی کا منکر یا مانع نہیں جو فطری طور پر ہوتا ہے بلکہ میں آگے اس کی ضرورت پر کلام کروں گا کہ طبعی رنج تو ہونا چاہئے ورنہ ثواب و اجر ہی نہ ہوگا۔ مگر میں اس وقت رنج عقلی کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں کہ واقعات رنج و مصیبت کی حقیقت معلوم کرنے کے بعد رنج عقلی نہ ہونا چاہئے۔

عمل صبر و شکر

خلاصہ یہ ہے کہ حالات کی دو قسمیں ہیں گوارا و ناگوار پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں اختیاری و غیر

(c) ketabton.com: The Digital Library

اختیاریہ کل چار قسم کے حالات ہوئے جن میں سے ہر ایک کے متعلق جدا جدا حقوق ہیں اور مومن اگر ان کے حقوق ادا کرتا ہے تو اس کو نعم البدل ملتا ہے اسی لئے مومن کسی حالت میں نقصان میں نہیں بلکہ ہر حالت میں نفع میں ہے اس لئے حدیث میں ہے۔

نعم الرجل المومن ان اصابته سراء حمد و ان اصابته ضراء صبر و فی کل اجر او کما قال

یعنی مومن آدمی بڑی اچھی حالت میں ہے اگر اس کو راحت پہنچتی ہے حمد و شکر کرتا ہے اگر تکلیف پہنچتی ہے صبر کرتا ہے اور ہر ایک میں اس کو اجر ملتا ہے یعنی شکر میں بھی اجر ہے اور صبر میں بھی'

اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا گیا کہ امور غیر اختیاریہ میں جو اجر ہے وہ ان اعمال کی وجہ سے جو اختیاراً اس وقت مومن سے صادر ہوتے ہیں یعنی راحت میں حمد۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن
يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ
ترجمہ: کہ ان قیدیوں سے فرما دیجئے کہ اگر تمہارے دلوں میں خیر ہوگی (یعنی ایمان) تو اللہ تعالیٰ تم کو اس سے بہتر چیز دیں گے جو تم سے لی گئی ہے

تفسیری نکات

مومن کی بشارت

یہاں مومن کو بشارت بھی نقصان مالی پر نعم البدل کا وعدہ ہے جس کو ایمان کے ساتھ مشورہ کیا گیا ہے حاصل یہ ہوا کہ مومن کو ہر نقصان کا عوض اور نعم البدل ملتا ہے اور ان نصوص مذکورہ پر نظر کر کے ہم کو اس نص اخیر کی تعمیم کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ دوسری نصوص سے تعمیم ثابت ہے گو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اخذ منکم میں ما عام ہے مال کو اور غیر مال کو جس میں سب اعمال اور اعیان داخل ہیں خصوصا جبکہ قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ اعتبار عموم نص ہے خصوص مورود کا اعتبار نہیں مگر مجھے خود اس قاعدہ ہی کے عموم میں کلام ہے اس لئے میں اس آیت پر تعمیم کا مدار نہیں کرتا بلکہ مجموعہ نصوص کے اعتبار سے اس مضمون کو عام کرتا ہوں۔ مگر اس کی تلاوت اس لحاظ سے ہوئی ہے کہ ایک مناسب سے دوسرے مناسب کی طرف اشارہ کرنا ابلغ ہے اور تمام نصوص کا پڑھنا دشوار تھا۔ کسی ایک کا اختیار ضروری تھا جس کے لئے وجہ مرجح میں نے بالکل تمہید کے بیان کر دی۔

خلاصہ یہ کہ معاملات تشریعیہ کا تجارت ہونا تو ظاہر ہے کہ ایک عمل ہم نے پیش کیا ادھر سے اس کی قیمت مل گئی

(c) ketabton.com: The Digital Library

مگر اس کے علاوہ ہمارے ساتھ جس قدر معاملات تکوین میں بھی ہوتے ہیں ان سب کی حقیقت کو پیش نظر رکھ کر غم بہت ہلکا ہو جائے گا باقی طبعی میں انکار نہیں کرتا وہ تو ہوگا اور ہونا چاہئے کیونکہ اسی کی وجہ سے اجر ملتا ہے اور اس سے شان عبدیت ظاہر ہوتی ہے اگر انسان پر رنج وغم وارد نہ ہو فرعون بے سامان ہو جائے مگر ضرورت اس کی ہے کہ اس غم کو ہلکا کیا جائے غم کا بڑھنا خود مصیبت ہے جس سے راحت فوت ہونے کے علاوہ بعض اوقات جو اصل دولت ہے اجر وہ بھی ضائع ہو جاتی ہے اور غم ہلکا ہونے کی وہی تدبیر ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے یعنی جب انسان یہ سمجھے گا کہ ہر معاملہ میں حق تعالیٰ مجھ کو نعم البدل عطا فرماتے ہیں تو غم ہلکا ہو جائے گا۔ پھر وہ نعم البدل بھی اس قدر کہ اس کا اندازہ لکھنا دشوار ہے اور مصائب پر صبر کرنا تو نہایت دشوار ہے اس پر تو وہ غیر متناہی ملے تو کیا عجب ہے جس پر آیت

انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب (مستقل رہنے والوں کا صلہ بے شمار ہی ملے گا)

میں متنبہ بھی فرمایا ہے وہاں تو خفیف خفیف عمل پر بھی بے اندازہ اجر مل جاتا ہے چنانچہ حدیث ترمذی میں ہے کہ ایک بار اللہ اکبر کہنے سے آسمان وزمین کی درمیانی فضا بھر جاتی ہے اور سبحان اللہ کہنے سے آدھی میزان عمل اور الحمد للہ سے پوری میزان عمل بھر جاتی ہے۔

یہ اس لئے فرمایا کہ شاید کسی کو اللہ اکبر کا ثواب سن کر یہ احتمال ہو کہ نہ معلوم میزان عمل بھی کسی چیز سے بھری ہوگی۔ کیونکہ ممکن ہے وہ آسمان وزمین کی فضا سے بھی زیادہ ہو تو ایک عمل سے اگر فضا بھی بھر جاتا ہے تو ممکن ہے وہ آسمان وزمین بھرنے کے لئے کافی نہ ہو اور ہم کو سابقہ پڑے گا میزان ہی سے۔ خصوص طالب علموں کو ایسے احتمالات بہت ہوتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک تو کٹورا بھی حوض کے برابر ہو سکتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ التَّوْبَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین (اسلام) پر طعن کریں تو تم لوگ اس قصد سے کہ یہ باز آجائیں ان پیشوایان کفر سے (خوب) لڑو ان کی قسمیں نہیں رہیں۔

تفسیری نکات

کفر سے حربی نہیں ہوتا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے کہ ذمی اگر حضور ﷺ کی شان میں گستاخی یا کسی قسم کی اہانت کرے تو وہ حربی ہو جاتا ہے یا نہیں، میں اس کے متعلق عرض کرتا ہوں کہ گستاخی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ بطریق مناظرہ رسالت کی نفی کرے سو یہ کفر تو ہے مگر کفر سے حربی نہیں ہوتا اور ایک صورت یہ ہے کہ بطریق طعن و استہزاء کے رسالت کی نفی کرے اس صورت میں عہد ٹوٹ جاتا ہے اس باب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ اس تفصیل سے اقوال مختلفہ میں تطبیق ہوگئی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

ترجمہ: کیا تم لوگوں نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے برابر قرار دیا ہے جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور (اللہ کے واسطے) انہوں نے ترک وطن کیا ہو اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یہ لوگ برابر نہیں اللہ کے نزدیک۔

تفسیری نکات

سبب افضلیت معیار ایمان ہے

تو آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ افضلیت کی اور اس کا معیار ایمان ہے۔ یعنی جس چیز کو ایمان سے زیادہ تلبس ہوگا وہ زیادہ افضل ہوگی اور اسی وجہ سے ایمان کے ساتھ ایک دوسری صفت یعنی جاھد فی سبیل اللہ (اللہ کے راستے میں اس نے جہاد کیا) کو بھی ذکر کر دیا کیونکہ وہ اعلاء کلمۃ اللہ کا باعث اور اسلام کے پھیلانے میں معین ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ کوئی عمل ایسا نہیں کہ بدوں اس کے دوسرے عمل بالکل مقبول نہ ہوں مثلاً ایسا نہیں کہ نماز بدوں زکوٰۃ کے قبول نہ ہو اور زکوٰۃ بدوں حج کے بجز ایمان کے کہ اس پر تمام اعمال موقوف ہیں پس اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ متعدی کو من کل الوجوہ افضل کہنا غلطی ہے چنانچہ ایمان عمل متعدی نہیں اور پھر سب سے افضل ہے اور یہیں سے یعنی ایمان کے افضل الاعمال ہونے سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہوگئی جو کہ غیر ایمان کو اہل ایمان پر فضیلت دیتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے فلاں قوم اچھی ہے البتہ اگر ایسے مضامین سے مسلمانوں کو غیرت دلانا مقصود ہو تو مضائقہ نہیں بعض لوگ بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص مسلمان ہو کر بھی فلاں عیب کو نہیں چھوڑتا اس سے تو مسلمان ہی نہ ہوتا تو بہتر تھا یہ سخت غلطی اور جہل ہے۔ ایک شخص مجھ سے کہنے لگے کہ رنڈیوں کو مسلمان نہ کرنا چاہئے اسلام کو ایسے مسلمانوں سے عیب لگتا ہے میں نے کہا کہ اگر اسے مسلمانوں کو نکالے تو تم کو ان سے پیشتر نکال دے گا تمہارے اعمال کہاں کے اچھے ہیں بعضے لوگ چمار بھنگی کے مسلمان ہونے کو بوجہ تحقیر کے پسند نہیں کرتے مگر یاد رکھو جب قیامت کا دن ہوگا اس روز معلوم ہو جائے گا کہ ہم جن کو ذلیل سمجھتے تھے ان کی کیا حالت ہے اور ہماری کیا گت

فسوف تری اذا انکشف الغبار افرس تحت رجلک ام حمار

(پس عنقریب تو اے مخاطب دیکھ لے گا جس وقت کہ غبار ختم ہو جائے کہ آیا تیرے پیروں کے نیچے

(c) ketabton.com: The Digital Library

گھوڑا ہے یا کہ گدھا میدان جنگ میں کس قسم کے سوار پر فتح پائی ہے۔اسی طرح دنیا کی زندگی ایک قسم کا غبار جب موت واقع ہوگی اور دنیاوی پردہ ختم ہو جائے گا۔اس وقت حقیقت حال ظاہر ہو جائے گی۔

اسی طرح مومن عیب دار کو کافر با کمال کے مقابلے میں آپ دیکھیں گے کہ ایک شخص جو صرف ایمان لایا تھا اور کوئی عمل اس نے اچھا نہیں کیا اس کو تھوڑی مدت کے بعد عذاب سے نجات ملے گی اور کہا جائے گا اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ (جنت میں داخل ہو جاؤ اب نہ تمہیں کوئی خوف ہوگا نہ کسی کا غم) اور اس کے مقابلے میں ایک ایسا شخص جو کہ دنیا میں بڑا خلیق مہربان با کمال تھا لیکن دولت ایمان سے محروم تھا وہ ابدالآ باد جہنم میں رہے گا اور کبھی اس کو نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

مسلمان اور کافر کی مثال

اس کو واضح طور سے یوں سمجھو کہ اگر گورنمنٹ کی رعایا میں دو شخص ارتکاب جرم کریں ایک تو چوری میں ماخوذ ہو اور دوسرا بغاوت میں تو اگر چہ سزا دونوں کو دی جائے گی لیکن چور کی سزا محدود اور کم ہوگی ایک دن ایسا ضرور ہوگا کہ وہ سزا بھگت کر پھر اپنے گھر آئے اور چین سے بسر کرے پر وہ باغی کبھی عذاب سے نجات نہیں پائے گا اور زندگی بھر سزا کی تکلیف میں رہے گا یا فوراً پھانسی کا حکم ہوگا کہ زندگی ہی کا خاتمہ ہو جائے گا۔گو وہ کتنا ہی بڑا لائق فائق ہو اور وہ چور بالکل جاہل کندہ ناتراش ہو۔

صاحبو! ایمان ایک آفتاب ہے اگر ہزاروں بدلی کے ٹکڑے اس پر حائل ہوں تب بھی اس کا نور فائض ہو کر رہے گا اور جھلک جھلک کر روشنی پڑے گی اور کفر کی خوش اخلاقی آئینہ کی سی چمک ہے جو کہ بالکل عارضی ہے۔

دوسری مثال لیجئے اگر ایک گلاب کی شاخیں کسی گملہ میں لگادی جائیں اور اس کے مقابل کاغذ کے ویسے ہی پھول بنا کر رکھ دیئے جائیں تو اگر چہ اس وقت کاغذ کے پھولوں میں زیادہ رونق اور شادابی ہے اصل گلاب کی وہ حالت نہیں لیکن چھینٹا بارش ہو جائے پھر دیکھئے کہ گلاب کیا رنگ لاتا ہے اور کاغذ کے پھول کیسے بدرنگ ہوتے ہیں پس اگر مسلمان اگر چہ دنیا میں کسی حالت میں ہوں لیکن قیامت میں جب ابر رحمت برسے گا تو دیکھنا کہ اس کا اصلی رنگ کیسا کچھ نکھرتا ہے اور کافر کی زرق برق حالت پر کیا پانی پڑتا ہے صاحبو غیرت آنی چاہئے کہ مسلمان ہو کر اسلام کی حقیقت جان کر اپنے منہ سے کافر کو مسلمان پر فضیلت دو اور مسلمان کی مذمت اور کافر کی تعریف کرو۔جب معلوم ہوا کہ ایمان ایسی بڑی چیز ہے تو اس کے ساتھ جن چیزوں کو زیادہ تلبس ہوگا وہ افضل ہوں گی لیکن تلبس بالایمان کو سمجھنا ذرا دشوار ہے۔کیونکہ بعض ایسے اعمال ہیں کہ وہ خود اسلام کا مبنیٰ ہیں۔بعض ایسے ہیں کہ وہ اسلام پر مبنی ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تو معیار وہ اعمال ہیں جو کہ مبنی ہوں اسلام کا چنانچہ آیت میں ایمان کے ساتھ اسی عمل کو ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے اسلام کو قوت پہنچتی ہے۔ اور مسجد حرام کی تعمیر خود اسلام پر مبنی ہے۔ پس یہاں سے معلوم ہوگا کہ مسجد کی خدمت سے دین کی مدد اور اس کو قوی بنانا زیادہ افضل ہے اسی طرح اور جس قدر اعمال ہیں سب میں یہی دیکھنا چاہئے جیسے تعلیم و تعلم وعظ ارشاد یعنی اصلاح خلق۔

پس وظیفہ وظائف سے اصلاح خلق میں زیادہ فضیلت ہوگی کیونکہ یہ مبنی ہے ایمان کی تکمیل کا مگر یہ افضلیت باعتبار معیار مذکور کے فی نفسہ ہے ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو عمل فی نفسہ افضل نہیں وہ کسی عارض کی وجہ سے زیادہ قابل توجہ ہو جائے اور کسی خاص وقت میں اس کی طرف توجہ کرنا زیادہ افضل ہے جیسے وضوء کہ نماز سے افضل نہیں لیکن بعض اوقات بوجہ شرطیت نماز کے زیادہ ضروری ہو جاتی ہے۔ یا مثلاً وعظ کہنا کہ فی نفسہ تخلیہ للعبادۃ سے افضل ہے۔

لیکن جبکہ وعظ پر مقصود بقدر ضرورت مرتب ہو چکے تو بلا ضرورت ہر وقت اس میں مشغول رہنے سے یہ بہتر ہوگا کہ کسی وقت عبادت کے لئے تخلیہ بھی تیار کرے اور کسی وقت اپنی بھی فکر کرے اور خدا کی یاد میں لگے اور اسی کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے۔

واقیموا الصلوۃ والا تکونوا من المشرکین (الروم آیت ۳۱)

(اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے مت ہو)

تارک نماز کے لئے وعید

آگے فرماتے ہیں **ولا تکونوا من المشرکین** جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مشرکین میں سے مت ہو اس میں غور کرنے کی یہ بات ہے کہ نماز کے حکم میں اور اسی نہی میں جوڑ کیا ہے۔ اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ مشرکین عرب حج کرتے تھے مگر نماز نہ پڑھتے تھے چنانچہ حج کرنے والوں کو نہ روکتے تھے اور نماز پڑھنے والوں کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے سو وہ حج کے تو خلاف نہ تھے مگر نماز کے بالکل خلاف تھے اور یہود و نصاریٰ نماز پڑھتے تھے۔ حج نہ کرتے تھے اس لئے حج نہ کرنے پر حدیث میں یہودی یا نصرانی ہو کر مرنے کی وعید کی گئی ہے۔ اور یہاں آیت میں بے نمازی کو مشرک سے تشبیہ دی گئی اور گو یہ دونوں فرقے ہیں کافر لیکن یہود و نصاریٰ سے مشرک اور زیادہ برے ہیں کیونکہ یہود و نصاریٰ موحد تو ہیں گو ان کی توحید کار آمد اور کافی نہیں اور عدم مغفرت میں دونوں برابر ہیں تو نماز کا ترک کرنا دوسرے عبادات کے ترک سے زیادہ برا ہوا۔ پس مطلب یہ ہوا کہ نماز چھوڑ کر مشرکوں کے مشابہ نہ بنو اور اس عنوان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسا کوئی کام نہ کرنا چاہئے جس میں کفار کے ساتھ مشابہت ہو اب رہا یہ کہ آیت میں **اقیموا الصلوۃ** پر کیوں نہیں اکتفا کیا تو اس میں نکتہ یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے کہ مسلمان بے نمازی سے نفرت پیدا ہو کیونکہ کوئی ایسا نہیں جس کو شرک سے نفرت نہ ہو کیونکہ توحید ہر شخص کو محبوب ہے اور توحید کی ضد مبغوض ہے۔ جب فرمایا کہ نماز پڑھو اور مشرک نہ بنو تو اس لفظ سے وحشت ہو گی یہ ایسا ہے جیسے کہا جائے کہ اطاعت اختیار کرو اور باغی نہ بنو تو اس کے معنی یہی ہوتے کہ اطاعت اختیار کرو اور باغی نہ بنو تو اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ اطاعت اختیار کرنا بغاوت سے بچنا ہے اور ترک اطاعت بغاوت ہے ایسے ہی نماز پڑھنا شرک سے بچنا ہے۔ اور نہ پڑھنا مشرک بننا ہے۔ گو اس کے معنی یہ نہیں کہ نماز نہ پڑھنے سے آدمی کافر اور مشرک ہو جاتا ہے کیونکہ یہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ یہ عمل مشرکوں کا سا ہے جیسے حدیث میں وارد ہے من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر عملاً یعنی کام کافروں کا سا کیا جیسے کہتے ہیں کہ فلانا چمار ہو گیا اس کے یہ معنی نہیں کہ واقعی چمار ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ چماروں کے سے کام کرنے لگا تو نماز نہ پڑھنے والے کو مشرک فرمانا بمعنی حقیقی تو نہیں ہے مگر جس معنی میں بھی ہو لفظ نہایت موحش ہے مشرک سے برا کوئی نہیں اس واسطے اللہ تعالیٰ نے نفرت دلانے کے لئے اقیموا الصلوٰۃ کے ساتھ ولا تکونوا من المشرکین بھی بڑھا دیا۔ کیونکہ صرف نماز کے حکم سے اتنی تاکید نہ ہوتی اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مشرک بننا ترک نماز سے بہت زیادہ برا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے تو وجہ شبہ مشبہ بہ میں زیادہ ہوتی ہے خواہ زیادتی کسی حیثیت سے ہو مثلاً کہتے ہیں کہ زید شیر ہے۔ یعنی ایسا بہادر ہے جیسا شیر تو اس میں ضرور ہے کہ بہادری شیر میں زید سے زیادہ ہے۔ ایسے ہی جب ترک نماز کو مشرک بننے کے ساتھ تشبیہ دی گئی تو یہ بات مسلم ہوئی کہ شرک ترک نماز سے بھی زیادہ برا ہے۔ تو شرک کس قدر بری چیز ہوئی۔ (ادب الاسلام ملحقہ مواعظ خیر الاعمال)

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ کہ ایک وقت ایسا بھی نکالئے کہ صرف خدا ہی کی یاد میں اس وقت مشغول ہوں کوئی دوسرا کام نہ ہو

؎ بفراغ دل زمانے نظر بماہ روئے   بہ ازانکہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

(ایک زمانہ فراغ دلی کے ساتھ نظر کرنا اس خوبصورت کی طرف بہتر ہے چتر شاہی سے اور تمام دن کی ہاؤ سے)

اور ؎

خوشا وقتے و خرم روزگارے   کہ یارے برخورد از وصل یارے

(مبارک ہے وہ وقت اور گھڑیاں جب ایک محب اپنے محبوب کے وصل سے سرفراز ہو)

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر شے کے بقاء کے لئے ایک سبب ہوتا ہے اور نسبت جس کی بدولت وعظ بھی مؤثر ہو گیا ہے اس کی بقاء کا سبب یہ ہے کہ کسی وقت صرف شغل مع اللہ رہے اور یہاں سے ان لوگوں کی غلطی بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

معلوم ہوگئی ہوگی جو کہ مشیخت تک پہنچ کر اپنا کام بالکل چھوڑ دیتے ہیں اس سے ان کی نسبت ضعیف ہو جاتی ہے اور فیض بند ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو اعمال اسلام کا بنی ہوں وہ افضل ہوں گے اس قاعدہ کو محفوظ کر کے اعمال میں فیصلہ کر لینا چاہئے اور جس کو اس قدر قوت نہ ہو کہ خود فیصلہ کر سکے وہ کسی عالم سے پوچھ لے کیونکہ ہر شخص کچھ نہ کچھ عمل کرتا تو ضرور ہے اور ہر شخص کو اس کی تمیز نہیں ہو سکتی جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ بعض اوقات اعمال غیر فاضلہ بھی کسی عارض کی وجہ سے افضل ہو جاتے ہیں تو ایسے مواقع پر دریافت کر لینا چاہئے کہ البتہ اگر کوئی عمل ایسا ہو کہ اس کی ضرورت محسوس ہو اور کوئی دوسرا عمل اس وقت اس کے مقابلے میں ایسا ضروری نہ ہو تو اگر چہ یہ مفضول ہی ہو اس کو کرنا چاہئے مثلاً ایک آباد مسجد گر گئی اور نمازی پریشان ہیں یا عیدگاہ گر گئی تو ایسے موقع پر اس کا کرنا زیادہ ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن اعمال کی ضرورت متعین ہو اور وہ معلوم بھی ہو جائے وہاں تو اس کو کر لینا چاہئے اگر چہ مفضول ہو اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں اپنی رائے سے ایک عمل کو دوسرے عمل پر ترجیح نہ دینا چاہئے۔ بلکہ کسی عالم سے استفتاء کرنا چاہئے جیسے مثلاً بخاری شریف کا وقف کرنا یا کسی غریب کو کھانا کھلا دینا۔ اب اس کے مقابلے کے لئے یہ بھی بیان کر دینا مناسب ہے کہ جس طرح حسنات میں تفاضل ہے اسی طرح گناہوں میں بھی تفاوت ہے۔

لیکن جس طرح حسنات میں استفتاء کرنے کی ضرورت ہے کہ کس عمل کو کیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے اسی طرح سیئات میں استفتا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ سب کو چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ چھوٹے بڑے گناہ سب گناہ ہیں اور حرام ہیں۔ اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ فلاں کام بہت ہی گناہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر چھوٹا ہو تو ہم کر لیں یاد رکھو اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی ایک چنگاری کی نسبت پوچھے کہ کیا یہ چنگاری بہت بڑی ہے یا انگارا تو صاحبو جس طرح ایک بڑا انگارا مکان بھر کو پھونک دے گا اسی طرح ایک چنگاری بھی گھر بھر کو پھونک دے گی تو ایمان کے قصر کو ایک چھوٹا گناہ بھی ویسا ہی برباد کر دے گا جس طرح بہت بڑا گناہ تو سب سے بچنا چاہئے بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ رشوت لینا زیادہ گناہ ہے یا سود کھانا میں کہتا ہوں کہ یہ کیوں نہیں پوچھا جاتا کہ پیشاب زیادہ گندہ ہوتا ہے یا پاخانہ تا کہ جو کم گندہ ہو اس کو تناول فرمائیں غرض یہ ہے کہ حسنات میں تو تفاضل کو دریافت کرو اور گناہ سب چھوڑ دو

افضل الاعمال

اب مناسب ہے کہ اصلی اور صحیح معیار بیان کر دیا جائے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ (کیا تم نے

(c) ketabton.com: The Digital Library

حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے والوں کو ان لوگوں کے برابر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں)

اس کی شان نزول میں مختلف قصے آئے ہیں جن کی تفصیل اس وقت مستحضر نہیں اتنی قدر مشترک ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں بعض لوگوں میں گفتگو ہوگئی تھی کہ ایک جماعت اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے کو افضل سمجھتی تھی دوسری جماعت اپنے تئیں خدا تعالیٰ اس آیت میں افضل اعمال کا فیصلہ کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ کونسی جماعت افضل ہے ترجمہ آیت کا یہ ہے۔

کیا تم حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد کی تعمیر کرنے کو اس شخص کے اعمال کے برابر کرتے ہو جو خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے دین کو نفع پہنچایا ہو یہ دونوں جماعتیں ہرگز برابر نہیں مطلب یہ ہے کہ عمارت مسجد اور سقایۃ حاج ایمان باللہ واعلائے کلمۃ اللہ کی برابر نہیں ہے کیونکہ جعلتم کا مفعول سقایۃ کو قرار دیا ہے جو کہ عمل ہے تو مقصود اعمال کا تفاضل بیان کرنا ہے رہی یہ بات کہ ایک جانب میں تو جعلتم کا مفعول اعمال کو بنایا اور دوسری جانب میں کاف کا مدخول مومنین کی ذات کو قرار دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بھی ذہن میں آئی کہ جو لوگ معمرین مسجد تھے وہ اس وقت تک کافر تھے اور عمل ان کا نیک تھا اگرچہ خصوصیت محل کی وجہ سے اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں تھا تو اس جانب میں اعمال کو ذکر کر کے یہ بتلا دیا کہ اب بوجہ عامل کے مومن نہ ہونے کے یہ اعمال مقبول ہی نہیں لیکن اگر اس سے قطع نظر بھی کی جائے اور نفس اعمال کو دیکھا جائے تب بھی اپنے مقابل اعمال سے کم ہیں اور دوسری جانب میں ذات کو کاف کا مدخول بنا کر یہ بتلا دیا کہ ان اعمال کی یہ حالت ہے کہ ان کے اختیار کرنے سے خود عمل کرنے والا بھی مقبول ہو جاتا ہے الغرض اس آیت میں افضلیت سقایۃ وعمارت کے دعوے کی تغلیط ہے اور مبنیٰ اس دعویٰ کا وہی تھا جو آج کل عوام الناس میں ہے یعنی عمل کا نفع عاجل ہو اور عام ہو اور عمل کی صورت عبادت کی سی ہو سقایۃ الحاج میں تو نفع عام اور نفع عاجل تھا اور تعمیر مسجد کی صورت عبادت کی تھی اس لئے ظاہراً معنی فضیلت کے اس میں زیادہ تھے اور اس کی تغلیط کر کے خدا تعالیٰ بتلاتے ہیں کہ فضیلت فلاں فلاں عمل میں ہے لیکن اس میں یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ جن اعمال کو اللہ تعالیٰ نے افضل بتایا ہے ان میں وجہ اس افضلیت کی کیا ہے اور اس میں غور کرنے سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا کہ نفع لازم سے نفع متعدی افضل ہے یا نہیں اور تعدیہ یا لزوم پر افضلیت کی بنا ہو سکتی ہے یا نہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِيۡرَتُكُمۡ وَاَمۡوَالُ ۨاقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: یعنی فرما دیجئے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبے والے اور وہ مال جس کو تم نے محنت کیا ہے اور وہ تجارت جس کے گھاٹے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور وہ گھر جو تمہیں محبوب ہیں تمہارے نزدیک خدا اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کے راستہ میں جہاد کرنے سے یہاں تک کہ اللہ اپنے حکم کو لاوے اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

تفسیری نکات

یہ محل وعید میں ہے مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں مذکور ہوئی ہیں خدا سے اور اس کے احکام سے زیادہ محبوب ہیں تو ان کا حکم اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی کتنی رحمت ہے کہ محض حب مساکین پر اور نہ رضا بالساکن پر وعید ہے یعنی مکان کو پسند کرنے پر بھی وعید نہیں ہے اس لئے کہ اچھا اور پسندیدہ مکان بنانے کی اجازت ہے اب وعید کا ہے پر صرف احب پر ہے کہ وہ خدا سے زیادہ محبوب ہوں تب محل وعید ہیں اس میں بھی مطلق محبوب ہوئے تو مکان کا نہ مرضی پر ہونا محل وعید ہے نہ محبوب ہونا بلکہ احب من اللہ ہونا (یعنی اللہ سے زیادہ محبوب ہونا) محل وعید ہے۔ اگر کوئی شخص بقدر ضرورت مکان بنوالے جس میں اسراف نہ ہو تو کوئی خرج نہیں اور یہ ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ اس کو کتنا مکان ضروری ہے کیونکہ ضرورت کے درجات مختلف ہیں اور انہیں درجات کے لحاظ سے ضروریات بھی مختلف حجرہ آسائش وراحت کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور کسی کو ایک بڑا مکان بھی مسئلہ ہوتا ہے بہرحال عمدہ پختہ اور بڑا مکان بنانا شرعاً ماذون فیہ (اس میں اجازت ہے چنانچہ اس کے عدم جواز کا کسی کا بھی مذہب نہیں ہے ایک شخص زیادہ سردی میں لحاف اوڑھتا ہے اور ایک شخص کا جاڑا ہلکی ہلکی رضائی میں چلا جاتا ہے دونوں کا سال گزر جاتا ہے بہرحال ہر شخص اپنی ضرورت کو خود ہی سمجھ سکتا ہے وہ بھی جائز ہے بشرطیکہ اس میں اسراف اور حدود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو اور عجب کا اختلاط نہ ہو کیونکہ یہ درجہ نمائش کا ہے جو

(c) ketabton.com: The Digital Library

ناجائز ہے اور اسراف میں کہ منہی عنہ کا ارتکاب نہ ہو اور جو خرچ بھی ہو وہ معصیت میں خرچ نہ ہو اس میں یہی تفصیل ہے بعض دفعہ ایک ہی شی ایک شخص کے اعتبار سے اسراف اور دوسرے شخص کے اعتبار سے اسراف نہیں ہوتی مثلاً ایک شخص کو عمدہ کپڑا پہننے کی وسعت ہے اور ایک شخص کو ایک روپیہ گز کے کپڑے کی بھی وسعت نہیں یہ اگر دس روپیہ گز کا کپڑا خریدے گا تو ضرور قرض دار ہوگا اب دونوں نے کام تو ایک ہی کیا لیکن جس کو وسعت ہے اس کے لئے تو کچھ حرج نہیں نہ اس پر اسراف کا الزام اور جس نے بے ضرورت گردن پھنسانے کی کوشش کی وہ گناہ گار ہوگا مسرف شمار ہوگا کیونکہ بلاضرورت گناہ ہے دیکھئے دس روپیہ گز کا کپڑا خریدنا ایک ہی فعل ہے مگر ایک کے لئے جائز ہے اور ایک کے لئے گناہ ہے بات یہ ہے کہ واقع میں تو وہ فعل مباح ہے مگر اس کی وجہ سے اس کے لئے موجب گناہ بن گیا اور وہ عارض کیا تھا بلاضرورت اگر یہ اس قدر قیمتی لباس نہ پہنتا تو بے ضرورت قرض کی معصیت میں مبتلا نہ ہوتا اس لئے اس کے لئے اتنا اچھا اور قیمتی پہننا بھی گناہ ہے کیونکہ مقدمہ گناہ بھی گناہ ہے بہرحال ہر چیز میں تین درجے ہیں۔ ایک آسائش اور ایک آرائش ایک نمائش ہر ایک کے لئے مستحب ہے اور آسائش یا زیبائش میں اگر معصیت کا مثلاً بلاضرورت کا ارتکاب نہ کرنا پڑے تو یہ بھی مباح ہے گو اس کا ترک اولیٰ ہے اور نمائش کرو عجب وفخر ہوتا ہے یہ حرام ہے اب اس کا فیصلہ ہر شخص کے تدین پر ہے کہ وہ کیا ہے اگر دل میں غور کر کے یہ دیکھے کہ یہ کام میں نے نمائش کے لئے کیا ہے تو اس کے لئے وبال ہے مگر اس کے ساتھ دوسرے کے فعل کو بھی خواہ مخواہ ان میں داخل نہ کرے کہ ہر ایک کے فعل کو نمائش پر محمول کرنے لگے بلکہ حسن ظن کا یہ ہوا کہ مساکن مرضیہ اگر احب من اللہ (اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبوب) ہوں تب اور نہ نہیں سو مدار وعید مساکن مرضیہ نہیں پس قید ترضونھا (وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو) بیان فرما کر پھر اس پر وعید کا مدار نہ رکھ کر اپنے پسند کا مکان بنانے کی اجازت مستنبط ہوتی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ پھر اس سے محبت کرنے کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ وہ محبت اللہ اور رسول اکرم ﷺ کی محبت سے زیادہ نہ ہو ورنہ گناہ ہوگا۔ اس پر فرماتے ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ

فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جن کو تم نے کمایا ہے اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو خطرہ رہتا ہے اور وہ گھر جن کو پسند کرتے ہیں تم کو اللہ اور رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا کوئی حکم (تمہاری سزا کے متعلق) بھیجیں۔

رضا بالمسکن پر وعید نہیں

اور اس میں بیوی بچوں اور مال و دولت کی مطلق محبت پر وعید نہیں فرمائی بلکہ احبیت پر وعید ہے کہ یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

چیزیں اللہ اور رسول ﷺ سے زیادہ محبوب نہ ہونی چاہئیں اور ان کی محبت اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے مانع نہ ہونا چاہئے چنانچہ مساکن ترضونھا فرمانے کے بعد احب الیکم من اللہ و رسولہ فرمانا اس کا صریح قرینہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ رضا بالسکن پر وعید نہیں بلکہ اس کے بعد احبیت من اللہ ورسولہ پر ملامت ہے جیسا کہ اوپر والی آیت میں رضا بالحیوۃ الدنیا میں وعید نہ تھی بلکہ اطمینان و دلبستگی پر عید تھی اور اس میں اطمینان واحبیت کا منشاء وہی موت سے غفلت ہے اگر موت کا خیال رہے تو ان چیزوں کے ساتھ اطمینان اور دلبستگی اور احبیت کا درجہ تو ہرگز نہ پیدا ہوگا۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ
اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ
ترجمہ: یعنی حق تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد فرمائی ہے اور غزوہ حنین میں بھی جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے۔

تفسیری نکات

حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو غزوہ حنین میں عجب وغرور پیدا ہو گیا تھا کہ ہم اتنے زائد ہیں اسی لئے عجب کی وجہ سے شکست ہوئی اور جب اس گناہ سے توبہ کر لی اور معافی مانگ لی تو اسی میدان میں یہ ہزیمت خوردہ لشکر اسلام غالب آ گیا جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ
جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ
ترجمہ: یعنی شکست کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول ﷺ اور مسلمانوں پر اپنی خاص تسلی نازل فرمائی اور قلوب کی تقویت کے لئے فرشتوں کا لشکر بھیجا جو نظر نہیں آتا تھا۔

تفسیری نکات

کس قسم کی حب دنیا مذموم ہے

ان سب حالات اور آیات واحادیث ملا کر پھر علماء کے کلام کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی ممانعت سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

علماء کی بھی یہی مراد ہے کہ جو دنیا مضر دین ہے اس کو چھوڑو پھر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ علماء کی ممانعت کو ایک ہی جلسہ میں سن کر فیصلہ کر لیا گیا انہوں نے کسی دوسرے جلسہ میں یہ بھی تو کہا ہوگا کہ حب دنیا وہ مذموم ہے جو غالب ہو حب دین پر اور جو تابع ہو وہ مذموم نہیں چنانچہ خود قرآن ہی میں ہے قل ان کان اباؤکم و ابناء کم واخوانکم الٰی قولہ احب الیکم من اللہ و رسولہ الآیہ دیکھیے خود قرآن ہی کی تصریح سے حب دنیا منع نہیں بلکہ احبیت دنیا یعنی اللہ و رسول سے زیادہ محبوب ہونا منع ہے تو علماء اس کے خلاف کب تعلیم دے سکتے ہیں بعضوں کو یہ غلطی ہوگئی کہ مطلق محبت کو مذموم سمجھا چنانچہ ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ بیوی بچوں کی محبت دل سے نہیں جاتی میں نے لکھا کہ بیوی بچوں کی محبت سے تو گھبراتے ہو لیکن بہت سی اور چیزیں بھی تو ہیں جن سے محبت ہے ان کو کیوں نہیں چھوڑتے یا چھوڑنے کی کوشش نہیں کرتے۔ پیاس میں پانی سے محبت ہے بھوک میں کھانے سے محبت ہے نیند میں سونے سے محبت ہے ان چیزوں کے بارہ میں کبھی نہ پوچھا کہ ان کی محبت نہیں جاتی کیا بیوی بچے ہی عشق کے لئے رہ گئے ہیں اگر تمہارے نزدیک عارف وہی ہے جس کو غیر اللہ کی محبت بالکل نہ رہی ہو تو عارف تو تم بیوی بچوں کو چھوڑ کر بھی نہ ہوئے کیا اور ضروریات زندگی سے محبت ہوتے ہوئے تم اپنے معیار کے مطابق عارف ہو سکتے ہو بس تو معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی بھی مطلق محبت ہونے کے منافی نہیں ہے بشرطیکہ اللہ اور رسول کے محبت کے مزاحم اور مصادم نہ ہو یہ سب موٹی موٹی باتیں ہیں کوئی الجھن کی بات نہیں ہے دیکھیے حضرت عمرؓ سے بڑھ کر تو ہم زاہد اور تارک غیر اللہ ہو نہیں سکتے لیکن جب فارس کی سلطنت پر قبضہ ہوا ہے اور وہ اتنی بڑی اور دولت مند سلطنت تھی کہ اس کے مقابلہ میں عیسائیوں کی سلطنت کی کوئی حقیقت نہ تھی جس کا ظاہری سبب یہی تھا کہ وہاں ایک ہی خاندان میں سلطنت مدت دراز سے برابر چلی آ رہی تھی اور جگہ تو غارت و تاراج سے حکومتیں بدلتی رہیں لیکن وہاں کیانیوں ہی کی سلطنت برابر قائم رہی اور انقلابات سے محفوظ رہی غرض وہ بڑی پرانی سلطنت تھی جب وہ فتح ہوئی تو وہاں سے ایسی عجیب و غریب چیزیں مال غنیمت میں آئیں کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں بھی نہیں آئی تھیں بڑے بڑے ذخائر وغنائم مسجد نبوی میں لا کر ڈھیر کئے گئے جن کو دیکھ کر بھی آنکھیں چکا چوند ہوتی تھیں۔ ان میں ایک قالین ایسا تھا کہ جس میں پھول بوٹے ایسے خوشنما بنے ہوئے تھے کہ دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ یہ قالین ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک نہایت سرسبز و شاداب باغ ہے جس میں طرح طرح کے درخت ہیں اور اس میں پھل لگے ہوئے ہیں پھول کھلے ہوئے ہیں معلوم تو باغ ہوتا تھا اور تھا قالین صنعتیں پہلے بھی تھیں لیکن پہلے وہ آلہ تجارت نہیں تھیں بلکہ ان کو کمال سمجھا جاتا تھا اور بجائے اس کے کہ ان کو بازاروں میں لا کر بیچا جائے اور نفع حاصل کیا جائے ان کو چھپایا جاتا تھا دوسروں کو سکھانے اور بتانے سے بخل کیا جاتا تھا تو اس ڈھیر میں ایسی ایسی صنعتوں کی چیزیں تھیں حضرت عمرؓ نے ان چیزوں کو دیکھا تو جو اثر ان پر ہوا اور جو رائے انہوں نے ظاہر کی وہ دیکھنے کے قابل ہے اس کے بعد کیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان پر یا ان کے پیرو دن پر یہ الزام لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مطلقاً ترک دنیا سکھاتی ہیں پہلے تو آپ ان ذخائر و غنائم کو دیکھ کر روئے اور پھر یہ دعا کی کہ اے اللہ یہ تو ہم نہیں عرض کرتے کہ آپ ان چیزوں کی محبت ہمارے دل سے نکال دیجئے کیونکہ آپ کا ارشاد ہے زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث جب آپ نے خود ان چیزوں کی محبت کی ہمارے قلوب میں مزین فرما دیا ہے تو اس کے زائل ہونے کی دعا کرنا تو سخت گستاخی ہے لیکن یہ عرض ہے کہ ان چیزوں کی محبت کو آپ اپنی محبت کی معین بنا دیجئے سبحان اللہ کیا اچھی دعا فرمائی اور کیسا حقیقت کو سمجھا زین کی دو مختلف تفسیریں ہیں اور وہ اختلاف اس میں ہے کہ زین جو مبنی لمفعول ہے اس کا فاعل کون ہے ان چیزوں کو جو محبت مزید (بفتح الیاء) کر دی گئی تو اس کا مزید (بکسر الیاء) کون ہے یعنی اس تزئین کا فاعل کون ہے یعنی اس میں اختلاف ہے کہ اس تزئین کے فاعل حق تعالیٰ ہیں یا شیطان ہے اب یہاں ضرورت علم کی ہے افعال میں ایک مرتبہ تو خلق کا ہے اور ایک کسب کا' سو مرتبہ خلق میں تو اللہ تعالیٰ فاعل ہیں اور مرتبہ کسب میں شیطان' یعنی اس زینت کے پیدا کرنے والے اور خالق تو حق تعالیٰ ہیں انہوں نے یہ چیز قلب میں پیدا فرما دی اگر تم اس کو اپنے محل میں استعمال کرو تو وہ خیر ہے اور اگر غیر محل میں استعمال کرو تو وہی شر ہے۔ یہ استعمال مرتبہ کسب کا ہے اور اس مرتبہ میں شیطان متصرف ہوتا ہے (الافاضات الیومیہ ج ۱۰ ص ۲۳۶-۲۳۷)

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ
ترجمہ: بلا شبہ مشرک نرے ناپاک ہیں سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں۔

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ الخ کی عجیب تحقیق

فرمایا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ اس کے معنی ہیں ان کے قلوب ناپاک ہیں کیونکہ اگر کسی کافر کا خوب نہلا دیں پھر بھی یہ آیات صادق ہے اور کلمہ پڑھ لے تو نجس نہیں کہا جاوے گا اس سے معلوم ہوا نجاست ظاہری مراد نہیں بلکہ اعتقادی مراد ہے جیسے محاورات میں کہتے ہیں تم بڑے ناپاک ہو یعنی تمہارے عقائد خراب ہیں دوسرے قرینہ یہ ہے کہ اگر فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا اگر نجس العین ہے تو اس ایک سال کی قید کیسی اس کے بعد فرمایا کہ ہندو سے کھانا لینا تو جائز ہے لیکن اگر ان سے نہ لیا جاوے تو میں بڑا خوش ہوں سچی بات یہ ہے کہ ہماری قوم میں نہ دنیا کی لیاقت رہی نہ دین کی۔ اگر ان میں قابلیت ہو تو کیا خدا بخیل ہے۔ ان کو سلطنت نہ دیتا' جب ان میں قابلیت تھی اس وقت کسی کی آنکھ نہ اٹھتی تھی اور اب کچھ نہیں رہی۔ (ملفوظات حکیم الامت ۷ اج ۱۵ صفحہ ۳۷)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اسلامی لشکر کے شکست کی علت

بارہ ہزار کا لشکر کسی علت کے سبب شکست کھا سکتا ہے فرمایا ایک بار حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ

لن یغلب اثنا عشر الفاً عن قلة

یعنی حضرت رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر قلت تعداد کی وجہ سے کبھی دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب نہ ہوگا اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا حالانکہ ثابت ہے کہ بارہ ہزار مسلمانوں کی تعداد کی وجہ سے کبھی شکست کھا گئے۔

حضرت مولاناؒ کی برکت سے میرے ذہن میں فوراً جواب آ گیا میں نے عرض کیا کہ حدیث شریف کا مضمون بالکل بے غبار ہے آنحضرت ﷺ نے عن قلة فرمایا ہے کہ قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوگا عن علة نہیں فرمایا کہ کسی اور سبب سے بھی مغلوب نہ ہوگا لہذا جہاں بارہ ہزار یا بارہ ہزار سے زائد کے لشکر شکست کھا گئے اس کی وجہ قلت نہیں بلکہ کوئی دوسری علت ہوگی۔

چنانچہ اس کی تائید کتب حدیث وتاریخ سے بھی ہوتی ہے بلکہ قرآن شریف میں بھی مسلمانوں کا غزوہ حنین میں اولاً مغلوب ہونا بالتصریح مذکور ہے حالانکہ غزوہ حنین میں مسلمان بارہ ہزار تھے لیکن پھر بھی اولاً مغلوب ہو گئے اور اس کی وجہ قلت نہیں تھی بلکہ ایک قلبی مرض خود پسندی وعجب تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے۔

يُضَاهِـُٔونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝

ترجمہ: یعنی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں خدا ان کو غارت کرے یہ کدھر جا رہے ہیں۔

تفسیری نکات

کلام الٰہی میں جذبات انسانی کی رعایت

اللہ تعالیٰ نے احکام میں ہمارے جذبات کی کیسی رعایت فرمائی ہے ایک بات اور یاد آئی جو مجھ سے لڑکیوں نے ترجمہ قرآن کے درس میں پوچھی تھی میں ان کو سورۃ براءت کا ترجمہ پڑھا رہا تھا جب یہ آیت آئی یضاھئون یئوفکون (یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں خدا ان کو غارت کرے یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں) خدا ان مدعیان فرزندی مسیح وعزیر کو تباہ کرے یہ کہاں الٹے جا رہے ہیں تو ایک لڑکی نے سوال کیا کہ یہ تو کوسنا ہے اللہ میاں جب سب کچھ کر سکتے ہیں پھر وہ کیوں کوستے ہیں؟ یہ سوال اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے پہلے کسی نے مجھ سے نہ کیا تھا نہ کسی کتاب میں اس کا جواب دیکھا تھا مگر الحمدللہ کہ سوال کے ساتھ ہی معا میرے دل پر جواب القا ہو گیا میں نے کہا کہ اللہ میاں تو کوسنا نہیں دیتے مگر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہمارے جذبات کی بہت رعایت فرمائی ہے۔ تو اوپر جو یہود و نصاریٰ کا حال مذکور ہے اس کو قرآن میں پڑھ کر سن کر انسان کو غصہ آتا ہے جس سے کوسنا منہ سے نکلنے کو ہوتا ہے مگر قرآن پڑھتے ہوئے غیر قرآن میں داخل کرنا پڑتا جو ان کے خلاف تھا اس لئے انسان اپنے اس جذبہ کو پورا نہ کر سکتا اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے خود ہی کوسنے کا مضمون بڑھا دیا تا کہ پڑھنے والے کو اپنا جذبہ دبانا نہ پڑے اور وہ دل کھول کر اس تقاضا کو پورا کر لے اور یہ کہہ دے قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اور واقعی اس جواب کے بعد جو قرآن پر نظر کی جاتی ہے تو جابجا رعایت جذبات کی نظریں قرآن میں کثرت سے ملتی ہیں چنانچہ قرآن میں جہاں کہیں لفظ عسیٰ ولعل فرمایا ہے اس میں بھی ہمارے جذبات ہی کی رعایت ہے کہ جہاں ہم لوگ اپنے محاورہ میں عسیٰ ولعل کہتے ہیں وہاں حق تعالیٰ نے بھی یہی فرمایا گویا حق تعالیٰ کے علم کامل کے لحاظ سے وہاں ان اور لام تاکید کا موقعہ تھا اور یہ رعایت ایسی ہے جیسے بچہ کے ساتھ ابا جان بھی پانی کو مم اور روٹی کو روتی کہنے لگتے ہیں اور اس سے زیادہ عجیب ایک دوسرا قصہ ہے اور یہ کہ میں نے ایک مستورہ سے آیت وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں کا ترجمہ پڑھاتے ہوئے سوال کیا کہ حق تعالیٰ نے جو یہاں فرمایا ہے کہ زمینیں سب اللہ کی مٹھی میں ہوں گی اور آسمان داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے ظاہر ہے کہ اس کی حقیقت تو مراد نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ مٹھی سے اور اعضاء سے پاک ہیں بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی قدرت کی تحت میں ہوگی مگر قبضہ کی تعبیر میں جو اختلاف ہے کہ جب زمین کے ساتھ قبضۃ اور سموات کے ساتھ بیمینہ کا عنوان اختیار کیا گیا اس کی کیا وجہ ہے ایک ہی عنوان کافی تھا یہ سوال بہت دقیق تھا مگر اس کا جواب اس مستورہ نے عجیب حیرت انگیز دیا کہا کہ یہاں حق تعالیٰ نے ہماری عادت کے موافق کلام فرمایا ہے اور عادت یہی ہے کہ ہم چھوٹی چیز کو مٹھی میں لیتے ہیں اور بڑی کو ہاتھ میں بدوں مٹھی بند کئے لے لیتے ہیں پس چونکہ زمین آسمان سے چھوٹی ہے اس لئے وہاں قبضۃ فرمایا اور آسمان بڑا ہے اس کے لئے بیمینہ فرمایا مجھے یہ جواب بہت ہی پسند آیا چنانچہ میں نے اپنی تفسیر میں بھی اس کو لکھ دیا ہے تو یہ بھی وہی بات ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن میں ہمارے جذبات کی رعایت فرمائی ہے مفسرین نے بھی افراد ارض اور جمع سموات میں بھی نکتہ بیان کیا ہے کہ اس میں ہمارے جذبات کی رعایت ہے کہ تعدد سموت تو اذہان عامہ میں پہلے سے تھا تعدد ارض لوگوں کے ذہن میں نہ تھا تو حق تعالیٰ نے بھی ان کے ذہن کو مانوس کرنے کے لئے سارے قرآن میں ارض کو بصیغہ مفرد اور سموات کو جمع استعمال کیا ہے البتہ تعدد ارض کو حقیقت واضح کرنے کیلئے ایک مقام پر اس طرح مقصود اظاہر فرما دیا۔ اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے سات آسمان اور مثل ان کی ساتھ زمین بنائیں)

نبی را نبی مے شناسد

اسی طرح بعض مصنفین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان معی ربی کہنے کے مفضولیت اور آپ کے ان اللہ معنا کہنے کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے ایسے وجوہ بیان کیے جن سے موسیٰ علیہ السلام کی نظر کا حقائق سے قاصر ہونا مترشح ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ اگر یہ مصنف ایسی مجلس میں حاضر ہوں جس میں رسول ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام تشریف رکھتے ہوں تو کیا اس شخص کی یہ جرات ہوگی کہ اس مضمون کو ان کے سامنے بیان کر سکے۔ ہرگز نہیں علاوہ اس کے کہ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف مزاج ہو خود آنحضرت کے بھی خلاف ہو حقیقت اس امر کی یہ ہے کہ اس موقع پر آنحضرت پر او ر وارد تھا اور اس مقام کا بھی مقتضاء تھا اور یہ سالک اور عارف کے اختیار میں نہیں اگر وہ وارد جو موسیٰ علیہ السلام پر تھا ہمارے آنحضرت پر بھی اس وقت وہ وارد ہوتا تو آنحضرت بھی یہی اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ فرماتے اور اگر موسیٰ علیہ السلام پر وہ ہوتا جو ہمارے آنحضرت پر تھا تو وہ بھی ان اللہ معنا فرماتے باقی ان واردوں کی تعیین اس میں بھی ظن و تخمین سے کلام مناسب نہیں اس لئے کہ شیخ اکبر کا ارشاد ہے کہ چونکہ ہم نبی نہیں اس لئے انبیاء کے مذاق کا ادراک ہم نہیں کر سکتے پس جیسا کہ ولی را ولی می شناسد مسلم ہے اسی طرح نبی را نبی می شناسد واجب التسلیم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کوچ کرو تو تم زمین کو سختی سے تھام لیتے ہو کیا تمہیں آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی پسند ہے سو آخرت کے حساب میں دنیا کی زندگی بالکل کم درجہ ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

جہاد میں سستی کا ایک سبب

یہ ایک آیت ہے جس میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے دین کے ایک خاص کام میں سستی کرنے پر ملامت فرمائی ہے۔

ہر عمل کی کوتاہی کو فرماتے ہیں تم دین کے کام میں سستی کرتے ہو کیا حیات دنیا پر راضی ہو گئے ہو اور یہ سستی جو تم میں آ گئی ہے تو کیا آخرت کی ضرورت اور خیال تم کو نہیں رہا پھر فرماتے ہیں کہ آخرت کے مقابلے میں حیات دنیا کی متاع تو بالکل ہی قلیل ہے کچھ بھی نہیں اور باوجود اس کے تم پر دنیا پھر راضی ہو یعنی اس سے اتنی محبت ہے کہ اس کو اپنا قرارگاہ سمجھتے ہو اور اسی لئے اس دینی کام سے گھبراتے ہو سو یہ تو ایسی چیز نہیں کہ آدمی اس کی حیات پر راضی ہو جائے یہ ہے مضمون اس علت کا اور اسی کو بیان کرنا مقصود ہے اس کا حاصل اس کے ترجمے سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں پر ملامت کر رہے ہیں جنہوں نے دنیا پر قناعت کر لی ہے اور آخرت کو بھول گئے ہیں اور دنیا کو محبوب سمجھتے ہیں مسلمان ایسا تو کوئی نہیں ہے کہ اس کا یہ عقیدہ ہو کہ آخرت کوئی چیز نہیں مگر حالت ضرور ایسی ہے کہ ان کے برتاؤ اور معاملات سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی منکر ہو کیونکہ جتنی محبت دنیا کی ہے آخرت کی وہ محبت اور اس کا اتنا شوق نہیں ہے چنانچہ دلوں کو ٹٹول کر دیکھ لیں کہ دنیا میں قیام کی بابت ہم لوگ کیا کیا خیالات پکاتے ہیں کہ ہم یوں رہیں گے یوں بسیں گے بھوآئے گی جائیداد ہو گی یوں ہم ملازم ہوں گے ڈپٹی کلکٹر ہوں گے وغیرہ وغیرہ اب انصاف سے دیکھو کہ آخرت کے متعلق بھی کبھی ایسی امنگیں ہوئی ہیں کہ مر جائیں گے تو خدا کے سامنے جائیں گے جنت ہو گی اس میں باغات اور مکانات ہوں گے یوں حوریں ہوں گی غالباً کبھی بھی یہ امنگیں نہیں ہوتیں بلکہ خیال بھی بہت ہی کم آتا ہے۔

غم خلاف امید ہونے سے ہوتا ہے تو جو شخص کسی چیز کے بارے میں یہ امید رکھے کہ یہ ہم سے جدا نہ ہو گی اس کو اس چیز کے جدا ہونے کا غم ہو گا ورنہ کوئی بھی غم نہ ہونا چاہئے ہاں طبعی رنج دوسری بات ہے میں پریشانی کے غم کی نفی کر رہا ہوں۔ یہ ہے فرق ان لوگوں میں جو دنیا کو اپنا گھر سمجھتے ہیں اور ان میں جو دنیا کو اپنا گھر نہیں سمجھتے' اسی کو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں أَرَضِيتُم بِالْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ساری خرابیوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے اس کو دل سے نکالنا چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آخرت کو کثرت سے یاد کیا جائے اس سے دنیا کی محبت دل سے نکل جائے گی اور آخرت کی نعمت کی محبت اور آخرت کے عذاب سے خوف یوں پیدا کرو کہ بیٹھ کر سوچا کرو کہ ہم کو مرنا ہے اور خدا کے سامنے جانا ہے پھر ایک دن ہمارا حساب ہو گا اگر اچھی حالت ہے تو بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی ورنہ سخت سخت

(c) ketabton.com: The Digital Library

عذاب ہوں گے اور نفس سے کہا کرو کہ اے نفس تو دنیا کو چھوڑنے والا قبر میں تجھ سے سوال ہوگا اگر اچھے جواب دے سکا تو ابدالآباد کا چین ہے ورنہ سدا کی تکلیف ہے پھر تجھے قیامت کو اٹھنا ہے اور اس روز تمام نامہ اعمال اڑائے جائیں گے تجھے پل صراط سے گزرنا ہوگا پھر آگے یا جنت ہے اور یا دوزخ ہے اس کو روزانہ سوچا کرو اس سے آخرت کے ساتھ تعلق ہوگا اور دنیا سے دل سرد ہو جائے گا اور موت کے مراقبے سے ممکن ہے کہ کسی کو یہ خلجان ہو کہ اس سے تو وحشت ہوگی اور جی گھبرائے گا اس کا علاج یہ ہے کہ جب وحشت ہونے لگے تو خدا تعالیٰ کی رحمت کو یاد کیا کرو اور سوچا کرو کہ اس کو اپنے بندوں سے اتنی محبت ہے کہ ماں کو بھی اپنے بچے سے اتنی محبت نہیں ہے تو اس کے پاس جانے سے وحشت کی کوئی وجہ نہیں اور اگر اس مراقبے کے بعد پھر بھی دنیا کی طرف دل راغب ہو اور گناہ کو جی چاہے اور کوئی گناہ صادر ہو چکا ہو تو مراقبے کی تجدید کے ساتھ توبہ کر لیا کرو اور توبہ کا تتمہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا حق تمہارے ذمے ہو اس کو بہت جلدی ادا کر دو اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ خدا تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کر دے گا پھر ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آخرت کا دائمی عیش ہوگا اور آخرت کا شوق پیدا ہونے کی میں نے ایک کتاب لکھی ہے اس کا نام ہے شوق وطن اس کا مطالعہ بھی بہت مفید ہوگا حاصل سب کا یہ ہوا کہ دنیا کی محبت ایک مہلک مرض ہے اور اس کا علاج موت کی یاد ہے اور اس سے توحش سے بچنے کے لئے خدا کی رحمت کامل یقین اور اس کا استحضار ہے۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ
أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۶۲﴾
ترجمہ: یہ لوگ تمہارے سامنے (جھوٹی قسمیں) کھاتے ہیں تاکہ تم کو راضی کر لیں (جس میں مال و جان محفوظ رہے) حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ سچے مسلمان ہیں تو اس کو راضی کر لیں۔

تفسیری نکات

ارضاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو جہتیں

آیت میں وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ نہیں فرمایا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دو جہتیں ہیں ایک نسبت مع اللہ ایک خصوصیت ذات اور مقصود فی الدین آپ کا راضی کرنا بحیثیت رسالت ہے نہ بلحاظ ذات گو یہ ارضا بہ لحاظ نسبت رسالت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ بھی محبت کو مستلزم ہوگا اور اس وقت آپ کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ذات من حیث ہی کے ارضاء کو بھی دل چاہئے گا مگر واسطہ اس ثانی کا بھی وہ اول ہی ہے غرض بہ لحاظ نسبت رسالت کے آپ کا ارضاء عین ارضاء حق ہے اور اسی وجہ سے یرضوہ میں ضمیر واحد کی لائی گئی ہے جو راجع ہے حق تعالیٰ کی طرف اور یہاں عین سے مراد معنی فلسفی نہیں جس میں اتحاد من کل وجہ کا تحقق مثل انسان وحیوان ناطق کے شرط ہے بلکہ یہ صوفیہ کی خاص اصطلاح ہے ان کے نزدیک حق کا عین وہ ہے جس کو وصول الی الحق میں داخل ہو اور غیر وہ ہے جو وصول الی الحق میں مخل ہو مولانا فرماتے ہیں ۔ اصطلاحاتیست مر ابدال را

رضائے معتبر

ہاں اس جگہ یہ ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ منافقین تو رسول اللہ ﷺ ہی کی رضاء کے واسطے قسمیں کھاتے تھے پھر وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ میں رسول کا ذکر کیوں کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول ﷺ کو راضی کرنے کا اہتمام نہ کرتے تھے اس شبہ کا جواب سمجھ لیجئے مشہور جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی رضا حق تعالیٰ کی رضاء کو مستلزم ہے تو جب انہوں نے حق تعالیٰ کو راضی کرنا نہیں چاہا تو گویا حضور ﷺ کو بھی راضی کرنا نہیں چاہا کیونکہ انتفاء لازم سے ملزوم کا انتفاء لازم ہے۔

دوسرے چونکہ حضور ﷺ ان کی شرارتوں سے واقف تھے اس لئے آپ ظاہر میں بھی ان سے راضی نہ ہوتے تھے لیکن ان کی قسموں کے بعد آپ گرفت کو موقوف کر دیتے تھے وہ لوگ اسی کو کافی سمجھتے تھے ورنہ دل میں وہ بھی جانتے تھے کہ حضور ﷺ ہماری قسموں سے راضی نہیں ہوئے۔

مگر میرے نزدیک سہل جواب یہ ہے کہ رسول کی ارضاء کو دو حیثیتیں ہیں ایک ارضاء بہ حیثیت سلطنت دوسرا ارضاء بہ حیثیت نبوت و رسالت اس کے بعد سمجھئے کہ منافقین کا قصد یہ تو ضرور تھا کہ حضور ﷺ ہم سے راضی رہیں مگر یہ قصد محض بہ حیثیت سلطنت اس غرض سے تھا کہ ان کے اموال وانفس محفوظ رہیں اور اس حیثیت سے آپ کی رضا مثل دوسرے مسلمانوں کو رضاء کے خلق تھی اور یرضوکم میں داخل نہ کہ رضائے خالق اور حضور ﷺ میں جو دوسری حیثیت رسالت اور مظہر حق ہونے کی تھی اور اسی حیثیت سے آپ ﷺ کی رضا عین رضاء حق ہے اس کی ان کو پرواہ نہ تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ مخلوق کی رضاء کو رضائے خالق پر ترجیح دیتے تھے اور وہ رسول ﷺ کو بھی بہ حیثیت مخلوق محض ہونے کے راضی کرنا چاہتے تھے حالانکہ حضور ﷺ کی رضاء شرعاً بہ حیثیت نائب حق ہونے کے مطلوب ہے جس کی منافقوں کو پرواہ نہ تھی اسی لئے وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ میں رسول ﷺ کا ذکر کیا گیا اور بتلا دیا گیا کہ جس حیثیت سے تم حضور ﷺ کو راضی کرنا چاہتے ہو وہ مطلوب نہیں اور جو مطلوب ہے اس حیثیت سے تم ان کو راضی نہیں کرنا چاہئے پس اللہ ورسول من حیث ہو رسول اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان کو راضی کرو پس اب اشکال رفع ہو گیا۔

اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ رسول ﷺ کی رضا محبت وہی محبت مطلوب ہے جو اس حیثیت سے ہو کہ آپ رسول ﷺ اور مظہر حق ہیں دوسری حیثیت سے آپ کی رضاء و محبت مطلوب نہیں۔

ہاں اگر پہلی حیثیت کے ساتھ دوسری حیثیات بھی جمع ہو جائیں تو نور علی نور ہے ورنہ صرف دوسری حیثیات کافی نہیں مثلاً ابو طالب کو حضور ﷺ سے بہت محبت تھی مگر وہ صرف اس حیثیت سے تھی کہ آپ ان کے بھتیجے تھے یا بعض کفار کو آپ سے اس لئے محبت تھی کہ آپ عاقل کامل تھے اور اب بھی بعض مصنفان یورپ آپ کی عقل و ہمت استقلال وغیرہ کی تعریف بہت شد و مد کے ساتھ کرتے ہیں ان حیثیات سے آپ ﷺ کی محبت و رضاء شرعاً کافی نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ رسول ﷺ ہونے کی حیثیت سے آپ کے ساتھ محبت کی جائے اور اس ہی حیثیت سے آپ کی رضا شرعاً مطلوب ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: یہ ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جن کو بجز محنت و مزدوری کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا یعنی اُن سے تمسخر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو اس تمسخر کا بدلہ دے گا اور اُن کے لئے دردناک سزا ہوگی۔

تفسیری نکات

شانِ نزول

اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے چندہ کی ترغیب دی تھی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تو اتنا لائے کہ اٹھ بھی نہ سکا اور ایک صحابی جو کہ دانے لائے۔ منافقین دونوں پر ہنسے۔ ایک کو ریاکار بنایا' ایک کو بے شرم' حق تعالیٰ اس کو بھلا کیا دیکھ سکتے تھے۔ ایک قدسی میں فرماتے ہیں۔ میں نے تفسیر مظہری میں یہ حدیث

(c) ketabton.com: The Digital Library

دیکھی ہے کہ مجھے اپنے مقبول بندے کو چھیڑنے پر ایسا غصہ آتا ہے جیسے شیر کے بچوں کے چھیڑنے پر شیر کو۔
دوسری حدیث قدسی میں ہے: من عاولی ولیاً فقد اذنته بالحرب (کہ جو میرے ولی سے عداوت رکھے اس کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے)

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات بادرد کشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

اور فرماتے ہیں

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد تادل صاحب دلے نامد بدرد

ایک مقبول بندے کے ستانے پر شہر کے شہر تباہ کردیے گئے ہیں حق تعالیٰ اپنے مقبول بندے پر طعن کو نہیں دیکھ سکتے۔ فوراً اس کا بدلہ لیتے ہیں۔ اسی طعن کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ

کہ جو لوگ طعن کرتے ہیں ان لوگوں پر بھی جو رغبت ظاہر کرتے ہیں صدقات میں اور وہ مومن ہیں اور ان لوگوں پر بھی جو نہیں پاتے خرچ کرنے کو مگر اپنی طاقت کے موافق۔ تو جو ان سے تمسخر کرتے ہیں خدا ان کے تمسخر کا بدلہ لے گا اور وہ بدلہ یہ ہے۔ ولھم عذاب الیم۔ کہ ان کو سخت عذاب ہوگا۔ آگے اس کو اچھی طرح موکد فرماتے ہیں کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں برابر ہے۔ اگر آپ ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تو خدا تعالیٰ ان کو نہ بخشیں گے۔

اس سے کوئی یہ نہ سمجھیں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہے کہ وہ توبہ و استغفار سے بھی نہیں بخشا جا سکتا۔ کیونکہ اس آیت میں تو حضور کو ارشاد ہے کہ آپ ان کے واسطے کتنا ہی استغفار کریں ہم نہ بخشیں گے۔ بات یہ ہے کہ وہ لوگ خود استغفار نہ کرتے تھے اور حضور ﷺ کی دعا و استغفار اسی وقت مفید ہو سکتی ہے کہ گناہ کرنیوالا خود بھی توبہ کرنا چاہے۔ حق تعالیٰ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ یہ لوگ استغفار کریں یا نہ کریں ہم نہ بخشیں گے۔ اگر یہ فرماتے تو شبہ کی گنجائش تھی کہ کیا بعضے گناہ استغفار سے بھی معاف نہیں ہو سکتے تو اگر وہ خود استغفار کرتے تو ایک مرتبہ اللّٰھُمَّ اغفرلی کہنا بارود کی طرح گناہوں کو اڑا دیتا ہے (حقوق السراء والضراء ملحقہ مواعظ حقوق و فرائض ص ۲۷۲ تا ۲۷۴)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: آپ چاہے ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر دفعہ بھی استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہ کریں گے کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتے۔

تفسیری نکات

یہاں عدد سبعین سے مراد کثرت ہے

یہاں ایک اشکال طالب علمانہ رہ گیا ساتھ میں اس کو بھی حل کئے دیتا ہوں اشکال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے آیت اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ کو تخییر پر محمول فرمایا حالانکہ سیاق کلام سے یہ جملہ تسویہ پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ چاہے آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ استغفار کریں اگر آپ ستر دفعہ بھی استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کبھی نہ کریں گے یعنی دونوں باتیں ان کے حق میں مساوی ہیں چنانچہ اہل محاورات اس کو خوب سمجھتے ہیں۔

نیز اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً میں عدد سبعین سے کثرت مراد ہے عدد خاص مراد نہیں اور مطلب یہ ہے کہ چاہے آپ کتنا ہی استغفار کریں ان کی مغفرت نہ ہوگی مگر حضور ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ میں ستر سے زیادہ استغفار کرلوں گا اس کی کیا وجہ ہے آپ کو تو افصح العرب ہیں آپ نے آیت کو تخییر پر اور عدد کو تحدید پر کیوں محمول فرمایا۔

اس اشکال کا جواب شافی میں نے کہیں منقول تو دیکھا نہیں اور نہ کتابوں پر میری نظر زیادہ ہے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے میں نے جو جواب سنا ہے وہ بیان کرتا ہوں ممکن ہے کہ نقل سے بھی اس کی تائید ہو جائے اور اگر نقل سے تائید نہ بھی ہو تو حضرت مولانا کو حق تعالیٰ نے فن تفسیر سے خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔ ان کے جواب کو ہم حجت سمجھتے ہیں۔ مولانا نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ بے شک اسلوب کلام تو تسویہ ہی کے لئے ہے اور عدد سبعین سے بھی خصوصیت عدد مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے۔ مگر حضور ﷺ پر اس وقت رحمت کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

حال غالب تھا غلبہ رحمت سے آپ نے صورت کلام تمسک فرمایا تو اس جواب سے اشکال تو رفع ہو گیا مگر اس سے صوفیہ کے ایک قول کو مقید کرنا پڑے گا۔ وہ یہ کہ صوفیہ کا قول ہے کہ کاملین پر غلبہ حال نہیں ہوتا تو اس میں یہ قید لگانا پڑے گی یعنی اکثر نہیں ہوتا کبھی کبھی ہوتا ہے اور یہ تقیید محض مولانا کے جواب کی وجہ سے نہیں بلکہ احادیث صحیحہ اس کی تائید کرتی ہیں

چنانچہ واقعہ بدر میں جب مسلمانوں کا کفار سے مقابلہ ہونے والا تھا حدیث میں آتا ہے کہ اس وقت رسول ﷺ عریش مبارک میں نہایت الحاح کے ساتھ دعا فرما رہے تھے کہ اے اللہ اپنے وعدہ نصرۃ کو پورا فرمایئے اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایئے حتیٰ کہ جوش میں یہ بھی فرمایا

اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبد بعد الیوم

(اے اللہ اگر یہ تھوڑی سے جماعت (مسلمانوں کی) ہلاک ہو گئی تو پھر زمین میں آپ کی عبادت نہ ہوگی۔

اللہ اکبر خدا تعالیٰ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر مسلمان اس واقعہ میں مغلوب ہو گئے تو پھر کوئی آپ کا نام نہ لے گا صاحبو آخر یہ کیا تھا علماء قشر تو تھک جائیں گے تاویلیں کرتے کرتے مگر ان سے کچھ جواب نہ آئے گا ہاں صوفیہ اس کا جواب نہایت سہولت سے دے دیں گے کہ اس وقت آپ پر غلبہ حال تھا مقام ناز کی کیفیت غالب تھی لیجئے سارا اشکال مرتفع ہو گیا مگر یہ جواب اس کو مقتضی ہے کہ صوفیاء کے اس قول مشہور کو مقید کیا جائے۔

محرومی ایمان کا اثر

اب ایک اشکال اور رہ گیا۔ وہ یہ کہ ہم نے تسلیم کیا کہ آیت کی صورت تخییر کو متحمل نہیں مگر اس سے محض جواز معلوم ہوا وجوب تو نہیں معلوم ہوا تخییر سے جس طرح منافقین کی نماز پڑھنے کا جواز نکلتا ہے ترک صلوۃ کا جواب بھی نکلتا ہے پھر حضور ﷺ نے صلوۃ کو ترک صلوۃ پر کیوں ترجیح دی آپ نے نماز پڑھی کیوں اس کے لئے کوئی مرجح بتلانا چاہیے ورنہ آپ کے فعل کا عبث ہونا لازم آئے گا۔

اس کا جواب ایک تو مورخین نے دیا ہے کہ اس دن حضور ﷺ کی اپنے سخت ترین دشمن پر یہ رحمت و شفقت دیکھ کر بہت لوگ مسلمان ہو گئے تھے تو گویا آپ کے فعل میں یہ فائدہ اور یہ حکمت تھی اور دشمنوں کو یہ دکھلانا منظور تھا کہ رسول ﷺ کو اپنے نفس کے لئے کسی سے بھی عداوت نہیں بلکہ وہ دل سے اپنے دشمنوں کے لئے بھی رحمت و مغفرت کے خواہاں ہیں (جب تک حق تعالیٰ ممانعت نہ فرما دیں) اگر نفس کے لئے کسی سے آپ کو دشمنی ہوتی تو عبداللہ بن ابی کے کفن میں اپنا قمیص مبارک ہرگز نہ دیتے نہ اس کی نماز پڑھتے نہ دفن میں شریک ہوتے کیونکہ شرعاً آپ کے ذمہ ان میں سے ایک کام بھی نہ تھا مگر آپ نے شفقت و رحمت سے سب کچھ کیا اور اس کی دشمنی پر کچھ بھی التفات نہیں فرمایا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک جواب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے دیا ہے کہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے واقعہ میں اس مسئلہ کو حل فرمایا ہے کہ تبرکات کے بھروسہ پر کوئی نہ رہے بدوں ایمان کے سب بے کار ہیں چنانچہ دیکھ لو کہ ابن ابی کے پاس کتنے تبرکات جمع ہو گئے تھے حضور ﷺ نے اپنا قمیص مبارک اس کے کفن میں دیا بھلا یہ بات کس کو نصیب ہوتی ہے آج کل کوئی بہت کرے گا غلاف کعبہ کا ٹکڑا رکھ دے گا مگر غلاف کو حضور ﷺ کی قمیص سے کیا نسبت' حضور ﷺ کا جسد اطہر عرش و کعبہ سب سے افضل ہے اور اگر غلاف کعبہ کو قمیص نبوی کے برابر مان بھی لیا جائے تو یہ دولت کس کو نصیب ہو سکتی ہے کہ حضور ﷺ کا لعاب مبارک اس کے منہ میں پڑے' عبداللہ بن ابی کے مرنے کے بعد آپ نے اپنا لعاب بھی اس کے منہ میں ڈال دیا تھا وہ تو آپ کا جزو تھا جس کی برکت لباس سے بھی زیادہ ہے پھر آپ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی گویا اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائی بھلا یہ شرف آج کس کو نصیب ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ صحابہ کو لے کر اس کے جنازہ کی نماز پڑھیں مگر باوجود ان تمام باتوں کے عبداللہ بن ابی کو ان تبرکات سے کچھ بھی نفع نہ ہوا کیونکہ وہ ایمان سے محروم تھا۔ حق تعالیٰ نے صاف فرمادیا۔ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۔

سَبْعِيْنَ مَرَّةً تکثیر کے لئے وارد ہے

حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے عبداللہ ابن ابی منافق کے جنازہ کی نماز پڑھائی حضرت عمر فاروقؓ نے ادب کے ساتھ اختلاف کیا اور عرض کیا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ حضور نے جواب ارشاد فرمایا خیرنی فاخترت یعنی مجھ کو اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا بلکہ اختیار دیا ہے اور فرمایا سازید علی السبعین یعنی میں ستر سے زیادہ استغفار کروں گا۔ اب یہاں پر دو اشکال ہیں ایک اشکال یہ ہے کہ حضور تو اہل زبان ہیں اور افصح العرب اس درجہ کے ہیں کہ کفار خدا تعالیٰ کے کلام کی فصاحت و بلاغت کو حضور کی طرف نسبت کرتے تھے کہ یہ آپ کا کلام ہے اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ تخییر کے لئے نہیں بلکہ تسویہ کے لئے ہے جس کی تصریح سورہ منافقون میں کر دی گئی ہے سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اس طرح سبعین تحدید کے لئے نہیں تکثیر کے لئے ہے چنانچہ سورہ منافقین ہی میں اس کی بھی تصریح ہے بدوں عدد کے لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ واقع ہے جب معمولی اہل زبان اس کو سمجھ سکتا ہے تو حضور نے تخییر و تحدید کیسے سمجھی اس کا جواب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے یہ ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے غایت رحمت کی وجہ سے لفظوں سے تمسک فرمایا معنی کی طرف التفات نہیں فرمایا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

واعظین کی ایک غلطی پر تنبیہ

عام واعظوں کی ایک غلطی یاد آئی وہ یہ کہ قرآن مجید میں ہے فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا (پس چاہئے کہ کم ہنسیں اور زیادہ روئیں) واعظین اس کو امر سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو ملامت کرتے ہیں کہ تم واجب کو ترک کرتے ہو قرآن میں تو کثرت بکا کا امر ہے اور تم بالکل نہیں روتے مگر یہ ان واعظین کی غلطی ہے یہاں معنی امر مراد نہیں بلکہ امر بمعنے خبر ہے۔جس میں کفار کی سزا اور عذاب کا ذکر ہے جس کی دلیل سیاق و سباق ہے چنانچہ اس سے پہلے ارشاد ہے (کہ تم گرمی میں مت نکلو کہ جہنم کی آگ زیادہ گرم ہے کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے اور اس کے بعد ارشاد ہے (پس چاہئے کہ کم ہنسیں اور زیادہ روئیں) جس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ بکاء سزا ہے اور ظاہر ہے کہ سزا وہ چیز ہو سکتی ہے جو سزا پانے والے کے اختیار میں نہ ہو بلکہ سزا دینے والے کے اختیار میں ہو اگر یہاں معنی انشاء مراد ہوں گے تو ضحک و بکاء مخاطب کے اختیار میں ہوگا اور وہ جزاء نہیں ہو سکتا پس ثابت ہو گیا کہ یہاں معنی انشاء مراد نہیں بلکہ خبر دینا مقصود ہے کہ ان مشرکین کی سزا یہ ہے کہ وہ تھوڑے دنوں میں ہنس کھیل لیں اور اس کے بعد زیادہ روئیں گے اپنے اعمال کی سزا میں اور خبر کو انشاء کی صورت میں استعمال کرنا ایسا ہے جیسا کہ ہمارے محاورہ میں بھی کہا کرتے ہیں کہ اب سر پکڑ کر روؤ تمہاری یہی سزا ہے یعنی اب روؤ گے اور اپنے کئے کی سزا بھگتو گے۔ پس اسی طرح قرآن کا یہ محاورہ ہے جس سے معنی امر مقصود نہیں اور اگر بفرض محال امر ہی مقصود ہوتا تو سیاق و سباق کی وجہ سے مخاطب کفار ہی ہوتے مسلمانوں کو پھر بھی خطاب نہ ہوتا اس لئے واعظین کا اس سے مسلمانوں کے لئے کثرت بکاء کا مامور بہ ہونا ثابت کرنا غلط ہے یہ بیچ میں استطرادا ایک فائدہ تفسیریہ پر بیان کر دیا گیا ہے۔

شریعت میں ہنسنے کی ممانعت نہیں

بعض لوگوں نے فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا سے یہ سمجھا ہے کہ شریعت میں ہنسنے کی ممانعت ہے یہ استدلال غلط ہے کیونکہ یہاں ضحک و بکاء دنیا مراد نہیں بلکہ فی الاخرۃ مقدر ہے اور فَلْيَضْحَكُوا امر بمعنی خبر ہے کہ آخرت میں یہ لوگ زیادہ روئیں گے جیسے ہمارے محاورہ میں بولا کرتے ہیں اب سر پکڑ کے روؤ یعنی اب روؤ گے یہ بھی خبر ہے امر بمعنی طلب نہیں اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ مذکور ہے جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں وہ ضحک قلیل و بکاء کثیر مراد ہے جو ان کے اعمال پر بطور جزاء کے مرتب ہوگا ضحک و بکاء دنیوی مراد نہیں۔

علاوہ ازیں یہ کہ دوسری نصوص بھی اس معنی کی نفی کر رہی ہیں جو ان لوگوں نے اس آیت سے سمجھے ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ حضرات صحابہ اپنی مجالس میں ہنستے بھی تھے مگر اس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ رات کو خلوت میں رویا کرتے تھے۔ کانو الیوث النهار و رهبان اللیل

نیز حضور ﷺ بھی ہنستے تھے مگر حضور ﷺ کی آواز ہنسی کے وقت نہ نکلتی تھی صرف دندان مبارک نمایاں ہو جاتے تھے۔ کان جل ضحکه التبسم اور اس کا منشاء میرے خیال میں یہ ہے کہ حضور ﷺ پر غم کا غلبہ تھا کان متواصل الحزان دائم الفکرة اور غلبہ حزن میں کھل کر ہنسی نہیں آیا کرتی ہے۔

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا کہ ہنسنا کم چاہئے اور رونا بہت چاہئے۔

اس سے ہنسنے اور رونے کا حکم ثابت کیا ہے کہ رونا افضل ہے ہنسنے سے حالانکہ اس آیت کا یہ مدلول نہیں؛ یہ آیت منافقین کے بارہ میں ہے۔ انہی کے متعلق پہلے سے بیان چلا آ رہا ہے فلیضحکوا میں هم کی ضمیر منافقین کی طرف ہے اور خبر بصورت انشاء اور حاصل ترجمہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں تھوڑے دنوں ہنستے رہیں پھر قیامت میں زیادہ روئیں گے اس آیت میں منافقین کی اخروی حالت بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ دنیا میں کچھ دنوں کو ہنس لیں پھر آخرت میں رونا ہی رونا ہے یہ مطلب تھا آیت کا نہ یہ کہ رونے کی فضیلت اور ہنسنے کی مذمت جیسا آج کل کے مدعی سمجھے ہیں اور قلیلا سے دنیا کی زندگی مراد ہے اور اس کے مقابل کثیرا سے آخرت کی زندگی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ آخرت میں خوب دل کھول کر روؤ گے اور ہنسنا بھی نصیب نہ ہوگا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ اس کا قرینہ ہے غرض یہ آیت آخرت کے متعلق ہے فلیضحکوا ، و لیبکو اامر ہے لفظا اور خبر ہے معنی۔

مگر مصیبت تو یہ ہے کہ لوگوں نے ذراسی آیت دیکھ لی اور نتیجہ نکالنا شروع کر دیا نہ ماقبل کی خبر ہے نہ ما بعد کی اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ قرآن کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں۔ اس کے بعد آیت نازل ہوئی۔

جس میں منافقین پر نماز جناہ پڑھنے اور ان کے دفن وغیرہ میں شرکت کرنے کی صاف صاف ممانعت ہے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ مجھے بعد میں بڑی ندامت و شرمندگی ہوئی کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ کیسی جرات کی؛ آپ کو ایک کام سے روکنے لگا (میرا کیا منصب تھا حضور ﷺ تو سب سے زیادہ ہر ایک بات کو جاننے والے ہیں)

حضور ﷺ نے منافق کے منہ میں لعاب مبارک کیوں ڈالا؟

خیر یہ تو واقعہ تھا۔ اس میں بہت گفتگو اور کلام ہے کہ آپ ﷺ نے باوجود لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ وارد ہو چکنے کے پھر اس منافق کی نماز کیوں پڑی مگر یہ تو طالب علمانہ مباحث ہیں طالب علم ان کو خود حل کر لیں گے مگر اس میں اس بات کا بتلانا مقصود ہے کہ حضور ﷺ نے اس منافق کو اپنا کرتہ کیوں پہنایا اور اس کے منہ میں لعاب دہن مبارک کیوں ڈالا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

شراح حدیث نے تو یہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے بیٹے کی خاطر سے جو مخلص مومن تھے یہ سب کچھ کیا (تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ حضور ﷺ کی طرف سے اس کی نجات کی سعی میں کوئی کوتاہی نہیں رہی آپ نے دعا بھی کر دی نماز بھی پڑھ دی اپنے تبرکات بھی عطا فرما دیئے اب بھی اگر اس کی مغفرت نہ ہو تو یہ خود اسی کا قصور ہے) اور بعض نے کہا ہے کہ اس منافق نے جنگ بدر کے موقع پر حضرت عباسؓ (عم رسول ﷺ) کو ایک کرتہ پہنایا تھا۔ آپ نے اس کی مکافات میں مرنے کے بعد اسے کرتہ پہنا دیا (بلکہ مع شے زائد)

یہ سب توجیہات شراح نے کی ہیں مگر ان باتوں سے ہم کو شفا نہیں ہوئی ہمیں تو اپنے استاد علیہ الرحمۃ کی بات پسند آئی کہ حضور ﷺ نے اس منافق کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے فرمایا تا کہ امت کو یہ ضروری مسئلہ بتلا دیں کہ اگر کسی میں ایمان نہ ہو تو پھر چاہے اس کے پاس لاکھ تبرکات ہوں اور چاہئے رسول ﷺ جیسا شخص اس کے جنازہ کی نماز بھی پڑھ دے اور رسول ہی کا قمیص اس کا کفن ہو جائے اور حضور ﷺ کا لعاب مبارک بھی اس کے منہ میں پڑ جائے جب بھی نجات نہیں ہو سکتی اس لئے تنہا ان تبرکات کے بھروسہ پر کوئی نہ رہے۔

شان نزول

یہ ایک آیت ہے سورہ توبہ کی اس کا شان نزول ایک خاص قصہ ہے مگر مجھ کو اس سے ایک عام مضمون استنباط کرنا مقصود ہے اور وہ مضمون ہے فی نفسہ قدیم مگر چونکہ کانوں میں اس عنوان اور طرز خاص سے نہیں پڑا اس لئے نیا معلوم ہوگا اور یہ میں نے اس لئے کہہ دیا ہے کہ عوام کو عادت ہو گئی ہے کہ سن کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کوئی نئی بات نہیں تو میں اول ہی کہہ دیتا ہوں کہ گو باعتبار معنوں کے یہ مضمون نیا ہو لیکن یہ مضمون جو کہ ان کی امیدوں کے باغ کو سرسبز کرنے والا اور کوتاہیوں کی اصلاح کرنے والا اور شکستہ دلوں کو قوی کرنے والا ہے اس معنی کو جدید ہو گا کہ اس اسلوب خاص سے ان کے کان اس کے آشنا نہیں ہوئے اولاً میں اس آیت کا شان نزول بیان کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس مقصود کو مصرحا بیان کروں گا مصرحا اس لئے کہا کہ شان نزول سے اس کی اشارۃ تعیین ہو جاوے گی اور نیز شان نزول سے یہ آیت حل بھی ہو جاوے گی اور اسی پر میرا مقصود موقوف ہے قصہ یہ ہوا تھا کہ جناب رسول ﷺ نے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے مقام تبوک کا سفر فرمایا تھا۔ یہ مقام مدینہ طیبہ سے دور ہے شام کی جانب ہے اور گرمی کی اس زمانہ میں شدت تھی اور نیز مسلمانوں پر اس وقت تنگی بھی تھی غرض بہت سے موانع جمع تھے اس لئے حضور ﷺ نے اس غزوہ میں معمول سے زیادہ اہتمام فرمایا اور روانگی اس طرف ہو گئی بہت سے صحابہؓ ساتھ گئے اور بعض رہ گئے رہنے والے اکثر تو منافقین تھے ان کے رہنے کی وجہ تو نفاق تھا اور بعض صحابہ بھی بوجہ کسل کے رہ گئے اور نیز بعضے کام کرنے والے بوجہ قرآئن مقامیہ و حالیہ یہ بھی سمجھا کرتے ہیں کہ سب کی شرکت اس واقعہ میں ضروری نہیں لیکن چونکہ حضور ﷺ نے اس سفر کا مزید اہتمام

(c) ketabton.com: The Digital Library

فرمایا تھا اس لئے متخلفین پر ملامت بھی ہوئی لیکن منافقین پر تو اور قسم کی ملامت ہوئی اور متخلفین پر ملامت بطور شکوہ کے ہوئی اس لئے کہ شکایت محل ود پر ہی ہوا کرتی ہے لیکن اس سے متخلفین کی شان میں کسی قسم کا شبہ نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ ایسا عتاب منافی محبت کے نہیں۔ خود حضور ﷺ جو کہ احب الخلق الی اللہ ہیں کہ ملائکہ اور جنات اور انسانوں میں کوئی آپ سے افضل نہیں۔ خود آپ کے بھی ایسے شکوے ہوئے ہیں اور چونکہ اس وقت میرے مخاطب وہ لوگ ہیں جو حضور ﷺ کی رسالت کو تسلیم کئے ہوئے ہیں یعنی اہل اسلام اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو صحابہ کے بارے میں شبہات نکالتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں اس لئے ان پر احتجاج کے لئے حضور کی اس قسم کا شکایت کا ہونا کافی ہے چنانچہ سورہ عبس میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف ملتفت نہ ہونے پر حق تعالیٰ نے شکایت فرمائی پھر جب حضرت عبداللہ تشریف لاتے تو حضور فرماتے مرحبا بمن عاتبني فيه ربي یعنی آیئے آیئے میاں تمہاری وجہ سے تو مجھ پر میرے رب کا عتاب ہوا تھا۔ پس ایسا عتاب موجب نقص شان تو کیا ہوتا بلکہ زیادتی خصوصیت کی علامت ہے اور اس میں بڑا لطف ہے وہ شخص خوب جانتا ہے جو محبت کی چاشنی سے آشنا ہے کہ محبوب کے عتاب و شکایت میں کیا مزہ ہوتا ہے۔ بنوسلمہ و بنو حارثہ دو قبیلے ہیں غزوہ احد میں جبکہ ہزیمت ہوئی تو کچھ ان میں بھی سستی آئی تھی لیکن ظاہر میں کوئی امر مقتضاء سستی کا واقع نہ ہوا تھا حق تعالیٰ نے ان کے بارہ میں نازل فرمایا اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا یعنی یاد کرو جبکہ دو جماعتوں نے تم میں سے ارادہ کم ہمتی اور بزدلی کا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ ان کا ولی ہے یعنی ان سے اس کا ظہور نہیں ہونے دیا۔

شان مرادیت

یہاں سے بطور جملہ معترضہ کے ایک کام کی بات سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ اس سے ایک مسئلہ ثابت ہوتا ہے جس کو صوفیہ کرام نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ بعض بزرگوں کے اندر مرادیت کی شان ہوتی ہے اس کا مقتضی یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ گناہ کرنا بھی چاہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ رکھتے ہیں۔ گناہ کا صدور ان سے ہونے نہیں دیتے ایسے حضرت کو محفوظ کہا جاتا ہے بنوسلمہ اور بنو حارثہ کی بھی یہی شان معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ یوں نہیں فرمایا اذ فشلت بلکہ یہ فرمایا ہمت ان تفشلا یعنی ان سے فشل کا وقوع نہیں ہوا بلکہ ہم فشل ہوا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کا ولی ہے اس لئے ان کی حفاظت فرمائی۔ پس اس آیت میں ان پر ایک عتاب کی صورت اور بظاہر ان کے ایک نقص کا اظہار ہے مگر وہ واللہ ولیھما کے نزول سے اس قدر بشاش تھے کہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہم سے ہم فشل نہ ہوتا اور یہ آیت نازل نہ ہوتی تو ہم کو اس قدر مسرت نہ ہوتی جس قدر کہ اب ہے پس ایسا عتاب اور ایسے شکوے شکایت سے تو ان حضرات کی اور زیادہ علو شان ثابت ہوتی ہے حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارہ میں حضور ﷺ نے فرمایا وان رغم

(c) ketabton.com: The Digital Library

انف ابـی ذر یعنی ضرور ایسا ہی ہوگا اگر چہ ابوذر کی ناک مٹی میں ملے یعنی کو تمہاری مراد کے خلاف ہو جب ابوذر یہ حدیث بیان فرماتے تو مزہ لینے کے لئے وان رغم انف ابی ذر بھی فرمادیا کرتے تھے۔

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا کہ ہنسنا کم چاہئے اور رونا بہت چاہئے' یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے۔ اس سے ہنسنے اور رونے کا حکم ثابت کیا ہے کہ رونا افضل ہے ہنسنے سے حالانکہ اس آیت کا یہ مدلول نہیں' یہ آیت منافقین کے بارہ میں ہے انہی کے متعلق پہلے سے بیان چلا آرہا ہے فلیضحکوا میں ھم کی ضمیر منافقین کی طرف ہے اور یہ خبر ہے بصورت انشاء اور حاصل ترجمہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں تھوڑے دنوں ہنستے رہیں پھر قیامت میں زیادہ روئیں گے اس آیت میں منافقین کی اخروی حالت بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ دنیا میں کچھ دنوں کو ہنس لیں پھر آخرت میں رونا ہی رونا ہے یہ مطلب تھا آیت کا نہ یہ کہ رونے کی فضیلت اور ہنسنے کی مذمت جیسا آج کل کے مدعی سمجھتے ہیں اور قلیلا سے دنیا کی زندگی مراد ہے اور اس کے مقابل کثیر سے آخرت کی زندگی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت میں خوب دل کھول کر روؤ گے اور ہنسنا بھی نصیب نہ ہو گا۔ جزاء بما کانوا یعملون' خود اس کا قرینہ ہے غرض یہ آیت آخرت کے متعلق فلیضحکوا ولیبکوا امر ہے لفظا اور خبر ہے معنیً۔

مگر مصیبت تو یہ ہے کہ لوگوں نے ذرا سی آیت دیکھ لی اور نتیجہ نکالنا شروع کر دیا نہ ماقبل کی خبر ہے نہ ما بعد کی اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ قرآن کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں۔ (المال والجاہ ملحقہ مواعظ حقیقت مال وجاہ)

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے مقرر ہو گئے جنہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے اور کچھ برے' سو اللہ سے امید ہے کہ ان کے حال پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمادیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے اور اللہ سنتے ہیں اور جانتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

شروع رکوع سے ان متخلفین کی فضیلت کا بیان کہ جو ہمراہ حضور ﷺ کے گئے اور اس کے بعد منافقین کا ذکر ہے اس کے بعد یہ آیت ہے جس کا حاصل یہ ہے اور ایک گروہ اور ہے جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا گو فعلاً سہی انہوں نے عمل صالح اور عمل بد دونوں کو خلط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب ان پر رحمت کے ساتھ رجوع فرما دیں گے اور اللہ بخشنے والے رحم فرمانے والے ہیں اور بعضے ایسے تھے کہ پہلے سے ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ کیا کریں مگر تشریف آوری کے بعد سچ کہہ دیا اور ان کو مہلت دی گئی ان کی شان میں ارشاد ہے وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ یعنی ایک گروہ اور ایسا ہے کہ اللہ کے حکم کے واسطے میعاد دیئے گئے ہیں یا تو ان پر اللہ تعالیٰ رجوع فرما دیں یعنی ان کی توبہ قبول فرما دیں اور یا ان کو عذاب دیں اور ان کیلئے یہ حکم ہوا کہ ان سے کوئی نہ بولے نہ بیوی نہ بچے نہ دوست اب جدھر جاتے ہیں سناٹا ہے جماعت کی نماز پڑھنے کے لئے جاتے تھے۔ لیکن کوئی ان سے نہ بولتا تھا۔

حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے احباب کے واقعات

ان میں سے ایک کعب بن مالکؓ اور ان کے دو دوست تھے کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ میں تو جری تھا اپنے سب کام کرتا تھا۔ اور سب جگہ آتا جاتا تھا' اور حضور ﷺ کی خدمت میں بھی جاتا تھا۔ حضور ﷺ منہ پھیر لیتے تھے لیکن جس وقت میں نہ دیکھتا تھا تو حضور مجھ کو دیکھتے تھے اور میرے جو دو دوست تھے وہ ذرا ضعیف تھے انہوں نے یہ کیا کہ بس گھر میں بیٹھ کر رونا شروع کیا اور فرماتے ہیں کہ مجھ کو زیادہ فکر اس کا تھا کہ اگر اس مدت میں میں مر گیا تو کیا حشر ہوگا اور حضور کی اگر اس معیاد میں وفات ہوگئی تو پھر اس حکم کا منسوخ کرنے والا کون ہوگا۔ یہ تصور بندہ کر سخت قلق تھا۔ حق تعالیٰ نے بھی ان کی اس حالت کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ یعنی ان پر تنگ ہوگئی زمین باوجود اس کی کشادگی کے اور تنگ ہوگئی ان پر ان کی جانیں اور انہوں نے یقین کر لیا کہ کوئی ٹھکانہ نہیں اللہ سے مگر اس کی ہی طرف اللہ اکبر ان حضرات کو کیا عشق تھا اور کیا استقامت تھی اسی مدت میں شاہ غسان کو اس واقعہ کی خبر ہوئی اس نے کعب بن مالکؓ کے نام خط لکھا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب نے تمہارے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا ہے اور تمہاری قدر نہیں جانی آپ یہاں آ جائیے آپ کی قدر افزائی کی جاوے گی اور منشا اس کا یہ تھا کہ یہ سازش تھی اس بات کے لئے کہ ان میں سے بڑے بڑے آدمیوں کو میں

توڑلوں پس جب آدمی خط لے کر آیا تو اس نے لوگوں سے پوچھا کہ کعب بن مالکؓ کہاں ہیں تو لوگ بولے نہیں اللہ اکبر اتباع اور اطاعت اور احتیاط اس کو کہتے ہیں کہ ان کے متعلق بھی اگر کوئی شخص پوچھتا تو جواب نہ دیتے تھے اشارہ کر دیا کہ یہ ہیں اس طرح کعب بن مالکؓ ایک اور قصہ بیان فرماتے ہیں کہ میرا ایک چچازاد بھائی تھا ایک مرتبہ وہ باغ میں تھا میں بھی وہاں جا پہنچا تو مجھ سے بولے نہیں مجھ کو سخت رنج ہوا پس جب انہوں نے یہ خط دیکھا تو بہت پھوٹ کر روئے کہ اللہ اکبر اب میں اس حالت کو پہنچ گیا کہ غیر لوگ میرے بارہ میں طمع کرنے لگے ہیں اور کچھ جواب نہیں دیا اور خط تنور میں جھونک دیا غرض اس طرح پچاس دن گزرے اس کے بعد حق تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی چنانچہ آیت وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ کے بعد آیت لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ الخ میں ان ہی کی قبول توبہ کا ذکر ہے اور آیت وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا الخ میں ان ستون سے بندھنے والوں کے لئے قبول توبہ کی بشارت ہے اخرون اس آیت میں مبتدا ہے اور صحیح ابتدائیت کے لئے قوم مقدر ہے خلطوا حال ہے اعترافوا کی ضمیر سے ترجمہ آیت کا پہلے گزر چکا ہے یہاں اس کی کچھ تفسیر عرض کی جاتی ہے اعتراف یہاں اعتراف فعلی کو فرمادیا کہ ستونوں سے اپنے آپ کو بندھوا دیا عملاً دکھلا دیا کہ ہم سے بڑا جرم ہوا ہے اور حالت ان کی یہ ہے کہ عمل صالح یعنی اعتراف ذنوب کو عمل بد یعنی تخلف عن غزوہ تبوک کے ساتھ ملا دیا۔

جہاد فرض عین اور فرض کفایہ

اس مقام پر ایک طالب علمانہ شبہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جہاد میں جانا تو فرض کفایہ ہے جب ایک جماعت نے اس فرض کو ادا کر لیا تو سب کی طرف سے ادا ہو گیا پھر واخرینا کے کیا معنی ہیں جواب اس کا یہ ہے کہ حضور نے اس غزوہ کے لئے امر عام فرمایا تھا اس لئے وہ فرض عین ہو گیا تھا اور حضور کی شان تو اعلیٰ وارفع ہے اگر امام المسلمین کسی امر مباح کا بھی امر کر دے تو وہ فرض عین ہو جاتا ہے آگے ارشاد ہے عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرمادیں گے۔ یہ شاہی محاورہ ہے چنانچہ حکام کہتے ہیں کہ تم کو امید رکھنا چاہئے اور کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ تمہارا یہ کام ہو جاوے اور مقصود وعدہ حتمی ہوتا ہے اور یہاں تو وعدہ سے بڑھ کر وقوع ہو گیا تھا۔ چنانچہ ستونوں سے کھلوا دیئے گئے تھے اور اس محاورہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو بادشاہی عطا فرماتے ہیں اس میں ایک خاص شان اور آن پیدا ہو جاتی ہے۔

کلام الٰہی کی ایک عجیب شان

جس کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ اس کے فعل اور قول میں ایک انداز حاکمانہ ہوتا ہے پس وعدہ بھی اگر کسی سے کرتے ہیں تو وعدہ کے صیغہ سے نہیں کرتے اس لئے کہ وعدہ ہو تو پھر دوسروں کو مطالبہ کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور یہ ایک

(c) ketabton.com: The Digital Library

قسم کی مغلوبیت ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ تم کو امید رکھنا چاہئے اور کہتے ہیں کہ شاید ہم ایسا کردیں اور چونکہ حق تعالیٰ تو احکم الحاکمین اور سب بادشاہوں کے بادشاہ ہیں اس لئے یہی ان کے کلام کا بھی انداز ہے بلکہ مخلوق کے کلام میں خواہ وہ ہفت اقلیم کا بادشاہ ہو کسی نہ کسی جگہ مغلوبیت اور مقصودیت کا انداز ضرور آ جائے گا۔ اس لئے کہ وہ فطرۃ ایک زبردست قوت کا مغلوب ہے اور حق تعالیٰ کے کلام میں اول سے آخر تک دیکھ لیجئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا متکلم کسی سے دبنے والا نہیں اور سب پر غالب ہے۔

تفسیری نکتہ

الحاصل جن حضرات کی توبہ قبول ہوئی تھی اس خوشی میں وہ اپنا سب مال روپیہ پیسہ بٹور لائے اور حضور کی خدمت میں جمع کر دیا۔ حق تعالیٰ کی رحمت دیکھئے فوراً آیت نازل فرمائی خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ' یعنی ان کے مالوں میں سے تھوڑا سا صدقہ لے لیجئے کہ اس سے آپ ان کو پاک کریں اور ان کو صاف کر دیں بہا اس آیت میں علی سبیل التنازع تطہر اور تزکی دونوں کے متعلق ہے یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے کہ تطہیر اور تزکیہ تو ایک ہی شے ہے اگر صرف تطہر پر ہی اکتفا فرماتے تو کافی تھا تزکی میں کیا نکتہ ہے نکتہ اس میں یہ ہے کہ دو چیزیں ہیں ایک تو آگ دوسرے آگ کا اثر یا یوں کہو کہ دیا سلائی اور ایک اس سے آگ نکلنا یعنی ایک تو معصیت ہے جو آگ ہے اس کا ازالہ تو تطہیر ہے اور دوسرے معصیت کا مادہ ہے اس کا ازالہ تزکیہ ہے تو مطلب یہ ہے کہ صدقہ قبول کرنے سے ان کے گناہ بھی پاک کیجئے اور گناہوں کا مادہ بھی دور کر دیجئے آگے ارشاد ہے وصل علیھم اور ان کے لئے دعا بھی کیجئے' یہاں سے ایک بات کام کی معلوم ہوئی وہ یہ کہ آج کل جو یہ رواج ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مصرف خیر میں کچھ روپیہ دیتا ہے تو کھڑے ہو کر اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں یہ بالکل بے موقع ہے ہم کو ایسے موقع میں اس کے لئے دعا سکھلائی گئی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا وصل علیھم اس کے لئے شکریہ وہ ادا کرے جس کے ساتھ احسان کیا ہو وہ شخص ہم کو نہیں دیتا اسلام کی خدمت کرتا ہے اور اسلام کے ساتھ اس کو ہم کو برابر تعلق ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ' یعنی بیشک حسنات سیئات کو دور کر دیتی ہیں اس پر نظر کرنے سے بھی اس شبہ کو تقویت ہوتی ہے بلکہ اس آیت کے معنے اگر یہ مان لئے جاویں کہ ملکہ اور مادہ گناہ کا جاتا رہتا ہے تو شبہ اور زیادہ قوی ہوتا ہے اور ارشاد ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ' اور حدیث شریف میں ہے ان رحمتی سبقت علی غضبی ان آیات سے اور اس حدیث کے عموم سے یہ شبہ بہت ہی قوی ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ حسنات کے ہوتے ہوئے سیئا کیوں رہتے ہیں حسنات کا مقتضا تو یہ ہے کہ سب دور ہو جائیں چنانچہ صحابہؓ کے اندر یہ خلط نہیں تھا پس ایسی تدبیر کون سی ہے جس سے یہ خلط کی حالت نہ رہے اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

حسنات کو غلبہ ہو جائے سو دلائل شرعیہ اور نیز اس آیت میں غور کرنے سے اس کا معالجہ سمجھ میں آتا ہے اگر قرآن مجید کو تدبر سے نہیں دیکھتے تو حق تعالیٰ نے اس کی شکایت بھی فرمائی چنانچہ ارشاد ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ قرآن شریف ہی میں سب کچھ ہے جہاں امراض کا ذکر ہے وہاں ہی اس کا معالجہ بھی ہے۔

مرض خلط کا علاج

تھوڑے سے غور کی ضرورت ہے سنئے اور غور سے سنئے کہ اس کا معالجہ بھی خود اسی آیت میں ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس میں غور فرمایئے کہ عسی اللہ ان یتوب کا ترتب اللہ تعالیٰ نے کس شے پر کیا ہے وہ کیا شے ہے کہ جس پر رحمت کا وعدہ فرمایا ہے جب تم اس پر عمل درآمد کرو گے یقیناً مورد رحمت ہو گے اور ہرگز تخلف نہ ہوگا اور وہی علاج ہے اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ذنوب اور سیئا کے ساتھ تو اعترفوا فرمایا اور اس ترکیب کو صالحا کے ساتھ مقید فرمایا ہے پس حاصل معالجہ کا یہ ہوا کہ ذنوب کے ساتھ تو اعتراف ہونا چاہئے اور عمل کے اندر صلاحیت کی صفت ہونا ضروری ہے۔ پس معالجہ دو جزو سے مرکب ہوا عمل صالح اور اعتراف ذنوب شاید کسی کو شبہ ہو کہ ہمارے اندر تو یہ دونوں صفتیں ہیں پھر بھی مرض نہیں جاتا صاحبو میں اس واسطے کہتا ہوں کہ تدبر سے کام نہیں لیتے واقع میں ہمارے اندر دونوں جز مفقود ہیں اگر یہ دونوں جز ہوتے تو کوئی وجہ نہیں کہ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ کا ظہور نہ ہوتا غور کیجئے کہ صالح عمل کی صفت ہے اب دیکھنا چاہئے کہ صالح کس کو کہتے ہیں صالح صلاح سے مشتق ہے اور صلاح کے معنی درستی کے ہیں درست شے وہ ہے کہ اس کے کسی جزو میں کسر نہ ہو درست گاڑی وہ کہلائے گی جس کے پہیے اور تمام کل پرزے درست ہوں۔ اگر ایک جزو کے اندر بھی خرابی ہے تو پھر وہ درستی کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ ناقص اور کامل کا مجموعہ ناقص ہی ہے اگر کسی کو ذرا زکام یا سر میں درد ہو تو کہتے ہیں کہ آج طبیعت درست نہیں پس عمل کو صالح جب کہیں گے جب کہ وہ من کل الوجوہ درست ہو۔ اب یہ سمجھنا چاہئے کہ عمل کس شے سے درست ہوتا ہے سو اس کے معنی بھی کلام اللہ ہی سے تلاش کرنا چاہئے حق تعالیٰ نے اس کو دو لفظوں میں بیان فرما دیا ہے اگر جنید و شبلی جیسے بھی جمع ہو کر برسوں فکر کر کے بیان کرتے تو ایسا جامع بیان نہ کر سکتے ارشاد ہے۔ وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ یعنی جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضامندی اور اپنے نفسوں کے اندر استقلال پیدا کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کا حال ایسا ہے جیسے کی ٹیلہ پر ایک باغ ہو کہ اس پر بارش ہووے تو وہ اپنا پھل دو چند دے ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یہ دونوں ینفقون کے مفعول لہ ہیں اور مِنْ اَنْفُسِهِمْ بواسطہ من کے تَثْبِیْتًا مصدر کا مفعول بہ ہے حاصل یہ ہے کہ درستی عمل کے دو جزو ہیں جب وہ دونوں پائے جاویں تو صلاحیت

(c) ketabton.com: The Digital Library

کامل ہوگی وہ دو جزو ابتغاء مرضات اللہ اور تثبیتا من انفسھم ہیں یعنی جو عمل کرے اس میں دو باتوں کی نیت ہونا چاہئے ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ خوش ہوں دوسرے یہ کہ نفس کے اندر اس عمل کا ملکہ ہو جائے کہ جس سے نفس کے اندر استقلال پیدا ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کی خوشنودی تو مقصود اصلی ہے اور تثبیت اس کا ذریعہ ہے اب ہم لوگ اپنا حال دیکھیں کہ نماز پڑھتے ہیں تلاوت قرآن بھی کرتے ہیں روزہ بھی رکھتے ہیں صدقہ خیرات بھی بقدر وسعت دیتے ہیں لیکن ان اعمال میں ہماری نیت کچھ بھی نہیں ہوتی پس اعمال تو ہیں لیکن صلاحیت ان میں نہیں ہے۔

صدقات واجبہ کا امر

چنانچہ ارشاد ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً یعنی اے ایمان والو جب تم جناب رسول ﷺ سے پوشیدہ بات کرنا چاہو تو پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو مناجات رسول ﷺ ظاہر ہے کہ اعمال صالحہ میں سے ہے پس اس کے ارادہ پر صدقہ دینے کا حکم ہوا اور سبحان اللہ کیا بلاغت ہے یوں نہیں فرمایا فقدموا بین یدیکم نفقة اس لئے کہ اس میں کسی ملحد کو یہ شبہ کرنے کی گنجائش ہو سکتی تھی کہ ان کے رسول ﷺ نے بھی اپنی کمائی کے بھی خوب ڈھنگ نکال رکھے تھے۔ اب یہ شبہ ہی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ صدقات واجبہ کا مال جیسا کہ صیغہ امر سے اس صدقہ کا وجوب معلوم ہوتا ہے۔ حضور ﷺ اور حضور ﷺ کی اولاد کے لئے بلکہ مطلق بنی ہاشم کے لئے حرام تھا اس لئے کہ صدقہ کو اوساخ الناس فرمایا ہے ہاں صدقات نافلہ بنی ہاشم کے لئے جائز ہیں اور آپ کے لئے وہ بھی حرام تھے۔

تطہیر اور تزکیہ

الحاصل جن حضرات کی توبہ قبول ہوئی تھی اس خوشی میں وہ اپنا سب مال روپیہ پیسہ بٹور لائے اور حضور ﷺ کی خدمت میں جمع کر دیا حق تعالیٰ کی رحمت دیکھئے فوراً آیت نازل فرمائی۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّیْهِمْ بِهَا یعنی ان کے مالوں میں سے تھوڑا سا صدقہ لے لیجئے کہ اس سے آپ ان کو پاک کریں اور ان کو صاف کریں۔

آیت میں علی سبیل التنازع تطھر اور تزکی دونوں کے متعلق ہے یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے کہ تطہیر اور تزکیہ تو ایک ہی شے ہے اگر صرف تطھر پر ہی اکتفا فرماتے تو کافی تھا۔ تزکی میں کیا نکتہ ہے اس میں یہ ہے کہ دونوں چیزیں ہیں ایک تو آگ دوسرے آگ کا اثر یا یوں کہو کہ دیا سلائی اور اس سے آگ نکلنا یعنی ایک تو معصیت ہے جو آگ ہے اس کا ازالہ تو تطہیر ہے اور دوسرے معصیت کا مادہ ہے اس کا ازالہ تزکیہ ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ صدقہ قبول کرنے سے ان کے گناہ بھی پاک کیجئے اور گناہوں کا مادہ بھی دور کر دیجئے آگے

(c) ketabton.com: The Digital Library

ارشاد ہے وصل علیھم اوران کے لئے دعا بھی کیجئے یہاں سے ایک بات کام کی معمول ہوئی وہ یہ کہ آج کل جو یہ رواج ہے اگر کوئی شخص کسی معرف خیر میں کچھ روپیہ دیتا ہے تو کھڑے ہوکر اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں یہ بالکل بے موقع ہے۔ہم کوایسے موقع میں اس کے لئے دعا سکھلائی گئی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا وصل علیھم اس لئے کہ شکریہ وہ ادا کرے جس کے ساتھ احسان کیا ہو وہ شخص ہم کو نہیں دیتا ہے اسلام کی خدمت کرتا ہے اور اسلام کے ساتھ اس کو اور ہم کو برابر تعلق ہے۔اس کی تو ایسی مثال ہے کہ ایک باپ کے چند بیٹیوں اور ایک بیٹا باپ کی کچھ خدمت کرے اور بیٹے اس کا شکریہ ادا نہ کریں گے اس لئے کہ جیسا ہمارا باپ ہے ایسے ہی اس کا بھی ہے۔ہم پر اس نے کیا احسان کیا ہے۔جو شکریہ ادا کریں پس شکریہ ایسے موقع پر بالکل بے محل ہے شکریہ تو جب ادا کیا جاوے جب کہ ان کو کوئی کچھ دے شکریہ ادا کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود کھا جائیں گے یا شخص یہ سمجھتا ہے کہ اسلام میرا ہے دوسرا مسلمان ہی نہیں یہ اہل یورپ کی تقلید ہے کہ وہ اپنے جلسوں میں شکریہ ادا کرتے ہیں تو ان کی دیکھا دیکھی یہ بھی ایسا ہی کرنے لگے اور اس پر کیا منحصر ہے۔اب تو ہر کام انہیں کے طریقہ پر کرنا چاہتے ہیں چنانچہ کسی کی تقریر میں جب کوئی مضمون پسند آتا ہے تو اس پر تالیاں بجاتے ہیں حالانکہ تالیاں تو اہانت کے موقع پر بجائی جاتی ہیں۔یہ اچھی تہذیب ہے تہذیب کیا تعذیب ہے۔

ترجمہ: آپ ﷺ ان کے مالوں سے صدقہ (جس کو یہ لائے ہیں) لے لیجئے جس کے لینے کے ذریعے سے آپ ﷺ ان کو گناہ کے آثار سے معاف کرنے والے ہیں بلا شبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان (قلب) ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں اور خوب جانتے ہیں۔

آیت متلو کا شان نزول

کہ رسول ﷺ غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے تھے۔اور بجز معذورین کے سب کو ساتھ چلنے کا حکم دیا گیا تھا۔مگر کچھ لوگ غزوہ میں نہیں گئے مدینہ ہی میں رہ گئے جن میں زیادہ تر تو منافقین تھے اور دو چار مخلصین بھی تھے۔آپ کی واپسی پر منافقین نے تو آ کر جھوٹے بہانے کر دیئے کہ ہم کو فلاں عذر مانع تھے۔یہ سبب پیش آ گیا تھا مگر مخلصین نے اپنے خطا کا صاف صاف اقرار کر دیا کہ ہم کو کوئی عذر مانع نہ تھا۔محض کاہلی اور سستی سے پیچھے رہ گئے حضور ﷺ نے منافقین کا عذر سن کر ان کو تو معذورین میں داخل کر کے رخصت فرما دیا اور ان مخلصین سے فرمایا کہ تمہارا معاملہ خدا کے سپرد ہے خواہ معاف فرما دیں یا سزا تجویز کر دیں چنانچہ پچاس روز تک سب مسلمانوں کو ان سے قطع تعلق کا حکم دیا گیا کہ کوئی ان سے بات چیت اور سلام وکلام نہ کرے پچاس دن کے بعد ان کو توبہ نازل ہوئی تو یہ حضرات خوش خوش حضور ﷺ کے پاس آئے اور شکریہ قبول توبہ میں اپنا مال حضور ﷺ کے پاس لائے کہ اس کو کار خیر میں سے صرف فرما دیا جائے حضور ﷺ کو ان کا مال قبول کرنے

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں سوچ ہوئی آپ ﷺ نے فوراً نہیں لیا کیونکہ آپ ﷺ کو کیا خبر کہ ان کی حالت کیسی ہے اس وقت محض جوش میں دے رہے ہیں کہ بعد کو پچھتائیں گے یا اخلاص قلب سے دے رہے ہیں تو حق تعالیٰ ان مخلصین کی سفارش فرماتے ہیں کہ ان کے اموال سے صدقہ وصول فرمالیجئے کہ یہ لوگ مخلص ہیں۔

اور من اموالھم میں ظاہر یہ ہے کہ من تبعیضیہ ہے گو احتمال یہ بھی ہے کہ بیانیہ ہو تو من تبعیضیہ کے اعتبار سے مطلب یہ ہے کہ ان کے اموال کا کوئی جزو قبول کرلیا جائے جس سے معلوم ہوا کہ کل مال نہ لیا جائے کیونکہ یہ ہر شخص کی حالت کے مناسب نہیں۔ صدیق اکبرؓ کی اور شان ہے وہ تو عاشق تھے۔ ان کی سخاوت تو جان دینا ہے پھر ان کا کل مال لینے سے کیا انکار ہے' مولانا فرماتے ہیں۔

مال دادن خود سخائے صادق ست   جان دادن خود سخائے عاشق ست

صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا' جس میں حضور ﷺ کو ارشاد ہے کہ صدقہ اتنا لیا جائے کہ ایسا ہونا چاہئے کہ جس سے آپ ان کو پاک کریں اور طاہر کریں بھا میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ تزکیھم کے متعلق ہو تطھرھم کے متعلق نہ ہو۔ اس صورت میں تطھرھم میں خطاب نہ ہوگا بلکہ یہ صیغہ غائب کا ہے جو صدقۃً کی صفت ہے کہ وہ صدقہ ایسا ہو کہ گناہوں سے پاک کرنے والا ہو اور آپ ﷺ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کا تزکیہ فرمائیں اور صورت میں اولاً صدقہ کی صفت مذکور ہوئی پھر حضور ﷺ کا فعل مذکور ہوا اور آپ ﷺ جو مسلمانوں کے صدقات قبول کرلیتے ہیں تو نہ اپنی مصلحت کے لئے بلکہ مسلمانوں کے تزکیہ کے لئے اور ظاہر ہے کہ تزکیہ اسی کا ہوسکتا ہے جو خود بھی طالب تزکیہ ہو تو اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو شخص صدقہ سے طالب تزکیہ نہ ہو اس کا صدقہ قبول نہ کیا جائے۔

ایک احتمال یہ ہے کہ بھا دونوں کے متعلق ہو تطھرھم کے بھی اور تزکیھم کے بھی اور یہی میرے نزدیک ظاہر ہے کہ دونوں صیغے خطاب کے ہیں اور بھا دونوں کے متعلق ہے اس میں تناسب وتناسق کلام بھی باقی رہے گا۔ بہرحال اس آیت سے چند باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ پاک صاف ہونا کوئی ضروری چیز ہے دوسرے یہ کہ مال خرچ کرنے کو پاکی میں دخل ہے۔

تبلیغ اور سوال

چنانچہ جابجا انجمنیں بھی ہیں جن میں ایک صدر ہے ایک سیکرٹری ہے کوئی ناظم اور اور کوئی کیا خاک بلا ہے۔ سو ان لوگوں سے کام کچھ نہیں ہوتا البتہ سب سے پہلے چندہ مانگنے کو تیار ہیں حالانکہ اس طرح چندہ مانگنے سے ہم کو روکا گیا ہے خود حضور ﷺ کو حکم ہے اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ (الآیۃ) اور دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کا ارشاد ہے لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا کہ ہمیں تبلیغ کے معاوضہ میں مال نہیں چاہئے کہ ہم تم سے روپے پیسے نہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

مانگتے ہیں اور جہاں مال لینے کا حکم ہے مثلاً ارشاد ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ یعنی ان کے مال سے صدقہ لے لیجئے انہیں کے تزکیہ اور تطہیر کے لئے یعنی اس میں آپ کا کوئی نفع نہیں ہے تو اگر کسی کو خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ (الایۃ) سے شبہ چندہ کا ہو تو اس کا شان نزول دیکھ لیجئے اسی سے معلوم ہو جائے گا کہ غزوہ تبوک میں بعضوں سے کوتاہی ہوگئی تھی جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے کچھ مال حاضر کر کے اس کے قبول کی درخواست کی اس پر یہ ارشاد ہوا' سو اس سے چندہ مانگنے کا کیا تعلق کہاں اخذ اور کہاں سوال اس کے معنی تو یہ ہیں کہ اگر وہ خود لا دیں تو لے لو انکار نہ کرو اور سوال یہ ہے کہ مانگ مانگ کر لوگوں سے روپیہ جمع کیا جاوے سو دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر کوئی بطیب خاطر کوئی چیز لاوے تو لے لو تو خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ سے چندہ مانگنا کیسے نکلا' اللہ میاں نے تو خذ فرمایا ہے اسئل تو نہیں فرمایا اور چندہ تو سوال ہے نہ کہ اخذ اگر اسئل فرماتے تو تمہارا مدعا حاصل ہو جاتا مگر سوال کے متعلق تو یہ آیا ہے۔ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ' اگر تم ایمان لاؤ اور خدا سے ڈرو تو اپنے پاس سے اجر دیں گے اور تم سے تمہارا مال نہیں مانگیں گے بے فکر رہو آگے فرماتے ہیں اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ کیونکہ اگر تم سے اصرار کے ساتھ مانگا جائے تو تم بخل کرنے لگو واقعی یہ خدا ہی کا کلام ہے کیونکہ وہ تو تمہارے رگ پٹھے سے واقف ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر یہ رسول کا بھی کلام محض رائے سے ہوتا تو اس میں اتنی گہری گہری باتیں نہ ہوتیں فرماتے ہیں ہم تم سے کیا مانگتے اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ دیکھئے یہاں سوال میں فیحفکم بڑھایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال میں عادۃً اخفاء ہوتا ہے چنانچہ مانگنا اسی کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کو لپٹ جائیں اور شریعت میں یہ حرام ہے تو فرماتے ہیں کہ اگر ہم مانگنے لگیں تو تم بخل کرنے لگو گے اور تمہاری دلی کدورت ظاہر ہو جائے گی۔ ضغینہ کے اصل معنی کینہ کے ہیں۔ یہاں مراد کدورت ہے یعنی انفاق میں جو دل پر تنگی ہوتی ہے وہ ظاہر ہو جائے گی۔ اس لئے ہم تم سے سوال نہیں کرتے اگر سوال کریں تو یہ خرابیاں ہوں گی یہ حاصل ہے آیت کا ہاں انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کر دینا اور بات ہے یہ سوال میں داخل نہیں اس لئے ہم اس کو نصوص میں جا بجا بتلا چکے ہیں اگر کسی کو ثواب لینا ہو لے لے اسی کو فرماتے ہیں هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ہم بے شک تمہیں اس طرف بلاتے ہیں کہ خرچ کرو اللہ کے راستہ میں اس میں تمہارا ہی نفع ہے مگر مانگتے تب ہیں ہم تو تم سے ایک کوڑی بھی نہیں مانگتے البتہ خرچ کا راستہ بتلائے دیتے ہیں۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک تو کسی سے کہا دس روپے لاؤ یہ تو سوال ہے اور ایک یہ کہ کسی کو رائے دی کہ میاں دس روپے سے فلاں چیز لے لو تو نفع ہوگا یہ مشورہ ہے اپنے لئے کچھ نہیں مانگتے بلکہ خود اس کے نفع کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک صورت بتلا دی ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے تو فرماتے ہیں کہ نصوص میں اس کی ترغیب تو ہے کہ خرچ کرو اگر خرچ کرو گے تو اس کا ثواب یہ ہے کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ایک دو اور سات سو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را　　　　کہ بیک گل میخری گلزار را

اور فرماتے ہیں

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد　　　　انچہ در وہمت نیاید آں دہد

تو یہ ایک تجارت سکھلائی تھی کہ اگر اس پر عمل کرو گے تو بڑے منافع حاصل ہوں گے مگر تم کنجوس ہو تجارت میں بھی کنجوسی کرتے ہو اس کا خمیازہ تم ہی بھگتو گے ہمارا کیا نقصان ہم نے تو تمہارے نفع کی بات بتلائی تھی نہیں مانتے مت مانو ایسی تیسی میں جاؤ' اسی کو ارشاد فرماتے ہیں فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ یعنی اس بخل سے خدا کا کچھ ضرر نہیں تمہارا ہی ضرر ہے۔ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ خدا غنی ہے اس کو کسی کی پرواہ نہیں ہاں تم محتاج ہو تمہاری حاجت ہی کو دیکھ کر یہ رائے دی گئی تھی کہ اللہ کے راستہ میں دو گے تو مالا مال ہو جاؤ گے۔ نہیں مانتے تو تمہارا ہی نقصان ہے ہمارا کیا بگڑا' اس آیت کی یہ تقریر ایک عالم صاحب نے سن کر بہت خوشی ظاہر کی اور دعائیں دیں اور کہا آج اس کا مطلب سمجھا ہوں۔ پہلے تو بڑے تردد میں تھا کہ اس آیت میں یہ کیسا تعارض ہے کہ اول آیت میں تو سوال کی نفی معلوم ہوتی ہے اور آخر میں خود سوال ہے اب معلوم ہوا کہ کوئی تعارض نہیں کیونکہ دوسری آیت میں سوال نہیں ہے بلکہ ترغیب ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی اور پہلی آیت میں نفی ہے سوال کی اس ترغیب سے سب مشکلات ختم ہو گئے مگر ایک شبہ رہ گیا تھا وہ یہ کہ اگر ہم خرچ نہ کریں تو دین کا سب کام چوپٹ ہو جاوے یہ مدارس کیسے قائم رہیں اور مسجدوں کی خدمت کون کرے۔ اگر ہم خرچ نہ کریں تو رفتہ رفتہ دنیا سے دین رخصت ہو جاوے تو اس اعتبار سے ہم محتاج الیہ ٹھہرے۔ اس ناز کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہاں بے شک بظاہر تمہاری ہی مدد سے یہ کام چلتے ہیں اگر روپیہ نہ ہو تو مثلاً مدرسے قائم نہ رہیں روپیہ کی اور دینے والے کی تو واقعی ضرورت ہے مگر خاص تمہاری ذات شریف کی خدا کو ضرورت نہیں۔ اگر تم اس کام کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو بدل دیں گے کہ بجائے تمہارے وہ اس دینی خدمت کو کرے گی۔ اسی مضمون کو فرماتے ہیں وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ مطلب یہ ہے کہ واقعی دین کا کام خرچ کرنے سے چلتا ہے مگر وہ خرچ کرنا تم پر موقوف نہیں سبحان اللہ کیا بلاغت ہے۔ یستبدل میں اشارہ ہے اس طرف کہ یہ خرچ کرنا ایک عہدہ ہے تم مالک نہیں ہو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس سے نے اپنی عمارت (یعنی مسجد) کی بنیاد خدا سے ڈرنے اور خدا کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی (یعنی غار) کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو رکھی ہو پھر وہ (عمارت) اس (بانی) کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (دین کی) سمجھ نہیں دیتا ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں (کانٹا سا) کھٹکتی رہے گی ہاں مگر ان کے (وہ) دل ہی اگر فنا ہو جائیں تو خیر اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

تفسیری نکات

شانِ نزول

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى یہ آیت ایک خاص قصہ اور ایک خاص مسجد کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر مجھے اس علت مشترکہ نکال کر دیگر مساجد اور مدارس کی تعمیر کا حکم بیان کرنا ہے اور اس پر پھر تعمیرات کو قیاس کرنا ہے غرض یہ آیت مسجد خاص کے قصہ میں نازل ہوئی ہے۔

ملخص قصہ کا یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے قریب ایک محلہ ہے قبا اس کا نام ہے رسول ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں تو اول اسی محلہ میں قیام فرمایا۔ پھر شہر میں تشریف لائے تھے تو زمانہ قیام میں جس جگہ آپ ﷺ نماز پڑھتے تھے وہاں اس محلہ کے مومنین مخلصین نے ایک مسجد بنائی اور اس میں نماز پڑھا کرتے کسی نے خوب کہا ہے کہ

در منزلیکہ جاناں روزے رسیدہ باشد ‏ ‏ ‏ ‏ باخاک آستانش داریم مرحبائے

(c) ketabton.com: The Digital Library

منافقین نے جو کہ اسلام کی بیخ کنی کی تدبیروں میں ہر وقت لگے رہتے تھے یہ سوچا کہ ایک مکان مسجد کے نام سے جداگانہ بنایا جاوے اور ظاہر میں وہ مسجد کی شکل ہو اور واقع میں انجمن ہو اور اس کا پریذیڈنٹ ابو عامر راہب بنایا گیا جو کہ اسلام کا سخت دشمن تھا اور ابو عامر کا ہرقل شاہ روم سے میل جول تھا ابو عامر نے مسلمانوں کے ضعف پر نظر کر کے یہ کہا کہ میں ہرقل سے اہل اسلام کے مقابلہ کے لئے لشکر لاؤں گا۔ جس سے اسلام نیست و نابود ہو جاوے گا۔

ان لوگوں نے اپنی کثرت اور مسلمانوں کی قلت دیکھ کر یہ خیال پختہ کر لیا تھا مگر یہ نہ سمجھے کہ خربوزوں کی چاہے کتنی ہی کثرت ہو مگر چھریوں کی قلت بھی ان کے نیست و نابود کرنے کے لئے کافی ہے مسلمانوں کے ساتھ تو ایک چھری ان اللہ معنا کی تھی کہ کفار کسی صورت سے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور افسوس کہ آج کل یہی چھری مسلمانوں کے پاس نہیں رہی اور اگر ہے بھی تو تیز نہیں ہے کند ہو رہی ہے۔ کیونکہ مرضیات الٰہی سے مسلمان بہت کچھ ہٹ رہے ہیں اس لئے مخالفوں کا بھی ان پر غلبہ ہو جاتا ہے اگر مسلمان اس چھری کو تیز کر لیں یعنی خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں تو پھر وہی نمونہ سامنے آ جائے جو کبھی پہلے تھا۔

غرض ان لوگوں نے انجمن کی نیت سے مسجد کی شکل میں ایک مکان اس غرض سے بنایا کہ اس میں تخریب اسلام کا مشورہ کیا کریں گے۔ مسجد کی نیت سے نہیں بنایا تھا۔ صرف صورۃ مسجد کی شکل تھی غرض جب وہ مکان تیار ہوا تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ ایک بار وہاں چل کر نماز پڑھ لیجئے تو پھر وہاں نماز ہونے لگے گی۔ تو گویا مقصود رجسٹری کرانا تھا جیسے بیع نامہ کی رجسٹری کرائی جاتی ہے۔

حضور ﷺ نے جداگانہ مسجد بنانے کی وجہ پوچھی کہنے لگے کہ ہماری نیت بالکل نیک ہے۔ محض عام مسلمانوں کی آسائش کی غرض سے بنائی تھی تاکہ وسعت و سہولت ہو گرمی سردی میں سایہ کی ضرورت ہوتی ہے ایک مسجد میں سب سا نہیں سکتے۔ اس سے گنجائش ہو گئی۔ نیز کوئی بیمار ضعیف دور نہ جا سکے تو پاس کے پاس اس میں نماز پڑھ لے حضور ﷺ نے بناء بر حسن ظن تصدیق فرما کر وعدہ کر لیا۔ غرض حضور ﷺ نے وعدہ فرما لیا کہ تبوک سے آ کر اس میں نماز پڑھوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقیقت حال کی اطلاع کر دی اور وہاں نماز پڑھنے سے منع فرما دیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝

اور بعضے ایسے ہیں کہ جنہوں نے ان اغراض کیلئے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کی باتیں کریں

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس کے قبل سے خدا اور رسول کا مخالف ہے اور قسمیں کھا جاویں گے کہ بجز بھلائی کے ہماری اور کچھ نیت نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ آپ ﷺ اس میں کبھی نہ کھڑے ہوں البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

غرض آیت میں خدا کے یہاں سے اس مسجد کی مذمت ظاہر کی گئی ہے کہ یہ مسجد صرف صورۃ ہے اور واقع میں کفر کی قوت کے واسطے اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے اور ان میں تفریق ڈالنے کے واسطے تیار ہوئی ہے اور ابو عامر راہب کے ٹھہرنے کے لئے اور اس کی پناہ کے واسطے تیار کی گئی ہے اور یہ لوگ قسمیں کھا جاویں گے کہ بجز بھلائی کے اور کچھ نیت نہیں حالانکہ یہ لوگ جھوٹے ہیں آپ اس مسجد میں نہ کھڑے ہو جائیے اور نہ نماز پڑھیئے۔ البتہ آپ اس مسجد میں نماز پڑھئے جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس میں ایسے آدمی ہیں کہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

غرض اس مسجد میں نماز کی نیت سے جانے سے ممانعت ہوگئی چنانچہ حضور ﷺ نے بوجہ اس کے کہ وہ مسجد کی نیت سے نہ بنائی گئی تھی اور اس کے علاوہ مفاسد کثیرہ اس سے ناشی ہوتے تھے چند صحابہ کو بھیج کر اس میں آگ لگوادی اور منہدم کرادی اس مسجد کا لقب مسجد ضرار مشہور ہے کیونکہ وہ اضرار کے لئے بنائی گئی تھی۔

قرآنی طرز نصیحت

اس سے آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ۔ ہمزہ استفہام کا ہے اور فا تفریع کا ہے اور پر دو قسم کی مساجد کا ذکر فرمایا ہے اب یہ بتلا کر کہ ان میں سے ایک کی تو بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اور دوسری کی کفر پر اس پر تفریع فرماتے ہیں کہ بتلاؤ ان میں سے کون افضل ہے جب بناؤں کہ حالت معلوم ہوگئی تو اس سے بانی کی بھی فضیلت معلوم ہوگئی اور بنیان مصدر ہے مبنی کے معنی میں اور ھا کی ضمیر من کی طرف راجع ہے اور من اللہ تقویٰ کی قید ہے تاکہ کوئی متقی ایسی پاکی پر ناز نہ کرے کہ ہم نے پاکی حاصل کی اس واسطے کہ تقویٰ من جانب اللہ اور رضوان بھی مقید ہے من اللہ کے ساتھ۔

مطلب یہ ہے کہ آیا ایسا شخص بہتر ہے۔ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خوف خدا و خوشنودی خدا پر رکھی ہو یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو رکھی ہو یہ طرز بلاغت ہے کہ فیصلہ مخاطب کے اوپر چھوڑ دیا پس دونوں کے افعال بیان کردیئے۔ اور مخاطب کے ذمہ فیصلہ چھوڑ دیا کہ تم سوچ لو یہ بہتر ہے یا یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

بہتر ہے۔ یہ طرز نصیحت کا بڑا موثر ہے اور اگر ناصح خود ہی فیصلہ کر دے تو اس سے مخاطب پر گرانی ہوتی ہے۔

ایک طرز تو یہ ہے کہ ان کے اقوال و افعال اجمالیانہ طور پر بیان کر دیئے جائیں اور کسی خاص شخص کو مخاطب نہ کیا جائے پھر خود ان سے ہی فیصلہ دریافت کر لیا جائے تو یہ طرز زیادہ موثر ہوتا ہے اور ایک طرز یہ ہے کہ خود فیصلہ کر کے حکم لگا دو کہ تم ملعون ہو۔

تو حق سبحانہ تعالیٰ بھی یہی پہلا طرز اختیار فرما کر دریافت فرماتے ہیں کہ بتلاؤ ان دونوں میں کون خیر ہے یعنی جس شخص نے اپنی بنیاد تقویٰ اور خدا کی رضا پر رکھی ایک شخص تو یہ ہے اور ایک شخص وہ ہے جس نے بنیاد کسی گھاٹی کے کنارہ پر جو گرنے ہی کو ہو رکھی ہو یعنی ڈھانگ پر رکھی ہو جس کی عمارت میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ ڈھانگ پر رکھی ہے اور پھر یہ خرابی ہے کہ وہ ڈھانگ گرنے ہی کو ہے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ بانی کو لے کر گرے گی جب مکان گرا تو بانی جو اس میں رہتا تھا وہ بھی گر گیا یہ سب سے زیادہ ضرر ہے اور اگر بانی سلامت رہے تو کیا غم ہے۔

اگر بانی رہ جاوے اور مکان گر جاوے تو ایسا ضرر نہیں مکان بہت بن سکتے ہیں اصل ضرر یہ ہے کہ بانی کو لے کر مکان بیٹھ گیا۔

ختم آیت پر فرماتے ہیں وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝ کہ حق تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو ہدایت نہیں کرتے۔

یہ اپنے عموم سے اس کو بھی شامل ہے آگے ان منافقوں کی عمارت کا حال بیان فرماتے ہیں کہ اس کے گرنے کے بعد ان کے قلب کی کیا حالت ہونے والی ہے۔ فرماتے ہیں لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيْبَةً فِي قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ان کی یہ عمارت یعنی وہ مسجد جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں کانٹا بن کر کھٹکتی رہے گی کیونکہ جس غرض سے بنائی تھی وہ پوری نہ ہوئی اور نیت کی قلعی کھل گئی وہ الگ اور پھر اوپر سے منہدم کر دی گئی غرض کوئی ارمان نہ نکلا اس لئے ساری عمر اس کا افسوس اور ارمان باقی رہے گا ہاں ان کے وہ دل جن میں یہ ارمان ہے اگر وہی فنا ہو جاویں تو وہ ارمان بھی اس وقت ختم جاوے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں۔ ان کی مخفی شرارتوں کو جانتے ہیں حکمت والے ہیں مناسب سزا دیں گے تو آدمی جس چیز کو مقصود سمجھتا ہے اس کے عدم حصول سے جو حالت ہوتی ہے وہی حالت ان کی تھی جنہوں نے یہ انجمن تخریب اسلام کے لئے بنائی تھی اور یہ علت بھی مشترک ہے تمام عمارات میں کہ جن لوگوں نے اپنی عمارات ایسے ناپاک اغراض کے لئے ایسے مواقع پر بنائی ہیں وہ سب برباد بھی ہوئیں اور ان لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ بے چینی ان کے لازم حال ہو گئی چنانچہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ بری نیت سے جو عمارت بنائی گئی ہے اس کو قیام نہیں ہوتا۔ اب میں اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ کے متعلق ایک نکتہ بیان کر کے ختم کرتا ہوں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قلب اور موت

اس کا ایک مطلب تو ظاہر ہی ہے کہ یہ ارمان ان لوگوں کے دل سے کبھی نہ نکلے گا بجز اس کے کہ ان کے دل ہی قطع ہو جاویں اور یہ مر جاویں تب تو یہ حسرت نکل سکتی ہے کیونکہ جب دل نہ رہے گا جو محل ہے حسرت کا تو پھر ارمان اور حسرت کس طور سے باقی رہے گا۔ پس ایک تو یہ توجیہ ہے اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ کی کہ بعد فنا وموت کے اس خاص حسرت سے رحت ہو جاوے گی۔

ایک توجیہ یہ بھی بیان ہو سکتی ہے اور یہ نہایت لطیف ہے کہ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ تاکید ہے الم حسرت اور ارمان کی کہ ان کو حسرت اور ارمان ہمیشہ رہے گا اور یہ کھٹک ہمیشہ رہے گی۔ موت سے بھی یہ کھٹ دور نہ ہوگی کیونکہ قلب کو موت نہیں آسکتی اس لئے کہ قلب کی دو قسمیں ہیں ایک تو قلب جو مضغہ صنوبری ہے۔

دوسرا قلب حقیقی جو محل ادراکات ہے عقائد وغیرہ کا حصول بھی اسی قلب سے ہوتا ہے۔

یہ قلب جس چیز کو ادراک کرتا ہے اس کی بقاء ضروری ہے اس وجہ سے کہ یہ قلب ہمیشہ باقی رہتا ہے اس لئے کفر بھی باقی رہتا ہے اخلاق جو ناپاک ہیں وہ ہمیشہ باقی رہتے ہیں عشق کاذب بھی باقی رہتا ہے اگر کوئی کسی پر عاشق ہو جاوے تو یہ عشق مرنے سے چھوٹتا نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی اس مصیبت میں گرفتار رہتا ہے بعض عشاق مرنے کے بعد اس غم سے دستگار ہو جانے کا دعویٰ کرتے پھرتے ہیں بالکل غلط ہے اس غم سے واقع میں جدائی مشکل ہے کیونکہ قلب حقیقی پر موت نہیں آتی اور نہ اس کی کیفیات زائل ہوتی ہیں غرض کہ اگر قلب کی تفسیر قلب حقیقی کی جاوے تو چونکہ قلب حقیقی کو موت نہیں۔ اس لئے اس کے ارمان اور حسرت کو بھی دوام رہے گا۔ اس تقدیر پر اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ میں استثناء ایسا ہوگا جیسا کہ اس شعر میں ہے۔

ولا عیب فیهم غیر ان سیوفهم — بهم فلول من قراع الکتائب

ای ان کان فیهم فهو ذاک — وهذا لیس بعیب فلا عیب فیهم اصلا

اسی طرح یہاں پر مطلب ہے کہ ان کے ارمان جب نکلیں جب کہ قلب ہلاک ہو جاوے اور عدم ہلاک قلب ثابت ہے لہٰذا دوام حسرت وارمان بھی دواماً ثابت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ نتیجہ ہے ان کی عمارت کے غیر تقویٰ ورضوان حق کے لئے ہونے کا تو جو عمارات غیر تقویٰ رضوان حق پر مبنی ہوں گی ان کے بانیوں کے لئے بے چینی لازم حال رہے گی۔ مگر تقویٰ اور رضوان اور جس عمارت کی بنیاد تقویٰ اور رضوان پر وہ البتہ خیر ہی خیر بہتر ہے واللہ علیم اور اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں کہ کس شخص کی کیا نیت ہے اور وہ حکیم بھی ہیں کہ قوانین حکمت سے مقرر کرتے ہیں اور عامل وتارک کو مناسب جزا وسزا دیتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان و مال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔

عارفین کی محبت و معرفت میں اضافہ

تو دیکھئے اپنے کو مشتری قرار دیا اور خریدنے والا ظاہر ہے کہ پہلے سے مالک نہیں ہوتا تو گویا یوں فرماتے ہیں کہ جان و مال سب تمہارا ہی ہے مگر ہمارے ہاتھ فروخت کر دو اللہ اکبر آپ نے شفقت خداوندی کو دیکھ لیا ایسی شفقت کسی کو بھی ہوسکتی ہے ہرگز نہیں اس جگہ عارفین نے ایک نکتہ خوب بیان فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو اپنے آپ کو خریدار ٹھہرایا اس کو سن کر عوام تو خوش ہوئے کہ اس جان و مال کے بدلے بڑی دولت ہم کو ملے گی مگر اہل تحقیق اس آیت کو سن کر شرمندہ ہو گئے کہ حق تعالیٰ اپنی مملوک جان اور مال کو ہماری جان و مال فرماتے ہیں اس سے شرمندہ اس لئے ہوئے کہ ہم لوگ ان چیزوں کو چونکہ اپنا سمجھتے ہیں حق تعالیٰ نے بھی اسی کے موافق کلام فرمایا اور پردہ پوشی کی ہمارے خیال کی غلطی ظاہر کر کے ہم کو رسوا نہیں فرمایا فضیحت نہیں کیا بلکہ رحمت سے اس خیال کو بظاہر صحیح کر دیا کہ ہاں یہ جان و مال تمہارا ہی ہے ہم اپنا نہیں کہتے مگر تم اس کو جنت کے بدلے ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو عارفین پر یہ اثر ہوا اس آیت کا جس سے مارے شرمندگی کے ان کے سر اوپر نہیں اٹھتے اور اس سے حق تعالیٰ کی محبت اور معرفت ان کو زیادہ ہو گئی۔

بذل نفس

اب میں طالب علموں کے کام کی ایک بات بتلاتا ہوں کہ اس مقام پر شبہ ہوسکتا ہے کہ بذل نفس تو خاص خاص کاموں میں ہوتا ہے یعنی قتال میں جس کا آگے ذکر بھی ہے **یقاتلون فی سبیل اللہ** تو بذل نفس کیسے ہوا تو سمجھو کہ خدا تعالیٰ نے خود آگے چل کر فرما دیا ہے۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ وہ ایسے ہیں جو کہ توبہ کرنیوالے ہیں حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے۔

یہ آیت اس شبہ کو بالکل زائل کر کے بتلا رہی ہے کہ یہ سب کام بذل نفس ہی میں داخل ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ دلیل ہے کہ آگے ارشاد ہوتا ہے **وبشر المومنین** مسلمانوں کو بشارت دیجئے۔

یہ المومنین اسی من المومنین سابق کا اعادہ ہے۔ پس ان اعمال کے بعد یہ حکم دینا کہ اے محمد ﷺ ان مومنین مذکورین کو بشارت دے دیجئے صریح طور سے دال ہے۔ کہ جس اشتراء انفس و اموال کا اوپر ذکر تھا وہ یہ اعمال ہیں پس یہ سب بذل نفس ہو گیا اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ تمام شریعت مطہرہ بذل نفس اور بذل مال کی تفصیل ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

توبہ عبادات پر مقدم ہے

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔) یہ تو معاملہ کا بیان ہوا کہ حق تعالیٰ نے مومنین سے بیع وشرا کا معاملہ کیا ہے۔ اور بدلین کا ذکر بھی ہے آگے ان کی اس حالت کی تفصیل ہے وہ یہ ہے اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ (وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے حمد کرنے والے ہیں) اس میں تائبون کو مقدم کیا سب صفات پر حتیٰ کہ عابدوں پر بھی قرآن شریف ابلغ کلام ہے اس کی ترتیب کے اندر بھی ضرور کوئی بات ہے وہ یہی ہے کہ توبہ مقدم ہے تمام صفات پر اور تمام صفات کمال اور جمیع عبادات کا لطف اور کمال بھی توبہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے ایک آیت اور یاد آئی اس میں بھی یہی مضمون ہے وہ یہ ہے عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ (اگر پیغمبر ﷺ تم عورتوں کو طلاق دیدیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دے گا جو اسلام والیاں ایمان والیاں فرمانبرداری کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں ہوں گی کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں' اس میں بھی تائبات مقدم ہے عابدات پر اس سے ثابت ہوتا ہے کہ توبہ عبادات پر مقدم ہے اور ظاہر ہے کہ توبہ بھی عمل ہے اور عبادات بھی اعمال ہیں اور یہ عبادات سے مقدم ہے تو توبہ اول اعمال ہوئی اس آیت پر ایک شبہ ہے وہ یہ کہ اس میں تائبات کا لفظ عابدات پر تو مقدم ضرور ہے جس سے توبہ کا مقدم ہونا عبادت پر نکلتا ہے مگر اول اعمال ہونا توبہ کا اس سے نہیں نکلتا کیوں کہ آیت میں اس سے بھی مقدم چند الفاظ ہیں اور توبہ کا اعمال اول ہونا جب مستفیض ہوتا جب کہ آیت التائبون کی طرح اس میں بھی سب سے مقدم التائبات ہوتا اس کا جواب بہت ظاہر ہے کیونکہ میں نے تصریح کردی ہے کہ توبہ کے اول اعمال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بجز ایمان و اسلام کے سب اعمال پر مقدم ہے اور ان دونوں کا مقدم ہونا تو مسلم ہے ان کے بغیر تو اعمال کیسے بھی اچھے ہوں مگر ایسے ہوتے ہیں جیسے ایک باغی ہو کہ سلطنت کی امداد بھی کرتا ہے اور رفاہ عام کے کام بھی بہت کرتا ہے مگر ہے باغی تو یہ سب کام اس کے بیکار ہیں اسی طرح ایمان واسلام ہے کہ کوئی عمل بدوں ان کے صحیح بھی نہیں نورانیت تو الگ رہی اب ایک شبہ اور ہے کہ مسلمان اور مومنات کا تقدم تو تائبات پر صحیح ہو گیا مگر آیت میں ایک لفظ قانتات بھی تائبات پر مقدم ہے جس سے توبہ کا اول اعمال ہونا پھر باطل ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قنوت فعل قلب ہے یہ بھی توبہ سے مقدم ہے اس واسطے کہ توبہ ندامت کو کہتے ہیں اور ندامت جبھی ہوگی جبکہ قنوت ہو کیونکہ جب تک نرمی جھک جانا عجز قلب میں نہ ہو تو کسی فعل پر ندامت کیوں ہونے لگی اور یہی ترجمہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے قنوت کا تو توبہ ہمیشہ قنوت کے بعد ہوگی تو عقلاً ثابت ہو گیا کہ توبہ کی شرط قنوت ہے اس واسطے قانتات کو بھی اس آیت میں تائبات پر مقدم کیا تو حاصل یہ ہوا توبہ کے اول الاعمال ہونے کا کہ اعمال مامور بہا میں سے جن اعمال پر توبہ مبنی نہیں ان سب سے مقدم توبہ ہے سو قنوت چونکہ توبہ کے لئے شرط عقلی ہے لہٰذا وہ تو توبہ پر مقدم ہوئی ان کے سوا باقی اعمال پر توبہ مقدم ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی طاعت صحیح نہ ہوگی بلا توبہ کے گو بعض افراد توبہ کے ایسے بھی ہیں جو شرط صحت ہیں تمام اعمال کے لئے اور وہ توبہ عن الکفر ہے چنانچہ سب جانتے ہیں کہ بلا اس کے کوئی عمل بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔

تفسیری نکات

نفس و مال

اسی وقت اس میں ایک لطیفہ ذہن میں آیا فرماتے ہیں أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ یہ نہیں فرمایا اعمالهم– واموالهم' اشارہ اس طرف ہے کہ اعمال تو نہیں نفس و مال تو ہے زکوٰۃ دی مال خرچ ہوا نماز پڑھی نفس پر تعب ہوا بس وہی خرید لیا گو وہ نفس و مال عبادت معتد بہانہ سہی مگر بشرطیکہ تم انہیں اعمال میں مصروف کرو پھر چاہے وہ عمل کامل نہ ہو کیا ٹھکانا ہے اس رحمت کا کہ گھوڑا مر گیا جھول کے وہ دام دیے جو گھوڑے کے تھے انفسهم میں یہ لطیفہ اسی وقت سمجھ میں آیا بہرحال یہ جا ہے اس کی تفسیر نہ ہو مگر میری تقریر اس تفسیر پر موقوف بھی نہیں دوسری نصوص میں بھی یہ مضمون موجود ہے يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ سیئات کو حسنات سے بدل دیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ

ترجمہ: اور اللہ کی حدود کا خیال رکھنے والے

تفسیری نکات

ہر کام میں حفظ حدود کی اہمیت

فرمایا کہ حق تعالیٰ نے صلحاء کی بہت سی تعریفیں سورہ توبہ کی اس ایک آیت میں جمع فرمائی ہیں جس میں التائبون الحمدون سے شروع ہو کر بہت سی صفات محمودہ بیان فرمانے کے بعد فرمایا (الحفظون لحدود الله) اس سے معلوم ہوا کہ تمام صفات محمودہ اس وقت محمودہ ہیں جبکہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہیں ان میں افراط و تفریط یا غلو ہو گیا تو صفت محمودہ نہیں رہتی اور ہر کام اس وقت صحیح و مقبول ہوگا جبکہ وہ حفظ حدود کیساتھ ہو۔

توبہ عبادات پر مقدم ہے

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی) یہ تو معاملہ کا بیان ہوا کہ حق تعالیٰ نے مومنین سے بیع وشرا کا معاملہ کیا ہے اور بدلین کا ذکر بھی ہے آگے ان کی اس حالت کی تفصیل ہے وہ یہ ہے التائبون العابدون الحامدون (وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے حمد کرنے والے ہیں) اس میں تائبون کو مقدم کیا سب صفات پر حتیٰ کہ عابدون پر بھی قرآن شریف ابلغ کلام ہے اس کی ترتیب کے اندر بھی ضرور کوئی بات ہے وہ یہی ہے کہ توبہ مقدم ہے تمام صفات پر اور تمام صفات کمال اور جمیع عبادات کا لطف اور کمال بھی توبہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے ایک آیت اور یاد آئی اس میں بھی یہی مضمون ہے وہ یہ ہے عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ○ (اگر پیغمبر ﷺ تم عورتوں کو طلاق دیدیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دے گا جو اسلام والیاں ایمان والیاں فرمانبرداری کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں ہوں گی۔ کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں اس میں بھی تائبات مقدم ہے۔ عابدات پر اس سے ثابت ہوتا ہے کہ توبہ عبادات پر مقدم ہے اور ظاہر ہے کہ توبہ بھی عمل ہے اور عبادات بھی اعمال ہیں۔ اور یہ عبادات سے مقدم ہے تو توبہ اول اعمال ہوئی اس آیت پر ایک شبہ ہے وہ یہ کہ اس میں تائبات کا لفظ عابدات پر تو مقدم ضرور ہے جس سے توبہ کا مقدم ہونا عبادت پر نکلتا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے مگر اول اعمال ہونا توبہ کا اس سے نہیں نکلتا کیوں کہ آیت میں اس سے بھی مقدم چند الفاظ ہیں اور وہ یہ ہے مسلمات مومنات قانتات ترتیب کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ چوتھا مرتبہ تائبات کا ہے توبہ کا اعمال اول ہونا جب مستفیض ہوتا جب کہ آیت التائبون کی طرح اس میں بھی سب سے مقدم التائبات ہوتا اس کا جواب بہت ظاہر ہے کیونکہ میں نے تشریح کردی ہے کہ توبہ کے اول اعمال ہونے کے معنے یہ ہیں کہ بجز ایمان واسلام کے سب اعمال پر مقدم ہے اور ان دونوں کا مقدم ہونا تو مسلم ہے ان کے بغیر تو اعمال کیسے بھی اچھے ہوں مگر ایسے ہوتے ہیں جیسے ایک باغی ہو کہ سلطان کی امداد بھی کرتا ہے اور رفاہ عام کے کام بھی بہت کرتا ہے مگر ہے باغی تو یہ کام اس کے بیکار ہیں اسی طرح ایمان واسلام ہے کوئی عمل بدوں ان کے صحیح بھی نہیں نورانیت تو الگ رہی اب ایک شبہ اور ہے کہ مسلمات اور مومنات کا تقدم تو تائبات پر صحیح ہو گیا مگر آیت میں ایک لفظ قانتات بھی تائبات پر مقدم ہے جس سے توبہ کا اول ہونا پھر باطل ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قنوت فعل قلب ہے یہ بھی توبہ سے مقدم ہے اس واسطے کہ توبہ ندامت کو کہتے ہیں اور ندامت جبھی ہوگی جبکہ قنوت ہے کیونکہ جب تک نرمی جھک جانا عجز قلب میں نہ ہو تو کسی فعل پر ندامت کیوں ہونے لگی اور یہی ترجمہ قنوت کا تو توبہ ہمیشہ قنوت کے بعد ہوگی تو عقلاً ثابت ہو گیا کہ توبہ کی شرط قنوت ہے۔ اس واسطے قانتات کو بھی اس آیت میں تائبات پر مقدم کیا تو حاصل یہ ہوا توبہ کے اول الاعمال ہونے کا کہ اعمال مامور بہا میں سے جن اعمال پر توبہ مبنی نہیں ان سے مقدم توبہ ہے سو قنوت چونکہ توبہ کے لے شرط عقلی ہے لہٰذا وہ تو توبہ پر مقدم ہوئی ان کے سوا باقی اعمال پر توبہ مقدم ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی طاعت صحیح نہ ہوگی۔ بلا توبہ کے گو بعض افراد توبہ کے ایسے بھی ہیں جو شرط صحت ہیں تمام اعمال کے لئے اور وہ توبہ عن الکفر ہے چنانچہ سب جانتے ہیں کہ بلا اس کے کوئی عمل بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔

توبہ عن المعاصی شرط کمال ہے

لیکن باقی افراد توبہ کے یعنی توبہ عن المعاصی[۱] محققین کے نزدیک شرط کمال ہیں یعنی نورانیت کسی عمل کی بلا اس کے نہیں ہوتی گو عمل قبول ہو جائے جیسے ایک باورچی ہو کہ وہ آقا کی نافرمانی کرتا ہے اور آقا اس سے کشیدہ ہے لیکن آقا مخیّر ایسا ہے کہ کھانا اس کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھالیتا ہے۔ یہ صفت رحم اور عفو کی ہے مگر اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آقا دل میں کشیدہ ہے۔ اور خود باورچی کا دل بھی رکا ہوا ہے کھانا کھلاتا ہے مگر کھل کر بات بھی نہیں کرسکتا اور جب یہ ہے کہ جب اس کو محبت ہوا آقا سے ورنہ اگر ضابطہ کا نوکر ہے تب تو غیرت چہ کنی است کہ پیش مرداں بیاید[۲] اس کو اپنی نوکری پوری کرنے کا خیال ہوگا آقا انبساط[۳] کے ساتھ کھانا کھائے یا انقباض کے ساتھ اسے تنخواہ لینے سے مطلب خیر ایسے آدمی کا تو ذکر نہیں ذکر اس کا ہے جو غیرت اور محبت ہو سو ایسا شخص آقا کے سامنے غیر

---

۱ گناہوں سے توبہ ۲ غیرت کیا کتی ہے کہ آدمیوں کے سامنے آئے ۳ خوشی

(c) ketabton.com: The Digital Library

مطیع ہونے کی حالت میں خدمت میں حلاوت اور انبساط اور شگفتگی اور راحت فرحت اور نشاط بدوں توبہ اور تقصیرات کے معافی ملے ہوئے نہیں پا سکتا اور یہ بات ثابت ہے کہ خدمت اس کی ویسے بھی قبول ہوگئی جسے آقا نے کھانا کھا تو لیا ہے اور پھینک نہیں دیا اس کو یہ حکم نہیں کیا کہ توبہ کر کے پھر دوبارہ پکاوے اور اس نفس عمل کی مقبولیت پر نص موجود ہے میں اپنی طرف سے نہیں کہتا ہوں۔ من یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ' (پس جو شخص ذرا برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا) اس میں حق تعالیٰ نے شرط نہیں کی توبہ کی برخلاف اس کے ایمان کو بہت جگہ شرط بنایا ہے صحت اعمال کے لئے اور توبہ عن المعاصی کو کہیں شرط نہیں کیا۔

بلا توبہ کے عمل میں نورانیت نہیں ہوتی

جس سے یہ حاصل ہوا کہ نفس عمل تو قبول مگر نورانیت اس میں نہیں ہو سکتی اور اسی نورانیت نہ ہونے کو بعض نصوص میں حبط سے تعبیر فرمادیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے من فاتته صلاۃ العصر فقد وترا اھله وماله (جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی تو گویا اس کے اہل وعیال تباہ ہوگئے۔) اور ایک روایت میں اس کی تفسیر ہے حبط عملہ (یعنی اس کے اعمال ہی ضائع ہوگئے۔) اور حبط عمل ظاہراً خاصہ کفر ہے مگر یہاں ایک عمل فرعی کو بھی حابط فرمایا اسی طرح اور بعض اعمال کو بھی حابط فرمایا ہے۔ (اول الاعمال ملحقہ مواعظ راہ نجات)

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کے بعد گمراہ کردے جب تک کہ ان کے لئے مایتقون کو بیان نہ کردے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیری نکات

ایک شبہ کا جواب

اس پر یہ شبہ نہ ہو کہ حنفیہ کے یہاں تو توحید بدوں ارسال رسول کے بھی واجب ہے اور اس کے ترک سے ضلال وعذاب کا وقوع ہوگا۔

جواب یہ ہے کہ یہاں پر یبین فرمایا ہے یوحی تو نہیں فرمایا اور بیان ارسال رسول پر موقوف نہیں عقل سے بھی ہو سکتا ہے پھر اس کے متعلق بعض فروع ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی شخص کی عقل کامل نہ ہو اور وہ مجنون ومعتوہ بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں لیکن اس کی عقل تنہا بدوں رسول کے توحید کے پہچاننے کو کافی نہیں اس کو عذاب ہوگا یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ بعض اس طرف گئے ہیں کہ ایسے شخص کو عذاب نہ ہوگا گو وہ عاقل ہے مگر قلت عقل کی وجہ سے معذور ہے اور بعض نے کہا کہ عذاب ہوگا اور یہ مسئلہ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۝ (پ۱۵) کے معارض نہیں کیونکہ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ اس میں عذاب دنیا مراد ہے اور گفتگو عذاب آخرت میں ہے گو یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ نفی عذاب دینا بدرجہ اولیٰ مستلزم ہے نفی عذاب آخرت کو کیونکہ عذاب دینا اہون ہے جب بدوں بعث رسل کے عذاب دینا نہیں ہوتا تو عذاب آخرت بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا اور جواب ثانی یہ ہے کہ یہاں رسول عام عقل کو بھی اور پیغمبر کو بھی یہ مسئلہ کے چند فروع ہیں ان کے علاوہ اور بھی فروغ ہیں مگر میں نے اجمالاً اشارہ کردیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾
ترجمہ: بلاشبہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی وہی جلاتا اور مارتا ہے اور تمہارا اللہ کے سوا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار۔

تفسیری نکات

احکام تکوینیہ وتشریعیہ کا پورا اختیار حق سبحانہ وتعالیٰ کے قبضہ میں ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ سے ثابت ہوا کہ احکام تشریعیہ کے مقرر کرنے کا حق تعالیٰ کو پورا اختیار ہے کیونکہ وہ صاحب سلطنت ہیں اور اسی سے دوسرا مقدمہ یہ مفہوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو احکام تکوینیہ کے مقرر کرنے کا بھی پورا اختیار ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ہر قسم کے احکام کو عام ہے تشریعیہ کو بھی اور تکوینیہ کو بھی مگر کوئی شاید عموم کو تسلیم نہ کرے کیونکہ عموم وخصوص کا سمجھنا مجتہد ہی کا کام ہے مگر اس آیت میں ایک جملہ ایسا موجود ہے جس سے آیت کا عموم واضح ہوگیا اور وہ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ ہے کیونکہ احیاء واماتت تو احکام تکوینیہ ہی سے ہیں۔

تمام غموم وافکار کا علاج

اس آیت میں تمام غموم وافکار کا علاج بتلایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر طرح تصرف کا حق ہے تم کو کسی تجویز کا کوئی حق نہیں تو اس آیت میں ہم کو متنبہ کیا گیا ہے کہ تم کو تشریعیات تو تکوینیات کے مطابق کوئی تجویز اپنی طرف سے نہ کرنا چاہیے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وہ جب چاہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں تم کو اس میں دخل در معقول کا کوئی حق نہیں یہی تعلیم ہے جو اس آیت میں دی گئی ہے اس پر عمل کرنے سے غم کی جڑ ہی کٹ جائے گی ہاں طبعی غم ہوگا مگر وہ دیر پا نہیں ہوتا اور طبعی غم بھی اس لئے ہوتا ہے کہ اس میں حکمتیں ہیں ہمارے لئے بڑی حکمت یہ ہے کہ غم سے شکستگی کی شان پیدا ہوتی ہے جس سے تکبر وغرور وغیرہ کا علاج ہو جاتا ہے اس کے علاوہ اور بھی حکمتیں ہیں۔

غرض اولاد کو بھی خدا تعالیٰ کی چیز سمجھو کہ اس کی امانت چند روز ہمارے پاس ہے پھر اس کے فوت ہونے پر زیادہ ملال نہ ہوگا۔

ربط آیات

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ میرے خیال میں اس کا ربط وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ (پ۱۱) سے بھی ہے اور اس اعتبار سے یہ جملہ آیت سابقہ کے مضمون کی دلیل ہے کہ تم کو قبل نہی کے استغفار کرنے سے گناہ اس لئے نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی دوست یا مددگار نہیں ہے اور یہ بات محبت وولایت کے خلاف ہے کہ نہی سے پہلے کسی فعل کے ارتکاب پر عذاب کیا جائے گا یا گناہ کی فرد جرم قائم کی جاوے نیز اس میں ان لوگوں کو بھی تنبیہ ہے جو کسی کے گھمنڈ پر مناہی کا ارتکاب کرے کہ ہم فلاں کی شفاعت یا استغفار سے بچ جائیں گے۔

جواب کا حاصل یہ ہوا کہ خدا کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں دوست نہیں اس لئے کسی دوسرے کے بھروسہ اور گھمنڈ پر گناہوں کا ارتکاب نہ کرنا چاہئے۔ مگر اس سے شفاعت کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ شفاعت تو خدا تعالیٰ کے اذن سے ہوگی۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (پ۳) تو اجازت اسی شخص کے متعلق ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ خود بخشا چاہیں گے اور جس کی ولایت ونصرت وہ نہ چاہیں گے اس کے لئے اذن شفاعت ہی کیوں دیں گے۔ نیز اس آیت میں اس شبہ کا حکیمانہ جواب بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کو اور مسلمانوں کو استغفار للمشرکین سے کیوں منع فرمایا بلکہ ان کو استغفار کرنے دیتے اور خود استغفار کو قبول کرتے یا نہ کرتے۔ اس کا حکیمانہ جواب اس طرح دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی دوست ومددگار نہیں پس تم بھی دوستی اسی سے کرو جو خدا کا دوست ہو اور جو خدا کا دشمن ہو اس سے دشمنی کرو پس کفار سے دوستی نہ کرو اور استغفار بھی اسی کی فرد ہے۔ اس لئے کفار کے واسطے استغفار ہرگز نہ کرو کیونکہ اعداء اللہ ہیں تم بھی ان سے عداوت ظاہر کرو

غرض یہاں تین مضمون تھے یعنی نہی عن الاستغفار بحیثیت حاکیت ونہی عن الاستغفار بحیثیت حکمت وعدم تاثیم قبل النہی تینوں پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ۱۱) بے شک اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمینوں کی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ اس جگہ یہ سوال ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ وصحابہ کو استغفار للمشرکین سے کیوں منع فرمایا بلکہ یوں ہوتا ہے کہ وہ استغفار کرتے رہتے پھر اللہ تعالیٰ چاہے اس کو قبول کرتے یا نہ کرتے اور مشرکین کو بخشتے یا نہ بخشتے اس سوال کا جواب اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ میں دیا گیا ہے اور جواب حاکمانہ ہے کہ ہماری سلطنت آسمانوں اور زمینوں میں ہے اس لئے ہم کو حق ہے کہ تم کو استغفار سے روک دیں۔

مالکیت اور ملکیت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یعنی مالک بھی وہی ہے ملک بھی انہی کا ہے یہاں ملک سے ملک کامل مراد ہے جس کے ساتھ ملک بھی جمع ہو کیونکہ بدوں اس کے ملک ناقص ہے اور خدا نقصان سے بری ہے اسی لئے ملک یوم الدین میں مالکیت اور ملکیت دونوں کو جمع کیا گیا ہے دونوں قراءتوں میں اور قراء تین بمنزلہ آیتین کے ہیں۔

ہر ایک کا مفہوم ثابت کرنا لازم ہے کیونکہ ضرورت دونوں کی ہے ایک جہت سے ملکیت میں قوت ہے اور ایک جہت سے مالکیت میں اس لئے مقصود دونوں کو جمع کرنا ہے اسی لئے میں نے کہا کہ یہاں ملک سے مراد ملک کامل ہے یا یوں کہو کہ لام لہٗ میں ملک کے لئے ہے تو مالک ہونا اسی سے ثابت اور ملک ہونا لفظ ملک سے ثابت اور ایک آیت میں دو قراءتوں کو ایک ساتھ عمل میں جمع کرنا فقہا کے عمل سے ثابت ہے۔

چنانچہ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ میں فقہا نے دونوں قراءتوں کو جمع کر کے احکام مستنبط کئے ہیں اسی طرح میں نے وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ میں دونوں قراءتوں کو جمع کیا ہے کہ دونوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہوا کہ پیروں کو مل مل کر دھویا کرو کیونکہ ان پر پانی بہالینا عموماً کافی نہیں ہوتا۔ اسی لئے فقہا نے دلک کو مطلقاً اور دلک رجلین کو خصوصاً مستحب کہا ہے اسی طرح مالک یوم الدین میں دونوں کو جمع کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ مالک بھی ہیں ملک بھی ہیں۔

تو اب جہاں اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ملک مطلق آیا ہے وہاں یہی مجموعہ مراد ہوگا ورنہ محض ایک کے اعتبار میں نقص لازم آتا ہے اور یہی نکتہ ہے مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ میں دو لفظوں کے جمع کرنے میں کیونکہ ولی دوست کو کہتے ہیں خواہ وہ نصرت پر قادر ہو یا عاجز ہو اور نصیر مددگار و معاون کو کہتے ہیں خواہ دوست ہو یا نہ ہو اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جمع کر کے بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کو تم سے تعلق بھی ہے اور وہ تمہاری نصرت واعانت پر بھی قادر ہیں اور اس مضمون کو صیغہ حصر کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی یار و مددگار نہیں اس حصر میں اس طرف اشارہ ہے کہ بس اللہ تعالیٰ ہی سے تعلق رکھو اور کسی سے بالذات تعلق نہ رکھو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب (ان کی پریشانی کی یہ نوبت پہنچی کہ) زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا (کی گرفت) سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ (اس وقت وہ خاص توجہ کے قابل ہوئے) پھر ان کے حال پر (بھی خاص) توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی رجوع رہا کریں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان پر بہت ہی شفیق مہربان ہے۔

تین صحابہؓ کا واقعہ توبہ

اس آیت میں ان حضرات کی توبہ قبول ہونے کی بشارت بھی دی گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ ان کی دردناک حالت کو بھی بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان تین صاحبوں کی توبہ بھی قبول کر لی جن کا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا یہاں تک کہ جب ان کے اوپر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو گئی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گئے تو حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور دوبارہ ان کے حال پر توجہ کی تا کہ وہ آئندہ بھی ایسے مواقع میں توبہ کرتے رہیں بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والے بڑے مہربان ہیں حضرت کعبؓ کی اس بات پر کہ مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ اس حالت میں اگر مر گیا تو حضور ﷺ میری نماز نہ پڑھیں گے حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب کی ایک تقریر یاد آئی مولانا نے حدیث سوال قبر کے اس جملہ کی شرح میں کہ میت سے پوچھا جائے گا من ھذا الرجل یہ کون صاحب ہیں اور بعض اہل کشف کے اس قول کی حکمت میں کہ قبر میں حضور ﷺ کی صورت ہر شخص کے سامنے پیش کی جائے گی اور دکھلا کر سوال کیا جائے گا کہ یہ کون صاحب ہیں مسلمان تو صورت دیکھتے ہی تعلق قلبی کی وجہ سے پہچان لے گا اور بے ساختہ کہے گا ھذا محمد نبینا جآئنا بالبینت والھدی

کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ ہیں جو ہمارے پاس معجزات و ہدایات لے کر تشریف لائے تھے یہ فرمایا کہ دراصل ہماری محبت کا مقتضی تو یہ تھا کہ ہم سب حضور ﷺ کے سامنے مرتے اور حضور ﷺ ہمارے جنازے کی نماز پڑھتے مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے یہ صورت مقدر نہ ہوئی تو اب کم از کم محبت کا یہ اثر تو ہونا چاہیے کہ حضور ﷺ ہماری قبر ہی میں تشریف لائیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (عمل میں) سچوں کے ساتھ رہو

تفسیری نکات

اس آیت کے دو جزو ہیں۔

اعجاز قرآن

۱- اتَّقُوا اللّٰهَ ۲- كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ دو جملوں میں دریا کو بھر دیا چنانچہ ابھی تفصیل معلوم کر لینے کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان دو جملوں میں کتنے بڑے مضمون کو حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے قرآن کے جملوں کی تفسیر مختلف عنوانات سے ہو سکتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس آیت میں بھی کسی مفسر نے دوسرا عنوان اختیار کیا ہو مگر وہ اختلاف محض عنوان ہی کا ہوتا ہے معنوں میں ایک ہوتا ہے اس آیت کے معنی جو میں سمجھا ہوں وہ یہ ہیں کہ اتقوا اللہ میں مقصود کا ذکر ہے اور كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ میں اس مقصود کے طریق کا ذکر ہے کیونکہ جن لوگوں نے قرآن کو بنظر غائر دیکھا ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ قرآن میں مقاصد کے ساتھ طرق کا ذکر بھی اکثر فرمادیا کرتے ہیں اور یہ ان کی غایت شفقت و رحمت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو کسی بات کا حکم فرما کر حیران و پریشان نہیں چھوڑتے بلکہ اس کا طریق بھی ساتھ کے ساتھ بتلا دیتے ہیں کہ یہ کام اس طرح سے ہوگا یہ طریقہ اختیار کرو اس عادت پر نظر کر کے میرا ذوق یہ بتلاتا ہے کہ اس آیت میں بھی جملہ اولیٰ میں مقصود کا بیان ہے اور ثانیہ میں طریق کا' یعنی تقویٰ مقصود ہے اور معیت صادقین اس کے حصول کا طریق ہے بعبارت دیگر یہ سمجھئے کہ حق تعالیٰ نے دین کامل حاصل کرنے کا امر فرمایا ہے اور معیت کاملین اس کا طریق بتلایا ہے۔

اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو

امر تقویٰ

اس میں اول تقویٰ کا امر ہے یہ بات تو اوپر ثابت ہو چکی کہ ہر مقصود میں درجہ کمال مطلوب ہوا کرتا ہے اب یہ بات ثابت کرنا رہی کہ تقویٰ کمال دین ہے یا نہیں' نصوص شرعیہ میں غور کرنے سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ تقویٰ کا امر اور فضل قرآن میں جس قدر ہے غالباً کسی چیز کا اتنا نہیں۔ اس سے اس کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہوا اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ تقویٰ کا استعمال شریعت میں دو معنی میں ہوتا ہے ایک ڈرنا دوسرے بچنا'

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور تامل کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود تو بچنا ہی ہے یعنی معاصی سے' مگر سبب اس کا ڈرنا ہے کیونکہ جب کسی چیز کا خوف دل میں ہوتا ہے۔ جبھی اس سے بچا جاتا ہے۔ تقویٰ کا معنی اول میں استعمال اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً میں ہے اور بچنے کے معنی میں استعمال نصوص کثیرہ میں اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے اتقوا النار ولو بشق تمرة' بچو جہنم سے اگرچہ ایک ٹکڑا چھوہارے کا دے کر' یہاں بچنے ہی کے معنی بن سکتے ہیں ڈرنے کے معنی نہیں بن سکتے۔

غرض استعمال دونوں معنی میں وارد ہے لیکن اصل مقصود احتراز عن المعاصی ہے اور خوف علی الاطلاق مقصود بالذات نہیں بلکہ وہ ذریعہ اور سبب ہے احتراز عن المعاصی کا۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اصل مقصود تقویٰ بمعنے احتراز عن المعاصی ہے۔ اور خدا کی نافرمانی سے بچنے کا کمال دین ہونا ظاہر ہے کیونکہ اس میں ادائے فرائض وواجبات واجتناب عن المحرمات سب داخل ہیں کوئی مقصود شرعی اس سے خارج نہیں' مطلب یہ ہوا کہ نماز بھی پڑھو کیونکہ ترک صلوٰۃ معصیت ہے۔ زکوٰۃ بھی دو کیونکہ ترک زکوٰۃ معصیت ہے۔ اسی طرح تمام مامورات کا چھوڑنا معصیت ہے تو اس میں مامورات کے ادا کا حکم بھی ہے اور محرمات کے ترک کا بھی اور کمال دین کے یہی دو اجزاء ہیں تو تقویٰ کا کمال دین ہونا ثابت ہوگیا۔

دوسری دلیل ایک اور ہے جس سے تقویٰ کا کمال دین ہونا ثابت ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے **الا ان التقوی ههنا و اشار الی صدره'**

رسول ﷺ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ سن لو تقویٰ یہاں ہے یعنی تقویٰ کا محل قلب ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا اس کے ساتھ دوسری حدیث کو ملائیے۔

الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب

یعنی جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے سن لو وہ قلب ہے۔

(اس حدیث سے بعض جاہل صوفیوں نے یہ سمجھا ہے کہ بس اصل مقصود اصلاح قلب ہے اعمال ظاہرہ کی کچھ ضرورت نہیں' یہ بالکل غلط اور صریح زندقہ ہے اور اس کا غلط ہونا خود اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ جب دل صالح ہوتا ہے تو تمام بدن صالح ہو جاتا ہے اور جب دل بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اعمال ظاہرہ صلاحیت قلب وفساد قلب کی دلیل ہیں پس جس شخص سے اعمال صالحہ صادر ہوں یہ اس کے قلب کی صلاحیت کی دلیل ہے اور جس سے اعمال سیئہ صادر ہوں یہ اس کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

قلب کے فساد کی دلیل ہے پس صلاحیت قلب کے بعد اعمال صالحہ کا ترک ممکن نہیں اور جو شخص اعمال صالحہ کو ترک کر کے صلاحیت قلب کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہے پس یہ مسلم کہ اصل مقصود اصلاح قلب ہے مگر وہ اعمال صالحہ کی مداومت اور اعمال سیئہ سے اجتناب سے متحقق نہیں ہو سکتی ہے لہٰذا اعمال ظاہرہ ہرگز بیکار نہیں (فافہم ۱۲ جامع)

اس حدیث سے اصلاح قلب کا صلاحیت کاملہ ہونا ثابت ہے اور پہلی حدیث سے یہ معلوم ہو چکا کہ تقویٰ کا اصل محل اور موصوف قلب ہے اور اس سے لازم آتا ہے کہ تقویٰ سے اول اصلاح قلب کی ہوتی ہے تو ان دونوں مقدموں سے تقویٰ کا مستلزم صلاحیت کاملہ ہونا ثابت ہو گیا اور صلاحیت کاملہ یہی کمال دین ہے۔ پس یہ دعویٰ ثابت ہو گیا کہ تقویٰ کمال دین ہے اور (قلب کو محل تقویٰ اس حدیث میں اس لئے فرمایا کہ تقویٰ بمعنے الاجتناب عن المعصیت کا سبب خوف خداوندی ہے اور ظاہر ہے کہ خوف کا اصلی محل قلب ہے) یہاں تک جملہ اولیٰ کے متعلق کلام تھا۔

صادقین کی تشریح

دوسرے جملہ کی بابت میں نے یہ کہا تھا کہ کونوا مع الصدقین بیان ہے۔ مقصود مذکور کے طریق کار کہ حاصل اس کا معیت مع المتقین ہے۔ پس صادقین اسی کا ایک عنوان ہے اور متقی کے معنی کاملین فی الدین کی معیت ہے پس صادقین کے بھی وہی معنی ہوں گے یعنی کمال فی الدین کا طریق کاملین فی الدین کی معیت ہے پس کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ کی توجیہ کونوا مع الکاملین ہوئی ہے کیونکہ صادقین سے معنی مشہور صادقین فی القول مراد نہیں بلکہ راسخ فی الدین مراد ہیں۔ جیسے ہمارے محاورہ میں بھی پکے آدمی کو سچا کہتے ہیں اور اسی معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو صدیق فرمایا ہے۔

وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا اور اسی صدیقیت کا درجہ بعد نبوت کے ہے پھر شہداء و صالحین کا درجہ چنانچہ ایک آیت میں حق تعالیٰ نے اسی ترتیب سے ان درجات کو بیان فرمایا ہے۔

فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا اور رسوخ فی الدین بھی کمال فی الدین ہے پس مع الصدقین کی توجیہ مع الکاملین ثابت ہو گئی نیز اس کی دلیل ایک اور آیت ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں لیس البران تولوا وجوھکم بلکہ یہ آیت اتفاق سے میرے دونوں دعووں کو ثابت کر رہی ہے یعنی اس سے تقویٰ اور صدق دونوں کے معنی کمال دین ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

پوری آیت اس طرح ہے۔

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰـكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ‌ۚ وَاٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِ وَالسَّآئِلِيۡنَ وَفِى الرِّقَابِ‌ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّکٰوةَ ‌ۚ وَالۡمُوۡفُوۡنَ

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿﴾

کچھ ساری خوبی اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی طرف لیکن (اصل خوبی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی (ذات وصفات) پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر (بھی) اور فرشتوں (کے وجود) پر (بھی) اور (سب) کتب (سماویہ) پر بھی اور (سب) پیغمبروں پر (بھی) اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں (اپنے حاجت مند) رشتہ داروں کو اور (نادار) یتیموں کو اور دوسرے غریب محتاجوں کو اور (بے خرچ) مسافروں کو اور (لاچاری میں) سوال کرنے والوں کو اور (قیدیوں اور غلاموں کی) گردن چھڑانے میں (بھی مال خرچ کرتا ہو) اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو لوگ اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب (کسی امر جائز کا) عہد کرلیں اور وہ لوگ مستقل مزاج رہنے والے ہوں تنگ دستی میں اور بیماری میں اور (معرکہ) قتال میں یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ صادق اور متقی یہی لوگ ہیں جن کے یہ اوصاف ہیں اور ان اوصاف میں تمام اجزاء دین کا ذکر اجمالاً آ گیا ہے دین کا کوئی جزو اس سے باقی نہیں رہا پس یہ اوصاف کمال دین کو متضمن ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جو لوگ ان اوصاف سے متصف ہیں وہی صادق اور وہی متقین ہیں۔ اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ صادق اور متقی وہی شخص ہے جو دین میں کامل ہو پس صدق اور تقویٰ کی حقیقت کمال دین ہونا ثابت ہوگیا۔

تفسیر آیت البر

اس آیت میں تمام اجزاء دین کا ذکر آ گیا ہے؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت میں کل احکام کا حاصل تین چیزیں ہیں۔

۱۔عقائد ۲۔اعمال ۳۔اخلاق

اور تمام جزئیات انہی کلیات کے تحت میں داخل ہیں اور اس آیت میں اقسام ثلثہ کے بڑے بڑے شعبے ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ آیت منجملہ جوامع کلم کے ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ ' بر کے معنی بھلائی کے ہیں اور لام عہد کا ہے۔ معنی یہ ہوئے لیس البر الکافی ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب یعنی مشرق ومغرب کی طرف نماز میں منہ کر لینا ہی کافی نہیں ہے کہ اسی پر قناعت کرلی جائے اس توجیہ سے یہ اشکال رفع ہوگیا کہ استقبال قبلہ بھی تو مامور بہ شرعاً اور مامور بہ شرعی کا بر ہونا لازم ہے پھر اس کی نسبت لیس البر کیوں فرمایا۔ اس اشکال کے جواب لوگوں نے مختلف وجوہ سے دیئے ہیں لیکن جو توجیہ میں نے بیان کی ہے یہ بہت آسان ہے اور یہ توجیہ اسی وقت سمجھ میں آئی ہے۔ حاصل اس کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ ہے کہ اس میں استقبال سے مطلق خیریت کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کے برکافی ہونے کی نفی مراد ہے۔

رہا یہ کہ اس مضمون کی اس جگہ ضرورت کیا تھی۔ استقبال مشرق و مغرب سے برکافی کی نفی کیوں کی گئی۔ سو بات یہ ہے کہ اس سے پہلے تحویل قبلہ کا مسئلہ مذکور ہوا ہے۔ جس میں کفار و مشرکین نے بہت شور وغل کیا تھا اور اس وقت ان کی تمام تر بحث اسی میں رہ گئی تھی کہ مسلمانوں کا بھی عجب دین ہے کبھی کسی طرف منہ کرتے ہیں کبھی کسی طرف، تو حق تعالیٰ ان کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ تم تو اس بحث میں ایسے پڑ گئے کہ گویا مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا کوئی بڑا مقصود ہے۔ حالانکہ یہ مقصود نہیں بلکہ شرائط و وسائل مقصود میں ہے پس یہ حماقت ہے کہ مقاصد کو چھوڑ کر غیر مقاصد کی بحث پر اکتفا کر لیا جاوے۔ مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا یہ برکافی نہیں بلکہ برکافی وہ ہے جس کا آگے بیان آتا ہے اس کا اہتمام کرو۔

مشرق و مغرب کے ذکر میں نکتہ

مشرق و مغرب کی تخصیص ذکر میں ایک نکتہ کی وجہ سے ہے اس سے قبلہ کا مشرق و مغرب میں منحصر کرنا، مقصود نہیں کیونکہ جن لوگوں سے مکہ معظمہ کا رخ جانب شمال میں ہے ان کا قبلہ شمال ہے۔ اور جس جگہ سے مکہ کا رخ جنوب میں ہے اس جگہ کا قبلہ سمت جنوب ہے چنانچہ مدینہ والوں کا قبلہ جنوب ہے اسی لئے حدیث میں اہل مدینہ کو فرمایا گیا ہے ولکن شرقوا اور غربوا کہ استنجا کے وقت تم لوگ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کیا کرو اس سے معلوم ہو گیا کہ قبلہ مشرق و مغرب میں منحصر نہیں پس اس جگہ مشرق و مغرب کی تخصیص میں نکتہ یہ ہے کہ تمام جہات میں سے یہی دونوں جہتیں عرفاً زیادہ مشہور ہیں جب ان کا غیر مقصود ہونا بیان کر دیا تو دوسری جہات کا مقصود نہ ہونا بھی اس سے واضح ہو گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مشرق و مغرب کی جہت میں امتیاز بوجہ تقابل حسی کے زیادہ محسوس ہے۔ پس اولاً و بالذات انہی دو جہات کا علم حاصل ہوتا ہے اور دوسری جہات کا علم ان کے واسطے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ مشرق مغرب کی جہت کا سمجھنا شمال و جنوب کے جاننے پر موقوف نہیں ہر شخص جانتا ہے کہ مشرق وہ جہت ہے جدھر سے آفتاب نکلتا ہے اور مغرب وہ ہے جدھر آفتاب ڈوبتا ہے اور شمال و جنوب کی معرفت بدوں مشرق و مغرب کے نہیں ہو سکتی چنانچہ شمال و جنوب کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونے سے داہنے ہاتھ کی سمت جنوب ہے اور بائیں ہاتھ کی سمت شمال ہے پس یہ دونوں جہتیں اصل ہوئیں اور جنوبی و شمال ان کی فرع ہیں اور ظاہر ہے کہ اصل کے غیر مقصود ہونے سے فرع کا غیر مقصود ہونا خود ہی سمجھ میں آ جاتا ہے علاوہ ازیں یہ کہ شریعت میں قلیل انحراف مفسد صلوۃ نہیں تو مشرق و مغرب جن کا قبلہ ہے وہ اگر قدرے شمال و جنوب کی طرف مائل ہو جاویں نماز فاسد نہ ہوگی اس طرح گویا مشرق و مغرب میں شمال و جنوب بھی آ گئے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

پس مطلب صرف یہ ہے کہ کسی جہت کی طرف بھی منہ کرنا بر کافی نہیں بلکہ بر کافی وہ ہے جس کا آگے ذکر ہے وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ الخ' یہاں دونوں جہتیں جائز ہیں ایک یہ کہ مسندالیہ کی جانب میں مضاف کو مقدر کیا جائے۔ ولکن ذا البر من امن باللہ الخ' ایک یہ کہ مسند کی طرف مضاف مقدر مانا جاوے یعنی ولکن البر بر من امن باللہ الخ' اور حاصل دونوں کا ایک ہے۔

عقائد کا بیان

خواہ یہ کہا جائے کہ بھلائی کافی اس شخص کی بھلائی ہے یا کافی بھلائی والا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں ذات وصفات کے متعلق جس قدر احکام ہیں سب آ گئے۔ اور قیامت کے دن پر ایمان لانے میں جزا وسزا وحساب وکتاب وجنت ودوزخ وغیرہ کے سب احکام آ گئے۔ والملئکۃ اور فرشتوں پر ایمان لائے یعنی ان کے وجود کا قائل ہو اس میں تمام مغیبات داخل ہیں اور فرشتوں کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ شریعت کے معلوم ہونے کا مدار و واسطہ ملائکہ ہی ہیں والکتب اور کتاب پر ایمان لائے یہاں کتاب بصیغہ مفرد لایا گیا ہے حالانکہ کتب سماویہ متعدد ہیں اور ایمان لانا سب پر واجب ہے (گو عمل منسوخ پر جائز نہیں) اور اسی وجہ سے دوسری آیتوں میں صیغہ جمع اختیار کیا گیا ہے۔ کل امن باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ الخ' لیکن یہاں صیغہ مفرد اختیار کرنے میں اشارہ ہے ایک امر کی طرف وہ یہ کہ قرآن ایسا جامع ہے کہ وہ تمام کتب سماویہ پر حاوی ہے اس لئے اس پر ایمان لانا گویا سب پر ایمان لانا ہے یا یہ کہا جاوے کہ کتب سماویہ میں سے ہر کتاب دوسری کتاب پر ایمان لانے کا امر کرتی ہے پس وہ سب مل کر بمنز کتاب واحد کے ہیں ان سب پر ایمان لانا بمنزلہ کتاب واحد پر ایمان لانے کے ہے (اور جو شخص ایک کتاب کو مان کر دوسری کا انکار کردے وہ حقیقت میں پہلی کتاب پر بھی ایمان نہیں رکھتا) لیکن یہ حکم ایمان کا ہے اور عمل کرنا سب کتابوں پر جائز نہیں بلکہ عمل صرف مؤخر پر ہوگا کیونکہ وہ مقدم کے لئے ناسخ ہے والنبیین اور پیغمبروں پر ایمان لائے یہاں تک تو امہات عقائد مذکور ہیں آگے اخلاق واعمال کا ذکر ہے۔

اعمال شرعیہ کی اقسام

اعمال شرعیہ کی دو قسمیں ہیں۔ طاعات دیانات دوسرے معاملات (معاملات کی پھر دو قسمیں ہیں ایک متعلق اموال کے دوسرے متعلق غیر اموال کے ہیں۔ ان میں نکاح وطلاق وعتاق وحدود وغیرہ داخل ہیں) اور دیانات کی بھی دو قسمیں ہیں ایک طاعات بدنیہ دوسرے طاعات مالیہ' اسی طرح اخلاق کی دو قسمیں ہیں حسنہ وسیئہ' اخلاق حسنہ کے ساتھ موصوف ہونا مقصود شرعی ہے اور اخلاق سیئہ سے خالی ومنزہ ہونا مطلوب

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے۔عقائد سے آگے ان سب کے اصول مذکور ہیں جن میں طاعات مالیہ کا ذکر مقدم کیا گیا کیونکہ بہت لوگ طاعات بدنیہ میں ہمت والے ہوتے ہیں اور طاعات مالیہ میں ان کا یہ حال ہوتا ہے۔

گر جاں طلبی مضائقہ نیست   گر زر طلبی سخن دریں ست

چنانچہ ارشاد ہے وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ اور دیتا ہو مال اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو علی حبہ کی ضمیر اگر اللہ کی طرف راجع ہو جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو اس علم اخلاق کا بھی ایک اصل عظیم مذکور ہوگا یعنی مال خدا کے راستہ میں محبت الٰہی کی وجہ سے دینا چاہئے۔اس میں ایک تو محبت الٰہی کے حاصل کرنے کی تعلیم ہوئی کہ خدا سے محبت پیدا کرنی چاہئے محض ضابطہ کا تعلق نہ ہونا چاہئے دوسرے اخلاص کی تعلیم اور ریا و ناموری کی ممانعت ظاہر ہوئی کہ مال خرچ کرنے میں کسی کی مدح وثنا و شکریہ وغیرہ کا منتظر نہ ہو بلکہ محض خدا کی محبت اس کا سبب ہونا چاہئے اور اخلاص بھی اخلاق باطنیہ کا ایک بڑا رکن ہے۔

اگر مرجع ضمیر مال ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ ایسا مال جس سے محبت ہو اور دل کو تعلق ہو خدا کے لئے خرچ کر دے اس میں ایک تو خرچ کرنے کا ادب مذکور ہوا کہ اللہ کے واسطے عمدہ مال خرچ کرنا چاہئے ردی مال نہ دینا چاہئے دوسرے علم سلوک کا یہ مسئلہ بھی اشارۃً مذکور ہوا کہ محبت مال جو کہ خلیق ذمیم ہے اس کا علاج یہ ہے کہ جس چیز سے محبت ہو اسی کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دے دو چار بار ایسا کرنے سے حب مال کا مرض جاتا رہے گا۔

ذَوِی الْقُرْبٰی میں تمام قرابت دار داخل ہیں۔بیوی بچے بھی ان میں آ گئے۔جن کا نفقہ مرد پر واجب ہوتا ہے اور دوسرے غریب رشتہ دار بھی آ گئے جن کو کچھ دیتے رہنا اور ان کا خیال رکھنا مستحب ہے۔

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ' اور یتیموں کو بھی دے اور مسکینوں کو بھی دے اور مسافروں کو بھی' یہ سب صدقات نافلہ ہیں کیونکہ زکوٰۃ کا بیان آگے آ رہا ہے۔

اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ طاعات مالیہ کا ذکر طاعات بدنیہ سے کیوں مقدم ہوا۔اس کا جواب تو میں نے دے دیا کہ بعض طبائع میں بخل کا مادہ زیادہ ہوتا ہے وہ طاعات بدنیہ کی ہمت خوب کر لیتے ہیں اور مال دینے سے جان چراتے ہیں اس لئے طاعات مالیہ کو اہتماماً مقدم کر دیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ طاعات مالیہ میں سے صدقہ نافلہ کو صدقہ واجبہ یعنی زکوٰۃ پر کیوں مقدم کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض لوگ خدا تعالیٰ سے ایسا ضابطہ کا تعلق رکھتے ہیں کہ زکوٰۃ مفروضہ کے علاوہ اور کچھ خیرات نہیں کرتے۔اس میں گناہ نہیں مگر ضعف تعلق مع الحق کی دلیل ضرور ہے۔اس لئے حق تعالیٰ نے صدقات نافلہ کو زکوٰۃ سے مقدم فرمایا جس سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ زکوٰۃ واجب ہے وہ تو تم ادا کرو ہی گے لیکن اس کے علاوہ بھی کچھ صدقہ خیرات موقع بموقع کرتے رہنا چاہئے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

دیکھئے اگر کوئی محبوب یا کوئی بادشاہ ہم سے یہ کہہ دے کہ اس موقع میں تم دو روپیہ خرچ کردو تو غور کیجئے اس وقت ہمارے دل کی کیا حالت ہوگی کیا ہم دو روپیہ ہی پر اکتفا کریں گے۔ ہرگز نہیں بلکہ محبوب کو خوش کرنے یا بادشاہ کی نگاہ میں جانثار بننے کے لئے ہم دو کی جگہ دس خرچ کریں گے ورنہ چار تو دے ہی ڈالیں گے اس لئے خدا تعالیٰ سے ضابطہ کا تعلق نہ رکھنا چاہئے۔

اس نکتہ کی وجہ سے صدقات نافلہ کو صدقہ مفروضہ مالیہ سے مقدم کیا بلکہ طاعت بدنیہ یعنی صلوٰۃ سے بھی مقدم کردیا لیکن بعد میں جب زکوٰۃ کا ذکر فرمایا تو نماز کو اس سے مقدم کیا تاکہ یہ معلوم ہو جاوے کہ رتبہ کے اعتبار سے نماز ہی مقدم ہے چنانچہ دیکھ لو ہم نے زکوٰۃ کا ذکر اس کے بعد کیا ہے اور جن صدقات مالیہ کو نماز اور زکوٰۃ سے پہلے بیان کیا ہے وہاں تقدیم کی وجہ محض اہتمام بالشان ہے نہ کہ رتبہ کا زیادہ ہونا رتبہ نماز کا طاعات مالیہ سے بڑھا ہوا ہے اور زکوٰۃ کا رتبہ صدقات نافلہ سے بڑھا ہوا ہے سبحان اللہ خدا تعالیٰ کے کلام میں ہر چیز کے درجہ کا کتنا لحاظ ہے۔ یہی تو باتیں ہیں جن کی وجہ سے بشر کی عقل اس کلام کو دیکھ کر چکراتی ہے کہ اتنی رعایتیں انسان ہرگز نہیں کرسکتا۔

وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ اور مانگنے والوں کو بھی دے اور گردن چھڑانے میں بھی یہ بھی صدقات نافلہ کی ایک فرد ہے اس میں اس قدر تفصیل ضروری ہے کہ دیگر نصوص شرعیہ سے سائلین کا لفظ ان سوال کرنے والوں کے ساتھ مخصوص ہوگیا ہے جو مجبوری کی وجہ سے سوال کرتے ہوں جن کا پیشہ سوال نہ ہوگیا ہو جو لوگ مضبوط ہٹے کٹے سوال کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں ان کو دینا جائز نہیں نہ ان کو سوال کرنا جائز ہے۔

وَفِي الرِّقَابِ اور گردن چھڑانے میں یہ قیدیوں اور غلاموں کے متعلق ہے اور اسی کے حکم میں یہ صورت بھی ہے کہ جو شخص قرض کے اندر بندھا ہوا ہو اس کی اعانت کردی جائے کہ یہ بھی گردن چھڑانے میں داخل ہیں۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ اور نماز کی پابندی کرے اور زکوٰۃ ادا کرے یہاں زکوٰۃ کو نماز سے اصل کے مطابق موخر کردیا جس کا نکتہ اوپر مذکور ہوچکا ہے۔

حقوق العباد کی اقسام

یہاں تک طاعات بدنیہ وطاعات مالیہ کے اصول عظام مذکور ہوئے۔ آگے حقوق العباد کا بیان ہے۔

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا اور وہ لوگ عہد کو پورا کرنے والے ہیں جب عہد کرلیتے ہیں ہرچند کہ حقوق العباد میں بعض حقوق ایسے ہیں جو ایفائے عہد سے مقدم ہیں مثلاً قرض کا ادا کردینا امانت میں خیانت نہ کرنا لیکن اس جگہ حق تعالیٰ نے صرف ایفائے عہد کو بیان فرمایا ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب وہ لوگ ایسے حقوق العباد کو ادا کرتے ہیں جن کا مطالبہ کرنے والا ان سے کوئی بھی نہیں (کیونکہ ایفائے عہد قضاء لازم نہیں گو دیانۃً بعض

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے نزدیک واجب ہے) تو اس سے خود بخود یہ بات معلوم ہوگئی کہ جن حقوق کا مطالبہ کرنے والا موجود ہو ان کو تو ضرور ادا کریں گے اور اسی نکتہ کی وجہ سے مواریث میں وصیت کو دین پر مقدم فرمایا ہے اس سے حقوق العباد کا درجہ معلوم ہوگیا کہ جب حق تعالیٰ کو ان حقوق کا بھی اہتمام ہے جس کا مطالب کوئی نہ ہو تو جن حقوق کا مطالب بھی موجود ہو وہ تو کس قدر قابل اہتمام ہوں اور یہاں بطور مثال کے بعض حقوق کا ذکر فرمایا گیا ہے ورنہ حقوق العباد اور بھی ہیں۔ اگرچہ لوگ فقط مال کو حقوق العباد سمجھتے ہیں۔

صبر کی حقیقت اور اس کے اقسام

آگے اخلاق کا ذکر ہے۔ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اور وہ لوگ صبر کرنے والے ہیں تنگ دستی میں اور بیماری میں اور قتال کے وقت۔

ہر چند کہ اخلاق باطنیہ بہت ہیں لیکن حق تعالیٰ نے ان میں سے اس مقام پر صرف صبر کو بیان فرمایا ہے اور اس کے تین مواقع بیان فرمائے ہیں وجہ اس تخصیص کی یہ ہے کہ صبر ایسی صفت ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد بقیہ اخلاق کا حصول خود بخود ہو جاتا ہے کیونکہ صبر کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ عزیز و قریب کے مرنے پر مستقل مزاج رہے یہ بھی صبر کی ایک فرد ہے لیکن صبر کی حقیقت اس سے عام ہے صبر کے معنی لغت میں حبس کے ہیں۔ یعنی روکنا اور یہی معنی شریعت میں بھی ہیں۔ صرف ایک قید زیادہ ہے یعنی حبس النفس علی ما تکرہ انسان کا اپنے نفس کو اس کی ناگوار بات پر روکنا اور ناگواری کے اقسام پر شرعاً صبر کی تین قسمیں ہیں۔

صبر کی اقسام

۱۔ صبر علی العمل ۲۔ صبر عن العمل ۳۔ صبر فی العمل

صبر علی العمل یہ ہے کہ نفس کو کسی کام پر روک لینا' یعنی اس پر جم جانا اور قائم رہنا مثلاً نماز زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کرنا اور بلا ناغہ ان کو ادا کرتے رہنا۔

صبر فی العمل یہ ہے کہ عمل کے وقت نفس کو دوسری طرف التفات کرنے سے روکنا اور ہمہ تن متوجہ ہو کر کام کو بجالانا' مثلاً نماز پڑھنے کھڑے ہوئے یا ذکر میں مشغول ہوئے تو نفس کو یہ سمجھا دیا کہ بچہ جی اتنی دیر تک تم سوائے نماز یا ذکر کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے پھر دوسرے کاموں کی طرف توجہ کرنا فضول ہے اتنی دیر تک تجھ کو نماز یا ذکر ہی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ جب یہ ملکہ راسخ ہو جاتا ہے تو سب اعمال ٹھیک ٹھیک ادا ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کو فرائض شرعیہ کی پابندی تو نصیب ہے اس لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کو صبر علی العمل کا درجہ حاصل ہے لیکن اعمال کو بجالاتے وقت وہ ان کے آداب و حقوق کی رعایت نہیں کرتے گڑبڑ کر دیتے ہیں جس

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی وجہ یہ ہے کہ ان کو صبر فی العمل حاصل نہیں ہوا۔

تیسری قسم ہے صبر عن العمل یعنی نفس کو ما نہی اللہ عنہ سے روکنا شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے رکنا جن میں سب سے اہم صبر عن الشہوت ہے کہ نفس کے تقاضائے شہوت کو روکا جاوے اور یہ سب سے اہم اس لئے ہے کہ نفس کے دوسرے تقاضے تو ایسے ہیں کہ ان سے اگر نہ روکا جاوے تو بعد میں اس کو خود ہی بہت کلفت ہوتی ہے اور اس کلفت کا خیال کر کے نفس ان تقاضوں سے خود ہی رک جاتا ہے آگے صبر کے چند مواقع جو مہتم بالشان ہیں بیان فرماتے ہیں۔

فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ یعنی وہ صبر کرتے ہیں باساء میں اور ضراء میں اور باس کے وقت ان الفاظ کی تفسیر مفسرین نے اس طرح کی ہے کہ باساء سے فقر و تنگدستی مراد ہے اور ضراء سے بیماری اور باس سے حرب لیکن عموم الفاظ پر نظر کر کے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ باساء سے تو فقر و تنگدستی ہی مراد ہو جس کا حاصل یہ ہوگا کہ فقر و تنگدستی میں صبر کرے یعنی خدا پر نظر رکھے مخلوق کے مال و دولت پر نظر نہ کرے نہ ان سے کچھ توقع رکھے اس میں قناعت و توکل کی تعلیم ہو گئی۔

اور ضراء سے مطلق بیماری مراد ہو خواہ ظاہری ہو یا باطنی ظاہری مرض میں تو صبر یہ ہے کہ لوگوں سے شکایت نہ کرتا پھرے خدا سے دل میں تکدر نہ ہو اس میں تسلیم و رضا کی تعلیم ہو گئی اور باطنی بیماریوں میں صبر یہ ہے کہ امراض قلبیہ کے مقتضا پر عمل نہ کرے۔ اور ہمت سے ان کا مقابلہ کرے۔ مثلاً کسی میں شہوت بالنساء یا بالرجال کا مرض ہے تو اس کے مقتضاء پر عمل نہ کرے اور ہمت کر کے عورتوں اور امردوں کی طرف نگاہ نہ اٹھائے۔ ان سے اختلاط نہ کرے بلکہ بعد اختیار کرے اسی طرح بخل کا مرض ہو تو اس کے مقتضاء پر عمل نہ کرے بخلاف خدا کے راستہ میں مال خرچ کر دیا کرے وعلی ہذا تمام امراض کو اسی پر قیاس کر لیا جاوے۔

اور باس سے مراد مطلق شدت و پریشانی ہو تو یہ تعمیم بعد تخصیص کے ہو جائیگی۔ یعنی فقر و فاقہ اور امراض ظاہریہ و باطنیہ میں بھی ہمت سے کام لے اور اسی طرح جو پریشانی بھی لاحق ہو اس میں مستقل مزاج رہے جس کا ایک فرد صبر عند الحرب بھی ہے کہ جہاد کے وقت لڑائی میں ثابت قدم رہے پس اب صبر کا حاصل یہ ہوا کہ موحد کامل بن جانا چاہئے جس کی یہ شان ہوتی

موحد چہ برپائے ریزی زرش ۔۔۔ چہ فولاد ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس ۔۔۔ ہمیں ست بنیاد توحید و بس

جب مقام صبر کامل ہو جاتا ہے تو توحید بھی کامل ہو جاتی ہے ان تمام اجزاء شریعت کو بیان فرما کر آگے نتیجہ کے طور پر فرماتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ یہی لوگ ہیں جو صادق ہیں اور یہی

(c) ketabton.com: The Digital Library

لوگ متقی ہیں یہ جملہ گویا بمنزلہ مہر کے ہے کہ سارا مضمون بیان فرما کر اخیر میں مہر لگادی کہ یہی لوگ صادق و متقی ہیں چونکہ تفصیل سابق سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اس آیت میں جو اوصاف مذکور ہیں وہ تمام اجزاء دین کو جامع ہیں تو اب جملہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ' سے یہ مسئلہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ صادق و متقی کامل فی الدین کو کہتے ہیں اور یہ کہ تقویٰ وصدق کمال فی الدین کا نام ہے لہٰذا آیت مذکورہ میں جو میں نے دعویٰ کیا تھا کہ اتقوا اللہ وکونوا مع الصدقین کے یہ معنی ہیں اکملوا فی الدین وکونوا مع الکاملین ' یہ دعویٰ بالکل بے غبار ہو گیا اور قرآن ہی سے اس دعویٰ کی تائید مل گئی۔ (اور ظاہر ہے کہ جس تفسیر کی تائید قرآن کی دوسری آیتوں سے ہو جائے وہ زیادہ اولیٰ ہے)

کامل بننے کا طریقہ

معنے آیت کے یہ ہوئے کہ اے مسلمانوں دین میں کامل ہو جاؤ جس کا طریقہ بھی آگے بتلاتے ہیں کہ دین میں کامل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ کاملین کے ساتھ ہو جاؤ' صاحبو جو طریقہ کمال حاصل کرنے کا حق تعالیٰ نے بتایا ہے واللہ کوئی سالک کوئی محقق ہرگز نہیں بتلا سکتا یہ بات کسی کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی کہ کاملین کی معیت سے بھی کمال حاصل ہو سکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کاملین کی معیت ہی معیت حصول کمال کے لئے کافی ہے ممکن ہے بعض لوگ یہی سمجھے ہوں مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص سالہا سال کاملین کے ساتھ رہے اور خود کچھ نہ کرے تو اس کو کمال حاصل نہیں ہو سکتا حقیقت یہ ہے کہ اصل طریق تو کمال فی الدین حاصل کرنے کا یہ ہے کہ کہ اعمال میں کمال حاصل کرو' اعمال میں کمال حاصل کرنا یہ ہے کہ طاعت کو بجا لاؤ اور معاصی سے اجتناب کرو چنانچہ آیت لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ الخ میں انہی اعمال کو بر کافی فرمایا ہے اور ان کو بیان فرمایا کہ ان لوگوں کو متقی اور صادق ہونا بتلایا ہے جو ان اعمال کو اختیار کئے ہوئے ہیں جس سے اعمال پر مدار کمال ہونا بخوبی ظاہر ہے۔

صادق کے معنی وتفسیر

اس آیت میں صدق سے مراد محض زبان سے سچ بولنا نہیں ہے کہیں لوگ یہ نہ سمجھیں کہ جس صدق کو کمال دین بتلایا ہے وہ تو ہم کو حاصل ہے کیونکہ ہم سچ بولتے ہیں پس سمجھ لیجئے کہ صدق کے معنی پختگی کے ہیں اور اسی سے ولی کامل کو صدیق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ تمام احوال وافعال واقوال میں مرتبہ رسوخ حاصل کر چکا ہے صدق کے معنی جو اصلاح لغاۃ وبلغاء میں بیان کئے گئے ہیں مطابقة الخبر للمحکی عنه' یہ معنی اصطلاح شرعی سے خاص ہیں شریعت میں صدق عام ہے افعال کو بھی اقوال کو بھی۔ احوال کو بھی

اقوال کا صدق تو یہی ہے کہ بات پکی ہو یعنی واقع کے مطابق ہو کچی بات نہ ہو جو کہ واقع کے خلاف ہو

(c) ketabton.com: The Digital Library

جو شخص اس صفت سے موصوف ہو اس کو صادق الاقوال کہتے ہیں۔

افعال کا صدق یہ ہے کہ ہر فعل مطابق امر ہو حکم شرعی کے خلاف نہ ہو پس جس شخص کے افعال ہمیشہ شریعت کے موافق ہوں اس کو صادق الافعال کہا جاتا ہے۔

احوال کا صدق یہ ہے کہ وہ سنت کے موافق ہوں۔ پس جو احوال خلاف سنت ہوں وہ احوال کاذبہ ہیں اور جس شخص کے احوال وکیفیات سنت کے موافق ہوتے ہوں اس کو صادق الاحوال کہتے ہیں۔

نیز صدق احوال کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ احوال ایسے ہوں جن کا اثر صاحب حال پر باقی رہے یہ نہ ہو کہ آج ایک حالت پیدا ہوئی پھر زائل ہو گئی اور اس کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہا جیسا کہ بعض لوگوں کو کسی وقت خوف کا یا توکل کا غلبہ اپنے اوپر معلوم ہوتا ہے لیکن بعد میں اس کا کچھ بھی اثر نہیں رہتا اس کو صادق الاحوال نہ کہیں گے یہ مطلب نہیں کہ احوال کا غلبہ ہمیشہ رہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کا اثر ہمیشہ رہنا چاہئے کہ جو حالت طاری ہو وہ بعد میں مقام ہو جائے اس میں سالکین کو بہت دھوکا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ وہ محض وہم سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم کو تسلیم ورضا یا توکل ورجا کا حال حاصل ہے مگر تھوڑے عرصہ کے بعد اس کا کچھ بھی اثر نہیں رہتا جس سے اس حالت کا ان کا وہم ہونا ظاہر ہو جاتا ہے غرض صدق شریعت میں صرف اقوال کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے اور اس کے نہ سمجھنے سے بہت سے اغلاط میں ابتلا ہو جاتا ہے۔

اب ایک بات یہ رہ گئی کہ جب تقویٰ اور صدق دونوں کا کمال دین ہونا ثابت ہو گیا تو سوال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں تقویٰ کا ذکر مقدم اور صدق کو مؤخر کیوں کیا گیا کیونکہ آیت کا مقصود تو اس طرح بھی حاصل ہو سکتا ہے کہ یوں فرما دیتے یایھا الذین امنوا صدقوا و کونوا مع المتقین.

اس کے بھی وہی معنی ہوئے کہ اے مسلمانو! دین کامل حاصل کرو اور کاملین کے ساتھ رہو جب یہ مضمون صدق کو مقدم اور تقویٰ کو مؤخر کرنے سے بھی حاصل ہو سکتا تھا تو پھر تقویٰ کو مقدم کیوں کیا گیا ہے؟

میرے نزدیک اس میں نکتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیات قرآنیہ کے تتبع سے تقویٰ کے تو درجات چند در چند معلوم ہوتے ہیں اور صدق کے درجات مختلف نہیں بلکہ اس کا ایک درجہ متعین ہے۔

عورتوں اور مردوں کو حکم مشترک

جس طرح مردوں کو کمال دین حاصل کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا حکم فرمایا ہے وہ حکم عورتوں میں بھی مشترک ہے گو خطاب صیغہ کے اعتبار سے بظاہر مردوں کو ہے۔ لیکن حکم مشترک ہے۔ پس کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ حق تعالیٰ کو مردوں ہی کی طرف توجہ ہے عورتوں کا اعتناء نہیں ہے یہ وہم پہلے بھی ہو چکا ہے اور منشاء اس وہم کا محبت ہے حدیث میں آتا ہے کہ ازواج مطہرات میں سے کسی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں دیکھتی ہوں

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ حق تعالیٰ احکام میں مردوں ہی کا ذکر فرماتے ہیں ہمارا (یعنی عورتوں کا) ذکر نہیں فرماتے ازواج مطہرات کو یہ خیال اس لئے بھی ہوا کہ وہ صاحب زبان تھیں عربی زبان کو خوب سمجھتی تھیں اور عربی میں مذکر و مونث کے لئے جدا جدا صیغے استعمال کئے جاتے ہیں تو ان کو تمام احکام میں مذکر صیغے دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ حق تعالیٰ ہم کو خطاب نہیں فرماتے نہ ہمارا ذکر فرماتے ہیں اور ہماری مستورات تو عربی زبان حاصل ہی نہیں کرتیں اور یہ بھی ایک بڑی کمی ہے جس کا افسوس ہوتا ہے کیونکہ پہلے زمانہ میں عورتیں بھی مثل مردوں کے عربی کی تحصیل کرتی تھیں تو عربی زبان سے ناواقف ہونے کے سبب مذکر و مونث کے صیغوں کا فرق وہ نہیں سمجھ سکتیں اور اگر ترجمہ پڑھیں گی تو اس میں ان صیغوں کا اردو ترجمہ نظر سے گزرے گا اور اردو میں خطاب میں صیغہ مردوں و عورتوں میں مشترک ہے دونوں کے لئے الگ الگ صیغہ موضوع نہیں مثلاً واتقین اللّٰہ واتقوا اللّٰہ کا ترجمہ یکساں ہوگا دونوں جگہ اردو میں یہی بولتے ہیں کہ خدا سے ڈرو خواہ اس کے مخاطب مرد ہوں یا عورتیں اس لئے اوامر و نواہی کے صیغوں میں وہ ترجمہ دیکھ کر یہ نہیں سمجھ سکتیں کہ یہ خطاب خاص مردوں کو ہے لیکن پھر بھی بعض جگہ اردو ترجمہ سے بھی مردوں کی تخصیص سمجھ میں آسکتی ہے مثلاً یا یھا الناس کا ترجمہ ہے اے لوگو اور یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا ترجمہ اے ایمان والو یہ لفظ اردو میں بھی مردوں کے لئے مخصوص ہے عورتوں کو اے لوگوں یا اے ایمان والو کہہ کر ندا نہیں کر سکتے بلکہ اگر ان کو خطاب خاص ہوگا تو اے عورتو! اے ایمان والیو کہا جائے گا پس ہر چند کہ اوامر و نواہی کے صیغوں میں ترجمہ دیکھ کر ان کو تخصیص رجال کا وہم نہیں ہوسکتا مگر ندا کے صیغوں میں ان کو بھی وہم ہوسکتا ہے اور ازواج مطہرات تو اس فرق کو خطاب کے مواقع میں بھی سمجھتی تھیں اس لئے ان کو غایت محبت کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ہائے اللہ تعالیٰ ہم کو خاص طور پر خطاب نہیں فرماتے جیسا مردوں کو خطاب فرماتے ہیں دیکھئے وہ عورتیں کیسی تھیں اللہ اکبر ان کا کیسا مذاق تھا اگر آج کل کی عورتوں جیسی وہ سست اور کم ہمت اور کام چور ہوتیں تو یوں سمجھتیں کہ اچھا ہوا ہم ان احکام سے بچ گئے کیونکہ ان میں تو خاص مردوں کو مخاطب بنایا گیا ہے مگر اس زمانہ میں مستورات کو اس کا وہم بھی نہیں ہوا کہ یہ احکام ہمارے لئے نہیں ہیں بلکہ وہ خوب سمجھتی تھیں کہ احکام سب کو عام ہیں (بجز چند مخصوص باتوں کے جن کا مردوں کے ساتھ خاص ہونا دوسرے دلائل سے ان کو معلوم ہو گیا تھا اور ایسی خصوصیت عورتوں کے لئے بھی ہے کیونکہ بعض احکام صرف عورتوں ہی کے لئے مخصوص ہیں مردوں کے لئے نہیں ہیں ان کے علاوہ بقیہ احکام میں جن کا کسی کے لئے خاص ہونا دلائل سے معلوم نہ ہوا تھا انہوں نے یہی سمجھا کہ مردوں اور عورتوں سب کے لئے مشترک ہیں گو لفظاً خطاب خاص مردوں کو کیا گیا ہے ۱۲) اور عموم احکام پر نظر کر کے پھر ان کو یہ تمنا ہوئی کہ جب یہ احکام سب کو عام ہیں تو ان میں ہمارا تذکرہ بھی ہوتا تو اچھا تھا ان کے دل نے اس کو گوارا نہ کیا کہ اللہ تعالیٰ تمام احکام میں مردوں کے واسطہ ہی سے ان کو خطاب فرمادیں۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ کبھی کبھی ہم کو مردوں سے جدا کر کے بھی خطاب

(c) ketabton.com: The Digital Library

فرمادیا کریں اور وجہ اس تمنا کی یہ تھی کہ ان کو خدا تعالیٰ سے محبت تھی (اور عاشق کا دل چاہا کرتا ہے کہ اس کا تذکرہ کبھی تو محبوب کی زبان پر آ جایا کرے۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے ۱۲ جامع)

خدا تعالیٰ کا کسی کو اپنے احکام کا مخاطب بنانا ایک بڑا شرف ہے جو مردوں کو حاصل تھا تو ازواج مطہرات کو اس کی تمنا ہوئی کہ اس شرف سے ہم بھی محروم نہ رہیں۔

غرض وہ عورتیں دین کی عاشق تھیں وہ اپنے اوپر بوجھ لادنا چاہتی تھیں وہ یہ نہ چاہتی تھیں کہ ہم احکام کے مخاطب نہ بنیں تو اچھا ہے کیونکہ ان کو دین کے ثمرات پر اطلاع تھی اور وہ جانتی تھیں کہ دین کے ثمرات ایسے ہیں کہ ان کے لئے محنت کرنا کوئی چیز نہیں اسی پر یہ آیات نازل ہوئی فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ یعنی احکام میں کسی کی کچھ تخصیص نہیں جو کوئی بھی عمل کرے مرد ہو یا عورت سب کو اجر ملے گا۔ اور کسی کا عمل ضائع نہ ہوگا۔ باقی رہی خصوصیت خطاب کی وجہ سو وہ یہ ہے بعضکم من بعض' کہ تم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو پس حکم بھی دونوں کا یکساں ہے اس لئے ضرورت جدا خطاب کرنے کی نہیں اس کے بعد بعض جگہ خاص عورتوں کو بھی خطاب کیا گیا ہے جیسے يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ ۚ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ الخ' میں دور تک ازواج مطہرات کو خطاب ہے اور وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ میں سب مسلمان عورتوں کو ایک خاص حکم کا مخاطب بنایا گیا ہے اس سے اس وہم کا ازالہ من کل الوجوہ ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ مردوں کی طرح حق تعالیٰ کو عورتوں پر بھی عنایت ہے اور بعض جگہ مذکر و مونث کے دونوں صیغے مخلوط لائے گئے ہیں۔

قرآن اور ذکر نسواں

چنانچہ اس آیت میں إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

ترجمہ: بے شک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے

(c) ketabton.com: The Digital Library

والی عورتیں اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے اس آیت میں مردوں اور عورتوں دونوں کا ذکر دوش بدوش کیا گیا ہے (اور عورتوں کی تمنا کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس جگہ صرف عورتوں ہی کا ذکر ہوتا' مردوں کا ذکر ان کے ساتھ مخلوط نہ کیا جاتا مگر اس خلط میں اشارہ ہو گیا جواب کی طرف چونکہ اکثر احکام مردوں اور عورتوں میں مشترک ہیں چنانچہ یہی احکام دیکھ لو کہ ان میں کسی کی کچھ تخصیص نہیں اس لئے عورتوں کا ذکر جدا کرنے کی ضرورت نہیں جو احکام مردوں کے لئے ہیں وہی عورتوں کے لئے ہیں ۱۲ جامع)

رہی یہ بات کہ ہر جگہ ایسا ہی کیوں نہ کیا گیا جیسا اس آیت میں دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے اس کی دو وجہ ہیں ایک وجہ تصحیح کی' اور ایک وجہ ترجیح کی تصحیح کی وجہ تغلیب ہے تغلیب کے معنے یہ ہیں کہ ایک نوع کو دوسری نوع پر غلبہ دے کر ایک کو ذکر کر کے دونوں کا ارادہ کر لیا جائے ۱۲ جامع) مثلاً باپ ماں کو والدین یا ابوین کہا کرتے ہیں اسی طرح اہل عرب چاند اور سورج کو قمرین کہہ دیتے ہیں حالانکہ ابوین کا لفظی ترجمہ ہے دو باپ اور قمرین کا ترجمہ ہے دو چاند ظاہر میں باپ ماں کو ابوین کہنا غلط معلوم ہوتا ہے ان کو اب وام کہنا چاہئے اسی طرح چاند اور سورج کو قمرین کہنا بھی بظاہر غلط ہے ان کو شمس وقمر کہنا چاہئے۔ لیکن چونکہ اس طرح عبارت طویل ہو جاتی ہے اس لئے اہل زبان اب وام کی جگہ تغلیباً بغرض اختصار ابوین اور شمس وقمر کی جگہ قمرین کہہ دیتے ہیں اسی طرح اگر قرآن میں مردوں اور عورتوں کے لئے جدا جدا صیغہ استعمال کیا جاتا تو کلام میں طول ہو جاتا اس لئے تغلیباً صیغہ مذکر ہی میں مونث کو بھی داخل کر لیا گیا جس سے کلام میں اختصار پیدا ہو گیا البتہ ایک دو جگہ عورتوں کے وہم مذکور کو دفع کرنے کے لئے ان کے واسطے جدا صیغے بھی استعمال کئے گئے تاکہ ان کی تسلی ہو جائے اور اتنی مقدار سے ایجاز کلام بھی فوت نہیں ہوتا۔

درجات مرد وزن

اور ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں تابع ہیں مردوں کی ہر طرح سے خلقت کے اعتبار سے بھی چنانچہ آدم علیہ السلام کے ایک جزو سے حوا علیہا السلام کی پیدائش ہوئی ہے۔

یعنی حق تعالیٰ نے ان کی بائیں پسلی میں سے کوئی مادہ نکالا پھر اس مادہ سے حوا علیہا السلام کو پیدا کیا جس کا اثر یہ ہے کہ عورتیں عموماً مردوں سے خلقۃً کمزور ہوتی ہیں ان کے تمام قویٰ جسمانی اور دماغی مردوں کے برابر نہیں ہوتے نیز تربیت کے اعتبار سے بھی وہ مردوں کے تابع ہیں چنانچہ کمانا اور کھیتی کرنا تجارت کرنا محنت و مشقت کے کام کرنا مردوں کے متعلق ہے اور پکانا کھانا عورتوں کے متعلق ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی اصل یہ ہے کہ وہ پردہ دار ہوں اور تعلقات انتظامیہ کے لئے پردہ مانع ہے اس لئے امور انتظامیہ ان کے متعلق نہیں ہو سکتے انتظام کا تعلق مردوں ہی سے ہو سکتا ہے اس وجہ سے تمام تر تعلق انتظام کا مردوں کے سپرد کیا گیا پس جہاں دیگر انتظامات ان کے متعلق ہیں وہاں عورتوں کی اصلاح کا انتظام بھی مردوں کے سپرد کیا گیا اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

جب مردوں کے متعلق عورتوں کی اصلاح کا انتظام ہے تو وہ ان کے سردار ہوئے اور یہ قاعدہ ہے کہ سلطنت کی طرف سے جو احکام صادر ہوا کرتے ہیں ان کے مخاطب سردار ہوتے ہیں رعایا کو مخاطب نہیں کیا جاتا نہ اس کی کچھ ضرورت سمجھی جاتی ہے کیونکہ لوگ خود سمجھ لیں گے کہ جب سرداران احکام کے مخاطب ہیں تو چھوٹے بھی ان کے ساتھ ضرور شریک ہیں پھر سردار اپنے ماتحت لوگوں کو ان احکام کی اطلاع بھی کر دیتے ہیں اور ان سے کام بھی لیتے ہیں اسی طرح قرآن میں اکثر مردوں کو احکام کا مخاطب بنایا گیا ہے چونکہ وہ عورتوں پر سردار ہیں تو ان کے مخاطب ہونے سے عورتوں کا ان احکام میں شریک ہونا خود سمجھ میں آ جاتا ہے پھر مردوں کے ذمہ ہے کہ عورتوں کو احکام سے بھی اطلاع کریں اور ان سے کام بھی لیں۔

کیونکہ سرداروں کے ذمہ یہ کام ہمیشہ ہوتا ہے کہ اپنے ماتحت لوگوں کو احکام سلطنت سے مطلع کرتے رہیں اور ان سے کام لیں اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو ان سے بھی باز پرس ہوگی افسوس ہے کہ آج کل مردوں نے یہ بات تو یاد کر لی ہے کہ ہم عورتوں کے سردار ہیں مگر ان کو یہ خبر نہیں کہ سردار کے فرائض کیا ہوتے ہیں وہ نہ تو عورتوں کو احکام سے مطلع کریں اور مطلع کریں کس طرح' سردار صاحب کو خود ہی خبر نہیں اور نہ ان سے کام لیں یعنی جن کو احکام معلوم بھی ہیں اور وہ عورتوں کو احکام سے مطلع بھی کرتے ہیں اور اس کی نگہداشت نہیں کرتے کہ ہمارے گھروں میں ان احکام پر عمل بھی ہو رہا ہے یا نہیں' غرض جو احکام ایسے ہیں جن میں اشتراک کی خاصیت ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ ان میں مردوں کو خطاب کافی ہے۔

دین وخواتین

اس تمہید کے بعد یہ بات سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ اس آیت میں جو کہ میں نے اس وقت تلاوت کی تھی جس طرح حق تعالیٰ نے مردوں کو تکمیل دین کا حکم فرمایا ہے اسی طرح وہ حکم عورتوں کے لئے بھی ہے اور جو طریق کمال دین کے حاصل کرنے کا مردوں کے لئے اس میں مذکور ہے وہ طریق عورتوں کے لئے بھی ہے پس حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

ترجمہ: اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو (خدا سے ڈرو) اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ

یہ تو اس آیت کا ترجمہ ہے اور پہلے بیان میں اس بات کو اچھی طرح ثابت کر دیا گیا ہے کہ تقویٰ اور صدق سے کمال دین مراد ہے۔

پس حاصل یہ ہوا کہ اے مسلمانو! دین میں کمال حاصل کرو اور کاملین کے ساتھ رہو پس اس میں اولاً حق تعالیٰ نے تکمیل دین کا حکم فرمایا ہے پھر اس کا طریق بتلایا ہے کہ دین میں کامل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ راسخ فی الدین ہیں ان کی صحبت حاصل کرو' (احقر جامع عرض کرتا ہے کہ اس آیت سے اشارۃً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جب تک دنیا میں قرآن اور اسلام کا وجود ہے اس وقت تک ہر زمانہ میں کاملین کا بھی وجود ضرور

(c) ketabton.com: The Digital Library

رہے گا کیونکہ جب تک دنیا میں قرآن ہے اس وقت تک ہر شخص اس آیت کا مخاطب ہے اور اس آیت میں کمال دین کا طریقہ صحبت کاملین بتلایا گیا ہے بصورت امر جس کا امتثال بدوں تحقق کاملین کے نہیں ہو سکتا اور اوامر شرعیہ کے لئے متعذر الامتثال ہونا خلاف اصل ہے اس لئے یہ مدعیٰ ثابت ہو گیا کہ ہر زمانہ میں کاملین کا وجود ضرور رہے گا گو وہ قلیل ہی ہوں پس جو لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ صاحب آج کل اہل کمال کہاں ہیں اب تو کمال کا حاصل ہونا دشوار ہے۔ یہ آیت اشارۃً پر رد کرتی ہے فافہم ۱۲ جامع) کیونکہ کاملین کی صحبت سے اعمال میں سہولت بھی ہوتی ہے اس طرح سے کہ ان کی برکت سے تقاضائے نفس مضمحل ہو جاتا ہے جو کہ اکثر اعمال میں مزاحم ہوتا ہے نیز ان کی صحبت سے طریق عملی بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کس عمل کو کس طرح ادا کرنا چاہئے یہ بات محض مسائل جاننے سے حاصل نہیں ہوتی جب تک کسی کو عمل کرتے ہوئے نہ دیکھا جاوے اور یہ بات کچھ دین ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دنیوی کاموں میں بھی طریق عمل معلوم کرنے کے لئے اہل کمال کی صحبت ضروری ہے اگر کوئی شخص یوں چاہے کہ محض کتاب دیکھ کر قسم قسم کے کھانے پکانے سیکھ لے تو ایسا نہیں ہو سکتا جب تک وہ کسی ماہر فن سے ہر کھانے کی ترکیب عملی نہ سیکھے گا۔ اس وقت تک بھی اس کو کھانا پکانے کا طریقہ معلوم نہ ہوگا اور اگر کسی نے کتاب دیکھ کر عمل شروع بھی کر دیا تو اس کو قدم قدم پر دشواریاں پیش آئیں گی چنانچہ جب چاہے اس کا تجربہ کر لیا جائے اور یہی حال ہر عمل کا ہے کہ محض ترکیب جان لینے سے کسی عمل میں کمال حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ استاد سے سیکھنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: اور کیا ان کو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں مگر پھر بھی باز نہیں آتے اور نہ کچھ سمجھتے ہیں۔

تفسیری نکات

شامت گناہ

مگر لوگ اس قسم کے مصائب کو یہ نہیں سمجھتے کہ یہ فلاں گناہ کی سزا ہے چنانچہ اکثر ایسے وقت کہا کرتے ہیں کہ معلوم نہیں کون سا گناہ ہوا تھا جس کے سبب یہ تکلیف جھیلنی پڑی اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ تکلیف گناہ کے سبب ہوا کرتی ہے مگر تعجب صرف اس پر ہے کہ کونسا گناہ ہم سے ہو گیا تھا مجھے لوگوں

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے اس تعجب ہی پر تعجب ہے کیوں کہ ہم میں وہ ایسا کون ہے کہ ہر وقت کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا نہیں رہتا اور جب ہر وقت گناہ میں مبتلا رہیں تو تعجب تو آفات میں مبتلا نہ ہونے پر کرنا چاہئے تھا بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ گناہ کرنے سے دنیا کی بھی پریشانی ہوتی ہے اور آخرت کی الگ رہی اب خدا تعالیٰ کی رحمت کو دیکھئے کہ فرماتے ہیں کہ اس مضرت سے بچو وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑو) آپ نے دیکھا کہ کتنی بڑی مضرت سے خدا تعالیٰ نے بچایا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس میں سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

رؤف رحیم کا مفہوم

اس آیت جو حق تعالیٰ شانہ دو لفظ ارشاد فرمائے رؤف کا مصدر ہے رافت جس کے معنی ہیں شدت رحمت اور شدت ایک کیفیت ہے تو اس میں مبالغہ کیفاً ہے اور رحیم میں بھی مبالغہ ہے اور بوجہ تقابل کے شاید اس میں ہو کماً پس مجموعہ کا حاصل یہ ہوا کہ آپ میں رحمت کیفاً بھی زیادہ ہے اور کماً بھی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوۡرَةُ يُونُس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوۡا بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَاطۡمَاَنُّوۡا
بِهَا وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوۡنَ ۙ﴿۷﴾ اُولٰٓئِكَ مَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ
بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۸﴾
ترجمہ: جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں (آخرت کی طلب اصلا نہیں کرتے) اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں (آئندہ کی کچھ خبر نہیں) اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔

تفسیری نکات

چار افعال پر لتاڑ

اب وہ باتیں بھی سن لیجئے جن پر اس آیت میں لتاڑا گیا ہے فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایسے ہیں کہ ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں رکھتے سو اس سے تو ہم بری ہیں لیکن اس سے بے فکری نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے نہ ہونے سے گو سزا کم ہو لیکن ہو گی تو ضرور اور دوسری بات یہ فرمائی کہ وَرَضُوۡا بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَاطۡمَاَنُّوۡا بِهَا وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوۡنَ کو جو حیواۃ الدنیا پر راضی ہیں اور اس پر مطمئن ہو گئے ہیں اور جو ہمارے احکام سے غافل ہیں یہ کل چار چیزیں ہیں ان پر فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ مَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ ترجمے سے معلوم ہوا ہو گا کہ چار پر سزا ہے تو ان چاروں کا مذموم ہونا ثابت ہوا اور احتمال نہ کیا جائے کہ شاید مجموعہ پر یہ سزا ہو گی اور ہم مجموعہ سے بری ہیں کیونکہ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا یہ جزو ہم میں نہیں پایا جاتا سو بات یہ ہے کہ یہاں اول تو اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

احتمال کی کوئی دلیل نہیں اور عطف بالواو میں ہی ہر واحد بھی مقصود بالافادہ ہوتا ہے۔ اور شاید اس سے بے فکری ہو نہیں سکتی دوسرے اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی لا یرجون پر اکتفا نہ کرنا اور دوسرے اعمال کا بھی ذکر کرنا ظاہر ہے کہ عبث تو نہیں ہے اور اگر ان کو حکم جزی میں کچھ دخل نہ ہو تو محض عبث ہونا لازم آئے گا پس سب دخل ہوا پس سب کا مذموم اور مؤثر فی الحفو ہونا ثابت ہو گیا ان چار چیزوں میں سے ایک تو یقیناً ہم میں نہیں ہے اس دفعہ سے تو ہم یقیناً بری ہیں اور ایک میں شبہ ہے یعنی اخیر کا جرم اس میں شک ہے کہ ہم میں ہے یا نہیں کیونکہ اس کی تفسیریں دو ہیں ایک تو یہ کہ عقیدہ نہیں اس لئے غفلت ہے اور التفات نہیں ہوتا اس سے تو ہم بچے ہیں یا مطلق غفلت مراد ہو تو اس میں ہم مبتلا ہیں رہے بیچ کے دو جرم ان میں ہم یقیناً مبتلا ہیں اور وہ دونوں ایک ہیں مگر قدرے تفاوت ہے یعنی ایک تو مرتبہ عقل کا ہے اور ایک مرتبہ طبع کا کیونکہ رضا تو امر عقلی ہے اور اطمینان امر طبعی ہے تو بعض دفعہ تو ایک فعل کو عقلاً پسند کرتا ہے مگر دلچسپی نہیں ہوتی جیسے کڑوی دوا یا شہادت کے لئے سفر کہ عقلاً تو پسند ہے مگر اس کے ساتھ دلچسپی نہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دلچسپی تو ہوتی ہے مگر عقلاً ناپسند کرتا ہے جیسے زنا وغیرہ غرض کبھی رضا ہوتی ہے اور اطمینان نہیں ہوتا اور کبھی بالعکس لیکن وہ حالت نہایت سخت ہے کہ رضا اور اطمینان دونوں ہوں تو کفار کو تو علی العموم یہ بات ہے مگر اکثر مسلمانوں کو ہے چنانچہ پسند کی تو کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر دنیا اور دین میں تزاحم ہو جیسے مقدمات میں یا رشوت لینے میں یا جیسے بعضوں کے پاس زمینیں دبی ہوئی ہیں تو ان سب کو جانتے ہیں کہ گناہ ہے مگر دل سے پسند ہے کہ جی برا نہیں ہوتا بلکہ جب ان کی اصلاح کی رائے دی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ ریاست کے معاملے میں ناصح کیا جانیں غرض عقل سے پسند کرتے ہیں اور ترجیح دیتے ہیں اگرچہ عقیدہ ایسا نہیں ہے۔

رضا بالدنیا سے بہت کم لوگ خالی ہیں

خلاصہ یہ کہ رضا بالدنیا کی ان خرابیوں سے بہت کم لوگ خالی ہیں حتیٰ کہ مولوی اور درویش بھی اور مولویوں اور درویشوں سے ایسا ہونا زیادہ برا ہے کیونکہ یہ دھوکہ دے کر کماتے ہیں مگر ہر جماعت میں کچھ لوگ مستثنیٰ بھی ہیں دنیا داروں میں بھی اور دینداروں میں بھی یہ تو رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا تھا آگے فرماتے ہیں وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا کہ دنیا میں جی بھی لگایا اور دنیا ان کے دل میں گھس گئی اس کا ازالہ ذرا مشکل ہے دنیا سے تو دل گھبرانا چاہئے مگر ہر مسلمان بتلائے کہ روزانہ کتنی مرتبہ دنیا میں رہنے سے اس کا جی گھبراتا ہے اور کب وحشت ہوتی ہے ہاں اگر وحشت ہوتی ہے تو آخرت میں جانے سے ہوتی ہے حالانکہ دنیا سے وہ تعلق ہونا چاہئے کہ جو مظفر نگر کی سرائے سے کہ اگرچہ وہاں سارے کام کرنے ہوتے ہیں مگر دل جلال آباد میں پڑا رہتا ہے۔ اس کا مطلب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مولوی دنیا چھڑاتے ہیں یہ بالکل غلط ہے بلکہ مولوی یہ کہتے ہیں کہ دنیا سے سرائے کا تعلق رکھو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

رضا بالدنیا کا حکم

جو امور اس آیت میں بیان کیے گئے ہیں اگر چہ سارے ہمارے اندر موجود نہ ہوں مگر بعض کا پایا جانا محقق ہے گو کفار کی برابر نہ پائے جاتے ہوں چنانچہ آیت کے جزو اول یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا' سے تو مسلمان بے شک بری ہیں کیونکہ حق سبحانہ تعالیٰ کی لقا کا تو ہر مسلمان کو اعتقاد ہے یہ جزو تو بحمد للہ تعالیٰ مسلمانوں میں ہے۔ نہیں' مگر دوسرا جزو یعنی رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا' تو موجود ہے گو کفار سے کم درجہ میں ہو مگر ہے ضرور اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ جس رضا بالدنیا پر وعید ہے شاید یہ مشروط بعدم رجاء اللقاء یعنی مشروط بالکفر ہو پھر مسلمان اس کا مورد نہ ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ذوق لسان کے بالکل خلاف ہے ہر اہل لسان سن کر یہی سمجھے گا کہ ان اعمال کی بھی تقبیح مقصود ہے بلا شرط اقتران بالکفر کے آگے ارشاد ہے وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا یہ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا کی تفسیر ہے اور عجیب پر شفقت موقعہ ہے تفسیر کا کیونکہ رضا بحیات دنیا انسان کا امر طبعی ہے جو اختیار میں نہیں اگر مطلق رضا بحیات دنیا معصیت ہوتی تو کوئی فرد انسانی بھی اس سے نہ بچ سکتا کیونکہ دنیا کی زندگی سے کون راضی نہیں اس لئے ضرورت واقع ہوئی تفسیر کی اگر تفسیر ساتھ کے ساتھ نہ ہوتی تو اس آیت سے لوگوں کی کمر ٹوٹ جاتی پس شفقت اسی میں ہے کہ ساتھ کے ساتھ تفسیر کر دی جائے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا۔ اس قید کے بڑھانے سے معلوم ہو گیا کہ رضا بحیات دنیا معصیت و مذموم وہ ہے جس کے ساتھ اطمینان بھی ہو ورنہ معصیت نہیں کیونکہ یہ تو امر طبعی ہے چنانچہ ایک اور آیت میں اس کی تصریح ہے قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ الخ' یعنی آپ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں تمہارے قبیلے اور تمہارے وہ اموال جن کو تم نے حاصل کیا ہے اور وہ تجارت جس کے مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو اور وہ مکان جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کے راستہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہوں الخ' یہاں وعید اس پر ہے کہ یہ چیزیں اللہ و رسول ﷺ سے زیادہ محبوب نہ ہوں تو ان پر وعید نہیں کیونکہ ان چیزوں کا محبوب ہونا امر طبعی ہے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کو پسند کرنا اور ان پر خوش ہونا اور مطلق رضا محل وعید نہیں البتہ حیات دنیا پر مطمئن ہونا محل وعید ہے اگر اطمینان کی حالت ہو تو قابل علاج ہے ورنہ نہیں اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اطمینان کس کو کہتے ہیں کہ جس پر وعید وارد ہے اطمینان کے معنی سکون کے ہیں جو مقابل ہے حرکت کا مطلب یہ ہوگا کہ حیوٰۃ دنیا پر اتنا قرار ہو گیا ہے کہ اس سے قلب و ذہن کو آگے حرکت ہی نہیں ہوتی آگے خیال ہی نہیں چلتا جیسے کوئی چیز مرکز پر ٹھہر جاتی ہے کہ آگے نہیں بڑھتی اس پر وعید ہے سو آج کل اکثر ہماری یہی حالت ہو رہی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے کہ جو جس حالت پر ہے اسی پر ٹھہرا ہوا ہے آگے قدم ہی نہیں بڑھاتا ہم کو ساری فکر حیات دنیا ہی کی ہے منہمکین فی الدنیا کی یہ حالت ہے کہ جب بھی تذکرہ کرتے ہیں تو دنیا ہی کا حتیٰ کہ ریل میں ہوتے ہیں تب بھی دنیا ہی کا تذکرہ ہے بھی پوچھتے ہیں کہ تمہارے یہاں اناج کا کیا حال ہے بارش کیسی ہوئی نرخ کیا ہے غرض ہر مجلس میں دنیا کا ہی تذکرہ کرتے ہیں حالانکہ ریل کا موقع تو بے فکری اور فرحت کا ہے مگر ان کو اس میں بھی دنیا ہی کی فکر ہے اس سے آگے حرکت ہی نہیں ہوتی دنیا ہی پر سکون وقرار ہو گیا ہے حاصل یہ ہے کہ آخرت کی فکر نہیں آگے ارشاد ہے هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ' یہ ہے کہ باوجودیکہ ہماری نشانیوں کو دیکھتے ہیں مگر پھر غافل ہیں ان تینوں جملوں کا یہ حاصل تھا جس سے اصل جرم یہ ثابت ہوا کہ ہم کو حیات دنیا پر اطمینان ہو گیا یعنی حرکت الی الآخرت نہیں ہوتی اب یہ سمجھئے کہ حرکت الی الآخرت جو کہ مقابل ہے سکون کا تین قسم کی ہوتی ہے ایک حرکت اعتقادی دوسری عملی تیسری حالی یعنی آخرت کی دھن میں ہر وقت بے چین رہنا اور اسی کا دش ہونا کفار کو تو کسی قسم کی حرکت بھی نہیں کیونکہ ان کا اعتقاد ہی درست نہیں مسلمانوں کو حرکت اعتقادی تو حاصل ہے مگر حرکت عملی اور حالی نہیں یعنی نہ اعمال آخرت کا اہتمام ہے نہ اس کی دھن ہے اس کی کاوش ہی نہیں یہ مرض قریب قریب عام ہے اور عوام تو عوام خود لکھے پڑھوں کی حالت یہ ہے کہ ہمارے قلوب آخرت کے لئے بے چین نہیں ہیں جیسے کسی پر کوئی مقدمہ دائر ہوتا ہے اور اس وقت بے چینی ہوتی ہے کہ کسی وقت بھی قلب کو قرار نہیں ہوتا ہر وقت اس کی دھن اور اسی کا فکر اور خیال ہوتا ہے۔

بڑا علاج اس کا یہی ہے کہ آخرت کے تمام امور کو سوچا کرو کہ میں مرکر قبر میں جاؤں گا وہاں سوالات ہوں گے اگر ٹھیک جواب دے دیا تو راحت ہوگی ورنہ عذاب ہوگا اسی طرح میدان قیامت کی سختیوں کو سوچے کہ اللہ تعالیٰ کے روبرو حساب کے لئے کھڑا کیا جاؤں گا اس کے بعد پل صراط پر چلنا ہوگا پھر جنت یا دوزخ میں ڈالا جاؤں گا غرض سارے امور کو سوچا کرے اور اس کے ساتھ ہی کسی بزرگ سے تعلق قائم کرے اور اگر ممکن ہو سکے تو اس کی صحبت میں رہو اور اس کے حقوق صحبت ادا کرو۔

حب دنیا کے مراتب

حب دنیا کے بھی مراتب مختلف ہیں کسی میں کم ہے کسی میں زیادہ کفار میں زیادہ ہے۔ مسلمانوں میں کم مگر ہیں ضرور اور یہی جڑ ہے تمام گناہوں کی کیونکہ حب دنیا میں فکر دین کم ہوتی ہے جس درجہ کی حب دنیا ہوگی اسی درجہ کی فکر دین کم ہوگی اگر کامل درجہ کی حب دنیا ہے تو کامل درجہ کی دین سے بے فکری ہوگی جیسا کہ کفار میں متحقق ہے اور مسلمانوں میں جس درجہ کی حب دنیا ہے اسی درجہ کی دین سے بے فکری ہے تو یہ دخل ہے حب دنیا کو ان امور میں جن کا میں ذکر کر رہا ہوں اور کفار میں تو یہ مرض ہے ہی افسوس یہ ہے کہ ہم میں بھی پایا جاتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور اگر یہ اعتراض کیا جاوے کہ اس آیت کو کیوں اختیار کیا گیا۔ یہ کفار کے بارہ میں ہے چنانچہ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا اس میں صریح ہے مسلمانوں کو اس سے کیا علاقہ؟ یہ شبہ بہت لوگوں کو ہوا ہوگا کیونکہ اکثر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جو آیتیں کفار کے بارہ میں ہیں مسلمانوں سے ان کو کچھ علاقہ نہیں اور اسی لئے لوگ بے فکر بھی ہو گئے میں کہتا ہوں کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ جو وعیدیں کفار کے بارہ میں وارد ہیں ان وعیدوں کی بناء کیا ہے آیا کفار کی ذات ہے یا کفار کے اعمال ہیں۔ ظاہر ہے کہ بناء ان وعیدوں کی اعمال ہی ہیں جو کفار میں پائے جاتے ہیں اور راز اس کا یہ ہے کہ خداتعالیٰ کو نہ تو کسی کی ذات سے محبت ہے نہ کسی کی ذات سے بغض ہے من حیث الذات خداتعالیٰ کے نزدیک سب برابر ہیں۔

طالب علمانہ اشکال کا جواب

یہاں ایک اور طالب علمانہ شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ آیت کفار کے بارہ میں ہے اور وعید جن اعمال پر وارد ہے ان میں بعضے فرعی بھی ہیں اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کفار مکلف بالفروع ہوں حالانکہ فقہاء اصولیین کے نزدیک کفار مکلف بالفروع نہیں اسی لئے انہوں نے تصریح کی ہے کہ اگر کافر قبل اسلام لانے کے نماز پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی کیونکہ وہ مکلف ہی نہیں اسی طرح بعد اسلام کے ان نمازوں کی قضاء واجب نہیں اس سے کفار کا مکلف بالفروع ہونا لازم نہیں آتا وہ اس طرح کہ کفار کو جو عذاب ہوگا وہ اصل میں نفس کفر پر ہوگا بخلاف مسلمان کے کہ اس کو جو سزا ہوگی وہ ترک فروع پر ہوگی ہاں کافر کی سزا میں بوجہ ترک فروع کے اضافہ ہو جائے گا اور عقوبت بڑھ جائے گی یہ نہیں کہ نفس ترک فروع پر سزا ہوگی۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو باغی ہوں جو حکومت کی اطاعت نہیں کرتے مگر ان میں ایک تو وہ ہے کہ بغاوت بھی کرتا ہے اور اس کے ساتھ ملک میں شورش بھی کرتا ہے اور دوسرا باغی تو ہے مگر نافرمانی اس کی ذات ہی تک ہے شورش نہیں کرتا ظاہر ہے کہ بغاوت پر سزا دونوں کو ہوگی مگر جو بغاوت کے ساتھ شورش بھی کرتا ہے اس کی سزا میں بہ نسبت شورش نہ کرنے والے کے اضافہ ہوگا اس صورت میں اصل سزا تو بغاوت پر ہے مگر بوجہ شورش کے اس میں اضافہ ہو گیا ہے۔

کافر تارک فروع کی مثال شورش کرنے والے باغی کی سی ہے کہ کفر تو کرتا ہی ہے لیکن باوجود کفر کے فروع کو بھی بجا نہیں لاتا تو اس کو اصل سزا تو کفر پر ہوگی مگر ترک فروع کی وجہ سے سزا میں زیادتی ہو جائے گی اور اس کافر کی مثال جو بعض فروع کو ادا کرتا ہے جو مشروط بالایمان نہیں جیسے عدل و تواضع و سخاوت اس باغی کی سی ہے جو شورش نہیں کرتا اس کو اصل سزا کفر پر ہوگی ترک فروع سے اضافہ اور زیادتی نہ ہوگی اب شبہ کفار کے مکلف ہونے کا جاتا رہا اور مسلمان کی مثال اس مجرم کی سی ہے جو باغی نہیں اس کو صرف ترک فروع پر سزا ہوگی

(c) ketabton.com: The Digital Library

بغاوت کی سزا اس کو نہ ہوگی کیونکہ وہ باغی نہیں ہے آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار گو فروع کے مکلف نہیں مگر پھر بھی ترک فروع پر عتاب ہوگا گو تقویت ہی کے لئے سہی تو مسلمان جو کہ فروع کے مکلف ہیں وہ آیت سے زیادہ مورد وعید ثابت ہوں گے کیونکہ جب غیر مکلف بالفروع کو بھی ان فروع کے ترک سے ضرر ہوتا ہے تو جو ان فروع کا مکلف ہے اس کو ان کے ترک سے کیوں ضرر نہ ہوگا۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لیٹے بھی بیٹھے بھی کھڑے بھی پھر جب ہم اس کی وہ تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو پھر اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کے ہٹانے کے لئے کبھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا ان حد سے نکلنے والوں کے اعمال ان کو اچھی طرح مستحسن معلوم ہوتے ہیں جس طرح ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔

تفسیری نکات

مصیبت کے وقت انسان کا حال

حضور ﷺ نے ایک کافر سے پوچھا کہ تمہارے کتنے خدا ہیں اس نے کہا سات ہیں چھ زمین میں اور ایک آسمان میں آپ نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت کا خدا کون ہے اس نے کہا کہ آسمان والا تو مشرکین عرب بھی مصیبت کے وقت ایک خدا کو ہی پکارتے تھے مگر ہندوستان میں مصیبت کے وقت بھی دوسروں ہی کو پکارتے ہیں تیسری قسم وہ ہے کہ گناہ کو یاد کر کے تدارک بھی کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت خدا ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں لیکن وہ حالت ہوتی ہے

اہلکاراں بوقت معزولی — شبلی وقت و با یزید شوند
باز چوں مے رسند بر سرکار — شمر ذی الجوش و یزید شوند

(سرکاری ملازم نوکری سے علیحدہ کر دیئے جائیں تو وہ ایسے نیک بن جاتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ اپنے زمانہ کے حضرت شبلی اور بایزید کے جیسے بہت بڑے ولی ہیں اور پھر جب اپنی ملازمت پر آ جاتے

ہیں تو اس قدر برے اعمال کرتے ہیں جیسے کہ شمر جس نے حضرت امام حسین کو شہید کیا اور جیسا کہ یزید تھا کہ جس کی اس وقت حکومت تھی۔)

یعنی جب تک مصیبت رہے اللہ بھی یاد رہے رسول بھی یاد رہے اور جب مصیبت ٹلی تو ایسے آزاد کہ گویا خدا تعالیٰ کی حدود حکومت ہی سے نکل گئے اسی کو فرماتے ہیں اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا کہ مصیبت کے وقت تو خوب پکارتا ہے اور جب مصیبت دور کر دیتے ہیں تو یہ حالت ہو جاتی ہے کہ گویا تعلق ہی نہ رہا اور اس کی وجہ فرماتے ہیں۔ کَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۞ یعنی وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ لوگ حدود سے باہر ہو گئے ہیں اور یہ خاصیت ہے کہ نیک عمل میں بصیرت ٹھیک رہتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو بینش جاتی رہتی ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ ان کو اپنے اعمال خوش معلوم ہوتے ہیں پس علت اس کی اسراف ہے کہ اس کی وجہ سے بری باتیں مزین معلوم ہونے لگتی ہے اس کو سن کر ہر شخص اپنی حالت کو لے کم و بیش سب کی یہ حالت ہے اور دوسری جگہ بھی ایسا ہی مضمون ارشاد ہے وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ یعنی جب مصیبت آتی ہے اس وقت تو سب کو بھلا کر کہتے ہیں کہ اگر ہمیں اس سے نجات ہو جائے تو ہم خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں گے مگر جب اس سے نجات ہو جاتی ہے تو اعراض کرنے لگتے ہیں آگے فرماتے ہیں وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا۔ کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا۞ یعنی تم کیا اس سے امن میں ہو گئے ہو کہ تم کو زمین ہی میں دھنسا دیں (یا تم پر کوئی ایسی تند ہوا بھیج دیویں جو کنکر پتھر برسانے لگے پھر تم کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ) چنانچہ قارون کو دھنسا دیا گیا تھا اور اس واقعہ پر گو سب کو ایمان تھا لیکن عین الیقین نہ تھا مگر اب چند ہی سال ہوئے کہ کانگڑہ کے قریب زلزلہ میں ایک بہت بڑے حصے کو دھنسا دیا گیا کہ لوگ اب بھی دیکھ لیں آگے فرماتے ہیں یا تم پر تند ہوائیں بھیج دیں کہ پھر تم اپنے لئے کوئی وکیل نہ پاؤ غرض ہر طرح تم ہمارے قبضے میں ہو کسی طرح بچ نہیں سکتے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دریائی اندیشہ تو کٹ گیا اس کو فرماتے ہیں اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى یا تم اس سے بے فکر ہو گئے کہ خدا تعالیٰ پھر تم کو دریا ہی میں دوبارہ لے جاویں) دیکھو روز مرہ یہ بات پیش آتی ہے کہ انسان ایک جگہ نہ جانے کی قسم کھاتا ہے مگر پھر مجبوراً جانا پڑتا ہے اور یہ اوپر بتلا دیا ہے کہ اگر دریا میں بھی نہ جانا ہو تو دوسری جگہ بھی تو ہلاک کر دینا ممکن ہے کیونکہ اس کی قدرت خشکی اور دریا میں برابر ہے مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک ملاح سے ایک شخص نے پوچھا کہ تمہارے باپ کہاں مرے اس نے کہا دریا میں ڈوب کر کہنے لگا اور دادا کہا کہ دریا میں کہنے لگا کہ پھر بھی تم دریا میں رہتے ہو ڈرتے نہیں ملاح نے کہا کہ تمہارے باپ کہاں مرے کہنے لگا کہ گھر میں پوچھا اور دادا کہنے لگا گھر میں ملاح نے کہا کہ پھر بھی تم گھر میں رہتے ہو ڈرتے نہیں تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

خدا تعالیٰ کی قدرت ہر جگہ موجود ہے بلکہ دریا میں تو بہت سی تدابیر بچنے کی ممکن بھی ہیں خشکی میں اگر کوئی آفت آئے تو اس سے بچنے کی تو کوئی تدبیر ہی نہیں مثلاً اگر دوریل گاڑیوں میں تصادم ہو جائے تو کوئی صوت بچنے کی ہو ہی نہیں سکتی برخلاف جہاز کے کہ اگر ٹوٹ جائے تو غرق ہوتے ہوئے بھی اس کو بہت دیر لگ جاتی ہے۔ دوسرے جہاز اکثر کنارے کے قریب ہی ہوتا ہے کہ وہاں سے مدد کا آ جانا بھی ممکن ہوتا ہے تو جو شخص سمندر میں خدا سے ڈرے اور خشکی میں نہ ڈرے وہ کس قدر نادان ہے دوسرے اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ سمندر میں زیادہ خطرہ ہے تو یہ بھی تو ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ دوبارہ سمندر ہی میں بھیج دیں اور اگر ایسی ہوا کو مسلط کر دیں کہ وہ کشتی کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے کر دے اسی کو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى اور یہ کچھ اسی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر صاحب مصیبت کو کہا جا سکتا ہے کہ کیا پھر ایسا نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ پھر اسی قصہ میں تم کو پھنسا دیں صاحبو اپنے کو کسی وقت خدا تعالیٰ کے قبضے سے نکلا ہوا نہ سمجھو سب گناہوں کو چھوڑ دو دیکھو گناہ میں مصیبت اس لئے آتی ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ ناراض ہیں اور یہ بات سب گناہوں کو عام ہے اگر چہ وہ کسی قسم کا گناہ ہو تو جب خدا تعالیٰ ناراض ہوئے اور ہر قصہ ان کے قبضہ میں ہے تو ممکن ہے کہ پھر کسی قصہ میں مبتلا کر دے دیکھو اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا تو نمرود کو ایک مچھر سے پریشان کر دیا اہل سیر نے لکھا ہے کہ نمرود کی یہ حالت تھی کہ سر پر چوٹ لگتی تھی تو چین آتا تھا تو وہ مچھر اب بھی تو موجود ہے اور خدا تعالیٰ کو اب بھی تو وہی قدرت ہے دیکھو کہاں نمرود اور کہاں مچھر مگر خدا تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ ہمارا ایک معمولی سپاہی بھی کافی ہے ایک چونٹی اگر چہ بظاہر نہایت چھوٹی اور معمولی چیز ہے لیکن جب خدا تعالیٰ چاہتے ہیں تو اسی سے ہلاک کر دیتے ہیں اور جب ان کی حفاظت ہوتی ہے تو کسی سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا میں نے متعدد مرتبہ دیکھا ہے کہ سر میں تیل ڈال کر سر کے نیچے رومال رکھ کر سو گیا ہوں اٹھ کر دیکھا رومال پر چیونٹیاں چڑھی ملیں لیکن سر میں ایک چیونٹی بھی نہیں پائی گئی سو اس سے بچانے والا کون ہے بجز خدا کے اور اگر وہ نہ بچائے تو ادنیٰ ذرہ پریشان کرنے کو کافی ہے ایک بادشاہ کا قصہ ہے کہ اس کی ناک پر بار بار ایک مکھی آ کر بیٹھتی تھی اس نے تنگ آ کر کہا کہ معلوم نہیں مکھی کو کیوں پیدا کیا ہوگا وزیر نے کہا کہ اس واسطے پیدا کیا ہے کہ متکبرین کا تکبر ٹوٹے حاصل یہ ہے کہ ذرا سنبھل کر خدا تعالیٰ کی مخالفت کرو تم میں تو ایک مکھی کی مقاومت کی بھی تاب نہیں بس اگر بچنے کی کوئی صورت ہے تو یہی کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔

خلاصہ آیت

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں ایسا تو کوئی انسان نہیں جس کو کوئی حادثہ پیش نہ آئے۔ اور کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو انسان تحت القدرۃ ہے مستقل نہیں ہے اگر چہ ہر امر میں انسان کی ایک مستقل تجویز ضرور ہوتی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے جیسے اس کا ذہن اختراع کر لیتا ہے۔ مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ ہر امر اس کی خواہش کے موافق نہیں ہوتا چنانچہ ارشاد ہے اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی ۔ یعنی انسان کو اس کی ہر تمنا نہیں ملتی تمنا ئیں انسان کی بہت کچھ ہوتی ہیں مگر ملتی کم ہیں بلکہ جو خدا تعالیٰ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے وہی انسان کے لئے بہتر ہوتا ہے اگر چہ اول نظر میں اس کی بہتری انسان کو محسوس نہ ہو لیکن اس کے نتیجہ پر اگر غور کیا جائے تو اس کی حکمت معلوم ہو جاتی ہے اور اول نظر میں چونکہ حکمت پر نظر نہیں ہوتی اس لئے خلاف تمنا کو مصیبت کہتے ہیں ورنہ اگر مصلحت اور حکمت پر نظر نہیں ہوتی اس لئے خلاف تمنا کو مصیبت کہتے ہیں ورنہ اگر مصلحت اور حکمت پر نظر ہو تو کوئی مصیبت مصیبت نہیں بلکہ ہر مصیبت نعمت ہے مگر مراد مصیبت غیر اختیاریہ ہے اور اسی میں گفتگو ہو رہی ہے برخلاف ان کے جن کو اپنے ہاتھوں اختیار کرتے ہیں یعنی گناہ کہ ان کو انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے سو اس میں کوئی حکمت نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ اس کو گناہ اور معصیت قرار دیا گیا یعنی اس سے روکا گیا اور یہی فرق ہے درمیان فعل عبد فعل حق کے کہ کوئی فعل شر کا خدا تعالیٰ سے صادر نہیں ہوتا فعل شر وہی ہے جو اپنے اختیار سے خلاف رضائے حق کرتا ہے تو امور اختیاریہ عبد تو خیر اور شر دونوں ہیں اور غیر اختیاری جو محض منجانب اللہ ہے وہ خیر محض ہے۔

مسلمانوں کی ایک قابل اصلاح کمی

ایک دوست نے پوچھا تھا کہ حق تعالیٰ نے کفار کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۔ تو یہی حالت بعینہ مسلمانوں کی ہے کہ جب کوئی مصیبت ہوتی ہے تو خدا کو پکارتے ہیں اور جب وہ مصیبت جاتی رہتی ہے پھر غفلت میں پڑ جاتے ہیں تو کیا مسلمان بھی اس آیت میں داخل ہیں اگر داخل ہیں تو مفسرین الانسان کی تفسیر کفار کے ساتھ کیوں کرتے ہیں۔ میں نے اس کا یہی جواب دیا کہ مسلمان کے اندر اس کا منشاء اور ہے کافر کے اندر اور کافرین کا منشاء تو اس سے اعراض اور غفلت اور انکار اور کفر ہے اور مسلمین کا طبیعت ہے اگر چہ ہے یہ بھی کمی اور قابل اصلاح لیکن کلام اس میں ہے کہ اس غفلت سے کفر لازم نہیں آتا غرض احکام عقلیہ اور طبعیہ میں جب تعارض ہوگا تو جزائے شرعی میں ترجیح عقل کو ہوگی اس لئے اشتراک حالت سے جو آیتیں منافقین و کفار کے بارہ میں ہیں وہ مسلمانوں پر جاری نہ کی جاویں گی اور اس سے کفر و نفاق کا حکم نہ کیا جاوے گا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: آیت کا یہ ہے کہ جب ان کی معیاد (معلوم یعنی موت) آ جائے گی تو اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

تفسیری نکات

موت کا ایک وقت معین ہے

جس کا حاصل یہ ہوا کہ موت کے وقت سے نہ کوئی آگے بڑھ سکتا ہے نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے اور مقصود یہ ہے کہ موت آنے کے بعد اس سے کوئی بچ نہیں سکتا اب یہاں ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ اس آیت سے جو مضمون مقصود ہے یعنی موت سے محفوظ نہ ہو سکنا اس سے لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً کا دخل تو ظاہر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ موت کا وقت آنے کے بعد اس سے بچ نہیں سکتے اور بچنے میں تاخیر کو دخل ہو سکتا ہے مگر لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ کو اس میں کیا دخل ہے یہ جملہ کیوں بڑھایا گیا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت سے پہلے کوئی بھی نہیں مر سکتا سو یہ حکم تو صحیح ہے مگر جو مقصود ہے اس میں کیا دخل کیونکہ تقدیم میں نافع ہونے کا کیا احتمال ہے وہ تو اور الٹا مضر ہوگا پھر خصوص جبکہ اجل کے بعد تو عقلاً بھی اس کا احتمال نہیں ہاں تاخیر کا احتمال ہو سکتا تھا اس لئے اس کی نفی بے شک مفید ہے تو یہ جملہ بظاہر زائد معلوم ہوتا ہے اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں مگر حضرت استاد رحمۃ اللہ نے ایک عجیب جواب دیا تھا جو میں نے کہیں منقول نہیں دیکھا ممکن ہے کسی نے لکھا ہو مگر میری نظر سے نہیں گزرا اور نہ مجھ کو اس کی تلاش کا اہتمام ہے ہمیں تو خدا تعالیٰ نے مشائخ ہی ایسے دیئے تھے جن کی باتوں سے ایسی تسلی ہو جاتی تھی جس سے کتب بینی سے استغنا ہو گیا مولانا نے فرمایا کہ اس اشکال کا منشی تو یہی ہے کہ تقدیم نافع نہیں ہو سکتی لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تقدیم ممکن ہوتی تو وہ بھی نافع ہو سکتی اسی طرح موت سے بچنے کی دو صورتیں ہو سکتی تھیں ایک یہ کہ وقت موت سے مقدم وقت میں چلا جائے مثلاً جمعہ کا دن موت کے لئے مقرر ہوا وہ وقت آیا اور یہ شخص جمعرات کے دن میں داخل ہو جائے دوسرے یہ کہ وقت سے موخر وقت میں چلا جائے مثلاً جمعہ کا دن آنے کے بعد موت کے آثار دیکھ کر سنیچر کے دن میں پہنچ جائے تو دونوں صورت میں موت نہ آئے گی لیکن وقت مقررہ تو جمعہ کا تھا اور جمعہ سے دونوں صورتوں میں فرار ہو گیا تو حق تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ دونوں صورتیں نافع ہو سکتی تھیں مگر چونکہ حرکت من الزمان ممکن نہیں اس لئے کسی صورت کا وقوع نہیں ہوتا خیر یہ تو لطائف ہیں جو ضمناً بیان کر دیئے ورنہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اصل مقصود یت کا صرف یہ ہے کہ موت آنے کے بعد اس سے بچنا ناممکن ہے جس کو محاورہ میں اسی طرح تعبیر کیا کرتے ہیں لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ - وَلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ جیسے وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ میں ابداء و اعادہ کے معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ باطل کارآمد نہیں ہوتا اس مقصود کو اس عبارت میں محاورہ کے موافق بیان کر دیا گیا اسی طرح یہاں بھی کر سکتے ہیں کہ تاخر تقدم کی حقیقۃً نفی مراد نہیں بلکہ حاصل مراد ہے اور محاورات میں کسی شے سے نہ بچ سکنے کو اسی طرح بیان کیا کرتے ہیں اس تقدیر پر آیت کو حرکت زمانی فی الزمان کی بحث سے کوئی تعلق نہ ہوگا بلکہ یہ محض ایک لطیفہ ہوگا مگر قرآن میں ایسی جامعیت ہے کہ

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صوت را بو ارباب معنی را

سلوک میں ہر حال میں ترقی کرنے کی ضرورت

یہی مضمون قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہوا اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۞ (ان لوگوں سے ان کا حساب نزدیک آ پہنچا اور یہ غفلت میں ہیں) اور ایک تفسیر یہ بھی ہے حافظ کے اس شعر کی

مرا در منزل جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا

(مجھ کو منزل محبوب میں امن وسکون کہاں ہے جبکہ ہر وقت کوچ کی گھنٹی بجتی ہے کہ سامان سفر باندھو)

اس کی ایک تفسیر یہی کی گئی ہے کہ دنیا میں امن وعیش کہاں جبکہ ہر دم دنیا کی حالت یہ پکار کر کہہ رہی ہے کہ اسباب باندھ لو اور چلنے کی تیاری کرو کیونکہ واقعی ہمارا ہر سانس جو گزر رہا ہے وہ اس کی خبر دے رہا ہے کہ تم آخرت کی طرف اتنے نزدیک ہو گئے ہو جس کی عمر بیس سال کی ہے اس نے آخرت کی طرف بیس سال کی مسافت طے کر کے قرب حاصل کر لیا جس کی عمر زیادہ اس نے زیادہ قرب حاصل کر لیا ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۚ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۞

ترجمہ: یعنی اے محمد ﷺ آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے فضل اور رحمت ہی کے ساتھ بس صرف چاہئے کہ خوش ہوں (اس لئے) کہ وہ بہتر ہے اس شے سے کہ جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔

تفسیری نکات

ایک عجیب نکتہ

یعنی متاع دنیا سے یہ بہتر ہے اور عجیب بلاغت ہے کہ پہلے مضمون کا تو حق تعالیٰ نے خود اپنی طرف سے خطاب فرمایا چنانچہ ارشاد ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ الخ اور اس دوسرے مضمون کی نسبت حضور کو حکم دیا کہ آپ کہئے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس میں ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ کہ یہ طبعی بات ہے کہ احکام یعنی امر و نہی انسان کو ناگوار اور گراں ہوتے ہیں اس لئے احکام تو خود ارشاد فرمائے تا کہ حضور کی محبوبیت محفوظ رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے ساتھ فرحت کے امر کو حضور کے سپرد فرمایا کہ اس سے حضور کے ساتھ اور زیادہ محبت مخلوق کو بڑھے باقی اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ بہت جگہ حضور کو بھی احکام پہنچانے کا حکم ہے اس لئے کہ یہ نکتہ اس مقام کے متعلق ہے اور دوسری جگہ دوسرا نکتہ اور حکمت ہو سکتی ہے۔

بہرحال دو چیز پر خوش ہونے کا حکم ہے فضل اور رحمت اور یہ فضل بھی رحمت ہی کے افراد میں سے ہے صرف فرق اس قدر ہے کہ فضل کے اندر معنی زیادتی کے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ رحمت بمعنی مہربانی کے دو مرتبہ ہیں ایک نفس مہربانی اور ایک زائد۔ یا یوں کہو کہ ایک وہ مرتبہ ہے جس کا بندہ بحیثیت جزاء کے اپنے کو مستحق سمجھتا ہے اور ایک زائد اگرچہ پہلے مرتبہ رحمت کا اپنے کو مستحق سمجھنا بندہ کی جہالت ہے اور وجہ اس زعم استحقاق کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر ہر شخص کو ایک ناز ہوتا ہے بلکہ اگر غور کیا جاوے تو ہم لوگوں میں ناز ہی کی شان رہ گئی ہے نیاز بالکل نہیں رہا اس لئے اگر نیاز ہوتا تو ہم سے نافرمانی نہ ہوتی دیکھ لیجئے کہ حکام دنیا کے ساتھ نیاز ہے اس لئے اس کی نافرمانی نہیں کرتے نہ ان پر نخرے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ بالعکس ہے جس کا زیادہ سبب یہ ہے کہ رحمت ہی کی انتہا ہے حتیٰ کہ فوری سزا نہیں دی جاتی سو جس قدر رحمت بڑھتی جاتی ہے اس رحمت وعنایت کو معلوم کر کے اسی قدر اعراض ان حضرات کا زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

لیکن حق تعالیٰ کے کرم اور رحمت بے انتہا سے ہماری عادتیں بگڑ گئی ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ جس قدر رحمت ہوتی شرماتے اور تضرع و نیاز زیادہ ہوتی مگر یہاں معاملہ برعکس ہے۔

اب قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر دیکھنا چاہئے کہ ان دونوں لفظوں سے کیا مراد ہے تو جاننا چاہئے کہ قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ بکثرت آئے ہیں کہیں دونوں سے ایک معنی مراد ہیں کہیں جدا جدا چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے۔

فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ یہاں اکثر مفسرین کے نزدیک فضل اور رحمت سے حضور کا وجود باجود مراد ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا٥ یہاں بھی بقول اکثر مفسرین حضور ہی مراد ہیں۔

ایک مقام پر ارشاد ہے وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ یہاں مراد فضل اور رحمت سے قرآن مجید ہے اور بعض آیات میں فضل سے مراد رحمت دنیوی اور رحمت سے رحمت دینی مراد ہے چنانچہ فضل بمعنی رزق و نفع دنیوی قرآن مجید میں آیا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

چنانچہ ارشاد ہے لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ یہاں فضل سے مراد تجارت ہے اس لئے کہ یہ آیت حج کے موقع کی ہے۔ بعض لوگ مال تجارت حج کے سفر میں ساتھ لے جانے کو مکروہ جانتے تھے ان کو ارشاد ہے کہ اس میں کچھ گناہ نہیں کہ تم (حج میں) اپنے رب کا فضل طلب کرو حدیث شریف میں بھی رحمت سے رحمت دینی اور فضل سے رحمت دنیوی یعنی رزق یا اسباب رزق مراد ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو یہ کہو اللھم افتح لنا ابواب رحمتک یہاں رحمت سے رحمت دینی مراد ہے اس لئے کہ مسجد میں وہی مطلوب ہے جب مسجد سے نکلو تو یہ کہو اللھم افتح لنا ابواب فضلک اس لئے کہ مسجد سے باہر جا کر تحصیل معاش میں لگ جاتے ہیں تو وہاں اس کی طلب ہے اور لیجئے سورۃ جمعہ میں ارشاد ہے فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ یہاں فضل سے مراد رزق ہے پس مجموعہ تمام تفاسیر کا تمام دنیوی رحمتیں اور دینی رحمتیں ہوا اس مقام پر ہرچند کہ آیت کے سیاق پر نظر کرنے کے اعتبار سے قرآن مجید مراد ہے لیکن اگر ایسے معنی عام مراد لئے جائیں کہ قرآن مجید بھی اس کا ایک فرد رہے تو یہ زیادہ بہتر ہے وہ یہ ہے کہ فضل اور رحمت سے مراد حضور کا قدم مبارک لیا جائے اس تفسیر کے موافق جتنی نعمتیں اور رحمتیں ہیں خواہ وہ دنیوی ہوں یا دینی اور اس میں قرآن بھی ہے سب اس میں داخل ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ حضور کا وجود باجود اصل ہے تمام نعمتوں کی اور مادہ ہے تمام رحمتوں اور فضل کا پس یہ تفسیر اجمع التفاسیر ہو جائے گی۔ (السرور ملحقہ مواعظ میلاد النبی ﷺ ص ۲۶۸،۲۶۷)

خوشی کی دو قسمیں

ایک مولوی صاحب نے استفسار کیا کہ بعض دفعہ غسل یا جدید کپڑا پہننے سے خوشی معلوم ہوتی ہے سو یہ عجب تو نہیں فرمایا خوشی دو قسم کی ہوتی ہے ایک فرح بطر جس کی نسبت ارشاد ہے لاتفرح اور ایک فرح شکر جس کی نسبت ارشاد ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا سو اگر یہ خوشی بطور اظہار و شکر نعمت کے ہے تو محمود ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے فضل پر خوش ہونا چاہئے اور ایک جگہ یہ ارشاد ہے

لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ خدا پسند نہیں کرتا زیادہ خوش ہونے والوں کو۔

مسرت کی دو قسمیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوش نہ ہونا چاہئے پس ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے مگر دراصل

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان میں تعارض نہیں بلکہ یہ دونوں حالتیں جدا جدا ہیں۔ جن کے متعلق تنبیہ کی گئی ہے ایک خوشی اضطراری ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً تمہاری ایک ہمیانی روپے یا اشرافیوں کی کھوگئی جس سے آپ بہت پریشانی میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے بہت دق ہو چکے ہیں کہیں پتہ نہیں چلتا کہ دفعۃً کسی نے ہاتھ میں لا کر دے دی ایک خوشی تو اس وقت ہے یہ اضطراری اور بے اختیاری خوشی ہوگی اور ایک یہ صورت ہے کہ ہمیانی گم ہونے پر تم نے نوکروں کو خوب مارا پیٹا اب خدا جانے وہ ان کو ملی یا نہیں مگر بے چاروں نے ڈر کے مارے لا کر دے دی ایک خوشی اس پر ہے یہ اختیاری خوشی ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے پہلی خوشی جو آپ کو ہوگی وہ اترانے کی نہ ہوگی بلکہ شکر کی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کھوئی ہوئی چیز مل گئی اور دوسری خوشی اترانے کی اور ناز و تکبر کی ہوگی کہ دیکھا ہم نے کیسی اچھی تدبیر کی ورنہ یہ ہمیانی کیسے ملتی۔

عید میلاد النبی ﷺ کے دلائل اور ان کے جوابات

اب موجدین عید کے دلائل کی تقریر اور اس کا جواب سنئے اور ان کی طرف نسبت دلائل کی میں نے اس احتمال سے کردی ہے کہ شاید ان میں سے کبھی کوئی ان سے استدلال کرنے لگے ورنہ میں نے یہ دلائل ان سے منقول نہیں دیکھے بلکہ اگر وہ تو برسوں بھی کوشش کریں تو ان کو ایک دلیل بھی میسر نہ ہو اسی واسطے جی تو نہ چاہتا تھا کہ ان کو دلائل دیئے جائیں لیکن صرف اس وجہ سے کہ کسی کو کوئی گنجائش نہ رہے اس لئے میں ان دلائل کو بھی مع جواب نقل کئے دیتا ہوں۔

اول یہ آیت قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا سے استدلال کر سکتے ہیں کہ اس آیت سے فقط فرحت کا مامور بہ ہونا ثابت ہوا اور یہ عید میلاد النبی ﷺ بھی اظہار فرحت ہے لہٰذا جائز ہے۔

جواب ظاہر ہے کہ اس آیت سے فقط فرحت کا مامور بہ ہونا نکلا اور گفتگو اس ہیئت خاص میں ہے لہٰذا اس آیت سے اس کو کوئی مس نہیں اور اگر اس کلیہ میں داخل کرنا اس کا صحیح ہو تو فقہاء نے کتب فقہ میں جن بدعات کو رد کیا ہے وہ بھی کسی نہ کسی ایسے ہی کلیہ میں داخل ہو سکتی ہیں چاہئے کہ وہ بھی جائز ہو جاویں حالانکہ کتب فقہ جو مسلم عند الفریقین ہیں ان میں ان کی ممانعت مصرحاً مذکور ہے اور ان اہل زیغ کو ہمیشہ یہ دھوکا ہوتا ہے اور یہ تجاہل ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اور اہل حق کے قضیہ کا موضوع ایک ہے اسی بناء پر اہل حق پر اعتراض کر دیتے ہیں چنانچہ یہاں بھی مغالطہ ہے ہم جس بات کو ناجائز کہتے ہیں وہ ہیئت خاصہ ہے اور جو فرحت آیت فلیفرحوا سے ثابت ہوتی ہے وہ فرحت مطلقہ ہے پس یہ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ فرحت کو منع کرتے ہیں حالانکہ صحیح نہیں بلکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو ہم اس فرحت پر زیادہ عمل کرتے ہیں اس لئے کہ یہ موجدین تو سال بھر میں ایک ہی مرتبہ خوش ہوتے ہیں اور درمیان میں ان کی فرحت منقطع ہو جاتی ہے اور ہم ہر وقت خوش

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہیں پس جو فرح کو منقطع کر دیں وہ آیت کے تارک ہیں ہم تو کسی وقت بھی قطع نہیں کرتے پس ہم بفضلہٖ تعالیٰ آیت پر بھی عمل کرتے ہیں اور دلائل منع بدعات پر بھی عامل ہیں اور اہل بدعت کو دونوں امر نصیب نہیں ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ فرح مامور بہ کے تین درجے ہیں۔ ۱-افراط ۲-تفریط ۳-اعتدال

تفریط تو یہ ہے کہ تحدید بالحاء المہملہ کر دیں کہ فلاں وقت پر یہ فرح ختم ہوگئی جیسا بعض خشک مزاجوں کے کلام سے مترشح ہوگیا ہے اور افراط یہ ہے کہ فرح کو جاری رکھیں مگر حدود شرعیہ سے تجاوز کریں جیسا اہل تجدید بالجیم المعجمہ کا طریق متعارف ہوگیا اور اعتدال ادامتہ میں ہے پس ہم نہ محدد ہیں نہ مجدد بلکہ مدیم ہیں **والحمد للہ علی ذالک**'

دوسرا استدلال موجدین کا اس حدیث سے ہو سکتا ہے کہ جب ابولہب نے حضور ﷺ کی ولادت کی خبر سنی تو خوشی میں آکر ایک باندی آزاد کر دی تھی اور اس پر عقوبت میں تخفیف ہوگئی۔ پس معلوم ہوا کہ ولادت پر فرح جائز و موجب برکت ہے۔

جواب اس کا بھی ظاہر ہے کہ ہم نفس فرحت کے منکر نہیں ہیں بلکہ اس پر ہر وقت عامل ہیں۔ گفتگو تو اس ہیئت کذائیہ میں ہے

تیسرا استدلال اس آیت سے ہو سکتا ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (الی قولہ) رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ یعنی یاد کرو اس وقت کو جب کہ حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرما دیں (عیسیٰ علیہ السلام کی اس دعا تک) کہ اے اللہ! ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ وہ ہمارے لئے عید بن جاوے ہمارے پہلوں کے لئے اور ہمارے پچھلوں کے لئے اور ایک نشانی قدرت کی ہو آپ کی طرف سے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عطاء نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے اور ہمارے اصول میں یہ طے ہو چکا کہ امم سابقہ کے شرائع اگر حق تعالیٰ ہم پر نقل فرما کر ان پر انکار نہ فرمادیں تو وہ ہمارے لئے حجت ہیں اور یہاں کوئی انکار نہیں پس معلوم ہوا کہ عطاء نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے۔ اور حضور ﷺ کی ولادت ظاہر ہے کہ نعمت عظیمہ ہے پس آپ کی تاریخ ولادت کو عید بنانا جائز ہوگا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ اس امر پر انکار اسی جگہ ہو جہاں وہ منقول ہے دیکھئے وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ میں سجدہ تحیہ منقول ہے اور سجدہ تحیہ وسجدہ تعظیمی ہماری شریعت میں منسوخ ہو چکا لیکن یہاں اس پر انکار منقول نہیں۔ اس کے لئے دوسرے دلائل ہیں۔ اسی طرح یہاں سمجھئے کہ جو آیت واحادیث ہم نے عید بنانے کی ممانعت میں اپنے دلائل میں بیان کی ہیں وہ اس پر انکار کے لئے کافی ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ جواب تو اس تقریر پر ہے جب کہ آیت کے معنی یہی ہیں جو مستدل نے بیان کئے ہیں ورنہ اس آیت سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ نزول مائدہ کی تاریخ کو عید بنا دیں۔ اس لئے کہ تکون میں ضمیر مائدہ کی طرف راجع ہے۔ پس اس سے یوم نزول المائدہ لینا مجاز ہوگا اور یہ قاعدہ ہے کہ جب تک حقیقی معنی بن سکیں مجاز کی طرف رجوع نہ کیا جائے گا پس معنی یہ ہیں تکون المائدة سرورا لنا یعنی وہ مائدہ ہمارے لئے سرور کا باعث ہو جاوے عید کے معنی متعارف نہیں ہیں بلکہ عید کا اطلاق مطلق سرور پر بھی آتا ہے یہ کیا ضرور ہے کہ جہاں کہیں لفظ عید آوے اس سے عید میلاد النبی ﷺ ہی مراد ہو۔

جیسے حضرات شیعہ کے نزدیک جہاں کہیں م ت ع آتا ہے اس سے متعہ کا جواز ہی نکال لیتے ہیں ان کے نزدیک گویا شیخ سعدی کے شعر ؎ تمتع زہر گوشہ یافتم

سے بھی متعہ نکلتا ہے اور آیت رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ کے بھی یہی معنی ہیں کہ اے رب! ہمارے بعض نے بعض سے متعہ کیا ہے ایسے ہی ان حضرات کے نزدیک جہاں کہیں ع ی د آوے اس سے عید میلاد النبی ﷺ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

چوتھا استدلال اس قصہ سے یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ نازل ہوئی تو ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ آیت عید کے ہی دن نازل ہوئی ہے یعنی یوم جمعہ اور یوم عرفہ کو نازل ہوئی ہے اور ترمذی میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے نزلت عنی یوم جمعة ویوم عرفة یہ حدیث کا مضمون ہے تقریر استدلال کی اس حدیث سے یہ ہے کہ حضرت عمر و ابن عباسؓ نے عید بنانے پر انکار نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ عطائے نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے اگرچہ یہ استدلال ان کو قیامت تک بھی نہ سوجھتا لیکن ہم نے تبرعاً نقل کیا ہے کہ ان کو اس میں بھی گنجائش ہو سکتی ہے۔

اس کے دو جواب ہیں ایک جواب تو یہی ہے کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ انکار نہیں کیا تو یہ کیا ضرور ہے کہ انکار یہاں ہی منقول ہو چنانچہ ہمارے فقہاء نے تعریف یعنی یوم عرفہ میں حجاج کی مشابہت سے جمع ہونے پر انکار فرمایا ہے یہ تو ضروری نہیں ہے کہ اسی مقام پر انکار کریں نیز حضرت ابن عباسؓ نے تحصیب کو لیس بشیء کہا ہے حالانکہ وہ منقول بھی ہے مگر صرف عادت کو عبادت سمجھنے سے انہوں نے یہ انکار فرمایا تو غیر منقول کو قربت سمجھنا تو ان کے نزدیک زیادہ منکر ہوگا اور حضرت عمرؓ کا انکار اجتماع علی شجرۃ الحدیبیہ پر مشہور ہی ہے پس دونوں حضرات کا انکار ایسے امور پر ثابت ہو گیا کہ ہر ہر مقام پر منقول نہ ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان نہ تھا یہودی تھا اس کو خاص طور پر الزامی جواب دیا کہ ہمارے

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہاں تو پہلے سے عید ہے بلکہ اس جواب سے خود معلوم ہوتا ہے کہ عید بنانا جائز نہیں یعنی مطلب حضرت عمرؓ کا یہ ہے کہ ہماری شریعت میں چونکہ تعید جائز نہیں ہے اس لئے ایسے عوارض سے ہم کسی دن کو اپنی طرف سے عید نہیں بنا سکتے مگر خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے اس یوم کو عید بنا دیا۔

پانچواں استدلال اس حدیث سے وہ یہ کر سکتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ نے پیر کے دن روزہ رکھا کسی نے وجہ پوچھی تو یہ ارشاد فرمایا ذالک الیوم اللذی ولدت فیہ یعنی میں اس دن پیدا ہوا ہوں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یوم الولادۃ عبادت اور قربت کا دن ہے اور فرحت وسرور علی الولادۃ قربت ہے لہٰذا یہ جائز ہے۔ اس کے بھی دو جواب ہیں اول تو یہ کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یوم ولادت ہونا علت روزہ رکھنے کی ہے اس لئے کہ دوسری حدیث میں اس کی علت یہ منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعرات اور پیر کو نامہ اعمال پیش ہوتے ہیں تو میرا جی چاہتا ہے کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش ہوں اس سے صاف معلوم ہوا کہ علت صوم کی عرض اعمال ہے پس جب یہ علت ہوئی تو ولادت کا ذکر فرمانا محض حکمت ہوگا اور مدار حکم کا علت ہوتی ہے اب آپ لوگ جو دیگر قربات کو قیاس کرتے ہو تو تم نے حکمت اصل علت کو ٹھہرا دیا حالانکہ حکمت کے ساتھ حکم دائر نہیں ہوتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ علت حکم کی یہی ہے لیکن علت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علت جو اپنے مورد کے ساتھ خاص ہو ایک وہ جس کا تعدیہ دوسری جگہ بھی ہو اگر یہ علت متعدیہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس دن میں تلاوت قرآن اور اطعام طعام وغیرہما کیوں منقول نہیں اور نیز مثل صوم یوم الاثنین کے کہ یوم ولادت ہے تاریخ ولادت میں بھی کہ ۱۲ ربیع الاول ہے روزہ رکھنا چاہئے دوسرے یہ کہ نعمتیں اور بھی ہیں مثلاً ہجرت فتح مکہ معارج وغیرہ آپ نے ان کی علت سے کوئی عبادت کیوں نہ فرمائی۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ علت اگر ہے تو عام نہیں ہے بلکہ اسی مقام کے ساتھ خاص ہے اور اصل مدار روزہ رکھنے کا وحی ہے باقی حکمت کے طور پر ولادت کو ذکر فرمایا ورنہ دوسری نعمتوں کے دن بھی روزہ و تعید چاہئے اور اس پر کہا جاوے کہ تخصیص یوم ولادت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصل ہے تمام نعمتوں کی پس ولادت اور ہجرت وغیرہ میں یہ فرق ہے اس فرق کی وجہ سے یہ تخصیص کی گئی تو ہم کہتے ہیں کہ حمل اس کی بھی اصل ہے اس کو اصل ٹھہرانا چاہئے۔

پھر حیرت یہ ہے کہ یوم الولادۃ دوشنبہ کے روز تو عید نہ کریں اور تاریخ الولادۃ یعنی ۱۲ ربیع الاول کو عید منا دیں یوم الاثنین میں تو حضور ﷺ نے ایک عبادت بھی کی ہے اور تاریخ ولادت میں تو کچھ بھی منقول نہیں ہے پس اس دلیل کا مقتضی تو یہ تھا کہ ہر پیر کو عید کیا کریں غرض اس حدیث سے بھی مدعا موجدین عید کا ثابت نہیں ہوتا' یہ تو ان حضرات کے نقلی دلائل تھے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

عقلی تردید

اب ہم اس بات میں عقلی گفتگو کرتے ہیں اس لئے کہ ان لوگوں میں سے بعضے عقل پرست بھی ہیں اور وہ اس عید میں کچھ عقلی مصلحتیں پیش کیا کرتے ہیں جو راجع ہیں ملک اور قوم کی طرف اس لئے ہم اس طرز پر بھی اس مسئلہ کو بیان کئے دیتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جس قدر عبادات شارع علیہ السلام نے مقرر فرمائی ہیں ان کے اسباب بھی مقرر فرمائے ہیں اور اس اعتبار سے مامور بہ کی چند قسمیں نکلتی ہیں۔ اول تو یہ کہ سبب میں بھی تکرار ہو یعنی سبب بار بار پایا جاتا ہو تو سبب کے مکرر ہونے سے مسبب بھی مکرر پایا جاوے گا۔ مثلاً وقت صلوٰۃ کے لئے سبب ہے پس جب وقت آوے گا صلوٰۃ بھی واجب ہوگی اسی طرح صیام رمضان کے لئے سبب ہے جو شہود شہر ہوگا صوم واجب ہوگا اور عید کے لئے فطر اور اضحیہ کے لئے یوم اضحیہ بھی اسی باب سے ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ مسبب بھی ایک اور سبب بھی ایک جیسے بیت اللہ شریف حج کے لئے چونکہ سبب ایک ہے اس لئے مامور بہ یعنی حج عمر بھر میں ایک ہی فرض ہے یہ دونوں قسمیں تو مدرک بالعقل ہیں اس لئے کہ عقل بھی اسی کو مقتضی ہے کہ سبب کے تکرار اور توحد سے مسبب متکرر اور متوحد ہو۔

تیسری قسم یہ ہے کہ سبب ایک ہو اور مسبب کے اندر تکرار ہو جیسے حج کے طواف میں رمل کا سبب اراءۃ قوت تھی اب وہ اراءۃ قوت تو ہے نہیں اس لئے کہ قصہ اس کا یہ ہوا تھا کہ جب مدینہ طیبہ سے مسلمان حج کے لئے مکہ معظمہ آئے تو مشرکین نے کہا تھا کہ ان لوگوں کو یثرب کے بخار نے ضعیف اور بودا کر دیا ہے تو حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ طواف میں رمل کریں یعنی شانے ہلاتے ہوئے اکڑ کر طواف کرو تا کہ ان کو قوت مسلمین کی مشاہد ہو اب وہ سبب تو نہیں لیکن مامور بہ یعنی رمل فی الطواف بحالہ باقی ہے۔ یہ امر غیر مدرک بالعقل ہے اور جو امر خلاف قیاس ہوتا ہے اس کے لئے نقل اور وحی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ عید میلاد النبی کا سبب کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت کی تاریخ ہونا ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ تاریخ گزر گئی یا بار بار آتی ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ ختم ہوگئی کیونکہ اب جو ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ آتی ہے وہ اس خاص یوم الولادۃ کے مثل ہوتی ہے۔ نہ کہ عین؟ اور یہ ظاہر ہے پس مثل کے لئے وہی حکم ثابت ہونا کسی دلیل نقلی کا محتاج ہوگا بوجہ غیر مدرک بالعقل ہونے کے قیاس اس میں حجت نہیں ہوگا۔

لیکن یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے یوم الاثنین میں روزہ رکھنے کی وجہ ولدت سے فرمائی ہے تو اس میں بھی یہ کلام ہوسکتا ہے کہ یوم الولادۃ گزر گیا ہے اب یہ اس کا مثل ہے اس کو حکم اصل کا کیوں ہوا جواب یہ ہے کہ صوم تو خود منقول ہے اور آپ نے وحی سے روزہ رکھا ہے اس لئے اس پر قیاس نہیں ہوسکتا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾

ترجمہ: یاد رکھو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ (خطرناک واقعہ پڑنے والا) ہے اور نہ وہ (کسی مطلوب کے فوت ہونے پر) مغموم ہوتے ہیں وہ اللہ کے دوست) ہیں جو ایمان لائے اور (معاصی سے) پرہیز رکھتے ہیں۔

تفسیری نکات

ولایت کی دو قسمیں

فرمایا ولایت دو قسم کی ہے ایک عامہ دوسری خاصہ ولایت عامہ کو اس آیت میں اللّٰہ ولی الذین آمنوا الآیۃ میں بیان فرمایا یہ ولایت عامہ صرف ایمان سے حاصل ہو جاتی ہے حتی کہ اس آیت میں عمل صالح کی بھی قید نہیں اور ولایت خاصہ اس آیت میں اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ بیان فرمایا اس ولایت خاصہ کے دو لوازم ہیں۔

۱- کثرت ذکر ۲- دوام طاعت اور ذکر میں بجائے دوام کے کثرت اس لئے کی گئی کہ دوام کی تکلیف سخت مشقت ہے جو مدفوع ہے (صوفی الخالق)

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾

ترجمہ: حق تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی سو تم (اپنے منصبی کام یعنی تبلیغ پر) مستقیم رہو اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں۔

تفسیری نکات

دعا کو فوراً قبول ہونا ضروری نہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے لئے بددعا کی تھی اور اس پر اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا بھی فرما دیا گیا تھا مگر

(c) ketabton.com: The Digital Library

موسیٰ علیہ السلام کی دعاء کی اس قبولیت کا ظہور چالیس برس بعد ہوا تھا۔ بڑی ہی دلیری کی بات ہے کہ ادھر دعاء کی اور ادھر مستعجلانہ انتظار یہ بات تو انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی نہیں ہوئی جن کی شان یہ تھی کہ مستجاب الدعوات تھے۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس دریا سے پار کر دیا پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون مع اپنے لشکر کے ظلم اور زیادتی کے ارادے سے (دریا میں) چلا یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا (اور ملائکہ عذاب کے نظر آنے لگے) تو (سراسیمہ ہوکر) کہنے لگا میں ایمان لاتا ہوں کہ بجز اس کے کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں داخل ہوتا ہوں جواب دیا گیا کہ اب ایمان لاتا ہے اور (معائنہ آخرت کے) پہلے سے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا (اب نجات چاہتا ہے)

تفسیری نکات

فرعون نے صرف تکلم بکلمۃ الایمان کیا

فرمایا آیت سورہ یونس سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے تکلم بکلمۃ الایمان کیا وجود تصدیق پر کوئی کلمہ دال نہیں سو اس سے عنداللہ اس ایمان کا مقبول ہونا ثابت نہیں ہوتا اور اگر مان لیا جاوے کہ تصدیق بھی تھی تو یہ تصدیق اضطراری تھی جو کہ اکثر کفار کو حاصل ہے کما قال اللہ تعالیٰ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اور خود فرعون کو بھی قبل سے تھی وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا مگر فرق اتنا تھا کہ اس سے پہلے تکلم نہیں کیا تھا اس وقت تکلم کیا سو یہ تکلم ممکن ہے کہ عذاب غرق سے بچنے کے لئے ہو نہ انقیاد و تسلیم کے طور پر جس طرح اس کی نظیر پہلے بھی ہوئی تھی۔ قَالُوْا یٰمُوْسَی ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الی آخرہ اور ایمان مامور بہ اور مقبول وہ ہے جس میں تصدیق اختیاری ہو اور تکلم انقیادی ہو اس لئے اس آیت سے اس کا مومن متقبول الایمان ہونا ثابت نہیں ہوتا اور جو قول حضرت شیخ اکبر قدس اللہ سرہ کی طرف منسوب ہے حسب تحقیق شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ جیسا کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

الیواقیت والجواہر میں ہے وہ شیخ اکبر کے کلام میں مدسوس ہے دوسرے نصوص سے اس کا ناری ہونا صاف ثابت ہوتا ہے جس میں تاویلات کی گنجائش نہیں اور خود شیخ کی آخری تصنیفات میں فرعون کا ناری ابدی ہونا درج ہے۔ جیسا کہ الیواقیت والجواہر میں ہے اور ایسے احتمالات وتاویلات سے تو کوئی کلام خالی نہیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بغض فرعون

نیز احادیث سے بھی ملائکہ میں عشق ومحبت کے وجود کا پتہ چلتا ہے چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا فرعون کے منہ میں کیچڑ ٹھونسنا غلبہ محبت حق ہی کی وجہ سے تھا۔ جس سے فرعون کے ساتھ بغض فی اللہ بدرجہ غلبہ پیدا ہو گیا کیونکہ جب وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو غصہ آیا کہ کم بخت نے ساری عمر تو خدائی کا دعویٰ کیا۔ اب مرتے ہوئے ایمان لاتا ہے وہ اس کم بخت کے لئے رحمت کو گوارا نہ کرتے تھے اس لئے منہ میں کیچڑ ٹھونس دیا تا کہ زبان سے پوری طرح بات نہ نکل سکے مبادا کہیں رحمت متوجہ ہو جائے چنانچہ ترمذی کی روایت میں خود حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ارشاد منقول ہے فادسه فی فیه مخافة ان تدرکه الرحمة

حضرت جبرئیل نے اس کے منہ میں کیچڑ ٹھونس دیا مبادا رحمت خدا اس کی طرف متوجہ ہو جاوے۔

اور اگر اس پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت جبرائیل نے ایک شخص کو اسلام سے روکا حالانکہ اسلام سے روکنا جائز نہیں۔ سو اس کا علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو معلوم تھا کہ عذاب دیکھنے کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سو ان کو ان کا یہ ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا۔

تو وہ اسلام سے نہ روکتے تھے صورت اسلام سے روکتے تھے جس پر گو رحمت فی الاخرۃ مرتب نہیں ہوتی مگر رحمت فی الدنیا متوجہ ہو سکتی ہے جیسے منافقین صورت اسلام کے سبب قتل واسر سے محفوظ رہے اسی طرح احتمال تھا کہ وہ بھی غرق واہلاک سے بچ جاتا۔

پھر اس پر اگر کوئی سوال کرے کہ اس آیت میں باسنا سے مراد عذاب دنیا تو ہے نہیں کیونکہ عذاب دنیا کی رویت قبل انکشاف آخرت قبول ایمان سے مانع نہیں اور ظاہراً یہاں عذاب آخرت کا انکشاف نہ ہوا تھا ورنہ دنیا کی طرف کا احساس بالکل باطل ہو جاتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسلم نہیں بلکہ انکشاف آخرت کے بعد بھی ادھر کا احساس باقی رہنا ممکن ہے چنانچہ بعض محتضرین کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو بھی دیکھا اور اس کے ساتھ اپنے گھر کی عورتوں کو بھی پہچانا چنانچہ گھر والوں سے کہا کہ فرشتے بیٹھے ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

تم ان سے پردہ کرو تو ابتداء انکشاف کے ساتھ ادھر کا ہوش رہ سکتا ہے اور فرعون کے واقعہ سے ظاہراً بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جس وقت ایمان ظاہر کیا ہے اس وقت اس کو انکشاف آخرت کے ساتھ دنیا کے بھی ہوش تھے چنانچہ اس کا قول امنت بالذی امنت بہ بنوا اسرائیل بتلا رہا ہے کہ اس وقت بنی اسرائیل کا حق پر ہونا اور ان کا مومن ہونا اس کے خیال میں تھا اور یہ دنیا کا واقعہ ہے تو اس کو ادھر کا ہوش ضرور تھا لیکن اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یہ انکشاف عذاب آخرت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے پس اس دلیل سے انکشاف آخرت کی نفی نہیں ہو سکتی اور یہ انکشاف مانع ہے قبول ایمان سے پس اشکال رفع ہو گیا۔

اب ایک سوال رہ گیا کہ جب یہ حالت مانع ہے قبول ایمان سے اور ایمان نام ہے تصدیق کا اور وہ بعد انکشاف آخرت کے مقبول نہ تھی اگرچہ زبان سے تلفظ کیا جاوے پھر تلفظ سے روکنے سے کیا فائدہ ہوا اور اگر زبان سے اقرار کرنا کسی درجہ میں مفید بھی مان لیا جائے تو اقرار کا قصد بھی کافی ہونا چاہئے اگرچہ کسی عذر سے عجز ہو گیا ہو اور یہاں عجز ہو گیا کیچڑ کی وجہ سے تو وہ اقرار مفید متحقق ہو گیا پھر کیچڑ ٹھونسنے سے کیا فائدہ ہوا؟

سو اس کا جواب وہی ہے جو اوپر گزرا کہ جبرائیل علیہ السلام نے ظاہری رحمت کو بھی اس لئے گوارا نہیں کیا اگرچہ رحمت ظاہر کا ایک گونہ ظہور نعش کو محفوظ رکھنے سے ہو گیا جیسا کہ ارشاد ہے فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ الآیہ آج ہم تیرا بدن مثال کے لئے قائم رکھتے ہیں۔

مگر اس پر بھی ایک سوال ہے کہ اسی ظاہری رحمت میں ان کا کیا حرج تھا۔ اس کا جواب وہی ہے جس کو میں ذکر کر رہا ہوں کہ اس فعل کا منشاء غلبہ بغض فی اللہ تھا اس میں یہ بھی گوارا نہ ہوا اس مبغوض حق سے ایسا بغض بدوں غلبہ عشق حق کے ہو نہیں سکتا۔ اسی طور پر حدیث سے معلوم ہو گیا کہ ملائکہ میں محبت عشقیہ ہے اور شیطان میں یہ محبت نہ تھی اس لئے وہ کم بخت سجدہ نہ کر سکا پس محبت کا ہونا ضروری ہوا بغیر محبت کے نری طاعات وعبادات وعلوم کافی نہیں کیونکہ ان کا بھروسہ کچھ نہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ محبت طبعی ہی کا غلبہ ہو بلکہ محبت عقلی کا غلبہ بھی کافی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوۡرَۃ ھُوۡد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا
ترجمہ: اور کوئی (رزق کھانے والا) جاندار روئے زمین پر نہیں کہ اس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔

تفسیری نکات

اس جگہ ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا اور کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا چلنے والا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

ہر شخص کی روزی اللہ کے ذمہ ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کا رزق خدا کے ذمہ ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ قحط کے زمانہ میں بھوکوں مرجاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے رزقہا میں اضافت ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کا رزق مقدر ہے اس کا پہنچانا خدا کے ذمہ ہے اب جو لوگ بھوکوں مرجاتے ہیں ان کا رزق ہی نہ رہا تھا۔ اس لئے وہ فاقہ سے مرگئے اگر ان کا رزق باقی ہوتا تو کبھی فاقہ سے مرتے۔

واعظین کی ایک غلطی

اور اسی طرح بعض واعظین کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ رزق کا فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا تو پھر لوگ پریشان کیوں ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا اس آیت پر ایمان نہیں ہے سو یاد رکھو کہ یہ الزام بھی محض غلط ہے کہ اس آیت پر مسلمانوں کا ایمان نہیں ہے نہیں ضرور سب کا ایمان ہے اور باوجود ایمان ہونے کے پریشانی بھی اس کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے تفصیل

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس اجمال کی یہ ہے کہ وعدے دو قسم کے ہیں۔ایک مبہم اور ایک معین اللہ تعالیٰ نے مبہم وعدہ فرمایا ہے کہ رزق ملے گا لیکن یہ نہیں فرمایا کہ کب ملے گا اور کہاں سے ملے گا اور کس طریق سے ملے گا اور کتنا ملے گا تو پریشانی بوجہ ابہام کے ہے اور ساتھ ہی اس مبہم وعدے پر پورا یقین ہے کہ وقت مقدر پر ضرور ملے گا بعض واعظین اسی الزام کے موکد کرنے کے لئے مثال دیا کرتے ہیں کہ اگر کوئی دوست دعوت کردے تو اطمینان ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اطمینان نہیں یہ بھی غلط اور قیاس مع الفارق ہے اور خواہ مخواہ مسلمانوں کو کافر بنانا ہے واللہ العظیم اگر حق تعالیٰ کے کلام مجید میں معین وعدہ ہوتا تو ہرگز ہرگز کسی کو بھی پریشانی نہ ہوتی اور اگر دعوت میں وقت معین نہ کیا جاوے مبہما کہہ دیا جاوے کہ کسی وقت کی دعوت ہے تو وہاں بھی اطمینان نہ ہوتا یہی بات فرمائی ہے کہ رزق ملے گا اس پر ایمان ہے شریعت میں غلو نہ کرنا چاہئے۔جس قدر جو بات ثابت ہو اس پر رہنا چاہئے اہل کتاب کو ارشاد ہے یاھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم یعنی اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو باوجود ان کے غیر مکلف بالفروع ہونے کے ان کو خطاب کیا گیا تو ہم تو بطریق اولیٰ اس مامور بہ کے مکلف ہوں گے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

اتباع دین میں ضرورت سعی

ہر جاندار کی روزی خدا تعالیٰ کے ذمہ ہے جو بدوں سعی کے بھی اس کو مل سکتی ہے مگر اس پر بھی لوگ دنیوی مقاصد میں سعی کو ضرور سمجھتے ہیں اور آخرت کے ثمرات کا وعدہ تو بدوں سعی کے ہے ہی نہیں چنانچہ صاف ارشاد ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا۔

یعنی ہر شخص کو اس کے عمل کا ثمرہ ملے گا جیسا کریگا ویسا بھرے گا پھر تعجب ہے کہ لوگ دین میں سعی کو کس لئے ضروری نہیں سمجھتے جب کہ بدوں سعی کے اس کے حصول کا وعدہ نہیں' اہل اللہ نے اس فرق پر نظر کر کے دنیوی مقاصد کے لئے سعی کو ترک کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ روزی کا ذمہ تو حق تعالیٰ نے لے لیا ہے اس کے لئے سعی کی کیا ضرورت ہے اور دین کے کاموں کو ہمارے اوپر چھوڑ دیا ہے ہم کو اس کے لئے سعی کرنا چاہئے۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ دنیا خدا کا ایک گھر ہے اور ہم یہاں مہمان ہیں اور حدیث میں وارد ہے الضیافۃ ثلاثۃ ایام کہ مہمانی تین دن تک کرنی چاہئے جب ہم دنیا میں آئے تو تین دن تک تو ہم خدا تعالیٰ کے مہمان ہیں اور خدا تعالیٰ کے یہاں ایک دن ہزار سال کا ہوتا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے وان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون تو ہم کو تین ہزار سال کے لئے تو بالکل بے فکری ہے اگر اس سے زیادہ عمر ہوئی تو پھر کچھ انتظام سوچ لیا جائے گا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

طبعی وعقلی خوف کا فرق

اب یہاں سے واعظین کی غلطی معلوم ہوگئی کہ وہ اپنے وعظوں میں اس قسم کے مضامین بیان کیا کرتے ہیں کہ افسوس ہے مسلمانوں کو خدا پر اتنا توکل بھی نہیں جتنا ایک دوست پر بھروسہ ہوتا ہے اگر ایک دوست یہ کہہ دے کہ شام کو تمہاری دعوت ہے تو فوراً چولہا ٹھنڈا کردیں گے اور خداتعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ جس کی روزی خدا کے ذمہ نہ ہو مگر خدا کے وعدہ پر ایسا اطمینان نہیں ہوتا یہ ان کی غلطی ہے اس لئے کہ دوست کی دعوت پر اس واسطے چولہا ٹھنڈا کیا ہے کہ اس نے وقت کی تعیین کردی تھی کہ شام کو دعوت ہے اور تعیین میں یہ خاصہ طبعی ہے اور خداتعالیٰ کا وعدہ مطلق ہے کسی وقت کی اس میں تعیین نہیں ہے اگر یہاں بھی تعیین ہوتی تو کوئی مسلمان ہرگز چولہا گرم نہ کرتا۔ یہاں اہل توکل کو بھی عقلی توکل ہے۔

خوف طبعی

یہاں سے یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا کہ حق تعالیٰ نے انبیاء کی نسبت فرمایا ہے یخشونه ولا یخشون احدا الا اللہ کہ وہ خداتعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں آیا ہے کہ وہ اژدہا سے ڈر گئے تھے جواب یہ ہے کہ وہ خوف طبعی تھا۔ اور نص میں خوف عقلی مراد ہے اور خوف عقلی انبیاء کو خداتعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ہوتا کیونکہ ان کا اعتقاد یہ ہے وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کہ بدوں خدا کے حکم کے کوئی چیز ضرر نہیں دے سکتی۔ وہ ضار ونافع حق تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہیں۔

اس آیت میں صراحۃً بیان فرمایا ہے جو سورہ ہود کی آیت ہے

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

(اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ ناامید اور ناشکر ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھائیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد رخصت ہوا (اب) وہ اترانے لگتا ہے اور شیخی بگھارنے لگتا ہے۔ مگر جو لوگ مستقل مزاج ہیں اور نیک کام کرتے ہیں (اور وہ ان کی طرح نہیں ہوتے ایسے لوگوں کے لئے بڑی مغفرت اور بڑا اجر ہے)

رحمت ظاہرہ وباطنہ

اس میں حق تعالیٰ نے انسان کا ایک طبعی خاصہ بیان فرمایا ہے کہ اس کی حالت یہ ہے کہ اگر ہم اس کو کسی

(c) ketabton.com: The Digital Library

رحمت کا مزہ چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ ناامید اور ناشکر ہو جاتا ہے یہاں رحمت عام ہے رحمت ظاہرہ و باطنہ دونوں کو کیونکہ اس جگہ اس کو اطلاق کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

رحمت کی دو قسمیں

دوسری جگہ تصریح فرمائی ہے کہ رحمت کی دو قسمیں ہیں چنانچہ ارشاد ہے وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنی نعمتوں کو کامل کیا ہے ظاہری بھی اور باطنی بھی نعمت ظاہرہ کے معنی یہ ہیں کہ محسوس ہو اور باطنہ وہ ہے جو محسوس نہ ہو خواہ دینی نعمت ہو یا دنیوی نعمت باطنہ دینیہ کی مثال تو شوق و ذوق وغیرہ سے ایسے ہی انس واطمینان وغیرہ رنگ مختلف ہیں کسی نعمت کا رنگ کیفیت عشقیہ جذبیہ کے ساتھ ہے اور کسی کا سلوک و معرفت عقلیہ کے طور پر باقی نعمت ہونے میں دونوں برابر ہیں اور نعمت باطنہ دنیویہ کی مثال عقل وشعور وادراک وتمیز وذکاوت وفطنت وعلم وغیرہ ہے بہرحال یہاں نعمت باطنہ سے اصطلاح تصوف تو مراد ہے نہیں مگر صوفیہ جن کو نعم باطنہ کہتے ہیں وہ بھی اس میں داخل ضرور ہیں گو ان میں انحصار نہ ہو اور منا کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں رحمت غیر مکتسبہ موہوبہ مراد ہے جس میں اختیار انسان کو دخل نہ ہو۔ کیونکہ نعمت مکتسبہ اختیاریہ کے سلب پر رنج کرنے کی ممانعت نہیں نہ اس پر یہ وعید ہے مثلاً کوئی شخص نماز پڑھتا روزے رکھتا ہے پھر کسی دن یہ نعمت سلب ہو جائے کہ نماز روزہ فوت کر دے تو اس پر رنج ہونا چاہئے اور اس رنج کرنے پر کوئی وعید نہیں ہے یہ وعید تو رحمت موہوبہ غیر مکتسبہ کے سلب پر رنج و پریشانی کرنے کے متعلق ہے چنانچہ منا رحمۃ اس کا قرینہ ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ امور غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہیں ہے نہ سلباً نہ وجوداً اگر کوئی نعمت موہوبہ بدوں اس کے اختیار کے سلب ہو جائے تو اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا نہ قرب میں کمی ہوگی اور اگر کوئی مصیبت وظلمت بدوں اس کے اختیار کے پیدا ہو جائے تو اس پر بھی مواخذہ نہ ہوگا نہ قرب میں کمی آئے گی بشرطیکہ اپنے اختیار کو ذرا دخل نہ دے مثلاً برے برے وسوسے از خود آنے لگیں۔

آگے فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ اس میں اول مغفرت کو مقدم فرمایا اس کا مزہ عشاق سے پوچھو غیر عشاق کو اس کی زیادہ قدر نہ ہوگی وہ تو سمجھیں گے کہ بس صبر اور اعمال صالحہ کا صلہ کیا ملا کہ گناہ بخش دیئے گئے نہ جنت کا ذکر ہے نہ حور وقصور کا مگر عشاق کے دل سے اس کی قدر پوچھو کہ وہ اس کو سنتے ہی زندہ ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ تو طلب رضا ہی میں مرتے ہیں اور جنت کی طلب بھی وہ رضا ہی کے لئے کرتے ہیں مولانا فرماتے ہیں۔

با تو دوزخ جنت است اے دلربا   بے تو جنت دوزخ ست اے جانفزا

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ

ترجمہ: کیا (اس دعویٰ یا دلیل کو) تمہارے گلے مڑھ دیں گے اور تم نفرت کئے جاؤ

تفسیری نکات

نفی جبر

کہ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ میں مشہور یہ ہے کہ یشاء کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے کہ اللہ میاں جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور یہ عقیدہ بالکل حق ہے مگر بعضے کج فہم اس سے جبر پر اور ترک سعی پر استدلال کرنے لگے گو جواب ظاہر ہے کہ اس مشیت سے مشیت عبد کی نفی لازم نہیں آتی کہ جبر پر استدلال ہو سکے لیکن ایک دوسرا جواب بھی جو ایسے اغبیاء کے لئے زیادہ سہل ہے میرے خیال میں آیا کہ یشاء کی ضمیر من کی طرف راجع ہو یعنی جو خود اپنی ہدایت چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت کر دیتے ہیں اور یہ امر مشاہد ہے کہ جو شخص ہدایت چاہتا ہے اس کو ہدایت فرما ہی دیتے ہیں

اگر چہ یہ تفسیر کسی سے منقول نہ ہو مگر تائید اس کی دوسری آیت سے ہوتی ہے

اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ یعنی عادت خداوندی یہی ہے کہ جب آدمی ارادہ کرتا ہے اس وقت حق تعالیٰ کی مشیت بھی متعلق ہو جاتی ہے۔

مسئلہ تقدیر

پھر اگر کوئی اس پر اشکال وارد کرے کہ خود ارادہ اس کا بھی تو مشیت حق پر موقوف ہے یعنی ہم نے یہ مانا کہ جب یہ ارادہ کرتا ہے اس وقت خدا تعالیٰ چاہتے ہیں بلا اس کے ارادہ کئے ہوئے خدا تعالیٰ کسی پر اپنی ہدایت کو نہیں چمٹاتے مگر خود اس کا ارادہ بھی تو خدا تعالیٰ ہی کی مشیت پر موقوف ہے یعنی بدوں خدا کی مشیت کے تو یہ ارادہ بھی نہیں کر سکتا بلکہ پہلے خدا کی مشیت ہوگی پھر بندہ کا ارادہ ہوگا چنانچہ صاف ارشاد ہے

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ تو اصل یہ ہے کہ بے شک بندہ ارادہ اسی وقت کرتا ہے جب خدا کی مشیت ہو اور بدوں خدا کی مشیت کے بندہ ارادہ نہیں کر سکتا۔ مگر تم کو تو پہلے سے معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کی مشیت نہ ہوگی بس تم مشیت کر کے تو دیکھو اور چاہ کر دیکھو جب تم اپنی مشیت پوری کر لو اور اس وقت بھی اگر خدا کی مشیت نہ ہو تب بے شک تم مجبور سمجھے جاؤ گے بس تمہاری مشیت خدا تعالیٰ کی مشیت کی دلیل انی ہوگی یعنی قبل سے تمہیں کیا معلوم کہ خدا کی مشیت نہیں ہوگی یہ تو بعد میں معلوم ہوگا اور معلوم نہ ہونے کی صوت میں اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

وقت تمہاری طرف تمہارا کام نہ کرنا یہ دلیل لی ہے تمہاری بدمعاشی اور شیطنت کی کیونکہ اس وقت تمہیں خدا کی عدم مشیت کی کیا خبر' غرض اگر مشیت کے وجود یا عدم کی ایسی ہی تحقیق مطلوب ہے تو تم مشیت کر کے دیکھو کہ خدا کی مشیت ہوئی یا نہیں اس وقت معلوم ہوگا کہ مشیت ہوئی اور بدوں اپنی مشیت کے تم نے مشیت حق کی نفی کا کیسے حکم لگا دیا یہ تو تحقیقی جواب ہے۔

اور الزامی جواب یہ ہے کہ مشیت الٰہی عام ہے دنیوی اور اخروی تمام افعال کو تو جیسا اخروی افعال میں یہ عذر ہے کہ اگر حکم خداوندی ہوگا اور خدا کی مشیت ہوگی تو کار خیر کر لیں گے تو دنیاوی افعال میں بھی ایسا ہی کیا کرو مگر دنیاوی افعال میں تو ایسا نہیں کرتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق مقصود نہیں ہے محض شرارت ہے۔

قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ قرآن میں نے اپنی طرف سے بنالیا ہے تو اس کا جرم میرے ذمہ ہے اور میں تمہارے جرموں سے بری ہوں یعنی جو کرے گا بھرے گا نہ تم میرے ذمہ دار ہونے میں تمہارا۔

مسئلہ کی دلیل بیان کرنا ہمارے ذمہ نہیں

فرمایا جب کوئی ہم سے مسئلہ پوچھتا ہے تو ہم بتا دیتے ہیں اور خوب سمجھا دیتے ہیں اور دلیل نہیں بیان کرتے کیونکہ دین کا بتانا جس قدر واجب ہے جس کے کتمان پر وعید ہے صرف فتوی ہے دلیل کا بیان کرنا واجب نہیں' 22 شوال روز دوشنبہ در مسجد

فوائد و نتائج ا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت والا مسئلہ کی دلیل بھی بیان نہیں فرماتے تمام تصانیف مواعظ حضرت والا کے اس کے شاہد ہیں کہ کس وضاحت اور ثبوت کے ساتھ ہر بات کو بیان فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر جگہ دلیل کے بیان کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے بہت سے موقع پر ایسے بھی ہوتے ہیں کہ دلیل کا بیان کرنا بیکار ہوتا ہے بلکہ بعض جگہ مضر ہوتا ہے تو حال یہ ہوا کہ مفتی کو موقع و محل کا سمجھنا اور مستفتی کی حالت کا اندازہ کرنا از حد ضروری ہے تکلموا الناس علی قدر عقولھم جہاں دلیل کے بیان کرنے سے نفع ہو بیان کرے ورنہ نہ کرے بلکہ بعض موقعوں پر نفس مسئلہ کا جواب دینا بھی غیر ضروری بلکہ مضر ہوتا ہے علماء کو اس کا بہت خیال چاہئے جیسا کہ رائج ہے کہ جو کچھ بھی پوچھا جاوے اس کا جواب دینا ضروری سمجھا جاتا ہے جو سوال سینکڑوں دفعہ کئے گئے اور وہ مسائل ضرورت سے زیادہ منقح ہو چکے لوگ پھر بار بار پوچھتے ہیں اور ناتجربہ کار عالم اس کی از سر نو تنقیح کرنے لگتے ہیں گڑا ہوا فتنہ پھر اکھڑ آتا ہے اور سوائے تو تو میں میں کے کچھ حاصل نہیں ہوتا راقم سے ایک جگہ پوچھا گیا کہ کوے کی نسبت تیرا کیا خیال ہے راقم کو معلوم تھا کہ یہ لوگ صرف بک بک

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرنے والے ہیں نہ تحقیق کی قابلیت ہے نہ تحقیق مقصود جواب دیا کہ اس باب میں دو فریق ہیں محرم اور مبیح ایک کے ساتھ مجھے بھی سمجھ لیجئے اور اگر دوبارہ پوچھو گے تو جواب یہ ہے کہ میں نہیں بتاتا کہ میرا کیا خیال ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی سوال کا جواب نہ دینا من سئل عن علم فکتمه الجم بلجام من النار کے مصداق بنتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے سوال سوال بھی علم ہی نہیں کیونکہ مقصود علم نہیں مقصود فتنہ پردازی ہے مجادلین کے جواب میں خود حضور ﷺ کو حکم ہوا کہ سوال جیسا جواب دے کر ٹال دیجئے کہیں فرماتے ہیں لا حجة بيننا و بينكم اور کہیں افتريته فعلى اجرامی وانا بری مما تجرمون اور کہیں قل ان افتريته فلا تملكون لی من الله شيئا وغیرہ من الآیات ہاں طالب علموں اور سمجھدار لوگوں سے اور تحقیق پسندوں سے دلیل بیان کرنا اور تشفی کر دینا مناسب ہے واجب یہ بھی نہیں حالانکہ معلم تنخواہ اسی کی پاتا ہو حضرت والا کے پاس ایک سوال آیا کہ اوج بن عنق اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا عصا کتنے کتنے لمبے لمبے تھے جواب لکھا کہ جیسا یہ سوال غیر ضروری ہے جواب کی بھی ضرورت نہیں کسی سال کے جواب میں تحریر فرما دیتے ہیں مجھے فرصت نہیں کسی کو لکھ دیتے ہیں کسی اور عالم سے پوچھ لو کسی کا جواب نہیں دیتے اور اگر جواب کے لئے ٹکٹ بھیجا ہو تو اس کو واپس کر دیتے ہیں۔ کسی کو لکھ دیتے ہیں کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق منظور نہیں لہٰذا تضیع وقت سمجھ کر سکوت کیا جاتا ہے کسی سے ایک دفعہ اصل مسئلہ کی تقریر کر کے فرما دیا اس سے زیادہ مجھ کو معلوم نہیں آپ کی تشفی محبہ سے۔

قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ

ترجمہ: حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ آج اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں لیکن جس پر وہی رحم کرے۔

تفسیری نکات

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے ایک آیت کی تفسیر

فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں جو یہ آیت آتی ہے لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ اس کی تفسیر میں اکثر آئمہ تفسیر نے یہ فرمایا ہے کہ یہاں عاصم بمعنے معصوم ہے فرمایا کہ اس میں تکلف ہے اور بے تکلف تفسیر یہ ہے کہ یہاں اصل میں دو جملے تھے ایک لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ دوسرا لا معصوم الا من رحم ان دونوں کو ملا کر ایک جملہ میں ادا کر دیا گیا۔ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَيٰقَوۡمِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ يُرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَيۡكُمۡ مِّدۡرَارًا وَّيَزِدۡكُمۡ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمۡ وَلَا تَتَوَلَّوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: اے میری قوم تم اپنے گناہ (کفر و شرک وغیرہ) اپنے رب سے معاف کراؤ (یعنی ایمان لاؤ) پھر (ایمان لاکر) اس کی طرف متوجہ رہو وہ تم پر خوب بارش برسادے گا اور (ایمان وعمل کی برکت سے) تم کو اور قوت دے کر تمہاری (موجودہ) قوت میں ترقی کردے گا۔ (پس ایمان لے آؤ) اور مجرم رہ کر (ایمان سے) اعراض مت کرو۔۱۲

تفسیری نکات

اصلاح کے دو درجے

حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کو ارشاد فرماتے ہیں اے میری قوم اپنے رب سے مغفرت مانگو پھر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ خلاصہ ارشاد کا اصلاح کے دو درجے ہیں اول اپنے گناہ معاف کرانا اس کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف طاعت کے ساتھ متوجہ ہونا اس پر کیا ثمرہ مرتب ہوگا یُرۡسِلِ السَّمَآءَ الخ یعنی استغفار اور رجوع الی اللہ کا ثمرہ دنیا میں تم کو یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ تم پر بارش بھیجیں گے اور تمہاری قوت موجودہ کے اندر اور قوت بڑھا دیں گے قوم عاد قوت کے اندر مشہور ہیں آگے ارشاد ہے اور خدا تعالیٰ کے حکم سے روگردانی مت کرو جرم کرتے ہوئے یہ آیت کا ترجمہ ہوا ترجمہ سے مضمون کی اجمالی تعیین ہوگئی ہوگی کہ اس کے دو جز ہیں اول مغفرت مانگنا دوسرے طاعت کی طرف رجوع کرنا خلاصہ حاصل یہ ہے کہ آیت میں دو مامور بہ ہیں استغفار اور رجوع الی الطاعۃ اور دو اس کے ثمرے ہیں۔

اصلاح کے دو ثمرات

اور دو اس کے ثمرے ہیں بارش ہونا اور قوت بڑھ جانا اور کمزوری اور ضعف کا جاتا رہنا اور ایک منہی عنہ ہے وہ مجرم ہو کر اعراض کرنا ہے ہود علیہ السلام نے جو اس میں فرمایا باعتبار مقصود ایراد کے یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا ہم کو ارشاد ہے گویا اللہ تعالیٰ ہم کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر تم کو کسی قسم کی شکایت قحط کی یا کمزوری یا اور بار یا تنزل کی ہو تو اس کی تدبیر اور اس کا علاج وہ ہے جو ہم نے بتلایا ہے۔

توبہ کے لوازم

اب دوسرا جزو اصلاح کا جو آیت میں مذکور ہے یہ ہے ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ یعنی پھر بعد استغفار کے حق تعالیٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی طرف طاعت کے ساتھ رجوع ہو جاؤ' یہ بھی توبہ کے لوازم سے ہے۔

اصلاح کا ثمرہ

آگے اس اصلاح کا ثمرہ بیان فرماتے ہیں یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا یعنی تم پر بارش بہت برسنے والی بھیجیں گے یہ بارش خواہ ظاہر میں ہو یا اگر ظاہر میں دیر بھی ہو گی تو اس بارش کی روح تو ضروری ہو گی اور اس کو باطن کی بارش کہنا چاہئے یعنی قلب پر رحمت کی بارش ہو گی جس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے کہ کامیابی کی غایت طمانیت قلب وراحت روح ہے وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ یعنی دوسرا ثمرہ یہ ہو گا کہ تمہاری موجودہ قوت کو بڑھا دیں گے اس وقت تو قوت مالی و جاہی ہے اصلاح کے بعد قوت قلب عطا فرما دیں گے پھر جو بھی مصیبت آوے گی وہ صورت مصیبت ہو گی اور حقیقت میں یہ حالت ہو گی کہ اس مصیبت پر ہزار راحتیں قربان کرو گے اور زبان حال سے کہو گے۔

ہر چہ از دوست میر سد نیکوست

(جو کچھ محبوب کی جانب سے پیش آئے وہ خیر ہی ہوتا ہے)

آگے ارشاد ہے وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ یعنی اعراض مت کرو مجرم ہو کر مطلق ولا تتولوا نہیں فرمایا۔

تولی کی قسمیں

اس سے معلوم ہوا کہ تولی کی دو قسمیں ہیں ایک صورت تولی ایک حقیقت تولی صورتہ تو یہ کہ بشریت سے غلطی ہو گئی ایسی غلطیوں سے انسان بچ نہیں سکتا اور حقیقت تولی ہوتی ہے مقابلانہ و باغیانہ تو فرماتے ہیں کہ باغیانہ تولی مت کرو یعنی باغی مت بنو اور گناہ سے تو کیسے پاک ہو سکتے ہو لیکن اگر گناہ ہو جائے تو ساتھ کے ساتھ توبہ کر لو حدیث شریف میں ہے کلکم خطاؤن و خیر الخطائین التوابون یعنی تم سب خطاوار ہو اور بہتر خطاوار توبہ کرنے والے ہیں۔ یہ تعلیم ہے حق تعالیٰ کی اور یہ طریق وہ ہے کہ جس سے قومی مالی جسمی دینی دنیوی ترقی ہوتی ہے اس کو پلے باندھو یاد رکھو کہ ہماری دینی دنیوی فلاح دین کے ساتھ وابستہ ہے جب بھی اس کے خلاف ہوا ہے تنزل اور پستی او اد بار اور قحط سب ہی بلائیں مسلط ہو جاتی ہیں۔

ترجمہ: اور اے میری قوم تم اپنے گناہ (کفر و شرک وغیرہ) اپنے رب سے معاف کراؤ۔ (یعنی ایمان لاؤ) پھر (ایمان لا کر) اس کی طرف متوجہ رہو وہ تم پر خوب بارشیں برسا دے گا اور (ایمان و عمل کی برکت سے) تم کو اور قوت دے کر تمہاری (قوت) موجودہ میں ترقی دے گا (پس ایمان لے آؤ) اور مجرم رہ کر (ایمان سے) اعراض مت کرو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

خلاصہ آیت

حضرت ہود علیہ السلام کا ارشاد نقل کرنے میں ایک خاص مصلحت ہے وہ یہ کہ آپ صاحب کو معلوم ہو جاوے کہ یہ مضمون بہت ہی اہتمام کے قابل ہے اس لئے کہ قوم عاد بہت پرانی قوم ہے پس جبکہ وہ بھی اس مضمون کے مخالف ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات کوئی نئی نہیں ہے بلکہ یہ وہ بات ہے کہ ہمیشہ سے انبیاء اپنی اپنی قوم کو کہتے آئے ہیں۔

فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ﴿١٠٦﴾ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ﴿١٠٧﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ﴿١٠٨﴾

ترجمہ: سو جو لوگ شقی ہیں وہ دوزخ میں ایسے حال سے ہوں گے کہ اس میں ان کی چیخ پکار پڑی رہے گی ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے جب تک کہ آسمان وزمین قائم ہیں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے آپ کا رب جو کچھ چاہے اس کو پورے طور سے کرسکتا ہے۔ اور رہ گئے وہ لوگ جو سعید ہیں سو وہ جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے وہ غیر منقطع عطیہ ہوگا۔

آخرت میں دوام تحت المشیت ہوگا

یہاں دو سوال ہیں ایک یہ کہ آیت میں خداوند تعالیٰ نے دونوں مقام میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَا کے بعد مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ فرمایا ہے یعنی خلود ودوام جب تک ہوگا جب تک آسمان وزمین باقی ہیں اور ظاہر ہے کہ حشر ونشر کے وقت جب صور پھونکا جائے گا تو جمیع مخلوقات کی طرح آسمان وزمین بھی فنا ہو جائیں گے۔ تو جبکہ سموات والارض فنا ہوئے اور ان کے واسطے دوام نہ ہوا تو جو خلود اس کے ساتھ ہوگا وہ خلود غیر محدود نہ ہوا تو یہ خلود نہ کفار کے واسطے دوزخ میں ہوا نہ مومنین کے واسطے جنت میں اس کا جواب یہ ہے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

جن آسمان وزمین کے ساتھ تحدید اور ظرفیت دوام کی اس جگہ فرمائی گئی ہے وہ آسمان وزمین ہمارے اس عالم فانی کے سموات والارض نہیں ہیں بلکہ ان سے اس عالم کے سموات والارض مراد ہیں اور ان کا دوام غیر محدود ہے اور اس پر تعجب نہ کرو کہ کیا وہاں بھی آسمان وزمین ہوں گے۔ سو سمجھ لو کہ وہاں کیا آسمان وزمین تو یہاں کے آسمان وزمین سے بھی بڑے ہیں اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں۔

غیب را ابرے و بادے دیگرست   آسمانے آفتابے دیگرست

وہاں کا بادل اور پانی اور ہی پانی ہے وہاں کا آسمان وآفتاب ہی جدا ہے بلکہ میں اس سے بھی زیادہ عجیب بات سناؤں خود اس عالم میں ایسی چیز موجود ہے یعنی روح میں آسمان وزمین اس آسمان وزمین سے زیادہ عجیب موجود ہیں اس کو حکیم سنائی فرماتے ہیں۔

آسماں ہاست در ولایت جاں   کار فرمائے آسمان جہاں

یہاں مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کا جنت میں اور کافرین کا دوزخ میں ہمیشہ رہنا یقینی نہیں مشیت سے ہے اس میں استثناء بھی ہوسکتا ہے کہ کسی وقت اگر چاہیں نکال بھی دیں گے ساری عمر کا وعدہ نہیں ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ جس سے جنتیوں کی تو کمر ٹوٹ گئی ہوگی کہ ہماری ساری تمناؤں اور آرزوؤں کا مدار یہی دوام تھا لیکن قسمت سے یہاں پر بھی دوام سے محروم اور خلود کو ترستے رہے۔ اور دوزخیوں کے غنچہ آرزو کھل گئے ہوں گے کہ بھائی خلود فی النار کو سن کر تمام دنیا کے مزے تلخ ہو رہے تھے چلو اس کھٹکے سے نجات ملی سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں پر ما مصدریہ بمعنی ظرف ہے پس ماشاء ربک کے معانی یہ ہیں الا ان یشاء ربک یعنی خلود تو ہمیشہ رہے لیکن اگر خدا تعالیٰ کی مشیت اس کے خلاف کے ساتھ متعلق ہوجاوے تو خلود نہیں ہوگا لیکن چونکہ دلائل سے یہ امر یقینی ہے کہ مشیت رب بھی اس کی مقتضی نہ ہوگی کہ مومنین کو جنت سے یا مشرکین کو دوزخ سے نکالا جاوے لہٰذا خلود کے خلاف کبھی واقع نہ ہوگا تو خلود ثابت رہا اور کوئی خدشہ خلود میں نہیں رہا باقی یہ کہ نکتہ اس استثناء میں کیا ہوا اور الا ماشاء ربک کے زائد کرنے کا فائدہ کیا ہوا تو وہ فائدہ یہ ہے کہ اس سے مخلوق کے بقاء اور رب العزت کے بقاء میں فرق ظاہر ہوگیا تا کہ کسی غیر محقق کو یہ خیال نہ ہو کہ اوفوہ اب تو ہم کو بھی دوام کا سرٹیفکیٹ مل گیا چلو اب تک جو ہم وجوب کے درہ سے گرے ہوئے تھے اس فرق کی علت یہ ہے کہ گرانمایہ موتی دوام کا تھا جو آج ان کی فیاضی سے ہم کو مل گیا جس کے باعث آج امتیاز کا پردہ اٹھ گیا اور آج سے ہم بھی واجب بن گئے اور ان تخیلات و توہمات کے شرک ہونے میں کوئی شک نہیں لہٰذا اس قسم کے تخیلات موجبہ للشرک سے بچانے کے لئے الا ماشاء ربک فرمایا کہ اس عنوان خالدین فیھا کے معنوں دوام سے بھول نہ جانا یہ نہ سمجھنا کہ ہم مساوی واجب کے ہوکر

(c) ketabton.com: The Digital Library

مملکیت کے پیرا ہن سے خارج ہو گئے نہیں بلکہ تم ممکن ہی ہو اور ہم واجب ہی ہیں دوام اگرچہ تمہارے حصہ میں بھی آ گیا لیکن تمہارا یہ دوام تو داخل تحت المشیۃ ہے ہمارے ارادہ پر موقوف ہے کہ جب تک ہم چاہیں تم کو اس دوام میں رکھیں اور جب چاہیں کان پکڑ کے نکال باہر کریں گو نکالیں گے نہیں مگر پھر بھی تحت المشیۃ ہے بخلاف ہمارے دوام کے کہ ہمارا دوام مستقل بالذات ہے کسی کی مشیت پر موقوف نہیں کوئی احتمال اس دوام کے فنا ہونے کا نہیں ہے اس نکتہ کی طرف شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس آیت کی تفسیر میں بہت سہل عنوان سے اشارہ فرمایا ہے کہ اس سے مقصود صرف یہ بتلانا ہے کہ یہ دوام تحت المشیۃ ہے۔

ترجمہ: اور رہ گئے وہ لوگ جو سعید ہیں سو وہ جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے وہ غیر منقطع عطیہ ہوگا۔

سعادت ونحوست کی حقیقت

سعادت کی حقیقت لغت میں نیک بختی ہے جس کے معنی ہیں خوش قسمتی مطلب ہی ہوا کہ جو لوگ اچھے نصیب والے ہیں وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور اس حقیقت سے یہ نہ سمجھا جائے کہ دخول جنت میں عمل کو دخل نہیں بلکہ جس کا نصیب اچھا ہے جس کی تقدیر بھلی ہے وہی جنت میں جائے گا سو یہ خیال بالکل غلط ہے کہ جنت میں جانے کے لئے عمل کی ضرورت نہیں اگر ایسا ہوتا تو قرآن وحدیث دوقومی کی تاکید اور گناہوں پر وعید کیوں ہوتی؟ کیا یہ تاکید ووعید بے کار ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ جس کے نصیب اچھے ہیں جس کی تقدیر بھلی ہے اس کے متعلق وہاں یہی لکھا جاتا ہے کہ فلاں شخص چونکہ عمل نیک کرے گا اس لئے جنت میں جائے گا پس صاحب نصیب وہی ہے جو نیک عمل کرتا ہے اور بدنصیب وہ ہے جو برے عمل کرتا ہے نصیب کا اچھا ہونا تقدیر کا بھی ہونا عمل صالح پر موقوف ہے قانون اور قاعدہ یہی ہے۔

یوں خلاف قاعدہ کسی پر فضل ہو جائے وہ اور بات ہے مگر وہ بھی صرف ہمارے نزدیک خلاف قاعدہ ہوگا کیونکہ ہم کو اس کے عمل کی خبر نہیں باقی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بھی خلاف قاعدہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کی پوری خبر ہے تو جس کو باوجود بدعملی کے بدوں عذاب جنت میں بھیجا جائے گا اس کے پاس کوئی عمل صالح اتنا بڑا ہوگا جو تمام گناہوں پر غالب آ گیا ہے جس کی خبر خدا تعالیٰ کو تھی ہم کو خبر نہ تھی۔

سعادت کے دوسرے معنی اور بھی ہیں جو نحوست کے مقابل ہیں یعنی بابرکت ہونا اس کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ بابرکت ہیں وہ جنت میں جائیں گے اور جو منحوس ہیں وہ جہنم میں جائیں گے اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ حقیقی منحوس کون ہیں؟ صرف وہ ہیں جو کہ جہنم میں جائیں گے۔ اور یہ جو مشہور ہے نحوست کہ بعض لوگ قمری کو یا الو کو یا کیلے کے درخت کو منحوس سمجھتے ہیں یا بعض ایام کو منحوس سمجھتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں میرٹھ

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں ایک بنیا منحوس گھوڑوں کو خریدتا تھا اور بہت نفع کماتا تھا اس کے حق میں وہی بابرکت تھے بعض لوگوں کو قرآن کی اس آیت فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ تو ہم نے ان پر ایک ہوائے تند ایسے دنوں میں بھیجی جو (ان کے حق میں) منحوس تھے سے شبہ ہوگیا ہے کہ بعض ایام بھی منحوس ہوتے ہیں مگر انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ایام نحسات کی تفسیر دوسری آیت میں سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ وارد ہوئی ہے تو اس کو ملا کر یہ لازم آئے گا کہ کوئی دن بھی مسعود نہیں بلکہ سب ایام منحوس ہی ہیں اور اس کا کوئی قائل نہیں لہذا اس سے استدلال صحیح نہیں ہوسکتا دراصل ایام میں سعد ونحس کا مسئلہ اہل نجوم کا اختراع ہے اور شیعہ نے حضرت علیؓ کی طرف بھی اس کو منسوب کیا ہے مگر وہ روایت موضوع ہے شریعت میں بعض ایام متبرک تو ہیں مگر منحوس کوئی دن نہیں رہا یہ سوال کہ پھر ایام نحسات کے کیا معنی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے معانی نحسات علیہم ہیں یعنی قوم عاد کے حق میں وہ ایام منحوس تھے کیونکہ ان پر ان ایام میں عذاب آیا تھا اور وہ عذاب مسبب تھا کفر ومعصیت سے پس معلوم ہوا کہ اصل نحوست کی چیز معصیت ہے بہرحال خود اس آیت سے معلوم ہوا کہ سعادت نام ہے طاعت کا اور نحوست نام ہے معصیت کا‘ اب بتلاؤ کہ منحوس ہم ہیں یا الو اور قمری اور کیلا‘ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں معصیت سے مبرا ہیں تو یہ کیسی غلطی ہے کہ ہم اپنی نحوست کو دوسری چیزوں پر ٹالتے ہیں بس ہماری وہ حالت ہے۔

حملہ برخود میکنی اے سادہ مرد ہمچوں آں شیرے کہ برخود حملہ کرد

سعدوا میں نکتہ

اب میں اس آیت کے متعلق چند علمی نکات بیان کر کے ختم کرنا چاہتا ہوں میرے خیال میں اس جگہ سعدوا بصیغہ مجہول میں ایک راز یہ سمجھ آتا ہے بشرطیکہ لغت سے اس کی تائید ہو جائے اور مسعد کا متعدی ہونا معلوم ہو جائے مجھے یہاں قاموس نہیں ملی ورنہ تحقیق کر لیتا (لغت سے اس کی تائید نہیں ملی سعد وسعد بالفتح و بالضم بمعنی واحد ہے متعدی اسعد اللہ ہے مگر مفعول نہیں بلکہ مسعود ہے کما فی القاموس میں کہتا ہوں کہ اس تحقیق کے بعد اس نکتہ کو اس طرح بدل دیا جائے گو سعدوا متعدی نہیں مگر صورت متعدی کی رکھتا ہے اس صورت میں اس نقطہ کا الہام ہے گو دلالت نہیں (اشرف علی) کہ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ تم جو کامیاب اور نیک بخت کئے گئے ہو یہ تمہارا کیا ہوا نہیں بلکہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے محض عنایت ہی عنایت ہے کیونکہ ہر چند کہ سعادت کا مدار عمل صالحہ پر ہے مگر عمل صالح کی توفیق محض حق تعالیٰ کے فضل سے ہے یہ جو آپ کو نماز کا شوق ہے اور رات کو تہجد میں اٹھتے ہیں یہ آپ کا کام نہیں بلکہ کوئی اور ہی ابھار رہا ہے بس ہماری حالت یہ ہے۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ است

یہ تو سعدوا میں نکتہ تھا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

دو علمی نکتے

اس کے بعد مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کے متعلق دو علمی نکتے عرض کرتا ہوں کیونکہ اس پر بظاہر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ اہل جنت کا جنت میں خلود آسمان وزمین کے دوام کے برابر ہوگا اور آسمان وزمین کا دوام محدود ہے تو اہل جنت کا خلود بھی محدود ہوا۔

اس کا جواب تو یہ ہے کہ یہاں پر سموت والارض سے مراد جنت کے آسمان وزمین ہیں دنیا کے آسمان وزمین مراد نہیں مطلب یہ ہوا کہ جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے جب تک جنت کی زمین وآسمان رہے اور جنت کی زمین وآسمان کا دوام غیر محدود ہے ان کے لئے کبھی فنا نہیں تو اب کسی شبہ کی گنجائش نہیں اور اس کی دلیل کہ جنت کی زمین وآسمان کا دوام محدود نہیں وہ آیات ہیں جن میں خلدین فیھا ابدا وارد ہے اور احادیث ہیں جن میں یا اهل الجنة خلود ولا موت و یا اهل النار خلود ولا موت وغیرہ وارد ہے۔

رہا یہ سوال کہ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسا جیسے کسی کو انعام میں کوئی گاؤں دیا جائے اور یوں کہا جائے کہ جب تک یہ گاؤں باقی ہے اس وقت تک تم اس کے مالک ہو تو اسی طرز سے مخاطب کی پوری تسلی ہو جاتی ہے کہ مجھ سے اس کا چھیننے والا کوئی نہیں یہی مقصود اس جگہ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ کے بڑھانے میں ہے۔

اس کے بعد اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کے متعلق ایک اشکال کو دفع کرنا چاہتا ہوں بظاہر اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا سے استثناء ہے ترجمہ یہ ہوا کہ اہل سعادت جنت میں ہمیشہ رہیں گے مگر جب خدا چاہے تو اس سے شبہ ہوتا ہے کہ کسی وقت اہل جنت کا خلود منقطع بھی ہو جائے گا یا انقطاع کا احتمال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ میرے نزدیک یہ خالدین سے مستثنیٰ نہیں بلکہ الذین سعدوا سے استثناء ہے اور ما بمعنی من ہے حاصل یہ ہوا کہ جو لوگ اہل سعادت ہیں وہ جنت میں جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے وہ جنت میں نہ جائے گا یعنی بعض اہل سعادت ایسے بھی ہیں جن کو ہم لوگ سعید سمجھتے ہیں مگر خدا کے نزدیک وہ سعید نہیں ہیں واللہ یہ بات قاصمۃ الظہر ہے اس نے عارفین کی کمر توڑ دی ہے کیونکہ اس کی کسی کو خبر نہیں ہے کہ ہم خدا کے نزدیک کیسے ہیں۔

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

ابن عباسؓ نے دوسری جگہ سورہ اعراف میں اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ میں ما کو بمعنی من فرمایا ہے اس میں اور اس میں بظاہر کچھ فرق نہیں اس لئے یہاں بھی ما کو بمعنی من کہنے میں کچھ حرج نہیں اور اس کے بعد خلود اہل جنت میں کچھ اشکال باقی نہیں رہتا کیونکہ اس میں خلود سے استثناء نہیں ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس کی ایک اور تفسیر کی ہے جو بہت ہی عجیب ہے وہاں تک کسی کا ذہن نہیں پہنچ سکتا اس کا حاصل یہ ہے کہ الا ماشاء ربک سے اللہ تعالیٰ کو فرق کرنا منظور ہے اپنی ابدیت اور اہل جنت کی ابدیت سے کہ خدا تعالیٰ کی ابدیت کسی کی مشیت کے تابع نہیں اور اہل جنت کی ابدیت داخل مشیت ہے ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ سے فقط یہ بات بتلانا مقصود ہے کہ اہل جنت کی ابدیت مستقل نہیں بلکہ تابع مشیت الٰہیہ ہے یہ مطلب نہیں کہ یہ ابدیت کسی وقت منقطع ہو جائے گی کیونکہ دوسری نصوص سے یہ امر معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کی مشیت جو خلود اہل جنت کے متعلق ہے وہ کبھی منقطع نہ ہوگی یہ حاصل ہے شاہ صاحب کی تفسیر کا۔

مگر ان کی عبارت سے یہ مضمون ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ وہی سمجھے گا جس کو یہ معلوم ہو کہ اس مقام پر ایک اشکال ہے جس کو شاہ صاحب رفع کرنا چاہتے ہیں واقعی شاہ صاحب نے اس کو بہت سہل اور مختصر عنوان سے رفع کر دیا ہے جو ان کے تبحر علم کی دلیل ہے۔

ایک آریہ نے یہ اعتراض دوسرے عنوان سے شائع کیا تھا کہ خدا کا وجود بھی غیر متناہی ہے اور جنتیوں کا وجود بھی غیر متناہی ہے تو دونوں برابر ہو گئے۔

میں نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ خدا تعالیٰ کا وجود غیر متناہی بالفعل ہے اور جنتیوں کا وجود غیر متناہی بمعنی لاتقف عند حد ہے مگر شاہ صاحب کا جواب سب سے عمدہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا وجود غیر متناہی بالذات ہے اور اہل جنت کا وجود غیر متناہی بالغیر ہے یعنی مشیت کے تابع ہے یہ چند نکات تھے جو اس آیت کے متعلق تھے اب میں آیات کا خلاصہ عرض کر کے بیان کو ختم کر دوں گا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو آخرت کی راحتوں کی طرف متوجہ فرمایا ہے تا کہ ان کو مستحضر کر کے ہم آخرت کی طرف رغبت کریں اور اس کے لئے سعی کریں اور طریقہ راحت اخرویہ حاصل کرنے کا یہ بتلایا ہے کہ سعادت حاصل کریں جس کا خلاصہ عمل صالح ہے۔

اور یہاں سے میں اہل علم کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اہل علم آج کل علم حاصل کر کے بے فکر ہو جاتے ہیں عمل کا اہتمام اور تکمیل عمل کی کوشش نہیں کرتے اور حیرت ہے کہ اس پر وہ اپنے آپ کو نائب رسول ﷺ سمجھتے ہیں کیا یہی علم مجرد عن العمل وہ شے ہے جس سے تم نیابت رسول ﷺ چاہتے ہو اس علم خالی عن العمل کی تو وہ حالت ہے جس کے متعلق اہل تحقیق یوں فرماتے ہیں۔

علم رسمی سربسر قیل است قال ۔۔۔ نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال

علم چہ بود آں کہ رہ بنمایدت ۔۔۔ زنگ گمراہی زدل بزد ایدت

ایں ہوس ہا از سرت بیروں کند ۔۔۔ خوف وخشیت دردلت افزوں کند

(c) ketabton.com: The Digital Library

تو ندانی جز یجوز ولا یجوز! خود ندانی کہ تو حوری یا عجوز
علم ہنود غیر علم عاشقی ماقی تلبیس ابلیس شقی!
علم چوں بردل زنی یارے شود علم چوں برتن زنی مارے شود

حقیقی علم

حقیقی علم وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور وہ بدوں عمل کے نہیں ہوسکتی پس علم بدوں عمل کے جہالت کی مثل ہے۔ ؎ علمے کے رہ حق نہ نماید جہالت ست

غرض علم محض پر کفایت کرنا بڑی غلطی ہے۔ علماء وطلباء کو عمل کا پورا اہتمام کرنا چاہئے جب ہی ان کو سعادت حاصل ہوگی چونکہ اس بیان میں اہل علم وطلباء بھی شریک ہیں اس لئے یہ مضمون طالب علموں کی ضرورت کا بیان کردیا گیا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا وآخرت کا چین چاہتے ہوتو سعادت حاصل کرو اور ایسی سعادت جس سے جنت کا دخول اولی حاصل ہو اور حق تعالیٰ کا قرب کامل عطا ہو علم دین مع العمل ہے گو سعادت کا ایک درجہ مجرد علم سے اور مجرد عمل سے بھی حاصل ہوسکتا ہے کیونکہ نجات مطلق کے لئے نفس ایمان واسلام بھی کافی ہے مگر ناقص درجہ پر کفایت کرنا غلطی ہے۔

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝

اس میں اہل جنت واہل جہنم دونوں کے لئے خٰلِدِيْنَ فِيْهَا کے ساتھ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کی قید ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ جنت ونار میں خلود مطلق نہ ہوگا بلکہ مقید ببقاء سموات وارض ہوگا اور اگر اس میں کچھ تاویل بھی کرلی جائے تو آگے اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ میں دوام سے استثناء ہے یہ بھی خلود کو مقید بالمشیت کر رہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ خلود لازم نہیں بلکہ مشیت پر ہے کہ جب چاہیں باہر نکال دیں۔

لطیفہ قلب

اب سنئے کہ مادامت السموات والارض کی تو دو توجیہیں ہیں ایک علماء ظاہر کے قول پر ایک صوفیہ کے قول پر یہ مطلب نہیں کہ جواب ثانی میں کچھ اصول تصوف کو دخل ہے بلکہ چونکہ وہ توجیہ علماء صوفیہ سے منقول تھی اس لئے میں نے علماء صوفیہ کی طرف اس کو منسوب کردیا علماء ظاہر نے تو یہ کہا ہے کہ سموات وارض سے اس آیت میں یہ آسمان وزمین مراد نہیں بلکہ جنت ودوزخ کے آسمان وزمین مراد ہیں کیونکہ عالم آخرت میں بھی آسمان وزمین

(c) ketabton.com: The Digital Library

موجود ہیں مولانا فرماتے ہیں

غیب را ابرے و آبے دیگر است　　آسمانے آفتابے دیگر ست

حکیم سنائی فرماتے ہیں ۔

آسمان ہاست در ولایت جان　　کار فرمائے امان جہاں

در رہ روح پست و بالا ہاست　　کوہائے بلند و صحرا ہاست

گو ان اشعار میں جنت ودوزخ کا بیان نہیں بلکہ لطیفہ قلب کی وسعت کا ذکر ہے کہ اس میں بھی عالم محسوس کا نمونہ موجود ہے مگر میں نے مناسبت کی وجہ سے ان کو پڑھ دیا ہے کیونکہ اس کو عالم آخرت سے بہت مناسبت ہے بہرحال اب وہ اشکال مرتفع ہوگیا کیونکہ جب جنت ودوزخ کے لئے خلود ثابت ہے تو ان کے سماوات وارض کے لئے بھی خلود ہوگا فنا نہ ہوگا پس اب سعداء واشقیاء کے خلود فی الجنۃ والنار کو مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ کے ساتھ محدود کرنے سے اشکال تحدید کا نہیں ہوسکتا رہا یہ شبہ کہ سموات وارض کا لفظ تو عربی لفظ ہے عربی لفظ سے وہی معنی مراد ہوسکتے ہیں جو لغۃ اس سے مفہوم ہوسکیں اور ان الفاظ سے تو لغۃ عالم ناسوت کے آسمان وزمین مفہوم ہوتے ہیں نہ کہ جنت ودوزخ کے پھر یہ تاویل کیونکر صحیح ہوگی جواب یہ ہے کہ سماء وارض کا اطلاق لغۃ ان پر ہو سکتا ہے گو اہل لغت نے اس کو نہ لکھا ہو کیونکہ لفظ عام ہے فالسماء ما یضلک والارض ما یقلک (اور عموم کی دلیل یہ ہے کہ سماء وارض کو اہل لغت نے اس آسمان اور اس زمین کا علم نہیں قرار دیا ورنہ پھر چاہئے کہ آسمان دوم وسوم تا ہفتم کو اور اس طرح طبقات ستہ ارض کو سماء وارض نہ کہہ سکیں کیونکہ اول اول تو لوگوں کو ایک ہی آسمان اور ایک ہی زمین کا علم ہوا تھا تو سماء وارض انہی کے علم ہوگئے بقیہ سموات وارضین کا علم تو بعد میں ہوا پھر ان پر یہ لفظ کیونکر صادق آیا بس جس طرح ان پر صادق آنا لغۃ صحیح ہے اسی طرح اگر اور کوئی فرد سماء یا ارض کا محقق ہوجائے اس پر بھی ان لفظوں کا اطلاق لغۃ صحیح ہوگا۔۱۲ظ) دوسرے اسی میں اختلاف ہے کہ واضع لغت کون ہے راجح یہ ہے کہ حق تعالیٰ واضع لغت ہیں اور انہوں نے آدم علیہ السلام کو سب اسماء کی تعلیم فرمادی تھی وعلم ادم الاسماء کلھا تو حق تعالیٰ نے سماء وارض کو بمعنی عام ہی وضع فرمایا ہے جس میں جنت ونار کے سماء وارض بھی داخل ہیں گو اہل لغت کو ان افراد کا علم نہ ہو چنانچہ جنت کے متعلق ارض کا اطلاق تو خود قرآن میں موجود ہے فرماتے ہیں وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ اور بقیہ اطلاعات کی تصحیح کے لئے یہ نظیر کافی ہے رہا یہ کہ اس تقیید سے فائدہ کیا ہوا کہ اول مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ کی قید لگائی پھر اس پر شبہ وارد ہوا پھر جواب کی ضرورت ہوئی تو بات یہ ہے کہ اس قید کا فائدہ محاورات میں غور کرنے سے معلوم ہوگا مگر افسوس یہ ہے کہ لوگ آج کل علوم درسیہ پہلے پڑھتے ہیں پھر قرآن کے الفاظ کو اصطلاحات درسیہ پر محمول کرنا چاہتے ہیں اس لئے اشکالات میں مبتلا ہوتے ہیں حالانکہ نزول قرآن کا محاورات پر ہے (اس وقت ان درسی اصلاحات کا کہیں وجود بھی نہ تھا ۱۲)

(c) ketabton.com: The Digital Library

فنا اور بقاء

اب محاورات میں غور کر کے دیکھئے کہ اگر ہم کسی شخص کو اپنا مکان رہنے کے لئے دیں اور وہ یہ کہے کہ جناب! یہ مکان مجھے کتنی مدت کے واسطے دیا گیا ہے اور یہ میرے پاس کب تک رہے گا اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب تک یہ مکان رہے گا اس وقت تک تمہارے پاس رہے گا بتلایئے کیا محاورات میں اس سے زیادہ کوئی عنوان دوام و بقاء سکونت کو ظاہر کر سکتا ہے ہرگز نہیں گو اس جگہ اس سے بحث نہیں ہوتی کہ اس مکان کو فی نفسہ دوام و بقاء ہے یا نہیں مگر سائل کو جو یہ تردد ہوا تھا کہ شاید ایسا بھی ہو کہ یہ مکان رہے اور ہم اس میں نہ رہیں یہ شبہ اس جواب سے بالکل رفع ہو گیا اور اس عنوان سے زیادہ کوئی صورت تسلی کی نہیں اسی طرح یہاں بتلایا گیا ہے کہ جب تک جنت و دوزخ موجود ہیں کیونکہ وجود عمارت کا سقف و ارض ہی سے ہوتا ہے تو سموات والارض جنت و نار کا وجود خود ان کا وجود ہے ۱۲۔ اس وقت تک اہل جنت جنت میں اور اہل نار نار میں رہیں گے یہ نہیں ہو سکتا کہ جنت کے ہوتے ہوئے جنتی اس سے نکال دیئے جائیں یا دوزخ کے ہوتے ہوئے دوزخ والے (یعنی کفار ۱۲) اس میں نہ رہیں اس عنوان سے اہل دار کا لزوم دار کے ساتھ بتلا دیا گیا جو اس کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتا تھا رہا یہ کہ لزوم دائم و مستمر ہے یا محدود اس سے دوسرے مقام پر تعرض کیا گیا ہے اور جہاں خالدین فیھا کے ساتھ ابدا کی بھی تصریح ہے یہ توجیہ تو علماء سے منقول ہے اور بعض صوفیہ نے یہ کہا ہے کہ سموات وارض سے مراد سموات وارض ملکوت نہیں بلکہ یہی عالم ناسوت کے سموات وارض مراد ہیں مگر بحالت موجودہ نہیں بلکہ بعد تبدیل کے کیونکہ جس طرح قیامت میں اموات زندہ ہوں گے اور مردے قبروں سے اٹھیں گے اسی طرح آسمان و زمین بھی دوبارہ پیدا ہوں گے۔ ارشاد ہے یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (اور ظاہر ہے کہ مردے جو زندہ ہوں گے وہ بعینہ وہی ہوں گے جو مرنے سے پہلے تھے اسی طرح آسمان و زمین بھی بعد حشر و نشر کے بعینہ یہی ہوں گے اور زمین کو جو نص میں غیر الارض کہا گیا ہے اس سے مغایرت بعض صفات میں مراد ہے مثلاً اس وقت جبال و اشجار اور پستی و بلندی نہ ہوگی بلکہ ساری زمین ہموار ہوگی اور مغایرت وصف سے تغایر ذات لازم نہیں آتا دیکھو اگر کوئی کالا آدمی گورا ہو جائے تو یہ نہ کہیں گے کہ یہ دوسرا آدمی ہو گیا وہ نہیں رہا ۱۲) اور شیخ اکبر کا کشف ہے کہ یہ سموات وارض ناسوت بعد حشر و نشر کے پھر فنا نہ ہوں گے جیسے اہل سموات وارض یعنی جن و انس بھی بعد حشر و نشر کے فنا نہ ہوں گے پس خلود کو مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کے ساتھ نص میں مقید کرنا عدم خلود اہل جنت وغیرہ کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ خالد مذکورہ کے بعد یہ سموات وارض بھی دائم و مستمر ہوں گے اور نص میں ان کی اسی حالت کے ساتھ خلود اہل جنت و نار کو مقید کیا گیا ہے۔ فاندفع الاشکال اور شیخ اکبر کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ کشف کسی نص کے بھی خلاف نہیں اور کوئی نص اس کی مصادم بھی نہیں اس لئے اس کے مان لینے کا مضائقہ نہیں مگر میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ہر کشف اپنی ذات سے ظنی ہے اس پر جزم نہ کیا جائے کیونکہ اس میں امر غیر مجزوم فی نفسہ کے ساتھ جزم ہوگا جو کہ شرعاً جائز نہیں۔

ارضاء رسول

ایک جواب مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کے اشکال کا یہ بھی دیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے کلام اللہ میں ہمارے جذبات کا بہت لحاظ فرمایا ہے چنانچہ اس بناء پر حق تعالیٰ نے لفظ ارض کو سارے قرآن میں بصیغہ مفرد بیان فرمایا ہے حالانکہ نص سے معلوم ہوتا ہے کہ ارض بھی مثل سموات کے متعدد ہیں مگر قرآن میں سموات تو بصیغہ جمع ہیں اور ارض ہر جگہ بصیغہ مفرد ہے اس کا یہی جواب دیا گیا ہے کہ جو بہت لطیف ہے کہ حق تعالیٰ نے سموات وارض کا ذکر اثبات توحید کے لئے مقام استدلال میں فرمایا اور اہل عرب کو سموات کا تعدد تو معلوم تھا زمین کا تعدد معلوم نہ تھا اگر ارض کو بصیغہ جمع لایا جاتا تو آپس میں شور وشغب شروع ہو جاتا اور مقدمات ہی میں خلط مبحث ہو جاتا اور ہدایت میں تاخیر ہوتی یا کمی رہتی اس لئے حق تعالیٰ نے مخاطبین کے مذاق کی رعایت فرما کر تمام قرآن میں ارض بصیغہ مفرد ہی بیان کیا سبحان اللہ کتنی بڑی عنایت ہے حق تعالیٰ کی کہ وہ زائد باتوں میں ہدایت کو مؤخر کرنا نہیں چاہتے جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو اب سمجھئے کہ یہاں بھی حق تعالیٰ نے ہمارے مذاق کے موافق دوام واستمرار کو بیان فرمایا ہے یعنی سموات وارض سے یہی آسمان زمین بحالت موجودہ مراد ہیں پھر بھی اشکال کچھ نہیں کیونکہ گو یہ زمین و آسمان فنا ہونے والے ہیں مگر اذہان عامہ میں ان کا فنا متحضر نہیں ہے چونکہ اس کی ابتداء کسی نے دیکھی نہیں اور قرن گزر گئے کہ اس پر ابھی تک فنا بھی طاری نہیں ہوا اس لئے اذہان عامہ میں اس کا فنا ہونا متحضر نہیں ہوتا گو اعتقاد دوام بھی نہ ہو پس اس صورت میں خلود اہل جنت کی بقاء سموت وارض کے ساتھ تحدید کرنا اس اثر کے اعتبار سے جو اذہان عامہ پر ہے دوام واستمرار ہی کو مستلزم ومفید ہوگا کیونکہ عوام کے مذاق میں بیان تام کی یہی صورت ہے اسی لئے شیطان کے بارہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (تجھ پر قیامت تک میری لعنت ہے) اس سے مراد یہ نہیں کہ قیامت کے بعد لعنت نہ رہے گی بلکہ دوام مراد ہے اور محاورات میں دوام کو یوں ہی تعبیر کیا کرتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ بخدا میں قیامت تک یہ کام نہ کروں گا اسی طرح الی یوم الدین اس نص میں بیان دوام واستمرار کے لئے ہے اور ایسے ہی مادامت السموات والارض عام بول چال اور عام محاورہ کے اعتبار سے دوام ہی کو مفید ہے گو اہل معقول کے نزدیک مفید نہ ہو۔

بہر حال مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کی قید کے تو متعدد جواب دیئے گئے ہیں مگر الا ماشاء ربک کی تاویل میں لوگ بہت چکرا گئے ہیں بعض نے تو کمال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ استثناء زیادت کے لئے ہے نقص و

(c) ketabton.com: The Digital Library

اخراج کے لئے نہیں مطلب یہ ہوا کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں بقا سموات وارض تک رہیں گے مگر یہ کہ خدا چاہے تو اور بھی زیادہ رکھے کیونکہ بقا سموات وارض تو محدود ہے اور خلود جنت غیر محدود ہے اور ثانی کا اول سے زائد ہونا ظاہر ہے مگر نہ معلوم یہ زیادت علی المستثنیٰ منہ استثناء کی کونسی قسم ہے اور میرے نزدیک صحیح جواب اور لطیف وہ ہے جو شاہ عبدالقادر صاحب نے بیان فرمایا ہے جس کو میں اصطلاحی الفاظ میں بیان کرتا ہوں ورنہ شاہ صاحب نے تو ایسے سلیس عنوان سے بیان کیا ہے کہ عامی دیکھنے والا یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اس جگہ شاہ صاحب نے اتنا بڑا مضمون حل کیا ہے۔

خلود اور مشیت

حاصل اس کا یہ ہے کہ الا ما شاء ربک میں ما مصدریہ ہے ای الا وقت مشیئة کما فی قوله اتیتک خفوق النجم ای وقت خفوقه پس معنی یہ ہوئے کہ یخلدون فیها الا ان یشاء ربک عدم خلودهم فینقطع خلودهم' رہی یہ بات کہ اس قید کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس کا جواب شاہ صاحب نے دیا ہے کہ اس میں توحید کی حفاظت کی گئی' کہ خلود واجب اور خلود ممکن میں فرق ظاہر کر دیا گیا تا کہ کوئی خلود کی خبر سن کر بقاء دائم میں شریک ہو کر مساوات مع الواجب کا دعویٰ نہ کرنے لگے کہ گو ہم جہنم میں جائیں گے سہی مگر یہ فخر تو ہمارے لئے ثابت ہو گیا کہ ہم مثل واجب کے خلود دوام کے ساتھ متصف ہو جائیں گے۔ تو بتلا دیا گیا کہ مساوات کا دعویٰ کیا لئے پھرتے ہو تمہارے خلود میں اور واجب کے خلود میں زمین آسمان کا فرق ہو گا واجب کا خلود کسی کی مشیت کے تابع نہیں اور تمہارا خلود ہماری مشیت کے تحت میں ہے جب چاہیں سب کو کان پکڑ کر نکال سکتے ہیں اور سب کو فنا کر سکتے ہیں گو ایسا نہ کریں مگر ایسا نہ کرنے کی صورت میں بھی تم کو وہ خلود اس طرح نصیب ہو گا کہ ہر دم ہماری طرف سے افاضہ وجود ہو گا ورنہ تم کیا وجود اپنے باپ کے گھر سے لائے تھے۔

نیاور دم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز دمن چیز تست

تو حاصل یہ ہوا کہ خلود تو ہو گا لیکن اگر ہم چاہیں تو خلود نہ رہے' سبحان اللہ کیسی عجیب بات فرمائی ہے اور آپ کو حیرت ہو گی اگر شاہ صاحب کے الفاظ دیکھیں کہ انہوں نے اصطلاحی الفاظ کو چھوڑ کر سلیس لفظوں میں کس طرح اس دقیق مضمون کو بیان فرمایا ہے اور یہ واقعی بڑا کمال ہے۔

اور دوسرا جواب میرے ذہن میں آیا ہے کہ ما شاء ربک میں ما بمعنی من ہے اور محققین نے لکھا ہے کہ لفظ ما اصل لغت میں ذوی العقول و غیر ذوی العقول دونوں کے لئے عام ہے اردو کی ماں بھی تو عام ہے (کہ انسان کی ماں بھی ماں ہے اور جانور کی ماں بھی ماں ہے ہاں من ذوی العقول کے لئے خاص ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ غیر ذوی العقول کے لئے خاص ہے صحیح نہیں پس الا ما شاء ربک کے معنی ہیں الا من شاء ربک ایک مقدمہ تو یہ ہوا کہ ما بمعنی من ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سعید اور شقی

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ متکلمین نے عقائد میں یہ مسئلہ طے کردیا ہے السعید قد یشقی و الشقی قد یسعد شرح عقائد میں اس کی تصریح ہے اور اس میں شقی و سعید سے وہ مراد نہیں جو علم الٰہی میں شقی یا سعید ہو بلکہ ظاہری سعید و شقی مراد ہے جس کو خاص حالات سے شریعت کا فرد مومن کہتی ہے تو ایسا شقی یعنی کافر کبھی علم الٰہی میں سعید یعنی مومن ہوتا ہے اور اسی طرح کبھی سعید علم الٰہی میں شقی ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص ظاہر میں کافر معلوم ہوتا ہے ہمارے نزدیک تو وہ خالدین فی النار سے ہے لیکن ممکن ہے کہ مرتے ہوئے اس کو اسلام نصیب ہو جائے اور علم الٰہی میں وہ سعید ہو جیسے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے نانوتہ میں ایک بنیا مرا مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اس کو خواب میں دیکھا کہ جنت میں پھر رہا ہے پوچھا لالہ جی تم یہاں کہاں کہا مولوی جی میں نے مرتے ہوئے کلمہ شہادت پڑھ لیا تھا وہ قبول ہو گیا اور خدا تعالیٰ نے مجھے بخش دیا تو دیکھئے ساری عمر تو لالہ جی نے سود بٹا کھایا اور سود ہی میں جنت بھی لے مرا ایسی نظیریں اور بھی نہ معلوم کتنی ہوں گی اب آیت کا حل یوں ہوگا ۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا (و کفر وافی الظاهر) فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّشَهِیْقٌ ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ (ای الا من شاء ربک من الاشقیا فیسعد ویومن ویدخل جنة ۱۲) واما الذین سعدوا (فی الظاهر ۱۲) ففی جنة خالدین فیها ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک (ای الا من شاء من السعداء فیشقی ویدخل النار ۱۲)

حاصل یہ ہے کہ جو لوگ ظاہر میں سعداء ہیں وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے مگر جس کو خدا چاہے گا کہ بعضے سعید علم الٰہی میں شقی ہیں ان کا خاتمہ کفر پر ہونے والا ہے وہ جنت میں نہ رہیں گے اور جو لوگ ظاہر میں اشقیاء ہیں وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے مگر جس کو خدا چاہئے کیونکہ بعضے شقی علم الٰہی میں سعید ہیں ان کا خاتمہ اسلام پر ہونے والا ہے وہ جہنم میں نہ رہیں گے اب اشکال کچھ نہیں رہا مگر میں یہ پھر کہوں گا کہ شاہ عبدالقادر صاحب کا جواب بہت عجیب اور نہایت زوردار ہے اور میں نے جو ما کو بمعنی من لیا ہے یہ کچھ تاویل بعید نہیں بلکہ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۔ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا وغیرہ میں خود مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہاں ما بمعنی من ہے دوسرے ابن عباسؓ سے ایک ایسی ہی آیت کی تفسیر میں ما کا بمعنی من کے ہونا منقول ہے پارہ ولو اننا کے دوسرے رکوع کے اخیر میں یہ آیات ہے وَقَالَ اَوْلِیٰٓـؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝ یہاں بھی کفار کے لئے خلود کو ثابت کر کے الا ماشاء اللہ سے استثناء کیا گیا ہے پس یہاں بھی بعینہ وہی اشکال ہے جو خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ پر ہے جب وہاں ما بمعنی من صحیح ہو سکتا ہے تو یہاں صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں پر میرا جواب ابن عباسؓ کے قول سے موید ہے اور مجھے اس کی بہت مسرت ہوتی ہے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اپنے قول کی تائید سلف کے اقوال میں مل جائے بعض لوگ تو سلف سے اپنا علم منقول دیکھ کر افسردہ ہو جاتے ہیں کہ ہائے ہمارا تفرد باطل ہو گیا اور میں خوش ہوتا ہوں کہ الحمدللہ وہیں ذہن گیا جہاں مقبولان الٰہی کا ذہن گیا تھا۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: اور اے مسلمانو ان ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جائے اور خدا کے سوا کوئی تمہارا رفاقت کرنے والا نہ ہو پھر حمایت تو تمہاری ذرا بھی نہ ہو۔

تفسیری نکات

تشبہ میلان باطنی کے بغیر نہیں ہوتا

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض اہل لطائف نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص مکاری سے صوفی بنے اور صوفیوں کی وضع اختیار کرے اس کی بھی تحقیر نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ تشبہ علامت اس کی ہے کہ اس کے قلب میں اس جماعت کی عظمت ہے کیونکہ تشبہ اسی کے ساتھ کیا جاتا ہے جس کی قلب میں عظمت اور وقعت ہوتی ہے اور اسی سے تشبہ باہل باطل کا مسئلہ حل ہو گیا اور اس بناء پر علاوہ حدیث میں ہونے کے وہ مسئلہ خود نص قرآنی میں موجود ہے ارشاد فرماتے ہیں وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ یعنی مائل مت ہو تم ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا کبھی تم کو بھی آگ پہنچ جائے اس سے معلوم ہوا کہ اہل باطل کی طرف میلان حرام ہے اور تشبہ بدوں میلان قلبی کے ہوتا نہیں قلب میں اول اس کی عظمت آتی ہے اور اس کے استحسان کا درجہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی طرف میلان ہوتا ہے اس کے اثر سے تشبہ ہوتا ہے پس جب یہ میلان حرام ہے تو تشبہ بھی حرام ہے یہ ہے وہ مسئلہ جس کو آج کل نیچری کہتے ہیں کہ من تشبہ بقوم فھو منھم سمجھ میں نہیں آتا گھور کھپور میں ایک مرتبہ جانا ہوا وہاں پر بیان کیا گیا بڑا مجمع تھا میں نے کہا کہ صاحبو یہ مسئلہ تشبہ کا صرف نقلی ہی نہیں عقلی بھی ہے اگر کوئی جنٹل مین اپنی بیگم صاحبہ کا زنانہ رنگین جوڑا پہن کر اجلاس میں کرسی پر آ بیٹھے کیا خود اس کو یا دوسرے دیکھنے والوں کو ناگوار نہ ہوگا تو آخر ناگواری کی وجہ بجز تشبہ کے کیا سوا ایک عورت مسلمان جو دینداری میں شاید تم سے بھی بڑھی ہوئی ہو اس کی تشبہ سے تو ناگواری ہوتی ہے اور کفار فجار کے تشبہ سے ناگواری کیوں نہ ہو ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ جب ہم نے ترکی ٹوپی پہن لی تو سب لباس میں تو تشبہ نہ ہوا میں نے کہا کہ ترکی ٹوپی پہن کر باقی لباس زنانہ پہن لو اور کہہ دو کہ ٹوپی تو ترکی ہے تو شبہ کہاں بات یہ ہے کہ تشبہ کبھی ناقص ہوتا ہے کبھی کامل اور دونوں مذموم ہیں گو دونوں کے درجہ میں تفاوت ہو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ يُوسُف

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○

ترجمہ: بلاشبہ شیطان آدمی کا صریح دشمن ہے۔

تفسیری نکات

مسلمانوں نے دوست دشمن کو نہیں پہچانا

ملفوظ ایک سلسلہ گفتگو میں بعض طواغیت کفر کی نسبت فرمایا کہ بڑا ہی چالاک اور دشمن اسلام ہے اس نے مسلمانوں کو دھوکا دیا شیر یہ بات تو معمولی ہے کہ دشمن اپنی سی کیا ہی کرتا ہے۔ اس کا کام تو نقصان پہنچانے کا ہوتا ہے حق تعالیٰ بھی فرماتے ہیں اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ مگر افسوس تو مسلمانوں کی حالت پر ہے کہ انہوں نے دوست دشمن کو نہ پہچانا' مسلمانوں کی قوم بہت ہی بھولی ہے اور زیادہ تر دھوکہ عام مسلمانوں کو ان لیڈروں کی وجہ سے ہوا یہ ناعاقبت اندیش مسلمانوں کی کشتی کے ناخدا بنے ہوئے ہیں ان کی باگ ان کے ہاتھ میں ہے انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کے ایمان کو تباہ اور برباد کر دیا دیکھ لیجئے مشاہدات اور واقعات اس کے شاہد ہیں جس کے نعرے لگائے قشقے پیشانی پر لگائے ہندوؤں کی ارتھی کو کندھا دیا ان کے مذہبی تہواروں کا انتظام مسلمان والنٹیریوں نے کیا یہ تو ایمانی نقصان ہوا اور جانی نقصان سنئے ہزاروں مسلمان ان قصوں کی بدولت موت کے گھاٹ اتر گئے۔ ہجرت کرائی ہزاروں مسلمان بے خانماں ہو گئے مکان جائیداد غارت ہو گئیں بڑی بڑی ملازمتیں چھوڑ دیں مولویوں کی قوم کو تباہ کرا دینے کا ان ہی کا کام تھا اب پچاسوں برس بھی وہ نہیں سنبھل سکتے اور جس بری طرح وہ پسے گئے ہیں سن کر دل کانپ اٹھتا ہے یہ سب ان لیڈروں کی بدولت مسلمانوں کو نقصانات کا شکار ہونا پڑا مگر ان کے کیک بسکٹ انڈے چائے اور فسٹ کلاس کے سفر میں کوئی فرق

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہ آیا لاکھوں روپیہ جو بیوہ عورتوں نے چکی پیس پیس کر اور مسلمانوں نے اپنے خراجات میں تنگی کر کے دیا سب غتر بود کر دیا جلسے بدوں بنڈالوں کے نہیں ہو سکتے ان میں ہزاروں روپیہ مسلمانوں کے خون پسینے کی کمائی کا برباد کیا اور پھر دوسروں پر طعن ہے کہ یہ قوم کی خبر گیری نہیں کرتے رہبری نہیں کرتے ایسوں ہی کی بدولت ملک اور قوم تباہ ہوا کسی نے خوب کہا

گربہ میر سگ وزیر و موش را دیوان کنند   ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویران کنند

انا ذھبنا نستبق (ہم آپس میں دوڑنے بھی لگ گئے)

نستبق کا ترجمہ

ذھبنا نستبق ہم آپس میں دوڑنے لگے گئے۔

استباق: کا ترجمہ ان مترجم صاحب نے کبڈی کھیلنا کیا ہے۔ یہ ترجمہ نقلاً بھی بالکل غلط ہے۔ اور عقلاً بھی نقلاً تو اس لئے کہ لغت میں دیکھ لیجئے کہ استباق کے کیا معنی کیا خلاف لغت ترجمہ بھی معتبر ہوگا استباق کے معنی آپس میں دوڑنا ہیں کہ دیکھیں کون آگے نکلے اور چونکہ عقل پرستی کا آج کل زور ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ عقلاً بھی یہ ترجمہ غلط ہے اس لئے کہ کبڈی کھیلنے میں اتنی دور نہیں جایا کرتے کہ جس سے محافظ بچہ کی نسبت بھیڑئے کے کھاجانے کا احتمال ہو اگر ایسا ہوتا تو حضرت یعقوب علیہ السلام ضرور جرح فرماتے۔

بہرحال وعلی اللذین یطیقونہ کی یہ تفسیر نہیں ہے اور نہ فدیہ دینے والے بری ہو سکتے ہیں اور نہ یہ کہہ کر بری ہو سکتے ہیں کہ روزہ تہذیب نفس کے لئے ہے ہم تو خود مہذب ہیں اس لئے کہ اول تو یہ کہنا غلط ہے کہ ہم مہذب ہیں اور دوسرے تہذیب نفس روزہ کی حکمت ہے نہ کہ بناء وعلت یہ خرابی اس کی ہے احکام کی مخترع حکمتوں پر مبنی کرتے ہیں یہ تو ان کا ذکر ہے جو تاویلیں کر کے روزہ رکھتے ہی نہیں۔ (الصوم ملحقہ مواعظ فضائل صوم وصلوٰۃ صفحہ ۱۰۲-۹۱)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اوراس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا اوران کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا اگر اپنے رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا تو زیادہ خیال ہو جانا عجب نہ تھا ہم نے اسی طرح ان کو علم دیا تا کہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہ کو دور رکھیں کیونکہ وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔

تفسیری نکات

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکی کا ثبوت اور وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا کی تفسیر بدیع

سو کہتے ہیں صغیرہ کو اور فحشاء سے مراد کبیرہ ہے بس صاف دلالت ہے کہ یوسفؑ سے نہ صرف صغیرہ صادر ہوا نہ کبیرہ اور بعض نے جو یہ کہا ہے کہ

یوسفؑ نے ارادہ گناہ کا کیا تھا اور یہ آیۃ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا سے استدلال کرتے ہیں ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ پر کلام ختم ہو گیا اور وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ علیحدہ کلام ہے حاصل آیت کا یہ ہوا کہ حضرت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ارادہ برائی کا کیا اور یوسف بھی کر لیتے اگر اپنے رب کا برہان نہ دیکھتے اور اسی واسطے مولانا فرماتے تھے کہ وھم بھا پر میں وقف نہیں کرتا پس اس سے ھم کی نفی ہوتی ہے نہ کہ اثبات اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ آگے ارشاد ہے کذالک لنصرف عنه السوٓء والفحشاء کہ اس میں صغیرہ اور کبیرہ دونوں کی نفی ہے اور جو لوگ ھم بھا پر وقف کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہیں ھم کے مراتب مختلف زلیخان نے جو ھم کیا وہ ان کے مرتبہ کے موافق تھا اور یوسف علیہ السلام سے جو ھم ہوا وہ ان کے مرتبہ کے موافق ہے جو صغیرہ سے بھی بمراتب کم ہے غرض صغیرہ اور کبیرہ سے پاک ہونا سب کا متفق علیہ ہے یوسف علیہ السلام سے کوئی عمل ایسا کہ جس سے گناہ لکھا جاوے ظہور میں نہیں آیا جمہور کی تفسیر پر وسوسہ گناہ ہوا کہ وہ گناہ نہیں ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

یوسف علیہ السلام کے تبریہ پر ایک بزرگ کا لطیفہ

ایک بزرگ نے عجیب لطیفہ لکھا ہے کہ اے عزیز یوسف علیہ السلام کی آلودگی کا وہم بھی مت کر ان کے دامن عصمت کو ذرہ برابر بھی داغ نہیں لگا اور اگر تجھ کو اس کی شہادت چاہئے تو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اور اگر مخلوق کی شہادت چاہتا ہے تو اس شیر خوار لڑکے کی شہادۃ کافی ہے جس نے یوسف علیہ السلام کی براءۃ کی گواہی دی اور اگر اس کی شہادت قبول نہیں کرتا تو خود زلیخان کی شہادت موجود ہے وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ یعنی میں نے یوسف علیہ السلام سے ان کے نفس کی درخواست کی تھی وہ باز رہے اور ان کی شہادت بھی منظور نہیں تو زنان مصر کی شہادت موجود ہے کہ انہوں نے کہا مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ یعنی ہم نے ان پر کوئی برائی معلوم نہیں کی اور اگر ان کی شہادت بھی تیرے نزدیک قابل قبول نہیں تو شیطان کی شہادت موجود ہے اس نے کہا تھا لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ یعنی میں ضرور ان سب کو بھکاؤں گا مگر جو ان میں سے تیرے مخلص بندے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ وہ مخلصین میں سے ہیں۔

چنانچہ ارشاد ہے اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ مگر باوجود اس قدر تقدس اور پاکی کے پھر یہ فرماتے ہیں وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ یعنی میں اپنے نفس کی براءۃ کا دعویٰ نہیں کرتا نفس تو برائی کا کثرت سے امر کرتا ہے لیکن تواضع چونکہ بعض مرتبہ ناشکری کی طرف مفضی ہو جاتی ہے اس لئے آگے بطور استثناء کے فرماتے ہیں اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ یعنی مگر وہ شخص جس پر میرا رب رحم کرے اور ان کا مرحوم ہونا یقینی ہے۔

یوسف علیہ السلام نے کہا یہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنے کی پھلاتی تھی اور (اس موقع پر اس عورت کے خاندان میں سے ایک نے گواہی دی کہ ان کا کرتہ دیکھو کہاں سے پھٹا ہے اگر آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور یہ جھوٹے اور اگر وہ کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے (تو عادۃً یقینی یہ ہے کہ عورت جھوٹی اور یہ سچے

قرینہ پر مجرم قرار دینا جائز نہیں

راندیر میں مولوی غلام محمد صاحب ایک عالم تھے وہ ابن تیمیہ و ابن قیم وغیرہ کے بہت معتقد تھے معتقد تو ہم بھی ہیں مگر بڑے معتقد نہیں ہیں انہوں نے مجھ کو ابن تیمیہ کی ایک کتاب دکھائی جس میں انہوں نے یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے اس مسئلہ پر استدلال کیا تھا کیونکہ شاہد زلیخا نے براءت یوسفی کا طریقہ قرینہ سے بتلایا تھا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝ اس سے معلوم ہوا کہ قرینہ پر کسی کو مجرم قرار دینا جائز ہے اور یہاں حق تعالیٰ نے اس امر پر کوئی انکار نہیں فرمایا اس کا جواب میری تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ گو اس جگہ انکار نہیں مگر دوسری جگہ انکار موجود ہے چنانچہ ارشاد لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اور ارشاد ہے فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ اس میں صدق و کذب مدعی کا مدار محض شہادت شرعیہ پر رکھا گیا ہے لہٰذا نص میں نکتہ موجود ہوتے ہوئے استدلال صحیح نہیں ہو سکتا (علاوہ ازیں یہ کہ یہاں جو قرینہ شاہد زلیخا نے بتلایا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ اس واقعہ خاص میں جس کے اندر قرینہ اور علامت موجود ہو وہ یقیناً کاذب یا صادق اس لئے ہے کہ میرا بیان منجانب اللہ بطور اعجاز کے ہے نہ یہ کہ یہ قرینہ ہر جگہ مفید علم ہو سکتا ہے ۱۲ اس) اسی لئے ہمارے علماء سب اس پر متفق ہیں کہ قرائین سے عقوبت کرنا صحیح نہیں ہاں متاخرین نے تعزیر متہم کو جائز کہا ہے مگر یہ مسئلہ ظالموں کو بتلانے کا نہیں ہے (پھر اس میں بھی اول حبس کا حکم ہے جرمانہ اور ضرب نہیں ہے اس کے بعد جب ثبوت ہو جائے تو سزا دینے کا حکم ہے کذا احفظ واللہ اعلم ۱۲ اور تحکیم قد قمیص کا جواب یہ دیا جائے گا کہ اگر مدعی علیہ کسی ایسے ظنی پر راضی ہو جاوے تو اس نے اپنا خود حق چھوڑ دیا۔

ھمّ کا مفہوم

ھمّ اس کو کہتے ہیں جس کے بعد صدور فعل کا ہو جاوے اور وہ مرتبہ عزم کا ہے اور بعض نے ہم کو عزم سے قبل کہا ہے اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ قرآن میں ولقد همت به وهم بها (اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال عزم کے درجہ میں جم رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا خیال ہو چلا تھا) بھی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے ہم بالمراۃ (آپ کے دل میں اس عورت کا خیال ہو چلا تھا) اور انبیاء چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس لئے عزت معصیت ان سے محقق نہیں ہو سکتا اس لئے وہ اس کے قائل ہو گئے کہ ہم عزم سے پہلے ہوتا ہے۔

قرآن پاک کے ایک مشکل مقام کی تفسیر

مگر محققین نے کہا ہے کہ اس کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ آگے لولا ان رای برهان ربه (اگر اپنے رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا) ہے جو شرط موخر ہے ھم بھا کی یعنی اگر برہان رب نہ دیکھتے تو ارادہ کر لیتے تو یہاں ھم کا اثبات ہی نہیں جو اس کی ضرورت ہو کہ ھم کو عزم سے قبل مانا جاوے بلکہ ھم کی نفی مقصود ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ آگے فرماتے ہیں کذالک لنصرف عنه السوء والفحشاء (اسی طرح ہم نے ان کو علم دیا تاکہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں) تو اس میں ان سے صغائر اور کبائر کی نفی فرما رہے ہیں یہ قرینہ ہے اس کا کہ ھم کی یہاں نفی کی جا رہی ہے نہ کہ اثبات اور گو بعض نے کہا کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

لولاک جزا مقدم نہیں ہوتی۔ لیکن اول تو اس میں اختلاف ہے دوسرے اگر مان بھی لیں کہ لولا کی جزا مقدم نہیں ہوتی لیکن اول تو اس میں اختلاف ہے دوسرے اگر مان بھی لیں کہ لولا کی جزا مقدم نہیں ہوتی تو یہ لــولا ان رای برهان ربه (اگر اپنے رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا) دل علی الشرط (شرط پہ دلالت کرنے والا) ہوگا اور شرط محذوف مقدم ہوگی۔ بہرحال یہاں ھم کا اثبات نہیں اس لئے ہم کو عزم سے قبل ماننے کی بھی ضرورت نہیں' (افضل العظیم ملحقہ مواعظ فضائل علم صفحہ ۲۶۷)

قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝

ترجمہ: کہنے لگا کہ یہ تم عورتوں کی چالاکی ہے۔ بے شک تمہاری چالاکیاں بھی غضب ہی کی ہیں۔

عورتوں کا مکر عظیم

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہمیں تو اس پر فخر ہے کہ مسلمانوں کے برابر کوئی بھی نہیں گو بعضے بھولے ہیں یعنی چالاک نہیں مکار نہیں عاقل ہونا اور بات ہے چالاک ہونا اور بات ہے جو اس کی حقیقت نہیں جانتے انہوں نے ایک طاغوت کو مشہور کیا ہے کہ بڑا عاقل ہے مگر عقل کی تو اس کو ہوا بھی نہیں لگی ہاں چالاک ہے دونوں میں فرق کی سمعی دلیل قرآن پاک میں ہے جس میں عورتوں کے بارہ میں ان کیـد کـن عظیم فرمایا باوجود اس کے کہ حدیث میں ان کو ناقص العقل کہا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ چالاکی اور کید کا عقل سے کوئی تعلق نہیں ایک مولوی صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ حدیث شریف میں مومن کی مدح آئی ہے المومن غر کریم میں نے کہا کہ حدیث میں احمق ہونے کی مدح نہیں آئی اگر یہ معنے ہوتے تو قرآن شریف میں جابجا ارشاد ہے إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ ۔ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ عاقل ہونے کی مدح کیوں فرمائی جاتی۔

اور یہ دشمنی محض مسلمانوں کے مال اور جان ہی تک محدود نہیں بلکہ ایمان سے بھی دشمنی ہے اگر کوئی غیر مسلم عاقل ہوتا جیسا کہ خیال ہے تو وہ پہلے اپنی آخرت کی فکر کرتا ایمان لاتا جب یہ نہیں تو عقل کہاں چالاک ہے تو چالاکی اور عقل سے کیا واسطہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝ عورتوں کے مکر کو عظیم فرما رہے ہیں اور دوسری طرف حدیث میں ان کو ناقص العقل فرمایا گیا ہے معلوم ہو گیا کہ عقل اور چیز ہے اور کید اور چیز ہے وہ یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ بعض کی نسبت ارشاد ہے وَإِن كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ.

قدرت خداوندی

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص کنعان سے مصر میں قحط کے زمانہ میں قافلے آتے جاتے تھے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

چنانچہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر غلہ لینے کے لئے پہنچے اور چوری کے قصہ میں وہاں ایک بھائی روک لئے گئے تو بقیہ بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام سے آ کر عرض کیا واسئل القریۃ التی کنا فیھا والعیر التی اقبلنا فیھا وانا لصدقون یعنی آپ پوچھ لیجئے ان بستی والوں سے جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے جس میں ہم آئے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کنعان سے مصر کو برابر آمدورفت تھی بس جس حالت میں کہ اس قدر ذرائع علم کے یعقوب علیہ السلام کے پاس موجود تھے اس پر بھی یعقوب علیہ السلام کو پتہ نہ لگا اور یہی فرمایا یا بنی اذھبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ ولا تایسوا من روح اللہ بتلائیے وہ کشف کہاں گیا اس قدرت کا نام خدائی ہے۔

غیبی رہنمائی

اور اس مقام پر ایک اور کام کی بات سمجھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ جب زلیخا نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ برا ارادہ کیا تو اس قصہ میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان را برھان ربہ یعنی بے شک زلیخا نے ارادہ کر لیا یوسف علیہ السلام کے ساتھ اور یوسف علیہ السلام بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے برھان ربہ کی تفسیر میں مفسرین اور اہل سیر نے لکھا ہے رای صورۃ یعقوب علیہ السلام یعنی یوسف علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام کا چہرہ نظر آیا اور شرما گئے۔

تو اس قصہ سے ایک مسئلہ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دشواری کے وقت بعض لوگ جو اپنے شیخ کی صورت دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے اس وقت ہماری دستگیری کی اور ان کو ہماری اس مصیبت کا علم ہو گیا یہ اعتقاد صحیح نہیں، شیخ کو خبر تک بھی نہیں ہوتی، جیسے اس قصہ میں یعقوب علیہ السلام کو اطلاع تک نہ ہوئی۔ ورنہ اس قدر پریشانی نہ ہوتے بلکہ اس شخص کی تسلی اور رہبری کے لئے اللہ تعالیٰ فرشتہ کو کسی ایسے مقبول بندہ کی صورت میں متمثل کر کے دکھاتے ہیں جس کے ساتھ اس شخص کو انس اور اعتقاد ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک مشکل میں مبتلا تھا سر کی طرف سے حضرت حاجی صاحبؒ کی آواز آئی کہ اس کام کو اس طرح کر لو اس کے بعد فرمانے لگے کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ آواز حضرت حاجی صاحبؒ کی نہیں ہے حضرت کو تو خبر بھی نہیں' ایسے ہی یوسف علیہ السلام کو خود یعقوب علیہ السلام نظر نہیں آئے۔ ورنہ اگر یعقوبؑ تھے تو پھر ان کی بے خبری اور پریشانی کے کیا معنی' حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ سے کسی نے عرض کیا کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں تھا اور راستہ بھول گیا آپ نے مجھ کو رہبری فرمائی سید صاحب نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں نہیں تھا' مجھ کو تو خبر بھی نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے میری صورت میں کسی کو بھیج کر تم کو راہ دکھلا دیا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں مصلحت را تہمتے برآ ہوئے چین بستہ اند

کام کوئی کرتا ہے نام کسی کا ہو جاتا ہے اگر آج کل کے کوئی دکاندار پیر ہوتے تو سن کر اور زیادہ خوش ہوتے اور پھولے نہ سماتے اور اس قصہ کو اپنی کرامت شمار کرتے اور سچے پیروں کے ہاں یہ حلت ہے کہ جو سچی اور واقعی کرامتیں اور تصرفات ہیں ان کی طرف بھی التفات نہیں فرماتے بلکہ روک دیتے ہیں۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: اور میں اپنے نفس کو بری اور پاک نہیں بتلاتا کیونکہ نفس (ہر ایک کا) بری بات بتلاتا ہے۔ بجز اس (نفس) کے جس پر میرا پروردگار رحم کرے بلاشبہ میرا رب بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے

تفسیری نکات

نفس کے میلان الی الشر ہونے کا ثبوت

یعنی نفس کی دو قسمیں نہیں بتائیں ایک امارہ بالسوء اور ایک امارہ بالخیر یہ بتایا نفس کی ایک ہی قسم ہے کہ وہ امارہ بالسوء ہے یعنی نفس ہمیشہ برائی ہی کا حکم کرنے والا ہے مگر جب خدا تعالیٰ رحم فرمائیں یعنی جب خدا کی رحمت متوجہ ہوتی ہے تو اس وقت اس عارض وقوی کی وجہ سے نفس برائی کا حکم نہیں کرتا اور جب یہ رحمت متوجہ نہیں ہوتی تو پھر بدستور اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے یعنی برائی کا امر کرنے لگتا ہے بہرحال استثناء سے نفس کی کوئی جداگانہ قسم بتانا مقصود نہیں ہے بلکہ امر بالسوء کے اوقات میں سے ایک وقت کو مستثنیٰ کرنا مقصود ہے حاصل یہ ہوا کہ

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ و مصدریۃ ای وقت رحمۃ تعالیٰ علیھا (بلاشبہ نفس بری بات کا حکم کرنے والا ہر وقت میں مگر اللہ تعالیٰ کے اس پر رحم کرنے کے وقت میں یہاں ماصدریہ ہے)

شاید کسی کے ذہن میں یہاں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر اس مضمون کو یوں تعبیر کرتے کہ ان النفس لا مارۃ بالسوء الا ما امر بالسوء (بلاشبہ نفس نیکی کا حکم کرنے والا ہے) تو کیا حرج تھا۔

جواب یہ ہے کہ اس صورت میں یہ معنی نہ پیدا ہوتے جواب ہوئے کیونکہ محاورہ یہ ہے کہ مغلوب حالت کو غالب حالت سے استثناء کیا کرتے ہیں مثلاً اگر زیادہ جماعت نے کھانا کھالیا تو یوں کہتے ہیں کہ سب لوگوں نے کھانا کھالیا مگر زید و عمر نے اس جملہ سے یہ سمجھا گیا کہ جماعت کثیر کھانا کھا چکی اور قلیل یعنی دو شخص باقی رہ گئے اور اگر اسی

(c) ketabton.com: The Digital Library

کو یوں تعبیر کریں کہ فلاں فلاں نے کھانا نہیں کھایا مگر سب نے تو محاورہ کے اعتبار سے یہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ مستثنیٰ مغلوب نہ تھا بلکہ مستثنیٰ منہ پر غالب تھا تو معلوم ہوگیا کہ غالب حالت سے مغلوب حالت کو استثناء کیا جاتا ہے اگر کھانے والے زیادہ ہیں تو انہیں مستثنیٰ منہ بنائیں گے بہرحال غالب حالت کا اعتبار استثناء میں ضروری ہے۔

جب یہ سمجھ میں آگیا تو اب سمجھئے کہ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ (برائی کا حکم کرنے والا ہے) یہاں پر مستثنیٰ منہ ہے اس لئے بقاعدہ مذکورہ غالب حالت یعنی امر بالسوء کو مستثنیٰ منہ اور مغلوب یعنی عدم امر بالسوء کو مستثنیٰ بنانا چاہئے سو قرآن میں ایسا ہی ہے کیونکہ غالب صفت نفس کی امارہ بالسوء ہی ہے۔

واقعی قرآن کے سمجھنے کے لئے ضرورت ہے کہ زبان کو ذوق بھی ہو اور عادات ومحاورات میں بھی کامل دخل ہو محض علوم عقلیہ سے قرآن حل نہیں ہوسکتا بلکہ عرف وعادات کو حکم بنا کر تب قرآن کو دیکھنا چاہئے ورنہ غلطی ہو جانے کا قوی احتمال بلکہ یقین ہے کیونکہ قرآن کا نزول عرف ومحاورات کی رعایت کے ساتھ ہوا ہے۔

بہرحال نفس کی حالت غالبہ امر بالسوء ہے اس لئے جب اس کو کام میں نہ لگایا جاوے تو یہ اپنے لئے خود مشغلہ تجویز کرے گا اور جو مشغلہ یہ خود اپنے لئے تجویز کرے گا چونکہ اس میں غلبہ ہے شر کا اس لئے وہ اکثر برا ہی ہوگا اور مضر ہی کو تجویز کرے گا۔

اسی واسطے مالایعنی کے ترک کو جناب رسول مقبول ﷺ نے حسن اسلام فرمایا کیونکہ مضر کو تو ہر شخص مضر سمجھتا ہے ہی خیال صرف لایعنی میں ہے پس مقصود حضور ﷺ کا یہ ہے کہ مضر کے چھوڑنے کے بعد لایعنی سے بچے اور وہ تجربہ سے موقوف ہے اس پر کہ مالایعنی میں نفس کو لگادے پس اس ترک کے لئے یہ فعل بھی لازم ہے۔

بہرحال نفس کا میلان الی الشر (برائی کی طرف مائل ہونا) تو قرآن سے ثابت ہے اور یہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ نفس جب خالی ہوگا تو معصیت ہی تجویز کرے گا اور جب یہ بے کار ہوگا تو کسی نہ کسی بلا ہی میں مبتلا ہوگا تو ان دونوں مقدموں سے اس کی ضرورت ثابت ہوگئی کہ ترک مضر کے بعد اشغال بالنافع ضروری ہے سو قرآن مجید کی تعلیم کا یہی حاصل ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اپنے نفوس کا تبریہ نہیں فرماتے

اور اولیاء تو علیحدہ انبیاء علیہم السلام بھی باوجود معصوم ہونے کے اپنے نفوس کا تبریہ نہیں فرماتے۔ دیکھئے یوسف صدیق علیہ السلام کیا فرماتے ہیں وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ جن کی نزاہت کی خود حق تعالیٰ گواہی دے رہے ہیں چنانچہ ارشاد ہے كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ سوء کہتے ہیں صغیرہ کو اور فحشاء سے مراد کبیرہ ہے بس صاف دلالت ہے کہ یوسف علیہ السلام سے نہ صغیرہ صادر ہوا نہ کبیرہ اور بعض نے جو یہ کہا ہے کہ یوسف علیہ اسلام نے ارادہ گناہ کا کیا تھا اور یہ آیہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا سے استدلال کرتے ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ پر کلام ختم ہو گیا اور وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ علیحدہ کلام ہے۔

حاصل آیت کا یہ ہوا کہ حضرت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ارادہ برائی کا کیا اور یوسف علیہ السلام بھی کر لیتے اگر اپنے رب کا برہان نہ دیکھتے' اور اسی واسطے مولانا فرماتے تھے کہ وھم بھا پر میں وقف نہیں کرتا پس اس سے ھم کی نفی ہوتی ہے نہ کہ اثبات' اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ آگے ارشاد ہے کَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ کہ اس میں صغیرہ اور کبیرہ دونوں کی نفی ہے اور جو لوگ ھم بھا پر وقف کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ھم کے مراتب مختلف ہیں زلیخاں نے جو ھم کیا وہ ان کے مرتبہ کے موافق تھا اور یوسف علیہ السلام سے جو ھم ہوا وہ ان کے رتبہ کے موافق ہے جو صغیرہ سے بھی بمراتب کم ہے غرض صغیرہ اور کبیرہ سے پاک ہونا سب کا متفق علیہ ہے۔ یوسف علیہ السلام سے کوئی عمل ایسا کہ جس سے گناہ لکھا جاوے ظہور میں نہیں آیا۔ جمہور کی تفسیر پر وسوسہ گناہ ہوا کہ وہ گناہ نہیں ہے۔

براءت یوسف علیہ السلام کا عجیب استدلال

ایک بزرگ نے عجیب لطیفہ لکھا ہے کہ اے عزیز! یوسف علیہ السلام کی آلودگی کا وہم بھی مت کر ان کے دامن عصمت کو ذرہ برابر بھی داغ نہیں لگا اور اگر تجھ کو اس کی شہادت چاہئے تو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اور اگر مخلوق کی شہادت چاہتا ہے تو اس شیر خوار لڑکے کی شہادت کافی ہے جس نے یوسف علیہ السلام کی براءت کی گواہی دی اور اگر اس کی شہادت قبول نہیں کرتا تو خود زلیخا کی شہادت موجود ہے وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ' یعنی میں نے یوسف علیہ السلام سے ان کے نفس کی درخواست کی تھی مگر وہ باز رہے اور ان کی شہادت بھی منظور نہیں تو زنان مصر کی شہادت موجود ہے کہ انہوں نے کہا مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ' یعنی ہم نے ان پر کوئی برائی معلوم نہیں کی اور اگر ان کی شہادت بھی تیرے نزدیک قابل قبول نہیں تو شیطان کی شہادت موجود ہے اس نے کہا تھا لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ یعنی میں ضرور ان سب کو بہکاؤں گا مگر جو ان میں سے تیرے مخلص بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ وہ مخلصین میں سے ہیں چنانچہ ارشاد ہے اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ مگر باوجود اس قدر تقدس اور پاکی کے پھر یہ فرماتے ہیں وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ' یعنی میں اپنے نفس کی براءۃ کا دعویٰ نہیں کرتا نفس تو برائی کا کثرت سے امر کرتا ہے لیکن تواضع چونکہ بعض مرتبہ ناشکری کی طرف مفضی ہو جاتی ہے اس لئے آگے بطور استثناء کے فرماتے ہیں الا ما رحم ربی یعنی مگر وہ نفس جس پر میرا رب رحم کرے اور ان کا مرحوم ہونا یقینی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: یعنی مجھ کو ملک کے غلہ کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے میں اس کی خوب نگرانی کروں گا میں اس کے طریقوں کو جانتا ہوں۔

تفسیری نکات

احکام مال وجاہ

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے کہ جب بادشاہ نے ان سے کہا تھا کہ اتنا بڑا کام یعنی قحط عام کا انتظار کون سر دھرے تو انہوں نے فرمایا کہ میں کر سکتا ہوں۔ چنانچہ ان کا مقولہ یہ ہے کہ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ تو گو اس موقع پر یوسف علیہ السلام اپنی تعریف خود کر رہے ہیں میں ایسا ہوں اور ایسا ہوں لاؤ حکومت مجھ کو دے دو مگر آپ کو یہ یقینی طو سے معلوم تھا کہ یہ کام ضروری اور عظیم الشان ہے اور انتظام کا اہل کوئی ہے نہیں اس لئے آپ نے اس موقع پر تواضع سے کام نہیں لیا ورنہ ساری مخلوق تباہ ہو جاتی۔ بلکہ آپ نے اظہار نعمت کے طور پر اپنے واقعی اوصاف بیان فرما دیئے تاکہ بادشاہ کو پورا اطمینان ہو جاوے کہ یہاں یہ کام آپ خود کر سکتے ہیں آپ کو بھروسہ تھا کہ میں اس کام کو بخوبی کر سکتا ہوں اس لئے آپ نے خود درخواست کی پس اگر کسی زمانہ میں کسی شخص کو اپنی نسبت یہ معلوم ہو کہ میں اپنے بھائیوں کو راحت پہنچا سکتا ہوں اور مخلوق اگر کسی دوسرے کے قبضہ میں پہنچے گی تو راحت نہیں مل سکتی اور اس کو بھروسہ ہو کہ میں آرام پہنچا سکتا ہوں اور شریعت کے موافق حکومت وانتظام کر سکتا ہوں اور اس کو مال وجاہ کی بالکل پروانہ ہو تو ایسے شخص کو اب بھی حکومت کی درخواست کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے اور ہمارے نزدیک عالمگیرؒ کا اپنی سلطنت کے لئے سعی کرنا بھی اسی وجہ سے تھا یا یہ صورت ہو کہ کوئی حاکم نہ ہو تو غیر قوم سے ہو جائے گا اور اس صورت میں مسلمانوں کی بری گت بنائی جائے گی۔ تو درخواست کرنا حکومت کی اس صورت میں بھی جائز ہے مگر اس میں بھی دو شرطیں ہیں۔

ایک یہ کہ مال مقصود نہ ہو۔ دوسرے جاہ مقصود نہ ہو۔ یہ اور بات ہے کہ مال وجاہ از خود حاصل ہو جائے مگر مقصود نہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

ترجمہ: اور جب قافلہ چلا تو ان کے باپ نے کہنا شروع کیا کہ اگر تم مجھ کو بڑھاپے میں بہکی باتیں کرنے والا نہ سمجھو تو ایک بات کہوں کہ مجھ کو تو یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے۔

تفسیری نکات

کشف امر غیر اختیاری ہے

حضرت یعقوب علیہ السلام کی شیخ شیرازی نے یہ حالت لکھی ہے۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

ایک تو وہ وقت تھا کہ مصر سے قاصد پیراہن یوسفی لے کر چلا اور کنعان میں آپ کو اس کی خوشبو پہنچ گئی اور حاضرین مجلس سے فرمادیا اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ یعنی اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے سے حواس میں فتور آ گیا ہے تو میں ایک بات کہوں وہ یہ کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے یہاں تو مصر سے پیراہن کی خوشبو کا احساس ہو گیا اور ایک وہ وقت تھا کہ خود یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے کنعان کے جنگل میں ایک کنوئیں کے اندر قید کر دیا اور چند روز تک وہ اسی میں رہے مگر یعقوب علیہ السلام کو خبر نہ ہوئی یہ بھی خبر نہ تھی کہ یوسف زندہ ہیں یا نہیں صدمہ فراق میں اتنا روئے کہ آنکھیں جاتی رہنے کے قریب ہوگئیں۔

یعقوب علیہ السلام کے متعلق بعض محققین کی رائے یہی ہے کہ وہ نابینا نہ ہوئے تھے بلکہ روتے روتے بینائی کمزور ہوگئی تھی۔انہوں نے وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ کو ضعف بصر پر محمول کیا ہے اور فَارْتَدَّ بَصِيْرًا سے اسی ضعف کا زوال مراد لیا ہے ولا یبعد ارادته للحکمة التی ذکرنا ھا پس بعید نہیں لوٹ آنا بینائی کا بوجہ حکمت کے ہو جو ہم نے ذکر کی تو دیکھئے یعقوب علیہ السلام کو ابتداء میں یوسف علیہ السلام کی اطلاع نہ ہوئی کہ وہ کس حال میں ہیں حالانکہ وہ اس وقت کنعان ہی کے کنوئیں میں تھے پھر اس کے بعد عرصہ تک معلوم نہ ہوا کہ کہاں ہیں کس حال میں ہیں اور بعد میں مصر سے قمیص کے روانہ ہوتے ہی خوشبو پہنچ گئی۔اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی ایک وقت میں اور شان تھی اور ایک وقت میں اور شان تھی۔یہی میں کہہ رہا تھا کہ تکوین انبیاء علیہم السلام کو بھی پیش آئی ہے ایک نبی کو مختلف اوقات میں مختلف حالات پیش آتے تھے اور بہت سے سالکین کو بھی پیش آتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حالت یعقوب علیہ السلام

یاد رکھو! اول تو کشف ہونا ہر بزرگ کو ضروری نہیں انبیاء سے زیادہ تو کوئی نہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نبی ہیں اور بڑے صاحب کشف ہیں جب حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر سے بھائیوں کو قمیص دیا ہے کہ اس کو باپ کی آنکھوں پر ڈال دو اور ادھر وہ کرتہ لے کر چلے اور درمیان میں سینکڑوں مراحل اس لئے کہ کہاں شہر کنعان یعقوب علیہ السلام کا مسکن اور کہاں مصر بہت دور دراز کی مسافت درمیان میں ہے لیکن آپ فرماتے ہیں اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ یعنی بے شک میں یوسف کی بو پاتا ہوں اگر تم مجھ کو بہکا ہوا نہ کہو قالو تاللہ انک لفی ضلالک القدیم بیٹوں نے کہا قسم ہے خدا کی کہ آپ بے شک اپنی پرانی غلطی میں ہیں۔ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی جب خوش خبری دینے والا آیا کرتا کو یعقوب علیہ السلام کے چہرہ پر ڈال دیا تو وہ بینا ہو گئے اور فرمایا میں نے تم کو کہا نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

ذرائع علم کے باوجود یعقوب علیہ السلام کا عدم علم

اللہ اکبر! اتنا بڑا کشف اور باوجود اس کے یوسف علیہ السلام نے مصر میں سالہا سال سلطنت کی اور صاحب سلطنت کے واقعات اور اس کے حالات سے دور دور تک واقفیت ہوتی ہے اور یوسف علیہ السلام یوسف ہی کے نام سے مصر میں مشہور تھے۔ یہ بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ نام بدل لیا ہوگا چنانچہ عزیز مصر نے زلیخا کے قصہ میں یوسف علیہ السلام کو اس طرح خطاب کیا یوسف اعرض عن هذا اور دوسری جگہ ارشاد ہے یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا ان آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یوسف کے ہی نام سے مشہور تھے اور یہ بھی نہ تھا کہ آمد و رفت ایک ملک سے دوسرے ملک میں نہ ہوتی ہو برابر قافلے آتے جاتے تھے چنانچہ ارشاد ہے وَجَآءَتْ سَیَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ الخ خصوص قحط کے زمانہ میں تو قوافل کی آمد شد بہت ہی تھی قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص کنعان سے مصر میں قحط کے زمانہ میں قافلے آتے جاتے تھے چنانچہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر غلہ لینے کے لئے پہنچے اور چوری کے قصہ میں وہاں ایک بھائی روک لئے گئے تو بقیہ بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام سے آکر عرض کیا وَسْئَلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا وَالْعِیْرَ الَّتِیْٓ اَقْبَلْنَا فِیْهَا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ یعنی آپ پوچھ لیجئے ان بستی والوں سے جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے جن میں ہم آئے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کنعان سے مصر کو برابر آمد و رفت تھی۔ بس جس حالت میں کہ اس قدر ذرائع علم کے یعقوب علیہ السلام کے پاس موجود تھے اس پر بھی یعقوب علیہ السلام کو پتہ نہ لگا اور یہی فرمایا

(c) ketabton.com: The Digital Library

یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَلَا تَایْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ بتلایئے وہ کشف کہاں گیا۔ اس قدرت کا نام خدائی ہے۔

اور اس مقام پر ایک اور کام کی بات سمجھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ جب زلیخا نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ برا ارادہ کیا تو اس قصہ میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ یعنی بے شک زلیخا نے ارادہ کر لیا یوسف کے ساتھ اور یوسف بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔ بُرْهَانَ رَبِّهٖ کی تفسیر میں مفسرین اور اہل سیر نے لکھا ہے رای صورۃ یعقوب علیہ السلام یعنی یوسف علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام کا چہرہ نظر آیا اور شرما گئے۔

اعتقاد صحیح

تو اس قصہ سے ایک مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ یہ ہے کہ دشواری کے وقت بعض لوگ جو اپنے شیخ کی صورت دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے اس وقت ہماری دستگیری کی اور ان کو ہماری اس مصیبت کا علم ہو گیا یہ اعتقاد صحیح نہیں شیخ کو خبر تک بھی نہیں ہوتی جیسے اس قصہ میں یعقوب علیہ السلام کو اطلاع تک نہ ہوئی ورنہ اس قدر پریشان نہ ہوتے بلکہ اس شخص کی تسلی اور رہبری کے لئے اللہ تعالیٰ فرشتہ کو کسی ایسے مقبول بندہ کی صورت میں متمثل کر کے دکھاتے ہیں جس کے ساتھ اس شخص کو انس اور اعتقاد ہوتا ہے۔

واقعہ مولانا یعقوب وسید بریلویؒ

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک مشکل میں مبتلا تھا سر کی طرف سے حضرت حاجی صاحبؒ کی آواز آئی کہ اس کام کو اس طرح کر لو اس کے بعد فرمانے لگے کہ میں یقینا جانتا ہوں کہ یہ آواز حضرت حاجی صاحبؒ کی نہیں ہے حضرت کو تو خبر بھی نہیں ایسے ہی یوسف علیہ السلام کو خود یعقوب علیہ السلام نظر نہیں آئے ورنہ اگر یعقوب علیہ السلام تھے تو پھر ان کی بے خبری اور پریشانی کے کیا معنی' حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ سے کسی نے عرض کیا کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں تھا اور راستہ بھول گیا آپ نے مجھ کو رہبری فرمائی سید صاحب نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں نہیں تھا مجھ کو تو خبری بھی نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ میری صورت میں کسی کو بھیج کر تم کو راہ دکھلا دیا۔

انبیاء علیہم السلام کو ہر امر پر مطلع ہونا ضروری نہیں

بہر حال یعقوب علیہ السلام کے قصہ سے ثابت ہو گیا کہ کشف ضروری نہیں ہے اور دیکھئے یوسف علیہ السلام کنعان کے کنوئیں میں رہے لیکن یعقوب علیہ السلام کو خبر نہ ہوئی جب بیٹوں نے کہا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

اجمالاً یہ معلوم ہوا کہ یہ جھوٹے ہیں بھیڑیے نے نہیں کھایا۔ لیکن مفصلاً یہ معلوم نہ ہوا کہ کہاں ہیں چنانچہ فرمایا قال بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل بس جب انبیاء کو اطلاع ہونا ہر امر کی ضروری نہیں تو پیروں پر بھروسہ کرنا کہ ان کو ہمارے حال کی اطلاع ہے نہایت جہل اور شائبہ شرک کا ہے۔

ایک تفسیر برھان

اس برہان رب کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس تنہائی میں سامنے انگشت بدنداں دیکھا یہی برہان رب تھی جس کی وجہ سے ان کی حفاظت ہوئی اگر یہ تفسیر صحیح ہو تو یہ بات ظاہر ہے کہ یہ یعقوب علیہ السلام کی کرامت یا معجزہ تھا مگر یعقوب علیہ السلام کو اس کی خبر بھی تھی کیونکہ اگر یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کا یہ پتہ نشان معلوم ہو جاتا کہ وہ عزیز مصر کے گھر میں ہیں تو بعد میں یہ نہ فرماتے۔

یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ یعنی اے میرے بیٹو! جاؤ تم یوسف اور اسکے بھائی کو تلاش کرو۔

وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ○

ترجمہ: اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں جن پر ان کا گزر رہتا ہے اور وہ ان کی طرف اصلا توجہ نہیں کرتے۔

عالم میں حق کا آئینہ بننے کی استعداد ہے

یہی معنی ہیں اس آیت کے وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ○ شکایت فرماتے ہیں حق تعالیٰ کہ بہت سی نشانیاں عالم میں ایسی ہیں کہ لوگ ان پر نظر ڈالتے چلے جاتے ہیں اور ان کی طرف توجہ نہیں کرتے یعنی ان کو آیات اللہ اور مراۃ حق (حق کا آئینہ) نہیں بناتے معلوم ہوا کہ اگر ان کو مراۃ حق بنانا چاہتے تو بنا سکتے تھے کیونکہ شکایت امور اختیاریہ ہی میں ہوتی ہے معلوم ہوا کہ عالم میں قابلیت مراۃ حق بننے کی ہے اگر بنانے والا چاہیے پس ثابت کہ عالم کی طرف توجہ اس حیثیت مذکورہ سے مذموم نہیں بلکہ محمود اور مطلوب ہے کیونکہ اس کے خلاف پر یعنی اعراض پر شکایت کی گئی ہے ہاں جانچ لیا جائے کہ آیا یہ حیثیت حاصل بھی ہے جب طبعاً و ذوقاً یہ بات پیدا ہو جائے کہ

حسن خوشی از روئے خوباں آشکار کردہ   پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردہ

(تو نے اپنی خودی کو خوبصورتی کے چہروں سے ظاہر کر دیا ہے مگر عاشقوں کی نظر میں تماشا بن گیا ہے)

تو پھر اس کے لئے ہر چیز میں نظر کی اجازت ہوگی اور توجہ الی العالم اس کے لئے توجہ الی اللہ ہی ہوگی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ

ترجمہ: ان (انبیاوامم سابقین) کے قصہ میں سمجھ دار لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔

مصیبت گناہوں کی ہی وجہ سے آتی ہے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (یعنی انبیاء علیہم السلام وامم سابقین کے قصے میں سمجھدار لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے) حالانکہ قصہ یوسف علیہ السلام سے کوئی نتیجہ لفظوں میں نہیں بتلایا تھا مگر پھر بھی فرمایا دیا کہ یہ قصہ عبرت ہے تو جہاں نتیجہ نصاً مذکور ہو وہ یقیناً عبرت ہی کے لئے ہے چنانچہ اس آیت میں جو قصہ مذکور ہے اس پر یہ نتیجہ مرتب فرمایا کہ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا کہ ان لوگوں نے بعد نزول عذاب تضرع کیوں نہ کیا صاف صاف شکایت فرمار ہے ہیں اور ہم نے اور امتوں کی طرف بھی جواب سے پہلے گذر چکیں رسول بھیجے تھے سو ہم نے ان کو پکڑ لیا) تا کہ تضرعوا کے مقابل کوئی شے مذکور ہو یعنی ان لوگوں نے تضرع نہ کیا بلکہ تکذیب کی تو ہم نے اس کو عذاب دیا جب انہوں نے سرکشی کی تو ہم نے ان کو مصائب میں گرفتار کیا اس سے ایک فائدہ مستقلہ نکل آیا وہ یہ کہ مصیبت جب آتی ہے تو گناہ کی وجہ سے آتی ہے خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے پہلی امتوں کے پاس رسول بھیجے تو انہوں نے سرکشی کی ہم نے ان کو مصائب میں مبتلا کیا تا کہ وہ تضرع کریں یہ تو بیان تھا مصائب کے آنے کا اس کے بعد ان مصائب سے ان کے متاثر نہ ہونے کا ذکر مع الشکایت ہے کہ اس وقت انہوں نے تضرع کیوں نہ کیا جبکہ ہم نے ان کو باساء میں گرفتار کیا تھا باساء یہاں عام ہے یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ بعد بلا آنے کے تضرع کرتے اور زاری کرتے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ ان کے دل اور سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا یعنی اپنے اعمال سیہ کی طرف ان مصائب کو منسوب نہیں کیا۔

حکایت حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ

فرمایا شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے ایک مرید کے گھر شادی تھی حضرت شیخ امتحان کے لئے رات کے وقت لباس تبدیل کر کے فقراء کی صف میں جا بیٹھے جب گھر والے نے خیرات تقسیم کی تو پیر (حضرت شیخ عبدالقدوس) کو بھی ایک فقیر سمجھ کر دے دی صبح کو اس سے سخت ناراض ہوئے فرمایا کہ اگر تم کو میری محبت ہوتی تو تم کو میری خوشبو آ جاتی اور خوشبو سے مجھ کو پہچانتے چنانچہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کی خوشبو سے یہ فرمایا تھا (۱) انی لا جد ریح یوسف لو لا ان تفندون (سورہ یوسف) اس پر شبہ نہ کیا جاوے کہ محبت کے لئے خوشبو کا آنا لازم ہے بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہر بندہ کے ساتھ جدا ہے ممکن ہے کہ شیخ کے لئے عادت اللہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہی ہو کہ ان کے محب کو ان میں سے خوشبو کا آنا ضروری ہو۔ (الافاضات الیومیہ ج۹۴ صفحہ ۳۳۳، ۳۳)

علم اعتبار کی حقیقت

اور جو سچے معتقد اور محقق تھے انہوں نے یہ کہا کہ صوفیہ کی مراد تفسیر کرنا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اے قرآن پڑھنے والے تو قرآن کے قصوں کو محض قصہ سمجھ کر نہ پڑھ بلکہ ان سے سبق حاصل کر کیوں کہ قرآن میں جو قصے مذکور ہیں وہ عبرت حاصل کرنے کے لئے بیان کئے گئے ہیں جیسا خود قرآن میں ارشاد ہے

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (سورہ یوسف آیت)

پس جب تو موسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر پہنچے تو اس سے یہ سبق حاصل کر کہ تیرے اندر بھی ایک چیز موسیٰ کے اور ایک چیز فرعون کے مشابہ ہے یعنی روح اور نفس دوسری عبارت میں یوں ہو کہ انسان کے اندر دو قوتیں ہیں ایک داعی الی الخیر جو مشابہ موسیٰ علیہ السلام کے ہے دوسری داعی الی الشر جو مشابہ فرعون ملعون کے ہے پس تو بھی اپنی روح کو نفس پر غالب کر جس کا طریقہ مجاہدہ اور تبلیغ ہے پس تو نفس کو آیات الٰہیہ یاد دلاتا کہ اس کو خوف الٰہی پیدا ہو اور نافرمانی سے باز آ جائے یہ علم اعتبار ہے کہ دوسرے کے قصہ کو اپنی حالت پر منطبق کر کے سبق حاصل کیا جائے پس اس آیت سے روح ونفس کی حالت پر حکم کرنا استدلال کے طور پر نہیں بلکہ بطور اعتبار کے ہے استدلال تو مفہوم لغوی سے ہوتا ہے ان طرق کے ساتھ جو اہل معانی واصول نے بیان کئے ہیں اور اعتبار تشبیہ واشارہ کے طور پر ہوتا ہے اور ان دونوں کی اصل قرآن سے ثابت ہے لیکن قرآن میں دلیل واستدلال کا لفظ صراحۃً نہیں آیا بلکہ اس کے مرادفات آئے ہیں چنانچہ ارشاد ہے قل هاتوا برهانكم اور ارشاد ہے قل هل عندكم من علم چونکہ برھان اور علم دلیل کے معنی میں ہے اس لئے اس کا نام استدلال رکھنا صحیح ہو گیا جیسے اقيموا الصلوة کے معنی میں یوں کہنا کہ حق تعالیٰ نے نماز کو فرض کیا ہے صحیح ہے حالانکہ اقيموا الصلوة میں اللہ اور فرض کا لفظ صراحۃً نہیں مگر اس کا قائم مقام موجود ہے اور دوسرے طریق کا نام خود قرآن ہی میں اعتبار آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے فاعتبروا يا ولى الابصار' اس سے اوپر بنی نضیر کے (جو یہود کا ایک قبیلہ ہے) جلاوطن کئے جانے کا قصہ مذکورہ ہے جس کے بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا ہے کہ اے بصیرت والو! اس سے عبرت حاصل کرو یعنی اگر تم ایسی حرکت کرو گے جو ان لوگوں نے کی تو اپنے واسطے بھی اس عذاب کو تیار سمجھو اور یہی تو علم اعتبار ہے کہ دو چیزوں میں مشابہت ہو تو ایک نظیر سے دوسری نظیر کا استحضار کیا جائے اور یہی عبرت حاصل کرنے کے لئے معنی ہیں کہ دوسرے کی حالت کو اپنے اوپر منطبق کیا جائے کہ اگر ہم نے اس کے جیسے اعمال کئے تو ہمارا بھی وہی حال ہو گا جو اس کا ہوا ہے رہا یہ سوال کہ جس طرح صوفیہ نے علم اعتبار کا استعمال کیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے کیا نصوص میں بھی ایسا استعمال آیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ بحمد اللہ اس کی نظیر نصوص میں بھی موجود ہے اور میں یہ بات خود نہیں کہتا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے قول سے میں اس کا ثبوت دیتا ہوں اور وہ اتنے بڑے محقق ہیں کہ بعض لوگوں نے ان کو غیر مقلد سمجھ لیا ہے کہ وہ ائمہ کی تقلید بھی نہ کرتے تھے۔ مگر یہ غلط ہے وہ مقلد ہی ہیں مگر مقلد محقق ہیں لکیر کے فقیر نہیں جیسے سالکین و مجذوبین کے سلوک و جذب میں مراتب ہیں کہ بعض سالک مجذوب ہیں بعض مجذوب سالک محض ہیں بعض سالک محقق ہیں۔ ایسے ہی تقلید و تحقیق کے بھی مرتب ہیں کہ بعض مقلد محض ہیں بعض محقق محض یعنی مجتہد ہیں اور بعض مقلد محقق ہیں بعض محقق مقلد ہیں تو شاہ صاحب مقلد محض نہ تھے بلکہ مقلد محقق تھے اسی لئے بعض کو ان پر غیر مقلدی کا شبہ ہوتو اتنے بڑے محقق نے دو حدیثوں کے متعلق فوز الکبیر میں یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اعتبار کا استعمال فرمایا ہے صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تقدیر کا مسئلہ ارشاد فرمایا۔

امامنکم من احد الا وقد کتب له مقعده من النار و مقعده من الجنة قالوا یا رسول الله افلانتکل علی کتابنا وندع العمل یعنی ہر شخص کا ٹھکانا جنت میں یا دوزخ میں پہلے ہی سے لکھ دیا گیا ہے۔ اس پر حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ پھر عمل کی کیا ضرورت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا **اعملوا فکل میسر لما خلق له اما من کان من اهل السعادہ فسیسروا بعمل السعادہ واما من کان من اهل الشقاوة فسیسرو العمل الشقاوة ثم قرء فاما من اعطی واتقیٰ صدق بالحسنی (الایه متفق علیه مشکوۃ صفحه ۱۱)**

کہ عمل کرتے رہو ہر شخص کے لئے وہ عمل آسان کر دیا گیا ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے جو شخص اہل سعادت سے ہوگا اس کے لئے عمل سعادت آسان ہوگا جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے جو شخص اہل سعادت سے ہو گا اس کے لئے عمل سعادت آسان ہوگا جو اہل شقاوت سے ہوگا اس کے لئے عمل شقاوت آسان ہوگا اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔

فاما من اعطی واتقی و صدق بالحسنی فسنیسرہ للیسری واما من بخل واستغنی و کذب بالحسنی فسنیسرہ للعسریٰ

(ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ جو شخص (اللہ کی راہ میں) صدقہ دے اور تقویٰ اختیار کرے اور اچھی بات (یعنی دین اسلام) کی تصدیق کرے تو ہم اس کے لئے راحت کی چیز (یعنی جنت) کا سامان کر دیں گے اور جو بخل کرے اور بے پروائی اختیار کرے اور اچھی بات (یعنی دین اسلام) کی تکذیب کرے ہم اس کے لئے تکلیف کی چیز (یعنی جہنم) کا سامان کر دیں گے ۱۲۷)

اب اس پر سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں تقدیر کا ذکر کہاں ہے آیت مدلول تو یہ ہے کہ اعطاء و تقویٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے جنت آسان ہو جاتی ہے اور بخل و استغناء سے دوزخ آسان ہو جاتی ہے اس کا جواب شاہ صاحبؒ نے یہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بطور علم اعتبار کے اس آیت کے مضمون سے حدیث کے مضمون پر استشہاد فرمایا اور مقصود تشبیہ دینا ہے کہ جیسے بواسطہ اعمال کے بعض کے لئے جنت اور بعض کیلئے دوزخ کو آسان کر دیا ہے اسی طرح بواسطہ تقدیر کے بعض کے لئے اعمال صالحہ کو بعض کیلئے معاصی کو آسان کر دیا ہے اور یہ تشبیہ محض توضیح کے لئے ہے کہ تقدیر سے تیسیر وہی ہو جاتی ہے جیسی اس آیت میں تیسیر اعمال سے مذکور ہے پس مقصود تشبیہ سے توضیح ہے مشبہ کی اسی لئے تشبیہ میں شرط ہے کہ مشبہ بہ میں وہ صفت اوضح و اشہر ہو گو اقوی بہ ہو اب یہاں سے تشبیہ کے متعلق ایک مشہور سوال کا بھی حل ہو گیا وہ یہ کہ اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم میں جو صلوٰۃ علی رسول اللہ سیدنا ﷺ کو صلوٰۃ علی ابراہیم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

تشبہ میں مشبہ کا افضل ہونا ضروری نہیں

تو اس پر بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے صلوٰۃ ابراہیمیہ کے افضل و اکمل ہونے کا صلوٰۃ محمدیہ سے اور منشا اس کا وہی ہے کہ عام طور پر لوگوں نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ تشبہ میں مشبہ بہ کا مشبہ سے اقویٰ و افضل ہونا شرط ہے حالانکہ یہ مقدمہ ہی غلط ہے بلکہ صرف اوضح و اشہر ہونا ضروری ہے افضل و اکمل ہونا ضرور نہیں اور اس کی دلیل خود قرآن میں موجود ہے فرماتے ہیں۔

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو چراغ کے نور سے تشبیہ دی ہے حالانکہ چراغ کے نور کو نور حق سے کیا نسبت مگر بوجہ وضوح کے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ نور مصباح لوگوں کے ذہن میں پہلے سے حاضر ہے اس پر اگر یہ سوال ہو کہ لوگوں کے ذہن تو نور شمس وقمر بھی حاضر ہے اور ان دونوں کا نور چراغ کے نور سے زیادہ قوی ہے تو ان کے ساتھ تشبیہ کیوں نہیں دی گئی اس کا جواب یہ ہے کہ سورج اور چاند کا نور اگرچہ چراغ کے نور سے اقویٰ ہے مگر سورج میں ایک عیب کہ اس پر نگاہ نہیں جمتی اس کی ساتھ تشبیہ دی جاتی تو سامعین کو شبہ ہوتا کہ شاید خدا کا نور بھی ایسا ہی ہوگا کہ اس پر نگاہ نہ جم سکے تو جنت میں بھی دیدار سے مایوسی ہوئی اور قمر سے اس لئے تشبیہ نہیں دی کہ اس کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ نور القمر مستفاد من نور الشمس تو ان کی ساتھ تشبیہ دینے میں اس کا شبہ ہوتا کہ نور حق بھی کسی سے مستفاد ہے۔ پھر چراغ میں ایک صفت شمس وقمر سے زیادہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی منورہ و منور بنا دیتا ہے کہ ایک گھنٹہ میں ایک چراغ سے ایک لاکھ چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور اس کے نور میں کچھ کمی نہیں آتی اور شمس وقمر سے دوسروں کو صرف روشنی پہنچتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ دوسری شے نورانی بن کر کسی اور کو بھی منور کر سکے۔ (غایت النکاح فی آیت النکاح ملحقہ)

سُوْرَةُ الرَّعد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ ؕ﴿۲۸﴾

ترجمہ: مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کا اطمینان ہو جاتا ہے۔

تفسیری نکات

اطمینان قلب صرف ذکر اللہ میں ہے

یاد رکھو سمجھ رکھو (یہ مدلول ہے کلمہ الا کا) حصر کے ساتھ فرماتے ہیں (یہ مدلول ہے تقدیم محمول کا) کہ خدا ہی کی یاد کے ساتھ دلوں کو چین ملتا ہے تمام عالم میں چراغ لے کر ڈھونڈھ آؤ کوئی دوسری چیز نہ ملے گی کیونکہ ظاہر حصر سے حقیقی ہی ہے

خلاصہ بیان کا یہ ہوا کہ بس ذکر اللہ ہی ایک چیز ٹھہری جس میں چین اور اطمینان ہے۔

تکرار ذکر سے عذاب غم سے نجات ہوگی

اور جس مرتبہ کا ذکر ہوگا اسی مرتبہ کا اطمینان عطا ہوگا۔ اور اس اطمینان کا حاصل یہ نہ ہوگا کہ غم بالکل زائل ہو جائے گا بلکہ یہ حاصل ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ ہوگا عاقل اس پر راضی ہو جائے گا یہ سمجھے گا کہ جو ہوا عین حکمت ہوا۔ اسی ذکر کے تکرار سے غم کا غلبہ کم ہو جائے گا جس سے تکلیف کا درجہ جاتا رہے گا تو کیا ٹھکانہ ہے رحمت کا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا طریقہ بتلایا کہ عذاب غم سے بھی بچ جاؤ اور ثواب سے بھی محروم نہ ہو مگر تم یہ چاہتے

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہو کہ غم ہی نہ رہے جس کے معنی یہ ہیں کہ صبر کا ثواب نہ ملے۔

بیماری میں آہ کا منہ سے نکالنا خلاف صبر نہیں

جیسے یعقوب علیہ السلام کا قول ہے انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ اسی طرح آنسو بہانا آہ آہ منہ سے نکلنا بھی خلاف صبر نہیں ورنہ حضور ﷺ سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے بلکہ رو لینے سے صبر حقیقی زیادہ آسان ہو جاتا ہے کیونکہ دل کا غبار نکل جاتا ہے تو دل میں خدا سے شکایت پیدا نہیں ہوتی بعض لوگوں کو تقوی کا ہیضہ ہو جاتا ہے وہ بیماری میں آہ آہ کرنے کو خلاف صبر سمجھتے ہیں اس لئے اللہ اللہ کرتے ہیں تا کہ قوت قلب ظاہر ہو مگر یہ معرفت کے خلاف ہے اس پر مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کی شکایت مجھے یاد آئی کہ ایک بار وہ بیماری میں اللہ اللہ کر رہے تھے کہ اس کے بھائی آ گئے وہ بھی بڑے بزرگ تھے انہوں نے فرمایا بھائی جی آہ آہ کرو کیونکہ اللہ اللہ مظہر الوہیت ہے اور آہ آہ مظہر عبدیت ہے اور اس وقت وہ عبدیت کو دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ انہوں نے آہ آہ شروع کی اور بہت جلد صحت ہو گئی کیونکہ مقصود پورا ہو گیا تھا اللہ تعالیٰ کو عجز و نیاز اور تضرع زاری بہت پسند ہے اور یہ بات آہ ہی میں ہے اللہ کرنے میں نہیں مولانا فرماتے ہیں ۔

تا نگرید کودک حلوا فروش   بحر بخشا یش نمی آید بجوش

جب تک حلوائی کا لڑکا نہ روئے اس کی بخشش کا دریا جوش میں نہیں آتا۔

(الفصل والانفصال فی الفعل والانفصال ملحقہ مواعظ تدبیر و توکل ۱۹۶)

تدریجی تعلیم

فرماتے الذین آمنوا وتطمئن قلوبهم بذکر اللہ

ترجمہ: یعنی جو لوگ ایمان والے ہیں اور ان کے دلوں کو چین ہوتا ہے خدا کے ذکر سے اور اس میں حصر اس لئے نہیں کہ خدا ہی کے ذکر ہے۔

چین ہوتا ہے۔ کیونکہ مخاطب ابھی سمجھ رہا تھا کہ چین اور چیزوں سے ہوتا ہے تو اسے بالفعل صرف اتنا ہی بتا دیا کہ چین خدا کے ذکر سے بھی ہوتا ہے۔

سبحان اللہ! کیا تدریجی تعلیم ہے کہ مخاطب قبول ہی کرے۔ اگر ابتدا ہی سے حصر کے طور پر فرماتے تو ایک قسم کا معارضہ ہو جاتا۔ یہ نہیں کیا پہلے یہ بتایا کہ اور چیزوں سے چین ہونے کی ہم نفی نہیں کرتے مگر خدا کے ذکر سے بھی چین ہوتا ہے۔ جب مخاطب نے یہ سمجھ لیا کہ خدا کے ذکر سے بھی چین ہوتا ہے۔ تو آگے فرمایا الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کہ آگاہ ہو جاؤ۔ اور خبردار ہو جاؤ کہ خدا کے ذکر سے دلوں کو چین ہوتا ہے اور کسی چیز سے چین نہیں ہوتا پہلے جملہ میں تو بذکر اللہ جو ظرف ہے تطمئن کا اپنی جگہ پر ہے یعنی مؤخر ہے اور آگے

(c) ketabton.com: The Digital Library

بذکر اللہ کی تقدیم فرمائی تا کہ حصر کو مفید ہو کر تقدیم ما حقہ التاخیر مفید حصر ہوتا ہے اور پھر اس کو الا حرف تنبیہ سے موکد بھی کر دیا کہ ہوشیار ہو جاؤ کہ خدا ہی کی یاد سے دلوں کو چین ہوتا ہے۔

اعمال آخرت میں دنیاوی منافع

چنانچہ حق تعالیٰ نے جا بجا جہاں ثمرات آخرت کا ذکر فرمایا ہے وہاں طاعات پر جو دنیاوی ثمرات مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی بیان فرمایا ہے ارشاد ہے ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لا کلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم الایۃ یعنی اگر یہ لوگ احکام کا پورا اتباع کرتے تو ان کو اوپر سے بھی کھانے کو ملتا اور نیچے سے بھی کھانے کو ملتا یعنی اوپر سے بارش نیچے سے پیداوار تو دیکھئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کھانے پینے کے لئے نہیں ہے کھانا تو کافروں کو بھی ملتا ہے بلکہ بہائم کو بھی کسی قدر بلا مشقت مگر پھر بھی کیوں ذکر فرمایا اسی واسطے کہ خیر کوئی کھانے پینے کا لالچی اس طرح آ جائے اس طرف دیکھئے ارشاد خداوندی سے معلوم ہوا اعمال آخرت کے اندر دنیاوی منافع بھی ہیں۔

گناہوں سے دنیا کا نقصان

اسی طرح معاصی کے اندر دنیا کی مضرت بھی ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے ان العبد لیحرم الرزق بخطیتہ یعملھا دیکھئے بسبب گناہ کے رزق کا گھاٹا بھی ہو جاتا ہے۔ اس کے تمام حدیثیں بھری ہوئی ہیں۔ اس میں یہ دکھلا دیا گیا ہے کہ طاعات میں دنیا کے کیا کیا نفع ہیں اور معاصی میں دنیا کی کیا کیا مضرت ہے اس کے لکھنے سے میری یہی غرض تھی کہ لوگ دنیا ہی کے نفع نقصان کو سوچ کر دین کی طرف متوجہ ہو جائیں اسی طور پر حق تعالیٰ نے یہاں بھی ایک چیز بتلائی ہے جو دنیا کے نفع کی ہو وہ بڑی ہی ضرورت اور کام کی چیز ہوگی۔

فرماتے ہیں الا بذکر اللہ تطمئن القلوب یاد رکھو سمجھ رکھو (یہ مدلول ہے کلمہ آلا کا) حصر کے ساتھ فرماتے ہیں (یہ مدلول ہے تقدیم معلول کا) یہ خدا ہی کی یاد کے ساتھ دلوں کو چین ملتا ہے۔ فقط ایک چیز ہے۔ جس سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ فقط ایک چیز ہے۔ جس سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ تمام عالم میں چراغ لے کر ڈھونڈھ آؤ کوئی دوسری چیز نہ ملے گی کیونکہ ظاہراً حصر سے مراد حقیقی ہی ہے اس کے بعد حصر حقیقی اور حصر اضافی کی نفیس بحث تھی اور اصل حصر میں حقیقی ہی ہوتا ہے بلا ضرورت دلیل اضافی مراد نہیں لیا جاتا اور یہاں حصر کے اضافی ہونے کی کوئی دلیل ہے نہیں نیز اور کسی چیز کا موجب اطمینان ہونا بھی ثابت نہیں۔ جب مشاہدہ ہے حصر کے حقیقی ہونے کا ہو گیا تو پھر اضافی کیونکر ہوا۔ غرض یہاں کوئی دلیل نہیں کہ عدول کیا جائے حصر کے حقیقی ہونے سے جب کوئی دلیل نہیں اور مشاہدہ بھی اس کا موید ہے تو اس کو حقیقی ہی کہا جائے گا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرار وسکون صرف ذکر اللہ میں ہے

لہٰذا خدا کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ سوائے اس کی یاد کے چین کی کوئی چیز ہے ہی نہیں قرار وسکون اگر ملتا ہے تو خدا ہی کی یاد سے اس کے بیان فرمانے میں بہت اہتمام فرمایا ہے چنانچہ الا سے کلام شروع کیا یعنی دیکھو ہوشیار ہو کر سن لو اور سمجھ لو یاد رکھو خدا ہی کی یاد ایک ایسی چیز ہے جس کے قلوب کو چین ملتا ہے دنیا بھر میں کوئی اور چیز ایسی نہیں جو قلب کو راحت پہنچا سکے واقعی بہت بڑا دعویٰ ہے کہ یہی وہ چیز ہے جس میں قلوب کا چین منحصر ہے غرض حصر کے ساتھ فرماتے ہیں اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۞ کہ سوائے یاد خدا کے کسی چیز میں قلوب کا چین نہیں۔ اور ہر چند کہ ترجمہ سے مقصود ترغیب ہی ہے ذکر کی لیکن قرینہ مقام سے خود ترغیب سے مقصود اس کا امر کرنا اور اس کا ضروری بتلانا ہے دو چیزوں کو جاننا یہاں ضروری ہے ایک تو یہ کہ ذکر اللہ ضروری چیز ہے دوسرے یہ کہ اس کے سوائے اور کوئی چیز ایسی نہیں جسمیں قلوب کو چین حاصل ہو سکے اول جز و ضروری ہوتا ہے سو ضرورت اس کی بالکل ظاہر ہے کیونکہ اس میں دنیا کا بھی نفع ہے اور دین کا بھی نفع ہے پھر اس سے زیادہ کیا ضرورت کی چیز ہوگی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ ابراهیم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۖ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴﴾

ترجمہ: اور ہم نے تمام (پہلے) پیغمبروں کو (بھی) ان ہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ تا کہ ان سے (احکام الٰہیہ کو) بیان کریں پھر جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں گمراہ کرتے ہیں اور جس کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں اور وہی (سب امور پر) غالب ہے (اور) حکمت والا ہے۔

تفسیری نکات

قرآن پاک رسول پاک ﷺ کی قوم کی زبان میں اترا ہے

ارشاد فرمایا کہ الہ آباد میں ایک دفعہ جانا ہوا اور سید اکبر حسین جج اس زمانہ میں کسی ختمی طالب علم سے عربی پڑھتے تھے انہوں نے طالب علم مذکور سے سوال کیا کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر رسول کی زبان اس کی قوم کی زبان ہوتی ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ ہمارے رسول ﷺ کی زبان عربی تھی اس بنا پر یہ ہونا چاہئے کہ رسول ﷺ کی قوم یعنی جن کی طرف آپ مبعوث ہوئے صرف اہل عرب ہوں حالانکہ خود قرآن میں آپ کا رسول الی کافۃ الناس ہونا مصرح ہے اور عقیدہ بھی یہی ہے اور یہ صریح تعارض ہے طالب علم مذکور نے جواب دیا مگر ان کی تشفی نہ ہوئی اس طالب علم نے آ کر مجھ سے ذکر کیا میں نے اس کی زبانی کہلا بھیجا کہ قرآن میں بلسان قومہ آیا ہے بلسان امتہ نہیں آیا جو یہ شبہ ہو اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

قوم کہتے ہیں برادری اور خاندان کو پس وہ امت کا مرادف نہیں ہے اور قوم رسول ﷺ کی بلاشک عرب قریش ہی تھے مگر اس سے امت کا خاص عرب ہونا کیسے لازم آیا پس رسالت عام ہے قوم اور غیر قوم کو اس جواب کو انہوں نے بہت ہی پسند کیا۔

دو آیات اور ان میں تعارض کے شبہ کا حل

(ملفوظ) ایک صاحب نے سید اکبر حسین صاحب جج مرحوم کا تذکرہ کیا فرمایا کہ جی ہاں وہ بڑے متین آدمی تھے اور اچھے شاعر تھے ان کے اکثر اشعار حکمت پر مشتمل ہیں اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے ان اشعار کے اندر معائب بیان ہوتے ہیں خود وہی لوگ ان اشعار کو مزے لے لے کر پڑھتے ہیں میرے ساتھ بہت محبت کرتے تھے اور ان کے میرے تعلقات کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک صاحب مولوی یعقوب تھے سید صاحب ان سے ایک زمانہ میں عربی پڑھا کرتے تھے اور گو سید اکبر حسین صاحب نے عربی زیادہ نہ پڑھی تھی مگر چونکہ ذہین آدمی تھے اس لئے اچھی قابلیت پیدا ہوگئی تھی بلکہ وہ تو یوں کہا کرتے تھے کہ انگریزی کے اندر جو قابلیت مجھ کو حاصل ہوگئی ہے اس کی وجہ یہی تعلیم عربی ہی ہے ایک بار میں الہ آباد گیا ہوا تھا مولوی یعقوب میرے پاس آئے اور کہا کہ آج میں سید صاحب کو سبق پڑھا رہا تھا انہوں نے قرآن کی ایک آیت پر ایسا شبہ پیش کیا کہ جس کا مجھ سے جواب نہیں بن پڑا۔ میں نے کہا کہ وہ شبہ کیا ہے۔ کہنے لگے کہ قرآن میں آیا ہے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اور اس کی قوم کی زبان ایک ہوتی ہے اور حضور کی ہم زبان صرف قوم عرب تھی تو معلوم ہوا کہ حضور کی قوم صرف اہل عرب تھے پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی بعثت صرف قوم عرب کی طرف تھی عام نہ تھی اور ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے وما ارسلناک الا کافة للناس اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی بعثت عام تھی تو ان دونوں آیتوں میں تعارض ہو رہا ہے میں نے کہا کہ کچھ بھی تعارض نہیں کیونکہ قرآن میں تو یہ آیا ہے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه یہ تو نہیں فرمایا بلسان امتہ اور لفظ قوم ایک عربی لفظ ہے اس کے معنی برادری اور خاندان کے ہیں بلسان قومہ سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ حضور کی برادری جو تھی وہ اہل عرب تھی عجمی آپ کی برادری نہ تھے مگر اس سے دوسری قوموں کے امتی ہونے کی کیسے نفی ہوگئی اور دوسری آیات میں سب کے امتی ہونے کا اثبات ہے پہلی آیت میں ایک بات کا ذکر ہے اور دوسری میں دوسری بات کا تو دونوں آیتوں میں تعارض کہاں ہوا تب ان مولوی صاحب کو اطمینان ہوا اور جا کر انہوں نے سید صاحب سے یہ جواب نقل کیا تو سید صاحب اس جواب کو سن کر بہت خوش ہوئے اور دریافت کیا کہ یہ جواب کس نے دیا ہے انہوں نے میرا نام لیا تو فوراً گاڑی میں سوار ہو کر میرے پاس آئے اور بہت دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے اس کے بعد سے سید صاحب برابر

(c) ketabton.com: The Digital Library

شبہات مجھ سے بیان کیا کرتے اور میں جواب دیا کرتا تھا جس سے ان کو شفا ہوتی تھی۔ ایک واقعہ ان کے انتقال کے بعد کا یاد آیا کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے نے ان کا دیوان مرتب کرنا چاہا تو ان کے دو شعر میرے پاس بھیجے اور لکھا کہ ان اشعار کو میں نے ہندوستان کے بڑے بڑے شعراء کے پاس بھیجا کہ اس کی شرح کرو مگر کوئی بھی ان اشعار کی شرح پر قادر نہ ہو سکا بلکہ یہ جواب دیا کہ یہ اشعار مہمل ہیں۔ میں نے ان کو لکھا کہ اگر یہ شعر اور کسی کے ہوتے تو میں بھی ان کو مہمل کہتا مگر سید صاحب کو میں جانتا ہوں کہ وہ ایسے نہ تھے کہ مہمل شعر کہتے لہذا ان کا کلام مہمل نہیں ہو سکتا اس کے بعد میں نے ان اشعار کی شرح لکھ کر ان کو بھیج دی سنا ہے کہ اس شرح کو بے حد پسند کیا گیا بعینہ وہ شرح انہوں نے شائع کر دی۔ (الافاضات الیومیہ ج ۱۰ صفحہ ۲۶)

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝

ترجمہ: اگر تم شکر کرو گے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

تفسیری نکات

نعمت اسلام پر اظہار تشکر

اشارتاً بتلایا گیا ہے کہ تم ایسے نہیں ہو جو مستقلاً اسلام کا شکر ادا کرو اس لئے بچوں کی طرح روٹیوں کے بعد شکر اسلام کی تعلیم فرمائی کہ میاں اور کسی وقت شکر نہ کرو تو روٹیاں کھانے کے بعد تو اسلام کا شکر ادا کر لیا کرو کیونکہ اس وقت ایک ظاہری نعمت تمہارے سامنے ہوتی ہے اس کا شکر تو تم طبعاً ادا کرو ہی ہو گے اس کے ساتھ ساتھ نعمت اسلام کا شکر بھی ادا کرو جس سے یہ سب کھانا پینا بھی نعمت ہو گیا اور اسلام کی بدولت آخرت میں بھی تم کو یہ نعمتیں نصیب ہوں گی اگر نعمت اسلام نہ ہوتی تو کھانا پینا سب وبال جان ہوتا اور اس کی لذت چندروزہ ہوتی پس روٹیوں کے ساتھ شکر اسلام تعلیم فرمانا ایسا ہے جیسے بچوں کو بتاشہ میں دوا دیتے ہیں افسوس ہم ایسے غافل ہیں کہ حضور ہم کو بچوں کی طرح بہلا پھسلا کر شکر اسلام کی تعلیم فرما رہے ہیں اور اسی طرح اپنے کھانے کے میل میں کھانے کے بعد حضور نے ایک اور مفید دعا بھی تعلیم فرمائی ہے کہ جب کسی دوسرے کے گھر کھانا کھاؤ تو یوں کہو اللھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی یعنی دعوت کرنے والے کو دعا دو کہ اے اللہ جس طرح اس نے ہم کو کھلایا پلایا ہے آپ بھی اس کو ہمیشہ کھلاتے پلاتے ہیں (یا جنت کے طعام و شراب سے ممتاز فرمائیں۔ حضور کی تو یہ تعلیم ہے مگر یہاں یہ عادت ہے کہ کھلانے والے کو دعا تو کیا دیتے اس کا شکر تو کیا ادا کرتے الٹا کھانے میں عیب نکالتے ہیں خصوصاً رسوم کے کھانوں میں تو اکثر یہی ہوتا ہے ایک بنیے نے اپنی لڑکی کی شادی میں بہت بڑی بارات بلائی تھی اور دعوت کا سامان بہت بڑھیا کیا تھا اس کے علاوہ چلتے ہوئے ہر

(c) ketabton.com: The Digital Library

باراتی کو ایک ایک اشرفی بھی دی تھی یہ سب کچھ کر کے اس کو خیال ہوا کہ آج بارات والے میری خوب تعریف کرتے جائیں گے وہ اپنی تعریف سننے کے لئے اس راستہ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جہاں سے بارات گزر رہی تھی مگر وہاں بالکل سناٹا تھا کسی نے بھی تو بنئے کی دریا دلی کی داد نہ دی آخر بہت دیر کے بعد ایک گاڑی میں سے آواز آئی کہ کوئی شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ بھائی! لالہ جی نے بڑی حوصلہ کی دعوت کی اچھے اچھے کھانے کھلائے اور چلتے ہوئے ایک ایک اشرفی دی تو دوسرا کیا کہتا ہے کہ میاں کیا کیا؟ سسرے کے یہاں اشرفیوں کے کوٹھے بھرے پڑے ہیں۔ دو دو بانٹ دیتا تو اس کے کیا کمی آ جاتی' لیجئے ایک ایک اشرفی بانٹ کر تو سسرے کا خطاب ملا' زیادہ بانٹتا تو معلوم کیا خطاب ملتا؟

حب جاہ کی حقیقت

اسی لئے محققین نے کہا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی احمق نہیں جو طالب جاہ ہو کیونکہ یہ کمال محض وہمی انتزاعی ہے اور انتزاعی بھی ایسا جو اس شخص کے ساتھ خود قائم نہیں بلکہ دوسرے کے خیال کے ساتھ قائم ہے کیونکہ جاہ نام ہے دوسروں کی نظروں میں معزز ہونے کا جس کا مدار محض دوسرے کے خیال پر ہے جو کہ اپنے وجود میں خود اس دوسرے کے تابع ہے وہ جب چاہے بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے مگر طالب جاہ خوش ہے کہ آہا لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں جیسے چوہا خوش ہوتا کہ بنئے کی دکان میں میرے واسطے غلہ آیا ہے؟ جی ہاں ذرا منہ تو ڈالو' ابھی تو چوہے دان آتا ہے جس سے ساری خوشی کرکری ہو جائے گی۔

اسی طرح دوسرے شخص کا اپنا خیال بدل دینا یہ جاہ کے لئے چوہے دان ہے۔ ایک نقص تو جاہ میں یہ ہے کہ وہ سراسر دوسرے کے تابع ہے وہ ایسا کمال نہیں جو اپنے قبضہ کا ہو دوسرا نقص یہ ہے کہ اس سے نفع جو حاصل ہوتا ہے وہ محض وہمی ہے یعنی بڑائی اور عزت؟ کیونکہ عزت و بڑائی سے نہ گھر میں روپیہ آتا ہے نہ جائیداد بڑھتی ہے۔ محض دل خوش کر لو ورنہ جاہ سے تو اچکن میں ایک بٹن بھی نہیں لگتا اور جو لوگ جاہ سے نفع مالی حاصل کرتے ہیں جیسے بعض لوگ بڑا بن کر غریبوں سے بیگار لیتے ہیں یا جا و بیجا فرمائشیں کرتے رہتے ہیں ان کی جاہ بہت جلد زائل ہو جاتی ہے غرض اس سے بدوں خیالی نفع کے اور کچھ فائدہ نہیں

ایک رئیس نے دیوبند میں بڑی دھوم کی دعوت کی تھی جس میں بڑا روپیہ صرف ہوا تھا حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے دعوت کے بعد ان رئیس صاحب کو اس فراخ حوصلگی کی داد اس طرح دی کہ شیخ صاحب! واقعی آپ بڑے حوصلہ کا کام کیا مگر افسوس یہ ہے کہ اتنا روپیہ خرچ کر کے آپ نے ایسی چیز خریدی جو بازار میں پھوٹی کوڑی کو بھی نہیں بک سکتی' یعنی نام' اور اگر بدنامی ہو گئی تو وہ خیال جاہ بھی جاتی رہی بس جاہ کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی منہار پوٹلا باندھے ہوئے چوڑیوں کا لیجا رہا تھا ایک گنوار نے لاٹھی کا کھوا دا مار کر پوچھا کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

میاں اس میں کیا ہے؟ (گانوں والوں کی عادت ہے کہ وہ لاٹھی مار کر پوچھا کرتے ہیں) اس منہار نے جواب دیا کہ اس میں ایسی چیز ہے کہ ایک ہوداور ماردو تو کچھ بھی نہیں' اسی طرح جاہ ایسی چیز ہے کہ ذراسی ٹھیس میں جاتی رہتی ہے اس لئے جو لوگ نام کے واسطے روپیہ برباد کرتے ہیں وہ بڑی غلطی کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر غلطی کھانے والوں کی ہے کہ وہ دوسروں کا مال کھا کر شکر نہیں ادا کرتے نہ اسے دعا دیتے ہیں۔

ہاں آج کل مردوں کو فاتحہ میں دعا دی جاتی ہے وہاں بھی کھلانے والوں کو کوئی دعا نہیں دیتا حالانکہ پہلے کھلانیوالے کو دعا دینی چاہئے اگر وہ نہ کھلاتا تو مردوں کو ثواب کیسے پہنچتا بلکہ کھانیوالوں کو بھی دعا دینی چاہئے اوران کا مشکور ہونا چاہئے کیونکہ وہ نہ کھاویں تب بھی مردوں کو ثواب نہیں پہنچ سکتا۔

میرٹھ میں ایک لطیفہ ہوا کسی جگہ مردوں کی فاتحہ دی جارہی تھی اور ایک لمبی فہرست پڑھی جارہی تھی جس میں نمبردار مردوں کے نام درج تھے جب فہرست کے ختم ہونے میں دیر لگی تو ایک صاحب بولے کہ میاں اس میں ہمارا نام بھی تو لکھا ہوتا کیونکہ خدا کی قسم اگر ہم نہ کھاویں تو ان میں سے ایک کو بھی تو ثواب نہ ملے گا اس پر سب لوگ ہنس پڑے اور وہ فہرست مختصر کی گئی۔

ان رسوم میں ایک بات ایسی ضرور موجود ہوتی ہے جو ان کے لغو و باطل ہونے پر خود دلالت کرتی ہے چنانچہ کھانے سے پہلے مردوں کے نام ترتیب وار لیا جانا' یہ محض لغو حرکت ہے آخر یہ نام کے سنائے جارہے ہیں اگر کھانے والوں کو سنائے جاتے ہیں کہ تم ان لوگوں کی نیت کر کے کھانا' تو ظاہر ہے کہ کھانے والے جب ہاتھ دھو کر بیٹھتے ہیں ان کو سوا کھانے کے اور کچھ یاد نہیں رہتا اور نہ اتنی لمبی فہرست یاد رہ سکتی ہے اور اگر خدا کو سنانا ہے تو اس کا لغو نا بالکل ظاہر ہے خدا تعالیٰ کو تو ہر شخص کی نیت کا حال معلوم ہے ان کو سنانے کی کیا ضرورت ہے مگر پھر بھی بعض لوگ اپنی اغراض کے لئے فاتحہ وغیرہ کو دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب کہنے لگے کہ مولوی خواہ مخواہ فاتحہ کا انکار کرتے ہیں حالانکہ سورۂ فاتحہ خاص اسی واسطے اتری ہے چنانچہ اس کا نام ہی فاتحہ ہے' سبحان اللہ' کیا پاکیزہ دلیل ہے پھر یہ لوگ علماء سے بحث کر کے دقائق علمیہ کو سمجھنا چاہتے ہیں اور جب نہیں سمجھتے تو علماء پر الزام لگاتے ہیں یہ ہم کو سمجھا نہیں سکتے غرض حضور ﷺ نے ہم کو کھانے کے بھی سب آداب بتلائے ہیں جن میں ضمناً اسلام پر بھی شکر کی تعلیم فرمائی۔

شکر کے معنی

اب سمجھے کہ شکر کے معنی ہیں قدر دانی کے' اسی واسطے خدا تعالیٰ کا نام شکور ہے کہ وہ اعمال کی قدر کرتے ہیں قدر کی دو صورتیں ہیں اگر یہ شخص حاجت مند ہے تو اس کی قدر تو یہ ہے کہ اس سے منفعت حاصل کرے اور منعم کا احسان مند رہے اور اگر حاجت مند نہیں ہے تو اس کی قدر یہ ہے کہ اس فعل کی جزا وصلہ عطا کرے چنانچہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

حق تعالیٰ کو شکور اسی معانی کے اعتبار سے کہتے ہیں ان کی قدر دانی یہ ہی ہے کہ وہ بندوں کے اعمال کا صلہ دیتے ہیں اور بندہ کی قدر دانی یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے وہ منافع حاصل کرے جن کے لئے وہ موضوع ہیں مثلاً روٹی کی قدر یہ ہے کہ اسے کھاؤ پانی کی قدر یہ ہے کہ پیو اور برف کی قدر یہ ہے کہ اس سے ٹھنڈک حاصل کرو اگر کوئی شخص برف کو پانی میں گھول کر معمولی برتن کے اندر رکھ دے تو کہا جاتا ہے کہ اسے برف کی قدر نہیں ہے یعنی جس منفعت کے لئے وہ موضوع تھی اس سے وہ نفع حاصل نہ کیا' اس لئے ناقدری کی اسی طرح اسلام کا شکر یہ ہے کہ اس کی قدر کرو اور قدر یہ ہے کہ اس کی برکات و منافع حاصل کرو۔ (محاسن اسلام ملحقہ مواعظ محاسن الاسلام صفحہ ۲۵ تا ۲۶)

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ
اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ
بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ
مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ
الظّٰلِمِيْنَ ۙۛ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ (توحید و ایمان) کی کہ وہ مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے' جس کی جڑ خوب گڑی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اونچائی میں جا رہی ہوں۔ وہ خدا کے حکم سے ہر فصل میں اپنا پھل دیتا ہو اور اللہ تعالیٰ (ایسی) مثالیں لوگوں کے واسطے اس لئے بیان فرماتے ہیں تا کہ وہ خوب سمجھ لیں اور گندہ کلمہ کی (یعنی کلمہ کفر و شرک کی) مثال ایسی ہے جیسے ایک خراب درخت ہو کہ زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جاوے اس کو کچھ ثبات نہ ہو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ کی برکت) سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے اور ظالموں (یعنی کافروں) کو (دین میں اور امتحان میں) گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

شجرہ طیبہ سے شجرہ نخلہ مراد ہے

اس میں کلمہ طیبہ کی مثال بیان فرمائی ہے جس سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔

حدیث میں اس کی تصریح ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے تابع ہے وہ بھی مراد ہی ہے کیونکہ متبوع کے ساتھ تابع کا ہونا لازم ہے مگر چونکہ اہل ایمان اس امت سے پہلے بھی گذرے ہیں اور جو فضائل ایمان کے ہیں وہ ان کے لئے بھی ثابت ہیں اور لا الہ الا اللہ کا قرین ہر امت میں بدلتا رہا ہے کوئی لا الہ الا اللہ کے ساتھ نوح نبی اللہ کوئی ابراہیم خلیل اللہ کہتا تھا کوئی موسیٰ کلیم اللہ کوئی عیسیٰ روح اللہ اور ہم محمد رسول اللہ کہتے ہیں تو یہ جملہ متبدل ہے اور لا الہ الا اللہ غیر متبدل ہے جس میں تمام اہل ایمان مشترک ہیں اس لئے اکثر احادیث میں لا الہ الا اللہ پر اکتفا کیا گیا ہے باقی مطلب وہی ہے کہ لا الہ الا اللہ مع اپنے قریب کے جو ہر امت مسلمہ کے لئے الگ الگ ہے اور صوفیہ کا ادب دیکھئے کہ وہ جب اپنے مریدوں کو ذکر لا الہ الا اللہ کی تعلیم کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کا ذکر تو اتنی مقدار میں کیا کرو دو سو یا پانچ سو دفعہ اور کبھی کبھی محمد رسول اللہ ﷺ بھی کہہ لیا کرو یہ نہیں بتلاتے کہ ہر دفعہ پورا کلمہ کہا کرو اس طرح انہوں نے تابع و متبوع دونوں کا حق ادا کر دیا تو فرماتے ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ کی کہ وہ مشابہ ہے شجر طیبہ (پاکیزہ درخت) شجرہ طیبہ سے مراد شجر نخلہ ہے اس کو مثال کے لئے یا تو اس واسطے خاص کیا کہ اہل عرب کے نزدیک وہ اطیب الاشجار ہے مگر میرے نزدیک حقیقت میں وہ عرب و عجم سب میں اطیب شجرہ ہے ایک تو اس کی پیدائش سہل ہے بعض دفعہ تو خود ہی اگ آتا ہے چنانچہ سینکڑوں درخت کھجور کے خود رو موجود ہیں پھر اس کی خدمت کی جائے تو ان کا پھل نہایت عمدہ اور لذیذ ہے پھر اس کی کوئی چیز ضائع نہیں ہر ایک میں منافع بینہ موجود ہیں لکڑی کڑیوں میں کام آتی ہے پتوں سے پنکھے اور بوریئے بنتے ہیں جیسے گنے کا رس نکالا جاتا ہے) اور بینہ کی قید اس لئے لگائی کہ منافع خفیہ تو ان چیزوں میں بھی ہیں جن کو ہم بیکار سمجھتے ہیں جیسا کہ گلزار ابراہیم میں ایک حکیم کا قصہ لکھا ہے کہ اس کو ایک دن پاخانہ میں بیٹھے بیٹھے خیال ہوا کہ یہ پاخانہ کا کیڑا کس کام آتا ہے اس میں ظاہر ہے کوئی منفعت نہیں معلوم ہوتی اس خیال کا آنا تھا کہ چند روز میں اس کی آنکھیں اندھی ہو گئیں بڑا گھبرایا بہت علاج کئے مگر کچھ نفع نہ ہوا اتفاق سے ایک دفعہ کوئی دوسرا حکیم اس کی بستی میں آیا جو آنکھوں کا علاج کرتا تھا اس اندھے حکیم نے بھی اس سے رجوع کیا اس نے کوئی دوا اس کی آنکھ میں لگا دی جس سے بہت جلد آنکھیں کھل گئیں اور اچھی طرح نظر آنے لگا اس نے حکیم سے پوچھا کہ اس دوا کے کیا اجزا ہیں دوسرے حکیم نے کہا کہ اس کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

جزاعظم گوہ کا کیڑا ہے اس وقت اس کو تنبہ ہوا کہ یہ غیب سے مجھ کو سزا دی گئی تھی کیونکہ میں نے اس کو بیکار خیال کیا تھا حق تعالیٰ نے اس طرح مجھ کو اس کا نفع بتلایا پس منافع خفیہ سے تو کوئی چیز بھی خالی نہیں گو ہم کو علم نہ ہو مگر کھجور کے تو ہر جزو میں منافع بینہ ہیں جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اس لئے وہ عرب و عجم سب کے نزدیک اطیب شجر ہے آگے فرماتے ہیں اَصۡلُهَا ثَابِتٌ کہ اس کی جڑ تو جمی ہوئی ہے یعنی زمین میں وَّ فَرۡعُهَا فِی السَّمَآءِ اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔ نخلہ میں اس صفت کا ہونا تو ظاہر ہے اور کلمہ طیبہ کے لئے یہ صفت اس طرح ثابت ہے کہ اس کی بھی ایک جڑ ہے جو مومن کے قلب میں جمی ہوئی ہے پس قلب مومن منزلہ ارض کے ہے اور اعتقاد توحید جو اس میں راسخ ہے وہ کلمہ طیبہ کی جڑ ہے اور قلب مومن کو ارض سے تشبیہ قرآن میں دوسری جگہ مصرح ہے سورہ حدید میں ہے۔

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ وَ لَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡهِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: کیا مسلمانوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور اس دین حق پر عمل کے لئے جھک جائیں جو اللہ کی طرف سے ان پر نازل ہوا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ بنیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ان کے دل سخت ہو گئے اور زیادہ تر ان میں سے فاسق ہیں جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو مردہ ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے حضرت عبداللہ بن عباس نے اس کی تفسیر میں صراحتاً فرمایا ہے کہ ارض سے قلب مراد ہے اوپر جو اہل کتاب کی قساوت کا ذکر تھا جس سے ان کے مایوس اور ناامید ہو جانے کا احتمال تھا اس آیت سے مایوسی کو قطع کیا گیا ہے۔ کہ گو تمہارے دل سخت تو ہو گئے مگر ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں

ایمان قبول عمل کیلئے شرط ہے

اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو بھی زندہ کر دیتے ہیں اور وَّ فَرۡعُهَا فِی السَّمَآءِ یہ ہے کہ وہ عالم ملکوت کی طرف بلند ہوتا ہے جس کی تفصیل دوسری آیت میں ہے اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُهٗ اچھا کلام اسی تک پہنچتا ہے (یعنی حق تعالیٰ ہی اس کو قبول فرماتے ہیں اور اچھا کام اس کو بلند کرتا اور پہنچاتا ہے صعود سے مراد تو قبول اور رفع سے مراد ذریعہ قبول بنتا ہے اب اگر عمل صالح سے مراد ایمان ہے تب تو قبول سے مراد نفس قبول ہے کیونکہ ایمان ہر عمل کے قبول کیلئے شرط ہے اور اگر دیگر اعمال صالحہ مراد ہیں تو وہ نفس قبول کے لئے شرط نہیں مگر کمال قبول کے لئے شرط ہیں آگے فرماتے ہیں وَ یَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ چونکہ مثال عجب تھی اس لئے اس کی حکمت بتلاتے ہیں کہ حق تعالیٰ لوگوں کے واسطے مثالیں اس لئے بیان فرماتے ہیں تا کہ وہ خوب سمجھ لیں کیونکہ مثال سے توضیح مقصود خوب ہو جاتی ہے آگے کلمہ کفر کی مثال ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَثَلُ کَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ کَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ اور گندہ کلمہ کی (یعنی کلمہ کفر و شرک کی) ایسی مثال ہے جیسے خبیث درخت ہو (حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے کہ وہ حنظل کا درخت ہے) جو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اس کو کچھ ثبات ہی نہ ہو (چنانچہ حنظل کے درخت کی جڑ تک نہیں ہوتی نیز حنظل اور اس کا پھل بو اور مزہ میں بھی تلخ ہوتا ہے اسی طرح کلمہ کفر سے دل کو بے چینی ہوتی ہے راحت نہیں ملتی اور اس کی جڑ گو کافر کے دل میں ہے مگر حق کے سامنے باطل ایسا مضمحل و مغلوب ہے کہ گویا اس کے جڑ ہی نہیں اور جب اس کے جڑ ہی نہیں تو پھل وغیرہ کیا ہوتے اس لئے نہ یہاں شاخوں کا ذکر فرمایا نہ پھل کا اور یہ عجب نکتہ ہے اس مقام میں کہ چونکہ کفر کا کچھ تو وجود اس لئے اس کا کچھ ذکر فرما دیا اور چونکہ اس کا معتد بہ وجود نہیں اس لئے بقیہ آثار کو ذکر نہیں فرمایا کیونکہ ذکر اس شے کا ہوتا ہے جو کچھ تو ہو اور یہ فی الجملہ وجود بھی دنیا میں ہے اور آخرت میں تو کفر معدوم ہی ہو جائے گا کیونکہ وہاں سب کو ایمان حاصل ہو جائے گا گو کفار کا وہ ایمان معتبر نہیں کیونکہ بالاضطرار ہوگا اختیار سے نہ ہوگا آگے اس آیت میں کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کے اثر کا ذکر ہے۔ اوپر تو دونوں کی مثال تھی یہاں دونوں کے اثر کا بیان ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات کی برکت سے (مراد کلمہ طیبہ ہے جس کی جڑ مضبوط ہے) دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں مضبوط رکھتا ہے دنیا میں تو اس طرح کہ مومن کلمہ کی برکت سے شیاطین الانس والجن کے اغوا سے محفوظ رہتا ہے اور مرتے دم تک ایمان پر قائم رہتا ہے اور آخرت میں اس طرح کہ قبر میں نکیرین کے سوال کا صحیح صحیح جواب دے دے گا آگے کلمہ کفر کے اثر کا بیان ہے وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ یعنی اس کلمہ خبیثہ کی نحوست سے کافروں کو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں بچلا دیتے ہیں دنیا میں تو ان کا بچلنا ظاہر ہے اور آخرت میں بچلنا یہ ہے کہ قبر میں ان سے نکیرین کے سوال کا جواب نہ بن پڑیگا۔ بلکہ حیرت زدہ ہو کر کہیں گے افسوس ہم کچھ نہیں جانتے غرض قول ثابت سے مراد کلمہ طیبہ ہے جس کا ذکر اوپر کی آیت میں تھا اسی کی بدولت آخرت میں نجات ہوگی جس کی ایک جڑ ہے اور کچھ شاخیں ہیں جڑ تو عقیدہ توحید ہے اور شاخیں اعمال صالحہ ہیں ان سب کا مجموعہ قول ثابت ہے پس عقیدہ توحید کو پختہ کرو جس کا طریقہ کثرت ذکر ہے اور اعمال کو صالح کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ علم دین حاصل کرو مسائل کی کتابیں دیکھو وعظ کی کتابوں کا مطالعہ کرو اور ان کے موافق عمل شروع کرو جس کے لئے ہمت کی ضرورت ہے کہ دین پر عمل کرنے میں اگر کوئی ملامت کرے تو کسی کی پرواہ نہ کرو پھر ان شاء اللہ آپ کو وہ دولت ملے گی کہ تمہارے اقوال و اعمال و احوال میں نورانیت ہوگی اور کثرت ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی کی تربیت و تعلیم حاصل ہے تب تو اس سے پوچھ کر کوئی ذکر شروع کرو اور اگر کسی کی تربیت نہیں ہے تو چلتے پھرتے لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے رہو کام کے وقت زبان سے کسی قدر جہر کرتے رہو تاکہ یاد رہے اور خالی وقت میں تسبیح ہاتھ میں رکھو یہ مذکرہ ہے اس سے ذکر یاد رہتا ہے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ بعد کمال کے تسبیح ہاتھ میں رکھتے تھے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کسی نے کہا حضرت اب تو آپ کو اس کی ضرورت نہیں رہی فرمایا جس رفیق کی بدولت یہ بات حاصل ہوئی ہے کیا اب اس کو چھوڑ دوں یہ تو بڑی بے مروتی ہے۔ غرض تسبیح سے غفلت نہیں ہوتی ذکر کا دھیان رہتا ہے اس کو ہاتھ میں رکھو اور کسی طعن کی پرواہ نہ کرو لوگوں میں مرض ہے کہ جہاں کسی نے تسبیح ہاتھ میں لی اور اس پر طعن شروع کیا مگر جب تم کو تسبیح سے دولت ملتی ہو تو مخلوق کو بکنے دو کیا کسی کے طعن سے ڈر کر اپنا نقصان کر لو گے یہ تو قول ثابت کے حاصل کرنے کا طریقہ ہے۔

عالم برزخ

سید اکبر حسین صاحب جج نے عالم برزخ کے متعلق دریافت کیا کہ جو لوگ توپ و تفنگ سے اڑا دیئے گئے ہیں ان کی قبر کہاں ہے؟ فرمایا کہ قبر نام ہے عالم برزخ کا اور وہ ایک حیات ہے مثل نوم کے کہ اس میں بھی ادراک ہوتا ہے الم و نعیم کا پھر سید صاحب نے دریافت کیا کہ کیا وہاں مثل نوم کے عدم ادراک و ذہول بھی ہو سکتا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ وہاں ذہول نہیں پھر پوچھا کہ کیا قبر کا افتتان قرآن سے بھی ثابت ہوتا ہے فرمایا قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہوتا یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ اس کی بابت حضور ﷺ نے فرمایا نزلت فی عذاب القبر دوسری آیت ہے اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ تو یعرضون یوم تقوم الساعة سے پہلے ہے۔

علیین سے مراد

سید صاحب نے فرمایا کہ قرآن میں ہے وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّیُّوْنَ ؕ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۙ اس میں علیین کتاب کو کہا گیا ہے حالانکہ وہ مقام کا نام ہے مولانا نے فرمایا کہ کتاب کا نام بھی ہے اور مقام کا بھی پھر سید صاحب نے کہا کہ کیا میں اس کتاب کو علم الٰہی سمجھوں یا کتاب ذی جسم؟ مولانا نے فرمایا کہ وہ کتاب ذی جسم ہے اور عالم آخرت بھی مادی ہے مثل عالم دنیا کے اور عالم برزخ بھی آخرت میں داخل ہے گو عالم برزخ کا مادہ لطیف ہے بلکہ عالم آخرت میں بہ نسبت دنیا کے مادیت زیادہ ہے کیونکہ دنیا کا مادہ تو متغیر فانی ہے اور وہ باقی ہے تو اس کا مادہ زیادہ شدید ہے گو لطافت کے ساتھ ہے۔

مراقبہ کی ضرورت و حقیقت

گو حق تعالیٰ نے صراحتاً یہاں کسی مراقبہ کا ذکر نہیں فرمایا مگر اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ یہاں صراحۃ تو کسی خاص عمل کے امر کا ذکر نہیں بلکہ محض ایک خبر مذکور ہے مگر اس پر علماء و مفسرین کا اجماع ہے کہ اخبار قرآنیہ سے محض خبر ہی مقصود نہیں بلکہ مقصود کوئی انشاء ہوتا ہے اور اخبار قرآنیہ ہی کی کیا تخصیص ہے میرے

(c) ketabton.com: The Digital Library

نزدیک تو خبر من حیث ہو خبر کسی عاقل کے کلام میں بھی مقصود نہیں ہوتی بلکہ عقلاء کو ہر جملہ خبریہ سے کوئی انشاء ہی مقصود ہوتا ہے اور جس جملہ خبریہ سے کوئی انشا مقصود نہ ہو وہ لغو ہوتا ہے جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو یہاں خبر سے محض خبر مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ چونکہ ایسا ایسا ہونے والا ہے لہذا اس واقعہ سے ڈرنا چاہئے اور اللہ تعالی کے خاص بندوں میں یعنی ایمان والوں میں داخل ہونا چاہئے ظالمین میں سے نہ ہونا چاہئے پس یہاں بھی تصریح تو اس کی ہے کہ حق تعالی کے خاص بندوں کی یہ فضیلت ہے کہ دنیا وآخرت میں حق تعالی ان کو ثابت رکھتا ہے اور کافروں کی یہ مذمت ہے کہ ان کو بچلا دیتا ہے اس سے ایک مراقبہ کی طرف اشارہ بھی ہو گیا۔ کہ اس وقت سے ڈرنا چاہئے جس میں کافر بچیں گے اس لئے ایمان وعمل کا اہتمام کیا جائے بظاہر اس آیت پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جب خدا تعالی ہی ثابت رکھتے ہیں اور وہی بچلا دیتے ہیں تو الزام کس پر؟ اس کا جواب ظالمین کے لفظ سے ہو گیا کہ انہوں نے ظلم کیا تھا اس لئے اس کی نحوست سے بچ گئے یہ تو حکیمانہ جواب تھا مگر اس پر بھی کوئی شغب کرے تو آگے حاکمانہ جواب بھی دیدیا۔ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ کہ کسی کے باوا کا کچھ اجارہ نہیں جاؤ اللہ تعالی جو چاہیں کرتے ہیں حکیمانہ جواب سے بعض دفعہ شور شغب قطع نہیں ہوتا اس لئے حاکمانہ جواب بھی بیان فرما دیا اب سب کی زبانیں بند ہو گئیں یہ تو ترجمہ آیت کا تھا مگر اس سے وہ واقعہ معلوم نہیں ہوا جس کی نسبت تثبیت واضلال کی خبر دی گئی ہے۔ اس کے لئے تفسیر کی ضرورت ہے۔ اور قرآن کی تفسیر کہیں تو قرآن ہی سے ہوتی ہے اور کہیں حدیث سے اس آیت کی تفسیر حدیث سے معلوم ہوئی ہے حدیث کیا ہے ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جن کی شان یہ ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس لئے حدیث بھی بمنزلہ قرآن ہی کے ہے سو حدیث میں آ چکا ہے کہ یہ آیت عذاب قبر کے متعلق ہے پس ثابت ہو گیا کہ یہاں عذاب قبر سے ڈرنے کا اور اس کے استحضار کا امر ہے مگر اس پر ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے میں اس کا بھی جواب دئے دیتا ہوں وہ یہ کہ یہ سورت مکی ہے اور احادیث صحاح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو عذاب قبر کا علم مدینہ میں ہوا ہے پھر یہ آیت عذاب قبر کے متعلق کیونکر ہو سکتی ہے اگر اس میں عذاب قبر کا ذکر ہوتا تو حضور ﷺ کو مکہ ہی میں اس کا علم ہو جاتا اس کا ایک جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس سورت کی خاص اس آیت کو مدنی مانا جاوے مگر میں نے اس کو کہیں منقول نہیں دیکھا اس لئے میرے نزدیک دوسرا اسہل جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو تثبیت واضلال فی الاخرۃ کی تفسیر کا ایک جزو تو مکہ میں منکشف ہو گیا تھا یعنی قیامت میں حساب وکتاب کے وقت مسلمانوں کا ثابت قدم رہنا اور کفار کا بچلنا اور ایک جزو یعنی تثبیت و اضلال فی القبر مدینہ میں منکشف ہوا کیونکہ آیت میں لفظ فی الاخرۃ وارد ہے اور آخرت دو ہیں ایک حقیقی یعنی

(c) ketabton.com: The Digital Library

قیامت اور ایک اضافی یعنی قبر پس مکہ میں آپ کو تثبیت و اضلال فی الاخرۃ کا پہلا جزو منکشف ہو گیا جو قیامت کے متعلق تھا اور دوسرا جزو مدینہ میں منکشف ہوا یعنی عذاب و نعیم قبر پس اب آیت کے مکی ہونے اور عذاب قبر کے متعلق نازل ہونے میں کچھ تنافی نہیں کیونکہ دراصل یہ آیت قیامت اور قبر دونوں کے متعلق تھی مگر مکہ میں آپ کو اس کا علم نہ تھا مدینہ پہنچ کر آپ کو معلوم ہوا کہ اس آیت میں عذاب قبر کا بھی ذکر ہے اور لفظ آخرت اس کو بھی عام ہے حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور وہ سوال کرتے ہیں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی بہر حال حدیث سے اس کا عذاب قبر کے متعلق ہونا صراحۃً ہو رہا ہے اور اس پر جو اشکالات تھے وہ بھی سب رفع ہو گئے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے اور ظالموں کو بچلا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ایمان پر ثابت قدم رکھنے کا وعدہ

اب یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ یہ آیت عذاب قبر کے متعلق تو ہے لیکن اس میں تثبیت کا وعدہ دنیا اور آخرت دونوں کے بارہ میں ہے چنانچہ ارشاد ہے يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ اب سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو اس پوری آیت کو تلاوت فرما کر عذاب قبر کے متعلق فرمایا ہے تو آپ نے معاملہ قبر کو حیات دنیا میں داخل فرمایا یا آخرت میں سو احتمال دونوں طرف سے ہے۔ قبر کو حیات دنیا میں بھی داخل کیا جا سکتا ہے اور آخرت میں بھی دوسرا احتمال تو محتاج تاویل نہیں کیونکہ موت سے حیات دنیا منقطع ہو جاتی ہے اس لئے مابعد الموت حیات دنیا میں داخل نہیں بلکہ وہ آخرت میں داخل ہونا چاہئے البتہ پہلا احتمال محتاج تاویل ہے اس پر کہہ سکتے ہیں کہ گو موت سے حیات دنیا منقطع ہو جاتی ہے مگر حیات اخرویہ بھی شروع نہیں ہوتی کیونکہ حیات اخرویہ وہ ہے جبکہ یہی جسد عنصری دوبارہ زندہ ہوگا اور یہ قیامت میں ہوگا۔ قبر میں جسد عنصری زندہ نہیں ہوتا گو روح کو اس سے تعلق رہتا ہے پس گو موت کے بعد انسان کو نہ حیات اخرویہ حاصل ہوتی ہے نہ حیات دنیویہ بلکہ حیات برزخیہ ہوتی ہے مگر حیات برزخیہ کو حیات دنیا سے بہ نسبت آخرت کے قرب زیادہ ہے اس لئے حکماً وہ حیات دنیا میں داخل ہو سکتی ہے لیکن یاد آیا در منثور میں ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فی الاخرۃ کی تفسیر عذاب قبر سے فرمائی ہے اب کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہی نہ دوسرا احتمال رہا البتہ ایک اور اشکال وارد ہوگا۔

وہ یہ کہ ایک حدیث میں آتا ہے روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے حالانکہ دخول جنت یا دخول

(c) ketabton.com: The Digital Library

نار قیامت کے بعد ہوگا عالم برزخ میں دخول جنت و نار نہ ہوگا اس کا ایک جواب تو علماء نے دیا ہے وہ یہ کہ برزخ میں جو مسلمانوں کو راحت اور کفار کو عذاب ہوگا حضور ﷺ نے اس کو نعیم جنت اور عذاب جہنم سے تشبیہ دی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو برزخ میں ایسی راحت ہوگی کہ گویا وہ جنت کے باغ میں ہیں اور کفار کو ایسی تکلیف ہوگی کہ گویا جہنم کے گڑھے میں ہیں اور صوفیہ نے یہ کہا ہے کہ جنت و جہنم دو ہیں ایک حقیقی اور ایک مثالی اس قول کو مان لیا جائے تو پھر اس حدیث میں تاویل نہ کرنا پڑے گی صوفیہ کہتے ہیں کہ قبر میں مومن کے لئے جس جنت کی طرف کھڑکی کھولی جائے گی وہ جنت مثالیہ ہے اسی طرح کافر کے لئے جس جہنم کی طرف کھڑکی کھلے گی وہ بھی مثالی جہنم ہے پھر قیامت کے بعد حقیقی جنت و جہنم میں دخول ہوگا اور یہ اشکال نہ کیا جائے کہ مومن اور کافر کے لئے جنت و جہنم میں داخل ہونے کے بعد تو پھر خروج نہ ہوگا پھر مسلمان اور کافر اس جنت مثالیہ و جہنم مثالیہ سے قیامت کے دن کیونکر نکلیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ عدم خروج وغیرہ یہ احکام جنت و جہنم حقیقیہ کے ہیں مثالیہ کے یہ احکام نہیں اس سے خروج ہوسکتا ہے بلکہ صوفیہ نے تو یہ کہا ہے کہ دنیا میں بھی کفار کو جہنم اور مومنین کو جنت محیط ہے کیونکہ اعمال سیئہ جہنم ہیں اور اعمال صالحہ جنت ہیں اور حقیقی جنت و دوزخ کا ثواب و عذاب انہی اعمال کی صورت جوہریہ ہے بس دنیا میں بھی ہر شخص یا جنت میں ہے یا دوزخ میں مگر اعمال کے بعد تو یہ احاطہ معلوم ہوسکتا ہے بدوں اعمال کے اس احاطہ کا ادراک دشوار ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے (مگر) سچ یہ ہے کہ آدمی بہت ہی بے انصاف اور بڑا ہی ناشکر ہے۔

تفسیری نکات

حق سبحانہ وتعالیٰ کے لامحدود احسانات

اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ بعض غریب مفلس ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس گنی چنی چیزیں ہی ہوتی ہیں جو شمار میں آسکتی ہیں تو ان کے حق میں لا تحصوھا کا حکم کیسے صحیح ہوگا اس کا جواب تو کھلا ہوا ہے کہ ہر آفت سے محفوظ رہنا بھی تو ایک مستقل نعمت ہے اور آفتوں اور تکلیفوں کا احصاء و شمار کوئی نہیں کرسکتا اس لئے غریب سے غریب انسان پر اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ وہ شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس آیت کی ایک دوسری تفسیر بھی دل میں آتی ہے وہ یہ کہ لفظ احصاء کے معنے جیسے

(c) ketabton.com: The Digital Library

شمار کرنے کے معروف و مشہور ہیں اسی طرح ایک معنی احصاء کے پورا پورا استعمال کر لینے کے بھی آتے ہیں یعنی احصاء استعمالاً اس معنی کے اعتبار سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے جتنی نعمتیں دی ہوئی ہیں وہ ان سب کو بیک وقت استعمال بھی نہیں کر سکتا بلکہ کچھ نہ کچھ نعمتیں اس کے استعمال سے فاضل رہتی ہیں خود انسان کے وجود میں جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں وہ اس کی ضرورت سے کچھ زائد رہ گئی ہیں اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دو عطا فرمائیں حالانکہ دیکھنے کا کام ایک آنکھ سے بھی چل سکتا ہے کان دو دیئے اور کام ایک سے بھی چل سکتا ہے ہاتھ پاؤں دو دوہرے عطا فرمائے جن میں سے انسان ہر وقت دونوں کو استعمال نہیں کرتا سردی کا سامان گرمی میں اور گرمی کا سامان سردی میں مشغول کار نہیں ہوتا اس لئے ہر غریب سے غریب انسان پر یہ بات صادق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو پورا پورا استعمال بھی نہیں کر سکتا۔

آیت کی یہ تفسیر خیال میں گزرا کرتی تھی مگر کوئی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے ذکر نہ کرتا تھا۔ آج الحمدللہ اس کی دلیل ایک حدیث سے سمجھ میں آ گئی کہ اسماء اللہ الحسنیٰ کے متعلق حدیث میں ہے۔

من احصها دخل الجنة یعنی جو شخص ان اسماء الٰہیہ کا احصاء کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔

اس حدیث میں لفظ احصاء کے متعلق علماء کے دونوں قول ہیں احصاء حفظاً مراد ہے یعنی ناموں کا حفظ کر لینا یا احصاء استعمالاً مراد ہے۔ کہ ان ناموں کے مقتضیٰ پر عمل کرنا'

تو جس طرح لفظ احصاء کی ایک حدیث میں دو تفسیریں کی گئیں ہیں اسی طرح آیت قرآن لاتحصوھا میں بھی دونوں تفسیریں ہو سکتی ہیں۔

وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها کا ایک محمل یہ بھی ہے کہ تم یاد سے نعمتوں کا احصار نہیں کر سکتے۔

انعامات الٰہیہ کا شمار ناممکن ہے

اور ایک محمل اور ہے جو دل کو زیادہ لگتا ہے کہ ضرورت اور حاجت کی صفت سے تم اس کا احصار نہیں کر سکتے بلکہ بہت چیزیں تم کو بے ضرورت معلوم ہوں گی واقعی بعض دفعہ اتنی چیزیں جمع ہو جاتی ہیں کہ انسان سوچنے لگتا ہے کہ ان کو کس کام میں لاؤں تو جیسا کہ اس سے خدا تعالیٰ منعم ہونا ظاہر ہوتا ہے ایسے ہی ہماری حرص بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ہم بے ضرورت بھی بہت چیزیں جمع کرتے رہتے ہیں جن کے لئے کوئی مصرف بھی ذہن میں نہیں آتا یہ مادہ عورتوں میں خصوصاً زیادہ ہے۔

مکانات بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

(ملفوظ) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی لامتناہی نعمتیں ہیں کہاں تک انسان شکر ادا کر سکتا ہے اسی کو فرماتے ہیں وان تعدو انعمة الله لا تحصوها اب میں ان میں سے صرف ایک نعمت کا ذکر کرتا ہوں

(c) ketabton.com: The Digital Library

واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیوت سے تمہارے لئے مسکن بنایا یعنی اللہ نے تم کو ایک ایسی چیز دی جس میں تم رہتے ہو میں نے شہروں میں دیکھا کہ چھوٹی سی کوٹھڑی تاریک آگے صحن نہیں وہیں کھانا وہیں ہگنا قصبہ اور گاؤں کے لوگ تو پھر بڑے بڑے مکانات میں رہتے ہیں پھر خود وہ کوٹھریاں بھی بالکل نہ ہونے کے اعتبار سے نعمت ہیں اور ان چھوٹے بڑے بیوت کا نعمت ہونا ان لوگوں سے پوچھئے کہ جن کے پاس مکان نہ ہو یا اس کرایہ دار سے پوچھئے کہ برسات میں جس سے مکان خالی کر دیا جائے خصوصی جگہ اس کے پاس کافی سامان بھی ہو جس کا نقل کرنا بھی مصیبت ہو (الافاضات الیومیہ جلد ۷ صفحہ ۱۵۷ تا ۱۵۸)

بغیر حساب

اسی طرح حق تعالیٰ ہم سے عبادات کا کام لیتے ہیں وہ ان حرکات کو پسند کرتے ہیں لیکن تحمل سے زیادہ خود نہیں کرنے دیتے کتنی بڑی رحمت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنابہ

اے ہمارے پروردگار ہم پر ایسے مصائب اور واقعات نہ ڈالئے جس کو ہم کو برداشت نہیں ہے۔

اس تعلیم کے ضمن میں جتلایا ہے کہ ہم طاقت سے زیادہ کام نہیں لیا کرتے ہیں یہ معاملات بھی خدا تعالیٰ کے ہیں کوئی شخص واقعات دیکھے پھر کتاب اللہ میں غور کرے تو ہر جگہ رحمت ہی رحمت نظر آئے گی غرض وہ ہمارے تحمل سے زیادہ ہم کو کام کی اجازت نہیں دیتے چنانچہ اگر مجاہدہ کی حرص میں کوئی دوپہر کو نماز پڑھے تو مواخذہ ہوگا غرض خدا تعالیٰ کی عجیب رحمت ہے عمل میں تو حد سے زیادہ ممنوع اور اجر میں زیادتی موجود اسی لئے بغیر حساب بڑھا دیا۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس قدر اجر ملے گا جو ہمارے حساب سے باہر ہے اس لئے کہ فرماتے ہیں

وکل شیء احصینہ فی امام مبین یعنی ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر دیا ہے

ان کے احاطہ علمی سے کوئی شے خارج نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم نہیں شمار کر سکتے جیسا کہ دوسری جگہ فرماتے ہیں

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا یعنی اگر تم نعمت خداوندی کو شمار کرنا چاہو تو نہ شمار کر سکو گے۔

پس جس طرح یہ عدم احصاء (نہ احاطہ کرنا نہ شمار کرنا) بندہ کے اعتبار سے ہے چنانچہ خصوصاً نہیں احاطہ کر سکتے تو ان کا) میں عدم احصاء کی اسناد مخاطب کی اس طرف سے کی واضح دلیل ہے اسی طرح اس آیت میں بغیر حساب کے یہ معنی ہیں کہ تم حساب نہیں کر سکتے۔ ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے اندازہ سے باہر نہیں ہے وہ تو خوب بالتفصیل جانتے ہیں۔

حاصل یہ کہ عمل محدود اور متناہی ہے اور اجر غیر محدود اور غیر متناہی بمعنی لاتقف عند حد (کسی پر موقوف نہیں ہے) یہ تو اس آیت کے متعلق بیان تھا۔ (الفقر ملحقہ مواعظ فضائل صوم وصلوٰۃ ص ۱۵۷)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الحِجْر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ①

ترجمہ: الرٰ یہ آیتیں ہیں (کامل) کتاب اور قرآن واضح کی۔

تفسیری نکات

قرآن اور کتاب کے لغوی معنی

اس جگہ آیات کے دو لقب بیان کئے گئے ہیں ایک قرآن دوسرے کتاب' قرآن کے معنی ہیں ما یقرء یعنی پڑھنے کی چیز اور کتاب کے معنی ہیں ما یکتب یعنی لکھنے کی چیز اور ظاہر ہے کہ پڑھنے اور لکھنے کی چیز کیا ہے الفاظ ہی تو ہیں معانی کو کون پڑھ سکتا یا کون لکھ سکتا ہے اور ایک مضمون ابھی ذہن میں آیا ہے جو شروع میں نہ آیا تھا اب تک تو ذہن میں یہ بات تھی کہ الفاظ ہی پڑھنے لکھنے کی چیز ہیں معانی کو پڑھ لکھ نہیں سکتے اس پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ نحویین نے کہا ہے کہ ضرب میں ضمیر ہو مستتر ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ظاہر میں ضمیر مذکور نہیں لیکن سمجھنے میں آتی ہے مگر ایک طالب علم یہ سمجھے کہ ضرب کے اندر ضمیر ہو چھپی ہوئی بیٹھی ہے تو آپ نے ضرب کو چھیلنا شروع کیا یہاں تک کہ کاغذ پھٹ گیا اور اتفاق سے دوسرے ورق میں اس جگہ ہو لکھا ہوا تھا یہ بڑے خوش ہوئے کہ واقعی استاد نے ٹھیک کہا تھا کہ اس کے اندر ہو پوشیدہ ہے دیکھو چھیلنے سے نکل آیا۔ پھر دوڑے ہوئے استاد کے پاس آئے کہ دیکھئے میں نے ضرب کو چھیلا تھا یہ ہو نکل آیا جو اس میں چھپا ہوا تھا استاد بہت ہنسے اور ان کو مطلب دوبارہ سمجھایا غرض یہ طالب علم یوں سمجھتا تھا کہ معانی بھی کتابت میں آسکتے ہیں۔ مگر یہ اس کی غلطی ہے معانی قراءت و کتابت میں نہیں آسکتے ان کا محل صرف ذہن ہے لوگ بے تار کی خبر پر تعجب کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ نے اس کو پہلے سے پیدا کر رکھا ہے کیونکہ الفاظ سے معانی کا سمجھنا یہ بے تار کے ہی تو خبر ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کیونکہ معانی کا مرکز قلب ہے اور جہاں الفاظ کسی کی زبان سے نکلے معاً وہاں معانی سمجھے گئے غرض ان آیتوں میں اشارہ کیا بلکہ صراحت ہے کہ قرآن کے ساتھ پڑھنے کا تعلق رکھو کیونکہ لفظ قرآن کے معانی یہی ہیں اور ظاہر ہے کہ قراءت الفاظ ہی کی ہوتی ہے نہ کہ معانی کی دوسری صفت اس جگہ کتاب ہے جس کے معنی لکھنے کی چیز ہیں اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ قرآن کے ساتھ قراءت کے علاوہ ضبط و کتابت کا بھی رکھنا چاہئے دوسری جو بات اسی وقت ذہن میں آئی یہ ہے کہ کتاب کا مصداق حقیقۃً نہ الفاظ ہیں نہ معانی کیونکہ الفاظ تو زبان سے ادا ہوتے ہیں ان کا محل زبان ہے لفظ کے معنے لغت میں پھینکنے کے ہیں کہ الفاظ زبان سے پھینکے جاتے ہیں یعنی نکالے جاتے ہیں اس لئے ان کو الفاظ کہا جاتا ہے معانی کا محل صرف ذہن ہے وہ تو کتاب کا مصداق کسی طرح ہے ہی نہیں بلکہ اس کا مذاق دوسری چیز ہے یعنی نقوش جن کو عوام کرم کانٹے کہتے ہیں کیونکہ ان پڑھ آدمی لکھ پڑھ نہیں سکتا نہ سمجھ سکتا ہے اس لئے وہ ان کو کرم کانٹے کہتے ہیں مگر کتاب کا مصداق مطلق نقوش نہیں بلکہ وضعی نقوش ہیں جیسا کہ الفاظ کی دلالت معانی پر وضعی ہے طبعی نہیں کیونکہ غیر اہل زبان اس کو نہیں سمجھ سکتا اسی طرح نقوش بھی وضعی ہیں اور ان کی دلالت بھی الفاظ پر وضعی ہے اسی لئے پڑھے ہوئے آدمی ان کو سمجھتے ہیں ان پڑھ نہیں سمجھ سکتے جب یہ معلوم ہو گیا کہ کتاب کا حقیقی مصداق نقوش ہیں تو آپ تو الفاظ ہی کو غیر مقصود بتلاتے تھے اور قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ نقوش قرآن بھی قابل حفاظت و مستحق تعظیم ہیں تو الٹی پڑی کہ گئے تھے نماز بخشوانے روزے بھی گلے پڑ گئے مگر صاحبو یہ گلے نہیں پڑے کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ کسی شخص کو اشرفیاں اور جواہرات دے کر اس سے کہے کہ اس کو حفاظت سے رکھو قفل اور تالہ لگاؤ اگر اس شخص کو روپیہ اور جواہرات کی قدر معلوم ہے تو اس حکم کی قدر کرے گا اور کہے گا۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا با جان جاں ہمراز کردی

(اللہ تعالیٰ تجھے جزا دے تو نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھ کو محبوب حقیقی کے ساتھ ہمراز کر دیا)

اور جس کو روپیہ کی قدر نہ ہو گی وہ کہے گا کہ یہ اچھی بلا میرے سر پڑی کہ حفاظت کرو اور قفل لگاؤ اسی طرح جو لوگ معانی کی قدر کرتے ہیں وہ ان الفاظ و نقوش کی بھی قدر کریں گے کیونکہ یہ انہی کی حفاظت کا سامان ہے اور جو قدر نہیں کرتے وہ اس کو سر پڑی بلا سمجھیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ جو تعلیم یافتہ الفاظ قرآن کے پڑھنے کو بے فائدہ سمجھتے ہیں درحقیقت وہ معانی قرآن کی قدر نہیں کرتے ورنہ اس کی حفاظت کے ہر سامان کی ان کو قدر ہوتی صاحبو الفاظ قرآن کو اس کی حفاظت میں بہت بڑا دخل ہے کیونکہ الفاظ قرآن کا یہ معجزہ ہے کہ وہ نہایت سہولت سے حفظ ہو جاتے ہیں۔

الفاظ و معانی قرآن دونوں مقصود ہیں

اب میں آیت کی طرف عود کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس غلطی کو رفع فرمایا ہے جو بعض لوگ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سمجھے ہوئے ہیں کہ قرآن سے صرف معانی مقصود ہیں یہ خیال غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیات کو قرآن و کتاب فرمایا ہے کہ یہ لکھنے پڑھنے کی چیز ہے اور ظاہر ہے کہ لکھنا پڑھنا الفاظ ہی کے متعلق ہے نہ کہ معانی محضہ کے اب یہاں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ ایک جگہ تو لفظ قرآن کو مقدم کیا ہے لفظ کتاب سے اور ایک جگہ اس کا عکس ہے جس سے معلوم ہوا کہ من وجہ الفاظ میں مقصودیت زیادہ ہے اور من وجہ معانی میں مقصودیت زیادہ ہے اور یہ نکتہ اس طرح حاصل ہوا کہ قراءت الفاظ کی ہوتی ہے اور الفاظ کا مدلول قریب معانی ہیں اور کتابت نقوش کی ہوتی ہے اور اس کا مدلول قریب الفاظ ہیں اور معانی مدلول بعید پس قراءت کی حالت میں معانی کی طرف اول ہی توجہ ہو جاتی ہے اور کتابت میں اول الفاظ کی طرف اور ان کے واسطہ سے معانی کی طرف اور مقصودیت سے مراد بھی مدلولیت ہے پس قراءت میں زیادہ مقصودیت معانی میں ہوئی اور کتاب میں زیادہ مقصودیت الفاظ میں ہوئی پس اس مجموعہ میں اشارہ ہو گیا کہ الفاظ بھی اس درجہ میں مقصود ہیں کہ معانی میں من کل الوجوہ مقصودیت بڑھی ہوئی نہیں بلکہ بعض وجوہ سے الفاظ میں بھی مقصودیت بڑھی ہوئی ہے۔

اور اسی مقام سے ایک اور مسئلہ بھی حاصل ہو گیا جس میں علماء کا اختلاف ہے کہ قرآن کو دیکھ کر مصحف میں پڑھنا افضل ہے یا حفظ پڑھنا افضل ہے جو حضرات حفظ پڑھنے کو افضل کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس میں تدبر زیادہ ہوتا ہے الفاظ سے بلاواسطہ معانی کی طرف التفات ہو جاتا ہے اور نقوش سے التفات بواسطہ ہوتا ہے اور بعض نے مصحف سے پڑھنے کو افضل کہا ہے اس لئے کہ اس میں محل توجہ متعدد ہوتے ہیں الفاظ تو بلاواسطہ نقوش اور معانی بواسطہ الفاظ تو اس میں عبادت متعدد ہوتی ہے یہ تعدد تو باعتبار مدلول کے ہے اور دال کے اعتبار سے بھی تعدد ہے ایک نقوش کے اعتبار سے یعنی عبادت بصر دوسرے الفاظ کے اعتبار سے یعنی عبادت لسان پس اس میں دو عبادتیں مجتمع ہو جاتی ہیں۔

اور ایک نکتہ اور ہو سکتا ہے وہ یہ کہ قرآن کے محفوظ ہونے میں من وجہ الفاظ مقروءہ کو زیادہ دخل ہے کہ خدانہ کردہ اگر جمیع مصاحف تلف ہو جائیں تو حفاظ قرآن الفاظ از سر نو قرآن کو مدون کر سکتے ہیں اور من وجہ نقوش کو زیادہ دخل ہے کہ اختلاف فی الالفاظ کے وقت مکتوب کی طرف مراجعت کر کے فیصلہ کر سکتے ہیں اس کے بعد مبین کی قید ہے اس میں یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ قرآن کی قراءت و کتابت دونوں واضح اور ظاہر ہونی چاہئیں۔ اسی لئے فقہاء نے قرآن کی تقطیع چھوٹی کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ قرآن کی تقطیع بڑی ہو تا کہ کتابت واضح اور صاف ہو لیکن متوسط تقطیع کا مضائقہ نہیں جیسے حمائل کی تقطیع بڑی ہوتا کہ کتابت واضح اور صاف ہو لیکن متوسط تقطیع کا مضائقہ نہیں جیسے حمائل کی تقطیع ہے کہ اس سے سفر میں سہولت ہوتی ہے ہاں یہ جو آج کل بعض تعویذی قرآن شائع ہوئے ہیں یہ بے شک مکروہ ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اب حروف مقطعات کا نکتہ بیان کرتا ہوں جو ان آیات کے شروع میں وارد ہیں اور میں ان سے بھی اپنا مدعا بیان کروں گا جیسا کہ میں نے شروع میں وعدہ کیا تھا حروف مقطعات میں بہت سے نکات ہیں ایک نکتہ یہ ہے کہ یہ اسرار ہیں درمیان اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حضور ﷺ ان کے معانی سے واقف تھے مگر دوسروں پر آپ نے ان کے معانی ظاہر نہیں فرمائے کیونکہ ان کا تعلق محکمہ شرائع عالیہ سے نہیں بلکہ دوسرے محکمہ سے ہے ان اسرار کو اسی محکمہ کے آدمیوں پر ظاہر کیا جاتا ہے کہ ملائکہ اور انبیاء علیہ السلام کو ان سے واقف کیا گیا ہے چونکہ امت کو اس محکمہ سے تعلق نہیں اس لئے ہم لوگوں کو ان اسرار سے مطلع نہیں کیا گیا۔

ایک مرتبہ میں نے درس میں یہی تقریر کی تھی اور اس وقت ایک کورٹ انسپکٹر موجود تھے وہ کہنے لگے آپ سچ کہتے ہیں واقعی ہر محکمہ کے خاص اسرار ہوتے ہیں جن سے دوسرے محکمہ والوں کو مطلع نہیں کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا آپ تو ایسی تصدیق کر رہے ہیں جیسے آپ پر یہ بات گزری ہو کہنے لگے جی ہاں مجھے آج کل ہی میں یہ بات پیش آئی ہے میں ایک دن سپریڈنٹ کی کوٹھی پر گیا ہوا تھا ان کی میز پر ایک کتاب رکھی تھی میں اس کو دیکھنے لگا تو صاحب نے وہ کتاب میرے ہاتھ سے لے لی اور کہا کہ یہ آپ کے دیکھنے کی نہیں ہے اس میں محکمہ خفیہ پولیس کے اسرار ہیں جن سے دوسرے محکمہ والوں کو مطلع نہیں کیا جاتا اور وہ اسرار کچھ اصطلاحات ہیں کہ سی آئی ڈی والے ان اصلاحات میں ایک دوسرے کو تار کے ذریعہ سے خبر دیتے ہیں اور دوسرے لوگ ان اخبار پر مطلع نہیں ہوتے اس سے میرا بڑا جی خوش ہوا کہ حسیات میں بھی اس کی نظیر موجود ہے۔

الفاظ قرآنی بھی مقصود ہیں

دوسرا نکتہ اس میں ابھی میرے ذہن میں آیا ہے وہ یہ کہ ممکن ہے اس میں اس مضمون پر تنبیہ مقصود ہو کہ قرآن سے محض معانی مقصود نہیں بلکہ الفاظ بھی مقصود ہیں کیونکہ بعض الفاظ قرآن میں غیر معلوم المعنی ہیں اگر صرف معانی مقصود ہوتے تو قرآن میں یہ ایسے الفاظ کیوں ہوتے حالانکہ وہ جز قرآن ہیں جن کی قرآنیت کا انکار کفر ہے ایک نکتہ اس میں یہ ہے کہ حروف مقطعات میں احاد وعشرات ومآب کو جمع کیا گیا ہے جس سے بعض اہل کشف نے بعض حوادث پر بطور پیشین گوئی کے استدلال کیا ہے جو ایک مستقل علم ہے اس کے علاوہ اور بہت سے نکات ہیں۔

قرآن کے دو اوصاف

ارشاد ہے تلک ایات الکتاب و قرآن مبین ظاہر ہے کہ آیات الکتاب اور قرآن مبین دونوں کا مطلب ایک ہی ہے صرف لقب دو ہیں اور نکتہ دو عنوانوں کے اختیار کرنے میں یہ ہے کہ اس سے قرآن کا دو وصفوں کے لئے جامع ہونا ثابت ہوتا ہے ایک وصف کتاب ایک وصف قرآن،

(c) ketabton.com: The Digital Library

حاصل یہ کہ قرآن میں دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ وہ مکتوب ہونے کے قابل ہے جس پر لفظ کتاب دلالت کررہا ہے اور دوسری یہ کہ وہ مقرر ہونے کے قابل ہے جس پر لفظ کتاب قرآن دلالت کررہا ہے اور لفظ کتاب میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس کو اپنے پاس لکھ کر رکھو تا کہ عمل کے لئے محفوظ رہے اور لفظ قرآن میں یہ اشارہ ہے کہ اس کو پڑھا بھی کرو تا کہ اس کے استحضار سے عمل کا اہتمام کیا جاوے خالی چھپوا کر یا لکھ کر رکھ لینا کافی نہیں ہے۔

یہ نکتہ ہے تلک آیات الکتب و قرآن مبین میں کتاب و قرآن دو لفظ اختیار کرنے کا ورنہ مصداق دونوں کا ایک ہی ہے گو اصل عطف میں تغایر ہی ہے مگر وہ تغایر عام ہے خواہ ذات کا ذات سے تغایر ہو یا وصف کا وصف سے تغایر ہو چنانچہ عطف تفسیری میں یہ اصل دوسری تغایر کے ساتھ صادق آتی ہے کیونکہ جائز ہے کہ مفہوم معطوف علیہ کا اور ہو اور معطوف کا اور ہو مگر مصداق دونوں کا ایک ہی ہو۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝
ترجمہ: ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان) ہیں۔

تفسیری نکات

حفاظت قرآن کا مفہوم

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ خود قرآن مجید کے محافظ ہیں تو اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ جب خدا تعالیٰ خود قرآن مجید کے محافظ ہیں تو پھر قرآن پاک کا پڑھنا لکھنا چھپوانا بھی چھوڑ دو تو کیا آج تک مسلمانوں نے ایسا کیا ہے میں اس کی حقیقت بتلاتا ہوں کہ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝ کے معنی یہ ہیں کہ ہم ہر زمانہ میں ایسے لوگ اور ایسی جماعت پیدا فرماتے رہیں گے کہ اس کی حفاظت کرتی رہے گی اسی طرح پر دین کے سب کاموں کو سمجھ لیا جاوے کہ ان میں توکل کرنا تدابیر سے مانع نہیں بلکہ توکل کے یہ معنی ہیں کہ تدابیر کرو اور اللہ تعالیٰ کو کارساز سمجھو کیونکہ تدبیر کا حکم بھی انہوں ہی نے کیا ہے جیسا قرآن مجید کی حفاظت کی تدابیر کی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کو محافظ اعتقاد کیا جاتا ہے کیونکہ اس حفاظت کا حکم بھی انہوں ہی نے فرمایا ہے باقی دنیا کی تدبیر کرنا اور دین کو محض تقدیر و توکل پر چھوڑ دینا یہ بے ڈھنگا پن ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

نَبِّئْ عِبَادِيٓ اَنِّيٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: میرے بندوں کو خبر کر دو کہ میں غفور الرحیم ہوں اور تحقیق میرا عذاب دردناک ہے۔

تفسیری نکات

اس آیت میں حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ میرے بندوں کو دو باتیں پہنچادو اور ظاہر ہے کہ ہر فعل اختیاری کسی غایت کے لئے ہوتا ہے تو اس فعل اخبار کی بھی کوئی غایت ہونا چاہئے یعنی یہ کہ ان باتوں کے پہنچانے سے کیا مقصود ہے اور اس وقت یہ بات میری زبان سے بڑے کام کی نکلی ہے کہ ہر کام اور ہر فعل اختیاری کسی نہ کسی غایت کے لئے مطلوب ہوتا ہے پس ہر بات اور ہر کام میں سوچنا چاہئے کہ اس کی غایت کیا ہے جس بات اور جس کام کی کچھ غایت معلوم نہ ہو وہ فضول ہے اور غایت معلوم ہو مگر مفید نہ ہو وہ بھی فضول ہے اور اگر وہ غایت کوئی ضرر ہو لازم یا متعدی تو وہ کام مضر ہے اس قاعدے سے آپ کو اپنے افعال و اقوال کا حسن و قبح اور لغو یا مفید ہونا آسانی سے معلوم ہو جائیگا۔

اس کے بعد ارشاد ہے وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ﴿۵۰﴾ کہ یہ خبر بھی دے دیجئے کہ میرا عذاب بھی بہت سخت ہے یہ تکمیل ترغیب کے لئے بڑھایا گیا ہے کیونکہ ترغیب کی تکمیل ترہیب سے ہوتی ہے جیسا کہ ترہیب کی تکمیل ترغیب سے ہوتی ہے بدوں ایک دوسرے کے ہر ایک ناقص ہے کیونکہ رجاء احتمال نفع ہے اور احتمال کا مفہوم خود مستلزم ہو رہا ہے۔ دوسرے احتمال کو اسی طرح خوف احتمال ضرر ہے اور اسی طرح یہ بھی مستلزم ہو رہا ہے دوسرے احتمال کو پس کسی کا تحقق بدوں دوسرے کے نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ترغیب و ترہیب دوش بدوش چلتے ہیں پس خوف و رجاء ہی سے مل کر ایمان کامل ہوتا ہے اس لئے مومن کو خوف کے ساتھ رجاء اور رجاء کے ساتھ خوف کا ملانا ضروری ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر حشر میں یہ ندا ہو کہ جنت میں ایک ہی آدمی جائے گا لرجوت ان اکون ھو تو میں یہ سمجھوں گا کہ وہ ایک میں ہی ہوں اور اگر یہ ندا ہو کہ جہنم میں ایک ہی جائے گا لخفت ان اکون ھو تو میں ڈروں گا کہ شاید وہ ایک میں ہی نہ ہوں گویا رجاء و خوف دونوں کامل درجہ کے تھے بس یہی حاصل ہے آیت کا کہ بندوں کو رغبت و رہبت دونوں جمع کرنا چاہئیں یہ تو مقصود تھا جو ختم ہو گیا اب ایک بات زائد از مقصود اور رہ گئی جو تفسیر کے متعلق ہے بلکہ دو ایک طلبۂ علم کے لئے ایک طلبۂ العمل کے لئے یعنی ذاکرین کے لئے کیونکہ یہ لوگ عمل کے طالب ہیں جو بات طلبۂ العمل کے لئے ہے وہ تو یہ ہے کہ اس آیت

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے بعد دو قصے مذکور ہیں ایک ابراہیم کا جس میں ان کے لئے بڑھاپے کی حالت میں بشارت ولد مذکور ہے دوسرا قصہ قوم لوط کا ہے جس میں ان پر نزول عذاب کا ذکر ہے۔ تو ان قصوں کو اس آیت سے کیا ربط ہے میرے نزدیک ان دونوں قصوں میں نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۙ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝ (میرے بندوں کو خبر دیدیجئے بلاشک میں بڑا بخشنے والا مہربان ہوں اور میرا عذاب بھی دردناک ہے) کی تائید ہے پہلے جزو سے پہلے قصہ کو تعلق ہے اور دوسرے جزو سے دوسرے قصہ کو جس میں بتلایا گیا ہے کہ جب اعمال صالحہ پر ہماری رحمت اور اعمال سیئہ پر ہمارا عذاب دنیا میں بھی آجاتا ہے جو کہ دارالجزا نہیں بلکہ دارالعمل ہے تو آخرت میں تو ان کا ظہور کیوں نہ ہوگا جو کہ دارالجزا ہے اگر حق تعالیٰ آخرت میں کسی کو عذاب نہ فرماتے تو دنیا میں بدرجہ اولیٰ کسی پر بھی عذاب نہ آتا کیونکہ یہ دارالجزا نہیں جب یہاں بھی بعض دفعہ وجہ اعمال سیئہ کے عذاب آتا ہے تو سمجھ لو کہ آخرت میں تو اس کا ظہور ضرور ہی ہوگا پس رحمت کی وسعت وسبقت کو سن کر عذاب سے بے فکر ہرگز نہ ہونا اور عذاب کی شدت سن کر رحمت سے بھی مایوس نہ ہونا کیونکہ حق تعالیٰ دنیا میں بھی بعض دفعہ ایسی حالت میں رحمت فرماتے ہیں جبکہ اسباب ظاہرہ سے اس کی امید کچھ نہیں رہتی جیسے ابراہیم کی حالت امید اولاد سے بعید ہوگئی تھی۔ اسی طرح قوم لوط کی ظاہری حالت عیش وعشرت نے ان کو احتمال عذاب سے بے فکر کر دیا تھا (سبحان اللہ کیا خوب ربط ہے فللہ درہ ۱۲ ظ) دوسرا نکتہ طلبۃ العلم کے لئے یہ ہے کہ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (بلاشک میرا عذاب بھی سخت ہے) میں حق تعالیٰ نے طرز عنوان کو بدل دیا ہے کہ انی انا معذب العظیم (بلاشک میں عذاب دینے والا بھی عظیم ہوں) نہیں فرمایا یعنی صفت تعذیب کو اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا جیسا کہ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۙ بلاشک میں بڑا بخشنے والا مہربان ہوں۔ میں مغفرت ورحمت کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے میرے نزدیک اس میں سبقت رحمتی علی غضبی (میری رحمت میرے غضب سے سبقت کرگئی) کا مضمون مخفی ہے جو حدیث میں تو ظاہر ہے مگر قرآن میں مخفی ہے۔

کہ ہر فعل کے لئے ایک غایت ہوتی ہے تو اس فعل کی بھی کچھ غایت ہونا چاہئے جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی اخبار نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۙ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝ وہ غایت یہ ہے کہ رسول ﷺ کو حق تعالیٰ تعلیم فرماتے ہیں کہ بندوں کی اصلاح میں ترغیب وترہیب کو بڑا دخل ہے اور امت کو تعلیم ہے کہ تم کو رغبت ورہبت دونوں کو جمع کرنا چاہئے اس سے تم ہم تک پہنچ سکتے ہو اور جنت میں پہنچنے اور جہنم سے بچنے میں اسی کو بڑا دخل ہے اور اس مضمون کے مقصود آیت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اوپر شیطان کے انکار سجود کا ذکر ہے پھر جنت ودوزخ کا ذکر ہے اس کے بعد یہ ارشاد ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جنت میں پہنچنے اور جہنم سے بچنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ کی تعلیم سے اصل مقصود یہ ہے کہ لوگ اعمال صالحہ میں ترقی کریں مگر آج کل بہت لوگوں نے اس کو گناہ میں ترقی کے لئے یاد کر رکھا ہے توبہ توبہ میرا تو رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے جس موقع میں یہ بے باک لوگ غفور الرحیم کو استعمال کرتے ہیں یعنی جب کوئی گناہ کے عذاب سے ڈراتا ہے تو اس وقت بجائے ندامت کے نہایت بے پروائی سے کہتے ہیں کہ ارے میاں وہ غفور رحیم ہیں یعنی ڈر کی کوئی بات نہیں وہ کچھ بھی نہ کہیں گے جب گناہوں پر حق تعالیٰ کا غضب اور غیرت کرنا منصوص ہے تو اس کی نفی کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

مفہوم سبقت رحمتی علی غضبی

اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ میں حق تعالیٰ نے طرز عنوان کو بدل دیا ہے کہ انی انا المعذب العظیم نہیں فرمایا یعنی صفت تعذیب کو اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا جیسا کہ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ میں مغفرت و رحمت کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے میرے نزدیک اس میں سبقت رحمتی علی غضبی کا مضمون مخفی ہے جو حدیث میں تو ظاہر ہے مگر قرآن میں مخفی ہے جیسا عنقریب اس کی تقریر آتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ باطن بھی ہیں ان کے کلام میں صفت باطن کی بھی رعایت ہے جیسا کہ پہلی آیت میں اسی صفت رحمت پر دلالت کرتے ہیں اور ظاہر کی رعایت ہے اسی لئے قرآن سے اہل ظاہر و باطن سب کو حظ آتا ہے گو اہل باطن کو زیادہ حظ آتا ہے اسی کو کسی نے یوں کہا ہے۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد | برنگ اصحاب صورت راہ بو ارباب معنی را

غرض حق تعالیٰ نے مغفرت و رحمت کا بیان تو اس طرح فرمایا کہ میرے بندوں سے کہہ دو میں بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہوں۔ اور عذاب کی نسبت یوں نہیں فرمایا کہ میں بہت عذاب کرنے والا ہوں بلکہ یوں فرماتے ہیں کہ میرا عذاب بہت سخت ہے میری سزا بہت دردناک ہے اس میں تعذیب کو اپنی صفت کے صیغہ کے طور پر نہیں فرمایا تو اس میں سبقت رحمتی علی غضبی پر دلالت ہے رحمت چونکہ سابق ہے اس لئے صفت کے رنگ میں مذکور ہوئی اور غضب صفت کے رنگ میں مذکور نہیں ہوا یہ نکتہ تو میرے ذہن میں اس آیت کے الفاظ پر غور کرنے کے اول ہی وہلہ میں آ گیا تھا اس کے بعد ایک دوسرے مضمون کی طرف ذہن منتقل ہوا وہ بہت عجیب ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ کے لئے ایک تو افعال ہیں اور ایک صفات ہیں اور ظاہر ہے کہ صفات کا قرب بہ نسبت افعال کے ذات سے زیادہ ہے کیونکہ صفات لاعین لا غیر ہیں اور افعال اتفاقاً غیر ذات ہیں۔ اس لئے افعال کو بہ نسبت صفات کے ذات سے بعد ہے اور اسماء الٰہیہ میں بعض اسماء تو صفات پر دال ہیں اور بعض اسماء افعال پر دال ہیں پھر آج میں نے بہت غور کیا تو اسماء الٰہیہ میں کوئی نام ایسا نہیں پایا جو مرتبہ صفت میں غضب پر دال ہو بہت سے بہت قہار و جبار کو پیش کریں گے تو جبار کے معنی تو غضب کے نہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

بلکہ حق تعالیٰ کی جو صفت جبار ہے وہ جبر کرکے معنی میں ہے جس کا حاصل ہے تلافی کرنا شکستگی کو جوڑنا تو اس کی تو دلالت تو خود رحمت ہی پر ہے اور قہار میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ اسم فعلی ہو جو فعل پر دال ہو اسم وصفی نہ ہو جیسے محی و ممیت و خالق و رازق ہے تو اس صورت میں تو شبہ ہی نہیں ہو سکتا دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسم صفت ہو مگر لغت عربی میں قہر کے معنی غصہ و غضب کے ثابت نہیں بلکہ غلبہ کے معنی ہیں پس یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غضب حق تعالیٰ کی صفت ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ حق تعالیٰ سے صدور غضب کا نہیں ہوتا' ہوتا ہے لیکن درجہ فعل میں ہوتا ہے نہ کہ درجہ صفت میں اور رحمت کا ثبوت درجہ صفت میں ہوتا ہے۔ جو قدیم ہے اور اس قدم کے سبب صفت و موصوف کے تعلق میں ارادہ کو دخل نہیں کیونکہ لازم ذات و ملزوم میں تخلل جعل نہیں ہوا کرتا گو رحمت کا تعلق عباد سے تو بالا رادہ ہی ہوگا مگر ذات کی طرف اس کا انتساب بلا ارادہ ہے اور غضب کا انتساب بھی ذات حق کی طرف بالا رادہ ہے اور یہ ایک دوسری توجیہ ہے سبقت رحمتی علی غضبی کی کہ رحمت کو غضب پر سبقت بایں معنی ہے کہ وہ صفت ہے اور یہ فعل ہے اور صفت سابق ہوتی ہے فعل پر یہی وجہ ہے کہ رحمت تو بلا سبب بھی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ مقتضی ذات کا ہے اور غضب بلا سبب نہیں ہوتا۔

اور ایک توجیہ سبقت رحمتی علی غضبی کی وہ ہے جو میں نے حضرت استاد علیہ الرحمۃ سے سنی ہے کہ جس شخص میں مقتضیات رحمت و غضب دونوں مجتمع ہوں اس پر رحمت ہوتی ہے اور ایک صورت سبق کی یہ ہے کہ اعمال حسنہ میں تضاعف ہوتا ہے کہ ایک حسنہ کو دس حسنات اور الی مالا یتناہی بمعنے لا تقف عند حد بڑھایا جاتا ہے چنانچہ صوم کے بارے میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کے ثواب کا تضاعف مالانہایت بمعنے لا تقف عند حد تک ہوتا ہے۔ اور اعمال سیئہ میں تضاعف نہیں ہوتا بلکہ ہر گناہ ایک ہی گناہ شمار ہوتا ہے یہ توجیہ بھی لطیف ہے (مگر آج کی توجیہ الطف واشرف ہے ۱۲ ظ) اور اس سے معلوم ہوا کہ رجاء و خوف میں رجاء اصل ہے کیونکہ اس کا تعلق رحمت سے ہے جو صفت حق ہے اور خوف اصل نہیں اس کا تعلق غضب سے ہے جو صفت نہیں بلکہ فعل ہے اور ظاہر ہے کہ صفت بمقابلہ فعل کے اصل ہے اس لئے لازم ہے کہ ان دونوں کی فروع میں بھی جو شے فرع صفت کی ہے وہ اصل ہو اور جو غضب کی فرع ہے وہ اصل نہ ہو پس رجاء و خوف کی ایسی مثال ہے جیسے غذا و دواء کہ غذا اصل ہے اور دعاء عارض پس رجا غذا ہے اور خوف دوا ہے۔

خوف کی حد

دوسری وجہ اصالت و ترجیح رجاء کی یہ ہے کہ طریق کا مدار عمل پر ہے اور رجاء سے نشاط پیدا ہوتا ہے اور نشاط موجب ازدیاد عمل ہے اور خوف سے انقباض ہوتا ہے اور انقباض موجب عمل ہے گو اصل متعلق خوف کا اعمال سیئہ ہیں جس کا مقتضی یہ تھا کہ خوف سے اعمال سیئہ کی تقلیل ہوا کرتی مگر تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ غلبہ خوف

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے جبکہ وہ مفرط جاوے اعمال صالحہ میں بھی تقلیل کا اندیشہ ہو جاتا ہے بلکہ تقلیل کا وقوع ہو جاتا ہے تو جو چیز تقلیل عمل کی طرف مفضی ہو سکے وہ اصل نہیں ہو سکتی اسی لئے حضور ﷺ نے رجا کے لئے کوئی حد نہیں بیان فرمائی اور خوف کے لئے حد بیان فرمائی جو ابھی آتی ہے اور یہی کافی دلیل ہے حضور ﷺ کے اعقل الناس و رئیس العقلاء ہونے کی کیونکہ آپ نے جو خوف کی حد بیان فرمائی ہے وہ کسی عاقل کے کلام میں نہیں مل سکتی (الا ان یکون نبیا مثلہ) آپ فرماتے ہیں واسئلک من خشیتک ما تحول بینی و بین معاصیک کہ اے اللہ میں آپ سے اتنا خوف مانگتا ہوں کہ جس سے گناہوں میں آڑے بنے یہ حد آپ نے اس لئے بیان کی ہے کہ غلبہ خوف سے تعطل کا اندیشہ ہے ہم نے تجربہ کیا ہے کہ زیادہ خوف سے مایوسی ہو جاتی ہے کانپور میں ایک وکیل میرے ہم نام تھے انہوں نے احیاء العلوم کا باب الخوف دیکھا تھا ان کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ نیک خاتمہ ہونے سے مایوس ہو چلے اور اس کا نام سن کر تھراتے اور کانپتے تھے ایک دن وہ میرے پاس کتاب لے کر آئے اور حالت یہ تھی کہ کتاب کو کھولتے ہوئے ان کا ہاتھ کانپتا آخر میں نے تسلی دی جب کچھ ان کے ہوش وحواس درست ہوئے اور مجھ سے اس تقریر کے ضبط کرنے کی درخواست کی چنانچہ وہ ضبط اور شائع ہو چکی اس کا نام خاتمہ بالخیر ہے اسی طرح ایک انسپکٹر پولیس پر خوف غالب ہو گیا تھا اور وہ اس غلبہ سے اپنی مغفرت سے مایوس تھا آخر کہنے لگا کہ دوزخ میں تو ضرور جاؤں ہی گا پھر ظلم ورشوت میں بھی کیوں کمی کروں مگر نہ معلوم حق تعالیٰ کو اس کا کون سا فعل پسند آ گیا ہوگا کہ آخر میں توبہ نصیب ہوئی اور خاتمہ اچھا ہو گیا۔

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ○

ترجمہ: آپ ﷺ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

تفسیری نکات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کی قسم

یہ آیت قوم لوط (علیہ السلام) کے بارے میں ہے اوپر سے ان کا قصہ چلا آتا ہے۔ پس اسی قصہ کے متعلق حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ○ یعنی اے محمد ﷺ آپ کی حیات اور جان کی قسم ہے وہ یعنی قوم لوط اپنی مستی اور نشہ میں بھٹک رہے تھے اس قسم سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات شریف کی عظمت اور شان بیان فرمادی اور بیان بھی ایسے طور سے کہ سننے والوں کو حضور ﷺ کی شان محبوبیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

خوش تر آں باشد کہ سر دلبراں　　　گفتہ آید در حدیث دیگراں

(c) ketabton.com: The Digital Library

فضیلت کی انواع

بعض لوگ لکھے پڑھے تو ہوتے نہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم قرآن کو سمجھ لیں اور چونکہ موقوف ہے دوسرے علوم پر اس لئے شبہات پیدا ہوتے ہیں پھر ان شبہات کو لے کر علماء سے الجھتے ہیں چنانچہ یہ شبہ بھی کہ جب قرآن میں انجیر وغیرہ کی بھی قسم ہے تو اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا دلیل عظمت ورفعت شان مقسم بہ کی نہیں اس کم علمی ہی سے پیدا ہوا ہے۔

اس کے جواب کے لئے ایک مقدمہ عقلی سمجھئے۔ وہ یہ ہے کہ ہر شے کا شرف اسی کی نوع کے اعتبار سے ہوتا ہے تو مقسم بہ ہونا بے شک دلیل ہے شرف کی لیکن نہ مطلقاً بلکہ فی نوعہ یعنی یہ سمجھا جاوے گا کہ یہ شے اپنی نوع میں سب افراد سے افضل ہے اس کو میں اور واضح کرتا ہوں امام غزالی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ کھانا افضل ہے یا پانی تو وہ مجنون ہے یہ سوال ہی غلط ہے کہ افضلیت اور مفضولیت ایک نوع کے افراد میں ہوتی ہے مثلاً یہ سوال صحیح ہے کہ پلاؤ افضل ہے یا بریانی پانی افضل ہے یا دودھ ہاں اگر انواع ہی میں گفتگو ہو تو وہ دوسری بات ہے لیکن اگر افراد میں ہو تو اس میں یہ رعایت ضرور ہوگی کہ ایک نوع کے تحت میں داخل ہوں مثلاً یوں نہ کہیں گے کہ مسجد افضل یا فلاں کتاب یوں کہیں گے یہ مسجد افضل ہے یا فلاں مسجد یا فلاں گھر'

جب یہ قاعدہ سمجھ میں آ گیا تو اب جواب سمجھئے کہ مقسم بہ ہونا بے شک دلیل اس کے شرف کی ہے یہ مراد نہیں کہ وہ سب انبیاء سے افضل ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی نوع میں افضل ہے پس انجیر بے شک افضل ہے لیکن ثمرات میں اور حجر بلاشبہ اشرف ہے مگر وقت میں پس اس بناء پر آپ کی حیات کے مقسم بہ ہونے کی حضور کی جو فضیلت وعظمت ثابت ہوئی وہ اپنے اخوان یعنی انبیاء میں ثابت ہوئی پس اس سے تمام پیغمبروں سے افضل ہونا ثابت ہوا اور انبیاء سب انسانوں سے افضل ہیں پس حضور ﷺ کا سید وولد آدم ہونا معلوم ہوا۔

اب رہی یہ بات کہ فضیلت مطلقہ کیسے ثابت ہوئی تو وہ بدیں طور پر کہ باتفاق عقلاً انسان اشرف المخلوقات ہے اور نیز حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ پس جب کہ نوع انسان تمام انواع سے افضل ہے اور انواع انسان میں انبیاء افضل ہیں اور حضور افضل المرسلین وسید الانبیاء ہیں پس حضور افضل الخلق ہوئے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جناب رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی دو قسمیں فرمائیں ہیں عرب وعجم ان میں عرب کو فضیلت عطا فرمائی پھر عرب میں قریش کو افضل فرمایا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا پھر ان میں مجھ کو پیدا کیا پس میں افضل ہوں نسباً بھی پس اب وہ شبہ رفع ہو گیا اور لعمرک سے فضیلت ومحبوبیت حضور ﷺ کی ثابت ہوگئی۔

ترجمہ: آپ (ﷺ) کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حیات برزخی رسول اکرم ﷺ

جاننا چاہئے کہ قسم معمولی شے کی نہیں کھائی جاتی مقسم بہ کوئی عجیب اور ذی شرف شے ہونا چاہئے اب دیکھنا چاہئے کہ مقسم بہ یہاں کیا ہے تو مقسم بہ یہاں حضور ﷺ کی حیات ہے اس لئے کہ عمر بفتح وضم نام ہے حیات اور بقاء کا اور حیات کہتے ہیں ذی حیات کی اس حالت کو جو تولد سے لے کر وفات تک ہے اور اگر نظر کو اور وسیع کیا جاوے تو حضور ﷺ کے لئے بعد وفات کے بھی حیات برزخی ثابت ہے اور وہ حیات شہداء کی حیات برزخی سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب قریب ہے چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضور ﷺ کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوتی اور حدیثوں میں صلوٰۃ وسلام کا سماع وارد ہوا ہے سو یہ تحقیقات ہیں اہل اسرار کی اس سے اصلی راز ان احکام یعنی لا تنکحوا ازواجه من بعده اور لا نورث ماترکناه صدقة کا معلوم ہوگیا پھر حیات برزخی کے بعد حیات اخروی ہے وہ تو سب کو شامل ہے تو انبیاء کو بطریق اولیٰ حاصل ہوگی پس حیات کا مصداق حضور ﷺ کی ولادت شریف سے لے کر جنت کے دخول وخلود تک ہے یہ کلام تو ختم کی جانب میں ہے اور اگر ابتداء کی جانب نظر کو وسعت دی جاوے تو آپ کی نورانیت کی جو حالت عالم ارواح سے بھی پہلے تھی اس کو بھی حیات کہہ سکتے ہیں جس کی نسبت ارشاد ہے کنت نبیا وادم بین الروح و الجسد اور عالم ارواح میں جب الست کا عہد لیا گیا اور پوچھا گیا الست بربکم تو سب نے حضور ﷺ کی طرف دیکھا کہ دیکھیں آپ کیا جواب دیتے ہیں تو سب سے اول حضور ﷺ نے جواب دیا۔ بلی انت ربنا اس کے بعد اوروں نے بھی کہا اوروں کی علم ومعرفت کے مربی بھی حضور ﷺ ہوئے اور تربیت فی العلوم حیات پر موقوف ہے پس جب سے نور مخلوق ہوا ہے اس وقت سے حیات لی جاسکتی ہے پس اس تقریر پر حضور ﷺ کی حیات کی چار حالتیں ہوگئیں۔

ایک تو نور شریف کے پیدا ہونے سے ولادت شریف تک

دوسرے ولادت شریف سے وفات تک

تیسرے وفات سے حشر ونشر تک

چوتھے اس سے خلود جنت تک

پس اگر لعمرک سے یہ حیات جس کے چار حصے ہیں مراد لی جاوے تو مجھ کو ہر حصہ کے متعلق مفصل بیان کرنا پڑے گا اور وقت اتنا وسیع نہیں اس لئے میں وہی حصہ حیات کا لیتا ہوں جس کو اہل عرف حیات کہتے ہیں یعنی ولادت شریف سے لے کر وفات تک پس معنی لعمرک کے یہ ہوئے کہ آپ کی اس حصہ عمر کی قسم ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

مدعیان محبت نبویہ کی غلطی

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا یہ حصہ عمرا تنا رفیع الشان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقسم بہ بنا اور اس حصہ عمر و حیات کا ایک جزو ولادت شریفہ بھی ہے تو اس کا بھی عظیم القدر و رفیع الشان ہونا ثابت ہوا اسی طرح اس کا دوسرا حصہ قوت استعداد و حصول کمالات کا ہے تیسرا حصہ تبلیغ و دعوت کا ہے چوتھا حصہ تکمیل امت کا ہے اور یہ تیسرا چوتھا حصہ بعض احوال میں متعانق بھی ہے پھر تکمیل کی دو حیثیتیں ہیں ایک تکمیل حاضر کی خود اس کی اصلاح کے لئے دوسری تکمیل حاضر کی اصلاح غایت کے لئے پس ان سب حصص کی رفعت و عظمت ثابت ہوئی اور عظمت و رفعت شے کی جس طرح باعتبار اس کی ذات کے ہوتی ہے اسی طرح باعتبار اس کی غایت کے بھی ہوتی ہے بلکہ زیادہ مقصودیت شے کی اس کی غایت ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

پس حضور ﷺ کی تشریف آوری عالم ناسوت میں بجمیع الحصص کی بھی کوئی غایت ضرور ہوگی اور وہ غایت ایسی ہے کہ اس کو سن کر مدعیان محبت کی بھی اصلاح ہوگی۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپ (ﷺ) کو سات آیتیں دیں جو نماز میں مقرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا۔

تفسیری نکات

اہل علم کی ہوس زر پر اظہار افسوس

ایک روز فرمایا کہ ایسے شخص کی حالت پر نہایت افسوس ہوتا ہے جو قرآن اور حدیث پڑھ کر جاہ و مال کی محبت رکھے تو اس نے اس کی تعلیمات پر نظر ہی نہیں کی کما یدل علیہ قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ الخ علی ماذکرہ الزمخشری فی الکشاف والغزالی فی المنہاج و الحدیث من لم یتغن بالقرآن فلیس منا او کما قال علی تفسیر الغنی بالاستغنال کما فسرہ العلامۃ الزمخشری غفرلہ خادم العلماء و الفقراء السید احمد حسن الجشتی عفی عنہ

ترجمہ: اور واقعی ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں پس اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

2

خلاصہ مفہوم

خلاصہ یہ کہ جب تنگی ہو یعنی خدا کے ساتھ مشغول ہو اس مشغولی بحق سے تنگی جاتی رہے گی اور یہاں جمعیت سے وہ مراد نہیں جو ایک دوسری آیت میں مذکور ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یہاں پر اس کی تفسیر سیاق و سباق سے معلوم ہوتی ہے کہ اطمینان سے وہ اطمینان مراد نہیں جو ضیق کا مقابل ہے یہاں پر دوسرا اطمینان مراد ہے جس کا نام ایمان ہے چنانچہ قرینہ سیاق بالمورد یہ ہے کہ فرماتے ہیں وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ آگے فرماتے ہیں بطور مبدل منہ الا بذکر الله طمئن القلوب

جب یہ من اناب کا بدل ہے تو اس کے ساتھ متحد ہے اور من اناب بوجہ تقابل خیال کے بمعنے مہتدی و مومن ہے پس یہ اطمینان متحد ہوا ایمان کے ساتھ اور سیاق بالتحیۃ یہ ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ.

اور اصل معنی اطمینان کے سکون کے ہیں اور سکون دو طرح کا ہوتا ہے ایک سکون عقلی دوسرا سکون طبعی پس یہاں اطمینان سکون عقلی کے معنی میں ہے۔

پس مقابل ضیق کا نہیں کیونکہ ضیق امر طبعی ہے پس وہ تو اطمینان کفر کے مقابل ہے پس طبعی نہیں اور قرآن میں دونوں استعمال موجود ہیں چنانچہ فرماتے ہیں وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ یہاں سکون عقلی ہے اور ایک جگہ طبعی ہے ابرہیم کے قصے دعائے احیائے موتی میں۔

بعض اس کی تفسیر نہ جاننے سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں ایک کورٹ انسپکٹر یہ آیت دیکھ کر کہ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ کہنے لگے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو احیاء میں اطمینان نہ تھا شک تھا ان کے اس شبہ کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ اس آیت میں اطمینان کو مقابل شک کے سمجھے یعنی اطمینان عقلی سمجھ گئے سو یہاں بمعنی اطمینان طبعی مستعمل ہے اور شک کی نفی تو اولم تومن کے جواب میں ان کے بلی کہنے سے ہوگئی۔

حاصل اس بے اطمینانی طبعی کا یہ ہے کہ ان کو یہ تو یقین تھا کہ احیاء ہوگا مگر اس کی کیفیت میں جو کہ کئی احتمال تھے اور کسی کیفیت کا مشاہدہ نہ ہوا تھا اس لئے اس کی تعیین میں تردد تھا اس کو عدم اطمینان فرمایا کیونکہ یہ اطمینان مشاہدہ ہی سے ہوتا ہے کہ طبعا سکون ہو جاوے یہ کیفیت واقع ہوئی میں نے ان کو یہی جواب دیا بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ واقعی ترجمہ سے قرآن سمجھنا بہت دشوار ہے۔

یہ اثر پیدا ہوتا ہے محققین کے پاس رہنے سے ورنہ کتنا بڑا شبہ تھا ابراہیم علیہ السلام کو تو اطمینان نہ تھا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ سے اور وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ادنی مومن کو اطمینان حاصل ہے تو اس کو اتنا بڑا درجہ ملا کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی حاصل نہ تھا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اطمینان کے درجات

تو اس تحقیق سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اطمینان کے دو درجہ ہیں پس ان الذین امنوا میں اطمینان عقلی مراد ہے و لکن لیطمئن قلبی میں اطمینان طبعی اور ضیق کا علاج یہی اطمینان طبعی ہے جو مشغولی بحق سے پریشانی کے رفع کرنے میں مؤثر ہے گو اور بہت امور میں تردد کو رفع نہ کرے مثلاً احیاء موتی کی کیفیت میں۔

اب ایک اور قوی شبہ باقی رہ گیا وہ یہ کہ فرماتے ہیں الم نشرح لک صدرک تو کیا شرح صدر کے بعد بھی حضور علیہ کو تنگی معلوم ہوئی سو سمجھ لو کہ یہ جو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے

ضیق کی دو قسمیں

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ سو ضیق کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ جیسے عوام کو ہوتا ہے حضور علیہ کو ایسا کبھی نہیں ہوا اور یہ کہ نہایت ضعیف ہو سو یہ ہوا مگر یہ شرح صدر کے منافی نہیں۔

دیکھو آپ کو زکام ہو گیا اور وہ بھی معمولی تو آپ بھی مریض ہیں اور ایک مدقوقہ ہے وہ بھی مریض ہے مگر آپ کی بیماری عادت صحت کے منافی نہیں کیونکہ صحت غالب ہے پس حضور علیہ کا ضیق بھی نہایت خفیف ہوتا تھا جو شرح صدر کے منافی نہیں۔

اب ایک بات اور عجیب قابل تحقیق باقی رہی وہ یہ کہ اطمینان جب حاصل ہو گا تو آیا ضیق زائل ہو جائے گا یا مغلوب ہو جاوے گا تو یہ بات تجربہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ ضیق زائل نہیں ہوتا بلکہ مغلوب ہو جاتا ہے جس طرح انسان کے اندر سب اخلاط موجود ہیں تو جب صفرا بڑھ جاتا ہے مسہل کی ضرورت پڑتی ہے مگر مسہل صفرا کو بالکل نہیں نکال دیتا اور اگر بالکل صفراویت نہ رہے تو پھر خیریت نہیں۔

حق تعالیٰ نے جب طبیعت عطا فرمائی ہے تو اس کے خواص لازمہ بھی عطا فرمائے ہیں ورنہ انتفاء لازم سے انتفا ملزوم ہو جاتا ہے غرض زائل نہیں ہوتا ہاں مغلوب ہو جاتا ہے اور اس تحقیق سے ایک بڑا تردد سالکین کا دفع ہوا وہ یہ کہ بعض اوقات بعد مجاہدہ کے بھی بعضے امور طبعیہ سے مذمومہ کا اثر اپنے اندر پاتے ہیں اور اس سے مجاہدہ کے بیکار ہونے کا گمان کر کے مایوس ہو جاتے ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اگر اخلاق ذمیمہ مغلوب ہو جائیں کہ ان کے اقتضاء پر عمل کرنے کو آسانی ترک کر سکیں یہ کافی ہے زوال کی توقع نہ رکھیں ورنہ پھر ثواب اور فضیلت ہی کیا ہے یہ امور ذوقیہ تھے جو درمیان میں عرض کر دیئے گئے۔

خلاصہ اور اصل مسئلہ یہی ہے کہ ضیق کا مشغولی بحق سے علاج کیا گیا ہے آپ خود بھی دیکھ لیجئے کہ مشغولی حق سے پہلا واقعہ بھول جائیں گے یا نہیں اور میں یہ بتلا چکا ہوں کہ واقعات محزون و پریشان نہیں بناتے بلکہ مشغولی بواقعات پریشان کرتی ہے اور مشغولی بحق سے وہ مشغولی و توجہ نہیں رہتی اس لئے پریشانی نہ رہے گی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾

ترجمہ: کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کا دل ان کے اقوال سے تنگ ہوتا ہے سو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کرتے رہیے اور نمازیں پڑھنے والوں میں رہیے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیئے یہاں تک کہ آپ کو موت آ جاوے۔

تفسیری نکات

علاج غم

آگے علاج بتاتے ہیں کہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ یعنی تسبیح کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اللہ کا نام لیجئے نفل پڑھئے یاذکر کیجئے وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ بالخصوص سجدہ کرنے والوں میں سے ہوجئے اور یہ جو ہم نے بتلایا یہ تو دوا تھی چنانچہ فاء تفریعیہ اس کا قرینہ ہے۔

اب آگے فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ ایک غذا بھی ہے کہ اگر تم پر اور تنگ دلی بھی نہ ہو تب بھی اس کو کرتے رہو یعنی وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ پس یہ غذا ہے کہ موت آنے تک عبادت کرتے رہو غرض اس آیت سے علاج وغذا دونوں باتیں معلوم ہوئیں باری تعالیٰ نے یہاں تین صیغے اختیار کئے ہیں اور سب کا حاصل قریب قریب ایک ہے یہ صرف اختلاف عنوان ہے اور حاصل سب کا ایک ہے۔

عبارا تنا شتی و حسنک واحد وکل الی ذلک الجمال یشیر

بس عبارتیں مختلف ہیں اور حاصل سب کا ایک ہے یعنی مشغولی بحق خلاصہ یہ کہ اگر آپ پر تنگی آوے اور آپ کا دل تنگ ہو تو مشغول بحق ہو جئے یہ اس کا علاج ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ النَّحل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ وہ وہ چیزیں پیدا کرتے ہیں جن کو تم نہیں جانتے۔

تفسیری نکات

جدید مصنوعات کا ذکر قرآن مجید میں

مطلب یہ ہے کہ مخلوقات الٰہی کا تمہاری معلومات ہی میں انحصار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر نہیں مثلاً زمین کے اندر بعض جراثیم ایسے پیدا ہوتے ہیں جو انسان وحیوان کے لئے قاتل ہیں اور بعض مواد ایسے پیدا ہوتے ہیں جو موذیات کو فنا کرنے والے ہیں ہم کو اس کی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی کہ کون سا مادہ کب پیدا ہوا اور کب فنا ہو گیا یہ تو آیت کی تفسیر تھی اب میں اس کے متعلق چند فوائد ذکر کرنا چاہتا ہوں ایک فائدہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں جو ایک سواری ریل ایجاد ہوئی بعض ذہنوں کو اس کے متعلق اس کی تلاش ہے کہ ریل کا ذکر بھی قرآن شریف میں کہیں ہے یا نہیں ہر چند کہ اس کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ قرآن حرفت وصنائع اور ایجادات کے بیان کرنے کو نازل نہیں ہوا جیسا کہ بارہا میں نے اس پر متنبہ کیا ہے اور قرآن کو جو تبیانا لکل شیء کہا گیا ہے تو وہاں کل شیء سے مراد کل شیء عن امور الدین ہے نہ کہ کل شیء ولو عن امور الدنیا اس لئے یہ تحقیق مذکور محض ایک امر زائد ہے لیکن تبرعاً میں اس کو بھی بیان کرتا ہوں کیونکہ اس وقت یہ بیان ایک ایسی ہی نعمت کے شکریہ میں ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ریل کے متعلق ہم کو عطا فرمائی اور جس کو دوسرے مرکوبات کے ساتھ وصف مرکوبیت میں مشارکت بھی ہے سو بعض ذہنوں نے اس کو سورۃ یٰس کی اس آیت وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝ میں داخل کیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے کہ اس میں ریل کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ کیونکہ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ لوگوں کے لئے اس بات میں بھی ہماری قدرت کی دلیل موجود ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری بھری کشتیوں میں سوار کیا اور ہم نے ان کے لئے کشتی کے مثل اور چیزیں بھی پیدا کی ہیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں اور ریل سب سے زیادہ کشتی اور جہاز کے مشابہ ہے کہ جیسے جہاز میں انسان اپنی تمام ضروریات کو ساتھ لے کر سفر کرتا ہے ایسے ہی ریل میں کرسکتا ہے مگر یہ قرآن کی تحریف ہے کیونکہ یہاں خلقنا لھم صیغہ ماضی کا ہے تو لازم آئے گا کہ ریل کا وجود حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ہو اور اس کا بطلان ظاہر ہے بلکہ اس سے مراد بعض کے نزدیک تو اونٹ ہے اور اس کا لطف عربیت کے جاننے سے زیادہ آئے گا کیونکہ اہل عرب اونٹ کو سفائن البر یعنی خشکی کا جہاز کہتے تھے چنانچہ یہ مصرعہ مشہور ہے سفائن البرو السراب.

اور میرے نزدیک اس سے مطلق انعام مراد ہیں کیونکہ سورہ زخرف میں ہے وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ یہاں فلک اور انعام دونوں کو ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انعام و کشتی باہم متناسب ہیں مگر مماثلت کی صورت جب ذہن میں آئے گی کہ کشتی تو چھوٹی لو اور جانور بڑا یہ نہیں کہ جانور چھوٹا لو اور جہاز سے اس کا موازنہ کرو جیسے بیربل اور اکبر شاہ کا قصہ ہے کہ اکبر نے بیربل سے کہا تھا کہ مثل مشہور ہے راج ہٹ تریا ہٹ بالکل ہٹ سو اول کی دو ضدیں تو واقعی سخت ہیں باقی تیسری کیا مشکل ہے بیربل نے کہا حضور سب سے سخت تو یہی ہے البتہ اگر عقل ہو تو پھر مشکل نہیں اکبر شاہ نے کہا اس میں عقل کی کون ضرورت ہے۔ بیربل نے کہا بہت اچھا میں بچہ بنتا ہوں آپ میری ضد پوری کیجئے بادشاہ نے کہا اچھا تم بچہ بنو اور ضد کرو ہم ہر ضد کو پورا کریں گے بیربل نے بچوں کی طرح رونا شروع کیا اور کہا ہم تو ہاتھی لیں گے اکبر نے فیل خانہ سے ہاتھی منگوا دیا اس نے پھر رونا شروع کیا اور کہا ہم تو کلیا لیں گے اکبر نے کلیا بھی منگوا دی وہ پھر رونے لگے اور کہا کہ ہاتھی کو کلیا میں رکھو یہاں اکبر عاجز ہو گیا اور کہا اچھا تم جو کہتے تھے کہ اگر انسان عاقل ہو تو بچوں کی ضد پوری کرسکتا ہے یہاں عقل کیا کام دے گی۔ بیربل نے کہا حضور عقل کے ساتھ بچہ کی ضد ضرور پوری کی جاسکتی ہے اکبر نے کہا اچھا لو ہم بچہ بنتے ہیں تم ہماری ضد پوری کرو چنانچہ آپ نے اسی سبق کو دہرایا کہ ہم تو ہاتھی لیں گے بیربل نے بازار سے مٹی کا ننھا سا ہاتھی منگوا دیا پھر کہا ہم تو کلیا لیں گے اس نے بڑی سے کلیا منگا دی پھر کہا ہاتھی کو اس میں بند کرو بیربل نے ہاتھی کو کلیا میں رکھ دیا اور کہا حضور نے یہ غلطی کی کہ بچہ کی ضد پر فیل خانہ سے ہاتھی منگایا آپ کو بچہ ہی کے مناسب ہاتھی منگوانا چاہئے تھا اسی طرح یہاں فلک و انعام میں مناسبت کا لحاظ کر کے کشتی چھوٹی اور جانور بڑا لینا چاہئے اور بعض حضرات نے ریل کو سورہ نحل کی اس آیت وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۞ میں داخل کیا ہے (کہ اللہ تعالیٰ ایسی ایسی چیزیں پیدا کرے گا جن کو تم نہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

جانتے) گویہ تحریف تو نہیں ہے مگر بعید ضرور ہے کیونکہ یخلق بظاہر صیغہ حال ہے اور ظاہر ہے کہ ان سواریوں میں جو آج کل ایجاد ہوئی ہیں صحابہ کے زمانہ میں کوئی پیدا نہیں ہوئی اور اگر اس کو مستقبل لیا جائے تو صحابہ کچھ سمجھے ہی نہ ہوں گے پھر یہ ایجادات خلق کے بعد تو معلوم ہوگئیں اور اس آیت کے تحت میں وہی اشیاء داخل ہو سکتی ہیں جو بعد خلق کے بھی معلوم نہ ہو اس لئے اس کی تفسیر میں سہل بات وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے کہ مراد وہ چیزیں ہیں جو انسان کے لئے مثل نعم مذکورہ کے نافع ہیں اور تم کو ان کی خبر بھی نہیں جیسے مواد ارضیہ جو موذیات کو فنا کرتے رہتے ہیں اور نافع ہونے کی قید بقتضاء مقام ہے کہ اشیاء نافعہ کا ذکر ہو رہا ہے پس حاصل مقام کا یہ ہوا کہ ہم ایسے نفع رساں ہیں کہ بعض چیزوں کی تم کو خبر بھی نہیں اور ہم ان سے تم کو نفع پہنچا رہے ہیں یہ نہ سمجھو کہ بس وہی چیزیں تمہارے نفع کی پیدا کی ہیں جو تم کو معلوم ہیں جیسے نعم مذکورہ اور اس تقریر پر **یخلق مالا تعلمون** کا ربط بھی نعم مذکورہ سے ظاہر ہو گیا یعنی ربط تقابل۔

اور بعض حضرات نے مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا میں ریل کو داخل کیا ہے کیونکہ بعض سلف نے فرمایا ہے کہ من رحمۃ میں ہر وہ نعمت داخل ہے جو بندوں کی راحت و آسائی کے لئے ایجاد ہوئی ہے چنانچہ شغدف وغیرہ کو بھی انہوں نے اس میں داخل کیا ہے اس میں البتہ زیادہ بعد نہیں اسی واسطے میں نے بھی اپنی تفسیر کے حاشیہ میں اس مقام پر لکھ دیا ہے کہ من رحمۃ کے عموم میں ریل بھی داخل ہے اور اتفاق عجیب یہ ہوا کہ جس دن میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا تھا اسی دن پہلے پہل ہمارے قصبے کے سامنے سے ریل گزری ہے اس لئے میں نے تفسیر کے حاشیہ میں یہ بھی لکھ دیا کہ بحمد اللہ آج ہماری بستی کے سامنے سے عید گاہ کے قریب ریل گزری ہے۔ اور اس کے ساتھ ریل کے جاری ہونے کا سن اور تاریخ بھی لکھ دی تاکہ محفوظ رہے غرض اس آیت میں ریل کا داخل کرنا بعید نہیں اور خود میں نے بھی اسی میں اس کو داخل کیا تھا لیکن اس وقت میرے ذہن میں ایک بات اس سے بھی زیادہ قریب آئی ہے وہ یہ کہ اگر ذکر کو حقیقی اور حکمی کے لئے عام لیا جائے تو میرے نزدیک ریل کا ذکر وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ میں سب سے اقرب طرق کے ساتھ ہو جاوے گا کیونکہ حق تعالیٰ نے یہاں مراکب میں وجہ نعمت اس غایت کو بیان فرمایا ہے کہ وہ تمہارا بوجھ ایسے بلاد تک پہنچاتے ہیں جہاں تم بدوں مشقت کے نہیں پہنچ سکتے تھے تو جس سواری میں بھی یہ رعایت موجود ہوگی وہ حکماً اس نعمت میں داخل ہو کر مثل انعام کے نعمت کی ایک فرد ہوگی اور ریل میں یہ غایت سب سے زیادہ موجود ہے تو وہ بھی حکماً اس نعمت میں داخل ہے۔

میں نے بچپن میں مولانا شیخ محمد صاحب کا (جو تھانہ بھون کے بڑے علماء میں سے تھے ۱۲) ایک وعظ سنا تھا اس وقت میری عمر زیادہ نہ تھی مگر مولانا سے مجھے محبت تھی اور مولانا کو مجھ سے محبت تھی اس لئے میں کوشش کر

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے وعظ میں شرکت کیا کرتا تھا اس لئے مجھے مولانا کے مواعظ کی کچھ کچھ باتیں اب تک یاد ہیں چنانچہ ایک بار مولانا نے وعظ میں فرمایا کہ مجھے ریل کا نعمت ہونا ابھی تک محسوس نہ ہوا تھا یعنی اس طرف التفات نہ ہوا تھا مگر ایک دن جو ریل میں بیٹھا اور جلدی سے منزل پر پہنچ گیا تو اس وقت اس نعمت کی بڑی قدر ہوئی اور معلوم ہوا کہ ریل بھی حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جو ہم لوگوں کو عطا ہوئی ہے پس میں آپ صاحبوں کو بھی مطلع کرتا ہوں کہ اس کو نعمت سمجھو اور اس کا شکر ادا کرو تو جب بڑے بڑے علماء کو اس کا نعمت ہونا جلدی معلوم نہیں ہوا تو عوام کو اگر اس نعمت ہونا معلوم نہ ہو تو زیادہ شکایت نہیں مگر تنبیہ کے بعد تو احساس ہونا چاہئے اس لئے میں بھی مولانا شیخ محمد صاحب کی طرح کہتا ہوں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھو اور اس پر شکر کرو اور شکر مراکب کے دو صیغے قرآن میں وارد ہیں۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ۝ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۝ جو رکوب انعام کے وقت اللہ تعالیٰ نے ہم کو تعلیم فرمایا ہے اور دوسرے بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝ جو رکوب سفینہ کے وقت نوح علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا اور چونکہ ریل کو حمل اثقال میں انعام کے ساتھ بھی مشابہت ہے اور سرعت سیر وغیرہ میں کشتی کے ساتھ اس لئے بہتر ہے کہ دونوں کو جمع کر لیا جائے۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا تھا کہ ریل کو دیکھ کر مجھے جہنم یاد آتا ہے کیونکہ اس کا انجن جہنم کی صفت کا مصداق ہے وَهِیَ تَفُوْرُ۝ تَكَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ کہ اس قدر جوش کھاتا ہے گویا غصہ اور قہر سے ابھی پھٹ پڑے گا اور ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے کہ ریل کے تیسرے درجہ جہنم کی اس صفت کا مذکر ہوتا ہے كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا کہ جیسے جہنم میں ایک جماعت دوسری جماعت پر لعنت کرے گی ایسے ہی ریل میں تیسرے درجہ والے آپس میں خوب لڑتے ہیں جب کسی اسٹیشن پر نئے نئے مسافر تھرڈ میں بھرتے ہیں تو پہلے سے بیٹھے ہوتے ہیں وہ انہیں کوستے برا بھلا کہتے ہیں کہ سارے اسی گاڑی میں آ جاؤ تمہارے واسطے اور کہیں جگہ نہیں رہی منہ پر آنکھیں نہیں کہ یہ تو پہلے ہی سے اسی گاڑی میں آ جاؤ تمہاری سزا یہ ہے کہ کھڑے رہو اور جواب میں کہتے ہیں کہ جگہ تو بہت ہے سیدھے ہو کر بیٹھو کیا تم ہی نے کرایہ دیا ہے تم ریل کے مالک ہو پھر خوب گالم گلوچ اور جھگڑا فساد ہوتا ہے اس وقت بالکل یہی منظر رہتا ہے كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا اور جب کہتے ہیں کہ ہم نے بھی تو ٹکٹ لیا ہے اس وقت اس کا نمونہ ہوتا ہے لکل ضعف اور جب کہتے ہیں کہ تم کو ہم پر کیا ترجیح اس وقت اس کا نمونہ ہوتا ہے فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ اور ایک شان اس میں جنت کی بھی ہے وہ یہ کہ جنت میں جس چیز کو دل چاہے گا وہ جلدی مل جائے گی اس بات میں ریل جنت کے مشابہ ہے کہ جس چیز کو دل چاہتا ہے ریل کے ذریعہ سے جلدی حاصل ہو جاتی ہے چنانچہ کلکتہ اور پشاور کے میوے یہاں دوسرے دن پہنچ جاتے ہیں بڑے شہروں میں ہر ملک کی چیزیں ہر وقت ملتی ہیں نیز جیسے جنت

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں جہاں جانے کو دل چاہا فوراً پہنچ گئے اسی کا نمونہ گو ادنیٰ ہی نمونہ ہو اس میں بھی ہے چنانچہ ظاہر ہے او اس کے متعلق اسٹیشنوں کا انداز سے تقارب اور ہر اسٹیشن پر ضرورت کی چیزیں ملنا بالکل بلاد سبا کو یاد دلاتا ہے جس کا ذکر اس آیت میں وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ اور گو یہ نعمت دنیوی تھی مگر اس پر ناشکری کی مذمت اس طرح فرمائی گئی فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ (الآیۃ) بس اسی طرح یہ ریل بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس کا شکر کرنا چاہئے اور اس کے اندر جو مشابہتیں جنت و دوزخ کی مذکور ہوئیں ان پر اگر نظر کی جائے تو نعمت ظاہرہ کے ساتھ اس سے نعمت باطنیہ یعنی تذکر آخرت بھی حاصل ہوگی۔

مقدم وتالی میں عجیب ربط

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ (اور اگر حق تعالیٰ لوگوں سے مواخذہ فرماتے ہیں ان سب اعمال پر جو وہ کرتے ہیں تو روئے زمین پر کسی چلنے والے کو چھوڑتے)

اس آیت میں بظاہر مقدم وتالی میں ربط نہیں کیونکہ آدمیوں کے افعال پر مواخذہ کرے۔ نتیجہ ظاہر میں آدمیوں ہی کی ہلاکت ہو سکتی ہے نہ کہ تمام حیوانات کی ہاں اگر یہ فرماتے وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ (اور اگر اللہ تعالیٰ مخلوق سے مواخذہ فرماتے ان سب اعمال پر جو وہ کرتی ہے تو روئے زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتے)

یا یوں فرماتے ولو یواخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علیھا من الانسان (اور اگر حق تعالیٰ لوگوں سے مواخذہ فرماتے ان سب اعمال پر جو وہ کرتے ہیں تو روئے زمین پر کسی انسان کو نہ چھوڑتے)

تو اس صورت میں ربط ظاہر تھا لیکن آیت اس طرح وارد نہیں ہوئی وہاں تو مواخذہ اعمال انسان پر تمام حیوانات اور جاندار چیزوں کی ہلاکت کو مرتب کیا گیا ہے اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آخر اس کی کیا وجہ کہ انسان کے گناہوں سے تمام مخلوق ہلاک ہو ان دونوں مقدموں میں جوڑ کیا ہے مگر تقریر گذشتہ کے ملانے سے اب اس اشکال کا جواب ظاہر ہے اس آیت کے ساتھ وہ مقدمہ ملا لیجئے کہ انسان کے لئے سب کائنات پیدا ہوئے ہیں بس اب ربط پیدا ہو گیا۔ حاصل یہ ہوا کہ انسان تو اس صورت میں اپنے گناہوں کی وجہ ہلاک ہوتا اور بقیہ مخلوقات اس لئے ہلاک ہوتیں کہ وہ سب انسان کے لئے پیدا ہوئی تھیں اور قاعدہ الشی اذا خلا عن غایت انتفی (چیز جب غرض وغایت سے خالی ہوتی ہے تو منتفی ہو جاتی ہے)

جب انسان ہی نہ رہا جس کے لئے یہ سب پیدا ہوئے تھے تو اب ان کے باقی رہنے میں کیا فائدہ اس لئے یہ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (ترجمہ) سو اگر تم کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھو دیکھو (النحل آیت ۴۳)

فتویٰ کی دلیل پوچھنا خلاف اصول ہے

کی تشریح میں فرمایا کہ بیچ کا جملہ معترضہ ہے اور بالبینات اور فسئلوا کے متعلق نہیں بلکہ ارسلنا کے متعلق ہے اس سلسلہ میں فرمایا کہ سائل مجتہد ہوگا یا غیر مجتہد ہوگا مجتہد تو سوال نہیں کرتا اور غیر مجتہد دلیل نہیں پوچھتا اب جو عام لوگوں نے دستور کر رکھا ہے کہ فتویٰ کی دلیل پوچھتے ہیں یہ خلاف عقل اور خلاف اصول ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت جلد ۱۵ صفحہ ۱۲۷)

ریل کا ثبوت آیت قرآن سے

فرمایا ریل قرآن میں اس آیت کے تحت میں داخل ہو سکتی ہے وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بلغیہ الا بشق الانفس لیکن بوجہ اشتراک علت کے نہ کہ بوجہ مدلول ہونے کے کیونکہ تحمل کا مرجع ظاہر ہے کہ انعام ہیں لیکن علت میں اشتراک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انعام کے متعلق احسان میں فرمایا ہے تحمل اثقالکم الخ یعنی وہ انعام ایسے بوجھ کو دوسرے شہروں کی طرف لے جاتے ہیں کہ تم ان کو نہیں لے جا سکتے تھے اور بوجھ سب سے زیادہ ریل پر جاتے ہیں اس واسطے یہ بھی ویسے ہی نعمت ہوئی (الکلام الحسن ج ۱ صفحہ ۱۰۸)

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: اور جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔

تفسیری نکات

دنیا کی کوئی چیز قابل محبت نہیں ہے

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی شے بھی قابل محبت کے نہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ایسا عیب سب چیزوں کا بیان فرمایا کہ جو ظاہر الاشتراک اور بدیہی ہے یعنی جو چیز تمہارے پاس ہے وہ فنا ہونے والی ہے جب فنا ہونے والی ہے تو اس قابل نہیں ہے کہ اس سے جی لگایا جاوے

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والی ہے پہلا جزو یعنی مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ تو ہم کو کھلم کھلا نظر آتا ہے کہ کل فلاں مرا تھا آج فلاں اس کے لئے ضرورت اس کی نہیں کہ ایمان والا ہی اس کو سمجھے مومن کافر مشرک سب کھلی آنکھوں فنا و تغیرات کا مشاہدہ کر رہے ہیں باقی اس دوسرے جزو کے مضمون کا یقین اس شخص کو ہوگا جس کو ایمان ہوگا اور کلام الٰہی کو سچا سمجھے گا وہ یقین کرلے گا کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہنے والی ہیں لیکن اس جملہ خبریہ سے غرض اخبار نہیں جیسے کہ پہلے جملہ سے بھی یہ مقصود نہیں بلکہ غایت اس کی دوسری شئے ہے وہ یہ ہے کہ ماعند اللہ سے جی لگاؤ اس سے ایک کلیہ مستنبط ہوا وہ یہ ہے کہ جو شئے باقی رہنے والی ہے وہ قابل دل لگانے کے ہے اور یہ اہل دنیا کا بھی مسلمہ ہے کہ دل لگنے کا مبنیٰ وہ بقاء کو مانے ہوئے ہیں اس کو ایک مثال کے ضمن میں سمجھئے مثلاً دو مکان ہمارے پاس ہیں ایک تو عاریت کا ہے اور ایک ہم کو ہبہ ملا ہے کہ ہم کو اس کا مالک بنا دیا گیا ہے مگر دونوں مکان کو اندر جا کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ خراب و خستہ پڑے ہیں دیواریں ٹوٹی ہوئی ہیں کڑیاں گری ہوئی ہیں دونوں مرمت طلب ہیں اب ایک ہزار روپیہ مرمت کے لئے تجویز کیا لیکن اب کلام اس میں ہے کہ یہ ایک ہزار روپیہ کہاں لگانا چاہئے عاریت کے مکان میں یا مکان موہوب میں ظاہر ہے کہ ہر عاقل یہی تجویز کرے گا کہ جو اپنا مکان ہے اس میں لگانا چاہئے اس لئے کہ وہ تو پاس باقی رہنے والی ہے اور مستعار تو قبضہ سے نکلنے والا ہے اس میں روپیہ لگا کر کیا کرنا ہے معلوم ہوا کہ کوشش و سعی کا کرنا اور مال کا خرچ کرنا اسی شئے کے ساتھ ہوتا ہے کہ جو شئے باقی رہنے والی ہے اور اپنے پاس رہنے والی ہے اگرچہ وہ اچھا محض خیال ہی کے درجہ میں ہو اور جو شئے اپنے پاس باقی رہنے والی نہ ہو بلکہ جلدی سے نکل جانے والی ہو اس میں اگر کوئی اپنی ہمت و سعی خرچ کرے تو اس کو بے وقوف کہا جاتا ہے مثلاً ایک شخص سرائے میں ایک شب کے لئے ٹھہرا اور ہزار روپیہ کما کر بیوی بچوں کو جا کر دیں گے اتفاق سے جو کوٹھڑی سرائے میں اس کو ملی وہ خراب تھی اس نے اسی وقت معماروں کو بلا کر وہ ہزار روپیہ اس کوٹھڑی کی مرمت میں خرچ کر ڈالے بیوی بچے منتظر ہیں کہ میاں باہر سے کمائی لاویں گے میاں صاحب نے یہ حرکت کی تو تم اسے شخص کو بیوقوف کہو گے یا عقلمند ظاہر ہے کہ بے وقوف ہے تو یہ بے وقوف کیوں ہے صرف اس وجہ سے کہ جلدی قبضہ سے نکل جانے والی شے میں اس نے اپنا سارا سرمایہ غارت کیا۔

اسی طرح تم کو بھی ایک ذخیرہ و سرمایہ عمر کا حق تعالیٰ کے یہاں سے ملا تھا کہ اس کا ایک ایک منٹ دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے اور دلیل قیمتی ہونے کی یہ ہے کہ اگر کسی کا دم نکلنے لگے اور اس سے کوئی یہ کہے کہ ہم فی گھنٹہ دس لاکھ روپے لیں گے اور اتنی مہلت تم کو دی جاتی ہے اگر اس کے پاس روپیہ ہوگا تو ہرگز دریغ نہ کریگا بلکہ اس سے زیادہ بھی دریغ نہ ہوگی سلطنت دینے سے بھی انکار نہ ہوگا چنانچہ ایک بزرگ تھے ان کو کسی بادشاہ کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

نصیحت کرنا منظور تھا اس لئے انہوں نے اس بادشاہ سے کہا کہ کیوں جی اگر تم جنگل میں ہو اور رفیقوں سے بچھڑ جاؤ اور پیاس تم کو لگے اور کہیں پانی اس جنگل میں نہ ملے یہاں تک کہ پیاس کے مارے مرنے لگو اور اس وقت کوئی شخص ایک کٹورہ پانی کا تمہارے سامنے لا دے اور یہ کہے کہ آدھی سلطنت دو تو میں یہ کٹورہ پانی کا تم کو دوں تم اس وقت کیا کرو گے؟ بادشاہ نے کہا میں فوراً دے دوں گا۔ پھر کہا کہ اگر خدانخواستہ تمہارا پیشاب بند ہو جائے اور تمام اطباء اور حکماء علاج سے عاجز ہو جائیں اور کوئی تدبیر نہ ہو اور کوئی شخص یہ کہے کہ اگر نصف سلطنت مجھ کو دے دو تو تمہارا پیشاب ابھی کھل جائے تم دے دو گے تو اس نے کہا کہ بے شک دیدوں گا ان بزرگ نے فرمایا کہ بس دیکھ لو آپ کی سلطنت کا یہ نرخ ہے یعنی ایک پیالہ پانی اور ایک پیالہ موت معلوم ہوا کہ عمر ہفت اقلیم کی سلطنت سے بھی زیادہ قیمتی ہے پھر دیکھو کہ اس بے بہا سرمایہ کو تم نے کہاں خرچ کیا سرائے کی کوٹھڑی میں کوٹھڑی تو اس واسطے تھی کہ سرائے میں ایک دو رات اس میں بسر ہو جائے تم نے سارا سرمایہ ہی اس میں خرچ کر ڈالا اب جب گھر پہنچو گے تو خالی ہاتھ جاؤ گے اس لئے کہ سرمایہ تو کوٹھڑی ہی میں اڑا دیا جس وقت قیامت کے دن بازار لگے گا وہاں حسرت ہوگی۔

کہ بازار چندانکہ آگندہ تر   تہید ست را دل پراگندہ تر

(بازار جس قدر مال و متاع سے بھرا ہوگا اسی قدر تنگدست کا دل پراگندہ ہوگا۔)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ: اس آیت شریف کا یہ ہے جو شخص عمل نیک کرے مرد یا عورت اور وہ مومن ہو پس بیشک ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا فرمادیں گے اور بیشک ہم ان کو ان کا اجر بدلہ میں دیں گے بسبب ان کے اچھے اعمال کے۔

تفسیری نکات

ہر شخص کا مطلوب صرف ایک شئے ہے

اس آیت شریف میں حق تعالیٰ نے اپنے مطیع بندوں کے لئے اطاعت پر دو بڑی دولت کے عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اور نیز اس کے حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتلایا ہے اول ایک مضمون بطور مقدمہ سمجھنا چاہئے اس کے بعد آیت کریمہ کا مضمون بخوبی ذہن نشین ہو جائے گا دنیا میں جس قدر عقلاء ہیں کہ جن کے افعال کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

غایت ہوتی ہے ان میں ہر ایک شخص ایک شئے کا طالب ہے کوئی مال کا طالب کوئی جاہ کا کوئی صحت کا کسی کو درویشی مطلوب ہے کوئی علم کا دیوانہ ہے کسی کو تجارت میں لطف آ رہا ہے کوئی اولاد کی دھن میں ہے کوئی مکانات کی تعمیر کا شوق رکھا ہے کسی کو باغ لگانے کی حرص ہے غرض کوئی ایسا نہیں جو طلب سے خالی ہو بعضے ان میں ہی خدا کے بھی طالب ہیں ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اشیائے متعددہ مختلفہ کے طالب ہیں لیکن اگر غور کیا جائے اور نظر کو عمیق کر کے دیکھا جائے تو فی الواقع ہر شخص کا مطلوب صرف ایک شئے ہے۔

صرف اختلاف اس کے تعیین طرق میں ہے کسی نے سمجھا کہ وہ شئے تجارت سے حاصل ہوگی وہ تجارت میں مشغول ہو گیا کسی نے خیال کیا کہ علم سے اس کی تحصیل ہوگی وہ علم کا طالب بن گیا کسی نے اولاد میں اس مطلوب کو گمان کیا وہ اولاد کا شیفتہ ہو گیا آپ کو تعجب ہوگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ ہر شخص کا مقصد جدا ہے اور تم کہتے ہو کہ سب کا ایک ہی مقصد ہے اختلاف طرق میں ہے اس لئے اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہئے ایک شخص کے پاس دس سائل آئے ایک نے روٹی طلب کی دوسرے نے چاول پختہ مانگے تیسرے نے پیسہ مانگا چوتھے نے روپیہ پانچویں نے غلہ چھٹے نے آٹا ساتویں نے کوڑیاں آٹھویں نے چنے بھنے ہوئے نویں نے کچے چاول دسویں نے حلوا پس اس مثال میں بظاہر مطلوب ہر ایک کا جدا ہے لیکن درحقیقت مقصود واحد ہے طرق مختلف ہیں مقصود پیٹ بھرنا ہے کسی نے سمجھا پکانے کا کوئی قصہ کرے اس نے پکی ہوئی روٹی مانگی کسی نے خیال کیا کہ کچی جنس ملے گی تو اپنی مرضی کے موافق پکا کر کھائیں گے کسی نے یوں ہوس کی کہ روپیہ پیسہ ملے گا تو جنس بھی اپنی خواہش کے موافق خرید کر پکائیں گے اس مثال سے آپ کو مختلفات کا جمع کرنا آسان ہو گیا ہوگا اسی طرح ان لوگوں کے مطلوب کو دیکھنا چاہئے کہ ان کا مقصود کیا ہے تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کو شی واحد مقصود ہے اور وہ لذت و راحت ہے طرق کا اختلاف ہے۔ کسی نے سمجھا کہ روپے حاصل ہونے میں مزہ ہے وہ اس کا طالب ہو گیا کسی نے سمجھا کہ جاہ میں مزہ ہے کسی نے اولاد میں کسی نے تجارت میں کسی کی سمجھ میں آیا کہ دنیا کے مزے تو سب فانی ہیں مزہ اصلی تو آخرت میں ہے مگر حال سب کا ایک ہے کہ قلب کو چین ہو چنانچہ کلام اللہ کی ان آیات میں ان دونوں امروں کا فیصلہ فرمادیا کہ بطور حاصل ارشاد ہے کہ اے بندو تم جو اپنے مقصود یعنی راحت کو مختلف چیزوں میں ڈھونڈتے ہو کوئی مال میں راحت ولذت کا طالب ہے کوئی بیوی بچوں میں اپنے مطلوب کو تلاش کرتا ہے کوئی جاہ میں کوئی مکانات میں مشغول ہے۔

راحت حقیقی

ہم تم کو راحت حقیقی کی تحصیل کا طریقہ بتلاتے ہیں وہ یہ ہے **من عمل صالحا الخ** مطلب یہ ہے کہ جو شخص نیک کام کرتا ہے اور اس میں شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو یعنی عقیدہ اس کا درست ہو ہم اس کو مزہ دار زندگی عطا

(c) ketabton.com: The Digital Library

فرمادیں گے اور ہم ان کو جزادیں گے بسبب احسن ان اعمال کے جو کیا کرتے تھے اس ترجمہ سے دونوں امر تنقیح طلب جو اوپر مذکور ہوئے معلوم ہو گئے یعنی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مقصود معتبر کیا ہے اور اس کا طریق تحصیل کیا ہے مقصود دو چیزیں ہیں حیات طیبہ اور اجر اور اس کا طریق بھی دو چیزوں کا حاصل کرنا ہے عمل صالح اور عقائد صحیحہ۔

حیات طیبہ کا مصداق

بہر حال اس تقریر سے مقصود یہ ہے کہ ایک عالم اور ہے جس کا نام برزخ ہے کل تین عالم ہوئے عالم دنیا' عالم برزخ' عالم آخرۃ' اس میں اختلاف ہے کہ حیوۃ طیبہ سے مراد کون سی حیات ہے حیات برزخیہ یا حیات دنیویہ میں کہتا ہوں کہ دونوں مراد ہوں اور لنجزینھم کو آخرۃ کے ساتھ خاص کیا جاوے اس تقریر پر حاصل آیت کا یہ ہوگا کہ جو شخص عمل صالح کرے اور عقائد بھی اس کے صحیح ہوں اس کو ہم دنیا میں اور بعد مرنے کے برزخ میں مزہ دار زندگی عطا فرمادیں گے اور آخرۃ میں بعد قیامت کے ان کے نیک اعمال کی وجہ سے اجر کی جزادیں گے اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حیات طیبہ سے مراد حیات دنیویہ ہو اور برزخ اور آخرت لنجزینھم میں داخل ہو کیونکہ برزخ میں جو کچھ ہوگا وہ بھی جزاء ہوگا خلاصہ یہ کہ دو چیزوں کا وعدہ ہے اول حیات طیبہ دوسرے اجر کہ جو مکمل ہے حیات طیبہ کا۔

ان میں سے ایک شئی یعنی حیات طیبہ کو تو ہم دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں بلکہ مشاہدہ کرا سکتے ہیں دلیل تو یہ ہے کہ قاعدہ عقلی ہے کہ تجربے سے جب ایک شخص کا صدق ثابت ہو جائے تو اس کو ہر امر میں صادق مانا جائے گا ہر امر پر دلیل کا مطالبہ اس سے نہ کیا جائے گا جب کہ حق تعالیٰ کے اخبار کا صدہا ہزارہا جگہ صدق ہم نے مشاہدہ کر لیا تو یہ خبر بھی بلا تامل صادق ہے مشاہدہ یہ کہ لوگ دو قسم کے ہیں مطیع اور غیر مطیع دیکھ لیجئے کہ ان میں سے راحت اور آرام میں کون ہے ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ غیر مطیعین طالبین دنیا ہر وقت پریشانی میں ہیں کسی وقت ان کو چین نہیں بخلاف مطیعین کے کہ وہ جس حالت میں ہیں راحت میں ہیں شاید ہر شخص کہے کہ میں مطیع ہوں اس لئے کہ نماز پڑھتا ہوں روزہ رکھتا ہوں اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص کہے کہ فلاں بہت خوبصورت ہے کیونکہ اس کے رخسار ایسے ہیں سر ایسا ہے آنکھیں ایسی ہیں ایک شخص دور سے دیکھنے آوے دیکھا تو میاں نک کٹے ہیں تو ان کا سارا حسن و جمال اس ناک نہ ہونے سے کالعدم ہے اور عقلاء اس کو ہرگز حسین نہ سمجھیں گے ایسے ہی ہم لوگوں کا دین ہے کہ دو چار باتیں اسلام کی لے کر سمجھتے ہیں کہ ہم دین دار ہیں تو ایسے دین داروں کی نسبت یہ وعدہ نہیں ہے اگر کوئی پورا دین دار ہو ایمان اور عمل اس کا کامل ہو تو میں دعویٰ کرتا ہوں کہ اس کو مزہ دار زندگی عطا ہوتی ہے بلکہ کامل الاطاعت کے پاس تک پریشانی نہیں آتی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حیات طیبہ سے مراد حیات ناسوتی نہیں

من عمل صالحاً من ذکر فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ (جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو پس ہو اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے)

وہ حیوۃ ناسوتی مراد نہیں جو فنا سے پہلے ہوتی ہے کیونکہ حیات ناسوتی ہر شخص کی طیبہ نہیں ہوتی بلکہ بعض کی حیات معیشت ضنک (یعنی تنگ زندگی) ہوتی ہے چنانچہ ایک شخص سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے گھر خیریت ہے تو وہ بہت خفا ہوا اور کہا تم مجھے کوستے ہو خیریت ہوگی تمہارے یہاں کہ نہ کچھ آگے کو نہ پیچھے کو ہمارے یہاں خیریت کیوں ہوتی کہ ماشاء اللہ بیٹوں' پوتوں' بہو' بیٹیوں سے گھر بھرا ہوا ہے آج کسی کے سر میں درد ہے کسی کے پیٹ میں درد ہے کسی کو بخار آتا ہے کسی کو دست آ رہے ہیں کسی کے چوٹ لگ گئی ہے تو ہمارے یہاں جب اتنا کنبہ ہے وہاں خیریت کیوں ہونے لگی خیریت تم جیسے کے یہاں ہوگی جس کے اولاد نہ بنیاد سارے گھر منہمک ہوتے ہیں کہ ان کا مذاق بھی بدل جاتا ہے وہ ان تعلقات کو جو حقیقت میں عذاب میں راحت سمجھتے ہیں اور راحت کو کلفت چنانچہ اس شخص نے خیریت کے سوال کو کوسنا سمجھا اور صاف کہہ دیا کہ ہمارے یہاں اللہ نہ کرے جو خیریت ہو خیریت تمہارے یہاں ہوگی اہل دنیا قیود و علائق میں خود پھنستے جاتے ہیں جس کے ساتھ خدا نے کوئی بھی قید اور تعلق نہ لگایا ہو وہ خود اپنے سر ہزار جھگڑے باندھ لیتا ہے وہی حال ہے ان کا غم نداری بز بخر (غم نہ رکھے تو بکری خرید) مگر اس وقت تو بوجہ مذاق بدل جانے کے ان کو ان تعلقات و قیوم کی کلفت کا زیادہ احساس نہیں ہوتا گو حقیقت اب بھی معلوم ہے ایسا بے حس کو نہیں ہوسکتا ہے جس کو کلفت کا کلفت ہونا بھی معلوم نہ ہو مگر چونکہ زیادت انہماک سے اب ان کی عادت ہوگئی ہے اس لئے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا (جیسے کسی شخص کے دو تین سال تک کھجلی رہے تو عادت کی وجہ سے اس کو کلفت کا احساس اتنا نہیں ہوتا جتنا ابتداء میں تھا اب اسے ہر وقت کھجلانے ہی میں مزا آتا ہے مگر حقیقت تو اسے بھی ضرور معلوم ہے۔ ۱۲ جامع)

علائق دنیا کی عبرت انگیز مثال

مگر جب اہل دنیا مرنے لگتے ہیں اس وقت حقائق پوری طرح منکشف ہوتی ہیں اور ان کا عذاب ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ اس وقت تو وہ ان تعلقات سے خوش نظر آتے ہیں اور آزاد لوگوں پر ہنستے ہیں مگر جب پردہ اٹھے گا اس وقت معلوم ہوگا کہ جن تعلقات سے ہم نے دل لگایا تھا وہ مار آستین تھے بس وہی قصہ ہوگا۔

کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

(کس کے ساتھ محبت میں مشغول ہوا اندھیری رات میں)

کوئی شخص اندھیری رات میں کسی عورت سے مشغول ہوا اس وقت تو وہ یہ سمجھ کر خوش ہوتا رہا کہ میں حسین پری

(c) ketabton.com: The Digital Library

پیکر کو بغل میں لئے ہوئے ہوں مگر جب صبح ہوئی اس وقت معلوم ہوا کہ ساری رات ایک بڑھیا چڑیل کے ساتھ مشغول رہا تھا اب اس کی حسرت قابل دید ہے کہ وہ اپنے اوپر ہزار نفریں کرتا ہے اور رات کے قصہ کو یاد کر کے اسے خود ہی قے آتی ہے خوب کہا ہے۔

فسوف تری اذا انکشف الغبار افرس تحت رجلک ام حمار

(غبار ہٹ جانے دو تم کو عنقریب پتہ چل جائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر)

ایک شخص آندھی غبار میں گدھے پر سوار ہے اور کہتا ہے کہ میں گھوڑے پر سوار ہوں دوسرا شخص متنبہ کرتا ہے کہ کم بخت تو گھوڑے پر سوار نہیں بلکہ گدھے پر سوار ہے مگر وہ ایک نہیں سنتا اور ناصح کو بے وقوف بتلاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اچھا بھائی تو یہی سمجھتا رہ ابھی غبار کھلنے پر تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تیری ران کے نیچے گھوڑا ہے یا گدھا اسی طرح جو لوگ تعلقات دنیا میں پھنس کر خوش ہیں اور ان کو راحت سمجھتے ہیں ان سے عارفین یہی کہتے ہیں فسوف تری اذا انکشف الغبار (غبار ہٹ جانے دو عنقریب تم کو پتہ چل جائے گا) حق تعالیٰ اہل دنیا کے ان ہی تعلقات کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

عذاب دنیا

فلا تعجبک اموالھم ولا اولادھم انما یرید اللہ لیعذبھم بھا فی الحیوۃ الدنیا وتزھق انفسھم وھم کفرون یعنی اے مخاطب تجھے ان منافقین کے اموال واولاد (اولاد نیوی ترقی وعروج ۱۲) اچھے نہ معلوم ہونے چاہئیں کیونکہ حق تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے ان کو عذاب دیں (اور ان کی جان کفر کی حالت میں نکل جائے) واقعی اہل دنیا کے لئے تو مال واولاد عذاب ہی ہے کیونکہ ان کو ان چیزوں سے تعلق اس قدر ہوتا ہے کہ مارے فکر کے رات دن نیند نہیں آتی ہر وقت اسی توڑ جوڑ میں لگے رہتے ہیں کہ آج اتنے روپے میں کل کو اتنے ہو جائیں گے فلاں پر اتنا قرض ہے اس کا اتنا سود آئے گا رات کو سوتے ہیں تو روپیوں کے فکر سے بار بار آنکھ کھل جاتی ہے تو یہ خاک راحت ہے وبال جان ہے بعضوں کو اولاد سے ایسا ہی تعلق ہوتا ہے ان کے لئے کبھی زمین خریدتے ہیں کبھی باغ لگاتے ہیں کبھی جائیداد بڑھاتے ہیں جس میں سینکڑوں مقدمے کرنے پڑتے ہیں وصول باقی کے لئے رات دن نالشیں ہوتی ہیں گرمی اور برسات میں مصیبت کے ساتھ سفر کرتے ہیں پھر ذرا کسی بچہ کا کام گرم ہو گیا تو بھاگے بھاگے پھرتے ہیں نہ کھانے کے نہ پینے کے نہ نماز کے نہ روزہ کے ہر وقت فکر میں گھلے جاتے ہیں مسلمان کو تو خدا پر بھی نظر ہوتی ہے کافر تو ہر وقت بے چین رہتا ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ ہم اموال واولاد سے ان منافقین کو دنیا میں عذاب دینا چاہتے ہیں تو یہ کیا تھوڑا عذاب ہے اور یہ عذاب دنیا میں ہی ہوتا ہے آخرت کا عذاب الگ ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: یقیناً اس کا قانون ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر دل سے بھروسہ رکھتے ہیں پس اس کا قابو تو صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں اور ان لوگوں پر جو اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

تفسیری نکات

اللہ والوں پر شیطان کا قابو نہیں

لیس له سلطان میں نکرہ تحت النفی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ پر نظر رکھنے والوں پر اسکا ذرا بھی قابو نہیں تم اس کو منہ لگا کر اس کا قبضہ اپنے اوپر بڑھاتے ہیں۔

لغو باتیں

فرمایا کہ اسی طرح ایک اور قصہ مشہور ہے کہ ایک جاہل فقیر نے اپنے مرید کو یہ تعلیم کیا کہ یا شیطن یا شیطن کا وظیفہ پڑھا کرو اور چالیس دن تک اس کو پڑھو چنانچہ اس نے پڑھا جب چالیس روز پورے ہو گئے تو شیطان اس کے پاس آیا اور کہا کہ مجھ کو کیوں پکارا کرتے ہو اس نے کہا کہ کل بتلاؤں گا اور اپنے پیر سے پوچھا کہ شیطان آیا تھا اب میں اس سے کیا کہوں پیر صاحب نے کہا کہ اول تو اس کو خدا کی قسم دینا اس کے بعد کہنا کہ نزع کے وقت میرے پاس نہ آنا چنانچہ اس مرید نے ایسا ہی کیا شیطان بہت حیران ہوا اور کہنے لگا کہ خیر اب تو میں نے قسم کھالی ہے اس کے خلاف نہ کروں گا اور نزع کے وقت تمہارے پاس نہ آؤں گا وہ بہت خوش ہوئے کہ اب سلب ایمان کا خوف نہیں رہا مولانا نے فرمایا کہ یہ سب لغو باتیں ہیں اس واسطے کہ قرآن مجید میں ہے اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ پس اگر کوئی شخص ایمان لائے اور توکل کرے اور شیطان کے ساتھ دوستی نہ کرے اس پر شیطان کا غلبہ ہرگز نہ ہوگا بس یہ ہے شیطان کے عدم تسلط کی تدبیر نہ یہ کہ اس کے نام کا وظیفہ پڑھ کر اس کو بلایا جائے اور پھر اس کو قسم دے کر اس پر بھروسہ کیا جائے جہل سے یہ سب مہملات پیدا ہوتے ہیں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً (النحل آیت ۱۱۲)

(c)*ketabton.com: The Digital Library

اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن واطمینان میں تھے۔

انعامات الٰہیہ کی ناشکری

ایک مرتبہ بمبئی میں وعظ کا اتفاق ہوا مجھ کو بڑا تردد ہوا کہ کیا بیان کروں اگر مسائل اختلافیہ بیان کرتا ہوں تو وحشت ہوگی متفق علیہ بیان کروں تو ان کو سب جانتے ہیں یعنی نماز روزہ وغیرہ تو ضرورت کا بیان کونسا کیا جاوے پھر سوچ کر میں نے آیت

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً

(اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیب بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن واطمینان میں تھے)

پڑھ کر اس کا بیان کیا کہ اللہ نے آپ کو بہت نعمتیں دی ہیں مگر آپ ان کا شکر ادا نہیں کرتے یہ بیان کبھی ان کے بڑوں نے بھی نہ سنا ہوگا اس کو میں نے بہت اچھی طرح ثابت کیا میں نے بیان کرنے میں ایک شرط یہ بھی لگائی تھی کہ عوام الناس کو وعظ میں اجتماع نہ ہو وہاں جو عمائد اور خوش فہم ہوں ان کو بلایا جاوے اس لئے کہ بڑے درجہ کے لوگ خواہ وہ دوسرے ہی مذہب کے ہوں عالی حوصلہ ہوتے ہیں اگر ان کے خلاف بھی بیان کیا جاوے وہ ناگواری کا اثر نہیں لیتے اور عوام الناس جاہل اکثر مفسد ہوتے ہیں خصوص بمبئی کے عوام الناس تو نہایت ہی مفسد ہیں ایسی جگہوں میں بیان کر کے دل خوش نہیں ہوتا اگر سامعین خالی الذہن ہوں نہ اعتقاد ہو نہ عناد ہو تو بھی مضائقہ نہیں مگر وہاں تو کثرت سے معاندین ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ج۵ ص۱۸۷)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ: آپ ﷺ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلایئے اور اگر بحث آن پڑے تو ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے (کہ اس میں شدت وخشونت نہ ہو) آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے راستہ سے گم ہوا ہے اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے اور اگر صبر کرو گے تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص خدا ہی کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہوں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگار ہوتے ہیں۔

تفسیری نکات

آدابِ تبلیغ

اس میں پورے آدابِ تبلیغ کے مذکور ہیں حق تعالیٰ نے اس میں شرائط وآدابِ تبلیغ کو مفصل طور پر بیان فرما دیا ہے چنانچہ اول تو امر ہے اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ سبحان اللہ کیا فصاحت ہے ایک ہی آیت میں سب فرقوں کی اصلاح فرماتے ہیں چنانچہ بعض تو وہ لوگ ہیں کہ دعوت کو ضروری نہیں سمجھتے اور بعض وہ ہیں کہ ضروری تو سمجھتے ہیں مگر جنگ وجدال کرنے لگتے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی اصلاح فرمائی ہے کہ دعوت تو کرنا چاہئے وہ تو ضروری ہے اس میں فرقہ اول کی اصلاح ہوگئی آگے فرماتے ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ دعوت تو ہو مگر ایک خاص طریقہ سے آگے وہ طریقہ بتلاتے ہیں کہ طریقہ دعوت کا یہ ہے کہ حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ لوگوں کو بلاؤ نرمی سے سمجھاتے رہو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا امر فرمایا ہے ایک حکمت دوسرے موعظت حسنہ۔

موعظہ حسنہ کا مفہوم

اول یہ سمجھو کہ ان دونوں میں فرق کیا ہے سو حکمت تو کہتے ہیں علم کو اور موعظت حسنہ کہتے ہیں ترغیب و ترہیب و ترقیق قلب کو یعنی ان کو علمی مضامین سے بلاؤ مضامین علمیہ ان کے کانوں میں ڈالتے جاؤ اور ان مضامین کو ترغیب و ترہیب سے مؤثر بناؤ اسی کو فرماتے ہیں کہ حکمت و موعظت حسنہ کے ساتھ بلاؤ اور یہ حکمت مقابل ہے مناظرہ و جدال کا گو وہ بھی علمی مباحث سے ہوتا ہے مگر وہ حکمت نہیں بلکہ حکمت اثبات مدعا کا نام ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک تو ہوتا ہے اثبات مدعا اور ایک جواب ہوتا ہے نقیض مدعا کا یعنی ایک تو ہے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنا دوسرے معترض کے اعتراض کا جواب دینا اس کے خدشات کو دفع کرنا تو حکمت تو اثبات مدعا ہے اور جواب دینا نقیض مدعا کا یہ جدال ہے تو اصل مفید چیز تو دعوت کرنا ہے حکمت کے ساتھ لیکن اس میں اگر کبھی جدال واقع ہو جاوے تو اس کے بھی خاص طریقے ہیں سو آگے ان طریقوں سے خصم کے اعتراض دفع کرنے کی تاکید ہے غرض دعوت الی الاسلام کے لئے حکمت تو لازم ہے بلا حکمت کے دعوت ہوتی ہی نہیں باقی جدال لازم نہیں یہ ضروری نہیں کہ جہاں دعوت ہو وہاں جدال بھی ہو تو مطلب یہ ہے کہ دعوت میں مضامین علمی بیان کرو فوائد علمیہ سناتے جاؤ اپنے دعوے کو دلائل علمیہ و عقلیہ سے ثابت کرو اس کی خوبی اس کے محاسن بیان کرو لیکن اگر اس میں کوئی دوسرا اعتراض کرے کوئی نقص وارد کرے تو اس وقت ضرورت ہوگی مباحثہ کی تو اس وقت مباحثہ کرو مگر احسن طریقہ سے اسی کو فرماتے ہیں وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ یعنی اس طرح جواب دو کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو لعن وطعن نہ ہو خشونت نہ ہو کسی پر طعن نہ کرو کسی کو ملامت نہ کرو کسی کی ہجو نہ ہو ایسے مباحثہ حسنہ سے مخاطب کو رنج و ملال نہ ہوگا بلکہ وہ اثر پذیر ہوگا یعنی مضامین کے بیان میں کبھی خشونت ہو جاتی ہے کبھی غصہ اور تیزی کے لہجہ سے بیان کیا جاتا ہے اس کی ممانعت فرماتے ہیں کہ ایسے طرق اختیار نہ کرو جس سے مخاطب بھڑک اٹھے اس کے بدن میں آگ لگ جائے سو ایک تقریر تو مقام کی یہ ہوئی۔

دوسری تقریر یہ ہے کہ موعظت بھی ایک مستقل طریق ہے تو اس وقت حاصل مقام کا یہ ہوگا کہ اگر مخاطب میں علمی قابلیت دیکھو اس کے اندر سمجھ کا مادہ ہو تو وہاں حکمت کے ساتھ بلاؤ اس کو مضامین علمیہ سناؤ اور اگر استعداد علمی نہ ہو تو موعظت سے کام لو کیونکہ وعظ کے لئے چنداں ذہین فہیم ہونے کی ضرورت نہیں وعظ کا اکثر مضمون عام فہم ہوتا ہے کیونکہ موعظہ حسنہ اس کو کہتے ہیں جس سے قلب میں نرمی پیدا ہو رقت طاری ہو تو معنی یہ ہوئے کہ جنت کی ترغیب دو دوزخ سے ترغیب کرو نعمائے جنت و آسائش و راحت بہشت کو بیان کرو اس سے رغبت پیدا ہوگی اور دوزخ کے درکات اور تکالیف و عذاب سے ڈراتے رہو اور اس کے بعد بھی اگر کوئی شبہ کرے تو اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے لئے حکم ہے وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ کہ ان سے مجادلہ کرو احسن طریقہ سے جس کی تفسیر اوپر گزر چکی۔

آگے إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ الخ بڑھا کر مجموعہ میں ایک باریک بات بتلا دی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ طرز تعلیم فرمایا ہے کہ ان کو حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ بلاؤ یعنی نرمی سے سمجھاؤ کوئی خشونت نہ ہو درشتی نہ ہو ظاہر ہے کہ یہ طرز وہی اختیار کرسکتا ہے جس کے اندر شفقت ہو اگر وہ شفیق نہیں تو اس کو منت سماجت کی کیا پڑی؟ دیکھو جب استاد شفیق ہوتا ہے تو چاہتا ہے کہ کسی طرح یہ پڑھ لے طرح طرح سے اس کو سمجھاتا ہے کبھی پیسہ دیتا ہے کبھی مٹھائی کھلاتا ہے پیار کرتا ہے چمکارتا ہے کہ میاں تمہارا ہی فائدہ ہے سبق پڑھو دیکھو اگر پڑھو گے تو درجات ملیں گے تو اس طریق کی تعلیم فرمانا گویا شفقت کا حکم فرمانا ہے مگر اس حکم شفقت میں ایک اشکال بھی تھا وہ یہ کہ شفقت کی وجہ سے جس طرح ابتدائے تعلیم میں نرمی اختیار کرتا ہے ایسے ہی انتہا میں ناکامی سے رنج بھی زیادہ ہوتا ہے چنانچہ اگر کسی بچہ کے ساتھ محنت اور جان کاہی کی جاوے اور پھر بھی ناکامی ہو تو بڑا رنج ہوتا ہے کہ ہائے ہماری ساری محنت برباد گئی خاک ہی میں مل گئی پھر رنجیدہ ہو کر کام سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اس لئے اس اشکال کے عمل علاج کے لئے آگے إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ میں اس شفقت کو اعتدال پر لانے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

شفقت کو اعتدال پر لانے کا طریقہ

اور وہ طریقہ ایک مراقبہ ہے واقعی اخلاق کی میزان سوائے خدا کے کسی نے نہیں بتائی ان کی تعلیم میں افراط تفریط نہیں ہے بالکل اعتدال ہی اعتدال ہے کیونکہ افراط بھی مضر ہے اور تفریط بھی چنانچہ اگر حد سے زیادہ شفقت ہو تو یہ بھی مضر کیونکہ اس سے آخر کو بددل ہو جاوے گا اور کام بھی چھوڑ بیٹھے گا اور اگر تفریط ہے یہ بھی مضر کیونکہ شفقت کی تعلیم کا اور اثر ہوتا ہے اور بے شفقت کا اور اثر تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اس کی ایک میزان بتا دی تاکہ کسی جانب میں کمی بیشی نہ ہو دونوں پہلو برابر رہیں چنانچہ اول فرماتے ہیں ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ اس میں تو شفقت کے ساتھ تعلیم کا امر ہے کیونکہ اگر ابتداء میں شفقت نہ ہو تو ایسی تعلیم کم نفع دے گی اور اس کے بعد افراط فی الشفقت کی ممانعت ہے اس کے لئے یہ مراقبہ بتلاتے ہیں کہ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ گویا اس کے معنی یہ ہیں کہ لا تحزن علیهم ان لم یومنوا یعنی آپ کا فرض منصبی تو دعوت کرنا ہے وہ آپ نے کر دی اب اگر وہ ایمان نہیں لاتے آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ ایمان لانا یا نہ لانا یہ تو خدا کے قبضہ قدرت میں ہے آپ کے اختیار میں نہیں پھر آپ غمگین کیوں ہیں؟

اس مضمون کے استحضار سے غلو فی الشفقت نہ ہوگا جو کہ مضر ہے اور اس کے مضر ہونے کا ایک راز ہے وہ یہ کہ شفقت سے حزن ہوگا اور حزن کا خاصہ یہ ہے کہ اس سے قلب ضعیف ہو جاتا ہے اور بددل ہو کر آدمی کام

(c) ketabton.com: The Digital Library

چھوڑ دیتا ہے کہ اتنا تو سر مارا اور پھر بھی ناکامی ہوئی چھوڑ و اور اس قصہ ہی کو الگ کرو اس سے کیا فائدہ؟ تو شدت شفقت کی وجہ سے یہ بات ہوگی اور اس سے سلسلہ تبلیغ کا بند ہو جائے گا اس لئے غلو کا بھی علاج کر دیا خلاصہ یہ کہ مسلم کی تبلیغ کا کام شفقت سے ہوتا ہے مگر شفقت سے تبلیغ صرف تکمیل ہوتی ہے یہ خود بنفسہ مقصود نہیں

اصل مقصود تبلیغ ہے

بلکہ اصل مقصود تبلیغ ہے۔ اگر شفقت سے تبلیغ ہی جاتی رہے تو شفقت کی ایسی تیسی ایسی شفقت سے کیا فائدہ؟ کیا اس کو لے کر چاٹیں گے اس کے بعد اس میں ایک اور شبہ رہا وہ یہ کہ ساری دنیا تو مہذب نہیں جو اس طریق کو مان لیں دنیا میں سب قسم کے لوگ ہیں اگر مبلغ سے کوئی لڑنے لگے مار پٹائی ہونے لگے تو کیا کریں؟ اس کے لئے فرماتے ہیں وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ سبحان اللہ دیکھئے اس میں کیسی بلاغت ہے کہ حضور ﷺ کو مخاطب نہیں بنایا جس میں بتلا دیا کہ آپ کو تو تبلیغ میں اس کی نوبت ہی نہ آوے گی کہ آپ سے تبلیغ میں کوئی لڑے جھگڑے یا آپ اس کا بدلہ لیں آپ ﷺ کے ساتھ حق تعالیٰ کی اعانت خاصہ ہے ہاں اگر تابعین اور ان کے خدام ان کے غلاموں کو یہ بات پیش آ جاوے تو ممکن ہے اس لئے تمہیں مخاطب بنا کر کہتے ہیں کہ جتنی تکلیف کسی سے تمہیں ہوئی ہو اتنی ہی اس کو دیجیو' زیادتی نہ کرنا' وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ سبحان اللہ واقعی یہ خدا کا کلام ہے۔ اگر مخلوق کا کلام ہوتا تو وہ صبر کو مقدم کرتا اور معاقبہ کو موخر کرتا مگر خدا تعالیٰ نے صبر کو مقدم نہ کیا اس میں بندہ کی حاجت کی رعایت ہے کیونکہ بشریت کا خاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی غصہ میں بھڑک رہا ہو اس وقت اس کی موافقت کرنے سے غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور مخالفت کی جائے تو وہ اور زیادہ گرم ہو جاتا ہے بالکل آگ ہو جاتا ہے مثلاً کسی کو آپ نے لڑتے دیکھا اور اس سے کہا کہ تو بھی اس کے چار دھول لگا دے یہ کہتے ہی وہ ٹھنڈا ہو جائے گا اور اگر تم نے یوں کہا کہ کیا نامعقول حرکت ہے کیوں لڑ رہے ہو صبر و تحمل سے رہنا چاہئے تو وہ ایک تو اس پر دانت پیس رہا تھا اب آپ کی طرف بھی گھورنے لگے گا۔ کہ سبحان اللہ کچھ سمجھے نہ سمجھائے یوں یہ صبر و تحمل کی ہانکنے لگے تو اللہ میاں نے مخاطب کی رعایت کی کہ اگر کوئی تم سے لڑے بھڑے تو تم بھی اس کے چار جوتے لگا دو اب یہ سن کر جب ذرا جی ٹھنڈا ہو گیا تو آگے فرماتے ہیں کہ اگر صبر کرو تو وہ بہت ہی اچھا ہے پھر آگے حضور ﷺ کو خاص طور پر صبر کا خطاب ہے وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہ آپ تو بالضرور صبر کریں یہ اور صبر ہے جس کا حضور ﷺ سے خطاب ہو رہا ہے اور اس سے پہلے وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ میں اور صبر مراد تھا یعنی آپ ﷺ کو جو رنج ہوتا تھا ان کے برا بھلا کہنے سے' واصبر میں تو اس پر صبر کرنا مراد ہے ولئن صبر تم میں لڑائی بھڑائی نہ کرنا اور بدلہ نہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

لینا مراد ہے اور اس واصبر کے بڑھانے میں کیا دوسرا نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ مسلمانو سمجھو صبر جس کے لئے تم کو مشورہ دیا گیا ہے ولئن صبرتم میں یہ وہ چیز ہے کہ حضور ﷺ کو بھی باوجودیکہ آپ ﷺ اعلیٰ درجے کے اخلاق پر ہیں اس کا حکم ہوا کہ صبر کیجئے پھر تم کس شمار میں ہو؟ تو اس سے مخاطبین کو صبر سہل ہو جائے گا۔ اس سے آگے ایک اور مرض کا علاج فرماتے ہیں وہ مرض یہ ہے کہ صبر سے دعویٰ پیدا نہ ہو جائے کہ صابر ہیں کہ ہم نے ایسے موقع پر صبر کیا ہم بڑے کامل ہیں اس طرح ازالہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو خطاب فرماتے ہیں وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ جس میں آپ ﷺ کے خادموں کو سنانا ہے کہ میاں کیا دعویٰ کر سکتے ہو تم بے چارے کیا چیز ہو خود رسول کا صبر بھی جب واقع ہو گا وہ بھی خدا ہی کی توفیق سے ہو گا پھر تمہارا ان کے سامنے دعویٰ کرنے کیا منہ ہے؟ تم ہو کیا چیز ان کے کمال کے سامنے تمہارا کمال معدوم ہے ان کے صبر کے مقابلہ میں تمہارا صبر کچھ حقیقت نہیں رکھتا جب ان کا صبر بھی بغیر توفیق مولی نہیں ہو سکتا پھر تم کیا دعویٰ کر سکتے ہو؟

آگے فرماتے ہیں وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ اگر ناکامی ہو تو دل میں تنگی نہ ہونا چاہئے آگے اس تنگی کو رفع کرنے کے لئے مراقبہ بتلاتے ہیں اگر یہ مراقبہ پیش نظر رہے تو کبھی تنگی نہ ہوگی پس فرماتے ہیں إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ یعنی یہ سوچو کہ مقصود تبلیغ سے کیا ہے کیا دوسروں کو خاص مسلمان بنانا مقصود ہے اگر کسی کو یہ مقصود ہو گا تو اگر ایک بھی کافر رہے گا تو رنج ہو گا پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تبلیغ سے خاص یہ مقصود نہیں کہ آپ ﷺ کی حسب دلخواہ مراد پوری ہو جایا کرے کہ سب کے سب ولی اور ابدال بن جاویں بلکہ مقصود تبلیغ سے خدا تعالیٰ کا قرب اور معیت حاصل کرنا ہے اگر وہ تم کو حاصل ہو جاوے تو خواہ ساری عمر میں ایک بھی مسلمان نہ ہو ایک جگہ بھی کامیابی نہ ہو کچھ حرج نہیں اور اگر یہ نہیں تو ساری دنیا کی اصلاح سے تمہارا کیا نفع ہوا اس کو فرماتے ہیں إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ یعنی اللہ تعالیٰ تو متقین اور محسنین کے ساتھ ہے اگر تقویٰ اور احسان حاصل ہے چنانچہ تبلیغ کی بجا آوری سے یہ حاصل ہو گیا تو معیت خدا نصیب ہو گئی اور یہی کافی ہے اب اور کسی چیز کی ضرورت نہیں اب خواہ کوئی بگڑے یا سنورے تم کو اس کی پرواہ نہیں ہونا چاہئے فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ یہ احکام ہیں اسلام کے اور یہ آداب ہیں تبلیغ کے صاحبو افسوس ہے کہ عرصہ سے ہم اتنی بڑی چیزوں کو چھوڑ بیٹھے ہیں کہ نہ اپنے اسلام کی تکمیل کی فکر ہے نہ دوسروں تک تبلیغ اسلام کی فکر ہے لوگ چونکہ اس سے غافل ہیں اس لئے اس وقت اس کے متعلق بیان کیا گیا کیونکہ حلوا نہ تنہا بباید خورد پس اب اپنی بھی تکمیل کرو اور تبلیغ بھی کرو اور اس طرح کرو جیسے قرآن میں ہے تو مسلموں اور کافروں کو نرمی سے سمجھاؤ کسی سے لڑو بھڑو مت مناظرہ مروجہ مت کرو کہ یہ آداب تبلیغ کے خلاف ہے اور اس سے نفع بھی نہیں ہوتا تجربہ ہو چکا ہے حتیٰ کہ اس کا غیر قوموں نے بھی تجربہ کر لیا ہے وہ بھی اب مناظروں سے کنارہ کش ہونے لگے

(c) ketabton.com: The Digital Library

بس اسلامی مضامین کان میں ڈالے جاؤ بار بار اسلام کی خوبیاں سناتے رہو یہی طرز قرآن کا ہے چنانچہ جابجا فرماتے ہیں صرفنا الایات صرفنا فی ھذا القرآن وامثالھما یعنی بار بار مضامین کو دھراتے ہیں اگر ہم لوگ اس طرز کو اختیار کریں یعنی وقتاً فوقتاً احکام پہنچاتے رہیں تو ان شاء اللہ بہت نفع ہو اور اگر نفع نہ بھی ہو ہمارا کیا بگڑا ہم نے تو اپنا فرض اتار دیا جو کام ہمارے ذمہ تھا وہ ادا کر دیا اب نفع ہو یا نہ ہو وہ جانیں اور ان کا کام۔

ترجمہ: آپ ﷺ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلایئے اور اگر بحث ان پڑے) تو ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے (کہ اس میں شدت وخشونت نہ ہو) آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے راستہ سے گم ہو اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

گو یہاں ادع کا خطاب حضور ﷺ کو ہے مگر حکم میں حضور ﷺ ور آپ ﷺ کے متبعین سب اس کے مخاطب ہیں ہاں حضور ﷺ کو خطاب اولاً ہے اور دوسروں کو ثانیاً۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ یعنی حکمت سے بلایئے معلوم ہوا کہ اس میں حکمت کی ضرورت ہے ورنہ مطلق فرماتے بالحکمۃ نہ فرماتے، بہر حال اس کے شرائط ضرور ہیں مگر وہ اسی کے لئے ہیں جو کام کرنے کا قصد کرے اور وہ تین چیزیں ہیں دعوت بالحکمۃ دعوت بالموعظۃ الحسنۃ اور مجادلہ

دعوت کی تین قسمیں

یعنی ایک قسم تو دعوت کی یہ ہے کہ حکمت کے ساتھ کی جائے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ موعظۃ حسنۃ کے ساتھ دعوت کی جائے اور ایک یہ کہ مجادلہ حسنہ کیا جائے۔ اس کی توجیہ مختلف ہوسکتی ہے جو بات میری سمجھ میں آتی ہے وہ عرض کرتا ہوں جب کسی کو سبیل رب کی طرف دعوت ہوگی تو اس میں ایک تو دعویٰ خاص داعی کا مطلب ہوگا اور ایک اس کی نقیض ہوگی جو کہ مذہب مخالف کا ہے پھر گفتگو میں دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک اپنے دعویٰ کا اثبات اور دوسرے کے دعویٰ کا ابطال تو حکمت یہ ہے کہ اپنے دعویٰ پر علمی دلائل قائم کئے جاویں اور مجادلہ یہ ہے کہ مخالف کے مدعیٰ کو باطل کیا جاوے اصلی مقصود تو یہ دونوں ہیں باقی تیسری ایک چیز اور ہے وہ موعظۃ حسنۃ

چونکہ اللہ تعالیٰ کو عباد کے ساتھ شفقت بہت زیادہ ہے اس لئے موعظۃ حسنۃ بھی ایک ایک طریق بتلا دیا اس کی حقیقت یہ ہے کہ ناصح دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو ضابطہ کے ساتھ نصیحت کرنے والا وہ تو اپنے ضابطہ کی خانہ پری کر دیتا ہے دوسرا وہ ناصح جس کو سامعین پر شفقت بھی ہے۔ مثلاً ایک تو منادی کا حکم سناتا ہے اور ایک باپ کا نصیحت کرنا دونوں میں بڑا فرق ہے منادی کا کام تو ضابطہ کا ہے صرف حکم کا پہنچانا اس کا فرض منصبی ہے اب تم مانو یا نہ مانو اس سے اس کو کوئی بحث نہیں اور باپ محض سنانے پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اس کی شفقت اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

بات کو مقتضی ہوتی ہے کہ کسی صورت سے اس کو منوالوں اس لئے وہ ایسی صورت اختیار کرتا ہے کہ بیٹا مان ہی لے تو دیکھئے دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا کوئی شفیق نہیں پھر حضور ﷺ جیسا کوئی خیر خواہ نہیں تو محض شفقت ہی کے مقتضا سے اللہ تعالیٰ نے اولاً حضور ﷺ کو اور ثانیاً آپ کی امت کو فرمایا ہے کہ دعوت میں صرف حکمت یعنی دلائل ہی پر اکتفا نہ کرو بلکہ ساتھ ساتھ موعظہ حسنہ بھی کرتے رہو جس کی حقیقت تقابل سے معلوم ہوتی ہے کہ حکمت سے جب علمی دلائل مراد ہیں تو موعظہ حسنہ سے دلائل کے علاوہ کچھ اور مراد ہوگا سو وہ ایسے مضامین مؤثرہ ہیں جس سے مخاطب میں نرمی پیدا ہو دل پگھل جاوے اور ان مضامین مرقعہ کا مصداق ترغیب و ترہیب ہے کہ درجات جنت کی ترغیب اور درکات جہنم سے ترہیب کرنا ونحو ذلک غرض اصل مقصود تو احکام کا سنانا ہے خواہ اصل ہوں یا فروع

باقی ایک درجہ مخاطب کے متاثر کرنے کے لئے ترغیب و ترہیب کا بھی ہے گو وہ بھی ایک حیثیت سے احکام ہی میں سے ہے مثلاً جنت اور دوزخ کا مضمون عقیدہ کے درجہ میں تو احکام ہی میں داخل ہے اور اصول میں ہے مگر دوسری حیثیت سے ترغیب و ترہیب ہے یعنی جہاں احکام سنانا اور جنت و دوزخ کا معتقد بنانا مقصود نہ ہو صرف ترقیق قلب مقصود ہو وہاں ترغیب و ترہیب ہے۔ مثلاً کسی کو کہا کہ اگر نماز پڑھو گے تو ایسی جنت ملے گی جس کی یہ شان ہے یہ حالات ہیں اس کے اندر ایسی ایسی آسائشیں ہیں اور اگر نہیں پڑھو گے تو دوزخ میں جاؤ گے جس کے یہ واقعات ہیں تو یہ مضمون ترغیب و ترہیب کی حیثیت سے محض مرقق ہے قلب کا' اس سے مخاطب کے قلب میں صلاحیت احکام قبول کی پیدا ہوگی پھر عمل کرنے کی توفیق ہوگی کیونکہ عمل اول اول تکلف سے ہوتا ہے کیوں کہ طبیعت کے خلاف کام ہے اس واسطے کوئی امر آمادہ کرنے والا اور ابھارنے والا ہونا چاہئے طبیعت کے خلاف دنیا کا کوئی کام بھی بلا طمع یا بغیر خوف کے نہیں ہوتا پھر عادت ہو جاتی ہے تو ترغیب و ترہیب کی چنداں ضرورت نہیں رہتی اس لئے ترغیب کی بھی ضرورت ہوئی اور ترہیب کی بھی شفیق کی تعلیم ایسی ہی ہوتی ہے مثلاً باپ اگر بیٹے کو کسی مضر سے روکتا ہے تو اتنا کہہ دینا کہ یہ چیز مت کھانا' حاکمانہ حق ادا کرنے کے لئے کافی ہے آگے اس کو اختیار ہے چاہے احتراز کرے یا بھاڑ میں پڑے مگر باپ اتنی بات پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ شفقت کی وجہ سے کہتا ہے کہ بیٹا یہ چیز مضر ہے دست آور ہے اسے مت کھانا' یہ پیٹ میں درد پیدا کر دے گی اس کے کھانے سے پھنسیاں نکل آئیں گی تو اتنا لگا لپٹنا شفیق ہونے کی حیثیت سے ہے ورنہ اس کو خوف دلانے کی کیا ضرورت پڑی تھی اسی طرح کبھی طمع دلانے سے کام لیتا ہے کہ اگر یہ دوا پی لو گے تو تم کو یہ دوں گا۔

خود میرا ایک واقعہ ہے بچپن میں ایک دفعہ بیمار ہوا تو حکیم صاحب نے مسہل تجویز کیا مگر میں پیتا نہ تھا تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

والد صاحب نے کہا اگر دوا پی لو گے تو تم کو ایک روپیہ دوں گا بس روپے کے لالچ میں پی گیا تو اس واسطے ضرورت ہے ترغیب و ترہیب کی کیونکہ ایسے آدمی بہت کم نکلیں گے جو بلا ترغیب و ترہیب کے امتثال امر کر لیں گو بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو بلا ترغیب و ترغیب کے بھی کر لیتے ہیں جیسے ایک صحابی کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا لولم یخف اللہ لم یعص ' کہ اگر اس کے دل میں خوف خدا بھی نہ ہوتا تب بھی خدا کی نافرمانی نہ کرتا تو بعض کو تو فطری طور پر خدا سے تعلق ہوتا ہے مگر اکثر تو خوف ہی سے کچھ رکتے ہیں پھر وہ درجہ بھی نصیب ہو جاتا ہے لیکن اول ہی سے ایسے کم ہوتے ہیں مثلاً بچہ پہلے پہلے مار دھاڑ سے پڑھتا ہے اور پھر تو اگر سبق کے لئے اپنے پاس سے بھی خرچ کرنا پڑے جب بھی نہ چھوڑے تو اس لئے ترغیب و ترہیب کی ضرورت ہے یہ موعظہ حسنہ ہے

سبحان اللہ حق تعالیٰ کی کتنی بڑی شفقت ہے کہ حضور ﷺ کو اور امت کو یہ ترکیب بتلائی کہ آپ اس طریقہ سے کام کیجئے کس قدر رحمت ہے کہ دشوار عمل کو کس طرح آسان کر دیا۔

رعایت مخالف

اس کے بعد ارشاد ہے جادلھم یعنی ان سے مجادلہ کیجئے اس میں دو احتمال تھے ایک مجادلہ حسنہ کا ایک سیئہ کا اس لئے احسن کی قید لگا دی اور مجادلہ سیئہ سے ممانعت کر دی رہا یہ کہ مجادلہ میں تو احسن کی قید لگائی اور حکمت کے ساتھ حسنہ کی قید کیوں نہیں لگائی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں غیر حسنہ کا احتمال ہی نہیں کیونکہ اپنے دعوے کی دلیل بیان کرنے میں کسی کو ناگواری نہیں ہوتی اور دوسرے کے دعویٰ کو رد کرنے میں اسے کبھی انقباض ہوتا ہے اس لئے وہاں قید نہیں لگائی اور یہاں قید لگائی کہ رد اگر ہو احسن طریقہ سے ہو جس سے کسی کو رنج اور کلفت نہ ہو سبحان اللہ کس قدر شفقت ہے عباد پر کہ مخالف کی اتنی رعایت کہ اس کا رد اگر ہو ایسے طریقہ سے ہو کہ اس پر حقیقت تو منکشف ہو جائے مگر برا بھلا کسی کو نہ کہا جائے۔

اور میں نے جو رد میں یہ قید لگائی کہ حقیقت ظاہر ہو جائے یہ اس لئے ہے کہ بعض دفعہ جواب ایسا گول مول ہوتا ہے کہ خصم پر حقیقت بھی ظاہر نہیں ہوتی اور یہ حسن مجادلہ کے خلاف ہے اس لئے چاہئے کہ کہے تو صاف صاف مگر احسن طریقہ سے چنانچہ فاصدع بما تومر کا یہی مطلب ہے کہ کھول کے صاف صاف بیان کرو ورنہ جہل سے نجات نہیں ہوتی جو شخص گول مول بات کرتا ہے اس سے ہر شخص راضی تو رہتا ہے مگر اس کا اثر برا ہوتا ہے۔ کہ مخاطب جہل مرکب میں مبتلا رہتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ بات صاف ہو مگر الفاظ سخت نہ ہوں۔

قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ کا یہی مطلب ہے کہ سخت الفاظ سے بچو۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝ یعنی تبلیغ کر کے نتیجہ کی فکر میں نہ پڑو یہ خدا کے قبضہ میں ہے تمہارے اختیار سے باہر ہے یہ بھی ایک درجہ ربط ہے ماقبل کو مابعد سے تو گویا اس مقام

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں اللہ تعالیٰ نے دونوں درجوں سے تعرض کیا ہے یعنی ایک تو تفریط فی التبلیغ سے اس کے تدارک کے لئے فرمایا ادع الی سبیل ربک اور ایک افراط فی التبلیغ سے اس کے تدارک کے لئے فرمایا ان ربک ھو اعلم غرض تبلیغ کے اندر کبھی افراط ہو جاتا ہے کبھی تفریط یہ دونوں مضر ہیں اور حضور علیہ میں شفقت کی کمی کا تو احتمال نہ تھا یہ تو مجموعی انتظام ہم لوگوں کے لئے فرمایا کہ تبلیغ میں افراط کرنا نہ تفریط

طریق تبلیغ

اس کام کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس طرح بیان فرمایا اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ سبحان اللہ کام بھی بتلا دیا اور کام کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا کہ لوگوں کو خوبصورتی اور نرمی و لطافت سے اللہ کی سبیل کی طرف بلاؤ اور راہ راست پر لاؤ' یہ ہے وہ کام جو بذریعہ وعظ کے یا مکاتب و مدارس کے ذریعہ سے ہونا چاہئے یعنی مبلغین ان ناواقف مسلمانوں کو اسلام کے محاسن اور احکام جا کر سنائیں اور رفتہ رفتہ کچھ مکاتب و مدارس وہاں پر قائم کر دیئے جائیں ان میں سے جو طریقہ زیادہ مفید معلوم ہو اسے اختیار کرنا چاہئے بس یہ تو ہمارا کام ہے۔اسے پورا کرنے کے بعد نتیجہ خدا کے سپرد کر دو۔

پس سنئے کہ قرآن مجید میں مطلق کامیابی کی حالت کے متعلق دو ارشاد ہیں قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے خوش ہونا چاہئے) اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے فضل پر خوش ہونا چاہئے۔

اور ایک جگہ یہ ارشاد ہے لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین (بہت مت خوش ہو خدا پسند نہیں کرتا' زیادہ خوش ہونے والوں کو) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوش نہ ہونا چاہئے پس ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے مگر دراصل اس میں تعارض نہیں بلکہ یہ دو حالتیں جدا جدا ہیں جن کے متعلق تنبیہ کی گئی ہے۔

ایک خوشی اضطراری ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً تمہاری ایک ہمیانی روپے یا اشرفیوں کی کوئی جس سے آپ بہت پریشان ہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے بہت دق ہو چکے ہیں کہیں پتہ نہیں چلتا کہ دفعۃً کسی نے ہاتھ میں لا کر دے دی ایک خوشی تو اس وقت ہے یہ اضطراری اور بے اختیاری خوشی ہو گی۔

ایک صورت ہے کہ ہمیانی گم ہونے پر تم نے نوکروں کو خوب مارا پیٹا' اب خدا جانے وہ ان کو ملی یا نہیں مگر بے چاروں نے ڈر کے مارے لا کر دے دی ایک خوشی اس پر ہے یہ اختیاری خوشی ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے پہلی خوشی جو آپ کو ہو گی وہ اترانے کی نہ ہو گی اور دوسری خوشی اترانے کی اور ناز و تکبر کی ہو گی کہ دیکھا ہم نے کیسی اچھی تدبیر کی ورنہ ہمیانی کیسے ملتی تو ان دونوں میں پہلی خوشی محمود ہے اور دوسری مذموم اسی طرح تبلیغ کی کامیابی پر اضطراری خوشی کا مضائقہ نہیں باقی اپنی تدابیر اور مساعی کو سوچ سوچ کر خوش ہونا کہ ہم نے یوں کیا تو اچھا اثر ہوا یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

مذموم ہے بہرحال ہم کو کوشش کرنی چاہئے اور نتیجہ خدا کے سپرد کرنا چاہئے اور ناکامی پر مغموم نہ ہونا چاہئے اور کامیابی پر اترانا نہیں چاہئے کام شروع کر دو اس کے سب راستے خود کھل جائیں گے۔ بقول مولانا رومی

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید   خیرہ یوسف وار می باید دوید

(اگرچہ عالم میں نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے مگر یوسف علیہ السلام کی طرح دوڑنا یعنی کوشش تو کرنی چاہئے۔)

بس ہمیں تو یہ طریقہ بتلایا گیا ہے اور وہی ہم کو اختیار کرنا چاہئے یعنی

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ۝

حکم عام

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ میں عام حکم دے دیا ہے اور یہاں جو بظاہر خطاب حضور کو ہے تو مقصود خاص حضور ہی کو خطاب کرنا نہیں ہے بلکہ عام ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي کہ میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت کرتے ہیں اس تفسیر پر انا ضمیر ادعو کی تاکید ہے اور من اتبعنی اس پر معطوف اور گو علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ میں بھی بصیرت پر ہوں اور میرے متبعین بھی اس صورت میں یہ مستقل جملہ ہوگا یعنی علی بصیرۃ خبر مقدم اور انا مع اپنے معطوف کے متبداء مؤخر اور ادعو کا معمول نہ ہوگا مگر چونکہ دوسری نصوص میں وعید عدم دعوت کی عام ہے چنانچہ ترمذی میں ایک حدیث ہے کہ جو لوگ امر بالمعروف نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کو عتاب عام کرے گا اور آپ نے استشہاد کے لئے یہ آیت پڑھی وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۔

تو اس کے انضمام سے معلوم ہوا کہ امت کا ہر فرد بھی وجوب دعوت کے حکم میں داخل ہے

تفریط فی التبلیغ کا تدارک

اللہ تعالیٰ اس آیت میں جادلھم کے بعد اس ضرر کا تدارک کیا عجیب فرماتے ہیں۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ یعنی تبلیغ کر کے نتیجہ کی فکر میں نہ پڑو یہ خدا کے قبضہ میں ہے تمہارے اختیار سے باہر ہے یہ بھی ایک درجہ ربط ہے ماقبل کو مابعد سے اور ممکن ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور کوئی وجہ ربط اس سے بھی عمدہ کسی کی سمجھ میں آ جاوے تو گویا اس مقام میں اللہ تعالیٰ نے دونوں درجوں سے تعرض کیا ہے یعنی ایک تو تفریط فی التبلیغ سے اس کے تدارک کے لئے فرمایا ادع الی سبیل ربک الایة اور ایک افراط فی التبلیغ سے اس کی ممانعت اس جزو میں مذکور ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ غرض تبلیغ کے اندر کبھی افراط ہو جاتا ہے کبھی تفریط' یہ دونوں مضر ہیں اور حضور ﷺ میں شفقت کی کمی کا تو احتمال ہی نہ تھا یہ تو مجموعی انتظام ہم لوگوں کے واسطے فرمایا گیا ہے کہ تبلیغ میں نہ افراط کرنا نہ تفریط چنانچہ اول میں تفریط کا انسداد ہے اور آخر میں افراط کا جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک درجہ تبلیغ کا یہ بھی ہے آخر میں ناکامیابی سے اتنا غم سوار ہوتا ہے کہ یا اس کی نوبت آ جاتی ہے اس کے بعد تعطل ہو جاتا ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ کو اس سے کیا بحث ثمرہ ہو یا نہ ہو آپ اپنا کام کئے جایئے ثمرات کا مرتب کرنا ہمارا کام ہے ہم جانتے ہیں کہ کون ہدایت پر ہے اور کون ضلالت میں ہے۔

ایک اور جگہ لطیف عنوان سے اسکو بیان فرمایا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ.

جن کے اندر شفقت ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ مخاطب کے عدم تاثیر سے کس قدر تکلیف ہوتی ہے سو نفس حزن کی ممانعت نہیں وہ تو طبعی اور غیر اختیاری ہے اس میں انسان مجبور ہے بلکہ ممانعت اس کی ہے جو حد ضیق تک پہنچے اس لئے فرماتے ہیں

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ

آپ کو اس سے کیا کوئی مسلمان ہوا یا نہیں ہوا اس کو اللہ جانتا ہے آپ اس کی فکر نہ کیجئے اس کو خدا کے سپرد کر دیجئے اور جہاں اتنی شفقت نہ ہو اور اس لئے تیز لہجہ اور سختی سے تبلیغ کرنے لگیں اس کی بھی ممانعت فرمادی ہے۔

قُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ غرض ایک ہی مقام کی آیتیں افراط تفریط دونوں کی ممانعت کے لئے کافی ہوگئیں امید ہے کہ اب بقدر ضرورت یہاں کافی ہو گیا ہے۔

اسباب حزن کی ممانعت

حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو غم سے منع فرمایا ہے وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ.

کہ آپ کفار کو تبلیغ احکام کیجئے اور ان کے اعراض سے مغموم نہ ہو جیئے حالانکہ آپ کا حزن شفقت کی وجہ سے تھا اور شفقت سے تبلیغ زیادہ ہوتی ہے تو ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ یہاں حضور ﷺ کو تبلیغ کی زیادت سے روکا گیا ہے لیکن حقیقت میں زیادت سے نہیں روکا گیا بلکہ اس کی تقلیل سے منع کیا گیا ہے کیونکہ غم سے طبیعت پژمردہ ہو جاتی ہے اور اس سے تعطل ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تبلیغ کے وقت خود نفس تبلیغ کو مطلوب

(c) ketabton.com: The Digital Library

سمجھئے ترتب ثمرات کو مقصود نہ سمجھئے کیونکہ جو شخص ثمرات کو مقصود سمجھ کر عمل کریگا اس کو عدم ترتب ثمرہ سے رنج و غم ہو گا اور حزن و غم کی خاصیت ہے کہ اس سے طبیعت شکستہ پژمردہ ہو جاتی ہے پھر کام نہیں ہوتا

اب بتلاؤ یہاں زیادت تبلیغ سے کیا گیا ہے یا اس کی تقلیل سے رکا گیا ہے ظاہر ہے کہ جو شخص خود عمل کو مقصود سمجھے گا اور ثمرہ پر نظر نہ کریگا وہ اس شخص سے زیادہ کام کرے گا جو ثمرہ پر نظر کر کے کام کرتا ہے کیونکہ یہ دوسرا شخص جب ثمرہ مرتب ہوتا نہ دیکھے گا عمل میں کوتاہی کر دیگا بخلاف پہلے شخص کے کہ وہ ہر حال میں برابر کام کرتا رہے گا کیونکہ اس کا مقصود عمل ہی ہے اور وہ راہ وقت حاصل ہے کیونکہ اپنے اختیار میں ہے تو یہاں بھی حق تعالی نے حضور ﷺ کو امر غیر اختیاری پر نظر کرنے سے منع کیا ہے کہ جو کام آپ کے اختیار میں ہے یعنی تبلیغ آپ اس میں مشغول رہیں اور اسی کو مقصود سمجھیں اور جو آپ کے اختیار میں نہیں یعنی (ترتب ثمرہ) اس پر التفات نہ کریں بلکہ اس کو ہمارے حوالے کیجئے۔

اس تقریر سے یہ اشکال بھی رفع ہو گیا کہ حزن و سرور تو غیر اختیاری ہے اور امور غیر اختیاریہ میں امر و نہی وارد نہیں ہوا کرتی پھر یہاں لاتحزن کیوں فرمایا گیا۔

جواب کا حاصل یہ ہے یہاں حقیقت میں حزن پر نہی وارد نہیں بلکہ اسباب حزن سے روکنا مقصود ہے اور اسباب حزن اختیاری ہیں گو حزن اختیاری نہ ہو چنانچہ میں نے بتلا دیا کہ تبلیغ میں حزن کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ثمرہ پر نظر کی جائے اور ثمرہ کو مقصود سمجھ کر عمل کیا جائے اس سے ممانعت مقصود ہے اور یہیں سے سالکین کو سبق لینا چاہئے کہ وہ جو ذکر و شغل اور اطاعت و عبادت کرتے ہیں اس میں خود عمل کو مقصود سمجھا کریں جو اختیار میں ہے ثمرا کو مقصود نہ سمجھیں جو غیر اختیاری ہیں ورنہ جس شخص نے ثمرات کو مقصود سمجھ کر چند روز کے بعد وہ عمل میں کوتاہی کر دے گا جبکہ ثمرات کا ترتب نظر نہ آئے گا' اور جو ثمرات پر نظر نہ کرے گا وہ برابر کام میں لگا رہے گا اور روز بروز ترقی کرتا چلا جائے گا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُورۃ بنیٓ اسرآئیل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سُبۡحٰنَ الَّذِىۡۤ اَسۡرٰى بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِىۡ بٰرَكۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنۡ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ‏ ﴿۱﴾

ترجمہ: وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندہ (محمد ﷺ) کو شب کے وقت مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم اُن کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلاویں بیشک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں۔

آیت معراج کی ایک تحقیق

شب معراج میں ایک سفر تو زمین پر ہوا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک دوسرا سفر وہاں سے آسمانوں کی طرف ہوا مگر قرآن کی آیت اسری بعبدہ لیلا میں صرف پہلے زمینی سفر کا ذکر ہے آسمانی سفر کا ذکر نہیں وجہ یہ ہے کہ آیت میں لیلاً کی قید لگی ہوئی اور دن اور رات صرف اس زمینی تضاد سے متعلق ہیں آسمانوں میں اس طرح کا دن رات نہیں جو آفتاب کے طلوع وغروب سے متعلق ہو تو لفظ اسراء اور لیل کے مقتضی سے صرف زمینی سفر کے ذکر پر اکتفاء کیا اور سورہ نجم میں آسمانی سفر کا ذکر فرمایا۔ عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰى۔

ارضی بلائیں

ایک مہمان رئیس کی طرف جو بعض شبہات کی تحقیق کر رہے تھے مخاطب ہو کر یہ بھی فرمایا کہ حضرت یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

بلائیں ارضی ہیں سماوی نہیں ہیں یہ خود لوگوں نے اپنے ہاتھوں خریدی ہیں سماوی بلاؤں کا رنگ ہی اور ہوتا ہے یہ وہ بلائیں ہیں جن کے واسطے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم' اور رہا یہ شبہ کے اللہ میاں بھی کافروں کے مددگار ہیں جیسا کہ بعض گستاخوں سے جنگ طرابلس میں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی تثلیث کی طرف دار ہیں نعوذ باللہ تو حضرت سنئے نافرمانی وہ چیز ہے کہ بھنگی سے شہزادے کے چابک لگوائے جاتے ہیں تو کیا اس صورت میں بادشاہ بھنگی کا طرف دار ہے اور کیا اس سے یہ لازم آ گیا کہ بھنگی مقبول ہے بلکہ بات یوں ہے کہ شہزادہ اپنے مردود ہونے کی وجہ سے مغلوب ہے (چونکہ عصر کی جماعت کھڑی ہوگئی اس لئے ملفوظ بند ہوگیا۔) پھر بعد نماز فرمایا کہ مجھے ایک آیت شریف یاد آئی سورہ بنی اسرائیل میں ہے اور یہ بنی اسرائیل کافر نہیں تھے اہل کتاب تھے انبیاء کے قائل تھے حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں ایک دو پیشین گوئیاں ان کی کتاب میں بیان فرمائیں ہیں وہ کلام اللہ میں منقول ہیں۔ وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیراً فاذا جاء وعد اولا ھما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلل الدیار ؕ وکان وعدا مفعولا' مطلب یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بات بتلادی تھی کہ تم سرزمین میں دوبارہ فساد مچاؤ گے اور بڑا زور چلانے لگو گے پھر جب ان دو باتوں میں سے پہلی مرتبہ کی معیاد آئے گی یعنی تم اول مرتبہ شرارت کرو گے تو ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے خونخوار ہوں گے پھر وہ گھروں میں گھس پڑیں گے اور یہ ایک وعدہ ہے کہ جو ضرور ہو کر رہے گا اب اس دیکھنے کی چند باتیں ہیں ایک تو یہ کہ لتفسدن فی الارض میں دیکھنا چاہئے کہ ان لوگوں کو جو کہ اہل کتاب ہیں مفسد اور حد سے گزرنے والا فرمایا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جن کو عبادا لنا فرمایا ہے یہ کون لوگ ہیں۔ یہ مشرک ہیں بت پرست ہیں ان کو اپنا بندہ فرمارہے ہیں اس حیثیت سے کہ ہماری مملوک ہیں اور ہمارا آلہ عذاب ہیں نہ اس حیثیت سے کہ مقبول ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ تمہارے مردود ہونے کی وجہ سے ان کو تم پر مسلط کر دیا ہے اسی طرح دوسرے وعدہ کو فرماتے ہیں قولہ تعالیٰ فاذا جاء وعد الاخرۃ لیسؤ وجوھکم ولیدخلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ ولیتبروا ما علوا تتبیرا۔ فرماتے ہیں کہ (پھر جب دوسری معیاد آئے گی یعنی دوبارہ شرارت کرو گے ہم پھر دوسروں کو مسلط کریں گے تاکہ وہ تمہارے منہ بگاڑ دیں اور جس طرح وہ لوگ تمہاری مسجد میں گھسے تھے یہ وہ لوگ بھی اس میں گھس پڑیں۔ اور جس جس طرح پر ان کا زور چلے سب کو برباد کر ڈالیں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی مقامات مقدسہ کی بے حرمتی ہمارے ہاتھوں ہو چکی ہے اور اب بھی ہمارے ہاتھوں ہی ہو رہی ہے۔ رہا یہ شبہ کہ اللہ میاں کو یہ کیسے گوارا ہو سو ان کے نزدیک تمام زمین برابر ہے۔ خدا کے اوپر تھوڑا ہی قانون چلتا ہے یہ تو ہمیں حکم ہے کہ ہم ان

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی تعظیم کریں خدا پر لازم نہیں کہ کسی کی تعظیم کریں دیکھئے اگر ٹوپی پر نجاست پڑ جاتی ہے تو اسے اتار کر پھینک دیتے ہیں ایک منٹ سر پر نہیں رکھتے اور جوتا اگر نجاست میں بھر جائے تو اسے کوئی نہیں پھینکتا جانتے ہیں کہ یہ تو نجس ہی ہے اگر اور نجاست میں بھر گئی تو کیا ہوا۔ اسی طرح کافر اور مسلم کی مثال ہے کہ مومن مثل ٹوپی کے ہے کہ اگر اس میں ایک دھبہ بھی پڑ جاتا ہے تو ناگوار ہوتا ہے اور کافر مثل پاپوش کے ہے کہ اگر سب بھی بھر جائے تو ناگوار نہیں ہوتا تو کیا اس سے یہ لازم آ گیا کہ جوتا کلاہ سے افضل ہے ان رئیس صاحب نے بعض اہل غلو کے عذر کے طور پر کہا کہ مصیبت کے وقت عقل بھی جاتی رہتی ہے حضرت والا نے فرمایا کہ یہ سچ ہے مگر کس کی عقل جاتی رہتی ہے جو نافرمان ہے اس کی عقل جاتی رہتی ہے بلکہ اس کی حالت راحت میں بھی ایسی ہی ہوتی ہے کیونکہ وہ راحت کو اپنی ہی عقل کا ثمرہ سمجھتا ہے اور مصیبت کو اوروں کے سر تھوپا پھرتا ہے۔ اور مطیع مصیبت کے وقت اور بھی زیادہ عاقل اور بیدار ہو جاتا ہے کیونکہ بوجہ طاعت اور تابعداری کے حق تعالیٰ اس میں عرفان کی شان پیدا کر دیتے ہیں اور فوراً رجوع بحق پیدا ہو جاتا ہے اس کو راحت اور مصیبت دونوں مذکر حق ہوتے ہیں (جامع جیسا کہ حضرت عارف معین الدین چشتیؒ نے فرمایا۔

ازیں مصائب دوراں مثال شاداں باد　　　کہ تیر دوست بہ پہلوئے دوست می آید

اور حضرت بو علیؒ فرماتے ہیں

کفروا ایمان ہر دورا برہم بزن .... بعد ازیں درباب معنی رابہ فن

یعنی اے خدا کے بندے جب تو طاعت حق ہے تو تجھے راحت اور مصیبت سے بالکل قطع نظر کر لینی چاہئے)

اور حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ آپ اب اس کا تجربہ کر لیں دو عالموں کے پاس جایئے ایک ان میں متدین اور متقی ہے اور ایک فقط عالم ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ متقی کو عاقل اور فہیم پائیں گے اور غیر متقی کو نہایت خشک اور کورا بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ایک شخص ان پڑھ اور متقی ہو اور دوسرا فقط عالم آپ اس ان پڑھ میں جو فہم دیکھیں گے وہ اس عالم میں ہرگز نہ ہوگی چنانچہ حضرات صحابہ میں اکثر وہ لوگ تھے کہ پڑھنا جانتے تھے نہ لکھنا مگر جب بادشاہوں کے دربار میں دعوت اسلام دینے جاتے تھے اور شاہان دنیا سے خطاب کرتے تھے بڑے بڑے بادشاہ ان کی باتیں سن کر حیران ہو جاتے ہیں حضرت عمرؓ کی خلافت میں جب سفیر اسلام ہرقل کے دربار میں تشریف لے گئے ہیں اور اس نے حضرت عمرؓ کے حالات دریافت کئے ہیں کہ تم اپنے خلیفہ کے حالات سناؤ وہ کیسے ہیں اور کیا کرتے ہیں تو ایک شخص ان پڑھ معمولی لباس میں سے جواب دیتے ہیں کہ ہمارے خلیفہ کا مختصر یہ حال ہے کہ لا یخدع و لا یخدع دیکھئے ایک ان پڑھ شخص نے دو جملوں میں وہ جواب دیا ہے کہ بادشاہ حیران ہو گیا تو بات کیا تھی طاعت کی برکت سے عرفان حق حاصل تھا حق تعالیٰ ان

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے حامی اور مددگار رہتے مسلم ہے من کان اللہ کان اللہ لہ حضرت وہ تعلیم حق تھی اور انہیں طاعات کی بدولت تھی جن کو آج ہم چھوڑ رکھا ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ج ۴ صفحہ ۱۵۹ تا ۱۶۱)

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾

ترجمہ: اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے جتنی سعی کرنی چاہئے ویسی ہی سعی بھی کرے گا جبکہ وہ شخص مومن بھی ہو پس ایسے لوگوں کے لئے یہ سعی مقبول ہو گی۔

تفسیری نکات

محض تمنائے آخرت کافی نہیں

بہت لوگ ارادہ آخرت کے بارے میں اسی کو کافی سمجھتے ہیں کہ زبان سے یوں کہہ لیا جائے کہ نیت کرتا ہوں میں طلب آخرت کی اللہ اکبر یعنی بہت لوگ محض تمنائے آخرت کو طلب آخرت سمجھتے ہیں اور اس کے اسباب کو اختیار نہیں کرتے (اور یہ حالت آخرت ہی کے ساتھ ہے دنیا کے ساتھ یہ کسی کا برتاؤ نہیں کہ محض تمنا کو کافی سمجھ لے اسی واسطے مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ (جو شخص محض دنیا ہی کا طالب ہو) کے بعد وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا (اور اس کے لئے کماینبغی کوشش بھی کرے) نہیں بڑھایا گیا کیونکہ وہاں تو ارادہ کے معنی بھی عام طور پر یہ ہیں کہ خوب سعی کی جائے پس اب یہ شبہ نہ رہا کہ ارادہ عاجلہ میں تو سعی کی قید نہیں اور یہاں سعی کی قید ہے۔ تو آخرت کی فضیلت دنیا پر پوری طرح واضح نہ ہوئی اگر یہاں بھی محض ارادہ سے بحث ہوتی تو مقابلہ کامل ہوتا جواب کا حاصل یہ ہے کہ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا دونوں جگہ مراد ہے مگر وہاں اس کے بیان کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہاں ارادہ کے معنی میں لوگوں نے غلطی نہیں کی اور یہاں بیان کی ضرورت تھی کیونکہ یہاں معنی ارادہ میں غلطی کا وقوع ہو رہا ہے ۱۲ ظ) اور سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا (اس کے لئے اس کی موافق کماینبغی کوشش بھی کرے) فرمایا سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا (اس کے لئے اپنی ہمت کے موافق کوشش بھی کرے) نہیں فرمایا کہ آخرت کے لئے اپنی سی کوشش کرے کیونکہ اس میں کم ہمتوں کو موقع مل جاتا ہے کہ ہر شخص ذرا سا کام کر کے کہہ دیتا کہ بس میری ہمت تو اتنی ہی ہے تو ان کم ہمتوں کے بہانے قطع کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ آخرت کے لئے آخرت کے مناسب کوشش کرے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنی طاقت سے زیادہ کوشش کرے جیسا کہ ظاہر میں شان آخرت کی عظمت سے مفہوم ہوتا ہے بلکہ مطلب وہی ہے کہ اپنی سی کوشش کرے اور اپنی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہمت کے موافق سعی کرے چنانچہ دوسری جگہ اس کی تفسیر فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اپنی ہمت کے موافق) سے کی گئی ہے پس حاصل سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا سعی کرے اس کی سعی کرنے کے موافق) وسعی لها سعيه (اور سعی کرے اپنی کوشش کے موافق) کا ایک ہی ہے لیکن سعی لها سعيها کے بعد سعی لها سعيه کا مفہوم جو ذہن میں آئے گا وہ یہ ہوگا کہ اپنی سی کوشش ختم کردے اور اسکے بغیر کم ہمتوں کو بہانہ کا موقع مل جاتا ہے خوب سمجھ لو چنانچہ اس حکمت کی وجہ سے حق تعالیٰ نے فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اپنی استطاعت کے موافق) کو اول نازل نہیں فرمایا بلکہ اول اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) کا نزول ہوا جس سے صحابہ گھبرا گئے کہ حق تعالیٰ کی شان کے مناسب تقویٰ کس سے ہوسکتا ہے تب تسلی کے لئے فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ نازل ہوا اور یہ اس کے لئے ناسخ نہیں بلکہ مفسر ہے کہ اتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ کا مطلب یہ ہے کہ اپنی استطاعت کے موافق تقویٰ اختیار کرو اور سلف کے کلام میں اگر اس کو کہیں ناسخ کہا گیا ہے تو اس سے بھی مراد تفسیر ہی ہے لیکن سلف کے کلام میں بیان تبدیل و بیان تفسیر سب کو نسخ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے بہر حال مقصود تو تقویٰ بقدر استطاعت ہے لیکن اس کو اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) کے بعد اس کی تفسیر میں بیان فرمانے سے کم ہمتوں کے بہانے قطع ہو گئے اور اول ہی اس کا نزول ہو جاتا تو کم ہمتوں کو بہانہ ڈھونڈھنے کا موقع مل جاتا ایسا ہی یہاں سمجھو کہ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا کو فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ سے ملا کر دیکھا جائے تو اس کا حاصل سعی لها سعيه کی طرف لوٹتا ہے مگر سعی لها سعيه نہ فرمانے میں حکمت وہ ہے جو ابھی بیان ہوئی واللہ اعلم باسرار کلامہ بہر حال ارشاد فرماتے ہیں کہ جو آخرت کا طالب ہو تو اس کی جزا یہ ہے کہ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۝ ان کی سعی کی قدر کی جائے گی بظاہر یہاں کچھ انعام کا ذکر نہیں مگر قرآن شاہی کلام ہے اس میں شاہانہ محاورات کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے اور شاہی محاورہ میں یہ لفظ بہت بڑا ہے یہ ہزاروں تفاصیل سے بڑھا ہوا ہے جب بادشاہ کسی سے یہ کہہ دے کہ ہم نے تمہاری خدمت کی قدر کی ہے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ بہت کچھ ملے گا۔ اور امید سے زائد ملے گا اب سمجھ لو کو جس کی سعی کی احکم الحکمین قدر دانی فرمائیں اس کو تو کیا کچھ ملے گا۔

علم صرف ونحو کی ضرورت

ایک آیت میں تو طلب دنیا پر بھی ترتب ثمرہ کا وعدہ ہے فرماتے ہیں مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا (جو شخص

(c) ketabton.com: The Digital Library

آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ دنیا میں دیدیں گے) اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہاں وعدہ ہے تو منہا کے ساتھ ہے جس میں من تبعیضیہ ہے تو کل کا وعدہ کہاں ہوا جزو قلیل کا وعدہ ہوا اس پر شاید یہ سوال ہو کہ ایک آیت میں آخرت کے متعلق بھی منہا آیا ہے وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ (اور جو شخص دنیاوی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا کا حصہ دیدیتے ہیں اور جو شخص اخروی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اس کو آخرت کا حصہ دیں گے اور ہم بہت جلدی عوض دیں گے حق شناسوں کو) جواب یہ ہے کہ وہاں قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ من ابتدائیہ ہے تبعیضیہ نہیں اور یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث سمجھنے کے لئے نحو وصرف کی بھی ضرورت ہے۔

ارادہ دنیا مطلقاً مذموم نہیں

طلبہ کو ایک اشکال ہوگا وہ یہ کہ قرآن میں تو ارادہ دنیا کی مطلقاً مذمت وارد ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا اور ایک جگہ ہے وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (وامثالها من الایات)

سو ان آیات میں ارادہ دنیا پر وعید وارد ہے طلب اور سعی تو ارادہ سے بھی آگے ہے وہ تو بدرجہ اولیٰ مذموم ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ القرآن یفسر بعضہ بعضاً پس دیگر نصوص کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ مطلق ارادہ پر وعید کا ترتب نہیں ورنہ پھر اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا کے کیا معنی ہوں گے اگر ارادہ دنیا مطلقاً مذموم ہے تو بیع وشرا کی اجازت کیوں ہے اور شریعت نے کھیتی پر عشر وغیرہ کیوں واجب کیا اموال میں اور جانوروں میں زکوٰۃ کیوں مقرر کی۔ کیونکہ جب دنیا رکھنا ہی جائز نہ ہوگا تو ان حقوق کے وجوب کی نوبت ہی کہاں آوے گی بلکہ اس تقدیر پر تو صاف یہ کہہ دیا جاتا تجارت بھی ممنوع ہے اور زیادہ مال جمع کرنا اور بہت سے جانور پالنا بھی حرام ہے حالانکہ نصوص میں زراعت وتجارت اور زیادہ مال جمع کرنے کی کہیں ممانعت نہیں ہاں ممانعت کے بجائے ان کے لئے احکام زکوٰۃ وغیرہ مشروع ہیں پس دیگر نصوص کے ملانے سے ان آیات کا مطلب یہ ہے من کان یرید العاجلۃ جو شخص صرف دنیا کا ارادہ کرے اس کے لئے یہ وعید ہے یعنی ارادہ دنیا کی دو قسمیں ہیں ایک تو دنیائے محض کا ارادہ کرنا کہ اس کے ساتھ آخرت کا ارادہ بالکل نہ ہو یہ مذموم ہے اور موجب وعید دوسرے دنیا کا ارادہ کرنا آخرت کے لئے کہ تجارت وزراعت وملازمت بطریق حلال اس کے لئے کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے اہل حقوق کے حقوق ادا کرے اور اطمینان سے آخرت کے کام بجالائے اس صورت میں اصل ارادہ آخرت ہے اور دنیا کا ارادہ اس کے تابع ہے اس کی مذمت نہیں نہ یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

موجب وعید ہے بلکہ یہ ارادہ تو ایک درجہ میں فرض ہے جس کو یہ حدیث بیان کرتی ہے طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ (رواہ البیھقی والطبرانی و دیلمی عن ابن مسعود و انس و ابن السخاوی و بعضھا یوقد بعضا لا سیما و شواھد ھا کثیرۃ مقاصد و حسنہ ص ۱۴۸ از حضرت مولانا مولوی ظفر احمد صاحب دامت فیوضھم) اور اگر ارادہ دنیا مطلقاً مذموم ہوتا تو قرآن میں صحابہ کی طرف اس کو منسوب نہ کیا جاتا حالانکہ غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو حق تعالیٰ نے صحابہ کو اس کے سبب پر متنبہ فرماتے ہوئے بتلایا کہ یہ شکست اس لئے ہوئی کہ ایک جماعت نے جس کو رسول ﷺ نے درہ کوہ پر متعین فرما کر یہ حکم دیا تھا کہ تم یہاں سے نہ ہٹنا خواہ ہم غالب ہوں یا مغلوب اس حکم کی مخالفت کی اور مسلمانوں کو غالب اور کفار کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر درہ کوہ پر ٹھہرنے کی ضرورت نہ سمجھی اور غنیمت کا مال لوٹنے میں مشغول ہو گئے اس کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ‌ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمۡ عَنۡهُمۡ لِيَبۡتَلِيَكُمۡ‌ۚ کہ تم سے (یعنی صحابہ میں سے) بعض دنیا کا قصد کرتے تھے اور بعض آخرۃ کا قصد کرتے تھے اس میں صحابہ کی طرف دنیا کی نسبت کی گئی ہے اور جو شخص صحابہ کے فضائل و مقامات سے واقف ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ ارادہ مذمومہ کی نسبت صحابہ کی طرف دشوار ہے صحابہ محض دنیا کا ارادہ بھی نہیں کر سکتے پھر یہاں کیا مطلب ہے ابن عطاء نے اس کی تفسیر بیان کی ہے یعنی منکم من یرد الدنیا للآخرۃ و منکم من رید الاخرۃ الصرفۃ کہ تم میں سے بعضے دنیا کا آخرۃ کے لئے ارادہ کرتے تھے اور بعضے محض آخرۃ کا قصد کرتے تھے۔ اس پر یہ سوال ہوگا کہ جب صحابہ کا ارادہ دنیا آخرۃ کے لئے تھا تو وہ مذموم نہ تھا پھر اس کو شکست کا سبب کیوں بتایا گیا جواب یہ ہے کہ وہ ارادہ تو فی نفسہ مذموم نہ تھا لیکن وہ اجتہادی غلطی سے مفضی ہو گیا تھا مخالفت حکم رسول کی طرف اس لئے عتاب ہوا اب یہ مسئلہ بالکل منقح ہو گیا کہ مذمت ارادۃ الدنیا کی ہے ارادۃ الدنیا للآخرۃ مذموم نہیں۔

اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے جیسی سعی کرنا چاہئے ویسی ہی سعی بھی کرے گا جبکہ وہ شخص مومن بھی ہو پس ایسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی آپ کے رب کی عطا میں سے تو ہم ان کی بھی امداد کرتے ہیں اور ان کی بھی اور آپ کے رب کی عطا بند نہیں آپ دیکھ لیجئے ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فوقیت دی ہے اور البتہ آخرت آخرت کے درجوں کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے۔

ثمرہ ارادہ آخرت

مگر طلب دنیا کے ساتھ آخرت اس طرح نہیں مل سکتی اب بتلائیے کہ طالب دنیا ہونا عقلمندی ہے یا طالب آخرت ہونا حالانکہ آپ ابھی معلوم کر چکے ہیں کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسی حقیر ہے کہ اگر آخرت سے محرومی کی صورت میں اس کے ملنے کا پورا بھروسہ بھی نہ ہو کیونکہ ارشاد فرماتے ہیں مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا

(c) ketabton.com: The Digital Library

لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ یعنی جو کوئی دنیائے عاجلہ کا ارادہ (وطلب) کرلے ہم اس کو دنیا ہی میں فی الحال جس قدر چاہتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں دیدیتے ہیں پھر اس کے لئے جہنم مقرر کردیتے ہیں جس میں وہ برائی اور ذلت کے ساتھ داخل ہوگا اور جو لوگ کہ آخرت کا ارادہ کریں اور اس کے لئے سعی کریں جو اس کیلئے ہوا کرتی ہے درانحالیکہ وہ مومن بھی ہوں تو ان لوگوں کی کوشش کی قدر کی جائے گی اب ذرا دونوں مضمونوں میں غور کرلیا جائے کہ طلب دنیا وطلب آخرت دونوں کے ثمرات کو کس طرح بیان کیا گیا ہے طالب دنیا کی بابت تو ارشاد ہے عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ یعنی ہم طالبان دنیا میں سے جس کو چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں دے دیتے ہیں معلوم ہوا کہ نہ سب کا کامیاب ہونا ضروری کہ جو وہ چاہا کریں وہی مل جایا کرے۔ بلکہ جو حق تعالیٰ چاہیں گے دیدیں گے اور طالبان آخرت کے متعلق ارشاد ہے فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ کہ جو آخرت کی طلب کی کوشش عملی اور ایمان کے ساتھ کرتے ہیں ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی ایمان اور سعی کی قید احترازی نہیں اور یہ دراصل بیان ہے من ارادا الاخرة کا کہ ارادہ آخرت کہتے ہی ہیں ایمان اور عمل صالح میں سعی کرنے کو کیونکہ اس کے بدوں طلب آخرت متحقق ہی نہیں ہوسکتی ہے اور یہاں سے رد ہوگیا ان لوگوں کا جو کہ اپنے کو طالب آخرت سمجھتے ہیں مگر عمل صالح نہیں کرتے کہ دراصل یہ لوگ طالب آخرت ہی نہیں طلب کے لئے علامت بھی چاہئے طلب آخرت کی علامت یہی ہے کہ ایمان اور عمل صالح اختیار کیا جائے اور میں نے یہ مضمون کہ سَعٰى لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ (اس کے لئے سعی کریں جو اس کے لئے ہوا کرتی ہے درانحالیکہ وہ مومن بھی ہوں) قید واقعی ہے اسی لئے بیان کیا تا کہ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت میں جو ثمرہ ارادہ آخرت کے متعلق مذکور ہے وہ صرف ارادہ کا ثمرہ کہاں ہے بلکہ سعی اور ایمان اور ارادہ اس سب مجموعہ کا ثمرہ ہے اور دعویٰ تمہارا ارادہ آخرت کے ثمرہ کا ہے تو اس تقریر سے یہ شبہ زائل ہوگیا کیونکہ میں نے بتلا دیا کہ یہ قید واقعی ہے اور یہ ارادہ کا بیان اور اس کی شرح ہے رہا یہ سوال کہ پھر اس کے مقابل ارادہ عاجلہ کی تفسیر کیوں نہ بیان کی گئی اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ آخرت کی اس تفسیر سے مقصود یہ ہے کہ تا کہ ارادہ آخرت کا سہل ہونا معلوم ہو جائے کہ اس میں معمولی سعی اور ایمان کی ضرورت ہے تا کہ اس کے بعد آخرت کی طلب کے لئے رغبت دل میں پیدا ہو بخلاف ارادہ دنیا کے کہ اس کی ترغیب مقصود نہیں اس لئے اس کی تفسیر بیان نہیں فرمائی علاوہ ازیں یہ کہ ارادہ آخرت کی تفسیر کے متعلق تو لوگ غلطی میں مبتلا ہیں کوئی کسی طریقہ کو طلب آخرت سمجھتا ہے کوئی کسی طریقہ کو اس لئے اس کی تفسیر کی ضرورت تھی اور ارادہ دنیا کو تو ہر شخص سمجھتا ہے اس کے بیان کی حاجت نہ تھی پس ارادہ دنیا و آخرت میں ایک تو فرق یہاں یہ بتلایا کیونکہ طلب دنیا سے یہ کچھ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ضروری نہیں کہ وہ مطلوب حاصل ہی ہو جاوے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کو حاصل ہو جائے اور طلب آخرت کی ہمیشہ قدر ہوتی ہے وہ ضائع نہیں ہو سکتی دوسرا ایک لطیف اشارہ ایک خاص فرق کی طرف اس آیت میں اور بھی ہے جو اسی وقت سمجھ میں آیا ہے اور ابھی تک اس آیت کی تفسیر میں نظر سے نہیں گزرا ممکن ہے کسی نے لکھا بھی ہو وہ یہ کہ اس جگہ دو جملے شرطیہ ہیں اور ہر ایک میں تعلق شرط کا جزاء کے ساتھ مختلف عنوان سے بیان کیا گیا ہے ارادہ دنیا کی تو ارشاد ہے مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيدُ یہ صیغہ استمرار کا ہے ترجمہ یہ ہوا کہ جو کوئی دنیا کو طلب کرتا رہے اور ہمیشہ طلب میں منہمک رہے تب کچھ ملتا ہے اور ارادہ آخرت کے متعلق من ارادہ بدوں لفظ کان کے ارشاد فرمایا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ ثمرہ اخروی حاصل ہونے کے لئے طلب میں مرنا کھپنا نہیں پڑتا بلکہ کچھ ارادہ کرنے سے بھی وہ ثمرہ حاصل ہو جاتا ہے اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ طالب آخرت کا ارادہ اور طلب مستمر نہیں ہوتا کچھ دنوں کے بعد ارادہ وطلب زائل ہو جاتا ہے نہیں حقیقت میں تو وہ بھی مستمر رہتا ہے مگر تھوڑی سی سعی وطلب کے بعد وہ حکم میں خبر مستمر کے ہو جاتا ہے کیونکہ محبت الٰہی پیدا ہو جانے کے بعد وہ ارادہ اتنا سہل ہو جاتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے کے لئے اہتمام کرنا نہیں پڑتا وہ ارادہ خود بخود پیدا ہوتا رہتا ہے اگر چہ پیدا اختیار سے ہوتا ہے مگر بوجہ اعانت غیبی کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود بدوں اختیار کے پیدا ہو رہا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آخرت کی طلب محبوب سرکار ہے اس میں سعی کرنے والے کی اس طرف سے امداد ہوتی ہے جس سے وہ بالکل سہل ہو جاتی ہے حدیث شریف میں ہے من تقرب الی شبراً جئت الیه ذراعاً ومن تقرب الی ذراعاً تقربت الیه باعا ومن اتانی یمشی اتیته هروانه اور دنیا مردود بارگاہ الٰہی ہے اس میں ہمیشہ وقت وتعب ہی رہتا ہے اس کے لئے ہمیشہ اہتمام وانہماک از خود کرنا پڑتا ہے اور یہ طلب ہمیشہ بتکلف از سر نو پیدا کرنی پڑتی ہے پس حقیقۃً تو دونوں ارادے مستمر ہوتے ہیں مگر بوجہ سہولت واعانت غیبی کے ارادہ آخرت یا مستمر نہیں رہا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا خود بخود اس کے دل میں ان اعمال کا تقاضا پیدا کر دیتا ہے اور ارادہ دنیا حقیقۃً اور حکم دونوں کے اعتبار سے مستمر ہے اسی لئے اس کے ساتھ کان استمرار کے لئے بڑھایا گیا اور ارادہ آخرت کے بیان میں کان نہیں بڑھایا گیا اور شرح اس سہولت واعانت کی یہ ہے کہ طلب آخرت میں قدر سعی کرنے سے جب نسبۃ مع اللہ پیدا ہو جاتی ہے تو اس سے ایک کیف اور حال ایسا پیدا ہو جاتا ہے جو ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے اسی کو عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

؎ صنمارہ قلندر سزدار بمن نمائی	کہ دراز و دور دیدم رہ ورسم پارسائی

(طریق زہد خشک بہت دور دراز کا راستہ ہے مجھے تو طریق عشق میں چلائے)

رہ قلندر سے یہی طریق عشق ونسبت مع اللہ مراد ہے اور رسم پارسائی سے وہ طریق عبادت جو بدوں

(c) ketabton.com: The Digital Library

نسبت و محبت ہو مراد ہے جس میں اعمال کی یہ حالت ہوتی ہے جو بعد میں مذکور ہے۔

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند — تو بروں درچہ کردی کہ درون خانہ آئی

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد — کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی

(کعبہ کے طواف کو گیا تو حرم نے مجھ کو راستہ نہ دیا اور کہا تو نے حرم سے باہر کیا کیا ہے جو خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین سے یہ ندا آئی کہ تو نے ریا کا سجدہ کر کے مجھ کو بھی خراب کیا۔)

وہ کیف نسبت مع اللہ کا ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بعد کام نہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کام کرنا کچھ دشوار نہیں رہتا اور اس طریق میں کچھ باطنی مشقت بھی پیش آتی ہے مگر وہ اس سے بددل نہیں ہوتے بلکہ اس میں بھی ان کو بڑا لطف آتا ہے اسی کی بت ارشاد ہے ؎ از محبت تلخہا شریں بود

اور ارشاد ہے

ناخوش تو خوش بود بر جان من — دل فدائے یار دل رنجان من

(محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو طبیعت ناگوار ہی کیوں نہ ہو میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے میں اپنے یار پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان کرتا ہوں۔)

اور کہا گیا کہ

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو خنجر آزمائی کرے)

اور کہا

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو — دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(زندہ کریں آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں آپ پر قربان ہو دل آپ پر فریفتہ ہے جو کچھ کریں آپ سے راضی ہوں)

اور اس نسبت مع اللہ سے اور سب کام تو آسان ہو ہی جاتے ہیں جو سب سے بڑی خوفناک چیز ہے جس سے سب لوگ ڈرتے ہیں یعنی موت وہ بھی ان کے لئے ایسی خوشگوار ہو جاتی ہے کہ اس کی یہ لوگ تمنائیں کرتے ہیں عارف شیرازی فرماتے ہیں

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم — راحت جاں طلبم وز پے جاں بردم

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روز — تا درمیکدہ شاداں و غزل خواں بردم

(جس دن دنیا سے کوچ کروں وہ دن بہت اچھا ہے راحت جان طلب کروں)

(c) ketabton.com: The Digital Library

دنیوی مراد کا حصول مشیت حق پر موقوف ہے

کہ حق تعالیٰ نے دین کے کاموں میں ثمرہ کا وعدہ فرمایا ہے اور اسباب دنیویہ میں اس کا وعدہ نہیں فرمایا' چنانچہ دنیا کے متعلق ارشاد ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ یعنی جو کوئی دنیا کا قصد کرے گا ہم اس کو دنیا میں جس قدر ہم چاہیں گے اور جس کے لئے چاہیں گے سردست دے دیں گے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیوی مراد کا حصول مشیت پر موقوف ہے یہ وعدہ نہیں کہ جو تم چاہو وہی مل جائے اور یہ بھی وعدہ نہیں کہ ہر ایک کا مقصود پورا ہو جائے بلکہ بعض کا مقصود حسب مشیت الٰہی حاصل ہو جاتا ہے اور بعض کا مقصود بالکل حاصل نہیں ہوتا۔

اور اعمال آخرت کے متعلق ارشاد ہے

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

اور جو کوئی آخرت کا ارادہ کرے اور مومن بن کر اس کے لئے وہ کوشش کرے جو اس کے مناسب ہے تو ان لوگوں کی کوشش مشکور ہے یعنی حق تعالیٰ اس کی قدر فرمائیں گے۔ اس آیت میں وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا ارادہ کا بیان ہے یعنی اردہ سے مراد محض تمنا نہیں کیونکہ خالی تمنا کافی نہیں بلکہ ارادہ سے مراد قصد جازم ہے جس کے لئے سعی لازم ہے۔ آگے اس کے جزا مذکور ہے فَاُولٰۗىِٕكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ کہ ان کی سعی کی قدر کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ شاہی محاورہ میں یہ جملہ بہت امید افزا ہے جب کوئی بادشاہ اپنے کسی خادم سے یہ کہہ دے کہ ہم تمہاری خدمات کے قدر دان ہیں تو اس کو انعامات جلیلہ کی پختہ امید ہو جاتی ہے اور وہ یہ سمجھ جاتا ہے کہ مجھ کو میری خدمات سے بدر جہا زائد صلہ ملے گا۔ جب ادنیٰ سے ادنیٰ حاکم کے کلام میں ایسے جملہ سے بہت کچھ امیدیں پختہ ہو جاتی ہیں تو احکم الحاکمین کے کلام میں اس جملہ سے کیا کچھ امیدیں پیدا ہونی چاہئیں اس کا فیصلہ اہل ذوق خود کر سکتے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا

دنیا کے متعلق نؤتہ منہا فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص دنیا کا قصد کرتا ہے اس کو ہم کچھ دے دیتے ہیں یہ وعدہ نہیں کہ جو وہ چاہے وہی دے دیں اور آیت سابقہ کی قید لمن یشاء یہاں بھی ہے اور آخرت کے متعلق ترقی کا وعدہ ہے اور وعدہ بھی اطلاق کے ساتھ ہے جس میں مشیت وغیرہ کی قید مذکور نہیں نہ من تبعیضیہ لایا گیا ہے جس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ ارادہ آخرت کے بعد تو مراد ضرور حاصل ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا ہوتا ہے۔ سبحان اللہ دنیا کے متعلق تو یہ بھی وعدہ نہیں کہ جو مانگے وہی مل جائے اور یہاں

(c) ketabton.com: The Digital Library

زیادہ کا بھی وعدہ ہے اور یہ ترقی محض آخرت ہی میں نہیں بلکہ دین اختیار کرنے والوں کو دنیا میں بھی ان کے اعمال سے زیادہ جزاء مل جاتی ہے دین داروں کو دنیا میں بھی ایسی چیزیں مل جاتی ہیں جن کی ان کو پہلے سے خبر بھی نہیں تھی۔ آخرت کے متعلق تو مسلمانوں کو اس کا علم عام طور پر ہے سب جانتے ہیں کہ آخرت میں عمل سے زیادہ صلہ ملے گا کیونکہ وہ یہ حدیث سنے ہوئے ہے۔

اعددت لعبادی الصالحین ملا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا نہ کسی بشر کے دل پر ان کا خطرہ گزرا لیکن دنیا میں زیادت اور ترقی کا علم بہت لوگوں کو نہیں ہے۔

رموز ونکات

ایک نکتہ یہ ہے کہ طالبین دنیا کے بارے میں پہلے یہ فرمایا گیا ہے عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيدُ کہ طالبان دنیا میں سے ہم جس کو چاہیں اور جس قدر چاہیں عطا کر دیتے ہیں اس کا مقتضا یہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں طالبین آخرت کے لئے یہ فرمایا جاتا اعطیناہ ما یشاء کہ ہم طالب آخرت کو جو کچھ وہ چاہے گا وہی دیں گے کیونکہ جب دنیا والوں کے لئے یہ فرمایا گیا کہ ان کو جو ہم چاہیں گے وہ دیں گے تو بظاہر اس کے مقابل طالبین آخرت کے لئے فضیلت پوری اس طرح معلوم ہوگی کہ ان کو ان کی طلب کے موافق سب کچھ دیا جائے۔ مگر بخلاف اس کے اس آیت میں مایشاء نہیں فرمایا گیا بلکہ بجائے اس کے فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُورًا ۝ فرمایا گیا تو بات یہ ہے کہ اگر اس جگہ حق تعالیٰ اہل آخرت کے بارے میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کو جو کچھ وہ چاہیں گے وہی دیا جائے گا تو اس میں درحقیقت کچھ زیادتی نہ ہوتی بلکہ عدد گھٹ جاتا کیونکہ نعمائے آخرت کی شان یہ ہے۔

مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر یعنی نہ ان کو آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا نہ کسی بشر کے قلب پر خیال گزرا۔

تو بتلایئے کہ جب وہاں کی نعمتوں کا یہ حال ہے تو اگر یہ فرمایا جاتا کہ طالبین آخرت کو جو کچھ وہ چاہیں گے دیا جائے گا اس سے زیادتی ہوتی یا کمی؟ بہت کمی ہو جاتی کیونکہ وہاں کی نعمتوں کا ہم کو وہم بھی نہیں ہو سکتا پھر ہماری خواہش کے موافق جو ہم کو ملتا وہ تو بہت ہی کم ہوتا حق تعالیٰ شانہ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ ہمارے واسطے انہوں نے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کا ہم کو خطرہ بھی نہیں ہو سکتا اور وہاں کا ثواب ہماری خواہش پر موقوف نہیں فرمایا بلکہ اپنی رحمت سے خواہش سے بہت زیادہ عطا فرمائیں گے اسی کے بارہ میں مولانا کا ارشاد ہے۔

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را | کہ بیک گل مے خری گزار را
نیم جاں بستاند وصد جاں دہد | آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

(c) ketabton.com: The Digital Library

اب آپ نے سمجھا کہ ماشاء نہ فرمانا ہی ہمارے لئے رحمت ہے اس وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے اجمالاً فرما دیا فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْکُوْرًا۝ یعنی ان لوگوں کی کوشش کی اس دربار میں قدر ہو گی اسی سے سمجھ جاؤ کہ جن کی کوشش کی قدردانی ایسے عظیم الشان قدردان بادشاہ کے دربار میں ہو ان کو کیا کچھ ملے گا۔ اس کا اندازہ اس سے کرلو کہ بادشاہان دنیا جب کسی کی قدردانی کرتے ہیں تو اس کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں وہ یہ نہیں کیا کرتے کہ خدمت کی حیثیت پر انعام واکرام کریں بلکہ وہ اپنی حیثیت کے موافق انعام واکرم کیا کرتے ہیں جس کا اس کو وہم بھی نہیں ہوتا پھر جس کی قدردانی حق تعالیٰ شانہ اپنی عظمت کے موافق فرمائیں گے اندازہ کرلو اسے کیا کچھ ملے گا اس وقت اس کی تفصیل سمجھ میں نہیں آسکتی۔

دوسرا اشارہ وَسَعٰی لَهَا سَعْیَهَا میں ہے کہ یہ کلام اس سعی کے سہل ہونے پر دال ہے۔ جیسا کہ اردو محاورہ میں بھی بولا جاتا ہے کہ اس کام کے لئے جو تدبیر ہے وہ کرنی چاہئے اس تدبیر کو بیان نہ کرنا اور اجمالاً کہہ دینا کہ جو تدبیر اس کی ہے وہ کرنی چاہئے اس سے اس تدبیر کا معلوم اور سہل ہونا معلوم ہو جاتا ہے اسی طرح یہ کلام یہاں پر وارد ہوا ہے کہ "جو لوگ طالب آخرت ہیں اور اس کے لئے وہ سعی کرتے ہیں جو اس کی سعی ہے ان کی کوشش کی قدر ہو گی" اس طرز کلام سے اس سعی کا معلوم ہونا اور سہل ہونا سمجھا جاتا ہے مطلب یہ کہ وہ سعی مختصر اور مشتہر ہے بیان کی ضرورت نہیں۔

تیسرا اشارہ مشکورا میں اس بات کی طرف ہے کہ جو کچھ آخرت میں ملے گا وہ محض قدردانی ہے عمل کو اس میں دخل نہیں اس سے ناز کرنے والوں کو تنبیہ مقصود ہے کہ اپنے عمل پر نازاں نہ ہونا چاہئے جو کچھ وہاں ملے گا محض انعام ہو گا ورنہ تم عمل سے اس کے مستحق نہیں ہو سکتے وجہ یہ کہ طاعت ادائے حق خداوندی اور اس کے حقوق غیر متناہی ہیں اور حقوق غیر متناہی کا ادا کرنا موقوف ہے عمل غیر متناہی پر اور ہم بوجہ حادث و متناہی ہونے کے عمل غیر متناہی سے عاجز ہیں تو عقلاً انسان ادائے حق خداوندی سے عاجز ہے تو اب جو کچھ بھی اسے ملے وہ محض قدردانی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہاں سے یہ شبہ بھی دور ہو گیا ہو گا جو بعض رحم دل لوگوں کے دلوں میں آیا کرتا ہے کہ کافروں کے لئے ہمیشہ کیلئے خلود فی النار کیوں مقرر ہوا کفر تو اس نے کیا تھوڑی مدت تک یعنی دنیا کی زندگی میں اور سزا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم یہ تو بظاہر عدل کے خلاف معلوم ہوتا ہے تو بات یہ ہے کہ کافر نے حق تعالیٰ کے ساتھ جب شرک و کفر کیا تو اس نے حق تعالیٰ شانہ کے حقوق غیر متناہیہ کو ضائع کیا اور حقوق غیر متناہیہ ادا نہیں ہوتے اور کفر سے حقوق غیر متناہیہ ضائع ہو جاتے ہیں پس عمل متناہی کے بدلے جزا غیر متناہی جو مومنین کو عطا ہو گی یہ البتہ عقل سے آگے ہے عقل یوں کہتی ہے کہ جب عمل متناہی ہے تو جزا بھی متناہی ہونی چاہئے۔ لوگ آج کل عقل عقل گاتے پھرتے ہیں مگر یہ عقل ان کی خیر خواہ نہیں دشمن ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

؎ آزمودم عقل دور اندیش را ۔ بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

یہ لوگ ہمیں بے عقل بتلاتے ہیں مگر ہمیں ایسی عقل کی ضرورت نہیں اس سے ہم بے عقل ہی اچھے مگر خبر بھی ہے یہ بے عقلی کس کے لئے ہے۔

؎ ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم ۔ مست آج ساقی وآں پیمانہ ایم

خدا کا دیوانہ ہزار عاقلوں سے بہتر ہے۔ ؎ اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد

پس مشکورا فرمانے سے بتلا دیا کہ عمل تو چاہتی ہے کہ تمہارا اجر کم ہوتا مگر یہ ہماری قدردانی ہے ایک حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں اپنے عمل سے کوئی نہ جائے گا ہاں رحمت الٰہی ہو جائے تو اور بات ہے حضرت عائشہؓ نے عرض کیا اور اس سوال کی ہمت بھی انہیں کو تھی یارسول اللہ ﷺ ولا انت کیا آپ بھی اپنے عمل سے جنت میں تشریف نہ لے جاویں گے؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرا اس سوال پر حضور ﷺ پر خوف غالب ہو گیا اور آپ نے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا و لا انا الا ان یتغمد نی اللہ برحمۃ کہ میں بھی عمل سے جنت میں نہ جاؤں گا مگر یہ کہ خدا کی رحمت میری دست گیری کرے۔

صاحبو اب کس کی ہمت ہے جو اپنے عمل کو کچھ سمجھے ہماری تو وہ مثال ہے جو کسی بزرگ نے بیان فرمائی ہے

چوآں کرمے کہ درسنگے نہانست ۔ زمین و آسمان وے ہمانست

مولانا نے اس کی مثال میں ایک اور حکایت بیان فرمائی ہے ایک بدوی کی جس نے بجز اپنے گاؤں کے گڑھوں کے کبھی پانی نہ دیکھا تھا اور قحط میں ان کے خشک ہو جانے سے دنیا سے پانی کو ناپید سمجھتا تھا کہ وہ کسی خلیفہ بغدادی کے پاس زمانہ خشک سالی میں ایک گھڑا شیریں پانی کا لے گیا تھا۔ بڑی دور دراز مسافت سے وہ گھڑا سر پر رکھے ہوئے جب پہنچا تو خلیفہ کے دربار میں اس کو پہنچا دیا گیا خلیفہ کے پوچھنے پر اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین! یہ جنت کا پانی ہے' خلیفہ نے بہت قدردانی سے وہ گھڑا لے لیا اور حکم کیا کہ سونے سے پر کر کے اس گھڑے کو واپس کر دیا جائے اور حکم دیا کہ اس کو نہر دجلہ کی طرف واپس کیا جائے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ یہ ہم نے محض اس کی محبت کی قدر کی ہے ورنہ آب شیریں کی ہمارے یہاں کمی نہیں۔

اسی طرح قیامت میں جب ہم اپنے اعمال کی جزا دیکھیں گے کہ اس قدر بے شمار نعمت ہے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب محض قدردانی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ شانہ اپنے مومن بندے کا حساب چھپا کر لیں گے اور فرمائیں گے کہ ہم نے تم پر یہ یہ انعام فرمائے تھے تم نے پھر بھی نافرمانی کی فلاں گناہ کو یاد کرو' تم نے فلاں دن یہ کام کیا تھا۔ اس دن یہ کیا تھا غرض گناہوں کی فہرست شمار فرمائیں گے یہاں تک کہ مومن یہ سمجھے گا کہ بس میں ہلاک ہوا اور ہر طرف سے اپنے کو جہنم کے قریب دیکھے گا اس وقت حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ جاؤ ہم نے دنیا میں بھی پردہ پوشی کی تھی یہاں بھی ہم پردہ پوشی کرتے ہیں پھر اس کے نامہ اعمال میں سے گناہوں کو محو فرمادیں گے اور ان کی جگہ اعمال حسنہ درج فرمادیں گے یہ ہے فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ کا مضمون کچھ ٹھکانا ہے اس رحمت کا کہ مسلمانوں کو پانی رحمت سے دوسروں کے سامنے ذلیل نہ فرمائیں گے بلکہ دوسروں کے سامنے اس کی عزت بڑھائی جائے گی اور یوں ظاہر کیا جائے گا کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

صاحبو! ایسے خدا کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو کیا اس کا حق تمہارے اوپر کچھ بھی نہیں جو یوں نافرمانی پر کمربستہ ہوئے ہو ایسے رحیم و کریم خدا کے ساتھ تعلق اور لگاؤ پیدا کرو اور اس کی محبت میں کوشش کرو بس اب میں وہ ترکیب بتلا کر جس سے حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ تعلق اور لگاؤ پیدا ہو۔

اور جہاں دنیا کے ارادہ پر مذمت آئی ہے تو اس سے مراد خاص ارادہ ہے چنانچہ ایک موقع پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ

"یعنی جو دنیا کا ارادہ کرتا ہے تو ہم اس کو جس قدر چاہیں دے دیتے ہیں پھر ہم اس کا ٹھکانہ جہنم کو بناتے ہیں"

ارادہ خاص برائے آخرت

اس آیت میں مطلق ارادہ مراد نہیں بلکہ ارادہ خاص مراد ہے کیونکہ آگے فرماتے ہیں ومن اراد الاخرۃ پس معلوم ہوا کہ وہ ارادہ دنیا ہے جو مقابل ہے ارادہ آخرۃ کے یعنی جس میں ارادہ آخرت نہ ہو پس ارادہ دنیا کی دو صورتیں ہوئیں ایک وہ ارادہ دنیا جس کے ساتھ لم یرد الاخرۃ ہو پس اس آیت میں پہلا ارادہ مراد ہے ایک اور موقع پر ہے من کان یرید حرث الاخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا وما لہ فی الاخرۃ من نصیب

یہاں بھی یہی معنی ہیں کہ من کان یرید حرث الدنیا ولم یرد حرث الاخرۃ تقابل قرینہ ہے اس کا اگر کسی مقام پر قرینہ مذکور ہو تو اس کو بھی اس آیت سے مقید کیا جائے گا چنانچہ ایک موقع پر ارشاد فرمایا من کان یرید الحیوۃ الدنیا وزینتہا نوف الیہم اعمالہم فیہا وہم فیہا لا یبخسون اولئک الذین لیس لہم فی الاخرۃ والا النار وحبط ما صنعوا فیہا وباطل ما کانوا یعملون گو کہ یہاں لفظوں میں تقابل نہیں مگر اس کو بھی دوسری آیت کی وجہ سے مقید کریں گے کہ مراد یہ ہے من کان یرید الحیوۃ الدنیا وزینتہا ولم یرد الاخر پس یہ معلوم ہو گیا کہ دنیا کو دین پر ترجیح دینا مذموم ہے اور کسب دنیا مذموم نہیں، سو جن صاحبوں کا یہ گمان ہے کہ مولوی دنیا ہی کو چھڑوانا چاہتے ہیں میرے بیان سے ان کے خیال کا غلط ہونا ثابت ہو گیا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ دنیا کے ہم اتنے معتقد ہیں کہ معترفین بھی اتنے معتقد نہیں آپ تو دنیا کو جائز ہی کہہ رہے ہیں اور ہم اس کو ضروری کہتے ہیں لہذا ہم آپ سے دنیا کے زیادہ معتقد ہوئے مگر ضروری ہونے کے ساتھ دوسرا مسئلہ بھی ہے وہ یہ کہ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ کہ ضروری چیز بقدر ضرورت اختیار کی جاتی ہے سو دنیا ہے ضرورت کی چیز مگر بقدر ضرورت ہی اس کو اختیار کرنا چاہئے بس بقدر ضرورت اس کو حاصل کرلو اس کو کون منع کرتا ہے اور زینت میں کوئی ضرورت ہے نہیں اس لئے وہ قابل ترک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ طالب ہیں زینت کے تو وہ دنیا کو ضرورت سے زیادہ چاہ رہے ہیں جو قاعدہ مذکورہ کی بناء پر قابل ترک ہے آیت میں بھی وزینتھا کا لفظ جو بڑھایا ہے اس سے بھی اس کا مذموم ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس پر وعید فرمائی ہے۔

بس طلب کے دو درجے ہوئے ایک طلب بقدر ضرورت یعنی دنیا کی طلب اس قدر جس سے ضرورت رفع ہو جاوے اور ایک طلب زینت یعنی دنیا کی طلب اس قدر جو ضرورت سے زائد ہو سو اول کی مذمت نہیں ثانی کی مذمت ہے۔ کیونکہ اصلی مقصود رفع ضرورت ہے۔ اب جو دنیا اس کے لئے حاصل کی جائے گی وہ مقصود بالغیر ہوگی اور جو اس سے آگے بڑھے گا تو وہ مطلوب بالذات ہوگی اور دنیا کو مطلوب بالذات بنانا یہی قابل مذمت ہے۔ (الحیاۃ المحتفۃ اصلاح حقیقت مال و جاہ صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۷)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ
اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ
اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا
جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ
صَغِيْرًا ۝ۭ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ
فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝

ترجمہ: اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور تم (اپنے) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو اگر تیرے ان میں سے ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہنچ جاویں تو ان کو کبھی (ہاں سے) ہوں بھی مت کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے تمہارا رب تمہارے مافی الضمیر کو خوب جانتا ہے اگر تم سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے۔

تفسیری نکات

حقوق والدین

اس کے علاوہ حق تعالیٰ نے والدین کا ایسا حق رکھا ہے جس کی خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو خبر نہیں ہوتی وہ کیا ہے؟ دعا چنانچہ ارشاد ہے وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ۭ

دعا بھی ایسی تعلیم فرمائی ہے جس میں اولاد کے زمانہ احتیاج کو یاد دلایا ہے کہ اس طرح دعا کرو کہ اے پروردگار میرے والدین پر رحم کیجئے جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا اور شفقت و رحمت سے) پرورش کیا ہے اس میں بتلا دیا کہ والدین کے زمانہ احتیاج میں تم اپنے زمانہ احتیاج کو یاد کرو کہ کبھی تم بھی نہایت کمزور ضعیف تھے نہ اپنے ہاتھ سے کھا سکتے تھے نہ پی سکتے تھے نہ چلنے پھرنے کی طاقت تھی پھر بھی والدین نے اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

وقت کس محبت و شفقت سے تمہارے ناز نخرے اٹھائے اور کس شفقت سے پالا کہ آج تم اس قابل ہوئے کہ دوسروں کی خدمت کرو اب تم ان کی ضعیفی میں بات بات پر کیوں جھلاتے ہو پھر الفضل للمتقدم تمہارے اندر جو آج خدمت کی صلاحیت آ گئی ہے اس میں تو والدین کو دخل ہے اوران کی خادمیت میں تم کو کوئی دخل نہ تھا مگر باایں ہمہ وہ تو تمہاری خدمت سے ایک دن بھی نہ گھبرائے اور تم گھبرا گئے۔

بڑھاپے کی قید اس لئے لگائی کہ جوانی میں تو تمہاری خدمت کے محتاج نہ ہوں گے بلکہ خود تم ہی ان کے محتاج ہو گے کیونکہ ماں باپ کی جوانی میں اولاد کا بچپن ہوتا ہے ہاں جب اولاد جوان ہوتی ہے تو اس وقت والدین بوڑھے ہو جاتے ہیں اب اولاد کو ان کی خدمت کرنا چاہئے

شریعت یہ نہیں کہتی کہ طبعی ناگواری بھی نہ ہو بلکہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ اگر بوڑھے ماں باپ کی باتوں سے طبعاً ناگواری ہو تو اس کو ظاہر نہ کرنا چاہئے عقل سے کام لے کر ان کو معذور سمجھنا چاہئے اس طرح سے عقلی ناگواری نہ ہوگی چنانچہ حق تعالیٰ کی کیسی عنایت ہے چونکہ وہ جانتے ہیں کہ انسان میں طبعاً بوڑھے آدمی کی بے ڈھنگی بات سے تغیر آ ہی جاتا ہے اس لئے آگے فرماتے ہیں۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا۝

یعنی حق تعالیٰ تمہارے دلوں کے حال کو خوب جانتے ہیں۔ (کہ تم کو بعض دفعہ طبعاً ناگواری ضروری ہوگی اس لئے اس کے متعلق قانون بتلاتے ہیں کہ) اگر تم صالح ہو گے (یعنی اس طبعی اقتضا پر عمل نہ کرو گے) تو حق تعالیٰ معذرت کرنے والوں کو بخش دیں گے۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ للاوابین میں للتوابین سے ایک فائدہ مہمہ زائدہ ہے وہ یہ کہ توابین میں صرف معذرت پر دلالت ہے اور اوابین میں خاص تعلق پر دلالت ہے یعنی جو حالت محبت و خدمت کی پہلے تھی وہی اختیار کرلی مطلب یہ کہ فوراً ہی معذرت کرلی جائے تو مواخذہ نہ ہوگا۔

نیز رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ میں بڑی رحمت کا اظہار کیا گیا ہے کہ خدائے تعالیٰ تو دلوں کو دیکھتے ہیں اگر تمہارے دل میں اختیاراً و عقلاً ادب و تعظیم کی صفت موجود ہو اور ظاہر میں کسی وقت غلطی سے سختی ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔

ناظر قلبیم گر خاشع بود   گرچہ گفت لفظ نا خاضع بود

خداتعالیٰ تو دل کو دیکھتے ہیں اگرچہ کسی وقت غلطی سے نامناسب لفظ ادا ہو جاوے

ما بروں رانگریم وقال را   ما دروں رابنگریم و حال را

ہم ظاہری حالت اور قال کو نہیں دیکھتے ہم باطن کو اور حال دیکھتے ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: تمہارا رب تمہارے مافی الضمیر کو خوب جانتا ہے اگر تم سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے۔

امر طبعی میں بندہ معذور ہے

پارہ سبحان الذی میں حقوق والدین کو ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِىْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا۝ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ والدین کی ہر وقت کی تنگ مزاجیوں سے جو گھبراہٹ تمہارے دلوں میں پیدا ہوگئی ہے یہ تو امر طبعی ہے اگر کوئی خشک کلمہ منہ سے نکل جاوے اس میں معذور ہو لیکن خدائے تعالیٰ دل کی نیت کو جانتا ہے اگر دل میں ان کی اطاعت ہے اور غالب تم میں صلاحیت ہے تو ایسی بے اعتنائی سے معذرت کرنے کو بخش دیتا ہے صاحبو! ظاہر نظر میں اس جگہ پر یہ آیت بالکل بے جوڑ معلوم ہوتی ہے لیکن تقریر بالا سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ مضمون بالا سے کس قدر چسپاں ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۝۲۷

ترجمہ: بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

تفسیری نکات

مسلمانوں کی تباہی کا اصل سبب

مسلمانو کیا حالت ہے تمہاری اپنے ہاتھوں اس قدر تباہی مول لی ہے کہ دن بدن گرتے جاتے ہو یہ واویلا تو ہر شخص کی زبان پر ہے کہ مسلمان تباہ حال ہیں لیکن میرا خیال یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس مال کی اتنی کمی نہیں ہے جتنا شور وغل ہے ہاں خرچ زیادہ ہے اس کی کمی کرنی چاہئے اور اس کیلئے معیار شریعت سے اچھا کوئی بھی نہیں ہے شریعت کے موافق چلئے دیکھئے پھر کتنی شکایت کم ہو جاتی ہے غرض کہ مال کو غنیمت سمجھو اور اس کو عطیہ الٰہی خیال کرو جس کے خرچ کا حساب دینا ہوگا بے دھڑک اور بے سوچے سمجھے خرچ مت کرو میری تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ مال کو عطیہ الٰہی نہ سمجھنا یہی سبب ہے اس کے مفاسد کا اسی طرح قرآن کی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (اور زیادہ فضول

(c) ketabton.com: The Digital Library

خرچی مت کرو یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے)
مبذرین کو اخوان الشیاطین فرمایا اور شیطان کی صفت کفور فرمائی تو مبذرین کے لئے بھی یہ صفت کفور ثابت ہو گئی اور کفور کفران سے مشتق ہے جس کے معنی ناشکری کے ہیں اس کا مقابل شکر ہے جب ناشکری سبب ہوئی اسراف و اضاعت مال کی تو شکر سبب ہوگا حفظ مال کا اور ناشکری کی مذمت ہے اور اس سے نہی ہوئی ہے تو شکری کی مدح ہوئی اور اس پر تحریض ہوگئی دیکھئے آیت میں میرے قول کی تائید موجود ہے کہ قلت شکر سبب ہے اسراف کا اب میں بیان کو ختم کرتا ہوں۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝

نہ اپنے ہاتھوں کو گردن سے باندھ لو (کچھ خرچ ہی نہ کرو) اور نہ پوری طرح کھول دو پھر تم نشانہ ملامت ہو جاؤ گے (یعنی بخل کی صورت میں) اور مفلس کنگال ہو جاؤ گے (اسراف کی صورت میں) دوسری جگہ فرماتے ہیں

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا

اور (وہ نیک بندے) جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

انفاق واقتار میں اعتدال مطلوب ہے

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ نہ انفاق مطلقاً محمود ہے نہ اقتار بلکہ دونوں میں اعتدال مطلوب ہے جس کی تفصیل فقہاء کے کلام میں ملتی ہے۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معصیت میں خرچ کیا جائے اسراف میں صرف رنڈی بھڑ ووں میں خرچ کرنا ہی داخل نہیں بلکہ تفاخر اور ناموری کے لئے خرچ کرنا بھی معصیت کی فرد ہے اس طرح مباحات میں بلا ضرورت اپنی استطاعت سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف میں داخل ہے اسی طرح طاعات ضروریہ میں استطاعت سے زیادہ صرف کرنا جس کا انجام اخیر میں بے صبری اور حرص و بدنیتی ہو یہ بھی اسراف ہے کیونکہ حرص و بدنیتی اور بے صبری یہ امور معصیت ہیں اور اس کا سبب ہوا استطاعت سے زیادہ صرف کرنا اور مفضی الی المعصیت (گناہ کی طرف پہنچانے والا) بھی معصیت ہوتا ہے لہذا ایسا انفاق معصیت ہوا۔

خلاصہ یہ کہ معصیت میں خرچ کرنا تو مطلقاً اسراف ہے اور طاعات ضروریہ میں بالکل خرچ نہ کیا جائے یا حکم شرعی سے کم ادا کیا جائے اسی طرح مستحبات و مباحات میں اتنی تنگی کی جائے جس سے اپنے کو یا اہل و عیال کو تکلیف ہو یہ بھی ناجائز ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْــــُٔـوْلًا ۝

ترجمہ: مت اتباع کر اس شے کی جس کی تجھ کو تحقیق نہیں بے شک کان اور آنکھ اور قلب ان میں سے ہر ایک سے سوال کیا جائے گا۔

تفسیری نکات

چار چیزوں کی حفاظت کا حکم

اس آیت کے سیاق و سباق میں بعض ضروری نصائح و مواعظ مفیدہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائے ہیں اور سب کے آخر میں بطور امتنان کے فرمایا ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ یعنی اے محمد ﷺ یہ سب مذکورہ نصائح ان حکمۃ کی باتوں سے ہیں کہ تمہارے رب نے تمہاری طرف وحی فرمائی ہے اس امتنان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام نصائح جو یہاں مذکور ہیں نہایت اہتمام کے قابل ہیں منجملہ ان کے یہ آیات ہے۔

اس آیت میں چار چیزوں کی حفاظت کا حکم کیا ہے قلب' آنکھ' کان یہ تین چیزیں تو بالتصریح بیان فرمائیں چوتھی چیز بقیہ جوارح یعنی ہاتھ پاؤں زبان وغیرہ کی حفاظت ہے وہ بالتصریح اس آیۃ میں مذکور نہیں ہیں بلکہ ان چیزوں کی حفاظت کو وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ میں دلالۃ ذکر فرمایا ہے چنانچہ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کی حقیقت میں بلاتحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں تمام جوارح کی حفاظت بھی آ گئی ہے اس لئے کہ اس کی حقیقت ہے بلاتحقیق کسی امر کا اتباع کرنا اب اس کی تحقیق کی چند صورتیں ہیں مثلاً کوئی شے گم ہو جائے بلاتحقیق قرائن موہومہ پر کسی کو چور کہہ دیا چور کہنا زبان کا گناہ ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اس گناہ سے روکتا ہے دیکھئے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ پر عمل نہ ہونے سے زبان کا گناہ ہو گیا۔

حاصل یہ ہے کہ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ میں بطریق مذکور زبان کی حفاظت کا حکم بھی داخل ہو گیا ہے اور ہاتھ کی حفاظت اس طور داخل ہوئی کہ بلاتحقیق جرم کسی پر ظلم کرنا حرام ہے۔ اور اس میں بھی مخالفت ہوئی وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ الایۃ کی اسی طرح پاؤں کی حفاظت اس طرح داخل ہے کہ بلاتحقیق ضرورت از شرعی کسی ناجائز مجمع میں جانا حرام ہے اسی طرح سب جوارح کی حفاظت اس میں داخل ہو گئی اور سمع و بصر و فواد کی حفاظت تو بالتصریح ہے اس میں مذکور ہے مثلاً کان کو غیر مشروع اصوات و مضامین سے بچانا آنکھ کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

غیرمحارم کی طرف نظر کرنے سے بچانا قلب کو گمان بد وغیرہ سے بچانا اور اس سے کسی کو شبہ قیاس فقہی کے بطلان کا نہ ہو کہ ظاہراً وہاں بھی اتباع ہے ایسے امر کا جس کی تحقیق یقینی نہیں کیونکہ حکم مجتہد فیہ ظاہر ہے کہ ظنی ہوتا ہے خصوص جب کہ دوسری آیت میں بھی اتباع ظن کی مذمت فرمائی گئی ہے۔ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً وہ لوگ اتباع کرتے ہیں مگر خیالی باتوں کا اور خیالی چیزان پر حق سے علیحدہ اور مطمئن نہیں ہو سکتے) جواب شبہ کا یہ ہے کہ جب دلائل شرعیہ مستقلہ سے یہ مسئلہ تحقیق کو پہنچ گیا کہ قیام سے اجتہاد جائز اور واجب العمل ہے تو اس پر مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ صادق نہ آوے گا بلکہ وہ مالیس لک به علم کا مصداق ہوگا کیونکہ علم کے عموم میں وہ دلائل شرعیہ مستقلیہ مثبتہ حجیۃ قیاس بالیقین داخل ہیں اگر قیاس کے متعلق اس علم کا تحقق نہ ہوتا تو بے شک اس کا اتباع مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کا اتباع ہوتا اور اب تو وہ اتباع ما لک بہ علم کا ہو گیا خوب سمجھ لو اور اتباع ظن کی جو مذمت آئی ہے وہاں ظن کے معنی مصطلح فقہی نہیں ہیں بلکہ ظن اصطلاح قرآن میں عام ہیں باطل یقینی اور مخالف دلیل صحیح کو بھی چنانچہ منکرین کے قول میں ان نظن الا ظناً آیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان کو اس کا احتمال بھی نہ تھا چہ جائے کہ احتمال راجح بلکہ وہ اس کو اپنے زعم میں علم صحیح کے خلاف سمجھتے تھے پھر بھی اس کو ظن کہا گیا پس ثابت ہوا کہ اصطلاح قرآن میں ظن عام ہے امور باطلہ کو بھی پس آیۃ ذم ظن کے یہ ہیں ان یتبعون الا ما خالف الدلیل القطعی و کل ما خالف الدلیل القطعی لا یغنی من الحق شیئا بل هوا باطل قطعاً (وہ نہیں پیروی کرتے ہیں مگر اس چیز کی جو دلیل کے خلاف ہو اور جو قطعی دلیل کے خلاف ہو وہ حق بات سے بے پرواہ نہیں کر سکتا بلکہ باطل ہے۔) پس اس آیت سے بھی شبہ کی گنجائش نہ رہے فقط جامع التماس کرتا ہے کہ بعض عوارض سے میں پورا نہ لکھ سکا جس قدر ضبط ہوا اس کو صاف کر دیا کہ خالی از نفع نہ تھا خصوص تحقیق اخیر کی بے حد لطیف و نافع ہے خصوص طلبہ کے لئے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اور ارشاد ہے اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا اس آیت پر بھی بعض اشکالات علمیہ واقع ہوتے ہیں میں ان کو بھی رفع کرنا چاہتا ہوں اور ان کا منشا بھی وہی اتباع اصطلاعات درسیہ ہے حاصل اشکال کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً

ظن مسائل شرعیہ میں حجت ہے

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظن مفید حق نہیں ہے حالانکہ ظن مسائل شرعیہ میں مفید بلکہ حجت ہے جیسے خبر واحد و قیاس ان معترضین نے ظن کے معنی یہاں وہ مراد لئے جو ملا حسن میں انہوں نے پڑھے تھے یعنی کسی حکم کی جانب راجح پھر اس پر اشکال کیا کہ یہ ظن تو مفید ہے وہ غریب بھی اصطلاحات درسیہ کا متبع تھا اس لئے بغلیں جھانکنے لگا حالانکہ یہاں منشاء اشکال ہی سرے سے غلط ہے کیونکہ قرآن کا نزول محاورات میں ہوا ہے اصطلاحات درسیہ میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں ہوا پس قرآن کو محاورات سے سمجھنا چاہئے اور محاورات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظن کے معنی صرف وہ نہیں ہیں جو ملا حسن وغیرہ میں مذکور ہیں اور گو میں اہل عربیت کے کلام پر زیادہ نظر نہیں رکھتا مگر قرآن ہی کے چند مقامات کو دیکھ کر میں یہ کہتا ہوں کہ محاورات میں ظن کے معنی عام ہیں محض حکم کی جانب راجح کے ساتھ مختص نہیں چنانچہ ایک مقام پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ یہاں ظن سے مراد یقین ہے کیونکہ لقاء رب کا یقین جازم واجب ہے اور ایک جگہ حق تعالیٰ نے قیامت کے متعلق کفار کا مقولہ نقل فرمایا ہے۔ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ' یہاں بھی ظن سے مراد یعنی اصطلاحی نہیں ہیں کیونکہ کفار کو وقوع معاد کا ظن غالب و راجح بھی نہ تھا وہ تو بالکل منکر و مکذب تھے چنانچہ خود قرآن ہی میں ہے بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا اور ارشاد ہے بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ' پس یہاں ظن سے مراد جانب مرجوح یعنی وہم ہے کہ کفار یوں کہتے ہیں کہ ہم کو قیامت کا کچھ یوں ہی وہم سا ہوتا ہے بلکہ غور کیا جاوے تو یہاں تصدیق کا کوئی درجہ نہیں یعنی جانب مرجوح بھی مراد نہیں کیونکہ ان کو تو قیامت کا احتمال بھی نہ تھا بلکہ محض تصور ہی مراد نہیں جس میں کوئی حکم ہی نہیں ان سب موارد کو دیکھ کر میں یہ کہتا ہوں کہ محاورہ میں اسی کے معنی خیال ہیں خواہ وہ خیال صحیح ہو یا باطل قوی ہو یا ضعیف اس کو پیش نظر رکھ کر آیات کو دیکھئے سب حل ہو جائیں گے اور کوئی اشکال نہ رہے گا چنانچہ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا میں بھی ظن سے مراد مجرد خیال بلا دلیل ہے کہ اس سے ثبوت حق میں کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور ظن اصطلاحی جو کہ مفید ہے وہ خیال مع الدلیل ہے کہ اس کا مفید ہونا اس آیت کے معارض نہیں۔

علوم مکاشفات میں خطرہ ہے

فرمایا علوم معاملات (شرعی احکام) نافع ہیں اور علوم مکاشفات (تکوینی میں خطرہ ہے خصوصاً مکاشفات الٰہیہ بہ نسبت مکاشفات کونیہ زیادہ خطرناک ہیں۔ کیونکہ یہ ظنی ہیں ان کے مقتضاء پر عمل کرنا آیت'

لا تقف ما ليس لك به علم' جس کا تجھ کو علم نہ ہو اس پر مت ٹھہر'

کے خلاف ہے اسی واسطے علم کلام میں جو مباحث ہیں وہ حقیقتاً درجہ منع میں ہیں اور وہ فلاسفہ کے جوابات ہیں کہ تم جو کہتے ہو وہ غلط ہے کیونکہ اس میں تمہارے قول کے علاوہ اور بھی چند اں احتمال ہیں تو تمہارا کہنا معیا اور قطعی نہ ہوا اور اگر مباحث کلامیہ درجہ منع میں نہ ہوں تو ان مباحث کے یقینی ہونے کا دعویٰ کرنا نہایت خطرناک ہے کیونکہ نسبت کا علم موضوع کے علم پر موقوف ہے اور موضوع کا علم چونکہ ہے نہیں اس واسطے نسبت کا علم بھی نہ ہوگا اور جب نسبت کا علم نہیں تو علم کا دعویٰ کرنا لا تقف ما ليس لك به علم کے خلاف ہوگا مثلاً اس کلام میں کہ "کلام اللہ لا عین ولا غیرا" اس میں علم نسبت موقوف ہے علم موضوع پر اور موضوع اس قول میں کلام اللہ ہے ہم موضوع ہی کو نہیں جانتے تو لا عین ولا غیر کا قطعی ثبوت اسی کے لئے کیسے ہوگا؟ اسی

(c) ketabton.com: The Digital Library

واسطے سلف نے ایسے مباحث میں گفتگو نہیں کی اور نہ ان کو حاجت ہوئی متکلمین نے ضرورت کے لئے گفتگو کی ہے وہ بھی حق یہ ہے کہ درجہ منع میں ہونی چاہئے اور ان کو مستقل وعادی نہ قرار دیا جاوے کیونکہ یہ نہایت خطرناک ہے لیکن متکلمین متاخرین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مباحث کلام کو مستقل وعادی قرار دے کران پر دلائل قائم کئے ہیں مگر یہ ہے کہ نہایت خطرناک اور صفات کے بارے میں ابن عربیؒ نے فرمایا ہے کہ صفات کو عین ذات کہنا اقرب ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر صفات میں کوئی کلام کرے تو لا عین ولا غیر سے عین کہنا اقرب ہے ورنہ اسلم ان کے نزدیک بھی یہی ہے کہ اس میں گفتگو نہ کی جائے۔ (الکلام الحسن ج ۲ صفحہ ۱۳۴،۱۳۵)

فلا یسرف فی القتل انہ کان منصوراً (بنی اسرائیل) سو اس قتل کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرنا چاہئے وہ شخص طرفداری کے قابل ہے۔

عہد نصرت بوجہ مظلوم ہونے کے ہے

فرمایا فلم یسرف فی القتل (سو اس کو قتل کے بارہ میں حد (شرع) سے تجاوز نہ کرنا چاہئے۔ کے بعد انہ کان منصوراً (وہ شخص طرفداری کے قابل ہے) فرمانے میں اشارہ ہے کہ عہد نصرت (مدد کا وعدہ) بوجہ مظلوم ہونے کے ہے اس میں ترغیب ہے کہ تم اسراف سے عہد نصرت کو ضائع مت کرو۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾
ترجمہ: یعنی ہم نے قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں تاکہ وہ سمجھیں

تفسیری نکات

حق تعالیٰ شانہ کا شفقت کا برتاؤ

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو ضابطہ کا برتاؤ کرنا نہیں ہے بلکہ دل میں اتار دینا منظور ہے۔ اور اس شفقت کے دو اثر ہیں کہ اس بناء پر ایک بات کو بار بار دہراتے ہیں دوسرا عمل کرنے کے لے دستور العمل بھی ارشاد فرماتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا﴿۸۰﴾

ترجمہ: اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے رب مجھ کو خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لیجائیو اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیو جس کے ساتھ نصرت ہو۔

تفسیری نکات

تبادلہ کرانے کا عمل

ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلہ ملازمت کے لئے فرمایا رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا مع اول وآخر سات سات بار درود شریف ستر بار بعد نماز عشاء پڑھا کریں اور مدخل صدق پر جہاں کا تبادلہ مطلوب ہو تصور کریں اور مخرج صدق پر جہاں سے جانا مطلب ہو اور سلطاناً نصیراً پر یہ کہ عزت کے ساتھ تبادلہ ہو۔

وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴿۸۵﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے روح کو (امتحاناً) پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

تفسیری نکات

حقیقت روح

فرمایا کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ میں جہلاء صوفیہ نے عجب گڑبڑ کی ہے جبھی تو ابن تیمیہ وغیرہ صوفیہ پر خفا ہوتے ہیں ایک اصطلاح ہے کہ عالم دو ہیں عالم امر یعنی مجردات اور عالم خلق یعنی مادیات اس اصطلاح پر آیت کی تفسیر کر لی کہ روح عالم امر سے ہے یعنی مجرد ہے تو اس کا تجرد قرآن سے ثابت کیا مگر یہ استدلال محض لغو ہے کیونکہ اصطلاح خود مقرر کی اور پھر قرآن کو اس کا تابع بنایا قل الروح من امر ربی سے تو مقصود یہ ہے کہ تم روح کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے اتنا سمجھ لو کہ روح اللہ تعالیٰ کے امر سے پیدا ہوئی بس اس سے آگے کسی تفسیر کا دعویٰ محض گھڑت ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ﴿۸۶﴾

ترجمہ: اور اگر چاہیں تو اس وحی کو بالکل سلب کرلیں جو آپ کی طرف بھیجی گئی ہے پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کسی کو کارساز نہ پائیں۔

تفسیری نکات

دعوی سے بچنے کی ضرورت

آنحضور ﷺ کو ایسا خطاب دلیل ہے قرآن کے کلام اللہ ہونے کی خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی ہمت نہیں کہ حضور ﷺ کو ایسا خطاب کرسکے نہ حضور ﷺ مضمون خود بنا سکتے تھے۔ جس سے آپ کے کمالات کے زوال کا امکان ظاہر ہو پھر چونکہ اس سے حضور ﷺ کے کانپ اٹھنے کا موقعہ تھا اس لئے آگے تسلی فرماتے ہیں اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ یعنی صرف رحمت کارسازی کرسکتی ہے پھر چونکہ رحمت مشیت کے تابع ہے اور مشیت ہر مقدور کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے تو یہ کیسے معلوم ہو کہ یہاں مشیت کا تعلق بصورت رحمت ہی ہوگا اس لئے آگے تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا بے شک خدا تعالیٰ کا فضل آپ کے حال پر بہت کچھ ہے اب پوری تسلی ہوگئی کہ گوحق تعالیٰ کو سلب وحی پر پوری قدرت ہے مگر بوجہ کمال فضل کے سلب کا وقوع کبھی نہ ہوگا۔ پس وہ ممتنع بالذات نہیں تو ممتنع بالغیر ضرور ہے اور فضل و رحمت کے ساتھ سلب پر قدرت ہونا بھی علامت ہے غایت رحمت وفضل کی کہ ایک بات پر قدرت ہے مگر فضل وانعام کی وجہ سے قدرت کو ظاہر نہیں کرتے اور اگر سلب پر قدرت نہ ہوتی تو اضطرار ہوتا اور اضطرار کی صورت میں وحی کا سلب نہ ہونا دلیل رحمت وفضل نہ ہوتی غرض ایک دفعہ گوحق تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے بھی فرمادیا کہ ہم ایسے قادر ہیں کہ آپ جیسے کامل و اکمل کے کمالات بھی سلب کرسکتے ہیں گو کریں گے کبھی نہیں جب حضور ﷺ کے لئے یہ ارشاد ہے پھر ہم تو کیا چیز ہیں۔ جو دعویٰ کرسکیں ہماری نماز کیا اور ہمارا علم کیا اگر حق تعالیٰ چاہیں تو دم بھر میں سب سلب کرلیں۔

حق تعالیٰ حضور ﷺ سے فرماتے ہیں

ترجمہ: اگر ہم چاہیں تو جتنی وحی آپ کی طرف بھیجی ہے سب کو سلب کرلیں پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کسی کو اپنا کارساز و مددگار نہ پائیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

کلام الٰہی کی شوکت وصولت

اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے کیونکہ اتنی شوکت وصولت سوائے کلام الٰہی کے کسی کلام میں نہیں ہو سکتی کہ ایسی معظم ہستی کو کس طرح بے دھڑک خطاب ہے۔ اب سوچئے کہ حضور ﷺ کے دل پر اس کو سن کر کیا کچھ گزری ہوگی کیونکہ وہاں شرطیات کا وہ اثر نہ تھا جو ہم پر ہے تو قضایا شرطیہ کو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ صدق شرطیہ کے لئے وقوع مقدم ضروری نہیں مگر حضور ﷺ پر عظمت حق منکشف تھی آپ جانتے تھے کہ حق تعالیٰ کے چاہنے ہی میں کیا دیر لگ سکتی ہے کچھ بھی نہیں اس لئے آپ تو نہ معلوم یہ سن کر کیا کچھ نہ سہم گئے ہوں گے مگر آگے فوراً تسلی دی گئی کہ ہم کو اس پر قدرت ہے مگر اس کا وقوع نہ ہوگا۔ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ‌ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَيۡكَ كَبِيۡرًا کیونکہ آپ پر خدا کا فضل بہت بڑا ہے ایک جگہ اسی طرح اپنی عظمت وقدرت ظاہر کرنے کے لئے فرماتے ہیں فَاِنۡ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخۡتِمۡ عَلٰى قَلۡبِكَ ۔

اللہ اللہ کہنا سخت کلمہ ہے مگر آج کل لوگ اس فکر میں ہیں کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ کو خدا بنا دیں۔ میں کہتا ہوں کہ تم حضور ﷺ کی تنقیص کرتے ہو کیونکہ ہم آپ کو عبداللہ کہتے ہیں اور عبد بھی کیا عبد کامل' صاحبو! نہ علوم فَاِنۡ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخۡتِمۡ عَلٰى قَلۡبِكَ

سن کر حضور ﷺ کے دل پر کیا گزری ہوگی اس کو اہل نسبت خوب سمجھ سکتے ہیں کیونکہ ان پر یہ حالت خوب گزرتی ہے ان کو رات دن ایسے چرکے لگتے رہتے ہیں جن سے ان کی اصلاح وتنبیہ مقصود ہوتی ہے پھر جو ان پر گزرتی ہے ان کو وہی جانتے ہیں۔

عبادت پر ناز مناسب نہیں

اکثر لوگوں کو جو اپنی عبادت یا کسی اپنی حالت پر ناز ہو جاتا ہے اس کی بابت فرمایا کہ جب خداوند کریم حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہیں وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيۡنَا وَكِيۡلًا ۙ‏ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ‌ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَيۡكَ كَبِيۡرًا‏ ۝ یعنی اگر ہم چاہیں تو یہ سب علوم جو وحی کے ذریعے آپ کو عطا کئے ہیں آپ سے سلب کر لیں تو دوسرا کون شخص ہے کہ اپنی کسی حالت پر ناز کر سکتے بلکہ ہر وقت تغیر و زوال سے ترساں لرزاں رہنا چاہئے۔

فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی میں دو خوف جمع نہ ہوں گے جو شخص دنیا میں خائف رہے گا اور قیامت میں لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ کا مصداق ہوگا اور جو دنیا میں بے باک رہے گا وہ آخرت میں خوف میں مبتلا ہو گا تو انسان کو چاہئے کہ خائف اور امیدوار رہے۔

رسالۃ وجیزۃ و مفیدۃ فی ربط الآیات

سبق الغایات
فی
نسق الآیات

تالیف

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ
رأس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار التی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة النساء

يـايها الناس اتقوا الخ اعلم ان هذه السورة مشتملة على انواع كثيرة من التكاليف و ذلك لانـه تـعالىٰ امر الناس فى اول هذه السورة بالتعطف على الاولاد والنساء والايتام والرافة بهم وايصال حقوقهم اليهم و حفظ اموالهم عليهم و بهذا المعنى ختمت السورة و هو قوله تعالىٰ يستفتونك و ذكر فى اثناء هذه السورة انواعا اخرمن التكاليف و هى الامر بالطهارة والصلوة و قتال المشركين و لماكانت هذه التكاليف شاقة على النفس لثقلها على الطباع لاجرم افتتح السورة بالعلة التى لاجلها يجب حمل هذه التكاليف الشاقة و هى تقوى الرب الذى خلقنا والاله الذى او جدنا فلهذا قال يايهاالناس اتقوا الخ واتواليتٰمى الخ اعلم انه تعالىٰ لما افتتح السور ة بذكر مايدل على انه يجب على العبدان يكون منقاداً لتكاليف الله تعالىٰ محترزا عن مساخطة[١] شرع بعد ذلك فى شرح اقسام التكليف فالنوع الاول مايتلق باموال اليتامى و هو هذه الأية و ان خفتم ان لا تقسطوا الخ اعلم ان هذا هوالنوع الثانى من الاحكام التى ذكرها فى هذه السورة هو حكم الانكحة ولاتوتوا السفهاء الخ واعلم ان هذا هوالنوع الثالث من الاحكام المذكورة فى هذه السورة فى ابى السعود رجوع الى بيان بقية الاحكام المتعلقة باموال اليتامى وتفصيل مااجمل فيما سبق من شرط ايتاء ها ووقته و كيفية وابتلوا الخ اعلم انـه تعالىٰ لما امرمن قبل بدفع مال اليتيم اليه بقوله و اتوااليتامى بين فى هذه الأية متى يؤتيهم اموالهم للرجال نصيب الخ اعلم ان هذا هوالنوع الرابع من الاحكام المذكورة فى هذه السور ة و هوما يتعلق بالمواريث والفرائض وليخش الذين الخ فى ابى السعود امرللاوصياء بان نخشوا الله تعالى ان الذين ياكلون الخ فى ابى السعود استيناف جىء به لتقرير مضمون مافصل من الاوامر والنواهى يوصيكم الله الخ فى ابى السعود شروع فى تفصيل احكام المواريث لجملة فى قوله تعالىٰ للرجال نصيب الخ تلك حدود الله الخ انه تعالىٰ بعد بيان سهام المواريث ذكرالوعدوالوعيد ترغيبا فى الطاعة و ترهيباً عن المعصية واللاتى ياتين الخ فى ابى السعود شروع فى بعض اخرمن الاحكام المتعلقة بالنساء اثر بيان احكام المواريث انما التوبة الخ اعلم انه تعالىٰ لما ذكر فى الأية الاولى ان المرتكبين للفاحشة اذا تاباواصلحا زال الاذى عنهما واخبر على الاطلاق ايضاانه تواب رحيم ذكر وقت التوبة و شرطها و

[١] وجه تعلق اولها ماحرمها قبلها ان كليهما مشترك فى الامر بالتقوى ۱۲ منه

(c) ketabton.com: The Digital Library

رغبهم في تعجيلها لئلايأتيهم الموت و هم مصرون فلاتنفعهم التوبة وليست التوبة الخ اعلم انه تعالىٰ لما ذكر شرائط التوبة المقبولة اردفها بشرح التوبة التي لاتكون مقبولة يايها الذين اٰمنوا الخ اعلم انه تعالىٰ بعد وصف التوبة عادالى احكام النساء و اعلم ان اهل الجاهلية كانوا يؤذون النساء بانواع كثيرة من الايذاء و يظلمونهن بضروب من الظلم فالله تعالىٰ نهاهم عنها في هذه الأيات فالنوع الاول قوله تعالىٰ يحل لكم النوع الثاني ولاتعضلوهن الخ النوع الثالث وعاشروهن الخ والنوع الرابع قوله تعالى و ان اردتم الخ النوع الخامس من الامور المتعلقة بالنساء ولاتنكحوا ما نكح الخ النوع السادس قوله تعالىٰ حرمت عليكم امهاتكم الخ

النوع السابع قوله تعالىٰ و من لم يستطع يريد الله الخ في ابي السعود استيناف مسوق لتقرير ماسبق من الاحكام و بيان كونها جارية على مناهج المهتدين من الانبياء والصالحين والله يريد الخ في ابي السعود جملة مبتدأة مسوقة لبيان كمال منفعة مااراده الله تعالىٰ و كمال مضرة مايريد الفجرة لالبيان اراد تعالىٰ التوبته عليهم حتى يكون من باب التكرير لتقرير النوع الثامن قوله تعالىٰ يايها الذين اٰمنوا لاتاكلوا الخ لما شرح كيفية التصرف في النفوس بسبب النكاح ذكر بعده كيفية التصرف في الاموال ولا تقتلوا انفسكم الخ في ابي السعود قدجمع في التوصية بين حفظ النفس و حفظ المال لما انه شقيقها من حيث انه سبب لقوامها و تحصيل كمالاتها ان تجتنبوا الخ اعلم انه تعالى لما قدم ذكر الوعيد اتبعه بتفصيل مايتعلق به ولا تتمنوا ما فضل الخ في ابي السعود قال القفال لما نهاهم الله تعالىٰ عن اكل اموال الناس بالباطل وقتل الانفس عقبه بالنهي عمايؤدّي اليه من الطمع في اموالهم و تمنيها و قيل نهاهم اولاعن التعرض لاموالهم بالجوارح ثم عن التعرض لهابالقلب على سبيل الحسد تطهيرا اعمالهم الظاهرة والباطنة للرجال نصيب الخ في ابي السعود لكل من الفريقين في الميراث نصيب معين المقدار مما اصابه بحسب استعداده و لكل جعلنا موالي الخ في ابي السعود جملة مبتدأة مقررة لمضمون ماقبلها الرجال قوامون الخ في ابي السعود كلام مستانف مسوق لبيان سبب استحقاق الرجال الزيادة في الميراث تفصيلا اثر بيان تفاوت استحقاقهم اجمالا النوع التاسع واعبدوا الله الخ اعلم انه تعالىٰ لما ارشد كل واحد من الزوجين الى المعاملة الحسنة مع الأخروالى ازالة الخصومة و الخشونة ارشد في هذه الأية الى سائر الاخلاق الحسنة و ماذا عليهم الخ في ابي السعوداى على من ذكر من الطوائف قال المسكين اى غير المؤمنين و غير المخلفين في الانفاق ان الله لايظلم الخ اعلم ان تعلق هذه الأية هو بقوله تعالى ماذا عليهم فكيف اذا الخ وجه النظم هوانه تعالىٰ بين ان في الأخرة لايجرى على احدظلم و انه تعالى يجازى المحسن على احسانه و يزيده على قدر حقه فبين تعالى في هذه الأية ان ذلك يجرى بشهادة الرسل الذين جعلهم الله

(c) ketabton.com: The Digital Library

الحجة علی الخلق و یکون ھذا و عیداللکفار ووعداللمطیعین النوع العاشر یایھا الذین اٰمنوا لاتقربوا الصلوة الخ قولہ تعالی الم ترالی الذین اوتوانصیبا الخ قال المسکین لعلہ مرتبط بقولہ تعالی و یکتمون مااٰتاھم اللہ من فضلہ ای من العلم و نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقرینة قولہ تعالیٰ ثمہ و اعتدنا للکافرین لان کتمانھم ھذا کفرلاکتمان الاموال فقرر فی ھذہ الأیة مایتعلق بھذا الکتمان من اخذحطام الدنیا علیہ و تحریف الکتاب و معاداة صاحب النعت یایھا الذین اوتوا الکتٰب الخ بعد ان حکی عن الیھودانواع مکرھم و ایذاء ھم امرھم بالایمان و قرن بھذا الامر الوعید الشدید علی الترک ان اللہ لایغفرالخ فی ابی السعود کلام مستأنف مسوق لتقریر ماقبلہ من الوعید فان الشرح قدنص علی اشراک اھل الکتٰب قاطبة الم ترالی الذین یزکون الخ اعلم انہ تعالیٰ لماھددالیھود بقولہ ان اللہ لایغفرقالوا لسنامن المشرکین بل نحن من خواطر اللہ تعالیٰ کما حکی تعالیٰ عنھم انھم قالوا نحن ابناء اللہ واحباوہ فذکر تعالی فی ھذہ الأیة انہ لاعبرة بتزکیة الانسان نفسہ و انما العبرة بتزکیة اللہ الم ترالی الذین اوتوا الخ اعلم انہ تعالیٰ حکی عن الیھود نوعا اخرمن المکروھوانھم کانوا یفضلون عبدة الاصنام علی المؤمنین ولا شک انھم کانوا عالمین بان ذلک باطل فکان اقدامھم علی ھذا القول بمحض العناد والتعصب ام لھم نصیب الخ اعلم انہ تعالی وصف الیھود فی الأیة المتقدمة بالجھل الشدید و ھواعتقادھم ان عبادة الاوثان افضل من عبادة اللہ و وصفھم فی ھذہ الأیة بالبخل والحسد فمنھم من اٰمن الخ والمعنی ان اولئک الانبیاء مع ماخصصتھم بہ من النبوة والملک جرت عادة انھم فیھم ان بعضھم اٰمن بہ و بعضھم بقواعلی الکفرفانت یامحمد لاتتعجب مما علیہ ھؤلاء و ذلک تسلیة من اللہ ان الذین کفروا الخ اعلم انہ تعالیٰ بعد ما ذکرالوعید بالطائفة الخاصة من اھل الکتاب بین مایعلم الکافرین من الوعید والذین اٰمنوا الخ اعلم انہ قد جرت عادة اللہ تعالی فی ھذا الکتٰب الکریم بان الوعد والوعید یتلازمان فی الذکر علی سبیل الاغلب ان اللہ یأمرکم الخ لما حکی عن اھل الکتٰب انھم کتموا الحق امرالمؤمنین فی ھذہ الأیة باداء الامانات فی جمیع الامور سواء کانت تلک الامور من باب المذاھب والدیانات اومن باب الدنیا والمعاملات یایھا الذین الخ اعلم انہ تعالیٰ لما امرالرعاة والولاة بالعدل فی الرعیة امرالرعیة بطاعة الولاة الم ترالی الذین الخ اعلم انہ تعالیٰ لما اوجب فی الأیة الاولی علی جمیع المکلفین ان یطیعوا اللہ و طیعوالرسول ذکر فی ھذہ الأیة ان المنافقین والذین فی قلوبھم مرض لایطیعون الرسول ولایرضون بحکمہ و انما یریدون حکم غیرہ و ما ارسلنامن رسول الخ اعلم انہ تعالیٰ لما امربطاعة الرسول فی قولہ واطیعوا الرسول رغب فی ھذہ الأیة مرة اخری فی طاعة الرسول ولوانا کتبنا الخ اعلم ان ھذہ الأیة متصلة بماتقدم من امرالمنافقین و ترغیبھم فی الاخلاص و ترک النفاق والمعنی انا لوشددنا

(c) ketabton.com: The Digital Library

التکلیف علی الناس لصعب ذلک علیهم و حینئذیظهر کفرهم و عنادهم فلما لم نفعل ذلک رحمة منا علی عبادنا بل اکتفینابتکلیفهم فی الامور السهلة فلیقبلوها بالاخلاص حتی ینالوا خیر الدارین و من یطع الله الخ اکدار الامر بطاعة الله و طاعة الرسول فی هذه الأیة مرة اخری یایها الذین امنوا خذوا الخ اعلم انه تعالی عاد بعد الترغیب فی طاعة الله و طاعة الرسول الی ذکر الجهاد الذی تقدم لانه اشق الطاعات و لانه اعظم الامور التی بهایحصل تقویة الدین فلیقاتل الخ اعلم انه تعالی لمادم المبطئین فی الجهاد عاد الی الترغیب فیه ومالکم لاتقاتلون الخ اعلم انه المراد منه انکاره تعالی لترکهم القتال فصار ذلک توکیدالماتقدم من الامر بالجهاد الذین امنوایقاتلون الخ قال ابو السعود کلام مبتدأ سیق لترغیب المؤمنین فی القتال وتشجیعهم بیان کمال قوتهم بامداد الله تعالی و نصرته و غایة ضعف اعدائهم الم ترالی الذین قیل لهم الخ قال ابو السعود تعجیب لرسول الله صلی الله علیه وسلم من احجامهم عن القتال مع انهم کانوا قبل ذلک راغبین فیه حراصاً علیه این ماتکونوا الخ والمقصود من هذا الکلام تکبیت من حکی عنهم انهم عند فرض القتال یخشون الناس الخ فبین تعالی انه لاخلاص لهم من الموت فبان یقع علی وجه یکون مستعقبا للسعادة الابدیة کان اولی و ان تصبهم الخ لما حکی عن المنافقین کونهم متثاقلین عن الجهاد حکی عنهم فی هذه الأیة خصلة اخری قبیحة اقبح من الاولی وارسلنک للناس الخ قال ابو السعود بان لجلالة منصبه علیه السلام و مکانته عندالله عزوجل لعله بیان بطلان زعمهم الفاسد فی حقه علیه الصلوة والسلام بناء علی جهلهم بشانه الجلیل من یطع الرسول الخ قال ابوالسعود بیان لاحکام رسالة علیه الصلوة والسلام اثر بیان تحققها و ثبوتها و یقولون طاعة الخ قال ابو السعود شروع فی بیان معاملتهم مع الرسول صلی الله علیه وسلم بعد بیان وجوب طاعة افلا یتدبرون القرأن الخ اعلم انه تعالی لما حکی عن المنافقین انواع مکرهم و کیدهم و کان کل ذلک لاجل انهم کانوا یعتقدون کونه محقافی اداء الرسالة صادقا فیه بل کانوایعتقدون انه مفترمتخرص فلاجرم امرهم الله تعالی بان ینظرو اویتفکروا فی الدلائل الدالة علی صحة نبوته واذاجاء هم امر من الامن اوالخوف الخ اعلم انه تعالیٰ حکی عن المنافقین فی هذه الأیة نوعا اخر من الاعمال الفاسدة وهوانه اذاجاء هم الخ فقاتل فی سبیل الله الخ اعلم انه تعالی لما امربالجهاد و رغب فیه اشد الترغیب فی الأیات المتقدمة عاد فی هذه الأیة الی الامربالجهاد من یشفع شفاعةً الخ قال ابو السعود جملة سیقت لبیان انه له علیه الصلوة والسلام فیما امربه من تحریض المؤمنین حظاموفوراً واذا حییتم الخ فی النظم وجهان الاول انه لما امر المؤمنین بالجهاد امرهم ایضابان الاعداء لورضوابالمسالمة فکونوا انتم راضین بهاالثانی ان الرجل فی الجهاد کان یلقی الرجل فی دار الحرب اوما یقار بها فیسلم علیه فقد لایلتفت الی سلامه علیه و

(c) ketabton.com: The Digital Library

یقتله وربما ظهرانه کان مسلما فمنع الله المؤمن عنه الله لااله الا هوالخ اکدبالوعید فی قوله ان الله کان علی کل شیء حسیبا ثم بالغ فی تاکید ذلک الوعید بهذه الأیة فمالکم فی المنافقین الخ اعلم ان هذانوع اٰخرمن احوال المنافقین ودوالوتکفرون الخ لما قال قبل هذه الأیة اتریدون قررذلک الاستبعاد بان قال انهم بلغوا فی الکفر الی انهم یتمنون ان تصیروا ایها المسلمون کفارا فلما بلغوا فی تعصبهم فی الکفر الی هذا الحد فکیف تطمعون فی ایمانهم وماکان لمؤمن الخ اعلم انه تعالیٰ لما رغب فی مقابلة الکفار و حرض علیها ذکر بعد ذلک ما یتعلق بهذه المحاربة فمنها انه قدیتفق ان یری الرجل رجلا یظنه کافراحربیا فیقتله ثم یتبین انه کان مسلما فذکر الله تعالی حکم هذه الواقعة فی هذا الأیة ومن یقتل مؤمنًا الخ اعلم انه تعات لما ذکر حکم القتل الخطاء ذکر بعده بیان حکم القتل العمدوله احکام و قد ذکر تعالی ذلک فی سورة البقرة فلاجرم همنااقتصر علی بیان ما فیه من الاثم والوعید یاایها الذین اٰمنوا اذا ضربتم الخ اعلم ان المقصود من هذة الایة المبالغة فی تحریم قتل المؤمنین وامرالمجاهدین بالتثبت فیه لئلایسفکوادما حراما بتاویل ضعیف لایسوی القاعدون الخ قال ابوالسعود بیان لتفاوت طبقات المؤمنین بحسب تفاوت درجات مساعیهم فی الجهاد بعدما مرمن الامربه و تحریض المؤمنین علیه لیانف القاعد عنه و یترفع بنفسه عن انحطاط رتبته فیهتزله رغبته فی ارتفاع طبقته ان الذین توفاهم الخ قال ابوالسعود بیان لحال القاعدین عن الهجرة اثر بیان حال القاعدین عن الجهاد ومن یهاجر الخ قال ابوالسعود ترغیب فی المهاجرة وتانیس لهاواذا ضربتم فی الارض الخ اعلم ان احدالامور التی یحتاج المجاهدالیها معرفة کیفة اداء الصلوة فی زمان الخوف والاشتغال بمحاربة العدو فلهذا المعنی ذکره الله تعالی فی هذه الأیةواذا کنت فیهم الخ اعلم انه تعالیٰ لما بین فی الأیة المتقدمة حال قصر الصلوة بحسب الکمیة فی العدد بین فی هذه الأیة حالها فی الکیفیة ولاتهنوا الخ اعلم انه تعالی لما ذکر بعض الاحکام التی یحتاج المجاهد الی معرفتها عادمرة اخری الی الحث علی الجهاد انا انزلنا الیک الخ لما شرح احوال المنافقین علی سبیل الاستقصاء ثم اتصل بذلک امرالمحاربة واتصل بذکر المحاربة مایتعلق بهامن الاحکام الشرعیة رجع الکلام بعد ذلک الی احوال المنافقین و ذکرانهم کانوایحاولون ان یحملوا الرسول علیه الصلوة والسلام علی ان یحکم بالباطل و یذرالحکم الحق فاطلع الله رسوله علیه وامره بان لایلتفت الیهم ولا یقبل قولهم فی هذا الباب و من یشاقق الرسول الخ اعلم ان تعلق هذه الأیة بما قبلها هو ما روی ان طعمة بن ابیرق لما رای ان الله تعالیٰ هتک ستره و برأ الیهودی عن تهمة السرقة ارتدوذهب الی مکة و نقب جدارانسان لاجل السرقة فتهدم الجدارعلیه ومات فنزلت هذه الأیة ان الله لا یغفرالخ انما یحسن اتصالها بما قبلها لوکان المرادان ذلک السارق لو لم یرتدلم یصرمحروما

(c) ketabton.com: The Digital Library

عن رحمتی ولکنہ لما ارتدوا اشرک باللہ صار محروما قطعاً عن رحمۃ اللہ ثم انہ تعالیٰ بین کون المشرک ضلالا بعیدا فقال ان یدعون الخ لیس بامانیکم الخ قال المسکین ابطال للامانی المذکورۃ سابقا فی قولہ تعالی یعدھم و یمنیھم و ذکرامافی اھل الکتٰب استطراد اوتتمیما للفائدۃ ثم ذکر کون الایمان و الاعمال معتبرا بقولہ من یعمل الخ و من احسن دینا الخ اعلم انہ تعالیٰ لما شرط حصول النجاۃ و الفوزبالجنۃ بکون الانسان مؤمنا شرح الایمان و بین فضلہ و یستفتونک فی النساء الخ اعلم ان عادۃ اللہ تعالی فی ترتیب ھذا الکتاب الکریم وقع علی احسن الوجوہ و ھو انہ یذکر شیئا من الاحکام ثم یذکر عقیبہ اٰیات کثیرۃ فی الوعد و الوعید و الترغیب و الترھیب و یخلط بما اٰیات دالتہ علی کبریاء اللہ و جلال قدرتہ و عظمۃ الٰھیۃ ثم یعود مرۃ اخری الی بیان الاحکام و ھذا احسن انواع الترتیب و اقربھا الی التاثیر فی القلوب لان التکلیف بالاعمال الشاقۃ لایقع فی موقع القبول الااذا کان مقرونا بالوعدو الوعید و الوعد و الوعید لایؤثر فی القلب الاعند القطع بغایۃ کمال من صدر عنہ الوعدالوعید فظھر ان ھذاالترتیب احسن الترتیبات اللائقۃ بالدعوۃ الی الدین الحق اذا عرفت ھذا فنقول انہ سبحانہ ذکر فی اول ھذہ السورۃ انواعا کثیرۃ من الشرائع و التکالیف ثم اتبعھا بشرح احوال الکافرین و المنافقین و استقصے فی ذلک ثم ختم تلک الاٰیات الدالۃ علی عظمۃ جلال اللہ و کمال کبریاءہ ثم عاد بعد ذلک الی بیان الاحکام فقال و یستفتونک الخ و ان امرأۃ خافت الخ اعلم ان ھذا من جملۃ ما اخبراللہ تعالیٰ انہ یفتیھم بہ فی النساء ممالم یتقدم ذکرہ فی ھذہ السورۃ وللہ ما فی السمٰوٰت الخ لما ذکر انہ یغنی کلامن سعۃ و انہ واسع اشارۃ الی ماھو کالتفسیر لکونہ واسعاً یایھا الذین اٰمنوا کونوا الخ تقدم فی ھذہ السورۃ امر الناس بالقسط و امرھم بالاشھاد عنددفع اموال الیتامی الیھم و امرھم بعد ذلک ببذل النفس و المال فی سبیل اللہ و اجری فی ھذہ السورۃ قصۃ طعمۃ بن ابیرق و اجتماع قومہ علی الذب عنہ بالکذب و الشھادۃ علی الیھودی بالباطل ثم انہ تعالیٰ امر فی ھذہ الاٰیۃ بالمصالحۃ مع الزوجۃ و معلوم ان ذلک امر من اللہ لعبادہ بان یکونوا قائمین بالقسط شاھدین للہ علی کل احد بل و علی انفسھم فکانت ھذہ الاٰیۃ کالموکد لکل ماجری ذکرہ فی ھذہ السورۃ من انواع التکالیف یایھا الذین اٰمنوا الخ لما بین الاحکام الکثیرۃ فی ھذہ السورۃ ذکر عقیبھا اٰیتہ الامر بالایمان ان الذین اٰمنوا الخ اعلم انہ تعالی لاامربالایمان و رغب فیہ بین فساد طریقۃ من یکفربعد الایمان بشر المنافقین الخ قال المسکین ذکر المنافقین اثر ذکر الکافرین یایھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا الکفرین الخ اعلم انہ تعالی لماذم المنافقین بانھم مرۃ الی الکفرۃ و مرۃ الی المسلمین من غیران یستقروا مع احدالفریقین نھی المسلمین فی ھذہ الایۃ ان یفعلوا مثل فعلھم لایحب اللہ الجھر الخ

(c) ketabton.com: The Digital Library

قال المسکین نهی الله تعالی فیما سبق عن موالاة الکفار و نهی فی هذه الأیة عن معاداتهم بما لم یاذن به الشرع ان الذین یکفرون بالله ورسله الخ اعلم انه تعالیٰ لما تکلم علی طریقة المنافقین عادیکلم علی مذاهب الیهود والنصری و مناقضاتهم و ذکر فی اخر هذه السورة من هذا الجنس انواعا النوع الاول من اباطیلهم ایمانهم ببعض الانبیاء دون البعض والذین امنوا الخ لما ذکر الوعید اردفه بالوعد یسألک اهل الکتاب الخ اعلم ان هذا هو النوع الثانی من جهالات الیهود فبظلم الخ اعلم انه تعالی لما شرح فضائح اعمال الیهود و قبائح الکفرین ذکر عقیبه تشدیده تعالیٰ علیهم فی الدنیا والأخرة لکن الراسخون الخ اعلم انه تعالیٰ لما وصف طریقة الکفار والجهال من الیهود وصف طریقة المؤمنین منهم انا اوحینا الیک الخ اعلم انه تعالی لما حکی ان الیهود سالوا الرسول صلی الله علیه وسلم ان ینزل علیهم کتابامن السماء و ذکر تعالی بعده انهم لایطلبون ذلک لاجل الاسترشاد ولکن لاجل العناد واللجاج و حکی انواعا کثیرة من فضائحهم و قبائحهم و امتدالکلام الی هذا المقام شرع الأن فی الجواب عن تلک الشبهة فقال انا اوحینا الخ والمعنے انا توافقناعلی نبوة نوح و ابراهیم واسمٰعیل و جمیع المذکورین فی هذه الأیة و علی ان الله تعالیٰ اوحی الیهم ولاطریق الی العلم بکونهم انبیاء الله ورسل الاظهور المعجزات علیهم ولکل واحد منهم نوع اخرمن المعجزات علی التعیین وما انزل الله علی کل واحدمن هؤلاء المذکورین کتابا بتمامه مثل ماانزل الی موسیٰ فلما لم یکن عدم انزال الکتاب علی هؤلاء دفعة واحدة قادحا فی نبوتهم بل کفی فی اثبات نبوتهم ظهور نوع واحد من انواع المعجزات علیهم علمنا ان هذه الشبهة زائلة و ان اصرارالیهود علی طلب هذه المعجزة باطل لکن الله یشهد الخ لما قال انا اوحینا الیک قال القوم نحن لانشهد لک بذلک فنزل لکن الله یشهد ان الذین کفروا وصدوا الخ اعلم ان هذا من صفات الیهود الذین تقدم ذکر هم یایهاالناس قدجاء کم الرسول الخ اعلم انه تعالیٰ لما اجاب عن شبهة الیهود علی الوجود الکثیرة و بین فساد طریقة هم ذکر خطاباعاما یعمهم و یعم غیرهم فی الدعوة الی دین محمد علیه الصلوة والسلام یا اهل الکتاب لاتغلوا الخ واعلم انه تعالی لما اجاب عن شبهات الیهود تکلم بعد ذلک مع النصاری فی هذه الأیة یایها الناس قدجاء کم برهان الخ اعلم انه تعالی لما اوردالحجة علی جمیع الفرق من المنافقین والکفار والیهود والنصاری واجاب عن جمیع شبهاتهم عمهم الخطاب ودعا جمیع الناس الی الاعتراف برسالة محمد علیه الصلوة والسلام یستفتونک الخ اعلم انه تعالی تکلم فی اول السورة فی احکام الاموال و ختم اخرها بذلک یکون الأخر مشاکلاللاول ووسط السورة مشتمل علی المناظرة مع الفرق المخالفین للدین.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة المائدة

احلت لكم الخ اعلم انه تعالى لماقرربالآية الاولى جميع المكلفين انه يلزمهم الانقياد لجميع تكاليف الله تعالى و ذلك و كالاصل الكلى والقاعدة الجملية شرع بعد ذلك فى ذكر التكاليف المفصلة فبدأ بذكر ما يحل و ما يحرم من المطعومات يايها الذين امنو الاتحلو الخ اعلم انه تعالى لما حرم الصيد على المحرم فى الأية الاولى اكد ذلك بالمنهى فى هذه الأية عن مخالفة تكاليف الله تعالى حرمت عليكم الخ اعلم انه تعالى قال فى الاول السورة احلت لكم بهيمة الانعام ثم ذكر فيه استثناء اشياء تتلى عليكم فههنا ذكر الله تعالى تلك الصور المستثناة عن ذلك العموم اليوم يئس الذين الخ لماعد فيما مضى ما حرمه و ما احله حرضهم على التمسك بما شرع لهم باكمل ما يكون يسألونك ما ذا احل الخ و هذا ايضا متصل بماتقدم من ذكر المطاعم والماكل اليوم احل لكم الخ اعلم انه تعالى اخبر فى الأية المتقدمة انه احل الطيبات و كان المقصود من ذكره الاخبار عن الحكم ثم اعاد ذكره فى هذه الأية والغرض من ذكره انه قال اليوم اكملت لكم الخ فبين انه كما اكمل الدين و اتم النعمة فى كل ما يتعلق بالدين فكذلك اتم النعمة فى كل مايتعلق بالدنيا و منها احلال الطيبات والغرض من الاعادة رعاية هذه النكتة و من يكفر الخ المقصود منه الترغيب فيما تقدم من التكاليف والاحكام يايها الذين امنوا اذا قمتم الخ قال ابوالسعود شروع فى بيان الشرائع المتعلقة بدينهم بعد بيان مايتعلق بدنياهم واذكروا نعمة الله الخ لما ذكر هذا التكليف اردفه بما يوجب عليهم القبول والانقياد وذلك من وجهين الاول كثرة نعمة الله عليهم والثانى هو الميثاق يايها الذين امنوا كونوا الخ قال ابوالسعود شروع فى بيان الشرائع المتعلقة بما يجرى بينهم و بين غيرهم الر بيان ما يتعلق بانفسهم يايها الذين امنوا اذكروا الخ قال السعود تذكير لنعمة الانجاء من الشرائر بعد تذكير نعمة ايصال الخير الذى هو نعمة الاسلام و ما يتبعها من الميثاق و لقداخذالله ميثاق بنى اسرائيل الخ لما خاطب المؤمنين فيما تقدم فقال والذكروا نعمة الله عليكم و ميثاقه ثم ذكرا لأن انه اخذالميثاق من بنى اسرائيل لكنهم نقضوه وتركوا الوفاء به فلا تكونوا ايها المؤمنون مثل اولئك اليهود فى هذا الخلق مالديهم لئلا تصيروا امثلهم فيما نزل بهم من المن والذلة والمسكنة ومن الذين قالوا انانصارى الخ

لـ وجه الارتباط بين اولها واخرما قبلها ان الله تعالى ختم السورة المتقدمة بقوله يبين الله لكم ان تضلوا او فى هذه السورة بين الاحكام الضرورية ۱۲ منه عفى عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

المراد ان سبیل النصاری مثل سبیل الیهود فی نقض المواثیق یااھل الکتاب قدجاء کم رسولنا الخ اعلم انه تعالیٰ لما حکی عن الیهود و عن النصاری نقضهم العهد و ترکهم ما امروا به دعاهم عقیب ذلک الی الایمان محمد صلی الله علیه وسلم واذ قال موسی لقومه الخ قال ابو السعود جملة مستأنفة مسوقة لبیان مافعلت بنو اسرائیل بعداخذ المیثاق منهم و کیفیة نقضهم له واتل علیهم نبا ابنی ادم الخ قال المسکین هذا توطئته لما هو المقصود ههنا من ذکر جنایات بنی اسرائیل کما قال ابو السعود عند قوله تعالی من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل الخ شروع فیما هو المقصود من تلاوة النبأمن بیان بعض اٰخر من جنایات بنی اسرائیل و معاصیهم انما جزاء الذین یحاربون الخ اعلم انه تعالیٰ لما ذکر فی الاٰیة الاولی تغلیظ الاثم فی قتل النفس بغیر قتل نفس ولا فساد فی الارض اتبعه ببیان ان الفساد فی الارض الذی یوجب القتل ماهو فان بعض مایکون فسادا فی الارض لا یوجب القتل یایهاالذین اٰمنوا اتقوا الله الخ قال ابو السعود لما ذکر عظم شان القتل والفساد و بین حکمها واشیر فی تضاعیف ذلک الی مغفرته تعالی لمن تاب من جنایة امر المؤمنون بان یتقوه تعالی فی کل مایاتون و ما یذرون بترک ما یجب اتقاءه من المعاصی التی من جملتها ماذکر من القتل والفساد و یفعل الطاعات التی من زمرتها السعی فی احیاء النفوس و دفع الفساد والمسارعة الی التوبة والاستغفار ان الذین کفروا الخ قال ابو السعود کلام مسوق لتاکید و جوب الامتثال بالاوامر السابقة و ترغیب المومنین فی المسارة الی تحصیل الوسیلة الیه عزوجل قبل انقضاء او انه والسارق والسارقة الخ قال ابو السعود شروع فی بیان حکم السرقة الصغری بعد بیان احکام الکبری و قد عرفت اقتضاء المال لا یراد ما توسط بینهما من المقال الم تعلم ان الله الخ اعلم انه تعالیٰ لما اوجب قطع الید و عقاب الاٰخرة علی السارق قبل التوبه ثم ذکر انه یقبل توبة ان تاب اردفه ببیان ان له ان یفعل مایشاء و یحکم مایرید یایها الرسول لا یحزنک الخ اعلم انه تعالی لما بین بعض التکالیف والشرائع و کان قدعلم من بعض الناس کونهم متسارعین الی الکفر لاجرم صبر رسوله علی تحمل ذلک فان جاء وک الخ قال ابو السعود لما بین تفاصیل امورهم الواهیة واحوالهم المختلفة الموجبة لعدم مبالاة بهم وبافاعیلهم جسما امربه علیه السلام خوطب علیه الصلوة والسلام ببعض ما یبتنی علیه من الاحکام بطریق التفریع والفاء فصیحة ای و اذاکان حالهم کما شرح فان جاء وک الخ و کیف یحکمونک الخ قال ابو السعود تعجیب من تحکیمهم لمن لایؤمنون به و بکتابه والحال ان الحکم منصوص علیه فی کتابهم الذی یدعون الایمان به وتنبیه علی انهم ما قصدوا بالتحکیم معرفة الحق و اقامة الشرع وافاطلبوا به مامراهون علیهم و ان لم یکن ذلک حکم الله علی زعمهم انا انزلنا التورة الخ اعلم ان هذا تنبیه من الله تعالیٰ للیهود المنکرین لوجوب الرجم وترغیب لهم فی ان یکونو

(c) ketabton.com: The Digital Library

اکمتقدمیهم من مسلمی احبارهم والانبیاء المبعوثین الیهم و کتبنا علیهم فیها الخ المعنی
انه تعالیٰ بین فی التورة ان حکم الزانی المحصن هوالرجم والیهود غیره وبدلوه و بین فی
هذه الأیة ایضا انه تعالی بین فی التوراة ان النفس بالنفس و هؤلاء الیهود غیرو اهذا الحکم
ایضاً ففضلوا بنی النضیر علی بنی قریظة و خصصوا ایجاب القودبنیے قریظة دون بنی النضیر
و قفینا علی اٰثارهم الخ قال ابو السعود شروع فی بیان احکام الانجیل اثر بیان احکام التورة و
انزلنا الیک الکتاب بالحق الخ قال المسکین شروع فی بیان احکام القراٰن اثر بیان احکام
الکتابین لکل جعلنا الخ قال ابو السعود کلام مستأنف جئ به لحمل اهل الکتابین من معاصربه
علیه الصلوة والسلام علی الانقیاد لحکمه بما انزل الیه من القراٰن الکریم ببیان انه هوالذی
کلفوا الحمل به دون غیره من الکتابین و انما الذین کلفوا الحمل بهما من مضی قبل نسخهما
من الامم السالفة یایها الذین اٰمنو الاتتخذوا الخ قال المسکین نهی المؤمنین عن موالاة
اهل الکتابین اثر ذکر اوصاف الفریقین التی هی ضد لصفات المؤمنین و من اقوی الزواجر
عن موالاتهما فتری الذین الخ قال المسکین بیان المداهنة المنافقین فی موالاة الکفار
واعتذارهم الباطل فی ذلک یایها الذین اٰمنوامن یرتد الخ قال ابو السعود شروع فی بیان
حال المرتدین علی الاطلاق انما ولیکم الله الخ لما نهی فی الأیات المتقدمة عن موالاة
الکفار امر فی هذه الأیة بموالاة من یجب موالاة یایها الذین اٰمنو الاتتخذوا الذین اتخذوا الخ
اعلم انه تعالی نهی فی الأیتا لمتقدمة عن اتخاذالیهود والنصاری اولیاء و ساق الکلام فی
تقریره ثم ذکرههنا النهی العام عن موالاة جمیع الکفار واذا نادیتم الخ لما حکی فی الأیة
الاولی عنهم انهم اتخذوا دین المسلمین هزواولعبا ذکرههنا بعض مایتخذونه من هذا الذین
هزوا ولعبا قل یاهل الکتٰب هل تنقمون الخ لما حکی عنهم انهم اتخذوا دین الاسلام هزوا
ولعبا قال لهم ما الذی تنقمون من هذا الدین وما الذی تجدون فیه هما یوجب اتخاذه هزوا
والعباً قل هل انبئکم الخ لما امر علیه السلام بالزامهم ان ملارنقمهم الدین انما هواشتماله علی
مایوجب ارتضاء ه عندهم ایضاو کفرهم بما هو مسلم لهم امر علیه الصلوة والسلام عقیبه
بان یبکتهم ببیان ان الحقیق بانقم والعیب حقیقة ما هم علیه و اذا جاء و کم قالوا الخ قال
المسکین ذم لمن نافق من المذکورین و تری کثیرا منهم الخ قال المسکین ذم لبعض اٰخر
منهم یایها الرسول الخ امرالرسول بان لاینظر الی قلة المقتصدین و کثرة الفاسقین ولا یخشے
مکروههم یاهل الکتاب لستم الخ قال المسکین من حملة التبلیغ ان الذین اٰمنوا الخ قال
المسکین لما امر بالایمان فیما قبل بین فضیلة الایمان ههنا لقد اخذنا میثاق الخ قال ابو السعود
کلام مبتداء مسوق لبیان بعض اٰخرمن جنایاتهم المنادیة باستبعاد الایمان منهم لقد کفرالذین
قالوا الخ اعلم انه تعالی لما استقصی الکلام مع الیهود شرع ههنا فی الکلام مع النصاری

(c) ketabton.com: The Digital Library

قل اتعبدون الخ و هذا دلیل اخر علی فساد قول النصاری قل یاهل الکتاب لاتغلوا الخ لما تکلم اولا علی اباطیل الیهود ثم تکلم ثانیا علی اباطیل النصاری فعند ذلک خاطب مجموع الفریقین لعن الذین کفروا الخ لما خاطب اهل الکتاب بهذا الخطاب وصف السلافهم تری کثیرا منهم الخ اعلم انه تعالی لما وصف اسلافهم بما تقدم وصف الحاضرین منهم بانهم یتولون الکفار و عبدة الاوثان لتجدن اشدالناس الخ لما ذکر من احوال اهل الکتاب من الیهود والنصٰری ماذکره ذکر فی هذه الأیة ان الیهود فی غایة العداوة مع المسلمین یایها الذین امنوا لا تحرموا الخ اعلم انه تعالیٰ لما استقصے فی المناظرة مع الیهود و النصاری عاد بعده الی بیان الاحکام و ذکر جملة منها النوع الاول ما یتعلق بحل المطاعم والمشارب واللذات النوع الثانی من الاحکام المذکورة فی هذا الموضع قوله تعالی لا یؤاخذکم الله الخ قال المسکین اخذامن الکبیر وجه المناسبة بینه و بین ما قبله قول الصحابة فکیف نصنع بایماننا ای علی ترک الطیبات قوله تعالی یایهاالذین امنوا انما الخمر الخ اعلم ان هذاهوالنوع الثالث من الاحکام المذکورة فی هذا الموضع ووجه اتصاله بما قبله انه تعالی قال فیما تقدم لا تحرموا طیبات الخ و کلوا مما رزقکم الله الخ ثم مماکان من جملة الامور المستطابة الخمروالمیسر لاجرم انه تعالی بین انهما غیر داخلین فی المحللات بل فی المحرمات و قال المسکین لعل الاقرب ان یقال کان ما تقدم نهیاً عن تحریم الحلال و هذا نهی عن تحلیل الحرام الی قوله تعالی ما جعل الله من بحیرة الخ بل لا یبعدان قیل الی حکم الایصاء و ما یتعلق به لیس علی الذین امنوا الخ روی انه لما نزلت ایة تحریم الخمر قالت الصحابة ان اخواننا کانوا قد شربوا الخمر یوم احد ثم قتلوافکیف حالهم فنزلت هذه الأیة یایها الذین امنوا لیبلونکم الخ اعلم ان هذا نوع اخرمن الاحکام ووجه النظم انه تعالی لما قال لاتحرمو الطیبات ثم استثنے الخمر والمیسر عن ذلک و فکذلک استثنے هذا النوع من الصید عن المحللات و بین دخوله فی المحرمات جعل الله الکعبة الخ اعلم ان اتصال هذه الأیة بما قبلها هوان الله تعالی حرم فی الایة المتقدمة الاصطیاد علی المحرم فبین ان الحرم کما انه سبب لامن الوحش والطیر فکذلک هو سبب لامن الناس عن الأفات و المخافات و سبب لحصول الخیرات والسعادات فی الدنیا والأخرة اعلموا الخ قال ابوالسعود و عید لمن انتهک محارمه ووعلالمن حافظ علی مراعاة حرماة ما علی الرسول الخ قال ابوالسعود تشدید فی ایجاب القیام بما امربه ای الرسول قداتی بما وجب علیه من التبلیغ بمالا مزید علیه و قامت علیکم الحجة ولزمتکم الطاعة فلا عذرلکم من بعد فی التفریط قل لا یستوی الخ قال ابوالسعود حکم عام فی نفی المساواة عندالله تعالیٰ بین الردی من الاشخاص والاعمال والاموال و بین جیدها قصد به الترغیب فی جید کل منها والتحذیر عن ردئیها یایها الذین امنوا لا تسئلوا الخ

(c) ketabton.com: The Digital Library

لما قال ما على الرسول الا البلاغ صار التقدير كانه قال ما بلغه الرسول اليكم فخذوه و كونوا منقادين له وما لم يلغه الرسول اليكم فلا تسئلوا عنه ولا تخوضوا فيه ما جعل الله من بحيرة الخ قال المسكين اخذا من ابی السعود رد و ابطال لما ابتدعه اهل الجاهلية اثر ابطال بعض اعمالهم من تناولهم الخمر والميسر و غيرهما يايها الذين امنوا عليكم انفسكم الخ لما بين انواع التكاليف والشرائع والاحكام ثم قال ما على الرسول الا البلغ الى قوله واذا قيل لهم تعالوا الخ فكانه تعالى قال ان هؤلاء الجهال مع ماتقدم من انواع المبالغة فی الاعذار والانذار والترغيب والترهيب لم ينتفعوا بشیء منه بل بقوا مصرين على جهلهم مجدين على جهالتهم وضلالتهم فلا تبالوا ايها المؤمنون بجهالتهم و ضلالاتهم بل كونوا منقادين لتكاليف الله مطيعين لا وامره و نواهيه فلايضركم ضلالتهم و جهالتهم يايها الذين امنو اشهادة بينكم الخ قال ابوالسعود استيناف مسوق لبيان الاحكام المتعلقة بامور دنيا هم اثر بيان الاحوال المتعلقة بامور دينهم يوم يجمع الله الرسل الخ اعلم ان عادة الله تعالىٰ جارية فی هذا الكتاب الكريم انه اذا ذكر انواعاً كثيرة من الشرائع و التكاليف والاحكام اتبعها اما بالالٰهيات واما بشرح احوال الانبياء او بشرح احوال القيامة ليصير ذلك مؤكدالماتقدم ذكره من التكاليف والشرائع فلا جرم لما ذكر فيما تقدم انواعاً كثيرة من الشرائع ابتعها بوصف احوال القيامة اولا ثم ذكر احوال عيسیٰ عليه السلام اذ قال الله يعيسی ابن مريم اذكر الخ اعلم انا بينا ان الغرض من قوله للرسل ماذااجبتم تو بيخ من تمرد امهم و اشدالامم افتقار الی التوبيخ والملامة النصاری لان طعن سائر الامم كان مقصود اعلی الانبياء و طعن هؤلاء تعدی الی جلال الله و كبرياء ه فلاجرم ذكر تعالی انه يعدد انواع نعمه علی عيسی فان كل واحدة من تلك النعم المعدودة تدل علی انه عبدو ليس باله اذ قال الحواريون الخ قال ابوالسعود كلام مستانف مسوق لبيان بعض ماجری بينه عليه السلام و بين قومه منقطع عما قبله و اذقال الله يعيسی ابن مريم ء انت الخ قال ابوالسعود ای اذكر وقت قول الله تعالی عليه السلام فی الأخرة تو بيخا للكفرة و تبكيتالهم باقراره عليه السلام علی رؤس الاشهاد بالعبودية وامره لهم بعبادة عز و جل قال الله هذا يوم الخ قال ابوالسعود كلام مستأنف ختم به حكاية ما حكی مما يقع يوم يجمع الله الرسل عليهم الصلوة والسلام واشير الی نتيجته وما له لله ملك السموٰت الخ ان السورة اشتملت علی انواع كثيرة من العلوم فمنها بيان الشرائع والاحكام والتكاليف و منها المناظرة مع اليهود فی انكارهم شريعة محمد عليه الصلوة والسلام و منها المناصرة مع النصاری فی قولهم بالتثليث فختم السورة بهذه النكتة الوافية باثبات كل هذه المطالب

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الانعام[1]

الحمد لله الخ قال المسکین اخذامن ابی السعود بیان لموجبات توحیده وبطلان اشراکهم به مع معاینتم لها هوالذی خلقکم من طین الخ قال ابوالسعود استیناف مسوق لبیان بطلان کفرهم بالبعث مع مشاهدتهم لما یوجب الایمان به اثر بطلان اشراکهم به تعالی مع معاینتهم لموجبات توحیده وهوالله الخ قال ابوالسعود جملة مسوقة لبیان شمول احکام الٰهیة تعالی لجمیع المخلوقات واحاطة علمه بتفاصیل احوال العباد واعمالهم المؤدیة الی الجزاء اثر الاشارة الی تحقق المعاد وماتاتیهم من اٰیة الخ قال ابوالسعود کلام مستانف وارد لبیان کفرهم باٰیات الله و اعراضهم عنها بالکلیة بعد ما بین فی الاٰیة الاولی اشراکهم بالله سبحانه واعراضهم عن بعض اٰیات التوحید و فی الاٰیة الثانیة امتراء هم فی البعث واعراضهم عن بعض اٰیاية فقد کذبوابالحق الخ قال ابوالسعود فان الحق عبارة عن القراٰن الذی اعرضوا عنه حین اعرضوا عن کل اٰیة اٰیة منه عبر عنه بذلک ابانة لکمال قبح فافعلوا به فان تکذیب الحق ممالایتصود صدوره عن احدالم یرواکم اهلکنا الخ اعلم ان الله تعالی لما منعهم عن ذلک الاعراض و التکلیب والاستهزاء بالتهدید والوعید اتبعه بما یجری مجری الموعظة والنصیحة فی هذا الباب فوعظهم بسائرالقرون الماضیة کقوم نوح و عاد و ثمود و غیرهم ولونزلنا علیک الخ قال ابوالسعود جملة مستانفة سیقت بطریق تلوین الخطاب لبیان شدة سکیمتهم فی المکابرة وما یتفرع علیها من الاقادیل الباطلة اثربیان اعراضهم عن اٰیات الله و تکذیبهم بالحق واستحقاقهم بذلک لنزول العذاب ولبة التنزیل ههنا الیه علیه السلام مع نسبة اتیان الاٰیات و مجیئ الحق فیما سبق الیهم للاشعار بقدحهم فی نبوة علیه السلام فی ضمن قدحهم فیما نزل علیه صریحا و قالوالولانزل الخ قال ابوالسعود شروع فی قدحهم فی نبوة علیه السلام صریحا بعد ما اشیرالی قدحهم فیها ضمنا ولقد استهزئ برسل الخ قال ابوالسعود تسلیة لرسول الله صلی الله علیه وسلم عمایلقاه من قومه قل سیروا الخ قال ابوالسعود بعد بیان ما فعلت الامم الخالیة و ما فعل بهم خوطب رسول الله صلی الله علیه وسلم بانذارقومه و تذکیرهم باحوالهم الفطیعة تحذیر الهم عما هم علیه و تکملة لستلیة بما فی ضمنه من العدة اللطیفة بانه سیحیق بهم مثل ما حاق باضرابهم الاولین قل لمن ما فی السمٰوٰت الخ قال المسکین عود الی تقریر التوحید وابطال الشرک قل ای شیء اکبر شهادة الخ قال

[1] وجه المناسبة بین اولها واخرها بقها ان کلیها مشترک فی اثبات التوحید ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

ابو السعود روی ان قریشا قالو الرسول الله صلی الله علیه وسلم یا محمد لقد سألنا عنک الیهود و النصاری فزعموا ان لیس عندهم ذکرو لا صفة فارنامن یشهد لک انک رسول الله فنزلت قال المسکین فهو عود الی الجواب عن قدحهم فی النبوة الذین آتینا هم الخ قال ابو السعود جواب عما سبق من قولهم لقد سألنا عنک والخ و من اظلم الخ لماحکم علی اولئک بالخسران بین سبب الخسران و یوم نحشرهم الخ قال المسکین بیان حال اهل الشرک یوم الجزاء و منهم من یستمع الیک الخ قال ابو السعود کلام مبتدأ مسوق لحکایة ما صدر فی الدنیا عن بعض المشرکین من احکام الکفرثم بیان ما سیصدر عنهم یوم الحشر تقریر الماقبله و تحقیقا لمضمونه و هم ینهون عنه الخ قال المسکین بیان لسعیهم فی کفر غیرهم مع کفر انفسهم ولوتری اذوقفوا علی النار الخ قال ابو السعود شروع فی حکایة ما سیصدرعنهم یوم القیامة من القول المناقض لما صدرعنهم فی الدنیا من القبائح المحکیة مع کونه کذبا فی نفسه و قالوا ان هی الخ قال المسکین هذا توطئة لما سیاتی من قوله تعالی و لو تری اذوقفوا علی ربهم الخ بین فی هذه الأیة کیفیة حالهم فی القیامة قد خسر الذین کذبوا الخ اعلم ان المقصود من هذه الأیة شرح حالة اخری من احوال منکری البعث والقیامة و هی امران احدهما حصول الخسران والثانی حمل الاوزار العظیمة و ما الحیلة الدنیا الخ قال ابو السعود لما حقق فیما سبق ان وراء الحیاة الدنیا حیوة اخری یلقون فیها من الخطوب مایلقون بین بعده حال تینک الحیاتین فی انفسهما قد نعلم انه لیحزنک الخ قال ابو السعود استیناف مسوق لتسلیة رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الحزن الذی یعتریه مما حکی عن الکفرة من الاصرار علی التکذیب المبالغة فیه ببیان انه علیه السلام بمکانة من الله عزوجل و ان ما یفعلون فی حقه فهوراجع الیه تعالی فی الحقیقة و انه ینتقم منهم لا محالة اشد انتقام ولقد کذبت رسل الخ قال ابو السعود افتنان فی تسلیمه علیه الصلوة والسلام فان عموم البلیة ربما یهون امرها بعض تهوین و ارشاد له علیه الصلوة والسلام الی لاقتداء بمن قبله من الرسل الکرام علیهم الصلوة والسلام فی الصبر علی ما اصابهم من امهم من فنونه الاذیة وعدة ضمنیة له علیه الصلوة والسلام بمثل مامنحوه من النصروان کان کبر علیک الخ قال ابو السعود کلام مستانف مسوق لتاکید ایجاب الصبر المستفاد من التسلیة ببیان انه امر لامحید عنه اصلا انما یستجیب الذین الخ اعلم انه تعالی بین السبب فی کونهم بحیث لایقبلون الایمان ولا یترکون الکفر وقالوا لو لانزل الخ قال ابو السعود حکایة لبعض اخر من اباطیلهم بعد حکایة ما قالوافی حق القران الکریم و بیان ما یتعلق به وما من دابة فی الارض الخ لما قدم ذکر الکفارو بین انهم یرجعون الی الله و یحشرون بین ایضا بعده بقوله و ما من دابة الخ انهم یحشرون والمقصود بیان ان الحشروا

(c) ketabton.com: The Digital Library

لبعث کما هو حاصل فی حق الناس فهوایضاً حاصل فی حق الهائم قال المسکین فالمراد تفظیع شان الحشر و الذین کذبوا الخ قال المسکین بیان لجهلهم و عنادهم مع اقامة البراهین لملجئة من یشأ الله یضلله الخ قال ابو السعود تحقیق للحق و تقریر لما سبق من حالهم ببیان انهم من اهل الطبع لایتاتی منهم الایمان اصلا قل ارأیتکم ان اتکم الخ قال ابو السعود امر لرسول الله صلی الله علیه وسلم بان یبکتهم ویلقمهم الحجر بما لاسبیل لهم الی النکیرولقد ارسلنا الی امم الخ اعلم انه تعالی بین فی الأیة الاولی ان الکفار عند نزول الشدائد یرجعون الی الله تعالیٰ ثم بین فی هذه الأیة انهم لایرجعون الی الله عند کل ما کان من جنس الشدائد بل قدیبقون مصرین علی الکفر منجمدین علیه غیرراجعین الی الله تعالی فلما نسوا ما ذکروا به الخ اعلم ان هذا الکلام من تمام القصة الاولی قل اریتم ان اخذالله الخ قال ابو السعود امر رسول الله صلی الله علیه وسلم تکریر التبکیت علیهم و تثنیة الالزام الاول قل ارأیتکم ان اتاکم عذاب الله بغتة الخ قال السعود بتبکیت اخرلهم بالجائهم الی الاعتراف باختصاص العذاب بهم و ما نرسل المرسلین الخ قال ابو السعود کلام مستانف مسوق لبیان وظائف الرسالة علی الاطلاق و تحقیق ما فی عهدة الرسل علیهم السلام و اظهار ان مایقترحه الکفرة علیه علیه السلام لیس مما یتعلق بالرسالة اصلا قل لا اقول لکم الخ قال ابو السعود استیناف مبنی علی ما اسس من السنة الالٰهیة فی شان ارسال الرسل و انزل الکتب مسوق لا ظهارتبریة علیه السلام عما یدورعلیه مقترحاتهم و انذربه الذین یخافون الخ قال ابو السعود بعد ما حکی لرسول الله صلی الله علیه وسلم ان من الکفرة قوما لایتعظون ولا یتأثرون امر علیه الصلوة والسلام بتوجیه الانذارالی من یتوقع منهم التأثر فی الجملة ولاتطرد الذین الخ قال ابوالسعود لما امر صلی الله علیه وسلم بانذارالمذکورین لینتظموافی سلک المتقین نهی صلی الله علیه وسلم عن کون ذلک بحیث یؤدی الی طردهم و کذلک فتنا الخ قال ابو السعود استیناف مبین لمانشأ عنه ماسبق من النهی هوقدیمه تعالی لفقراء المومنین فی امر الدین بتوفیقهم للایمان مع ما هم علیه فی امر الدنیا من کمال سوء الحال و اذا جاء ک الخ قال المسکین امر بتقریبهم اثر النهی عن تبعیدهم و کذلک نفصل الخ قال المسکین بیان لعادته تعالی المستمرة فی تفصیل المهمات اثر التفصیل المذکور قل انی نهیت الخ قال ابو السعود امر علیه الصلوة والسلام بالرجوع الی مخاطبة المصرین علی الشرک الرما امر بمعاملة من عداهم من اهل الانذ اروالتبشیر بما یلیق بحالهم قل انی علی بینة الخ قال ابو السعود تحقیق للحق الذی علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم و بیان لاتباعه ایاه اثر ابطال الباطل الذی علیه الکفرة و بیان عدم اتباعه له ما عندی ما تستعجلون الخ قال ابو السعود استیناف مبین لخطأ هم فی شان ماجعلوه منشأ لتکذیبهم بهاو هو عدم مجیء ما

(c) ketabton.com: The Digital Library

وعد فیها من العذاب الذی کانوا یستعجلونه و عنده مفاتح الغیب الخ قال ابو السعود بیان لاختصاص المقدورات به تعالی من حیث العلم الخ بیان اختصاص کلها به تعالی من حیث القدرة و هو الذی یتوفاکم الخ اعلم انه تعالی لما بین کمال علمه بالأیة الاولی بین کمال قدرة بهذه الأیة و هو القاهر فوق عباده الخ اعلم ان هذا نوع اخر من الدلائل الدالة علی کمال قدرة الله تعالی و کمال حکمة قل من ینجیکم الخ قال ابو السعود ای قل لهم تقریرالهم بانحطاط شرکائهم عن رتبة الالٰهیة قل هو القادر الخ قال ابو السعود استیناف مسوق لبیان انه تعالیٰ هو القادر علی القائم فی المهالک الخ بیان انه هو المنجی لهم منها و فیه وعید ضمنی بالعذاب لاشراکهم و کذب به الخ قال ابو السعود ایذان لعتوهم و مکابرتهم و اذا رأیت الذین یخوضون الخ اعلم انه تعالی فی الأیة الاولی بین ان الذین یکذبون بهذا الذین فانه لا یجب علی الرسول ان یلازمهم و ان یکون حفیظا علیهم ثم بین فی هذه الأیة ان اولٰئک المکذبین ان ضموا الی کفرهم و تکذیبهم الاستهزاء بالدین و الطعن فی الرسول فانه ینجب الاحتراز عن مقارنهم و ترک مجالستهم و ما علی الذین یتقون الخ قال ابن عباسؓ قال المسلمون لئن کنا کلما استهزأ المشرکون بالقران و خلصوا فیه قناعنهم لما قدرنا علی ان نجلس فی المسجد الحرام و ان نطوف بالبیت فنزلت هذه الأیة و خصت الرخصة فیها للمؤمنین بان یقعدوا معهم و یذکرونهم ویفهمونهم و ذر الذین اتخذوا الخ قال المسکین بیان لسوء حالهم فی ضمن الامر بالاعراض عنهم و تذکیر لهم بالقرأن قل اندعوا من دون الله الخ اعلم ان المقصود من هذه الأیة الرد علی عبدة الاصنام و هی مؤکدة لقوله قل انی نهیت و هو الذی خلق السمٰوٰت الخ اعلم انه تعالی لما بین فی الأیات المتقدمة فساد طریق عبدة الاصنام ذکر ههنا ما یدل علی انه لامعبود الا الله وحده و اذ قال ابراهیم لابیه الخ اعلم انه سبحانه و تعالی کثیرا یحتج علی مشرکی العرب باحوال ابراهیم علیه السلام قال ابو السعود الذی یدعون انهم علی ملة و تلک حجتنا اتینا ها الخ اعلم انه تعالی لما حکی عن ابراهیم علیه السلام انه اظهر حجة الله تعالی فی التوحید و نصرها وذب عنها عدد وجوه نعمه واحسانه علیه فاولها قوله و تلک حجتنا و ثانیها انه تعالی خصه بالرفعة و ثالثها انه جعله عزیزا فی الدنیا و ذلک لانه تعالی جعل اشرف الناس و هم الانبیاء والرسل من نسله و ذریته و ما قدروا الله حق قدره الخ اعلم انا ذکرنا ان مدار امر القرأن علی اثبات التوحید و النبوة والمعاد و انه تعالی لما حکی عن ابراهیم علیه السلام انه ذکر دلیل التوحید و ابطال الشرک وقرر تعالی ذلک الدلیل بالوجوه الواضحة شرع بعده فی تقریر امر النبوة و هذا کتاب انزلناه الخ اعلم انه تعالی لما ابطل بالدلیل قول من قال ما انزل الله علی بشر من شیٔ ذکر بعده ان القرأن کتاب الله انزل الله تعالی علی محمد علیه الصلوة والسلام و من اظلم ممن افتری الخ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اعلم انه تعالى لما شرح كون القران كتاباً نازلا من عندالله ذكر عقبيه ما يدل على و عيد من ادعى النبوة و الرسالة على سبيل الكذب و الافتراء ولقد جئتمونا فرادى الخ قال المسكين توبيخ لهم من الله تعالى بعد التوبيخ من الملئكة ان الله فالق الحب الخ اعلم انه تعالى لما تكلم فى التوحيد ثم اردفه بتقرير امر النبوة ثم تكلم فى بعض بتقاريع هذا الاصل عادههنا الى ذكر الدلائل الدالة على وجود الصانع و كمال علمه و حكمته تنبيها على ان المقصود الاصلى من جميع المباحث العقلية والنقلية و كل المطالب الحكمية انما هو معرفة الله تعالى بذاته و صفاته و افعاله فالق الاصباح الخ هذا نوع اخرمن الدلائل و هوالذى جعل لكم الخ هذا هوالنوع الثالث من الدلائل و هوالذى انشاكم الخ هذا نوع رابع و هوالذى انزل الخ هذا النوع الخامس و جعلوا لله شركاء الخ اعلم انه سبحانه و تعالى لما ذكر هذه البراهين الخمسة من دلائل العالم الاسفل والعالم الاعلى على ثبوت الالٰهية و كمال القدرة والرحمة ذكر بعد ذلك ان من الناس من اثبت الله شركاء بديع السمٰوٰت والارض الخ اعلم انه تعالى لما بين فساد قول المشركين شرع فى اقامة الدلائل على فساد قول من يثبت له الولد ذلكم الله ربكم الخ قال المسكين كانه فذلكة لجميع ماسبق مبينة لتوحده و عظمته قدجاء كم بصائر الخ قال المسكين بيان لفخامة الأيات المذكورة الدالة على تحقيق الحق وابطال الباطل و كذلك نصرف الخ قال المسكين بيان لحسن تصريف الأيات وضلال بعض و هداية بعض اتبع ما اوحى اليك الخ قال المسكين امرله عليه السلام بالثبات على تلك الأيات اثر بيان فخامتها و حسن تصريفها و قدح المشركين فيها و بعدم الاعتداد بهم و بابا طيلهم و لو شاء الله الخ قال المسكين كانه تسلية له عليه السلام فى اشراكهم معرضين عن الأيات ولاتسبوا الذين يدعون الخ قال المسكين لما ذكر فى الأيات السابقة جهلهم و عنادهم فلا يبعدان يغضب بعض المسلمين و يشتموهم والهتهم فنهى الله تعالى عنه واقسموا بالله الخ لما ذكر فيما قبل ان الأيات المنزلة لم تنفع المشركين ذكر ههنا انهم طلبوا الأيات المقترحة تعصباً و عناداً و ذكر جوابه و نقلب الخ قال المسكين مقرر لمضمون الجواب المذكور ولو اننا نزلنا اليهم الخ اعلم انه تعالى بين فى هذه الأية تفصيل ما ذكره على سبيل الاجمال بقوله ما يشعركم و كذلك جعلنا الخ قال ابوالسعود كلام مبتدأ مسوق لتسلية رسول الله صلى الله عليه وسلم عما كان يشاهده قال المسكين من اعراضهم عن الأيات الالٰهية واصغائهم الى زخرف القول ولتصغى اليه الخ قال المسكين هو متمم للأية الاولى افغيرالله ابتغى الخ اعلم انه تعالى كما حكى عن الكفار انهم اقسموا الخ واجاب عنه بانه لافائدة فى اظهار تلك الأيات لانه تعالىٰ لو اظهرها لبقوا مصرين على كفرهم ثم انه تعالى بين فى هذه الأية ان الدليل الدال على نبوة قد حصل و كمل فكان ما يطلبونه طلبا للزيادة وذلك مما

(c) ketabton.com: The Digital Library

لايجب الالتفات اليه و انما قلنا ان الدليل الدال على نبوة قد حصل بوجهين الاول قوله و هو الذى انزل اليكم الكتاب والثانى قوله والذين اتيناهم الكتاب و قال ابوالسعود قوله تعالى و الذين اتيناهم الكتاب كلام مستانف غير داخل تحت القول المقدر مسوق من جهة تعالى لتحقيق حقية الكتاب الذى نيط به امرالحكمة قال المسكين و لعل هذا هو الاقرب لان الكلام فى تحقيق كون الأيات حقة صادقة لا فى امرالنبوة و تمت كلمة ربك الخ قال ابوالسعود شروع فى بيان كمال الكتاب المذكور من حيث ذاته الر بيان كماله من حيث اضافة اليه تعالى بكونه منزلا منه بالحق و تحقيق ذلك بعلم اهل الكتاب به و ان تطع اكثر من فى الارض الخ قال المسكين تحذير عن اتباع من اعرض عن الأيات التامة الصادقة العادلة ان ربك هواعلم الخ قال المسكين تقرير لما قبله اى لما كان الله تعالىٰ عالما بالواقع فمن حكم عليه بالضلال فهو ضال لاشك فكلوا مما ذكراسم الله عليه الخ قال ابوالسعود امر مرتب على النهى عن اتباع المضلين الذين من جملة اضلالهم تحليل الحرام و تحريم الحلال قال المسكين اى خلاف الأيات و خذوا الخ اعلم انه تعالى لما بين انه فصل المحرمات اتبعه بما يوجب تركها بالكلية او من كان ميتا الخ اعلم انه تعالى لما ذكر فى الأية الاولى ان المشركين يجادلون المؤمنين فى دين الله ذكر مثلا يدل على حال المؤمن المهتدى و على حال الكافر الضال و كذلك جعلنا الخ قال المسكين تتمة لحال المضلين المجادلين و فى ضمنه تسلية لرسول الله صلى الله عليه وسلم و اذا جاء تهم اية قالو الن نؤمن الخ قال المسكين رجوع الى بيان حال المعرضين عن الأيات المصرين على الجهالات فمن يرد الله ان يهديه الخ قال المسكين بيان ان الانتفاع بالأيات بمحض فضل الله تعالى فلا فائدة فى اظهار مقترحاتهم و هذا صراط ربك الخ قال المسكين بيان لكون مدلول الأيات حقانا فعاللمتذكرين المستحقين لدارالسلام وولاية الله تعالى و يوم نحشرهم جميعا الخ اعلم انه تعالى لمابين حال من يتمسك بالصراطا المستقيم بين بعده حال من يكون بالضد من ذلك لتكون قصة اهل الجنة مردفة بقصة اهل النار يمعشرالجن والانس الخ قال ابوالسعود شروع فى حكاية ما سيكون من توبيخ المعشرين و تقريعهم بتفريطهم فيما يتعلق بخاصة انفسهم الر حكاية توبيخ معشر الجن باغواء الانس واضلالهم و بيان مال امرهم ذلك ان لم يكن الخ اعلم انه تعالى لما بين انه ما عذاب الكفار الابعدان بعث اليهم الانبياء والرسل بين بهذه الأية ان هذا هو العدل والحق ولكل درجات الخ اعلم انه تعالىٰ لما شرح احوال اهل الثواب والدرجات و احوال اهل العقاب والدركات ذكر كلاما كليا و ربك الغنى الخ بين ان تخصيص المطيعين بالثواب والمذنبين بالعذاب ليس لاجل انه محتاج الى طاعة المطيعين او ينتقص بمعصية المذنبين قل يقوم اعملوا الخ اعلم انه لما

(c) ketabton.com: The Digital Library

بیـن بقوله انما توعدون امر رسوله من بعده ان یهدد من ینکر البعث من الکفار و جعلو الله الخ اعـلـم انه تعالی لما بین قبح طریقتهم فی انکارهم البعث والقیامة ذکر عقیبه انواعا من جهالاتهم ورکـاکات اقوالهم وکذلک زین الخ اعلم ان هذا هوالنوع الثانی من احکامهم الفاسدة و مـذاهبهـم الباطلة قالوا هذه انعام الخ اعلم ان هذا نوع ثالث من احکامهم الفاسدة وقالو اما فـی الخ هذا نوع رابع من انواع قضایا هم الفاسـدة وهوالذی انشاجنات الخ قال ابوالسعود تمهید لـمـا سیأتی من تفصیل احوال الانعام ای هوالذی انشأ من غیر شرکة لاحد فی ذلک بوجه مـن الـوجـوه و مـن الانعام حمده قال ابوالسعود شروع فی تفصیل حال الانعام و ابطال ما تقولوا علی الله تعالی فی شانها بالتحریم والتحلیل قل لااجد فیما اوحی الخ اعلم انه تعالی لـمـا بین فساد طریقة اهل الجاهلیة فیما یحل میحرم من المطعوعات اتبعه بالبیان الصحیح فـی هـذا الباب سیقول الذین اشرکو الخ قال ابوالسعود حکایة لفن اخرمن کفرهم قل هلم شهـداء کم الخ اعلم انه تعالی لما ابطل علی الکفار جمیع انواع حججهم بین انه لیس لهم عـلـی قـولهم شهود البتة قل تعالوا الخ اعلم انه تعالی لما بین فـسـاد مایقوله الکفار ان الله حرم عـلیـنـا کذاوکذا اردفه ببیان الاشیاء التی حرمها علیهم و ان هذا صراطی الخ انه تعالیٰ لما بیـن فـی الایتیـن المتقدمتین ما وحی به اجمل فی اخره اجمالاً یقتضی دخول ما تقدم فیه و دخـول سـائر الشریعة فیه ثم اتینا موسی الخ قال ابوالسعود کلام مسوق من جهة تعالی تقریر الـوصیة و تحقیقا لها وتمهید الما یعقبه من ذکر انزال القران المجید کما ینبئی عنه تغییر الاسلوب بالالتفات الی التکلم هل ینظرون الخ اعلم انه تعالیٰ لما بین انه انما انزل الکتاب ازالة لـلعذر وازاحة للعلة بین انهم لایؤمنون البتة و شرح احوالاً توجب الباس عن دخولهم فـی الایمان ان الذین فرقوا الخ قال ابو السعود استیناف لبیان احوال اهل الکتابین اثر بیان احوال لمشرکین من جاء بالحسنة الخ قال ابوالسعود استیناف مبین لمقا دیرا جزیة[۱] العاملین قـل اننی هدانی الخ قال ابوالسعود امر رسول الله صلی الله علیه وسلم بان یبین لهم ماهو علیه من الـدین الحق الذی یدعون انهم علیه وقد فارقوه بالکلیة قل ان صلاتی الخ قال ابوالسعود عیدالامر لـمـا ان الـما موربه معلق بفروع الشرائع و ما سبق باصولها قل اغیرالله ابغی الخ اعلم انه تعالی لما امـر مـحـمـدا صلی الله علیه وسلم بالتوحید المحض امره بان یذکرما یجری مجری الدلیل علی صـحة هـذا الـتـوحیـد ثـم بیـن انه لا یرجع الیه من کفرهم و شرکهم ذم ولا عقاب ثم بین تعالیٰ ان رجوع هـؤلاء الشـرکیـن الـی مـوضع لاحاکم فیه ولا امرالا الله تعالی وهوالذی جعلکم الخ قال الـمـسـکیـن بیـن فـی هـذه الأیة الامـور الحاملة علی امتثال جمیع الاوامر من النعم والاجتناب عن جمیع النواهی من النقم فکانها تاکید و تقریر لجمیع ما فی السودة مع غیرها والله اعلم

[۱] المدلولة علیها بقوله فیما قبل ینبئهم بما کانو یفعلون ۱۲ منه

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الاعراف[1]

اتبعوا ما انزل الخ اعلم ان امر الرسالة انما يتم بالمرسل و هو الله سبحانه و تعالى والمرسل و هو الرسول والمرسل اليه و هو الامة فلما امر فى الأية الا ولى الرسول بالتبليغ ولانذارمع قلب قوى و عزم صحيح امرالمرسل اليه و هوالامة فلما امر فى الأية الاولى الرسول بالتبليغ و الانذار مع قلب قوى و عزم صحيح امرالمرسل اليه و هم الامة بمتابعة الرسول و كم من قرية اهلكناها الخ اعلم انه تعالى لما امرالرسول عليه الصلوة والسلام بالانذارو التبليغ و امرالقوم بالقبور والمتابعة ذكر فى هذه الأية ما فى ترك المتابعة والاعراض عنها من الوعيد فلنسئلن الذين الخ قال ابو السعود بيان لعذابهم الاخروى الر بيان عذابهم الدنيوى خلاانه قد تعرض لبيان مبادى احوال المكلفين جميعاً لكونه ادخل فى التهويل والوزن يومئذ الخ اعلم انه تعالىٰ لما بين فى الأية الاولىٰ السؤال والحساب بين فى هذه الأية وزن الاعمال ولقد مكنا كم فى الارض الخ اعلم انه تعالى لما امر الخلق بمتابعة الانبياء عليهم السلام ثم خوفهم بعذاب الدنيا ثم خوفهم بعذاب الأخرة رغبهم فى هذه الأية بطريق اخروهو انه كثرت نعم الله عليهم و كثرة النعم توجب الطاعة ولقد خلقناكم الخ قال ابوالسعود تذكير لنعمة عظيمة فائضة على ادم عليه السلام سارية الى ذرية موجبة لشكرهم كاف يا بنى ادم قد انزلنا الخ فى نظم الأية وجهان الاول انه تعالى لما بين انه امرادم و حواء بالهبوط الى الارض و جعل الارض مستقرا بين بعده انه تعالى انزل كل مايحتاجون اليه فى الدين والدنيا من جملتها اللباس الوجه الثانى انه تعالى لما ذكر واقعة ادم فى انكشاف العورة و انه كان يخصف الورق عليها اتبعه بان بين انه للخلق اللباس للخق ليستروابها عورتهم و نبيه على المنته العظيمة على الخلق بسبب انه اقدرهم على التستر يا بنى ادم لايفتننكم الخ اعلم ان المقصود من ذكر قصص الانبياء عليهم السلام حصول العبرة لمن يسمعها فكانه تعالى لما ذكر قصة ادم و بين فيها شدة عداوة الشيطان لأدم و اولاده اتبعها بان حذراولاد ادم من قبول وسوسة الشيطان و اذافعلوا فاحشة الخ قال المسكين بيان لولاية الشيطان للكافرين فى فعلهم الفاحشة و تقليدهم الباطل والفتراء هم على الله تعالى قل امر ربى بالقسط الخ اعلم انه تعالى لما بين

---

[1] لما بين فى اخر السورة المتقدمة مسلک النبى صلى الله عليه وسلم و ما هو عليه من الدين الحق بقوله قل اننى هدانى الخ امر فى اول هذه السورة بتبليغ دينه ذلک الى الناس و ايضا كان المذكور فى خاتمة السورة الاول كونه تعالى سريع الحساب و ذكر فى اول هذه السورة سوال الامم والانبياء و الوزن فحصلت المناسبة بهذين الوجهين ۱۲ منه عفى عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

امر الامر بالفحشاء بين تعالى ان يأمر بالقسط والعدل و اقيموا و جوهكم الخ قال المسكين هذا من جملة القسط و كذاقوله وادعوه ثم اشاربقوله كما برأكم الى وقوع الجزاء ثم بين حال القائمين بالقسط والناكبين عنه بقوله فريقاً هدى ثم عال ضلالتهم بقوله انهم اتخذوا الخ يا بنى ادم خذوا الخ اعلم ان الله تعالى لما امربالقسط فى الأية الاولى و كان من جملة القسط امر اللباس وامرالماكول والمشروب لاحرم اتبعه بذكرهما قل انماحرم ربى الفواحش الخ اعلم انه تعالى لما بين فى الأية الاولى ان الذى حرّموه[1] ليس بحرام بين فى هذه الأية انواع المحرمات ولكل امة اجل الخ انه تعالىٰ لمابين الحلال والحرام و احوال التكليف بين ان لكل احداجلا معينا لايتقدم ولايتأ خرواذاجاء ذلك الاجل مات لامحالة والغرض منه التخويف ليتشدد المرء فى القيام بالتكاليف كما ينبغى يا نبى ادم اماياتينكم الخ اعلم انه تعالى لما بين احوال التكليف و بين ان لكل احد اجلامعينا لايتقدم ولا يتاخربين انهم بعد الموت انه كانوا مطيعين فلاخوف عليهم ولاحزن وان كانوا متمردين واقعوا فى اشدالعذاب فمن اظلم من افترى الخ اعلم ان قوله تعالى فمن اظلم يرجع الى قوله والذين كذبوا قال ادخلوا فى امم الخ اعلم ان هذه الأية من بقية شرح احوال الكفار و هوانه تعالى يدخلهم النار ان الذين كذبوا الخ اعلم ان المقصود منه اتمام الكلام فى وعيد الكفار والذين امنوا و عملوا الخ اعلم انه تعالى لما استوفى الكلام فى الوعيد اتبعه بالوعد فى هذه الأية و نادى اصحاب الجنة الخ اعلم انه تعالى لما شرح وعيد الكفار وثواب اهل الايمان والطاعات اتبعه بذكر المناظرات التى تدوربين الفريقين ولقد جئنا هم بكتاب الخ اعلم انه تعالى لما شرح احوال اهل الجنة و اهل النار واهل الاعراف ثم شرح الكلمات الدائرة بين هؤلاء الفرق الثلاث على وجه يصير سماع تلك المناظرات حاملا للمكلف على الحذروالاحتراز و داعياله الى النظر والاستدلال بين شرف هذا الكتاب الكريم و نهاية منفعة هل ينظرون الخ اعلم انه تعالى لما بين ازاحة العلة لست انزال هذا الكتاب المفصل الموجب للهداية والرحمة بين بعده حال من كذب ان ربكم الله الخ اعلم انا بينا ان مدارالقران على تقرير هذه المسائل الاربع و هى التوحيد والنبوة والمعاد و القضاء والقدر ولاشك ان مداراثبات المعاد على اثبات التوحيد والقدرة والعلم فلما بالغ الله تعالى فى تقرير المعاد عاد الى ذكر الدلائل الدالة على التوحيد و كمال القدرة والعلم لتصرى تلك الدلائل مقررة لاصول التوحيد و مقررة ايضالا ثبات المعاد وادعواربكم الخ اعلم انه تعالى لما ذكرالدلائل الدالة على كمال القدرة والحكمة والرحمة ابتعه بذكر الاعمال اللائقة بتلك و هوالذى يرسل الرياح الخ لما ذكردلائل الالٰهية و كمال العلم والقدرة من العالم العلوى اتبعه بذكر الدلائل من بعض احوال العالم السفلى قال

---

[1] من ملبوسات فى الطواف و ما كولات من البحائر والسوائب و غيرهما ۱۲ منه

(c) ketabton.com: The Digital Library

المسکین واستدل فی ضمنه علی صحة البعث بقوله کن لک نخرج الموتی والبلدة لطیب الخ قال ابوالسعود و هذا کما تری[۱] مثل لارسال الرسل علیهم السلام بالشرائع التی هی ماء حیلة القلوب الی المکلفین المنقسمین الی المقتبسین من انوارها والمحرومین من مغانم آثارها و قد عقب ذلک بما یحققه و یقرره من قصص الامم الخالیة بطریق الاستیناف فقیل ولقدارسلنا نوحا الخ فی الکبیر[۲] اعلم انه تعالی لما ذکر فی تقدیر المبدأ والمعاد دلائل ظاهرة و بینات قاهرة و براهین باهرة اتبعهابذکر قصص الانبیاء علیهم السلام و فیه فوائد احدها التنبیه علی ان اعراض الناس عن قبول هٰذه الدلائل من خواص قوم محمد علیه الصلوة والسلام بل هذه العادة المذمومة کانت حاصلة فی جمیع الامم والسالفة والمصیبة اذا عمت خفت فیفید تسلیة الرسول علیه السلام و ثانیها انه تعالی یحکی فی هذه القصص ان عاقبة المنکرین کان الی الکفر واللعن والخسارة و عاقبة امر المحقین الی الدولة والسعادة و ذلک یقوی قلوب المحقین و یکسر قلوب المبطلین و ثالثها التنبیه علی انه تعالی و ان کان یمهل هؤلاء المبطلین ولکنه لایهملهم بل ینتقم منهم علی اکمل الوجوه ورابعها بیان ان هذه القصص دالته علی نبوة محمد علیه الصلوة والسلام لانه علیه السلام کان امیا و ما طالع کتابا ولا تلمذ استاذ افاذا ذکرهذه القصص علی الوجه من غیر تحریف ولاخطأدل ذلک علی انه انما عرفها بالوحی من الله و ذلک یدل علی صحة نبوته و ما ارسلنا فی قریة الخ قال ابوالسعود اشارة اجمالیة الی بیان احوال سائرالامم اثر بیان احوال الامم المذکورة تفصیلا ولو ان اهل القری الخ اعلم انه تعالی لما بین فی الأیة الاولی ان الذین عصوا و تمردوا اخذهم الله بغتة بین فی هذه الأیة انهم لواطاعوالفتح الله علیهم ابواب الخیرات او لم یهدللذین یرثون الخ اعلم انه تعالی لما بین فیما تقدم من الأیات حال الکفار الذین اهلکهم الله تعالی بالاستیصال مجملا و مفصلا اتبعه ببیان الغرض من ذکرهذه القصص حصول العبرة لجمیع المکلفین فی مصالح ادیانهم و طاعتهم ثم بعثنامن بعدهم موسیٰ[۳] الخ اعلم ان هذا هوالقصة السادسة من القصص التی ذکرها الله تعالی فی هذه السورة و ذکر فی هذه القصة من الشرح والتفصیل مالم یذکر فی سائر القصص لاجل ان معجزات موسی کانت اقوی وجهل قومه کان اعظم وافحش الذین یتبعون الرسول النبی الامی الخ اعلم انه تعالی لما بین ان من صفة من یکتب له الرحمة التقوی وایتاء الذکوة والایمان بالأیات ضم الی ذلک ان یکون من صفة اتباع النبی الامی فکانه تعالی بین بهذه الأیة ان هذه الرحمة لایفوزبها من بنی اسرائیل الامن

[۱] فهو بصورته مناسب لقوله فانزلنا به الماء فاخرجنابه من کل الثمرات بمعناه مناسب لقوله ولقد جئناهم بکتاب فصلناه بحیث افادوجه التقیید بقوله لقوم یؤمنون ۱۲ منه [۲] صرح به لئلایشتبه علی الناظر بانه من تفسیر الی السعود ا [۳] الی اخر القصة ۱۲ منه

(c) ketabton.com: The Digital Library

التقی واتی الزکوة وامن بالدلائل فی زمن موسی و من هذه صفت فی ایام الرسول اذا کان مع ذلک متبعا للنبی الامی فی شرائعه قل یایها الناس الخ قال ابو السعود لما حکی ما فی الکتابین من نعوت رسول الله صلی الله علیه وسلم و شرف من یتبعه من اهلهما و نیلهم السعادة الدارین امر علیه الصلوة والسلام ببیان ان تلک السعادة غیر مختصة بهم بل شاملة لکل من یتبعه کائنا من کان ببیان عموم رسالة للثقلین مع اختصاص رسالة سائر الرسل علیهم السلام باقوامهم و من قوم موسی امة الخ قال ابو السعود کلام مبتدأ مسوق لدفع ما عسی یوهمه تخصیص کتب الرحمة والتقوی والایمان بالآیات بمتبعی رسول الله صلی الله علیه وسلم من حرمان اسلاف قوم موسی من کل خیر و بیان ان کلهم لیسوا کما حکیت احوالهم بل منهم امة الخ و قطعناهم اثنتی عشرة الخ قال المسکین هذا بقیة من حکایة قصة بنی اسرائیل واسألهم عن القریة التی الخ قال المسکین هذا ایضاً بعض قبائح الیهود و اذتاذن ربک الخ قال المسکین هذا بیان الجزائهم من الذل والصغار اثر بیان قبائهم و قطعنا هم فی الارض الخ هذا ایضامن بقایا احوالهم الی قوله تعالی واذنتقنا الجبل الخ واذا خذربک الخ لما شرح قصة موسی علیه السلام مع توابعها علی اقص الوجوه ذکر فی هذه الأیة ما یجری مجری تقریر الحجة علی جمیع المکلفین واتل علیهم نباالذی الخ قال المسکین هذا تقبیح لمن ضل بعد العلم والهدی کبعض علماء بنی اسرائیل الذین ذکرت اخبارهم فیما قبل او کل من ذکره الله تعالی بایاته و مواثیقه التی اخذها فی عالم الذر کمایدل علیه قوله تعالی ذلک مثل الذین کذبو الخ ساء مثلا القوم الذین الخ اعلم انه تعالی لما قال بعد تمثیلهم بالکلب ذلک مثل القوم الذین کذبوا بایٰتنا وزجر بذلک عن الکفر والتکذیب الکره فی باب الزجر بقوله ساء مثلامن یهدے الله الخ اعلم انه تعالیٰ لما وصف الضالین بالوصف المذکور و عرف حالهم بالمثل المذکور بین فی هذه الأیة ان الهدایت والضلالة من الله تعالیٰ ولقد ذرأنا لجهنم الخ قال ابو السعود کلام مستأنف مقرر لمضمون ما قبله بطریق التذئیل و لله الاسماء والحسنی الخ قال ابو السعود تنبیه للمومنین علی کیفیة ذکره تعالی و کیفیة المعاملة مع المخلین بذلک الغافلین عنه سبحانه و عما یلیق به اثر بیان غفلتهم التامة وضلالتهم الطامة و ممن خلقنا امة یهدون الخ اعلم انه تعالی لما قال ولقد ذرأنا فاخبران کثیرا منهم مخلوقون للنار اتبعه بقوله و ممن خلقنا امة لیبین ایضا ان کثیرا منهم مخلوقون للجنة والذین کذبوا بایاتنا الخ اعلم انه تعالی لما ذکر حالی الامة الهادیة العادلة اعاد ذکر المکذبین بآیات الله تعالی و ما علیهم من الوعید اولم یتفکروا الخ قال ابو السعود کلام مبتدأ مسوق لانکار عدم تفکرهم فی شانه علیه الصلوة والسلام وجهکهم بحقیقة حال الموجبة للایمان به وبما انزل علیه من الأیات التی کذبوا بها اولم ینظروا فی ملکوت الخ قال ابو السعود استیناف

(c) ketabton.com: The Digital Library

اخر مسوق للانکار والتوابیخ باخلالهم بالتامل فی الأیات التکوینیة المنصوبة فی الأفاق والانفس الشاهدة لحصة مضمون الأیات المنزلة اثر ما فعی علیهم باخلالهم بالتفکر فی شانه علیه الصلوة والسلام من یضلل الله الخ قال ابوالسعود استیناف مقرر لما قبله منبئ عن الطبع علی قلوبهم یسئلونک عن الساعة الخ قال ابوالسعود استیناف مسوق لبیان بعض احکام ضلالهم و طغیانهم قل لا املک الخ قال ابوالسعود شروع فی الجواب عن السؤال ببیان عجزه عن علمها اثر بیان عجز الکل عنه وابطال زعمهم الذی بنو اعلیه سؤالهم من کونه علیه الصلوة والسلام ممن[1] یعلمها هوالذی خلقکم من نفس واحدة الخ اعلم انه تعالی رجع فی هذه الأیة الی تقریر امرالتوحید وابطال الشرک خذالعفو الخ قال ابوالسعود بعد ما علمن اباطیل المشرکین و قبائحهم مالا یطاق تحمله امر علیه السلام بجامع مکارم الاخلاق التی من جملتها الاغضاء عنهم و اماینزغنک الخ قال ابوزید لما نزل قوله و اعرض عن الجاهلین قال النبی صلی الله علیه وسلم کیف یارب والغضب فنزل قوله و اما ینزغنک ان الذین اتقوا الخ قال ابوالسعودا استیناف مقرهما قبله ببیان ان ما امربه علیه السلام من الاستعاذة بالله تعالی سنة مسلوکت للمتقین والاخلال بهادیدن الغاوین واذا لم تأتهم بأیة الخ قال المسکین عود الی اثبات حقیقة الأیات المنزلة علیه السلام و کفایتها فی امرالایمان و اغنائها عن الأیات المقترحة واذا قرئ الخ قال ابوالسعود ارشاد الی طریق الفوزبما اشیرالیه من المنافع الجلیلة التی ینطوی علیها القران واذکر ربک الخ قال المسکین لما کانت التلاوة المذکورة منه علیه السلام بالجهر لیتمکن السامع من استماعه امر فی هذه الأیة بالذکر الخفی لیفی حق الجلوة والخلوة ان الذین عندربک الخ لما رغب الله رسوله فی الذکر و فی المواظبة علیه ذکر عقیه ما یقوی دواعیه فی ذلک

---

[1] الاولی ان یقال ممن یدعی علمها ۱۲ منه

سورۃ الانفال

انما المؤمنون الذین الخ اعلم انه تعالی لما قال واطیعوا الله و رسوله ان کنتم مؤمنین و اقتضیٰ ذلک کون الایمان مستلزما للطاعة شرح ذلک فی هذه الأیة مزید شرح و تفصیل و بین ان الایمان لایحصل الاعند حصول هذه الطاعات کما اخرجک ربک الخ قال المسکین عود الی حکم الانفال والتشبیة فی الکراهة حالا والموافقة للحکمة مالا واذیعدکم الله الخ قال المسکین تفصیل لقصة بدر یایها الذین اٰمنوا اذا لقیتم الخ قال ابو السعود خطاب للمؤمنین بحکم کلی جارفیما سیقع من الوقایع و الحروب جیٔ به فی تضاعیف القصة اظهار اللاعتناء بشانه و مبالغة فی حضهم علی المحافظة علیه فلم تقتلوهم الخ قال ابو السعود رجوع الی بیان بقیة احکام الواقعة واحوالها و تقریر ما سبق منها ان تستفتحوا فقد الخ قال ابو السعود خطاب لاهل مکة علی سبیل التهکم بهم و ذلک انهم حین ارادوا الخروج تعلقوا باستار الکعبة وقالوا اللهم انصر علی الجندین و اهدی الفئتین واکرم الحزبین یایها الذین اٰمنوا اطیعوا الخ قال المسکین لما خاطب اهل مکة بالتهکم امر المؤمنین بان لایکونو امثلهم بل یطیعوا الله و رسوله واتقوا فتنة الخ قال المسکین لما امر فی الأیة الاولی بالاطاعة والاستجابة امر فی هذه الأیة بحمل غیرهم علیها بالامر بالمعروف والنهی عن المنکر واذکروا اذا انتم الخ قال المسکین بیان لموجبات الاطاعة من النعم الجلیلة یایهاالذین اٰمنوالا تخونوا الله الخ قال المسکین لما امر فیما قبل الاطاعة نهی ههنا عن المعصیة والخیانة و لما کان الحامل علیها فی الاغلب حب المال والولد شرح کونهما فتنة یایها الذین اٰمنوا ان تتقوا الله الخ قال المسکین فیه الحض علی التقوی و بیان کونه مدار السعادة الدنیا و الاخرة اثر الا مربه فیما قبل واذیمکربک الخ اعلم انه تعالی لماذکر المؤمنین نعمه علیهم بقوله واذکروا اذانتم قلیل فکذلک ذکر رسوله نعمه علیه واذا تتلی علیهم اٰیٰتنا الخ اعلم انه تعالی لما حکی مکرهم فی ذات محمد حکی مکرهم فی دین محمد صلی الله علیه وسلم و ما کان الله لیعذبهم الخ

لے لما ابطل طریقة المشرکین فی خاتمة السورة السابقة و هو الجهاد باللسان بین فی هذه السورة احکام الجهاد بالسنان ۱۲ منه

(c) ketabton.com: The Digital Library

قال ابوالسعود جواب لکلمتهم الشفاء و بیان للموجب لامهالهم والتوقف فی اجابة دعائهم و مالهم ان لا یعذبهم الخ قال ابوالسعود بیان لاستحقاقهم العذاب بعد بیان ان المانع لیس من قبلهم و ما کان صلاتهم الخ قال ابوالسعود مساق الکلام لتقریر استحقاقهم العذاب او عدم ولایتهم للمسجد فانها لاتلیق بمن هذه صلاته ان الذین کفروا ینفقون الخ اعلم انه تعالی لما شرح احوال هؤلاء الکفار فی الطاعات البدنیة اتبعا بشرح احوالهم فی الطاعات المالیة قال المسکین و حسن موقعها ههنا نزولها فی المطعمین یوم بدر قل للذین کفروا الخ اعلم انه تعالی لما بین صلاتهم فی عباداتهم البدنیة و عباداتهم المالیة ارشدهم الی طریق الصواب و قاتلوهم حتی الخ اعلم انه تعالی لما بین ان هؤلاء الکفار ان انتهوا عن کفرهم حصل لهم الغفران و ان عادوا فهم متوعدون بسنة الاولین اتبعه بان امر بقتالهم اذا اصروا واعلموا ان ماغنمتم الخ اعلم انه تعالی لما امر بالمقاتلة فی قوله و قاتلوهم و کان من المعلوم ان عند المقاتلة قد تحصل الغنیمة لاجرم ذکر الله تعالی حکم الغنیمة اذانتم بالعدوة الدنیا الخ قال المسکین متعلق ببدر یایها الذین امنوا اذالقیتم الخ اعلم انه تعالی لما ذکر انواع نعمه علی الرسول و علی المؤمنین یوم بدر علمهم اذاالتقوا الثبات و ان یذکروا الله کثیراً واذزین لهم الشیطان الخ قال المسکین هذا ایضا متعلق ببدر ولوتری اذ یتوفی الخ اعلم انه تعالی لما شرح احوال هؤلاء الکفار شرح احوال موتهم والعذاب الذی یصل الیهم کدأب ال فرعون الخ لما بین ماانزله باهل بدر من الکفار عاجلا واجلا اتبعه بان بین ان هذه طریقة و سنته فی الکل فقال کدأب الخ ثم ذکر مایجری مجری العلة فی العقاب الذی انزله بهم فقال ذلک بان الله الخ ان شر الدواب الخ قال ابوالسعود بعدما شرح احوال المهلکین من شرار الکفرة شرع فی بیان احوال الباقین منهم و تفصیل احکامهم فاماتثقفنهم الخ قال ابوالسعود شروع فی بیان احکامهم بعد تفصیل احوالهم و لا یحسبن الذین کفروا سبقوا الخ اعلم انه تعالی لما بین مایفعل الرسول فی حق من یجده فی الحرب و یتمکن منه و ذکر ایضاً ما یجب ان یفعله فیمن ظهر منه نقض العهدین ایضا حال من فاته فی یوم بدر وغیره واعدوالهم الخ اعلم انه تعالی لما اوجب علی رسوله ان یشرد من صدر عنه نقض العهدوان ینبذالعهد الی من خاف منه النقض امره فی هذه الأیة بالاعداد لهؤلاء الکفار قال ابوالسعود اولقتال الکفار علی الاطلاق و هوالانسب لسیاق النظم الکریم و ان جنحوا الخ اعلم انه لما بین ما یرهب

(c) ketabton.com: The Digital Library

بـه الـعـدو مـن الـقوة و الاستظهار بين بعده انهم عند الارهاب اذا جنحوا اى مالوا الى الصلح فالحكم قبول الصلح قال المسكين ثم لما كان فى الصلح احتمال الخداع و عدنبيه بحسبانه تعالى اياه و علله بنصره وبالمؤمنين فى قوله و ان يريدوا الخ يا ايهاالنبى حسبک الله و من اتبعک الخ قال ابو السعود شروع فى بيان كفاية تعالى اياه عليه الصلوة و السلام فى جميع امـوره و امور المؤمنين او فى الامور الواقعة بينهم و بين الكفرة كافة اثر بيان كفايته تعالى اياه عـليه الصلوة و السلام فى مادة خاصته يايها النبى حرض الخ بعد ما بين كفايته اياهم بالنصروا لامـداد امـر عـليه الصلوة و السلام بترتيب مبادى نصره و امداده ما كان لنبى ان يكون الخ واعلم ان المقصود من هذه الأية تعليم حكم اخرمن احكام الغزو و الجهاد فى حق النبى صلى الله عليه وسلم يايها النبى قل لمن فى ايديكم الخ اعلم ان الرسول لما اخذا لفداء من الاسارىٰ و شـق عـليهم اخذاموالهم منهم ذكر الله تعالى هذه الأية استماله لهم ان الذين امنوا وهاجروا الىٰ خر السـورة اعلم انه تعالى قسم المؤمنين فى زمان الرسول صلى الله عليه وسلم الى اربعة اقسـام و ذكر حكم كل واحد منهم و تقرير هذه القسمة انه عليه السلام ظهرت نبوة بمكة ودعـا الـنـاس هناک الى الذين ثم انتقل من مكة الى المدينة فحين هاجر من مكة الى المدينة صـار الـمؤمنون على قسمين منهم من وافقه فى تلک الهجرة و منهم من لم يوافقه فيها بل بـقى هناک اما القسم الاول فهم المهاجرون الاولون و قد وصفهم بقوله ان الذين امنوا الخ و انما قلنا ان المراد منهم المهاجرون الاولون لانه تعالى قال فى اخر الأية و الذين امنوا من بعدوها جروله و اما القسم الثانى من المؤمنين الموجودين فى زمان محمد صلى الله عليه وسـلم فهم الانصار اوواونصروا القسم الثالث من اقسام مومنى زمان الرسوله عليه السـلام و هم المؤمنون الذين ماوافقوا الرسول فى الهجرة و بقوافى مكته و هم المعنيون بقوله والذين امـنـوا ولـم يهاجروا القسم الرابع من مؤمنى زمان محمد صلى الله عليه وسلم هم الذين لم يوافقوا الرسول فى الهجرة الا انهم بعد ذلک هاجروا اليه وهو المراد من قوله تعالى والذين امـنـوا من بعد قال المسكين لما كانت الوظيفة هو الجهاد وقت القدرة و الهجرة عند العجز ذكر الهجرة و بعض احكامها بعد ذكر الجهاد

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ التوبہ[1]

ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ الخ اعلم انہ تعالی بدء السورۃ بذکر البراءۃ عن الکفار و بالغ فی ایجاب ذلک و ذکر من انواع فضائحھم و قبائحھم مایوجب تلک والبراءۃ قال المسکین واشعر ذلک باھانتھم اجاب[2] عما افتخروابھا یایھا الذین امنوا لا تتخذوا اباء کم الخ قال المسکین اخذامن الکبیر لما بالغ فی البراءۃ عن الکفار کان مظنۃ ان یقال ان البراءۃ عن الاقارب صعب جدافذکرھا فی ھذہ الأیۃ لقد نصرکم اللہ فی مواطن الخ قال المسکین لما امراللہ تعالی فیما قبل بترجیح موالاۃ اللہ تعالی علی موالاۃ غیرہ والقطع عما سواہ الکدہ بتذکیر واقعۃ حنین واضرابھا بان کثرۃ جماعتکم لم تغن شیئا وانما نفعکم نصراللہ تعالی فحق علیکم التوکل علیہ لا علی غیرہ یایھا الذین امنوا انما المشرکون الخ لما امر صلی اللہ علیہ وسلم علیا ان یقرأ علی مشرکی مکۃ اول سورۃ براءۃ وینبذالیھم عھدھم قالاناس ستعلمون ماتلقونہ من الشدۃ لانقطاع السبل وفقد الحمولات فنزلت ھذہ الأیۃ واجاب اللہ تعالی بقولہ و ان خفتم علیۃً قاتلوا الذین قال ابوالسعود امرھم بقتال اھل الکتابین اثرامرھم بقتال المشرکین و قالت الیھود الخ قال ابوالسعود جملۃ مبتدأۃ سیقت لتقریر ما مرمن عدم ایمان اھل الکتابین باللہ سبحانہ و انتظامھم بذلک فی سلک المشرکین اتخذوا احبارھم الخ قال ابوالسعود زیادۃ تقریر لما سلف من کفرھم باللہ تعالیٰ یریدون ان یطفؤا الخ اعلم ان المقصود منہ بیان نوع من الافعال القبیحۃ الصادرۃ عن رؤساء الیھود والنصاری وھو سعیھم فی ابطال امر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ھوالذی ارسل رسولہ الخ اعلم انہ تعالی لما حکی عن الاعداء ھم یحاولون ابطال امر محمد صلی اللہ علیہ وسلم و بین تعالی انہ یابی ذلک الابطال و انہ یتم امرہ بین کیفیۃ ذلک الاتمام یایھاالذین امنوا ان کثیرا الخ قال ابوالسعود شروع فی بیان حال الاحبارو الرھبان فی اغوائھم لارذالھم اثر بیان سوء حال الاتباع فی اتخاذھم لھم اربابا ان عدۃ الشھور الخ قال المسکین رجوع الی بیان بعض

---

[1] اعلم ان کلتاالسورتین مشتملۃ علی بیان احکام الجھاد و ھا المناسبۃ ظاھرۃ ۱۲ منہ عفی عنہ

[2] سقطت ھھنا کلمۃ ۱۲ مصحح

(c) ketabton.com: The Digital Library

قبائح المشركين و ضلالاتهم وجها لا تهم من تغيير احكام الله تعالى الموجبة لقتالهم يايها الذين امنوا مالكم الخ اعلم انه تعالى لما شرح مصائب هؤلاء الكفار و فضائحهم عاد الى الترغيب في مقاتلتهم انفروا اخفافا و ثقالا الخ قال ابو السعود تجريد للامر بالنفور بعد التوبيخ على تركه والانكار على المساهلة فيه لوكان عرضا الخ قال ابو السعود صرف للخطاب عنهم و توجيه له الى رسول الله صلى الله عليه وسلم تعديد الماصدر عنهم من الهنات قولا و فعلا على طريق المبالة و بيان لدناء ة هممهم وسائر رذائلهم قال المسكين شرع الله تعالى من ههنا قبائح المنافقين و فضائحهم فى غزوة تبوک و امتد هذاالبيان الى اخر السورة الاما وقع من بعض احوال المنافقين فى التضاعيف استطرادا والا قوله وما كان الله ليضل فكانه تسلية للذين استغفروا للمشركين قبل ذلک قوله تعالى لقد جاء كم رسول من انفسكم الخ اعلم انه تعالى لما امر رسوله عليه السلام ان يبلغ فى هذه السورة الى الخلق تكاليف شاقة شديدة صعبة يعسر تحملها الامن خصه الله تعالى بوجوه التوفيق و الكرامة ختم السورة بما يوجب سهولة تحمل تلک التكاليف فان تولو الخ قال ابو السعود نتوين للخطاب و توجيه له الى النبى صلى الله عليه وسلم تسلية له

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة یونس[1]

ان ربکم الله الذی الخ اعلم انه تعالی لما حکی عن الکفار انهم تعجبوا من الوحی و البعثة والرسالة ثم انه تعالی ازال ذلک التعجب بانه لایبعد البتته فی ان یبعث خالق الخلق الیهم رسولا یبشرهم علی الاعمال الصالحة بالثواب و علی الاعمال الباطلة الفاسدة بالعقاب کان هذا الجواب انما یتم ویکمل باثبات امرین احدهما اثبات ان لهذا العالم الٰها قاهر اقادرا نافذالحکم بالامر والنهی والتکیف والثانی اثبات الحشر والنشر والبعث والقیامة حتی یحصل الثواب والعقاب اللذان اخبر الانبیاء عن حصولهما فلاجرم انه سبحانه ذکر فی هذا الموضع مایدل علی تحقیق هذالمطلوبین هو الذی جعل الشمس ضیاء الخ قال ابو السعود تنبیه علی الاستدلال علی وجوده تعالیٰ ووحدته و علمه و قدرته و حکمته باثار صنعه فی النیرین بعد التنبیه علی الاستدلال بمامر من ابداع السمٰوٰت والارض والاستواء علی العرش و غیر ذلک و بیان لبعض افراد التدبیر الذی اشیر الیه اشارة اجمالیة و ارشادالی انه حیث دبرت امورهم المتعلقة بمعاشهم هذا التدبیر البدیع فلان یدبر مصالحهم المتعلقة بالمعاد بارسال الرسل و انزال الکتاب و تبیین طرائق الهدی و تعیین مهاوی والردی اولی واحری ان الذین لایرجون لقاء نا الخ اعلم انه تعالی لما اقام الدلائل القاهرة علی صحة القول باثبات الأله الرحیم الحکیم و علی صحة القول بامعاد والحشروا انه شرع بعده فی شرح احوال من یکفربها و فی شرح احوال من یؤمن بها ولو یعجل الله للناس الشر الخ ان الذی یغلب علی ظنی ان ابتداء هذه السورة فی ذکر شبهات المنکرین للنبوة مع الجواب عنها فالشبهة الاولی ان القوم تعجبوا من تخصیص الله تعالیٰ محمداً علیه السلام بالنبوة فازال الله تعالی ذلک التعجب بقوله اکان للناس عجبا ثم ذکر دلائل التوحید و دلائل صحة المعاد و حاصل الجواب انه یقول انی ماجئتکم الا بالتوحید والاقرار بالمعاد و قددللت علی صحتها فلم یبق للتعجب من نبوتی معنی والشبهة الثانیة للقوم انهم کانوا ابدایقولون اللهم ان کان مایقول محمد حقا فی ادعاء الرسالة فامطر علینا حجارة من السماء او ائتنا بعذاب الیم فاجاب الله تعالی عن هذه الشبهة

[1] خاتمته ما قبلها و فاتحتها تشترکان فی اثبات الرسالة ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

بـمـا ذكره في هذه الأية و اذامس الانسان الضر الخ انه تعالى حكى عنهم انهم يستعجلون في نزول العذاب ثم بين في هذه الأية انهم كاذبون في ذلك الطلب و الاستعجال لانه لو نزل بالانسان ادنى شيء يكرهه و يؤذيه فانه يتضرع الى الله تعالى في ازالة عنه و في دفعه عنه و ذلك يـدل عـلى انه ليس صادقا في هذا الطلب و لقد اهلكنا القرون الخ بين في هذه الأية مـا يجرى مجرى التهديد وهو انه تعالى قد ينزل عذاب الاستيصال ولا يزيله و اذا تتلى عليهم اٰيـاتنا بينات الخ اعلم انه هذا الكلام هو النوع الثالث من شبهاتهم و كلماتهم التى ذكرو ها فـي الطعن في نبوة النبي صلى الله عليه وسلم حكاها الله تعالى في كتابه و اجاب عنها فمن اظلم ممن افترى الخ اعلم ان تعلق هذه الأية بما قبلها ظاهر و يعبدون من دون الله الخ قال ابـو السـعـود حكاية لجناية اخرى لهم نشأت عنها جنايتهم الاولى قال المسكين اى قولهم ائت بقراٰن غير هذا اوبدله لان في القراٰن ابطال الوهية اصنامهم و ما كان الناس الاامة الخ اعـلـم انه تعالى لما اقام الدلائل القاهرة على فساد القول بعبادة الاصنام بين السبب في كيفية حـدوث هذا المذهب الفاسدو المقالة الباطلة و يقولون لولا الخ اعلم ان هذا الكلام هو النوع الرابع من شبهات القوم في انكارهم نبوة واذا اذقنا الناس رحمة الخ اعلم ان القوم لما طلبو امـن رسـول الله صلى الله عليه وسلم اٰية اخرى و اجاب الجواب و هو قوله انما الغيب لله ذكـر جـوابـا اٰخرو تقريره ان عادة هؤلاء الاقوام المكرو اللجاج و العناد و عدم الانصاف و اذا كـانـوا كـذلـك فبتقريران اعطوا ما سألوه من انزال معجزات اخرى فانهم لايؤمنون بل يبقون على كفرهم هو الذى يسيركم في البحر الخ قال المسكين هذا متهم لما قرر قبله انما مثل الحيوة الدنيا الخ اعلم انه تعالى لما قال يايها الناس انما بغيكم الخ اتبعه هذا المثل العجيب الذى ضربه لمن يبغي في الارض و يغتربالدنيا و يشتدتمسكه بهاوالله يدعوا الى الخ اعـلـم انه تعالى لما نفرالغافلين عن الميل الىٰ الدنيا بالمثل السابق رغبهم في الاخرة هذه الأية للذين احسنوا الخ اعلم انه تعالى لما دعا عباده الى دارالسلام ذكر السعادات التى تحصل لهـم فيها و الذين كسبوا السيآت الخ اعلم انه كما شرح حال المسلمين في الأية المتقدمة شـرح حـال من اقدم على السيئات في هذه الاربعة و يوم نحشرهم جميعا الخ اعلم ان هذا نـوع اٰخـر من شرح فضائح اولئك الكفار الذين كسبوا السيئات هنالك تبلوا الخ هذه الأية كـالتـتـمة لما قبلها قل من يرزقكم من السماء الخ اعلم انه تعالى لما بين فضائح عبدة الاوثان

(c) ketabton.com: The Digital Library

اتبعها بذکر الدلائل الدالة علی فساد هذا المذهب و ما کان هذا القران الخ قال ابو السعود
شروح فی بیان ردهم للقرآن الکریم اثر بیان ردهم للادلة العقلیة المندرجة فی تضاعیفه
قال المسکین کانه عود الی تقریر مضمون قوله تعالی فی اول السورة و اذا تتلیٰ علیهم
ایتنا بینات قال الذین لایرجون لقاء نا ائت بقران غیر هذا الأیة و منهم من یؤمن به الخ قال
المسکین بیان لمعاملة الکفار مع القرآن و صاحب القرآن علی انحاء شتی و یوم نحشرهم
کان لم یلبثوا الخ اعلم انه تعالی لما وصف هولاء الکفار بقلة الاصغاء و ترک التدبر اتبعه
بالوعید و لکل امة رسول الخ اعلم انه تعالی لما بین حال محمد صلی الله علیه وسلم مع
قومه بین ان حال کل الانبیاء مع اقوامهم کذلک و یقولون متی هذا الخ اعلم ان هذا هو
الشبهة الخامسة من شبهات منکری النبوة فانه علیه السلام کلما هددهم بنزول العذاب و
مرزمان ولم یظهر ذلک العذاب قالوا متی هذا الوعد الخ قل ارایتم ان اتاکم الخ اعلم ان
هذا هو الجواب الثانی عن قولهم متی هذا الوعد ویستنبؤنک احق هو الخ قال المسکین
هی تتمة لا قبلها و کذا قوله تعالیٰ الاان لله ما فی السمٰوٰت والارض الخ تتمة للجواب
المذکور ببیان ان الله تعالی مالک العلویات والسفلیات ووعده حق والاحیاء والاماتة
بیده فهو قادر علی نزول العذاب متی شاء و انه ینزل لامحالة یاایها الناس قدجاء تکم الخ
اعلم ان الطریق الی اثبات نبوة الانبیاء علیهم السلام امر ان الاول ان یقول ان هذا الشخص
قدادعی النبوة و ظهرت المعجزة علی یده و کل من کان کذلک فهو رسول من عند الله
حقا و صدقا و هذا الطریق مما قد ذکره الله تعالی فی قوله و ما کان هذا القران ان یفتری
الخ فنقوله انه تعالی لما بین صحة نبوة محمد صلی الله علیه وسلم بطریق المعجزة ففی
هذه الأیة بین صحة نبوة بالطریق الثانی وهذا الطریق طریق کاشف عن حقیقة النبوة معرف
لما هیتها فاستدلال بالمجزة هو الذی یسمیه المنطقیون برهان الان و هذا الطریق هو الطریق
الذی یسمونه برهان اللم وهو اشرف و اعلی و اکمل و افضل قل ارایتم ما انزل الله الخ
لما ذکر الدلائل الکثیرة علی صحته النبوة و بین فساد سؤالاتهم و شبهاتهم فی انکارها
اتبع ذلک ببیان فساد طریقتهم فی شرائعهم احکامهم و ماتکون فی شأن الخ اعلم انه لما
اطال الکلام فی امر الرسول بایراد الدلائل علی فساد مذاهب الکفار و فی امره بایراد الجواب
عن شبهاتهم و فی امره بتحمل اذا هم بالرفق معهم ذکر هذا الکلام لیحصل به تمام السلوة

(c) ketabton.com: The Digital Library

والسرور للمطيعين و تمام الخوف و الفزع للمذنبين و هو كونه سبحانه و تعالى عالما بعمل كل واحد و بما فى قبله من الدواعى والصوارف الاان اولياء الله الخ اعلم انا ببيان قوله تعالى و ما تكون فى شان و ما تتلوامنه من قرأن مما يقوى قلوب المطيعين و مما يكسر قلوب الفاسقين فاتبعه الله تعالى بشرح احوال المخلصين الصادقين الصديقين فى هذه الأية و يحزنك قولهم الخ قال ابوالسعود تسلية للرسول عليه الصلوة والسلام عما كان يلقاه من جهتهم من الاذية الناشئة عن مقالاتهم الموحشة و تبشيرله عليه الصلوة والسلام بانه عزوجل ينصره و يعزه عليهم الر بيان ان له و لاتباعه امنا من كل محذور و فوزابكل مطلوب الاان الله الخ قال ابوالسعود و هو مع مافيه من التاكيد لما سبق من اختصاص العزة لله تعالى الموجب لسلوته عليه السلام و عدم مبالاته بالمشركين و بمقالاتهم تمهيد لما لحق من قوله تعالى و ما يتبع الذين الخ و برهان على بطلان ظنونهم و اعمالهم المبنية عليها هوالذى جعل لكم الخ قال ابوالسعود تنبيه على تفرده تعالى بالقدرة الكاملة وانعمة الشاملة ليدلهم على توحيده سبحانه باستحقاق العبادة و تقرير لما سلف من اختصاص العزة به سبحان و قالوا اتخذالله الخ اعلم ان هذا نوع اخرمن الاباطيل التى حكاها الله تعالى عن الكفار قل ان الذين يفترون الخ اعلم انه تعالى لما بين بالدليل القاهران اثبات الولدلله تعالى قول باطل ثم بين انه ليس لهذا القائل دليل على صحة قوله فقد ظهر ان ذلك المذهب افتراء على الله و نسبة لما لا يليق به اليه فبين ان من هذا حاله فانه لايفلح البتة واتل عليهم نبأنوح الخ قال ابوالسعود ليتدبروا ما فيه من زوال ما تمتعوابه من النعيم و حلول عذاب الغرق الموصول بالعذاب المقيم فينزجروابذلك عماهم عليه من الكفراوتنكسر شدة شكيمتهم او يعترف بعضهم بصحة نبوتك بان عرفوا ان ماتتلوه موافق لما ثبت عندهم من غير مخالفة بينهما اصلامع علمهم بانك لم تسمع ذلك من احدليس الابطريق الوحى و فيه من تقرير ما سبق من كون الكل لله سبحانه و اختصاص العزة به تعالى و انتفاء الخوف والحزن عن اولياء ه عز و علاقاطبة و تشجيع النبى صلى الله عليه وسلم و حمله على عدم المبالاة بهم و باقوالهم و افعالهم ما لا يخفى ولقد بوأنا بنى اسرائيل الخ قال ابوالسعود كلام مستانف سيق لبيان النعم الفائضة عليهم اثر نعمته الانجاء على وجه الاجمال واخلالهم بشكرها و اداء حقوقها فان كنت فى شك الخ اعلم انه تعالى لما ذكر من قبل اختلافهم عندما جاء هم اوردعلى

(c) ketabton.com: The Digital Library

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذہ الایۃ ما یقوی فی صحۃ القرآن والنبوۃ ان الذین حقت علیھم الخ قال ابو السعود شروع فی بیان سر اصرار الکفرۃ علی ما ھم علیہ من الکفر والضلال کلام مستأنف لتقریر ما سبق من استحالۃ ایمان من حقت علیھم کلمۃ تعالیٰ لسوء اختیارھم مع تمکنھم من التدارک فیکون الاستثناء الآتی بیانا لکون قوم یونس علیہ السلام ممن لم یحق علیہ الکلمۃ لاھتدائھم الی التدارک فی وقتہ و لو شاء ربک لآمن الخ قال ابو السعود عقبق لدوران ایمان کافۃ المکلفین وجودا وعدما علی قطب مشیئۃ تعالیٰ مطلقا الر بیان تبعیۃ کفر الکفرۃ لکلمۃ قل انظروا ماذا فی السمٰوٰت الخ اعلم انہ تعالیٰ لما بین فی الآیات السالفۃ ان الایمان لایحصل الابتخلیق اللہ تعالیٰ و مشیئۃ امر بالنظر والاستدلال فی الدلائل حتی لایتوھم ان الحق ھو الجبر المحض فھل ینتظرون الخ قال المسکین تقریر لما سبق من عدم اغناء الآیات والنذر عنھم ببیان انھم لایؤمنون حتی یقع علیھم العذاب فیؤمنون حیث لاینفعھم الایمان قل یایھا الناس ان کنتم فی شک الخ اعلم انہ تعالیٰ لما ذکر الدلائل علی اقصی الغایات وابلغ النھایات امر رسولہ باظھار دینہ وباظھار المباینۃ عن المشرکین لکے تزول الشکوک والشبھات فی امرہ و تخرج عبادۃ اللہ تعالیٰ من طریقۃ السر الی الاظھار وان یمسسک اللہ بضر الخ قال ابو السعود تقریر لما اورد فی حیز الصلۃ من سلب النفع من الاصنام و تصویر لاختصاصہ بہ سبحانہ قل یایھاالناس قد جاء کم الحق الخ قال المسکین اتمام للحجۃ بعد تبلیغ الدین واتبع الخ قال المسکین امرلہ علیہ الصلوۃ والسلام بالاتباع والصبر علی التبلیغ اثر الامر بالتبلیغ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ ھود علیہ السلام

ان لاتعبدوا الخ ابو السعود کانه قیل کتاب احکمت ایاته ثم فصلت لئلاتعبدوا الا الله ای لتترکوا عبادة غیر الله عز و جل ولمحضو فی عبادته فان الاحکام والتفصیل علی مافصل من المعانی مما یدعوهم الیٰ الایمان والتوحید و ما یتفرع علیه من الطاعات قاطبة الاانهم یثنون صدورهم الخ قال المسکین بیان للتولی واشارة الی جزاءه و ما من دابة فی الارض الخ اعلم انه تعالی لما ذکر فی الأیة الاولی انه یعلم ما یسرون و ما یعلنون اردفه بمایدل علی کونه تعالی عالما بجمیع المعلومات فذکر ان رزق کل حیوان انما یصل الیه من الله تعالیٰ فلولم یکن عالما بجمیع المعلومات لما حصلت هذه المهمات و هوالذی خلق السمٰوٰت الخ اعلم انه تعالیٰ لما اثبت بالدلیل المتقدم کونه عالما بالمعلومات اثبت بهذاالدلیل کونه تعالی قادرا[۲] علی کل المقدورات ولئن قلت انکم الخ اعلم انه تعالی لما بین انه خلق هذا العالم لاجل ابتلاء المکلفین و امتحانهم فهذا یوجب القطع بحصول الحشر والنشر فعندهذا خاطب محمدا علیه الصلوة والسلام و قال ولئن قلت الخ ولئن اخرنا عنهم العذاب الخ قال المسکین اخذامن ابی السعود لما اوعدهم الله تعالی بالعذاب فی قوله و ان تولوافانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر تعجبوا من تاخیره فاجاب الله تعالی فی هذه الأیة ولئن اذقنا الانسان منارحمة الخ قال ابو السعود ووجه تعلق الأیات الثلث بما قبلهن من حیث ان اذا قته النعماء و مساس الضراء فصل من باب الابتلاء واقع موقع التفصیل من الاجمال الواقع فی قوله لیبلوکم ایکم احسن عملا والمعنی ان کلامن اذاقة النعماء و نزعها فی کونه ابتلاء للانسان ایشکرام یکفر لایهتدی فیه الی سنن الصواب بل یحید فی کلتا الحالتین عنه الی مهاوی الضلال فلایظهر منه باحسن عمل الامن الصابرین الصالحین او من حیث ان انکارهم بالبعث واستهزاء هم العذاب بسبب بطرهم و فخرهم کانه قیل انما فعلوا ما فعلوا الان طبیعة الانسان مجبولة علی ذلک فلعلک تارک الخ اعلم انه هذا نوع اخرمن کلمات الکفار والله تعالی بین ان قلب الرسول ضاق بسببه ثم انه تعالی قواه وایده بالاکرام والتائید ام یقولون افتراه الخ اعلم ان القوم لما طلبوامنه المعجز[۳] قال معجزیٰ هذا القرأن و لما حصل المعجزالواحد کان طلب الزیادة بغیا و جهلا ثم قدر کونه معجزابان

[۱] فاتحة هذه و خاتمة ما قبلها تشتملان علی بیان الرسالة ۱۲ منه
[۲] فهو تقریر بقوله تعالی فیما قبل و هو علی کل شیء قدیر ۱۲ منه
[۳] لقولهم لولاانزل علیه کنزاوجاء معه ملک ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

تحداهم بالمعارضة من کان یریدالحیوة الدنیا الخ قال ابو السعود لما امرنبیه علیه الصلوة والسلام والمؤمنین بان یزدادوا علما و یقینا بان القرآن منزل بعلم الله و بان لاقدرة لغیره علی شیٔ اصلا و هیجهم علی الثبات علی الاسلام والرسوخ فیه عند ظهور عجز الکفرة و ما یدعون من دون الله عن المعارضة و تبین انهم لیسوا علی شیٔ اصلااقتضی الحال ان یتعرض لبعض شئونهم الموهمة لکونهم علی شیٔ فی الجملة من نیلهم الحظوظ العاجلة واستیلائهم علی المطالب الدنیویة و بیان ان ذلک بمعزل عن الدلالة علیه ولقد بین ذلک ای بیان ثم اعیدالترغیب فیما ذکر من الایمان بالقرآن والتوحید والاسلام فقیلا فمن کان علی بینة من ربه الخ و تقدیره افمن کان علی بینة من ربه کاولئک الذین ذکرت اعمالهم و بین مصیرهم و مالهم یعنی ان بینهما تفاوتا عظیما و من اظلم ممن افتری الی قوله هم الا خسرون قال ابو السعود و هذه الآیات کماتری مقررة لما سبق من انکار المماثلة بین من کان علی بینة من ربه و بین من کان یریدالحیوة الدنیا ابلغ تقریر فانهم حیث کانوا اظلم من کل ظالم واخسر من کل خاسر لم یتصور مماثلة بینهم و بین احدمن الظلمة الاخسرین فما ظنک بالمماثلة بینهم و بین من هو فی اعلی مدارج الکمال و لما ذکر فریق الکفار و اعمالهم شرح فی بیان حال اضدادهم اعنی فریق المؤمنین وما یول الیه امرهم من العواقب الحمیدة تکملة لما سلف من محاسنهم المذکورة فی قوله تعالی افمن کان علی بینة من ربه الآیة یتبین مابینهما من التباین البین حالا و مالاًفقیل ان الذین آمنوا الخ و بعد بیان حالیهما عقلا ارید بیان تباینهما حسا فقیل مثل الفریقین کالا عمی الخ ولقد ارسلنا نوحا الی قوله الی اخر القصص المذکورة فی السورة قال ابو السعود ولما بین من فاتحة السورة الکریمة الی هذا المقام انها کتاب محکم الآیات مفصلها نازل فی شان التوحید و ترک عبادة غیرالله سبحانه و ان الذی انزل علیه نذیر و بشیر من جهة تعالی و قرر فی تضاعیف ذلک ماله مدخل فی تحقیق هذاالمرام من الترغیب والترهیب والزام المعاندین بما یقارنه من الشواهد الحقة الدالة علی کونه من عندالله تعالی و تسلیة الرسول صلی الله علیه وسلم مما عراه من ضیق الصدرالعارض له من افتراحاتهم الشنیعة و تکذیبهم له و تسمیتهم للقرآن تارة سحرا و اخری مفتری و تثبیة علیه الصلوة والسلام والمؤمنین علی التمسک به والعمل بموجبه علی ابلغ وجه ابداع اسلوب شرع فی تحقیق ماذکرو تقریر بذکر قصص الانبیاء صلواة الله علیهم اجمعین المشتملة علی ما اشتمل علیه فاتحة السورة الکریمة لیتاکد ذلک بطرق احدها ان ما اضربه من التوحید و فروعه مما اطبق علیه الانبیاء قاطبة والثانی ان ذلک انما علمه رسول الله صلی الله علیه وسلم بطریق الوحی فلا یبقی فی حقیقة کلام اصلا و لیتسلی بما

(c) ketabton.com: The Digital Library

بشاهده من معاناة الرسل قبله من اممهم و مقاساتهم الشداء من جهتهم ان فی ذلک لأیة لمن الخ قال المسکین ذکر اعظم منافع بیان القصص ثم اتبعه بذکر یوم الأخرة واحواله و ما یلقی الناس فیه من سعداء واشقیاء فلاتک فی مریة الخ قال ابو السعود و لما کان مساق النظم الکریم قبیل الشروع فی القصص لبیان غایة سوء حال الکفرة و کمال حسن حال المؤمنین و قد ضرب لهم مثلا فقیل مثل الفریقین الخ و قد قص عقیب ذلک من انباء الامم السالفة مع رسلهم المبعوثة الیهم ما یتذکر به المتذکر نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن کونه فی شک من مصیر امر هولاء المشرکین فی العاجل والأجل ثم علل ذلک فقیل ما یعبدون الخ ای هم و اٰباء هم سواء فی الشرک وقد بلغک ما لحق بابائهم فیسلحقهم مثل ذلک فان تماثل الاسباب یقتضی تماثل المسببات ولقد اتینا موسی الخ اعلم انه تعالی لما بین فی الأیة الاولی اصرار کفار مکة و بین تعالی ان هؤلاء الکفار کانوا علی هذه السیرة الفاسدة مع کل الانبیاء علیهم السلام ضرب لذک مثلا و هوانه لما انزل التورٰیة اختلفوا فیه و ذلک یدل علی ان عادة الخلق هکذا فاستقم الخ قال ابو السعود لما بین فی تضاعیف القصص سوء عاقبة الکفرو عصیان الرسل و ان کل واحد من المؤمنین والکافرین یو فی جزاء عمله امر رسوله الله صلی الله علیه وسلم بالاستقامة کما امربه و اقم الصلوة الخ اعلم انه تعالی لما امره بالاستقامة اردفه بالامر بالصلوة و ذلک یدل علی ان اعظم العبادات بعد الایمان بالله هوالصلوة فلولا کان من القرون الخ اعلم انه تعالی لما بین ان الامم المتقدمین حل بهم عذاب الاستیصال بین السبب فیه و لوشاء ربک الخ قال المسکین کان المذکور فی الأیة الاولی السبب الظاهری و فی هذه الأیة السبب الحقیقی وکلا نقص علیک الخ انه تعالی لما ذکر القصص الکثیرة فی هذه السورة ذکر فی هذه الأیة نوعین من الفائدة و قل للذین لایؤمنون الخ اعلم انه تعالی لما بلغ الغایة فی الاعذار والانذار والترغیب والترهیب اتبع ذلک بان قال للرسول و قل الخ

سورة يوسف علیہ السلام

ذلک من انباء الغيب الخ اعلم ان المقصد من هذا اخبار عن الغيب فيكون معجزا و ما اكثر الناس ولو حرصت الخ اعلم ان وجه اتصال هذه الأية بما قبلها ان كفار قريش و جماعة من اليهود الطلبوا هذه القصة من رسول الله صلى الله عليه وسلم على سبيل التعنت واعتقد رسول الله صلى الله عليه وسلم انه اذا ذكرها فربما أمنوا فلما ذكرها اصروا على كفرهم فنزلت هذه الأية قال المسكين ثم ذكر غفلتهم عن الأيات الكونية كغفلتهم عن الأيات المنزلة وذكر الوعيد بالعذاب على الغفلة ثم امر عليه السلام باظهار حقيقة سبيل الحق الذى بعث به والدعوة اليه ثم دفع الاستبعاد فى كونه عليه الصلوة والسلام رسولا لكونه بشرا وذكر عاقبة المكذبين للرسول من حلول العذاب بهم و لوبعد حين ثم نبه على فائدة ذكر القصص فى القرأن و قرر كون القرأن المشتمل على هذه القصص حقا و صدقا

---

[1] احدهما للرسول و ثانيهما للمؤمنين ۱۲ منه [2] لما قال فى اخر السورة التى تقدمت و كلاتقص من انباء الرسل الخ بين فى هذه السورة القصة التى هى احسن القصص ۱۲ منه عفى عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة الرعد[1]

الله الذی رفع السمٰوٰت الخ اعلم انه تعالی لما ذکر ان اکثر الناس لایؤمنون ذکر عقیبه ما یدل علی صحة التوحید والمعاد و هو الذی مدالارض الخ اعلم انه تعالی لما قرر الدلائل السماویة اردفها بتقریر الدلائل الارضیة و فی الارض قطع الخ قال ابوالسعود جملة مستانفة مشتملة علی طائفة اخری من الأیات و ان تعجب الخ اعلم انه تعالی لما ذکر الدلائل القاهرة علی ما یحتاج الیه فی معرفة المبدء ذکره بعده مسئلة المعاد و یستعجلونک بالسیئة الخ اعلم انه صلی الله علیه وسلم کان یهددهم تارة بعذاب القیامة و تارة بعذاب الدنیا والقوم کلما هددهم بعذاب القیامة انکروا القیامة والبعث والحشر والنشر و هو الذی تقدم ذکره فی الأیة الاولی و کلما هددهم بعذاب الدنیا قالوا اله فجئنا بهذا العذاب فلهذا البسبب حکی الله عنهم انهم یستعجلون و یقول الذین کفروا الخ اعلم انه تعالی حکی عن الکفار انهم طعنوا فی نبوة بسبب طعنهم فی الحشر والنشر اولاً ثم طعنوا فی نبوته بسبب طعنهم فی صحته ما ینذرهم به من نزول عذاب الاستیصال ثانیا ثم طعنوا فی نبوته بان طلبوا منه المعجزة[2] والبینة ثالثا و هو المذکور فی هذه الأیة الله یعلم ما تحمل الخ قال المسکین هذاالرکوع بکماله تقریر للتوحید وابطال للشرک مرتبط بقوله الله الذی رفع السموات الخ و فی تضاعیفه جعل قول ان الله لا یغیر ما بقوم الخ غایة للحفظ المذکور فی قوله یحفظونه من امرالله و ضرب امثالا للحق والباطل و بین جزاء الحق والمبطل ثم ذکر اوصاف المحقین والمبطلین بقوله افمن یعلم انما انزل الیک الی قوله اولئک لهم اللعنة ولهم سوء الدار. قوله تعالی الله یبسط الخ اعلم انه تعالیٰ لما حکم علی نقض عهد الله فی قبول التوحید والنبوة بانهم ملعونون فی الدنیا و معذبون فی الأخرة فکانه قیل لو کانوا اعداء الله لما فتح الله علیهم ابواب النعم واللذات فی الدنیا فاجاب الله عنه بهذه الأیة و یقول الذین کفروا الخ قال المسکین کان المذکور الی ههنا امرالتوحید و ما یتعلق به والأن شرع فی اثبات الرسالة والجواب عن شبهاتهم فیها و تفریعهم علی انکارها ففی هذه الأیة اجاب عن شبهتهم المشورة لولا انزل علیه أیة من ربه حاصل الجواب انا اعطیناک أیة عظیمة هی الذکر ای القران الذی تطمئن به قلوب المؤمنین و یضل به المردة من الطاغین کذلک ارسلناک فی امة الخ

---

[1] والمناسبة بین اول هذه السورة واخرة المتقدمة ان کلیهما یشترک فی اثبات حقیة القران ۱۲ منه عفی عنه

[2] ای من مقترحاتهم الواهیة ۱۲ منه

(c) ketabton.com: The Digital Library

قال المسكين فيه تصريح بالمقصود واما قوله وهم يكفرون بالرحمٰن فلعل المراد به تسلية النبي صلى الله عليه وسلم اى لاتحزن لو كفروابك فانهم يكفرون بالرحمٰن فتوكل عليه ولاتهتم بهم ولو ان قرانا سيرت به الجبال الخ قال المسكين فيه اثبات لامر القران الدال على النبوة و اقناط من ايمانهم و بيان الجزاء هم على الكفرو لقد استهزئ برسل الخ قال المسكين فيه تسلية للنبي صلى الله عليه وسلم عما لقى من المشركين من التكذيب والاقتراح على طريقة الاستهزاء به ووعيد لهم ثم اشارالى استحقاقهم العذاب فى قوله افمن هو قائم على كل نفس الخ بيبان ان امرالتوحيد عقلي بديهي لا عذر لاحد في الاعراض عنه و اهمال امره مثل الجنة التي وعد الخ اعلم انه تعالىٰ لما ذكر عذاب الكفار في الدنيا والأخرة اتبعه بذكر ثواب المتقين والذين اٰتيناهم الكتاب الخ قال المسكين هذا دليل اخر على حقيقة القراٰن الذى جاء به الرسول بان اهل الكتاب يصدقونه ثم اشارالى ركاكة راى المنكرين بقوله قل انما امرت الخ اى ليس فيما انزل الى الامرالتوحيد و هذا مما لاينكرو كذلك انزلناه الخ قال المسكين فيه تصريح ايضابالمقصود من انزال القران على الرسول ولقد ارسلنا رسلا من قبلك الخ اعلم ان القوم كانوايذكرون انواعاً من الشبهات في ابطال نبوة فالشبهة الاولى قولهم ما لهذ الرسول يأكل الطعام و يمشي في الاسواق و هذه الشبهة انما ذكرها الله تعالى في سورة اخرى والشبهة الثانية قولهم الرسول لابدوان يكون من جنس الملٰئكة فاجاب الله تعالى عنه ههنا بقوله ولقدارسلنا لا الشبهة الثالثة عابوارسول الله صلى الله عليه وسلم بكثرة الزوجات فاجاب الله تعالىٰ عنه بقوله ولقد ارسلنا الخ والشبهة الرابعة قالوالوكان رسولا من عندالله لكان اى شيء طلبنا منه من المعجزات اتى به ولم يتوقف فاجاب الله تعالى عنه بقوله و ما كان لرسول الخ الشبهة الخامسة انه عليه السلام كان يخوفهم بنزول العذاب ثم ان ذلك الموعود كان يتاخرفاجاب الله عنه بقوله ولكل اجل كتاب الشبهة السادسة قالوا لوكان في دعوى الرسالة محقا لما نسخ الاحكام التي نص الله تعالى على ثبوتها في الشرائع المتقدمة فاجاب الله سبحانه عنه بقول يمحوا الله مايشاء و اما نرينك بعض الذى نعدهم الخ قال المسكين كانه تفصيل و توضيح لقوله و ما كان لرسول ان ياتي باية الا باذن الله لكل اجل كتاب اولم يروا انا نأتي الخ اعلم انه تعالى لما وعد رسوله بان يره بعض ما وعدوه او يتوفاه قبل ذلك بين في هذه الأية ان اٰثار حصول تلك المواعيد و علاماتها قدظهرت و يقول الذين كفروا الخ اعلم انه تعالى حكى عن القوم انهم انكروا كونه رسولا من عندالله ثم انه تعالى احتج عليهم بامرين الاول شهادة الله والمراد انه تعالى اظهر المعجزات والثاني قوله و من عنده علم الكتاب

•

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة ابراهیم علیه السلام

وما ارسلنا من رسول الخ قال المسکین کانه قسیم لقوله لتخرج الناس من الظلمات ای کافتهم فکان الحاصل انا بعثنا جمیع الرسل الی اقوامهم خاصة و ارسلناک الی الناس عامة ولقد ارسلنا موسی الخ قال ابوالسعود شروع فی تفصیل[2] ما اجمل فی قوله عز و جل ولقد ارسلنا و اذتاذن الخ قال ابوالسعود من جملة مقال موسی علیه الصلوة و السلام لقومه الم یأتکم نبأ الذین الخ قال المسکین هذا ترهیبه من علیه السلام غب ترغیب و یحتمل ان یکون ابتداء مخاطبة من الله تعالی لقوم الرسول صلی الله علیه وسلم ثم ذکر تعالی المناظرة التی وقعت بین الانبیاء علیهم السلام و اقوامهم الی خاتمة الرکوع ثم ذکر تعالی جزاء المکذبین فی قوله تعالیٰ فاوحی الیهم ربهم الی اٰخر الرکوع و اشار فی تضاعیف بقوله تعالی الم تران الله خلق السموات والارض الخ الی ان من هذاشانه حقیق بان یؤمن به و یرجی ثوابه ویخشی عقابه و قال الشیطان لما قضی الامر الخ اعلم انه تعالی لما ذکر المناظرة التی وقعت بین الرؤساء والاتباع من کفرة الانس اردفها بالمناظرة التی وقعت بین الشیطان و بین اتباعه من الانس و ادخل الذین اٰمنوا الخ اعلم انه تعالی لما بالغ فی شرح احوال الاشقیاء من الوجوه الکثیرة شرح احوال السعداء الم تر کیف ضرب الله الخ اعلم انه تعالی لما شرح احوال الاشقیاء واحوال السعداء ذکر مثالا یبین الحال فی حکم لهذین القسمین یثبت الله الخ قال المسکین بیان کیفیة المشیة واثاره الم ترالی الذین بدلوا الخ اعلم انه تعالی عادالی وصف احوال الکفار فی هذه الاٰیة قل لعبادی الذین اٰمنوا الخ اعلم انه تعالی لما امر الکافرین علی سبیل التهدید والوعید بالتمتع بنعیم الدنیا امر المؤمنین فی هذه الاٰیة بترک التمتع بالدنیا والمبالغة فی المجاهدة بالنفس والمال الله الذی خلق السموات الخ اعلم انه تعالی لما اطال الکلام فی وصف احوال السعداء و احوال الاشقیاء و کانت العمدة فی حصول السعادات معرفة الله تعالیٰ بذاته و بصفاته و فی حصول الشقاوة فقدان هذه المعرفة لاجرم ختم الله تعالی وصف احوال السعداء والاشقیاء بالدلائل الدالة علی وجودالصانع و کمال علمه و قدرته واذ قال ابراهیم الخ اعلم انه تعالی لما بین بالدلائل المتقدمة انه لامعبودالاالله سبحانه و تعالی وانه لایجوز عبادة غیره تعالی البتة حکی عن ابراهیم علیه السلام مبالغة فی انکار عبادة الاوثان ولا تحسبن الله غافلا الخ قال المسکین هذا عود الی ذکر جزاء المکذبین بالتوحید والنبوة ویمتد الی خاتمة السورة فخلاصة السورة کلها تقریر امر النبوة ووعید المنکرین لها والله اعلم ثم فختم شان الکتاب الکافی لما ذکر بقوله هذا بلغ للناس و بین فوائد العلمیة والعملیة

[1] بین امرالرسالة فی اٰخر المتقدمة و اول هذه فهذا هو وجه الربط بینهما ۱۲ منه

[2] وقد مرمراراً ما فی ذکر القصص من الحکم ۱۲

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الحجر[۲]

ربما یود الذین الخ قال ابو السعود لما بین کون السورة الکریمة بعضامن الکتاب و القران لتوجیه المخاطبین الی حسن تلقی ما فیها من الاحکام و القصص و المواعظ شرع فی بیان ماتتضمنه فقیل ربما و قال هذا بیان حقارة شان الکفار و عدم الاعتداد بما هم فیه من الکفرو التکذیب کما ینطق به قوله تعالی ذرهم یاکلوا و ما اهلکنا من قریة الخ قال ابو السعود شروع فی بیان سر تاخیر عذابهم و قالوا یایها الذی نزل الخ قال ابو السعود شروع فی بیان کفرهم بمن انزل علیه الکتاب بعد بیان کفرهم بالکتاب و مایول الیه حالهم انا نحن نزلنا الذکر الخ قال ابو السعود ردلا نکارهم التنزیل و استهزاء هم برسول الله صلی الله علیه وسلم و تسلیة له ولقد ارسلنا من قبلک الخ اعلم ان القوم لما اساؤا فی الادب و خاطبوه بالساهة وقالوا انک لمجنون فاالله تعالی ذکر ان عادة هؤلاء الجهال مع جمیع الانبیاء هکذا کانت ولک اسوة فی الصبر ولو فتحنا علیهم بابا الخ ان القوملما طلبوا نزول ملائکة بین الله تعالی فی هذه الأیة ان بتقدیر ان یحصل هذا المعنی لقال الذین کفرواهذامن باب السحر ولقد جعلنا فی السماء بروجا الخ اعلم انه تعالی لما اجاب عن شبهة منکری النبوة و کان قدثبت ان القول بالنبوة متفرع علی القول بالتوحید اتبعه بدلائل التوحید فقال ولقد جعلنا فی السماء الخ والارض مددنا ها الخ وجعلنا لکم فیها معایش الخ وان من شیء الاعندنا الخ وارسلنا الریاح لواقح الخ و انا لنحن نحیی الخ ولقد علمنا المستقدمین الخ و ان ربک هو یحشر الخ ولقد خلقنا الانسان الخ واذ قال ربک للملئکة الخ اعلم انه تعالی لما ذکر حدوث الانسان الاول واستدلال بذکره علی وجود الاله القادر المختار ذکر بعده واقعته ان المتقین فی جنات الخ اعلم انه تعالی لما شرح احوال اهل العقاب اتبعه بصفة اهل الثواب و نبئهم عن ضیف ابراهیم الخ قال ابو السعود المقصود اعتبارهم بما جری علی ابراهیم علیه الصلوة و السلام مع اهله من البشری فی تضاعیف الخوف و بما حل بقوم لوط من العذاب و نجاته علیه الصلوة و السلام مع اهله التابعین له فی ضمن الخوف

---

[۱] الول کان فیما قبل بیان الکفار السابقین و ههنا ذکر حال الموجودین منهم ۱۲ منه [۲] ختم السورة التی مرت ببیان جزاء المکلفین بین فی الول هذه السورة تمنیهم الاسلام اذارأوا الجزاء ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

و تنبیههم بحلول انتقامه تعالی من المجرمین و علمهم بان عذاب الله هو العذاب الالیم و فی الکبیر اعلم انه تعالی لما بالغ فی تقریر النبوة ثم اردفه بذکر دلائل التوحید ثم ذکر عقیبه احوال القیامة و صفة الاشقیاء والسعداء اتبعه بذکر قصص الانبیاء علیهم السلام لیکون سماعها مرغبا فی الطاعة الموجبة للفوز بدرجات الانبیاء و محذراعن المعصیة لاستحقاق درکات الاشقیاء فبدأ اولا بقصة ابراهیم علیه السلام و ما خلقنا السموات والارض الخ اعلم انه تعالی لما ذکر انه اهلک الکفار فکانه قیل الاهلاک والتعذیب کیف یلیق بالرحیم الکریم فاجاب عنه بانی انما خلقت الخلق لیکونوا مشتغلین بالعبادة و الطاعة فاذا ترکوها و اعرضوا عنها وجب[1] فی الحکمة اهلاکهم و تطهیر وجه الارض منهم ولقد اتیناک سبعاً الخ اعلم انه تعالی لما صبره علی اذی قومه وامره بان یصفح الصفح الجمیل اتبع ذلک بذکر النعم العظیمة التی خص الله تعالیٰ محمد اصلی الله علیه وسلم بهالان الانسان اذاتذکر کثرة نعم اللّٰہ علیه سهل علیه الصفح والتجاوز لاتمدن عینیک الخ لما عرف رسوله عظم نعمه علیه فیما یتعلق بالدین نهاه عن الرغبة فی الدنیا و قل انی انا الخ اعلم انه تعالی لما امررسوله بالزهد فی الدنی او خفض الجناح للمومنین امره بان یقول للقوم انی انا النذیر المبین فیدخل تحت کونه نذیرا کونه مبلغا لجمیع التکالیف ولقد نعلم انک یضیق الخ اعلم انهٗ تعالی لما ذکران قومه یسفهون علیه قال له ولقد نعلم لان الجبلة البشریة و المزاج الانسانی یقتضی ذلک فعندهذا قال له فسبح الخ

[1] لیس المراد بالوجوب الوجوب العقلی کما عندالمعتزلة بل بمحض ارادته و مشیة کما عند اهل الحق ۱۲ منه

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ النحل

اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ الخ قال المسکین لعل المقصود الاصلی منہ اثبات التوحید و افتتحہ بالوعید علی الاعراض عنہ واتبعہ ببیان انہ دین اجمع علیہ جمہور الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام و امروا بدعوۃ الناس الیہ خلق السمٰوٰت الخ اعلم انہ تعالی لما بین فیما سبق ان معرفتہ الحق مطلع السعادات اتبعہ بذکر الدلائل علی وجود الصانع الالٰہ تعالی و کمال قدرتہ و حکمتہ افمن یخلق کمن لا یخلق الخ قال المسکین ھو کا لنتیجۃ لما سبق من الدلائل التی ھی نعم ایضا و اذا قیل لہم ماذا انزل الخ اعلم انہ تعالی لما بالغ فی تقریر دلائل التوحید واورد الدلائل القاھرۃ فی ابطال مذاھب عبدۃ الاصنام ذکر بعد ذلک شبہات منکری النبوۃ مع الجواب عنہا فالشبۃ الاولی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما احتج علی صحۃ نبوۃ نفسہ بکون القراٰن معجزۃ طعنوا فی القراٰن و قالوا انہ اساطیر الاولین و لیس ھو من جنس المعجزات و لما ثبت کون القراٰن معجزامرا راکثیرۃ لاجرم اقتصر فی ھذہ الأیۃ علی مجرد الوعید قدمکر الذین من قبلہم الخ اعلم ان المقصود من ھذہ الأیۃ المبالغۃ فی وصف وعید اولئک الکفار و قیل للذین اتقوا الخ اعلم انہ تعالی لما بین احوال الاقوام الذین اذا قیل لہم ماذا انزل ربکم قالوا اساطیر الاولین اتبعہ بذکر وصف المؤمنین ھل ینظرون الا ان الخ اعلم ان ھذا ھو الشبہۃ الثانیۃ لمنکری النبوۃ فانہم طلبوا ان ینزل اللہ تعالی ملکامن السماء یشہد علی صدقہ فی ادعاء النبوۃ و قال الذین اشرکو الخ اعلم ان ھذا ھو الشبہۃ الثالثۃ لمنکری النبوۃ و تقریرھا انہم تمسکوا بصحۃ القول بالجبر علی الطعن فی النبوۃ فالکل من اللہ ولا فائدۃ فی مجیئک وارسالک فکان القول بالنبوۃ باطلا واقسموا باللہ جہد ایمانہم الخ اعلم ان ھذا ھو الشبہۃ الرابعۃ لمنکری النبوۃ فقالوا القول لبعث والحشر والنشر باطل فکان القول بالنبوۃ باطلاوالذین ھاجروا الخ اعلم انہ تعالی لما حکی عن الکفار انہم تمادوا فی العی والجہن والضلال و فی مثل ھذہ الحالۃ لایبعد اقدامہم علی ایذاء المسلمین وحینئذیلزم علی المؤمنین ان یہاجروا فذکر تعالیٰ حکم تلک الھجرۃ و ما ارسلنا من قبلک الخ اعلم ان ھذا ھو الشبہۃ الخامسۃ لمنکری النبوۃ کانوا یقولون اللہ اعلی واجل من ان یکون رسولہ و احدامن البشرا فامن الذین مکروا الخ قال المسکین اخذامن الکبیر لعلہ راجع الی بیان حال الذین اضطر المسلمون الی الھجرۃ من ایذائہم فہددھم اللہ تعالی اولم یروا الی ما خلق اللہ الخ قال المسکین رجوع الی اثبات التوحید و اقامۃ الدلائل و ابطال اقوال

ل ختم السورۃ السابقۃ باثبات الرسالۃ وافتتح ھذہ ببیان التوحید و ایضا لما قال فی تلک ولقد نعلم انک یضیق صدرک اخبر فی ھذہ بانہ اتی امر اللہ الخ لتلایضیق صدرہ ۱۲ منہ عفی عنہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

المشركين من اتخاذالولدله تعالى و نحوه و تهديد هم بقوله ولويؤاخذالله الناس و فساد مذهب عبدة الاصنام بالامثال من قوله ضرب الله مثلا عبدا الخ و ضرب الله مثلاً رجلين الخ واختصاص علم الغيب به تعالى في قوله ولله غيب السموت والارض و كمال قدرته على كل شيء من الامور التي يؤيد مطلب التوحيد وامتدت هذه الدلائل الى قوله تعالى و الله جعل لكم مما خلق ظللاوجعل لكم من الجبال اكنانا الى اخرالأية ثم نبه على كون تلك الامور نعما تاما بقوله كذلك يتم نعمة عليكم لعلكم تسلمون ثم سلى رسوله الله صلى الله عليه وسلم ان تولوا وانكروا بعدالمعرفة بقوله فان تولواوقوله يعرفون نعمة الله الخ و يوم نبعث من كل امة شهيد الخ اعلم انه تعالى لما بين من حال القوم انهم عرفوا نعمت الله ثم انكروها اتبعه بالوعيد فذكر حال يوم القيامة قال المسكين وامتد ذلك الى قوله و يوم نبعث المكررولما كان المبين لهذه المهمات هو القران ختمه بالثناء على القران بقوله و نزلنا عليك الخ ان الله يامر بالعدل الخ قال المسكين اخذامن ابى السعود كانه دليل لكون القران تبيانا لكل شيء يعني امرالله تعالى في هذا القران بكل محمود و نهى فيه عن كل مذموم فصدق كونه تبيانا و هدى الخ و يحتمل ان يكون اجمالا لما سبق من تفصيل الاحكام واوفوا بعهد الله الخ اعلم انه تعالى لما جمع كل المامورات والمنهيات في الأية الاولى على سبيل الاجمال ذكر في هذه الأية بعض تلك الاقسام ولوشاء الله الخ قال المسكين هذا بيان حكمة تخصيص النبيين بيوم القيامة ما عندكم ينفد الخ قال ابوالسعود تعليل للخيرية بطريق الاستيناف من عمل صالحاً من ذكر الخ قال ابوالسعود شروع في تحريض كافة المومنين على كل عمل صالح غب ترغيب طائفة منهم في الثبات على ماهم عليه من عمل صالح مخصوص دفعالتوهم اختصاص الاجرالموفوربهم و بعملهم للذكور فاذاقرأت القران الخ اعلم انه تعالى لما قال قبل هذه الأية ولنجزينهم اجرهم باحسن ماكانوايعملون ارشد الى العمل الذى به تخلص اعماله عن الوساوس فقال فاذا قرأت القرأن قال ابوالسعود و تخصيص قراءة القران من بين الاعمال الصالحة بالاستعاذة عندارادتها للتنبيه على انها لغيره عليه السلام و في سائر الاعمال اهم فانه عليه السلام حيث امربها عند قراءة القران الذين لاياتيه الباطل من بين يديه ولامن خلفه فماظنكم بمن عداه عليه السلام فيما عداالقراءة من الاعمال و اذا بدلنا اية الخ اعلم انه تعالى شرع من هذاالموضع في حكاية[1] شبهات منكرى نبوة محمد صلى الله عليه وسلم من كفر بالله من بعدايمانه الخ قال ابوالسعود هوابتداء كلام لبيان حال من كفربايات الله بعدما امن بها بعد بيان حال من لم يومن بهاراساً ثم ان ربك للذين هاجروا الخ لماذكر في الأية المتقدمة حال من كفربالله وحال من اكراه على الكفر ذكر بعده حال من هاجرمن بعدما فتن قال المسكين ثم ذكراليوم الذى يجازى فيه الكافروالمؤمن فقال يوم تاتى كل نفس الخ و ضرب الله مثلا قرية الخ اعلم انه تعالى لماهددالكفار بالوعيد الشديد

[1] اى بعد اثبات التوحيد من فاتحة السورة ۱۲ منه

(c) ketabton.com: The Digital Library

فی الأخرة هددهم ایضا بآفات الدنیا و هو الوقوع فی الجوع و الخوف ولقد جاء هم رسول منهم الخ قال ابو السعود من تتمة المثل جئ بهما لبیان ان مافعلوه من کفران النعم لم یکن مزاحمة منهم لقضیة العقل فقط بل کان ذلک معارضة لحجة الله علی الخلق ایضافکلوا مما رزقکم الله الخ یعنی ان ذلک الجوع انما کان بسبب کفرکم فاترکوا الکفر حتی تاکلوا انما حرم علیکم المیتة الخ یعنی انکم لما امنتم و ترکتم الکفر فکلوا الحلال الطیب و اترکوا الخبائث ولاتقولوا لماتصف الخ اعلم انه تعالی لما حصر المحرمات بالغ فی تاکید ذلک الحصر و علی الذین هادوا الخ قال ابو السعود هو تحقیق لما سلف من حصر المحرمات فیما فصل بابطال ما یخالفه من فریة الیهود و تکذیبهم فی ذلک فانهم کانوا یقولون لسنااول من حرمت علیه وانما کانت محرمة علی نوح و ابراهیم و من بعدهما حتی انتهی الامر الینا قال المسکین یمکن ان یکون هذاتائیداً لما سلف من وقوع الجوع والخوف علی القریة بسبب کفرهم و حینئذمحط الفائدة قوله تعالی و ما ظلمنا هم الخ ثم ان ربک للذین عملوا الخ اعلم ان المقصود بیان ان الافتراء علی الله و مخالفة امر الله یامنعهم من التوبة و حصول المغفرة و الرحمة ان ابراهیم کان امة الخ اعلم انه تعالی لما زیف فی هذه السورة مذاهب المشرکین فی قولهم باثبات الشرکاء و طعنهم فی نبوة الانبیاء و قولهم تحلیل اشیاء و تحریم اشیاء و کان ابراهیم علیه السلام رئیس الموحدین و قدوة الاصولیین والمشرکون کانوا مفتخرین به لاجرم ذکره الله تعالی فی اخرهذه السورة لیصیر ذلک حاملا علی الاقرار بالتوحید والرجوع عن الشرک انما جعل السبت الخ قال ابو السعود تحقیق لذلک النفی الکلی و توضیح له بابطال ما عسی یتوهم کونه قادحاً فی کلیة فان الیهود کانوایدعون ان السبت من شعائر الاسلام وان ابراهیم علیه السلام کان محافظا علیه ای لیس السبت من شرائع ابراهیم و شعائر ملة التی امرت باتباعها حتی یکون بینه علیه الصلوة والسلام و بین بعض المشرکین علاقة فی الجملة وانما شرع ذلک لنبی اسرائیل بعد مدة طویلة ادع الی سبیل ربک الخ اعلم انه تعالی لما امر محمد اصلی الله علیه وسلم باتباع ابراهیم علیه السلام بین الشیء الذی امره بمتابعته فیه فقال ادع الخ و ان عاقبتم فعاقبوا الخ قال ابو السعود بعدما امره علیه الصلوة والسلام فیما یختص به من شان الدعوة بما امره به من الوجه اللائق عقبه بخطاب شامل له و لمن شایعه فیما یعم الکل فان الدعوة المامور بها لاتکاد تنفک عن ذلک کیف لاوهی موجبة لصرف الوجوه عن القبل المعبودة وادخال الاعناق فی قلادة غیرمعهودة قاضیة علیهم بفساد مایاتون و مایذرون و بطلان دین استمرت علیهم اباؤهم و قد ضاقت علیهم الحیل و عییت لهم العلل و سدت علیهم طرق المحاجة و المناظرة وارتجت دونهم ابواب المباحثة والمحاورة

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة بنی اسرائیل

واتینا موسی الکتاب الخ ذکر الله تعالی فی الأیة الاولی اکرامه محمد اصلی الله علیه وسلم بان اسری به وذکر فی هذه الأیة انه اکرم موسی علیه الصلوة والسلام قبله بالکتاب الذی اتاه ذریة من حملنا الخ قال ابوالسعود والمراد تاکید الحمل علی التوحید بتذکیر انعامه تعالی علیهم فی ضمن انجاء اٰباء هم من الغرق فی سفینة نوح علیه السلام انه کان عبداشکورا الخ قال ابوالسعود فیه ایذان بان انجاء من معه کان ببرکة شکره علیه الصلوة والسلام و حث للذریة علی الاقتداء به وزجرلهم عن الشرک الذی هو اعظم مراتب الکفران و قضینا الی بنی اسرائیل الخ اعلم انه تعالی لما ذکر انعامه علی بنی اسرائیل بانزال التورٰته علیهم و بانه جعل التوراة هدی لهم بین انهم ما اهتدوابهداه بل وقعوا فی الفساد ان احسنتم احسنتم الخ اعلم انه تعالی حکی عنهم انهم لما عصوا سلط علیهم اقواما و لما تابوا ازال عنهم تلک المحنة فعند ذلک ظهرانهم ان اطاعوافقد احسنوا الی انفسهم و ان اصرواعلی المعصیة فقد اساؤا الی انفسهم ان هذا القراٰن یهدی الخ انه تعالی لما شرح ما فعله فی حق عباده المخلصین و هوالاسراء برسول الله صلی الله علیه وسلم وایتا ع الکتاب لموسی علیه السلام و ما فعله فی حق العصاة والمتمردین و هو تسلیط انوا ع البلاء علیهم کان ذلک تنبیها علی انه طاعة الله توجب کل خیر و کرامة و معصیة توجب کل بلیة و غرامة لاجرم اثنی علی القراٰن و یدع الانسان بالشر الخ قال ابوالسعود بیان لحال المهدی اثر بیان الهادی و اظهار لما بینهما من التباین والمراد بالانسان الجنس اسندالیه حال بعض افراده او حکی عنه حاله فی بعض احیانه فالمعنی علی الاول ان القراٰن یدعوالانسان الی الخیر الذی لاخیر فوقه من الاجرالکبیر و یحذره من الشروراء ہ من العذاب الالیم و هوای بعض منه و هو الکافر یدعولنفسه بما هو الشرمن العذاب المذکور اما بلسانه حقیقة کداب من قال منهم اللّٰهم ان کان هذا هوالحق من عندک فامطر علینا حجارة من السماء او ائتنا بعذب الیم و اما باعمالهم السیئة المفضیة الیه الموجبة له مجازا کما هو دیدن کلهم و علی الثانی ان القراٰن یدعوا الانسان الی ماهو خیروهو فی بعض احیانه کما عندالغضب یدعه و یدعو الله تعالی لنفسه

لـ لما سلی الله تعالی رسوله صلی الله علیه وسلم فی اخر السورة المتصدمة اراده تسلیة فی هذه ببیان اکرامه بالاسراء کیلا یلتفت الی اعداء ہ ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

و اهله و ماله بما هو شر وجعلنا اللیل و النهار الخ لما بین فی الآیة المتقدمة ان هذا القران
یهدی للتی هی اقوم و ذلک الاقوم لیس الاذکر الدلائل الدالة علی التوحید والنبوة لاجرم
اردفه بذکر دلائل التوحید و هو عائب العالم العلوی و السفلی و کل انسان الزمناه الخ قال
المسکین لما بین تعالی ان القران یهدی للتی هی اقوم و بین حال المکلفین نبه فی هذه الأیة
ان امر الاعمال لیس مهملابل یسئلون عنه یوم القیامة من اهتدی فانما الخ قال ابو السعود فذلکة
لما تقدم من بیان کون القران هادیالا قوم الطرائق ولزوم الاعمال لاصحابها و لا تزروا زرة الخ
قال ابو السعود تاکید للجملة الثانیة و ما کنا معذبین الخ قال ابو السعود بیان للعنایة الربانیة
اثر بیان اختصاص اٰثار الهدایة و الضلال باصحابها و علم حرمان المهتدی من ثمرات هدایة
و علم مؤاخذة النفس بجنایة غیرها و اذا اردنا الخ قال ابو السعود بیان لکیفیة وقوع التعذیب
بعدالبعثة التی جعلت غایة لعد صحته من کان یرید العاجلة الخ قال المسکین لما ذکر فیما
سبق جزاء الاعمال ذکر فی هذه الأیة شرط قبولها و هوارادة الأخرة بالعمل و بین علم الاغترار
بالدنیا و زخارفها بانها من العطاء العالم الذی لایدل علی القبول لاتجعل مع الله الٰها اٰخر الخ
لما بین ان الناس فریقان منهم من یرید بعمله الدنیا فقط و هو اهل العقاب و العذاب و منهم
من یرید به طاعة الله و هم اهل الثواب ثم شرط ذلک بشرائط ثلثة اولها ارادة الأخرة و
ثانیها ان یعمل عملا و یسعی سعیا موافقا لطلب الاخرة و ثالثها ان یکون مؤمنا لاجرم فصل
فی هذه الأیة تلک المجملات فبدأ اولا بشرح الایمان و اشرف اجزاء الایمان هوالتوحید
و نفی الشرکاء و الاضداد فقال لاتجعل مع الله الٰها اٰخر ثم ذکر عقیبه سائرالاعمال التی
یکون المقدم علیها و المشتغل بها ساعیا سعیاً یلیق بطلب الأخرة و صارمن الذین سعدطائرهم و
حسن بختهم و کملت احوالهم ذلک مما اوحیٰ الیک ربک الخ اعلم انه تعالی جمع فی
هذه الأیة خمسة و عشرین نوعاً من التکالیف بعضها اوامر وابعضها نواه جمعها الله تعالی
فی هذه الأیات و جعل فاتحتها قوله ولا تجعل مع الله الٰها اٰخر فتقعدمذموما مخذولاً و خاتمتها
قوله ولاتجعل مع الله الٰها اٰخر فتلقیٰ فی جهنم ملوماً مدحورا ولقد صرفنا الخ قال المسکین
اخذامن ابی السعود هذاتاکید لاٰیات الاوهیا ای کررنا هذا المعنی فی هذا القران بحیث
لایبقی التباس فیه قل لوکان الخ قال المسکین عود الی ابطال الشرک واذا قرات القران الخ
اعلم انه تعالی لما تکلم فی الأیة المتقدمة فی المسائل الالٰهیة تکلم فی هذه الأیة فیما یتعلق
بتقریر النبوة قالواء اذاکنا الخ اعلم انه تعالی لما تکلم اولاً فی الالٰهیات ثم اتبعه بذکر شبهاتهم
فی النبوات ذکر فی هذه الأیة شبهات القوم فی انکار المعاد والبعث و قد ذکرنا کثیرا ان

(c) ketabton.com: The Digital Library

مدار القران علی المسائل الاربعة و هی الالٰهیات والنبوات والمعاد والقضاء والقدر و قل لعبادی الخ لما ذکر الحجة الیقینیة فی ابطال الشرک وفی صحة المعاد قال فی هذه اذاردتم ایراد الحجة علی المخالفین فاذکروا تلک الدلائل بالطریق الاحسن و هوان لایکون ذکر الحجة مخلوطاً بالشتم والسب ربکم اعلم بکم الخ قال المسکین کانه تعلیل للقول الاحسن وعلم الخشونة بانه لافائدة فیها لان الهدایة والضلال متعلقان بالمشیئة الازلیة و ربک اعلم بمن الخ بمعنی انه غیر مقصور علیکم ولاعلی احوالکم بل علمه بجمیع الموجودات والمعدومات فیعلم حال کل واحد و یعلم ما یلیق به من المصالح والمفاسد فلهذا السبب فضل بعض النبیین علی بعض واٰتی موسی التورة وداؤد الزبور و عیسی الانجیل فلم یبعد ایضا ان یوتی محمد القران و ان یفضله علی جمیع الخلق قل ادعوا الذین زعمتم الخ قال المسکین رجوع الی ابطال الشرک ببیان ان الذین تعبدونهم محتاجون الی الاٰله الحق فکیف تتخذونهم الهة و ان من قریة الانحن الخ قال ابوالسعود بیان لتحتم حلول عذابه تعالی بمن لایحذره اثر بیان انه حقیق بالحذروان اساطین الخلق من الملٰئکة والنبیین علیهم الصلٰوة والسلام علی خذرمن ذلک و مامنعنا الخ قال المسکین عود الی مسئلة النبوة بالجواب عن اقتراحهم بالآیات الدالة علیٰ النبوة علی زعمهم و اذ قلنالک ان ربک الخ قال المسکین اخذامن ابی السعود هذا متمم للجواب المذکور فی الآیة الاولی و حاصله ان الله محیط بجمیع الاشیاء و قدعلم ان هؤلاء یکذبون ولو ظهرت لهم مقترحاتهم کما کذبوا بالرویا التی ارینٰک و کما کذبوابالشجرة التی جعلت فی القراٰن للملعونین تنبت فی اصل الجحیم فلوانا ارسلنا بما اقترحوه من الآیات لفعلولها مافعلوا بنظائرها و فعل بهم ما فعل باشیاعهم و قد قضینا بتاخیر العقوبة العامة لهذه الامة الی الطامة الکبری و هو معنی قوله و نخوفهم فمایزیدهم الاطغیانا کبیرا و اذ قلنا للملٰئکة اسجدوا الخ قال المسکین لما قرر الله تعالی امرالتوحید والنبوة و کیفیة الاعمال شرع الاٰن فی تعدید النعم الباعثة علی الایمان والرادعة عنالکفر فذکر اولاً قصة اکرام بنی ادم بذکر اکرام ابیهم ادم علیه السلام و تضمنت هذه الحکایة تحقیق مضمون قوله تعالی اولئک الذین یدعون ببیان ان للملٰئکة امتثلوا واطاعوا من غیر تردد و تلعثم و تحقیق مضمون قوله تعالی فما یزید هم الاطغیانا کبیرا ببیان عناد ابلیس و عتوه عن امرالله تعالی ربکم الذی یزجی لکم الخ قال ابوالسعود و هذاتذکیر لبعض النعم التی هی دلائل التوحید و تمهید لذکر توحید هم عند مساس الضر تکملة لما مرمن قوله تعالی فلایملکون الخ ولقد کرمنا بنی ادم الخ اعلم ان المقصود من هذه الآیة

(c) ketabton.com: The Digital Library

ذکر نعمته اخری جلیلة رفیعة من نعم الله تعالی علی الانسان یوم ندعوا کل اناس الخ اعلم انہ تعالی لما ذکر انواع کرامات الانسان فی الدنیا ذکر احوال درجاته فی الأخرة قال المسکین و ایضاً هو تقریر لما مر من اثبات البعث والحساب و ان کادوا لیفتنونک الخ قال المسکین هذا بیان لعداوة الکفار مع النبی صلی الله علیه وسلم فی امر الدین و هو المذکور فی هذه الأیة و فی الامر الدنیا و هو فیما بعد فی قوله تعالی و ان کادوا لیستفزونک الخ و هو راجع الی بحث النبوة فکان المذکور فیما سبق هو التکذیب و ههنا العداوة اقم الصلوة لدلوک الشمس الخ لما قال وان کادوا لیستفزونک امره تعالی بالاقبال علی عبادته تعالی لکی ینصره علیهم فکانه قیل لاتبال لسعیهم فی اخراجک من بلدتک ولا تلتفت الیهم واشتغل بعبادة الله تعالی و دوام علی اداء الصلوات و نظیره قوله تعالی فاصبر علی مایقولون و اسبح بحمد ربک قال المسکین ثم ذکر ثمرة اقباله علیه السلام علی عبادة تعالی تطییبا لقلبه و شغلاله عن عداوتهم والاهتمام بهم فقال عسی ان یبعثک ربک مقاما محمود الم امره علیه الصلوة والسلام بان یفوض امرد خوله و خروجه الیه تعالی فی کل حال و یطلب منه العزو النصرو لایبالی بکیدهم ولا یدبر لنفسه فقال و قل رب ادخلنی مدخل صدق الخ ثم بشره الله تعالی باجابة دعائه بالنصر فقال و قل جاء الحق و زهق الباطل و ننزل من القران ما هو شفاء الخ قال المسکین هذا دلیل لنبوته علیه السلام ببیان معجزته التی فاقت کل معجزة فهو ایضا عائد الی تقریر النبوة التی ذکرت فی الأیات السالفة ثم انه تعالی ذکر السبب الاصلی فی وقوع هؤلاء الجاهلین الضالین فی اودیة الضلال و مقامات الخزی والنکال و هو الاستکبار والبطر و الیاس والقنوط ویجمعها الغفلة والقسوة فقال واذا انعمنا علی الانسان الخ ثم بین فی قوله قل کل یعمل الخ ان اعمال المومنین من قبول الهدیٰ والرحمة و اعمال الکفرین من الغفلة والقسوة علی طریقتهم التی تشاکل حالهم و یسئلونک عن الروح الخ قال المسکین هذا ایضا متعلق بمسئلة النبوة وجواب عما اراد الیهود بالسؤال عنه ابطال امر نبوة علیه السلام و الزام الحجة علیه ولئن شئنا لنذهبن الخ قال المسکین هذا ایضا تقریر لنبوته علیه السلام بکونه علیه السلام مؤیدا بالوحی و ثباته من الله تعالی قل لئن اجتمعت الانس الخ قال المسکین هذا ایضا تقریر لنبوته علیه السلام ببیان کون وحیه معجزا ولقد صرفنا الخ قال المسکین بیان لجلالة القران العظیم بانه کاف شاف واف للمقصود و ذکر لشدة عناد الکفار المنکرین و قالوا لن نؤمن الخ قال المسکین هذا جواب عن قدحهم فی نبوة علیه السلام باقتراح الأیات عناد او حاصل الجواب انی بشر لا اقدر بنفسی علی الایتان بالأیات لکنی رسول یکفی

(c) ketabton.com: The Digital Library

للدلالة علی رسالتی دلیل مالان الدلیل الواحد السالم عن القادح یکفی فی اثبات المطلوب ولایلزم اجتماع الدلائل الکثیرة والالم یثبث شیء من المطالب لان المخاصم لا ینتهی الی حدبل لایزال یطالب مدة عمره بالدلائل الغیر المتناهیة و هذه سفسطة بینة و ما منع الناس ان یومنوا الخ اعلم انه تعالیٰ لما حکی شبهة القوم فی اقتراح المعجزات الزائدة واجاب عنها حکی عنهم شبهة اخری و هی ان الله تعالی لوارسل رسولا الی الخلق لوجب ان یکون من الملٰئکة فاجاب الله تعالیٰ عن هذه قل کفی بالله الخ تقریره ان الله تعالی لما اظهر المعجزة علی و فق دعوای کان ذلک شهادة من الله تعالی علی کونی صادقا فبعد ذلک قول القائل بان الرسول یجبان یکون ملکالا انساناتحکم فاسدو من یهدی الله فهو المهتد الخ اعلم انه تعالی لما اجاب عن شبهات القوم فی انکار النبوة و اردفها بالوعید الاجمالی و هو قوله انه کان بعباده الخ ذکر بعده الوعیدالشدید علی سبیل التفصیل قال المسکین و علل الوعید بشیئین الکفربالأیات الدالة علی التوحید والنبوة و انکار البعث ثم اجاب عن استبعادهم للبعث بقوله او لم یروان الله الخ فمدار الکلام ههنا علی امر النبوة والمعاد قل لوانتم تملکون الخ ان الکفار لما قالو الن نؤمن لک الخ طلبوا اجراء الانهار والعیون فی بلدتهم لتکثر اموالهم و تتسع علیهم معیشتهم فبین الله تعالیٰ لهم انهم لوملکوا اخزائن رحمة الله لبقوعلیٰ بخلهم و شحهم ولما اقدموا علیٰ ایصال النفع الی احدوعلی هذالتقدیر فلا فائدة فی اسعافهم بهذا المطلوب الذی التمسوه قال المسکین خلاصة المرام ان اظهار المقترحات اما للدلالة علی النبوة فجوابه مامر فی قوله هل کنت الابشرا رسولا و اما لاتساع الارزاق فجوابه علی ماذکر ههنا ان الاتساء لایکون حسب قانون التمدن الابان یعاون بعضهم بعضا و هؤلاء بنخلهم ماکانوا لعیان فانتفت هذه الفائدة ایضا فکان اظهار المقترحات عبثا محضاً فافهم والاحسن والاقرب ان یفسروالرحمة بالنبوة و یقال انه تعالی لما بین فیما قبل انکارهم للنبوة الدال علی المکراهة فرع علی هذه الکراهة انکم لو تملکون فرضا امرالنبوة لما اعطیتموها احدا و لقد اتینا موسی الخ قال المسکین تنظیر لاتیان الرسول بالأیات العظام وعناد الکفرة الجهلة اللنکم بالحق انزلناه الخ عادالی تعظیم حال القرآن و جلالة درجة قل ادعوالله الخ قال المسکین تقریر للتوحید والعبادة فی الخاتمة کما کان فی الفاتحة فتناسب الاول والاخر

(c) ketabton.com: The Digital Library

فہرست مضامین

سُوۡرَةُ النِّسَاءِ	۵
قرآن کریم کی اس آیت پر ایک اشکال اور اس کا جواب	۵
آیت کلالہ سے متعلق ایک عجیب نکتہ	۷
جہالت کی حقیقت	۷
نص کا مدلول چار طرح سے ثابت ہے	۸
علم و جہل کے معنی	۹
دوام ترک معاصی عادۃ حال کے پیدا کرنے پر موقوف ہے	۱۰
ایک آیت کی تفسیر بے نظیر	۱۱
مستورات کے لئے سفارش قرآن میں	۱۲
مسئلہ تساوی	۱۳
اقسام فضائل	۱۴
امور اختیاری و غیر اختیاری	۱۵
تمنا کی حقیقت	۱۶
حرۃ کی مملوکیت جائز نہیں	۱۶
بے برکت نیکی	۱۸
پھوہڑ عورتوں میں ایک کمال	۱۸
مطلوب کی دو قسمیں	۱۹
عنایت رحمت خداوندی	۲۰
عورتوں سے مساویانہ سلوک نہ کرنے کا حکم	۲۰

(c) ketabton.com: The Digital Library

بدطینت عورت کا طریق تنبیہ	۲۱
طلاق سے قبل ضرورت پنچ	۲۱
احکام شرعیہ میں رعایت جذبات	۲۲
شرک کی حقیقت	۲۴
مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ	۲۵
اپنی رائے کی اتباع کی مذمت	۲۶
حدیث شریف حجت مستقلہ ہے	۲۷
اطاعت کی دو قسمیں	۲۸
حضور اکرم ﷺ کی شان محبوبیت	۲۸
محسن کائنات	۲۹
احکام شرعیہ کے بارے میں دل میں تنگی محسوس ہونا علامت کفر ہے	۳۰
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان عظمت وجلال محبوبیت اور محسنیت	۳۰
کمال ایمان کی تحصیل کا طریقہ اور دستور العمل	۳۲
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم بنانے کا امر	۳۲
ہمارے سارے کام ناقص ہیں	۳۳
رسول اکرم ﷺ کی محبوبیت کے دلائل	۳۴
اصل موثر فضل الٰہی ہے	۳۶
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان محبوبیت	۳۶
اسلام کیلئے صرف اعتقاد کافی نہیں	۳۷
شان نزول	۳۸
معیت سے مراد	۳۹
چالاکی اور عقل دونوں الگ الگ ہیں	۴۱
احوال منافقین	۴۲
قتل عمد کی سزا	۴۳

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہر اخبار کی اشاعت کی مضرت	۴۳
قرآن عجیب کیمیا ہے	۴۴
دارالکفر کی دو قسمیں	۴۴
شاہانہ محاورات	۴۵
ایک اشکال کا جواب	۴۶
رسول اکرم ﷺ کی عصمت	۴۷
قرآن پاک کے ایک مشکل مقام کی تفسیر	۴۸
اجماع امت کا حجت شرعیہ ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے	۵۲
بعثت محمدیہ ﷺ	۵۲
علم دین سے دین ودنیا کا نفع	۵۳
تنزیل کتاب کا مفہوم	۵۴
کتاب وحکمت	۵۴
زبانوں کی دو قسمیں	۵۵
حاصل آیت	۵۷
کسی نے داڑھی کا ثبوت قرآن سے دیا	۵۸
غفلت ذکر کا انجام	۵۸
تنبیہ ثانی	۵۹
تنزیل اور تعلیم	۵۹
فضل عظیم صرف علوم دینیہ ہیں	۵۹
شان نزول	۶۰
ارتداد کی خاصیت	۶۱
منافقین کو ملامت	۶۳
قیامت میں مسلمانوں ہی کو کفار پر غلبہ حاصل ہوگا	۶۴

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن سمجھنے کیلئے ضروری علوم	۶۶
اعمال صالحہ میں ہمیشہ مشقت رہتی ہے	۶۹
کسل اعتقادی	۷۰
غیر محقق واعظین کی ایک غلطی	۷۰
شکر کی اہمیت	۷۱
غیر محبوب کا مبغوض ہونا مسلم ہے	۷۲
تکبر کی صورتیں	۷۲
حب اور بغض	۷۴
کبر قلبی	۷۵
سلطانا کے معنی اور آیت کا صحیح مفہوم	۷۶
مخلوق کی شان میں تجاوز اللہ تعالیٰ کی تنقیص ہے	۷۷
حدود مدح	۷۸
غایات قصص القرآن	۷۹
سُوْرَةُ المَائِدَة	۸۰
شرک کی حقیقت	۸۱
تفسیر مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ	۸۱
امراض روحانی کا انجام	۸۲
دین کا مذاق اڑانا بھی کفر ہے	۸۳
وقت نزول آیت مذکور	۸۳
ابتداع فی الدین	۸۴
احکام کی آخری آیت	۸۵
اسلام کا معجزہ	۸۵

(c) ketabton.com: The Digital Library

دین اسلام کبھی ناسخ ہونے والا نہیں	۸۷
حاصل آیت	۹۱
خاتمہ کا حال	۹۲
بے ہوشی کا قول وفعل شرعاً معاف ہے	۹۲
روحانی مطلب میں کوئی مرض لاعلاج نہیں	۹۳
کلام اللہ میں صیغہ واحد اور جمع کے استعمال حکمت	۹۴
نحوی قاعدہ سے ایک اشکال کا جواب	۹۴
نکتہ در مسح از جل	۹۶
اختلاف قراءۃ	۹۷
کفار و مشرکین سے بھی عدل کا حکم	۹۷
دو نعمتیں	۱۰۰
حقیقت علم	۱۰۰
نور سے کیا مراد ہے	۱۰۱
ضرورت شیخ نص کی روشنی میں	۱۰۳
اہل کتاب کے اتحاد کی غرض	۱۰۴
عجیب وغریب ربط	۱۰۴
ایک غلطی کا ازالہ	۱۰۶
دور حاضر کی رسومات کا حال	۱۰۷
شان نزول	۱۰۸
علوم کی دو قسمیں	۱۱۰
آیت هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ کے ایک لطیف معنی	۱۱۱
سُوْرَةُ الْأَنْعَام	۱۱۳
لہو اور لعب کا مفہوم	۱۱۳

(c) ketabton.com: The Digital Library

اصلاح زاہد خشک	۱۱۳
ضرورت زبان دانی	۱۱۴
آیات تسلی	۱۱۵
حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شان عشق کے مطابق ایک آیت کی تفسیر	۱۱۶
رسول اکرم ﷺ کے غم وحزن کا منشاء	۱۱۶
کلفتوں کی قسمیں	۱۱۸
لغو قصے	۱۱۸
مراۃ خداوندی	۱۱۹
تقسیم مال وعقل میں حکمت خداوندی	۱۲۱
حقوق اللہ	۱۲۱
عشر ادانہ کرنے کا عبرتناک واقعہ	۱۲۲
اسراف کی حقیقت	۱۲۳
ربط ماسبق	۱۲۴
ادراک کی قسمیں	۱۲۴
سبب معصیت ممنوع ہے	۱۲۵
گناہ کی دو قسمیں	۱۲۶
صراط مستقیم فقط اسلام ہے	۱۲۷
حاصل آیت	۱۲۸
دارالسلام کی عجیب وغریب تفسیر	۱۲۸
اعمال کا صلہ	۱۲۸
رفع اشکال	۱۳۰
محبت کا اثر	۱۳۰
بعض سنیاسیوں پر ذکر وشغل کا اثر	۱۳۱

(c) ketabton.com: The Digital Library

ضرورت تدبیر	۱۳۲
ایک مشترک مرض	۱۳۳
صراط الرسول ﷺ دراصل صراط اللہ ہے	۱۳۶
تفسیری نکتہ	۱۳۶
وَصّٰکُمْ کا مفہوم	۱۳۶
خلاصہ نجات	۱۳۷
بے خطر راستہ صراط حق ہے	۱۳۸
تینوں آیات کے آخر میں ذالکم وصکم کا عجیب نکتہ	۱۳۹
محبت کا اثر	۱۴۰
نیکی کا قانون	۱۴۱
تمام دین کا خلاصہ	۱۴۳
اسلام کامل کی تفسیر	۱۴۴
اسلام کامل کے اجزاء	۱۴۵
کمال اسلام کے بارے میں تفصیل	۱۴۶
آیت کی بلاغت	۱۴۷
رب العلمین کو ذکر کرنے کا فائدہ	۱۴۸
لفظ لَا شَرِیْكَ لَهٗ کی حکمت	۱۴۹
اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کا مطلب	۱۴۹
سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ	۱۵۱
قرآن اصطلاحات فنون پر وارد نہیں	۱۵۱
شیطان کو حاکمانہ جواب	۱۵۲
خطا اجتہادی	۱۵۳
دنیا کی نعمتوں کو اہل ایمان کیلئے پیدا کیا گیا	۱۵۴

(c) ketabton.com: The Digital Library

زینت کی دو قسمیں	۱۵۵
انتفاع طیبات	۱۵۵
مفتاح سعادات	۱۵۶
شان نزول	۱۵۷
اہل نظر کو گناہ کا ادراک ہو جاتا ہے	۱۵۷
زینت کا لباس پہننے کی اجازت	۱۵۸
لفظ قل لانے میں حکمت	۱۵۹
ماموراتکی تین قسمیں	۱۵۹
مجاہدہ میں غلو مذموم ہے	۱۶۱
اشیاء حرام کی پانچ اقسام	۱۶۱
خطابات قدیم	۱۶۲
اہل اعراف	۱۶۵
کفار ذی اخلاق کے اہل اعراف ہونے کی کوئی دلیل نہیں	۱۶۶
انفاق کے لئے محل کا ہونا ضروری ہے	۱۶۶
قرآن حکیم میں صرف دو فریق کا ذکر ہے	۱۶۸
اہل اعراف امیدوار جنت ہوں گے	۱۶۸
اہل اعراف	۱۶۹
علمی اشکال	۱۷۱
خلق وامر	۱۷۲
فساد فی الارض	۱۷۳
فساد اور اصلاح کا مفہوم	۱۷۴
دین کی حقیقت	۱۷۵
تصرف وحکمت	۱۷۶

(c) ketabton.com: The Digital Library

دعاو تفویض	۱۷۶
خلاف تفویض دعاء	۱۷۷
امن عامہ	۱۷۸
ساحران کو عاجز کرنے کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجازت دی	۱۷۸
سحر عظیم اور نظر بندی	۱۷۹
لَنْ تَرٰىنِیْ کی عجیب تفسیر	۱۸۰
تقدم ذاتی	۱۸۲
نور مخلوق	۱۸۳
غیب کا علم محیط حاصل ہونا استکثار خیر کا سبب ہوسکتا ہے	۱۸۳
قذف کے معنی اور عجیب وغریب تفسیر	۱۸۴
تبلیغ میں دو نیتیں	۱۸۵
خوف کی حقیقت	۱۸۶
متقین کی شان	۱۸۶
اہل تقویٰ کی حالت	۱۸۷
مجاہدہ سے مادہ قطع نہیں ہوتا	۱۹۰
تذکر کی اہمیت	۱۹۲
سُوْرَةُ الْاَنْفَال	۱۹۴
وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ کا مفہوم	۱۹۴
مذمت کفار	۱۹۵
قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے	۱۹۷
کشف بلا اتباع شریعت شیطانی چیز ہے	۱۹۸
اتفاق کا تعلق تدابیر سے نہیں	۱۹۸

(c) ketabton.com: The Digital Library

کثرت رائے کے غیر صحیح ہونے کی دلیل	۱۹۹
مصیبت کی حقیقت	۲۰۰
عمل صبر و شکر	۲۰۱
مؤمن کی بشارت	۲۰۲
سُوْرَةُ التَّوبَة	۲۰۴
کفر سے حربی نہیں ہوتا	۲۰۴
سبب افضلیت معیار ایمان ہے	۲۰۵
مسلمان اور کافر کی مثال	۲۰۶
تارک نماز کے لئے وعید	۲۰۷
افضل الاعمال	۲۰۹
رضا بالمسکن پر وعید نہیں	۲۱۲
کس قسم کی حب دنیا مذموم ہے	۲۱۳
اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ الخ کی عجیب تحقیق	۲۱۵
اسلامی لشکر کے شکست کی علت	۲۱۶
کلام الٰہی میں جذبات انسانی کی رعایت	۲۱۶
نبی را نبی مے شناسد	۲۱۸
جہاد میں سستی کا ایک سبب	۲۱۹
ارضاء رسول ﷺ کی دو جہتیں	۲۲۰
رضائے معتبر	۲۲۱
شان نزول	۲۲۲
یہاں عدد سبعین سے مراد کثرت ہے	۲۲۴
محرومی ایمان کا اثر	۲۲۵

(c) ketabton.com: The Digital Library

سَبْعِیْنَ مَرَّۃً تکثیر کے لئے وارد ہے	۲۲۶
واعظین کی ایک غلطی پر تنبیہ	۲۲۷
شریعت میں ہنسنے کی ممانعت نہیں	۲۲۷
حضور ﷺ نے منافق کے منہ میں لعاب مبارک کیوں ڈالا؟	۲۲۹
شان نزول	۲۲۹
شان مرادیت	۲۳۰
حضرت کعب بن مالکؓ اوران کے احباب کے واقعات	۲۳۲
جہاد فرض عین اور فرض کفایہ	۲۳۳
کلام الٰہی کی ایک عجیب شان	۲۳۳
تفسیری نکتہ	۲۳۴
مرض خلط کا علاج	۲۳۵
صدقات واجبہ کا امر	۲۳۶
تطہیر اور تزکیہ	۲۳۶
آیت متلو کا شان نزول	۲۳۷
تبلیغ اور سوال	۲۳۸
شان نزول	۲۴۱
قرآنی طرز نصیحت	۲۴۳
قلب اور موت	۲۴۵
عارفین کی محبت ومعرفت میں اضافہ	۲۴۶
بذل نفس	۲۴۶
توبہ عبادات پر مقدم ہے	۲۴۷
نفس ومال	۲۴۸
ہر کام میں حفظ حدود کی اہمیت	۲۴۹

(c) ketabton.com: The Digital Library

توبہ عبادات پر مقدم ہے	۲۴۹
توبہ عن المعاصی شرط کمال ہے	۲۵۰
بلا توبہ کے عمل میں نورانیت نہیں ہوتی	۲۵۱
ایک شبہ کا جواب	۲۵۱
احکام تکوینیہ وتشریعیہ کا پورا اختیار حق سبحانہ وتعالیٰ کے قبضہ میں ہے	۱۵۲
تمام غموم وافکار کا علاج	۲۵۲
ربط آیات	۲۵۳
مالکیت اور ملکیت	۲۵۴
تین صحابہؓ کا واقعہ توبہ	۲۵۵
اعجاز قرآن	۲۵۶
امر تقویٰ	۲۵۶
صادقین کی تشریح	۲۵۸
تفسیر آیت البر	۲۵۹
مشرق ومغرب کے ذکر میں نکتہ	۲۶۰
عقائد کا بیان	۲۶۱
اعمال شرعیہ کی اقسام	۲۶۱
حقوق العباد کی اقسام	۲۶۳
صبر کی حقیقت اور اس کے اقسام	۲۶۴
صبر کی اقسام	۲۶۴
کامل بننے کا طریقہ	۲۶۶
صادق کے معنی وتفسیر	۲۶۶
عورتوں اور مردوں کو حکم مشترک	۲۶۷
قرآن اور ذکر نسواں	۲۶۹

(c) ketabton.com: The Digital Library

درجات مرد و زن	۲۷۰
دین و خواتین	۲۷۱
شامت گناہ	۲۷۲
رؤف رحیم کا مفہوم	۲۷۳
سُوْرَةُ یُوْنُس	۲۷۴
چار افعال پر تنائج	۲۷۴
رضا بالدنیا سے بہت کم لوگ خالی ہیں	۲۷۵
رضا بالدنیا کا حکم	۲۷۶
حب دنیا کے مراتب	۲۷۷
طالب علمانہ اشکال کا جواب	۲۷۸
مصیبت کے وقت انسان کا حال	۲۷۹
خلاصہ آیت	۲۸۱
مسلمانوں کی ایک قابل اصلاح کمی	۲۸۲
موت کا ایک وقت معین ہے	۲۸۳
سلوک میں ہر حال میں ترقی کرنے کی ضرورت	۲۸۴
ایک عجیب نکتہ	۲۸۴
خوشی کی دو قسمیں	۲۸۶
مسرت کی دو قسمیں	۲۸۶
عید میلاد النبی ﷺ کے دلائل اور ان کے جوابات	۲۸۷
عقلی تردید	۲۹۱
ولایت کی دو قسمیں	۲۹۲
دعا کو فوراً قبول ہونا ضروری نہیں	۲۹۲

(c) ketabton.com: The Digital Library

فرعون نے صرف تکلم بکلمۃ الایمان کیا	۲۹۳
حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بغض فرعون	۲۹۴
سُوْرَة هُود	۲۵۶
ہر شخص کی روزی اللہ کے ذمہ ہے	۲۵۶
واعظین کی ایک غلطی	۲۹۶
اتباع دین میں ضرورت سعی	۲۹۷
طبعی وعقلی خوف کا فرق	۲۹۸
خوف طبعی	۲۹۸
رحمت ظاہرہ وباطنہ	۲۹۸
رحمت کی دو قسمیں	۲۹۹
نفی جبر	۳۰۰
مسئلہ تقدیر	۳۰۰
مسئلہ کی دلیل بیان کرنا ہمارے ذمہ نہیں	۳۰۱
حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے ایک آیت کی تفسیر	۳۰۲
اصلاح کے دو درجے	۳۰۳
اصلاح کے دو ثمرات	۳۰۳
توبہ کے لوازم	۳۰۳
اصلاح کا ثمرہ	۳۰۴
تولی کی قسمیں	۳۰۴
خلاصہ آیت	۳۰۵
آخرت میں دوام تحت المشیت ہوگا	۳۰۵
سعادت ونحوست کی حقیقت	۳۰۷

(c) ketabton.com: The Digital Library

سعدوا میں نکتہ	۳۰۸
دو علمی نکتے	۳۰۹
حقیقی علم	۳۱۱
لطیفہ قلب	۳۱۱
فنا اور بقاء	۳۱۳
ارضاء رسول	۳۱۴
خلود اور مشیت	۳۱۵
سعید اور شقی	۳۱۶
تشبہ میلان باطنی کے بغیر نہیں ہوتا	۳۱۷
سُوْرَۃ یُوْسُف	۳۱۸
مسلمانوں نے دوست دشمن کو نہیں پہچانا	۳۱۸
نستبق کا ترجمہ	۳۱۹
حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکی کا ثبوت اور وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا کی تفسیر بدیع	۳۲۰
یوسف علیہ السلام کے تبریہ پر ایک بزرگ کا لطیفہ	۳۲۱
قرینہ پر مجرم قرار دینا جائز نہیں	۳۲۱
ہم کا مفہوم	۳۲۲
قرآن پاک کے ایک مشکل مقام کی تفسیر	۳۲۲
عورتوں کا مکر عظیم	۳۲۳
قدرت خداوندی	۳۲۳
غیبی رہنمائی	۳۲۴
نفس کے میلان الی الشر ہونے کا ثبوت	۳۲۵
حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اپنے نفوس کا تبریہ نہیں فرماتے	۳۲۶

(c) ketabton.com: The Digital Library

براءت یوسف علیہ السلام کا عجیب استدلال	۳۲۷
احکام مال وجاہ	۳۲۸
کشف امر غیر اختیاری ہے	۳۲۹
حالت یعقوب علیہ السلام	۳۳۰
ذرائع علم کے باوجود یعقوب علیہ السلام کا عدم علم	۳۳۰
اعتقاد صحیح	۳۳۱
واقعہ مولانا یعقوب وسید بریلویؒ	۳۳۱
انبیاء علیہم السلام کو ہر امر پر مطلع ہونا ضروری نہیں	۳۳۱
ایک تفسیر برھان	۳۳۲
عالم میں حق کا آئینہ بننے کی استعداد ہے	۳۳۲
مصیبت گناہوں کی ہی وجہ سے آتی ہے	۳۳۳
حکایت حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ	۳۳۳
علم اعتبار کی حقیقت	۳۳۴
تشبیہ میں مشبہ کا افضل ہونا ضروری نہیں	۳۳۶
سُوْرَۃُ الرَّعْد	۳۳۷
اطمینان قلب صرف ذکر اللہ میں ہے	۳۳۷
تکرار ذکر سے عذاب غم سے نجات ہوگی	۳۳۷
بیماری میں آہ کا منہ سے نکالنا خلاف صبر نہیں	۳۳۸
تدریجی تعلیم	۳۳۸
اعمال آخرت میں دنیاوی منافع	۳۳۹
گناہوں سے دنیا کا نقصان	۳۳۹
قرار وسکون صرف ذکر اللہ میں ہے	۳۴۰

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ ابراھیم	۳۴۱
قرآن پاک رسول پاک ﷺ کی قوم کی زبان میں اترا ہے	۳۴۱
دو آیات اور ان میں تعارض کے شبہ کا حل	۳۴۲
نعمت اسلام پر اظہار تشکر	۳۴۳
حب جاہ کی حقیقت	۳۴۴
شکر کے معنی	۳۴۵
شجرہ طیبہ سے شجرہ نخلہ مراد ہے	۳۴۷
ایمان قبول عمل کیلئے شرط ہے	۳۴۸
عالم برزخ	۳۵۰
علیین سے مراد	۳۵۰
مراقبہ کی ضرورت وحقیقت	۳۵۰
ایمان پر ثابت قدم رکھنے کا وعدہ	۳۵۲
حق سبحانہ وتعالیٰ کے لامحدود احسانات	۳۵۳
انعامات الٰہیہ کا شمار ناممکن ہے	۳۵۴
مکانات بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے	۳۵۴
بغیر حساب	۳۵۵
سورۃ الحجر	۳۵۶
قرآن اور کتاب کے لغوی معنی	۳۵۶
الفاظ ومعانی قرآن دونوں مقصود ہیں	۳۵۷
الفاظ قرآنی بھی مقصود ہیں	۳۵۹
قرآن کے دو اوصاف	۳۵۹
حفاظت قرآن کا مفہوم	۳۶۰

(c) ketabton.com: The Digital Library

مفہوم سبقت رحمتی علی غضبی	۳۶۳
خوف کی حد	۳۶۴
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کی قسم	۳۶۵
فضیلت کی انواع	۳۶۶
حیات برزخی رسول اکرم ﷺ	۳۶۷
مدعیان محبت نبویہ کی غلطی	۳۶۸
اہل علم کی ہوس زر پر اظہار افسوس	۳۶۸
خلاصہ مفہوم	۳۶۹
اطمینان کے درجات	۳۷۰
ضیق کی دو قسمیں	۳۷۰
علاج غم	۳۷۱
سُوْرَةُ النَّحْلِ	۳۷۲
جدید مصنوعات کا ذکر قرآن مجید میں	۳۷۲
مقدم وتالی میں عجیب ربط	۳۷۶
فتویٰ کی دلیل پوچھنا خلاف اصول ہے	۳۷۷
ریل کا ثبوت آیت قرآن سے	۳۷۷
دنیا کی کوئی چیز قابل محبت نہیں ہے	۳۷۷
ہر شخص کا مطلوب صرف ایک شئے ہے	۳۷۹
راحت حقیقی	۳۸۰
حیات طیبہ کا مصداق	۳۸۱
حیات طیبہ سے مراد حیات ناسوتی نہیں	۳۸۲
علائق دنیا کی عبرت انگیز مثال	۳۸۲
عذاب دنیا	۳۸۳

(c) ketabton.com: The Digital Library

اللہ والوں پر شیطان کا قابو نہیں	۳۸۴
لغو باتیں	۳۸۴
انعامات الٰہیہ کی ناشکری	۳۸۵
آداب تبلیغ	۳۸۶
موعظہ حسنہ کا مفہوم	۳۸۷
شفقت کو اعتدال پر لانے کا طریقہ	۳۸۸
اصل مقصود تبلیغ ہے	۳۸۹
دعوت کی تین قسمیں	۳۹۱
رعایت مخالف	۳۹۳
طریق تبلیغ	۳۹۴
حکم عام	۳۹۵
تفریط فی التبلیغ کا تدارک	۳۹۵
اسباب حزن کی ممانعت	۳۹۶
سورۃ بنی اسرائیل	۳۹۸
آیت معراج کی ایک تحقیق	۳۹۸
ارضی بلائیں	۳۹۸
محض تمنائے آخرت کافی نہیں	۴۰۱
علم صرف ونحو کی ضرورت	۴۰۲
ارادہ دنیا مطلقاً مذموم نہیں	۴۰۳
ثمرہ ارادہ آخرت	۴۰۴
دنیوی مراد کا حصول مشیت حق پر موقوف ہے	۴۰۸
رموز ونکات	۴۰۹
ارادہ خاص برائے آخرت	۴۱۲

(c) ketabton.com: The Digital Library

حقوق والدین	۴۱۴
امر طبعی میں بندہ معذور ہے	۴۱۶
مسلمانوں کی تباہی کا اصل سبب	۴۱۶
انفاق واقتار میں اعتدال مطلوب ہے	۴۱۷
چار چیزوں کی حفاظت کا حکم	۴۱۸
ظن مسائل شرعیہ میں حجت ہے	۴۱۹
علوم مکاشفات میں خطرہ ہے	۴۲۰
عہد نصرت بوجہ مظلوم ہونے کے ہے	۴۲۱
حق تعالیٰ شانہ کا شفقت کا برتاؤ	۴۲۱
تبادلہ کرانے کا عمل	۴۲۲
حقیقت روح	۴۲۲
دعویٰ سے بچنے کی ضرورت	۴۲۳
کلام الٰہی کی شوکت وصولت	۴۲۴
عبادت پر ناز مناسب نہیں	۴۲۴

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

کے جملہ خطبات ملفوظات اور تقریباً جملہ تصانیف

سے منتخب سینکڑوں الہامی تفسیری نکات

اشرف التفاسیر

تقدیم و کاوش

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

نظر ثانی

عالم ربانی حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ

ناشر

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

☎061-540513-519240

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کے جملہ خطبات ملفوظات اور تقریباً جملہ تصانیف

سے منتخب سینکڑوں الہامی تفسیری نکات

اشرف التفاسیر (جلد ۳)

جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

سورۃ الکہف - تا - سورۃ الشوریٰ

تقدیم و نقش

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

نظر ثانی

عالم ربانی حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ

مرتبین

صوفی محمد اقبال قریشی صاحب

ابو حذیفہ محمد اسحاق ملتانی

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 540513-519240

Email:Taleefat@mul.wol.net.pk

(c) ketabton.com: The Digital Library

(c) ketabton.com: The Digital Library

نام کتاب..................اشرف التفاسیر (جلد-۳)
تاریخ اشاعت.......................... صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
ناشر.... اِدَارَہ تَالِیفَاتِ اَشْرَفِیَہ چوک فوارہ ملتان
طباعت...........................سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان
ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
دارالاشاعت اردو بازار کراچی
بک لینڈ اردو بازار لاہور
ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI3NE. (U.K.)

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اشرف التفاسیر

کا جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

الحمدللہ "اشرف التفاسیر" بہت مقبول ہوئی' اہل علم نے خاص طور پر اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھا اور ہاتھوں ہاتھ لیا جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ حضرت صوفی محمد اقبال قریشی مدظلہ نے حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے ملفوظات میں سے مزید بہت سارے تفسیری نکات جمع کر کے ہمیں ارسال فرمائے ہیں جو اس ایڈیشن میں شامل کتاب کر دیئے گئے۔

اس مبارک اضافہ کے علاوہ خود حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا عربی رسالہ "**سبق الغایات فی نسق الآیات**" بھی سورتوں کی ترتیب کے مطابق آخر میں لگایا گیا ہے۔

امید ہے کہ یہ اضافہ جات تمام علم دوست حضرات کے لئے مزید علمی و عملی برکتوں کا باعث ثابت ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

اجمالی فہرست

سورة الكهف	٥
سورة مريم	٣٠
سورة طٰهٰ	٤٣
سورة الانبياء	٥٦
سورة الحج	٦٦
سورة المؤمنون	٨٧
سورة النور	٩٣
سورة الفرقان	١٣١
سورة الشعرآء	١٤٣
سورة النمل	١٤٨
سورة القصص	١٥٠
سورة العنكبوت	١٧٣
سورة الروم	١٩٦
سورة لقمان	١٠٤
سورة الاحزاب	٢١٧
سورة سبا	٣٥٥
سورة فاطر	٢٦١
سورة يٰس	٢٧٦
سورة الصافات	٢٧٩
سورة ص	٢٨٤
سورة الزمر	٢٩٣
سورة المؤمن	٣٢٣
سورة حٰم السجدة	٣٢٨
سورة الشورىٰ	٣٤٥

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوۡرَةُ الكَهف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَاِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاۡوٗۤا اِلَى الۡكَهۡفِ يَنۡشُرۡ لَكُمۡ رَبُّكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَيُهَيِّئۡ لَكُمۡ مِّنۡ اَمۡرِكُمۡ مِّرۡفَقًا ﴿۱۶﴾

ترجمہ: اور جب تم ان لوگوں سے الگ ہو گئے ہو اور ان کے معبودوں سے بھی مگر اللہ سے تو تم (فلاں) غار میں چل کر پناہ لو۔ تم پر تمہارا رب اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے لئے تمہارے اس کام میں بھی کامیابی کا سامان درست کر دے گا۔

تفسیری نکات

قصہ اصحاب کہف

یہ قصہ اصحاب کہف کا ہے۔ میں مفصل قصہ ان کا نہ بیان کروں گا۔ قرآن مجید میں بقدر ضرورت ہی ہے۔ اکثر واعظین قصے ہی بیان کیا کرتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کا مشرب تو موافق قرآن کے یہ ہے

ما قصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم   از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ترجمہ: ہم نے دارا و سکندر کا قصہ نہیں پڑھا ہم سے تو محبت و وفا کا قصہ تو پوچھ۔

اصحاب کہف ایک مشہور جماعت کا لقب ہے۔ یہ سات آدمی تھے ایک کافر بادشاہ کے زمانے میں وہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

بادشاہ بتوں کو سجدہ کرایا کرتا تھا ان سات کو اللہ تعالیٰ نے خود بخود ہدایت کی اور توحید ان کے دل میں گھر کر گئی اب ان کو پریشانی ہوئی کہ اگر ہم یہاں رہتے ہیں تو بادشاہ ہم سے شرک کرائے گا اور مقابلہ کریں تو کیسے کر سکتے ہیں سات آدمی ایک سلطنت کا کس طرح مقابلہ کریں ایسی صورت میں آدمی اپنی جان اور ایمان مخفی ہو جانے اور بھاگ جانے ہی سے بچا سکتا ہے ہاں شاذ و نادر اتفاق سے ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کسی حکمت عملی سے حق بھی ظاہر ہو جائے اور جان و ایمان بھی بچ جائے۔

اسی لئے ان حضرات نے اسی میں سلامتی سمجھی کہ سب سے خفیہ طور سے رہو چنانچہ چند روز تک مخفی طور سے رہے ایک مرتبہ مشورہ کیا کہ یوں کب تک رہیں گے اگر کسی دن ظاہر ہو گئے تو پھر آفت آوے گی اور نیز یہاں اگر اسی طرح رہتے رہے تو ان کی صحبت کا اثر نہ ہم پر ہو جاوے اس لئے کہیں ایسی جگہ چل دو کہ ان کو ہماری مطلق خبر نہ ہو چنانچہ مشورہ کر کے وہ ایک غار میں جا چھپے اور ان کے ہمراہ ایک کتا بھی چلا گیا اور وہاں پر ان پر اللہ تعالیٰ نے نوم مسلط کر دی چنانچہ تین سو برس سوتے رہے اس کے بعد آنکھ کھلی آگے پورا قصہ ان کا اس سورۃ میں ہے عجیب قصہ ہے مجھ کو اتنا ہی بیان کرنا تھا غرض اس مقام کی یہ آیت ہے اس آیت میں ان کے مشورہ کا ذکر ہے۔

ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ جب تم ان سے علیحدہ ہو گئے اور ان کے معبودوں سے سوا اللہ کے۔ الا اللہ میں دو احتمال ہیں اول تو یہ کہ یا تو ان میں یعبدون عامل ہے اس وقت تو یہ معنی ہوں گے کہ تم لوگ ان کفار سے اور جن کی وہ سوائے اللہ کے عبادت کیا کرتے تھے ان سے علیحدہ ہو گئے لیکن اس توجیہ پر ان کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کلام سے معلوم نہیں ہوا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ الا اللہ اعتزلتموھم کا معمول ہو یعنی جب کہ تم لوگ ان سے علیحدہ ہو گئے مگر اللہ سے کہ اس سے علیحدہ نہیں ہوئے اس صورت میں استثناء منقطع ہوگا اور الا اللہ کی یہ تقدیر ہوگی لکن اللہ فلم تعتزلوہ فاو االی الکھف یعنی جب ان سے علیحدہ ہو گئے تو اب غار کی طرف چلو نتیجہ اس کا کیا ہوگا ینشر لکم ربکم من رحمتہ یعنی نتیجہ یہ ہے کہ تمہارے لئے تمہارا رب اپنی رحمت کا حصہ پھیلائیں گے۔ یہ لوگ کیسے مؤدب تھے کہ ان کو حالانکہ نہ شرائع معلوم تھے نہ کسی سے تعلیم پائی تھی نہ کسی کے صحبت یافتہ تھے لیکن مؤدب اس درجہ کہ واذا اعتزلتموھم الخ سے وہم ہوتا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ کو بھی چھوڑ دیا ہو اس لئے کہ کلام اس طرح کا ہے جیسے ہمارے محاورہ میں کہا کرتے ہیں کہ میاں جب تم نے سب معبودین کو چھوڑ دیا جس میں اللہ تعالیٰ بھی بظاہر داخل ہیں کیونکہ وہ سب ہی کے معبود ہیں بت پرست بھی ان کی عبادت کے مدعی ہیں گو اگر الا اللہ نہ ہوتا تب بھی یہ معلوم تھا کہ ان سب کو اللہ ہی کیواسطے چھوڑا ہے تو پھر خدا کو کیسے چھوڑتے لیکن تاہم کلام میں ادب ملحوظ رکھنے کے لئے الا اللہ بڑھایا اس سے ان کا اللہ تعالیٰ کا محب ہونا اور نہایت مؤدب ہونا معلوم ہوتا ہے اور دوسری عجیب بات یہ ہے کہ تعلیم تو کہیں پائی نہ تھی ان کے دل میں یہ کیسے

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیا کہ دین کے بچانے کی ضرورت ہے یہ نہایت درجہ ان کے متادب ہونے کو بتلا رہا ہے تیسرے یہ کہ غار میں جانے کے ثمرات کو بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت نازل فرماویں گے اور حقیقت شناسی ملاحظہ کیجئے کہ یوں کہا ینشر لکم ربکم رحمتہ بلکہ من بڑھایا جس سے یہ مسئلہ مستفاذ ہوا کہ حق تعالیٰ کی رحمت غیر متناہی ہے جس پر رحمت ہوگی کوئی حصہ اس کا ہوگا باقی اس کی صفت رحمت کا کیا ٹھکانا ہے اس قدر وسیع ہے کہ جس کی نہایت نہیں ہے حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس برس تک رحمت کا بیان کیا ایک روز قہر کا بیان فرما دیا تو کئی آدمی مر گئے الہام ہوا کہ اے عبد القادر کیا ہماری اتنی ہی رحمت تھی کہ چالیس برس میں اس کا بیان ختم ہو گیا پس رحمت کی اور اسی طرح حق تعالیٰ کی ہر صفت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت بے انتہا ہے

غرض حق تعالیٰ کی رحمت بے انتہا ہے اس لئے رحمت پر من بڑھایا ایک ثمرہ تو غار میں جانے کا یہ ہوا دوسرا ثمرہ یہ ہے کہ یھیئی لکم من امر کم مرفقاً اور مہیا کردے گا تمہارے امر دین میں کامیابی کا سامان پس دو ثمرے بیان کئے ایک تو اشارہ مقصود کی طرف ہے اور دوسرے میں اس مقصود کے مقدمات کی طرف تفصیل اس کی یہ ہے کہ مقصود رحمت حق ہے جو فاوا الی الکھف پر مرتب ہے لیکن یہ مقصود عادتاً اس پر بلا واسطہ مرتب نہ ہوگا کو کلام میں بوجہ اہتمام شان اور بسبب اس کی مقصودیت کی اظہار کے اس کو بلا فصل فاوا الی الکھف کے بعد ذکر کر دیا ہے لیکن صورت اس کے ترتب کی یہ ہوگی کہ کہف میں جانے کے بعد اسباب مہیا ہوں گے تکمیل دین کے اور بواسطہ اس کے رحمت کا ترتب ہوگا پس رحمت کا مقدمہ تکمیل دین کے اسباب کا مہیا ہونا ہے اور تکمیل دین کا مقدمہ کہف میں جانا ہے پس کہف میں جانا مقدمہ کا مقدمہ ہے اور یہ آیت شرح اور اعادہ ہے اس اجمال کا جو اول اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے یعنی اول حق تعالیٰ نے اجمالاً قصہ اصحاب کا بیان فرمادیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

اذا اوی الفتیۃ الی الکھف فقالوا ربنا اتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا فضربنا علی اذانھم فی الکھف سنین عددا ثم بعثنھم لنعلم ای الحزبین احصیٰ لما لبثوا امدا۔

یہ قصہ ہے اجمالاً گویا متن ہے آگے نحن نقص علیک نباھم بالحق سے اس کی شرح ہے متن کے اندر جو اصل مغز تھا قصہ کا وہ بیان فرمادیا شرح میں اس کی تفصیل ہے سبحان اللہ کیا عجیب طرز ہے مصنفین کی عادت ہے کہ اول مختصراً بطور فہرست کے مقصود بیان کرتے ہیں حق تعالیٰ نے ان اسالیب کی اپنے کلام پاک میں رعایت فرمائی ہے اور دوسرے مقامات میں بھی ایسے امور کی بہت رعایت ہے دیکھئے خطیبوں اور واعظین کی عادت ہوتی ہے کہ اس کے بعد خطبہ پڑھتے ہیں اس کے بعد مقصود شروع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بھی ایک مقام پر دلائل توحید سے پہلے خطبہ بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے قل الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین

(c) ketabton.com: The Digital Library

اصطفیٰ یہ ایک خطبہ ہے اس کے بعد مقصود یعنی بیان دلائل توحید شروع ہوا ہے اور یہاں متن کے موقعہ پر ایک دعا آئی ہے ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃً وھیئی لنا من امر رشدًا. اس آیت میں جو کہ شرح کے موقع پر ہے ینشر لکم ربکم من رحمته سے اس کی طرف اشارہ ہے یہاں اضافت کی وجہ سے رحمت کی تنکیر نہ ہوسکتی تھی اس لئے یہاں من بڑھادیا اور متن کے موقع پر من لدنک کی وجہ سے تعریف کی ضرورت نہ تھی اس لئے رحمۃ کو منکر لائے جو تنکیر کے سبب مترادف ہے من رحمته کا متن میں جس رحمت کی درخواست کی تھی شرح میں بھی اس کی امید کو فاوا الی الکھف کا ثمرہ کر کے ظاہر کیا ہے گویا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ جس رحمت کا ہم نے آپ سے سوال کیا تھا وہ ہم کو عنایت فرمایئے سبحان اللہ کلام میں کیا تناسب ہے اور فاوا الی الکھف ینشر لکم ربکم الخ میں ایک مسئلہ لطیف کی طرف اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ اعمال کو گو ثمرات میں دخل ہے لیکن بدوں مشیت حق کے ان کا ترتب ضروری نہیں ہے بعض مرتبہ بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں اور ثمرہ کچھ مرتب نہیں ہوتا اس لئے ہر حالت میں یہ ضروری ہے کہ حق تعالیٰ پر نظر رکھے عمل کرے اور عمل پر نظر نہ ہو۔
الحاصل اصحاب کہف کو اپنے عمل پر ناز نہیں ہوا بلکہ حق تعالیٰ پر نظر رہی اور اول جو دعا کی تھی ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃ الخ اس کو یہاں بطور ثمرہ دوسرے عنوان سے بیان کیا اور اس عنوان بدلنے میں بہت اسرار اور غوامض ہوں گے جو غور کرنے سے سمجھ میں آسکتے ہیں۔

پس جاننا چاہیے کہ اس آیت سے چند امور ثابت ہوئے (اول) توفاوا الی الکھف سے یہ سمجھا گیا کہ کسی درجہ میں خلوت مقصود ہے (دوم) فاوا اعتزلتموھم پر مرتب کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ خلوت جب نافع ہے جبکہ جلوت سے مضرت ہو (سوم) اشارہ اس طرف ہوا کہ مسلم کی شان یہ ہے کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو جب باطناً عزلت ہے تو ظاہراً بھی عزلت ہونا چاہیے (چہارم) خلوت فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ رحمت حق مقصود ہے کما یدل علیه ینشر لکم الخ (پنجم) جب ناجنسوں کی صحبت میں ہو تو ایسے وقت خلوت ممکن دین ہے۔

قرآن شریف میں ہے فلا تمار فیھم الامراء ظاھرا (سو آپ ان کے بارے میں بجز سرسری بحث کے زیادہ بحث نہ کیجئے) اس میں مراء بالحق ہی مراد ہے کیونکہ مراء بالباطل کی اجازت کسی درجہ میں نہیں ہوسکتی اور اس آیت میں مراء ظاہر کی اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ہے تو اس کو صورۃ مراء کہہ دیا گیا بوجہ مشاکلت کے ورنہ حقیقی مراء حرام ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح وشام (یعنی علی الدوام) اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں۔ اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں (یعنی توجہات) ان سے ہٹنے نہ پائیں۔ اور ایسے شخص کا کہنا مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا (یہ) حال حد سے گزر گیا ہے۔

تفسیری نکات

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم الخ (یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے کو ایسے لوگوں کے ساتھ جما کر بٹھلایئے جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں اور آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پاویں۔ (یعنی آنکھیں بھی ادھر ہی متوجہ رہیں) اس سے بھی میں ایک دوسرا مسئلہ استنباط کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ بزرگوں کی توجہ سے بھی نفع ہوتا ہے تو گویا اول جملہ میں تعلیم کا بھی اشارہ ہوا کہ پاس بیٹھنے کے احکام بھی حاصل ہوں گے اور دوسرے میں تربیت کا۔ آگے فرماتے ہیں ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا (دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے) اس کو بعض نے مستقل جملہ کہا ہے یعنی کیا آپ دنیا کی زینت چاہتے ہیں مگر میں نے اس کو جملہ حالیہ سمجھا ہے اور لاتعد میں منفی کو اس کا عامل اور عینک کو بوجہ اقامت عین مقام ذات ذوالحال اور مقید کی نفی یہاں قید اور ذی قید دونوں کے ارتفاع سے ہے یعنی جو عدوان بارادۂ زینت حیوۃ دنیا ہوتا ہو متروک ہے اس طرح سے کہ عدوان ہے نہ ارادہ زینت پس اس سے وقوع زینت کا لازم نہیں آتا آگے دوسری نہی ہے لا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ و کان امرہ فرطا یعنی ان کا کہنا نہ مانو جن کو ہم نے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور اس نے اپنی ہوائے نفسانی کا اتباع کیا اور اس کا کام حد سے نکلا ہوا ہے یہاں سے ایک تیسری بات بھی معلوم ہوئی کہ مشورہ بھی ایسے شخص کا قبول کرے جس کی یہ حالت نہ ہو۔

اغفلنا قلبہ الخ (ہم نے اس کے دل کو غافل کر دیا ہے) کیونکہ بے دین کے مشورہ میں بھی برکت نہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوتی۔ چنانچہ رؤساء کفار کے اس مشورہ تخصیص مجلس کے قبول سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ممانعت فرما دی۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ اس میں تعلیم اور تربیت دونوں کا بذریعہ صحبت نافع ہونا بتلایا ہے اور شیوخ کا بھی علاج کر دیا ہے کہ آپ بھی بے پروائی نہ کریں سبحان اللہ کیا عجیب جامع جملہ ہے۔

اہل اللہ خلوت کو پسند فرماتے ہیں

یہاں حق تعالیٰ نے صبر کا لفظ ارشاد فرمایا ہے اور صبر کے معنی ہیں حبس النفس علی ماتکرھہ یعنی نفس کو ایسی بات کا پابند کرنا جو اس کو ناگوار ہو اور اس سے معلوم ہو کہ آپ مجمع سے گھبراتے تھے مگر لوگوں کی مصلحت کے لئے مجبوراً بیٹھتے تھے۔ صاحبو! ہمیں تو دوستوں میں بیٹھ کر حظ آتا ہے مگر اہل اللہ کو پریشانی ہوتی ہے کیوں کہ ان کی نظر تو اور ہی طرف ہے جس کو جامی فرماتے ہیں

خوشا وقتے و خرم روزگارے　　　　کہ یارے برخورد از وصل یارے

اور ان کی یہ شان ہوتی ہے

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم　　　　گوش را نیز حدیث شنیدن ندہم

ان کو تو خود اپنا نفس بھی حجاب معلوم ہوتا ہے تو دوست تو کیوں نہ موجب پریشانی ہوں گے۔ لوگ ان کو تعظیم و تکریم کی شان میں دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ بڑے چین میں ہیں مگر کوئی انہیں کے دل سے پوچھے کہ ان پر کیا گزرتی ہے۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست　　　　حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند

کسی کو کیا خبر ہے کہ وہ کس طرح ان مصائب کو یعنی مخلوق کی مجانست و مخالطت کو برداشت کرتے ہیں

در نیابد حال پختہ ہیچ خام　　　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

غرض ان کو اپنے اوپر قیاس مت کرو کہ جس طرح تمہیں دوستوں میں بیٹھ کر حظ آتا ہے اسی طرح انہیں بھی آتا ہوگا۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر　　　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

انہیں بے حد انقباض ہوتا ہے دوستوں سے اور وہ اس سے اس قدر پریشان ہوتے ہیں کہ آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا مگر باوجود اس کے وہ ظاہر میں سب سے بول رہے ہیں اور ہنس بھی رہے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

ترجمہ: مال اور اولاد حیات دنیا کی ایک رونق ہے اور جو اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ ﷺ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں۔

تفسیری نکات

آرائش دنیا

اس آیت میں حق تعالیٰ نے دنیائے مذموم سے منع فرمایا ہے اور آخرت کی ترغیب دی ہے مگر عنوان دونوں جگہ ایسا عجیب ہے جس سے دنیا و آخرت دونوں کی اصلی حقیقت تھوڑے سے لفظوں میں ظاہر فرما دی واقعی خدا تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ اس آیت سے پہلے دنیا کا بے حقیقت ہونا ایک مثال سے ظاہر فرمایا ہے واضرب لھم مثل الحیوۃ الدنیا کماء انزلناہ من السماء فاختلط بہ نبات الارض فاصبح ھشیما تذروہ الریاح و کان اللہ علی کل شیء مقتدرا (اور جتلا دیجئے ان کو مثل دنیا کی زندگی کی جیسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے پھر رلا ملا نکال اس کی وجہ سے زمین کا سبزہ پھر کل کو ہو گیا چورا چورا ہوا میں اڑتا اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے) اس کے بعد یہ آیت ہے المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا (مال اور اولاد حیوۃ دنیا کی زینت و آرائش ہیں) اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ زینت ہر چیز کی اس کے تابع ہوا کرتی ہے اور جب تابع ہے تو اس کا مرتبہ اصل سے کم ہوا اور متبوع کا بے حقیقت ہونا پہلے یعنی اوپر کی آیت میں بیان ہو چکا ہے اس سے خود ہی معلوم کیا گیا کہ اس کا تابع کیسا کچھ ہوگا تو ایک لفظ زینت سے اس قدر ان کی بے وقعتی کو واضح بیان کر دیا ہے عجیب فصاحت و بلاغت ہے اور اس کے علاوہ اس میں ایک اور بھی نکتہ ہے اور وہ یہ کہ آرائش اور زینت کی چیزیں اکثر فضول اور زائد اور بے ضرورت ہوا کرتی ہیں تو حق تعالیٰ نے مال اور بنون کا بے حقیقت و بے ضرورت ہونا لفظ زینت سے ظاہر فرما دیا ہے یہ سب زینت ہی زینت ہیں اور کچھ نہیں پس مطلب یہ ہے کہ جو مال و اولاد تم کو مطلوب ہے جس میں عبادت کو تم منہمک ہو رہے ہو وہ بے ضرورت اور زائد چیزیں ہیں کیونکہ مال سے مقصود رفع ضرورت ہے اور رفع ضرورت سے مطلوب بقاء النفس ہے تو اصل مقصود کے لئے یہ واسطہ در واسطہ ہے پھر ایسے واسطہ کو مطلوب بنا لینا حماقت ہی نہیں کہ رات دن اسی

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں منہمک لگا ہوا اور بقاء نفس جو مطلوب ہے وہ بھی بے حقیقت ہے کیونکہ اس کا بقاء چند روزہ ہے جو قابل اعتبار نہیں غرض مال خود مطلوب بنانے کے قابل ہرگز نہیں اور اولاد تو اس سے بھی گھٹیا ہے کیونکہ وہ تو بقاء نفس کے لئے بھی نہیں صرف بقاء نوع کے لئے مطلوب ہے اور بقاء نوع کے لئے اسی کی کیا ضرورت ہے کہ آپ ہی کے اولاد ہو اگر میرے اولاد نہ ہوئی اور آپ کے دو ہو گئیں تو اس سے بھی بقاء نوع ہو سکتی ہے دوسرے بقاء نوع کی آپ کو کیوں فکر ہے جب تک حق تعالیٰ کو انسان کی آبادی دنیا میں مطلوب ہے اس وقت تک وہ اس کی تدبیریں کریں گے آپ اس میں رائے دینے والے کون ہیں کہ خواہ مخواہ آپ کی نوع باقی ہی رہے اور وہ بھی اس صورت سے کہ آپ ہی کے اولاد ہو یہاں ایک بات قابل تنبیہ ہے وہ یہ کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے بنون کو زینت حیوۃ الدنیا بتلایا ہے بنات کو بیان نہیں فرمایا اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ بنات کو خود تم نے بھی بے حقیقت سمجھ رکھا ہے کیونکہ لوگوں کو لڑکوں سے زیادہ خوشی ہوتی ہے اور لڑکیوں کو تو عموماً وبال سمجھتے ہیں تو تمہارے نزدیک وہ کیا خاک زینت دنیا ہوں گی دوسرا نکتہ بنات کے ذکر نہ کرنے میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ بنات زینت دنیا نہیں ہیں بلکہ محض زینت خانہ ہیں اگر وہ بھی زینت دنیا ہوتیں تو حق تعالیٰ ان کو بھی بیان فرماتے پس صرف بنون کو زینت دنیا فرمانا اور بنات کو ذکر نہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ لڑکیاں دنیا کی بھی زینت نہیں ہیں کیونکہ عرفاً زینت دنیا وہ سمجھی جاتی ہے جو منظر عام پر زینت ہے اور وہ ایسی زینت نہیں کہ تم ان کو ساتھ لئے لئے پھرو اور سب دیکھیں کہ ان کے اتنی لڑکیاں ہیں اور ایسی آراستہ پیراستہ ہیں بلکہ وہ محض گھر کی زینت ہیں یہاں سے پردہ کی دلیل کی طرف اشارہ نکل آیا دوسرے لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ عورتوں کو پردہ کرایا جائے کیونکہ اردو میں عورت کو عورت کہتے ہیں جس سے معنی لغت میں چھپانے کی چیز تو اس کے ساتھ یہ کہنا کہ عورتوں کو پردہ نہ کراؤ ایسا ہے جیسا یوں کہا جائے کہ کھانے کی چیز کو نہ کھاؤ پہننے کی چیز کو نہ پہنو اور اس کا لغو ہونا ظاہر ہے تو یہ قول لغو ہے کہ عورتوں کو پردہ نہ کراؤ ان کو عورت کہنا خود اس کی دلیل ہے کہ وہ پردہ میں رہنے کی چیزیں ہیں ایک ترقی یافتہ کہتے تھے کہ عورتیں پردہ کی وجہ سے ترقی علمی سے رکی ہوئی ہیں میں نے کہا جی ہاں اسی واسطے تو ان چھوٹی قوموں کی عورتیں جو پردہ نہیں کرتیں بہت تعلیم یافتہ ہو گئی ہیں یہ جواب سن کر وہ خاموش ہی تو رہ گئے اصل بات یہ ہے کہ تعلیم یافتہ یا غیر تعلیم یافتہ ہونے میں پردہ یا بے پردگی کو کوئی دخل نہیں بلکہ اس میں بڑا دخل توجہ کو ہے اگر کسی قوم کی عورتوں کی تعلیم پر توجہ ہو وہ پردہ میں بھی تعلیم دے سکتے ہیں ورنہ بے پردگی میں بھی کچھ نہیں ہو سکتا بلکہ غور کیا جائے تو پردہ میں تعلیم زیادہ ہو سکتی ہے کیونکہ عوام کے لئے یکسوئی اور اجماع خیال کی ضرورت ہے اور وہ گوشہ تنہائی میں زیادہ حاصل ہوتی ہے اسی واسطے مرد بھی مطالعہ کے لئے گوشہ تنہائی تلاش کیا کرتے ہیں جیسا کہ طلباء کو اس کا اچھی طرح اندازہ ہے پس عورتوں کا پردہ میں رہنا تو علوم

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے لئے معین ہے نہ کہ مانع نہ معلوم لوگوں کی عقلیں کیا ہوئیں جو پردہ کو تعلیم کا منافی سمجھتے ہیں ہاں علوم تجارت اور علوم تجارت کے لئے سیر وسیاحت کی البتہ ضرورت ہے مگر عورتیں ناقص العقل اور کم حوصلہ ہیں ان کے پاس سیر وسیاحت سے تجربہ میں حقیقی یعنی اخلاقی ترقی نہ ہوگی بلکہ آزادی اور شرارت بڑھے گی اسی لئے شریعت نے عورتوں کے ہاتھ میں طلاق نہیں دی کیونکہ یہ ایسی کم حوصلہ ہیں کہ ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو جاتی ہیں مرد تو برسوں میں کسی بہت ہی بڑی بات پر طلاق کا قصد کرتا ہے وہ بھی ہزاروں میں سے ایک ورنہ زیادہ تو ایسے ہی مرد ہیں جو عورتوں کی بدتمیزیوں پر صبر کرتے ہیں اور اگر عورتوں کے ہاتھ میں طلاق ہوتی تو یہ تو ہر مہینہ شوہر کو طلاق دے کر نئی شادی کر لیا کرتیں (جیسا کہ آجکل یورپ میں ہو رہا ہے) بس عورتوں کے لئے یہی سیر و سیاحت کافی ہے کہ اپنے گھر میں چل پھر لیا کریں جن تجربوں کی ان کو ضرورت ہے وہ گھر میں رہ کر ہی ان کو حاصل ہو سکتے ہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں نظر حقیقت سے دیکھئے تو مردوں کو بھی اس کی ضرورت نہیں اگر سیر و تماشا چاہتے ہو تو وہ بھی آپ کے اندر موجود ہے دل کی آنکھوں سے دیکھو تو تم کو اپنے ہی اندر تماشا نظر آئے گا کہ دنیا کے پھول پھلواریوں سے استغناء ہو جائے گا۔

ستم ست اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درا　　تو ز غنچہ کم ندمیدہ در دل کشا بچمن درا

(تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کر لو)

چوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجت ست　　خلوت گزیدہ رابہ تماشا چہ حاجت ست

جب محبوب کے دربار میں ہو جنگل کی کیا ضرورت ہے خلوت نشین کو تماشہ کی کیا حاجت یعنی تارکان تعلق ماسوی اللہ کو دوسری طرف التفات نہ چاہیے اس سے بے التفاتی کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ بستی چھوڑ کر جنگل میں جا رہیں بلکہ توجہ الی الحق کافی ہے۔

عورتیں زینت دنیا نہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بے پردگی کے بہت برے نتائج ہو رہے ہیں اور یہ کم عقلی اور بدفہم لوگ اس وقت سمجھیں گے جب بات ہاتھوں سے نکل جائے گی اس وقت تو دماغ کو چڑھ رہی ہے بدحواس ہو رہے ہیں کچھ خبر نہیں مگر یہ نشہ بہت ہی قریب اتر جانے والا ہے یورپ کا تو اتر گیا اور ان کا تو دیر میں بھی اتر ان کا بہت جلد اتر جائے گا اس لئے کہ ان کا ہر کام جوش کے ماتحت ہوتا ہے وہ چاہے دین کا کام ہو یا دنیا کا اور جوش کی عمر ہمیشہ کم ہوتی ہے میں نے تو اس کے متعلق اپنے ایک بیان میں نہایت بسط کے ساتھ تقریر کی ہے اور اس میں ایک لطیف نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا اور یوں نہیں فرمایا کہ المال

(c) ketabton.com: The Digital Library

والبنات اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز عام منظر پر لانے کی نہیں ہوتی وہ حیوۃ دنیا کی زینت نہیں کیونکہ زینت کے لئے تو ظہور ضروری ہے اس لئے بنون فرمایا کہ یہ ہے حیوۃ دنیا کی زینت۔

باقیات صالحات

مجھے اس وقت زیادہ تر آیت کے اسی جزو کا بیان مقصود ہے والباقیات الصلحت خیر عند ربک ثوابا و خیر املا۔ کیونکہ یہ بیان مدرسہ کے جلسہ میں ہو رہا ہے اور مدرسہ باقیات صالحات سے ہے سو سنئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ باقی رہنے والی چیزوں سے (مراد اچھے اعمال ہیں) ثواب کے اعتبار سے اور امید کے اعتبار سے تمہارے پروردگار کے نزدیک زیادہ بہتر ہے یہاں حق تعالیٰ نے لفظ اعمال کو مقدر فرمادیا ہے کیونکہ مقصود بقاء کا مدار خیریت بتلانا ہے گو تحقیق اس کا مادہ اعمال ہی میں ہو۔ پس اگر اعمال کا ذکر ہوتا تو باقیات کا مفہوم اس کی صفت واقع ہو کر تابع ہو جاتا تو مقصود مذکور میں صریح نہ ہوتا۔

یہاں چند نکات طالب علمانہ ذہن میں اور ہیں ان کو مختصراً ذکر کرتا ہوں ایک یہ کہ یہاں حق تعالیٰ نے اعمال شر کو ذکر نہیں فرمایا حالانکہ وہ بھی باقیات سے ہیں کیونکہ جس طرح اعمال صالحہ کی جزا جنت ہے اور وہ باقی ہے ایسے ہی اعمال شر کی سزا جہنم ہے اور وہ بھی باقی ہے تو جب یہاں اعمال کی بقاء کا ثابت کرنا مقصود ہے تو ان کو بھی بیان کرنا چاہیے تھا۔

جواب یہ ہے کہ ان کو بقاء علی الاطلاق نہیں کیونکہ بعض اعمال شر کی جزا غیر باقی ہے اور بعض کو گو باقی ہے جیسے کفر و شرک کی مگر چونکہ اس جزا والوں کی یہ حالت ہے کہ لا یموت فیھا و لا یحی کہ نہ ان کو وہاں موت ہے نہ زندگی ہے تو ایسی حیات جس کے متعلق لا یحی بھی ارشاد ہے اس قابل نہیں کہ اس کو باقیات کے ساتھ موصوف کیا جاوے اور ان کے لئے بقاء ثابت کیا جائے کیونکہ وہ بقاء مثل عدم بقاء کے ہے۔

دوسری باقیات صالحات جو ہیں ان کی بقاء محض لغوی نہیں بلکہ بناء برایصال الی الباقی کے ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ یہ تعلق خیر ہی کو ہے شر کو نہیں بلکہ وہ تو اس سے تعلق کو قطع کرنے والی ہے اس لئے اعمال صالحہ ہی باقیات کے ساتھ موصوف کرنے کے قابل ہیں پس صالحات کی قید محض توضیح کے لئے ہے ورنہ صرف لفظ باقیات ہی اعمال صالحہ پر دلالت کے لئے کافی ہے اور یہ جو میں نے کہا کہ اعمال صالحہ کی بقاء بوجہ تعلق بحق کے ہے یہ ایک تفسیر کی بناء پر نص سے بھی موید ہے کل شیء ھالک الا وجھہ کی تفسیر ایک تو ذاتہ سے کی گئی ہے اور ایک تفسیر ماکان لاجلہ سے بھی کی گئی ہے۔ اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اعمال صالحہ کیا فناء عالم کے وقت بھی باقی رہیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ محققین کے نزدیک کچھ دیر کو فنا ہو جائیں گے مگر چونکہ وہ ساعت قلیلہ ہے اس لئے

(c) ketabton.com: The Digital Library

عرفاوہ گویاباقی ہی ہیں کیونکہ عرفاانقطاع قلیل کااعتبارنہیں کیاجاتا۔

مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص صبح سے شام تک چلتا رہا تو اگر وہ تھوڑی دیر کے لئے راستہ میں پیشاب کرنے بیٹھ گیا ہو تو کوئی اس پر یہ اعتراض نہیں کرتا کہ واہ صاحب وہ تو پانچ منٹ بیٹھا بھی تھا۔

اورمثال لیجئے شعلہ جوالہ سے حرکت کے وقت ایک پورادائرہ روشن نظر آتا ہے حالانکہ زیادہ حصہ اس کا تاریک ہے مگر عرفااس تاریکی کا اعتبار نہیں کیا جاتا عدم الاحساس اور اگر اس کو خط مستدیر پر نہ گھمایا جائے بلکہ یمین سے یسار کو اور پھر رجعت یمین سے یسار کو اور پھر رجعت قہقری سے حرکت دی جائے تو رجعت کے وقت تو یسار سے یمین کو ضروری تاریکی ہوگی لتحلل السکون بین الحرکتین یعنی دو حرکتوں کے درمیان سکون کا ہونا ضروری ہے لیکن عرفا یہی کہا جاتا ہے کہ یہ روشنی مستمر معلوم ہے کیونکہ سکون محض آنی ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ پس ایسے ہی یہاں سمجھئے کہ ساعت قلیلہ میں فنا ہو جانا اعمال صالحہ کے بقاء و عرفا مضر نہیں کیونکہ زیادہ حصہ تو بقاء ہی کا ہے اور گو غیر خیر میں بھی ایسا ہی بقاء ہے مگر اوپر ان دونوں میں فرق بیان ہو چکا ہے۔

اعمال باقی

اب ایک شبہ اور رہا۔ وہ یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے یہاں اعمال کو باقی فرمایا ہے حالانکہ وہ تو اعراض ہیں وہ کیسے باقی رہ سکتے ہیں۔

لان العرض لا بقاء له بالذات بل تبعا للمعروض والمعروض ليس بباق بفنائه بالموت

مثلاً پھر بقاء تبعاً للمعروض بھی اعراض لازمہ کو ہے نہ کہ غیر لازمہ کو اور اعمال صالحہ ظاہر ہے کہ اعراض لازمہ نہیں بلکہ غیر لازمہ ہیں ان کا بقاء تو تبعاً للمعروض بھی نہیں رہ سکتا مثلاً نماز پڑھ کر جہاں فارغ ہوئے بس عمل ختم ہوا۔ اب اس کا بقاء نہ اصالۃً ہے نہ تبعاً۔

اس جگہ سب معقولی تھک گئے مگر علامہ جلال الدین دوانی نے رسالہ زوراء میں لکھا ہے کہ آخرت میں یہ اعراض جواہر ہوں گے یعنی جو عمل ہم کرتے ہیں وہ یہاں تو عرض ہے مگر عالم آخرت میں (جو کہ مکاناً اس وقت بھی موجود ہے) جواہر ہوں گے فقط اور اس کے لئے یہ صورت جوہریہ صدور ہی کے وقت سے حاصل ہو جاتی ہے اور وہ صورت جوہریہ باقی رہے گی۔

اب کوئی اشکال نہیں۔ عارفین تو کشفی طور پر اس کے قائل ہیں ہی مگر ایک معقولی عقلی طور پر بھی اس کا قائل ہے اور عقلاً اس کو جائز و ممکن سمجھتا ہے تقریب الی الفہم کے لئے میں طلباء کے واسطے ایک معقولی مثال سے اس کو واضح کرتا ہوں۔

وہ یہ کہ حصول اشیاء بانفسہا فی الذہن بہت حکماء کے نزدیک حق ہے اور ظاہر ہے کہ حصول بانفسہا سے مراد یہ تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں ہے کہ بعینہ یہی شے جو خارج میں ہے ذہن میں حاصل ہوتی ہے اگر بعینہ حصول ہو تو تصور جبال سے ذہن کا انشقاق اور تصور نار سے احراق لازم ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حقیقت شے کی ذہن میں حاصل ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ حقیقت جوہر کی جوہر ہے حالانکہ صورۃ حاصلہ فی الذہن عرض ہے تو جو نسبت ذہن کو خارج سے ہے ہم کہتے ہیں کہ وہی نسبت دنیا کو آخرت سے ہے جس طرح اعراض ذہنیہ خارج میں جواہر ہیں اسی طرح اعراض دنیویہ آخرت میں جواہر ہوں تو اشکال کیا ہے۔

ایک نکتہ اس جگہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے الباقیات الصالحۃ نہیں بلکہ الباقیات الصالحات فرمایا ہے۔ اس عنوان میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ان اعمال میں ہر ہر عمل میں مستقل صلاحیت ہے اس لئے صالحہ کا مصداق بھی متعدد ہو کر صالحات صادق آوے گا یہ نہیں کہ مجموعہ میں صلاحیت ہوتا کہ ان کو مجموعہ بنا کر صالحۃ صفت مفردہ سے تعبیر کیا جائے۔ یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو بعض اعمال صالحہ کو حقیر سمجھتے ہیں۔

دنیا کی حقیقت

غرض باقیات کے ساتھ صالحات کے جمع لانے میں ہر عمل کی وقعت کا اظہار ہے اور جب اعمال آخرت باقی رہنے والے ہیں اور اس کے مقابلہ میں مال و بنون کو زینت فرمایا گیا ہے تو اس لفظ سے اس پر تنبیہ ہے کہ دنیا کی چیزیں فنا ہونے والی ہیں اور جب دنیا کے اموال و اولاد فانی ہیں تو اگر وہ آپ سے پہلے اور آپ کے سامنے ہی فنا ہو جائیں تو غم نہ کرو کیونکہ وہ تو فنا ہونے والے تھے ہی۔

قرآن مجید میں ہے و وجدو ا ما عملوا حاضراً (جو جو اعمال انہوں نے کئے ہیں ان میں موجود پالیں گے ۱۲)

اعمال قیامت میں اپنی شکل میں ظاہر ہوں گے

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس کی بھی تفسیر فرمائی تھی۔ مشہور تفسیر تو اس کی مکتوب فی الصحیفہ (نامہ اعمال میں لکھا ہوا ۱۲) سے کی ہے مگر مولانا فرماتے تھے کہ خود اعمال حاضر ہوں گے جب ظاہر الفاظ ووجدوا ما عملوا حاضراً سے معلوم ہوتا ہے یعنی قیامت کے روز سارے اعمال کو حاضر پائیں گے اس پر اشکال یہ ہے کہ جو اعمال ختم ہو چکے وہ کیسے عود کریں گے محقق دوانی نے اسے اس طرح رفع کیا ہے کہ انہوں نے اپنے رسالہ زوراء میں یہ ثابت کیا ہے کہ حقائق اعمال کے جوہر ہیں یہ رسالہ حضرت نے میرے پاس بھیجا تھا شاید بھیجنے سے یہ مقصود ہو کہ ان کی تحقیق حضرت کو پسند آئی ہو واللہ اعلم میں اس کو یقینا کہہ نہیں سکتا کیونکہ کچھ فرمایا نہیں میں نے اس رسالہ کو دیکھا میری سمجھ میں یہ بات تو نہیں آتی کہ حقائق اعمال جوہر ہیں ہاں اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ معنی مصدری قیامت میں نہ ہوں گے بلکہ حسب تحریر مولانا محمد یعقوب صاحب ان اعمال کے اثر قیامت کے روز

(c) ketabton.com: The Digital Library

شکلیں بن کر اہل محشر کو نظر آئیں گی مثلاً جو چوری کر چکا ہے وہاں نظر آئے گا کہ چوری کر رہا ہے زنا کر چکا وہاں نظر آئے گا کہ زنا کر رہا ہے غرض جو آثار اعمال کے اس کے بدن میں جمع ہیں سب وہاں اعمال بن کر نظر آئیں گے۔

اس کی مثال یہاں بھی خدا نے پیدا کر دی ہے یعنی جس طرح بائیسکوپ کے اندر گزشتہ واقعات کی صورتیں نظر آتی ہیں اسی طرح قیامت کے دن یہ بھی بائیسکوپ بن جائے گا اور اس کے ہاتھ پیر گراموفون کی طرح جو کچھ اس نے کیا ہے بولیں گے ایک زانی کی حکایت ہے کہ زنا کر کے غسل کر رہا تھا غسل کا پانی نالی سے بہہ رہا تھا ایک بزرگ کا ادھر سے گزر ہوا اس پانی کو دیکھ کر کہا اس میں زنا بہہ رہا ہے پوچھا حضرت آپ کو کیونکر معلوم ہوا فرمایا کوئی زانی غسل کر رہا ہے مجھے پانی کے ہر ہر قطرہ میں زنا کی تصویر نظر آتی ہے۔

اہل کشف کی صورتیں اعمال کی نظر آجاتی ہیں حضرت عثمانؓ کی مجلس میں ایک شخص کسی نامحرم عورت کو دیکھ کر آیا تھا آپ نے فرمایا کہ کیا حال ہے لوگوں کا کہ ہماری مجلس میں آتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے اسی طرح جب کوئی طاعت کرتا ہے تو اس کا ایک اثر اس میں پیدا ہوتا ہے جس کا اہل کشف کو علم ہوتا ہے فرشتوں کو تو اعمال ماضیہ کا نامہ اعمال دیکھنے سے علم ہوتا ہے اور اہل کشف کے لئے یہ شخص اپنا آپ نامہ اعمال ہے اسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

غذائک فیک وما تبصر   دوائک منک وما تشعر

(تمہاری غذا خود تمہارے اندر ہے اور تم دیکھتے نہیں تمہاری دوا تم ہی سے ہے اور تم نہیں شعور کرتے ۱۲)

وانت الکتاب المبین الذی   باحرفہ یظھر المضمر

(تم وہ کتاب ہو کہ اس کے حروف سے پوشیدگیوں کا ظہور ہوتا ہے ۱۲)

وتزعم انک جرم صغیر   وفیک تطوی العالم الاکبر

(تم اپنے آپ کو جرم صغیر سمجھتے ہو حالانکہ تمہارے اندر ایک عالم اکبر لپٹا ہوا ہے ۱۲)

تو گویا تم خود کتاب مبین ہو۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ
حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ
سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا
هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ
وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ
عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾
فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا
عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰی هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ
رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا
لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ
لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ
لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ
اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ
اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَ
لَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ
قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

(c) ketabton.com: The Digital Library

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ اِنْ
سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ
اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ
يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿٧٧﴾ قَالَ
هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ
عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ
فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ
غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا
طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ
اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ
وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ
يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا
فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں (اس سفر میں) برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ اس موقع پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملے ہیں یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا۔ پس جب (چلتے چلتے) دونوں دریاؤں کے جمع ہونے کے موقع پر پہنچے اس وقت اپنی مچھلی کو دونوں بھول گئے اور مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی اور چلدی۔ پھر جب دونوں (وہاں

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے) آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہم کو تو اس سفر میں (یعنی آج کی منزل میں) بڑی تکلیف پہنچی۔ خادم نے کہا کہ لیجئے دیکھئے (عجیب بات ہوئی) جب ہم اس پتھر کے قریب ٹھہرے تھے سو میں اس مچھلی (کے تذکرہ) کو بھول گیا اور مجھ کو شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کو ذکر کرتا اور (وہ قصہ یہ ہوا) کہ اس مچھلی نے (زندہ ہونے کے بعد) دریا میں عجیب طور پر اپنی راہ لی۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ حکایت سن کر فرمایا کہ یہی موقع ہے جس کی ہم کو تلاش تھی سو دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے الٹے لوٹے۔ سو وہاں (پہنچ کر) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جن کو ہم نے اپنی خاص رحمت (یعنی مقبولیت) دی تھی اور ہم نے اس کو اپنے پاس سے ایک خاص طور کا علم سکھایا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سلام کیا اور ان سے فرمایا کہ میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط سے کہ جو علم مفید آپ کو (منجانب اللہ) سکھلایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھ کو بھی سکھلا دیں۔ ان بزرگ نے جواب دیا آپ سے میرے ساتھ رہ کر میرے افعال پر) صبر نہ ہو سکے گا اور (بھلا) ایسے امور پر آپ کیسے صبر کریں گے جو آپ کے احاطہ واقفیت سے باہر ہیں۔ موسیٰ نے فرمایا ان شاء اللہ آپ مجھ کو صابر (یعنی ضابط) پاویں گے اور میں کسی بات میں آپ کے خلاف حکم نہ کروں گا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اچھا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو (اتنا خیال رہے کہ) مجھ سے کسی بات کی نسبت کچھ پوچھنا نہیں جب تک میں اس کے متعلق خود ہی ابتداء ذکر نہ کروں۔ پھر دونوں (کسی طرف) یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو ان بزرگ نے اس کشتی میں چھید کر دیا موسیٰ نے فرمایا کہ کیا آپ نے اس کشتی میں اس لئے چھید کیا ہو گا کہ اس کے بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں آپ نے بڑی بھاری اور خطرناک بات کی ہے۔ ان بزرگ نے کہا کہ کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ (مجھ کو یاد نہ رہا تھا سو) آپ میری بھول چوک پر گرفت نہ کیجئے اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالئے۔ پھر دونوں (کشتی سے اتر کر آگے) چلے یہاں تک کہ جب ایک (کم سن) لڑکے سے ملے تو ان بزرگ نے اس کو مار ڈالا اور وہ بھی بے بدلے کسی جان کے بے شک آپ نے (تو) بڑی بے جا حرکت کی۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا۔ موسیٰ نے فرمایا خیر اب اور جانے دیجئے اگر اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی امر کے متعلق کچھ پوچھوں تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھئے بے شک آپ میری طرف سے عذر کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں پھر دونوں آگے چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گزر ہوا تو وہاں

(c) ketabton.com: The Digital Library

والوں سے کھانے کو مانگا کہ (ہم مہمان ہیں) سوانہوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کردیا اتنے میں ان کو وہاں ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی تو ان بزرگ نے اس کو (ہاتھ کے اشارے) سیدھا کردیا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اجرت ہی لے لیتے۔ ان بزرگ نے کہا کہ یہ وقت ہماری اور آپ کی علیحدگی کا ہے جیسا کہ خود آپ نے شرط کی تھی میں ان چیزوں کی حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہوسکا۔ وہ جو کشتی تھی سو چند آدمیوں کی تھی جو اس کے ذریعہ سے دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے سو میں نے سوچا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور وجہ اس کی یہ تھی کہ ان لوگوں سے آگے کی طرف ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا اور رہا وہ لڑکا سو اس کے ماں باپ ایمان دار تھے سو ہم کو اندیشہ (یعنی تحقیق ہوا کہ یہ دونوں پر سرکشی اور کفر کا اثر ڈال دے۔ پس ہم کو یہ منظور نہ ہوا کہ بجائے اس کے ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی (یعنی دین) میں سے بہتر ہو اور ماں باپ کے ساتھ محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو اور رہی دیوار سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں رہتے تھے اور اس دیوار کے نیچے ان کا کچھ مال مدفون تھا جو ان کے باپ کی میراث سے پہنچا ہے اور ان کا باپ (جو مر گیا ہے وہ) ایک نیک آدمی تھا۔ سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جاویں اور اپنا دفینہ نکال لیں اور یہ سارے کام میں نے بالہام الٰہی کیے ہیں ان میں کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ لیجئے یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہوسکا۔

سفارش سے خضر علیہ السلام کے واقعہ سے ایک نکتہ

ایک نووارد صاحب نے حاضر ہوکر کسی معاملہ میں حضرت والا سے سفارش کی درخواست کی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ سفارش کے متعلق ایک تمہید سنو۔ خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جا کر علوم سیکھو۔ آپ خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے پوچھا کون فرمایا موسیٰ کون موسیٰ فرمایا بنی اسرائیل کا موسیٰ پوچھا کیسے آئے فرمایا ھل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا. یعنی میں علوم سیکھنے کے لئے تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں اتنے بڑے نبی اولوالعزم اور خضر فرماتے ہیں "ھل اتبعک" میں تمہارے ساتھ ہوں مجھ کو کچھ علوم سکھا دیجئے۔ یقینی بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے علوم کے سامنے خضر کے علوم کیا چیز تھے مگر خیر جو کچھ بھی تھے ان کے سیکھنے کی درخواست کی خیر یہ تو قصہ ہے مگر اس میں دیکھنا یہ ہے کہ کتنی عجیب بات ہے کہ اس گفتگو میں یہ نہیں فرمایا کہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں یہ فرماتے تو اعلیٰ درجہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی سفارش ہوتی سواس سے یہ معلوم ہو گیا کہ آجکل جو سفارش لکھا کر لے جاتے ہیں یا جا کر کسی کا نام لے دیتے ہیں بعض اوقات اس سے دوسرے پر بار ہوتا ہے۔حق یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہی حقیقی علوم کے حامل ہیں۔ دیکھئے یہ نہیں ظاہر فرمایا کہ میں حق تعالیٰ کے ارشاد سے آیا ہوں کیونکہ یہ سن کر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے پھر چوں چرا نہ کریں گے۔آزادی نہ رہے گی چنانچہ خضر علیہ السلام نے نہایت آزادی سے شرطیں لگا دیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بدوں اذن کے کسی کی صحبت سے استفادہ حاصل نہیں کرنا چاہیے۔ نیز دوسرے کے پاس جا کر یہ نہ کہے کہ میں فلاں شخص کا بھیجا ہوا ہوں۔ (الافاضات الیومیہ ص ۱۰۴ ج ۳)

تفسیری نکات

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ پر چند اشکالات اور لطیف جواب

فرمایا کہ قرآن کریم میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بغرض تکمیل علم کے سفر کرنا مذکور ہے اس میں حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی یہ وعدہ لے لیا تھا کہ وہ ان کے کسی کام پر ٹوکیں گے نہیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وعدہ پر کیوں قائم نہ رہے کہ بار بار ان کے کاموں پر ٹوکا۔ حضرت نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ وعدہ کا پورا کرنا اس صورت میں واجب ہے کہ اس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو۔خلاف شرع تو وعدہ توڑنا لازم ہو جاتا ہے اسی طرح ایسا وعدہ جس کے خلاف کرنے پر دوسرے فریق کا کوئی ضرر اور نقصان نہ ہو اس کا ایفاء بھی واجب نہیں ہوتا۔

تین واقعے جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو ٹوکا۔ان میں ایک واقعہ تو ظاہر شرع کے بالکل خلاف تھا کہ لڑکے کو قتل کر دیا اور دو واقعے کشتی توڑنے کا اور دیوار سیدھا کرنے کا گو خلاف شرع اور ناجائز نہ تھے مگر جب دوسری مرتبہ بچے کے قتل کا معاملہ سامنے آیا جو ظاہر شریعت کی رو سے بالکل حرام تھا۔اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر شدت سے ٹوکا۔اور حضرت خضر علیہ السلام نے پھر پچھلا قول و قرار یاد دلایا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی نسیان وغیرہ کا عذر بھی نہیں کیا اور آئندہ کے لئے اس وعدہ پر قائم رہنے کا فیصلہ بھی نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ اگر میں آئندہ آپ سے کوئی سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔وجہ یہ تھی کہ ایک اللہ کا نبی اپنے منصبی فریضہ کی بناء پر کھلے ہوئے خلاف شرع پر خاموش نہیں رہ سکتا اور نہ اس کا وعدہ کر سکتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تو شریعت کے آداب کی پابندی اس طرح واضح ہوگئی اور دوسری طرف حضرت خضر علیہ السلام نے بھی ظاہر شریعت کی پابندی کی مگر حالات کے تابع خلاف استحباب و مروت تھے۔ پیغمبر ان چیزوں پر صبر نہیں کر سکتے اور نہ کرنا چاہیے اس لئے مجبور ہو کر ٹوکا۔ خصوصا یہ بھی معلوم تھا کہ ان چیزوں پر ٹوکنے میں حضرت خضر علیہ السلام کا کوئی ضرر اور نقصان نہیں۔ (انتہی)

یہاں دو یا تین ادب شریعت کے متعلق اور قابل نظر ہیں۔ اول تو یہ کہ شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تو معلوم نہیں تھا کہ واقعات ایسے پیش آویں گے جو شریعت کے خلاف ہوں اس لئے یہ وعدہ کرلیا کہ

ستجدنی ان شاء اللہ صابرا و لا اعصی لک امرا.

یعنی ان شاءاللہ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔

پھر جب کشتی توڑنے کا واقعہ پیش آیا تو اس کو مروت و اخلاق کے خلاف سمجھتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے۔

لقد جئت شیئا امرا یعنی ''یہ کام تو آپ نے بہت عجیب کیا کہ اپنے احسان کرنے والے کشتی بانوں کو نقصان پہنچادیا''

اس وقت حضرت خضر علیہ السلام نے وعدہ یاد دلایا تو موسیٰ علیہ السلام نے نسیان کا عذر کر کے آگے کو وعدہ کی پابندی کا اقرار کیا کہ احترام کو ملحوظ رکھا کہ لڑکے کا قتل جو شریعت کی رو سے حرام تھا اس واقعہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جدا نہیں کیا بلکہ تیسرے واقعہ میں جو دیوار کے سیدھا کرنے کا معاملہ تھا وہ کسی طرح بھی خلاف شرع نہیں تھا۔ خلاف مصلحت کہا جا سکتا تھا اس پر بھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ٹوکا تو اس وقت فرمایا۔

ھذا فراق بینی و بینک ''اب ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی کا موقع آگیا''

دیکھئے اس پورے واقعہ میں شریعت کے احترام کا دونوں طرف سے کس طرح اہتمام کیا گیا ہے۔ اب جاہل مدعیان تصوف نے اس واقعہ کا یہ نتیجہ نکال رکھا ہے کہ شریعت اور چیز ہے طریقت اور چیز جو چیزیں شریعت میں حرام ہیں وہ طریقت میں جائز ہو سکتی ہیں معاذ اللہ یہ کھلا ہوا انکار شریعت ہے طریقت کی حقیقت شریعت پر عمل کرنے سے زیادہ کچھ نہیں۔ جو طریقت شریعت کے خلاف ہو وہ الحاد و زندقہ ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ اس واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام نے خلاف شرع کام کو کیسے اختیار کرلیا جس پر موسیٰ علیہ السلام کو اعتراض کرنا پڑا اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بھی اللہ کے نبی اور صاحب وحی تھے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پا کر اس پر عمل کر رہے تھے اور شریعت کے مقررہ قانون میں خود وحی الٰہی کے ذریعہ تبدیلی اور استثنائی صورتیں ہونا کوئی امر مستبعد نہیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وحی کی خبر نہ تھی جس نے حضرت خضر علیہ السلام کے لئے شریعت کے عام قاعدہ سے اس واقعہ کو مستثنیٰ کر دیا تھا اس لئے انہوں نے ضابطہ شریعت کے مطابق اس پر اعتراض کرنا ضروری سمجھا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں جو بھائیوں کی طرف چوری منسوب کرنا مذکور ہے اگرچہ انہوں نے چوری نہیں کی تھی۔ ایسی حالت میں ان کو چور قرار دینا شرعاً جائز نہیں تھا اس کی بھی یہی توجیہ ہو سکتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام صاحب وحی ہیں ان کو بطور استثناء یہ اجازت مل گئی ہوگی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ شکل صرف اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ایسا کرنے والا نبی اور صاحب وحی ہو کوئی ولی صاحب کشف والہام ایسا ہرگز نہیں کر سکتا کیونکہ کشف والہام کوئی حجت شرعی نہیں اس کے ذریعہ شریعت کے کسی قاعدہ میں ترمیم یا استثناء نہیں ہو سکتا جاہل صوفیوں نے جو اس واقعہ کو خلاف شرع امور کے ارتکاب کے لئے وجہ جواز بنالیا ہے وہ سراسر گمراہی ہے اب نہ کوئی نبی آ سکتا ہے نہ کسی پر وحی آ سکتی ہے نہ شریعت کے حکم کے خلاف کوئی استثناء ہو سکتا ہے۔

شیطان کا منقش اشیاء کا حال معلوم کر لینا منافی عصمت نہیں

فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد سے دریافت کیا کہ میرے دل میں کیا ہے اور آپ نے آیت دخان کے اپنے دل میں لے لی۔ تو اس نے کہا دخ ہے اب یہاں پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ شیطان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر کیسے اطلاع ہو گئی اس کا جواب یہ ہے کہ عصمت کے لوازم سے یہ ہے کہ عمل معصیت نہیں کرا سکتا باقی اگر قلب کا حال یا دوسرے اعضاء میں جو چیز منقش ہو اس کو معلوم کر لینا یہ منافی عصمت نہیں اس کا ثبوت اکثر آیات قرآن مجید سے ہوتا ہے چنانچہ ہمراہی موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے وما انسانیہ الا الشیطان یا ایوب علیہ السلام کا قول انی مسنی الشیطان بنصب و عذاب وغیرہ اس کے مؤید ہیں۔

ان بزرگ نے فرمایا کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہیں ہو سکے گا۔

دوسری آیت میں لک بڑھانے کا سبب

حضرت موسیٰ وخضر علیہ السلام کے قصہ میں ایک جگہ تو الم اقل انک لن تستطیع معی صبرا وارد ہے اور دوسری آیت میں الم اقل لک انک لن تستطیع معی صبرا ہے علماء میں یہ سوال ہوا ہے کہ دوسری آیت میں لک کیوں بڑھایا گیا اس کی وجہ اہل بلاغت نے یہ بیان کی ہے کہ جواب سوال کے مثل ہونا چاہیے اگر سوال میں شدت ہو تو جواب بھی تشدید کے ساتھ دیا جائے گا اور سوال میں خفت ہو تو جواب میں بھی خفت کا لحاظ کیا جائے گا چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا پہلا اعتراض خفیف تھا کہ ابتدائی تھا اس لئے خضر علیہ السلام نے بھی اس کا جواب تخفیف کے ساتھ دیا اور دوسرے اعتراض میں شدت تھی کیونکہ بعد ممانعت کے تھا اس لئے خضر علیہ السلام نے بھی جواب میں اسی کے مناسب قوت وشدت اختیار کی اور لک بڑھا دیا۔

ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ وقت ہماری اور آپ کی علیحدگی کا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

عدم مناسبت کے سبب علیحدگی

حضرت خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں جس وقت خضر علیہ السلام نے فرمایا ھذا فراق بینی و بینک ایسے اولوالعزم پیغمبر یعنی موسیٰ علیہ السلام نے کیا کسی معصیت کا ارتکاب کیا تھا محض عدم مناسبت کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو علیحدہ کر دیا۔

اور ان کا باپ نیک شخص تھا تو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ وہ دونوں یتیم جوان ہو کر خود اپنا خزانہ نکال لیں یہ رحمت تھی خدا تعالیٰ کی طرف سے

آباؤ اجداد کی برکت سے اولاد کو نفع پہنچتا ہے

اس جگہ پر مفسرین نے متنبہ فرمایا ہے کہ وکان ابوھما صالحاً سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں باپ کی صلاحیت کو بھی دخل تھا اگر چہ مفسرین کی اس تنبیہ کی ضرورت نہ تھی اور نہ اس تنبیہ پر آیت کی دلالت کا مدار ہے عقل سے خود آیت سے معلوم ہوتی ہے کہ اگر باپ کی صلاحیت کو خضر علیہ السلام کے فعل میں کچھ بھی دخل نہ تھا تو ان کو اس جملہ کے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی وکان ابوھما صالحاً مگر خدا تعالیٰ مفسرین کو جزائے خیر دے بدیہی باتوں پر بھی تنبیہ کر دیتے ہیں تا کہ اگر کسی کو اس طرف الہام ہو تو التفات ہو جائے اور سچی بات یہ ہے کہ بعض باتیں تو مفسرین کے بیان کے بعد بدیہی معلوم ہوتی ہیں اگر وہ بیان نہ کرتے تو شاید التفات ہی نہ ہوتا ان کے بتلانے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی غرض اس واقعہ سے معلوم ہوتا کہ آباؤ اجداد کی برکت سے بھی اولاد کو نفع ہوتا ہے مگر یہ مؤمنین کے واسطے ہے اور کفار کے بارے میں یہ ارشاد ہے فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتسآءلون نسان میں تعلقات رہیں گے نہ آپس میں ایک دوسرے سے حال پوچھیں گے۔ مومنین کی اولاد کے بارے میں ایک آیت میں اس طرح موجود ہے والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنابھم ذریتھم جو لوگ ایمان والے ہیں اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی اقتداء کی تو ہم اس اولاد کو آباؤ اجداد ہی سے ملا دیں گے یعنی اگر اولاد کا درجہ کم ہوگا اور باپ کا درجہ بلند ہوگا تو اس اولاد کو بھی باپ ہی کے درجہ میں رکھیں گے تا کہ اولاد کے قریب سے آباء کو انس زیادہ ہو۔ آگے فرماتے ہیں وما التنٰھم من عملھم من شیٔ یعنی ان باپ دادوں کے اعمال میں سے ہم کم نہ کریں گے اس میں بعض وہمیوں کے شبہ کا جواب ہے وہ یہ کہ اولاد باپ کے پاس پہنچانے کی یہ بھی ایک صورت ہوسکتی ہے کہ اولاد کے اعمال ادنیٰ ملنے کے قابل ہیں اور باپ کے اعلیٰ درجہ کے تو کچھ باپ کے کام کم کر کے اولاد کی طرف لگا دیئے جائیں اور اوسط نکال کر دونوں درمیانی درجہ میں رکھ دیا جائے کچھ باپ کی طرف کم کر دیا اور کچھ اولاد کی طرف بڑھا دیا تو فرماتے ہیں یہ صورت نہ ہوگی آباء کے اعمال میں کمی نہ کی جائے گی بلکہ ابناء کے اعمال میں زیادتی کر کے ان کو اسی درجہ میں پہنچا دیں گے جہاں ان کے آباء ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

لم دریافت کرنے کا منشاء کبر ہے

فرمایا ایک شخص نے کہا حلت بیضہ طیور کی کیا دلیل ہے۔ میں نے لکھا اور خود طیور کی حلت کی کیا دلیل ہے الگ الگ لکھو پھر میں پوچھوں گا ہرن کی حلت کی کیا دلیل ہے اور نیل گائے کی حلت کس سے ثابت تا کہ معلوم ہو سوال کی حقیقت منشاء اس کا کبر ہے ہر شخص بڑا بننا چاہتا ہے انقیاد سے عار آتی ہے۔

آداب شیخ

فرمایا اگر دفعۃً کوئی آ جائے اور بات ہے اور جب اجازت لینے کا سلسلہ شروع ہو گیا تو بلا اجازت نہ آنا چاہیے۔ چاہیے تو دفعۃً بھی نہ آئے اس میں جانبین کو لطف رہتا ہے اور یہ قرآن سے ثابت ہے۔ دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے ذی رتبہ کون ہوگا اور پھر اللہ میاں کی اجازت بلکہ حکم ہے پھر بھی حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جا کر کہتے ہیں هل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا کیا اب مجھے اجازت ہے ساتھ رہنے کا دیکھئے موسیٰ علیہ السلام اتنے بڑے اولوالعزم نبی اور خضر علیہ السلام جن کی نبوت میں بھی کلام ہے ان سے اجازت لیتے ہیں یہ کتنا ادب شیخ کا ہے جب وہ شیخ ہے تو اس کی اتباع کرنا چاہیے اور دیکھئے انہوں نے شرط کیا لگائی کہ جو کچھ میں کروں بولنا مت یہ نبی کیلئے سب سے بڑی شرط ہے مگر مان گئے اور پھر جب غلطی ہوئی تو یہ نہ کہا کہ ایسی ہی ہونی چاہیے بلکہ میں بھول گیا غلطی ہوئی۔ یہاں تک تیسری بار کہہ دیا اگر پھر ہوا تو ساتھ نہیں رہوں گا۔ یہ شبہ نہ ہو کہ اجازت کیوں لی جب اللہ میاں نے کہہ دیا۔ نہیں اللہ میاں کا بھی مطلب یہی ہے کہ جاؤ اور ان سے اجازت لے کر ہی رہو۔ کیا کیا ادب ہے شیخ کا۔ دیکھئے اگر کوئی علامہ ہے، فلسفی بھی ہے ہر فن کے اندر کمال رکھتا ہے اور ایک بڑھئی کے پاس بخاری سیکھنے گیا تو اس وقت گردن جھکا ہی دے گا کیونکہ اس فن میں تو وہ شیخ ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شیخ امام عاصمؒ ہیں۔ قراءت میں جب وہ بوڑھے ہو گئے تو حضرت امامؒ کے پاس جاتے تھے اور کہتے تھے یا ابو حنیفۃ قد جئتنا صغیرا و قد جئتنا کبیرا اور مؤدب بیٹھتے تھے۔ شاگرد سے بھی وہی ادب ہے جو شیخ سے کرنا چاہیے کیونکہ اس فن میں وہ شیخ ہیں۔ میں ایک صاحب سے فارسی پڑھتا تھا اور وہ مجھ سے عربی پڑھتے تھے۔ جب میں فارسی پڑھتا تھا ادب کرتا تھا اور جب وہ عربی پڑھتے تھے ادب کرتے تھے۔ (ملفوظات حکیم الامت ج ۱۵)

(c) ketabton.com: The Digital Library

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۝

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر کا (پانی) روشنائی (کی جگہ) ہو تو رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے (اور باتیں احاطہ نہ آئیں) اگرچہ اس سمندر کی مثل ایک دوسرا سمندر اس کی مدد کے لئے ہم لے آئیں)

تفسیری نکات

حق تعالیٰ شانہ نے اپنا نام لینے کیلئے القاب وآداب کی شرط نہیں لگائی

صاحبو! اگر حق تعالیٰ بھی اپنے نام پاک کے ساتھ القاب وآداب کی شرط لگاتے ہیں تو بتلایئے کہ ہم وہ القاب وآداب جو اس بارگاہ کے لائق ہیں کہاں سے لاتے اگر ازل سے ابد تک ان القاب وآداب کے لانے میں مشغول رہتے تو ان کو ہمارے القاب کی حق تعالیٰ کے اوصاف کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہ ہوتی جیسی ایک قطرہ کو سمندر سے ہوتی۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں　　بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

(یعنی نہ محبوب حقیقی کے حسن کی انتہا ہے نہ سعدی کے کلام کی جیسے جلندر والا مر جاتا ہے اور دریا باقی رہ جاتا ہے ایسے محبوب کے حسن کا بیان باقی رہ گیا)

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار　　گلچین بہار تو زداماں گلہ دارد

نگاہ کا دامن تنگ ہے تیرے حسن کے پھول بہت ہیں تیرے بہار کے پھول چننے والا کوتاہی دامن کی شکایت کرتا ہے یعنی محبوب حقیقی کے کمالات واوصاف بہت ہی ہیں ان کی انتہا نہیں ہیں ہماری زبان ونظر ان کے بیان کرنے سے قاصر وعاجز ہے۔

سبب قسم

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ شانہ کی بے انتہا صفات ہیں چنانچہ ارشاد ہے قل لو کان البحر مداد الکلمت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمت ربی ولو جئنا بمثلہ مددًا

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ایک خاص صفت سے تعبیر فرما کر اور حضور کی طرف مضاف کر کے قسم کھائی ہے جس کا مطلب بعنوان دیگر یہ ہوا کہ ہم اپنی ذات کی اس حیثیت سے کہ ہم آپ کے مربی ہیں قسم کھا کر کہتے ہیں تو یہ جیسے قسم میں آپ کی طرف اعتبار کرنے سے آپ کی عظمت شان ظاہر ہوتی ہے اسی طرح وربک سے بھی آپ کا عظیم الشان ہونا ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس تعلق کی گویا قسم کھائی ہے اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کے مخلوق کے ساتھ بہت سے علاقے ہیں مثلاً خالقیت رزاقیت ربوبیت وغیرہ ان علاقوں میں سے یہاں ربوبیت کو ذکر فرمایا اور تربیت کے معنی شیئاً فشیئاً ایسی شے کو جس کی شان سے تربیت ہے اس کے کمال پر پہنچانا ہیں پس فلا وربک کے اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ قسم ہے آپ کے مربی کی اور تربیت ایک اعلیٰ درجہ کا احسان ہے پس مربی بہ معنی محسن ہوا۔ پس حاصل یہ ہوا کہ قسم ہے آپ کے محسن کی اور ظاہر ہے کہ آپ کی طبیعت اور فطرۃ ہے سلیم اور طبائع سلیمہ کا مقتضی یہ ہے کہ اس صلہ میں کہ خالق کا اس پر احسان ہے وہ خلق خدا پر احسان کرتا ہے پس اس قاعدہ سے آپ خلق کے محسن ہوئے یہ تو محسن ہونا آپ کا قاعدہ عقلیہ سے ہوا دوسری وجہ بطرز فن تصوف آپ کے محسن ہونے کی اور بھی ہے وہ یہ کہ صفات حمیدہ حقیقۃً ذات باری تعالیٰ کے لئے ہیں اور مخلوق کے اندر ان کا ظل ہے۔ مثلاً مخلوق کسی مجرم کا قصور معاف کردے تو یہ صفت عفو کا پرتو ہے اور اگر کوئی کسی کو کچھ دے تو یہ جوادیت کا اثر ہے اور یہ مسلم ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افراد بنی آدم میں سے صفات باری تعالیٰ کے مظہر اکمل واتم ہیں پس صفت احسان کے بھی آپ مظہر اتم ہوئے تو آپ تمام جہان کے محسن ہوئے اور تربیت کا منشاء چونکہ ہمیشہ محبت ہوتا ہے اور اس کی اضافت ہے حضور کی طرف تو گویا یہ فرمایا فلا و محبک اور جو خدا کا محبوب ہو وہ مخلوق کا بدرجہ اولیٰ محبوب ہونا چاہیے پس آپ محبوب بھی ہوئے تمام مخلوق کے تو فـلاو ک سے آپ کا عظیم الشان ہونا اور محسن ہونا اور محبوب ہونا سب ثابت ہوا اور چونکہ آپ مظہر صفات حق ہیں اور حق تعالیٰ کی صفت محبیۃ للمربوب ثابت ہوئی پس آپ نے بھی اپنے غلاموں کے ہوں گے پس فـلاو ربک ہر سہ وجہ اطاعت کو مع زیادہ صفت الحبیۃ مشتمل ہو گیا۔

مسئلہ تقدیر کی تعلیم

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ درستی عقائد کے بعد اعمال میں کوتاہی زیادہ مضر نہیں اور اس کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں نے اعتقادیات میں محض علم کو مقصود سمجھ لیا ہے اور میں بھی پہلے یہی سمجھتا تھا کہ اعتقادیات میں علم ہی مقصود ہے مگر سالہا سال کے بعد ایک آیت نے مجھے اس طرف راہبری کی کہ عقائد فی نفسہ بھی مقصود ہی اور عمل کے واسطے بھی مقصود ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراها ان ذلک علی الله یسیر. لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بمااتاکم والله لایحب کل مختال فخور

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہاں پہلی آیت میں تو مسئلہ تقدیر کی تعلیم ہے کہ جو مصیبت بھی آتی ہے زمین میں یا تمہاری ذات میں وہ ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔ (یعنی لوح محفوظ میں) اس مصیبت کے پیدا ہونے سے بھی پہلے بے شک یہ بات حق تعالیٰ پر آسان ہے (اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جس کو قدرت الٰہیہ کا علم نہ ہو) آگے تعلیم مسئلہ کی تعلیل فرماتے ہیں۔ کہ یہ بات ہم نے تم کو کیوں بتلائی۔ اس لئے تا کہ کسی چیز کے فوت ہونے پر تم کو رنج نہ ہو۔ (بلکہ اس سے تسلی حاصل کر لو کہ یہ مصیبت تو لکھی ہوئی تھی۔ اس کا آنا ضرور تھا ۱۲) اور کسی نعمت کے ملنے پر اتراؤ نہیں۔ بلکہ یہ سمجھو کہ اس میں ہمارا کچھ کمال نہیں۔ حق تعالیٰ نے پہلے ہی سے یہ نعمت ہمارے لئے مقدر کر دی تھی ۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تقدیر کی تعلیم سے صرف اعتقاد کر لینا ہی مقصود نہیں بلکہ یہ عمل بھی مقصود ہے کہ مصائب میں مستقل رہے اور ہر مصیبت کو مقدر سمجھ کر یہ پریشان نہ ہو۔ اسی طرح نعمتوں پر تکبر و بطر نہ ہو۔ ان کو اپنا کمال نہ سمجھے۔ جب نص سے اس کا مقصود ہونا معلوم ہو گیا اور قاعدہ ہے کہ الشئی اذا خلا عن غایتہ انتفی۔ شئے جب اپنی حالت سے خالی ہو تو وہ کالعدم ہوتی ہے۔ تو اب جس شخص کا مصائب و نعم کے وقت یہ حال نہ ہو وہ گویا تقدیر کا معتقد ہی نہیں یعنی کامل معتقد نہیں۔ اگر کامل اعتقاد ہوتا تو اس کی غرض ضرور مرتب ہوتی۔

اسی طرح توحید کا مسئلہ تعلیم کیا گیا ہے اس سے بھی صرف علم مقصود نہیں بلکہ قرآن میں غور کرنے سے توحید کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کا خوف اور اس سے طمع نہ رہے۔ اب جو شخص توحید کا قائل ہے مگر غیر اللہ سے خوف و طمع بھی رکھتا ہو وہ گویا توحید کا معتقد ہی نہیں بلکہ مشرک ہے۔ چنانچہ صوفیاء نے اس پر شرک کا اطلاق کیا اور صوفیا نے کیا حق تعالیٰ نے اس کو شرک فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں

فمن کان یرجو القاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً

یہ جو کوئی لقاء رب کی امید رکھتا ہو۔ وہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

حدیث میں لایشرک کی تفسیر لایرائی آئی ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ عبادت میں ریا نہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ریاء شرک ہے حالانکہ ریاء میں غیر اللہ معبود نہیں ہوتا مگر چونکہ فی الجملہ مقصود ہوتا ہے کہ اس کی نظر میں بڑا بننے کے لئے بنا سنوار کر عبادت کی جاتی ہے۔ اس لئے اس کو شرک فرمایا اور یہ بالکل عقل کے مطابق ہے کیونکہ عبادت غیر اللہ جوارح سے ہوتی ہے اور جب وہ شرک ہے تو قلب سے غیر اللہ کو مقصود بنانا کیونکر شرک نہ ہوگا۔ یہ تو قلبی عبادت ہے پس غیر اللہ سے خوف و طمع پر صوفیہ کا لفظ شرک اطلاق کرنا غلط نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں توحید کی غایت مفقود ہے۔ اسی طرح تمام عقائد میں غور کرو تو نصوص سے معلوم ہوگا کہ ہر اعتقاد سے عمل بھی مطلوب ہے۔ کہنا اعتقاد مطلوب نہیں اور ہماری عادت میں اعتقاد سے عمل بھی مطلوب ہوتا ہے۔

(المراد ملحقہ مواعظ دو دنیا و آخرت ص ۸۷ ص ۸۸)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوۡرَۃ مَریَم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا

ترجمہ: فرشتہ نے کہا میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں تا کہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دے دوں۔

تفسیری نکات

ممنوع نام رکھنے کا رواج عام

نبی بخش، علی بخش، رسول بخش وغیرہ ایسے ناموں کو علماء نے منع کیا ہے اور ایک شخص نے غضب ہی کیا کہ اس نے قرآن سے اس قسم کا نام نکالا یعنی اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام جبرئیل بخش مستنبط کیا اس طرح سے کہ قرآن میں ہے لاھب لک غلاماً زکیا کیا یہ حضرت جبرئیل کا قول ہے حضرت مریم سے کہ میں اس لیے آیا ہوں تا کہ آپ کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جبرئیل کے دیئے ہوئے ہوئے تو جبرئیل بخش ہوئے مگر یہ بھی خبر ہے کہ وہاں حضرت مریم اور حضرت جبرئیل دونوں کا کیا عقیدہ تھا آگے حضرت جبرئیل خود فرماتے ہیں قال کذلک قال ربک ھو علی ھین و لنجعله ایة للناس ورحمة منا و کان امرا مقضیا جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ دونوں اس ولادت کو تصرف الٰہی سمجھتے تھے خیر اس سے بھی قطع نظر کی جاوے تب بھی ایسے ناموں کا جواز نہیں نکلتا کیونکہ وہاں جبرئیل نے ایک فعل تو کیا تھا یعنی نفخ فی الجیب تو اسناد الی السبب ہو گئی اور یہاں سالار۔ نبی۔ رسول وغیرہ نے کون سا فعل کیا ہے جس کی وجہ سے وہ نام رکھا گیا ہے اور فعل جبرئیل کا یعنی نفخ اس آیت میں مذکور ہے فنفخنا فیها من روحنا یہاں استطراداً ایک کام کی بات بھی یاد آ گئی اس کو سمجھ لینا چاہیے وہ یہ کہ قرآن میں احصنت فرجها سو تہذیب کا اشکال

(c) ketabton.com: The Digital Library

پیدا ہوتا ہے کہ خاص موقع کا صریح نام لے دیا گیا مگر تفسیر میرے ذہن میں نہایت سہل آئی ہے وہ یہ کہ فرج کے معنی یہاں پر چاک گریبان کے ہیں جو قمیض میں عموماً ہوتا ہے جس کو عربی میں جیب بھی کہتے ہیں اور فارسی میں گریبان کہتے ہیں تو احصنت فرجها کے یہ معنی ہیں کہ حضرت مریم نے اپنے چاک یا گریبان کو پاک و صاف اور باعفت رکھا تھا کہ کسی غیر کا اس میں ہاتھ بھی نہیں لگا تھا اور یہ کنایہ ہے ان کی پاکدامنی سے اور اب نفخ کا محل نفخنا فیها بھی یہی فرج بالمعنى المذكور ہے مطلب یہ ہوا کہ ہم نے ان کے گریبان میں پھونک ماردی اور عموماً عادت بھی یہی ہے تو اب وہ بناء ہی نہ رہی جس سے شبہ پیدا ہوا تھا بہر حال یہاں پیدا کرنے والے گو واقع میں حق تعالیٰ ہیں مگر جبرئیل درمیان میں سبب تو ہیں کیونکہ نفخ ظاہری فعل جبرئیلی تھا گو سبب اس نفخ کا حکم الٰہی تھا اس لئے سبب کی طرف اسناد مجازی کردی گئی ہے اور یہاں سالار بخش وغیرہ میں تو سالار نے کوئی فعل ہی نہیں کیا جس کی وجہ سے اسناد کی گئی ہے اور اگر کوئی کہے کہ سالار صاحب نے بھی ایک فعل کیا تھا یعنی دعا کی تھی تو میں کہتا ہوں کہ اس کی کیا دلیل کہ دعا کی تھی آج کل تو نام ایسے لوگوں کے ہوتے ہیں جنہوں نے کبھی انہیں دور سے بھی نہیں دیکھا تھا پھر دعا کرنا کیسے معلوم ہو گیا پھر اس زمانہ میں نبی بخش بھی تو نام رکھا جاتا ہے تو حضور نے ان صاحبزادہ کے واسطے کس دن دعا کی تھی ذرا کوئی صاحب ثابت تو کریں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض کا نام محمد نبی ہوتا ہے یہ تو اور بھی برا ہے چنانچہ ایک صاحب کا یہی نام تھا میں نے اسے بدل کر محمد نبیہ کر دیا کہ نبیہ کے معنی رفیع کے ہیں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۟

ترجمہ: وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو ان دونوں کے درمیان ہیں سو اس کی عبادت کیا کر اور اس کی عبادت پر قائم رہ۔ بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے۔

تفسیری نکات

حق سبحانہ وتعالیٰ کی بے انتہا شفقت

اصل محیط فائدہ اور ماسیق لہ الکلام اس آیت میں فاعبد ہے اور اس کا سباق تمہید کے لئے ہے اور سیاق یعنی واصطبر لعبادته (اور اس کی عبادت پر قائم رہ) اس کا تتمہ ہے اور هل تعلم له سميا (بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے) اس کی تائید ہے بہر حال سباق وسیاق تمہید وتائید کے لئے ہے اور اصل مقصود فاعبده

(c) ketabton.com: The Digital Library

(سو اس کی عبادت کر) ہے اور ابتداء اس کی جو رب السموات سے کی گئی تو وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے کلام کی عادت ہے کہ جب کوئی مشکل کام بتاتے ہیں تو اس کے آسان کرنے کا بھی اس جگہ اہتمام فرماتے ہیں اور اہتمام میں نے مجازاً کہہ دیا ورنہ اہتمام مشتق ہے ہم بمعنی فکر سے اور حق تعالیٰ اس سے منزہ ہیں مطلب یہ ہے کلام الٰہی میں یہ بھی التزام ہے کہ سہولت کی بھی رعایت کی جاتی ہے اس کو یوں سمجھئے کہ جیسے ایک شخص تو سکول کا ماسٹر ہے گو بچوں کو وہ تعلیم دیتا ہے مگر چونکہ پبلک کا نوکر ہے اس لئے اسے کوئی خاص اُنس و شفقت نہیں بلکہ محض ضابطہ اور وقت کا پابند ہے اسے اس سے بھی یہ بحث نہیں کہ میں نے جو کچھ پڑھایا وہ بچوں کی سمجھ میں بھی آیا یا نہیں کیونکہ تنخواہ دار استاد کو بچوں سے بالکل اجنبیت ہوتی ہے محض اپنی تنخواہ سے مطلب ہوتا ہے اور ایک تعلیم ہے باپ کی کہ وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح میرا بیٹا سمجھ ہی جائے ان دونوں کی تعلیم میں بڑا فرق ہے ماسٹر تو اپنے گھنٹہ میں آئے اور لڑکوں کو تقریر سنا کر چل دیئے اور باپ کی تعلیم یہ نہیں کہ الفاظ ادا کر دیئے اور چل دیئے بلکہ وہ سوچتا ہے کہ کون سے عنوان سے سمجھانا زیادہ مؤثر ہوگا وہ یہ بھی سوچے گا کہ آخر اتنے دن پڑھتے ہوئے ہو گئے نفع کیوں نہیں ہوتا میں کونسی تدبیر اختیار کروں جو نفع ہو کبھی ترغیب دیتا ہے کبھی ترہیب کرتا ہے کبھی یہ سوچتا ہے کہ میرے کہنے کا اثر ہوتا تو لاؤ اس کے کسی دوست سے کہلواؤں حق تعالیٰ کی تعلیم اسی رنگ کی ہے حالانکہ حق تعالیٰ کے غنا کو اگر دیکھا جاوے تو معلوم ہوگا کہ ان کو کیا ضرورت ہے اس قدر اہتمام کی مگر کیا ٹھکانا ہے ان کی شفقت کا کہ وہ یہ نہیں چاہتے کہ ہمارا کوئی بندہ ہم سے جدا رہے اور کیوں نہ ہو انہوں ہی نے تو ان تمام شفقتوں کو پیدا کیا بس جس نے باپ کے دل میں اتنی شفقت پیدا کر دی وہ خود کیسا شفیق ہوگا چہ باشند آں نگار خود کہ بندہ ایں نگارہا (وہ کیسا محبوب ہوگا جس نے ایسے محبوب پیدا کئے ہیں) سبحان اللہ مشکل سے مشکل تعلیم کو کیسا سہل کر دیا ہے مقصود تو یہ تھا کہ عبادت کیا کرو یعنی غلام بنو)

رب السموات الخ (وہ رب ہے آسمانوں کا الخ) یہاں پر ھو مبتدا مقدر ہے اور رب السموات اس کی خبر ہے اور اس نے جس صفت کی خبر دی ہے وہ صفت اعبدہ (اس کی عبادت کر) مقتضی ہے اور وہ صفت ہے مسلم تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ اب نفس کو امتثال امر میں خلجان نہ رہے گا کیونکہ اس سے حق تعالیٰ کے صفات و کمالات بھی معلوم ہو گئے اور اس کا امر بھی معلوم ہو گیا اور یہ طبعی امر ہے کہ صاحب عظمت و کمال کی اطاعت طبعاً سہل ہوتی ہے اور یوں تو حق تعالیٰ کے صفات کمال بے شمار ہیں مگر ان کو فاعبدہ (پس اس کی عبادت کر) کی تسہیل میں اتنا بین دخل نہیں جتنا صفت ربوبیت ہے کیونکہ محسن کی اطاعت کی طرف آدمی زیادہ دوڑتا ہے چنانچہ حکماء کی بھی اس پر نظر گئی ہے اور اسی لئے ان کا قول ہے الانسان عبد الاحسان (انسان احسان کا بندہ ہے) اور یہ اقتضا صرف قولی ہی نہیں بلکہ عملی ہے کہ محسن کی تعظیم و تکریم صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ عملاً بھی کی جاتی ہے کیونکہ احسان میں یہ اثر ہے کہ وہ اپنی طرف کھینچتا ہے اور ربوبیت سماء و ارض سے بڑھ کر کیا احسان ہوگا اور اسی

(c) ketabton.com: The Digital Library

لئے ربکم (تمہارا رب) یا ربک (تیرا رب) نہیں فرمایا بلکہ رب السموت والارض (وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا) فرمایا اس واسطے کہ ربکم فرمانے سے یہ ہوتا کہ بعض صورتوں کو تو حق تعالیٰ کا احسان سمجھتے اور بعض کو نہ سمجھتے مثلاً اس کو تو احسان سمجھتے کہ جنگل میں بھوکے بیٹھے تھے کہ ایک خوان کھانے کا نازل ہو گیا مگر اس کو نہ سمجھتے کہ مثلاً پانچ سو روپیہ کی تنخواہ ہے اور اس سے اجناس خریدے گئے اور طرح طرح کے اسباب معیشت مہیا کئے گئے اور کھا پی رہے ہیں تو یہ ان وسائط کی ترتیب پر نظر کر کے یہ سمجھتا کہ میں نے بی اے پاس کیا تھا اس سے پانچ سو کی نوکری ملی اور اس سے کھا پی رہے ہیں اس میں کسی کا کیا دخل اور کیا احسان اور یہ مذہب مسلمان کا تو ہے قارون کا مذہب ہے کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا احسن کما احسن اللہ الیک (تو بھی خلق کے ساتھ) احسان کر جیسا خدا نے تجھ پر احسان کیا) تو اس نے جواب دیا انما اوتیتہ علی علم عندی (کہ اور کچھ نہیں صرف یہی بات ہے کہ مجھے جو کچھ ملا ہے میرے علم کی بدولت ملا ہے) اس میں خدا کے احسان کو کیا دخل (نعوذ باللہ) اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ وہ علم کیا تھا ایک قول یہ ہے کہ کیمیا ہے کوئی کہتا ہے فن تجارت ہے غرض مختلف اقوال ہیں مگر چونکہ کسی دلیل کی تعیین دلیل صحیح سے نہیں اس لئے علم کو عام ہی رکھا جائے تو مناسب ہوگا خواہ وہ علم کیمیا ہو خواہ علم زراعت ہو خواہ فن تجارت ہو خواہ سود لینا دینا ہو بہر حال کوئی تدبیر تھی ترقی مال کی جس کو اس نے کہا علی علم عندی (میرے علم کی بدولت) خیر وہ تو کافر تھا افسوس تو مسلمان پر ہے (کہ وہ ترقی دنیا کو مطلوب سمجھتے ہیں)

حکم استقامت عبدیت

بہر حال فاعبدہ میں حکم ہے کہ غلام بن جاؤ۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا کیونکہ ہم لوگوں میں ایسے حیلہ جو اور بہانہ باز بھی ہیں کہ صرف فاعبدہ سن کے ایک مرتبہ نماز پڑھ لینے ہی کو یہ سمجھتے کہ بس امتثال امر ہو گیا اس لئے آگے فرماتے ہیں واصطبر لعبادتہ یعنی اپنی غلامی پر مداومت رکھو پس ایک درجہ غلام بننے کا ہے اور دوسرا درجہ غلامی پر قائم رہنے کا اسی لئے میں نے کہا تھا کہ یہ تتمہ ہے ماسبق کا تا کہ کوئی یہ نہ سمجھ سکے کہ فقط غلام ہونا مقصود تھا غلام رہنا مقصود نہ تھا بلکہ غلام غلام بننے کے بعد پھر اللہ میاں نے آزاد کر دیا۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر واقع میں بھی آزاد کر دیتے تو کیا اس کے یہ معنی ہوتے کہ اعتقہ اللہ من رقہ یعنی خدا نے غلامی سے آزاد کر دیا یہ معنی ہوتے کہ اعتقہ اللہ من النار یعنی خدا نے عذاب دوزخ سے آزاد کر دیا جیسے آقا اپنے غلام کا بدل جنایت ادا کر کے اس کو سلاسل و اغلال سے آزاد کر دے سو ظاہر ہے کہ یہ معنی تو ہونا محال تھا ہے کہ اس نے اپنی غلامی سے بھی آزاد کر دیا چنانچہ استحالہ اس کا ظاہر ہے مخلوق و مربوب کے لئے مملوک و محکوم ہونا لازم عقلی ہے جب یہ آزادی محال ہے تو ظاہر ہے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

غلام رہنا واجب ہے تو اگر واصطبر بھی نہ ہوتا تب بھی اس کے معنی کا تحقق واجب تھا اور یہاں سے حریت کی بھی تحقیق معلوم ہوسکتی ہے جس کی تمام دنیا میں ہلچل ہے اور اس کو مذہبی وفطرتی حق ٹھہرایا جاتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ حریت کونسی آزادی ہے آیا اس حریت کے معنی غیر حق سے آزاد ہونا ہے یا حق سے آزاد ہونا واقع میں غلامی ہی میں ہمارا فخر ہے نہ آزادی میں۔ چنانچہ جن کو اس غلامی کی حقیقت کا مزہ آ گیا وہ کہتے ہیں۔

اسیرش نخواهد رہائی زبند　　شکارش نجوید خلاص از کمند

ومن یفعل ذلک یلق اثاما یضاعف له العذاب یوم القیمة ویخلدفیه مهانا الامن تاب الخ.

اس آیت میں کسی کو توبہ سے مستثنیٰ نہیں کیا جب تک مغرب سے آفتاب نہ نکلے اس وقت تک یہی قانون ہے کہ ہر ایک کی توبہ قبول ہے کوئی بھی ہو۔ غرض قانون عام ہے گو اس کا زمانہ محدود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی سے بھی حب ذاتی اور بغض ذاتی نہیں کفار سے بھی ان کی ذات کی وجہ سے بغض نہیں بلکہ ان کے افعال سے بغض ہے جس میں کفر سب سے اشد ہے اور دوسرے افعال بھی موجب بغض ہیں۔

واذا تتلی علیهم ایاتنا بینت قال الذین کفروا للذین امنوا ای الفریقین خیر مقاما و احسن ندیا و کم اهلکنا قبلهم من قرن هم احسن اثاثاً و رئیاً

پہلی آیت میں کفار کا تفاخر، ساز وسامان اور اہل واعوان پر مذکور ہے جو حاصل ہے مال وجاہ کا اور دوسری آیت میں ان سے زیادہ سامان ونمود والوں کا مبغوض اور عذاب سے ہلاک کیا جانا مذکور ہے جو حاصل ہے مال وجاہ کے قابل تفاخر نہ ہونے کا۔

اب میں آیت کی تفسیر شروع کرتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ کفار کا ایک مقولہ بیان فرماتے ہیں جس کو وہ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے۔ وہ مقولہ یہ ہے **ای الفریقین خیر مقاماً و احسن ندیا** یعنی جب ہماری آیتیں کھلی کھلی ان لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو یہ کفار ایمان والوں سے یوں کہتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے کونسا فریق بہتر ہے۔

تخصیص کی نفی

واذا تتلی علیهم میں **هم** کی ضمیر ظاہراً ان کفار کی طرف عائد ہے مگر نہ تخصیص کی بناء پر بلکہ تبلیغ عام کے وقت وہ تلاوت ان لوگوں کے سامنے بھی ہو جاتی تھی۔

تخصیص کی نفی اس لئے کی گئی کہ ایسا نہ ہوتا تھا کہ خاص ان کا کوئی جلسہ کر کے اس میں تلاوت ہوتی ہو۔

گو کفار نے جدا جلسہ چاہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر ایک دفعہ یہ کہا تھا کہ ہم آپ کی بات کو سنیں گے مگر ہماری مجلس غرباء سے علیحدہ کر دیجئے ہم ان میں بیٹھنا نہیں چاہتے کیونکہ یہ ذلیل لوگ ہیں اور ہم

(c) ketabton.com: The Digital Library

رؤساء ہیں ان میں بیٹھ کر ہماری عزت کو بٹہ لگتا ہے ہماری اہانت ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتمام حجت کی غرض سے اس کا کچھ خفیف سا خیال بھی کیا تھا تا کہ ان کے پاس پھر کوئی عذر نہ رہے اور شاید ہدایت ہی ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ولا تطرد الذین یدعون ربهم بالغدٰوة والعشی یریدون وجهه ماعلیک من حسابهم من شیء وما من حسابک علیهم من شیء فتطردهم فتکون من الظلمین

اور مت دور کرو ان کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام چاہتے ہیں رضامندی اس کی تم پر نہیں ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تمہارے حساب سے ان پر کچھ تم اگر ان کو دور کرو پھر ہو جاؤ گے تم بے انصافوں میں سے۔

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم بالغدٰوة و العشی یریدون وجهه ولا تعد عینک عنهم ترید زینة الحیوة الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا واتبع هواه و کان امره فرطا

اور روک رکھو اپنی ذات کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام طالب ہیں اس کی رضامندی کے اور نہ ہٹیں تمہاری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں رونق دنیا کی زندگی کی اور نہ کہا مانو اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور پیروی کی اس نے اپنی خواہش کی اور ہے اس کا کام حد سے نکلا ہوا۔

یہ **ترید** مستقل جملہ نہیں ہے کہ جس سے لازم آوے کہ آپ سے اس کا (یعنی ارادہ زینت دنیا کا) صدور بھی ہوا ہو بلکہ نہی کے تحت میں ہے اور ترکیب میں حال ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کی آنکھیں ان سے نہ ہٹیں جس کا منشا اور سبب ارادہ حیات دنیا کا ہوتا ہے۔ آگے صاف صاف فرمادیا۔

فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر کہ جس کے جی میں آئے ایمان لائے جس کے جی میں آئے کفر کرے۔ آپ ﷺ کو کچھ خوشامد نہیں پڑی۔ غرض آپ ﷺ کو منع فرمادیا کہ کوئی خاص جلسہ ان خبیثوں کے لئے نہ کیا جاوے ان کو سو دفعہ غرض پڑے آئیں ورنہ جائیں جہنم میں۔

مقام طالب ومطلوب

امام مالکؒ سے خلیفہ نے درخواست کی تھی کہ شہزادوں کے واسطے حدیث سنانے کا جلسہ علیحدہ کر دیا جاوے کیونکہ عام جلسہ میں پڑھنا ان کے لئے عار ہے۔ آپ نے اس کو منظور نہیں کیا خلیفہ نے پہلے ان سے یہ فرمائش کی تھی کہ آپ شہزادوں کو مکان پر آ کر درس دیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ علم مطلوب ہے طالب نہیں۔ خلیفہ سمجھدار تھے اور نبوت کا زمانہ بھی قریب تھا اس لئے فوراً سمجھ گئے اور شہزادوں کو حکم دیا کہ امام کے مکان پر جا کر جلسہ عام میں بیٹھا کریں۔

یہ تو **تتلی علیهم** کے متعلق تحقیق تھی اس کے بعد آیت میں **بینات** کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کھلی کھلی آیتیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسائل مستنبط بھی کھلے ہوئے ہیں بلکہ ظاہر مقصود یعنی عبارت النص بالکل کھلا ہوا ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس میں کچھ اغلاق نہیں باقی دلالۃ النص اور اشارۃ النص اور اقتضاء النص وہ کھلے ہوئے نہیں کہ ہر کوئی اس کو سمجھ لے۔چنانچہ ایک آیت میں ارشاد ہے

واذا جاء ھم امر من الامن اوالخوف اذاعوابه ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمه الذین یستنبطونه منھم

اس میں منافقین کی شکایت ہے کہ جب کوئی خبر امن کی یا خوف کی آتی ہے اس کو پھیلا دیتے ہیں جب معمولی خبروں کی حقیقت سمجھنے میں قوۃ استنباط شرط ہے تو امور امور علمیہ تو جدار ہے ہاں ظاہری مدلول کھلا ہوا ہے ہی۔

غرض کفار اہل ایمان کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ دیکھو گھر کس کا اچھا ہے بیٹھک کس کی اچھی ہے یعنی اپنی زیب وزینت سے مسلمانوں پر کفار فخر کرتے تھے اور مقصود ان کا یہ تھا کہ اگر ہم برے ہوتے تو ہم سے خدا تعالیٰ کو بغض ہوتا اور جب بغض ہوتا تو نہ ایسا اچھا گھر دیتے نہ بیٹھک دیتے' نہ مال دیتے' نہ اولاد دیتے۔

وکم اھلکنا قبلھم من قرن ھم احسن اثاثا و رئیا

کہ ہم نے تم سے پہلے کتنے قرن ہلاک کر دیئے جو سامان اور منظر میں تم سے بڑھے ہوئے تھے

یعنی ان کی ظاہری حالت بہت اچھی تھی مال واسباب بھی بہت تھا۔اچھے اچھے مکانات تھے نشست گاہیں نہایت آراستہ و پیراستہ تھیں۔خلاصہ یہ کہ زیب وزینت کی چیزیں ان کے پاس بہت تھیں مگر پھر بھی معذب ہوئے تو ان میں بھی یہی دو مرض تھے حب مال اور حب جاہ۔

حب مال کے اثرات

افسوس ہے کہ آج کل اکثر عورتوں کی یہی حالت ہے کہ مال کی بھی محبت ہے اور جاہ کی بھی۔میرا مقصود اس کی مذمت سے اس وقت اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ کفار کی خصلت مسلمانوں میں نہ ہونا چاہیے اور یہاں گو چند علمی مضامین بھی قابل بیان ہیں مگر اس وقت وہ بیان سے مقصود نہیں کیونکہ مجمع مستورات کا ہے علمی مضامین کو وہ کیا سمجھ سکتی ہیں اس لئے سہل سہل مضامین بیان کر رہا ہوں۔

غرض اس آیت سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ نہ برتنے کی چیزیں قابل فخر ہیں نہ زینت کی چیزیں قابل فخر ہیں مگر عورتوں کو تو دن رات یہی فکر ہے کہ چیزیں جمع کر لیں جو کہ مال ہے اور اس سے جاہ پیدا کریں اور چونکہ یہ دو بڑے مرض ہیں اس لئے ان کا علاج نہایت ضروری ہے کیونکہ اس سے اور امراض مختلفہ پیدا ہوتے ہیں۔مثلاً انسان کسی کا مال مارتا ہے تو وہ حب مال کی وجہ سے۔اگر حب مال نہ ہو تو کیوں ایسا کرے گا غیبت اسی وجہ سے کرتا ہے کہ اپنے کو بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے جو کہ جاہ ہے غصہ کو جب ہی جاری کرتا ہے جب اپنے کو بڑا اور اور دوسرے کو حقیر خیال کرتا ہے جو کہ جاہ اور تکبر ہے اور یہ تکبر ایسی بری خصلت ہے کہ اس سے اور بہت سی بری

(c) ketabton.com: The Digital Library

باتیں پیدا ہوتی ہیں شیطان میں یہی تو تھا اس لئے تو یہ کہا تھا۔

خلقتنی من نار و خلقته من طین کہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔

میں بڑا ہوں یہ چھوٹا ہے۔ لوگو! تم جو بڑا بننا چاہتے ہو تو ذرا اپنی حقیقت کو تو دیکھو۔

ایک بزرگ کے سامنے ایک شخص اکڑتا ہوا گزرا۔ انہوں نے اس کو نصیحت کی۔ اس نے کہا تم مجھے نہیں جانتے میں کون ہوں۔ وہ بزرگ بولے ہاں جانتا ہوں۔

اولک نطفة مذرة و اخرک جیفة قذرة و انت بین ذلک تحمل العذرة

یعنی اول تو ایک نطفہ ناپاک تھا اور اخیر میں سڑا ہوا مردار ہو جاوے گا اور درمیانی حالت یہ ہے کہ تیرے اندر پاخانہ بھرا ہے۔

صاحبو! یہ ساری خرابیاں حب مال اور حب جاہ کی ہیں۔ یہی بات اس آیت میں بیان کی گئی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

قال الذین کفروا للذین آمنوا ای الفریقین خیر مقاماً و احسن ندیا.

یعنی کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ بتلاؤ ہم دونوں فرقوں میں سے کس کا گھر اچھا ہے اور کس کی مجلس اچھی ہے۔

آگے ان کا جواب ہے

وکم اھلکنا قبلھم من قرن ھم احسن اثاثا ورئیا

یعنی ہم نے تم سے پہلے لوگ ہلاک کر دیئے جو تم سے اچھے سامان والے اور اچھے منظر والے تھے۔

جیسے فرعون ٗ ہامان ٗ شداد ٗ قارون وغیرہ۔

شرف باسم شرف مسمی کی دلیل ہے

فرمایا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے آیت لم نجعل له من قبل سمیا سے استدلال کیا ہے اس پر شرف اسم شرف مسمی کی دلیل ہے ورنہ امتنان کیوں کر ہوگا کہ آدمی نام اچھا رکھے۔ ہاں ایسے نام نہ رکھے جن میں طرفہ اور تکبر پایا جائے۔ جیسے آج کل بعض لوگ سوچ سوچ کر ایسے نام رکھتے ہیں جیسے بر جیس قدر رفیع الشان وغیرہ

(ملفوظات حکیم الامت ج ۲۰ ص ۱۸۱)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾

ترجمہ: بلاشبہ جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کردے گا۔

تفسیری نکات

حب مال وحب جاہ

ایک تو ہے مال اور ایک ہے حب مال اسی طرح ایک ہے جاہ اور ایک ہے حب جاہ۔ تو مذمت مال کی نہیں بلکہ حب مال کی ہے جس سے برے آثار پیدا ہوتے ہیں تو مذموم دو چیزیں ہوئیں حب مال اور حب جاہ باقی رہے مال اور جاہ سو یہ دونوں مذموم نہیں کیونکہ حق تعالیٰ امتنان (نعمت دنیا) کے طور پر فرماتے ہیں ان الذین امنوا و علموا الصلحت سیجعل لهم الرحمن ودا کہ ہم مؤمنین اہل عمل صالح کے لئے محبوبیت پیدا کردیں گے اور محبوبیت ہی کا نام جاہ ہے۔ لوگ جاہ کے معنی بھی غلط سمجھتے ہیں کہ لوگ ہمارے خوف کی وجہ سے ہماری تعظیم کریں حالانکہ جاہ کی حقیقت ہے ملک القلوب (یعنی دلوں کا مالک ہونا) پس ملک المال (مال کا مالک ہونا) تو تمول ہے اور ملک القلوب (دلوں کا مالک ہونا) جاہ ہے اور خوف اور ہیبت ہو تو وہ صورت جاہ ہے حقیقت جاہ نہیں اور یہ خود ہی اپنے کو معزز سمجھتے ہیں ورنہ لوگوں کے دلوں میں کچھ بھی ان کی عزت نہیں ہوتی چنانچہ ان کے پیچھے لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں حدیث میں ہے کہ بعضے لوگ اپنی نظر میں بڑے ہوتے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کلاب اور خنازیر (کتے اور سور) سے بدتر ہوتے ہیں اور ان کے سامنے خوف کی وجہ سے لوگ تعظیم کرتے ہیں تو یہ کوئی عزت نہیں ہے کیونکہ ایسی عزت تو سانپ کی بھی ہے۔

ایک مرتبہ دہلی میں میں بیان کررہا تھا رات کا وقت تھا کہ کچھ آہٹ ہوئی جس سے لوگوں کو سانپ کا شبہ ہوا بس سانپ کے ڈر سے سب لوگ کھڑے ہوگئے تو کیا یہ اس کی عزت تھی ہرگز نہیں تو جو تعظیم خوف کی وجہ سے ہو وہ جاہ نہیں جاہ تو یہ ہے

صاحب وہ بادشاہ جسمہاست صاحب دل شاہ دلہائے شماست

(یعنی گاؤں کا مالک جسموں کا بادشاہ ہے اور اہل دل دلوں کا بادشاہ ہے)

(c) ketabton.com: The Digital Library

تو جسموں کا شاہ ہونا جاہ نہیں بلکہ دلوں کا شاہ ہونا جاہ ہے اور یہ بات محبوبیت سے ہی نصیب ہوتی ہے۔
پس محبوبیت ہی اعلیٰ درجہ کی جاہ ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں سیجعل لھم الرحمن ودا (اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبوبیت پیدا کردیں گے) پس معلوم ہوا کہ جاہ بری چیز نہیں بلکہ یہ تو ایک اچھی چیز ہے کہ حق تعالیٰ بطور امتنان (نعمت دنیا) اپنے صالح بندوں کو عنایت فرمانا بتلارہے ہیں اسی طرح مال کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ نعم المال الصالح للرجل الصالح (نیک آدمی کے لئے نیک مال اچھی چیز ہے) پس مال اور جاہ مذموم خود نہیں ہیں بلکہ مذموم حب مال اور حب جاہ ہیں جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ماذئبان جائعان ارسلا فی غنم بافسد لھامن حب المال والشرف لدین المرء یعنی حب مال اور حب شرف آدمی کے دین کو ایسا تباہ کرتی ہے کہ اگر دو بھیڑیے بھوکے بھی بکری کے گلے میں چھوڑ دیئے جاویں تو وہ بھی بکریوں کو اس قدر تباہ نہیں کرسکتے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حب کا لفظ تصریحاً فرمادیا تو حب بری چیز ہے اب جہاں مال کی مذمت آوے اور اس کے ساتھ حب کی قید نہ ہو تو سمجھ لیں کہ اس سے مراد وہی حب کا درجہ ہوگا کیونکہ بعض قرائن ایسے موجود ہوتے ہیں جن سے وہ قید معلوم ہوجاتی ہے اور اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی تو چونکہ غالب عادت یہی ہے کہ جب مال ہوتا ہے تو حب مال بھی ہوتی ہے پس یہ اس کا قرینہ ہے کہ مال سے مراد وہی ہے جو حب کے درجے میں ہو۔

ان الذین امنوا و عملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمن ودا

حق تعالیٰ نے اس آیت میں ایمان و عمل صالح پر ود کا مدار رکھا ہے۔ اس میں بھی دو چیزیں ہیں ایک مقصود جس کا بیان سیجعل لھم الرحمن ودا میں ہے اور ایک طریق یعنی ایمان و عمل صالح جس کا بیان الذین امنوا و عملوا الصلحت میں ہے۔

طریق نجات

یہ آیت دو جزو پر مشتمل ہے۔ ایک مقصود دوسرا طریق مقصود اب سمجھئے کہ طریق مقصود کیا ہے وہ دو چیزیں ہیں۔ امنوا و عملوا الصلحت کیونکہ حق تعالیٰ یہی تو فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کے لئے حق تعالیٰ محبوبیت پیدا کردیں گے جس میں محبوبیت کو ایمان و عمل صالح پر مرتب کیا گیا ہے تو مقصود اور نتیجہ تو ود ہے اور ایمان و عمل صالح اس کے ترتب کی شرط ہے یہی حاصل ہے طریق ہونے کا۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جو محبوب و مقبول بننا چاہے اس کو پہلے ایمان لانا اور عمل صالح اختیار کرنا چاہیے اور یہاں سے یہ ثابت ہوگیا کہ جب ایمان و عمل صالح مقبولیت و نجات کا طریق ہے تو بدوں اس کے تمام نسبتیں نجات کے لئے ناکافی ہیں مثلاً کسی بزرگ کی اولاد ہونا یا اپنے پاس کسی بزرگ کا تبرک ہونا یہ تنہا نجات کے لئے کافی نہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

پس یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ ہم حق تعالیٰ کے محبوب بن جاویں گے اور اس کے فروغ میں سے یہ بھی بتلا دیا گیا تھا کہ یہ شخص خلق کا بھی محبوب ہو جاوے

ان الذین امنوا و عملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمن ودا

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دیں گے یعنی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے اللہ تعالیٰ ایک وعدہ فرماتے ہیں اور وعدہ بھی قریب کا۔ گو یہ آخرت کا وعدہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخرت بھی قریب ہی ہے مگر سیجعل سے متبادر یہی ہے کہ دنیا کا وعدہ ہے کیونکہ قرب متعارف دنیا ہی کو ہے چنانچہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کام جلدی ہو جائے گا تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ بہت جلد ہو جائے گا۔ پس ہم کو بناء علی القواعد اللسانیۃ یہ حق حاصل ہے جس شئے کی نسبت حق تعالیٰ جلدی ہو جانے کا وعدہ فرماویں اس کو دنیا کے وعدہ پر اور دنیا میں بھی بہت جلد حاصل ہو جانے پر محمول کر لیں۔

ودا کا مفہوم

بہر حال ایمان اور عمل صالح پر وعدہ ودا کا جس کا نام محبت ہے فرماتے ہیں۔ یعنی ایمان اور عمل صالح والوں کی محبت اللہ تعالیٰ پیدا کریں گے اس مقام پر اہل علم اس کو یاد رکھیں کہ میں نے اس حاصل ترجمہ میں ود کو مصدر مبنی للمفعول یعنی مصدر مجہول لیا ہے۔

محبوبیت کا باطنی سبب

تبرعاً اس کی وجہ بھی بتاتا ہوں کہ ایمان و عمل صالح کی وجہ سے محبت کیوں ہوتی ہے۔ اصل وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خاصیت ہی یہ رکھ دی ہے جیسے بعض دوائیں بالخاصہ مؤثر ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہ بھی ہے لیکن یہ زمانہ ہے تحقیقات کا۔ اس لئے اس پر اکتفانہ کیا جاوے گا۔ اس لئے میں اس کی دو وجہ بیان کرتا ہوں ایک تو راز ظاہری اور ایک باطنی۔ باطنی کو اول بیان کرتا ہوں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ تمام ملائکہ میں پکار دو کہ فلاں بندہ سے ہم کو محبت ہے تم بھی اس کو دوست رکھو پھر حکم ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی پکار دو۔ اگر کوئی کہے کہ ہم کو کسی کی نسبت بھی اعلان نہیں۔

سنیے بات یہ ہے کہ فرشتوں کا اعلان قلوب میں ہوتا ہے اور وہ یہی کہ اس کی محبت قلوب میں پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ زمین پر اعلان کیا جاتا ہے۔ فیوضع له القبول فی الارض پس وہ سب کی نظروں میں مقبول ہوتا ہے اس کے بعد حضورؐ نے استشہاد میں یہ آیت پڑھی ان الذین امنوا وعملوا الصالحت سیجعل لھم الرحمن ودا حضورؐ کا یہ آیت پڑھنا صریح دال ہے اس پر کہ ودا یہاں پر مصدر مبنی للمفعول ہے اور میرا اس مضمون کو اس آیت سے استنباط کرنا صحیح ہے۔ دوسرا راز باطنی یہ ہے کہ محل محبت کا قلب ہے اور قلوب حق تعالیٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے قبضہ میں ہیں جب وہ قلوب میں کسی کی محبت پیدا کرنا چاہیں گے بالاضطرار اس کے سامنے جھک جانا ہی پڑے گا اس کے سامنے پھر کسی کا حوصلہ نہیں ہے کہ ٹیڑھا چلے۔

اور راز ظاہری یہ ہے کہ محبت کے کل تین سبب ہوا کرتے ہیں نوال کمال جمال یعنی عطا و احسان سبب محبت کا ہوتا ہے چنانچہ محسن سے اسی بناء پر محبت ہوتی ہے اور عطا ہی میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کی خطا معاف کر دی جائے یا کسی کا کام کر دیا جائے کسی کو بے ہودگی پر درگزر کی جائے۔ کبھی کمال کی وجہ سے محبت ہوتی ہے خواہ علمی ہو یا عملی یا اخلاقی مثلاً اہل علم سے محبت اسی واسطے ہوتی ہے کہ ان میں کمال علم ہے۔

الحاصل! جو اسباب محبت کے ہیں نوال جمال کمال شریعت نے اس کی بلیغ وجہ تعلیم فرمائی ہے پس جو شخص شریعت پر عمل کرے گا جو کہ عملوا الصلحت کا مدلول ہے وہ بالطبع محبوب ہو جائے گا اور اپنی قوم میں تو محبوب ہو گا ہی غیر قوموں میں بھی اس کا اعتبار ہو گا اس سے بعض اعمال صالحہ کا دوستی میں دخل ہونا۔ سمجھ میں آ گیا ہو گا جو کہ باب معاملہ و معاشرت و اخلاق سے ہے۔

ایمان و عمل صالح کا محبوبیت میں دخل

اب یہ بات رہ گئی کہ ایمان اور نماز روزہ کو کیا دخل ہے محبوبیت میں سو اس کی نسبت سنو کہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ کوئی کام ہو اول اس کا قلب میں ارادہ پیدا ہوتا ہے پھر اس کا جوارح سے ظہور ہوتا ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ کسی امر پر نباہ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ اس کا تقاضا شدید قلب میں راسخ ہو جائے اور اس کے اضداد و موانع قلب سے مرتفع ہو جائیں ورنہ ارادہ ہو گا۔ مگر غیر راسخ جب راسخ نہیں تو اکثر ارادہ بھی نہ ہو گا تو عمل بھی نہ ہو گا پس ثابت ہوا کہ مداومت و استقامت بدوں تقاضائے قلب کے نہیں ہوتا پس اس قاعدہ کے موافق اخلاق و معاملات و معاشرت کی درستی بھی جس کا دخیل ہونا محبوبیت میں مسلم ہو چکا ہے جب ہی نبھ سکتی ہے کہ ان چیزوں کا قلب میں تقاضا رسوخ ہو اور وہ تقاضا و رسوخ بغیر ایمان اور روزہ نماز کے نہیں ہو سکتا اس لئے کہ تمام قواعد متعلقہ بصدق و معاملات اللہ و رسول نے ہی ہم کو تعلیم فرمائی ہیں۔ تو جب تک تصدیق اللہ و رسول کی قلب میں راسخ نہ ہو گی تو ان تعلیمات پر استقامت نہ ہو گی۔ یہ تو ایمان کا دخل ہوا اور روزہ نماز نہیں ہوتی روزہ سے تو اس طرح کہ اس سے قوت بہیمیہ کا انکسار ہوتا ہے اور نماز سے تواضع پیدا ہوتی ہے تکبر ٹوٹتا ہے اور تکبر و بہیمیہ ہی اصل ہے بہت سے اخلاق ذمیمہ کی۔ پس صوم و صلوٰۃ سے اس کی اصلاح ہو گی اور اس کی اصلاح سے معاملات وغیرہ درست ہو نگے جو مدار ہے محبوبیت کا اور مسبب کا سبب ہے۔ پس نماز و روزہ سبب ہوا محبوبیت کا مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ایمان اور صلوۃ و صوم کا موضوع لہ صرف یہی ہے اصلی موضوع لہ تو ان کا قرب الٰہی ہے لیکن یہ محبوبیت بھی اور سیر خاصہ لازمہ کے طور پر مرتب ہو جاتی ہے چونکہ یہاں بیان تھا محبوبیت و مودۃ اس لئے اس کا بھی اس میں دخل بیان کر دیا گیا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوۡرَة طٰـــهٰ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ۝

ترجمہ: وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے

تفسیری نکات

اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کا مفہوم

ایک بات طلبہ کے کام کی یاد آئی۔ وہ یہ ہے کہ مجسمہ (ایک فرقہ ہے جو خدا تعالیٰ کے جسمانی ہونے کا قائل ہے) نے الرحمن علی العرش استوی۔ (اللہ تعالیٰ نے عرش پر باعتبار صفت رحمانیہ کے تجلی فرمائی) کے معنی یہ سمجھے ہیں کہ خدا تعالیٰ عرش پر ایسے ہی بیٹھے ہیں جیسے ہم چوکی پر بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی کچھ قدر نہ جانی اور عرش کو انہوں نے بڑھا دیا کیونکہ مستقر بفتح القاف عادتاً مستقر بکسر القاف سے اوسع ہوتا ہے (یعنی جس چیز پر قرار پکڑا جاتا ہے وہ زیادہ وسیع ہوتی ہے قرار پکڑنے والی چیز سے) حالانکہ عرش کو ذات باری تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں ایسی بھی نسبت نہیں جیسے کہ رائی کے دانہ کو ہم سے ہے اگر کوئی رائی کا دانہ ہمارے قدم کے نیچے پڑا ہو تو کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ اور کیا یہ محاورہ صحیح کہا جا سکتا ہے کہ ہم اس پر بیٹھے ہیں رائی کا دانہ بے چارہ کیا چیز ہے۔ پس عرش کہاں اور خالق عرش کہاں پس معنی اس آیت کے یہ نہیں ہیں جو مجسمہ نے یہ سمجھے ہیں۔

اب رہی یہ بات پھر کیا معنی ہیں تو سلف صالحین نے اس آیت اور جو اس کے مشابہ اور آیات ہیں ان کے بارہ میں یہ فرمایا ہے کہ ان کے معنی کے تعین نہ کرو اور ان کے معانی کو اللہ کے حوالہ کرو صرف اتنا اعتقاد رکھو کہ جو کچھ مراد ہے وہ حق ہے اور اسلم طریقہ آیات متشابہات میں یہی ہے باقی متاخرین نے اس میں کچھ تاویل فرمائی ہے بعض نے یہ کہ استوی کے معنی استولی ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہیں اور ایک تاویل احقر کیا کرتا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے کہ استوی علی العرش بمعنے برتخت نشستن (تخت پر بیٹھنا) کنایہ ہے نفاذ امور و تصرف فی الامور سے چنانچہ بعض جگہ اس کے بعد یدبر الامر (وہ ہر امر کی تدبیر کرتا ہے) کا آنا بطور اس کے تفسیر کے ہوسکتا ہے۔

(اور دوسرے مقام میں ہے اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش (اللہ ہی ہے جس نے آسمان وزمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر تخت قائم ہوا) استوی میں ضمیر اللہ کی طرف ہے سو ہاں حسب قاعدہ القرآن یفسر بعضہ بعضاً (بعض جز قرآن کا بعض جزو کی تفسیر کرتا ہے) یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں بھی مراد تجلی الٰہی باعتبار صفت رحمانیہ کے ہے فافہم ۱۲ منہ)

اور تاویل ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب وغریب فرمائی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا اللہ علی العرش استوی تاکہ یہ لازم آوے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھے ہیں بلکہ الرحمٰن فرمایا ہے پس مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت عرش کو محیط ہے اور عرش تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ پس اس تاویل سے یہ آیت وسعت رحمتی کل شیء (میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے) کی مرادف ہوگی اور عرش کی خصوصیت اس لئے ہوگی کہ تعلق رحمت کا اولاً بلاواسطہ اس کے ساتھ ہوا ہے اور دوسری اشیاء کے ساتھ بواسطہ اس کے ہے پس حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کی تجلی اس پر اولاً ہوئی ہے یہاں سے تجلی کے معنی بھی واضح ہوگئے کہ تجلی کے معنی یہ ہیں کہ کسی صفت کا تعلق متجلی لہ (جس کے لئے تجلی کی گئی ہے) سے ہوجاوے تجلی کے معنی چمک دمک کے نہیں ہیں جیسے عوام سمجھتے ہیں۔

عرش اللہ تعالیٰ کا مکان نہیں ہے

الرحمن علی العرش استوی کے معنی عرش پر تجلی رحمانیت ہوتی ہے یہ معنی ہرگز نہیں کہ عرش پر خدا تعالیٰ بیٹھے ہیں اور وہ ان کا مکان ہے۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ مکان کو مکین کے برابر یا کم از کم اس کے مقارب ہونا چاہیے۔ اگر کوئی شخص زمین پر بیٹھے اور اس کے نیچے رائی کا دانہ آجائے تو زمین کے خاص حصہ کو تو اس کا مکان کہا جائے گا رائی کے دانہ کو کوئی شخص اس کا مکان نہ کہے گا کیونکہ انسان سے اس کو کچھ بھی نسبت نہیں پھر وہ اس کا مکان کیونکر ہوسکتا ہے اسی طرح یہاں سمجھئے کہ عرش حق تعالیٰ کا مکان نہیں ہوسکتا کیونکہ عرش محدود ہے اور ذات خداوندی غیر محدود ہے محدود کسی طرح غیر محدود کا مکان نہیں ہوسکتا پس۔ استوی علی العرش کے معنی وہی ہیں کہ حق تعالیٰ کی تجلی صفت رحمانیت کے اعتبار سے اس پر ہوتی ہے اسی واسطے الرحمن علی العرش استوی فرمایا اللہ علی العرش استوی نہیں فرمایا کیونکہ اللہ علم ذات ہے اور رحمٰن اسم صفت ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ عرش محل ذات نہیں بلکہ صفت رحمت ہے کہ وہاں تجلی رحمت اور مکانات سے زیادہ ہے تو یہ استقبال قبلہ کا راز ہوا۔

الرحمن علی العرش استوی ”اللہ تعالیٰ نے عرش پر باعتبار صفت رحمانیہ کے تجلی فرمائی“

(c) ketabton.com: The Digital Library

اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہیں اور ایک تاویل احقر کیا کرتا ہے کہ استوی علی العرش بمعنی برتخت نشستن کنایہ ہے نفاذ امور و تصرف فی الامور میں تصرف کرنا ہے۔ چنانچہ بعض جگہ اس کے بعد یدبر الامر (وہ ہر امر کی تدبیر کرتا ہے) کا آنا بطور اس کے تفسیر کے ہوسکتا ہے۔

(اور دوسرے مقام میں ہے اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش اللہ ہی ہے جس نے آسمان وزمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر تخت پر قائم ہوا استویٰ میں ضمیر اللہ کی طرف ہے۔ سو وہاں حسب قاعدہ القرآن تفسیر بعضہ بعضا بعض جز قرآن کا بعض جز کی تفسیر کرتا ہے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں بھی مراد تجلی الٰہی بہ اعتبار صفت رحمانیہ کے ہے فافہم) ایک تاویل ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب وغریب فرمائی۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ اللہ علی العرش استوی (اللہ عرش پر بیٹھے ہیں) تاکہ یہ لازم آئے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھے ہیں بلکہ الرحمٰن فرمایا۔ پس مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت عرش کو محیط ہے اور عرش تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ اللہ کی رحمت تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے پس اس تاویل سے یہ آیت

وسعت رحمتی کل شیء (میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے)

کی مرادف ہوگی اور عرش کی خصوصیت اس لئے ہوگی کہ تعلق رحمت کا اولاً بلاواسطہ اس کے ساتھ ہوا ہے اور دوسری اشیاء کے ساتھ بواسطہ اس کے ہے پس حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کی تجلی اس پر اولاً ہوتی ہے۔

تجلی کی معنی

یہاں سے تجلی کے معنی بھی واضح ہوگئے کہ تجلی کے معنی یہ ہیں کہ کسی صفت کا تعلق متجلی لہ (جس کیلئے تجلی کی گئی ہے) سے ہوجائے۔ تجلی کے معنی چمک دمک کے نہیں ہیں جیسے عوام سمجھتے ہیں۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝۸

ترجمہ: (وہ) اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے اچھے اچھے نام ہیں

تفسیری نکات

حوادث اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے مظاہر ہیں

حضرت حاجی صاحب پر توحید کا بہت زیادہ غلبہ تھا وحدۃ الوجود تو حضرت کے سامنے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مشاہد ہے یعنی ہے ایک مرتبہ سورۃ طٰہٰ سنتے رہے اس آیت پر پہنچ کر لا الہ الا ھو لہ الاسماء الحسنی حضرت

(c) ketabton.com: The Digital Library

پر اسکا غلبہ ہو گیا بطور تفسیر کے فرمایا کہ پہلے جملہ پر سوال وارد ہوا کہ جب سواء اللہ کے کوئی نہیں تو یہ حوادث کیا ہیں جواب ارشاد ہوا له الاسماء الحسنیٰ یعنی سب اسی اسماء وصفات کے مظاہر ہیں اسی کو کسی نے کہا ہے۔

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست　　یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: (وہ یہ ہے کہ) میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو۔

تفسیری نکات

نماز کا ایک عظیم ثمرہ

اب میں اقم الصلٰوۃ لذکری میں ایک نکتہ بیان کرتا ہوں جس سے نماز کی فضیلت دیگر عبادات پر بہت زیادہ ثابت ہوتی ہے اور یہ محض نکتہ نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے وہ یہ کہ اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ جو ثمرہ کے لئے مقصود ہوں اور ثمرہ عمل کا مغائر ہو دوسرے وہ جو ثمرہ کے لئے مقصود نہیں بلکہ بذاتہ مقصود ہے اور جو ثمرہ اس کے ساتھ مذکور ہے وہ اس کا مغائر نہیں بلکہ عین ہے مثلاً ہم کسی حاکم سے ملنے جائیں اور وہ ہم کو کوئی کام بتلائے تو بعض کام تو ایسے ہوتے ہیں جو خود مقصود نہیں بلکہ ان کا ثمرہ مقصود ہے مثلاً حاکم یہ کہے کہ تم انٹرنس پاس کر لو تو ہم تم کو فلاں عہدہ دیدیں گے یہاں انٹرنس پاس کرنا خود مقصود نہیں بلکہ عہدہ مقصود ہے جو اس کا ثمرہ ہے اور یہ ثمرہ عمل کا غیر ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ وہ یوں کہے کہ تم ہمارے پاس ہر روز آیا کرو یہاں یہ عمل خود مقصود ہے کیونکہ حاکم کے دربار میں حاضری نصیب ہو جانا یہ خود بڑی چیز ہے گو اس پر ثمرات بھی مرتب ہوتے ہیں مگر ان ثمرات کے ساتھ خود حاضری دربار بھی بڑا مقصود ہے چنانچہ بہت لوگ اس حاضری ہی کے لئے بڑی بڑی کوششیں کرتے ہیں گو اس کے حصول کے بعد کوئی ثمرہ بھی حاصل نہ ہو۔ اب میں نماز کے متعلق دعویٰ کرتا ہوں کہ نماز میں جتنے اعمال ہیں اور نماز ان اعمال سے مرکب ہے وہ سب اجزا ایسے ہیں کہ اعمال تو ہیں ہی مگر ثمرات بھی ہیں یعنی ان اعمال کے لئے کوئی ایسا ثمرہ نہیں جس کے اعتبار سے ان اعمال کو مقصود بالغرض اور اس ثمرہ کو مقصود بالذات کہا جائے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اجزاء صلوٰۃ خود مقصود بالذات ہیں جس کو میں ابھی ثابت کئے دیتا ہوں اور جب اجزاء کا یہ حال ہے تو صلوٰۃ کا حال بھی اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

مقصود بالذات ہے کیونکہ اجزاء میں اور مجموعہ میں محض اعتباری تغائر ہے اور تغائر اعتباری محض فرض ہی فرض ہے امور واقعہ میں اس کا اعتبار فضول ہے اور کسی عمل کا مقصود بالذات ہونا اور مقصود بالغرض نہ ہونا یہ اس کی بڑی فضیلت اور اعلیٰ درجہ کا کمال ہے اب سنئے کہ نماز کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی محبوب عاشق سے کہے کہ ہم کو دیکھو اور ہم سے باتیں کرو ہر چند کہ دیکھنا اور باتیں کرنا ایک عمل ہے مگر ایسا عمل ہے کہ خود ہی عمل ہے اور خود ہی ثمرہ مقصود ہے اس سے کوئی اور ثمرہ مقصود نہیں عاشق کے دل سے پوچھو وہ اس عمل سے کسی غیر کو مقصود نہ سمجھے گا کیونکہ وہ تو عمر بھر اسی کو ترستا تھا کہ کسی طرح ایک نگاہ محبوب کو دیکھ لوں اور اس سے ایک دو بات کرلوں تو اب جبکہ محبوب نے اس کو اپنے دیکھنے اور اپنے سے ہم کلام ہونے کا امر کیا ہے یقیناً اس کو اس رویت وکلام سے کسی اور ثمرہ کی طلب نہ ہوگی بلکہ اسی کو مطلوب سمجھے گا رہا یہ اشکال کہ صاحب اصل مقصود تو لذت ہے جو رویت وکلام محبوب سے حاصل ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ احکام طبعیہ میں لذت ورویت وکلام کا غیر نہیں کیونکہ وہ ان کے ساتھ ساتھ معاً حاصل ہوتی ہے دونوں میں تقدم وتاخر زمانی نہیں۔

نماز قیام وقعود ورکوع وسجود وقراءت سے مرکب ہے اور ان ارکان کے ساتھ تسبیح وتقدیس وتکبیر وذکر بھی لگا ہوا ہے۔ یہ نماز کے اجزاء ہیں اب بتلایئے اگر نماز فرض نہ ہوتی تو جو چیزیں نماز کے اندر ہیں کیا آپ ان کو نہ ڈھونڈتے یقیناً آپ خود ان کو ڈھونڈتے اور ان کی طلب وتلاش میں عمر ختم کردیتے کیونکہ ہر عاشق کو اس کی تمنا ہوتی ہے کہ محبوب کے سامنے اپنا عجز ونیاز ظاہر کرے اور اس کی تعریف وثناء میں زبان کو تر کرے اور اس کی یاد سے دل کو تسلی دے۔

اب نمازیوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ اپنی نماز پر ناز نہ کریں کیونکہ حق تعالیٰ نے محض صل نہیں فرمایا کہ نماز پڑھا کرو بلکہ اقم الصلوۃ فرمایا ہے جس میں اقامت کا امر ہے اور اقامت صلوۃ یہ ہے کہ اس کے سب ارکان اعتدال وتسویہ کے ساتھ ادا کیے جائیں تو نماز پڑھ کر بے فکر نہ ہو جایئے بلکہ اقامت کی کوشش کیجئے۔

نماز کی روح

لذکری میں لام غایت کا ہے یعنی نماز کی غایت اور روح میری یاد ہے۔

یہاں ذکر کے معنی یاد کے ہیں اس کا اول درجہ یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی اور کا دل میں خیال نہ ہو حتیٰ کہ اس کا بھی کہ میں اس وقت خدا کو یاد کر رہا ہوں حاصل یہ کہ قلب میں مذکور کا خیال ہو ذکر کا خیال نہ ہو۔

دوسرا مرتبہ یہ کہ مذکور کی یاد نہ سہی تو ذکر کی یاد ہی سہی یعنی یہی سہی کہ میں اس وقت یاد کرتا ہوں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾

ترجمہ: اور تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ علیہ السلام۔ انہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے میں کبھی اس پر سہارا لگاتا ہوں اور کبھی اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام نکلتے ہیں۔

تفسیری نکات

امور طبعیہ کے مؤثر ہونے میں حکمتیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب سوال ہوا وما تلک بیمینک یا موسیٰ تو آپ جواب میں عرض کرتے ہیں ھی عصای اتوکؤا علیھا واھش بھا علی غنمی ولی فیھا مآرب اخری یہاں آپ نے ایجاز سے کام نہیں لیا بلکہ اطناب سے کام لیا مگر اطناب مہمل نہیں اس کو اسہاب کہا جائے بلکہ اطناب مفید جو کہ بلاغت کی ایک نوع ہے اور مفید کس کو موسیٰ علیہ السلام کو کیونکہ اس اطناب سے ان کو اپنے شوق کا اظہار مقصود تھا کہ جب محبوب کے ساتھ بات کا موقعہ مل گیا تو جہاں تک دائرہ بلاغت میں رہ کر کام میں وسعت ہو سکے اس کو وسعت دینا چاہیے اس لئے آپ نے عصا کے متعلق جتنی باتیں بیان میں آ سکتی تھیں سب بیان کر دیں۔ یہ بھی اہل طریق کا ایک معمول ہے کہ وہ سوال کا جواب مقام ادب میں بھی پورا کر دیتے ہیں گو اس میں اطناب ہی ہو جائے البتہ ایسا اطناب نہ ہو جو بیکار و فضول ہو بلکہ جواب پورا ہو اور اطناب مفید ہو۔

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ

ترجمہ: یہ کہ موسیٰ کو ایک صندوق میں رکھو پھر اُن کو دریا میں ڈال دو پھر دریا اُن کو کنارے تک لے آویگا

قذف کے معنی اور عجیب وغریب تفسیر

فرمایا کہ بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مغلوب الغضب تھے کہ تختیاں پھینک دیں۔ جواب یہ ہے کہ "القاء" اور "قذف" کے معنی ایک ہی ہے۔ فاقذفیہ میں قذف کے معنی یہ نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے موسیٰ علیہ السلام کو پھینک دیا بلکہ معنی یہ ہے کہ جلدی سے دریا میں رکھ دیا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے الواح کو جلدی سے رکھ دیا۔ (الکلام الحسن ج ۲ ص ۵۸)

(c) ketabton.com: The Digital Library

حق تعالیٰ سے ہم کلامی

صاحبو! اگر کوئی محبوب ایک مہمل زبان تصنیف کر کے عاشق سے اس میں باتیں کرے تو عاشق اگر سچا عاشق ہے تو یقیناً اس کی قدر کرے گا اور وہ مہمل زبان ہی اس کی نظر میں فصیح زبان سے زیادہ پیاری ہوگی کیونکہ محبوب کی زبان ہے اور قرآن تو مہمل بھی نہیں بلکہ نہایت فصیح اور بلیغ' عجیب وغریب شیریں زبان ہے۔ جو لوگ سمجھتے ہیں وہ تو اس کی فصاحت وبلاغت اور شیرینی کو سمجھتے ہی ہیں مگر جو نہیں سمجھتے ان کو بھی اس میں بہت مزہ آتا ہے' تجربہ کر کے دیکھ لو۔ اور جو لوگ تلاوت قرآن پاک کے عادی ہیں' وہ اس کا خوب تجربہ کئے ہوئے ہیں اور اگر کسی وقت کوئی خوش الحان قاری مل جائے تو ذرا اس سے قرآن سن کر دیکھ لو کہ بدوں معنی سمجھے تم کو مزہ آتا ہے یا نہیں۔ واللہ! بعض دفعہ نہ سمجھنے والوں کو بھی ایسا مزہ آتا ہے کہ دل پھٹ جاتا ہے۔ بس قرآن کی یہ حالت ہے

برنگ اصحاب صورت رابو ارباب معنی را بہار عالم حسنش دل و جان تازہ می دارد

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی یہ معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن پڑھنا گو اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا ہے پھر حیرت ہے کہ آپ عاشق ہو کر اپنے محبوب سے باتیں کرنا نہیں چاہتے حالانکہ محبت وہ چیز ہے کہ عاشق طرح طرح سے اس کے بہانے ڈھونڈا کرتا ہے کہ محبوب سے باتیں کرنے کا موقع ملے۔

حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم سے سوال ہوا تھا

وما تلک بیمینک یا موسیٰ (اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟)

اس کے جواب میں صرف اتنا کافی تھا کہ عصا کہہ دیتے مگر نہیں چونکہ ان کو محبت تھی تو اس وقت کو غنیمت سمجھا کہ محبوب سے باتیں کرنے کا موقع ملا ہے۔ انہوں نے تفصیل سے جواب دیا **ھی عصای اتوکؤا علیھا واھش بھا علی غنمی**

یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر سہارا لگا لیتا ہوں اور اس سے بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں۔

کتنی تطویل کی ہے کہ ھی بڑھایا اور یائے متکلم کا اضافہ کیا آخر میں پھر اس لاٹھی کے منافع دو جملوں میں بیان کئے اور اس کے بعد فرمایا **ولی فیھا مارب اخری** کہ اس میں میرے اور بھی مقاصد ہیں۔ یہ اس واسطے بڑھایا تاکہ آئندہ بھی کلام کی گنجائش رہے کہ شاید حضرت حق دریافت فرمائیں کہ ہاں صاحب وہ اور مقاصد کیا ہیں' ذرا وہ بھی بیان کیجئے۔ تو پھر اور باتیں کروں گا۔ یا خود ہی عرض کروں گا کہ حضور اس وقت اس کی شرح نہ ہوئی تھی' اب میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ غرض آئندہ باتیں کرنے کی گنجائش رکھ لی۔ یہ بات ابھی ذہن میں آئی۔

غرض عشاق کو محبوب سے باتیں کرنے میں عجیب مزہ آتا ہے اور یہ دولت مسلمانوں کو گھر بیٹھے ہر وقت نصیب ہے کہ وہ جب چاہیں اللہ تعالیٰ سے باتیں کر لیں یعنی قرآن کی تلاوت کرنے لگیں۔ پھر حیرت ہے کہ قرآن کے بدوں سمجھے پڑھنے کو بے فائدہ بتلایا جائے۔ کیا یہ فائدہ کچھ کم ہے۔ (الفاظ القرآن ملحقہ مواعظ علم وعمل)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: اور میں تمہارے اوپر اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈال دیا اور تا کہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شہزادوں کی طرح پرورش پائی

فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے شہزادوں کی طرح پرورش پائی فرعون کے گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اور اسی کی طرح کپڑے پہنتے تھے، بہت خوب صورت تھے۔ اسی واسطے حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) اور خود فرعون دیکھ کر فریفتہ ہو گئے۔

القیت علیک محبة منی میں نے تم پر (یعنی موسیٰ پر) اپنی طرف سے محبت ڈال دی)

سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کسی نے کہا پھر فرعون نے قتل قبطی پر غصہ کیوں ظاہر کیا۔ انصاف کرنا ضروری تھا اور فرمایا کہ بعد القاء تجلی اور بھی زیادہ خوبصورت ہو گئے تھے۔ اس واسطے جس بزرگ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت ہوتی ہے اس کی طرف دیکھنا مشکل ہو جاتا ہے جیسے حضرت مدار رحمۃ اللہ علیہ۔ اس واسطے وہ منہ پر پردہ رکھتے تھے تا کہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾

ترجمہ: دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت نکل چکا ہے پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ بہ رغبت نصیحت قبول کرے یا عذاب الٰہی سے ڈر جائے دونوں نے عرض کیا کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا یہ کہ زیادہ شرارت کرنے لگا ارشاد ہوا کہ تم اندیشہ نہ کرو کیونکہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سب سنتا دیکھتا ہوں۔

تفسیری نکات

امور طبعیہ فطری چیز ہیں

امور طبعیہ فطریہ وہ چیزیں ہیں کہ انبیاء علیہم السلام جو سب سے زیادہ قوی القلب تھے ان پر بھی ان کا اثر ہوتا تھا قرآن پاک میں متعدد جگہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو ارشاد فرمایا ہے ان میں صریح دلالت ہے کہ ایسی چیزوں سے انبیاء علیہم السلام بھی متاثر ہوتے تھے میں ان واقعات کو عرض کرتا ہوں حق

(c) ketabton.com: The Digital Library

تعالیٰ فرماتے ہیں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے اذھبا الی فرعون انه طغی فقولا له قولا لینا لعله یتذکر او یخشی دونوں عرض کرتے ہیں قالا ربنا اننانخاف ان یفرط علینا او ان یطغی اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں قال لاتخافا اننی معکما اسمع واری اور سنئے موسیٰ علیہ السلام اژدہا سے طبعاً ڈرے یہ واقعہ بھی قرآن پاک میں موجود ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں والق عصاک فلما راھا تھتز کانھا جان ولی مدبرا ولم یعقب یموسی لاتخف انی لایخاف لدی المرسلون اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں یموسیٰ اقبل ولاتخف انک من الامنین ایک اور واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہے جب موسیٰ علیہ السلام حکم خداوندی سے عصا کو زمین پر ڈالتے ہیں تو وہ دوڑتا ہوا سانپ بن جاتا ہے اس پر حکم ہوتا ہے خذھا ولاتخف سنعید ھا سیرتھا الاولی پکڑو ڈرو نہیں اور ایک واقعہ مذکور ہے کہ جب جادوگروں نے اپنا جادو شروع کیا اور سانپ بننے شروع ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف کے آثار پیدا ہونے لگے۔ خواہ خوف کا سبب کچھ ہی ہو جس کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں فاوجس فی نفسه خیفة موسی قلنا لاتخف انک انت الاعلی غرض جو چیزیں ڈرنے کی ہیں ان سے ڈرو اور جو نہ ڈرنے کی ہیں ان سے مت ڈرو۔

اور بالکل خوف نہ ہونا نقص ہے فطری کمی ہے کمال یہی ہے کہ خوف بھی ہو اور قوت بھی ہو اور امور طبعیہ کا اثر ہونے میں بڑی حکمتیں ہیں سب میں بڑی حکمت تو یہی ہے کہ انسان کو اپنا عجز اور ضعف معلوم ہو کہ شان عبدیت کا استحضار رہتا ہے جو روح ہے تمام مجاہدات اور ریاضات کی ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ زمانہ غدر میں شریک جنگ ہوئے اول مرتبہ جو بندوق چلی ثقات نے بیان کیا کہ بے ہوش ہو گئے اس کے بعد تلوار لے کر خود لڑے سو یہ کوئی نقص کی بات نہیں طبعی بات ہے عقلی بات جو تھی وہ یہ کہ جنگ میں شرکت کی اس میں خوف نہیں ہوا دوسری مثال سنئے مثلاً حکم ہے کہ طاعون سے بھاگنا جائز نہیں آگے دو صورتیں ہیں ایک تو طبعی خوف ہے اس سے اگر وحشت دہشت کے زوال کی تدابیر کرے یا مبتلا ہو کر علاج کرے جائز ہے بلکہ علاج کرنا ضروری ہے دوسرا عقلی خوف ہے وہ مذموم ہے کہ وہاں سے بھاگے امور طبعیہ کے وجود عدم کا مدار ایمان یا کفر پر نہیں اس میں سب شریک ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾

ترجمہ: وہ کہنے لگا پھر (یہ بتلاؤ کہ) تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ موسیٰ نے کہا کہ (ہمارا سب کا) رب وہ جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی۔ پھر راہنمائی فرمائیں۔

تفسیری نکات

فرعون کا روئے سخن حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے

اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم هدی یہاں بھی ایک عجیب لطیفہ ہے وہ یہ کہ فمن ربکما کے بعد مقتضی ظاہر یہ تھا کہ یاموسیٰ وہارون کہا جاتا جب فمن ربکما میں دونوں کو خطاب کیا گیا ہے تو نداء میں بھی دونوں کو خطاب ہونا چاہیے مگر حق تعالیٰ نے صرف "یاموسیٰ" فرمایا ہے اس کی کیا وجہ یہ وہ باتیں ہیں کہ ان کا کشف ہونے لگے تو آدمی قرآن کے لفظ پر ناچنے لگے لوگ ڈھولکی اور ستار پر کیا ناچتے ہیں واللہ قرآن کا لفظ لفظ نچا دینے والا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ بتلا دیا گیا کہ فرعون کا اصل روئے سخن حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کی طرف تھا انہی کی طرف متوجہ ہو کر بات کر رہا تھا ہارون علیہ السلام سے تبعا تھا نہ کہ اصالتاً اور اس کی وجہ یہ تھی کہ فرعون نے موسیٰ کو تربیت کیا تھا۔

اس کے بعد فرعون نے یہ سوال کیا قال فما بال القرون الاولیٰ کہ پہلے لوگوں کا کیا حال ہے (جو مر چکے ہیں) اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے کلام میں یہ حکم تھا ان العذاب علی من کذب و تولی جس سے مقصود تکذیب پر وعید سنانا تھا۔ اس پر یہ سوال کیا کہ الوہیت ورسالت کے مکذبین بہت گزرے ہیں ان کی حالت عذاب میں کیا ہوئی قال علمها عند ربی فی کتاب لایضل ربی ولا ینسی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا علم خدا ہی کے پاس ہے ایک کتاب میں ہے اس نے سب محفوظ کر رکھا ہے محض علم پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اتمام حجت کے لئے سب کو لکھ بھی دیا ہے میرے پروردگار کو غلطی اور بھول نہیں ہوتی پس لکھنا اس غرض سے نہیں ہے کہ یاد رہے بلکہ اور حکمتوں کی بنا پر ہے پس حالت تو ان کی علم الٰہی میں منضبط ہے۔ اب صرف انتظار وقت موعود آنے کا ہے اس وقت عذاب اکبر کا ظہور ہو جاوے گا آگے حق تعالیٰ کے کمال علم و حکمت کو چند واقعات مشاہدہ سے ثابت کیا ہے تا کہ ان کا قادر ہونا بھی ثابت ہو جاوے اور ایقاع وعید کے لئے اسی علم وقدرت کی ضرورت ہے چنانچہ ارشاد ہے الذی جعل لکم الارض مهدا وسلک لکم فیها سبلا و انزل من السماء ماء جس نے زمین کو تمہارے لئے بستر بنایا (جو نہ بہت سخت ہے لوہے کے مانند جس پر لیٹنے بیٹھنے سے جسم کو تکلیف ہو نہ بہت نرم ہے گارے کی مانند جس پر پاؤں دھنسنے لگے اور یہ کمال حکمت ہے) اور اس میں تمہارے لئے راستے چلا دیئے (اگر زمین بہت سخت یا بہت نرم ہوتی تو اس پر راستوں کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

نشانات یا تو قائم ہوتے یا باقی نہ رہتے تو چلنے کو پتہ نہ چلتا کہ اب راستہ کدھر کو ہے یہ بھی کمال حکمت ہے کہ زمین کو ایسا بنایا ہے جس پر مختلف راستے الگ الگ محفوظ رہتے ہیں) اور آسمان سے پانی اتارا (یہ بھی کمال حکمت پر مبنی ہے) اس کے بعد ارشاد ہے فاخرجنا به ازواجا من نبات شتی کلوا وارعوا انعامکم ان فی ذلک لآیات لاولی النهی پھر ہم نے پانی کے ذریعہ سے قسم قسم کی نباتات پیدا کیں ان میں سے خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ اس میں عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں کمال قدرت الٰہیہ غیر متناہیہ پر) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اوپر تو حق تعالیٰ کا ذکر غیبت کے صیغوں سے تھا یہاں تکلم کے ساتھ ہونے لگا۔ اہل ظاہر نے تو اس کا یہ جواب دیا ہے کہ انزل من السماء ماء تک موسیٰ علیہ السلام کا کلام تھا انہوں نے تو بارش کے نازل ہونے پر گفتگو کو ختم کر دیا تھا حق تعالیٰ نے پیدائش نباتات کا ذکر تتمیم کلام کے لئے بڑھا دیا اور بتلا دیا کہ پانی سے نباتات کا پیدا ہونا نہایت عجیب حکمت پر مبنی ہے اور بعض مغلوبین اہل حال نے کہا ہے کہ نہیں یہ بھی موسیٰ علیہ السلام ہی کا کلام ہے اس وقت ان پر وحدت الوجود کا غلبہ ہو گیا تو غائبانہ ذکر چھوڑ کر تکلم کے ساتھ فرمانے لگے کہ پھر ہم نے پانی سے نباتات کو نکالا اور اس وقت موسیٰ علیہ السلام کا "فاخرجنا" فرمانا ایسا ہی تھا جیسا کہ شجرہ طور نے کہا تھا انی انا الله رب العلمین یہ اہل حال بہت دور کی بات کہتے ہیں ان کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا طلبہ تو وہی جواب سمجھ لیں جو اہل ظاہر نے دیا ہے وہ اہل حال کی باتوں میں غور نہ کریں مگر ان پر انکار بھی نہ کریں (کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جو بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے وہ غلط ہی ہو) بہر حال چاہے موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہو یا حق تعالیٰ نے ان کے کلام کو پورا کیا ہو یہ مضمون اسی گفتگو کے متعلق ہے جو فرعون سے ہو رہی تھی اس لئے یہاں حق تعالیٰ نے مراقبہ ارض ہی کی تعلیم فرمائی کیونکہ فرعونی "مراقبہ ارض" ہی کے قابل تھے مراقبہ سماء کے قابل نہ تھے۔ یہ بھی اس مقام پر ایک نکتہ ہے جس میں ہم پر بھی یہ چھینٹا ہے کہ تم فرعون اور اس کی قوم کی طرح غبی ہو اس لئے تم کو بھی مراقبہ ارض کی تعلیم کی جاتی ہے (یہ تیسرا نکتہ ہے ۱۲) مگر حق تعالیٰ کے یہاں ایسے اغبیا کی بھی دوا موجود ہے وہ اذکیا کو مراقبہ سماء تعلیم فرماتے ہیں (جیسا کہ ایک مقام پر ارشاد ہے ویتفکرون فی خلق السموات والارض و قدم فیه السموات لان المقام مقام مدح اولی الالباب ۱۲ جامع) اور اغبیا کو مراقبہ ارض بتلاتے ہیں وہ زمین ہی کا مراقبہ کر لیں تو ان کے دن بھلے ہو جائیں۔

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾
ترجمہ: اور جادوگر کہیں جائے کامیاب نہیں ہوتا

تفسیری نکات

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ پر شبہ

ارشاد فرمایا وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ میں شبہ ہوتا ہے کہ ساحر تو اکثر کامیاب ہوتا ہے پھر باوجود اس کے یہ ارشاد ہوتا ہے کہ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ میرے نزدیک یہاں پر ایک قید محذوف ہے جو قصہ موسیٰ علیہ السلام د

(c) ketabton.com: The Digital Library

ساحرین سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ولا یفلح الساحر فی معارضتہ المعجزۃ (یعنی ساحر معجزہ کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوسکتا) (الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۳۰۴)

ایک شبہ کا حل

ارشاد فرمایا لایفلح الساحر میں شبہ ہوتا ہے کہ ساحر تو اکثر کامیاب ہوتا ہے۔ پھر باوجود اس کے یہ ارشاد ہوتا ہے کہ ولا یفلح الساحر میرے نزدیک یہاں پر ایک قید محذوف ہے جو قصہ موسیٰ علیہ السلام و ساحرین سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ ولا یفلح الساحر فی معارضۃ المعجزۃ (ملفوظ نمبر ۴)

ساحران موسیٰ علیہ السلام کا ایمان کامل

ان نومسلموں کو کہ فرعون نے جب ان کو یہ دھمکی دی ہے لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولا صلبنکم فی جذوع النخل ولتعلمن اینا اشد عذابا وابقی (میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں اور تم سب کو کھجوروں کے درختوں پر ٹنگواؤں گا اور یہ بھی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم دونوں میں کس کا عذاب سخت ہے اور دیرپا ہے) تو انہوں نے نہایت دلیری سے جواب دیا قالوا لن نؤثرک علی ما جاء نا من البینات والذی فطرنا فاقض ما انت قاض انما تقضی ھذہ الحیوۃ الدنیا انا امنا بربنا لیغفرلنا خطایانا وما اکرھتنا علیہ من السحر واللہ خیر وابقی انہ من یات ربہ مجرما فان لہ جھنم لایموت فیھا ولا یحیی ومن یاتہ مؤمنا قد عمل الصلحت فاولئک لھم الدرجات العلی یعنی ہم کو سولی یا پھانسی کا ڈر نہیں ہم تجھے خدا تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ہرگز ترجیح نہ دیں گے تجھ سے جو ہو سکے کر لے اور تو کر ہی کیا سکتا ہے صرف اس دنیوی زندگی کو ختم کر سکتا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں تا کہ ہمارے گناہ معاف فرمادیں خصوصاً گناہ سحر جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا تھا (اور اس ایمان و مغفرت سے حیات جاوید ہم کو حاصل ہوگی) اور اللہ تعالیٰ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے (اس کی عطا بے زوال ہے) جو شخص مجرم ہو کر اپنے رب کے پاس حاضر ہوگا سو اس کے لئے دوزخ ہے اس میں نہ مرے ہی گا نہ جی ہی گا اور جو شخص اس کے پاس مومن ہو کر حاضر ہوگا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں تو ایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں اور دوسری جگہ ساحران موسیٰ کا یہ جواب بھی مذکور ہے قالوا لاضیر انا الی ربنا منقلبون (انہوں نے جواب دیا کہ کچھ حرج نہیں ہم اپنے مالک کے پاس جا پہنچیں گے) اس میں اہل لطائف نے کہا کہ انا الی ربنا منقلبون (ہم اپنے رب کے پاس پہنچ جائیں گے) علت ہے لاضیر کی مطلب یہ ہے کہ ہم کو سولی وغیرہ سے کچھ ضرر نہیں کیونکہ ہم (اس کے بعد) اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جائیں گے جس کے پاس جانے کے ہم مشتاق ہیں مگر خودکشی حرام ہے اس لئے ہم خود تو جلدی سے خدا تعالیٰ کے پاس نہیں پہنچ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سکتے اچھا ہے تو ہی قتل کر کے ہمیں جلدی پہنچا دے سبحان اللہ ان لوگوں کا کیسا کامل ایمان تھا کہ مسلمان ہوتے ہی لقاء حق کے ایسے مشتاق ہو گئے اور حیات دنیا کی قدر ان کی نگاہ سے فوراً اتر گئی صاحبو! یہ محبت اور شوق پیدا کرو اس سے ساری پریشانیاں دفع ہو جائیں گی۔ اس وقت میں اسی کا طریقہ بتلاتا ہوں اور اس سے زیادہ میں آپ سے کچھ نہیں کہتا نہ میں طاعات کو کہوں نہ ترک معاصی کو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ ایک دن میں جنید بغدادی نہیں ہو سکتے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہو گا اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے (قبر سے) اٹھائیں گے۔ وہ (تعجب سے) کہے گا کہ اے میرے رب آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو (دنیا میں) آنکھوں والا تھا۔

تفسیری نکات

دنیا کی تمام اشیاء کا مقصود

اگرچہ اس کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے معیشۃ ضنکاً سے مراد یہ ہے کہ قبر میں اس کی حیات اخروی تنگ ہوگی لیکن معیشۃ کے لفظ سے متبادر یہی ہے کہ دنیا ہی کی روزی تنگ ہو جاتی ہے اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ بندہ گناہ کرنے سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے دوسرا جواب عقلی ہے اور اس کی اگرچہ بعد قرآن و حدیث کے ضرورت نہیں ہے لیکن ہم تبرعاً واقعات سے دکھلاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ رزق میں یہ غور کرنا چاہیے کہ کیا شے مطلوب ہے۔ جائیداد اگر مطلوب ہے تو کیوں ہے۔ ڈھیلے تو مطلوب ہیں نہیں۔ مکان طلب کیا جاتا ہے تو کیوں کیا جاتا ہے۔ اگر کہو کہ مطلوب جائیداد سے روٹی کپڑا اور مکان سے اس میں رہنا ہے میں پوچھتا ہوں کہ اس مقصود کا بھی کوئی مقصود ہے یا کھانا پہننا بذاتہ مطلوب ہے اگر کھانا پہننا بذاتہ مطلوب ہوتا تو عاریت کے کپڑے اور عاریت کے گھر میں ایسا لطف کیوں نہیں آتا جیسا اپنے کپڑے پہننے اور اپنے مکان میں رہنے سے آتا ہے معلوم ہوا کہ نفس پہننا کھانا رہنا مقصود نہیں کوئی اور شے مطلوب ہے وہ کیا ہے وہ ہے لذت، راحت، حلاوت۔ چونکہ اپنا کپڑا پہننے میں اپنے مکان میں رہنے میں زیادہ لطف آتا ہے اس لئے وہ مطلوب ہے۔

غرض دنیا کی تمام چیزوں سے مقصود جمعیت و سکون قلب ہے اب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جمعیت کسی ایسی شے میں نہیں جس کو راحت و سکون لوگ سمجھتے ہیں۔ یہ سب عین پریشان ہے۔ چنانچہ اہل دنیا کو دیکھ لو کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

رات دن ان کی ادھیڑ بن لگی رہتی ہے کسی وقت بھی آرام میسر نہیں میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جمعیت وسکون حقیقی صرف حق تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہے اگر شک ہو تو تین دن ہی فرمانبرداری کر کے دیکھ لو یہ التزام کرو کہ تمام منہیات سے تین دن تک مجتنب رہیں گے پھر قلب کی پہلی حالت میں یقیناً فرق محسوس ہوگا۔

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: کیا یہ صورتیں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو

تفسیری نکات

تصور شیخ کا مقصود

(۱) فرمایا کہ حضرت مولانا شہید تصور شیخ (۱) سے منع فرماتے تھے اور اس آیت سے استدلال فرماتے تھے۔

ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون (کیا یہ صورتیں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو) (الانبیاء آیت ۵۲)

اس طرح سے کہ تماثیل ذہنیہ صورت خارجیہ سے زیادہ موجب افتتان ہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک مستقل شغل قرار دیا ہے۔ بالخصوص مشائخ نقشبندیہ کے ہاں تو اس کا خاص اہتمام ہے۔ اس وقت اس میں مفاسد پیدا نہ ہوئے اس پر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بالمعنی نقل فرمایا کہ مانعین (۲) نے اعتماد "علی القرائن" (منع کرنے والے) (۳) تفصیل نہیں کی (قرآن پر اعتماد کرے) اس لئے شبہ ہوا کہ جائز ذریعہ کیسے فرمادیا۔ تفصیل یہ ہے کہ اصل مقصود تصور حق تعالیٰ کا ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ مرئی نہیں ہیں اس لئے جن لوگوں کی قوت فکریہ ضعیف ہوتی ہے ان کو یہ تصور جمتا نہیں۔ اس میں ان کے ذہن میں خیالات بہت آتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یکسوئی حاصل کرنے کے واسطے تصور تجویز کیا گیا کیونکہ علاج بالضد ہوتا ہے یعنی خیال کے دفع کرنے کے لئے دوسرے خیال کو ذہن میں جمایا جائے گا خواہ وہ کوئی خیال ہو پس اگر خیالات مختلفہ کے دفع کرنے کے واسطے ہر دیکھی ہوئی چیز کا تصور کافی ہو سکے جی خیال جم سکے لیکن ان سب خیالات میں سے شیخ کا تصور ہے کہ وہ محبوب ہونے کی وجہ سے ذہن میں زیادہ جمے گا۔ اور اس لئے دفع خیالات میں زیادہ مؤثر ہوگا تو وہ مقصود بالذات نہ ہوا مقصود بالغیر ہوا۔ اس لئے جب یہ غرض حاصل ہو جاوے تو شیخ کا تصور بھی دل سے نکال دے۔ اور صرف ذات حق کی طرف متوجہ ہو جاوے پھر احیاناً اگر خیالات آجاویں تو پھر شیخ کا تصور کرلے۔ جب خیالات دفع ہو جاویں پھر ذات حق کی طرف متوجہ ہو جاوے کیونکہ مقصود حقیقت یہی ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج۴ ص۲۹۰ء۳)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝

ترجمہ: وہ لوگ نیک کاموں میں مستعدی کرتے تھے اور ہم کو نہایت ہی شوق اور خوف سے پکارتے تھے اور ہم سے ڈرتے تھے۔

تفسیری نکات

علماء انبیاء کے وارث ہیں

اس کے قبل سے حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کا ذکر اور حسب ضرورت مقام کے خاص خاص اغراض کے لئے ان کے کچھ حالات بیان فرمائے ہیں ان حالات کے بعد ان حضرات کے مشترکہ اوصاف کو اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

پس بیان آیت کا یہ ہے کہ اس میں اول حضرات انبیاء علیہم السلام کے علم کو بیان کیا گیا ہے جس کے برابر کسی کا علم بھی نہیں ہے کیونکہ ایسے علم کامل کے لئے نبوت لازم ہے یا یوں کہیے کہ ایسا علم کامل نبوت کے لئے لازم ہے یا دونوں طرف سے تلازم مانا جائے بہر حال جو کچھ بھی کہا جائے اتنا قدر مشترک ماننا پڑتا ہے کہ نبوت اور کمال علم میں انفکاک نہیں ہوتا تو باوجود علم کے اس کامل مرتبہ پر ہوں گے پھر بھی ان کی مدح کا مدار صرف اس علم کو قرار نہیں دیا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

صرف کمال علمی مدح نہیں

بلکہ اس کے ساتھ انھم کانوا یسرعون فی الخیرات (یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے ہیں) مجموعہ جزئین پر مدح کو ختم فرمایا جس کا حاصل یہ ہوا کہ کمال علمی بھی اگرچہ کمال ہے لیکن وہ کمال تمام اس وقت ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ عمل بھی مقرون ہو کیونکہ اگر عمل کو مدح میں داخل نہ مانا جائے اور صرف صفت علم پر مدح کو مقصود مانا جائے تو صفت علم کو معرض مدح میں ذکر کرنا ایک امر زائد ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ باعث مدح صرف کمال علمی نہیں بلکہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا کمال بھی ہے اور وہ کمال کمال عملی ہے۔ جس کو اس مقام پر ذکر کیا گیا ہے۔

اس آیت میں کئی قسم کے حکم بیان کئے گئے ہیں اور سب کا حاصل مشترک یہ ہے کہ اس میں شان عملی کو ذکر کیا گیا ہے۔

جس میں سے مختلف انواع کو ایک ایک جملہ میں بیان فرمایا ہے کہ ان کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں انھم کانوا یسرعون فی الخیرات کہ وہ لوگ مستعدی کرتے تھے نیک کاموں میں یہ ایک جملہ ہے جس میں ایک نوع عمل کو ذکر کیا ہے آگے ارشاد ہے ویدعوننا رغباً ورھباً یعنی ہم کو پکارتے تھے شوق سے اور خوف سے یہ دوسرا جملہ ہے جس میں دوسری نوع کا ذکر کیا گیا تیسرا جملہ ہے وکانوا لنا خشعین جس میں ایک خاص نوع عمل کا بیان کیا ہے۔ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ ہر ہر جملہ میں تینوں قسم عمل کے مجموعے کو مراد لیا جائے لیکن پھر بھی اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ہر جملہ کو کسی ایک نوع سے زیادہ تعلق ہے یعنی عمل تین قسم کے ہوتے ہیں اعمال جوارح اعمال لسان۔ اعمال قلب مثلاً نماز ہاتھ پاؤں کے متعلق ہے ذکر اللہ زبان کے متعلق ہے خشوع قلب کے متعلق ہے تو ان انواع اعمال میں اگرچہ ہر ہر جملہ کو سب ہی اقسام کے ساتھ ایک طرح کا تعلق ہے لیکن زیادہ تعلق ایک ایک جملہ کو ایک ایک ہی عمل کے ساتھ ہے چنانچہ پہلا جملہ اور اعمال جوارح کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا جملہ عمل لسان کے ساتھ اور دوسرے جملے یعنی یدعوننا میں جو رغبا و رھبا کی قید ہے وہ تابع ہے لہٰذا اصل مقصود بالذکر یدعوننا ہی ہوا اگرچہ اس جملہ میں دوسرا احتمال بھی ہے کہ قید زیادہ مقصود ہو اور اسی بناء پر میں نے کہا تھا کہ ہر جملہ کو ہر ہر نوع عمل کر کے بھی کہا جاسکتا ہے تیسرا جملہ اعمال قلب کے ساتھ متعلق ہے اور اسی پر ختم کر دیا گیا ہے پس اس جمع کرنے سے لازم آیا کہ عمل کی تینوں قسموں کے جمع کرنے سے عمل کا کمال ہوتا ہے اور اگر ایک جزو کی بھی کمی رہی تو عمل ناقص رہے گا۔

آج کل ہماری حالت تو یہ ہے کہ جوارح اور زبان و قلب اعمال صالحہ کی بجائے عاصی میں مبتلا ہیں اس لئے خداتعالیٰ نے اس آیت میں تینوں نوعوں کی طرف اشارہ کر دیا کہ انبیاء جوارح کو بھی بچاتے تھے کہ یسارعون فی الخیرات ان کی حالت تھی اور زبان کو بھی معاصی سے روک کر اس کو طاعت میں لگاتے تھے۔ یدعوننا ان کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

شان تھی اور پھر ان کی دعا بھی رغبت اور رہبت کے ساتھ تھی یعنی ظاہر یہ ہے کہ رغبت اور رہبت کو بطور شرط فرمایا اور مقصود یدعوننا معلوم ہوتا ہے اگرچہ دوسری تفسیر بھی اس کی ممکن ہے جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ بھی کیا ہے لیکن مجھے اختیار ہے کہ میں اس تفسیر کو اختیار کرلوں اور قلب کو معاصی سے پاک رکھتے تھے کہ ان میں خشوع پایا جاتا تھا۔

خشوع عمل قلب ہے

مجھے زیادہ تر اس وقت یہی بیان کرنا بھی ہے کہ یہ تیسرا جزو یعنی خشوع کہ عمل قلب ہے ہم میں بہت کم پایا جاتا ہے حالانکہ یہ ساری طاعت کا راس ہے مگر ہم لوگ اس کی ذرا فکر اور اہتمام نہیں کرتے اور ہماری اس حالت فقدان خشوع کی شکایت نہایت صاف لفظوں میں قرآن شریف میں بھی ہے فرماتے ہیں الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبهم لذکر الله یعنی کیا مسلمانوں کے لئے ہنوز وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلب خشوع کرنے لگیں اور ظاہر ہے کہ شکایت اس امر کے ترک پر ہوتی ہے جس کا کرنا نہایت ضروری اور واجب ہو۔ تو معلوم ہوا کہ خشوع نہایت ضروری عمل ہے اور اس کا مقابل قساوت ہے چنانچہ ارشاد ہے افمن شرح الله صدره للاسلام فهو علی نور من ربه فویل للقسیة قلوبهم من ذکر الله الخ (بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے سو وہ اجالے پر ہے اپنے رب کی طرف سے سو خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے قاسی ہیں) اور آگے فرماتے ہیں الله نزل احسن الحدیث کتباً متشابهاً مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم ثم تلین جلودهم و قلوبهم الی ذکر الله (اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی بہتر بات (یعنی کتاب جو کہ آپس میں ملتی جلتی ہے دہرائی ہوئی ہے اس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف مائل ہو جاتے ہیں) تو اس آیت میں قساوت کا مقابل لین ہونا فرمایا ہے اور لین وہی خشوع ہے تو معلوم ہوا کہ خشوع کا مقابل قساوت ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا
وَارِدُونَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَا وَرَدُوهَا وَكُلٌّ فِيهَا
خَالِدُونَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ: بلاشبہ تم (اے مشرکین) اور جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجھ رہے ہو سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے اور تم سب اس میں داخل ہو گے (اور یہ بات سمجھنے کی ہے کہ) اگر یہ (تمہارے معبود) واقعی معبود ہوتے تو اس (جہنم) میں کیوں جاتے اور سب (عابدین ومعبودین) اس میں ہمیشہ کو رہیں گے۔

تفسیری نکات

شمس وقمر وغیرہ کے جہنم میں ڈالنے کا سبب

حدیث ہے ان الشمس والقمر یکور ان یوم القیمة فی جھنم (او کمال قال)

آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جتنی چیزوں کی اللہ کے سوا عبادت کی گئی ہے جیسے اصنام اور شمس وقمر وغیرہ وہ سب جہنم میں ڈالے جائیں گے اور حدیث میں شمس وقمر کی تصریح ہے اس پر بھی وہی سوال ہوتا ہے کہ ان چیزوں نے کیا قصور کیا جب میں بچہ تھا دیوبند میں پڑھتا تھا تو مجھے یاد ہے کہ اس مسئلہ میں دو مولویوں کے درمیان تقریباً دو گھنٹہ تک بحث رہی ایک کہتے تھے کہ ان کو عذاب نہ ہوگا کیونکہ یہ جمادات ہیں دوسرے کہتے تھے کہ نہیں ان کو بھی عذاب ہوگا کیونکہ یہ سبب شرک تھے۔

اسوقت تو میں کچھ نہ بولا کیونکہ بزرگوں کی بات میں دخل دینا خلاف ادب تھا۔ مگر اب بولتا ہوں کیونکہ شاید اس وقت میری ڈاڑھی کچھ ان سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے (یہ بطور لطیفہ کے فرمایا ۱۲) جواب وہی ہے کہ ان اشیاء کا دخول جہنم قصور کی وجہ سے نہ ہوگا اور سیعت بلاقصد کوئی قصور نہیں ورنہ بات بہت دور تک پہنچے گی بلکہ ان کو کفار کی حسرت بڑھانے کے لئے جہنم میں بھیجا جائے گا تاکہ وہ ان کو دیکھ دیکھ کر اپنی حماقت پر افسوس کرتے رہیں کہ ہم نے کن چیزوں کو معبود بنایا تھا اور جہنم میں کسی کا ہونا ان کے معذب ہونے کو مستلزم نہیں۔

الکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم انتم لھا واردون لو کان ھؤلاء الھة ماوردوھا و کل فیھا خلدون (سورہ الانبیاء آیت ۹۸)

اور حدیث میں ہے ان الشمس والقمر یکوران یوم القیمة فی جھنم (او کماقال) پروارد ہوتا ہے کہ آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جتنی چیزوں کی اللہ کے سوا عبادت کی گئی ہے جیسے اصنام

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور شمس وقمر وغیرہ وہ سب جہنم میں ڈالے جائیں اور حدیث میں شمس وقمر کی تصریح ہے۔ اس پر بھی وہی سوال ہوتا ہے کہ ان چیزوں نے کیا قصور کیا۔ جب میں بچہ تھا دیوبند میں پڑھتا تھا تو مجھے یاد ہے کہ اس مسئلہ میں دو مولویوں کے درمیان تقریباً دو گھنٹہ تک بحث رہی۔ ایک کہتے تھے کہ ان کو عذاب نہ ہوگا کیونکہ یہ جمادات ہیں اور دوسرے کہتے تھے کہ نہیں ان کو بھی عذاب ہوگا کیونکہ یہ سبب شرک تھے۔

اس وقت تو میں کچھ نہ بولا کیونکہ بزرگوں کی بات میں دخل دینا خلاف ادب تھا۔ مگر اب بولتا ہوں کیونکہ شاید اس وقت میری ڈاڑھی کچھ ان سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے (یہ بطور لطیفہ کے فرمایا ۱۲) جواب وہی ہے کہ ان اشیاء کا دخول جہنم قصور کی وجہ سے نہ ہوگا اور سیئت بلاقصد کوئی قصور نہیں ورنہ بات بہت دور تک پہنچے گی۔ بلکہ ان کو کفار کی حسرت بڑھانے کے لئے جہنم میں بھیجا جائے گا تاکہ وہ ان کو دیکھ دیکھ کر اپنی حماقت پر افسوس کرتے رہیں کہ ہم نے کن چیزوں کو معبود بنایا تھا اور جہنم میں کسی کا ہونا اس کے معذب ہونے کو مستلزم نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ غرض عشاق اگر جہنم میں بھیج بھی دیئے جائیں تو ان کا دوزخ میں جانا اس طرح کا ہو گا۔ معذبین کی طرح نہ ہوگا۔ دیکھو جیل خانہ میں جانا ایک تو مجرم کا ہے اور ایک جیلر کا اور ایک ڈاکٹر کا جانا ہے جو مجرموں کی صحت کا معائنہ کرتا ہے۔ کیا سب کا جانا برابر ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ حیثیات کا فرق موجود ہے۔ گو بظاہر سب جیل خانہ ہی میں ہیں۔ مگر ڈاکٹر اور جیلر گورنمنٹ کے مقرب ہیں اور مجرم معتوب ہیں یہی فرق حیثیات دخول جہنم میں بھی کیوں نہیں مانتے۔ آخر معقول کس لئے پڑھی تھی کیا ماکول بنانے کے لئے پڑھی تھی۔ صاحب اس سے کام لو تو پھر کچھ بھی اشکال نہیں۔ اسی فرق حیثیات سے ایک اور اشکال رفع ہوتا وہ یہ کہ عقائد کا مسئلہ ہے کہ رضا بالقضاء واجب ہے اور دوسرا مسئلہ ہے کہ خیر وشر سب قضا وقدر کے تابع ہیں تو کفر بھی قضاء سے ہے اور تیسرا مسئلہ ہے کہ رضا بالکفر کفر ہے تو اب رضاء بالقضاء کیونکر ہوا اگر ہر قضاء کے ساتھ رضاء لازم ہے تو پھر کفر سے رضا لازم ہوگی حالانکہ رضا بالکفر کفر ہے اس کا ایک جواب تو علماء ظاہر نے دیا ہے کہ قضاء کے ساتھ تو رضا لازم ہے مگر مقضی کے ساتھ لازم نہیں اور کفر مقضی ہے قضاء نہیں تو رضا بالکفر اس لئے کفر ہے کہ اس میں رضا بالمقضی ہے اور رضا بالمقضی مطلقاً واجب بلکہ جائز بھی نہیں بلکہ اگر مقضی خیر ہے تو رضا واجب ہے اور اگر شر ہے تو جائز نہیں مگر اس جواب میں بہت تکلف ہے۔ عارفین نے اس سے بڑھ کر یہ کہا کہ رضاء بالکفر میں حیثیات کا فرق ہے یعنی ایک حیثیت تو کفر میں صدور عن العبد کی ہے اور اس درجہ میں یہ شر محض ہے اور اسی درجہ میں اس پر رضا کفر ہے اور ایک حیثیت مخلوقیہ للحق کی ہے یعنی وہ حق تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس درجہ میں وہ حکمتوں کو متضمن ہے اور اسی درجہ میں اس پر رضاء واجب ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مکسوب للعبد ہونے کی حیثیت سے اس پر رضا جائز نہیں اور مخلوق للحق ہونے کی حیثیت سے اس پر رضا واجب ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں

کفر ہم نسبت بخالق حکمت ست گر بما نسبت کنی کفر آفت است

(c) ketabton.com: The Digital Library

کفراس کی مخلوق ہونے کی بناء پر سراسر حکمت ہے اور کفر بندے سے سرزد ہونیکی بناء پر سراسر آفت ہے۔

اور عارف فرماتے ہیں

درکار خانہ عشق از کفر ناگزیرست　　　آتش کرہ بسوزد گر بولہب نباشد

دنیا میں کفر کا ہونا بھی ضروری ہے اگر کوڑا کرکٹ نہ ہو تو آگ کس طرح روشن ہو اگر ابولہب جیسے کافر نہ ہوتے تو آگ کسے جلاتی۔

یعنی حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کی حیثیت سے کفر میں بھی حکمتیں ہیں کہ اس سے صفت قہر و جلال اسم منتقم کا ظہور ہوتا ہے۔ نیز اس سے مسلمان اور مؤمنین کی رفعت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اضداد ہی سے اشیاء کا ظہور کامل ہوتا ہے نیز اس سے کارخانہ دنیا کی رونق اور ترقی ہے کیونکہ دنیا میں پوری ترقی کافر ہی کر سکتا ہے جس کو آخرت کی تجھ کو بھی فکر نہیں۔ مسلمان چونکہ آخرت کی فکر میں رہتا ہے وہ دنیا میں پوری طرح منہمک نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ ریل، کار قسم قسم کی نئی ایجادیں کیونکر ظاہر ہوتیں تو خدا تعالیٰ نے جو کفر کو پیدا کیا اس میں بہت حکمتیں ہوئیں اور بندہ کی طرف منسوب ہونے کی حیثیت سے کفر میں کوئی حکمت نہیں کیونکہ جو شخص کفر کر رہا ہے اس کا اپنے کفر سے کیا نفع ہے کچھ بھی نہیں بلکہ اس کا تو ضرر ہی ضرر ہے گو اس کے ضرر سے مجموعہ عالم کا نفع ہے مگر خاص اس کا تو سراپا ضرر ہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا باغی ہو گیا۔ پس کفر اس حیثیت سے کہ خدا کا پیدا کیا ہوا ہے اس کے ساتھ رضا لازم چنانچہ اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے کفر کو کیوں پیدا کیا یہ پیدا کرنا برا ہوا یہ کفر ہے اور اس حیثیت سے کہ یہ بندہ کا فعل ہے اس کے ساتھ رضا کفر ہے مثلاً کوئی یہ کہے کہ بہت اچھا ہوا کہ فلاں کافر ہو گیا تو یہ کفر ہے خوب سمجھ لو۔ (الوصل والفصل ملحقہ مواعظ تسلیم و رضا ص ۳۱ تا ۳۲)

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا
عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾
ترجمہ: اور ہم (سب آسمانی) کتابوں میں لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین (جنت) کے مالک میرے نیک بندے ہیں۔

تفسیری نکات

ارض جنت

یہ وہ بات ہے جو میں نے دہلی کے ایک جلسہ میں ایک عالم کے جواب میں بیان کی تھی اور یہ وہ وقت تھا کہ یونان نے ترکی حکومت کو شکست دے کر اڈریا نوپل وغیرہ فتح کر لئے تھے جس سے بعض ضعیف الاعتقاد مسلمانوں

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے دلوں میں اضطراب اور تزلزل آ گیا تھا اور ملاحدہ تو برملا کہنے لگے تھے کہ خدا بھی نصرانیت کا حامی ہے اسلام اور مسلمانوں کا حامی نہیں۔ اس پر دہلی کے بعض مخلصین نے مجھے بلایا کہ یہاں بیان کی سخت ضرورت ہے تاکہ اس قسم کے شبہات کا ازالہ کیا جائے چنانچہ میں گیا اور اس موضوع پر بیان ہوا جس میں اسی قسم کے شکوک وشبہات کا بہت خوبی کے ساتھ بحمد اللہ ازالہ کر دیا گیا اور خاتمہ بیان پر بطور اتمام حجت کے میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اب بھی کسی کے ذہن میں کچھ شبہ اور وسوسہ ہو تو ظاہر کر دے۔ ایسا نہ ہو کہ میرے جانے کے بعد یوں کہا جائے کہ یہ بات من جانب اللہ اتمام حجت کے لئے میری زبان سے نکل گئی تھی۔ ورنہ میں اس قابل نہ تھا کہ اس طرح تحدی کے ساتھ اعلان کرتا۔ اس پر ایک پنجابی عالم کھڑے ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصالحون (اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ اس زمین کے وارث و مالک میرے نیک بندے ہوں گے) پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اس کے مالک کفار ہو گئے میں نے کہا مولانا آپ تو عالم ہیں ذرا یہ تو دیکھئے کہ یہ قضیہ دائمہ ہے یا مطلقہ ہے چونکہ وہ عالم تھے اتنی ہی بات سے سمجھ گئے اور کہا بس بس میں سمجھ گیا۔ اب کچھ شبہ نہیں رہا حاصل جواب کا یہ ہوا کہ آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ زمین کے مالک ہمیشہ نیک ہی بندے ہوں گے کفار کبھی مالک نہ ہوں گے بلکہ اس میں اطلاق کے ساتھ یہ وعدہ ہے کہ میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے اور اطلاق کے صدق کے لئے ایک بار وقوع کافی ہے۔ چنانچہ بحمد اللہ حضرات صحابہ روئے زمین کے مالک بن چکے ہیں زمانہ عروج اسلام میں کوئی سلطنت مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتی تھی اور یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ آیت میں ان الارض سے مراد یہی دنیا کی زمین ہے ورنہ ظاہراً آیت کے سیاق وسباق سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ارض جنت ہے۔ جنت کی زمین کے مالک نیک بندے ہوں گے۔ اس پر کچھ بھی اشکال نہیں خوب سمجھ لو۔

فرمایا کہ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصالحون سے جو نصرت عباد صالحین معلوم ہوتی ہے وہ کسی دلیل سے دوامی نہیں ہے بلکہ اگر ایک بار بھی اس کا وقوع ہو گیا پیشین گوئی صادر ہو گئی اور یہ پیشین گوئی زبور میں امت محمدیہ کی نسبت ہے۔

جاہ کیلئے خواہش سلطنت مذموم ہے

احکام کی پابندی کے اختیار کئے ہوئے حکومت یا سلطنت کا حاصل کرنا ایسا ہے جیسے بلا وضو کے نماز پڑھنا یا بدوں منتر جانے ہوئے سانپ پکڑنا جس کا انجام ہلاکت ہے اور اگر بالفرض چندے یہاں حکومت کر بھی لی تو آخرت کی زندگی تو برباد ہو جائے گی اصل چیز تو وہی ہے۔ جس کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی اور وہ ایمان اور اعمال صالحہ ہیں ایمان کی حفاظت کرو اور اعمال صالحہ اختیار کرو پھر اس پر خوشخبری ہے بشارت ہے جس کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ان الارض یرثها عبادی الصالحون (اس زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے)

یہ بیان تو ان کے لئے تھا جو جاہ کے لئے حکومت اور سلطنت کے خواہاں اور جویاں ہیں باقی اہل اللہ اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

خاصان حق جن کو تم نظر تحقیر سے دیکھتے ہو کہ وہ خستہ حالت میں ہیں میلے کچیلے ہیں بے سروسامانی ان کی رفیق ہے وہ ان چیزوں کی پرواہ نہیں کرتے گو بضرورت سلطنت بھی حاصل کرلیں اور ان میں بھی کوشش کریں کہ اپنے کو اس سے علیحدہ رکھ کر دوسرے کے سپرد کردیں اور اگر بادل نخواستہ ان کے ذمہ پڑ جاوے تو پھر اس کے پورے حقوق ادا کریں۔ میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ یہی حضرات کچھ ساتھ لیجانیوالے ہیں تم نے جن سامانوں کو قبلہ و کعبہ بنا رکھا ہے وہ تم ہی کو مبارک ہوں وہ تو ان سامانوں کو حجاب اور وبال جان خیال کرتے ہیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب باہان ارمنی کے دربار میں اپنے اسیروں کو چھڑانے کیلئے تشریف لے گئے تو آپ نے دربار کا فرش دیبا اور حریر کا اٹھا کر پھینک دیا اور اس کے سوال پر جواب میں فرمایا کہ تیرے فرش سے ہمارے اللہ کا فرش افضل ہے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ جب آپ نے یہ آیت قرآن پاک کی سنی "والارض فرشنها" (اور ہم نے زمین کو فرش بنایا ہے) اسی وقت اپنے پاؤں سے جوتے نکال کر پھینک دیئے کہ خدا کے فرش پر جوتے پہن کر چلنا خلاف ادب ہے (یہ غلبہ ہے حال کا جو خوبی ہے مگر حجت نہیں) اب سنیئے کہ تمام چرند پرند کو حکم ہو گیا جس جس طرف بشر حافی کا گزر ہو کوئی بیٹ نہ کرنے پاویں۔ غرض ہماری عزت اس ظاہری سامان سے تھوڑا ہی ہے۔ اگر عزت ہے تو بے سروسامانی ہی میں ہے جو عبدیت سے مسبب ہو اسی کو فرماتے ہیں۔

اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد زیر بارند درختاں کہ ثمر ہا دارند
دلبر ماست کہ باحسن خداداد آمد دلفریباں نباتی ہمہ زیور بستند

(پھل دار درخت زیر بار رہتے ہیں مبارک ہو سرو کہ وہ تمام غموں سے آزاد ہے حسینان جہاں کو بناؤ سنگھار کی ضرورت ہوتی ہے اور ہمارے محبوب کو حسن خداداد حاصل ہے)

حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بادشاہ سنجر نے ایک مرتبہ لکھ کر بھیجا معلوم ہوا کہ حضرت کے خدمت میں اکثر مجمع خدام کا رہتا ہے اگر اجازت ہو تو ایک ملک کا خدام کے لئے حضرت کی خدمت میں پیش کردوں حضرت نے جواب میں بھیجا۔

دردل اگر بود ہوس ملک سنجرم چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب

(اگر میرے دل میں ملک سنجر کی ہوس ہو تو جس طرح سنجر کا چتر سیاہ ہے میرا نصیب بھی سیاہ ہو اور جس وقت سے ملک نیم شب (یعنی عبادت نیم شبی) کی مجھے خبر ہوئی ہے میں تو ملک نیم روز کو ایک جو کے بدلے میں بھی نہ خریدوں)

ایک بزرگ کو کسی بادشاہ نے لکھا تھا کہ ہم مرغ کھاتے ہیں اور تم خشک روٹی ہم دیبا اور حریر پہنتے ہیں اور تم گدڑی اوڑھتے ہو تم بڑی مصیبت میں اور تکلیف میں ہو تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری خدمت کریں گے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور یہاں پر تم کو کوئی تکلیف نہ ہو گی ان بزرگ نے جواب میں لکھا۔

خوردن تو مرغ مسمی دے — طعمہ مانا تک جوین ما
پوشش تو اطلس و دیبا حریر — بخیہ زدہ خرقہ پشمین سا

اور آخر میں فرمایا:

نیک ہمیں است کہ ے بگذرد — راحت تو محنت دوشین ما
باش کہ تا طبل قیامت زنند — آن تو نیک آید و یارین ما

(الافاضات الیومیہ ص ۲۸ ج ۵)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ: اور ہم نے (ایسے مضامین نافعہ دے کر) آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں کے لئے (مکلفین) پر مہربانی کرنے کے لئے

تفسیری نکات

شان رحمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین میں تو یہی امر محل سوال ہے کہ عالمین سے مراد کیا ہے اور عالمین کے لئے رحمت ہونے کا کیا مطلب ہے۔ مشہور یہ ہے کہ عالمین اپنے عموم پر ہے اور اس عموم میں کفار بھی داخل ہوں گے اور چونکہ آیت میں کوئی تحدید و توقیت نہیں ہے تو لازم آئے گا کہ کفار کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں سبب رحمت ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کفار پر آخرت میں آپ کی رحمت کس طرح ظاہر ہو گی۔

بعض علماء نے جواب دیا کہ اگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود نہ ہوتا تو کفار کو آخرت میں اب سے زیادہ عذاب ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس میں کچھ کمی تجویز کی گئی ہے مگر میرے دل کو یہ جواب نہیں لگتا کیونکہ اس دعوے پر کوئی دلیل قائم نہیں کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو عذاب زیادہ تجویز کیا جاتا۔ دوسرے جہنم کا عذاب قلیل بھی ایسا شدید ہے کہ ہر شخص یوں سمجھے گا کہ میں سب سے زیادہ عذاب میں ہوں۔ تو اس قلت سے ان کو نفع کیا ہوا۔

میرے ذہن میں جو اس کا جواب آیا ہے وہ یہ ہے کہ عالمین سے مراد تو معنی عام ہی ہیں۔ مگر رحمت سے مراد خاص وہ رحمت ہے جس کا تعلق ارسال سے ہے یعنی رحمت فی الدنیا۔ کیونکہ ارسال دنیا ہی کے ساتھ خاص

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے آخرت سے اس کو کوئی علاقہ نہیں اور دنیا میں جو آپ کی رحمت مومنین و کفار سب کو عام ہے وہ رحمت ہدایت وایضاح حق ہے چنانچہ قرینہ مقام اسی پر دلالت کر رہا ہے اس لئے کہ پہلے تبلیغ ہی کا ذکر ہے۔

ان فی ھذا البلاغاً اس میں کافی مضمون ہیں

لقوم عابدین ایسے لوگوں کے لئے جو بندگی کرتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ پھر اس میں آپ کی تخصیص کیا ہے۔ ہدایت ایضاح حق میں تو تمام انبیاء آپ کے شریک ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تخصیص محض رحمت کے اعتبار سے نہیں بلکہ مجموعہ رحمۃ للعلمین کے اعتبار سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام عالمین سے مراد تمام مکلفین کے لئے ہادی بن کر آپ ہی مبعوث ہوئے ہیں اور عالمین کے لئے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وما ارسلناک الا رحمة للعالمین یعنی نہیں بھیجا ہم نے آپ کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر جہانوں کی رحمت کے واسطے۔ دیکھئے عالمین میں کوئی تخصیص انسان یا غیر انسان یا مسلمان یا غیر مسلمان کی نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود ہر شے کے لئے باررحمت ہے۔ خواہ وہ جنس بشر سے ہو یا غیر جنس بشر سے اور خواہ حضور سے زمانہ متاخر ہو یا متقدم۔

متاخرین کے لئے رحمت ہونا تو بعید نہیں لیکن پہلوں پر رحمت ہونے کے لئے بھی حضور کا ایک وجود سب سے پہلے پیدا فرمایا اور وہ وجود نور کا ہے کہ حضور اپنے وجود نوری سے سب سے پہلے مخلوق ہوئے ہیں اور عالم ارواح میں اس نور کی تکمیل وتربیت ہوتی رہی آخر زمانہ میں اس امت کی خوش قسمتی سے اس نور نے جسد عنصری میں جلوہ گر و تاباں ہو کر تمام عالم کو منور فرمایا۔ پس حضور اولاً آخراً تمام عالم کے لئے باعث رحمت ہیں۔ پس حضور کا وجود تمام نعمتوں کی اصل ہونا عقلاً ونقلاً ثابت ہوا تو ایسا کون مسلمان ہوگا کہ جو حضور کے وجود باجود پر خوش نہ ہو یا شکر نہ کرے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الحَجّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَکَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ

ترجمہ: اے مخاطب کیا تجھ کو عقل سے یا مشاہدہ سے یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی اپنی حالت کے مناسب سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو کہ زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے (تو) آدمی بھی۔

تفسیری نکات

ارض وسموات، شمس وقمر وغیرہ سب مطیع ہیں

الم تران اللہ یسجدلہ من فی السموات و من فی الارض والشمس و القمر والنجوم والجبال والشجر والدواب و کثیر من الناس اگران سے عصیان ہوتا بوجہ اس کے کہ اس قول میں ان کی طرف بھی نسبت ہے اور یہ مکلف ہیں اس لئے ضرور تھا کہ یہ معذب بھی ہوں مگر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں عصیان نہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے سموات و ارض و شمس و قمر و دواب سب کے متعلق بلا استثناء کے یسجدلہ فرمایا ہے اور ناس کے لئے کثیر کی قید بڑھائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس میں تو بعض مطیع اور بعض عاصی ہیں مگر اور مخلوقات میں سب مطیع ہیں اور آیت میں ناس سے مراد انس و جن دونوں ہیں کیونکہ ناس کا ترجمہ ہے لوگ جن کو بھی کہتے ہیں مگر ایک طالب علم تھے وہ جانوروں کو بھی لوگ کہا کرتے تھے ایک دفعہ کہنے لگے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ بندر لوگ بڑے شریر ہیں مگر محاورہ میں لوگ صرف انس وجن کو کہتے ہیں غرض انس وجن میں تو دو قسمیں ہیں بعض فرمانبردار بعض نافرمان اور جوان کے سوا ہیں وہ سب فرمانبردار ہیں لہٰذا شمس وقمر کا غیر معذب ہونا واضح ہو گیا اس کے خلاف کا احتمال ہی نہیں گو طالب علمی کے زمانہ میں ایک شخص مجھ سے جھگڑ رہے تھے کہ یہ بھی معذب ہوں گے اور سبب یہ بتلاتے تھے جو چیزیں سبب معصیت ہوئی ہیں وہ بھی معذب ہونی چاہئیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ سبب معصیت ہونا جو بلا اختیار ہو وہ معذب ہونے کو مستلزم ہے نہ وہ جو کہ سبب بلا اختیار ہو چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ تسبب بلا اختیار معصیت نہیں ہے۔ فقہاء اور صوفیہ ہی شریعت کو خوب سمجھنے والے ہیں ان ہی دونوں گروہ نے شریعت کے اسرار کو خوب سمجھا ہے گو بعضے فقہاء اور صوفیہ میں لڑائی بھی رہی ہے مگر جو حضرات جامع شریعت وطریقت ہوئے ہیں وہ کبھی نہیں لڑے شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ محقق وہ ہے جس میں تین وصف ہوں۔ فقیہہ ہو محدث ہو صوفی ہو محققین میں لڑائی نہیں ہوئی ہاں غیر محققین میں ہوئی ہے۔

چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند

غرض فقہاء نے یہ مسئلہ سمجھا ہے کہ مطلق سبب بننا معصیت نہیں اس لئے جو چیزیں بلا اختیار سبب معصیت ہوئی ہیں وہ معذب نہ ہوں گی۔

صورۃ تعذیب

البتہ اس میں کلام ہے کہ شمس وقمر آیا اپنی جگہ رہ کر جہنم میں ہوں گے یا ان کی اپنی جگہ سے ہٹا کر جہنم میں ڈالا جائے گا۔ جمہور کی رائے ہے کہ دونوں کو ہٹا کر جہنم میں ڈالا جاوے گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم بھی بہت بڑی ہے اس لئے کہ یہ اجرام یعنی شمس وقمر کوئی چھوٹی سی چیز نہیں ہے شمس زمین سے ہزاروں حصہ بڑا ہے ایسے ہی قمر کو سمجھنا چاہیے بایں ہمہ مثل گولے کے جہنم میں پھینک دیئے جاویں گے مگر شیخ اکبرؒ کا کشف ہے کہ شمس وقمر اپنی جگہ رہیں گے اور جہنم میں بھی ہوں گے اور وہ اس طرح کہ جہنم کو ان کی مستقر تک بلکہ اس سے بھی آگے بسط دیا جاوے گا یعنی جہنم کی آگ میں بسط ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسی ہانڈی ڈھکی ہوئی پک رہی ہو اور پھر اس کو کھول دیا جاوے تو اس کی گرمی پھیل جاتی ہے اسی طرح جب جہنم کو کھول دیا جاوے گا تو اس کی حرارت پھیل جاوے گی جس سے سمندر وہوا سب آگ بن جاویں گے حتیٰ کہ آسمان تک حرارت پہنچے گی جو آفتاب وقمر کو بھی محیط ہو جاوے گی اور آفتاب وقمر دونوں اس میں داخل ہوں گے یہ صورت ہوگی شمس وقمر کے اپنی جگہ رہنے کی اور جہنم میں بھی ہونے کی اور پھر جہنم کی آگ متجاوز ہو کر ساتویں آسمان کے مقعر تک پہنچے گی اور وہاں بہت ہی لطیف ہو جائے گی کہ اس کی لطافت میں لذت ہوگی اور جنت کے میوے اسی لطیف گرمی سے پکیں گے اور جنت ساتویں آسمان کے محدب پر ہوگی اس کشف کی قرآن وحدیث نہ تائید ہی کرتا ہے اور نہ تکذیب ہی کرتا ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کشفیات میں ہم شیخ اکبرؒ کے تابع نہیں ہیں لیکن اگر کوئی اس کا قائل بھی ہو مگر جزماً نہیں تو کچھ حرج بھی نہیں کیونکہ جیسے تائید نہیں ویسے تکذیب بھی نہیں یہ فائدہ کے طور پر بیان کر دیا۔ بہرحال یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کہ کوئی جہنم میں ہو اور معذب نہ ہو تو اس بناء پر ممکن تھا کہ اہل جنت دوزخ میں بھیج دیئے جاتے اور معذب نہ ہوتے مگر حق تعالیٰ کی رحمت کو دیکھئے یہ احادیث میں آتا ہے کہ جب جنت میں اہل جنت داخل ہو چکیں گے پھر اس میں جگہ باقی رہ جاوے گی تو حق سبحانہ تعالیٰ ایک مخلوق کو پیدا کریں گے کہ وہ اس میں رہا کرے گی اسی طرح جب جہنم باوجود اہل جہنم کے داخل ہونے کے ھل من مزید کہتی رہے گی اس کے لئے حق تعالیٰ یہ نہ کریں گے کہ کسی مخلوق کو پیدا کر کے اس میں داخل کریں اور اس کا پیٹ بھر دیں گو وہ باوجود جہنم میں ہونے کے معذب بھی نہ ہوتے۔ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ بلا وجہ عذاب کی صورت کو بھی گوارا نہیں فرماتے کہ کسی کو پیدا کر کے اس میں صورۃً بھی داخل فرمائیں یہ عین رحمت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ دوزخ کے پکارتے رہنے پر حق تعالیٰ اپنا قدم اس پر رکھ دیں گے تو وہ کہے گی بس بس اس حدیث کے معنی اول تو واللہ اعلم کہلائیں گے اور اگر کوئی بات بھی سمجھ میں آوے مگر وہ بات مجلس عام میں کہنے کے قابل نہیں اسلم طریق یہی ہے۔

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اور جو شخص اس میں (یعنی حرم میں) کوئی خلاف دین کام (قصداً کفر و شرک) کرے گا تو ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

تفسیری نکات

جس طرح مکہ میں طاعات کا ثواب اور مقامات سے زیادہ ہوتا ہے اسی طرح معاصی کا گناہ بھی اور جگہ سے زیادہ ہوتا ہے۔

مفسرین نے ومن یرد فیه بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم

مکہ میں معاصی کا گناہ اور مقامات سے زیادہ ہے

کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ مکہ میں نیت معصیت پر بھی کامل مواخذہ ہوتا ہے اس لئے حاجی صاحب ہر شخص کو ہجرت کی اجازت نہ دیتے تھے۔ آپ دو قسم کے لوگوں کو ہجرت سے منع کرتے تھے ایک تو کٹے دنیاداروں کو۔ کیونکہ یہ لوگ مکہ کے حقوق کیا ادا کریں گے۔

دوسرے علماء اور مقتداؤں کو علماء کو اس لئے روکتے تھے کہ ان کی ہجرت سے ہندوستان تو بم پلیس ہو جائے گا۔ اگر سارے علماء مکہ چلے جائیں گے تو ہندوستان میں فیض کون پہنچائے گا۔ اس لئے گو ان کا دل مکہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

جانے کو کتنا ہی چاہے اور یہ وہاں کے حقوق بھی ادا کر سکیں۔ مگر ان کو ہندوستان ہی میں رہنا ضروری ہے بس قید خانہ ہی میں رہیں اور تڑپتے رہیں۔ ان کی یہی ہجرت ہے ان کو ہجرت کر کے مکہ جانا جائز نہیں جبکہ یہ اندیشہ ہو کہ ہمارے جانے سے یہاں دین کا کام مختل ہو جائے گا۔ فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کسی وقت جہاد کا موقعہ ہو تو عالم بلد کو جس کے سوا شہر میں کوئی عالم محقق نہ ہو۔ جہاد میں شرکت جائز نہیں اس کو اپنے گھر ہی پر رہنا چاہیے۔ آج کل لوگ تحریکات کو لئے پھرتے ہیں اور حدود کو نہیں دیکھتے۔

صاحبو! یہاں تو ہر کام کے لئے حدود ہیں۔ چنانچہ جہاد ہجرت کی ہر ایک کو اجازت نہیں۔ بلکہ اس کے لئے بھی حدود ہیں اگر یہ حدود نہ ہوتے اور ان اہل تحریکات کی طرح شریعت بھی بے اصولی سے کام لیتی تو نہ معلوم یہ دین کب کا فنا ہو گیا ہوتا۔ مگر شریعت کے قربان جایئے کہ اس نے ہر کام کے لئے حدود مقرر کر دی ہیں۔

وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: اور (ابراہیم علیہ السلام سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں حج کے فرض ہونے کا اعلان کر دو لوگ تمہارے پاس چلے آئیں گے پیدل بھی دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تاکہ اپنے دینی و دنیوی فوائد کے آموجود ہوں اور اس لئے آئیں گے تاکہ ایام مقررہ (ایام قربانی) میں ان مخصوص چوپایوں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں پس ان جانوروں میں سے تم بھی کھایا کرو اور محتاج کو بھی کھلایا کرو۔

تفسیری نکات

حق سبحانہ وتعالیٰ کا ایک بڑا انعام

اول ترجمہ وتفسیر کیا جاتا ہے اس کے بعد عام اجزاء فضیلت پر اس کا انطباق بیان کر دیا جاوے گا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے واذن فی الناس بالحج اس میں ابراہیم علیہ السلام کو خطاب ہے ارشاد ہے کہ اے ابراہیم

(c) ketabton.com: The Digital Library

لوگوں میں پکارو حج کے واسطے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس فرمان کی اس طرح تعمیل
کی کہ پہاڑ پر کھڑے ہو کر پکارا کہ اے لوگو تمہارے رب نے ایک گھر بنایا ہے اس کا حج کرو حدیث میں آیا
ہے کہ اس آواز کو تمام آسمان کے لوگوں نے سنا۔ بزرگوں نے کہا کہ جس نے خود یا اس کی روح نے لبیک کہا
اس کو حج نصیب ہوتا اور جس نے نہیں کہا وہ نہیں جاتا آگے ارشاد ہے یاتوک رجالاً و علی کل ضامر
یعنی اس آواز دینے اور پکارنے کا اثر یہ ہوگا کہ لوگ تمہارے پاس پیادہ اور ہر دبلی سواری پر آویں گے مطلب
یہ ہے کہ بڑی بڑی دور سے آویں گے کہ آتے آتے جانور سواری کے دبلے ہو جاویں گے یاتین من کل فج
عمیق آویں گی وہ سواریاں ہر راستہ دور دراز سے ایک حکایت یاد آئی کہ بوستان میں جو ہے حوالیہ من
کل فج عمیق ایک میانجی نے اس کا ترجمہ یہ بتلایا تھا کہ خانہ کعبہ کے گرد بڑی بڑی کھائیاں ہیں لیشھد
وامنافع لھم تاکہ حاضر ہوں وہ اپنے منافع پر یعنی یہاں آ کر ان کو کچھ منافع ہوں گے اور وہ منافع عام ہیں
خواہ اخروی ہوں کہ ثواب ہوتا ہے اور یا دنیوی کہ حج کے اندر لوگ جمع ہوتے ایک دوسرے سے مل کر خوش
ہوتے ہیں اور بہت سے منافع دنیویہ اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات
علی مارزقھم من بھیمۃ الانعام یعنی یہاں آنے پر دو غایتیں مرتب ہوں گی ایک تو منافع اخرویہ اور
دنیویہ جس کا بیان لیشھدوا منافع لھم میں ہے اور دوسری یہ کہ اللہ کا نام ذکر کریں۔ چند ایام معلومہ میں
ان اہلی جانوروں پر جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر پس ان سے تم بھی
کھاؤ اور تنگدست فقیر کو بھی کھلاؤ ہر چند کہ یہاں ذکر حج کا ہے لیکن قربانی جس کے متعلق یہ آیتیں ہیں یہ تو عمل
مشترک ہے اس لئے ان آیتوں سے مطلق قربانی کی فضیلت بھی مستنبط ہو سکتی ہے بہر حال یہ تو تفسیر تھی ان
آیتوں کی اب وجوہ فضیلت کا استنباط سنئے علی مارزقھم من بھیمۃ الانعام میں اشارہ ہے اس عمل کی
حقیقت جنسیہ و نوعیہ کی طرف اس لئے کہ جانور بدوں مال کے خرچ کئے ہوئے نہیں آتا اور ان پر اللہ کا نام لینے
سے مراد ذبح کرنا ہے کہ جو اشارہ ہے حقیقت نوعیہ کی طرف فی ایام معلومات سے اس زمانہ کی فضیلت
ثابت ہوئی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جانے پہچانے دن فرمایا لیشھدوا منافع لھم سے مکان کی طرف
اشارہ ہے اس لئے کہ حاضر ہونا مکان میں ہوتا ہے مشہود مکان ہوتا اور شاہد زمان اس میں مشہور مکان کو شہود
منافع سے تعبیر فرمایا ہے رہا بانی کا ذکر وہ اذن فی الناس میں ہے غایت کا ذکر لیشھدوا منافع لھم میں
ہے کہ جو متضمن ہے نفع دنیوی و نفع اخروی کو اور علی مارزقھم سے اشارہ اس طرف ہے کہ باوجود ذبح
ہونے کی بھی نسبت اس کو ہم سے یعنی ذاکحسین سے قطع نہیں ہوئی چنانچہ آگے فکلو مھا واطعموا اس پر
صاف دلیل ہے کہ وہ جانور ملک سے نکلتا نہیں ہے اور یہ اس واسطے فرمادیا تاکہ نفس اس بات پر مچلے نہیں اور
اس کو سہولت نظر آتی رہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کا شکر اگر اپنے انتفاع پر موقوف ہوتو آدمی کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

چاہیے کہ کھایا پیا کرے اور یذکروا اسم اللہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ اللہ کا نام لینا نفع اخروی ہے مگر اس میں ایک نفع دنیوی بھی ہے وہ یہ کہ اللہ کا نام لینے سے جانور کے اندر حلت آ جاتی ہے اور وہ قربانی کے لائق ہو جاتا ہے اور یہاں سے ایک شبہ بھی دفعہ ہوتا ہے تقریر شبہ کی یہ ہے کہ اہل جاہلیت کہا کرتے تھے کہ اس کی کیا وجہ ہے تمہارا مارا ہوا جانور تو حلال ہو اور اللہ کا مارا ہوا حرام ہو یعنی ذبیحہ حلال ہو اور مردار حرام اس کا جواب یہاں سے نکل آیا کہ ذبیحہ جو کھانے کے قابل ہوتا ہے وہ بھی اللہ ہی کے نام کی برکت ہے پس دونوں اللہ تعالیٰ ہی کے مارے ہوئے ہیں ہمارا مارا ہوا نہیں کیونکہ جان تو وہی نکالتا ہے باقی یہ فرق کہ ایک حلال اور ایک حرام تو وجہ یہ ہے کہ یہاں اللہ کا نام لیا گیا ہے اس کی برکت سے اس میں حلت آ گئی اور وہاں نہیں لیا گیا اس لئے حرام رہی اور دوسرے فرق کی وجہ یہ ہے کہ ذبیحہ میں سے دم مسفوح جو نجس ہے نکل جاتا ہے اور مردار میں وہ خون تمام بدن میں سما جاتا ہے پس حلت دونوں باتوں کے مجموعہ کا یعنی ذکر اسم اللہ اور خروج دم مسفوح کا اثر ہے اور کلوا سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ غنی کو بھی کھانا جائز ہے یہ حق تعالیٰ کا بڑا انعام ہے جو بہ برکت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم کو عطا ہوا ہے ورنہ امم سابقہ میں یہ ہوتا تھا کہ قربانی کو ایک پہاڑ پر رکھ دیتے تھے ایک آگ آتی تھی جس کی قربانی کو اس نے جلا دیا وہ مقبول ہوتی تھی ورنہ مردود الحمد للہ کہ پانچوں وجہ فضائل کے قرآن مجید سے بھی صاف طور پر ثابت ہو گئیں میرا مقصود فضائل بیان کرنے سے یہ ہے کہ لوگوں کو قربانی کی حقیقت معلوم ہو جاوے اور اس کی طرف رغبت ہو باقی احکام اگر کسی کو دریافت کرنا ہو تو مدرسہ میں آ کر دریافت کر لے اب اس سننے کا اثر یہ ہونا چاہیے کہ جن کے ذمہ واجب ہے وہ تو ضرور ہی کریں اور ان شاء اللہ تعالیٰ کریں گے باقی جن کے ذمہ واجب نہیں لیکن وسعت اس قدر ہے کہ اگر ایک حصہ قربانی کا کر لیں تو اس زائد خرچ کی وجہ سے کسی حق واجب میں فرق نہ آوے وہ لوگ بھی مناسب ہے کہ کریں اس کی فضیلت ایسی ہے کہ اس کا چھوڑنا بہت بڑے نفع سے محروم رہنا ہے اور جس کو بالکل ہی وسعت نہ ہو وہ مجبور ہو اور غریب کو قربانی کرنے کا مناسب اور مستحب ہونا بھی اسی آیت سے معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ ارشاد ہے کہ یاتوک رجالا کہ وہ تیرے پاس پیادہ آئیں گے اور ظاہر ہے کہ جو پیادہ آئے گا وہ غریب ہی ہوگا۔

اسلام کا حاصل

لیشھدوا منافع لھم ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی مارزقھم من بھیمۃ الانعام

تاکہ حاضر ہوں اپنے منافع کے پاس یہ عام ہے خواہ منافع دینی ہوں یا دنیوی اور دینی منافع میں تو بہت بڑا نفع یہ ہے کہ وہاں طاعت کرنے کی کتنی بڑی فضیلت ہے اور دنیوی نفع یہ کہ بہت سی آبادی ہوگی اس میں تجارت کریں گے زراعت کریں گے اور بہت سے فائدے اٹھائیں گے مگر فرق اس مقام کی تجارت میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور یہاں کی تجارت میں یہ ہے کہ یہ الاعانۃ علی الدین (دین کی اعانت کی وجہ سے) ہونا چاہیے یعنی حج میں تجارت کا مال ساتھ لے جانے میں نیت یہ ہو کہ اگر مال ہوگا اطمینان رہے گا ورنہ پریشانی ہوگی۔

اور بھلا حج تو عبادت ہے اس میں دنیا کیا مقصود ہوتی جہاں کسب دنیا کا بھی ذکر ہے وہاں بھی اس کو مقصود نہیں ہونے دیا اس کے ساتھ ہی دین کے مقصود بنانے کا حکم دیا چنانچہ جمعہ کے باب میں جہاں فرمادیا۔

فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ (پھر جب نماز جمعہ پوری ہو چکے تو اس وقت اجازت ہے تو تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو)

اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا۔

واذکروا اللہ کثیراً ''خوب کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو''۔

غرض دنیا محض کی کہیں بھی اجازت نہیں اور جب اسلام کا یہ حاصل ہے کہ اس میں دنیا محض ہے ہی نہیں تو مسلمان کو یہ نہ کہنا چاہیے کہ ہم دنیادار ہیں اصل دنیادار تو صرف کافر ہی ہیں تم شرائع کا التزام کرتے ہو یا نہیں کرتے ہو جب تم شرائع کا التزام کرتے ہو تو پھر دیندار ہو دنیادار کہاں سے آئے۔

فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر پھر کھاؤ ان میں سے یہاں سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔

تین بڑے عمال

اب تک ابراہیم کو خطاب تھا مگر چونکہ وہ بھی بلا انکار تھا۔ اس لئے ہمیں بھی تھا یعنی ان میں سے تم بھی کھاؤ واطعموا البائس الفقیر اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ۔

یہ مطلب نہیں کہ اغنیاء کو مت کھلاؤ نہیں اغنیاء کو بھی کھلاؤ چنانچہ کلوا سے یہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اگر کسی غنی نے قربانی کی تو وہ بھی کلوا میں داخل ہے تو غنی کو بھی کھانا جائز ہوا تو اس کو کھلانا بھی جائز ہوا بلکہ چاہے سب کھالو کسی کو بھی مت کھلاؤ نہ فقیر کو نہ غنی کو مگر مستحب وہی ہے۔

ثم لیقضوا تفثھم پھر اپنا میل کچیل دور کریں یعنی بال منڈائیں ناخن کتائیں نہائیں دھوئیں بدن کو صاف کریں ولیوفوا نذورھم اور چاہیے کہ اپنی منتوں کو پورا کریں نذور سے مراد مطلق واجبات کہ وجوب میں مثل منذور کے ہیں ولیطوفوا بالبیت العتیق اس کو عتیق اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ معتق و محفوظ ہے جبابرہ سے حق تعالیٰ نے اسے آزاد رکھا ہے یعنی اور چاہیے کہ بیت عتیق کا طواف کریں۔

اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس میں تینوں عمل مذکور ہیں حج بھی قربانی بھی انفاق مال بھی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝

ترجمہ: جو شخص دین خداوندی کے ان (مذکورہ) یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا خدا تعالیٰ کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔

تفسیری نکات

علامات دین کی تعظیم کا سبب

خلاصہ پوری آیت کا یہ ہے کہ جو شخص علامات دینی یعنی اعمال کی تعظیم کرے گا یعنی ان کو موافق شریعت کے ادا کرے گا فانہا یعنی یہ ان اعمال کی تعظیم من تقوی القلوب قلوب کے تقویٰ سے ناشی ہونے والی ہے یعنی یہ علامت ہے کہ خدا تعالیٰ کا خوف اس شخص کے دل میں ہے کیونکہ خوف خدا ہی ایک ایسی شے ہے کہ جو تعظیم شعائر الله کا باعث ہے۔ اگر کوئی کہے کہ حکومت سے بھی تعظیم شعائر کی متصور ہو سکتی ہے جواب یہ ہے کہ حکومت سے جو تعظیم ہو گی وہ صورت تعظیم ہو گی۔ تعظیم کی جو حقیقت ہے وہ نہ ہو گی۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین نماز پڑھتے تھے لیکن اس لئے نہ پڑھتے تھے کہ خدا ہم سے راضی ہو بلکہ یہ غرض تھی کہ مسلمان ہم سے راضی ہو جائیں۔ بتلایئے کہ حکومت سے حقیقت کہاں پائی گئی پس جو کوئی تعظیم شعائر اللہ کرے گا وہ قلوب کے تقویٰ ہی سے ہو گی یعنی خوف خدا ہی اس کا منشا ہو گا کسی قاعدہ اور قانون اور ضابطے سے نہ ہو گی اور جملہ فانھا من تقوی القلوب (یعنی ان کی تعظیم قلوب کے تقویٰ سے ہوتی ہے) قائم مقام جزا کے ہے اور اس جزاء کی علت ہے جزاء محذوف ہے اور جزا یہ ہے فانہ متق قلبہ (اس کا قلب متقی ہے) یعنی جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے اس کا قلب متقی ہے کیونکہ یہ تعظیم تقوی ہی سے ہوتی ہے اور قلوب کا لفظ جو بڑھایا ہے اس سے ایک مسئلہ واضح ہو گیا وہ یہ کہ تقویٰ قلب کی صفت ہے چنانچہ حدیث شریف بھی ہے التقویٰ ھھنا و اشار الی صدرہ (یعنی تقویٰ اس جگہ سے اور آپ نے اپنے قلب کی طرف اشارہ کیا) اور یہاں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محض اپنے کو متقی جاننے سے متقی نہیں ہوتا جب تک قلب اضداد تقویٰ سے پاک نہ ہو۔ البتہ دوسروں کی نسبت تو یہ عمل چاہیے کہ

ہر کرا جامہ پارسا بینی   پارسا بین و نیک مرد انگار

(جس شخص کو پارسائی لباس میں دیکھو اس کو پارسا اور نیک مرد سمجھو لیکن اپنے کو متقی جاننا جیسا آج کل مرض ہے یہ آفت ہے)

(c) ketabton.com: The Digital Library

قاعدہ کلیہ

حق تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ جس میں قربانی وغیرہ کے تمام احکام داخل ہو گئے ارشاد فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ذالک یہ مبتداء ہے خبر اس کی محذوف ہے یا خبر ہے مبتدا اس کا محذوف ہے مطلب اس جملہ کا قریب قریب اس کے ہے جیسے ہماری زبان میں کہتے ہیں کہ یہ بات گزشتہ تو ختم ہوگئی اب ایک اور بات سنو اس سے کلام سابق اور کلام لاحق میں فصل ہو جاتا ہے عربی میں اس غرض کے لئے مفید لفظ ذالک ہے اور دوسری کتب مؤلفہ ومصنفہ میں گو ایسے الفاظ کم وارد ہوتے ہوں لیکن قرآن مجید کا طرز تصنیف وتالیف کا نہیں بلکہ محاورات وعادات کے موافق ہے مصنفین کا طرز دوسرا ہے۔ پس ارشاد ہے کہ دوسری بات سنو کہ جو شخص اللہ کے شعائر یعنی علامات کی تعظیم کرے گا جزا آگے ہے۔

مفہوم شعائر

اول دو چیزیں سمجھنا چاہئیں اول یہ کہ شعائر کیا ہیں اور ان کی تعظیم کیا ہے شعائر بمعنی علامات اعمال ہیں دین کے۔ اس لئے کہ ان اعمال سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دیندار ہے جیسے نماز حج وغیرہ۔ اگر کوئی کہے کہ صلوٰۃ تو خود دین ہے علامت دین کے کیا معنی؟ بات یہ ہے کہ ہر شے کی ایک صورت ہوا کرتی ہے اور ایک حقیقت اور وہ صورت علامت ہوتی ہے وجود حقیقت پر اسی طرح دین کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ مثلاً صلوۃ ارکان مخصوصہ اس کی صورت ہے اور حقیقت صلوۃ جدا شے ہے جس کا تعلق زیادہ قلب سے ہے چنانچہ اگر ایمان ونیت نہ ہو۔ حقیقت نماز کی نہ پائی جائے گی اور ان دونوں کا تعلق ظاہر ہے کہ قلب سے ہے اسی طرح ہر عمل کو سمجھنا چاہیے۔ پس صورت دین اور شے ہے اور حقیقت دین سے آخر۔ اور یہ صورتیں اعمال کی علامات ہیں دین کی ان کو ہی شعائر فرمایا ہے پس مفہوم شعائر کا متعین ہو گیا۔

تعظیم شعائر

اب تعظیم شعائر کی حقیقت معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کیا ہے تعظیم شعائر یہ ہے کہ ان اعمال کا حق جس طرح شریعت مطہرہ نے حکم فرمایا ہے ادا کیا جائے حاصل آیت کا یہ ہوا کہ جو شخص اعمال دین موافق احکام الٰہیہ ادا کرے اب اس ترجمہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ مضمون عام ہے قربانی اور غیر قربانی سب اس میں داخل ہیں میں نے جو اول اس مضمون کے عموم کا دعویٰ کیا تھا وہ ثابت ہو گیا

لن ینال اللہ لحومها ولا دماء ها ولكن يناله التقوىٰ منكم (یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس نہ انکا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون ولیکن اس کے پاس تمہارا التقویٰ پہنچتا ہے)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اھل ظاہر کی غلطی

صوفیوں کی یہاں بھی رعایت فرمائی کہ پہلے لن ینال اللہ میں اھل ظاہر کی غلطی بیان فرمائی اور غلطی بھی ایسی بلاغت سے بیان کی کہ کوئی بیان نہیں کرسکتا۔

پھر دوسرے جملہ میں ولکن ینالہ التقوی قربانی کی حکمت واللہ کیا بیان کی اور اس تقویٰ کا مصداق اس سے اوپر ارشاد فرمایا ہے۔

ومن یعظم شعآئر اللہ فانھا من تقوئ القلوب (جو شخص تعظیم کرے شعائر اللہ واحکام الٰہیہ کی تو ان کی یہ تعظیم کرنا دلوں کے تقویٰ سے ہے)

یعنی یہ تقویٰ تعظیم ہے شعائر اللہ واحکام الٰہیہ کی اس حکمت تعظیم شعائر اللہ۔

کی جامعیت پر نظر کرکے مجھے تو وہ شعر شریعت کی شان میں یاد آجاتا ہے۔

بہار عالم حسنش دل و جان تازہ میدارد به رنگ اصحاب صورت رابو ارباب معنی را

(اسکی عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل وجان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل وجان کو بو سے تازہ رکھتی ہے)

قربانی کرنے والوں کی اقسام

یعنی عالمین میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک تو وہ جو قربانی کی حکمت سمجھ گئے ہیں دوسرے وہ جو حکمت نہیں سمجھے جو حکمت سمجھ گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ حکمت معلوم ہوجانے سے وقعت بڑھتی ہے حکم کی تو وہ یوں حکم کی تعظیم کریں گے اور جو حکمت نہیں سمجھے انہوں نے اتنی تعظیم کی کہ حکمت بھی نہ سمجھے اور پھر بھی کرڈالا وہاں تو کسی درجہ میں رائے کا بھی دخل تھا یہاں کچھ بھی نہیں اگر کسی نے کہا کیوں کرتے ہو کہا حکم خدا کا۔

پس آیت ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب (جو شخص اللہ تعالیٰ کے شعائر اور اس کے احکام کی تعظیم کرے تو ان کی یہ تعظیم کرنا دلوں کے تقوی سے ہے) میں روح بتلا دی قربانی کی۔

روح قربانی

آگے اس آیت لن ینال اللہ میں فرماتے ہیں کہ اس روح یعنی تقویٰ خاص کی کہ تعظیم شعار ہے، بہت حفاظت کرو اور سمجھو کہ ذبح بالذات مقصود نہیں دیکھو وہاں نہ خون پہنچتا ہے نہ گوشت جو چیز مقصود ہے وہ البتہ پہنچتی ہے یعنی تقویٰ چنانچہ اگر یہ لحم ودم (گوشت وخون) مقصود ہوتا تو سارا جانور اٹھ کر چلا جایا کرتا۔ پس صرف ذبح کو مقصود

(c) ketabton.com: The Digital Library

مت سمجھو خدا کے یہاں تقویٰ پہنچتا ہے اس کو دیکھو کہ اس ذبح کے ساتھ تقویٰ بھی مقترن (شامل) ہے جو کہ تعظیم شعائر اللہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ایک مدلول من کا یہ بھی ہو سکتا ہے اس طرح سے کہ تعظیم شعائر منجملہ تقویٰ ہے جب تعظیم بجالائے تقویٰ متحقق ہو گیا یا تقویٰ سے تعظیم شعائر اللہ پیدا ہوتی ہے ایک مدلول من کا یہ بھی ہو سکتا ہے اس طرح کہ تعظیم پیدا ہوتی ہے تقویٰ سے غرض جو چاہو کہو بقول حافظ

بخت اگر مدد کندا منش آدم بکف گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

(خوش قسمتی ہے اس کا دامن ہاتھ آ جائے وہ کھینچ لے تب بھی مقصود حاصل ہم کھینچ لیں تب بھی) سو تقویٰ ہر حال میں مقصود بالذبح ہوا۔

اور حضور فرماتے ہیں سینہ کی طرف اشارہ کر کے کہ یہاں ہے تقویٰ اور مافی الصدر (اندرون سینہ) باطن ہے پس معلوم ہوا کہ اس ظاہر کا ایک باطن بھی ہے اس کو حاصل کرو۔

شاید اس کو سن کر اہل باطن پھولتے کہ دیکھو ہم نہ کہتے تھے کہ باطن ہی ہے جو کچھ ہے لہٰذا آگے ان کی غلطی بیان کرنے کے لئے ایک ظاہر کو فرماتے ہیں۔ کذلک سخرھا لکم لتکبروا اللہ علیٰ ما ھداکم (اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا مسخر کر دیا ہے تا کہ قربانی کر کے اس بات پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ تم کو اس طرح قربانی کرنے کی توفیق دی) یعنی نرے تقویٰ کو کوئی نہیں پوچھے گا تقویٰ مطلق مقبول نہ ہوگا تقویٰ وہ قبول ہوگا جس کو قربانی سے تعلق ہو۔

حکمت تکبیر

یہاں نحر کا مفعول بھی ہو جس سے تکبیر کا فعل بھی متعلق ہو پس اس میں اچھی طرح سے ثابت کر دیا گیا کہ روح سے مراد وہی روح ہے جو اس قلب کے ساتھ ہو اسی کو فرماتے ہیں کہ جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تا کہ تم نعمت ہدایت وتوفیق للذبح پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس میں اللہ اکبر کہنے کی بھی حکمت بتلا دی کہ یہ دراصل شکر ہے اللہ کا کہ اللہ بہت بڑا ہے کہ اس نے توفیق دی کہ ہم حکم بجالا سکیں واقعی اگر خدا کی توفیق نہ ہوتی تو ترحم طبعی ہاتھ کو گردن پر نہیں چلنے دیتا جو ملحدین کے شبہ کے بنا تھی یعنی ذبح کا خلاف ترحم ہونے کے سبب مخالف حکم الٰہی ہونا ارشاد فرمایا کہ بعض جہلاء کے برتاؤ سے یہ شبہ پڑتا ہے کہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایصال ثواب میں جو چیز دی جاتی ہے وہی پہنچتی ہے چنانچہ بچے کے ثواب پہنچانے میں دودھ اور شہداء کربلا کے ثواب بخشنے میں شربت علیٰ ہذا۔ سو کلام مجید میں اس کا رد صریح موجود ہے لن ینال اللہ لحومھا ولا دماء ھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم کذلک سخرھا لکم لتکبروا اللہ علیٰ ماھداکم (اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے زیر حکم کر دیا تا کہ تم اللہ کی راہ میں ان کو قربان کر کے اللہ کی بڑائی بیان کرو)

(c) ketabton.com: The Digital Library

تکبیر تشریق

اس آیت میں لتکبروا اللہ سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ امر ظاہری یعنی ذکر اسم اللہ اور تکبیر اللہ اسی امر باطنی یعنی تعظیم بالقلب و نیت تقرب و اخلاص کا ترجمان ہے یعنی اسی لئے موضوع ہے کہ اس سے اس کا اظہار ہو پس ان میں باہم دال و مدلول کا سا تعلق ہے پس ان میں حقیقی اتحاد اور اعتباری تغایر ہے اس اعتبار سے یہ دونوں حکمتیں ایک ہی حکمت ہیں اور ہر چند کہ ظاہراً علی ما ھدٰکم مطلق ہدایت کو شامل ہے لیکن خصوصیت مقام و نقل عن اہل التفسیر سے اس کی تفسیر خاص یہ ہے علی ما ھدٰکم من الذبح اللہ تعالیٰ جس کا حاصل یہ ہے کہ تم اس بات پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کرو یعنی ذبیحہ پر اللہ اکبر کہو کہ اس نے تم کو اس فعل موجب تقرب کی توفیق دی چنانچہ اگر وہ توفیق نہ دیتے تو ممکن ہے کہ بعض کی طرح تم ذبح ہی میں شبہات نکالتے یا ذبح کرتے مگر غیر اللہ کے نام یا اللہ ہی کے نام پر ذبح کرتے مگر نیت درست نہ ہوتی تو بالکل اخلاص نہ ہوتا یا کامل نہ ہوتا جیسے بعض لوگ ردی جانور ذبح کرتے ہیں جو علامت ہے محبت کی کمی کی اور جس قدر محبت کم ہوگی اسی قدر اخلاص کم ہوتا ہے کیونکہ اس میں آمیزش ہوگی غیر کی محبت کی اور اس غیر کو من وجہ مقصود سمجھنے کی مثلاً مال اگر اس کو مقصود نہ ہوتا تو ردی کیوں ڈھونڈتا غرض یہ عمل اخلاص کے ساتھ کرنا توفیق ہی پر موقوف ہے پس اس توفیق پر تم حق تعالیٰ کی دل سے بھی تعظیم کرو اور زبان سے بھی اللہ اکبر کہہ کر اس کا اظہار کرو۔ پس یہ تفسیر ہے علیٰ ما ھدٰکم کی اور اسی تعظیم و تکبیر کی مقصودیت کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان ایام میں دوسرے طرق سے یہ تکبیر مشروع ہوئی ہے چنانچہ ایک تو عید کا دوگانہ مقرر کیا گیا جس میں ایک تکبیرات انتقالات مشترک تکبیریں ہیں یعنی جیسی اور نمازوں میں ہیں اور ان کے علاوہ تکبیرات زائد بھی ہیں جن کا عدد ائمہ کے نزدیک مختلف ہے امام صاحب کے نزدیک چھ تکبیریں ہیں جو نماز کی گیارہ تکبیروں کے ساتھ مل کر سترہ ہوتی ہے جو رکعات فرائض کے برابر ہونے سے ایک مہتم بالشان عدد ہے اور دوسرا طریق اس کی مشروعیت کا یہ ہوا کہ یوم عرفہ کے شروع سے ایام تشریق کے خاتمہ تک ہر نماز کے بعد باآواز بلند تکبیر کہی جاتی ہے۔ تیسرا طریق یہ ہے کہ عیدگاہ کے راستہ میں بھی کہی جاتی ہے اور اس تکبیر کے اشتراک سے ذبح اور صلوٰۃ کا جو باہمی تناسب معلوم ہوتا ہے مولانا رومی کے ارشاد میں اس کی تصریح بھی ہے ۔

معنی تکبیر ایں ست اے امیم ۔۔۔ کای خدا پیش تو ما قربان شدیم
وقت ذبح اللہ اکبر میکنی ۔۔۔ ہمچنیں در ذبح نفس کشتنی
گوی اللہ اکبر وایں شوم رام ۔۔۔ سر برد تا دار ہد جاں ازعنا
تن چو اسمٰعیل و جاں ہمچوں خلیل ۔۔۔ کرد جاں تکبیر بر جسم نبیل

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ — شاد و خنداں پیش تیغش جاں بدہ

اور اگر لتکبروا اللہ کو جو کہ آیت میں مذکور ہے ان سب تکبیرات صلوٰتیہ و غیر صلوٰتیہ کیلئے عام لے لیا جاوے جیسا کہ واذکروا اللہ فی ایام معدودات میں ان ایام کے سب اذکار و تکبیرات بالا جماع مراد ہیں تو تقریر آیت کی اس طرح ہوگی کہ تسخیر انعام اس لئے ہوئی کہ ہم کو تکبیر مقصود ہے چنانچہ ہم نے دوسرے طرق سے اس تکبیر کو مشروع فرمایا ہے جو علامت ہے اس کے مقصود ہونے کی اور اس تسخیر للذبح سے یہ مقصود حاصل ہوتا ہے اس لئے اس مقصود کی تحصیل کے لئے ہم نے انعام کو مسخر کر دیا پس آیت ہی مشتمل ہو جاوے گی ان ایام کی تمام طاعات کو قربانی کو بھی تکبیرات غیر صلوٰتیہ کو بھی اور صلوٰۃ کو بھی جیسا کہ اس کی ردیف یعنی عید الفطر کی نماز کو بعض مفسرین نے سورہ بقرہ کی آیت شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن الخ میں جو ایسا ہی ایک جملہ یعنی لتکبروا اللہ علی ماھدٰکم واقع ہے اس کا مدلول تفسیری کہا ہے پس ادھر دونوں یوم کے بعض احکام کا اشتراک اور ادھر ان دونوں میں اس جملہ کا اشتراک اور پھر جملہ سورہ بقرہ کا مفسر بصلوٰۃ العید ہونا اس جملہ سورہ حج کے مشتمل بصلوٰۃ العید ہونے کو قریب کئے دیتا ہے۔

پس اس تقریر پر یہ آیت مشتمل ہوگی ان ایام کی دو قسم کی طاعت کو ایک باطن جس کی یہ تعبیریں ہیں نیت تقرب واخلاص و تعظیم بالقلب اور ایک ظاہر جس کی یہ تعبیریں ہیں صلوٰۃ تکبیرات۔ تسمیہ علی الذبیحہ پس سامعین کو ان ایام میں دونوں امر کی رعایت ضروری ہے نہ صرف ظاہر پر کفایت کریں کہ قربانی اور نماز کا نام کر لیا اور بس اور نہ مدعیان کاذب کی طرح نرے باطن پر کفایت کریں کہ اخلاص ہی اصل ہے اور ہم اس اصل کو لئے ہوئے ہیں کہ یہ اعتقاد نری گمراہی ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ (نبوت میں شبہ نکالنے کے لئے) ایسے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا۔ اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن (یعنی قیامت کا دن امتداد میں) برابر ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے موافق۔

تفسیری نکات

کذب اخبار میں ہوتا ہے

ایک مولوی صاحب کے جواب میں فرمایا کہ کذب اخبار میں ہوتا ہے انشاءات میں نہیں ہوتا اور وعید انشاء ہے اگر صیغہ اخبار کا بھی ہو وہ محض صورۃً ہے معنی انشاء ہی میں داخل ہے اسی سے بعض لوگوں نے کہہ دیا ولو خلافاً للجمھور کہ خلف فی الوعید وقوعاً بھی جائز ہے اور اس پر جو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

قول بوقوع الکذب ہے اس کا یہی جواب دیا ہے کہ کذب اخبار میں ہوتا ہے اور وعید صورۃً اخبار ہے ورنہ حقیقت میں انشاء ہے مگر جمہور کے لئے قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ یستعجلونک بالعذاب ولن یخلف اللہ وعدہ یہاں وعدہ سے مراد یقیناً ہے بقرینہ ذکر العذاب تو قرآن کی نص سے خلف فی الوعید کا ممتنع ہونا معلوم ہوگیا۔

مقدار یوم بعث الف وخمسین الف میں تطبیق عجیب

سوال: سورۂ حج میں روز حشر کی درازی اس طرح بیان فرمائی گئی ہے ان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون اور سورۂ معارج میں ہے فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة ان دونوں کی تطبیق بیان القرآن میں اس طرح ہے کہ کچھ امتداد کچھ اشتداد سے کفار اس قدر طول محسوس ہوگا اور چونکہ حسب تفاوت مراتب کفر اشتداد میں تفاوت ہوگا اس لئے ایک آیت میں کالف سنة آیا ہے آیت اولی کیلئے پہلی آیت میں عند ربک یہ بتارہا ہے کہ اس دن کا طول واقعی اتنا ہے یا کم از کم اللہ کے نزدیک اتنا ہے جتنا تم لوگوں کو شمار میں ایک ہزار برس کا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس دن کی مقدار اتنی ہے اور ایسا نہیں ہے کہ واقعی مقدار اس کی کچھ اور ہے امتداد و اشتداد حسب تفاوت مراتب کفر کی وجہ سے وہ ہزار برس معلوم ہونگے کیونکہ عند ربک اس کا قرینہ ہے ورنہ عند الکفار یا مثل ذلک کوئی اور لفظ ہوتا اور اس کی تائید حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث کے کلام سے بھی ہوتی ہے وہ ازالۃ الخفاء میں اس حدیث کی شرح میں کہ میری امت کو نصف یوم کی مہلت دی گئی (او کما قال) تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عباسیوں کی خلافت ہے جو پورے پانچ سو سال رہی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار برس کا ہے اور پانچ سو سال اس کے نصف۔ جب یہ واضح ہوگیا کہ الف سنہ سے واقعی الف سنہ مراد ہیں نہ کہ اعتباری الف سنہ۔ اب میں کہتا ہوں اسی طرح کان مقدارہ خمسین الف سنة میں فعل ناقص ماضی لایا گیا ہے جو باعتبار زمانہ کے نہیں بلکہ باعتبار تیقن وقوع فی المستقبل کے ہے اور یہاں نفس وقوع کا تیقن نہیں دلایا گیا ہے اس لئے یہاں بھی واقعی خمسین مراد ہیں نہ کہ اعتباری خمسین پھر اگر اعتباری ہوتا اس کے لئے عدد کا ذکر کیوں ہوتا کوئی اور لفظ ہوتا جو اس کے امتداد و طول پر دلالت کرتا مثلاً کان مقدارہ طویلا او ممتدا او مثل ذلک اور اگر یہ کہا جاوے کہ الف سنہ کے ساتھ مما تعدون کی قید ہے اور یہاں قید نہیں ہے اس لئے تعارض نہیں ہے یعنی وہاں کے ایک ہزار برس سے مراد تمہارے ایک ہزار سال ہیں اور یہاں پچاس ہزار سے کوئی اور حساب مراد ہے جو اسی ایک ہزار کے مساوی ہے مگر جب ایک ہی دن کی مقدار بیان کی جارہی ہے اور ایک جگہ اس میں مما تعدون کی قید ہے اور دوسری جگہ نہیں کیوں نہ سمجھا جاوے کہ وہی قید یہاں بھی ہے خاص کر اس حالت میں کہ مخاطب بھی ایک ہی ہے پھر کوئی

(c) ketabton.com: The Digital Library

وجہ نہیں کہ ایک جگہ تو مخاطب کے اعداد کا شمار ہے اور ایک جگہ کسی اور عالم کے اعداد کا اگر خمسین اعتباری مانا جاوے جیسا کہ حضور والا اشارہ ہے تو شاید اس کی تائید اس سے ہو کہ سورۂ معارج مکیہ ہے اور وہاں کے لوگوں کا عناد و سرکشی زائد تھی اس لئے انہیں خمسین معلوم ہوا اور سورۂ حج مدنی ہے وہاں اس چیز میں کمی تھی اس لئے انہیں الف سنۃ معلوم ہوا مگر سب نکات ہیں ان سے نہ تسکین ہوتی ہے اور نہ سکوت۔ دل کسی قوی بات کا جویاں ہے۔ کیونکہ یوں تو تمام عذاب میں یہ شبہ ہوگا کہ واقعی کچھ اور ہے اور امتداد و اشتداد کے تفاوت سے فرق اعتباری پیدا ہوگیا۔

الجواب: عند ربک قید نسبت بین الموضوع والمحمول کی نہیں ہے تاکہ اس کا یہ مدلول ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یعنی واقع میں ہزار برس کا ہوگا بلکہ یہ قید یوما کی ہے یعنی وہ دن جو تمہارے رب کے پاس کا ہے یعنی آخرت کا دن محاورہ قرآنیہ میں آخرت کی چیزوں کو عند الرب کہا گیا ہے جیسے لھم اجرھم عند ربھم رہا یہ کہ وہ واقع میں کتنا بڑا ہوگا قرآن اس سے ساکت ہے باقی تشبیہ اس کی الف سنۃ کے ساتھ اس میں خود دو احتمال ہیں کہ وجہ تشبیہ امتداد ہے یا اشتداد کما اشرت الیہ فی بیان القرآن البتہ حدیث ظاہر اس پر دال ہے کہ اس کی مقدار واقع میں ہزار برس ہوگی مگر بیان القرآن سے اس کو تعارض نہیں کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ بعض کو مقدار واقعی کی برابر معلوم ہوگا بعض کو زیادہ رہا یہ کہ جب واقعی مقدار کی برابر معلوم ہوا تو اس میں کفر کا کیا دخل۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کفر نہ ہوتا تو حسب حدیث مذکور فی بیان القرآن ایسا خفیف معلوم ہوتا جیسا فرض نماز کا وقت اب رہی دوسری آیت کان مقدارہ خمسین الف سنۃ سو اس میں بھی نصاً کوئی دلالت واقعی مقدار پر نہیں اور جو وجہ دلالت کی سوال میں مذکور ہے وہ مسلم نہیں کیونکہ اگر قرآن کی عبارت یوں ہوتی کان مقدارہ فی اعینھم خمسین الف سنۃ تو کیا اس وقت یہ کلام صحیح نہ ہوتا اور کیا آیت کے اجزاء میں تعارض ہوتا کہ کان مقدارہ خمسین الف سنۃ میں فعل ناقص ماضی لایا گیا ہے الی قولہ اس کی مقدار کا تیقن دلایا گیا ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ مقدار واقعی ہے اور فی اعینھم کا مقتضی اس کے خلاف ہے اسی طرح سے آیت کے اجزاء میں تعارض ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ کان کا یہ مقتضا نہیں ہے اور کلام بھی صحیح ہے جیسے آیت فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخری کافرۃ یرونھم مثلیھم رای العین. علی التفسیر المشہور اور آیت واذ یریکموھم اذا لتقیتم فی اعینکم قلیلاً ویقللکم فی اعینھم الایت البتہ اگر کوئی دلیل معارض نہ ہوتی تو یہ آیت ظاہراً مقدار واقعی پر دال ہوتی مگر جب دوسری آیت معارض ہے تو ظاہر کو ترک کر کے خلاف ظاہر پر محمول کرنا واجب ہوگا جب کہ اس حمل سے کوئی امر مانع بھی نہیں رہا یہ کہ سب نصوص میں ایسا ہی شبہ خیالی ہونے کا ہو جاوے گا سو ظاہر کو بدوں دلیل چھوڑنا جائز نہیں یہاں دلیل ہے اور نصوص میں دلیل نہیں فشتان ما بینھما ایسے ہی ظاہر کو دلیل سے چھوڑنے کی اور بھی نظائر ہیں کقولہ تعالیٰ فی

(c) ketabton.com: The Digital Library

قصہ ذی القرنین وجدھا تغرب فی عین حمئة ووجد عندھا قوما. وجدان کا مادہ دوجگہ آیا ہے مگر اول وجد کو خیال پر محمول کیا جاتا ہے دوسرے کو واقعہ پر اول سے دوسرے میں شبہ واقعی نہیں ہوتا اور یہاں تک ضابطہ کا جواب ہو گیا اب تبرعا ایک دوسرا جواب دیتا ہے جس میں دونوں آیتوں میں واقعیت محفوظ رہے وہ یہ کہ دنیا میں جس طرح معدل النہار کی حرکت یومیہ کسی مقام پر دولابی ہے کہیں حمائلی کہیں رحوی اور اس اختلاف سے کہیں دن رات کا مجموعہ چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے کہیں برس روز کا جیسے عرض تسعین میں کہیں ان کے درمیان مختلف مقادیر پر اور سب واقعی ہیں اور یوم نام ہے مابین الطلوع والغروب کا پس جو شخص استواء پر ہے اس کے افق پر جتنے زمانہ میں تین سو بار سے زیادہ طلوع وغروب ہو چکتا ہے اس زمانہ میں عرض تسعین والے افق پر ایک بار طلوع وغروب ہوتا ہے پس یہ دوسرا شخص برس روز کے زمانہ کو ایک لیل ونہار کہتا ہے اور پہلا شخص چوبیس گھنٹہ کو ایک لیل ونہار کہتا ہے اور دونوں صحیح ہیں مگر یہاں دونوں شخصوں کا دو افق پر ہونا شرط ہے اگر آخرت میں بھی ایسا ہی ہو کہ اس کے طلوع وغروب میں ایک افق پر بوجہ بطور حرکت ایک ہزار برس کا فاصلہ ہو اور اس کے واقعات اسی میں طے ہو جاویں اور ایک افق پر اسی طلوع وغروب میں پچاس ہزار برس کا فاصلہ ہو اور اس کے معاملات میں طے ہوں اور کچھ آفاق پر ان دونوں مدتوں کے درمیان میں وہ طلوع وغروب ہو مگر وہاں ان لوگوں کا جدا جدا افق پر ہونا شرط نہ ہو اس میں کوئی استحالہ نہیں اور اس کا حاصل یہ ہو گا کہ واقع میں وہ طلوع وغروب مختلف آفاق پر ہو گا جیسے دنیا میں اگر بطور خرق عادت کے خط استواء پر دو شخصوں میں سے ایک کو اپنا افق منکشف ہو جاوے دوسرے پر اپنا افق مستور ہو جاوے اور عرض تسعین منکشف ہو جاوے تو ایک کا یوم چوبیس گھنٹہ کا ہو جاوے گا دوسرے کا برس روز کا اور دونوں واقعی ہیں مگر یہاں ایسے خارق کا وقوع کم ہوتا ہے وہاں ہر چیز خارق ہی ہو گی اس لئے یہاں کسی امر کا مستبعد ہونا وہاں بھی اس کے مستبعد ہونے کو مستلزم نہیں خوب سمجھ لو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ایک قسم کے لوگوں کے آفاق مختلف ہوں یعنی ایک جماعت کا افق وہ ہو جہاں ایک ہزار برس کا دن ہو اور دوسری جماعت کا وہ افق ہو جہاں پچاس ہزار برس کا دن ہو اور کچھ جماعتیں ان کے درمیان ہوں تو اس میں خرق عادت کی بھی ضرورت نہیں صرف بطور حرکت شمس میں مثلاً خرق عادت ہو گا اور یہ سب اس اشکال کا جواب ہے جو کسی خاص تفسیر پر واقع ہوتا ہے اگر دوسری تفسیر اختیار کر لی جاوے تو اصل سے یہ اشکال ہی واقع نہیں ہوتا چنانچہ درمنثور میں دوسری تفاسیر بھی منقول ہیں پس قرآن پر اشکال کے وقوع کا شبہ نہ کیا جاوے۔ واللہ اعلم (ماخوذ از بوادر النوادر)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى
اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ
ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے (اللہ کے احکام میں سے) کچھ پڑھا (تب ہی) شیطان نے اس کے پڑھنے میں (کفار کے قلوب میں) شبہ ڈالا پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو (جوابات قاطعہ سے) نیست و نابود کر دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات (کے مضامین) کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا حکمت والا ہے۔

تفسیری نکات

ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ قرآن شریف کی آیت **اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته** سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی شیطان کے وسوسہ کا اثر ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے وسوسہ کی وجہ سے آپ نے قرآن کے ساتھ غیر قرآن کو پڑھ دیا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ اس آیت سے صرف اس قدر معلوم ہوا کہ حضور کے وحی سنانے کے وقت شیطان نے کچھ اپنی طرف سے القا کیا۔ باقی یہ بات کہ یہ القاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ہوا۔ یا سامعین کے کانوں پر اس آیت سے نہیں معلوم ہوتا۔ ممکن ہے کہ یہ القاء لوگوں کے کانوں پر ہوا ہو۔ یعنی لوگوں نے یہ کلمات سنے ہوں۔ اگرچہ حضور کی زبان سے نہ نکلے ہوں اور پھر خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں سے مٹا دیا ہو۔ جیسا ارشاد ہے **فینسخ الله ما یلقی الشیطان ثم یحکم الله آیاته.**

(c) ketabton.com: The Digital Library

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾

ترجمہ: جتنی امتیں (اہل شرائع گزری ہیں) ہم نے (ان میں) ہر امت کے واسطے ذبح کرنے کا طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اسی طریق پر ذبح کیا کرتے تھے سوان معترض لوگوں کو چاہیے کہ آپ سے اس امر (ذبح) میں جھگڑا نہ کیا کریں اور آپ (ان کو) اپنے رب (یعنی اس کے دین) کی طرف بلاتے رہیے (کیونکہ) آپ یقیناً صحیح راستے پر ہیں۔

تفسیری نکات

صلح کا حاصل

فرمایا کہ ایک درویش سے میری گفتگو ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ اس آیت کا ترجمہ کیا جاوے لکل امة جعلنا منسکاهم ناسکوه فلاینا زعنک فی الامر مقصود یہ تھا کہ اس آیت میں کسی سے نزاع کرنے کی ممانعت ہے یعنی کوئی کسی سے تعرض نہ کرے جو صلح کا حاصل ہے میں نے کہا کہ لاینازعنک فرمایا ہے لاتنازعھم نہیں فرمایا تو اہل باطل کو اہل حق سے جھگڑا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اہل حق کو اہل باطل کے ساتھ جھگڑنے سے منع نہیں فرمایا اس پر شاہ صاحب خاموش رہ گئے۔

فلاینازعنک فی الامر (الحج آیت نمبر ۶۷)
سوان لوگوں کو چاہیے کہ اس امر میں آپ سے جھگڑا نہ کریں

اہل باطل کو اہل حق سے منازعت کی اجازت نہیں

فرمایا چنانچہ میں ایک دفعہ آلہ آباد گیا تھا والد صاحب کی بیمار پرسی کے لئے وہاں ایک درویش تھے والد صاحب ان کے پاس مجھے لے گئے۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو مجھ سے کہا کہ اس آیت کا مطلب بتلاؤ لکل امة جعلنا منسکاهم ناسکوه فلاینازعنک فی الامر میں نے ترجمہ کردیا تو کہنے لگے دیکھو حق تعالیٰ منع کرتا ہے منازعت سے پھر ہم کسی کو روک ٹوک کیوں کریں۔ موسیٰ بدیں عیسیٰ بدیں جو جس کے جی میں آوے کرے ہمیں کسی سے تعرض کرنے کی ضرورت کیا پڑی یہ تفسیر کی۔ انہوں نے ان کو جواب دیا میں نے کہا حق تعالیٰ نے لاینا ازی فرمایا ہے کہ وہ آپ سے منازعت نہ کریں لاتنازعھم نہیں کہ آپ بھی ان کو روک ٹوک نہ کریں بلکہ آپ کے لئے تو خود اس کے متصل ہی امر فرماتے ہیں وادع الی ربک انک لعلی هدی مستقیم یعنی

دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جو باطل پر تھے حق سے ہٹے ہوئے تھے اور ایک وہ جو صراط مستقیم پر تھے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اہل باطل کو اہل حق سے منازعات کرنے کی اجازت نہیں۔ پس حاصل آیۃ کا یہ ہے کہ آپ صراط مستقیم پر ہیں آپ کو تو حق ہے منازعت صوری یعنی دعوت کا مگر ان کا حق نہیں کہ آپ سے منازعت کریں میں نے کہا کہ اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو عدم منازعت کا حکم نہیں بلکہ ان کو حکم ہے کہ آپ سے منازعت نہ کریں۔ پس شاہ صاحب کا ذرا منہ نکل آیا اور ان سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ والد صاحب بھی میرے جواب سے بہت خوش ہوئے۔ پھر اس کی لطیف لطیف تفسیریں بھی نظر سے گزریں لیکن یہ تفسیر کسی نے نہیں لکھی۔ مگر یہ مطلب کسی نص کا معارض بھی نہیں اور بعض نے جو اس آیت کی تفسیر میں لاینازعنک کا مطلب لاتنازعہم لکھ دیا کہ آپ ان سے منازعت نہ کریں یقیناً شاہ صاحب کی اس تفسیر پر نظر نہ تھی۔ ورنہ وہ ضرور اس کو پیش کرتے۔ مگر میں اس وقت یہ جواب دیتا کہ منازعت دعوت اور ہے اگر منازعت حقیقیہ سے ممانعت ہے تو دعوت سے ممانعت نہیں پس تم منازعت نہ کرو محض دعوت ہی کر دیا کرو مگر غضب تو یہ ہے کہ آج کل تو درویش کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ بس کچھ نہ کرے اور کسی کو کچھ نہ کہے بلکہ سب کے ساتھ صلح کل ہو کر رہے وہ تو درویشی ہے ورنہ نہیں (آداب التبلیغ ص ۲۶،۲۷)

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: اور (اس نے) تم پر دین (کے احکام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم کی (اس) ملت پر (ہمیشہ) قائم رہو۔ اس (اللہ) نے تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے (نزول قرآن سے) پہلے ہی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ تمہارے (قابل شہادت اور معتبر ہونے کے) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ ہوں اور (اس شہادت رسول کے قبل) تم لوگوں کے مقابلے میں گواہ (تجویز) ہو سو تم لوگ (خصوصیت کے ساتھ) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو وہ تمہارا کارساز ہے (کسی کی مخالفت تم کو حقیقتاً ضرر نہ کرے گی) سو کیا اچھا کارساز ہے اور کیا اچھا مددگار ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

دین اور دشواری

سو ایک جواب تو معروض ہو چکا کہ اگر دشوار بھی ہو تو خواص مطلوبہ ضروریہ کی تحصیل کے لئے قبول کرنا چاہیے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ واقع میں دین میں دشواری ہی نہیں۔ یہاں اسی جواب کو فرماتے ہیں کہ ماجعل علیکم فی الدین من حرج (نہیں کی تم پر دین میں کچھ تنگی) اور کیسی بے فکری سے کہتے ہیں۔ آخر خدا ہیں نا۔ اگر کوئی بندہ ہوتا تو ایسے موقع پر کہ ایک عالم دشواری کا مدعی ہو خدا جانے کتنی تمہیدوں کے بعد جواب دیتا یہاں ایک دم سے نہایت پرزور لہجہ میں حرج کی نفی فرمادی۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی بڑا انجینئر جرثقیل سے ایک بڑے بھاری بوجھ کو اٹھا رہا ہو اور ایک گنوار کہے کہ اس کو یہیں رہنے دو کہ مصلحت ہے تو وہ نہایت لاپرواہی سے کہے گا کہ نہیں یہ وہیں جائے گا اور خدا کی بڑی شان ہے ان کو وجوہ بتلانے کی کیا ضرورت ہے۔ جب اہل تحقیق اپنی خاص شان میں ہوتے ہیں تو محض عوام کے نہ ماننے کی ضرورت سے اسرار و نکات اور وجوہ نہیں لایا کرتے ہاں کبھی اس کے پرزے بھی بیان کر دیتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے بھی کہیں کہیں بیان کئے ہیں اس لئے محققین نے کہا ہے کہ

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی　　بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

یعنی مدعی اور ظاہر پرست کے سامنے عشق اور مستی کے اسرار مت بیان کرو۔ ان کو رنج اور خود پرستی میں مرنے دو۔ بخلاف غیر محقق کے کہ اس پر جب اعتراض ہوتا ہے وہ بھڑک اٹھتا ہے اور زور شور کی تقریر شروع کر دیتا ہے اور محقق بھڑکتا نہیں بلکہ سارے جوابوں کو طے کر کے اوپر پہنچتا ہے۔ اس لئے بعض اوقات جواب ہی نہیں دیتا۔ پس جواب نہ دینے کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو جواب سے نیچے ہو کہ جواب تک نہ پہنچا ہو یا اوپر ہو کہ اس سے بھی عبور کر گیا ہو محقق کی یہی شان ہوتی ہے پس خدا تعالیٰ کا کلام کہیں تو حکیمانہ ہے اور کہیں حاکمانہ طرز زیادہ شفقت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ حکیمانہ جواب میں ذرا اجنبیت ہوتی ہے۔

جیسے ایک تو طبیب کہے کہ فلاں وجہ سے مضر ہے اس کو نہ کھاؤ اور ایک باپ کہے کہ خبردار اس کو مت کھاؤ اور اگر وجہ پوچھے تو کہے گا کہ بکو مت بس مت کھاؤ۔ اب اگر کوئی کہے کہ یہ بڑا سخت باپ ہے تو غلطی ہے بلکہ وہ بڑا شفیق باپ ہے تو حاکمانہ انداز بڑی شفقت کی دلیل ہے۔ تو حق تعالیٰ حاکمانہ فرماتے ہیں ماجعل علیکم فی الدین من حرج (نہیں کی تم پر دین کی تنگی) تو اصل میں مجھے اس کا بیان کرنا ہے۔ مگر اس سے پہلے ایک

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایسا جملہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر اس کو ذہن میں رکھ لیں تو پھر جواب میں تفصیل ہی کی ضرورت نہ رہے۔

اسرار شریعت

وہ جملہ یہ ہے ھوا جتباکم کہ اس نے تم کو مخصوص بنالیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ہمارے خاص ہو کر تم ہماری بات نہ مانو گے ایک تو مخصوص کہنے میں یہ اثر ہوتا ہے۔ دوسرے خود مخصوص ہونے میں ایک خاص مناسبت بھی ہو جاتی ہے جس سے خود بھی وہاں پہنچنے لگتا ہے جہاں پہنچانا مقصود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم مجتبیٰ بنو اگر کہو کہ خدا نے مجتبی بنالیا۔ چنانچہ ھو اجتباکم کا یہی ترجمہ ہے۔ ہم کو کیا ضرر ہے تو سبحان اللہ! اگر کوئی کہے کہ شام کو فلاں شخص نے تمہاری دعوت کی ہے تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ وہی خود تمہارے منہ میں بھی دے گا۔ اس نے تو تمہارے لئے سامان کیا ہے۔ باقی کھاؤ تم خود اسی طرح اجتباء کا سامان تمہارے لئے کر دیا ہے باقی تم اس کو حاصل کرو۔

ملت ابراہیمی دراصل ملت محمدیہ ہی ہے

واتبع ملة ابراہیم یعنی وہ ملت جو ہم نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے اور جو موافق ہے ملت ابراہیمی کے وہ دراصل ملت محمدیہ ﷺ ہی ہے معنی یہ ہیں کہ اس ملت کا اتباع کیجیو! جو ہم نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے۔

جو دراصل تو ہے ملت محمدیہ ﷺ ہی لیکن اس کا لقب بوجہ توافق کے ملت ابراہیم ہے ورنہ بظاہر اس میں یہ اشکال تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا حکم ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ واتبع ابراهیم حنیفا نہیں فرمایا جیسے فاتبعونی یحببکم اللہ میں فاتبعو اطریقی نہیں فرمایا۔ یہاں طریق کا لفظ نہیں بڑھایا گیا۔

دیکھئے! ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں فبھدا ھم اقتدہ یہ نہیں فرمایا فبھدم اقتدہ کیونکہ ایک تو ان کا اقتدا ہے اور ان کے ہدا کا اقتداء ہے ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ جو ہدایت حضور کو عطا ہوئی اتباع اسی کا ہے اس کو ھدا ھم سے تعبیر فرمایا۔

مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر ایک آزادی کی شان۔ نازکی شان، جوش و خروش کی حمیت غیرت یہ مضمون بہت ہے اور نسبت عیسویہ میں زہد اور ترک دنیا کا غلبہ۔ تعلقات کی کمی وغیرہ کا مضمون بہت ہے اور حضور ﷺ میں سب شیون کامل ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ المؤمنون

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ صَلَاتِهِمۡ خَاشِعُوۡنَ ۙ﴿۲﴾
ترجمہ: تحقیق مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں ۱۲

تفسیری نکات

خشوع لوازم ایمان سے ہے

پس جب ایمان کے لوازم سے خشوع ہے تو نبوت کے لوازم سے بدرجہ اولیٰ ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو استغراق تھا نہیں۔ معلوم ہوا کہ خشوع اور حضور قلب اور شئے ہے اور استغراق اور شئے ہے اور اگر دونوں ایک ہی ہوں تو اجتماع نقیضین (دو ضدوں کا جمع ہو جانا ۱۲) لازم آئے گا۔ کیونکہ باقتضائے آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں خشوع ہے اور بدلالت حدیث استغراق نہیں اگر یہ دونوں ایک ہی شے سے ہوتے تو ایک ہی شے کا ہونا اور نہ ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے جو لوگ غلطی سے یہ سمجھ گئے کہ خشوع و استغراق ایک ہی شے ہے اور خشوع ہے روح صلوٰۃ تو استغراق بھی روح صلوٰۃ ہے اور جب استغراق نہیں تو روح نہیں جب روح نہیں تو بے روح کی نماز کس کام کی تو یہ سمجھے کہ ہماری نماز بے قدر ہے کہ اس میں استغراق نہیں۔ حالانکہ ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ استغراق اور شئے ہے اور وہ روح صلوٰۃ نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز بھی بے روح ہو۔

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں اور باوجود دینے کے ان کے دل سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔ یہ لوگ (البتہ) اپنے فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

پابندی صوم وصلوٰۃ کے باوجود خشیت خداوندی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو گناہ کر کے ڈرتے ہیں؟

فرمایا نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو تصدق اور صلوٰۃ وصیام بجالا کر ڈرتے ہیں کہ شاید قبول نہ ہوں اور خدا کے سامنے جا کر ہم کو شرمندگی ہو (وہاں یہ کہا جائے کہ تم نے کیسا عمل ہمارے ہاں بھیجا)

حضرت عائشہؓ کے سوال سے یہ معلوم ہوا کہ اس آیت میں یؤتون اعطاء مال کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر عمل کو شامل ہے جبھی تو انہوں نے اس کو اعمال گناہ پر محمول کیا۔ اور بعض لوگوں نے اس میں یوں کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے یہ سوال یاتون کی قراءت کے متعلق کیا ہے جو بمعنی یفعلون ہے اس صورت میں ایتاء سے استدلال ثابت نہ ہوگا کیونکہ ترمذی کی حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ یؤتون کے متعلق سوال کیا اور قراءت شاذہ بوجہ شذوذ کے ثابت نہیں اور یہ حدیث صحیح ہے پس صحیح کو غیر صحیح پر محمول نہیں کر سکتے اور ان کو مان بھی لیا جاوے۔ تب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر عام ہونا ضروری ہے ورنہ شاذ کا مفسر اور متواتر کا غیر مفسر رہنا لازم آوے گا تو اس تفسیر کا تعلق ایتاء سے بھی ہوگا۔ پس یہ استدلال باقی رہا۔ جب یہ ہے تو آیت میں ایتاء بمعنی ایتاء مال نہیں ہے بلکہ بمعنی ایتاء الوجود ہے جس کا حاصل ایجاد ہے۔

معنی یہ ہوئے کہ وہ جس عمل صالح کو وجود دیتے ہیں اس کو کر کے ڈرتے رہتے ہیں کہ دیکھئے قبول ہوا یا نہیں بے فکر نہیں ہو جاتے تو یہاں لفظ ایتاء بمعنے اعطاء ہے جو تجارت کے مناسب ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: اے میرے رب مجھ کو (دنیا میں) واپس بھیج دیجئے تا کہ (جس دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں (پھر جا کر) نیک کام کروں ہرگز (ایسا) نہیں ہوگا۔ یہ اس کی ایک بات ہی بات ہے جس کو یہ کہے جا رہا ہے اور ان لوگوں کے آگے ایک چیز آڑ کی آنے والی ہے (مراد اس سے موت ہے) قیامت کے دن تک۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

قیامت کے دن تک

کسی مردہ روح کا جیسا کہ عوام میں مشہور ہے کسی پر آنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ گو بعض آثار سے ایسا شبہ ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن میں ہے کافر بعد موت کہتا ہے رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انها کلمة هو قائلها و من ورائهم برزخ الی یوم یبعثون اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت اور قیامت کے مابین وہ ایسی حالت میں رہتے ہیں کہ دنیا میں آنے کی تمنا ہوتی ہے۔ لیکن برزخ یعنی حائل دنیا میں آنے سے باز رکھتا ہے اور عقلاً بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر منعم میں مردہ ہے تو اسے یہاں یہاں آ کر لپٹنے پھرنے کی ضرورت کیا ہے اور اگر معذب ہے تو فرشتگان عذاب کیونکر چھوڑ سکتے ہیں کہ دوسروں کو لپٹتا پھرے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان رہتا ہے ممکن ہے کہ وہی شیطان ہوتا ہو جس کا لوگوں پر اثر ہوتا ہو اور جس شخص پر مسلط تھا اسی کا نام لے دیتا ہو اور ممکن ہے کہ دوسرا کوئی شیطان ہو اور شیطان کے متعلق حدیث میں آیا ہے یجری من الانسان مجری الدم اور کما قال غرضیکہ جنوں اور شیاطین کا اثر کہ وہ بھی شریر جن میں ہیں ہوتا ہے اور مردہ روحوں کا اثر جیسا کہ مشہور ہے صحیح نہیں اگر یہ کہا جائے کہ تصرف کرنے کے لئے ارواح کا آنا ضروری نہیں دور سے بھی تصرف ہو سکتا ہے۔ جواب ارشاد فرمایا کہ احتمال تو ہے لیکن جب تک اس کی قوی دلیل نہ ہو اس احتمال کو قبول نہیں کیا جا سکتا محض امکان کافی نہیں۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کیلئے صیغہ واحد کا استعمال خلاف ادب نہیں

حق تعالیٰ کا ادب سب سے زیادہ ضروری ہے مگر پھر بھی صیغہ واحد کا استعمال حق تعالیٰ کی جناب میں خلاف ادب نہیں کیونکہ عرف ہو گیا ہے اور عرف میں اللہ تعالیٰ کے لئے صیغہ واحد غالباً اس لئے اختیار کیا گیا کہ اس میں توحید پر زیادہ دلالت ہے اور صیغہ جمع میں توحید کی صراحت نہیں۔

مگر مجھے اپنے استاد رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے صیغہ جمع کے استعمال کی عادت ہو گئی ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ یونہی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے ہیں کیونکہ صیغہ جمع میں تعظیم زیادہ ہے۔ رہا یہ کہ اس میں توحید کی رعایت نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ توحید اس میں بھی محفوظ ہے کیونکہ علماء بلاغت نے لکھا ہے کہ موحد انبت الربیع البقل کہے تو اسناد مجازی ہو گی۔ اس طرح یہاں سمجھ لو۔ رہا یہ کہ قرآن میں بھی کہیں اس کی اصل موجود ہے یا نہیں۔ سو صیغہ تکلم میں تو بکثرت صیغہ جمع اللہ تعالیٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

نے اپنے لئے اختیار فرمایا ہے اور خطاب کی صورت میں بھی ایک جگہ صیغہ جمع آیا ہے۔ قال رب ارجعون (پ ۱۸) اس میں اللہ کو صیغہ جمع کے ساتھ خطاب ہے اور گو اس میں دوسرا احتمال بھی بیان کیا گیا ہے کہ جمع سے مراد تکرار فعل ہے رب ارجع رب ارجع مگر تکرار فعل کے لئے صیغہ جمع کا لانا خلاف ظاہر ہے اس لئے یہ احتمال بعید ہے اور اگر بعید بھی نہ ہو تو دوسرا احتمال بھی امت کے نزدیک متلقی بالقبول ہے۔ اس لئے اس کا اعتبار و اتباع بھی جائز ہے بہرحال اس کی اصل بھی موجود ہے اور اس لئے یہ بھی جائز ہے مگر پھر بھی میں کسی ایک شق کو دوسری پر ترجیح نہیں دیتا کیونکہ ممکن ہے کہ اپنے استاد کی محبت کی وجہ سے اس شق کو پسند کرتا ہوں۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ
تَضْحَكُوْنَ ۝۱۱۰
ترجمہ: سو تم نے اُن کا مذاق مقرر کیا تھا یہاں تک کہ انکے مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے۔

تفسیری نکات

عباد مقبولین کا کام صبر ہے

غرض یہ احتیاط تھی کہ کسی کی تکفیر کرتے تھے نہ اپنی تکفیر سے برا مانتے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ جتنا رتبہ بڑھتا جاتا ہے جہلاء انکار کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ کتابوں میں لکھا ہے لا یکون الرجل صدیقاً حتی یشھد علیه سبعون صدیقا انه زندیقا. یعنی آدمی صدیق نہیں بنتا تاوقتیکہ ستر صدیق اس کو زندیق نہ کہنے لگیں۔ یعنی ایسے مرتبہ کو پہنچ جائے کہ مدعی صدق بھی نہ کہ حقیقی صدیق اس کی بات کو نہ پہنچیں اور اس وجہ سے اس کو زندیق کہنے لگیں۔

ایک صاحب نے حضرت حاجی صاحبؒ کی تکفیر کی تھی۔ حالانکہ حضرت حاجی صاحبؒ ایسے مغلوب الحال بھی نہ تھے جو یہ احتمال ہو کہ غلبہ حال میں کوئی بات خلاف شرع منہ سے نکل گئی ہوگی۔ آپ نے بیساختہ فرمایا کہ اگر میں عند اللہ مومن ہوں تو سارے جہان کی تکفیر مضر نہیں اور اگر عند اللہ کافر ہوں تو سارے جہان کا مومن کہنا مفید نہیں۔ مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا۔ میں نے کہا کہ ہاں اس شخص کو جائز ہے جس کو یہ یقین ہو جائے کہ میں اس سے بہتر ہو کر مروں گا۔ اس نے کہا کہ یہ مرنے کے قبل کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا تو بس مرنے کے بعد جائز ہوگا ورنہ جب تک خاتمہ نہ ہو لے اس وقت تک تو یہ حالت ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

؎ گہہ رشک برد فرشتہ برپاکی ما گہہ خندہ زند دیوز ناپاکی ما

ایماں چو سلامت بہ لب گور بریم احسنت بریں چستی وچالاکی ما

ہماری مثال ایسی ہے جیسے کسی کا مقدمہ پیش ہو رہا ہے اور کچھ خبر نہیں کہ انجام کیا ہوگا۔ وہ شخص اپنے زعم میں سمجھ رہا ہے کہ ہم پر جرم عائد نہیں ہوتا کیا خبر ہے کہ وہ زعم حاکم کے روبرو صحیح ثابت ہوگا۔ یا غلط چنانچہ اللہ تعالیٰ خود مجرمین کو جتلائیں گے۔

فاتخذتموهم سخريا حتى انسوكم ذكرى وكنتم منهم تضحكون انى جزيتهم اليوم بما صبروا انهم هم الفائزون.

اور اس سے اور بات بھی معلوم ہوئی کہ اس میں عباد مقبولین کا فعل صبر فرمایا انتقموا۔ نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی ایذا پر صبر کرنا چاہیے نہ کہ انتقام۔

ایک شخص نے میرے پاس لکھا تھا کہ ایک شخص نے آپ کو گالیاں دیں میں نے اس کو خوب برا بھلا کہا۔ آپ دعا کیجئے کہ اس شخص کو اصلاح ہو جائے میں نے جواب میں لکھا کہ آپ پہلے اپنی اصلاح کیجئے کہ آپ نے برا بھلا کہا میں نہیں چاہتا کہ میرے بارہ میں دو فرقے ہوں اس عمل سے تو دو فرقے ہو جائیں گے۔ ایک برا کہنے والا۔ اور ایک بھلا کہنے والا۔ پھر دونوں میں خوب لڑائی ہوگی۔ فرقہ بندی ہوگی۔ اس سے تو ہم توبہ توبہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درجہ میں ہو گئے کہ ان کے بارہ میں دو فرقے ہیں نبی کا انکار تو بیشک کفر ہے اور صحابہ وغیرہم کا انکار فسق ہے۔ باقی جس کی کشتی خود ہی ڈانواں ڈول ہے اس کیلئے مجلس بنانا کتنی حماقت ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ النُّــوْر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

ترجمہ: زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سوان میں ہرایک کے سو درے مارو

تفسیری نکات

آیت سرقہ السارق کی اور آیت زنا میں الزانیہ کی تقدیم میں حکمت

اور مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے ادیب مشہور نہ تھے مگر مولانا کی تقاریر سے جو بہت سے مقامات مجھ کو منضبط بھی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ عربیت سے اس قدر مناسبت تھی کہ دیکھنے والا پھڑک جاتا ہے چنانچہ اس وقت ایک مقام یاد آ گیا آیت الزانیۃ والزانی اور آیت ہے تقدیم کا اب مولانا کی توجیہ سنئے فرماتے تھے کہ سرقہ کا صدور مرد سے زیادہ عجیب اور قبیح ہے کہ وہ کما کر کھا سکتا ہے اور عورت میں عفت و شرم و حیا زیادہ ہوتی ہے اس سے زنا کا صدور زیادہ عجیب و قبیح ہے میں نے کسی تفسیر میں بات نہیں دیکھی جو حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی۔

والسارق والسارقۃ کے متعلق (پہلی آیت میں) الزانیۃ کی تقدیم اور (دوسری آیت میں) السارق کی تقدیم کے بارہ میں مشہور سوال ہے جس کا سب سے لطیف جواب منقول ہے کہ سرقہ کی بنا جرأت ہے اور وہ مرد میں زیادہ ہے اور زنا کی بناء پر شہوت ہے جو عورت میں زیادہ ہے مگر اس جواب میں یہ خدشہ ہے کہ اس فرق کو بنا کہتے ہیں تو مجرم کی ایک قسم کی معذوری کا اظہار ہے اور یہ مقام

(c) ketabton.com: The Digital Library

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: واقعہ پر چار گواہ کیوں نہیں لائے تو جب یہ گواہ نہیں لائے تو حق تعالیٰ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔

تفسیری نکات

واقعہ افک پر منطقی اشکال کا جواب

اسی واقعہ افک میں یہ ارشاد ہے کہ یہ لوگ اس دعوے پر چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب یہ گواہ نہیں لائے تو حق تعالیٰ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں شاید کسی قاضی مبارک پڑھنے والے کو شبہ ہو کہ یہ آیت تو منطق کے خلاف ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک شخص نے کسی کو ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا ہو اور اس وقت کوئی دوسرا دیکھنے والا نہ ہو تو اب یہ شخص اگر اس واقعہ کی حکایت کرے گا تو واقع میں صادق ہو گا اور جب واقع میں صادق ہے تو عند اللہ بھی صادق ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا علم مطابق واقع کے ہے۔ حالانکہ اس آیت کی بنا پر عند اللہ وہ کاذب ہے کیونکہ چار گواہ وہ نہیں لا سکا مگر ان معقولی صاحب سے کہا جائے گا کہ تم آیت کا مطلب نہیں سمجھے یہاں عند اللہ کے معنی فی علم الله (اللہ کے علم میں) نہیں بلکہ فی دین اللہ (اللہ کے دین میں) یعنی فی قانون اللہ (اللہ کے قانون میں) مراد ہے مطلب یہ ہوا کہ جو شخص دعویٰ زنا میں چار گواہ نہ پیش کر سکے تو وہ قانون خدا میں جھوٹا ہے گو واقع میں سچا ہو یعنی اس کے ساتھ معاملہ کاذب کا سا کیا جائے گا تو اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کا گو واقع میں کاذب ہونا متحقق نہ ہو مگر وہ قانون روایت کے موافق کاذب ہو تو اسے کاذب کہنا جائز ہے۔ خواہ عند اللہ بمعنی فی علم الله و فی الواقع (عند اللہ معنی فی اللہ کے ہے واقع میں) صادق ہی ہو۔

چنانچہ شریعت نے یہ قانون مقرر کر دیا ہے۔

الولد للفراش جس کے فراش اور جس کے نکاح میں عورت ہے اولاد اسی کی ہے۔

اور یہی مطلب ہے اس مسئلہ فقیہ کا کہ جس عورت کا خاوند برسوں پردیس میں غائب رہے اور اس کے اولاد ہو جائے تو وہ ثابت النسب ہے معنی یہ ہیں کہ قانون شرعی سے وہ لڑکا اس کا ہے یعنی اس کو حرامی کہنا اور اس عورت کو بدکار کہنا حرام ہے اگر وہ شخص پردیس میں مر جائے تو یہ لڑکا اس کا وارث ہو گا ۱۲۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سوءظن کے لئے دلیل کی ضرورت ہے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں فاذلم یاتوا بالشھداء فاولئک عنداللہ ھم الکذبون عنداللہ سے مراد ہے یہاں پر فی الدین اللہ فی قانون اللہ یعنی شریعت کے قانون کی رو سے تم جھوٹے ہو تمہارا کہنا سب غلط ہے پس اس تقریر کے بعد یہ شبہ نہ رہا کہ محتمل الصدق کو جزماً کیسے کاذب فرمادیتے تھے حکیم محمد مصطفیٰ صاحب نے اس آیت سے ایک عجیب مسئلہ استنباط کیا ہے کہ حسن ظن کے لئے تو کسی دلیل کی ضرورت نہیں سوءظن کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

بے تحقیق کوئی بات کرنا بڑا جرم ہے

تفصیل اس کی یہ ہے کہ منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایک افتراء و بہتان باندھا تھا جس کا لوگوں میں چرچا ہوا تو چند مسلمان بھی اس تذکرہ میں ملوث ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے سخت تکلیف پہنچی اور آپ وحی کے منتظر رہے مہینہ بھر کے بعد وحی نازل ہوئی اور حضرت صدیقہ کی برأت نہایت شدومد کے ساتھ ظاہر کی گئی اور جن مسلمانوں نے اس بہتان کا تذکرہ اپنی زبان سے کیا تھا ان کو بہت دھمکایا گیا ان آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مسلمانوں پر حد قذف جاری فرمائی انہی آیات میں سے ایک آیت یہ ہے جس کی میں نے تلاوت کی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں جبکہ تم اپنی زبانوں سے اس افتراء کا تذکرہ کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات نکالتے تھے جس کی تم کو تحقیق نہ تھی اور تم اس کو معمولی اور سرسری بات سمجھتے تھے حالانکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑا جرم ہے (یعنی زبان سے بے تحقیق کے بات نکالنا) پس تقولون بافواھکم مالیس لکم بہ علم الخ (اور اپنے منہ سے ایسی بات نکالتے تھے جس کی تم کو تحقیق نہ تھی الخ) یہ ایک عمل کلی ہے جو مورد نزول کے علاوہ بھی بہت سے موارد کو عام ہے اس وقت میں عمل کلی ہی پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جس کے متعلق ایک قانون کلی ہے واقعہ جزئیہ کا بیان اس وقت مقصود نہیں۔ حاصل اس قانون کلی کا یہ ہے کہ زبان سے بدوں تحقیق کے کوئی بات منہ سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا جرم ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ زبان کی احتیاط نہایت ضروری ہے بدوں تحقیق کے زبان سے بات نکالنا ہرگز نہیں چاہیے۔

بے تحقیق بات کا زبان سے نکالنا جرم ہے

اذتلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواھکم ما لیس لکم بہ علم (جبکہ تم اپنی زبانوں سے اس افترا کا تذکرہ کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات نکالتے تھے جس کی تم کو تحقیق نہ تھی) کیونکہ وہاں بھی تو ایک روای

(c) ketabton.com: The Digital Library

اول تھا جس نے یہ بہتان تراشا تھا اور اس سے یہ بات مدینہ میں پھیلی تھی کیونکہ اول منافقین نے اس بات کا چرچا کیا تھا پھر کچھ مسلمانوں نے بھی منافقین سے سن کر تذکرہ شروع کیا تھا جس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہ نہیں کہا گیا کہ دروغ برگردن راوی اول (جھوٹ کا گناہ پہلے راوی کی گردن پر ہے) بلکہ یہ فرمایا گیا ہے ان اللذین جاوا بالافک عصبة منکم لاتحسبوه شرا لکم بل هو خیر لکم لکل امرء منهم ما اکتسب من الاثم کہ جن لوگوں نے یہ بہتان باندھا ہے وہ تمہارے ہی میں سے ایک جماعت ہے تم اس واقعہ کو اپنے لئے برا مت سمجھو بلکہ اس میں تمہارے لئے خیر ہے (ان میں سے ہر شخص کے لئے وہ ہے جو گناہ حاصل کیا ہے) کیونکہ ایک تو اس سے افتراء (یعنی حد قذف ۱۲) کا حکم معلوم ہو جائے گا دوسرے یہ معلوم ہو جائے گا کہ سنی سنائی بات کا نقل کرنا اور اس کا اعتبار کرنا جائز نہیں تیسرے آئندہ اگر کسی متقی پر اس قسم کا بہتان باندھا جائے گا تو حضرت صدیقہؓ کا واقعہ اس کے لئے تسلی کا باعث ہوگا کہ مجھ سے پہلے بھی بے گناہ آدمیوں کو متہم کیا گیا ہے وغیرہ ذلک من الفوائد ۱۲ (اس کے علاوہ اور بھی فائدے ہیں) اس کے بعد ارشاد ہے کہ ان میں سے ہر شخص کے لئے گناہ کا حصہ ہے اس میں حق تعالیٰ نے سب کو گناہ گار قرار دیا راوی کو بھی اور ناقلین کو بھی اس کے بعد فرماتے ہیں والذی تولی کبره منهم له عذاب عظیم کہ جس شخص نے اس میں بڑا حصہ لیا یہ راوی اول ہے اس کے لئے بہت بڑا عذاب ہے پس یاد رکھو کہ اس معاملہ میں حق تعالیٰ تمہارے قانون پر عمل نہ کریں گے کہ دروغ برگردن راوی اول (جھوٹ کا گناہ راوی پر ہے) بلکہ اپنے قانون پر عمل فرمائیں گے جس کا بیان اگلی آیت میں ہے اذ تلقونه بالسنتکم و تقولون بافواهکم ما لیس لکم به علم ان میں مسلمانوں کو خطاب ہے کہ تم زبان سے اس بہتان کا تذکرہ اور چرچا کرتے اور اپنے منہ سے ایسی بات نکالتے تھے جس کی تم کو تحقیق نہ تھی۔ اس میں بتلا دیا کہ بے تحقیق بات کا زبان سے نکالنا جرم ہے اور یہ بھی بتلا دیا کہ تحقیق بھی ہو جائے تو اس کا چرچا کرنا اور خواہ مخواہ پھیلانا دوسرا جرم ہے اگر کسی بات کی تحقیق بھی ہو جائے تو اس کو زبان سے نکالنا اسی حد تک جائز ہے جس حد تک ضرورت ہو اور ضرورت سے زیادہ پھیلانا اور اس کا بے فائدہ چرچا کرنا پھر بھی جائز نہیں۔ مثلاً کسی کو کسی کے متعلق تحقیق ہو جائے کہ یہ فلاں جرم کا مرتکب ہے تو امر بالمعروف کے طور پر خود اس شخص سے کہے کہ میں نے تیرے متعلق ایسا سنا ہے اگر یہ بات سچ ہے تو تم کو توبہ کرنا اور اس سے باز رہنا چاہیے اگر اس سے نہ کہہ سکے تو اس کے کسی مربی سے کہہ دے جو اس کو روک سکتا ہو اور یہ بھی اس وقت ہے جب تحقیق ہو جائے اور تحقیق نہ ہو تو پھر کسی سے بھی کہنا جائز نہیں نہ خود اس شخص سے نہ اس کے مربی وغیرہ سے پھر تحقیق کا طریقہ ہر کام کے لئے جدا ہے بعض امور میں دو عادل گواہ ضروری ہیں بعض میں چار پھر ان گواہوں میں بھی مشاہدہ سے گواہی ضروری ہے یہ نہیں کہ سب تمہاری طرح سنی سنائی کہتے ہوں پس جو بات منہ سے نکالنا ہو اس کے متعلق اول نفس سے سوال کیجئے کہ اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

کا منہ سے نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ دو حال سے خالی نہیں یا تو آپ عالم ہیں یا جاہل ہیں اگر عالم ہیں تو قواعد شرعیہ سے جواب معلوم ہو جائے گا ورنہ کتابوں سے مراجعت کیجئے اور اگر جاہل ہیں تو آپ کو پہلے کسی عالم سے دریافت کرنا چاہیے یا بقدر ضرورت علم حاصل کرنا چاہیے۔ بہرحال اگر آپ نفس سے یہ سوال کریں گے تو اکثر واقعات میں یہی جواب ملے گا کہ یہ جائز نہیں اور کمتر یہ جواب آئے گا کہ جائز ہے اس پر دوبارہ نفس سے سوال کیجئے کہ اس کے منہ سے نکالنے میں کوئی فائدہ اور مصلحت بھی ہے اس کا جواب بھی اکثر یہی آئے گا کہ کوئی نہیں تو پھر اس بات کو ہرگز منہ سے نہ نکالو اور جس کے متعلق یہ جواب آئے کہ اس کا منہ سے نکالنا جائز ہی نہیں اس کے تو پاس بھی نہ جاؤ مگر یاد رکھو کہ ناجائز باتوں سے اسی وقت بچ سکتے ہو جب اس کی عادت ہو جائے کہ مباح اور جائز باتیں بھی بے ضرورت نہ کرو بس زیادہ تر سکوت اختیار کرنا چاہیے حدیث میں ہے من سکت سلم و من سلم نجی (جس نے خاموشی اختیار کی سلامت رہا اور جو سلامت رہا اس نے نجات پائی) اور ایک فارسی مصرعہ ہے۔

خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

(خاموشی ایسے معنی رکھتی ہے جو کہنے میں نہیں آسکتے)

بلا تحقیق بات کرنا بہتان ہے

غرض دینی ضرورت سے اگر کسی کی غیبت کرے تو جائز ہے مگر ضروری ہونے کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ وہ بات محقق ہوگئی ہو جو تم بیان کرنا چاہتے ہو اگر دینی ضرورت نہیں بلکہ محض نفسانیت ہی نفسانیت ہے تو اس صورت میں امر محقق کا بیان کرنا بھی جائز نہیں کہ یہ غیبت محرمہ ہے اور بلا تحقیق کوئی بات کہی جائے تو بہتان ہے اسی کی نسبت حق تعالیٰ فرماتے ہیں اذ تلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواھکم مالیس لکم بہ علم وتحسبونہ ھیناً وھو عنداللہ عظیم (جبکہ تم اپنی زبان سے اس افتراء کا تذکرہ کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات نکالتے تھے جس کی تم کو تحقیق نہ تھی اور تم اس کو معمولی اور سرسری بات سمجھتے تھے حالانکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ بہت بڑا جرم ہے) یہ مختصر آداب ہیں کسی کے متعلق کوئی بات نقل کرنے کے۔ اب دیکھ لیا جائے کہ ہم لوگ ان کی کہاں تک رعایت کرتے ہیں عوام تو عوام بخدا اہل علم اور خواص بھی بہت باتیں بے ضرورت کہتے ہیں اور ان میں زیادہ تر بے تحقیق باتیں ہوتی ہیں اگر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہوتا تو آج کل کے اکثر ثقہ ستے ثابت ہوتے عموماً عادت یہ ہے کہ جہاں کسی سے کوئی بات سنی اور اس کو نقل کرنے لگے اور جو ان سے پوچھا جائے کہ میاں اس کی تحقیق بھی کی تو کہتے ہیں تانباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا (جب تک کچھ اصل ہی نہ ہو لوگ اس کا چرچا نہیں کرتے)

اذتلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواھکم مالیس لکم بہ علم و تحسبونہ ھینا وھو عنداللہ عظیم

(جب تم اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے ایک دوسرے سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

کسی دلیل سے مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات ہے) یہ سورہ نور کی آیتیں ہیں جن میں ایک خاص گناہ کو ہلکا سمجھنے کی مذمت کی گئی ہے وتحسبونه هيناً وهو عندالله عظیم (اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے)

گناہ کو صغیرہ سمجھنا

اس میں نص ہے یہ قصہ افک کا ہے اس میں قذف اور بہتان کا بیان ہے اور اس کو ہلکا سمجھنے پر توبیخ ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا خاص اسی گناہ کو جیسا کہ مقتضا سبب نزول کا ہے یا ہر گناہ کا خواہ وہ کبیرہ ہو ہلکا سمجھنا برا اور مذموم ہے سو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تخصیص کسی گناہ کی نہیں کیونکہ سبب نزول سے تو جگہ کی تخصیص ہوا ہی نہیں کرتی۔ رہا شبہ تخصیص کا عظیم سے سو ہر گناہ گو وہ صغیرہ ہو اپنی حقیقت کے اعتبار سے عظیم ہی ہے کیونکہ حقیقت گناہ کی نافرمانی ہے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی اور ظاہر ہے نافرمانی کو کسی قسم سے ہو زیادہ ہی بری ہے اور گناہوں کے درجات میں جو چھوٹائی بڑائی کا تفاوت ہے وہ ایک امر اضافی ہے کہ ایک بہت بڑا گناہ ہے اور یہ دوسرا اس سے چھوٹا ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے سب گناہ ہی ہیں کسی کو ہلکا نہ سمجھنا چاہیے اس چھوٹے بڑے ہونے کی ایسی مثال ہے کہ جیسے آسمان دنیا عرش سے تو چھوٹا ہے مگر در حقیقت کوئی چھوٹی چیز نہیں دوسری مثال ناپاکی اور پلیدی کی ہے کہ پلیدی ناپاکی سے تھوڑی ہو یا بہت مگر حقیقت تو دونوں کی پلیدی ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ جتنی کسی کی عظمت اور احسان ہوتا ہے اتنی ہی اس کی نافرمانی کرنا بری بات ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور شان کے برابر نہ کسی کی عظمت نہ کسی کا احسان تو اس کی نافرمانی سب سے زیادہ بری ہوگی پس وہ اپنی اس حقیقت اور مقتضی کے اعتبار سے تقسیم ہی ہوگی اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا جاتا۔

چونکہ اس کی تحقیق اہل علم کے سمجھنے کے قابل ہے اس لئے اس کو بھی بیان کرتا ہوں اس معنی میں عنداس آیت میں ہے فاذلم یاتوا بالشهداء فاولئک عندالله هم الكاذبون یہ آیت حضرت عائشہ کے افک کے قصہ میں ہے قصہ طویل ہے اس کا بیان کرنا یہاں ضروری نہیں جتنا جز و اس قصہ کا یہاں ضروری ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو منافقین نے متہم کیا کئی دن تک اس کا بہت چرچا ہوا آخر ان کی براءت حق تعالیٰ نے قرآن میں اتاری اور منافقین کے بکواس کو رد کیا اس رد میں یہ آیت بھی ہے۔ فاذلم یاتوا بالشهداء فاولئک عندالله هم الكاذبون اس کا ترجمہ یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ گواہ نہیں لا سکے لہٰذا یہ خدائے تعالے کے نزدیک جھوٹے ہیں اس کا مدلول یہ ہوا کہ ان کے جھوٹے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ چار گواہ نہ لا سکے اب یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ کذب کس کو کہتے ہیں سب جانتے ہیں کہ کذب کے معنی حکایت خلاف واقع کے ہیں یعنی ایک کام واقع میں نہیں ہوا اور بیان کیا کہ ہوا ہے اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

شہادت نہ لاسکنا مستلزم کذب ہے اب فرض کیجئے کہ ایک شخص نے کسی کو حرام کرتے دیکھا اور اس کی حکایت بیان کی مگر گواہ نہ لا سکا تو اس آیت کی بموجب تو وہ کاذب ہے لیکن یہ حکایت مطابق واقع کے ہے اس پر تعریف کذب کی صادق نہیں آتی اور آیت اس کو کاذب کہتی ہے اور لطف یہ ہے کہ آیت میں عنداللہ کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اور بلفظ دیگر حق تعالیٰ کے علم میں اور یہ مقدمہ مسلم ہے کہ حق تعالیٰ کا علم واقع کے مطابق ہے نہ علم صحیح نہ ہوگا تو عنداللہ کے مفہوم پر آیت سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ شخص جس نے حرام کو دیکھ کر حکایت بیان کی واقع میں بھی جھوٹا ہے یعنی اس نے واقع میں حرام نہیں کیا کیونکہ علم الٰہی میں اس کو کاذب قرار دیا گیا ہے اور علم الٰہی مطابق واقع کے ہوتا ہے تو اب یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ علم الٰہی خلاف واقع ہے یہ ایک سخت اشکال ہے قرآن پر مگر الحمدللہ حق تعالیٰ نے اس کا بہت سہل جواب دل میں ڈال دیا جس کو سننے کے بعد یہ معلوم ہوگا کہ اشکال کچھ بھی نہ تھا اس کی بنا اسی پر ہے کہ قرآن میں محاورات جاننے کی زیادہ ضرورت ہے صرف لفظی ترجمے اور لغت پر نہ رہنا چاہیے ایک لفظ کے لغوی معنی ایسے ہوتے ہیں کہ اس سے مخاطب کو کوئی بات قابل شرح صدر حاصل نہیں ہوتی اور اسی کے ساتھ محاورہ کی رعایت کردی جائے تو بالکل اطمینان ہو جاتا ہے اور سننے والا پھڑک اٹھتا ہے اور بہت سے اشکال رفع ہو جاتے ہیں۔ وہ جواب سنئے وہ یہ ہے کہ عنداللہ کے معنی یہاں فی علم اللہ کے نہیں ہیں بلکہ فی قانون اللہ کے اور فی دین اللہ کے ہیں مطلب یہ ہوا کہ قانون شرعی اس صورت میں کہ شہادت نہ پہنچ سکی تہمت لگانے والوں کے لئے یہ ہے کہ ان پر حکم کذب کا کیا جائے گا یعنی ان کے ساتھ کاذب کا سا معاملہ کیا جائے گا چاہے واقع میں کچھ بھی ہو۔ اب کوئی اشکال نہیں رہا کیونکہ اشکال تو یہی تھا کہ علم الٰہی کا خلاف واقع ہونا لازم آتا ہے اور یہاں علم الٰہی مراد ہی نہیں صرف یہ معنی ہو گئے کہ قانون ان کو جھوٹا کہے گا قانون ایک ایسی چیز ہے جس میں ضابطہ دیکھا جاتا ہے جس کے کچھ قواعد مقرر ہوتے ہیں کہ جب تک ان کی موافق کام نہ ہو اس کو معتبر نہیں مانا جاتا۔

قانون میں ہر بات کے ثبوت کی ضرورت

چنانچہ تمام زمانہ کے عقلا کا قانون ہے کہ کوئی بات بے ثبوت نہیں مانی جاتی خواہ واقع میں وہ بات بالکل صحیح ہی ہو اگر یہ قانون نہ ہو تو دنیا کا نظام ہی بگڑ جائے ایک شخص دوسرے پر دعویٰ کردے کہ اس نے میرا مال چرایا ہے بس قاضی کو چاہیے کہ اس پر چوری کا جرم قائم کردے اور سزا دے دے دوسرا دعویٰ کردے کہ اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے بس قاضی فوراً اس کو قصاص میں مار ڈالے تو اس طرح تو ایک دن میں دنیا تہ و بالا ہو جائے دنیا کا نظام قانون الٰہی قواعد کی پابندی ہی سے رہ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص پر چار آدمیوں نے زنا کی شہادت دی اور یہاں تک کہا کہ ہم نے مرد اور عورتوں دونوں کو ننگے اور اوپر نیچے دیکھا مگر

یہ نہیں کہا کہ دخول ہوتے دیکھا تو حضرت عمر نے اس شہادت کو تسلیم نہیں کیا اور مدعا علیہ پر زنا کو ثابت نہیں کیا بلکہ ان گواہوں کو جھوٹا قرار دیا اور ان پر قذف جاری کی اس کی وجہ کیا ہے یہی کہ ضابطہ پورا نہ ہوا اور شہادت کی جو شرائط تھیں ایک جزو اس کا رہ گیا وہ یہ ہے کہ کالمیل فی المکحلہ دیکھا ہو حالانکہ ظاہر تو یہی ہے کہ جب مرد اور عورت ننگے ہو چکے تھے تو زنا بھی ضرور واقع ہوا جب ایسا موقع تھا کہ ننگے ہو سکے تو زنا سے کون مانع موجود تھا یہ بات بظاہر قریب یقین ہی کی تھی لیکن اس پر بھی جب کہ آنکھ سے دخول ہوتے نہ دیکھا گواہوں کے لئے زبان سے ان دونوں کو زانی کہنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ چاروں گواہوں پر حد قذف لگائی گئی آج کل لوگ صرف وہم و گمان پر حکم لگا دیتے ہیں اور جو سمجھ میں آتا ہے کسی کی نسبت خیال پختہ کر لیتے ہیں اور افسوس ہے کہ یہ بلا علماء اور مشائخ کے یہاں بہت ہے۔ آج کل حضرت عمرؓ ہوتے تو بکثرت علماء اور مشائخ کے درے لگتے سب کی کرکری ہو جاتی اور یہ جو بڑے بڑے جبوں اور قلوں میں عیب چھپائے بیٹھے ہیں سب کی حقیقت کھل جاتی اس بات میں بڑی احتیاط چاہیے کہ دوسرے کی نسبت کوئی برا خیال قائم کیا جائے اور زیادہ اہتمام کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ یہ عادت اور طبعی بات ہے کہ اپنی طرف برا گمان کم ہوتا ہے اور دوسرے کی طرف اچھا گمان کم ہوتا ہے اکثر کوئی شخص جب اپنی طرف دیکھتا ہے تو نظر اپنے ہنروں اور محامد ہی پر پڑتی ہے اور جب دوسرے کی طرف دیکھتا ہے تو اس کے عیبوں اور برائیوں پر ہی پڑتی ہے جب یہ طبعی بات ہے تو ان دونوں میں غلطی ہو جانے کا بہت قوی احتمال ہے لہٰذا سخت اہتمام کی ضرورت ہے کوشش کر کے صحیح طریقہ یہ اختیار کرنا چاہیے کہ اپنے ہنروں کو کبھی نہ دیکھے صرف عیبوں ہی کو دیکھے اور دوسرے کے عیبوں کو کبھی نہ دیکھے صرف ہنروں ہی کو دیکھے بتکلف اس کی نگاہ داشت بہت اہتمام اور پابندی کے ساتھ کرنے سے کچھ امید کی جا سکتی ہے کہ آدمی کی اصلاح ہو جاوے غرض بے ثبوت بات کہنے سے گناہ بھی ہوگا اور قانون شرعی تاوقتیکہ کہ کافی ثبوت باقاعدہ نہ ہو اس کو جھوٹا ہی کہے گا خواہ وہ بات واقع میں جھوٹی نہ بھی ہو یہ معنی ہیں عند اللہ کے یعنی فی قانون اللہ تو آیت کے معنی یہ ہو گئے کہ تہمت لگانے والے چونکہ اپنے دعوی پر باقاعدہ شہادت نہ لا سکے لہٰذا وہ قانون الٰہی میں جھوٹے کہے جاویں گے اور کذب کے احکام ان پر جاری ہوں گے چنانچہ تین صحابی کو جو بھولے پن سے اس قصہ میں شریک ہو گئے تھے حد قذف لگائی گئی اور منافقین چونکہ چالاکی سے اس شرارت میں حصہ لے رہے تھے بقول مشہور ثبوت نہ ہونے سے دنیا میں حد سے بچ گئے اور آخرت میں تو مزہ چکھیں ہی گے۔ غرض اس تقریر کے بعد آیت پر کوئی اشکال نہیں رہا اور فقہ کے بہت سے احکام کا یہی مبنیٰ ہے کہ بسا اوقات ضابطہ کے درجہ میں ایک حکم کو ثابت مانا جاتا ہے خواہ واقع میں کچھ بھی ہو مثلاً دو عادل آدمی گواہی دیں کہ ہم نے 29 کو چاند دیکھا ہے تو اب رمضان یا عید کو ثابت مانا جاوے گا اگرچہ انہوں نے جھوٹی ہی گواہی دی ہو اسی طرح بسا اوقات ایک حکم کو منافی مانا جاتا ہے خواہ واقع میں ثابت ہی ہو مثلاً ایک شخص کا ایک بچہ ہونے پر تہمت لگانے سے لعان ہوا تو اس بچہ کے نسب کی اس شخص سے نفی کی جاوے گی خواہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

واقع میں اسی کا ہو اس کی صدہا نظیریں موجود ہیں تمام کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں لیکن اس کا علاج کیا کیا جائے۔ بہشتی زیور میں کوئی ایسا مسئلہ لکھ دینا جرم قرار پاوے اور وہی مسئلہ اس کے صدہا نظیریں عربی کی کتابوں میں لکھی ہوں بلکہ ان کے اردو ترجمے میں بھی لکھے ہوں تو جرم نہیں۔

شکایت سے متاثر نہ ہونا

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل عدل کا نام ونشان نہیں رہا اس کو تو دین کی فہرست سے خارج ہی سمجھ رکھا ہے۔ الحمد للہ میں ہمیشہ اسکا خیال رکھتا ہوں۔ بھائی مرحوم کے یہاں حاجی عبدالرحیم ملازم تھے۔ بڑے گھر میں سے مجھ سے ان کی کچھ شکایت کی میں نے ان کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے نفی کی۔ میں نے گھر میں سے کہا کہ شرعی ثبوت لاؤ تو انکار کرتے ہیں۔ وہ ثبوت پیش نہیں کر سکیں۔ تب میں نے کہا کہ بدوں شرعی کے کسی پر الزام نہیں لگانا چاہیے۔ انہوں نے توبہ کی ایسے موقع پر بڑی مشکل ہوتی ہے۔ جہاں دونوں طرف تعلق ہو مگر شریعت کے اصول پر عمل کرنے کی صورت میں کچھ بھی مشکل یا دشواری نہیں ہوتی اور گو دو شخص سے جو تعلق ہوتا ہے۔ اس میں فرق ضرور ہوتا ہے مگر عدل کے وقت دونوں کے مساوات ہونا چاہیے۔ میں نے خاص یہ صفت یعنی شکایت سے متاثر نہ ہونا۔ دو بزرگوں میں ایک خاص شان کی دیکھی ہے۔ یوں تو سب ہی بزرگوں میں اچھی صفات ہوتی ہیں مگر پھر بھی تفاوت ضرور ہوتا ہے۔ ایک حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور ایک حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں سو حضرت مولانا صاحب تو شکایت سنتے ہی نہیں تھے فرما دیتے کہ میں سننا نہیں چاہتا اور حضرت حاجی صاحب سن کر فرما دیتے کہ سب جھوٹ ہے۔ وہ شخص ایسا نہیں حضرت حاجی صاحب کی اس عادت کی دلیل قرآن میں ہے۔ وہ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی۔ حق تعالیٰ اس باب میں فرماتے ہیں لولا جاؤا علیہ باربعة شهداء فاذ لم یا تو ا بالشهداء فاولئک عندالله هم الکاذبون (یہ لوگ اپنے قول پر چار گواہ نہ لائے۔ سو اس صورت میں یہ لوگ موافق قاعدہ کے گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔

اور "عند اللہ سے مراد ہے فی دین اللہ فی قانون اللہ" اللہ کے دین میں اللہ کے قانون میں) آگے ارشاد ہے ولولا اذ سمعتموه قلتم مایکون لنا ان نتکلم بهذا سبحانک هذا بهتان عظیم (اور تم نے جب اس بات کو اول سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذ اللہ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حسن ظن کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔ سوظن کی دلیل کا نہ ہونا یہی ہی کافی دلیل ہے۔ حسن ظن کی پس حضرت حاجی صاحب پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ بلا دلیل شاکی کو کیسے کاذب فرما دیا۔ البتہ باوجود غلط سمجھنے کے اگر کسی دوسری بناء پر عمل کیا جاوے تو دوسری بات ہے جیسا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص کے متعلق شکایت کو جھوٹ سمجھا مگر انتظامی مصلحت کی بناء پر ان کو معزول کر دیا۔ (الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۱۹۹)

(c) ketabton.com: The Digital Library

کشف بلا تلبیس بھی حجت نہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ سے منصوص ہے کہ بعض کشف میں تلبیس بالکل نہیں ہوتی۔ مگر یہ تلبیس نہ ہونا مستلزم حجیت کو نہیں یعنی اگر کشف بلا تلبیس بھی ہو تب بھی حجت نہیں جیسا اگر کوئی شخص ۲۹ رمضان کو عید کا چاند دیکھ لے مگر تفرد کی وجہ سے اس کی شہادت مقبول نہ ہو تو خود اس کو بھی رویت پر عمل جائز نہیں۔ یعنی صبح کو روزہ رکھنا واجب ہوگا۔ دیکھئے یہاں تلبیس نہیں مگر پھر بھی اس پر عمل جائز نہیں اس کی ایک تائید آیت سے ہوتی ہے قرآن پاک میں ہے لو لا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات الی قولہ تعالیٰ. سبحانک ھذا بھتان عظیم تقریر تائید یہ ہے کہ اس میں یہ فرمایا گیا کہ لولا جاء وا علیہ باربعۃ شھداء فاذلم یاتوا بالشھداء فاولئک عند اللہ ھم الکذبون حالانکہ شہداء کا نہ ہونا مستلزم نہیں کذب واقعی کو مثلاً خود مشاہدہ کر لیا مگر نصاب شہادت پورا نہیں ہوا۔ یہاں تلبیس بالکل نہیں مگر باوجود اس کے یہ مشاہدہ حجت نہیں حتیٰ کہ خود صاحب مشاہدہ کو بھی زبان سے اس کا تکلم کرنا جائز نہیں۔ اور دوسرے پر بھی واجب ہے کہ سنتے ہی کہہ دیں۔ ھذا بھتان عظیم (الافاضات الیومیہ ج۳ ص۲۶۴)

قانون خدا میں جھوٹا

اب ایک آیت بھی سن لیجئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں لولا جاء وا علیہ باربعۃ شھداء فاذلم یاتوا بالشھداء فاولئک عند اللہ ھم الکاذبون (یہ لوگ اس واقعہ پر چار گواہ کیوں نہیں لائے تو جب یہ گواہ نہیں لائے تو حق تعالیٰ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں) اسی واقعہ افک میں یہ ارشاد ہے کہ یہ لوگ اس دعوے پر چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب یہ گواہ نہیں لائے تو حق تعالیٰ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں شاید کسی قاضی مبارک پڑھنے والے کو شبہ ہو کہ یہ آیت تو منطق کے خلاف ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک شخص نے کسی کو ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا ہو اور اس وقت کوئی دوسرا دیکھنے والا نہ ہو تو اب یہ شخص اگر اس واقعہ کی حکایت کرے گا تو واقع میں صادق ہوگا اور جب واقع میں صادق ہے تو عند اللہ بھی صادق ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا علم مطابق واقع کے ہے حالانکہ اس آیت کی بنا پر عند اللہ وہ کاذب ہے کیونکہ چار گواہ وہ نہیں لا سکا مگر ان معقولی صاحب سے کہا جائے گا کہ تم آیت کا مطلب نہیں سمجھے یہاں عند اللہ کے معنی فی علم اللہ (اللہ کے علم میں) نہیں بلکہ فی دین اللہ (اللہ کے دین میں) یعنی فی قانون اللہ (اللہ کے قانون میں) مراد ہے مطلب یہ ہوا کہ جو شخص دعویٰ زنا میں چار گواہ نہ پیش کر سکے تو وہ قانون خدا میں جھوٹا ہے گو واقع میں سچا ہو یعنی اس کے ساتھ معاملہ کاذب کا سا کیا جائے تو اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کا گو واقع میں کاذب ہونا محقق نہ ہو مگر وہ قانون روایت کے موافق کاذب ہو تو اسے کاذب کہنا جائز ہے خواہ وہ عند اللہ بمعنی فی اللہ و فی الواقع (عند اللہ معنی فی علم اللہ کے ہے واقع میں) صادق ہیں (مطاہر الاقوال ملحقہ مواعظ اصلاح ظاہر ص۳۰۴، ۳۰۵)

(c) ketabton.com: The Digital Library

حسن ظن محتاج دلیل نہیں ہوتا

فرمایا: حسن ظن محتاج دلیل نہیں ہوتا۔ بلکہ فقدان دلیل سوء ظن بعینہ دلیل حسن ظن ہے۔

دلیل میں آیت: ولو ظن المومنون والمومنات بانفسھم خیراً (مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں سے نیک گمان کیوں نہ کیا) ایک مرتبہ مجھ کو اس ملازمہ میں تردد ہوا کہ فاذلم یاتوا باربعة شھداء فاولئک عندالله ھم الکذبون (سو جس صورت میں یہ لوگ (موافق قاعدہ کے) گواہ نہیں تو بس اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں) کس طرح مرتب ہوا۔ جواب یہ سمجھ آیا کہ فاولئک عندالله ای عند دین اللهاور عند قانون الله و عند الشرع (پس وہ اللہ کے نزدیک یعنی اللہ کے دین اور اس کے قانون اور شریعت کے نزدیک) (ملفوظات حکیم الامت ج ۱۵ ص ۲۵۸، ۲۵۹)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

تفسیری نکات

منتہی سلوک کا مقام

فرمایا۔ منتہی سلوک طے کر کے اسی مقام پر پہنچتا ہے کہ واللہ یعلم و انتم لاتعلمون اللہ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے تو پھر شروع میں ہی کیوں نہ یہ عقیدہ رکھا جائے۔ خصوصاً صفات واجب میں کلام کرنا بہت خطرناک ہے سب مقدمات ظنیہ ہیں، جن کو متکلمین نے یقینی سمجھا ہوا ہے مثلاً مسئلہ کلام قیاس الغائب علی الشاہد ہے اپنے کلام میں جو تعاقب دیکھا تو یوں سمجھنے لگے کہ وہاں بھی تعاقب ہے۔ ممکن ہے کہ وہاں تعاقب نہ ہو حضرات صحابہ اور سلف کا سا عقیدہ رکھنا چاہیے بس اتنا کافی ہے کہ عالم بجمیع اجزا حادث ہے اسی میں ہیولیٰ اور صورت اور جزو لا یتجزی سب آ گئے اور یہ اللہ عالی کے صفات میں کلام اور ارادہ جب موصوف کا ادراک نہیں تو صفت کا ادراک کیسے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ
وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ
أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: اور جو لوگ تم میں (دینی) بزرگی اور (دنیوی) وسعت والے ہیں اور اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

تفسیری نکات

محبت آمیز نکیر

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح کی امداد بند کرنے کا ارادہ فرمایا تھا کیونکہ قصہ افک میں حضرت عائشہؓ کے متعلق ان کی زبان سے بھی کچھ نکل گیا تھا۔ آج بھی اگر کوئی واقعہ ایسا ہو جائے تو کوئی جنید وقت بھی اپنی زبان کی پوری حفاظت نہ کرسکے گا۔ کچھ نہ کچھ ہر شخص کی زبان سے نکل ہی جاتا ہے۔ یہ حضرات صحابہ ہی کا کمال ہے کہ منافقین کے اس قدر شور و شغب میں صرف دو تین صحابہ کی زبان سے بے احتیاطی ہوئی باقی سب محفوظ رہے۔ منجملہ ان دو تین کے ایک حضرت مسطح بھی تھے۔ ان کی زبان سے بھی کوئی بات نکل گئی۔ جب وحی سے حضرت عائشہؓ کی براءت ثابت ہوگئی تو حضرت صدیقؓ کو مسطح پر غصہ آیا کیونکہ یہ حضرت صدیقؓ کے قریبی عزیز بھی تھے اور حضرت صدیقؓ ان کی مالی امداد بھی کرتے تھے اس لئے یہ آپ نے قسم کھائی کہ اب سے میں مسطح کی امداد نہ کروں گا تو حق تعالیٰ نے آیت ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة ان یؤتوا اولی القربی والمساکین والمهاجرین فی سبیل الله میں حضرت صدیقؓ کو اس ارادہ سے منع فرمایا کہ روزی بند کرنے کی قسم نہ کھانا چاہیے اور گو بظاہر اس آیت میں حضرت صدیق پر نکیر ہے مگر محبت آمیز نکیر ہے کیونکہ اس میں حضرت صدیق کی اول تعریف بھی کی گئی ہے کہ اصحاب فضل کو یعنی جن کو فضیلت دینیہ حاصل ہے اور اصحاب وسعت کو یعنی جن کو خدا نے مالی وسعت دی ہے اپنے قرابت دار اور مہاجر مسکینوں کی امداد بند کرنے کی قسم نہ کھانا چاہیے اس میں حضرت صدیقؓ کی یہ تعریف ہے کہ ان کو خدا نے دینی فضیلت بھی عطا کی ہے اور دنیوی وسعت بھی عنایت کی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہاں سے معلوم ہوا کہ وسعت دنیویہ مذموم نہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ علماء کسب کمال سے منع کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے بلکہ اس کے مآل سے منع کرتے ہیں اگر کوئی شخص مآل سے محفوظ ہونے کا انتظام کرلے تو اس کے لئے وسعت دنیویہ مذموم نہیں۔ پھر اس میں حضرت مسطح کی بھی تعریف ہے کہ وہ مسکین ہیں' مہاجر ہیں مستحق امداد ہیں۔ اس بلیغ عنوان میں جس قدر ترغیب وتخصیص ہے ظاہر ہے۔

اس کے بعد حضرت صدیق کو ایک مراقبہ کی تعلیم ہے۔ الا تحبون ان یغفر الله لکم والله غفور رحیم۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائیں۔ یعنی اگر تم اپنے خطا کاروں کی خطا معاف نہ کرو گے تو اگر خدا تعالیٰ بھی ایسا ہی کرنے لگیں تو کیا ہو؟ آخر تم بھی تو کسی کے خطاوار ہو۔ پس اگر یوں چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف کردیں تو تم اپنے خطاواروں کو معاف کردیا کرو۔ یہ سن کر حضرت صدیقؓ پگھل گئے اور کہا بلی احب ان یغفر الله لی۔ بیشک میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری خطا معاف فرمادیں۔ اس کے بعد حضرت مسطح کی امداد بدستور جاری کردی اور مدت العمر کبھی بند نہ کی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

ترجمہ: جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاک دامن ہیں اور ایسی باتوں کے کرنے سے (بالکل) بے خبر ہیں اور ایمان والیاں ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کو (آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا۔

تفسیری نکات

ضروری تعلیم

اس میں یہی ضروری تعلیم مذکور ہے اور یہ آیت خاص واقعہ میں نازل ہوئی اس واقعہ کے تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں حکایات بیان کرنے کے لئے نہیں بیٹھا ہوں بلکہ ان واقعات میں جو فیصلہ کیا گیا ہے اور وہ فیصلہ بے ضرورت عامہ کا اس کے بیان کرنے کی ضرورت ہے' غرض آیت گو ایک واقعہ خاص میں نازل ہوئی ہے مگر مخصوص نہیں ہے اس واقعہ کے ساتھ کیونکہ ہر واقعہ کے لئے ایک قانون ہوتا ہے سو اگر قانون اس واقعہ کے قبل بنا ہوا ہے تب تو فبہا اور اگر بنا ہوا نہیں ہے تو اس کے لئے قانون بنایا جاتا ہے اور جب تک حکومتی

(c) ketabton.com: The Digital Library

رہتی ہے وہ قانون جاری رہتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ واقعات کا انحصار ہو نہیں سکتا اس لئے قوانین کلیہ بنائے جاتے ہیں تاکہ ضرورت کے وقت واقعات کو ان قوانین میں داخل کر سکیں اس سے فقہاء کے اس کہنے کا راز معلوم ہو گیا کہ۔ لاعبرة لخصوص المورد بل لعموم الالفاظ

یعنی خصوص مورد کا اعتبار نہیں بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے مثلاً کوئی آیت کسی خاص موقع میں نازل ہوئی تو وہ اسی موقع کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ جو واقعہ بھی اس کی مثل پیش آئے گا تو وہ اس کو بھی شامل ہوگی جیسے

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم اووزنوھم یخسرون.

بعض اہل کیل و وزن کے بارہ میں نازل ہوئی ہے مگر ان ہی کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ جو بھی کم ناپے تولے گا سب کو اس آیت کی وعید شامل ہوگی اسی طرح بہت سی آیات ہیں کہ مورد ان کا خاص ہے مگر حکم عام ہے اور یہ عقلی مسئلہ ہے اس میں زیادہ تفصیل کرنے کی حاجت نہیں اسی طرح یہ آیت باوجود یہ کہ واقعہ خاص میں نازل ہو مگر حکم عام ہے اب سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کیا فرماتے ہیں حق تعالیٰ اس آیت کے اندر ایک مضمون خاص بیان فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو محفوظ ہیں اور جنہیں خبر نہیں اور ایمان والیاں ہیں ان پر دنیا میں بھی لعنت ہوگی اور آخرت میں بھی اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا (آخرت میں) یہ تو ترجمہ کا حاصل ہے کہ پاک عورت کو تہمت لگانے والے پر لعنت ہے۔ اب سمجھئے کہ کسی کلام سے جو مقصود ہوتا ہے اس کو اصطلاح میں عبارة النص کہتے ہیں اور وہ مقصود ہی ہے جو ترجمہ کے حاصل میں بیان کیا گیا مگر مجھ کو اس وقت اس مقصود کا بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کا ایک اور مدلول بھی ہے جو مقصود نہیں مگر آیت اس پر دلالت کرتی ہے جس کو اصطلاح میں اشارة النص کہتے ہیں۔

صفات نسواں

اس وقت اس کا بیان کرنا مقصود ہے اور وہ مضمون ہے اور وہ مضمون یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں عورتوں کی اچھی صفات بیان کی ہیں اور وہ صفات اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ مجھ کو ان صفات میں گفتگو کرنا مقصود ہے تاکہ عورتیں اپنے اندر ان صفات کے پیدا کرنے کی کوشش کریں' سو آیت میں غور کرنے سے اور لفظوں کے دیکھنے سے وہ تین صفات ہیں جن سے متصف ہونے والیوں کو تہمت لگانے والے پر لعنوا کو مرتب کیا ہے تو وہ صفات پیدا کرنی چاہئیں پس ایک صفت المحصنات ہے ایک صفت الغفلت ہے اور ایک صفت المومنات ہے حاصل ترجمہ محصنات کا ہے پارسا عورتیں اور لفظی ترجمہ ہے حفاظت کی گئیں یعنی ان کو پارسائی کے خلاف باتوں سے محفوظ رکھا گیا دوسری صفت یہ ہے غافلات یعنی بے خبر بھولی بھالیاں تیسری صفت ہے المومنات یعنی ایمان والی سو آیت میں بظاہر یہ صفات منتشر یعنی غیر مربوط اور غیر مرتب معلوم ہوتی ہیں کیونکہ پہلے المحصنت

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے پھر الغفلت پھر المومنات حالانکہ ظاہر اقتضائے ترتیب یہ تھا کہ المومنات کو پہلے لاتے کیونکہ ایمان کا درجہ مقدم ہے سب چیزوں سے مگر ایسا نہیں کیا بلکہ محصنات کو مقدم کیا مومنات پر اس میں ضرور کوئی بڑا نکتہ ہے بات یہ ہے کہ کلام حق تعالیٰ کا ضروری رعایتوں کا نہایت جامع ہے اور اس میں اس قدر تدقیق ہے کہ ضروریات اصلاح کے متعلق جتنے امور ہیں ان کا ضبط اس میں اس قدر کافی ہے کہ کسی کلام میں نہیں ہوسکتا پس نظر غائر کرنے سے یہ صفات آپس میں مربوط بھی ہیں یعنی ان میں باہم علاقہ بھی ہے اور مرتب بھی ہیں۔

کمالات دین دنیا

اس کے لئے پہلے ایک مقدمہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ انسان میں دو کمال پیدا کئے گئے ہیں اور ان ہی کمالات کو بڑھانا انسان کو ضروری ہے ایک کا نام قوت علمیہ اور دوسرے کا قوت عملیہ اور کوئی شخص ایسا نہیں جو اس میں اختلاف رکھتا ہو خواہ وہ دنیا کا طالب ہو یا دین کا طالب ہو وہ دنیا دار ہو یا دیندار وہ جاہل ہو یا عالم وہ منطقی ہو یا فلسفی ہو۔ آخر کوئی نہ کوئی کام تو کرے ہی گا اور کرنے کا تعلق ہے قوت عملیہ سے۔ اگر قوت عملیہ سے نہ ہو تو اس کام کو کر ہی نہ سکے گا اور قوت علمیہ سے اس کی حقیقت جانے گا' اور اگر اتفاقی طور پر اس طرح کرے کہ قصد کو اختیار کو اس میں دخل ہی نہ ہو تو وہ بحث سے خارج ہے مثلاً کوئی تجارت کرتا ہے تو اس کو ایک تو تجارت کے اصول جاننا چاہیے اور پھر وہ اصول برتنا چاہیے کوئی شخص کھیتی کرتا ہے تو پہلے طریقہ کھیتی کا معلوم کرے پھر کھیتی کرنا چاہیے اسی طرح نوکری ہے کہ پہلے اس کے اصول جاننا چاہیے اس کے بعد قوت عملیہ سے کام شروع ہوتا ہے میں کہاں تک مثالیں عرض کروں۔ یہ بات اس قدر ظاہر ہے کہ زیادہ مثالوں کا محتاج نہیں۔ غرض انسان میں ایک قوت علمیہ ہے جس سے نفع وضرر کو پہچانتا ہے دوسری قوت عملیہ ہے اور انسان میں اصل بھی دو کمال ہیں باقی جتنے کمال ہیں وہ سب اسی کی فرع ہیں اور عورتیں بھی اسی حکم میں داخل ہیں پس ان کے بھی کمالات یہی دو ہوں گے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں اور اسی طرح جتنی کتابیں دین کی ہیں ان میں ان ہی کمالات سے بحث ہوگی جو دین کے متعلق ہوں' گو دنیا کے کمالات کی تحصیل بھی ناجائز نہیں سو قرآن شریف کے دو کام ہوں گے ایک تو کمالات دینی کا بتلانا دوسری جس عمل میں مضرت آخرت کی ہو اس سے روکنا جیسے طبیب کا کام ایک پرہیز کا اور دوسرے دوا کا بتلانا ہے۔ یہ اس کے ذمہ نہیں کہ لذیذ کھانوں کی ترکیب بتلایا کرے حکیم محمود خاں کے ذمہ یہ ہے کہ دواء اور پرہیز بتلا دیں گلگلہ پکانے کی ترکیب بتلانا یہ کام حکیم محمود خاں کا نہ ہوگا۔ اگر مریض نے اجازت چاہی کسی کھانے کی تو ترکیب اس کھانے کی خوان نعمت میں ملے گی۔ طبیب ہونے کی حیثیت سے ترکیب کھانے کی ان کے مطب میں نہ ملے گی۔ اگر کوئی ان سے کھانے کی ترکیب پوچھنے لگے تو ان کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ ہمارا کام یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں ہے جاؤ کسی باورچی سے سیکھو۔ اگر خوش ہو کر بتلا دیں تو یہ ان کی عنایت ہو گی مگر ان کے ذمہ نہیں ہاں ان کا یہ نصب ہے کہ جو چیز مریض کو مضر نہ ہو اسکی اجازت دے دیں اور اگر مضر دیکھیں تو روک دیں اسی طرح سے علماء کے ذمہ جو کہ قرآن شریف کے نقل کرنے والے ہیں یا یوں کہیے کہ قرآن شریف کے ذمہ دو چیزیں ہیں ایک امراض روحانی کی دوا بتلانا دوسرے پرہیز بتلانا اور یہ اس کے ذمہ نہیں کہ وہ دنیا کے کمالات کے طریقے بتلایا کریں کہ ربیع میں فلاں چیز بوتے ہیں خریف میں یہ بوتے ہیں مشین یوں چلتی ہے گھڑی یوں بنتی ہے پتلی گھریوں تیار ہوتا ہے کپڑا یوں بنا جاتا ہے۔ یہ قرآن شریف کے ذمہ نہیں ہے ہاں اگر آپ ان چیزوں کو کمال سمجھیں تو قرآن شریف اجازت دیتا ہے کہ ان کے کرنے میں حرج نہیں مگر یہ اجازت ہی تک ہے کہ آخرت کی مضرت نہ ہو جیسے طبیب جب کسی غذا میں مریض کے لئے مضرت دیکھتا ہے تو اس کو فوراً روک دیتا ہے اسی طرح شریعت جس وقت دیکھے گی کہ فلاں امر میں مضرت ہے آخرت کی اور یہ بات مریض روحانی کو مضر ہو گی تو فوراً روکے گی سو قرآن شریف کی تعلیم کافی ضرور ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں زراعت بھی ہو تجارت بھی ہو مشین چلانے کی ترکیب بھی ہو کپڑا بننے کا طریقہ بھی ہو بلکہ اس میں آخرت کے قوانین ہیں بعض تو مفصل ہیں اور جہاں کلام اللہ مجمل ہے وہاں حدیث سے اس کی تفسیر ہو گئی ہے اور یہ سب قرآن شریف ہے جو مختلف رنگ میں ظاہر ہو رہا ہے باقی یہ کہ اس میں تجارت بھی ہو زراعت بھی ہو سو یہ عیب ہے کسی فن کی کتاب کے واسطے کہ اس میں مقصود اور دوسرے فن کے مسائل ہوں مثلاً طب اکبر میں امراض کا بیان ہے اس لئے کہ وہ طب کی کتاب ہے ایک شخص نے خیال کیا کہ کبھی ضرورت جوتے سینے کی پڑ جاتی ہے کبھی ضرورت تجارت وزراعت کی بھی واقع ہو جاتی ہے اس لئے اس نے طب اکبر میں یہ تصرف کیا کہ شروع میں دو ورق تو امراض راس کے لکھے پھر جوتیاں سینے کا بیان لکھ دیا۔ پھر دو ورق امراض حلق کے لکھ دیئے اس کے بعد تجارت یا زراعت کے متعلق کچھ لکھ دیا یا پھر دو ورق امراض معدہ کے لکھے۔ پھر کچھ مضمون کپڑا سینے کا لکھ دیا بتلایئے انصاف سے کہ ایسی کتاب کو دیکھ کر عقلاء کیا کہیں گے۔ ظاہر ہے کہ اب مذاق اڑائیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ طب اکبر کا کمال نہ ہو گا اس کا کمال تو یہی ہے کہ اس میں طب ہی کے مسائل ہوں اسی طرح قرآن شریف میں اگر ایسا ہوتا تو قرآن شریف کا کمال نہ ہوتا اس کا کمال تو یہی ہے کہ اس میں دین کے طریقے بتلائے جائیں ہاں معاش سے ممانعت نہ ہونی چاہیے جبکہ طریقہ مباحہ سے ہو مقصود میرا یہ ہے کہ میں اپنی اس وقت کی تقریر میں جب لفظ کمال کہوں گا تو اس سے کمال دینی مراد ہو گا۔ سو کمال دینی دو چیزیں ہیں ایک قوت علمیہ اور ایک قوت عملیہ اور یہی دو کمال عورتوں کے لئے بھی ہیں پس حق تعالیٰ نے اس مقام پر تین کلمے ارشاد فرمائے ہیں ایک المحصنات یعنی حفاظت رکھی ہوئی بچائی ہوئی عورتیں دوسرا المومنات یعنی ایمان والی تصدیق کرنے والی عورتیں۔ میں پہلے ان ہی دو کلموں کو لیتا ہوں (الغافلات کا بیان آئندہ ہے) سو سمجھئے کہ ایمان نام ہے خاص

(c) ketabton.com: The Digital Library

علوم کا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کی اطلاع رسول کی معرفت دی ہے اور ان باتوں کو سچا جاننا۔ان علوم کا نام درجہ یقین میں ایمان ہے پس اس ایک لفظ میں اشارہ ہے قوت علمیہ کی طرف یعنی المومنات میں اور دوسرے میں اشارہ ہے قوت عملیہ کی طرف یعنی المحصنات

اور یہ دونوں کمال جب عورتوں کی طرف منسوب ہیں تو معلوم ہوا کہ جیسے مرد کامل ہوسکتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کامل ہوسکتی ہیں اور جیسے خود مردوں کی نوع میں تفاوت ہے ایسے ہی عورتوں کی نوع میں بھی تفاوت ہے۔

اور عورتوں کے کمال کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مرد جیسے کامل ہوتے ہیں یہ ویسی ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنی استعداد کے موافق کامل ہوسکتی ہیں خواہ مردوں کے برابر نہ ہوں اور عورتوں کے کمال کے حکم پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہ تو بروئے نص ناقص ہیں پھر ان کو کامل کیسے کہا جاسکتا ہے بات یہ ہے کہ عورتوں میں دو قسم کے نقصان ہیں ایک تو مردوں کے نوع کے مقابلہ میں۔سو اس کا تدارک تو غیر اختیاری ہے اور اکتساب کو اس میں دخل نہیں اور ایک اپنی نوع کے لحاظ سے اس کا تدارک ہوسکتا ہے اور وہ مکتسب اور اختیاری ہے اور یہ نقصان مبدل بکمال ہوسکتا ہے بہر حال عورتوں کو بھی ایک کمال علمی حاصل ہوسکتا ہے جس کو ایمان کہا گیا ہے۔دوسرا کمال عملی حاصل ہوسکتا ہے جس کو احصان فرمایا ہے اور چونکہ ایمان نام ہے علوم خاصہ کا اور علم مقدم ہوتا ہے عمل پر اس لئے اس کا مقتضا یہ تھا کہ المومنات کو مقدم لایا جاتا المحصنت پر المحصنت کو مقدم لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ علم مطلقاً فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ اس کا زیادہ حصہ ذریعہ ہے عمل کا اور مقصود علم سے عمل ہی ہے۔

علم و عمل

پس چونکہ اس اعتبار خاص سے عمل مقدم ہے علم پر اس لئے المحصنات کو پہلے لائے اور المومنات کو بعد میں یہاں یہ نکتہ ہے مقدم لانے میں اور اعتبار خاص سے میں نے اس لئے کہا کہ دوسرے اعتبار سے علم مقدم ہے عمل پر وہ یہ کہ بدوں علم کے عمل نہیں ہوسکتا۔مگر ہیں دونوں ضروری علم بھی اور عمل بھی یہ نہیں کہ جو شخص عمل نہ کرتا ہو وہ علم بھی حاصل نہ کرے جیسا بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ جب عمل ہی نہیں ہوسکتا تو احکام جاننے سے وعظ سننے سے کیا فائدہ بات یہ ہے کہ جب دونوں فرض ہیں تو جس نے علم حاصل کیا گو عمل نہ کیا تو وہ ایک ہی جرم کا مجرم ہوا کیونکہ اس نے ایک ہی ضروری چیز کو چھوڑا اور جس نے علم بھی حاصل نہ کیا ہو وہ دو جرم کا مجرم ہوا کیونکہ اس نے دو ضروری چیزوں کو ترک کیا اور اس کا یہ عذر مقبول نہ ہوگا کہ علم اس لئے حاصل نہیں کرتا کہ علم سے پھر عمل کرنا پڑے گا کیونکہ عمل تو پھر بھی فرض ہی رہے گا اس جاہلانہ عقیدہ پر ایک حکایت یاد آئی ایک شخص نے مسئلہ سنا تھا کہ چاند دیکھ کر روزہ فرض ہو جاتا ہے آپ گھر کے اندر گھس کر بیٹھ رہے کواڑ بند کر لئے کہ نہ چاند دیکھوں گا نہ روزہ فرض ہوگا۔کئی روز وہیں گزر گئے وہاں ہی کھانا وہاں ہی ہگنا۔بی بی پاخانہ اٹھاتے اٹھاتے تنگ ہوگئی بس ہاتھ پکڑ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کر نکال باہر کیا جنگل میں آپ پہنچے قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی تالاب کے کنارہ پر پہنچے سر جھکائے ہوئے تھے کہ کہیں چاند نظر نہ پڑ جائے بے چارہ اتنا جانتا نہ تھا کہ پانی کے اندر عکس ہوتا ہے تالاب کے کنارہ بیٹھے تو پانی میں چاند نظر پڑا اور روزہ فرض ہو گیا آپ کہتے بھلے ہیں ہم تو تجھے دیکھتے نہیں تو زبردستی آنکھوں میں گھسا جاتا ہے پس جیسے اس نے سمجھا تھا کہ جو چاند نہ دیکھے روزہ فرض نہیں ہوتا ایسے ہی بعضے لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر علم حاصل نہ کریں گے تو عمل ہی فرض نہ ہوگا سو یاد رکھئے کہ فرض دونوں چیزیں ہیں علم بھی اور اس اعتبار سے علم کا حاصل کر لینے والا گو اس نے عمل نہ کیا ہو اس سے اچھا ہے جس نے علم و عمل دونوں حاصل نہ کئے ہوں ہاں زیادہ مقصود بے شک عمل ہے اور اسی وجہ سے المحصنات کو مقدم لائے المومنات پر گویا اس میں عمل کی مقصودیت کی طرف اشارہ کر دیا کہ ہم یہاں اس کو اس لئے مقدم کرتے ہیں کہ عمل کو زیادہ مقصود سمجھو اور اس میں رد ہو گیا ان لوگوں کا جو محض تعلیم ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اور عمل کا اہتمام نہیں کرتے چنانچہ بعض لوگ علم دین حاصل کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے بڑا کمال حاصل کر لیا میں نے اس مذاق کے علماء کو دیکھے ہیں کہ بس علم حاصل کر کے اپنے کو سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں اور سارے مسلمانوں کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں اور ان کو ناز ہوتا ہے اپنے علم پر حق تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں فرماتے ہیں فرحوا بما عندھم من العلم کہ جو علم ان کے پاس تھا اس پر اترانے لگے۔

صفات نسواں

ایک تو یہ کہ یہاں تین صفتیں بیان ہوئیں المحصنت' الغفلت' المؤمنات دو صفت میں تو صیغہ اسم فاعل کا لائے یعنی الغافلات المومنات مگر المحصنات صیغہ اسم مفعول کا لایا گیا محصنات صیغہ اسم فاعل کا ارشاد فرمایا گیا بات یہ ہے کہ اس طرح لانے سے ہمیں ایک سبق بھی دیا ہے جس کی ضرورت چودھویں صدی میں آ کر واقع ہوئی وہ یہ کہ اس میں مردوں کو پردہ کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ المحصنات کے معنی ہیں پارسا رکھی ہوئی عورتیں مرد ان کو پارسا رکھیں ان کے ذمہ ہے پارسا رکھنا معلوم ہوا کہ عورت اکیلی کافی نہیں جب تک مرد اس کو محفوظ نہ رکھے اسم فاعل کے صیغے سے یہ بات حاصل نہ ہوتی۔

اس لئے مفعول کا صیغہ لائے دوسری یہ بات کہ بیچ میں غافلات کا لفظ کیوں اس کی کیا ضرورت تھی بات یہ ہے کہ اس کے بیچ میں ہونے سے دونوں صفتوں میں اتصال ہو گیا اشارہ اس طرف ہے کہ قوت علمیہ اور عملیہ کا کمال اس پر موقوف ہے کہ وہ غافلات بھی ہوں یعنی ان کے خیالات محدود ہوں عرفی تبادلہ خیالات نہ ہوں تب ان کا علم و عمل مقصود باقی رہ سکتا ہے مردوں کے لئے تو وسیع خیالات کا ہونا کمال ہے اور عورتوں کے لئے یہ کمال ہے کہ غیر وسیع الخیال ہوں ان کا مکان بھی محدود آنا جانا بھی محدود ہو علم بھی محدود یعنی صرف دین ہی کا علم ہو اس زمانہ میں دونوں نکتوں کے مقتضائے کے خلاف کیا جا رہا ہے ارشاد ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک اجازت حاصل نہ کرلو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو۔

تفسیری نکات

مسئلہ استیذان

یہ مسئلہ استیذان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر استیذان کے کسی کے گھر میں داخل نہ ہو اور یہ آیت مجمل ہے اس میں استیذان کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی کہ کب تک اجازت مانگا کریں۔ حدیث میں اس آیت کی شرح ہے کہ تین مرتبہ اجازت چاہو۔ اگر اجازت نہ ملے تو واپس چلے آؤ۔ چوتھی بار مت پوچھو کہ مخاطب تنگ ہوگا اور یہ مردانہ اور زنانہ دونوں کے لئے ہے لیکن مردانہ قطعات مختلف قسم کے ہوتے ہیں بعض ان میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہاں آنے کی ہر شخص کو اجازت ہوتی ہے جیسے حکام کی عدالتیں یا مجلس عام وہاں استیذان کی ضرورت نہیں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں استیذان کی ضرورت ہے بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ وہاں بیٹھنے کی غرض قرائن سے بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ خلوت ہے اور علی العموم سب کو آنے کی اجازت نہیں۔ تو شریعت کا حکم ہے کہ اگر قرائن سے معلوم ہو جائے کہ اس وقت اس شخص کو خلوت مقصود ہے تو بغیر استیذان وہاں ہرگز نہ جاؤ پھر کیا کوئی صاحب اس پر عمل کرتے ہیں اور اگر کوئی کرتا ہے تو اس کو طعن کیا جاتا ہے نیز حکم ہے کہ اگر اجازت نہ ملے تو واپس چلے آؤ۔ آج یہ حالت ہے کہ ایک مرتبہ کوئی اجازت نہ دے پھر دیکھئے جو عمر بھر اس طرف رخ بھی کریں کیوں صاحب اگر وہ آزادنہ ہوتو طلب اجازت کیا ہوئی یہ تو محض اطلاع ہوئی کہ ہم آگئے ہیں۔

معاشرت کا ایک علمی نکتہ

معاشرت کا مسئلہ قرآن شریف میں کئی مقام پر مذکور ہے چنانچہ ایک آیت میں ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ

ترجمہ: اے ایمان والو تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور اس آیت کا بھی مدلول ہے جس کو شروع میں تلاوت کیا گیا ہے جیسا کہ مذکور ہوا کہ اس میں معاشرت کے دو مسئلے بیان فرمائے گئے ہیں اور یہاں ایک علمی نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ دو حکم یہاں مذکور ہیں اس میں اول کو ثانی پر کیوں مقدم فرمایا۔

سو وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ چونکہ ان میں دوسرا حکم اول سے اشد و اشق ہے کیونکہ تفسح میں تو مجلس سے نہیں اٹھنا پڑتا اور انشزوا میں مجلس سے ہی اٹھا دیا ہے۔ اس لئے تفسحوا کو مقدم کیا تاکہ تعلیم اور عمل میں تدریجی ترقی ہو۔ یعنی اول سہل پر عمل کرنے سے اطاعت کی عادت پڑے پھر اشد کا کرنا بھی آسان ہو اور عجب نہیں کہ حکم ثانی پر رفع درجات کا ترتب بھی اسی لئے ہوا ہو۔

یعنی چونکہ انشزوا کا حکم نفس پر اسی وجہ سے زیادہ شاق تھا کہ اس میں عار آتی ہے تو اس پر عمل کرنا غایت تواضع ہے اور تواضع کی جزا رفعت ہے۔ اس لئے اس پر رفع کو مرتب فرمایا۔

پس آیت میں دونوں حکموں میں عنوان کے اعتبار سے ایک تفاوت تو یہ ہوا کہ پہلے عمل کو فراخی پر مرتب فرمایا جو کہ عادتاً مال کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے اور مال کم درجہ کا مطلوب ہے اور دوسرے عمل پر رفع درجات کو مرتب فرمایا جو کہ جاہ کے ذریعے سے ہوتا ہے اور جاہ بہ نسبت مال کے اعلیٰ درجہ کا مطلوب ہے سو یہ تفاوت تو اسی لئے ہوا کہ عمل اول نفس پر سہل تھا اس لئے جزاء بھی اس کی دوسرے درجہ کی ہوئی اور عمل ثانی نہایت شاق تھا اس لئے جزاء بھی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوئی۔ تو عمل ثانی کے متعلق جو وعدہ ہے وہ گویا من تواضع للہ رفعہ اللہ کا ہم مضمون ہوا کہ غایت تواضع کی وجہ سے رفع درجات کا ثمرہ مرتب ہوا۔

دوسرا تفاوت عنوان میں یہ ہے کہ ثمرہ اول میں لکم بعمیم خطاب فرمایا اور ثمرہ ثانی میں یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجت، بہ تخصیص بعد تعمیم فرمایا۔ یعنی ثمرہ اول میں تمام مؤمنین کی درجہ مساوات میں خطاب عام ہے اور ثمرہ ثانی میں اہل علم کو تخصیص بعد تعمیم کے طور پر اہل ایمان میں سے خاص کر کے بھی خطاب فرمایا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ تفسح کوئی امر شاق نہ تھا۔ اس میں بہت کم احتمال تھا نیت کے صاف اور خاص نہ ہونے کا۔ تو اس کے امتثال میں سب مؤمنین قریب قریب یکساں ہوں گے۔ بخلاف دوسرے عمل کے کہ نفس پر بہت شاق ہے اس میں احتمال ہے کہ بعضے لوگ محض وضع داری سے اٹھ کھڑے ہوں اور اس میں وہ مخلص نہ ہوں اور خلوص میں زیادہ دخل ہے علم کو کیونکہ اس سے اس کے دقائق معلوم ہوتے ہیں اس لئے اس میں علم والوں کی تخصیص بعد تعمیم فرمائی کیونکہ اہل علم میں امتثال بدرجہ اول پایا جائے گا اس لئے وہ خلوص میں دوسرے مؤمنین سے زیادہ ہوں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔

تفسیری نکات

حفاظت شرم گاہ کا بہترین ذریعہ

یہی نکتہ ہے کہ جس آیت میں غض بصر اور حفاظت فرج دونوں کا حکم ہے اس میں حق تعالیٰ نے امر غض بصر کو مقدم کیا ہے ارشاد ہے قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم یعنی کہہ دیجئے مومنین سے کہ اپنی نگاہیں نیچی کریں یعنی نظر سے بچیں اس حکم کو مقدم کیا دوسرے حکم پر یعنی یحفظوا فروجھم پر یعنی اصل فعل سے بچنے پر اس کی وجہ یہی ہے کہ غض بصر ذریعہ ہے حفاظت شرم گاہ کا اور ذریعہ آسان ہوتا ہے اسی واسطے اس کو اختیار کیا جاتا ہے معلوم ہوا کہ اصل فعل یعنی زنا سے بچنا اتنا آسان نہیں جتنا نظر کو بچالینا آسان ہے ثابت ہوا کہ غض بصر کوئی زیادہ مشکل کام نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت مقدسہ نے آسانی کے واسطے تدبیر بتلائی ہے اور اسی واسطے پردہ کا حکم رکھا ہے لوگ کہتے تو ہیں کہ پردہ کی کیا ضرورت ہے۔ اصل گناہ یعنی زنا نہ کیا جاوے پردہ ہو یا نہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ذرائع کو اختیار کرنے کے بعد بھی اگر مقصود میں کامیاب ہو جائے تو بہت ہے چہ جائیکہ ذرائع کو اختیار ہی نہ کیا جاوے اور کامیابی کی امید رکھی جائے میں کہتا ہوں کہ پردہ کے بعد بھی زنا سے بچ جاؤ تو بڑی بات ہے کیونکہ شیطان کے شر سے کہیں بے پردگی ہو جاتی ہے اور پردہ کو توڑ کر امید رکھنا کہ زنا سے حفاظت رہے گی محض حماقت ہے ان لوگوں نے شرعی انتظام کو بالکل لغو سمجھا ہے۔

پردہ کی ضرورت

ذرا بتائیں کہ یہاں یغضوا کو یحفظوا پر مقدم کرنے میں کیا حکمت ہے سوائے اس کے کہ حفاظت فرج کے لئے وہ ذریعہ ہے شریعت کو اتنا اہتمام حفاظت کا منظور ہے کہ اس کے لئے ذرائع کے اختیار کرنے کا حکم دیا نیز

(c) ketabton.com: The Digital Library

شریعت کے نزدیک حفاظت فرج اس قدر مشکل ہے جس کے لئے ذریعہ کو ضروری بتلایا اور براہ راست کامیابی کو عادۃً ناممکن قرار دیا مگر یہ شخص جو پردہ کا مخالف ہے شریعت میں صلاح دینا چاہتا ہے کہ وہ تو ایک کام کو اتنا مشکل سمجھتی ہے اور یہ ان کو آسان سمجھیں صاحب تجربہ کر کے دیکھ لیجئے کہ جہاں پردہ نہیں ہے وہاں زبانی دعوے جو کچھ بھی ہوں لیکن زنا سے حفاظت مطلق نہیں ہے۔

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم. سب سے اول مقدمہ اس بے ہودگی (یعنی زنا) کا بھی نظر ہے۔ اول نظر ہی پڑتی ہے پھر وسوسے آتے ہیں اس لئے چاہیے کہ ابتدائی مقدمہ کا پورا انسداد کرے۔

یعنی نگاہ کو پست رکھے پھر اور مفاسد اس پر مرتب ہی نہ ہوں گے۔ اسی واسطے ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا ہے النظر سھم من سھام ابلیس کہ نظر ایک تیر ہے شیطان کے تیروں میں سے۔ یہ ایسا تیر بے کمان ہے کہ نشانہ سے خطا ہی نہیں کرتا۔ اور پھر یہ کہ تیر تو چلایا اس نے مگر لوٹ کر اسی کے چبھ گیا۔ یہ ایسے غضب کی چیز ہے کہ اس کا مارا ہوا بہت کم بچتا ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے اول اسی کا انسداد فرمایا ہے چنانچہ فرمایا

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم. آپ مومنین سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں۔

یہ غض بصر مقدمہ ہے زنا سے محفوظ رہنے کا۔ باقی اگر کوئی شخص کہے کہ اندھے بھی تو زنا میں مبتلا ہوتے ہیں تو میں جواب میں حصر کا دعویٰ کرتا ہوں کہ بدوں نگاہ کے وہ بھی زنا میں مبتلا نہیں ہوتے جہاں کہیں بھی زنا میں ابتداء ہوگا نگاہ ہی کی وجہ سے ہوگا۔ البتہ نگاہ عام ہے خواہ نگاہ حقیقی ہو یا تقدیری۔

اندھوں کی نگاہ تقدیری ہوتی ہے۔ اندھے سوچتے ہیں تصور کرتے ہیں صورت کو نگاہ میں لاتے ہیں۔ یعنی نگاہ قلب سے اس کو دیکھتے ہیں اور تصور سے مزے لیتے ہیں پھر زنا پر اقدام کرتے ہیں۔ عادۃً یہ ممکن نہیں کہ صورت کی طرف بالکل التفات نہ ہو اور پھر ایسی بے ہودگی سرزد ہو محض توجہ بلاواسطہ صورت سے کسی کی طرف رغبت نہیں ہوتی بلکہ یہ اندھے اپنے تصور میں امور خارجیہ سے استدلال کرتے ہیں اس کی صورت پر کہ وہ ایسی ہے اور ویسی ہے اس طرح دل کو رغبت ہوتی ہے۔

غرض میں حصر کا دعویٰ کر سکتا ہوں کہ شہوت کے متعلق جو خرابی ہوتی ہے نگاہ ہی سے ہوتی ہے اس لئے نگاہ کو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ مگر بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ نگاہ تو برائے نام نیچی کر لیتے ہیں مگر دزدیدہ نظر سے کام کر رہے ہیں بزعم خود یغضوا من ابصارھم پر عمل ہے مگر خدا کے خوف سے نہیں بلکہ محض نمائش کے لئے کہ لوگ یوں کہیں گے کہ نگاہ بازی کرتے ہیں نگاہ تو نیچی کر لی مگر شعاعوں کو نہیں ہٹاتے حالانکہ شعاعوں کے ہٹانے پر قدرت ہے مگر یہاں تو یہ حالت ہے کہ خود ادھر ادھر گوشہ چشم سے شعاعوں کو نکالتے ہیں اور ان ہی سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اپنا مقصود حاصل کر لیتے ہیں اسی کے بارہ میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں یعلم خائنة الاعین خوب یاد رکھنا چاہیے کہ مخلوق کے دکھانے کو نیچی نظر کر لینا کافی نہیں مخلوق کو تو بہکا لوگے مگر خدا کو کیسے دھوکہ دے سکتے ہو۔

گہہ گہہ آوے ود وغے میزنی — از برائے مسکہ دوغے میزنی

خلق راگیرم کہ بفریبی تمام — درغلط اندازی تاہر خاص و عام

کارہا باخلق آری جملہ راست — باخدا تزویر وحیلہ کے رواست

کاربا اور است باید داشتن — رایت اخلاص و صدق افراشتن

خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صاف رکھنا چاہیے اسی واسطے حق تعالیٰ فرماتے ہیں یعلم خائنة الاعین وما تخفي الصدور کہ اللہ تعالیٰ خیانت والی آنکھوں اور دلوں کے بھید کو بھی جانتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی دیکھے گئے کہ ان کی نگاہ تو ایسی آزاد نہیں نہ دیدہ بازی نہ دزدیدہ نظری ہے مگر ان کا مذہب یہ ہے

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار — جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

دل ہی دل میں خیال جما کر مزے لے رہے ہیں اس کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں وما تخفي الصدور کہ جو تمہارے دل میں چھپا ہوا ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔

دیکھو! سنبھلو! تعجب ہے کہ تم نے آنکھ کی حفاظت تو مخلوق کی وجہ سے کر لی مگر جس کی اطلاع محض خدا تعالیٰ کو ہے اس کی حفاظت نہ کی یعنی دل کی تو ہم کو خدا تعالیٰ کی شرم نہ ہوئی بلکہ لوگوں کی شرم ہوئی۔

یہ امور ہیں پیش نظر کرنے کے قابل۔ ان امور میں ہدیٰ کو ہوس پر ترجیح دینے کا یہ طریقہ ہے کہ ایسے مواقع میں شریعت کے حکم پر عمل کرے محض اپنی خواہش وہوی پر عمل نہ کرے۔ اس طرح انتظام رکھو گے تو نگاہ پست ہو جائے گی۔

مراقبہ خشیت

حق تعالیٰ نے اسی جگہ یعنی غض بصر کی آیت میں قلب کی اصلاح کے لئے ایک طریقہ ارشاد فرمایا ہے یعنی ہم کو ایک مراقبہ سکھلایا ہے اس مراقبہ کو پختہ کرو تو اس مراقبہ سے خشیت پیدا ہو گی اور وہ خشیت ہی امراض قلب کا علاج ہے۔ خشیت کا ملکہ راسخ ہو جائے تو تقاضا معصیت کا نہیں رہتا اس مراقبہ کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے

قل للمومنين يغضوا من ابصارهم و يحفظوا فروجهم ذلك ازكى لهم ان الله خبير بما يصنعون

یہ ان اللہ خبیر بما یصنعون وہ مراقبہ ہے بس معصیت کے وقت اس کا مراقبہ کر لیا کرو کہ اللہ کو سب خبر ہے ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ سب سے خبردار ہیں اس سے خدا تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا ہو گا پھر معصیت کی ہمت نہ ہو گی کس قدر جامع تعلیم ہے سبحان اللہ! مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ محض یہ اعتقاد کر لو

(c) ketabton.com: The Digital Library

اللہ میاں کو سب خبر ہے بلکہ اس کا استحضار و استمرار کرنا چاہیے یعنی دل میں ہر وقت یہ خیال حاضر رکھو کہ خدا تعالیٰ کو سب خبر ہے اس سے خوف پیدا ہوگا۔ ہیبت ہوگی یہ اصلاح قلب جو علم باطن کے متعلق ہے پس علم ظاہری تو محض افعال کا انتظام کرتا ہے اور علم باطن اسباب کا علاج کرتا ہے۔

قل للمومنين يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم

دوسری جگہ ارشاد ہے

الذين يمشون على الارض هوناً یعنی غاضين ابصارهم

سمت امن

اہل لطائف نے لکھا ہے کہ شیطان نے بنی آدم کو بہکانے کی چار سمتیں بیان کی ہیں **ثم لاتينهم من بين ايديهم و من خلفهم و عن ايمانهم و عن شمائلهم.**

اور دو سمتوں کو بیان نہیں کیا یعنی فوق اور تحت اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں سمتیں محفوظ ہیں لیکن اوپر سے مراد دہلی کے چاندنی چوک کا کوٹھا نہیں بلکہ آسمان مراد ہے لیکن ہر وقت اوپر دیکھنا بہت دشوار تھا اس لئے سب سے اسلم سمت تحت ہے باقی چار سمتیں قدام' خلف' یمین' شمال ان کی یہ حالت ہے کہ ان کی طرف دیکھنے میں اکثر انسان فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

نظر بد سے بچنا غیر اختیاری نہیں

ایک شخص میرے پاس آئے جو بوڑھے ہو گئے تھے مگر نظر بد میں مبتلا تھے غرض وہ بوڑھے شخص مجھ سے ملے کہ اس میں کوئی سہل تدبیر بتلاؤ کہ میں اس مرض سے نجات پاؤں۔ میں نے کہا کہ سہل کی قید سے تو یہ سلسلہ غیر متناہی چلے گا۔ آج آپ مرض کے ازالہ کی سہل تدبیر پوچھتے ہیں کل کو اس تدبیر کو سہل کرنے کے لئے' اگر وہ سہل نہ معلوم ہوئی' دوسری تدبیر پوچھیں گے۔ اس میں کچھ دشواری پیش آئی تو پھر اس کی سہولت کے لئے اور تدبیر پوچھیں گے۔ اس طرح تو مرض کا علاج نہیں ہو سکتا۔ بس سہولت کی فکر نہ کیجئے۔ بجز ہمت کے اس کا کوئی علاج نہیں۔ ایک دفعہ پختہ عزم کر لیجئے کہ چاہے کتنی ہی تکلیف ہو' ہرگز نگاہ اوپر کو نہ اٹھاؤں گا اور جو کبھی اٹھ جائے تو فوراً نیچی کر لیجئے۔ اس ترکیب سے ان شاء اللہ مرض زائل ہو جائے گا۔ اس کے بدوں زوال ممکن نہیں' وہ کہنے لگا کہ میں چھوڑنے پر قادر ہی نہیں' ہمت کیسے کر سکتا ہوں؟ میں نے کہا کہ یہ آپ غلط کہتے ہیں۔ آپ یقیناً چھوڑنے پر قادر ہیں اور دلیل سے میں نے ان کو سمجھا دیا کہ آپ قادر ہیں۔ وہ دلیل یہ تھی کہ حق تعالیٰ شانہ کا ایک طرف تو یہ ارشاد ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا
کہ حق تعالیٰ طاقت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتے
دوسری طرف یہ ارشاد ہے
قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم
کہ مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں۔

ان دونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ نگاہ نیچی کرنے پر بندہ قادر ہے۔اس لئے کہ اس کے متعلق حق تعالیٰ کا حکم ہے اور ان کا کوئی حکم طاقت سے زیادہ نہیں ہوتا۔میرے سامنے تو وہ اس دلیل میں تاویلیں نکالتے رہے مگر گھر جا کر جو انہوں نے اس میں غور کیا اور خط بھیجا کہ واقعی میں غلطی پر تھا۔انسان ہر گناہ سے بچنے پر قادر ہے۔ البتہ پہلے پہل کلفت ضرور ہوتی ہے اس کے بعد یہ کلفت کم ہوتی جاتی ہے۔یہاں تک کہ پھر عادت ہو جاتی ہے۔

صاحبو! انسان میں ارادہ وہ قوت ہے کہ اس کے ساتھ وہ تمام مخلوق پر غالب آ سکتا ہے۔صاحبو! تمہارے ساتھ دو لشکر ہیں۔ایک ملائکہ اور ایک شیاطین کا اور ان دونوں میں مقابلہ رہتا ہے۔ایک چاہتا ہے کہ تم کو بدی سے بچائے اور دوسرا چاہتا ہے کہ تم کو گناہ میں پھنسائے اور ان لشکروں کی ہار جیت تمہارے ارادہ پر موقوف ہے۔جس کی طرف تمہارا ارادہ ہو جائے وہی غالب ہو جائے گا۔اگر آپ نے گناہ کا ارادہ کر لیا تو لشکر ملائکہ پسپا ہو گیا۔اب وہ غالب نہیں ہو سکتا اور اگر گناہ سے بچنے کا ارادہ کر لیا تو لشکر شیطان مغلوب ہو گیا۔اب وہ کبھی غلبہ نہیں کر سکتا۔ افسوس آپ میں اتنی بڑی قوت موجود ہے اور پھر آپ یوں کہتے ہیں کہ ہم گناہ چھوڑنے سے عاجز ہیں۔

ظلمت معصیت

صاحبو! آپ عاجز ہرگز نہیں۔ہاں یوں کہیے کہ ابھی تک چھوڑنے کا ارادہ نہیں کیا اور ارادہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کی عظمت اور اس کا خوف دل میں نہیں۔گناہ کو ایک معمولی چیز سمجھ رکھا ہے اور جس گناہ کی عظمت دل میں ہے اس میں کسی طرح کی بھی کوئی تاویل منہ سے نہیں نکلتی۔کیونکہ دیکھئے گناہ دو قسم کے ہیں۔ایک وہ جو کہ صرف شریعت مقدسہ میں حرام ہیں۔دوسرے وہ جو کہ قانون اور شریعت دونوں کے اعتبار سے ناجائز ہیں۔ بتلائیے ان گناہوں میں آپ کیا برتاؤ کر رہے ہیں جو کہ قانون کی رو سے ناجائز ہیں اور موجب سزا ہیں۔ظاہر ہے کہ سب اس سے اجتناب کریں گے۔ڈاکہ کوئی نہیں مارتا۔چوری شریف آدمی بالکل نہیں کرتے یہاں تک کہ راستوں میں پیشاب تک نہیں کرتے کیونکہ قانوناً جرم ہے۔کیوں صاحب اگر کوئی ڈاکو کہنے لگے کہ میں اپنے عیال کو بدوں ڈاکہ کے پال نہیں سکتا تھا۔اس لئے کہ آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہے تو کیا حاکم اس کا یہ عذر قبول کر لے گا اور کیا اس کو سزا نہ دے گا؟ یا چور یہی عذر کرنے لگے تو کیا اس کو رہا کر دیا جائے گا؟ حاکم صاف کہہ دیتا ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ ہم یہ باتیں نہیں سننا چاہتے۔ تم نے خلاف قانون کام کیا ہے تم کو پھانسی دی جائے گی۔

اے اللہ کے بندو! ایک جواب حاکم دنیا کے سامنے نہیں چل سکتا۔ وہ خدا کے سامنے پیش کرتے ہوئے کچھ تو شرمانا چاہیے۔ (المراد ملحقہ مواعظ دنیا و آخرت ص ۲۹ تا ۴۱)

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ
وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ
عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ

ترجمہ: اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالبا) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں۔

تفسیری نکات

چہرہ اور بازوؤں کے پردہ میں داخل ہونے کی مدلل بحث

بعض لوگوں نے آیہ نور لایبدین زینتھن الاماظھر منھا میں ماظھر منھا کی تفسیر وجہ اور کفین کے ساتھ منقول ہے اس سے عدم وجوب استتار وجہ کفین پر استدلال کیا ہے آیا یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں؟

اول ماظھر منھا کی تفسیر متعین نہیں۔ یہ قول ابن عباسؓ سے منقول ہے اور حضرت ابن مسعودؓ سے اس کی تفسیر ثیاب وجلباب کے ساتھ منقول ہے۔ والقولان مع اقوال اخر منقولان فی الدر المنثور. جب یہ تفسیر محتمل ہوئی تو محمل سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ قول اخیر پر آیت میں وجہ کفین کے استثناء کی کوئی دلیل نہیں اور بعد تسلیم بھی یہ استدلال باطل ہے اور منشاء اس کا جہل ہے پانچ امر سے ۱۔ خود جملہ ظھر منھا کے معنی سے بھی ۲۔ اور لایبدین کے سباق (بالمواحدہ) وسیاق (بالمثناۃ) سے بھی ۴۔ ۵ اور اس آیت سے مقدم فی النزول بعض آیات سے بھی اور دوسری موخر فی التلاوۃ غیر معلوم التقدم والتاخر فی النزول آیت سے بھی چنانچہ سب کے متعلق عرض کرتا ہوں ۱۔ امر اول ماظھر فرمانا اور ما اظھر نہ فرمانا (باوجودیکہ اور سب صیغ مذکورہ فی الآیۃ میں فاعل نساء کو قرار دیا گیا ہے جیسے یغضضن. یحفظن. لایبدین. یضربن. بخمرھن. لایضر بن بار جلھن

(c) ketabton.com: The Digital Library

دال ہے اس پر کہ یہ ظہور من غیر اظہار ہے۔ امر ثانی یغضضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن.
امر ثالث۔ لایضربن بار جلھن. امر رابع سورۂ احزاب کی (جو کہ سورۂ نور سے نزول میں مقدم ہے کذا فی الاتقان) آیتیں قولہ تعالیٰ وقرن فی بیوتکن وقولہ تعالیٰ واذا سالتموھن متاعا وقولہ تعالیٰ یدنین علیھن من جلابیبھن. امر خامس۔ آیہ والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحا اور چونکہ ان امور خمسہ میں کوئی تعارض نہیں۔ کما سیتضح اور اسی لئے کسی نے ان میں مؤخر کو مقدم کا ناسخ نہیں کہا اس لئے یہ پانچوں کے پانچوں واجب الاخذ ہونگے پس مجموعہ امور خمسہ پر نظر کر کے تقریر مقام کی یہ ہوگی کہ آیت وقرن فی بیوتکن اور آیت واذا سالتموھن) سے عورتوں پر استتار اشخاص کا واجب کیا گیا اور اصل حکم اور عزیمت یہی ہے لیکن کبھی خروج عن البیت کی بھی حاجت واقع ہوتی ہے ایسی حالت میں یدنین علیھن من جلابیبھن سے اظہار اشخاص میں رخصت دی گئی اور استتار ابدان کو واجب فرمایا گیا پھر کبھی گھر سے بعض کو جن کے پاس خادم نہ ہوں بعض ایسے کاموں کی ضرورت واقع ہو جاتی ہے جو ہاتھ سے کئے جاتے ہیں اور اس لئے ہاتھ کا استتار موجب حرج ہوتا ہے اور کام کرنے کے وقت اس کام کے دیکھنے کی بھی حاجت نہیں ہے اور گھونگٹ سے منہ چھپانے میں وہ گھونگٹ ابصار میں حائل ہو جاتا ہے اور اس لئے چہرہ کا استتار بھی موجب حرج ہوتا ہے ایسی حالت میں الاماظھر منھا سے بنا بر تفسیر مشہور صرف اظہار وجہ وکفین کی رخصت دی گئی ہے اور بقیہ بدن کے استتار کو واجب فرمایا گیا اور چونکہ یہ ضرورت بوجہ خدمت مولیٰ کی اماء میں زیادہ وسیع تھی اس کی رخصت میں زائد توسیع کی گئی۔
کما ھو مبسوط فی کتب الفقہ۔ پس جواز اظہار وجہ وکفین صرف حالت حرج فی الاستتار کے ساتھ مخصوص ہے اور بعض نے قدمین کو بھی کفین کے ساتھ ملحق کیا ہے اور بعض نے لبس خفین کے مانع مشی نہ ہونے کے دونوں میں فارق بتلایا ہے اور اس تقیید بحالۃ الحرج پر دلائل مستقلہ کے علاوہ خود صیغہ ظہر میں بھی دلالت ہے جس کی توجیہ یہ ہے کہ عورت اپنے کسی عضو کو جو کہ تفسیر ہے زینت کی (خواہ بالمطابقۃ گو مجازاً بھی ہو خواہ بالالتزام المعتبر عند اہل العربیۃ اس طرح کہ جب زینت جو کہ مباین ملابس ہے اظہار جائز نہیں۔ تو مواضع زینت کا جو جزو ہے اظہار تو کیسے جائز ہوگا) ہرگز ظاہر نہ کرے (وھذا مدلول قولہ تعالیٰ ولا یبدین زینتھن) لیکن اگر ایسی حالت ہو کہ اس میں وجہ وکفین کا استتار کا قصد واہتمام بھی کرتی ہے تب بھی وہ اضطراراً بلاقصد اظہار خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں کیونکہ اس ضروری کام کے ساتھ استتار جمع نہیں ہوتا ایسی حالت میں بمعیار الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ اس عارض کے سبب اسی قدر ان کی کشف کی اجازت ہے پس یہ حکم عارض کے سبب ہے اور اصلی حکم وہی استتار ہے۔ پس استثناء کے یہ معنی ہیں نہ یہ کہ اصلی حکم بالقصد وجہ وکفین کا شف ہو اور استتار کسی عارض سے ہو۔ اور اس کا احتمال کیسے ہوسکتا ہے جبکہ مقام اپنے سیاق وسباق سے انسداد فتنہ کو مقصود بتلا رہا ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

چنانچہ یغضضن اور یحفظن اور لا یضربن بار جلھن سب اس انسداد کی منصوصیت میں نص ہے اور احادیث نے تو فتنہ کے اسباب بعیدہ تک کا انسداد کیا ہے تو ایسی حالت میں وجہ و کفین اور خصوص وجہ کا (جو کہ مبنی ہے تمام فتن کا اور اس کا انکار نہ صرف بصیرت بلکہ بصارت کے فقدان کا بھی اقرار ہے) قصداً انکشاف آیت کا مدلول کس طرح ہو سکتا ہے ورنہ اجزاء آیت میں تعارض ہو جاوے گا کہ ادنیٰ عاقل کے کلام میں بھی ممتنع ہے تو حکیم علی الاطلاق کے کلام میں کیسے جائز ہوگا اور یہ مسئلہ خود مستقل ہے کہ وجوب استتار وجہ و کفین اور وجوب استتار بقیہ بدن یہ دونوں وجوب ایک نوع سے ہیں یا دونوں سے مثل فرض علمی و عملی کے جس کا مشہور عنوان یہ ہے کہ ان میں کوئی عضو عورت فی نفسہ ہے کون نہیں سو یہاں اس سے بحث نہیں۔ جو امر یہاں مقصود ہے یعنی مطلق وجواب استتار اس میں یہ سب برابر ہیں جیسے عورت غلیظہ وغیر عورت غلیظہ نفس وجوب ستر میں بابر ہیں مگر غلظ وعدم غلظ میں متفاوت ہیں اور چونکہ عادۃً ہاتھ سے کام کرنے میں اگر خاص طور پر خیال نہ رکھا جاوے۔ سر اور گلا کھل جاتا ہے اس لئے ولیضربن بخمرھن سے اس کا انتظام فرما دیا۔ پھر یہ حکم اصلی وجوب استتار وجہ و کفین بنا بر اطلاق الفاظ آیت عام تھا شواب و عجائز کیلئے۔ آیت و القواعد من النساء الخ سے اس وجوب سے عجائز کو مخصوص و مستثنیٰ کر دیا۔ گو استحباب ان کے لئے بھی ثابت ہے بقولہ تعالیٰ وان یستعففن خیر لھن. باقی وجہ و کفین کے علاوہ بقیہ بدن کا وجوب استتار اب بھی عام ہے چنانچہ سر وغیرہ کھولنا عجائز کیلئے بھی حرام اور آیت والقواعد الخ کو مخصوص کہنے کا مبنیٰ وہ اصولی قاعدہ ہے کہ جب خصوص کی دلیل کلام مستقل موصول ہو تو وہ دلیل عام کیلئے مخصص ہو جاتی ہے اور غیر معلوم التراخی حکم موصول میں ہے۔ پس بعد تخصیص حاصل حکم کا یہ ہوا کہ شواب کیلئے تو استتار وجہ و کفین بجز موقع حرج کے بحالہ واجب رہا اور عجائز کیلئے صرف مستحب ورنہ اگر شواب کیلئے وجہ و کفین کا کشف جائز ہوتا تو پھر آیت میں والقواعد کی تخصیص بیکار تھی۔ اس تقریر سے استدلال کا سقوط واضح ہو گیا اور یہ سب احکام اجانب کے اعتبار سے تھے اور محارم وامثالہم کا حکم دوسرے جملہ لا یبدین زینتھن الخ میں مذکور ہوا ہے جس کی تقریر بیان القرآن میں ہے اس تقریر کے بعد بفضلہ تعالیٰ نہ کسی محقق پر کوئی اشکال و اعضال رہا نہ کسی مبطل کیلئے مجال مقال کا احتمال رہا فقط۔

(تنبیہ) اور یہ سب تفصیل جواز یا عدم جواز انکشاف للاجانب یا للاقارب عورت کے فعل میں ہے باقی مرد کا جو فعل ہے نظر کرنا اس کا جدا حکم ہے یعنی جواز انکشاف جواز نظر کو مستلزم نہیں پس جس صورت میں عورت کو کسی عضو کا کھولنا جائز ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مرد کو اس کا دیکھنا بھی جائز ہو بلکہ وہ محل محترم میں یا احتمال شہوت میں بحالہ غض بصر کا مامور رہے گا۔ چنانچہ خود آیت میں اس عدم استلزام کی دلیل موجود ہے یعنی مرد کا بدن بجز مابین السرہ الرا کبہ جائز الانکشاف ہے مگر عورت کو پھر بھی حکم ہے یغضضن من ابصارھن خوب سمجھ لو (بوادر النوادر)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌؕ
اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ
شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ
وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُؕ
وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌۙ ۳۵ فِیْ
بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ
وَ الْاٰصَالِ ۳۶ رِجَالٌۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ
الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِۙ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ
وَ الْاَبْصَارُ ۳۷ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ یَزِیْدَهُمْ مِّنْ
فَضْلِهٖؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۳۸

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے۔ آسمانوں کا اور زمین کا اس کے نور (ہدایت) کی حالت عجیب ایسی ہے جیسے (فرض کرو) ایک طاق ہے (اور) اس میں ایک چراغ (رکھا ہے اور) وہ چراغ ایک قندیل میں ہے (اور وہ قندیل) ایک طاق میں رکھا ہے (اور) وہ قندیل ایسا (صاف شفاف) ہے جیسا ایک چمکدار ستارہ ہو (اور) وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون (کا درخت ہے) کو (کسی آڑ کے) نہ پورب رخ ہے ورنہ پچھم رخ ہے اس کا تیل (اس قدر صاف اور سلگنے والا ہے کہ) اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا (اور جب آگ بھی لگ گئی تب تو) نور علی نور ہے (اور) اللہ تعالیٰ (اس) نور (ہدایت) تک جس کو چاہتا ہے رہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لئے (یہ) مثالیں بیان فرماتا ہے اور ایسے گھروں میں (جاکر) عبادت کرتے ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان

(c) ketabton.com: The Digital Library

کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ ان (مسجدوں) میں ایسے لوگ صبح و شام اللہ کی پاکی (نمازوں) میں بیان کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت (اور) ایسے دن (کی دارو گیر) سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاویں گی۔ انجام (ان لوگوں کا) یہ ہوگا کہ اللہ ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار دے دیتا ہے۔

تفسیری نکات

نور چراغ سے تشبیہ

اللہ نور السموت والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح. اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو چراغ کے نور سے تشبیہ دی ہے حالانکہ چراغ کے نور کو نور حق سے کیا نسبت۔ مگر بوجہ وضوح کے تشبیہ دی گئی کیونکہ نور مصباح لوگوں کے ذہن میں پہلے سے حاضر ہے۔ اس پر اگر یہ سوال ہے کہ لوگوں کے ذہن میں تو نور شمس و قمر بھی حاضر ہے اور ان دونوں کا نور چراغ کے نور سے زیادہ قوی ہے تو ان کے ساتھ تشبیہ کیوں نہیں دی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سورج اور چاند کا نور اگرچہ چراغ کے نور سے اقوی ہے مگر سورج میں ایک عیب یہ ہے کہ اس پر نگاہ نہیں جمتی اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تو سامعین کو شبہ ہوتا کہ شاید خدا کا نور بھی ایسا ہی ہوگا کہ اس پر نگاہ نہ جم سکے تو جنت میں بھی دیدار سے مایوسی ہوتی اور قمر سے اس لئے تشبیہ نہیں دی کہ اس کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ نور القمر مستفاد من نور الشمس (اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ نور قمر کا مستفاد من الشمس ہونا تو اہل علم ہی میں مشہور اور چراغ کا نور مستفاذ ہونا دیا سلائی یا چقماق کی آگ سے ہر شخص کو مشاہدہ ہے اور خود نص میں اسکا ذکر ہے یکاد زیتھا یضیئی ولو لم تمسسہ نار میں۔ پس میرے خیال میں نور قمر سے تشبیہ نہ دینے کی توجیہ یہ کی جائے تو اچھا ہے۔ کہ قمر میں محاق کا عیب ہے کہ کبھی ہلال ہے کبھی بدر کامل ہے کمال کے بعد زوال ہے۔ ولیس نور اللہ کذلک. نیز اصل سوال کا جواب سہل یہ ہے نور شمس و قمر دونوں میں یہ نقص ہے کہ اسے روشنی حاصل کرنے میں کسی کے کسب و طلب و اختیار کو دخل نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے نور سے استفادہ کرنے میں کسب و طلب و عمل کو دخل ہے کہ جو کوئی اپنے قلب کو مثل زجاجہ کوکب دری کے صاف شفاف کرے اور اس میں ذکر اللہ و عشق اور اخلاص کا زیت مبارک بھر لے تو نور کہ نور شمس و قمر گو اقوی ہے مگر اس کی طرف انسان کو احتیاج اس قدر قاصر فی الذہن نہیں ہے جس قدر نور مصباح کی احتیاج قاصر فی الذہن ہے کیونکہ شمس و

(c) ketabton.com: The Digital Library

قمر کا طلوع وغروب عادت کے موافق خود ہوتا رہتا ہے بہت سے آدمیوں کو اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا اور مصباح کی ضرورت کی طرف ہر ایک کو التفات ہوتا ہے۔ رات کے وقت ہر شخص کو اس کی طلب ہوتی اور اس کی طرف التفات بھی ہوتا ہے۔ ھذا ماعندی و کل ذلک من قبیل الذکات و لعل ھذا احسن و الله تعالیٰ اعلم از حضرت مرشدی مولانا ظفر احمد صاحب دامت فیوضہم تو اس کے ساتھ تشبیہ دینے میں اس کا شبہ ہوتا کہ نور حق بھی کسی سے مستفاد ہے پھر چراغ میں ایک صفت شمس وقمر سے زیادہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی منور بنا دیتا ہے کہ ایک گھنٹہ میں ایک چراغ سے ایک لاکھ چراغ روشن ہو سکتے ہیں۔ اور اس کے نور میں کمی نہیں آتی اور شمس وقمر سے دوسروں کو صرف روشنی پہنچتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ دوسری شے نورانی بن کر کسی اور کو بھی منور کر سکے (اگر کہا جائے۔ کہ آئینہ آفتاب یا چاند کے سامنے کیا جائے تو وہ خود بھی نورانی ہو جاتا ہے اور دیوار کو بھی منور کر دیتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ محض واسطہ فی العروض ہوتا ہے۔ واسطہ فی الثبوت نہیں ہوتا اور چراغ واسطہ فی الثبوت ہو جاتا ہے جیسا کہ نور حق واسطہ فی الثبوت ہوتا ہے) مگر یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں کہ اس سے کوئی نعوذ باللہ دوسرا خدا تصنیف کرنے لگے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ نور حق دوسروں کو منور بھی کرتا ہے اور منور بھی گو دوسروں کی تنویر اس درجہ کی نہ ہو۔ اور یہ بات چراغ ہی میں ہے۔ شمس وقمر میں نہیں ہے۔ (غایت النجاح فی آیۃ النکاح ص ۲۹)

لفظ نور کا معنیٰ

نور کہتے ہیں اس کو جو ظاہر لنفسہ ومظہر لغیرہ ہو یعنی جو خود بھی ظاہر ہو اور دوسرے کو بھی ظاہر کرے۔ بس حقیقت یہ ہے نور کی اب الله نور السموات کی تفسیر میں استعارہ کی تاویل کی حاجت ہی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سموات اور ارض کو ظاہر بھی کر رہا ہے اور ان کے واسطہ سے خود بھی ظاہر ہے۔ بہر حال نور اس کو کہتے ہیں جو خود بھی ظاہر ہو اور دوسرے کو بھی ظاہر کرے۔

ترجمہ: خاص بندے ایسے ہیں کہ ان کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی اور وہ ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں قلوب اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی ضرور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اچھے کام کا بدلہ دیں گے اور اپنے فضل سے زیادہ دیں گے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے حساب عطا فرماتے ہیں۔

خلاصہ آیت

خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ مدح فرماتے ہیں ان خالص لوگوں کی جن میں خاص صفات ہوں جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ پس ہم کو چاہئے کہ وہ صفات ہم اپنے اندر پیدا کریں مگر ہم لوگوں کا عجیب مذاق ہے کہ فقط

(c) ketabton.com: The Digital Library

تذکرہ میں تو ان کی مدح کی جاتی ہے مگر ان صفات مدح کی تحصیل نہیں کی جاتی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اکتساب مال پر (مال کمانے پر) قادر ہو اور اس کے اصول بھی اس کو معلوم ہوں مگر ان اصول کی صرف مدح ہی مدح کرتا ہے مگر مال کا اکتساب نہیں کرتا بتلایئے کہ اس کو کیا فائدہ مل سکتا ہے یا ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص کو کھانے کی حاجت بھی ہے اور سامان بھی کھانے کا موجود ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ کھاؤ مگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ باتیں بہت کر رہا ہے کہ اس کھانے سے ایسی قوت آ جاتی ہے اور اس سے یہ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے لیکن باوجود اس کے خود محروم ہے سب کے منہ تک رہا ہے مگر کھاتا نہیں صرف تعریف کرنے ہی کو کافی سمجھتا ہے۔ انصاف سے کہیے کہ کوئی شخص دنیا میں اس کو عاقل کہے گا ہرگز نہیں مگر تعجب کی بات ہے کہ آج کل دین کے معاملہ میں عقلاء اور اہل الرائے اس بات کو تو سمجھتے ہیں اور اسلام کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے ان صفات کی مدح بھی کرتے ہیں جس کی اسلام نے تعلیم فرمائی ہیں مگر جن صفات کی مدح کی جاتی ہے ان صفات کی تحصیل میں سعی نہیں کرتے۔

اعمال قرب حق سبحانہ وتعالیٰ

غرض یہ آیت رجال لا تلھیھم تجارۃ الخ جن کو تجارت نہیں غافل کرتی الخ جس کی اس وقت تفصیل کی گئی ہے ان ہی اعمال کو شامل ہے جن کو حق تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے۔ اب وہ صفات سنئے کیا ہیں۔ بعض ایک ہی میں گرفتار ہیں کہتے ہیں کہ ہم تو ذات کے عاشق ہیں۔ ہمیں جنت و دوزخ درکار نہیں اس لئے ہمیں عمل کی کیا ضرورت ہے۔ عمل تو وہ کرے جو جنت کو جائیں اس سے مطلب ہی نہیں ہم تو ذات کے عاشق ہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ عاشق کو زیادہ عمل کرنا چاہیے۔ جنت تو تھوڑے عمل میں مل جاتی ہے۔ قرب میں تو بڑی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ کے قرب کے لئے اعمال کی ضرورت ہے۔ اب ان اعمال کو سنئے ارشاد فرماتے ہیں لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ الخ (ان کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی اپنے اچھے بندوں کو ایک صفت یہ ارشاد فرمائی کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ غافل نہیں کرتی تجارت اور بیع ذکر اللہ سے باقی بعضوں کا یہ خیال بالکل ہی غلط خیال ہے کہ پہلے دنیا کے کام پورے کر لیں اس کے بعد دین حاصل کر لیں گے کیونکہ دنیا کا سلسلہ تو کبھی ختم نہ ہوگا۔ کار دنیا کسے تمام نہ کرد

انوارات مقصود نہیں

آگے ارشاد ہے یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار (وہ اس دن سے ڈرتے ہیں کہ اس دن دل اور آنکھ الٹ پلٹ ہو جائیں گی) اس میں عجب کا علاج ہے یعنی ان کو عبادت کر کے ناز نہیں ہوتا باوجود عبادت کرنے کے پھر بھی ڈرتے ہیں۔ یہی مضمون دوسری آیت میں بھی ہے قلوبھم وجلۃ انھم الی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ربهم راجعون. (ان کے دل ڈرتے ہیں اس بات سے کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں) پہلی آیت کے ترجمہ کا یہ حاصل ہے کہ وہ ڈرتے ہیں اس دن سے کہ الٹ پلٹ ہو جائیں گے اس میں دل اور آنکھیں۔ مطلب یہ کہ ان میں باوجود عبادت کے بھی خوف ہے عجب نہیں۔ وہ اپنے اعمال کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ ایک مسئلہ یہاں سے اور مستنبط ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جو عمل کو ہیچ سمجھے گا وہ ثمرات کا منتظر نہ ہوگا تو اس میں اس کی بھی تعلیم ہے کہ اعمال کے ثمرات کا انتظار نہ کرو جیسے آجکل اکثر کی یہ حالت ہے کہ جہاں دو چار روز ذکر کیا اور منتظر ہوئے تجلی کے حضرت حاجی صاحبؒ ان تجلیات کے متعلق فرماتے تھے کہ حجاب نورانی اشد ہیں حجاب ظلمانی سے۔ کیونکہ سالکین کو جو انوار نظر آتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ خدا تو نہیں غیر خدا ہیں۔ مگر یہ عجیب ہونے کے سبب ان کی طرف توجہ کرتا ہے ان سے مزے لیتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات ان کو مقصود سمجھنے لگتا ہے بخلاف حجاب ظلمانی کے کہ ان کی طرف ایسا التفات نہیں ہوتا اس لئے وہ اشد ہیں مگر لوگ ان ثمرات مانعہ ہی کو چاہتے ہیں اور انہی کو مقصود سمجھتے ہیں سو ان کے آنے کا ہرگز قصد نہ کرے اور اگر بلا قصد آ دیں تو ان کی طرف التفات نہ کرے ان کی مثال ایسی ہے جیسے بچہ کو لڈو دے کر یا پیسہ دے کر بہلاتے ہیں اسی طرح مبتدی سلوک کو اس رنگ آمیزی سے بہلایا کرتے ہیں کہ نشاط سے کام میں لگا رہے سو مقصود کام ہی ہے اسی لئے اکثر یہ انوار عقلاء کو نہیں دکھائے جاتے بلکہ کم عقلوں کو دکھاتے ہیں تا کہ ذکر اللہ کا چسکہ لگ جاوے اور آگے کو قدم بڑھاوے اور میں جو ان انوار کی نفی کر رہا ہوں وہ بدرجہ مقصودیت ہے ورنہ فی نفسہ وہ محمود ہیں گو مقصود نہیں ان کو مذموم نہ سمجھنا چاہیے اگر خود آئیں آنے دو۔ ان کے دور کرنے میں بھی پریشانی مت اٹھاؤ اگر نہ آئیں تو مغموم مت ہو کیونکہ مقصودیت کے درجہ میں تو ہیں نہیں۔ نہیں آتے بلا سے مت آؤ اور اس آیت میں یخافون یوماً (اس دن سے خوف کرتے ہیں) فرمایا اس سے خوف کرتے ہیں حالانکہ بظاہر یخافونہ زیادہ مناسب تھا کیونکہ اصل خوف کی چیز اللہ تعالیٰ ہیں۔ سو بات یہ ہے کہ اس میں ایک خرابی یہ ہوتی ہے وہ یہ کہ بعض کو عروج کے مقام میں پہنچ کر فنا کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ ماسوی اللہ سے ایسا مستغنی ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کی چیزوں کو بے وقعت سمجھنے لگتا ہے کہ نہ جنت کی پرواہ ہے نہ دوزخ کا ڈر نہ یوم آخرت سے خوف صرف خدا ہی سے تعلق محبت یا خوف رہتا ہے اور استغناء میں ایسا غلو یہ عبدیت کے خلاف ہے اس وقت شیخ کامل اس کو عروج سے نزول کی طرف لاتا ہے تا کہ اللہ کی چیزوں کو بے وقعت نہ سمجھے اور اپنے کو خدا کی سب چیزوں کا محتاج جانے نہ کہ ان چیزوں کی ذات کی وجہ سے بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کی حیثیت سے دیکھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا عالی مقام تھا مگر پھر بھی آپ جنت طلب کر رہے ہیں۔ جنت تو جنت کھانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں غیر مودع ولا مستغنیً عنه ربنا یعنی ہمیں آپ کی ہر چیز کی حاجت ہے۔ ہم آپ کی کسی چیز سے بھی مستغنی نہیں ہم تو بندے ہیں ہر حال اور ہر چیز میں آپ کی عطاؤں کے محتاج ہیں اور اہل طریق کا جو قول

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے کہ غیر اللہ سے مستغنی ہو جاؤ اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کے سوا دوسری چیزوں کو کوئی مقصود سمجھنے لگے۔ اس سے استغنا ہونا چاہیے باقی اس حیثیت سے کہ ان چیزوں کو تعلق ہے اللہ تعالیٰ سے اس حیثیت سے ان کے ساتھ تعلق رکھے تو اس سے استغنا نہ ہونا چاہیے بلکہ ان چیزوں کی طرف اپنے کو محتاج سمجھے یہ عین عبدیت ہے۔

تفسیری نکات

پس آیت میں لفظ یوما لا کر سالک کو علو سے عبدیت کے مقام پر اتارتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ خدا سے تو کیوں نہ ڈرتے وہ تو خدا کی چیزوں تک سے بھی ڈرتے ہیں پس یوما لانے میں یہ نکتہ ہے اور بعض مقام پر یخافون ربھم (اپنے رب سے ڈرتے ہیں) فرمایا ہے وہ اس طرف اشارہ ہے کہ اصل خوف اللہ ہی سے ہونا چاہئے اسی لئے صوفیا کرام کہتے ہیں کہ اگر عذاب بھی نہ ہو تب بھی خدا سے ڈرنا چاہیے۔ آگے فرماتے ہیں لیجزیھم اللہ اس میں لام عاقبت ہے مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں میں یہ صفات ہوں گے ان کا یہ انجام ہوگا ان کو یہ ملے گا احسن ماعملوا میں احسن اور ماعملوا (جو انہوں نے عمل کئے ہیں) ایک ہی چیز ہے لفظ احسن سے یہ بتلا دیا کہ ہر عمل تمہارا احسن ہی ہے پس یہ قید واقعی ہے احترازی نہیں۔ جیسے ہم چنوں کو کھاتے ہیں تو پہلے کھلے کھلے انتخاب کر کے کھاتے ہیں اور پھر سب کو کھا جاتے ہیں۔ بے کھلے ہوئے بھی ہوؤں کے ساتھ کھا جاتے ہیں ۔اسی طرح یہاں بھی ہے کہ نیک عمل کیسا ہی ہو۔ سب احسن ماعملوا میں داخل ہے۔

سبحان اللہ! کتنی بڑی رحمت ہے اور کتنی بڑی تسلی فرمائی ہے اور کتنا بڑا انعام ہے ہم ناچیزوں پر۔ اور ہماری کتنی ہمت بڑھاتے ہیں قرآن میں تدبر کیا جائے تو جابجا رحمت اور تسلی نظر آئے گی چنانچہ ایک موقع پر ارشاد ہے۔

واللہ یدعوا الی دار السلام کہ اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتے ہیں۔

واللہ یدعوا الی الصلوۃ والزکوۃ اور اللہ تعالیٰ نماز اور زکوۃ کی طرف بلاتے ہیں۔

اگر ابتداء یوں فرمادیتے تو ہم گھبرا اٹھتے اور دل توڑ دیتے۔ قلب پر بڑا بار ہوتا کہ بڑی مشقتوں کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ پس حق تعالیٰ نے یہ رحمت فرمائی کہ عبادت کی طرف بلانے کو سلامتی کے گھر کی طرف بلانا فرمایا تاکہ دل کو رغبت پیدا ہو جاوے۔ پھر اس رغبت سے عبادت کی طرف دل بڑھے۔ واقعی کیا رحمت ہے۔ اس کے علاوہ رحمت اور دل بڑھانا اور دیکھئے وہ یہ کہ قاعدہ کے موافق جزاء بقدر مجزی بہ کے ہوتی ہے یعنی جیسا عمل ہو ویسی ہی اس کی جزاء ہونی چاہیے سو اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ ہم نے جیسے اعمال کئے ہیں۔ ویسی ہی جزا ملجاتی اور ہمارے اعمال کی حالت معلوم ہی ہے جیسے کچھ ہیں۔ چنانچہ اگر ہم بندوں کا کام ایسا ناقص کریں جیسا حق تعالیٰ کا کرتے ہیں تو ہم کو پوری اجرت تو کیا ادھوری بھی نہ ملے بلکہ سزا دی جائے تو قاعدہ مذکورہ کے موافق ہم کو اس صورت میں جزا ملنی چاہیے تھی۔ کہ دس برس یا بیس برس جنت میں رکھ کر پھر باہر کر دیئے جاتے کیونکہ محدود کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

جز ا قاعدہ کے موافق محدود ہی ہوتی ہے مگر کیا رحمت ہے اور کیا ہمارا دل بڑھاتے ہیں کہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ویزیدھم من فضلہ اور زیادہ دیں گے ان کو اپنے فضل سے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے زیادہ دیں گے مطلب یہ ہے کہ اعمال تو ہمارے اس قابل نہیں مگر یہ ہمارا فضل ہے کہ استحقاق سے زیادہ دیتے ہیں۔ صرف تمہارے اعمال پر حصر نہیں رکھتے بلکہ ہم جنت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دیں گے۔ اس میں تو شاید کسی کو یہ ناز ہوتا کہ ہمارے اعمال شاید بچے جیسے ہوں یعنی ان میں خاصیت ہونشونما کی۔ اس لئے حق تعالیٰ نے فرمایا من فضلہ کہ تمہارے اعمال بچے وچے کچھ نہیں جنتے بلکہ یہ محض ہمارا فضل ہے اور کچھ نہیں۔ آگے ارشاد ہے۔

واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے حساب روزی دیتے ہیں۔

یعنی کسی کو حق تعالیٰ پر حق اعتراض نہیں۔ اللہ میاں جس کو چاہیں بے حساب روزی دیں۔ ان کو کوئی روکنے والا نہیں۔ جس کو دیتے ہیں محض اپنے فضل اور مشیت سے دیتے ہیں جس میں کسی کو مزاحمت کا منصب نہیں بس آیت کا بیان ختم ہوا۔ ان اعمال کا آیت میں بیان ہے۔

مؤمن کا مال اصلی

صاحبو! یہ ہے مومن کا اصلی مال۔ باقی جس کو ہم مال سمجھتے ہیں وہ مال نہیں بلکہ جو مال میں کام آوے وہ ہے مال حقیقی (یعنی اعمال صالحہ) واللہ مال سے وہ راحت نہیں جو ان اعمال سے راحت ہوتی ہے دونوں جہاں میں اسی کو ارشاد فرماتے ہیں۔

من عمل صالحاً من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون.

کہ ہم نیک کام کرنے والوں کو جو کہ مومن ہیں دنیا میں بھی پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے یعنی ایسی زندگی جس میں راحت ہی راحت ہوگی یعنی اس سے دل کو سکون واطمینان ہوگا اور آخرت میں ان کے نیک اعمال کی کامل اجرت دیں گے۔ ایک جگہ اس کے مقابل ارشاد ہے۔

ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکاً ونحشرہ یوم القیمۃ اعمیٰ یعنی جس نے منہ پھرا میری یاد سے تو اس کو ملتی ہے گزران تنگی کی یعنی دنیا میں اور قیامت کے روز اس کو اندھا اٹھائیں گے۔

یہ نتیجہ ہے خدا کی یاد سے غفلت کا کہ یہاں بھی مصیبت وہاں بھی مصیبت۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ دنیا داروں کی یہاں بھی زندگی تنگ ہے یہ حال ہے کہ مال و دولت تو ان کے پاس سب کچھ ہے مگر اطمینان و راحت جس کا نام ہے وہ میسر نہیں۔ بعض اوقات تو ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ موت کی تمنا کرتے ہیں اور اعمال صالحہ سے حال کا عیش بھی اور مال کا عیش بھی دنیا بھی اچھی اور آخرت بھی اچھی۔ اصلی مال اس کو کہنا چاہیے۔ دنیوی مال کو تو مال اسی لئے کہتے ہیں یمیل الیہ القلب یعنی اس کی طرف قلب مائل ہوتا ہے۔ پس اعمال صالحہ کو بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

مال کہنا اس وجہ سے درست ہے کہ وہ اس قابل ہیں کہ قلب ان کی طرف مائل ہو۔

آیت کی تفسیر

اب دو ایک باتیں تفسیر آیت کے متعلق بیان کرنا چاہتا ہوں۔

ایک بات تو یہ ہے کہ آیت میں رجال کا لفظ آیا ہے عورتوں کا ذکر نہیں کیا۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو وہ تابع ہیں مردوں کے دوسرے دلالۃ النص کے طور پر وہ خود بخود ہی اس حکم میں اس طرح سے آ گئیں کہ یہ صفات جب مردوں کے لئے موجب مدح ہیں اگر کسی عورت میں ہوں تو وہ اور بھی زیادہ قابل مدح ہیں۔ عورت ہو تو ان صفات کو اختیار کرے تو بڑی ہمت کی بات ہے۔

روح آیت کی اور ان سب صفات کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے دل کو ایسا تعلق ہو کہ دوسرے تعلقات پر غالب آ جاوے جیسا لاتلهيهم اس میں نص ہے یعنی صفت تو اس کی عبدیت ہو اور تعلق الوہیت سے ہو پس بندہ کا کمال یہی ہے کہ الوہیت اور عبدیت کو اس طرح جمع کیا جائے اور اس کی یہی صورت ہے کہ تعلق تو اللہ سے ہو اور شان عبدیت کی ہو۔

رجال ترکیب میں فاعل ہے ایک قراءت پر فعل ملفوظ کا ایک صورت میں مقدر کا جس پر یسبح ماقبل کا فعل دلالت کر رہا ہے کیونکہ اس جگہ قراءتیں دو ہیں یسبح بصیغہ معروف اور یسبح بصیغہ مجہول ہے۔ اس قراءت پر یہاں یسبح بصیغہ معروف مقدر کیا جائے گا۔

لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله یعنی تجارت اور بیع اللہ کی یاد سے غفلت میں نہیں ڈالتی۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی صفت بیان فرما رہے ہیں کہ ان کو تجارت اور بیع اللہ کی یاد سے غفلت میں نہیں ڈالتی۔ یوں نہیں فرمایا رجال لایتجرون کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ تجارت نہیں کرتے۔ اگر دونوں میں منافات ہوتی تو یوں فرماتے۔ پس معلوم ہوا کہ دونوں میں منافات نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تجارت تو وہ لوگ کرتے ہیں مگر تجارت ان کو ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتی ذکر اللہ تجارت کو چھوڑا تا نہیں البتہ غفلت سے روکتا ہے۔

لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله تجارت اور خرید و فروخت ان کو اللہ سے غافل نہیں بناتی۔ کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا خود مقصود نہیں بلکہ دین اصل مقصود ہے اگر دنیا مقصود ہوتی تو یوں فرماتے لاتلهيهم ذكر الله عن التجارة یعنی ذکر اللہ کے شغل سے تجارت میں غفلت نہیں ہوتی۔ اب تو یوں فرما رہے ہیں کہ تجارت اور بیع ان کو ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقصود دین ہے۔

ذکر اللہ

آگے فرماتے ہیں عن ذكر الله واقام الصلوة وايتاء الزكوة. یعنی وہ ایسے بندے ہیں جن کو تجارت اور بیع ذکر اللہ اور نماز اور زکوۃ سے غافل نہیں کرتی۔ ذکر فعل قلب ہے اور نماز فعل جوارح عبادت بدنی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے۔ زکوٰۃ عبادت مالی ہے مطلب یہ ہے کہ تجارت وبیع ان کو نہ قلب کی عبادت سے غافل کرتی ہے نہ بدنی عبادت سے نہ مالی عبادت سے اس میں یہ بھی بتلا دیا کہ محض عبادت ظاہری کافی نہیں' بلکہ قلب کو بھی عابد وذاکر بناؤ۔ اور ظاہر ہے کہ ذکر قلبی موقت نہیں کیونکہ اس میں تعیین وقت کی قید نہیں۔ وہ تو ہر وقت ہوسکتا ہے کسی کلام میں اس سے حرج ہی واقع نہیں ہوسکتا بخلاف دوسرے اعمال کے جیسے نماز ہی ہے مثلاً اس میں وقت کا اس لئے تعیین ہے۔ اگر تعیین نہ ہوتو دوسرے ضروریات میں بڑی دقت پیش آئے۔ اسی طرح زکوٰۃ بھی ورنہ مال ہی فنا ہو جاوے جس کا ضرر ظاہر ہے اور تعیین دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔

پس مجموعہ دلائل سے یہ حاصل ہوا کہ نماز وزکوٰۃ تو وقت معین پر ادا کرو مگر ذکر ہر وقت کرو یعنی دل سے ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہو۔ اس کو کہتے ہیں۔

سلوک کی ابتداء

سبح اسم ربک الاعلیٰ' اپنے برتر رب کے نام کی پاکی بیان کرو۔

میں اس طرف اشارہ بیان فرمایا ہے۔ اس میں لفظ اسم بڑھا کر ابتداء بیان فرمائی ہے سلوک کی کہ اول اپنے رب کے نام کی تسبیح کرو۔ اسی واسطے سبح ربک الاعلیٰ (اپنے برتر رب کی پاکی بیان کرو) نہیں فرمایا بلکہ اسم کا لفظ بھی لائے۔ گویا یہ تعلیم فرمادیا کہ ابتدا نام ہی سے کرو

لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ الخ

ان کو اللہ کی یاد سے نہ تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید وفروخت کا ایک شعبہ تو حاصل ہوجائے گا اور اگر چند دن ایسا کر کے کبھی اعتراض کرو کہ ہم نے تو ایسا کیا تھا مگر دل میں اثر نہیں ہوا۔ تو وجہ یہ ہوگی کہ آپ نے اس نیت سے نہیں کیا ہوگا کہ دل میں اثر ہو۔ اگر اس نیت سے کروتو ضرور اثر ہوگا۔ آگے ارشاد ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

ترجمہ: تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا (معمولی بلانا) مت سمجھو جیسا کہ تم میں ایک دوسرے کو بلاتا ہے

تفسیری نکات

ادب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب یہ ہے

لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً (پ ۱۸) کہ آپس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس طرح نہ لیا کرو جس طرح ایک دوسرے کا نام لیتے ہو۔

نیز ارشاد ہے: ان الذین ینادونک من وراء الحجرت اکثرھم لایعقلون (پ۲۶) یعنی جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف رکھتے ہوں تو باہر کھڑے ہوکر آپ کو نہ بلاؤ بلکہ اس کا انتظار کرو کہ آپ خود باہر تشریف لائیں تو اس وقت ملو اور بات چیت کرو۔

ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیراً لھم (پ ۲۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے اساتذہ کا ایسا ہی ادب کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں بعض دفعہ کسی حدیث کے لئے کسی انصاری صحابی کے گھر پر دوپہر کے وقت پہنچا اور دروازہ بند دیکھا تو وہیں بیٹھ گیا اور ان کو آواز نہیں دی سارا وقت دوپہر کا دروازے پر گزار دیا۔ جب وہ خود ہی نماز کے لئے باہر نکلے اس وقت ان سے ملے اور حدیث سنی۔ حالانکہ عبداللہ بن عباسؓ اہل بیت نبوت سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں۔ اگر کسی کو باہر سے آواز دے لیا کرتے تو ان کو گراں نہ گزرتا بلکہ وہ خوشی کے ساتھ باہر آتے مگر استاد کا ادب یہی ہے کہ اس کو دروازہ پر کھڑے ہوکر نہ پکارا جائے بلکہ اس کے باہر آنے کا انتظار کیا جائے۔ علم اسی طرح آتا ہے (اور جن لوگوں نے استادوں کا ادب نہیں کیا ان کو علم نہیں آیا گو کتابیں ختم ہوگئی ہوں مگر کیا کتابیں ختم کر لینے ہی کا نام علم ہے؟ ہرگز نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو جاہل نہ قرار دیتے اور ان کے لئے مثل الذین حملوا التورۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفاراً ارشاد نہ فرماتے۔

جب استاد کا بھی ادب لازم ہے اور اس سے زیادہ باپ کا اور اس سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہے تو اب خود سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کا ادب کس درجہ کا ہونا چاہیے لیکن آج کل عام طور پر لوگ مخلوق کا تو ادب بہت کرتے ہیں مگر خالق کا ادب نہیں کرتے اور اس مرض میں بعض اہل علم بھی مبتلا ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ادب کا مدار عرف پر ہے

حق تعالیٰ کی شان میں بعض علماء بھی ایسے الفاظ کہہ جاتے ہیں جو حضور کی شان میں وہ استعمال نہیں کر سکتے۔ البتہ صیغہ واحد کا استعمال حق تعالیٰ کے لئے خلاف ادب نہیں کیونکہ اول تو یہ عرف عام ہوگیا ہے اور ادب کا مدار عرف ہی پر ہے ورنہ مولانا محمد اسماعیل صاحب کے لطیفہ سے سب کو خاموش ہونا پڑے گا۔ جیسا ایک عالم کو آپ نے خاموش کر دیا تھا۔

آپ نے اس سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص فرش پر بیٹھا ہو اور قرآن کو رحل پر رکھے ہوئے پڑھ رہا ہو اور دوسرا آدمی پلنگ پر پیر لٹکا کر بیٹھ جاوے یہ جائز ہے یا نہیں؟ مولوی صاحب نے کہا جائز نہیں کیونکہ اس میں قرآن کی بے ادبی ہے۔ مولانا اسماعیل صاحب نے فرمایا کہ اگر قرآن کے سامنے کوئی کھڑا ہو جائے تو یہ کیسا؟ کہا یہ جائز ہے مولانا نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں فرق کیا ہے چارپائی پر بیٹھنے میں اگر بے ادبی پیروں کی ہے تو پیر تو پلنگ پر بیٹھنے والے کے بھی نیچے ہیں اور اگر بے ادبی سرین کے اونچے ہونے سے ہے تو سرین کھڑے ہونے والے کے بھی اونچی ہیں۔ وہ مولوی صاحب حیران ہو کر خاموش ہو گئے۔ اگر فقیہ ہوتے تو کہہ دیتے کہ ادب کا مدار عرف پر ہے اور عرف میں پہلی صورت کو بے ادبی اور دوسری کو ادب شمار کیا جاتا ہے مولانا اسماعیل شہید کے مزاج میں شوخی یعنی زندہ دلی بہت تھی اس لئے ان کے یہاں ایسے ایسے لطیفے اکثر ہوتے رہتے تھے جن کا جواب کوئی ان ہی جیسا دے سکتا تھا۔ ہر شخص نہ دے سکتا تھا۔

اور ہمارے ماموں امداد علی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ شوخی مزاج دلیل ہے نفس کے مردہ ہونے اور روح کے زندہ ہونے کی اور متانت دلیل ہے روح کے مردہ ہونے اور نفس کے زندہ ہونے کی۔ اکثر اہل اللہ شوخ مزاج یعنی زندہ دل ہوتے ہیں۔

بہر حال ادب کا مدار عرف پر ہے فقہا نے اس کو خوب سمجھا ہے چنانچہ **لاتقل لھما اف** کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ حقیقت اس نہی کی ایذاء والدین سے منع کرنا ہے یہاں تافیف موجب ایذاء ہو وہاں حرام ہے اور اگر کسی وقت عرف بدل جائے اور تافیف موجب ایذاء نہ ہو تو حرام نہیں اور فقہا نے جو بعض احکام میں تغیر عرف کی وجہ سے بدلنے کا حکم فرمایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ احکام حقائق کے متعلق ہوتے ہیں اور عرف کے بدلنے سے وہ حقیقت نہیں بدلتی جس سے تعلق حکم کا تھا صرف عرف سے اس حقیقت کی صورت تحقق بدل جاتی ہے۔ سو صورت مدار حکم نہیں۔ مثلاً جس حکم کا مدار ایذاء پر تھا وہ ایذاء ہی پر مرتب ہوگا۔ بدوں ایذاء کے حکم ثابت نہ ہوگا پس اگر ایک لفظ کسی قوم کے عرف میں موجب ایذاء ہے وہاں وہ تلفظ حرام ہوگا اور دوسری قوم کے نزدیک موجب ایذا نہیں وہاں تلفظ حرام نہ ہوگا۔

جیسے سر کا ہلانا ہمارے یہاں ایک ہیئت سے یعنی فوق وتحت کو اقرار کے لئے ہے اور ایک ہیئت سے یعنی یمین وشمال کو انکار کے لئے مگر حیدر آباد میں ہمارے یہاں کی انکاری ہیئت بہت لطیف فرق سے اقرار کے لئے بھی ہے تو وہاں اس فرق کے جاننے والے کی نظر میں اس سے اقرار ہی مفہوم ہوگا انکار مفہوم نہ ہوگا اور جو شخص وہاں کے عرف سے ناواقف ہوگا وہ بڑا پریشان ہوگا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَۃُ الفُرقان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَقَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَوۡ نَرٰی رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسۡتَکۡبَرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ وَعَتَوۡ عُتُوًّا کَبِیۡرًا ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور جولوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے (بوجہ اس کے کہ اس کے منکر ہیں) وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگ حد (انسانیت) سے بہت دور نکل گئے ہیں۔

تفسیری نکات

یعنی جولوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگ حد سے بہت دور نکل گئے) اور دوسری آیت میں ارشاد ہے جاہل لوگ کہتے ہیں کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کیوں نہیں بات کرتے یا ہمارے پاس کوئی (فرمائشی) نشانی کیوں نہیں آتی جولوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں وہ بھی ایسے ہی کہا کرتے تھے۔ ان سب کے دل یکساں ہیں ہم نے آیتیں بیان کردیں اس قوم کے لئے جو یقین کرتے ہیں یعنی بولنے سے مقصود احکام بتانا ہے سو ہم احکام بتا چکے اب ہم کو ہم کلام ہونے کی ضرورت نہیں پس جو ضرورت تھی کلام کرنے سے وہ رفع ہو چکی ہے اب رہی لذت وہ جب ہو کہ یہ ملذذ صاحب حق تعالیٰ کے بولنے کے وقت باقی بھی رہیں سو ہم کلام ہونا تو بہت دور ہے اگر اپنا کلام بھی کسی شے پر نازل فرمائیں تو وہ فنا ہو جائے چنانچہ فرماتے ہیں لو انزلنا

(c) ketabton.com: The Digital Library

هذا القرآن علی جبل لرایته خاشعاً متصدعاً من خشیة الله یعنی اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب) تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

اللہ تعالیٰ سے ہم کلام نہ ہونے میں حکمت اور مصلحت

الحاصل کلام یا رؤیت کی دنیا میں تمنا کرنا غیر ضروری ہی نہیں بلکہ مصلحت بھی نہیں ہے اور جن سے کلام ہوا ہے وہ بھی بلاواسطہ نہیں چنانچہ ارشاد ہے ما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیاً او من وراء حجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنه مایشآء انه علی حکیم. یعنی کسی بشر کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے بات کرے مگر بطور وحی کے یا پس پردہ یا فرشتہ بھیج دے پس جو چاہے وحی کرے اس لئے کہ وہ اس سے برتر ہے کہ بشر سے کلام فرمائے اور چونکہ حکیم ہے اس لئے مصلحت بھی اسی میں ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا ہم سے ہم کلام نہ ہونا عین مصلحت اور حکمت ہے۔

حق تعالیٰ شانہ کے دیکھنے اور سننے کا مراقبہ

پس ہمت باندھ کر اپنے ہر فعل میں اس کا مراقبہ کرو کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں کہ دیکھتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہ سنتے ہیں پھر دیکھئے کہ اس کا کیا ثمرہ ہوتا ہے تمام کلفتیں اور ادب مشقتیں آپ کو سہل ہو جائیں گی اور لطف دائم آپ کو ملے گا اور اسی کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے واصبر لحکم ربک فانک باعیننا و سبح بحمد ربک (یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے حکم کے لئے جمے رہئے اس لئے کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور اپنے پروردگار کی تسبیح حمد کے ساتھ کیجئے یعنی آپ ہم سے باتیں کیجئے) جب محب کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ محبوب مجھ کو دیکھتا ہے تو مصیبت میں بھی اس کو لطف آتا ہے۔

بجرم عشق توام میکشند غوغائیست　　تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

(یعنی اے محبوب! آپ کے عشق کے جرم میں مجھ کو لوگ مارے ڈالتے ہیں اور ایک بھیڑ لگا رکھی ہے آپ بھی سر بر بام آ جائیے اس لئے کہ خوب تماشا ہے)

ایک عاشق کو لکڑیاں مار رہے تھے ننانوے لکڑیاں کھائیں اور اف نہیں کیا اور ننانوے کے بعد ایک لگی تو آہ نکلی لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہا کہ ننانوے تک تو میرا محبوب بھی تماشائیوں میں تھا تو مجھ کو تکلیف نہ ہوئی اور آخر میں چلا گیا اس لئے تکلیف محسوس ہوئی پس معلوم ہوا کہ دنیا میں ہمارا حصہ یہی ہے کہ ہم اس کی یاد میں رہیں اور ہم کو اس کا یقین ہو کہ وہ ہم کو دیکھ رہے ہیں اور سنتے ہیں۔

وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض هونا یعنی خدا تعالیٰ کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین

(c) ketabton.com: The Digital Library

پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

تو اس آیت میں تواضع کا ایک اثر بتلایا ہے کیونکہ کبھی کسی شے کو ماہیت سے بتلایا جاتا ہے اور کبھی اثر سے تو نرمی و خشوع سے چلنا حقیقت میں اثر ہے تواضع کا۔

چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نماز پڑھتے ہوئے داڑھی سے کھیل رہا تھا جیسا اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ نماز کے اندر کپڑوں سے یا بالوں سے شغل کیا کرتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو داڑھی سے نہ کھیلتا۔ تو اس حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ خوف و خشیت قلب میں ہے اور اس کا یہ اثر ہے کہ نماز میں لہو و لعب نہ ہو۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝

ترجمہ: اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر یہ قرآن دفعۃً واحدۃً کیوں نہیں نازل کیا گیا اس طرح (تدریجاً) اس لئے (ہم نے نازل کیا) ہے تاکہ ہم اس کے ذریعے سے آپ کے دل کو قوی رکھیں۔ اور (اسی لئے) ہم نے اس کو بہت ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے۔

تفسیری نکات

قرآن مجید کے تدریجاً نزول میں حکمت

یہ آیت مشرکین نصاریٰ کے اس اعتراض پر نازل ہوئی تھی کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں تو ان کو کوئی کتاب دفعۃً پوری کی پوری آسمان سے کیوں نہیں دی گئی جس طرح موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ خدا تعالیٰ ان کفار کے اعتراض کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ کذلک لنثبت به فؤادك جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے کلام مجید کو بتدریج ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس لئے نازل کیا ہے کہ اس تدریج کے ذریعہ سے آپ کے دل کی تثبیت اور اس کا محفوظ کر لینا اور سمجھ لینا آسان ہو جائے۔

واقعی غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ جس قدر تثبیت فواد اور ضبط و فہم بتدریج نازل کرنے میں ہو سکتا ہے نزول دفعی میں نہیں ہو سکتا۔ دفعۃً نازل کرنے میں احکام جزئیات کا سمجھنا امت کے لئے اس لئے دشوار ہوگا کہ جب دفعۃً نازل کیا جائے گا تو یقیناً اس کے احکام امور کلیہ ہوں گے اور ان پر جزیات کو منطبق کرنا پڑے

(c) ketabton.com: The Digital Library

گا۔سو جب تک کہ نبی زندہ ہیں اس وقت تک سوال کرنے سے با آسانی تعلیم ہو جاوے گی لیکن نبی کی وفات کے بعد چونکہ ان کا منطبق کرنا محض امت کے اجتہاد پر رہ جاوے گا اس لئے بہت سی غلطیوں کا ہونا ممکن ہے جیسا کہ نصاریٰ اور یہود سے ہوئیں۔

اس تفاوت کی ایسی مثال ہے کہ ایک مریض کسی طبیب کے پاس آوے اور اپنی حالت بیان کر کے حکیم سے کہے کہ میں آپ کے پاس تو رہ نہیں سکتا نہ میں وقتاً فوقتاً آ کر آپ کو اپنی حالت کی اطلاع کر سکتا ہوں آپ میری حالت کے مناسب کئی نسخے مجھے لکھ دیجئے۔جوں جوں میری حالت متغیر ہوتی جاوے اور مرض میں کمی یا بیشی ہو میں اس کے مناسب نسخوں کو بدل کر استعمال کرتا جاؤں۔پس اس صورت میں اگرچہ طبیب کتنا ہی ماہر ہو اور کتنے ہی غور وخوض سے نسخوں کی تجویز کرے لیکن اس مریض کی حالت اس مریض کے برابر بہتر نہیں ہو سکتی جو کہ روزانہ طبیب کے پاس آتا ہے اپنی حالت بیان کرتا ہے پچھلا نسخہ دکھلاتا ہے اور روزانہ اس میں تغیر و تبدل کمی بیشی کرالے جاتا ہے اس لئے کہ اگرچہ پہلی صورت میں تمام تغیرات کے لئے طبیب نے نسخے لکھ دیئے لیکن تغیرات کی تعیین اور ان کا فہم یہ محض مریض کی رائے پر رہا جو کہ رائے العلیل ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ زیادتی صفرا کی ہو اور وہ سودا کا ہیجان سمجھ جاوے اور چستی سنبھالنے کی ہو اور وہ مرض کی کمی سمجھ جاوے۔

اس سے واضح ہو گیا ہوگا کہ جس قدر عام اور تام فائدہ جزئی حالت کے دیکھنے اور حسب ضرورت تغیر تبدل کرنے میں ہے امور کلیہ سمجھا دینے میں اس قدر فائدہ نہیں۔اس میں بہت سی غلطیاں ممکن ہیں بس خدا کا ہم پر بڑا فضل ہے کہ اس نے کلام مجید جزءاً جزءاً نازل فرمایا کہ علماء امت نے اس کو اچھی طرح سمجھا۔اس کے اسباب نزول پر پوری نظر کی اور اس کو اپنے ذہن میں لے لیا۔

سابقہ کتب کا نزول دفعی میں حکمت

یہاں بظاہر دو شبہات ہوتے ہیں۔اول یہ کہ جب تدریجی نزول میں اس قدر فائدہ اور دفعی نزول میں اس قدر نقصان کا احتمال ہے تو خدا نے قرآن سے پہلی کتب کو دفعۃً کیوں نازل فرمایا جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ مصلحت اور فرق غلط ہے یا امم سابقہ کے مصالح کی رعایت نہیں کی گئی۔

اس کا جواب تو یہ ہے کہ شرائع سابقہ چونکہ چند روزہ تھیں اور اس زمانہ کے اکثر ایام میں ان کے نبی یا ان کے خاص اصحاب ان میں موجود رہتے تھے جن سے تمام جزئیات حل ہو جاتی تھیں۔اس لئے کتب سابقہ کا دفعۃً نازل ہونا ان لوگوں کے لئے مضر نہیں ہوا۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ باوجود قرآن کے تدریجاً نازل ہونے کے فہم قرآن میں غلطیاں اب بھی ہوتی ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

چنانچہ اختلاف مجتہدین سے صاف معلوم ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس اختلاف اور خطا میں اور امم سابقہ کے اختلاف اور غلطیوں میں بڑا فرق ہے۔ ان سے زیادہ اور مضر غلطیاں ہوئی تھیں اور اس امت سے ایسی غلطیاں نہیں ہوئیں۔ وجہ یہ کہ اسباب نزول نصوص کی تفسیر ہے جس کو تعیین مراد میں خاص دخل ہے اور ظاہر ہے کہ تعیین مراد کے بعد کی غلطی خفیف ہوگی اور عدم تعیین مراد کی صورت میں عظیم ہوگی۔

یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ بلا تعیین مراد ان لوگوں پر احکام کیسے متوجہ ہوئے بات یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بیان سے تعیین ہو جاتی تھی۔ سو اول تو انہوں نے اس کی حفاظت نہیں کی دوسرے یہ کہ بیان بھی مواقع سوال ہی میں ہوتا ہے اور سوال کا ہر جگہ اذن تھا مگر قلت توجہ سے ان لوگوں کو اس کی نوبت بھی کم آئی اور اس امت میں جو تعیین مراد کے بعد اختلاف پیش آیا اس میں حکمت تھی توسیع مسالک کی پس وہ رحمت ہوا پس دونوں میں فرق ظاہر ہو گیا اور آیت۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ
سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۷۰ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝۷۱
ترجمہ: مگر جو (شرک و معاصی) سے توبہ کر لے اور ایمان بھی لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گزشتہ گناہوں کی جگہ نیکیاں عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور جو شخص (جس معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ بھی عذاب سے بچا رہے گا (کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور سے رجوع کر رہا ہے۔

تفسیری نکات

شریعت میں سخت مرض کا بھی آسان علاج ہے

ان دونوں آیتوں میں سے اول ایک آیت میں ایک بہت بڑے مرض کا ایک نہایت ہی سہل علاج فرمایا ہے اور یہ بھی ایک امتیاز ہے شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے شرائع اور دیگر طریق اصلاح سے کہ اس شریعت میں سخت امراض کے لئے بھی نہایت سہل علاج بتلائے گئے ہیں ورنہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جس درجہ کا مرض ہوتا ہے اسی درجہ کا علاج بھی کیا جاتا ہے حاصل یہ ہے کہ معصیت مرض ہے اور اس میں دو درجے ہیں ایک اس کا حدوث اور ایک اس کا بقاء یعنی صدور کے بعد اس سے رجوع میسر نہ ہو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تبدیل سیئات کی متعدد تفسیریں

اس آیت کے قبل بعض وعیدوں اور بعضے گناہ کرنے والوں کی حالت کا بیان ہے اس کے بعد فرماتے ہیں الامن تاب و امن الخ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گناہ کا علاج توبہ ہے مگر اس کو سن کر آپ سامعین بداعتقاد نہ ہو جائیں کہ یہ تو معمولی بات نکلی جو پہلے سے موہوم ہے سو ابھی بات تم نے سنی نہیں۔ فرماتے ہیں کہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے تو ان کے گناہوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا تو خدا تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں کے باب میں (جبکہ اس کے شرائط بھی پائے جائیں جن میں ایک ایمان ہے کیونکہ کافر کی توبہ مقبول نہیں۔ اور دوسرے عمل صالح ہے) یہ فرمایا ہے کہ اس کی برائیاں مبدل بہ حسنات ہو جائیں گی اور یہ دوسری شرط یعنی عمل صالح قبول توبہ کے لئے تو نہیں ہے کیونکہ بالاجماع خود گناہ معاف ہونے میں اس کی ضرورت نہیں کہ دوسرے نیک عمل بھی کرے صرف توبہ بطہر قہائے کافی ہے لیکن اولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت یہی وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نیکیاں عطا فرما دیتے ہیں) میں اس دوسری شرط کی ضرورت ہے اور تفسیر اس تبدیل سیئات کی مختلف ہے اور یہ مسئلہ اس آیت سے اس تفسیر کی بنا پر ماخوذ ہے جو میں عرض کر رہا ہوں اور دوسری تفسیر کی بناء پر نہیں لیکن اگر کوئی دوسری تفسیر کو بھی اختیار کرے تو ہمارے مقصود میں مضر نہیں کیونکہ اس علاج کا نافع ہونا تجربہ سے بھی ثابت ہو چکا ہے تو ایک تفسیر تو اس کی یہ ہے کہ قیامت کے دن بعض بندوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے گا کہ اول ان کے بعضے گناہ ظاہر کئے جائیں گے اور وہ ڈریں گے کہ اب دوسروں کی نوبت آئے گی مگر رحمت سے ان کو کہا جائے گا کہ اچھا ہم نے گناہوں کو معاف کیا اور ان کے برابر نیکیاں تم کو دیں اس وقت بندہ عرض کرے گا کہ یا الٰہی میں نے تو اور بھی گناہ کئے ہیں تو بعض نے اس قصے کی تفسیر کی ہے مگر یہ تفسیر میرے نزدیک اس لئے مرجوح ہے کہ خود اس حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاملہ سب کے ساتھ نہ ہوگا اور یہاں ہر تائب کے لئے حکم فرمایا گیا ہے تو راجح تفسیر وہی ہوئی جو میں عرض کرتا ہوں اور وہ بھی سلف سے منقول وہ یہ ہے کہ سیئات سے مراد ملکات سیئات ہیں اور حسنات سے مراد ملکات حسنات ہیں۔

یعنی ہر عمل کے دو مرتبے ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ اس کو تکلف سے کیا جائے یا اتفاقاً صدور ہو جائے دوسرے یہ کہ اس کا ملکہ ہو جائے۔ اول کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بچہ اتفاق سے ایک جیم نہایت اچھی لکھ دے تو یہ ملکہ نہیں بلکہ اتفاق ہے تو جو عمل بے ملکہ کے ہوگا اس کو پائیداری نہیں ہوگی اور جو عمل ملکہ کے ساتھ ہوتا ہے اس کو دوام ہوتا ہے یعنی توبہ کی بدولت ملکہ معصیت جو کہ منشا گناہ ہے بدل دیا جاتا ہے۔

بعض اہل اللہ نے فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت کی تفسیر کی ہے کہ حق تعالیٰ ہماری طاعات کو جو واقع میں سیات ہیں اپنے کرم سے طاعات ہی شمار کر لیتے ہیں۔

فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات کی تفسیر حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ یہ فرماتے تھے کہ سیئات سے مراد ہمارا نماز و روزہ ہے کہ درحقیقت یہ عبادت نہیں بلکہ واقع میں گستاخی اور بے ادبی ہے اور ہم

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایسی عبادات کو پیش کر کے بے ادب بنتے ہیں اور ہمارا ایسی عبادات پر اپنے کو مستحق اجر سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی آقا کا گستاخ نوکر پنکھا جھلے اور ہر دفعہ میں ان کے سر پر پنکھا مارتا ہو۔ اور پھر انعام کا طالب ہو۔ اس پر تو اگر وہ آقا سزا ہی نہ دے تو بڑی عنایت ہے۔ اسی طرح ہماری یہ عبادت بے ادبی اور گستاخی ہے اس پر اگر ہم کو سزا بھی نہ ہو تو بڑی رحمت ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی وہ رحمت ہے کہ ہمارے اس گمان کے موافق کہ ہم ان کو عبادات سمجھے ہوئے ہیں سچ مچ عبادت کر کے اس پر بھی ثواب دیں گے امراء کے یہاں دیکھا ہوگا کہ غرباء مٹی کے خربوزے تربوز بنا کر لاتے ہیں ان کو بھی انعام ملتا ہے ایسی ہی یہ ہماری نماز ہے کیا عجب ہے جو اس پر بھی انعام مل جاوے لیکن واقع میں تو ضرورت اسی کی ہے کہ ہماری ایسی نماز ہو۔ جیسی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور جب تک یہ حاصل نہ ہو سعی کرتے رہیں۔

اولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات کہ حق تعالیٰ گناہ کو حسنہ بنا دیتے اور جرم کو اطاعات کر دیتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ حشر میں اللہ تعالیٰ ایک بندہ سے دریافت فرمائیں گے کہ تو نے ایسا کیا تھا؟ تو نے فلاں گناہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ اول چھوٹے چھوٹے گناہوں کو گنائیں گے بندہ جس کا اقرار کرے گا اور اپنے دل میں ڈرے گا کہ ابھی سنگین جرائم کا تو ذکر ہی نہیں ہوا۔ دیکھئے ان پر کیسی گرفت ہو مگر حق تعالیٰ کبائر کے ذکر سے پہلے یہ فرما دیں گے کہ جاؤ ہم نے تم کو ہر گناہ کے عوض ایک نیکی دی۔ اب وہ بندہ خود اپنے گناہ گنوائے گا کہ الٰہی میں نے تو اور بھی بڑے بڑے گناہ کئے ہیں ان کا تو یہاں ذکر ہی نہیں آیا مجھ ان کے عوض بھی نیکیاں دلوایئے۔ یہ تو آخرت میں ہوگا۔

دنیا میں یبدل اللہ سیئاتھم حسنات کا مصداق یہ ہے ملکات سیئہ کو مبدل بہ ملکات حسنہ کر دیتے ہیں۔ بخل کو سخاوت سے اور جہل کو علم سے بدل دیتے ہیں اور حسیات میں یہ صورت ہے کہ پانی کو خون کر دیتے ہیں جیسا کہ عورتوں اور گائے بکری کے پستان میں مشاہد ہے۔

ترجمہ: مگر جو (شرک و معاصی) سے توبہ کر لے اور ایمان بھی لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گزشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور جو شخص (جس معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے (تو وہ بھی عذاب سے بچا رہے گا) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص رجوع کر رہا ہے۔

توبہ کا طریق

ہر گناہ سے توبہ کرنے کا طریقہ جدا ہے مثلاً اگر نماز نہیں پڑھی تو توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ پچھلی نمازیں قضا کرو اور آگے ادا کرتے رہو اگر حج نہیں کیا تو اب کر لو اور پچھلے گناہ سے توبہ کر لو۔ کسی کے مال کا نقصان کیا ہے تو مالک کو ادا کر دو یا واپس کر دو یا معاف کراؤ اور آئندہ و برابر حق ادا کرتے رہو۔ آئندہ کسی کا حق ضائع نہ کرو اگر غیبت کی ہو معاف کراؤ۔ اگر وہ شخص جس کی غیبت کی تھی مر گیا ہو یا اس سے ملنے کی امید نہ ہو تو یہ بھی طریقہ ہے کہ اس کے لئے ہمیشہ دعائے مغفرت کرتے رہو اس سے بھی غیبت کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ قیامت

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں خدا تعالیٰ اس سے معاف کرا دے گا۔ بہر حال ہر گناہ سے توبہ کرنے کا طریقہ جو معین ہے شریعت والوں سے پوچھ کر عمل کرو اور اس طریقہ کو استعمال کرو توبہ میں خاصیت ہے کہ کوئی کتنا ہی بڑا گنہگار ہو کسی نے کتنے ہی زیادہ گناہ کیے ہوں حق تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے سب معاف فرما دیتے ہیں۔ تو غرض من تاب کے تعلق سے یہ مضمون بھی ضروری تھا اور یہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ توبہ عن الشرک کا نام ہے ایمان۔ غرض توبہ ہی میں یہ بھی داخل ہے۔ ایمان بھی توبہ ہی کا ایک فرد ہے۔

نیک اعمال کی تاکید

آگے عمل عمل صالحاً ہے یعنی توبہ کے بعد بے فکر نہ ہو جائے بلکہ آئندہ بھی نیک عمل کرتا رہے۔ اور یہ میں بیان کر ہی چکا ہوں کہ توبہ کے مفہوم میں دو چیزیں ہیں ایک وہ اعمال جن کے کرنے کا حکم ہے ان کو پابندی سے ادا کرتا رہے اور جن سے ممانعت ہے ان کا گویا اہتمام کے ساتھ تارک رہے یہ دونوں عملاً صالحاً میں داخل ہیں اور یہاں یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ فعل ترک کو کیسے شامل ہو گا خوب سمجھ لو کہ ظاہر میں گناہوں کا چھوڑنا مفہوم عدمی معلوم ہوتا ہے مگر در اصل مفہوم وجودی ہے اس کا معنون وجودی ہے گو عنوان عدمی ہے اس کے سمجھنے کے واسطے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے یوں سمجھئے اس سے بھی آسان تقریر کرتا ہوں انسان جو مکلف کیا گیا ہے تو اعمال اختیاریہ کا مکلف کیا گیا ہے جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب یہ سمجھئے کہ مثلاً ہم جو اس وقت کھڑے ہیں تو نہ چوری کر رہے ہیں نہ شراب پی رہے ہیں نہ کسی کو بری نگاہ سے دیکھ رہے ہیں غرض سینکڑوں گناہ ہیں جن کو ہم اس وقت چھوڑے ہوئے ہیں ایک تو ترک یہ ہے یہ تو ایسا ہے کہ اس ترک کی طرف ہمارا التفات بھی نہیں ہوتا اس کو ترک نہیں کہتے اس واسطے کہ جس ترک کا انسان مکلف بنایا گیا ہے وہ ترک ہے جو اپنے اختیار اور قصد سے ہو اور اختیار اور قصد کا مسبوق بالعلم ہونا ضروری ہے اور یہ ترک مسبوق بالعلم نہیں لہٰذا یہ وہ ترک ہی نہیں جس کا انسان مکلف بنایا گیا ہے اور یہ ترک مفہوم عدمی ہے جب انسان اس کا مکلف نہیں تو اس ترک کا حکم بھی نہیں۔ ایک ترک تو یہ ہے اور ایک ترک یہ ہے کہ یا تو کوئی فی الحال داعیہ ہو مثلاً کوئی عورت چلی جا رہی ہے جی چاہا کہ لاؤ اسے دیکھیں پھر نگاہ کو روک لیا۔ یہ ہے ترک وجودی اس کے لئے ضرورت ہے علم اور قصد کی مثلاً شراب پینے کا قصد تو نہیں لیکن ساتھ ہی یہ خیال ہے کہ کبھی نہیں پیئیں گے ان شاء اللہ یہ ترک وجودی ہے عدمی نہیں اور اجر اسی پر ملتا ہے۔ ورنہ اگر ترک عدمی پر بھی اجر ملتا تو یہ لازم آتا کہ ہر لحہ میں کروڑوں طاعتوں کا اجر مل رہا ہے مثلاً اس وقت ہم ہزاروں گناہوں کو نہیں کر رہے ہیں فرض کرو نامحرم پر نظر کرنا ہی ہے ہم اس وقت کسی نامحرم پر نظر نہیں کر رہے ہیں اب نامحرم ہیں لاکھوں۔ نہ ہم زینب کو دیکھ رہے ہیں نہ ہندہ کو دیکھ رہے ہیں نہ خالدہ کو دیکھ رہے ہیں نہ اور کسی کو دیکھ رہے ہیں غرض دنیا میں جتنی نامحرم عورتیں ہیں ان میں سے ہم اس وقت کسی کو بھی نہیں دیکھ رہے ہے تو چاہیے کیا پرورش فرماتے ہیں اسی سلسلہ میں مجھے اس وقت یہ آیت یاد آ گئی اتقوا اللہ و قولوا قولا سدید ایصلح لکم ظاہراً اصلاح فعل ہے بندہ کا تو یہاں سوال ہوتا ہے کہ اس کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف جو منسوب فرمایا اس سے تو متوہم ہوتا ہے کہ آپ ہی آپ اصلاح ہو جائے گی یعنی اللہ تعالیٰ خود ہی مثلاً نماز پڑھوا دیں گے کہیں ایسا ہوا بھی ہے پھر یصلح

(c) ketabton.com: The Digital Library

لکم کے کیا معنی ۔اب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ اسناد اس اعتبار سے ہے کہ وہ اصلاح کا سامان پہلے مہیا کر دیتے ہیں ۔اس کے بعد یہ مستلزم ہوتا ہے ۔ترتب اصلاح کو کیونکہ جب ملکات درست ہو گئے تو معاصی سے بچنا آسان ہو جاتا ہے دشواری نہیں رہتی اس معنی کر وہ اصلاح حق تعالیٰ کی طرف بھی منسوب ہے اور بندہ کی طرف بھی تو مدد یہ ہوتی ہے حق تعالیٰ کی طرف سے کہ ملکات کو بدل دیتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ بدوں ملکات کے درست ہوئے انسان سے کچھ نہیں ہو سکتا جب تک ملکات درست نہ ہوں بہت کم توقع ہے کہ افعال شنیعہ کا صدور نہ ہو سکے اور یہ تبدیل کا قصہ طویل الذیل اور وسیع ہے یعنی اس کے تحقق اور ظہور کا سلسلہ آخرت تک جاری رہتا ہے یہاں بھی تبدل ہوتا ہے مختلف حالتوں میں وہاں بھی یہ ایسا جامع وعدہ ہے سبحان اللہ سالکین ہر قدم پر اس کا تحقق دیکھتے ہیں اور واقعی حق تعالیٰ کے وعدہ کی ایسی ہی شان ہونی چاہیے خود فرما رہے ہیں فلھم اجو غیر ممنون قطع نظر آخرت کے میں دیکھتا ہوں کہ دنیا ہی میں یہ تبدل شروع ہو جاتا ہے یہاں سے استمرار اور ثبات اور دوام سب کی توفیق ہوتی ہے اور اس تبدیل کا انقطاع ہی نہیں جو تبدیل ہوتی ہے ہوتی ہی چلی جاتی ہے چونکہ یہ تبدیلی سالکین کو پیش آتی ہے اس لئے ان کو متنبہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا کہ ان کو اس کی بصیرت ہو کتنی بڑی دولت ہم کو حاصل ہوئی ہے ۔اس نے اپنا کام کیا تھا یعنی اعمال صالحہ شروع کئے تھے اور مطلوب ہے اعمال صالحہ کا دوام اس دوام میں وہ خود اس طرح مدد فرماتے ہیں کہ اس کے اندر جو ملکات تھے سیئہ ان کو بدل کر ملکات حسنہ کر دیتے مثلاً پہلے بخل غالب تھا اب سخاوت غالب ہو گئی یہیں سے عاقل سمجھ جائیگا کہ ملکات حسنہ کو اور قوی کر دیا جائے اس واسطے کہ جتنا ضعف ملکات حسنہ میں تھا وہ ملکات سیئہ کی آمیزش سے تھا تو ضرور ہوا کہ اب ملکات حسنہ کا حسن اور زیادہ ہو جائے گا کیونکہ حسن کی کمی کی علت قبح کی آمیزش ہی تو ہے غرض اس تبدیلی کا حاصل یہ ہوا کہ حق تعالیٰ ملکات حسنہ کو تو پہلے سے بھی زیادہ قوی کر دیتے ہیں اور ملکات سیئہ کو ضعیف اور مضمحل کر دیتے ہیں مضمحل میں نے اس لئے کہا کہ ملکات سیئہ کا بالکل ازالہ نہیں ہوتا اس واسطے کہ اگر بالکل ازالہ ہو جاوے تو یہ حکمت کے خلاف ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ ثواب ملے کیونکہ ازالہ کی صورت میں تو گناہوں سے بچنے میں کوئی ثواب ہی نہیں اس واسطے کہ جب دل میں گناہ کے صدور کی قدرت ہی نہ رہی اس وقت اختیار طاعت اور ترک معصیت کوئی کمال ہی نہیں اس لئے ملکات سیئہ کا ازالہ تو نہیں ہوتا ہاں ان میں اضمحلال ہو جاتا ہے یعنی ان کے تقاضے کی کیفیت اتنی مضمحل ہو جاتی ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے گویا کہ نہیں ہے اس لئے بعض سالکین کو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ ہم میں اب کوئی ملکہ سیئہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جب بعد چندے کسی محرک سے وہ ملکات عود کرتے ہیں تو روتے ہیں سالک صاحب بیٹھ کر روتے ہیں کہ میرا سارا مجاہدہ برباد ہو گیا اور پھر معصیت کے تقاضے ہونے لگے۔

تبدیل ملکات کی حقیقت

اس وجہ سے مجھے متنبہ کرنا ضروری ہے کہ تبدیل ملکات کی حقیقت کیا ہے اور اس کی صورت کیا ہوتی ہے سالک نے غلطی اس لئے کی کہ وہ حقیقت اس تبدیلی کی نہیں سمجھا وہ تبدیلی ایسی سمجھتا ہے کہ ملکات سیئہ بالکل کی جاتے رہتے ہیں حالانکہ ملکات سیئہ زائل نہیں ہوتے بلکہ ان میں اضمحلال ہو جاتا ہے مگر اس اضمحلال کا اثر ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا

(c) ketabton.com: The Digital Library

زوال کا تو یہ رحمت ہے کہ دواعی خیر کے تو قوی ہو جاتے ہیں اور دواعی شر کے ضعیف ہو جاتے ہیں نیکی کا تو ہر وقت تقاضا ہوتا رہتا ہے اور برائی کا بالکل تقاضا نہیں ہوتا بلکہ ترک طاعت اور ارتکاب معصیت ایسا دشوار ہو جاتا ہے کہ اگر اس کا قصد بھی کرے تو اس قدر جی برا ہو کہ گویا ذبح کر ڈالا اور اس تبدیل کو فنا بھی کہتے ہیں کیونکہ بجائے ملکات سیئہ کے ملکات حسنہ پیدا ہو گئے اور یہ فنائے حسی ہے۔ فنا کی دو قسمیں ہیں۔ فنائے حسی اور فنائے علمی۔ فنائے علمی اسے کہتے ہیں کہ غیر اس کے علم سے فنا ہو گیا جیسا کہ حق تعالیٰ کا ذکر ایسا غالب ہوا کہ ذاکر کے علم سے غیر حق فانی ہو گیا تو وہ غیر واقع میں فانی تھوڑا ہی ہو گیا بلکہ واقع میں تو وہ موجود ہے لیکن اس کے علم سے غائب ہو گیا ہے اور یہاں واقع میں وہ ملکہ سیئہ جاتا ہی رہتا ہے لیکن جاتے رہنے کی حقیقت یہ ہے کہ مضمحل ہو جاتا ہے یعنی اس میں اضمحلال اس درجہ ہو جاتا ہے کہ گویا وہ جاتا ہی رہتا ہے یہاں یہ نہیں ہے کہ اس ملکہ کی طرف سالک کا التفات نہیں رہا نہیں بلکہ وہ ملکہ واقع میں زائل ہو گیا لیکن اسی تغیر کے ساتھ اس کو فنائے حسی اور فنائے ذاتی کہتے ہیں تو بہر حال یہ رحمت ہوتی ہے کہ ملکات سیئہ ملکات حسنہ سے مبدل ہو جاتے ہیں۔ اب یہ ہوتا ہے کہ معصیت کا بالکل تقاضا ہی نہیں ہوتا اگر کبھی سہواً بھی نسیاناً بھی صدور معصیت کا ہو جاتا ہے تو ایک پہاڑ غم کا ٹوٹ پڑتا ہے یہ حالت ہوتی ہے۔

بردل سالک ہزاروں غم بود　　گرز باغ دل خلالے کم بود

روتے روتے جان دیتا ہے تو یہ رحمت ہوتی ہے تو خلاصہ کیا ہوتا ہے اس تبدیلی کا۔ یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ مغلوب کرتے ہیں بری خواہشات کو اور غالب کر دیتے ہیں اچھی خواہشات کو اس سے انسان راستہ چلتا ہے ایک تو یہ تبدیلی ہوتی ہے اس کو تبدیلی ذات بھی کہتے ہیں یعنی جو پہلی ذات تھی وہ جاتی رہی اس کے بجائے ایک دوسری ذات اس کے قائم مقام ہو گئی۔ یہ تبدیلی ذات ہی تو ہوئی پھر جب ایک زمانہ اس پر گذر گیا اور جو اس میں حکمت تھی خدا کی کہ بندہ خوگر ہو جائے طاعت کا یعنی نفرت ہو جائے معاصی سے اور دلچسپی ہو جائے طاعات سے جب یہ مقصود حاصل ہو گیا تو بعض اوقات اس میں ایک اور تغیر ہوتا ہے وہ یہ کہ جن ملکات سیئہ کو مغلوب و مضمحل کیا گیا تھا جب ان کی مقاومت بوجہ ملکات حسنہ کے راسخ ہو جانے کے آسان ہو گئی تو اب وہ چاہتے ہیں اپنے بندہ کا اجر بڑھانا اس واسطے اس وقت رفتار حکمت کی یہ ہوتی ہے کہ اول امور طبعیہ دب جاتے ہیں مگر چند روز کے بعد وہ پھر ابھرنا شروع ہو جاتے ہیں لیکن یہ نہیں کہ ابھرتے ابھرتے غالب ہو جاتے ہوں بلکہ اپنی اصلی فطرت پر آ جاتے ہیں کیونکہ یہ ملکات سیئہ اصل فطرت میں بھی غالب نہ تھے اگر کوئی کہے کہ نہیں ہم تو دیکھتے ہیں کہ بچپن میں بھی یہ ملکات غالب ہوتے ہیں لیکن یہ بات نہیں ہے بچپن میں بھی یہ ملکات موجود تو تھے لیکن غالب نہ تھے مشق کر کر ہم نے شہوت کو غضب کو حرص کو طمع کو قوی کر لیا ہے۔

توبہ کا طریق

حق تعالیٰ نے اس سے قبل کی آیت میں بعض اعمال منہی عنہا یعنی بعض معاصی کا بیان کیا ہے اور اس پر وعیدیں فرمائی ہیں کہ جو شرک کرے گا یا بدکاری کرے گا یا قتل کرے گا اس کو اس طرح عذاب ہو گا پھر اس عذاب

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے استثناء فرماتے ہیں۔اس آیت میں جس کا یہ حاصل ہے کہ سب کو عذاب ہوگا مگر ان کو نہ ہوگا جن کی یہ شان ہے کہ انہوں نے جملہ معاصی سے توبہ کرلی اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کیے یعنی کفر سے بھی توبہ کی اور کفر سے توبہ یہ ہے کہ کفر چھوڑ کر ایمان لے آئے اور چونکہ اوپر ذکر کفر و شرک کا بھی تھا اس کے متعلق تو یہ ارشاد فرمایا کہ آمن یعنی ایمان لے آئے اور چونکہ بعض اور معاصی بھی مذکور تھے گو ان کا وقوع بھی کافروں ہی سے مذکور ہے مگر فی نفسہ ان کی خصوصیت خاص کفار ہی سے نہیں بلکہ جو بھی مبتلا ہو اسی کے لئے تدارک اور اصلاح کا طریقہ بھی بتلانا ہے اس لئے آمن کے ساتھ تاب کو فرمایا۔گو تاب کو مقدم فرمایا جس سے مطلب یہ ہے کہ توبہ تو جملہ معاصی سے ضروری ہے ہی مگر بالتخصیص کفر سے توبہ نہایت ہی ضروری ہے یعنی ایمان بھی ضروری ہے۔خلاصہ یہ ہوا کہ جتنے معاصی ہیں ان سے توبہ کرنا چاہیے اور ان میں سے کفر و شرک بھی ہیں اور توبہ کا طریق یہ ہے۔یعنی بعض معاصی سے توبہ یہ ہے کہ ایمان بھی لاوے گویا یہ تخصیص بعد تعمیم ہے ورنہ ظاہر یہ تھا کہ ایمان مقدم ہوتا مگر اس میں یہ نکتہ ہے جو میں نے بیان کیا اور یہ بات عکس میں حاصل نہ ہوتی۔پھر فرماتے ہیں وعمل عملا صالحا یہ نہیں کہ توبہ کر کے بیٹھ رہے بلکہ آئندہ کے لئے بھی اہتمام کرے اور نیک کام کیا کرے نیک کام میں دونوں امر آگئے معاصی کا چھوڑنا بھی اور طاعات کا اختیار کرنا بھی جو شخص ایسا کرے گا وہ البتہ عذاب سے بچے گا۔

گنہگاروں کو بشارت

آگے فرماتے ہیں وکان اللہ غفورا رحیما اس کی دو تقریریں ہیں ایک دو یہ کہ فرمارہے ہیں۔ گنہگاروں کو کہ بشارت سن لو کہ بس تمہاری طرف سے توبہ ہی کی دیر ہے اللہ تعالیٰ غفور ہیں وہ تو توبہ قبول کرہی لیتے ہیں۔سب گناہوں کو مٹا ہی دیتے ہیں کیونکہ ہم غفور ہیں اور یہی نہیں بلکہ رحیم بھی ہیں یعنی توبہ کے بعد جو اعمال کرو گے انہیں بھی ہم قبول کریں گے اس تفسیر کے اعتبار سے تو یہ ارشاد تحقق توبہ کے ساتھ متعلق ہے جو الامن تاب میں مذکور ہے اور جو یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات کے ساتھ متعلق کیا جاوے تو وہ ایک نہایت لطیف تفسیر ہوگی اور یہ دوسری تقریر ہے یعنی ایک تبدیل کا تعلق تو ہے رحمت سے اور دوسری تبدیل کا تعلق ہے مغفرت سے یعنی برے ملکات کو مٹا دیا اور ان کی جگہ اچھے ملکات عطا کر دیئے۔یہ تو مغفرت ہوئی اور یہ رحمت ہے کہ برے ملکات کو مٹایا تو نہیں مگر ایسا کر دیا کہ ان کی خاصیت بدل دی۔خلاصہ یہ ہے کہ پہلی تبدیلی کے متعلق غفور کو کہا جاوے اور دوسری تبدیلی کے متعلق رحیم کو کہا جاوے تو یہ نہایت ہی اچھا مطلب ہو جاتا ہے۔

لعلک باخع نفسک الایکونوا مؤمنین

سو شاید آپ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو غم سے جان دیدیں گے ۱۲

اور فرماتے ہیں

لست علیھم بمصیطر

آپ ان پر مسلط نہیں ہیں ۱۲

(c) ketabton.com: The Digital Library

اورارشاد ہے:

فمن اهتدای فانما یهتدی لنفسه

''سوجوشخص راہ پرآ ویگا وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے راہ پرآ ویگا''۔

اور انا ارسلنک بالحق بشیرا ونذیرا

''ہم نے آپ کوایک سچا دین دیکر بھیجا ہے کہ خوشخبری سناتے رہے اورڈراتے رہے۱۲''

اور وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر

اورآپ کہدیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہوسو جس کا جی چاہے ایمان لے آوے اورجس کا جی چاہے کافر رہے۱۲

اور یاایها الذین امنوا علیکم انفسکم ''اے ایمان والو اپنی جان کی فکر کرو''

اور وما کان لنفس ان تؤمن الاباذن الله. ''اور کسی شخص کوایمان لانا ممکن نہیں بدوں حکم خدا کے''

اس قسم کی آیات کواگر جمع کیا جاوے تو تقریباً ایک پارہ کی مقدار پر جمع ہو جاویں جن کو حاصل یہ ہے کہ آپ ان کے پیچھے کیوں پڑتے ہیں۔آپ کا کام تبلیغ محض ہے اس سے زیادہ اس بوجھ کو اپنے اوپر نہ اٹھایا جاوے کہ جوکام مریض کا ہے وہ بھی آپ ہی کریں کہ اکمیں مشقت اور تکلیف زیادہ ہے جس پر دوام مشکل ہے ہر شخص اپنے عواقب اورانجام کو اچھے طور سے اور سہولت سے سمجھ سکتا ہے لیکن اس میں سخت دشواری ہے کہ دوسرا شخص اس کے بار کو برداشت کرے اور یہ بے فکر اور مطمئن ہو کر بیٹھ جاوے۔البتہ اس درجہ شفقت کرنے کی بھی حق تعالی نے ممانعت نہیں فرمائی۔یہ صرف مشورہ ہے مطلب یہ ہے کہ مصلح کے لئے مشورہ یہی ہے کہ وہ اس قسم کی فکر خاص میں نہ پڑے کیونکہ اس پر دوام ہو نہیں سکتا اور جب دوام نہیں ہوتا۔تو لامحالہ اس قسم کی فکر خاص کو ترک کرنا پڑتا ہے۔تو اس مشقت سے فائدہ ہی کیا ہوا اور اگر اس وقت بھی ترک نہ کیا تو عمر بھر کی مصیبت خریدی۔اسی لئے عارفین کا قول ہے کہ

آرزو میخواه لیک اندازه خواه   برنتا بد کوه را یک برگ کاه

نیز حضور کا ارشاد ہے

انک لاتهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشاء

حضور ﷺ حضرت ابوطالب کے درپے تھے۔آیت نازل ہوئی کہ آپ درپے نہ ہوجیئے

انک لا تهدی الایة

لعلک باخع نفسک الایکونوا مؤمنین

یعنی آپ شاید جان دے دیں گے اس رنج میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اس سے صاف ثابت ہے کہ حضور کو نفع رسانی میں اتنا شغف تھا کہ اپنی جان کی بھی پروانہ تھی۔

غرض! حضورؐ نے نہ فرمایا کہ چولہے میں جاویں ایمان لاویں یا نہ لاویں۔اسی طرح کاملین کو اپنے متوسلین سے عشق ہوتا ہے اور کوئی خیر خواہی ان سے اٹھا نہیں رکھتے۔(آخر الاعمال ملحقہ مواعظ علم وعمل)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الشُّعَرَآء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: اور (طبعی طور پر ایسے وقت میں) میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان (اچھی طرح) نہیں چلتی اس لئے ہارون علیہ السلام کے پاس بھی وحی بھیج دیجئے۔

تفسیری نکات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کیلئے رسول بنانے کی دعاء میں حکمت؟

دعا کا جواب یہ ہے کہ عقدہ نکرہ ہے حیز میں اثبات کے تو سب زائل نہیں ہوا۔ کچھ باقی رہا۔ صرف اتنا زائل ہوا کہ مخاطب بات سمجھ سکتا تھا اور دعا پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اولیاء اللہ حق تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے کیوں رضا اختیار نہ کی جواب یہ ہے کہ چونکہ نبی تھے اور جانتے تھے کہ مجھے تبلیغ کا کام کرنا ہے تو اللہ کی رضا اس میں ہے کہ کچھ عقدہ زائل ہو جائے اس واسطے دعا میں لفظ بڑھا دیا کہ یفقھوا قولی یعنی اتنا عقدہ زائل ہو کہ مخاطب بات سمجھ سکے کتنا ادب ملحوظ رکھا کہ جتنی مقدار ضروری تھی اس سے زیادہ کا سوال نہیں فرمایا۔ پھر اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ مخاطب جب بات سمجھ سکتے تھے تو ہارون علیہ السلام کے رسول ہونے کی دعا کیوں کی۔ جواب یہ ہے کہ اس دعاء کی وجہ قرآن شریف سے معلوم ہوتی ہے کہ یہ تھی کہ میری تصدیق کریں۔ فارسله معی ردأ یصدقنی ہارون کو میرے ساتھ معاون بنا کر بھیج دیجئے کہ وہ میری تصدیق کریں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تو تصدیق کرانا بھی مقصود تھا اور اس میں حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ مدرس دو قسم کے ہوتے ہیں اور وہ کہ تقریر کردی طلباء سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ ان کی روانی تقریر میں فرق نہیں آتا۔ اور ایک وہ ہوتے ہیں کہ اگر طلباء نہ سمجھیں تو طبیعت میں روانی نہیں ہوتی طبیعت میں تنگی ہوتی ہے موسیٰ علیہ السلام چونکہ طبیعت کے تیز تھے اور فرعون کا انکار دیکھ کر یہ خطرہ تھا کہ طبیعت میں روانی نہ رہے گی اور یہ مقصد تبلیغ کے منافی ہے اس واسطے فرمایا کہ رسول ہو کر تصدیق کریں گے اور تائید میں سر ہلائیں گے تو طبیعت بڑھ جائے گی۔

قَالَ لَهُمْ مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٤٣﴾
ترجمہ: موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم کو جو کچھ ڈالنا ہے ڈالو۔

تفسیری نکات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا

ساحران موسیٰ کو اجازت دینے کا راز

یہی راز ہو سکتا ہے موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کا کہ انہوں نے ساحران فرعون سے فرمایا تھا۔ القوا ما انتم ملقون (جو کچھ تم ڈالنے والے ہو ڈالو) بظاہر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ساحران فرعون کا سحر تو کفر یا معصیت تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس سحر کی اجازت کیوں دی۔ جواب یہ ہے کہ یہ اجازت ابقاء کفر کے لئے نہ تھی بلکہ اس سے احقاق حق اور ابطال باطل مقصود تھا کیونکہ جب وہ لوگ اولاً اپنا سحر ظاہر کریں گے اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا سب کو فنا کر دے گا تو اس طرح اظہار حق کامل طور سے ہوگا۔ اس مصلحت اظہار حق کے لئے انہوں نے فرمایا تھا۔

القواما انتم ملقون و عندی جواب اخرو هو ان الامرهناک للتعجيز القواما انتم ملقون فانی لاأعاعبه فافعلوا ماشئتم کما فی قوله تعالى فمن شاء فليكفر.

(میرے نزدیک ایک دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر اجازت دینا ان کو عاجز کرنے کے لئے تھا۔ یعنی تم جو کچھ سحر بندی کر سکتے ہو کرو۔ میں پہلے سے تم کو روکتا نہیں۔ تا کہ ان کی کامل سحر بندی کے بعد اس کو تار عنکبوت کی طرح ختم کر دیں اور وہ عاجز ہو کر اقرار کریں حق کا)

تو یہ اجازت ابقاء سحر کو مٹانے کے لئے تھی کیونکہ اس کے مٹانے کا طریقہ اس سے بہتر کوئی نہ تھا کہ اول وہ اپنی کوشش کو ظاہر کریں بعد میں موسیٰ علیہ السلام کا عصا نہایت سہولت سے دفعۃً سب کو مٹا دے یہ آیت صوفیہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے اس طرز عمل کی دلیل ہے جس سے بعض اہل ظاہر متوحش ہوتے ہیں کہ انہوں نے منکر شرعی کی اجازت دی حالانکہ وہ منکر کی اجازت نہیں دیتے بلکہ اس کو جڑ سے مٹانا چاہتے ہیں جس کا طریقہ اس سے بہتر کوئی نہ تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔ (نورالنور ملحقہ مواعظ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲۶۵)

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾

ترجمہ: پھر جب دونوں جماعتیں (آپس میں ایسی قریب ہوئیں کہ) ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھ کو (دریا سے نکلنے کا) ابھی راستہ بتلا دیگا۔

تفسیری نکات

اصحاب موسیٰ بوجہ ضعف الیقین معیت حق سے محروم تھے

انہوں نے اس کو جزم ویقین کے ساتھ ظاہر کیا۔ قال اصحاب موسیٰ انالمدرکون جس میں ان اور جملہ اسمیہ اور لام تاکید تین موکدات موجود ہیں یعنی بس ہم تو یقیناً پکڑے گئے۔ حالانکہ بارہا دیکھ چکے تھے کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے مقابلہ میں کس طرح مدد فرمائی اور اس وقت بھی خدا کے حکم سے اور اس کے وعدہ نصر کو سن کر چلے تھے۔ ان تمام امور کے ہوتے ہوئے اتنی پریشانی کہ اپنے پکڑے جانے کا ایسا جزم ہوگیا۔ صاف ان کے غیر متوکل اور غیر کامل الیقین ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے دھمکا کر فرمایا کلا گویا ایک چپت لگا دیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا جس تاکید سے ان لوگوں نے اپنے پکڑے جانے کو ظاہر کیا تھا اس کا جواب ایسی ہی تاکید سے ہو سکتا تھا جو لفظ کلا میں ہے۔ پھر چونکہ یہ لوگ بدرجہ کامل الیقین نہ ہونے کے معیت حق سے محروم تھے اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے حصر کے لئے مؤخر کو مقدم کیا اور مقدم کو مؤخر کیا کیونکہ قاعدہ ہے تقدیم ماحقہ التاخیر یفید الحصر اور اسی وجہ سے معی بصیغہ مفرد فرمایا۔ صیغہ جمع استعمال نہیں فرمایا۔ مطلب یہ تھا کہ میرے ہی ساتھ میرا پروردگار ہے تم لوگ بوجہ ضعف الیقین ہونے کے معیت حق سے محروم ہو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾

وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: اور جو کہ مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔ اور جو مجھ کو (وقت پر) موت دیگا پھر (قیامت کے روز) مجھ کو زندہ کریگا۔

تفسیری نکات

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ والذی ھو یطعمنی و یسقین و اذا مرضت فھو یشفین اطعام واسقاء وشفاء کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا اور مرض کو اپنی طرف اس لئے ھو الذی یمرضنی ولیشفین نہیں فرمایا بلکہ اذا مرضت فھو یشفین کہا کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو حق تعالیٰ مجھ کو شفا دیتے ہیں گویا بیمار تو میں خود اپنی کسی بے اعتدالی کی وجہ سے ہوتا ہوں پھر وہ شفا دیتے ہیں چونکہ بیماری طبعاً ناگوار ہے اس لئے ناگوارشی کو محبوب کی طرف منسوب نہیں کرتے اگرچہ حافظ یوں فرماتے ہیں کہ

درد از یارست و درماں نیز ہم دل فدائے اوشد و جاں نیز ہم

یہ درد اور درماں دونوں کو محبوب کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام حافظ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ نیز ممکن ہے حضرت حافظ کے وارد وقت کا بھی مقتضا ہو اور اصل میں مرض کو اپنی ہی طرف منسوب کرنا زیادہ ادب ہو مگر ابراہیم علیہ السلام اس کے بعد یوں بھی فرماتے ہیں۔ والذی یمیتنی ثم یحیین یہاں اماتت کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ موت ایسی ناگوار چیز نہیں جس کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا خلاف ادب ہو گویا موت بیماری سے بھی کم ہے کہ وہ تو ناگوار ہے اور یہ ناگوار نہیں بلکہ موت تو مرغوب شئے ہے حدیث میں آتا ہے الموت تحفة المومن. موت مومن کے لئے ایک تحفہ ہے اور ظاہر ہے کہ تحفہ مرغوب ہی شئے ہو سکتی ہے نامرغوب کو تحفہ کوئی نہیں کہتا اور جب ہر مومن کے لئے موت تحفہ ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے تو بالخصوص تحفہ ہے کیونکہ وہ تو سید المومنین ہیں ان کو موت کیونکر ناگوار ہو سکتی ہے بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ گنہگار مسلمان کے لئے بھی موت تحفہ ہے گو کچھ دنوں کے لئے اس کو عذاب بھی بھگتنا پڑے کیونکہ موت ہی کے ذریعے سے اس کو کسی وقت خدا کا قرب حاصل ہوگا۔ رہا یہ اشکال کہ کیا مقرب کو عذاب بھی ہوتا ہے تو میں کہتا ہوں ہاں ہوتا ہے جیسے تم بادشاہوں کے پاس کپڑوں میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

گوبر لگا کر جاؤ تو وہ تم کو حمام میں بھیج دیں گے جہاں گرم پانی سے خوب مل دل کر تم کو غسل دیا جائے گا اسی طرح مسلمانوں کے لئے دوزخ جیل خانہ اور حوالات نہیں بلکہ مثل حمام کے ہے دوسرے گنہگار مسلمانوں کو دوزخ کے عذاب کا بہت زیادہ احساس بھی نہ ہوگا کیونکہ حدیث مسلم میں ہے یمیتهم اماتة کہ حق تعالیٰ جہنم میں مسلمانوں کو ایک قسم کو موت دیں گے اور اگر عذاب بھی ہو تو قاعدہ یہ ہے کہ جس نعمت کے زوال کی ہر دم توقع ہو وہ اس نعمت سے افضل ہے جس کے زوال کا ہر وقت اندیشہ لگا ہوا ہو پس مسلمان کے لئے موت ہر حال میں اچھی ہے کیونکہ دنیا کی راحت میں زوال کا خطرہ لگا ہوا ہے اور آخرت کی تکلیف کے منقطع ہونے کی ہر دم توقع ہے پس موت ناگوار چیز نہیں اس لئے ابراہیم السلام نے یمیتنی ثم یحیین میں احیاء کی طرح اماتت کو بھی حق تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ النَّمل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ۝

ترجمہ: آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں (خصوصاً جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں)

تفسیری نکات

سماع موتی اور اہل قبور سے فیض کا ثبوت

لکھنو سے ایک غیر مقلد عالم یہاں پر آئے تھے غالباً دو تین روز یہاں پر قیام کیا۔ تھے سمجھدار ایک روز انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ سماع موتی کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے اس لئے کہ نص انکار کر رہی ہے قرآن پاک میں ہے انک لاتسمع الموتی میں نے کہا کہ یہی آیت سماع حسی مشاہد ہے صرف سماع قبول منفی ہے پس یہی حالت مشبہ بہ کی ہوگی کہ سماع حسی ثابت اور سماع قبول منفی چنانچہ ظاہر ہے کہ مردے سماع مواعظ سے منتفع نہیں ہوتے تو اس آیت سے نفی سماع پر دلالت کہاں ہوئی۔

دوسرا سوال یہ کیا کہ کیا اہل قبور سے فیض ہوتا ہے میں نے کہا کہ ہوتا ہے اور حدیث سے ثابت ہے اس پر بہت چونکتے ہوئے میں نے کہا کہ حدیث شریف میں قصہ ہے کہ ایک صحابی نے قبر پر بھولے سے خیمہ لگا لیا تھا مردہ بیٹھا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ انہوں نے سنا اور قرآن سننے سے کہ ثواب ہوتا ہے تو یہ فیض اہل قبور ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: اور تو (جن) پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے (اور) ان کو خیال کر رہا ہے کہ یہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں گے حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑے پھریں گے یہ خدا کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو (مناسب انداز پر) مضبوط بنا رکھا ہے یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب افعال کی پوری خبر ہے۔

تفسیری نکات

حضرت عمرؓ بظاہر زیادہ مضبوط اور دلیر و مستقل مزاج نظر آتے تھے مگر اس وقت ان کی بھی یہی حالت تھی کہ حواس باختہ ہوگئے اور تلوار ہاتھ میں لے کر پکارتے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا۔ اس کی گردن اڑا دوں گا۔ آپ زندہ ہیں اور ابھی منافقین کی خبر لیں گے۔

وصال نبوی کے بعد خطبہ صدیق اکبرؓ

یہ خبر سن کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے عوالی سے تشریف لائے اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے گھر میں جا پہنچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو ہی چکا تھا۔ حضرت صدیقؓ نے چادر چہرہ مبارک سے ہٹائی اور بے اختیار پیشانی انور کا بوسہ لیا۔ اس وقت حضرت صدیقؓ سب سے زیادہ مضبوط نکلے ان کی زبان سے وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یقین ہو جانے کے بعد کوئی بات نہیں نکلی سوا اس کے کہ ایک دو دفعہ اتنا کہا واخلیلا

حضرت جنیدؒ ایک صاحب کمال بزرگ

ایک دفعہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں تشریف فرماتھے کسی نے کوئی عجیب شعر پڑھا اس پر ایک صوفی کو سخت وجد ہوا کہ قریب بہ ہلاک ہوگیا اور سارے مجمع پر ایک کیفیت طاری ہوگئی مگر حضرت جنید ویسے ہی وقار سے بیٹھے رہے جیسے تھے ان کو ذرا تغیر نہ ہوا تو کسی نے سوال کیا کہ اے جنید کیا تم کو اس شعر سے لطف نہیں آیا جو ذرا بھی وجد نہ ہوا تو آپ نے جواب دیا وتری الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب (یعنی پہاڑوں کو تم (قیامت میں) ایک جگہ پر ٹھہرا ہوا دیکھو گے حالانکہ وہ ایسے تیز چلتے ہوں گے جیسے بادل چلا کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ لوگ ہلکے ظرف تھے۔ ان کی حرکت سب کو نظر آگئی اور کامل پہاڑ کی طرح ہے کہ اس کی حرکت نظر نہیں آتی ظاہر میں وہ ساکن معلوم ہوتا ہے اور در حقیقت وہ بہت تیز جا رہا تھا اور ذرا سی دیر میں کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ القَصَص

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو ان کی نسبت اندیشہ ہو تو ان کو دریا میں ڈال دینا اور نہ تو اندیشہ کرنا اور نہ غم کرنا ہم ضرور ان کو تمہارے ہی پاس واپس پہنچادیں گے اور ان کو پیغمبر بنادیں گے۔

تفسیری نکات

ازالہ خوف وحزن کی تدبیر

اب صبر کا مضمون جو پہلی بار کے بیان میں زیادہ مقصود تھا وہ ان دو جملوں سے یعنی لاتخافی اور لاتحزنی سے مستنبط ہوتا ہے یعنی والدہ موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ فاذا خفت علیه فالقیه فی الیم ولاتخافی ولاتحزنی یعنی جب تم کو یہ اندیشہ ہو کہ موسیٰ علیہ السلام دشمن کے ہاتھ آجاویں گے اور وہ ان کو قتل کردے گا تو ایسے وقت میں ان کو دریا میں ڈال دینا اور نہ اندیشہ کرنا نہ غمگین ہونا یعنی ضبط کرنا اور صبر سے کام لینا۔ ایسے موقع پر دو چیزوں کا احتمال ہوسکتا تھا یعنی خوف کا اور حزن کا حق تعالیٰ نے ان دو جملوں میں دونوں احتمالوں کو دفع فرمادیا اور خوف وحزن میں فرق یہ ہے کہ خوف کہتے ہیں اس کو کہ کسی آنے والے مضر

(c) ketabton.com: The Digital Library

واقعہ کا احتمال ہو اور حزن کہتے ہیں اس کو کہ کسی گزشتہ ناملائم واقعہ پر ناگواری اور افسوس ہو۔ یہاں واقعہ گزشتہ تو یہ تھا کہ ہائے میں نے بچہ کو اپنے ہاتوں دریا میں ڈال دیا اس کو یاد کر کے حزن ہو سکتا تھا اور واقعہ آئندہ کا خوف یہ تھا کہ دیکھئے کس کے ہاتھ آوے اور وہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے غرض یہاں دو چیزوں کا احتمال تھا حق تعالیٰ نے دونوں کے متعلق فرمایا تم نہ تو دریا میں ڈال کر اپنے فعل پر پچھتانا اور نہ ڈالنے کے بعد آئندہ کا اندیشہ کرنا دونوں باتوں سے دور رہنا اور ایسے وقت ضبط اور صبر سے کام لینا۔

ضبط نفس کی تعلیم

صاحبو! اس موقع پر صبر کرنا صبر علی الموت (موت پر صبر کرے) سے بھی اشد ہے کیونکہ موت تو ایسا واقعہ ہے جہاں صرف حزن ہی ہوتا ہے اور خوف نہیں ہوتا اور یہاں دونوں جمع ہیں خوف بھی حزن بھی غرض اکثر واقعات یا موجب حزن ہوتے ہیں یا موجب خوف اور یہ واقعہ خوف اور حزن دونوں کو متضمن ہے اس لئے ایسے واقعہ پر صبر سخت مشکل ہے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ایسا واقعہ شدیدہ پیش آنا اور پھر عورت ہو کر اس قدر صبر کرنا تعجب خیز امر ہے ایسے وقت میں مردوں کے بھی قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور صبر کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور چونکہ جب یہ دونوں امر مجتمع ہوں یعنی خوف بھی حزن بھی ہو پھر عورت کا جگر اور اس کا تحمل کرنا اور اصلا دوسری طرف جنبش نہ کرنا عجیب بات تھی اس لئے حق تعالیٰ نے تسلی کے اس موقع کے مناسب نہایت حکیمانہ مضمون ارشاد فرمایا کہ ہر ہر پہلو سے پوری تسلی فرمادی آدمی کے طبائع اور جذبات اولاد کے متعلق مختلف ہوتے ہیں یہاں سب کی پوری رعایت ہے۔ اس لئے صبر کی تعلیم کے لئے واللہ یہ مضمون کافی ہے۔ کوئی عقلمند آدمی ایسا نہ ہوگا کہ اس قسم کی حکیمانہ تسلی سن کر رنجیدہ رہے بلکہ یہ سن کر کہ بچہ سے پھر ملنا ہوگا قلب سے ملال بالکل رفع ہو کر کلیجہ میں ٹھنڈک پڑ جاوے گی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے قلب میں جو وساوس پیدا ہوتے سب کو علماً و عملاً دونوں طرح رفع فرما کر مضمون کو کامل کر دیا چنانچہ اول انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین (ہم ان کو ضرور تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور ان کو مرسلین میں کریں گے) سے عقلی لم بیان فرمائی کہ تم غمگین نہ ہونا کیونکہ ہم ان کو تمہارے پاس واپس لا دیں گے یعنی موسیٰ اس وقت دریا میں بھی ہلاک نہ ہوں گے جو باعث غم ہو اور آئندہ بھی ہلاک نہ ہوں گے جو باعث خوف ہو بلکہ ان کی عمر اتنی دراز کر دیں گے کہ چالیس سال کے بعد ان کو رسولوں میں سے بنا دیں گے۔ غرض مصیبت کے وقت ہی دونوں باتیں پیش آتی ہیں خوف اور حزن یہی دو امر اکثر واقع ہوتے ہیں مثلاً بیٹے کا مر جانا اس وقت ایک تو اپنے اعتبار سے رنج ہوتا ہے کہ ہائے ہم سے جدا ہو گیا اور ایک اس کے اعتبار سے رنج ہوتا ہے کہ ہائے وہ ہمارے پاس کھاتا پیتا تھا اب ان باتوں سے روک دیا گیا اب کی مرتبہ آم سے محروم رہا اور آئندہ کے لئے اپنے اعتبار سے اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کی مفارقت میں ہمارا کیا حشر ہوگا تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

حق تعالیٰ حزن وخوف دونوں کو اس جگہ رفع فرماتے ہیں کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کو تمہارے پاس واپس لاویں گے اوران کو پیغمبر بنادیں گے تو آئندہ ہلاک بھی نہ ہونے دیں گے عمر دراز ہوگی اس سے خوف کو رفع فرمادیا نیز تم سے پھر ملیں گے لہٰذا یہ بھی غم نہ کرنا کہ میری آنکھوں سے غائب ہوگئے غرض آیت لاتخافی ولاتحزنی (نہ اندیشہ کرنا اور نہ غم کرنا اس سے دونوں قسم کے واقعوں پر ضبط نفس کی تعلیم معلوم ہوگئی جس کا نام صبر ہے)

قواعد شرعیہ جامع مانع ہوتے ہیں

قواعد شرعیہ اس قدر جامع مانع ہیں کہ دونوں قسم کے اثر کا ازالہ فرمادیا اسی قسم کے مضمون کو ایک بدوی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی وفات کے وقت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے بیان کیا تھا۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کا جو کچھ غم تھا اس پر کسی کے قول سے اتنی تسلی نہیں ہوئی جتنی ایک گنوار آدمی کے قول سے تسلی ہوئی وہ مضمون تسلی بخش یہ تھا۔

اصبر فکن بک صابرین فانما صبر الرعیة بعد صبر الراس

اب صبر کیجئے ہم بھی آپ کی وجہ سے صبر کریں گے کیونکہ چھوٹوں کا صبر بڑوں کے صبر کے بعد ہے آپ بڑے ہیں پہلے آپ صبر کیجئے۔

خیر من العباس اجرک بعده والله خیر امنک للعباس

(یعنی اس واقعہ میں نہ تمہارا کچھ نقصان ہوا بلکہ نفع ہی ہے اور وہ نفع یہ ہے کہ تم کو ثواب ملا اور ثواب تمہارے لئے حضرت عباس سے بہتر ہے اور نہ حضرت عباس کا کچھ نقصان ہوا اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ سے مل گئے اور اللہ تعالیٰ عباس کے لئے تم سے بہتر ہیں یعنی تمہارے پاس رہنے سے ان کا اللہ کے پاس رہنا زیادہ بہتر ہے تو کسی کا بھی نقصان اور گھاٹا نہ ہوا دونوں نفع میں رہے پھر غم کیسا کہ مومن ہر حال میں یہاں کی حالت سے وہاں آرام ہی میں ہوں گے کیونکہ ایک دن جنت میں واپس ہونے والے ہیں اور ان کو معلوم بھی کرادیا جاوے گا مفارقت کے بعد وصال کی امید جو وہ بحکم وصال ہی ہے اور اس مضمون کو رادوه الیک (ہم ضرور ان کو تمہارے پاس واپس پہنچادیں گے) سے بھی قیاس صحیح ثابت کرسکتے ہیں کیونکہ یہاں بھی واپسی ہی سے تسلی کی گئی تھی کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کو پھر تمہارے پاس واپس لوٹادیں گے تاکہ تم پھر مل لو اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاکر اطمینان قلبی حاصل کرلو اس وجہ سے حزن نہ کرو یہی علت دونوں جگہ مشترک ہے اور کسی تسلی کی وجہ واقعہ غم میں ہمارے لئے بھی ہوسکتی ہے کہ مردہ کو ہمارے پاس دنیا میں واپس نہ ہوگا لیکن جب ہم جاویں گے اور اس سے ملیں گے تو یہ بھی واپسی ہی کے حکم میں ہے کیونکہ مقصود جو کہ ملاقات ہے وہ اس صورت میں بھی بدرجہ اتم حاصل ہوگی کیونکہ اس ملاقات کے بعد پھر مفارقت کا اندیشہ ہی نہیں اس لئے ہمیں بھی حزن زیبا نہیں کیونکہ سب کا اجتماع خدا کے یہاں ہوگا۔چنانچہ حق تعالیٰ اسی کو دوسرے الفاظ میں فرماتے ہیں انا لله و انا الیه راجعون

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ ہم سب یعنی مردہ اور اس کے سب متعلقین انہی کے پاس جانے والے ہیں وہاں سب ملیں گے اسی لئے کسی عزیز کی موت کے وقت ہمیں اس کی تعلیم بھی دی گئی ہے کہ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے کے مضمون کو سوچا کریں خدا تعالیٰ کے یہاں سب کا اجتماع ہوگا اور سب آپس میں ہمیشہ کے لئے ملتے جلتے رہیں گے آخرت تو کسی قدر شائد دور بھی جاوے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی سب مل جل لیتے ہیں چنانچہ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب کوئی مر کر یہاں سے عالم ارواح میں پہنچتا ہے تو روحیں بہت خوش ہوتی ہیں کہ جیسے کوئی عزیز سفر سے آتا ہے اور اس سے مل کر ہم خوش ہوتے ہیں سب کی خیریت دریافت کرتے ہیں کہ ہمارا بھائی اچھا ہے فلاں شخص اچھا ہے یہاں تک کہ ایک شخص کو دریافت کرتے ہیں کہ وہ اچھا ہے یہ مردہ جواب دیتا ہے کہ وہ تو مر گیا تو وہ کہتی ہیں کہ وہ شاید دوزخ گیا ہو گا وہ یہاں نہیں آتا پھر کہتی ہیں کہ بھائی یہ تھکا ماندہ آیا ہے اسے آرام کر لینے دو پھر پوچھ پاچھ لینا پس جب مردہ سے ایک دن ہم کو ملنا نصیب ہوگا تو یہ مفارقت محض عارضی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص حیدر آباد جا کر ملازم ہو جاوے تو اس کی جدائی پر جبکہ وہ حیدر آباد میں یہاں سے زیادہ آرام میں ہو کون اس قدر روتا اور رنج کرتا ہے بلکہ تمنائیں کرتے ہیں کہ وہ حیدر آباد ہی میں ملازم رہے باقی ہم کسی نہ کسی دن مل بھی لیں گے اس استحضار میں عارفین کی یہی شان ہے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک شخص روتا ہوا آیا اور عرض کیا کہ میری بیوی مر رہی ہے دعا کیجئے کہ تندرست ہو جاوے حضرت نے فرمایا کہ افسوس ایک شخص جیل خانہ سے چھوٹتا ہے اور دوسرا روتا ہے۔ اور فرمایا تم بھی اسی طرح چھوٹ جاؤ گے۔ پھر وہ بولا کہ حضرت میری روٹی کون پکاوے گا ارشاد فرمایا ہاں بھئی جب تم ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے وہ بھی تمہارے ساتھ روٹی پکاتی ہوئی آئی تھی حضرت نے یہ باتیں اس طرح فرمائیں کہ جیسے یہ مشاہدہ وہ استحضار حضرت کا حال ہو وہ شخص کہنے لگا کہ حضرت ایک شخص مجھے مدینہ طیبہ ہمراہ لے چلنے کو کہتا تھا اب انکار کرتا ہے دعا کیجئے کہ وہ مدینہ طیبہ لے چلے حضرت خفا ہو گئے کہ ہم سے ایسی شرک کی باتیں نہ کرو ظاہر بینوں کے نزدیک تو یہ بات بگڑنے کی نہ تھی مگر جس نے سوئی دیکھی ہو پتلی پتلی چمکتی ہے مگر اس کی نوک نہ دیکھی ہوا سے کیا خبر وہ تو سوئی کو یہ سمجھے گا کہ یہ خوبصورت تنکا ہے مگر جس کو سوئی کی نوک کا بھی احساس اور ادراک ہو وہ واقعی معمولی چیز نہ سمجھے گا اس لئے اس واقعہ میں ہمارے نزدیک بگڑنے کی کچھ بھی بات نہیں عارفین کو جن باتوں سے شرک کی بو آتی ہے جیسے اس میں غیر اللہ پر نظر ہونے کا حضرت کو کچھ احساس ہوا وہ تو ان کو نشتر سے بھی زیادہ ایذا دہ سمجھیں گے گو دوسروں کو احساس نہ ہو ایک ایسا ہی۔

کبھی معمولی غلطی پر بھی گرفت ہو جاتی ہے

اور قصہ ہے کہ ایک مرتبہ بارش ہونے پر ایک بزرگ کے منہ سے نکل گیا کہ بڑے موقع سے بارش ہوئی۔ اسی وقت عتاب ہوا کہ او بدتمیز بے موقع بارش کب ہوئی تھی جو آج کی بارش کو موقع کی کہتا ہے اور واقع

میں وہ خلاف مصلحت کیا کرتے ہیں اللہ میاں تو حکیم ہیں ان کا کوئی فعل خلاف حکمت نہیں ہوتا بظاہر دیکھنے میں یہ بات معمولی تھی مگر سخت گرفت ہوئی اور سخت گرفت ہوئی اسی طرح بعض دفعہ طالبین پر معمولی بات پر عتاب کرتے ہیں کیونکہ واقع میں وہ معمولی نہیں ہوتی خدا تعالیٰ کے یہاں بھی جو باتیں ہمارے نزدیک ذرا سی اور چھوٹی ہیں اور ہم ان کو معمولی سمجھتے ہیں بعض اوقات ان پر پکڑ ہو جائے گی کیونکہ وہ واقع میں بڑی باتیں ہیں ایک عالم شخص کا قصہ میں نے اپنے ابتدائی کتابوں کے استاد سے سنا ہے وہ بواسطہ شیخ وہاں کی فرماتے تھے کہ ان کا مکہ میں انتقال ہوا کسی ضرورت سے قبر کھولی گئی تو دیکھا اس کی صورت مسخ ہو گئی اس کی بیوی سے دریافت کیا کہ یہ ایسا کیا عمل کرتا تھا معلوم ہوا کہ بیوی سے مشغولی کے وقت نہاتا ہوا گھبراتا تھا اور اس مسئلہ میں عیسوی مذہب کی مدح کرتا تھا ان کے یہاں غسل جنابت فرض نہیں تو ممکن ہے کہ کسی کی ظاہری نظر میں یہ ذرا سی بات ہو مگر فی الواقع ایسی ذرا سی بات ہے جیسی شیطان کی ذرا سی بات تھی کہو کہ ءاسجد لمن خلقت طینا اور خیر منه خلقتنی نار و خلقته من طین اور یہی بات تھی جو شیطان نے کہی تھی کہ خدا کے حکم کو خلاف حکمت کہا تھا مگر واقع میں کتنی بڑی بات تھی اسی وجہ سے ابدالآباد کے لئے جہنمی ہو گیا یہ بیچ کا مضمون تو حضرت حاجی صاحب کے ارشاد کی مناسبت سے کہ ہمارے سامنے شرک کی باتیں نہ کرو استطرادا آ گیا اصل مضمون یہ تھا کہ اس دعا کرانے والے سے فرمایا کہ ایک شخص جیل خانہ سے چھوٹ رہا ہے اور دوسرا افسوس کر رہا ہے حقیقت میں دنیا جیل خانہ ہی ہے جس کے ختم ہوتے ہی باغ و بہار ہے۔ ہاں جو لوگ یہاں سے پاک صاف ہو کر نہیں گئے وہ کچھ دنوں کے لئے حمام اعظم (دوزخ) میں جاویں گے کوئی ہزار برس کوئی دو ہزار برس مگر ہزاروں برس گو ظاہر نظر میں بہت زیادہ معلوم ہوتے ہیں مگر واقع اور حقیقت میں خلود جنت کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں بہت تھوڑی مدت ہے کیونکہ یہ زمانہ مومنین کے دوزخ میں رہنے کا محدود ہے اور جنت کا قیام غیر محدود ہے پس کوئی مسلمان شخص آخرت میں نقصان میں نہیں اسی طرح اس کے مرنے کے بعد دنیا میں بھی کسی کا نقصان نہیں نہ مردہ کا کہ وہ یہاں سے اچھی جگہ چلا گیا نہ زندوں کا ان کو مردہ سے اچھی چیز مل گئی یعنی ثواب اور پھر چند روز میں خود وہ مردہ بھی مل جائے گا جیسا مفصل بیان ہوا اور یہاں جو لاتخافی و لاتحزنی (نہ اندیشہ کرنا نہ غمگین ہونا) ارشاد ہے اس کے متعلق ایک نہایت اور مفید مضمون قابل بیان ہے۔

اختیاری غم ممنوع ہے اضطراری نہیں

وہ یہ ہے کہ لاتحزنی (نہ غمگین ہونا) کا یہ مقصود نہیں کہ مطلق غم مت کرو وہ تو امر طبعی غیر اختیاری ہے اس کے ساتھ امر و نہی متعلق نہیں ہو سکتا بلکہ مراد یہ ہے کہ تم اپنے اختیار سے غم نہ کرو باقی جس قدر خود ہوا سے ہونے دو یہاں دو سوال و جواب ضروری ہیں دوسرے سوال کے جواب میں اس کی توضیح ہو جائے گی کہ اختیار سے غم کرنے کی ممانعت ہے اضطراری سے ممانعت نہیں ایک سوال تو یہ ہے کہ اللہ میاں نے غم کو اضطرارا ہو پیدا ہی

(c) ketabton.com: The Digital Library

کیوں فرمایا جب مرنے کے بعد اس شخص کو اپنے وطن پہنچنا ہے اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ کسی چیز پر غم نہ ہو تو جس طرح یہ مقتضا عقلی ہے اس طرح طبعی وتکوینی بھی رکھا جاتا اور اضطراری غم بھی پیدا ہی نہ کیا جاتا۔ ایسے وقت بظاہر مناسب یہ تھا کہ حق تعالیٰ بندہ کی مدد فرماتے کہ غم ہی نہ ہونے دیتے دوسرا سوال جو اسی پر متفرع ہے یہ ہے کہ جب اضطرار اغم پیدا کر دیا گیا تو پھر غم سے ممانعت ہمیں کیسی ہے اضطراری کا رفع اختیاری کیسے ہوسکتا ہے یہ دو سوال عجیب وغریب ہیں پہلے سے علم میں نہ تھے یعنی اصل مضمون تو ذہن میں تھا مگر ان شاخوں کی طرف ذہن منتقل نہ ہوا تھا اسی وقت اس طرف ذہن منتقل ہوا اور ساتھ ساتھ جواب بھی القا ہو گیا سنئے غم کے پیدا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ تمام عالم کا قیام غم پر ہے آپ کو تعجب ہوگا کہ عالم کا قیام غم پر کیونکر ہے۔ ظاہرا تو خوشی پر معلوم ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ مدار تکوین مخلوق انسان ہے یعنی عالم کے پیدا کرنے سے اصل مقصود انسان کی پیدائش ہے باقی مخلوقات اصل مقصود نہیں گو باقی مخلوقات انسان سے پہلے پیدا ہوئی ہیں مگر ان کا پہلے پیدا ہونا بھی اسی کی دلیل ہے کہ انسان مقصود ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی شخص کہیں مسلمان جاتا ہے تو میزبان سب سامان میزبانی کا پہلے جمع کر دیتا ہے حتیٰ کہ ڈھیلے استنجے کے بھی مہمان کے آنے سے پہلے رکھ دیئے جاتے ہیں تا کہ وہ تلاش نہ کرے اسی طرح حق تعالیٰ نے گائے بیل مکان وغیرہ غرض تمام ضروری سامان انسان سے پہلے جمع کر دیا تا کہ سکونت ارضی کے وقت انسان پریشان نہ ہو یہی وجہ ہے کہ دنیا میں پہلے سامان پیدا کیا اور آدم بعد میں اترے یہاں پر ایک حکایت یاد آئی میری بھتیجی مجھ سے تفسیر پڑھا کرتی تھی ایک مرتبہ اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ اگر آدم گیہوں نہ کھاتے تو زمین میں اترتے یا نہ اترتے اگر نہ اترتے تو فی الارض خلیفۃ (زمین پر خلیفہ بناؤں گا) کے کیا معنی اگر اترتے تو یہ گیہوں کھانے کا الزام کس بناء پر ہے میں نے یہ شق اختیار کی کہ ضرور اترتے تا کہ خلافت کی تکمیل کی جاوے مگر اس صورت میں اکرام کے ساتھ اترتے اب الزام کے ساتھ اترے جیسے سکول میں کوئی طالب علم بھیجا جائے اگر وہ قانون کے موافق چلا آیا تو عزت سے آیا اگر نافرمانی کر کے آیا تو گو آیا اس وقت بھی مگر عزت سے نہیں آیا وہ لڑکی یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئی ایک بچی کے دل میں یہ اشکال ہونا عجیب ہے جواب تک کسی طالب علم سے بھی سنا گیا اگر کسی غیر طالب علم سے مثلاً ملانی سے تو جواب میں دشواری ہوتی اور یہ شبہ ہمیشہ کے لئے کھٹکتا رہتا۔ اب چونکہ وہ مجھ سے پڑھتی تھی اس لئے یہ شبہ رفع ہو گیا اگر جواب میری سمجھ میں نہ آتا تو میں اور کسی عالم سے دریافت کر کے اس کو بتلاتا۔ بہر حال تمام مخلوقات انسان کے لئے پیدا ہوئی ہیں جس کی ایک لطیف دلیل یہ آیت بھی ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ولو یؤاخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علی ظھرھا من دابۃ یعنی اگر اللہ تعالیٰ آدمیوں سے اعمال پر موخذہ فرماتے تو روئے زمین پر کسی دابہ کو نہ چھوڑتے اس قضیہ شرطیہ کے مقدم اور تالی میں بظاہر علاقہ سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ انسان پر مواخذہ کا مقتضا ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین پر انسان کو نہ چھوڑا جاتا اب علاقہ ظاہر ہوگی کہ چونکہ مخلوق کی پیدائش سے مقصود بالذات انسان ہے پس جب انسان ہی نہ رہتا تو اور مخلوق کو باقی رکھ کر کیا کرتے وہ سب انسان کے لئے پیدا ہوئی ہے وہ سب بھی فنا کر دی جاتی پس علاقہ واضح ہو

گیا اور اس سے مقصودیت مذکورہ بدلالت ثابت ہوگئی اب یہ سمجھنا چاہیے کہ انسان کی بقا کس شئے پر موقوف ہے تو بالکل ظاہر ہے کہ تمام دارومدار تمدن پر ہے کہ سب آدمی جمع ہو کر ایک دوسرے کی مدد کریں کوئی گھر بنا دیں کوئی کھیتی کرے وغیرہ وغیرہ اگر تمدن نہ ہوگی کام اتنے ہیں کہ ایک آدمی سے انصرام سخت دشوار ہے غرض بقاء کا مدار اجتماع پر ہے اجتماع کا تعاون پر اور تعاون کا ترحم پر ترحم کے بغیر کون کسی کی مدد کرتا ہے یہاں پر عبدالرحیم ہے اگر ترحم نہ ہوتا تو انکی کون مدد کرتا اب اہل قصبہ جو اس کی مدد کر رہے ہیں محض ترحم کی بناء پر اور ترحم بدوں کسی کے مصیبت میں پڑے ہوئے پیدا نہیں ہوتا تو ترحم کا سبب غم ہوا اور ایک دوسرے کی اعانت جس کی وجہ سے دنیا کا قیام ہے ترحم پر موقوف ہے تو دنیا کا قیام بھی غم پر ہوا غم ایسی چیز ہے تو اگر خدا کسی کو غم دے تو سمجھو کہ بڑی نعمت دی یہ حکمت ہے غم کی پیدائش میں اب رہا دوسرا سوال کہ پھر شریعت کا یہ حکم کیوں ہے کہ غم نہ کرو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے متعلق غم سے جس کا ایک درجہ اضطراری ہے ممانعت نہیں کی خود حضور فرماتے ہیں انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون (ہم تمہاری جداء سے اے ابراہیم (علیہ السلام) غمگین ہیں) بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو غم خود ہوا اسے ہونے دو اپنے اختیار سے نہ بڑھاؤ پس ممانعت اختیاری غم سے ہے اس کا پتہ خود قرآن سے چلتا ہے وہ یہ ہے کہ امر و نہی اعمال اختیاریہ پر ہوتی ہے اگر غم بالکل غیر اختیاری شئے ہے تو لاتخافی ولاتحزنی (تم نہ اندیشہ کرنا اور نہ غمگین ہونا) میں یہ لانہی کا کیسا پس حاصل یہ ہے کہ کچھ غم تو اضطراری ہے اس میں تو حکمت ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور کچھ ہم لوگ تدبیروں سے پیدا کر لیتے ہیں بس اس کی ممانعت ہے کیونکہ یہ ضرر رساں ہے وہ تدبیریں غم بڑھانے کی یہ ہیں کہ واقعہ کو قصداً سوچتے ہو اسکا تذکرہ کرتے ہو اس سے غم بڑھتا ہے اور سوچنا اور بلا ضرورت تذکرہ جو کہ سبب ہے غم کا وہ اختیار میں ہے تو جب ان اسباب کو بند کر دو گے اور اس طرف سے توجہ ہٹا لو گے تو اتنا غم نہ ہوگا۔ یہی راز ہے اس کا کہ شریعت نے مواقع غم میں ذکر اللہ کی تعلیم کی ہے جس سے توجہ دوسری چیز کی طرف منعطف ہو جاتی ہے اور دوسری چیز بھی ایسی کہ جس کی شان یہ ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (یاد رکھو اللہ کی یاد سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے) اور جس کی نسبت یہ ارشاد ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقامو اتتنزل علیھم الملئکۃ ان لاتخافوا ولا تحزنوا یہاں لا تخافوا ولاتحزنوا (تم نہ اندیشہ کرو اور نہ غم کرو) انشاء بمعنے خبر ہے اور دوسری آیت میں لاخوف علیکم فرمانا اس کا قرینہ ہے یہاں لاخوف علیکم (یہاں حقیقت مراد ہے وہاں لاتخافوا ولاتحزنوا میں مجاز الحمدللہ مدلول آیت کے بیان سے فراغت سبحان اللہ اللہ اکبر کیسی جامع تعلیم ہے کہ قلت صبر کے دو سبب جدا جدا بیان فرمائے حزن خوف پھر ان دو سببوں سے نصاً ممانعت فرمائی اور انا رادوہ الیک (ہم اس کو تمہارے پاس لوٹا دیں گے) میں اپنی اور مرنے والے کی بھلائی کے مراقبہ کی قیاساً تعلیم فرمادی جیسے اس قیاس کی تقریر جس جگہ اعرابی کے اشعار مذکور ہیں اصبر فکن بک صابرین (صبر کرتا کہ تیری وجہ سے ہم بھی صبر کرنے والے ہیں) بیان کی گئی ہے آپ نے دیکھا کہ قرآن مجید کی کیسی جامع تعلیم ہے اور یہ کیسے عنوانات ہیں جن سے وہ تعلیم عقلی بھی اس جامعیت پر کسی نے خوب کہا ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت رابوا ارباب معنی را

اس کے عالم حسن کو بہار ظاہر پرستوں کے دل و جاں کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل و جاں کو بو سے تازہ رکھتی ہے اور خصوصیت کے ساتھ یہ مراقبہ یعنی تمام واقعات مصیبت میں بھلائی کا سوچنا بہت ہی نافع ہے اس سے غم کافور ہو جاتا ہے اور وہ بھلائیاں فرضی نہیں بلکہ واقعی ہیں کیونکہ ہر مصیبت میں یقیناً منافع ضرور ہوتے ہیں وقت نہیں رہا ورنہ مصیبت کے ایک ایک واقعہ کو تفصیل وار بیان کرتا ان واقعات کو ان کے منافع کا اجمالاً ایک دوسرے موقع پر ذکر فرمایا گیا چنانچہ ان واقعات کا ذکر تو اس آیت میں ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات اور ثمرات کا ذکر اس آیت میں ہے وبشر الصابرین اللذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انالله وانا الله راجعون اور کافی تعلیم صبر کے متعلق اس آیت میں بھی مذکور ہے جس کا بیان اس وقت کیا گیا مگر ضمن میں ایک قصہ کے جو اس کا مصداق ہے۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

(ایسے روز کا دوسرے حکایات اور تمثیلات میں بیان ہونا مناسب ہے)

حق تعالیٰ نے پہلی امت کا ایک قصہ بیان فرما کر اس کے ضمن میں جو مقصود اور مطلوب عمل تھا وہ ہم پر ظاہر فرمایا کہ دیکھو جن لوگوں نے اس عمل کو کیا ہے ان کو کس قدر ثمرے ملے ہیں تم بھی اگر ایسا کرو گے تم کو بھی اسی طرح ثمرات ملیں گے۔ قرآن شریف بڑی نعمت ہے اس کی تعلیم کی طرف علماً و عملاً توجہ کرو ہمارے ذمہ حق ہے کہ قرآن شریف نے جو تعلیم کی ہے اس پر عمل کریں۔ بالخصوص جس چیز کا اس وقت بیان کیا گیا ہے یعنی صبر کو بعض وقت بعض عمل اور بعض احکام مثلاً صبر ہی ہے نفس کو ناگوار ہوتے ہیں کیونکہ ہمارے فہم میں اس کے مصالح نہیں آتے مگر واقع میں اس میں مصالح ہوتے ہیں جیسا کہ میرے بچپن کا قصہ ہے کہ مجھے اس وقت کنکوے کا شوق تھا گو اڑانا نہ آتا تھا اور کتابیں بھی پڑھتا تھا جہاں مدرسہ سے آیا کنکوا لے کر باہر چل دیا اپنی تائی صاحبہ کے پاس رہتا تھا سر پر بال تھے ان کو سر دھونے کا خیال تھا مگر میں جہاں مدرسہ سے آیا کنکوا لے کر چل دیا کسی طرح ان کے ہاتھ نہ آتا تھا کہ وہ سر دھوئیں ایک روز انہوں نے کھلی کٹورے میں بھگو کر پہلے سے رکھ دی جب میں مدرسہ سے آیا تو فوراً میرے سر میں ڈال دی پھر میں تو مجبور ہو گیا اور سر دھلوانا پڑا گو اس وقت ان کا یہ عمل مجھے ناگوار ہوا مگر انہوں نے یہ سب محبت کے مآل کار پر نظر کر کے میرے نفع کے واسطے ایسا کیا۔ اسی طرح حق تعالیٰ بھی بندہ کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں تو اس پر راضی رہو۔ خصوص جب تم کو دعویٰ محبت کا ہے تو راز سے چہ کہ سے بھاگنا نہ چاہئے اگر بلا اختیار کچھ منافع فوت ہو جاویں خواہ ظاہری یا باطنی حتیٰ کہ اگر باطنی حالات و کیفیات بھی چلے جاویں تو اس میں خدا کی حکمت ہے گھبراؤ نہیں وہ حال یا اس کا بدل لوٹے گا ورنہ یہی کہا جاوے گا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تو بیک زخمے گریزانی زعشق تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

(تم ایک ہی زخم سے عشق سے گریز کرتے ہو تو تم بجز عشق کے نام کے اس کی حقیقت سے ناواقف ہو)

بس یوں سمجھ لیا کرو کہ اس وقت اس کے فوت ہی میں تمہارے لئے مصلحت ہے اگر باقی رہنا ہمارے حق میں مناسب ہوتا تو کبھی بھی نہ زائل ہوتا ہمیں خدا سے محبت کا دعویٰ کر کے اس قدر نازک مزاجی تو بھی مناسب نہیں۔

خوف وحزن کا بقاء اختیاری ہے

یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ خوف وحزن تو امر غیر اختیاری ہے اور امور غیر اختیاریہ کے ساتھ تکلیف متعلق نہیں ہوتی کیونکہ نص میں ہے کہ لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا تو پھر یہاں لاتخافی ولاتحزنی بصیغہ نہی کیوں فرمایا گیا جس میں خوف وحزن سے ممانعت ہے حالانکہ امر ونہی امور اختیاریہ سے متعلق ہوتی ہے نہ کہ غیر اختیاریہ سے۔

اس کا جواب وہ ہے جو میری تقریر سے ابھی معلوم ہوا حال اس کا یہ ہے کہ خوف وحزن حدوثا تو غیر اختیاری ہے مگر بقاء اختیاری ہے کہ تذکرہ وتذکر سے بڑھتا اور عدم تذکر سے گھٹتا ہے پس یہاں لاتخافی ولاتحزنی کا مطلب یہ ہے کہ خوف وحزن کو لے کر نہ بیٹھنا اور اس کا بار بار تذکرہ اور خیال نہ کرنا کہ اس سے غم بڑھے گا عورتیں اس بات کو خوب جانتی ہیں کیونکہ اس میں تذکرہ بہت ہوتا ہے اسی لئے ان کا غم برسوں رہتا ہے اور مردوں میں تذکرہ کم ہوتا ہے ان کا غم بہت جلد کم ہو جاتا اور دو چار دن میں گویا مفقود ہو جاتا ہے۔

واوحینا الی ام موسی ان ارضیعہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولاتخافی ولاتحزنی (۲۰)

اس میں حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم دیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال کر بے فکر ہو جانا۔ خوف وحزن نہ کرنا۔

درجات خوف وحزن

اب یہاں سوال ہوتا ہے کہ کیا عدم خوف وعدم حزن اختیاری ہے ظاہر میں تو غیر اختیاری علوم ہوتا ہے پھر غیر اختیاری کے ساتھ امر ونہی کا تعلق کیسا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو خوف وحزن کا ابتدائی درجہ ہے۔ وہ تو غیر اختیاری ہے اور ایک وہ درجہ ہے جو اس سوچ بچار سے پیدا ہوتا ہے کہ ہائے وہ بچہ میرے پاس کھیلتا تھا۔ مجھے لپٹتا تھا۔ اب میری گود سے الگ ہو گیا نہ معلوم کس حال میں ہوگا۔ نہ معلوم کس نے پکڑا ہوگا۔ یہ درجہ اختیاری ہے اس سے ان کو ممانعت کی گئی کہ بس دریا میں ڈال کر بے فکر ہو جاؤ ہمارے سپرد کر کے پھر کچھ نہ سوچو کہ اب کیا ہوگا۔

اسی سے سمجھ لو کہ بعض لوگوں کو جو خوف خدا نہ ہونے کی شکایت ہے اس میں یہ لوگ غلطی کرتے ہیں کیونکہ جو خوف مامور بہ ہے وہ اختیاری ہے جو فکر اور سوچ سے پیدا ہوتا ہے اور جس کے فقدان کی شکایت ہے وہ غیر اختیاری ہے اور یہ مامور بہ نہیں پس غیر مامور بہ کے فقدان سے غم کیوں ہے۔ ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ سوچ اور فکر قطع کرو کہ ہائے وہ بچہ ایسا تھا ویسا تھا۔ اس کے قطع کرنے سے ان شاء اللہ غم کو ترقی نہ ہوگی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس پر شاید یہ شبہ ہو کہ بعض لوگ کچھ سوچتے بھی نہیں پھر بھی ان کا غم کم نہیں ہوتا اس کی وجہ بہت کم لوگ سمجھتے ہیں مگر میرے دل میں ابھی اس کی وجہ آئی ہے وہ یہ کہ لوگ جس طرح اس واقعہ کو نہیں سوچتے جس سے غم بڑھتا اسی طرح اسباب تسلی کو بھی نہیں سوچتے جس سے کم ہوتا اس وجہ سے غم میں کمی نہیں ہوتی اور بحالہ رہتا ہے۔ ان کو چاہئے کہ اسباب تسلی کو سوچا کریں مثلاً یہی کہ حق تعالیٰ کے افعال حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔ اس میں ضرور حکمت ہے اور یہ کہ موت مسلمان کے لئے باعث راحت ہے وغیرہ وغیرہ۔

غرض حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جو لاتخافی و لا تحزنی میں قطع خوف وحزن کا امر فرمایا ہے اس کا میرے نزدیک یہ مطلب ہے کہ خود مت سوچنا کہ ہائے اب کیا ہوگا۔ اب بچہ کس حال میں ہوگا بلکہ ان کو دریا میں ڈال کر بے فکر ہو جانا ہائے ان کا کیسا کلیجہ تھا کہ اپنے ہاتھ سے بچہ کو دریا میں ڈال کر بے فکر ہو گئیں اور کچھ نہیں سوچا کہ اب کیا ہوگا۔

خوف وحزن کے دو درجے

فرمایا ہے ولاتخافی ولاتحزنی اشکال یہ ہے کہ خوف وحزن اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ شق اول تو مشاہدہ کے خلاف ہے۔ مشاہدہ یہ بتلاتا ہے کہ رنج دہ واقعات سے طبعی طور پر رنج ضرور ہوتا ہے وہ بندہ کے اختیار سے باہر ہے پس شق ثانی متعین ہوگئی یعنی خوف وحزن غیر اختیاری ہے پس اب اشکال یہ ہے کہ جب یہ غیر اختیاری امر ہے تو پھر اس سے نہی کیوں ہے کیونکہ امر ونہی کا تعلق امور اختیار یہ سے ہوتا ہے نہ کہ غیر اختیار یہ سے۔

اس کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ خوف وحزن کے دو درجے ہیں ایک غیر اختیاری یہ خوف وحزن طبعی ہے اور ایک اختیاری یہ خوف وحزن عقلی ہے۔ مثلاً طبعی حزن تو یہ ہے کہ ایک واقعہ رنج دہ ہوا اور دل پر اس سے چوٹ لگی بے قراری ہوئی اور عقلی درجہ یہ ہے کہ اس غم کو لے کر بیٹھ جائے اس میں غور وفکر کرتا رہے قصداً اس کو یاد کرتا رہے زبان سے تذکرہ کرتا رہے اس طرح جو شخص غم کو لے کر بیٹھے گا تو غم پہلے سے زیادہ ہوگا تو لاتخافی ولاتحزنی میں طبعی حزن کی ممانعت نہیں جو غیر اختیاری ہے بلکہ عقلی حزن کی ممانعت ہے جو اختیار سے پیدا ہوتا ہے اور گو حزن طبعی کو حدوث غیر اختیاری ہے مگر تدبیر وعلاج سے اس میں تقلیل ہو سکتی ہے اور علاج یہ ہے کہ طبیعت کو دوسری چیز کی طرف متوجہ کرے یہ عام قاعدہ ہے کہ دوسری چیز کی طرف متوجہ ہونے سے پہلی چیز کمزور ہو جاتی ہے اور بعض امور کو تو بعض کے ازالہ یا تضعیف میں خاص دخل ہوتا ہے مثلاً غم کی حالت میں بشارت کو یاد کرنا ازالہ غم میں بہت مفید ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اول تو عقلی حزن وخوف سے منع فرمایا پھر طبعی حزن وخوف کے ازالہ کی یہ تدبیر فرمائی کہ انا رآدوہ الیک و جاعلوہ من المرسلین کی بشارت سنائی اس میں مصیبت فراق کی غایت وحد بھی بتلا دی کہ یہ ایک دن ختم ہونے والی ہے اور اس کے ساتھ ایک بشارت عظمیٰ بھی سنا دی کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنانے والے ہیں تو یہ مصیبت مرتفع ہو کر ایک نفع زائد حاصل ہوگی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۖ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور یہ (بھی آواز آئی) کہ تم اپنی عصا ڈال دو سو انہوں نے جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا سانپ (تیز) ہوتا ہے تو پشت پھیر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (حکم یہ ہوا) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت تم (ہر طرح) امن میں ہو۔

تفسیری نکات

طبعی خوف نبوت و کمال کے منافی نہیں

جو باتیں طبعی ہوتی ہیں یہ منافی کمال کے نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کیسے قوی القلب تھے مگر قرآن پاک میں قصہ موجود ہے ولی مدبرا ولم یعقب یموسی لاتخف انی لایخاف لدی المرسلون ۔ یعنی جس وقت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ کے حکم سے عصاء زمین پر ڈالا اور وہ اژدھا بن گیا خود موسیٰ علیہ السلام اس سے ڈر کر بھاگے یہ طبعی خوف تھا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے ان کا ایک آدمی خون کر دیا تھا سو مجھ کو اندیشہ ہے (کہ کہیں اول وہلہ میں) وہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں۔

تفسیری نکات

حربی کے قتل کو ناجائز قرار دینے کا سبب

سورہ قصص کی آیت جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبطی کو قتل کر دینے اور پھر جناب باری میں اس پر استغفار کرنے اور حق تعالیٰ کی طرف سے مغفرت فرمانے کا تذکرہ ہے اس کے متعلق فرمایا کہ اس میں ایک سوال ہے وہ یہ کہ قبطی کافر تھا اور کافر بھی حربی جس کا خون حسب قواعد شرعیہ مباح ہے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے استغفار کیوں کیا اور حق تعالیٰ کی طرف سے بھی مغفرت کا ذکر فرما کر اس کی تقریر کر دی گئی کہ یہ قتل مناسب نہ تھا تو سوال یہ ہے کہ حربی کافر کے قتل کو ناجائز یا نامناسب قرار دینے کا سبب کیا ہے پھر فرمایا کہ مدت

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے میرا ایک خیال ہے وہ یہ کہ کفار سے جیسے باقاعدہ زبانی یا تحریری عہد ہو جاتا ہے تو اس کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہو جاتی ہے اسی طرح بعض اوقات عملی عہد ہو جاتا ہے کہ باہمی طرز معاشرت اور تعامل سے فریقین ایک دوسرے سے مامون و بے خطر ہوں باہمی معاملات اور لین دین وغیرہ جاری ہو یہ بھی ایک نوع عہد عملی کی ہے اس کی بھی رعایت کرنا ضروری ہے کہ اگر کسی وقت ایسے لوگوں پر حملہ کرنا ہے تو پہلے ان کو نبذ عہد کے طور پر متنبہ کر دیا جائے کہ اب ہم سے مامون نہ رہیں پھر طرفین کو اپنے اپنے فعل کا اختیار ہے اور بغیر اس نبذ عہد کے اس قسم کا عذر ہے جو شریعت اسلامیہ میں کسی حال کسی کافر سے جائز نہیں قبطی کا واقعہ بھی اسی قبیل سے تھا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام مع اپنے متعلقین بنی اسرائیل کے اور قبطی کفار دونوں فرعونی سلطنت کے باشندے تھے اور ایک دوسرے سے باہم مامون تھے۔ اسی حالت میں قبطی کا اچانک قتل کر دینا عہد عملی کے خلاف تھا اس لئے اس پر عتاب ہوا اور استغفار و مغفرت کی نوبت آئی۔ رہا یہ سوال کہ جب یہ قتل بحکم غدر اور معصیت تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اولوالعزم رسول اور معصوم ہیں ان سے کیسے صادر ہوا اس کا جواب ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے قصداً قتل نہیں کیا معمولی ضرب اس کو ہٹانے کے لئے لگائی تھی اتفاقاً مر گیا اس لئے معصیت کا صدور ان سے نہیں ہوا تاہم صورت معصیت کی تھی اس لئے پیغمبر خدا نے اس کو بھی اپنے حق میں معصیت ہی کے برابر سمجھ کر استغفار کیا۔

(صحیح بخاری کی ایک حدیث بروایت مغیرہ ابن شعبہ میں اس کا ثبوت اور قسطلانی شرح بخاری میں اس کی تصریح ہے)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ

ترجمہ: اور (دلائل موسویہ دیکھ سن کر) فرعون کہنے لگا کہ اے اہل دربار مجھ کو تو تمہارا اپنے سوا کوئی خدا معلوم نہیں ہوتا۔

تفسیری نکات

نمرود و فرعون خدا کی ہستی کے قائل نہ تھے

چنانچہ نمرود اور فرعون خدا کی ہستی کی نفی کرتے تھے اسی لئے فرعون کہتا ہے ما علمت لکم من الٰه غیری کہ اپنے سوا میں کسی کو تمہارا معبود نہیں سمجھتا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کا قائل ہی نہ تھا کیونکہ یہ تو کوئی بے وقوف سے بے وقوف بھی نہیں کر سکتا کہ خدا کو موجود مان کر پھر اپنے کو اس سے بڑا سمجھے اور اس نے جو انا ربکم الاعلیٰ کہا ہے اس سے شبہ نہ کیا جائے کہ وہ تو اپنے کو بڑا خدا کہتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا قائل تھا پھر اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا بلکہ منشا اس قول کا یہ ہے کہ جو قاضی ثناء اللہ صاحب نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ فرعون دھری تھا وہ کہتا تھا کہ خدا کوئی چیز نہیں بس جو جس کو تربیت کرتا ہے وہی

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس کا رب ہے اولاد کو ماں باپ پالتے ہیں تو والدین ان کے رب ہیں حاکم رعایا کی تربیت کرتا ہے وہ رعایا کا رب ہے اور بادشاہ سب سے بڑا حاکم ہے تو وہ سب سے بڑا رب ہے اس لئے وہ اپنے رب کو رب اعلیٰ کہتا تھا یعنی میں دنیا میں سب تربیت کرنے والوں سے بڑا رب ہوں تو میں سب سے بڑا رب ہوں یہ مطلب تھا اس کے قول کا یہ نہیں کہ وہ خدا کا قائل تھا اور پھر اپنے کو خدا سے بڑا سمجھتا تھا بلکہ وہ تو سرے سے خدائی کا منکر تھا اسی لئے اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا وما رب العالمین (رب العالمین کیا چیز ہے خدا کون ہوتا ہے) وہ کمبخت خدا کی کنہ پوچھتا تھا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ منکر صانع تھا۔

شان موسویت

پھر موسیٰ علیہ السلام کا جواب قابل دید ہے آپ چونکہ عارف تھے بلکہ عارف کہنا بھی آپ کی کسر شان ہے اعرف العارفین تھے (بلکہ یہ بھی کسر شان ہے رسول اور نبی تھے جو منتہائے کمالات بشریہ ہے ۱۲) آپ نے جواب دیا رب السموت والارض وما بینھما ان کنتم موقنین خدا وہ ہے جو آسمان اور زمین کا جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا تربیت کرنے والا ہے۔ اگر تم یقین کرنا چاہتے ہو تو علم باری کے لئے اتنا جان لینا کافی ہے) آپ نے اس جواب میں اس مسئلہ پر متنبہ کر دیا کہ کنہ ذات باری مدرک نہیں ہو سکتی بلکہ اسکا ادراک ہمیشہ بالوجہ ہوگا پس تیرا کنہ سے سوال کرنا حماقت ہے اور یہ تنبیہ اس طرح ہوئی کہ اگر کنہ ذات کا ادراک ہو سکتا تو موسیٰ علیہ السلام جواب میں کنہ ہی کو بیان فرماتے کیونکہ سوال اسی سے تھا اور جواب کا مطابق سوال ہونا ضروری ہے اگر سوال صحیح ہو خصوصاً ایسے موقع میں جہاں غیر مطابق جواب دینے سے مجیب کا عجز سمجھا جائے اور حق پر تمسخر کیا جائے جیسا کہ یہاں ہوا کہ فرعون نے جواب بالوجہ کو سن کر تمسخر کیا اور قال لمن حولہ الا تستمعون اپنے پاس والوں سے کہنے لگا کہ تم سنتے بھی ہو کیسا جواب دیا یعنی میں تو کنہ پوچھتا ہوں آپ وجہ بیان کر رہے ہیں مگر موسیٰ علیہ السلام نے اس پر بھی کنہ بیان نہیں کی بلکہ ایک وجہ اور بیان کر دی۔ قال ربکم و رب آباءکم الاولین۔ فرمایا کہ خدا وہ ہے جو تمہارا رب ہے اور تمہارے گزشتہ باپ دادوں کا بھی رب ہے فرعون اس پر جھلا کر کہنے لگا۔ ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون کہ اے لوگو! تمہاری طرف جو رسول بھیجا گیا ہے وہ تو دیوانہ ہے (کیونکہ ان کو سوال کے مطابق جواب دینا بھی نہیں آتا) میرا سوال کچھ ہے ان کا جواب کچھ ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ کنہ باری کا ادراک ممتنع ہے ورنہ موسیٰ علیہ السلام اس واقعہ پر ضرور بیان فرماتے مگر آپ نے بار بار وجہ ہی بیان کی (اور ایسی وجہ بیان کی جو اثبات وجود صانع کے لئے بالکل کافی تھی چنانچہ اول تو یہ فرمایا کہ وہ آسمان و زمین اور ان کے مابین جو اشیاء ہیں سب کا رب ہے اس میں فرعون پر اس خیال کی غلطی نمایاں کر دی کہ بس جو جس کی تربیت کرے وہی اس کا رب ہے کیونکہ اگر یہی بات ہے کہ تربیت علت ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

الوہیت کی تو بتلاؤ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا آسمان میں سورج اور چاند اور ستارے اور زمین میں پانی ہوا آگ وغیرہ کس نے پیدا کی ظاہر ہے کہ یہ تو دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں ان چیزوں کا خالق ہوں کیونکہ یہ چیزیں کسی کے تابع نہیں ہیں اور مخلوق کا خالق کے لئے تابع ہونا ضروری ہے جب ان کا رب نہیں اور کسی نہ کسی رب کا ہونا ضروری ہے اور ضرور کوئی اور ہی رب ہے علیٰ ہذا زمین میں جو درخت اور نباتات پیدا ہوتے ہیں یہ کون پیدا کرتا ہے۔ اگر کہو کاشتکار پیدا کرتے ہیں تو یہ بداہتہ غلط ہے اور کاشتکار کا زمین کے درست کرنے اور پانی دینے اور بیج ڈالنے کے سوا کسی بات میں دخل نہیں اگر دخل ہے تو چاہیے کہ جتنا وہ چاہے اور جب چاہے فوراً پیدا ہو جایا کرے حالانکہ اس کی مرضی کے موافق بارہا پیداوار نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا کہ کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جس کے قبضہ میں یہ تمام چیزیں ہیں اور وہی سب کا خالق ہے جب فرعون اس سے لاجواب ہو کر تمسخر کرنے لگا تو آپ نے دوسری وجہ بیان کی جس میں صراحتہً اس کے قول سابق کا ابطال تھا فرمایا کہ وہ رب ہے تمہارا اور تمہارے پہلے بزرگوں کا اس میں بتلا دیا کہ تو جو ماں باپ کو اولاد کا رب اور حاکم کو رعیت کا رب کہتا ہے تو بتلا کہ باپ ماں کے مرنے کے بعد اولاد کیونکہ زندہ رہتی ہے۔ یہ عجیب تماشا ہے کہ رب تو مر جائے اور مربوب زندہ رہے اسی طرح حاکم بھی مرتے رہتے ہیں تو ان کے مرنے سے رعایا کیوں نہیں مر جاتی خالق کے بغیر مخلوق کیونکر زندہ رہتی ہے۔ پھر اگر باپ ماں اولاد کے خالق ہیں تو جو سب سے پہلا باپ تھا اس کا خالق کون تھا اگر وہ خود اپنا خالق تھا تو مر کیوں گیا اس نے اپنے آپ کو زندہ کیوں نہ رکھا جب وجود اس کے اختیار میں تھا تو اس نے اپنے وجود کو باقی کیوں نہ رکھا کیونکہ موت کسی کو مرغوب نہیں طبعاً ہر شخص کو اس سے کراہت ہے اور اگر پہلا باپ کوئی نہیں تو تسلسل مستحیل لازم آئے گا۔ علاوہ ازیں یہی گفتگو ہر باپ کے متعلق ہے کہ اگر وہ اولاد کے خالق ہیں اور وجود ان کے اختیار میں ہے جس کو چاہیں دیدیں تو خود کیوں فنا ہو جاتے ہیں پس معلوم ہوا کہ جب تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا وجود اپنے قبضہ میں نہیں تو یہ نہ اپنے خالق ہو سکتے ہیں نہ کسی غیر کے تو ضرور تمہارا سب کا رب کوئی اور ہے وہی رب العالمین ہے) جب فرعون اس پر بھی لاجواب ہوا اور وہی مرغی کی ایک ٹانگ ہانکتا رہا کہ یہ تو جواب بالکل نہ ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے تیسری وجہ اور بیان فرمائی **قال رب المشرق والمغرب وما بینھما ان کنتم تعقلون** فرمایا کہ تربیت کرنے والا ہر شخص مشرق کی اور مغرب کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کی بھی اگر تم کو عقل ہو (تو اسی سے سمجھ لو کیونکہ یقیناً طلوع شمس و غروب شمس پر اور تبدل و تغیر مواسم و فصول پر کسی انسان کی قدرت نہیں انسان تو یہ چاہتا ہے کہ بارہ مہینہ ایسی حالت رہے نہ گرمی زیادہ ہو نہ سردی اور بہت دفعہ جب کوئی کام پورا نہیں ہوتا تو چاہا کرتا ہے کہ ابھی رات نہ آئے تو اچھا ہے مگر ان باتوں میں اس کے اختیار کو کوئی دخل نہیں معلوم ہوا کہ ان کا کوئی رب ضرور ہے وہی رب العالمین ہے)

(c) ketabton.com: The Digital Library

صاحب حق مرعوب نہیں ہوتا

غرض موسیٰ علیہ السلام دبے نہیں کیونکہ صاحب حق دبا نہیں کرتا۔ ان پر علم کا رعب تو کیا ہوتا سلطنت کا رعب بھی نہ ہوا صاحب حق اظہار حق میں کسی سے مرعوب نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے آپ نے اسی جواب بالعجہ کو مختلف پہلوؤں سے اعادہ کیا (اور ہر دفعہ ایسی چبھتی ہوئی بات کہی جس کا فرعون کے پاس کچھ جواب نہ تھا ۱۲) یہاں سے معلوم ہوا کہ صاحب حق کو کسی مخاطب سے مرعوب ہو کر اپنا طرز نہ بدلنا چاہیے بلکہ حق بات ہی کو بار بار کہنا چاہیے۔ یہ آج کل ہی کا طرز ہے کہ مجیب سائل کا اتباع کر کے اپنا طرز بدل دیتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا بلکہ اخیر تک اپنی بات پر جمے رہے کہ جتنی دفعہ بولو گے جواب وجہ ہی سے ملے گا۔ پھر

چو حجت نماند جفا جوئے را   بہ پرخاش درہم کشد روئے را

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ: اور ایسے شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بدوں اس کے منجانب اللہ کوئی دلیل (ان کے پاس نہ ہو) اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

تفسیری نکات

مذمت ترجیح ھوی

ایک مرض کو حق تعالیٰ ایک خاص عنوان سے جس سے اس مرض کا منشا بھی معلوم ہو جاویگا اس جگہ بیان فرماتے ہیں چنانچہ وہ مضمون اور اس کا منشا ترجمہ ہی سے معلوم ہو جائے گا سو ارشاد ہے و من اضل ممن اتبع هوٰه بغير هدی من الله یعنی کون زیادہ گمراہ ہے اس شخص نے جس نے اتباع کیا اپنی خواہش کا بدوں اس کے کہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی کوئی ہدایت یعنی دلیل شرعی ہو یعنی بغیر ہدایت اور دلیل شرعی کے اس نے اتباع کیا اپنی خواہش نفسانی کا ترجمہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ حق تعالیٰ کس بات کی مذمت فرما رہے ہیں اور یہ ذرا توجہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ واقعی ہم لوگوں میں یہ مرض عام ہے یا نہیں سو حق تعالیٰ مذمت فرماتے ہیں خواہش نفسانی کی کہ جس چیز کو جی چاہا کر لی اور ظاہر ہے کہ خواہش نفسانی کا جب ایسا اتباع ہوگا گناہ اس کی نگاہ میں ثقیل اور عظیم نہ ہوگا بلکہ خفیف اور سرسری ہوگا۔ اس سے دونوں باتیں معلوم ہو گئیں مرض بھی یعنی استخفاف معاصی اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس کا منشا بھی یعنی اتباع ہوا ہے اور اسکا مرض عام ہونا بھی ظاہر ہے۔

چنانچہ عام طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری حالت یہی ہے کہ جو جی میں آیا کر لیا پس ہمارے یہاں مرجح محض اتباع ہوئی ہے خواہ فعل ہو یا ترک فعل...... دونوں میں مرجح یہی ہے اور کچھ نہیں اور مرجح کا اشتراط ظاہر ہے کیونکہ یہی مسئلہ مسلمہ ہے کہ القدرۃ تتعلق بالضدین یعنی قدرتی کا تعلق ضدین کے ساتھ ہوتا ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ضد پر تو قدرت ہو دوسری پر نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص نماز پڑھنے پر قادر ہے تو اس کے ترک پر بھی ضرور قادر ہوگا افعال مقدورہ میں دونوں جانبوں یعنی فعل و ترک پر قدرت ہوتی ہے اور ایک وجہ کو دوسری جانب پر ترجیح کسی خاص وجہ سے دی جاتی ہے۔

غرض فعل ہو یا ترک فعل ہر ایک کے لئے مرجح ہونا چاہیے یعنی کوئی ایسا داعی ہونا چاہیے جس کی وجہ سے انسان اپنی قوت ارادیہ کو ایک جانب کی طرف منصرف کرے اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے افعال یا تروک میں وہ داعی کون ہے عقلاً دو حال سے خالی نہیں یا داعی مذموم ہے اور وہ ہوئی ہے یا داعی محمود ہے اور وہ ھدی ہے یہی دونوں چیزیں اس آیت میں بھی مذکور ہیں اور دونوں کے لفظ ہم قافیہ بھی ہیں پس داعی بننے کے قابل یہی دو چیزیں ہیں مگر بندہ کی شان اتباع ھدی ہونا چاہیے یعنی حق تعالیٰ کی اجازت اور شریعت کی دلیل سے ایک جانب کو ترجیح دینا چاہیے۔ پس اس آیت میں اسی بات کی مذمت کی ہے کہ ہوئی کو ہدی پر ترجیح دی جاتی ہے یا نہیں۔

ہر چند یہ آیت بدلالت سباق و سیاق کفار کی شان میں ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ مناط مذمت کیا ہے سو ظاہر ہے کہ مناط مذمت وہ صفت ہے جو اس آیت میں مذکور ہے اس لئے جس میں بھی یہ صفت ہوگی وہ قابل مذمت ہوگا وجہ اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو کسی کی ذات من حیث الذات سے نفرت نہیں ہے اگر ذات سے بغض ہوتا تو حق تعالیٰ کفار کو ایمان کا مکلف نہ فرماتے کیونکہ اس حالت میں ایمان کا مکلف بنانا محض بے سود ہوتا کیونکہ اگر کوئی کافر ایمان لے آوے تو ذات تو وہی رہتی ہے اور ذات سے ہوتا بغض تو ایمان لانے سے کوئی نفع نہ ہوتا اور اس کی مخاطبت کو عبثیت لازم ہوتی (یعنی حق تعالیٰ کا اس کو مخاطب بایمان بنانا ایک فعل عبث ہوتا اور حق تعالیٰ فعل عبث سے منزہ ہیں بس ثابت ہو گیا کہ حق تعالیٰ کو کسی کی ذات سے بغض نہیں بلکہ جس سے بغض ہے اس کے افعال کی وجہ سے ہے خواہ افعال باطنی ہوں یا ظاہری جب یہ بات ثابت ہو گئی تو اس آیت میں جو کفار کی مذمت ہے تو وہ کسی خاص فعل اور خصلت پر ہے اس لئے جہاں وہ خصلت ہوگی وہاں مذمت بھی ہوگی خواہ وہ خصلت مسلمان ہو یا کافر میں اس لئے آیت کا کفار کی شان میں ہونا بے فکری کا سبب نہیں ہو سکتا۔

ومن اضل ممن اتبع هوٰه بغير هدى من الله

اقسام ہوئی

ہر چند کہ ہوئی لغۃً خواہش محمود مذموم دونوں کو عام ہے مگر اکثر ہوئی کا اطلاق ہوائے مذموم پر ہی ہوتا ہے اس صورت میں بغير هدى من الله قید واقعی ہوگی اور کبھی ہوئی کا اطلاق ہوائے محمود پر بھی آتا ہے چنانچہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک حدیث میں ہے کہ بعض عورتیں آپ سے کہتی تھیں کہ ہم نے اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کیا یعنی اپنے کو بلا مہر کے آپ کے نکاح میں دیتی ہیں کیونکہ آپ کا نکاح بلا مہر سے بھی صحیح ہو جاتا تھا حضرت عائشہؓ نے ان عورتوں کو ایک بار بے حیا کہہ دیا اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

وامراة مومنة ان وهبت نفسها للنبی الی قوله ترجی من تشاء منهن و تؤی الیک من تشاء

اس پر حضرت عائشہؓ نے آپ سے عرض کیا ما اری ربک الایسارع فی هواک یہاں بھی لفظ ہوا آیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش محمود ہی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ہوا کا اطلاق ہوائے محمود پر بھی ہوتا ہے اس صورت میں بغیر هدی من الله قید احترازی ہوگی فیصلہ یہ ہوگا کہ ہوئی دو قسم کی ہے ایک وہ جو تابع ہدیٰ کے ہو اور ایک وہ جو تابع ہدیٰ کے نہ ہو پس جو ہوئی تابع ہدیٰ کے ہے وہ ہوئی اہل اللہ کی ہے ان کا نفس مطمئنہ ہوتا ہے جس کا تعلق رضا سے ہو چکا ہے وہ یہ بات ہے جو بہلولؒ کی حکایت میں ہے کسی بزرگ سے انہوں نے پوچھا کہ کس حال میں ہو ان بزرگ نے فرمایا اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو جس کی خواہش کے خلاف دنیا میں کچھ بھی نہ ہوتا ہو کہا یہ کیسے؟ فرمایا یہ ایسے کہ میں نے اپنی خواہش کو حق تعالیٰ کی خواہش میں فنا کر دیا ہے اب کوئی واقعہ میری خواہش کے خلاف ہوتا ہی نہیں پھر مجھے راحت ہی راحت ہے رنج کیوں ہو۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ
وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝
ترجمہ: آپ جسکو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم (بھی) اسی کو ہے۔

تفسیری نکات

ضرورت قصد اصلاح

فرمایا کہ قرآن میں جو ارشاد ہے کہ انک لاتهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشاء اس آیت میں یشاء کی ضمیر جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے لیکن قواعد عربیہ کے موافق ایک دوسری توجیہ لطیف بھی ہو سکتی ہے کہ یشاء کی ضمیر من کی طرف راجع ہو مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص خود اپنی ہدایت کا قصد کرے خدا تعالیٰ اس کو ہدایت دیتے ہیں اور اس امر کی تائید دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے کہ اگر خود قصد کرے تو خدا تعالیٰ بھی امداد فرما دیتے ہیں ورنہ نہیں چنانچہ ارشاد ہے الذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا.

(c) ketabton.com: The Digital Library

اوردوسری جگہ ارشاد ہے انلزمکموھا وانتم لھا کرھون۔ یہ ملفوظ اس پر بیان کیا کہ جو شخص اپنی اصلاح نہ چاہے۔ شیخ اس کی اصلاح نہیں کر سکتا (ملفوظ نمبر ۸۹)

عزم اصلاح

اور قرآن مجید کی ایک آیت سے بھی ایک تفسیر پر یہ مضمون معلوم ہوتا ہے وہ آیت یہ ہے انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء اس آیت کی ایک تفسیر تو مشہور ہے اور ایک تفسیر اس کی یہ بھی ہے کہ یشاء کی ضمیر من کی طرف راجع ہو اور معنی آیت کے یہ ہوں کہ بیشک آپ نہیں راہ دکھلاتے جس کو آپ چاہیں لیکن اللہ ہدایت کرتے ہیں اس شخص کو جو اپنی ہدایت کو چاہے اور دوسرے مقام پر یہ مضمون تصریحاً ارشاد ہے ومن اراد الاخرۃ و سعی لھا سعیھا (اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے اور اس کے لئے جیسی سعی کرنا چاہیے ویسے ہی سعی بھی کرے گا۔ مدار آخرۃ کا بندہ کی اور سعی اور ارادہ پر رکھا ہے اور بیشک صحیح ہے کہ بغیر حق تعالیٰ کی مشیت سے کچھ نہیں ہوسکتا لیکن عادۃ اللہ یونہی جاری ہے۔ جب کہ بندہ ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی چاہتے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ تم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑے اور آپ سے آپ کام ہو جائے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انلزمکموھا و انتم لھا کارھون یعنی کیا ہم تم کو اپنی رحمت یعنی ہدایت چپکا دیں اور تم اس کو ناپسند کرنے والے ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ تمہاری طرف سے تھوڑی توجہ ہوگی تو اس طرف سے بہت زیادہ ہو گی لیکن ابتدا تمہاری طرف سے ہونا ضروری ہے حدیث قدسی ہے من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا۔ یعنی جو شخص میری طرف ایک بالشت قریب ہو میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میری طرف ایک ہاتھ قریب ہو میں اس کی طرف ایک باع (یعنی دو ہاتھ کھلے ہوئے) قریب ہوتا ہوں تو کوشش کرو اور اپنی ہمت خرچ کرلو اور پھر بھی وہ کام نہ ہو تو یہ نہ سمجھنا کہ کوشش اور سعی بیکار گئی بلکہ ثواب ضرور ملے گا کام پر تو ثواب ہوتا ہی ہے صرف ارادہ پر بھی ثواب ملتا ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ یعنی جو شخص اپنے گھر سے نکلے اس حالت میں کہ وہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے والا ہو پس اس کا ثواب اللہ تعالیٰ پر ثابت ہوگیا لیکن ارادہ سوچنے اور تمنا کرنے کو نہیں کہتے۔

غرض اس ضرورت سے اس مضمون کا ذکر ضروری ہوا تو سمجھو کہ ایک تو کعبہ ظاہری اس کا مظہر ہے پس جن بزرگ نے یہ دیکھا کہ کعبہ اپنی جگہ نہیں ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ روح کعبہ زائرین کی طرف متوجہ نہیں ہے بلکہ ان بزرگ کی طرف متوجہ ہے۔ غرض بعضے خود کو کعبے ہی میں آنا پڑا اور جب ایسوں کو بھی خود کعبے کی طرف جانے کی احتیاج تھی تو اس سوداگر کو تو کیوں ضرورت نہ ہوگی اور یہ تجارت چھوڑ کر جائیں نہیں تو محض حاجی صاحب کی دعا سے ان کو کیا نفع ہوسکتا ہے تو جو لوگ کچھ تدبیر کرتے بھی ہیں صرف اس قدر کرتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

شان نزول

صاحبو! خیال کیجئے ابو طالب جو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا ہیں اور بہت بڑے محب کہ جس موقعہ پر تمام قریش نے مخالفت کی اور آپ کے دشمن ہو گئے اس موقعہ پر بھی ابو طالب نے ساتھ دیا اور اس کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے بہت محبت تھی اور آپ نے بے حد کوشش ان کے مسلمان ہونے کی فرمائی لیکن محض اس وجہ سے کہ انہوں نے نہیں ارادہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش اور محبت کچھ بھی ان کے کام نہ آئی اور آخر کار اپنی قدیم ملت پر ان کا خاتمہ ہو گیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء (بیشک آپ ہدایت نہیں دیتے جس شخص کو آپ چاہیں لیکن بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں)

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جس حکم کو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے ان لوگوں کو تجویز (احکام) کو کوئی حق حاصل نہیں اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

تفسیری نکات

اختیار تکوینی اور تشریعی صرف اللہ کیلئے ہے

وربک یخلق ما یشاء و یختار اور آپ کا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے) یعنی جس طرح صفت خلق میں کوئی اس کا شریک نہیں اسی طرح صفت اختیار میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہاں اختیار تکوینی مراد ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یخلق ما یشاء (جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے) سے اختیار تکوینی خود ظاہر ہے۔ اگر یختار سے بھی اختیار تکوینی مراد ہوتا تو یخلق ما یشاء۔ کے بعد اس کی ضرورت ہی کیا تھی معلوم ہوا کہ اختیار تشریعی مراد ہے اس کے بعد فرماتے ہیں ما کان لھم الخیرۃ بندوں کے لئے کچھ اختیار نہیں۔ کیونکہ اوپر یختار میں اختیار شرعی کا مراد ہونا متعین ہو چکا ہے اس لئے ما کان لھم الخیرۃ. ان کو کچھ اختیار نہیں ہے۔ میں اسی کی نفی مراد ہونی چاہیے۔ اس صورت میں لام

(c) ketabton.com: The Digital Library

تعریف عہد کے لئے ہوگا اور اگر لام جنس کے لئے مانا جاوے تو عموم کی وجہ سے ہر اختیار کی نفی ہو جاوے گی۔ معنی یہ ہوں گے کہ اختیار تکوینی اور تشریعی دونوں خدا کے لئے مخصوص ہیں کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں تو تشریعی نہ تکوینی۔ آگے فرماتے ہیں سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون. یعنی خدا تعالیٰ شرک تکوینی اور تشریعی دونوں سے پاک ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے الالہ الخلق و الامر یعنی خدا تعالیٰ ہی کے لئے ہے خالقیت و آمریت۔ یہ آیت تو بہت زیادہ صریح ہے کیونکہ اس میں اختیار تکوینی کا احتمال بھی نہیں کیونکہ امر کا اطلاق جبکہ خلق کے مقابلہ میں ہے شریعت میں امر تشریع ہی پر ہوا کرتا ہے۔ امر کے معنی حکم کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کے سوا حکم کرنے والا اور احکام مقرر کرنے والا کوئی نہیں خلق سے اختیار تکوینی اور امر سے اختیار تشریعی مراد ہے اور دونوں کو بصورت حصر خدا کے لئے ثابت کیا گیا جس سے دونوں کی نفی ماسوا سے لازم آ گئی۔

اور یہاں میں ایک اور نکتہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگوں نے اس آیت سے عالم مجردات کے وجود پر دلیل قائم کی ہے۔ عالم مجردات کو صوفیہ کی اصطلاح میں عالم امر بھی کہا جاتا ہے اس لئے الالہ الخلق و الامر یعنی خدا تعالیٰ ہی کے لئے ہے خالقیت و آمریت۔ سے لوگوں کو دھوکہ ہوا اور انہوں نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ خدا ہی کے لئے عالم خلق و عالم امر ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ قرآن کے مخاطب اول اہل عرب تھے اور وہ عالم امر کو جانتے بھی نہ تھے۔ یہ اصطلاح بعد میں حادث ہوئی۔ نزول قرآن کے وقت عالم امر کو کوئی جانتا بھی نہ تھا مگر لوگوں کی عادت ہے کہ اصطلاحات علمیہ کو یاد کر کے ہر جگہ انہی کو چلایا کرتے ہیں۔

وربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ سبحن اللہ و تعالی عما یشرکون

ما کان لھم الخیرۃ میں صراحۃً اختیار عبد کی نفی ہے۔ مگر یہاں اس اختیار کی نفی نہیں جو جبر کے مقابل ہے کیونکہ اس کے تو استعمال کا امر ہے بلکہ اس اختیار کی نفی ہے جس کے استعمال کی اجازت نہیں جس کا عنوان ثانی تجویز ورائے ہے مثلاً بیمار کے متعلق یہ تجویز کرنا کہ یہ اچھا ہی ہو جائے پھر اس کے ظہور و وقوع کا انتظار کرنا کہ کب اچھا ہوگا پھر تاخیر صحت سے پریشانی اور کلفت کا بڑھنا اس کی تو ممانعت ہے۔

ام للانسان ماتمنی فللہ الاخرۃ والاولی

میں اس تجویز کی جڑ کاٹی گئی ہے کہ دنیا و آخرت کے تمام واقعات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں تم کو ان میں تجویز کا کوئی حق نہیں اور تجویز کی علامت یہ ہے کہ اس کے وقوع کا تقاضے کے ساتھ انتظار کیا جائے یعنی ایسا انتظار جس کی جانب مخالف کا تصور نا گوار ہو۔

حقیقت رجاء

یہ اس واسطے کہا تا کہ یہ شبہ نہ ہو کہ میں انتظار الفرج بعد الشدۃ کی نفی کرتا ہوں سو خوب سمجھ لیجئے میں اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی نفی کرتا کیونکہ یہ تو رجاء ہے بلکہ میں خاص انتظار کی نفی کرتا ہوں مثلاً کسی کا بچہ بیمار ہے تو اگر اس کو اس کی صحت کا ایسا انتظار ہے کہ اس کے نہ اچھا ہونے اور ہلاک ہونے کا تصور بھی ناپسند ہے تو یہ انتظار مذموم ہے اور وہ ناپسندیدگی یہ ہے کہ اس کے نہ اچھا ہونے اور ہلاک ہونے کا تصور بھی ناپسند ہے تو یہ انتظام مذموم ہے اور وہ ناپسندیدگی یہ ہے کہ اس کی عدم صحت سے ناراض ہو اس پر اعتراض کرے اور اگر صحت و عدم صحت دونوں پر راضی ہو اور یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ جو کچھ بھی کریں گے وہ عین حکمت ہے مگر دل چاہتا ہے کہ اس کو صحت ہو جائے اور عدم صحت کے تصور یا وقوع سے رنج ہوتا ہے تو یہ حزن ہے اور حزن مذموم نہیں حزن تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہوا ہے مگر اس کے ساتھ رضا بھی ہوتی ہے حزن میں پریشانی اور ناراضی نہیں ہوتی۔ گو ظاہر میں ناگواری کی صورت ہو مگر دل میں ناراضی نہیں ہوتی۔ بلکہ رضا موجود ہوتی ہے۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ ڈاکٹر نے کسی شخص کا اپریشن بدوں کلورافارم سنگھائے کیا ہو تو یہ شخص نشتر لگنے سے روئے گا بھی چلائے گا بھی ناک منہ بھی چڑھائے گا۔ مگر دل میں اندر سے نہایت خوش ہوگا چنانچہ ڈاکٹر کو فیس بھی دیتا ہے اور اس کا شکریہ بھی ادا کرتا ہے۔ اس مثال سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ کراہت ظاہرہ کے ساتھ رضا مجتمع ہو سکتی ہے۔ تو میں اس کراہت کی بھی نفی نہیں کرتا بلکہ میں صرف اس کراہت کی نفی کرتا ہوں جس کے ساتھ رضا مجتمع نہ ہو کہ دل میں بھی ناگواری ہو اور ظاہر میں بھی ناگواری ہو یہاں تک کہ اگر اس پر نسبت فعل الی اللہ منکشف ہو جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ سے بھی عداوت و شکایت ہونے لگے۔

تلک الدار الاخرة نجعلها للذين لايريدون علواً في الارض ولا فساداً والعاقبة للمتقين. (القصص آیت ۸۳)

یہ عالم آخرت ہم ان لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں نہ فساد کرنا اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے۔

طب علو مطلقاً مذموم ہے

فرمایا **تلک الدار الاخرة نجعلها للذين لايريدون علو افي الارض ولا فساداً** حق تعالیٰ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے طب علو مطلقاً مذموم ہے گو فساد نہ ہو اور جہاں فساد ہو وہاں تو بالکل منع ہے اور جہاں غلو ہو اور اس کے ساتھ علو بلکہ دین سے غلو بھی ہو وہ مذموم کیسے نہ ہوگا (غالباً کسی خاص شخص کے متعلق تھا) (ملفوظات حکیم الامت ج ۱۵ ص ۴۴)

(c) ketabton.com: The Digital Library

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: سب چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے اسی کی حکومت ہے اور اسی کے پاس تم سب کو جانا ہے۔

تفسیری نکات

سوائے ذات باری کے سب فانی ہیں

مادہ ٔارواح ماسوی اللہ کے حدوث کی قطعی دلیل قرآن ہے یہ ہے کہ کل شیء ھالک الاوجھہ اور قاعدہ عقلیہ ہے ماثبت قدمہ امتنع عدمہ اور جب سوائے ذات باری کے سب ہالک ہیں ان پر عدم طاری ہو سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سب حادث ہیں۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کل شیء ھالک الاوجھہ اس کی ایک تفسیر تو مشہور ہے یعنی ہالک فی الاستقبال اور ایک تفسیر اس کی وہی ہے جو صوفیہ نے کی ہے یعنی ھالک فی الحال اور یہ تفسیر صاحب شرح عقائد نے بھی لکھی ہے شرح عقائد میں جس کا جی چاہے دیکھ لے مجھے چونکہ صوفیہ محققین سے محبت ہے اس لئے میں ان کی تائید کی تلاش میں رہتا ہوں اور متجسس ہر جگہ سے اپنا مطلب نکال لیتا ہے اس لئے میں نے اہل ظاہر ہی کی کتابوں سے تائید نکال لی اب علماء ظاہر جو صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں وہ شارح عقائد پر بھی فتویٰ لگائیں مگر اس کو سب پڑھتے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کرتا اور صوفیہ پر اعتراض کیا جاتا ہے جہلا صوفیہ کی تو ہم بھی حمایت نہیں کرتے مگر محققین جس معنی کو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں اس پر کیا حق اعتراض کا ہے پس خوب سمجھ لو کہ وحدۃ الوجود کا یہ مطلب نہیں کہ کسی شئے کا وجود ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وجود تو اغیار کا بھی ہے مگر کالعدم ہے جیسے ستارے دن میں موجود تو ہوتے ہیں جس کو اہل علم جانتے ہیں مگر آفتاب کے سامنے کالعدم ہوتے ہیں نیز اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک تحصیلدار چپراسی پر حکومت کرتا ہے اور اس وقت وہ حاکم معلوم ہوتا ہے مگر وائسرائے کے سامنے بول بھی نہیں سکتا اس وقت اس کی حکومت کالعدم ہو جاتی ہے نیز ایک ماہر فن قاری کے سامنے ایک طفل مکتب کو کوئی قاری نہیں کہتا کہ کسی قدر قراءت اس نے بھی پڑھی ہو مگر ماہر فن کے سامنے اس کو کوئی قاری کہے تو شرم سے گڑ جائے گا ہاں کوئی بے حیا ہو تو اور بات ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ العَنکبوت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝۱ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝۲ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝۳

ترجمہ: الم (بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے (ہیں تو) کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا اور ہم تو (ایسے واقعات سے) ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے (مسلمان) ہو گزرے ہیں سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (ظاہری علم سے) جان کر رہے گا اور جو ایمان کے دعویٰ میں سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔

تفسیری نکات

مصائب کی حکمت جلی اور خفی

احسب الناس ان یترکوا الأیة اس امتحان کے علاوہ جو کہ ایک حکمت جلی ہے کی ایک خفی حکمت بھی بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب کوئی بلا آتی ہے تو اخلاق پر اس کا اچھا اثر پڑتا ہے جن نفسانی امراض کا بڑے بڑے مجاہدوں سے علاج ہونا چاہیے تھا ان کا علاج مصائب و رنج و غم سے بہت جلدی ہو جاتا ہے یہ بھی ایک مجاہدہ ہے کیونکہ مجاہدہ دو قسم پر ہے ایک اختیاری ایک اضطراری اختیاری مجاہدہ تو یہ ہے تقلیل الکلام کم بولنا تقلیل الاختلاط مع

(c) ketabton.com: The Digital Library

الانام۔ لوگوں سے کم ملنا جلنا تقلیل المنام کم سونا تقلیل الطعام کم کھانا جس سے اس زمانہ کے لئے صرف اول کے دو جزو کافی ہیں مگر یہ مجاہدہ بعض امراض کے لئے کافی نہیں ہوتا اس کے لئے مجاہدہ اضطراری کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بدوں امداد غیبی کے قصد و اختیار سے نہی شرعی کے سبب ناممکن ہے مثلاً اگر کوئی سنکھیا کھائے یا کسی طرح اپنے کو بیمار ڈالے یا ہلاک کرے تو ناجائز ہے اس لئے وہ خدا کی طرف سے بیمار کیا جاتا ہے اس کے بیوی بچوں کو موت دیدی جاتی ہے اگر یہ خود مارے تو ناجائز ہے پس یہ رحمت ہے کہ تمہارا کام ادھر ہی سے کر دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ہی سے نشتر دلوایا جاتا ہے اپنے ہاتھ سے کوئی نہیں دیتا اور اگر ڈاکٹر کو مشورہ دے کر نشتر نہ دو تو بس علاج ہو چکا خیر خواہ ڈاکٹر مریض کی رائے پر کبھی عمل نہیں کرتا دیکھئے بچہ کو ماں باپ پچھاڑ کے چمچہ سے دوا پلاتے ہیں پھر حلق سہلاتے ہیں کہ اندر اتر جائے اور بچہ مچلتا ہے غل مچاتا ہے ہائے رے ہائے رے کرتا ہے مگر اس کے شور و غل کی کچھ پروا نہیں کرتے سننے والے بھی ماں باپ کو ظالم نہیں سمجھتے بلکہ خیر خواہ سمجھتے ہیں افسوس کہ آپ کو ماں باپ پر اعتماد ہے خدا پر بھروسہ نہیں ہے وہاں آپ اپنی عقل سے حکمت دریافت کرتے ہیں اور جب سمجھ میں نہیں آتی تو یہ حکم لگا دیتے ہیں کہ اس میں کوئی حکمت نہیں تعجب ہے صاحبو! جس طرح اور قوائے مدرکہ ہیں اسی طرح عقل بھی تو صرف ایک قوت مدرکہ ہے اور جس طرح وہ سب محدود ہیں اسی طرح عقل بھی محدود ہے مثلاً کان ایک حد تک سنتے ہیں اس کے آگے نہیں سنتے ان کے آگے نہ سننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آواز نہیں ہے مثلاً یہ معلوم ہے کہ کلکتہ میں روز بارہ بجے توپ چلتی ہے اگر اس کی آواز یہاں نہ سنائی دے تو اس کا انکار نہیں ہو سکتا اسی طرح نیل گنج میں عطر کی شیشی کھلی اور یہاں خوشبو نہیں آئی تو اس کے کھلنے کا انکار نہیں کیا جا سکتا اسی طرح آنکھ ایک حد تک دیکھتی ہے اس سے آگے کام نہیں کرتی مگر کیا حد نظر سے آگے کچھ ہے ہی نہیں؟ یقیناً اس کا کوئی قائل نہیں جب ہر قوت کے لئے ایک حد ہے تو اس کلیہ کا مقتضا یہ ہے کہ عقل کے ادراک کے لئے بھی ایک حد ہونا چاہیے مگر آج کل دماغوں میں بیوقوفی یہ سمائی ہے کہ کوئی چیز عقل سے مخفی نہ رہنا چاہیے ہر چیز عقل میں آ جانی چاہئے کیوں صاحب کیوں آنی چاہئے کان آنکھ کی طرح وہ بھی ایک قوت مدرکہ اور دل کی آنکھ ہے جتنی اس کی قوت اور حد ہے اسی کے موافق ادراک کرے گی اور جو اس کی حد اور طاقت سے باہر ہے اس کے ادراک سے عاجز رہے گی تم یہ سمجھتے ہو کہ جو تم نہ سمجھو وہ عقل کے خلاف ہے حالانکہ وہ عقل کے خلاف نہیں بلکہ اس کی حد سے باہر ہے اور ہے صحیح کسی مجذوب سے پوچھا گیا عقل کیا ہے کہا وہ جو خدا کو پاوے پوچھا خدا کون ہے کہا جو عقل میں نہ آوے مطلب یہ ہے کہ عقل وہ ہے جو ہمیشہ اس کی جستجو میں لگی رہے اور اس سے کبھی غافل نہ ہو گو اس کی کنہ اس کی ادراک سے فوق ہے غرض یہ بات ماننا پڑے گی کہ عقل کے لئے بھی ایک حد ہے جس سے آگے وہ نہیں چل سکتی۔ آپ روح ہی کو نہیں سمجھ سکتے کہ کیا ہے۔ جس طرح یہ سمجھ میں نہیں آتی اسی طرح احکام الٰہی کی بعض حکمتیں بھی سمجھ میں نہیں آتیں ہاں نظائر سے تسلی ہونا اور بات ہے اسی طرح

(c) ketabton.com: The Digital Library

بلا میں ایک حکمت امتحان بھی ہے جو حکمت جلی ہے جس کا بیان اول ہوا ہے دو حکمتیں اور یہ ہیں ایک خفی اور ایک اخفی سو حکمت خفی تو یہ ہے کہ بیماری اور مرض سے انسان میں شکستگی اور عجز پیدا ہوتا ہے اور یہ علاج ہے غرور ناز اینٹھ مروڑ کا مثلاً جب تک کوئی نہ مرے اپنی دولت وقوت کا غرور نہیں جاتا اس سے شکستگی پیدا ہوتی ہے اور یہ بڑی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے یہ تو خفی حکمت تھی جس کا بیان ابھی ہوا ہے اور حکمت اخفی یہ ہے کہ بلا میں مشاہدہ ہے یہ ذرا باریک بات ہے۔ یہ اہل اللہ کے لئے ہے عاشق کی شان یہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ محبوب کا ایک عضو بھی اس سے چھپا نہ رہے عاشق کو چین نہیں آتا کہ ہاتھ اور انگلیاں تو دیکھنا چاہتی ہی ہے۔ محبوب کے دستانہ پر نظر ڈالتا ہے۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ مینگرم　　　کرشمہ دامن دل میکشد کہ جاانیجاست

ان سے بڑھ کر خسارہ ہے اگر محبوب ایک چھپالے اور ایک کھول دے تو وہ بے چین ہوگا کہ کسی طرح دونوں دیکھوں جس طرح محبوب کے دو رخسارے ہیں یہاں حق تعالیٰ کے دو شانیں ہیں ایک جلال ایک جمال۔ جمال لطف ورحمت وغیرہ ہے اور جلال وہ ہے جسے آپ سختی وقہر سمجھتے ہیں عاشق یہ چاہے گا کہ دونوں کو پہچانوں بغیر اس کے اسے صبر نہیں آتا کیونکہ ایک رخ کی معرفت تھی دوسرے کی نہ تھی یہی راز ہے آدم علیہ السلام کے جنت سے اخراج میں یعنی جب وہ جنت میں تھے انہیں صفت محسن منعم اور کریم کی بدرجہ عین الیقین معرفت تھی اور عادل منتقم عفو تواب رحیم ورؤف کی معرفت بدرجہ علم الیقین تو تھی مگر بدرجہ عین الیقین نہ تھی حق تعالیٰ کو ان کی معرفت کو مکمل کرنا مقصود تھا اس کے لئے سامان یہ ہوا کہ ممانعت کے بعد بوسوسہ شیطان گیہوں کا دانہ کھالیا۔

گو اس کا بھی انہیں ثواب ملا کیونکہ یہ ان کی اجتہادی خطا تھی ارشاد ہوا جنت سے باہر ہو جاؤ اس وقت انہیں عادل منتقم کی معرفت ہوئی اس کے بعد توبہ کرنے سے توبہ قبول ہوئی تو ثواب کی معرفت ہوئی پھر معاف ہوگیا تو عفو کی معرفت ہوئی پھر رحمت خاصہ متوجہ ہوئی تو رؤف رحیم کی بھی معرفت ہوئی اگر ایسا نہ ہوتا تو آدم علیہ السلام کی معرفت اور ان کا علم عین الیقین کے درجہ تک مکمل نہ ہوتا انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں سے ان کے معارف وکمالات بڑھائے جاتے ہیں یہی راز ہے کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار آیا ابن مسعودؓ سے فرمایا مجھ کہ یہ نسبت تم لوگوں کے دوگنا بخار ہوتا ہے اور اجر بھی دوگنا ہوتا ہے چونکہ ان کی معرفت کامل بلکہ اکمل عطا ہوتی ہے اس لئے ان کے لئے بیماری بھی سب سے بڑھ کر ہونی چاہئے صحت بھی اوروں سے بڑھ کر یہی شان ہے انبیاء وصلحاء کی اور اسی مشاہدہ کی بدولت انہیں بلا میں اس قدر مسرت ہوتی ہے کہ آپ کو انعام میں بھی نہیں ہوتی حضرت رابعہ کے یہاں جب عرصہ تک فاقہ نہ ہوتا تو فرماتیں کہ اللہ میاں خفا معلوم ہوتے کیوں کہ بہت دن سے فاقہ نہیں ہوا جو چھیڑ چھاڑ کی دلیل ہے الغرض یہ حکمتیں تھیں جن میں بعض کا حاصل مجاہدہ تھا اور بعض کا حاصل مشاہدہ اور جو بالکل جلی یعنی کھلی ہوئی حکمت ہے وہ اس آیت میں مذکور ہے فرماتے ہیں الم ایک نکتہ اس میں اس وقت سمجھ میں آیا

کہ اسے شروع کیا حروف مقطعات سے اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ ہمارے چند حروف کی حکمت تو معلوم نہیں بڑا دعویٰ ہے اور بڑے حکمت جاننے والے ہیں تو انہیں کی حکمت بتا دو جب حروف کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے تو ہمارے افعال کی حکمت کیا سمجھو گے یہ تمہید کے لئے ہے آگے مقصود ارشاد فرماتے ہیں۔

دعویٰ اور دلیل

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا کیا لوگوں کا گمان ہے کہ امنا کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے وھم لایفتنون اور امتحان نہ ہوگا۔ کیونکہ آمنا (ہم ایمان لائے) ایک دعویٰ ہے اور اس کی دلیل امتحان میں کامیابی ہے۔ ولقد فتنا الذین من قبلھم پہلے بھی ہم نے لوگوں کا امتحان لیا ہے اور اس امتحان کا ثمرہ کیا ہے۔

فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین (پ ۲۰)

کہ اللہ تعالیٰ جان لیں گے کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ لیعلمن میں ایک علمی تحقیق ہے مگر اس کی تفصیل کا وقت نہیں ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ دوسروں پر ظاہر کردیں کون سچا ہے اور کون جھوٹا ورنہ انہیں تو سچے اور جھوٹے کا پہلے سے علم ہے۔ اس امتحان کے متعلق ایک شعر یاد آیا۔

وجائزۃ دعویٰ لمحبۃ فی الھوی   ولکن لایخفیٰ کلام المنافق

محبت کا دعویٰ عشق میں جائز ہے لیکن منافق کی بات چھپی نہیں رہتی۔

ایک حکایت یاد آئی کہ ایک نوجوان سے ایک شخص نے کہا میں تم پر عاشق ہوں۔ اس نے التفات نہ کیا جب بہت مرتبہ کہا تو ایک دن اس نے کہا اگر تم عاشق ہو تو سیر بھر چونا بے بجھا کھالو۔ اب تو لگا سوچنے کہ چونا کھاؤں گا تو منہ اور آنتیں سب کٹ جائیں گی۔ اس کے سوچنے پر محبوب نے ایک جوتا رسید کیا کہ میں یہی عشق ہے۔ واقعی اگر عاشق ہوتا تو چونا پیش کرنے پر چوں نہ کرتا اور کھالیتا۔ بس اس روز سے پھر عشق کا نام نہیں لیا۔

اختتام مثنوی میں ایک حکایت ہے کہ ایک شخص ایک عورت کے ساتھ ہولیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا پوچھا تم کون ہو کہا میں تم پر فریفتہ اور عاشق ہوں۔ کہا مجھ میں کیا رکھا ہے پیچھے میری بہن آرہی ہے وہ مجھ سے ہزار درجہ زیادہ حسین ہے یہ براہ ہوس اس کے دیکھنے کو پیچھے پلٹے جیسا کسی نے کہا ہے

وفاداری مدار از بلبلاں چشم   کہ ہر دم برگلے دیگر سرایند

بلبل چشم لوگوں سے وفا کی امید نہ رکھ کیونکہ وہ ہر بار دوسرے پھول پر چہچہاتی ہے

یہ حضرت جونہی پیچھے پلٹے اس نے ایک دھول رسید کی کہ بس یہی عشق ہے۔

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی   دربیان دعوئے خود صادقی

پس چرا برغیر افگندی نظر   ایں بود دعویٰ عشق اے بے ہنر

تو اگر عاشق تھا غیر کی طرف کیوں رخ کیا غرض سچے جھوٹے مدعی امتحان کے وقت معلوم ہوجاتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے رؤیت باری تعالیٰ کا اثبات

فرمایا: آیت فلما تجلی ربه للجبل موسیٰ علیہ السلام کے لئے رؤیت باری تعالیٰ کا اثبات واستدلال غلط ہے۔ کیونکہ تجلی پر بلا فصل زمانی مرتب ہے۔ کوہ جبل وصعق موسیٰ علیہ السلام۔ اور تقدم وتاخر محض ذاتی ہے تو رؤیت کس کی ہوئی۔ (ملفوضات حکیم الامت ج ۱۵ ص ۲۶۵)

عند الامتحان یکرم الرجل او یهان

امتحان کی حقیقت

اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آمنا کے معنی عشقنا کے ہیں اور وہ اس طرح کہ الذین امنوا اشد حبالله میں ایمان کے لئے محبت الٰہی کو لازم قرار دیا گیا ہے تو اب آمنا کے معنی عشقنا و احببنا ہوئے۔ جب تم نے آمنا کہہ کر خدا کی محبت کا دعویٰ کیا تو اس کے لئے امتحان ضروری ہوا اس لئے کبھی آپ کی اولاد کو بیمار کر دیتے ہیں کبھی کسی اور عزیز کو۔

اب یہ کہنا کہ بیٹے کو بیمار کیوں کیا اس کے معنی یہ ہوئے کہ مجھے امتحان سے بری کیوں نہ کیا جب بری نہ ہوئے تو اب شبہ اور وسوسہ ہونے لگا ایک شبہ یہ ہے کہ خدا کو تو خبر ہے کہ کون کیسا ہے اور کون کیسا ہے۔ امتحان لینے کیا ضرورت۔ امتحان تو وہاں لیا جاتا ہے جہاں حالت مخفی ہوتی ہے اس کا جواب اوپر بھی مذکور ہے کہ یہ امتحان ظہور علی الممتحن کی غرض سے نہیں لیا جاتا بلکہ ظہور علی الناس کی غرض سے لیا جاتا ہے یعنی امتحان اس لئے لیا جاتا ہے کہ اور لوگ اس کی حالت سے واقف ہو جائیں کہ سچا مسلمان ہے یا جھوٹا اور یہ اپنی حالت خود بھی جان لے اور جہل مرکب میں مبتلا نہ رہے بعض اوقات آدمی لائق سمجھا جاتا ہے اور خود بھی اپنے کو لائق سمجھتا ہے مگر امتحان کے وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کچھ بھی نہ تھا۔

یہی راز ہے خدا تعالیٰ کے امتحان کا۔ پل صراط اور میزان کی بھی یہی حکمت ہے مقصود یہ ہے کہ کوئی جھگڑا بھی نہ کر سکے اور جہل مرکب میں مبتلا نہ رہے اور حجت تمام ہو جائے۔ معتزلہ نے میزان کا اسی اشکال کی بناء پر انکار کر دیا کہ خدا کو تو معلوم ہے کتنے عمل اچھے ہیں کتنے برے اور یہ نہ سمجھے کہ خدا نے اپنے علم کے لئے ایسا نہیں کیا بلکہ بندوں کی آگاہی کے لئے ایسا کیا تا کہ خدا پر کسی کو الزام رکھنے کا حق نہ رہے۔ دوسری گنجائش ہی نہ رہے ورنہ اگر کسی جگہ حجت کج بحثی اور جہل مرکب کا احتمال نہ ہو تو بدوں امتحان کے صرف اپنے علم کے موافق عمل درآمد کرنے میں بھی کچھ محذور عقلی نہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اپنے شاگردوں کا ماہواری امتحان نہیں لیتے تھے کیونکہ استعداد ہر ایک کی مستحضر تھی۔ جب موقع آتا بلا امتحان لئے نمبر بھر دیتے اور فرماتے تھے کہ مجھے سب معلوم ہے کہ کون

(c) ketabton.com: The Digital Library

کیسا ہے اور کون کیسا ہے اور یہ بھی فرمادیتے تھے کہ اگر کسی کو یہ احتمال ہو کہ مجھے کم نمبر دیئے ہیں تو لاؤ امتحان لے لوں۔ مگر کسی کو یہ کہنے کی ہمت نہ تھی کہ ہاں لے لیا جائے۔

امتحان سے مقصود مدعی کو خاموش کرنا ہوتا ہے

امتحان سے مدعی کی زبان بند کرنا مقصود ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ اس لئے امتحان لیتا ہے کہ لوگوں پر اور خود اس پر بھی یہ ظاہر ہو جاوے کہ محبت کا دعویٰ سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ اگر یہ اس امتحان میں فیل ہو گیا تو اسے یہ بھی نفع ہوگا کہ آگے پھر کوشش کرے گا اور کوشش کر کے اعلیٰ لیاقت پیدا کر کے پھر امتحان میں ضرور پاس ہو جاوے گا۔ تو جو کچھ بلا اور مصیبت آتی ہے واللہ سب رحمت ہے اس میں ذرا بھی حرج نہیں البتہ ایسے شخص کے لئے ضروری پریشانی ہے جس کا تعلق خدا سے ضعیف ہے ورنہ سراسر رحمت ہی رحمت ہے چونکہ اسوقت بہت سی پریشانیوں کا ہجوم ہے جن سے خیالات متزلزل ہو رہے ہیں اس لئے میں نے عمر بھر کے لئے علاج بتلا دیا۔ جو شخص اس علاج سے کام لے گا وہ تھوڑے دنوں تک صبر کرتے کرتے پھر بجائے صبر کے شکر کرنے لگے گا۔

شنیدہ ام سخن خوش کہ پیر کنعان گفت فراق یار نہ آں مے کند کہ بتواں گفت

حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر کنا ئیست کہ از روزگار ہجراں گفت

چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے احسب الناس ان یترکوا ان یقولو امنا وھم لایفتنون.

رہا یہ کہ اس کی وجہ کیا ہے سو اس کے بارہ میں ہمارے بزرگوں کا مسلک یہ ہے کہ حکم کی تفصیل میں گفتگو نہیں فرماتے ان کا طریقہ یہ ہے ابھموا ما ابھمہ اللہ کہ جس چیز کو خدا تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے تم بھی اس کو مبہم ہی رکھو۔ پس اجمالاً ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ابتلا میں حکمت ضرور ہے گو ہم کو معلوم نہ ہو اور اس باب میں ایک بات جو بے ساختہ دل میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر انسان سے اطاعت بدوں ابتلاء مقصود ہوتی تو اس کے لئے ملائکہ پہلے سے موجود تھے انسان کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ ملائکہ اطاعت بدوں ابتلاء ہی کرتے ہیں ان میں منازعت کا مادہ ہی موجود نہیں اور انسان کے اندر مقاومت ومنازعت احکام کا مادہ رکھا گیا ہے مگر وہ ایک خاص درجہ پر ہے اور وہ بھی تکمیل اجر کے لئے اس میں رکھا گیا ہے کیونکہ طاعت بلا منازعت سے طاعت منازعت افضل ہے۔

بوجہ مجاہدہ کے وہ درجۂ خاص کی قید میں نے اس لئے لگائی کہ اگر منازعت خاص درجہ پر نہ ہوتی تو الدین یسر کے خلاف ہوتا اس لئے میں نے یہ قید لگا دی اور یہ منازعت بھی ابتداء ہی میں ہوتی ہے بعد رسوخ کے یہ منازعت بھی باقی نہیں رہتی بلکہ احکام الٰہی امور طبعیہ بن جاتے ہیں حق تعالیٰ نے افعال حسیہ میں بھی یہی قاعدہ رکھا ہے چنانچہ مشی وغیرہ میں ابتداء ہی میں ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے پھر ہر قدم پر ارادہ کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہی پہلا ارادہ مستمر قرار دیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو فعل اختیاری کہا جاتا ہے اس پر شبہ نہ ہو کہ شاید پھر ثواب کم ہو جاتا ہوگا کیونکہ طاعت بلا منازعت سے طاعت بمنازعت افضل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہی ہے کہ ابتداً سے منازعت کا مقابلہ کرنے کے بعد ثواب منازعت ہی کا ہمیشہ ملتا ہے کیونکہ اس نے تو اپنی طرف سے مقاومت منازعت کے دوام کا قصد کر کے عمل شروع کیا ہے چنانچہ ہر مسلمان جو نماز روزہ کا پابند ہے اس کا ارادہ یہی ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھوں گا' ہمیشہ روزہ رکھوں گا خواہ نفس کو کتنا ہی گراں ہو۔ اب یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ بعد میں منازعت کو باقی نہیں رکھتے مگر چونکہ بندہ نے ہمیشہ کے لئے اس منازعت کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اس واسطے اس کو زوال منازعت کے بعد بھی بوجہ نیت ودوام کے وہی ثواب ملتا ہے جو منازعت کے ساتھ ثواب ملتا تو جیسے مشی کو فعل اختیاری اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ابتداً میں اختیار وارادہ کی ضرورت ہے گو بعد میں ضرورت نہیں رہتی اسی طرح یہاں بھی گو بعد میں منازعت نہیں رہتی مگر چونکہ ابتداً میں منازعت کی مخالفت کی ضرورت تھی اس لئے انتہا تک اس مخالفت منازعت کو حکماً مستمر قرار دیا جائے گا اور یہاں سے پتہ لگتا ہے حق تعالیٰ کی رحمت کا ورنہ عقل کا مقتضا یہ ہے کہ جب منازعت ختم ہو جاوے اور عبادت میں لذت وحظ پیدا ہو جاوے تو اس شخص کو اجر نہ ملے کیونکہ اب طاعت مع الابتلاء نہیں ہے اس وقت عقل کہتی ہے کہ یہ شخص اجر کا مستحق نہیں مگر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تجھے ہمارے بندہ سے محبت نہیں ہے ہم اس کو منازعت ہی کا اجر دیں گے گو اب محنت کچھ نہیں رہی مگر اب ہم اس کو پنشن دیں گے لیکن عقل پنشن کو جائز نہیں کرتی (اشرف الجواب ص۲۶۴٬۲۶۵)

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۵

ترجمہ: جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو سو اللہ کا وہ معین وقت ضرور ی آنے والا ہے اور وہ سب کچھ سنتا سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیری نکات

رجا کا مفہوم

لفظ یرجوا کے دو معنی ہیں امید کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور خوف کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے دونوں تفسیروں پر جدا جدا ترجمہ ہوگا ایک تفسیر پر یہ ترجمہ ہوگا کہ جس کو خدا سے ملنے کی امید ہو الخ ایک تفسیر پر یہ ترجمہ ہوگا کہ جس کو خدا سے ملنے کا خوف ہو کہ خدا تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی منہ دکھانا ہوگا الخ دونوں صورتوں میں فرماتے ہیں وہ میعاد ضرور آنے والی ہے ظاہر میں فان اجل اللہ لات (سو اللہ تعالیٰ کا وہ وقت معین ضروری آنے والا ہے) جزا من کی معلوم ہوتی ہے مگر واقع میں جزا نہیں حقیقت میں جزا مقدر ہے اور یہ جملہ اس کے قائم

مقام ہے جزا یہ ہے فلیتھیألہ ولیستعدلہ پس چاہیے کہ اس کے لئے تیاری کرے اور مستعد ہو جائے) حاصل یہ ہوا کہ جو شخص خدا سے ملنے کی امید رکھتا ہو تو اس کی تیاری کرے کیونکہ وہ پیشی کا دن ضرور آنے والا ہے علی ہذا جس کو خدا کا خوف ہو اس کو بھی تیاری لازم ہے اور وہ تیاری یہ ہے کہ اس کے لئے عمل کرے جیسا کہ دوسری نصوص سے بھی معلوم ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے من اراد الاخرۃ و سعی لھا سعیھا. جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے جیسی سعی کرنا چاہئے ویسی ہی سعی بھی کرے گا۔ اب حاصل یہ ہوا کہ جس کو خدا سے ملنے کی امید یا خوف ہو وہ عمل کے لئے مستعد ہو جائے یہ تو ترجمہ ہوا اب سمجھئے کہ وہ طریقہ عمل کے آسان کرنے کا کیا بتلایا گیا ہے وہ طریقہ صرف لفظ رجو میں بیان کیا گیا ہے یعنی عمل کے لئے مستعد اور تیار ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل میں امید و اشتیاق اور خوف خدا پیدا کرے پس وہ طریقہ امید اور خوف یہ ہے کہ اپنے دل میں امید و اشتیاق اور خوف خدا پیدا کرے پس وہ طریقہ امید اور خوف ہے یا یوں کہئے کہ ترغیب و ترہیب ہے یا وعدہ اور وعید ہے جب دل میں رغبت اور شوق ہو گا تو خواہ مخواہ اس کے حاصل کرنے کا سامان کرے گا اسے امید یا جب خوف ہو گا تو اس کے لئے مستعد ہونا چاہے گا بلکہ دین ہی کی کیا تخصیص ہے یوں کہیے کہ ہر کام اور ہر عمل میں یہی دو طریق کارآمد ہو سکتے ہیں خوف یا رغبت ان دونوں کے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہو سکتا نہ دنیا کا نہ دین کا اسی لئے مشہور ہے دنیا با امید قائم ہے میرے نزدیک یوں کہنا چاہیے تھا دنیا با امید و بیم قائم مگر شاید جس طرح عربی میں لفظ رجا خوف اور امید دونوں کے واسطے مستعمل ہے فارسی میں بھی امید کا لفظ دونوں کے واسطے مستعمل ہو اس لئے مشہور مثل میں صرف امید کے لفظ پر اکتفا کیا یا یہ وجہ ہو کہ زیادہ کام امید سے ہوتے ہیں اس لئے اسی کا ذکر کیا کہ جو نیک کام کرنے میں بھی یہ دونوں نافع ہیں اور عمل بد کے چھوڑنے میں بھی اس لئے کہ جب رغبت اور خوف جس کسی کے دل میں ہوں گے تو رغبت کی وجہ سے اعمال صالحہ کو بجالائے گا کیونکہ رغبت کی وجہ سے ان کے ثواب پر نظر ہو گی خدا تعالیٰ کی رضاء قرب کی طلب ہو گی اور چونکہ اس کے دل میں خوف بھی ہے اس لئے اعمال صالحہ کے چھوڑنے پر وعید ہے اس پر نظر کر کے ان کے چھوڑنے سے رکے گا غرض کہ رغبت کو اعمال صالحہ کے فعل میں دخل ہے اور خوف کو ان کے معاصی سے بچنے میں دخل ہے اسی طرح معصیت میں مطلوب یہ ہے کہ اس کو ترک کیا جائے اور معاصی کے ترک پر ثواب و رضاء قرب کا وعدہ ہے تو رغبت کی وجہ سے معاصی کو ترک کرے گا اور خوف کی وجہ سے ان کے فعل سے رکے گا کیونکہ گناہوں کے ارتکاب پر عذاب کی وعید ہے اس طرح سے یہ رغبت اور خوف دونوں مل کر انسان کو طاعات میں مشغول اور معاصی سے متنفر بنا دیں گے اور یہ دونوں مستقل طریقے ہیں ان میں سے اگر ایک بھی حاصل ہو جائے وہ بھی اتباع احکام کے لئے کافی ہو جائے گا کیونکہ اگر صرف خوف ہی ہو اور رغبت نہ ہو تو جب بھی گناہوں سے بچے گا اور طاعات کو ترک نہ کرے گا کیونکہ ان دونوں میں گناہ کا اندیشہ ہے اور اگر صرف رغبت ہی ہو جب بھی طاعات کو بجالائے گا اور گناہوں کو چھوڑ دے گا کیونکہ ان دونوں میں ثواب کا وعدہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ طاعات کے بجالانے اور معاصی کے چھوڑنے میں ان دونوں میں سے ہر واحد کو دخل ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

رجاء وامکان

من کان یرجو القاء اللہ فان اجل اللہ لآت وھو السمیع العلیم یہ آیت راجع الی العقیدہ ہے ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سے ملنے کی امید رکھتے ہیں تو اللہ کا وہ وقت معین ضرور آنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ (ان کے اقوال کو) خوب سنتے اور (ان کے افعال واحوال کو) خوب جانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اوپر بعض مسلمانوں کو جو کفار کی ایذاء سے گھبراتے تھے تنبیہ کی گئی ہے کہ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ان کو صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی حالانکہ ہم ان سے پہلے مسلمانوں کو بھی آزمائش سے پرکھ چکے ہیں اس کے بعد جملہ معترضہ کے طور پر کفار کو یہ مضمون سنایا گیا ہے کہ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ وہ ہم سے بچ کر بھاگ جائیں گے سو ان کی یہ تجویز بہت بے ہودہ ہے اس جملہ معترضہ میں کفار کی تنبیہ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک گونہ تسلی بھی کر دی گئی کہ کفار کی یہ ایذائیں چند روزہ ہیں پھر ہم ان کو اچھی طرح پکڑنے والے ہیں اس کے بعد پھر مسلمانوں کی طرف روئے سخن ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید رکھتے ہیں ان کو تو ایسے واقعات سے پریشان نہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کا وہ وقت مقرر ضرور آنے والا ہے (اس وقت سارا غم غلط ہو جائے گا) اور اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے ہیں (تو وہ ان کی باتوں کو سنتے اور کاموں کو جانتے ہیں اس وقت ان کی طاعات قولیہ اور طاعات فعلیہ سب کا اجر دیکر ان کو خوش کریں گے) اس آیت میں رجاء سے مراد اعتقاد جازم ہے مگر اس میں ایک لطیفہ ہے جس کی وجہ سے اعتقاد کو بعنوان رجاء بیان فرمایا وہ یہ کہ آیت کی ہے جس کے مخاطب کفار بھی ہیں جو قیامت کے معتقد نہ تھے منکر تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آیت کو رجاء وامکان سے شروع فرمایا جس سے کفار کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ استحالہ کی تو اس میں کوئی بات ہی نہیں اور جب ممکن ہے تو ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کو لقاء اللہ کا امکان بھی معلوم ہو۔

ہم اس کو بتلاتے ہیں کہ اس کا وقوع بھی ضرور ہونے والا ہے پس ہماری خبر کے بعد اس کے وقوع میں شک نہ کرنا چاہیے۔

صفات خداوندی

وھو السمیع العلیم یہ صفات یہاں بہت ہی مناسب ہیں کیونکہ ایمان کے دو جزو ہیں ایک تصدیق بالقلب دوسرے اقرار باللسان کیونکہ قدرت کے وقت اقرار باللسان بھی فرض ہے تو ایمان کے بیان میں ان صفات کا ذکر بہت ہی خوشنما ہے تاکہ بندوں کو اطمینان ہو جائے کہ ہمارا ایمان خدا تعالیٰ سے مخفی نہیں رہ سکتا ان کو ضرور اس کا علم ہوتا ہے تصدیق قلبی کو بھی جانتے ہیں اور اقرار لسانی کو بھی سنتے ہیں۔ یہ آیت تو باب العقائد کے متعلق تھی اس کے بعد دوسری منزل مجاہدہ ہے جو تصحیح عقائد سے مؤخر ہے اور تکمیل اعمال سے مقدم ہے یعنی اعمال کی تحریک تو عقائد ہی سے ہو جاتی ہے مگر تکمیل اور رسوخ مجاہدہ سے ہوتا ہے اس کا ذکر دوسری آیت میں ہے ومن جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العلمین یعنی جو شخص کچھ محنت کرتا ہے وہ اپنے ہی واسطے

(c) ketabton.com: The Digital Library

محنت کرتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ تمام اہل عالم سے بے نیاز ہے (اس کو کسی کی محنت ومجاہدہ کی ضرورت نہیں) میرا مقصود اس جگہ یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول عقائد کا ذکر فرمایا پھر مجاہدہ کا ذکر اعمال کے ذکر سے جو آئندہ تیسری آیت میں آتا ہے پہلے فرمایا اس کے کچھ تو معنی ہیں۔ سو ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں اور کوئی وجہ ہو میرے ذہن میں اس کی وجہ یہ آئی ہے کہ اس ترتیب سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ عقائد مذکورہ آیت اولی کے صدور اعمال مذکورہ آیت ثالثہ ہیں موثر ضرور ہیں مگر وہ تاثیر بلا واسطہ کمزور ہوتی ہے اور بواسطہ مجاہدہ کے قوی ہو جاتی ہے اس لئے مجاہدہ کے توسط بین العقائد والاعمال ظاہر کرنے کے لئے یہ ترتیب اختیار کی گئی۔

نصیحت ناصح

اب آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی مجاہدہ کرتا ہے وہ اپنے واسطے مجاہدہ کرتا ہے یہ جملہ اس واسطے فرمایا کہ نصیحت کا اثر کامل ہو کیونکہ جب نصیحت میں ناصح کی کوئی غرض ہوتی ہے اثر کم ہوتا ہے اور دنیا میں بے غرض نصیحت کرنے والا بجز انبیاء علیہم السلام کے کوئی نہیں مگر انبیاء کی نصیحت تو خدا ہی کی نصیحت ہے وہ تو محض مبلغ سفیر ہیں باقی سب کی کچھ نہ کچھ غرض ہوتی ہے اسی لئے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جیسا شاگرد کو استاد کا ممنون ہونا چاہیے ایسا ہی استاد کو بھی شاگردوں کا ممنون ہونا چاہیے کیونکہ شاگرد اگر نہ ہوتے تو استاد کے علوم میں ترقی نہ ہوتی کیونکہ تجربہ یہ ہے کہ بہت سے علوم استاد کے قلب پر درس کے وقت القا ہوتے ہیں اور یہ شاگرد کی کشش سے ہوتا ہے جیسے بچہ ماں کے پستان چوستا ہے تو دودھ اتر آتا ہے اگر بچہ دودھ پینا چھوڑ دے تو چار دن میں اس کے پستان خشک ہو جائیں گے اسی جملہ کے معنی یہ ہیں کہ نعوذ باللہ کارخانہ خداوندی میں بڑا اندھیر ہے مصالح عباد پر مطلق نظر نہیں بس جو جی میں آیا کر دیا جو چاہا حکم دیدیا تو خدائی کیا ہوئی اودھ کی سلطنت یا ان نیا دنگر کا راج ہوا سو یہ کلمہ اس موقع پر تو بہت سخت ہے اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ خدا کو کسی پر رحم نہیں حالانکہ قرآن خدا کی رحمت کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔ غرض یہ معنی میں نے اس لئے بیان کر دیئے تاکہ کوئی آیت میں لفظ غنی کو اس معنی پر محمول نہ کرے بلکہ قرآن میں غنی کو دو معنی میں استعمال کیا گیا ہے ایک یہ کہ خدا کو تمہارے عمل صالحہ سے کوئی نفع نہیں یہاں یہی معنی ہیں دوسرے یہ کہ خدا کا تمہارے کفر ومعاصی سے کچھ ضرر نہیں چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم کہ اگر تم کفر کرو تو خدا تعالیٰ کو اس سے ضرر نہ ہوگا۔ تیسری آیت اعمال کے متعلق ہے والذین آمنوا وعملوا الصالحات لنکفرن عنہم سیئاتھم ولنجزینھم احسن الذی کانوا یعملون یہاں ایمان کا مکرر ذکر اس لئے فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ عمل بدوں ایمان مقبول نہیں۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادیں گے یعنی جہنم سے ان کو نجات دیں گے اور ان کو جزاء حسن دیں گے میرا مقصود جو کچھ تھا وہ بحمد اللہ حاصل ہو گیا کہ ایمان وعمل صالح مقصود اصلی ہے اور مجاہدہ اسی کی تکمیل کے واسطے ہے کہ بدوں مجاہدہ کے عمل صالح علی سبیل الکمال حاصل نہیں ہوتا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۷

ترجمہ: آیت کا یہ ہے کہ جولوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادیں گے یعنی جہنم سے ان کو نجات دیں گے اور ان کو جزاء حسن دیں گے۔

تفسیری نکات

عمل بغیر ایمان کے مقبول نہیں

لہٰذا واضح ہو گیا کہ ایمان و عمل صالح مقصود اصلی ہے اور مجاہدہ اسی کی تکمیل کے واسطے ہے کہ بدوں مجاہدہ کے عمل صالح علی سبیل الکمال حاصل نہیں ہوتا۔

یہاں ایمان کا مکرر ذکر فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ عمل بدوں ایمان مقبول نہیں۔

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۵

ترجمہ: اور ابراہیم نے فرمایا کہ تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو تجویز کر رکھا ہے پس یہ تمہارے باہمی دنیا کے تعلقات کی وجہ سے ہے۔ پھر قیامت میں تم میں ہر ایک دوسرے کا مخالف ہو جائیگا اور ایک دوسرے پر لعنت کریگا اور (اگر تم اس بت پرستی سے باز نہ آئے تو) تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔

تفسیری نکات

کفر و شرک پر اتفاق نا اتفاقی سے بدتر ہے

دیکھئے مودة بینکم سے معلوم ہوا کہ بت پرستوں میں اتفاق تھا مگر انجام اس کا دیکھئے کیا ہے کہ وہاں ہر ایک کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

دوسرے کی طرف سے لعنت اور پھٹکار ہوگی۔ تو کیا ابراہیم علیہ السلام نے ان میں نااتفاقی ڈالنے کی کوشش کی تھی کیا مصلحان قوم کے پاس اس کا کچھ جواب ہے؟ اصول جدیدہ کے موافق تو کامل اتفاق چوروں اور ڈاکوؤں میں ہے یا اور جو بدمعاش طائفے ہیں کہ جان مال دین آبرو گنوا کے ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں لیکن آج تک کسی مصلح نے نہ تو کسی چور کو انعام دیا نہ کسی ڈاکو کو اتفاق کی وجہ سے رہا کیا۔ ہمارے مصلحان قوم کو ضرورت ہے کہ وہ اتفاق کی تقسیم کریں اور ایک قسم کی تو رغبت دلا دیں اور دوسری قسم کے قلوب میں نفرت بٹھا دیں۔ جس اتفاق سے اصلاح ہوتی ہے وہی اتفاق ہے جس میں باطل کو حق کے تابع کیا جائے۔ ورنہ وہ اتفاق نااتصافی سے بھی زیادہ برا ہو جائے گا۔

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: جو کتاب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کی گئی ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی کیجئے بے شک نماز (اپنی وضع کے اعتبار سے بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے۔

تفسیری نکات

شب قدر میں معمولات سلف

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج ستائیسویں شب ہے اس کو شب قدر کہتے ہیں اس میں کیا پڑھنا چاہئے فرمایا کہ ایسے موقع پر سلف میں تین چیزیں معمول تھیں اب لوگوں نے دو کو حذف کر کے ایک پر اکتفا کر لیا ہے وہ تین چیزیں یہ تھیں ذکر تلاوت قرآن نفل نماز اس میں سے عابدین نے نفل نماز اور تلاوت قرآن کو حذف کر دیا۔ یعنی اس میں مشغولی بہت ہی کم ہے بس زیادہ تر ضربیں ہی لگاتے ہیں اور اتفاق سے مجھ کو یہ تینوں چیزیں ایک آیت میں جمع مل گئی ہیں۔

نماز اہل فحشاء و منکر کو نمازی کے پاس آنے سے روکتی ہے

ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر کی ایک تفسیر ابھی سمجھ میں آئی۔ مشہور تفسیر تو یہ ہے کہ نماز مسلمان کو برے کام سے روک دیتی ہے۔ اس پر ظاہر میں اشکال پڑتا ہے کہ ہم تو بہت نمازیوں کو برے کام کرتے دیکھتے ہیں اور اس کا جواب دیا گیا ہے کہ نماز سے برے کام ضرور کم ہو جاتے ہیں۔ اگر اس شخص کی نماز

(c) ketabton.com: The Digital Library

کامل ہے۔خشوع، خضوع وجملہ آداب کے ساتھ ہے تب تو یہ شخص بالکل برے کاموں سے محفوظ ہو جائے گا اور اگر اس کی نماز ناقص ہے تو جیسی نماز ہے اسی کے مناسب برے کام چھوڑ جائیں گے۔غرض جس درجہ کی نماز ہو گی اس درجہ کی نھی عن الفحشاء ہوگی تجربہ کرلیا جائے۔کہ دو جماعتوں کا امتحان کر کے دیکھو۔ایک وہ جو بالکل بے نمازی ہے دوسرے وہ جو نمازی ہو (گو ان کی نماز کسی درجہ کی ہو) یقیناً نمازی جماعت کے اندر برے کام کم ہوں گے اور بے نمازیوں میں ان کی نسبت زیادہ ہوں گے تو مشہور تفسیر پر اشکال واقع ہوتا تھا جس کا جواب دینے کی ضرورت ہوگی مگر جو تفسیر اس وقت القاء ہوئی ہے اس پر کوئی اشکال نہیں پڑتا وہ یہ کہ نماز اہل فحشاء و منکر کو نمازی کے پاس آنے اور اس کے بھٹکانے سے روک دیتی ہے اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اذان سے شیطان گوز مارتا ہوا دور بھاگ جاتا ہے اور اس کا اقرار کفار کو بھی ہے۔چنانچہ مندر کے پاس اذان دینے سے وہ لوگ روکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اذان کی آواز سے ہمارے دیوتا بھاگ جاتے ہیں پس جبکہ کفار کے دیوتا اذان سے بھاگ جاتے ہیں تو جس گاؤں میں اذان ہوگی وہاں کفار بھی نہ آسکیں گے اور اگر آویں گے بھی تو ان کے حوصلے پست ہو جاویں گے۔پس یہ تفسیر اس آیت کی بہت عمدہ ہے اور واقعی اس پر کوئی بھی اشکال نہیں چنانچہ اس وقت جو لوگ بھی دشمنوں کے بہکانے سے مرتد ہوئے ہیں یہ وہی ہیں جن کو نماز سے کچھ علاقہ نہ تھا اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ فتنہ ارتداد سے بچنے کے لئے خود بھی نماز کی پابندی شروع کریں اور دیہات میں بھی مسلمانوں کو نمازی بنانے کی کوشش کریں (ایضاً ص ۲۸)

ایک عجیب تفسیری نکتہ

ایک مجلس میں اس کا نکتہ بیان کیا کہ پارہ اکیس کی پہلی آیت میں تلاوت اور صلوٰۃ کو تو بصیغہ امر فرمایا اور ان کی کوئی فضیلت نہیں بیان فرمائی اور ذکر کو بعنوان فضیلت ذکر فرمایا۔اور اسکا امر نہیں فرمایا۔نکتہ یہ ہے کہ تلاوت اور صلوٰۃ تو فرض ہے۔گو اتنا فرق ہے کہ صلوٰۃ فرض عین ہے اور تلاوت قرآن فرض کفایہ کیونکہ اصل فرض قرآن شریف کا محفوظ کر لینا ہے جو مجموعہ امت پر فرض ہے اور وہ موقوف ہے تلاوت پر اس لئے وہ بھی اسی طرح فرض ہوگی اور بعد ضرورت ظاہر ہونے کے بیان فضیلت کی ضرورت نہیں۔اس کے ابقاء کے لئے بیان ضرورت ہی کافی ہے بخلاف ذکر کے کہ ماسوائے قرآن اور اذکار صلوٰۃ کے اور بقیہ اذکار بالمعنی المتبادر للذکر فرض نہیں اس لئے صیغہ امر کا تو فرمایا نہیں۔لیکن فضائل اس لئے بیان کئے کہ غیر ضروری ہونے پر نظر کرنا سبب ترک نہ ہو جاوے۔کیونکہ استماع فضائل سبب ہو جائے گا فعل کا۔

اللہ کا بتلایا ہوا راستہ

خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اتل ما اوحی الیک من الکتب واقم الصلوٰۃ جو آپ کی طرف وحی کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

جاتی ہے اس کو پڑھیے اور نماز کی پابندی کیجئے۔

کہ جو آپ پر وحی ہوا ہے اس کو پڑھیے۔ تو خلاصہ دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ نکلا کہ جو وحی سے ثابت ہو وہ خدا تعالیٰ کا راستہ ہے اور ھذا صراطی مستقیما میں صراط کو جو اپنی طرف منسوب مضاف فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ تک پہنچانے والا میرا بتلایا ہوا راستہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو راستہ خدا تک پہنچانے والا ہوگا وہ مستقیم ہی ہوگا اس لئے مستقیما فرمایا اور مستقیم کے یہ معنی نہیں کہ کوئی خط مستقیم ہے۔ نیز یہ بھی مقصود نہیں کہ خدا تعالیٰ کا بتلایا ہوا کوئی دوسرا غیر مستقیم راستہ بھی ہے جس سے احتراز کرنے کو اس کی صفت مستقیم لائے ہوں بلکہ خدا تعالیٰ کا ایک ہی راستہ بتلایا ہوا ہے جو کہ مستقیم ہی ہے۔

نماز کی روح

بیان یہ ہو رہا تھا کہ ذکر نماز کی روح ہے درمیان میں ایک کام کی بات بھی بیان کر دی اور چونکہ ذکر نماز کی روح ہے اسی واسطے نماز کی فضیلت کے موکد کرنے کے لئے فرماتے ہیں ولذکر اللہ اکبر کہ اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے۔

اس لئے نماز میں اگر یہ خاصیت ہو کہ تنھی عن الفحشاء تو تعجب کی بات نہیں بعض لوگ یہ کہنے لگے کہ ذکر بڑھ کر ہے یعنی نماز سے بھی پس ذکر ہی کر لیا کریں نماز نہ پڑھیں۔

اس کا ایک لطیف جواب میرے عرض سابق سے نکل آیا یعنی ولذکر اللہ اکبر کا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ذکر اللہ نماز سے بڑھ کر ہے بلکہ یہ علت ہے ماقبل کی پہلے نماز کی ایک خوبی بیان کی ہے اب آگے اس کی علت بتلاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نماز کی یہ خاصیت ہے کہ وہ برائیوں سے روکتی ہے مگر یہ خاصیت اس کی کیوں ہوئی اس لئے ہوئی کہ ولذکر اللہ اکبر کہ (اس کی روح سے ذکر اللہ اور) اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے اور ہر پہلو سے مفید ہے طبع سے عقل سے عشق سے۔

ذکر اللہ کی ضرورت

میں نے جس حصہ آیت کی تلاوت کی ہے اس میں دو جملے میں ایک مقصود بالبیان صرف پہلا جملہ ہے دوسرے کو برکت کے لئے پڑھ دیا۔ مقصود ولذکر اللہ اکبر کا بیان کرنا ہے سامعین غالباً اس کی تلاوت ہی سے سمجھ گئے ہوں گے کہ مقصود ذکر اللہ کے متعلق کچھ کہنا ہے اوشاید معتاد یہ ہوا ہو میں ذکر اللہ کی فضیلت بیان کروں گا کیونکہ آج کل واعظین زیادہ تر اعمال کے فضائل ہی بیان کرتے ہیں مگر مجھے فضیلت کا بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ آج کل فضائل اعمال سے تو اکثر لوگ واقف ہیں البتہ ان کی ضرورت سے غافل ہیں گو وہ شعائر دین ہی سے کیوں نہ ہوں اور جو اعمال شعائر دین سے نہ ہوں ان کی ضرورت سے تو بہت سے اہل علم بھی غافل ہیں حالانکہ بعض اعمال گو شعائر دین سے نہ ہوں مگر شعائر دین کی اصل اور جڑ ہیں اس لئے ضرورت میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

وہ شعائر سے کم نہیں مگر عام طور پر ان کو ضروری نہیں سمجھا جاتا چنانچہ بہت لوگ پھلوں سے تو واقف ہیں اور باغ میں جا کر پھلوں اور پتوں کو دیکھتے بھی ہیں مگر جڑوں کو کوئی نہیں دیکھتا نہ کسی کا ان کی طرف خیال جاتا ہے کیونکہ جڑوں کے ساتھ پھلوں اور پتوں کا تعلق نظری ہو گیا ہے بوجہ اس تعلق کے مستور ہونے کے۔ تو جیسا حسیات میں جڑوں کی طرف توجہ کم ہے اسی طرح شرعیات میں ہماری بعینہ یہی حالت ہے کہ جڑ سے غافل ہے محض فروغ پر نظر ہے اسی لئے فضائل اعمال پر سب کی نظر ہے ضرورت پر بہت کم نظر ہے اور اس میں زیادہ خطا عوام کی نہیں بلکہ خطا ہماری ہے کہ ہم تعلیم کرنے والے بھی زیادہ تر فضائل ہی کو بیان کرتے ہیں ضرورت کو بیان نہیں کرتے اور یہ بڑی کوتاہی ہے میں ضرورت کو بیان کروں گا ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ ذکر اللہ بہت بڑی چیز ہے مگر اس کے علاوہ ذکر اللہ ضرورت کی وجہ سے بھی بڑی چیز ہے اس طرح سے فی نفسہ ضروری ہے اور دیگر ضرورت کی بھی جڑ ہے گو یہ شعائر دین سے نہ ہو مگر حقیقت میں یہ شعائر کی بھی جڑ ہے شعائر دین وہ اعمال ہیں جو اسلام کی کھلی علامات ہیں جن سے دوسروں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان اعمال کا بجالانے والا مسلمان ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ جو چیز کھلی علامت نہ ہو وہ ضروری بھی نہ ہو بلکہ ممکن ہے کہ ایک عمل شعائر میں سے نہ ہو لیکن شعائر کی بھی جڑ ہو حسیات میں اس کی مثال بال کمانی ہے کہ ظاہر میں وہ گھڑی کا بڑا پرزہ نہیں چھوٹا سا پرزہ ہے جس کو دیکھ کر ناواقف شاید یہ سمجھے کہ معمولی چیز ہے مگر درحقیقت پرزے اسی وقت کارآمد ہیں جب بال کمانی درست ہو ورنہ سب بیکار ہیں یعنی گھڑی جو مقصود ہے وہ بدوں اس کے حاصل نہیں ہو سکتا گو اس کی خوبصورتی میں کمی نہ آئے جیب میں رکھنے سے دیکھنے والے بھی سمجھیں گے کہ آپ کے پاس گھڑی ہے اسی طرح ذکر کو سمجھئے کہ گو خود نماز روزہ کے درجہ میں شعائر سے نہیں مگر تمام شعائر کی جڑ اور بنیاد ہے شعائر کی حقیقت تو یہ ہے کہ شریعت کو بعض انتظامات بھی مقصود ہیں اس لئے شریعت نے بعض اعمال کو مصلحت انتظام سے اسلام کی علامات قرار دیا ہے جس نے لوگوں کو دوسرے کے اسلام کا علم ہو جائے اور احکام اسلام کا اس پر اجراء کیا جائے یہ علامات ہیں اور یہ ضرورت دین سے ہیں یعنی جن کا جزو دین ہونا خاص و عام ہر کسی کو معلوم ہے ضروریات کا درجہ اتنا بڑا ہے کہ اگر کوئی شخص ضروریات کا منکر ہو خواہ وہ انکار تاویل سے ہو یا بدوں تاویل کے وہ کافر ہے اور اس کا یہ عذر بھی نہ سنا جاوے گا کہ مجھ کو علم نہ تھا بخلاف شعائر کے مثلاً کوئی مسائل رہن وغیرہ کا انکار کرے وہ علی الاطلاق کافر نہ ہوگا بلکہ اس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر آیت قرآنیہ سننے کے بعد انکار کرے تو کافر ہوگا ورنہ نہیں کیونکہ مسئلہ رہن کا جزو دین ہونا بالمعنی المذکور ضروریات میں سے نہیں اور نماز روزہ زکوۃ و حج وغیرہ جزو دین ضروریات سے ہے ان کا انکار مطلقاً کفر ہے یہاں یہ عذر بھی مسموع نہ ہوگا کہ اس کے جزو دین ہونے کا علم نہ تھا گو عند اللہ معذور ہو (اگر واقعی اس کو علم نہ تھا) مگر یہ عذر قضاء مسموع نہ ہوگا حاکم اسلام اس پر کفر کا حکم لگا کر بینونت زوجہ وغیرہ کا حکم جاری کردے گا ان یکون قد اسلم فی دار الحرب ثم هاجر فانكاره قبل الهجرة لايكون كفرا علره في عدم العلم ۱۲ غرض حکمت انتظام و اجراء احکام کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

وجہ سے بعض اعمال کو شعائر میں سے قرار دیا گیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو شعائر نہ ہوں وہ ضروری نہیں ان میں ایک تصدیق بالقلب ہی ہے گو یہ شعائر اصطلاحیہ میں سے نہیں دیا گیا ہاں اقرار باللسان شعائر میں ہے مگر کیا تصدیق ضروری بھی نہیں یہ عجیب مثال اس وقت ذہن میں آئی جس سے دعویٰ بخوبی ثابت ہو گیا کہ یہ ضروری نہیں کہ جو شعائر میں سے نہ ہو وہ ضروری نہ ہو کیونکہ ایمان و اسلام کے لئے تصدیق بالقلب کی ضرورت پر سب کا اتفاق ہے مگر اس کو شعائر میں اس لئے شمار نہیں کیا گیا کہ شعائر سے جو مقصود ہے یعنی ظہور ایمان و اجراء احکام وہ اس سے حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ تصدیق قلبی کی کسی کو اطلاع نہیں ہو سکتی مگر ضروری ہے کہ تمام اعمال کی جڑ ہے بلکہ ایمان و اسلام کا مدار حقیقی اسی پر ہے بدوں تصدیق بالقلب کے عنداللہ کوئی شخص مسلمان نہیں گو ظاہر میں اس کو مسلمان کہا جاتا ہو پس یہ ہم لوگوں کی کوتاہی ہے کہ ہم نے ضرورت کو صرف شعائر تک محدود کر رکھا ہے اور جو اعمال شعائر میں سے نہ ہوں ان کو ضروری نہیں سمجھتے تصدیق کی مثال نے اس غلطی کو اچھی طرح واضح کر دیا اور بتلا دیا کہ جو اعمال شعائر دین سے شمار کئے گئے ہیں ان کو شعائر اسلام صرف اس لئے قرار دیا ہے کہ لوگوں کو ان کے ذریعہ سے ایک دوسرے کا اسلام بسہولت معلوم ہو جاتا ہے اس سے یہ سمجھ لینا کہ جو شعائر نہیں وہ غیر ضروری ہیں سخت غلطی ہے پس ولذکر اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ ذکر اللہ اس وجہ سے بھی اکبر ہے کہ افضل ہے اور اس واسطے بھی اکبر ہے کہ وہ تمام فضائل کی جڑ ہے نیز تمام اوامر و نواہی کے امتثال و اجتناب کی بھی جڑ ہے اور اکبر میں دو احتمال ہیں یا تو مقطوع عن الاضافۃ ہو مطلب یہ ہوگا کہ ذکر اللہ فی نفسہ بہت بڑی چیز ہے یا مفضل علیہ کی طرف اضافت ملحوظ ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ تمام اعمال سے اکبر ہے یہ تو آیت کی توجیہ تھی اب اس کی ضرورت کو سنئے جس سے بہت لوگ غافل ہیں اول تو لوگوں کو آج دین کا اہتمام ہی کم ہے اور جن کو ہے بھی تو وہ نماز فرض اور نوافل و مستحبات کا تو اہتمام کرتے ہیں مگر ذکر اللہ سے غافل ہیں یہاں شاید کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب تم کو یہ تسلیم ہے کہ لوگوں کو مستحبات کا اہتمام ہے اور مستحبات میں تلاوت قرآن بھی داخل ہے اور تلاوت قرآن کا بہت لوگوں کو اہتمام بھی ہے پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہوا کہ ذکر اللہ کا اہتمام نہیں کیونکہ تلاوت قرآن تو ذکر اللہ کی بڑی فرد ہے اس کا جواب یہ ہے کہ میری مراد ذکر حقیقی ہے اور وہی اکبر کا مصداق ہے اس کا اہتمام بہت کم ہے رہی تلاوت قرآن تو وہ ذکر کی ایک صورت ہے اس کے اہتمام سے یہ لازم نہیں آیا کہ ذکر حقیقی کا بھی اہتمام ہے کیونکہ یہ ممکن ہے۔

ذکر اللہ ہی اصل مقصود ہے

فرمایا۔ سالک کو کسی چیز کی ہوس نہ چاہیے کوئی ذوق شوق کا متمنی ہے۔ کوئی رقت قلب کی خواہش کرتا ہے کسی کو کشف و کرامت کی تمنا ہے۔ کوئی جنت کو مقصود سمجھ کر اس کا طالب ہے حالانکہ کسی چیز کی بھی طلب و ہوس نہ کرنا چاہیے کیونکہ عبد کے معنی ہیں مالک کے سامنے سر جھکا دینے کے اور جو حکم ہوا اس پر بسر و چشم قبول کر کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

عمل کر لینے کے۔ پھر عبد ہو کر کسی چیز کی ہوس کرنا کہ مجھے یہ ملے وہ ملے۔ یہ ہوس حقیقت میں فرمائش ہے مالک پر اور یہ کیونکر جائز ہو گا اگر کوئی شبہ کرے کہ حدیث شریف میں آیا ہے اللھم انی اسئلک رضاک والجنۃ یہاں پر جنت کا سوال کیا گیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس سوال کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سوال کرے کہ فلاں صاحب سے کہاں ملاقات ہو گی۔ اس پر وہ شخص باغ میں جانے کا آرزومند ہے تو حقیقت میں وہ باغ مقصود بالذات نہ ہو گا۔ بلکہ مقصود وہ صاحب ہیں مگر چونکہ وہ باغ میں ملیں گے اس لئے اس کی تمنا ہوتی ہے جو اس مقام پر رہتے ہیں۔ اسی طرح حدیث شریف میں مقصود رضا ہے جس کو جنت پر مقدم فرمایا ہے۔ مگر چونکہ اس کا حصول جنت میں ہو گا۔ لہٰذا جنت کا بھی سوال کیا گیا حق سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں و رضوان من اللہ اکبر یہاں پر رضاء کو جنت سے اکبر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بڑی چیز یہی ہے۔ پھر یہ نکتہ بیان کیا کہ اس اکبر کی تحصیل کے لئے ذریعہ بھی اکبر ہونا چاہیے سو فرماتے ہیں ولذکر اللہ اکبر معلوم ہوا کہ وہ ذریعہ ذکر اللہ ہے تمام احکام پر عمل کرنے سے۔ ذکر اللہ ہی مقصود ہے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ

ترجمہ: بلکہ یہ کتاب بہت سی واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے ذہن میں جن کو علم عطا ہوا ہے۔

تفسیری نکات

آیات بینات

اس میں ھو کی ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے یعنی قرآن مجید آیات بینات ہیں باوجود یہ کہ قرآن ایک چیز ہے مگر خبر میں فرمایا آیات بینات یعنی بہت سی نشانیاں ہیں۔ پس جمع کے صیغے سے تعبیر فرمانا یا تو اس وجہ سے ہے کہ قرآن مجید مشتمل ہے بہت سی آیتوں کو اور یا اس لئے کہ وہ بہت سے معجزوں کو مشتمل ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے اسے حفظ کر لیتے ہیں تو اس واسطے آیات بینات فرمایا کہ کئی نشانیاں ہیں اور ہیں کہاں فی صدور الذین اوتوا العلم ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو علم عطا ہوا ہے چونکہ علم کے دو مرتبے ہیں علم الفاظ علم معانی اسی لئے اس کی بھی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر پر علما مراد ہیں دوسری تفسیر پر حفاظ تو میں اس وقت وہ تفسیر کرتا ہوں جس میں حفاظ کی مدح ہے کہ انہیں الذین اوتوا العلم (وہ لوگ ہیں جن کو علم عطا ہوا ہے ۱۲) کے لقب سے یاد فرمایا ہے تو اس میں اس تفسیر کے موافق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں اہل علم فرمایا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: اور دنیوی زندگی فی نفسہ بجز لہو ولعب کے اور کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔

تفسیری نکات

حقیقت دنیا

آیت میں دنیا کو لہو ولعب سے تعبیر کیا گیا وما ھذہ الحیواۃ الدنیا الاھو و لعب (دنیوی زندگی محض لہو ولعب ہے) گویا دنیا کی حقیقت کو واضح کر دیا صرف دو چیزوں میں ایک لہو اور دوسرا لعب کہ دنیا بجز اس کے اور کچھ نہیں یہاں پر دو لفظوں کا استعمال کیا گیا ایک لہو دوسرا لعب اگر چہ یہ دونوں لفظ بظاہر بالکل مرادف معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقۃً ان میں قدر تفاوت ہے لعب کہتے ہیں کسی لغو و عبث فعل کو اور لہو کہتے ہیں غفلت میں ڈالنے والی بات کو حاصل یہ ہوا کہ دنیا میں دو صفتیں ہیں ایک صفت عبث ہونے کی جو موجب غفلت ہونے کی اول کو لعب فرمایا ہے اور دوسری کو لہو لیکن اس پر ایک شبہ پڑتا ہے دنیا بجمیع اجزائھا لغو و عبث ہوگی تو لازم آیا کہ جمیع مخلوقات خداوندی بے فائدہ اور مہمل محض رہ جائے گی حالانکہ خداوند تعالیٰ کی طرف یہ بات منسوب کرنا کہ وہ حکیم ذات ایک ایسی مخلوق کو پیدا کرے جو فضول ہو سخت گستاخی ہی نہیں بلکہ ایک قسم کا جرم ہے علاوہ ازیں خود دوسرے ارشاد ہوتا ہے افحسبتم انما خلقنا کم عبثاً و انکم الینا لا ترجعون. کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی مہمل پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے) یہ استفہام انکاری ہے یعنی کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم نے تم کو عبث اور لغو محض پیدا کیا ہے نیز ایک آیت میں ارشاد ہے ربنا ما خلقت ھذا باطلاً (اے ہمارے رب تو نے بیکار پیدا نہیں کیا) جواب شبہ کا یہ ہے کہ فی الواقع کوئی شئے مخلوقات میں سے عبث اور بے کار نہیں البتہ تعین فوائد ایک امر اہم ہے اور اس میں غلطی ہو سکتی ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ دنیا سے قابل قدر فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں انسان ان کے منافع اور ضروریات کو پورا کرتا ہے یہ سب کچھ دنیا کے منافع میں داخل ہیں لیکن ہم لوگوں نے ان جمیع منافع میں سے بعض منافع کو جو کہ واقعی منافع تھے نظر انداز کر دیا اور دنیا کے منافع کا انحصار صرف ان منافع کے اندر کر دیا جو کہ حظ نفسانی سے لبریز ہوتے ہیں اگر چہ منافع سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہم بداہۃ دیکھتے ہیں کہ ہر شخص ان سے فائدہ مند ہے۔ آرام پاتا ہے لیکن ان کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

وجہ سے وہ حظ وافر جونفع اور قابل قدر فائدہ تھا ہم بھول جاتے ہیں اوراس نسیان کے باعث صرف یہی فوائد بنتے ہیں جو چندروز ہم کو حظ نفس کا مزہ چکھادیتے ہیں اور مقصود اصلی اور راس المنفعت کو چھڑا دیتے ہیں لذتوں اور دلچسپیوں کو ہی فائدہ اور نفع قرار دے لینا اور انہیں پر قناعت کر لینا مثال تو عینہ اس شخص کی سی ہے کہ جوایک دور دراز ریل کا سفر کر رہا ہے اور راستہ میں کہیں ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہوئی سنے اور وہاں جا کر کھڑا ہو جائے اور اس گھنٹی کو مزے لے لے کر سنتا اور بجاتا ہے اور اس طرف گاڑی چھوٹنے والی ہو انجن نے سیٹی دیدی ہو اور جب اسے کہا جائے کہ ارے ظالم گاڑی چھوٹنے والی ہے انجن نے سیٹی دیدی ہے تو وہ یہ کہے کہ مجھ کو تو اس کی ٹن ٹن میں مزہ آ رہا ہے' میں تو اس کو نہیں چھوڑ سکتا چاہے گاڑی چلی جائے تو جس طرح اس شخص کو اس گھنٹی کی آواز اور لذت نے ایسا مست کر دیا کہ نتیجہ یہ ہوا کہ گاڑی چھوٹ گئی سفر کھوٹا ہوا اسی طرح اگر آپ بھی ان لذات دنیوی اور دلچسپ کی دلچسپیوں میں پڑے رہیں گے تو آپ کا بھی انجام یہی ہوگا کہ مقصود اصلی سے محروم ہو کر کوئی حظ وافر حاصل کر سکیں گے تو دیکھئے گو آرام پہنچنا اور ان میں ہونا یہ بھی منافع کی فہرست میں داخل ہے لیکن پھر وہ کس قدر مضرت رساں نقصان وہ ثابت ہوا کیونکہ اس نے ایک ضروری اور قابل قدر منفعت سے غافل کر دیا اسی طرح دنیا کی ہر چیز فی نفسہ حکم ومصالح ومنافع سے لبریز ہے عبث وفضول کوئی نہیں مگر جب وہ مقصود اصلی سے مانع ہو جائے تو اس وقت یہی فائدہ جن کو ہم نے منافع دنیویہ کا اصل اصول سمجھ رکھا ہے اور وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں انہیں لہو ولعب سے تعبیر کیا جاوے گا یعنی جس صورت سے تم دنیا کے ساتھ انتفاع رکھتے ہو اس صورت میں وہ تمہارے لئے لہو ولعب سے زیادہ نہیں گو فی نفسہ اس میں بہت مصالح و منافع ہیں مگر وہ منافع ایسے نہیں جن میں پڑ کر منافع آخرت کو بھلا دیں جن منافع کے لئے یہ اشیاء وضع کی گئی ہیں ان کے اعتبار سے اس نے عبثیت کی نفی کی گئی ہے اور جو منافع اہل ہوا نے خود تراشے ہیں جو کہ واقع میں مضار ہیں ان کے اعتبار سے اس کو لہو ولعب فرمایا ہے بہر حال یہ دنیا اگر بہت سے اغراض کا سبب بن جاوے تو یہ لغو عبث ہے چنانچہ مقابلہ میں اس کے فرماتے ہیں کہ ان الدار الاخرة لهي الحيوان (اصلی زندگی آخرت ہے) اس طرف تو دنیا کو لہو ولعب سے تعبیر فرمایا اور اس طرف دار آخرت کو حیوان سے تعبیر کیا کیونکہ لہو ولعب باعتبار اپنے ثمرات کے مثل مردہ ہیں اور موت ثمرات دلیل ہے موت دنیا کی بخلاف دار آخرت کے کہ اس کو حیوان بمعنے حیوۃ مراد زندہ سے تعبیر کیا کیونکہ اس کے ثمرات زندہ اور باقی رہنے والے ہیں اور حیات ثمرات دلیل ہے حیات آخرت کی لہٰذا آخرت خود بھی زندہ ہے باقی فوائد دنیویہ دراصل فانی ومردہ ہی ہیں زندہ فوائد کو چھوڑ کر مردہ فوائد کو کیا کریں کار آمد چیز کو چھوڑ کر بیکار شے کے پیچھے جانا اگر حماقت نہیں تو اور کیا ہے چنانچہ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ لو كانوا يعلمون کاش کہ یہ لوگ اپنی دینی منفعتوں کا احساس کرتے اور دنیوی مضرتوں کو جان لیتے سمجھتے کہ یہ دنیا اور اس کے لواحق سخت مضرت رساں ہیں اور آخرت اور اس کے متعلقات

(c) ketabton.com: The Digital Library

نفع رساں اور راحت بخش ہیں یہاں پر استعمال کیا گیا ہے حرف لو کا جو کہ ان کے واسطے بھی آتا ہے اور یہاں یہی معنی ہیں تو اس سے انتہا درجہ کی شفقت ورحمت مترشح ہوتی ہے کہ جیسے ایک شفیق باپ اپنے بچے سے پیار کی باتیں کرتا ہے اور محبت میں اگر بچے کے ساتھ خود بھی توتلا بن جاتا ہے بلاشبہ اسی طرح خداوند تعالیٰ کی ذات سے کسی امر کی تمنا کرنا بالکل مستبعد اور ان کی شان کے خلاف ہے کیونکہ آرزو ہمیشہ ایسی چیز کی کی جایا کرتی ہے جو حاصل نہ ہو اور خود اس کے نفع کا محتاج ہو اور خداوند تعالیٰ قادر قیوم اور مالک کل شئی ہے اس کے واسطے کوئی شئے ایسی نہیں جو حاصل نہ ہو دوسرے وہ نفع کا محتاج نہیں پھر آرزو کیسے کرتے لیکن باوجود اسکے محض اپنے بندوں کی دلدہی کی خاطر ان کے مذاق کے موافق ان سے معاملہ فرمایا جس سے غرض ومقصود محض تقریب اور تفہیم ہے اور اس تفہیم کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تم ہمارے موافق ہو جاؤ دوسرے یہ کہ خیر ہم ہی تمہارے موافق ہو جائیں کیونکہ تم میں اتنی قابلیت واستعداد نہیں کہ تم ہمارے موافق ہو یا ہم سے قریب ہو سکو لہٰذا چلو ہم ہی تمہاری خاطر تمہارے موافق ہو جاتے ہیں جن مواقع پر قرآن شریف میں الفاظ تمنی وترجی مستعمل ہیں ان سے تمنی ترجی حقیقی مراد نہیں ہوتی۔

دنیائے مذموم

پہلے تو یہ مرض بیان فرمایا کہ انسان غیر ضروری امور میں مشغول ہے اور غیر ضروری امور کی سب سے بڑی فرد یہ ہے کہ دنیا میں اس کو انہماک ہے اس لئے سب سے پہلے اس کی مذمت بیان فرمادی اور اس کے بعد امر ضروری یعنی دار آخرت کو ذکر کر دیا کہ ذکر آخرت میں مشغول ہونا چاہیے تا کہ اس انہماک کا ازالہ ہو سو غیر ضروری کے ترک کرانے کی دو صورتیں تھیں ایک تو یہ کہ اس مذمت کر دیجاوے اور اس سے ہٹایا جاوے مگر ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ اس سے نفع نہیں ہو سکتا کیونکہ مشغلہ ضروری بتانا بھی ضروری ہے ورنہ یہ شخص اس غیر ضروری کو چھوڑ کے دوسرے غیر ضروری میں مبتلا ہو گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غیر ضروری سے ہٹایا جاوے اور ضروری کی طرف متوجہ کیا جاوے یہی دوسرا طریقہ جو اسلم واحسن ہے یہاں اختیار کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا وما هذه الحيوة الدنيا الالهو و لعب کہ نہیں ہے حیوۃ دنیا مگر لہو ولعب فضول و بیکار ہے۔ دیکھئے صرف اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا کہ حیات دنیا کی مذمت کر دیں آگے فرماتے ہیں وان الدار الاخرة لهي الحيوان اور بیشک دار آخرت ہی حیات ہے یعنی زندگی تو واقع میں آخرت ہی کی زندگی ہے دنیا کی کیا زندگی یہ تو اس کے سامنے بالکل ہیچ ہے تو مذمت دنیا کے بعد آخرت کی طرف متوجہ کیا گیا اس اسلوب ہی سے سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ یہ مرض ایسا ہے جس کا مریض دائم المرض ہے جس کو آج کل کے جاہلانہ دائم المریض کہتے ہیں۔

غرض دنیا وہ مذموم ہے جو غفلت میں ڈال دے۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزن

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی دنیا کسے کہتے ہی خدا سے غافل ہونے کو نہ کہ مال دولت اور بیوی کو ایسی ہی دنیا والوں کو کہتے ہیں۔

اہل دنیا چہ کہیں وچہ مہیں لعنۃ اللہ علیہم اجمعین

(دنیادار خوہ بڑے ہوں یا چھوٹے سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت یہاں پر ایک سوال ہے وہ یہ کہ سب اہل دنیا پر لعنت کیسے کردی جواب یہ ہے کہ اصل میں یہ ترجمہ ہے ایک حدیث کا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الدنیا ملعون و ملعون مافیها الا ذکر الله وما والاه اوعالم او متعلم یعنی رحمت سے دور ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی خدا کی رحمت سے دور ہے مگر خدا کا ذکر اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی چیز یعنی ذکر اللہ اور اس کے مقدمات ومتعلقات اور عالم ومتعلم کو تو خدا کی رحمت سے دور نہیں ہے باقی سب رحمت سے بعید ہیں اور واقع میں یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ دنیا کے مفہوم میں ذکر اللہ اور عالم ومتعلم پہلے ہی سے داخل نہیں تو لعنت یعنی بعد عن الرحمۃ (رحمت سے دوری) کا حکم خاص ان پر کررہے ہیں جن کو دین سے تعلق نہ ہو چنانچہ قرینہ اس کا وہ شعر ہے جو بعد میں کہتے ہیں

اہل دنیا کافران مطلق اند روز وشب در زق زق و در بق بقاند

(صرف کفار اہل دنیا میں رات دن زق زق بق بق میں گرفتار رہتے ہیں اس پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ تو لعنت سے بھی بڑھ کر ہے کہ یہاں سب اہل دنیا کو کافر بنا دیا مگر ایک بزرگ نے اس کی خوب توجیہ فرمائی جس کے بعد یہ قرینہ ہو گیا بعد عن الرحمۃ کے محل کا وہ توجیہ فرمائی کہ اہل دنیا مبتدا اور کافران مطلق خبر نہیں ہے بلکہ اہل دنیا خبر مقدم ہے اور کافران مطلق مبتدائے موخر ہے یعنی جو کافران مطلق ہیں وہی اہل دنیا ہیں مومن اہل دنیا ہے ہی نہیں کیونکہ ابھی حدیث سے معلوم ہو گیا ہے کہ خدا کے ذکر کے ساتھ تعلقات رکھنے والے ملعون نہیں ہیں کون مومن ایسا ہوگا جو خدا کے ذکر سے کچھ بھی علاقہ نہ رکھتا ہوگا۔ غرض وہی دنیا مذموم ہے جو آخرت بننے دین کے مقابلہ میں ہو باقی اسباب دنیا تو اس میں حدیث نے دو قسمیں کردی ہیں ایک وہ جو آخرت میں کچھ دخل اور اس سے تعلق رکھتی ہوں اور ایک وہ جو آخرت میں اصلا دخل نہ رکھتی ہوں تو جو دنیا آخرت میں دخل نہیں رکھتی یہ حقیقت میں دنیائے محضہ اور مذموم ہے اور اسی کو لہو ولعب فرمایا گیا ہے تو حق تعالیٰ نے اس مقام پر فیصلہ فرما دیا ہے کہ ایسی دنیا متوجہ ہونے کے قابل نہیں بلکہ توجہ کے قابل تو آخرت ہے اسی کو ارشاد فرماتے ہیں وان الدار الاخرة لهي الحيوان کہ حیات آخرت ہی سراپا حیات ہے جس میں حصر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ مرض تھا ہمارے اندر جس کا حق تعالیٰ نے کس خوبی سے فیصلہ فرما دیا ہے کہ دنیا وآخرت دونوں کے حالات یعنی لہو ولعب ہونا اور حیات کاملہ ہونا بتا دیئے تا کہ دونوں کے حالات سننے کے بعد ہر عاقل نہایت آسانی سے خود ہی فیصلہ کر سکے کہ ان میں سے کون توجہ کے قابل ہے اور کون عدم توجہ کے قابل اور یہ حالت بتلا کر یہ بھی بتلا دیا کہ جس طرح بعض کام جن کی صورت دنیا ہے اور وہ دخل رکھتے ہیں آخرت میں واقع میں دنیا نہیں ہیں کیونکہ وہ لہو ولعب نہیں اسی طرح اس کے مقابلہ وآخرت کا کام جو صورت میں آخرت کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہیں اور واقع میں دنیا کے لئے ہیں وہ آخرت نہیں ہیں۔

کلید دردوزخ است آں نماز — کہ در چشم مردم گذاری دراز

(یعنی وہ نماز دوزخ کے دروازہ کی کنجی ہے جو لوگوں کو دکھانے کے لئے دراز کی جائے)

ان الدار الآخرة لهی الحیوان سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آخرت سراپا حیواۃ ہے کیونکہ زیادہ مستعمل حیوان بمعنے مصدر ہے یہ ایسا ہے کہ جیسے زید عدل اور اگر صفت بھی ہو تو بمعنی ذی حیات ہوگی پس وہاں کی در و دیوار میں بھی زندگی ہوگی دیواریں گائیں گی نغمات پیدا ہوں گے درخت گائیں گے اور بظاہر اس لئے کہا کہ کلام میں یہ بھی احتمال ہے کہ الدار کا مضاف مقدر ہو یعنی حیوة الدار الاخرة ہی الحیوة باقی جنت کا بولنا خود حدیث میں آیا ہی ہے اور وہ بظاہر حقیقت پر محمول ہے یہی صوفیہ کا مسلک ہے بعض اہل ظاہر خشک ہیں وہ کہتے ہیں کہیں جنت مثل بولنے والے کی ہوگی جیسے بے جان تصویر کا کہہ دیتے ہیں کہ ایسی جیسے اب بول پڑے گی۔ یہ حیات کے قائل نہیں مگر یہ محض تاویل ہے صوفیہ کا قول ظواہر نصوص سے متاید ہے ان کے نزدیک دوزخ بھی ذی حیات ہوگی دلیل یہ ہے کہ ہل من مزید پکارے گی نیز اس میں اور بھی آثار حیات کے پائے جاتے ہیں نیز بعض اہل کشف نے جہنم کی شکل کے بارہ میں کہا ہے کہ اس کی شکل اژدھے کی سی ہے اس کے پیٹ میں سانپ بچھو کھنکھورے وغیرہ ہیں سارا جہنم اژدھے کی صورت ہے اس سے ایک حدیث کے معنی بلا تاویل کے سمجھ میں آ جاویں گے کہ حدیث میں آتا ہے کہ جہنم میدان قیامت میں لائی جاوے گی جس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوں گے مگر پھر بھی قابو سے نکلی جاتی ہوگی اور کڑکتی ہوگی اور ہل من مزید پکارتی ہوگی اس کے معنی صوفیہ کے قول پر اس طرح سمجھ میں آتے کہ چونکہ وہ ذی حیات ہے اس لئے اس قسم کے آثار اس سے پائے جاویں گے بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث کو جس سہولت سے اہل باطن سمجھتے ہیں اور لوگ نہیں سمجھتے اور جاندار ہونے کی صورت میں اس کا اثر فرحت میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے اہل باطن کے مسلک پر سیرابی کی فرحت صائمین کو بہت زیادہ حاصل ہوگی کیونکہ جب سنیں گے کہ باب الریان ذی حیات ہوگا تو یہ سمجھیں گے کہ دروازہ میں داخل ہونے والے تو خوش ہوں گے ہی مگر وہ دروازہ بھی بوجہ ذی حیات ہونے کے خوش ہوگا اور پھاٹک کے جاندار ہونے پر خلاف عادت ہونے کے خیال سے تعجب نہ کیا جاوے کیونکہ خلاف عادت بھی نہیں جیسے دنیا میں بچے کے لئے اماں جان پھاٹک بن جاتی ہیں کہ لڑکا اس کے طریق خاص سے نکلتا ہے ایسے ہی وہ دروازہ ہوگا اور یہ تعجب ایسا ہی ہے جیسے ایک ملحد نے اعتراض کیا تھا کہ جنت میں دودھ کی نہروں کے واسطے اتنی گائیں کہاں سے آئیں گی جواب یہ ہے کہ دنیا میں دودھ تھن میں سے نکلتا ہے اور خدا ہی پیدا کرتا ہے اگر وہاں وہ نہر ہی خاصیت میں ایک بڑا تھن ہو اور اس میں دودھ پیدا کر دیا جاوے تو کیا تعجب کی بات ہے اس طرح جیسے یہاں جاندار پھاٹک پیدا کئے ہیں وہاں بھی پیدا کر دیں تو کیا محل تعجب ہے

لنهدینهم سبلنا میں مجاہدہ پر ہدایت سبل کا وعدہ ہے چنانچہ ترجمہ آیت سے ظاہر ہو جائے گا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب وثواب یعنی جنت کے) راستے ضرور دکھادیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ کی (رضا ورحمت) ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیری نکات

مقصود طریق

اور یہ ظاہر ہے کہ ہر طریق کا ایک منتہا ہوتا ہے جس پر سیر ختم ہو جاتی ہے جب کوئی سفر کرتا ہے تو ایک جگہ ایسی آتی ہے جہاں سفر منقطع ہو جاتا ہے اس طرح طریق الٰہی کی بھی کہیں انتہا ہونی چاہئیں جس پر مجاہدہ منتہی ہو۔ یعنی کوئی مقصود ہونا چاہیے جس پر پہنچنے کے لئے ان راستوں کو طے کیا جاتا ہے ہر چند کہ لنهدينهم سبلنا (ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کرتے ہیں) میں بظاہر ہدایت طریق کا وعدہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ مجاہدہ کرنے والے کے لئے حق تعالیٰ اپنے راستوں کو کھول دیتے ہیں۔

اور مقصود تک پہنچانا ہدایت کے لئے لازم نہیں۔ کیونکہ ہدایت کبھی اراءت طریق کی صورت سے ہوتی ہے کہ راستہ بتلا دیا اور کہہ دیا کہ اس سڑک کو چلے جاؤ اور کبھی ایصال کی صورت سے ہوتی ہے کہ ایک شخص خود ساتھ ہو کر منزل تک پہنچا دے جب ہدایت کی دو صورتیں ہیں تو لنهدينهم سبلنا (ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کرتے ہیں) میں بظاہر ہدایت طریق کا وعدہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ مجاہدہ کرنے والے کے لئے حق تعالیٰ اپنے راستوں کو کھول دیتے ہیں۔

اور مقصود تک پہنچانا ہدایت کے لئے لازم نہیں کیونکہ ہدایت کبھی اراءت طریق کی صورت سے ہوتی ہے کہ راستہ بتلا دیا اور کہہ دیا کہ اس سڑک کو چلے جاؤ اور کبھی ایصال کی صورت سے ہوتی ہے کہ ایک شخص خود ساتھ ہو کر منزل تک پہنچا دے جب ہدایت کی دو صورتیں ہیں تو لنهدينهم سبلنا (ہم ان کو اپنے رستوں کی ہدایت کرتے ہیں) میں بظاہر دونوں احتمال ہونے کی وجہ سے مقصود تک پہنچانے کا بھی یقینی نہیں مگر محققین کے کلام میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مقصود تک پہنچانے کا بھی وعدہ ہے کیونکہ اس میں حق تعالیٰ نے ہدایت کو مفعول ثانی کی طرف بلا واسطہ متعدی فرمایا ہے اور حسب تصریح محققین اس صورت میں ہدایت کا مدلول وصول

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہی ہوتا ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ اب دوسرا مقدمہ یہ رہا کہ مقصود کیا ہے تو جو لوگ آیات واحادیث پر نظر رکھنے والے ہیں ان کو اس میں کوئی شک نہ ہوگا کہ مقصود قرب حق جل وعلا ہے۔

اصل مطلوب رضائے الٰہی ہے

والذین جاھدو الینا لنھدینھم سبلنا

اورظاہر ہے کہ یہ ہدایت اراءۃ طریق نہیں ہے کیونکہ اس میں مجاہدہ شرط نہیں بلکہ ایصال الی المطلوب ہے اور مطلوب ہے رضا پس رضا کا ملنا ثابت ہوگیا اور اصل مطلوب یہی ہے۔ والذین جاھد والینا لنھدینھم سبلنا. یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مشقت ومجاہدہ کرتے ہیں ہم بیشک ضرور ان کو اپنے راستے بتلادیں گے۔

مجاہدہ ومشقت پر وعدہ ہدایت ہے

دیکھئے مجاہدہ ومشقت پر وعدہ ہدایت ہے یہ تو ابتدائی حالت ہے اور انتہا یہ ہے وان اللہ لمع المحسنین یعنی بیشک اللہ نیک کاروں کے ساتھ ہے۔ الحاصل آپ کی طرف سے کچھ طلب ہونا چاہیے۔

وصول میں دیر نہیں لگتی

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا. جاہدوا سے مراد غور وفکر دعا والتجا سعی وکوشش حق تعالیٰ کے سامنے الحاح وزاری تواضع وخاکساری یہ چیزیں پیدا کرو رونا اور چلانا شروع کرو نخوت اور تکبر کو دماغ سے نکال کر پھینک دو اس کے بعد وصول میں دیر نہیں لگتی ذرا بطور امتحان ہی کے کرکے دیکھو لو مولانا فرماتے ہیں۔

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ   جز شکستہ می نگیر و فضل شاہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُورۃ الــرُّوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

ترجمہ: یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔

تفسیری نکات

یہ آیت کفار کے لئے مخصوص ہے

وعد الله لا يخلف الله وعده اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

فرماتے ہیں کہ یہ (جو اوپر مذکور ہوا جو ایک پیشین گوئی ہے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے اور خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کو خلاف نہیں کرتے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس کا کوئی انکار نہ کرتا۔ مگر ایسے بھی بہت لوگ ہیں جو اس کا انکار کرتے ہیں چنانچہ آگے بطور استدراک کے فرماتے ہیں۔

ولكن اكثر الناس لا يعلمون. لیکن زیادہ تر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

یہاں پر گو لا يعلمون کا مفعول مذکور نہیں مگر مقام کا مقتضا یہ ہے کہ مفعول وہی ہو جو پہلے مذکور ہے یعنی لا يعلمون ان الله لا يخلف وعده. لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے۔

اور یہ حالت کفر کی ہے اس لئے یہ آیت کفار سے مخصوص ہوئی آگے فرماتے ہیں

يعلمون ظاهر امن الحيوة الدنيا یہ لوگ جانتے ہیں ظاہر حیات دنیا کو۔

اس کا مرجع بھی وہی ہے جو پہلے لا یعلمون میں مذکور ہے ورنہ اس آیت کو ماقبل سے ربط نہ ہوگا اور ضمائر میں بھی انتشار ہوگا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: قیامت جب قائم ہوگی تو لوگ جدا جدا ہو جائیں گے، جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کیے تھے وہ تو باغ میں مسرور ہوں گے۔

تفسیری نکات

مومن وکافر کی تفریق

یہ جدا جدا ہونا بھی حضورؐ ہی کے نور مبارک کا ایک ثمرہ ہے کیونکہ ایمان ومعرفت واعمال صالحہ کا حصول آپؐ کی برکت سے ہوا اور ایمان واعمال صالحہ ہی کی وجہ سے مخلوق کے دو فرقے ہو گئے بعض مومن بعض کافر۔ تو اس تفریق کا اصل منشاء بھی نور محمدؐ ہے۔ اسی تفریق کے ظاہر کرنے کے لئے قیامت قائم ہوگی تو دراصل حقیقی قیامت آپ ہی کی ذات ہے اور عرفی قیامت اس کا ایک اثر اور ثمرہ۔ اسی کو مولانا نے مثنوی میں ایک جگہ بیان فرمایا ہے۔

؎ صد قیامت بود احمدؐ در جہاں

اس لئے حق تعالیٰ نے یوم تقوم الساعة یومئذ یبلس المجرمون فرما کر ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا و یوم تقوم الساعة یومئذ یتفرقون۔ یعنی گو جس دن قیامت ہوگی اس دن مجرم ناامید ہو جائیں گے مگر سب کا یکساں حال نہ ہوگا جس دن قیامت آئے گی اس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ فاما الذین امنوا و عملوا الصلحت فهم فی روضة یحبرون۔

ترجمہ جو لوگ ایمان والے ہیں اور انہوں نے اچھے اعمال کیے ہیں وہ ایک بڑے باغ میں خوش کیے جائینگے۔

تحبرون کی تفسیر

یوم تقوم الساعة کے بعد یومئذ پھر زیادت تہویل کے لئے مکرر لایا گیا فی روضة میں تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی بڑے باغ میں خوش کیے جائیں گے۔ یحبرون احبار سے ہے جو باب افعال کا مصدر ہے۔ بمعنی سرجس کے بے تکلیف معنی اردو محاورہ کے موافق یہ ہوئے کہ وہ بڑے باغ میں مسرور ہوں گے کیونکہ سرور بھی لازم نہیں متعدی ہے دیکھئے حق تعالیٰ نے اس مقام پر یفرحون نہیں فرمایا کیونکہ فرح لازم ہے اس کے معنی یہ ہوتے کہ ایمان والے جنت میں خوش ہوں گے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر طبعی خوشی انسان کو ہو سکتی ہے اس قدر ان کو خوشی حاصل ہوگی۔ سو یفرحون سے طبعی خوشی پر زیادتی سمجھ میں نہ آتی۔ یحبرون سے یہ بات بتلا دی گئی کہ ان کو طبعی خوشی سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوگی کیونکہ ان کو خوش کیا جائے گا یعنی ان کو خوش

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرنے کا اہتمام ہوگا کوئی خوش کرنے والا ان کو خوش کرے گا۔

جیسا کہ علماء نے یہی نکتہ مطہرۃ میں بیان فرمایا ہے کہ ازواج مطہرہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان کو پاک کیا ہے صرف یہی نہیں کہ وہ خود بخود پاک ہیں کیونکہ جو پاکی خود بخود حاصل ہوتی ہے وہ کم ہوتی ہے دیکھئے اگر ایک کپڑے کو دن رات نہر میں ڈالے رکھیں تو وہ خود بخود پاک ہو جائے گا مگر جو خوبی اس وقت حاصل ہوگی کہ اس کو کسی شخص کے سپرد کیا جائے اور وہ پانی میں ڈال کر تختہ پر اسے کوٹ پیٹ کر صاف کرے وہ صرف نہر میں ڈالے رکھنے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

یہی نکتہ یحبرون میں ہو سکتا ہے یعنی یہی صرف نہیں کہ وہ خوش ہوں گے بلکہ خوش کیے جائیں گے اور ان کو حق تعالیٰ خوش کریں گے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کتنے بڑے ہیں۔ ان کی عظمت کے موافق ان کو دی ہوئی خوشی بھی عظیم ہوگی اتنا فرق ہوگا کہ حق تعالیٰ کی عظمت تو بالفعل بھی غیر متناہی ہے اور اہل جنت کی خوشی اگرچہ بالفعل متناہی ہوگی مگر لا تقف عند حد کے اعتبار سے وہ بھی ایک طرح غیر متناہی ہوگی اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ عظمت الٰہی داخل مشیت نہیں اور عظمت وسرور اہل جنت داخل مشیت ہے یعنی حق تعالیٰ کے ارادہ اختیار کو اس میں دخل ہے اور حادث کی لاتناہی بالفعل محال اور لاتقف عند حد جائز۔ غرض غیر متناہی دونوں ہیں ایک غیر متناہی بالفعل دوسرا غیر متناہی بمعنی لاتقف عند حد

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے الاماشاء ربک کی تفسیر بھی یہی لکھی ہے کہ خلود اہل جنت واہل نار داخل تحت القدرت ہے اگرچہ منقطع کوئی بھی نہ ہوگا۔ ورنہ بدوں اس توجیہ کے بظاہر اس استثنیٰ پر شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ اہل جنت اہل جہنم کے خلود کے ساتھ الاماشاء ربک کا کیا معنی؟ کیونکہ بظاہر اس کا یہ ترجمہ ہے کہ وہ لوگ جنت اور دوزخ میں رہیں گے مگر جب کہ چاہیں حق تعالیٰ تو اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید کبھی نکالے بھی جائیں گے سو مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے خوب تفسیر فرمائی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے مگر خدا جب چاہے تو ان کو نکالنے پر بھی قادر ہے مگر ایسا کیا کبھی نہ جائے گا تو مطلب آیت کا یہ ہے کہ اہل جنت ہمیشہ جنت میں رہیں گے مگر خدا تعالیٰ اس پر مجبور نہیں بلکہ یہ سب اسی کی مشیت سے ہوگا وعلیٰ ہذا اہل نار بھی۔

فضل ورحمت

اس آیت میں ایمان واعمال صالحہ کا ثمرہ مذکور ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ والے جنت میں خوش ہوں گے اور ظاہر ہے کہ ایمان واعمال صالحہ بغیر انبیاء علیہم السلام کے نہیں معلوم ہو سکتے اسی لئے حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کو بھیجا تا کہ لوگوں کو ایمان واعمال صالحہ کا راستہ بتلادیں اور اس وقت اول تو کسی اور نبی کی شریعت موجود نہیں اور اگر پہلے انبیاء میں سے کسی کی کوئی شریعت ہے بھی تو محرف ہے جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے پھر اگر غیر محرف بھی ہوتی تو منسوخ تھی۔ اس لئے اس وقت ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر حضور تشریف نہ لاتے تو ہم اس دولت سے بالکل محروم رہتے حق تعالیٰ شانہ کا بہت بڑا احسان ہمارے اوپر ہوا کہ آپ کی برکت سے ہم کو اس دولت سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

سرفراز فرمایا۔ اسی کو حق تعالیٰ شانہ نے بطریق امتنان احسان جتلا کر جا بجا قرآن شریف میں ذکر فرمایا ہے کہیں فرماتے ہیں ولو لا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان الاقلیلا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے ولو لا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لکنتم من الخسرین

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہارے جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

تفسیری نکات

نکاح کا اصل موضوع لہ

یعنی ازواج کو پیدا کیا تاکہ تم کو ان سے سکون قلب حاصل ہو۔ یہ نکاح کا اصل موضوع لہ ہے یعنی سکون حاصل ہونا باقی خدمت وغیرہ یہ سب فرع ہیں۔ وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کی یہ بھی دلائل قدرت میں سے ہے کہ جو دو شخص ابھی ایک ساعت پہلے اجنبی محض تھے اب ان میں نکاح کے بعد کیسی محبت ہو جاتی ہے کہ دوسرے تعلقات میں اسکی نظیر نہیں ملتی اسی لئے حق تعالیٰ نے اس کو صیغہ امر سے بیان نہیں کیا کہ تم کو آپس میں مودت و رحمت کا برتاؤ رکھنا چاہئے بلکہ صیغہ خبر سے بیان فرمایا کہ ہم نے تمہارے درمیان خاص تعلق پیدا کر دیا یعنی ہم نے تمہاری مدد کی ہے بدوں ہماری مدد کے اجنبیت میں ایسا تعلق نہیں ہو سکتا تھا اور یہاں مودت و رحمت دو لفظ اختیار کئے گئے اس سے مطلب یہ ہے کہ اس تعلق میں کبھی مودت کا غلبہ ہوتا ہے کبھی رحمت و ہمدردی کا چنانچہ ابتدا میں عموماً محبت کا غلبہ ہوتا ہے اور انتہا میں رحمت و ہمدردی کا اور اس عنوان میں عورتوں کی اس شکایت کا بھی جواب ہو گیا جو عورتوں کو مردوں سے اکثر ہوا کرتی ہے جب نکاح کو چند سال گزر جاتے ہیں تو عورتیں مردوں سے کہا کرتی ہیں کہ اب تمہارے دل میں ہماری ویسی محبت نہیں رہی جیسی شروع میں تھی اب وہ ولولہ اور تقاضا اور جوش عشق نہیں رہا اس شکایت کا منشا جہل ہے اور اگر مرد لاجواب ہو جائے تو یہ اس کا جہل ہے دونوں جاہل ہوں گے تو شکایت بڑھے گی عاقل اس اعتراض کو کبھی تسلیم نہ کرے گا وہ اس کا یہ جواب دے گا۔

جوش کا کم ہونا کمال محبت کی دلیل ہے

کہ قاعدہ یہ ہے کہ قدامت کے بعد جوش کم ہو جاتا ہے مگر جوش کا کم ہو جانا زوال محبت کی دلیل نہیں بلکہ کمال

(c) ketabton.com: The Digital Library

محبت کی دلیل ہے کیونکہ جوش خود نقص کی دلیل ہے دیکھو ہنڈیا میں جب تک جوش رہتا ہے کچی ہے اور جب کم ہو کر سکون ہو جاتا ہے اس وقت سمجھتے ہیں کہ ہنڈیا پک گئی اسی لئے انبیاء اور کاملین میں کیفیات کا جوش کم ہوتا ہے اور متوسطین میں ان سے زیادہ اور چھوٹ بھیوں میں تو سب سے زیادہ جوش ہوتا ہے مگر سب جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کامل ہیں تو ان کی محبت بھی سب سے کامل ہے مگر وہاں جوش نہیں پس عورتوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ بیوی کے پرانے ہو جانے سے اگر مرد کا جوش کم ہو جائے تو یہ محبت کے کم ہو جانے کی دلیل نہیں بلکہ اس کی دلیل ہے کہ محبت کامل ہوگئی ہے مگر رنگ بدل گیا ہے پہلے محبت وعشق کا رنگ تھا اب رحمت وہمدردی کا رنگ ہے پہلے محبت تھی مگر کسی قدر تکلف اور اجنبیت بھی تھی اب بالکل بے تکلفی ہے کہ ایک دوسرے کا ہمراز ودمساز اور راحت وغم کا۔

شریک ہے گویا دو قالب ایک جان ہیں یہ نکتہ ہے مودت ورحمت دو لفظوں کے اختیار کرنے میں اس کے بعد ارشاد ہے ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون. کہ ان میں لوگوں کے لئے دلائل قدرت ہیں جو سوچ سے کام لیتے ہیں۔

معاملہ نکاح میں دلائل قدرت

اس میں ایک دلیل تو یہ ہے کہ اس سے وجود صانع پر استدلال ہوتا ہے اس طرح کہ دیکھو عورت اور مرد دونوں انسان ہی ہیں مگر دونوں میں کس قدر تفاوت ہے کہ مرد کی خلقت اور بناوٹ جدا ہے مرد سے بچہ نہیں پیدا ہو سکتا عورت سے بچہ پیدا ہوتا ہے مرد کو مرد سے وہ راحت اور سکون حاصل نہیں ہو سکتا جو عورت سے حاصل ہوتا ہے تو ایک ہی نوع کے افراد میں ایسا تفاوت اور اس میں مصالح کی اسقدر رعایت بدوں صانع حکیم کے نہیں ہو سکتی اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارا کوئی صانع ضرور ہے ایک اعرابی کہتا ہے البعرة تدل علی البعیر والاثر یدل علی المسیر فالسماء ذات الابراج والارض ذات الفجاج کیف لایدلان علی اللطیف الخبیر. کہ اونٹ کی مینگنی دیکھ کر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں سے کوئی اونٹ گیا ہے اور قدم کا نشان دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے کوئی گیا ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

تو یہ بڑے بڑے ستاروں اور چاند سورج والا آسمان اور یہ کشادہ اور فراخ سڑکوں والی زمین اپنے صانع حکیم کے وجود پر کیونکر دلالت نہ کرے گی ضرور کرے گی سبحان اللہ! ایک جاہل بدوی کیسی عجیب بات کہتا ہے کہ جب آثار موثر پر دلالت کرتے ہیں دھواں دیکھ کر تم کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں آگ ہے نشان قدم دیکھ کر یہ خبر ہو جاتی ہے کہ یہاں سے کوئی ضرور گیا ہے اور ایک نفیس عمارت دیکھ کر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کا بنانے والا کوئی ضرور ہے اور یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ نشان قدم خود ہی بن گیا ہوگا۔ یا یہ مکان خود ہی تیار ہو گیا ہوگا پھر حیرت ہے کہ اتنا بڑا آسمان اور یہ پہاڑ اور زمین دیکھ کر اور اس کے نظام اکمل کا مشاہدہ کر کے تم کو اس کے صانع کا علم نہ ہو اور یوں کہو کہ یہ خود ہی اپنی طبیعت سے بن گئے ہیں اس کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کر سکتا بلکہ ایک بدوی بھی اس خیال کو دلیل سے باطل کر رہا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

مصنوعات سے صانع پر استدلال کرنا فطری امر ہے

جس سے معلوم ہوا کہ مصنوعات سے صانع پر استدلال کرنا فطری امر ہے اور قرآن میں جابجا اسی فطری دلیل سے اور توحید صانع پر استدلال کیا گیا ہے چنانچہ اس مقام پر بھی اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری جنس میں سے بیبیاں بنائی ہیں۔ اگر غور سے کام لوتو اس میں تمہارے لئے دلائل قدرت ہیں اور یہی وہ فطری امر ہے جو میثاق الست میں قلوب کے اندر پیوست کر دیا گیا۔

نکاح میں آیات کثیرہ

اب شاید کسی کو یہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ خلق ازواج میں آیات کثیرہ کہاں ہیں جو کہ ان فی ذالک لایت لقوم یتفکرون میں صیغہ جمع سے مفہوم ہو رہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو دنیا میں لاکھوں ہزاروں میاں بیوی ہیں پس ہر فرد کا وجود اور اس کی باہمی محبت مودت ورحمت الگ الگ دلیل ہے جو مجموعہ ہو کر بہت سے دلائل ہیں دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایک ہی میاں بیوی کو لیا جائے تو خود ان میں بھی بہت سے دلائل ہیں کیونکہ نکاح سے انسان کے لئے ایک نیا عالم شروع ہو جاتا ہے جو ہر شخص کی زندگی کا ورق الٹ دیتا ہے۔ یقیناً جس شخص نے کسی بچہ کو چار پانچ سال کی عمر میں دیکھا تھا وہ اس شخص کو نکاح کے بعد اس حال میں دیکھے کہ وہ گھر کا سردار بنا ہوا بیوی بچوں کی پرورش کر رہا ہے تو وہ ہرگز یہ نہ سمجھے گا کہ یہ وہی بچہ ہے جو میرے سامنے ننگا پھرا کرتا تھا پھر لوگوں کے بتلانے کے بعد اس کو بڑی حیرت ہوگی کہ اللہ کیا سے کیا ہو گیا۔

ترجمہ: آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے۔

عورت باورچن نہیں

فرمایا عورت باورچن نہیں ہے۔ جی بہلانے کے لئے ہے۔ قرآن میں لتسکنوا آیا ہے۔ اگر وہ کھانے پکانے سے انکار کر دے تو ان کو قدرت ہے۔ شوہر زور نہیں کر سکتا۔ خاوند کو یہ حق نہیں کہ اس کو ذلیل سمجھے۔

مودۃ ورحمۃ کا مفہوم

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بیبیوں کے باب میں جو ارشاد وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ہے میں اس کے متعلق کہا کرتا ہوں کہ دو وقت ہیں ایک تو جوانی کا اس میں تو جوش خروش کا غلبہ ہوتا ہے یہ حاصل ہے رحمت کا اور یہ بھی لغۃً محبت ہی کی ایک فرد ہے مگر عرف محاورہ میں اس کو محبت کہتے نہیں اس کا نام عرف میں ہمدردی رحم مہربانی ہے اور یہ نکتہ اسی محاورہ پر مبنی ہے۔

زوجین میں محبت کا نباہ دائمی نہیں

حق تعالیٰ نے زوجین کے متعلق فرمایا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ مودۃ کے رحمت کو اسی لئے بڑھایا کہ زوجین میں محبت کا نباہ دائمی نہیں ہے بلکہ اس کی تو یہ حالت ہے کہ اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نے ماند

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور کسی کو بہت ہی محبت رہے گی تو جوانی تک رہے گی۔ بڑھاپے میں محبت وعشق باقی نہ رہے گا۔ ہاں شفقت ورحمت باقی رہے گی۔

مستورات پر ظلم کی راہ سے مشقت ڈالنا بے رحمی ہے

عورتوں پر ظلم کی راہ سے مشقت ڈالنا نہایت بے رحمی اور بے مروتی کی بات ہے فرمایا کہ ان بی بی کے خاوند نے ایک مرتبہ مجھ سے خود شکایت کی تھی کہ یہ وظیفہ وظائف میں رہتی ہے میری خدمت کی پرواہ نہیں کرتیں۔ بندۂ خدا ایسی کونسی خدمات ہیں جو بغیر وظائف ترک کئے ہوئے نہیں ہوسکتیں مرد کی خدمات ہی کیا ہیں چند محدود خدمات یہ دوسری بات ہے کہ خدمات کا باب اس قدر وسیع کردیا جائے جن کا پورا کرنا ہی بے چاری پردو بھر ہوجائے پھر فرمایا کہ ایک مقولہ مشہور ہے کہ مرد ساٹھا پاٹھا اور عورت جیسی کھیسی سو عورت کے اعضاء کا جلد ضعیف ہوجانا اس کا سبب بھی زیادہ یہی ہے کہ اس پر ہر وقت غم اور رنج کا ہجوم رہتا ہے۔ سینکڑوں افکار گھیرے رہتے ہیں امور خانہ داری کا انتظار بے چاری کے ذمہ ڈال کر مرد صاحب بے فکر ہوجاتے ہیں وہ غریب کھپتی ہے مرتی ہے اگر یہ حضرت دو روز بھی انتظام کر کے دکھادیں ہم تو اس وقت ان کو مرد سمجھیں باوجود ان سب باتوں کے کمال یہ ہے کہ اپنی زبان سے اظہار بھی نہیں کرتی کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ یہ سبب ہے عورت کے جلد ضعیف ہوجانے کا یہاں پر بعض عورتیں عیش اور راحت میں ہیں اور عمر ان کی تقریباً چالیس چالیس پینتالیس پینتالیس برس کی کم وبیش مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی سال دو سال کی بیاہی ہوئی آئی ہیں اور ان کی کوئی پچیس برس کی عمر سے زائد نہیں بتلاسکتا تو بیوی کو عیش وآرام میں رکھنے میں ایک یہ بڑی حکمت ہے کہ وہ تندرست رہے گی۔ ضعیفی کا اثر جلد نہ ہوگا دراز مدت تک ان کے کام کی رہے گی مگر لوگ اپنی راحت اور مصلحت کا خیال کر کے بھی تو ان کی رعایت نہیں رکھتے اور میں یہ نہیں کہتا کہ جوروؤں کے غلام بن جاؤ۔ ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ حدود کی رعایت رکھو اور ظلم تک نوبت نہ پہنچاؤ اگر کبھی ضرورت ہو دباؤ بھی دھمکاؤ بھی کوئی حرج نہیں حاکم ہو کر رہنا چاہیے اور محکوم کو محکوم بن کر لیکن جیسے محکوم کے ذمہ حاکم کے حقوق ہیں اسی طرح حاکم کے ذمہ محکوم کے بھی حقوق ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے برتاؤ کرنا چاہیے ایک مولوی صاحب فرماتے تھے کہ عورتوں کے ذمہ واجب ہے کھانا پکانا۔ میری رائے ہے کہ ان کے ذمہ واجب نہیں میں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے عدم وجوب پر

ومن ایاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ

حاصل یہ ہے کہ عورتیں اس واسطے بنائی گئی ہیں کہ ان سے تمہارے قلب کو سکون ہو قرار ہو جی بہلے تو عورتیں جی بہلانے کے واسطے ہیں نہ کہ روٹیاں پکانے کے واسطے اور آگے جو فرمایا کہ تمہارے درمیان محبت و ہمدردی پیدا کردی ہے میں کہا کرتا ہوں مودۃ یعنی محبت کا زمانہ تو جوانی کا ہے اس وقت جانبین میں جوش ہوتا ہے اور ہمدردی کا زمانہ ضعیفی کا ہے دونوں کا اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ ضعیفی کی حالت میں سوائے بیوی کے دوسرا کام نہیں آسکتا۔ اس ضعیفی اور ہمدردی پر ایک حکایت یاد آئی ایک مقام میں ایک علاقتی رئیس تھے گورنمنٹ میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان کا بڑا اعزاز اور بڑی قدر تھی یہ کابل سے یہاں آ کر رہے تھے گورنمنٹ نے کچھ گاؤں دے دیئے تھے ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا کلکٹر صاحب تعزیت کے لئے آئے ملاقات ہوئی کلکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہم کو بڑا رنج ہوا اس پر یہ ولایتی صاحب اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں فرماتے ہیں کلٹر صاحب (کلکٹر صاحب) وہ ہمارا بیوی نہ تھا ہمارا اما تھا ہم کو گرم گرم روتی (روٹی) کھلاتا تھا پنکھا جھلتا تھا ٹھنڈا ٹھنڈا (ٹھنڈا ٹھنڈا) پانی پلاتا تھا یہ کہتے جاتے اور روتے جاتے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۱۸۲، ۱۸۳)

عورتوں کے ذمہ کھانا پکانا واجب نہیں

ایک صاحب نے سوال کیا کہ عورتیں جو کھانا پکاتی ہیں کیا یہ شرعاً ان کے ذمہ ہے فرمایا کہ میں تو ذمہ نہیں سمجھتا۔ مگر ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ قضاءً تو نہیں مگر دیانۃً ان کے ذمہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ دیانۃً بھی ان کے ذمہ نہیں البتہ جس وقت شوہر حکم دے وہ اطاعت زوج کے تحت ملازم ہو جاویگا اور میں اس آیت سے استدلال کرتا ہوں۔ ومن ایاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ لتسکنوا سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت بہلانے کے واسطے ہے روٹیاں پکانے کے واسطے نہیں۔ وہ مولوی صاحب اس کو نفسہ واجب فرماتے ہیں میں اس کو فی نفسہ واجب نہیں سمجھتا (الافاضات الیومیہ ج ۴ ص ۲۵۸)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات میں اور دن میں اور اس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں جو سنتے ہیں۔

تفسیری نکات

لیل و نہار کا تعلق عام ہے

ومن ایاتہ منامکم بالیل والنھار وابتغاء وکم (اسی کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات میں اور دن میں اور اسی کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے (میں بعض لوگوں نے باللیل کو منامکم کے ساتھ اور والنھار کو ابتغاء کم کے ساتھ متعلق کیا ہے گویا اصل میں اس طرح تھا منامکم وابتغاء کم باللیل والنھار فرمایا کہ اس سے بہتر یہ ہے کہ منام کو عام لیا جاوے مطلق لیٹنے کو بھی اور وابتغاؤ کم من فضلہ سے بھی عام مراد لیا جاوے کہ گو بعض حصہ میں ہو تو اس تقدیر پر باللیل والنھار دونوں کا تعلق ہر ایک کے ساتھ ہو جاوے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُورۃ لُقمان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَـيۡسَ لَـكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا‌ وَّاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ‌ ثُمَّ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرا جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کچھ کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کرنے والا ہو پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر میں تم کو جتلاؤں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

تفسیری نکات

حقوق والدین

حضرت لقمان علیہ السلام نے اسی ایہام خودغرضی سے بچنے کے لئے حقوق والدین کا ذکر نہیں کیا تھا اس لئے حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو ذکر فرمایا کہ ووصینا الانسان بوالدیه حملته الایه (ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا) اور حقوق والدین کے بعد فرماتے ہیں کہ والدین کی اطاعت علی الاطلاق نہیں بلکہ اسی وقت تک ہے جب تک خدا کے خلاف نہ کہیں اور اگر وہ خدا کے خلاف کوئی بات کہیں تو نہ مانو اور دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی کرو یہ تو ربط کے لئے بیان کیا گیا اب آگے وہ جملہ ہے جس کا بیان اس وقت مقصود ہے وہ یہ ہے کہ واتبع سبیل من اناب الی یعنی ان کے راستہ کا اتباع کرو جو میری طرف متوجہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوئے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کہ میری طرف سے ہٹاتے ہیں ان کی اطاعت نہ کرو گو ماں باپ ہی ہوں بلکہ ان کی اطاعت کرو جو کہ میری طرف متوجہ ہوئے اور اس کے مابعد میں وعید فرمائی کہ چونکہ میرے پاس تم سب کو آنا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کا اتباع کرو جو میری طرف متوجہ ہوئے ورنہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو پھر ہم تم کو بتائیں گے کہ تم نے کیا کام کئے یہ مقام کا حاصل ہوا اختصار کیساتھ۔

ایک جدید مرض اور اس کا علاج

ہم علماء کا کہنا نہیں مانتے یہ آفت ابھی نازل ہوئی ہے پہلے نہ تھی تو اتنا تو جدید مرض مگر اس کا بھی علاج قرآن مجید میں ہے کہ واتبع سبیل من اناب الی (ان کے راستہ کا اتباع کرو جو میری طرف متوجہ ہوئے) ورنہ آسان بات یہ تھی کہ واتبع دین اللہ (اللہ کے دین کا اتباع کرو) فرما دیتے مگر حق تعالیٰ کو تو خبر تھی کہ ایک وقت ایسا بھی آوے گا کہ لوگ علماء کے اتباع سے بچنا چاہیں گے اس لئے فرمایا کہ سبیل من اناب الی (ان لوگوں کے راستہ کا جو میری طرف متوجہ ہیں) کہ ان کا بھی اتباع تمہارے ذمے ضروری ہے تو یہ کتنا عجیب وغریب قصہ ہے اسی لئے حدیث میں ہے کہ قرآن میں ہر امر کا فیصلہ ہے چنانچہ کتنا جدید مرض تھا مگر اس کا علاج مذکور ہے یہاں سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ بہت سے عقلاء جو یہ رائے دیتے ہیں کہ اس زمانہ میں اس کی ضرورت ہے کہ علم کلام جدید تیار ہو علم کلام قدیم آج کل کے لئے کافی نہیں ہے بالکل غلط رائے ہے دیکھئے یہ کتنا جدید مرض تھا مگر پھر بھی قرآن مجید میں اس کا علاج مذکور ہے اسی طرح ہر شبہ کے جواب کے لئے قرآن وحدیث ہی کافی ہے۔

اتباع کا صحیح معیار

ایک جماعت میں تو اتباع ایسا سستا ہے اور ایک میں اتباع بالکل ہی نہیں پس اس میں دو قسم کے لوگ ہوئے ایک تو سب کے متبع اور معتقد ہونے والے اور دوسرے وہ جو کسی کے بھی متبع نہیں پس ایک جماعت میں افراط ہے حق تعالیٰ اس کا فیصلہ فرماتے ہیں واتبع سبیل من اناب الی (جو لوگ میری طرف متوجہ ہیں ان کا راستہ کا اتباع کرو) اتبع سے اس جماعت کی اصلاح فرمائی جو اتباع ہی کی ضرورت کو نہیں سمجھتے کیونکہ اس لفظ سے اتباع کی ضرورت بتلائی اور سبیل من اناب سے علاج ہے اس جماعت کا جو ہر کس وناکس کے معتقد ہونے والے ہیں اور اتباع کا صحیح معیار کوئی نہیں سمجھتے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتباع وحی کا حکم

ثم جعلنک علی شریعة من الامر فاتبعها خود اللہ تعالیٰ شریعت کے اتباع کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

حکم فرماتے ہیں اور من الامر میں الف لام عہد کا ہے پس اس سے مراد امر دین ہے پس معنے یہ ہوئے کہ دین کے جس طریقہ پر آپ کو ہم نے کر دیا ہے آپ اسی کا اتباع کئے جایئے پس جب اتنے بڑے صاحب علم کو ضرورت ہے اتباع شریعت کی تو ہم کو کیوں نہ ضرورت ہوگی تو ہر ایک کو اپنے بڑے کے اتباع کا حکم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو کوئی تھا نہیں تو آپ کو حکم ہوا۔

اتباع وحی کا اور صحابہ سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے انہیں حکم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں چنانچہ ارشاد ہے فاتبعونی یحببکم اللہ (سو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھیں گے) اور علیکم بسنتی (میری سنت کو اپنے اوپر لازم پکڑو) پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو حکم ہے وحی کے اتباع کا اور صحابہ کو حکم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا پھر علماء کو حکم ہے صحابہ کے اتباع کا اور نیچے آ کر عوام کو حکم ہے علماء کے اتباع کا چنانچہ ارشاد ہے واتبع سبیل من اناب الی اور متبوع مستقل سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے کو جو کہا گیا ہے سو وہ اس لئے کہ حق تعالیٰ کا اتباع حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید سمجھانے کا وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے کیا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ثم ان علینا بیانہ (یعنی پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارا ذمہ ہے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں علمنی ربی فاحسن تعلیمی (میرے رب نے مجھ کو تعلیم دی پس اچھی ہوئی تعلیم میری) تو آپ کے اتباع کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے ارشاد کے موافق خدا کے احکام کا اتباع کیا جاوے یہی معنی خلفائے راشدین کے اتباع کے ہیں نہ یہ کہ خلفائے راشدین مستقل متبوع ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کو دین خوب سمجھایا اس وجہ سے دین کا اتباع صحابہ کے فرمانے کے مطابق کرنا چاہیے اور چونکہ خدا تعالیٰ کے احکام کا اتباع صحابہ کے ارشاد کے موافق کیا جاتا ہے اسی لئے اس کو صحابہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے کہ سنۃ الخلفاء الراشدین (خلفاء راشدین کی سنت) علیٰ ہذا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے دین کو حضرات ائمہ مجتہدین نے لیا اور سمجھا اور ایسا سمجھا کہ ان کی تحقیقات دیکھنے سے اس کا اندازہ ہوتا ہے اس لئے علماء کو ان کی تحقیقات کے موافق اتباع کرنا چاہیے مگر نہ اس وجہ سے کہ وہ متبوع مستقل ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اگر ہم خود اتباع کرتے تو بہت جگہ احکام الٰہی کے سمجھنے میں غلطی کرتے اور وہ چونکہ ہم سے زائد سمجھتے تھے اس لئے ہم کو ان کی تحقیق کے موافق اتباع کرنا چاہیے پس جبکہ ثابت ہو گیا کہ متبوع مستقل صرف حق تعالیٰ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور مجتہدین کے اتباع کے یہ معنی ہیں کہ حق تعالیٰ کا اتباع ان کے ارشاد کے موافق کیا جاوے تو حنفی کہنے اور محمدی کہنے میں جواز و عدم جواز میں کچھ فرق نہ ہوگا کیونکہ اگر اس نسبت سے اتباع بالاستقلال و بالذات مراد لیا جاوے تب تو یہ نسبت دونوں میں صحیح نہ ہوگی کیونکہ ایسا اتباع تو خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اگر اس نسبت کے یہ معنی ہیں کہ ان کے ارشاد کے موافق

(c) ketabton.com: The Digital Library

حق تعالیٰ کے احکام کا اتباع کیا جاتا ہے اس معنی کے اعتبار سے دونوں کی نسبت صحیح ہے پھر کیا وجہ کہ ایک کی نسبت کو جائز کہا جاوے اور دوسرے کی نسبت کو ناجائز۔

حنفی کہلانے میں کوئی قباحت نہیں

پس معلوم ہو گیا کہ حنفی کہنے میں کوئی قباحت نہیں اس نسبت کو کفر شرک کہنا غلطی ہے کیونکہ اس نسبت سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ متبوع مستقل ہیں بلکہ یہی معنی ہیں کہ ان کی تحقیق کے موافق حق تعالیٰ کے احکام کا اتباع کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو فروع مستنبط کئے ہیں ہم کو ان کے متعلق اجمالاً یہ بات معلوم ہے کہ وہ ہم سے زیادہ صحیح سمجھے اس وجہ سے ہم ان کی تحقیقات کا اتباع کرتے ہیں ورنہ بحیثیت مستقل متبوع ہونے کے ان کا اتباع نہیں کرتے تو جیسی نسبت ہم ابو حنیفہ کی طرف کرتے ہیں ایسی نسبت تو خدا کے کلام میں بھی دوسروں کی طرف موجود ہے ارشاد ہے واتبع سبیل من اناب الی (جو لوگ میری طرف متوجہ ہوئے ہیں ان کے راستہ کا اتباع کرو) قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ (آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا طریق ہے خدا تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں) سو یہاں تو سبیل کی نسبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان لوگوں کی طرف کی جو حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یصلون عن سبیل اللہ (وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے لوگوں کو روکتے ہیں) میں سبیل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے تو یہ ایسا ہے کہ عباد اتنا شتی و حسنک واحد (عنوانات مختلف ہیں مضمون ایک ہی ہے)

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش　　من انداز قدت را مے شناسم

(یعنی جو لباس چاہے پہن لے میں تو چال سے ہی پہچان لیتا ہوں یعنی جو قرآن کا عاشق ہے اس کو حدیث وفقہ میں بھی قرآن نظر آتا ہے۔

حضرت مجتہدین کا اتباع

اس وقت چونکہ صاحب وحی تشریف نہیں رکھتے اس لئے مجتہدین اور علماء کو جو فیوض حاصل ہوئے ہیں اس لئے کوئی چارہ نہیں اور اصل میں یہ علماء کا اتباع نہیں بلکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے جس کا طریقہ ان سے معلوم کر لیا جاتا ہے اور گو یہ سبیل من اناب (راستہ ان لوگوں کا جو منیب ہیں) کہلاتا ہے مگر واقع میں سبیل اللہ اور سبیل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے علماء چونکہ اسے ہم کو سمجھا دیتے ہیں اس معنی کر وہ واسطہ ہیں صرف اس مناسبت سے ان کی طرف منسوب کر کے سبیل من اناب کہا گیا خلاصہ یہ کہ اتبع کے مخاطب تو وہ لوگ تھے جو سرے سے اتباع ہی کو ضرور نہیں سمجھتے اور کسی کا اتباع ہی نہیں کرتے اس سے تو ان لوگوں کی اصلاح کی گئی اب رہ گئے وہ لوگ جو اتباع تو کرتے ہیں مگر کوئی معیار صحیح نہیں مقرر کرتے بلکہ ہر کس و ناکس کا اتباع کرنے لگے ہیں سو

(c) ketabton.com: The Digital Library

آ گے ان کی اصلاح کرتے ہیں کہ سبیل من اناب (ان لوگوں کے راستہ کا جو منیب ہیں) کا اتباع کرو اندھا دھند ہر ایک کا اتباع نہ کرو اور خوبی دیکھئے کہ واتبع من اناب الی (ان لوگوں کا اتباع جو میری طرف متوجہ ہوئے) نہیں فرمایا کیونکہ اس میں ایہام ہے اس امر کا کہ وہ خود متبوع ہیں اس لئے سبیل کا لفظ اور بڑھایا اور فرمایا واتبع سبیل من اناب الی (ان لوگوں کے راستہ کا اتباع کرو جو میری طرف متوجہ ہوئے) کہ وہ خود متبوع نہیں ہیں بلکہ ان کے پاس ایک سبیل ہے وہ ہے متبوع یہ ہے اتباع کا معیار کہ جس شخص کا اتباع کرو اس کو دیکھ لو کہ وہ صاحب انابت ہے یا نہیں جو صاحب انابت (اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا) ہو اس کا اتباع کرو۔ سبحان اللہ کیا عجب معیار ہے پس اتباع اسی معیار کے موافق کرنا چاہیے اور سب معیار چھوڑ دینے چاہئیں۔

دیکھئے حقوق کی کتنی بڑی عادت ہے اور باپ کا کتنا بڑا حق مقرر فرمایا۔ یہ مضمون اس آیت میں بھی ہے وان جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفاً واتبع سبیل من اناب الی ثم الی مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون یعنی اگر وہ اس بات پر زور دیں کہ تم شرک کرو تو اس بات میں ان کا کہنا نہ مانو لیکن اس پر بھی دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو پھر تم سب میری طرف اور میرے ہی یہاں آ ؤگے پھر میں ایک ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دوں گا۔ اس آیت میں یہ بات قابل غور ہے کہ جب باپ نے شرک کیا تو وہ باغی ہے اور اسی بغاوت کی طرف بیٹے کو بھی بلاتا ہے اس سے اور بغاوت میں اضافہ ہوا لیکن پھر بھی شریعت میں اس کے کچھ حقوق مقرر ہیں اس سے ایک تو یہ بات نکلی کہ رحمت حق تعالیٰ کی اس قدر وسیع ہے کہ اس نے باغی کے بھی حقوق رکھے ہیں اور مسلمان بیٹے کو اجازت نہیں ہے کہ باپ کے ساتھ برا برتاؤ کرے اور اس بات کو کس لطیف پیرایہ سے بیان فرمایا۔

ثم الی مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون یعنی ہم جانیں اور وہ جانے وہ جائے گا کہاں آخر آئے گا ہمارے ہی یہاں ہم اس سے سمجھ لیں گے تم اس کے ساتھ برائی نہ کرو آخر وہ تمہارا تو باپ ہی ہے تم اس کا ادب کرو۔ کسی اور قانون میں آپ یہ بات دکھا سکتے ہیں کہ باغی کے بھی کچھ حقوق ہوں باغی کا ترجمہ دشمن ہے اور دشمن کے حقوق کیسے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جب دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ یہ برتاؤ ہے تو محبین وموافقین کے ساتھ کیسا ہوگا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿١٨﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے

تفسیری نکات

آثار تکبر اور اس کی مذمت

سب سے بڑھ کر بڑی بات تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کی برائی جا بجا بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں ان اللہ لایحب کل مختال فخور (اللہ تعالیٰ متکبر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے اور ان اللہ لایحب المستکبرین (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہیں) یہ تین الفاظ ہیں مختال اور فخور اور مستکبرین اور تینوں کی نسبت لایحب نہیں پسند کرتے کیا جامع کلام ہے ان تین لفظوں کی شرح یہ ہے کہ کبر کے آثار کبھی تو ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی تہذیب کی وجہ سے دل میں رہتے ہیں تو یہ تو مستکبر ہیں کیونکہ استکبار کے معنی ہیں بڑا سمجھنا اور یہ دل سے ہوتا ہے اس کی نسبت فرماتے ہیں ان اللہ لایحب المستکبرین یعنی جن لوگوں کے دل میں تکبر ہے خواہ وہ ظاہر نہ ہو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ بھی مبغوض ہیں اور کبھی تہذیب کم ہوئی تو کبر کا اثر ظاہر بھی ہو جاتا ہے اس ظہور کے مراتب مختلف ہوتے ہیں کبھی زبان پر تو نہیں آتا مگر چال ڈھال سے ظاہر ہے مثلاً کوئی آدمی فیشن بناتا اور طرح طرح کی وضع اختیار کرتا ہے جن سب کا خلاصہ یہی ہے اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنا چاہتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے لایحب کل مختال فخوری یہ سب مختال کے اندر داخل ہیں اور بعضوں کی زبان سے بھی تکبر کے کلمات نکلنے لگتے ہیں ان کو فخور فرمایا پس مختال تو وہ ہے جس کے دل میں تکبر اور افعال سے بھی ظاہر ہو مگر اقوال سے ظاہر نہ ہو اور فخور وہ ہے جس کی زبان سے بھی ظاہر ہونے لگے تو تین مرتبہ ہوئے ایک مستکبرین مختال اور ایک فخور تینوں کے واسطے لفظ لایحب فرمایا خلاصہ یہ کہ تکبر کا ظہور ہو نہ ہو یعنی زبان سے تکبر ہو یا قلب سے یا افعال سے سب کو ان اللہ لایحب المستکبرین سے منع فرما دیا ان میں سے ایک درجہ کی بھی اجازت نہیں دی اب یہ سمجھئے کہ اس مقام پر اس پر کسی عذاب کی وعید نہیں فرمائی صرف لایحب (نہیں پسند کرتے ہیں) فرما دیا ہے سو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ اس آیت میں نہ سہی دوسری آیتوں میں تکبر پر عذاب کی وعید بھی موجود ہے الیس فی جھنم مثوی للمتکبرین (کیا غرور کرنے والوں کا دوزخ میں ٹھکانہ نہیں ہے) دوسرے یہ کہ یہ وعید کیا تھوڑی وعید ہے کہ لایحب فرمایا یہ تھوڑی بات ہے کہ حق تعالیٰ کو ناپسند ہو غور سے دیکھئے تو وعید کی اصل یہی ہے کیونکہ وعید اسی پر ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو مرضی کے خلاف ہونا کسی کام کا اور ناپسند ہونا ایک بیان تو ہے پس لایحب اصل ہو گئی وعید کی بلکہ دوسرے لفظوں

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کو دشمنی ہے اس شخص سے جو متکبر ہے یا مختال ہے یا فخور فخور کیونکہ گو لغت کے اعتبار سے عداوت کی ضد ہے نقیض نہیں لیکن محاورات میں جس پر آیات قرآنیہ مبنی ہیں وہ عداوت کی نقیض ہے لایحب میں محبت کی نفی کر کے اس کی نفی کا اثبات ہے تو یہ کہنا کہاں صحیح رہا کہ اس پر کوئی وعید نہیں آئی کیا عداوت وعید نہیں بلکہ یہ تو وعیدوں کا اصل الاصول ہے اگر کسی ایک معین عذاب کی وعید کا ایک فرد خاص ہوتا اوراس میں تو کسی فرد کو عذاب کی خصوصیت نہیں رہی۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۲۰

ترجمہ: کیا تم نے دیکھا نہیں کہ حق تعالیٰ نے کام میں لگا رکھا ہے تمہارے لئے تمام چیزوں کو جو کچھ کہ آسمانوں میں موجود ہیں اور جو کچھ زمین میں موجود ہیں اور کامل کر دیں تمہارے اوپر اپنی نعمتیں جن میں بعض ظاہری ہیں اور بعض باطنی اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں جدال کرتے ہیں بدوں علم کے اور بدوں ہدایت کے اور بدوں روشن کے۔

تفسیری نکات

منکرین توحید سے شکایت

یہ ایک آیت ہے سورۃ لقمان کی اس میں حق تعالیٰ نے اپنے بعضے دلائل توحید ارشاد فرما کر منکرین توحید کی شکایت کی ہے اور ان کا انکار چونکہ بلا دلیل خلاف دلیل ہے اس لئے اس کو مجادلہ سے تعبیر فرمایا ہے یہ حاصل ہے اس آیت کا لیکن میرا مقصود اس وقت مضمون توحید کو بیان کرنا نہیں ہے کیونکہ یہاں کوئی مخاطب توحید کا منکر نہیں بلکہ مجھ کو علم دین کی ضرورت اور اس کے بعضے انواع کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور یہ مضمون اگرچہ منطوقاً اس آیت کا مدلول نہیں ہے مگر اس سے مفہوم ضرور ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ تقریر استدلال سے واضح ہو جائے گا پس یہ آیت توحید پر تو صراحۃً دلالت کرتی ہے اور علم کی ضرورت اور اس کے اقسام پر اشارۃً دلالت کر رہی ہے اور چونکہ اس وقت ایک علمی مقام میں بیان ہو رہا ہے اور میرا معمول ہمیشہ یہ ہے کہ مناسب محل مضمون بیان کیا کرتا ہوں اس لئے دوسرے مضمون کو جو اشارۃً اس آیت سے مستنبط ہو رہا ہے اختیار کرنے میں ترجیح دی گئی لیکن ربط کے لئے دلیل توحید کو بھی بیان کر دینا مناسب ہے کیونکہ ضرورت علم کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

طرف اس آیت کے دوسرے جزو میں اشارہ ہے اور پہلے جزو میں صرف توحید کی دلیل مذکور ہے تو پوری آیت کی تفسیر اسی وقت سمجھ میں آوے گی جبکہ دونوں اجزاء کو بیان کر دیا جائے مگر پہلے جزو کا بیان محض ربط ہی کے لئے ہوگا اور اصل مقصود علم کے متعلق بیان ہے جو کہ دوسرے جزو میں مذکور ہے۔

اب سمجھنا چاہئے کہ وہ توحید کی دلیل کیا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں الم تروا ان اللہ سخرلکم ما فی السموات وما فی الارض اس میں خطاب ہے عقلاء کو کیا تم نے دیکھا نہیں کہ حق تعالیٰ نے کام میں لگا رکھا ہے تمہارے لئے تمام چیزوں کو جو کچھ کہ آسمانوں میں موجود ہیں اور جو کچھ کہ زمین میں موجود ہیں یہاں سخرلکم کے معنی وہ نہیں ہیں جو اردو محاورہ میں تسخیر کے لفظ سے متبادر ہوتے ہیں اور وہ معنی محل اشکال بھی ہیں لیکن منشاء اس اشکال کا محض خلط محاورہ ہے اور یہ مزلہ (پھسلنے کی جگہ) ہے اہل علم کے لئے بعض علماء بھی محاورات السنہ میں فرق نہیں کرتے اس لئے اس کو قرآن میں اشکالات پیش آ جاتے ہیں لیکن اہل علم کو پھر بھی یہ غلطی واقع ہوتی ہے کیونکہ ان میں اکثر حضرات محاورات و لغات میں فرق جانتے ہیں البتہ ترجمہ دیکھنے والوں کو یہ غلطی زیادہ پیش آتی ہے کیونکہ وہ محض ترجمہ ہی کو دیکھتے ہیں اور لغات عربیہ و محاورات قرآن سے وہ بالکل ناواقف ہوتے ہیں پس یہ لوگ اکثر قرآن کے محاورات کو اپنی زبان کے محاورات پر قیاس کر کے غلطی میں پڑ جاتے ہیں سو ممکن ہے کہ کسی نے سخرلکم کا ترجمہ کسی جگہ یہ دیکھا ہو "مسخر کر دیا تھا تمہارے لئے" پھر اس کو محاورہ اردو عربی میں خلط ہو گیا ہو اور اس نے تسخیر کے لفظ کو اردو محاورہ پر محمول کیا ہو اور دوسرے معنی کی طرف اس کا ذہن بھی نہ گیا ہو کیونکہ اس کے ذہن میں تسخیر کے وہی معنی بسے ہوئے ہیں جو محاورہ اردو میں مستعمل ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ انسان کے ذہن میں جو بات بسی ہوئی ہوتی ہے اسی طرح اس کا ذہن منتقل ہوتا ہے جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت استاذ علیہ الرحمۃ نے دیوبند میں مجھے مسئلہ تصور شیخ کی تحقیق لکھ کر دی تھی کہ اس کو صاف کر دو کسی نے حضرت سے اس مسئلہ کی بابت سوال کیا تھا جس کے جواب میں آپ نے وہ تحقیق لکھی تھی مسئلہ تصور شیخ صوفیہ کا ایک شغل ہے جو زمانہ قدیم میں رائج تھا لیکن اب محققین نے اس شغل سے منع کر دیا ہے کیونکہ اب عقول سے سلامتی رخصت ہوگئی ہے۔ بہت لوگ اس شغل سے غلطی اور گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں باقی اگر کسی سالک کی فہم سلیم ہو تو اب بھی اس کی تعلیم کا مضائقہ نہیں رفع خطرات وحصول یکسوئی کے واسطے یہ شغل بہت نافع ہے غرض میں اس مسئلہ کی نقل لکھ رہا تھا کہ ایک نووارد طالب علم جو اب تک معقول میں منہمک تھے میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا لکھ رہے ہو میں نے کہا کہ تصور شیخ کا مسئلہ لکھ رہا ہوں تو آپ بے ساختہ فرماتے ہیں کہ شیخ بوعلی سینا کا۔ بس اس غریب کے نزدیک وہی ایک شیخ تھا اور تو سب جلاہے ہی تھے سو اس کا منشا یہی تھا کہ معقول پڑھنے کی وجہ سے ان کے ذہن میں شیخ بوعلی سینا ایسا بسا ہوا تھا کہ شیخ کا لفظ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سن کر ادھر ہی شغل ہوتا تھا دوسری طرف ان کا خیال نہ گیا کہ کوئی اور بھی شئے ہوسکتا ہے یہ ایک فطری امر ہے کہ جب علوم میں وسعت نہیں ہوتی تو ہر شخص ہر بات کو اپنے علم ہی پر محمول کرتا ہے یعنی جو بات اس کے ذہن میں بسی ہوئی ہے اسی کی طرف انتقال ذہن ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض ناقص الفہم لوگوں نے صفات الٰہیہ کو اپنی صفات پر قیاس کیا قرآن میں حق تعالیٰ کے لئے وجہ وید وسمع وبصر ورحمت وغضب وغیرہ کا ذکر دیکھ کر بعض لوگ تجسم کے قائل ہو گئے اس کا منشا بھی یہی ہے کہ ان کے ذہن میں صفات بشریہ ہی بسی ہوئی ہیں اس لئے ان الفاظ سے تجسیم کی طرف ان کا ذہن منتقل ہو گیا۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ   چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زوند

(بہتر فرقوں کی جنگ میں تمام کو معذور سمجھو جب ان کو حقیقت کا پتہ نہ چل سکا ڈھکوسلوں کی راہ اختیار کی)

اسی طرح ترجمہ دیکھنے والوں نے تسخیر کا لفظ تعویذ گنڈوں ہی میں سنا ہوگا اس کے سوا اور کسی جگہ اس لفظ کو نہ سنا ہوگا پس قرآن میں سخر لکم کا ترجمہ ''مسخر کر دیا تمہارے واسطے'' دیکھ کر ادھر ہی ذہن منتقل ہوا۔ اب وہ اس معنی کو ذہن میں لے کر علماء کے پاس پہنچے اور اپنے نزدیک بڑا اشکال لے کر آئے کیونکہ تسخیر کے معنی ان کے ذہن میں تابع ومطیع ومنقاد کرنے کے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں ہماری تابع ومطیع نہیں ہیں اگر ہم کو بارش کی ضرورت ہو اور ہم بادل سے کہیں کہ برس جا تو وہ ہمارے کہنے سے کبھی نہ برسے گا علیٰ ہذا القیاس اگر سمندر میں طوفان آ رہا ہو اور ہم ہوا سے یہ کہیں کہ تھم جا تو وہ ہمارے کہنے سے کبھی نہ تھمے گا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمین وآسمان کی تمام چیزیں اسی معنی کے اعتبار سے ہماری مسخر نہیں ہیں۔ اب ان کو قرآن پر اشکال ہوا کہ قرآن میں تو یہ فرمایا ہے کہ تمام چیزوں کو تمہارے واسطے مسخر کیا گیا ہے اور حالت یہ ہے کہ بہت سی چیزیں ہماری تابع ومطیع نہیں ہیں سو بات یہ ہے کہ اس شخص نے تسخیر کا لفظ تو قرآن سے لیا اور معنی اردو محاورہ کے موافق کے لئے اس سے یہ اشکال پیدا کیا اور حالانکہ اس کو چاہیے تھا کہ تسخیر جس زبان کا لفظ ہے اسی زبان کے محاورات کے موافق اس کے معنی لیتا تو یہ اشکال نہ ہوتا۔

سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض

ترجمہ: کام میں لگا دیا ہے تمہارے نفع کے لئے تمام چیزوں کو جو آسمان وزمین میں ہیں۔

تسخیر کا مفہوم

تسخیر سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے تمام عالم کو انسان کے کام میں لگا رکھا ہے اور وہ معنے مراد نہیں جو تسخیر کے لفظ سے محاورہ اردو میں متبادر ہوتے ہیں اور اس کے ضمن میں حق تعالیٰ نے توحید کی دلیل بیان فرمائی ہے اصل مقصود آیت کا توحید ہی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

پس جب اہل عرب صانع کے قائل تھے اور شرک میں مبتلا تھے تو ان کے واسطے دلائل توحید ہی کی ضرورت تھی چنانچہ سارا قرآن دلائل توحید سے بھرا ہوا ہے لیکن وہ دلائل منطقی طرز پر صغری و کبری واحد اوسط وغیرہ سے مرکب نہیں ہیں یہ میں نے اس واسطے کہہ دیا تا کہ کوئی معقولی یہ نہ کہے کہ ہم نے تو سارا قرآن دیکھ لیا ہم کو تو ایک جگہ بھی دلیل عقلی نہیں ملی سو بات یہ ہے کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ قرآن کا طرز دلائل کے بارہ میں استدلال منطقی کے طرز پر نہیں ہے بلکہ اکثر دلائل قرآن کے اقناعی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حقیقت میں بھی اقناعی ہی ہیں بلکہ محض طرز کے اعتبار سے اقناعی ہیں ورنہ حقیقت میں وہ سب دلائل عقلیہ ہیں جو طرز عقلی پر بخوبی منطبق ہو سکتے ہیں بالخصوص دو موقعوں میں تو یہ انطباق بہت ہی ظاہر ہے ایک سورۃ بقرہ کی اس آیت میں ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیابہ الارض بعد موتھا و بث فیھا من کل دآبۃ و تصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لایات لقوم یعقلون (آسمان اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے ہیر پھیر اور کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنا آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو زندہ کر دینا اور اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا ہواؤں کے رخ بدلنا تابع فرمان بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان ادھر ادھر پھرنا عقلمندوں کے لئے قدرت خدا کی نشانیاں ہیں)

اس آیت میں چونکہ لفظ یعقلون موجود ہے جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ دلیل عقل کے مطابق ہے اس لئے مفسرین کو موقع مل گیا کہ انہوں نے طرز عقلی پر اس کا انطباق خوب بیان کیا۔ دوسرا موقع اس آیت میں ہے لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا (اگر ان زمین و آسمان میں چند معبود ہوتے تو البتہ فاسد ہو جاتے)

حاصل اس دلیل عقلی کا یہ ہے کہ یہ اشیاء مذکورہ سب ممکن الوجود ہیں۔ بعض تو بداھۃ (ظاہری) بوجہ مشاہدہ کے کیونکہ بعض کی نسبت ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ وہ پہلے معدوم تھیں پھر موجود ہوئیں اور بعض کے احوال میں تغیر و تبدل کا مشاہدہ ہو رہا ہے اور بعض چیزیں اجزاء سے مرکب ہیں یہ بھی امکان کی علامت ہے اور بعض اشیاء بعض کی محتاج ہیں اور احتیاج بھی ممکن کا خاصہ ہے۔ غرض یہ تمام چیزیں ممکن ہیں اور ممکن کا وجود و عدم چونکہ برابر ہوتا ہے اس لئے وہ کسی مرجح کا محتاج ہے وہ مرجح اگر ممکن ہے تو اس میں پھر یہی کلام ہوگا اور اس کے وجود کے لئے بھی کسی مرجح کی ضرورت ہوگی وعلی ہذا القیاس اور تسلسل محال ہے اس لئے اس کو قطع کرنے کے لئے کسی جگہ یہ ماننا پڑے گا کہ مرجح واجب الوجود ہے (جس کا وجود ضروری اور معدوم ہونا محال ہے وہی اللہ تعالی کی ذات ہے۔ یہ تو دلیل ہے وجود صانع کی اب رہا اس کا واحد ہونا سو اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر نعوذ باللہ واجب الوجود متعدد مثلاً دو مانے جاویں تو آیا ان میں سے کسی کا عاجز ہونا ممکن ہے یا دونوں کا قادر

(c) ketabton.com: The Digital Library

کامل ہونا ضروری شق محال ہے کیونکہ عاجز ہو سکنے والا واجب الوجود نہیں ہو سکتا اور دوسری شق پر یہ سوال ہے کہ اگران میں سے ایک نے کسی کام کا ارادہ کیا مثلاً زید کے موجود کرنے کا تو دوسرا اس کے خلاف کا ارادہ کر سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں کر سکتا تو اس کا عاجز ہونا لازم آئے گا جو کہ وجوب وجود کے منافی ہے اور اگر خلاف کا ارادہ کر سکتا ہے تو اس کے ارادہ پر مراد کا مرتب ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر ضروری نہیں تو قادر مطلق کے ارادہ سے مراد کا تخلف لازم آئے گا جو کہ محال ہے اور اگر ضروری ہے تو دو مختلف مرادوں کا اجتماع لازم آوے گا کیونکہ ایک واجب کے ارادہ پر اس کی مراد یعنی زید کا وجود مرتب ہوگا اور دوسرے کے ارادہ پر اس کی مراد جو کہ پہلے کی ضد ہے یعنی زید کا عدم مرتب ہوگا اس صورت میں اجتماع ضدین لازم آوے گا جو کہ محال ہے پس واجب الوجود کا متعدد ہونا ہی محال ہے پس ثابت ہو گیا کہ واجب الوجود ہمیشہ واحد ہی ہوگا اور یہی مقصود ہے خوب سمجھ لو اس جگہ ایک بات خاص طور پر سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ اس طرز استدلال سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ توحید کی دلیل کے لئے مطلقاً کسی مصنوع کا بیان کر دینا کافی تھا مگر حق تعالیٰ نے ان مقامات پر خصوصیت کے ساتھ ان چیزوں کا بیان فرمایا ہے جو علاوہ مخلوق و مصنوع ہونے کے ہمارے حق میں نعمت بھی ہیں جس سے حاصل یہ ہوا کہ عبادت جس کی فرد اعظم توحید ہے اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ خدا کے سوا صانع وخالق کوئی نہیں اور اس لئے بھی ضروری ہے کہ منعم بھی حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں گویا اس طرح دلیل عقلی کے ساتھ ایک داعی طبعی بھی بیان فرمادیا کیونکہ منعم کے احسان کا ماننا اور اس کا شکر ادا کرنا انسان کا طبعی امر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر عقلی دلیل سے متاثر نہیں ہوتے تو خدا تعالیٰ کے انعامات پر نظر کر کے طبعی مؤثر سے تو متاثر ہونا چاہیے۔

واسبغ علیکم نعمه ظاهرةً و باطنة

ترجمہ: اور کامل کر دی تمہارے اوپر اپنی نعمتیں جن میں بعض ظاہری ہیں اور بعض باطنی ہیں۔

نعمت کی دو قسمیں ظاہرہ و باطنہ

اس میں نعمت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں نعمت ظاہرہ وہ ہے جو حواس ظاہرہ یا باطنہ سے محسوس ہو اور نعمت باطنہ وہ ہے جو عقل سے معلوم ہو یا جو حواس ظاہرہ سے محسوس ہو وہ ظاہرہ ہے اور جو حواس باطنہ و عقل سے معلوم ہو وہ باطنہ ہے بہر حال اس میں نعمتوں کا اجمالاً پوری طرح احاطہ کر دیا گیا اور یہ بھی حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ انہوں نے نعمت کی تقسیم ظاہر فرمادیں ورنہ نعم باطنہ (باطنی نعمتوں) کی طرف بہت کم لوگوں کی نظر جاتی کیونکہ اس تقسیم کے بعد بھی بہت لوگ ایسے ہیں جو نعم باطنہ کو نعمت ہی نہیں سمجھتے اور جو لوگ نعمت سمجھتے ہیں وہ نعم ظاہرہ کی برابر ان کی قدر نہیں کرتے۔

چنانچہ نعمت باطنہ یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو اپنی معرفت عطا فرمائی جس کا فرد اعظم اسلام ہے۔

اب ذرا انصاف سے بتلایئے کہ اتنے بڑے مجمع میں سے ایسے لوگ کتنے ہیں جنہوں نے کبھی زبان سے یوں

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہا ہو کہ اے اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہم کو اسلام کی دولت عطا فرمائی۔ ایسے لوگ بہت کم نکلیں گے۔ اسی طرح علم اور حب فی اللہ۔ بغض فی اللہ۔ توکل و رضا وغیرہ یہ سب نعم باطن ہیں ان پر شکر بہت کم لوگ کرتے ہیں اور یہ حال تو اس پر ہے کہ حق تعالیٰ نے نعم باطنہ کی طرف متوجہ بھی فرمایا ہے اور اگر وہ نعمت کی تقسیم نہ فرماتے تو شاید کوئی بھی ان کی طرف توجہ نہ کرتا۔ الامن شاء اللہ (مگر جس کو اللہ چاہے) اور ایک بہت بڑی فہرست نعمتوں کی ہماری نظر سے غائب ہو جاتی چنانچہ خود عقل بھی ایک نعمت ہے جو کہ ایک نور کا نام ہے جو انسان کو حق تعالیٰ عطا فرماتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مدرک کلیات ہے اور یہ بھی نعم باطنہ میں داخل ہے۔

آگے حق تعالیٰ منکرین توحید کی شکایت فرماتے ہیں ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتب منیر یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جدال کرتے ہیں یجادل فی اللہ (اللہ تعالیٰ کے بارے میں جدال کرتے ہیں) سے مراد یجادل فی توحید اللہ (اللہ تعالیٰ کی توحید کے بارے میں جدال کرتے ہیں) مضاف مقدر ہے یعنی خدا کی توحید میں جھگڑا کرتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں اور ان دلائل بینہ میں غور نہیں کرتے اس آیت میں منکرین توحید کی متعدد مذمتیں مذکور ہیں۔

جدال کی دو قسمیں

چنانچہ اول تو جدال ہی فی نفسہ مذموم ہے کیونکہ ہر چند کہ بظاہر جدال کی دو قسمیں ہیں ایک جدال بحق ہے ایک جدال بالباطل جیسا کہ جادلھم بالتی ھی احسن (ان سے احسن طریقہ سے خوش اسلوبی کے ساتھ جدال بحق کرو) سے معلوم ہوتا ہے کہ جدال کا اطلاق جدال بحق پر بھی ہوتا ہے لیکن قرآن کے تتبع سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں جدال اور جدل کا اطلاق اکثر جدال بالباطل پر ہی ہوتا ہے یہ بات سارے قرآن کو دیکھ کر بھی نہ ٹوٹے گی اور جہاں جدال بالحق پر جدال کا اطلاق آیا ہے وہ اطلاق صورت جدال پر مشاکلۃ ہے کیونکہ خواہ جدال بالحق ہو یا بالباطل صورت دونوں کی ایک سی ہوتی ہے جیسا مشاکلۃ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا (برائی کا بدلہ برائی ہے مثل اس کے) فرمایا گیا کیونکہ صورۃً دونوں یکساں ہوتے ہیں۔

فضائل علم

یہ آیت جو میں نے اس وقت پڑھی ہے قابل سبق لینے کے ہے اس میں حق تعالیٰ نے جدال بالباطل کی مذمت عجیب طرز سے بیان فرمائی ہے جس سے علم کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے فرماتے ہیں ومن الناس من یجادل فی اللہ یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو مجادلہ کرتے ہیں اللہ کے بارے میں یعنی خدا کی ذات و صفات و احکام میں جن میں توحید اعلیٰ فرد ہے اور بقیہ احکام اس کے بعد ہیں سب میں جدال کرنا جدال فی اللہ ہے گو

(c) ketabton.com: The Digital Library

درجات متفاوت ہیں اور جدال تو خود ہی مذموم ہے پھر جدال فی اللہ تو سب سے زیادہ مذموم ہے آگے فرماتے ہیں بغیر علم ولاھدی ولا کتب منیر یعنی مجادلہ کرتے ہیں ذات وصفات واحکام الٰہی میں بدوں علم کے اور بدوں ہدایت کے اور بدوں روشن کتاب کے اب یہاں یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ یہ قیود احتراز یہ نہیں ہیں کیونکہ جدال فی اللہ کی جو کہ مذموم ہی ہوگا دو قسمیں نہیں ہوسکتیں کہ ایک وہ جو علم وہدایت اور کتاب کے ساتھ ہو دوسرے وہ جو ان کے بغیر ہو بلکہ جدال بالباطل جب ہوگا ان تینوں کے بغیر ہی ہوگا معلوم ہوا کہ یہ قیود واقعیہ ہیں مطلب یہ ہوا کہ جدال فی اللہ یعنی جدال بالباطل کا سبب ان ہدایت وکتاب منیر کا حاصل نہ ہونا ہے پھر اسی کے ساتھ ایک بات اس جگہ یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ علم سے مراد جس میں ہدایت وکتاب منیر بھی داخل ہے مطلق علم نہیں کیونکہ جدال بالباطل کے ساتھ مطلق علم کا اجتماع تو ممکن اور مشاہد ہے بلکہ یہاں وہ علم مراد ہونا چاہیے جو کہ جدال بالباطل کے ساتھ جمع نہ ہوسکے پس یہاں علم سے خاص علم یعنی صحیح ونافع مراد ہے۔

اب یہاں سے علم کی فضیلت معلوم ہوئی کہ علم صحیح ونافع کیسی قدر کی چیز ہے کہ جدال بالباطل اس کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا اور جو شخص علم صحیح ونافع سے محروم ہے وہ جدال بالباطل جدال فی اللہ میں جو کہ جدال بالباطل کا اعلیٰ فرد ہے پھنس جاتا ہے اور جدال بالباطل کا مذموم ہونا سب کو مسلم ہے تو جس چیز پر اس سے بچنا موقوف ہے اس کی ضرورت کا انکار نہیں ہوسکتا لہٰذا یہ مسئلہ ثابت ہوگیا کہ علم نافع وعلم صحیح کی سخت ضرورت ہے اور یہاں سے ایک بات اور بھی معلوم ہوگئی کہ جب جدال بالباطل علم صحیح کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا تو جو لوگ باوجود علم صحیح و ہدایت وکتاب منیر کے حاصل کرنے کے پھر جدال بالباطل میں مبتلا رہتے ہیں یا تو انہوں نے ان تینوں کو سمجھ کر حاصل نہیں کیا یا اگر سمجھ کر حاصل کیا ہے تو جدال کے وقت جان بوجھ کر ان سے اعراض کرلیا ہے ورنہ اگر وہ ہر وقت ان تینوں پر نظر رکھتے اور پوری طرح عمل کرتے اور کسی وقت کسی مسئلہ میں ان سے اعراض نہ کرتے تو وہ ہرگز جدال بالباطل میں مبتلا نہ ہوتے خوب سمجھ لو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الأَحْزَاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے

تفسیری نکات

ایک شخص میں دو دل ممکن ہیں یا نہیں

فرمایا کہ امریکہ سے ایک شخص نے اشتہار دیا کہ میرے دو دل ہیں اکثر لوگوں نے اس کا انکار کیا اور تمام عالم میں ایک شور مچ گیا اور لوگوں نے سوالات کر کے بھیجے فضلا شیعہ میں سے بھی ایک صاحب نے جو علم طب اور ہیئت وریاضی سے واقف تھے اس کے رد میں ایک طویل تقریر اس دعوے کی تکذیب میں لکھی اور اس کو طبع کرایا میں نے بھی اس کو دیکھا مگر مجھے پسند نہیں آئی کیونکہ محض دلائل طبیہ سے اس کی نفی یا عدم امکان ثابت نہیں ہوسکتا میرے پاس بھی اس کے متعلق سوال آیا تھا میں نے اس کے دو جواب لکھے ایک تو ظاہر نظر میں نہایت وقیع تھا منشاء شبہ کا یہ تھا کہ قرآن مجید میں ہے **ماجعل الله لرجل من قلبين في جوفه** تو یہ دعویٰ اس آیت کے خلاف ہے جواب اول تو یہ تھا کہ کلام اللہ میں لفظ ماضی سے ارشاد فرمایا ہے مراد یہ ہے کہ زمان نزول وحی تک ایسا نہیں ہوا تھا اس سے مستقبل میں نفی لازم نہیں آتی دوسرا جواب کہ وہی باوقعت جواب ہے یہ ہے کہ کلام اللہ میں بطور مثال کے فرمایا ہے زید بن حارثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنی کی زوجہ کے قصے میں مقصود یہ ہے کہ نبوت اور عدم نبوت دونوں وصف جمع نہیں ہوسکتے جیسے ایک شخص کے دو دل نہیں ہوسکتے اور تمام مثالوں میں اکثریت کا اعتبار ہوتا ہے اس میں کلیت ضروری نہیں اور فرمایا کہ یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اور تکذیب واقعہ کی بلاضرورت اور رد و انکار میرے نزدیک مشکل غیر صحیح ہے اس واسطے کہ اول تو ممکن ہے کہ ان دلائل تکذیب کا کوئی اس سے اقویٰ دلیل سے رد کرے دوسرے دلائل اس شخص کے مقابلہ میں کافی نہیں ہیں جس نے مشاہدہ کیا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ماجعل الله لرجل من قلبین فی جوفه یعنی خداتعالیٰ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہیں بنائے۔

اس کا جواب ایک تو یہی ہے کہ اہل اخبار کی خبر کا اعتبار ہی کیا کسی نے اس کے پیٹ کو چیر کر تو نہیں دیکھا محض قیاس اور گمان سے یہ حکم لگادیا ہے کہ اس شخص کے دو دل ہیں سو ممکن ہے کہ اس شخص کا دل بہت قوی ہو اس لئے دو دل ہونے کا شبہ ہو گیا ہو یہ جواب تو بطور منع کے ہے اور بعد تسلیم کے جواب یہ ہے کہ قرآن میں ماجعل صیغہ ماضی کا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت تک خدا نے کسی کے دو دل نہیں بنائے اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ آئندہ بھی کسی کے دو دل نہ بنائیں گے پس اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تب بھی قرآن پر کوئی اشکال نہیں۔

اخبار میں شائع ہوا کہ امریکہ میں ایک شخص کے دو دل ہیں اور اخباروں کو آج کل ایسا سمجھتے ہیں جیسے وحی آسمانی چاہئے تو یہ تھا کہ اس خبر میں اشکال کیا جاتا مگر وہ اخباری خبر تھی غلط کیسے ہو سکتی تھی بعض مسلمانوں کو اس خبر سے قرآن پر اشکال ہو گیا کہ قرآن میں جو آ گیا ہے

ماجعل الله لرجل من قلبین فی جوفه ''کہ حق تعالیٰ نے کسی آدمی کے دو دل نہیں بنائے''

ترجمہ: اے نبی آپ اپنی بیبیوں سے فرمادیں کہ اگر تم دنیوی زندگی کا عیش اور اس کی بہاریں چاہتی ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فطانت

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو سب سے پہلے حضور نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہ آیات سنائیں اور فرمایا جواب میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور کو یہ خیال ہوا کہ عائشہؓ کم سن بچی ہیں اور بچپن میں دنیا کی حرص ہونا کچھ بعید نہیں تو ایسا نہ ہو یہ جلدی سے دنیا کو اختیار کر لیں۔ اس لئے فرمایا کہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا کیونکہ ان کے متعلق آپ کو اطمینان تھا کہ وہ حضور سے مفارقت کی رائے کبھی نہ دیں گے مگر حضرت عائشہؓ نے آیات تخییر کو سن کر فوراً جواب دیا

الفی هذا استامر ابوی کیا اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی۔

قد اخترت الله ورسوله والدار الاخرة میں نے اللہ و رسول ﷺ کو اختیار کیا اور دار آخرت کو۔

ان کے اس جواب سے حضور ﷺ کو بہت مسرت ہوئی کیونکہ آپ کو ان سے بہت محبت تھی۔

عشق و محبت

احادیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے حضور کا نکاح اس وقت ہوا تھا جب کہ یہ چھ سال کی تھیں اور حضورؐ کے گھر میں جس وقت آئی تھیں اس وقت ان کی عمر نو سال کی تھی ظاہر ہے کہ نو سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے ہندوستان میں تو نو سال کی لڑکی شوہر کے پاس جانے کے اور گھرداری کے قابل نہیں ہو سکتی مگر عرب میں نشو و نما

(c) ketabton.com: The Digital Library

اچھا ہوتا ہے وہاں نوسال کی لڑکیاں اٹھان (نشوونما) میں اچھی ہوتی ہیں اس لئے حضرت عائشہؓ نوسال کی عمر میں حضورؐ کے گھر آ گئی تھیں مگر اس عمر میں بچپن کی باتیں تو ہوتی ہی ہیں نشوونما اچھا ہونے سے بچپن تو زائل نہیں ہو جاتا تو اس عمر میں اگر مال ومتاع دنیا کی زیادہ حرص ہو تو کچھ تعجب نہیں۔ بچوں کو زیور گہنے کی حرص ہوتی ہے۔

مگر حضرت عائشہؓ باوجود اس کم سنی کے بڑی بڑی عورتوں سے عقل وفہم وادب میں کم نہ تھیں۔ بلکہ سب سے بڑھی ہوئی تھیں بڑے بڑے صحابہ ان سے مشکل مسائل میں رجوع کرتے تھے اور ان کی فہم وسلامت رائے معلوم کرتے تھے اسی عقل وفہم کا یہ اثر تھا کہ نوسال کی عمر میں بھی ان کے اندر بچیوں کی سی حرص وطمع نہ تھی بلکہ دانا عورتوں کی طرح استغناء کی شان تھی۔

بڑی بات یہ تھی کہ جیسے حضورؐ کو ان سے محبت تھی وہ بھی حضورؐ کی عاشق تھیں چنانچہ یہ جواب دے کر عرض کرتی ہیں کہ یارسول اللہ میری ایک درخواست ہے فرمایا وہ کیا؟ کہا وہ یہ کہ آپ میرے اس جواب کو دوسری ازواج سے بیان نہ فرمایئے گا مطلب یہ تھا کہ کہیں میرا جواب سن کر میری تقلید میں سب یہی کہہ دیں اور وہ چاہتی یہ تھیں کہ سب اپنی اپنی رائے سے جواب دیں تو اچھا ہے ممکن ہے کسی کی رائے دینا لینے ہی کی ہو تو وہ الگ ہو جاوے اور رقیبوں کی تعداد کچھ کم ہو جائے مگر حضورؐ نے اس درخواست کو منظور نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے گی کہ عائشہؓ نے کیا جواب دیا تو میں بتلا دوں گا۔ ہاں بدوں پوچھے مجھے بتلانے کی ضرورت نہیں۔

تو حضرت عائشہؓ کی اس درخواست سے ان کی محبت کا رنگ معلوم ہو گیا کہ وہ یوں چاہتی تھیں کہ حضور میں جو اتنے شریک ہیں وہ کم ہو جاویں تو اچھا ہے اور اس میں دوسروں کے ساتھ برائی کا قصد نہ تھا بلکہ اپنے لئے بھلائی کا قصد تھا کہ حضور تنہا میرے ہی لئے ہوں اور اس تمنا میں عاشق معذور ہوتا ہے ایک رنگ تو یہ تھا۔

ایک رنگ یہ تھا کہ حضرت ام حبیبہؓ نے ایک دفعہ حضورؐ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ میری بہن سے شادی کر لیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تم کو یہ گوارا ہے؟ انہوں نے کہا یارسول اللہ میں آپ کے پاس اکیلی تو ہوں نہیں بلکہ اب بھی میرے شریک بہت ہیں تو اگر اس خیر میں میری بہن شریک ہو جائے تو اس سے بہتر کیا ہے غیروں کی شرکت سے بہن کی شرکت تو بھلا ہوں ہے حضورؐ نے فرمایا کہ یہ میرے واسطے حلال نہیں۔

عشق کا ایک رنگ یہ بھی ہے جو حضرت ام حبیبہ میں تھا کیونکہ وہ بہن کا سوکن ہونا محض اس لئے گوارا کرتی تھیں کہ میری بہن کو بھی حضورؐ سے خاص تعلق ہو جائے جو اس کے لئے سعادت آخرت کا سبب ہو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ آپ کے تعلق کی کتنی قدردان تھیں۔

بہر حال جب یہ آیت تخییر نازل ہوئی تو سب ازواج نے حضور ہی کو اختیار کیا دنیا کو کسی نے بھی اختیار نہیں کیا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس درجہ کی محبت تھی کہ فقر وفاقہ اور تنگی میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

رہنا منظور تھا مگر حضور سے علیحدگی منظور نہ تھی۔ چنانچہ اس محبت ہی کی وجہ سے ان کو حق تعالیٰ نے جہنم وغیرہ کی دھمکی نہیں دی بلکہ صرف اس سے ڈرایا کہ دیکھو کبھی تم کو حضور اپنے سے علیحدہ نہ کردیں اور تم یہ نہ سمجھنا کہ اگر ہم کو الگ کردیا تو ہم سے بہتر بیبیاں کہاں سے ملیں گی خوب سمجھ لو کہ اگر حضورؐ نے تم کو طلاق دے دی تو حق تعالیٰ قادر ہیں کہ وہ تم سے بہتر بیبیاں حضور ﷺ کو دے دیں عسى ربه ان طلقكن ان يبدله ازواجا خيراً منكن یہ تو اجمالاً ان کی خیریت کا ذکر تھا آگے اس خیریت کی تفصیل ہے کہ وہ بیبیاں کیسی ہوں گی۔

نقشبندیہ اور چشتیہ کے الوان میں مناسبت

فرمایا اہل علم کو مضامین علمیہ میں وہ لذت آتی ہے کہ کسی چیز میں نہیں آتی جب کوئی نیا علم حاصل ہوتا ہے تو واللہ سلطنت ہفت اقلیم اس کے سامنے گرد معلوم ہوتی ہے جبھی تو کہتے ہیں

تابدانی ہر کرا یزداں بخواند   از ہمہ کار جہاں بے کار ماند

یقیناً جس کو حق تعالیٰ اپنا خواص بناتے ہیں تمام دنیا کے کاموں سے بے کار فرمادیتے ہیں مگر

نکما ہوا مگر تو مجذوب کیا غم   بڑی کارآمد یہ بیکاریاں ہیں

(اسی ضمن میں فرمایا) ويسقون فيها كاسا كان مزاجها زنجبيلا (۱)

اس کے متعلق میرے قلب پر یہ لطیفہ وارد ہوا کہ یہ محبت کی دو نسبتوں کا لون ہے کافور بارد المزاج ہے اور زنجبیل کو نسبت شوق سے مشابہت ہے کیونکہ شراب زنجبیل آمیز اس لون محبت کی صورت ہے کیونکہ زنجبیل حار المزاج ہے اور شوق میں حرارت والتہاب ہوتا ہے لہٰذا یہ اس کے مناسب ہے جیسا کہ نسبت انس میں برودو خمود و سکون ہوتا ہے اور کافور اس کے مناسب ہے پس نقشبندیہ کو وہاں شراب کافور زیادہ ملے گی اور چشتیہ کو شراب زنجبیل زیادہ۔

اور دیکھئے جیسے یہاں نسبت سکون اور نسبت عشق کے آثار مختلف ہیں اسی طرح وہاں بھی دونوں کے ساتھ مختلف معاملہ ہوگا چونکہ نسبت سکون میں غلبہ صحو بھی ہوتا ہے اور اسمیں اختیار اور ارادہ فنا نہیں ہوتا تو ان کے واسطے فرمایا گیا يشربون من كاس كان مزاجها كافورا کہ وہ خود جام شراب پئیں گے جس کا مزاج کافور ہوگا اور نسبت عشق میں اختیار و ارادہ باقی نہیں رہتا تو ان کے متعلق ارشاد ہے ويسقون فيها كاسا كان مزاجها زنجبيلا یہ وہاں بھی خود نہیں پئیں گے بلکہ دوسرے ہی لاکر ان کو پلائیں گے کہ وہاں بھی مستی ہی میں رہیں گے کیونکہ يشربون اور يسقون میں جو فرق ہے وہ اہل ذوق پر مخفی نہیں۔

میں پھر کہتا ہوں کہ میں نے اس کو تفسیر کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ اعتبار کے طور پر اہل لطافت کے مناسب یہ لطیفہ بیان کیا ہے کہ کافور و زنجبیل کو ان دونوں نسبتوں کے رنگ سے مناسبت ہے اور جیسے کافور و زنجبیل جنت میں شراب کے ساتھ ملائے جائیں گے جس سے شراب کا اصل اور ان کا فرع ہونا ظاہر ہو رہا ہے اسی طرح یہاں بھی اصل مقصود محبت (الٰہی) دونوں میں مشترک ہے اور محروم کوئی بھی نہیں (السرق والرحیق ص ۳۵۷، ۳۸۱، ۳۸۲)

(c) ketabton.com: The Digital Library

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

ترجمہ: اے نبی کی بیویو جو کوئی تم میں کھلی ہوئی بے ہودگی کرے گی اس کو دوہری سزا دی جائے گی اور یہ بات اللہ کو آسان ہے۔

تفسیری نکات

نبی کی بیبیوں سے زنا کا صدور نہیں ہوتا

فاحشہ کی تفسیر جاننے سے پہلے سننے والے کا ذہن شاید اس طرف منتقل ہو کر فاحشہ سے مراد نعوذ باللہ زنا ہو یاد رکھو انبیاء علیہم السلام کی بیبیوں میں اس کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے الطیبات للطیبین نبی خود پاک ہوتے ہیں ان کے لئے بیبیاں بھی پاک ہی تجویز کی جاتی ہیں۔ ہاں کسی کسی نبی کی بیبیوں سے کفر ہوا ہے۔ مگر زنا کا صدور ان سے نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس سے منصب نبوت میں خلل ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انبیاء جس قدر ہوئے ہیں صاحب جاہ ہوئے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے سب معزز خاندان سے ہوئے ہیں اور حکمت اس میں یہ ہے کہ جو اثر خاندانی آدمی کا قوم پر ہوتا ہے وہ دوسرے کا نہیں ہو سکتا اور اس کے اتباع سے کسی کو عار نہیں ہوتا اور اگر کسی آدمی کی بیوی زانیہ ہو تو اس سے جاہ میں قدح ہوتا ہے اور اگر نماز نہ پڑھے یا کفر کرے تو اس کو عرفاً بے عزتی کا سبب قرار نہیں دیا جاتا اس لئے فاحشہ سے مراد زنا تو ہو نہیں سکتا بلکہ فاحشہ مبینہ سے مراد ایذا رسانی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لئے کہ قصہ اسکے نزول کا یہ ہوا تھا کہ ازواج مطہرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خرچ مانگا تھا چنانچہ اول آیتوں میں اس کی تصریح بھی ہے ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی اور اگر فاحشہ سے مراد زنا ہوتا تو اس کے مقابلہ میں آگے عفت کا ذکر ہوتا ہے حالانکہ اس کے مقابلہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے ومن یقنت منکن للہ ورسولہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کو بے حیائی اس لئے فرمایا کہ ایسے محسن کو تکلیف پہنچانا بے حیائی ہی ہے اس واسطے کہ جس کے حقوق کے بہت سے مقتضی موجود ہوں اس کے حقوق کو ضائع کرنا بے حیائی ہے پس جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کے بہت سے مقتضیات موجود تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا بے حیائی ہوئی اور یہاں سے یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے گناہ (نافرمانی) تو بطریق اولیٰ بے حیائی میں داخل ہوں گے پس ثابت ہو گیا کہ ہر گناہ بے حیائی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کا اطلاق ان گناہوں پر زیادہ آتا ہے جس کو آدمی چھپاتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

ترجمہ: اے نبی کی بیبیو تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو۔ تو تم (نامحرم مرد سے) بولنے میں (جبکہ بضرورت بولنا پڑے) نزاکت مت کرو (اس سے) ایسے شخص کو (طبعًا) خیال (فاسد) پیدا ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ (عفت) کے موافق بات کہو۔

تفسیری نکات

ازواج مطہراتؓ کی فضیلت کا سبب

اور آیت یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ آیت عسیٰ ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجاً خیراً منکن مسلمات مؤمنات قانتات ۔ الآیۃ اس کے معارض ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کی مثل بلکہ ان سے بہتر دوسری عورتیں ہوسکتی ہیں۔ جبھی تک یہ ارشاد فرمایا گیا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو طلاق دے دیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر عورتیں دے دیں گے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ ازواج مطہرات کی فضیلت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہنے ہی کی وجہ سے ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دے دیتے اور دوسری بیبیوں سے نکاح کر لیتے تو آپ کے نکاح کی وجہ سے اب وہ ان سے افضل ہو جاتیں۔

عورت کی تہذیب

دیکھئے اس آیت کے مخاطب وہ عورتیں ہیں جو مسلمانوں کی مائیں تھیں یعنی ازواج مطہرات ان کی طرف کسی کی بری نیت جا ہی نہیں سکتی تھی مگر ان کے لئے بھی یہ سخت انتظام کیا گیا تو دوسری عورتیں تو کس شمار میں ہیں۔ چنانچہ اس کے شروع میں ہی یہ لفظ موجود ہے لستن کاحد من النساء یعنی تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو بلکہ اوروں سے افضل ہو۔ پھر بھی فرماتے ہیں کہ مردوں کے ساتھ نرم لہجے سے بات مت کرو۔ جب بات کرنا ہو تو خشک لہجہ سے کرو جس سے مخاطب یہ سمجھے کہ بڑی کھری اور تری اور تلخ مزاج ہے تاکہ لاحول ہی پڑھ کر چلا جائے نہ یہ کہ نرمی سے گفتگو کرو کہ میں آپ کی محبت کا شکریہ ادا کرتی ہوں مجھے جناب کے الطاف کریمانہ کا خاص احساس ہے۔ جیسا کہ آج کل کے رسالوں میں عورتوں کے مضامین نکلتے ہیں۔ یہ مضامین زہر قاتل ہیں آفت ہیں طرح طرح کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

مفاسد اس پر مرتب ہوتے ہیں بعض لوگ اس پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ صاحب بتلایئے کہ کیا فساد ہو رہا ہے ہم کو تو نظر نہیں آتا۔ میں کہتا ہوں کہ اول تو فساد موجود ہے اور اگر تم کو نظر نہیں آتا تو ممکن ہے کہ بہت قریب آگے چل کر یہ لہجہ کچھ رنگ لاوے گا اس وقت سب کو معلوم ہوگا اور مجھ کو اس وقت معلوم ہو رہا ہے جیسے کہا گیا ہے

من ازاں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم　　　　کہ عشق از پردہ عصمت بروں آرد زلیخا را

اہل نظر شروع ہی میں کھٹک جاتے ہیں کہ یہ چیز کس وقت میں رنگ لائے گی اور اس کی دلیل بھی خود اس آیت ہی میں موجود ہے کہ فلا تخضعن بالقول کے بعد ہی بطور نتیجہ فرماتے ہیں فیطمع الذی فی قلبه مرض کہ اگر خضوع فی القول یعنی نرم لہجہ سے بات کی گئی تو جس کے دل میں روگ ہے اس کے دل میں لالچ پیدا ہوگا اور وہ لہجہ کی نرمی سے سمجھ لے گا کہ یہاں قابو چل سکتا ہے پھر وہ اس کی تدبیریں اختیار کرے گا دیکھئے خود حق تعالیٰ لہجہ کی نرمی کا یہ اثر بتا رہے ہیں پھر کسی کی کیا مجال ہے کہ اس اثر کا انکار کرے میں اپنی طرف سے تو نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ الفاظ قرآنی صاف بتاتے ہیں عورتوں کا مردوں سے نرم گفتگو کرنا یہ اثر رکھتا ہے کہ ان کے دلوں میں طمع پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد یہ حکم بھی ہے وقلن قولاً معروفاً جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب بات کرو بھی تو ایسی بات کرو جس کو شریعت میں اچھا مانا گیا ہو۔ ایک تو یہ کہ بے ضرورت الفاظ مت بڑھاؤ کیونکہ شریعت اس کو کسی کے لئے پسند نہیں کرتی۔ شریعت نے کم بولنے ہی کو پسند کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر بات کو سوچ کر کہو کوئی بات گناہ کی منہ سے نہ نکل جاوے مختصر ترجمہ معروف کا معقول ہے تو یہ معنی ہوئے کہ معقول بات کہو معقول بات وہی ہوتی ہے جس سے کوئی برا نتیجہ پیدا نہ ہو جب ثابت ہو چکا کہ لہجہ کی نرمی سے بھی عورتوں کے لئے برا نتیجہ پیدا ہوتا ہے تو محبت پیار کی باتوں سے کیوں برا نتیجہ پیدا نہ ہوگا جس کو آج کل تہذیب میں داخل سمجھا گیا ہے تو اس قسم کی باتیں عورتوں کے لئے معقول نہیں بلکہ نامعقول ہیں اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایک بات اس کے لئے معقول ہو اور دوسرے کے لئے نامعقول ایک کے لئے سختی سے بات کرنا اور بے رخی سے جواب دینا معقول ہو سکتا ہے اور دوسرے کے لئے نامعقول تمہارے لئے یعنی مردوں کے واسطے باہمی کلام کا معقول طریقہ یہ ہے کہ نرمی سے بات کرو کسی کو سخت جواب نہ دو روکھا پن نہ برتو۔ اور عورتوں کے لئے معقول طریقہ یہ ہے کہ اجنبی کے ساتھ نرمی سے بات نہ کریں اور سختی سے جواب دیں اور روکھا برتاؤ کریں۔

اور قوت وہ ہے جس سے بقدر کفایت گزر ہو جاوے کچھ فاضل نہ ہو اور اس میں شک نہیں۔

ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں داخل ہیں

ازواج مطہرات بھی آل محمدؐ میں داخل ہیں۔ اس لئے یہ دعا ان کو بھی شامل تھی اور اسی طرح ذریت بھی داخل ہیں بلکہ اصل مقتضائے لغت یہ ہے کہ ازواج تو آل محمدؐ میں اصالۃً داخل ہوں اور ذریت طبعاً داخل ہو کیونکہ آل کہتے ہیں اہل بیت کو یعنی گھر والوں کو اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے۔ پس یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ ذریت تو آل میں داخل ہوں اور ازواج داخل نہ ہوں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علی و فاطمہ حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنی عباء میں داخل فرما کر فرمایا۔

اللھم ھؤلاء اھل بیتی کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

اس سے بعض عقل مندوں نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت میں سے ہیں۔ ان کو بھی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا کی فضیلت میں داخل کر لیا جائے۔ یہاں حصر مقصود نہیں بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات اہل بیت نہیں ہیں اور یہ جو اس حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ جب حضورؐ نے ان حضرات کو عباء میں داخل فرما کر یہ دعا کی تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ان کے ساتھ شامل فرما لیجئے تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ تم کو عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں تم پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو دوسرے حضرت علی حضرت ام سلمہؓ سے اجنبی تھے۔ ان کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ کو عباء میں کیونکر داخل کیا جا سکتا تھا۔ یہ تو اشکالات کا جواب تھا۔

اصل مدعا کے لئے دلیل اول تو لغت ہے کہ آل محمدؐ میں ازواج اولاً داخل ہیں۔

دوسرے قرآن کا محاورہ یہی ہے حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں جب کہ ملائکہ نے ان کو ولد کی بشارت دی اور حضرت سارہ کو اس بشارت پر تعجب ہوا ملائکہ کی طرف سے یہ قول نقل فرمایا ہے۔

قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید. (نسوان فی القرآن)

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

ترجمہ: اسلام والے مرد اور اسلام والی عورتیں اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے

(c) ketabton.com: The Digital Library

مرداور صبر کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرداور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرداور روزہ دار عورتیں اور تھامنے والے مرداپنی شہوت کی جگہ اور تھامنے والی عورتیں اور یاد کرنے والے مرداللہ کو بہت اور یاد کرنے والی عورتیں تیار کی ہے خداوند تعالیٰ نے ان سب مردوں وعورتوں کے لئے مغفرت اوراجر بڑا۔

اسلام اور ایمان ایک ہی چیز ہے

اسلام اور ایمان ایک ہی چیز ہے مگر ہر عمل کے دو درجے ہوتے ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ اسی طرح اسلام زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے اوراس کا دل سے ماننا یہ ایمان ہے تو اسلام اقرار ہوا اور ایمان تصدیق قلبی یہ تو سب سے مقدم شرط ہے کہ اقرار توحید ورسالت زبان سے کرے اور دل میں اسکی تصدیق ہو کیونکہ یہ اصول میں سے ہے البتہ اعمال میں آج کل کوتاہیاں کی جارہی ہیں اس کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ نے ایک بڑی فہرست ہم کو بتلادی ہے اس کو کہاں حذف کردیا گیا۔

عورتوں کو بھی فرماتے ہیں والقانتات (اور تواضع کرنے والی عورتیں) عورتوں کو تواضع حاصل کرنے میں زیادہ کوشش کرنی چاہئے کیونکہ کمزور کا تکبر اور بھی زیادہ برا ہے۔

آگے فرماتے ہیں والصدقین والصدقات اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں۔ یہ بھی آج کل بہت بڑا مرض لوگوں میں ہوگیا ہے کہ بات بات میں جھوٹ بولتے ہیں اور اگر کبھی سچ بھی کہیں گے تو کسی قدر نمک مرچ لگا کر خصوصاً اگر کوئی عجیب مضمون ہو تو اس پر تو جب تک حاشیہ نہ لگادیں اس وقت تک چین نہیں آتا۔ مگر یہ بہت بڑا مرض ہے اس سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جھوٹ بولتے بولتے انسان کے یہاں کذابین میں شمار ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں اسی کا حق تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ دین کے لئے کن کن چیزوں کی ضرورت ہے۔ فرماتے ہیں

ان المسلمین والمسلمات والمومنین والمومنات والقانتین والقنتت

یعنی اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں۔

معلوم ہوا ہے اسلام وایمان کے بعد صفت قنوت بھی ضروری ہے جس کے معنی ہیں اطاعت یا عاجزی کے اگر پہلے معنی ہیں تو مراد یہ ہے کہ تمام احکام میں اطاعت کرتے ہیں اور اگر اس کے معنی عجز کے ہیں تو یہ قلب کی اطاعت کا بیان ہوگا جس میں ایک بڑی بھاری گناہ کا علاج ہے جو تمام کبائر کی جڑ ہے یعنی تکبر تمام مفاسد دینی اور تمدنی کی جڑ بھی کبر ہے غصہ اور غیبت اور حسد غرض تمام برے اخلاق اسی سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً کسی چمار کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

بادشاہ سے حسد کرتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا ہوگا کیونکہ وہ غریب اپنے کو حقیر سمجھتا ہے۔اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ بادشاہی کی آرزو کرے۔ جو اپنے آپ کو بادشاہی کے لائق اور قابل سمجھتے ہیں' وہی بادشاہوں سے حسد کر سکتے ہیں۔اسی کا نام تکبر ہے کہ اپنی طرف کسی کمال کو منسوب سمجھے۔حق تعالیٰ شانہٗ نے ان تمام مفاسد دینی اور تمدنی کی اصلاح کے لئے تواضع اور عاجزی کی تعلیم دی ہے اور تواضع صرف اسی کا نام نہیں ہے کہ زبان سے اپنے آپ کو برا بھلا کہہ لے بلکہ تواضع تو یہ ہے کہ دل میں اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھے۔

والخشعین والخشعت (اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں) خشوع کہتے ہیں سکون کہ۔ یہ شامل ہے قلب کو اور جوارح دونوں کو اس کو جمعیت قلب و جوارح کہتے ہیں۔مثلاً نماز میں خشوع ضروری ہے یعنی دل ساکن ہو کہ خیالات ادھر ادھر پریشان نہ ہو اور اعضاء بھی ساکن اور پست ہوں اور دوسرے اوقات میں خشوع اس طرح ہوتا ہے کہ تواضع کے ساتھ سکون اور وقار ملا ہو چھچھورا پن نہ ہو۔بعض لوگ تواضع کے چھچھورے ہو جاتے ہیں۔حق تعالیٰ اس کو منع فرماتے ہیں کہ تواضع کے ساتھ سکون اور وقار بھی چاہیے۔

والصبرین والصبرات اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔اس میں صبر کی تعلیم ہے صبر اس کو نہیں کہتے کہ کوئی مر جاوے تو روئے نہیں۔رونا تو جائز ہے۔صبر کہتے ہیں نفس کو اس کی ناگواری پر مستقل رکھنے کو مثلاً کسی نے بری بات کہی تو ہم اس کا انتقام نہ لیں۔سخت وست نہ کہیں۔تو یہ صبر ہے عادات میں اور تکوینیات میں صبر اس کا نام ہے کہ اگر کوئی مر جائے یا مال چوری ہو جائے یا بیماری پیدا ہو جائے تو جزع و فزع نہ کریں اور عبادات میں صبر یہ ہے کہ عبادت میں حظ اور مزہ نہ آئے مگر عبادت کرتے رہیں اس وقت لوگ بڑی غلطی میں مبتلا ہیں کہ مزہ کے طالب ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ عاشق نہیں۔اگر عاشق ہوتے تو ان کو لذت عشق ہی کافی ہوتی۔کسی مزہ کے طالب نہ ہوتے۔بعض دفعہ لذت عشق ایسی بڑھ جاتی ہے کہ عاشق کو محبوب کے وصال کی بھی پرواہ نہیں رہتی۔

والمتصدقین والمتصدقات اور صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں صدقہ کا حکم اس لئے فرمایا بعض لوگوں کی نسبت و محبت زبانی ہوتی ہے۔

گر جان طلبی مضائقہ نیست ورزر طلبی سخن درین ست

(یعنی اگر جان مانگو تو مضائقہ نہیں ہے اور اگر مال مانگو تو اس میں کلام ہے)

زبان سے بہت دعوے کرتے ہیں مگر محبوب کے نام پر خرچ کرتے ہوئے جان نکلتی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خدا سے محبت ہی نہیں ہے۔اگر محبوب مجازی گھر مانگتا ہے تو دے دیتے ہیں اور کچھ بھی گھر باہر کی پرواہ نہیں ہوتی۔یہ کیسی خدا کی محبت ہے کہ خدا کے نام پر خرچ کرنے میں باوجود وسعت کے سوچتا اور تامل کرتا ہے۔اس لئے فرماتے ہیں خیر خیرات بھی کرتے رہا کرو تا کہ دنیا کی محبت دل سے کم ہو۔آج کل ہماری تو یہ کیفیت ہے کہ اگر خرچ کرتے ہیں تو ناموری کی جگہ پر نیک مصرف میں شاید ہی کسی کا پیسہ خرچ ہوتا ہوگا اور جو

(c) ketabton.com: The Digital Library

نیک مصرف میں خرچ بھی کرتے ہیں تو بہت سے مصارف میں سے ایسا مصرف اختیار کریں گے جس میں فخر و مباہات ہو۔ یہ آج کل کے دینداروں کی کیفیت ہے۔ اخلاص تو آج کل بالکل ہی نہیں رہا الا ماشاء اللہ۔

ایک مخلص کی حکایت

میں نے ایک مخلص کی حکایت سنی ہے کہ وہ ایک عالم کے وعظ میں آئے اور ایک ہزار روپیہ کا توڑا ان کی خدمت میں پیش کیا۔ لوگوں نے ہر طرف سے تعریف کرنی شروع کی۔ اس نے جو دیکھا کہ ہر طرف سے تعریف ہونے لگی اور دل میں اخلاص نہیں رہا تو تھوڑی دیر میں پھر آیا اور کہا کہ مولانا وہ روپے میری والدہ کے تھے واپس کر دیجئے۔ اب تو لوگوں نے اسے بہت ہی برا بھلا کہا کہ علماء سے تمسخر کرتا ہے۔ مولوی صاحب نے روپے واپس کر دیئے۔ جب وعظ کی مجلس ختم ہو چکی اور مولوی صاحب اپنے گھر پہنچے تو وہ شخص ان کے مکان پر پہنچا اور عرض کیا کہ مولانا میں نے آپ کو بہت ستایا ہے اور بہت تکلیف دی۔ وہ ہزار روپے میرے ہی تھے اس وقت پیش خدمت کرتا ہوں۔

اس وقت چونکہ لوگوں کی تعریف کی وجہ سے اخلاص میں کمی ہوتی تھی اس لئے میں نے واپس کر لئے جس پر لوگوں نے مجھے خوب برا بھلا کہہ لیا اور نفس کی اصلاح ہو گئی اب تنہائی میں یہ روپیہ لے کر حاضر ہوا ہوں ان کو قبول کیجئے۔ خلوص اس کا نام ہے تو صاحبو! صدقات میں اخلاص ضروری ہے۔

آگے فرماتے ہیں والصائمین والصائمات الایۃ اور روزہ رکھنے والے مرد اور عورتیں۔ یعنی اسلام کے لئے ایک اور بھی جزو ہے روزہ رکھنا۔ عورتوں کے اندر یہ تو کمال ہے کہ وہ روزہ بہت شوق سے رکھتی ہیں اور کچھ بہت کمال بھی نہیں کیونکہ ان میں رطوبت زیادہ ہوتی ہے اس لئے بھوک پیاس کم لگتی ہے اس بارہ میں مرد زیادہ ہیٹی ہیں بہت لوگ روزہ نہیں رکھتے اور بعض تو ایسے بے حیا ہوتے ہیں کہ کھلم کھلا سب کے سامنے حقہ اور پان کھاتے پھرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ جب خدا کی چوری نہیں تو مخلوق کی کیا چوری۔ میں کہتا ہوں کہ پھر بیوی کے ساتھ بھی سب کے سامنے ملا کرو کہ جب خدا کی چوری نہیں تو مخلوق کی کیا چوری۔ اب لوگوں کی شرم جاتی رہی خدا کا خوف نہیں رہا۔ روزہ کا توڑنا تو گناہ تھا سب کے سامنے توڑنا بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ اس سے کھلم کھلا خدا کی مخالفت ہوتی ہے۔ دوسروں کی جرات بڑھتی ہے تو پہلے مرض لازمی تھا اب مرض متعدی ہو گیا۔

آگے ارشاد ہے والحفظین فروجھم والحفظت اور اپنے شرم گاہوں کو حرام سے بچانے والے مرد اور عورتیں شرم گاہوں کا حرام سے بچانا تو عقلاً بھی ہر شخص ضروری سمجھتا ہے اور شریعت نے بھی اس کو فرض کیا ہے اور زنا کو سب برا جانتے ہیں اور شریعت نے بھی اس کو حرام کیا ہے مگر لوگوں نے زنا اسی کو سمجھ رکھا ہے جو مباشرت کے ساتھ ہو حالانکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنکھ سے بھی زنا ہوتا ہے' ہاتھ سے بھی زنا ہوتا ہے' قلب سے بھی ہوتا ہے' کان اور پیر سے بھی ہوتا ہے۔ آنکھ کا زنا یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت کو بری نیت سے دیکھنے ہاتھ کا زنا یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت کو ہاتھ لگائے۔ کان کا زنا یہ ہے کہ اجنبی عورت کی باتیں سنے۔ اس کی طرف چل کر جانا پیر کا زنا ہے۔ دل میں کسی اجنبی عورت کی محبت اور تصور سے مزہ لینا یہ دل کا گناہ ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

مسلمان شخص کو ان تمام گناہوں سے بچنا چاہئے کیونکہ یہ بھی اسی زنا کے مثل ہیں اور اس کی حفاظت پوری طرح پردہ سے ہوتی ہے مگر سخت افسوس ہے کہ آج کل کا نوجوان اس کو بھی اٹھا دینا چاہتا ہے مگر یہ ان کی بڑی بھاری غلطی ہے اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو بڑی سخت دشواری پیش آئے گی۔

ذکر اللہ کی اہمیت

ان سب کے بعد ارشاد فرماتے ہیں والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات یعنی اور وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کو بہت یاد کرتے ہیں اور وہ عورتیں جو خدا کو بہت یاد کرتی ہیں گویا اب تک جتنی باتوں کا بیان تھا وہ سب بمنزلہ درختوں کے ہیں اور یہ ان کے لئے پانی ہے کہ یہ سب درخت ایمان و اسلام و قنوت و خشوع و صدقہ و عفت کب بارآور ہو سکتے ہیں جبکہ ان کو خدا تعالیٰ کی یاد کا پانی پلایا جائے اور یہ تجربہ ہے کہ آدمی کتنا ہی بڑا نیک کیوں نہ ہو مگر اس میں پختگی اسی وقت آتی ہے جب ذکر اللہ بھی کرتا ہو اور اس کے بغیر ایسی مثال ہے جیسے بے جڑ کا پھول کہ اس وقت تر و تازہ ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں کملا جائے گا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما کہ ان لوگوں کے لئے خدا تعالیٰ نے مغفرت و اجر عظیم تیار کر رکھا ہے حاصل یہ ہے کہ اپنے دین کو جو درست کرنا چاہے وہ ان باتوں کو حاصل کر لے اس کے بعد مستحق اجر و مغفرت ہوگا (شعب الایمان)

امور معاشیہ میں بھی احکام کی پابندی ضروری ہے

فرمایا کہ احکام نبوت صرف متعلق بہ معاد ہی نہیں ہیں بلکہ ہم کو امور معاشیہ میں بھی ان کا پابند کیا گیا ہے دلیل اس کی ماکان لمومن ولامؤمنۃ الخ اور اس کا سبب نزول ہے۔ رہی حدیث تابیر سووہ مشورہ تھا نہ کہ حکم اور حدیث بریرہ سے اس تفصیل کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد متعلق نکاح مغیث کے بارے میں عرض کیا کہ آپ سفارش فرماتے ہیں یا حکم۔ آپ نے فرمایا سفارش۔ بریرہ نے کہا مجھ کو قبول نہیں۔ اس سے یہ تفصیل صاف معلوم ہوگئی۔

فروج کا معنی

علیٰ ہذا قرآن میں ہے والحافظین فروجھم اور احصنت فرجھا بعض جہلا اس لفظ کو غیر مہذب سمجھتے ہیں یہ بھی حماقت ہے کیونکہ عربی میں لفظ فرج شرم گاہ عورت کے لئے موضوع نہیں بلکہ اس کے اصل معنی شگاف کے ہیں کنایۃً کبھی شرم گاہ کے لئے بھی بول دیا جاتا ہے لیکن اصل معنی کے اعتبار سے اس کا استعمال چاک گریباں پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ احصنت فرجھا کا ترجمہ یہ ہے کہ مریم علیہا السلام اپنے گریبان کو دست اندازی غیر سے بچانے والی تھیں جس کا مرادف یہ ہے کہ پاک دامن تھیں یہ کتنا نفیس عنوان ہے اس میں بتلایئے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کون سالفظ غیر مہذب ہے اور نفخنا فیہ من روحنا کا مطلب یہ ہے ہم نے ان کے گریبان میں دم کردیا ہے جس سے وہ حاملہ ہوگئیں بتلایئے اس میں کیا اشکال ہے کچھ بھی نہیں۔

والحفظین فروجھم کا سلیس ترجمہ

فرمایا ایک دفعہ میں نے مستورات میں وعظ کہا اور اس آیت والحفظین فروجھم والحفظت پر پہنچا تو بڑا پریشان ہوا کہ اس کا ترجمہ کیا کروں معاً اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا کہ اپنی آبرو کی حفاظت کرنے والے اور اپنی آبرو کی حفاظت کرنے والیاں یا ناموس کہہ دیا جائے۔(حسن العزیز ج۱ص۴۳۴)

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ

ترجمہ: اور جب آپ اس شخص سے فرمارہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بی بی (زینب کو) اپنی زوجیت میں رہنے دے اور خدا سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ (بات بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ (آخر میں) ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں (کے طعن) سے اندیشہ کرتے تھے۔

تفسیری نکات

حضرت زینبؓ سے نکاح کے شبہ کا ازالہ

اب یہاں پر بعض لوگوں کو ایک شبہ ہوا ہے وہ شبہ یہ ہے کہ کلام اللہ میں حضرت زینب سے حضور کے نکاح کے واقعہ کے بیان میں ہمارے حضور کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وتخش الناس واللہ احق ان تخشاہ اور انبیاء کے متعلق ارشاد ہے کہ ویخشونہ ولا یخشون احداً الا اللہ اس سے بظاہر اشکال لازم آتا ہے کہ دوسرے انبیاء ہمارے حضور سے اکمل تھے تو جواب اس کا یہ ہے کہ استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ دوسرے انبیاء کا حضور سے اکمل ہونا جب لازم آتا کہ جس خشیت کی نفی دوسرے انبیاء سے کی گئی ہے اس خشیت کا اثبات حضور کے لئے کیا جاتا حالانکہ ایسا نہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ نکاح کے متعلق وحی کے نزول سے قبل چونکہ حضور کو اس نکاح کے داخل تبلیغ ہونے کی طرف التفات نہ ہوا تھا بلکہ اس میں محض ایک دنیوی مصلحت حضرت زینب کی دلجوئی اور اشک شوئی کی سمجھی تھی اس لئے لوگوں کی ملامت کے اندیشہ سے اس فعل کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

اختیار نہ فرمایا تھا اور امور دنیویہ میں ایسا اندیشہ ہونا مضائقہ نہیں بعض حیثیتوں سے مطلوب ہے جبکہ اعتراض سے دوسروں کی دین کی خرابی کا احتمال ہو اور ان کو اس سے بچانا مقصود ہو اس کے بعد جب آپ پر اس کے متعلق وحی آئی اور آپ کو اس نکاح کے اندر ایک مصلحت دینیہ بتلائی گئی جس کا ذکر آگے چل کر لکیلا یکون علی المومنین حرج الایۃ میں فرمایا گیا ہے تو اس وقت آپ کو معلوم ہوا کہ یہ فعل تبلیغ میں داخل ہے لہٰذا آپ نے پھر کسی کی ملامت کی پروا نہیں فرمائی اور حضرت زینب سے نکاح فرمالیا تو جس خشیت کا اثبات حضور کے لئے فرمایا گیا ہے وہ خشیت تبلیغ میں نہ تھی بلکہ اول میں اس نکاح کو محض ایک دنیوی امر سمجھ کر اس میں یہ خشیت تھی اور جس خشیت کی نفی دوسرے انبیاء سے کی گئی ہے وہ خشیت فی التبلیغ ہے اور قرینہ اس کا کہ مراد ولا یخشون احدا الا اللہ میں خشیت فی التبلیغ ہے یہ ہے کہ یخشونہ سے اوپر فرماتے ہیں الذین یبلغون رسلت اللہ الآیۃ پس نہ حضور کے لئے خشیت فی التبلیغ کا اثبات فرمایا گیا ہے کہ جس سے حضور کے کمال کے اندر نعوذ باللہ کچھ نقص کا شبہ ہو سکے اور نہ دوسرے انبیاء کے لئے ایسے امور مباحہ میں خشیت کی نفی کی گئی جس سے ان کا حضور سے اکمل ہونا لازم آتا پس یہ اشکال دفع ہو گیا اب اس مقام کے متعلق ایک اور شبہ باقی رہ گیا وہ یہ کہ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ حضرت زینب سے حضور کے نکاح کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو ایک بار آٹا گوندھتے ہوئے دیکھ لیا تھا اس وقت سے حضور کو ان سے محبت ہو گئی تھی اور بعض اقوال شاذہ غیر مستندہ الی الدلیل الصحیح کی بناء پر آیت وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ کی تفسیر محبت سے کی ہے مگر محققین کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی زاد بہن تھیں اور حجاب نازل ہونے سے قبل حضور شب و روز ان کو دیکھتے تھے پھر یہ احتمال کیسے ہو سکتا ہے کہ اگر یہ دلیل نفی کی کسی وہمی کے نزدیک کافی نہ ہو تو اس کے لئے نفی دلیل کافی ہو گی یعنی اس دعویٰ محبت کی کوئی دلیل نہیں اور دعویٰ بلا دلیل محض لاشے ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حضرت زینب کے نکاح کی طرف توجہ ہوئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے حضور کی وساطت سے ہوا تھا پھر اس میں طلاق کا واقعہ پیش آیا اس لئے حضور کو اس کا صدمہ بھی زیادہ تھا کہ میری وساطت سے ان کو یہ تکلیف پہنچی اور حضور حضرت زینب کی کسی طرح دلجوئی کرنا چاہتے تھے اور دلجوئی کا طریقہ اس سے احسن نہیں تھا کہ حضور ان سے خود نکاح کر لیں اس لئے حضور نے ان سے نکاح کرنا چاہا لوگوں کی ملامت کی وجہ سے مناسب نہ سمجھا تھا مگر پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکاح ہوا۔ پس تخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ میں یہی نکاح مراد ہے نہ کہ محبت اور اس کا ایک کھلا قرینہ یہ ہے کہ ایک مخفی چیز کو اس عنوان سے ارشاد فرمایا ما اللہ مبدیہ اس سے معلوم ہوا کہ اخفاء اس چیز کا ہوا کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ ابداء فرمایا ہے اور ابداء نکاح کا ہوا ہے قولاً بھی جو زوجنکھا میں ہے اور فعلاً بھی اور وہ وقوع نکاح ہے پس معلوم ہوا کہ جس چیز کا اخفاء ہوا تھا وہ نکاح تھا کہ محبت تو تخفی فی نفسک میں مراد نکاح ہے نہ کہ محبت۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

و فی قصة زینب هذه اشکال قدیختلج فی بعض الاذهان ارید ازاحته بما افاض الله علینا من برکات الشیخ ادام الله مجده تقریر الاشکال ان الله تعالیٰ قال فی حقه علیه الصلوٰة والسلام و تخفی فی نفسک ما الله مبدیه و تخشی الناس والله احق ان تخشاه اثبت فیه خشیة الناس فی حضور صلی الله علیه وسلم ثم قال فی حق غیره من الانبیاء والرسل الذین یبلغون رسالات الله و یخشونه ولایخشون احداً الا الله اظهر فیه ان رسل الله کانوا لا یخشون احداً غیر الله و هذا یقتضی بظاهره فضیلة سائرا لانبیاء علیه صلی الله علیه وسلم فی هذا الوصف بعینه واجاب عنه الشیخ بمالضه ان معنی الآیة انک یا محمد انما تخشی الناس فی هذا الامر لعدم علمک بان هذا النکاح من قبیل تبلیغ الرسالة عملاً ولو علمت ذلک لم تخش احداً بان الله احق ان تخشاه فی ترک التبلیغ ولوعلمت کونه من التبلیغ لفعلت کما کان الرسل تفعله من انهم کانوا یبلغون رسالات الله یخشونه ولایخشونه احداً الا الله فاندفع الاشکال راسا واساساً کان صلی الله علیه وسلم کسائر الانبیاء بعد علمه بکون هذا النکاح من تبلیغ رسالات الله عملاً فبا درالی النکاح ولم یخش احداً الا الله وانما خشی عن الناس و طعنهم فی الدین مالم یعلم کونه من تبلیغ الرسالات واما بعد ذلک فلا فلم یثبت من الآیة خشیة صلی الله علیه وسلم عن الناس فی تبلیغ الاحکام حتی یلزم فضیلة سائر الانبیاء علیه بل غایة ما ثبت ان کان یخشی الناس قبل علمه بکون ذلک من جملة التبلیغ و بعد علمه به کان کسائر الرسل ۱۲ جامع (تقلیل الاختلاء)

وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ط
ترجمہ: اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

تفسیری نکات

عوام کی رعایت کو سمجھنا بڑے حکیم کا کام ہے

فرمایا عوام کی رعایت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی چنانچہ حطیم کو کعبہ کے اندر داخل نہ فرمانے کی حدیث میں ارشاد ہے لولا قومک حدیث عهد بالجاهلية تو دیکھئے کہ آپ نے لوگوں کو تشویش میں پڑنے سے بچایا مگر جہاں اس پر عمل کرنے کی ضرورت یا مصلحت قوی ہوتی ہے وہاں عوام کی رعایت نہیں کی جاتی جیسے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح میں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضور کے لوگوں کو تشویش سے بچانے سے پرہیز فرمایا تھا۔ حق تعالیٰ نے اس کی رعایت نہ فرمائی تو یہ سمجھنا بہت مشکل ہے کہ کس جگہ عوام کی رعایت کرنا چاہیے اور کس جگہ نہ کرنا چاہیے۔ یہ سمجھنا بڑے حکیم کا کام ہے۔ میری رائے میں تو جہاں رعایت کرنے میں دین کا کچھ نقصان ہو وہاں عوام کی رعایت نہ ہونا چاہیے اور جہاں رعایت کرنے میں دین کا نقصان نہ ہو اور رعایت نہ کرنے میں تشویش ہو جائے وہاں عوام کی رعایت کرے۔ تو حطیم کے واقعہ میں کوئی دین کا نقصان نہ تھا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں تبلیغ میں کوتاہی ہوتی تھی کیونکہ وہ تبلیغ عملی تھی اور ضروری تھی البتہ اس کا تبلیغ ہونا قدرے خفی تھا۔ اس لئے اولاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہن مبارک اس طرف نہیں گیا اس لئے آپ نے عوام کی رعایت کا خیال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے اس کا تبلیغ ہونا معلوم ہو گیا۔ پھر آپ نے عوام کی پرواہ بھی نہیں کی اور یہاں سے حضرت زینب کے عقد کے متعلق جو ایک شخص نے اعتراض کیا تھا۔ اس کا جواب بھی ٹھیک سمجھ میں آ گیا۔ وہ اعتراض یہ تھا کہ اس قصہ کی آیت میں ارشاد ہے تخشی الناس الی قولہ تعالیٰ ولا یخشون احدا الا اللہ لوگوں سے ڈرتے ہیں اور دوسرے انبیاء نہیں ڈرتے تھے تو جواب یہ ہے کہ آیت کا مدلول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ میں نہ ڈرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی تبلیغ میں نہیں ڈرے اور اس میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈرے تو اس وقت آپ کے ذہن مبارک میں صرف نکاح کا معاملہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تبلیغ کا فرد نہیں سمجھا تھا مگر حق تعالیٰ کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ بھی تبلیغ کا ایک فرد ہے پھر ڈرانا ثابت نہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت ج ۱۴ ص ۱۹۸، ۱۹۹)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾

ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

تفسیری نکات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے روحانی والد ہیں

بلکہ اس سے تو ابوة کی نفی مستنبط ہوتی ہے لیکن بعد تقریر مقصود کے ان شاء اللہ تعالیٰ واضح ہو جائے گا کہ اس سے نہایت صاف طور سے ابوة حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھی جاتی ہے جس میں کلام ہو رہا ہے۔ اول ایک مقدمہ عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ نحو کا قاعدہ ہے کہ لکن کے ماقبل اور مابعد میں تضاد ہوتا ہے اور لکن کا مابعد ایک شبہ کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

جواب ہوتا ہے جو لکن کے قبل سے پیدا ہوا ہے جیسے کہتے ہیں کہ زید آ گیا لیکن اس کا بھائی نہیں آیا۔ اب اس آیت میں غور فرمایئے کہ لکن کے ماقبل اور مابعد میں تضاد بظاہر سمجھ میں نہیں آتا اس لئے کہ باپ نہ ہونے اور رسول ہونے میں کیا تضاد ہے حالانکہ تضاد ہونا چاہئے تو غور کرنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے وہ یہ کہ جب فرمایا

ما کان محمد ابا احدمن رجالکم تو اس سے شبہ ہوا کہ جب حق تعالیٰ نے ابوۃ کی نفی فرمادی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے کسی قسم کے باپ نہیں ہوں گے اس لئے آگے لکن سے اس شبہ کو دفع فرماتے ہیں کہ ہاں ایک قسم کے باپ ہیں وہ یہ کہ رسول اللہ ہیں یعنی روحانی باپ ہیں کہ تمہاری روحانی تربیت فرماتے ہیں پس اگر رسول کی دلالت معنی ابوۃ پر معتبر نہ کی جائے تو کلام میں ربط نہ ہوگا۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن مومنین کی مائیں ہیں

اس لئے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں ہے وازواجہ امھاتھم یعنی نبی کی ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں' تو آپ ظاہر ہے کہ باپ ہوئے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سچا جانشین وہی ہوتا ہے جو باپ کے قدم بقدم ہو ورنہ اس کو فرزند ہی نہیں کہتے پس سچے جانشین اولیاء اور علماء امت ہوئے۔

یہاں پر ایک سوال ہوسکتا ہے کہ قرآن شریف میں تو حضور کے ابوۃ کی نفی فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے ما کان محمد ابا احد من رجالکم جواب یہ ہے کہ اسی آیت سے ابوۃ حضور کی معلوم ہوتی ہے اور وہ بہت لطیف بات ہے۔ وہ یہ ہے کہ آگے ارشاد ہے ولکن رسول اللہ و خاتم النبین. اور اہل علم کو معلوم ہے کہ لکن استدراک یعنی توہم ناشی من الکلام السابق کے دفع کرنے کے لئے ہوتا ہے اور یہاں بظاہر کوئی شبہ معلوم نہیں ہوتا جس کا لکن سے دفعیہ مقصود ہو۔ بجز اس کے کہ تقریر آیت کی یہ ہو کہ جب ارشاد ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں تو شبہ ہوا کہ کیا نسبی باپ نہیں تو اور کسی قسم کے بھی باپ نہیں' جو علی الاطلاق ابوۃ کی نفی کی گئی۔ تو اس شبہ کا دفع ہے کہ ہاں! لیکن روحانی باپ ہیں یعنی رسول ہیں اس لئے کہ روحانی تربیت کرتے ہیں قال

آں خلیفہ زادگان مقبلش زادہ انداز عنصر جان و دلش

یعنی آپ کے شاہزادے بلند اقبال آپ کے عنصر خاکی سے نہیں ہیں یعنی نسبی اولاد مراد نہیں ہے بلکہ آپ کے روح ودل کے مبارک عنصر سے ہیں یعنی روحانی اولاد ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۴۲﴾

ترجمہ: اے ایمان والوتم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام (یعنی علی الدوام) اس کی تسبیح وتقدیس کرتے رہو۔

تفسیری نکات

کثرت ذکر اللہ کا حکم

یایھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیرا لفظ تو چھوٹا سا ہے مگر اتنے معنوں کو حاوی ہے کہ ہمارا کوئی مرض چھوٹا یا بڑا' خفی یا جلی ان سے باہر نہیں فرداً فرداً ہر ایک کا کافی علاج نکلتا ہے۔ اب سمجھ لیجئے کہ وہ علاج کیا ہے جو اس آیت میں ارشاد ہوا وہ ذکر اللہ ہے ذکر کے معنے لغت میں ہیں یاد داشتن اس کا مقابل ہے نسیان یعنی بھول جانا۔ یاد رکھنا دو طرح پر ہوتا ہے ایک صوری اور ایک حقیقی۔ صوری زبان سے یاد کرنے اور نام لینے کو کہتے ہیں سبق یاد کرلو یعنی بار بار زبان سے پڑھو اور حقیقی کہتے ہیں اداء حقوق کو ہمارے عرف میں بھی بولا جاتا ہے (تم نے ہمیں بھلا دیا) مراد یہ ہوتی ہے کہ تم ہم سے میل نہیں رکھتے اور ہمارے ساتھ سلوک نہیں کرتے چاہے مخاطب زبان سے یاد کر بھی لیتا ہو جب بھلانے کے معنے ہوئے حقوق ادا نہ کرنا تو اس کے مقابل ذکر کے معنے ہوئے حقوق ادا کرنا یہ ایسی اصطلاح ہے جس سے ہر شخص واقف ہے کچھ شرح اور ثبوت کی ضرورت نہیں تو ذکر اللہ بالمعنی الاخیر کا ترجمہ ہوا اداء حقوق اللہ ذکر اللہ حقیقی اور ذکر اللہ کا فرد کامل یہی ہے ذکر لسانی بھی ذکر اللہ کا ایک فرد ہے مگر ناقص اور صرف صوری ہاں اگر دونوں جمع ہو جاویں یعنی اداء حقوق کے ساتھ ذکر لسانی بھی ہو تو سبحان اللہ درجہ اکمل ہے غرض اس آیت میں ذکر اللہ کو ہمارے مرض کا علاج قرار دیا گیا ہے اجمالاً سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ذکر اللہ کتنے معنوں کو حاوی ہے اگر آپ غور سے دیکھئے تو ظاہر ہو جائے گا کہ کوئی خیر دنیا و آخرت کی نہیں جو اس میں نہ آ گئی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ حقوق اللہ کی بہت قسمیں ہیں جیسے عقائد اعمال' اخلاق' معاملات حقوق الناس۔ حقوق الناس کے لفظ پر کوئی صاحب یہ شبہ نہ کریں کہ حق العبد اور چیز ہے اور حق اللہ اور چیز۔ وہ بندوں کی طرف منسوب ہے وہ اللہ کی طرف اور دونوں کے احکام میں فرق ہے۔ حق اللہ توبہ کرنے سے معاف ہو جاتا ہے اور حق العبد توبہ سے معاف نہیں ہوتا۔ (اگر ایسا ہوتا تو پھر کیا تھا بڑی سہولت ہوتی کسی کا مال چھین لیا ہضم کرلیا پھر توبہ کرلی) حق العبد میں صاحب حق کے معاف کرنے کی ضرورت ہے حتیٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ حج اور شہادت سے بھی اس سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا پس جب حقوق العباد ہیں حقوق اللہ تو تم نے اس کو اور قسم کیسے بنا دیا حل اس شبہ کا یہ ہے کہ پوچھا ہے کہ بندوں کے حقوق کہاں سے پیدا ہوئے بندہ خود مخلوق اور مملوک ہے ان کے حقوق اس کے پیدا کردہ تو ہو نہیں سکتے دوسرے کے عطا کردہ ہوں گے حق تعالیٰ کے حقوق العباد وہ حقوق ہوئے جن کو حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کر دیا ہے نظیر اس کی یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ یہ گھر فلاں شخص کا ہے ظاہر ہے کہ کہنے والی کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ اس کی ذاتی ملک ہے بلکہ ملک حقیقی تو حق تعالیٰ کی ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس کو مالک بنا دیا ہے اس سے حق تعالیٰ کی ملک سے گھر نہیں نکل گیا حالانکہ تمام حقوق مالکانہ اسی شخص کی طرف منسوب ہوتے ہیں اسی طرح حقوق العباد حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے حقوق مقرر ہوئے اور حکم دیا گیا ہے اعطوا کل ذی حق حقہ اور یایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود (اے ایمان والو معاہدوں کو پورا کرو) حقوق العباد ادا نہ کرنا اس کی مخالفت ہے جو امر اللہ ہے اور امر اللہ کی مخالفت ہی عصیان اور اضاعت حق اللہ کی ہے تو حقوق العباد بھی دراصل حقوق اللہ ہیں۔ یہ سب قسمیں ہیں حقوق کی اور شریعت ان ہی حقوق کی شرح ہے۔ (تفصیل الذکر ص ۶ تا ص ۸)

صبح وشام ذکر الٰہی کا مفہوم

اس میں تو صبح وشام ذکر کرنے کو بتلایا ہے نہ کہ ہر لحظہ۔ تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ صرف صبح اور شام ذکر کرو اور باقی اوقات میں خالی رہو بلکہ محاورہ ہے کہ اس کام کو ہر وقت کرانا مقصود ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ رات دن کرتے رہو۔ ذکر ضدین سے غصو استیعاب اس جنس کا ہوتا ہے اور ذکر صرف یہی نہیں ہے کہ بس تھوڑی دیر اللہ اللہ کر لیا بلکہ لاتقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ (یعنی زنا کے پاس نہ پھٹکو بلا شبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے) پر عمل کرنا بھی ذکر ہے۔ کیونکہ یہ بھی فرمایا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا۔

اس پر عمل کرنے کو یوں سمجھو کہ لاتقربوا کے معنی یہ ہیں کہ زنا کرنا تو بہت بری بات ہے تو اس کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ یعنی جو چیزیں دواعی زنا ہیں ان کی طرف بھی متوجہ نہ ہو۔ مثلاً نگاہ کو بھی ادھر متوجہ نہ کرو' قلب کو بھی ادھر متوجہ نہ کرو۔ اسی طرح ہر وقت اس وقت کے احکام عامہ وخاصہ کا اہتمام رکھو۔ اس پروگرام کے منضبط ہو جانے کے بعد اب بتلایئے کہ غیبت کا کونسا وقت ہے۔ جھوٹ بولنے کا کون سا وقت ہے۔ ہارمونیم بجانے کا کونسا وقت ہے۔ گراموفون سننے کا کون سا وقت ہے۔

اعتدال شریعت

ہاں البتہ شریعت تنگ نہیں ہے۔ اجازت ہے کہ ورزش کیجئے۔ اجازت ہے کہ ہنسئے بولئے' بات کیجئے' یہاں

(c) ketabton.com: The Digital Library

تک اجازت ہے اگر وظیفہ پڑھتے پڑھتے تھک جائیے تو چھوڑ دو۔ باہر بیٹھ کر ہنس لو بول لو مگر نا جائز بات مت کرو۔ شریعت میں یہ تعلیم نہیں کہ بیوی کو طلاق دے دو۔ بچوں کو عاق کر دو۔ اور بس ایک کونہ میں بیٹھ کر اللہ کرنے لگو۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٤٥﴾ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ﴿٤٦﴾

ترجمہ: اے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ ہوں گے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنین کو بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے) ڈرانیوالے ہیں اور سب کو اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک روشن چراغ ہیں۔

تفسیری نکات

رسول اکرم ﷺ کی ایک خاص صفت کی تشبیہ کا مفہوم

(اس آیت مبارکہ میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص صفت میں چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ تشبیہ میں مشبہ بہ کا مشبہ سے اقوی و اکمل ہونا لازم نہیں البتہ واضح و اشہر ہونا ضروری ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چراغ سے تشبیہ دینے میں یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ نعوذ باللہ اس صفت میں چراغ آپ سے افضل ہے۔

یہاں سے یہ اشکال بھی مرتفع ہو گیا جو بہت لوگوں کو صفحہ صلوۃ اللھم صل علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم. میں پیش آیا کرتا ہے کہ اس میں حضور پر صلوۃ کو ابراہیم علیہ السلام کے صلوۃ سے تشبیہ دی گئی ہے جس سے ابراہیم علیہ السلام کی صلوۃ کی افضلیت لازم آتی ہے۔

اس اشکال کا منشا یہ ہے کہ تشبیہ کے لئے مشبہ بہ کا افضل ہونا لازم سمجھا جاتا ہے مگر یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ تشبیہ کے لئے افضلیت مشبہ بہ کا لزوم ہی غلط ہے بلکہ اس کے لئے محض مشبہ بہ کا اشہر و اوضح ہونا لازم ہے افضل ہونا لازم نہیں۔ تتبع موارد استعمال سے اس کی تائید ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ایک مقام پر خود اپنے نور کو مصباح سے تشبیہ دی ہے حالانکہ یہاں مشبہ بہ کی فضیلت کا وہم بھی نہیں ہو سکتا فرماتے ہیں

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضیء ولو لم تمسسہ نار نور علی نور

(c) ketabton.com: The Digital Library

گویہاں مصباح کی بہت کچھ تقویت کی گئی ہے کہ چراغ شیشہ کے (گلاس کے اندر) ہے اور وہ ایسا چمکدار ہے جیسے روشن ستارہ اور اس چراغ میں تیل بھی زیتون کا ہے اتنا عمدہ کہ آگ لگنے سے پہلے ہی بھڑکنا چاہتا ہے لیکن گو وہ کتنا قوی ہو حق تعالیٰ کے نور سے اس کو کیا نسبت۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ مشبہ بہ کے لئے مشبہ سے افضل ہونا ضرور نہیں۔ گو اتفاق سے زید اسد میں اسد زید سے زیادہ ہی بہادر ہو اور واقعی اس جانور کو خدا تعالیٰ نے قوت وشجاعت بہت زیادہ دی ہے اور عجب نہیں ایسی ہی جزئیات سے لوگوں کو یہ غلطی واقع ہو گئی ہو کہ مشبہ بہ کو مشبہ سے افضل ہونا چاہیے مگر حقیقت میں یہ لازم نہیں ورنہ نور مصباح کو نور خداوندی سے افضل کہنا پڑے گا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ مشبہ بہ کا صرف اشہر واوضح ہونا ضروری ہے (افضلیت ضروری نہیں۔ چونکہ حق تعالیٰ غائب از نظر ہیں کوئی شخص ان آنکھوں سے دنیا میں ان کو نہیں دیکھ سکتا اس لئے خدا کا نور اشہر نہیں اور نور مصباح اشہر ہے اس وجہ سے ان کو نور مصباح سے تشبیہ دے دی گئی ہے۔ خدا کے نور کی تو بڑی شان ہے۔ لوگ عالم کی تعریف میں کہا کرتے ہیں کہ حضرت تو روشن چراغ ہیں۔ اس میں بھی ان کو یہ وہم نہیں ہوتا کہ چراغ نور میں ان سے افضل ہے مگر چونکہ یہ چراغ کوئی بھی خالی از نور نہیں دیکھا گیا اس لئے اس کا نور اشہر ہے اور بشر بعض ظلمانی ہیں' بعض نورانی' اس لئے اس کا منور ہونا محتاج دلیل ہے تو اس کا منور ہونا اشہر نہیں۔

مشبہ بہ کا مشبہ سے افضل ہونا ضروری نہیں

اس تفصیل سے یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ مشبہ بہ کے لئے مشبہ سے افضل ہونا لازم نہیں صرف اشہر واوضح ہونا ضروری ہے۔ پس حضور کو سراج منیر فرمانے سے افضلیت سراج کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ الغرض اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشبیہا روشن چراغ فرمایا گیا ہے۔ تو بنا بر اصول تشبیہ جو خاص وصف چراغ میں ہے وہ آپ میں ہونا لازم ہے۔

حضور علیہ کو آفتاب یا چاند سے تشبیہ نہ دینے کی وجہ

اور اسی سے یہ بھی دفع ہو جائے گا کہ آفتاب یا ماہتاب سے حضور کو کیوں نہ تشبیہ دی گئی حالانکہ آفتاب تمام منیرات میں روشن تر ہے اس کے سامنے نہ چاند کی کوئی حقیقت ہے نہ چراغ کی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آفتاب کی روشنی میں حرارت اور تیزی زیادہ ہے جس کی وجہ سے کوئی اس پر نگاہ نہیں جما سکتا اس لئے اس سے تشبیہ نہیں دی گئی تو پھر چاند سے تشبیہ دے دی جاتی۔ چراغ سے تو وہ بدرجہا زیادہ ہے۔ وجہ دفعیہ یہ ہے کہ چراغ میں ایک خاص صفت ایسی ہے جو نہ آفتاب میں ہے نہ ماہتاب میں اس لئے حضور کو چراغ روشن فرمایا گیا۔ بات یہ ہے کہ چراغ میں تین صفتیں ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

۱- ایک اس کا خود روشن ہونا۔

۲- دوسرے اپنے غیر کو روشنی دینا کہ چراغ کی وجہ سے دوسری چیزیں ظلمت سے نور میں آ جاتی ہیں۔

ان دو صفتوں میں چراغ اور آفتاب و ماہتاب سب شریک ہیں۔ اور یہ دو وصف آفتاب میں بے شک چراغ سے زیادہ ہیں۔

۳- تیسری صفت چراغ میں یہ ہے کہ اس سے دوسرا چراغ اسی کے مثل روشن ہو سکتا ہے چنانچہ ایک چراغ سے سینکڑوں چراغ روشن ہو سکتے ہیں۔

یہ صفت خاص چراغ ہی میں ایسی ہے کہ آفتاب و ماہتاب میں نہیں ہے۔ کیونکہ آفتاب سے دوسرا آفتاب اور ماہتاب سے دوسرا ماہتاب روشن نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ آفتاب و ماہتاب دوسری چیزوں کو منور (باسم المفعول) تو کر دیتے ہیں مگر منور (باسم الفاعل) نہیں کرتے اور چراغ دوسری اشیا کو منور بھی کرتا ہے اور منور بھی کر دیتا ہے اس لئے حضور کو آفتاب و ماہتاب سے تشبیہ نہیں دی گئی' بلکہ چراغ روشن فرمایا گیا۔

تو چراغ کی طرح آپ میں بھی علاوہ خود نورانی ہونے کے دو صفتیں ہوئیں۔ ایک یہ کہ آپ دوسروں کو منور کرتے ہیں دوسرے یہ کہ آپ بعضوں کو منور بنانے والے ہیں۔ پہلا کمال آپ کا امت میں ظاہر ہوا۔ اور دوسرا کمال انبیاء علیہم السلام میں ظاہر ہوا۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام آپ سے فیض حاصل کرتے ہیں جو مستقل چراغ ہو گئے۔ جیسے ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن کر لیا جاوے تو وہ بجائے خود مستقل منور ہو جاتا ہے یہی شان انبیاء علیہم السلام کی ہے۔ امت کی یہ حالت نہیں کیونکہ امتی کے اندر جو نور آپ کے واسطے سے آتا ہے وہ اس میں مستقل نہیں۔

پس آپ انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے لئے بمنزلہ واسطہ فی الثبوت کے ہیں کہ ذی واسطہ بھی اس کمال کے ساتھ موصوف حقیقتہ ہو جاتا ہے اور واقع میں وہاں دو صفتیں ہوتی ہیں۔ ایک واسطہ کی اور ایک ذی واسطہ کی اور امتیوں کے لئے بمنزلہ واسطہ فی العروض کے ہیں ذی واسطہ حقیقتہ اس کمال کے ساتھ موصوف ہی نہیں ہوتا محض مجازاً متصف ہوتا ہے کیونکہ وہاں واقع میں ایک ہی صفت ہوتی ہے صرف واسطہ میں اور ذی واسطہ میں کوئی صفت ہوتی ہی نہیں۔ اسی طرح امتیوں میں واقع میں صفت تنویر کی ہے ہی نہیں وہ حضور کی صفت ہے کہ امتیوں کی طرف مجازاً منسوب کر دی جاتی ہے بخلاف انبیاء علیہم السلام کے کہ واقع میں بھی ان میں تنویر کی صفت ہو جاتی ہے گو آپ ہی کی برکت سے تھی۔

رہا یہ کہ حضور سے جمیع کمالات میں انبیاء علیہم السلام کو فیض پہنچنے کی کیا دلیل ہے۔ تو ہم کو اس کے دلائل بتلانے کی کچھ حاجت نہیں کیونکہ یہ مسئلہ اہل تحقیق کا اجتماعی ہے مگر تقریب فہم کے طور پر بتلانے کا کچھ حرج بھی نہیں۔

جامع کمالات

سو ایک مقدمہ اول سمجھنا چاہئے کہ آپ جمیع کمالات انبیاء علیہم السلام کے جامع ہیں اور اس کی ایک دلیل تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ ہے کہ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ ایک بار صحابہ رضی اللہ عنہم انبیاء کے فضائل میں گفتگو کر رہے تھے۔ کسی نے کہا کہ حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ بنایا۔ کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ بنایا۔ کسی نے کہا کہ حق تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ وکلمۃ اللہ بنایا وعلیٰ ہذا۔ اور اس گفتگو میں صحابہ کا یہ مقصود نہ تھا کہ انبیاء کو آپ پر فضیلت دیں بلکہ غالباً وہ یہ چاہ رہے تھے کہ جس طرح ہم کو ان انبیاء کے خاص اوصاف معلوم ہیں اسی طرح یہ بھی معلوم کریں کہ ہمارے حضور میں خاص صفت کیا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ سب انبیاء سے افضل ہیں۔

صحابہ اسی گفتگو میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ سے تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری گفتگو سنی۔ واقعی حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ وکلمۃ اللہ ہیں الا ان صاحبکم حبیب اللہ اس واقعہ میں یہ تو ضرور ہے کہ حضور نے اپنی یہ خاص صفت اپنی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے بیان فرمائی ہے۔

محبت اور خلت میں فرق

چنانچہ سیاق کلام اس کو مقتضی ہے مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ لغت میں تتبع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محبت میں خلت کا درجہ بڑھا ہوا ہے کیونکہ محبت کا اطلاق تو تھوڑی محبت پر بھی ہو سکتا ہے مگر خلت کا اطلاق جبھی ہوتا ہے جبکہ محبت خلل قلب یعنی اندرون قلب میں پہنچ جائے جس کو متبنی نے اپنے ایک شعر میں بیان کیا ہے

عذل العود اذل حول قلب التاء ٥ وهوى الاحبته منه فى سودائه

پس خلت اس درجہ کی محبت کا نام ہے جو سویدائے قلب میں پیوستہ ہو جائے۔ تو اب حضور کا یہ فرمانا کہ میں حبیب اللہ ہوں ابراہیم علیہم السلام پر آپ کی فضیلت کو ثابت نہیں کرتا کیونکہ وہ خلیل اللہ ہیں اور خلت کا درجہ محبت سے بڑھا ہوا ہے۔

اس اشکال کے جواب میں لوگوں نے مختلف تقریریں کی ہیں مگر سہل جواب یہ ہے کہ اس جگہ آپ نے محبت کا اطلاق معنی لغوی کے اعتبار سے نہیں فرمایا ہے بلکہ محاورات کے اعتبار سے فرمایا ہے۔ پس لغتہ گو خلت محبت سے بڑھی ہوئی ہے لیکن استعمال واطلاق محاورات میں گو محبت خلت سے بڑھی ہوئی نہ ہو مگر حبیب کا صیغہ خلیل سے بڑھا ہوا ہے چنانچہ خلیل تو جس طرح معشوق کو کہتے ہیں اسی طرح اس کا اطلاق عاشق پر بھی آتا ہے بخلاف حبیب کے کہ اس کا اطلاق محض معشوق پر ہوتا ہے عاشق پر حبیب کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ اس کو محب کہتے ہیں پس خلیل اللہ وحبیب اللہ میں یہ فرق ہوا کہ خلیل اللہ خدا کے عاشق کو بھی کہہ سکتے ہیں اور معشوق کو بھی اور حبیب اللہ صرف محبوب ہی کو کہیں گے۔ (گو جو خدا کا محبوب ہوگا وہ محب بھی ضرور ہوگا) مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں محبوبیت کی شان ابراہیم علیہ السلام سے بڑھی ہوئی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں شان محبوبی سب سے زیادہ ہے

جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضور میں شان محبوبی سب سے زیادہ ہے تو اب عادات پر نظر کی جائے گی عادت یہ ہے کہ جب کوئی کسی کا محبوب ہوتا ہے تو محب کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ جو چیز بھی عمدہ ہو اور محبوب کو دی جا سکتی ہو وہ اس کو ضرور دیتا ہے۔ دی جا سکتی ہے کی قید میں نے اس لئے بڑھائی تا کہ کوئی صاحب اس دلیل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب وخواص الوہیت کو نہ ثابت کرنے لگیں اگر کوئی ایسا کرے گا تو ہم کہہ دیں گے کہ گفتگو ان امور میں ہے جو محبوب کو دیئے جا سکتے ہوں اور خواص الوہیت کا عطا بشر کو محال ہے (ورنہ یہ بھی ممکن ہوگا کہ حق تعالیٰ کسی کو خدا بنا دیں حالانکہ اس کے امکان کا کوئی بھی قائل نہیں) اور یقیناً جتنے کمالات انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے ہیں وہ سب عمدہ ہیں اور قابل عطا ہیں۔ تو اس قاعدہ عادیہ کی بناء پر جو کہ بمنزلہ لازم عقلی کے ہیں حق تعالیٰ نے وہ سب کمالات حضور کو کیوں نہ عطا فرمائے ہوں گے۔ پس ثابت ہو گیا کہ جو کمالات جملہ انبیاء میں منفرداً موجود ہیں وہ سب حضور میں مجمعاً موجود ہیں۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور چونکہ یہ مقدمات اقناعیہ ہیں اس لئے اگر ان پر کچھ عقلی اشکالات واقع ہوں تو مضر نہیں۔ کیونکہ مقدمات اقناعیہ سے سامعہ کی تسلی کر دینا مقصود ہوتا ہے اس سے الزام مقصود نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس مقصود پر مقدمات عادیہ سے استدلال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور چونکہ اصل مقصود ان مقدمات پر موقوف نہیں لہٰذا ان کا اقناعی ہونا اصل مقصود میں بھی مضر نہیں۔

شاید اس پر کسی کو یہ شبہ ہو کہ یوسف علیہ السلام کا حسن تو ایسا تھا کہ زنان مصر نے آپ کی صورت دیکھ کر بدحواسی میں ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ حضور میں یہ بات کہاں تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حسن کی انواع ہیں۔ حسن کی ایک نوع یہ ہے کہ دیکھنے والے کو دفعتہً متحیر کر دے اور پھر رفتہ رفتہ اس کی سہار ہوتی جائے۔ یوسف علیہ السلام کا حسن ایسا ہی تھا۔ چنانچہ زلیخا کو آپ کے حسن کی سہار ہو گئی تھی۔ انہوں نے ایک دن بھی ہاتھ نہیں کاٹے۔ اور ایک نوع حسن کی یہ ہے کہ دفعتہً تو متحیر نہ کرے مگر جوں جوں اس کو دیکھا جائے تحمل سے باہر ہوتا جائے جس قدر غور کیا جائے اسی قدر دل میں گھستا جائے اسی کو ایک شاعر بیان کرتا ہے۔

یزیدک وجھہ حسنا اذا ما زدتہ نظراً

(الرفع والوضع ملحقہ مواعظ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۹۶ تا ۴۰۱)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

ترجمہ: بےشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیج دیا کرو

تفسیری نکات

درود شریف پڑھنے کا اجر وثواب بلا استحقاق ہے

جو ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے حق تعالیٰ اس پر دس بار صلوۃ وسلام بھیجتے ہیں (یعنی رحمت خاص فرماتے ہیں) اور دس نیکیاں اس کو ملتی ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ دس گناہ معاف ہوتے ہیں یہ صلہ دانت گھسائی ہے انسان اللہ میاں سے دانت گھسائی بھی وصول کرتا ہے۔ ورنہ واقع میں درود میں اس کو ثواب کا کیا حق تھا کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان تھوڑی ہی کیا کرتا ہے جو ثواب کا استحقاق ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے درود کی کیا احتیاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ آپ پر درود بھیجتے ہیں چنانچہ خود نص میں ارشاد ہے ان اللہ وملئکته یصلون علی النبی (بلاشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں) اس میں خود اشارہ کر دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو تمہارے درود کی ضرورت ہے نہیں آپ کو اللہ تعالیٰ ہی کا درود کافی ہے اور مخلوق میں سے مقدس جماعت ملائکہ کا درود کافی ہے باقی تم کو جو صلوٰۃ وسلام کا امر کیا گیا ہے اس میں تمہارے لئے یہی بات کافی تھی کہ تم کو اس کام میں شریک کر لیا گیا جو خدا تعالیٰ اور ملائکہ کرتے ہیں اور ثواب مزید برآں مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کفایت صلوۃ حق کو ایک قطعہ میں خوب ظاہر فرمایا ہے۔

خدا در انتظار حمد مانیست　　محمد چشم بر راہ ثنا نیست

محمد حامد حمد خدا بس　　خدا مدح آفریں مصطفیٰ بس

یعنی نہ حق تعالیٰ کو ہماری حمد کی ضرورت ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری ثنا کا انتظار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خدا کی مدح کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد کافی ہے بس اب ہم جو حق تعالیٰ کی ثنا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کرتے ہیں اس سے مقصود اپنا ہی فائدہ ہے اسی کو آگے فرماتے ہیں کہ جیسا اپنا فائدہ مدنظر ہے تو بس مناجات کر لو۔

مناجاتے اگر خواہی بیاں کرد　　بہ بیتے اکتفا خواہی تواں کرد

(c) ketabton.com: The Digital Library

(اگر کوئی مناجات بیان کرنا چاہتے ہو تو ان دو بیتوں پر اکتفا کرو) آگے کیا اچھی مناجات ہے

الٰہی از تو حب مصطفیٰ را — محمد از تو می خواہم خدارا

کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے ہم خدا کی محبت مانگتے ہیں اور اے اللہ آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مانگتے ہیں۔ بس خدا نے دیا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا یعنی خدا کا پتہ دیا تو خدا سے رسول کی محبت مانگو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی معرفت مانگو یہ مناجات کافی ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ اپنے جذبۂ شکر کو پورا کرتے ہیں اب اس پر ثواب ملنا یہ محض دانت گھسائی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس دانت گھسائی پر مجھے ایک قصہ یاد آیا ڈھاکہ میں ایک پیرزادہ صاحب اپنے باپ کے مریدوں میں گئے ایک رئیس نے ان کی دعوت کی اور دعوت کے بعد پچاس روپیہ نذرانہ میں دیئے پیرزادہ نے روپے پھینک دیئے کیا ہم اس لائق ہمیں ہمارا نذرانہ دو سو روپے سے کم نہیں ہونا چاہئے۔ میں نے یہ حکایت سن کر کہا کہ دعوت کے بعد نذرانہ پر اتنا تکرار کیا؟ ایک ظریف نے کہا کہ یہ دانت گھسائی ہے کیونکہ لقمہ چبانے میں تو دانت گھستا ہی ہے (عصم الصوف عن اغم الالوف)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو۔ اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں) تمہارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے گا وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔

تفسیری نکات

مشقت اور الجھن دفع کرنے کا طریق

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے بندوں کی اس مشقت اور الجھن کو دفع کرنے کے لئے ایک طریقہ نہایت مختصر لفظوں میں ارشاد فرمایا اس آیۂ کریمہ میں جو میں نے تلاوت کی ہے اسی طریقہ کا بیان یہ حاصل ہے اس تقریر کا اجمالاً اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اول ثابت ہو چکا ہے کہ وہ شئے مقصود ہیں اعمال صالحہ کا حاصل کرنا اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

محوذنوب اور ان میں بھی گرانی اس کی سہولت کے لئے دو طریق ارشاد فرمائے ہیں کہ ان کو اختیار کرلو تو وہ دو چیزیں جو بڑی مشقت کی تھیں وہ آسان ہوجاویں گی۔ ان میں سے ایک اتقوا اللہ ہے اور دوسرے قولوا قولاً سدیداً ہے یعنی اللہ سے ڈرو اور بات ٹھیک کہو اس پر دو شے مرتب فرمائی ہیں یصلح لکم اعمالکم و یغفر لکم ذنوبکم یعنی اگر تم ان دو باتوں کو اختیار کرلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمادیں گے اور تمہارے گناہ بخش دیں گے اور ان ہی میں تم کو گرانی تھی جس کا اوپر بیان ہوا۔ حاصل یہ کہ تقویٰ جس کا ترجمہ خدا کا خوف ہے فعل قلب کا ہے اور کہنا فعل زبان کا ہے خلاصہ طریق کا یہ ہوا کہ دل اور زبان کو تم درست کرلو باقی سب کام ہم کردیں گے قلب ایک شے ہے اس کے متعلق صرف ایک شے بتلائی ہے کچھ جھگڑے کی بات نہیں ایک نہایت مختصر کام فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا کرلو جیسے کسی شخص سے کہا جاوے کہ یہ پچاس گاڑیاں ہیں ان کو ایک دم سے چلاؤ اور وہ سخت پریشان ہو کہ میں کس طرح چلاؤں یہ تو سخت مشکل ہے پھر اس کو طریق ایک بتلادیا جاوے کہ اسی میں انجن لگادو سب گاڑیاں خود بخود چل پڑیں گی واللہ العظیم ایسی بے نظیر تعلیم ہے کہ کوئی حکیم کوئی فلسفی کوئی عاقل اس کے مثل نہیں لاسکتا یہ ایک مطلب ہے ایسی ذات پاک کا جو انسان کے رگ پٹھوں سے ریشہ ریشہ سے واقف ہے اس کو دیکھ کر علاج تجویز کیا۔

خشیت الٰہی پیدا کرنے کی ضرورت

اس تمام تر تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ طریق اصلاح اعمال و محوذنوب کا فقط اتنا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرلو تو اسی سے تمام اعمال درست ہوجاویں گے اور زبان کی درستی بھی اگرچہ اس میں داخل ہے مگر پھر زبان کی درستی کو استقلالاً طریقہ کا جزو کیوں بنایا گیا اس میں کیا راز ہے پس بجائے اتقوا اللہ و قولوا قولا سدیداً کے یوں فرماتے یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ یسدد لکم السنکم و یصلح لکم اعمالکم الخ یوں نہیں فرمایا بلکہ وقولوا قولاً سدیدا کا اتقوا اللہ پر عطف کیا اور اس کو مستقل طریقہ قرار دیا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اعمال بہت سے ہیں ایک وہ جو ہاتھ پاؤں آنکھ وغیرہ سے ہوتے ہیں ایک وہ جو زبان سے ہوتے ہیں اور ان دونوں قسموں میں کئی قسم کا تفاوت ہے۔

ایک یہ کہ سوائے لسان کے اور سب جوارح عمل کرنے سے تھک جاتے ہیں پاؤں تھک جاتا ہے کثرت سے چلنے سے ہاتھ تھک جاتا ہے ان اعمال سے جو ہاتھ سے کئے جاتے ہیں آنکھ تھک جاتی ہے زیادہ دیکھنے سے مگر یہ لسان بولنے سے نہیں تھکتی اگر لاکھ برس تک بک بک کرو تو ہرگز نہ تھکے گی۔ یہ بات دوسری ہے کہ بکثرت بولنے سے دل کے اندر بے رونقی سی پیدا ہوکر بولنے سے نفرت ہوجاوے لیکن زبان کو فی نفسہ کوئی تکان نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لسانی اعمال سب جوارح کے اعمال سے عدد میں زیادہ ہوں گے پس گناہ بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس سے زیادہ ہوں گے ایک تو یہ تفاوت ہوا دوسرے یہ کہ زبان مثل برزخ کے ہے درمیان قلب و جوارح کے قلب سے بھی اس کو مشابہت ہے اور جوارح سے بھی اور یہ مشابہت خلقی بھی ہے اور باطنی بھی خلقی یہ کہ قلب بالکل مخفی و مستور ہے اور جوارح بالکل ظاہر اور زبان مستور من وجہ و مکشوف من وجہ ہے چنانچہ شارع نے بھی اس کا اعتبار کیا ہے کہ صائم اگر منہ میں کوئی چیز لے کر بیٹھ جائے روزہ نہیں ٹوٹتا اس میں کے مکشوف ہونے کا اعتبار کیا گویا جوف میں وہ چیز نہیں گئی اور اگر تھوک نگلے تو بھی روزہ نہیں ٹوٹتا اس میں اس مستور ہونے کا اعتبار کیا گویا جوف سے جوف میں ایک چیز چلی گئی اور غسل میں کلی کرنا فرض ہوا یہ مکشوف ہونے کا اعتبار فرمایا اور باطنی مشابہت یہ ہے کہ جیسے قلب کی اصلاح سے تمام بدن کی اصلاح ہوتی ہے اسی طرح زبان کی اصلاح سے تمام اعمال جوارح کی اصلاح ہو جاتی ہے جو شخص ساکت ہو کر بیٹھ جاوے اس کے ہاتھ سے نہ ظلم ہوگا نہ زیادتی ہوگی نہ کسی سے لڑائی ہوگی نہ تکرار ہوگا اس لئے کہ زبان چلانے ہی سے نوبت ہاتھ پاؤں تک پہنچتی ہے ان سب سے حدیث کی بھی تنویر ہوگی اذا اصبح ابن ادم فان الاعضاء کلها تکفرا للسان فتقول اتق الله فینا فانا نحن بک فان استقمت استقمنا وان اعوججت اعوججنا یعنی جس وقت ابن آدم صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء زبان کو قسم دیتے ہیں اور کہتے ہیں (اے زبان) ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ساتھ ہیں پس اگر تو راست ہوگی تو ہم سب راست رہیں گے اور اگر تو کج ہوگی ہم سب کج ہو جاویں گے۔

تیسرا تفاوت دیگر جوارح اور لسان میں یہ ہے کہ زبان قلب کی معبر ہے زبان سے جو کچھ کہا جاتا ہے اس سے پوری حالت قلب کی معلوم ہوتی ہے اور اگر ساکت رہے تو کچھ حال معلوم نہ ہوگا کہ یہ شخص کیسا ہے زبان ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص متواضع ہے یا متکبر ہے قانع ہے یا حریص عاقل ہے یا احمق دشمن ہے یا دوست خیر خواہ ہے یا بدخواہ بخلاف ہاتھ پاؤں کے سب شبہ ہو سکتا ہے ایک ہی طرح کا فعل ہاتھ پاؤں سے دوست دشمن سے صادر ہو سکتا ہے مثلاً قتل واقع ہوا تو اس سے یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ یہ قاتل دشمن ہی تھا ممکن ہے کہ دوست ہو اور وہ کسی اور کو قتل کرنا چاہتا ہو اور ہاتھ چوک گیا ہو چنانچہ ایک جگہ کا واقعہ ہے کہ ایک بھائی نے بندوق چلائی دوسرے بھائی کی آنکھ میں ایک چھرہ جا لگا اسی طرح سے مار پیٹ کبھی عداوت سے ہوتی ہے کبھی تادیب کے لئے ہوتی ہے غرض ایک شق متعین کرنے کے لئے خارجی قرائن کی ضرورت ہوتی ہے بخلاف لسان کے کہ یہ پوری نائب قلب کی ہے۔

چوتھا تفاوت یہ ہے کہ تعلقات دو قسم کے ہیں ایک اپنے نفس کے ساتھ دوسرے غیروں کے ساتھ جو تعلق اخوت محبت عداوت کا ہوگا وہ بدولت زبان کے ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ اعمال صالحہ میں ہم کو دوسروں کی امداد کی ضرورت ہے بغیر دوسروں کی امداد کے ہم رکعت تک نہیں پڑھ سکتے اس لئے کہ نماز کا طریقہ ہم کو کسی نے بتلایا ہوگا اس لئے ہم نماز پڑھتے ہیں قرآن شریف کسی نے پڑھایا اس لئے ہم پڑھتے ہیں روزہ کی فرضیت اور اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی تاکید اور اس کی ماہیت کسی نے بتائی اس لئے روزہ رکھتے ہیں علیٰ ہٰذا تمام اعمال صالحہ اور ان بتلانے سکھلانے والوں نے بلا تعلق تو بتلایا نہیں اور وہ تعلق پیدا ہوا ہے لسان سے اور نیز تعلیم بھی ہم کو بذریعہ لسان کے کی گئی ہے تو اس اعتبار سے لسان کو تمام اعمال صالحہ میں دخل ہوا گویا یہ تمام اعمال صالحہ بدولت اس لسان ہی کے ہم سے صادر ہوتے ہیں۔

جبکہ دیگر جوارح اور لسان میں اس قدر تفاوت ہوئے اور لسان کو اعمال صالحہ کے وجود میں ایک دخل عظیم ہوا اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے اس کو مستقل جزو طریق اصلاح کا بنا دیا اگرچہ تقویٰ سے جو درستی ہوگی درستی لسان بھی اس کا فرد عظیم ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے ذمہ دو کام ہوئے ایک خدا کا خوف دوسرے زبان کی اصلاح ان دونوں کے جمع ہونے سے آئندہ کے لئے اعمال کی اصلاح ہوگی اور گزشتہ گناہ محو ہو جائیں گے۔

اور یصلح کی نسبت جو اپنی طرف فرمائی حالانکہ بظاہر اصلاح اعمال کام عبد کا ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ اشارہ ہے کہ ہم کو اپنے اوپر نظر نہ ہونا چاہئے اور یہ نہ سمجھیں کہ یہ کام ہم نے کیا ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ ناز مت کرو جو کچھ کرتے ہیں اور خیر اگر کچھ ہمارے اختیار میں بھی ہے تو یہ ہے کہ مثلاً ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن پوری درستی جو مفہوم ہے یصلح کا یعنی یہ کہ جیسے چاہئے اس طرح کی نماز پڑھنا اور قلب کا اس میں حاضر ہو جانا یہ سب خدا کی طرف سے ہے اور اس نسبت میں ایک اور لطیف نکتہ ہے وہ یہ کہ گویا فرماتے ہیں کہ یہ اعمال تو تم نے کر لئے لیکن ہم اس کی اصلاح کے لئے فرشتوں کی معرفت پیش کرا دیں گے جیسے بچہ سے کہا کرتے ہیں کہ یہ شئے اٹھالاؤ اور وہ اٹھا نہیں سکتا تو خود اٹھاتے ہیں اور اس کا ہاتھ بھی لگوا دیتے ہیں اس اٹھانے کی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں اور خود ہی انعام عطا فرماتے ہیں۔ اللہ اکبر کس قدر رحمت ہے اور دوسری شے جو اتقوا اللہ الخ پر مرتب فرمائی وہ یغفرلکم ذنوبکم ہے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بجائے یغفرلکم ذنوبکم کے یجنبکم ذنوبکم فرماتے یعنی تم کو گناہوں سے بچالیں گے یہ نہیں فرمایا اس لئے کہ گناہوں سے بچانا تو یصلح لکم میں آ چکا ہے ذنوب ماضیہ باقی تھی ان کی نسبت فرمایا کہ ان کی بھی فکر نہ کرو ان کو بھی اللہ تعالیٰ محو فرما دیں گے۔

خوف حاصل ہونے کا طریقہ

اب میں آپ کو خوف (کہ جس سے تمام اعمال درست ہو جاتے ہیں) اس کے حاصل ہونے کا طریقہ بتلاتا ہوں اور وہ طریقہ گویا ایک گر اور میرے تمام وعظ کا گویا خلاصہ ہے اور وہ اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ وہ بھی حق تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے وہ یہ ہے ولتنظر نفس ماقدمت لغد یعنی ذکر آخرت کیا کرو اور فکر آخرت کا طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر لو مثلاً سوتے وقت روزمرہ بلا ناغہ بیٹھ کر سوچا کرو کہ معاد کیا ہے اور مر کر ہم کو کیا پیش آنے والا ہے مرنے سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک جو واقعات ہونے والے ہیں سب کو سوچا کرو

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ ایک دن وہ آئے گا کہ میرا اس دار فانی سے کوچ ہوگا سب سامان مال اسباب باغ نوکر چاکر اولاد بیٹا بیٹی ماں باپ بھائی خویش اقارب دوست دشمن سب یہیں رہ جاویں گے میں تن تنہا سب کو چھوڑ کر قبر کے گڑھے میں جالیٹوں گا اور وہاں دو فرشتے آویں گے اگر میرے دن بھلے ہیں تو اچھی صورت میں ورنہ خدانخواستہ ڈراؤنی صورت میں نہایت ہولناک آواز سے آکر سوالات کریں گے پس اے نفس اس وقت کوئی تیرا مددگار نہ ہوگا تیرے اعمال ہی وہاں کام آویں گے اگر سوالات کے جواب درست ہو گئے سبحان اللہ جنت کی طرف کی کھڑکی کھل جاوے گی اور اگر خدانخواستہ امتحان میں ناکام رہا تو قبر حفرۃ من حفر النار ہوگی اس کے بعد تو قبر سے اٹھایا جائے گا اور اعمال نامہ اڑائے جاویں گے حساب کتاب کے لئے پیش کیا جاوے گا پل صراط پر چلنا ہوگا اے نفس تو کس دھوکہ میں ہے اور ان سب واقعات پر تیرا ایمان ہے اور یقینا جانتا ہے کہ یہ ہو کر رہیں گے پھر کیوں غفلت ہے اور کس وجہ سے گناہوں کے اندر دلیری ہے کیا دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اے نفس تو ہی اپنا غمخوار بن اگر تو اپنی غمخواری نہ کرے گا تو تجھ سے زیادہ کون تیرا خیر خواہ ہوگا اسی طرح گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ روزانہ ان واقعات کو تفصیل سے سوچا کرے میں دعوئی سے کہتا ہوں کہ ان شاء اللہ چند ہی روز کے بعد دیکھو گے کہ خوف پیدا ہو گیا اور خوف پیدا ہونے کے بعد آپ کو ماضی سے توبہ کی فکر ہوگی اور آئندہ کے لئے اطاعت کی توفیق ہوگی اسوقت آپ کو مشاہدہ ہوگا اتقوا اللہ پر کیسے اصلاح اعمال و مغفرت ذنوب مرتب ہو گئے آگے فرماتے ہیں ومن یطع اللہ و رسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً یعنی جو شخص اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے وہ بیشک بڑی کامیابی کو پہنچا یطع میں اشارہ ہے جو کہ شخص خوشی سے کہنا مانے اس لئے کہ یہ طلوع سے متعلق ہے اور خوشی سے کہنا ماننا بدوں محبت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہوتا۔

محبت الٰہی حاصل ہونے کا طریقہ

اور اللہ کی محبت کے حاصل ہونے کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرنا ہے اس کے لئے بھی ایک وقت مقرر کر کے سوچا کرو کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر نعمتیں ہیں چند روز کے بعد آپ کو مشاہدہ ہوگا کہ ہم سر تا سر عنایات اور نعمتوں میں غرق ہیں اس سے آپ کے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت اور اپنی ناکارگی اور تقصیر جاگزیں ہوگی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یطع کا تعلق آپ سے بھی ہے آپ کے ساتھ محبت کا طریقہ بھی یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہمارے لئے مشقتیں اٹھائیں اور اپنی امت پر شفقت فرمائی اس کو سوچا کرو جب محبت پیدا ہوگی۔ اطاعت خوشی سے ہوگی ادھر محبت ہوگی اور پہلے جو طریقہ بیان کیا اس سے خوف ہوگا یہ دونوں شے آپ کے دین دنیا دونوں درست کر دیں گے اور بڑی کامیابی سے یہی مراد ہے اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہئے کہ حق تعالیٰ ہم کو اصلاح اعمال کی توفیق عطا فرماویں و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

خیر خلقه محمداً و آله و اصحابه اجمعین۔ والسلام (تسہیل الاصلاح ص۱۴،۱۶ تا ۲۰)

فقد قال الله تعالیٰ یایها الذین امنوا اتقوا الله و قولوا قولاً سدیداً یصلح لکم اعمالکم و یغفرلکم ذنوبکم و من یطع الله و رسوله فقد فاز فوزاً عظیماً

یہ ایک آیت ہے جس میں حق تعالیٰ نے مختصر لفظوں میں ایک کارآمد مضمون پر متنبہ فرمایا ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ جو آدمی جو کام کرتا ہے اس سے دو چیزوں میں سے ایک شے مقصود ہوتی ہے یا تو دفع مضرت یا جلب منفعت مثلاً کھانا کھاتا ہے لذت وتغذی کے لئے یہ ایک منفعت ہے دوا پیتا ہے دفع مرض کے واسطے یہ مضرت کا دفع ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ امر بالکل ظاہر اور بدیہی ہے کہ جو کچھ انسان کرتا ہے جلب منفعت کے لئے کرتا ہے یا دفع مضرت کے واسطے اس میں کسی عاقل کو کلام نہیں اور نہ اس پر براہین ودلائل قائم کرنے کی ضرورت ہے البتہ منفعت ومضرت کی تعیین میں اہل الرائے اور اہل ملت میں اختلاف ہے۔

کونسا نفع قابل تحصیل ہے

اس وقت قابل غور امر یہ ہے کہ اس کا فیصلہ ہونا ضرور ہے کہ آیا کون منفعت واقع میں قابل تحصیل کے ہے کون مضرت واقع میں قابل دفع کے لئے تو بعد تامل یہ سمجھ میں آتا ہے کہ منفعت وہ لائق تحصیل کے ہے جس میں دو صفتیں ہوں ایک تو یہ کہ وہ منفعت زیادہ باقی رہنے والی ہو دوسری یہ کہ خالص ہو مشوب بمضرت نہ ہو معلوم ہوا کہ مضرت باقیہ وخالصہ زیادہ فکر کے قابل ہے اور مضرت فانیہ زیادہ قابل التفات نہیں ہے پس منفعت و مضرت دونوں کی دو قسمیں ہوئی منفعت باقیہ خالصہ' منفعت فانیہ غیر خالصہ' مضرۃ باقیہ خالصہ' مضرۃ فانیہ غیر خالصہ۔ اس کے بعد معلوم کرنا چاہیے کہ دنیا کی منفعت ومضرۃ تو ہر شخص کے پیش نظر ہے ہم کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور منفعت ومضرت کی بھی خبر دی ہے جو مرنے کے بعد واقع ہونے والی ہے اب محل کے اعتبار سے منفعت ومضرۃ کی دو قسمیں اور نکلیں۔ منفعت دنیویہ منفعۃ اخرویہ مضرۃ دنیویہ مضرۃ اخرویہ۔

تو سمجھ لیجئے کہ آخرۃ کی منفعت جنت ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریق اعمال صالحہ ہیں اور آخرۃ کی مضرت دوزخ ہے اور اس سے بچنے کا طریق بداعمالیوں سے بچنا ہے خلاصہ یہ کہ اعمال صالحہ کو اختیار کیا جاوے اور ذنوب سے بچا جاوے اور جو ہو چکے ہیں ان سے توبہ کی جاوے خلاصہ یہ کہ مقصود دو شے ہیں اصلاح اعمال محو ذنوب اور محو ذنوب کے معنی یہ ہیں کہ گزشتہ سے توبہ کی جائے اور آئندہ بچنے کا عزم کیا جائے لیکن اعمال کی تحصیل اور گناہوں سے بچنا اول کو اکثر لوگوں پر ہمیشہ ہی سے گراں اور ثقیل ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾

ترجمہ: ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔ وہ انسان بہت ظلوم وجہول ہے۔

تفسیری نکات

اصل مابہ الامتیاز محبت ہے

اگر ان میں ادراک نہ تھا تو عذر کیسے کیا اور پھر ڈرے کیسے ڈر تو فعل قلب کا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حالت کے مناسب قلب بھی ہے اور زبان بھی ہے کیونکہ وہ چیز جس سے بولتے ہیں وہ زبان ہے اور وہ چیز جس سے ڈرتے ہیں وہ قلب ہے باقی وحملها الانسان کی کیا وجہ تھی۔ وہ وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کو عقل بھی زیادہ تھی اور ان میں مادہ محبت کا بھی زیادہ تھا بلکہ اگر غور سے دیکھا جاوے تو اصل مابہ الامتیاز انسان میں یہ محبت ہی ہے۔

محبت سبب حمل امانت ہے

حقیقت میں محبت ایسی شے ہے کہ اس کے احکام اور آثار عقل جزوی کے احکام سے بالکل جدا ہیں۔ یہی محبت تو وہ شے ہے جس کے ساتھ نوع انسان کی خصوصیت ہے اور یہی محبت تو سبب حمل امانت ہے جس کی نسبت ارشاد ہے انا عرضنا الامانة على السموت والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان. یعنی بے شک ہم نے پیش کیا امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے اس سے اور اٹھالیا اس کو انسان نے اس کی وجہ عارف شیرازی نے ایک شعر کے اندر ایک لفظ سے بیان کی ہے کہتے ہیں

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زوند

لفظ دیوانہ سے اس امانت کے برداشت کرنے کی لم کی طرف اشارہ ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان میں محبت اور عشق کا مادہ رکھا ہے اور سوائے اس کے اور مخلوقات میں یہ مادہ اس درجہ کا نہیں ہے۔ یہ امر دوسرا ہے کہ ہر شے کو اپنے خالق کے ساتھ تعلق ہے لیکن وہ تعلق دوسری قسم کا ہے پس چونکہ زمین و

(c) ketabton.com: The Digital Library

آسمان و جبال میں ایسا مادہ محبت کا نہ تھا اس لئے جب ان پر امانت الٰہی پیش کی گئی تو بوجہ عدم محبت کے اس خطاب میں ان کو لذت نہ آئی اور اپنی نا اہلیت کا اظہار کیا اور حضرت انسان میں چونکہ دیوانگی اور عشق رکھا تھا اس لئے اس نے آگے بڑھ کر فوراً عرض کیا کہ حضرت اس بار کو میں لیتا ہوں مجھے دیدیجئے یہ سمجھا کہ اور کچھ نہیں تو اس بہانہ سے بات ہی کرنے کا موقع ملا کرے گا۔ بقول کسی شاعر کے

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

موسیٰ علیہ السلام سے جب سوال ہوا وما تلک بیمینک یاموسی یعنی کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ۔ تو اس کا جواب تو اس قدر تھا عصای۔ یعنی میری لاٹھی ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اس پر اقتصار نہیں فرمایا بلکہ اس پر ایک طویل مضمون بڑھایا۔ چنانچہ فرمایا عصای اتوکؤ علیھا واھش بھا علی غنمی یعنی یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر سہارا کر لیتا ہوں اور اپنی بکریوں پر اس سے پتے جھاڑتا ہوں اور چاہتے تھے کہ کچھ فوائد اس کے مفصلاً بیان کریں لیکن کچھ ہیبت اور کچھ فرط و نشاط کے سبب اور کچھ جب یاد نہ آیا تو یہ فرمایا ولی فیھا مارب اخری یعنی میرے لئے اس میں اور بھی مقاصد ہیں اور اس میں گنجائش اس کی رکھی ہے کہ کسی اور وقت یہ عرض کرسکوں کہ وہ جو میں نے عرض کیا تھا کہ اس میں اور بھی فوائد ہیں وہ فوائد یہ ہیں۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ کو ان سب فوائد کی خبر تھی۔ اور نیز سوال بھی صرف یہی تھا کہ کیا شے ہے اس کے فوائد سے سوال نہ تھا لیکن کلام کو اس لئے طول دیدیا کہ پھر ایسا وقت کہاں ملے گا کہ اللہ میاں سے باتیں کرنا نصیب ہوں اچھا ہے جتنا وقت بھی میسر ہو تو جو اہل دل ہیں ان کی غرض تو دعا سے اپنے مولیٰ حقیقی سے مناجات ہوتی ہے اس لئے وہ دیر میں ملنے سے اکتاتے تو کیا اور خوش ہوتے ہیں۔

از دعا نبود مراد عاشقاں جز سخن گفتن بآں شیریں دہاں

حامل امانت

حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے قرآن کی امانت کو تینوں آسمانوں اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن فابین ان یحملنھا واشفقن منھا و حملھا الانسان سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا۔

ہم نے (اپنی) امانت کو آسمانوں اور پہاڑوں پر پیش کیا یعنی اور انسان پر بھی پیش کیا جس کا قرینہ یہ ہے کہ آگے حملھا الانسان آرہا ہے اور ظاہر ہے کہ بدوں عرض کے وہ حامل امانت نہ ہوسکتا تھا اس لئے یہ ماننا لازم ہے کہ عرض میں انسان بھی دوسروں کے ساتھ تھا مگر چونکہ آگے حمل میں اس کا ذکر آرہا ہے اس لئے یہاں بیان کی ضرورت نہ تھی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

امانت سے مراد اختیار ہے

(انا عرضنا الامانه پ ۲۲) کے ذیل میں فرمایا کہ اس سے مراد امانت اختیار ہے پہاڑوں نے زمین نے آسمانوں نے انکار کیا انسان نے فرط محبت سے خود قبول کر لیا۔ عقل پر محبت کا غلبہ ہوا۔ کچھ نہ سوچا یہ بار اٹھا لیا اس لئے آگے فرمایا گیا لیعذب الله المنافقين الاية اسی سلسلہ میں فرمایا کہ اکثر عارفین کے نزدیک امانت سے مراد عشق ہے اور آگے جو ارشاد ہے کہ انه کان ظلوما بعض اہل لطائف نے کہا کہ یہ عنوان میں تو قدح ہے لیکن دراصل مدح ہے کہ اس نے بڑا ہی ستم کیا کہ جھٹ کھڑا ہو گیا اور عشق کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہو گیا بڑا نادان ہے یہ تفسیر حضرت حاجی صاحب کی ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں انا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها و حملها الانسان کہ ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین وجبال پر پیش کی کہ اس کا تحمل کرتے وہ تو سب نے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا اس امانت سے مراد کیا ہے۔ محققین علماء فرماتے ہیں کہ اس سے تکلیف تشریعی مراد ہے اور تکلیف کے معنی تحصیل عمل بالاختیار کیونکہ مطلق عبادت واطاعت سے تو کوئی شی خالی نہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ثم استوى الى السماء وهى دخان فقال لها وللارض ائتيا طوعا او كرها قالتا اتينا طائعين کہ ہم نے زمین وآسمان سے کہا کہ ہمارے حکام (تکوینیہ) کے لئے تیار ہو جاؤ خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے سب نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے تیار ہیں اور لفظ طائعین سے صاف رد ہو رہا ہے ان لوگوں کا جو سموات وارض و جمادات کی عبادت کو حالیہ یا قسریہ کہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ قسر وحال میں طوع بھی ہوا کرتا ہے ہرگز نہیں بہر حال عابد ومطیع تو تمام مخلوقات ہیں لیکن مکلف سب نہیں بجز انسان کے اس سے معلوم ہوا کہ تکلیف واطاعت میں فرق ہے اور جس امانت سے تمام عالم گھبرا گیا وہ تکلیف ہی ہے جس سے مراد عمل مع الاختیار ہے حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے یہ فرمایا تھا کہ ہمارے کچھ احکام تشریعیہ ہیں ان کا مکلف بالاختیار کون ہوتا ہے یعنی جو شخص ان کا تحمل کرے گا اس کو صفت اختیار مع عقل کے عطا کی جاوے گی یعنی اس کی قوت ارادیہ ان احکام پر عمل کرنے کے لئے مجبور نہ ہوگی بلکہ عمل وعدم عمل دونوں پر قدرت دی جائے گی پھر جو اپنے اختیار سے احکام کو بجالائے اس کو مقرب بنا لیا جائے گا اور جو اپنے اختیار سے احکام میں کوتاہی کرے گا اس کو مطرود کر دیا جائے گا اس سے سموات وارض وجبال اور تمام مخلوق ڈر گئی انسان اس کے لئے آمادہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مکلف بنا دیا یعنی اس کو صفت اختیار مع عقل کے عطا کر دی گئی باقی مخلوقات میں یہ صفت اختیار اور عقل نہیں ہے (وہ جن

(c) ketabton.com: The Digital Library

احکام تکوینیہ کو یا عبادت کو بجالاتے ہیں وہ ان کے لئے طبعی ہیں یعنی ان کی قوت ارادیہ اس کے خلاف کی طرف مائل ہی نہیں ہوتی بخلاف انسان کے کہ جن احکام کا یہ مکلف ہے وہ اس کے لئے طبعی نہیں بلکہ اس کی قوت ارادیہ عمل وعدم عمل دونوں کی طرف مائل ہوتی ہے اب اس کی تکلیف کے معنی ہی یہ ہیں کہ یہ اپنے اختیار سے ایک جانب کو ترجیح دے یعنی جانب عمل کو ماموارت اور جانب عدم عمل کو منہیات میں اسی کا نام تحصیل عمل ہے اور اس سے یہ لازم نہیں کہ غیر انسان عاقل نہ ہو ممکن ہے کہ دوسری مخلوقات بھی عاقل ہوں مگر عاقل کامل نہیں یعنی ان کو عقل کا وہ درجہ حاصل نہیں جو تکلیف احکام کے لئے کافی ہو۔ آ خر صبی۔ مراھق بھی تو عاقل ہے مگر باوجود عقل کے مکلف نہیں کیونکہ اس کی عقل کامل نہیں جو تکلیف کے لئے کافی ہو اور چونکہ اس پر کوئی شرعی اشکال لازم نہیں آتا اس لئے میں اس کا قائل ہوں کہ تمام مخلوقات حیوانات ونباتات حتیٰ کہ جمادات بھی عاقل ہیں یہ خیال صحیح نہیں کہ انسان کے سواسب غیر عاقل ہیں ہاں یہ مسلم ہے کہ ان میں اتنی عقل نہیں جو تکلیف کے لئے کافی ہو پس وہ مثل مراھق کے عاقل ہو سکتے ہیں اس کی کسی نص سے نفی نہیں ہوتی بلکہ تائید ہوتی ہے آ خر ہد ہد کی گفتگو حضرت سلیمانؑ کے ساتھ جو قرآن میں مذکور ہے کیا یہ سب طبعی کلام ہے ہرگز نہیں بلکہ عاقلانہ کلام ہے اور اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ قرار دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمت کے لئے بعض حیوانات کو عقل دیدی تھی تو میں کہوں گا کہ اب بھی بعض حیوانات کی حرکات ایسی ہوتی ہیں کہ خالی از عقل کہنا دشوار ہے۔

آیت مبارکہ میں امانت کا مفہوم

انا عرضنا الامانۃ (پ۲۲)(ہم نے یہ امانت پیش کی تھی)

کے ذیل میں فرمایا کہ اس سے مراد امانت اختیار ہے۔ پہاڑوں نے' زمین نے' آسمان نے انکار کیا انسان نے فرط محبت سے خود قبول کرلیا۔ عقل پر محبت نے غلبہ پالیا۔ کچھ نہ سوچا یہ بار اٹھالیا۔ اس لئے آگے فرمایا **لیعذب اللہ المنافقین** (الآیۃ)(انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو سزا دے گا) اسی سلسلے میں فرمایا: کہ اکثر عارفین کے نزدیک امانت سے مراد عشق ہے اور آگے جو ارشاد ہے کہ **انہ کان ظلوماً** (وہ ظالم اور جاہل ہے) بعض اہل لطائف نے کہا کہ یہ عنوان میں تو قدح ہے۔ لیکن دراصل مدح ہے کہ اس نے بڑا ہی ستم کیا کہ جھٹ کھڑا ہو گیا اور عشق کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہو گیا۔ بڑا نادان ہے۔ یہ تفسیر حضرت حاجی صاحب کی ہے اور حافظ شیرازیؒ نے بھی اپنے شعر میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے

آسماں بار امانت تو انست کشید — قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

(آسمان جس بار امانت (حکومت) کو نہ اٹھا سکا' اس کا قرعہ فال مجھ دیوانہ کے نام نکلا)

(c) ketabton.com: The Digital Library

شیطان کے مردود ہونے کا سبب

شیطان اسی لئے مردود ہوا کہ اس کو فنائے نفس حاصل نہ تھی۔ کیونکہ محبت سے کورا تھا اور ملائکہ میں محبت تھی اس لئے وہ فوراً سجدہ میں گر پڑے کیونکہ وہاں نفس نہ تھا اور ملائکہ سے زیادہ انسان میں محبت ہے اسی لئے یہ امانت کا حامل ہوا۔ جس کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ہم نے قرآن کی امانت کو زمینوں آسمانوں اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن

فابین ان یحملنها و اشفقن منها و حملها الانسان

سوانہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا۔

ہم نے (اپنی) امانت کو آسمانوں اور (زمین) اور پہاڑوں پر پیش کیا یعنی اور انسان پر بھی پیش کیا جس کا قرینہ یہ ہے کہ آگے حملها الانسان آ رہا ہے اور ظاہر ہے کہ بدوں عرض کے وہ حامل امانت نہ ہو سکتا تھا اس لئے یہ ماننا لازم ہے کہ عرض میں انسان بھی دوسروں کے ساتھ تھا مگر چونکہ آگے حمل میں اس کا ذکر آ رہا ہے اس لئے یہاں بیان کی ضرورت نہ تھی اور یہی جواب اس اشکال کا ہے کہ بعض لوگوں نے

واذ قلنا للملئكة اسجدو الا دم فسجدوا الا ابليس

جب اللہ نے تمام ملائکہ کو سجدہ آدم کے لئے کہا تو تمام نے فرمان بجالایا مگر شیطان نے انکار کیا پر شبہ کیا کہ شیطان کے مردود ہونے کی وجہ کیا ہے اس کو تو سجدہ کا حکم ہوا ہی نہیں بلکہ واذ قلنا للملئكة اسجدوا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف ملائکہ کو ہوا تھا۔ نہ معلوم ان صاحبوں کو شیطان کے ساتھ اتنی ہمدردی کیوں ہے شاید کبھی رات کو ہم بستر ہوئے ہوں گے۔

جواب اشکال کا یہ ہے کہ عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم نہیں اور یہاں اس کے ذکر کی اس لئے ضرورت نہ تھی کہ آگے الا ابلیس میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔ یہ اس کا قرینہ ہے کہ وہ بھی مخاطب تھا۔ بلاغت کا قاعدہ ہے کہ جب ایک چیز کا ذکر آگے موجود ہو تو کلام سابق میں اکتفا بالاحق اس کا ذکر نہیں کیا کرتے جیسا کہ یہاں عرض امانت میں انسان کا ذکر اس لئے نہیں ہوا کہ آئندہ حملها الانسان میں اس کا ذکر موجود ہے یہ جواب اس اشکال کا بہت سہل ہے اس میں استثناء متصل و منفصل کی بحث کی ضرورت نہ رہے گی بلکہ اس کا اصل یہ ہے کہ ابلیس کا ذکر کلام سابق میں ایجازاً محذوف ہے اور تقدیر کلام اس طرح تھی واذقلنا للملئكة والابليس اسجدوا یہ جملہ معترضہ تھا۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور تمام مخلوقات پر پیش کی۔ امانت سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

مراد احکام تکلیفیہ ہیں جن کے ساتھ یہ شرط بھی تھی کہ اگر امتثال ہوا تو ثواب ملے گا اور نافرمانی پر عذاب ہوگا۔ عذاب کو سن کر سب ڈر گئے مگر انسان نے ہمت کی اور تحمل کے لئے آمادہ ہو گیا۔

محققین نے لکھا ہے کہ اور مخلوق میں عشق کا مادہ نہ تھا۔ انسان میں عشق کا مادہ تھا۔ یہ خطاب الٰہی کی لذت سے مست ہو گیا اور اس لذت کے لئے اس نے احتمال عذاب کی بھی پروانہ کی اور کہہ دیا کہ حضرت یہ امانت مجھے دی جائے میں اس کا تحمل کروں گا۔ بس وہی مثل ہوئی کہ چڑھ جا سولی پر اللہ بھلی کرے گا۔ اس نے سوچا کہ جس امانت کی ابتداء یہ ہے کہ کلام و خطاب سے نوازے گئے اگر اس کو لے لیا تو پھر تو روز کلام و سلام و پیام ہوا کریگا بس ایک سلسلہ چلتا رہے گا کہ آج کوئی حکم آرہا ہے کل کو دوسرا آرہا ہے۔ کبھی عنایت ہے کبھی عتاب ہے تو اس چھیڑ میں بھی بڑا مزہ ہے۔

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد　　　گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حمل امانت کا راز یہی بتلایا ہے کہ اس کا منشاء محبت کی دیوانگی تھی۔ فرماتے ہیں۔

آسماں بار امانت نتو انست کشید　　　قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

علاج النفس

بعض لوگوں نے اس راز کو قرآن سے بھی ثابت کرنا چاہا۔ انہوں نے انہ کان ظلوما جھولا (وہ ظالم ہے جاہل ہے) کو اسی پر محمول کیا ہے اور اس کی مدح کہا ہے کہ چنانچہ بعض صوفیائے نے ظلوم کی تفسیر میں لکھا ہے اس کے معنی ظلوم لنفسہ ہیں مطلب یہ ہے کہ انسان میں فنائے نفس کی صفت تھی مگر میں اس تفسیر کو نہیں مانتا کیونکہ ظلم لنفسہ بھی تو شریعت میں محمود نہیں بلکہ مذموم ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے کفار کے باب میں فرمایا ہے کانوا انفسھم یظلمون وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں تو کیا وہ بھی فانی تھے؟

اگر آج کل ایک جماعت نکلی ہے جو نفس کی دشمن ہے۔ کہتے ہیں اس کو خوب مارو۔ اس پر خوب ظلم کرو اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کو کافر بھی کہتے ہیں حالانکہ سارے بدن میں اگر تلاش کرو تو مومن یہی نکلے گا تو حضرت آپ نفس کو کافر کہہ کر خود اپنے ہی کو کافر کہتے ہیں پھر تمہارا کیا اعتبار پس نفس پر ظلم کرنا یہ کچھ تصوف نہیں ہے۔ حضورؐ کا تصوف تو یہ ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان لنفسک علیک حقا وان لعینک علیک حقا وان لجسدک علیک حقا

تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھوں اور تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے۔

نفس کے بھی تمہارے ذمہ حقوق ہیں ان کو ادا کرنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ بس ظلم ہی پر کمر باندھ لو۔ بلکہ اس کے ساتھ بچہ کا سا معاملہ کرو کہ بچوں سے جب کوئی کام لینا ہوتا ہے تو اول اس کو مٹھائی وغیرہ دے کر بہلاتے ہیں۔ اگر اس سے نہ مانے تو دھمکی سے کام لیتے ہیں اگر اس سے بھی نہ مانے تو بس وہ چپت۔ صاحب قصیدہ بردہ فرماتے ہیں

النفس کالطفل ان تہملہ شب علی حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

بس اس کے حظوظ کو تو پورا نہ کرو باقی حقوق ادا کرتے رہو۔ خوب کھلاؤ پلاؤ اور اچھی طرح کام لو۔

کہ مزدور خوش دل کند کار بیش

ہاں جب کسی طرح باز نہ آئے تو اب سزا دو مگر خود سزا نہ دو بلکہ کسی کے حوالے کر دو۔ وہ مناسب سزا تجویز کرے گا۔

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

ورنہ جو لڑکا اپنے ہاتھ سے چپت مارے گا وہ تو آہستہ مارے گا اور محقق سزا کافی دے گا مگر حقوق تلف نہ کرے گا۔ بہر حال نفس کو کافر کہنا گویا اپنے کو کافر کہنا ہے۔ شاید یہ لوگ تو اضعاً اپنے نفس کو برا بھلا کہتے ہیں۔ مگر ایسی بھی کیا تواضع کہ مسلمان سے کافر بن گئے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ سَبَا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ

ترجمہ: اے داؤد کے خاندان والو تم سب شکریہ میں نیک کام کیا کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں۔

تفسیری نکات

حضرت سلیمان علیہ السلام پر خصوصی انعامات

یہ ایک آیت ہے اس میں ان نعمتوں کا ذکر ہے جو سلیمان علیہ السلام کو دی گئی تھیں وہ آیت یہ ہے۔

ولسليمن الريح غدوها شهر ورواحها شهر واسلناله عين القطر و من الجن من يعمل بين يديه باذن ربه و من يزغ منهم عن امرنا نذقه من عذاب السعير يعملون له مايشآء من محاريب و تماثيل وجفان كالجواب و قدور رسيٰت اعلموآ آل داود شكراً و قليل من عبادى الشكور (اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا کہ اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ بھر کی ہوتی اور اس کی شام کی منزل ایک مہینہ بھر کی ہوتی اور ہم ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور جنات میں بعض وہ تھے جو ان کے آگے کام کرتے تھے ان کے رب کے حکم سے اور ان میں سے جو شخص ہمارے حکم سے سرتابی کرے گا اس کو دوزخ کا عذاب چکھا دیں گے وہ جنات ان کے لئے وہ چیزیں بناتے جو ان کو منظور ہوتا اور بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن جیسے حوض اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں۔ اے داؤد (علیہ السلام) کے خاندان والو تم سب شکریہ میں نیک کام کیا کرو) اس کے بعد سلیمان علیہ السلام کو اس آیت میں خطاب ہے اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان میں ان کو شکر کی تعلیم ہے مجھے مقصود اس وقت صرف اس جزو کا بیان کرنا ہے اعملوا ال داوٗد شکرا و قلیل من عبادی الشکور اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو شکر کی تعلیم کی گئی ہے مگر عنوان ایسا ہے کہ تمام خاندان کو حضرت سلیمان کے علاوہ بھی شامل ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ انعامات تمام خاندان پر ہیں اس لئے شکر کی بھی سب کو تعلیم دی گئی حالانکہ وہ انعامات خاص سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہیں پھر عام عنوان کے ساتھ خطاب کیوں کیا گیا بات یہ ہے کہ خاندان میں جب کسی ایک پر انعام ہوتا ہے تو اس سے سارے خاندان کو نفع پہنچتا ہے اس سے گو ظاہر میں ایک خاص ذات پر انعام ہے مگر حقیقت میں وہ سارے خاندان کو شامل ہے۔ بڑے آدمی سے خاندان کو ایک ادنیٰ نفع تو یہی ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے سارا خاندان معظم ہو جاتا ہے ان سب کی عظمت لوگوں کی نگاہوں میں ہوتی ہے۔

خاندان میں ایک شخص کے مقبول ہو جانے سے ظاہری اور معنوی دونوں طرح کے فیض خاندان والوں کو دوسروں سے زیادہ حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ طالب بھی ہوں اور ان فیوض کے برکات سے فائدہ اٹھانا بھی چاہیں اس لئے حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے پورے خاندان کو متنبہ فرمایا کہ یہ انعامات تم سب پر ہیں سب کو ان کا شکر ادا کرنا چاہیے اعملوا ال داوٗد شکرا مفعول بہ نہیں ہے ورنہ اس کے لئے واشکروا کافی تھا بلکہ یہ مفعول لہ ہے اور اعملوا کا مفعول بہ یہاں وہی مقدر ہے جو اس کے قبل ملفوظ ہے یعنی واعملوا صالحاً یہاں یہ مفعول لہ اس لئے بڑھایا تاکہ اس سے یہ معلوم ہو جاوے کہ شکر ہی غایت ہے اعمال صالحہ کی یعنی اعمال صالحہ اسی کے لئے وضع کئے گئے کہ شکر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس سے شکر کا ضروری اور مہتم بالشان ہونا معلوم ہو گیا ہوگا۔

شکر کا تعلق قول وعمل دونوں سے ہے

فرماتے ہیں اعملوا ال داوٗد شکراً اے آل داؤد شکر کے لئے عمل کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکر کا تعلق عمل سے بھی ہے صرف قول ہی سے تعلق نہیں۔ اگر شکر کا تعلق صرف قول سے ہوتا تو اعملوا نہ فرماتے شکرا فرماتے۔ پس قرآن میں شکرا اعملوا کے لئے فرمانا اس کی صاف دلیل ہے کہ شکر کا تعلق عمل سے بھی ہے اور یہی ہمارے حضرات نے لکھا ہے کہ شکر کا محل عام ہے لسان وقلب واعضاء سب سے شکر ہوتا ہے اس مضمون کو ایک شاعر نے بھی بیان کیا ہے

ے افادتکم النعما ثلثۃ یدی ولسانی والضمیر المحجبا

(اور میری نعمتوں میں سے جو تم کو عطا کی گئی ہیں تین نعمتیں لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچتی ہیں ہاتھ زبان دل)

اس کے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں وقلیل من عبادی الشکور اس میں حق تعالیٰ بندوں کی شکایت فرماتے ہیں اور ایسی شکایت کہ اگر ہم باغیرت ہوتے تو مر جاتے فرماتے ہیں کہ میرے بندوں میں شکر گزار بہت کم ہیں۔ زیادہ ناشکرے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی آقا اپنے نوکروں کو سنا کر کہے کہ نمک حلال تو بہت کم ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

غیرت مندنو کراس بات سے زمین میں گڑ جائے گا۔اس سے بھی یہ بات معلوم ہوگئی کہ شکر فقط زبان سے ہی نہیں ہوتا کیونکہ زبان سے تو اللہ تعالیٰ تیرا شکر ہے ہر آدمی کہہ دیتا ہے اگر شکر کی یہی حقیقت ہوتی تو حق تعالیٰ اتنی بڑی شکایت فرماتے کہ میرے بندوں میں شکر گزار کم ہیں معلوم ہوا کہ شکر کا تعلق عمل سے ہے اور بیشک عمل کرنے والے بہت تھوڑے ہیں اس لئے یہ شکایت کی گی (تحقیق الشکر ص ۱۲تا۲۶)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ

ترجمہ: بے شک اس (قصہ) میں ہر صابر شاکر (مومن) کے لئے بڑی عبرتیں ہیں۔

تفسیری نکات

اس میں نشانیاں ہیں ہر ایسے شخص کے لئے جو صابر اور شاکر ہو۔یہ جملہ ایک آیت طویلہ کا جزو ہے اس سے پہلے حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں اور اس کا تتمہ اس جملہ کو قرار دیا ہے اور اس مختصر جملہ میں فضیلت اور مدح کے ساتھ دو بڑی چیزوں کا ذکر ہے۔

حاصل مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض آیات قدرت کو بیان فرما کر فرماتے ہیں ان فی ذالک لایات لکل صبار شکور یعنی ہم نے جو اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں ان کو دیکھتے تو سب ہیں لیکن ان کو آیات قدرت سمجھنا پھر اسے سمجھنے سے منتفع ہونا ہر ایک کے لئے نہیں۔

انتفاع کی دو شرطیں

بلکہ اس انتفاع کی دو شرطیں ہیں ایک کو لفظ صبار سے تعبیر فرمایا اور دوسری کو شکور سے یعنی جس شخص کے اندر دو صفتیں ہوں اول صبر دوسرے شکر وہی ہماری آیات قدرت سے نفع حاصل کرتا ہے یہ ہے اس آیت کا حاصل اس مقام سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صفتوں کی کس درجہ مدح فرمائی ہے کہ ان کو آیات قدرت سے منتفع ہونے کا موقوف علیہ قرار دیا ہے اور اسی سے دونوں صفتوں کا وجوب بھی مفہوم ہو گیا ہوگا کیونکہ واجب کا موقوف علیہ واجب ہے اور آیات الٰہیہ سے اعتبار کا واجب ہونا ظاہر ہے۔

صبر کی حقیقت

سمجھ لینا چاہئے کہ صبر کی حقیقت ہے ضبط النفس علی ما تکرہ یعنی نا گوار امر پر نفس کو جمانا اور مستقل رکھنا آپے سے باہر نہ ہونا اور وہ نا گوار امر خواہ کچھ ہو خواہ کسی کا مرنا ہو یا کوئی اور نا گوار امر ہو چنانچہ مواقع صبر کو کسی قدر بسط کے ساتھ عنقریب بیان کیا جاوے گا اس سے اس کی تعمیم سمجھ میں آجائے گی اور شکر کہتے ہیں حق تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرنا خواہ وہ نعمت کھانا ہو یا پانی یا اور شے ہو اور قدر کرنا دل سے بھی اور زبان سے بھی اور دیگر جوارح سے بھی۔ لوگ شکر کی حقیقت صرف اتنی ہی سمجھتے ہیں کہ زبان سے کہہ لیا الحمدللہ یا اے اللہ شکر ہے پس شکر ادا ہو گیا۔

شکر کی حقیقت

شکر یہ ہے کہ قلب اس کا معترف ہو اور منعم حقیقی کی نعمتوں سے متاثر ہو اور زبان اور دیگر جوارح پر بھی اس کا اثر ہو۔ آگے اس کے مواقع بھی بیان کئے جاویں گے۔ اب مواقع صبر و شکر کو سمجھ لیجئے دونوں کی تعریف سے اجمالاً اتنا معلوم ہو گیا ہو گا کہ صبر کا موقع مصیبت ہے اور شکر کا محل نعمت ہے۔ اتنی بات تو سب کو معلوم ہے لیکن اس میں غلطی یہ واقع ہوئی کہ صبر کا موقع ایک خاص مصیبت اور شکر کا ایک خاص نعمت کو سمجھا ہے اس لئے ان دونوں یعنی مصیبت و نعمت کی حقیقت بھی بیان کی جاتی ہے۔

نعمت کی حقیقت

نعمت کی حقیقت یہ ہے النعمة حالة ملائمة للنفس نعمت وہ حالت ہے جو نفس کے لئے خوش گوار ہو۔

مصیبت کی حقیقت

اور مصیبت کہتے ہیں حالة غیر ملائمة للنفس مصیبت وہ حالت ہے جو نفس کو نا گوار ہو۔ جس کا تعلق دو چیزوں سے ہوا مصیبت سے بھی اور عبادت سے بھی مصیبت میں تو صبر یہ ہے کہ جزع فزع نہ کرنا اور عبادت میں یہی ہے کہ باوجود نا گواری کے نفس کو اس پر جمانا اور نا گواری کی پروانہ کرنا چاہئے چنانچہ دونوں کی نسبت ارشاد ہے یاایھا الذین امنوا اصبروا و صابروا ورابطوا اصبروا تو مصائب میں صبر کرنا اور صابروا دوسروں کو صبر کی تعلیم کرنا اور رابطوا عبادت کے اندر جمار ہنا۔

رباط کی تفسیر

چنانچہ رباط کی تفسیر حدیث میں آئی ہے کہ ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کی انتظار میں بیٹھے رہنا اور یہ بھی مفہوم صبر کا ہے مصیبت میں اس کا نام صبر ہوا اور عبادت میں اسی کو رباط سے تعبیر فرمایا۔ پس صاف معلوم ہو گیا کہ صبر کے دو محل ہیں مصیبت اور عبادت۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِىْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ۝

ترجمہ: اور تمہارے اموال اور اولاد ایسی چیز نہیں جو درجے میں تم کو ہمارا مقرب بنادے (یعنی مؤثر وعلت قرب کی بھی نہیں) مگر ہاں جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے (یہ دونوں چیزیں البتہ سبب قرب ہیں) سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے (نیک) عمل کا دونا بدلہ ہے اور وہ (بہشت کے) بالا خانوں میں چین سے بیٹھے ہوں گے)

تفسیری نکات

قرب کا مفہوم

قرب کے معنی یہ نہیں جو دریا وقطرہ میں سمجھا جاتا ہے اور ایسے الفاظ کو لغوی معنی پر محمول کرنا غلطی ہے۔ بلکہ مراد اس قرب سے جو اس آیت میں مذکور ہے رضا ہے یعنی خدا تعالیٰ کا راضی ہونا مراد ہے کیونکہ قرب کے مختلف درجے ہیں ایک تو قرب علمی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کیساتھ ہر چیز کو حاصل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ونحن اقرب الیه منکم ولکن لاتبصرون اور ارشاد ہے ونحن اقرب الیه من حبل الورید اور ایک قرب رضا کا ہے اور وہ بعض کو حاصل ہے اور اس آیت میں قرب رضا مراد ہے قرب علم مراد نہیں کیونکہ وہ مومن اور صالح کے ساتھ خاص نہیں اور یہ قرب رضا بڑی دولت ہے مگر اس کو اہل دنیا تو کیا مقصود سمجھتے بہت سے اہل دین بھی پورے طور سے مقصود نہیں سمجھتے۔ پس اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس کا طریق بیان فرمایا ہے وما اموالکم الایة یعنی مال اور اولاد جس کی تحصیل کے پیچھے لوگ پڑے ہیں یہ ذریعہ قرب نہیں ہو سکتے بلکہ ایمان اور عمل صالح اس کے ذرائع ہیں اور ظاہر ہے کہ عمل صالح میں وہی درجہ مطلوب ہوگا جو کامل ہو کیونکہ ناقص پورا پسندیدہ نہ ہوگا اور وہ ذریعہ رضا کا کیسے بن سکتا ہے۔

دین کے شعبے

اور اس کا کامل ہونا موقوف ہے تین چیزوں پر علم وعمل دائم حال اور دین کے یہی شعبے ہیں۔ سو اگر علم نہیں تو احکام کی اطلاع ہی نہ ہوگی اور اگر عمل نہیں تو اس اطلاع کا نفع کیا ہوا اور اگر علم نہیں تو اگرچہ بظاہر عمل کا ہونا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کافی معلوم ہوتا ہے لیکن غور کرنے کے بعد یہ حالت بھی کچھ مفید نہیں کیونکہ اس میں خلوص اور بقاء کی امید نہیں اور حال سے مراد ملکہ ہے۔ اس کی ایسی مثال سمجھو کہ اگر کسی سے محبت ہو جاوے اور اس کو کھلاؤ پلاؤ وایک تو یہ حالت دوسرے یہ کہ اس کی محبت میں بے چینی ہونے لگی پہلی حالت عمل ہے دوسری حالت حال ہے اور پہلی حالت یعنی نرا عمل بلا حال پائیدار نہیں اور حال ہو جانے کے بعد پائیدار ہو جاتا ہے۔

مثلاً ایک شخص نماز روزہ کرتا ہے لیکن صاحب حال نہ ہونے کی وجہ سے نفس پر جبر کر کے کھینچ تان کرتا ہے اگر ایک وقت چھوٹ بھی جاوے تو کچھ زیادہ قلب نہیں ہوتا اور ایک دوسرے کی یہ حالت ہے کہ اگر ایک وقت نماز بھی چھوٹ جاوے تو زندگی وبال معلوم ہونے لگتی ہے تو یہ دوسرا صاحب حال ہے اسی کو کہتے ہیں۔

بردل سالک ہزار اں غم بود گر زباں دل خلالے کم بود

حواشی قشریہ میں ہے کہ التصوف تعمیر الظاهر والباطن اور باطن کے متعلق دو چیزیں ہیں ایک عقید اور دوسرے اخلاق' ان سب کی اصلاح بھی قرآن میں ہے مگر صوفیہ نے اس کو تصوف سے تعبیر کیا ہے قرآن نے ایمان اور عمل صالح سے تعبیر کیا ہے تو تصوف کی حقیقت یہ ہے ثمرہ اس کا یہ ہے تقربکم عندنا زلفیٰ' (طریق القرب ص ۱۸'۱۹'۲۵)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَۃ فَاطِر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

ترجمہ: تمام تر حمد اسی اللہ کو لائق ہے جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جو فرشتوں کو پیام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو تین تین اور چار چار پر دار بازو ہیں وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیری نکات

اقسام توحید و رسالت

اس میں انہوں نے اپنی ان صفات و افعال کا بیان کیا ہے جو ان کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں پس اس کا تعلق توحید صفاتی و توحید افعال دونوں سے ہوگا اس کے بعد فرمایا ہے یایہا الناس اذکروا نعمت اللہ علیکم هل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض لا الہ الا ہو فانی تؤفکون. اس میں توحید ذاتی و توحید صفاتی و توحید افعالی تینوں کا تعلق توحید ہے یہاں توحید کے بعد حق سبحانہ نے مسئلہ رسالت کو بیان فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے ان یکذبوک فقد کذبت رسل من قبلک والی اللہ ترجع الامور اس کے بعد معاد کا بیان فرمایا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تین امہات مسائل

اورارشادفرمایاہے یایھا الناس ان وعداللہ حق فلاتغرنکم الحیوۃ الدنیا ولایغرنکم باللہ الغرور۔

(یہ تینوں مسئلے امہات مسائل میں سے ہیں یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ نے قرآن پاک میں ان تینوں کونہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایاہے اوران پرزبردست براہین قائم کی ہیں امام رازی نے اس پر بجا تنبیہ کی ہے اورانہوں نے ثابت کیاہے کہ تینوں مسئلے اصل ہیں اورباقی مسائل ان کوفروع اوریہ مضمون بالکل ٹھیک ہیں جو شخص بامعان نظر قرآن کریم کامطالعہ کرے گااس کواس کی قدرہوگی اوروہ اس کی تصدیق کرے گاان تینوں میں سب سے اہم مسئلہ توحید ہےاس کے بعدمسئلہ رسالت اس کے بعدمسئلہ معاذ اس لئے حق سبحانہ نے اس مقام پراول مسئلہ توحیدکوبیان فرمایااس کے بعدمسئلہ رسالت کواسکے بعدمسئلہ معادکو۔اس گفتگوکاتعلق تونوعیت مضمون آیت سے تھااب اس کا مضمون شخصی بیان کیاجاتاہےاس آیت میں جوحق تعالیٰ شانہ نے مایفتح اللہ للناس من رحمۃ فرمایاہےجس میں انہوں نے کلمہ ما استعمال فرمایاہے جوابہام کے ساتھ عموماً کافائدہ دیتاہے پھراس ابہام کی توضیح میں من رحمۃ فرمائی ہے۔پس حاصل اس جملہ کایہ ہوگاکہ حق سبحانہ جس رحمت کوبھی کھول دیں اس کاکوئی روکنے والانہیں۔

اللہ تعالیٰ کاکمال غلبہ وقدرت

اس سے حق سبحانہ کاکمال قدرت وغلبہ ظاہرہوااورمعلوم ہوگیاکہ اس سے بڑھ کرکوئی قوت اورقدرت والانہیں جواس کامزاحم ہوسکےاورگوواقعی طورپراس پرکوئی شبہ نہیں ہوسکتامگرسطح نظرمیں اورمحض احتمال عقلی کے طورپرشبہ ہوسکتاتھااس سے صرف اتنامعلوم ہواکہ فتح حق سبحانہ کے بعدکوئی روکنے والانہیں لیکن اس سے یہ نہیں معلوم ہوتاکہ اس کے روکنے کے بعدکوئی کھول بھی نہیں سکتااس لئے حق سبحانہ نے اس احتمال کوبھی دفع کر دیااورفرمایا وما یمسک فلامرسل لہ یعنی جس کووہ روک لیں اس کوکوئی چھوڑنے والابھی نہیں۔اب بھی ایک احتمال عقلی باقی تھاوہ یہ کہ اس سے تومعلوم ہواکہ اس کے فتح اورامساک کے بعداس کی کوئی مزاحمت نہیں کرسکتالیکن یہ نہیں معلوم ہوتاکہ خودفتح وامساک کی حالت میں بھی اس کاکوئی مزاحم ہوسکتاہے یانہیں اس احتمال کے اٹھانے کے لئے فرمایا وھو العزیز یعنی عزت وغلبہ عین منحصرہیں اس کی ذات میں اوروہی ہر حیثیت سے سب پرغالب ہےاس پرکسی طرح بھی کوئی غالب نہیں اب تمام احتمالوں کاخاتمہ ہوگیااوراس کا تفردبالغلبۃ باکمال وجہ ظاہرہوگیایہ توہوگیامگراس پرایک شبہ اورہوسکتاتھاوہ یہ کہ جب اس کوایسی قدرت اور قوت حاصل ہےاوراس کی کوئی مزاحمت نہیں کرسکتاتوشایداس کی بھی وہی حالت ہوجوبااقتدارانسانوں کی ہوتی ہے کہ بلالحاظ مصلحت ومنفعت جوجی میں آیاکربیٹھےاس کے دفع کے لئے الحکیم بڑھادیااورظاہرکردیا کہ ہمارے افعال لاابالی حکام وسلاطین کے سےنہیں بلکہ ہم جوکچھ کرتے ہیں اس میں ہم کومصلحت وحکمت

(c) ketabton.com: The Digital Library

ملحوظ ہوتی ہے سبحان الذی تکلم بھذا الکلام البلیغ الدقیق الاسرار۔

اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ جملہ مایمسک فلا مرسل لہ اور وھو العزیز الحکیم یہ دونوں جملہ تاکید میں مضمون مایفتح اللہ للناس من رحمۃ فلاممسک لہ کہ جن سے مقصود تمام اوہام و شکوک کو زائل کرا پنی کمال قدرت وحکمت کا ظاہر کرنا ہے جو اصل مقصود ہے اس آیت کا تو یہ بیان تھا حق سبحانہ کے عموم وکمال قدرت کا جو کہ اس آیت سے مقصود ہے اب سنئے کہ رحمت کے لغوی معنے رقت قلب اور نرم دلی ہیں حق سبحانہ چونکہ دل اور نرمی سے جو کہ ایک خاص قسم کا تاثر اور انفعال ہے پاک اور منزہ ہیں اس لئے یہ لفظ اس مقام پر یا جہاں کہیں وہ حق سبحانہ کے لئے استعمال کیا جاوے جیسے رحمٰن رحیم وغیرہ اپنے معنی لغوی میں مستعمل نہیں ہوسکتا بلکہ مجاز اطلاقہ بسبب اثر رقت قلب یعنی فضل وانعام احسان مراد ہوگا اس مقام پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حق سبحانہ نے مایفتح اللہ للناس من رحمۃ فرمایا اور من خیر نہیں فرمایا حالانکہ مطلب من خیر کا بھی وہی ہے جو من رحمۃ کا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت میں اشارہ ہے اس طرف کہ حق سبحانہ کے تمام انعامات بلا استحقاق منعم علیہم پر ہیں اور یہ اشارہ لفظ خیر میں نہ تھا اس لئے اس کے بجائے اس کو اختیار کیا چونکہ اس مضمون کو سن کر کہ حق سبحانہ کے تمام احسانات بلا استحقاق منعم علیہم پر ہیں کسی کو خلجان ہوتا اس لئے میں اس کو بھی زائل کئے دیتا ہوں یہ شبہ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ حق سبحانہ کے انعامات کو بندوں کے انعامات کے مماثل سمجھا گیا ہے اور اپنی طاعت کو طاعت عباد کی مانند خیال کیا گیا لیکن خود یہ قیاس ہی غلط ہے کیونکہ آدمی جب بندہ کی خدمت کرتا ہے تو وہ اپنے قوی اور اعضاء وغیرہ کو ایک ایسے شخص کے کام میں لگاتا ہے جو اس کے مملوک ومصنوع ہیں اور اس لئے اس کو ان سے انتفاع کا کوئی حق بھی نہیں ہے اس بنا پر خادم مخدوم سے معاوضہ کا مستحق ہوتا ہے بخلاف اس کے کہ جب وہ حق سبحانہ کی خدمت اور اطاعت کرتا ہے تو وہ خود حق سبحانہ کی مملوک چیزوں کو اس کے کام میں لگاتا ہے اور وہ خود بھی حق سبحانہ کا مملوک ہے ایسی صورت میں وہ اپنی خدمت کے کسی معاوضہ کا مستحق نہیں ہوسکتا کیونکہ مملوک من حیث ہو مملوک کا مالک پر کوئی حق نہیں یہ مضمون آپ کی سمجھ میں یوں آسانی سے آجائے گا کہ جب کوئی شخص کسی کی ملازمت کر لیتا ہے تو اب وہ من حیث الخدمت اس کا مملوک ہو جاتا ہے خواہ عارضی ہی طور پر سہی پس جب وہ کوئی اپنا فرض منصبی انجام دیتا ہے تو اس کے معاوضہ میں وہ کسی معاوضہ کا مستحق نہیں سمجھا جاتا ایسی حالت میں اگر آقا اسکی خدمت کا کوئی صلہ دے تو وہ اس کا انعام اور احسان سمجھا جاتا ہے اور اپنی خدمت کو اپنا فرض منصبی خیال کیا جاتا ہے پس جب کہ اس کمزور اور برائے نام ملک کا یہ اثر ہے تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ملک حقیقی پر اپنی خدمت کے کسی معاوضہ کا کیا حق رکھ سکتا ہے اب ہم کو یہ ثابت کرنا رہ گیا کہ بندہ حق سبحانہ کا مملوک محض ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی شخص کی کوئی چیز کسی کی ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے کیونکہ وہ ابتدا میں معدوم محض اور اپنے تمام کمالات حتی کہ اپنی ہستی سے بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

عاری تھا ایسی حالت میں اس کی کوئی چیز خود اس کی ذاتی کیسے ہو سکتی ہے پس لامحالہ اس کی تمام چیزیں کسی دوسرے کی مملوک ہیں اور خدا کے سوا اگر کوئی اس کے مالک ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے تو اس کے ماں باپ ہو سکتے ہیں کیونکہ ان سے زیادہ اس کی ہستی میں کسی کو دخل نہیں ہے حتیٰ کہ اسی دخل کی بنا پر بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا اور وہ اپنا خالق اپنے ماں باپ کو سمجھ بیٹھے ہیں۔

آیت متلوہ کی عجیب وغریب تفسیر

کہ حق سبحانہ نے جس طرح اس آیت میں اپنے عموم قدرت وقہر غلبہ کو صراحتاً بیان فرمایا ہے یوں ہی انہوں نے اس میں اپنے کمال جود وکرم کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ آیت میں جملہ اولی میں فتح کے مقابلہ میں امساک لائے ہیں اور امساک کے مقابلہ میں فتح اور جملہ ثانیہ میں امساک کے مقابلہ میں ارسال لائے ہیں اور ارسال کے مقابلہ میں امساک۔

پس اس میں دو امر خلاف ظاہر ہیں ایک تو جملہ اولی میں فتح کے مقابلہ میں امساک اور امساک کے مقابلہ میں فتح لانا کیونکہ فتح کا مقابلہ غلق ہے نہ کہ امساک اور امساک کا مقابلہ ارسال ہے نہ کہ فتح اور دوسرا یہ کہ جملہ ثانیہ مقابل ہے جملہ اولی کا اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ فتح کا مقابلہ غلق ہے نہ کہ امساک۔

پس جملہ اولی میں مایفتح اللہ فرمایا اور اس کے مقابلہ میں جملہ ثانیہ میں مایمسک فرمانا خلاف مقتضائے تقابل ہے اس بنا پر آیت مذکورہ پر شبہ ہوتا ہے کہ اس میں رعایت نہیں رکھی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رعایت معنوی چونکہ رعایت لفظی پر مقدم ہے اور رعایت معنوی عدم لحاظ تقابل میں تھی اس لئے اس کا لحاظ نہیں کیا گیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس آیت سے جس طرح اظہار کمال قدرت مقصود ہے یوں ہی اس میں غایت کرم اور کمال جود کی طرف بھی اشارہ ہے پس جملہ اولی میں بجائے لفظ ارسال کے فتح کا لفظ اس واسطے استعمال کیا گیا ہے کہ گو یہ دونوں لفظ اطلاق پر دلالت کرتے ہیں مگر جو دلالت اطلاق پر لفظ فتح کرتا ہے وہ دلالت لفظ ارسال نہیں کرتا اس لئے مایفتح اللہ میں اشارہ ہوگا اس طرف کہ جب حق سبحانہ کسی پر رحمت کرتے ہیں تو بہت اور بے دریغ کرتے ہیں اور یہ اشارہ ارسال میں نہ تھا اس لئے بجائے ارسال کے فتح لایا گیا اور بجائے غلق کے امساک کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ جس قدر کمال قدرت نفی مسک سے ظاہر ہوتا ہے اس قدر نفی غالق سے ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ غلق خاص ہے اور امساک عام اور نفی عام تو نفی خاص کو مستلزم ہے مگر نفی خاص نفی عام کو مستلزم نہیں اور جملہ ثانیہ میں لفظ امساک بجائے غلق کے اس لئے لایا گیا ہے کہ وہ دلالت کرتا ہے کرم پر کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق سبحانہ جب کسی پر انعام نہیں کرتے تو یہ اس کا بند کرنا نہیں ہوتا کہ نہر جاری نہ ہو بلکہ کسی وجہ سے عارضی طور پر روک لینا ہوتا ہے اور زوال عارض کے بعد پھر اسکا اجرا ہو جاتا ہے مایفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا غالق لھا اس لئے نہیں کہا کہ اس میں گو کثرت جود کی طرف اشارہ ہے مگر اس سے کمال قدرت کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

اظہار نہیں ہوتا کیونکہ نفی خالق کے لئے نفی ممسک لازم نہیں اور مایرسل الله للناس من رحمة فلاممسک لها اس واسطے نہیں فرمایا کو اس میں کمال قدرت کا اظہار ہے مگر اس سے کمال جود مفہوم نہیں ہوتا اور مایرسل الله للناس من رحمة فلاغالق اس واسطے نہیں فرمایا کہ نہ اس میں کمال قدرت کا اظہار ہے اور نہ کمال جود کی طرف اشارہ اور مایغلق فلافاتح لہ اس واسطے جو کہ ادنیٰ ہے غلق سے نیز اس میں کمال قدرت پر بھی دلالت نہیں ہے کیونکہ نفی فاتح مستلزم نفی مرسل نہیں ہے۔

مایغلق فلامرسل له اس واسطے نہیں فرمایا گو اس میں کمال قدرت پر دلالت ہے مگر حق سبحانہ غلق رحمت نہیں فرماتے اور مایمسک فلافاتح لہ اس واسطے نہیں فرمایا کہ اس میں کمال قدرت پر دلالت نہیں ہے اس تفصیل کے بعد آیت کا حاصل یہ نکلا کہ حق سبحانہ جب کسی پر کوئی عنایت کرتے ہیں تو بے دریغ کرتے ہیں اور خود ان کی طرف سے کوئی روک نہیں ہوتی اور جس کسی پر وہ عنایت کرتے ہیں اس کا کوئی بند کرنے والا تو درکنار روکنے والا بھی نہیں ہوتا اور جس پر وہ رحمت نہیں کرتے تو وہ اس کو بند نہیں کرتے بلکہ کسی عارض کی وجہ سے روک لیتے ہیں اور اگر وہ عارض زائل ہو جاوے تو پھر جاری فرما دیتے ہیں اور فلامرسل له من بعده میں مضاف محذوف ہے ای من بعد امساکه چونکہ مضاف بلاذکر بھی سمجھا جاتا تھا اس لئے اس کو حذف کر دیا گیا غرضیکہ قرآن میں لفظی و معنوی دقائق بے انتہا ہیں۔ اس آیت میں یہ فرمادیا کہ وہ بڑے قادر ہیں جو کام بند ہو اس کو جاری بھی کر سکتے ہیں اور اگر بند ہونے میں یہ شبہ ہو کہ اس سے تو دین میں نقصان ہوگا تو الحکیم میں فرما دیا کہ ہم حکیم بھی ہیں اگر بند ہی کر دیں تو اسی میں حکمت ہوگی۔

فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا
ترجمہ: تو تمام تر عزت خدا ہی کے لئے ہے

تفسیری نکات

عظمت خداوندی

کیونکہ ایسی بڑائی تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے کہ ان کے ذمہ کسی کا حق نہ ہو چنانچہ ارشاد ہے وله الكبرياء فى السموات والارض یعنی بڑائی تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ یہاں بڑائی کا حصر اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے لئے کیونکہ اس آیت میں لہ معمول مقدم ہے اور معمول کا مقدم کرنا حصر کے لئے مفید ہوتا ہے۔ یہ دلیل ہے حصر کی۔ تو ترجمہ اس آیت کا یہ ہوا کہ خدا ہی کے لئے بڑائی ہے اوروں کے لئے نہیں۔ اس طرح ایک جگہ ارشاد ہے فلله العزة جميعا وہاں بھی للہ کو حصر ہی کیلئے مقدم فرمایا گیا ہے اور یہاں ایک شبہ بھی ہو سکتا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے اسکو بھی رفع کئے دیتا ہوں کیونکہ ممکن ہے کسی طالب علم کو یہ شبہ پیدا ہوا ہو کہ وہ شبہ یہ ہے کہ جہاں ایک جگہ یہ فرمایا ہے فللہ العزۃ جمیعا وہاں دوسری جگہ یہ بھی فرمایا کہ وللہ العزۃ ولرسولہ و للمومنین یعنی عزت اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مؤمنین کے لئے تو عزت کا حصر اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے لئے کہاں رہا وہ تو رسول کے لئے بھی اور مؤمنین کے لئے بھی ثابت ہوگئی جواب یہ ہے کہ دوسروں کے لئے جو عزت ہے تو کیوں ہے وہ اس تعلق ہی کی وجہ سے ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ غرض عزت بالذات تو حق تعالیٰ ہی کیلئے ہے لیکن چونکہ ان دوسروں کو تعلق ہے ایک عزت والے کے ساتھ اس لئے اس عزت کی نسبت ان کے ساتھ بھی ہوگئی تو اصل میں تو عزت حق تعالیٰ ہی کے لئے ہے لیکن چونکہ رسول کو اور مؤمنین کو حق تعالیٰ سے خاص تعلق ہے اس لئے وہ ان کو بھی حاصل ہوگئی ہے جیسے اصل میں نور تو آفتاب ہی کا ہے لیکن جن دوسروں چیزوں سے اسکو محاذات کا تعلق ہے وہ بھی منور ہوگئیں۔ اب خود پرستوں نے ان اصولوں کو تو غائب کر دیا اور بس یہ ناز ہے کہ ہم بڑے ہیں شیخ ہیں رئیس ہیں۔ خاک پتھر ہیں۔ اگر اپنے آپ کو مٹایا نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ دیکھئے لوہے کو بہت دیر تک آگ میں رکھئے تو وہ سرخ اور گرم ہو کر آگ کی شکل اور اسکی صفات اختیار کر لیگا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ آگ ہو گیا لوہا نہ رہا بلکہ دیر تک آگ میں رہنے سے لوہے کو اوصاف بدل گئے گو ماہیت نہیں بدلی اسی طرح فنا کے اندر ذات نہیں بدلتی اوصاف بدلتے ہیں کیونکہ بہر حال حادث حادث ہی رہتا ہے اور ممکن ممکن ہی۔ اسی کی ذات نہیں بدلتی اوصاف بدلتے ہیں۔ جیسے لوہا آگ میں رہنے سے آگ کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اسی رنگ کو کہتے ہیں صبغۃ اللہ و من احسن من اللہ صبغۃ اس ناز پر یاد آیا ایک نوجوان اینٹھتا ہوا چلا جا رہا تھا ایک بزرگ نے اسکو نصیحت کی کہ بھائی اینٹھ کر نہ چلو سنبھل کر چلو وہ کوئی بڑا آدمی تھا اس کو ان کا یہ کہنا ناگوار ہوا کڑک کر جواب دیا کہ تم جانتے نہیں میں کون ہوں ان بزرگ نے فرمایا کہ ہاں میں خوب جانتا ہوں کہ تم کون ہو۔ اولک نطفۃ مذکورۃ. وآخرک جیفۃ قذرۃ. دامت بین ذلک تحمل العذرۃ. یعنی تمہاری شروع کی حالت تو ایک ناپاک نطفہ کی ہے اور اخیر کی حالت ایک گندی لاش ہے اور ان دونوں کے درمیان کی حالت یہ ہے کہ پانچ سیر پاخانہ بھی شکم شریف میں ہر وقت موجود ہے میں آپ کو خوب پہچانتا ہوں (الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۲۶۴،۲۶۶)

(c) ketabton.com: The Digital Library

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔ واقعی اللہ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔

تفسیری نکات

علماء صاحب خشیت ہیں

بعض نے اس کے ساتھ ایک اور مقدمہ ملا دیا۔ ذلک لمن خشی ربہ (یہ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے) جس کا حاصل یہ ہوا کہ علماء صاحب خشیت ہیں اور صاحب خشیت کے لئے جنت اور رضائے حق حاصل ہوتی ہے تو علم سے جنت اور رضا حاصل ہوتی ہے۔ یہ حساب تو واقعی درست ہے مگر یہ حد اوسط پہلے متحقق ہونا چاہیے کہ واقع میں بھی تو خشیت ہو ورنہ محض باتوں سے کیا ہوتا ہے کہیں باتوں سے بھی خشیت پیدا ہوئی ہے و جائزۃ دعوی المحبۃ فی الھویٰ ولکن لایخفی کلام المنافق۔

خشیت کی علامت

پس خشیت کے متعلق بھی حدیث وقرآن سے معلوم کرنا چاہیے کہ شریعت نے حصول خشیت کی علامت کیا بتلائی ہے سنیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اسئلک من خشیتک ماتحول بہ بینی و بین معاصیک

(میں تجھ سے اتنے خوف کی درخواست کرتا ہوں جو میرے اور میرے معاصی کے درمیان حائل ہو جائے)

اس سے معلوم ہوا کہ خشیت مطلوبہ وہ ہے جس سے گناہوں میں حیلولت ہو جائے۔ پس جس کو یہ حیلولت حاصل نہیں اسے خشیت مطلوبہ حاصل نہیں اور جب خشیت نہیں تو اس کے پاس علم حاصل ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں جس پر وہ علم کا دعویٰ کر سکے۔ بعض علم مطلوب گو کتابی علم حاصل ہو مگر شریعت میں جو علم مطلوب ہے وہ یہ کتابی محض نہیں ہے بلکہ علم مطلوب وہ ہے جو دل میں اتر جائے اور اس علم کے لئے خشیت لازم ہے۔

گو اس آیت کا اول نظر میں یہ مدلول نہیں بلکہ اسکا مدلول تو عکس ہے یعنی خشیت کے لئے علم لازم ہے کیونکہ وہ خشیت کا موقوف علیہ ہے اور وجود موقوف کا مستلزم ہے وجود موقوف علیہ کو تو اس آیت سے علم خشیت کے لئے مستلزم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن ایک عمیق تحقیق سے جو کہ ختم بیان کے قریب مذکور ہوگی۔ خود آیت سے بھی اور قطع نظر اس تحقیق کے دوسرے دلائل سے یہ استلزام ثابت ہے کہ اگر خشیت حائلہ بین العاصی

(c) ketabton.com: The Digital Library

وبین المعاصی (گناہ گار اور گناہوں کے درمیان حائل ہونے والی) حاصل نہ ہو تو اسے علم مطلوب بھی حاصل نہیں چنانچہ حدیث۔

لایزنی الزانی وھو مومن (کوئی زانی زنا نہیں کرتا اس حال میں کہ وہ مومن ہو) اس کی دلیل ہے۔

باقی اور اصل مقصود وہ علم ہے جس کے ساتھ قلب میں خشیت بھی پیدا ہو۔ اس کا حاصل کرنا بھی ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے۔ مگر عادتاً یہ بدوں صحبت شیخ کے حاصل نہیں ہوتی اس کے لئے قال و قیل کو کچھ دنوں کے لئے ترک کرنا اور کسی شیخ کی جوتیاں سیدھی کرنا شرط ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

از قال و قیل مدرسہ حالے دلم گرفت   حالے امالہ ہے حالا کا

از قال و قیل مدرسہ حالے دلم گرفت   یک چند نیز خدمت معشوق می کنم

(مدرسہ کے قیل وقال سے اب میرا دل رنجیدہ ہو گیا۔ اب کچھ دنوں شیخ کامل کی خدمت کرتا ہوں)

قال رابگذار و مرد حال شو   پیش مرد کاملے پامال شو

(یعنی قال کو چھوڑ و حال پیدا کرو۔ یہ اس وقت پیدا ہو گا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جا کر پڑ جاؤ)

مگر اس میں ایک ترتیب بھی ہے اور وہ ترتیب ہر شخص کے لئے جدا ہے اس کو میں اس مجلس میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس کو صحبت شیخ پر رکھو جب تم کسی سے رجوع کرو وہ خود ترتیب بتلا دے گا۔

ایک علمی اشکال

اب میں ایک طالب علمانہ اشکال کا جواب دینا چاہتا ہوں جو اس آیت پر وارد ہوتا ہے۔ یہ جواب ابھی کوئی دس بارہ دن ہوئے قلب پر وارد ہوا ہے اس سے پہلے اس کی طرف ذہن نہیں گیا۔ اشکال کا حاصل یہ ہے کہ میں نے تو اب تک خشیت کو لوازم علم سے کہا تھا کہ علم جب ہو گا خشیت ضرور ہو گی اور انتفاء خشیت انتفاء علم کی دلیل ہے کیونکہ انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم ضروری ہے مگر آیت کے الفاظ اس کو مفید نہیں کیونکہ۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (اللہ تعالیٰ سے عالم ہی اس کے بندوں میں سے ڈرا کرتے ہیں)

میں انما لفظ حصر ہے جس سے یہ معنی حاصل ہوئے کہ خشیت من اللہ علماء میں منحصر ہے یعنی جہلاء کو خشیت نہیں ہوتی (کیونکہ بقاعدہ بلاغت یہاں قصر صفت علی الموصوف ہے جیسے انما یقول زیداً اور انما یتذکر اولوا الالباب میں۔ کہ مثال اول میں قیام زید کا اثبات اور اس کے ماسوا کی نفی ہے کہ عمرو بکر وغیرہ قائم نہیں ہیں اور مثال ثانی میں تذکر کا عقلاء کے لئے اثبات ہے اور غیر عقلاء سے تذکر کی نفی ہے اسی طرح یہاں خشیت کا علماء کے لئے اثبات اور غیر علماء سے خشیت کی نفی ہے ۱۲)

حاصل جس کا یہ ہوا کہ خشیت علم کے بغیر نہیں ہوتی یعنی خشیت کے لئے علم شرط ہے علت نہیں اور وجود

(c) ketabton.com: The Digital Library

شرط سے وجود مشروط لازم نہیں۔ ہاں انتفاء شرط سے مشروط معدوم و منتفی ہو جاتا ہے اور علت میں اس کا عکس ہے کہ وجود علت سے وجود معلول ضروری ہے اور انتفاء علت سے انتفاء معلول لازم نہیں۔ ممکن ہے کہ کسی دوسری علت سے اس کا وجود ہو گیا ہو۔ معلول واحد کے لئے علل متعددہ ہو سکتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جہاں خشیت ہے وہاں علم ضرور ہے۔ باقی یہ لازم نہیں کہ جہاں علم ہو وہاں خشیت بھی ضرور ہو تو آیت سے یہ ثابت نہ ہوا کہ علم خشیت کو مستلزم ہے بلکہ یہ ثابت ہوا کہ خشیت علم کو مستلزم ہے کیونکہ وجود مشروط وجود شرط کو مستلزم ہے حالانکہ عام طور پر اس آیت سے علم کی فضیلت اس تقریر سے ثابت کی جاتی ہے کہ علم اس لئے ضروری ہے کہ اس سے خشیت پیدا ہوتی ہے جو کہ ضروری ہے اور اب اس کے برعکس یہ تقریر ہوئی کہ علم اس لئے ضروری ہے کہ بدوں اس کے خشیت پیدا نہیں ہوتی۔ تو مشہور تقریر صحیح نہ ہوئی۔

یہ اشکال ذہن میں عرصہ دراز سے تھا مگر جواب ابھی دس بارہ دن ہوئے ذہن میں آیا ہے۔ نہ معلوم اب تک ذہن میں یہ اشکال کیوں رہا۔ کیا جواب کی طرف التفات نہیں ہوا جواب شافی اب تک نہ ملا تھا۔ بہر حال اب جواب ذہن میں آ گیا ہے۔

حاصل جواب کا یہ ہے کہ قرآن کا نزول محاورات کے موافق ہوا ہے۔ اسالیب معقول پر نہیں ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن سے قضایا عقلیہ کی نفی ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ قضایا عقلیہ سے قضایا نقلیہ کا تعارض جائز نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے دلالات قرآنیہ میں محاورات کا لحاظ کیا گیا ہے اصطلاحات معقول کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ پس یہ ہو سکتا ہے کہ اسلوب معقول سے ایک کلام کی دلالت کسی خاص معنی پر ہو اور اسلوب محاورہ سے دوسرے معنی پر دلالت ہو اور مقصود ثانی ہو نہ کہ اول پس بطریق اسلوب معقول تو وہ اشکال وارد ہوتا ہے مگر بطریق اسالیب محاورات یہ اشکال نہیں پڑتا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ گو ظاہر میں اس ترکیب سے خشیت کا مستلزم علم ہونا مستفاد ہوتا ہے نہ کہ علم کا مستلزم خشیت ہونا۔ مگر محاورات میں اس ترکیب سے علم کا مستلزم خشیت ہونا بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس کی نظیر دوسری آیت میں ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم وما یلقھا الا الذین صبروا

بدی کو اچھے برتاؤ سے دفع کرو۔ پھر دفعتہً وہ شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت تھی گویا خالص دوست ہو جائے گا اور یہ بات انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صابر ہیں۔

یعنی بدی کا بدلہ بھلائی سے صابرین ہی کر سکتے ہیں۔ یہاں بھی وہی ترکیب جو انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (اللہ تعالیٰ سے علم والے ہی ڈرا کرتے ہیں) میں ہے۔ کیونکہ نفی کے بعد استثناء موجب حصر ہے مگر اس آیت سے ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ صبر کو اس وصف میں خاص دخل ہے اور یہ کہ صبر ہی سے یہ بات

(c) ketabton.com: The Digital Library

حاصل ہوتی ہے ورنہ بظاہر اسلوب عقلی کے مطابق تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ صبر کے بدوں یہ بات نصیب نہیں ہوتی گویا صبر اس صفت کے لئے شرط ہے اور وجود شرط کافی ہے مگر کمال ایمان کے واسطے یہ خشیت کافی نہیں۔ بلکہ اس کے لئے خشیت عالی کی ضرورت ہے جس میں ہر وقت عظمت وجلال خداوندی کا استحضار رہتا ہے جہنم کا عذاب ہر دم پیش نظر رہتا ہے اور اسی درجہ کمال سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن

(نہیں زنا کرتا زانی جب کہ وہ زنا کرتا ہے کہ مومن ہو یعنی زنا کی حالت میں ایمان نہیں رہتا)

یہاں محض ایمان اعتقادی مراد نہیں جس کے ساتھ اعتقادی خشیت ہوتی ہے بلکہ ایمان کامل مراد ہے۔ جس کے ساتھ خشیت حالی ہوتی ہے اب مخالفین اسلام کا یہ اعتراض بھی رفع ہو گیا کہ حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مومن زنا نہیں کرسکتا اور ہم بہت سے مسلمانوں کو زنا کار دیکھتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ اس میں مومن اعتقادی مراد نہیں بلکہ مومن حالی مراد ہے۔

غرض اس آیت میں علماء کی بھی اصلاح ہو گئی اور عوام کی بھی اصلاح ہو گئی اور میری تقریر سے سالکین کے شبہات بھی رفع ہو گئے اور مخالفین اسلام کے بھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ دلالت حکمیہ کے اعتبار سے تو اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ علم خشیت کو مستلزم ہے اور دوسری ترکیب سے جس کو دلالت لفظیہ کہنا چاہیے یہ معنی ہوئے کہ خشیت علم کو مستلزم ہے گویا طرفین سے تلازم ہے اگر کسی میں علم ہے تو ان شاء اللہ علم سے خشیت پیدا ہو جائے گی اور کسی میں خشیت ہے تو وہ خشیت علم کی طرف متوجہ کر دے گی تو یہ تلازم ایسا ہو گیا جیسا ایک شاعر نے کہا ہے

بخت اگر مدد کند امنش آورم بکف   گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

(خوش قسمتی ہے کہ ان کا دامن ہاتھ آ جائے اور پھر وہ کھینچ لے تب بھی مقصود حاصل ہے ہم کھینچ لیں تب بھی) مقصود دونوں حالتوں میں حاصل ہے۔ خدا تعالیٰ کو اختیار ہے چاہے علم کو مقدم کر دیں اور خشیت کو مؤخر چاہے برعکس اور ایک حقیقت یہاں ایسی ہے کہ اس کے اعتبار سے اگر چاہیں دونوں کو ساتھ کر دیں کیونکہ دو چیزوں میں تقدم وتاخر بالذات اسی وقت ہوتا ہے جب کہ ایک علت ہو اور ایک معلول ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دونوں کسی تیسری شے کے معلول ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ دونوں چیزیں معاً موجود ہوتی ہیں تقدم وتاخر باقی نہیں رہتا تو یہاں بھی ایک تیسری شے ایسی ہے جو علم وخشیت دونوں کی علت بن سکتی ہے وہ کیا ہے جذبہ حق عنایت حق اگر جذبہ حق متوجہ ہو جائے تو اس صورت میں یہ دونوں ایک دم سے پائے جائیں گے۔ علم بھی اور خشیت بھی تو اب حق تعالیٰ سے دعا کرو کہ دونوں کو ایک دم ہی سے عطا فرما دیں۔

خشیت کی ضرورت

صرف ایک جزو آیت کا رہ گیا ہے اس کے متعلق بھی ایک مختصر بات کہہ دوں کہ اسکے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان اللہ عزیز غفور بے شک اللہ تعالیٰ زبردست بہت بخشنے والے ہیں۔

اوپر تو علم کی فضیلت مذکور تھی کہ علماء ہی حق تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اب اس جملہ میں خشیت کی ضرورت بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ سے ڈرنے کی بہت ضرورت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں۔ یہ تو ترہیب تھی آگے ثمرہ خشیت مذکور ہے کہ وہ غفور ہیں۔ اپنے سے ڈرنے والوں کو بخش دیتے ہیں اس میں بتلادیا کہ خشیت کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ اس سے مغفرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ترغیب ہے یا یوں کہا جائے کہ عزیز میں اپنا مالک ضرر ہونا بتلایا ہے اور غفور میں مالک نفع ہونا اور ان دونوں سے خشیت کی ضرورت یوں ثابت ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ سے ڈرنا اس لئے ضروری ہے کہ ضرر و نفع سب ان کے ہاتھ میں ہے کہیں وہ ہم کو مضار میں مبتلا اور منافع سے محروم نہ کردیں۔

علم اور خشیت

چنانچہ حق تعالیٰ اس کی تصریح فرماتے ہیں انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں علم خشیت کے لئے شرط ہے علت نہیں ہے اس کی تفسیر میں لوگ غلطی کرتے ہیں کہ علم کو علت خشیت سمجھتے ہیں اس لئے اس پر یہ اشکال بھی وارد ہوتا ہے کہ آیت کا مقتضا تو یہ ہے کہ کوئی عالم خشیت سے خالی نہ ہو اور کسی مولوی سے گناہ کا صدور نہ ہو حالانکہ اس کے خلاف مشاہدہ ہوتا ہے یہ اشکال پہلے مجھے بھی ہوتا تھا پھر خود بخود قلب پر یہ بات وارد ہوئی کہ اس حصر کا مفہوم تو یہ ہے کہ لایخشی اللہ من عبادہ الا العلماء جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ "لاخشیۃ الا بالعلم نہ کہ لاعلم الا بالخشیۃ پس یہ حصر ایسا ہو گیا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے لاصلوۃ الابطھور کہ نماز بدوں وضو کے نہیں ہوتی جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا جہاں وجود ہوگا وضو کے ساتھ ہوگا' بدوں وضو کے نہ ہوگا یہ تو مطلب نہیں کہ جب وضو کا وجود ہو تو اس کے ساتھ نماز کا وجود بھی لازم ہو اسی طرح یہاں پر علم شرط خشیت ہے کہ جہاں خشیت ہے وہاں علم ضرور ہے گو وہ مولوی بھی نہ ہو کیونکہ جاہل بھی خدا سے ڈرتا ہے تو اسے کم از کم عذاب ہی کا علم ہے تو خشیت بدوں علم کے اس کو بھی نہیں ہوتی باقی یہ ضرور نہیں کہ جہاں علم ہو وہاں خشیت لازم ہو کیونکہ خشیت علم کی علت نہیں اور علت کا وجود تو معلوم کے وجود کو مستلزم ہوتا ہے مگر شرط کا وجود مشروط کے وجود کو مستلزم نہیں ہوتا ہاں انتفاء شرط انتفاء مشروط کو بیشک مستلزم ہوتا ہے سو ایسی نظیر کوئی نہیں دکھا سکتا کہ کہیں خشیت کا وجود بدوں علم کے ہو گیا ہو تو علم لوازم خشیت سے ہوا نہ کہ خشیت لوازم علم سے۔

خشیت کے لئے علم ضروری ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس وعظ پر میں آج کل نظر اصلاحی کر رہا ہوں اس میں انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کی تفسیر میں نے بیان کی ہے۔ علم کے لئے خشیت لازم سمجھتے ہیں یہ آیت کا مدلول ہی نہیں

اور وقوعاً بھی صحیح نہیں تخلف مشاہد ہے البتہ خشیت کے لئے علم شرط ہونے کی وجہ سے لازم ہے اور یہی مدلول ہے آیت کا غرض یہ تو ممکن ہے کہ علم ہو اور خشیت نہ ہو مگر یہ ممکن نہیں کہ خشیت ہو اور علم نہ ہو خواہ وہ علم درس سے حاصل نہ ہوا ہو۔ آخر جب کسی خوف کی چیز کو جانتا ہی نہیں اس کا علم ہی نہیں تو خوف کس چیز سے ہوگا خلاصہ یہ ہے تقریر کا کہ علم خشیت کی شرط ہے اس کی علت نہیں جب یہ بیان ہو رہا تھا طلبہ منہ تک رہے تھے کہ یہ کیا بیان ہو رہا ہے بعد وعظ کے بعض طلبہ نے کہا کہ ہم تو بڑی غلطی میں مبتلا تھے میں نے کہا تم کیا بعضے بڑے بڑے علماء اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ علم صحیح دل میں ڈال دیتے ہیں۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھ میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے (تمام دنیا کے بندوں سے) پسند فرمایا پھر بعضے ان میں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں متوسط درجے والے اور بعضے ان میں خدا کے حکم سے نیکیوں میں ترقی کئے جاتے ہیں یہ بڑا فضل ہے۔

تفسیری نکات

نفس کی اہمیت

ظاہر ہے کہ منهم ظالم لنفسه و منهم مقتصد سابق بالخیرات الذین اصطفینا کی قسم ہیں اور مقسم کا صدق ہر قسم پر واجب ہے پس اصطفا ظالم لنفسہ کو بھی شامل ہوا بھلا جب گناہ کے ساتھ بھی ولایت عامہ اور اصطفا باقی رہتا ہے تو ضروری اشتغال دنیا کیسے منافع دین ہو سکتا ہے بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ صاحب ہم تو دنیا کے کتے ہیں ہم سے دین کا کام کیا ہو سکتا ہے تعجب ہے کہ اپنے منہ سے اس ذلت و بے حمیتی کا اقرار کیا جاتا ہے گویا خدا تعالیٰ نے ان کو دین کے واسطے پیدا ہی نہیں کیا اور غضب تو یہ ہے کہ ان بھلے مانسوں نے اپنے لئے تو ایسے ناجائز لقب تراشے ہیں اہل دین کے لئے بھی ایسے القاب نازیبا کا بے محابا استعمال کرتے ہیں جیسے مسجد کے مینڈھے اس پر بطور جملہ معترضہ کے ہنسی کی حکایت یاد آ گئی ایک طالب علم کو کسی متکبر نے کہہ دیا مسجد کا مینڈا اس نے کہا بلا سے پھر بھی دنیا کے کتوں سے تو اچھے ہی ہیں اور اس کے جواب میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

لطیفہ یہ ہے کہ اہل دین کے لئے جو وہ لقب تجویز کرتے ہیں وہ تو ایک دعویٰ ہے جو دلیل کا محتاج ہے مگر دنیا کا یہ کتنا اقراری لقب ہے اور المرء یوخذ باقرارہ بالجملہ ایسے القاب اپنے لئے یا غیر کے لئے تراشنا ممنوع ہے قال اللہ تعالیٰ لاتنابزوا بالالقاب بئس لاسم الفسوق بعد الایمان حدیث شریف میں آیا ہے لیس لنا مثل السوء عجیب ہے کہ بعض لوگ ایسے واہیات القاب کو انکسار اور تواضع سمجھتے ہیں۔

مقتصدین کی مدح

بس انسان کا بڑا کمال اقتصاد و اعتدال ہے تمام حکماء کا اس پر اتفاق ہے انہی لوگوں کی حق تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے یعنی مقتصدین کی چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں فمنهم مقتصد وما يجحد باٰياتنا الا كل ختار كفور اس مقام پر اہل کتاب کے بارہ میں ارشاد ہے منهم امة مقتصدة و كثير منهم ساء مايعملون ایک مقام پر ارشاد ہے وكذلك جعلناكم امة وسطا

اس سے صاف معلوم ہوا کہ اقتصاد یعنی توسط ہی بڑا کمال ہے اور یہی مطلوب ہے پس قرآن و حدیث سے ثابت ہو گیا ہے اقتصاد ہی اعلیٰ درجہ ہے۔ اب میں ایک شبہ کا جواب دینا چاہتا ہوں جو قرآن ہی سے پڑ سکتا ہے مگر ان لوگوں کو جو محض ترجمہ دیکھ کر مولانا بن جاتے ہیں اشکال یہ ہے کہ ایک مقام پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں ثم اورثنا الكتب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه و منهم مقتصد و منهم سابق بالخيرات باذن الله پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنا اور کوئی ان میں ہے بیچ کی چال پر اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے خوبیاں لے کر اللہ کے حکم سے۔

یہاں امت محمدیہ کی تعریف کی گئی ہے کہ امم سابقہ کے بعد ہم نے اپنے ان بندوں کو کتاب الٰہی کا وارث بنایا جن کو ہم نے برگزیدہ کیا ہے پھر ان میں بعض تو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں یعنی گناہ گار ہیں اور بعض میانہ رو مقتصد ہیں اور بعض سابقین بالخیرات ہیں۔ یہاں امت محمدیہؐ کے لئے کیسی بشارت ہے کہ ان کے گنہگار بھی برگزیدہ بندوں میں داخل ہیں تو یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقتصاد اعلیٰ درجہ نہیں بلکہ اس سے بھی آگے ایک درجہ ہے جن کو سابقین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ذرا اس اشکال کا جواب وہ لوگ بیان تو کریں جو محض لیڈری سے مولانا بن گئے ہیں۔ فہم القرآن آسان نہیں اس کے لئے پورے قرآن کا احاطہ ضروری ہے اور علوم قرآن سے واقف ہونا لازمی ہے اس کا جواب لیڈر نہیں دے سکتے۔ بلکہ یہ شبہ عربی داں علماء ہی سے حل ہو گا۔ ان کے یہاں اس کا جواب بہت سہل کہ قرآن کے محاورہ میں اقتصاد کبھی اعتدال کے معنی میں آتا ہے اور کبھی توسط بین الاعلیٰ والادنیٰ کے معنی میں آتا ہے اور سورۃ فاطر کی آیت مذکورہ میں دوسرے معنی مراد ہیں اس لئے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اقتصاد بالمعنی الاول بھی اعلیٰ درجہ نہ ہو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ

ترجمہ: کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرے۔اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا۔

تفسیری نکات

جوانی کی عمر بھی تذکر کے لئے کافی ہے

اولم نعمر کم اور جاء کم النذیر میں عطف من قبیل عطف الخاص علی العام ہے معنی یہ ہوئے کہ ہم نے تم کو اتنی عمر دی تھی جس میں تذکر ممکن تھا اور اتنی عمر ملنا جوانوں کو بھی عام ہے پھر اس میں بعض پر تو بڑھاپا بھی آ گیا اس سے اس خیال کا رد ہو گیا کہ آیت کے مخاطب بوڑھے ہی ہیں جوان نہیں ہیں خوب سمجھ لینا چاہیے۔

نذیر کی تفسیر

ایک قول یہ ہے کہ نذیر سے مراد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور نائبین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن سے تبلیغ احکام الٰہی ہوتی ہے دوسرا قول یہ ہے جو ایک حدیث کے موافق ہے گویا وہ حدیث اس کی تفسیر کرتی کہ نذیر بڑھاپا ہے خواہ حدیث میں تمثیلاً ہو یا تعیناً ہو یہ ضرور ثابت ہوا کہ بڑھاپا بھی ڈرانے والا ہے تو آیت کے معنے یہ ہوئے کہ جوانی تو کھوئی ہی تھی بڑھاپے میں بھی تمہاری غفلت نہ گئی اور آنکھ نہ کھلی کہ کچھ سامان آخرت کا کر لیتے۔

آیت میں سب غافلین کو خطاب ہے

یہ خطاب عبارۃ النص سے خواہ کفار ہی کے لئے ہو مگر بدلالت النص خواہ بالقیاس باختلاف مراتب تمام ان اشخاص کے لئے بھی ہو سکتا ہے جو بناء خطاب یعنی غفلت میں شریک ہیں۔

اصلاح کے لئے ایک مراقبہ

اس میں حق تعالیٰ نے اصلاح کے لئے ایک مراقبہ کی تعلیم فرما دی کہ عمر جلد جلد گزرنے اور ختم ہونے کو ہر وقت پیش نظر رکھے اور ہر وقت کو آخری وقت سمجھے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

ترجمہ: اگر اللہ میاں لوگوں کے اعمال پر مواخذہ کرتے تو کسی متنفس کو زمین پر نہ چھوڑتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک میعاد معین (یعنی قیامت) تک مہلت دے رہا ہے سو جب ان کی وہ میعاد آ پہنچے گی (اس وقت) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا۔

تفسیری نکات

عجیب وغریب ربط

بظاہر یہ کلام بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے۔ مقدم اور تالی میں بظاہر علاقہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ ظاہر تو ہے کہ یوں فرماتے ہیں۔

ولو یؤاخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علیھا من بشر

کہ اگر آدمیوں سے موخذہ فرماتے تو زمین پر کسی آدمی کو نہ چھوڑتے۔

نہ یہ کہ مواخذہ تو صرف آدمیوں سے فرماتے اور ہلاک جانوروں کو بھی کر دیتے۔ بظاہر یہ بالکل بے جوڑ معلوم ہوتا ہے سو بات یہ ہے کہ عین عتاب میں بھی ان کا شرف بتلایا ہے کہ مقصود بالخلق انسان ہی ہے اور دوسری چیزیں اسی کے واسطے بنائی گئی ہیں تو اگر ان سے مواخذہ کرتے تو ان میں سے کسی کو نہ چھوڑتے اور جب ان کو نہ رکھتے تو جانور رہ کے کیا کرتے۔

کیا رحمت ہے کہ عتاب میں بھی ہمارا شرف بیان کیا جا رہا ہے کہ انسان ہی اشرف المخلوقات ہے حق تعالیٰ کا انعام دیکھئے کہ جوتیاں لگائیں مگر قدر و منزلت ہیں گھٹائی بھلا ایسا آقا مل سکتا ہے ایسے آقا کا یہی ادب اور یہی معاملہ ہے جیسا ہم کر رہے ہیں؟

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ یٰسٓ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰسٓ ① وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ② اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ③

ترجمہ: یٰسٓ ۔ یٰسین قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ بے شک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں

سورۃ یٰسین کی تلاوت کی فضیلت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک مرتبہ جو شخص سورہ یٰسین شریف پڑھے اس کو سات قرآن شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے فرمایا کہ سات نہیں دس کا ثواب ملتا ہے عرض کیا کہ مجھ کو سات ہی یاد تھا مگر عرض کرنے سے غرض یہ ہے کہ ایک شخص نے تو صرف سورۃ یٰسین شریف پڑھی اور ایک شخص نے دس قرآن شریف پڑھے تو کیا اس کا اور اس کا ثواب برابر ہوگا جواب میں فرمایا کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ (یٰسین شریف پڑھنے سے) اجر تو دس ہی قرآن شریف پڑھنے کا ملے گا مگر وہ انوار میسر نہ ہوں گے جو کامل دس قرآن پڑھنے سے ہوں گے اور صاحب غیب کی کس کو خبر ہے انا عند ظن عبدی بی کیا کچھ عطا فرمادیں کوئی ان چیزوں میں ضابطہ تھوڑا ہی ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ③

ترجمہ: وہ پاک ذات ہے جس نے تمام مقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کے قبیل سے۔ اور (خود) ان آدمیوں میں سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جن کو (تمام لوگ) نہیں جانتے۔

تفسیری نکات

قرآن کوئی طب اکبر نہیں

ایک صاحب پنجاب میں مجھ سے ملے۔ کہنے لگے کہ تحقیقات جدیدہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تخم میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک نر اور ایک مادہ ہوتا ہے میں کہتا ہوں خیر یہی ہو لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ قرآن میں بھی یہ مسئلہ موجود ہو مگر وہ کہنے لگے کہ میں نے سوچا کہ قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے یا نہیں۔ کئی مہینے تک سوچتا رہا لیکن کہیں نہ ملا۔

سبحان اللہ! صاحبو قرآن میں اس مسئلہ کو ڈھونڈنا ایسا ہے جیسا کوئی طب اکبر میں جوتا بنانے کی ترکیب ڈھونڈنے لگے کیوں صاحبو! اگر کوئی ایسا کرنے لگے تو عقلاء وقت اس کی نسبت کیا فتوی دیں گے۔ وہی فتوی اس کی نسبت بھی دینا چاہیے۔

غرض کہنے لگے کہ مدت کے بعد ایک روز اتفاق سے میری بیوی قرآن پڑھ رہی تھی جب اس نے یہ آیت پڑھی۔

ازواج کا معنی

وہ ذات پاک ہے جس نے تمام مقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات کے قبیل سے بھی تو بہت خوش ہوا کہ قرآن میں یہ مسئلہ صراحۃً موجود ہے۔ تو وہ بزرگ ازواج کے معنی خاص یہاں میاں بیوی اور نر و مادہ کے سمجھے۔ حالانکہ ازواج کے لغوی معنی جوڑ کے ہیں خواہ کسی چیز کا جوڑ ہو حتی کہ زوج الخف والنعل بھی کہتے ہیں۔ زوج کے معنی وہی ہیں جس کو فارسی میں جفت اور اردو میں جوڑا کہتے ہیں۔ میاں بیوی کو بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی باہم جوڑا ہوتے ہیں یہ نہیں کہ ہر جگہ میاں بیوی ہی کے معنی ہوں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میری جفت پاپوش اٹھا لاؤ یہ کہے کہ میرے جوتے کا جوڑا اٹھا لاؤ تو کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میرے جوتے کی میاں بیوی اٹھا لاؤ۔ پس معنی آیت کے تو یہ ہیں کہ ہم نے نباتات میں بھی جوڑے پیدا کئے ہیں کہ اگر ایک انار کھٹا ہے تو دوسرا میٹھا ہے علی ہذا۔ لیکن ان مجتہد صاحب نے ان ازواج کا ترجمہ زن و شوہر کیا اور قرآن میں اپنے نزدیک اس مسئلہ کو بھی داخل کر دیا۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ۝

"وہ پاک ذات ہے جس نے تمام مقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات سے زمین کے قبیل سے بھی اور ان آدمیوں سے بھی اور ان چیزوں میں بھی جن کو لوگ نہیں جانتے"۔

کسی نے قرآن سے دانہ کا نر مادہ ہونا ثابت کیا ہے

ایک صاحب نے قرآن شریف سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ دانہ میں نصف مادہ اور نصف نر ہوتا ہے یہ بھی سائنس جدید کی تحقیق ہے اس کے لئے ان کو یہ آیت مل گئی۔ سبحان الذی خلق الازواج کلها مما تنبت الارض و من انفسهم و مما لا یعلمون معلوم ہوا کہ مما تنبت الارض میں بھی ازواج یعنی میاں بی بی ہیں جو جس کو سمجھ میں آتا ہے وہ کہتا ہے نہ معلوم یہ لوگ واذا النفوس زوجت کے کیا معنی کہیں گے تزویج تفعیل ہے زوج سے اس کے معنی ان کی تقریر کے موافق میاں بی بی بنانے کے ہوئے تو یہ معنی ہوئے کہ قیامت کے دن لوگوں کے نکاح کرائے جائیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سائنس کو دین کے مطابق کرنا چاہئے نہ بالعکس

قرآن شریف کو کیا کھیل بنایا ہے لوگوں نے نہ معلوم عقلیں کیسی مسخ ہوئی ہیں۔ یہ طرف داری دین کی ہے یا سائنس کی۔ موٹی سی بات ہے کہ دین کی طرف داری تو جب ہوتی کہ دین کو تسلیم کر کے سائنس کو اس کے مطابق کرتے یہ طرفداری دین کی کیسی ہوئی کہ سائنس کو تسلیم کر کے دین کو اس کے مطابق کرنا چاہتے ہیں یہی فرق ہے علماء اہل حق اور آجکل کے لوگوں کی روش میں علماء اسلام نے بھی احکام شریعت میں عقلی مصالح دریافت کی ہے اور اس مبحث پر کتابیں لکھی ہیں جن سے یہ لوگ بھی استدلال کرتے ہیں کہ علماء حال کا جمود اور تعصب ہے کہ ہم پر اعتراض کرتے ہیں جب ہم عقلی اور نقل کو مطابق کر کے دکھاتے ہیں حالانکہ ان کے علماء نے بھی ایسا کیا ہے یہ صرف مغالطہ ہے۔

سائنس کو قرآن میں داخل کرنا ہدم دین ہے

اگلے علماء نے دین کو مقدم رکھ کر عقل سے اس کی مصلحتیں دریافت کی ہیں اور یہ لوگ عقل کو مقدم رکھ کر دین کو اسکے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ سائنس کو قرآن میں داخل کرنا چند روز میں دین کو بالکل منہدم کرنا ہے کیونکہ سائنس کی تحقیقات بدلتی رہتی ہیں آج جو بات بالاتفاق تسلیم کی جاتی ہے وہ کل کو ایسی غلط ثابت ہوتی ہیں کہ اس پر وہی لوگ ہنستے ہیں جن کی وہ تحقیق تھی۔ آج اگر قرآن کو بھی اسکے مطابق کر لیا تو جس وقت اس کی غلطی ثابت ہوگی اس وقت قرآن کریم کا غلط ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔ پھر قسمت کو روئیو! لوگ ادھر ادھر کے مسائل کو قرآن شریف سے ثابت کرنے کو فخر سمجھتے ہیں۔

قرآن کا فخر یہ ہے کہ غیر دین اس میں نہ ہو

قرآن کا فخر یہ ہے کہ اس میں غیر دین نہیں ہے جیسا کہ طب اکبر کے لئے فخر ہو سکتا ہے۔ تو یہی کہ اس میں جوتیاں گانٹھنے کا بیان نہیں ہے نہ یہ کہ اس میں کہیں جوتیاں گانٹھنے کی ترکیبیں بھی درج ہیں۔ اگر کوئی طب اکبر میں یہ صنعت بھی شامل کر دے تو واللہ کوئی اس کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ میں نے بکثرت وعظوں میں اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ لوگ ان کو خشک مضامین کہتے ہیں اور تر مضامین وہ ہیں جن میں ڈوب مرنا پڑے گا آجکل کے حامیان اسلام حامیان اسلام نہیں ماحیان اسلام ہیں ان کی یہ حالت ہے

یکے بر سر شاخ دین مے برید — خداوند بستاں نگہ کردو دید
بگفتا گریں مرد بد میکند — نہ بامن کہ بانفس خود میکند

فروعی مسائل اسلام تو عقل سے ثابت کرتے ہیں اور اس کی خبر نہیں کہ اس طرح جڑ اسلام کی کٹتی جاتی ہے۔ اس مرض میں ہمارے بھائی بند بھی یعنی مولوی لوگ بھی مبتلا ہیں اور اس کی وجہ صرف حب شہرت اور بعض میں حب مال اور اپنی ضرورتوں کو اہل دنیا کے پاس لیجانا ہے ان کے عطایا لینے کے بعد ان سے دبنا پڑتا ہے اور ان کی حسب خواہش دین کو سائنس کے ساتھ مطابق کرنا پڑتا ہے ورنہ ان کی نظروں میں وقعت نہ ہو اور عطایا میں کمی ہو جائے۔ یہ ہے وہ چیز جس نے ناس کر رکھا ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ج ۲۰ ص ۱۸۶، ۱۸۷)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الصّٰفّٰت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ
يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ
صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
الْبَلٰۗـؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: برخوردار (اسمٰعیل علیہ السلام) میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں سو تمہاری کیا رائے ہے وہ بولے ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ کیجئے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے غرض جب دونوں نے تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو کروٹ پر لٹایا اور ہم نے کہا اے ابراہیم (علیہ السلام) تم نے خواب کو سچ کر دکھایا وہ وقت بھی عجیب تھا جب ہم مخلصین کو بدلہ دیا کرتے ہیں حقیقت میں تھا بھی بڑا امتحان اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ ان کے عوض میں دیا۔

تفسیری نکات

حقیقت قربانی

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اصلی فعل ذبح ولد تھا اور دنبہ کا ذبح کرنا حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا بدل اور فدیہ تھا باقی اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ وہ ولد ذبیح کون ہے اسمٰعیل علیہ السلام ہیں یا اسحٰق علیہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

السلام ہیں۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اور یہی صحیح ہے جس کی دلیل تو یہ ہے کہ ذبح ولد کا قصہ بیان فرما کر حق تعالیٰ نے آگے فرمایا ہے وبشرناہ باسحق نبیامن الصلحین (اور ہم نے ان کو اسحٰق (علیہ السلام) کی بشارت دی کہ نبی ہو کر صالحین سے ہوگا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بشارت اسحاق سے مقدم ہے۔

سنت ابراہیم کا مصداق

اور اگر لفظ سنت پر نظر کی جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ذبح ولد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت نہیں کیونکہ سنت اس فعل کو کہتے ہیں جس پر مواظبت اور دوام ہو اور ذبح ولد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف ایک ہی دفعہ کیا ہے۔ پس سنت ابراہیم کا مصداق وہ فعل ہونا چاہیے جو ان کا دائمی طریقہ ہو اور وہ درحقیقت اسلام نفس ہے یعنی اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دینا جس کو فنا کہتے ہیں یہی حضرت ابراہیم کا خاص مذاق اور دائمی طریقہ تھا اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العلمین اور ذبح ولد اس کی صورت تھی کو اسلام نفس کے مناسب صورت تو ظاہر میں یہ تھی کہ ان کو قتل نفس کا امر کیا جاتا مگر اس کے بجائے ذبح ولد کی صورت اس لئے اختیار کی گئی کہ یہ قتل نفس سے بھی اشد ہے چنانچہ ہر صاحب حس سمجھتا ہے خصوصاً جو کسی کا باپ بھی بن چکا ہو وہ جانتا ہے کہ باپ کو اپنی موت اور اپنی کلفت بیٹے کی موت اور کلفت سے سہل ہوتی ہے اولاد کی حفاظت کے لئے انسان ہمیشہ اپنی جان پر کھیل جاتا ہے اور ذبح ولد عمر کا سانحہ ہے۔

استعداد نبوت

فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے یہ فرمایا کہ انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری اس سے یہ مقصود نہ تھا کہ اگر حضرت اسمٰعیل راضی نہ ہوئے تو میں اپنے ارادے سے باز رہوں گا بلکہ مقصود امتحان تھا کہ ان کا جواب سنیں مگر سبحان اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی آخر نبی ہونے والے تھے اگرچہ اس وقت کمسن تھے لیکن استعداد نبوت سے بلا تامل یہ جواب دیا کہ یآبت افعل ماتؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصبرین

اصل مقصود تسلیم ورضا ہے

فرمایا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے اس جواب سے کہ ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین ایک عجیب مسئلے پر استدلال ہو سکتا ہے جو کہ ذاکرین کے لئے بے حد مفید ہے یعنی اکثر ذاکرین اپنے ذکر میں طالب لذت ہوتے ہیں اور وہ خدا کو مقصود نہیں سمجھتے بلکہ لذات کے طالب ہوتے ہیں حالانکہ مقصود اصلی یہ ہے کہ تسلیم ہو اور طلب رضا ہو گو لذت نہ ہو یہ مسئلہ من الصابرین سے مفہوم ہوا اور تلخی امتثال پر صبر ہو ورنہ اگر لذت مقصود ہوتی تو بجائے من الصابرین کے من المتلذذین فرماتے مگر من الصابرین فرمایا اور صبر ہمیشہ تلخی اور بدمزگی ہی میں ہوتا ہے اس سے لذت

کا غیر مقصود ہونا ثابت ہو گیا بلکہ بعض محققین کا قول ہے کہ جس عبادت میں لذت نہ ہو وہ ایک حیثیت سے لذت والی عبادت سے افضل ہے کیونکہ جب عبادت میں لذت مقصود ہوئی تو ممکن ہے وہ بوجہ لذت کے ادا کی گئی ہو اور امتحان اور کمال اس امر میں ہے جو خلاف طبع ہو مگر آج کل طالبین کا خیال اس کے بالکل برعکس ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شیوخ میں خود خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں حالات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ پیروں میں سے اور مشائخ میں سے اکثر خود بھی فن تصوف سے بے خبر ہیں مگر جبہ مشیخیت زیب تن ہے اور تعلیم دیتے ہیں ان کو یہی خبر نہیں ہوتی کہ اصل مرض طالب میں کیا ہے اور اس کا علاج مناسب کیا ہے حالانکہ یہ نہایت ضروری ہے دیکھو اگر طبیب جسمانی مرض سے واقف نہ ہو تو اس کا علاج ہمیشہ مضر ہوتا ہے اسی طرح ان خام کاروں سے مدۃ العمر مریدوں کی تشویش دور نہیں ہوتی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان

اس کی نسبت بعض لوگ یہ سمجھے کہ رائے دریافت کرنے کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ تمہاری کیا رائے ہے تو انہوں نے کہا یابت افعل ماتو مر کہ اے باپ آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے اور یہ سمجھ کر ان کو یہ شبہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو نعوذ باللہ تردد تھا

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(یعنی بزرگوں کے افعال کو اپنے اوپر قیاس مت کرو اگرچہ ظاہر میں دونوں فعل یکساں ہیں جس طرح لکھنے میں شیر و شیر یکساں ہیں)

حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو تردد نہ تھا کہ انبیاء میں اس کا احتمال ہی نہیں بعض اہل ظاہر اس کے قائل ہوئے ہیں کہ گو تردد نہ تھا مگر اس وقت بیٹے میں باپ سے زیادہ استقلال تھا جیسا کہ ان کے سوال ماذا تری (تمہاری کیا رائے ہے) میں اور ان کے جواب افعل ماتو مر (وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم ہوا) میں موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے پھر اس تفاوت کا ایک نکتہ بیان کیا جو عوام کو پسند بھی آئے گا مگر ابراہیم علیہ السلام کی اس میں تصریح تنقیص ہے۔

وہ نکتہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ابراہیم علیہ السلام کے بدن میں تھا اس کی وہ برکت تھی کہ ابراہیم علیہ السلام میں کس قدر استقلال تھا کہ آگ میں ڈالے گئے اور مضطرب نہ ہوئے جب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ نور ان میں منتقل ہو گیا اس واسطے وہ اسی درجہ میں مستقل المزاج ہو گئے تھے مگر اس توجیہ سے میرا تو رونگٹا کھڑا ہوتا ہے کیا توجیہ کی ہے کہ اتنے بڑے پیغمبر کی جناب میں گستاخی کی بھی پرواہ نہ کی۔ بس ایسی توجیہ رہنے دیجئے

زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است　　بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

(یعنی جمال محبوب ہمارے عشق و عرفان ناتمام سے مستغنی ہے جس طرح زیبا صورت کو رنگ و روپ خد و خال کی احتیاط نہیں)

(c) ketabton.com: The Digital Library

ناتمام اس معنی کو کہ اس میں تنقیص ہے ابراہیم علیہ السلام کی نور محمدی کے جدا ہو جانے کے بعد غیر مستقل ہو جانا محض جزاف (تخمینی) اور رجم بالغیب ہے غور کرو تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی گستاخی ہے کیونکہ آپ کا وہ نور ایسا نہیں جس کا اثر زائل ہو جاوے۔ آگ تنور کے اندر جلائی جاتی ہے تو ایک گھنٹہ تک تنور اسکے اثر سے گرم رہا ہے تو کیا وہ نور اتنا بھی نہ ہوگا کہ اس کے منتقل ہونے کے بعد ابدالآباد تک اس کا اثر رہے یہ تفاوت ہی نہیں جو ان جزافات کے ماننے کی ضرورت پڑے۔

اصل یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے صرف پدر مشفق اور مربی شفیق ہی نہ تھے بلکہ وہ شیخ بھی تھے۔ سو شیخ ہونے کی حیثیت سے ان کو ان کے استقلال کا امتحان مقصود تھا اس واسطے فرمایا **فانظر ماذا تری** (تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے) مگر وہ اس امتحان میں کامیاب ہوئے کہ فرماتے ہیں

یابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شآء اللہ من الصابرین

(اے باپ آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں سے دیکھیں گے) اور کیا ٹھکانا ان کے عرفان کا اتنا بڑا توکل کہ اپنی قوت پر نظر نہیں یہاں بھی کہتے ہیں ان شاء اللہ کہ اگر خدا کو منظور ہوا پس یہی تو کمال ہے ایسے ہی بیٹے کی نسبت کہتے ہیں

شاباش آں صدف گرچناں پرورد گہر آباد از و کرم و ابنا عزیز تر

ان کی اولاد بھی خدا کی عاشق تھی چنانچہ حضرت اسماعیل نے فرمایا

یابت افعل ماتؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین

کہ اے باپ جو کچھ آپ کو حکم ہوا ہے کر ڈالئے ان شاء اللہ آپ مجھ کو صابرین میں سے پائیں گے یعنی میں تحمل واستقلال سے کام لوں گا **فلما اسلما و تلہ للجبین**

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پیشانی کے بل ڈال کر ذبح کرنا شروع کیا اور پورا زور لگا دیا مگر وہاں اثر بھی نہ ہوا کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کو حکم تھا **اذبح** اور سکین کو حکم تھا **لاتذبح (مبینا للمفعول)** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھلا کر چھری سے کہا کہ تجھے کیا ہوا کاٹتی کیوں نہیں اس نے کہا اے ابراہیم تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کروں گی مجھے اور حکم ہے تم کو اور حکم ہے۔

۔ واقعی ظاہر میں یہ اسباب مؤثر نظر آتے ہیں ورنہ حقیقت میں سوائے حضرت حق کے کوئی موثر نہیں یہ اسباب بھی ان کے حکم کے بعد ہی کام کرتے ہیں مولانا اسی کو فرماتے ہیں

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند با من و تو مردہ باحق زندہ اند

بہر حال سکین کو حکم تھا کہ کند ہو جاوہ کند ہوگئی اور حضرت ابراہیم کو حکم تھا کہ ذبح کرو وہ ذبح کی کوشش میں تھے کہ غیب سے آواز آئی: **یابراھیم قد صدقت الرؤیا**

اے ابراہیم واقعی تم نے اپنے خواب کو سچا کر دیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

اصل مقصود عمل ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل مقصود عمل ہے ترتب نتیجہ مقصود نہیں یہ سالکین کے بہت کام کی بات ہے کیونکہ آج کل بہت سالکین ثمرات کے منتظر رہتے ہیں اور جب اعمال پر کیفیات وثمرات کا ترتب نہیں ہوتا تو وہ عمل کو بے کار سمجھتے ہیں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا ابراہیم علیہ السلام کا فعل ناقص تھا؟ آپ کے مذاق پر تو ناقص ہی ٹھہرے گا کیونکہ ان کو حکم تھا ذبح کا اور ذبح پر ثمرہ کا ترتب ووقوع کہاں ہوا صرف قصد ذبح وسعی فی الذبح کا تحقق ہوا تھا معلوم ہوا کہ مقصود عمل ہے نتیجہ مقصود نہیں کیونکہ عمل تو کسی درجہ میں آپ کے اختیار میں ہے اور نتیجہ صرف حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور ظاہر ہے کہ انسان سے وہی شئے مقصود ہوسکتی ہے جو اس کے اختیار میں ہو پس

کار خود کن کار بیگانہ مکن

تم اپنے کام میں لگے اور نتیجہ کی فکر میں نہ رہو بلکہ نتیجہ کے متعلق یہ مذاق پیدا کرو

حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم　　یابم اور ایا نیابم جستجوئے من کنم

غرض ابراہیم علیہ السلام کے فعل پر نتیجہ ذبح مرتب نہیں ہوا لیکن پھر بھی حق تعالیٰ نے ان کے فعل کی نہایت تفخیم ظاہر فرمائی ہے کیونکہ جب انہوں نے اپنی طرف سے سب کچھ کرلیا تو بڑا کام کیا وہ جس وقت ذبح ولد کے لئے تیار ہوئے تھے اور ان کے گلے پر چھری پھیر رہے تھے اس وقت تو ان کو یہ علم نہ تھا کہ چھری کو لاتذبح کا حکم ہوجائے گا اور وہ اپنا کام نہ کرے گی بلکہ وہ تو یہ سمجھ کر تیار ہوئے تھے کہ چھری پھیرتے ہی بچہ کا کام تمام ہوجائے گا کیونکہ وہ اس کو خوب تیز کر چکے تھے اب اس کے بعد نتیجہ کا مرتب نہ ہونا ان کے اختیار سے باہر تھا پس واقعی انہوں نے بہت بڑا کام کیا۔

ابتداء قربانی

اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں انا کذلک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلؤ المبین وفدینہ بذبح عظیم اس کے بعد ایک دنبہ اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ ہوکر آ گیا اور اس کو بجائے ان کے ذبح کیا گیا۔ یہ قربانی کی ابتداء ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَة صٓ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝۵

ترجمہ: اور کیا یہ شخص سچا ہوسکتا ہے کہ اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا واقعی یہ عجیب بات ہے۔

تفسیری نکات

جعل کے دو معنی

آیۃ اجعل الالہۃ الھا واحدًا ان ھذا لشیء عجاب

جولوگ وحدۃ الوجود کے متعارف معنی کے قائل ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں حصل اس استدلال کا یہ ہے کہ کفار نے جعل الالھۃ الھا واحداً پر ہمزہ استفہام داخل کر کے اس جعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا تو ضرور ہے کہ آپ سے اس اتحاد کا دعوے کبھی صادر ہوا ہو ورنہ اس نسبت پر قرآن میں انکار ہوتا تو متدلین کہتے ہیں کہ حضورؐ نے جو لا الہ الا اللہ کی تبلیغ فرمائی ہے اس کلمے کے معنی یہی اتحاد ہیں کہ کوئی معبود باطل غیر اللہ نہیں بلکہ (نعوذ باللہ) سب عین اللہ ہے اور چونکہ اس باب میں الٰہ باطل اور غیر آلیہ میں کچھ فرق نہیں لہٰذا ہر وہ چیز بھی جس کو ہم غیر اللہ کہتے ہیں سب گویا نعوذ باللہ عین اللہ ہوں گی قائلین وحدۃ الوجود کا یہ استدلال ہے میں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ معنی اس جعل کے یہ ہیں کہ غیر اللہ کی معبودیت کو نفی کر کے صرف ایک خدا کو معبود کہا مگر اس پر یہ قدح کیا گیا کہ آیت میں جعل کے دو مفعول ہیں جس کا مدلول ایک شئے کو دوسری شئے بنا دینا خواہ صفۃً یا زعماً لیکن اس قدح کے باوجود بھی سمجھ میں یہی آتا تھا کہ معنی آیت کے یہی ہیں لیکن کلام عرب میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی تھی سو بحمد اللہ اب سمجھ میں آ گئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

ومن جعل هـمومه هماً واحداً كفاه الله همومه كلها اس حدیث میں ظاہر ہے کہ جعل کے یہی معنی ہیں کہ تمام ہموم دنیاوی کو چھوڑ کر صرف ایک آخرت کے ہم کو اختیار کرے نہ یہ کہ ہم دنیا کو ہم آخرت بنادے۔

اجعل لاٰالهة الهاً واحدا سے بعض غلاۃ فی التوحید نے اپنی توحید مزعوم پر استدلال کیا ہے کہ کفار اہل لسان کے اس انکار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صاحب وحی کا دعوے سب الٰہہ کو الٰہ واحد کے ساتھ متحد قرار دینے کا تھا۔ جواب یہ ہے کہ یہ جعل تصییر کے لئے نہیں کہ مفید مدعائے مذکور ہو بلکہ اس کا حاصل مفعول اول کا ابطال اور مفعول ثانی کا اثبات ہے اس محاورے کی نظیر حدیث ہے من حصل العموم هما واحداً هم الاخرة كفاه الله همومه كـلها ظاہر ہے کہ حدیث میں اتحاد ھموم کا ہم واحد کے ساتھ مقصود نہیں بلکہ ھموم دنیویہ کی نفی اور ہم آخرت کا اثبات مقصود ہے۔ (مقالات حکمت ص ۱۷۵، ۱۷۶)

اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: پھر ایک شخص بولا کہ صورت مقدمہ کی یہ ہے کہ یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس (صرف) ایک دنبی ہے۔ سو یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھ کو دے ڈال اور بات چیت میں مجھ کو دباتا ہے۔

تفسیری نکات

حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ امتحان

اب تمہیں واقعہ کی تحقیق کرنا چاہیے اور یہیں سے آپ کو حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ کی ایک لطیف تفسیر معلوم ہو جائے گی جو قرآن میں مذکور ہے۔ ان هذا اخى له تسع و تسعون نعجة و لى نعجة جس کے متعلق واعظوں نے ایک بڑا طومار اختراع کیا ہے اور ریا کا قصہ بیان کیا ہے سو خوب سن لیجئے کہ تفسیر قرآن میں اس واقعہ کا کچھ دخل نہیں بلکہ وہ قصہ ظاہراً شان نبوت کے بھی خلاف ہے اسی لئے محققین نے اس کو رد کر دیا ہے اور اس کو اسرئیلیات میں سے کہا ہے اس آیت میں جو حضرت داؤد کا امتحان مذکور ہے اس کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ ان کے پاس دو شخص مدعی و مدعی علیہ بن کر آئے ایک نے دعویٰ کیا کہ میرے اس بھائی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے یہ میری دنبی چھین کر اپنے پاس سو پوری کرنا چاہتا ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے صرف مدعی کا بیان سن کر یہ فرمایا اس نے تجھ پر ظلم کیا اور واقعی اکثر شرکاء کی یہی

(c) ketabton.com: The Digital Library

حالت ہے کہ زبردست کمزور کو دبانا چاہتا ہے اگرچہ داؤد نے یہ کلام بطور جملہ شرطیہ کے فرمایا تھا۔ فیصلہ کے طور نہیں فرمایا تھا مطلب صرف یہ تھا کہ اگر یہ بیان صحیح ہے تو تجھ پر ظلم ہوا مگر چونکہ صورۃ وہ جملہ حملیہ سے شرط نہیں اور شرطیہ بھی ہوتا تب بھی مجلس قضاء کے مناسب نہ تھا بلکہ اول مدعی علیہ سے دریافت فرماتے پھر شہادت یا حلف کے بعد فیصلہ فرماتے مگر اس لغزش پر بہت جلد تنبیہ ہوئی اور سجدہ میں گر پڑے وظن داوٗد انما فتنه فاستغفر ربه وخر راكعا و اناب (اور منشاء اس لغزش کا ایسا امر تھا جس میں ان مرافعہ کرنے والوں کی بھی غلطی کو دخل تھا وہ یہ کہ ان لوگوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے یہ مرافعہ بر سر اجلاس نہیں کیا بلکہ ایسے دن اور ایسے موقع پر مرافعہ کیا کہ اس دن اور اس موقع پر حضرت داؤد علیہ السلام فصل مقدمات کے عادی نہ تھے کیونکہ یہ دن ان کی عبادت کا تھا جس میں وہ مقدمات کا فیصلہ نہ کرتے تھے اور یہ موقعہ اجلاس کا موقعہ نہ تھا بلکہ عبادت گاہ تھی جس کے دروازے بند تھے مدعی اور مدعی علیہ دیوار سے پھاند کر آئے داؤد علیہ السلام کو ان کے اس طرح بے قاعدہ آنے سے وحشت و پریشانی بھی ہوئی وهل اتک نباء الخصم اذتسور المحراب اذ دخلوا علی داوٗد ففزع منهم قالو الاتخف ان تمام امور کے اجتماع سے یہ اثر ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کے ساتھ اس طرح گفتگو فرمائی جس طرح نجی ملاقات میں گفتگو کیا کرتے ہیں چونکہ اجلاس وفصل مقدمات کا نہ یہ موقعہ تھا نہ دن تھا نہ اہل مقدمات اس طرح آیا کرتے تھے اس لئے آپ سے لغزش ہو گئی گفتگو میں ان قواعد کا استحضار نہ تھا جو فصل مقدمات اور اجلاس کے وقت ضروری ہوتے تھے پس ہر چند کہ حضرت داؤد علیہ السلام معاملہ میں امور مذکورہ بالا کی وجہ سے معذور بھی تھے مگر انبیاء علیہم السلام کی بڑی شان ہے ان کو ایسے عوارض کی وجہ سے بھی احکام میں ذہول نہ ہونا چاہیے اس لئے فوراً تنبہ ہوا کہ مجھ سے لغزش ہوئی اور اس سے استغفار و توبہ کی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: اے داؤد (علیہ السلام) بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے پس تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہش نفسانی کا اتباع نہ کرو یہ تم کو اللہ کے راستہ سے بے راہ کردے گی بیشک جو لوگ اللہ کی راہ سے گم ہوئے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہوگا بسبب اس کے کہ وہ یوم آخرت کو بھول گئے۔

تفسیری نکات

اتباع ھوای کی مذمت

اس آیت شریفہ میں ہر چند کہ خطاب داؤد علیہ السلام کو ہے لیکن مضمون عام ہے کچھ داؤد علیہ السلام کی تخصیص نہیں ہے بلکہ داؤد علیہ السلام کی طرف خطاب کرنے سے معنی اس مضمون کے اور زیادہ تقسیم ہوگئے اس لئے کہ جب بڑوں کو کسی امر کا خطاب کیا جاتا ہے اور ان کو باوصف ان کی صفت کے اس امر پر وعید کی جاتی ہے تو چھوٹے بطریق اولی مخاطب ہو جاتے ہیں طبیب اگر صحیح قوی کو کہے کہ فلاں شئے نہ کھاؤ تم کو مضر ہوگی تو مریض ضعیف کو بطریق اولی اس سے پرہیز کرنے کی ضرورت مفہوم ہوگی اسی طرح سے یہاں داؤد علیہ السلام کو خطاب ہے گویا مطلب یہ ہے کہ جب داؤد علیہ السلام باوجود نبی ہونے کے اس حکم کے مامور ہیں اور مضمون بھی کوئی خصوصیات نبوت سے نہیں تو اوروں کو تو بطریق اولی اس حکم کی پابندی کرنی چاہیے اور وہ حکم جو کہ داؤد علیہ السلام کو اس آیت شریف میں کیا گیا ہے اتباع ھوی سے نہی ہے اتباع ہوئی کی مذمت ہے یعنی اپنی جی چاہی بات پر عمل کرنا۔ اب ظاہر ہے داؤد علیہ السلام پیغمبر ہیں اور پیغمبر بھی صاحب کتاب کہ زبور شریف ان پر نازل ہوئی ہے اور پیغمبر علیہ السلام عموماً اور ان میں جو صاحب کتاب ہیں خصوصاً ان کے تمام ملکات محمود اور جذبات طاہر مطہر اور نفوس نہایت مہذب ہوتے ہیں جب باوجود ان کے ان کو منع کیا جاتا ہے کہ تم اپنی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا حالانکہ ان کا نفس بالکل مہذب ہے اگر اس میں خواہش بھی ہوگی تو ظلمانی نہ ہوگی تو ہم تو جو کہ سر سے پا تک گندر گند ہیں اگر خواہش نفسانی کی پیروی کریں گے بالکل ہلاک ہو جائیں گے اللھم احفظنا (اے اللہ ہم کو اس سے محفوظ رکھ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اسی واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں۔

تفسیری نکات

نزول قرآن کی غرض

اس میں خدا تعالیٰ نے تصریحاً فرمادیا کہ یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ اس سے علم وعمل کا فائدہ حاصل کریں۔ لیدبروا میں علم کی طرف اشارہ ہے اور لیتذکر میں عمل کی طرف رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی یعنی مجھے ایسا ملک عطا ہو جو میرے بعد والوں کیلئے ملنا مناسب نہ ہو۔

ضعفاء کے حق میں عین رحمت

مولانا رومی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ظاہراً اس سے حرص وحسد کا شبہ ہوتا ہے مگر واقعہ میں یہ ضعفاء کے حق میں انہوں نے اس دعا میں عین رحمت فرمائی جس کی توجیہ یہ ہے کہ من بعدی میں بعدیت زمانیہ مراد نہیں بلکہ بعدیت رتبیہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایسا ملک مجھے عطا کیا جائے جو میرے درجہ والوں کے لئے خواہ مخواہ مناسب ہو مگر مجھ سے کم درجہ والوں کے لئے غیر مناسب ہوگا یعنی ان کو عطا نہ کیا جائے کیونکہ وہ ایسی سلطنت سے کفر وتکبر میں مبتلا ہو جائیں گے اب اس تفسیر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ اشکال نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ تو سلیمان علیہ السلام کے اعتبار سے من معی بلکہ من قبلی (مجھ سے پہلے) ہیں یعنی آپ تو ان کے ہم رتبہ نبوت ورسالت میں اور درجہ میں ان سے بھی افضل ہیں۔

ہر نبی کا معجزہ اس کے زمانے کے مطابق ہے

فرمایا کہ ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کو وہ معجزہ دے کر بھیجا گیا جس کی جنس کا شیوع اس زمانہ میں زیادہ تھا جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر کا زور تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا۔ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں سلطنت کا زور تھا اس لئے سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی یہ دعا طلب معجزہ ہے کیونکہ معجزہ میں دوسرے کی شرکت نہیں ہوتی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد مبارک میں فصاحت وبلاغت زوروں پر تھی اس لئے حضور ﷺ کو باوجود امی ہونے کے فصاحت کا معجزہ دیا گیا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: یہ ہمارا عطیہ ہے سو خواہ دو یا نہ دو تم سے کچھ دار و گیر نہیں

ایک وعظ میں ان خاص لوگوں کے لئے فرمایا جو کہ خالص توبہ کر کے ذکر و شغل میں مشغول ہوں کہ بار بار گناہ کا یاد کرنا ان لوگوں کی حالت کے مناسب نہیں کیونکہ توبہ تو ہو چکی ہے جس کی قبول کی امید غالب ہے اب پھر بار بار کے گناہ کے یاد کرنے سے ذکر میں ایک قسم کا حجاب حائل ہو جاتا ہے اور ذکر میں نشاط نہیں رہتا۔ ہر چند کہ گناہ کا یاد کرنا فی نفسہ امر محمود ہے۔ مگر اسکی بھی ایک حد ہے۔ حد سے آگے کیسا ہی امر محمود ہو محمود نہیں رہتا۔ دیکھیے طبیب اگر کسی بیمار کے نسخے میں چھ ماشے سنا لکھے اور وہ مریض یہ خیال کر کے کہ یہ چیز مفید ہے جب طبیب نے لکھی ہے تو جتنی بڑھائی جائے گی فائدہ ہوگا تولہ بھر اس سے زیادہ ڈال لے تو ظاہر بات ہے کہ سنا فائدے کی چیز تھی اور طبیب نے مفید سمجھ کر لکھی تھی مگر خاص ہی مقدار تک مفید ہے اور اس سے زائد مریض کے لئے سخت مضر ہوگی یہی حال اعمال باطنی کا ہے۔ نصوص میں تدبر کرنے سے اسکا پتہ لگتا ہے چنانچہ اسی بناء پر حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ارشاد ہے کہ قبول توبہ کی علامت گناہ کا بھول جانا ہے یعنی اسکا خیال پر غالب نہ رہنا۔ مگر بعد توبہ ہو اور اگر قبل ہے تو وہ غفلت ہے اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ جن دوستوں میں کبھی مخالفت رہ چکی ہو اگر دوستی میں اسکا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ایک دوسرے کے دل پر میل آ جاتا ہے اور عورتوں میں یہ عادت زیادہ ہے کہ اتفاق و محبت کی حالت میں دشمنی کے زمانہ کے تذکروں کو لے بیٹھتی ہیں جس سے محبت مکدر ہو جاتی ہے اور وہ نصوص جن میں غور و فکر کرنے سے یہ بات صاف معلوم ہے یہ ہیں لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ماتاخر اس میں ایک تو یہ بحث ہے کہ ذنب کا اطلاق کیا گیا۔ صاحب نبوت کے حق میں جو کہ معصوم ہے یہ بحث جداگانہ ہے اسکو مسئلہ مذکورہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہاں پر مقصود اس کے ذکر سے یہ ہے کہ پہلے گناہوں کی معافی تو سمجھ میں آ سکتی ہے لیکن پچھلے گناہوں کی معافی جو ابھی تک ہوئے ہی نہیں کیا معنی۔ تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ خوف و خشیت کا غلبہ تھا اگر آپ کو آئندہ گناہوں کی معافی دے کر تسلی نہ دی جاتی تو اندیشہ تھا کہ غلبۂ خوف سے اسی فکر میں آپ پریشان رہتے کہ کہیں آئندہ کوئی امر خلاف مرضی نہ ہو جائے۔ اس لئے آپ کو آئندہ کے لئے بھی مطمئن کر دیا گیا۔ دوسری آیت اسکی موید یہ ہے کہ حق جل و علیٰ سلیمان علیہ السلام کو فرماتے ہیں کہ ھذا عطاء نا فامنن او امسک بغیر حساب اسمیں ایک احتمال تو یہ ہے کہ بغیر حساب کو عطاءنا کے متعلق کیا جائے تو یہ معنیٰ ہوں گے کہ عطا بے حساب ہے یعنی کثرت سے ہے اور دوسرا احتمال اور وہ بہت موجہ معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ بغیر حساب کو فامنن اور امسک دونوں کے متعلق کیا جائے اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ آپ پر دینے اور روک رکھنے میں کوئی حساب اور مواخذہ نہیں چونکہ سلیمان علیہ السلام کو بوجہ غلبۂ خوف کے ہر اعطاء و امساک

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں یہ خیال رہتا کہ شاید یہ اعطاء یا امساک برمحل ہوا ہے یا نہیں۔ کہیں دین میں اسراف یا امساک میں بخل نہ ہو گیا ہو اور یہ خلجان مانع حضور خاص تھا تو اس لئے سلیمان علیہ السلام کو مطمئن کر دیا کہ اعطاء و امساک میں مطلقاً آپ سے کچھ مواخذہ نہیں کیا جائے گا آپ اس کی فکر نہ کریں اور اصل کام میں لگے رہیں۔ مگر ایسے اشارات اہل خوف کے لئے ہیں کیونکہ اس سے خلاف امر اور بھی عصیان کا صدور ہی مستبعد ہے۔ اب اس سے زیادہ خوف ان کے حق میں مضر ہے اس لئے ان کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔ لاتخو خواہست نزد خانقان

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے استغفار میں وما انت اعلم به منی یا استغفرک مما اعلم ولا اعلم مطلب یہ کہ جو گناہ مجھ کو معلوم ہیں ان سے بھی معافی چاہتا ہوں اور جو معلوم نہیں اور آپ ان کو جانتے ہیں اس سے بھی۔ تو معلوم ہوا کہ توبہ کے وقت تمام گناہوں کا استحضار ضروری نہیں کہ خواہ نخواہ کرید کرید کر تلاش کیا جائے کہ یہ خود ایک مشغلہ مانع حضور ہے۔ بس یہ کافی ہے کہ سب گناہ سے اجمالاً مغفرت مانگ لے اور توبہ کر کے اپنے کام میں لگے۔ دوسری جگہ آنحضرت ارشاد فرماتے ہیں۔ دعا میں کہ ومن خشیتک ماتحول بیننا و بین معاصیک یعنی اے اللہ اس قدر خشیت چاہتا ہوں کہ مجھ میں اور تیری نافرمانی میں آڑ ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ خشیت مقصودہ کی بھی ایک حد ہے اس سے زیادہ یا تو مضر بدن ہے کہ آدمی مر جائے یا مضر روح ہے کہ مایوس ہو جائے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوق کی بھی ایک حد بیان فرمائی ہے اسئلک شوقا الیٰ لقاءک فی غیر ضراء مضرة ولافتنة مضلة چونکہ شوق اور عشق کا غلبہ کبھی ہلاکت اور مضرت کی نوبت پہنچاتا ہے جس سے اعمال میں خلل پڑ جاتا ہے اور اصل مقصود اور ذریعۂ قرب اعمال اور امتثال اوامر ہی ہے اور کبھی غلبۂ شوق میں ادب کی حد سے گزر جاتا ہے اور محض بے ادب جیسے اکثر عشاق غلبۂ حالت میں کہتے ہیں کہنے لگتا ہے اور یہ بے ادبی موجب ضرر دین ہے۔ گو غلبہ کی حالت میں عفو ہو مگر کمال نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع ہیں ادب و اطاعت و محبت کے۔ اس لئے دعا میں فرماتے ہیں کہ اسئلک شوقا الی لقاءک فی غیر ضراء مضرة اس سے تو ضرر اول کی نفی ہو گئی جو سبب انقطاع اعمال ہو جائے اور اس کے بعد فرمایا ولافتنة مضلة اس سے ضرر ثانی کی نفی ہو گئی جو بے ادبی کی طرف مقتضی ہو جائے۔ ان سب آیات احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر چیز محمود اپنی خاص حد تک ہے۔ حد سے بڑھ جائے تو محمود نہیں رہتی۔ بس شیخ اکبر کی تحقیق کا ماخذ درحقیقت غور اور تعمق سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث ہی ہے البتہ سخن شناسی اور فہم صحیح کی ضرورت ہے۔

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست ۔۔۔ وکم من عائب قولاً صحیحا

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست ۔۔۔ وآفتہ من الطبع السقیم

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا ہے

تفسیری نکات

آداب اسناد

بظاہر یہاں شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے فاعل حقیقی کو چھوڑ کر فاعل مجازی کی طرف فعل کی نسبت کی اس مصیبت کو شیطان کی طرف منسوب کرنے لگے۔ حالانکہ صوفیہ کی بعض حکایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری اسناد الی الغیر بھی شرک ہے چنانچہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا انتقال ہوا اور وہ حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہوئے تو سوال کیا گیا کہ ہمارے واسطے کیا لائے۔ انہوں نے بہت سوچ کر عرض کیا کہ توحید لایا ہوں ارشاد ہوا اما تذکر لیلة اللبن وہ دودھ کی رات یاد نہیں رہی قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک رات آپ نے دودھ پیا تھا صبح کو پیٹ میں درد ہو گیا تو ان کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا کہ رات دودھ پینے سے پیٹ میں درد ہو گیا اس پر مواخذہ ہوا کہ اسی برتے پر توحید کا دعویٰ کرتے ہو کہ درد کو دودھ کی طرف منسوب کرتے ہو مگر اس طریق کے آداب بہت ہیں واقعی ایک وقت میں غیر کی طرف نسبت کرنا بے ادبی ہے اور ایک وقت فاعل حقیقی کی طرف نسبت کرنا بے ادبی ہے چنانچہ آدم علیہ السلام فرماتے ہیں ربنا ظلمنآ انفسنا انہوں نے ظلم کی اسناد اپنے نفس کی طرف کی سیر میں ہے کہ ان سے سوال ہوا کہ تم نے اس فعل کو اپنی طرف کیوں منسوب کیا آدم علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا۔

لیک من پاس ادب نگذاشتم   گفت من ہم پاس آنت داشتم

یعنی میں نے ادب کی رعایت کی اس لئے سیئہ کو اپنی طرف منسوب کیا آپ کی طرف منسوب نہ کیا اس پر جواب عنایت ہوا کہ پھر میں نے تمہارے ادب کی رعایت کی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الزُّمَر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝۳

ترجمہ: اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اور شرکاء تجویز کر رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں تو ان کے (اور ان کے مقابل اہل ایمان کے) باہمی اختلاف کا (قیامت کے روز) اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو (قولاً) جھوٹا اور (اعتقاداً) کافر ہو۔

تفسیری نکات

شرک پر وعیدیں اور مشرکین کی حالت

ایسے لوگوں کو کفار فرمایا ہے غرض یہ دونوں مشرک ہیں اسی واسطے میں نے دو لفظ عطف کے ساتھ کہے کہ کمال میں اور اس کے آثار و مقتضیات میں جب تک کمی کی بالکلیہ نفی نہ کی جاوے اس وقت تک پوری تعظیم نہیں ہو سکتی اگر ایک میں بھی کمی مانی جاوے گی تو پوری تعظیم نہ ہوگی خواہ کمال میں ہو یا اس کے آثار و مقتضیات میں یہ دونوں منافی ہیں حق تعالیٰ کی عظمت کے ان میں سے کسی ایک کا بھی قائل ہونا شرک ہے پوری بڑائی یہی ہے کہ نہ کمال میں کسی کو مانا جاوے اور نہ مقتضیات کمال میں غرض شکایت کرتے ہیں کہ ماقدروا اللہ حق قدرہ ان لوگوں نے

(c) ketabton.com: The Digital Library

خدائے تعالیٰ کی پوری عظمت نہیں کی حالانکہ پوری پوری عظمت کرنی چاہیے کیونکہ خدائے تعالیٰ کی ایسی شان ہے کہ زمین اس کی ایک مٹھی میں ہے اور آسمان ایک ہاتھ میں لپیٹ لئے جاویں گے اور صور پھونکا جاوے اور قیامت قائم ہوگی اور کفار جہنم میں جاویں گے اور مومنین کو جنت ملے گی غرض حق و باطل پر اس اہتمام کے ساتھ جزا و سزا ہونے والی ہے پھر یہ لوگ کس خیال میں ہیں اور کیوں خدائے تعالیٰ کی عظمت کما حقہ نہیں کرتے اور شرک کئے جاتے ہیں اول تو قرآن شریف میں اس عنوان کو اختیار کیا گیا ہے کہ توحید کے بیان کے ساتھ معاد کو بیان کیا گیا کہ اب ایسا ہونے والا ہے یوم الفصل آنے والا ہے اور وہاں یہ ہوگا باوجود اس کے تعجب ہے کہ مشرکین پوری تعظیم نہیں کرتے اور شرک سے باز نہیں آتے جیسے بچہ سے کہیں کہ کل کو امتحان ہونے والا ہے اور ایسی ایسی قمچیاں لائی گئی ہیں اور ایسے ایسے جلاد بلائے گئے ہیں جو بالکل بے رحم ہیں اگر اس کے بعد بھی وہ یاد نہ کرے تو تعجب کیا جاوے گا کہ کس قدر دلیر اور بدطینت ہے کہ علم اول تو ایسے ہی قدر کی چیز ہے بے علم آدمی جانوروں سے بھی بدتر ہے قطع نظر اس سے کہ بے حیا کو ایسی مار کا بھی خوف نہ ہوا ظاہر ہے کہ بچہ کے سامنے یہ ہولناک چیزیں سنانے سے غرض اس کو علم سکھانا ہے اسی طرح آیت میں مقصود توحید کا اثبات اور شرک کی نفی کرنا ہے اسی کے لئے معاد کا ذکر فرمایا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں متن قرآن یعنی اس کے اصول مسائل تین چیز ہیں توحید و رسالت اور معاد یہ تینوں اصول اور متن ہیں باقی سب ان کی شرح ہیں ان میں سے دو مسئلے اس آیت میں مذکور ہیں یعنی توحید اور معاد اور غور کیا جاوے تو تیسرا مسئلہ یعنی مسئلہ رسالت بھی اس آیت میں مذکور ہے کیونکہ ان ہی آیات میں صاف موجود ہے الم یاتکم رسل منکم یعنی فرشتے کفار سے بطور سرزنش کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس پیغمبر نہیں آئے تھے اور وہ حسرت سے جواب دیں گے کہ بلی ولکن حقت کلمة العذاب علی الکفرین یعنی پیغمبر آئے تو بیشک تھے مگر قسمت ہماری کہ یہ عذاب چکھنا تھا ان کی بات کو نہ مانا معلوم ہوا کہ مسئلہ رسالت بھی ضروری اور ماننے کی چیز ہے تو تینوں اصول دین اس آیت میں مذکور ہیں اور مسئلہ رسالت کے ضروری ہونے کا راز یہ ہے کہ مسئلہ توحید موقوف ہے رسالت پر اور مسئلہ توحید ضروری ہی ہے تو مسئلہ رسالت بھی ضروری ہوا اور مسئلہ توحید کے مسئلہ رسالت پر موقوف ہونے کا بیان یہ ہے کہ توحید خدا تعالیٰ کی معرفت پر موقوف ہے اور معرفت ایک تعلق ہوتا ہے درمیان دو شخصوں کے اور تعلق کے لئے مناسبت شرط ہے اور بندوں میں اور خدا میں کچھ مناسبت نہیں اس لئے ضرورت ہوئی واسطہ کی اس واسطہ ہی کو رسول کہتے ہیں خدا تعالیٰ کی شان ہے کہ سید العارفین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انت کما اثنیت علی نفسک

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

ترجمہ: وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو اہل عقل ہیں

تفسیری نکات

ہر شے کو مقصود کے حصول سے سکون ملتا ہے

اور دوسری وجہ عاشقانہ ہے وہ یہ کہ ہر شے کو مرکز پر پہنچ کر سکون ہو جاتا ہے چنانچہ ڈھیلا پھینکو تو زمین پر آتا ہے اور توجہ الی المرکز کرتا ہے اور جب تک خاص نقطہ پر نہ پہنچے اس وقت تک تقاضائے حرکت باقی رہتا ہے اور مرکز پر پہنچ کر جنبش نہیں کرتا اب قلب کا مرکز دیکھنا چاہئے کہ کیا ہے قاعدہ یہ ہے کہ ہر شے کو اس کے مقصود کے حصول سے سکون ہوتا ہے۔ پھر مقاصد بھی مختلف ہیں ایک حقیقی اور ایک غیر حقیقی۔ غیر حقیقی میں گو سکون ہوتا ہے مگر وہ عارضی ہوتا ہے مثلاً بیٹے سے ملاقات ہوئی تو سکون و اطمینان حاصل ہوا مگر کسی عزیز کے انتقال کی خبر سے وہ سکون عارضی زائل ہو گیا۔

مقصود حقوق حقیقی حاصل کرنے کا طریق

اور سکون تام مقصود حقیقی پر پہنچ کر ہو سکتا ہے اور مقصد حقیقی حق تعالیٰ ہیں پس سکون کامل حق تعالیٰ تک پہنچے ہی پر حاصل ہو سکتا ہے اب یہ سمجھو کہ ان تک پہنچنے کے کیا معنی وہ جسم تو ہے نہیں کہ جسم چل کر جس سے جا ملے اس کا طریق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ تام ہو جائے پس یہ توجہ تام قلب کا مرکز پہنچ جانا ہے جب مرکز پہنچ جائیں گے تو سکون تام حاصل ہوگا اور توجہ تام کا مبدا خدا کے ملنے کا اعتقاد ہے اس سے توجہ الی اللہ ہوگی اور سیر الی اللہ یہی ہے پھر اس سے سیر فی اللہ کا سلسلہ شروع ہو جائے گا پس تمام مقصود کیسے آسانی سے ختم ہو گیا اس سے زیادہ کوئی آسانی کا طریقہ نہیں غرض حق تعالیٰ ہمیشہ ہر حکم کے ساتھ طریق تحصیل و تسہیل بھی بتلا دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اس آیت انما یتذکر اولوا الالباب میں دو چیزوں کا امر ہے ایسے عنوان سے کہ طریق عمل بھی ساتھ ساتھ مذکور ہے اور وہ دو چیزیں یہ ہیں علم اور عمل اور اپنے فائدہ میں ہر ایک کو دوسرے کی طرف احتیاج ہے چنانچہ علم عمل کے لئے شرط ہوتا ہے اور بغیر عمل کے علم بیکار رہتا ہے تو دونوں چیزوں کی حاجت ہوئی اور یہ کوئی دین ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر مقصود میں ان ہی دونوں کا دخل ہے۔ مثلاً تجارت میں خسارہ ہوتا ہے یا بوجہ عدم علم کے یا بوجہ عدم عمل کے مثلاً ہمارے وطن میں ایک نے تجارت کی تھی چاولوں کی اور گھر والوں کو حکم دے دیا کہ خوب کھایا کرو یا گنگوہ میں ایک شخص نے کپڑے کی تجارت کی تھی اور جو عمدہ تھان آتا اس میں گھر والوں کے جوڑے بنتے ایسے لوگوں کو ضرور خسارہ ہوگا کیونکہ یہ تجارت کے اصول کے خلاف تھا بلکہ تجارت کے اصول کا تو حاصل یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے کہ کوئی شے گھر میں بھی بلا قیمت کے نہ جائے خلاصہ یہ ہے کہ کوئی کام بلا اصول کے نہیں ہوتا اور اصول کو دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک یہ کہ اصول کا علم ہو دوسرے یہ کہ اس پر عمل ہو اگر علم نہ ہوا تو عمل ہو نہیں سکتا اور عمل نہ کیا تو علم کا نفع ہی نہیں ہوتا پس ہر مقصود کے لئے ان دو چیزوں کی ضرورت مسلم ہوگی۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝
ترجمہ: مستقل مزاج والوں کو ان کا صلہ بے حساب ملے گا

تفسیری نکات

یوفی کے معنی

تنبیہ: اگر کسی کو شبہ ہو کہ اجر اگر غیر متناہی بمعنے لاتقف عند حد ہو تو (یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب) میں یوفی کے کیا معنی ہوں گے کیونکہ توفیہ کی حقیقت اتمام ہے اور اتمام پر زیادت متصور نہیں۔

جواب یہ ہے کہ توفیہ اور اسی طرح اتمام کے معنی یہ ہیں کہ جو اجر جس عمل کا مقتضی ہے اس میں کمی نہ ہوگی اور صیام کا اجر دلیل سے وہی اجر ہے جو غیر متناہی ہو پس اس سے کمی نہ ہوگی اور تناہی کمی ہے پس تناہی نہ ہوگی حاصل یہ کہ توفیہ میں کمی کی نفی ہے نہ کہ زیادت کی۔

تنبیہ: ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ بغیر حساب حسابا کے ساتھ جو کہ سورہ نبا میں ہے کس طرح جمع ہو سکتا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ وہاں حساب کے معنی ضابطہ اور قاعدہ کے ہیں یعنی جن اعمال کے اقتضاء میں جو تفاوت ہے عطاء ثواب میں اس تفاوت کا لحاظ رہے گا قلت و کثرت کے اعتبار سے بھی اور تناہی ولاتناہی کے اعتبار سے بھی پس بغیر حساب اور حسابا اس طرح جمع ہو سکتا ہے۔

انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب ''مستقل رہنے والوں کا صلہ بے شمار ہی ملے گا'' میں متنبہ بھی فرمایا ہے۔ وہاں تو خفیف خفیف عمل پر بھی بے اندازہ اجر مل جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث ترمذی میں ہے کہ ایک بار اللہ اکبر کہنے سے آسمان و زمین کی درمیانی فضا بھر جاتی ہے اور سبحان اللہ کہنے سے آدھی میزان عمل اور الحمد للہ سے پوری میزان عمل بھر جاتی ہے۔ او کما قال

یہ اس لئے فرمایا کہ شاید کسی کو اللہ اکبر کا ثواب سن کر یہ احتمال ہو کہ نہ معلوم میزان عمل بھی کسی چیز سے بھری ہو گی کیونکہ ممکن ہے وہ آسمان و زمین کی فضا سے بھی زیادہ ہو تو ایک عمل سے اگر فضا بھی بھر جاتا ہے تو ممکن ہے کہ وہ میزان بھرنے کے لئے کافی نہ ہو اور ہم کو سابقہ پڑے گا میزان اعلیٰ سے۔ خصوص طالب علموں کو ایسے اشکالات بہت ہوتے ہیں۔ (الجبر بالصبر ملحقہ مواعظ فضائل صبر و شکر ص ۳۲۲،۳۲)

(c) ketabton.com: The Digital Library

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ ﴿١١﴾

ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ مجھ کو منجانب اللہ حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اس کیلئے خاص رکھوں اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ سب مسلمانوں میں اول میں ہوں۔

تفسیری نکات

عبادت مع الاخلاص ہی مقبول ہے

اور شروع سورت میں الا للہ الدین الخالص سے اس کا مامور بہ ہونا اس کے ضروری ہونے کی دلیل ہے۔ اس میں عبادت مع الاخلاص کا حکم دیا گیا ہے عبادت گو فی نفسہ خود بھی ایک امر مقصود ہے مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس وقت معتبر ہے جبکہ اخلاص کے ساتھ ہو کیونکہ ان اعبد اللہ امرت کا معمول ہے اور مخلصا قید ہے اور مقید میں محط فائدہ قید ہوا کرتی ہے اس آیت سے مقصود بالامر اخلاص ہو یعنی مطلق عبادت نہیں بلکہ عبادت مع الاخلاص کا حکم کیا گیا ہے اسی لئے امرت ان اعبد اللہ مخلصا فرمایا کیونکہ اگر امرت ان اخلص فرماتے تو اس سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ اخلاق اتنی ضروری شئی ہے کہ عبادت بھی اس کے بغیر معتبر نہیں۔

اس آیت میں ایک اور نکتہ ہے وہ یہ کہ مخلصا لہ العبادۃ نہیں فرمایا جیسا کہ ان اعبد اللہ سے مناسب ظاہراً یہی تھا حالانکہ مراد یہی ہے کہ خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ عبادت اسی کے لئے خالص ہو بلکہ یہ فرمایا کہ مخلصا لہ الدین جس سے معلوم ہوا کہ عبادت دینی جب ہی ہے کہ جب اس میں اخلاص ہو کسی چیز کی آمیزش نہ ہو اب اپنے برتاؤ کو دیکھئے کہ آپ کے ساتھ جب کوئی محبت ظاہر کر رہا ہے تو آپ اس کی نیت بھی دیکھتے ہیں یا نہیں۔

اگر ایک شخص نذر بھی دے اور پھر کہے کہ میری سفارش کر دیجئے تو کیا آپ یہ نہ سمجھیں گے کہ یہ نذر اپنی غرض کے لئے تھی یا مثلاً کوئی آپ کی دعوت کرے اور چلتے وقت یہ کہے کہ میرے ذمہ قرضہ ہے کیا آپ کو یہ دعوت ناگوار نہ گزرے گی غرض کہ صبح شام تک اپنے معاملات پر نظر کیجئے کہ جو محبت خالص ہوتی ہے اسی کی قدر ہوتی ہے آپ بھی اسی دوستی کو پسند کرتے ہیں جس میں آمیزش نہ ہو تو خدا تعالیٰ جو کہ طیب ہے آمیزش دار عبادت و محبت کی کیونکر قدر کریں گے۔ افسوس محبوبان دنیا کے واسطے تو کوشش کی جاتی ہے کہ ہدیہ خالص ہو اس میں کسی چیز کا میل نہ ہو اور خدائی دربار میں جو عبادت پیش کی جاتی ہے اس کے خالص ہونے کی کوشش نہیں کی جاتی غرض عقلی اور نقلی طور پر اخلاص کی ضرورت ثابت ہوگی اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے اعمال میں اخلاص بھی ہے یا نہیں کیونکہ جب وہ ضروری چیز ہے تو اس کا دیکھنا ضروری ہے جب قرآن میں اس کا تاکیدی حکم ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کو فرض نہ سمجھے

(c) ketabton.com: The Digital Library

فان کنت لم تدری فتلک مصیبة وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

یعنی اگر جانتے نہ ہو تو ایک ہی مصیبت ہے اور اگر جانتے ہو اور پھر عمل نہیں کرتے تو یہ دوہری مصیبت ہے اس کا کوئی بھی تدارک نہیں کیونکہ جتنے افعال اختیاریہ ہیں سب قصد پر مبنی ہیں بدوں قصد وارادہ کے تحقق نہیں ہوتے اخلاص بھی انہیں میں سے ہے اگر ارادہ ہی نہ کرو گے تو اخلاص کیسے حاصل ہو جائے گا۔ یہ غلطی بعض طالبان باطن کو بھی پیش آتی ہے کہ درخواست کیا کرتے ہیں کوئی دعاء کر دیجئے کہ ہماری اصلاح ہو جائے کوئی ایسا تعویذ دے دیجئے کہ دل سے خطرات دور ہو جاویں ان حضرات سے کوئی پوچھے تو کہ فقط درخواست ہی کرنی آتی ہے یا کبھی اس کی فکر بھی ہوتی ہے اصلاح کا قصد بھی کیا ہے حالت دیکھو تو سبحان اللہ کسی ادا سے معلوم نہیں ہوتا کہ ان کو اپنی اصلاح کا خیال ہے اگر اپنی اصلاح کا خیال ہو تو اول پختہ ارادہ کر کے اس کے ذرائع بہم پہنچاؤ تاکہ تصفیہ میسر ہو۔

صوفی نشود صافی تادر نکشد جامے بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(ترجمہ) صوفی اس وقت تک پکا صوفی نہیں بن سکتا جب تک عملاً اپنی اصلاح نہ کرتا رہے یہ راستہ بہت لمبا ہے بہت محنت کرنے کے بعد ہی کوئی طالب منزل پاتا ہے۔

بہرحال اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی غرض نفسانی اپنی نہ ہو رضائے حق مطلوب ہو اس کے حاصل کرنے کا طریقہ اور علاج یہ ہے کہ کوئی کام کرنا ہو تو پہلے دیکھ لیجئے کہ میں یہ کام کیوں کرتا ہوں اور اگر کوئی نیت فاسد ہو تو اس کو قلب سے نکال دیجئے اور نیت خالص خدا کے لئے کرنی چاہیے اور علاج کی آسانی کے لئے بہتر یہ ہے کہ مخلصین کی حکایات دیکھا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اول قل فرمایا جس میں حضور کو حکم ہے کہ یہ بات کہہ دیجئے۔

اور یقینی بات ہے کہ اگر قل نہ بھی فرماتے جب بھی تو حضورؐ بیان فرماتے ہی جہاں اور احکام کی تبلیغ آپ نے فرمائی اس کی بھی تبلیغ فرماتے ہی اس کے لئے لفظ قل کا زیادہ فرمانا بتلا رہا ہے کہ کوئی مہتم بالشان حکم ہے۔

دوسرے انی امرت (تحقیق مجھ کو حکم ہوا ہے) فرمایا انی میں دوسری تاکید ہے پھر امرت (مجھ کو حکم ہوا ہے) تیسری تاکید اس طرح ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کوئی محبوبیت میں نہیں تو ظاہر ہے کہ اگر احکام میں رعایت ہوتی تو حضور کی سب سے بڑھ کر رعایت ہونی چاہیے اور رعایت یہ ہوتی کہ بعض احکام سب پر واجب ہوتے اور آپؐ پر نہ ہوتے۔ چنانچہ اس خصوصیت کو اس آیت میں ظاہر بھی فرمایا ہے۔

لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتاخر ''یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیں''

تو باوجود اس کے جب انی امرت فرمایا کہ مجھ کو حکم کیا گیا ہے۔ اب یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ دوسروں پر واجب نہ ہو البتہ اگر تخصیص کی دلیل موجود ہو تو دوسری بات ہے اور یہاں مقتضی تخصیص کی کوئی چیز نہیں تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

جب ایسی ذات بابرکات کو بھی یہ فرمایا گیا کہ سنا دو مجھ کو حکم ہوا ہے اس بات کا' تو سمجھ لیجئے کے دوسرے لوگ تو کس حساب میں ہیں ان پر تو یقیناً یہ فرض ہوگا۔

اخلاص کی اہمیت

یہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر حکم کو ضروری ظاہر فرماتے تھے۔ آپ رسول تھے اور رسول کا فرض منصبی ہے کہ تمام احکام کو مخلوق کیطرف پہنچائے۔ لہٰذا اس کی ضرورت نہ تھی کہ حق تعالیٰ خاص طور پر کسی حکم کے لئے یہ فرمائیں کہ اس کو پہنچادو۔ مگر پھر بھی جب کسی حکم کے لئے آپ کو یہ ارشاد ہوگا کہ اس حکم کو پہنچادو۔ تو ضرور اس سے اس حکم کا مہتم بالشان ہونا سمجھا جائے گا چنانچہ یہاں اخلاص کا امر فرماتے ہوئے حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو لفظ قل سے خطاب فرمایا ہے کہ یہ بات امت سے کہہ دیجئے ایک تو یہی قرینہ ہے کہ آئندہ جو حکم آئے گا وہ بہت قابل اہتمام ہے پھر اس کے بعد اخلصو انہیں فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ اخلاص کیا کریں بلکہ اس کے بجائے امرت ان اعبد الله فرمایا کہ یوں کہہ دو کہ مجھ کو اخلاص کا حکم کیا گیا ہے اس جملہ سے حضور کا مامور بالاخلاص ہونا ظاہر فرمایا گیا اس سے اخلاص کی عظمت بہت بڑھ گئی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوب ہیں اور جس امر کا محبوب بھی مامور ہو وہ کیسا امر ہوگا بہت ہی مہتم بالشان اور ضروری ہوگا کہ رسول اور محبوب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں امرت کا مفعول ان اعبد کو بنایا ہے اور مخلصا له الدین اس کا حال ہے اور حال میں اصل یہی ہے کہ عامل کی قید اور اس کے تابع ہوتا ہے الا بدلیل مستقل تو اخلاص کو عبادت کا تابع بنایا گیا معلوم ہوا کہ عبادات اصل ہیں اور احوال وکیفیات واخلاق ان کے تابع ہیں اب کسی کا کیا منہ ہے کہ احکام وعبادات کو بے کار کہے سارا قرآن اس سے بھرا پڑا ہے جا بجا عبادات کی تاکید اور ان کے ترک پر وعید ہے ہاں کسی کو قرآن پر ہی ایمان نہ ہو وہ جو چاہے کہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: جولوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں (مراد غیر اللہ کی عبادت ہے) اور (ہمہ تن) اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ مستحق خوشخبری سنانے کے ہیں سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام الٰہی کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو اہل عقل ہیں۔

تفسیری نکات

طاغوت کا مفہوم

ارشاد ہے والذین اجتنبوا الطاغوت الخ لفظ طاغوت طغیان بمعنے تجاوز عن الحد سے ہے اس کا اطلاق شیطان اور بت اور نفس پر آتا ہے مشترک معنوی ہے مشترک لفظی نہیں ہے اور انابت بمعنی رجوع ہے مجھ کو مقصود بیان سے صرف لھم البشرے تک ہے باقی آیت تمیم فائدہ کے لئے پڑھ دی ہے کیونکہ اصل تو مجھ کو انابت یعنی توجہ الی اللہ اور اس کے ثمرہ کو بیان کرنا ہے اور وہ لھم البشری تک ہے باقی انابو کا جو معطوف علیہ تفسیری کے طور پر اجتنبوا الطاغوت ہے جس میں نفی ہے اس کی ضد کی وہ بھی اس حیثیت سے مقصود ہے کہ انابو کی توضیح اس پر موقوف ہے اس لئے کہ شئے اپنی ضد سے خوب واضح ہوا کرتی ہے پس حاصل ترجمہ کا یہ ہوا کہ جولوگ اجتناب کرتے ہیں طاغوت سے یعنی شیطان اور بتوں اور نفس سے اور اجتناب ان سے کرنا ہر چند کہ واضح تھا اس لئے کہ ہر ایک کوئی سمجھ سکتا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جو معاملہ ان سے پہلے سے کیا جاتا ہو ان سے بچیں لیکن حق تعالیٰ نے چاہا کہ کلام پاک میں ذرا سا بھی ابہام نہ رہے اور مقصود بالکل متعین ہو جاوے چنانچہ اسی اسطے ان یعبدوھا فرمایا گویا یوں فرماتے ہیں کہ اجتناب کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مثلاً ان کو ہاتھ نہ لگاؤ بلکہ مطلب یہ ہے کہ پرہیز کرتے ہیں ان کی عبادت کرنے سے سبحان اللہ قرآن مجید باوجود معجز ہونے کے کوئی ضروری امر اس میں نظر انداز نہیں کیا گیا ان یعبدوھا بدل ہے طاغوت سے اگر بت مراد ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ جولوگ اجتناب کرتے ہیں بتوں کی عبادت کرنے سے اور اگر طاغوت سے شیطان مراد ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ جولوگ پرہیز کرتے ہیں شیطان کی عبادت کرنے سے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

شیطان کی عبادت کا مفہوم

اور اسی کے ہم معنے دوسرے مقام پر فرماتے ہیں الم اعهد الیکم یا بنی آدم ان لا تعبدوا الشیطان یعنی اے اولاد آدمؑ کی کیا میں نے تم سے عہد نہیں کیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرو اس میں بظاہر اشکال یہ ہوتا ہے کہ شیطان کی عبادت کون کیا کرتا ہے بتوں کی البتہ وہ لوگ عبادت کیا کرتے تھے جواب اس کا موقوف ہے ایک مقدمہ پر وہ یہ کہ اول یہ سمجھنا چاہئے کہ عبادت کے معنے لغت میں غایۃ تذلل کے ہیں چنانچہ طریق معبد بمعنی مذلل آیا ہے اور شریعت کی اصلاح میں عبادت وہ غایت درجہ کی فرمانبرداری ہے کہ اس فرمانبرداری کے سامنے کسی کی فرمانبرداری نہ رہے اور اسی وجہ سے یہ خاص حق ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ حقیقت ہے عبادت کی اور غیر حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے ہی کو شرک کہتے ہیں لیکن وہ معاملات جو حق تعالیٰ کے ساتھ بندوں پر واجب ہیں وہ ہم کو اپنی عقل سے معلوم نہیں ہو سکتے اس لئے حق تعالیٰ نے ایسی ذات مقدس کی زبان سے کہ جس کی نبوت دلائل عقلیہ سے ثابت ہے ان معاملات کی فہرست ہم کو بتلا دی ہے منجملہ ان معاملات کے یہ بھی معاملہ ہے کہ حق تعالیٰ کے امر کے ساتھ اگر کوئی مزاحم ومعارض بھی ہو تب بھی اطاعت کا حق بجز حق تعالیٰ کے کسی کو نہیں اور جناب رسول اللہ کی اطاعت اسی درجہ میں ہو گی لیکن وہ نیابت ہو گی حقیقۃ وبالذات ایسی اطاعت بجز حق تعالیٰ کے کسی کی نہیں ہو سکتی اب سمجھئے شیطان کی عبادت کے کیا معنے ہوں گے سو یہ ہوں گے کہ امر شیطان کے مزاحم اگر انبیاءؑ واولیاء وقرآن وحدیث علماء دین وعقل کے احکام ہوں گے تو ان سب اوامر کو پس پشت ڈال کر شیطان کا کہنا مانا جاوے (بقول شیخ)

بقول دشمن پیمان دوست بشکستی ببین کہ از کہ بریدی وبا کہ پیوستی

(دشمن کے کہنے میں آ کر تو نے دوست سے پیمان وفا توڑ ڈالا۔ ذرا غور کر کہ تو نے کس سے کٹ کر کس سے رشتہ جوڑا ہے)

بہرحال وہ اشکال کہ شیطان کی کون عبادت کرتا ہے دفع ہو گیا اور حاصل معنی کا یہ ہوا کہ جو لوگ شیطان پرستی و بت پرستی سے بچتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان کے لئے بڑی بشارت ہے تو یہ آیت کا ترجمہ ہوا۔

انابت کے درجات

فقہاء کے قول کی مؤید یہ آیت بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طاغوت سے بچنے کو انابت میں داخل فرمایا ہے گو وہ انابت متجدد اور منحصر نہ ہو الحاصل ایک مرتبہ انابت کا تو یہ ہوا کہ بتوں کی عبادت نہ کرے اور یہ ادنیٰ درجہ ہے دوسرا مرتبہ انابت کا اعلیٰ درجہ ہے اور وہ بھی مقابل ہے عبادت طاغوت کا جس طرح پہلا درجہ مقابل تھا پس انابت میں جب اعلیٰ درجہ نکلے گا تو عبادت طاغوت میں بھی اس کے مقابل ایک مرتبہ اور نکلے گا فرق اس قدر ہے کہ انابت میں تو غلو کی جانب میں مراتب نکلیں گے اور عبادت طاغوت میں جو اس کے مقابل

(c) ketabton.com: The Digital Library

مراتب نکلیں گے وہ سفل کی جہت میں ہوں گے یعنی اگر انابت ادنیٰ درجہ کی ہو گی تو عبادت طاغوت اس کے مقابلہ میں اعلیٰ درجہ کی ہو گی چنانچہ اس کا بیان اوپر آ چکا ہے اور اگر انابت اعلیٰ درجہ کی ہو گی تو عبادت طاغوت کا مرتبہ جو اس کے مقابلہ میں ہو گا وہ ادنیٰ درجہ کی عبادت طاغوت ہو گی انابت کا ادنیٰ درجہ اور عبادت طاغوت کا اعلیٰ درجہ تو ہم بیان کر چکے اب انابت کا اعلیٰ درجہ اور عبادت طاغوت کا ادنیٰ درجہ جو اس کے مقابل ہے اس کو بیان کرتے ہیں اور چونکہ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے کہ **الاشیاء تعرف باضدادھا** اس لئے اول عبادت طاغوت کا درجہ بیان کیا جاتا ہے اس سے انابت کا اعلیٰ درجہ خود سمجھ میں آ جائے گا جاننا چاہئے کہ صوفیہ کرام فرماتے ہیں کل **ماشغلک عن الحق فھو طاغوت** یعنی جو شئے تجھ کو خدا سے غافل کر دے وہ تیرا بت ہے اس سے معلوم ہوا کہ غفلت کو بت پرستی سے تعبیر فرماتے ہیں جتنی دیر غفلت ہو گی اسی قدر گویا بت پرستی میں مشغول رہے گا اسی بنا پر اکثر صوفیہ کرام کے کلام میں پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بت پرست مشرک لکھتے ہیں چنانچہ شیخ عبدالقدوسؒ کے مکتوبات میں تو جا بجا یہ الفاظ دیکھے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے حکیم سنائی فرماتے ہیں۔

بہرچہ از دوست وا مانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں
بہرچہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

(ہر وہ بات جو دوست سے قریب کرے خواہ وہ ظاہرا کفر کی بات لگے وہ وچہ زیبا پسندیدہ ہے اور ہر وہ چیز جو دوست سے دور کرنے کا سبب بنے خواہ کتنی ہی خوبصورت ہو وہ بری ہے۔

مولانا فرماتے ہیں

ہرچہ جز ذکر خدائے احسن است　　گر شکر خواری ست آں جان کندن است

(اللہ کریم کے ذکر کے سوا خواہ کوئی چیز کتنی بھلی ہو وہ بھی جان نکالنے کی برابر ہے)

تحصیل علم واجب ہے

یہ ہے بشریٰ جس کی نسبت فرمایا ہے **لھم البشریٰ**، الحمد للہ میرا دعویٰ دلائل عقلیہ سے نقلیہ سے مشاہدہ سے ہر طرح ثابت ہو گیا یعنی یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ توجہ الی اللہ ہی وہ دولت ہے کہ جس سے دنیا اور آخرت دونوں ملتی ہیں۔ آگے فرماتے ہیں **فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ** یعنی میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجئے جو بات توجہ سے سنتے ہیں پھر اچھی بات کا اتباع کرتے ہیں اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ تحصیل علم واجب ہے اس لئے کہ استماع قول کا حاصل علم ہی حاصل کرنا ہے اس لئے ضروری ہے کہ توجہ الی اللہ کے ساتھ علم دین بھی حاصل کرو میں یہ نہیں کہتا کہ سب مولوی بنو بلکہ مقصود یہ ہے کہ مسائل سے واقفیت حاصل کرو اردو کے رسائل ہی سہی اور اب تو بہت کتابوں کا ترجمہ اردو میں ہو گیا ہے اور اگر اردو نہ پڑھ سکو تو کم از کم ان کتابوں کو سن ہی لو آگے ارشاد ہے **اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب** یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ عقل والے ہیں ہدایت

کا استعمال اکثر نقل میں اور لب کا عقل میں آتا ہے مطلب یہ ہے کہ عقلاً ونقلاً توجہ الی اللہ اور تحصیل علم دین ضروری ہے عقلاً تو اس لئے کہ عقلاء زمان دنیا میں جو کام کرتے ہیں راحت کے لئے کرتے ہیں اور یہ ثابت ہو چکا کہ راحت توجہ الی اللہ میں ہے اور نقلاً خود ثابت ہی ہے نیز ھداھم اللہ ایک بشریٰ عاجلہ ہے اور نہایت عظیم خوشخبری ہے کہ اس سے زیادہ کوئی دل خوش کن بات نہیں ہے اس لئے دلائل صحیحہ سے جب یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہم ہدایت پر ہیں بے راہ نہیں ہیں تو اس سے بڑا بھاری اطمینان ہوتا ہے۔

صراط مستقیم پر ہونا بہت بڑی نعمت وبشارت ہے

اس کو میں ایک مثال سے واضح کرتا ہوں میں ایک مرتبہ سہارنپور سے لکھنؤ جانے کے واسطے ریل میں سوار ہوا میرے سوار ہونے کے ساتھ میرے ایک ہم وطن بھی سوار ہوئے اور اسی درجہ میں بیٹھے جس درجہ میں میں تھا میں سمجھا کہ یہ بھی لکھنؤ جاتے ہوں گے میں دوسرے ساتھیوں سے جو پہنچانے آئے تھے باتیں کرتا رہا اس خیال سے کہ یہ تو اب ریل میں آ ہی گئے ان سے تو گاڑی چھوٹنے کے بعد فراغت سے باتیں کریں گے اس لئے ان سے کوئی بات نہیں کی جب ریل چھوٹ گئی اس وقت میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں کہا میرٹھ میں نے کہا جناب یہ گاڑی تو لکھنؤ پہنچے گی میرٹھ تو دوسری گاڑی جاوے گی یہ سن کر حیران ہو گئے اور جاڑے کا موسم تھا نہ رضائی نہ کمل وہ اس خیال میں تھے کہ چند گھنٹہ میں میرٹھ چلا جاؤں گا اس زمانہ میں میرٹھ میں انہوں نے ایک اخبار جاری کیا تھا جب یہ سنا کہ لکھنؤ جاوے گے سخت پریشان ہوئے میں نے کہا کہ اب پریشانی سے کیا فائدہ گاڑی تو اب رڑکی سے ورے کہیں ٹھہرے گی نہیں اب خواہ مخواہ آپ پریشان ہوتے ہیں جو کچھ ہونا تھا ہو گیا باتیں کرلو اس وقت میری تو یہ حالت تھی کہ جوں جوں گاڑی آگے بڑھتی تھی میری مسرت بڑھتی تھی اس لئے کہ سمجھتا تھا کہ مقصود قریب ہوتا جاتا ہے اور میں راہ پر چل رہا ہوں اور ان کی پریشانی بڑھتی تھی اس لئے کہ مقصود سے دور ہوتے جاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ میں بے راہ چل رہا ہوں اس حکایت سے معلوم ہوا کہ اپنے راہ پر ہونے کا علم سے بھی بڑی مسرت ہوتی ہے آخرت کی نعمت تو جب ملے گی جب ملے گی لیکن اگر ہم کو یہاں دلائل صحیحہ سے معلوم ہو جاوے کہ ہم راہ پر ہیں یہ بھی بڑی بشارت اور نعمت ہے یہاں ہی سے اولئک علی ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون (یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب) کے معنے سمجھ میں آ گئے ہوں گے کہ ہدایت سے مراد تو اس آیت میں دنیا میں اس کا علم ہونا ہے جو کہ بشریٰ عاجلہ ہے اور فلاح سے مراد اخروی فلاح ہے خلاصہ یہ ہے کہ توجہ الی اللہ نہایت ضروری ہے ہم اور آپ مل کر توجہ الی اللہ کو اپنا سرمایہ سمجھیں اور اس کے مراتب میں سے اگر اعلیٰ نہ ہو تو متوسط درجہ (یعنی جو کام کرو حق تعالیٰ کی رضا کے لئے کرو یا کم از کم خلاف رضا نہ ہو) تو ضرور حاصل کریں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

متقین کیلئے بشارت

ربط اس کا ماسبق سے یہ ہے کہ اس سے پہلے کفار کے خسران وعذاب کا ذکر تھا

قل ان الخسرین الذین خسروا انفسھم واھلیھم یوم القیمۃ الی قولہ ذلک یخوف اللہ بہ عبادہ یعباد فاتقون.

اس کے بعد متقین کے لئے بشارت ہے اور تقویٰ کا طریق بتلایا گیا ہے

والذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوھا وانابوا الی اللہ لھم البشری

کہ جو لوگ شیطان سے بچتے ہیں یعنی اس کی عبادت سے بچتے ہیں اس ترجمہ ہی سے معلوم ہو گیا کہ ان یعبدوھا الطاغوت سے بدل ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے جو ہر شیطین کو شامل ہے خواہ شیطان الانس ہو یا شیطان الجن جنکا منتہی ابلیس ہے کیونکہ شیطنت وطغیان میں وہ سب سے بڑھا ہوا ہے پس جو شخص کسی شیطان الانس کی اطاعت کرتا ہے وہ بھی ابلیس ہی کی عبادت کر رہا ہے اور شیطان کی عبادت ہر شرک میں ہے کیونکہ جس قدر شرکیات ہیں سب کا وہی امر کرتا ہے یہاں پر شاید کوئی یہ شبہ کرے کہ مشرکین تو عبادت شیطان کے مقر نہیں بلکہ وہ بھی اپنے زعم میں خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شیطان کی اطاعت اس طرح کرتے ہیں جو عبادت کی حد میں پہنچ گئی ہے۔

اقسامِ اطاعت

کیونکہ اطاعت کی دو قسمیں ہیں ایک اطاعت مطلقہ ایک اطاعت مقیدہ اطاعت مقیدہ تو یہ ہے جیسے مسلمان امام اور مجتہد کی اطاعت کرتے ہیں جو اس شرط سے مقید ہے کہ امر الٰہی کے موافق ہو اور اطاعت مطلقہ یہ ہے کہ ایسی اطاعت کی جائے جس میں موافقت امر الٰہی کی بھی شرط نہ ہو مشرکین اپنے پیشواؤں کی ایسی ہی اطاعات کرتے ہیں اور ایسی اطاعت مطلقہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے دوسرے کا حق نہیں جب انہوں نے غیر حق کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق تھا تو وہ مشرک اور شیاطین کے عابد ہوئے گو زبان سے اس کا اقرار نہ کریں اسی لئے حق تعالیٰ نے اہل کتاب کو اس امر کی تعلیم دی ہے۔

ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ

کیا ایک دوسرے کو رب نہ بنائے حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدیؓ بن حاتم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے تو اپنے علماء کو معبود نہیں بنایا تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا

الیس کانوا یحلون لکم ویحرمون فتاخذون بقولھم قال نعم قال ھو ذالک

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی کیا یہ بات نہ تھی کہ تمہارے علماء جس بات کو حلال کر دیتے تم اس کو حلال مان لیتے اور جس کو وہ حرام کر دیتے اس کو حرام مان لیتے تھے کہاں ہاں یہ تو ہوا ہے حضورؐ نے فرمایا کہ بس اس سے تم نے اپنے علماء کو اللہ کے سوا رب بنالیا تھا مطلب حضورؐ کا یہی ہے کہ تم نے ان کی اطاعت مطلقہ کی تھی اور اطاعت مطلقہ عبادت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے بحمد اللہ اہل اسلام کسی کی اطاعت مطلقہ نہیں کرتے غیر مقلدوں کا اہل تقلید پر یہ الزام ہے کہ ان مقلدوں نے بھی اپنے ائمہ و مجتہدین کو ارباب بنالیا ہے کہ یہ بھی ان کی اطاعت مطلقہ کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے

بگذر از ظن خطا اے بدگماں ان بعض الظن اثم راںخواں

کہ یہ محض بدگمانی ہے مقلدین اطاعت مطلقہ کسی مجتہد کی نہیں کرتے بلکہ ان کے اقوال کا اتباع اس قید کے ساتھ کرتے ہیں کہ اللہ ورسول کے حکم کے موافق ہوں اسی وجہ سے وہ ایسے شخص کا اتباع کرتے ہیں جس کی نسبت ان کو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ یہ اللہ ورسول کا پورا متبع ہے اور خلاف حکم شرعی کوئی بات نہیں کہتا۔

علم اور اتباع

اس کے بعد ارشاد ہے وانابوا الی اللہ یہ تقابل بدیع ہے یعنی وہ لوگ شیطان کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور اسی کو مقصود و معبود سمجھتے ہیں اس کے بعد مبتدا کی خبر ہے لھم البشری کہ جن کی یہ شان ہے وہ بشارت سنانے کے مستحق ہیں جیسا مفہوم ہے لام کا اس کے بعد ہے فبشر عباد الذین یستمعون القول کہ اچھا پھر ان کو بشارت سنا ہی دیجئے سبحان اللہ قرآن بھی کس قدر بلیغ ہے کہ اول تو ان کا مستحق بشارت ہونا بیان فرمایا پھر بشارت سنانے کا حکم دیا کہ ان کو بشارت سنا ہی دیجئے۔

اس طرز تشویش کا جس درجہ مخاطب پر اثر ہوتا ہے اہل ذوق پر مخفی نہیں اب یہ سمجھئے کہ یہاں عباد الذین یستمعون القول سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ وہ شیطان سے بچتے ہیں اور اس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ عربیت کا قاعدہ ہے کہ

اذا اعیدت المعرفة معرفة کانت الثانیة عین الاولیٰ

(وہذہ قاعدہ کلیۃ ان لم یعارضہا معارض) کہ جب معرفہ کو دوبارہ معرفہ ہی بنا کر اعادہ کیا جائے تو ثانی سے مراد وہی ہوگا جو اولیٰ سے مراد ہے مگر اعادہ معرفہ کی بھی ظاہر صورت یہ تھی کہ یہاں ضمیر لائی جاتی یا اسم اشارہ یعنی فبشرھم یا بشر ھولاء فرمایا جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے ضمیر کو چھوڑ کر وضع الظاہر موضع المضمر اختیار کیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس عنوان سے تحصیل کمالات کا طریقہ بتلایا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ تحصیل کمالات میں ترتیب ہے حاصل اس ترتیب کا یہ ہے کہ تم کو اول استماع القول لازم ہے جس کا حاصل طلب علم ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہو جائے گا اسکے بعد اس کا اتباع لازم ہے اسی کا حاصل عمل ہے خلاصہ یہ ہوا کہ تحصیل کمال کا طریقہ علم وعمل ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

رونمائے قرآن حکیم

اب سمجھئے کہ یہاں یستمعون القول قول سے مراد کلام اللہ ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ اس میں لام عہد کا ہے اور یہاں معہود کلام اللہ ہی ہے دوسرے قاعدہ عربیت کا ہے۔

المطلق اذا اطلق یراد به الفرد الکامل

کہ مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے پس یہاں بھی مطلق قول سے مراد قول کامل ہونا چاہیے اور قول کامل قرآن ہی ہے کیونکہ قرآن سے کامل تر کون سا قول ہوگا اسی لئے فرمایا ہے

ذالک الکتب لاریب فیه

یہی کتاب کامل ہے اس میں کچھ شک نہیں (وہذا علی احدی الاعتقادیر فی ترکیب الآیۃ)

اور یہ ایسا ہے جیسا ہمارے محاورہ میں بولا کرتے ہیں کہ بات تو یہ ہے کہ یعنی سچی اور کامل بات یہ ہے اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس کے سوا اور کوئی بات 'بات ہی نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ اس کے برابر دوسری بات کامل نہیں ایسے ہی ذلک الکتاب کو سمجھئے کہ اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ اس کے برابر کوئی کتاب نہیں کیونکہ قرآن معجز ہے لفظاً بھی معنیً بھی مضموناً بھی حفظاً بھی۔

قرآن کو احسن الحدیث کہا گیا ہے اور یہاں احسنه فرمایا جس کا مرجع قول ہے تو حاصل احسن القول ہوا اور احسن الحدیث و احسن القول کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور اس سے (یعنی قرآن کو احسن الحدیث کہنے سے) یہ معلوم ہوگیا کہ فیتبعون احسنه میں احسن کی اضافت تغایر کے لئے نہیں بلکہ بیانیہ ہے اسی لئے میں نے اپنی تفسیر میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ اتباع کرتے ہیں اس کی اچھی باتوں کا ہمارے محاورہ میں یہ عنوان اس بات کو بتلاتا ہے کہ اس میں سب ہی اچھی باتیں ہیں۔ قرآن بلاتشبیہ مصری کی ڈلی ہے اگر کوئی مصری کے بارہ میں یہ سوال کرے کہ کدھر سے کھاؤں تو اس سے یوں ہی کہا جائے گا کہ میاں مصری کی ڈلی ہے جدھر سے چاہو کھاؤ جدھر چاہو منہ مارو۔ مگر کوزہ کی مصری میں تو بانس کے ٹکڑے اور تنکے وغیرہ بھی ہوتے ہیں یہ ایسی مصری ہے جس میں کوئی تنکا اور لکڑی مطلق نہیں۔

قرآن کا ہر جز و احسن ہے

قرآن کا ہر جز و احسن ہے اور معنی حسن کو احسن سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ قرآن چونکہ سب کلاموں سے افضل ہے اس لئے اس کے حسن کو احسن کہنا چاہیے۔ یہاں تک یہ بات ثابت ہوگئی کہ طریقہ تحصیل کمال کا یہ ہے کہ اول علم قرآن حاصل کیا جائے پھر اس پر عمل کیا جائے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا اب دوسرا مقدمہ یہ سمجھو

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ علم قرآن کو استماع سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ مراد صرف الفاظ کا سننا ہے معانی کا جاننا مطلوب نہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ آگے فیتبعون احسنہ بھی تو ہے اور اتباع الفاظ مجردہ کا نہیں ہو سکتا بلکہ اتباع بعد علم معانی کے احکام کا ہوگا اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ مراد تو علم معانی ہے مگر اس کو استماع سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ معانی کا سمجھنا۔ اس پر موقوف ہے کہ اول الفاظ کو غور سے سنا جائے جو شخص تحصیل علم کے وقت معلم کی تقریر کو توجہ سے نہیں سنتا وہ مراد بھی نہیں سمجھ سکتا اور جب یستمعون القول سے مراد علم معانی ہے تو اب یہ سمجھو کہ معانی قرآن کے بہت درجات ہیں بعض معانی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سمجھ سکتے ہیں غیر رسول نہیں سمجھ سکتا ان معانی کو حضورؐ نے بعض احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ اور بعض معانی کو حضورؐ کے بعد مجتہدین ہی سمجھ سکتے ہیں جن معانی کو مجتہدین نے سمجھا ہے وہ فقہ کی کتب میں مدون ہیں اور بعض معانی کو تمام اہل علم سمجھ لیتے ہیں اور بعض کو ترجمہ کے بعد عوام بھی سمجھ سکتے ہیں اسی کو عارف نے کہا ہے۔

حرف خوش راست در بر معنی　　　معنے　در　معنے　در　معنے

اور ایک عارف کہتے ہیں

بہار عالم حسنش دل و جان تازہ می دارد　　　برنگ اصحاب صورت را بہو ارباب معنی را

اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ حدیث فقہ بھی قرآن ہی ہے بعض احکام تو بلاواسطہ اور بعض بواسطہ کلیات مدلولہ قرآن کے جن سے حجیت حدیث وفقہ کی ثابت ہے پس سب قرآن ہوا مگر دوسرے لباس میں پس یوں کہنا چاہئے کہ

عبار اتنا شتی و حسنک واحد و کل الی ذالک الجمال یشیر

پس حدیث وفقہ بھی قرآن ہی ہے گو لباس دوسرا ہے اور فقہ میں جو مسائل منصوصہ قرآنیہ ہیں وہ تو قرآن ہی میں مسائل قیاسیہ مستنبط من القرآن بھی قرآن ہی ہیں کیونکہ فقہاء فرماتے ہیں القیاس مظہر لا مثبت کہ قیاس سے کوئی نئی بات ثابت نہیں ہوتی بلکہ قرآن وحدیث کی مراد ظاہر ہوتی ہے اور کلیات کے واسطہ سے سب ہی قرآن ہیں جیسا اوپر مذکور ہوا اور اس مسئلہ کو تو امام ابو حنیفہؒ نے سب سے زیادہ سمجھا ہے غالباً طلبہ سمجھ گئے ہوں گے (کانہ اشارۃ الی تجویزہ القراءۃ بالعجمیۃ للعاجز عن العربیۃ ۱۲) پس یستمعون القول میں علم قرآن و علم حدیث و علم فقہ سب داخل ہیں اور یہ آیت عورتوں کو اس طرح شامل ہے کہ عبادی میں تغلیباً عورتیں بھی داخل ہیں کیونکہ یہ بات اجماعاً مسلم ہے کہ احکام کے مخاطب جس طرح مرد ہیں اسی طرح عورتیں بھی ہیں باقی عورتوں کا صراحۃ ذکر نہ کرنا اس میں حکمت یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے تابع ہیں جو احکام مردوں کے لئے ہیں ان کے توابع بھی ان کے مخاطب ہیں (حاشیہ پس ہمیں چاہیے کہ خود بھی کامل بنیں اور اپنی عورتوں کو بھی کامل بنائیں جس کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتلایا ہے کہ اول علم دین حاصل کرو پھر عمل کا اہتمام

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرو اس پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب یستمعون القول سے مراد قرآن ہے اور قرآن میں سب دین داخل ہے اور سارے دین کا علم وعمل دفعتہً ہم کو حاصل نہیں ہو سکتا تو ہم کس وقت اس آیت کے مصداق بنیں۔ جواب یہ ہے کہ شریعت میں عزم اتباع بھی علم اتباع ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ اس طرز میں یہ بات بتلا دی گئی ہے کہ عورتوں کے لئے پردہ ضروری ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کے ذکر میں اور خطاب کو مستور رکھا ہے چنانچہ قرآن میں عورتوں کا ذکر بالاستقلال بہت کم ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدح پر بشارت کو ختم فرماتے ہیں جو علم وعمل کا اہتمام کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے اولئک الذین ھدٰھم اللہ واولئک ھم اولو الالباب کہ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی ہیں جو (درحقیقت) عقلاء ہیں اس میں دو کمالات مذکور ہیں ایک ہدایت یہ تو کمال شرعی ہے اور ایک عقل یہ کمال دنیوی ہے۔

ضرورت علم وعمل

خلاصہ یہ ہے کہ علم وعمل ہی سے کمال شرعی حاصل ہوتا ہے اور اسی سے کمال دنیوی یعنی عقل حاصل ہوتی ہے عقلاء حقیقت میں وہی ہیں جو علم وعمل کے جامع ہیں نہ وہ جن کو تم عقلاء سمجھتے ہو آج کل عقلمند وہ شمار ہوتا ہے جو چار پیسے کمانے کی قابلیت رکھتا ہو خواہ اس کو علم دین اور عمل حاصل ہو یا نہ ہو چنانچہ اسی لئے انگریزی پڑھنے والے اپنے کو عقلاء اور اہل علم کو غیر عاقل سمجھتے ہیں مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جو لوگ علم دین حاصل کر چکے ہیں ان کے سامنے بڑے بڑے انگریزی داں جس نے علم دین حاصل نہ کیا ہو بیوقوف ہے اگر ان کو شک ہو تو ذرا کسی عالم سے گفتگو کر کے دیکھ لیں جو دو ہی منٹ میں اپنی بیوقوفی کا اقرار نہ کر لیں اور سب سے بڑی بات یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے عقلمند ان ہی کو کہا ہے جو علم دین وعمل حاصل کر لیں اور ان کے سوا ان لوگوں کو جو دنیا کی ترقی اور قابلیت میں تم سے بھی دس قدم آگے تھے اللہ تعالیٰ نے اولئک کالانعام بل ھم اضل فرمایا ہے کہ یہ جانوروں سے بھی زیادہ بیوقوف ہیں کیونکہ جانور بھی اپنے مصالح ومضار سے واقف ہیں اور یہ آدمی ہو کر اپنے مصالح ومضار سے ناواقف ہیں تو یہ جانور سے بھی بدتر ہیں اب بتلاؤ جس کو خدا عقلمند کہے وہ عقلمند ہے یا جس کو تم عقلمند کہو یقیناً خدا ہی کا قول سچا ہے پس ہدایت وعقل کا معیار علم وعمل ہے اسی پر ہدایت وعقل کا مدار ہے اور جو شخص علم دین اور عمل سے محروم ہے وہ یقیناً گمراہ اور بیوقوف ہے ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب کوئی اہل یورپ کو عقلمند کہتا تو نہایت برہم ہوتے اور فرماتے تھے کہ جو قوم خدا کو بھی نہ پہچانے وہ خاک عقلمند ہے ہاں یوں کہو کہ چاقو قینچی بنانا خوب جانتے ہیں یعنی کاریگر اچھے ہیں اور صنعت کو عقل سے کیا واسطہ عقل کا کام علم ومعرفت ہے اس سے ان لوگوں کو مس بھی نہیں خلاصہ بیان کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مستحق بشارت فرمایا ہے جو شرک سے بچتے اور توحید اختیار کرتے اور علم وعمل کا اہتمام کرتے ہیں اور ان ہی

(c) ketabton.com: The Digital Library

کو اہل ہدایت اور عقلاء کا خطاب دیا ہے پس ہم کو ہدایت وعقل کا کمال حاصل کرنے کے لئے علم وعمل کا اہتمام کرنا چاہئے اب میں ختم کرتا ہوں اور اس بیان کا نام الاستماع والاتباع للسعادة والا تباع تجویز کرتا ہوں اور لقب نوید جاوید رکھتا ہوں اس لقب کے جزو اول میں محرکہ نام کی رعایت ہے نوید کے معنی بشارت کے ہیں اور بشارت قرآن میں جہاں بھی ہے دائمی ہے اس لئے اس کے ساتھ جاوید بڑھا دیا۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق دیں اور فہم سلیم عطا فرمائیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے کفر وشرک کر کے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو بالیقین اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دیگا تحقیق وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔

تفسیری نکات

طب روحانی میں کوئی مرض لاعلاج نہیں

یہ آیت ایسوں ہی کے بارہ میں نازل ہوئی کہ کفار نے کہا تھا کہ ہمارا کفر کیسے معاف ہوگا تو جواب نازل ہوا کہ حق تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ طب روحانی میں کسی مریض کو جواب نہیں دیا جاتا کہ یہ مرض لاعلاج ہے یا مرض کی طب کی کتابوں میں کہیں ذکر نہیں ہاں بعض مرتبہ بعض طبیب جسمانی جواب دے دیتے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مرض ہے یا یہ مرض لاعلاج ہے اور طب روحانی میں یہ کہیں نہیں چنانچہ سب سے بڑھ کر مرض کفر اور شرک کا ہے اس کا بھی علاج مذکور ہے اگر سو مرتبہ بھی ہو تو پھر بھی یہ ارشاد مذکور ہے۔

شان نزول

چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی تو بعض کفار نے یہی عذر کیا کہ ہم جانتے ہیں اسلام حق ہے مگر ہم اسلام بھی لے آئیں تو ان گناہوں کی تلافی کیونکر ہوگی جو ہم نے اب تک کئے ہیں اسلام لانے سے ان کو کیا نفع ہوگا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لاتقنطوا من رحمة اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہ ھو الغفور الرحیم (آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے کفر وشرک کر کے اپنے اوپر زیادتیاں کیں ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہو یقیناً خدا تعالیٰ تمام گزشتہ گناہوں کو معاف فرمادے گا واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے) اس میں بتلا دیا گیا کہ اسلام لانے سے کفر بھی مٹ جائے گا اور کفر کی حالت میں جتنے گناہ کئے ہیں وہ بھی سب مٹ جائیں گے اور اس واقعہ سے آیت کا مطلب بھی معلوم ہو گیا کہ مقصود اس آیت کا توبہ کی تعلیم ہے اور توبہ سے جو امر مانع تھا اس کو رفع کرنا ہے اس میں گناہ پر دلیری کی تعلیم نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہلوں کا خیال ہے کہ وہ جرات علی المعاصی کے لئے اس آیت کو پیش کیا کرتے ہیں یہ بالکل غلط ہے اس آیت سے گناہوں پر دلیر نہ ہونا چاہئے ہاں جو شخص گناہ کر کے توبہ کرنا چاہے اور اس کو یہ خیال مانع ہو کہ میرے اتنے گناہوں کو توبہ سے کیا نفع ہوگا اس کو اس میں کہا گیا ہے کہ جب تم اپنے پہلے گناہوں سے توبہ کرلو گے تو وہ سارے معاف ہو جائیں گے اور نامہ اعمال میں سے بھی مٹ جائیں گے وہ ایسے لکھے ہوئے نہیں ہیں جیسے چھپی ہوئی روشنائی کے حروف ہوں بلکہ ایسے لکھے ہوئے ہیں جیسے سلیٹ پر پتھر سے قلم سے حروف لکھے ہوئے ہیں کہ لب لگا کر ان کو مٹا دیتے ہیں اس طرح توبہ کے بعد حق تعالیٰ سب گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔

شان نزول

بعض لوگوں کو آیت لاتقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا سے دھوکہ ہوا ہے اور وہ بے فکر ہو گئے ہیں کیونکہ وہ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ حق تعالیٰ یقیناً سب گناہوں کو معاف کر دیں گے کیونکہ یہاں لمن یشاء کی قید نہیں ہے سو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اول تو یہ آیت عام نہیں ہے بلکہ اس کا نزول ان لوگوں کے بارہ میں ہوا ہے جو کفر سے اسلام کی طرف آنا چاہتے تھے مگر ان کو اسلام سے یہ خیال مانع تھا کہ ہم نے حالت کفر میں بڑے بڑے جرائم کئے ہیں ان کا کیا حشر ہوگا۔ آیا اسلام کے بعد ان پر مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ اگر مواخذہ ہوا تو پھر اسلام سے ہی کیا فائدہ؟ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا لو اسلمنا فما يفعل بذنوبنا التي اسلفنا (اوکما قالوا) کہ اگر ہم اسلام لے آئیں تو ہمارے پہلے گناہوں کے متعلق کیا برتاؤ ہوگا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے بعد پہلے گناہ جو حالت کفر میں کئے گئے ہیں سب معاف ہو جاویں گے پس اس میں جو مغفرت کا وعدہ حتمی ہے وہ عام نہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور لوگوں کے گناہ بدوں عقاب کے معاف نہ ہوں گے۔ نہیں دوسروں کے بھی معاف ہوں گے جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں لیکن ان کے لئے وہی وعدہ ہے جو دوسری آیت میں مذکور ہے يغفر مادون ذالك لمن يشاء جس میں حتمی وعدہ نہیں بلکہ مشیت کی قید سے مشروط ہے اور اس آیت میں جو بلا قید مشیت وعدہ حتمی کیا گیا ہے۔ یہ صرف نو مسلموں کے لئے ہے کہ اسلام سے ان کے پہلے گناہ ضرور معاف ہو جاویں گے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہو رہا ہے اور شان نزول مثل تفسیر کے ہے۔

شانِ نزول سے نصوصِ عامہ کی تخصیص

شانِ نزول سے نصوصِ عامہ کی تخصیص ہو جاتی ہے۔ بہت سے نصوص بظاہر عام ہیں لیکن شانِ نزول سے ان کی تقیید کی جاتی ہے جیسے لیس من البر الصیام فی السفر بظاہر عام ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں حالانکہ فتویٰ یہ ہے کہ اگر سفر میں مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور حدیث کو مقید کیا گیا ہے حالت مشقت کے ساتھ کیونکہ حضور نے یہ ارشاد ایسے موقع پر فرمایا تھا جبکہ آپ کا گزر ایسے شخص پر ہوا جو سفر میں روزہ دار تھا اور ضعف کی وجہ سے بے ہوش و بدحواس ہو گیا تھا کہ لوگ اس پر سایہ کر رہے تھے تاکہ دھوپ سے دماغ پر زیادہ گرمی نہ چڑھ جاوے۔ اس واقعے میں آپ کا یہ ارشاد فرمانا ان کا قرینہ ہے کہ مراد ایسا سفر اور ایسی حالت ہے کہ اس میں روزہ رکھنا خلاف افضل ہے بلکہ اگر جان کا اندیشہ ہو تو حرام ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ہم اس آیت کو شانِ نزول سے مقید نہیں کرتے کیونکہ اصل قاعدہ تو یہ ہے کہ العبرۃ لعموم اللفظ لالخصوص المورد اور آیت میں یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم بظاہر سب کو عام ہے خواہ نومسلم ہوں یا مسلم قدیم تو میں کہتا ہوں کہ آپ شانِ نزول سے مقید نہیں کرتے تو دوسری آیت سے اس کو مقید کرنا پڑے گا اور ایک آیت کو دوسری آیت سے مقید کرنا اتحاد واقعہ میں لازم ہے اور ظاہر ہے کہ آیت ان اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء اور آیت یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم دونوں عصاۃ کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں اور ایک جگہ مغفرت بقید مشیت مشروط ہے اور دوسری جگہ مطلق ہے تو مطلق کا مقید پر حمل کیا جاوے گا۔

رہا یہ سوال کہ جب دونوں جگہ مشیت کی شرط ہے تو ایک آیت میں اطلاق کیوں رکھا گیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ ایک جگہ تو قاعدہ اور قانون کا بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لئے وہاں تو قید کو ظاہر کر دیا کہ حق تعالیٰ بدوں عقاب کے بھی اگر چاہیں گے تو معاف کر دیں گے اور دوسری جگہ مایوسین کی یاس کا زائل کرنا مقصد ہے۔ وہاں شرط مشیت کے ظاہر کرنے سے یاس کا ازالہ نہ ہوتا۔ کیونکہ مایوس آدمی کو طرح طرح کے توہمات پیدا ہوا کرتے ہیں شرط مشیت کے اظہار سے اس کو اور وساوس پیدا ہوتے ہیں نہ معلوم میرے متعلق مشیت ہوگی یا نہیں تو اس کی یاس زائل نہ ہوتی اس لئے وہاں قید کو بیان نہیں فرمایا تاکہ آیت کو سنتے ہی اس پر رجاء کا غلبہ ہو جاوے اور یاس کا غلبہ جاتا رہے اور واقعی مایوس کا علاج یہی ہے کہ اس کو ایک دفعہ کامل اطمینان دلا دیا جاوے۔ جب وہ حالت یاس سے نکل جائے پھر اس کو تدریجاً اصل قانون سے مطلع کر دیا جاوے۔

اس کو وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جن پر کبھی یہ حالت گزری ہو یہ تو حکمت ہے اس اطلاق کی اور اس کی ضرورت بھی تھی کیونکہ اس میں مانع اسلام کو بھی مرتفع کیا گیا ہے۔ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو کفار کو سخت وسوسہ لاحق ہوتا اور وہ اسلام سے محروم رہتے اور یہ وسوسہ واقع بھی ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان کو مطمئن کر دیا گیا کہ تم بے فکر ہو کر اسلام لے آؤ حق تعالیٰ تمہارے سب گناہ معاف کر دیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

گناہ سے نا امیدی اور نیکی سے امید

اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ آیت لاتقنطوا میں صرف مایوسین کی یاس کا ازلہ مقصود ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اعمال کی ضرورت اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام لازم نہیں بلکہ لفظ لاتقنطوا ضرورت اعمال پر خود لالت کر رہا ہے کیونکہ اس میں قنوط و یاس کی ممانعت ہے اور تجربہ ہے کہ معاصی میں قنوط و یاس پیدا کرنے کی خاصیت ہے رجاء بدوں اعمال صالحہ کے پیدا نہیں ہوتی مجرم کو اپنے جرم کا استحضار جس وقت ہوتا ہے اس وقت رجاء کا مضمون دل میں نہیں آ سکتا اور اگر کسی مجرم کو رجاء ہو گی بھی تو کسی عمل صالح کی برکت سے ہو گی کہ اس کے پاس کوئی نیک کام ضرور ہو گا جب قنوط سے بچنا واجب تو اسباب قنوط سے بچنا بھی واجب ہو گا لان مقدمۃ الواجب واجب سرکش غلام کو امید کا درجہ کبھی نصیب نہیں ہوتا جب چاہے تجربہ کر لیا جاوے۔

احب مناجاۃ الحبیب باوجہ ولکن لسان المذنبین کلیل

واقعی مجرم کی زبان مناجات سے بھی بند ہو جاتی ہے غرض اور افعال تو ایسے ہیں کہ بدوں ان کے کبھی نہ کبھی مغفرت اور نجات ہو جائے گی خواہ بعد عقاب یا قبل عقاب۔ مگر اسلام وہ چیز ہے کہ اس کے بغیر مغفرت و نجات ممکن نہیں یہ مطلب نہیں کہ خدا اس پر قادر نہیں کہ کافر کی مغفرت کر دے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ کافر کی مغفرت چاہیں گے نہیں۔ گو قادر ضرور ہیں ورنہ تعذیب کافر پر خدا تعالیٰ کا مضطر ہونا لازم آئے گا اور اضطرار منافی وجوب ہے او بدوں ایمان و اسلام کے حق تعالیٰ کا کسی کی مغفرت نہ چاہنا قرآن میں جا بجا مذکور ہے چنانچہ ایک آیت تو وہی ہے ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ۔

مگر شاید کوئی اس پر یہ شبہ کرے کہ یہاں تو صرف شرک کا ذکر ہے کفر کا ذکر نہیں اور بعض کافر ایسے بھی ہیں جو مشرک نہیں بلکہ موحد ہیں۔ مگر اسلام سے اباء کرتے ہیں ان کی مغفرت نہ ہونا اس آیت میں کہاں مذکور ہے؟

تو لیجئے دوسری جگہ مذکور ہے ان الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین فی نار جھنم خلدین فیھا اولئک ھم شر البریہ اس میں کافر کو اہل کتاب و مشرکین کا مقسم قرار دیا گیا ہے اور دونوں کے لئے خلود فی جہنم مذکور ہے جس سے کافر کی مغفرت نہ ہونا بھی معلوم ہو گئی اور یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں تو صرف خلود کا ذکر ہے جس کے معنے مکث طویل کے ہیں اور اس کے لئے دوام لازم نہیں۔

جواب یہ ہے کہ دوام خلود کے منافی بھی نہیں۔ پس اگر کوئی قرینہ قائم ہو تو خلود سے دوام کا قصد ہو سکتا ہے اور یہاں خلود بمعنے دوام ہونے پر قرینہ قائم ہے وہ یہ کہ مشرکین کے لئے خلود بمعنے دوام ہی ہو گا اور یہاں کافر و مشرک دونوں کا حکم مذکور ہے جب مشرک کے لئے خلود بمعنے دوام ہے تو کافر کے لئے بھی دوام ہی ہو گا۔ ورنہ کلام واحد میں ایک لفظ سے جدا جدا معنی کا قصد لازم آئے گا اور یہ ممتنع ہے۔

علاوہ ازیں یہ کہ بعض آیات میں کافر کے لئے خلود کو دوام سے موصوف بھی کیا گیا ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے ان الذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار الی قولہ تعالیٰ کلما ارادوا ان یخرجوا

(c) ketabton.com: The Digital Library

منها من غم اعید و افیها اورارشاد ہے والذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ ثم ماتو اوھم کفار فلن یغفر اللہ لھم. پس اب کافر کا بھی ہمیشہ کے لئے معذب ہونا صاف طور سے معلوم ہو گیا جس سے اس کی عدم مغفرت بھی سمجھ میں آ گئی ہو گی۔

اور یہاں سے ایک اشکال کے مندفع ہونے پر تنبیہ کئے دیتا ہوں وہ یہ کہ خلود کے معنے مکث طویل ہونے سے اس آیت کی تفسیر واضح ہوگئی جو قاتل عمد کے بارہ میں وارد ہے ومن یقتل مومنا متعمد الجزاء ہ جھنم خالداً فیھا کہ اس سے قاتل عمد کی توبہ کا مقبول نہ ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ اس میں خلود بدوں قید دوام مذکور ہے اور خلود دوام کو مستلزم نہیں نہ یہاں کوئی قرینہ ارادہ دوام کے لئے مرجح ہے۔ اس لئے مدلول آیت صرف اس قدر ہے کہ قاتل عمد کو زمانہ دراز تک عذاب جہنم ہو گا (مگر کسی وقت نجات ہو جائے گی گو مدت دراز کے بعد ہو اور جب وہ مستحق نجات ہے تو اس کی توبہ بھی قبول ہونی چاہیے اس میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک قاتل عمد کے لئے توبہ نہیں مگر جمہور صحابہؓ کے نزدیک قبول ہے پھر صحابہ کے بعد تابعین وتبع تابعین وآئمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہو گیا کہ اس کی توبہ مقبول ہو سکتی ہے۔ جب کہ قاعدہ شرعیہ سے ہو اور قاعدہ ہے کہ اجماع متاخر اختلاف متقدم کا رافع ہوتا ہے لہٰذا اب یہ مسئلہ اجماعی ہے مگر کفار ومشرکین کے لئے دوسری بعض آیات میں خلود کے ساتھ دوام بھی مذکور ہے اس لئے وہاں مغفرت کا کوئی احتمال نہیں کیونکہ خلود کے معنی بہت دن رہنا ہے اور ابد وہ ہے جس کا کبھی انقطاع نہ ہو حاصل یہ ہوا کہ کفار ومشرکین جہنم میں ایسی دراز مدت کے لئے داخل ہوں گے جس کا انقطاع ہی نہ ہو گا اور ظاہر ہے کہ کفر کہتے ہیں خلاف اسلام کو خواہ اس کے ساتھ شرک بھی ہو یا نہ ہو۔ دونوں کے لئے سزا ابدالآباد جہنم ہے۔

قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم.

آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندوں جنہوں نے کفر وشرک کر کے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو بالیقین اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دیگا۔ تحقیق وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔

یہ آیت ایسوں ہی کے بارہ میں نازل ہوئی کہ کفار نے کہا تھا کہ ہمارا کفر کیسے معاف ہو گا تو جواب نازل ہوا کہ حق تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اسی طرح اس مرض کا بھی عالج قرآن مجید میں موجود ہے گو مسلمانوں کا یہ اختلاف ایک مرض جدید تھا۔ اس عنوان سے تو جدید نہیں کہ خدا اور رسول کا کہنا نہیں مانتے مگر اس عنوان سے جدید ہے کہ ہم علماء کا کہنا نہیں مانتے۔ یہ آفت ابھی نازل ہوئی ہے پہلے نہ تھی۔ تو اتنا جدید مرض مگر اس کا بھی علاج قرآن مجید میں ہے کہ واتبع سبیل من اناب الی (ان کے راستہ کا اتباع کرو جو میری طرف متوجہ ہوئے) ورنہ آسان بات یہ تھی کہ واتبع دین اللہ (اللہ کے دین کا اتباع کرو) فرمادیتے مگر حق تعالیٰ کو تو خبر تھی کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ لوگ علماء کے اتباع سے بچنا چاہیں گے۔ اس لئے فرمایا کہ سبیل من اناب الی (ان لوگوں کے راستہ کا جو میری طرف متوجہ ہیں) کہ ان کا بھی اتباع تمہارے ذمہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ضروری ہے۔ تو یہ کتنا عجیب وغریب قصہ ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ قرآن میں ہر امر کا فیصلہ ہے چنانچہ کتنا جدید مرض تھا مگر اس کا علاج مذکور ہے۔

پس اس میں دو قسم کے لوگ ہوئے ایک تو سب کے متبع اور معتقد ہونے والے اور دوسرے وہ جو کسی کے بھی متبع نہیں۔ پس ایک جماعت میں تفریط ہے اور ایک میں افراط ہے۔ حق تعالیٰ اس کا فیصلہ فرماتے ہیں کہ واتبع سبیل من اناب الی (یعنی جو لوگ میری طرف متوجہ ہیں ان کے راستہ کا اتباع کرو)

اتبع سے تو اس جماعت کی اصلاح فرمائی جو اتباع ہی کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ اس لفظ سے اتباع کی ضرورت بتلائی اور سبیل من اناب سے علاج ہے اس جماعت کا جو ہر کس وناکس کے معتقد ہو جانے والے ہیں اور اتباع کا صحیح معیار کوئی نہیں سمجھتے کیونکہ اس جملہ سے حق تعالیٰ نے اتباع کا معیار بتلا دیا اور معیار سے مراد ہے صحیح معیار۔

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝

ترجمہ: اے عام مخاطب تو اگر شرک کریگا تو تیرا کیا کرایا کام غارت ہو جائیگا اور تو خسارہ میں پڑیگا۔

تفسیری نکات

لئن اشرکت کی تفسیر بے نظیر

اور اس پر کوئی لفظ اوحی الیک سے اشکال نہ کرے جو اسی جملہ میں موجود ہے کہ اوحی الیک میں تو یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اسکا مخاطب تو ہر شخص نہیں ہو سکتا جب ایک جملہ میں آپ ﷺ کو خطاب ہے تو جملہ ثانیہ۔ لئن اشرکت الخ کے مخاطب بھی آپ ہی ہوں گے کیونکہ یہ کوئی ضروری بات نہیں کہ آیت میں کئی مضمون ہوں تو سب کے مخاطب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک کے مخاطب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور باقی مضامین تبلیغ کے لئے ہوں اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کی طرف اور تمام انبیاء کی طرف وحی بھیجی گئی ہے اس مضمون کی کہ لئن اشرکت ایھا المخاطب لیحبطن عملک تاکہ یہ حکم خدا کے بندوں کو پہنچا دو کہ جو کوئی شرک کریگا اس کے اعمال حبط ہو جائیں گے تو لئن اشرکت میں تو خطاب افراد امت کو ہوا اور لقد اوحی الیک الخ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو خطاب ہوا بہر حال خطاب خواہ عام ہو یا خاص آحاد امت کو ہو۔ مقصود آیت میں نفی اور ابطال شرک ہے اور پوری آیت سیاق وسباق میں نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کو باطل کرنا اور توحید کو ثابت کرنا منظور ہے چنانچہ فرماتے ہیں ما قدروا اللہ حق قدرہ یعنی ان لوگوں نے خدا کی اتنی عظمت نہیں جانی جتنی کہ واقع میں ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

شرک کا مفہوم

اس میں شکایت ہے شرک کی کیونکہ شرک کے معنی یہی ہیں کہ خدا میں کسی بات کی کمی ہے اس واسطے دوسرے کو ماننے کی ضرورت ہے کوئی دوسرے کو کسی کام میں جب ہی شریک کرتا ہے کہ وہ کام خود اس سے پورا نہ ہو سکے مثلاً تجارت میں کوئی دوسرے آدمی کو اسی وجہ سے شریک کرتا ہے کہ اس کے پاس روپیہ کم ہے یا یہ اس میں کما حقہ محنت نہیں کر سکتا غرض اس میں مالی یا جانی کمی ہے اسی کے پورا کرنے کیلئے دوسرے کو شریک کرتا ہے تو خدا کے ساتھ جب کسی کو شریک کیا جاوے گا تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ نعوذ باللہ خدا میں کسی بات کی کمی ہے اس کے پورا کرنے کے لئے دوسرے کی ضرورت ہے۔ اس صورت میں خدا تعالیٰ کو کمال و آثار کمال میں تغیر نہ ہوگا تو مشرک نے خدا کو کامل نہیں مانا بلکہ ناقص مانا تو اس نے خدا کی پوری تعظیم نہیں کی کیونکہ پوری تعظیم بدوں اسکے نہیں ہو سکتی کہ کمال یا اس کے آثار میں کمی نہ مانی جاوے میں نے یہ دو لفظ یعنی کمال و آثار کمال اس واسطے کہے کہ بعض کے اعتقاد درجہ کمال میں شرک نہیں ہوتا مثلاً خالقیت وغیرہ میں خدائے تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جاوے مگر آثار میں شریک مانا جاوے جیسے مشرکین عرب کرتے تھے کہ مقصودیت و خالقیت میں کسی کو حق تعالیٰ کے برابر نہیں مانتے تھے ہاں اس کے آثار میں غلطی کرتے تھے اس کی شہادت قرآن میں موجود ہے حق تعالیٰ نے ان کا قول نقل فرمایا ہے مانعبدھم الالیقربونا الی اللہ زلفی یعنی مشرکین کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کی پرستش صرف اسی واسطے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کے یہاں پہنچا دیں اور مقرب بنا دیں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا کے برابر تو کسی کو نہیں جانتے تھے ہاں خدا کے تصرفات میں بعضوں کے دخیل مانتے تھے بلفظ دیگر یہ کہ کمال میں تو شریک نہیں کرتے تھے لیکن آثار کمال میں شریک کرتے تھے اور حدیث میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک سے پوچھا تیرے کتنے معبود ہیں کہا سات ہے ان میں سب سے بڑا تو آسمان میں ہے۔ بڑے بڑے کاموں کے لئے اس کو پکارا جاتا ہے اور معمولی کاموں کے لئے دوسرے معبود ہیں۔ دیکھئے یہ لوگ کمال مطلق تو حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت کرتے تھے کیونکہ اس سے بڑا کسی کو نہیں جانتے تھے ہاں کمال کے آثار میں دوسروں کو بھی شریک کرتے وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کے یہاں پہنچانے اور قریب کرنے کے لئے ان کو معبود مانتے تھے مگر اس پر بھی حق تعالیٰ نے انکار فرمایا۔ (سورہ زمر ۳)

عظمت حق سبحانہ وتعالیٰ

چنانچہ آیت مذکورہ میں ان کا وہی قول نقل کیا ہے فرماتے ہیں والذین اتخذوا من دونہ اولیاء مانعبدھم الالیقربونا الی اللہ زلفی ان اللہ یحکم بینھم فی ماھم فیہ یختلفون ان اللہ لا

(c) ketabton.com: The Digital Library

یھدی من ھو کاذب کفار ایسے لوگوں کو کفار فرمایا ہے۔غرض یہ دونوں شرک ہیں۔اسی واسطے میں نے دولفظ عظمت کے ساتھ کہے کہ کمال میں اوراس کے آثار ومقتضیات میں جب تک کمی کی بالکلیہ نفی نہ کی جاوے اس وقت تک پوری تعظیم نہیں ہوسکتی اگرایک میں بھی کمی مانی جاوے گی تو پوری تعظیم نہ ہوگی خواہ کمال میں کمی ہو یااس کے آثار ومقتضیات میں یہ دونوں منافی ہیں حق تعالیٰ کی عظمت کے اوران سے کسی ایک کا بھی قائل ہونا شرک ہے پوری بڑائی یہی ہے کہ نہ کمال میں کسی کو شریک مانا جاوے اورنہ مقتضیات کمال میں غرض شکایات کرتے ہیں کہ ماقدروا اللّٰہ حق قدرہ ان لوگوں نے خدائے تعالیٰ کی پوری عظمت نہیں کی حالانکہ پوری عظمت کرنی چاہیے کیونکہ خداتعالیٰ کی ایسی شان ہے کہ زمین اسکی ایک مٹھی ہے اورآسمان ایک ہاتھ میں لپیٹ لئے جائیں گے اورصور پھونکا جائے گا۔ (الشوق الی الشوق ملحقہ مواعظ حیات دعات ص۹۷)

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

ترجمہ: اوران لوگوں نے خداتعالیٰ کی کچھ عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنا چاہیے تھا حالانکہ ساری زمین ان کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اورتمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں وہ پاک اوربرتر ہے ان کے شرک سے۔

تفسیری نکات

عظمتِ حق سبحانہ وتعالیٰ

فرماتے ہیں وماقدروا اللہ حق قدرہ لوگوں نے حق تعالیٰ کی ایسی عظمت نہ کی جیسا عظمت کرنا چاہیے تھا حالانکہ ان کی عظمت وہ ہے کہ والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیمۃ تمام زمین ان کی ایک مٹھی میں ہوگی قیامت میں۔ والسموات مطویات بیمینہ اورکل آسمان ان کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے یمین کالفظ اورایسے ہی قبضہ کالفظ متشابہات میں سے ہے جن کا بیان کوئی کرنہیں سکتا صرف اتنا معلوم ہے کہ ان الفاظ کے معنی متعارف مرادنہیں حدیث میں ہے فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلتایدی ربی یمین یعنی خدائے تعالیٰ کے دونوں ہاتھ یمین ہیں مرادیہ ہے کہ قوت میں یمین ہی کی طرح ہیں وہاں فرق نہیں ہے کہ ایک ہاتھ قوی اورایک ضعیف ہو جیسے مخلوقات میں متعارف ہے کہ داہنا ہاتھ قوی اوربایاں ضعیف ہوتا ہے متشابہات کے متعلق تحقیق یہی ہے کہ ان میں گفتگو نہ کرے اوران پرایمان رکھے مثلاً خدائے تعالیٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے لئے شریعت میں ید کا اطلاق آیا ہے لہٰذا اس کا تو قائل ہو کہ ید ثابت ہے مگر اس کی کیفیت وغیرہ سے بحث نہ کرے۔ بس سیدھی بات ہے جیسا اللہ ویسا ہی اس کا ید ہم کو اللہ کی حقیقت کہاں معلوم ہے اور اس کا علم بالکنہ کہاں حاصل ہے بس ایسے ہی اس کے ید کا بھی علم نہیں ہے۔ یہ تو قبضہ اور یمینہ کی بحث ہوئی اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین پر قدرت بیان کرنے کے لئے تو قبضہ فرمایا اور آسمانوں کے لئے مطویات بیمینہ فرمایا۔ دونوں کے واسطے عنوانوں میں فرق کیوں کیا کہ زمین کی بابت تو فرمایا کہ مٹھی میں ہوگی اور آسمانوں کی نسبت فرمایا کہ لپٹے ہوئے ہاتھ میں ہوں گے گویا ہتھیلی پر رکھے ہیں سیدھی بات یہ تھی کہ یوں فرمادیتے: والارض و السموات جمیعًا قبضته یعنی زمین وآسمان سب اس کی مٹھی میں ہوں گے اس کا نکتہ ایک ان پڑھ آدمی کی سمجھ میں آیا بلکہ آدمی کے نہیں آدمن کے سمجھ میں آیا۔ (یہ حضرت مولانا کی اہلیہ کبریٰ ہیں زاد اللہ فی درجتہا ورفع فی الجنة منزلتہا ورزقہا فی الدنیا عیشة نقیة طیبة سویة (آمین) جو مجھ سے ترجمہ پڑھا کرتی تھی اور مجھے وہ نکتہ بہت پسند آیا حتی کہ میں نے اس کو اپنی کتاب میں درج بھی کر دیا میں نے اس سے پوچھا کہ یہ فرق عنوانوں میں کیوں کیا گیا ہے کہا کہ زمین بہ نسبت آسمان کے چھوٹی ہے اور چھوٹی چیز کے لئے یہی عادت ہے کہ مٹھی میں بند کی جاتی ہے اور بڑی چیز کے لئے عادت یہ ہے کہ لپیٹ کر کھلے ہاتھ پر رکھ لی جاتی ہے مٹھی میں بند کی جاتی ہے اور بڑی چیز کے لئے عادت یہ ہے کہ لپیٹ کر کھلے ہاتھ پر رکھ لی جاتی ہے مٹھی کو بند نہیں کیا جاتا اس واسطے زمین کے لئے وہ عنوان اختیار کیا گیا اور آسمان کے لئے یہ دیکھئے۔ یہ علوم قرآنیہ ہیں ان میں خصوصیت پڑھے لکھوں اور علماء فضلاء کی نہیں ہے جس کو حق تعالیٰ چاہیں القاء کر دیں خدا کی دین ہے جس کو چاہے دیدیں بعض وقت ایک عام آدمی کی سمجھ میں وہ بات آ جاتی ہے جو ایک بڑے عالم کی سمجھ میں نہیں آتی اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ عام آدمیوں کی سمجھ میں دین کی بات آ جاتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ دین فطرت کے بہت قریب ہے جس کی فطرت میں سلامت ہو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ

ترجمہ: اور (قیامت کے روز) صور میں پھونک ماری جائے گی سو تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اڑ جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے۔

تفسیری نکات

مشیت استثناء کا وقوع

ایک آیت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے ارواح سب کی زندہ رہیں گی ہاں نفخ صور سے ارواح بے ہوش ہو جائیں گی چنانچہ نص میں ہے ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض اور صعق کے معنی غشی اور بے ہوشی کے ہیں گو فنا بھی مراد ہو سکتا ہے مگر متبادر معنی اول ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ نفخات تین ہوں گے ایک سے ارواح بے ہوش ہو جائیں گی اور دوسری سے تمام عالم مع ارواح کے فنا ہو جائے گا تیسری سے سب زندہ اور موجود ہو جائیں گے تو یہ دعویٰ بلا دلیل اور بلا ضرورت ہے۔ بلا دلیل تو اس لئے کہ نصوص سے صرف دو نفخہ نفخہ اولیٰ سے جو فنا ہوگا تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ اجسام فنا ہو جائیں گے اور ارواح بے ہوش ہو جائیں پس فنا اجسام کے لئے ہے اور صعق ارواح کے لئے ہے اس تقریر سے بھی نصوص کا تعارض مرتفع ہو سکتا ہے پھر نفخات ثلث کا قائل ہونا بلا ضرورت نیز اسی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض ارواح بے ہوش بھی نہ ہوں گی چنانچہ فصعق من فی السموات والارض کے بعد الا من شاء اللہ مذکور ہے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیت استثناء کا وقوع بھی ہوگا چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

فان الناس یصعقون یوم القیمۃ فاصعق معھم فاکون اول من یفیق فاذا موسیٰ باطش بجانب العرش فلاادری کان فیمن صعق فافاق قبلی او کان ممن استثنی اللہ متفق علیہ.

یعنی قیامت میں سب لوگ بے ہوش جائیں گے اور مجھے سب سے پہلے افاقہ ہوگا تو میں موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ پکڑے ہوئے دیکھوں گا اسکے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ بھی سب کے ساتھ بے ہوش ہوں گے پھر مجھ سے پہلے ہوش میں آ جائیں گے یا وہ بے ہوش ہی نہ ہوں گے (کیونکہ وہ ایک بار طور پر بے ہوش ہو چکے ہیں اس کے عوض آج صعقہ سے محفوظ رہے کما فی روایۃ) اور ان لوگوں میں داخل ہوئے جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمایا ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور احتمال کے موسیٰ علیہ السلام کو ان

(c) ketabton.com: The Digital Library

لوگوں میں داخل فرمایا ہے جو صعق سے مستثنیٰ ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ مشیت استثناء کا وقوع ہوگا ورنہ احتمال ثانی صحیح نہ ہوتا یہ تو ایک اشکال علمی تھا جس کو میں نے رفع کر دیا۔

صعقہ موت

یہاں صعقہ سے صعقہ موت مراد ہے اس کے بعد استثناء ہے الا من شاء اللہ کہ جس کو حق تعالیٰ چاہیں گے وہ اس صعقہ سے مستثنیٰ بھی ہوگا۔ پس ارواح الا من شاء اللہ میں داخل ہے ان کو موت نہ آئے گی۔

مگر ہم اس جواب پر مجبور ومضطر نہیں بلکہ ہم تسلیم کے بعد دوسرا جواب دیتے ہیں کہ اگر نفخ صور کے وقت ارواح بھی فنا ہو جائیں تب بھی اس سے انقطاع حیات لازم نہیں آتا کیونکہ وہ فنا تھوڑی دیر کے لئے ہوگا ممتد نہ ہوگا اور امور عادیہ میں زمان لطیف کا انقطاع مانع استمرار نہیں۔ موٹی بات ہے کہ اگر ایک شخص پانچ گھنٹہ تک تقریر کرے اور درمیان درمیان میں سیکنڈ سیکنڈ سکوت کرے تو یہ سکوت مانع استمرار تقریر نہیں۔ بلکہ محاورہ میں یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے پانچ گھنٹہ تک مسلسل تقریر کی۔ اس پر اگر کوئی کہنے بھی لگے کہ واہ صاحب اس نے درمیان درمیان دس دس پانچ پانچ سیکنڈ سکوت بھی کیا تھا۔ پانچ گھنٹہ مسلسل تقریر کہاں کی تو ہر شخص یہ کہے گا کہ تم احمق ہو کہیں دس دس سیکنڈ کے سکوت کا بھی اعتبار ہوا ہے۔

اسی طرح جب آپ چلتے ہیں تو حرکت کے ساتھ درمیان میں ایک زمان لطیف کا سکون ہوتا ہے کیونکہ ایک پیر کی حرکت کے بعد بدوں اس کے سکون کے دوسرے پیر کو حرکت نہیں ہو سکتی مگر اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتا بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ ہم مسلسل بارہ کوس تک چلتے رہے۔

غرض احکام عرفیہ عادیہ میں استمرار ودوام کے لئے زمان لطیف کا تخیل مخل نہیں ہوتا تو نفخ صور کے وقت ارواح کا فنا تھوڑی دیر کے لئے یا ایک لحہ کے لئے ہوگا محض تحلہ قسم کے طور جیسے قرآن میں ہے ان منکم الا واردھا کہ ہر شخص کو جہنم کا ورود ضرور ہوگا ورود بمعنے مرور بھی آتا ہے اس پر تو کچھ سوال بھی نہیں اور بمعنے دخول بھی ہے۔ اس پر سوال ہوتا ہے کہ بعض تو دخول سے محفوظ رہیں گے۔ تو اس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ بعضوں کا ورود اگر بمعنے دخول بھی ہو محض تحلہ قسم کے لئے ہوگا جس کی صورت یہ ہوگی کہ جہنم کی پشت پر پل صراط بچھایا جائے گا جس پر ہو کر سب مسلمان گزریں گے۔ بعض تو کٹ کر جہنم میں ہی گریں گے۔ یہ حقیقتاً وارد ہوں گے اور بعض مثل برق خاطف کے گزر جائیں گے۔ ان کو خبر بھی نہ ہوگی کہ جہنم کدھر کو تھی ان کا وارد تحلہ قسم کے لئے ہوگا کہ بس جہنم کی پشت پر سے گزر گئے اور راستہ میں جہنم پڑ گئی گو ان کو خبر بھی نہ ہوئی جیسے کوئی جلدی سے آگ کے اندر ہاتھ کو گزار دے اسی طرح تحلہ قسم کے لئے ارواح کا فنا بھی ایک آن کے لئے ہو جائے تو یہ مانع بقا نہ ہوگا۔

یہ جواب محققین کا ہے اور بالخصوص فلاسفہ کے مذہب پر تو یہ بات بہت ہی ظاہر ہے کیونکہ ان کے نزدیک زمانہ آنات سے مرکب نہیں بلکہ آن طرف زمان ہے تو اب یہ کہنا سہل ہے کہ ارواح کا بقا تو زمانی ہے اور فنا آنی ہے اور بقاء زمانی کا انقطاع فنا زمانی ہی سے ہو سکتا ہے نہ کہ فنا آنی ہے۔ اس تقدیر پر حقیقت میں بھی انقطاع بقا نہ ہوگا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ
وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ
عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧١﴾ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى
الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا
وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿٧٣﴾

ترجمہ: اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکیں جائیں گے یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے اس وقت اسکے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے دوزخ کے محافظ (فرشتے بطور ملامت کے) کہیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے کافر کہیں گے کہ ہاں لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر پورا ہو کر رہا پھر (ان سے) کہا جائے گا (یعنی وہ فرشتے کہیں گے) کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ اس میں رہا کرو) غرض خدا کے احکام سے تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف روانہ کئے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس (جنت) کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے (پہلے سے) کھلے ہوئے ہوں گے (تا کہ ذرا بھی دیر نہ لگے) اور وہاں محافظ فرشتے ان سے کہیں گے السلام علیکم تم مزہ میں ہو سو اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ۔

تفسیری نکات

سوق کا اطلاق مسلمانوں سے مشاکلت کے طور پر ہے

وسیق الذین کفروا الی جهنم زمرا کہ وہ جہنم کی طرف باوجود کراہت کے پیچھے سے ہانک کر لے جائیں گے جیسے جانوروں کو لے جایا کرتے ہیں مگر شاید یہاں کسی کو اشکال ہو کہ اس کے بعد مسلمانوں کے واسطے بھی تو وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا. فرمایا گیا ہے تو کیا وہ بھی اسی طرح ہانک کر لے

(c) ketabton.com: The Digital Library

جائے جائیں گے۔اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس جگہ سوق کا اطلاق مشاکلت کے طور پر ہے جیسے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا اور مشاکلت نہ ہوتو پھر جواب یہ ہے کہ سوق کے اصلی معنی تقاضا سے لے جانا ہے پھر کبھی تقاضا کے ساتھ تذلیل بھی ہوتی ہے۔جبکہ دوسرا شخص جانا ہی نہ چاہے اور کبھی محض تقاضا ہوتا ہے۔تذلیل نہیں ہوتی جیسے آپ اپنے لڑکے کو ساتھ لے کر سفر میں جائیں اور وہ راستہ میں ہر شہر کی سیر کرنا اور ہر دوکان و بازار کو دیکھنا چاہے تو آپ تقاضا کرتے ہیں کہ میاں جلدی چلو یہاں کیا رکھا ہے منزل پر پہنچ کر ہر قسم کا سامان راحت مہیا ملے گا۔اس صورت میں بھی سوق کا اطلاق ہوسکتا ہے اب سمجھئے کہ جنت میں جیسی لذت وراحت ہے وہ ظاہر ہے کہ جنت کا اردگرد بھی پھول پھلواری اور زینت وآرائش اس قدر ہے کہ دنیا میں کسی کے خواب میں بھی نہ آئی ہوگی تو جس وقت مسلمان جنت کی طرف چلیں گے اس وقت وہ راستہ کی زینت اور آرائش کی سیر میں مشغول ہو جائیں گے اور اس کے دیکھنے کے لئے ٹھہر جائیں گے کہ بھائی یہ پھول پتی بڑی عجیب ہے ذرا اس کی بھی تو سیر کرلیں یہ باغ تو نہایت ہی بے نظیر ہیں۔اس کو بھی تو دیکھیں۔اس وقت فرشتے تقاضا کریں گے کہ تم کاہے کی سیر میں لگ گئے تم جلدی سے جنت میں پہنچو۔وہاں ان سب سے زیادہ عجیب وغریب پھول پھلواری اور میوہ جات ہیں اور وہاں حوریں ہیں غلمان ہیں ذرا تم قدم اٹھا کر وہاں تو پہنچ جاؤ۔پھر ان سب کو بھول جاؤ گے یہ سن کر مسلمان کچھ تیزی کریں گے کہ تھوڑی دور پر کوئی اور سیرگاہ نظر پڑے گی اس کی سیر کرنے لگیں گے فرشتے پھر جلدی چلنے کا تقاضا کریں گے کیونکہ وہ خیر خواہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ جنت کو دیکھ کر خود افسوس کریں گے کہ ہم نے خواہ مخواہ راستے کی چیزوں میں دیر کی جنت کے سامنے تو سب گرد ہیں اس واسطے مسلمانوں کے لئے بھی وسیق فرمایا کیونکہ ہم بھی تقاضے کے ساتھ لے جائے جائیں گے گو ان کا تقاضا اور طرح کا ہے اور کفار کا تقاضا دوسری طرح کا ہے مگر معنی سوق کے دونوں جگہ متحقق ہیں۔

لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس (بالیقین آسمان اور زمین کا پیدا کرنا آدمیوں کی پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے) سے شبہ نہ پیدا ہو کہ اس آیت میں سموات وارض کی خلقت کو انسان کی پیدائش سے بڑا بتلایا گیا ہے تو پھر انسان کو عالم اکبر اور عالم ناسوت کو عالم اصغر کہنا کیونکر صحیح ہوگا اور یہ انسان سے مستفید یا اس کی فرع کیونکر ہوسکتا ہے۔جواب یہ ہے کہ اس جگہ اکبریت مادہ کے اعتبار سے بتلائی گئی ہے یہاں معنی کے اعتبار سے اکبریت مقصود نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے معاد کو ثابت فرمایا ہے۔جس پر کفار کو اشکال تھا کہ انسان مر گل کر دوبارہ کیسے زندہ ہوگا اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے اتنے بڑے بڑے آسمانوں کو اور زمین وغیرہ کو پیدا کر دیا تو ایک مشت خاک انسان کا دوبارہ زندہ کر دینا اس پر کیا دشوار ہے کفار کو اعادہ جسم ہی پر اشکال تھا اس کو ایسی چیزوں کی خلقت سے دفع کیا گیا جو مادہ میں انسان سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

بڑھی ہوئی ہیں سو اس درجہ میں عالم ناسوت کے لئے اکبریت مسلم ہے۔ گفتگو معنی اور سوویت میں ہے اور اس میں انسان سب سے اشرف واکمل ہے چنانچہ اس مضمون کو دوسری آیت میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ فرماتے ہیں ء انتم اشد خلقاً ام السماء بناها رفع سمکها فسواها واغطش لیلها واخرج ضحها۔ (بھلا کیا تمہارا پیدا کرنا سخت ہے یا آسمان کا اللہ نے اس کو بنایا اس کی سقف کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا) یہاں اشدیت محض خلقت ظاہری میں مراد ہے اور مقصودیت کے اعتبار سے دوسری جگہ ارشاد ہے هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ثم استوی الی السماء فسواهن سبع سموات (وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدہ کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف تو درست کر کے بنا دیئے ان کو سات آسمان) جس سے معلوم ہوا کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب انسان ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور ارشاد ہے وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض (اور جتنی چیزیں آسمانوں اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں ان سب کو اپنی طرف سے مسخر بنایا تمہارے لئے) اور وسخر لکم الشمس والقمر دائبین (اور تمہارے نفع کے واسطے سورج اور چاند کو مسخر بنایا جو ہمیشہ چلنے ہی میں رہتے ہیں) اور وسخر لکم اللیل والنهار واتاکم من کل ما سالتموه (اور تمہارے نفع کے واسطے رات دن کو مسخر بنایا اور جو چیزیں تم نے مانگی وہ تمہیں دیدی۔

سُوْرَةُ الْمُؤْمِن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتے ہیں اور جس شئے کو سینے میں چھپاتے ہیں اس کو بھی جانتے ہیں۔

تفسیری نکات

دو گناہوں کا ذکر

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو گناہوں کا ذکر فرمایا ہے آنکھوں کے گناہ کو اور دل کے گناہ کو اور یوں آنکھوں کے گناہ بہت سے گناہ ہیں لیکن یہاں ایک خاص گناہ کا ذکر ہے وہ کیا ہے بدنگاہی۔

بدنگاہی کی سزا بیان نہ کرنے میں حکمت

اسی واسطے فرماتے ہیں یعلم خائنة الاعین وماتخفی الصدور یعلم. کالفظ دال ہے کہ اور لوگ اس سے واقف نہیں ہیں ہم ہی واقف ہیں مطلب یہ ہے کہ تم جو یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے اس گناہ کی کسی کو خبر نہیں یہ صحیح نہیں ایسے کو خبر ہے کہ جس کو خبر ہو جانا غضب ہے اس لئے کہ اس کو تم پر پوری قدرت ہے اور اس گناہ کو ذکر فرما کر اس کی سزا بیان نہیں فرمائی بخلاف دیگر معاصی کے کہ ان کی سزا ساتھ ساتھ بیان فرما دی ہے اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ طبائع ہم لوگوں کی مختلف ہیں بعض طبائع تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو سزا ہونا مانع اور زاجر ہوتا ہے وہ تو وہ لوگ ہیں جو بے حیا و بے شرم ہیں کہ جوتوں سے ڈرتے ہیں اور بغیر جوتیوں کے خواہ کسی کو خبر ہو جاوے ان کو کچھ باک نہیں اور بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ سزا کی اگر اطلاع ہو جائے تو رکاوٹ کم ہوتی ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

لیکن اس سے وہ گڑ جاتے ہیں کہ فلاں کو خبر ہو جاوے گی بالخصوص جب یہ معلوم ہو جاوے کہ ہمارا یہ جرم معاف بھی ہو جاوے گا تو اور بھی زیادہ عرق عرق ہو جاتے ہیں کیا خوب کہا ہے

تصدق اپنے خدا کے جاؤں کہ پیار آتا ہے مجھ کو انشا   ادھر سے ایسے گناہ پیہم ادھر سے وہ دمبدم عنایت

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: اور اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور و جابر کے پورے قلب پر مہر کر دیتا ہے

رخصت کے وقت بھی مصافحہ درست ہے

ارشاد فرمایا مصافحہ متمم تحیات ہے اور "ان من تمام تحياتكم المصافحة" اور جاتے وقت بھی تحیات ہے تو متمم بھی ہے اور ہمارے بزرگوں کے عمل در آمد رہا۔

كذلك يطبع الله على كل قلب متكبر جبار کی ایک عجیب توجیہ

كذلك يطبع الله على كل قلب متكبر جبار. یہاں موقع تھا على قلب كل متكبر جبار کا۔ پس بعض تو قلب کے قائل ہوئے اور کسی نے کل اجتماعی کہا میں کہتا ہوں کہ کل افرادی بہتر ہے متکبر جبار کے ایک مفہوم ہے۔ اس کے افراد ہے۔ سب پر طبع ہوتا ہے یہ توجیہ میری سمجھ میں آئی۔ یعنی جن قلوب پر صادق آتا ہے "هذا متكبر جبار" ان کے قلوب پر طبع کرتے ہیں بالکل سیدھی بات ہے اور نکتہ یہ ہے کہ تعمیم طبع کا بالذات ہوگا اور دوسری توجیہ میں بالتبع ہوگا۔ (ملفوظات حکیم الامت ج ۱۵ ص ۹۳)

حسن سلوک کا اثر

ایک صاحب کہیں ملازم تھے وہاں ان کی کسی سے بنتی نہ تھی وہ شکایت کر رہے تھے فرمایا کہ بھائی برتاؤ وہ چیز ہے کہ دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں فاذا الذى بينك و بينه عداوة كانه ولى حميم یہ تو کلام مجید ہے اس میں تو کوئی بول ہی نہیں سکتا۔ (ملفوظات حکیم الامت ج ۱۶ ص ۱۱۲)

دعا سب کی قبول ہوتی ہے یہاں تک کہ شیطان کی بھی

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دعا سب کی قبول ہوتی ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کچھ قید نہیں انسان کی بھی قید نہیں حتیٰ کہ جانوروں تک کی دعا قبول ہوتی ہے ایک نبی دعا کے لئے چلے بارش نہ ہوتی تھی دیکھا کہا ایک چیونٹی ہاتھ اٹھائے دعا کر رہی ہے ساتھیوں سے فرمایا چلو بھائی اب ضرورت نہیں رہی دعا کی اس کی دعا

(c) ketabton.com: The Digital Library

قبول ہوچکی اور شیطان کو دیکھئے کٹ رہا ہے پٹ رہا ہے جوتیاں پڑ رہی ہیں۔لعنت کا طوق گلے میں ڈالا جارہا ہے اس وقت دعا کی اور دعا بھی ایسی جو کسی کی ہمت نہیں ہوسکتی کہ قیامت تک زندہ رہوں اور اس پر وہاں سے حکم ہوتا ہے کہ سب قبول کیا ٹھکانا ہے اس وسعت رحمت کا ناواقفوں میں یہ مسئلہ مشہور ہے کہ کافر کی دعا قبول نہیں ہوتی مگر کونسی دعا اور کہاں کی دعا کچھ معلوم بھی ہے آخرت میں بیشک کافروں کی دعا نجات کے لئے قبول نہ ہوگی وما دعاء الکافرین الافی ضلال۔ کے یہی معنی ہیں اس ہی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ قرآن شریف کا ترجمہ خود نہ دیکھیں کسی عالم سے پڑھنا چاہیے سبقاً سبقاً اور عالم بھی حافظ ہوتا ہے اوپر نیچے کی آیت کو دیکھ کر سمجھ سکے مطلب یہ کہ سیاق وسباق معلوم کر سکے۔(اشرف التفاسیر ج۳ ص۱۰۷)

وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾
ترجمہ: اور کافروں کی دعا محض بے اثر ہے

تفسیری نکات

کیا کافر کی دعا قبول ہوسکتی ہے

عدم اجابت دعاء کافر پر استدلال کرنا جیسا بعض کا قول ہے یہ شبہ سیاق وسباق پر نظر نہ کرنے سے پڑا ہے اس سے پہلے عذاب آخرت کا ذکر ہے وقال الذین فی النار لخزنۃ جھنم ادعوا ربکم الی قولہ قالوا فادعوا پس کافر جہنم سے نکلنے کی اگر دعا کریں تو وہ دعا قبول نہ ہوگی ورنہ عام طور پر یہ حکم نہیں چنانچہ ابلیس کی دعا قبول ہونا منصوص ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾
ترجمہ: آسمانوں اور زمین کا (ابتدا) پیدا کرنا آدمیوں کے (دوبارہ) پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے۔لیکن اکثر آدمی نہیں سمجھتے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیری نکات

انسان عالم صغیر ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حکماء انسان کو عالم صغیر کہتے ہیں اور صوفیہ کبیر کہتے ہیں اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ آیت میں تصریح ہے انسان کے صغیر ہونے کی اور اس صورت میں حکماء اور صوفیہ کے کلام میں تعارض معلوم ہوتا ہے اور حکماء کی تائید کلام پاک سے ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تعارض کچھ نہیں اس لئے کہ انسان میں دو درجہ ہیں ایک کے اعتبار سے حکماء کا قول صحیح ہے اور ایک اعتبار سے صوفیا کا قول صحیح ہے یعنی مادہ کے اعتبار سے تو انسان عالم صغیر ہے جیسا لفظ خلق اس پر دال ہے اور روح کے اعتبار سے عالم کبیر ہے اور اصل بات یہ ہے کہ صوفیہ کے اکثر دقائق لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے اس لئے ان کے اقوال کو بظاہر دلائل کے معارض سمجھ بیٹھتے ہیں حالانکہ وہ حقیقت ہوتی ہے مثلاً اس وقت میں نے ہی حکماء اور صوفیہ کے قول کو بیان کیا بتلایئے ان میں کیا تعارض ہے۔

ثبوتِ معاد

لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس سے شاید شبہ پیدا ہوا کہ۔اس آیت میں سموات وارض کی خلقت کو انسان کی پیدائش سے بڑا بتلایا گیا ہے تو پھر انسان کو عالم اکبر اور عالم ناسوت کو عالم اصغر کہنا کیونکر صحیح ہوگا اور یہ انسان سے مستفید یا اس کی فرع کیونکر ہوسکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس جگہ اکبریت مادہ کے اعتبار سے بتلائی گئی ہے یہاں معنی کے اعتبار سے اکبریت مقصود نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے معاد کو ثابت فرمایا ہے جس پر کفار کو اشکال تھا کہ انسان مر گل کر دوبارہ کیسے زندہ ہوگا اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے اتنے بڑے بڑے آسمانوں اور زمین وغیرہ کو پیدا کر دیا تو ایک مشت خاک انسان کا دوبارہ زندہ کر دینا اس پر کیا دشوار ہے کفار کو اعادہ جسم ہی پر اشکال تھا اس کو ایسی چیزوں کی خلقت سے دفع کیا گیا جو مادہ میں انسان سے بڑھی ہوئی ہیں سو اس درجہ میں عالم ناسوت کے لئے اکبریت مسلم ہے گفتگو معنی اور مقصودیت میں ہے اور اس میں انسان سب سے اشرف واکمل ہے چنانچہ اس مضمون کو دوسری آیت میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے فرماتے ء انتم اشد خلقاً ام السماء بناها رفع سمکها فسواها و اغطش لیلها و اخرج ضحها یہاں اشدیت محض خلقت ظاہری میں مراد ہے اور مقصودیت کے اعتبار سے دوسری جگہ ارشاد ہے هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ثم استوی الی السماء فسواهن سبع سموات۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: اور کہا تمہارے رب نے مجھے پکارو میں تمہاری درخواست قبول کرونگا۔ جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

تفسیری نکات

اہمیت دعاء

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اس آیت میں بڑے اہتمام سے دعا کا مضمون بیان فرمایا ہے چنانچہ شروع میں یہ تصریح فرمائی کہ وقال ربکم حالانکہ پہلے سے معلوم تھا کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہے مگر پھر اس کو اس لئے ظاہر فرما دیا کہ اس کی تاثیر نفس میں قوی ہو جائے اور مضمون مابعد کی وقعت دلوں میں زیادہ ہو پھر لفظ ربکم ارشاد فرمایا۔ اس میں بوجہ اظہار ربوبیت گویا اشارہ ہے دعا کے قبول کر لینے کا اس طور پر کہ چونکہ ہم ہمیشہ سے تمہاری پرورش کرتے آئے ہیں حتی کہ بدوں تمہاری درخواست کے بھی کی ہے تو کیا تمہاری عرض کو درخواست کرنے پر بھی قبول نہ کریں گے نہیں ضرور قبول کریں گے۔

مانبودیم و تقاضا مانبود — لطف نا گفتہ ماہی شنود

آیت واذا نشاء کم من الارض واذانتم اجنة فی بطون امهاتکم الخ میں اسی تربیت بے درخواست کا ذکر فرمایا ہے اس کے بعد پیدائش کے بعد کی حالت قابل غور ہے کہ یہ حالت ایسی تھی کہ کسی قسم کی تمیز اور شعور اس وقت نہ ہوا تھا اس حالت میں اگر تمام دنیا کے حکماء سقراط بقراط وغیرہ اکٹھے ہو کر صرف اتنی ہی تدبیر کرنا چاہیں کہ بچہ دودھ پینا سیکھ جائے تو ہرگز وہ قیامت تک اس پر قادر نہیں ہو سکتے یہ اسی قادر ذوالجلال کی حکمت اور اس کی رحمت اور عنایت ہے کہ اس نے بچے کو دودھ چوسنا سکھلایا۔ حکماء کہیں گے کہ یہ خود طبیعت کا فعل ہے مگر جب کہ خود طبیعت ہی کو وہ بے شعور مان چکے ہیں تو ایسے پر حکمت کاموں کا اس کی طرف منسوب کرنا بے شعوری نہیں تو اور کیا ہے۔

تیسرا اہتمام ربکم کی اضافت ہے گویا فرماتے ہیں کہ ہم تمہارے ہی ہیں تم ہم سے مانگو اور اسی کی نظر دوسری آیت میں اضافت ہے ولو یؤاخذوا لله الناس الی قوله کان بعباده بصیرا۔ حالانکہ یہاں عباد ماخوذین کا ذکر ہے مگر ان کو بھی اپنی طرف مضاف فرماتے ہیں سبحان اللہ کیا رحمت ہے۔

اس آیت کے متعلق ایک فائدہ علمیہ تفسیر یہ سمجھنے کے قابل ہے کہ آدمیوں کے مواخذے کی تقدیر پر تمام دواب

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے ہلاک کو کیسے مرتب فرمایا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ سب چیزیں انسان ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً یعنی تمام چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے ہی لئے پیدا کی ہے۔ خواہ ان کا نفع بلاواسطہ تم کو پہنچے یا واسطہ در واسطہ۔ پس چونکہ انسان کے لئے ہی سب چیزیں پیدا کی گئی ہیں اس لئے انسان اگر گناہ پر ہلاک کیا جاتا تو دوسری چیزیں بھی اس لئے ہلاک کی جاتیں کہ جب وہی نہ رہا جس کیلئے یہ سامان تھا تو پھر اس سامان کی کیا ضرورت ہے۔ جب آدمی نہ ہوں تو پھر خیمے ڈیرے و دیگر اسباب سامان کس کام کے۔

البتہ یہ شبہ اور باقی رہ گیا کہ بروں کو تو ان کے برے کام کی سزا ملتی ہے اور نیک آدمیوں کو کیوں ہلاک کیا جاتا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اچھے آدمی قدرے قلیل ہوتے ہیں اور انسان کی ضرورتیں تمدن و آسائش کے متعلق اس کثرت سے ہیں کہ تھوڑے آدمی ہرگز ان کو پورا نہیں کر سکتے۔ پھر اگر بروں کے بعد نیک زندہ رہتے تو ان کو جینا وبال ہو جاتا۔ ان کے لئے یہ مرنا ہی مصلحت و رحمت ہوتا اس سے بڑھ کر مقدمہ دعا میں اس آیت میں یہ اہتمام فرمایا کہ دعا نہ کرنے والوں کے واسطے ترہیب فرمائی کہ ان الذین یستکبرون الخ

ایک فائدہ علمیہ تفسیریہ

اس موقع پر ایک فائدہ علمیہ کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ ترہیب اعراض عن الدعاء پر ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں تو مادہ دعا کا اور ترہیب میں مادہ عبادت کا ذکر ہے چنانچہ یستکبرون عن عبادتی ہے یستکبرون عن دعائی نہیں ہے اور تطابق ضروری اس لئے یا تو دعا بمعنے عبادت کیا جائے یا عبادت بمعنے دعا قرار دیا جائے احتمال دونوں فی نفسہ برابر ہیں مگر چونکہ کلام مجید کا سمجھنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شخص زیادہ نہیں ہو سکتا کیونکہ مخاطب اول آپ ہی ہیں اس لئے اسکے تعین کے لئے حدیث کو دیکھا گیا۔ سو آں حضرت نے ارشاد فرمایا۔ الدعا مخ العبادۃ دعا عبادت کا خلاصہ ہے۔

او پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی جس سے ثابت ہوا کہ دعا اپنے معنی پر ہے اور عبادت سے مراد یہاں خاص دعا ہے ان اہتماموں سے دعا کی شان و عظمت کس درجہ ظاہر ہوتی ہے۔

سورۃ حٰمٓ السجدۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ رِیۡحًا صَرۡصَرًا فِیۡۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ

ترجمہ: اور ہم نے ان پر ایک ہوائے تند ایسے دنوں میں بھیجی جو منحوس تھے

تفسیری نکات

بدفالی بری چیز ہے

اکثر عورتیں بدھ کے دن کو منحوس سمجھتی ہیں اور غضب ہے کہ بعض مرد بھی اس میں ان کے ہم عقیدہ ہیں مثلاً عورتوں کا عقیدہ ہے کہ اگر کسی دن کوا گھر میں بولے تو اس دن مہمان ضرور آتے ہیں اسی طرح اگر آٹے میں پانی زیادہ ہو جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ آج کوئی مہمان آنے والا ہے اکثر جانوروں کو منحوس سمجھ رکھا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ قمری منحوس ہے اس کو گھر نہ پالو بلکہ اگر شوق ہو تو مسجد میں پالنا چاہئے شاید اس میں یہ حکمت ہو کہ اگر اجڑا تو اللہ ہی کا گھر اجڑے۔ نعوذ باللہ۔

غرض جتنی چیزیں اپنے سے نکمی ہوں سب خدا کے لئے بعض عورتیں کیلے کے لگانے کو منحوس سمجھتی ہیں کہتی ہیں کہ یہ درخت مردے کے کام میں آتا ہے اس لئے اس کو گھر نہ ہونا چاہیے کہ شگون بد ہے اور مردے کی چارپائی کو اس کے کپڑوں کو منحوس سمجھتے ہیں مگر تعجب ہے کہ اس کے کپڑوں کو منحوس سمجھا جاتا ہے لیکن اگر اس کا قیمتی دوشالہ ہو یا اس کی جائیداد ہو تو اس کو منحوس نہیں سمجھتے حالانکہ اگر مردے کے ساتھ تلبس سے اس کے لباس میں نحوست آئی ہے تو اس تلبس سے اسکے قیمتی کپڑوں میں نحوست آنی چاہیے اور اگر مردے کی طرف نسبت سے ان چیزوں میں نحوست آئی ہے تو اسی نسبت سے اس کی جائیداد میں بھی نحوست آنی چاہیے۔ یہ عقیدہ بالکل مہمل وہم ہے مسلمانوں میں اس کا رواج ہندوؤں سے آیا اور بعض چیزوں کو مرد بھی منحوس سمجھتے ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

جیسے الو کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ جس مقام پر بولتا ہے وہ مقام ویران ہو جاتا ہے اس لئے وہ منحوس ہے حالانکہ یہ بالکل غلط خیال ہے نہ الو منحوس ہے نہ اس کے بولنے سے کوئی جگہ ویران ہوتی ہے یاد رکھو وہ جو بولتا ہے تو خدا کا ذکر کرتا ہے تو کیا خدا کے ذکر سے یہ نحوست آئی بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ذاکر تو ہے لیکن اس کا ذکر جلالی ہے اس لئے اس کا یہ اثر پڑتا ہے حالانکہ خود یہ تقسیم اور یہ کہ جلالی میں یہ خاصیت ہوتی ہے یہی بے اصل ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ الو ایسے مقام کو تلاش کرتا ہے جہاں یکسوئی ہو اور اسکو اندیشہ نہ رہے اس لئے وہ ویرانوں میں بیٹھتا ہے اب یہ دیکھئے کہ وہ ویرانی جو پہلے سے ہے کہاں سے آئی سو وہ ہم لوگوں کے گناہ اور اعمال بد کی وجہ سے ہوتی ہے اس کے بعد الو اس مقام پر آتا اور بولتا ہے بس ویران کن ہم اور ہمارے گناہ ہوئے نہ کہ الو اور جب یہ ہے تو منحوس گنہگار ہوئے الو کیوں منحوس ہوا بعض پڑھے ہوئے لوگوں نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے دن کے منحوس ہونے پر وارسلنا علیھم ریحاً صرصرا فی ایام نحسات الخ (اور ہم نے ان پر ایک تند و تیز ہوا ایسے دنوں میں بھیجی جو ان کے حق میں منحوس ہے) کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن دنوں میں عاد پر عذاب نازل ہوا ہے وہ دن منحوس ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ دن کون کون ہیں اس کا پتہ دوسری آیت کے ملانے سے چلے گا فرماتے ہیں کہ واما عاد فاھلکوا بریح صرصر عاتیہ سخرھا علیھم سبع لیال و ثمانیۃ ایام حسوماً (اور قوم عاد کو ہلاک کر دیا گیا تیز و تند ہوا کے ذریعہ جو ان پر سات رات اور آٹھ روز مقرر کر دی گئی تھی) کہ آٹھ دن تک ان پر وہ عذاب رہا تو صاحبو! اس اعتبار سے تو چاہیے کہ کوئی دن مبارک ہی نہ ہو بلکہ ہر دن منحوس ہو کیونکہ ہفتہ کے ہر دن میں ان کا عذاب پایا جاتا ہے جن کو ایام نحسات کہا گیا ہے تو کیا اس کا کوئی قائل ہو سکتا ہے اب آیت کے صحیح معنے سنئے مطلب آیت کا یہ ہے کہ ان پر جن ایام میں عذاب ہوا وہ ایام بوجہ نزول عذاب خاص ان کے لئے منحوس تھے نہ کہ سب کے لئے اور وہ عذاب تھا بوجہ معصیت کے پس مدار نحوست کا معصیت ہی ٹھہری اب بحمد اللہ کوئی شبہ نہیں رہتا۔

بعض لوگوں نے قرآن شریف کی دوسری آیت سے استدلال کیا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نحوست ہمیشہ کے لئے ہے قرآن شریف میں ہے فی یوم نحس مستمر (منحوس دن میں آندھی چلائی) مگر میں کہتا ہوں کہ مستمر کے دو معنی ہیں ایک دائم دوسرے منقطع دوسری تفسیر پر یہ معنے ہوں گے کہ وہ نحوست منقطع ہو گئی اور یہ قاعدہ عقلی ہے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال (جب کسی چیز میں شک پیدا ہو جائے تو اس کو دلیل میں پیش کرنا صحیح نہیں) اور اگر کسی کی خاطر سے ہم مان بھی لیں کہ مستمر کے معنی دائم ہی کے ہیں تو ہم وہی پہلا جواب دیں گے کہ نحس سے مراد نحس علیھم ہے اور ان کے حق میں بوجہ عذاب کے دائم ہونے کے وہ یوم ہمیشہ ہی کے لئے منحوس ہے غرض یہ اعتقاد کہ چیزوں میں نحوست ہے غلط ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝

ترجمہ: جن لوگوں نے (دل سے) اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر (اس پر) مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت (کے ملنے) پر خوش رہو جس کا تم سے (پیغمبروں کی معرفت) وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔

تفسیری نکات

اقرار توحید و ربوبیت بہ قلب

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا

اور تفسیر یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے یوں کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر وہ اس پر جمے رہے (یعنی مرتد نہیں ہوئے) البتہ قالوا میں ایک قید بے شک ضروری ہے یعنی قالوا بقلوبھم کہ انہوں نے حق تعالیٰ کی ربوبیت و توحید کا اقرار دل سے کیا ہو پس قواعد شرعیہ سے یہ قید ضروری ہے کیوں کہ بدوں تصدیق بالقلب کے ایمان معتبر نہیں۔ پھر حق تعالیٰ کے اعتبار سے تو قلب کا ایمان کافی ہے مگر اجراء احکام کے لئے زبان سے کہنا شرط ہے جس میں حکمت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کے ایمان کا علم ہو تو وہ اس کو اپنا آدمی سمجھیں۔ اس کے حقوق ادا کریں اور کفار اس سے الگ رہیں۔ اس کو اپنے اندر ملانے کی کوشش نہ کریں۔ یہ تو ظاہری قواعد سے حکمت معلوم ہوتی ہے اور قواعد باطن سے اس میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ جیسے باطن کا اثر ظاہر پر ہوتا ہے اسی طرح ظاہر کا بھی اثر باطن پر ہوتا ہے۔ چنانچہ بچوں کے حفظ قرآن کا طریقہ تکرار باللسان ہے زبان سے جس لفظ کو بار بار کہا جاتا ہے وہ دل میں جم جاتا ہے اسی طرح ذکر باللسان کو زیادت اثر فی الباطن میں دخل ہے پس ان الذین قالو ربنا اللہ کے معنے یہ ہیں الذین امنوا بالقلب و صدقوا باللسان جنہوں نے دل سے خدا کو مانا اور زبان سے تصدیق کی اور ثم استقاموا کے معنی یہ ہیں کہ اقاموا علیہ ولم یرتدوا پھر اس پر جمے رہے اور مرتد نہیں ہوئے جزو اول قالوا ربنا میں احداث ایمان ہے اور جزو دوم ثم استقاموا میں ابقاء ایمان ہے۔ یہ معنے ہیں استقامت کے سیدھے سادے۔ آگے اس پر تفریع ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولاتحزنوا

کہ ان پر فرشتے اترتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے آتے ہیں (کہ آخرت کے اہوال سے) ڈرومت اور دنیا کے فوت ہونے کا) غم نہ کرو الخ یہ فضیلت ہر مومن کو جو مرتد نہیں ہوا حاصل ہوگی کیوں کہ استقامت کا ایک درجہ اس کو بھی حاصل ہے اور یہاں جس فضیلت کا ذکر ہے وہ مطلق استقامت پر متفرع ہے خواہ کسی درجہ کی استقامت ہو مگر نہ معلوم ان واعظوں نے کہاں سے مخلوق کا گلا گھونٹ دیا اور استقامت کو اعلیٰ درجہ میں کس دلیل سے منحصر کر دیا۔ پس یہ تنہا ہی جنت میں جانا چاہتے ہیں۔ اکیلے ہی قلانچیں مارتے پھریں گے۔ مگر جب یہ دوسروں کو محروم کرنا چاہتے ہیں تو خود بھی نہ جائیں گے کیونکہ جب لوگوں کو کمال تقویٰ سے قاصر ہونے کی وجہ سے یہ جنت سے محروم سمجھتے ہیں تو اس کے مواخذہ میں بھی اول مستحق کیسے ہو جاویں گے۔

استقامت آسان ہے

بعض لوگوں کو بعض نصوص سے اس کا شبہ ہو گیا ہے کہ استقامت دشوار چیز ہے چنانچہ بعض نے فاستقم کما امرت سے کما امرت کی قید دیکھ کر یہ سمجھا ہے کہ استقامت کوئی بڑی چیز ہے جب ہی تو اس کو کما امرت کے ساتھ مقدم کیا گیا ہے ورنہ اس قید کی کیا ضرورت تھی اور یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں ہے کیونکہ آگے ومن تاب معک بھی ہے جس سے مطلب یہ ہوا

استقم کما امرت ولیستقم من تاب معک کما امروا

کہ جس طرح کا آپ کو امر ہے اس طرح آپ مستقیم رہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں جیسے ان کو امر ہوا ہے اس طرح وہ مستقیم رہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب کو امر الٰہی کے موافق استقامت حاصل کرنے کا حکم ہے اس سے کم درجہ کافی نہیں۔

تو سمجھنا چاہیے کہ یہ لوگ قرآن کے سیاق وسباق میں غور نہیں کرتے اس لئے شبہ میں پڑ گئے۔ اگر ماسبق وما لحق کو ملا کر اس آیت کو دیکھتے تو اشکال نہ ہوتا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں اس سے پہلے کفار کا ذکر ہے چنانچہ اس آیت کے اوپر یہ آیت ہے

ولقد اٰتینا موسی الکتب فاختلف فیہ ولولا کلمۃ سبقت من ربک لقضی بینھم وانھم لفی شک منہ مریب و ان کلالما لیوفینھم ربک اعمالھم انہ بما یعملون خبیر

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی۔ سو اس میں بھی اختلاف کیا گیا اور اگر ایک بات نہ ہوتی۔ جو آپ کے رب کی طرف سے ٹھہر چکی ہے تو ان کا فیصلہ (ابھی) ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ اس (فیصلہ) کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے اور بالیقین سب کے سب ایسے ہی ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ آپ کا رب ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا حصہ دے گا۔ بالیقین وہ انکے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔
اس کے بعد ارشاد ہے

فاستقم کما امرت و من تاب معک

جس سے ظاہر و متبادر یہ ہے کہ اس آیت سے حضورؐ کا تسلیہ مقصود ہے گو تسلیہ صریح نہ ہوں مگر اس میں تسلیہ کا مضمون ضرور ہے کیونکہ ایسا مضمون تسلیہ صریحہ میں بھی مذکور ہے حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ کفار کی حالت بیان فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی تسلی اس طرح کرتے ہیں کہ سب کو اپنے اپنے کام میں لگنے کا حکم فرماتے ہیں کہ تم اپنے کام میں لگے رہو۔ کفار کا معاملہ ہمارے ساتھ ہے ہم نبٹ لیں گے چنانچہ یہی مضمون یہاں بھی ہے۔ کہ اول کفار کا حال بیان فرمایا کہ یہ لوگ پہلے انبیاء سے بھی اختلاف کر چکے ہیں آپ کے ساتھ کفار کا اختلاف کوئی نئی بات نہیں اور ہم ان کو ابھی سزا دیتے۔ مگر ہماری طرف سے ایک بات ٹھہر چکی ہے اس لئے دنیا میں فیصلہ نہیں کیا جاتا باقی وقت معلوم پر سب کو اپنے اپنے کیے کا بدلہ ملے گا اس کے بعد فرماتے ہیں **فاستقم کما امرت.**

یعنی جب ان کی سزا کا معاملہ آپ سے کچھ سروکار نہیں رکھتا۔ تو آپ اور مسلمان کفار کی فکر میں نہ پڑیں۔ بلکہ ان کا معاملہ ہمارے اوپر چھوڑ کر آپ اور مسلمان اپنے کام میں لگے رہیں جس کا آپ کو اور مسلمانوں کو حکم ہے۔

یہ حاصل ہے آیت کا بھلا اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ استقامت کوئی ایسی دشوار چیز ہے جس کا آپ کو اور مسلمانوں کو خاص طور پر حکم دیا گیا ہے۔

بعض لوگوں کو حدیث **استقیموا و لن تحصوا** سے شبہ ہوا ہے جس کا مطلب وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مستقیم رہو مگر تم سے احصار نہ ہو سکے گا اور کہتے ہیں کہ دیکھو اس میں حضورؐ نے بتلا دیا کہ استقامت پوری طرح حاصل نہیں ہو سکتی اس کا احصا دشوار ہے مگر یہ مطلب بیان کرنے والا بعینہ اس کا مصداق ہے کہ **حفظت شیئا و غابت عنک اشیاء.**

صاحب! اگر ولن تحصوا کا متعلق وہی استقامت ہے جس کا امر کیا گیا ہے تو اس کا حاصل یہ ہوا کہ حضورؐ ایسے کام کا حکم فرماتے ہیں جو کبھی نہیں ہو سکتا یہ تو **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** کے صریح خلاف ہے کہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ استقامت حاصل کرو اور یہ بھی فرما رہے ہیں کہ تم سے ہو نہ سکے گی تو پھر جو کام ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کا امر ہی کس واسطے کیا گیا۔ اس لئے یہ مطلب غلط ہے۔ میرے نزدیک اسکا مطلب یہ ہے کہ

استقیموا ما استطعتم ولا تتعمقوا فیھا فانکم لن تحصوھا ولا یشار الدین احدا الا غلبہ

یعنی جتنی استقامت تم سے ہو سکے حاصل کرو۔ یہ تو مامور بہ ہے۔ باقی اس میں تعمق و مبالغہ نہ کرو۔ کیوں کہ یہ مامور بہ نہیں اور تعمق و مبالغہ سے جس اعلیٰ درجہ کے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ تم سے نہ ہو سکے گا اور یہ تو ان لوگوں کے خلاف ہے کیوں کہ وہ استقامت کے اعلیٰ درجہ کو مامور بہ کہتے ہیں۔

اور اس تقریر سے معلوم ہوا کہ وہ اعلیٰ درجہ جس میں تعمق و مبالغہ ہو مامور بہ نہیں ہے باقی جو مطلب حدیث

(c) ketabton.com: The Digital Library

کا یہ لوگ سمجھتے ہیں وہ تو نص کے خلاف ہے حق تعالیٰ نے وسعت سے زیادہ کہیں امر نہیں کیا اور ہر موقعہ پر جہاں اس قسم کا شبہ واقع ہوا فوراً اشکال رفع کیا ہے۔ چنانچہ جب اتقوا اللہ حق تقاتہ (ترجمہ) اللہ سے ڈرو۔ جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ فرمایا تو صحابہؓ کو اشکال ہوا کہ یہ کس سے ہو سکے گا اور ایسا تقویٰ جو حق الوہیت کے شایان ہو کون کر سکتا ہے؟ تو اس پر فوراً یہ آیت نازل ہوئی۔

فاتقوا اللہ ما استطعتم و اسمعوا و اطیعوا ”یعنی اللہ سے اتنا ڈرو جتنا تم سے ہو سکے“

بعض صحابہؓ نے اس کو پہلی آیت سے کے لئے ناسخ فرمایا ہے مگر قاضی ثناء اللہ صاحب نے تصریح کی ہے اور خوب ہی فرمایا ہے کہ نسخ اصطلاح سلف میں بیان تفسیر و بیان تبدیل دونوں کو عام ہے پس بعض صحابہؓ کا اس کو پہلی ہی آیت کے لئے ناسخ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت کی تفسیر ہو گئی اور بتلا دیا گیا کہ حق تقاتہ سے مراد وہ تقویٰ ہے جو تمہاری استطاعت میں ہو جتنا تقویٰ تم سے ہو سکے کر وہ حق تقاتہ ہی میں داخل ہے بحمد اللہ اشکالات سب رفع ہو گئے اور معلوم ہو گیا کہ یہاں جو فضائل اور بشارتیں استقامت پر متفرع ہیں وہ ہر مسلمان کو حاصل ہوں گی کیونکہ استقامت کا ایک درجہ ہر مومن کو حاصل ہے۔

مگر اس پر اب شاید یہ اشکال ہو کہ اگر اس آیت میں استقامت کے یہی معنی ہیں کہ بس ایمان حاصل ہو اور ایمان کے بعد مرتد نہ ہو تو آگے اس استقامت کے بہت سے فضائل مذکور ہیں کہ ان اہل استقامت پر رحمت فرشتے کے نازل ہوتے ہیں بشارت سناتے ہیں خوف و حزن کو رفع کرتے ہیں فرشتے ان کے رفیق ہوتے ہیں اس میں صالح اور فاسق سب برابر ہو جائیں گے اور اگر فاسق کو بھی یہ فضائل حاصل ہو گئے تو اس کو اور کیا ضرورت رہی۔ بس ایک شخص امنت باللہ زبان سے اور دل سے کہہ لے اور اس پر جما رہے پھر جو چاہے اعمال کرتا رہے اس کے لئے رحمت بھی ہے۔ بشارت بھی ہے فرشتوں کی رفاقت بھی ہے حزن و خوف سے بے فکری بھی ہے۔

اس اشکال کا جواب میں ایک قاعدہ کلیہ سے دیتا ہوں جو ہر مقام پر کارآمد ہے کیونکہ یہ اشکال کچھ اسی آیت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بعض احادیث پر بھی واقع ہوتا ہے جیسے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ وہ قاعدہ کلیہ میں نے اپنے استاد مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے سنا ہے کتابیں زیادہ دیکھنے کی مجھے عادت نہیں۔ اگر کسی کو وسعت نظر کا شوق ہو ان کا یہ شوق مبارک ہو ہمیں تو حق تعالیٰ نے اساتذہ ہی ایسے دیئے تھے جنہوں نے بہت سی کتب سے مستغنی کر دیا۔ کیسا ہی اشکال ہو ان کی چند باتوں سے جو یاد ہیں رفع ہو جاتا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ شارع نے جو اعمال کے فضائل بیان کئے ہیں وہ گویا خواص اعمال ہیں اور خواص اشیاء کا ظہور عقلاً ارتفاع موانع سے مشروط ہوتا ہے۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے طبیب ادویات کی خاصیت بیان کرے تو ہر عاقل اس کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اگر اس کے مخالف کوئی مضر چیز نہ کھائی جائے تو یہ نفع ظاہر ہوگا پس اگر کوئی خمیرہ گاؤ زبان عنبری پر دو تولہ سنکھیا بھی کھالے اور مر جائے تو اس سے خمیرہ کے خواص غلط نہ ہو جائیں گے اسی طرح لا الٰہ الا اللہ دل سے کہنے اور اس پر مستقیم رہنے کی بھی خاصیت ہے کہ اس سے ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے بشارت سنائی جاتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس کے منافی کوئی کام نہ کرے مثلاً لا الٰہ الا اللہ کے بعد ان اللہ ثالث ثلثہ یا مسیح ابن اللہ وغیرہ نہ کہے اگر کلمہ ایمان کے بعد کلمہ کفر بھی کہہ دے گا تو اس کی وہی مثال ہوگی جیسے خمیرہ کے بعد سنکھیا کھالے۔

منافی کی دو قسمیں

پھر منافی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو پورا منافی ہو جیسے کلمہ ایمان کا مقابلہ کلمہ کفر ہے۔ یہ تو مبطل خاصیت ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی خاصیت کو بالکل باطل و زائل کر دے گا اور ایک وہ جو پورا منافی نہ ہو بلکہ فی الجملہ منافی ہو جیسے کفر کے علاوہ اور معاصی ہیں۔ ان سے کلمہ ایمان کی خاصیت باطل تو نہیں ہوتی مگر کمزور ہو جاتی ہے نفع دیر میں ظاہر ہوتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے خمیرہ گاؤ زبان کے ساتھ کھٹائی اور تیل و رگڑ اور سرکہ اور بینگن بھی کھائے جائیں کہ ان اشیاء سے خمیرہ کی قوت کمزور ہو جائے گی اور نفع دیر میں ظاہر ہوگا۔

اس تقریر سے ایک اور شبہ کا جواب معلوم ہو گیا وہ یہ کہ میں نے جو اوپر کہا تھا کہ یہ فضائل خواص اعمال ہیں اور خواص کا ظہور رفع موانع کے ساتھ مشروط ہوتا ہے اس پر کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ذرؓ نے تو رسول اللہ کے سامنے موانع اور مضرات کو بھی پیش کیا تھا کہ یارسول وان زنی وان سرق۔

مگر حضورؐ نے ان کو مضر نہیں مانا یعنی جب آپؐ نے فرمایا کہ جو کوئی لا الٰہ الا اللہ کا معتقد ہو کر مر جائے دھولا یشرک باللہ اس حال میں کہ وہ شرک نہ کرتا ہو تو یہ شخص جنت میں جائے گا اس پر حضرت ابو ذرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! چاہے اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو تو آپؐ نے فرمایا وان زنی وان سرق۔

ہاں اگر چہ اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان خواص کا ظہور بد پرہیزی سے بچنے کے ساتھ مفید نہیں۔

تقریر گزشتہ سے یہ اشکال اس طرح حل ہوا۔ کہ اس حدیث میں حضورؐ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ زنا و سرقہ لا الٰہ الا اللہ کی خاصیت کے لئے مبطل نہیں۔ حضرت ابو ذرؓ اس کو مبطل سمجھتے تھے حضورؐ نے اس کی نفی کر دی۔

رہا یہ کہ اعمال کسی درجہ میں بھی لا الٰہ الا اللہ کی خاصیت کے منافی اور مضر نہیں یہ اس حدیث سے معلوم نہیں ہوتا بلکہ دوسرے نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا و سرقہ وغیرہ لا الٰہ الا اللہ کی خاصیت کے لئے مضعف اور اس کے لئے ظہور کے لئے مؤخر ہیں۔ یعنی ایسا شخص جنت میں تو ایمان کی برکت سے چلا جاوے گا مگر دیر میں جائے گا یا یہ کہا جائے کہ ایمان کی خاصیت تو اب بھی وہی باقی ہے مگر مغرور جب دوسرے اجزاء سے مرکب ہو

(c) ketabton.com: The Digital Library

جاتا ہے تو مرکب کا مزاج دوسرا ہو جاتا ہے پس اگر ایمان اعمال صالحہ کے ساتھ مرکب ہوا تو اس وقت مجموعہ کا مزاج اور ہوگا اس وقت ایمان کی خاصیت تیز اور قوی ہوگی کیوں کہ یہ اجزاء لا الہ الا اللہ کے مناسب ہیں اور اگر اعمال سیئہ سے مرکب ہوا تو مجموعہ کا مزاج دوسرا ہوگا یا یہ کہا جائے کہ خاصیت تو اب بھی وہی باقی ہے مگر عارض و موانع کی وجہ سے دیر ہو جائے گی۔

اور تتنزل کا صیغہ بتلا رہا ہے کہ یہ نزول بتدریج یکے بعد دیگرے ہوگا تا کہ زیادت مسرت و انشراح اور زیادت اکرام کا سبب ہو جیسے ایک شخص مہمان ہو کر بادشاہ کے یہاں جائے تو اول تو اسٹیشن پر اس کا استقبال کرنے ایک جماعت آئے اور بشارت دے کہ بادشاہ آپ کو یاد کر رہے ہیں پھر تھوڑی دیر چل کر ایک اور جماعت آئے اور خوشخبری و مبارک باد سنائے کچھ دیر کے بعد تیسری جماعت آئے اور وہ بھی مبارک باد اور خوشخبری سنائے تو اس میں زیادہ مسرت و اکرام ہے دفعۃً ہجوم سے تو مہمان بعض دفعہ گھبرا جاتا ہے اس لئے وہاں ملائکہ کا نزول تدریجاً یکے بعد دیگرے ہوگا پھر وہ سب کے سب یہ بشارت دیں گے لا تخافوا و لا تحزنوا کہ آفات قیامت سے تم اندیشہ نہ کرو اور دنیا کے چھوٹنے کا رنج نہ کرو۔ کیونکہ آگے تمہارے لئے امن و راحت اور نعم البدل ہے۔

وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون

تم جنت کے ملنے پر خوش رہو۔ جس کا (پیغمبر کی معرفت) تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا اور دنیا کو جنت سے کچھ بھی نسبت نہیں تو اب دنیا کے چھوٹنے کا کیا رنج۔

حقیقت دنیا

یہ تو ایسا ہوا جیسا کسی کو اشرفی مل جائے اور پیسہ بلکہ کوڑی کھو جائے تو اس سے کچھ بھی رنج نہ ہوگا بلکہ تمنا کرے گا کہ ایسا پیسہ تو ہر روز کھو جایا کرے جس کے بدلہ میں اشرفی مل جائے۔

اس کے بعد فرشتے کہیں گے نحن اولیاء کم فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ

کہ ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رفیق رہیں گے۔ یہاں بھی تمہارا ساتھ ہر قدم پر دیں گے دنیا میں فرشتوں کی رفاقت دو طرح ہوتی ہے۔ ایک تو وہ اعمال صالحہ انسان کے دل میں القا کرتے ہیں۔ دوسرے مصائب کے وقت سکینہ و اطمینان نازل کرتے ہیں چنانچہ صبر کے وقت کلفت ضبط کے علاوہ قلب میں ایک قوت اور چین بھی ہوتی ہے یہ اسی سکینہ کا اثر ہے جہاد میں بھی ملائکہ تسکین نازل کرتے ہیں چنانچہ نص میں ہے کہ بدر میں ملائکہ نازل ہوئے اور ان کا کام یہ تھا فثبتوا الذین امنوا کہ مسلمانوں کے قلوب کو قوت دیں اور لڑائی میں ان کو ثابت قدم بنائیں گو قتال بھی ملائکہ سے ثابت ہے مگر

(c) ketabton.com: The Digital Library

اصل کام ان کا وہی تثبیت اور انزال سکینہ تھا تیسری رفاقت یہ ہے کہ ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں نص میں ہے **لہ معقبات من بین یدیہ و من خلفہ یحفظونہ من امر اللہ و اذا اراد اللہ بقوم سوء افلا مردلہ**

انسان کے دشمن سانپ بچھو تو ہیں ہی اسکے دشمن جنات بھی ہیں اور فرشتے جنات سے بھی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر یہ حفاظت نہ ہو تو جنات اس کی بوٹی بوٹی الگ کر دیں۔ ہاں جب حق تعالیٰ ہی کوئی مصیبت بھیجنا چاہیں تب وہ ٹل نہیں سکتی۔ اس وقت اس حفاظت کی صورت بدل دی جاتی ہے اور جنات یا حیوانات سے اس کو تکلیف پہنچ جاتی ہے اور آخرت کی ایک رفاقت تو اوپر معلوم ہو چکی کہ مرتے ہوئے اور قبر میں اور حشر میں گھر سے نکلتے ہوئے بشارتیں سنائیں گے اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور موقعہ پر بھی فرشتے حاضر ہوں گے یعنی جنت میں۔

یدخلون علیھم من کل باب. ہر دروازہ سے مسلمانوں کے پاس سلام کرنے اور مبارک باد دینے آئیں گے۔ **ولکم فیھا ماتشتھی انفسکم و لکم فیھا ماتدعون.**

یعنی جنت کو عیش محدود نہ سمجھنا اس کی یہ حالت ہوگی کہ جس چیز کو بھی تمہارا جی چاہے گا اس میں موجود ہے اور جو مانگو گے تمہارے لئے وہاں موجود ہے۔ اس پر ایک طالب علمانہ شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ **لکم فیھا تشتھی انفسکم** کے بعد **لکم فیھا ماتدعون** کی کیا ضرورت تھی کیونکہ مانگنا تو چاہنے کی فرع ہے جب وہاں ہر مشتہی موجود ہے تو اس سے ہر مدعی کا ہونا خود لازم آ گیا پھر اگر کسی وجہ سے اس کو بیان کیا گیا تھا تو بقاعدہ بلاغت ابلغ کو مؤخر کرنا چاہیے تھا کیونکہ ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوا کرتی ہے نہ کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف اور یہاں اعلیٰ کو مقدم کیا گیا ہے یعنی **ماتشتھی انفسکم** کو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مشتہی اور مدعی تو یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ منہ سے مانگی اور دل کی چاہی مرادیں وہاں سب برابر ہیں جیسے منہ مانگی مراد فوراً پوری ہوگی ایسے ہی دل کی چاہی مراد بھی فوراً پوری ہوگی روایات میں ہے کہ جنتی کا دل کسی پھل کو دیکھ کر رغبت کرے گا تو فوراً وہ پھل ٹوٹ کر سامنے آ جائے گا اور اس کی جگہ فوراً ہی دوسرا پھل درخت پر پیدا ہو جائے گا۔ اس تسویہ کو بیان کرنے کے لئے دونوں کا ذکر ضروری تھا اور **لکم فیھا ماتشتھی انفسکم** کی تقدیم بھی اسی لئے ہے کہ اعلیٰ کو ادنیٰ کے برابر کرنے میں زیادہ مبالغہ ہے مثلاً کہا کرتے ہیں کہ ہمارے یہاں اشرفی اور پیسہ برابر ہے اس صورت میں ابلغ و اعلیٰ ہی کو مقدم کرتے ہیں ایسے ہی یہاں اعلیٰ کو ادنیٰ کے برابر کرنا مقصود ہے کہ مشتہی جنت میں مثل مدعی کے ہے ادنیٰ کو اعلیٰ کے برابر کرنا مقصود نہیں کیوں کہ یہ مراد کے خلاف ہے اب اشکال رفع ہو گیا۔

آگے فرماتے ہیں نزلاً کہ یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہوگا بھیک منگوں کی طرح کھانا وغیرہ نہیں دیا جائے گا

(c) ketabton.com: The Digital Library

22

بلکہ عزت وقدردانی کے ساتھ معاملہ ہوگا۔اب جب ہر طرح سے اطمینان دلا دیا گیا تو قاعدہ ہے کہ اطمینان کے بعد وہم شروع ہوا کرتا ہے اور دور دور کی سوجھا کرتی ہے اب جنتیوں کو یہ خیال ہوگا کہ میاں ہم تو اس قابل نہ تھے نہ ہمارے اعمال اس لائق تھے ہم نے تو بعضے بڑے بڑے گناہ بھی کیے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مہمانی تھوڑی دیر کے لئے ہو پھر معاصی پر گرفت ہونے لگے اس لئے فرماتے ہیں من غفور رحیم۔

کہ گو تم اس قابل نہ تھے مگر حق تعالیٰ بخشنے والے ہیں انہوں نے تمہارے عیوب ونقائص کو معاف فرما کر یہ انعام کیا ہے کیونکہ وہ بخشنے ہی پر اکتفانہیں کرتے بلکہ جرم کو معاف فرما کر عنایت ورحمت بھی فرماتے ہیں وہ جس مجرم کو معافی دیتے ہیں اس پر انعام بھی فرماتے ہیں خلعت وزادراہ بھی عنایت کرتے ہیں۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں سے ہوں۔

تفسیری نکات

استفہام انکاری ہے یعنی اس سے اچھا کسی کا قول نہیں جو اللہ کی طرف بلاوے احسن سے معلوم ہوا کہ اچھی باتیں تو اور بھی ہیں مگر جتنی اچھی باتیں ہیں ان سب میں زیادہ اچھی بات دعوت الی اللہ ہے استفہام بقصد نفی ہے سبحان اللہ کیا بلاغت ہے کہ پوچھتے ہیں کون ہے احسن از روئے قول کے اس میں مبالغہ زیادہ ہے کیونکہ عادت ہے کہ جس جگہ پر تردد ہوتا ہے کہ کوئی خلاف جواب دے دے گا وہاں پوچھا نہیں کرتے۔

مثلاً یوں کہتے ہیں کہ میاں فلاں تجارت سے اچھی کون سی تجارت ہے یہ وہاں کہتے ہیں جہاں مخاطب کو متکلم کی رائے سے اختلاف نہ ہو اور جہاں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید مخاطب خلاف جواب دے دے وہاں پوچھا نہیں کرتے بلکہ یوں بتلاتے ہیں کہ میاں اس سے اچھی کوئی تجارت نہیں اور جہاں یہ احتمال نہیں ہوتا بلکہ اعتماد ہوتا ہے کہ مخاطب بھی پوچھنے پر یہی جواب دے گا وہاں پوچھا کرتے ہیں کہ تمہی بتلاؤ کہ کون سی بات زیادہ اچھی ہے کیونکہ ظاہر بات ہے کہ بدیہی اور حسی بات کا کوئی انکار نہیں کرتا اسی طرح اس دعوت الی اللہ کی فضیلت اتنی صاف بدیہی اور محسوس تھی کہ صرف پوچھنا کافی ہوگیا گویا یہ کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ اس سے اچھی فلاں بات ہے تو استفہام میں تو یہ بلاغت ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

احسن قولاً کی تحقیق

اب احسن قولا کی تحقیق رہی سو یہ افعل التفضیل کا صیغہ ہے یعنی کس کی گفتگو سب سے اچھی ہے وجہ اس ترجمہ کی ظاہر ہے کیونکہ احسن باعتبار قصد کے صفت ہے قولا کی اور اقوال ہی کے اعتبار سے اس کی تفصیل بھی ہے اور چونکہ مفضل جنس مفضل علیہ ہی سے ہوتا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ سب قولوں سے اچھا اس شخص کا یہ قول ہے اور یہاں تک تو کوئی اشکال نہ تھا مگر آگے ارشاد ہے وعمل صالحاً اور عمل صالح بھی کرے۔اس جملہ کو اس کے معطوف علیہ کے ساتھ ملانے سے حاصل یہ ہوا کہ سب سے اچھی بات اس شخص کی ہے جو دعوت الی اللہ کرے۔اور نیک کام کرے۔اس میں اشکال یہ ہے کہ دعوت الی اللہ کو تو احسنیت قولاً میں دخل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ خود قول ہے اور سب سے احسن مگر عمل صالح کا اس میں کیا دخل کیونکہ وہ فعل ہے قول نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ وہ قول نہیں مگر آداب و مکملات قول سے ہے اس لئے یہ بھی قول کے احسن ہونے میں دخیل ہے تو حاصل یہ ہوا کہ صاحب قول احسن وہ ہے جو دعوت الی اللہ بھی کرے اور اس کے ساتھ ہی خود عمل بھی اچھا کرے یعنی جو کچھ کہے اس کے موافق عمل بھی کرے تب وہ صاحب قول احسن ہے۔

اس پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کوئی بہت اچھی بات کرے اور عمل اچھا نہ کرے تو قول تو اچھا ہے گو عمل نہیں ہے مثلاً اگر کوئی دعوت الی الاسلام کرے اور خود مسلمان نہ ہو دعوت الی الصلوٰۃ کرے اور خود نمازی نہ ہو اسلام کے اوصاف بیان کرے اور خود ان پر عقیدہ نہ رکھے تو اس پر من احسن قولاً تو صادق آتا ہے کیونکہ اس کے معنی من قولہ احسن ہیں یعنی جس کی بات بہت اچھی ہو۔وہ احسن قولا ہے جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب اگر کوئی خود عمل نہ کرے تو اس کے قول کے احسن ہونے میں کیا خلل رہا اگر اس نے خود نماز نہ پڑھی تو اس کا یہ قول تو احسن ہے زائد سے زائد یہ کہہ سکتے ہیں کہ عمل احسن نہیں تو اس سے قول کے احسن ہونے میں کیا خلل پڑا۔اس کا جواب بنص قرآن بجز اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ قول کے اچھے ہونے میں عمل کے اچھے ہونے کو بھی دخل ہے۔

اقسام داعی

اور اس بناء پر اس آیت سے ایک مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ داعی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک صاحب عمل صالح ایک غیر صاحب عمل صالح اول کا قول یا دعوت احسن ہے ثانی کا قول یا دعوت غیر احسن ہے باقی یہ کہ اس کی لم کیا ہے کہ دعوت بلا عمل صالحہ غیر احسن ہے۔

تو اول یہ سمجھنا چاہیے کہ احسن ہونا کیوں ہے سو بات یہ ہے کہ ہر شئے کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے اور ایک اس کی غایت ہوتی ہے تو قول احسن کی بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ ایک طاعت ہے اور ایک کی غایت ہے اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

وہ غایت یہ ہے کہ وہ دعوت سبب ہے دوسرے شخص کے رجوع الی الخیر کا تو دعوت الی اللہ کو جو اچھا کہا گیا دو وجہ سے کہا گیا ایک تو اس وجہ سے کہ یہ سبب ہے لوگوں کے متوجہ الی اللہ ہونے کا تو یہ احسنیت تو باعتبار غایت کے ہے اور دوسری اس وجہ سے کہ وہ فی نفسہا طاعت ہے اور دونوں درجوں میں اس کا احسن ہونا مشروط ہے عمل صالح کیساتھ۔ وعظ اور عمل کے ساتھ ہی اس میں کبر و عجب ہو جاتا ہے کہ میں بڑا صاحب کمال ہوں کہ اللہ میاں کے تمام حقوق ادا کرتا ہوں حق تعالیٰ اس کے علاج کے لئے آگے تواضع کی تعلیم فرماتے ہیں وقال اننی من المسلمین یعنی اس نے یوں بھی کہا کہ میں مسلمین میں سے ہوں۔

آپ کو غالباً حیرت ہوگی کہ یہ تو دعویٰ ہوا نہ کہ تواضع۔ بات یہ ہے کہ اس قسم کے عنوانات میں عادت تو دعوے ہی کی ہے اس لئے یہاں بھی دعویٰ ہی معلوم ہوتا ہے مگر یہاں مقصود تواضع ہی ہے۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ اسلام ایک ایسی چیز ہے جس میں دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت تو یہ ہے کہ وہ طاعت کاملہ ہے اور ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ گردن نہادن بطاعت ہے گو یہ بھی کمال ہے مگر عنوان کمال کا نہیں ہے یا یوں کہو کہ اسلام کی ایک ذات ہے اور ایک صفت ہے جب ذات کے اعتبار سے اپنے اسلام پر نظر پڑتی ہے تو اس نظر کا اور اثر ہوتا ہے اور صفت کے اعتبار سے پڑتی ہے تو اور اثر ہوتا ہے ذات تو ہے گردن نہادن بطاعت اور صفت ہے طاعت کاملہ۔ جیسا کہ ان الدین عنداللہ الاسلام اس پر دال ہے یعنی خدا کے نزدیک دین صحیح و کامل اسلام ہی ہے اور چونکہ صفت تابع ہوتی ہے ذات کے اس کا مقتضا یہ تھا کہ ہماری نظر اولاً اس کی ذات پر ہوتی مگر اب حیرت ہوگی کہ ہماری نظر اپنے اسلام پر ذات کی حیثیت سے نہیں پڑتی بلکہ صفت کی حیثیت سے پڑتی ہے کہ ہم میں یہ صفت کمال ہے اور اسی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں کمال ہونے میں تو شک نہیں۔ گفتگو تو یہ ہے کہ تابع پر نظر گئی اصل چیز یعنی ذات پر کبھی نظر نہ گئی اس لئے دعویٰ پیدا ہو گیا چونکہ اس جملہ کے تکلم میں خود عادت ہے دعویٰ کرنے کی نہ کہ تواضع کی اسی لئے قرآن میں بھی سمجھ گئے کہ دعویٰ میں مستعمل ہے حالانکہ یہاں تواضع مقصود ہے اور دونوں کے قصد میں لہجہ بھی جدا جدا ہوتا ہے تو بھائی یہ غلطی تو تمہاری ہے کہ بلہجہ دعویٰ پڑھ کر دعویٰ مراد لے لیا تو گویا تم نے معانی کو تابع لہجہ بنا دیا دعویٰ کا کیوں اختیار کیا لہجہ انقیاد کا کیوں نہ اختیار کیا؟

پھر اننی مسلم نہیں۔ فرمایا کہ اس میں تفرد کا شبہ ہوتا کیوں کہ بڑے کا تو غلام بننا بھی فخر ہے تو اس صورت میں پھر شائبہ عجب کا رہ جاتا کہ یہ شخص یہ سمجھتا کہ تنہا میں ہی فرمانبردار ہوں سبحان اللہ قرآن مجید میں بھی علوم کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں تو اننی من المسلمین میں ایک وجہ دلالت علی التواضع کی تو مادہ کے اعتبار سے تھی اور ایک وجہ صیغہ کے اعتبار سے ہے کہ اس سے اشارہ اس امر کی طرف کر دیا کہ کام کرنے والے بہت ہیں کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں ایک ہی ہوں کبھی نخرہ پیدا ہوتا کہ میں نہیں کروں گا تو کام رک جائے گا یہ لفظ بھی بتلا رہا ہے کہ وہاں بہت سے غلام ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

اگر ایک غلام نے فرمانبرداری نہ کی تو اس نے اپنا ہی کچھ کھویا پھر اس جگہ تو ہر واحد کے اعتبار سے بتایا کہ ایک شخص کے چھوڑ دینے سے ہمارا کام نہیں رک سکتا۔

اب آگے بقیہ آیات کا ترجمہ بھی بیان کئے دیتا ہوں۔ ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ یعنی اچھائی اور برائی برابر نہیں ہے یہاں سوال ہوتا ہے کہ اوپر تو دعوت الی اللہ کا ذکر تھا یہاں یہ بیان ہے کہ نیکی بدی برابر نہیں ہے آخر اس جملہ کو سیاق وسباق سے کیا مناسبت۔ آگے ارشاد ہے ادفع بالتی ھی احسن یعنی مدافعت کیجئے اس طریقے سے جو اچھا ہو یہ بھی بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اخلاق کی تعلیم ہو رہی ہے۔

جواب یہ ہے کہ اصل تعلق تو دعوت الی اللہ کے معمول سے ادفع بالتی ھی احسن کا ہے اس طرح سے کہ جو شخص دعوت کے لئے کھڑا ہوتا ہے عموماً اس کی مخالفت ہوتی ہے لوگ برا بھلا کہتے ہیں ممکن ہے کہ اس وقت اس میں بھی ہیجان پیدا ہوتا ہو اور یہ بھی بدی کے بدلے بدی کر بیٹھے اس لئے ایسے واقعات کے پیش آنے سے پہلے ہی تعلیم فرماتے ہیں کہ اخلاق درست کرو اپنے میں ضبط اور صبر پیدا کرو یہ معنی ہوئے ادفع بالتی ھی احسن کے یعنی ادفع السیئۃ بالحسنۃ کہ کوئی برائی کرے تو اسے نیکی کر کے دفع کر دو پس اصل تعلق تو جملہ ادفع کا ہے باقی لاتستوی الحسنۃ یہ اس کی تمہید ہے یعنی بتلانا تو مقصود ہے ادفع بالتی کا مگر تمہید میں پہلے ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں کہ دیکھو نیکی اور بدی اثر میں برابر نہیں ہوتی یعنی اگر برائی کا انتقام برائی سے لے لیا تو اس کا اثر اور ہوگا اور اگر ٹال دیا تو اس کا اثر اور ہوگا۔ اور وہ اثر یہ ہوگا کہ

فاذا الذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم

جس شخص کے اور تمہارے درمیان میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے گاڑھا دوست۔ مطلب یہ کہ دعوت الی الاسلام کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ مخالفین بھڑکیں نہیں کیونکہ اگر بھڑکے۔ تو اس کا شر اور بڑھے گا پہلے چھپی ہوئی عداوت کرتا تھا تو اب کھلی ہوئی کرے گا تو اس عداوت سے اور شر سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ ٹال دو اور انتقام لینے کی فکر نہ کرو تو دشمن دوست بن جاوے گا اور پھر وہ اگر تمہیں مدد بھی نہ دے گا تو تمہاری کوششوں کو روکے گا بھی نہیں اور دعوت الی اللہ کا کام مکمل ہوگا۔

یہاں اس کے متعلق ایک شبہ ہے کہ ہم بعض جگہ دیکھتے ہیں کہ باوجود اس رعایت کے بھی وہ دوست نہیں بنتا بلکہ اپنے شر اور فساد میں اسی طرح سرگرم رہتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بقاعدہ عقلیہ ایک شرط ملحوظ ہے وہ یہ کہ بشرط سلامۃ الطبع کہ وہ شر سے اس وقت باز رہے گا جبکہ سلیم الطبع ہو اور اگر سلامت طبع کی قید نہ ہو تو اس وقت یہ جواب ہے کہ ولی حمیم نہیں بلکہ کانہ ولی حمیم فرمایا ہے تشبیہ کا حاصل یہ ہوگا کہ کچھ نہ کچھ شر ہی میں کمی رہے گی اور اگر تم انتقام لوگے تو گو اس وقت یہ عدم قدرت کی وجہ سے خاموش ہو جاوے گا مگر در پردہ کینہ مضمر

(c) ketabton.com: The Digital Library

رکھے گا اور حتی الامکان لوگوں سے تمہارے خلاف سازش کرے گا جس کو غلطی سے آدمی کبھی یوں سمجھ جاتا ہے کہ انتقام اصلح ہوا تو ایک ادب یہ بتانا تبلیغ کا کہ صبر وضبط سے کام لیا جائے اور جو ناگوار امور مخالفین کی طرف سے پیش آویں انہیں برداشت کیا جاوے اور یہ مدافعت سیہ بالحسنۃ چونکہ کام تھا نہایت مشکل اس لئے اس کی ترغیب کے لئے فرماتے ہیں۔

وما یلقاها الا الذین صبرو اوما یلقاها الاذوحظ عظیم

اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل ہیں اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے تو اس مدافعت کی ترغیب دو وجہ سے دلائی گئی ہے ایک باعتبار اخلاق کے کہ ایسا کرنے میں صابرین میں شمار ہوگا اور ایک باعتبار اجر وثواب کے ایسا کرو گے تو اجر عظیم کے مستحق ہو جاؤ گے۔

اب اس میں ایک مانع بھی تھا یعنی دشمن شیطان جو ہر وقت لگا ہوا ہے اس کا بھی علاج بتاتے ہیں۔

ومن احسن قولاً ممن دعآ الی الله و عمل صالحاً و قال اننی من المسلمین.

ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو بلاوے طرف اللہ کے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

تکمیلِ ایمان کے تین اجزا

اس میں تکمیل ایمان کے لئے تین اجزاء مذکور ہیں۔ ایک دعوت الی اللہ کہ دوسروں کو بھی اللہ کی طرف بلائے۔ امر بالمعروف کرے۔ یعنی لوگوں کو اسلام کی دعوت دے اور مسلمانوں کو طاعات کی ترغیب دلائے دوسرے یہ کہ خود بھی اعمال صالحہ اختیار کرے۔ محض نفس ایمان پر اکتفا نہ کرے۔ تیسرے یہ کہ یوں کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

اس تیسرے جملہ پر بظاہر یہ اشکال ہوگا کہ **دعا الی الله و عمل صالحاً** کے بعد اس کی کیا ضرورت رہی۔ کیوں کہ دعوت الی اللہ اور عمل صالحہ بدوں اسلام کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اسلام تو اس کے لئے پہلی شرط ہے پھر جو شخص اللہ کی طرف بلائے گا وہ خود بھی ضرور مسلمان ہوگا۔ اس سے خود اس کا مسلمان ہونا مفہوم ہو گیا۔

نیز اس سے پہلے بھی جو فضائل نفس ایمان کے مذکور ہیں وہ بھی اسلام کو مقتضی ہیں۔ بدوں اسلام کے نہ جنت مل سکتی ہے نہ بشارتیں حاصل ہو سکتی ہیں تو اب **وقال اننی من المسلمین** کو اخیر میں کیوں بیان کیا گیا؟ اس کو تو تکمیل استقامت میں دخل نہیں بلکہ نفس استقامت ہی اس پر موقوف ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہاں اسلام من حیث ہو الاسلام کا قبول کرنا مراد نہیں کیوں کہ واقع یہ تو پہلے کلام سے مفہوم ہو چکا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کو اپنے اسلام کے ظاہر کرنے سے عار نہیں آتا بلکہ فخر کے طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور یہ بات نفس اسلام سے زائد ہے۔ یہ اسی کو حاصل ہوتی ہے جس کا اسلام

(c) ketabton.com: The Digital Library

کامل ہو۔ لہٰذا اس کو تکمیل اسلام میں دخل ہوا۔ کیونکہ بعض لوگ مسلمان تو ہوتے ہیں مگر ان کو کفار کے سامنے اظہار اسلام سے عار آتا ہے۔

چنانچہ ایک صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ریل میں ایک بار نماز کا وقت آ گیا تھا۔ مگر میں نے وہاں اس لئے نماز نہیں پڑھی کہ ہندوؤں کے سامنے الناسید عا ہونے سے اسلام کی تحقیر ہوتی۔ کہ یہ لوگ اپنے دل میں کیا کہیں گے کہ اسلام میں یہ کیسی تعلیم ہے یہ شیطان کی تلبیس تھی کہ اس نے اس ترکیب سے ترک نماز کو اس کے ذہن میں آراستہ کر دیا۔

آگے اسی کے متعلق ایک بات فرماتے ہیں جو اسی آیت کے لئے کالجزو ہے مستقل مضمون نہیں۔ وہ یہ کہ اوپر دعوت الی اللہ کا امر تھا اور دعوت الی اللہ میں بعض دفعہ کفار یا فجار ایذاء پہنچاتے ہیں۔ اس کے متعلق ایک دستور العمل تعلیم فرماتے ہیں اور وہ تعلیم تو ادفع بالتی ھی احسن سے شروع ہوگی مگر اس سے پہلے مقدمہ کے طور پر ایک قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں۔

ولا تستوی الحسنۃ والسیئۃ

یعنی یہ قاعدہ یاد رکھو کہ بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوتی۔ اس سے یہ بھی سمجھ لو کہ اچھا برتاؤ اور برا برتاؤ برابر نہیں ہوتا پس تم کو دعوت میں عمدہ برتاؤ اختیار کرنا چاہیے وہ کیا ہے؟ آگے اس کا دنیوی فائدہ بتلاتے ہیں۔

ادفع بالتی ھی احسن

یعنی مخالفت کے برے برتاؤ کو اپنے اچھے برتاؤ سے دفع کرو بدی کا علاج بھلائی سے کرو۔ اگر وہ سختی کریں تو تم نرمی کرو ان کے ساتھ خشونت سے پیش نہ آؤ۔

فاذا الذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم

یعنی پھر دیکھ لینا کہ تم میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے کانہ ولی حمیم میں لفظ تشبیہ سے اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ بعض لوگ تو نرمی کرنے سے بالکل ہی درست ہو جاتے ہیں اور بعض اگر دوست نہیں ہوتے لیکن ان کی عداوت ضرور گھٹ جاتی ہے اور شر میں تقلیل ہو جاتی ہے اور اس امر میں وہ دوست کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ گو دلی دوست نہ ہو مگر اس میں ایک شرط ہے جس کو میں بھول گیا تھا اپنی تفسیر کو دیکھا تو اس میں اس تمام پر سلامت حس کی قید بڑھائی ہے یعنی یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر مخاطب کی طبیعت میں سلامتی ہوئی تو اس برتاؤ کا یہ اثر ضرور ظاہر ہوگا اور یہ قید دلیل عقلی سے پائی گئی ہے پس اب یہ اشکال نہ رہا کہ بعض دفعہ ہم دشمن سے کتنی ہی نرمی کرتے ہیں مگر عداوت بڑھتی ہی جاتی ہے جواب ظاہر ہے کہ وہ شخص کج طبع ہے اس لئے اثر نہیں ہوا سلیم الطبع ہوتا تو ضرور جھک جاتا۔

آگے فرماتے ہیں کہ بدی کا بدلہ بھلائی سے کرنا ہر ایک کو آسان نہیں بلکہ یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

جو بڑا مستقل مزاج اور صاحب نصیب ہے یعنی جو اخلاقی اعتبار سے مستقل اور ثواب آخرت کے اعتبار سے صاحب نصیب ہے اس میں اس معاملہ کا طریقہ بتلا دیا کہ اپنے اندر استقلال کا مادہ پیدا کرو اور آخرت کے حصہ کو دل میں جگہ دو۔ پھر یہ سب کچھ آسان ہو جائے گا۔

آگے فرماتے ہیں کہ اگر کسی وقت شیطان کی طرف سے (غصہ کا) وسوسہ آنے لگے تو فوراً اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے اس میں غصہ کا علاج بتلایا گیا ہے کہ غصہ کے وقت زبان سے اعوذ باللہ پڑھنا چاہیے اور اس دل سے اس کے مضمون پر غور کرنا چاہیے کہ جیسے ہم دوسرے پر غصہ کرتے ہیں اور اس وقت بظاہر اس پر زبردست ہیں ایسے ہی ہمارے اوپر بھی ایک زبردست ہے جس کی پناہ کی ہم کو ضرورت ہے۔

اس کے بعد ایک مراقبہ کی تعلیم ہے جس کے عمل کرنے سے غصہ وغیرہ کا دفع کرنا بہت سہل ہو جائے گا انه هو السمیع العلیم۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو خوب سنتے اور تمہارے اعمال واحوال کو خوب جانتے ہیں اس لئے جو بات کرو اور جو کام کرو سنبھل کر کرو غصہ میں جلدی سے کچھ کام نہ کرو مبادا حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کام ہو جائے تو گرفت ہو۔

وما یلقاها الا الذین صبروا وما یلقاها الا ذو حظ عظیم.

اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل ہیں اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے تو اس مدافعت کی ترغیب دو وجہ سے دلائی گئی ہے ایک باعتبار اخلاق کے کہ ایسا کرنے میں صابرین میں شمار ہوگا اور ایک باعتبار اجر وثواب کے ایسا کرو گے تو اجر عظیم کے مستحق ہو جاؤ گے۔

اب اس میں ایک مانع بھی تھا یعنی دشمن شیطان جو ہر وقت لگا ہوا ہے اس کا بھی علاج بتاتے ہیں۔ واما ینزغنک من الشیطن نزغ فاستعذ باللہ

اگر آپ کو شیطان کی طرف سے وسوسہ آوے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے یعنی بعض اوقات مخالفین کی باتوں پر شیاطین غصہ دلاتے ہیں اور اس وقت صبر کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے تو ایسے وقت کے لئے فرماتے ہیں کہ فاستعذ باللہ خدا کی پناہ میں چلے جاؤ یہ مطلب نہیں کہ صرف زبان سے اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔ مطلب یہ ہے کہ خدا سے دل سے دعا کرو کہ وہ شیطان کے وسوسہ کو دور کر دے اور صبر پر استقامت دے انه هو السمیع العلیم بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے یعنی وہ تمہاری زبان سے پناہ مانگنے کو بھی سنیں گے اور دل سے پناہ مانگنے کو بھی جانیں گے اور پھر تم کو پناہ دیں گے اور مدد کریں گے اور شیطان کو دفع کر دیں گے ان آیات میں حق تعالیٰ نے پورے پورے آداب اور مکملات دعوت الی اللہ کے اور اس کے طریقے سب بتا دیئے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ

ترجمہ: یادرکھو کہ وہ ہر چیز کو (اپنے علم کے) احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

تفسیری نکات

آغوش رحمت

اگر کوئی معشوق اپنے عاشق سے یہ کہے کہ کہو تم مجھے گود میں لیتے ہو یا میں تمہیں گود لے لوں تو واللہ اگر کچھ سلامتی فہم ہے تو کہے گا کہ میری ایسی قسمت کہاں تو مجھے بغل میں لے کے بیٹھے اس لئے کہ بغل میں لینے والا تو محب ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ اگر کسی کو تمنا ہوتی تو محیط ہونے کی ہوتی ہے خدا کی عنایت ہے کہ وہ تمہیں بغیر تمہاری تمنا کے آغوش رحمت میں ایسا گھیرے ہوئے ہے کہ تم کسی آن میں اس سے باہر نہیں ہو سکتے اس سے بڑھ کر اب اور مجالست کیا ہوگی اتنی بڑی دولت کے ہوتے ہوئے تم یہ چاہتے ہو کہ ثمرات ہوں احوال ہوں ذوق ملے شوق ملے اس کی ایسی مثال ہے کہ

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ   پائے بوسی اندریں دم شد گناہ

ترجمہ: بادشاہ اگر دست بوسی کے واسطے کسی کو ہاتھ دیدے تو اس وقت میں قدم چومنا جرم ہے)

سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ۚ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: کوئی چیز اس کے مثل نہیں اور وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے

تفسیری نکات

کوئی چیز حق تعالیٰ کے مماثل نہیں

کہ حق تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں اس لئے خدا کا ہاتھ ہمارے اور تمہارے ہاتھ جیسا نہیں ہے دیکھئے یہاں حق تعالیٰ نے لیس ھو کمثل شیء نہیں فرمایا کیونکہ حق تعالیٰ تو قدیم ہیں ان میں یہ احتمال ہی نہیں ہوسکتا کہ ان کا وجود کسی شیء کے وجود کی مماثلت پر قائم ہوا ہو اس لئے لیس ھو کمثل شیء کہنے کی ضرورت نہ تھی ہاں دوسری اشیاء حق تعالیٰ کے وجود سے متاخر ہیں ان میں یہ احتمال ہوسکتا تھا کہ شاید ان میں سے کسی شی کا وجود یا صفت ذات حق تعالیٰ کے وجود یا ذات وصفات کی مثل بنائے گئے ہوں اس کی نفی فرمادی گو مماثلت طرفین سے ہوتی ہے اور جب ایک طرف سے مماثلت کی نفی ہوگی تو جانب آخر سے بھی نفی ہوگی اس لئے لیس کمثلہ شیء کا مفہوم لیس ھو کمثل شیء کے معنے کو بھی مستلزم ہے مگر پھر بھی جو صورت نفی تشبیہ کی قرآن میں ہے وہ اکمل ہے جس کا نکتہ میں نے بتلادیا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے جو شخص خدا کی طرف رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دیتا ہے۔

تفسیری نکات

سلوک و جذب

اجتباء بمعنے جذب ہے یہاں اصطلاح لغت کے موافق ہے یہاں حق تعالیٰ نے جذب کو تو اپنی مشیت پر رکھا ہے کہ جس کو ہم چاہتے ہیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں وہ وعدہ عام نہیں فرمایا اور ہدایت کی انابت پر مرتب فرمایا ہے جو مراد ہے سلوک کا اور فعل ہے عبد کا حاصل یہ ہوا کہ جو شخص بھی حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنے اختیار سے اعمال قرب کو اختیار کرتا ہے حق تعالیٰ اس کو وصول الی المقصود سے کامیاب فرمادیتے ہیں اور یہ عام طریقہ ہے اس میں کسی کی خصوصیت نہیں۔

یہاں یہ حقیقت سمجھنے کے قابل ہے کہ اس جگہ ہدایت سے مراد ایصال ہے جس سے معلوم ہوا کہ انابت سلوک پر ایصال ضرور مرتب ہوتا ہے اور ایصال کا حاصل بھی وہی ہے جو اجتباء کا حاصل ہے صرف اتنا فرق ہے کہ اجتباء عمل سے مقدم ہے اور اس میں عمل کو کچھ دخل نہیں اور ایصال عمل سے مؤخر ہے۔ اس میں انابت و سلوک عبد کو بھی بظاہر کچھ دخل ہے تو معلوم ہوا کہ جذب ہی کی دو قسمیں ہیں ایک قبل العمل ایک بعد العمل۔ مگر زیادہ وقوع جذب بعد العمل کا ہے عادۃ اللہ یہی ہے کہ سلوک یعنی عمل مقدم ہوتا اور جذب موخر ہوتا ہے کبھی اس کا بھی وقوع ہوا ہے کہ عمل سے پہلے جذب ہوگیا اور جذب کے بعد عمل مرتب ہوا سو اس جذب قبل العمل کے واقعات دیکھ کر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ سلوک و عمل بے کار ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ عمل علت تامہ وصول کی نہیں بلکہ شرط اکثری ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ یوں کہے کہ علاج کو صحت میں دخل نہیں اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ علت نہیں تو صحیح ہے کیونکہ صحت علاج کے بعد ضروری نہیں ممکن ہے کہ ایک شخص علاج کرے اور صحت نہ ہو اور اگر مطلق سبیت کی نفی مراد ہے تو غلط ہے کیونکہ سبیت فی الجملہ مشاہد ہے یہی حال اعمال کا ہے کہ ان کو وصول و قرب میں علیت کا تو دخل نہیں باقی سبیت کی نفی نہیں ہوسکتی۔

یہی مطلب ہے حدیث لا یدخل الجنة احد بعمله کا نہیں داخل ہوگا کوئی جنت میں عمل کے استحقاق کی بناء پر کہ اس میں بھی علیت اعمال کی نفی ہے اور مقصود اس سے عجب کا علاج ہے کہ کوئی شخص عمل

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرے اترائے نہیں کہ میں نے اپنے عمل سے جنت لے لی کیونکہ اول تو عمل کے بعد بھی جذب کی ضرورت ہے اور جذب کا مدار مشیت حق پر ہے سلوک کے بعد بھی وہی پہنچتا ہے جس کو حق تعالیٰ پہنچادیں کیونکہ وصول عبد کے اختیار سے خارج ہے اس کا مدار ایصال حق پر ہے جو حق تعالیٰ کا فعل ہے اور گو سلوک پر ایصال کا ترتب عادۃً ضرور ہوتا ہے مگر جو شئے عادۃً ضروری ہو اور عقلاً لازم نہ ہو اس کو عمل کا معلول نہیں کہہ سکتے اگر وہ عمل کا معلول ہوتا تو عقلاً بھی علت کے بعد اس کا وجود لازم ہوتا اور یہاں ایسا نہیں ورنہ فعل واجب کا معلل ہونا لازم آئے گا اور یہ دلائل سے باطل ہے دوسرے علت و معلول میں مناسبت بھی شرط ہے جزائے عظیم کا ترتب عمل عظیم ہی پر ہوسکتا ہے تو جس درجہ جزاء عظیم ہے عمل بھی اسی درجہ عظیم ہونا چاہیے تو اب دیکھ لو کہ جنت کس درجہ عظیم ہے اور تمہارا عمل کیسا ہے جنت تو کماً و کیفاً ہر طرح عظیم ہے کماً تو اس کی عظمت یہ ہے کہ غیر متناہی ہے اور کیفاً اس کی یہ شان ہے کہ لاخطر علی قلب بشر (کسی انسان کے وہم وگمان میں بھی نہیں گزرا)

اور ہمارے اعمال کی یہ حالت ہے کہ کماً تو متناہی ہیں اور کیفاً ناقص

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور ان دونوں میں جو حیوانات پھیلائے ہیں اور وہ ان (خلائق) کے جمع کر لینے پر بھی جب وہ (جمع کرنا) چاہے قادر ہے۔

تفسیری نکات

مجموعہ ارض وسماء

مفسرین نے تو اس میں یہ تاویل کی ہے کہ مراد مجموعہ ارض وسما ہے کہ مجموعہ میں دواب پیدا کئے اور مجموعہ پر حکم ایک جزو کے اعتبار سے بھی صحیح ہے چنانچہ یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان میں مفسرین نے یہی تاویل کی ہے بہر حال ممکن ہے کہ سیارات میں بھی کوئی حیوانی مخلوق ہو اور اس سے اہل سائنس کا غرور تو ٹوٹا کیونکہ وہ اہل مریخ کو اپنے سے عقل مانتے ہیں پھر اس کے ساتھ سماوات اور اجرام علویہ کی مخلوق ملا لو اور اس کے بعد کشف کو بھی ملا لو تو عبدالکریم جیلی کا کشف ہے کہ ایک دریا زمین و آسمان سے باہر ہے جس کی ایک موج ساتوں آسمان و زمین سے دس لاکھ حصہ زیادہ ہے اگر اس کی موج آسمان و زمین کے ساتھ ٹکرا جائے تو سب غرق ہو جائیں مگر ملائکہ اس کی موجوں کو تھامے ہوئے ہیں تا کہ آسمان اور زمین سے نہ ٹکرائیں اور اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

دریا میں نہ معلوم کتنی مخلوق دریائی ہوگی تو حق تعالیٰ کی کیسی قدرت ہے کہ اپنی تمام مخلوق کی حفاظت اور کافی انتظام فرماتے ہیں اور واقعی اگر وہ حفاظت نہ فرمائیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں چنانچہ اس حفاظت پر اپنا ایک واقعہ یاد آ گیا ایک رات اندھیرے میں خانقاہ سے میں اپنے گھر گیا تو گھر کا راستہ بھول گیا اور کسی کے گھر پہنچ گیا بڑی دقت سے گھر کا راستہ ملا اس وقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور عظمت منکشف ہوئی پس یہ فائدے ہیں مصائب میں کہ ان سے استحضار وعظمت ہوتا ہے کیونکہ رنج وتکلیف اور بیماری میں عظمت حق زیادہ منکشف ہوتی ہے اور اس کے مقابل اپنا عجز بھی زیادہ منکشف ہوتا ہے پس مصائب سے انسان پر عبدیت کا غلبہ ہوتا ہے اور عبدیت اعلیٰ مقام ہے اور یہ مصائب میں زیادہ حاصل ہوتا ہے اسی لئے کسی نے کہا ہے

اہلکاران بوقت معزولی شبلی وقت و بایزید شوند
بازچوں میر سند برسر کار شمر ذی الجوشن ویزید شوند

عجائبات قدرت کا علم

بعض لوگ جو مریخ میں جانا چاہتے ہیں ہم تو اس ارادہ سے خوش ہیں کیونکہ ہمارے بہت سے کام نکلیں گے اول تو معراج سے اشکال رفع ہوگا دوسرے اخبارات میں وہاں کے حالات پڑھیں گے تو عجائبات قدرت کا علم ہو گا اور شرعاً وہاں آبادی کا ہونا محال نہیں کیونکہ شریعت نے اس کی نفی نہیں کی بلکہ غالب تو یہی ہے کہ سکوت کیا ہے اور احتمال کے درجہ میں بعض نصوص میں اس مسئلہ کو داخل بھی کر سکتے ہیں کیونکہ قرآن میں ایک مقام پر ارشاد ہے۔

ومن ایتہ خلق السموات والارض ومابث فیھما من دآبۃ

"کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور ان دونوں میں جو حیوانات پھیلائے ہیں (اور دآبہ کا اطلاق ملائکہ پر نہیں ہوتا)

شیطان کی مثال

شیطان کی تار بجلی جیسی ہے کہ اس کو ہاتھ ہی نہ لگاؤ نہ جلب کے نہ دفع کے لئے ورنہ تم کو لپٹ جائے گا بلکہ اس کو منہ بھی نہ لگاؤ اس کی التفات بھی نہ کرو۔ تم نے اس شیطان سے ڈر کر اس کا دماغ بگاڑ دیا اس سے بالکل نہ ڈرو اور اس کو منہ ہی نہ لگاؤ۔ انہ لیس لہ سلطان علی الذین امنوا وعلی ربھم یتوکلون انما سلطانہ علی الذین یتولونہ والذین ھم بہ مشرکون جن کا خدا پر بھروسہ ہے جو خدا پر نظر رکھتے ہیں ان پر شیطان کا ذرا بھی قابو نہیں اس کا قابو انہی پر چلتا ہے جو اس سے کچھ واسطہ رکھتے ہیں اس کو منہ لگاتے ہیں لیس لہ سلطان میں نکرہ تحت النفی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ پر نظر رکھنے والوں پر اس کا ذرا بھی قابو

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں تم اس کو منہ لگا کر قبضہ اپنے اوپر بڑھاتے ہو پس ذکر لسانی وذکر جہر میں وسوسہ ریا کا اندیشہ نہ کرو اس پر التفات ہی نہ کرو اور اگر شیطان یہ کہے کہ ذکر ریائی بے فائدہ ہے تو کہہ دو کہ تو غلط کہتا ہے یہ بھی ایک واسطہ سے مفید ہے۔ غالباً حضرت حاجی صاحبؒ کی حکایت ہے کہ ان سے ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص ریا سے ذکر کرتا ہے فرمایا وہ تجھ سے اچھا ہے اس کا یہی ذکر ریائی ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ بن کر اسے پل صراط سے پار کردے گا اور تیرے پاس تو ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی نہیں اور وہ واسطہ یہ ہے کہ ریا سے آگے چل کر اخلاص بھی پیدا ہو جاتا اور یہ جواب پوری کامیابی نہ ہونے میں مگر پوری ناکامی بھی نہ ہونے میں ایسا ہے جیسا مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک معترض کو جواب دیا تھا۔ اس نے بعض اکابر دین پر جو ایک بڑے کام میں شریک ہوئے تھے مگر ناکام رہے اعتراض کیا تھا کہ ان لوگوں نے خواہ مخواہ اپنے کو تباہ کیا ان کو کیا حاصل ہوا مولانا نے فرمایا۔

سود اقمار عشق شیریں سے کوہ کن بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہہ عشق باز اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

مگر اتنا کہے دیتا ہوں کہ ان حضرات کو اپنی سعی میں کامیابی کی توقع غالب تھی اس لئے ان کا وہ فعل موجب اجر تھا گو ناکام رہے اور اگر کامیابی کی توقع غالب نہ ہو جیسا کہ اس وقت حال ہے تو ایسے افعال جائز نہیں نہ ان میں اجر ہے۔ یہ گفتگو اس بات پر طویل ہوگئی کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں قالوا انا للہ فرمایا ہے عملہ واعتقدوا نہیں فرمایا تو میں نے بتلا دیا کہ قول میں خاص اثر ہے جو مجرد علم میں نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مصائب کے وقت ہم کو اس مضمون کے استحضار و تکرار کی تعلیم دی ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ بتلا رہا ہے کہ وہ ہم کو راحت دینا چاہتے ہیں پریشانی میں نہیں رکھنا چاہتے پس احکام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے لئے آسانی چاہتے ہیں اور معاملات سے بھی اور ان کی صفات سے بھی رحمت و شفقت ورافت کا غلبہ ہوتا ہے چنانچہ جابجا ان اللہ غفور رحیم. ان اللہ بکم لرؤف رحیم موجود ہے

ہرچہ می گویند آں بہتر ز حسن یار ما ایں دارد وآں نیز ہم

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان حسن سے بہتر ہے۔ ہمارا محبوب یہ آن بھی رکھتا ہے اور حسن بھی۔

اب تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو پریشانی سے بچانا چاہتے ہیں ایک مقام پر فرماتے ہیں لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ حدیث میں ہے سددوا وقاربوا استقیموا ولن تحصوا ولن یشاد الدین احدالا علیہ او کما قال جو شخص مشقت میں پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ہی بڑھا دیتے ہیں اس کا ترجمہ فارسی میں کسی نے خوب کہا ہے

گفت آساں گیر خود کار کز روی طبع سخت می گیرد جہاں برمرد مال سخت کوش

ترجمہ: (التفسیر للتفسیر ملحقہ مواعظ تدبیر (توکل) ص ۳۱۰ تا ۳۱۳)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اور تم کو (اے گناہ گارو) جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے اور بہت سی تو درگزر کر دیتا ہے۔

تفسیری نکات

انسان کی بداعمالی کے نتائج

تو دیکھئے مسبب واحد ہے اور سبب مختلف مگر ہر ایک کا اثر جدا ہے جو دباؤ عداوت کی وجہ سے پڑا ہے اس کا دوسرا اثر ہے اور جو محبت کی وجہ سے ہے اس کا دوسرا اثر ہے جب یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ ایک مسبب کے لئے مختلف اسباب بھی ہوا کرتے ہیں تو اب سنئے کہ آپ نے اب تک صرف ایک سبب کو سنا ہے۔ ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم کہ جو مصیبت آتی ہے وہ انسان کی بداعمالیوں کی وجہ سے آتی ہے۔ دوسرا سبب بھی تو سنئے حدیث میں ہے اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل کہ سب سے زیادہ سخت بلا انبیاء پر آتی ہے۔ پھر ان لوگوں پر جو ان کے بعد دوسروں سے افضل ہوں وعلی ہذا معلوم ہوا کہ کلفت کا سبب فقط ایک ہی نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام یقیناً گناہوں سے معصوم ہیں تو ان پر گناہوں کی وجہ سے کلفت ورنج کا آنا ممکن نہیں لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ کبھی رفع درجات کے لئے بھی کلفت پیش آتی ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت گناہ کی وجہ سے آتی ہے کیونکہ ما اصابکم من مصیبة یعنی جو بھی تم کو مصیبت پہنچتی ہے سے عموم مستفاد ہوتا ہے اور فبما کسبت ایدیکم تمہارے ہی ہاتھوں کی کرتوت سے پہنچتی ہے۔ ظاہرا حصر معلوم ہوتا ہے۔ اب اس آیت کو اس حدیث سے تعارض ہو گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا رفع درجات کے لئے بھی آتی ہے اور ظاہر ہے کہ حدیث وقرآن میں تعارض کے وقت قرآن ہی کو ترجیح ہوگی پس یہی ثابت ہوا کہ گناہ ہی کی وجہ سے مصیبت آتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ تعارض کچھ نہیں اور اس شبہ تعارض کا جواب خود اسی آیت میں موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے ما اصابکم من مصیبة کہ جو کچھ تم کو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے کرتوت سے آتی ہے تو یہاں مصیبت کا لفظ ہے اور حدیث میں مصیبت کا لفظ نہیں ہے وہاں بلا کا لفظ ہے۔ پس آیت کا حصر بالکل صحیح ہے کیونکہ مصیبت مذنبین (گناہگاروں) کو آتی ہے اور اہل مصیبت گناہگار ہی لوگ ہیں۔ ان پر جب مصیبت آتی ہے گناہوں ہی کی وجہ سے آتی ہے اور مقبولین اہل مصیبت نہیں ہیں وہ اہل بلا ہیں ان پر جب بلاء آتی ہے رفع درجات اور زیادہ بڑھانا محبت کے لئے آتی ہے اور مصیبت اور بلا میں صورۃ فرق کم ہوتا ہے ظاہر میں دونوں ایک ہی معلوم ہوتی ہیں مگر آثار میں دونوں کے بڑا فرق ہوتا ہے۔ جس

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں کی حقیقت بھی الگ الگ ہیں پس مصیبت کی حقیقت ہی سزا اور انتقام اور بلاء کی حقیقت ہے محبوبانہ چھیڑ چھاڑ اور امتحان۔ محبوب کے دبانے اور بھینچنے کو مصیبت کوئی نہیں کہا کرتا پس انبیاء اور مقبولین پر بلا آیا کرتی ہے مصیبت نہیں آیا کرتی اور بلا کے معنی لغت عربی میں آزمائش اور امتحان کے ہیں۔

مااصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم

صورت مصیبت اور حقیقت مصیبت

کہ تم پر جو مصیبت بھی آتی ہے تمہارے اعمال کی وجہ سے آتی ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بھی حوادث کا نزول ہوا اور بعض انبیاء کو قتل تک کیا گیا اور موت کو قرآن میں بھی مصیبت کہا گیا ہے۔ **فاصابتکم مصیبة الموت**

نیز غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک پر صدمہ آیا۔ سر میں زخم آیا تو کیا نعوذ باللہ حضرات انبیاء سے بھی کوئی گناہ سرزد ہوا تھا جس کی وجہ سے ان پر یہ مصائب نازل ہوئے اہل حق کا تو مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں گناہوں سے پاک ہیں حشویہ نے انبیاء کی قدر نہیں کی وہ ان کو معصوم نہیں مانتے ہیں۔

میں کہتا ہوں حشویہ کا یہ قول نقل کے تو خلاف ہے ہی عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ دنیا کے حکام بھی جس کے سپرد کوئی عہدہ کرتے ہیں تو انتخاب کر کے اس کو حاکم بناتے ہیں تو کیا خدا تعالیٰ کے یہاں عہدہ نبوت کے لئے انتخاب نہیں یا ان کا انتخاب ایسا غلط ہے کہ ایسے اشخاص کو نبوت کا عہدہ دے دیا جاتا ہے کہ اوروں کو قانون کا پابند بنادیں اور خود قانون کے خلاف کریں عقل کبھی اس کو باور نہیں کر سکتی۔

پس جواب اشکال کا یہ ہے کہ انبیاء کو جو کچھ پیش آیا وہ مصیبت نہ تھی بلکہ صورت مصیبت تھی اور یہ محض تاویل ہی نہیں بلکہ اس کی ایک دلیل ہے میں آپ کو ایک معیار بتلاتا ہوں جس سے حقیقت مصیبت اور صورت مصیبت میں فرق معلوم ہو جائے گا وہ یہ کہ جس مصیبت سے انقباض اور پریشانی بڑھے تو وہ گناہوں کی وجہ سے ہے اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو تسلیم و رضا زیادہ ہو وہ حقیقت میں مصیبت نہیں۔ گو صورت اس کی ہو اب ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر خود دیکھ لے کہ مصیبت کے وقت اس کی کیا حالت ہوتی ہے اور اسی معیار کو لے کر حضرات انبیاء و اولیاء کے مصائب اور اہل دنیا کے مصائب میں موازنہ کرے تو اس کو معلوم ہو گا کہ حضرات انبیاء و اولیاء پر ان واقعات سے یہ اثر ہوتا تھا کہ پہلے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھتا اور رضا و تسلیم میں ترقی ہوتی تھی اور وہ غایت انقیاد و تفویض سے یوں کہتے تھے

اے حریفاں راہ ہا را بستہ یار　　　آہوئے لنگم واو شیر شکار
غیر تسلیم و رضا کو چارہ　　　درکف شیر نر خوں خوارہ

اور یوں کہتے ہیں

ناخوش تو خوش بود بر جان من　　دل فدائے یار دل رنجان من

یہ حشویہ کی حماقت ہے کہ انہوں نے انبیاء کو اپنے اوپر قیاس کر لیا اور کہہ دیا کہ وہ بھی ہم جیسے بشر ہیں ان سے بھی گناہ ہو جاتے ہیں ان پر بھی مصائب آتے ہیں اور یہ نہیں دیکھا کہ ہمارے مصائب میں کتنا زمین آسمان کا فرق ہے اس قیاس فاسد ہی نے مخلوق کو تباہ کیا ہے اور یہی تو وہ بات ہے جس کی وجہ سے بہت سے کفار کو ایمان نصیب نہ ہوا کیوں کہ انہوں نے انبیاء کو ظاہر دیکھ کر ان کو اپنے جیسا سمجھا مولانا فرماتے ہیں۔

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد　　کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر　　ما و ایشاں بستہ خوابیم و خور

ایں ندانستند ایشاں از عمی　　درمیاں فرقے بود بے منتہا

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ایک شخص نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے

شیر آں باشد کہ آں رام آدمی خورد　　شیر آں باشد کہ آدم رامی خورد

آغوش میں لینا دو طرح ہے ایک چور کو پکڑ کر بغل میں دبانا گو دبانے والا حسین و محبوب ہی ہو مگر چور اس دبانے سے خوش نہ ہوگا کیونکہ وہ عاشق نہیں ہے وہ اس دبانے سے پریشان ہوگا بھاگنا چاہے گا اور ایک آغوش میں لینا یہ ہے کہ محبوب اپنے عاشق کو بغل میں لے کر دبائے اور زور سے دبائے۔ اب تم اس کے دل سے پوچھو کہ وہ کیا کہتا ہے کیا وہ اس تکلیف کی وجہ سے آغوش محبوب سے نکلنا چاہے گا ہرگز نہیں بلکہ یوں کہے گا

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اسی طرح حق تعالیٰ دو طرح کے لوگوں کو دباتے ہیں ایک تو ان کو جو چور ہیں اور ایک ان کو جو اللہ تعالیٰ کے عاشق ہیں چور تو خدا کی بندش سے گھبراتا ہے اور عشاق کی یہ حالت ہے۔

اسیرش نخواہد رہائی زبند　　شکارش نجوید خلاص از کمند

اور یہ حالت ہے کہ

خوشا وقت شوریدگاں غمش　　اگر تلخ بینند و گر مرہمش

گدایاں نے از پادشاہی نفور　　بامیدش اندر گدائی صبور

دمادم شراب الم درکشند　　وگر تلخ بینند دم درکشند

اب تو آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ایک صورت مصیبت ہے ایک حقیقت مصیبت ہے حقیقت مصیبت

(c) ketabton.com: The Digital Library

تو واقعی گناہوں سے ہی آتی ہے مگر صورت مصیبت رفع درجات اور امتحان محبت کے واسطے بھی آتی ہے۔

مااصابکم من مصیبة پرشبہ کا جواب

مصیبت کی دو قسمیں ہیں ایک صورت مصیبت ایک حقیقت مصیبت۔ اس سے ایک سوال کا جواب حاصل ہو جائے گا۔ وہ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مااصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم کہ تم پر جو مصیبت بھی آتی ہے تمہارے اعمال کی وجہ سے آتی ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بھی حوادث کا نزول ہوا۔ بعض انبیاء کو قتل تک کیا گیا اور موت کو قرآن میں بھی مصیبت کہا گیا ہے۔ فاصابتکم مصیبة الموت. نیز غزوۂ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک پر صدمہ آیا۔ سر میں زخم آیا تو کیا نعوذ باللہ حضرات انبیاء سے بھی کوئی گناہ سرزد ہوا تھا؟ جس کی وجہ سے ان پر یہ مصائب نازل ہوئے۔ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں گناہوں سے پاک ہیں حشویہ (ایک باطل فرقہ) نے انبیاء کی قدر نہیں کی وہ ان کو معصوم نہیں مانتے میں کہتا ہوں حشویہ کا قول نقل کے تو خلاف ہے ہی عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ دنیا کے حکام بھی جس کے سپرد کوئی عہد کرتے ہیں تو انتخاب کر کے اس کو حاکم بناتے ہیں تو کیا خدا تعالیٰ کے یہاں عہدہ نبوت کے لئے انتخاب نہیں یا ان کا انتخاب ایسا غلط ہے کہ ایسے اشخاص کو نبوت کا عہدہ دے دیا جاتا کہ اوروں کو تو قانون کا پابند بنادیں اور خود قانون کے خلاف کریں عقل کبھی اس کو باور نہیں کر سکتی۔ پس جواب اشکال کا یہ ہے کہ انبیاء کو جو کچھ پیش آیا وہ مصیبت نہ تھی بلکہ صورت مصیبت تھی اور یہ محض تاویل ہی نہیں بلکہ اس کی ایک دلیل ہے میں آپ کو ایک معیار بتلاتا ہوں جس سے حقیقت مصیبت اور صورت مصیبت میں فرق معلوم ہو جائے گا اور وہ یہ کہ جس مصیبت سے انقباض اور پریشانی بڑھے وہ تو گناہوں کی وجہ سے ہے اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو تسلیم ورضا زیادہ ہو وہ حقیقت میں مصیبت نہیں گو صورت اس کی ہو اب ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر خود دیکھ لے کہ مصیبت کے وقت اس کی کیا حالت ہوتی ہے اور اسی معیار کو لے کر حضرات انبیاء و اولیاء کے مصائب اور اہل دنیا کے مصائب میں موازنہ کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ حضرات انبیاء و اولیاء پر ان واقعات سے یہ اثر ہوتا تھا کہ پہلے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھتا اور رضا و تسلیم میں ترقی ہوتی تھی اور وہ غایت انقیاد و تفویض سے یوں کہتے تھے۔

اے حریفاں راہ ہا بربستہ یار ۔۔۔ آہوئے لنگیم واوشیر شکار
غیر تسلیم و رضا کو چارۂ ۔۔۔ درکف شیر نرخوں خوارۂ

(اے حریفوں یار نے راستہ بند کر رکھا ہے۔ ہم لنگڑے ہرن ہیں اور وہ شکاری شیر ہے۔ بجز تسلیم ورضا کے کوئی چارہ نہیں ایسے شخص کے لئے جو خونخوار شیر کے ہاتھ میں ہے ۱۲)

اور یوں کہتے ہیں

ناخوش تو خوش بود بر جان من ۔۔۔ دل فدائے یار دل رنجان من

ناگواری بھی مجھ کو اپنے لئے گوارا ہے۔ اس لئے کہ میرا دل اپنے محبوب پر فدا ہو چکا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ حشویہ کی حماقت ہے کہ انہوں نے انبیاء کو اپنے اوپر قیاس کر لیا اور کہہ دیا کہ وہ بھی ہم جیسے بشر ہیں ان سے بھی گناہ ہو جاتے ہیں ان پر بھی مصائب آتے ہیں اور یہ نہ دیکھا کہ ہمارے اور ان کے مصائب میں کتنا زمین آسمان کا فرق ہے اس قیاس فاسد نے ہی مخلوق کو تباہ کیا ہے اور یہی تو وہ بات ہے جس کی وجہ سے بہت سے کفار کو ایمان نصیب نہ ہوا کیونکہ انہوں نے انبیاء کا ظاہر دیکھ کر ان کو اپنا جیسا سمجھا مولانا فرماتے ہیں۔

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد   کم کسے زابدال حق آگاہ شد

گفتہ ایک مابشر ایشاں بشر   ماؤ ایشاں بستۂ خوابیم و خور

ایں ندانستند ایشاں از عمےٰ   درمیان فرقے بود بے منتہا

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند درنوشتن شیر و شیر

(ہر عالم اس سبب سے گمراہ ہو گیا۔ بہت کم کوئی ابدال سے واقف ہو سکا۔ کہا اس نے کہ یہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں۔ یہ اور ہم سب نیند اور کھانے کے محتاج ہیں۔ یہ نہ جانا انہوں نے بے وقوفی سے کہ آپس میں بے انتہا فرق ہے۔ پاک لوگوں کے کام کو خود پر قیاس پر مت کر۔ اگر چہ مانند ہیں لکھنے میں شیر و شیر)

ایک شخص نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے

شیر آں باشد کہ آدم می خورد   شیر آں باشد کہ آدم می خورد

(شیر وہ ہے کہ جو آدمی کو کھاتا ہے۔ شیر وہ ہے کہ جس کو آدمی پیتا ہے)

صاحبو! آغوش میں لینا دو طرح ہے ایک چور کو پکڑ کے بغل میں دبانا گو دبانے والا حسین و محبوب ہی ہو مگر چور اس دبانے سے خوش نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ عاشق نہیں ہے وہ اس دبانے سے پریشان ہوگا۔ بھاگنا چاہے گا اور ایک آغوش میں لینا یہ ہے کہ محبوب اپنے عاشق کو بغل میں لے کر دبائے اور زور سے دبائے اب تم اس کے دل سے پوچھو کہ وہ کیا کہتا ہے کہ وہ اس تکلیف کی وجہ سے آغوش محبوب سے نکلنا چاہے گا ہرگز نہیں بلکہ یوں کہے گا

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت   سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(نہ ہو دشمن کا نصیب کہ تیری تلوار سے ہلاک ہوئے۔ دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو خنجر آزمائی کرے)

اسی طرح حق تعالیٰ دو طرح کے لوگوں کو دباتے ہیں ایک تو ان کو جو چور ہیں اور ایک ان کو جو اللہ کے عاشق ہی چور تو خدا کی بندش سے گھبراتا ہے اور عشاق کی یہ حالت

اسیرش نخواہد رہائی زبند   شکارش بخوید خلاص از کمند

(اس کا قیدی قید سے رہائی نہیں چاہتا۔ اس کا شکار جال سے خلاصی تلاش نہیں کرتا)

اور یہ حالت ہے کہ

خوشا وقت شوریدگاں غمش   اگر تلخ بینند ور مرہمش

گدایانے از بادشاہی نفور   بامیدش اندر گدائی صبور

(c) ketabton.com: The Digital Library

دمادم شراب الم درکشند وگر تلخ بینند دم در کشند

(کیا ہی اچھا وقت ہے اس کے غم کے شوریدہ حالوں کا۔خواہ تلخ دیکھتے ہیں اور خواہ اس کا مرہم۔ایسے گدا ہیں جو بادشاہی سے نفرت کرنے والے ہیں۔اس کی امید کے ساتھ گدائی میں صبر کرنے والے ہیں۔ پے بہ پے الم کی شراب پیتے ہیں۔اگر تلخ دیکھتے ہیں دم کھینچ لیتے ہیں)

اب تو آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ایک صورت مصیبت ہے ایک حقیقت مصیبت ہے۔حقیقت مصیبت تو واقعی گناہوں سے ہی آتی ہے مگر صورت مصیبت رفع درجات اور امتحان محبت کے واسطے بھی آتی ہے۔(ماخوذ البدائع)

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی (اور تکبر) کرتے ہیں ایسوں کے لئے دردناک عذاب مقرر ہے۔

تفسیری نکات

حقوق العباد کی تاکید

اس آیت میں حقوق العباد کے متعلق ایک ضروری مضمون ارشاد فرمایا گیا ہے گو سیاق وسباق کے لحاظ سے ایک خاص حق العباد کے متعلق وارد ہے مگر عموم الفاظ سے مطلقاً حقوق العباد کے متعلق ہے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کی عجیب تعلیم

بیوی کی قدر کرنا چاہیے کہ وہ دنیا اور دین دونوں کے معین ہے اور اس کے حقوق کی رعایت بہت زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس میں چند در چند خصوصیات ہیں جن میں سے ہر ایک کے بہت سے حقوق ہیں چونکہ آج کل لوگ عورتوں پر بہت ظلم کرتے ہیں اس لئے میں نے اس پر تنبیہ کرنا ضروری سمجھا اب میں آیت کا ترجمہ کرتا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں انما السبیل علی الذین یظلمون الناس و یبغون فی الارض بغیر الحق.
بس الزام تو ان ہی لوگوں پر ہے جو آدمیوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں عبارۃ النص اور مسوق لہ الکلام تو اس آیت میں انتقام کے وقت ظلم کی وعید کا بیان کرنا ہے مگر اشارۃ ابتداء ظلم کو بھی شامل ہے خواہ انتقام میں ہو یا نہ ہو کیونکہ الفاظ آیت میں عموم ہے اور اسی لئے میں نے اپنی تفسیر میں تعمیم پر تنبیہ کردی ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

بلکہ اشارہ کے ساتھ دلالۃً بھی تحریم ظلم پر دال ہے اور یہ بات بہت ہی ظاہر ہے کیونکہ انتقاماً ظلم کا حرام ہونا ابتداء ظلم کی حرمت کو بدرجہ اولیٰ مستلزم ہے کیونکہ انتقام کے وقت انسان کو جوش غضب ہوتا ہے اس لئے کہ پہلے دوسرے کی طرف سے ظلم ہو چکا ہے اور جوش میں حد سے بڑھ جانا مستبعد نہیں بلکہ حد پر قائم رہنا بھی بڑی ہمت کا کام ہے تو جب مقام عذر میں بھی ظلم کی اجازت نہیں تو جہاں کوئی سبب اور عذر بھی نہ ہو وہاں تو ظلم کی اجازت کیونکر ہو سکتی ہے لہٰذا دلالۃ النص سے بھی یہ آیت ابتداء ظلم کو شامل ہے اس کے بعد فرماتے ہیں ویبغون فی الارض اور سرکشی و تکبر کرتے ہیں زمین میں یہ اس لئے بڑھایا کہ بتلا دیا کہ ظلم کا منشا اور سبب تکبر ہے چنانچہ میں نے کہا تھا کہ حقوق العباد کے عدم اہتمام کا ایک سبب ہے وہ یہ کہ لوگوں نے تا کد حق کا سبب صرف عظمت میں منحصر کر لیا ہے جس کی عظمت دل میں ہے اس کے حقوق تو ادا کرتے ہیں اور جس کی عظمت قلب میں نہیں اس کے حقوق کو ادا نہیں کرتے اور کسی کی عظمت نہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اس کو اپنے سے حقیر سمجھا جاتا ہے اور یہی حاصل ہے تکبر کا اسی کو حق تعالیٰ نے یبغون میں بیان فرمایا ہے اور چونکہ تکبر کا مذموم ہونا عقلاً و نقلاً سب کو مسلم ہے لہٰذا اس کا علاج بھی ضرور ہوا آگے حق تعالیٰ نے فی الارض میں اس کا علاج بتلایا ہے حق تعالیٰ کی بھی عجیب تعلیم ہے کہ بیماری کے ساتھ ساتھ دوا بھی بتلاتے ہیں تمام قرآن کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جہاں کسی مرض کو بیان فرمایا ہے وہاں ساتھ ساتھ علاج بھی بتلا دیا ہے بس وہ شان ہے کہ

درد از یار است و درماں نیز ہم　　　دل فدائے اوشد و جاں نیز ہم

(مرض بھی دوست کی طرف سے اور اس کا علاج بھی دل بھی اس پر فدا ہے اور جان بھی)

حق تعالیٰ نے کائنات میں بھی یہی طرز رکھا ہے کہ جو چیز کسی بات کو مضر ہے اس کے پاس ہی مصلح بھی موجود ہے ایک سیاح کہتے تھے کہ ایک گھاس سخت زہریلی ہے جس کا نام بچھو ہے اگر کسی کو لگ جائے تو بچھو کے کاٹے کی سی لہر دوڑ جاتی ہے مگر اس کے پاس ایک دوسری گھاس بھی پیدا ہوتی ہے وہ اس کا تریاق ہے کہ جہاں اس کو ملا فوراً تکلیف زائل ہوگئی اسی طرح یہاں فی الارض میں علاج کبر پر تنبیہ کی گئی ہے کہ حیرت کی بات ہے کہ زمین پر رہ کر اور مٹی سے پیدا ہو کر تکبر کرتے ہو ذرا سوچو تو کہ تمہاری اصل کیا ہے یہی زمین تمہاری اصل ہے جس پر آدم اور چلتے پھرتے ہگتے موتتے ہیں یہ تمہاری ماں ہے پس تم کو تو خاک بن کر رہنا چاہیے ایک دوسرے مقام پر بھی حق تعالیٰ نے اس بات پر تنبیہ کی ہے منھا خلقنا کم و فیھا نعیدکم و منھا نخرجکم تارۃ اخری (اس سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو پھر لوٹائیں گے اور اسی میں سے دوبارہ تم کو نکالیں گے) اس میں بھی مراقبہ ارض کی تعلیم ہے کہ ہم نے تم کو زمین ہی سے پیدا کیا اور اسی میں لوٹا دیں گے کہ مر کر سب خاک ہو جاؤ گے سارا بدن گل سڑ جائے گا پھر کس بات پر تکبر کرتے ہوئے واقعی تکبر کا یہ عجیب علاج ہے پس ہم کو اس سے کام لینا چاہیے اور زمین کی حالت میں تفکر کرنا چاہیے اسی کو سعدیؒ نے کہا ہے

زخاک آفریدت خداوند پاک　　　پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

(خداوند تعالیٰ نے تجھ کو خاک سے پیدا کیا پس اے بندہ مثل خاک فروتنی کر)

(c) ketabton.com: The Digital Library

افسوس ہماری ماں کی تو یہ حالت ہے کہ وہ سب کے پاؤں کے تلے ہے اور ہماری یہ حالت کہ آسمان پر چڑھے جاتے ہیں صاحب یہ سارا ناز اس وقت تک ہے جب تک خدا کی نعمتیں ہمارے پاس ہیں اگر ایک نعمت بھی چھن جائے تو سارا ناز خاک میں مل جائے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

ترجمہ: (اور اسی طرح جیسا کہ اوپر بشر کے ساتھ ہم کلام ہونے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے) ہم نے آپ کے پاس بھی وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے (چنانچہ اس سے پہلے آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے اور نہ (مفصلات) یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے ولیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا ہے جس کے ذریعہ سے (بواسطہ آپ کے) ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ آپ (اس قرآن وحی کے ذریعہ) ایک سیدھے راستے کی ہدایت کر رہے ہیں (من بیان القرآن ملخصا)

تفسیری نکات

فطرت سلیمہ کا تقاضا

سو یہاں حق تعالیٰ نے ما کنت تدری فرمایا ہے جس کا ترجمہ بے خبری اور ناواقفی ہی سے کیا جاتا ہے یعنی معنی ہیں ووجدک ضالا کے مگر ظاہر ہے کہ اس حقیقت کو اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں کہ ضالا یا گمراہ کا استعمال کس کس معنی میں آتا ہے اس لئے ان کو وحشت نہیں ہوسکتی اور جاہل کے ذہن میں تو گمراہ کے ایک ہی معنی ہیں اس لئے اس کو خلجان پیش آئے گا اس لئے ایسے لوگوں کو ترجمہ دیکھنا جائز نہیں۔

اب میں استطرادا ایک اشکال کا اور جواب دینا چاہتا ہوں جو دوسری آیت ما کنت تدری ما الکتب ولا الایمان پر واقع ہوتا ہے کیونکہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ کو کچھ خبر نہ تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا چیز ہے جس سے بظاہر ایمان کی نفی ہوتی ہے سو سمجھ لینا چاہیے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی زمانہ ایسا بھی گزرا جس میں آپ کو ایمان حاصل نہ تھا ہرگز نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو نفس ایمان ہر وقت نبوت سے پہلے بھی حاصل ہوتا ہے جس سے مراد صانع عالم کا اعتقاد اور توحید کا قائل ہونا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے کہ اس سے کوئی نبی کسی وقت بھی خالی نہیں ہوسکتا وجود صانع اور توحید صانع کا علم فی نفسہ فطری ہے اگر ایک بچہ کو الگ مکان پر پرورش کیا جائے جہاں اس کے سامنے کسی مذہب کا تذکرہ اثباتا یا نفیا نہ کیا جائے پھر جب وہ بلوغ کو پہنچ جائے اس وقت اس سے جنگل میں کھڑا کر کے پوچھا جائے کہ آسمان و زمین کس طرح پیدا ہوئے تو وہ ضرور کہے گا کہ ان کا بنانے والا ضرور کوئی ہے اور وہ واحد ہے فطرت سلیمہ وجود و توحید صانع کا انکار نہیں کر سکتی اور انبیاء علیہم السلام کی فطرت سب سے زیادہ سلیم ہوتی ہے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ توحید کے قائل نہ ہوں۔ یہ علم ان کے لئے ضروریات سے ہے۔ استدلال کی بھی حاجت نہیں الا للتقویۃ. پس ما کنت تدری ماالکتب ولا الایمان کا یہ مطلب نہیں کہ کسی وقت کو ایمان حاصل نہ تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ایمان کو جانتے نہ تھے اور عدم درایت عدم وجود کو مستلزم نہیں کیونکہ بعض دفعہ ایک آدمی کے پاس کوئی چیز موجود ہوتی ہے مگر اس کو خبر نہیں ہوتی کہ میرے پاس یہ چیز موجود ہے۔

مثلاً ایک ناواقف کے ہاتھ کہیں سے یاقوت یا زمرد کا ٹکڑا لگ جائے تو اس وقت یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کے پاس یاقوت و زمرد نہیں۔ اسی طرح سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا کوئی وقت نہیں گزرا جس میں آپ ایمان سے مشرف نہ ہوں لیکن نبوت سے پہلے آپ کو یہ خبر نہ تھی کہ ایمان اسی کیفیت کا نام ہے جو میرے اندر موجود ہے جیسے احکام ناسوتیہ میں حکماء اس کے قائل ہیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے اسی وقت سے اس میں عقل و شعور وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے مگر اس وقت مرتبہ استعداد میں یہ امور ہوتے ہیں اس وقت بچہ کو خود یہ خبر نہیں ہوتی کہ میرے اندر کیا کیا جواہرات ہیں پھر بالغ ہونے کے بعد اس کی عقل وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے اور اس وقت اس کو بھی علم ہو جاتا ہے کہ ہاں میرے اندر عقل و فہم موجود ہے۔

ایمان اور نبوت

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان سے پہلے بھی حاصل تھا۔ آپ کے اندر اور کمالات کا مادہ بھی سب موجود تھا۔ آپ ابتداء ہی سے معرفت و انوار کے جامع تھے مگر آپ کو اس کی خبر نہ تھی بعد نبوت کے حق تعالیٰ نے ان کمالات سے واقف کر دیا تب معلوم ہوا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی دولت دے رکھی ہے اور اب خبر ہوئی کہ جو کیفیت میرے اندر ابتداء سے موجود ہے اسی کا نام ایمان و معرفت وغیرہ وغیرہ ہے۔

خوب سمجھ لو کہ ماتدری سے بے خبری کی نفی ہوتی ہے حصول کی نفی نہیں اور یہ بے خبری کچھ نقص نہیں بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت و عنایت زیادہ ظاہر ہوتی ہے کہ پہلے آپ بے خبر تھے پھر دفعۃً علوم کا دریا بہا دیا۔ اگر آپ پہلے سے باخبر تھے پھر دفعۃً علوم کا دریا بہا دیا۔ اگر آپ پہلے سے باخبر ہوتے پھر وحی نازل ہوتی تو آپ کو حق تعالیٰ کی محبت و عنایت کا کیا پتہ چلتا اس صورت میں محبت حق کی کوئی دلیل نمایاں طور پر نہ ہوتی اور جب پہلے آپ بے خبر تھے پھر دفعۃً تمام عالم سے زیادہ علوم آپ کو عطا کر دیئے گئے۔ اب آپ کے پاس عنایت و محبت حق کی نمایاں دلیل ہو گئی کہ واقعی حق تعالیٰ مجھے بہت ہی چاہتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

رسالۃ وجیزۃ و مفیدۃ فی ربطِ الآیات

سبق الغایات
فی
نسق الآیات

تالیف

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ،
رأس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة الكهف

فیما لینذر الخ اعلم انه تعالیٰ لما ذکر انه انزل علی عبده هذا الکتاب الموصوف بهذا الصفات المذکورة اردفع ببیان مالا جله انزله فلعلک باخع الخ الغرض تسا وية لرسول صلی الله علیه وسلم انا جعلنا ما علی الارض الی قوله صعیدا جرز اقال ابوسعود والمعنی لاتحزن بما غاینت من القوم تکذیب ما انزلنا علیک من الکتاب فانا قد جعلنا ما علی الارض من متفاوته الاشیاء زینة لها لنختبر اعمالهم فنجازیهم بحسبها وانا لمفنون جمیع الناس عن قریب و مجاورةلهم بحسب اعمالهم قال المسکین خلاصة الکلام ان الدنیا دار الابتلاء لادار الجزاء فلا یحزنک تمتعهم ههنا فانما یجازون ولا بد فی دار الجزاء ام حسبت ان الخ قال المسکین لما لا بین الله تعالیٰ فی الایات المتقدمة انزال الکتاب علیه صلی الله علیه وسلم الدال علی نبوته و قد ارادالیهود امتحان نبوته بالسؤال عن امورمنها قصة اصحاب الکهف حکاها الله تعالیٰ لیستدل بها علی دعوی النبوة و اما حکمته بدأها بهذا العنوان العجیب فتقریر علی ما فی الکبیر و یظهربه ایضا وجه ارتباط عنوان هذه الایته بعنوان الایة المتقدمة هکذا اعلم ان القوم تعجبوا من قصة اصحاب الکهف وسألو اعنها رسول علی سبیل الاستحاذ فقال تعالیٰ ام حسبت انهم کانو عجبا من ایاتنا فقد فلا تحسبن ذلک فان ایاتنا کلها عجب فان من کان قادر اعلیٰ تخلیق السموات والارض ثم یزین الارض بانواع المعادون والنبات والحیوان ثم یجعلهابعد ذلک صعیدا جرزا خالیته عن الکل کیف یستبعدون من قدرته و حفظه و رحمته حفظ طائفة مدة للثماء له سنة واکثر فی النوم واتل ما اوحی الخ قال المسکین عود الی مضمون قول انزل علی عبده الکتاب و قوله لینذربا ساشدید امن لدنه و یبشر المؤمنین الخ فذکر الله تعالیٰ ههنا اداب التبلیغ من التسویة بین المخاطبین الاغنیاء منهم والفقراء و عدم الالتفات الی الدنیا لفناء ها وعدم

ل ختم السورة المتقدمة بالتکبیر والفتح هذه بالتحمید وتعانقهما ظاهرا

(c) ketabton.com: The Digital Library

المبالاة بعدم ايمانهم لكون النار جزاء و فاقالهم وما يقارب ذلك من المضامين كما في الكبير اعلم ان من هذه الاية الى قصة موسىٰ والخضر كلام واحد من قصة واحدة و ذلك ان اكابر كفار قريش احتجوا و قالو الرسول الله صلى الله عليه وسلم ان اردنت ان نؤمن بك فاطر دمن عندك هؤلاء الفقراء الذين آمنوا بك والله تعالىٰ نهاه عن ذلك ومنعه عنه و اطنب في جملة هذه الايات و قل الحق من ربكم الخ لما امر رسوله بان لايلتفت الى اولئك الاغنياء قال و قل الحق اى قل نهؤلاء ان هذا الدين الحق انما الى من عند الله فان قبلتموه عاد النفع اليكم و ان لم تقبلوا عاد الضرر اليكم ان الذين امنوا الخ اعلم نه تعالى لماذكر وعيد المبطلين اردفه بوعد المحقين واضرب لهم مثلا الخ اعلم ان المقصود من هذا ان الكفار افتخرو اباموالهم وانصارهم على فقراء المسلمين فبين الله تعالىٰ ان ذلك لايوجب الافتخار لاحتمال ان يصير الفقير غنيا والغنى فقيرا اما الذى يجب حصول المفاخرة به فطاعة الله و عبادته وعى حاصلة لفقراء المؤمنين و بين ذلك بضرب هذا المثل المذكور في الاية واضرب لهم مثل الحيوة الدنيا الخ اعلم ان المقصود اضرب مثلا اخريدل على حقارة الدنيا وقلة بقآء ها المال والبنون الخ لما بين تعالے ان الدنيا سريعة الانقراض بين تعالےٰ ان المال والبنين زينة الحيوة الدنيا و يوم نسير الجبال الخ اعلم نه تعالےٰ لمابين خساسته الدنيا و شرف القيامة اردفه باحوال القيامة واذ قلنا للملئكة الخ قال ابوالسعود والمرأدبتذكر قصته تشديد النكير على المتكبرين المفتخرين بانسابهم واموالهم المستكفين عن الانتظام في سلك فقراء المؤمنين ببيان ان ذلك من صنيع ابليس و انهم في ذلك تابعون لستويله كما ينبئى عنه قوله تعالىٰ افتتخذونه وذريته اولياء من دوني فتطيعونهم بدل طاعتي مااشهدتهم الخ قال ابوالسعود استيناف مسوق لبيان علم استحقاقهم للاتخاذ المذكورو يوم يقول نا دوالخ قال المسكين هو بيان لعدم نفع ولاية الشياطين لهم ولقد صرفنا في هذا القرآن الخ قال المسكين بيان لكون الموعظة القرانية في الواقعة المذكورة و غيرها بالغة و جدال الانسان فيها و تمادى كفره الى ان يقع به العذاب والاشارة الى قرب و قوعه بهم فاضرابهم من اهل القرى وذا قال موسى لفتاه الخ اعلم ان هذا ابتداء قصة ثالثة ذكرها الله تعالى في هذه السورة و هذا و ان كان كلاما مستقلا في نفسه الا انه يعين على ماهو المقصود اما نفع هذه القصة في الرد على الكفار فهوان موسى عليه السلام مع كثرة علمه و عمله وعلوا مصمبر ذهب الى الخضر لطلب العلم و تواضع له و

(c) ketabton.com: The Digital Library

ذلک یدل علی ان التواضع[ا] خیر من التکبر و یسئلونک عن ذی القرنین الخ ان الیهود امروا المشرکین ان یسألوا رسول الله صلے الله علیه وسلم عن قصة اصحب الکهف و عن قصة ذی القرنین و عن الروح فالمراد من قوله و یسئلونک عن ذی القرنین هو ذلک السؤال قال المسکین و یمکن ان یجعل اشارة الی ان ذم المال والجاه الذی ذکر فیما مر لیس علی الاطلاق بل اذاجعله الانسان طاغیا باغیا و اما اذشکرالله تعالیٰ علیهما و نفع بهما عبادة فهو من اعظم النعم کما کان لذی القرنین الذی جمع المال والعلم افحسب الذین کفروا الخ اعلم نه تعالیٰ لمابین من حال الکافرین انهم اعرضوا عن الذکرو عن استماع ما جاء به الرسول اتبعه بقوله فحسب الخ والمراد فظنوا انهم ینتفعون بما عبدوه مع اعراضهم عن تدبر الایات و تمردهم عن قبول امره و امر رسوله ان الذین امنوا الخ اعلم انه تعالیٰ لما ذکر الوعید اتبعه بالوعدو لما ذکر فے الکفاران جهنم نزلهم اتبعه بذکرما یرغب فی الایمان والعمل الصالح قل لو کان الجرمدادا اعلم نه تعالیٰ لما ذکر فی هذه السورة انواع الدلائل والبینات و شرح فیها اقاصیص الاولین نبه علی کمال حال القرآن فقال قل لو کان البحرمدادا الخ قل انما انا بشر مثلکم الخ قال المسکین لما بین تعالیٰ فی الایتین المتقدمتین فضل الایمان والعمل الصالح و فضل القرآن العظیم ذکر ما یدل علی اثبات النبوة بالجواب عن طعن الکفار بالبشریة بان البشریة لاتنا فی النبوة بل مدار النبوة علی الوحی و قد یوحی الی و خصص من بین ما یوحی امر التوحید لاهتمامه ولمنا سبة المقام لان التوحید والنبوة اصلان عظیمان للایمان ثم نبه علی مالا بد من رعایته فی الاعتدا دللآخرة من العمل الصالح و شرط قبوله من ترک الشرک الجلی والخفی الذی هو الریاء فقال من کان یرجو القاء ربه الخ

[ا] حصوماً فی طلب العلم خصوصاً من افضل الانبیاء محمد صلی الله علیه وسلم ۱۲ منه

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ مریم علیها السلام

اعلم ان الغرض من هذه السورة بیان التوحید والنبوة والحشر والمنکرون للتوحید هم الذین اثبتوا معبود سوى الله تعالیٰ وهولاء فریقان منهم من اثبت معبودا غیر الله حیا عاقلاوهم النصاری ومنهم من اثبت معبود غیر الله جماد الیس یحی ولا عاقل ولافاهم وهم عبدة الاوثان قال المسکین فی قصص هذه السورة اثبات للتوحید کما ذکر من قصة عیسی علیه السلام و فیه رد للفریق الاول و من وعظ ابراهیم علیه السلام وفیه رد للفریق الثانی واثبات للنبوة بوجهین احدهما ببیان نبوة الانبیاء للدلالة علی ان النبوة لیست بامر بدع فای بعد فی نبوة محمد صلی الله علیه وسلم وثانیها ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یخالط العلماء ثم قص القصص علی ماوقعت فهذه دلالة بینة علی کونه مؤید ابالوحی ثم بعد ذکر القصص ذکر المعاد مختلطا بالتوحید کما یظهر من تلاوة تلک الایات اولئک الذین انعم الله علیهم الخ اعلم انه تعالیٰ اثنی علی کل واحد ممن تقدم ذکره من الانبیاء بما یخصه من الثناء ثم جمعهم اخرا فقال اولئک الذین فخلف من بعدهم خلف الخ اعلم انه تعالیٰ لما وصف هؤلاء الانبیاء بصفات المدح ترغیبا لنا فی التأسی بطریقتهم ذکر بعدهم من هو بالضد منهم الامن تاب الخ قال المسکین هذا استثناء من المذکورین جنات عدن الخ اعلم انه تعالیٰ لما ذکر فی التائب انه یدخل الجنة وصف الجنة بامور وما نتنزل الابامر ربک الخ قال المسکین هذا حکایة لقول جبرئیل علیه السلام ولعل وضعه ههنا لتقریر امر التوحید والنبوة ببیان ان الملئکة ماموورون تحت امر الله تعالیٰ فدل ذلک علی کمال عظمة الله تعالی و انفراده بالامر کله و دل علی ان الرسالة شأنها محض الماموریة فلا یحتمل ان یقولوا مالم یؤمروا فانتفت شکوک الشاکین فیها ویقول الانسان الخ قال

لـہ ما ختم السورة المتقدمة باثبات نبوته علیه السلام بقوله قل انما انا بشر مثلکم و بین فی هذه السورة نبوة بعض الانبیاء السابقین حصل المناسبة بینها منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

المسكين شرع من ههنا في اثبات المعاد واحواله واذا تتلى عليهم اياتنا الخ قال المسكين اخذا من ابى السعود حكاية لما قالوا عند سماع الايات الناعية عليهم فظاعة حالهم ووخامة مالهم ثم ردعليهم اغتراء هم بزخارف الدنيا[1] بقوله وكم اهلكنا قبلهم من قرن الخ ثم بين حكمة امهالهم بقوله قل من كان في الضلالة الخ ثم ذكرمت غاية للمدو هذا هو المقصود وما سبق كان للتمهيد له في قوله مت حتى اذارأوا اما يوعدون الخ ويمكن ان يكون كما في الكبير جوابا عن شبهتهم في البعث بانا في سعة ههنا فكذا ثمه لوكان فرضا ويزيد الله الذين الخ قال ابو السعود كلام مستانف سيق لبيان حال المهتدين اثر بيان حال الضالين افرأيت الذى كفر الخ اعلم انه تعالى لما ذكر الدلائل اولا على صحت البعث ثم اورد شبهة المنكرين و اجاب عنها اوردعنهم الأن ماذكروه على سبيل الاستهزاء طعنا في القول بالحشر واتخذوا من دون الله الخ اعلم انه تعالى لماتكلم في مسئلة الحشر والنشر تكلم الأن في الرد على[2] عبادالاصنام و قالو اتخذوا الرحمن الخ قال ابوا اسعود حكاية لجناية اليهود والنصارى ومن يزعم من العرب ان الملئكة بنات الله سبحانه و تعالى عن ذلك علوا كبيرا اثر حكاية عبدة الاصنام بطريق عطف القصة على القصة ان الذين امنوا الخ اعلم انه تعالى لمارد على اصناف الكفرة وبالغ في شرح احوالهم في الدنيا والاخرة ختم السورة بذكر احوال المؤمنين و انما يسرناه بلسانك الخ كلام مستانف بين به عظيم موقع هذه السورة لما فيها من التوحيد و النبوة والحشر و النشر والرد على فرق المضلين المبطلين وكم اهلكنا الخ قال ابوا السعود وعد لرسول الله صلى الله عليه وسلم في ضمن وعيد الكفرة بالاهلاك و حث له عليه الصلوة والسلام على الانذار

---

[1] من كونهم في طيب عيش في الدنيا و اجاب عنها بقوله وكم اهلكنا وبقوله قل من كان في الضلالة الخ منه

[2] تقرير امر التوحيد و ابطال الشرك و بيان خاتمة حالهم يوم المعادبانهم يكونون منفردين لاشفيع لهم

سورۃ طٰہٰ

ما انزلنا علیک الخ قال ابو السعود استیناف مسوق لتسلیة علیه الصلوة و السلام بما کان یعتریه من جهة المشرکین من التعب الاتذکرة الخ قال ابو السعود کانه قیل ما انزلنا علیک القرآن لتعب فی تبلیغه ولکن تذکرة لمن یخشی تنزیلا ممن خلق[1] الخ[2] قال ابو السعود مصدر مؤکد لمضمر مستأنف مقرر لما قبله ای نزل تنزیلا الرحمن علی العرش استوی قال ابو السعود فیه اشارة الی ان تنزیل القرآن ایضا من احکام رحمة تعالیٰ ینبئ عنه قوله تعالیٰ الرحمن علم القرآن له ما فی السموات الخ قال ابو السعود بیان لسعة سلطنة و شمول قدرته لجمیع الکائنات و ان تجهر بالقول الخ قال ابو السعود بیان لاحاطة علمه تعالی بجمیع الاشیاء اثر بیان سعة سلطنته و شمول قدرة لجمیع الکائنات الله لااله الا هو قال ابو السعود استیناف مسوق لبیان ان ماذکر من صفات الکمال موصوفها ذلک المعبود بالحق له الاسماء ہ الحسنی قال ابو السعود بیان لکون ما ذکر من الخالقیة و الرحمانیة والمالکیة و العالمیة اسماء و صفاته من غیر تعدو فی ذاته تعالیٰ وهل اتک حدیث موسی الخ قال ابو السعود استیناف مسوق لتقریر امر التوحید الذی الیه انتهی مساق الحدیث و بیان انه امر مستمر فیما بین الانبیاء کابراعن کابرو قد خوطب به موسی علیه السلام حیث قیل له اننی انا الله لا اله الا انا وبه ختم علیه الصلوة و السلام مقاله حیث قال انما الهکم الذی لااله الا هو واما ما قیل من ان ذلک لترغیب النبی صلی الله علیه وسلم فی الائتساء بموسی علیه الاسلام فی تحمل اعباء النبوة و الصبر علی مقاساة الخطوب فی تبلیغ احکام الرسالة فیاباه ان مساق النظم الکریم لصرفه علیه الصلوة و السلام عن اقتحام المشاق

---

[1] ختم السورة المقدمة بذکر نزول القرآن و تیسیره بلسان محمد صلی الله علیه وسلم و کذلک افتتح هذا السورة ببیان تنزیل القرآن و نفی العسر و المشقة عنه صلی الله علیه وسلم وهذا هو وجه التناسب بینهما ۱۲ منه عفی عنه.

[2] فی الکبیر انه تعالیٰ عظم حال القرآن بان نسبه الی انه تنزیل ممن خلق الارض و خلق السموات علی علوها و انما قال ذلک لان تعظیم الله تعالیٰ یظهر بتعظیم خلقه و نعمة ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

کذالک نقص الخ اعلم انه سبحانه و تعالیٰ لماشرح قصة موسی علیه السلام اتبعه بقوله کذلک نقص علیک من سآئراخبار الامم و احوالهم تکثیر الشانک وزیادة فی معجزانک ولیکثر الاعتبارو الاستبصار للمکلفین بها فی الدین قال المسکین ثم ذکر الکتاب المنطوی علی هذه القصص ثم عظم امره ببیان و عید المعرض عنه و ذکر یوم الوعید واهواله من نفخ الصورو الحشرو نسف الجبال و غیرها ثم بین حال قسیم المعرض المؤمن بالقرآن والعامل به فی قوله و قد اتیناک من لدنا ذکرا الی قوله فلایخاف ظلما ولاهضما وکذلک انزلناه قرآنا عربیا الخ اعلم ان قوله وکذلک عطف علی قوله کذلک نقص ای و مثل ذلک الانزال و علی نهجه انزلنا القرآن کله فتعالیٰ الله الملک الحق الخ قال ابو السعود استعظام له تعالی ولشؤنه التی یصرف علیها عباده من الاوامر ولنواهی والوعد والوعید و غیر ذلک ولاتعجل بالقرآن الخ قال ابو السعود نهی عن ذلک الر ذکر الانزال بطریق الاسطرا دوامرنا بستفاضة العلم واستزادته منه تعالی فقیل و قل ای فی نفسک رب زدنی علما ای سل الله عزوجل زیادة العلم فانه الموصل الی طلبتک دون الاستعجال ولقد عهدنا الی ادم الخ قال ابوالسعود کلام مستأنف مسوق لتقریر ماسبق من تصریف الوعید فی القرآن و بیان ان اساس بنی ادم علی العسیان و عرقه ارسخ فی النسیان مع مافیه من انجاز الموعود فی قوله تعالیٰ کذالک نقص علیک من انباء ما قد سبق افلم یهدلهم الخ قال ابوالسعود کلام مستأنف مسوق التقریر ما قبله من قوله تعات وکذلک نخری ولولا کلم سبقت الخ قال ابو السعود کلام مستانف سیق لبیان حکمت عدم و قوع ما یشعربه قوله تعالی افلم یهد لهم الایة من ان یصیبهم مثل ما اصاب القرون المهلکة فاصبر علی ما یقولون الخ لما اخبرنبیه بانه لایهلک احدا قبل استیفاء اجله امره بالصبر ثم قاله فسبح وهو نظیر قوله واستعینوا بالصبر والصلوة لاتمدن عینیک الخ اعلم نه تعالیٰ لما صبر رسوله علیه السلام علی ما یقولون وامره بان یعدل الی التسبیح اتبع ذلک نهیه عن مد عینیه الی ما منع به القوم وأمر اهلک الخ قال ابوالسعود امر علیه السلام بان یامراهل بیته او التابعین له من امته بعد ما امر هو بها لیتعا و نوا علی الاستعانة علی خصاصتم ولایهتمو بامرالمعیشة ولایلتفتو الفت ارباب الثروة وقالو الولا یاتینا الخ انه سبحانه بعد هذه الوصیة حکی عنهم شبهتهم فکانه من تمام قوله فاصبر علی مایقولون ثم بین انه تعالیٰ ازاح لهم کن عذر وعلته فی التکلیف فقال ولوانا اهلکنا الخ ثم انه سبحانه ختم السورة بضرب من الوعید فقال قل کل متربص الخ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الانبیاء علیهم السلام

اقترب للناس الخ قال ابو السعود مناسبة هذه الفاتحة الكريمة لما قبلها من الخاتمة الشريفة غنية عن البيان مايأتيهم من ذكر الخ قال المسكين هذا بيان لاعراضهم و غفلتهم بذر جناياتهم المعتادة من لعبهم و لهوهم و جنايتهم الخاصية من اسرار النجوى قال ربى يعلم الخ لماورد هذا الكلام عقيب ما حكى عنهم وجب ان يكون كالجواب لما قالوه فكانه قال انكم وان اخفيتم قولكم وطعانكم فان ربى عالم بذلك وانه من وراء عقوبته فتوعدوا بذلك لكيلا يعودوا الى مثله بل قالو اضغاث احلام الخ انه تعالىٰ عادالى حكايته قوله المتصل بقوله هل هذا الابشر الخ ثم ان الله تعالىٰ بدأ بالجواب عن هذه السوال الاخير بقوله ما امنت والمعنى انهم فى العتوا شد من الذين اقترحوا على انبيائهم الايات و عهدو اليهم يؤمنون عندها فلما جاء تهم نكثوا و خالفوا فاهلكهم الله فلو اعطينا هم ما يقترحون لكانو اشد نكثا وما ارسلنا قبلك الخ قال ابو السعود جواب لقولهم هل هذا الابشر الخ متضمن لردماد سوا تحت قولهم كما ارسل الاولون من التعرض بعدم كونه عليه السلام مثل اولئك الرسل صلوات الله عليهم اجمعين ثم صدقنا هم الوعد الخ قال المسكين متمم لحكايته الرسل لتسلية رسول الله صلى الله عليه وسلم و تهديد المنكرين لقد انزلنا اليكم الخ قال ابوالسعود كلام مستأنف مسوق لتحقيق حقيقة القرآن العظيم الذى ذكر فى صدر السورة الكريمة اعراض الناس عمايأتيهم من اياته والستهزاء هم به وتسميتهم تارة سحرا وتارة اضغاث احلام و اخرى مفترىً و شعرا و بيان علو رتبته الر تحقيق رسالته صلى الله عليه وسلم ببيان انه كسائر الرسل عليهم الصلوة والسلام و كم قصمنا من الخ قال ابوالسعود نوع تفصيل لاجمال قوله تعالى واهلكنا المسرفين و بيان نكفته اهلاكهم و سببه و تنبيه على كثرتهم وما خلقنا السماء والارض الخ قال المسكين لمانعى الله تعالىٰ على الكفار الموجودين والماضين شناعة حالهم فى الاعراض واللهو الظلم بين ان الانسان لم يخلق عبثا ولم يترك سدىً ببيان القول الكلى فى ذلك لانه

لـ ختم التى تقدمت والتتح هذه بذكر الوعيد بالتربص والحساب فالمناسبته جلية غير خفية لامنه عفى عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

یلزم منه الهو واللعب فی جنابه تعالیٰ عن ذلک علوا کبیرا بل مقتضی حکمته ان یمیر بین الحق والباطل وان ذلک مما یقتضی ارسال الرسل الذین منهم محمد صلی الله علیه وسلم الذی ینکرون نبوته و یصفونه بما لایلیق به علیه السلام و یستحقون به الویل ثم اکد کون العباد مکلفین بقوله وله من فی السموات والارض الخ فحاصل هذا الکلام تقریر لامر النبوة ام اتخدوا الهة من الارض الخ اعلم ان الکلام من اول السورة الی ههنا کان فی النبوات وما یتصل بها من الکلام سوالا و جوابا واما هذه الایات فانها فی بیان التوحید و نفی الاضدادو الانداد وما جعلنا لبشر من قبلک الخ قال المسکین جواب عن شماتتهم بموته علیه السلام و تمهید لبیان المعاد المذکور فی قوله والینا لاترجعون المقصود فشرع من ههنا فی اثباته بعد النبوة والتوحید الی قوله و کفی بنا حاسبین و ذکر فی تضاعیفه استهزاء هم بالرسول المخبر عن المعادو استعجالهم بالعذاب ومال المستهزئین وکلاء ة الله تعالی لهم فی الدنیا عن العذاب و ضعف الهتهم عنها و عدم اغترارهم بالتمتع الدنیوی ووقوع ما یدفع نزول العذاب بهم من نقص الاطراف و یتقن و قوع العذاب لاتیان الوحی به وان لم لسمعه الصم و غیر ذلک مما یناسب المعاد ولقد اتینا موسی و هارون الخ اعلم انه سبحانه و تعالی لما تکلم فی دلائل التوحید والنبوة والمعاد شرع فی قصص الانبیاء علیهم السلام و فیه کما قال ابوالسعود نوع تفصیل لما اجمل فی قوله تعالی وما ارسلنا قبلک الارجالا نوحی الیهم الٰی قوله تعالیٰ واهلکنا المسرفین واشارة الی کیفیة انجائهم و اهلک اعدائهم ان هذه امتکم امة واحدة الخ قال المسکین کانها نتیجة القصص ای ملة التوحید الذی اجمع علیه الانبیاء علیهم السلام ملة واحدة ثم افسده هؤلاء بالتفریق المذکور فی قوله و تقطعوا امرهم ثم ذکر امر المعاد بقوله کل الینا راجعون الی قوله وعدا علینا انا کنا فاعلین او الی قوله الصالحون ان فسر الارض بارض الجنة و ان فسرت بارض الدنیا کان مناسبة هذه الایة الاخیرة بما قبلها ان الاعمال الصالحة موجبة للاعزاز فی الدارین اما فی دارالاخرة فذکر اولا واما فی دار الدنیا فذکر فی هذه الایة ثم اثنی علی السورة الکریمة المشتملة علی التوحید والنبوة والمعاد بقوله ان فی هذا لبلاغا لقوم عابدین ثم علی الرسول الاتی بهذا الکتاب بقوله وما ارسلناک الا رحمة للعالمین قل انما یوحی الی الخ اعلم انه تعالی لما اورد علی الکفار الحج فی ان لا اله سواه من الوجوه التی تقدم ذکرها و بین انه ارسل رسوله رحمة للعالمین اتبع ذلک بمایکون اعذارا و انذارا فی مجاهد تهم والاقدام علیهم

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الحج[1]

یایہا الناس اتقوا الخ امرا الناس بالتقوی ثم علل وجوبہا علیہم بذکر الساعۃ ووصفہا باھول صفۃ و من الناس من یجادل الخ قال ابوالسعود کلام مبتدأ جئی بہ اثر بیان عظم شان الساعۃ المنبئۃ عن البعث بیانا لحال بعض المنکرین لہا یایہا الناس ان کنتم الخ اعلم انہ سبحانہ و تعالی لما حکی عنہم الجدال بغیر العلم فی اثبات الحشر والنشر وذمہم علیہ فہو سبحانہ اورد الدلالۃ علی صحۃ ذلک من وجہین احدہمآ الاستدلال بخلقۃ الحیوان اولاً الوجہ الثانی الاستدلال بحال خلقتہ النبات علی ذلک و من الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولاھدی الخ قال ابومسلم الایۃ الاولی واردۃ فی الاتباع المقلدین وھذہ الایۃ واردۃ فی المتبوعین المقلدین قال المسکین والقرینۃ علیہ قولہ تعالیٰ ھھنا لیضل عن سبیل اللہ فان الاضلال من شان المتبوع و من الناس من یعبد اللہ الخ اعلم انہ تعالیٰ لمابین حال المظہرین للشرک المجادلین فیہ عقبہ بذکر المنافقین ان اللہ یدخل الخ اعلم انہ سبحانہ لمابین فی الایۃ السابقۃ حال عبادۃ المنافقین و حال معبودھم بین فی ھذہ الایۃ صفۃ عبادۃ المؤمنین و صفۃ معبودھم من کان یظن ان لن ینصرہ اللہ الخ. قال المسکین بیان لنصرۃ المعبود الحق لاولیاءہ مقابلۃ لقولہ فی الالہۃ الباطلۃ مالایضرہ ومالا ینفعہ ان الذین امنوا والذین ھادوا الخ قال المسکین بیان لمال کل فریق اثر تقسیم الناس الی طرائق الم تران اللہ یسجد لہ الخ قال ابوالسعود بیان لمایوجب الفصل المذکور من اعمال الفرق المذکورۃ مع الاشارۃ الی کیفیتہ وکونہ بطریق التعذیب والاثابۃ والاکرام والاھانۃ ان الذین کفروا ویصدون الخ اعلم انہ تعالی بعد ان فصل بین الکفار والمؤمنین ذکر عظم حرمۃ البیت و عظم کفر ھؤلاء ان اللہ یدافع الخ اعلم انہ تعالیٰ لمابین مایلزم فی الحج ومناسکہ وما فیہ من منافع الدنیا والاخرۃ وقد ذکر ان الکفار صدوہم اتبع ذلک ببیان

---

[1] کانت السورۃ المتقدمۃ مختتمۃ و ھذہ مفتتحہ بالانذار فالا رتباط ظاھر ۱۲ منہ علی عنہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

مایزیل الصد و یؤمن معه التمکن من الحج و ان یکذبوک الخ قال ابوالسعود تسلیة لرسول الله صلی الله علیه وسلم متضمنة للوعد الکریم باهلاک من یعادیه من الکفرة و تعیین لکیفیة نصره تعالی له الموعود بقوله تعالیٰ ولینصرن الله من ینصره ویستعجلونک بالعذاب الخ قال المسکین لما تضمنت الایة الاولی و عید العذاب لهم استعجلوا به فاجابهم الله تعالی قل یایها الناس الخ قال المسکین هذا بیان لعدم مدخلیة علیه السلام فی العذاب وانما شانه الانذار فقط ثم بین حال الفریقین فی قوله فالذین امنوا وعملوا الصالحات الخ وماارسلنا من قبلک الخ قال المسکین لما بین الله تعالیٰ سعی الکفار فی ابطال الایات وکیدهم فیما قبل ذکر فی هذه الایة کیدالشیاطین فیه وما نسخه الله تعالیٰ والذین هاجروا الخ اعلم انه تعالیٰ لما ذکران الملک له یوم القیامة وانه یحکم بینهم ویدخل المؤمنین الجنات اتبعه بذکر وعده الکریم للمهاجرین ذلک و من عاقب بمثل ماعوقب به الخ قال المسکین ذکر فیما قبل کون المهاجر مقتولا والان ذکر حکم کونه قاتلا وجارحا ووعده بالنصر ثم ذکرا قدرته علی النصر بقوله ذلک بان الله یولج اللیل الخ ثم ذکرا اختصاصه بالقدرة بقوله ذلک بان الله هو الحق الخ الم تران الله انزل الخ اعلم انه تعالیٰ لمادل علی قدرته من قبل بما ذکره من ولوج اللیل فی النهار وینبه به علی نعمه اتبعه بانواع اخر من الدلائل علی قدرته ونعمته لکل امة جعلنا الخ قال ابوالسعود کلام مستانف جیٔ به لزجرمعا صریه علیه السلام من اهل الادیان اسماویة عن منازعته علیه السلام ببیان حال ما تمسکوابه من الشرائع و اظهارخطأهم فی النظر قال المسکین فکانه قسیم لقوله فی صدر السورة و من الناس من یجادل فی الله بغیر علم فکانت تلک المجادلة بغیر علم و هذه بعلم لکن مع الخطأ و یعبدون من دون الله الخ قال ابوالسعودؔ حکایة لبعض اباطیل المشرکین و احوالهم الدالة علی کمال سخافته عقولهم ورکاکته ارائهم من بناء امر دینهم علی غیر مبنی من دلیل سمعی او عقلی واعراضهم عما القی علیهم من سلطان بین هواساس الدین و قاعدته اشد اعراض الله یصطفی من الملئکة الخ اعلم انه سبحانه لما قدم ما یتعلق بالالهیات ذکرههنا مایتعلق بالنبوات یایها الذین امنوا ارکعوا الخ اعلم انه سبحانه لما تکلم فی الالٰهیات ثم فی النبوات اتبعه بالکلام فی الشرائع.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ المؤمنون

ولقد خلقنا الانسان الخ اعلم انه سبحانه لما امر بالعبادات فی الایۃ المقدمت والاشغال بعبادۃ الله تعالیٰ لایصح الابعد معرفۃ الا له الخالق لاجرم عقبها بذکر مایدل علی وجوده و اتصاله بصفات الجلال والوحدانیۃ فذکر من الدلائل انواعا النوع الاول الاستدلال بتقلب الانسان فی ادوار الخلقۃ و اکوان الفطرۃ وهو قوله تعالیٰ ولقد خلقنا الانسان النوع الثانی من الدلائل الاستدلال بخلقۃ السموات وهو قوله تعالیٰ ولقد خلقنا فوقکم الخ النوع الثالث الاستدلال بنزول الامطار و کیفیۃ تاثیراتها فی النبات قوله تعالیٰ وانزلنا من السماء ماء الخ النوع الرابع الاستدلال باحوال الحیوانات قوله تعالی وان لکم فی الانعام الخ واعلم انه سبحانه و تعالی لمابین دلائل التوحید اردفها بالقصص کما هو العادۃ فی سائر السور القصۃ الاولی قصۃ نوح علیه السلام قوله تعالیٰ ولقد ارسلنا نوحا الخ قال ابوالسعود شروع فی بیان اهمال الامم السالفۃ و ترکهم النظر و الاستدلال فیما عد من النعم الفائتۃ للحصر وعدم تذکرهم بتذکیر رسلهم وماحاق بهم للملک من فنون العذاب تحذیر اللمخاطبین قال صاحب الکبیر القصۃ الثانیۃ قصۃ هود او صالح علیهما السلام قوله تعالےٰ ثم انشأنا من بعدهم قرنا اخرین القصۃ الثالثۃ قوله تعالیٰ ثم انشأنا من بعدهم قرونا اخرین الخ اعلم انه سبحانه و تعالی یقص القصص فی القران تارۃ علی سبیل التفصیل کما تقدم واخری علی سبیل الاجمال کهٰهنا و قیل المراد قصۃ لوط و شعیب و ایوب و یوسف علیهم السلام القصۃ الرابعۃ قصۃ موسی علیه السلام قوله تعالےٰ ثم ارسلنا موسی الخ القصۃ الخامسۃ قصۃ عیسی ومریم علیهما السلام قوله تعالی وجعلنا ابن مریم الخ یایها الرسل الخ قال المسکین لماامر الله تعالےٰ بالعبادۃ فی صدر السورۃ ثم ذکر الایات الدالۃ علی القدرۃ والنعم وایدها

ل کان فی خاتمۃ السورۃ الاولی ذکر الشرائع من الامر بالرکوع والسجود و المجاهدۃ فی الله و کلذافی اول هذه السورۃ فارتبطتا ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

بیـان الـقـصـص بین ههنا ان الامر بالعبادة وافاضة النعم و ترتب العبادة علیها شرع قدیم امـر بـه جـمعی الرسل و ان هذه امتکم امة واحدة الخ المعنی انه کما تجب اتفاقهم علی اکل الحلال والاعمال الصالحة فکذلک هم متفقون علی التوحید و علی التقاء من معصیة الـلـه تعالیٰ فتقطعوا امرهم الخ قال ابوالسعود حکایة لماظهر من امم الرسل بعدهم من مخالفة الامـروشـق العصا ان الذین هم من خشیة ربهم الخ قال ابوالسعود استیناف مسوق لبیان مـن لـه الـمسارعة فی الخیرات الر اقناط الکفار عنها وابطال حسبانهم الکاذب لانکلف نفـسـا الاوسعها الخ قال ابوالسعود جملة مستانفة سیقت للتحریض علی ماوصف به السابقون مـن فـعل الطاعات المؤدی الی نیل الخیرات ببیان سهولته و قوله تعالیٰ ولدینا کتاب الخ تـتـمة لـمـا قبله ببیان احوال ما کلفوه من الاعمال واحکامها المترتبة علیها من الحساب والثـواب والـعـقـاب بـل قلوبهم فی غمرة الخ قال المسکین تمهید لبیان مؤاخذة الکفار الـمـذکـور فی قوله تعالیٰ حتی اذا اخذنا مترفیهم بالعذاب الر ذکر اعمالهم مع بیان عدم الـنـصرة لهم قد کانت ایاتی تتلیٰ علیکم الخ اعلم انه سبحانه لما بین فیما قبل انه لاینصراولئک الـکـفار اتبعه بعلته ذلک ثم انه سبحانه لما وصف حالهم ردعلیهم بان بین ان اقدامهم علی هـذه الامور لابدوان یکون لاحد امورا ربعة احدها ان لایتاً ملوا فی دلیل نبوة وهو المراد مـن قوله افلم یدبر واالقول وثانیها ان یعتقدوا ان مجیٔ الرسل امر علی خلاف العادة وهو الـمـراد من قوله ام جاء هم مالم یأت وثالثها ان لایکونواعالمین بدیانته و حسن خصاله قبل ادعـائه للنبوة وهوالمراد من قوله ام لم یعرفوا رسولهم ورابعها ان یعتقدوافیه الجنون وهو الـمـراد من قوله ام تقولون به جنة ثم انه سبحانه بعد ان عدهذه الوجوه ونبه علی فسادها قال بل جاء هم الخ ولواتبع الحق قال ابو الـسـعـود استیناف مسوق لبیان ان اهواء هم الزائغة التـی ماکرهوا الحق لالعدم موافقته ایاها مقتضیة لطامة بل اتیناهم بذکرهم الخ قال ابوالسعود انتـقـال مـن تشنیعهم بکراهة الحق الذی به یقول العالم الی تشنیهم بالاعراض عما جبل عـلـیـه کل نفس من الرغبة فیما فیه خیر ما فی الکبیر ثم بین سبحانه انه علیه السلام لایطمع فیهم حتی یکون ذلک سببا للنفرة فقال ام تسئلهم خرجا قوله وانک لتدعوهم الخ اعلم انـه سـبـحانه و تعالی لمازیف طریقة القوم اتبعه ببیان صحة ما جاء به الرسول صلی الله علیه وسـلـم قال المسکین ثم بین عدولهم عن الصراط المستقیم و علة عدولهم عنه بقوله تعالیٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

وان الـذیـن لایؤمنون الخ ثم بین شدة عنادهم ولجاجهم بقوله ولورحمناهم و کشفنا مابهم الخ ولـقد اخذنا هم بالعذاب الخ قال ابو السعود استیناف و مسوق للاستشهاد علی مضمون الشـرطیة قـال الـمسـکیـن ثم بین الستکانتهم اذا عاینو عذابا لاخرة بقوله حتی اذا فتحنا عـلیهـم الخ وهو الذی انشالکم السمع الخ قال المسکین عود الی باب التوحید و الانعام الـر بیـان مـا یتعلق بالنبوة بل قالو امثل ما قال الاولون الخ اعلم انه سبحانه لما اوضح القول فـی دلائل التوحید عقبه بذکر المعاد قل لمن الارض الخ اعلم انه یمکن ان یکون المقصود مـن هـذه الایات الرد علی منکری الاعادة وان یکون المقصود الرد علی عبدة الاوثان مااتخذ الـلـه مـن ولد الخ قال المسکین ظاهره اثبات التوحید و فیه اشارة الی اختصاصه بالقدرة علی البعث و عدم قدرة احد علے معارضة تعالی فیه قل رب اماترینی الخ قال ابو السعودا ایذ ان بـکمال فظاعة ماوعدوه من العذاب و کونه بحیث یجب ان یستعیذ منه من لایکاد یمکن اَن یحیق به وردلانکاره ایاه واستعجالهم به علی طریقة الاستهزاء به قال المسکین ثـم امـره عـلیه السلام بما یعامل به الکفار فے انکارهم واستهزاء هم بقوله ادفع بالتی هی احسـن و قل رب اعوذبک الخ اعلم انه سبحانه لما ادب رسوله علیه السلام بقوله ادفع بـالتی هی احسن اتبعه بما یقوی علی ذلک حتی اذا جاء احدهم الموت الخ قال المسکین تتمیم لذکر المعادو وقته واحواله وما یقع فیه الی اخر السورة و من یدع مع الله الخ اعلم انـه سبحانه لمابین انه هو الملک الحق لااله الا هو اتبع بان من ادعی الها اخر فقد ادعی باطلا من حیث لابرهان لهم فبه قال ابو السعود بدأت السورة الکریمة بتقریر فلاح المؤمنین و ختـمت بنفی الفلاح عن الکافرین ثم امر رسول الله صلی الله علیه وسلم بالاستغفار والاسترحام فقیل و قل رب اغفر الخ ایذانا بانهما من اهم الامور الدینیة حیث امربه من قد غفرله ماتقدم من ذنبه وماتأخر فکیف بمن عداه.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ النور[1]

سورۃ انزلناھا الخ اعلم انہ سبحانہ ذکر فی ھذہ السورۃ احکاما کثیرۃ الحکم الاول قولہ تعالیٰ الزانیۃ والزانی فاجلدوا الخ الحکم الثانی قولہ تعالی الزانی لاینکح الازانیۃ الخ الحکم الثالث القذف قولہ تعالی والذین یرمون المحصنات الخ الحکم الرابع حکم اللعان قولہ تعالی والذین یرمون ازواجھم الخ الحکم الخامس قصۃ الافک قولہ تعالیٰ ان الذین جاؤا بالافک الخ الحکم السادس فی الاستیذان قولہ تعالیٰ یایھا الذین امنو الاتدخلوا الخ الحکم السابع حکم النظر قولہ تعالی قل للمؤمنین الخ الحکم الثامن مایتعلق بالنکاح قولہ تعالی وانکحوا الایامیٰ منکم الخ الحکم التاسع فی الکتابۃ قولہ تعالی والذین یبتغون الکتاب الخ الحکم العاشر الاکراہ علی الزنا قولہ تعالی ولاتکرھو افتیاتکم الخ قولہ تعالیٰ ولقد انزلنا الیکم الخ قال ابو السعود کلام مستأنف جیء بہ فی تضاعیف ماورد من الایات السابقۃ واللاحقۃ لبیان جلالۃ شؤنھا المستوجبۃ للاقبال الکلی علی العمل بمضمونھا اللہ نور السموات الخ قال ابو السعود استیناف مسوق لتقریر مافیھا من البیان مع الاشعار بکونہ فی غایۃ الکمال فی بیوت اذن اللہ الخ قال ابو السعود لما ذکر شان القرآن الکریم فی بیانہ للشرائع والاحکام ومبادیھا وغایاتھا المرتبۃ علیھا من الثواب والعقاب و غیر ذلک من الاحوال الاخرۃ واھوالھا واشیر الی کونہ فی غایۃ مایکون من التوضیح والاظہار حیث مثل بما فصل من نور المشکوٰۃ واشیر الی ان ذلک النور مع کونہ فی اقصی مراتب الظھور انما یھتدی بھداہ من تعلقت مشیۃ اللہ تعالیٰ بھدایتہ دون من عداہ عقب ذلک بذکر الفریقین و تصویر بعض اعمالھم المعربۃ عن کیفیۃ حالھم فی الاھتداء وعدمہ الم تران اللہ یسبح لہ الخ

---

[1] ذکر تعالی فی خاتمۃ السورۃ المتقدمۃ علی خلق الانسان عبثا مھملا و بین فی ھذہ السورۃ کون الانسان مکلفا ببعض الاحکام واستلزام التکلیف عدم کون خلقہ عبثا بدیھی ۱۲ منہ عفی عنہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اعلم انه سبحانه لما وصف انوار قلوب المؤمنین و ظلمات قلوب الجاهلین اتبع ذلک بدلائل التوحید قال المسکین وامتدهذا الی قوله ان الله علی کل شیء قدیر ثم عاد الی وصف الایات بقوله تعالی لقد انزلناایات مبینات الخ ویقولون امنا بالله الخ قال ابوالسعود شروع فی بیان احوال بعض من لم یشأ الله هدایته الی الصراط المستقیم قال الحسن نزلت فی المنافقین انما کان قول المؤمنین الخ اعلم انه تعالی لما حکی قول المنافقین وما قالوه وما فعلوه اتبعه بذکر ماکان یجب ان یفعلوه وما یجب ان یسلکه المؤمنون وعد الله الذین امنوا الخ قال ابوالسعود استیناف مقرر لما فی قوله تعالے و ان تطیعوه تهتدوا من الوعد الکریم و معرب عنه بطریق التصریح و مبین لتفاصیل ما اجمل فیه من فنون السعادات الدینیة والدنیویة التی هی من اثار الاهتداء و متضمن لماهو المراد بالطاعة التی نیط بها الاهتداء لاتحسبن الذین کفروا الخ قال ابوالسعود لما بین حال من اطاعه علیه الصلوة والسلام واشیرالی فوزه بالرحمة المطلقة المستتبعة لسعادة الدارین عقب ذلک ببیان حال من عصاه علیه الصلوة والسلام ومال امره فی الدنیا والاخرة بعدبیان تناهیه فی الفسق تکمیلا لامرالترغیب والترهیب یایها الذین امنوا لیستاذنکم الخ قال ابوالسعود رجوع الی بیان تتمة الاحکام السابقة بعد تمهید مایوجب الامتثال بالاوامرو النواهی الواردة فیها و فی الاحکام اللاحقة من التمثیلات والترغیب والترهیب والوعید انما المؤمنون الذین امنوا الخ قال ابوالسعود استیناف جیء به فی اواخرالاحکام السابقة تقریرالها وتاکید الوجوب مراعاتها و تکمیلا لها ببیان بعض اخر من جنسها لاتجعلوا دعاء الرسول الخ قال ابوالسعود استیناف مقرر لمضمون ما قبله

سورۃ الفرقان

تبارک الذی نزل الفرقان الخ اعلم ان اللہ سبحانہ و تعالیٰ تکلم فی ھذہ السورۃ فی التوحید والنبوۃ و احوال القیامۃ ثم ختمھا بذکر صفات العباد المخلصین الموقنین[1] ولما کان اثبات الصانع واثبات صفات جلالہ یجب ان یکون مقدما علی الکل لاجرم افتتح اللہ ھذہ السورۃ بذلک واتخذ وامن دون اللہ الھۃ الخ اعلم انہ سبحانہ و تعالی لماوصف نفسہ بصفات الجلال والعزۃ والعلو اردف بتزئیف مذھب عبدۃ الاوثان و قال الذین کفروا الخ اعلم انہ سبحانہ تکلم اولا فی التوحید وثانیا فی الرد علی عبدۃ الاوثان و ثالثا فی ھذہ الایۃ تکلم فی مسئلۃ النبوۃ و حکی سبحانہ شبھتم[2] فی انکار نبوۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم الشبھۃ الاولی قولھم ان ھذا الا افک وان اللہ تعالی اجاب عن ھذہ الشبھۃ بقولہ فقد جاؤا ظلما وزورا الشبھۃ الثانیۃ لھم قولہ تعالی و قالوا اساطیر الاولین و اجاب اللہ عن ھذہ الشبھۃ بقولہ قل انزلہ الذی یعلم السر الخ الشبھۃ الثالثہ وھی فی نھایۃ الرکاکۃ ذکر والہ صفات خمسۃ فزعموا انھاتخل بالرسالۃ فاجاب اللہ تعالی عن ھذہ الشبھۃ بوجوہ احدھما قولہ انظر کیف ضربوا الخ تبارک الذی انشاء جعل الخ اعلم ان ھذا ھو الجواب الثانی عن تلک الشبھۃ بل کذبوا بالساعۃ الخ ھذا جواب ثالث عن تلک الشبھۃ کانہ سبحانہ و تعالی قال لیس ما تعلقوابہ شبھۃ علمیۃ فی نفس المسئلۃ بل الذی حملھم علی تکذیبک تکذیبھم بالساعۃ استثقالا للاستعدا دلھا و یحتمل ان یکون المعنی انھم یکذبون بالساعۃ فلایرجون ثواب ولاعقابا ولایتحملون کلفۃ النظر و الفکر فلھذا لاینتفعون بما یورد علیھم من الدلائل قل اذلک خیر الخ اعلم انہ تعالے لما وصف حال العقاب المعد للمکذبین بالساعۃ اتبع بما یؤکد الحسرۃ والندامۃ فقال لرسولہ قل الخ و یوم نحشرھم

---

[1] ھی التی ذکرت فی قولہ تعالی واقیموا الصلوۃ. [2] ختم السورۃ المتقدمۃ بذکر حقوق الرسول علیہ الصلوۃ والسلام ووجوب اطاعۃ کن لک اثبت رسالۃ بالدلائل وازاحۃ الشبھات فی مفتح ھذہ السورۃ فتناسبتا ۱۲ منہ.

(c) ketabton.com: The Digital Library

الخ اعلم ان قوله تعالی و یوم نحشرهم راجع الی قوله واتخذ وامن دونه الهة وما ارسلنا قبلک الخ هذا جواب عن قولهم مالهذا الرسول یاکل الطعام وجعلنا بعضکم لبعض الخ صبره الله تعالی علی کل تلک الاذیة و بین انه جعل الخلق بعضهم فتنة لبعض و قال الذین لایرجون الخ اعلم ان قوله تعالی و قال الذین الخ هو الشبهة الرابعة لمنکری نبوة محمد صلی الله علیه وسلم وحاصلها لم ینزل الله الملئکة حتی یشهدوا ان محمد امحق فی دعواه اونری ربنا حتی یخبرنابانه ارسله الینا لقد استکبروا الخ اعلم ان هذا هوا الجواب عن تلک الشبهة یوم یرون الملئکة الخ هو جواب لقولهم لولا انزل علینا الملئکة فبین تعالی ان الذی سالوه سیوجدولکنهم یلقون منه مایکرهون و قدمنا الٰی ماعملوا الخ قال المسکین بیان لارتفاع اسباب النفع اثر بیان اجتماع اسباب الضرر اصحاب الجنة یومئذ خیر الخ اعلم انه سبحانه و تعالی لمابین حال الکفار فی الخسار الکلی والخیبة التامة شرع وصف اهل الجنة تنبیها علی ان الحظ کل الحظ فی طاعة الله تعالی و یوم تشقق السماء الخ اعلم ان هذا الکلام مبنی علی مااستدعوه من انزال المئکة فبین سبحانه انه یحصل ذلک فی یوم له صفات وقال الرسول یارب الخ اعلم ان الکفار لما اکثروا من الاعتراضات الفاسدة ووجوه التعنت ضاق قدر الرسول صلی الله علیه وسلم وشکاهم الی الله تعالی و قال یارب الخ ثم انه تعالی قال مسلیا لرسوله علیه الصلوة والسلام و معزیاله وکذلک جعلنا الخ و قال الذین کفروا لولا انزل الخ اعلم ان هذاهوا الشبهة الخامسة لمنکری نبوة محمد صلی الله علیه وسلم ولایأتونک الخ لمابین فساد قولهم بالجواب الواضح قال ولایأتونک بمثل من الجنس الذی تقدم ذکره من الشبهات الاجئناک بالحق الذی یدفع قولهم الذین یحشرون الخ الاقرب انه صفة للقوم الذین اوردوا هذه الاسئلة علی سبیل التعنت و ان کان غیرهم من اهل التاریخ خل معهم واعلم انه تعالی بعد ان تکلم فی التوحید و نفی الانداد و اثبات النبوة والجواب عن شبهات المنکرین لها و فی احوال القیامة شرع فی ذکر القصص علی السنة المعلومة القصة الاولی قوله تعالی ولقد اتینا موسی الخ اعلم انه تعالی لما قال و کذلک جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین اتبعه بذکر جماعة من الانبیاء و عرفه بمانزل بمن کذب من اممهم القصة الثانیة قصة نوح علیه السلام قوله تعالی و قوم نوح الخ القصة الثالثة قوله تعالی وعا داو ثمودا الخ القصة الرابعة قوله تعالی ولقد اتوا علی القریة الخ قوله تعالی واذاراؤک الخ اعلم انه سبحانه لمابین مبالغة المشرکین

(c) ketabton.com: The Digital Library

فی انکار نبوة و فی ایراد الشبهات فی ذلک بین بعد ذلک الهم اذارأوا الرسول اتخذوه هزوا فلم یقتصروا علی ترک الایمان به بل زادوا علیه بالاستهزاء والاستحقاق وسوف یعلمون الخ لما حکی عنهم هذا الکلام زیف طریقتهم فی ذلک الم تر الی ربک الخ اعلم انه تعالی لمابین جهل المعرضین عن دلائل الله تعالی و فساد طریقتهم فی ذلک ذکر بعده انواعامن الدلائل الدالة علی وجود الصانع قال المسکین وامتد هذا الاستدلال الی قوله تعالی و کان ربک قدیرا و اشار فی تضاعیفه الی عموم بعثة علیه السلام بقوله ولوشئنا لبعثنا ونهاه علیه الصلوة والسلام عن المداراة مع الکفار والتلطف فی الدعوة فی قوله فلاتطع الکافرین مناسبة لقوله فابی اکثر الناس الاکفورا و یعبدون من دون الله الخ اعلم انه تعالی لما شرح دلائل التوحید عاد الی تهجین سیرتهم فی عبادة الاوثان ومارسلناک الامبشرا الخ قال المسکین لمازیف طریق الکفار امر لرسول علیه الصلوة والسلام بدعوتهم الی الحق و عدم الحزن ان لم یؤمنو وباعلامهم باخلاص الدعوة وبالتوکل علی الله تعالی فیما یعرض فی الدعوة ثم لما امره بان یتوکل علیه وصف نفسه بامور الحیوة والعلم والقدرة والرحمة واذا قیل لهم اسجدوا الخ قال المسکین لما ذکر اوصاف الکمال له تعالی ذکر جهالة الکفار فی نفورهم عن عبادة من هو موصوف بتلک الاوصاف والکمالات تبارک الذی جعل الخ اعلم انه سبحانه لما حکی عن الکفار مزید النفرة عن السجود ذکر ما لو تفکروافیه وجوب السجود والعبادة للرحمن فقال تبارک الذی جعل فی السماء بروجا و عباد الرحمن الخ قال ابو السعود کلام مستانف مسوق لبیان اوصاف خلص عباد الرحمن واحوالهم الدنیویة والاخرویة بعد بیان حال النافرین عن عبادته والسجود له قل مایعبأبکم الخ قال ابوالسعود امر رسول الله صلی الله علیه وسلم بان یبین للناس ان الفائزین بتلک النعماء الجلیلة التی یتنافس فیها المتنافسون انما نالو ها بما عدد من محاسنهم ولولا هالم یعتدبهم اصلا فقد کذبتم الخ قال ابو السعود بیان لحال الکفرة من المخاطبین کما ان ما قبله بیان لحال المؤمنین منهم.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الشعرا

طسم تلک ایات الکتاب الخ لماذکر الله تعالی انه بین الامور قال بعده لعلک باخع منبهاً بذلک علی ان الکتاب وان بلغ فی البیان کل غایة فغیر مدخل لهم فی الایمان لما انه سبق حکم الله بخلافه فلاتبالغ فی الحزن والاسف علی ذلک ثم بین تعالی انه قادر علی ان ینزل ایة یذلون عندها و یخضعون و قوله مایأتیهم الخ من تمام قوله ان نشاء ننزل علیهم فنبه تعالیٰ علی انه مع قدرته علی ان یجعلهم مؤمنین بالالجاء رحیم بهم من حیث یاتیهم حال بعد حال بالقران وهو الذکر وهم مع ذلک علی حد واحد فی الاعراض والاستهزاء ثم عند ذلک زجروتوعد فقال فقد کذبوا ثم انه تعالی بین انه مع انزله القرآن حالا بعدحال قد اظهرا دلة تحدث حالا بعد حال فقال اولم یروا الی الارض الخ اما قوله ان فی ذلک لایة وما کان اکثرهم مؤمنین المعنی ان فی ذلک دلالة لمن یتفکرویتدبرومع کل ذلک یستمرا کثرهم علی کفرهم و ان ربک لهوا العزیز الرحیم المراد انهم مع کفرهم و قدرة الله تعالی علی ان یعجل عقابهم لایترک رحمتهم بما تقدم ذکره من خلق کل زوج کریم من النبات ثم من اعطاء الصحة والعقل والهدایة وافنادی ربک الخ قال ابوا السعود کلام مستانف مسوق لتقریر ماقبله من اعراضهم عن کل مایاتیهم من الایات التنزیلیة و تکذیبهم بها الر بیان اعراضهم عما یشاهدونه من الایات التکوینیة واذمنصوب علی المفعولیة بمضمر خوطب به النبی علیه السلام ای واذکر لاولئک المعرضین المکذبین زجرالهم عماهم علیه من التکذیب و تحذیرا من ان یحیق بهم مثل ماحاق باضرابهم المکذبین الظالمین فی الکبیر القصة الثانیة قصة ابراهیم علیه السلام قوله تعالی

---

۱ لعله سقط ههنا لفظ من الناسخ و کان العبارة لعلموا وجوب الخ ۱۲ منه ۲ فی الکبیر عن ابن عباس رضی الله عنهما ان البروج هی الکواکب العظام ۱۲ منه ۳ فالدعاء بمعنی العبادة ۱۲ ۴ ذکر فی خاتمة السورة المتقدمة الوعید علی التکذیب و ذکر فی هذه السورة تفصیل جزاء المکذبین السابقین ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

واتل علیهم الخ القصة الثالثة قصة نوح علیه السلام قوله تعالی کذبت قوم نوح الخ القصة الرابعة قصة هود علیه السلام قوله تعالی کذبت عاد الخ القصة الخامسة قصة صالح علیه السلام قوله تعالی کذبت ثمود الخ القصة السادسة قصة لوط علیه السلام قوله تعالی کذبت قوم لوط الخ القصة السابعة قصة شعیب علیه السلام قوله تعالیٰ کذبت اصحاب الایکة الخ القول فیما ذکره الله تعالی من احوال محمد علیه الصلوة والسلام قوله تعالی وانه لتنزیل الخ قال المسکین هذا اعود الی ماذکر فی صدر السورة من حقیقة الکتاب المبین و نبوة علیه السلام و تمهد هذا الی اخر السورة و ذکر فی تضاعیفها جهل الکفار وعنادهم وامره علیه السلام بالتبلیغ وعلم الاهتما سیکید هم و شرهم واجاب عن شبهاتهم الواهیة و ختم السورة بالتهدید العظیم لمن الکر بعد وضوع الحجة.

سورۃ النمل[1]

قال المسکین افتتح اللہ ھذہ السورۃ بحقیقۃ القرآن وایمان السعداء بہ وانکار الاشقیاء لہ ومال کل من الفریقین وانک لتلقی الخ ھذہ الایۃ بساط و تمہید المایرید ان یسوق بعدھا من الاقاصیص واعلم ان اللہ تعالیٰ ذکر فی ھذہ السورۃ انواعا من القصص القصۃ الاولی قصۃ موسی علیہ السلام قولہ اذقال موسی الخ القصۃ الثانیۃ قصۃ داوٗد و سلیمان علیھما السلام قولہ تعالی ولقد اتینا داوٗد الخ القصۃ الثالثۃ قصۃ صالح علیہ السلام قولہ تعالی ولقد ارسلنا الی ثمود الخ القصۃ الرابعۃ قصۃ لوط علیہ السلام قولہ تعالیٰ و لوطا اذ قال لقومہ الخ القول فی خطاب اللہ تعالی مع محمد صلی اللہ علیہ وسلم قولہ تعالی قل الحمد للہ الخ قال المسکین لما فرغ من ذکر القصص بدأ فی التوحید والباتہ بالدلائل وابطال الشرک فالمقصود ھو قولہ اللہ خیرام مایشرکون الخ واما قولہ قل الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰے فھو کالخطبۃ المقدمۃ علی المقصود توطئۃ و تبرکا قل لایعلم من فی السموات الخ قال ابوا السعود بعد ما حقق تفردہ تعالٰے بالالوھیۃ ببیان اختصاصہ بالقدۃ الکاملۃ التامۃ والرحمۃ الشاملۃ العامۃ عقبہ بذکر ماھو من لوازمہ وھو اختصاصہ بعلم الغیب تکمیلا لماقبلہ و تمہید المابعدہ من امر البعث بل ادارک علمھم الخ قال ابوالسعود لما نفی عنھم علم الغیب واکد ذلک بنفی شعورھم بوقت ماھو مصیرھم لامحالۃ بولغ فی تاکیدہ و تقریرہ و قال الذین کفرو الخ قال ابوا السعود بیان لجھلھم بالاخرۃ وعمیھم منھا بحکایۃ انکارھم للبعث قل سیروا فی الارض الخ قال المسکین امر صلی اللہ علیہ وسلم بتھدیھم علی التکذیب ولاتحزن علیھم الخ قال المسکین ھذا تسلیۃ لہ علیہ الصلوۃ والسلام ویقولون متی ھذا الوعد الخ قال المسکین عود الی انکارھم للبعث بنھج اخر ثم اجاب عنہ بوعدھم ببعض مااستعجلوہ فی قولہ قل عسی ان یکون الخ ثم بین سبب تاخر العذاب الاکبر بقولہ و ان ربک لذوفضل الخ ثم

[1] بین حقیقۃ القرآن فی فاتحۃ ھذہ و خاتمۃ ما قبلھا فحصلت المناسبۃ ۱۲ منہ عفی عنہ

[1] فی خاتمۃ السورۃ السابقۃ لماتمم الحجۃ علی الکفار بقولہ و من ضل فقل انما انا من المنذرین بین فی ھذہ حال من ضل کفر عنادا من اہل کموسی علیہ السلام ۱۲ منہ عفی عنہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اشار الی ان لهم قبائح غیرما یظهرونه وانه تعالیٰ یجازیهم علی الکل فی قوله وان ربک لیعلم ماتکن الخ ثم اشارالی ان قبائحهم کماهی معلومة له تعالی کذاهی مثبتة مع الاشیاء الاخر فی اللوح المحفوظ فی قوله وما من غائبة فی السماء الخ ثم بین فضائل القرآن العظیم المشتمل علی هذه الامور المهمة النافعة فی قوله ان هذا القرآن الخ ثم صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم بان قضاء هم موکول الی الله تعالی فلاتهتم بهم ان کذبوک ولاتخفهم ان عاندونک بل توکل علی الله ولاتحزن ان لم یؤمنوا لانهم کالموتی والصم والعمی فی قوله تعالی ان ربک یقضی الی قوله فهم مسلمون فکل هذا متعلق بالنبوة ثم عادالی المعاد فقال واذا وقع القول علیهم الخ قال ابوالسعود و بیان لما اشیرالیه بقوله تعالی بعض الذی تستعجلون من بقیة مایستعجلونه من الساعة ومبادیها و یوم نحشرمن کل امة الخ قال ابوالسعود بیان اجمالی لحال المکذبین عند قیام الساعة بعد بیان بعض مبادیها الم یروا انا جعلنا اللیل الخ قال المسکین اخذا من ابی السعود هذا دلیل لصحة البعث وانموذج له یستدل به علیها فان من تأمل فی تعاقب اللیل والنهار وشاهد من الافاق تبدل ظلمة اللیل المحاکیة للموت بضیاء النهار المضاهی للحیوة وعاین فی نفسه تبدل النوم الذی هوا اخوا الموت بالانتباه الذی هو مثل الحیوة قضی بان الساعة اتیة لاریب فیها وان الله یبعث من فی القبور و یوم ینفخ الخ اعلم ان هذا هو العلامة الثانیة[1] لقیامة وتری الجبال الخ اعلم ان هذا هوا لعلامة الثالثة لقیام القیامة من جاء بالحسنة الخ اعلم انه تعالی لماتکلم فی علامات القیامة شرح بعد ذلک احوال المکلفین بعد قیام القیامة انما امرت ان اعبد الخ قال ابوالسعود امر علیه الصلوة والسلام ان یقول لهم ذلک بعد مابین لهم احوال المبدأ والمعاد وشرح احوال القیامة تنبیها لهم علی انه قد اتم امرالدعوة بما لامزید علیه ولم یبق له علیه الصلوة والسلام بعد ذلک شأن سوی الاشتغال بعبادة الله عزوجل والاستغراق فی مراقبته غیر مبال بهم ضلوا ام رشدوا اصلحوا اوافسدوا وقل الحمد لله سیریکم الخ انه سبحانه ختم هذه الخاتمة فی نهایة الحسن وهی قوله و قل الحمد لله علی ماعطانی من نعمة العلم والحکمة والنبوة اوعلی ما وفقنی من القیام باداء الرسالة وبالانذار سیریکم ایاته القاهرة فتعرفونها لکن حین لاینفعکم الایمان وما ربک بغافل عما تعملون لانه من وراء جزاء العاملین.

---

[1] وکانت الاولی خروج دابة الارض ۱۲ منه

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ القصص

ان فرعون علا الخ قال ابو السعود استیناف جار مجری التفسیر للجمل الموعود ولقد اتینا موسی الکتب الخ قال ابوالسعود والتعرض لبیان کون ایتاء ھا بعد اھلاکھم للاشعار بمساس الحاجۃ الداعیۃ الیہ تمھید المایعقبہ من بیان الحاجۃ الداعیۃ الی انزال القرآن الکریم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان اھلاک القرون الاولی من موجبات اندراس معالم الشرائع وانطماس اثارھا واحکامھا المودیین الی اختلال نظام العالم و فساد احوال الامم المستدعیین للتشریع الجدید بتقریر الاصول الباقیۃ علی من الدھور و ترتیب الفروع المتبدلۃ بتبدل العصور و تذکر احوال الامم الخالیۃ الموجبۃ للاعتبار وماکنت بجانب الغربی الخ قال ابوالسعود شروع فی بیان ان انزال القران الکریم ایضا واقع فی زمان شدۃ مساس الحاجۃ الیہ واقتضاء الحکمۃ لہ البتۃ ولولا ان تصیبھم الخ قال المسکین ھذا تعلیل للارسال ای ارسلناک قطعا لمعاذیر ھم بالکلیۃ فلما جاء ھم الحق الخ قال المسکین من ھھنا الی قولہ تعالیٰ ضل عنھم ما کانو یفترون تھجین طریقۃ المشرکین فی اقوالھم و عقائدھم و بیان شبھاتھم والجواب عنھا و تھدیدھم بتذکیر حال من قبلھم وبمایرون یوم القیامۃ واثبات توحیدہ تعالی و عدم اغناء الھتھم عنھم شیئا فھذا کلہ کلام واحد متداخل بعضہ فی بعض ثم ذکر تعالی قصۃ قارون کالتفسیر الاجمال قولہ تعالی و کم اھلکنا من قریۃ بطرت معیشتھا الخ تنبیھا علی ان متاع الحیٰوۃ الدنیا و زینتھا لاینبغی الاغترار بہ فان ما عنداللہ خیر وابقی ثم ختم القصۃ ببیان من یصلح للدار الاخرۃ بقولہ تلک الادارا الاخرۃ نجعلھا الخ ثم ذکر القول الکلی لبیان جزاء طالب الدنیا و طالب الاخرۃ بقولہ من جاء بالحسنۃ الخ ثم لماختم تفصیل احوال الکفار و کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اھتمام و اغتمام من امرھم کما یدل علیہ قولہ تعالیٰ انک لاتھدی من احببت خاطب علیہ السلام لیقوی قلبہ ببعض البشارات و ذکرہ بعض امتنانات وامرہ بالاستقامۃ علی الحق و عدم المبالاۃ بالکفار والثبات علی الدعوۃ و تفویض الحکم الیہ تعالی اذارجع الکل الیہ کل ھذا مذکور فی قولہ تعالی ان الذی فرض علیک القرآن الی اخر السورۃ وللہ الحمد.

لہ فی خاتمۃ السورۃ السابقۃ لماتم الحجۃ علی الکفار بقولہ و من ضل فقل انما انا من المنذرین بین فی ھذہ حال من ضل کفرعون و من اللذر کموسی علیہ السلام ۱۲ منہ عفی عنہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ العنکبوت

الم احسب الناس الخ الوجه فی تعلق اول هذه السورة بما قبلها هو انه تعالی لما قال فی اخر السورة المتقدمة وادع الی ربک و کان فی الدعاء الیه الطعان والحراب و الضراب لان النبی صلی الله علیه وسلم و اصحابه کانوا مامورین بالجهاد ان لم یؤمن الکفار بمجرد الدعاء فشق علی البعض ذلک فقال احسب الناس ان یترکوا الخ ولقد فتنا الذین من قبلهم الخ مایوجب تسلیتهم فقال کذلک فعل الله بمن قبلهم ولم یترکهم بمجرد قولهم امنا بل فرض علیهم الطاعات واوجب علیهم العبادات ام حسب الذین الخ لمابین حسن التکلیف بقوله احسب الناس بین ان من کلف بشیٔ ولم یات به یعذب وان لم یعذب فی الحال فیعذب فی الاستقبال ولایفوت الله شیٔ فی الحال ولا فی المال من کان یرجوا الخ لمابین بقوله احسب الناس ان العبد لایترک فی الدنیا سدی و بین فی قوله ام احسب الذین یعملون السیات ان من ترک ماکلف به یعذب کذابین ان من یعترف بالاخرة و یعمل لها لا یضیع عمله ولانجیب اصله و من جاهد الخ لمابین ان التکلیف حسن واقع و ان علیه وعدا وایعادا لیس لهما دافع بین ان طلب الله ذلک من المکلف لیس لنفع یعود الیه فانه غنی مطلقاً والذین امنوا الخ لما بین اجمالا ان من یعمل صالحا فلنفسه بین مفصلا بعض التفصیل جزاء المطیع الصالح عمله ووصینا الانسان الخ لمابین الله حسن التکالیف ووقعها و بین ثواب من حقق التکالیف اصولها و فروعها تحریضا للمکلف علی الطاعة ذکر المانع و منعه من ان یختار اتباعه فقال الانسان ان انقاد لاحد ینبغی ان ینقاد لابویه و مع هذا لو امراه بالمعصیة لایجوز اتباعهما غیر هما فلا یمنعن احد کم شیٔ من طاعة الله ولایتبعن احد من یأمر بمعصیة الله والذین امنوا و عملوا الخ قال المسکین اعاده لان ماقبله کان بیانا لحالتهم الحقیقیة و هذا بیان لحالتهم الاضافیة و من الناس من یقول الخ نقول اقسام المکلفین ثلثة مؤمن ظاهر بحسن اعتقاده و کافر مجاهر بکفره و عناده ومذبذب

ل وجه تعلق السورتین مذکور فی المتن ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

بینهما یظهر الایمان بلسانه و یضمر الکفر فی فؤاده والله تعالی لمابین القسمین بقوله تعالی فلیعلمن الله الذین صدقوا و لیعلمن الکاذبین و بین احوالها بقوله ام حسب الذین یعملون السیئات الی قوله والذین امنوا وعملوا الصلحت بین القسم الثالث و قال و من الناس من یقول امنا بالله و قال الذین کفرو اللذین امنوا الخ قال ابو السعود بیان لحملهم للمؤمنین علی الکفر بالاستمالة بعد بیان حملهم لهم بالاذیة والوعید ولقد ارسلنا نوحا الخ ان الله تعالی لما بین التکلیف و ذکر اقسام المکلفین ووعد المؤمن الصادق بالثواب العظیم واوعد الکافر والمنافق بالعذاب الالیم وکان قد ذکران هذا التکلیف لیس مختصا بالنبی واصحابه وامته حتی صعب علیهم ذلک بل قبله کان کذلک کما قال تعالی ولقد فتنا الذین من قبلهم ذکر من جملة من کلف جماعة منهم نوح النبی علیه السلام و قومه ومنهم ابرهیم علیه السلام و غیر هما مثل الذین اتخلو الخ لما بین الله تعالی انه اهلک من اشرک عاجلا و عذب من کذب اجلا و لم ینفعه فی الدارین معبوده و لم یدفع ذلک عنه رکوع و سجوده مثل اتخاذه ذلک معبودا باتخاذا العنکبوت بیتا لایجیر اویا ولا یریح ثاویا قال المسکین ثم قرر امر التوحید ببیان ضعف ما یدعون من دونه و بلاغة المثل المذکور واضرا به وکونه تعالی خالقا بالحق ثم قال ان فی ذلک لایة للمؤمنین ای دلیلا علی التوحید اتل ما اوحی الیک الخ یعنی ان کنت علی کفرهم فاتل ما اوحی الیک لتعلم ان نوحا ولوطا وغیرهما کانوا علی ما انت علیه بالغوا الرسالة وبالغوا فی اقامة الدلالة ولم ینقذ واقومهم من الضلالة والجهالة ولاتجادلوا اهل الکتاب الخ لما بین الله طریقة ارشاد المشرکین و نفع من انتفع و صل الیاس ممن امتنع بین طریقة ارشاد اهل الکتاب ثم بعد ذلک ذکر دلیلا قیاسیا فقال وکذلک انزلنا الیک الکتاب یعنی کما انزلنا علی من تقلمک انزلنا الیک و هذا قیاس وماکنت تتلوا من قبله الخ هذا المبحث فی الاجوبة عن الشبهات فی النبوة من اقتراحهم الایات واستعجال العذاب انکان نبیا و نحوهما وامتد هذا الی قوله ذوقوا ماکنتم تعملون یا عبادی الذین امنوا الخ قال المسکین بیان الامر الهجرة الر بیان عنا الکفار المفضی الیها غالباً کل نفس ذائقة الموت الخ لما امرالله تعالی المؤمنین بالمهاجرة صعب علیهم ترک الاوضان و مفارقة الاخران فقال لهم ان ماتکرهون لابد من وقوعه فان کل نفس ذائقة الموت والموت مفرق الاحباب فالاولی ان یکون ذلک فی سبیل الله یجازیکم علیه فان الی الله مرجعکم والذین امنوا و عملوا الصلحت الخ بین مایکون للمؤمنین وقت الرجوع الخ و کاین من دابة الخ قال ابوا السعود

(c) ketabton.com: The Digital Library

روی ان النبی صلی الله عليه وسلم لما امر المؤمنين الذين كالوا بمكة بالمهاجرة الی المدينة قالوا و كيف فقدم بلدة ليس لنا فيها معيشة ولئن سألتهم الخ قال المسكين عود الی تقرير التوحيد الذی كان مذكورا فی قوله تعالىٰ مثل الذين اتخذوا الخ بالثبات الخالقية و الرزاقية و غيرهما له تعالی ثم حقر شان الدنيا المانقة لهم عن الاقبال علی الاخرة بالايمان بالله و رسول مع اعترافهم بالتوحيد و فت السؤال فی قوله وما هذه الحيوة الدنيا الخ ثم اشار الی عودهم الی الفطرة الاصلية التی تقتضی التوحيد اذا زال المانع من الركون الی الزخارف والشهوات وقت ركوبهم فی الفلك بقوله فاذا ركبوا فی الفلك الخ ثم ذكر لهم نعمة عظيمة من امنهم فی الحرم تحملهم علی الايمان فی قوله اولم يروا انا جعلنا حرما الخ و من اظلم ممن افتری الخ لما بين الله الامور علی الوجه الذكور ولم يؤمن به احدبين انهم اظلم من يكون والذين جاهدو افينا الخ قال المسكين كانه قسيم لقوله من اظلم ممن افتری ای حال العاصی ذلك و حال المطيع هذا والله اعلم.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الروم

اولم یتفکرو الخ قال ابوالسعود انکارواستقباح لقصم لظرهم علی ماذکر من ظاهرالحیوۃ الـدنیـا مـع الغفلة عن الاخرۃ اولم یسیروا فی الارض الخ قال ابو السعود توبیخ لهم بعدم اتعاظهم بمشاهدۃ احوال امثالهم الدالة علی عاقبتهم ومالهم الله یبدأ الخلق الخ قال المسکین کـان ما ذکر من قوله اولم یسیروا الخ دلیلا وانموذ جابو قوع الاخرۃ و هذا دعوی وقوعها ومـا تـکـون فیها من احوال المؤمنین والکفار فسبحان الله الخ قال ابو السعود اثر ما بین حـال فریقی المؤمنین العاملین للصالحات والکافرین المکذبین بالایات ومالهما من الثواب والـعذاب امروابما ینجی من الثانی و یفضی الی الاول من تنزیه الله عزوجل عن کل مالا یـلیـق بشـانه سبحانه و من حمده تعالی علی نعمه العظام یخرج الحی من المیت الخ قال المسکین بیان لبعض اعاجیب قدرۃ تعالی لیدل علی استحقاقه للحمد ولیدل علی صحة البعث التی فیها الکلام ههنا ثم ذکر الایات الدالته علی البعث الی قوله وله المثل الا علی فی السموات والارض وهو العزیز الحکیم قوله ضرب لکم مثلا الخ لما بین العادۃ والقدرۃ علیهابالمثل بعد الدلیل بین الوحدانیة ایضابالمثل بعد الدلیل واذا مس الخ لما بین التوحید بالدلیل وبالمثل بین ان لهم حالة یعرفون بها وان کانوا اینکرونها فی وقت وهی حالة الشدۃ ام انـزلنا علیهم سلطانا الخ لما سبق قوله تعالی بل اتبع الذین ظلموا اهواء هم بغیر علم حقق ذلک بالاستفهام بمعنی الانکا واذا اذقنا الناس رحمة الخ قال المسکین بیان لاثار التوحید الـمتـزلزل الذی کان فی المشرکین ثم بین قصور نظرهم فی قوله اولم یروا الخ ببیان کون کـل مـن الاحوال من الله تعالی فیجب ان یرجع الیه فی کل حال ثم ذکر علامات اعتقاد کـون الـرزق من الله الخ الذی یجب ان یتصف به المؤمنون عن ایتاء اهل الحقوق حقوقهم

لے لـمـا کـان الـمـذکـور فی خاتمة ما قبلها حال العاصی والمطیع من حیث ان احدهما ظالم مستحق لجهنم و الاخر مهید مستحق لمیته تعالی بین فی فاتحة هذه السورۃ حالهما بوجه من حیث کون احدهما غالباً والاخر مغلوبا کما افسح عنه قوله تعالیٰ و یومئذ یفرح المومنون بنصر الله ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

الدال علی کمال التوکل و عدم الخشیة من الاقلال ونهاهم عن الحرص والطمع و طلب الزیادة فی قوله فات ذاالقربی حقه الی قوله اولئک هم المضعفون الله الذی خلقکم الخ قال المسکین عود الی مسئلة التوحید والحشر ظهر الفساد الخ وجه تعلق هذه الایة بما قبلها هوان الشرک سبب الفساد قل سیرو افی الارض الخ لمابین حالهم بظهور الفساد فی احوالهم بسبب فساد اقوالهم بین لهم هلاک امثالهم واشکالهم الذین کانت افعالهم کافعالهم فاقم وجهک الخ قال المسکین امر بالتوحید مع الوعید من اتیان القیامة و فصل الامور فیما ومن ایاته ان یرسل الخ قال المسکین اقامة لدلائل التوحید والبعث ولقد ارسلنا من قبلک والله قال ابوالسعود لعل توسیط الایة الکریمة بطریق الاعتراض بین ماسبق ومالحق من احوال الریاج واحکامها لانذار الکفرة و تحذیر هو عن الاخلال بمواجب الشکر المطلوب بقوله تعالی لعلکم تشکرون بمقالته النعم المعدوة المنوطة بارسالها کیلایحل بهم مثل ماحل باولئک الامم من الانتقام الله الذی یرسل الخ قال ابوالسعود استیناف مسوق لبیان ما اجمل فیما سبق من احوال الریاح ولئن ارسلنا الخ لمابین انهم عند توقف الخیر یکونون مبلسین ایسین وعندظهوره یکونون مستبشرین بین ان تلک الحالة ایضا لایدومون علیها بل لوا صاب زرعهم ریح مصفرلکفرو افهم منقلبون غیر ثابتین لنظرهم الی الحال لاالی المال فانک لا تسمع الموتی الخ لماعلم تعالیٰ رسوله انواع الادلة و اصناف الامثلة ووعدو اوعد ولم یزد هم دعاء ی الافرارا قال له فانک لاتسمع الخ الله الذی خلقکم الخ لما اعاد من الدلائل التی مضت دلیل من دلائل الافاق وهو قوله الله الذی یرسل الریاح وذکر احوال الریح من اوله الی اخره اعاد دلیلا من دلائل الانفس وهو خلق الأدمی و ذکر احواله فقال خلقکم من ضعف الخ ویوم تقوم الساعة الخ قال المسکین تصریح بالمطلوب من اثبات الحشر بعد المقدمة من بیان الدلیل ولقد ضربنا للناس الخ اشارة الی ازالة الاعذار والاتیان بمافوق الکفایة من الانذار والی انه لم یبق من جانب الرسول تقصیری فان طلبوا شیئا اخر فذلک عنادثم بین تعالی ان ذلک بطبع الله علی قلوبهم بقوله کذلک یطبع الله ثم انه تعالی سلی قلب النبی صلی الله علیه وسلم بقوله فاصبر الخ.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة لقمان

الم تلک ایات الکتاب الحکیم الخ وجه ارتباط اول هذه السورة باخرما قبلها هو ان الله تعالی لما قال ولقد ضربنا للناس الخ اشارة الی کونه معجزة و قال ولئن جئتهم باية اشارة الی انهم یکفرون بالایات بین ذلک الم تلک ایات الکتاب الحکیم ای هذه ایات ولم یؤمنوا بهاوالی هذا اشار بعد هذا بقوله واذا تتلی الخ و من الناس من یشتری الخ لما بین ان القرآن کتاب حکیم یشتمل علی ایات حکمية بین من حال الکفار انهم یرکون ذلک یشتغلون لغیره ان الذین امنو الخ لمابین حال من اذا تتلی علیه الایات ولی بین حال من یقبل علی تلک الایات و یقبلها خلق السموات بغیر عمد الخ قال ابو السعود استیناف مسوق لاستشهاد بما فصل فیه علی عزته تعالی التی هی کمالا اخدرة حکمة التی هی کمال العلم و تمهید قاعدة التوحید و تقریره وابطال امرا لاشراک و تبکیت اهله ولقد آتینا لقمان قال ابو السعود کلام مستانف مسوق لبیان بطلان اشرک ووصینا الانسان الخ قال ابو السعود کلام مستانف اعترض به علی نهج الاستطراد فی الناء وصية لقمان تاکید المافیها من النهی عن الشرک یانبی انها ان تک الخ قال ابوالسعود شروع فی حکایة بقية وصایالقمان اثر تقریر ما فی مطلعها من النهی عن الشرک و تاکیده بالاعتراض الم ترو ان الله سخر الخ قال ابوالسعود رجوع الی سنن ماسلف قبل قصة لقمان من خطاب المشرکین و توبیخ لهم علی اصرارهم علی ماهم علیه مع مشاهد تهم لدلائل التوحید و من یسلم وجهه الخ لمابین حال المشرک والمجادل فی الله بین حال المسلم المستسلم لامرالله و من کفر فلایحزنک الخ قال المسکین هذا تسلية للنبی علیه السلام ولئن سألتهم الخ لما استدل بخلق السموات بغیر عمد و بنعمة الظاهرة والباطنة بین انهم معترفون بذلک غیر منکرین له ولوان ما فی الارض الخ قال المسکین بیان لکمال عظمة تعالی ببیان عظمة

(c) ketabton.com: The Digital Library

کلماته ماخلقکم ولابعثکم الخ لمابین کمال قدرته وعلمه ذکر ما یبطل استبعادهم للحشر الخ الم تران الله یولج الخ قال المسکین عود الی اثبات التوحید بالدلائل و کذاقوله الم تران الفلک تجری الخ واذا غشیهم موج الخ لماذکر الله ان فی ذلک لایات ذکران الکل معترفون به غیر ان البصیر یدرکه اولا ومن فی بصیرته ضعف لایدرکه اولاً فاذا غشیه موج ووقع فی شدة اعترف یایها الناس الخ لماذکر الدلائل من اول السورة الی اخرها وعظ بالتقوی لانه تعالیٰ لما کان واحدا اوجب التقوی البالغة فان من یعلم ان الامر بیدالثین لایخاف احدهما مثل مایخاف لوکان الامر بیداحدهما لاغیر قال المسکین و ایضا فیه بیان لکیفیة الحشر و ماههنا ان الله عنده علم الساعة الخ قال المسکین لنا بین الساعتها فیما قبل سألو امتی الساعة فذکر الله تعالی اختصاصه بعلمها مع اخواتها من علوم الغیب والله اعلم.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة السجده

الم تنزيل الكتاب الخ لما ذكر الله تعالیٰ فی السورة المتقدمة دليل الواحدنية و ذكر الاصل الاخر وهو الحشر وختم السورة بهمابدأ ببيان الرسالة فی هذه السورة الله الذی خلق السموات الخ لماذكر الرسالة بين ما علی الرسول من الدعاء الی التوحيد واقامة الدليل وقالواء ذا ضللنا الخ لما قال قليلا ماتشكرون بين عدم شكرهم باتيانهم بضده وهو الكفرو انكار قدرته علی احياء الموتی وقد ذكرنا ان الله تعالیٰ فی كلامه القديم كلما ذكراصلين من الاصوال الثلثة لم يترك الاصل الثالث و ههنا كذلك ولما ذكر الرسالة بقوله تنزيل الكتاب الی قوله لتنذرو ذكر الوحدانية بقوله الله الذی خلق الی قوله جعل لكم السمع والابصار ذكر الاصل الثالث وهو الحشر بقوله تعالی و قالواء ذاضللنا الخ ولو تری اذاالمجرمون الخ لما ذكرانهم يرجعون الی ربهم بين مايكون عند الرجوع علی سبيل الاجمال انما يؤمن باياتنا الخ قال المسكين بيان لحال المؤمنين الرحال الكافرين افمن كان مؤمنا الخ لما بين حال المجرم والمؤمن قال للعاقل هل يستوی الفريقان ثم بين انهما لايستويان ثم بين عدم الاستواء علی سبيل التفصيل و من اظلم ممن الخ يعنی لنذيقنهم ولايرجعون فيكونون قد ذكرو ابايات الله من النعمٰ ولا والنقم ثانيا ولم يؤمنوا فلا اظلم منهم احد ولقد اتينا موسی الخ لما قررالاصول الثلثة علی مابيناه عادالی الاصل الذی بدأبه وهو الرسالة فی قوله لتنذر قوما و قال قل ماكنت بدعاً من الرسل ان ربك هو يفصل الخ قال المسكين بيان للفصل بين من امن بالرسول و من لم يؤمن بهم اثر اثبات الرسالة اولم يهدلهم الخ قال المسكين وعيد للمكذبين الرسول و هذا تذكير للنقم التی وبما تحمل علی الايمان اولم يروا انا نسوق الماء الخ قال المسكين هذا تذكير للنعم التی ربما تحمل علی الايمان ويقولون متی هذا الفتح الخ قال المسكين لما اوعد وابو قوع الفصل فی قوله ان ربك هو يفصل بينهم استبعدوه فحكی الله تعالیٰ استبعاد هم واجابهم عنه.

لے وجه المناسبة بينها و بين ما قبلها مذكور فی المتن ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة الاحزاب

قال المسکین فی جمیع هذه السورة ذب عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فیما اوذی به من انواع الانذاء قتال الاحزاب معه و معاونة المنافقین لهم وطعن المنافقین فی نکاحه علیه الصلوة والسلام بزینب رضی الله تعالیٰ عنها و طلب الزواج الزیادة فی الانفاق واشتغال بعض المسلمین بالاحادیث فی بیت علیه السلام ونحو ذلک مماتاً ذی به النبی صلی الله علیه وسلم فهذا القدرهو المقصود الاصلی من السورة وما سوی ذلک فهوا ما توطئة لبعض ماهو المقصود وامامکمل له کما یظهر کل ذلک من التامل فی النظم الکریم ولما کان اشد الایذاء من الکافرین و المنافقین بدء الله تعالیٰ بالا مربتقوی الله تعالیٰ و عدم خشیة لهم التی تقضی احیانا الی الاطاعت و بالتوکل علی الله فقال یایها النبی اتق الله الخ ثم صرح ببعض مقاصد السورة بقوله وماجعل ادعیاء کم ابناء کم الخ جوابا من قصة زینب و ذکر قبله مثلا لتائیده بقوله ما جعل الله لرجل من قلبین فی جوفه وما جعل ازواجکم اللائی تظاهرون منهن امهاتکم ثم اشارالی ان نفی الابوة الصورة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم لایستلزم نفی الابوة المعنویه بل هواقرب من الأباء فی هذه المرتبة فقال النبی اولی بالمؤمنین الخ ثم لما کان لنبی صلی الله علیه وسلم ولایة مع جمیع المؤمنین مارالمؤمنون کلهم اولیاء بعضهم لبعض فاورثت شبهة التوراث بین کلهم فدفعها الله تعالی بقوله والو الارحام الخ ای مدار التوارث الرحم لاهذه الولایة المعنویة ثم اکدالله تعالی ما امره به من اتباع مایوحی بقوله واذاخذنا من النبین میثاقهم الخ ببیان وقوع السؤال عن التبلیغ فوجب الاتباع وعدم الخوف من الطاعنین ثم شرع الله تعالیٰ فی حکایة غزوةالاحزاب فبقوله وانزل الذین ظاهروهم الخ ثم ذکر طلب الازواج الزیادة فی الانفاق والجواب عنه بقوله

لـ ختم السورة بیان الوعیدللمکذبین الرسول و بین فیهذه حقوقه علیهم السلام من تصدیقا و تعظیمه مفصلاً وبینهما من انتقابل مالایحقی ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

یایها النبی قل لازواجک الخ ثم شرع فی قصة زینبؓ بقوله وما کان لمؤمن ولا مؤمنة الخ ثم ذکر الله تعالی حقوقه و حقوق نبیه علی المؤمنین لیزدادوا تعظیما له واجلا لا ولالوذوه فقال یایها الذین امنوا اذکروا الله الی قوله سراجا منیر الم امرنبیه بشارة المؤمنین المعظمین لو وانذار المنکرین المؤذین له بقوله و بشر المؤمنین الخ ثم اراد الله ان یذکر بعض احکام النکاح لنبیه علیه السلام التی لها شأن خاص تشعد باجلاله و محبوبیة لله تعالی فی قوله یایها النبی انا احللنالک الخ و ذکر قبلها بعض الاحکام النکاحیة المتعلقة بالمؤمنین لیظهر التفاوت بین النبی والامة بکون الاحکام المتعلقة بالامة عامة وبالنبی خاصةً فقال یایها الذین امنوا اذا نکحتم الخ ثم ذکر مسئلة دخول بیوت النبی والحجاب بقوله یایها الذین امنوا الاتدخلوا الخ ثم بین متمم مسئلة الحجاب بقوله لاجناح علیهن الخ ثم امر بالصلوة علی النبی صلی الله علیه وسلم لاکمال احترامه فقال ان الله وملئکته الخ ثم ذکر الوعید علی ایذاء الرسول و نبه علی ان ایذاء ہ کایذاء ہ تعالیٰ فقال ان الذین یوذون الله الخ ثم ذکر بعض افعال المنافقین من التعرض للجواری الذی یتأذی به النبی صلی الله علیه وسلم والمؤمنون وارشد الی سدبابه فقال یایها النبی قل لازواجک وبناتک الخ ثم ذکر سؤالهم عن الساعة الذی قصدوا به تکذیب النبی صلی الله علیه وسلم و ایذاء ہ فقال یسئلک الناس عن الساعة الخ ثم ختم السورة بالتصریح بالنهی عن ایذاء ہ علیه السلام بقوله یایها الذین امنوا الاتکونوا کالذین اذوا موسی الخ ثم لمانهی الله تعالیٰ عما یوذی النبی صلی الله علیه وسلم امرهم بما ینبغی ان یصدرعنهم فقال یایها الذین امنوا اتقوالله الخ ثم بینا ان ما نکلفکم به انما تحملتموه من انفسکم لاانا حملنا کم فقال انا عرضنا الامانة الخ ثم ذکر حال الذین ادواحق الامانة والذین لم یودوه فقال لیعذب الله المنافقین الخ والحمد لله تعالی علی ما القی فی روعی من تقریر الارتباط فیمابین ایات هذه السورة.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ سبا

الحمد الله الذی له ما فی السموات الخ قال المسکین صدر السورة بتقریر التوحید الذی من الاصول العظیمة الدین و قال الذین کفرو الخ قال المسکین ذکرامر الساعة اثر التوحید کما هو العادة الشائعة فی القرآن ولذکر الساعة ههنا مناسبة خاصة لامر التوحید لانه حکمفی الایة الا ولی باثبات الحمد له تعالی فی الاخرة و قد انکر الاخرة قوم فتصدی لاثباتها لیجزی الذی امنوا الخ قال ابو السعود علة لقوله تعالی لتا تینکروبیان لما یتضی اثباتها والذین سعوا فی ایاتنا الخ لما بین حال المؤمنین یوم القیمة بین حال الکافرین ویری الذین اوتوا العلم الخ قال ابو السعود مستأنف مسوق للاستشهاد باولی العلم علی الجهلة الساعین فی الایات و قال الذین کفرو الخ قال المسکین حکایة لقول منکری الساعة بل الذین لایؤسون قال ابو السعود جواب من جهة الله تعالی عن تردیدهم الوارد علی طریقة الاستفهام بالاضراب عن شقه والبطالهما واثبات قسم ثالث کاشف عن حقیقة الحال ناع علیهم سوء حالهم الم یروا الی مابین ایدیهم الخ قال ابو السعود استیناف مسوق لتهویلها اجتروا علیه من تکذیب آیات الله تعالی واستعظام ما قالوا فی حقه علیه الصلوة والسلام وانه من العظائم الموجبة لنزول اشد العقاب و حلول افظع العذاب من غیر ریث و تاخیران نشأنخسف الخ قال ابوا لسعود بیان لماسبق عنه ذکرا حاطتهما من المحذور المتوقع من جهتهما ولقد اتینا داؤد الخ لما ذکر الله تعالی من ینیب من عباده ذکر منهم من اناب و اصاب و من جملتهم داؤد کما قال تعالیٰ عنه فاستغفر ربه و خررا کعا واناب و بین ما اتاه الله علی انابة ثم لماذکر المنیب الواحد ذکر منیبا آخر وهو سلیمان کما قال تعالی

لہ لما ذکر فی خاتمة ماقبلها جزاء الحافظین للامانة والمضیعین لها ذکر فی اول هذه وقت الجزاء وهو الساعة واعظم الامانات وهو التوحید ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

و القینا علی کرسیه جسد الم اناب و ذکرما استفادهو بالانابة فقال ولسیمان الریح الخ قال تعالی لقد کان لسبأ الخ لمابین الله حال الشاکرین لنعمه بذکر داؤد سلیمان بین حال الکافرین بانعمه بحکاته اهل سباولقد صدق علیهم الخ قال المسکین بیان لکونهم متبعین لابلیس فی کفرهم و کون المؤمنین بمعزل عن ذلک والحکمة فی تسلیة علیه قل ادعوا الذین الخ قال المسکین عود الی التوحید فی هیئة المناظرة التی لااعتسان فیها کما قال تعالیٰ و انا اوایاکم لعلی هدی او فی ضلل مبین الخ وما ارسلناک الاکافة الخ لما بین مسئلة التوحید سرع فی الرسالة و یقولون متی هذا الوعد الخ لما ذکر الرسالة بین الحشر وما ارسلنا فی قریة قال ابوالسعود تسلیة لرسول الله صلی الله علیه وسلم مما منی به من قوله من التکذیب والکفر بما جاء به والنافة بکثرة الاموال والاولاد والمفاخرة بحظوظ الدین وزخارفها والتکبر بذلک علی المؤمنین والاستهابة بهم من اجله قل ان ربی الخ قال ابوالسعود علیهم و حسم لمادة طمعهم الفارغو تحقیق للحق الذی علیه یدورامرالتکوین وما اموالکم الخ قال ابوالسعود کلام مستانف من جهة غرو علاخوطب به الناس بطریق التلوین والالتفات مبالغة فی تحقیق الحق. و تقریر ماسبق واللدین یسعون الخ قال المسکین بیان لان الاموال لاتجدی نفعا للکفار المحضرین وما انفقتم من شیء الخ قال المسکین بیان لنفع الاموال للمؤمنین خلاف ما علیه الکفار و یوم یحشرهم جمعا الخ قال المسکین تتمة لمسئلة الحشرو اذا تتلی علیهم الخ قال المسکین عود الی مسئلة الرسالة و تقریر دلیلالرسالـه من الایات القرانیة واثبان حقیتها ولوتری اذفزعوا الخ قال المسکین بیان لوضوح خطأهم اذا اکشف العطاء و تحسرهم حینئذ حیث لاینفع الندم.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ فاطر

الحمدلله فاطر السموات الخ قال المسكين بذالكلام بالتوحيد ببيان الخالقية والقدرة ونفوذ المشيئة و نفاذ الامرو الرازقية وان يكذبوك الخ لما بين الاصل الاول وهو التوحيد ذكر الاصل الثانی وهو الرسالة فقال تعالی و ان يكذبوك الخ ثم بين الاصل الثالث وهو الحشر فقال تعالی يايها الناس ان وعدالله حق الخ ثم قال تعالی ان الشيطن لكم عدو الخ لما قال ولايغرنكم ذكر ما يمنع العاقل من الاغترار ثم بين الله تعالیٰ حال حزبه و حال حزب الله فقال الذين كفروا افمن زين له سوء عمله الخ قال ابو السعود تقرير لماسبق من التباين البين بين عاقبتي الفريقين ببيان تباين حالهما الوديين الى تينك العاقبتين والله الذی ارسل الخ قال المسكين دليل على صحة ابعث كمايدل عليه قوله تعالی كذلك النشور من كان يريد العزة الخ قال المسكين بيان لمايتعز ز به العبد عندالله تعالی من التوحيد والعمل الصالح وما يتذلل به من المكرا السيئی والكفرون كان ظهور هذه العزة والذلة يوم الحشر ناسب ذكره بعده والله خلقكم من تراب الخ قال المسكين عود الى التوحيد بحيث يتضمن الاستدلال علی صحة البعث من كيفية بذخلق الانسان وايلاج الليل فی النهار وبا لعكس و جريان كل من الشمس والقمر لاجل مسمی و بين فی اثناء ه مثلا لعدم استواء المؤمن والكافر في قوله وما يستوی البحران يايها الناس انتم الفقراء الخ قال المسكين بيان لما يحمل العبد علی التوحيد من فقره اليه تعالی وقدرته تعالی عليه بالتبديل ان شاء و انحصار الفقرا الی الله تعالی ببيان ان احدا لايجدی احدا يوم القيمة ولو كان ذا قربی ثم لما كان اصرار الكفرة مع هذه الدلائل يؤذی النبی صلی الله عليه وسلم اشد الايذاء بين الله تعالی

ل كانت السورة المتقدمة قد ختمت بتقرير الرسالة والوعيد لمن انكرها و هذا السورة قد بد ئت بالتوحيد وتلاصقهما غنی عن البيان ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

لستلية عليه السلام اختلاف احوال الناس في استعدادهم لقبول الحق واوضحه بقوله
ومايستوى الاعمى والبصير وارشده عليه الاسلام بان لايهتم بهم فان عليه الرسالة فقط
وما هو باول من كذب من الرسل الم تر ان الله انزل من السماء ماء الخ قال ابو السعود
استيناف مسوق لتقرير ماقبله من اختلاف احوال الناس ببيان ان الاختلاف والتفاوت امر
مطرد في جميع المخلوقات من النبات والجمادو والحيوان انما يخشى الله قال ابو السعرد
تكملة لقوله تعالى انما تنذر الذين يخشون ربهم بالغيب ان الذين يتلون الخ قال المسكين
بيان لثمرات الخشية من الايمان والاعمال الصالحة مع بيان جزاء ها من التجارة التي
لن تبور ثم لتقرير قوله يتلون كتاب الله قال تعالىٰ والذى اوحينا اليک من الكتاب الخ
ولتفصيل قوله تجارة لن تبور قال جنات عدن يدخلونها الخ ثم قال تعالى والذين كفرو
الهم نار جهنم الخ عطف على قوله ان الذين يتلون كتاب الله وما بينهما كلام متعلق بالذين
يتلون الكتاب ان الله عالم غيب الخ قال المسكين عود الى التوحيد ببيان كما لاته العلمية
كما في هذه الاية و كمالاته العملية كما في قوله الاتى هو الذى جعلكم الخ قل ارايتم
شركاء كم الخ تقرير للتوحيد وابطال للاشراک ان الله يمسک السموات الخ لمابين
انه لاخلق للاصنام ولاقدرة لها على جزء من الجزاء بين ان الله قد بقوله ان الله يمسک
الخ ويحتمل ان يقال لما بين شركهم قال مقتضىٰ شركهم زوال السموات والارض كما
قال تعالى تكاد السموات يتفطرن منه و تنشق الارض الخ ويدل على هذا قوله في اخر الاية
انه كان حليما غفورا. واقسموا بالله الخ قال المسكين بيان لقبح كفرهم ان كفروا بعدان
اقسموا الخ ثم اوعدهم بسنة الاولين على الكفر في قوله فهل ينظرون الخ ثم بين في قوله
ولويؤاخذ الله الخ ان لايغترو بالامهال بل

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ یٰس[1]

یٰس والقرآن الحکیم الخ قال المسکین مدار الکلام علی اثبات الرساله بالقسم والغرض من الرسالة من الانذار والاشارة الی الدلیل علیها من القران و بیان ما علی الرسول من الانذار فقط لاالجبر علی الهدایة و انما امرها الی الله تعالی و قد حق القول علی اکثرهم انهم لایؤمنون و بیان منعنهم عن الایمان و بیان ان المنتفعون بالانذار من هم و هذا کله مذکور الی قوله اجر کریم کما یظهر بالتأمل انا نحن نحیی الموتی الخ قال ابو السعود بیان لشان عظیم ینطوی علی الانذار والتبشیر انطواء اجمالیا واضرب لهم مثلا الخ قال الله انک لمن المرسلین و قال لتنذر قال قل لهم ماکنت بدعاً من الرسل بل قبلی بقلیل جاء اصحاب القریة مرسلون یاحسرة علی العباد الخ قال المسکین تلهف علی التکذیب الر اقتصاص حال المکذبین الم یرواکم اهلکنا الخ لمابین الله تعالی حال الاولین قال للحاضرین الم یروا الخ وان کل لماجمیع الخ قال ابوا السعود بیان لرجوع الکل الی المحشر بعد بیان عدم الرجوع الی الدنیا وایة لهم الارض الخ مناسب لما قبله من وجهین احدهما انه لما قال و ان کل لماجمیع لدینا محضرون کان ذلک اشارة الی الحشر فذکر مایدل علی امکانه و ثانیهما انه لما ذکر حال المرسلین و کان شغلهم التوحید ذکر مایدل علیه واذا قیل لهم اتقوا الخ قال ابوالسعود بیان لاعراضهم عن الایات التنزیلیة بعد بیان اغراضهم عن الایات الافاقیة التی کانوا یشاهدونها واذا قیل لهم انفقوا الخ قال المسکین بیان لشناعتهم الاخری اشدمن الاولی فان الانکار لقدرة الله الذی هو الغرض من کلامهم

[1] کان الله تعالی فی خاتمة فاطر قد اخبر عن قولهم لئن جاء هم نذیر لیکونن اهدی من احدی الامم و قد قرر فی اول یٰس علیه الصلوة والسلام نذیر احمد منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

لا الامتناع من الانه ناق اشد من الاحراض عن ایات الله فکانه دلیل لمضمون الایة السابقة ای اذا اتـوا بـالانکار فای استبعاد فی الاعراض و یقولون متی هذا الوعد الخ قال المسکین عـود الـی مسئلة الحشر فهو مرتبط بقوله و ان کل لما جمیع لدینا محصرون وامتدهذا الـی قـولـه الیوم نختم علی افواههم الایة ولونشاء لطمسنا الخ قال المسکین هذا تقریب لوقوع الختم یوم القیامة ای لونشاء لاوقعنا الطمس والمسخ فی الدنیا جزاء علی کفرهم لـکنا لم نشأو نشاء الختم یوم القیامة فیقع ثم استدل علی تقریب الطمس والمسخ بقوله تـعالـی و من نعمره ننکسه فان هذا التغییر قریب من تغییر المسخ والطمس فالقادر علی واحـد قـادر عـلـی الاخروما علمناه الخ لما ذکر الاصلین الواحدانیة والحشر ذکر الاصل الثالث وهو الرسالة ثم انه تعالی اعاد الواحدانیت ودلائل دالة علیها فقال تعالی اولم یروا انـا خلقنا الخ و قوله فلایحزنک قولهم الخ اشارة الی الرسالة لان الخطاب معه مایوجب تسلیة قـلبه دلیل اجتباء ه واختیاره ایاه اولم یرالانسان الخ قال ابوا السعود کلام مستأنف مسـوق لبیان بطلان انکارهم البعث بعلماشاهد وا فی انفسهم اوضح دلائله واعدل شواهده کـمـا ان ما سبق مسـوق لبیان بطلان اشرکهم بالله تعالی بعد ماعاینوا فیما بایدیهم مایوجب التوحید والاسلام.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الصّٰفّٰت [1]

قال المسکین افتتح اللہ تعالیٰ ھذہ السورۃ باثبات التوحید بعد القسم کمایدل علیه قوله تعالی ان الھکم لواحد ثم استدل علیه بربوبیة تعالی للسموات والارض و غیرھما ثم بتزیین السماء بالکواکب بحیث یتضمن اثبات الرسالة ببیان امتناع الشیاطین من الاستراق ثم شرع فی اثبات المعاد بقوله فاستفتھم اھم اشد خلقا الخ وامتد ھذا الی قوله ثم ان مرجعھم لالی الجحیم انھم الفوا اباء ھم الخ قال ابو السعود تعلیل لاستحقاقھم ما ذکر من فنون العذاب بتقلید الاباء فی الدین من غیران یکون لھم ولاٰباء ھم شیء یتمسک به اصلاولقد ضل قبلھم الخ ذکر لرسوله مآیوجب السلیة له فی کفرھم وتکذیبھم فبین تعالی انارساله للرسل قدتقدم والتکذیب لھم قد سلف ولقد نادانا نوح الخ اعلم انه تعالی لما قال من قبل ولقد ضل قبلھم اکثر الاولین و قال فانظر کیف کان عاقبة المنذرین اتبعه بشرح وقائع الانبیاء علیھم السلام فالقصة الاولی حکایة نوح علیه السلام قوله لقد نادانا القصة الثانیة قصة ابراھیم علیه السلام قوله تعالی و ان من شیعته لابراھیم الخ قوله تعالی ولقد مننا علی موسی الخ اعلم ان ھذا ھو القصة الثالثة من القصص المذکورة فی ھذہ السورۃ وان الیاس الخ اعلم ان ھذہ القصة الرابعة من القصص المذکورة فی ھذہ السورۃ وان لوطالمن المرسلین الخ ھذا ھو القصة الخامسة وان یونس لمن المرسلین الخ اعلم ان ھذا ھو القصة السادسة وھو اخر القصص المذکورة فی ھذہ السورۃ فاستفتھم الربک البنات الخ قال ابو السعود امر اللہ عزوجل فی صدر السورۃ الکریمة رسوله صلی اللہ علیه وسلم تبکیت قریش وابطال مذھبھم فی انکار البعث بطریق الاستفتاء وساق البراھین القاطعه الناطقة بتحققه لامحالة و بین وقوعه وما سیلقونه عند ذلک من فنون العذاب واستثنی منھم عبادۃ المخلصین و

[1] قد ذکر فی خاتمة السورۃ المارۃ امر البعث متضمنا لتقریر الواحدانیة والرسالة و ذکر فی فاتحة ھذہ دلیل الواحدانیة ثم عقبھا بالبعث فالمناسبة ظاھرۃ ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

فصل مالهم من النعیم المقیم ثم ذکر انه قدضل من قبلهم اکثر الاولین وانه تعالی ارسل الیهم منذرین علی وجه الاجمال ثم اوردقصص کل واحد منهم علی وجه التفصیل منبها فی کل قصة منها انهم من عباده تعالی و اصفالهم تارة بالاخلاص واخری بالایمان ثم امره علیه السلام والصلوة ههنا بتبکیتهم بطریق الاستفتاء عن وجه امر منکر خارج عن العقول بالکلیة و هی القسمة الباطلة اللازمة لمآ کانوا علیه من الاعتقاد الزائغ حیث کانوا یقولون کبعض اجناس العرب جهینة و نبی سلمة وخزاعة و بنی ملیح الملٰئکة بنات الله والفاء لترتیب الامر علی ما سبق من کون اولئک الرسل الذین هم اعلام الخلق علیهم الصلوة والسلام عباده تعالی فان ذلک ممایؤکد التبکیت و یظهر بطلان ملعبهم الفاسد ثم تبکیتهم بمایتضمنه کفرهم المذکور من الاستهانة بالملئکة بجعلهم اناثا ثم ابطل اصل کفرهم المنطوی علی هذین الکفرین وهو نسبة الولد الیه سبحانه و تعالٰی ان ذلک علوا کبیرا ولم ینظمه فے سلک التبکیت لمشارکتهم النصاری فی ذلک و جعلوا بینه و بین الجنة الخ قال ابو السعود التفات الی الغیبة لایذان بانقطاعهم عن الجواب سقوطهم عن درجة الخطاب واقتضاء حالهم ان یعرض عنهم و تحکی جنایاتهم لاخرین والمراد بالجنة الملئکة وانما اعید ذکره تمهید المایعقبه من قوله تعالی ولقدعلمت الجنة انهم لمحضرون الخ والمرادبه المبالغة فی التکذیب ببیان ان الذین یدعی هؤلاء لهم تلک النسبة ویعلمون انهم اعلم منهم بحقیقة الحال یکذبونهم فے ذلک ویحکمون بانهم معذبون لاجله حکما مؤکدا قوله سبحان الله عما یصفون حکایة تنزیه الملئکة ایاه تعالی عما وصفه المشرکون به بعد تکذیبهم لهم فی ذلک و قوله تعالی الاعباد الله المخلصین شهادة منهم ببراءة المخلصین من ان یصفوه تعالی بذلک و قوله تعالی فانکم وماتعبدون الخ تعلیل و تحقیق لبراءة المخلصین مما ذکر ببیان عجزهم عن اغوائهم واضلالهم وقوله تعالی ومامنا الاله مقام الخ تبیین لجلیة امرهم وتعیین لحیزهم فی موقف العبودیة بعد ماذکر من تکذیب الکفرة فیما قالو اوتنزیه الله تعالی عن ذلک و تبرئة المخلصین عنه واظهار لقصور شانهم و قماء تهم هذا هذا هوالذی یقتضیه جزالة التنزیل انتهی مقال ابی السعود و ان کانو الیقولون الخ قال المسکین تعبیر للکافر فی کفریاتهم المذکورة و غیر المذکورة بانهم فی هذایاناتهم کلها ناقضون للعهدناکثون للوعد فیالها من عاروشنارمع اهلیتهم للنار ولقد سبقت کلمتنا الخ

(c) ketabton.com: The Digital Library

قال ابو السعود استيناف مقرر للوعيد و تول عنهم حتى حين الخ قال ابو السعود تسلية لرسول الله صلى الله عليه وسلم اثر تسلية و تاكيد لوقوع الميعاد غب تاكيد سبحان ربک الخ قال ابو السعود تنزيه لله سبحانه عن كل مايفصه المشركون به ممالا يليق بجناب كبريائه وجبروته مماذكر فی السورة الكريمة ومالم يذكرو قوله تعالی وسلام على المرسلين. تشريف لهم عليهم السلام بعد تنزيهه تعالى عما ذكر و تنويه بشانهم وايذا ان بانهم سالمون عن كل المكاره فائزون بجميع المآرب و قوله تعالى والحمد لله رب العالمين الى وصفه عزوجل بصفاته الكريمة الثبوتية بعد التنبيه على اتصافه بجميع صفاته السلبية.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ ص

والقرآن ذی الذکر الخ قال المسکین افتتح السورۃ بتنویہ شان القرآن وجواب القسم محذوف ای انہ لحق او نحوہ بل الذین کفروا الخ قال ابو السعود اضراب کانہ قیل لاریب فیہ قطعا ولیس عدم الاذعان الکفرۃ لہ لشائبۃ ریب ما فیہ بل ھم فی استکبار وحمیۃ شدیدۃ و شقاق بعید اللہ تعالی ولرسولہ وللذلک لایذعنون لہ کم اھلکنا من قبلھم الخ قال ابو السعود وعیدلھم علی کفرھم واستکبارھم ببیان مااصاب من قبلھم من المستکبرین. وعجبوا ان جاء ھم الخ قال ابو السعود حکایۃ لاباطیلھم المتفرعۃ علی ماحکی من استکبار ھم وشقاقھم قال المسکین ومخلص اباطیلھم ھذہ انکار النبوۃ ثم ذکر الجواب عنھا بقولہ بل ھم فی شک من ذکری الی قولہ فلیر تقوا فی الاسباب جند ما ھنالک الخ قال المسکین ھو تسلیۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بانھم جند ما من الکفار المتحزبین علی الرسل مھزوم مکسور عما قریب فلاتبال بمایقولون ولاتکترث بما یھذون کذبت قبلھم الخ قال ابو السعود استیناف مقرر لمضمون ماقبلہ ببیان احوال العتاۃ الطغاۃ الذین ھؤلاء جند مامن جنودھم مما فعلوا من التکذیب و فعل بھم من العقاب ان کل الا کذب الخ قال ابوا لسعود استیناف جئ بہ تقریر التکذیبھم وبیانا لکیفیۃ و تمھید السماء یعقبہ وما ینظر ھؤلاء الخ قال ابو السعود شروع فی بیان عقاب کفار مکۃ الر بیان عقاب اضرابھم من الاحزاب وقالوا ربنا عجل لنا الخ قال ابوا السعود حکایۃ لماقالوہ عندسماعھم بتأخیر عقابھم الی الاخرۃ اصبر علی ما یقولون الخ قال المسکین ھذا تسلیۃ لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم بتعلیم الصبرو تذکیرہ قصص الرسل الذین کانوا صابرین اوا بین اولی الایدی والابصار متحملین للشدائد فی دین اللہ وانجر ھذا الی قولہ کل من الاخیار واورد فی مطاوی القصص لتقریر البعث

لہ کان المذکور فی خاتمۃ ما سبق امر التوحید فی قولہ سبحان ربک الخ والرسالۃ فی قولہ و سلام علی المرسلین الخ و ھذا ھو المذکور فی فاتحۃ ھذہ السورۃ فتامل تستنبط ۱۲ منہ عفی عنہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

والحساب والجزاء الذی ذکر فی قوله وما ینظر هؤلاء الخ کلاما مستأنفاهو قوله وما خلقنا السماء والارض الخ ای خلقنا هما بالحکمة البالغة المقتضیة لان لایهمل امر الخلق سدی ثم اشارالی مال المؤمنین وانفجار فی قوله ام نجعل الذین امنوا و عملوا الصلحت الخ ثم لما کان الهای الی هذه الاسرار والحکم هو القرآن اثنی علیه بقوله کتاب انزلناه الیک الخ ثم بعد تمام القصص عاد الی ذکر الحساب والجزاء بقوله وان للمتقین لحسن مآب الی قوله ان ذلک لحق تخاصم اهل النار ثم عاد الی ماذکر فی اول السورة من امر التوحید والرسالة فقال قل انما انا منذر تصریح بالرسالة وما من اله الا الله الواحد القهار الخ تصریح بالتوحید قل هونبأ عظیم الخ قال المسکین عود الی تنویه شان القرآن الذی اشیر الیه فی صدر السورة وهو المراد بضمیر هو کمایدل علیه اخرالسورة من قوله قل ما اسالکم علیه من اجر الخ ما کان لی من علم بالملأ الاعلی الخ قال ابوالسعود استیناف مسوق لتحقیق انه نبأ عظیم وارد من جهته تعالی بذکر نبأ من انبائه علی التفصیل من غیر سابقة معرفة به ولا مباشرة سبب من اسبابها المعتادة فان ذلک حجة بنیة دالة علی ان ذلک بطریق الوحی من عند الله تعالی وان سائر انبائه کذلک ان یوحی الی الخ قال ابوالسعود اعتراض وسط بین اجمال اختصامهم و تفصیله تقریر الثبوت علمه علیه السلام و تعیینا لسبب اذ قال ربک للملئکة الخ قال ابوالسعود شروع فی تفصیل ما اجمل من الاختصام الذی هو ماجری بینهم من التقاول قال المسکین وایضا المقصود من ذکر هذه القصة ههنا کما فی الکبیر المنع من الحسد والکبرو ذلک لان ابلیس انما وقع فیما وقع فیه بسبب الحسد والکبر والکفار انما نازعوا محمدا علیه السلام بسبب الحسد والکبر قل مااسئلکم علیه الخ قال المسکین عود الی کون القرآن من عند الله تعالیٰ وکون ما فیه حقا واقعا ولوبعد حین کما ذکرنا فی تفسیر قوله تعالی قل هو نبأ عظیم فتذکر.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة الزمر[1]

انا انزلنا اليک الکتاب الخ قال ابو السعود شروع فی بيان شان المنزل اليه وما يحب[3] عليه اثر بيان شان المنزل وکونه من عند الله[2] تعالی الا لله الدين الخالص الخ قال بوا السعود استيناف مقرر لما قبله من الامر باخلاص الدين له تعالی ووجوب الامتثال به والذين اتخذو امن دونه الخ قال ابو السعود تحقيق لحقية ماذکر من اخلاص الدين الذی هو عبارة عن التوحيد ببيان بطلان الشرک الذی هو عبارة عن ترک اخلاصه لو اراد الله الخ قال المسکين ابطال لنوع اخر من الشرک من اتخاذالو لدله تعالی عن ذلک علوا کبيرا خلق السموات والارض الخ اعلم ان الاية المتقدمة دلت علی انه تعالی بين کونه منزها عن الولد بکونه الها واحدا و قهارا غالباً ای کامل القدرة فلما بنی تلک المسئلة علی هذه الاصول ذکر عقيبها مايدل کمال القدرة و علی کمال استغناء وايضافانه تعالی طعن فی الهية الاصنام فذکر عقيبها الصفات التی باعتبارها تحصيل الالهية ان تکفروا الخ قال المسکين قطع للحجة و فصل للقول بعد ذکر فنون نعمائه و تعريف شئونه العظيمة الموجبة للايمان والشکرو اذا مس الانسان الخ اعلم ان الله تعالی لما بين فساد القول بالشرک. بين ان الله تعالی هو الذی يجب ان يعبد بين فی هذه الاية ان طريقة هؤلاء الکفار الذين يعبدون الاصنام متناقضة قل تمتع الخ قال ابوا السعود تهديد لذلک الضال والمضل وبيان لحاله وماله امن هو قانت الخ قال ابو السعود من تمام الکلام المامور به کانه قيل له تاکيد اللتهديد وتهکما به أانت احسن حالا ومالا ام من هو قائم بمواجب الطاعات ودائم علی اداء وظائف العبادات حالتی السراء والضراء لاعندمساس الضر فقط کدأبک قل هل يستوی الخ قال ابو السعود بيان للحق

---

[1] کما قال تعالی بل الذين کفروا فی عزة و شقاق ۱۲ منه [2] المذکور فی فاتحتها و خاتمته ما قبلها کون القرآن حقا منزلا من الله تعالیٰ ۱۲ منه عفی عنه. [3] من العبادة الخالصة المامور بها فی قوله فاعبد الله الخ ۱۲ منه [4] اماترتيب الامر بالعبادة علی انزال الکتب لان الکتاب يامر به ۱۲ منه

(c) ketabton.com: The Digital Library

و تنبیه علی شرف العلم والعمل قل یاعباد الخ قالابوا السعود امر صلی الله علیه وسلم بتذکیر المؤمنین وحملهم علی التقوی والطاعة الر تخصیص التذکر باولی الالباب ایذانا بانهم هم کما سیصرح به قل انی امرت الخ قال ابوالسعود امر رسول الله صلی الله علیه وسلم ببیان ما امربه نفسه من الاخلاص فی عبادة الله الذی هو عبارة عما امر به المؤمنون من التقوی مبالغة فی حثهم علی الاتیان بما کلفوه و تمهید المایعقبه مما خوطب به المشرکون والذین اجتنبوا الخ اعلم ان الله تعالی لما ذکر وعید عبدة الاصنام والاوثان ذکر وعد من اجتنبا عبادتها واحترز عن الشرک لیکون الوعد مقرونا بالوعید ابدا فیحصل کماالترغیب والترهیب الم تر ان الله انزل الخ اعلم انه تعالی لما وصف الاخرة بصفات توجب الرغبة العظیمة لاولی الالباب فیها وصف الدنیا بصفة توجب اشتداد النفرة عنها افمن شرح الله صدره الخ اعلم انه تعالیٰ لما بالغ فی تقریر البیانات الدالة علی وجوب الاقبال علی طاعة الله وجوب الاعراض عن الدنیا بین بعد ذلک ان الانتفاع بهذه البیانات لایکمل الااذا شرح الله صدره ونور القلب الله نزل احسن الحدیث الخ لما بین تعالی ذلک اردفه بمایدل علی ان القرآن سبب لحصول النورو الشفاء والهدایة وزیادة الاطمینان افمن یتقی بوجهه الخ قال ابوالسعود استیناف جار مجری التعلیل لما قبله من تبائن حالی المهتدی والضال کذب الذین من قبلهم الخ لما بین الله تعالی کیفیة عذاب القاسیة قلوبهم فی الاخرة بین ایضا کیفیة وقوعهم فی العذاب فی الدنیا ولقد ضربنا للناس الخ لماذکر الله تعالی هذاه الفوائد المتکاثرة والنفائس المتوافرة فی هذه المطالب بین تعالی انه بلغت هذه البیانات الی حد الکمال والتمام ضرب الله مثلا الخ اعلم انه تعالی لما بالغ فی شرح وعید الکفار اردفع بذکر مثل مایدل علی فساد مذهبهم و قبح طریقتهم انک میت الخ قال ابوالسعود تمهید لمایعقبه من الاختصام یوم القیامة ثوم الکم یوم القیامة الخ قال المسکین هذا هوالمقصود وهو مرتبط بقوله ضرب الله مثلاً الذی کان تقریراً للتوحید و هذا اختصام فیه فمن اظلم الخ قال ابوا السعود مسوق لبیان کل من طرفے الاختصام الجاری فی شان الکفرو الایمان الیس الله بکاف الخ قال المسکین کان ماسبق بیانا لحال المحقین والمبطلین وهذا جواب عماکان المبطلون یخوفون المحقین به حیث قالو التکفن عن شتم الهتنا اولیصیبنک منهم خبل اوجنون ولئن سالتهم الخ اعلم انه تعالی لما اطنب فی وعید المشرکین

(c) ketabton.com: The Digital Library

و فی وعدالموحدین عاد الی اقامة الدلیل علی تزئیف طریقة عبدة الاصنام قل یاقوم اعملوا الخ لما اورد الله علیهم هذه الحجة التی لا دافع لها قال بعده علی وجه التهدید قل الخ انا انزلنا علیک الخ قال المسکین هذا تسلیة لقلب النبی صلی الله علیه وسلم من حزنه باصرار المشرکین علی قبائحهم ثم عاد الی اقامة الدلیل علی التوحید فقال الله یتوفی الانفس الخ ثم ابطل عقیدتهم الشرکیة فقال ام اتخذوا من دون الله الخ ثم لزیادة قوة قلبه علیه السلام امره بادعاء بقوله قل اللهم فاطر السموات الخ اذاتحیر فیا مر الدعوة وضجرمن شدة شکیمتهم فی المکابرة والعناد ثم بین اثار الحکم الذی استدعاه النبی صلی الله علیه وسلم وغایة شدته وفضاعته بقوله ولو ان للذین ظلموا الخ ثم بین تناقضهم القبیح فی انکارهم للتوحید بانهم لایدومون علی حال بل ینسبون الکل فی حال العجز والحاجة الی الله تعالیٰ و یقطعون عن الله فی حال السلامة والصحة فقال فاذا مس الانسان ضر الخ والتناقض دلیل القطع عن الحجة فعلم ان حجتهم علی دعواهم الشرک داحضة فثبت التوحید قل یاعبادی الذین الخ اعلم انه تعالی لما اطنب فی الوعید اردفع بشرح کمال رحمة و فضله واحسانه فی حق العبید قال المسکین وهو ایضا ازاحة لما عسی ان یختلج فی صدر من امر بالتوحید ان الشرک الذی مضی منا کیف یغفر فذکر الله تعالی رحمة العامة و مغفرته التامة ثم ذکر شرطها من التوبة و الانابة واشار فی تضاعیفه الی اهوال یوم القیمة الله خالق کل شیء الخ اعلم انه تعالی لما اطال الکلام فی شرح الوعد والوعید عاد الی دلائل الالهیة والتوحید وما قدروا الله حق قدره الخ قال المسکین تتمیم للتوحید ببیان عظمة الله تعالی و تفصیل لاحوال القیامة الذی کان مبذ منها قد ذکر فی ایات الانابة ثم کیفیة احوال اهل العقاب ثم کیفیة احوال اهل الثواب و ختم السورة.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ المؤمن

مایجادل فی ایات اللہ الخ اعلم انہ تعالی لماقرران القرآن کتاب انزلہ لیھتدی بہ فی الدین ذکر احوال من یجادل لغرض ابطالہ واخفاء امرہ کذبت قبلھم الخ قال المسکین کشف عن معنی قولہ فلایغررک الخ الذین یحملون العرش الخ اعلم انہ تعالیٰ لمابین ان الکفار یبالغون فی اظھار العداوۃ مع المؤمنین بین ان اشرف طبقات المخلوقات ھم الملائکۃ الذین ھم حملۃ العرش والحافون حول العرش یبالغون فی اظھار المحبۃ والنصرۃ للمؤمنین کانہ تعالی یقول ان کان ھؤلاء الارذال یبالغون فی العداوۃ فلاتبال بھم ولاتلتفت الیھم ولاتقم لھم وزنا فان حملۃ العرش معک والحافون من حول العرش معک ینصرونک ان الذین کفروا ینا دون الخ اعلم انہ تعالی لما عاد الی شرح احوال الکافرین المجادلین فی الایت اللہ و ھم الذین ذکر ھم اللہ فی قولہ مایجادل فی ایات اللہ الاالذین کفروا بین انھم فی القیامۃ یعترفون بذنوبھم واستحقاقھم العذاب الذی ینزل بھم ویسألون الرجوع الی الدنیا لیتلافوا ما فرط منھم ذلکم بانہ اذا دعی اللہ الخ قال ابوالسعود جواب لھم باستحالۃ حصول مایرجونہ ببیان مایوجبھا من اعمالھم السیئۃ ھوالذی یریکم ایاتہ الخ قال المسکین لما علل فی الایۃ السابقۃ عذابھم باشراکھم اشارالی دلائل التوحید و بین فی تضاعیفہ احوال القیمۃ تتمیما لما مرمن بعض احوالھا وامتد ھذا الی قولہ ان اللہ ھو السمیع البصیر اولم یسیروا فی الارض الخ لما بالغ فی تخویف الکفار بعذاب الاخرۃ اردفع ببیان تخویفھم باحوال الدنیا ولقد ارسلنا موسی الخ اعلم انہ تعالی لما سلی رسولہ بذکر الکفار الذین کذبوا الانبیاء قبلہ وبمشاھدۃ اثارھم سلاہ ایضابذکر قصۃ موسی علیہ السلام وانہ مع قوۃ معجزاتہ بعثہ الی فرعون و ھامان و قارون فکذبوہ وکابروہ وقالوا ھو ساحر کذاب واذ یتحاجون الخ اعلم ان الکلام فی تلک القصہ لما انجر الی شرح احوال النار لاجرم ذکر اللہ عقیبھا قصۃ المناظرات التی تجری بین الرؤساء و الاتباع

لہ لماختم السورۃ المتقدمۃ بذکر احوال المؤمنین والکافرین فی الاخرۃ بین فی اول ھذہ احوال الفریقین فی الدنیا من کون الکفار علی شرف الھلاک و کون المؤمنین محبوبین عندالملئکۃ حیث یدعون لھم الخ ۱۲ منہ عفی عنہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

من اهل النار وانا لننصر رسلنا الخ ان الکلام فی اول السورة انما وقع من قوله مایجادل فی ایات الله الخ وامتد الکلام فی الرد علی اولئک المجادلین و علی ان المحققین ابدا کانوا مشغولین بدفع کید المبطلین و کل ذلک انما ذکره الله تعالیٰ لسلیة للرسول صلی الله علیه وسلم وتصبیر اله علی تحمل اذی قومه ولمابلغ الکلام فی تقریر المطلوب الی الغایة القصوی و عد تعالی رسوله بان ینصره علی اعدائه فی الحیوة الدنیا و فی الاخرة و لما بین الله تعالیٰ انه ینصر الانبیاء والمؤمنین فی الدنیا والاخرة ذکر نوعا من انواع تلک النصرة فی الدنیا فقال ولقد اتینا موسی الهدی الخ ولما بین ان الله تعالیٰ ینصر رسله وینصر المؤمنین فی الدنیا والاخرة و ضرب المثال فی ذلک بحال موسی خاطب بعد ذلک محمدا صلی الله علیه وسلم فقال فاصبران وعدالله حق الخ فالله ناصرک ثم امره بان یقبل علی طاعة الله ان الذین یجادلون الخ اعلم انا بینا ان الکلام فی اول هذه السورة انما ابتدئ ردا علی الذین یجادلون فی ایات الله تعالی واتصل البعض بالبعض وامتد علی الترتیب الذی لخصناه والنسق الذی کشفنا عنه الی هذا الموضع ثم انه تعالی نبه فی هذه الایة علی الداعیة التی تحمل اولئک علی تلک المجادلة لخلق السموات الخ قال ابوا السعود تحقیق للحق و تبیین لاشهرما یجادلون فیه من امر البعث علی منهاج قوله تعالی اولیس الذی خلق السموات والارض بقادر علی ان یخلق مثلهم وما یستوی الاعمی الخ قال المسکین لما اقام الدلیل علی صحة البعث فقبل بعض وانکر بعض بین الفرق بینهما بمثال ان الساعة لاتیة الخ لماقدر الدلیل علی امکان وجود یوم القیمة اردفع بان اخبر عن وقوعها ودخولها فی الوجود و قال ربکم ادعونی الخ اعلم انه تعالی لما بین ان القول بالقیمة حق و صدق و کان من المعلوم بالضرورة ان الانسان لاینطفع یوم القیمة الابطاعة الله و کان اشرف انواع الطاعات الدعاء والتضرع لاجرم امرالله تعالی به فی هذه الایة الله الذی جعل لکم اللیل الخ قال المسکین لما امرا الله تعالی فی الایة السابقة بالعبادة واصل العبادة التوحید فاقام الدلائل علی التوحید الی قوله فانما یقول له کن فیکون الم ترالی الذین یجادلون الخ اعلم انه تعالی عاد الی ذم الذین یجادلون فی ایات الله فاصبر ان وعد الله حق الخ اعلم انه تعالیٰ لما تکلم من اصل السورة الی هذا الموضع فی تزئیف طریقة المجادلین امر فی هذه الایة رسوله بان یصبر علی ایذائهم بتلک المجادلات الله الذی جعل لکم الانعام الی اخر السورة اعلم انه تعالیٰ راعی ترتیبا لطیفا فی اخر هذه السورة و ذلک انه ذکر فصلا فی دلائل الالهیة ثم اردفع بفصل فی التهدید والوعید

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة حٰمٓ السجدة

قال المسكين الاقرب ان المقصود ههنا اثبات التوحيد الذى صرح به فى قوله قل أانكم لتكفرون بالذى خلق الارض الخ والذى قبله من كون القرآن منزلا من الرحمن الرحيم كالتمهيدله لاشتمال القرآن على التوحيد و ذكر معه اعراض الكفار والجواب عنه والامر بالاستقامة والاستغفار ولوعيد على الشرك والوعد للمؤمنين استطرادا و ذكر ايضا فى تضاعيفه ما هو المقصود من قوله انما الهكم اله واحد الخ قل ء انكم لتكفرون الخ اعلم انه تعالى لما امر محمدا صلى الله عليه وسلم فى الاية الاولى ان يقول انما انا بشر مثلكم يوحى الى انما الهكم اله واحد اردفه بما يدل على انه لايجوز اثبات الشركة بينه تعالى و بين هذه الاصنام فى الالهية والمعبودية فان اعرضوا الخ اعلم ان الكلام انما ابتدئ من قوله انما الهكم اله واحد واحتج عليه بقوله قل أانكم لتكفرون و حاصله ان الاله الموصوف بهذه القدرة القاهرة كيف يجوز الكفربه و كيف يجوز جعل هذه الاجسام الخسيسة شركاء له فى الالهية ولما تمم تلك الحجة قال فان اعرضوا فقل انذرتكم صاعقة مثل صاعقة عاد و ثمود و بيان ذلك ان وظيفة الحجة قدتمت على اكمل الوجوه فان بقوا مصرين على الجهل لم يبق علاج فى حقهم الا انزال العذاب عليهم و يوم يحشر اعداء الله الخ اعلم انه تعالى لما بين كيفية عقوبة اولئك الكفار فى الدنيا اردفه بكيفية عقوبتهم فى الاخرة ليحصل منه تمام الاعتبار فى الزجر والتحذير وقيضنا لهم قرناء الخ اعلم انه تعالى ما ذكر الوعيد الشديد فى الدنيا والاخر على كفراولئك الكفار واردفه بذكر السبب الذى لاجله وقعوا فى ذلك الكفروقال الذين كفروا لاتسمعوا الخ قال المسكين بيان لتزئين كفرهم بحيث لايودون سماع الهداية ثم بين وعيدهم بالعذاب ثم عين ذلك العذاب انه النار و قال الذين كفروا ربنا الخ اعلم انه تعالى لما بين ان الذى حملهم على الكفر الموجب للعقاب الشديد مجالسة قرناء السوء بين ان الكفار عند الوقوع فى العذاب الشديد يقولون ربنا ارنا الخ ان الذين قالوا ربنا الله الخ اعلم انه تعالى لما اطنب فى الوعيد اردفه بهذا الوعد الشريف و هذا ترتيب لطيف مدار كل القرآن عليه و من احسن قولا الخ قال المسكين اخذ امن الكبير و ابى السعود لما ذكر الله تعالى فى اول السورة

۱؎ مناسبة لقوله تعالىٰ الله الذى جعل لكم الليل الخ ۱۲ منه. ۲؎ مناسبة لقوله فاما نرينك الخ ۱۲ منه

۳؎ ختم السورة المتقدمة على التوحيد والتهديد وكذا افتتح هذه بالتوحيد كما قال قل أ انكم لتكفرون الخ وبالتهديد كما قال فان اعرضوا الخ ۱۲ منه عفى عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

ما قالوه للنبی صلے اللہ علیه وسلم من ان قلوبنا فی اکنة و فی وسطها من قولهم لاتسمعو الهذا القرآن الخ و کان علیه الصلوة والسلام یتأذی بهذه الاقوال امره تعالی فی هذه الایات بالصبر علی الدعوة ایذائهم و مقابلة اساء تهم بالاحسان و من ایاته اللیل والنهار الخ قال المسکین عود الی التوحید و اقامة الدلائل علیه واشار فی الاخر الدلائل الی صحة البعث بقوله ان الذی احیاها لمحیی الموتی الخ ان الذین یلحدون فی ایاتنا الخ قال المسکین لما اقام الله تعالی الدلائل هدد من ینازع فی هذه الدلائل و یلحد فیها ان الذین کفروا بالذکر الخ قال السمیکن کان ما قبله بیانا للایات التکوینیة و هذا بیان للایات التنزیلیة و شرفها مع التسلیة لرسول علیه الصلوة والسلام فی قوله ما یقال لک الا ما قد قیل الخ ولو جعلناه قرآنا اعجمیا الخ هذا الکلام متعلق بقوله و قالوا قلوبنا فی اکنة الخ وجواب له والتقدیر انا لو انزلنا هذا القرآن بلغة العجم لکان لهم ان یقولوا کیف ارسلت الکلام العجمی الی القوم العرب و یصح لهم ان یقولوا قلوبنا فی اکنة ممالدعونا الیه ای من هذا الکلام و فی اذاننا و قرمنه لانفهم ولانحیط بمعناه امالما انزلنا هذا الکتاب بلغة العرب وبالفاظهم وانتم من اهل هذه اللغة فکیف یمکنکم ادعاء ان قلوبکم فی اکنة منها و فی اذانکم و قرمنها ولقد اتینا موسی قال ابوا السعود کلام مستأنف مسوق لبیان ان الاختلاف فی شان الکتب عادة قدمیة غیر مختص بقومک علی منها بقوله تعالی مایقال لک الاما قد قیل الخ الیه یرد علم الساعة الخ اعلم انه تعالی لما هدد الکفار بقوله من عمل صالحا الخ و معناه ان جزاء کل احد یصل الیه فی یوم القیمة و کان سائلا قال و متی یکون ذلک الیوم فقال تعالی انه لاسبیل الے الخلق الی معرفة ذلک الیوم ولا یعلمه الا لله ولما بین الله تعالی من حال هؤلاء الکفار انهم بعد ان کانوا مصرین علی القول بالبات الشرکاء والاضداد لله تعالی فی الدنیا تبرؤا عن تلک الشرکاء فی الاخرة بین ان الانسان فی جمیع الاوقات متبدل الاحوال متغیر المنهج فان احس بخیر و قدرة التفخ و تعظم و ان احسن بلاء و محنة ذهل فقال لایسئم الانسان الخ واعلم انه تعالی لما ذکر الوعید العظیم علی الشرک و بین ان المشرکین یرجعون عن القول بالشرک فی یوم القیامة ذکر عقیبه کلاما اخر یوجب علے هؤلاء الکفار ان لایبالغوا فی اظهار النفرة من قبول التوحید و ان لایفرطوا فی اظهار العداوة مع الرسول صلی الله علیه وسلم فقال قل ارأیتم ان کان من عندالله الخ ولما ذکر هذه الوجوه الکثیرة فے تقریر التوحید والنبوة وما جاب عن شبهات المشرکین و تموهیات الضالین قال سنریهم ایاتنا الخ ثم قال اولم یکف بربک الخ والمعنی الم تکفهم هذه الدلائل الکثیرة التی اوضحها الله تعالی و قررها فی هذه السورة و فی کل سور القرآن الدالة علی التوحید والنبوة والمعاد ثم ختم السورة بقوله الا انهم فی مریة الخ یعنے ان القوم فی شک عظیم و شبهة شدیدة من البعث والقیمة.

سورۃ الشوری[1]

کذلک یوحی الیک الخ هذه المماثلة المراد منها المماثلة فی الدعوة الی التوحید والعدل والنبوة والمعاد و تقبیح احوال الدنیا و الترغیب فی التوجه الی الاخرة ولما ذکر ان هذا الکتاب حصل بالوحی بین ان الموحی من هو فقال انه هو العزیز الحکیم والصفة الثالثة قوله ما فی السموات وما فی الارض والصفة الرابعة والخامسة قوله تعالےٰ وهو العلی العظیم تکاد السموات یتفطرن الخ لما بین ان الموحی لهذا الکتاب هو الله العزیز الحکیم بین وصف جلاله و کبریائه فقال تکاد السموات یتفطرن من فوقهن ای من هیبة و جلاله ثم قال والملائکة یسبحون بحمد ربهم ویستغفرون لمن فی الارض الخ اعلم ان مخلوقات الله تعالی نوعان عالم الجسمانیات واعظمها السموات و عالم الروحانیات و اعظمها الملائکة والله تعالی یقرر کمال عظمة لاجل نفاذ قدرته وهیبته فی الجسمانیات ثم یردفه بنفاذ قدرته استیلاء هیبته علی الروحانیات و قوله تعالی یسبحون بحمد ربهم اشارة الی الوجه الذی بهم الی عالم الجلال والکبریاء وقوله یستغفرون لمن فی الارض اشارة الی الوجه الذی لهم الی عالم الاجسام ثم قال تعالی والذین اتخذوا من دونه اولیاء ای جعلوا له شرکاء وانداداهو محاسبهم علیها انما انت منذر قال المسکین ثم بین الله کونه علیه السلام منذرا بقوله وکذلک اوحینا الیک الخ ثم بین شان الیوم الذی امر علیه السلام بالانذار منه فقال لاریب فیه هذه صفته الاولی و قال فریق فی الجنة و فریق فی السعیر هذه صفته الثانیة ای هو یوم الفصل ولوشاء الله لجعلهم الخ المراد تقریر قوله والذین اتخذوا الی قوله وما انت علیهم بوکیل ثم قال تعالی ام اتخذوا من دونه اولیاء اعاد ذلک الکلام علی سبیل الاستنکاد ثم قال وما اختلفتم فیه من شیء الخ وجه النظم انه تعالی کما منع الرسول صلی الله علیه وسلم ان یحمل الکفار علی الایمان قهر افکذلک منع المؤمنین ان یشرعوا

[1] فهو مرتبط بقوله الیه یرد علم الساعة ۱۲ منه. [2] لماختم السورة المتقدمة بذکر البعث فی قوله الاانهم فی مریة من لقاء ربهم افتتح هذا السورة بذکر التوحید وتلازمهه ظاهر منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

معهم فی الخصومات والمنازعات قال المسکین ثم وصف الحاکم نفسه بانه هو الرب الذی یحق التوکل علیه والانابة الیه فاطر السموات والارض الی قوله انه بکل شیء علیم شرع لکم من الدین الخ اعلم انه تعالی لما عظم وحیه الیٰ محمد صلی الله علیه وسلم بقوله کذلک یوحی الیک الخ ذکر فی هذه الایة تفصیل ذلک کبر علی المشرکین الخ قال ابو السعود شروع فی بیان احوال بعض من شرع لهم ما شرع من الدین القویم الله یجتبی الیه الخ قال ابوا السعود استیناف وارد لتحقیق الحق و فیه اشعار بان منهم من یجیب الی الدعوة وما تفرقو الخ قال ابوالسعود شروع فی بیان احوال اهل الکتاب عقیب الاشارة الاجمالیة الی احوال اهل الشرک وان الذین اورثو الکتاب الخ قال ابوالسعود بیان لکیفیة کفر المشرکین بالقرآن اثر کیفیة کفر اهل الکتاب فلذلک فادع الخ قال المسکین تفریع علی الاختلاف ای لما وقع الاختلاف وجب الدعوة الی الاتفاق مع الاستقامة والاعراض عن اهوائهم والایمان والعدل واتمام الحجة والذین یحاجون الخ قال المسکین لما تم الله الحجة هددمن یعاند فیها بغیر حق الله الذی انزل الکتاب الخ لما قر رالله هذه الدلائل خوف المنکرین بعذاب القیمة والمعنی علی ما قال ابوالسعود انها علی جناح الاتیان فاتبع الکتب واعمل به و واظب علی العدل قبل ان یفاجئک الیوم الذین یوزن فیه الاعمال و یوفی جزائها یستعجل بها الذین الخ قال المسکین لما قرر امرالساعة ذکران لها منکرین و مصدقین الله لطیف الخ قال المسکین لعله جواب عن استعجالهم ای لاتغتروابالامهال الذی منشأه اللطف والربوبیة و هذا الامهال لایدوم لانه القوی العزیز من کان یرید الخ قال المسکین تقریر لعدم الاغترار بالعاجلة و ترغیب فی الآجلة ام لهم شرکاء الخ قال المسکین ذم علی ردهم الشرع الذی و صحابه نوحا الخ وانکارهم للبعث ووعیدلهم بالعذاب اذا ارتفع المانع تری الظلمین الخ قال المسکین بیان لوقوع العذاب بالظلمین و حصول الثواب لمقابلیهم وانجر هذا الی قوله غفور شکور واورد فی اثناء الکلام فی صورة لجملة المعترضة مایبرئ رسول الله صلی الله علیه وسلم عن طلب الاجر علی التبلیغ لیدل علی خلوصه و صدقه ووقوع ماخبر به حتمام یقولون افتری الخ اعلم ان الکلام فی اول هذه السورة انما ابتدئ فی تقریر ان هذا الکتاب انما حصل بوحی الله وهو قوله تعالیٰ کذلک یوحی الیک واتصل الکلام فی تقریر هذا المعنی و تعلق البعض بالبعض حتی وصل الی ههنالم

(c) ketabton.com: The Digital Library

حکی ههنا شبهة القوم وهی قولهم ان هذا لیس و حیامن الله تعالیٰ فان یشأ الله الخ قال ابو السعود استشهاد علی بطلان ما قالوا بیان انه علیه السلام لو افتری علی الله لمنعه من ذلک قطعا و قیل المعنی ان یشاء یجعلک من المختوم علی قلوبهم فانه لایجتریٔ علی الافتراء علیه تعالی الامن کان کذلک و مؤداه استبعاد الافتراء من مثله علیه السلام و یمحوا الله الخ قال ابو السعود استیناف مقرر لنفی الافتراء ای و من عادته تعالی انه یمحو الباطل فلو کان افتراء کمازعموا المحقه و د مغه ا وعدة لرسول الله صلی الله علیه وسلم بانه تعالی یمحوا الباطل الذی هم علیه بنصرته علیهم وهو الذی یقبل التوبة الخ اعلم انه تعالی لما قال ام یقولون افتری الخ ثم برأرسوله ماا ضافوه الیه من هذا وکان المعلوم انهم قداستحقوا بهذه الفریة عقابا عظیما لاجرم ندبهم الله تعالی الی التوبة و عرفهم انه یقبلها من کل مسییٔ و ان عظمت اساء ته ولو بسط الله الرزق الخ اعلم انه تعالی لما قال فی الأیة الاولی انه یجیب دعاء المؤمنین ورد علیه سوال وهوان المؤمن قدیکون فی شدة وبلیة وفقر لم بدعو فلایشاهد اثر الاجابة فکیف الحال فیه مع ماتقدم من قوله ویستجیب الذین امنوا فاجاب تعالی عنه بقوله ولو بسط الله الرزق لعباده لبغوا فی الارض ولاقدموا علی المعاصی ولماکان ذلک محذورًا وجب ان لایعطیهم ماطلبوه ولمابین تعالی انه لایعطیهم مازاد علی قدرحاجتهم لاجل انه علم ان تلک الزیادة تضرهم فی دینهم بین انهم اذا احتاجوا الی الرزق فانه لایمنعهم منه فقال وهو الذی ینزل الغیث الخ ثم ذکر اٰیة اخری تدل علی الٰهیته فقال ومن ایاته خلق السموات الخ قال المسکین ثم اشار الی صحته البعث الر بیان الالوهیة کما هو الشائع فی القرآن فقال وهو علی جمعهم ای حشرهم بعد البعث للمحاسبة اذا یشاء قدیر ثم اشارالی انموذج المحاسبة الواقع فی الدنیا دفعالاستبعاد المحاسبة فی الاخرة فقال وماا صابکم من مصیبة الخ ثم بین عدم قدرتهم علی الهرب عن المحاسبة فقال وما انتم بمعجزین الخ ثم عاد الی ذکر دلیلالالوهیة فقال ومن ایاته الجوار فی البحر الخ فی الکبیر اعلم ان المقصود من ذکره امر ان احدهما ان یستدل به علی وجود القادر الحکیم والثانی ان یعرف ما فیه من النعم العظیمة لله تعالی علی العباد ثم قال تعالی ان یشایسکن الریح الخ والمقصود التنبیه علی ان المؤمن یجب ان لایکون غافلاً عن دلائل معرفة الله البتة واعلم انه تعالی لماذکر دلائل التوحید اردفها بالتنفیر عن الدنیا و تحقیر شانها لان

الذى يمنع من قبول الدليل انما هو الرغبة فى الدنيا بسبب الرياسة و طلب الجاه فاذا صغرت الدنيا فى عين الرجل لم يلتفت اليها فحينئذ ينتفع بذكر الدلائل فقال فما اوتيتم من شيء الخ ثم قال وما عندالله خير وابقى ثم بين ان هذه الخيرية انما تحصل لمن كان موصوفا بصفات ان يكون من المؤمنين الخ ومن يضلل الله فماله من ولى الخ قال المسكين لما ذكر فى الايات السابقة حال المهتدين واستحقاقهم لماعندالله من الثواب ذكر فى هذه الاية حال الضالين واستحقاقهم للعذاب والحسرة استجيبوا لربكم الخ اعلم انه تعالى لما اطنب فى الوعد والوعيد ذكر بعده ماهو المقصود فان اعرضوا الخ وذلك تسلية من الله تعالى ثم انه تعالى بين السبب فى اصرارهم على مذاهبهم الباطلة فقال وانا اذا اذقنا الانسان الخ ولما ذكر الله تعالى اذاقة الانسان الرحمة و اصابة بضدها اتبع ذلك بقوله لله ملك السموات الخ المقصود منه ان لايغتر الانسان بماملكه من المال والجاه بل اذاعلم ان الكل ملك الله وملكه وانما حصل ذلك القدر تحت يده لان الله انعم عليه به فحينئذ يصير ذلك حاملاله على مزيد الطاعة والخدمة ثم ذكر من اقسام تصرف الله فى العالم وما كان لبشر الخ اعلم انه تعالى لمابين كمال قدرته وعلمه و حكمته اتبعه ببيان انه كيف يخص انبياءه بوحيه وكلامه قال المسكين و فى هذا جواب عن قول اليهود للنبى صلى الله عليه وسلم الاتكلم الله و تنظر اليه ان كنت نبيا وكان مقصودهم القدح فى النبوة فازاح الله هذه الشبهة تقرير للنبوة بعد تقرير التوحيد.

تم بحمد الله

(c) ketabton.com: The Digital Library

فہرست مضامین

سُوۡرَۃُ الۡکَہۡف

قصہ اصحاب کہف	۵
اللہ تعالیٰ کی رحمت بے انتہا ہے	۷
اہل اللہ خلوت کو پسند فرماتے ہیں	۱۰
آرائش دنیا	۱۱
عورتیں زینت دنیا نہیں	۱۳
باقیات صالحات	۱۴
اعمال باقی	۱۵
دنیا کی حقیقت	۱۶
اعمال قیامت میں اپنی شکل میں ظاہر ہوں گے	۱۶
سفارش سے خضر علیہ السلام کے واقعہ سے ایک نکتہ	۲۱
حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ پر چند اشکالات اور لطیف جواب	۲۲
شیطان کا منقش اشیاء کا حال معلوم کر لینا منافی عصمت نہیں	۲۴
دوسری آیت میں لک بڑھانے کا سبب	۲۴
عدم مناسبت کے سبب علیحدگی	۲۵
آباؤ اجداد کی برکت سے اولاد کو نفع پہنچتا ہے	۲۵
لم دریافت کرنے کا منشاء کبر ہے	۲۶
آداب شیخ	۲۶
حق تعالیٰ شانہ نے اپنا نام لینے کیلئے القاب وآداب کی شرط نہیں لگائی	۲۷

(c) ketabton.com: The Digital Library

سببِ قسم	۲۷
مسئلہ تقدیر کی تعلیم	۲۸

سُوْرَۃ مَرْیَم

ممنوع نام رکھنے کا رواج عام	۳۰
حق سبحانہ وتعالیٰ کی بے انتہا شفقت	۳۱
حکم استقامت عبدیت	۳۳
تخصیص کی نفی	۳۴
مقام طالب ومطلوب	۵
حب مال کے اثرات	۳۶
شرف باسم شرف مسمی کی دلیل ہے	۳۷
حب مال وحب جاہ	۳۸
طریق نجات	۳۹
ودا کا مفہوم	۴۰
محبوبیت کا باطنی سبب	۴۰
ایمان وعمل صالح کا محبوبیت میں دخل	۴۱

سُوْرَۃ طٰہٰ

اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کا مفہوم	۴۲
عرش اللہ تعالیٰ کا مکان نہیں ہے	۴۳
تجلی کی معنی	۴۴
حوادث اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے مظاہر ہیں	۴۴
نماز کا ایک عظیم ثمرہ	۴۵
نماز کی روح	۴۶
امور طبعیہ کے مؤثر ہونے میں حکمتیں	۴۷

(c) ketabton.com: The Digital Library

قذف کے معنی اور عجیب و غریب تفسیر	۴۷
حق تعالیٰ سے ہم کلامی	۴۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شہزادوں کی طرح پرورش پائی	۴۹
امور طبعیہ فطری چیز ہیں	۴۹
فرعون کا روئے سخن حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے	۵۱
ولا یفلح الساحر پر شبہ	۵۲
ایک شبہ کا حل	۵۳
ساحران موسیٰ علیہ السلام کا ایمان کامل	۵۳
دنیا کی تمام اشیاء کا مقصود	۵۴
تصور شیخ کا مقصود	۵۵

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ

علماء انبیاء کے وارث ہیں	۵۶
صرف کمال علمی مدح نہیں	۵۷
خشوع عمل قلب ہے	۵۸
شمس و قمر وغیرہ کے جہنم میں ڈالنے کا سبب	۵۹
ارض جنت	۶۱
جاہ کیلئے خواہش سلطنت مذموم ہے	۶۲
شان رحمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	۶۴

سُوْرَةُ الْحَجِّ

ارض و سموات، شمس و قمر وغیرہ سب مطیع ہیں	۶۶
صورۃ تعذیب	۶۷
مکہ میں معاصی کا گناہ اور مقامات سے زیادہ ہے	۶۸
حق سبحانہ و تعالیٰ کا ایک بڑا انعام	۶۹

اسلام کا حاصل	۷۱
تین بڑے عمال	۷۲
علامات دین کی تعظیم کا سبب	۷۳
قاعدہ کلیہ	۷۴
مفہوم شعائر	۷۴
تعظیم شعائر	۷۴
اہل ظاہر کی غلطی	۷۵
قربانی کرنے والوں کی اقسام	۷۵
روح قربانی	۷۵
حکمت تکبیر	۷۶
تکبیر تشریق	۷۷
کذب اخبار میں ہوتا ہے	۷۸
مقدار یوم بعث الف وخمسین الف میں تطبیق عجیب	۷۹
صلح کا حاصل	۸۳
اہل باطل کو اہل حق سے منازعت کی اجازت نہیں	۸۳
دین اور دشواری	۸۵
اسرار شریعت	۸۶
ملت ابراہیمی دراصل ملت محمد یہ ہی ہے	۸۶

سورۃ المؤمنون

خشوع لوازم ایمان سے ہے	۸۷
پابندی صوم وصلوٰۃ کے باوجود خشیت خداوندی	۸۸
قیامت کے دن تک	۸۹
حق سبحانہ وتعالیٰ کیلئے صیغہ واحد کا استعمال خلاف ادب نہیں	۸۹
عباد مقبولین کا کام صبر ہے	۹۰

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ النُّوْر

آیت سرقہ السارق کی اور آیت زنا میں الزانیۃ کی تقدیم میں حکمت	۹۲
واقعہ افک پر منطقی اشکال کا جواب	۹۳
سوء ظن کے لئے دلیل کی ضرورت ہے	۹۴
بے تحقیق کوئی بات کرنا بڑا جرم ہے	۹۴
بے تحقیق بات کا زبان سے نکالنا جرم ہے	۹۴
بلا تحقیق بات کرنا بہتان ہے	۹۶
گناہ کو صغیرہ سمجھنا	۹۷
قانون میں ہر بات کے ثبوت کی ضرورت	۹۸
شکایت سے متاثر نہ ہونا	۱۰۰
کشف بلا تلبیس بھی حجت نہیں	۱۰۱
قانون خدا میں جھوٹا	۱۰۱
حسن ظن محتاج دلیل نہیں ہوتا	۱۰۲
منتہی سلوک کا مقام	۱۰۲
محبت آمیز نکیر	۱۰۳
ضروری تعلیم	۱۰۴
صفات نسواں	۱۰۵
کمالات دین دنیا	۱۰۶
علم و عمل	۱۰۸
صفات نسواں	۱۰۹
مسئلہ استیذان	۱۱۰
معاشرت کا ایک علمی نکتہ	۱۱۰
حفاظت شرم گاہ کا بہترین ذریعہ	۱۱۲
پردہ کی ضرورت	۱۱۲

(c) ketabton.com: The Digital Library

مراقبہ خشیت	۱۱۴
سمت امن	۱۱۵
نظر بد سے بچنا غیر اختیاری نہیں	۱۱۵
ظلمت معصیت	۱۱۶
چہرہ اور بازوؤں کے پردہ میں داخل ہونے کی مدلل بحث	۱۱۷
نور چراغ سے تشبیہ	۱۲۱
لفظ نور کا معنی	۱۲۲
خلاصہ آیت	۱۲۲
اعمال قرب حق سبحانہ وتعالیٰ	۱۲۳
انوارات مقصود نہیں	۱۲۳
مؤمن کا مال اصلی	۱۲۶
آیت کی تفسیر	۱۲۷
ذکر اللہ	۱۲۷
سلوک کی ابتداء	۱۲۸
ادب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	۱۲۹
ادب کا مدار عرف پر ہے	۱۳۰

سُوْرۃ الفُرقان

اللہ تعالیٰ سے ہم کلام نہ ہونے میں حکمت اور مصلحت	۱۳۲
حق تعالیٰ شانہ کے دیکھنے اور سننے کا مراقبہ	۱۳۲
قرآن مجید کے تدریجا نزول میں حکمت	۱۳۳
سابقہ کتب کا نزول دفعی میں حکمت	۱۳۴
شریعت میں سخت مرض کا بھی آسان علاج ہے	۱۳۵
تبدیل سیئات کی متعدد تفسیریں	۱۳۶
توبہ کا طریق	۱۳۷

(c) ketabton.com: The Digital Library

نیک اعمال کی تاکید	۱۳۸
تبدیل ملکات کی حقیقت	۱۳۹
توبہ کا طریق	۱۴۰
گنہگاروں کو بشارت	۱۴۱

سُورۃ الشُّعَرَآء

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کیلئے رسول بنانے کی دعاء میں حکمت؟	۱۴۳
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساحران موسیٰ کو اجازت دینے کا راز	۱۴۴
اصحاب موسیٰ بوجہ ضعیف الیقین معیت حق سے محروم تھے	۱۴۵

سُورۃ النَّمل

سماع موتی اور اہل قبور سے فیض کا ثبوت	۱۴۸
وصال نبوی کے بعد خطبہ صدیق اکبرؓ	۱۴۹
حضرت جنیدؒ ایک صاحب کمال بزرگ	۱۴۹

سُورۃ القَصَص

ازالہ خوف وحزن کی تدبیر	۱۵۰
ضبط نفس کی تعلیم	۱۵۱
قواعد شرعیہ جامع مانع ہوتے ہیں	۱۵۲
کبھی معمولی غلطی پر بھی گرفت ہوجاتی ہے	۱۵۳
اختیاری غم ممنوع ہے اضطراری نہیں	۱۵۴
خوف وحزن کا بقاء اختیاری ہے	۱۵۸
درجات خوف وحزن	۱۵۸
خوف وحزن کے دو درجے	۱۵۹
طبعی خوف نبوت وکمال کے منافی نہیں	۱۶۰

(c) ketabton.com: The Digital Library

حربی کے قتل کو ناجائز قرار دینے کا سبب	۱۶۰
نمرود و فرعون خدا کی ہستی کے قائل نہ تھے	۱۶۱
شان موسویت	۱۶۲
صاحب حق مرعوب نہیں ہوتا	۱۶۴
مذمت ترجیح ھوی	۱۶۴
اقسام ہوی	۱۶۵
ضرورت قصد اصلاح	۱۶۶
عزم اصلاح	۱۶۷
شان نزول	۱۶۸
اختیار تکوینی اور تشریعی صرف اللہ کیلئے ہے	۱۶۸
حقیقت رجاء	۱۶۹
طلب علو مطلقاً مذموم ہے	۱۷۰
سوائے ذات باری کے سب فانی ہیں	۱۷۱
سُورۃ العنکبوت	
مصائب کی حکمت جلی اور خفی	۱۷۲
دعویٰ اور دلیل	۱۷۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے رویت باری تعالیٰ کا اثبات	۱۷۶
امتحان کی حقیقت	۱۷۶
امتحان سے مقصود مدعی کو خاموش کرنا ہوتا ہے	۱۷۷
رجا کا مفہوم	۱۷۸
رجاء وامکان	۱۸۰
صفات خداوندی	۱۸۰
نصیحت ناصح	۱۸۱
عمل بغیر ایمان کے مقبول نہیں	۱۸۲

(c) ketabton.com: The Digital Library

کفر و شرک پر اتفاق نا اتفاقی سے بدتر ہے	۱۸۲
شب قدر میں معمولات سلف	۱۸۳
نماز اہل فحشاء و منکر کو نمازی کے پاس آنے سے روکتی ہے	۱۸۳
ایک عجیب تفسیری نکتہ	۱۸۴
اللہ کا بتلایا ہوا راستہ	۱۸۴
نماز کی روح	۱۸۵
ذکر اللہ کی ضرورت	۱۸۵
ذکر اللہ ہی اصل مقصود ہے	۱۸۷
آیات بینات	۱۸۸
حقیقت دنیا	۱۸۹
دنیائے مذموم	۱۹۱
مقصود طریق	۱۹۴
اصل مطلوب رضائے الٰہی ہے	۱۹۵
مجاہدہ و مشقت پر وعدہ ہدایت ہے	۱۹۵
وصول میں دیر نہیں لگتی	۱۹۵
سُورۃ الرُّوم	
یہ آیت کفار کے لئے مخصوص ہے	۱۹۶
مومن و کافر کی تفریق	۱۹۷
یحبرون کی تفسیر	۱۹۷
فضل و رحمت	۱۹۸
نکاح کا اصل موضوع لہ	۱۹۹
جوش کا کم ہونا کمال محبت کی دلیل ہے	۱۹۹
معاملہ نکاح میں دلائل قدرت	۲۰۰
مصنوعات سے صانع پر استدلال کرنا فطری امر ہے	۲۰۱

(c) ketabton.com: The Digital Library

نکاح میں آیات کثیرہ	۲۰۱
عورت باورچن نہیں	۲۰۱
مودۃ ورحمۃ کا مفہوم	۲۰۱
زوجین میں محبت کا نباہ دائمی نہیں	۲۰۱
مستورات پر ظلم کی راہ سے مشقت ڈالنا بے رحمی ہے	۲۰۲
عورتوں کے ذمہ کھانا پکانا واجب نہیں	۲۰۳
لیل ونہار کا تعلق عام ہے	۲۰۳

سُوْرۃ لُقمان

حقوق والدین	۲۰۴
ایک جدید مرض اور اس کا علاج	۲۰۵
اتباع کا صحیح معیار	۲۰۵
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتباع وحی کا حکم	۲۰۵
حنفی کہلانے میں کوئی قباحت نہیں	۲۰۷
حضرت مجتہدین کا اتباع	۲۰۷
آثار تکبر اور اس کی مذمت	۲۰۹
منکرین توحید سے شکایت	۲۱۰
تسخیر کا مفہوم	۲۱۲
نعمت کی دو قسمیں ظاہرہ و باطنہ	۲۱۴
جدال کی دو قسمیں	۲۱۵
فضائل علم	۲۱۵

سُوْرۃ الاَحزاب

ایک شخص میں دو دل ممکن ہیں یا نہیں	۲۱۷
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فطانت	۲۱۸

(c) ketabton.com: The Digital Library

عشق ومحبت	۲۱۸
نقشبندیہ اور چشتیہ کے الوان میں مناسبت	۲۲۰
نبی کی بیبیوں سے زنا کا صدور نہیں ہوتا	۲۲۱
ازواج مطہرات ؓ کی فضیلت کا سبب	۲۲۲
عورت کی تہذیب	۲۲۲
ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں داخل ہیں	۲۲۳
اسلام اور ایمان ایک ہی چیز ہے	۲۲۵
ایک مخلص کی حکایت	۲۲۷
ذکر اللہ کی اہمیت	۲۲۸
امور معاشیہ میں بھی احکام کی پابندی ضروری ہے	۲۲۸
فروج کا معنی	۲۲۸
والحفظین فروجھم کا سلیس ترجمہ	۲۲۹
حضرت زینب ؓ سے نکاح کے شبہ کا ازالہ	۲۲۹
عوام کی رعایت کو سمجھنا بڑے حکیم کا کام ہے	۲۳۱
حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے روحانی والد ہیں	۲۳۲
ازواجِ مطہرات ؓ مؤمنین کی مائیں ہیں	۲۳۳
کثرت ذکر اللہ کا حکم	۲۳۴
صبح وشام ذکر الٰہی کا مفہوم	۲۳۵
اعتدال شریعت	۲۳۵
رسول اکرم ﷺ کی ایک خاص صفت کی تشبیہ کا مفہوم	۲۳۶
مشبہ بہ کا مشبہ سے افضل ہونا ضروری نہیں	۲۳۷
حضور ﷺ کو آفتاب یا چاند سے تشبیہ نہ دینے کی وجہ	۲۳۷
جامع کمالات	۲۳۸
محبت اور خلت میں فرق	۲۳۹

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضور علیہ میں شان محبوبی سب سے زیادہ ہے	۲۴۰
درود شریف پڑھنے کا اجر و ثواب بلا استحقاق ہے	۲۴۱
مشقت اور الجھن دفع کرنے کا طریق	۲۴۲
خشیت الٰہی پیدا کرنے کی ضرورت	۲۴۳
خوف حاصل ہونے کا طریقہ	۲۴۵
محبت الٰہی حاصل ہونے کا طریقہ	۲۴۶
کونسا نفع قابل تحصیل ہے	۲۴۷
اصل مابہ الامتیاز محبت ہے	۲۴۸
محبت سبب حمل امانت ہے	۲۴۸
حامل امانت	۲۴۹
امانت سے مراد اختیار ہے	۲۵۰
آیت مبارکہ میں امانت کا مفہوم	۲۵۱
شیطان کے مردود ہونے کا سبب	۲۵۲
علاج النفس	۲۵۳

سُوْرۃ سَبَا

حضرت سلیمان علیہ السلام پر خصوصی انعامات	۲۵۵
شکر کا تعلق قول و عمل دونوں سے ہے	۲۵۵
انتفاع کی دو شرطیں	۲۵۶
صبر کی حقیقت	۲۵۷
شکر کی حقیقت	۲۵۷
نعمت کی حقیقت	۲۵۸
مصیبت کی حقیقت	۲۵۸

(c) ketabton.com: The Digital Library

رباط کی تفسیر	۲۵۸
قرب کا مفہوم	۲۵۹
دین کے شعبے	۲۵۹

سُوْرۃ فَاطِر

اقسامِ توحید ورسالت	۲۶۱
تین امہات مسائل	۲۶۲
اللہ تعالیٰ کا کمال غلبہ وقدرت	۲۶۲
آیت متلوہ کی عجیب وغریب تفسیر	۲۶۴
عظمت خداوندی	۲۶۵
علماء صاحب خشیت ہیں	۲۶۷
خشیت کی علامت	۲۶۷
ایک علمی اشکال	۲۶۸
خشیت کی ضرورت	۲۷۰
علم اور خشیت	۲۷۱
خشیت کے لئے علم ضروری ہے	۲۷۱
نفس کی اہمیت	۲۷۲
مقتصدین کی مدح	۲۷۳
جوانی کی عمر بھی تذکر کے لئے کافی ہے	۲۷۴
نذیر کی تفسیر	۲۷۴
آیت میں سب غافلین کو خطاب ہے	۲۷۴
اصلاح کے لئے ایک مراقبہ	۲۷۴
عجیب وغریب ربط	۲۷۵

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَۃ یٰسٓ

سورۃ یسین کی تلاوت کی فضیلت	۲۷۶
قرآن کوئی طب اکبر نہیں	۲۷۶
ازواج کا معنی	۲۷۷
کسی نے قرآن سے دانہ کا نر مادہ ہونا ثابت کیا ہے	۲۷۷
سائنس کو دین کے مطابق کرنا چاہئے نہ بالعکس	۲۷۸
سائنس کو قرآن میں داخل کرنا ہدم دین ہے	۲۷۸
قرآن کا فخر یہ ہے کہ غیر دین اس میں نہ ہو	۲۷۸

سُوْرَۃُ الصّٰٓفّٰت

حقیقت قربانی	۲۷۹
سنت ابراہیم کا مصداق	۲۸۰
استعداد نبوت	۲۸۰
اصل مقصود تسلیم و رضا ہے	۲۸۰
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان	۲۸۱
اصل مقصود عمل ہے	۲۸۳
ابتداء قربانی	۲۸۳

سُوْرَۃ صٓ

جعل کے دو معنی	۲۸۴
حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ امتحان	۲۸۵
اتباع ھوٰی کی مذمت	۲۸۷
نزول قرآن کی غرض	۲۸۸
ضعفاء کے حق میں عین رحمت	۲۸۸
ہر نبی کا معجزہ اس کے زمانے کے مطابق ہے	۲۸۸
آداب استاد	۲۹۱

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الزُّمَر

شرک پر وعیدیں اور مشرکین کی حالت	۲۹۲
ہر شے کو مقصود کے حصول سے سکون ملتا ہے	۲۹۴
مقصود حقیقی حاصل کرنے کا طریق	۲۹۴
یوفی کے معنی	۲۹۵
عبادت مع الاخلاص ہی مقبول ہے	۲۹۶
اخلاص کی اہمیت	۲۹۸
طاغوت کا مفہوم	۲۹۹
شیطان کی عبادت کا مفہوم	۳۰۰
انابت کے درجات	۳۰۰
تحصیل علم واجب ہے	۳۰۱
صراط مستقیم پر ہونا بہت بڑی نعمت وبشارت ہے	۳۰۲
متقین کیلئے بشارت	۳۰۳
اقسام اطاعت	۳۰۳
علم اور اتباع	۳۰۴
رونمائے قرآن حکیم	۳۰۵
قرآن کا ہر جزو احسن ہے	۳۰۵
ضرورت علم وعمل	۳۰۷
طب روحانی میں کوئی مرض لاعلاج نہیں	۳۰۸
شان نزول	۳۰۸
شان نزول	۳۰۹
شانِ نزول سے نصوصِ عامہ کی تخصیص	۳۱۰
گناہ سے ناامیدی اور نیکی سے امید	۳۱۱

(c) ketabton.com: The Digital Library

لئن اشرکت کی تفسیر بے نظیر	۳۱۳
شرک کا مفہوم	۳۱۴
عظمت حق سبحانہ وتعالیٰ	۳۱۴
عظمتِ حق سبحانہ وتعالیٰ	۳۱۵
مشیت استثناء کا وقع	۳۱۷
صعقۂ موت	۳۱۸
سوق کا اطلاق مسلمانوں سے مشاکلت کے طور پر ہے	۳۱۹

سُوْرَةُ الْمُؤْمِن

دو گناہوں کا ذکر	۳۲۲
بدنگاہی کی سزا بیان نہ کرنے میں حکمت	۳۲۲
رخصت کے وقت بھی مصافحہ درست ہے	۳۲۳
کذلک یطبع اللہ علی کل قلب متکبر جبار کی ایک عجیب توجیہ	۳۲۳
حسن سلوک کا اثر	۳۲۳
دعا سب کی قبول ہوتی ہے یہاں تک کہ شیطان کی بھی	۳۲۳
کیا کافر کی دعا قبول ہو سکتی ہے	۳۲۴
انسان عالم صغیر ہے	۳۲۵
ثبوتِ معاد	۳۲۵
اہمیت دعاء	۳۲۶
ایک فائدہ علمیہ تفسیریہ	۳۲۷

سورة حٰمٓ السَّجدَة

بدفالی بری چیز ہے	۳۲۸
اقرار توحید و ربوبیت بہ قلب	۳۳۰

(c) ketabton.com: The Digital Library

استقامت آسان ہے	۳۳۱
منافی کی دو قسمیں	۳۳۴
حقیقت دنیا	۳۳۵
احسن قولاً کی تحقیق	۳۳۸
اقسامِ داعی	۳۳۸
تکمیلِ ایمان کے تین اجزا	۳۴۱
آغوش رحمت	۳۴۴

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى

کوئی چیز حق تعالیٰ کے مماثل نہیں	۳۴۵
سلوک وجذب	۳۴۶
مجموعہ ارض وسماء	۳۴۷
عجائبات قدرت کا علم	۳۴۸
شیطان کی مثال	۳۴۸
انسان کی بداعمالی کے نتائج	۳۵۰
صورت مصیبت اور حقیقت مصیبت	۳۵۱
ما اصابکم من مصیبة پر شبہ کا جواب	۳۵۳
حقوق العباد کی تاکید	۳۵۵
حق سبحانہ وتعالیٰ کی عجیب تعلیم	۳۵۵
فطرت سلیمہ کا تقاضا	۳۵۷
ایمان اور نبوت	۳۵۸

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

کے جملہ خطبات ملفوظات اور تقریباً جملہ تصانیف

سے منتخب سینکڑوں الہامی تفسیری نکات

اشرف التفاسیر

تقدیم و کاوش

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

نظر ثانی

عالم ربانی حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ

ناشر

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

☎061-540513-519240

(c) ketabton.com: The Digital Library

(c) ketabton.com: The Digital Library

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

کے جملہ خطبات ملفوظات اور تقریباً جملہ تصانیف

سے منتخب سینکڑوں الہامی تفسیری نکات

اشرف التفاسیر (جلد ۴)

جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

سورۃ الزخرف — تا — سورۃ الناس

تقدیم و توثیق

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

نظر ثانی

عالم ربانی حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ

مرتبین

صوفی محمد اقبال قریشی صاحب

ابو حذیفہ محمد اسحاق ملتانی

ادارۂ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 540513-519240

Email:Taleefat@mul.wol.net.pk

(c) ketabton.com: The Digital Library

نام کتاب.................. اشرف التفاسیر (جلد-۴)
تاریخ اشاعت.................. صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
ناشر.... اِدَارَہ تَالِیفَاتِ اَشرَفِیہ چوک فوارہ ملتان
طباعت.......................... سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان
ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
دارالاشاعت اردو بازار کراچی
بک لینڈ اردو بازار لاہور
ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121-HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اشرف التفاسیر

کا جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

الحمدللہ ''اشرف التفاسیر'' بہت مقبول ہوئی' اہل علم نے خاص طور پر اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھا اور ہاتھوں ہاتھ لیا جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ حضرت صوفی محمد اقبال قریشی مدظلہ نے حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے ملفوظات میں سے مزید بہت سارے تفسیری نکات جمع کر کے ہمیں ارسال فرمائے ہیں جو اس ایڈیشن میں شامل کتاب کر دیئے گئے۔

اس مبارک اضافہ کے علاوہ خود حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا عربی رسالہ **''سبق الغایات فی نسق الآیات''** بھی سورتوں کی ترتیب کے مطابق آخر میں لگایا گیا ہے۔

امید ہے کہ یہ اضافہ جات تمام علم دوست حضرات کے لئے مزید علمی و عملی برکتوں کا باعث ثابت ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

(c) ketabton.com: The Digital Library

وما تفعلوا من خير فإن الله به عليم

اجمالی فہرست

سورۃ الزخرف	٢٤	سورۃ نوح	٢٣٧
سورۃ الدخان	٢٨	سورۃ المزمل	٢٤٠
سورۃ الجاثیه	٣١	سورۃ القیامة	٢٥٣
سورۃ الاحقاف	٤٢	سورۃ المرسلات	٢٦٠
سورۃ محمد	٤٦	سورۃ عبس	٢٦٢
سورۃ الفتح	٥١	سورۃ التکویر	٢٦٧
سورۃ الحجرات	٥٥	سورۃ الانفطار	٢٦٨
سورۃ قٓ	٦٢	سورۃ المطففین	٢٧٣
سورۃ الذاریات	٨٦	سورۃ البروج	٢٧٥
سورۃ الطور	٩٠	سورۃ الاعلیٰ	٢٧٧
سورۃ النجم	٩٤	سورۃ الغاشیه	٢٩٠
سورۃ القمر	١٠٤	سورۃ الفجر	٢٩٢
سورۃ الرحمٰن	١١١	سورۃ البلد	٢٩٧
سورۃ الواقعه	١٢٣	سورۃ الشمس	٣٠١
سورۃ الحدید	١٢٥	سورۃ اللیل	٣١٠
سورۃ المجادلة	١٣٧	سورۃ الضحیٰ	٣١٢
سورۃ الحشر	١٥٢	سورۃ الانشراح	٣٢٢
سورۃ الممتحنه	١٥٧	سورۃ العلق	٣٢٥
سورۃ الصف	١٦٢	سورۃ القدر	٣٢٨
سورۃ الجمعة	١٦٧	سورۃ البینة	٣٣٠
سورۃ المنافقون	١٧٦	سورۃ الزلزال	٣٣٥
سورۃ التغابن	١٩٢	سورۃ العصر	٣٣٩
سورۃ الطلاق	٢٠٨	سورۃ الکافرون	٣٥١
سورۃ التحریم	٢١٤	سورۃ النصر	٣٥٢
سورۃ الملک	٢٢٣	سورۃ الفلق	٣٥٨
سورۃ الحاقه	٢٣٤	سورۃ الناس	٣٦٥

(c) ketabton.com: The Digital Library

فہرست مضامین

سُوْرَةُ الزُّخْرُف	۲۴
حق سبحانہ وتعالیٰ کی شفقت عنایت	۲۴
سواری پر مسنونہ دعاء پڑھنے کی حکمت	۲۵
حقانیت اسلام	۲۶
رحمت کا اطلاق نبوت پر بھی ہے	۲۷
سُوْرَةُ الدُّخَان	۲۸
لیلۃ مبارک سے مراد کون سی رات ہے	۲۸
لیلۃ المبارک و لیلۃ القدر	۲۸
علمی فائدہ	۳۰
سُوْرَةُ الجَاثِيَة	۳۱
اتباع شریعت	۳۲
تفسیر قل ھذا سبیلی	۳۳
سبیلی فرمانے کا مطلب	۳۴
معیار اتباع	۳۴
اتباع شریعت	۳۵
حق تعالیٰ کا اتباع	۳۵

(c) ketabton.com: The Digital Library

اھواء کا مقابل دین ہے	۳۶
رضا بالدنیا کب مذموم ہے	۳۷
علامات سفر	۳۸
لوازم سفر	۳۹
ضیاء طریق منزل	۳۹
کبریائی صرف حق سبحانہ وتعالیٰ کی شان کے لائق ہے	۴۰
تکبر کا علاج	۴۱
سُوْرَةُ الاَحقَاف	۴۲
شان نزول	۴۲
تفسیر آیت کی	۴۳
ایمان کے لئے عمل صالح لازم ہے	۴۴
سُوْرَةُ مُحَمَّد	۴۶
مانعة الخلو کی حقیقت	۴۶
چندہ لینے میں عدم احتیاط	۴۷
غنی کا ترجمہ بے پرواہیں	۴۸
سُوْرَةُ الفَتح	۵۱
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غلبہ خوف خداوندی	۵۲
آیت برائے تسلی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم	۵۲
بشارت فتح	۵۳
عاشقانہ نکتہ	۵۳
طاعت بڑی چیز ہے	۵۴
خط کا جواب	۵۴

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَۃ الحُجُرات	۵۵
ایذاء رسول کفر ہے	۵۵
عشاق کی قسمیں	۵۶
موصوف کے حکم کی علت صفت ہوتی ہے	۵۸
مطلق اتحاد محمود نہیں	۵۹
غیبت کی مثال	۶۰
غیبت کی سزا	۶۰
صرف حسنات میں مرتبہ خلق نظر ہونا چاہیے	۶۱
سُوْرَۃ قٓ	۶۲
کمال علم حق سبحانہ وتعالیٰ	۶۲
وساوس غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہیں ہوگا	۶۳
وسوسہ گناہ نہیں	۶۴
غیر اختیاری وسوسوں سے ڈرنا چاہیے	۶۵
وسولہ کی مثال	۶۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حسین تھے	۶۶
قرب حق	۶۷
بعث ونشر	۶۹
قرب سے مراد قرب علمی ہے	۷۴
قرب خداوندی کا معنی	۷۴
قرآن پاک میں تدبر کی ضرورت	۷۶
قرآن سے نفع حاصل کرنے کی شرائط	۷۸
لغت اور محاورہ میں فرق	۷۸

(c) ketabton.com: The Digital Library

لمن کان لہ قلب کا مفہوم	۷۹
قرآن پاک سے منتفع ہونے کا ایک گر	۸۰
معلومات کی دو قسمیں	۸۱
قلب سلیم	۸۱
الحاصل	۸۳
شان نزول	۸۳
صلوٰۃ معین صبر ہے	۸۴
سورۃ الذّٰریٰت	۸۶
ربط	۸۶
جن وانسان کا مقصد تخلیق	۸۷
عبادت وطاعت کا فرق	۸۸
غایت آفرینش	۸۹
سورۃ الطّور	۹۰
شرف نسب میں راہ اعتدال	۹۰
نجات کے لئے نسب کافی نہیں	۹۱
حکایت حضرت سید صاحبؒ	۹۲
دولت مقصودہ	۹۲
سورۃ النّجم	۹۴
ثبوت معراج جسمانی	۹۵
حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی معراج عروجی ونزولی	۹۵
شان نزول	۹۷
آیات مجملہ ومشکلہ	۹۸

(c) ketabton.com: The Digital Library

جنین پر اثر	۹۹
دینی ضرر ایک خسارہ عظیم ہے	۱۰۰
تقویٰ باطنی عمل ہے	۱۰۰
تقویٰ صلاحیت قلب کا نام ہے	۱۰۰
ایصال ثواب کا ثبوت	۱۰۳
سُوْرَۃُ القَمَر	۱۰۴
علامات قرب قیامت	۱۰۴
استنباط احکام محققین کا کام ہے	۱۰۵
تذکر کے لئے قرآن آسان ہے	۱۰۷
دقائق قرآن وحدیث بلا علوم درسیہ سمجھ نہیں آسکتے	۱۰۷
آیت ولقد یسرنا القرآن پر ایک شبہ اور جواب	۱۱۰
سُوْرَۃُ الرَّحْمٰن	۱۱۱
افعال خاص حق سبحانہ وتعالیٰ	۱۱۱
بیان نعم ونقم	۱۱۳
عورتوں کے فضائل	۱۱۷
جنت کی نعمتوں کے مستحق	۱۱۸
تجلیات اسماء الٰہیہ کا مراقبہ	۱۲۰
کرامت استدراج میں فرق	۱۲۰
حقیقت گناہ	۱۲۱
دو جنتیں	۱۲۲
سُوْرَۃُ الوَاقِعَہ	۱۲۳
اصحاب الجنۃ کی دو قسمیں	۱۲۳
السابقون مکرر فرمانے کا سبب	۱۲۴

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُورۃ الحدید	۱۲۵
قرب حق سبحانہ وتعالیٰ	۱۲۵
مسابقت الی الجنت کا حکم	۱۲۵
شان نزول	۱۲۶
نزول حق کا مفہوم	۱۲۷
ظاہر کا اثر باطن میں پہنچتا ہے	۱۲۷
بکا مامور بہ سے مراد دل کا بکا ہے	۱۲۷
تخویف وانذار	۱۲۷
افعال واحوال قلب پر جوارح کا اثر	۱۲۸
مسئلہ تقدیر کا ثمرہ	۱۲۸
مسئلہ توحید کی تعلیم سے مقصود	۱۳۰
مسئلہ تقدیر کی حکمت	۱۳۱
مصائب میں حکمت خداوندی	۱۳۱
اصلاح اعمال میں تقدیر کا دخل	۱۳۲
حق تعالیٰ میں خفا نہیں	۱۳۲
عقیدہ تقدیر کی حکمت	۱۳۴
نعلدار جوتا	۱۳۶
سنار کی کھٹ کھٹ لوہار کی ایک	۱۳۶
سُورۃ المجادلۃ	۱۳۷
شان نزول	۱۳۷
اصلاح معاشرہ کا ایک ثمرہ	۱۴۱
ہر مطیع مسلمان مقبول ہے	۱۴۱
آنے والوں کی دل جوئی	۱۴۴

(c) ketabton.com: The Digital Library

احکام مجلس عام	۱۴۴
تکبر کا علاج	۱۴۶
اعمال عوام اور علماء کا فرق	۱۴۷
شریعت اور سائنس	۱۴۸
حال وقال	۱۴۹
اعمال صالحہ کی توفیق پر صدقہ کا حکم	۱۵۰
موذن کی فضیلت	۱۵۱
ایمان کا تقاضا	۱۵۱
سورۃ الحشر	۱۵۲
اللہ تعالیٰ کو بالکل فراموش کرنے والا کون ہے؟	۱۵۲
حضرت صدیق اکبرؓ کا رتبہ	۱۵۴
ہماری بدحالی کا سبب	۱۵۴
ذکر اللہ مرض نسیان کا علاج ہے	۱۵۵
مقصود نزول آیت	۱۵۶
سورۃ الممتحنۃ	۱۵۷
حدود اتفاق	۱۵۷
تسبیحات سیدنا فاطمہؓ کا شان وارد	۱۶۰
سورۃ الصف	۱۶۲
شان نزول	۱۶۲
یہ آیت دعوت وتبلیغ سے متعلق نہیں	۱۶۲
اپنی اصلاح ضرورت میں مقدم ہے	۱۶۳

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ آیت دعوت کے بارے میں ہے	۱۶۳
شان نزول	۱۶۳
تقریر ثانی	۱۶۵
سُوْرَةُ الْجُمُعَة	۱۶۷
یہود کے دعویٰ حقانیت کا امتحان	۱۶۷
نصاریٰ سے احتجاج	۱۶۷
حرمت بیع جمعہ کی اذان اول سے ہو جاتی ہے	۱۶۹
فضل سے رزق مراد ہے	۱۷۰
اجتماع صالحین کی دو صورتیں	۱۷۰
اردو میں خطبہ پڑھنا جائز نہیں	۱۷۱
عجیب بلاغت	۱۷۲
تمدن اور قیام سلطنت کا بڑا مسئلہ	۱۷۳
انسانی طبیعت	۱۷۳
خطبہ جمعہ ذکر ہے تذکیر نہیں	۱۷۴
اذان اول سے حرمت بیع پر ایک اشکال اور اسکا جواب	۱۷۴
سُوْرَةُ الْمُنَافِقُوْن	۱۷۶
منافقین کی تشبیہ	۱۷۶
شان نزول	۱۷۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرداری کی پیشکش	۱۷۸
آیت کریمہ کا شان نزول	۱۷۹
منافقین کے دعویٰ مال وعزت کی تردید	۱۸۰
محبوب ترین چیزیں	۱۸۱

(c) ketabton.com: The Digital Library

حقیقت حب	۱۸۲
مال وجاہ سے متعلق عجیب تفسیری نکتہ	۱۸۵
مال وجاہ کا حکم	۱۸۶
مناط عزت صرف مسلمان کو حاصل ہے	۱۸۷
معصیت کا سبب اکثر مال واولاد کا تعلق ہوتا ہے	۱۸۷
مال واولاد کے درجے	۱۸۸
اہل خسارہ	۱۸۹
حب دنیا کا علاج	۱۹۰
سُوْرَةُ التَّغَابُنْ	۱۹۲
دو چیزیں حضرت حق سے مانع ہیں	۱۹۲
اصلاح کے لئے علاج ضروری ہے توجہ شیخ کافی نہیں	۱۹۳
شان نزول	۱۹۵
ازالہ غم کی ہدایت	۱۹۸
محل مصائب	۱۹۸
آلہ امتحان	۱۹۹
مال واولاد کے فتنہ کا مفہوم	۱۹۹
اجر عظیم	۲۰۰
تقویٰ کی حقیقت	۲۰۱
اطاعت کی اقسام	۲۰۱
یضاعف کا مفہوم	۲۰۳
شکور حلیم کا مفہوم	۲۰۴
طاعات کے دو پہلو	۲۰۵
اولاد کا فتنہ مال سے سخت ہے	۲۰۵

(c) ketabton.com: The Digital Library

تقویٰ	۲۰۵
تزکیۂ نفس	۲۰۶
حرص کی قسمیں	۲۰۷
سُوْرَةُ الطَّلَاقِ	۲۰۸
حق سبحانہ وتعالیٰ کی غایت رحمت	۲۰۸
طلاق کی ایک حد	۲۰۸
حقیقت اسباب رزق	۲۰۹
ذکر کی توجیہ	۲۱۰
الحاصل	۲۱۱
سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ	۲۱۴
اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ کے متعلق	۲۱۵
توبہ باقی اعمال پر مقدم ہے	۲۱۵
ازواج مطہرات کی حضورؐ سے از حد محبت تھی	۲۱۶
آیت تخییر	۲۱۷
ازواج مطہرات باقی عورتوں سے افضل ہیں	۲۱۸
ملائکہ کی اطاعت	۲۲۱
حقیقی توبہ	۲۲۱
سُوْرَةُ الْمُلْكِ	۲۲۳
ستارے آسمان پر مزین ہیں	۲۲۳
عمل علی الحق کے دو طریقے	۲۲۴
خوف میں اعتدال	۲۲۷
تخویف کی دو قسمیں	۲۲۸

(c) ketabton.com: The Digital Library

یخشون ربھم فرمانے میں حکمت	۲۲۹
عجیب ربط آیت	۲۳۰
طریق تحصیل خشیت	۲۳۰
سمع کو مفرد لانے میں نکتہ	۲۳۱
مدرکات قلب کا بیان	۲۳۲
سُوْرَةُ الْحَآقَّةِ	۲۳۴
ایام خالیہ کی تفسیر	۲۳۴
کھانے پینے کی رعایت	۲۳۵
سُوْرَةُ نُوْح	۲۳۷
حضرت نوح علیہ السلام کی غایت شفقت	۲۳۷
حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا بے رحمی نہیں	۲۳۸
سُوْرَةُ الْمُزَّمِّل	۲۴۰
تہجد کی مشروعیت قرآن سے اور تراویح کی سنت حدیث سے ثابت ہے	۲۴۰
اھل اللہ کی گستاخی کا انجام	۲۴۱
کلیم پیچیدہ کا ثبوت	۲۴۱
انداز تخاطب میں حکمت	۲۴۱
اہمیت تلاوت ونماز	۲۴۳
معمول اہل تصوف	۲۴۵
انقطاع غیر اللہ	۲۴۶
طریق توجہ	۲۴۷
ضرورت وصل وفصل	۲۴۸
ذات حق کی طرف توجہ کا طریقہ	۲۴۹

کامل ذکر کیلئے خلوت ضروری ہے	۲۴۹
اقسام ذکر	۲۵۰
قبض میں حال سلب نہیں ہوتا	۲۵۱
تہجد کیلئے وقت متعین کرنا ضروری نہیں	۲۵۱
تخلیہ مقدم ہے یا تحلیہ	۲۵۲
سُوْرَةُ الْقِيَامَة	۲۵۳
قیامت میں ہر شخص اپنے اعمال پر مطلع ہو جائے گا	۲۵۳
کلام اللہ میں طرز نصیحت ہے طرز تصنیف نہیں	۲۵۵
قرآن کا طرز کلام	۲۵۵
حدیث وحی غیر متلو ہے	۲۵۶
کسب دنیا اور حب دنیا	۲۵۷
حب دنیا کا مغموم	۲۵۷
سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰت	۲۶۰
کلام پاک میں مکرر آیات کے اعتراض کا عجیب جواب	۲۶۰
سُوْرَةُ عَبَسَ	۲۶۲
تعلیم اکمل	۲۶۲
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجتہادی غلطی پر تنبیہ	۲۶۳
عظمت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم	۲۶۴
شان نزول	۲۶۴
ضرورت آزادی واعتدال	۲۶۵
سُوْرَةُ التَّكْوِيْر	۲۶۷
مشیت کی دو قسمیں	۲۶۷

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ	۲۶۸
کراماً کاتبین کے مقرر ہونے میں حکمت	۲۶۸
علت سے متعلق ہمارا مذہب	۲۶۸
بندوں کے ناز کا سبب	۲۶۹
محبت کا مدار دیکھنے پر نہیں	۲۶۹
کراماً کاتبین صفت ہے	۲۶۹
شرم کا معنی	۲۷۱
حق تعالیٰ شانہ کا غایت قرب	۲۷۱
اعمال لکھنے کیلئے فرشتوں کے مقرر کرنے کا سبب	۲۷۱
علماء محققین ہی نے مقاصد قرآن کو سمجھا ہے	۲۷۱
آخرت کے دو درجے	۲۷۲
سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْن	۲۷۳
دنیا کا کوئی انسان محبت خداوندی سے خالی نہیں	۲۷۳
ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے	۲۷۴
سورة البُرُوج	۲۷۵
بروج کی تفسیر	۲۷۵
اختلاف قراءت	۲۷۵
سُوْرَةُ الْاَعْلٰی	۲۷۷
تین اعمال کا بیان	۲۷۷
وساوس شیطان کا جواب	۲۷۸
ذکر نماز کا مقدمہ ہے	۲۷۸

(c) ketabton.com: The Digital Library

برائیوں سے بچنے کا طریق	۲۷۹
اہل علم کی نازک حالت	۲۸۰
فلاح کا طریقہ	۲۸۱
ذکر اللہ اور دنیا	۲۸۳
ایک شبہ کا جواب	۲۸۴
طلب دنیا مذموم نہیں	۲۸۵
حیات آخرت	۲۸۵
دنیوی زندگی کو آخرت پر مقدم کرنا	۲۸۶
طالب جاہل اور قانع جاہل	۲۸۸
تخلیہ اور تحلیہ	۲۸۹
سورة الغاشية	۲۹۰
دلائل قدرت	۲۹۰
سُوْرَةُ الفَجْر	۲۹۲
نیک و بد کی تمیز کا طریقہ	۲۹۲
دو شکایات کا ذکر	۲۹۳
جوارح اور دل کے گناہ	۲۹۴
بلاغت کلام باری تعالیٰ	۲۹۴
گناہوں کی قسمیں	۲۹۴
دوستوں کی ملاقات میں عجیب لذت	۲۹۵
دنیا سے حصہ آخرت لے آنے کی عجیب مثال	۲۹۶
اھل اللہ سے تعلق کی ضرورت	۲۹۶

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَۃُ البَلَد	۲۹۷
اہل ذوق کے لئے ایک علمی نکتہ	۲۹۷
علمی اور تاریخی توجیہ	۲۹۸
شر کا بتلانا بھی نعمت ہے	۲۹۹
سُوْرَۃُ الشَّمس	۳۰۱
تفسیری نکتہ	۳۰۱
تزکیہ کی فضیلت	۳۰۲
فلاح کا مدار تزکیہ ہے	۳۰۳
دینی ضرر ایک خسارہ عظیم ہے	۳۰۴
تقوی باطنی عمل ہے	۳۰۴
تقویٰ صلاحیت قلب کا نام ہے	۳۰۴
تقوی فعل اختیاری ہے	۳۰۵
اپنے نفس کو پاک کہنے کی ممانعت	۳۰۵
فہم قرآن کے لئے عربیت سے واقفیت ضروری ہے	۳۰۶
بے خبری کوئی عیب نہیں	۳۰۷
انا مومن ان شاء اللہ کہنے میں اختلاف	۳۰۷
اپنے کو دعوے کے طور پر موحد نہ کہو	۳۰۸
سُوْرَۃُ اللَّیل	۳۱۰
علم اعتبار	۳۱۰
شان صدیق اکبر	۳۱۱
سُوْرَۃُ الضُّحیٰ	۳۱۲

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک شبہ کا جواب	۳۱۳
رسول اکرم ﷺ پر تین خصوصی احسانات کا ذکر	۳۱۴
انقطاع وحی میں حکمت	۳۱۵
غنائے قلب کا مدار توکل اور تعلق مع اللہ پر ہے	۳۱۶
انقطاع وحی میں حکمت	۳۱۸
لفظ ضلالت کا مفہوم	۳۱۹
لفظ ضلالت کا استعمال	۳۲۰
سورۃ الضحیٰ کا لفظی ترجمہ	۳۲۱
سُوْرَةُ الاِنْشِرَاح	۳۲۲
مع العسر یسرا کی تفسیر	۳۲۲
سُوْرَةُ العَلَق	۳۲۵
کسی نے منی میں کیڑوں کا ثبوت قرآن سے دیا	۳۲۵
نماز کا اصلی مقصود	۳۲۶
سُوْرَةُ القَدْر	۳۲۸
شب قدر کا ثواب	۳۲۸
عبادات شب قدر کا ثواب لامحدود ہے	۳۲۹
سُوْرَةُ البَیِّنَة	۳۳۰
کفار اور مشرکین کو خلود فی النار کا ثبوت	۳۳۱
کفر سے بڑا جرم	۳۳۳
محدود کفر پر غیر محدود عذاب شبہ کا جواب	۳۳۳
جواب جزا و سزا میں نیت کا دخل	۳۳۴

(c) ketabton.com: The Digital Library

اتلاف حقوق الٰہی کی سزا جواب	۳۳۵
سورۃ الزلزال	۳۳۵
اہل غفلت کی غلطیاں	۳۳۵
اہل غفلت کا حال	۳۳۶
عذاب تطہیر	۳۳۶
خروج آدم کی حکمت	۳۳۷
مفہوم آیت	۳۳۸
نور قلب اور معاصی یکجا جمع نہیں ہوتے	۳۳۸
سورۃ العصر	۳۳۹
توضیح قسم	۳۳۹
مخلوق کی قسم قبیح لغیرہ ہے	۳۴۱
وقت کی قدر کرنا چاہیے	۳۴۲
کمال دین دو باتوں پر موقوف ہے	۳۴۸
حق اور صبر کی مراد	۳۴۹
قبروں کی پختگی پر قابل افسوس ہے	۳۵۰
سورۃ الکافرون	۳۵۱
آج کل کی ایک بے ہودہ رسم	۳۵۱
جیسا کرو گے ویسا بھرو گے	۳۵۲
احتیاط خطاب	۳۵۲
سورۃ النصر	۳۵۳
رسول اکرم ﷺ کے قرب وصال کی خبر	۳۵۳

(c) ketabton.com: The Digital Library

بشارت تکمیل دین	۳۵۵
سُوْرَةُ الفَلَق	۳۵۸
حضور ﷺ پر سحر کیے جانے کا واقعہ	۳۵۸
جادو کی دو قسمیں اور ان کا شرعی حکم	۳۵۹
قرآنی سورتوں کے موکلوں کا کوئی ثبوت نہیں	۳۵۹
سحر جادو وغیرہ سے حفاظت کی اہم دُعاء	۳۵۹
آسیب لپٹ جانا	۳۶۰
آسیب اور جادو	۳۶۰
حرز ابی دجانہ	۳۶۲
برائے دفع سحر	۳۶۲
سحر کے لئے	۳۶۳
وسوسہ شیطانی	۳۶۴
سُوْرَةُ النَّاس	۳۶۵
جادو کی کاٹ کے لئے معوذتین کا عمل	۳۶۵

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُورۃ الزّخرُف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ ﴿۵﴾

ترجمہ: کیا ہم تم سے اس نصیحت (نامہ) کو ہٹا لینگے اس بات پر کہ تم حد (طاعت) سے گزرنے والے ہو۔

تفسیری نکات

حق سبحانہ وتعالیٰ کی شفقت عنایت

جن پر حق تعالیٰ کی صفات کمال کا ظل سایہ ہے ان کو بھی مخلوق سے اس قدر محبت ہوتی ہے کہ وہ کوئی سنے یا نہ سنے برابر نصیحت کرتے رہتے ہیں اور ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ

کس بشنود یا نہ شنود من گفتگوئے میکنم

(یعنی کوئی شخص سنے یا نہ سنے میں برابر نصیحت کیے چلا جاؤں گا)

اور یہ خیال ہوتا ہے کہ

حافظ وظیفہ تو دعا گفتن است وبس — دربند آن مباش کہ شنید یا نشنید

(اے حافظ تیرا کام فقط دعا کرنا ہے اور بس اس بات کی فکر میں مت رہ کہ اس نے سنا یا نہ سنا

فلاسفہ اس کی قدر کیا جانیں یہ تو اہل محبت ہی خوب سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ہم سے اس درجہ شفقت ہے کہ ایک بات کو دس مرتبہ کہہ کر نہیں چھوڑتے۔ پھر کہتے ہیں پھر کہتے ہیں۔ قرآن میں حکم ہے کہ جب گھوڑے پر سوار ہو تو یہ آیت پڑھو سبحن الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانآ الی ربنا لمنقلبون۔ (اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے نہ تھے جو ان کو قابو میں کر لیتے)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سواری پر مسنونہ دعاء پڑھنے کی حکمت

کہ خدا کا فضل ہے کہ اس نے ہمارے لئے اس کو مسخر کر دیا۔ ورنہ اگر بگڑ جاتا تو ہم کیا کر لیتے یہ تو خاص رکوب کے سامنے ہوا آگے فرماتے ہیں۔ وانا الی ربنا لمنقلبون اس کو بظاہر پہلے مضمون سے کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ مگر اہل لطائف نے سمجھا کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ اس جانور پر سوار ہونے سے دوسری سواری کو بھی یاد کرو اور سمجھ لو کہ تم کو کسی تختہ پر اور چارپائی پر بھی سوار ہونا ہے۔ جس میں تم کو رکھ کر چار آدمی لے جائیں گے۔ اصل سواری وہی ہے جس پر سوار ہو کر کے تم خدا کے یہاں پہنچا دیں گے تو جب جانور پر سواری لیتے وقت اس کے یاد کرنے کا حکم ہے تو مردے کو دیکھ کر تو یاد کرنے کا حکم کیوں نہ ہوگا۔ اس وقت بھی یاد نہ کرنا سخت قساوت ہے۔

اب لوگوں کی یہ حالت ہے کہ قبر پر بیٹھے ہیں اور مقدمے کی باتوں میں مشغول ہیں اسی طرح اگر مصیبت میں کسی کو گرفتار دیکھتے ہیں اس کو اسی شخص تک محدود سمجھتے ہیں حالانکہ سمجھنا چاہیے کہ اس پر مصیبت کیوں مسلط ہوئی۔ ظاہر ہے کہ گناہوں کی وجہ سے تو ہم کو بھی گناہوں سے بچنا چاہیے اسی لئے حدیث میں ہے کہ جب کسی کو مبتلائے مصیبت دیکھو تو کہو الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ و فضلنی علی کثیرا ممن خلق تفضیلاً اس میں بھی تذکیر ہے احتمال ابتلا کی اور اسی میں تنبیہ اجمالی ہے۔ اسباب ابتلا کی کہ معصیت ہے اسی پر یہ شکر سکھلایا کہ احتمال تھا کہ اسی معصیت کے سبب شاید ہم بھی مبتلا نہ ہو جائیں۔ لیکن یہ دعا آہستہ پڑھے کہ مصیبت زدہ کی دل شکنی نہ ہو۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرماتے ہیں لاتظھر الشماتۃ لا خیک بعض دوسرے مصائب کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو ڈرنا چاہیے کیونکہ مقتضی تو ہم میں بھی موجود ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور کہنے لگے کہ اگر یہ قرآن (اگر کلام الٰہی ہے تو) ان دونوں بستیوں (مکہ اور طائف کے رہنے والوں میں) کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا۔

تفسیری نکات

حقانیت اسلام

کفار نے حضور ﷺ کی شان میں کہا تھا لولا نزل ھذا القران علی رجل من القریتین عظیم یعنی یہ قرآن شریف طائف اور مکہ کے کسی بڑے آدمی (یعنی دولت مند) پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ حالانکہ نبی اگر ہمیشہ صاحب سلطنت اور صاحب مال ہوا کرتے تو ان کا اتباع سلطنت اور مال کی وجہ سے ہوتا اور اس سے حق ظاہر نہ ہوتا۔ حق کا ظہور اسلام کا دین الٰہی ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ حضورؐ نہ صاحب سلطنت و حکومت تھے نہ پڑھے لکھے تھے نہ کوئی اور کمال عرفی رکھتے تھے۔ پھر دفعۃً بڑے بڑے سلاطین بڑے بڑے اہل کمال کی آپ کے سامنے گردنیں جھک گئیں۔ جس طرح خانہ کعبہ اگر وادی غیر ذی ذرع میں نہ ہوتا اور کسی شاداب اور تر و تازہ مقام پر ہوتا تو اس کی حقانیت ایسی ظاہر نہ ہوتی یہی وسوسہ ہوتا کہ ظاہری شادابی کے سبب لوگ وہاں جا رہے ہیں۔ بخلاف اس وقت کے کہ سنگستان خشک میں ہے پھر اس کی طرف لوگ مشقتیں اٹھا اٹھا کر جاتے ہیں اور جو ایک مرتبہ ہو آیا اس کو پھر ہوس ہے۔ یہ کیا بات ہے جس سے یہ کھلی دلیل ہے اس کی کہ اس میں غیبی کشش ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

ترجمہ: کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت (خاصہ یعنی نبوت) کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں دنیوی زندگی میں تو ان کو روزی ہم ہی نے تقسیم کر رکھی ہے۔

تفسیری نکات

رحمت کا اطلاق نبوت پر بھی ہے

تفصیل اس مضمون کی یہ ہے کہ جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو علاوہ اور اعتراضوں کے کفار نے یہ بھی کہا تھا کہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ نازل کیا گیا اور اس کو کیوں نہ نبی بنایا گیا حق سبحانہ ان کے اس قول کو نقل فرما کر اس کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا کی رحمت یعنی نبوت کو کیا یہ لوگ اپنی تجویز سے تقسیم کرتے ہیں حالانکہ ان کو یہ حق نہیں ہے کیونکہ سامان معیشت سے ادنیٰ چیز کو تو ہم تقسیم کرتے ہیں اور اس کے تقسیم کا ان کو اختیار نہیں دیا ہے نبوت جیسی عظیم الشان شے کو یہ خود کیوں کر تقسیم کریں گے اور ان کو اس کے تقسیم کا کیا حق ہوگا۔ جب یہ معلوم ہوگا کہ رحمت کا اطلاق نبوت پر بھی ہوا ہے تو اس سے ایک دوسری آیت کی تفسیر بھی ہوگئی اور ایک بڑا معرکۃ الارا مقام حل ہوگیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے قل لو انتم تملکون خزآئن رحمة ربی اذالا مسکتم خشیة الانفاق و کان الانسان قتورا۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس آیت سے پہلے بھی رسالت کا ذکر ہے اور بعد کو بھی یہ بیچ میں انسان کے بخل کا ذکر کیسے آ گیا۔ مفسرین نے اس کے متعلق کوئی تسکین بخش بات نہیں لکھی۔ امام رازی نے گو اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے مگر انہوں نے بھی کوئی شافی بات نہیں لکھی لیکن جب کہ رحمت سے نبوت مراد لی جاوے اس وقت آیت مذکور بے تکلف اپنے ماقبل و مابعد سے مرتبط ہو جاوے گی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَۃُ الدُّخَان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

ترجمہ: ہم نے اس کو (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) برکت والی رات (یعنی شب قدر) میں اتارا ہے

تفسیری نکات

لیلۃ مبارک سے مراد کون سی رات ہے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل کیا ہے ایک قول پر اس کی تفسیر شعبان کی پندرہویں شب ہے لیکن اگر یہ تفسیر ثابت بھی نہ ہو تب بھی اس رات کی فضیلت کچھ اس آیت پر موقوف نہیں احادیث سے اس کی فضیلت ثابت ہے۔ مگر یہ بات طالب علمانہ باقی رہی کہ اگر یہ تفسیر ثابت نہ ہو تو پھر لیلۃ مبارکۃ سے کیا مراد ہوگا سو دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے لیلۃ القدر مراد ہے اسی کو لیلۃ مبارکۃ بھی فرما دیا گیا۔

لیلۃ المبارک و لیلۃ القدر

سو اس تفسیر محتمل پر حق تعالیٰ نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب مبین (قرآن) کو اس برکت والی رات میں نازل کیا اس واسطے کہ ہم منذر یعنی ڈرانے والے تھے۔ اسی انذار کے لئے قرآن نازل فرمایا۔ آگے اس رات کے بابرکت ہونے کی علت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس رات کی شان یہ ہے کہ اس میں فیصلہ کیا جاتا ہے کہ ہر امر حکمت والے کا کہ وہ ہمارے پاس سے ہوتا ہے اور حکیم کی قید واقعی ہے۔ احترازی نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے تمام امور باحکمت ہی ہیں ان میں کوئی بے حکمت نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ تمام امور کا فیصلہ اس رات میں ہوتا ہے یا یوں کہو کہ کل امر حکیم سے مراد امور عظیم الشان

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہیں یعنی بڑے بڑے کاموں کا فیصلہ اس رات میں ہوتا ہے باقی چھوٹے امور تو عرفاً بڑے امور کے ذکر سے وہ خود مفہوم ہو گئے۔ پس بڑے امور اصالۃً اور چھوٹے امور تبعاً۔ غرض سب امور آیت میں داخل ہو گئے۔ اب یہ شبہ رفع ہو گیا کہ روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جملہ امور کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ معظم امور فیصل ہوتے ہیں۔ وجہ رفع یہ ہے کہ چھوٹے امور بڑے کے تابع ہو کر فہم میں آ ہی جاتے ہیں۔

مشہور تفسیر اس آیت کی اکثر کے نزدیک یہ ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے شب براءت مراد نہیں کیونکہ دوسرے موقعہ پر ارشاد ہے انآ انزلناه فی لیلة القدر کہ ہم نے قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا اور یہاں فرمارہے ہیں کہ ہم نے لیلۃ مبارکہ میں نازل کیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نزول سے مراد دونوں جگہ نزول واقعی ہے تدریجی نہیں کیونکہ وہ تو ۲۳ سال میں ہوا اور نزول واقعی ایک ہی مرتبہ ہوا ہے اس لئے لیلۃ مبارک سے مراد لیلۃ القدر ہوگی۔ یہ قرینہ تو یہ ہے اس بات کا کہ یہاں بھی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ لیکن ایک قول بعض کا یہ بھی ہے کہ لیلۃ مبارک سے مراد شب براءت ہے۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ اس سے لازم آتا ہے کہ نزول واقعی دو مرتبہ ہو تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ نزول واقعی دو مرتبہ بھی اس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک رات میں حکم نزول ہوا اور دوسری میں اس کا وقوع ہوا۔ یعنی شب براءت میں حکم ہوا کہ اس دفعہ رمضان جو لیلۃ القدر میں آئے گی اس میں قرآن نازل کیا جائے گا۔ پھر لیلۃ القدر میں اس کا وقوع ہو گیا اور یہ بات کلام میں شائع ذائع ہے کہ قرب کو وقوع کے حکم میں کر دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ انزلناه فی لیلة القدر میں مراد حقیقی نزول ہے کہ وہ لیلۃ القدر میں ہوا ہے انآ انزلناه فی لیلة مبارکة میں حکمی نزول ہے کہ شب براءت میں حکم ہوا ہے اور دونوں راتیں ہیں۔ قریب قریب اس لئے قرب نزول کو نزول کے حکم میں کر دیا ہو۔ بہر حال ظاہر تو یہی ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد شب قدر ہے مگر احتمال اس کا بھی ہے کہ شب براءت مراد ہو مگر جہاں تک اتفاق ہوا اور جو کتابیں نظر سے گزریں ان میں کوئی حدیث مرفوع اس بارہ میں نظر سے نہیں گزری اور در منثور میں بروایت ابن جریر ابن المنذر و ابن ابی حاتم عکرمہ سے یہ تفسیر منقول ہے البتہ شب براءت کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ اس میں تمام امور جیسے موالید و وفیات و رفع اعمال و نزول ارزاق فیصل ہوتے ہیں۔ اس لئے بعض سلف نے یہ سمجھ لیا ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد یہی رات مراد ہے۔ لیلۃ القدر مراد نہیں ورنہ اس رات کے برابر اس میں بھی واقعات کا فیصلہ ہونا لازم آئے گا تو دو راتوں میں فیصلہ ہونے کے کیا معنی۔

دوسرے یہ کہ واقعات کا تو شب براءت میں فیصلہ ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ وہ کون سے واقعات ہیں جن کا فیصل ہونا شب قدر میں باقی رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد شب براءت ہی ہے پھر یہ کہ شب براءت میں ایک سال کے واقعات کا فیصل ہونا حدیثوں میں آیا ہے اور شب قدر سال گزرنے

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے پہلے رمضان میں آ جاتی ہے تو اس میں کیا مکرر فیصلہ ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہاں دو صورتیں نکلتی ہیں کیونکہ عادۃً ہر فیصلہ کے دو مرتبے ہوتے ہیں ایک تجویز اور ایک نفاذ پس یہاں بھی یہی دو مرتبے ہو سکتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تجویز تو شب براءت میں ہو جاتی ہے اور نفاذ لیلۃ القدر میں ہوتا ہے اور ان میں کسی قدر فصل ہونا بعید نہیں تجویز کو قدر کہتے ہیں اور حکم کے نافذ کر دینے کو قضا کہتے ہیں کہ شب براءت میں تجویز ہوتی ہو اور لیلۃ القدر میں اسی کا نفاذ ہوتا ہے۔ اس تقریر سے سارے اشکالات کا جواب ہو گیا۔ غرض آیت میں لیلۃ مبارکہ سے مراد جو بھی ہو لیکن احادیث سے تو اس رات کا بابرکت ہونا معلوم ہوتا ہی ہے۔

احادیث میں مذکور ہے کہ جب شعبان کی پندرھویں رات ہوتی ہے تو حق تعالیٰ اول شب سے آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔ یہ خصوصیت اس رات میں بڑھی ہوئی ہے۔ یعنی اور راتوں میں تو پچھلے اوقات میں نزول ہوتا ہے اور اس شب میں شروع ہی سے نزول فرماتے ہیں یہ بھی وجوہ برکت میں سے ایک وجہ ہے برکت کی۔ اس کی قدر وہ کرے گا جس میں مادہ محبت کا ہو۔

علمی فائدہ

آیت محتمل تھی دو معنی کو۔ یا تو اس سے شب قدر مراد ہو یا شب براءت۔ سو اگر شب براءت مراد ہو تو **انا انزلنه فی لیلة مبارکة** یعنی بے شک ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل کیا۔ کے معنی کیا ہوں گے جب نزول قرآن کا لیلۃ القدر میں ثابت ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس رات میں سال بھر کے واقعات لکھے جاتے ہیں جو کچھ ہونے والے ہوتے ہیں تکتب (لکھے جاتے ہیں) کا لفظ حدیث میں آیا ہے۔ منجملہ ان واقعات کے ایک واقعہ ہے نزول قرآن کا بھی۔ پس مطلب یہ ہوا کہ اس رات میں یہ مقرر کر دیا گیا کہ شب قدر میں قرآن مجید نازل ہوگا۔ پس انا انزلنا (نازل کیا ہم نے) کے معنی ہوں گے قدرنا نزوله (یعنی مقدر کیا ہم نے اس کا نزول) سو اس تقریر پر اشکال رفع ہو گیا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُورَةُ الجَاثِیَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا ہے سو آپ اسی طریقہ پر چلے جائیے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے۔

تفسیری نکات

ثم جعلنک علی شریعة من الامر فاتبعها - ثم لانے کی وجہ یہ ہے کہ اوپر فرماتے ہیں۔
ولقد اتینا بنی اسرآئیل الکتب والحکم والنبوة ورزقنھم من الطیبت و فضلنا ھم علی العلمین واتینھم بینت من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جاء ھم العلم بغیا بینھم ان ربک یقضی بینھم یوم القیمة فیما کانوا فیه یختلفون۔
فرماتے ہیں یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت اور نبوت دی تھی اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں کھانے کو دی تھیں اور ہم نے ان کو دنیا جہاں والوں پر فوقیت دی اور ہم نے ان کو دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیلیں دیں۔ سوانہوں نے علم ہی کے آنے کے بعد باہم اختلافات کیا بوجہ آپس کی ضد اضدی کے۔ آپ کا رب ان کا آپس میں قیامت کے روز ان امور میں فیصلہ کر دے گا جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے۔
اس کے بعد فرماتے ہیں ثم جعلناک الخ یعنی آپ سے پہلے بنی اسرائیل کو کتاب وغیرہ عنایت کی تھی۔ اس کے بعد ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اتباع شریعت

من الامر میں من بیانیہ ہے کہ وہ شریعت اور طریقہ خاص کیا ہے وہ امر دین ہے پس اس کا اتباع کیجئے کتنا لطیف ہے شریعت! یعنی جس عنوان سے علماء اتباع دین کا امر کرتے ہیں وہی عنوان آیت میں وارد ہوگا۔ جس سے صریحاً مدعا علماء کا ثابت ہوگیا۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا اتباع شریعت کا تو اور کسی کا کیا منہ جو اپنے کو اس سے آزاد سمجھے۔

ولا تتبع اھوآء الذین لا یعلمون اوران جاہلوں کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے۔ سبحان اللہ! کیا پاکیزہ طرز بیان ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ولا تتبع غیرھا کہ غیر شریعت کا اتباع نہ کیجئے بلکہ یوں فرمایا کہ جہلا کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے اس میں یہ بتادیا کہ جو شریعت کے مقابلہ میں ہوں وہ خواہش نہیں وہ ہوائے نفسانی ہیں اس لئے وہ عمل کے قابل نہیں۔ الذین لایعلمون سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ قید احترازی ہے۔ یعنی الذین یعلمون کی اہوا کا اتباع جائز ہے بلکہ یہ قید واقعی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ واقع میں علماء ہی نہیں ہیں جو شریعت کے مقابلہ میں اپنی خواہشیں پیش کرتے ہیں بلکہ وہ تو جہلا ہیں۔

جیسے یوں کہتے ہیں کہ مفسدوں کے بہکانے میں نہ آنا۔ تو اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ غیر مفسدین کے بہکانے میں آجانا۔ نہیں مطلب یہی ہے کہ بہکانے والے سب کے سب مفسد ہوتے ہیں ان سے بچتے رہنا۔ اسی طرح یہاں بھی سمجھ لو۔

اور الذین لا یعلمون کا مفعول جو ذکر نہیں فرمایا سبحان اللہ! اس میں عجیب رعایت ہے۔ اگر مفعول ذکر فرماتے تو وہ امر الدین ہوتا تو ایک گونہ مصادرہ ہوجاتا کیونکہ امر دین ہی میں تو کلام ہو رہا ہے تو اس صورت میں یہ حاصل ہوتا کہ غیر دین اس لئے مذموم ہے کہ وہ اہواء ہے۔ اور اہواء اس لئے مذموم ہے کہ وہ دین نہ جاننے والوں کا فعل ہے۔ اس لئے یہاں مطلق علم کی نفی کردی کہ اہواء اس لئے مذموم ہے کہ وہ ایسوں کا فعل ہے جو بالکل ہی جاہل ہیں۔

یہاں اتباع شریعت کے متعلق ایک نکتہ ہے جسے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انسان کی سلامتی مقید رہنے میں ہے اور اطلاق مضر ہے کیونکہ اطمینان اور چین بدوں تقلید کے نہیں ہوتا۔ مثلاً ہم نے یہ ارادہ کرلیا کہ جب بیمار ہوں گے تو فلانے طبیب کا علاج کریں گے۔ تو اطمینان ہے کہ طبیب موجود ہے۔ بیماری کا خوف نہیں ہوگا اور نہ بیماری کے وقت سوچنا پڑے گا کہ کس کا علاج کریں اور اگر تقلید نہیں ہے تو پھر ہم کسی خاص طبیب کے پابند نہیں۔ اگر آج ذرا سا تغیر پیش آیا ایک طبیب سے رجوع کیا۔ دوسرا تغیر پیش آیا دوسرے سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

رجوع کرلیا۔ تیسرا پیش آیا تیسرے سے رجوع کرلیا۔ تو اس میں دل کو چین نہیں ہوگا اور ہر وقت یہ فکر رہے گی کہ اب کے تغیر میں کس سے رجوع کریں۔ غرض تقلید سے اطمینان حاصل ہوتا ہے چاہے وہ طبیب دانشمند بھی نہ ہو۔ مگر تمہارے نفس کو تو اطمینان ہو جائے گا اور اگر وہ تقلید حقائق کو موافق ہو تو سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔

اگر شریعت کا علم و حکمت کے موافق ہونے کا بھی دعویٰ نہ ہوتا جیسا کہ مدلول ہے **و لاتتبع اھوآء الذین لایعلمون** کا تب بھی شریعت کا امر حکیمانہ ہوتا اور اب تو جب کہ شریعت کا علم و حکمت کے موافق ہونا ثابت کر دیا گیا تو اس اتباع کا ضروری مصلحت و موجب طمانیت ہونا اور بھی ثابت ہو گیا۔ آگے وعید ہے **انھم لن یغنوا عنک من اللہ شیئاً** یہ لوگ خدا کے مقابلہ میں آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے۔

یعنی گو یہ آج مددگار بننے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر خدا کے یہاں ذرا کام نہیں آسکتے۔ اس پر اہل حق کو تردد ہو سکتا تھا کہ اتباع کے بعد ہم تو اکیلے رہ گئے اس لئے فرماتے ہیں **وان الظالمین بعضھم اولیآء بعض** اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ دوست ہے اہل تقویٰ کا جو احکام کا اتباع کرتے ہیں۔

تفسیر قل ھذہ سبیلی

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو فروع مستنبط کئے ہیں ہم کو ان کے متعلق اجمالاً یہ بات معلوم ہے کہ وہ ہم سے زیادہ صحیح سمجھے اس وجہ سے ہم ان کی تحقیقات کا اتباع کرتے ہیں ورنہ بحیثیت مستقل متبوع ہونے کے ان کا اتباع نہیں کرتے۔ تو جیسی نسبت ہم ابوحنیفہ کی طرف کرتے ہیں۔ ایسی سبیل من اناب الی۔ (جو لوگ میری طرف متوجہ ہوئے ہیں ان کے راستہ کا اتباع کرو) **قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ** (آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا طریق ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے بلاتا ہوں) سو یہاں تو سبیل کی نسبت رسولؐ اور ان لوگوں کی طرف کی جو حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور **یصدون عن سبیل اللہ** (وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے لوگوں کو روکتے ہیں) میں سبیل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے تو یہ ایسا ہے کہ

عبارا تنا شتی و حسنک واحد (عنوانات مختلف ہیں معنون ایک ہی ہے

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش ۔۔۔ من انداز قدت رامی شناسم

یعنی جو لباس چاہے پہن لے میں تو قد سے ہی پہچان لیتا ہوں یعنی جو قرآن کا عاشق ہے اس کو حدیث و فقہ میں بھی قرآن نظر آتا ہے۔

اسی طرح قرآن و حدیث اور فقہ گو فرعیات کے اندر مختلف ہیں مگر ہیں سب دین الٰہی

اگر فرعیات میں تھوڑا سا اختلاف ہو گیا تو کیا وہ دین الٰہی نہیں رہا جیسے طب یونانی اصول کا نام ہے۔ تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

کیا لکھنؤ کا مطب اور دہلی کا مطب فرعیات کے اندر مختلف ہونے سے طب یونانی نہیں رہا۔

سبیلی فرمانے کا مطلب

خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جس کو سبیلی (میرا راستہ) فرمایا تھا۔ اس کو یہاں سبیل من اناب الی (ان لوگوں کا راستہ جو میرے طرف متوجہ ہوئے) فرما رہے ہیں۔ پس سبیلی اور سبیل من اناب الی مصداق کے اعتبار سے ایک ہوئے اسی طرح ایک جگہ فرمایا۔

ثم جعلنک علی شریعة من الامر فاتبعها دین کے جس طریقہ پر آپ کو ہم نے کر دیا ہے آپ اسی کا اتباع کئے جایئے۔

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں اتبع ملة ابراهیم حنیفا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کیجئے۔ اب اس کے کیا معنی ہیں ظاہر ہے کہ اسی شریعت محمدیہ کا ایک لقب یہ ہے ملت ابراہیم۔ یہ ہے عنوان کا اختلاف باقی اصل اتباع احکام الٰہیہ کا ہے پھر اتباع علماء کے عنوان سے کیوں متوحش ہوتے ہو۔

کہ واتبع ملة ابراهیم حنیفا (ملت ابراہیمی کا اتباع کرو) باوجودیکہ حضور ﷺ مستقل ہیں مگر پھر بھی کہا جاتا ہے کہ واتبع ملتہ ابراہیم (آپ دین ابراہیم کا اتباع کیجئے) اگر اس کے دو معنی یہ ہوں کہ جو ان کا طریقہ ہے اس کا اتباع کیجئے تب تو یہ بڑا سخت مضمون ہے کیونکہ یہ تو امتی کا کام ہے کہ دوسروں کے طریقہ کا اتباع کرے نہ کہ نبی کا۔ تو بے تکلف توجیہ اس کی اس تقریر سے سمجھ میں آ جائے گی کہ ملت ابراہیم اس ملت الٰہیہ کا نام ہے۔ اس کے بہت سے لقب ہیں۔ اس میں سے ایک لقب ملت ابراہیم بھی ہے۔ چونکہ یہ دونوں شریعتیں فروع میں بھی بکثرت متفق ہیں۔ اس مناسبت سے اس ملت کا نام ملت ابراہیم رکھا گیا ہے۔ تو واقع میں ملت ابراہیم علیہ السلام کا اتباع نہیں ہے بلکہ ملت الٰہیہ کا اتباع ہے جو کہ ایک مناسبت سے ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی گئی تو جیسے یہاں پر ملت الٰہیہ کو ملت ابراہیم کہہ دیا گیا ہے اسی طرح اگر اس دین کو مذہب شافعی یا مذہب ابوحنیفہ یا قول قاضی خاں کہہ دیا جاوے تو کیا مضائقہ ہے۔

معیار اتباع

اب رہ گئے وہ لوگ جو اتباع تو کرتے ہیں مگر کوئی معیار صحیح نہیں مقرر کرتے بلکہ ہر کس و ناکس کا اتباع کرنے لگتے ہیں سو آگے ان کی اصلاح کرتے ہیں کہ سبیل من اناب (ان لوگوں کے راستہ کا جو منیب ہیں) کا اتباع کرو اندھا دھند ہر ایک کا اتباع نہ کرو اور خوبی دیکھئے کہ واتبع من اناب الی) ان لوگوں کا اتباع جو میری

(c) ketabton.com: The Digital Library

طرف متوجہ ہوئے) نہیں فرمایا کیونکہ اس میں ایہام ہے اس امر کا کہ وہ خود متبوع ہیں۔ اس لئے سبیل کا لفظ اور بڑھایا اور فرمایا واتبع سبیل من اناب الی (ان لوگوں کے راستہ کا اتباع کرو جو میری طرف متوجہ ہوئے) کہ وہ خود متبوع نہیں ہیں بلکہ ان کے پاس ایک سبیل ہے وہ ہے متبوع۔ یہ ہے اتباع کا معیار کہ جس شخص کا اتباع کرو اس کو دیکھ لو وہ صاحب انابت ہے یا نہیں۔ جو صاحب انابت ہو اس کا اتباع کرو سبحان اللہ ! کیا عجیب معیار ہے پس اتباع اسی معیار کے موافق کرنا چاہیے اور سب معیار چھوڑ دینے چاہئیں۔

خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ نے توجہ الی اللہ (اللہ کی طرف توجہ کرنے) کو معیار بنایا۔ اور توجہ الی اللہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کو مانے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ویھدی الیہ من ینیب (یعنی جو شخص اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت کرتے ہیں) کہ توجہ الی اللہ کو ہدایت لازم ہے اور ہدایت یہ ہے کہ افعال درست ہوں۔ پس اس سے معلوم ہو گیا کہ توجہ الی اللہ کے لئے لازم ہے اور ہدایت یہ ہے کہ افعال درست ہوں۔ پس اس سے معلوم ہو گیا کہ توجہ الی اللہ کے لئے لازم ہے کہ اس کے افعال درست ہوں۔ پس اب اناب الی سے مراد وہ شخص ہوا جو کہ باعمل ہو اور عمل بدوں علم کے ہو نہیں سکتا تو حاصل یہ ہوا کہ اس کا اتباع کرو جو احکام خداوندی کے علم وعمل دونوں کا جامع ہو بس دو چیزیں اصل ٹھہریں۔ ایک علم دین اور ایک عمل دین۔

اتباع شریعت

ثم جعلنک علی شریعة من الامر فاتبعھا.

دیکھئے یہاں شریعت کا لفظ صاف موجود ہے کہ شریعت کا اتباع کیجئے اس سے کس قدر جی خوش ہوتا ہے کہ مولوی شریعت کے اتباع کو کیسے نہ کہیں خدا تعالیٰ شریعت کے اتباع کا حضور علیہ کو حکم فرما رہے ہیں۔ اور من الامر میں الف لام عہد کا ہے اس سے مراد دین ہے۔ پس معنے یہ ہوئے کہ دین کے جس طریقہ پر آپ کو ہم نے کر دیا ہے آپ اس کا اتباع کئے جایئے۔

حق تعالیٰ کا اتباع

پس جب اتنے بڑے صاحب علم کو ضرورت ہے اتباع شریعت کی تو ہم کو کیوں نہ ضرورت ہو گی۔ تو ہر ایک کو اپنے بڑے کے اتباع کا حکم ہوا۔ حضور سے بڑھ کر تو کوئی نہیں تھا۔ تو آپ کو حکم ہوا اتباع وحی کا۔ اور صحابہ سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے انہیں حکم ہوا کہ حضور کا اتباع کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا **فاتبعونی یحببکم اللہ** سو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھیں گے) اور علیکم بسنتی میری سنت کو اپنے اوپر لازم پکڑو)

(c) ketabton.com: The Digital Library

پس حضور کو حکم ہے وحی کے اتباع کا اور صحابہ کو حکم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا۔ پھر علماء کو حکم ہے صحابہ کے اتباع کا اور نیچے آ کر عوام کو حکم ہے علماء کے اتباع کا۔ چنانچہ ارشاد ہے واتبع سبیل من اناب الی اور متبوع مستقل سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں پھر حضور کا اتباع کرنے کو جو کہا گیا ہے سو وہ اس لئے کہ حق تعالیٰ کا اتباع حضور ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید سمجھانے کا وعدہ حضور ہی سے کیا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ثم ان علینا بیانہ (یعنی پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارا ذمہ ہے) اور حضور فرماتے ہیں علمنی ربی فاحسن تعلیمی (میرے رب نے مجھ کو تعلیم دی۔ پس اچھی ہوئی میری تعلیم)

تو آپ کے اتباع کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے ارشاد کے موافق خدا کے احکام کا اتباع کیا جائے۔ یہی معنی خلفائے راشدین کے اتباع کے ہیں۔ نہ یہ کہ خلفائے راشدین مستقل متبوع ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کو دین خوب سمجھایا۔ اس وجہ سے دین کا اتباع صحابہ کے فرمانے کے مطابق کرنا چاہیے اور چونکہ خدا تعالیٰ کے احکام کا اتباع صحابہ کے ارشاد کے موافق کیا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کو صحابہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے کہ سنۃ الخلفاء الراشدین (خلفاء راشدین کی سنت) علی ہذا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے دین کو حضرات ائمہ مجتہدین نے لیا اور سمجھا اور ایسا سمجھا کہ ان کی تحقیقات کے موافق اتباع کرنا چاہیے مگر نہ اس وجہ سے کہ وہ متبوع مستقل ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اگر ہم خود اتباع کرتے تو بہت جگہ احکام الٰہی کے سمجھنے میں غلطی کرتے اور چونکہ ہم سے زائد سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ ان کی تحقیق کے موافق اتباع کرنا چاہیے۔

اھواء کا مقابل دین ہے

ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھوآء الذین لا یعلمون .

(پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا۔ سو آپ اسی طریقہ پر چلے جائیے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے)

اس مقام پر شریعت کو اہواء (خواہشات) کے مقابل قرار دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہواء کا مقابل مطلق دین ہے خواہ احکام ظاہری ہوں یا احکام باطنی۔ باقی اس کے یہ معنی نہیں کہ بعض چیزیں احکام ظاہری کی رو سے حرام ہیں اور احکام باطنی کی رو سے حلال ہیں۔

اور باطن سے وہ مراد نہیں جس کو عوام باطن کہتے ہیں میری مراد باطن سے وہ ہے جس کی خبر نہ مدعیان باطن کو ہے نہ مدعیان ظاہر کو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴿۲۰﴾

ترجمہ: یہ قرآن عام لوگوں کے لئے دانش مندیوں کا سبق اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین یعنی ایمان لانے والوں کے لئے رحمت کا سبب ہے۔

تفسیری نکات

رضا بالدنیا کب مذموم ہے

حق تعالیٰ ایک مقام پر کفار کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ورضوا بالحیوۃ الدنیا واطماء نوابھا کہ وہ دنیا سے خوش اور مطمئن ہو گئے اس سے معلوم ہوا کہ رضا بالدنیا مطلقاً مذموم نہیں بلکہ اس وقت مذموم ہے جبکہ اس کے ساتھ اطمینان اور بے فکری بھی ہو ورنہ واطماء نوابھا (اور اس سے مطمئن ہو گئے) نہ بڑھایا جاتا پس معلوم ہوا کہ مذمت میں اس اطمینان کو بھی دخل ہے گو یہ اطمینان بالدنیا کفر سے کم ہی ہے مگر ایسا کم ہے جیسا آسمان عرش سے کم ہے مگر فی نفسہ تو بہت بڑا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

آسمان نسبت بعرض آمد فرود لیک بس عالی ست پیش خاک تود

(آسمان عرش کے مقابلہ میں بیشک نیچا ہے لیکن مٹی کے ٹیلے سے تو کہیں اونچا ہے)

اسی طرح اطمینان بالدنیا بہت سخت چیز ہے جبھی تو اس کو کفار کی مذمت میں بیان کیا گیا۔ گو کفر سے کم ہوا اس جگہ جملہ معترضہ کے طور پر ایک تحقیق لغت کی بھی بیان کر دوں کہ آسمان لفظ مفرد نہیں ہے بلکہ مرکب ہے آس اور مان سے آس بمعنے آسیا چکی کو کہتے ہیں اور مان بمعنے مانند ہے تو یہ لفظ اصل میں آسیا مان تھا کثرت استعمال سے تخفیف کر کے آسیا کو آس بنا لیا گیا آسمان ہو گیا گو ہمیں فارسی دانی کا دعویٰ نہیں مگر جو لوگ اس کے مدعی ہیں وہ اس نئی تحقیق کو سن لیں غالباً ان کے بھی خیال میں یہ بات نہ آئی ہوگی۔ پس آسمان کو آسمان اس لئے کہتے ہیں کہ ان اہل لغت کے نزدیک چکی کی طرح اس میں بھی حرکت دوریہ ہے غرض رضا بالدنیا واطمینان بہا (دنیا سے خوش ہونا اور اس سے مطمئن ہونا) گو بمقابلہ کفر کے کم ہے مگر فی نفسہ بہت بڑا مرض ہے۔ اس کا علاج کرنا چاہیے جس کی ایک صورت یہ ہے جو میں اس وقت بیان کر رہا ہوں کہ انسان یہ تصور پیش نظر رکھے کہ میں ہر وقت سفر میں ہوں چنانچہ قرآن کی اس آیت سے بطور دلالت التزام کے یہ بات ثابت ہے کہ انسان سفر میں ہے اور اس کے لوازم سے ہے بے چینی اور عدم اطمینان کیونکہ مسافر کو منزل پر پہنچنے سے پہلے اطمینان

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں ہوا کرتا بلکہ مسافر کے لئے غیر منزل کے ساتھ اطمینان اور رضا خود موانع سفر سے ہے جو مسافر غیر منزل سے دل لگا لے گا اور اسی میں قیام کر کے بے فکر ہو جائے گا یقیناً منزل پر نہ پہنچ سکے گا۔ ان سب باتوں کو بھی قرآن نے بتلا دیا ہے کہ دنیا سے رضا اور اطمینان نہ ہونا چاہیے پس قرآن سے بدلالت مطابقی ہمارا مسافر ہونا بھی ثابت ہے اور بدلالت التزامی سفر کے لوازم بھی ثابت ہیں اور اس کے موانع بھی بتلا دیئے گئے ہیں اب اس مضمون میں کیا شبہ ہے اور سنئے لوازم سفر سے طریق کا مبداؤ منتہا بھی ہے۔ سو مبداء کے بیان کی تو اس لئے ضرورت نہیں کہ وہ تو چلنے والے کے سامنے ہے اور منتہا کا ذکر قرآن میں جابجا آیا ہے چنانچہ بار بار فرماتے ہیں والی اللّٰہ ترجع الامور (اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں) وان الی ربک الرجعی (تیرے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے) والی اللّٰہ المصیر اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے) اور ایک مقام پر صاف ارشاد ہے وعلی اللّٰہ قصد السبیل و منها جائر کہ سیدھا راستہ ہی خدا تک پہنچتا ہے اور بعضے ٹیڑھے راستے بھی ہیں (اور سیدھے راستہ کی توفیق تو اس کو ہوتی ہے جو طالب حق ہو) ولو شاء لھدکم اجمعین (اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم سب کو (سیدھے راستہ کی طرف جبراً) ہدایت کر دیتے (مگر چونکہ یہ دارالابتلاء ہے اس لئے نہیں کیا جاتا لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی. (دین میں جبر نہیں ہے تحقیق ظاہر ہوگئی رشد گمراہی سے) مشہور تفسیر تو یہ ہے وعلی اللہ بیان قصد السبیل ومنها جائر. (سیدھا راستہ ان میں بعض ٹیڑھے بھی ہیں) مگر اس میں مضاف کا حذف ہے جو بلا ضرورت خلاف اصل ہے اس لئے میرے نزدیک یہاں علی بمعنی الی ہے جو قرآن میں جابجا آیا ہے۔ چنانچہ بما انزل علینا بمعنی بما انزل الینا۔ (اور اس کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے) آیا ہے اور بھی اس کی نظائر تلاش سے ملیں گی اس صورت میں حذف کی ضرورت نہ ہوگی تو منتہائے سفر بھی قرآن میں مذکور ہے۔

علامات سفر

پھر لوازم سفر سے علامات بھی ہیں ہر راستہ کی کچھ علامات ہوتی ہیں تو یہاں بھی کچھ علامات ہونا چاہئیں بلکہ یہاں ضرورت زیادہ ہے کیونکہ یہ سبیل محسوس نہیں بلکہ معنوی ہے سو قرآن میں اس راستہ کی علامات بھی مذکور ہیں فرماتے ہیں۔ ومن یعظم شعآئر اللہ فانها من تقوی القلوب. (اور جو شخص دین خداوندی کے ان یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے) شعائر اللہ وہی علامات ہیں جو خدا کی طرف چلنے کی دلیل ہیں یعنی نماز روزہ اور حج۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

لوازم سفر

پھر لوازم سفر سے ضیاء (روشنی) بھی ہے کیونکہ راستہ میں تاریکی ہو تو چلنا دشوار ہے۔ سیر فی الطریق (راستہ میں چلنا) رویت طریق (راستہ دیکھنے) پر موقوف ہے اور رویت بدوں ضیا کے نہیں ہو سکتی تو قرآن میں اس راستہ کے لئے ضیاء بھی ثابت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ھذا بصآئر من ربکم وھدی ورحمة لقوم یومنون۔ (یعنی یہ قرآن عام لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین لانے والوں کے لئے بڑی رحمت ہے) اس میں لفظ بصائر سے ضیاء پر دلالت ہے ایک دفعہ مجھے اس آیت میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ اس جگہ تین چیزیں کیوں بیان کی گئیں۔ بصائر و ھدی و رحمة۔ پھر سمجھ میں آیا کہ راستہ چلنے میں ایک تو رہبر کی ضرورت ہے وہ تو ھدی ہے۔ پھر رہبر کی عنایت و شفقت کی ضرورت ہے کہ مختصر اور سہل راستہ سے لے جائے وہ رحمت ہے پھر اس کی بھی ضرورت ہے کہ چلنے والا سوانکھا ہو اگر راستہ حسی ہے تو بصر کی ضرورت ہے اور معنوی ہے تو بصیرت کی ضرورت ہے اس کا ذکر بصائر میں ہے۔ مگر بصائر سے مراد اسباب بصیرت ہیں یعنی ضیاء کیونکہ قرآن کو جو بصیرت فرمایا ہے ظاہر ہے کہ وہ اسباب بصیرت میں سے ہے پس قرآن میں ضیاء معنوی موجود ہے جس میں تامل کرنے سے بصیرت کام کرنے لگتی ہے اور اس کو راستہ نظر آنے لگتا ہے پس اس آیت سے ضیاء بھی ثابت ہوئی اور دوسری آیات میں تو صاف طور پر لفظ نور وارد ہے۔ لقد جآء کم من اللہ نور و کتاب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ویخرجھم من الظلمت الی النور۔ (یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں) غرض قرآن سے سفر اور لوازم سفر سب ثابت ہیں۔

ضیاء طریق منزل

۱۶ صفر ۱۳۲۹ھ کو فرمایا کہ آج رات میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک طالب علم میرے پاس یہ آیت پڑھ رہا ہے۔ ھذا بصآئر من ربکم وھدی ورحمة لقوم یومنون۔ (آیت آخر سورہ اعراف) میں نے خواب ہی میں اس سے پوچھا کہ بصائر کو جمع کیوں لائے ہیں۔ اور ھدی و رحمة کو مفرد کیوں لائے ہیں۔ اس نے جواب دیا تاکہ راستہ چلنے والے پریشان نہ ہوں میں نے کہا کہ یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہوا اس کے بعد میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

نے خود کہا کہ راستہ چلنے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے ایک ضیاء کی دوسرے طریق کی۔ تیسرے منزل کی لیکن ضیاء سے کام لینے کے لئے آنکھیں شرط ہیں اور آنکھیں ہر شخص کے لئے علیحدہ ہونی چاہئیں۔ اس لئے بصائر کو جمع لایا گیا اور ہدی مثل طریق کے واحد ہے اس لئے وہ مفرد لایا گیا اور رحمۃ مثل ثمرہ طریق یعنی منزل کے ہے وہ بھی متعین اور واحد ہے اس واسطے اس کو بھی واحد لایا گیا۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ترجمہ: اور اسی کو بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

تفسیری نکات

کبریائی صرف حق سبحانہ وتعالیٰ کی شان کے لائق ہے

حق تعالیٰ نے آیت میں بلفظ حصر عظمت کو اپنے واسطے ثابت کیا ہے ولہ الکبریاء یعنی اسی کے واسطے ہے عظمت بلاغت کے قاعدہ سے لہ کو مقدم کرنے کا یہی مطلب ہے کہ عظمت مخصوص ہے ذات باری تعالیٰ کے ساتھ یہ صفت دوسرے میں بالکل نہیں ہوسکتی نیز یہ نہیں فرمایا ولہ الکبریاء العظمٰی کہ بڑی عظمت تو حق تعالیٰ کے لئے ہے اور چھوٹا موٹا کوئی حصہ اس کا دوسرے کے لئے بھی ثابت ہے بلکہ مطلق کبریاء کو دوسرے سے نفی کردیا اسی کو حدیث میں اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ العظمة ازاری والكبرياء ردائي فمن نازعني فيهما قصمته یعنی عظمت میرا تہبند ہے اور کبریاء میری چادر جو کوئی ان دونوں کو مجھ سے چھیننا چاہے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔ چادر اور تہبند فرمانا کنایہ ہے خصوصیت سے معنی یہ ہوئے کہ یہ دونوں صفتیں خاص ہیں میرے ساتھ دوسرا کوئی مدعی ہوگا تو میں اس کو سزا دوں گا جب کبریاء حق ہوا باری تعالیٰ کا تو اپنے نفس میں اس کا رکھنا مساواۃ ہوئی۔ باری تعالیٰ کے ساتھ اور دیگر معاصی کے لئے تو حدود ہیں کہ جب تک ان تک نہ پہنچے معصیت نہیں ہوتی۔ مثلاً کھانا کہ اتنا زیادہ نہ ہو کہ موجب ہو جائے مرض کا اس وقت تک مباح ہے یا بھوکا رہنا کہ جب تک سبب نہ ہو جائے ہلاکت کا جائز ہے مگر کبر وہ معصیت ہے کہ اس کے لئے کوئی حد نہیں بلکہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر یعنی جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ بلکہ ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ تشدد ہے۔ اخرجوا من النار من كان في قلبه مثقال ذرة من ايمان۔ یعنی قیامت کے دن حکم ہوگا کہ جس کے دل میں ایک ذرہ بھر بھی ایمان ہے اسے دوزخ سے نکالو۔ اس کو پہلی حدیث سے ملایئے تو کیا نتیجہ نکلتا ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

وہاں فرماتے ہیں ایک ذرہ بھر کبر جس کے دل میں ہے جنت میں نہ جائے گا۔ یہاں فرماتے ہیں ایک ذرہ بھر بھی ایمان جس کے دل میں ہے جنت میں جائے گا اس سے صاف یہ بات نکلتی ہے کہ ذرہ بھر کبر بھی کسی دل میں ہے اس میں ذرہ بھر ایمان نہیں ہوسکتا اور ذرہ بھر ایمان جس دل میں ہے اس میں ذرہ بھر کبر نہیں ہوسکتا دونوں میں بالکل نقیضیں ہیں۔ گو اس کی توجیہ یہ ہے کہ جنت میں جانے کے وقت ذرہ بھر کبر نہ ہوگا لیکن آخر اس سے بھی تو اس صفت کا مفاد ایمان کسی درجے میں ہونا ثابت ہوا سمجھ لو کہ کبر کس قدر سخت معصیت ہے اور ہونا ہی چاہیے کیونکہ سب سے بڑا گناہ کفر ہے اور کبر خود اس کی بھی اصل ہے اور کفر اس کی فرع تو مسلمان کو چاہیے غور کیا کرے کہ اس کے دل میں کبر ہے یا نہیں۔

تکبر کا علاج

حق تعالیٰ نے ایک ایسا علاج اس کا بتایا کہ جب اس کو مستحضر رکھا جائے تو نہ چھوٹا گناہ ہو نہ بڑا۔ وہ یہ ہے کہ اللہ کی ایک صفت وله الكبرياء في السموات والارض (اور اسی کو آسمانوں اور زمین میں بڑائی حاصل ہے) کو یاد رکھو گے تو گناہ خود بخود تم سے چھوٹ جائیں گے۔ یہ اصل کل ہے تمام گناہوں سے حفاظت کی اور جب صفات کبریا مختص ہوئی ذات باری کے ساتھ تو نفس کے واسطے کیا رہ گیا تذلل جو اصل ہے تمام عبادات کی جس شخص نے صفت کبریا کو مختص مان لیا حق تعالیٰ کے ساتھ اس نے حق تعالیٰ کو بھی پہچان لیا اور نفس کا بھی اس سے بڑھ کر کوئی عالم یا محقق نہیں ہوسکتا عقل مند لوگ یہی ہیں۔

وھو العزیز الحکیم. (یعنی وہ غالب اور صاحب حکمت ہے) سے موکد کیا ان کو چونکانے کے لئے جو اس مفسدے سے کسی طرح بچتے ہی نہیں اور اپنے طبیب پر ان کی نظر ہی نہیں جب ان کو سمجھانے اور بھلائی سوجھانے سے اثر نہیں ہوتا تو فرماتے ہیں عزیز یعنی غالب بھی ہوں اگر تم کہنا نہ مانو گے تو میرے ہاتھ سے کہیں جا نہیں سکتے۔ جیسی چاہے سزا دوں گا۔

اور اگر کسی برے عمل پر فوراً سزا نہ ملے تو مطمئن مت ہو جاؤ میں حکیم بھی ہوں کسی مصلحت سے مہلت دیتا ہوں اول تو دنیا ہی میں سزا ملے گی اور اگر دنیا میں کسی مصلحت اور حکمت سے ٹل ہی گئی تو آخرت تو دار الجزاء ہے ہی۔ وہاں کی سزا اور زیادہ سخت ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الاَحقَاف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝

ترجمہ: اے قوم اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور تم کو عذاب دردناک سے محفوظ رکھیں گے۔

تفسیری نکات

شان نزول

یہ ایک آیت ہے سورہ احقاف کی اور یہ قول نقل کیا گیا ہے بعض جنوں سے جس کا قصہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے اور یہ آیت مکی ہے ہجرت سے قبل یہ واقعہ ہوا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے جو قرآن شروع کیا تو ادھر سے جن گزر رہے تھے۔ انہوں نے اس کو سنا اور چلے گئے۔ مگر اس دفعہ مکالمت (بات چیت کرنے) سے مشرف نہیں ہوئے۔ ہاں دوسری بار مکالمت سے بھی مشرف ہوئے ہیں۔ اس دفعہ صرف قرآن سن کر لوٹ گئے اور اپنی قوم کے پاس جا کر قرآن کی تعریف کی اور اس پر ایمان لانے کی رغبت دلائی۔ سو اس موقعہ کی یہ ایک آیت ہے اور ان جنوں کا مقولہ ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے جا کر کہا ہے گو ظاہر میں یہ جنوں کا مقولہ ہے۔ لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو یہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ جس بات کو نقل کر کے اس پر حق تعالیٰ انکار نہ فرمائیں تو وہ درحقیقت انہیں کا فرمان ہوتا ہے کیونکہ جب نقل کر کے انکار نہیں کیا تو اس کو صحیح سمجھا تو ایسا ہوا جیسے مفتی فتویٰ لکھے اور کوئی دوسرا لکھ دے الجواب صحیح (جواب درست ہے) تو وہ اس فتویٰ کا مصدق بھی ہے۔ خاص کر ایسی حالت میں جبکہ فتویٰ لکھنے والا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک نوآموز شاگرد ہو اور اصل میں یہاں یہی مثال ہے کہ فتویٰ لکھنے والا ہو ایک نوآموز شاگرد اور مصدق (تصدیق کرنے والا) ہو استاد کیونکہ پہلی صورت میں جہاں مفتی شاگرد مصدق (تصدیق کرنے والا) استاد نہیں ہے وہاں تو بعض دفعہ اصل مجیب (جواب لکھنے والا) زیادہ ہوتا ہے مصدق سے مگر اس صورت میں کہ مفتی نوآموز شاگرد ہے جواب دینے والا اصل میں کچھ نہیں کیونکہ وہ خود اس میں متردد ہے۔ استاد کو اس لئے دکھلاتا ہے تاکہ اس کی صحت پر اطمینان ہو جائے تو جب اس نے استاد کو دکھلایا اور استاد نے اس پر صاد بنا دیا تو اب اس کو اطمینان ہو گیا تو وہ حقیقت میں استاد کا مضمون ہے کیونکہ جس شان کا یہ مضمون اب استاد کے صاد بنانے پر ہو گیا ہے پہلے اس شان کا نہ تھا کیونکہ اب یہ حجت ہے اور اس سے پہلے حجت نہ تھا تو جب حجیت کی حیثیت سے دیکھا جاوے گا تو وہ فتویٰ استاد کا کہا جاوے گا نہ کہ شاگرد کا تو اسی طرح جب حق سبحانہ وتعالیٰ کسی کا کلام نقل فرمادیں خاص کر ایسے کا کلام جو کہ فی نفسہ حجت نہ ہو جیسے کسی غیر کا کلام اور نقل کر کے پھر اس کی تصدیق فرمادیں تو وہ کلام حقیقت میں حق تعالیٰ ہی کا کہا جاوے گا اور کسی کلام کو نقل فرما کر سکوت کرنا یہ اس کی تصدیق ہی کرنا ہے۔

تفسیر آیت کی

غرض وہ جن قرآن سن کر اپنی قوم کے پاس گئے اور جا کر وہ مقولہ کہا جو یہاں مذکور ہے۔ اور اب وہ ارشاد ہو گیا خدا تعالیٰ کا تو فرماتے ہیں کہ کہنا مانو خدا کی طرف سے پکارنے والے کا آگے اجیبوا (کہنا مانو) کی تفسیر ہے۔ کہ امنوا بہ تصدیق کرو آپ کی یہ نہیں کہ زبان سے کہہ لیا کہ ہاں صاحب اور آگے کچھ بھی نہیں بہت سے لوگوں کی اجابت اسی قسم کی ہوتی ہے کہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے لیکن جب احکام سنے تو ہٹنے لگے اس لئے کہتے ہیں کہ آمنوا بہ کہ دل سے مانو اگر ایسا کرو گے تو کیا ثمرہ ملے گا۔ یہ ملے گا کہ یغفر لکم من ذنوبکم۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے۔ ویجرکم من عذاب الیم۔ اور تم کو دردناک عذاب سے پناہ دیں گے۔

ارشاد ہے۔ اجیبوا داعی اللہ و امنوا بہ۔ (یعنی کہنا مانو اللہ کے منادی کا اور اللہ کے ساتھ ایمان لاؤ تو امنوا یہ تفسیر ہے کہ اللہ کے ساتھ ایمان لاؤ اور امنوا بہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ داعی پر ایمان لاؤ اور یہ معنی زیادہ چسپاں ہیں کیونکہ وہ جن یہودی تھے حق تعالیٰ کے ساتھ پہلے ہی سے ایمان رکھتے تھے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے تھے۔ اس لئے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کو کہا گیا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایمان کے لئے عمل صالح لازم ہے

اور ایک بات یہ بھی سمجھ لینے کی ہے کہ امنو بہ کے ساتھ واعملوا صالحاً (اور نیک کام کرو) کیوں نہیں فرمایا یہاں سے تو گویا سہارا ملے بعض کو کہ ایمان کافی ہے اعمال صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں تو سمجھو کہ اس کے ذکر نہ کرنے سے یہ بتلانا ہے کہ عمل صالح تو ایمان کے لئے لازم غیر منفک (جدا نہیں) ہے کہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں دیکھو اگر حاکم کہے کہ رعیت نامہ داخل کردو تو اس کہنے کی ضرورت نہیں کہ قانون پر عمل بھی کرنا میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ کسی شخص نے قاضی کے کہنے سے کہا کہ میں نے اس عورت کو قبول کیا کچھ دنوں تک تو دعوتیں ہوتی رہیں اس لئے کسی چیز کی ضرورت نہ ہوئی لیکن دو چار روز کے بعد نمک لکڑی کی ضرورت ہوئی تو بیوی نے فرمائشیں کرنی شروع کیں۔ اب وہ گھبرایا اور پہلو تہی کرنی شروع کی جب بیوی نے بہت دق کیا تو کہنے لگا سنو بیوی میں نے صرف تمہیں قبول کیا تھا نمک لکڑی کو قبول نہیں کیا تھا۔ تو اگر آپ کے سامنے اس کا فیصلہ آوے تو آپ فیصلہ میں کیا کہیں گے ظاہر ہے کہ بیوی کا قبول کرنا ان سب چیزوں کا قبول کرنا ہے تو اسی طرح ایمان لانا سب چیزوں کا قبول کرنا ہے اس لئے امنوا بہ (اس پر ایمان لاؤ) کہنا کافی ہو گیا اور واعملوا صالحاً۔ (اور نیک کام کرو) کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ جو خدا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے گا اس کو سب کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ آگے اس کا ثمرہ مرتب کرتے ہیں کہ یغفرلکم من ذنوبکم۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے اس آیت میں من یا تو ابتدائیہ ہے کہ گناہوں سے مغفرت شروع ہوگی اور اس میں اشارہ ہے کہ اتصال ہوگا یعنی ایک سرے سے گناہ معاف ہوتے چلے جائیں گے یا من تبعیضیہ ہو کہ جن گناہوں کا اب تدارک نہیں ہو سکتا مثلاً شراب خواری وغیرہ وہ معاف ہو جائیں گے۔ باقی جن کا تدارک ہو سکتا ہے وہ معاف نہیں ہوں گے جیسے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی سے ہزار روپے چھین لئے اور اگلے دن ہو گئے مسلمان تو وہ روپیہ ادا کرنا پڑے گا۔ معاف نہیں ہوگا۔ اب میری تقریر سے یہ اشکال جاتا رہا کہ کیا نرے ایمان پر گناہ معاف ہو جائیں گے کیونکہ معلوم ہو گیا کہ ایمان کے لئے عمل لازم ہے اور یہ بھی ایک جواب ہے کہ صرف ایمان پر بھی کبھی نہ کبھی تو مغفرت ہوگی۔ گو دخول نار کے بعد ہی سہی مگر یہ طالب علمانہ جواب ہے آگے فرماتے ہیں۔ ویجرکم من عذاب الیم۔ (اور دردناک عذاب سے تم کو محفوظ رکھیں گے) اگر ایمان کیساتھ عمل صالح بھی کیا جاوے تو عذاب الیم سے عذاب مطلق مراد ہوگا کہ ہر طرح کے عذاب سے پناہ دیں گے اور اگر نرا ایمان لیا جاوے اور اس کے ساتھ عمل صالح نہ ہو تو عذاب سے مراد عذاب مخلد ہوگا کہ ہمیشہ عذاب نہیں ہوگا۔ یہ تو آیت کی تفسیر ہوگئی اب اس آیت کے متعلق ایک مسئلہ بھی بیان کرتا ہوں وہ یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ یہاں جنوں کا مکالمہ ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جنوں کا وجود ہے آج کل اس میں بھی اختلاف ہے اور اختلاف ایسا عام ہوگیا ہے کہ ہر چیز میں اختلاف ہے جیسے ایک مولوی صاحب کے شاگرد بد استعداد تھے۔ جب وہ کتابیں ختم کر کے جانے لگے تو استاد سے کہنے لگے کہ مجھے کچھ آتا جاتا تو ہے نہیں لوگ مجھ سے مسئلہ پوچھیں گے تو میں کیا بتلاؤں گا۔ استاد نے کہا کہ تم یہ کہہ دیا کرنا کہ اس میں اختلاف ہے غرض یہ کہ جب وہ وطن پہنچے تو انہوں نے یہی طرز اختیار کیا کہ جو شخص ان سے کوئی مسئلہ پوچھتا وہ یہی کہہ دیتے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے لوگ ان کے بڑے معتقد ہوئے کہ یہ بہت وسیع النظر ہیں۔ آخر ایک شخص یہ راز سمجھ گیا اس نے کہا کہ لا الہ الا اللہ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ انہیں تو وہی ایک جواب یاد تھا کہنے لگے اس میں اختلاف ہے۔ بس لوگ سمجھ گئے کہ انہیں کچھ نہیں آتا۔ سو اس وقت تو یہ بات ہنسی کی تھی مگر آج سچی ہوگئی۔ لا الہ الا اللہ میں بھی اختلاف ہے۔ خدا تعالیٰ تو کہیں کہ جن ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ نہیں اور بناء انکار کی کیا ہے محض یہ کہ ہم نے نہیں دیکھے۔ میں کہتا ہوں کہ جب تک ہم نے امریکہ نہ دیکھا تھا کیا اس وقت امریکہ معدوم تھا یا غیر معلوم تھا سو معدوم تو نہ تھا تو اگر آدمی کسی چیز کو نہ دیکھے تو اس کا نہ دیکھنا اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ موجود نہیں تو اگر حق تعالیٰ جنوں کی خبر نہ دیتے تو بھی محض غیر مرئی ہونے پر انکار کی گنجائش نہ تھی۔ دیکھئے مادہ کو کسی نے دیکھا نہیں اور پھر مانتے ہیں اور لطف یہ کہ مادہ کو خالی عن الصورۃ مان کر قدیم مانا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس کو دیکھا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ محض دلیل سے قائل ہوئے ہیں۔ گو وہ دلیل بھی لچر ہے تو اگر ہم خدا کے فرمانے سے کسی چیز کے قائل ہوں تو کیا حرج ہے ایک اور بات کہتا چلوں کہ جنوں کے ہونے کے یہ معنی نہیں کہ ہر بیماری بھی جن ہیں آج کل جہاں کوئی بیماری ہوتی ہے بس لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جن کا اثر ہے۔ اگر یہ خیال ہو کہ جن انسان کے دشمن ہیں۔ اس کے اثر سے کیا تعجب ہے تو سمجھ کہ اگر دشمن ہیں تو ہوا کریں۔ خدا تعالیٰ حافظ ہیں فرماتے ہیں۔ **له معقبات من بين يديه و من خلفه يحفظونه من امر الله.** (واسطے ان کے فرشتے ہیں یکے بعد دیگرے حفاظت کرنے والے بندہ کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے حفاظت کرتے ہیں اس کی اللہ تعالیٰ کے حکم سے) بس اگر وہ ضرر پہنچانا بھی چاہیں تو خدا تعالیٰ حفاظت کرتے ہیں ان کی حفاظت عبث نہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَۃ مُحَمَّد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً

ترجمہ: تو خوب مضبوط باندھ لو پھر اسکے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا۔

تفسیری نکات

مانعة الخلو کی حقیقت

چنانچہ ایک نیچری مفسر نے دعویٰ کیا تھا کہ قرآن میں غلامی کے مسئلہ کا ثبوت نہیں ہے بلکہ ایک آیت سے تو اس کی نفی ہوتی ہے اور وہ آیت ہے۔ **فشدوا الوثاق فاما منا بعد و اما فداءً**
اس سے پہلے جہاد کا ذکر ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔
فاذالقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب
پس جب تم کفار کے مقابل ہو تو ان کی گردنیں مارو (یعنی قتل کرو) یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خونریزی کر چکو تو (تم کو دو اختیار ہیں) یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا جو کہ احسان ہے یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا اس سے اس نئے مفسر نے یہ استدلال کیا کہ اس آیت میں بطور حصر کے دو باتیں مذکور ہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ تیسری صورت (یعنی غلام بنانا) جائز نہیں۔

اس تقریر سے ایک عالم کو شبہ پڑ گیا۔ اس کا جواب ایک دوسرے عالم نے ان کو یہ دیا کہ پہلے آپ یہ بتلائیں کہ یہ قضیہ کون سا ہے حملیہ یا شرطیہ اور شرطیہ ہے تو متصلہ یا منفصلہ اور منفصلہ ہے تو حقیقیہ یا مانعۃ الجمع یا مانعۃ الخلو۔ بس اتنی بات میں سارے اشکال کو درہم برہم کر دیا۔ کیونکہ حاصل جواب کا یہ ہوا کہ یہ قضیہ ممکن ہے کہ مانعۃ الجمع ہو۔ یعنی ان دونوں کا جمع کرنا ممتنع ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ یہ دونوں صورتیں مرتفع ہوں اور تیسری

(c) ketabton.com: The Digital Library

کوئی اور صورت ہو کیونکہ مانعۃ الجمع کا حکم یہی ہے کہ ان کا اجتماع جائز نہیں ہوتا۔ اور دونوں کا ارتفاع ممکن ہے۔ مثلاً دور سے کسی چیز کو دیکھ کر ہم یہ کہیں کہ یہ چیز یا تو درخت ہے یا آدمی ہے اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان دونوں کا اجتماع تو ناممکن ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہ نہ درخت ہو نہ آدمی ہو بلکہ کوئی تیسری چیز ہو گھوڑا بیل وغیرہ۔ اسی طرح اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے کہ من وفداء دونوں کا جمع کر ممتنع ہے۔ البتہ دونوں سے خلو ممکن ہے۔ تو اب اس سے غلامی کی نفی کیوں کر ہوئی۔ سو دیکھئے جو شخص مانعۃ الجمع و مانعۃ الخلو کی حقیقت نہ جانتا ہو وہ نہ اس اشکال کو دور کر سکتا ہے اور نہ جواب کو سمجھ سکتا ہے۔

إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا

ترجمہ: اگر تم سے تمہارے مال طلب کرے پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو۔

تفسیری نکات

چندہ لینے میں عدم احتیاط

آج کل چندہ کے بارے میں بہت ہی کم احتیاط ہے حتیٰ کہ قریب قریب تمام مدارس میں بھی اس باب میں احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا ہے میں اس معاملہ میں سخت ہوں اور زیادہ بے احتیاطی یہ ہے کہ جو فرداً فرداً چندہ کی تحریک کی جاتی ہے اس سے دوسرے پر بار ہوتا ہے۔ گرانی ہوتی ہے نیز نہ دینے پر بخل بھی ثابت ہوتا ہے جس کا حاصل ایک مسلمان کو متہم کرنا ہے اور یہ کسی طرح جائز نہیں ہیں جو تحریک عام اور تحریک خاص میں امتیاز کرتا ہوں اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک مسلمان پر بار نہ ہو گرانی نہ ہو اور وہ بدنام نہ ہو دعوت عام اور چیز ہے اور انفرادی صورت میں کسی سے سوال کرنا اور چیز ہے مجھ کو تجربہ ہے کہ لوگوں کی حالت معلوم ہے اس تحریک خاص کا اثر ظہور بخل قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ ان یسئلکموھا فیحفکم تبخلوا کیونکہ احفاء والحاف خطاب خاص ہی میں ہو سکتا ہے اور اس کے بعد خطاب عام کا اس عنوان سے ذکر ہے۔ ھانتم ھؤلآء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ یہ دعوت خطاب عام ہے اور اسی فرق کی وجہ سے احفاء پر جو بخل ہوا اس میں نکیر نہیں فرمایا گیا کہ معذور ہے اور دعوت پر جو بخل ہوا اس پر نکیر فرمایا گیا۔ فمنکم من یبخل و من یبخل فانما یبخل عن نفسہ الایۃ میں نے میرٹھ کے ایک وعظ میں اس فرق کو بیان کیا تھا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بھی اس بیان میں شریک تھے۔ وعظ کے بعد خوش ہو کر فرمایا کہ آج آیت کے معنی معلوم ہوئے یہ ان کی تواضع و محبت تھی مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میں اس کو اس وقت سے جانتا ہوں کہ یہ مجھ کو نہ جانتا تھا مجھ سے بڑی محبت فرماتے تھے اور حضرت صاحب میرے پاس ہے ہی کیا بس یہ ہی ایک چیز ہے یعنی اللہ والوں کی محبت مولانا نہایت سادہ تھے کوئی بناوٹ نہ تھی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ تو کسی کا محتاج نہیں اور تم سب محتاج ہو۔

تفسیری نکات

غنی کا ترجمہ بے پروا نہیں

فرمایا کہ مجالس تعزیت میں یہ بات دیکھی ہوگی کہ بعض لوگ جو جوان مرجاتے ہیں اس کی تعزیت میں عام طور پر اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہائے جوان مرگیا چھوٹے چھوٹے بچے رہ گئے۔ ابھی عمر ہی کیا تھی۔ ہاں جی اللہ کی ذات بڑی بے پروا ہے۔ سو یہ لفظ بے پراو کا نہایت ثقیل ہے۔ یہاں غنی کا ترجمہ نہیں کہ یہ صفت تو منصوص ہے بلکہ یہ بے انتظام کے معنے میں ہے۔ یہ جملہ بڑے بڑے ثقہ لوگوں کی زبان پر ہے والله الغنی و انتم الفقراء کے معنی تو یہ ہے کہ ان کوکسی کی طرف احتیاج نہیں اور ان تکفروا فان الله غنی عنکم ولا یرضی لعباده الکفر اور من جاهد فانما یجاهد لنفسه ان الله لغنی عن العالمین میں یہ معنے ہیں کہ کسی کو کفر و طاعت سے نہ ان کا کوئی ضرر ہے نہ نفع مگر ان اہل تعزیت کی یہ مراد ہرگز نہیں ان کلمات سے سخت احتیاط چاہیے۔ ممکن بلکہ امید ہے کہ جہل کے سبب معافی ہو جاوے لیکن اگر مواخذہ ہونے لگے تو استحقاق ہے۔ عارفین پر تو بعید دلالتوں پر مواخذہ ہوگیا ہے۔ ایک بزرگ نے یاس کے بعد بارش ہونے پر یہ کہہ دیا تھا کہ آج کیا اچھے موقع پر بارش ہوئی فوراً مواخذہ ہوا کہ بے ادب یہ بتلا کہ بے موقع کب ہوئی تھی۔ یہ ایسا ہے کہ کسی ماہر استاد سے کہو کہ آج کھانا بہت اچھا پکا ہے کیا یہ مطلب نہیں سمجھا جاے گا کہ پہلے اچھا نہ پکا تھا اور میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ ان اقوال میں تو کچھ قریب یا بعید سوء ادب بھی ہے بندہ کا حق یہ ہے کہ جو خالص طاعت بھی ہو اس میں بھی لرزاں ترساں رہے ناز نہ کرے کیونکہ وہ بھی ان کے شان عظیم کے لائق تو نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اپنے کسی عمل یا اپنی کسی حالت پر ناز نہ کرو۔ نیاز پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اسی میں خیر ہے اور ایسے ہی ناز کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

ناز را روئے بباید ہمچو ورد چون نداری گرد بدخوئی مگرد

ایک عورت بدشکل مگر اس بدشکل میں ایک ایسی ادا ہے کہ خاوند کو وہ محبوب ہے تو اس کی وجہ سے اس عورت کا حسن اس کی نظر میں خاک اور گرد ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں میں کوئی ایسی خداداد صفت ہوتی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے جس کی وجہ سے اس کے سامنے دوسروں کے کمالات گرد ہوتے ہیں اس لئے کسی کی کسی کمی کو دیکھ کر اس کو ناقص اور اپنے کو کامل سمجھنا غلطی ہے ممکن ہے اس کا نقص عارضی ہو اسی طرح تمہارا کمال اس عارض کے ارتفاع کے بعد عکس کا ظہور ہو جاوے گا تو حتمی فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔

اور کیا کوئی ناز کر سکتا ہے ہمارے اعمال کی حقیقت ہی کیا ہے کہ جس پر ناز کرے اور غور کیا جاوے تو ہم ہر وقت ہی خطاوار ہیں مگر ان کا عفو غالب ہے اس لئے محفوظ ہیں بعض دفعہ تنبیہ بھی فرما دیتے ہیں۔ اور یہ بھی رحمت ہے چنانچہ ایک عارف کی زبان سے کوئی کلمہ نامناسب نکل گیا اس وقت تو مواخذہ نہ ہوا مگر کچھ روز کے بعد اس مواخذہ کا اس طرح ظہور ہوا کہ کلمہ طیبہ کا ذکر کرنا چاہا مگر زبان سے نہ نکلتا تھا۔ بہت پریشان ہوئے دعا کی ارشاد ہوا کہ فلاں وقت فلاں کلمہ تمہاری زبان سے نکلا تھا تم نے اب تک توبہ نہیں کی بہت ڈھیل دی آج پکڑ ہے ہماراذ کر زبان سے نہیں کر سکتے تب توبہ کی تب معافی ظاہر ہوئی۔ (الافاضات الیومیہ ج ۷ ص ۲۰۲، ۲۰۳)

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے۔

تفسیری نکات

ان یسئلکموھا فیحفکم تبخلوا ویخرج اضغانکم ۔ اگر تم سے تمہارے مال طلب کریں۔ پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری ظاہر کر دے۔

یہ سوال کرنے کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر خدا تعالیٰ تم سے مانگنے لگے اور مبالغہ سے مانگے تو تم بخل کرنے لگو اور وہ تمہارے کینے کو ظاہر کر دے آگے فرماتے ہیں۔

ھانتم ھؤلاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ فمنکم من یبخل ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ واللہ الغنی وانتم الفقراء وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم

دیکھئے سوال کی تو نفی کرتے ہیں اور دعوت الی الانفاق کا اثبات فرماتے ہیں اور سوال کرنے پر بخل کرنے میں زیادہ مذمت نہیں کرتے ہیں بلکہ ایک گونہ اس میں معذور رکھتے ہیں۔ چنانچہ **فیحفکم تبخلوا** میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور دعوت الی الانفاق میں بخل کرنے کی مذمت فرماتے ہیں کہ۔

من یبخل فانما یبخل عن نفسہ۔ جو شخص بخل کرتا ہے وہ خود اپنے سے بخل کرتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ

ان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم ۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔
کہ اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری بجائے دوسری کسی قوم کو پیدا کردے گا۔ جو کہ تمہاری طرح بخیل اور جان چرانے والے نہ ہوں گے اور تم سے ہر طرح افضل ہوں گے۔ دیکھئے ترغیب پر بخل کرنے سے کس قدر دھمکایا ہے کہ تمہاری تان گاڑی نہیں چلتی دوسرے بھی ہزاروں خدمت گزار موجود ہیں۔

منت منہ کی خدمت سلطاں ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

بادشاہ کی خدمت کرکے احسان نہ جتلاؤ کہ ہم نے خدمت کردی اس کے احسان مند ہو کہ اس نے تم سے خدمت لے لی۔

خدا تعالیٰ ہی کا ہم پر احسان ہے کہ ہم سے یہ کام لے لیا۔ تو اس آیت میں خدا تعالیٰ نے فیصلہ کردیا کہ سوال اور چیز ہے اور وہ کیا ہے کہ جس میں اخفاء ہو اور اخفاء دو قسم کا ہے ایک صوری دوسرا معنوی جیسے وجاہت سے وصول کرنا کہ یہ بھی اخفاء کی ایک فرد ہے۔ غرض جس میں ایلام قلب ہو وہ اخفاء ہے اور اس پر یبخلوا کا ترتب کچھ بعید نہیں ایک ہے ترغیب اس میں بخل کرنا مذموم ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو صورتیں تفسیر شروع ہیں وہ تو سوال میں داخل ہیں اور جو شروع ہیں وہ ترغیب ہیں غرض میں آپ لوگوں کو ترغیب دیتا ہوں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل چندہ کے بارے میں بہت ہی کم احتیاط ہے حتیٰ کہ قریب قریب تمام مدارس میں بھی اس باب میں احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا میں اس معاملہ میں سخت ہوں اور زیادہ بے احتیاطی یہ ہے کہ جو فرداً فرداً چندہ کی تحریک کی جاتی ہے اس سے دوسرے پر بار ہوتا ہے گرانی ہوتی ہے نیز نہ دینے پر بخل بھی ثابت ہوتا ہے جس کا حاصل ایک مسلمان کو متہم کرنا ہے اور یہ کسی طرح جائز نہیں میں جو تحریک عام اور تحریک خاص میں امتیاز کرتا ہوں اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک مسلمان پر بار نہ ہو گرانی نہ ہو اور وہ بدنام نہ ہو۔ دعوت عام اور چیز ہے اور انفرادی صورت میں کسی سے سوال کرنا اور چیز ہے۔ مجھ کو تجربہ ہے لوگوں کی حالت معلوم ہے اس تحریک خاص کا اثر ظہور بخل قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ ان یسئلکموھا فیحفکم تبخلوا الایۃ کیونکہ اخفاء والحاف خطاب خاص ہی میں ہوسکتا ہے اور اس کے بعد خطاب عام کا اس عنوان سے ذکر ہے ھانتم ھولاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ یہ دعوت خطاب عام کا اس عنوان سے ذکر ہے ھانتم ھؤلاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ۔ یہ دعوت خطاب عام ہے اور اسی فرق کی وجہ سے اخفاء پر جو بخل ہو اس میں نکیر نہیں فرمایا گیا کہ معذور ہے اور دعوت پر جو بخل ہو اس پر نکیر فرمایا گیا۔ فمنکم من یبخل ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ الایۃ۔ میں نے میرٹھ کے ایک وعظ میں اس فرق کو بیان کیا تھا حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ بھی اس بیان میں شریک تھے وعظ کے بعد خوش ہو کر فرمایا کہ آج آیت کے معنی معلوم ہوئے یہ ان کی تواضع ومحبت تھی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الفَتْح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲

ترجمہ: تا کہ اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف فرمادے اور آپ (ﷺ) پر اپنے احسانات مکمل کر دے اور آپ کو سیدھے راستے پر لے چلے۔

تفسیری نکات

یہاں پر ایک طالب علمانہ شبہ ہوا کرتا ہے اس کا حل کر دینا بھی جملہ معترضہ کے طور پر ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ انا فتحنا پر لیغفر لک اللہ الخ۔ کیسے مرتب ہوا۔ کہاں فتح مکہ اور کہاں مغفرت وغیرہ۔ فتح کو مغفرت وغیرہ میں کیا دخل؟ مفسرین نے مختلف اور بعید از بعید توجیہیں اس مقام کی لکھی ہیں مگر الحمد للہ میری سمجھ میں جو آیا ہے وہ بے تکلف اور دل پذیر بات ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام عرب کے لوگ اس کے منتظر تھے کہ فتح مکہ ہو تو ہم مسلمان ہوں چنانچہ فتح مکہ پر جوق در جوق اسلام لانے لگے اور لوگوں کے اسلام لانے سے حضورؐ کے مراتب قرب بڑھتے ہیں۔ نفس تبلیغ سے تو اور طرح کا ثواب ہوتا ہے اور اس تبلیغ سے اسلام لانے کا ثواب اور نوع کا ہے۔ ورنہ تبلیغ تو تمام انبیاء نے کی ہے۔ نفس تبلیغ میں سب انبیاء برابر ہیں۔ حضورؐ جو فخر فرمادیں گے وہ کثرت امت پر ہوگا۔ فتح مکہ سبب ہے اسلام لانے کا اور اسلام لانا لوگوں کا سبب ہے آپ کی زیارت قرب کا اور زیارت قرب سبب ہے لیغفر لک اللہ (الی) ینصرک اللہ کا اور سبب کا سبب یا سبب السبب کا سبب اس مسبب کا بھی سبب ہوتا ہے پس فتح مکہ کو مغفرت وغیرہ میں اس طرح دخل ہوا اور ترتب بے تکلف درست ہو گیا۔

دیکھئے یہاں بھی قرآن کے فہم کے لئے علوم عقلیہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے خلاصہ یہ ہوا کہ جن علوم

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے قفل بے کھلے رہ گئے تھے اگر آپ کا اتباع کرو گے تو وہ علوم کے قفل تم پر کھل جائیں گے۔

بنی اندر خود علوم انبیاء — بے کتاب و بے معید و اوستا

او شفیع ایں جہاں و آں جہاں — ایں جہاد در دین آنجا در جنا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غلبہ خوف خداوندی

فرمایا کہ کسی نے دریافت کیا کہ لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک ۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ سے گناہ سرزد ہوئے ہیں۔ فرمایا معاً قلب میں جواب میں یہ بات آئی کہ جب کوئی شخص نہایت خائف ہوتا ہے۔ تو وہ ڈر کر کہا کرتا ہے کہ مجھ سے جو قصور ہو گیا ہو معاف کر دیجئے حالانکہ اس سے کوئی گناہ نہیں ہوا ہوتا۔ اس طرح دوسرا اس کی تسلی کے لئے کہہ دیتا ہے۔ کہ اچھا ہم نے تمہارا قصور سب معاف کیا اسی طرح چونکہ اس خیال سے آپ کو غم رہا کرتا تھا۔ حق تعالیٰ نے تسلی فرمادی۔

آیت برائے تسلی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر اس میں ایک تو یہ بحث ہے کہ ذنب کا اطلاق کیا گیا۔ صاحب نبوت کے حق میں جو کہ معصوم ہے یہ بحث جداگانہ ہے اس کو مسئلہ مذکورہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہاں پر مقصود اس کے ذکر سے یہ ہے کہ پہلے گناہوں کی معافی تو سمجھ میں آسکتی ہے لیکن پچھلے گناہوں کی معافی جو ابھی تک ہوئے ہی نہیں۔ کیا معنی۔ تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ خوف وخشیت کا غلبہ تھا اگر آپ کو آئندہ گناہوں کی معافی دے کر تسلی نہ دی جاتی تو اندیشہ تھا کہ غلبہ خوف سے اسی فکر میں آپ پریشان رہتے کہ کہیں آئندہ امر خلاف مرضی نہ ہو جائے۔ اس لئے آپ کو آئندہ کے لئے بھی مطمئن کر دیا گیا۔ دوسری آیت اس کی موید یہ ہے کہ حق جل وعلیٰ سلیمان علیہ السلام کو فرماتے ہیں کہ ھذا عطاء نافامنن او امسک بغیر حساب۔ اس میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ بغیر حساب کو عطاء نا کے متعلق کیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ عطا بے حساب ہے یعنی کثرت سے ہے اور دوسرا احتمال اور وہ بہت مرجح معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ بغیر حساب کو فامنن اور امسک دونوں کے متعلق کیا جائے اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ آپ پر دینے اور روک دینے میں کوئی حساب متعلق کیا جائے اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ آپ پر دینے اور روک رکھنے میں کوئی حساب اور مواخذہ نہیں۔ چونکہ سلیمان علیہ السلام کو بوجہ غلبہ خوف کے ہر اعطاء و امساک میں یہ خیال رہتا کہ شاید یہ اعطاء یا امساک برمحل ہوا ہے یا نہیں۔ کہیں دینے میں اسراف یا امساک میں بخل نہ ہو گیا ہو اور یہ خلجان مانع حضور خاص تھا تو اس لئے سلیمان علیہ السلام کو مطمئن کر دیا کہ اعطاء

(c) ketabton.com: The Digital Library

امساک میں مطلقاً آپ سے کچھ مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ آپ اس کی فکر نہ کریں اور اصل کام میں لگے رہیں۔ مگر ایسے ارشادات اہل خوف کیلئے ہیں کیونکہ ان سے خلاف امراد رعصیان کا صدور ہی مستبعد ہے۔ اب اس سے زیادہ خوف ان کے حق میں مضر ہے۔ اس لئے ان کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔

بشارت فتح

اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اول یہ فرمایا گیا کہ لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر اہل ظاہر کو ماقبل سے اس کا ربط سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ اوپر فرمایا ہے انا فتحنا لک فتحا مبینا. ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی ہے اور نمایاں کامیابی دی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیں تو اہل ظاہر یہاں چکرا جاتے ہیں کہ بشارت فتح سے مغفرت کا کیا جوڑ ہے مگر عشاق نے اس کا ربط سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ اصل میں تو فتح کے مضمون پر اتمام نعمت اور ہدایت واستقامت ونصرت وغلبہ کو متفرع کرنا مقصود تھا مگر چونکہ ان چیزوں کا مزہ حضور ﷺ کو اسی وقت آسکتا تھا جبکہ پہلے یہ تسلی کر دی جائے کہ حق تعالیٰ آپ سے راضی بھی ہیں اسی لئے ان بشارات کی لذت کامل کرنے کے لئے پہلے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ماتاخر فرمایا گیا اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مذاق عشق غالب تھا آپ کو سب سے پہلے اس کی فکر رہتی تھی کہ محبوب راضی بھی ہے یا نہیں۔ اس لئے اول اس کا اطمینان دلا کر پھر دوسری بشارتوں کو بیان کیا گیا۔ ویتم نعمتہ علیک و یھدیک صراطاً مستقیما و ینصرک اللہ نصرا عزیزا. کہ اس فتح سے آپ پر نعمت کا کام تمام کرنا مقصود ہے اور آپ کو صراط مستقیم پر پہنچانا اور نصرت الٰہی کے ساتھ (مخالفین پر) پورا غلبہ دینا منظور ہے۔

لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک و ماتاخر تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیں۔

عاشقانہ نکتہ

یہاں ایک عاشقانہ نکتہ ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ذنب کا اطلاق کیا گیا۔ حالانکہ واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ذنب سے پاک ہیں۔ یہ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید مجھ سے کچھ گناہ ہوگیا ہو۔ تو اس شبہ کو بھی رفع فرما دیا گیا ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے عاشق اپنے محبوب سے رخصت ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میری خطا معاف کر دیجئے گا۔ حالانکہ عاشق سے خطا کا احتمال کہاں۔ خصوصاً ایسا عاشق جو عشق کے ساتھ عقل بھی کامل رکھتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ

ترجمہ: ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

طاعت بڑی چیز ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ طاعت بڑی چیز ہے اس کے آثار چہرہ تک پر ظاہر ہونے لگتے ہیں اس سے ایک قسم کی ملاحت اور نور پیدا ہو جاتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی　　نیک بین باشی اگر اہل دلی

خوب ترجمہ کیا ہے

مرد حقانی کی پیشانی کا نور　　کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ بخلاف نافرمانی کے کہ اس سے چہرہ پر ظلمت اور وحشت برسنے لگتی ہے۔ ظاہری حسن اور جمال کو بھی خاک میں ملا دیتی ہے اور باطن کو اسقدر خراب اور برباد کرتی ہے کہ قریب قریب باطن تو مردہ ہی ہو جاتا ہے حدیث میں ہے کہ معصیت سے دل پر ایک سیاہ دھبہ پیدا ہوتا ہے اگر توبہ نہ کی تو وہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ سارے قلب کو گھیر لیتا ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

ہر گناہ زنگے است بر مراۃ دل　　دل شود زیں زنگ ہا خوار و خجل

چون زیادت گشت دل را تیرگی　　نفس دون رابیش گرد و خیرگی

خط کا جواب

قال اللہ تعالیٰ فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین یہ آیت نص ہے ان سب طبقات کی تعدادو تکثر میں۔ مگر دوسری نص قطعی سے نبوت کا ختم ثابت ہے اور دوسرے طبقات کا ختم ثابت نہیں پس وہ عام ہوگا اس امت اور امم سابقہ کو۔ پس اس امت میں بھی صدیقین متعدد ہیں جیسے شہداء متعدد ہیں صالحین متعدد ہیں اس سے زیادہ سورہ حدید کی آیت اس میں نص ہے۔ والذین امنوا باللہ و رسلہ اولٰئک ھم الصدیقون و الشھداء الخ۔ اس سے واضح ہے کہ جب تک سلسلہ ایمان کا جاری ہے صدیقیت کا بھی جاری ہے۔ پس الصدیقین کا اس امت میں بھی کثیر ہونا ثابت ہوا۔ البتہ درجات میں تفاوت ہونا اور بات ہے۔ حضرت خلیفہ اول اعظم الصدیقین ہیں۔ حضرت امام مہدیؑ کی نسبت تصریح تو نہیں دیکھی باقی ظاہر اوہ ضرور اس رتبہ سے مشرف ہیں اور حضرت عائشہؓ کا صدیقہ ہونا اسی اعتبار سے ہے جس اعتبار سے اور صدیقین کا صدیق ہونا۔ (ملفوظات حکیم الامت ج۱۹ ص۴۱)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَۃُ الحُجُرات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝

ترجمہ: اے ایمان والو تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تم کو خبر بھی نہیں ہوگی۔

تفسیری نکات

ایذاءِ رسول کفر ہے

لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول عرب میں بے تکلفی بہت زیادہ تھی بڑے بڑے لوگوں کے نام لیتے تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی بعض نے لیا خدا تعالیٰ نے اس تعلیم میں اس کی ممانعت فرمائی اور یہ فرمایا کہ ہم اس لئے کہتے ہیں کہ تمہارے اعمال حبط نہ ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو **انتم لاتشعرون** ۔ کے معنی میں یہ سمجھا ہوں کہ حبط ہوتا ہے ایذا سے اور ایذا ہوتی ہے ایسے شخص کی بے ادبی سے جو مؤدب سمجھا جاتا ہو اور یہ فطری قاعدہ ہے چنانچہ حکام کو دیکھو کہ دیہاتیوں سے بہت سی باتیں گوارا کر لیتے ہیں جو کہ شہریوں سے ہرگز گوارا نہیں ہو سکتیں۔ ایک دیہاتی کی حکایت ہے کہ اس نے ایک درخواست پیش کی تو کاغذ پر ٹکٹ نہیں لگایا اور جب حاکم نے اس سے کہا کہ اس پر ٹکٹ لگاؤ تو روپیہ جیب سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

نکال کر کہتا ہے لے روپیہ بس تیری صاحبی معلوم ہوگئی اس میں سے ٹکٹ لگا لیجئے جو بچے رکھ لیجئے جو حاکم ہنس کر خاموش ہوگیا اور درخواست مفت لے لی بھلا کوئی شہری تو ایسا کر کے دیکھے کہ اس کی کیا گت بنتی ہے اسی کو کہتے ہیں۔

ملت عاشق زملتہا جداست عاشقاں را مذہب وملت جداست

(عاشق کا مذہب سارے مذہبوں سے جدا ہے اور ان کا ملک سب سے الگ ہے)

گر خطا گوید ورا خاطی مگو ورشود پرخوں شہیداں رامشو

(اگر وہ غلط ہے تو ان سے غلط گومت کہو اور اگر وہ شہید ہوجائے تو اس کا خون مت دھو)

موسیا آداب دانا دیگر اند سوختہ جاں در وانا دیگر اند

(کالے بال والے اور آداب سے واقف دوسرے ہیں اور سوختہ جان اور روح والے دوسرے ہیں)

تو دیکھئے خود فرماتے ہیں کہ موسیا آداب دانا دیگرند۔اس لئے مولانا فرماتے ہیں کہ

باادب ترنیست زوکس در جہاں بے ادب ترنیست زوکس در جہاں

عشاق کی قسمیں

اس کی کئی توجیہیں ہوسکتی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ بعض عشاق بہت باادب ہوتے ہیں اور بعض مغلوب الحال ہوتے ہیں اور پہلوں کو فوراً تنبیہ ہوتی ہے چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ بارش پر یہ فرمایا کہ آج کیسے موقع سے بارش ہوئی ہے فوراً تنبیہ کی گئی کہ او بے ادب! اور بے موقع کس روز ہوئی تھی سن کر ہوش اڑ گئے اور مواخذہ بالکل سچا ہے کیونکہ بے موقع کبھی بھی نہیں ہوتی تو باادب جب بے تمیزی کرتا ہے تو بہت ناگواری ہوتی ہے اس کی اصلاح اس آیت میں فرماتے ہیں اور اس کی متعدد جگہ اصلاح فرمائی ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔ یایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم الی طعام غیر نظرین اناہ ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذلکم کان یؤذی النبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق ۔ترجمہ کا حاصل یہ ہے کہ اے مومنو تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں بجز دعوت کے ویسے مت جاؤ اور اس میں بھی پہلے سے جاکر انتظار تیاری میں مت بیٹھو بلکہ جب بلایا جاوے جاؤ اور کھاتے ہی منتشر ہوجاؤ اور باتوں میں مشغول ہوکر مت بیٹھ جاؤ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا ہوتی ہے اور وہ لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کیوں شرمائے وہ تو خدا تعالیٰ ہیں۔دیکھئے اس انداز سے کیا صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے کیسا بیدھڑک فرمادیا کہ واللہ لایستحی من الحق ایک جگہ ارشاد ہے لا تکونوا کالذین اذوا موسیٰ فبراہ اللہ مما

(c) ketabton.com: The Digital Library

قالوا. (ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی تھی۔ بس اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قول سے بری کر دیا) غرض اس کا بہت اہتمام فرمایا گیا ہے کہ ایذا نہ ہو۔ تو ایذاء رسول حرام ہے اور اس کا وہ اثر ہے جو کہ کفر کا ہے اور بعض اوقات یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ ایذا ہوئی ہے یا نہیں اور اعمال حبط ہو جاتے ہیں اس لئے ارشاد ہوا کہ وہ کام بھی نہ کرو جس میں ایذا کا احتمال بھی ہو اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں البتہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حبط کے کچھ اور معنی ہیں تو خیر لیکن اس وقت تک مجھے یہی معلوم ہے کہ حبط کے یہی معنی ہیں تو معاصی میں صرف یہ معصیت ایسی ہے البتہ کفر تو ایسی چیز ہے کہ طاعت کی بقا اور صحت دونوں اس کے ترک پر موقوف ہیں۔ اور بعض معاصی ایسے ہیں کہ ان کا ترک ہی شرط بقاء عمل ہے یعنی عمل تو صحیح ہو گیا تھا لیکن وہ معلق رہا کہ اگر وہ عمل نہ ہوتا تو باقی رہتا ہے ورنہ باطل ہو جاتا ہے چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔ یا ایھا الذین امنوا لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی. (اے مومنو اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر باطل مت کرو) لاتبطلوا کے معنی یہ ہیں کہ قبل من واذی ثواب تو ہوا تھا لیکن وہ من وذی سے پھر جاتا رہا غرض بعض معاصی کو یہ دخل ہوا پس ہمارے اس دعوے میں کہ معاصی سے طاعات کا ثواب زائل نہیں ہوتا معاصی سے مراد ایسے معاصی مذکور نہیں ہیں بلکہ وہ معاصی مراد ہیں جن کے وجود کو طاعت کے وجود یا بقا میں دخل نہ ہو ایسے گناہوں میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ان سے نیکیاں ضائع نہیں ہوتیں اور اس کی ایک اور بھی دلیل ہے فرماتے ہیں۔ ان الحسنت یذھبن السیات ۔ (درحقیقت نیکیاں برائیوں کو ختم کرتی ہیں) تو گناہ کرنے سے اگر نیکیوں کا ثواب نہ ملے تو نیکیوں میں یہ اثر جو مصرح ہے کہاں سے آئے گا اور اس سے ایک بڑی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ گناہوں سے تو نیکیاں نہیں مٹتیں۔ لیکن نیکیوں سے گناہ دھل جاتے ہیں تو یہ نہایت قوی دلیل ہے۔ البتہ اس کے متعلق یہ مستقل تحقیق ہے کہ سیئات سے مراد یہاں صغائر ہیں یعنی نیکیوں سے جو گناہ معاف ہوتے ہیں وہ صغیرہ ہیں اور کبائر صرف توبہ سے یا فضل بلاوعدہ سے معاف ہوتے ہیں۔ البتہ ایک روایت سے شبہ ہوتا ہے کہ صغیرہ بھی جب معاف ہوتا ہے کہ جب کبیرہ سے بچا رہے کیونکہ حدیث میں ما اجتنب الکبائر نیز ایک آیت سے بھی یہ شبہ ہوتا ہے۔ آیت یہ ہے ان تجتنبوا کبائر ماتنھون عنہ نکفر عنکم سیاتکم. (اگر تم کبیرہ گناہوں سے جس سے کہ تمہیں روکا جاتا ہے بچتے رہو ہم اسے تمہارے صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنا دیں گے۔ اب ضرورت ہے اس حدیث اور آیت کے معنے سمجھنے کی تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کفارات لما بینھن ما اجتنب الکبائر اور ما عام ہے تو ترجمہ یہ ہوا کہ سارے گناہوں کا کفارہ تو جب ہی ہے کہ کبائر سے بچے ورنہ سب کا نہیں بلکہ صرف صغائر کا ہوگا یہ لازم نہیں آتا کہ صغیرہ بھی معاف نہ ہو اور آیت کے معنی اس سے بھی زیادہ

معاف ہیں۔یعنی ان تجتنبوا میں ایک شرط کی دو جزائیں ہیں۔نکفرہ اور ندخلکم مدخلا کریما (ہم تمہیں بہترین جگہ داخل کریں گے) پس اس مجموعہ کیلئے جزا میں بیشک یہی شرط ہے کہ کبائر سے بھی بچے اور اگر کبائر صادر ہوئے تو مجموعہ مرتب نہ ہوگا۔یعنی مدخلا کریما بمعنے دخول جنت بلاعقاب وعتاب توبہ یا فضل پر موقوف ہوگا پس اب وہ شبہ نہ رہا اور یہ ثابت رہا کہ گناہ معاف ہوتے ہیں حسنات سے تو اگر نیکیاں قبول نہ ہوتیں تو اس میں یہ اثر کہاں سے ہوا پس معلوم ہوا کہ قبول تو ہوئیں لیکن ان میں برکت نہیں ہوئی اور یہ برکت نہ ہونا اس حدیث سے ثابت ہے۔

فرماتے ہیں کہ اگر گناہوں سے نہ بچے تو کھانا پینا چھوڑنے سے کیا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فائدہ کی نفی فرمارہے ہی اور یہ میں پہلے بدلیل کہہ چکا ہوں کہ روزہ ہوجاتا ہے باوجود گناہوں کے بھی تو جو فائدہ منفی رہا وہ روزے کی برکت ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۰

ترجمہ: مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

تفسیری نکات

موصوف کے حکم کی علت صفت ہوتی ہے

انما المؤمنون اخوة. مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔اس میں حق تعالیٰ نے حکم اخوت کو صفت مومن پر مرتب فرمایا ہے اور اصول کا قاعدہ ہے کہ جہاں کسی صفت پر حکم مرتب ہوتا ہے وہاں وہ وصف حکم کی علت ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ہم میں جو اخوت کا تعلق ہے اس کی علت ایمان ہے اور وہی اخوت مطلوب ہے جس کی بنیاد ایمان پر ہو صاحبو آج کل جو اتحاد و اتفاق کو بقا نہیں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ایمان پر نہیں ہوتی بلکہ ہوائے نفس یا معاصی پر ہوتی ہے اس لئے وہ بہت جلد ہوا ہوجاتا ہے یعنی فنا اس لئے اگر اتفاق کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو اس کی بنیاد ایمان پر قائم کرو۔مگر آج کل تو ایمان کو ایسی بے قدر چیز سمجھ رکھا ہے کہ اس کی کچھ وقعت ہی نہیں جس کام کی بنیاد ایمان پر رکھی جاتی ہے اس کے متعلق لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو ملانوں کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کام ہے چنانچہ آج کل زبانوں پر یہ بات بہت کثرت سے ہے کہ یہ وقت نماز روزہ کا نہیں اتحاد کا وقت ہے اور جب کوئی اللہ کا بندہ اعتراض کرتا ہے کہ اتحاد کی وجہ سے احکام شرعیہ کا فوت کرنا جائز نہیں تو نہایت بے باکی سے جواب دیا جاتا ہے کہ یہ وقت جائز و ناجائز کا نہیں۔ کام کا وقت ہے اور غضب یہ کہ اس متن پر بعض اہل علم نے یہ حاشیہ چڑھا دیا کہ اتفاق و اتحاد وہ چیز ہے کہ اس کے قائم کرنے کے لئے غزوہ احزاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں قضا کردی تھیں بتلایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کس سے اتحاد کر رہے تھے جو اتحاد کی وجہ سے نمازیں قضا ہوئیں بلکہ وہاں تو عدم اتحاد اس کا سبب ہوا تھا کفار سے مقابلہ اور لڑائی تھی نہ کہ اتحاد کی گفتگو۔

مطلق اتحاد محمود نہیں

پس اتحاد کی بھی ہر فرد مستحسن نہیں اس کو علی الاطلاق محمود کہنا اتحاد کا ہیضہ ہے۔ افسوس ہے کہ آج کل اتحاد کے فضائل تو بہت بیان کئے جاتے ہیں مگر اس کے اصول حدود بیان نہیں کئے جاتے پس خوب سمجھ لو کہ خدا سے نااتفاقی کرنے پر اتفاق کرنا مذموم اور نہایت مذموم ہے پس اس سے اس اتحاد کا حکم سمجھ لیا جاوے جس میں اتحاد کے لئے شریعت کے احکام کو چھوڑا جاتا ہے صاحبو جیسے اتفاق مستحسن ہے ایسے ہی کبھی نااتفاقی بھی مستحسن ہے پس جو لوگ خدا تعالیٰ کے احکام چھوڑنے پر اتفاق کریں ان کے ساتھ نااتفاقی کرنا اور مقابلہ کرنا محمود ہے دیکھو جیسے عمارت بنانا محمود ہے ایسے ہی بعض عمارات کا گرانا بھی محمود ہے اگر آپ اپنی رعایا سے کوئی مکان خریدیں اور اس میں بجائے کچھ کوٹھڑیوں کے عمدہ کوٹھی بنانا چاہیں تو پہلی عمارت کو گرائیں گے یا نہیں یقیناً گرائیں گے۔ اب بتلایئے یہ افساد محمود ہے یا مذموم۔ اس کے محمود ہونے میں کسی عاقل کو کلام نہیں ہوتا پھر کسی موقع پر نااتفاقی کے محمود ہونے میں کیوں شبہ ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس طرح بھی ہو صلح کرادو بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ صحیح بنیاد پر صلح کراؤ اور اگر لوگ اس پر راضی نہ ہوں تو سب مل کر غلط بنیاد کو ڈھادو پھر قتال کے بعد اگر طائفہ باغیہ حق کی طرف رجوع ہو جائے تو حکم یہ ہے کہ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا۔ یعنی اب پھر ان کے معاملہ کی انصاف کے ساتھ اصلاح کرو۔ یہ نہیں کہ بس لڑائی موقوف ہوتے ہی ان کا مصافحہ کرادو۔ اس میں بھی لوگ غلطی کرتے ہیں بعض لوگ صلح کرانا اس کو سمجھتے ہیں کہ جہاں دو آدمیوں میں نزاع ہوا فوراً دونوں کا مصافحہ کرادیا چاہے فریقین کے دل میں کچھ ہی بھرا ہو میں کبھی ایسا نہیں کرتا بلکہ میں کہتا ہوں کہ پہلے معاملہ کی اصلاح کرو پھر مصافحہ کرو ورنہ بدوں اصلاح معاملہ کے نرا مصافحہ محض بیکار ہے اس سے فریقین کے دل کا غبار نہیں نکلتا تو مصافحہ کے بعد پھر مکافحہ شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی مقاتلہ تو حق تعالیٰ نے فاءت کے بعد یہ نہیں فرمایا فکفوا ایدیکم۔ کہ زیادتی کرنے والا حق کی طرف رجوع ہو تو بس تم ہاتھ روک لینے پر اکتفا کرلو بلکہ فرماتے

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہیں کہ جب دوسرا فریق زیادتی چھوڑ دے تو اب پھر اصلاح کی عدل کے ساتھ کوشش کرو یہ قید یہاں ایسی بڑھائی گئی ہے جس پر ساری عقول قربان ہیں کیونکہ نزاع بدوں اس کے ختم ہو ہی نہیں سکتا مگر اس نکتہ پر کسی کی عقل نہیں پہنچتی۔ بہر حال اصلاح کے نہ یہ معنی ہیں کہ صاحب حق کو دبایا جائے نہ یہ معنی ہیں کہ محض مصافحہ کرادیا جائے بلکہ اصلاح کے معنی یہ ہیں کہ حق کو غالب اور باطل کو مغلوب کیا جائے اس پر فریقین اتفاق کرلیں تو خیر ورنہ اس اتفاق کی طرف لانے کے لئے فریق مبطل سے نااتفاقی اور قتال کا حکم ہے۔

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ
ترجمہ: کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے

غیبت کی مثال

یہ حکم بھی منع کے لئے کافی تھا مگر اس کو ایک گندی مثال سے موکد فرمادیا جو ناگوار طبعی ہے تاکہ غیبت سے ایسی نفرت ہو جائے جیسی اس مثال میں ہے مثال یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھالے۔ اول تو مردار ہی سے نفرت ہوتی ہے پھر اپنے بھائی کا گوشت یہ کیسی گندی مثال ہے اس کا تصور کرنے کے بعد تو غیبت سے ضرور ہی نفرت ہو جائے گی۔ جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے وہ چونکہ موجود نہیں ہوتا اور اس وجہ سے وہ اس غیبت کا جواب کچھ نہیں دے سکتا ہے۔ جیسے مردہ کہ وہ بھی مدافعت نہیں کرسکتا اور اس بناء پر اس کا گوشت کھانا عقلاً وطبعاً مکروہ ہے لہذا مثال میں غیبت کو مردہ کا گوشت کھانا بتلایا گیا کہ وہ بھی عقلاً وطبعاً مکروہ ہے۔

غیبت کی سزا

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے شب معراج میں کچھ آدمی دیکھے کہ وہ اپنے مونہوں کو اپنے ہاتھوں سے نوچ رہے تھے۔ اور ناخن ان کے تانبے کے تھے اور وہ غیبت کرنے والے تھے۔ دیکھئے غیبت کس قدر بری چیز ہے۔ آخر ہم جب ایمان رکھتے ہیں تو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کا کچھ تو اثر ہونا چاہیے۔ کبھی تو یہ خیال آنا چاہیے کہ گناہ کا انجام یہ ہوگا دنیا کی ذراسی بھی تکلیف نہیں جھیلی جاتی تو یہ عذاب کیسے اٹھائیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھوں بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی بشرطیکہ تم سچے ہو۔

صرف حسنات میں مرتبہ خلق نظر ہونا چاہیے

فرمایا کہ جن لوگوں کی نسبت مع اللہ راسخ ہو چکتی ہے اگر وہ مائل الی المعصیت نہ ہوں اور جن پر خوف خداوندی کی براں تیغ ہر دم کشیدہ رہتی ہے اگر وہ پاک باز ہوں تو کوئی عجیب بات نہیں البتہ ان پر خدا کا یہ بڑا احسان ہے کہ ان کیفیات کی طریان ہو کر ان کے لئے حال بن گئیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے قل لاتمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان ان کنتم صٰدقین البتہ جن لوگوں کو ہنوز نسبت مع اللہ نہیں ہوئی اور پھر بھی وہ معاصی کے چھوڑ دینے کی ہمت کرتے ہیں اور اپنے اوپر جبر کر کے اپنے کو صالح بناتے ہیں ان کا بڑا کمال ہے اگر چہ اصل توفیق ان کو بھی خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے ان کے اختیار میں کچھ نہیں لیکن تاہم یہ مجاہدہ میں قابل مدح ہیں اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب اہل نسبت کی اطاعت کوئی زیادہ قابل مدح نہیں ہے تو غیر اہل نسبت کی معصیت بھی قابل ملامت نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ مطیع کا اپنے کو ممدوح نہ سمجھنا تو اس بناء پر تھا کہ جو امر داعی الی الطاعۃ ہے وہ خدا کی جانب سے ہے پس عاشق کا اپنے کو قابل ملازمت نہ سمجھنا بھی اسی بناء پر ہوگا تو یہ امر بالکل خلاف ادب ہے حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گنہ اگرچہ نہ بود اختیار ما حافظ تو در طریق ادب کوش گیں گناہ منست

لوگوں میں مشہور ہے کہ اس کے معنی بہت مشکل ہیں بوجہ اس قول کے "بنود اختیار ما" اور بظاہر معلوم بھی ایسا ہی ہوتا ہے لیکن غور کرنے سے یہ شعر بالکل صاف ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ بروئے عقل ونقل ثابت ہے کہ ہر عمل میں ایک مرتبہ خلق کا ہے اور ایک مرتبہ کسب کا ہے اور مرتبہ خلق صرف خدا تعالیٰ کیلئے ہے اور مرتبہ کسب بندہ کے لئے۔

سو یوں تو ہر فعل میں یہ دونوں ہی مرتبے ہیں لیکن ادب یہ ہے کہ ہم کو حسنات میں تو صرف مرتبہ خلق پر التفات چاہیے اور مرتبہ کس عبد پر نظر نہ چاہیے اور معاصی میں مرتبہ خلق پر نظر نہ کی جائے بلکہ ہر دم اپنے کسب پر التفات چاہیے پس نبود اختیار مرتبہ خلق کے اعتبار سے ہے اور گیں گناہ مرتبہ کسب میں پس اس سے کسب کا غیر اختیاری ہونا لازم نہیں آتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ قٓ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں

تفسیری نکات

کمال علم حق سبحانہ وتعالیٰ

یعنی ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (جو غایت درجہ علم وحکمت اور قدرت کی دلیل ہے کیونکہ انسان تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عاقل اور ہوشیار اور ذی علم ہے تو سمجھ لو کہ اس کا پیدا کرنے والا کیسا ذی علم ہوگا) اور ہم ان باتوں کو بھی جانتے ہیں جو اس کے نفس میں بطور وسوسہ کے گذرتی ہیں (کیونکہ اس کا منشاء حرکت قلب ہے اور اس حرکت کو بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ انسان کے قبضہ میں یہ وساوس نہیں ہیں تو جو وساوس کو بھی جانتا ہے جن کا قیام بھی قلب میں نہیں ہوتا وہ انسان کے ارادہ اور عزم کو کیوں نہ جانے گا جس کا قلب میں قیام ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر اعمال جوارح واقوال لسان کو کیوں نہ جانے گا جو سب کو محسوس ہوتے ہیں گو بوجہ عرض ہونے کے ان کو خود قیام نہیں مگر پھر بھی معاللذات (ذات کے تابع ہوکر) ان کا ادراک مخلوق کو بھی ہوتا ہے تو خالق کو کیوں نہ ہوگا اور جب وہ وساوس قلب اور ارادہ وعزم اور افعال واقوال کو جانتا ہے تو اجزاء متخیلہ متفرقہ کو جو جواہر واعیان ہیں کیونکر نہ جانے گا) یہ تو سباق کی دلالت تھی اس استدلال پر آگے سیاق تو بہت ہی صریح ہے فرماتے ہیں ونحن اقرب الیہ من حبل الورید ۔ کہ ہم اعتبار علم کے اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں (رگ سے مراد یہاں پر وہ رگ ہے جس کا اتصال شرط حیوۃ ہے اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

حیوۃ کا مدار نفس وروح ہے مقصود یہ ہے کہ ہم انسان کے نفس وروح سے بھی زیادہ اس کے احوال کو جانتے ہیں کیونکہ ہمارا علم قدیم ہے اور حضوری اور انسان کے نفس وروح کا علم حادث ہے خواہ حضوری ہو یا حصولی اور حصولی تو فی نفسہ بھی ناقص ہے ۱۲) علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں اقربیت سے اقربیت بالعلم مراد ہے۔ پس ونحن اقرب الیہ من حبل الورید. (ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں) یہاں ایسا ہے جیسا الایعلم من خلق کے بعد وھو اللطیف الخبیر. (حالانکہ وہ باریک بیں اور صاحب علم ہے) تھا حاصل دونوں کا ایک ہے کہ خالقیت سے عالمیت پر استدلال کیا گیا ہے اور علم الٰہی کا کمال ثابت کیا گیا ہے جس سے امکان معاد کو ثابت کر کے استبعاد کو رفع کرنا مقصود ہے یہاں اس سے بحث نہیں کہ ان وساوس پر مواخذہ ہوگا یا نہیں بلکہ صرف علم وساوس سے کمال علم کو ثابت کرنا مقصود ہے خوب سمجھ لو پس اس آیت سے وساوس پر مواخذہ کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

وساوس غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہیں ہوگا

اور جس آیت سے اول نظر میں وساوس پر مواخذہ کا شبہ ہو سکتا تھا حق تعالیٰ نے اس کو بہت صاف اور صریح طور پر دفع فرما دیا ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفر لمن یشآء ویعذب من یشآء واللہ علی کل شیٔ قدیر. (اور اگر تم ظاہر کرو ان باتوں کو جو تمہارے دلوں میں ہیں یا چھپاؤ بہر حال اللہ تعالیٰ تم سے ان کا محاسبہ فرمائیں گے پھر جس کو چاہیں گے معاف کر دیں گے اور جس کو چاہیں گے عذاب دیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر بات پر قدرت ہے) یہاں بظاہر لفظ ما عام ہے وساوس غیر اختیاریہ اور خیالات اختیاریہ سب کو اور عموم ہی کی وجہ سے صحابہ کو اشکال ہوا تھا مگر اس کا منشاء عدم علم نہ تھا صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ امور غیر اختیار پر مواخذہ نہیں فرمائیں گے کیونکہ یہ مسئلہ عقلیہ بھی ہے بلکہ غلبہ خشیت سے ان کو عموم کا شبہ ہوا کیونکہ لفظ بظاہر عام تھا اور خشیت وہ چیز ہے کہ جب اس کا غلبہ ہوتا ہے اس وقت علم پر نظر نہیں رہتی۔ صحابہؓ نے اس شبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کیونکہ آپ پر غلبہ ادب تھا ادھر وحی قطعی سے رفع اشتباہ کی امید تھی اس لئے آپ نے خود تفسیر کی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی مدح میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون. (اعتقاد رکھتے ہیں رسول اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا احکام منزلہ من اللہ پر بڑا کامل ایمان ہے کہ ہر حکم پر دل سے راضی ہو جاتے ہیں اور سمعنا واطعنا (ہم نے سنا اور خوشی سے مانا) کہتے ہیں اس کے بعد آیت سابقہ کی تفسیر فرمائی۔ لایکلف

(c) ketabton.com: The Digital Library

اللہ نفساً الا وسعھا لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت. (اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو اس کو اس کا ثواب ملے گا جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے) یعنی حق تعالیٰ وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتے اور وساوس غیر اختیاری ہیں تو ان پر مواخذہ نہ ہوگا اس آیت سے پہلی آیت کی تفسیر ہوگئی کہ اس میں ما فی انفسکم. (جو تمہارے دلوں میں ہے) سے عزم وارادہ مراد ہے۔ جو ما کسبت و اکتسبت۔ (جو ارادہ سے کرے) میں داخل ہے نہ کہ وسوسہ رہا یہ کہ احادیث میں تو یہ آتا ہے کہ دوسری آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا اور تمہاری تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان تبدیل نہیں بیان تفسیر ہے اس کا جواب قاضی ثناء اللہ صاحب نے خوب دیا ہے کہ سلف کی اصطلاح میں نسخ عام ہے وہ بیان تفسیر کو بھی نسخ ہی سے تعبیر کر دیتے ہیں واقعی یہ بہت قیمتی تحقیق ہے اور جو شخص احادیث میں غور کرے گا اس کو اس کی قدر معلوم ہوگی اور تتبع سے اس تحقیق کی صحت معلوم ہو جائے گی اب بحمد اللہ سب اشکالات رفع ہوگئے اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ممکن ہے آیت و نعلم ما توسوس به نفسه. (ہم ان باتوں کو خوب جانتے ہیں جو اس کے دل میں بطور وسوسہ کے گزرتی ہیں) نزولاً موخر ہو اور لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا (حق تعالیٰ شانہ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) مقدم ہو تو موخر مقدم کے لئے ناسخ ہو جائے گا اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ تاریخ دیکھو علماء مفسرین نے تصریح کی ہے کہ سورۂ ق پوری مکی ہے اور سورۂ بقرہ مدنی ہے دوسرے سورۂ ق کی یہ آیت مواخذہ علی الوساوس (وسوسوں کے مواخذہ پر) اور سورۂ بقرہ کی آیت عدم مواخذہ میں صریح ہے اور غیر صریح صریح کے لئے ناسخ نہیں ہو سکتا۔ کلام بہت بڑھ گیا میں یہ کہہ رہا تھا کہ نماز میں اگر خود بخود وساوس آویں تو وہ ذرا مضر نہیں ہاں ارادہ سے لانا برا ہے اور بلا ارادہ کے آئیں تو آئیں تم پرواہ نہ کرو اب جس شخص کو یہ مطلوب حاصل ہو اس کا پھر یہ شکایت کرنا کہ ہائے مجھے وساوس بہت آتے ہیں اس کی دلیل ہے کہ وہ مقصود کا طالب نہیں کسی اور چیز کا طالب ہے اور وہ وہی ہے حظ نفس کیونکہ اگر وساوس بالکل نہ آئیں اور محویت کی سی حالت ہو جائے تو اس میں لذت خوب آتی ہے اور نفس کو کشاکشی سے نجات رہتی ہے۔ اس حظ نفس کی وجہ سے یہ شخص لذت و محویت کا طالب ہے گو اس کو نہ دنیا مقصود ہے نہ جاہ وغیرہ لیکن ایک غیر مقصود کا تو طالب ہے اور اب تک حظوظ میں پڑا ہوا ہے۔

وسوسہ گناہ نہیں

مثلاً ایک آیت میں ہے و لقد خلقنا الانسان و نعلم ما توسوس به نفسه. اس سے ظاہر متبادر ہو سکتا ہے کہ وسوسہ بھی گناہ ہے حالانکہ حدیث میں صراحۃً موجود ہے تجاوز اللہ عن امتی ما وسوست

(c) ketabton.com: The Digital Library

بہ صدورھا. یعنی حق تعالیٰ نے میری امت کے قلبی وسوسوں کو معاف فرمادیا ہے۔ سو دونوں نصوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن اس تقریر سے یہ تعارض رفع ہوگیا کیونکہ میں نے بیان کیا ہے کہ وسوسہ گو گناہ نہیں مگر منع اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ کبھی ذریعہ گناہ کا بن جاتا ہے اور یہ شریعت کا انتظام ہے کہ منہیات کے ذرائع سے بھی نہی فرمائی ہے سو حدیث ظاہر حقیقت پر محمول ہے اور آیت میں جو کچھ وسوسہ کی برائی ظاہراً معلوم ہوتی ہے وہ بطور پیش بندی کے ہے اور میں نے ظاہراً اس لئے کہا کہ اگر غور کیا جائے تو واقع میں آیت میں وسوسہ پر وعید ہی نہیں ہے بلکہ صرف اپنے احاطہ علمی کا بیان فرمایا ہے جیسے دوسری آیت میں ہے انہ علیم بذات الصدور الایعلم من خلق فرماتے ہیں انہ علیم بذات الصدور آگے اس کی دلیل ہے الایعلم من خلق سبحان اللہ قرآن کی کیا بلاغت ہے یعنی یہ بات تو پہلے سے معلوم ہے کہ سب چیزیں پیدا کی ہوئی خدا تعالیٰ کی ہیں اور خلق مسبوق بالعلم ہوتا ہے تو اپنی پیدا کردہ چیز کا علم دلیل عقلی سے ثابت ہوا اس واسطے بطور انکار اور تعجب کے فرمایا الایعلم من خلق کیا خدا تعالیٰ اپنی پیدا کی ہوئی چیز کو نہ جانے گا ضرور جانے گا اور دل کی باتیں بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں تو ان کو بھی ضرور جانے گا اس سے ظاہری محسوسات کا علم بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا جس کا اوپر ذکر ہے واسروا قولکم او اجھروا بہ تو اس سے احاطہ علم کا بیان کرنا منظور ہے نہ یہ کہ جس چیز کے متعلق علم ہو وہ بری اور گناہ ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ تمام ذات الصدور اور قول سر اور قول جہر سب گناہ ہی ہوں حالانکہ یہ بداہتہً صحیح نہیں تو اسی طرح اس آیت میں سمجھ لیجئے ونعلم ما توسوس بہ نفسہ کہ اس میں احاطہ علم کا بیان فرمانا مقصود ہے۔ چنانچہ یہاں بھی پہلے ولقد خلقنا الانسان موجود ہے تو اس آیت میں ما توسوس پر وعید نہیں اور اس سے پیچھے ونحن اقرب الیہ میں تاکید ہے اسی احاطہ علم کی اور توضیح ہے اس دعویٰ کی یعنی ہمارے علم میں کیا شبہ ہو سکتا ہے ہم تو اس کی جان کی رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ تو آیت ما توسوس بہ نفسہ سے شبہ وسوسہ کے گناہ ہونے کا کیا جائے جیسا نعلم کے اقتران سے متوہم اس بناء پر ہو گیا تھا کہ بعض آیات میں اثبات وعید بھی مقصود ہے۔

غیر اختیاری وسوسوں سے ڈرنا چاہیے

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وساوس کے متعلق بعض اغلاط کا ذکر کر دیا جائے وہ یہ ہے کہ آج کل ایک جماعت ذاکرین کی اس غلطی میں مبتلا ہو گئی ہے کہ غیر اختیاری وسوسوں سے بہت ڈرتے ہیں حتیٰ کہ بعض کو جان دینے تک کی نوبت آ گئی ہے اور اس کی وجہ ان کا ذکاء حس اور خوف خدا ہے اور یہ حالت بھی فی نفسہ کوئی بری نہیں ان کو احساس تو ہے باقی عوام تو ہاتھی کے ہاتھی نکل جائیں اور ان کو احساس نہ ہو اور ذاکرین

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی یہ حالت ہوتی ہے کہ مکھی بھی آ بیٹھے تو نا گوار ہوتی ہے اس ہاتھی اور مکھی پر لطیفہ یاد آ گیا۔

وسولہ کی مثال

دہلی میں ایک دیہاتی شخص نان بائی کی دوکان پر گوشت کا سالن خریدنے گیا دوکاندار نے پیالہ میں گوشت دیا دیکھا تو اس میں ایک مکھی بھی تھی۔ دوکاندار سے کہا میاں اس میں تو مکھی ہے تو بیباک دوکاندار کیا کہتا ہے کہ کیا چار پیسہ میں ہاتھی نکلتا خیر یہ تو لطیفہ تھا مقصود یہ ہے کہ جیسا فرق ہاتھی اور مکھی میں ہے۔

بعض لوگوں کو ایک آیت سے دھوکا ہوا ہے۔

واحلل عقدۃ من لسانی یفقھو قولی (طٰہٰ آیت ۲۷، ۲۸) اور میری زبان سے بستگی ہٹا دیجئے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حسین تھے

فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ تھی۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ باقی رہی یا بعد دعا کے زائل ہو گئی۔ دعا یہ ہے واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی. بعض کا قول ہے کہ دعا کے بعد زائل ہو گئی تھی بعض کہتے ہیں عقدہ زائل نہیں ہوا ہلکا ہو گیا وہ بھی قرآن ہی سے تمسک کرتے ہیں کہ فرعون نے کہا ام انا خیر من ھذا الذی ھو مھین ولا یکادیبین دوسری آیت ہے ویضیق صدری ولا ینطلق لسانی الخ اور آیت عقدہ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ دعا میں عقدہ نکرہ ہے خیر اثبات میں جس سے عموم نہیں ہوتا۔ تو سب نہیں زائل ہوا کچھ باقی رہا۔ صرف اتنا زائل ہوا کہ مخاطب بات سمجھ سکتا تھا اور اس دعاء پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ عام اولیاء حق تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے نبی ہو کر رضا کیوں نہ اختیار کی۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ نبی تھے اور جانتے تھے کہ مجھے تبلیغ کا کام کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں ہے کہ کچھ عقدہ زائل ہو جاوے۔ اس واسطے دعا میں یفقھوا قولی بڑھایا یعنی اتنا عقدہ زائل ہو کہ مخاطب بات سمجھ سکے۔ کس قدر ادب کا لحاظ رکھا کہ جتنی مقدار ضروری تھی اس سے زیادہ کا سوال نہیں فرمایا۔ پھر اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ مخاطب جب بات سمجھ سکتے تھے تو حضرت ہارون علیہ السلام کے رسول ہونے کی دعا کیوں کی؟ جواب یہ ہے کہ دعا کی وجہ بھی قرآن سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ یہ بھی میری تصدیق کریں۔ فارسلہ معی ردأ یصدقنی تو اپنی تصدیق کرانی مقصود تھی۔ اس تصدیق سے طبعاً ہمت بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ مدرس دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ کہ تقریر کر دی طلبہ سمجھیں یا نہ سمجھیں ان کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی روانی تقریر میں فرق آتا ہی نہیں اور ایک وہ کہ اگر طلبہ نہ سمجھیں تو ان کی تقریر میں روانی نہیں ہوتی طبیعت میں تنگی آتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ طبیعت کے تیز

(c) ketabton.com: The Digital Library

تھے اور فرعون کا انکار دیکھ کر یہ خطرہ تھا کہ طبیعت میں روانی نہ آئے گی اور یہ مقصد تبلیغ کے منافی ہے۔ اس واسطے فرمایا کہ ہارون علیہ السلام رسول ہو کر تصدیق کریں گے تو طبیعت بڑھ جائے گی اور حق تبلیغ خوب ادا ہو گا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے شاہزادوں کی طرح پرورش پائی ہے۔ فرعون کے گھوڑے پر سوار ہوتے اسی کی طرح کپڑے پہنتے اور بہت خوبصورت تھے اسی واسطے حضرت آسیہ اور خود فرعون دیکھ کر فریفتہ ہو گئے۔ القیت علیک محبة منی سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے (ملفوظات حکیم الامتؒ ص ۱۰۲ تا ۱۰۹)

ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس به نفسه ونحن اقرب الیه من حبل الورید

کہ اس سے بظاہر وسوسہ پر مواخذہ ہونا مفہوم ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو جانتے ہیں جو انسان کے دل میں کھٹکتی رہتی ہیں اور محاورہ قرآنیہ میں یہ لفظ نعلم مواخذہ اور وعید پر دلالت کرتا ہے۔ کثرت سے ایسی آیتیں وارد ہیں اور عام محاورہ بھی اس کے موافق ہے جیسے کہا کرتے ہیں کہ مجھے تمہاری حالت خوب معلوم ہے۔ یعنی ٹھہرے رہو تم کو سمجھوں گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ذرا اس آیت کے اوپر نظر کرو اور سیاق وسباق کو ملا کر دیکھو اور یہ قاعدہ ہمیشہ کے لئے یاد رکھو کہ کسی آیت کی تفسیر محض اس آیت کے الفاظ کو دیکھ کر نہ کرو بلکہ سیاق وسباق کو ملا کر تفسیر کیا کرو بغیر اس کے تفسیر معتبر نہیں۔ اسی سے بہت جگہ غلطی واقع ہوتی ہے ایسے ہی یہاں بھی سیاق وسباق کو دیکھو تو معلوم ہو گا کہ اس مقام پر حق تعالیٰ کا مقصود معاد کو ثابت کرنا ہے۔ جس کے لئے شرط ہے کمال قدرت اور کمال علم۔

قربِ حق

تو اوپر کمال قدرت کا ذکر تھا کہ ہم نے آسمان کو اس طرح پیدا کیا زمین کو اس طرح بنایا اور اس میں درخت ونباتات پیدا کئے اب کمال علم کو ثابت کرتے ہیں کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم کو ان وساوس پر بھی اطلاع ہے جو قلب انسان پر گزرتے رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وساوس نہایت خفی چیز ہیں۔ جب ہم کو ان کا بھی علم ہے تو ہمارا علم نہایت کامل ہے تو اس سے وعید ومواخذہ پر دلالت کہاں ہوئی؟ بلکہ محض کمال علم پر دلالت ہوئی اس لئے آگے بھی سزا کا ذکر نہیں بلکہ قرب کا ذکر ہے۔ **ونحن اقرب الیه من حبل الورید** کہ ہم انسان کے رگ گردن سے زیادہ اس کے قریب ہیں یہ دلیل ہے علم کامل کی۔

رہا یہ سوال کہ اقرب من حبل الورید کیسے ہیں۔ یہ ایک مستقل سوال ہے سو اس کا حقیقی جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ کو کوئی حل نہیں کر سکتا چنانچہ بعض نے تو یہ کہہ دیا ہے کہ یہاں قرب علمی مراد ہے مگر من حبل الورید کا لفظ بتلا رہا ہے کہ یہاں قرب علمی سے زیادہ کوئی دوسرا قرب بتلانا مقصود ہے کیونکہ حبل الورید ذی علم نہیں ہے جس سے اقرب ہونا اقربیت فی العلم پر دال ہے بلکہ یہاں قرب ذات پر دلالت مفہوم ہوتی ہے مگر اس کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

کیفیت کو ہم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ حق تعالیٰ جو بندہ کے قریب ہیں۔اس قرب سے قرب علم یا رضا مراد ہے قرب حسی مراد نہیں اس لئے کہ قرب حسی جانبین سے ہوتا ہے کیونکہ ایک شے جب کسی شے سے حسًا قریب ہوگی تو لامحالہ وہ شے بھی اس سے قریب ہوگی اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب جانبین سے نہیں ہے چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

نحن اقرب الیه من حبل الورید

یہاں انتم اقرب الیہ نہیں فرمایا۔نحن اقرب الیہ فرمایا یعنی ہم بہت قریب ہیں تو معلوم ہوا کہ قرب خدا کی طرف سے ہے ہماری طرف سے نہیں پس یہاں اس قرب سے قرب علمی مراد ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

و لقد خقلنا الانسان و نعلم ما توسوس به نفسه و نحن اقرب الیه من حبل الورید

اس آیت میں نعلم پر قرب کو مرتب فرمایا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس قرب سے مراد قرب علمی ہے یعنی جیسا خدا کو علم ہے بندہ کا بندہ کو اس کا ذرہ بھر بھی نہیں باقی حقیقت کے اعتبار سے حق تعالیٰ کو بندہ سے بہت بعد ہے وہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔بندہ کو اس سے کیا نسبت یہ تو اس کا تصور صحیح بھی نہیں کر سکتا۔ کیفیت سے منزہ ہیں۔ان کا قرب بھی کیفیت سے منزہ ہے۔مگر تقریب فہم کے لئے اتنا بتائے دیتا ہوں کہ ہم کو جو اپنی ذات سے قرب ہے یہ قرب وجود کی فرع ہے۔اگر وجود نہ ہوتا تو نہ ہم ہوتے نہ ہم کو اپنی ذات سے قرب ہوتا اور ظاہر ہے کہ وجود میں حق تعالیٰ واسطہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ہمارے اور اس تعلق کے درمیان میں واسطہ ہیں جو ہم کو اپنی جان کے ساتھ ہے تو ہم کو اول حق تعالیٰ سے تعلق ہے پھر اپنی جان کے ساتھ تعلق ہے۔اس تقریر کے استحضار سے قرب حق کا مشاہدہ کو بہت کچھ ہو جائے گا مگر کیفیت اب بھی واضح نہ ہوگی البتہ عقلاً یہ معلوم ہو جائے گا کہ حق تعالیٰ کو ہمارے ساتھ ہماری جان سے بھی زیادہ قرب و تعلق ہے اور یہی مقصود ہے۔

و نحن اقرب الیه من حبل الورید کے معنی کہ علماء معترفۃ بندہ سے ہم قریب ہیں **بدلیل و نعلم ماتوسوس به نفسه** اسی وجہ سے **نحن اقرب** فرمایا کہ ہم قریب ہیں۔انتم اقرب الینا نہیں فرمایا۔کہ تم ہم سے قریب ہو۔سو اگر اس سے قرب حقیقی مراد ہوتا تو دونوں طرف سے قرب ہوتا کیونکہ یہ قرب و نسبت متکررہ سے ہے۔اگر ایک طرف سے قرب ہوگا تو دوسری طرف سے بھی ضرور ہوگا۔رہا قرب علمی سو اس میں یہ ضرور نہیں کہ اگر ایک طرف سے قرب ہو تو دوسری طرف سے بھی ہو تو قرب علمی خدا کی طرف سے تو ہے اس لئے کہ ان کا علم کامل ہے اور بندہ کی طرف سے نہیں۔کیونکہ بندہ ہے غافل پس بندہ تو خدا سے دور ہوا اور اللہ تعالیٰ بندہ سے قریب غرض حق تعالیٰ کو پوری معرفت ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

بعث ونشر

اذیتلقی الی آخر السورہ اور جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے بعث ونشر کا ذکر فرمایا ہے ان مواقع پر استدلال میں اپنی تین صفات کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کی بعث ونشر کے لئے ضرورت ہے۔ یعنی قدرت ارادہ اور علم چنانچہ یہاں بھی اپنی قدرت اور ارادہ کا ذکر تو اس آیت میں فرمایا ہے۔ افعیینا بالخلق الاول بل هم فی لبس من خلق جدید۔ اس کے بعد اپنے علم کا ذکر فرماتے ہیں۔ و نعلم ماتوسوس به نفسه و نحن اقرب الیه من حبل الورید. یعنی ہمارا علم ایسا وسیع ہے کہ مواد تو مواد وساوس تک کا ہم کو علم ہے پس جو اجزاء منتشر ہو گئے ہیں ان کا ہم کو پورا علم ہے کہ کہاں کہاں موجود ہیں ان کو ہم جب چاہیں گے پھر مجتمع کر دیں گے پس یہاں جو وساوس کے علم کا ذکر ہے تو وہ اس غرض سے ہے کہ بعث ونشر کے وقوع پر دلیل قائم کی جائے اور یہ مراد نہیں کہ ان پر مثل اور اعمال کے جزا و سزا ہوگی جیسا کہ سیاق وسباق سے میں نے ثابت کر دیا ہے۔ اس پر عرض کیا گیا کہ کیا حضرت نے یہ تحقیق اپنی تفسیر بیان القرآن میں بھی لکھی ہے۔ فرمایا کہ تفسیر میں کیا کیا لکھا جانا یہ تفصیل تو یاد نہیں ہے لیکن کوئی مختصر سی عبارت بین القوسین ترجمہ میں ضرور ہوگی۔ جس سے کوئی اشکال بھی رفع ہو جائے۔ مجھے اب کیا یاد ہے اور اس وقت کیا معلوم یہ تفسیر ذہن میں تھی یا نہیں اور یاد رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے یہاں تو الحمد للہ الحمد للہ چشمہ ہر وقت ابل رہا ہے پھر تھوڑے سے سکوت کے بعد اللہ اکبر کہہ کر فرمایا کہ حضرت بدوں اس کے کہ وہاں کوئی خدمت پیش کی جائے یہ سب تحقیقات ہیچ ہیں۔ ایک بھنسانی کا ان پڑھ دیہاتی جو معانی تو کیا الفاظ بھی نہیں جانتا لیکن حرام حلال کا اہتمام رکھتا اور پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے وہ ان صوفیہ سے افضل ہے جن میں قوت عملیہ نہیں۔ صرف حقائق ومعارف ہی ہیں۔ عرض کیا گیا کہ محققین کی نماز تو غیر محققین سے افضل ہوگی فرمایا کہ ان تحقیقات کو اس افضلیت میں کچھ دخل نہیں بلکہ اس کا مدار اخلاص ہے چونکہ محقق اخلاص کی حقیقت غیر محقق سے زیادہ جانتا ہے اگر وہ اس پر عمل کرے گا تو عمل کے اعتبار سے اس کی نماز افضل ہوگی اور اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ غیر اللہ پر نظر نہ ہو محض اللہ ہی مقصود ہو غیر اللہ مقصود نہ ہو نہ علماً نہ عملاً۔ اور ایک نظر تو معبود ہونے کی حیثیت سے ہوتی ہے وہ تو الحمد للہ نماز میں غیر اللہ پر کسی کو نہیں ہوتی کیونکہ نمازی کا یہ پختہ اعتقاد ہوتا ہے کہ معبود اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن دوسرے اعتبار سے نظر ہو جاتی ہے یعنی نماز کے وقت قصداً خطرے جمع کر لئے جاتے ہیں اور یہ عملاً نظر الی الغیر ہے جو ممنوع ہے کیونکہ یہ منافی خشوع ہے اور یہ درجہ ہر شخص کو ادنیٰ توجہ سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن ناواقفی سے لوگوں نے خشوع کو بہت مشکل سمجھ رکھا ہے حالانکہ جو درجہ اس کا مامور بہ اور ضروری ہے وہ بہت آسان ہے اور وہ وہ درجہ ہے جس کو میں نے ایک مثال

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے ظاہر کیا ہے اس سے پھر رفتہ رفتہ اس میں قوت ہو جاتی ہے وہ مثال یہ ہے کہ دو طرح کے حافظ ہوتے ہیں ایک پکا حافظ دوسرا کچا حافظ۔ پکا حافظ تو بلا سوچے ہوئے پڑھتا چلا جاتا ہے اس کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ ہر لفظ پر سوچے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ وہ آزادی کے ساتھ دوسری باتیں سوچتا رہتا ہے اور پڑھتا چلا جاتا ہے کیونکہ اس کو بھولنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا اور ایک کچا حافظ ہوتا ہے اس کو برابر اپنی توجہ ہر لفظ پر قائم رکھنی پڑتی ہے تاکہ وہ بھول نہ جائے۔ بس اتنی توجہ عبادت کے وقت کافی ہے جتنی میں نے اس مثال سے بتلا دی۔ اس سے زیادہ کاوش ہے اور اس سے کم کم ہمتی۔ پھر اس توجہ میں رفتہ رفتہ قوت بڑھ جائے گی۔ یعنی اول اول اس توجہ میں تکلف ہوگا پھر آسانی ہونے لگے گی۔ یہ مثال بھی کسی نے نہیں دی یہ اللہ کا فضل ہے کہ میرے دل میں اس نے یہ مثال ڈال دی۔ اس سے یہ بالکل صاف ہو گیا کہ ضروری استحضار کا درجہ کتنا ہے۔ بس وہ یہ درجہ ہے باوجود اس کے لوگ کہتے ہیں کہ خشوع و خضوع بڑا مشکل ہے۔ اب بتلایئے کہ جو درجہ ضروری ہے وہ یہ ہے اور یہ کیا مشکل ہے لوگ خشوع و خضوع کے انتہائی درجہ کو مشکل سمجھ کر ضرورت کے درجہ سے بھی محروم ہو گئے بس وہ مثال ہے کہ کھاؤں گھی سے نہیں جاؤں جی سے۔ کہتے ہیں کہ نماز میں ایسا استغراق ہو کہ تیر لگا ہوا نکال لیں تو خبر نہ ہو۔ جانے کہاں سے یہ درجہ گھڑ لیا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کی نماز کامل اور باخشوع ہو سکتی ہے لیکن ایسا استغراق تو حضور ﷺ کو بھی نہ ہوتا تھا۔ حضور خود فرماتے ہیں کہ میں بعض اوقات نماز میں طویل قراءت کا قصد کرتا ہوں لیکن جب کسی بچے کے رونے کی آواز نماز میں سنتا ہوں تو اس خیال سے کہ کہیں اس کی ماں جماعت میں شریک نہ ہو بڑی سورۃ کی بجائے چھوٹی سورت پڑھتا ہوں تاکہ اس کی ماں جلدی سے فارغ ہو کر اس کو جا کر سنبھال لے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کو نماز میں ایسا استغراق نہ ہوتا تھا۔ استفسار پر فرمایا کہ نماز میں سہو اسی استغراق کی کمی سے ہوتا ہے پھر فرمایا کہ اس کے متعلق ایک عجیب و غریب نکتہ ہے وہ یہ کہ بعض اوقات میرے ہی ذہن میں آئی ہو گی اس وقت لکھ دیا پھر بھول گیا غرض بجائے اس کے کہ علوم درسیہ میں کمال حاصل کرنے کی فکر میں رہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق محبت بڑھا دے جو ان کمالات کو بڑھاتا ہے۔ وہ ضابطہ سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اور نجات ہوتی ہے رابطہ سے اسی کی کوشش کرے اور اسی کو مانگے ہم جاہل سہی بدعقل سہی مگر اس حال میں بھی ہمیں خدا سے مانگنا چاہیے کیونکہ ہم چاہے جیسے بدحال ہوں شیطان سے تو زیادہ بدحال نہیں اس نے باوجود اس درجہ بدحال ہونے کے بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا تو ہم کیوں نہ مانگیں ہم تو الحمد اللہ مؤمن ہیں چاہے ایمان ضعیف ہی ہو جو ولایت عامہ کے لئے بھی کافی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور دیکھئے اس میں قید عملوا الصلحٰت کی بھی نہیں ہے۔ البتہ دوسری آیت میں ولایۃ خاصہ کا ذکر ہے الا ان اولیاء اللہ لاخوف

(c) ketabton.com: The Digital Library

علیھم ولا ھم یحزنون الذین آمنو او کانوا یتقون اس ولایت میں تقویٰ کی بھی ضرورت ہے اور یوں تو اللہ تعالیٰ کی تکوینی رحمت کفار پر بھی ہے۔ یہاں تک کہ ان کی حفاظت کے لئے ملائکہ متعین ہیں۔ لیکن اس کو ولایت نہیں کہتے اور یہ رحمت صرف کفار کے ساتھ یہاں دنیا میں ہے باقی وہاں آخرت میں نہیں ہوگی۔ دنیا میں اس رحمت کے عام اور آخرت میں خاص ہونے پر استطر اداً ایک مناظرہ یاد آ گیا جو شیطان نے ایک بڑے عارف سے یعنی غالباً حضرت عبداللہ بن سہل سے کیا تھا اور ان کو اس مناظرہ میں شیطان نے ساکت کر دیا تھا۔ اس بناء پر حضرت عبداللہ نے یہ وصیت فرمادی ہے کہ شیطان سے کبھی کوئی مناظرہ نہ کرے واقعہ یہ ہے کہ شیطان نے حضرت عبداللہ سے کہا کہ آپ کیا لعنت لعنت میرے اوپر کیا کرتے ہیں خبر بھی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ورحمتی وسعت کل شیٔ اور میں بھی شی میں داخل ہوں اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ وہ مجھ پر بھی ہوگی آپ کیا لعنت لعنت لئے پھرتے ہیں حضرت عبداللہ نے جواب دیا ہاں خبر ہے رحمت تو وسیع ہے لیکن اس میں قید بھی ہے۔ فساکتبھا للذین یتقون اس پر اس نے کہا کہ جناب قید آپ کی صفت ہی اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں اللہ تعالیٰ مقید نہیں اس پر حضرت عبداللہ بن سہل چپ ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ گو اس کا جواب تو تھا جو مجھ نا کارہ تک نے دیدیا ہے جس کو عرض کروں گا مگر انہوں نے بجائے اس کو جواب دینے کے اہل طریق کو یہ وصیت کی کہ کبھی شیطان سے مناظرہ نہ کرے حضرت عبداللہ بن سہل سے جو جواب نہ بن پڑا اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیطان نے ان کے ذہن میں تصرف کیا کیونکہ وہ بڑا صاحب تصرف ہے اسی طرح حضورؐ نے بھی یہ فرمایا ہے کہ دجال کا سامنا ہو جائے تو اس سے مناظرہ نہ کریں بہت لوگ اس سے مناظرہ کرنے جاویں گے اور اس کے معتقد ہو جاویں گے۔ اس کا راز حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے جو کہیں گو منقول دیکھا نہیں لیکن جی کو لگتا ہے یہ مولانا کا کشف ہے جو حجت تو نہیں لیکن چونکہ نصوص میں یہ مسکوت عنہ ہے اس لئے اگر ان کے جی کو لگے جن کو مولانا سے محبت وعقیدت ہے تو اس کا کچھ مضائقہ بھی نہیں مولانا فرماتے تھے کہ اس کی حالت مجذوبوں کی سی ہوگی اس کے اقوال کی لوگ تاویل کریں گے یہاں تک کہ دعویٰ خدائی کی بھی تاویل کریں گے اسی واسطے مجذوبوں سے زیادہ تعلق رکھنا نہ چاہیے گو ان میں اگر آثار قبول پائے جاویں ان پر اعتراض بھی نہ کرے لیکن ان سے زیادہ اختلاط بھی نہ کرے اسی طرح اہل باطل سے مناظرہ بھی نہ چاہیے کیونکہ مناظرہ میں ان سے تلبس ہوتا ہے اور تلبس سے اثر ہو جاتا ہے ایک بزرگ کا یہاں تک ارشاد ہے کہ اہل باطل کے شبہات کا عوام میں ظاہر کرنا بھی مضر ہے گو ساتھ ہی انکار رد بھی کر دیا جائے کیونکہ عوام کے ذہن پہلے سے خالی ہیں خود نقل کرنا ان کے ذہن میں خواہ مخواہ شبہات کا ڈالنا ہے پھر چاہے وہ زائل ہی کر دیئے جائیں کیونکہ اس صورت میں یہ بھی تو احتمال ہے کہ وہ شبہات پیدا ہو جانے کے بعد

(c) ketabton.com: The Digital Library

پھر باوجود انکار کر دینے کے زائل ہی نہ ہوں۔ اسی لئے مجھے اس وقت شیطان کے اس مناظرہ کو نقل کرتے ہوئے ڈر بھی معلوم ہوا لیکن خیر یہاں کوئی ایسا نہیں ہے جس کو شبہ پڑ جائے بالخصوص جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بھی میرے ذہن میں القاء فرمادیا ہے۔ اس کو ذرا توجہ سے سنئے البتہ اس کے سمجھنے کے لئے درسیات کی ضرورت ہے۔ درسیات بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہیں۔ علماء کے قلوب میں یہ اللہ تعالیٰ کی الہام فرمائی ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ فلسفہ اور منطق بھی جو داخل درس ہیں یہ بھی بڑے کام کی چیز ہیں گو یہ مبادی ہیں مقاصد نہیں لیکن چونکہ مقاصد کی تحصیل ان پر مبنی ہے اس لئے یہ بھی ضروری ہیں گو مقاصد کے درجہ کو نہیں پہنچتے مقاصد تو بہت عالی ہیں اگر علم کلام میں اور منطق میں مہارت ہو تو قرآن وحدیث اور فقہ کے سمجھنے میں بہت سہولت ہو جاتی ہے غرض جو یہ چیزیں درس میں داخل ہیں یہ بڑے کام کی ہیں چنانچہ انہیں کی بدولت یہ اشکال بھی حل ہوا جس کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے جن میں رحمت بھی ہے دو تعلق ہیں۔ ایک تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ اور وہ تعلق اتصاف کا ہے یعنی اس صفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا متصف ہونا اور ایک تعلق مخلوق کے ساتھ ہے اور وہ تعلق تصرف کا ہے یعنی مخلوق میں اس صفت کا اثر ایجاد کا ہونا۔ تو جو تعلق اتصاف کا ہے وہ تو غیر مقید ہے یعنی اس میں عموم اور اطلاق ہے یعنی وہ رحمت فی نفسہ غیر محدود ہے لیکن جو درجہ مخلوق کے ساتھ تعلق کا ہے وہ مقید ہے یعنی کسی پر رحمت فرماتے ہیں کسی پر نہیں جیسے آفتاب خود اپنی صفت نور میں تو مقید نہیں لیکن جب اس کا نور زمین پر فائض ہوتا ہے تو وہاں چونکہ حجابات بھی موجود ہیں اس لئے وہاں قیود بھی ہیں تو یہ قید ادھر نہیں ہے ادھر ہے خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ اپنی صفت رحمت میں بالکل مقید نہیں لیکن جب اس صفت کا تعلق مخلوق سے ہوتا ہے تو چونکہ اس کا مدار خاص اسباب کی ساتھ مشیت پر ہے۔ اس لئے اس سے جب یہ صفت متعلق ہوتی ہے تو اس قید کے ساتھ کہ جو اہل تقویٰ ہیں ان پر تو آخرت میں رحمت ہوتی ہے اور جو اہل تقویٰ نہیں ان پر نہیں ہوتی یہ جواب بھی سالہا سال کے بعد میری سمجھ میں آیا اور غالباً میں اس وقت امرت سر میں تھا۔ جب میں لاہور دانت بنوانے گیا تو امرت سر بھی جانا ہوا تھا۔ اور چونکہ وہاں صرف ایک دن رہنا تھا اس لئے وہاں میں نے ملنے والوں کی کوئی روک تھام نہیں کی۔ احباب نے اس کا انتظام بھی کرنا چاہا مگر میں نے روک دیا کہ اس میں لوگوں کی دل شکنی ہوگی۔ برخلاف اس کے لاہور میں پہرہ چوکی کا انتظام کیا گیا۔ کیونکہ وہ بڑا شہر تھا اور دانت بنوانے کے لئے کئی دن رہنا تھا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ہر وقت ہجوم رہتا اور جس کام کے لئے جانا ہوا تھا اس میں خلل پڑتا۔ بعض لاہور والوں نے برا بھی مانا یہاں تک کہ لوگ اخباروں میں بھی اس کی شکایت چھاپنے کو تھی غرض پنجاب میں میں ایک مسئلہ مختلف فیہ ہوگیا لاہور والے تو سمجھے کہ بڑا بدخلق ہے اور امرت سر والے سمجھے کہ بڑا خلیق ہے یاد پڑتا ہے کہ امرت سر میں میں نے یہ جواب دیا تھا وہاں اس وقت علماء کا مجمع تھا سب نے بہت

(c) ketabton.com: The Digital Library

پسند کیا اور یہ فیض بھی خود عبداللہ بن سہل ہی کا تھا کیونکہ مجھے اولیاء اللہ سے محبت ہے اور اولیاء اللہ سے جو محبت ہوتی ہے تو ان سے برکات حاصل ہوتے ہیں اگر حضرت عبداللہ سے مجھے محبت نہ ہوتی تو مجھے ان کی طرف سے جواب دینے کی اتنی فکر نہ ہوتی میرے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ ان کی طرف سے جواب نہ ہو کیونکہ وہ ایسے نہیں تھے کہ لاجواب ہو جاویں اس ادب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جواب ذہن میں ڈال دیا ادب بڑی برکت کی چیز ہے اور بے ادبی اس طریق میں سخت وبال لاتی ہے چنانچہ حسین بن منصور پر جو بلا آئی وہ اسی قلت ادب کی وجہ سے اور گو وہ مغلوب تھے اسی لئے حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ان کی حمایت فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

چوں قلم در دست غدارے فتاد — لاجرم منصور بردارے فتاد

اور یہاں غدار سے مراد اہل فتویٰ نہیں ورنہ غدار ان ہوتا بلکہ خاص ایک وزیر ہے جس نے استفتاء کر کے سزا کا حکم نافذ کیا اس کا واقعہ تاریخ میں لکھا ہے کہ علقمی وزیر ان کا دشمن تھا۔ اس نے خود ساختہ سوال کر کے فتویٰ حاصل کیا تھا اور اسی مغلوبیت کی وجہ سے حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ میں اگر ہوتا تو کبھی فتویٰ منصور کے خلاف نہ ہونے دیتا انا الحق کی یہ تاویل کرتا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انا علی الحق یہ تو مولانا کی تاویل ہے اور میں نے ایک اور تاویل کی ہے وہ یہ کہ عقائد کا یہ مسلم مسئلہ ہے کہ حقائق الاشیاء ثابتۃ تو انا الحق کے معنیٰ یہ ہوئے کہ انا ثابتۃ یعنی میں بھی منجملہ اشیاء کے ایک شی ہوں یعنی چونکہ حقائق اشیاء ثابت ہیں میرا وجود بھی حق ثابت اور مطابق واقع کے اور موجود ہے۔ تو یہ گویا سوفسطائی کے مسلک کا رد ہے کیونکہ وہ لوگ اس عالم کو بالکل ایک عالم خیال سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ واقع میں کچھ ہے ہی نہیں اور یہ جو کچھ ہم کو نظر آتا ہے یہ محض وہم اور خیال ہے اور یوں تو وحدۃ الوجود والے بھی یہی کہتی ہیں مگر اس کے اور معنیٰ ہیں وہ کہتے ہیں کہ جیسا اللہ تعالیٰ کا وجود ہے ویسا ہمارا وجود نہیں ہے مگر جیسا بھی ہے وجود واقعی ہے بخلاف سوفسطائی کے کہ وہ وجود کی واقعیت ہی کی نفی کرتا ہے۔ ان ہی کے مقابلہ میں اہل حق نے اول مسئلہ عقائد کا اسی کو قرار دیا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے وجہ یہ کہ سب کا اصل الاصول مسئلہ اثبات صانع ہے اور اس کی دلیل کا مقدمہ بھی حقائق اشیاء کا ثبوت ہے کیونکہ جب کوئی چیز ثابت ہی نہ ہوگی تو وہ حق تعالیٰ کے وجود کی دلیل کیسے بن سکے گی۔ جب مصنوع نہ ہوگا تو صانع کے وجود کو کیسے ثابت کیا جاوے گا پس ابن المنصور کے قول کا محمل یہ ہو سکتا ہے اور حق بایں معنی احادیث میں مستعمل ہے چنانچہ وارد ہے البعث حق والوزن حق یعنی یہ سب چیزیں ثابت ہیں اسی طرح انا الحق کے معنیٰ یہ ہوئے کہ میرا وجود ثابت ہے۔ گو یہ تاویل ہی ہے مگر بعید نہیں اور اس تاویل میں اعلیٰ کے مقدر ماننے کی بھی ضرورت نہیں۔ اور اسی مغلوبیت کی وجہ سے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گو سخت پابند سنت ہیں اور اپنے خطوط میں اتباع شریعت کی بہت سختی سے تاکید فرماتے ہیں مگر حضرت منصور بے حد حامی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہیں۔ حضرت مولانا رومؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں

گفت فرعونے انا الحق گشت پست گفت منصورے انا الحق گشت مست

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: میں اس کی طرف شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔

تفسیری نکات

قرب سے مراد قرب علمی ہے

اور خدا کا قرب یہی قرب علمی و قرب رحمت ہے اور انتم اقرب الینا۔ (تم ہماری طرف زیادہ قریب ہو) نہیں فرمایا۔ اگر کوئی کہے کہ قرب و بعد تو امور نسبیہ مکررہ مشترکہ میں سے ہیں یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ انہیں ہم سے قرب ہو اور ہمیں ان سے بعد ہو۔

جواب یہ ہے کہ قرب حسی بالمعنے اللغوی بیشک ایسا ہی ہے اور یہاں تو قرب بمعنے توجہ کے ہے سو خدا کا قرب الی العبد من حیث التوجہ قرب عبد الی اللہ من حیث خدا کا قرب بندہ کی طرف باعتبار توجہ کے بندہ کا قرب اللہ تعالیٰ کی طرف باعتبار توجہ کے التوجہ کو مستلزم نہیں بس وہ اشکال مرتفع ہو گیا۔

قرب خداوندی کا معنی

یہ کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ (ہم اس کی طرف شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) سے بظاہر یہ لازم آتا ہے کہ جب حق تعالیٰ ہم سے قریب ہیں تو ہم بھی ان سے قریب ہوں کیونکہ قرب و بعد امور نسبیہ متشارکہ میں سے ہیں اور امور نسبیہ کے لئے طرفین ضروری ہیں۔ تو جب ایک شے دوسری شے سے قریب ہے تو یقیناً دوسری بھی اس سے قریب ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ زید تو عمرو سے قریب ہو اور عمرو اس سے قریب نہ ہو بلکہ اگر وہ اس سے قریب ہے تو یہ بھی اس سے قریب ہے اور اس بناء پر لازم آتا ہے کہ سارا جہان مقرب ہو جائے جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ یہ بات قرب حسی و قرب مکانی میں ہوا کرتی ہے کہ ایک شے کا دوسری سے قرب ہونا اس کے قرب کو بھی مستلزم ہے اور یہاں حق تعالیٰ کو بندہ سے اور بندہ کو حق تعالیٰ سے جو قرب ہوتا ہے وہ قرب مکانی حسی نہیں بلکہ قرب علمی ہے اور قرب علمی میں یہ لازم نہیں کہ اگر ایک شخص کو دوسرے سے قرب علمی حاصل ہو تو دوسرے کو بھی اس سے قرب علمی حاصل ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک کو دوسرے کا علم ہو اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

دوسرے کو اس کا علم نہ ہو جیسا اوپر ایک مثال کے ضمن میں بتلایا گیا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کو تو سب بندوں سے قرب علمی حاصل ہے مگر بندوں میں سب کو خدا تعالیٰ سے قرب علمی حاصل نہیں کیونکہ بہت سے اس سے غافل ہیں اس لئے حق تعالیٰ نے نحن اقرب الیہ (ہم اس سے زیادہ قریب ہیں) فرمایا ہے۔ ھوا قرب الینا۔ (وہ ہماری طرف زیادہ قریب) نہیں فرمایا۔

(فان قلت اذا کان القرب من الامور النسبیة یلزم فی القرب العلمی ایضاً من قرب احد الشیئین بالآخر قربہ بہ قلت الذی یلزم فی القرب العلمی من قرب احد ھما بالآخر ھو کون الآخر قریباً منہ من حیث العلومیة دون العایلة فمراد الشیخ ان قرب شی بالآخر من حیثا لعایلیة لایستلزم قرب الاخر بہ من ھذہ الحیثیة فیجوزان یکون احد عالما بک و تکون انت انت جاھلاً بہ واما ان قرب شی بالآخر من حیث العالمیة لایستلزم قربہ بہ من حیث المعلومیہ ایضاً فلم یردہ الشیخ اصلا ۱۲ جامع)

اور یہ کوئی چیستاں نہیں ہے اس کی حقیقت یہی ہے کہ حق تعالیٰ کا علم تو ہمارے ساتھ ہر وقت متعلق ہے اس لئے وہ اپنے علم سے ہمارے بہت نزدیک ہیں اور ہمارا علم حق تعالیٰ کے ساتھ یا تو متعلق ہی نہیں ہے یا متعلق ہے تو ہر دم متعلق نہیں اس لئے ہم اپنے علم سے حق تعالیٰ سے ہر دم قریب نہیں ہیں خوب سمجھ لو۔

ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید (اس میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس دل ہو یا متوجہ ہو کر کان ہی لگا لیتا ہے) عربی زبان جاننے والے سمجھ لیں گے کہ فی ذلک کا اشارہ مذکورہ قصہ کی طرف ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ اشارہ نہ من حیث القصہ ہے بلکہ بحیثیت اس قصہ کے جزو قرآن ہونے کے ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ اس جزو قرآن سے نفع کس کو حاصل ہو گا۔ جس پر من کان لہ قلب (جس کے پاس دل ہو) صادق ہو اور ظاہر ہے کہ قرآن بتمامہ بندوں کے نفع ہی کے لئے اتارا گیا ہے تو کسی جزو کی تخصیص کوئی معنی نہیں رکھتی تو یہاں گو ذلک کا مشار الیہ ایک جزو ہے لیکن مراد کل قرآن ہوا تو حاصل یہ ہوا کہ قرآن سے انتفاع کا طریقہ یہ ہے جو بیان ہو گا نہ کہ صرف اس قصہ سے انتفاع کا طریق جو اس سے اوپر مذکور ہے تو سارے ہی قرآن کی یہ حالت ہوئی کہ اس سے انتفاع شرائط مدلولہ آیت پر موقوف ہے۔ یہ مضمون مجھے اس وقت ضروری معلوم ہوا کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ قرآن تو یہ لوگ پڑھتے ہیں بلکہ اگر یہ بھی کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ گذشتہ زمانہ سے زیادہ آج کل تلاوت قرآن کی جاتی ہے۔ بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ مخالفین اسلام بھی قرآن پڑھتے ہیں۔ لیکن یہ دعوے سے کہا جاتا ہے کہ انتفاع بالقرآن (قرآن سے نفع حاصل کرنا) پہلے سے بہت کم بلکہ قریب قریب مفقود ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ شرائط انتفاع مجتمع نہیں بس اس آیت میں انہیں شرائط کا بیان ہے۔ ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او

(c) ketabton.com: The Digital Library

القی السمع وھو شھید. (اس میں اس شخص کیلئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس دل ہو یا وہ متوجہ ہو کر کان ہی لگا دیتا ہو) اور ان شرائط ، بیان قرآن میں اور بھی بہت جگہ ہے اور ان کو جا بجا مختلف عنوانات سے بیان فرمایا ہے کہیں فرمایا ہے ذکری للمومنین ۔ (مومنوں کے لئے عبرت ہے) اور کہیں عبرۃ لاولی الابصار (اہل بصیرت کے لئے عبرت ہے) اور کہیں فرمایا لمن اراد ان یذکر. (یعنی اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جس کا ارادہ عبرت حاصل کرنے کا ہے) اور کہیں ان فی ذلک لعبرۃ لمن یخشی (اس میں بڑی عبرت ہے اس شخص کے لئے جس کو خوف خدا ہو) نزول قرآن تو گو نفع عام کے لئے ہے مگر نفع ہوتا ہے شرائط کے ساتھ اس کو اس مثال سے سمجھ لو ایک طبیب نے دو شخصوں کے لئے مسہل تجویز کیا اور دونوں کو طریقہ مسہل لینے کا اور شرائط مسہل کے مفید ہونے کے بتائے ان میں سے ایک نے تو مسہل کو ان شرائط کے ساتھ استعمال کیا اس کو خاطر خواہ نفع ہوا اور دوسرے نے بغیر شرائط کے استعمال کیا۔ ظاہر ہے کہ اس کو نفع نہ ہوگا بلکہ عجب نہیں کہ نقصان پہنچ جائے۔ یہاں کیا بات ہے ظاہر ہے کہ طبیب نے تو دونوں کے نفع کے لئے واسطے مسہل تجویز کیا تھا لیکن ایک کو طبیب کی تجویز نافع ہوئی اور دوسرے کو نافع نہ ہوئی وجہ کیا ہے یہی کہ نفع مشروط بالشرائط تھا۔ واذافات الشرط فات المشروط (جبکہ شرط فوت ہو جاتی ہے مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے) شرائط نہیں پائی گئیں نفع بھی نہیں ہوا میں نہیں کہا جا سکتا کہ طبیب کی تجویز مفید نہیں تھی وہ تو تکلیف تھی چنانچہ دوسرے کو نفع ہوا اور اس کو جو نفع نہیں ہوا تو بوجہ شرائط موجود نہ ہونے کے نہ ہوا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اثر کے لئے صرف شے نافع کا وجود کافی نہیں بلکہ وجود مع الشرائط ہونا چاہیے۔ ادنیٰ سے اعلیٰ تک ہر کام میں یہی بات ہے کہ اثر کے لئے کچھ شرائط ہوتے ہیں کہ بدوں ان کے اثر مترتب نہیں ہوتا۔ اب لوگ قرآن پڑھتے ہیں مگر اثر نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے پھر یہ خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ اثر نہیں ہوا۔

قرآن پاک میں تدبر کی ضرورت

نہ معلوم کیا بات ہے صاحبو! قرآن میں کمی نہیں ہم میں کمی ہے۔ بھلا یہ ممکن ہے کہ قرآن سی چیز سے اثر نہ ہو حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لو انزلنا ھذا القران علی جبل لرایتہ خاشعًا متصدعا من خشیۃ اللہ. یعنی اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو وہ پاش پاش اور ریزہ ریزہ ہو جاتا خدا کے خوف سے تعجب ہے کہ پہاڑ جیسی سخت چیز قرآن سے متاثر ہو اور ریزہ ریزہ ہو جائے اور انسان جیسی نرم چیز متاثر نہ ہو گو دونوں جگہ اثر حسب اقتضائے حکمت مختلف ہو مثلاً انسان چونکہ مکلف ہے اس لئے اس میں تصدع غالبًا اس لئے خلاف حکمت ہو کہ پھر مکلف بہ یعنی قرآن کا نزول عبث ٹھہرتا ہے کہ عامل ہی مفقود ہو جائے گا اس لئے اس میں اثر صرف خشوع کافی ہوگا اور احیانًا تصدع وزھوق روح ہو جانا اس لئے خلاف حکمت نہیں کہ اس سے مکلف بہ کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

عبث ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ دوسرے مکلفین تو موجود ہیں غرض انسان میں خشوع تو عام ہو مگر یہ بھی نہیں جس کی وجہ دوسری جگہ فرماتے ہیں افلا یتدبرون القران ام علی قلوب اقفالها. یعنی قرآن کو غور سے نہیں دیکھتے بلکہ دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں یہی بات ہے کہ قرآن کی آیتوں میں تدبیر نہیں کیا جاتا اور دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں جن لوگوں نے تدبر سے قرآن کو دیکھا خواہ موافقین نے یا مخالفین نے تو اثر ہوئے بغیر نہیں رہا۔ کیسے کیسے پتھر موم ہو گئے کیسے کیسے معاندوں نے گردن جھکا دی اس سے تاریخ بھری پڑی ہے کسی زمانہ میں قرآن میں یہ اثر تھا کہ معاندین اس کے سامنے پانی ہوتے تھے اس واسطے اس کے سننے سے بچتے تھے کہ ہمارے اوپر اثر نہ ہو جائے اور اب لوگوں کو جو اس پر ایمان کے مدعی ہیں اور جو اس کو پڑھتے ہیں شکایت ہے کہ اثر نہیں ہوتا اس کی وجہ یہی ہے کہ قرآن کو پڑھتے ہیں مگر تدبیر کے ساتھ نہیں پڑھتے صرف الفاظ پڑھ لیتے ہیں اور یہ بھی ان کا ذکر ہے جو الفاظ کو پڑھتے ہیں ورنہ اب تو دماغوں میں یہ خبط بھی پیدا ہو گیا ہے کہ قرآن کے الفاظ پڑھنے سے کیا فائدہ جتنا وقت اس میں صرف کیا جائے اتنے وقت میں کوئی ڈگری کیوں نہ حاصل کی جائے اور تدبیر و عمل کو جو ہم شرط نفع کی کہہ رہے ہیں یہاں نفع سے خاص نفع یعنی اثر مراد ہے اور مطلق نفع کی نفی نہیں مثلاً ایک حرف پر دس نیکیاں ملنا حدیث میں آیا ہے۔ اس میں یہ شرط نہیں اور یہ لوگ حسنات ہی کو لاشے محض سمجھتے ہیں پس ہمارا مقصود اور ہے ان کا اور۔ خلاصہ یہ کہ بہت سے مسلمان تو قرآن پڑھتے ہی نہیں اور جو پڑھتے بھی ہیں تو تدبر کے ساتھ نہیں پڑھتے جس پر بروئے آیت مذکورہ نفع حاصل ہونا موقوف ہے پھر شکایت عدم نفع کی کیسی۔ مسلمانوں کو تو قرآن سے لگاؤ ہی نہیں رہا اور اس کے ساتھ یہ جہل مرکب ہے کہ قرآن سے نفع نہیں ہوتا قرآن سے نفع کیسے ہو جب تم اس سے لگاؤ بھی نہیں رکھتے اس سے تعجب ہوگا کہ مسلمانوں کو قرآن سے لگاؤ نہیں رہا کیوں کہ قرآن کیسے کیسے عمدہ چھپے ہوئے گھروں میں ہیں۔ تلاوت بھی کی جاتی ہے پھر یہ کیسے کہا جائے کہ قرآن سے لگاؤ نہیں رہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن سے مراد میری صرف لکھا ہوا قرآن نہیں ہے۔ جس کی تلاوت کی جاتی ہے بلکہ جس کے بہت سے اجزاء ہیں جیسے عقائد اعمال معاشرت معاملات اخلاق یہ سب وہ اجزاء ہیں جن کے مجموعہ کو دین کہتے ہیں تصوف بھی انہیں اجزاء میں داخل ہے کیونکہ تصوف کی تعریف گیروا کپڑے پہننا تعویذ گنڈے کرنا یا کشف و کرامات نہیں ہے بلکہ تصوف کی تعریف ہے تعمیر الظاهر والباطن (ظاہر و باطن کی درستی) اس تعریف کی بناء پر اس کا دین ہونا ظاہر ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ۝

ترجمہ: اس میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس (فہیم) دل ہو یا وہ (کم از کم دل سے) متوجہ ہو کر (بات کی طرف) کان ہی لگا دیتا ہو۔

تفسیری نکات

قرآن سے نفع حاصل کرنے کی شرائط

وہ طریقے کیا ہیں اسی کو فرماتے ہیں ان فی ذلک لذکری یعنی اس بیان میں (اس سے اوپر امم سابقہ کے کفار کے ہلاک کا ذکر ہے) نصیحت ہے مگر کس کو جس میں دو باتیں ہوں اور دو کا ذکر علی سبیل منع خلو ہے۔ یعنی دونوں سے خالی نہ ہو خواہ دونوں جمع ہو جائیں چنانچہ یہاں ہر واحد بھی کافی ہے اور دونوں کا اجتماع بھی ممکن ہے اس پر دلائل مستقلہ قائم ہیں (اس کا بیان بقدر ضرورت ختم وعظ کے قریب جہاں القی السمع کا بیان شروع ہوا مذکور ہے ۱۲) وہ دو باتیں کیا ہیں لمن کان له قلب. جس کے پاس قلب ہوا و القی السمع. یعنی کان کو متوجہ ہو کر لگا دے ان دونوں لفظوں کا ترجمہ ذرا سا ہے اور لفظ بھی چھوٹے چھوٹے ہیں اس اختصار سے تعجب ہوگا کہ ذرا ذرا سی چیزیں ہیں اور ذرا سی بات ہے جس پر تمام دین کا نفع مبنی ہے۔ اس تعجب کا رفع میں کئے دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ سمجھ لیجئے کہ قرآن منطق کی اصطلاح میں نہیں نازل ہوا بلکہ سامعین کے محاورات میں نازل ہوا ہے یہ ایسا ہے جیسے ہمارے محاورے میں ہے کہ یہ دل گردہ والے کا کام ہے اس کے اگر لغوی معنی لئے جائیں تو کلام بلاغت سے بہت ہی گرا ہوا ہو جاتا ہے بلکہ مفہوم ہی غلط ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں تو یہ معنی ہو جائیں گے کہ جس کے جسم میں دل اور گردہ ہو وہ یہ کام کر سکتا ہے سو دل اور گردہ تو ہر انسان کے جسم میں موجود ہیں تو اس کے تو یہ معنی ہو گئے کہ ہر انسان یہ کام کر سکتا ہے حالانکہ یہ جملہ بولا جاتا ہے ایسے موقع پر کہ اس کام کو ہر انسان نہ کر سکے۔

لغت اور محاورہ میں فرق

بات یہ ہے کہ لغت اور محاورہ میں فرق ہوتا ہے وہ یہ کہ محاورہ میں لغوی معنی پر ایک زیادتی ہوتی ہے کہ وہ ہی مراد ہوتی ہے۔ مثلاً یہاں دل سے مراد لغوی دل نہیں بلکہ وہ دل مراد ہے جس میں صفات دل ہوں اور گردہ سے مراد لغوی گردہ نہیں بلکہ وہ گردہ مراد ہے جس میں صفات گردہ ہوں اور دل کی صفت ہے ہمت اور گردہ کی صفت ہے قوت تو اس لفظ کے یہ معنی ہوئے کہ یہ کام وہ کر سکتا ہے جس میں ہمت و قوت ہو دیکھئے اب یہ لفظ کیسا

(c) ketabton.com: The Digital Library

بلغ ہوگیا اور اس موقع پر کیسا چسپاں ہوگیا جس میں یہ بولا جاتا ہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ ایک حاکم کہتا ہے کہ ہمیں ایک آدمی کی ضرورت ہے اس کے لغوی معنی تو یہ ہیں کہ ایک ایسا شخص تلاش کیا جائے جس پر آدمی کا اطلاق ہو یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اب کسی نے اس پر یہ عمل کیا کہ ایک ایسے انسان کو جو نہایت درجہ بیمار اور اپاہج ہے ڈولی میں ڈال کر لے آیا اور حاکم کے سامنے پیش کر دیا کہ لیجئے حضور آدمی حاضر ہے حالانکہ اس میں کسی کام کے کرنے کی قوت تو درکنار حواس بھی پورے موجود نہیں۔ بس ایک مضغہ گوشت ہے۔ ہاں سانس چل رہا ہے اب آپ ہی فرمایئے کہ کیا اس کے حکم پر عمل ہوگیا۔ لغۃً تو ہوگیا کیونکہ آدمی کا اطلاق اس پر صادق آتا ہے آخر وہ بھی اولاد آدم تو ہے ہی۔ اور از روئے منطق بھی وہ آدمی ہے کیونکہ حیوان ناطق ہے اور ناطق کے معنی بولنے والا نہیں جیسا کہ عرف عام میں سمجھا جاتا ہے بلکہ اس کے معنی ہیں مدرک کلیات و جزئیات جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں یہ سب کچھ ہے لیکن اس حاکم کے سامنے ایسے مریض انسان کا پیش کرنا امتثال امر نہیں سمجھا جاتا۔ وجہ کیا ہے جو اغراض آدمی کے متعلق ہیں جن کے واسطے حاکم آدمی مانگتا ہے وہ اس سے حاصل نہیں ہیں حتیٰ کہ اگر کمزور آدمی کو بھی پیش کیا جائے تو اس کو بھی وہ منظور نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ تو ایسے آدمی کو چاہتا ہے جو خدمت گزاری اچھی طرح کر سکے اور یہ کام بہت ہٹے کٹے اور توانا و تندرست آدمی کا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جس کام کے لئے آدمی چاہیے اگر اس سے وہ کام نہیں ہو سکتا تو اس سے آدمیت ہی کی نفی کی جاتی ہے۔ اسی معنی کر یہ کہا گیا ہے

آنرا کہ عقل و ہمت تدبیر روئے نیست ٭ خوش گفت پردہ دار کہ کس درسرائے نیست

(جو شخص عقل و ہمت و تدبیر ورائے نہیں رکھتا پردہ دار نے خوب کہا کہ سرائے گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے)

دیکھئے کس کی نفی کی ہے حالانکہ وہاں آدمی موجود ہیں وجہ یہی ہے کہ وہ محض لغوی آدمی ہیں ایسے آدمی نہیں جن سے وہ غرض پوری ہو جو آدمی سے پوری ہوتی ہے یعنی لغوی آدمی ہیں اصطلاحی نہیں ہیں۔ امراء کے ہاں تو یہ محاورہ بہت مستعمل ہے کہا جاتا ہے کہ آپ فلاں تجارت شروع کیجئے یا فلاں محکمہ کھولئے تو کہتے ہیں میں مجبور ہوں میرے پاس کوئی آدمی نہیں ہے یعنی اس کام کا آدمی نہیں ہے یوں لغوی آدمی تو بہت سے موجود ہیں۔ خلاصہ یہ کہ محاورات میں محض لغت پر نظر نہیں ہوتی بلکہ حصول اغراض پر نظر ہوتی ہے۔

لمن کان لہ قلب کا مفہوم

اب سمجھ میں آجائے گا کہ لمن کان لہ قلب کے کیا معنی ہیں۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ جسکے جسم میں دل بمعنی مضغہ گوشت ہو بلکہ وہ دل ہو جس سے وہ اغراض حاصل ہو سکیں جس کے لئے دل ہوتا ہے وہ اغراض کیا ہیں۔ ادراک یعنی بھلے برے کو سمجھنا اور ارادہ جس سے نافع کو اختیار اور مضر کو ترک کر سکے۔ ان کو شرعی اصطلاح میں علم

وعزم کہتے ہیں تو دو صفت ہوئیں قلب کی علم اور عزم۔ میں نے دونوں لفظ (یعنی علم اور عزم) پہلے نہیں استعمال کئے بلکہ بجائے ان کے دوسرے الفاظ یعنی ادراک وارادہ۔ اس واسطے کہ آج کل ایسی بدمذاقی پھیل رہی ہے کہ اپنے علوم یعنی علوم دینیہ کی اصطلاحوں سے بھی اجنبیت ہوگئی اسی واسطے میں نے اول عام محاورات سے تفہیم کر کے اس کے بعد ان لفظوں کا استعمال کیا۔ غرض دو صفت ہیں قلب کی علم اور عزم جب یہ دونوں صفتیں موجود ہوں گی تب کہا جائے گا کہ اس پر لمن کان له قلب صادق ہے۔

قرآن پاک سے منتفع ہونے کا ایک گر

اسی قبیل سے یہ لفظ ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب (اس میں بڑی عبرت ہے اس شخص کے لئے جس کے پاس دل ہے) اس میں بھی ایک ضابطہ بتلایا گیا ہے۔ قرآن سے منتفع ہونے کا۔ اس میں سب باتیں دین کی داخل ہوگئیں اور یہ ضابطہ ایسا جامع ہوگیا جیسے حساب دانوں کے یہاں گر ہوتے ہیں جن کو گر یاد ہوتے ہیں وہ کیسی جلدی حساب کر لیتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ گر جانتے ہیں۔ باقاعدہ ضرب تقسیم کرنے والا جس حساب کو منٹوں میں نکالے گا اس کو گر جاننے والے سیکنڈوں میں نکال دیتے ہیں۔ اور باقاعدہ حساب لگانے والے کو قلم دوات پنسل کاغذ تختی سلیٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور گر جاننے والوں کی زبان پر حساب کے گر رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ بات یہی ہے کہ ان کو حساب کے گر یاد ہوتے ہیں مثلاً جتنے روپے کی سیر بھر چیز اتنے آنے کی چھٹانک بھر یا جتنے روپیہ کا ایک گز کپڑا اتنے آنے کا ایک گرہ۔ اس سے ہزاروں روپیہ کا حساب ذرا سی دیر میں زبانی ہی لگالیا جاتا ہے۔ غرض گر بھی تو ایک ضابطہ ہی کا نام ہے جو استقراء کے بعد وضع کر لیا جاتا ہے۔ گر کا فائدہ یہ ہے کہ حساب کرنے میں بہت سہولت اور جلدی ہوتی ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے بھی اس آیت میں گر بتا دیا ہے۔ قرآن سے منتفع ہونے کا۔ تو دیکھئے ایک گر کتنے استقراء کے بعد وضع ہوتا ہے اگر ہم قرآن سے نفع اٹھانے کا گر وضع کرتے تو کتنے استقراء کی ضرورت ہوتی اور کتنے زمانہ میں اس میں کامیابی ہوسکتی تھی پھر بھی ہمارا ذہن کہاں تک پہنچ سکتا تھا۔ لہٰذا یہ بالکل سچی بات ہے کہ برسوں کی محنت بھی اس کے لئے کافی نہیں ہوتی پس قدر کیجئے حق تعالیٰ کی رحمت کی کہ ہم کو اس محنت سے بچا دیا اور اپنی طرف سے خود ہی اس گر کی تعلیم کر دی جس کا مختصر عنوان علم وہمت ہے۔

یہ ایک تفصیل تھی آیت کے ایک جزو ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب اس میں بڑی عبرت ہے اس شخص کے لئے جس کے پاس دل ہے اب آیت کا دوسرا جزو رہ گیا یعنی او القی السمع و هو شهید جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یا اس شخص کو نفع ہوگا قرآن سے جس نے قرآن کو سنا توجہ کے ساتھ کان لگا کر

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس تقابل پر نظر ظاہر میں شبہ ہو سکتا ہے کہ کان لگا کر سننا یہ بھی ایک ذریعہ علم ہی ہے تو معنی یہ ہوئے کہ جس کو علم ہو اس کو نفع ہوگا قرآن سے اور لمن کان لہ قلب میں بھی یہی مضمون تھا جیسا آپ نے اس کا حاصل سنا کہ جس قلب میں علم و عزم ہو۔ تو اس دوسرے جملہ میں باعتبار علم کے بلکہ ظاہر تکرار ہو گیا۔

معلومات کی دو قسمیں

اس شبہ کا حل یہ ہے کہ معلومات دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ جو بدوں سنے سمجھ میں آسکتی ہیں اور ایک وہ جو بدوں سنے سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ اول کی مثال مسئلہ وجود صانع ہے کہ سننے پر موقوف نہیں۔ دنیا میں کوئی بیوقوف سے بیوقوف بھی ایسا نہیں جو فعل کے لئے فاعل کی ضرورت نہ سمجھتا ہو اور دوسری کی مثال مسئلہ معاد ہے اور کیفیت حشر و نشر و جنت و نار ہے کہ اس کا علم بلا سماع کے نہیں ہو سکتا تو لمن کان لہ قلب (اس شخص کے لئے جس کے پاس دل ہے) متعلق ہے قسم اول کے معنی یہ ہوئے کہ جس کا قلب سلیم ہو یعنی اس میں عقل سلیم سے استعداد ہو صحیح بات کے سمجھنے کی چنانچہ صاحب جلالین نے قلب کی تفسیر عقل سے کی ہے اور القی السمع متعلق ہے قسم دوم کے معنی یہ ہوئے کہ جو باتیں مدرک بالعقل نہیں جن کو سمعیات کہتے ہیں ان کے متعلق یہ عادت ہو اس شخص کی کہ غور سے سنے خواہ مخواہ عناد نہ کرے جیسے بعض کفار نے کہہ دیا تھا کہ قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ وفی اذاننا وقر ومن بیننا وبینک حجاب یعنی جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں اس کی طرف سے ہمارے دل غلافوں کے اندر ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک پردہ پڑا ہوا ہے مطلب یہ کہ تمہاری دعوت کو قبول کرنا تو کہاں ہم تمہاری بات سننا بھی نہیں چاہتے۔ یہ عناد ہے تو جس شخص میں یہ عناد نہ ہوگا بلکہ غور سے سنے گا قرآن کو تو اس کو بھی نفع ہوگا اور قرآن جو باتیں سمعیات کی قسم سے بتائے گا وہ اس کی سمجھ میں آجائیں گی کیونکہ وہ باتیں سب حق ہیں عناد سے ان پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ جب عناد نہ ہوگا تو ان کی واقعیت قلب میں بیٹھتی چلی جائے گی۔

قلب سلیم

تو حاصل یہ ہوا کہ جس میں ایسا قلب ہو کہ عقلیات میں صفت سلامت رکھتا ہو اور بات کو صحیح سمجھتا ہو (اور یہ حاصل ہے جزو اول کا) اور سمعیات میں قرآن کو کان لگا کر توجہ سے سنے عناد نہ کرے تو اس کو نفع ہوگا۔ اب جملہ اوالقی السمع (یا متوجہ ہو کر کان لگائے) میں تکرار نہ رہا تقابل ہو گیا اب ایک شبہ رہا کہ اوپر جو قلب کی صفات بیان کی گئی ہیں اس میں کسی علم کی تخصیص نہیں تھی۔ اور تقابل کا مدار تخصیص ہے تو تعمیم میں پھر

(c) ketabton.com: The Digital Library

تقابل نہ رہا جواب یہ ہے کہ یہ تقابل منطقی نہیں کہ ایک دوسرے کا جزو نہ ہو تقابل عرفی ہے جس کے لئے بعض اجزاء کا تقابل بھی کافی ہے۔ پھر یہ تقابل تضاد کا نہیں ہے بلکہ مانعۃ الخلو ہے کیونکہ دونوں صفتیں ایک شخص میں جمع ہوسکتی ہیں اور صحت حکم کے لئے فرد واحد کافی ہے (کما سیاتی) (جیسا کہ عنقریب آتا ہے) جو شان ہوتی ہے مانعۃ الخلو کی چنانچہ شروع وعظ کے ذرا بعد دل گردہ کی مثال سے ذرا پہلے مانعۃ الخلو ہونے کی تصریح ہے۔

ثم رایت بعد سنین فی روح المعانی ما یقارب هذا باختلاف العنوان مع الحکم بکونه مانعة الخلو ولله الحمد ولهذا التقابل وجوه اخری محتملة (چند سال کے بعد میں نے روح المعانی میں اختلاف عنوان سے اس کے قریب قریب دیکھا مع حکم مانعۃ الخلو کے الحمد للہ اس تقابل کے لئے اور بھی وجوہ محتمل ہیں) اب ان متقابلین میں جو امر مشترک ہے اور وہ امر مشترک روح ہے شرائط کی وہ قلب سلیم ہے کیونکہ عناد نہ ہونا بھی صفت قلب ہی کی ہے تو مدار آخرت قلب ہی پر ٹھہرا تو یہ معنی ہوئے کہ جس شخص میں ایسا قلب ہو جس کو قلب کہا جاسکتا ہے کہ عقلیات کے متعلق بھی سلیم ہو اور سمعیات کے متعلق بھی سلیم ہو اس کو نفع ہوگا قرآن سے اور چونکہ یہ سب آثار قلب سلیم کے لوازم سے ہیں تو بواسطہ ملزوم کے ان سب لوازم میں بھی تلازم ہوگا۔ تحقق ملزوم کے وقت تو تلازم عقلی اور صرف ایک لازم کے تحقق کے وقت تلازم عرفی اس لئے ہر واحد کے تحقق کو صحت حکم کے لئے کافی کہیں گے (یہ بیان ہے سیاتی کا جو ابھی گذرا) خلاصہ یہ کہ قرآن نصیحت ہے قلب سلیم کے لئے۔ تو قلب کو سلیم بنایئے پھر دیکھئے قرآن سے کیا کیا چیزیں حاصل ہوں گی۔ جب قلب سلیم ہوگا تو قرآن سے اس میں صفت علم بڑھے گی اور اس میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوگی اسی کے بارہ میں کہا ہے۔

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

(اپنے اندر انبیاء جیسے علوم بغیر کتاب واوستاد اور معین کے دیکھو گے)

یعنی وہ علوم پیدا ہوں گے کہ تمام علوم ان کے سامنے گرد نظر آئیں گے اور ہر چیز کی حقیقت منکشف ہو گی وہ علوم ہوں گے جن کو علوم کہنا صحیح ہے۔ سفلی اور اوہام نہ ہوں گے دنیا کے عقلاء ان کے سامنے سر جھکائیں گے اور اس علم کی برکت سے ہمت کا تزاید کی بھی یہ کیفیت ہوگی کہ کسی کا خوف اس کے دل میں نہ رہے گا دنیا بھر ایک طرف اور وہ ایک طرف۔

موحد چہ در پائے ریزی زرش چہ شمشیر ہندی نہی برسرش

امید و ہراسش نباشد زکس ہمیں است بنیاد توحید و بس

(موحد کے قدموں پر سونا نچھاور کرو خواہ اس کے سر پر تلوار ہندی رکھو امید وخوف اس کو کسی سے نہ ہوگا۔ بس توحید کی بنیاد یہی ہے)

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہ کسی کے خوف سے حق سے وہ منحرف ہوگا نہ کسی لالچ سے وہ حق کو چھوڑے گا اور ہمت کی قوت کی وہ حالت ہوگی۔

الحاصل

اس میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس (فہیم) دل ہو یا اگر فہیم زیادہ نہ ہو تو کم از کم یہی ہو کہ وہ (دل سے) متوجہ ہو کر (بات کی طرف) کان ہی لگا دیتا ہو (اور سن کر اجمالاً حقانیت کا معتقد ہو کر اتباعاً لاہل الفہم اس بات کو قبول کر لیتا ہو) آھ توضیح مزید جدید و مفید پہلی شان محقق کی ہے اور دوسری مقلد کی یعنی تذکر کے لئے یہ شرط ہے کہ مخاطب محقق ہو یا مقلد۔ فقط

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۞ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۞

ترجمہ: ہم نے بیشک آسمان زمین کو اور ان کی درمیانی اشیاء کو چھ دن میں پیدا کیا مگر ہم کو کچھ تھکن ذرا بھی نہیں ہوئی (کیونکہ یہ تو تاثر ہے جو ممکن کی شان سے ہے واجب کو تاثر نہیں ہوا کرتا) پس آپ ان (یہودیوں) کی باتوں پر صبر کیجئے (زیادہ رنج نہ کیجئے) اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے آفتاب نکلنے سے پہلے اور چھپنے سے پہلے۔

تفسیری نکات

شان نزول

واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے اس قول سے سخت رنج پہنچا تھا ان اللہ استلقی علی العرش فی یوم السبت للراحۃ (نعوذ باللہ منہا) کہ اللہ تعالیٰ چھ دن میں آسمان و زمین پیدا کر کے ساتویں دن یعنی سنیچر کو عرش پر لیٹ گئے تاکہ تھکن دور ہو اور آرام ملے نعوذ باللہ نعوذ باللہ اور اس پر یہود کے قول کے رد کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ ولقد خلقنا السموات والارض وما بینھما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب فاصبر علی یقولون۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

صلوٰۃ معین صبر ہے

اس کے بعد یہ بڑھایا وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب جس میں نماز کا حکم ہے اب دیکھنا چاہیے کہ اس کو تسلی میں کیا دخل ہے کیونکہ یہ قرآن ہے جس کا لفظ لفظ مربوط ہے۔ کوئی بات بے ربط نہیں تو فاصبر علی مایقولون کے بعد تسبیح بمعنی صلوٰۃ کا امر یہ بتلاتا ہے کہ صلوٰۃ معین صبر ہے اور یہ ایسی اعانت ہے جیسے عاشق کو کسی دشمن کی گستاخی سے جو اس نے محبوب کی شان میں کی ہو رنج ہوا ہو اور محبوب یہ کہے کہ تم ان باتوں سے رنج نہ کرو آؤ تم ہم سے باتیں کرو۔ بے ہودوں کی باتوں کو چھوڑ و غور کیجئے محبوب کی اس بات سے عاشق کو کس قدر تسلی ہوگی۔ اس طرح حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ان کی بیہودہ باتوں سے رنج نہ کیجئے آیئے نماز میں ہم سے باتیں کیجئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج کا اندازہ دوسری آیت سے ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں قد نعلم انه ليحزنك الذی یقولون فانهم لا یکذبونک ولکن الظلمین بایات الله یجحدون ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کافروں کی باتوں سے رنج ہوتا ہے۔ آگے مشہور تفسیر تو یہ ہے اور میں نے بھی بیان القرآن میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ فانهم لا یکذبونک علت ہے ایک جملہ محذوفہ کی تقدیر یوں ہے فلا تحزن وکل امرهم الی الله فانهم لا یکذبونک الخ یعنی آپ غم نہ کیجئے اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیجئے کیونکہ یہ لوگ آپ کو تو نہیں جھٹلاتے ہیں۔ (کیونکہ آپ کو تو محمد امین کہتے اور صادق مانتے تھے) بلکہ یہ ظالم تو خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ (سو آپ کس لئے رنج کرتے ہیں وہ آپ کو تو کچھ نہیں کہتے ہماری آیتوں سے گستاخی کرتے ہیں سو ہم خود نمٹ لیں گے) مگر ایک بار مجھے ذوقاً دوسری تفسیر سمجھ میں آئی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عشق مع اللہ کے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس مشہور سے یہ ابہام ہوتا ہے کہ حضور کو آیات الٰہیہ کی تکذیب سے رنج نہ ہونا چاہیے بلکہ اپنی ذات کے ساتھ جب کوئی خلاف بات ہو اس وقت رنج ہونا چاہیے حالانکہ آپ کے عشق ومحبت کا مقتضا یہ ہے کہ آپ کو کفار چاہے کتنا ہی کہہ لیتے اس سے آپ کو زیادہ رنج نہ ہوتا آپ کو تو بڑا رنج اسی کا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ گستاخی کرتے اور آیات الٰہیہ کی تکذیب کرتے تھے پس خاص اس اعتبار سے اس کی تفسیر قریب یہ ہو سکتی ہے کہ فانهم لا یکذبونک علت ہے لیحزنک الذی یقولون کی اور ترجمہ یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کو کفار کی باتوں سے بہت رنج ہوتا ہے کیونکہ اس لئے کہ وہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اگر آپ ہی کی شان میں گستاخی کرتے ہیں تو آپ کو زیادہ غم نہ ہوتا مگر آپ کو تکذیب آیات الٰہیہ کا تحمل نہیں ہو سکتا اس صورت میں حذف وتقدیر کی بھی ضرورت نہیں اور یہ تفسیر آپ کی شان عشق

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے بھی موافق ہے اور اس حدیث کے بھی موافق ہے۔ کان لا ینتقم لنفسه فی شیٔ الا ان تنتهک حرمات الله فینتقم فیها لله او کما قال. کہ آپ اپنے واسطے اپنی ذات کے لئے کسی سے کسی بات میں انتقام نہ لیتے تھے ہاں اگر حرمات کی توہین ہوتی دیکھتے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے تھے اور گو ظاہراً یہ تفسیر سیاق سے بعید ہے مگر ایک بار ذوقاً کچھ قریب معلوم ہوئی تھی اسی لئے اس مقام پر اپنے دعوے کی تائید میں اس کو ذکر کر دیا گو وہ دعوے اس پر موقوف نہیں بلکہ ظاہر ہے کہ آپ کو کفار کی ان گستاخیوں سے جو حضرت حق کی شان میں وہ کرتے تھے سخت رنج ہوتا تھا تو ایسے شدید حزن کے لئے نہایت قوی تسلی کی ضرورت ہے اور یہاں تسبیح بمعنی صلوٰۃ کو تسلی کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور عادۃً عاشق کو تسلی کسی چیز سے ایسی نہیں ہوتی جیسے محبوب کے قرب و مشاہدہ سے ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ نماز میں ایسا قوی قرب و مشاہدہ ہوتا ہے جو کسی اور امر سے نہیں ہوتا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الذّٰرِیٰت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے۔

تفسیری نکات

ربط

وبالاسحارھم یستغفرون کا ربط کانوا قلیلاً من اللیل مایھجعون سے ظاہر میں یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ رات کو تہجد پڑھنے سے استغفار بالاسحار کو کیا تعلق ہے بعض مفسرین نے تو یہ کہا کہ وہ معاصی سے توبہ کرتے ہیں اور اسحار کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ وقت اجابت دعا کا ہے اور تہجد سے استغفار کا تعلق یہ ہے کہ وہ جلب منفعت ہے اور یہ دفع مضرت ہے۔ اور بعض نے کہا کہ وہ تہجد پڑھ کر اس طاعت ہی سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ طاعات بھی معاصی ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ زیادہ سہل اور ظاہر یہ ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں اور اخیر شب میں لذت طاعات سے یہ اس لذت کے آثار سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ اس وقت یہ حال ہوتا ہے۔

چہ خوش وقتی و خرم روزگارے   کہ یارے برخورد از وصل یارے

اور وصل کی لذت جیسی ہوتی ہے معلوم ہے اس لذت میں کبھی انہماک ہو کر اس کی مقصودیت کا شبہ ہو جانا بعید نہیں اور اس دولت وصل سے مشرف ہو کر عجب کا پیدا ہو جانا بھی عجیب نہیں اس لئے اس سے استغفار کرتے ہیں (ایضاً ص ۴۲)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝

ترجمہ: اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں میں ان سے (مخلوق کی) رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھلایا کریں بے شک اللہ خود سب کو رزق پہنچانے والا قوت والا نہایت قوت والا ہے۔

تفسیری نکات

جن وانسان کا مقصد تخلیق

ما اریدمنهم من رزق ای لا نفسهم ولا لعیالهم. وما ارید ان یطعمون ای وما اردت بخلقهم ان یطعمونی. یعنی میں نے اس لئے نہیں پیدا کیا کہ وہ اپنے اور اپنے عیال کے لئے رزق ڈھونڈیں نہ اس لئے پیدا کیا کہ وہ مجھے کھلاویں۔ یہاں ایک نکتہ سمجھنا چاہیے کہ اطعام حق کے غایت ہونے کا تو احتمال ہی نہ تھا پھر اس کی نفی کی کیا ضرورت تھی۔ سو نکتہ یہ ہے کہ یہاں دونوں میں دو غایتوں کی نفی کو قرین فرمایا ان میں ایک ایسا امر ہے کہ اس کے غایت ہونے کا احتمال ہی نہیں اور ایک میں اس کا احتمال تھا سو دونوں کو قرین فرمانا اشارہ اس طرف ہے کہ جیسا ایک امر یقیناً منفی ہے ایسا ہی دوسرے کو سمجھو کیونکہ دونوں کی علت مشترک ہے چنانچہ اس علت کو اس طرح ذکر فرمایا کہ ان اللہ هو الرزاق الخ یعنی وہ تو خود بڑے رزاق ہیں کہ تم کو اور تمہارے عیال کو سب کو رزق دیتے ہیں۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے وامر اهلک بالصلوة واصطبر علیها لا نسئلک رزقاً نحن نرزقک (اور اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے ہم آپ سے معاش (کمانا) نہیں چاہتے معاش تو آپ کو ہم دیں گے) یہ آیت بھی اس کے قریب قریب ہے خلاصہ یہ ہے کہ نہایت تاکید واہتمام کے ساتھ اس مقصود کو ثابت فرمادیا کہ انسان وحق جل وعلیٰ شانہ نے صرف عبادت کے واسطے پیدا کیا ہے تو عبادت اتنا بڑا امر اہم ہے۔ اب صرف یہ سمجھنا باقی رہا کہ عبادت ہے کیا چیز سو اس میں غلطی یہ واقع ہوئی ہے کہ اس کی حقیقت کو نہیں سمجھا سو جو عربی جاننے والے ہیں ان کو تو اس کی حقیقت سمجھنا آسان ہے۔ مگر حق تعالیٰ کی تعلیم ایسی سہل ہے کہ اس کا فیض سب کو پہنچتا ہے چنانچہ لفظ عبادت ہی کو محاورات میں ایسا

(c) ketabton.com: The Digital Library

جاری کر دیا گیا کہ اب کوئی بھی اس سے ناواقف نہیں ہے مگر غایت ظہور کی وجہ سے اس کی حقیقت سمجھنے میں خفا ہو گیا۔ چنانچہ اس کا مفہوم سب کے لئے بہت ہی آسان ہے جو لوگ عربی دان ہیں وہ تو لغت میں دیکھ لیں گے کہ اس کے معنی ہیں غایۃ التذلیل (نہایت ذلت) مگر عوام جو لغت نہیں جانتے اگر ان کے سامنے صرف اسی کو پیش کیا جائے ان کو یہ شبہ ہوگا کہ یہ ابھی تراشا گیا ہے اس لئے میں ان کے مستعمل محاورہ کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ عبد کے معنے سب کو معلوم ہیں کہ غلام ہیں چنانچہ عوام میں بھی عبداللہ عبدالرحمٰن نام اسی واسطے رکھے جاتے ہیں اور عبادت اسی عبد کا مصدر ہے اور عبد اسی مصدر سے مشتق ایک صفت ہے جب عبد کے معنے غلام ہیں تو عبادت کے معنے عبد شدن یعنی غلام ہو جانا یا بندہ ہو جانا ہوئے۔ بندہ فارسی ہے اور عبد اور غلام عربی ہے مگر غلام کو اردو میں بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اردو میں سب زبانوں کے الفاظ مستعمل ہیں اور غلام کا لفظ بہ نسبت عبد بلکہ بہ نسبت بندہ کے بھی بوجہ کثرت استعمال کے زیادہ اقرب الی الفہم (فہم سے زیادہ قریب) ہے بہر حال ان تینوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس سے عبادت کی حقیقت مجملہ تو سمجھ میں آ گئی کہ غلام ہونا ہے۔

عبادت وطاعت کا فرق

اس کے متعلق حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحقیق بیان کرتا ہوں فرمایا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہے ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون (میں نے جنوں اور انسانوں کو محض عبادت کے لئے پیدا کیا ہے) تو باوجود اس کے کہ ملائکہ اور حیوانات جمادات نباتات جواہر واعراض سب کے سب عبادت میں مصروف ہیں جیسا کہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے بارے میں ارشاد ہے یسبحون الیل والنہار لایفترون (پاکی بیان کرتے ہیں رات اور دن اور اس سے نہیں تھکتے) حیوانات وغیرہ کے بارے میں فرماتے ہیں ان من شیٔ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقہون تسبیحھم (کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے کہ اللہ کی حمد وتعریف نہ کرتی ہو لیکن ان کی تسبیح کو تم لوگ نہیں سمجھتے) ان کے علاوہ اور متعدد آیات سے ہر ایک چیز کا عبادت میں مشغول ہونا معلوم ہوتا ہے پھر انسان اور جن کی تخصیص عبدیت میں کیوں فرمائی گئی فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ ایک تو نوکر ہوتا ہے۔ ایک غلام ہوتا ہے نوکر کی خدمات ہمیشہ معین ہوا کرتی ہیں یعنی اگرچہ کتنے بھی مختلف کام نوکر سے لئے جائیں لیکن کوئی کام ایسا ضرور ہوتا ہے کہ جس میں نوکر عذر کر دے اور کہہ دے کہ میں اس کام کے لئے نہیں ہوں مثلاً اگر کوئی شخص اپنے نوکر سے کہنے لگے کہ تو مہتر کا کام بھی کیا کر تو وہ ہرگز نہ منظور کرے گا اور عذر کر دے گا۔ علی ہذا اور بہت سے کام ایسے نکلیں گے جن میں نوکر کی جانب سے عذر ہوگا بلکہ اولاد بھی جس پر نوکر سے زیادہ قبضہ اور تسلط ہوتا ہے بعض کاموں میں انکار کر دیتی ہے چنانچہ ہمارے ایک

(c) ketabton.com: The Digital Library

خاندانی سید اور معزز دوست نے ایک ایسے موقع پر کہ سقوں نے پانی بھرنا چھوڑ دیا تھا اپنے لڑکے کو کہا کہ بھائی سقوں نے تو پانی بھرنے سے جواب دیدیا ہے اہل محلہ کو سخت تکلیف ہوتی ہے تم ہی لوگوں کے یہاں پانی بھر آیا کرو وہ لڑکا بہت خفا ہوا برخلاف غلام کے کہ اس کا کوئی خاص مقرر کام نہیں ہوتا بلکہ اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک وقت آقا کی نیابت کرتا اور زرق برق لباس میں ہوتا ہے اور دوسرے وقت آقا کے نجس کپڑوں کو صاف کرتا ہے ایک وقت بھنگی کا کام کرتا ہے تو دوسرے وقت سفارت کا کام کرتا ہے۔ پس غلام نوکر بھی ہے مہتر بھی ہے سفیر بھی ہے خلیفہ بھی ہے پس انسان اور جن تو بمنزلہ غلام کے ہیں اور دوسری مخلوقات مثل نوکر کے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دوسری مخلوقات کی عبادت کو تسبیح وتقدیس وسجدہ وغیرہ الفاظ سے فرمایا اور انسان اور جن کی عبادت کو بلفظ عبدیت فرمایا اور جب انسان اور جن عبد اور غلام ہیں تو ان کی کوئی خاص خدمت نہ ہوگی بلکہ ایک وقت نماز روزہ کرنا عبادت ہوگا تو دوسرے وقت سونا اور قضائے حاجت کرنا لوگوں سے ملنا وغیرہ وغیرہ کام عبادت ہوں گے چنانچہ حدیث میں ہے۔ نھی رسول اللہ ان یصلی حاقنا او کما قال (قضا حاجت کی شدت کے وقت نماز ادا کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا) کہ جس وقت پیشاب پاخانہ کا دباؤ ہو اس وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہے اور دفع فضلہ واجب ہے دیکھئے ایک وقت انسان کے لئے ایسا نکلا کہ اس کو مسجد جانا حرام اور بیت الخلا جانا واجب ہوا۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔

غایت آفرینش

عبادت ایسی ضروری چیز ہے کہ غایت خلق جن وانس کی بھی ہے۔ اور یہاں جن کو بھی انسان کے ساتھ ذکراً شریک کیا گیا ہے اور دوسرے اکثر مقامات میں باوجودیکہ جن بھی انسان کی طرح تمام احکام شرعیہ کے مکلف ہیں مگر پھر بھی تعبیر میں جو جن کا ذکر نہیں آتا تو وہ اکتفاء ہے۔ لہٰذا انسان ہی کا ذکر آتا ہے ورنہ احکام شرعیہ دونوں ہی میں مشترک ہیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ آفرینش کی غایت محض عبادت ہے اب اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ بجز اس کے اور کوئی مقصود ہی نہیں تمام مقاصد کا انحصار کر کے فرمایا کہ صرف عبادت کیا کریں اور اس حصر سے باوجودیکہ سب غایت کی نفی ہوگئی مگر پھر بھی جن غایات کی مقصودیت کا باعتبار عادات کے کچھ شبہ نہ ہو سکتا تھا اس مقام پر ان سب کی نفی تصریحاً بھی فرمادی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوۡرَةُ الطُّور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡہُمۡ ذُرِّیَّتُہُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ
وَمَاۤ اَلَتۡنٰہُمۡ مِّنۡ عَمَلِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے اور ان کے عمل میں کوئی چیز کم نہیں کریں گے۔

تفسیری نکات

شرف نسب میں راہ اعتدال

میری پھوپی صاحبہ اپنے گھر پر لڑکیوں کو پڑھایا کرتی تھیں اور کسی سے معاوضہ وغیرہ کچھ نہ لیتی تھیں ایک مرتبہ ان کے یہاں ایک سید کی لڑکی پڑھنے آئی وہ فرماتی تھیں کہ اسی روز رات کو میں نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا فرماتی تھیں کہ عمدۃ النساء دیکھو ذرا میری بچی کو محبت سے پڑھانا۔ اسی طرح اور بہت سی بشارتیں اور منامات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل اللہ کو اپنی اولاد کا خیال رہتا ہے اور آخرت میں اس نسبت سے یہ نفع ہوگا کہ حق تعالیٰ بزرگوں کی اولاد کو انہی بزرگوں کے درجوں میں پہنچادیں گے چنانچہ ارشاد ہے والذین امنوا واتبعتهم ذريتهم بايمان الحقنابهم ذريتهم وما التناهم من عملهم من شیء اس میں افراط وتفریط دونوں کا علاج کر دیا گیا فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کرتی رہی یعنی کافر و شریر نہ ہوں تو ہم ان کو بھی ان ہی کے ساتھ ملا دیں گے یعنی گو عمل میں دونوں برابر نہ ہوں مگر پھر بھی سب کو برابر کر دیا جائے گا جیسے کوئی بادشاہ کہیں مہمان بن کر جائے اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس کا بیٹا بھی اس کے ہمراہ ہو تو وہ بھی اسی جگہ ٹھہرے گا جہاں بادشاہ ٹھہرے گا اب یہاں کسی کو شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید اس برابری کی صورت یہ ہو کہ اوپر کے درجہ والوں کو نیچے کر دیا جائے یا کچھ ان کو گھٹایا جائے اور کچھ ان کو بڑھایا جائے اور اوسط پورا کر کے درمیانی درجہ دے دیا جائے تو اس کا جواب دیتے ہیں وما التناھم من عملھم من شیء کہ ہم بلند درجہ والوں کے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کریں گے بس معلوم ہو گیا کہ برابری کی صورت یہ ہوگی کہ ناقص الاعمال کو کامل الاعمال کے درجہ میں بھیج دیا جائے گا۔ کاملین کے درجات میں کمی نہ کی جائے گی اب اس کو سن کر شاید کسی کو ہوس ہوتی کہ پھر ہم کو عمل کی کیا ضرورت ہے تو آگے ایسا فیصلہ فرمایا ہے جس سے اس خیال کا استیصال ہو گیا فرماتے ہیں کل امری بما کسب رھین کہ ہر شخص اپنے کئے ہوئے (اعمال) کے ساتھ مقید ہو گا معلوم ہوا کہ عمل کی پھر بھی ضرورت ہے بدوں عمل کے یہ دولت نصیب نہیں ہو سکتی یہاں سے یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ شرف نسبت نافع ہے یا نہیں اس وقت اس بارے میں غلو ہو رہا ہے بعض تو اسی کو اصل قرار دیتے ہیں اور بعض اس کو مٹاتے ہیں کہ یہ کوئی چیز نہیں اور دیکھا یہ گیا ہے کہ جو لوگ ذی نسبت نہیں ہیں وہی زیادہ تر اس کو مٹاتے ہیں اور دونوں کا منشا تکبر ہے جو لوگ نسبت تو اصل قرار دیتے ہیں وہ بھی بڑا بننا چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنی بڑی چیز ہے ہم کو بڑا سمجھو اور اس کو مٹاتے ہیں وہ بھی بڑا بننا چاہتے ہیں کہ ہم شرفاء سے کسی بات میں کم نہیں ہیں کیونکہ شرافت نسب کوئی چیز نہیں بعض نے تو یہ کیا کہ نسبت ہی کا استیصال کر دیا اور بعض نے یہ کیا کہ اپنے کو کھینچ تان کر شرفاء میں داخل کر دیا۔

نجات کے لئے نسب کافی نہیں

فرمایا کہ اس زمانے میں لوگوں نے نسب کے امر میں بے حد افراط و تفریط کر رکھی ہے حالانکہ افراط اور اسی طرح تفریط دونوں بے جا ہیں یعنی محض نسب کو نجات کے لئے کافی سمجھنا بھی غلط ہے کیونکہ خود حدیث میں ہے یافاطمه انقذی نفسک من النار جس سے معلوم ہوا کہ نسب کے نافع ہونے کے لئے ایمان اور اتباع شرط ہے بلکہ اس کے خلاف کی صورت میں بزرگوں کی اولاد پر زیادہ وبال کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ دنیا میں بھی مشاہد ہے کہ اگر اپنی اولاد نافرمانی کرے تو اس پر زیادہ غصہ آتا ہے بہ نسبت اجنبی کی مخالفت کے اسی طرح نسب کو محض بے کار سمجھنا یہ بھی غلطی ہے قرآن میں ہے والذین آمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنابھم ذریتھم الخ لحوق کے معنی یہ ہیں کہ وہ اور ان کی اولاد دونوں جنت کے ایک ہی درجے میں ہیں۔ اور اولاد کے عمل کی کمی پوری کر دی جائے گی یہ نفع ہے نسب کا لیکن یہ نسبت مخصوص نہیں معنی اصطلاحی کے ساتھ بلکہ مطلق انتساب الی المقبول نافع ہو گا حتیٰ کہ اگر کوئی دنی النسبت ہو اور بزرگ وعند اللہ (مثلاً کوئی جلاہا) تو وہ بھی اپنی

(c) ketabton.com: The Digital Library

اولاد کے کام آئے گا یہ نہیں کہ صرف شریف النسب ہی کام آئے اور دنی النسب کی بزرگی اس کی اولاد کے لئے کارآمد نہ ہو۔ حاشا وکلا۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا

ترجمہ: اور آپ ﷺ اپنے رب کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں۔

تفسیری نکات

حکایت حضرت سید صاحبؒ

(۹) فرمایا کہ حضرت سید صاحبؒ نے جب حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے بیعت کی تو حضرت شاہ صاحب نے تصور شیخ تعلیم فرمایا سید صاحبؒ نے باادب انکار فرمادیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔

بمی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید

سید صاحب نے فرمایا بمی سجادہ رنگین کن معصیت کے باب میں ہے اور معصیت جو بھی آپ فرمادیں کرسکتا ہوں۔ مگر شرک نہیں کرسکتا۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا۔ ہم آپ کو طریق نبوت سے سلوک طے کرا دیں گے طریق ولایت چھوڑ دیں گے کیونکہ آپ کی استعداد بہت ہی اعلیٰ ہے چنانچہ کل تیرہ دن میں سارا سلوک طے ہوگیا۔

دولت مقصودہ

فرمایا۔ ذکر میں اس طرح مشغولی اختیار کرنا کہ اہل وعیال کی بھی خبر نہ رہے یہ معصیت ہے کیونکہ مشغولی کا کمال وہی ہے جس کو شریعت نے تجویز فرمایا ہے۔ درحقیقت خلق (مخلوق) مشاہدہ حق کا مراۃ ہے پس جس وقت حکم ہو کہ براہ راست ہمارا مشاہدہ مت کرو بلکہ اس مراۃ (یعنی مخلوقات) کے ذریعہ سے دیکھو تو اس وقت یہ مشاہدہ بالواسطہ ہی مطلوب ہے حتیٰ کہ اگر مشاہدہ خاصہ ہر دو قسم یعنی بواسطہ مراۃ و بغیر مراۃ) سے منع فرمادیتے تو بھی اطاعت واجب ہوتی۔ اگر اطاعت بلا مشاہدہ خاصہ ہو تو اس کی مثال یہ ہے۔

(۱) ارید وصاله و یرید هجری. (میں ان سے ملاقات چاہتا ہوں اور وہ میرے فراق کے طالب ہیں)

اور وہ کافی ہے کیونکہ اس حالت میں اگر یہ شخص راوائی نہیں مگر مرئی تو ہے اور یہ بھی دولت مقصودہ ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور آیت (۲) واصبر لحکم ربک فانک باعیننا (اور آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں) (الطور آیت ۴۸) میں یہی صورت ہے کہ عاشق کو ارشاد ہے ہم تو تم کو دیکھ رہے ہیں پس محبوب اگر توجہ کرے اور آغوش میں لے لیوے تو عشاق کے نزدیک بعض وجوہ سے وہ الذ ہے عشق کی نظر میں (۳) الآ انہ ' بکل شیء محیط (یادرکھو کہ وہ ہر چیز کو اپنے علم کے احاطہ میں رکھتے ہیں) (السجدہ آیت ۵۴)

میں اللہ تعالیٰ کا احاطہ الذ ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توجہ کی دلیل ہے۔ پس اہل وعیال میں مشغول ہونے سے گو بندہ کی توجہ اصطلاحیہ بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ تو اس کو دیکھتے ہیں اور اپنے بندے کی طرف متوجہ ہیں اور احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت ج ۱۴ص ۴۸)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُورۃ النّجم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝

ترجمہ: اور نہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے باتیں بناتے ہیں ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

تفسیری نکات

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے تابیر نخل کے بارہ میں اول مشورۃ منع فرمایا اور بعد میں فرمایا انتم اعلم بامور دنیا کم اس پر بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ جس قدر ارشاد نبوی ہوتا ہے وحی سے ہوتا ہے۔ اور وحی میں خلاف کہاں ہو ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی ارشاد حق تعالیٰ ہے جواب یہ ہے کہ وحی سے جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ احکام دینیہ ہیں وہ ضرور واقعی ہوتے ہیں ان میں مشورۃً نہیں فرمایا جاتا۔ اور جو امور دنیوی ہیں جن میں مشورہ ہے ان میں خلاف ممکن ہے انتم اعلم اسی واسطے فرمایا بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ امور دنیویہ میں شریعت کو دخل نہیں اور تابیر نخل کے قصے کو دلیل لاتے ہیں یہ بات غلط ہے اسواسطے کہ اوامر ونواہی متعلقہ امور دنیا شریعت ہی سے ثابت ہیں پھر انکار کیوں ہو سکتا ہے احکام جو متعلق امور دنیوی ہیں جن کا اہتمام ضروری ہے شریعت ہی سے ثابت ہیں پس معاملات میں دو مرتبے ہیں ایک تو تجربیات کہ فلاں کام کیوں کریں کہ نفع ہو۔ زراعت کیونکر کریں کہ غلہ پیدا ہو۔ کھیت کیونکر جوتا جائے تخم ڈالنا کس وقت مناسب ہے۔ یہ تو تجربیات ہی۔ دوسرے شرعیات ہیں کہ فلاں صورت سے تجارت کرنے میں ربوا ہوگا۔ وہ حرام ہے فلاں صورت پر جائز ہے مثلاً یعنی احکام حلت وحرمت گو امور دنیاوی ہی سے متعلق ہوں یہ مسائل اور شریعت سے ثابت ہیں تابیر نخل تجربیات سے ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾

ترجمہ: اور انہوں نے (یعنی پیغمبر نے) اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی صورت اصلیہ میں دیکھا ہے۔

تفسیری نکات

ثبوت معراج جسمانی

فرمایا کہ رام پور میں ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوا یا روحانی۔ میں نے کہا کہ جسمانی کہنے لگے کہ ثبوت میں نے کہا سبحان الذی اسری بعبدہ الایة اور لقد راہ نزلة اخری عند سدرة المنتھی" اور حدیثیں کہنے لگے کیا یہ ممکن ہے کہ جسم انسانی ایسے طبقہ سے عبور کرے جہاں ہوا نہ ہو میں نے کہا کہ ہاں ممکن ہے کہنے لگے کہ ثبوت میں نے کہا کہ امکان نام ہے عدم الوجوب وعدم الامتناع کا جب وجوب وامتناع نہ ہوگا تو امکان ثابت ہو جائے گا اور چونکہ امکان اصل ہے لہذا جو مدعی امتناع یا وجوب کا ہو دلیل اس کے ذمہ ہے ہم اصل سے متمسک ہیں ہمارے ذمہ دلیل نہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی معراج عروجی ونزولی

غرض حضور ﷺ کی معراج عروجی تو کامل ہے اور آپ ﷺ کی معراج نزولی اکمل ہے۔ سو ان میں فرق کامل اکمل کا ہے ناقص اکمل کا نہیں۔ کیونکہ آپ کی جو حالت بھی ہے وہ کمال سے خالی نہیں۔ گو بعض حالتیں بعض سے زیادہ کامل ہوں مگر ناقص کوئی نہیں۔ اور آپ کی معراج نزولی کا معراج عروجی سے افضل ہونا صرف صوفیہ کے قول ہی سے ثابت نہیں بلکہ اس پر دلائل موجود ہیں۔

ایک دلیل تو یہ ہے کہ معراج کی غایت حق تعالیٰ نے رویت آیات بیان فرمائی ہے چنانچہ سورہ نجم میں تو فرمایا ہے لقد رای من ایات ربه الکبری اور سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے لنریه من ایاتنا اور ظاہر ہے کہ حضور کو آیات دکھلانے سے دو فائدے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کی معرفت زیادہ ہو۔ دوسرے یہ کہ آپ خود دیکھ کر دوسروں کو بتلا دیں۔

خلاصہ یہ کہ معراج سے دو مقصود تھے۔ ایک یہ کہ رویت آیات و ازدیاد علوم سے آپ کی تکمیل ہو دوسرے یہ کہ ان علوم سے آپ دوسروں کی تکمیل کریں پہلا فائدہ لازمی ہے اور دوسرا فائدہ متعدی ہے اور ظاہر ہے کہ جو وقت فائدہ متعدیہ کے ظہور کا ہوگا وہ فائدہ لازمیہ کے وقت سے افضل ہوگا کیونکہ بعثت رسول سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اصل مقصود افادہ خلائق ہی ہے نیز دوسروں کی تکمیل سے خود رسولؐ کے درجات میں بھی ترقی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ فائدہ متعدیہ کا ظہور بعد نزول کے ہوا تو نزول کا عروج سے افضل ہونا ثابت ہو گیا۔

دوسری دلیل یہ آیت ہے وللآخرة خير لک من الاولیٰ اس کا بیان یہ ہے کہ ایک مرتبہ کچھ دنوں نزول وحی میں توقف ہو گیا اور کفار نے طعن کیا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رنج وغم کا اثر ہوا اور آپ پر حالت قبض طاری ہو گئی۔ تو بعد میں حق تعالیٰ نے آپ کی تسلی فرمائی اور سورہ ضحیٰ نازل ہوئی۔ جس میں اول ان آیات کی قسم کھائی ہے جن کو اس حالت سے خاص مناسبت ہے فرماتے ہیں۔ والضحى والليل اذا سجى ما ودعک ربک وما قلى قسم ہے دن کی اور رات کی جب وہ قرار پکڑ لے اس جگہ رات اور دن کی قسم بہت ہی مناسب ہے کیونکہ دن مشابہ ہے حالت بسط کے اور یہ رات مشابہ ہے حالت قبض کے۔

وجہ تشبیہ ایک تو یہ ہے کہ حالت بسط میں انوار کا توارد ہوتا ہے اور دن بھی محل نور ہے اور حالت انوار میں وہ انوار نہیں رہتے تو وہ رات کے مشابہ ہے۔

دوسرے یہ کہ جس طرح دن میں کاروبار زیادہ ہوتے ہیں اسی طرح حالت بسط میں سالک سے کام زیادہ ہوتا ہے اور حالت قبض میں کسی کام کو جی نہیں چاہتا۔ نماز میں دل لگتا ہے نہ ذکر میں نہ تلاوت میں تو قبض میں کام کم ہو جاتا ہے۔ وہ رات کے مشابہ ہے کہ اس میں بھی کاروبار بند ہو جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس جگہ رات اور دن کی قسم سے مقام کی یعنی جواب قسم ما ودعک ربک وما قلى وللاخرة خير لک من الاولى کی حقیقت بتلا دی جس کا حاصل یہ ہے کہ سالک پر ان دونوں حالتوں کا آنا ایسا ہے جیسے لیل و نہار کا تعاقب پس جس طرح دن کے بعد رات کا آنا غیر مقبول ہونے کی علامت نہیں اسی طرح بسط کے بعد کہ تواتر وحی ہے قبض کا آنا کہ توقف وحی ہے غیر مقبول ہونے کی دلیل نہیں بلکہ جس طرح ہم نے عالم میں لیل و نہار کا اختلاف حکمت کے لئے رکھا ہے یونہی سالک پر بسط وقبض کا تعاقب حکمت کے لئے مقرر کیا گیا ہے پس قبض سے پریشان نہ ہونا چاہیے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ۝۲۸

ترجمہ: یہ لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور یقیناً بے اصل بات امر حق کے اثبات میں) ذرا بھی مفید نہیں ہوتے۔

تفسیری نکات

شان نزول

شان نزول اس کا یہ ہے کہ دین کے باب میں کفار انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں کچھ دعوے کیا کرتے اور وہ دعوے بلا دلیل تھے حق تعالیٰ ان پر ملامت فرماتے ہیں کہ یہ لوگ صرف اپنے خیالات اور ظن کا اتباع کرتے ہیں حالانکہ ظن محض سے حق ثابت نہیں ہوتا ہے محض سے مراد وہ جس کا استناد نص کی طرف نہ ہو رائے محض ہو۔ یہ محض کا لفظ اہل علم کے یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ اہل علم کو اس مقام پر شبہ ہو جایا کرتا ہے کہ شریعت میں ظن کا تو اعتبار کیا گیا ہے چنانچہ خبر واحد اور قیاس ظنی ہے اسی طرح قیاس شرعی بھی اس کا جواب محض کے لفظ سے نکل آیا یعنی جو ظن معتبر ہے وہ محض ظن نہیں ہے بلکہ وہ ظن معتبر ہے جس کا استناد نص کی طرف ہے چنانچہ خبر واحد جو ظنی ہے وہ تو اصل ہی میں ظنی الثبوت نہیں ہے محض اس کی سند میں ظن عارض ہو گیا ہے ورنہ بحیثیت رسول ہونے کے فی نفسہ قطعی ہے اسی طرح قیاس تو اصل ہی میں ظنی ہے لیکن وہ خود مثبت (یعنی حکم کا ثابت کرنے والا) نہیں ہے بلکہ مظہر (حکم کو ظاہر کرنے والا) ہے۔ اور مثبت تو نص ہے اور قیاس کی طرف مستند ہے اور یہاں جس ظن پر ملامت ہے اس سے مراد وہ ظن ہے جس کا کسی نص کی طرف اسناد نہ ہو بعض نصوص سے علوم ظنیہ کے مطلقاً مفید نہ ہونے کا شبہ ہو گیا ہے جن میں سے ایک ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً یقیناً ہے بے اصل خیالات امر حق میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے۔

اس میں شیئاً نکرہ ہے تحت النفی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ظن کسی درجہ میں بھی مفید نہیں تو سمجھنا چاہیے کہ یہ دھوکا اصطلاح اور محاورہ کے خلط سے پیدا ہوا ہے قرآن کو محاورات پر سمجھنا چاہیئے کیونکہ اس کا نزول محاورات عرب ہی پر ہوا ہے نزول قرآن کے وقت اہل عرب ان معقولی اصطلاحات کو جانتے بھی نہ تھے یہ تو بعد میں مقرر ہوئی ہیں۔

پس اب سمجھو کہ محاورات میں ظن کے معنی مطلق خیال کے ہیں خواہ صحیح یا غلط مدلل یا غیر مدلل مطابق واقع ہو یا خلاف واقع۔ تو ظن اصطلاحی بھی اس کی ایک فرد ہے۔ چنانچہ قرآن میں ایک جگہ ظن کا استعمال بمعنی

(c) ketabton.com: The Digital Library

اعتقاد جازم ہوا ہے۔ یظنون انھم ملاقوا ربھم وہ اللہ کی ملاقات کا یقین رکھتے ہیں۔

یہاں اعتقاد جازم مراد ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ اعتقاد آخرت میں ذرا سا بھی شک کفر ہے اور ایک جگہ آخرت کے متعلق کفار کا قول نقل کیا گیا ہے۔

ان نظن الا ظناً و ما نحن بمستیقنین محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم کو یقین نہیں۔

یہاں وہم و خیال مراد ہے کیونکہ ان کو آخرت کے متعلق ظن اصطلاحی بھی نہ تھا بلکہ وہ تو منکر و مکذب تھے اسی طرح

ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً یقیناً بے اصل خیالات امر حق میں ذرا مفید نہیں ہوتے۔

میں ظن اصطلاحی مراد نہیں بلکہ خیال بلا دلیل مراد ہے کیونکہ یہاں کفار کے بارہ میں گفتگو ہے اور ان کا ظن (ملائکہ بنات اللہ ہونے کے بارہ میں) کسی دلیل سے نہ تھا بلکہ خلاف دلیل تھا۔ چنانچہ اوپر کی آیت سے اس کا کفار کے متعلق ہونا ظاہر ہے فرماتے ہیں۔

ان الذین لا یؤمنون بالآخرۃ لیسمون الملائکۃ تسمیۃ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں شمار کرتے ہیں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے محض بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔

اسی کے متعلق آگے ارشاد ہے وان الظن لا یغنی من الحق شیئا کہ ایسا ظن جو بلا دلیل ہو جیسا کفار کو تھا مغنی عن الحق نہیں ہے۔

آیات مجملہ و مشکلہ

میں یہ کہہ رہا تھا کہ طلباء معقول کے بعد قرآن کو پڑھتے ہیں جبکہ وہ اصطلاحات ان کے ذہن میں رچی ہوئی ہوتی ہیں تو قرآن میں بھی ان کو وہی سوجھتی ہے اسی کی مناسبت سے وحدۃ الوجود کا ذکر آ گیا کہ اس کی حقیقت بھی ایک چیز کا ذہن میں رچ جانا ہے۔ بہرحال ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً میں ظن اصطلاحی مراد نہیں بلکہ ظن بلا دلیل مراد ہے پس ظن اصطلاحی کا غیر کافی ہونا یا حجت نہ ہونا قرآن سے ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ دلائل شرعیہ سے اس کا معتبر و حجت ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قرآن میں بعض آیات مجملہ و مشکلہ بھی ہیں۔ سب کی سب مفسر و محکم ہی نہیں ہیں اور جب بعض آیات مجمل و مشکل بھی ہیں تو ان کی کوئی تفسیر قطعی نہیں ہو سکتی ورنہ پھر اجمال و اشکال ہی کہاں رہا اور جب کوئی تفسیر قطعی تو نہیں، ظنی ہو گی۔ اب اگر ظن مطلقاً غیر معتبر ہے تو آیات مجملہ و مشکلہ بالکل متروک العمل ہو جائیں گی۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔ مثلاً لامستم النساء میں ابہام ہے۔ جس کی وجہ سے تفسیر میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اس سے مراد لمس بالید ہے یا ملامسۃ بالجماع ہر فریق اپنی تفسیر کو دلائل سے ثابت کرتا ہے اور جس کے نزدیک جو معنی راجح ہیں اس پر عمل کرتا ہے حالانکہ ہر تفسیر ظنی ہے قطعی کی گنجائش بھی نہیں مگر کسی نے اس آیت کو یہ کہہ کر ترک نہیں کیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ اس کی قطعی مراد تو معلوم نہیں اور ظن معتبر نہیں لہذا اس پر عمل نہیں ہوسکتا اور جب ظن معتبر ہے تو جو معنی جس شخص کے نزدیک راجح ہیں وہ اس کو مدلول کلام ہی سمجھ رہا ہے گو قطعاً نہ سہی ظناً ہی سہی جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس ظن کی بناء پر وجوب وحرمت کراہت ومندوبیت وغیرہ احکام شرعیہ ثابت کئے جاتے ہیں اور یہ احکام بدون نسبت الی الشارع کے ثابت نہیں کئے جاسکتے پس ثابت ہوگیا کہ مدلول ظنی بھی مدلول نص ہی ہے) تو جس طرح قطعیات کو قطعاً مدلول نص کہا جاتا ہے اسی طرح ظنیات بھی ظناً مدلول نص ہیں خواہ بلاواسطہ قیاس کے خواہ بواسطہ قیاس کے غرض محکم حکم اور علل کا جدا جدا حکم ہے۔

وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ
ترجمہ: اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔

تفسیری نکات

جنین پر اثر

حکماء کا قول ہے کہ جس عمر میں بچہ عقل ہیولانی کے درجہ سے نکل جاتا ہے تو گو اس وقت وہ بات نہ کرسکے مگر اس کے دماغ میں ہر بات اور ہر فعل منقش ہو جاتا ہے اس لئے اس کے سامنے کوئی بات بھی بے جا اور نازیبا نہ کرنا چاہیے بلکہ بعض حکماء نے یہ لکھا ہے کہ بچہ جس وقت ماں کے پیٹ میں جنین ہوتا ہے اس وقت بھی ماں کے افعال کا اثر اس پر پڑتا ہے اور اجنہ اسی جنین کی جمع ہے قرآن میں ہے وانتم اجنة فی بطون امهاتكم

بعض لوگ اجنہ کو جن کی جمع سمجھتے ہیں یہ غلط ہے جن کی جمع جنات وجان ہے اور مفرد جنی ہے مونث جنیہ ہے اور جن اسم جنس ہے تو حکماء الٰہی نے یہ کہا ہے کہ ماں کو لازم ہے کہ حمل کے زمانہ میں نہایت تقویٰ وطہارت سے رہے کیونکہ بحالت حمل بھی اس کے افعال کا اثر جنین پر ہوتا ہے چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق ایک حکایت سنی ہے گو کتابی نہیں مگر تقریب فہم میں اس کو بطور مثال بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ ایک مرد وعورت بہت نیک تھے مگر ان کے بچہ نہ ہوتا تھا بڑی دعاؤں اور امیدوں کے بعد حمل ٹھہرا اور بچہ کی امید ہوئی تو دونوں نے عہد کیا کہ دونوں زمانہ حمل میں احتیاط اور تقویٰ سے گزر کریں مرد نے بھی بہت احتیاط کی تاکہ اس کے افعال کا اثر عورت پر نہ پڑے اور اس کا جنین پر نہ پڑے چنانچہ غایت احتیاط کے بعد بچہ پیدا ہوا اور اس آثار رشد وصلاح کے ظاہر تھے جوں جوں بڑھتا گیا رشد واصلاح کے آثار نمایاں ہوتے گئے۔ ایک مرتبہ وہ ہوشیار ہوکر باپ کے ساتھ بازار جارہا تھا کہ ایک کنجڑن کے ٹوکرے میں سے ایک بیر اٹھا کر کھالیا مرد کو حیرت ہوئی کہ یہ بات اس میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہاں سے آئی گھر آ کر تلوار سوت لی اور بیوی سے دھمکا کر پوچھا کہ بتلا اس میں یہ عیب کہاں سے آیا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے حمل کے زمانے میں کسی کی چوری کی ہے۔ عورت نے کہا تلوار کو نیام میں کرو میں سوچ کر بتلاؤں گی پھر سوچ کے بتلایا کہ ہمارے پڑوسی کی بیری کی ایک شاخ ہمارے گھر میں لٹک رہی ہے اس پر سے ایک بیر توڑ کر میں نے کھالیا کیونکہ میں نے غلطی سے اس کو چوری کا نہیں سمجھا جب جنین پر بھی ہماری حرکات وافعال کا اثر ہوتا ہے تو ہوشیار بچوں کی طبیعت پر کیوں اثر نہ ہوگا گو وہ بات نہ کر سکتے ہوں مگر اثر ہر بات کا لیتے ہیں۔

فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى
ترجمہ: تم اپنے نفسوں پر تزکیہ نہ کرو کیونکہ حق تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کون متقی ہے۔

تفسیری نکات

فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ

جس کا ترجمہ ناواقف یوں کرے گا کہ اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو کیونکہ لاتزکوا نہی کا صیغہ ہے مشتق تزکیہ سے تو اب اس پر اشکال واقع ہوگا کہ ایک جگہ تو تزکیہ کا امر ہے اور ایک جگہ اس سے نہی ہے اس کے کیا معنی جواب اس کا یہ ہے کہ اگر اسی آیت میں لاتزکوا انفسکم (تم اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ بیان کرو) کو اس کے مابعد سے ملا کر غور کیا جائے تو شبہ حل ہو جائے گا۔ قرآن میں اکثر شبہات ماسبق اور مابعد کو نہ ملانے سے پیدا ہوتے ہیں اگر شبہ وارد ہونے کے وقت آیت کے ماسبق اور مابعد میں غور کر لیا کریں تو خود قرآن ہی سے شبہ رفع ہو جایا کرے اور اسی جگہ شبہ کا جواب موجود ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہر شبہ کا جواب بھی ساتھ ساتھ ذکر فرمادیا ہے جیسا کہ تکوینیات میں بھی حق تعالیٰ کی یہی عادت ہے چنانچہ جن لوگوں نے خواص ادویہ کی تحقیق کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جن نباتات میں کسی قسم کا ضرر ہے جس مقام پر وہ پیدا ہوتی ہیں اسی مقام پر ایک دوسری نباتات بھی حق تعالیٰ پیدا کر دیتے ہیں جس میں اس ضرر کی اصلاح ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے سنا ہے کہ ایک گھاس زہریلی ہوتی ہے جس کو کہتے ہیں اس میں بچھو کی سی خاصیت ہے اس کے چھونے سے بچھو کا سا اثر ہوتا ہے تو جس مقام پر وہ پیدا ہوتی ہے اسی مقام پر اس کے پاس ہی اللہ تعالیٰ نے دوسری گھاس اس کی اصلاح کرنے والی پیدا کر دی ہے کہ اس کے ملنے سے وہ اثر زائل ہو جاتا ہے خیر تکوینیات میں تو ہم کو زیادہ تحقیق نہیں اور اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں کہ سب چیزوں کی خاصیات دریافت کی جائیں اور ہر قسم کی دوائیں جمع کی جائیں کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ عدم تحقیق کی وجہ سے کسی مضر کو استعمال کرلے گا اور اس کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

مضرت کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ ہلاک ہو جائے گا تو ہلاک ہونا تو ایک دن ضروری ہے۔ بدوں کسی مضر چیز کے استعمال کئے بھی موت ایک دن آنی ہے۔

دینی ضرر ایک خسارہ عظیم ہے

مگر شرعیات میں یہ ضروری ہے کہ جو امور مضر ہیں ان کو جانے کیونکہ ان کے نہ جاننے سے دینی ضرر ہوتا ہے جو کہ خسارہ عظیم ہے۔ اس کا ضرر موت سے بھی ختم نہ ہوگا بلکہ مرنے کے بعد بھی باقی رہے گا اور یہ سخت ضرر ہے۔ جس کا تحمل نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کانوا یسئلونہ عن الخیر وکنت اسئلہ عن الشر مخافۃ ان یدرکنی یعنی اور صحابہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی تحقیق کیا کرتے تھے اور میں شر کی تحقیق زیادہ کیا کرتا تھا اس خوف سے کہ کہیں شر میں مبتلا نہ ہو جاؤں اس لئے جو چیز دین کو مضر ہو اس کی تحقیق کر لینا لازم ہے۔ منجملہ اس کے وہ شبہات بھی ہیں جو قرآن و حدیث میں لوگوں کو پیش آیا کرتے ہیں ان کا رفع کرنا ضروری ہے اور اس میں حق تعالیٰ نے یہ اعانت فرمائی ہے کہ جس جگہ قرآن میں شبہ ہوتا ہے وہیں جواب بھی مذکور ہوتا ہے لہٰذا شبہ کے وقت سیاق و سباق میں ضرور غور کر لینا چاہیے۔ چنانچہ لاتزکوا انفسکم (تم اپنے نفسوں کا تزکیہ بیان کرو) پر جو قد افلح من زکھا سے تعارض کا شبہ ہوا تھا اس کا جواب اسی جملہ کے ساتھ ساتھ دوسرے جملہ میں مذکور ہے یعنی ھو اعلم بمن اتقی (وہ خوب جانتے ہیں کہ کون متقی ہے) میں کیونکہ اس میں نہی مذکور کی علت کا ذکر ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ تم اپنے نفسوں کا تزکیہ بیان نہ کرو کیونکہ حق تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کون متقی ہے اس میں حق تعالیٰ نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک اپنا زیادہ علیم ہونا دوسرے من اتقی کے ساتھ علم کا متعلق ہونا۔

تقویٰ باطنی عمل ہے

نصوص شرعیہ میں غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ تقویٰ باطنی عمل ہے چنانچہ حدیث میں صراحۃ مذکور ہے الا ان التقوی ھھنا و اشار الی صدرہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ سنو تقویٰ یہاں ہے۔

تقویٰ صلاحیت قلب کا نام ہے

نیز تقویٰ کے معنی لغۃ ڈرنے اور پرہیز کرنے کے ہیں یعنی معاصی سے بچنا اور ڈرنا تو ظاہر ہے کہ باطن کے متعلق ہے اور معاصی سے بچنے کا ڈر خود اصلاح باطنی ہے چنانچہ ایک دوسری حدیث میں اس کی پوری

(c) ketabton.com: The Digital Library

تصریح ہے۔ ان فی جسد ابن ادم مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله الاوهی القلب کہ انسان کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے سن لو وہ دل ہے اس سب سے تقویٰ کی حقیقت واضح ہوگئی کہ تقویٰ صلاحیت قلب کا نام ہے۔ پس اب تقویٰ اور تزکی دونوں مترادف ہوئے آیت کا حاصل یہ ہوا۔ ھو علم بمن تزکی ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ اب یہ سمجھو کہ اس میں تزکی کو عبد کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس سے اس کا داخل اختیار ہونا مفہوم ہوتا ہے تو وہ مقدور ہوا۔ پھر یہ کہ اعلم فرمایا ہے اقدر نہیں فرمایا۔ اس سے بھی اشارۃً معلوم ہوا کہ بندہ کی قدرت کی نفی مقصود نہیں ہے پس اس سے بھی تقویٰ و تزکی کا مقدور و عبد ہونا مفہوم ہوا۔ ورنہ اعلم نہ فرماتے بلکہ اقدر علی جعلکم متقین یا اس کے مناسب اور کچھ فرماتے جب تقویٰ اور تزکی ایک ٹھیرے اور مقدور عبد ٹھیرے اب غور کرنا چاہیے کہ ھو اعلم بمن اتقی تزکوا انفسکم کی علت بن سکتی ہے یا نہیں اگر لاتزکوا کے معنی یہ لئے جائیں کہ نفس کا تزکیہ نہ کیا کرو یعنی نفس کو رذائل سے پاک کرنے کی کوشش نہ کرو تو ھو اعلم بمن اتقی کی علت نہیں ہو سکتی کیونکہ ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے نفسوں کو رذائل سے پاک نہ کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کس نے تزکی اور تقویٰ کیا ہے اور یہ ایک بے جوڑ سی بات ہے یہ تو ایسا ہوا جیسے یوں کہا جائے کہ نماز نہ پڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کس نے نماز پڑھی ہے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کا بندہ کے کسی فعل کو جاننا اس کے ترک کی علت نہیں ہو سکتی ورنہ پھر سب افعال کو ترک کر دینا چاہیے کیونکہ حق تعالیٰ تو بندہ کے سبھی افعال کو جانتے ہیں بلکہ اس کے مناسب یہ علت ہو سکتی تھی کہ ھو اقدر علی جعلکم متقین او نحوہ یعنی یوں فرماتے کہ تم نفس کو رذائل سے پاک نہ کرو۔ کیونکہ تم کو متقی بنانے پر حق تعالیٰ زیادہ قادر ہیں تم پورے قادر نہیں ہو پھر کیوں کوشش کرتے :۔ جب یوں نہیں فرمایا بلکہ اعلم بمن اتقی فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں تزکیہ کے وہ معنے نہیں بلکہ کچھ اور معنی ہیں جس کے ترک کی علت ھو اعلم بن سکے سو وہ معنی یہ ہیں کہ اپنے نفسوں کو پاک نہ کہو۔ یعنی پاکی کا دعویٰ نہ کرو۔ کیونکہ حق تعالیٰ ہی کو خوب معلوم ہے کہ کون متقی ہے اور کون پاک ہوا ہے یہ بات تم کو معلوم نہیں اس لئے دعویٰ بلا تحقیق مت کرو۔ اب کلام میں پورا جوڑ ہے اور علت و معلول میں کامل ارتباط ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ تزکیہ باب تفعیل کا مصدر ہے اور تفعیل کی خاصیتیں مختلف ہیں جس طرح اس کی ایک خاصیت تعدیہ ہے اسی طرح ایک خاصیت نسبت بھی ہے پس قد افلح من زکھا میں تزکیہ کا استعمال خاصیت تعدیہ کے ساتھ ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے نفس کو رذائل سے پاک کیا وہ کامیاب ہوگیا اس میں نفس کو رذائل سے پاک کرنے کا امر ہے اور لاتزکوا انفسکم میں تزکیہ کا استعمال خاصیت نسبت کے ساتھ ہوا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے نفسوں کو پاک نہ کہو اس میں نفس کو پاک کہنے کی ممانعت ہے اب ان دونوں میں کچھ بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

تعارض نہیں کیونکہ جس چیز کا ایک جگہ امر ہے دوسری جگہ اس کی ممانعت نہیں۔ بلکہ ایک نئی چیز کی ممانعت ہے۔ حکم تو نفس کے پاک کرنے کا ہے اور ممانعت پاک کہنے سے ہے کہئے اب کیا اشکال رہا (زکوٰۃ النفس)

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾

ترجمہ: انسان کو وہی ملنا ہے جو اس نے سعی کی ہے۔

ایصال ثواب کا ثبوت

یہاں پر ایک بات طلباء کے کام کی یاد آئی وہ یہ ہے کہ معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ایک کے عمل کا ثواب دوسرے کے پہچانے سے بھی نہیں پہنچ سکتا اور ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں جواب اس کا یہ ہے کہ للانسان میں لام نفع کا ہے اور نفع دو قسم کا ہے ایک ثواب دوسرا وہ خاصیت جو عامل کے اندر اس سے پیدا ہوتی ہے پس یہاں دوسری قسم کا نفع مراد ہے نہ کہ اول قسم بوجہ دوسری نصوص کے چنانچہ ایک دوسری آیت سے بھی یہ مضمون معلوم ہوتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُورۃ القمر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾

ترجمہ: قیامت نزدیک آگئی اور چاند شق ہوگیا

تفسیری نکات

علامات قرب قیامت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ شق قمر کا معجزہ علامات قیامت سے ہے اس میں وقوع کا انکار نہیں بلکہ معجزہ نہیں مطلب یہ ہے کہ جیسے طلوع شمس من المغرب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بلکہ علامات قیامت ہے ایسے ہی شق القمر بھی معجزہ نہیں بلکہ علامات قرب قیامت سے ہے جیسے آیت میں اقتراب ساعت کے اقتران سے مفہوم بھی ہوتا ہے اقتربت الساعۃ و انشق القمر

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

تفسیری نکات

استنباط احکام محققین کا کام ہے

ایک بار دین میں موجودہ زمانہ کے لوگوں کی آزادی اور خود رائی کا بیان ہو رہا تھا ارشاد فرمایا کہ اب تو لوگوں کی جرات یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ فقہاء اور مجتہدین نے جو مسائل قرآن وحدیث سے استنباط کئے ہیں ان کو غلط قرار دیتے ہیں اور خود قرآن وحدیث سے احکام کا استنباط کرنا چاہتے ہیں اور جب ان کو استنباط کی صعوبت پر متنبہ کیا جاتا ہے تو آیت ولقد یسرنا القرآن للذکر الایۃ پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب قرآن آسان ہے تو پھر کیا وجہ اس کو سمجھنا اور اس سے مسائل کا استنباط صرف علماء ہی کے ساتھ مخصوص ہو ہم نہ کر سکیں حالانکہ ان کا نہ یہ دعویٰ صحیح ہے اور نہ ان کا اس آیت سے یا اسی قسم کی دوسری آیتوں سے استدلال صحیح ہے کیونکہ قرآن وحدیث کے متعلق دو چیزیں ہیں ایک تو ان سے استنباط مسائل کا دوسرے تذکر وتذکیر یعنی ترغیب وترہیب تو قرآن کو جو آسان فرمایا گیا ہے وہ صرف تذکر وتذکیر کے لئے آسان فرمایا گیا ہے چنانچہ اس آیت میں یسرنا کے بعد للذکر کا لفظ موجود ہے اسی طرح اس مضمون کی ایک دوسری آیت ہے۔ فانما یسرناہ بلسانک لتبشر بہ المتقین و تنذر بہ اس میں بھی تصریح ہے کہ قرآن تبشیر وانذار کے لئے آسان کیا گیا ہے باقی رہا استنباط مسائل کا سوال سو اس کے متعلق کہیں ارشاد نہیں کہ وہ آسان ہے بلکہ میں خود قرآن سے ثابت کرتا ہوں کہ قرآن وحدیث سے استنباط احکام صرف محققین ہی کا کام ہے ہر شخص اس کا اہل نہیں۔ پانچویں پارہ میں ارشاد ہے۔ واذا جاء ھم امر من الامن او الخوف اذا عوابہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم شان نزول اس آیت کا بالاتفاق یہ ہے کہ حضور کے زمانہ میں جب کوئی جہاد وغیرہ ہوتا تھا تو مواقع قتال سے جو خبریں آتی تھیں بعض لوگ بلا تحقیق ان کو مشہور کر دیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس آیت میں ارشاد ہے کہ جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ وہ امن کی ہو یا خوف کی تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے حوالہ پر رکھتے تو ان میں جو اہل استنباط ہیں اس کو وہ حضرات پہچان

(c) ketabton.com: The Digital Library

لیتے کہ کون قابل اشاعت ہے کون نہیں دیکھئے۔ یہاں یستنبطونه منهم فرمایا ہے اور یہ من تبعیضیہ ہے جس کے معنے یہ ہوئے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو اہل استنباط ہیں۔ سب نہیں حالانکہ یہ جنگ کی خبریں کوئی از قسم احکام شرعیہ نہ تھیں بلکہ واقعات حسیہ تھے جو احکام کے مقابلہ میں عسیر الفہم نہیں تو جب معمولی واقعات حسیہ کے متعلق قوت استنباط کا اثبات صرف بعض لوگوں کے لئے کیا گیا ہے تو موٹی بات ہے کہ قرآن وحدیث سے احکام کا استنباط تو بدرجہا مشکل ہوگا اس کا اہل ہر شخص کیسے ہوسکتا ہے اسی طرح حضور کے زمانہ کا ایک دوسرا واقعہ ہے وہ یہ کہ جب اول بار آیت لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاهدون الایه نازل ہوئی جس میں مجاہدین کی قاعدین پر تفصیل کا بیان ہے تو اس وقت اس میں غیر اولی الضرر نہ تھا۔ اس لئے صحابہ تک نہ سمجھ سکے کہ یہ حکم مخصوص ہے قاعدین غیر اولی الضرر کے ساتھ حالانکہ حقیقت لغویہ ونصوص اعتبار عذر کی بناء پر قاعدین سے مراد یہاں وہی لوگ ہو سکتے تھے جو بلا کسی عذر کے جہاد میں شریک نہ ہو سکے ہوں ورنہ معذورین تو فی الحقیقت مقعدین ہیں۔ قاعدین نہیں مگر باوجود اس کے صحابہ اس کو نہ سمجھ سکے اس لئے اس کے متعلق سوال کیا جس پر غیر اولی الضرر بعد میں نازل ہوا اس سے صاف معلوم ہوا کہ محض زبان دانی فہم احکام کے لئے کافی نہیں یہ تو ایک فرع کے متعلق تحقیق تھی۔ اس کے متعلق اس سے زیادہ عمیق ایک اصل کی تدقیق ہے وہ یہ کہ ظاہراً اس میں ایک اشکال متوہم ہوتا ہے کہ غیر اولی الضرر قاعدین کا بیان ہے اور پھر نزول میں اس سے فصل کے ساتھ موخر تو اصل کلام میں بیان مراد سے کمی کا احتمال رہتا ہے اس اشکال کے حل کے لئے انہوں نے فہم خداداد سے اسی آیت کے قرینہ سے ایک اصل کلی کا استنباط کیا کہ بیان کے اقسام اور ان کے جدا جدا احکام سمجھ کر ایسی عجیب تفصیل کی کہ حیرت ہوتی ہے اس تفصیل کی بناء پر غیر اولی الضرر کو بیان تغییر نہیں قرار دیا بلکہ بیان تفسیر فرمایا ہے اور یہ حکم فرمایا کہ اگر بیان تغییر ہوتا تو اس کے اندر فصل نہ ہوتا بخلاف بیان تفسیر کے کہ اس کے اندر فصل جائز ہو دیکھئے کیا ایسے اصول ہم جیسے موس کر سکتے ہیں اس تقریر سے جواب کا خلاصہ یہ نکلا کہ تذکر وتذکیر کے لئے تو قرآن آسان ہے باقی رہا استنباط فروع کا یا اصول کا یہ ایسا مشکل ہے جو ہمارے بس کا نہیں اس ایک ہی مسئلہ کو دیکھ لیجئے فرع کو بھی اور اس کی بناء بیان تغییر و بیان تفسیر کو بھی۔

اگر فقہاء ان مسائل کو استنباط نہ کر جاتے تو آج کل کے معترضین میں سے کیا کوئی شخص اس پر قادر تھا کہ ان مسائل کا ایسا استنباط کر سکے۔

استدلالات اور استنباطات کا ہے وہ دقیق ہے۔ اب رہا یہ شبہ کہ جب قرآن وحدیث کا سمجھنا بلا علوم درسیہ کے دشوار ہے تو صحابہ نے قرآن وحدیث کو کیونکر سمجھا کیونکہ یہ علوم درسیہ اس زمانہ میں تو مدون نہ تھے نہ ان کی تحصیل معتاد تھی تو جواب اس کا یہ ہے کہ صحابہ کی طبائع سلیم تھیں اس لئے ان کو قرآن وحدیث کے اندر

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایسے شبہات ہی پیدا نہ ہوتے اور مقاصد کے سمجھنے کے لئے ان کو مبادی کی تحصیل کی ضرورت ہی نہ ہوتی تھی اس لئے قرآن و حدیث کو بلاعلوم درسیہ بخوبی سمجھ لیتے تھے۔ بخلاف آج کل کے لوگوں کے کہ وہ قرآن و حدیث کو تو بلاعلوم درسیہ کے کیا سمجھتے معمولی معاملات وواقعات روزمرہ کے دقائق کا بھی بلاعلوم درسیہ کے سمجھنا ان کو دشوار ہی ہو جاتا ہے۔

تذکر کے لئے قرآن آسان ہے

فرمایا ولقد یسرنا القرآن للذکر کا مطلب یہ تذکر کے لئے قرآن آسان ہے باقی استنباط احکام کا سو یہ بہت مشکل ہے عوام کیا سمجھتے عوام تو اخبار وحکایات کی کہنہ بھی نہیں سمجھ سکتے چنانچہ ارشاد ہے واذا جآء ھم امر من الامن او الخوف الیٰ قولہ تعالیٰ لعلمہ الذین یستنبطو نہ منھم (الخ) (اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف) تو اس کو وہ حضرات پہچان لیتے ہیں جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت ج۱۴ص۱۲۲-۱۲۳)

دقائق قرآن وحدیث بلاعلوم درسیہ سمجھ نہیں آسکتے

قرآن وحدیث کے اندر جو تدقیقات ہیں وہ بغیر مبادی کے سمجھ میں نہیں آتی ہیں اور مبادی بدوں تحصیل درسیات کے سمجھ میں نہیں آسکتے تو قرآن وحدیث کے بہت سے دقائق بلاعلوم درسیہ کے سمجھ میں نہیں آسکتے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے دو حصے ہیں ایک حصہ تو نفس احکام اور اس کے متعلق تذکر وتذکیر کا ہے وہ تو آسان ہے اور نصوص کے اندر جابجا جو قرآن کو آسان فرمایا گیا ہے اس سے مراد یہی حصہ ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے ولقد یسرنا القران للذکر فھل من مدکر دوسری جگہ فرماتے ہیں وانما یسرناہ بلسانک لتبشر بہ المتقین وتنذر بہ قوما لدا۔ باقی رہا دوسرا حصہ جو استدلالات اور استنباطات کا ہے وہ دقیق ہے۔ اب رہا یہ شبہ کہ جب قرآن وحدیث کا سمجھنا بلاعلوم درسیہ کے دشوار ہے تو صحابہ نے قرآن وحدیث کو کیونکر سمجھا کیونکہ یہ علوم درسیہ اس زمانہ میں تو مدون نہ تھے۔ نہ ان کی تحصیل معتاد تھی تو جواب اس کا یہ ہے کہ صحابہ کی طبائع سلیم تھیں اس لئے ان کو قرآن وحدیث کے اندر ایسے شبہات ہی پیدا نہ ہوتے اور مقاصد کے سمجھنے کے لئے ان کو مبادی کی تحصیل کی ضرورت ہی نہ ہوتی تھی اس لئے قرآن وحدیث کو بلاعلوم درسیہ بخوبی سمجھ لیتے تھے۔ بخلاف آج کل کے لوگوں کے کہ وہ قرآن وحدیث کو تو بلاعلوم درسیہ کے کیا سمجھتے معمولی معاملات وواقعات روزمرہ کے دقائق کا بھی بلاعلوم درسیہ کے سمجھنا ان کو دشوار ہی ہو جاتا ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

چنانچہ میں اس کی تائید سے ایک تازہ واقعہ بیان کرتا ہوں کہ آپ کو تو معلوم ہے کہ جب میری سوانح لکھی جا رہی تھی تو میں نے ہدایت کی تھی کہ اس سوانح میں میرے متعلق کشف وکرامت کا کوئی باب نہ تجویز کیا جاوے کیونکہ مجھ سے کوئی کشف وکرامت صادر ہی نہیں ہوئی۔ اس پر بعض احباب نے کہا کہ مثلاً فلاں فلاں واقعات ایسے ہیں جو پسند صحیح ثابت ہیں اور اگر وہ دوسروں کے متعلق ہوتے تو ان کو ضرور کشف وکرامت کے اندر داخل سمجھا جاتا تو اگر ان واقعات کو ہم کرامت کے باب میں درج کر دیں تو کیا حرج ہے میں نے کہا کہ چونکہ ایسے واقعات کے اندر مجھ کو دوسرا بھی احتمال ہوتا ہے اس لئے میں ایسے واقعات کو بھی کرامت کے عنوان سے درج کرانا نہیں چاہتا البتہ تمہارا دل چاہے تو ایسے واقعات کو سوانح میں انعامات الٰہیہ کے عنوان کے تحت میں درج کر سکتے ہو تو میرا یہ جواب ان کی سمجھ میں نہ آیا اور اس پر انہوں نے یہ شبہ پیش کیا کہ کرامت بھی تو حق تعالیٰ کا انعام ہی ہوتا ہے پھر کرامت میں اور انعام میں کیا فرق ہوا۔ لہذا ہماری درخواست ہے کہ ان واقعات کو کرامت ہی کے عنوان کے تحت درج کرنے کی اجازت دی جائے تو پھر میں نے ان کو علوم درسیہ کے قواعد کے ذریعہ سمجھایا اور یہ جواب دیا کہ ملزوم تو لازم کے لئے مستلزم ہوتا ہے مگر لازم ملزوم کے لئے نہیں ہوتا جیسے آگ تو حرارت کے وجود کو مستلزم ہے مگر حرارت آگ کے وجود کو مستلزم نہیں پس ہر کرامت کا تو انعام ہونا لازم ہے مگر ہر انعام کا کرامت ہونا لازم نہیں۔ لہذا ہر انعام کو کرامت میں کیسے داخل کرتے ہیں تب وہ خاموش ہوئے۔ اب میں بطور مثال کے ایک شبہ بیان کرتا ہوں جو علوم درسیہ سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے خود قرآن کی ایک آیت کے متعلق ہوتا ہے وہ یہ کہ نویں پارہ میں ارشاد ہوتا ہے **ولو علم اللہ فیھم خیرا لا سمعھم ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون**. اس آیت میں کفار کی مذمت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ علم خیر کے لئے اسماع لازم ہے اور اسماع کے لئے تولی لازم ہے اور قاعدہ عقلیہ ہے کہ لازم کا لازم لازم ہوا کرتا ہے تو علم خیر کیلئے تولی لازم ہوئی جس کا مطلب اس قاعدہ مذکورہ کی بناء پر یہ ہوا کہ اگر حق تعالیٰ کو ان کفار کے متعلق خیر اور بھلائی کا علم ہوتا تو ان کفار سے تولی اور اعراض کا صدور ہوتا اور اس کا استحالہ ظاہر ہے کیونکہ اس سے حق تعالیٰ کے علم کا واقع کے مطابق نہ ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے۔ اب اس شبہ کا رفع کرنا اس شخص کے لئے جو علوم درسیہ سے واقف نہ ہو بہت دشوار ہے اور جو علوم درسیہ پڑھ چکا ہو اس کے لئے ایک اشارہ کافی ہے۔ وہ یہ کہ یہ شبہ تو جب صحیح ہوتا کہ یہاں اسماع حد اوسط ہوتا حالانکہ اسماع حد اوسط نہیں اس لئے کہ وہ مکرر نہیں کیونکہ پہلا اسماع اور ہے اور دوسرا اسماع اور ہے لہذا تولی کو جو لازم کا لازم سمجھا گیا اور اس بناء پر علم خیر کے لئے تولی کو لازم قرار دیا گیا خود یہی غلط ہوا پس حق تعالیٰ کے علم کے متعلق واقعہ کے غیر مطابق ہونے کا جو شبہ ہوا تھا وہ رفع ہو گیا اب آیت کا صحیح مطلب یہ ہوا کہ اگر حق تعالیٰ ان کے اندر کوئی خیر دیکھتے تو ان کو با سماع قبول

(c) ketabton.com: The Digital Library

سناتے مگر جبکہ حق تعالیٰ کے علم میں ان کے اندر کوئی چیز نہیں ہے ایسی حالت میں اگر ان کو نصیحت سنا دیں جو اسماع قبول نہ ہوگا کیونکہ یہ اسماع حالت عدم خیر میں ہوگا تو وہ لوگ اس کو ہرگز قبول نہ کریں گے۔ بلکہ تولی اور اعراض کریں گے۔ اسی طرح قرآن کی آیت پر ایک دوسرا شبہ اور اس کا جواب یاد آیا اس کا واقعہ یہ ہے کہ جنگ بلقان کے زمانہ میں جب ایڈریانوپل پر کفار کا قبضہ ہوا تو ہندوستان کے مسلمانوں کو بہت پریشانی ہوئی اور طرح طرح کے خیالات فاسدہ آنے لگے حتیٰ کہ بعض کو تو نصوص پر کچھ شبہات بھی پیدا ہو گئے تھے یہ حال دیکھ کر دہلی کے مسلمانوں نے ایک بڑا جلسہ کیا اور مجھ کو اس جلسہ کے اندر مدعو کیا اور صدر بنایا اور لوگوں کے عقائد کی اصلاح کی نیت سے مجھ سے وعظ کی درخواست کی چنانچہ میری اس جلسہ میں تقریر ہوئی جب وعظ ہو چکا تو با آواز بلند میں کوئی شخص یہ نہ کہے کہ مجھ کو یہ پوچھنا تھا اور نہ پوچھ سکا۔ یہ سن کر ایک ولایتی منتہی طالب علم کھڑے ہوئے یہ لوگ معقول زیادہ پڑھتے ہیں قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ معقولی ہیں کہنے لگے کہ قرآن شریف میں وعدہ ہے **ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون** مگر باوجود اس کے پھر ایڈریانوپل پر کفار کا قبضہ ہو گیا تو اس کی کیا وجہ میں نے کہا کہ ذرا یہ تو بتلایئے کہ موجہات میں سے یہ کونسا قضیہ ہے بس میرے اس کہنے پر ہی وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر میں نے ہی خود ان سے کہا کہ آپ کو جو یہ شبہ ہوا کہ یہ قضیہ ضروریہ یا دائمہ ہے تو اس کی کیا دلیل ہے ممکن ہے کہ مطلقہ عامہ ہو جس کا ایک بار بھی وقوع کافی ہوتا ہے جو ہو چکا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گیا اس کے بعد پھر کوئی شخص نہیں کھڑا ہوا تو دیکھئے چونکہ یہ طالب علم علوم درسیہ پڑھے ہوئے تھے اور مبادی ان کے ذہن میں تھے اس لئے میرے ایک لفظ سے ان کا شبہ حل ہو گیا۔ اسی طرح ایک اور مولوی صاحب کو قرآن شریف کی ایک آیت کے متعلق شبہ تھا وہ یہ آٹھویں پارہ میں ارشاد ہے **سیقول الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما اشرکنا ولا اٰبائنا ولا حرمنا من شیء کذالک کذب الذین من قبلھم حتی ذاقوا باسنا قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون۔** اس آیت میں حق تعالیٰ نے اول کفار مشرکین کا معقول نقل فرمایا ہے کہ اگر حق تعالیٰ یہ چاہتے کہ ہم سے شرک کا وقوع نہ ہو تو ہم شرک نہ کرتے (مگر جب ہم سے شرک کا وقوع ہوا تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کیا ہے جو حق تعالیٰ کا چاہا ہوا تھا) پھر اس مقولہ کے نقل فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے کذلک سے تخرصون تک کفار کے اس مقولہ کا رد فرمایا ہے۔ اور ساتویں پارہ میں ہے **ولو شاء اللہ ما اشرکوا** کو یعنی حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہیں کہ ان مشرکین پر اتنا رنج وغم نہ کیجئے کیونکہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں ہماری مشیت سے کر رہے ہیں اگر ہم چاہتے کہ یہ شرک نہ کریں تو یہ شرک نہ کرتے تو آٹھویں پارہ میں جو آیت ہے وہاں تو شرک کے متعلق مشیت کی نفی فرمائی ہے اور اس سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

دوسری آیت میں اس مشیت کا اثبات فرما رہے ہیں۔ تو ان دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے وہ مولوی صاحب مجھ سے اس کے جواب کے طالب ہوئے اب وہ لوگ جو بلا علوم درسیہ پڑھے ہوئے محض ترجمہ قرآن کو بطور خود دیکھ کر یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہم نے قرآن کو سمجھ لیا۔ ذرا اس شبہ کا تو جواب دیں۔ میں نے یہ جواب دیا کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ تعارض تو جب ہوتا کہ جس مشیت کی ایک جگہ نفی کی گئی ہے اسی مشیت کا کوئی دوسری جگہ اثبات کیا جاتا۔ حالانکہ ایسا نہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ مشیت کی دو قسمیں ہیں ایک مشیت تشریعی جس کا دوسرا نام رضا ہے اور دوسرے مشیت تکوینی جس کا نام ارادہ ہے تو آٹھویں پارہ میں جس مشیت کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد مشیت تشریعی یعنی رضا ہے اور دوسری جگہ آیت میں جو مشیت کا اثبات کیا گیا ہے اس سے مراد مشیت تکوینی یعنی ارادہ ہے کیونکہ پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے کفار کا عقیدہ بیان فرمایا ہے تو کفار اپنے سے شرک کے متعلق مشیت تشریعی یعنی حق تعالیٰ کی رضاء کے معتقد تھے اور دوسری آیت میں ایک عقیدہ شرعیہ بیان فرما کر حق تعالیٰ حضور کی تسلی فرماتے ہیں اور وہ عقیدہ شرعیہ یہی ہے کہ عالم میں جس سے بھی کفر و شرک کا وقوع ہو رہا ہے وہ حق تعالیٰ کے علم و ارادہ سے ہو رہا ہے گو مشیت تشریعی نہ ہو۔ اس کے بعد حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے حاضرین سے فرمایا کہ ان ہی دقائق کو دیکھ کر محققین نے لکھا ہے کہ قرآن کے سمجھنے کے لئے چودہ علوم میں متبحر ہونے کی ضرورت ہے میں تو غیر متبحر کو اگر چہ وہ درسیات سے فارغ مولوی ہی کیوں نہ ہو۔ لوگوں کے سامنے ترجمہ قرآن بیان کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

آیت ولقد یسرنا القرآن پر ایک شبہ اور جواب

قرآن کریم نے متعدد مرتبہ اس کلام کو دہرایا ہے کہ **ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر** یعنی ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ اس پر عام طور پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ قرآن کے علوم و معارف تو ایسے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء اور علماء کو اپنی عمریں صرف کرنے کے بعد بھی ان پر احاطہ نہیں ہو سکا تو پھر اس کو آسان فرمانے کا کیا مطلب۔

حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہ یسر (آسانی) مسائل میں ہے دلائل میں نہیں یعنی قرآن مجید نے جو احکام دیئے ہیں ان کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں۔ البتہ ان کے دلائل اور حکمتیں اور شبہات کے جوابات ان میں یسر کا ذکر نہیں۔ وہ اپنی جگہ محنت اور غور چاہتے ہیں۔ (مجالس حکیم الامت ص ۳۰۱)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الرَّحْمٰن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

ترجمہ: رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے انسان کو پیدا کیا (پھر) اس کو گویائی سکھائی۔

تفسیری نکات

افعال خاص حق سبحانہ وتعالیٰ

حق سبحانہ تعالیٰ نے ان چھوٹی سی آیتوں میں اپنے خاص افعال کا ذکر فرمایا ہے کہ جو سراسر رحمت ہے اور پھر اپنے اسم مبارک کو بھی عنوان رحمت ہی سے ذکر فرمایا ہے اور اس آیت میں تین رحمتوں کا ذکر ہے اور تینوں بڑی رحمتیں ہیں اور ہر ایک کو الرحمٰن ہی سے شروع کیا ہے کیونکہ الرحمٰن مبتداء ہے اور اس کے بعد خبر ہیں تو گویا عبارت یوں ہے۔

الرحمن علم القرآن الرحمن خلق الانسان الرحمن علم البیان

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں نعمتوں کا منشاء خداتعالیٰ کی رحمت ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی حاکم کسی سے کہے کہ مہربان حاکم نے تم کو عہدہ دیا۔ مہربان حاکم نے تمہاری ترقی کی مہربان حاکم نے تم کو افسر بنایا اس سے ہر اہل زبان سمجھ سکتا ہے کہ منشاء ان تمام عنایتوں کا مہربانی ہے۔ پس اسی طرح ان سب نعمتوں کا منشاء بھی خداتعالیٰ کی رحمت ہے اور پھر رحمت بھی عظیمہ کیونکہ رحمٰن مبالغہ کا صیغہ ہے تو ترجمہ کا حاصل یہ ہوا کہ۔

۱۔ جس ذات کی بڑی رحمت ہے اس نے قرآن کی تعلیم دی۔ یہ تو پہلی نعمت کا بیان ہے۔

۲۔ دوسری نعمت یہ کہ اس نے انسان کو پیدا کیا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

۳- تیسری نعمت یہ کہ اس نے انسان کو بیان کرنا سکھلایا۔

ان تینوں نعمتوں میں اس وقت کی غرض کے مناسب تیسرا جملہ ہے۔ مگر چونکہ ان دونعمتوں کی تقدیم جس طرح ذکر میں ہے اسی طرح وہ دونوں وجود میں بھی اس تیسری نعمت پر مقدم ہیں خواہ وجود حسی ہو یا وجود معنوی اس لئے ان کے دو جملوں کی بھی تلاوت کی گئی۔ چنانچہ ایک مقام کا تقدم اور دخل تو ظاہر ہے یعنی خلق الانسان کہ اس کو تو تکوینا دخل ہے اور یہ شرط تکوینی ہے کیونکہ جب تک انسان پیدا نہ ہو اس وقت تک تعلیم بیان ہو ہی نہیں سکتی۔ تو تعلیم و تعلم موقوف ہے وجود پر اور وجود موصوف ہے ایجاد پر۔

اسی سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذکر کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ اگر پیدا نہ ہوتے تو بیان نہ کر سکتے لیکن اس کے مستقلاً ذکر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ اس پر متنبہ فرمانا ہے کہ جو نعمت کسی دوسری نعمت کا وسیلہ ہو وہ ایک درجہ میں مستقل اور مقصود بھی ہے اس کو محض واسطہ ہی نہ سمجھا جائے یعنی بعض نعمتیں چونکہ وسیلہ ہوتی ہیں اس واسطے ان کی طرف اکثر توجہ نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے مستقلاً ذکر کرنے سے گویا یہ ارشاد فرما دیا کہ یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ بھی قابل مستقل ذکر اور توجہ ہے صرف علم البیان ہی نعمت نہیں پس اگر یہ نعمت تکوین مذکور نہ ہوتی تو اس کی مقصودیت پر لفظاً تنبیہ نہ ہوتی اور ذکر کرنے میں تنبیہ ہو گئی ہے یہ مستقلاً بھی نعمت ہے کیونکہ پیدا کرنا صرف واسطہ تعلیم بیان ہی نہیں بلکہ اس میں اور بھی تو مصالح ہیں بہر حال اس پر توقف تکوینی ہے اور بہت ظاہر ہے۔

رہا دوسری شرط کا تقدم وہ بہت غامض ہے حتیٰ کہ اہل علم بھی بعض اوقات اس کی طرف التفات نہیں کرتے اور وہ شرط علم القرآن ہے کہ اس پر توقف تشریعی ہے یعنی بیان کا وجود اگر چہ بدوں قرآن کے حساً ہو گیا لیکن وجود صحیح قابل اعتبار تعلیم قرآن کے بعد ہوگا کیونکہ اگر بیان میں تعلیمات قرآنیہ کا لحاظ نہیں تو وہ بیان اور تقریر شرعاً باطل اور کالعدم ہے جیسا کہ آج کل اکثروں نے قرآن کی تعلیم کو بالکل ترک کر دیا ہے۔ عوام الناس کو تو دیکھتے ہیں کہ وہ اکثر امور میں حدود شرعیہ سے متجاوز ہو گئے ہیں اور ان کی ذرا رعایت نہیں کرتے مگر ہم اس طرح طلباء کو بھی اپنے اقوال و افعال میں جادہ شریعت سے بہت بڑھا ہوا پاتے ہیں۔ اور قرآن کی تعلیم کو انہوں نے بھی بہت زیادہ چھوڑ دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل تحقیق طلبہ کو ایسے جلسوں اور انجمنوں کی اجازت دیتے ہوئے کھٹکتے ہیں کیونکہ ان کو اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ جلسوں کی کارروائی میں متجاوز عن الشرع نہ ہو جاویں پس جو بیان متجاوز حدود عن الشرع ہو وہ علمہ البیان میں داخل نہیں ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

تفسیری نکات

بیان نعم ونقم

اور یہی وجہ ہے کہ سورۃ رحمٰن میں بیان نقم (عذاب) کے بعد بھی وہی فرمایا ہے جو بیان نعم کے بعد فرمایا ہے یعنی فبای الاء ربکما تکذبان یعنی خدا کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاتے ہو اس کی ضروری تفصیل اہل علم کے لئے بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ سورہ رحمٰن کے اول رکوع میں تکوینی نعم کا بیان ہے اور تیسرے رکوع میں نعم اخرویہ کا ان کے ساتھ تو فبای الاء ربکما تکذبان (اپنے رب کی کون کونسی نعمت جھٹلاتے ہو) کا ربط ظاہر ہے لیکن دوسرے رکوع میں نقم کا بیان ہے ان کے ساتھ فبای الاء الخ کا بظاہر کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا نعم کے بعد تو فبائے الاء سے خطاب سب کے نزدیک برمحل ہے مگر اکثر لوگ نقم کے بعد فبای آلاء الخ پر تعجب کرتے ہیں کہ نقم کے بعد اس کا کیا جوڑ مثلاً جہنم کا ذکر فرمایا اس کے بعد فرمایا فبای آلاء الخ یعنی اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاتے ہو اس میں یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا جہنم بھی نعمت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ گو بظاہر مذکور کے درجہ میں جہنم نقمت ہے لیکن ذکر کے درجہ میں وہ نعمت ہے کیونکہ اس کا ذکر ہدایت کے لئے کیا گیا ہے اور نقمت کے ساتھ ظاہر کا لفظ اس واسطے کہا کہ واقع میں خود جہنم بھی نعمت ہے ان شاء اللہ اس کو بھی بیان کردوں گا اس وقت یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ جس طرح جنت کا ذکر کر کے ترغیب دینا نعمت ہے اسی طرح جہنم کا ذکر کر کے ترہیب کرنا بھی نعمت ہے۔ جیسا کہ طبیب کا دوا بتلانا بھی نافع ہے اور قابل پرہیز اشیاء کی فہرست بتلانا اور ان کی مضرتیں بیان کرنا بھی نافع ہے۔ سب جانتے ہیں کہ جس طرح حصول خیر میں کوشش کی جاتی ہے اسی طرح شر سے بچنے کا بھی اہتمام ہوتا ہے چنانچہ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا ہے کہ اساله الشر مخالفة ان یدر کنی یعنی کل من علیها فان و یبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام جتنے روئے زمین پر موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گے اور آپؐ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت والی ہے رہ جائے گی۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے کل شیء هالک الا وجهه ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخ صور کے تحت ارواح بھی فنا ہو جائیں گی تو پھر حیات ملکوتیہ بھی باقی نہ ہوئی۔

اس کا جواب بعض نے تو یہ دیا ہے کہ ایک آیت میں استثناء بھی وارد ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ و نفخ فی الصور فصعق من فی السموات و من فی الارض الا من شاء الله.

کہ جب نفخ صور ہوگا تو آسمان اور زمین والے سب بے ہوش ہو جائیں گئیں گے یہاں صعقہ سے صعقہ موت مراد ہے اس کے بعد استثناء ہے الا ماشاء الله کہ جس کو حق تعالیٰ چاہیں گے وہ اس صعقہ سے مستثنیٰ بھی ہوگا پس ارواح الا ماشاء اللہ میں داخل ہیں ان کو موت نہ آئے گی۔

مگر ہم اس جواب پر مجبور و مضطر نہیں ہیں بلکہ ہم تسلیم کے بعد دوسرا جواب دیتے ہیں کہ اگر نفخ صور کے وقت ارواح بھی فنا ہو جائیں تب بھی اس سے انقطاع حیات لازم نہیں آتا کیونکہ وہ فنا تھوڑی دیر کے لئے ہوگا ممتد نہ ہوگا اور امور عادیہ میں زمان لطیف کا انقطاع مانع استمرار نہیں موٹی بات ہے کہ اگر ایک شخص پانچ گھنٹہ تک تقریر کرے اور درمیان درمیان میں سیکنڈ سیکنڈ سکوت کرے تو یہ سکوت مانع استمرار تقریر نہیں بلکہ محاورہ میں یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے پانچ گھنٹہ تک مسلسل تقریر کی اس پر اگر کوئی کہنے بھی لگے کہ واہ صاحب اس نے درمیان درمیان دس دس پانچ پانچ سیکنڈ سکوت بھی تو کیا تھا۔ پانچ گھنٹہ مسلسل تقریر کہاں کی تو ہر شخص یہ کہے گا کہ تم احمق ہو کہیں دس دس سیکنڈ کے سکوت کا بھی اعتبار ہوا ہے۔

اسی طرح جب آپ چلتے ہیں تو حرکت کے ساتھ درمیان میں ایک زمان لطیف کا سکون ہوتا ہے کیونکہ ایک پیر کی حرکت کے بعد بدوں اس کے سکون کے دوسرے پیر کو حرکت نہیں ہوسکتی مگر اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتا بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ ہم مسلسل بارہ کوس تک چلتے رہے۔

غرض احکام عرفیہ عادیہ میں استمرار و دوام کے لئے زمان لطیف کا تخیل مخل نہیں ہوتا تو نفخ صور کے وقت ارواح کا فنا تھوڑی دیر کے لئے یا ایک لحہ کیلئے ہوگا محض تحلہ قسم کے طور پر جیسے قرآن میں ہے ان منکم الاواردھا کہ ہر شخص کو جہنم کا ورود ضرور ہوگا۔ ورد بمعنی مرور بھی آتا ہے اس پر تو کچھ سوال بھی نہیں اور بمعنی دخول بھی ہے۔ اس پر سوال ہوتا ہے کہ بعض تو دخول سے محفوظ رہیں گے۔ تو اس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ بعضوں کا ورد اگر بمعنی دخول بھی ہو محض تحلہ قسم کیلئے ہوگا۔ جس کی صورت یہ ہوگی کہ جہنم کی پشت پر پل صراط بچھایا جائے گا جس پر ہو کر سب مسلمان گزریں گے۔ بعض تو کٹ کر جہنم میں ہی جا گریں گے یہ تو حقیقۃً وارد ہوں گے اور بعض مثل برق خاطف کے گزر جائیں گے ان کو خبر بھی نہ ہوگی کہ جہنم کدھر کو تھی ان کا ورود تحلہ قسم کے لئے ہوگا کہ بس جہنم کی پشت پر سے گزر گئے اور راستہ میں جہنم پڑ گئی گو ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔ جیسے کوئی جلدی آگ کے اندر ہاتھ کو گزار دے۔ اسی طرح تحلہ قسم کے لئے ارواح کا فنا بھی ایک آن کے لئے ہو جائے تو یہ مانع بقاء نہ ہوگا۔

یہ جواب محققین کا ہے اور بالخصوص فلاسفہ کے مذہب پر تو یہ بات بہت ہی ظاہر ہے کیونکہ ان کے نزدیک

(c) ketabton.com: The Digital Library

زمانہ آنات سے مرکب نہیں بلکہ آن طرف زمان ہے۔ تو اب یہ کہنا بہت سہل ہے کہ ارواح کا بقا تو زمانی ہے اور فناء آنی ہے اور بقا زمانی کا انقطاع فناء زمانی ہی سے ہوسکتا ہے۔ نہ کہ فناء آنی سے اس تقدیر پر در حقیقت میں بھی انقطاع بقاء نہ ہوگا۔

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کرتے ہیں آسمان والے اور زمین والے اور وہ ہر وقت ایک شان میں ہے۔

تفسیری نکات

یعنی ہر وقت عالم میں مختلف قسم کے تصرفات کرتا رہتا ہے کسی کو حیات بخشتا رہتا ہے کسی کو موت دیتا ہے کسی کو خوشی کسی کو غم کسی کو عزت کسی کو ذلت کسی کو پستی کسی کو رفعت یہاں پر لفظ سوال عام ہے خواہ بلسان قال ہو یا بلسان حال ہو یہ اس واسطے میں نے کہا کہ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ مخلوق میں تو بعض لوگ ملحد بھی ہیں جو خدا ہی کو نہیں مانتے اور بعض مانتے تو ہیں مگر زبان سے کبھی خدا سے کچھ نہیں مانگتے تو سمجھو کہ ملحدین متکبرین گو زبان قال سے سوال نہ کریں مگر زبان حال سے سب سوال کرتے ہیں کیونکہ سوال بزبان حال ہی کی دو قسمیں ہیں ایک بقصد ایک بلا قصد مریض حکیم کے پاس اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے یہ زبان حال سے سوال ہے معالجہ کا گو زبان قال سے کچھ نہ کہتا یہ تو سوال بزبان حال بقصد ہے اور بلا قصد کی یہ صورت ہے کہ ایک بیمار پڑا ہوا چیخ رہا ہے اس کی حالت بتلا رہی ہے کہ وہ معالجہ کا طالب ہے گو وہ قصد سوال بھی نہ کرتا ہو غرض کوئی زبان قال سے سوال کرتا اور کوئی زبان حال سے بقصد اور کوئی زبان حال سے بلا قصد شریعت میں بھی زبان حال سے قصداً سوال کرنے کی ایک نظیر موجود ہے۔ حدیث میں ہے **من شغله القرآن عن ذكرى ومسئلتي اعطيته افضل ما اعطى السائلين** جو شخص قرآن میں اس درجہ مشغول ہو کہ اسے ذکر و دعا کی بھی فرصت نہ ہو یا دعا کی طرف التفات نہ ہو تو حق تعالیٰ اس کو سائلین سے زیادہ عطا فرماتے ہیں کیونکہ تلاوت قرآن میں مشغول ہونا یہ بھی سوال بزبان حال قصداً ہے اور بلا قصد میں سب شامل ہیں جمادات بھی اور نباتات بھی اور ملحدین و متکبرین بھی کیونکہ سب کی حالت حدوث و امکان بتلا رہی ہے کہ یہ کسی بہت بڑی ہستی کے محتاج ہیں جس کے قبضہ میں سب کا وجود و بقاء ہے چنانچہ ہر ملحد و متکبر کی حالت دیکھ لی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ احتیاج میں سر سے پیر تک بندھا ہوا ہے جب سوال کو عام لے لیا گیا کہ خواہ بزبان قال ہو یا بزبان حال اور بقصد ہو یا بلا قصد تو اب **من فى السموات والارض** (جو آسمانوں اور زمین ہیں) میں لفظ من اپنے عموم پر ہے خاص کرنے کی ضرورت نہیں البتہ اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ لفظ من میں ذوی العقول کی تغلیب ہے غیر ذوی العقول پر کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ذوی العقول کے لفظ میں غیر ذوی العقول کو بھی شامل کر لیا گیا اور اگر اہل تحقیق کا قول لے لیا جائے تو پھر تغلیب کی بھی ضرورت نہ رہے گی کیونکہ ان کے نزدیک جمادات ونباتات وغیرہ سب ذوی العقول ہیں غیر ذوی العقول نہیں گو ان کی عقل اس درجہ نہ ہو جو تکلیف بالاحکام کے لئے کافی ہو مگر معرفت حق کے لئے ضرور کافی ہے چنانچہ حیوانات و جمادات ونباتات سب کے سب خدا کو پہچانتے ہیں بلکہ انبیاء اولیاء تک کو پہچانتے ہیں ہاں اگر یہ کہا جائے کہ لغت سب پر حاکم ہے محققین پر بھی اور غیر محققین پر بھی کیونکہ قرآن کا نزول لغت پر ہوا ہے نہ کہ محققین کی تحقیقات پر اور لغت میں لفظ من ان ذوی العقول کے لئے خاص ہے جو ظاہر میں ذوی العقول ہیں تو بے شک تغلیب کا ماننا ضروری ہوگا اور یہی صحیح ہے لیکن اب یہ سوال ہوگا کہ پھر تغلیب میں نکتہ کیا ہے سو اس میں نکتہ اسی وقت سمجھ میں آیا ہے کہ اس میں ذوی العقول کو تنبیہ ہے کہ خدا سے مانگنا اصل میں ذوی العقول کا کام ہے اور جو تمہارا کام تھا اس میں غیر ذوی العقول بھی تمہارے شریک ہیں پھر تمہارا خدا سے سوال نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ کسی سے سوال نہ کرنے کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ اس کے خزانے میں کمی ہو یا اس میں شفقت ورحم نہ ہو یا سخاوت نہ ہو اور جس میں یہ سب باتیں موجود ہوں کہ اس کے خزانے بھی بے انتہا ہوں شفقت ورحم بھی کامل درجہ کا ہو سخاوت بھی اعلیٰ درجہ کی ہو اس سے سوال نہ کرنا تو بڑا غضب ہے پس خدا تعالیٰ سے ضرور سوال کرنا چاہیے شاید آپ یہاں ایک بات کہیں وہ یہ کہ ہم نے بعض دفعہ سوال کیا ہے اور کرتے رہتے ہیں مگر مطلوب نہیں ملتا سو اس کا ایک تو جواب یہ ہے کہ آپ نے سوال کی طرح سوال ہی نہیں کیا خدا تعالیٰ سے اس طرح مانگو جس طرح کسی دنیا کے بادشاہ سے مانگا کرتے ہیں کیا بادشاہ سے مانگنے کے وقت آپ کی وہی صورت ہوتی ہے جو دعا کے وقت ہوتی ہے ہرگز نہیں۔ ایک ادنیٰ بادشاہ سے بھی کوئی سوال کرتا ہے تو اس کا دل رعب وجلال سے پر ہوتا ہے صورت پر عاجزی وخشوع کا پورا اثر ہوتا ہے اور سوال کے وقت کوئی بات بادشاہ کی مرضی کے خلاف اس میں نہیں ہوتی اور ہماری یہ حالت ہے کہ عین دعا کے وقت ہم سینکڑوں گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں کسی کے پاس پرایا حق دبا ہوا ہے کسی کے پاس موروثی زمین دبی ہوتی ہے بعض کی صورت بھی دعا کے وقت شریعت کے موافق نہیں ہوتی بلکہ باغیانہ شکل ہوتی ہے پھر یہ کہ دعا میں بھی لجاجت والتجا نہیں ہوتی دل بھی حاضر نہیں ہوتا اوپر سے دل سے دعا کرتے ہیں صورت پر بھی عاجزی اور زاری نہیں ہوتی اس حالت میں یہ بتلاؤ سوال سوال ہے۔ (السوال فی السوال)

پس اب حاصل آیت کا یہ ہوا کہ تمام مخلوق جو آسمان وزمین میں ہے حق تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے اب ایک سوال پیدا ہوگا کہ معنی عبادت کو لفظ سوال سے کیوں تعبیر کیا گیا اس میں کیا نکتہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک نکتہ تو یہ ہے کہ مخلوق عبادت کر کے کچھ ہم پر احسان نہیں کرتی بلکہ اپنا ہی بھلا کرتے ہیں کہ صورت سوال پیدا کر کے کچھ ہم سے لے لیتے ہیں دوسرے اس میں اس پر بھی تنبیہ ہے کہ عبادت کے اندر سوال کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

شان ہونا چاہیے عبادت اس طرح کرنا چاہیے جس طرح سوال کیا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سوال میں صورت بھی عاجزانہ ہوتی ہے دل میں بھی تقاضا وطلب ہوتا ہے اور جس سے سوال کرتے ہیں اس کی طرف آنکھیں لگی ہوتی ہیں دل بھی ہمہ تن متوجہ ہوتا ہے کہ دیکھئے درخواست کا کیا جواب ملے تو یہی شان عبادت میں ہونا چاہیے اس سے تکمیل عبادت کا سہل طریقہ معلوم ہو گیا کہ عبادت کیونکر کامل ہوتی ہے لیجئے یہ انمول جواہرات آپ کو مفت بلا مشقت مل گئے ان کی قدر کیجئے اور یہاں سے علوم قرآن کا اندازہ ہوگا کہ لفظ لفظ میں کتنے علوم ہیں اور یہ تو وہ ہیں جہاں ہم جیسوں کی فہم پہنچتی ہے اور حکماء امت و عارفین اور صحابہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاں تک پہنچی ہوگی ان کی کیا شان ہوگی۔

عورتوں کے فضائل

اور حوروں کی شان میں قرآن پاک میں یہی وارد ہے فیھن قاصرات الطرف نیز عورتوں کے فضائل میں ہے الغافلات المومنات معلوم ہوا کہ خارجیات سے بے خبری اصل وضع ہے۔ عورتوں کی اور گو یہاں پر مراد غفلت عن الفواحش ہے۔ مطلق بے خبری مراد نہیں مگر غفلت عن الفواحش مردوں میں بھی تو مقصود ہے لیکن باوجود اس کے عورتوں کی مدح میں تو اس کو لائے مردوں کے لئے تو یہ نہیں فرمایا اس سے صاف معلوم ہوا کہ مطلق بے خبری بھی عورتوں کے زیادہ مناسب ہے اب نالائق کہتے ہیں کہ پردہ توڑ کر بے پردہ ہو جاؤ اور ترقی کروان کے یہاں کسی چیز کی کوئی حد ہی نہیں عجب گوبر دماغوں میں بھرا ہے میرا دل تو گواہی دیتا ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی ان نالائقوں کو کامیابی نہ ہوگی اللہ تعالیٰ دین کی امداد کریں گے جس سے ان اطراف کی عورتیں ہرگز قبول نہیں کریں گی۔

فرمایا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کل یوم ھو فی شان مثلاً زندہ کرنا مارنا وغیرہ وغیرہ تجلیات اسمائے الٰہیہ ہر وقت ہر آن ہوا کرتی ہیں اسمائے الٰہیہ کی تجلی کو اس طرح پر سوچے کہ فلاں فلاں اسم کے فلاں فلاں اثر ظاہر ہوئے مثلاً امانت احیاء تخلیق ترزیق وغیرہ جوان کے ساتھ متعلق ہے اس سے عرفان میں ترقی ہوگی۔

فبای الاء ربکما تکذبان (پس اپنے رب کی کون کونسی نعمت کی تکذیب کرو گے) اس سورہ میں تین قسم کے مضمون ہیں۔ اول رکوع میں آیات توحید ہیں اور دوسرے رکوع میں آیات عذاب اور تیسرے رکوع میں جنت کا بیان۔ اول اور سوم میں یعنی توحید اور جنت کے بیان میں تو فبای الاء ربکما تکذبان ظاہراً بھی بے جوڑ نہیں لیکن جہنم کے ذکر کے ساتھ فبای الاء ربکما تکذبان کا کیا جوڑ ہو سکتا ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان یعنی قیامت کے دن کسی جن وانس کا عذر گناہ کے متعلق نہ چلے گا اس کے آگے پھر وہی فبای الاء ربکما تکذبان ہے اس میں کونسی نعمت تھی جو یاد دلائی گئی

آگے ہے یعرف المجرمون بسیماھم فیؤخذ بالنواصی و الاقدام یعنی گنہگاروں کو ان کے چہروں سے پہچان لیا جائے گا پھر یہ گت بنے گی کہ ایک طرف سے بال پکڑے جائیں گے اور ایک طرف سے پیر اور دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اس کے آگے بھی فرماتے ہیں فبای الاء ربکما تکذبان اس میں کونسی نعمت ہے جس کو جتلایا گیا۔ آگے ہے ھذہ جھنم التی یکذب بھا المجرمون یطوفون بینھا وبین حمیم ان یعنی بطور سرزنش کہا جائے گا یہ وہی جہنم ہے جس کو مجرمین جھٹلایا کرتے تھے حاصل یہ ہے کہ ان کی یہ حالت ہوگی کہ کبھی آگ میں جلائے جائیں گے اور کبھی ماء حمیم پلایا جائے گا جس سے آنتیں کٹ پڑیں گی بتایئے کس قدر سخت عذاب ہے لیکن اس کے ساتھ بھی وہ آیت ملی ہوئی ہے فبای الاء ربکما تکذبان (حق تعالیٰ شانہ کا عذاب سے ڈرانا بھی رحمت ہے) ان ساری آیتوں میں سے کسی میں بھی رحمت کا ذکر نہیں بلکہ عذاب ہی عذاب کا ذکر ہے پھر کس نعمت کو یاد دلایا اور اس کا کیا جوڑ ہے۔

دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ کہا جائے کہ یہ آیت نعوذ باللہ جا بجا بے جوڑ ہے یا کچھ جوڑ بتلایا جائے بے جوڑ تو ہو نہیں سکتی اس واسطے کہ قرآن شریف ایسا کلام ہے جس کی فصاحت و بلاغت صرف مسلمانوں ہی کے نزدیک مسلم نہیں بلکہ بے دینوں اور دشمنوں اور مخالفین کے نزدیک بھی مانی ہوئی ہے اور کلام کے لئے اس سے زیادہ کوئی عیب نہیں ہو سکتا کہ اس میں جوڑ اور ربط بھی نہ ہو۔ غرض قرآن میں اس شق کا تو احتمال ہی نہیں پس یہ یقینی بات ہے کہ جوڑ ہے اور جوڑ یہی ہے کہ عذاب کو یاد دلایا گیا تا کہ اس کے موجبات سے لوگ بچیں اور رحمت کے مستحق ہوں جیسے کہ باپ نے بچے کو ڈرایا تھا کہ اس چیز کو مت کھانا اس سے پیچش ہو جائے گی۔ یہ اس نے اسی واسطے کہا کہ بچہ اس تکلیف دہ چیز سے بچ جائے اور پیچش کی تکلیف نہ اٹھائے جس طرح باپ کا ڈرانا رحمت تھا اسی طرح حق تعالیٰ کا عذاب کو بیان کرنا بھی رحمت ہے اسی کو بار بار یاد دلاتے ہیں اور فرماتے ہیں فبای الاء ربکما تکذبان یعنی ہماری تمہارے اوپر ایسی ایسی نعمتیں ہیں کہ ہم تم کو ایسے ایسے عذابوں سے بچانا چاہتے ہیں تم کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے اس آیت کے تکرار سے میرے اس دعوے کی تائید ہوتی ہے کہ آیات عذاب بھی آیات رحمت ہیں اب غور کرنے کی بات ہے کہ جن کی آیات عذاب بھی رحمت ہوں تو آیات رحمت کا کیا حال ہوگا اس کو کس لفظ سے بیان کیا جائے۔

جنت کی نعمتوں کے مستحق

کیونکہ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جن اچھے عمل کریں گے تو جنتی ہوں گے سورۃ رحمٰن میں جنت کی نعمتوں کا ذکر کر کے فرمایا ہے۔ فبای الاء ربکما تکذبان (پھر تم اے جن وانس) اپنے رب کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

کونسی نعمت کا انکار کرتے ہو) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کی نعمتیں دونوں ملیں گی نیز یہ بھی فرمایا کہ لـــم یطمثھن انس قلبھم و لا جان (یعنی حوروں کو ان سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہو گا نہ کسی جن نے) تو اگر جن کا احتمال ہی نہ تھا تو یوں کیوں فرمایا اور اس سے بھی صاف لیجئے کہ فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر ایک فریق جنت میں ہو گا۔ ایک فریق دوزخ میں ہو گا تو دو فریق فرمائے ہیں تیسرا فریق نہیں فرمایا اور یہ یقین ہے کہ دوزخ سے بچے رہیں گے تو اب اگر وہ جنت میں نہ جاویں تو تیسرا فریق ہونا لازم آتا ہے نہ وہ فریق فی الجنۃ (جنت کے فریق) میں داخل ہوئے نہ فریق فی السعیر (دوزخ کے فریق) میں اب رہی یہ بات ہے کہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اعراف میں بھی رہیں پس تیسرے فریق کا بھی ثبوت ہوا مگر یہ شبہ بہت جلد زائل ہو جاوے گا کیونکہ اسی مقام پر فرماتے ہیں ادخلوا الجنۃ لا خوف علیکم و لا انتم تحزنون (تم جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر کوئی خوف نہیں نہ تم رنجیدہ ہو گے) اس میں دو تفسیریں ہیں ایک تو وہ جو میں اختیار کرتا ہوں کہ یہ اہل اعراف کا قول ہے وہ دوزخیوں کو چڑانے کے لئے اہل جنت کے بارہ میں کہیں گے کہ اھولاء الذین اقسمتم لاینالھم اللہ برحمۃ (کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کے بارہ میں تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نہ کرے گا۔)

قیل لھم ادخلوا الجنۃ الخ دیکھو انہیں تو یہ کہہ دیا گیا کہ تم جنت میں چلے جاؤ تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہو گے دوسرا ایک قول اور ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے اہل اعراف کے لئے ادخلوا الجنۃ۔ یعنی تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ سو اس آیت میں تو دونوں احتمال ہیں مگر میں دوسری آیت سے استدلال کرتا ہوں فرماتے ہیں وبینھما حجاب و علی الاعراف رجال یعرفون کلا بسیماھم ونادو اصحاب الجنۃ ان سلام علیکم لم یدخلوھا وھم یطمعون (ان دونوں کے درمیان ایک اڑ ہو گی اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے وہ لوگ ہر ایک کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے اور جنت والوں کو پکار کر کہیں گے السلام علیکم۔ ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور اس کے امیدوار ہوں گے۔) اس سے معلوم ہوا کہ اہل اعراف کو جنت میں داخل ہونے کی امید ہو گی اور عالم آخرت عالم انکشاف حقائق ہے۔ وہاں غلط امید نہیں ہو سکتی دوسرا استدلال اور ہے کہ سورہ حدید میں ہے فضرب بینھم بسور لہ باب باطنہ فیہ الرحمۃ وظاھرہ من قبلہ العذاب (پھر ان کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہو گا کہ اس کے اندرونی جانب میں رحمت ہو گی اور بیرونی جانب میں عذاب ہو گا۔

مگر اس سے قبل سمجھئے کہ حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ کہ ان کے حسنات زیادہ ہوں گے سیات سے وہ تو جنت میں جائیں گے یہ لوگ اعراف میں ہوں گے۔ اب سنئے بسور لہ باب کو مفسرین نے بالا جماع اعراف کہا ہے تو اس کے دو رخ ہیں ایک طرف عذاب ہے اور ایک طرف رحمت ہے تو وہاں دونوں

(c) ketabton.com: The Digital Library

طرف کا اثر ہے اب دوسرا مقدمہ یہ سمجھئے کہ مؤمنین میں سے جو جہنم میں جاویں گے وہ گناہوں کی سزا ملنے کے بعد جنت میں جاویں گے تو اہل اعراف جوان سے اصلح حالاً ہیں وہ کیوں جنت میں نہ جاویں گے اور گفتگوان جنوں میں ہو رہی ہے جو صالح ہوں ہاں اس کے ہم بھی قائل ہوں گے کہ جنوں میں تین قسم کے لوگ ہوں گے اس میں سے ایک قسم کے لوگ وہ بھی ہیں جن کے حسنات وسیات برابر ہوں گے اور وہ اولاً اعراف میں ہوں گے مگر کچھ دنوں کے بعد پھر جنت میں جاویں گے اور اعراف کے متعلق ایک اور بات یاد آئی جو عوام میں مشہور ہے اور بالکل غلط ہے وہ یہ کہ رستم اور نوشیرواں اور حاتم طائی یہ سب اعراف میں رہیں گے لوگوں کی بھی عجیب حالت ہے اپنی طرف سے جو چاہتے ہیں کہہ دیتے ہیں گویا یہ اس محکمہ کے حاکم ہیں کہ ان کے اختیار میں ہے جس کو جہاں چاہیں بھیج دیں خوب سمجھ لو کہ اگر ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے تو محض سخاوت یا شجاعت یا عدالت کی وجہ سے جنت کے مستحق نہیں ہو سکتے کسی کے اندر کتنی ہی خوبیاں ہوں جب تک ایمان نہ ہو گا سب بے کار ہیں۔

تجلیات اسماء الٰہیہ کا مراقبہ

فرمایا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کل یوم هو فی شان مثلاً زندہ کرنا' مارنا وغیرہ وغیرہ تجلیات اسمائے الٰہیہ ہر وقت ہر آن ہوا کرتی ہیں۔ اسمائے الٰہیہ کی تجلی کو اس طرح پر سوچے کہ فلاں فلاں اسم کے فلاں فلاں اثر ظاہر ہوئے مثلاً امات احیاء تخلیق ترزیق وغیرہ جو اکوان کے ساتھ متعلق ہے اس سے عرفان میں ترقی ہوگی۔

(مقالات حکمت صفحہ ۲۶)

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾
ترجمہ: یہ ہے وہ جہنم جس کو مجرم لوگ جھٹلاتے تھے۔

تفسیری نکات

کرامت استدراج میں فرق

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا گیا کہ اگر کسی خارق (کرامت) کے بعد قلب میں زیادت تعلق مع اللہ محسوس ہو تب تو وہ کرامت ہے اور اگر اس میں زیادت محسوس نہ ہو تو نا قابل اعتناء (توجہ) ہے اور یہ جو آج کل مخترع کشف وکرامت کی بناء پر پیروں کو مریداں می پرانند کا مصداق بناتے ہیں اور لوگوں کو پھنساتے ہیں بالکل ہی واہیات بات ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ بیان کیا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بدوی نفاع نام معتقد تھا اس نے ایک بار کہلا کر بھیجا کہ لڑائی میں میرے گولی لگ گئی ہے تکلیف ہے دعا کیجئے نکل جائے اس کا بیان ہے کہ دوسرے دن حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور زخم میں انگلی ڈال کر گولی نکال لی۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر فرمایا کہ مجھے پتہ بھی نہیں نیز بعض اوقات خارق استدراج (ڈھیل) ہوتا ہے اور استدراج کے بعد نفس میں تکبر ہوتا ہے بس ایسے اشتباہ کی حالت میں اگر کوئی چیز راحت اور آرام کی ہے تو وہ ذکر اللہ میں مشغول رہنا ہے اور گمنامی اور اپنے کو فنا کر دینا اور مٹا دینا اس ہی میں لطف ہے بدوں اس کے چین ملنا مشکل ہے مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

اور کرامت و استدراج میں ایک ظاہر فرق یہ ہے کہ صاحب کرامت متصف بالایمان والعباد وغیرہ ہو گا۔ اور صاحب استدراج افعال منکرہ میں مبتلا ہوگا اور پہلا فرق جو مذکور ہوا انکسار و تکبر وغیرہ کا وہ اثر کے اعتبار سے ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج۱ ص۲۱۹)

حقیقت گناہ

یہ تو ان گناہوں کی حالت ہے جن کو ہم گناہ سمجھتے تھے۔ مگر چند روز عادی ہو جانے کی وجہ سے غفلت ہوگئی بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ جن کی طرف آج کل خیال بھی نہیں جاتا بلکہ چھوڑنے سے جی برا ہوتا ہے اور یوں تو گناہ سب ہی برے ہیں لیکن ایسے گناہ زیادہ خطرناک ہیں جو علی العموم عادت اور رواج میں داخل ہو گئے ہوں کیونکہ طبیعتیں ان سے مانوس ہوگئی ہیں حتیٰ کہ ان کی برائی ذہن سے دور ہوگئی اور بجائے اس کے ان کی ضرورت اور بھلائی دلنشین ہوگئی ہے ان کے چھوٹنے کی کیا امید ہو سکتی ہے آدمی چھوڑتا اس چیز کو ہے جس کی برائی خیال میں ہو اور جس چیز کی برائی ذہن سے نکل جاتی ہے پھر اس کو کیوں چھوڑنے لگا ان گناہوں کو میں مختصراً بیان کرتا ہوں۔

پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ گناہ کیا چیز ہے گناہ کی حقیقت ہے خدا کے حکم کو بجا نہ لانا اور ان احکام کی کئی قسمیں ہیں ایک وہ جو کہ عقائد کے متعلق ہیں اور ایک وہ جو عمل کے متعلق ہیں اور بعضے معاملات کے متعلق ہیں اور بعضے حقوق عباد کے متعلق ہیں میں ان کو ترتیب وار مختصر مختصر بیان کرتا ہوں اول عقائد کے متعلق سنیئے۔

ان حقوق کا بجالانا یہ ہے کہ عقائد جیسے خدا تعالیٰ نے بیان فرمائے ویسے ہی رکھے جائیں' لیکن ان میں بھی بہت فساد آ گیا اور ان کو جو کچھ خراب کیا جہالت نے کیا' عورتوں میں تو عام رواج ہے کہ پڑھنے پڑھانے کو کچھ چیز ہی نہیں سمجھتیں۔ جس کی طبیعت بچپن سے جس طرف کو چل جائے اسی طرف چھوڑ دی جاتی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: جو شخص دنیا میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانہ ہے جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہتا ہے اس کے لئے دو باغ ہیں سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ دونوں باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے سوائے جن وانس اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں سے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دو باغوں میں دو چشمے ہوں گے بہتے ہوئے چلے جائیں گے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ان دونوں باغوں میں ہر میوے کی دو قسمیں ہوگی)

تفسیری نکات

دو جنتیں

یعنی جو شخص حق تعالیٰ کے خوف سے گناہ سے بچے گا اس کی جگہ جنت ہی میں ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ اس کے لئے دو جنتیں ہیں کہ ان میں نہریں ہیں اور طرح طرح کے نعیم ہیں لیکن اس درجہ کا تو کیا ذکر ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم معاصی کئے جاتے ہیں اور دل میں کبھی کھٹکا بھی نہیں ہوتا کہ یہ گناہ ہوا بلکہ ان معاصی پر فخر کرتے ہیں کہتے ہیں ہم نے ذرا سی نوکری میں اتنا روپیہ کما لیا یہ ہمارا ڈھنگ اور چالاکی ہے۔ دھوکہ دے کر اور معاملات ناجائز کر کے ساری عمر روپیہ جمع کرتے رہتے ہیں پھر اس کو ہنر سمجھتے ہیں یہ وہ حالت ہے جس کو موت قلب کہتے ہیں اس کے بعد توبہ کی بھی کیا امید ہے کیونکہ توبہ کی حقیقت ہے ندم یعنی پشیمانی اور پشیمانی اسی کام سے ہوا کرتی ہے جس کی برائی ذہن میں باقی ہو۔ اور جب گناہ دل میں ایسا رچ گیا کہ اس پر فخر کرتے ہیں تو پھر پشیمانی کہاں؟

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْوَاقِعَه

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝۸ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝۹

ترجمہ: سو جو دا ہنے والے ہیں۔ وہ دا ہنے والے کیسے اچھے ہیں اور جو بائیں والے ہیں۔ وہ بائیں والے کیسے برے ہیں۔

تفسیری نکات

اصحاب الجنۃ کی دو قسمیں

ظاہر ہے کہ یہاں اصحاب المیمنہ سے مراد اصحاب جنت ہیں اور اصحاب المشئمۃ سے مراد کافر ہیں مگر اصحاب المیمنۃ سے مراد کل اصحاب جنت نہیں بلکہ صرف عامہ مومنین مراد ہیں اور خواص کا ذکر آگے ہے۔ والسابقون السابقون اولئک المقربون ۔

اس سے پہلے معلوم ہوا کہ یہ تیسری قسم ہے جو اصحاب الجنۃ سے بھی ممتاز ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ کہیں جنت سے الگ رہیں گے نہیں سکونت کے اعتبار سے یہ بھی اصحاب جنت ہیں مگر طلب کے اعتبار سے ان سے الگ ہیں۔

پس اصحاب الجنۃ کی دو قسمیں ہیں ایک من یطلب الجنۃ دوسرے من طلب الحق وان سکن الجنۃ اور سابقون کے تکرار سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ دونوں مذکورہ طبقوں سے سابق ہیں پس اصحاب جنت سے بھی سابق ہوئے یعنی معنی ہیں اہل جنت سے ان کے ممتاز ہونے کے آگے حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اولئک المقربون کے بعد فی جنت النعیم بھی فرمادیا تا کہ یہ شبہ نہ ہو کہ شاید مقرب ہونے سے مراد یہ ہے کہ نعوذ باللہ وہ خدا تعالیٰ کی گود میں بیٹھیں گے تو بتلا دیا کہ وہ بھی جنت ہی میں ہوں گے مگر دوسروں سے مقرب ہوں گے بہر حال اہل جنت میں دو قسمیں ہونا نصوص سے صراحۃً معلوم ہو رہا ہے اور اہل طریق کے کلام میں تو اس کی بہت تصریح ہے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ طلب کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا طالب نہ ہو نہ جنت کا نہ دوزخ سے بچنے کا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنت کو طلب نہ کرے بلکہ یہ مطلب ہے کہ بالذات طلب نہ کرے گو بعض اہل حال ایسے بھی ہیں جنہوں نے یہ صاف کہہ دیا کہ ہم کو نہ جنت کی پرواہ ہے نہ دوزخ کی۔ مگر یہ لوگ محقق نہیں ہیں ہاں مغلوب ہیں چنانچہ اہل حال ایسے بہت گزرے ہیں جنہوں نے طالبان جنت پر انکار کیا ہے۔

السابقون مکرر فرمانے کا سبب

فرمایا کہ ایک نکتہ بیان کرتا ہوں گو ہے دلالت میں محتمل مگر قواعد کے بالکل مطابق ہے چونکہ کسی بزرگ کے کلام میں دیکھنے میں نہیں آیا اس لئے جرات نہیں ہوتی۔ اگر صوفیہ کو سوجھتی تو بڑے اچھلتے کودتے اور ہم تو طالب علم ہیں ہم میں وہ ذوق نہیں اور وہ نکتہ یہ ہے کہ ایک آیت ہے فاصحاب المیمنۃ ما اصحب المیمنۃ و اصحب المشئمۃ ما اصحب المشئمۃ والسابقون السابقون اولئک المقربون

یہاں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس آیت میں سابقون سابقون دو جگہ فرمایا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ مقربین اصحاب میمنۃ سے بھی بڑھ گئے۔ ایک سابقون سے ایک جماعت سے سبقت کی طرف اشارہ ہے دوسرے سابقون سے دوسری جماعت ہے۔ یہ میرا ذوق ہے کوئی دلالت قطعی نہیں ہے اس اشارہ پر اس میں تائید ہو جائے گی بعض عشاق کے ایسے مقالات کو جو موہم ہیں استغناء عن جنات کی اور یہ تائید اس تاویل سے ہوگی کہ مراد جنت کا وہ درجہ ہے جو اصحاب یمین کے ساتھ خاص اور یہ ان سے سابق ہونے کے طالب ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الحَدِيْد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

ترجمہ: تو ہر وقت اور ہر جگہ تمہارے ساتھ ہیں۔

تفسیری نکات

قرب حق سبحانہ وتعالیٰ

ہاں تم ہی ان سے دور ہو اس لئے ونحن اقرب الیہ من حبل الورید یعنی ہم تم سے بہت نزدیک ہیں یہ نہیں فرمایا کہ انتم اقرب الینا۔ کہ تم ہم سے بہت نزدیک ہو اس لئے کہ تم دور ہو اور وہ نزدیک ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ قرب وبعد تو نسبت مکررہ میں سے ہے۔ جب ایک دوسرے کے قریب ہوگا تو دوسرا بھی اس سے قریب ہوگا ایک بعید ہوگا تو دوسرا بھی بعید ہوگا مگر یہ قرب جسمی میں ٹھیک ہے۔ یہاں قرب کے معنی قرب علمی کے ہیں قرب جسمی کے نہیں ہیں پس مراد محض یاد اور توجہ ہے تو اس اعتبار سے وہ قریب ہیں یعنی تمہاری طرف متوجہ ہیں اور تم بعید ہو یعنی تم ان کی طرف متوجہ نہیں پس اگر تم ذرا ان کی طرف متوجہ ہو تو پھر ان کا قرب تمہیں معلوم ہو۔

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست — تو خود حجاب خودی حافظ از میاں

عاشق اور معشوق میں کوئی پردہ نہیں۔ تو خود ہی حجاب ہے اے حافظ درمیان سے علیحدہ ہو۔

مسابقت الی الجنت کا حکم

سابقوا الی مغفرة من ربکم و جنة عرضها کعرض السماء والارض تم اپنے پروردگار کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

طرف دوڑو اور نیز ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کے برابر ہے۔

اس میں مسابقت الی الجنت کا امر ہے اگر جنت میں جانا ہمارے اختیار میں نہیں ہے تو حکم سابقوا کیوں ہے؟ معلوم ہوا کہ ہمارے اختیار میں ہے کیونکہ حق تعالیٰ اختیاری امور ہی کا مکلف فرمایا کرتے ہیں غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں فرماتے نص موجود ہے۔

لایکلف الله نفساً الا وسعها اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف شرعی نہیں بناتا مگر اس کی طاقت کے مطابق۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ
مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ
عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑯

ترجمہ: کیا ایمان والوں کیلئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق (منجانب اللہ) نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان کے قبل کتاب آسمانی ملی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) پھر اس حالت سے ان پر زمانہ دراز گزر گیا (اور توبہ نہ کی) پھر ان کے دل خوب سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان سے آج کافر ہیں۔

تفسیری نکات

شان نزول

اس آیت کا شان نزول سن لیجئے اس لئے کہ اس کی حقیقت سمجھنا اس پر موقوف بھی ہے۔ قصہ یہ ہوا تھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپس میں ہنسنا بولنا شروع کیا تھا۔ اور ظاہر بات ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہنسنا بولنا معصیت کے درجہ میں ہرگز نہ تھا۔ اس لئے کہ صحابہؓ ایسے جری نہ تھے کہ ایک جماعت کی جماعت معصیت میں جان بوجھ کر مبتلا ہو اور نہ یہ احتمال ہے کہ ان کو معصیت کی خبر نہ ہو اس لئے کہ حق تعالیٰ نے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں کی فہرست صاف صاف بتا دی تھی۔ حدیث میں ہے الحرام بین و بینهما مشتبهات حلال و حرام میں کسی قسم کا خفاء و غموض نہ تھا پھر علاوہ اس کے یہ ہے کہ صحابہ کا علم و معرفت ایسا نہ تھا کہ ان کو کسی معصیت کے ہونے کی خبر نہ ہو۔ وہ حضرات تو دقائق اور حقائق تک پہنچتے تھے۔ میرا یہ دعویٰ نہیں کہ کوئی دقیقہ ان سے مخفی نہ تھا یا یہ کہ وہ معصوم تھے میرے دعوے کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ جس امر میں ان

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی جماعت شریک ہو وہ امر ہرگز معصیت نہ ہوگا پھر یہ کہ ایک جماعت اس میں شریک ہو اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ اگر یہ ہنسنا بولنا معصیت ہوتا تو ضرور اس پر انکار تو ہوتا اور ہنسنا بولنا کوئی ایسا امر مخفی ہے نہیں کہ کونہ میں چھپ کر کرتے ہوں ظاہر ہے کہ کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے یہ سب دلائل وقرائن ہیں اس بات کے کہ یہ ہنسنا بولنا ہرگز معصیت نہیں تھا مگر اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

نزول حق کا مفہوم

اس آیت میں اس فعل کے اثر سے تعرض ہے خود نفس فعل پر گرفت نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ کیا وہ وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لئے کہ ان کے دل نرم ہو جاویں یعنی کس شے کا انتظار ہے کیا ان کے نزدیک ابھی دل کے نرم ہونے کا وقت نہیں پہنچا اور نرم ہونا کس شے کے واسطے اللہ کی یاد کے لئے اور جو حق بات نازل ہوئی ہے حق سے مراد وعدہ وعید انذار وتبشیر پیدا کرنا چاہیے۔ یعنی خاشعین کی شکل بنانا چاہئے اس سے رفتہ رفتہ خشوع پیدا ہو جائے گا۔

ظاہر کا اثر باطن میں پہنچتا ہے

اس لئے کہ جس طرح باطن ظاہر میں موثر ہے اسی طرح ظاہر کا اثر بھی باطن میں پہنچتا ہے جس طرح دل کے اندر اگر غم ہو تو اس کا اثر چہرہ پر نمایاں ہوتا ہے اسی طرح اس کا عکس بھی ہے کہ اگر رونے کی شکل بنالی جاوے تو دل میں بھی کیفیت غم کی پیدا ہو جاوے گی۔ اسی واسطے تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر رونا نہ آوے تو رونے کی شکل ہی بنالو تو شکل بنانا مقصود اصلی نہیں ہے مقصود تو یہ ہے کہ دل میں خشوع پیدا ہو اور اگر خشوع ہے اور رونا نہ آوے تو کچھ حرج نہیں۔

بکا مامور بہ سے مراد دل کا بکا ہے

ایک دوست نے مجھ کو لکھا ہے کہ میں جب حج کرنے نہیں گیا تھا تو رونا بھی آتا تھا اور جب سے حج کر آیا ہوں رونا نہیں آتا۔ اس کا بہت افسوس ہے۔ میں نے لکھا کہ مراد دل کا رونا ہے وہ تم کو حاصل ہے حاصل آیت کا یہ ہے کہ ذکر اللہ وما نزل من الحق کا مقتضا یہ ہے کہ خشوع ہو اور حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر خشوع پیدا نہ ہو تو رونے کی شکل بنائے اور آیت میں اس کو بطور استفہام کے فرمایا کہ کیا اس کا وقت نہیں آیا مطلب یہ ہے کہ وقت آنا چاہیے۔

تخویف وانذار

ارشاد ہے ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتاب الخ یعنی نہ ہو جاویں وہ مثل ان لوگوں کے کہ جن کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

پہلے کتاب دی گئی ہے۔ پس ایک زمانہ دراز ان پر گزرا اور ان کے دل سخت ہو گئے۔ یہ ان تخشع قلوبھم کے مقابلہ میں بظاہر تو یوں فرماتے ان لا تخشع قلوبھم کہ ایسا نہ ہو کہ قلب میں خشوع نہ رہے یہ نہیں فرمایا بلکہ یہ ارشاد ہے کہ اہل کتاب جیسے نہ ہوں کہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے تھے یہ تخویف و انذار ہے کہ اگر تم نے غفلت کی تو تمہارے دلوں کے اندر قساوت نہ ہو جاوے۔

افعال واحوال قلب پر جوارح کا اثر

جس کا اثر یہ ہے وکثیر منھم فسقون کہ بہت سے ان میں حد سے متجاوز ہیں۔ اس کا اثر ظاہر فرما دینا بڑی رحمت ہے اس لئے کہ جو معاصی ظاہرہ ہیں ان کو تو برا سمجھتے ہیں مگر قلب کے احوال کی اطلاع کم ہوتی ہے۔ پس اگر یہ اثر ظاہر نہ فرماتے تو اس سے بچنے کا زیادہ اہتمام نہ ہوتا حالانکہ یہ اہتمام اس لئے زیادہ ضروری ہے کہ خود افعال جوارح کا مناط بھی افعال واحوال قلب ہیں۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب یعنی روح محفوظ میں لکھی ہے قبل اس کے ہم ان جانوں کو پیدا کریں یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے یہ بات بتلا اس واسطے دی ہے کہ تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے اس پر رنج اتنا نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی اس پر اتراؤ نہیں۔

تفسیری نکات

مسئلہ تقدیر کا ثمرہ

یہ تعلیل ہے ماسبق کی جس کا تعلق اخبرنا کم بذلک مقدر سے ہے یعنی ہم نے تم کو اس مسئلہ کی تعلیم اس لئے کی تاکہ تم مغموم نہ ہو اور اتراؤ نہیں اب غور کے قابل یہ امر ہے کہ لازم کے غایت کے واسطے لایا جاتا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے اور اوپر مسئلہ تقدیر کا ذکر ہے تو اس کی علت وغایت دوسری آیت میں بتلائی گئی ہے مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تم کو مسئلہ تقدیر اس لئے تعلیم کیا ہے کہ جب تم اس کے معتقد ہو گے تو تم کو حزن وفرح نہ ہوگا اور مسئلہ تقدیر کا یہ اثر مشاہد ہے جو لوگ تقدیر کے معتقد ہیں وہ مصائب وحوادث میں منکرین تقدیر سے زیادہ مستقل اور ثابت قدم رہتے ہیں تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تقدیر کا ثمرہ ایک عمل بھی ہے یعنی حصول تفویض وتوکل اور اس کا عمل ہونا ظاہر ہے پس عقائد ہر چند کہ خود بھی مقصود ہیں مگر ان کو تکمیل عمل میں بڑا دخل ہے اور یہ دخل مطلوب بھی ہے جیسا کہ آیت میں لکیلا تاسوا سے مستفاد ہوتا ہے اب اسی پر تمام عقائد کو قیاس کر لیجئے کہ مثلاً توحید کی تعلیم خود بھی مقصود ہے اور اس سے اعمال کی تکمیل بھی مقصود ہے کیونکہ جس شخص پر جس قدر توحید کا غلبہ ہوگا اتنا ہی اس کے اعمال مکمل ہوں گے اس کی نماز دوسروں کی نماز سے اکمل اس کی زکوۃ رزوہ دوسروں کی زکوۃ روزہ سے افضل ہوگی اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

مغرور سخن مشوکہ توحید خدا — واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

اور شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش — چہ فولاد ہندی نہی برسرش

امید و ہراسش نباشد زکس — ہمیں ست بنیاد توحید و بس

غرض موحد کامل کی یہ حالت ہوگی جو شیخ نے بیان فرمائی ہے جو ادنیٰ توحید والے کو حاصل نہیں ہو سکتی تو عقائد گو بظاہر جملہ خبریہ ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بیان میں عرض کیا ہے مگر ان سے مقصود جملہ انشائیہ ہیں اعتقادیہ بھی عملیہ بھی جیسا ابھی مذکور ہوا اس بناء پر اللہ واحد کا مطلب یہ ہے کہ اس اعتقاد کے ساتھ عمل میں بھی اس کا لحاظ رکھو کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں پس اپنے عمل میں خدا کے سوا کسی کو مقصود نہ بناؤ ورنہ ریا ہو جائے گی جو شرک اصغر ہے اور توحید کامل کے خلاف ہے اسی طرح عقلاً خدا کے سوا کسی سے طمع وخوف نہ رکھو کہ یہ بھی توحید کے خلاف ہے ہاں طبعی طمع وخوف کا مضائقہ نہیں کیونکہ وہ تو اضطرار بے اختیار ہوتا ہے جیسے سانپ کو دیکھ کر طبعاً ڈر جانا یا شیر سے ہیبت زدہ ہو جانا مگر عقلاً یہ مضمون ہر دم پیش نظر رہنا چاہیے کہ بدوں مشیت الٰہی کے کوئی چیز نفع یا ضرر نہیں دے سکتی۔ **وما هم بضارين به من احد الا باذن الله وان يمسسک الله بضر فلا كاشف له الا هو وان يردک بخير فلا راد لفضله۔**

گر گزندت رسد زخلق مرنج — کہ نہ راحت رشد زخلق نہ رنج

از خداداں خلاف دشمن و دوست — کہ آں ہر دو در تصرف اوست

اور یہ بڑا قیمتی مضمون ہے کہ جملہ خبریہ سے محض خبر مقصود نہیں ہوتی بلکہ کوئی انشا مقصود ہوتی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

بہت سے لوگوں کو اپنے اعتقادات کی صحت پر ناز ہو جاتا ہے بس وہ اعتقاد صحیح کر کے نحن ابناء اللہ واحباہ کا مصداق ہو جاتے ہیں کہ ہم اہل حق میں داخل ہیں اب ہم کو عذاب نہیں ہوگا چاہے کچھ بھی کرتے رہیں بہت لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ درستی عقائد کے بعد اعمال میں کوتاہی زیادہ مضر نہیں اور اس کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں نے اعتقادیات میں محض علم کو مقصود سمجھ لیا ہے اور میں بھی پہلے یہی سمجھتا تھا کہ اعتقادیات میں علم ہی مقصود ہے مگر سالہا سال کے بعد ایک آیت نے مجھے اس طرف راہبری کی کہ عقائد فی نفسہ بھی مقصود ہیں اور عمل کے واسطے بھی مقصود ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراها ان ذلک علی الله یسیر لکیلا تاسو علی مافاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم والله لا یحب کل مختال فخور.

یہاں پہلی آیت میں تو مسئلہ تقدیر کی تعلیم ہے کہ جو مصیبت بھی آتی ہے زمین میں یا تمہاری ذات میں وہ ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے (یعنی لوح محفوظ میں) اس مصیبت کے پیدا ہونے سے بھی پہلے بے شک یہ بات حق تعالیٰ پر آسان ہے۔ (اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جس کو قدرت الٰہیہ کا علم نہ ہو) آگے تعلیم مسئلہ کی تعلیل فرماتے ہیں کہ یہ بات ہم نے تم کو کیوں بتلائی اس لئے تاکہ کسی چیز کے فوت ہونے پر تم کو رنج نہ ہو (بلکہ اس سے تسلی حاصل کر لو کہ یہ مصیبت تو لکھی ہوئی تھی اس کا آنا ضروری تھا ۱۲) اور کسی نعمت کے ملنے پر اتراؤ نہیں۔ (بلکہ یہ سمجھو کہ اس میں ہمارا کچھ کمال نہیں حق تعالیٰ نے پہلے ہی سے یہ نعمت ہمارے لئے مقدر کر دی تھی ۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تقدیر کی تعلیم سے صرف اعتقاد کر لینا ہی مقصود نہیں بلکہ یہ عمل بھی مقصود ہے کہ مصائب میں مستقل رہے اور ہر مصیبت کو مقدر سمجھ کر پریشانی نہ ہو اسی طرح نعمتوں پر تکبر و بطر نہ ہو ان کو اپنا کمال نہ سمجھے جب نص سے اس کا مقصود ہونا معلوم ہو گیا اور قاعدہ ہے کہ الشیء اذا خلا عن غایته انتفی شے جب اپنی حالت سے خالی ہو تو وہ کالعدم ہوتی ہے تو اب جس شخص کا مصائب ونعم کے وقت یہ حال نہ ہو وہ گویا تقدیر کا معتقد ہی نہیں یعنی کامل معتقد نہیں اگر کامل اعتقاد ہوتا تو اس کی غرض ضرور مرتب ہوتی۔

مسئلہ توحید کی تعلیم سے مقصود

اسی طرح توحید کا مسئلہ تعلیم کیا گیا ہے اس سے بھی صرف علم مقصود نہیں بلکہ قرآن میں غور کرنے سے توحید کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کا خوف اور اس سے طمع نہ رہے اب جو شخص توحید کا قائل ہے مگر غیر اللہ سے خوف وطمع بھی رکھتا ہو وہ گویا توحید کا معتقد ہی نہیں بلکہ مشرک ہے چنانچہ صوفیا نے اس پر شرک کا اطلاق کیا ہے اور صوفیا نے کیا حق تعالیٰ نے اس کو شرک فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

فمن کان یرجو لقاء ربه فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادة ربه احدا کہ جوکوئی لقاء رب کی امید رکھتا ہو وہ نیک عمل کرتا ہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

حدیث میں لا یشرک کی تفسیر لا یرائی آئی ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ عبادت میں ریا نہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ ریا شرک ہے حالانکہ ریاء میں غیر اللہ معبود نہیں ہوتا مگر چونکہ فی الجملہ مقصود ہوتا ہے کہ اس کی نظر میں بڑا بننے کے لئے بنا سنوار کر عبادت کی جاتی ہے۔اس لئے اس کو شرک فرمایا اور یہ بالکل عقل کے مطابق ہے کیونکہ عبادت غیر اللہ جوارح سے ہوتی ہے اور جب وہ شرک ہے تو قلب سے غیر اللہ کو مقصود بنانا کیونکر شرک نہ ہوگا یہ تو قلبی عبادت ہے پس غیر اللہ سے خوف و طمع پر صوفیہ کا لفظ شرک اطلاق کرنا غلط نہیں کیونکہ اس صورت میں توحید کی غایت مفقود ہے اسی طرح تمام عقائد میں غور کرو تو نصوص سے معلوم ہوگا کہ ہر اعتقاد سے عمل بھی مطلوب ہے تنہا اعتقاد مطلوب نہیں اور ہماری عادات میں بھی اعتقاد سے عمل بھی مطلوب ہوتا ہے۔

ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراها ان ذلک علی الله یسیر

مسئلہ تقدیر کی حکمت

یہاں تک تو مسئلہ تقدیر کا بیان تھا آگے اس کی حکمت بتلاتے ہیں۔لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم

کہ یہ مسئلہ تم کو اس لئے تعلیم کیا گیا تا کہ تم کو کسی فوت ہونے والی شئے پر رنج نہ ہو اور کسی حاصل ہونے والی شے پر فرح نہ ہو کیونکہ فرح مطلقاً محمود نہیں بلکہ فرح شکرا ہو وہ محمود ہے اور اسی کا ذکر ہے اس آیت میں قل بفضل الله وبرحمته فبذلک فلیفرحوا اور جو فرح بطرا ہو وہ محمود نہیں بلکہ مذموم ہے چنانچہ قارون کے قصہ میں ارشاد ہے اذقال له قومه لا تفرح ان الله لا یحب الفرحین (پ ۲۰)

مصائب میں حکمت خداوندی

حق تعالیٰ فرماتے ہیں ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراها ان ذلک علی الله یسیر لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم بتلایئے اس آیت میں لام غایت کا متعلق کون ہے مذکور تو ہے نہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی جز و اس کا صالح نہیں لامحالہ مقدر ماننا پڑے گا اب یہ بھی سمجھ لو کہ مقدر کیا ہے تو اس لازم سے اوپر اللہ تعالیٰ نے مسئلہ تقدیر بیان فرمایا ہے یعنی تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے خواہ آفاقی ہو یا نفسی وہ ایک کتاب میں اپنے ظہور سے پہلے لکھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوئی تھی چونکہ یہ عجیب بات تھی اس لئے فرماتے ہیں کہ تعجب نہ کرو اللہ کو یہ سب آسان ہے اب اس مسئلہ کے بتلانے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو یہ مسئلہ اس لئے بتلایا تا کہ تم فائت پر غم نہ کرو اور عطا کی ہوئی چیز پر اتراؤ نہیں پس وہ مقدر اخبر نا کم بہ ہے۔

اصلاح اعمال میں تقدیر کا دخل

اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تقدیر کو اصلاح اعمال میں بڑا دخل ہے کیونکہ اس سے حزن و بطر رفع ہو جاتا ہے اور حزن جڑ ہے تعطل ظاہر کی اور تکبر و بطر اصل ہے تعطل باطن کی یعنی غمگین و پریشان آدمی ظاہر میں تمام دین و دنیا کے کاموں سے معطل ہو جاتا ہے اور متکبر آدمی کا دل خدا کے تعلق سے معطل ہو جاتا ہے جب تک تکبر نہ نکلے خدا کے ساتھ دل کو لگاؤ نہیں ہو سکتا یہ تو تقدیر کو دخل تھا اعمال میں اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ توحید جو اعظم العقائد و اساس العقائد ہے اس کو بھی اصلاح اعمال میں بڑا دخل ہے چنانچہ سعدی فرماتے ہیں۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش　　چہ فولادی ہندی نہی برسرش

امید و ہراسش نباشد زکس　　ہمیں ست بنیاد توحید و بس

یعنی توحید سے مخلوق کا خوف و طمع زائل ہو جاتا ہے جب اتنا بڑا عقیدہ بھی اصلاح اعمال میں دخیل ہے تو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے اعتقاد کو آپ کے اتباع میں دخیل مانا جاوے تو کیا اشکال ہے اور یہی حضورؐ کا اصل مقصود ہے (گو وہ فضائل ایک درجہ میں مقصود بالذات بھی ہیں)

اس لئے حضورؐ نے اس میں زیادہ کاوش سے منع فرمایا کیونکہ جو مقصود ہے اس اعتقاد فضیلت سے وہ بدوں تفصیل کے بھی صرف اجمالی اعتقاد سے حاصل ہو سکتا ہے اسی طرح ہمارے اکابر نے اولیاء و مجتہدین میں بھی تفاضل سے منع فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ میں خفا نہیں

چنانچہ نص میں ہے و الظاھر و الباطن پھر تمہارا یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ حق تعالیٰ میں خفا نہیں صفت باطن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ میں بھی خفا ہے۔

اس کا جواب محققین نے یہ دیا ہے کہ حق تعالیٰ جو باطن ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان میں خفا نہیں بلکہ غایت ظہور سے بطون ہو گیا۔

رہا یہ کہ غایت ظہور سے بطون کیسے ہو گیا۔ اس سے تو ظہور ہونا چاہیے تھا تو بات یہ ہے کہ ہمارے ادراک کے لئے غیبت و خفا کی بھی ضرورت ہے اگر کسی چیز میں غیبت بالکل نہ ہو اس کا ادراک نہیں ہو سکتا کیونکہ ادراک

(c) ketabton.com: The Digital Library

التفات سے ہوتا اور التفات غیبت کی وجہ سے ہوتا ہے جو چیز من کل وجہ حاضر ہو اس کی طرف التفات نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی روح حالانکہ بہت ظاہر ہے اور انسان سے جتنا قرب روح کو ہے کسی چیز کو بھی نہیں پھر بھی روح کا ادراک نہیں ہوتا کیونکہ وہ رگ رگ میں سرایت کی ہوئی ہے اس میں کوئی درجہ غیبت کا نہیں اس لئے اس کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا اور جب التفات نہیں تو ادراک کیسے ہو۔ اسی طرح بلا تشبیہ کیونکہ یہ تشبیہ بھی ناقص ہے حق تعالیٰ میں چونکہ کوئی درجہ غیبت وخفا کا نہیں اس لئے وہ بوجہ غایت ظہور کے باطن ہیں۔ ہم کو دھوپ کا ادراک اس لئے ہے کہ وہ کبھی غائب بھی ہو جاتی ہے۔ اگر غائب نہ ہوتی تو آپ اس کو دیکھتے مگر ادراک نہ ہوتا دھوپ کا ادراک ظلمت ہی کی وجہ سے ہے اور ظلمت خفاضوء ہی کا نام ہے نیز اگر غیبت نہ ہو تو پھر روشنی سے لذت بھی نہ آتی دن میں جو لذت ہے وہ اسی لئے ہے کہ رات میں دھوپ غائب ہو جاتی ہے۔

از دست ہجر یار شکایت نمی کنم گر نیست غیبتے نہ دہد لذت حضور

(میں ہجر کی شکایت نہیں کرتا اگر ہجر نہ ہوتا تو قرب میں لذت نہ معلوم ہوتی)

غرض چونکہ حق تعالیٰ ہر وقت ظاہر ہیں اسی لئے خفا ہو گیا کیونکہ یہاں ہمارا ادراک ایسا ضعیف ہے جو غائب من وجہ کے ساتھ ہی متعلق ہو سکتا ہے ظاہر من کل وجہ کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتا۔ ہاں آخرت میں یہ ادراک قوی ہو جائے گا تو ظاہر من کل وجہ کے ساتھ بھی متعلق ہوگا وہاں روح کا بھی انکشاف ہوگا اور حق تعالیٰ کا بھی دیدار ہوگا اور معلوم ہو جائے گا کہ حق تعالیٰ تو بے حجاب تھے' حجاب ہماری طرف سے تھا' ہماری آنکھوں میں اس وقت اس کے دیکھنے کی قوت نہیں جیسے خفاش میں آفتاب کے دیکھنے کی قوت نہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

شد ہفت پردہ چشم ایں ہفت پردہ چشم بے پردہ ورنہ ماہے چوں آفتاب دارم

یعنی آنکھ کے ساتھ پردے ہی دیدار سے مانع ہو گئے تو یہ آنکھ خود ہی مانع ہو رہی ہے ادھر سے کوئی مانع نہیں۔

اگر آفتاب چمک رہا ہے اور تم آنکھوں پر ہاتھ دھر لو تو مانع تمہاری طرف سے ہوگا آفتاب کو مخفی نہ کہا جاوے گا۔

اور وہ جو حدیث میں آخرت میں حجاب کا ذکر تا ہے۔ لا یبقی علی وجهه الارداء الکبریاء اس کے چہرہ پر سوائے کبریائی چادر کے کچھ باقی نہ رہے گا وہ حجاب ادراک کنہ سے مانع ہے دیدار سے مانع نہیں آخرت میں ہماری آنکھوں کی قوت بڑھ جائے گی تو خدا تعالیٰ کو دیکھیں گے مگر کنہ کا ادراک نہ ہوگا اور رویت کے لئے ادراک کنہ لازم نہیں ہم یہاں بھی بہت چیزوں کو دیکھتے ہیں مگر کنہ کا ادراک نہیں ہوتا۔ بہر حال دنیا میں رویت الٰہی محال عادی ہے چنانچہ حدیث مسلم میں ہے۔

انکم لن تروا ربکم حتی تموتوا مرنے سے پہلے تم کو ہرگز تمہارے رب کا دیدار نہ ہوگا۔

اور نص میں موسیٰ علیہ السلام کی درخواست دیدار کے جواب میں ارشاد ہے۔ لن ترانی (ہرگز مجھ کو نہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

دیکھ سکتے) یہ جواب قابل دید ہے۔ حق تعالیٰ نے لن ترانی (ہرگز مجھ کو نہیں دیکھ سکتے) فرمایا ہے۔ لن اری ہرگز نہ دیکھا جاؤں گا) نہیں فرمایا۔ بتلا دیا کہ میں تو اب بھی اس قابل ہوں کہ دیکھا جاؤں۔ میری طرف سے کوئی حجاب نہیں' مگر تم میں قوت دیدار نہیں تم مجھے اس وقت نہیں دیکھ سکتے۔ محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ کو نہیں دیکھا' کیونکہ دنیا میں رویت محال عادی ہے۔ ہاں تجلی ہوئی تھی اور حق تعالیٰ نے حجابات اٹھا دیئے تھے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام دیکھنے سے پہلے ہی بے ہوش ہو گئے۔

عام طور پر تجلی کے لفظ سے معنی عرفی اور وہ بھی عرف عام کی طرف نظر پہنچتی ہے جس سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ تجلی کے معنی لغۃً ظہور ہیں جو ایک اعتبار سے صفت ہے اور ایک اعتبار سے فعل ہے اور افعال کا ظہور فاعل کا ظہور ہے۔ اس معنی کو ظہور سے تعبیر کرنا موہم خلاف مقصود نہیں۔

اور یہی معنی فلما تجلی ربہ میں مراد ہیں۔ مگر عرف عام میں تجلی کے معنی نظر آنے کے مشہور ہیں جس سے آیت میں اشکال واقع ہوتا ہے کہ تجلی ربہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی تجلی ہوئی اور اس سے پہلے لن ترانی میں رویت کی نفی ہو چکی ہے مگر تجلی بمعنی ظہور سے یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ لن ترانی سے تجلی بمعنی رویت کی نفی تھی نہ کہ تجلی بمعنی ظہور کی۔

البتہ ایک اشکال باقی رہے گا وہ یہ کہ لما تجلی ربہ شرط ہے وخر موسیٰ صعقا مع اپنے معطوف علیہ کے جزا ہے اور شرط و جزا میں تقدم و تاخر لازم ہے تو معلوم ہوا کہ ظہور کے بعد موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوئے تو ظہور کے وقت بے ہوش نہ تھے اور بے ہوشی ہی مانع رویت تھی تو لازم آتا ہے کہ بے ہوشی کے قبل رویت ہو گئی تو اشکال عود کر آیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شرط و جزا میں تقدم و تاخر تو ضروری ہے مگر وہ عام کہ ذاتی ہو یا زمانی صحت مجازاۃ کے لئے احدہما کافی ہے زمانی ہی ضروری نہیں اور نہ یہاں اس پر کوئی دلیل قائم ہے پس ہم کہتے ہیں کہ یہاں تقدم و تاخر محض ذاتی ہے اور وقوع دونوں کا ایک زمانہ میں ساتھ ساتھ ہوا تجلی کا بھی اور صعق کا بھی۔ پس اب تقدم و تاخر سے وقوع رویت لازم نہیں آتا۔ البتہ اگر تجلی کے بعد کچھ زمانہ صعق میں فاصل ہوتا تو اشکال ہوتا لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں اس لئے اشکال رفع ہو گیا۔

لکیلا تاسوا علیٰ ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتکم (الحدید آیت ۲۳)

تا کہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور تا کہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں۔

عقیدہ تقدیر کی حکمت

قرآن کریم نے مسئلہ تقدیر کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا

(c) ketabton.com: The Digital Library

بما آتاکم یعنی تقدیر خداوندی کے معتقد ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ اگر تمہارا کوئی مقصود فوت ہو جاوے تو تم زیادہ افسوس اور رنج وغم میں گھلو اور اگر کوئی مقصود حاصل ہو جائے تو بہت زیادہ خوشی جو تکبر وغرور تک پہنچائے اس میں مبتلا نہ ہو۔ واقعی بات یہ ہے کہ جو شخص دنیا کے تمام واقعات وحالات کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے وہ تقدیر الٰہی سے ہوتا ہے اور اس کا واقعہ ہونا ناگزیر ہے۔ کسی کی طاقت اس کو روک نہیں سکتی وہ عیش ومصیبت اور راحت وتکلیف کی دونوں حالتوں میں اعتدال پر رہتا ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا اس کی واضح مثال یہ ہے کہ دو شخص ہوں ایک قائل تقدیر دوسرا منکر تقدیر اور دونوں کے دو لڑکے ہوں اور دونوں اکلوتے ہوں اور وہ دونوں ایک ہی وقت ایک ہی مرض میں مبتلا ہو جاویں اور علاج معالجہ کے باوجود دونوں مر جاویں۔ پھر دونوں کے متعلق یہ ثابت ہو جاوے کہ علاج میں غلطی ہوگئی تو اب دونوں کا حال دیکھئے منکر تقدیر کو عمر بھر اضطراب اور بے چینی رہے گی کبھی قرار نہ آئے گا۔ اور قائل تقدیر کو اس طرح کا اضطراب نہیں ہوگا کیونکہ وہ سمجھے گا کہ یہ علاج کی غلطی بھی مقدر ہی تھی جس کا واقع ہونا ضروری تھا۔

دنیا کو اللہ تعالیٰ نے عالم اسباب بنایا ہے جو کچھ ہوتا ہے اسباب کے پردوں سے اس کا ظہور ہوتا ہے حقیقت ناشناس لوگ انہیں پردوں میں رکھ کر رہ جاتے ہیں اور جن کو حقیقت کا علم ہے اور جانتے ہیں کہ اسباب عالم سب پردے ہیں اصل فاعل تو قدرت حق ہے حافظ شیرازیؒ نے خوب فرمایا۔

ایں ہمہ مستی و بیہوشی نہ حد بادہ بود　　　با حریفان آنچہ کرد آں نرگس مستانہ کرد

نرگس مستانہ کنایہ ہے عنایت حق سے۔ (مجالس حکیم الامت ص ۳۱۰، ۳۱۱)

(c) ketabton.com: The Digital Library

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ

ترجمہ: ہم نے (اسی اصلاح آخرت کے لئے) اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کے حکم کو نازل کیا تاکہ لوگ (حقوق اللہ اور حقوق العباد میں) اعتدال پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے۔

تفسیری نکات

نعلدار جوتا

اس کی تفسیر میں ہمارے مولانا فرمایا کرتے تھے حدید سے مراد ہے نعلدار جوتا (یعنی فیہ باس شدید کی صفت کے اعتبار سے سلاح مراد ہے جس کی تعبیر اہل محاورہ اس عنوان سے کیا کرتے ہیں کیونکہ جو فہیم کم ہوتے ہیں ان کے لئے جوتا کی بھی ضرورت ہے (اسرار العبادۃ)

سنار کی کھٹ کھٹ لوہار کی ایک

تو صاحبو یہ ایسی دلیل ہے کہ ٹوٹتی ہی نہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ بلا دلیل اللہ واحد ہے۔ سنار کی کھٹ کھٹ لوہار کی ایک یہ سو کی ایک دلیل ہے مولانا یعقوب صاحب اسی باب میں فرماتے ہیں

الوعظ ینفع لو بالعلم والحکم   والسیف ابلغ وعاظ علی الفم

اور یہ بھی فرماتے تھے دیکھو لوگ تو کہتے ہیں چار کتابیں نازل ہوئی ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ ایک پانچویں کتاب بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے لقد ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط و انزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس (حدید ۲۵)

کتب اربعہ کے بارے میں بھی انزلنا آیا ہے کہ سب کتابیں آسمان سے نازل ہوئی ہیں اور حدید کے واسطے بھی انزلنا آیا ہے یہ پانچویں کتاب ہے اور بعض وقت ظرافتہً فرماتے تھے کہ حدید سے مراد ہے نعلدار جوتا اور مولانا نے اس کا نام رکھا تھا روشن دماغ کہ سر پر دو چار لگا دیئے۔ دماغ درست ہو جاتا ہے اور اس سے بھی ایک نور پیدا ہوتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ المجادلة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم کو کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو اللہ تم کو جنت میں کھلی جگہ دے گا اور جب کبھی ضرورت سے یہ کہا جائے کہ مجلس سے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو (اس حکم کی اطاعت سے) ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) جن لوگوں کو علم دین عطا ہوا ہے (اخروی) درجے بلند کرے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔

تفسیری نکات

شانِ نزول

اس آیت کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف رکھتے تھے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حاضر تھے کہ اصحاب بدر آئے اصحاب بدر وہ لوگ کہلاتے ہیں کہ جو جنگ بدر میں شریک ہوئے ہیں۔ ان کی فضیلت بہت ہے اس وقت مجلس میں کچھ تنگی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین مجلس کو حکم فرمایا کہ مل کر بیٹھو اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کو فرمایا کہ تم اٹھ جاؤ اپنے کسی دوسرے کام میں

لگو یا اٹھ کر دوسری جگہ بیٹھ جاؤ۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ آیت کا مجموعہ ان دونوں کے مجموعے پر دال ہے ممکن ہے کہ بعض کو مل کر بیٹھنے کا حکم دیا ہو اور بعض کو اٹھ جانے کا حکم دیا ہو۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبوں کو تکتے تھے وہ تو اس پر نہایت خوشی سے عامل ہو گئے۔ لیکن منافقین نے کہ وہ ایسے مواقع کے لئے ادھار کھائے بیٹھے رہتے تھے اس پر اعتراض کیا اور یہ گویا ان کو عیب جوئی کا ایک موقع مل گیا۔ حالانکہ اگر سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے تب بھی اس انتظام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال خوبی معلوم ہوتی ہے کہ تمام طالبان کی کس قدر رعایت کی کہ جگہ نہ ہونے کی مجبوری سے کوئی شخص محروم نہ رہ جائے لیکن چشم بد میں ہنر بھی عیب ہی ہو کر نظر آتا ہے۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

(بد اندیش آدمی جب کسی کام کو دیکھتا ہے تو اس کی نظر میں اس کا ہنر عیب معلوم ہوتا ہے)

منافقین کو اعتراض کا بہانہ مل گیا کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ نئے آنے والوں کی خاطر پہلے بیٹھے ہوؤں کو اٹھایا جائے خدا تعالیٰ نے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اعتراض لغو اس لئے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ دونوں حکم مناسب اور مستحسن تھے اور مستحسن کو غیر مستحسن کہنا حماقت ہے اور مستحسن ہونا اس طرح ظاہر فرمایا کہ ان حکموں کا خود بھی امر فرمایا اور خدا تعالیٰ اگر کوئی حکم فرمائیں تو وہ قبیح ہو نہیں سکتا۔ عقلاً بھی اور نقلاً بھی جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے ان اللہ لا یامر بالفحشاء اور اس کا حکم خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ مستحسن ہے کیونکہ ایسی ذات کا حکم ہے جس کی برابر کوئی حکیم نہیں پھر ہر حکم پر ایک ایک ثمرہ مطلوبہ کو بھی مرتب فرمایا کہ وہ استحسان کی مزید دلیل ہے چنانچہ حکم اور ثمرہ دونوں کے لئے ارشاد ہے اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا۔ ایک حکم کا تو یہ صیغہ امر اس میں ارشاد ہے اس کے بعد فرماتے ہیں یفسح اللہ لکم اس کا ثمرہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم اس پر عمل کرو گے تو خدا تعالیٰ جنت میں تمہارے لئے فراخی فرمائیں گے یہاں تک تو پہلا حکم اور اس کا ثمرہ تھا آگے بذریعہ عطف دوسرا حکم فرماتے ہیں و اذا قیل انشزوا فانشزوا یعنی جب اٹھ جانے کا حکم ہوا کرے تو اٹھ جایا کرو۔ نقلی استحسان تو اس ارشاد ہی سے ثابت ہو گیا باقی عقلی استحسان کی تقریر یہ ہے کہ صدر مجلس جب اہل ہو اور یہ حکم کرے تو وہ کسی مصلحت کی بناء پر ہوگا۔ پس اس کا قبول کرنا ضرور ہوگا اور مطلق صدر مجلس بلا تخصیص اس لئے کہا گیا کہ قرآن میں لفظ قیل ہے جو کہ ہر صدر مجلس کے کہنے پر صادق آتا ہے پس یہ شبہ جاتا رہا کہ یہ خاص ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اگرچہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے ارشاد فرمایا تھا لیکن جس طرح حضور ﷺ کو اس کی ضرورت پیش آئی اسی طرح جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

نیابت کی اہلیت ان میں ہے ان کو بھی صدر مجلس ہونے کی صورت میں ایسی ضرورت پیش آ سکتی ہے اور اس کے قبول پر بھی عمل کرنا ایسا ہی واجب ہوگا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر۔ تو اگر وہ اٹھنے کا حکم دیں تو فوراً اٹھ جانا چاہیے۔ اور اس کے امتثال میں تنگ و عامر نہ کرنا چاہیے کیونکہ مصلحت وقت سے ایسا کیا جاتا ہے اور توضیح مقام کی یہ ہے کہ ان حکموں کا حاصل تناوب فی الانتفاع ہے اور تناوب شرعاً بھی محمود ہے یعنی اگر کوئی مطلوب مشترک ہو اور اس کے حاصل کرنے کے لئے سب طالبین کی گنجائش ایک مجلس میں نہ ہو تو شریعت نے اس کے لئے تناوب تجویز فرمایا ہے اور عقل بھی اس کے ساتھ اس میں متفق ہے کہ سب طالبین کے کمال حاصل کرنے کی یہی صورت ہے کہ آپس میں تناوب ہو زیادہ وضاحت کے لئے اس کو ایک مثال میں سمجھئے مثلاً ایک کنواں ہے کہ شہر کے ہر شخص کو اس کے پانی کی ضرورت ہے اور ایک ساتھ سب کے سب اس سے پانی نہیں بھر سکتے تو سب کے پانی حاصل کرنے کی صورت یہی ہے کہ یکے بعد دیگرے سب کے سب پانی حاصل کریں اور چار آدمیوں کو یہ حق نہیں کہ وہ کنویں پر جم کر بیٹھ جائیں اور دوسروں کو جگہ نہ دیں یہ مثال ایسی ہے کہ اس کے تسلیم کرنے میں کسی کو بھی کلام نہیں تو جس طرح دنیاوی نفع میں تناوب مسلم ہے اسی طرح دینی نفع میں بھی سب کے انتفاع کی یہی صورت ہے کہ علی سبیل التناوب سب نفع حاصل کریں۔ اسی مثال کے قریب ایک دوسری مثال پیش کرتا ہوں کہ وہ وضاحت میں تو اس سے کم ہے مگر اس موقع کے زیادہ مناسب ہے وہ یہ کہ اگر ایک مدرسے میں ایک عالم ایسے ہوں کہ ہر طالب علم کو ان کی ضرورت ہو اور ہر شخص ان سے نفع حاصل کرنا چاہے کوئی بخاری شریف پڑھنا چاہے اور کوئی نسائی اور کوئی منطق وفلسفہ تو اگر بخاری شریف والے ان کو گھیر کر بیٹھ جائیں اور دوسروں کو وقت ہی نہ دیں تو دوسروں کے نفع حاصل کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے اور اس لئے بخاری والوں کو یہ حق نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ دوسری جماعتوں کے لئے بھی وقت چھوڑ دیں۔ ان مثالوں سے معلوم ہوا ہوگا کہ نفع دنیاوی اور دینی دونوں میں اگر طالبین کا اجتماع نہ ہو سکے تو تناوب ہونا ضروری ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نہایت ہی قرین مصلحت تھا اور چونکہ تفسحوا اور انشزوا عام ہے بعض اور کل دونوں کو۔ اس لئے اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کو اٹھنے کو فرمائیں سب کو اٹھ جانا واجب ہوگا اور اس میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ مبنیٰ اس کا تو انتفاع الجمیع تھا سب کے اٹھا دینے میں تو حرمان الجمیع ہے جواب یہ ہے کہ اس میں بھی انتفاع الجمیع اس طرح ہو سکتا ہے کہ شاید آپ خلوت میں کچھ نفع عام کے لئے سوچیں یا آرام فرمائیں تا کہ پھر سب کی مصلحت کے لئے تازہ ہو جائیں پس اس میں بھی جمیع کا انتفاع ہوا اسی طرح اگر کسی دوسرے صدر مجلس کو بھی اس کی ضرورت پیش آئے کہ وہ کسی مصلحت سے بعض مجلس یا ساری مجلس کو اٹھنے کا حکم دے تو اس کو اجازت ہے کہ کہہ دے کہ اب تم لوگ اٹھو اور اس کا یہ کہہ دینا بدلیل اس کے اہل

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہونے کے قریب مصلحت سمجھا جائے اور اس پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ تو منافقین کی یہ شکایت محض حسد کی بناء پر تھی اور اس کے قبول کرنے سے اباء کرنا محض عار واستنکاف تھا ورنہ واقع میں بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں وہ ایسے امور میں اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ اس وقت مجھے اپنی ایک حکایت یاد آئی اپنی اوائل عمر میں جبکہ میں بالغ ہو چکا تھا ایک مرتبہ اپنی مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوا صف میں داہنی طرف آدمی زیادہ ہو گئے تھے اور بائیں طرف کم تھے۔ میں نے داہنی طرف کے ایک شخص کو کہا کہ آپ بائیں طرف آجائیں یہ سن کر ان کو اس قدر غصہ آیا کہ چہرہ تمتما گیا زبان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن چہرے پر برہمی کے آثار نمایاں ہوئے حالانکہ یہ کوئی غصہ کی بات نہ تھی ترتیب صفوف تو شریعت میں بھی ضروری قرار دی گئی ہے ان کی یہ حرکت مجھے بھی ناگوار ہوئی آخر میں نے ان کے قریب کے آدمی سے کہا کہ بھائی تم ادھر آجاؤ کیونکہ ان کی تو شان گھٹ جائے گی اس پر تو وہ ایسے خفا ہوئے کہ صف میں سے نکل کر مسجد ہی کو چھوڑ کر چلے گئے۔ تو بعض طبیعتیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ اس کو عار سمجھتے ہیں کہ کسی دوسرے کا کہنا مانا کریں اور اس کا اندازہ ایسے لوگوں کے حالات دیکھنے اور ان سے ملنے سے ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے ذریعے سے یہ قانون دائمی مقرر کیا گیا ورنہ بظاہر اس کا قانون بنانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ یہ تو ایسی ظاہر بات ہے کہ معاشرت روزمرہ میں داخل اور فطرت سلیمہ کا مقتضا ہے مگر اسی قسم کی طبائع کی بدولت یہ قانون مقرر فرمایا کہ واجب سمجھ کر ماننا پڑے اور اس کا امر بھی فرمایا اور امر کے ساتھ ترغیب بھی دی تاکہ کوئی ہیبت سے مانے اور کوئی ترغیب سے کیونکہ دو ہی قسم کی طبعیتیں ہوتی ہیں بعض پر رغبت کا زیادہ اثر ہوتا ہے اور بعض پر ہیبت کا زیادہ اثر ہوتا ہے جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے اور قرآن میں زیادہ لطف اسی شخص کو آتا ہے جس کی نظر واقعات پر ہو اور وہ واقعات میں غور کرے۔ مثلاً اگر ان بڑے میاں کا واقعہ پیش نظر نہ ہوتا تو اس حکم کی مشروعیت کی حکمت سمجھنے کا لطف نہ آتا اور اب معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر پاکیزہ انتظام فرمایا ہے کہ ذرا سی بات کو بھی نہیں چھوڑا غرض اس قسم کے واقعات ہوئے بھی ہیں اور قیامت تک ہونے والے بھی ہیں۔ اس لئے یہ قانون دائمی مقرر فرمادیا اور اس پر اس ثمرے کو مرتب فرمایا کہ ہم تمہارے لئے جنت میں جگہ کو فراغ فرمائیں گے اور دوسرا حکم یہ فرمایا کہ اگر اٹھ جانے کا حکم ہوا کرے تو اٹھ جایا کرو۔ خدا تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اور اہل علم کے درجات بلند فرمائیں گے۔ یہ حاصل ہے ارشاد کا۔ اس تقریر سے آپ کو سبب نزول آیت بھی معلوم ہو گیا اور حاصل آیت بھی جس میں حکم اور ثمرہ دونوں مذکور ہیں۔ اب میں وہ بات بیان کرتا ہوں جس کا بیان کرنا اس وقت مقصود ہے میں نے کہا تھا کہ اس ثمرے کا ایک مبنیٰ ہے اس میں غور کرنے سے وہ قاعدہ عامہ نکلے گا۔ جس کا استحضار ہر وقت ضروری ہے سو یہاں ایک امر تو یہ ہے کہ تفسحوا اور اس کا ثمرہ یہ ہے کہ یفسح اللہ لکم یعنی جنت میں فراخی ہوگی اور دوسرا حکم یہ ہے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

فانشزوا اوراس کاثمرہ یہ ہے کہ یرفع اللہ الذین امنوا منکم تو ان دونوں میں غورکرنے کی بات یہ ہے کہ صدرمجلس کے کہنے سے فراخی کردینے میں جنت میں فراخی کیوں ہوگی اور اٹھ جانے میں رفع درجات کیوں ہوں گے۔جس کو ذرا بھی عقل ہوگی وہ تو اس میں بالکل بھی تامل نہ کرے گا بلکہ یہی کہے گا کہ مبنیٰ یہ ہے کہ اس نے خدا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے اوراولی الامر کا حکم بھی خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ ہی نے ہم کو اولی الامر کا کہنا ماننے کو فرمایا ہے پس اگر ہم نے صدرمجلس کا حکم مان لیا تو خدا تعالیٰ کا حکم مان لیا غرض پھر پھرا کر مبنیٰ یہی نکلے گا کہ چونکہ اس امر کا امتثال کرنے والا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے والا ہے اس لئے اس کو یہ ثمرہ حاصل ہوا۔سو اصل مقصود اس وقت اسی امر کا بیان کرنا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کررہی ہے کہ خدا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر یہ دو ثمرے مرتب ہوتے ہیں۔

اصلاح معاشرہ کا ایک ثمرہ

ایک مدلول اس آیت کا یہ ہے کہ اصلاح معاشرت پر بھی آخرت کے ثمرے ملتے ہیں۔جس سے اشارہ اس طرف ہے کہ احکام شرعیہ میں جس امر کو تم بالکل دنیا سمجھتے ہو اس میں بھی تم کو اجر ملے گا وجہ دلالت ظاہر ہے کہ فسحت اور قیام پر جو کہ معاشرت میں سے ہیں آخرت کا وعدہ فرمایا۔

ہر مطیع مسلمان مقبول ہے۔

ایک مدلول اس آیت کا یہ ہے کہ عام اہل ایمان بھی اگرچہ وہ جاہل ہو مقبول ہیں کیونکہ اہل علم سے قبل اہل ایمان کو بھی مقام فضل میں فرمایا ہے لہٰذا عام مومنین کو بھی حقیر اور ذلیل نہ سمجھنا چاہیے پس ہر صاحب ایمان اگر وہ مطیع ہو مقبول ہے اور مطیع کی قید اس لئے لگائی کہ فسح اور رفع درجات کو جس سے کہ اہل ایمان کے فضل پر استدلال کیا گیا ہے اطاعت ہی پر مرتب کیا ہے کیونکہ تقدیر کلام یہ ہے تفسحوا فی المجالس ان تفسحوا یفسح اللہ لکم واذا قیل انشزوا فانشزوا ان تنشزوا یرفع اللہ لکم (محلوں میں فراخی کرو اگر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے فراخی کریں گے اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ اگر اٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے مرتبے بلند فرمادیں گے۔) مطلب یہ ہے کہ جب ان دو امر میں امتثال ہوگا تو یہ مرتبہ ملے گا اور اس مدلول کے بیان کرنے سے جیسے اہل علم کی اصلاح کرنا مقصود ہے کہ عوام مومنین کو حقیر نہ سمجھیں اسی طرح غیر اہل علم میں سے متکبرین کی بھی اصلاح کرنا مقصود ہے کہ ان کو بھی جلاہے تیلیوں کو ذلیل سمجھنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ یہاں مدار فضل مطلق ایمان واطاعت ہے۔خواہ کوئی قوم ہو۔ایک مدلول اس آیت

(c) ketabton.com: The Digital Library

کا اور ہے جو کہ ذرا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے یعنی فانشزوا کے بعد جو ثمرہ مرتب کیا ہے تو ایک خاص عنوان سے کیا ہے یعنی اس طرح فرمایا یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم اور یوں نہیں فرمایا یرفعکم والذین اوتوا العلم پس اس وضع مظہر موضع مضمر میں اشارہ اس طرف ہو گیا کہ زیادہ دخل اس ترتب رفعت میں ایمان کو ہے پس اس سے یہ بات نکل آئی کہ اگر کوئی مومن پورا مطیع نہ ہو مگر مومن ہو تو وہ بھی عند اللہ ایک گونہ رفعت سے خالی نہیں تو جو لوگ عاصی مومن ہیں ان کو بھی ذلیل نہ سمجھو البتہ اگر خدا کے لئے ان پر ان کے سوء اعمال کے سبب غصہ کرو تو جائز ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہمدردی اور ترحم ہونا بھی ضروری ہے۔ نفسانی غیظ اور کبر نہ ہو اور ان میں فرق کے لئے میں ایک موٹی سی مثال بیان کرتا ہوں جس کو میرے ایک دوست نے بہت پسند کیا اور ان ہی کی پسند سے مجھے بھی اس کی بہت قدر ہوئی یعنی معمولی قصوں میں غصہ دو موقعوں پر آتا ہے ایک تو اجنبی پر اور ایک اپنے بیٹے پر۔ سو اجنبی سے تو اس کی شرارت پر نفرت اور عداوت ہو جاتی ہے اور اگر اپنا بیٹا وہی حرکت کرے تو اس سے نفرت نہیں ہوتی بلکہ شفقت کے ساتھ تاسف ہوتا ہے اس کے لئے دعاء کرتا ہے دوسروں سے دعا کراتا ہے اس کی حالت پر دل کڑھتا ہے اور غصہ جو ہوتا ہے تو اس کے ساتھ یہ شفقت ملی ہوتی ہے۔ پس اخوۃ اسلامیہ کا مقتضا یہ ہے کہ اجنبی عاصی کے ساتھ بھی بیٹے کا سا برتاؤ رکھنا چاہیے یعنی اگر کبھی اس پر غصہ آئے اور خیال ہو کہ یہ غصہ خدا کے لئے ہے اس میں نفس کی آمیزش نہیں تو اس وقت دیکھنا چاہیے کہ اگر میرا بیٹا اس حالت میں مبتلا ہوتا تو اس پر مجھے اس قسم کا غصہ آتا یا نہیں اگر قلب سے نفی میں جواب آئے تو سمجھے کہ یہ غصہ خدا کے لئے نہیں ہے بلکہ تفرع کا غصہ ہے اور یہ اس شخص کی معصیت سے بھی بڑھ کر معصیت ہے اور خوف کا مقام ہے خدا تعالیٰ کی ایسی شان ہے کہ اگر ایک گنہگار اپنے کو ذلیل سمجھتا ہے تو وہ مغفور ہو جاتا ہے۔ اور اگر ایک مطیع اپنے کو بڑا سمجھتا ہے تو وہ مقہور ہو جاتا ہے (خوب کہا ہے)

غافل مرد کہ مرکب مردان زہد را | در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش | ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

سو نہ تو خدا پر ناز کرنا چاہئے اور نہ ناامید ہونا چاہیے غرض تحقیر تو کسی مسلمان کی کرے نہیں لیکن غیظ و غضب جس کا منشاء بغض فی اللہ اور رحم و ہمدردی ہو اس کا مضائقہ نہیں۔ باقی کبر و عجب تو خدا تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے۔ ہمارے ہاں ایک لڑکی تھی نماز روزے کی پابند (اب اس کا انتقال ہو گیا ہے) اس کی شادی ایک ایسے شخص سے ہو گئی جو کہ اس قدر پابند نہ تھا ایک روز کہتی ہے کہ اللہ کی شان میں ایسی پرہیزگار پارسا اور میرا نکاح ایسے شخص سے ہو۔ صاحبو! کتنی حماقت کی بات ہے کیونکہ اگر کوئی بزرگ بھی ہے تو ناز کس پر کرتا ہے۔ بزرگی پر ناز کرنے کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ کوئی مریض طبیب کا نسخہ پی کر ناز کرنے لگے کہ ہم ایسے بزرگ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہیں کہ ہم نے دوا پی لی۔کوئی اس سے پوچھے کہ اگر دوا پی کرناز کرنے لگے کہ ہم ایسے بزرگ ہیں کہ ہم نے دوا پی لی۔کوئی اس سے پوچھے کہ اگر دوا پی لی تو کس پر احسان کیا اور کیا کمال کیا نہ کرتا جہنم میں پڑتا البتہ بجائے ناز کے خدا تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائی۔حاصل یہ کہ الذین امنوا سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گنہگار بھی رفعت عنداللہ سے خالی نہیں۔ایک مدلول اس آیت کا یہ ہے کہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم میں تخصیص بعد تعمیم سے معلوم ہوا کہ قبول اعمال کا تفاوت خلوص سے ہوتا ہے کیونکہ اہل علم کے درجات میں امتیاز اس خلوص ہی کے سبب سے تو ہوا جیسا اوپر مذکور ہوا ہے اور اس مسئلے کو بیان کرنا اس لئے ضروری ہے کہ آج کل لوگ اعمال کے تو شائق ہیں لیکن خلوص کی پروا اکثر نہیں ہوتی۔ حالانکہ خلوص وہ چیز ہے کہ اسی کی بدولت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مرتبہ اس قدر بلند ہوا کہ ان کا نصف مد جو خرچ کرنا اور ہمارا احد پہاڑ برابر خرچ کرنا برابر نہیں۔اور اگر کوئی کہے کہ یہ صحبت نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے ہے تو میں یہ کہوں گا کہ ان کا خلوص بھی صحبت کی برکت سے ہے تو یہ دونوں متلازم ہیں اب خواہ صحبت کو سبب کہہ دیجئے خواہ خلوص کو بالکل وہ حالت ہے کہ

عبارا تنا شتی و حسنک واحد فکل الی ذاک الجمال یشیر

(ہماری تعبیرات مختلف ہیں اور تیرا حسن ایک ہے ساری تعبیریں اسی (ایک) جمال کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔)

سب ایک ہی جمال کی تعبیریں ہیں میں نے اپنے پیرومرشد سے سنا ہے کہ عارف کی ایک رکعت غیر عارف کی ایک لاکھ رکعت سے افضل ہے وجہ یہی ہے کہ اس کی ایک رکعت میں بوجہ معرفت کے خلوص زیادہ ہو گا۔اور اسی مدلول پر ایک اور بات بھی متفرع ہوتی ہے۔آگے ارشاد فرماتے ہیں واللہ بما تعملون خبیرہ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پر خبردار ہیں۔اس کو ہر جملے سے تعلق ہے کہ تم ہر حکم کی پابندی کرو اور اس میں کوتاہی نہ ہونے دو کیونکہ خدا تعالیٰ کو تمہارے باطن کی بھی خبر ہے تو خدا تعالیٰ کو اس کی اور فروگذاشت تک کی بھی اطلاع ہو جائے گی جو تمہاری نیتوں میں بھی ہو گی۔گویا اس جملہ سے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک مضمون کا مراقبہ سکھلایا ہے کہ اگر اس کو مستحضر رکھیں تو عمل میں کبھی کوتاہی نہ ہو۔یعنی ہر وقت یہ خیال رکھیں کہ اللہ تعالیٰ میرے ظاہر و باطن کو دیکھ رہے ہیں اس کی مداومت کے بعد چندے ایک حال پیدا ہو گا اور ذوقاً یہ سمجھے گا کہ گویا میں خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں اور قرآن وحدیث میں اس قسم کے جتنے مضامین ہیں یہ سب مراقبات ہیں ان میں بتلا دیا ہے کہ اطاعت کی اصل اور راسخ حالت اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ یہ مراقبات مستحضر ہو جائیں کیونکہ جب یہ خیال پختہ ہو جاتا ہے کہ ہمارے اس کام کی حاکم کو بھی اطلاع ہے تو پھر اس میں کوتاہی نہیں ہوا کرتی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

آنے والوں کی دل جوئی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تو ہر فعل میں اعتدال وانتظام تھا۔ نشست و برخاست میں، خورد و نوش میں، گفتار میں، رفتار میں اسی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کان خلقہ القرآن کہ قرآن میں جو امور مذکور ہیں وہ آپ کے لئے مثل امور طبعیہ عادیہ کے ہو گئے تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی آپ کے پاس آتا آپ اپنی جگہ سے کھسک جاتے اللہ اکبر ایسی باریک باتیں آپ سے طبعی امور کی طرح سرزد ہوئی تھیں۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ آنے والے کی دلجوئی اس کی قدردانی اس کے آنے سے مسرت کا اظہار اور قرآن میں ہے۔ یایھا الذین امنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا (اے ایمان والو جب تم سے کہا جاوے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو۱۲) قرآن میں تو یہ ہے کہ تمہیں جب جگہ چھوڑنے کا حکم ہو اس وقت کھسک جاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود یکہ جزئی حکم نہیں ہوا تھا۔ مگر آپ کھسک جاتے تھے کہ آپ کی نظر اس حکم کی علت پر تھی پس ایسی غامض (باریک) بات اور وہ آپ کی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) طبیعت کا مقتضا ہو گئی تھی پس آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کھسک جاتے تھے۔ (روح القیام)

احکام مجلس عام

یہ سورہ مجادلہ کی آیت ہے حق سبحانہ وتعالیٰ نے آیت میں بعض آداب مجالس کے بیان فرمائے ہیں ہر چند آیت کا شان نزول خاص ہے مجلس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لیکن چونکہ الفاظ عام ہیں اس لئے خصوص مورد کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ عموم الفاظ کے اعتبار سے حکم عام ہوگا پس خاص حضور ہی کی مجلس کے ساتھ یہ حکم مخصوص نہیں بلکہ یہ حکم تمام مجالس کو عام ہے اور حق تعالیٰ شانہ نے اس جگہ اس حکم کے جو کہ دو حکموں پر مشتمل ہے امتثال پر اس کے ثمرہ کا بھی وعدہ فرمایا ہے چنانچہ پہلے حکم اور اس کے ثمرہ کے لئے ارشاد ہے۔

اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم (یہ تو پہلا حکم اور اس کا ثمرہ ہے) آگے بذریعہ عطف دوسرا حکم اور اس کا ثمرہ ارشاد فرماتے ہیں واذا قیل انشزوا فانشزوا یہ تو حکم ہے اور اس کا ثمرہ ارشاد فرماتے ہیں۔

یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجت اور اس ثمرہ اور اس کے دعدوں میں اول تعمیم فرمائی اس کے بعد تخصیص کے طور پر بعض لوگوں کے واسطے یعنی اہل علم کے لئے ثمرہ جداگانہ بیان فرمایا اور تخصیص بعد تعمیم بقواعد علم بلاغت اہتمام کو مقتضی ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کو چاہیے کہ اس کو مہتم

بالشان سمجھ کر اس کا خاص طور پر اہتمام کریں۔

اس اجمال کی تفصیل اس کے ترجمہ سے واضح ہو جائے گی۔اور ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم سے کہا جاوے کہ مجلس میں فراخی کردو تو فراخی کر دیا کرو جب تم سے کہا جاوے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ جایا کرو یعنی اگر اس جگہ سے اٹھنے کا امر ہو تو اس جگہ سے اٹھ جایا کرو پھر خواہ تم کو دوسری جگہ بیٹھنے کا حکم ہو جاوے خواہ چل دینے کا امر ہو اسی پر عمل کیا کرو (استکبار و انکار نہ کیا کرو) اور ظاہر ہے کہ یہ امر عقائد میں سے نہیں اعمال رکنیہ میں سے نہیں مالی حقوق میں سے نہیں اس لئے اس کو نہایت اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا۔چنانچہ اول تو یـــاایھـــا الــذین امــنــوا سے خطاب ہے۔باوجودیکہ قرائن سے تو مومنین ہی مخاطب ہیں اور اکثر قرآن میں مسلمانوں ہی سے خطاب ہوتا ہے پھر اس صریح خطاب سے کیا فائدہ ہے تو خوب سمجھ لو کہ اس سے مقصود رغبت دلانا ہے کہ یہ امر ہر چند شعائر دین سے نہیں اس لئے عام طور پر سے ممکن ہے کہ لوگوں کو اس کا اہتمام نہ ہو مگر ہمارے مخاطب وہ ہیں جو ہم پر اعتقاد رکھتے ہیں وہ ضرور اس کو قبول کریں گے اس طرز کلام سے اس مضمون کی سامعین کو رغبت دلائی اور دوسرا اہتمام "اذا قیـــل" بصیغہ مجہول سے ظاہر فرمایا باوجودیکہ واقعہ خاصہ میں اس قول کے قائل خاص حضور اقدسؐ ہیں پھر بھی عنوان عدم تعیین قائل سے تعبیر فرمایا (یعنی قیل مجہول کے صیغہ کے ساتھ بیان فرمایا بجائے صیغہ معلوم "قال لکمؐ کے) اور یہ عدول اس وجہ سے فرمایا کہ اس مسئلہ میں حضور کے ارشاد کی تخصیص نہیں اس لئے حکم عام ہے ہر صدر مجلس کے قول کو۔تیسرا اہتمام یہ کہ امر کے صیغہ کے ساتھ بیان فرمایا ہے یعنی "فـافـسـحـوا" اور "فـانشزوا" اور ظاہر ہے کہ امر حقیقۃً وجوب کے لئے ہوتا ہے جب تک کہ کوئی قرینہ صارفہ عن الحقیقہ نہ ہو گو واجبات کے درجات مختلف ہوتے ہیں کہیں وجوب بعینہٖ ہوتا ہے کہیں وجوب لغیرہٖ مگر نفس وجوب میں شرکت ضرور ہوتی ہے چوتھا اہتمام یہ ہے کہ "تـفـسـحـوا" کا امر اور اس کا ثمرہ جدا بیان فرمایا۔اور "انشزوا" اور اس کا ثمرہ جدا بیان فرمایا ورنہ اگر اختصار کے ساتھ مجلس میں حکم صدر کی اتباع کا مشترکہ امر فرما دیتے تو اس درجہ اہتمام نہ ہوتا جیسا کہ جدا جدا بیان کرنے میں ہوا پانچواں اہتمام یہ ہے کہ لفظ فی المجالس بصیغہ جمع فرمایا باوجودیکہ فی المجلس بھی کافی تھا وہ بھی جنس کی وجہ سے عام ہوتا مگر چونکہ اس میں یہ احتمال باقی تھا کہ اس عام کو خاص پر حمل کر لیا جاتا اور مجلس سے خاص مجلس مراد لے لی جاتی (یعنی حضورؐ کی مجلس) اس لئے فی المجالس فرما کر اس کا احتمال بھی قطع فرما دیا کہ اب احتمال تخصیص کا ہو ہی نہیں سکتا لہٰذا حکم عام ہوگا تخصیص کا احتمال ہی نہیں چھٹا اہتمام یہ ہے کہ جس ثمرہ کو مرتب فرمایا اس کا بڑا ہونا ظاہر فرما دیا کیونکہ مقتضا علم بلاغت کا یہ ہے کہ عادۃً چھوٹے ثمرہ کو ذکر نہیں کیا کرتے اور یہاں ثمرہ کا ذکر موجود ہے اور قرآن کا فصیح و بلیغ ہونا مسلم ہے پس قرآن میں کسی ثمرہ کا ذکر کرنا اس کو مقتضی ہے کہ یہ ثمرہ بہت بڑا ہے اور جب ثمرہ بڑا ہوتا ہے تو عمل کا بڑا ہونا بھی ضروری ہے۔جس پر اس قدر بڑا ثمرہ مرتب ہوا ہے تو اس سے عمل مذکور کی یعنی توسع اور قیام کی اہمیت و عظمت بھی معلوم ہوئی ساتواں اہتمام خاص

(c) ketabton.com: The Digital Library

اہل علم کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے یہ کیا گیا کہ ثمرہ یرفع اللہ الذی امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجت میں ایمان والوں کو اولاً وعموماً اور اہل علم کو ثانیاً وخصوصاً بیان فرمایا تا کہ اہل علم کی بالتخصیص فضیلت معلوم ہوجاوے پھر اس سب کے خلاف پر وعید ہے۔ واللہ بما تعملون خبیر اس سے اور زیادہ اہتمام بڑھ گیا یعنی اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو حق تعالیٰ اس سے خبردار ہیں اس لئے تمہیں مخالفت سنبھل کر کرنی چاہیے پس واللہ بما تعملون خبیر ظاہراً وعید ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ وعدہ ہو کہ اس عمل کے کرنے پر ثمرہ کا ترتب ضرور ہوگا کیونکہ تمہارے اعمال کی حق تعالیٰ کو خبر ہے اس لئے اس عمل کے کرنے پر ثمرہ کا ترتب فرمادیں یا اعمال مذکورہ کے معتدبہ ہونے کی شرائط کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی تفسح فی المجالس یا نشوز مطلقاً معتبر ومعتدبہ نہیں بلکہ اس میں خلوص بھی شرط ہے یعنی صرف صورت عمل پر ثمرہ مذکورہ مرتب نہ ہوگا بلکہ اخلاص بھی ضروری ہوگا اور اخلاص امر باطنی ہے اس لئے اپنے خبیر بمعنی عالم بباطن الامور ہونے پر تنبیہ فرمادی غرض ان سب اہتماموں سے معلوم ہوا کہ یہ عمل نہایت مہتم بالشان ہے۔

تکبر کا علاج

اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس میں ایک بڑی ضروری تعلیم ہے لیکن بعد تامل معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خاص اہتمام سے تکبر کا علاج کیا گیا ہے جو منشاء ہے آداب مجالس پر عمل نہ کرنے کا اور بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کرنے کا پھر جب اصل اور جڑ خرابی کی جاتی رہے گی یعنی تکبر کا علاج ہو جائے گا اور اس کے علاج سے گناہ متروک ہو جائیں گے تو اب اعمال کرنے سے ارتفاع موانع کے سبب ان کا اصلی ثمرہ ضرور مترتب ہوگا۔ یہ حقیقت ہے اس تعلیم کی کہ اس کو معمولی نہ سمجھو اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ صدر مجلس کے کہنے پر عمل کرنے کو ازالہ تکبر میں کیا دخل ہے۔ ہم نے تو ایک بار ایسا کیا مگر کچھ بھی اثر نہ ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو ایک بار عمل کرنا بھی بے کار نہیں مگر ایک بار میں معتدبہ اثر کا ظہور نہیں ہوتا' لیکن اگر بار بار اس پر عمل کریں گے تو خود ہی اثر معلوم ہو جائے گا۔ دیکھو ایک جگہ پانی کا قطرہ ٹپکتا ہے تو اس وقت تو اس سے کچھ اثر محسوس نہیں ہوتا لیکن اگر اسی طرح ٹپکتا رہے تو دس برس میں اس پانی کے قطرہ ہی سے غار ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ اس اثر میں جس طرح مجموعہ من الحیث المجموع کو دخل ہے اسی طرح ہر قطرہ کا بھی دخل ہے اسی طرح ہر عمل شرعی پر ایک مرتبہ بھی عمل کرنا ضرور تصفیہ باطن میں اثر رکھتا ہے گو کمال اثر کی علت تامہ نہ سہی اس کے لئے ضرورت ہے تکرار دوام کی۔

یہ تمہید میں مذکور ہے کہ آیت میں دو عمل اور دو ثمرے بیان کئے گئے ہیں۔ عمل اول تفسح فی المجالس اور اس کا ثمرہ یفسح اللہ لکم اور یہ عمل مع ثمرہ کے بیان ہو چکا ہے اور عمل ثانی انشزوا۔ جس پر ثمرہ رفع درجات کو مرتب فرمایا اور انشزوا کا امتثال چونکہ واقع میں تفسح فی المجالس سے ارفع ہے کیونکہ اس میں انقیاد کا زیادہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اظہار ہے جو نفس کو زیادہ شاق ہے اس لئے اس پر ثمرہ بھی ارفع یعنی رفع درجات کا مرتب فرمایا۔ غالباً یہ امر بیان سے رہ گیا کہ فافسحوا اور فانشزوا عام ہے خواہ جوارح سے ہو یا قلب سے یعنی جس وقت مجلس میں تفسح کا حکم ہو کشادگی کر دے اور جب مجلس سے اٹھایا جائے اٹھ جائے اور جب تک اس حکم کی نوبت نہ آوے تو اس کے لئے دل سے آمادہ رہے اس آمادگی سے قلب میں زیادہ وسعت ہوگی اصلاح اخلاق کیلئے کیونکہ حالت قلب کی زیادہ قابل اعتبار ہے۔ پس یقیناً یہی امر منقح ہوا کہ آرام اور راحت روح کی معتبر ہے نہ کہ جسم کی اس حکمت کے لئے حق سبحانہ تعالیٰ کا یہ ارشاد۔ یفسح اللہ لکم اور فانشزوا یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجت ظاہر و باطن سب کے لئے شامل رکھا گیا۔

اعمال عوام اور علماء کا فرق

اب اس مضمون ضمنی کے بعد یرفع اللہ الذین امنوا کا بیان کرتا ہوں کہ یہاں پر حکم رفع درجات عام مومنین کے لئے ثابت فرمایا پھر تخصیصاً اہل علم کے لئے اس کا حکم کیا اور صرف یرفع اللہ الذین امنوا پر اکتفاء نہیں فرمایا' گو وہ اہل علم کو بھی شامل ہو جاتا' سو ایسا کرنے سے مقصود اہل علم کی فضیلت کا ثابت کرنا ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ ایک عمل عوام کا ہے کہ بوجہ بہت حقائق نہ جاننے کے وہ اس عمل کے پورے حقوق ادا نہیں کر سکتے اور ایک عمل اہل علم کا ہے وہ اس کے زیادہ حقوق ادا کر سکتے ہیں' پس اس عارض کی وجہ سے ان دونوں کے اعمال میں ضرور فرق ہوا' اور اہل علم کا عمل قوی اور کامل ہوا تو اہل علم کو جدا کر کے بیان کیا اور ظاہر ہے کہ اہل علم اور عوام میں جو یہ فرق ہوا' اس کا مدار بجز علم کے اور کوئی شے نہیں۔ لہٰذا علم ہی ایسی چیز ہوئی' اس سے اہل علم کو فضیلت ہوئی' پھر جب علم مقبول و محبوب ہوا' تو اہل علم بھی ضرور محبوب اور مقبول ہوں گے اور قاعدہ ہے کہ محبوب کو غیر محبوب سے زیادہ اجر دیتے ہیں' اس لئے اہل علم کو زیادہ اجر ملے گا۔ اب میں اس راز کو بھی بتلاتا ہوں وہ یہ کہ ایک ثمرہ تو نفس عمل پر مرتب ہوتا ہے اور ایک اس کی خصوصیت پر' مثلاً دو شخصوں سے ایک مضمون لکھوایئے' ایک تو محض مضمون لکھ دے' اور ایک منشی ذی فہم ہو کہ اس کو سمجھے بھی اور خوشنویسی سے زیب و زینت کیساتھ لکھے گا' تو یہ زیادتی نفس عمل پر نہیں ہوئی بلکہ اس کی تحسین و تکمیل موقوف ہوئی علم پر' اور جب کسی عمل میں تکمیل ہوگی تو وہ عمل افضل ہوگا' اور اس عمل کے ثمرات بھی افضل ہوں گے۔ پس اسی وجہ سے اہل علم کے عمل پر ثمرات بھی عوام کے ثمرات سے زیادہ مرتب ہوں گے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف کی نماز غیر عارف کی لاکھ نمازوں سے افضل ہے اس لئے کہ تکمیل موقوف ہے علم پر مجھے ایک حکایت یاد آئی حضرت حاجی صاحب کے ایک خلیفہ تھے ایک مرتبہ انہوں نے قصداً اہتمام کر کے نہایت خضوع و خشوع سے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر مراقب ہوئے

(c) ketabton.com: The Digital Library

عالم امثال کی طرف اس کی صورت دیکھنے کے لئے متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ نہایت حسین وجمیل عورت ہے جو سر سے پیر تک زیوروں میں لدی ہوئی تھی مگر آنکھوں سے اندھی ہے۔ یہ واقعہ حضرت حاجی صاحب سے بیان کیا۔ حضرت نے معاً سنتے ہی فرمایا' کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آنکھیں بند کر کے نماز پڑھی ہوگی۔ عرض کیا جی ہاں' حضرت نے فرمایا یہی وجہ ہے کہ اندھی نظر پڑی' حضرت کا فہم عجیب وغریب تھا' فرمانے لگے کہ آنکھ کا بند کرنا خطرات سے بچنے کے لئے گو جائز ہے' لیکن زیادہ اچھا ہے کہ آنکھیں کھلی رہیں' گو لاکھوں خطرات آتے رہیں۔ کیونکہ نماز میں آنکھیں کشادہ رہنا موافق سنت کے ہے اور بند کرنا خلاف سنت ہے' یہ فرق ہے عارف اور غیر عارف میں' اور عارف جس کا مدار وہی علم کا ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عارف کی ایک رکعت' غیر عارف کی لاکھ رکعت سے افضل ہے' اب تو معلوم ہو گیا کہ یہ وجہ ہے علم کی رفعت کی دوسری ایک وجہ یہ ہے کہ اعمال کا ثمرہ علم ہی کی وجہ سے ملتا ہے کیونکہ وہ موقوف ہیں علم پر تو جو موقوف پر ثمرہ ملتا ہے وہ بلحاظ موقوف علیہ کے ملتا ہے' کیونکہ اس کے بدوں موقوف کا وجود ہی نہیں ہو سکتا۔ پس عمل کا اجر ہی موقوف ہوا۔ پس عقلاً بھی علم کی فضیلت ثابت ہوگئی اور اسی سے علماء کے لئے زیادت اجر کا ملنا عقلاً معلوم ہو گیا۔

شریعت اور سائنس

اب میں نو تعلیم یافتہ جماعت کی ایک غلطی پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ شریعت میں جو علم کی فضیلت وارد ہے' اس میں علم سائنس وعلم ومعاشیات وغیرہ داخل نہیں۔ بلکہ علوم احکام مراد ہیں جو قرآن وحدیث وفقہ میں منحصر ہے' بعض احادیث ونصوص میں جو علم کا لفظ مطلق وارد ہوا ہے تو اس مطلق سے یہ مقید ہی مراد ہے' اس سے ایسا عموم سمجھنا جس میں سائنس وغیرہ سب داخل ہو جائیں ایسا ہے جیسا کوئی شخص کہے کہ تعلیم حاصل کرو' اس کا مطلب بیان کیا جائے کہ پاخانہ کمانا بھی سیکھو' ہر چند کہ پاخانہ اٹھانا بھی واقعہ میں تعلیم کا ایک شعبہ ہے مگر عرفاً تعلیم حاصل کرنے سے ہرگز ہرگز کوئی شخص یہ نہ سمجھے گا کہ پاخانہ اٹھانے کی بھی تعلیم مراد ہے۔ پس اسی طرح قرآن وحدیث میں جو علم کی فضیلت مذکور ہوئی ہے۔ اس علم میں سائنس وغیرہ ہرگز داخل نہیں' بلکہ یہ علم تو بمقابلہ علم احکام کے بحکم جہل ہے' دیکھئے قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے یہود کے متعلق اول تو لقد علموا فرمایا۔ اس سے ان کا اہل علم ہونا ظاہر فرمایا ہے اور اس کے بعد لو کانوا یعلمون فرمایا' جس میں انہی سے علم کی نفی فرماتے ہیں' تو یہاں نفی علم سے مراد علم مع العمل کی نفی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ شریعت میں جہاں علم کی فضیلت کا ذکر ہے وہاں علم سے وہ مراد ہے جس کو عمل میں بھی دخل ہو' بلکہ اس کے ساتھ عمل موجود بھی ہو' پس بتلایئے کہ سائنس کو عمل شرعی میں کیا دخل ہے' جو اس کو اطلاق شرع میں داخل کیا جائے۔ اس دعویٰ کی دوسری

(c) ketabton.com: The Digital Library

دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے ان الانبیاء لم یورثوا دینار او لاد رهما ولکن ورثوا العلم.

پس اس سے روز روشن کی طرح ظاہر اور واضح ہو گیا کہ شریعت میں علم سے مراد علم دینار اور درہم نہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو علوم ذرائع کسب بھی عطا فرمائے تھے مگر حضورؐ نے نہ ان کو علم سے تعبیر فرمایا اور نہ ان میں وراثت جاری ہوئی کہ جو کسب ایک نبی کو عطا فرمایا تھا وہ ورثۃً ان کی اولاد در اولاد چلا ہو جب یہ امر منقح اور طے ہو گیا کہ علم سے مراد ایسے ذرائع وطرق کسب بھی نہیں۔ جو بعض انبیاء کو عطا فرمائے گئے تھے جیسا داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانا سکھلایا اور ان کے ہاتھوں میں لوہے کو موم بنا دیا گیا۔ والناله الحديد درکف داؤد آہن موم کرد اور اس قسم کے کسب انبیاء علیہم السلام کو بھی عطا فرمائے گئے تھے۔ چنانچہ زکریا علیہ السلام نجار تھے۔ نیز انبیاء کے لئے ہوا کو مسخر فرما دیا۔ مگر ان سب امور سے انبیاء کسی ایسے امر کے لئے مبعوث نہیں ہوئے اور نہ انبیاء کی وراثت بجز علم شرعی کے کسی اور چیز میں جاری ہوئی سو جب یہ مفید علوم بھی نصوص فضیلت میں داخل نہیں تو پھر سائنس اور جغرافیہ جو طرق کسب میں سے بھی نہیں علم انبیاء میں کیونکر داخل ہو سکتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ انبیاء کے کلام میں علم سے مراد علم نبوت ہے نہ کہ علم کسب اور نہ علم طبعیات وغیرہ الغرض اس ذی فضیلت علم سے دین کا علم مراد ہے اور اہل علم کی فضیلت اسی علم کی وجہ سے ہے۔

حال وقال

اب ان فضائل کے بعد چونکہ یہاں علماء کے ناز کا موقع تھا کہ ہم اہل علم ہیں اور ہمارا عمل عوام سے بڑھا ہوا ہے تو ان لوگوں کی تنبیہ کے لئے فرماتے ہیں واللہ بما تعملون خبیر اے علیھم بباطن الامور یعنی خدا تعالیٰ کو عمل کے ساتھ باطن کی بھی خبر ہے۔ وہ سب کے باطن کو بھی دیکھ رہے ہیں کہ کس میں اخلاص ہے کس میں نہیں محض علم پر ناز نہ کرنا کیونکہ یہ علم تو شیطان اور بلعم باعور کو بھی حاصل تھا۔ شیطان بقول مشہور معلم ملائکہ بھی تھا اور بلعم باعور اپنی قوم کا واعظ بھی تھا۔ اور دونوں شخص علم کے ساتھ عمل ظاہر کے بھی جامع تھے۔ بڑے عابد اور جفاکش مجاہدہ کرنے والے تھے۔ مگر ان کے باطن میں اخلاص اور خدا تعالیٰ کی محبت ومعرفت پوری نہ تھی اس لئے یہ علم وعمل سب بے کار ہو گیا۔ پس عمل کے ساتھ بھی سب بے کار ہو گیا۔ پس عمل کے ساتھ ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہوئی جس کا نام حال باطنی ہے بدوں حال کے علم وعمل قابل اعتبار نہیں اور یہ حال کتب بینی سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ کسی صاحب حال کی جوتیاں سیدھی کرنے سے نصیب ہوتا ہے۔ غرض اس جگہ آیت میں باختلاف وجوہ دلالت تین چیزیں مذکور ہوئیں علم وعمل وحال اور ان تینوں کی تحصیل ضروری ٹھہری اور محض علم وعمل حاصل ہو گیا مگر حال نہ ہو تو اس کی نسبت ارشاد ہوتا ہے واللہ بما تعملون خبیر جیسا قریب ہی

(c) ketabton.com: The Digital Library

مذکور ہوا۔ یعنی خدا باطن کو بھی دیکھتے ہیں۔ نرے ظاہری علم وعمل کو نہیں دیکھتے' عارف رومی فرماتے ہیں۔

ما بروں را ننگریم وقال را　　　　ما دروں را بنگریم وحال را

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ۚ

ترجمہ: یعنی اے ایمان والو جب تم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ بات کرنا چاہو تو پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو۔

تفسیری نکات

اعمال صالحہ کی توفیق پر صدقہ کا حکم

مناجات رسول ظاہر ہے کہ اعمال صالحہ میں سے ہے۔ پس اس کے ارادہ پر صدقہ دینے کا حکم ہوا۔ اور سبحان اللہ کیا بلاغت ہے یوں نہیں فرمایا۔ فقدموا بین یدیکم نفقة اس لئے کہ اس میں کسی ملحد کو یہ شبہ کرنے کی گنجائش ہو سکتی تھی کہ ان کے رسول نے بھی اپنی کمائی کے بھی خوب ڈھنگ نکال رکھے تھے۔ اب یہ شبہ ہی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ صدقات واجبہ کا مال جیسا کہ صیغہ امر سے اس صدقہ کا وجوب معلوم ہوتا ہے حضور اور حضور کی اولاد کے لئے بلکہ مطلق بنی ہاشم کے لئے حرام تھا۔ اس لئے کہ صدقہ کو اوساخ الناس فرمایا ہے۔ ہاں صدقات نافلہ بنی ہاشم کے لئے جائز ہیں اور آپ کے لئے وہ بھی حرام تھے۔

جب یہ قانون ہوا تو لوگ ڈر گئے اس لئے کہ بعضوں کے پاس روپیہ تھا اور بعضوں کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ اور حضورؐ سے باتیں کرنے کے سب دلدادہ اور شیفتہ تھے۔ اس قانون پر صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمل کرنے پائے تھے کہ فوراً دوسری آیت اس کی ناسخ نازل ہوئی۔ ءاشفقتم ان تقدموا بين يدى نجواكم صدقات فاذلم تفعلوا وتاب الله عليكم الخ یعنی کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات پیش کرو۔ پس جب تم نے نہ کیا (بوجہ غیر مستطیع ہونے کے) اور اللہ تعالیٰ نے تم پر رجوع فرما لیا (یعنی اس حکم کو منسوخ کرنے سے تم پر رحمت فرمائی الخ) سبحان اللہ قرآن شریف کی کیا بلاغت ہے اول آیت میں تو صدقہ لفظ مفرد سے فرمایا اور دوسری آیت میں صدقات کو جمع کے صیغے سے لائے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ہمارے بندے ہمارے رسولؐ کے ایسے چاہنے والے ہیں کہ ان کو بغیر رسولؐ سے بات کئے

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوئے چین نہ آوے گا اور بہت سے صدقات دینے پڑیں گے۔ خیر میری غرض اس آیت اور اس کے شان نزول کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی توفیق ہونے کا مقتضی تو یہ ہے کہ اس پر کچھ خرچ کرنا چاہیے چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سورہ بقرہ ختم ہوئی ہے تو انہوں نے ایسی اونٹنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح کی تھی جس کی انکو تین سو اشرفیاں ملتی تھیں۔ آج تو سارا قرآن شریف یاد ہونے پر اگر حافظ جی کو پانچ روپیہ دیدے تو گویا حافظ جی کو خرید لیا۔ اس زمانہ میں مولویوں اور معلم قرآن اور مساجد کے موذنوں کی کچھ قدر نہیں۔ خیر مولویوں کی تو کچھ تھوڑی بہت ہے بھی لیکن قرآن شریف پڑھانے والوں کی تو کچھ بھی نہیں ہے بہت سے بہت تنخواہ حافظ کی مقرر کریں گے تو چار یا پانچ روپیہ۔

موذن کی فضیلت

اور بے چارے موذنوں کو تو کون پوچھتا ہے ان کو تو بہت ذلیل اور اپنا خادم سمجھتے ہیں۔ سب کام موذنوں کے ہی ذمہ ہے پانی گرم کرنے کے لئے گوبر اور کوڑا لانا بھی اسی کے ذمہ ہے اور محلّہ بھر کے گھروں کا کام کرنا بھی اس کے ذمہ سمجھا جاتا ہے۔ صاحبو! موذنوں کی حدیث شریف میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ ان کی قدر کرنا چاہیے یہ سرکاری آدمی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لاتجد قوماً یؤمنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباء ھم او ابناء ھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ.

ترجمہ: یعنی نہیں پائیں گے آپ اے محمدؐ ایسی قوم کو جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ دوستی کریں ان لوگوں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کریں اگر چہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا گھرانے والے یہ لوگ (یعنی مومنین) وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں ایمان جما دیا ہے۔ اور ان کی اپنے پاس سے روحانی تائید کی ہے۔ (الحشر آیت ۲۲)

ایمان کا تقاضا

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ و رسولؐ کے مخالفین کے ساتھ دوستی نہ ہو اور نیز اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوستی سے بچنا دو چیزوں پر موقوف ہے اول تصحیح عقائد اور دوسری بات وہ ہے جس کو روح فرمایا ہے روح کہتے ہیں حیات کو اس سے مراد نسبت مع اللہ ہے جس سے قلب کی حیات ہے۔ (الرغبۃ المطلوبہ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوۡرۃ الحشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ سے بے پرواہی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جان سے ان کو بے پرواہ بنا دیا یہی لوگ نافرمان ہیں۔

تفسیری نکات

اللہ تعالیٰ کو بالکل فراموش کرنے والا کون ہے؟

حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ تم ان لوگوں کی مثل نہ ہو جاؤ۔ جو اللہ کو بھول گئے ہیں۔ سبحان اللہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ کیسا لحاظ فرماتے ہیں کہ یوں نہیں فرمایا۔ ولا تکونوا من الذین نسوا اللہ جس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے ہیں۔ کیونکہ آیت کے مخاطب مسلمان ہیں (اور خدا کے بھولنے والے کافر ہیں) حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس طرح خطاب کرنا گوارا نہیں فرمایا۔ کہ تم خدا کے بھولنے والے نہ بن جانا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ دیکھو بھولنے والوں کے مشابہ نہ ہو جانا۔ اس میں جس قدر عنایت و لطف ہے ظاہر ہے کیونکہ اس کا یہ مطلب ہوا کہ خدا کو بھول جانا تو تمہاری محبت سے بعید ہے ہاں بھولنے والوں کی طرح ہو سکتے ہو۔ تو ہم تم سے کہتے ہیں کہ تم ایسے بھی نہ ہونا۔ اس لئے لاتکونوا کالذین نسوا اللہ فرمایا دوسرے یہ بھی اس میں نکتہ ہو سکتا ہے۔ کہ خدا کا بالکل بھولنے والا کافر ہے۔ اور آیت کے مخاطب مسلمان ہیں اور مسلمان کافر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مسلمانوں کو لا تکونوا من الذین نسو اللہ کے ساتھ خطاب ہو بھی نہیں سکتا بلکہ ان

(c) ketabton.com: The Digital Library

کوتو لاتکونوا کالذین نسو اللہ ہی سے خطاب ہوسکتا ہے۔ (ایضاً ص۴۴)

اوراس میں بہ نسبت نکتہ اولیٰ کے زیادہ مبالغہ ہوا (کیونکہ اس نکتہ اولیٰ کا حاصل یہ تھا کہ مسلمان کا خدا کو بھول جانا بعید ہی سہی لیکن بھول سکتا ہے مگرحق تعالیٰ نے پھر بھی عنایت وشفقت کی بناء پر یہ نہیں فرمایا کہ تم ہم کو بھولنا مت بلکہ یہ فرمایا کہ بھولنے والے کی طرح نہ ہونا اور دوسرے نکتہ کا حاصل یہ ہوا کہ مسلمان کا خدا کو بھول جانا ممکن ہی نہیں کیونکہ بالکل بھول جانا کافر کا کام ہے اور مسلمان کافرنہیں ہوسکتا۔ (ایضاً ص۴۰)

آگے ارشاد ہے فانسھم انفسھم کہ جب وہ خدا کو بھول گئے تو خدا تعالیٰ نے ان کے نفسوں کو بھی ان کو بھلا دیا یہاں ایک نکتہ ہے گو ظاہر کرنے کو جی نہیں چاہتا مگر خیر دل میں آئی ہوئی بات کو کیوں روکوں شاید کسی کو نفع ہو جائے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے ونحن اقرب الیہ من حبل الورید کہ ہم انسان کی جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ تو جو شخص جان سے زیادہ قریب کو بھول جائے تو ممکن نہیں کہ وہ اپنے کو یاد رکھے حقیقت میں خدا کو بھولنے والا اپنے آپ کو بھی بھولا ہوا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جو اپنے آپ کو بھی بھول گیا اس کو تو مقام فنا حاصل ہوا تو جواب یہ ہے کہ لعنت ہے ایسی فنا پر فنا کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی یاد میں اتنا مستغرق ہو کہ اپنے کو بھول جائے۔ نہ یہ کہ خدا کو بھلا کر اپنے آپ کو بھولے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ خدا کو بھول کر ہم اپنے کو کہاں بھولتے ہیں اپنی یاد تو پھر بھی رہتی ہے تو پہلے یہ سمجھو کہ یاد کے معنی کیا ہیں۔ یاد مطلوب وہ ہے جو نافع ہو اور جو محبت کے ساتھ ہو چنانچہ یہ محاورہ بھی تو ہے کہ دوستوں سے کہا کرتے ہیں کہ بھائی ہم کو یاد رکھنا اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ محبت سے یاد رکھنا یہ کسی کا مطلب نہیں ہوتا کہ بس جس طرح سے بھی ہو یاد رکھنا خواہ روزانہ دو چار لپڑ ہی لگا دیا کرنا اور اگر وہ آکر دو چار لپڑ لگا دیا کرے اور یہ کہے کہ تم نے یاد کرنے کو کہا تھا میں یاد ہی تو کرتا ہوں تو اس کو ہرگز یاد نہیں کہا جا سکتا۔ غرض محاورہ میں بھی محبت ہی کی یاد کو یاد کہتے ہیں۔ دشمن اور ضرر رسانی کی یاد کو یاد نہیں کہا کرتے۔ اب سمجھئے کہ جس وقت کسی نے اپنے خدا کو بھلا دیا تو اس نے اپنے تمام مصالح کو فوت کر دیا۔

اب اس کو یہ یاد نہیں رہا کہ میرے نفس کی فلاح کا طریقہ کیا ہے تو حقیقت میں وہ اپنے کو بھول گیا اور اب اس کو اپنی یاد ایسی ہو گی جیسے کوئی کسی کو روزانہ دو چار جوتے مار کر یہ کہے کہ میں تجھ کو یاد کرتا ہوں غرض جو شخص خدا تعالیٰ کو بھولے گا وہ اپنے کو بھی ضرور بھول جائے گا اسی طرح جو خدا کو یاد رکھے گا وہ اپنے کو بھی یاد رکھے گا۔ مگر مستقلاً نہیں بلکہ اس طرح کہ میں خدا کی چیز ہوں خدا تعالیٰ کے ساتھ مجھے تعلق ہے اور جو کچھ میرے پاس ہے سب خدا کی امانت ہے وہ کسی چیز کو بلا واسطہ خدا تعالیٰ کے یاد نہ کرے گا بلکہ جیسے عاشق کو محبوب کی سب چیزیں یاد رہتی ہیں اور ان کی یاد حقیقت میں محبوب ہی کی یاد ہوتی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضرت صدیق اکبرؓ کا رتبہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رتبہ تو یہاں تک ہے کہ ان سے پوچھا گیا **ھل عرفت ربک بمحمد ام عرفت محمد بربک** کہ آپ نے حق تعالیٰ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے پہچانا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے واسطے سے پہچانا تو فرمایا **عرفت محمداً بربی** کہ میں نے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے واسطے سے پہچانا اگر آج کوئی شخص یہ بات کہہ دے تو بس کافر ہو گیا بجائے قدر کرنے کے غریب پر چار طرف سے کفر کے فتوے لگیں گے کیونکہ حقیقت شناس دنیا سے اٹھ گئے چنانچہ ایک شخص نے میرے ایک دوست سے کہا کہ تم جو توحید کے مضامین زیادہ بیان کرتے ہو (کہ حق تعالیٰ کے افعال میں نہ کسی ولی کو دخل ہے نہ نبی کو وہاں کوئی دخیل کار نہیں ہے وغیرہ وغیرہ) اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے تعظیمی ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا توبہ توبہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے تعظیم سے تھوڑا ہی روکتے ہیں بلکہ خدا کی توہین سے روکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ حق تعالیٰ کو گھٹا دو غور کر کے دیکھا جائے تو جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صفات الوہیت ثابت کرتے ہیں حقیقت میں وہ آپ کی بے تعظیمی کرتے ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ صفات الوہیت درجہ کمال میں تو آپ کے لئے ثابت کر نہیں سکتے لامحالہ درجہ نقصان میں ثابت کریں گے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناقص قرار دیا اور ہم آپ کے لئے صفات الٰہی کو ثابت نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کی نفی کر کے صرف صفات بشریہ اور کمالات نبوت کو آپ کے لئے ثابت کرتے ہیں اور ان میں سے ہر صفت کو درجہ کمال میں ثابت کرتے ہیں تو ہم آپ کو بشر کامل و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کامل کہتے ہیں کسی نے خوب کہا ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہو گے تو ناقص خدا کہو گے اور ہم انسان کہتے ہیں مگر کامل انسان تو بتلاؤ بے تعظیمی کس نے کی بے ادب وہ ہے جو آپ کو ناقص کہے یا وہ جو کامل کہے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا سے گھٹانا بھی بے ادبی ہے تو پھر حضرت صدیق اکبر کو کیا کہیے گا جو یوں کہتے ہیں کہ میں نے اول خدا کو جانا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے خدا کو نہیں پہچانا غرض یہ ثابت ہو گیا کہ عارف کی نظر اول خدا پر پڑتی ہے۔ پھر اپنے پر تو معلوم ہوا کہ خدا قریب ہے اور نفس دور ہے۔ (اگر خدا تعالیٰ نفس سے قریب تر نہ ہوتے تو کسی کی نظر بھی اول ان پر نہ پڑ سکتی ۱۲) تو لازم آ گیا کہ جو خدا کو بھول گیا وہ اپنے نفس کو بھی بھول گیا اسی کا بیان ہے **فانسھم انفسھم** پس وہ اپنے نفسوں کو بھول گئے)

ہماری بدحالی کا سبب

آگے فرماتے ہیں **اولئک ھم الفاسقون** یہ ہے جزو مقصود جس سے مجھ کو بدحالی مذکور سابقاً کا علاج

(c) ketabton.com: The Digital Library

مستنبط کرنا ہے ترجمہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں حکم سے نکل جانے والے اس میں اولئک اسم اشارہ ہے جس کے لئے فاسقون کا حکم ثابت کیا گیا ہے اور بلاغت کا قاعدہ ہے کہ اسم اشارہ میں مشار الیہ کا مع صفات مذکورہ کے اعادہ ہوتا ہے اور حکم کی بناء انہی صفات پر ہوتی ہے جو پہلے مذکور تھیں۔ اولٰئک علی ھدیً من ربھم واولٰئک ھم المفلحون (یہی لوگ ہیں ہدایت پر جوان کو اللہ کی جانب سے ملی اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے) کی تفسیر میں مفسرین نے اس کی تصریح کی ہے کہ اسم اشارہ سے اس جگہ یہ بات بتلائی گئی ہے کہ ہدایت وفلاح کا حکم صفات مذکورہ ایمان بالغیب واقامۃ الصلوٰۃ کتب منزلہ وانفاق مال وغیرہ پر مبنی ہے۔ اوران صفات کو حکم فلاح میں دخل ہے ۱۲) اس قاعدے کی بناء پر یہاں بھی اولئک میں صفت نسیان کا اعادہ ہوگا۔ جو پہلے الذین نسوا اللہ (جولوگ اللہ کو بھول گئے ہیں) میں مذکور ہو چکی ہے اور حکم فسق کی بناء اسی صفت پر ہو گی خلاصہ یہ کہ آیت میں نسیان خدا پر فسق کو مرتب کیا گیا ہے تو یہ سبب ہوا فسق کا یعنی حکم سے نکل جانے اور حکم سے نکل جانا یہی حقیقت ہے معصیت کی جس میں ہم مبتلا ہیں تو الحمد اللہ آیت سے صاف طور پر سبب مرض کی تشخیص ہوگئی اور معلوم ہو گیا کہ ہماری بدحالی کا سبب یہ ہے کہ ہم خدا کو بھول گئے ہیں۔

ذکر اللہ مرض نسیان کا علاج ہے

اور طبعی قاعدہ ہے العلاج بالضد (علاج ضد کے ساتھ ہونا چاہیے) اور نسیان کی ضد ذکر ہے تو معصیت کا علاج ذکر اللہ ہوا یا یوں کہئے کہ ہر مرض کا علاج رفع سبب سے ہوتا ہے (خواہ ضد کے ذریعہ سے رفع کیا جائے یا مثل کے ذریعہ سے مگر ازالہ مرض کے لئے رفع سبب سب کے نزدیک ضروری ہے ۱۲) اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرض عصیاں کا سبب نسیان ہے تو اس کا علاج یہ ہوا کہ نسیان کو اٹھا دو اور رفع نسیان مستلزم ہے وجود ذکر کو (کیونکہ ارتفاع نقیضین محال ہے تو حاصل پھر وہی ہوا کہ معصیت کا علاج خدا کو یاد رکھنا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اس آیت میں اولٰئک ھم الفاسقون نسوا اللہ پر مرتب کیا گیا ہے جس سے اس نسیان کا سبب فسق و معصیت ہونا ظاہر ہوا اور مرض کا علاج سبب کے ازالہ سے ہوتا ہے تو معصیت کا علاج النسیان ہوا اور ازالہ نسیان ذکر سے ہوتا ہے اس لئے گناہوں سے بچنے کے واسطے ذکر اللہ لازم ہوا۔ (ذم النسیان)

(c) ketabton.com: The Digital Library

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ

ترجمہ: کہ اگر یہ قرآن پہاڑ پر نازل ہوتا کہ وہ بھی حق تعالیٰ کی ایک توجہ ہے تو وہ خوف الٰہی سے پست ہو جاتا۔ اور پھٹ جاتا۔

تفسیری نکات

مقصود نزول آیت

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ جب قرآن میں یہ اثر ہے تو انسان پر یہ اثر کیوں ظاہر نہیں ہوتا اگر یہ کہا جائے کہ انسان میں تاثر کی استعداد نہیں تو اس صورت میں اس کا عذر تو ظاہر ہے مگر سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون انسان کو غیرت دلانے کے لئے سنایا گیا ہے کہ تم ایسے سنگدل ہو کہ قرآن سن کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ حالانکہ وہ اگر پہاڑ پر نازل ہوتا تو اس کی یہ حالت ہو جاتی تو اگر انسان میں تاثر کی استعداد نہیں تو اس حالت میں غیرت دلانا بے کار ہوگا۔ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھ میں یہ استعداد ہوتی تو میری بھی وہی حالت ہوتی۔ اور اگر انسان میں استعداد تاثر ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ اس پر یہ اثر کیوں ظاہر نہیں ہوتا۔

جواب یہ ہے کہ انسان میں تاثر کی استعداد تو موجود ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس میں تحمل کی قوت بھی پہاڑ سے زیادہ ہے۔ اگر پہاڑ پر حق تعالیٰ کا کلام نازل ہوتا تو اس میں خشوع تاثر کے ساتھ انشقاق وتصدع بھی ہوتا۔ کیونکہ اس میں قوت تحمل نہیں ہے تم میں اگر بوجہ تحمل کے انشقاق وتصدع نہیں ہے تو کم از کم تاثر وخشوع تو ہونا چاہیے تو شکایت اس کی نہیں کہ قرآن سن کر تمہارے دل پھٹ کیوں نہیں گئے بلکہ شکایت اس کی ہے کہ خشوع کیوں نہیں پیدا ہوا۔

اور انسان میں قوت تحمل کا جبال سے زائد ہونا دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

انا عرضنا الامانة علی السموٰت والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوما جهولا

اسی کو عارف اسی طرح فرماتے ہیں

؎ آسماں بار امانت نتوانست کشید — قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

(جس بار امانت کو زمین وآسمان نہ اٹھا سکا اس کا قرعہ میرے جیسے دیوانہ کے نام نکل آیا)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُورۃ المُمتَحِنَۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدۡ کَانَتۡ لَکُمۡ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗ ۚ اِذۡ قَالُوۡا لِقَوۡمِہِمۡ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡکُمۡ وَ مِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ۫ کَفَرۡنَا بِکُمۡ وَ بَدَا بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃُ وَ الۡبَغۡضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَحۡدَہٗۤ

ترجمہ: تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام میں اوران لوگوں میں جوایمان وطاعت میں ان کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں بغض اور عداوت ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

تفسیری نکات

حدود اتفاق

لوگ آج کل اتفاق اتفاق تو پکارتے ہیں مگر اس کی حدود کی رعایت نہیں کرتے بس اتنا یاد کر لیا ہے کہ قرآن میں حکم ہے لا تفرقوا افتراق نہ کرو۔ مگر اس سے پہلا جملہ نہیں دیکھتے واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً کہ اس میں اللہ کے راستہ پر قائم رہنے کا پہلے حکم ہے اس کے بعد ارشاد ہے کہ حبل اللہ پر متفق ہو کر اس سے تفرق نہ کرو تو اب مجرم وہ ہے جو حبل اللہ سے الگ ہو اور جو حبل اللہ پر قائم ہے وہ ہرگز مجرم نہیں گو اہل باطل

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے اس کو ضرور اختلاف ہوگا۔ پس یادرکھو کہ نہ اختلاف مطلقاً مذموم ہے جیسا کہ ابھی ثابت کیا گیا اور نہ اتفاق مطلقاً محمود ہے بلکہ اتفاق محمود وہ ہے جو حبل اللہ کے اعتصام پر ہو ورنہ کفار نے بھی تو بت پرستی پر اتفاق کیا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں **وقال انما اتخذتم من دون الله اوثانا مودة بينكم في الحيوة الدنيا** کہ تم لوگوں نے حیات دنیا میں اتحاد اور دوستی قائم کر کے چند بتوں کو معبود بنالیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کفار میں اتحاد و اتفاق تھا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس اتفاق کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ دوسرے مقام پر اس کا بھی ذکر ہے **قد كانت لكم اسوة حسنة في ابراهيم والذين معه اذ قالو القومهم انا برءٰؤا منكم ومما تعبدون من دون الله كفرنا بكم وبدابيننا وبينكم العداوة والبغضآء** ابراہیم علیہ السلام نے اس اتفاق کی جڑیں اکھاڑ دیں اور اہل باطل سے صاف صاف بیزاری کا اعلان کر دیا اور فرمادیا کہ قیامت تک کے لئے ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت بغض قائم ہوگیا معلوم ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ اس طرح اتفاق کرنا محمود نہیں کہ وہ اپنے باطل پر جمے رہیں اور اسی حالت میں ہم ان سے اتفاق کرلیں۔ بلکہ اس صورت میں تو ان سے بیزاری اور اختلاف و عداوت رکھنا ہی مطلوب ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اتباع نے کیا اور انہی کی اقتداء کا حق تعالیٰ ہم کو حکم فرمارہے ہیں۔

نمونہ دینے سے کیا غرض ہوتی ہے یہی کہ اس کے موافق دوسری چیز تیار ہو۔ میں نے ایک بزرگ محقق کا اس کے متعلق ایک لطیف مضمون سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ہماری مثال ایسی ہے جیسے کسی نے درزی کو ایک اچکن سینے کو دی اور نمونہ کے لئے ایک سلی ہوئی اچکن بھی دی کہ اس ناپ اور نمونہ کی اچکن سی لاؤ درزی نے ساری اچکن نمونہ کے موافق تیار کی غرض طول بھی برابر سلائی بھی یکساں غرض کہیں قصور نہیں کیا۔ فرق کیا تو صرف یہ کیا کہ ایک آستین ایک بالشت چھوٹی بنادی جب وہ اچکن لے کر مالک کے پاس پہنچے گا تو مالک اسے کیا کہے گا وہ اچکن خوش ہو کر لے گا یا اس کے سر پر مارے گا۔

اگر درزی جواب میں یہ کہے کہ جناب ساری اچکن تو ٹھیک ہے صرف ایک آستین میں ذرا سی کمی ہے تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ مالک اس کو پسند کرے گا ہرگز نہیں اس سارے کپڑے کی قیمت رکھوائے گا۔

خوب یاد رکھئے کہ حق تعالیٰ نے احکام نازل کئے جو بالکل مکمل قانون ہے اور ان کا عملی نمونہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا سو اگر آپ کے اعمال نمونے کے موافق ہیں تو صحیح ہیں ورنہ غلط ہیں اگر نماز آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے موافق ہے تو نماز ہے ورنہ کچھ بھی نہیں اگر ذکر آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے موافق ہے تو ذکر ہے ورنہ الٹی معصیت ہے دیکھئے نماز میں کوئی بجائے دو کے ایک سجدہ کرلے تو وہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

نماز نہ رہی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

کوئی قرآن شریف بحالت جنابت پڑھے تو بجائے ثواب کے الٹا گناہ ہوتا ہے۔ (اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ اسمائے الٰہی توقیفی ہیں اپنی طرف سے کوئی نام رکھنا جائز نہیں) اگر آپ روزہ رکھیں تو وہی روزہ صحیح ہوگا جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو علیٰ ہذا حج وہی صحیح ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے موافق ہو اگر حج میں کوئی احرام نہ باندھے تو وہ حج، حج نہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ وہی صحیح ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے موافق ہو اور کوئی سارا مال خلاف تعلیم خرچ کردے تو زکوٰۃ سے فارغ نہیں ہوسکتا۔

یہ ارکان اسلام ظاہری ہوئے اسی طرح اعمال باطنی کو سمجھ لیجئے اور معاملات اور طرز معاشرت، سب میں یہی حکم ہے حق تعالیٰ نے ہمارے پاس کسی فرشتہ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا اس میں حکمت یہی ہے کہ اگر فرشتہ آتا تو وہ ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتا تھا اس کو نہ کھانے کی ضرورت ہوتی نہ پہننے کی نہ ازدواج کی نہ معاشرت کی ان چیزوں کے احکام میں صرف یہ کرتا کہ ہم کو پڑھ کر سنا دیتا یہ کام صرف کتاب کے بھیج دینے سے بھی نکل سکتا تھا کہ ایک کتاب ہمارے اوپر اتر آتی اس میں سب احکام لکھے ہوتے اس میں آپ پڑھ لیتے اور عمل کر لیتے فرشتے کے اترنے سے اس سے زیادہ کوئی بات نہ پیدا ہوتی جو کتاب سے ہوسکتی تھی۔

حق تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہماری جنس میں سے پیغمبر بنائے کہ وہ ہماری طرح کھاتے پیتے بھی ہیں، ازدواج اور تعلقات بھی رکھتے ہیں۔ تمدن اور معاشرت کے بھی خوگر ہیں اور ان کے ساتھ کتابیں بھیجیں تاکہ کتاب میں احکام ہوں اور وہ خود بنفس نفیس ان کی تعمیل کر کے دکھا دیں تاکہ ہم کو سہولت ہو اسی واسطے فرمایا ہے۔

وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انهم لیا کلون الطعام ویمشون فی الاسواق

ترجمہ: یعنی ہم نے جس قدر پیغمبر بھیجے وہ اور آدمیوں کی طرح کھانے پینے والے اور معاشرت رکھنے والے بھیجے دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ **ولو جعلناه ملکا لجعلناه رجلاً**

یعنی اگر ہم فرشتہ کو احکام لے کر بھیجتے تب بھی یہ ہوتا کہ وہ انسان کی صورت میں آتا ورنہ انسان کو اس سے ہدایت نہ ہوسکتی کیونکہ وہ نمونہ نہ بن سکتا۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات فرشتوں سے بھی زیادہ ہیں لیکن حکمت الٰہی اسی کی مقتضی ہوئی کہ آپ نسل انسان سے پیدا ہوں تاکہ تمام افعال انسانی میں نمونہ بن سکیں دیکھ لیجئے کہ جتنی باتیں انسان کو پیش آتی ہیں سب آپ کو پیش آئیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیبیاں رکھیں اور اپنی اولاد کا نکاح کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں غمی کی تقریبیں بھی ہوئیں کئی صاحبزادوں نے انتقال کیا جو حالات ہم کو پیش آتے ہیں وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں نکلے تاکہ ہمارے لئے پورا ایک دستور العمل بن جائے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اب آپ دیکھ لیجئے کہ کونسا فعل ہمارا نمونہ کے موافق ہے کوئی تقریب خوشی کی ہوتی ہے تو ہم نہیں دیکھتے اور کوئی تقریب غمی کی ہوتی ہے تب ہم نہیں دیکھتے کہ دستور العمل میں کیا ہے اس درزی کی مثال کو یاد رکھئے ایک بالشت کپڑا کم کردینے سے اچکن منہ پر ماری جاتی ہے اور اگر وہ بجائے سینے کے کپڑے کی دھجیاں کر کے مالک کے سامنے جا کر رکھے تو وہ کس سزا کا مستوجب ہے جبکہ مالک قادر بھی ہو۔

واللہ باللہ ہمارے اعمال کی حالت یہی ہوگئی ہے کہ جو طریقہ ان کا بتلایا گیا تھا وہ تو کوسوں دوران اعمال کو تباہ کر کے اور دھجیاں اڑا کے ہم حق تعالیٰ کے سامنے رکھ دیتے ہیں یہ کچھ مبالغہ آمیز الفاظ نہیں ہیں دیکھ لیجئے کہ جیسے اچکن سینے کے واسطے کپڑے کا اپنی اصل پر رہنا شرط ہے اور دھجیاں کرنے والا اس کو اس اصل سے نکال دیتا ہے کہ جس سے اچکن تو کیسی کپڑے کی کوئی غرض بھی اس سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح تمام اعمال کے صحیح ہونے کے واسطے ایمان کا ہونا شرط ہے کوئی چاہے کہ ایمان کھو کر کوئی عمل کرے تو وہ ایسے ہی بے کار ہوگا جیسے کوئی کپڑے کی دھجیاں کر کے اچکن سینا چاہے۔

تسبیحات سیدنا فاطمہؓ کا شان وارد

حدیث شریف میں قصہ وارد ہوا ہے کہ سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دست مبارک میں چکی پیسنے سے چھالے پڑ گئے تھے ان سے کہا گیا کہ حضورؐ کے ہاں غلام باندی بہت آتے ہیں ایک آپ بھی مانگ لیں۔ چنانچہ وہ حضورؐ کی خدمت میں تشریف لے گئیں لیکن حضورؐ دولت خانہ میں اس وقت تشریف نہ رکھتے تھے۔ جب حضور تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت صاحبزادی صاحبہ کا تشریف لانا ذکر فرمایا۔ حضور خود ان کے یہاں تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت لیٹی تھیں۔ اٹھنے لگیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم اسی حالت سے رہو۔ فرمایا اے فاطمہؓ تم لونڈی غلام کی درخواست کرتی ہو کیا میں تم کو اس سے اچھی اور بہتر شئے نہ بتاؤں۔ جب تم سونے لگو تو سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرو۔ یہ لونڈی غلام سے بہتر ہے سیدۃ المومنین اس پر راضی ہوگئیں تو حضورؐ نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے تنعم اور دنیا کو مطلقاً پسند نہیں فرمایا۔ چہ جائیکہ صدقات واجبہ وہ تو حرام تھے ہی اس لئے آیت میں لفظ صدقہ فرمایا جس کا صرف کرنا اپنے لئے آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو جائز ہی نہ تھا تا کہ یہ شبہ ہی بالکل زائل ہو جاوے کہ حضورؐ نے نعوذ باللہ اپنے لئے آمدنی کا طریقہ نکالا تھا اس لئے کہ صدقہ کا قانون اور ایکٹ معلوم ہے کہ وہ رقم حضور کے یہاں نہ آوے گی پس قرآن میں بھی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یایھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا اس میں ایمان والوں کو صاف حکم ہے کہ جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بھی بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی تو اس کا بھی وہی مطلب ہو گیا جو

(c) ketabton.com: The Digital Library

ار جل راع علی اھل بیت کا تھا کہ مرد اپنے گھر والوں کی اصلاح کا ذمہ دار ہے بلکہ قرآن میں جن لفظوں سے اس مضمون کو بیان فرمایا ہے اس میں رجال کی بھی تخصیص نہیں بلکہ یاایھا الذین امنوا میں تبعاً عورتیں بھی داخل ہیں جیسا کہ قرآن میں تمام جگہ یہی طرز ہے کہ عورتوں کو مستقلاً خطاب نہیں کیا جاتا بلکہ مردوں کے ساتھ تبعاً ان کو بھی خطاب ہوتا ہے تو یہاں بھی اس قاعدہ کے موافق یہ خطاب مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے تو عورتوں کے لئے بھی یہ بات ضروری ہوئی کہ وہ اپنے خاوند اور اولاد کو جہنم کی آگ سے بچاویں اور ان کو خلاف شرع امور سے روکنے میں کوشش کریں۔ قرآن میں تو یہ مضمون عورتوں کے متعلق اجمالاً ہے اور حدیث میں اجمالاً بھی ہے اور تفصیلاً بھی بہر حال خواہ اجمالاً ہو خواہ تفصیلاً قرآن وحدیث دونوں بتلا رہے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے متعلق کچھ حقوق ہیں جن کے متعلق ان سے باز پرس ہوگی۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہم اپنی حالت میں غور کریں کہ ہم لوگ ان احکام کے ساتھ کیا برتاؤ کر رہے ہیں۔ آیا ان کا امتثال کرتے ہیں یا نہیں۔

سُوْرَةُ الصَّفِّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝

ترجمہ: کرو وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں خدا کے نزدیک نہایت مبغوض ہے کہ جو کام خود نہ کرو اسے کہو۔

تفسیری نکات

شان نزول

اس کا سبب نزول یہ ہے کہ بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ کون سی عبادت سب سے زیادہ خدا کو پسند ہے تو ہم دل و جان سے اس کو خوب بجالائیں اس پر ارشاد ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ خدا کو بہت پسند ہے بس یہ سن کر بعضوں کا خون خشک ہو گیا ان لوگوں کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ ایسی باتوں کا دعویٰ یا وعدہ کیوں کرتے ہو جنہیں تم پورا نہیں کر سکتے۔

یہ آیت دعوت و تبلیغ سے متعلق نہیں

تو یہاں لم تقولون سے لم تنصحون غیرکم یا قول امری و انشائی مراد نہیں ہے بلکہ قول خبری و ادعائی مراد ہے حاصل یہ کہ یہ آیت دعویٰ کے باب میں ہے دعوت کے بارے میں نہیں اس آیت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کچھ بھی مس نہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اپنی اصلاح ضرورت میں مقدم ہے

غرض واجب تو دوسرے کی اصلاح بھی ہے مگر اپنی اصلاح اس پر ضرورت میں مقدم ہے اپنے کو اصلاح میں بھلانا نہیں چاہیے اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم کیا غضب ہے کہ کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو اور اپنی خبر نہیں لیتے۔

مگر کوئی اس سے یہ نہ سمجھے کہ اگر اپنی اصلاح نہ ہوئی ہو تو دوسرے کو تنبیہ نہ کرے دراصل یہ دو کام (اپنی اصلاح اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر) الگ الگ ہیں ایک دوسرے کا موقوف علیہ نہیں ایک کو بھی ترک کرے گا تو اس کے ترک کا گناہ ہوگا اور دوسرے کے ترک کا گناہ ہوگا۔ دونوں کو ترک کرے گا تو دونوں کے ترک کا گناہ ہوگا۔ (ضرورت تبلیغ ملحقہ دعوت و تبلیغ ص ۲۹۹ تا ۳۰۱)

یہ آیت دعوت کے بارے میں ہے

دراصل یہ لوگ محض ترجمہ دیکھنے سے دھوکے میں پڑ گئے۔ ترجمہ سے یہ سمجھے کہ مطلب یہ ہے کہ جو کام خود نہ کرے وہ دوسروں کو بھی کرنے کو نہ کہے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے تفسیر میں اسباب نزول سے آیات کے صحیح مطلب کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ اس کا سبب نزول یہ ہے کہ بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ کون سی عبادت سب سے زیادہ خدا کو پسند ہے۔ تو ہم دل و جان سے اس کو خوب بجالائیں۔

اس پر ارشاد ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ خدا کو بہت پسند ہے۔ بس یہ سن کر بعضوں کا خون خشک ہو گیا۔ ان لوگوں کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ ایسی باتوں کا دعویٰ یا وعدہ کیوں کرتے ہو جنہیں تم پورا نہیں کر سکتے۔ تو یہاں پر لم تقولون سے لم تنصحون غیر کم یا قول امری وانشائی مراد نہیں ہے۔ بلکہ قول خبری وادعائی مراد ہے۔ حاصل یہ کہ یہ آیت دعوی کے باب میں ہے' دعوت کے باب میں نہیں۔ اس کے شان نزول معلوم ہو جانے کے بعد سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ اس آیت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ممانعت سے کچھ بھی مس نہیں۔ (ضرورت تبلیغ)

لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتا عند الله ان تقولوا مالا تفعلون ایک دوسری آیت میں ہے جو اس سے بھی صاف ہے اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم.

شان نزول

پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ایمان والو کیوں کہتے ہو۔ وہ جو کرتے نہیں خدا کے نزدیک یہ نہایت مبغوض

دنا پسند ہے کہ وہ کہو جو نہ کرو۔ ایک تو اس آیت سے تمسک ہے اور دوسری آیت میں تو ظاہراً نصیحت بلا عمل ہی پر تصریحاً انکار ہے۔ اس لئے اگر اس سے شبہ پڑ جائے تو کچھ بعید نہیں۔ مگر پہلی آیت یعنی لم تقولون الآیۃ کی تو یہ تفسیر ہی نہیں۔ یہ محض ترجمہ دیکھنے سے بناء الفاسد علی الفاسد پیدا ہوتی ہے ابھی میں اس کی تفسیر اور شان نزول بتاتا ہوں۔ مگر اول اس آیت کو سمجھ لیجئے۔ جس میں ظاہراً اس کا صریح ذکر ہے مگر اس کے بھی یہ معنی نہیں ہیں کہ ناسی نفس یعنی بدعمل کو وعظ کہنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ بلکہ واعظ کو نسیان نفس کی ممانعت کی گئی ہے کہ وعظ تو کہو۔ مگر بدعمل مت بنو۔ بلکہ جو نصیحت دوسروں کو کرتے ہو۔ وہ اپنے نفس کو بھی کہو اور اس سے بھی عمل کراؤ۔ اب رہا یہ شبہ کہ ہمزہ استفہام انکاری تامرون پر داخل ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناسی نفس کو امر بالبر یعنی وعظ کی ممانعت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل علم جانتے ہیں کہ دخول ہمزہ کا مجموعہ دونوں جملوں کا ہے۔ تو مراد یہ ہے کہ امر بالمعروف اور بدعملی کو جمع نہ کرو۔ تو باحتمال عقلی اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ امر بالمعروف تو کرو۔ مگر بدعملی نہ کرو ایک یہ کہ اگر بدعملی کا وقوع ہو تو پھر امر بالمعروف نہ کرو تو لوگوں نے اس کا مطلب اسی دوسری صورت کو سمجھا کہ عمل بد میں مبتلا ہو تو وعظ چھوڑ دو۔ مگر یہ اس لئے غلط ہے کہ قواعد شرعیہ کے خلاف ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ آیت میں اس کا احتمال تو ہے تو ہم کہیں گے کہ اول تو دوسرے دلائل سے اس کا احتمال نہیں رہا باقی ہم اس سے استدلال نہیں کرتے جو ہم کو دوسرا احتمال ہے۔ تو تمہارا تو استدلال اس سے جاتا رہا۔ باقی ہم اس سے استدلال نہیں کرتے جو ہم کو دوسرا احتمال مضر ہے۔ ہمارے پاس ہمارے مدعا کے دوسرے مستقل دلائل موجود ہیں۔ اب رہی پہلی آیت یعنی لم تقولون الایہ تو یہاں تقولون کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اصل میں قول کے دو معنی ہیں یا یہ کہو کہ قول کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قول انشائی۔ ایک قول خبری۔ قول خبری تو یہ کہ تم بذریعہ قول کے کس بات کی خبر دیتے ہو۔ ماضی کی یا مستقبل کی۔ اور قول انشائی یہ کہ خبر نہیں۔ بلکہ کسی اور بات کا امر و نہی کرتے ہو۔ تو یہاں قول پر انشائی مراد نہیں۔ قول خبری یعنی ایک دعویٰ مراد ہے۔ چنانچہ شان نزول اس کا یہ ہے کہ لوگوں نے کہا تھا کہ ہم کو اگر کوئی عمل ایسا معلوم ہو جاوے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک احب و افضل ہو تو ہم ایسی ایسی کوشش کریں پھر قتال نازل ہونے پر بعض جان بچانے لگے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ پس اس دعوے کے متعلق ارشاد ہے کہ ایسی بات کہتے ہی کیوں ہو جو کرتے نہیں۔ تو اس آیت میں دعوے کا قول مراد ہے۔ نصیحت کا قول مراد نہیں۔ چنانچہ ان آیتوں میں اس کا قرینہ بھی ہے۔ ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ ہے۔ بہر حال بلا عمل کے وعظ کہنے کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ اس شخص کو عمل کی کوشش کرنی چاہیے اور وعظ کو ترک نہ کرنا چاہیے۔ البتہ ایسے شخص کا وعظ جو کہ بدعمل ہو تو وہ برکت سے ضرور خالی ہوگا (الدعوۃ الی اللہ ص ۲۰)

(c) ketabton.com: The Digital Library

تقریر ثانی

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ یایھا الذین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون. اس آیت میں حرف استفہام لم خود تقولون پر داخل ہے جس سے صاف یہی سمجھا جاتا ہے کہ دوسروں کو کیوں کہتے ہو وہ بات جو خود نہیں کرتے اتامرون الناس میں تو یہ بھی گنجائش تھی کہ ہمزہ استفہام کو باعتبار مجموع کے تنسون پر داخل مانیں۔ یہاں تو کوئی گنجائش ہی نہیں۔ سواس سے تو صاف یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اگر خود عمل نہ کرے تو دوسرے کو وعظ ونصیحت کرنا جائز نہیں ہے یہ ایک بہت باریک غلطی ہے لیکن شان نزول معلوم ہونے سے یہ اشکال حل ہو جاتا ہے۔ شان نزول اس کا یہ ہے کہ بعض مسلمانوں نے کہا تھا کہ اگر ہم کو خبر ہو جاوے کہ فلاں عمل کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں تو ہم اس کے اندر جدوجہد کریں گے چونکہ یہ ایک صورت ہے دعویٰ کی یہ ناپسند ہوئی۔ اس لئے ان کو تادیب کی جاتی ہے کہ ایسی بات زبان سے کیوں نکالتے ہو جو کہ نہ کرسکو۔ پس تقولون میں قول اخباری ہے انشائی نہیں یعنی دوسرے کو نصیحت کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اپنے کمالات کا دعویٰ کرنا مراد ہے۔ چنانچہ آگے ارشاد ہے۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص. مطلب یہ ہے کہ ایسے بڑے عمل کرنے والے اور ہماری پسندیدگی کے طالب ہو تو لو ہم بتاتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جو اللہ کے راستہ میں ایسا عمل شاق کرتے ہیں۔ اگر ہماری محبت ہے تو اس پر عمل کرو ورنہ دعویٰ نہ کرو پس اس آیت میں امر بالمعروف کا ذکر ہی نہیں کہ جو باعث شبہ کا ہو ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ فن کے نہ جاننے سے اب انصاف فرمایئے کہ جو حضرات صرف ترجمے کا مطالعہ کرتے ہیں اور ترجمہ بھی کون سا جو امیر ترجمہ ہو۔ غریب ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

یہ آیت واعظ غیر عامل کے بارے میں ہے لیکن اس میں انکار صرف جزو اخیر پر ہے۔ یعنی نسیان نفس پر ہر چیز پر انکار نہیں پس آیت میں واعظ کے غیر کامل ہونے پر انکار ہے۔ غیر عامل کے واعظ ہونے پر انکار نہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ واعظ کو مبتلائے معصیت ہونا حرام ہے اور مبتلائے معصیت کو وعظ کہنا حرام نہیں۔ خوب سمجھ لو اور دوسری آیت کو تو وعظ پر حمل کرنا ہی صحیح نہیں کیونکہ "لم تقولون" سے قول انشائی مراد نہیں بلکہ قول خبری مراد ہے یعنی دعویٰ مراد ہے دعوت مراد نہیں کیونکہ جس معاملہ کے متعلق اس کا نزول ہوا ہے اس میں لمبے چوڑے دعوے ہوئے تھے کہ اگر ہم کو احب الاعمال کا علم ہو جائے تو ایسا ایسا مجاہدہ کریں جب ایک واقعہ میں ترغیب ہوئی اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ ایسے دعوے کس لئے کرتے ہو جن کو پورا نہیں کرسکتے تو یہاں دراصل دعویٰ سے احکام اسلامیہ پر عمل کرنے کا حکم کیا جاتا ہے اور نواہی سے منع کیا جاتا ہے جس کا حاصل

(c) ketabton.com: The Digital Library

دعوت ہے یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر' اس لئے وعظ گوئی اس آیت میں داخل نہیں مگر چونکہ کبھی کلام انشائی بھی متضمن خبر ہو جاتا ہے۔ جیسے منافقین کا نشہد انک لرسول اللہ کہنا واقع میں تو انشاء ہے کہ ہم آپ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں مگر ضمنا اس میں یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہم سچے اور مخلص مسلمان ہیں منافق نہیں ہیں۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے آگے فرمایا۔ واللہ یشہد ان المنفقین لکذبون. جس میں ان کو اس کلام میں کاذب فرمایا گیا اور یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ کلام انشائی کے قائل کو صادق کاذب کہہ نہیں سکتے تو یہاں ان کو کاذب کیسے کہا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ کلام انشائی ایک کلام خبری کو متضمن ہے اس تضمن کے اعتبار سے ان کو کاذب کہا گیا ہے اسی طرح ہر چند کہ وعظ کلام انشائی ہے یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر لیکن صورۃ اس میں ایک قسم کا دعویٰ بھی ہے کہ ہم خود بھی اس پر عامل ہیں اس دعویٰ ضمنی کے اعتبار سے باحیا آدمی کو وعظ کہتے ہوئے طبعًا لم تقولون مالا تفعلون پیش نظر رہے گا گو اصل میں یہ آیت وعظ کے متعلق نہیں مگر وہ تضمن خبر کی وجہ سے اپنے کو اس کا مصداق سمجھ کر شرماتا ہے اور جلد اصلاح کر لیتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ وَلَا یَتَمَنَّوْنَہٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اے یہودیو اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم بلاشرکت غیرے اللہ کے مقبول ہو تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو۔ اور وہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں کی۔

تفسیری نکات

یہود کے دعویٰ حقانیت کا امتحان

خداوند تعالیٰ نے ان آیات میں یہود کے دعویٰ حقانیت کا ایک امتحان مقرر کیا ہے۔ جس امتحان کے متعلق پیشین گوئی بھی کی گئی ہے۔ امتحان یہ کہ یہود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ آخرت ہمارا حصہ ہے۔ ان آیات میں جناب باری تعالیٰ نے اس پر گفتگو کی ہے ایسے طرز سے جس کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ مناظرہ کا یہ طریقہ ہے آج کل مناظرہ کا طرز عجیب ہے کہ تمام عمر اسی قیل وقال میں گزر جاتی ہے۔

نصاریٰ سے احتجاج

ایک آیت میں نصاریٰ سے احتجاج ہے جبکہ انہوں نے کوئی دلیل نہیں مانی تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

فمن حاجک فیہ من بعدما جاءک من العلم یعنی بعد دلائل کے بھی جو شخص کج بحثی کرے اس سے خاص طور پر قسما قسمی کرلو اور اس آیت میں یہودی مخاطب ہیں یعنی ان زعمتم انکم اولیاء للہ یعنی اگر تم حق پر ہو اور آخرت تمہارے لئے ہے تو موت سے ڈرو مت کیونکہ موت نعمائے آخرت میں داخل ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے اگر تم اپنے کو واقعی حق پر سمجھتے ہو تو موت کی تمنا کرو چنانچہ اس امتحان میں یہود ناکامیاب رہے اور ان کے سکوت سے میدان خالی ہو گیا۔ مدعی پسپا ہوئے اور اب تبلیغ عام کا خوب موقع ملا۔ چنانچہ اس مقام پر بھی خدا نے بتلایا ہے ولا یتمنونہ ابدا یعنی وہ موت کی تمنا نہ کرسکیں گے اور علت اس کی یہ ہے کہ بما قدمت ایدیھم یعنی جو کچھ انہوں نے کیا ہے اور اپنی زندگی میں برے کام کئے ہیں اور مشاغل کو بڑھا رکھا ہے۔ وہ ان کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرسکیں گے۔ پس غور کرنے سے معلوم ہو گیا کہ موت کی تمنا نہ کرنے کا باعث اور سبب یعنی ارشاد ہوا کہ اعمال سیئہ کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کریں گے۔ قرآن شریف یہ بتلاتا ہے کہ موت کی عدم تمنا کا سبب اعمال سیئہ ہیں۔ مگر معاصی و تمنا جمع نہیں ہوسکتیں۔ جب اعمال سیئہ ہوں گے تو موت سے انس نہ ہو گا۔ اس مقابلہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جیسے اعمال سیئہ میں یہ اثر ہوتا ہے کہ انسان موت سے نفرت کرتا اور متوحش ہے اسی طرح اعمال صالحہ میں موت سے وحشت نہیں ہوتی ایک حکم تھا ثابت ہوا یعنی اعمال سیئہ میں موت سے نفرت و وحشت اور دوسرا حکم یعنی اعمال صالحہ میں موت کی تمنا اور خواہش استنباطا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم لوگ موت کو کیسا سمجھتے ہیں ذرا اپنے قلوب کو ٹٹول لیں اور دیکھیں کہ ہم میں موت سے نفرت پائی جاتی ہے یا موت کی تمنا اور یہ وسوسہ نہ ہو کہ اس آیت میں ہم کو خطاب ہی نہیں پھر اس سے ہم کیوں فکر میں پڑیں۔ سو سمجھ لینا چاہیے کہ گو خطاب خاص ہے مگر مضمون عام ہے اور یہ خداوند تبارک و تعالیٰ کی رحمت ہے کہ دوسروں کی حکایت میں ہماری تنبیہ مقصود ہے اور دوسروں کے واقعات بتلا کر ہم کو بتلایا جاتا ہے کہ ایسے خطرات سے بچنا تاکہ تم بھی محفوظ رہ سکو۔ پس یہ ہماری رعایت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت خداوند تعالیٰ کو ہمارے ساتھ منظور ہے جیسا کہا گیا ہے۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں   گفتہ آید در حدیث دیگراں

کیا ہی اچھی بات ہے کہ ہمارے دل کی بات دوسروں کی حکایت میں کہہ دیجائے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ قرآن مجید میں ایسی رعایت رکھی گئی قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے دوسری امم کے ذکر میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے بڑی بڑی قیمتی ہدایات بیان فرمائی ہیں لیکن افسوس ہے کہ ہم تدبر نہیں کرتے اور نہیں خیال کرتے کہ خداوند تعالیٰ نے ہمارے واسطے کیا کیا مفید باتیں بیان فرمائی ہیں۔ افلا یتدبرون القرآن کیا پھر قرآن میں غور نہیں کرتے (الآیہ) لیکن تدبر میں صرف مطالعہ ترجمہ قرآن اور اپنی

(c) ketabton.com: The Digital Library

رائے پر اکتفانہ کریں لوگ سخت غلطی کرتے ہیں کیونکہ قرآن مجید کا خود اردو ترجمہ دیکھ کر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کے اردو ترجمے دیکھ کر کبھی ایک اردو داں شخص قرآن مجید کو اچھی طرح سے نہیں سمجھ سکتا۔ البتہ قرآن مجید کے سمجھنے اس میں تدبر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ علوم درسیہ کو حاصل کیا جائے لیکن یہ صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جو فارغ ہیں اور علوم درسیہ کے حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس وقت ہو۔ اس لئے جو لوگ غیر فارغ ہیں ان کے لئے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان کو سبقاً سبقاً پڑھنا چاہیے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ترجمہ کو حرفاً حرفاً کسی مولوی صاحب سے پڑھے اور سمجھے۔ خود پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کرنا لاحاصل ہے۔ کیونکہ اس میں بڑی غلطیاں ہوتی ہیں اور کچھ کا کچھ لوگ سمجھ لیتے ہیں۔ تجربات سے ان کو بہت کچھ نقصانات معلوم ہوئے ہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْاْ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ ٱلْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝٩ فَإِذَا قُضِيَتِ ٱلصَّلَوٰةُ فَٱنتَشِرُواْ فِي ٱلْأَرْضِ وَٱبْتَغُواْ مِن فَضْلِ ٱللَّهِ وَٱذْكُرُواْ ٱللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝١٠

ترجمہ: اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید وفروخت (اسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (کیونکہ اس کا نفع باقی ہے بیع وغیرہ کا فانی) پھر جب نماز جمعہ پوری ہو چکے تو اس وقت تم کو اجازت ہے تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی کو تلاش کرو اور اس میں بھی اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تا کہ تم کو فلاح ہو۔

تفسیری نکات

حرمت بیع جمعہ کی اذان اول سے ہو جاتی ہے

فرمایا۔ اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة الخ (جب جمعہ کی اذان ہو تو خرید وفروخت بند کر دو)

(c) ketabton.com: The Digital Library

پراشکال یہ ہوا کہ اول اذان ثانی تھی اور یہی اذان بعد میں ہوئی تو اب ترک بیع اذان ثانی سے ہونی چاہیے۔ حالانکہ فقہاء کہتے ہیں کہ حرمت بیع کی اذان اول سے ہو جاتی ہے۔بعض نے جواب دیا عموم الفاظ کا اعتبار ہے مگر میرے نزدیک عموم وہ معتبر ہے جو مراد متکلم سے متجاوز نہ ہوجیسا لیس من البر الصیام فی السفر سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔تو یہ وجہ تو درست نہ ہوئی وجہ یہ ہے کہ اذان ثانی تو مدلول ہے اور بوجہ اشتراک علت کے وہ بھی داخل آیت ہے اور علت سعی الی ذکر اللہ ہے۔خوب سمجھ لو(الکلام الحسن حصہ دوم)

فضل سے رزق مراد ہے

میں رزق کو فضل فرمایا ہے کیونکہ اسی آیت میں فانتشروا فی الارض بھی ہے اور انتشار فی الارض پر جس فضل کی طلب مرتب ہوتی ہے ظاہر ہے کہ وہ طلب رزق ہی ہے لیکن سب افراد فضل کے برابر نہیں اسی لئے اس امر کو یعنی وابتغوا من فضل اللہ کو مفسرین نے اباحت پر محمول کیا ہے۔کیونکہ اس کے اوپر ہے وابتغوا من فضل اللہ کو مفسرین نے ترک بیع کا امر مستمر ہو پس فانتشرو فی الارض وابتغوا من فضل اللہ سے بتلادیا گیا کہ بعد فراغ صلوۃ کے وہ اب جائز ہو گیا ہے کیونکہ امر بعد الحظر اباحت کے لئے ہوتا ہے غرض یہاں سب کے نزدیک تفسیر فضل کی رزق ہی ہے اس لئے اس کے بعد یوں بھی فرمادیا کہ واذکروا اللہ کہ خدا کی بھی یادرکھو یہ نہ ہو کہ رزق کو فضل مقصود بالذات سمجھ کر اس کی تلاش میں خدا کو بھول جاؤ۔نہیں بلکہ دنیا غالب نہ ہو اور یہاں سے ایک مسئلہ تمدن کا بھی نکلتا ہے جس کو استطراداً ذکر کرتا ہے۔

اجتماع صالحین کی دوصورتیں

وہ یہ کہ مجمع کی دو قسمیں ہیں ایک اجتماع مفسدین کا اور یہ اکثر تو بیشک موجب خطر ہے دوسرا اجتماع صالحین کا اس کی دوصورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کسی ضرورت سے ہو دوسرے یہ کہ کام کچھ نہیں ویسے ہی اجتماع ہو گیا تو اس صورت میں تجربہ ہے کہ نفس خود کوئی کام اپنے لئے تجویز کرلے گا اور ظاہر ہے کہ نفس کا میلان الی الشر زیادہ ہے اس لئے غالباً وہ شر ہی کو تجویز کرے گا اور جس شر کو مجمع تجویز کرے گا اس کا اثر بھی بہت شدید ہوگا اگرچہ تنہائی میں بھی نفس اپنے لئے شر تجویز کرے گا مگر وہ بہت کم متعدی ہوگا مثلاً تنہائی میں تو یہ سوچتا رہے گا کہ کسی کی ٹمٹم لے لو کسی کا لڑکا اچھا ہے اور اسے گھورلو کوئی عورت اچھی ہے اسے تا کو اور مجلس میں جو شر تجویز ہوگا وہ آج کل کی اصطلاح کے موافق تبادلہ خیالات سے تجویز ہوگا۔خدا جانے یہ تبادلہ کون سا صیغہ ہے خیر میں بھی انہی کے الفاظ میں کہتا ہوں جس میں سمجھنے میں آسانی ہو تو تبادلہ خیالات سے ایک جوش اور ہیجان پیدا ہوگا کوئی کچھ کہے گا کوئی کچھ دوسرا سوچے گا کہ اس کی تجویز میں ہمارے خلاف جو اجزاء ہیں انہیں رد کرنا چاہیے۔ورنہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سکوت وخاموشی تسلیم ورضالازم آئے گا۔ پس اول تو دونوں راد بنے کہ ایک نے دوسرے کے قول کورد کیا پھر دونوں مردود ہو گئے کہ کچھ انہوں نے انکار کر دیا اور کچھ انہوں نے اور یہی فساد ہے اس لئے اس صورت میں عقل یہ حکم کرتی ہے کہ جب مجمع ناجائز ہو تو منتشر کر دو چنانچہ اس حکم عقلی کے موافق تمام حکومتوں نے قانون بنایا ہے لیکن اس میں ایک کسر تھی کہ اسی حالت میں منتشر کرنے کا حکم دیا جب غرض ناجائز کے لئے اجتماع ہوا ہو اور شریعت نے اس کسر کو اپنے یہاں نہیں رکھا بلکہ مجمع ناجائز اسے بھی قرار دیا جو طاعت میں مشغول نہ ہو اگر چہ وہ ناجائز غرض سے جمع نہ ہوا ہو جب یہ مقدمہ سمجھ میں آ گیا تو اب جب نماز ختم ہو گئی تو مسجد میں خالی بیٹھ کر کیا ہو گا ایک ایک کی غیبت ہو گی اور پھر ردوقدح ہو گا اور اس سے فساد برپا ہو گا اس لئے حکم ہوا کہ ذکر وطاعت میں مشغول ہو تو مسجد میں ٹھہر و ورنہ چلے جاؤ اور چونکہ وعظ بھی ذکر ہے اس لئے بعد نماز جمعہ اگر وعظ کے لئے اجتماع باقی رہے تو جائز ہے۔

اردو میں خطبہ پڑھنا جائز نہیں

اور اس مقام پر ایک مسئلہ فاسعوا الی ذکر الله سے مستنبط ہوا اس کو بھی استطر اداذ کر کرتا ہوں وہ یہ کہ خطبہ اردو میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں وہ استنباط یہ ہے کہ قرآن سے خطبہ کا نام ذکر اللہ رکھا ہے چنانچہ فاسعوالی ذکر اللہ فرمایا ہے جب خطبہ ذکر ہے تذکیر نہیں تو خطبہ کو اردو میں نہ پڑھیں گے جیسے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ خطبہ سے مقصود تذکیر ہے اور تذکیر موقوف ہے فہم پر اس لئے مادری زبان میں پڑھنا چاہیے تو اس سے اس کا جواب ہو گیا کہ قرآن نے خطبہ کو ذکر فرمایا ہے جس کی غرض فہم پر موقوف نہیں تذکیر نہیں بلکہ قرآن مجید کو جابجا ذکری بمعنی تذکیر فرمایا گیا ہے مگر پھر بھی کسی کے نزدیک نماز میں وہ مادری زبان میں نہیں پڑھا جاتا تو خطبہ کیلئے تو بدرجہ اولی یہ حکم ثابت ہو گا۔ تو فاسعوالی ذکر اللہ سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا اور یہ تبرع ہے ورنہ اگر اس سے یہ نہ بھی مستنبط ہو تب بھی فتوئی اس پر موقوف نہیں فتوی تو فقہا کے قول پر ہے کہ انہوں نے اس پر نہایت قوی استدلال کیا ہے کہ صحابہ نے کبھی غیر عربی زبان میں خطبہ نہیں پڑھا حالانکہ وہ فارس میں روم میں برابر رہے اور صحابہ وہاں کی فارسی اور ترکی زبان کے ماہر بھی تھے مگر خطبہ کبھی ترکی یا فارسی زبان میں نہیں پڑھا بس ہمارے لئے فقہا کا یہ کہہ دینا کافی ہے خیر میں نے نکتہ اور لطیفہ کے طور پر آیت سے بھی اس کو مستنبط کر دیا جیسے فانتشروا سے تمدن کا مسئلہ ذکر کر دیا تھا جس کا حاصل یہ ہے کہ نماز کے بعد اگر وعظ میں مشغول ہو گئے یا کسی اور طاعت میں لگ گئے تو اس کے لئے اجتماع جائز ہے کیونکہ اس کے لئے بھی تو جمع ہی کئے گئے ہیں لیکن اگر کوئی کام نہیں ہے تو اپنے اپنے کام کو جاؤ خالی مت بیٹھو کہ فساد کا اندیشہ ہے۔ فانتشروا کا بھی حاصل ہے اب اگر اس تقریر پر فانتشروا کو بجائے اباحت کے استحباب کے لئے کہہ دیا جاوے تو کوئی حرج نہیں ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اگر چہ کوئی جزئی اس علت کے سبب امر کو وجوب کے لئے بھی کہہ سکتا ہے مگر یہ وجوب لغیرہ ہوگا بعینہ نہ ہوگا اس کے بعد ارشاد ہے وابتغوا من فضل اللہ یعنی منتشر ہونے کے بعد رزق تلاش کرو یہ نہیں کہ لہو ولعب میں مشغول ہو جاؤ۔ بعضے اہل ہوی صرف اسی آخر کے ٹکڑے کو لے لیتے ہیں کہ قرآن میں تلاش رزق کا حکم ہے بس رات دن اسی میں مشغول رہنا چاہیے گویا تمام قرآن میں ان کو یہی حکم پسند آیا جیسے کوئی شخص روزہ تو رکھتا نہ تھا مگر افطاری وسحری میں شریک ہو جاتا تھا کسی نے کہا کہ روزہ تو رکھتا نہیں سحری وافطاری کیوں کھاتا ہے کہنے لگا کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ بالکل ہی کافر ہو جاؤں چونکہ روزہ میں مشقت تھی اس لئے اس نے روزہ چھوڑ دیا اور افطاری سحری میں چکوتھیاں ملتی تھیں کہ مسجد میں دس گھر کی افطاری جمع ہوتی ہے اسے پسند کر لیا ایسے ہی انہیں بھی اوپر کی آیات کے احکام وذروا البیع اور فاسعوا الی ذکر اللہ تو پسند نہیں آئے صرف آخر میں وابتغوا من فضل اللہ پسند آیا یہ نفس بڑا اپنے مطلب کا ہے انتخاب اعمال میں اس نفس کا یہی خاصہ ہے ایسے ہی لوگوں کی بابت میں شیخ نے کہا ہے

نہ سنت نہ بینی در ایشان اثر مگر خواب پیشین و نان سحر

(یعنی سوائے قیلولہ اور سحری کی روٹیوں کے ان میں سنت کا کوئی اثر نہ پائے)

یعنی ان کو سنتوں میں صرف دو سنتیں پسند آئیں ایک قیلولہ اور ایک سحر کی روٹیاں ایسے ہی ایک شخص کی حکایت ہے کہ اس سے پوچھا گیا تم کو احکام میں سے کیا پسند ہے کہنے لگا کلوا واشربوا کھاؤ پیو۔ پھر پوچھا گیا دعاؤں میں کون سی دعا پسند ہے کہنے لگا ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء اے اللہ ہمارے لئے آسمان پر سے دسترخوان نازل فرما دیجئے بہر حال حق تعالیٰ نے محض فانتشروا فی الارض پر تو اکتفا نہیں فرمایا کیونکہ محض مسجد سے نکل جانا ہی مقصود نہیں کیونکہ وہاں تو نمازی تھے اور یہاں بازار میں اہل بازی ہیں اور نہ محض ابتغاء رزق پر اکتفا فرمایا بلکہ اسی کے ساتھ واذکروا اللہ کثیرا بھی فرمایا پھر اس وابتغوا میں بھی ایک قید لگائی یعنی رزق کو جو فضل سے تعبیر فرمایا تو اس کو اللہ کی طرف مضاف فرمایا یعنی اس طرح فرمایا۔

عجیب بلاغت

وابتغوا من فضل اللہ جس میں عجیب بلاغت ہے کہ خالی فضل نہیں فرمایا بلکہ فضل اللہ فرمایا یعنی رزق کو رزق سمجھ کر حاصل نہ کرو بلکہ خدا کا فضل سمجھ کر حاصل کرو کہ اس میں بھی خدا سے تعلق رکھو۔ سبحان اللہ کیا تعلیم ہے کہ دنیا طلبی میں بھی خدا سے تعلق رکھو۔ محض دنیا کا قصد نہ رکھو بلکہ اس کے ساتھ خدا کے تعلق کو بھی ملا لو یہی عارفین کی تعلیم کا بھی خلاصہ ہے وہ یہی چاہتے ہیں کہ ہر امر میں خدا سے تعلق صحیح باقی رہے اور اس تعلق کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

سبب عارف کو نعمت سے جتنی محبت ہوتی ہے اتنی غیر عارف کو نہیں ہوتی کہ عارف یہ سمجھتا ہے کہ اسے محبوب سے تعلق ہے اور اسی اصل پر طالب کو شیخ سے اتنی محبت ہوتی ہے کہ ماں باپ سے بھی نہیں ہوتی کیونکہ وہ موصل الی اللہ ہے اور اسی حیثیت سے عارف کو اپنے ہاتھ پاؤں سے بھی محبت ہوتی ہے اور وہ ان کی بہت حفاظت کرتا ہے کہ حلوے کھا رہا ہے گھی کھا رہا ہے کیونکہ یہ سب سرکاری چیزیں ہیں اس حیثیت سے ان کی حفاظت ضروری ہے جیسے سرکاری مشین کا نوکر مشین کو اس حیثیت سے تیل دیا کرتا ہے اس پر شاید کوئی نفس پرست کہے کہ اچھا اب سے ہم بھی یہی سمجھ کر خوب حلوے اور مٹھائیاں کھایا کریں گے۔ صاحب خوب سمجھ لو یہ بات کہیں محض سمجھنے سے تھوڑا ہی ہوتی ہے بلکہ وہ تو ایک حال ہے کہ یہ سرکاری چیزیں ہیں اور اس کا معیار یہ ہے کہ جوارح نافرمانی میں مشغول نہ ہوں۔ کیونکہ سرکاری چیزیں خلاف قانون استعمال نہیں کی جاتیں تو جب یہ حال ہو جائے تو ایسا شخص جو کچھ کھائے گا وہ عبادت ہے۔ (اشرف العلوم)

تمدن اور قیام سلطنت کا بڑا مسئلہ

فرمایا کہ تمدن اور قیام سلطنت کا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بلاضرورت عام کا اجتماع نہ ہونے پائے تمام سلطنتوں کو اس کا خاص اہتمام ہے۔ سو کلام مجید سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں وہ موجود ہے۔ فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیر العلکم تفلحون کیونکہ انتشار کا حکم اس وجہ سے ہوا کہ ضرورت اجتماع باقی نہیں رہی۔ اگر مختلف الطبع لوگ بلاضرورت ایک جگہ رہیں گے تو فساد و نزاع کا احتمال ہے اور اسی لئے انتشر وکے بعد یہ بھی فرمادیا کہ ابتغوا من فضل اللہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد سے نکل کر بھی آوارہ نہ پھرو بلکہ خدا کے رزق کی طلب میں مشغول ہو جاؤ آگے اس شغل بالدنیا کے مفاسد کا علاج فرماتے ہیں۔ کہ اذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون تو ہر پہلو کو کیسا معتدل کیا ہے اور یہی اعتدال وہ چیز ہے کہ قرآنی تعلیم کے سوا کسی دوسری جگہ اس مرتبہ میں میسر نہیں ہو سکتی۔ (مقالات حکمت)

انسانی طبیعت

فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض یعنی جب نماز ادا کرلی جائے تو زمین میں متفرق ہو جاؤ۔ ہم لوگ خود ایسے تھے کہ نماز کے بعد خود ہی بھاگتے لیکن حکم بھی فرمادیا۔ اس میں بھی مذاق طبعی کی کس قدر رعایت ہے اور یہی وجہ تشبیہ ہے مگر یہ حکم وجوبی نہیں اور نیز ایسے دلدادہ بھی تھے جو مسجد میں رہ جاتے ہیں۔ بقول امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

خسرو غریب ست گدا افتادہ در کوئے شما ۔۔۔ باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان کے لئے بھی انتشار فی الارض کو مصلحت سمجھا اور اس میں بھی بڑی مصلحت یہ ہے کہ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ ایک کام سے طبیعت اکتا جاتی ہے اور نیز طبائع اکثر ضعیف ہیں۔ جب زیادہ پابندی ہوتی ہے اور اس سے ہرج معاش ہوتا ہے اور حاجت ستاتی ہے تو ساری محبت رکھی رہ جاتی ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ یعنی زمین میں متفرق ہو جاؤ اور اللہ کا فضل یعنی رزق طلب کرو۔ علاوہ اس کے اس میں ایک تمدنی و سیاسی مصلحت بھی ہے۔ جس کو میں نے ایک مرتبہ کراچی میں وعظ کے اندر بیان کیا تھا اس طرح جیسے کہ تمدن کے مسائل جیسے قرآن مجید سے ثابت ہوتے ہیں ایسے دوسری جگہ سے نہیں ہوتے چنانچہ اس آیت سے بھی ایک مسئلہ مستنبط ہوا کہ بلا ضرورت اجتماع نہ ہونا چاہیے اگر بضرورت ہو تو رفع ضرورت کے بعد فوراً منتشر ہو جانا چاہیے۔ یہی وہ مضمون ہے جو تمام اہل سیاست مانے ہوئے ہیں کہ ناجائز مجمع کو منتشر کر دیا جاوے۔ قرآن مجید میں اس مجمع کے ناجائز بننے سے پہلے ہی محض اس احتمال پر کہ اب ان کو کوئی کام تو رہا نہیں یہ ناجائز مجمع نہ بن جاوے سب کو منتشر کر دیا گیا۔ التہذیب)

خطبہ جمعہ ذکر ہے تذکیر نہیں

امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ یا الحمد للہ کہنے سے خطبہ ادا ہو جائے گا اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ ذکر ہے تذکیر (احکام پہنچانا) نہیں اور دوسری زبان میں پڑھنے کا مشورہ دینے والے زیادہ تر اسی سے استدلال کرتے ہیں کہ عربی زبان کو مخاطبین سمجھتے نہیں پھر کیا فائدہ اس کا جواب ظاہر ہو گیا کہ جب وہ تذکیر نہیں تو سمجھنے کی بھی ضرورت نہیں اس استدلال کے ہوتے ہوئے ہم کو کسی اور استدلال کی ضرورت بھی نہ تھی اس کے قبل یہ میرے ذہن میں کبھی نہیں آیا تھا اور اس کا ذکر ہونا خود قرآن شریف سے ثابت ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع اس کو ذکر فرمایا ہے ذکری بمعنی تذکیر نہیں فرمایا جیسے قرآن مجید کے متعلق فرمایا ہے۔ وما ھو الا ذکری للعلمین پس خطبہ امر تعبدی ہے جیسے نماز میں قراءت اس میں قیاس کا کچھ دخل نہیں اس لئے اس میں یہ قیاس بھی نہیں چلتا کہ مقصود اس سے تفہیم ہے سو یہ مقصود جس طرح حاصل ہو جاوے اور فقہاء نے جو خطبہ کے متعلق لکھ دیا ہے کہ اس میں احکام کی تعلیم کی جاوے وہ حکمت ہے علت نہیں۔ (ملفوظات جلد۴)

اذان اول سے حرمت بیع پر ایک اشکال اور اسکا جواب

اور ایک اشکال ہے اذان اول سے حرمت بیع کے ثبوت آیت سے تو نہیں پھر کیسے لکھتے ہیں۔ کتابوں

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں لقولہ تعالیٰ اذانودی للصلوۃ الخ اگر کہا جائے عموم الفاظ کا اعتبار ہے۔ مورد کا لحاظ نہیں تو اس میں تو اس میں بہت پرانا شبہ ہے عموم میں یہ قید ہونا چاہیے کہ مراد متکلم سے متجاوز نہ ہو۔ جیسے ''لیس من البر الصیام فی السفر'' علماء اس کو عام نہیں لیتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ہر سفر نہیں بلکہ جہاں مشقت ہو' میں ایک دفعہ مراد آباد گیا وہاں بیان ہوا اس میں بات کو بھی ذکر کیا بیان میں شاہ صاحب مفتی صاحب بھی تھے اس کے بعد شوکت باغ گیا۔ مولوی قدرت اللہ صاحب نے اس قاعدہ کے متعلق سوال کیا۔ شاہ صاحب نے کہا ابھی تم نے سنا نہیں اس قاعدہ کی تحقیق اس میں یہ قید ہے پھر تو اور کسی کی موافقت کی ضرورت نہیں۔ اور اصولیین نے لکھا کہ اصول فروع سے نکالا گیا تو جب اذان یہی (ثانی) تھی نزول کے وقت تو ذوق تو یہی ہے کہ ثانی مراد ہے لہذا اس سے استدلال کرنا حرمت بیع پہلے اذان سے ثابت ہے اس آیت سے ٹھیک نہیں۔ پس جواب یہ ہے کہ استدلال دو قسم کے ہیں یعنی آیت سے استدلال کرتے' ایک تو بواسطہ اور ایک بلاواسطہ ثانی اذان میں تو بلاواسطہ ہے اور اذان اول میں دراصل قیاس کیا گیا۔ ثانی اذان پر بوجہ اشتراک علت کے یہ جواب جب سے سمجھ میں آیا بہت جی خوش ہوا۔ (ملفوظات حکیم الامتؒ ج ۱۵ ص ۹۱)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْمُنَافِقُوْن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ

ترجمہ: گویا وہ لکڑیاں جو درد یوار کے سہارے لگائی ہوئی کھڑی ہیں۔

تفسیری نکات

منافقین کی تشبیہ

حق تعالیٰ ایک تشبیہ میں فرماتے ہیں کانهم خشب مسندہ یہ منافقین کی تشبیہ ہے اور کیا غضب کی بلاغت ہے کہ منافقین ظاہر میں بہت چکنے چپڑے اور لسان ہوتے تھے اور باطن میں خبیث تھے تو حق تعالیٰ نے دونوں باتوں کی رعایت کر کے کیا عجیب تشبیہ دی ہے کانهم خشب مسندہ یعنی وہ ایسے ہیں جیسے لکڑیاں لین باندھ کر رکھی ہوئی۔ لکڑیوں کو تراشنے کے بعد ہی لین باندھ کر رکھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ چونکہ ظاہر میں یہ منافق بہت شائستہ ہیں اس لئے ان کو کندہ ناتراش تو نہ کہو۔ ہیں کندہ تراشیدہ مگر ہیں لکڑیاں ہی۔ یعنی عقل و شعور سے خالی جماد محض ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۷ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ
لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۸

ترجمہ: وہ منافقین وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ان لوگوں پر خرچ مت کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں تا کہ وہ منتشر ہو جاویں اور اللہ ہی کے لئے ہیں۔ خزانے آسمانوں اور زمین کے لئے منافقین نہیں سمجھتے (اور) یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ میں لوٹ کر گئے تو ہم میں جو عزت والا ہے (یعنی ہم) وہ ذلت والے کو (یعنی صحابہ کو) نکال دیگا اور اللہ ہی کے لئے ہے عزت اور اس کے رسول کے لئے اور اہل ایمان کے لئے لیکن منافقین نہیں جانتے۔

تفسیری نکات

شان نزول

قصہ یوں ہوا تھا کہ ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجرین اور انصار وغیرہ سب تھے اور غزوہ (جہاد) اور لڑائیوں میں منافقین بھی اکثر ساتھ جایا کرتے تھے اور ان کی غرض کبھی تو یہ ہوتی تھی کہ مسلمانوں کے اسرار (بھید) معلوم کر کے کفار کو اطلاع دیں جیسے جاسوس کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ وفیکم سمعون لھم . یعنی تم میں ان کے کچھ جاسوس موجود ہیں۔

قرآن مجید میں موجود ہے اور کبھی غنیمت میں حصہ لینے کو جاتے تھے کیونکہ ظاہری اسلام کے سبب سال غنیمت میں ان کو بھی حصہ ملتا تھا اور حکمت اس کی یہ کہ لڑائی لڑنے والے اپنی کمک کی قوت پر لڑا کرتے ہیں تو چونکہ یہ لوگ ظاہر میں بطور کمک کے جاتے تھے ان کو بھی مال غنیمت میں حصہ ملتا تھا اور ان سے معاملہ مسلمانوں کا سا کیا جاتا تھا اور وہ جانتے بھی تھے کہ مسلمان ہم سے یہ برتاؤ کریں گے اور بعض مرتبہ دونوں طرف سے لیتے تھے کہ کفار سے جا کر کہتے تھے کہ ہم نے تمہارے بھلے کی یہ رائے دی تھی۔ تو غرض یہ ہے کہ منافقین بھی جایا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرتے تھے۔ تو اس غزوہ میں بھی یہ لوگ شریک تھے اور جہاں مختلف طبائع کے لوگ ہوتے ہیں وہاں اختلاف ہو ہی جاتا ہے۔ بلکہ اچھوں میں بھی ہو جاتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اچھوں کو اس پر اصرار نہیں ہوتا تو اتفاق سے دو شخصوں میں کچھ گفتگو بڑھ گئی۔ ایک مہاجر تھے اور ایک انصاری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک گندی بات ہے۔ تو وہ جوش ان لوگوں کا فوراً کم ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرداری کی پیشکش

مکہ میں ایک مرتبہ کفار نے باہم مشورہ کر کے ایک شخص کو پیام دے کر بھیجا اور یہ درخواست کی تھی کہ آپ ہمارے بتوں کو برا نہ کہئے۔ تو آپ جو کچھ کہیں اس کے لئے ہم موجود ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی تمنا ہو تو جن عورتوں کو آپ پسند فرمائیں ہم دینے کے لئے تیار ہیں اور اگر آپ کو مال کی خواہش ہو تو جس قدر چاہیں ہم سے مال لے لیں اور اگر آپ سرداری چاہیں تو ہم آپ کو سردار بنانے کے لئے موجود ہیں اور اس رائے میں تمام بڑے بڑے کفار ابوجہل وغیرہ بھی شریک تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی اس درخواست کو نہایت تحمل سے سنتے رہے گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار ہوا۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال خوش اخلاقی بھی ثابت ہوتی ہے۔ آج ذرا سی بات خلاف مزاج ہو تو تحمل نہیں ہو سکتا۔ جب کفار کہہ چکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر یہ آیتیں شروع کیں۔

وجحدوا بها و استيقنتها انفسهم ظلماً و علوا (النمل آیت ۱۴)

اور ظلم اور تکبر کی راہ سے ان کے منکر ہو گئے۔ حالانکہ ان دلوں نے ان کا یقین کر لیا گیا

فرمایا آیت سورۂ یونس سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے تکلم بکلمۃ الایمان کیا وجوہ تصدیق پر کوئی کلمہ دال نہیں۔ سو اس سے عند اللہ اس ایمان کا مقبول ہونا ثابت نہیں ہوتا اور اگر مان لیا جاوے کہ تصدیق بھی تھی تو یہ تصدق اضطراری تھی جو کہ اکثر کفار کو حاصل ہے کما قال اللہ تعالیٰ **يعرفونه كما يعرفون ابناء هم** اور خود فرعون کو بھی قبل سے تھی **وجحدوا بها و استيقنتها انفسهم ظلماً وعلوا** مگر فرق اتنا تھا کہ اس سے پہلے تکلم نہیں کیا تھا۔ اس وقت تکلم کیا سو یہ تکلم ممکن ہے کہ عذاب غرق سے بچنے کے لئے ہو نہ انقیاد و تسلیم کے طور پر۔ جس طرح اس کی نظیر پہلے بھی ہوئی تھی۔ **قالو يا موسىٰ ادع لنا ربك بما عهد عندك لئن كشفت عنا الرجز لنؤمنن لك ولنرسلن معك بني اسرائيل الىٰ اخره** اور ایمان مامور باور مقبول وہ ہے جس میں تصدیق اختیاری ہو اور تکلم انقیادی ہو اس لئے اس آیت سے اس کا مومن مقبول الایمان ہونا ثابت نہیں ہوتا اور جو قول حضرت شیخ اکبر قدس اللہ سرہ کی طرف منسوب ہے حسب تحقیق شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ جیسا کہ الیواقیت والجواہرین

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے وہ شیخ اکبر کے کلام میں مدسوس ہے دوسرے نصوص سے اس کا ناری ہونا صاف ثابت ہوتا ہے جس میں تاویلات کی گنجائش نہیں ہے اور خود شیخ کی آخر تصنیفات میں فرعون کا ناری ابدی ہونا درج ہے جیسا کہ الیواقیت میں ہے اور ایسے احتمالات و تاویلات سے تو کوئی کلام خالی نہیں۔ (مقالات حکمت ص ۳۸)

حٰم تنزیل من الرحمن الرحیم کتاب فصلت آیتہ قرانا عربیا لقوم یعلمون

ترجمہ: حٰمٓ یہ کلام رحمان و رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے۔ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی زبان میں ہے۔ ایسے لوگوں کے واسطے مفید ہے جو دانشمند ہیں۔ جب اس آیت پر حضور پہنچے۔

فان اعرضوا فقل انذرتکم صٰعقة مثل صٰعقة عاد و ثمود یعنی پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے بچاتا ہوں جیسے عاد اور ثمود پر آفت آئی تھی۔

تو وہ شخص گھبرا گیا اور کہا بس کیجئے اور وہاں سے بھاگا اور اس کمیٹی میں پہنچا تو ابو جہل اتنا عاقل تھا کہ اس شخص کو دور سے دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ گیا تھا اور چہرہ سے اور آ رہا ہے اور چہرہ سے۔ اس کا تو خیال بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے آکر بیان کیا کہ بھائیو قرآن سن کر میری تو حالت بدلنے لگی۔ خصوص اس آیت پر تو مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ایک بجلی گری اور میرا کام تمام ہوا۔ بڑی مشکل سے وہاں سے نکلا۔

آیت کریمہ کا شان نزول

غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو یہ جواب دیا تھا پس نہ مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداری کی درخواست کی اور نہ مدینہ میں مگر بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ جس کو بڑا بنائیں اس کو کون چھوٹا کر سکتا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گو سرداری کی تمنا نہ تھی مگر آپ کی تشریف آوری پر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سردار بنا لیا۔ تو عبداللہ بن ابی جل مرا کہ میری سرداری آپ کی بدولت گئی اور کیوں نہ ہوتی۔

طلعت الشمس ما یغنیک عن زحل

یعنی سورج کے طلوع ہونے سے زحل سے بے پروائی برتی جاتی ہے۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وجہ سے سخت حسد تھا اور ہر وقت ایسے موقع کی تلاش میں رہتا تھا تو اس واقعہ سے اس کو سخت ناگواری ہوئی کہ شہری لوگوں کے مقابلہ میں ان پر دیسیوں کو اتنی دلیری ہوگئی تو اس نے اپنی جماعت میں کہا کہ تم ہی نے تو ان کو جری کیا۔ تو اب مدینہ چل کر معاملہ کو بدل ڈالو اور اس کی یہ صورت بتلائی کہ جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ پس اس کا پہلا مقولہ ہے کہ هم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول الله حتی ینفضوا یعنی کچھ خرچ مت کرو رسول اللہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے ساتھیوں پر کہ سب متفرق ہو جاویں کیونکہ یہ سب روٹیاں کھانے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور جب یہی نہ رہیں گی تو سب منتشر ہو جاویں گے۔ ایک مقولہ تو یہ تھا اور دوسرا یہ تھا کہ لیخرجن الاعز منھا الاذل کہ مدینہ چل کر معزز ذلیل کو نکال دیں گے اور معزز اپنے کو سمجھتے ہیں۔

تو یہ عبداللہ بن ابی نے کہا اور آہستہ اپنی جماعت میں کہا۔ مگر زید بن ارقمؓ نے یہ سن لیا اور جوش بیتابی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً عبداللہ بن ابی کو بلایا اور پوچھا تو اس نے آ کر قسم کھائی کہ غلط ہے میں نے ہرگز نہیں کہا۔ اسی کو تو کہتے ہیں کہ

اذا جاءک المنفقون قالو نشھدانک لرسول اللہ یعنی جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک اللہ کے رسول ہیں۔

زید بن ارقمؓ کے چچا نے ان کو ملامت کی کہ تم کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا۔ یہ مارے رنج کے گھر میں بیٹھ رہے کہ اب کیا منہ دکھلاؤں۔ اللہ اکبر کیا غیرت تھی حق تعالیٰ کو ان کی یہ حالت رنج کی گوارا نہ ہوئی اور اس وجہ سے یہ سورت نازل فرمائی۔ حالانکہ صرف ایک شخص کا قصہ تھا مگر مقبول ہونا یہ ہے کہ ایک شخص کے لئے ایک سورت نازل فرمائی جو کہ قیامت تک کے لئے نمازوں میں پڑھی جاوے گی اور عبداللہ بن ابی کا وہ مقولہ بالتصریح (ظاہر طور سے) نقل فرمایا کہ اس نے ضرور یہ کہا ہے تا کہ زید بن ارقم کی راست بیانی اچھی طرح ثابت ہو جاوے۔ چنانچہ یہاں اس قصہ سے مقصود ایک علم ہے جو ساتھ ہی مذکور ہے۔ چنانچہ منافقین کے پہلے مقولہ کے ساتھ فرمایا کہ وللہ خزائن السموات والارض کہ حق تعالیٰ ہی کے لئے سب خزانے آسمانوں اور زمین کے ہیں۔

اوران کے دوسرے مقولہ کے ساتھ فرمایا۔ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین کہ عزت تو اصل میں حق تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی ہے۔ ان دونوں آیتوں کے مضمون میں غور کرنے سے مفہوم ہوگا کہ مقصود کیا ہے۔

منافقین کے دعویٰ مال وعزت کی تردید

تو پہلی آیت میں تو مقصود ہے مال کے ایک اثر کو بیان کرنا اور پھر اس کو رد کرنا اور دوسری آیت میں مقصود ہے عزت کے اثر کو بیان کرنا اور پھر اس کو رد کرنا۔ کیونکہ پہلی آیت میں منافقین کو مال کا دعویٰ تھا حق تعالیٰ نے اس کو رد فرمایا کہ منافقین مال کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ ان کا دعویٰ غلط ہے کیونکہ آسمان وزمین کے سارے خزانے تو حق تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اور دوسری آیت میں منافقین کو عزت کا دعویٰ تھا وہ اپنے آپ کو معزز خیال کر کے کہتے تھے کہ لیخرجن الاعز منھا الاذل یعنی مدینہ چل کر معزز ذلیل کو نکال دیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

توحق تعالیٰ نے اس کو بھی رد فرمایا کہ عزت تو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے لئے ہے تو خلاصہ ان دونوں آیتوں کے مضمون کا یہ ہوا کہ ایک آیت یعنی پہلی مال کے متعلق ہے اور دوسری جاہ کے متعلق ہے۔

محبوب ترین چیزیں

تو دنیا میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں مال اور جاہ اور یہی دو چیزیں ایسی ہیں جو ہر ایک کو محبوب ہیں۔ چنانچہ کیمیا جو ہر ایک کو ایسی محبوب ہے کہ اگر کسی کو بتلائی جاوے تو اہل اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں کہ اس سے انکار کرے۔ تو اس کی یہی وجہ ہے کہ اس میں مال و جاہ دونوں جمع ہیں اور اس کے سوا دنیا میں بہت کم ذرائع ایسے ہیں کہ اس میں مال اور جاہ دونوں جمع ہوں۔ اکثر جاہ بدوں مال کے تلف کیے ہوئے نہیں ملتا اور اس میں مال و جاہ دونوں جمع ہیں۔ اس لئے یہ اس درجہ کی محبوب ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ دونوں چیزیں نہایت ہی محبوب ہیں اور انہیں کا نام دنیا بھی ہے۔ تو اب میرا یہ کہنا کہ دنیا مطلوب ہے یا نہیں اس میں مال و جاہ دونوں آ گئے تو اب دنیا سے مراد ان دونوں کا مجموعہ ہوگا۔ پس حاصل یہ ہوا کہ مال و جاہ مطلوب ہیں یا نہیں حق تعالیٰ نے اس کا فیصلہ ان آیات میں فرمایا ہے پس منافقین کے اول مقولہ کے بعد فرماتے ہیں۔ **وللہ خزائن السمٰوات والارض** یعنی اللہ ہی کے ہیں تمام خزانے آسمانوں کے اور زمینوں کے۔

اس سے تو احکام مال کے بتلانا مقصود ہیں۔ اور دوسرے مقولہ کے بعد فرماتے ہیں **وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین** یعنی اللہ ہی کی ہے عزت اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی۔

اس سے احکام جاہ کے بتلانا مقصود ہیں۔

پس اب اس میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ سو غور کرنے سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ مال فی نفسہ محمود ہے دوسرے یہ کہ مال سے اگر کوئی مفسدہ مرتب ہونے لگے تو مذموم ہے۔ مال کا فی نفسہ محمود ہونا تو اس لئے معلوم ہوا کہ اپنے کو مالک الاموال (سب مالوں کا مالک) فرما رہے ہیں چنانچہ ارشاد ہے **وللہ خزائن السمٰوات والارض** یعنی آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کی ملک میں ہیں۔ پس اگر مال فی نفسہ کوئی بری اور معیوب چیز ہوتی تو جس طرح سے خصوص کے ساتھ اپنے کو خالق الکلاب والخنازیر نہیں فرمایا اسی طرح اپنے کو خصوص کے ساتھ مالک الخزائن (خزانوں کے مالک) نہ فرماتے۔ اور اس میں نقود عروض (روپیہ و اسباب) سب داخل ہو گئے اور مال کا باعتبار عارض کے مذموم ہونا اس سے معلوم ہوا کہ مال سے ان کو یہ ضرر ہوا کہ انہوں نے اس کو بے موقع استعمال کیا۔ چنانچہ کہا کہ **لاتنفقوا علی من عند رسول اللہ** یعنی جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوں ان پر کچھ مت خرچ کرو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سواپنے تمول کو وہ اس طرح کام میں لائے کہ مسلمانوں پر خرچ کرنا موقوف کر دیا جس سے ان کو تکلیف پہنچی۔ تو یہ سوء (برا) استعمال ہوا مال کا پس حق تعالیٰ نے اس پر رد فرمایا کہ تم کیا چیز ہو۔ خزانے تو سارے ہمارے پاس ہیں پس ان کی یہ مذمت سوء استعمال کی وجہ سے کی گئی پس اس سے دوسری بات بھی ثابت ہو گئی کہ جب مال کے ساتھ سوء استعمال ہو تو وہ مذموم ہے اسی طرح دوسرے مقولہ کے بعد فرمایا وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین یعنی عزت اللہ ہی کی ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کی۔

تو یہاں بھی بتلا دیا کہ جاہ فی نفسہ مذموم نہیں مگر سوء استعمال کی وجہ سے مذموم ہو جاتا ہے۔ پس اس سے بھی دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ جاہ فی نفسہ محمود ہے دوسرے یہ کہ جب سوء استعمال ہو تو مذموم ہے جاہ کا فی نفسہ محمود ہونا تو اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے و اللہ العزۃ ۔ الآیہ فرمایا تو اپنے لئے عزت ثابت فرمائی۔ اگر جاہ کوئی بری چیز ہوتی تو اپنے لئے ثابت نہ فرماتے۔

اب اگر یہ شبہ ہو کہ جاہ اچھی چیز تو ہے لیکن یہ ممکنات کے لئے نہیں بلکہ حق تعالیٰ کے لئے ہے تو سمجھو کہ آگے وللمؤمنین (اور مسلمانوں کی) بھی تو ہے تو پس مسلمانوں کا ذی عزت ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے تو یہ شبہ نہ رہا کہ شاید ممکنات کے لئے محمود نہ ہو اور جاہ کا مذموم ہونا اس سے معلوم ہوا کہ ساتھ ہی ساتھ منافقین کی اس بات پر مذمت بھی فرمائی ہے کہ انہوں نے اس کا بے موقع استعمال کیا چنانچہ انہوں نے کہا کہ لیخرجن الاعز منها الاذل یعنی جو عزت والا ہے وہ مدینہ سے ذلت والے کو نکال دے گا۔

تو ان کا یہ کہنا سوء استعمال ہوا جاہ کا کہ ذریعہ بنایا جاہ کو مسلمانوں کے ضرر کا۔ اس پر حق تعالیٰ نے رد فرمایا کہ تم ہو کیا چیز معزز تو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم و مسلمان ہیں۔ پس ان کی یہ مذمت سوء استعمال کی وجہ سے کی گئی۔ پس ان دونوں آیتوں سے چار مسئلے ثابت ہوئے۔

ایک یہ کہ مال اچھی چیز ہے۔

دوسرا یہ کہ جاہ اچھی چیز ہے۔

تیسرا یہ کہ مال کو ناجائز طور پر استعمال کرنا مذموم ہے۔

چوتھا یہ کہ جاہ کو ناجائز طور پر استعمال کرنا مذموم ہے۔

حقیقت حب

ایک تو ہے مال اور ایک ہے حب مال اسی طرح ایک ہے جاہ اور ایک ہے حب جاہ۔ تو مذمت مال کی نہیں ہے بلکہ حب مال کی ہے۔ جس سے برے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ تو مذموم دو چیزیں ہوئیں حب مال اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

حب جاہ باقی رہے مال اور جاہ سو یہ دونوں مذموم نہیں کیونکہ حق تعالیٰ امتنان (نعمت دینا) کے طور پر فرماتے ہیں ان الذین امنوا وعملوا الصلحت سیجعل لهم الرحمن ودا کہ ہم مومنین اہل عمل صالح کے لئے محبوبیت پیدا کر دیں گے اور محبوبیت ہی کا نام جاہ ہے۔ لوگ جاہ کے معنی بھی غلط سمجھتے ہیں کہ لوگ ہمارے خوف کی وجہ سے ہماری تعظیم کریں حالانکہ جاہ کی حقیقت ہے ملک القلوب (یعنی دلوں کا مالک ہونا) پس ملک المال (مال کا مالک ہونا) تو تمول ہے اور ملک القلوب (دلوں کا مالک ہونا) جاہ ہے اور خوف اور ہیبت ہو تو وہ صورت جاہ ہے حقیقت جاہ نہیں اور یہ خود ہی اپنے کو معزز سمجھتے ہیں ورنہ لوگوں کے دلوں میں کچھ بھی ان کی عزت نہیں ہوتی چنانچہ ان کے پیچھے لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ بعضے لوگ اپنی نظر میں بڑے ہوتے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کلاب اور خنازیر (کتے اور سور) سے بدتر ہوتے ہیں اور ان کے سامنے خوف کی وجہ سے لوگ تعظیم کرتے ہیں۔ تو یہ کوئی عزت نہیں ہے کیونکہ ایسی عزت تو سانپ کی بھی ہے تو جسموں کا شاہ ہونا جاہ نہیں ہے بلکہ دلوں کا شاہ ہونا جاہ ہے اور یہ بات محبوبیت سے ہی نصیب ہوتی ہے۔ پس محبوبیت ہی اعلیٰ درجہ کی جاہ ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں سیجعل لهم الرحمن ودا اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبوبیت پیدا کر دیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ جاہ بری چیز نہیں بلکہ یہ تو اچھی چیز ہے کہ حق تعالیٰ بطور امتنان (نعمت) اپنے صالح بندوں کو عنایت فرمانا بتلا رہے ہیں اسی طرح مال کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ نعم المال الصالح للرجال الصالح نیک آدمی کے لئے نیک مال اچھی چیز ہے۔

پس مال اور جاہ مذموم خود نہیں ہیں بلکہ مذموم حب مال اور حب جاہ ہیں۔ جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ماذئبان جائعان ارسلا فی غنم بافسدلها من حب المال والشرف لدين المرء یعنی حب مال اور حب شرف آدمی کے دین کو ایسا تباہ کرتی ہے کہ اگر دو بھیڑیئے بھوکے بھی بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جاویں تو وہ بھی بکریوں کو اس قدر تباہ نہیں کر سکتے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حب کا لفظ تصریحاً فرما دیا تو حب بری چیز ہے اب جہاں مال کی مذمت آوے اور اس کے ساتھ حب کی قید نہ ہو تو سمجھ لیں کہ اس سے مراد وہی حب کا درجہ ہوگا کیونکہ بعض قرائن ایسے موجود ہیں جن سے وہ قید معلوم ہو جاتی ہے اور اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی تو چونکہ غالب عادت یہی ہے کہ جب مال ہوتا ہے تو حب مال بھی ہوتی ہے پس یہ اس کا قرینہ ہے کہ مال سے مراد وہی ہے جو حب کے درجے میں ہو۔

حب کے دو درجے قرار دیئے اس میں سے صرف ایک درجہ کی ممانعت کی اور دوسرے درجہ کی ممانعت نہیں کی اور یہ ایک آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے وہ آیت یہ ہے قل ان کان آباؤکم وابناؤکم

(c) ketabton.com: The Digital Library

واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال نِ اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومسکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ (یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب بھیج دیں)

حاصل یہ ہے کہ اگر دنیا کی چیزیں اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے احکام سے زیادہ محبوب ہوں تو عذاب کیلئے تیار ہو جاؤ۔ پس اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان چیزوں کی احب ہونے پر وعید فرمائی اور محبوب ہونے پر نہیں فرمائی پس اس سے معلوم ہوا کہ نفس محبوبیت بھی مذموم نہیں ہے اور اس سے اس حب دنیا کی بھی تفسیر کر دی جس کی حدیث حب الدنیا راس کل خطیئۃ (یعنی دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے) وغیرہ میں مذمت فرمائی ہے کہ اس سے مراد احبیت (زیادہ محبوب ہونا) کا درجہ ہے اس آیت میں تو یہ بات مصرح ہے کہ نفس حب مذموم نہیں اور ایک دوسری آیت سے بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو استنباط کیا ہے وہ یہ ہے زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذلک متاع الحیوۃ الدنیا واللہ عندہ حسن الماٰب (یعنی خوشنما معلوم ہوتی ہے لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی عورتیں ہوئیں بیٹے ہوئے لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے چاندی کے نشان لگے ہوئے گھوڑے ہوئے مواشی ہوئے اور زراعت ہوئی یہ دنیاوی زندگی کی استعمال کی چیزیں ہیں اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ حضرت عمرؓ کے پاس جب سامان کسریٰ کا آیا تو کروڑوں روپے کا سامان تھا آپ نے دیکھ کر یہ آیت پڑھی' جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ان چیزوں کی محبت مزین کر دی گئی ہے یعنی محبت ان کی طبعی امر ہے اور یہ سب حیات دنیا کا سامان ہے سو دنیا کی محبت کو امر طبعی فرمایا۔ بس حضرت عمرؓ نے اس آیت کو پڑھ کر یہ دعا کی کہ اے اللہ اس پر تو ہم قادر نہیں کہ دنیا کی محبت نہ رہے کیونکہ وہ امر طبعی ہے لیکن اے اللہ ہم یہ درخواست کرتے ہیں کہ یہ محبت آپ کی محبت کی معین ہو جاوے مزاحم نہ ہو۔ پس اس میں فیصلہ کر دیا کہ احبیت (زیادہ محبوب ہونا) مذموم ہے نہ کہ نفس محبوبیت اور احبیت کی تفسیر بھی کر دی کہ جو تیری محبت کے معارض ہو پس نتیجہ یہ نکلا کہ مال بھی اچھا اس کا کمانا بھی اچھا اس کی محبت بھی اچھی اسی طرح جاہ بھی مگر ان کی احبیت بری ہے۔ یعنی دنیا کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہ سمجھو اور اس کی علامت یہ ہے کہ دین پر دنیا کو ترجیح نہ دو اگر کسی صورت میں دنیا کے حاصل کرنے سے دین کا کوئی حرج ہوتا ہو اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہوتا ہو تو اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

صورت کو چھوڑ دو چاہے دنیا کا کتنا ہی نقصان ہو کیونکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی حقیقت کیا ہے یہی تو ہے کہ ہر فعل و ہر قول میں اس کی خوشی کو مقدم اور مطلوب سمجھیں اور اس کا نام محبت نہیں ہے کہ کسی مضمون کو سن کر رونے لگے۔ صرف رونے سے کیا ہوتا ہے۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدی وصال   صد سال ے تواں بتمنا گریستن

مال و جاہ سے متعلق عجیب تفسیری نکتہ

صرف آیت کے بعض اجزاء کا حل رہ گیا ہے وہ بھی عرض کرتا ہوں کہ مال کے قصہ میں تو منافقین کے ان اقوال کے جواب کے ختم میں لاتنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا (یعنی جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہیں ان پر مت خرچ کرو یہاں تک کہ وہ آپ منتشر ہو جائیں گے) لایفقھون (وہ سمجھتے نہیں ہیں) فرمایا اور آگے جاہ کے قصہ میں ان کے جواب کے خاتمہ میں لایعلمون (وہ جانتے نہیں ہیں) فرمایا اس میں ایک نکتہ ہے کہ فقہ خاص ہے علم سے فقہ تو خاص ہے امور خفیہ کے ساتھ اور علم عام ہے جلی کے لئے بھی پس اب اس کی وجہ سمجھ میں آ گئی ہوگی کیونکہ مال کے قصہ میں ارشاد فرمایا ہے وللہ خزائن السموات والارض یعنی آسمان اور زمین کے تمام خزانے خدا تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں سو اس کے لئے تو سمجھ کی ضرورت ہے کیونکہ بظاہر تو وہ ہمارے ہاتھوں میں ہے پس یہاں تامل کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر ہمارے ہاتھوں میں ہونے کے اسباب کس کے ہاتھ میں ہیں پس چونکہ یہ ذرا خفی اور استدلال کا محتاج تھا اس لئے یہاں لایفقھون فرمایا اور جاہ کے قصہ میں ارشاد فرمایا ہے وللہ العزۃ و لرسولہ و للمؤمنین (یعنی عزت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین ہی کیلئے ہے) اور یہ بالکل ظاہر تھا خدا تعالیٰ کے لئے عزت ہونا تو اس لئے کہ عالم کے اندر جو تصرفات ہوتے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ہمارے اختیار میں نہیں مثلاً زلزلہ ہے اور بارش ہے اب اگر کہیے کہ یہ سب کچھ صورت نوعیہ کی وجہ سے ہوتا ہے تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اس بات کو تو وہ خود ہی تسلیم کرتے ہیں کہ طبیعت اور نیچر ذی شعور نہیں تو میں کہتا ہوں کہ طبیعت کو فاعل قرار دینے کی مثال ایسی ہوگی جیسے کہ دو شخصوں نے ایک خوبصورت گھڑی دیکھی اس پر تو دونوں کو اتفاق ہوا کہ اس کو کسی نے بنایا ہے لیکن اس میں اختلاف ہوا کہ کس نے بنایا ہے ایک نے تو یہ کہا کہ ایک بالکل اندھے لنجے لنگڑے بے شعور نے بنایا ہے اور ایک نے یہ کہا کہ کسی بڑے عقلمند اور کامل گھڑی ساز نے بنایا ہے تو ظاہر بات ہے کہ یہ دوسرا شخص حق کہتا ہے تو جیسا ان دونوں میں فرق ہے ایسا ہی مسلمان اور اہل سائنس میں فرق ہے کہ اہل اسلام تو ان تمام مصنوعات عجیبہ کا اللہ تعالیٰ کو فاعل کہتے ہیں اور اہل سائنس طبیعت کو جس کو کچھ شعور تک بھی نہیں وہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

خدا کے قائل نہیں اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہم خدا کے بھی قائل ہیں اور طبیعت کے بھی تو میں کہتا ہوں کہ جب خدا تعالیٰ کو فاعل مانتے ہیں تو اس کے ساتھ طبیعت کے فاعل ماننے کی ضرورت ہی نہیں ورنہ اس کی مثال ایسی ہوگی کہ کوئی کہے کہ اس گھڑی کو ایک کامل اور ایک اندھے نے مل کر بنایا ہے تو اس احمق سے کہا جاوے گا کہ کامل کے ساتھ اس اندھے کے ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ پس ایک شخص جمع نہیں کر سکتا' خدا اور سائنس کو پس خدا کا غلبہ تو اس سے ثابت ہوگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات سے ظاہر ہے باقی وللمومنین یعنی مومنین کا غلبہ تو اس کا جب چاہے تجربہ کر لیجئے کہ جتنا ایمان ہوگا اتنی ہی عزت بھی ہوگی۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ اس کا نمونہ ہیں۔ ان کے ایمان کی حالت تو یہ تھی کہ حق تعالیٰ ان کے حق میں ارشاد فرماتے ہیں ۔ **الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوۃ** (یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں) اور ان کے غلبہ کی یہ حالت تھی کہ تمام قومیں اس کی قائل ہیں کہ ان کی برابر کوئی قوم ترقی یافتہ نہیں ہوئی اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ نمونے بہت پرانے ہوگئے ہیں تو اب بھی دیکھ لیجئے کہ جو مسلمان اپنی اصلی حالت پر باقی ہیں ان کی کتنی عزت ہے خیر خواہان ترقی کی نگاہ میں بھی وہ مخفی نہیں ہے اور وجہ یہ ہے کہ اصل تو خدا کی عزت ہے پھر جو لوگ ان کے ساتھ وابستہ ہوں گے ان کی بھی عزت ضرور ہوگی ہاں اگر کسی کو خدا ہی کی عزت کی خبر نہ ہو تو دوسری بات ہے۔

مال و جاہ کا حکم

تو خلاصہ یہ ہوا کہ مالک الاموال ہونا چونکہ کسی قدر مخفی تھا اس لئے وہاں **لایفقھون** (وہ سمجھتے نہیں) فرمایا' اور صاحب عزت ہونا ظاہر تھا اس لئے وہاں **لایعلمون** (وہ جانتے نہیں) فرمایا نیز اس سے ایک اور مسئلہ ثابت ہوا کہ مال تو اس واسطے ہے کہ اس سے انتفاع حاصل کیا جاوے اور جاہ اس واسطے ہے کہ اس کے ذریعہ سے اپنے کو ضرر سے بچایا جاوے نہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں پر دباؤ ڈال کر انتفاع حاصل کیا جاوے اول کی تو یہ دلیل ہے کہ جب منافقین نے کہا کہ مسلمانوں پر خرچ مت کرو تا کہ جب کھانے کو نہ ملے گا خود منتشر ہو جاویں گے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ رد فرمایا کہ خزائن کے مالک تو ہم ہیں تم اپنے مالوں سے ان کو منتفع نہ کرو گے تو ہم اپنے خزائن سے ان کو دیں گے تا کہ وہ اس سے منتفع ہوں اس سے معلوم ہوگیا کہ مال انتفاع کے لئے ہے اور دوسری تردید کی یہ دلیل ہے کہ منافقین نے اپنے جاہ سے مسلمانوں کو ضرر پہنچانا چاہا تھا تو حق تعالیٰ نے اس پر رد فرمایا کہ عزت تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے لئے ہے۔ یعنی چونکہ ہم نے ان کو جاہ عنایت کی ہے اس لئے تم ان کو ضرر نہیں پہنچا سکتے مومنین اس جاہ سے تمہارے ضرر کو دفع کر

(c) ketabton.com: The Digital Library

دیں گے اس سے ثابت ہوا کہ جاہ دفع ضرر کے لئے ہے (المال والجاہ)

مناط عزت صرف مسلمان کو حاصل ہے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین سے کہاں کی عزت مراد ہے اور کیا اس کا مفہوم سابقین ہی پر ختم ہو گیا فرمایا کہ مناط عزت تو مسلمان ہی کو حاصل ہے اور وہ عزت آخرت کی ہے اس لئے کہ یہاں پر تو خلاف کا وقوع بھی ہوتا رہتا ہے۔ جس عزت کو حق تعالیٰ فرمارہے ہیں وہ عزت آخرت ہی کی ہے کہ وہاں کمال عزت کا درجہ مسلمانوں ہی کو عطا فرمایا جاوے گا اور کفار کو انتہائی ذلت کا سامنا ہوگا۔ (ملفوظات جلد۱)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پاویں اور جو ایسا کرے گا ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔

تفسیری نکات

معصیت کا سبب اکثر مال واولاد کا تعلق ہوتا ہے

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو مال واولاد کی وجہ سے غفلت میں پڑ جانے سے منع فرمایا ہے اور اس بات پر آگاہ فرمایا ہے کہ جو لوگ ان چیزوں کی وجہ سے غفلت میں پڑ جائیں گے وہ خسارہ میں ہیں۔ اب آپ اپنی حالت میں غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ معصیت کا زیادہ سبب اکثر مال واولاد ہی کا تعلق ہوتا ہے حق تعالیٰ اسی سے روکتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ مال واولاد تمہارے لئے ذکر اللہ سے غفلت کا سبب ہو جاویں۔

یہاں ذکر اللہ سے مراد طاعت اللہ ہے چونکہ طاعات کی وضع ذکر اللہ ہی کے لئے ہے اس لئے ذکر بول کر طاعت مراد لی جاتی ہے (اور کنایہ میں نکتہ یہ ہے کہ جس طرح معصیت کا سبب غفلت ہے۔ جس پر لاتلھکم میں دلالت ہے اور غفلت کا سبب دنیا کے ساتھ قلب کا تعلق ہوتا ہے۔ جس پر اموالکم و اولادکم دلالت کر رہا ہے۔ جس سے مراد مجموعہ دنیا ہے اور ان دونوں کی تخصیص لفظی کی یہ وجہ ہے کہ یہ دونوں دنیا کے اعظم افراد ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

اسی طرح طاعت کی بجائے ذکراللہ کہنے میں اس پر دلالت ہے کہ طاعات کا سبب غفلت کا مقابل ہے یعنی ذکر اور ذکر کا سبب خدا کے ساتھ دل کا متعلق ہونا ہے جس پر اضافت ذکرالی اللہ سے دلالت ہو رہی ہے) تو اس سے یہ بات مفہوم ہوئی ہے کہ مال واولاد اکثر طاعت سے غفلت کا سبب ہوا کرتے ہیں۔اور جب طاعت سے غفلت ہوگی تو وہ معصیت ہوگی۔نتیجہ یہ نکلا کہ معصیت کا زیادہ سبب مال واولاد کا تعلق ہے اور جب یہ زیادہ تر معصیت کا سبب تھے جبھی تو حق تعالیٰ نے ان کی وجہ سے غفلت میں پڑنے کی ممانعت فرمائی کیونکہ حق تعالیٰ حکیم ہیں اور حکیم کا کوئی کلام حشو وزائد نہیں ہوتا۔پس دنیا بھر کی چیزوں میں سے اموال واولاد کو خاص طور پر ذکر فرمانا اس کی صاف دلیل ہے کہ ان دونوں کو غفلت عن الطاعات یعنی صدور معاصی میں زیادہ دخل ہے۔

تو حق تعالیٰ کا اموال واولاد کی وجہ سے غفلت میں پڑنے کی ممانعت فرمانا ہی اس کی دلیل ہے کہ یہ زیادہ تر معصیت کا سبب ہوتے ہیں خود کلام اللہ بھی اس کو بتلا رہا ہے اور مشاہدہ بھی چنانچہ اپنی حالت میں غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مال واولاد کی وجہ سے کتنے گناہ ہوتے ہیں۔

مال واولاد کے درجے

تفصیل اس کی یہ ہے کہ مال میں عمل کے دو مرتبے ہیں۔ایک درجہ حاصل کرنے کا اور ایک اس کو محفوظ رکھنے کا اسی طرح اولاد میں بھی یہ دو مرتبے ہیں ایک اولاد حاصل کرنے کا دوسرے ان کی حفاظت کا اور ایک تیسرا مرتبہ اور ہے لیکن یہ مرتبہ اموال واولاد میں دونوں کے لئے جدا جدا ہے پہلے دو مرتبوں کی طرح مشترک نہیں ہے چنانچہ مال میں تو تیسرا مرتبہ صرف کرنے کا ہے اور اولاد میں تیسرا مرتبہ ان کے لئے آئندہ کی فکر کرنے کا ہے۔ غرض تین درجے عمل کے مال میں ہیں اور تین درجے اولاد میں ہیں۔مال میں تو تین عمل یہ ہیں۔

۱۔مال کا پیدا کرنا۔ ۲۔مال کی حفاظت کرنا۔ ۳۔مال کا صرف کرنا۔

اور اولاد میں تین درجے عمل کے یہ ہیں۔

۱۔اولاد کا حاصل کرنا ۲۔پھر اس کی حفاظت کرنا۔ ۳۔پھر اس کے لئے آئندہ کی فکر کرنا۔

تو کل چھ مرتبے ہوئے جو کہ حقیقت میں اعمال کے درجے ہیں اب ان چھ مرتبوں میں بہت مختصر انداز سے اپنی حالت کو دیکھ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں ہمارا برتاؤ کیا ہے اور ان میں ہم کتنے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔مثلاً مال میں تین مرتبے تھے ایک حاصل کرنا دوسرے حفاظت کرنا تیسرے صرف کرنا اب دیکھئے یہ مال کتنے ناچ نچاتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اہل خسارہ

یہاں کیا اچھا لفظ ارشاد فرمایا ہے فاولئک ھم الخسرون جس میں جیسا کہ ابھی مذکور ہوتا ہے اس طرف اشارہ ہے کہ ایسا شخص نفع کی چیز میں ٹوٹا اٹھانے والا ہوگا۔ جس سے یہ معلوم ہوگیا کہ مال واولاد فی نفسہ ضرر کی چیز نہیں بلکہ اگر معصیت کا سبب نہ بنے تو واقع میں نفع کی چیز ہے اور یہ اشارہ اس وجہ سے ہے کہ خسارہ مطلق نقصان کو نہیں کہتے بلکہ نفع کی چیز میں نقصان کو خسارہ کہا کرتے ہیں۔ بہرحال ایسے لوگ خسارہ میں ہیں اور زیاں کار ہیں۔

اطلاق خسارہ سے اس پر بھی دلالت ہے کہ صرف آخرت ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں بھی یہ لوگ خسارہ ہی کے اندر ہیں کیونکہ مال واولاد کی ایسی محبت وبال جان ہو جاتی ہے اور مال واولاد ایسے ہی شخص کے لئے معصیت کا سبب ہو جاتے ہیں جس کو ان سے ایسی محبت ہو سو محبت مال کا وبال جان ہونا تو ظاہر ہے کہ ہر آدمی کو اسی کی فکر رہتی ہے کہ آج اتنے روپے ہیں تو کل کو اتنے ہو جائیں۔ چنانچہ اپنی جان پر مصیبت ڈال ڈال کر روپیہ جوڑا جاتا ہے پھر رات کو اسے بار بار دیکھا جاتا ہے کہ اپنی جگہ پر ہے بھی یا نہیں چوروں کے کھٹکے سے راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے اور اولاد کا وبال جان ہونا آپ کو اس حکایت سے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے ایک والی ملک کی بیٹی کو دیکھا ہے کہ ان کو اپنے بیٹوں سے اس قدر محبت تھی کہ رات کو وہ سب کو ساتھ لے کر لیٹتی تھیں۔ جدا کر کے ان کو چین ہی نہ آتا تھا پھر جب بچے زیادہ ہوگئے اور ایک پلنگ پر نہ آسکے تو انہوں نے پلنگ پر سونا چھوڑ دیا سب کو لے کر نیچے زمین کے فرش پر سویا کرتی تھیں اور اس پر بھی اعتبار نہ آیا بلکہ کسی پر ہاتھ رکھ لیتیں اور کسی پر پیر اور رات کو بار بار آنکھ کھلتی اور بچوں کو ٹٹول کر دیکھ لیا کرتیں۔

واقعی یہ محبت تو عذاب ہی ہے پھر اگر ایمان بھی نہ ہوا تو دونوں عالم میں معذب ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولا تعجبک اموالھم ولا اولادھم انما یرید اللہ ان یعذبھم بھا فی الدنیا و تزھق انفسھم وھم کافرون کیونکہ ان کو نہ دنیا میں چین ملا نہ آخرت میں اور اگر ایمان ہوا تو خیر دنیا ہی بے لذت ہوئی آخرت انجام کار ان شاء اللہ پر لطف ہو جائے گی۔ غرض ثابت ہوگیا کہ محبت مال واولاد کبھی معصیت کا سبب ہو جاتی ہے اور اس سے دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ہو جاتا ہے خواہ خسارہ محدود ہو یا غیر محدود البتہ جو لوگ اعتدال کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور حقوق الٰہیہ کو غالب رکھتے ہیں ضائع نہیں کرتے وہ ہر وقت لطف میں ہیں بس اب میں ختم کرتا ہوں دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ ہم کو اپنی یاد سے غافل نہ فرمائیں اور مال و اولاد کو ہمارے لئے سبب فتنہ نہ بنائیں۔ آمین۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ
مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ
وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۱

ترجمہ: اور (منجملہ طاعات کے ایک طاعت مالیہ کا حکم کیا جاتا ہے) کہ ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے (حقوق واجبہ) اس سے پہلے پہلے خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو پھر وہ بطور (تمنا و حسرت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو تھوڑے دنوں کیوں مہلت نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جبکہ اس کی میعاد (عمر کی ختم ہونے پر) آ جاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا اور اللہ کو سب کاموں کی پوری خبر ہے ایسی ہی جزا کے مستحق ہوں گے۔

تفسیری نکات

حب دنیا کا علاج

اور دیکھئے خدا تعالیٰ نے ممارزقنکم فرمایا کہ بتلا دیا کہ ہم نے ہی تو دیا ہے پھر بخل کیوں کرتے ہو نیز لفظ من تبعیضیہ فرما کر یہ بھی تسلی فرما دی کہ ہم سب سارا مال نہیں مانگتے۔ آگے فرماتے ہیں من قبل ان یاتی احدکم الموت (اس سے پہلے کہ تمہیں موت آ جائے) یہ وہ تعلیم ہے کہ اگر روز پندرہ بیس منٹ بھی اس کو سوچ لیں تو دنیا کی محبت بالکل جاتی رہے یعنی یہ سوچ لیا کریں کہ ایک دن ہم کو مرنا ہے اور مرنے کے بعد ہم سے ہر ہر بات کے متعلق ایک دن سوال ہوگا۔ میزان عدل قائم کی جائے گی اگر ہماری نیکیاں غالب آ گئیں تو فبہا ورنہ قعر جہنم ہے اور ہم ہیں اور وہاں یہ حالت ہوگی لایموت فیھا ولا یحیی (نہ تو موت ہی ہو نہ کچھ زندگی) آگے فرماتے ہیں کہ اگر خرچ نہ کرو گے تو یہ کہو گے لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق و اکن من الصلحین اگر مجھے تھوڑی سی مہلت دیدی جاتی تو میں خوب خیرات کرتا اور اچھے لوگوں میں سے ہو جاتا) دوسری آیت اس طلب مہلت کے جواب میں ہے کہ ولن یوخر اللہ نفساً اذا جاء اجلھا یعنی جب موت کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

وقت آجائے گا تو ہرگز مہلت نہ ملے گی اس کے بعد غفلت پر وعید ہے۔ واللہ خبیر بما تعملون لفظ خبیر فرمایا جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو دل تک کی خبر ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ دین یہ ہے کہ باطن بھی درست کرو حاصل یہ ہے کہ ان آیات میں ہم کو حب دنیا کے مرض پر جتایا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ۔

غم دیں خور کہ غم غم دین ست   ہمہ غمہا فرو تراز ایں ست

(دین کی فکر میں رہو کیونکہ اصل فکر دین ہی کی فکر ہے اور تمام فکریں اس سے کم درجہ کی ہیں)

خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ توفیق عمل بخشیں (اس وعظ میں حضرت حکیم الامت دینی مدرسہ قائم کرنے یا کسی عالم واعظ کو احکام مسائل ہفتہ وار بیان کرنے کے لئے تعینات کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس عالم واعظ کی تنخواہ مقرر کر کے دینا انفقوا میں داخل ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ التغابن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ
ترجمہ: کوئی مصیبت بدوں حکم خدا کے نہیں آتی۔

تفسیری نکات

دو چیزیں حضرت حق سے مانع ہیں

الحاصل دو چیزیں حضرت حق سے مانع ثابت ہوئیں۔ نعمت اور مصیبت پھر ان کی اور بہت سی جزئیات ہیں۔ پس ان میں سے امہات جزئیات کی فہرست ان آیات میں ارشاد فرماتے ہیں ارشاد ہے ما اصاب من مصیبة الا باذن الله یعنی کوئی مصیبت نہیں پہنچی مگر اللہ کے حکم سے یہ علاج ہے مصیبت کے مانع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم مالک اور محبوب ہیں اور مصیبت ہمارے ہی حکم سے آتی ہے تو تم کو اس پر اعتراض اور چون و چرا کا حق نہیں ہے اگر حق تعالیٰ کی مالکیت اور محبوبیت اور اس کا اعتقاد کہ مصیبت اسی کے حکم سے آتی ہے قلب میں راسخ ہو جاوے تو مصیبت کی شدت والم قلب کو ہرگز از جا رفتہ نہ کرے گی یہ نسخہ کیمیا کا اثر رکھتا ہے آگے ارشاد ہے ومن یومن بالله یهد قلبه یعنی جو شخص اللہ کے ساتھ ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو اس علاج کی ہدایت فرماتا ہے۔

یہ جواب ہے ایک سوال کا جو جملہ اولیٰ کو سن کر ناشی ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے علاج تو بتلا دیا اور ہمارا اس پر ایمان بھی ہے کہ مصیبت اسی کے حکم سے آتی ہے لیکن قلب میں اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا' تو اس کا جواب ارشاد ہے کہ تمہاری طرف سے ایمان اور ایقان ہونا چاہیے کام تم شروع کرو یعنی یقین پختہ تم کر لو باقی ہدایت اور اثر تو ہم دیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اسی طریق پر یہاں ارشاد ہے کہ تم کام کرو جب تم کام کرو گے تو تمہارے قلب کو ہم ہدایت کریں گے۔
آ گے ارشاد ہے واللہ بکل شیء علیم "یعنی اللہ ہر شے کو جانتا ہے" پس یہ بھی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں سعی کرنے والا ہے اور کون نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ مریض کو جو مرض پیش آتا ہے اس کا ایک علاج تو خاص اسی مرض کا ہوتا ہے اور اسی کا خاص پرہیز ہوتا ہے' مثلاً مرض اگر غلط سوداء کے سبب سے ہے تو اسی کا خاص علاج اور خاص پرہیز کرایا جاتا ہے کہ نسخہ بھی اسی کا اور جو چیزیں سوداء کے بڑھانے والی ہیں' انہی سے بچنا بھی' اور ایک عام علاج اور عام پرہیز ہے کہ جس کو تمام امراض میں پیش نظر رکھنا مریض کو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جو چیزیں عامۃ مضعف (کمزور کرنے والی) اور کلیۃً منافی طبیعت ہیں ان سے بچنا چاہیے' یہاں تک تو حق تعالیٰ نے اس مرض یعنی مصیبت کے مانع عن الطریق (راہ سے روکنے والا) ہونے کا خاص نسخہ کہ جو ایک خاص مراقبہ ہے' کہ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ارشاد فرمایا تھا' آ گے ایک عام نسخہ کہ جس کا تمام اوقات میں ہر شخص کو التزام کرنا چاہیے' ارشاد فرماتے ہیں' اس لئے کہ اگر خاص مرض کے لئے خاص خاص نسخہ کا استعمال کیا اور قواعد عامہ صحت کی رعایت نہ رکھی تو اس خاص نسخہ کا کوئی نفع مرتب نہ ہوگا۔

وہ عام علاج یہ ہے کہ جس میں تندرست اور مریض سب شریک ہیں۔ یعنی واطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول یعنی ہم نے جو خاص علاج خاص مرض کے لئے تم کو تعلیم کیا ہے اسی پر اکتفا نہ کرو کہ یہ مراقبہ تو کر لیا' اور دیگر احکام شرعیہ میں اخلال کیا' بلکہ اس کے ساتھ اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام امور میں اطاعت کرو' اور یہی وجہ ہے کہ اطیعوا کا متعلق ذکر نہیں فرمایا' جس سے بقاعدہ بلاغت عموم مستفاد ہوتا ہے' یعنی اگر تم نے صرف خاص اسی نسخہ کو استعمال کیا اور عام قواعد کی رعایت نہ کی مثلاً احکام کی پابندی نہ کی اور معاصی کا ارتکاب کرتے رہے تو اس خاص نسخہ کا کوئی نفع معتد بہ تم کو نہ ہوگا۔

اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ حق تعالیٰ نے جس مضمون کو ارشاد فرمایا ہے اس کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا۔

اصلاح کے لئے علاج ضروری ہے توجہ شیخ کافی نہیں

اس کے بعد سمجھو کہ بعضے مریض ایسے سست اور کاہل یا کنجوس یا بد پرہیز ہوتے ہیں کہ طبیب سے نسخہ لکھوانا اور دوا خریدنا پھر اس کو پکا کر پینا اور پرہیز کرنا ان کو نہایت شاق اور پہاڑ معلوم ہوتا ہے ہاں مرض کی شکایت کیا کرتے ہیں اور یہ کہا کرتے ہیں کہ دوا دارو تو صاحب ہم سے ہوتی نہیں' کوئی شخص ایسا ملے کہ چھو کر دے اور مرض جاتا رہے' ایسے ہی روحانی مرض کے مریض بھی دیکھے جاتے ہیں بلکہ ایسے لوگ بکثرت ہیں کہ جو مجاہدہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ریاضت تو اختیار کرتے نہیں ہاں یہ سوچتے ہیں کہ کوئی بزرگ توجہ ڈال دیں اور ہمارا مرض جاتا رہے ہم کو کچھ کرنا نہ پڑے حالانکہ محض توجہ سے بغیر اپنے کئے کچھ نہیں ہوتا تو ایسے مریضوں کے لئے ارشاد ہے فان تولیتم فانما علیٰ رسولنا البلاغ المبین ''یعنی ہم نے جو تمہارے مرض کا علاج اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ارشاد فرمایا ہے اگر تم اس نسخہ کے استعمال کرنے اور اس کا جو خاص اور عام علاج و پرہیز ہے اس سے اعراض کرو تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ تم کو علی الاعلان دوا اور پرہیز بتلا دیں کہ جو طبیب کا منصب ہے' کیا طبیب کا یہ تھوڑا احسان ہے کہ تم کو دیکھ کر وہ دوا بتلا دے اس کے ذمہ یہ نہیں ہے اور نہ اس کے بس میں ہے کہ شفاء اور صحت تمہارے منہ میں زبردستی ٹھونس دے' اگر تم کو اپنی صحت مدنظر ہے تو جو دوا بتلائی گئی ہے ہمت سے اس کا استعمال کرو' ورنہ تم جانو اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ انبیاء اور اولیاء کی توجہ میں برکت نہیں' بیشک برکت ہے' لیکن وہ توجہ مشروط ہے اس کے ساتھ کہ تم بھی خود کچھ ہاتھ پاؤں ہلاؤ ورنہ محض توجہ موثر نہیں ہوگی اور نہ اس کے متوجہ کرنے کا یہ طریق ہے۔

یہ بیان تو ان لوگوں کا تھا جو کام میں لگے ہی نہیں۔ اب ایک وہ ہیں جو کام کرتے ہیں اور ان کو اس کے کچھ ثمرات بھی حاصل ہوئے' مگر ان میں ایک اور مرض پیدا ہوا' وہ یہ ہے کہ جہل اور کم بصیرت سے یہ سمجھے کہ یہ ثمرات ہمارے کام سے مرتب ہوئے' اور اس پر ان کو ایک ناز اور عجب پیدا ہو گیا' تو ان کو اس مرض کے دفعیہ کے لئے یہ ارشاد ہے اللہ لآ الٰہ الا ھو و علی اللہ فلیتوکل المومنون مطلب یہ ہے کہ تم کو حضرت حق اور موجود حقیقی کے سامنے اپنے وجود کا دعویٰ کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ ارے یاد رکھو کہ ماسوا اس کے کوئی موجود حقیقی نہیں ہے' پس ناز چہ معنی (ناز سے کیا مطلب) مومنین کو چاہئے کہ اسی ایک ذات پر بھروسہ رکھیں اور غیر کو کہ جس میں اپنا وجود بھی ہے فانی محض اور ہالک محض سمجھیں نہ کہ اپنے وجود کا دعویٰ کریں تم کچھ بھی نہیں ہو اور نہ کچھ کر سکتے ہو' یہ ہمارا ہی کام تھا کہ تم کو کام کی توفیق دی اور اس کے اسباب مہیا کر دیئے' اور پھر اس میں کامیابی عطا فرمائی۔

یہاں تک مصیبت کے متعلق بیان تھا جو مانع عن الطریق ہوتی ہے اب دوسرا مانع نعمۃ ہے کہ جو اپنی زیادہ گوارائی کے سبب مانع عن الطریق (راستہ سے روکنے والی) اور ہمارے لئے رہزن بن جاتی ہے آگے اس کے متعلق ارشاد ہے یایھا الذین امنوا ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم فاحذروھم ''یعنی اے ایمان والو تمہاری بیبیوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن بھی ہیں تو تم ان سے احتیاط رکھو' ایسا نہ ہو کہ یہ تم کو اپنے اندر مشغول کر کے راہ حق سے ہٹا دیں اور گو نعمتیں تو بہت ہیں لیکن دنیا میں اولاد اور ازواج انسان کو بہت محبوب ہوتی ہیں' اس لئے بالتخصیص ان کا ذکر فرما کر ان سے تحذیر فرماتے ہیں' اور اس آیت میں جو ازواج اور اولاد کو حق تعالیٰ نے مانع عن الطریق فرمایا ہے تو ان کا مانع ہونا دو طریق سے ہے۔

اول طریق تو یہ ہے کہ اولاد اور ازواج ایسی فرمائشیں کریں کہ جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہیں اور یہ مغلوب ہو کر ان کا ارتکاب کرے دوسرا طریق یہ ہے کہ وہ تو کچھ نہیں کہتے' مگر یہ خود ان کی محبت میں ایسا مستغرق ہے کہ وہ محبت اس کو مانع بن رہی ہے' پہلی صورت میں مانعیت اختیاری ہو گی یعنی وہ مانعیت اولاد اور ازواج کے اختیار میں ہے اور دوسری غیر اختیاری ہر چند کہ ظاہر نظر میں یہ جملہ دونوں طریق کو عام معلوم ہوتا ہے لیکن آگے جو ارشاد ہے وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللہ غفور رحیم (اگر تم معاف کر دو اور سزا سے درگزر کرو اور ان کا گذشتہ قصور معاف کر دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے (رحم والا ہے) وہ قرینہ اس کا ہے کہ یہاں مانعیت اختیاری ہی مراد لی جاوے جس پر غصہ متحمل ہونے کے بعد عفو وصفح کی ترغیب واقع ہوئی' چنانچہ شان نزول سے بھی اس مراد کی تعیین ہوتی ہے۔

شان نزول

تفصیل اس کی یہ ہے کہ قصہ یہ ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باہر کے کچھ مسلمان علوم سیکھنے کے لئے آ کر رہنا چاہتے تھے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جو شخص کسی گھر میں بڑا ہوتا ہے وہ اگر کہیں چلا جاتا ہے تو گھر بے رونق ہو جاتا ہے' کبھی بعضی کلفتوں کا بھی خیال ہوا کرتا ہے اس لئے گھر کی بیبیاں بچے یہی چاہا کرتے ہیں کہ یہ کہیں نہ جاویں' چنانچہ ان کو بھی اسی طرح روکا' مگر بعد چندے جب یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ جو صحابہ ان سے پہلے آئے ہوئے تھے وہ اور مسائل میں بہت دور نکل گئے ان کو بڑی حسرت اور ندامت ہوئی کہ ہم بیوی بچوں ہی میں رہے اور دوسرے لوگ بہت دور نکل گئے اور ہم سے بہت زیادہ بڑھ گئے۔ یہ سوچ کر ان کو اپنی اولاد اور ازواج پر غصہ آیا اور یہ ارادہ کیا کہ گھر جا کر ان کو خوب ماریں گے کہ وہ ہم کو راہ حق سے مانع ہوئے تو جس وقت انہوں نے روکا تھا اس وقت تو جزو اول آیت کا یعنی فاحذروھم (پس ان سے احتیاط رکھو) تک نازل ہوا' اور جب انہوں نے ان کے مارنے کوٹنے کا ارادہ کیا تو وان تعفوا و تصفحوا الخ نازل ہوا' مطلب یہ ہے کہ اگر تم معاف کر دو اور سزا سے درگزر کرو اور ان کا گذشتہ قصور معاف کر دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم والا ہے تمہارے گناہ بھی بخش دے گا اور تمہارے حال پر رحم فرمائے گا۔

پس یہ قصہ اور یہ جزو قرینہ اس کا ہے کہ یہاں اختیاری طریق مراد ہے اور دوسری صورت اس سے مستنبط ہوتی ہے گو وہ مدلول مطابقی نہیں ہے لیکن مدلول التزامی ضرور ہے یا یوں کہو کہ مدلول نصی نہیں تو مدلول بدلالۃ النص ضرور ہے اور اس صورت میں ان کو عدوا لکم فرمانا اس معنی کے اعتبار سے ہو گا کہ گو وہ مانعیت اور عداوت

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے مباشر نہیں ہیں لیکن سبب تو ہیں پس ان کو عدو فرمانا جو کہ مشعر ذم ہے درجہ سبب میں ہوگا نہ یہ کہ اس عداوت میں عاصی ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص ایک کبوتر کے پیچھے بھاگا جاتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان یتبع شیطانه ایک شیطان ایک شیطانہ کے پیچھے جارہا ہے' اس کو شیطانہ اس لئے فرمایا کہ اس کے حق میں تو اس نے شیطان ہی کا کام دیا کہ اس کو ذکر اللہ سے غافل کر دیا' پس ایسے ہی وہ اولاد اور ازواج اس محبت کے حق میں بلا قصد عدو بن گئے کہ وہ ان کی محبت میں ایسا منہمک ہوا کہ اپنے اصلی کام کو بھول گیا' پس اصل مانع اور مدار منع انہماک فی المحبت (محبت میں منہمک ہونے سے منع) ہوا اور اسی مدار کے اعتبار سے کہ محبوب کو عام ہوسکتا ہے یہ مضمون جیسا کہ اولاد اور ازواج کو شامل ہے غیر اولاد اور غیر ازواج کو بھی جس شے کی محبت میں بھی یہ اپنے مولیٰ کو بھول جاوے عام ہو گیا جس کو صوفیہ نے اس عبارت سے ادا کیا ماشغلک عن الحق فهو طاغوتک ''کہ جو چیز بھی تجھ کو حق سے مانع ہو جاوے تیرا بت ہے حکیم ثنائی اسی مضمون کو فرماتے ہیں۔

بہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف و چہ ایمان بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا

''یعنی جس چیز کی وجہ سے محبوب سے دوری ہو وہ قابل ترک ہے خواہ وہ کچھ بھی ہو''

اور اس شعر میں ایمان سے مراد ایمان حقیقی نہیں اس لئے کہ وہ تو عین مطلوب ہے نہ کہ مانع عن المطلوب' بلکہ یہ ایسا ہے جیسے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں قل بئسما یامرکم به ایمانکم (بری ہے وہ چیز جس کو تمہارے ایمان حکم دیتے ہیں اور اگر زیادہ کیا جاوے تو یہ مانعیت غیر اختیاری بھی آیت کا مدلول مطابقی بن سکتا ہے تعفوا الخ اس پر بھی منطبق ہو جاوے گا۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جیسے مباشرت مانعیت پر غصہ آتا ہے۔ بسبب مانعیت بھی موجب غیظ ہو جاتا ہے کہ اس شے کی محبت ہم کو ہمارے مقصود میں مانع ہوئی ہے اس کو ہی اڑانا چاہئے' باقی رہا شان نزول تو اس کا جواب یہ ہے کہ العبرة لعموم الالفاظ لا لخصوص المورد (عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ خصوص الفاظ کا پس اس صورت میں آیت مانعیت کی دونوں طریق کو دلالۃ مطابقی سے شامل ہو جاوے گی' اور تعفوا وتصفحوا الخ بھی بلا تکلف دونوں پر منطبق ہو جاوے گا یہ دو طریق تو مانعیت کے ازواج اور اولاد کی حیات میں تھے کہ یا تو اولاد اور ازواج نے اس کو خود روکا تھا یا یہ خود ان کی محبت میں اس قدر مغلوب تھا کہ اللہ کی یاد سے رک گیا تھا' تیسری صورت ان کی مانعیت کی ایک اور ہے کہ اولاد یا ازواج مر گئے یہاں مصیبت اور محبت دونوں مانع جمع ہو گئے' محبت تو مقتضی ہے یاد کو کہ اس کی وجہ سے یہ سب اشغال سے معطل ہو گیا اور محبوب کے فقدان کے الم کا مصیبت ہونا ظاہر ہی ہے اور وہ بھی شاغل عن الحق (اللہ کے ذکر سے روکنے والا) ہو رہا ہے' اور جاننا چاہئے کہ حیات محبوب میں جو مانعیت ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور ممات محبوب میں جو مانعیت ہے یہ دونوں مانع نفس مانعیت میں تو مشترک ہیں لیکن ان میں ایک فرق ہے جس پر نظر کر کے بعد ممات والی مانعیت زیادہ عجیب اور فہم سلیم سے زیادہ بعید ہے وہ یہ کہ محبوب کی حیات کی صورت میں تو فی الجملہ گو حقیقۃً نہ سہی مگر ظاہراً بہ نسبت حالت ممات کے یہ شخص کسی قدر معذور بھی ہے کہ محبوب مجازی کا کچھ قرب ہے کچھ مشاہدہ ہے یا امید مشاہدہ ہے یہ محرک ہو گیا ہے اس کی محبت میں ایسا جتلا رہنے کا کہ وہ محبت اس کو محبوب حقیقی سے مانع ہو گئی مگر اسکے فقدان وممات کی صورت میں تو کوئی عذر نہیں ہے اس لئے کہ اس سے مفارقت بھی ہو گئی اور اس کی محبت کا کوئی محرک بھی نہ رہا ادھر دوسرا محبوب یعنی محبوب حقیقی موجود ہے اور اس سے تسلی کرنا ممکن بھی ہے تعجب ہے کہ جو محبوب اس کے پاس موجود ہو اس میں تو مشغول ہو کر تسلی نہ پائے اور محبوب مجازی جو کہ سامنے موجود بھی نہیں اس میں گھلے۔ واقعی یہ شخص معذور نہیں اور یہ ساری خرابی غیر اللہ کے ساتھ حد سے زیادہ تعلق بڑھانے کی ہے اور یہ محبت بعض مرتبہ شرک کے درجے میں پہنچ جاتی ہے۔

یہ تمام تر کلام محبت کے بارہ میں تھا تیسرا مانع کہ وہ بھی فرد نعمت کا حب مال ہے اس لئے آگے اس کو ارشاد فرماتے ہیں انما اموالکم واولادکم فتنة والله عنده اجر عظیم ''یعنی تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں اور اللہ کے نزدیک اجر عظیم ہے'' چونکہ اولاد کا فتنہ زیادہ سخت ہے اس لئے یہاں اس کو مکرر ارشاد فرمایا اور نیز اس لئے کہ اموال کے ساتھ محبت کا ایک منشاء اولاد کی محبت بھی ہے اس لئے بھی اولاد کو مکرر ذکر فرمایا اور مال کی محبت کے بھی دو درجے ہیں ایک تو بضرورت حدود شرعیہ کے اندر یہ مذموم اور مانع نہیں اور ایک وہ محبت جس کے غلبہ میں حقوق شرعی فوت ہوتے ہیں چنانچہ آج کل یہ بلا بھی عام ہے جو کہ حب مال کا شعبہ ہے وہ یہ کہ حقوق العباد میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اس زمانہ میں وہ لوگ بڑے باہمت ہیں جو ڈھونڈھ ڈھونڈ کر اہل حقوق کو حقوق پہنچاتے ہیں۔

آج کل بڑے بڑے دینداروں کی یہ کیفیت ہے کہ نمازیں بہت پڑھیں گے حتیٰ کہ نوافل اور تسبیح وذکر و شغل کے پابند لیکن حقوق کے ادا کرنے میں تساہل حتیٰ کہ بعض علماء کا یہ حال ہے کہ کسی مردہ کے ورثاء اس کا مال ان کے مدرسہ یا مسجد میں لا دیں گے تو بے تکلف لے لیتے ہیں نہ اس کی تحقیق کرتے ہیں کہ اس شخص کے کتنے وارث ہیں اور سب کی رضامندی ہے یا نہیں کوئی ان میں نابالغ تو نہیں ہے اس بلا میں باستثناء خاص خاص بندوں کے سب ہی جتلا ہیں خصوصی مدارس میں تو اس چندہ کا قصہ بڑا نازک ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ ؕ

ترجمہ: کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت کر دیتے ہیں۔

تفسیری نکات

ازالہ غم کی ہدایت

یہ تو ترجمہ ہے مگر اصطلاحی لفظوں میں اس کا حاصل یہی ہے کہ تصحیح عقائد سے ہدایت ہو جاتی ہے کیونکہ ایمان کے یہی معنی ہیں اب رہا یہ کہ اس سے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ تصحیح عقائد سے غم زائل ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں ازالہ غم کا کوئی ذکر نہیں صرف ہدایت کا ذکر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ بیشک صرف ہدایت کا ذکر ہے مگر ہدایت کے لئے مفعول کی ضرورت ہے جو اس جملہ میں مذکور نہیں۔ تو سیاق وسباق میں تامل کر کے مفعول مقدر کرنا چاہئے سو اس سے پہلے ارشاد ہے۔ **ما اصاب من مصيبة الا باذن الله** کہ کوئی مصیبت بدوں اذن خداوندی کے نہیں پہنچتی۔ اس کے بعد ہے۔ **ومن يؤمن بالله يهد قلبه** کہ جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اس کے دل کو ہدایت ہو جاتی ہے۔ یعنی اس مضمون سابق کی کہ وہ مسئلہ قدر ہے اس کو ہدایت ہو جاتی ہے اس طرح سے اس کو مسئلہ تقدیر پر جزم واطمینان حاصل ہو جاتا ہے یا یوں کہو کہ اس کو ازالہ غم کی ہدایت ہو جاتی ہے کیونکہ **ما اصاب من مصيبة الا باذن الله** کا مضمون ہی ایسا ہے جس کے استحضار سے مصیبت وغم زائل ہو جاتا ہے تو مضمون مذکور اور ازالہ غم کی ہدایت گویا دونوں مترادف ہیں اور اس کی بڑی دلیل مشاہدہ ہے۔ جو لوگ اس مضمون پر جازم ومطمئن ہیں ان کی حالت کو دیکھ لیا جائے کہ وہ مصائب و حوادث میں کیسے مستقل وصابر وشاکر رہتے ہیں۔ غرض تصحیح عقیدہ کو ازالہ غم میں بڑا دخل ہے۔

محل مصائب

مگر ازالہ سے مراد تسہیل وتخفیف ہے اور یہی مطلوب ہے۔ زوال کلی مراد نہیں۔ کیونکہ طبعی غم کا زوال مقصود نہیں بلکہ اس کی خفت مطلوب ہے۔ ہاں اس خفت کے لئے لازم یا مثل لازم کے زوال ہے اور مثل لازم اس لئے کہا کہ بعض ضعیف طبائع کو عمر بھر بھی خفیف سا غم یا کلفت رہتی ہے مگر اس کا ازالہ خود مطلوب ہی نہیں کیونکہ اس سے زیادہ اذیت نہیں ہوتی اور تھوڑی بہت کلفت تو کھانے میں بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے خصوص آرام طلب لوگوں کو تو منہ میں لقمہ لے جانا ہی بار گراں ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ تقریر تو اس تقدیر پر تھی کہ یھد قلبہ کے لئے مفعول مقدر کیا جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ مقطوع عن المفعول ہو اور معنی یہ ہوں۔ من یومن باللہ یحصل لہ الھدایۃ ای الوصول الی المطلوب کہ جس شخص کے عقائد صحیح ہوں اس کے دل کو ہدایت ہو جاتی ہے یعنی وہ ان مصائب و حوادث کے حکم و اسرار سے باخبر ہوتا ہے اس لئے اس کی مصیبت مصیبت نہیں رہتی کیونکہ کوئی مصیبت اپنی ذات سے مصیبت نہیں بلکہ محل کے اعتبار سے مصیبت ہے ممکن ہے کہ جو چیز ایک محل میں مصیبت ہو دوسرے محل میں مصیبت نہ ہو چنانچہ قطع جلد تندرست کے لئے مصیبت ہے مگر مریض محتاج اپریشن کے لئے صحت ہے۔ فاقہ تندرست کو مصیبت ہے اور مریض بدہضمی کے لئے راحت و صحت ہے وعلیٰ ہذا۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ
ترجمہ: تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے۔

تفسیری نکات

آلہ امتحان

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ نکاح کے تاکد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ النکاح من سنتی اور نکاح سے اولاد ہونا ظاہر ہے مگر اولاد کے لئے آیت شریفہ ہے انما اموالکم و اولادکم فتنۃ تو پھر سنت پر عمل کر کے فتنہ سے کیونکر بچاؤ ہو سکتا ہے مولانا نے جواب میں فرمایا کہ فتنہ کے معنی آزمائش کے ہیں۔ مضرت کے نہیں۔ پس یہ آلہ ہے امتحان کا جس کا انجام بعض کے لئے یعنی مطیع کے لئے اچھا اور بعض کے لئے یعنی عاصی کے لئے برا۔

مال و اولاد کے فتنہ کا مفہوم

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صوفی ملے اموال کی مذمت اولاد کی مذمت کرنے لگے اور استدلال میں یہ آیت پڑھی انما اموالکم و اولادکم فتنۃ میں نے کہا فتنہ کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے جو آپ کا ہے کہ یہ چیزیں ہر حال میں مضر ہیں۔ دوسرے اس سے پہلے قرآن میں یہ بھی تو ہے ان من ازواجکم و اولادکم عدوالکم فاحذروھم تو بیوی کو علی الاطلاق مذموم کیوں نہیں سمجھتے حسین ہی کیوں تلاش کیجاتی ہے جیسی بھی مل جائے اندھی ہو کانی ہو چڑیل ہو سڑیل چیچک منہ داغ ہو اس پر راضی رہنا چاہیے یہ غیر محقق لوگ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایسی ہی باتیں لئے پھرتے ہیں محقق کا تو یہ مشرب ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں اور ادائے شرعی کے بعد اس سے استغناء و اعراض نہیں کرتے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے اور سنو اور مانو اور خرچ کرو اپنے بھلے کو اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہ لوگ وہی مراد کو پہنچے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

تفسیری نکات

اجر عظیم

اس کے قبل فرمایا تھا واللہ عندہ اجر عظیم اس سے یہ آیت مرتبط ہے اور ضرورت ارتباط یہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں (ف) ہے جس کا ترجمہ ہے پس اور لفظ پس یا لفظ تو ایسے مقام پر آتا ہے کہ مرتبط ہو ماقبل سے اور یہاں ماقبل سے ربط کے لئے تو سب سے سہل جزو واللہ عندہ اجر عظیم ہے۔ یعنی جب اللہ کے یہاں بہت بڑا اجر ہے تو تم کو چاہیئے کہ اس پر نظر کر کے خدا سے ڈرا کرو کیونکہ اس کا اجر عظیم ہونا مقتضی اس کا ہے کہ تم وہ برتاؤ کرو کہ اس اجر کے مستحق ہو جاؤ یعنی استحقاق بسبب وعدہ خداوندی کے نہ اس لئے کہ اس کے ذمہ کسی کا حق واجب ہے اور کیونکہ کسی کا حق ہو سکتا ہے اگر حق ہوتا عمل کے سبب ہوتا اور عمل کی کیفیت یہ ہے کہ وہ محض بظاہر آپ کی طرف منسوب ہے ورنہ حقیقت میں وہ آپ کا عمل ہی نہیں کیونکہ تمام آلات ہاتھ پیر جن سے عمل ہوتا ہے سب اسی کے دیئے ہوئے ہیں۔

تو دادی ہمہ چیز من چیز تست   نیاوردم از خانہ چیزے نخست

اس میں چند صیغے امر کے فرمائے جس سے معلوم ہوا کہ ان میں ہر مامور بہ ضروری ہے۔

فاتقوا اللہ ما استطعتم الخ پس اس میں ایک امر تو یہ ہے کہ خدا سے ڈرو جتنا تم سے ہو سکے دوسرا امر فرمایا ہے کہ سنو اور تیسرا امر ہے اطاعت کرو اور چوتھا یہ ہے کہ خرچ کرو تمہارے لئے بہتر ہو گا اور یہ یا تو اخیر کے ساتھ ہے یا سب کے ساتھ ہے پس یہ چار امر ہیں اور ظاہر میں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوامر سب الگ الگ ہیں تو اگر ایسا ہوتا بھی تو بھی مضائقہ نہیں تھا لیکن واقع میں اس میں ربط بھی ہے اور اس سب مجموعہ سے مقصود

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک ہی چیز ہے جو کہ اصل ہے یعنی اطاعت اور یہ دوسرے اوامر اس کے طرق ہیں۔

تفصیل اطاعت کی یہ ہے کہ اول دیکھا جاوے کہ ہماری ترکیب کتنے اجزاء سے ہے تو انسان میں دو چیزیں ہیں ایک جوارح ایک قلب یا ایک ظاہر اور ایک باطن تو خدا نے اس اطاعت کی تفصیل فرمائی کہ اول اتقوا اللہ فرمایا ہے یہ تو قلب کے متعلق ہے۔

تقویٰ کی حقیقت

سو تقویٰ حقیقت میں یہ نہیں جس کو لوگوں نے تجویز کیا ہے تقویٰ وہ ہے کہ جو حدیث میں ہے الا ان التقویٰ ھھنا و اشار الیٰ صدرہ ہاں ظاہری درستی بھی اس پر مرتب ہوتی ہے تو اصل لغت میں اس کی حقیقت ہے۔ ڈرنا اور شریعت میں ایک مضاف الیہ کی تخصیص ہے کہ خدا سے ڈرنا پس تقویٰ تو افعال قلوب سے ہے تو فاتقوا اللہ میں تو یہ فرمایا کہ قلب کو درست کرو جو کہ قلب کی اطاعت ہے اس کے بعد فرمایا ہے واسمعوا یہ جوارح کا فعل اور اس کی اطاعت ہے بس حاصل یہ ہوا کہ تم ظاہر اور باطن دونوں کو اطاعت میں مشغول کرو۔ یہ ہے اصلاح تو خدا تعالیٰ نے ہم کو دو عملے دیئے ہیں ایک ظاہر ایک باطن تو اطاعت میں سب ہی مقید ہیں چنانچہ خداوند جل جلالہ نے اتقوا کے ساتھ اسمعوا فرمادیا کہ دونوں ہی درست ہوں اور اسی میں مقائسہ کے طور پر سارے جوارح لے لئے کیونکہ جارحہ سمع و دیگر جوارح میں کوئی وجہ فرق کی نہیں پھر اس کے بعد اطیعوا فرمادیا کہ کوئی کسی خاص عمل کی تخصیص نہ سمجھ جاوے اور اطیعوا میں ایک بات ہے طالب علموں کے سمجھنے کی وہ یہ کہ اطاعت مشتق طوع سے ہے اور طوع کہتے ہیں رغبت کو تو ترجمہ اس کا یہ ہے کہ خوشی سے کہنا مانو اور خوشی قلب میں ہوتی ہے اور کہنا ماننا جوارح کو بھی عام ہے پس اس میں بھی جمع بین الظاہر والباطن ہو گیا۔

اطاعت کی اقسام

آگے ارشاد ہے انفقوا خیرا لانفسکم اس میں دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ طاعات دو قسم کی ہیں ایک مالی ایک بدنی۔

ہر چند کہ اطیعوا میں سب آ گئے ہیں لیکن چونکہ حرص ہم میں غالب ہے تو خدا تعالیٰ نے اتقوا سے پرہیز بتلایا ہے کہ یہ پرہیز کرو۔

اکثر طبائع میں یہ حب غیر برنگ حب مال زیادہ ظاہر ہوا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے ایک لطیف طریقہ بتلایا ہے اس کے نکلنے کا کہ خرچ کیا کرو واللہ العظیم کوئی بتلا نہیں سکتا کیا خبر ہو سکتی ہے کسی کو معانی کے خواص کی صاحبو! حکماء صرف خواص اجسام کو دریافت کر سکے مگر انبیاء علیہم السلام نے خدا کے بتلانے سے معانی کے خواص

(c) ketabton.com: The Digital Library

کو بتلایا ہے مثلاً حب مال کے خاصہ کو دیکھ کر اس کا علاج بتلایا ہے کہ خرچ کیا کرو اور علاج بھی کیسا آسان کہ جس میں نہ محنت ہو نہ مشقت ہر شخص کر سکے۔

محققین کے یہاں ہر شخص کو اس کی حالت کے موافق تعلیم دی جاتی ہے قوی کو اس کے موافق ضعیف کو اس کے موافق جب اس میں اس قدر سہولت ہے تو یہ دولت اصلاح باطن ہر شخص کو حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ حب دنیا کو نکالنے کے لئے ظاہراً کسی مشکل پیش آئی تھی مگر خدا تعالیٰ نے اس کا بھی کیسا آسان طریقہ بتلا دیا کہ خرچ کیا کرو تو اب کیسی جامع تعلیم ہوگئی کہ مرض بتلایا دوا بتلائی پرہیز بتلا دیا اس لئے ان کو اس جگہ جمع کر دیا گیا اور ہر ایک میں مناسب مناسب اور مفید رعایتیں فرمائیں میں ہر ایک کو مفصل ذکر کرتا مگر وقت گزر گیا ہے اور مجملاً ذکر بھی ہوگیا ہے اس لئے میں سب کا قدرے قدرے بیان کرتا ہوں پس اتقوا اللہ میں یہ قید لگائی کہ ما استطعتم جس سے معلوم ہوا کہ ہم کو اسی قدر کا مکلف کیا گیا ہے کہ جس قدر طاقت ہو اگر اس پر کوئی کہنے لگے کہ ہم کو تو صرف ایک ہی وقت کی نماز کی طاقت ہے تو جواب یہ ہے کہ تم نے صرف اسی کو دیکھا ہے دوسرے مقام کو نہیں دیکھا کہ حق تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز کا مکلف فرمایا اور پھر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا اس سے صاف معلوم ہوا کہ جتنے کا مکلف فرمایا ہے اس کی طاقت ضرور ہے پس اب جو یہاں فرمایا استطعتم تو مطلب یہ ہوا کہ جتنا تم کو بتلایا سب کرو اور یہ عنوان دل بڑھانے کے لئے فرما دیا جیسے کوئی نوکر سے کہے کہ تم سے یہ کام تو جو ہو سکتا ہے وہ تو کرو تو گویا تصریحاً متنبہ کیا کہ تم سے تو ہو سکتا ہے تو یہ شبہ تو دفع ہوگیا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح (خلوص کے ساتھ) قرض دو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا قدردان ہے (کہ عمل صالح کو قبول فرماتا ہے) اور بڑا بردبار ہے۔ پوشیدہ اور ظاہر (اعمال) کو جاننے والا اور زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

تفسیری نکات

یضاعف کا مفہوم

یضاعف سے شاید آپ نے دونا سمجھا ہوگا یہ نہیں بلکہ مضاعف کے معنی مطلق بڑھانے کے ہیں خواہ دونا ہو یا اس سے بھی زیادہ اس جگہ دونے سے زیادہ کو بھی یہ لفظ شامل ہے کیونکہ دوسری آیت میں اس کی مثال اس طرح بیان فرمائی ہے۔ مثل الذين ينفقون اموالهم فی سبيل الله كمثل حبة انبتت سبع سنابل فی كل سنبلة مائة حبة والله يضاعف لمن يشاء والله واسع عليم جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی ایسی مثال ہے جیسے کہ ایک دانہ سے سات خوشہ پیدا ہوں اور ہر خوشہ میں سو سو دانہ ہوں تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک چیز دینے سے سات سو حصے اس کے آخرت میں ملیں گے اس کے بعد ارشاد ہے والله يضاعف لمن يشاء کہ حق تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس سے بھی زیادہ دیتے ہیں حدیث میں اس کی زیادہ توضیح ہے کہ اگر ایک چھوارہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے تو حق تعالیٰ شانہ اس کو پرورش فرماتے ہیں اور بڑھاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ احد پہاڑ کے برابر کر کے اس شخص کو دیں گے اس حدیث کو ہم لوگ پڑھتے ہیں مگر غور نہیں کرتے غور کر کے دیکھئے اگر احد پہاڑ کے تم ٹکڑے کرنے لگو چھوارہ کے برابر تو وہ ٹکڑے کس قدر ہوں گے اور خصوصاً اگر ٹکڑے چھوارہ کی جسامت کے برابر نہ کئے جاویں بلکہ چھوارہ کے وزن کے برابر لئے جاویں تو احد پہاڑ چونکہ پتھر ہے اس کا ذرا سا ٹکڑا وزن میں چھوارہ کے برابر ہو جائے گا تو اس صورت میں تو اور بھی زیادہ ٹکڑے ہوں گے تو اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ تضاعف سات سو یا سات سو کے مضاعف تک محدود نہیں اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اکثر ایسے موقع میں مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مثال سے سمجھ لو اور حقیقت میں وہ ثواب اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے تو احد کے ٹکڑوں کے ساتھ بھی ثواب محدود نہیں تو دیکھئے یہ حساب کہاں تک پہنچتا ہے اسی کو فرماتے ہیں مولانا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

خود کہ باید ایں چنیں بازار را   کہ بیک گل میخری گلزار را

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد   انچہ درو ہمت نیاید آں دہد

حضرت یہ تو مال بھی اور جان بھی سب انہی کی ہے وہ مفت مانگیں تب بھی سب قربان کر دینا چاہئے تھا چہ جائیکہ اس قدر ثواب کا وعدہ بھی ہے۔

ہمچو اسمٰعیل پیشش سربنہ   شاد و خنداں پیش تیغش جاں بدہ

ہرکہ جاں بخشد اگر رواست   نائب ست و دست او دست خداست

شکور حلیم کا مفہوم

واللہ شکور حلیم اگر تم حق تعالیٰ کو قرض حسن دو گے تو تمہاری مغفرت کر دیں گے اور اس کو مضاعف کر دیں گے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ قدر دان ہیں (قدر دانی تو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا قدر دانی ہوگی اس کی تفصیل ابھی بیان ہو چکی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں حلیم کے وہ بردبار بھی ہیں یہ صفت اس لئے بیان فرمائی کہ طاعات میں جو کوتاہی ہو جاتی ہے اس پر نظر نہیں فرماتے بوجہ حلیم ہونے کے دوسرے یہ کہ بعض لوگ ایسے بھی تو ہیں جو طاعات کرتے ہی نہیں بلکہ معاصی میں مبتلا ہیں تو اہل طاعات کی قدر فرماتے ہیں اور اہل معاصی سے حلم اور بردباری فرماتے ہیں کہ ان کو جلدی سزا نہیں ملتی تو حلیم بڑھا کر اہل معاصی کو متنبہ کر دیا کہ سزا نہ ملنے سے یہ نہ سمجھیں کہ وہ مستحق سزا نہیں بلکہ بوجہ حلم کے ان کو جلدی سزا نہیں ملتی پھر کسی وقت یعنی آخرت میں سزا دیں گے اور کبھی تھوڑی سی سزا دنیا میں بھی دیدیتے ہیں اور ایک نکتہ اسی وقت سمجھ میں آیا ہے بہت عجیب بات ہے وہ یہ کہ شکور حلیم کو طاعات و معاصی دونوں کے اعتبار سے نہ مانا جائے بلکہ صرف ایک ہی امر کے متعلق مانا جائے یعنی طاعات ہی کے متعلق دونوں صفتوں کو قرار دیا جائے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ شانہ تمہاری طاعات کو بوجہ قدر دانی اور حلم کے قبول کر لیتے ہیں کیونکہ ہماری طاعات کے دو پہلو ہیں ایک تو یہ کہ وہ ہماری طاعت ہے اور ہم ناقص ہیں تو اس لحاظ سے اس کو گستاخی کہا جائے تو عجب نہیں اور میں اس کو ایک مثال سے عرض کرتا ہوں آپ کو بعض نوکر ایسے نالائق ملے ہوں گے کہ وہ موافق آپ کی طبیعت کے کام نہیں کرتے ہوں گے اس لئے کہ ان کو سلیقہ اور تمیز نہیں اگر پنکھا جھلتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابھی سر میں مار دے گا ہر دفعہ آپ اپنے سر کو بچاتے ہیں تو اب دو موقعے پیش آتے ہیں ایک تو یہ کہ آپ اس کو ڈانٹ دیں اس وقت تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ میری خدمت سے راحت نہیں پہنچی بلکہ تکلیف ہوئی ایک موقع یہ ہے کہ آپ اپنے حلم سے خاموش رہیں اس وقت وہ سمجھتا ہے کہ میں نے میاں کو ایک گھنٹہ کھڑے ہو کر پنکھا جھلا تو میں مستحق جزا و انعام کا ہوں حالانکہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ نہیں سمجھتا کہ اس گھنٹہ بھر تک میاں کو ستایا اس سے تو خالی ہی بیٹھا رہتا تو اچھا تھا اس کی خدمت گستاخی کا حکم رکھتی تھی ایسی ہی ہماری عبادت ہے کہ وہ مواقع میں عبادت اور طاعت کہنے کے لائق نہیں۔

طاعات کے دو پہلو

کہ ہماری طاعات میں دو پہلو تھے ایک کے اعتبار سے شکور فرمایا گیا اور دوسرے کے اعتبار سے حلیم فرمایا گیا۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں عالم الغیب والشھادۃ یعنی حق تعالیٰ جاننے والے ہیں پوشیدہ اور ظاہر کے یہ اس لئے فرمایا گیا تا کہ لوگ خلوص سے اللہ کی راہ میں مال خرچ کریں کیونکہ دارومدار ثواب کا خلوص پر ہے اور خدا تعالیٰ کو دلوں کی باتوں کا علم پورا پورا ہے اس کے سامنے کوئی حیلہ بہانہ چل نہیں سکتا۔

اس کے بعد ارشاد ہے العزیز الحکیم یعنی حق تعالیٰ شانہ غالب ہیں صاحب حکمت ہیں یہ اس لئے فرمایا کہ اجر دینے کا جو پہلے وعدہ فرمایا تھا اس پر شاید کسی کو یہ شک ہوتا کہ معلوم نہیں دیں گے بھی یا نہیں تو فرماتے ہیں کہ خدا ہر شے پر غالب ہے۔ ان کو ایفاء وعدہ سے کوئی امر مانع نہیں اس کا وعدہ خلاف نہیں ہو سکتا اس پر پھر کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ جب غالب ہیں ابھی کیوں نہیں دیدیتے دیر کس لئے کی جاتی ہے اس شبہ کو حکیم سے قطع فرمادیا کہ وہ صاحب حکمت ہیں ان کا ہر کام حکمت سے ہوتا ہے اس دیر میں بھی حکمت ہے۔

اولاد کا فتنہ مال سے سخت ہے

کیوں کہ اولاد کا فتنہ زیادہ سخت ہے اس لئے یہاں اس کو مکرر ارشاد فرمایا اور نیز اس لئے کہ اموال کے ساتھ محبت کا ایک منشاء اولاد کی محبت بھی ہے۔ اس لئے بھی اولاد کو مکرر ذکر فرمایا اور مال کی محبت کے بھی دو درجے ہیں ایک تو بضرورت حدود شرعیہ کے اندر یہ مذموم اور مانع نہیں اور ایک وہ محبت جس کے غلبہ میں حقوق شرعی فوت ہوتے ہیں چنانچہ آج کل یہ بلا بھی عام ہے جو کہ حب مال کا شعبہ ہے وہ یہ کہ حقوق العباد میں بہت کوتاہی کرتے ہیں۔

تقویٰ

اور وہ کل تین چیزیں ہوئیں ایک مصیبت اور نعمت کے افراد میں سے ایک اولاد و ازواج دوسرا مال اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مانعیت ان کی بوجہ افراط محبت و تاثر کے ہے اب اس مقام پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ محبت اور تاثر تو قلب میں ہوتا ہے اور وہ اختیار میں نہیں ہے یہ تو سخت مصیبت ہوئی تو آگے اس کا جواب ارشاد ہے فاتقوا اللہ ما استطعتم مطلب یہ ہے کہ تم کو یہ کون کہتا ہے کہ تم آج ہی جنید جیسے ہو جاؤ میاں جس قدر تم سے ہو سکے تقویٰ کرتے رہو رفتہ رفتہ مطلوب تک پہنچ جاؤ گے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت فاتقوا اللہ حق

(c) ketabton.com: The Digital Library

تقاته کی ناسخ ہے لیکن میرے تفسیر کر دینے سے معلوم ہوا ہوگا کہ فاتقوا الله حق تقاته کو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب آیت فاتقوا الله حق تقاته نازل ہوئی تو صحابہ یہ سمجھے کہ امر کا صیغہ اس میں فور کے واسطے ہے اسی وقت اللہ سے ایسا درجہ تقویٰ حاصل کرلو جو حق ہے اس کا اور قاعدہ تو یہی ہے کہ امر فور کے لئے نہیں ہوتا لیکن گاہ گاہ قرائن سے فور بھی محتمل ہوتا ہے پس صحابہؓ اس احتمال سے کانپ اٹھے اس لئے جو حق ہے تقویٰ کا وہ فوراً کیسے حاصل ہو سکتا ہے تو اس کے بعد یہ آیت فاتقوا الله ما استطعتم بطور اس کی تفسیر کے نازل ہوئی مطلب یہ ہوا کہ حق تقاتہ درجہ منتہی کا ہے اور اس مامور بہ کا حاصل کرنا علی الفور واجب نہیں ہے بلکہ بقدر استطاعت تقویٰ اختیار کرو اور بتدریج اس میں جتنی جتنی ہو سکے ترقی کرتے رہو حتیٰ کہ جو تقویٰ مطلوب ہے اس پر جا پہنچو گے پس اس تقریر پر ان دونوں آیتوں میں نسخ اصطلاحی نہیں ہوا اور بعض روایات میں جو یہاں نسخ کا لفظ آیا ہے وہ بالمعنی المصطلح نہیں بلکہ بالمعنی الاعم ہے جو تفسیر مبہم کو بھی شامل ہے اب یہاں پر یہ خلجان ہوا کہ تقویٰ کا سلسلہ ایسا دراز ہے کہ اس کے علوم موقوف علیہا اور اعمال موتی بہا کا احاطہ حاصل نہیں تو عمل کی کیا صورت ہو آگے اس کا دفعیہ فرماتے ہیں واسمعوا واطیعوا یعنی تم اپنا دستور العمل یہ بنالو کہ سنو اور مانو اور اپنی طبیعت کو پریشان نہ کرو جب کوئی بات سنی فوراً اس پر عمل شروع کر دو گو اس وقت احاطہ نہ ہوا لبتہ یہ نہ کرو کہ سن کر غفلت اور عمل میں کوتاہی کرو۔

پس واسمعوا واطیعوا میں ایک اعلیٰ درجہ کا دستور العمل بتلا دیا گیا اور چونکہ مال انسان کو بالطبع محبوب ہے اور نیز انسان کے اندر بخل بھی طبعی سا ہے اس لئے تقویٰ کے افراد میں سے تعمیم بعد تخصیص کے طور پر اہتمام شان کے لئے اس کو مستقل طور سے بھی ارشاد فرماتے ہیں۔ وانفقوا خیرا لانفسکم یعنی اپنے نفسوں کے لئے مال خرچ کرو اور لانفسکم اس لئے فرمایا کہ شاید تم یہ سمجھنے لگو کہ اس کا نفع حق تعالیٰ کا ہوگا سو یاد رکھو کہ اس انفاق کا نفع تمہاری ہی طرف عائد ہوگا ہم تو غنی بالذات ہیں اور چونکہ جملہ کلام سابق یعنی اسمعوا واطیعوا سے بعضے کوتاہ بیں ممکن ہے کہ یہ سمجھیں کہ صرف ظاہر احکام پر عمل کر لینے سے بس مقصود حاصل ہو جائے گا۔

تزکیۂ نفس

اس لئے آگے ان اعمال ظاہرہ کی روح کی تعیین فرماتے ہیں ارشاد ہے ومن یوق شح نفسه فاولئک هم المفلحون مطلب یہ ہے کہ صرف اعمال ظاہرہ کی صورت پر مت رہو بلکہ روح کو بھی حاصل کرو اور اس کو ہم ایک مختصر عنوان میں بیان کرتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص نفس کی حرص سے بچالیا جائے تو یہ لوگ ہیں کامیاب یعنی جب نفس کے اندر اس قدر سماحت پیدا ہو جائے کہ غیر اللہ کا تعلق اس میں نہ رہے اور غیر پر نہ گرے تو جانو کہ فلاح حاصل ہوگئی اور یہ روح عادت الہیہ میں حاصل ہوتی ہے۔ اہل اللہ کی خدمت وصحبت سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور یوق بصیغہ مجہول فرمایا ہے یہ نہیں فرمایا ومن یوق شح نفسہ (جو شخص اپنے کو بچائے حرص سے) اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ وقایۂ (نگہداشت) تمہارا کام نہیں ہے بلکہ بچانے والے ہم ہیں یعنی اپنے پر ناز نہ کرنا ہم ہی ہیں جو مقصود پر پہنچا دیتے ہیں جس کا ظاہری واسطہ اہل اللہ ہیں اس سے دوام مجاہدہ کی حد بھی بیان فرما دی کہ جب تک نفس کے اندر حصر اور شح باقی رہے اس وقت تک مجاہدہ نہ چھوڑو اور چونکہ نفس کے اندر حرص اور شح جبلی ہے کہ کسی طرح قابل زوال نہیں اس لئے مجاہدہ بھی مدۃ العمر ہی ضروری ہوا البتہ بعد چندے اس میں زیادہ مشقت نہیں رہتی اور چونکہ ومن یوق شح نفسہ الخ اس کی تمام حرصیں جو غیر اللہ کے متعلق ہیں چھڑانا مقصود ہے اور یہ جب تک کہ نفس کو اس سے بڑی چیز کی حرص نہ دلائی جائے یہ نکل نہیں سکتی جیسے کسی کے پاس پیسہ ہو تو اس کو جب تک روپیہ یا گنی کا لالچ نہ دیا جائے اس کو چھوڑ نہیں سکتا اس لئے آگے ثمرہ اعمال کی خیر کی حرص دلاتے ہیں۔

حرص کی قسمیں

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلق حرص مذموم نہیں بلکہ حرص کی دو قسمیں ہیں غیر اللہ کی حرص تو مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کی حرص محمود ہے چنانچہ ارشاد ہے ان تقرضوا اللہ قرضا حسنا یضاعفہ لکم یعنی ہم جو تم سے تمہارے اموال اور اولاد اور ازواج سے تمہاری جان چھڑانے (یعنی قلب سے نکالنے) کے لئے آیات سابقہ میں ارشاد کر آئے ہیں اس سے ڈرومت کہ ہم تو بالکل ہی مفلس ہو جائیں گے تم یہ سب چیزیں ہم کو قرض دے رہے ہو سو اگر تم اچھا قرض دو گے یعنی خالص بلا ریاء کے یعنی ان کی حب مفرط کو چھوڑ دو گے اور جس کیلئے انفاق بھی لازم ہے جان کا بھی مال کا بھی تو ہم اس کو بڑھا دیں گے مولانا اسی مضمون کو فرماتے ہیں۔

خود کہ باید ایں چنیں بازار را　　کہ بیک گل می خری گلزار را

نیم جان بستاند و صد جان دہد　　آنچہ در و ہمت نیاید آن دہد

اور دوسرے مقام پر اضعافا کثیرہ ہے یعنی بہت حصے بڑھا دیں گے جس کی کوئی انتہا نہیں اور بعض روایتوں میں جو سات سو تک مضاعفت آئی ہے اس سے مراد تحدید نہیں بلکہ تکثیر ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الطَّلَاق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

ترجمہ: اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جب تم لوگ اپنی عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو (زمانہ) عدت (یعنی حیض سے پہلے یعنی طہر میں) طلاق دو اور تم عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے ان عورتوں کو ان کے رہنے کے گھروں سے مت نکالو کیونکہ سکنی مطلقہ کا مثل منکوحہ کے واجب ہے اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے اور یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا تجھ کو خبر نہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ بعد طلاق دینے کے تیرے دل میں نئی بات پیدا کر دے۔

تفسیری نکات

حق سبحانہ وتعالیٰ کی غایت رحمت

لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا میں ایک حکمت کی طرف اشارہ ہے گو حق تعالیٰ کے ذمہ حکمتیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

بیان کرنا نہیں ہے لیکن ان کی رحمت نہایت درجہ ہے وہ چاہتے ہیں کہ سامعین کی اصلاح ہو ہی جائے کیونکہ بعضے ایسے بھی ہیں جو بدوں حکمت کے دل سے احکام کو نہ مانیں گے اس لئے کہیں انہوں نے احکام کی حکمت بھی بیان کردی ہے مگر بعض جگہ نہیں بھی کی تا کہ سامعین کو حکمت معلوم کرنے کی عادت نہ ہو جاوے اور کسی جگہ حکمت غامض ہوتی ہے جس کو ہر شخص نہ سمجھ سکے گا اور عادت پڑگئی ہے حکمت معلوم کرنے کی تو وہ عمل بھی نہ کرے گا اور گنہگار ہو گا اس لئے خداتعالیٰ نے نہ تو ہر جگہ حکمت بیان کی نہ یہ کہ کہیں بھی ذکر نہ ہو۔

طلاق کی ایک حد

اب پوری آیت کی تفسیر سنئے اس سے اس حکمت کی حقیقت واضح ہو گی حق تعالیٰ فرماتے ہیں **یایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن** اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو عدت سے پہلے طلاق دو یہاں سب کے نزدیک حسب روایت **لعدتھن** کے معنی **فی قبل عدتھن** (ان کی عدت سے پہلے) ہیں پھر قبل کے معنے میں حنفیہ وشافعیہ کا اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک عدت حیض سے شمار ہوتی ہے تو ان کے نزدیک قبل کے معنے استقبال وآمد کے ہیں مطلب یہ ہوا کہ حیض آنے سے پہلے یعنی طہر میں طلاق دو اور شافعیہ کے نزدیک عدت طہر سے ہے ان کے نزدیک قبل کے معنی ابتداء کے ہیں یعنی زمانہ عدت کے شروع میں طلاق دو اس کا حاصل بھی وہی ہوا کہ طلاق طہر میں ہونی چاہیے لیکن جس طہر میں طلاق دی جائے گی حنفیہ کے نزدیک وہ عدت میں شمار نہ ہو گا بلکہ عدت حیض سے شمار ہو گی اور کے نزدیک وہ طہر بھی عدت میں شمار ہو گا کتب اصول میں فریقین کے دلائل مذکور ہیں اس وقت میں ان کو بیان کرنا نہیں چاہتا آگے فرماتے ہیں **واحصوا العدة** یعنی طلاق دینے کے بعد تم عدت کو یاد رکھو **واتقوا اللہ ربکم** اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے یعنی طلاق کے متعلق جو خدا کے احکام ہیں ان کے خلاف نہ کرو مثلاً یہ کہ حدیث میں تین طلاق دفعۃً دینے کی ممانعت ہے تو ایسا نہ کرو اور حیض میں طلاق مت دو وغیرہ وغیرہ

اور ایک حکم آگے مذکور ہے **لاتخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشة مبینة** یعنی عدت میں ان مطلقہ عورتوں کو ان کے رہنے کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے مثلاً بدکاری یا سرقہ کی مرتکب ہوں اس صورت میں سزا کے لئے گھر سے نکالی جاویں یا بقول بعض علماء کے وہ زبان درازی اور ہر وقت کا رنج وتکرار رکھتی ہوں تو ان کو نکال دینا اور باپ کے گھر بھیج دینا جائز ہے۔ **تلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ** یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے حدود ہیں جو شخص حدود خداوندی سے تجاوز کرے گا (مثلاً تین طلاق دفعۃً دیدیں یا طلاق

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے بعد عورت کو گھر سے نکال دیا) تو اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا (یعنی گنہگار ہوا آگے طلاق دینے والے کو ترغیب دیتے ہیں کہ طلاق میں رجعی بہتر ہے طلاق مغلظہ نہ دینی چاہیے فرماتے ہیں لاتدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا اے طلاق دینے والے تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ اس طلاق کے بعد کوئی نئی بات تیرے دل میں پیدا کردیں مثلاً طلاق پر ندامت ہو تو رجعی طلاق میں اس کا تدارک ہوسکے گا۔

مفسرین نے لاتدری الخ کی توجیہ میں اختلاف کیا ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ ایک طلاق دینی چاہیے تین نہ دینی چاہئیں۔ اور ایک توجیہ یہ ہے کہ تین دفعۃً مت دو۔ اگر تین ہی دینی ہوں تو ایک طہر میں ایک طلاق پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق متفرقاً دینی چاہئیں مجھے سب توجیہوں کا بیان کرنا مقصود نہیں صرف یہ بتلاتا ہے کہ اس جگہ طلاق کی حد مذکور ہے کہ ایک وقت میں ایک دینی چاہئے ایک دم سے تین نہ دینی چاہئیں اور اس کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ تم کو کیا معلوم ہے کہ اس کے بعد تمہارے دل میں کیا بات پیدا ہو تو ایک طلاق دینے میں یا تین متفرقاً دینے میں مصالح ومنافع کی رعایت ہے اور تین دفعۃً دینے میں معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے پھر اگر ندامت ہو تو سوائے حسرت کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ (حرمات الحدود ص ۶۸-۶۹)

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝
ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ نکال دیتے ہیں

تفسیری نکات

حقیقت اسباب رزق

مگر اس کے یہ معنی نہ سمجھنا کہ نوکری کی ضرورت نہ رہے گی زراعت وتجارت کی ضرورت نہ رہے گی۔ اس کے معنی ایک مثال سے واضح ہو جائیں گے زراعت وتجارت ملازمت کی مثال زنبیل گدائی کی سی ہے۔ حق تعالیٰ کا معاملہ اکثر یہ ہے کہ جو شخص جو زنبیل پھیلاتا ہے حق تعالیٰ اسی میں عطا کرتے ہیں۔ ہاں بعض کو بے زنبیل لائے بھی دیتے ہیں دیکھو دنیا میں بھی دینے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کھانا دے دیا مگر شرط یہ کہ اپنا برتن لاؤ ایک یہ کہ کھانا مع برتن دے دیا پس جس طرح زنبیل لانے پر کھانا ملنے میں معطی (عطا کرنے والا ۱۲) سب اس جواد ہی کو سمجھتے ہیں زنبیل کو کوئی موثر نہیں سمجھتا چنانچہ اس صورت میں اگر کوئی زنبیل سے کھانا نکال کر کہنے لگے کہ یہ تو خود بخود میرے برتن میں سے نکلا کسی نے اس میں ڈالا نہیں تو یہ اس کی حماقت ہے اور اسے کہا

جائے گا ارے بیوقوف برتن میں کیا تھا وہ تو محض ظرف ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے بھی کسی مصلحت سے قانون مقرر کردیا ہے کہ اپنا برتن لاؤ اور لے جاؤ تو یہ تجارت وملازمت وزراعت برتن ہیں اب اگر کوئی کہنے لگے کہ خدا نے نہیں دیا وہ تو میری ملازمت یا تجارت یا زراعت سے پیدا ہوا تو جس طرح وہ بیوقوف ہے یہ بھی احمق ہے اور یہ تو قارون کا مذہب ہے اور اس نے اپنے مال کو کہا تھا کہ خدا نے نہیں دیا بلکہ انمآ اوتیتہ علی علم عندی میرے پاس ایک ہنر ہے اس کی بدولت مجھے یہ حاصل ہوا بعضوں نے ہنر کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ کیمیا گر تھا بعضوں نے کہا ہے کہ بہت بڑا تاجر تھا بہرحال اپنے مال کو ہنر کی طرف منسوب کرتا تھا تو یہ قارون کا مذہب ہے کہ علت حقیقیہ رزق کی نوکری یا زراعت یا تجارت کو قرار دے خوب سمجھ لو کہ یہ کاسہ گدائی ہیں خدا کی عادت غالبہ یہ ہے کہ برتن لاؤ تو دیں گے تجارت کرو یا نوکری یا زراعت وہی دیتے ہیں اسباب تو نظر آتے ہیں اور وہ مسبب نظر نہیں آتا۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝

ترجمہ: خدا تعالیٰ نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ بھیجا اور وہ نصیحت نامہ دے کر ایک ایسا رسول بھیجا جو تم کو اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ کر سناتے ہیں تا کہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں (کفر وجہل) کی تاریکیوں سے (ایمان وعلم وعمل) کے نور کی طرف لے آئیں (اور آگے ایمان وطاعت پر وعدہ ہے کہ) جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور اچھے عمل کرے گا خدا اس کو جنت کے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت اچھی روزی دی۔

تفسیری نکات

ذکر کی توجیہ

قدانزل اللہ الیکم ذکرا اس کی توجیہ میں اختلاف ہے ایک توجیہ تو یہ ہے کہ ذکر کی تفسیر قرآن مجید

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے کی جائے اور رسولاً ذکراً کا بدل الاشتمال ہے اور ایک توجیہ ہے کہ ذکراً کے معنی ہیں شرفاً کے اور رسولاً اس سے بدل الکل ہو مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ نے ایک شرف نازل کیا۔

شرف کا لفظ عظمت کو ظاہر کر رہا ہے۔ وہ کون ہیں رسول ہیں انزل بھی آپ کے شرف پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ انزال اوپر سے نیچے آنے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تھی تو اونچی رکھنے کی چیز بوجہ شرف کے مگر تمہاری خاطر سے نیچے بھیج دیا ہے اس صورت میں آپ کا شرف در شرف ظاہر ہو گیا۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ دوسرے موقع پر قرآن شریف میں ہے و انزلنا الحدید کہ ہم نے لوہے کو نازل کیا حالانکہ وہاں اوپر سے نیچے آنا نہیں پایا جاتا کیونکہ لوہا آسمان سے تو نازل نہیں ہوتا وہ تو زمین میں سے نکلتا ہے اس لئے انزال کے معنی اوپر سے نیچے آنے کے کہاں ہوئے۔

جواب یہ ہے کہ وہاں مجاز ہے تعذر حقیقت کے سبب سے ہے اور قد انزل اللہ الیکم ذکرا میں تعذر نہیں۔ اس لئے حقیقت مراد ہے۔ دوسرے کسی نے اس کے بھی توجیہ کی ہے کہ حضرت آدم کے ساتھ کئی چیزیں آئی تھیں۔ ہتھوڑا تھا اور وہ اوپر ہی سے آئی تھیں۔ تیسری توجیہ یہ کہ حدید نکلتا ہے زمین سے اور سب اس کا بخارات ہیں جو پانی سے پیدا ہوتے ہیں اور پانی اوپر سے آتا ہے اور زمین میں نفوذ کرتا ہے۔ سو اس طرح وہاں بھی معنے حقیقی ہی ہیں۔ غرض حقیقی معنے انزال کے اوپر سے آنے کے ہیں اور انزال کا کلمہ بارش کے لئے بھی آیا ہے سو آپ کے لئے اس کا استعمال ہونا یہ اشارہ اس طرف بھی ہے کہ آپ کی شان بارش کی سی ہے کہ وہ بھی رحمت ہے اور آپ بھی رحمت۔ چنانچہ حدیث میں ہے انا رحمۃ مھداۃ یعنی میں خدا کی رحمت ہوں جو بندوں کے لئے خدا کے پاس سے تحفہ کر کے آیا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاصیت بارش کی سی ہے چنانچہ بارش سے حیات ہوتی ہے ارض کی اور آپ سے حیات ہوتی ہے قلب کی۔

ایک شعر حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب نے ایسے موقع پر پڑھا تھا کہ کسی نے آپ سے مسئلہ مولد کے متعلق پوچھا تھا آپ نے فرمایا لو ہم مولد پڑھتے ہیں اور یہ شعر پڑھا۔

ترہوئی باراں سے سوکھی زمین   یعنی آئے رحمت للعالمین

اس شعر سے میرے اس مضمون کو اور قوت ہو گئی۔ غرض ذکرا میں آپ کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ رسولا میں متابعت کی طرف کیونکہ ایک مدار متابعت کا رسالت ہے اور آمنوا میں محبت کی طرف کیونکہ ایک آیت ہے۔ والذین آمنوا اشد حبالله اور حب اللہ اور حب الرسول میں تلازم ہے تو جس طرح ایمان کے لئے اللہ کی شدت محبت لازم ہے اسی طرح رسول کی شدت محبت بھی لازم ہے آگے ہے مبینات یعنی خود ظاہر بھی اور

ظاہر کرنے والی بھی۔ آگے ارشاد ہے لیخرج الذین الخ لیخرج میں لام غایت کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیوں بھیجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے برکات حاصل کریں۔

یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ موصوف ہوگا وہ تو خود ہی خارج من الظلمات الی النور ہوگا۔ پھر ان کے خارج ہونے کے کیا معنی؟

سو مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ظلمت سے نور کی طرف خارج ہوئے ہیں وہ ایمان اور اعمال صالحہ کر کے ہوئے ہیں یعنی یہ برکت ایمان اور اعمال صالحہ ہی کی ہے کہ وہ تاریکی سے نور کی طرف لے آئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے پورے حقوق ادا کرنے چاہئیں یعنی ذکر بھی کریں محبت بھی کریں۔ متابعت بھی ادب و تعظیم بھی آگے آیت میں خاصیت ایمان اور اعمال صالحہ کی بیان فرماتے ہیں۔ ومن یومن باللہ الخ مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ کر کے کیا ملے گا۔ بشارت دیتے ہیں کہ یہ ملے گا۔ یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ابدا قد احسن اللہ لہ رزقا۔

یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کا یہ ثمرہ ہے کہ حق تعالیٰ ایسی جنات میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور خالدین فیھا ابدا کہ وہ نعمتیں بلا حساب اور بلا انقطاع ہوں گی۔ یہی دو صورتیں کمال نعمت کی ہوتی ہیں کہ نفیس اور عمدہ بھی ہو اور بلا انقطاع بھی ہو کہ مزیت کما ہے سو یہ جنت میں حاصل ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کے جملہ حقوق ادا کر کے جنت کی نعمتیں حاصل کریں اور اگر حقوق ادا نہ کئے برائے نام تھوڑی سی تعریف کر لی یا محفل منعقد کر لی اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ مثلاً طبیب کی تعریف سے کیا فائدہ جب تک اس سے نسخہ لکھا کر اس کا استعمال نہ کیا جائے اور اس کے کہنے پر عمل نہ کیا جائے اور یہ حقوق آپ کے دائمی ہیں۔ تو آپ ایسی بارش کے مشابہ نہیں جو کسی خاص موسم میں ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بارش ہیں کہ جس سے ہمیشہ بہار ہی بہار ہے کبھی خزاں ہی نہیں۔ یہ نہیں کہ ربیع الاول میں تو بہار ہو اور مہینوں میں نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہار جو حیات میں تھی وہ اب بھی بحالہ ہے۔ اب میں اس مضمون کے مناسب اس شعر پر اپنے وعظ کو ختم کرتا ہوں۔

ہنوز آں ابر رحمت در فشاں ست   خم و خم خانہ بامہر و نشان ست

محروم ہے وہ شخص جو ایسے نبی کی برکات حاصل نہ کرے دعا کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نصیب ہو متابعت کی توفیق ہو اور آپ کی عظمت ہو قلب میں۔ (الربیع فی الربیع ملحقہ مواعظ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۸،۳۹۰)

(c) ketabton.com: The Digital Library

الحاصل

غرض اس وقت یہ تین جماعتیں ہیں۔

(۱) ایک وہ جو محبت رکھتے ہیں مگر اتباع وعظمت نہیں۔

(۲) ایک وہ جو عظمت کرتے ہیں لیکن محبت واتباع نہیں۔

(۳) ایک وہ جو اتباع کرتے ہیں مگر عظمت ومحبت نہیں۔

سو یہ تینوں جماعتیں پورے حقوق ادا نہیں کرتیں۔ کسی نے ایک کو لیا دو کو چھوڑا کسی نے دو کو لیا تیسرے کو چھوڑا علی ہذا جامع وہ شخص ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں متابعت میں عظمت میں سرافگندہ رہتا ہو۔

سُوْرَةُ التَّحْرِيْم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنْ تَتُوْبَآ إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَإِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ
فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

ترجمہ: اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو تمہارے دل مائل ہورہے ہیں اور اگر پیغمبرؐ کے مقابلہ میں تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں تو پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبرئیلؑ ہیں اور نیک مسلمان ہیں۔

إِنْ تَتُوْبَآ إِلَى اللّٰهِ کے متعلق

ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما و ان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ و جبریل و صالح المومنین میں وہ ان تظاھرا علیہ کی جزا محذوف ہے اور وہ لایضرہ ہے کیونکہ فان اللہ ھو مولاہ صلاحیت جزاء کی نہیں رکھتا کیونکہ جزا متاخر عن الشرط ہوتی ہے اور ولایت حق تعالیٰ متاخر نہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت ج۱۵ ص۲۵)

(c) ketabton.com: The Digital Library

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ

مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝

ترجمہ: اگر پیغمبر تم کو طلاق دیدیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیویاں دے گا جو اسلام والیاں ایمان والیاں فرمانبرداری کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں ہوں گی کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں۔

تفسیری نکات

توبہ باقی اعمال پر مقدم ہے

اس میں بھی تائبات مقدم ہے عابدات پر ان آیات سے اور ان مویدات سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ توبہ جملہ عبادات پر مقدم ہے تو توبہ اول اعمال ہوئی۔ ہاں اس آیت عسی ربہ الخ پر ایک شبہ ہے۔

وہ یہ کہ اس میں تائبات کا لفظ عابدات پر تو مقدم ضرور ہے جس سے توبہ کا مقدم ہونا عبادت پر نکلتا ہے مگر اول اعمال ہونا توبہ کا اس سے نہیں نکلتا کیونکہ اس سے بھی مقدم چند الفاظ ہیں۔ اور وہ یہ ہیں مسلمات مؤمنات قانتات ترتیب کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ چوتھے مرتبہ میں درجہ تائبات کا ہے توبہ کا اول اعمال ہونا جب مستنبط ہوتا جب کہ آیت التائبون کی طرح اس میں بھی سب سے مقدم التائبات ہوتا۔

اس کا جواب بہت ظاہر ہے کیونکہ میں نے اس بیان میں تصریح کردی تھی کہ توبہ کے اول اعمال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بجز ایمان واسلام کے اور سب اعمال پر مقدم ہے اور ان دونوں کا مقدم ہونا تو مسلم ہے کیونکہ یہ تمام اعمال کی صحت کے لئے شرط ہیں ان کے بغیر تو اعمال خواہ کیسے ہی اچھے ہوں ایسے ہوتے ہیں جیسے ایک باغی ہو کہ رعایا کی بہت خدمت کرے اور بڑے بڑے کارہائے نمایاں کرے چندہ رفاہ عام بھی بدرجہ وافر دے اور قحط وغیرہ میں بہت امداد دے مگر ہے باغی تو یہ سب کام اس کے بے کار ہیں کوئی بھی ان میں سے سلطنت کی نظر میں کچھ شمار نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک کہ بغاوت سے رجوع نہ کرے۔

اسی طرح ایمان واسلام ہے کہ کوئی عمل بدوں ان کے صحیح بھی نہیں نورانیت تو الگ رہی تو اس آیت میں تین لفظ ہیں جو تائبات پر مقدم ہیں یعنی مسلمات اور مومنات اور قانتات۔ مسلمات اور مومنات کی وجہ مقدم تو ظاہر ہے صرف قانتات پر شبہ رہا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس کا جواب یہ ہے کہ قنوت ایک خاص وجہ سے توبہ سے مقدم ہے اس واسطے کہ توبہ ندامت کو کہتے ہیں اور ندامت جب ہوگی جب کہ تعب قنوت ہو کیونکہ جب تک نرمی اور جھک جانا اور عجز قلب میں نہ ہو تو کسی فعل پر ندامت کیوں ہونے لگی اور یہی ترجمہ ہے قنوت کا تو توبہ ہمیشہ قنوت کے بعد ہوگی تو عقلاً ثابت ہو گیا کہ توبہ کی شرط قنوت ہے اس واسطے قانتات کو بھی اس آیت میں تائبات پر مقدم کیا تو حاصل یہ ہوا توبہ کے اول اعمال ہونے کا کہ ان اعمال سے جن پر توجہ مبنی ہے ان سب سے مقدم توبہ ہے۔ باقی قنوت چونکہ توبہ کے لئے شرط عقلی ہے لہذا توبہ پر مقدم ہے اور ان کے سوا باقی اعمال پر توبہ مقدم ہے۔

ازواج مطہرات کی حضورؐ سے از حد محبت تھی

ان آیات میں اسی عتاب کا ذکر ہے اور یہ دھمکی ایسی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی محبت تھی اور یہ کہ وہ دنیا دار نہ تھیں بلکہ کامل دیندار تھیں کیونکہ یہاں جہنم وغیرہ کی دھمکی نہیں دی گئی۔ نہ کسی آفت ارضیہ وسماویہ سے ڈرایا گیا بلکہ دھمکی یہ دی گئی کہ اگر تم حضور کو مکدر کرو گی تو اندیشہ ہے کہ حضور تم کو طلاق دے دیں اور ہم آپ کو تم سے بہتر بیبیاں دے دیں اور ظاہر ہے کہ یہ دھمکی عاشق ہی کو دی جاسکتی ہے جو بیوی عاشق نہ ہو اس کے حق میں یہ کچھ بھی دھمکی نہیں بلکہ وہ تو اس کو بشارت سمجھے گی خصوصاً جب کہ عدم محبت کے ساتھ یہ بات بھی ہو کہ شوہر کے یہاں کھانے پہننے کی بھی تنگی ہو دنیا کی عیش وراحت بھی نہ ہو جیسا کہ حضور کے یہاں حالت تھی کہ بعض دفعہ آپ کے یہاں فاقہ بھی ہوتا تھا۔

آیت تخییر

بہرحال جب یہ آیت تخییر نازل ہوئی تو سب ازواج نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اختیار کیا کہ کسی نے بھی اختیار نہیں کیا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس درجہ کی محبت تھی کہ فقرو فاقہ اور تنگی میں رہنا منظور تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی منظور نہ تھی چنانچہ اس محبت ہی کی وجہ سے ان کو حق تعالیٰ نے جہنم کے عذاب وغیرہ کی دھمکی نہیں دی بلکہ صرف اس سے ڈرایا کہ دیکھو کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اپنے سے علیحدہ نہ کر دیں۔ اور تم یہ نہ سمجھنا کہ اگر ہم کو الگ کر دیا تو ہم سے بہتر بیبیاں کہاں سے ملیں گی۔ خوب سمجھ لو کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو طلاق دے دی تو حق تعالیٰ قادر ہیں کہ وہ تم سے بہتر بیبیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیں عسى ربه ان طلقكن ان يبدله ازواجا خير امنكن (اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دیدیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیویاں دے دے گا) یہ تو اجمالاً ان کی خیریت کا ذکر تھا آگے اس خیریت کی تفصیل ہے کہ وہ بیبیاں کیسی ہوں گی۔ مسلمات مومنات قانتات تائبات

(c) ketabton.com: The Digital Library

عابدات سائحت وہ اسلام والیاں ہوں گی اور ایمان والیاں اور خشوع خضوع والیاں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے والیاں اور عبادت کرنے والیاں اور سائحات ہوں گی۔ سائحات (روزہ رکھنے والیاں) کی تفسیر عنقریب آتی ہے یہ تو تشریعی صفات ہیں آگے تکوینی صفات مذکور ہیں۔ ثیبت و ابکاراً (کچھ بیوہ کچھ کنواریاں)

ازواج مطہرات باقی عورتوں سے افضل ہیں

اس مقام پر ایک اشکال طالب علمانہ ہے وہ یہ کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ازواج مطہرات سے خیر و بہتر عورتیں موجود تھیں اگر نہیں تھیں تو یہ دھمکی کیسی؟ اور اگر تھیں تو بظاہر بہت بعید ہے کہ ان سے بہتر عورتیں دنیا میں ہوں اور حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کمتر تجویز فرمائیں۔ دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال فیض و قوت تاثیر صحبت پر نظر کر کے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت یافتہ عورتوں سے بہتر کوئی ایسی عورت ہو سکے جس نے ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل نہیں کی اور خود نص میں بھی تو ہے یانساء النبی لستن کاحد من النسآء ان اتقیتن (اے نبی کی بیبیوتم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تقویٰ اختیار کرو) اس آیت میں قلب ہے مطلب یہ ہے لیس احدمن النساء کمثلکن کہ کوئی عورت تم جیسی نہیں ہے اگر تم متقی ہو اور ازواج مطہرات کا متقی ہونا معلوم ہے تو ثابت ہوا کہ ان کے مثل کوئی عورت دنیا میں اس وقت نہ تھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قلب نہ ہو اور تقدیر اس طرح ہو یا نساء النبی لستن دنیات کغیر کن (اے نبی کی بیبیوتم غیر عورتوں کی طرح دنیادار نہیں ہو) اس اشکال کا جواب میں نے ایک عالم کے خادم سے سنا ہے اپنے شیخ سے نقل کرتے تھے کہ انہوں نے یہ فرمایا کہ ازواج مطہرات کی خیریت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح ہی کی وجہ سے تھی۔ قبل از نکاح تو وہ اور دوسری عورتیں یکساں تھیں۔ پھر اگر آپ ان کو طلاق دے دیتے تو ان سے خیریت کم ہو جاتی اور دوسری جس بیوی سے نکاح کر لیتے نکاح کے بعد وہ ان سے بہتر ہو جاتی۔ پس خیراً منکن (جو تم سے بہتر ہوں گی) بالفعل کے اعتبار سے نہیں فرمایا گیا بلکہ یؤول (آئندہ حالت کے) اعتبار سے فرمایا گیا ہے اب کوئی اشکال نہیں یہ جواب مجھے بہت پسند آیا یہ تو اشکال کا جواب تھا۔

بعض علماء نے جو سائح کی تفسیر سیاحت کنندہ سے ہے انہوں نے سیاحت کرنے والے کو تشبیہات بالصائم (روزہ دار سے تشبیہ دے کر) سائحہ کہہ دیا ہے صائم کو سیاحت کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دے کر سائح نہیں کہا گیا پس اصل تفسیر سائحات کی صائمات (روزہ رکھنے والیاں) ہے اور تو اجمہور دلیل مستقل ہے کہ اکثر علماء مفسرین نے سنئحت کی تفسیر یہی کی ہے جب یہ معلوم ہو گیا کہ سنئحت کی تفسیر روزہ رکھنے والیاں ہیں تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ بڑی عبادت ہے کیونکہ تخصیص بعد تعمیم اہتمام کے لئے ہوتی ہے تو حالانکہ مسلمات اور عابدات میں روزہ بھی داخل تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو اہتمام کے ساتھ الگ بیان فرمایا ہے، جس سے اس کی خاص عظمت و فضیلت معلوم ہوئی کہ یہ بہت بڑی عبادت ہے مگر اس سے ناز نہ کرنا کہ ہم نے بڑا کام کیا بلکہ حق تعالیٰ کا احسان سمجھو کہ انہوں نے ہم سے یہ کام لے لیا۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

(احسان مت کرو کہ بادشاہ کی خدمت کرتے ہو بلکہ اس کا احسان مانو کہ اس نے تم کو خدمت کے لئے رکھ لیا ہے)

اب سمجھئے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے سائحات کو جس کی تفسیر ابھی معلوم ہو چکی ہے کہ اس کے معنی روزہ رکھنے والیوں کے ہیں مقرون کیا ہے ثیبت و ابکارا کے ساتھ جو صفات غیر اختیاریہ ہیں اور صفات غیر اختیاریہ سب سے زیادہ سہل ہیں کیونکہ ان میں کچھ بھی کرنا نہیں پڑتا۔ حتیٰ کہ ارادہ و اختیار کو بھی صرف کرنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ وہ بدوں ارادہ و اختیار کے خود بخود ثابت ہیں اور اوپر ابھی معلوم ہوا کہ اقتران حکمت سے خالی نہیں تو معلوم ہوا کہ صفت صوم کو صفات غیر اختیاریہ سے مقترن کرنے میں بھی کچھ حکمت ہے اور وہ حکمت میرے نزدیک یہی ہے کہ صوم بھی مثل صفات غیر اختیاریہ کے سہل ہے کہ اس میں بھی کچھ فعل وجودی کرنا نہیں پڑتا پس آیت سے سہولت صوم پر عجیب طرز سے دلالت ہے رہا یہ کہ یہ صفات غیر اختیاریہ کیسے ہیں تو سنئے کہ ثیوبت تو اس لئے غیر اختیاری ہے کہ لغت میں ثیوبت بکارت کے مقابل ہے اور شرعاً ثیب وہ ہے جو صاحب زوج ہو چکی ہے پھر اس سے فرقت ہوگئی ہے بوجہ طلاق یا موت کے اور باکرہ وہ ہے جو ابھی تک صاحب زوج نہیں ہوئی۔

پس ثیوبت کو اگر اپنے جزو اول کے اعتبار سے من کل الوجوہ غیر اختیاری تسلیم نہ بھی کیا جائے تب جزو ثانی کے اعتبار سے تو یقیناً غیر اختیاری ہے کہ اس صفت کا ثبوت عورت میں بدوں اس کے اختیار کے ہو جاتا ہے تو جزو اخیر ثیوبت کی علت تامہ کا ہر حال میں غیر اختیاری رہا اگر مجموعہ اجزاء پر نظر کی جائے تب بھی مجموعہ اختیاری و غیر اختیاری کا غیر اختیاری ہوتا ہے تو ثیوبت غیر اختیاری ہی رہی اور بکارت کا غیر اختیاری ہونا ظاہر ہے پس۔ سئحت کو ثیبت و ابکاراً کے ساتھ مقرون کرنا بتلا رہا ہے کہ صوم مثل امور طبعیہ کے سہل ہے اور واقعی غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صوم امر طبعی ہے کیونکہ امر طبعی وہ ہے جس کیلئے قصد و ارادہ کی ضرورت نہ ہو اور ظاہر ہے کہ کھانے پینے کے لئے تو قصد و ارادہ کی ضرورت ہے اور نہ کھانے اور نہ پینے کے لئے قصد و ارادہ کی کیا ضرورت ہے کچھ بھی نہیں ہم گھنٹوں بدوں کھانے پینے کے کام میں لگے رہتے ہیں اس وقت اس حالت پر التفات بھی نہیں ہوتا کہ ہم اس وقت کھاتے پیتے نہیں ہیں دوسرے یہ بھی ظاہر ہے کہ انسان کے زیادہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

تر اوقات نہ کھانے اور نہ پینے ہی کے ہیں۔کھانے پینے کے تو چند اوقات معین ہیں۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ نہ کھانا نہ پینا امر اصلی ہے اگر کھانا پینا امر اصلی ہوتا تو اس کے اوقات زیادہ ہوتے مگر واقعہ اس کے خلاف ہے اور اصلی سہولت ہے رہا یہ شبہ کہ نہ کھانے پینے کی حالت میں جو التفات شراب وطعام کی طرف نہیں ہوتا تو یہ اسی وقت تک ہے جب تک بھوک نہ لگے اور جب بھوک لگتی ہے تو خاص التفات ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو بھوک میں بھی شراب وطعام کی طرف التفات بے کاری کی حالت میں ہوتا ہے اور اگر کسی کام میں لگ جائے تو کھانے پینے کی تو کیا بھوک کی بھی خبر نہیں ہوتی۔چنانچہ بہت واقعات ایسے ہو چکے ہیں اور کم وبیش ہر شخص کو اس کا تجربہ ہوتا ہوگا اور اگر مان بھی لیا جائے کہ بھوک میں طعام وشراب کی طرف التفات ہوتا ہے تو اس کا انکار ہی نہیں ہوسکتا کہ یہ ایک عارض کی وجہ سے ہے اب معدہ ان رطوبات اصلیہ کے ہضم کی طرف متوجہ ہوگیا جس سے تکلیف ہوتی ہے جب یہ عارض مرتفع ہو جائے گا۔التفات بھی جاتا رہے گا۔اب یہاں سے میں ایک اور شبہ کا جواب دینا چاہتا ہوں جس کا جواب دینا جمعہ کو بھول گیا تھا(وہ اسی اقتران کی مثل ایک اور صفت سے اقتران اسی کا ہم اثر ہے تقدیر اس کی یہ ہے کہ سورہ احزاب میں صائمین وصائمات روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں) کا اقتران والحافظین فروجھم و الحافظات اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں کے ساتھ ذکر میں واقع ہوا ہے اور حفظ فروع اہل طبائع سلیمہ کا اور ان میں سے بھی بالخصوص اناث کا امر طبعی ہے تو اس امر طبعی کے ساتھ اقتران نیز موید ہر علوم کے مشابہ ہونے کا جو کہ بے حد سہل ہوتے ہیں جیسا کہ متن میں مذکور ہے یہ مضمون بعد میں ذہن میں آیا اس لئے حاشیہ میں لکھ دیا گیا۔۱۲

وہ یہ کہ نہ کھانا اور پینا اگر آسان ہے تو کسی کو مہینہ بھر تک بھوکا رکھ کر دیکھا جائے معلوم ہو جائے گا کہ نہ کھانا کیونکہ آسان ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ عدم اکل کی حقیقت فی نفسہ دشوار نہیں بہت سے بہت آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ امتداد عدم اکل دشوار ہے تو یہ دشواری امتداد عارض سے ہوگئی نہ کہ حقیقت عدم اکل سے۔اور شریعت نے جو عدم اکل وشرب کی حد مقرر کی ہے وہ ممتد نہیں ہے اس لئے صوم کچھ دشوار نہیں سو اب سب اشکالات رفع ہوگئے اور سہولت صوم کا دعویٰ بے غبار ہوگیا۔پھر اقتران سنخت ثیبت و ابکاراً کے علاوہ خصوصیت مقام سے اس سہولت میں ایک اور اضافہ ہوگیا وہ یہ کہ اس جگہ عورتوں کے روزہ کا ذکر ہے اور عورتوں کو طبعاً بھی روزہ اس لئے آسان ہے کہ ان میں رطوبت و برودت زیادہ غالب ہوتی ہے ہاں کوئی ضعیف ونحیف ہو تو اور بات ہے ورنہ عام طور سے مزاج عورتوں کا رطب وبارد ہے اور ایسے مزاج والے کو روزہ دشوار نہیں ہوتا روزہ حار ویابس مزاج والے کو زیادہ گراں ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ عورتیں نماز میں تو سست ہیں مگر روزہ میں بچیاں بھی ہمت والی ہیں۔نیز عورتوں کا طرز عمل بھی بتلاتا ہے کہ ان کو روزہ سہل ہے اور وہ یہ کہ عورتیں جب بھی نذر و منت مانتی ہیں تو زیادہ تر روزہ کی منت مانتی ہیں نماز کی نذر کوئی نہیں کرتی کیونکہ نماز ان پر گراں ہے اس میں پابندیاں بہت ہیں اور افعال

(c) ketabton.com: The Digital Library

اختیار یہ بھی زیادہ ہیں پابندی کا تو یہ حال ہے کہ نماز میں بات بھی نہیں کر سکتے۔

لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

ترجمہ: جو خدا کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو فوراً بجالاتے ہیں۔

تفسیری نکات

ملائکہ کی اطاعت

فرمایا کہ اگرچہ ملائکہ بھی بوجہ اطاعت خداوندی کے جیسا کہ ارشاد ہے لایعصون الله مآ امرھم و یفعلون مایؤمرون افضل واکمل ہیں لیکن ان کا کمال زیادہ عجیب نہیں کیونکہ ان میں وہ تقاضے پیدا ہی نہیں ہوتے جن سے مخالفت کی نوبت آئے مگر انسان کا مطیع ہونے میں کامل ہونا زیادہ عجیب ہے اس لئے کہ انسان میں جس طرح علۃ الخیر ہے علۃ الشر بھی موجود ہے۔ پس اس میں متنافیین کا تزاحم ہے اور اس تزاحم کے ساتھ کمال اطاعۃ ہونا زیادہ عجیب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے آگے سچی توبہ کرو امید ہے تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کر دیگا

تفسیری نکات

حقیقی توبہ

مقصود اس آیت کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ توبہ کا حکم کرتا ہے اسی کو توبہ کہتے ہیں کہ بندہ خدا کی طرف متوجہ ہو جائے یہی توبہ کی حقیقت ہے اور صرف لفظ توبہ زبان سے کہہ لینا کافی نہیں کیونکہ صرف زبانی وہی توبہ ہے جس کو کہتے ہیں۔

سبحہ بر کف توبہ بر لب دل پر از ذوق گناہ معصیت راخندہ می آید بر استغفار ما

(ہاتھ میں تسبیح ہونٹوں (زبان) پر توبہ توبہ ہو اور دل اندر اندر گناہ کے مزے لے رہا ہو تو ایسی حالت

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں خود گناہ کو بھی ہماری ایسی توبہ واستغفار پر ہنسی آجاتی ہے۔)

توحقیقت توبہ کی یہ ہوئی کہ دل سے توبہ ہوتو فرماتے ہیں یایھا اللذین امنوا توبوا الخ (اے مسلمانو توبہ کرو)

خلاصہ یہ کہ اس مقام پر توبہ کا حکم ہے اور توبہ گناہ سے ہوتی ہے اور گناہ کا علم دین کے جاننے سے ہوتا ہے کہ اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ گناہ کس قدر ہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ شاید ہی کوئی وقت ایسا گزرتا ہو کہ ہم سے گناہ نہ ہوتے ہوں۔

گناہ کا خلاصہ ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا اس کے لئے ضرورت ہے کہ پہلے یہ معلوم کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کس کس بات کا حکم دیا ہے اور ہم اس میں سے کتنوں پر عمل کرتے ہیں اور کتنے نواہی سے اجتناب کرتے ہیں۔(تفصیل التوبہ ص۵)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ المُلک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ

ترجمہ: اور ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے آراستہ کر رکھا ہے۔

تفسیری نکات

ستارے آسمان پر مزین ہیں

ایک مشہور فاضل نے حضرت والا سے دریافت فرمایا کہ بعض لوگ اسی دعوئی کی دلیل میں یہ تارے آسمان میں جڑے ہوئے ہیں یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح تو کیا اس آیت سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ یہ تارے آسمان میں جڑے ہوئے ہیں حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز نہیں اس آیت کی اس امر پر کچھ بھی دلالت نہیں اس آیت سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان ستاروں سے آسمان کو مزین کیا گیا ہے تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ یہ اجرام آسمان میں جڑے ہوئے ہیں کیونکہ کسی چیز کو اگر ہم کسی چیز سے مزین کریں تو یہ تھوڑا ہی ضروری ہے کہ جس چیز سے مزین کریں اس کو اس میں جڑ بھی دیں بلکہ تزئین بغیر جڑے بھی ہو حاصل ہو سکتی ہے جیسے کہ چھت کو قندیلوں سے مزین کیا کرتے ہیں سو اس تزئین کے لئے قندیلوں کو چھت کے اندر جڑا کب جاتا ہے بلکہ قندیلیں چھت سے بہت نیچے ہوتی ہیں اسی طرح ان اجرام سے گو آسمان کو مزین کیا گیا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اجرام آسمان میں جڑے ہوئے بھی ہوں۔ لہٰذا اس آیت سے اس دعوئی پر کہ تارے آسمان میں جڑے ہوئے ہیں استدلال کرنا بالکل غلط ہے اور مدت کے بعد ان ہی فاضل نے سورہ نوح کی آیت وجعل القمر فیھن

(c) ketabton.com: The Digital Library

نــــــورا کے ظاہر سے قمر کے مرکوز فی السماء ہونے پر استدلال کیا لیکن اس کا جواب خود آیت میں ہے کیونکہ فیھن کی ضمیر سموات کی طرف ہے اور ظاہر ہے کہ متعدد سموات میں مرکوز کے کوئی معنے نہیں پس آیت ماول ہو گی اور تادیل جیسے فی مجموعھن سے محتمل ہے۔ اسی طرح فی قربھن یا فی جھتھن سے محتمل ہے اسی طرح ظرفیۃ باعتبار نور کے ہونا اور باعتبار جمع کے نہ ہونا ممکن ہے تو ان احتمالات کے ہوتے ہوئے رکز پر استدلال نہیں ہو سکتا جیسے اس کے خلاف پر بھی کوئی دلیل قائم نہیں۔

نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: اور (کافر فرشتوں سے یہ بھی) کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں (شامل) نہ ہوتے۔

تفسیری نکات

عمل علی الحق کے دو طریقے

اس حکایت میں اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کو منحصر کیا ہے ایک تو سننے میں اور ایک سمجھنے میں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عمل علی الحق کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ کسی سے سنا ہو دوسرے یہ کہ خود سمجھا ہو۔ کفار نے چونکہ نہ سنا تھا نہ خود سمجھا تھا اسی لئے ان کو حسرت کی نوبت آئی۔ اس سے آپ کو آیت کا ماحصل مجملاً معلوم ہو گیا ہوگا خدا تعالیٰ نے اس حکایت کو نقل کر کے اس پر انکار نہیں فرمایا اور اس کو غلط نہیں کہا بلکہ اگلی آیت میں اس کی تصدیق فرمائی۔ فاعترفوا بذنبھم انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا جس سے معلوم ہوتا ہے ان کا ذنب یہی تھا معلوم ہوا کہ یہ امر حق ہے اور ان ہی دو کا نہ ہونا باعث دخول جہنم ہوا اگر اس کو نقل فرما کر سکوت بھی کیا جاتا تب بھی یہ حق سمجھا جاتا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جس بات کو بیان کر کے اس پر سکوت کیا جائے اور رد اور انکار نہ کیا جائے تو وہ حاکی کے نزدیک امر مرضی ہوا کرتا ہے۔ نیز اصولیوں نے بھی یہ قاعدہ مقرر کر دیا ہے۔ نیز قطع نظر اس مقدمے کے اس کے حق ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ یہ مقولہ قیامت کا ہے اور قیامت میں چونکہ سب امور منکشف ہو جائیں گے اس لئے کوئی جھوٹ نہ بولے گا اور اگر بعض آیات سے مثلاً واللہ ربنا ما کنا مشرکین (قسم ہے اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے ہم مشرک نہیں ہیں) یہ شبہ ہوا کہ ان لوگوں نے جھوٹ بولا چنانچہ ارشاد ہے انظر کیف کذبوا علیٰ انفسھم (دیکھو تو اپنی جانوں پر کس طرح جھوٹ بول رہے ہیں) تو جواب اس کا یہ ہے کہ جھوٹ ایک عارض کی وجہ سے بولا اور وہ عارض یہ ہے کہ بولنے میں ان کو نفع کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

توقع تھی اور یہاں یہ بات نہیں ہے بلکہ اس قول میں خود ان ہی کا ضرر ہے کہ اعتراف ذنب لازم آتا ہے۔ اس لئے یہ قول غلط نہ ہوگا خلاصہ یہ ہے قیامت میں کشف حقیقت کا اصل مقتضا یہ ہے کہ وہاں جو بات کہی جائے بالکل صحیح کہی جائے لیکن بعض لوگ عارض نفع کی وجہ سے اس مقتضاء کے خلاف کریں گے۔ تو جس جگہ وہ عارض پایا جائے گا اس موقع پر تو ان کے قول میں کذب کا احتمال ہوگا اور جس موقع پر وہ عارض نہ ہو وہاں اصل مقتضا کی وجہ سے قول کو صادق ہی سمجھا جائے گا۔ لہذا کفار کا یہ قول بالکل سچا ہے اور پھر جبکہ اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید بھی موجود ہے تو اس کے صدق میں کوئی شبہ ہی نہیں رہا چنانچہ ارشاد ہے **فاعترفوا بذنبهم فسحقاً لا صحب السعير** (انہوں نے اپنے گناہ کا اقرار کرلیا) جس کی اوپر تقریر ہو چکی ہے اب میں اصل مقصود کو بیان کرتا ہوں اور اس آیت سے ان شاء اللہ اس کو ثابت کردوں گا کیونکہ وہ مضمون اس آیت کا مدلول ہے اور اس کی ضرورت نہایت عام ہے ہر وقت ہر جگہ ہر مسلمان کو اس کی ضرورت ہے ایسا ہی اس کا فائدہ بھی نہایت عام ہے یعنی اس کے استعمال کے بعد حتمی فائدہ اس میں ہے نیز یہ مضمون نہایت سہل ہے تو ان تینوں باتوں پر نظر کرکے اس کی ضرورت میں ذرا بھی کلام نہیں رہتا۔ دیکھئے عقلی قاعدہ یہ ہے کہ مرض جس قدر صعب ہوتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کو یا کسی جماعت کو یا کسی ایک شہر میں کوئی سخت مرض پھیل جائے تو عقلاً اس کے لئے سخت تدابیر تجویز کرتے ہیں اور جب یہ قاعدہ مسلم ہے اور عقلاً اس کو برداشت کیا جاتا ہے اور اگر برداشت کی تاب نہیں ہوتی تو علاج سے مایوس ہونا پڑتا ہے چنانچہ بعض مرتبہ اطباء کہتے ہیں کہ تمہارا مرض امیرانہ ہے مثلاً کسی غریب آدمی کو جنون ہو جائے اور کوئی طبیب اس کا علاج شروع کرے اور کسی طرح اس کو فائدہ نہ ہو تو پریشان ہو کر طبیب کو یہ کہنا پڑے گا کہ بھائی تمہارا مرض تو امیرانہ ہے اور تم دو چار پیسے کی دوا میں اس کا علاج چاہتے ہو یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے تو بہت سخت تدابیر کی ضرورت ہے جن کی وسعت تم میں نہیں ہے لہذا تم اچھے نہیں ہو سکتے تو از روئے عقل ہر مرض صعب کی تدبیر بھی صعب ہوتی ہے اور بعض اوقات مایوسی کی نوبت آتی ہے لیکن اس طب میں جس کا نام طب ایمانی ہے کوئی درجہ بھی ایسا نہیں ہے کہ وہاں پہنچ کر مایوس کر دیا جائے اور یہ کہہ دیا جائے کہ اب تمہارا مرض لاعلاج ہو گیا بلکہ ہر مرض کے لئے علاج موجود ہے اور نہایت سہل علاج موجود ہے میں ان شاء اللہ اس کو بدلیل بیان کردوں گا کہ صعب سے صعب مرض میں بھی نہایت سہل نسخہ تجویز کیا ہے اور یہ دلیل ہے خدا تعالیٰ کی رحمت عامہ کی کہ اتنا بڑا مرض اور اس کا علاج اس قدر سہل اور اس سے اس آیت کے معنی بھی منکشف ہو جائیں گے۔ کہ **يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر** اور **ما جعل عليكم في الدين من حرج** یعنی خدا تعالیٰ نے دین میں تم پر کچھ تنگی نہیں کی یہاں سے ایک جملہ معترضہ عرض کرتا ہوں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں کچھ

(c) ketabton.com: The Digital Library

تنگی نہیں ہے حالانکہ مشاہدہ اس کے بالکل خلاف ہے یعنی اکثر دینداروں کو عمل بالشرع میں بہت تنگی پیش آتی ہے اور جو لوگ آزاد ہیں وہ نہایت مزے میں ہیں کہ جو جی میں آیا کر لیا ان کو کارروائی میں تنگی نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین پر عمل کرنے میں تنگی ہے اور آزاد رہنے میں آسانی کیونکہ دیندار آدمی کو تو قدم بقدم حرام کی فکر لگی رہتی ہے بلکہ جس بات کو ان سے پوچھئے اس کو حرام ہی کہتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان کو نہایت پریشانی اور تنگی ہوتی ہے۔ مثلاً اب آموں کی بہار آرہی ہے جو لوگ آزاد ہیں وہ تو نہایت چین میں رہیں گے کہ فصل شروع ہوتے ہی فروخت کر دیں گے اگرچہ ابھی تک نرا پھول ہی ہو اور ان کو نہایت اچھے دام اٹھیں گے اور جو لوگ دیندار ہیں وہ اس فکر میں لگے رہیں کہ پھول فروخت کرنا حرام ہے لہذا اس وقت فروخت کرنا چاہیے کہ جب پھل آجائیں اور پھل بھی بڑھ جائیں نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی حفاظت کے لئے کم سے کم ماہوار کا ایک ملازم رکھیں گے یا خود حفاظت کریں گے پھر آندھیوں میں جو کچھ آم گریں گے سب ان کے گریں گے ان کی وجہ سے قیمت کم اٹھے گی علیٰ ہذا اگر تجارت کریں تو شریعت پر عمل کرنے میں کوئی صورت قمار میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے کسی دادوستد میں سود لازم آگیا وہ اس لئے حرام ہے غرض شریعت پر عمل کرنے میں ہر طرح تنگی و مصیبت ہے اور جب کوئی چیز بھی تنگی سے خالی نہیں تو یہ تو قرآن ہی میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) تو یہ شبہ بعض لوگوں کو پیدا ہونا ممکن ہے میں نے متعدد مقامات پر اس کا جواب عرض کیا ہے اس وقت بھی وہی جواب دیتا ہوں مگر توضیح کے لئے اول ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ فرض کرو کہ ایک شخص مریض ہوا اور وہ کسی طبیب کے پاس گیا اور نسخہ دریافت کیا اور حکیم صاحب نے نسخہ لکھا لیکن اتفاق سے مریض ایسی جگہ رہتا ہے کہ اس جگہ کوئی دوا دستیاب نہیں ہوتی اس کے بعد حکیم صاحب نے پرہیز بتلایا اور اتفاق سے اس گاؤں میں صرف وہی چیزیں ملتی ہیں جن کی ممانعت کی گئی ہے اور جن چیزوں کی اجازت ہے ان میں سے ایک چیز بھی نہیں ملتی۔ پس اگر یہ مریض حکیم صاحب کے نسخہ کو دیکھ کر اور پرہیز کو سن کر یہ کہنے لگے کہ طب میں نہایت ہی تنگی ہے کیونکہ دوائیں وہ بتلائیں جن میں سے ایک بھی میسر نہیں غذائیں وہ تجویز کیں جو کبھی گاؤں بھر میں بھی نہیں آتی اور جتنی چیزیں کھانے کی ہیں وہ سب ممنوع کہ نہ بینگن کھانا نہ آلو کھانا نہ بھینس کا گوشت کھانا اور اس کے ساتھ ہی حکیم صاحب کو بھی اپنے جہل کی وجہ سے برا بھلا کہنے لگے تو عقلاء اس کو کیا جواب دیں گے۔ یہی جواب دیں گے کہ طب میں تو ذرا بھی تنگی نہیں اس شخص کے گاؤں ہی میں تنگی ہے کیونکہ طب میں تنگی تو اس وقت سمجھی جاتی ہے جبکہ دو چار چیزوں کی اجازت ہوتی اور باقی سب چیزیں ممنوع ہوتیں اور جبکہ بیس کی اجازت ہے اور صرف چار کی ممانعت تو طب میں تنگی ہرگز نہیں بلکہ اس شخص کے گاؤں میں تنگی ہے کہ اس میں صرف وہی چیزیں منتخب ہو کر آتی ہیں جو کہ سراسر مضر ہیں۔ (طریقۃ النجات ص ۳ تا ۷)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ﴿۱۲﴾

وَ اَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ اَوِ اجۡہَرُوۡا بِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۳﴾

اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: بے شک جولوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم مقرر ہے اور تم لوگ خواہ چھپا کر بات کہو یا پکار کر اللہ تعالیٰ کو سب کی خبر ہے کیونکہ دلوں تک کی باتوں سے خوب واقف ہیں بھلا کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین اور پورا باخبر ہے۔

تفسیری نکات

خوف میں اعتدال

پس ارشاد ہے ان الذین یخشون ربھم بالغیب الخ یعنی جولوگ اپنے رب سے غیب میں ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

اب یہاں یہ امر قابل غور اور نتیجہ خیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یخشون اللہ کا تعلق لفظ ربھم سے فرمایا یعنی یہ فرمایا کہ جولوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور یخشون اللہ نہ فرمایا اس میں تعدیل خوف کی طرف اشارہ ہے۔ مخلوق کے کلام میں ایسی رعایت نہیں ہوتی اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام بشر کا نہیں خالق کا کلام ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خوف کے اندر دو خاصیتیں ہیں ایک تو یہ کہ گناہوں سے روکتا ہے جیسے مدلل پہلے معلوم ہو چکا ہے یہ تو جب ہے کہ خوف درجہ اعتدال میں ہو۔ اور دوسرا خاصہ یہ ہے کہ طاعت سے بھی روک دیتا ہے یہ اس وقت ہے کہ فوق الحد ہو دنیوی امور میں ہم اس کی نظائر بکثرت دیکھتے ہیں کہ جب کسی امر کا زیادہ خوف ہوتا ہے تو کام نہیں ہوتا ہے جیسے کوئی شخص کوئی مضمون لکھ رہا ہو اور کوئی ایسا شخص جس کو وہ اپنے سے استعداد میں زیادہ سمجھتا ہو دیکھنے لگے تو ہرگز نہ لکھا جائے گا امتحان میں وہ طلبہ جن پر ممتحن کا خوف غالب ہو جاتا ہے نا کام ہو جاتے ہیں۔ علی ہذا بہت سے نظائر سے یہ امر ثابت ہے کہ غلبہ خوف میں کام نہیں ہوتا جیسا کہ اگر بالکل خوف نہ ہو تو کام نہیں ہوتا اور اسی لئے زندگی میں حکم ہے اتقوا ربکم و اخشوا (اپنے رب سے ڈرو) یعنی خشیت اور مرنے کے وقت ارشاد ہوتا ہے لاتخافوا ولا تحزنوا و ابشروا بالجنۃ (تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو) اور یہی منشاء ہے اس ارشاد کا کہ جو حضرت حاجی

(c) ketabton.com: The Digital Library

صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ زندگی میں تو خوف کا غلبہ ہونا چاہیئے تا کہ گناہوں سے بچا رہے کیونکہ وہ وقت عمل کا ہے اور موت کے وقت امید کا غلبہ ہونا ضرور ہے اس لئے کہ وہ وقت لقاء حق کا ہے اور اللہ تعالیٰ سے امید لے کر ملنا چاہیے تا کہ بمقتضائے انا عندظن عبدی بی (یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے) یہ شخص مورد رحمت ہو لیکن غلبہ خوف سے یہ مراد ہے کہ وہ حد سے متجاوز ہو جائے یہاں غلبہ مقابلہ میں امید کے ہے یعنی امید سے زیادہ خوف ہو اس لئے کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب خوف فوق الحد ہوتا ہے تو وہ مانع طاعات بن جاتا ہے چنانچہ بہت سے سالکین پر جب خوف کا غلبہ ہو گیا ہے تو طاعات چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بعض نے نماز چھوڑ دی ہے کسی نے ذکر چھوڑ دیا ہے۔ اصطلاح صوفیہ میں ان کو سالکین مستہلکین کہتے ہیں۔ ایسے لوگ مقبول مقرب نہیں ہوتے اور یہ لوگ اپنی خود رائی کی وجہ سے ایسے گڑھے میں گرتے ہیں کہ تمام عمر اس سے خلاصی نہیں ہوتی ایسے وقت رہبر کامل کی ضرورت ہے وہ بہ تدابیر اس مہلکے سے نکال لیتا ہے اور تدابیر متعلقہ تدبیر باطن بعض مرتبہ ایسی لطیف ہوتی ہیں کہ عوام کا فہم ان کے ادراک سے قاصر ہوتا ہے بلکہ ان کو بادی النظر میں نامناسب سمجھتے ہیں۔

تخویف کی دو قسمیں

پس ربھم اگر نہ فرماتے تو اللہ کے بعض بندے بوجہ غلبہ استحضار شان جلال وقہاریت کے خوف کی وجہ سے جان ہی دیدیتے اس لئے ربھم اختیار فرمایا کہ جس ذات سے خوف کی فضیلت بیان ہو رہی ہے وہ تمہارا مربی بھی ہے تم سے بے تعلق نہیں وہ کوئی شیر یا بھیڑیا نہیں اے میرے مقبول بندو! تم اس قدر خوف کے اندر مت گھلو جیسی مجھ میں شام جلال وقہاریت ہے اسی طرح شان تربیت بھی تو ہے اسی وجہ سے فاما من خاف مقام ربہ (جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے) میں بھی ربہ فرمایا ہے اور یہاں ربہ کے ساتھ ایک لفظ مقام کا اور زیادہ فرمایا۔ اس میں عجیب نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ لفظ خوف کے قائم رکھنے کے لئے بڑھایا شرح اس کی موقوف ہے ایک مثال پر۔

وہ یہ ہے کہ مثلاً کسی کا باپ اگر حاکم ہو تو جب وہ برسر اجلاس ہوگا تو اس کا اور اثر ہوگا اور جب نج پر ہوگا تو دوسرا اثر ہوگا اجلاس پر تو شان حکومت جلوہ گر ہوگی خواہ کوئی سامنے آئے اور رنج پر شان شفقت پدری کی ظاہر ہوگی اس وقت شان حکومت ظاہر نہ ہوگی پس مقام کا لفظ بڑھا کر یہ بتلا دیا کہ گو وہ تمہارا رب ہے جس کا مقتضا شفقت و رحمت و تربیت ہے لیکن جبکہ وہ قیامت کے دن جلال وقہاریت کے ساتھ ظہور فرمائیں گے تو اس وقت ان کے سامنے کھڑے ہونے کو یاد کر کے اس سے ڈرنا چاہیے خلاصہ یہ کہ مقام کا لفظ خوف دلانے کو بڑھایا

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور رب بہ تعدیل خوف کے لئے لائے اسی طرح یہاں یخشون ربهم (جولوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں) میں اسی تعدیل کے لئے ربوبیت کو یاد دلایا اور جاننا چاہیے کہ یخشون ربهم میں ربهم کا لفظ جیسے کہ جانب افراط کی تعدیل کرتا ہے اسی طرح جہتہ تفریط کا بھی معدل ہے یعنی نفس خوف کے وجود کا بھی متحرک تفصیل اس کی یہ ہے کہ تخویف کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ کسی امر موجل سے خوف دلایا جائے جیسے کہا جائے کہ اگر چوری یا ڈکیتی کرو گے تو جیل خانہ جاؤ گے اس کا اثر تو ضعیف ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ مقدمہ میں رہا ہو جائیں اور دوسری قسم یہ ہے کہ کسی امر معجل سے تخویف ہو مثلاً کسی سرکاری ملازم سے کہا جائے کہ فلاں جرم کا اگر ارتکاب کرو گے تو سب سے اول سزا یہ ہوگی کہ تمہاری ملازمت جاتی رہے گی۔ تنخواہ بند ہو جائے گی اور پھر جیل خانہ جاؤ گے۔ یہ موثر قوی ہے کیونکہ نوکری کا نفع کہ تنخواہ ہے وہ فی الحال جاری ہے اس کا انقطاع زیادہ مخوف ہے اسی طرح تعزیرات الٰہیہ میں بھی سمجھئے کہ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ اس گناہ کی سزا یہ ہے کہ دوزخ میں جلو گے اس کا اثر بعض طبائع پر ضعیف ہے اس لئے کہ جانتے ہیں کہ میاں جب قیامت ہوگی دیکھا جائے گا۔ (خواص الخشیہ ص ۱۶، ۱۷)

یخشون ربهم فرمانے میں حکمت

اب سمجھئے کہ ربهم سے کس طور سے نفس خوف پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ گویا یہ فرماتے ہیں کہ ایسی ذات سے ضرور ڈرنا چاہیے کہ تمہاری تربیت کا مدار اسی کے ہاتھ میں ہے اس لئے کہ اگر اس سے نہ ڈرو گے تو تمہاری تربیت میں کمی آ جائے گی۔ مثلاً روزی نہ ملے گی۔ عافیت جاتی رہے گی سبحان اللہ کلام اللہ کے ایک ایک لفظ کے اندر کتنے بے شمار معانی بھرے ہوئے ہیں اور ہر مقام پر نظائر بیان کرنے سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ کلام اللہ کے اندر پورا لطف اس کو آئے گا جس کی محاورات اور واقعات پر نظر ہو اور استدلال اور فلسفیت کی زیادہ کاوش سے خالی ہو۔

اب رہی یہ بات کہ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ہم تو گناہوں کے اندر رات دن رہتے ہیں اور ہم کو خوب رزق ملتا ہے نافرمانی سے رزق کبھی نہیں گھٹتا اس کے دو جواب ہیں اول تو نقلی قرآن وحدیث سے مسلمانوں کا چونکہ وہ ایمان ہے ان لئے اس کے لئے تو یہی کافی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں من اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا یعنی جو شخص میری یاد سے اعراض کرے اس کے لئے تنگ زندگی ہے۔ اگرچہ اس کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ معیشة ضنکا سے مراد یہ ہے کہ قبر میں اس کی حیات اخروی تنگ ہوگی لیکن معیشة کے لفظ سے متبادر یہی ہے کہ دنیا ہی کی روزی تنگ ہو جاتی ہے اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ بندہ گناہ کرنے سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ دوسرا جواب عقلی ہے اور اس کی اگرچہ بعد قرآن وحدیث کے ضرورت نہیں لیکن ہم تبرعاً واقعات سے دکھلاتے ہیں بات یہ ہے کہ رزق میں یہ غور کرنا چاہیے کہ کیا شے

(c) ketabton.com: The Digital Library

مطلوب ہے جائیداد اگر مطلوب ہے تو کیوں ہے ڈھیلے تو مطلوب ہیں نہیں مکان طلب کیا جاتا ہے تو کیوں کیا جاتا ہے اگر کہو کہ مطلوب جائیداد سے روٹی کپڑا اور مکان ہے اس میں رہنا ہے میں پوچھتا ہوں کہ اس مقصود کا بھی کوئی مقصود ہے یا کھانا پہننا بذاتہ مطلوب ہے اگر کھانا پہننا بذاتہ مقصود ہوتا تو عاریت کے کپڑے اور عاریت کے گھر میں ایسا لطف کیوں نہیں جیسے اپنے کپڑے پہننے اور اپنے مکان میں رہنے سے آتا ہے معلوم ہوا کہ نفس پہننا کھانا رہنا مقصود نہیں کوئی اور شئے مطلوب ہے وہ کیا ہے وہ ہے لذت راحت حلاوت چونکہ اپنا کپڑا پہننے میں اپنے مکان میں رہنے میں زیادہ لطف آتا ہے۔ (خواص الخشیۃ ص ۱۸، ۱۹)

عجیب ربط آیت

اس لئے خشیت کی فضیلت معلوم کرنے کے بعد ممکن ہے کہ کسی کو خیال ہو کہ میاں ہم ایسی جگہ جا کر گناہ کریں گے کہ کسی کو خبر ہی نہ ہو اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ تم لوگ خواہ سرگوشی کرو یا جہر سے بات کرو ہم کو دلوں تک کی خبر ہے سبحان اللہ کیا کلام ہے انہ علیم بذات الصدور (وہ دلی باتوں سے واقف ہیں) میں قول سے لے کر ذات الصدور تک جتنے مراتب ہیں ظہور و اخفا کے سب آ گئے۔ آگے اس کی دلیل عقلی ہے الایعلم من خلق یعنی وہ ذات جس نے پیدا کیا ہے وہ نہ جانے گا یہ عقلی مسئلہ ہے کہ ایجاد بعد علم کے ہوتا ہے اس لئے کہ فعل اختیاری مسبوق بالارادہ ہوتا ہے اور ارادہ مسبوق بالعلم سے مطلب یہ ہوا کہ کیا ہم تمہاری چھپی کھلی ہوئی بات سے ناواقف ہیں ہم نے خود ہی تو سب کو پیدا کیا ہے اس میں بڑی تاکید خشیت کی ہو گی کہ ہر حال میں ڈرنا چاہیے آگے ارشاد ہے وھو اللطیف الخبیر (وہ باریک بین اور پورے باخبر ہیں) یہ جملہ بھی خشیت کا مؤکدہ ہے اس لئے کہ نہ ڈرنے کی دو وجہ ہوتی ہیں کبھی تو مخوف منہ کا بعید ہونا تو اس کی نسبت تو اشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت قریب ہیں لیکن چونکہ لطیف ہیں اس لئے نظر نہیں آتے دوسری وجہ نہ ڈرنے کی مخوف منہ کو خبر نہ ہونا ہوتی ہے تو اس کے لئے فرماتے ہیں کہ وہ خبیر بھی ہیں غرض بحواء قیاس الغائب علی الشاہد تم ہم کو مخلوق پر قیاس نہ کرو ہم سے تم کسی بات کو چھپا نہیں سکتے اس لئے خشیت ضروری ہے ان آیات سے خوف کی فضیلت اور اس کا مفتاح سعادات دنیویہ واخرویہ ہونا معلوم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خشیت بہت ہی ضروری شے ہے۔ (خواص الخشیۃ ص ۳۰، ۳۱)

طریق تحصیل خشیت

اپنے روزانہ اوقات میں سے آدھ گھنٹہ یا بیس منٹ نکال کر تنہا بیٹھ کر دو چیزوں کو سوچا کرو۔ اول تو اپنے اعمال سیئہ کو یاد کرو اور خدا تعالیٰ نے جو اس پر سزا مقرر فرمائی ہے اس کو سوچا کرو اور اس کے بعد اپنے نفس سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہو کہ اے نفس تو کیوں ہلاک ہوتا ہے دیکھ تو سہی ان اعمال کی یہ پاداش تجھ کو بھگتنا پڑے گی اور اس کے بعد اپنے مرنے سے لے کر جنت اور جہنم کے داخل ہونے تک جو جو واقعات پیش آنے والے ہیں مثلاً قبر میں جانا منکر نکیر کا سوال کرنا حساب کتاب پل صراط سب واقعات تفصیل کے ساتھ سوچو یہ وظیفہ اپنا روزانہ رکھو دیکھئے تو سہی کیا ثمرہ ہوتا ہے۔ (خواص الخشیہ ص ۳۱)

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ط
ترجمہ: اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے

تفسیری نکات

سمع کو مفرد لانے میں نکتہ

ایک اور نکتہ بیان کرتا ہوں کہ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے وجعل لكم السمع والابصار والافئدة اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے اس میں ابصار و افئدة کو جمع لایا گیا ہے اور سمع کو مفرد مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا تھا کہ سمع ایسی چیز ہے کہ بہت سے سننے والے ایک دم سنتے ہیں اس لئے وہ سب مل کر مثل ایک کے ہیں۔ مجلس واحدہ میں عادتاً یہی ہوتا ہے کہ سب ایک دم سنیں یہ نہیں کہ علی التعاقب سنیں تو گویا سب اسمع جمع ہو کر سمع واحد کے حکم میں ہیں اور ابصار میں تعاقب ہو سکتا ہے اسی طرح قلوب کے فہم میں بھی تعاقب ہوتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ادراک سمع کا واحد تھا اس لئے سمع کو مفرد لائے بخلاف ابصار و قلوب کے کہ ان کا ادراک علی التعاقب جدا ہو سکتا ہے اور اس نکتہ کی ضرورت اس مقام پر ہو گی کہ ابصار و قلوب بدون اضافت الی ضمیر الجمع آیا ہو ورنہ اضافت الی ضمیر الجمع (ضمیر کی جمع کی طرف مضاف ہونے کے بغیر کے وقت تو بوجہ مقابلہ جمع بالجمع کے ابصار و قلوب بھی حکم مفرد میں ہو جاویں گے۔

اب ایک نکتہ اور بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ ختم الله على سمعهم (ان کے کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی) آلایت میں قلب اور سمع کے لئے ختم لائے اور بصر کے واسطے غشاوة لائے اس میں بھی ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ قلوب اور سمع کا ادراک کسی ایک جانب کے ساتھ خاص نہیں تو ان کے ابطال ادراک کے لئے سب جوانب سے موانع کے احاطہ کی ضرورت ہے اور ختم میں ایسا ہے احاطہ ہوتا ہے جو سب جوانب سے مانع ہوتا ہے بخلاف بصر کے کہ اس کا ادراک صرف جہۃ مقابلہ سے ہوتا ہے سو اس کے مانع کا بھی ایک جانب سے ہونا کافی ہے اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

غشاوۃ ایک ہی جانب سے ہوتا ہے اس لئے فرمایا ختم اللہ علی قلوبھم و علی سمعھم (یعنی ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کردی) و علی ابصارھم غشاوۃ یعنی ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور یہ نکتہ جب ہے کہ و علیٰ سمعھم کا عطف علی قلوبھم پر ہو اور بعض مفسرین وعلی ابصارھم کا عطف علی قلوبھم پر نہیں کرتے بلکہ اس کو معطوف علیہ قرار دیتے ہیں۔ وعلی ابصارھم کا تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا سمع و بصر دونوں پر پردہ ڈالا گیا ہے اور مجھے یاد نہیں کہ اس جگہ عطف میں کیوں اختلاف ہوا ہے میرے نزدیک تو شق اول متعین ہے کیونکہ دوسری جگہ احتمال اول کی تصریح ہے۔ و ختم علی سمعہ و قلبہ و جعل علی بصرہ غشاوۃ اس کے کانوں اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا پس جب وہ وجہ محتمل ہی نہیں تو میں اس کی توجیہ میں دماغ کیوں تھکاؤں ناحق کے نکتے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔

کوئی احتمال کی بناء پر سوال کرے اور کہے کہ آخر اس کا احتمال تو ہے ہی کہ علی سمعھم کا عطف علی قلوبھم پر ہو تو میں کہوں گا کہ ایسے احتمالات کا اعتبار نہیں ہے کیا قرآن شریف دوبارہ نازل ہوگا جب دوسری جگہ قرآن شریف میں صرحتاً و ختم علی سمعہ و قلبہ و جعل علی بصرہ غشاوۃ اس کے کانوں اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا) موجود ہے تو پھر اس جگہ بھی اس کے مطابق توجیہ کیوں نہ کی جاوے۔

مدرکات قلب کا بیان

اب اس کا بیان کرتا ہوں کہ اس آیت میں ان مدرکات ثلاثہ میں سے کن مدرکات کا بیان ہے سو اول نظر میں تو معلوم ہوتا ہے کہ فقط ایک مدرک کا بیان ہے یعنی فقط بصر کا ذکر ہے مگر بعد تامل معلوم ہوتا ہے کہ دو کا ذکر ہے ایک بصر کا عینین میں دوسرے قلب کا گو اس کا ذکر منطوقاً نہیں کیا ہے۔ مگر وھدیناہ النجدین۔ میں مفہوماً ذکر کر دیا پس ہدیناہ النجدین میں نعمت قلب کا تذکرہ ہے کیونکہ فعل قلب کا ہے قلب ہی سے تو ہدایت کا ادراک ہوتا ہے اور یہی قلب مخاطب ہے امر و نہی کا اور یہی مدرک ہے کلیات و جزئیات کا گو بواسطہ آلات سہی اور وہ آلات عقل و حواس ہیں ظاہرا بھی باطنہ بھی اور یہ قلب حافظہ ہے کلیات و جزئیات مدرکہ کو ظواہر نصوص سے مفہوم ہوتا ہے اور گو یہ حکماء کے خلاف ہے کہ انہوں نے اختلاف مدرکات (بصیغۃ المفعول) سے خود مدرکات (بصیغہ الفاعل) میں بھی اختلاف کا دعویٰ کیا ہے۔ کلیات کے لئے عقل اور جزئیات کے لئے حواس پھر مختلف مدرکات کے لئے حافظات بھی جدا جدا مانتے ہیں مگر متکلمین کو یہ مضر نہیں کیونکہ یہ قول حکماء کا سب بناء الفاسد علی الفاسد ہے کیونکہ اس تغایر کی ضرورت ان کو الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد (واحد سے ایک

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہی صادر ہوتا ہے) کی وجہ سے ہوئی ہے جیسا کتب فلسفہ میں مشہور ہے اور یہ قاعدہ خود غلط ہے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے و نیز اس قاعدہ میں خود حکماء نے تصریح کی ہے کہ یہ قاعدہ واحد حقیقی کے متعلق ہے اور قوی مدرکہ کی وحدت حقیقہ خود باطل ہے۔ نامعلوم یہ حکماء کہاں چلے جاتے ہیں اصل مسئلہ میں تو واحد کے ساتھ حقیقی کی قید لگاتے ہیں اور تحقیق فروع کے وقت اس قید کا خیال نہیں کیا جاتا۔ کتنی بڑی غلطی ہے۔ یہ تو ایسا ہوا کہ بچے کئے تبت کے اور رواں پڑھا لیٹے البتہ آلات اور ان کے تغائر کا دعویٰ صحیح ہے جس کی سیدھی دلیل انی مشاہدہ ہے مگر حکماء نے دلیل لمی بیان کرنا چاہا اور مدرک (بالفتح) مختلف پائے گئے اس لئے قاعدہ مذکورہ کی بناء پر مختلف مدرکات کی ضرورت پڑی پھر جن جن مدرکات میں قابلیت جس جس کی ادراک سمجھے ایک ایک ادراک کو ان کے سپرد کر دیا۔ جن میں سب مدرکات (بالفتح) حسیہ تو ادراکا و حفظاً حواس کے متعلق ہو گئے مگر مدرکات کلیہ باقی رہ گئے ان کا مدرک عقل کو تجویز کیا مگر کوئی حافظ ان کلیات کا نہیں ملا تو عقلی گھوڑے دوڑائے اور کوئی نہ تھا تو عقل فعال کا نام دے دیا اور عقل فعال کو کھینچ لائے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الحَاقَّة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اور (حکم ہوگا) کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے صلے میں جو تم نے گذشتہ ایام (یعنی زمانہ قیام میں کئے ہیں)

تفسیری نکات

ایام خالیہ کی تفسیر

پس ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت میں اصحاب الیمین سے کہا جائے گا کلوا و شربوا هنيئا بما اسلفتم فى الايام الخاليه کہ کھاؤ اور پیو ان اعمال کے عوض میں جو تم نے ایام خالیہ میں کئے ہیں۔ ایام خالیہ کی ایک تفسیر ابن عدی وبیہقی نے وہ نقل کی ہے جو پہلے سے میرے دل میں تھی اور اسی کی بناء پر میں نے اس آیت کو بیان کے لئے اختیار کیا تھا مگر مجھے تلاش تھی کہ اس کی تائید سلف کے کلام سے بھی مل جائے بدوں تائید سلف کے میں قرآن کے ایک لفظ کی تفسیر بھی گوارہ نہیں کرتا کیونکہ تفسیر بالرائے سے ڈر لگتا ہے ہاں نکات و لطائف بیان کرنے کا مضائقہ نہیں کیونکہ وہ تفسیر میں داخل نہیں بلکہ امر زائد کی قبیل سے ہیں بہر حال مجھے تلاش تھی کہ ایام خالیہ سے جو میں نے سمجھا ہے اس کی تائید منقول سے مل جائے اول اور تفاسیر دیکھیں جلالین وغیرہ مگر کسی میں اس کی موافقت نہ ملی پھر اخیر میں درمنثور میں تلاش کیا تو اس میں ابن منذر وابن عدی اور بیہقی کی تخریج سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن رفیع نے بما اسلفتم فى الايام الخالية (یہ بدلہ ہے اس کا جو ایام خالیہ میں تم نے کئے ہیں) کی تفسیر میں فرمایا ہے هو الصوم (وہ روزے ہیں) قلت و عزاه القمى فى تفسير الى مجاهد والكلبى قالا هى ايام الصيام قال القمى فيكون الاكل والشرب فى الجنة بدل الا

(c) ketabton.com: The Digital Library

مساک عنھما فی الدنیا (ج ۲۹ ص ۳۴) (میں کہتا ہوں فی تفسیر میں مجاہد وکلبی کی طرف منسوب کیا ہے انہوں نے کہا ایام خالیہ سے مراد روزے کے دن ہیں لہذا کھانا پینا جنت میں دنیا میں کھانے پینے سے رکنے کا بدل ہو جائے گا) اگر یہ تائید نہ ملتی تو بڑی فکر ہوتی اور مجھے کوئی دوسری آیت تلاش کرنا پڑتی۔ مگر دل اسی کے بیان کو چاہتا تھا کیونکہ اول ذہن میں یہی آئی تھی اور اس کے ہی متعلق ایک خاص مضمون ذہن میں بھی آ گیا تھا مگر خدا کا شکر ہے کہ تائید مل گئی اور مجھے دوسری آیت تلاش کرنا نہ پڑی اب سنئے کہ مشہور تفسیر تو ایام خالیہ کی ایام ماضیہ ہے اور میرے دل میں یہ بات آئی تھی کہ ایام خالیہ سے مراد وہ ایام ہیں جو طعام وشراب سے خالی تھے۔ یعنی ایام صیام چنانچہ سلف کے کلام سے بھی اس کی تائید ہو گئی دوسرے عقلی طور پر ظاہر یہ ہے کہ جزا مناسب عمل ہو اور نصوص میں غور کرنے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور صوفیہ نے تو اس کو کشفی طور پر بیان کیا ہے اس قاعدہ سے بھی صوم کا عوض اکل وشرب ہی ہونا چاہیے۔

فھو فی عیشة راضیه فی جنة عالیه قطو فھا دانیه کلوا و اشربوا ھنیئا بما اسلفتم فی الایام الخالیه

کہ وہ شخص نہایت چین میں ہوگا۔ بلند جنت میں ہوگا جس کے میوے نزدیک ہیں (یعنی جھکے ہوئے ہیں جن کے توڑنے میں کوئی دشواری نہیں پھر ارشاد ہے **کلوا واشربوا الخ** کہ ان سے کہا جائے گا کھاؤ پیو بعوض اس کے کہ تم نے ایام خالیہ میں کیا ہے۔

چونکہ ایام خالیہ کی تفسیر مختلف ہے اس لئے میں ابھی اس کا ترجمہ نہیں کرتا بلکہ تحقیق بیان کرنے کے بعد ترجمہ کروں گا۔

کھانے پینے کی رعایت

پہلے میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے اکل وشرب (کھانے پینے) کا ذکر مستقل طور پر کیوں کیا۔ حالانکہ **فھو فی عیشة راضیه** میں یہ بھی داخل ہو چکا تھا تو اس افراد بالذکر کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کھانے پینے کا سب سے زیادہ عاشق ہے اور اس کے سوا جتنی مستیاں وہ سب اسی کے تابع ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص کو جو کسی عورت یا مرد پر عاشق ہو چار پانچ دن تک کھانے پینے کو نہ دیا جائے پھر اس سے پوچھا جائے کہ بتلاؤ روٹی اور پانی لاویں یا عورت اور امرد کو بلائیں تو وہ اس وقت روٹی اور پانی ہی کی درخواست کرے گا اور عورت اور امرد کے عشق کو بھول جائے گا۔ اسی طرح اور سارے مطلوبات کو دیکھ لیا جائے تو سب کا مدار اسی پر ہے چنانچہ اسی کے لئے نوکری اور ملازمت کی جاتی ہے اور اسی کیلئے تیری میری غلامی کی جاتی ہے۔ بعض دفعہ آدمی اس سے گھبرا کر یوں بھی کہنے لگتا ہے کہ یہ دوزخ کہاں کا لگ گیا مگر پھر بھی اس دوزخ کے بھرنے سے نہیں رکتا ایک وقت بھرنے کے بعد پھر دوسرے وقت کے لئے فکر ہے کہ شام کو اسے کس چیز سے بھرا جائے گا اور یہاں

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمارے جذبات کی کس قدر رعایت فرمائی ہے۔

وماھو بقول شاعر (الحاقۃ آیت ۴۱)

اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔

ملفوظ ۱۸: "وماھو بقول شاعر" پر اشکال اور اس کا جواب

ارشاد فرمایا قرآن شریف میں ہے وما علمناہ الشعر و ما ینبغی لہ اور وما ھو بقول شاعر حالانکہ قرآن کی بہت سی آیتیں نظم پر منطبق ہیں جیسے فاصبحوا لا یری الا مساکنھم یا جیسے یرزقہ من حیث لا یحتسب پھر اس کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ ایک تو انطباق ہے اور ایک تطبیق ہے۔ ممانعت اگر ہے تو تطبیق کی ہے نہ انطباق کی۔ یعنی قصداً اوزان شعری پر منطبق کرنے کی ممانعت ہے۔ اور ایک منطبق ہو جانا اس کی ممانعت نہیں ہے۔ اسی تفصیل پر تغنی بالقرآن کے حکم ہے' اگر قصد غنا کے ہو تو ممانعت ہے والا فلا یعنی اصل مقصود تو ادائے حروف' اس میں اگر تبعاً کوئی غنا کی صورت پیدا ہو جائے کچھ حرج نہیں قصد تغنی کے نہ ہونا چاہیے۔ (ملفوظات حکیم الامتؒ ج ۱۵ص ۳۲)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ نُوْح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝٥ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا ۝٦ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝٧ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝٨ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝٩

ترجمہ: آخر نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات کو بھی اور دن کو بھی (دین حق کی طرف بلایا) سو میرے بلانے پر دین سے اور زیادہ بھاگتے رہے اور (وہ بھاگنا یہ ہوا کہ) میں نے جب کبھی ان کو دین حق کی طرف بلایا تا کہ آپ ان کو بخش دیں تو انہوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں دے لیں اور (نیز زیادتی کی انتہا ہے) اپنے کپڑے (اپنے اوپر) لپیٹ لئے اور اصرار کیا اور (میری اطاعت سے) غایت درجہ کا تکبر کیا پھر بھی میں نے ان کو بہ آواز بلند فرمایا پھر میں نے ان کو خطاب خاص کے طور پر ان کو علانیہ بھی سمجھایا اور خفیہ بھی سمجھایا۔

تفسیری نکات

حضرت نوح علیہ السلام کی غایت شفقت

بعض ظالم مصنف نوح علیہ السلام کی بابت کہتے ہیں کہ ان میں شفقت ورحم نہ تھا اور یہ دلیل لکھی کہ انہوں نے اپنی قوم کے لئے بہت ہی سخت بددعا کی ہے۔ رب لاتذر علی الارض من الکفرین دیاراً (خداوندا!

(c) ketabton.com: The Digital Library

کافروں میں سے زمین پر ایک بھی بسنے والا نہ رہے)

میں کہتا ہوں کہ اس شخص نے نوح علیہ السلام کی بددعا کو تو دیکھ لیا مگر اس کو نہ دیکھا کہ انہوں نے اس ظالم قوم کی تکلیفیں کتنی مدت تک برداشت کیں اس شخص کو بڑا ہمدردی قوم کا دعویٰ ہے ذرا دو نو مہینے ہی ایسی تکالیف برداشت کر کے دکھلا دے نانی یاد آ جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ نوح علیہ السلام کا ساڑھے نو سو برس تک تبلیغ کرتے رہنا اور قوم کی اصلاح میں سعی کرتے رہنا اور ان تکلیفوں کو سہتے رہنا جس کا ذکر اسی آیت میں ہے۔

قال رب انی دعوت قومی لیلًا ونهارًا الی قوله ثم انی دعوتهم جهارًا ثم انی اعلنت لهم واسررت لهم اسرارًا یہ ان کی غایت درجہ شفقت کی دلیل ہے جب اصلاح سے مایوس ہی ہو گئے اور مایوسی بھی وحی سے واقع ہوئی جیسا اس آیت میں ہے۔

واوحی الی نوح انه لن یومن من قومک الا من قد امن الی قوله ولا تخاطبنی فی الذی ظلموا انهم مغرقون

اور یہ سمجھا کہ اب ان سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا سخت اندیشہ ہے اور بظاہر نہ یہ خود ایمان لائیں گے نہ اس کی اولاد میں کسی کے مومن ہونے کی امید ہے اس وقت انہوں نے بددعا کی چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں۔

انک ان تذرهم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرًا کفارًا

جب تک ان کو اصلاح کی امید رہی اس وقت تک تبلیغ کرتے رہے مصائب جھیلتے رہے جو ایک سال دو سال کی مدت نہ تھی بلکہ اکٹھے ساڑھے نو سو برس اسی حال میں گزر گئے جب ان کی طرف سے مایوس ہو گئے اور مسلمانوں کو ان کے وجود سے خطرہ ہونے لگا اس وقت مسلمانوں کے حال پر رحم کر کے کفار پر بددعا کی تو یہ بددعا بھی حقیقت میں رحمت تھی اور اس کا منشاء بھی شفقت ہی تھی یعنی مسلمانوں کے حال پر مگر لوگوں میں مرض یہ ہے کہ وہ صرف ایک پہلو کو دیکھ کر اعتراض کر دیتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا بے رحمی نہیں

تو بتلایئے اس حالت میں اگر نوح علیہ السلام ان کے لئے بددعا نہ فرماتے تو اس کا انجام کیا ہوتا' ظاہر ہے کہ اس وقت تمام دنیا کافروں سے بھری ہوئی تھی مسلمان بہت ہی کم معدودے چند تھے اور کفار کے متعلق معلوم ہو چکا تھا نہ یہ خود ایمان لائیں گے نہ ان کی اولاد میں کوئی مومن ہوگا اور مسلمانوں کی اولاد کے متعلق یہ یقین نہ تھا کہ سب ایمان دار ہی ہوں گے بلکہ ان میں بھی ایمان دار اور کافر دونوں قسم کے لوگ ہونے والے تھے بلکہ مسلمانوں کی اولاد میں بھی غلبہ کفار ہی کو ہونے والا تھا۔ اب اگر اس زمانہ کے کافر غرق نہ کئے جاتے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اوران کی اولاد بھی اس وقت موجود ہوتی تو مسلمانوں کو دنیا میں زندہ رہنا دشوار ہو جاتا۔

(احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جتنے لوگ موجود ہیں وہ نوح علیہ السلام کے صرف تین بیٹوں کی اولاد ہیں' جب تین آدمیوں کی اولاد میں کفار کا اس قدر غلبہ ہے جو مشاہدہ میں آ رہا ہے تو دنیا بھر کے آدمیوں کی اولاد میں کفار کا کیا کچھ غلبہ نہ ہوتا۔ خصوصاً جبکہ ان کفار کی اولاد میں مسلمان کوئی نہ ہوتا سب کافر ہی ہوتے اس مقدمہ کے ملانے کے بعد تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی نوح علیہ السلام نے مسلمانوں کے حال پر بہت ہی رحم فرمایا جو اپنے زمانہ کے کافروں پر بددعا کی ورنہ آج کفار کا وہ غلبہ ہوتا کہ مسلمانوں کو حقیقت نظر آ جاتی اوران کو جینا محال ہو جاتا ۱۲)

غرض اس سیرت کے مصنف نے صرف ایک پہلو کو دیکھا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے واسطے ایسی سخت بددعا کی جو بے رحمی معلوم ہوتی ہے مگر اس نے دوسرے پہلو کو نہ دیکھا کہ ان کی یہ بددعا مسلمانوں کے حق میں خود جن میں یہ مصنف بھی داخل ہے سراسر رحم تھی ورنہ میاں کو آج دنیا میں رہنا اور کفار سے جان بچانا دوبھر ہو جاتا یہ اعتراض تو نوح علیہ السلام پر تھا۔ (العمرہ بذبح البقرہ ملحقہ مواعظ راہ نجات ص ۳۲۷)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾

ترجمہ: اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی یعنی نصف رات کہ (اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو) یا اس نصف سے کسی قدر کم کر دو یا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو۔

تفسیری نکات

تہجد کی مشروعیت قرآن سے اور تراویح کی سنت حدیث سے ثابت ہے

اس کی دلیل ہے پھر دوسرا رکوع گیارہ بارہ مہینے میں نازل ہوا جس کا حاصل اس فرضیت کا منسوخ کر دینا ہے اور تراویح کی نسبت حضورؐ فرماتے ہیں سننت لکم قیامه میں نے تمہارے لئے اس میں تراویح مسنون کی ہے ۱۲) اگر یہ تہجد ہے تو اس کو حضورؐ نے اپنی طرف کیوں منسوب کیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ جو خدا کی طرف سے منسوب ہے وہ حضورؐ اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں لہذا معلوم ہوا کہ تہجد اور ہے جس کی مشروعیت حق تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہوتی ہے اور تراویح اور ہے جس کی سنیت حضورؐ کے ارشاد سے ثابت ہوتی ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ تعامل امت نے دونوں میں فرق کیا ہے۔ غرض یہ عبادت مخصوص ہے اس کے ساتھ اور حقیقت اس کی نماز ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اھل اللہ کی گستاخی کا انجام

وذرنی الخ میں تسلی ہے حضورؐ کی مجھ کو ان مکذبین کے ساتھ نبٹنے دو اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ مقبولان حق کے ساتھ گستاخی کرنے سے خود حضرت حق تعالیٰ انتقام لیتے ہیں چنانچہ ذرنی فرمایا ۔

بس تجربہ کردیم الخ ہر کہ درافتاد برافتاد ہیچ قومی را خدا رسوا نکرد تا دل صاحبدلی نامد بدرد

گلیم پیچیدہ کا ثبوت

یآیھا المزمل بمعنی گلیم پیچیدہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ صوفیہ کا یہ بھی ایک طریق ہے کہ اپنے بدن کو جس میں سر بھی داخل ہے کپڑے میں لپیٹے رہیں تا کہ نگاہ منتشر نہ ہونے پائے اس سے قلب بھی منتشر ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔

انداز تخاطب میں حکمت

یایھا المزمل قم الیل الا قلیلا نصفه او انقص منه قلیلا اوزد علیه الآیة

یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر حکم اس کا امت کو بھی شامل ہے اور مزمل کے معنی ہیں چادر اوڑھنے والا چونکہ رسول اللہ ﷺ کو کفار کی تکذیب سے بہت تکلیف ہوئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ چاہتے تھے کہ یہ کم بخت ایمان لائیں تا کہ جہنم سے چھوٹ جائیں اور وہ لوگ ایمان تو کیا لاتے الٹا تکذیب پر کمر باندھ رکھی تھی اور آیت الٰہی سے تمسخر اور مقابلہ کیا کرتے اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شدت غم ورنج وحزن سے چادر اوڑھ کر بیٹھ گئے تھے اس لئے خاص اس حالت کے اعتبار سے **یایھا المزمل** نداء وخطاب میں فرمایا گیا تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گونہ تسلی ہو اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص ہجوم اعداء اور ان کے طعن وتشنیع سے تنگ آ گیا ہو اس وقت محبوب خاص اسی حالت کے عنوان سے اس کو پکارے جس کیساتھ اس کا تلبس ہے۔

تو دیکھئے اس شخص کو کتنی تسلی ہوگی اور اس لفظ کی کتنی لذت معلوم ہوگی جس کی ایک وجہ یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ محبوب کو میرے حال پر نظر ہے ایسا ہی یہاں بھی **یایھا المزمل** کے عنوان سے جو کہ مناسب وقت سے ہے نداء دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ہے۔ اور بعد اس کے بعض اعمال کا حکم دیا جاتا ہے اور ان بعض ارضی احوال پر صبر کرنے کا ارشاد فرماتے ہیں چنانچہ ایک دوسرے مقام پر بھی اسی طرح فرمایا ہے کہ **فاصبر علی ما یقولون وسبح بحمد ربک** اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اوپر کہ مثال میں اس شخص کا محبوب اس کو یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہے کہ میاں تم ہم سے باتیں کرو ہم کو دیکھو۔ دشمنوں کو بکنے دو جو بکتے ہیں آؤ تم ہم سے باتیں کرو۔ وہ کام کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو یہ تسلیہ بذریعہ وحی کے ہوا مگر امت میں اور اہل اللہ کو اس قسم کے خطابات وغیرہ بذریعہ الہام اور واردات ہوتے ہیں۔ اور اس مقام لفظ مزمل کی تفسیر سے ایک مسئلہ نکلتا ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر اوڑھنے کی وجہ شدت ملال وحزن تھی اس سے ثابت ہوا کہ کامل باوجود کمال کے بشریت سے نہیں نکلتا جیسا یہاں پر بوجہ تکذیب مخالفین کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مغموم ہونا معلوم ہوتا ہے ہاں اتنا فرق ہے کہ ہم لوگوں کا غم ایسے مواقع پر بوجہ تنگ دلی وضعف تحمل کے ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم غایت شفقت اور رحم کے تھا آپ اس پر مغموم تھے کہ اگر لوگ ایمان نہ لائیں گے تو جہنم میں جائیں گے اس وجہ سے ان پر رحم آتا تھا اور غم پیدا ہوتا تھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے لعلک باخع نفسک الخ شاید ان کے ایمان نہ لانے پر جان دیدیں گے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

نیک لوگوں کو اپنے اوپر مت قیاس کرو اگرچہ شیر اور شیر کو لکھنے میں ایک ہی ہیں مگر معنوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اب ندائے یاایھا المزمل کے بعد احکام کا بیان ہوتا ہے حاصل احکام کا یہ ہے کہ تعلق دو طرح کے ہوتے ہیں ایک خالق کے ساتھ دوسرا الخلوق کے ساتھ اور یہ تعلق دو قسم کا ہے موافق کیساتھ اور مخالف کے ساتھ اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے قم اللیل الا قلیلاً اس میں ایک تو قیام وادب تعلیم کیا ہے اور اس کے ساتھ اقتصاد میانہ روی کا ارشاد فرمایا ہے ادب یہ کہ قیام لیل کے لئے وہ وقت مقرر کیا گیا ہے جو کہ نہ بھوک کی تکلیف کا وقت ہے اور نہ معدے کی پری کا وقت ہے کہ طبیعت میں گرانی اور بوجھ ہو اور قیام میں کدورت ہو بلکہ ایسا وقت دونوں تکلیفوں سے خالی ہے اور طبیعت میں نشاط اور سرور ہوتا ہے اور اس میں تشبہ بالملائکہ بھی ہوتا ہے کہ نہ بھوک لگے نہ پیاس لگے نیز رات کے وقت یکسوئی ہوتی ہے اور اقتصاد یہ کہ ساری رات کے قیام کا حکم نہیں دیا کیونکہ اس میں سخت تعب ہوتا ہے بلکہ کچھ حصہ سونے کے لئے بھی مقرر کیا گیا ہے اور چونکہ ہر وقت اور ہر حالت میں ہر شخص کے لئے معین مقدار متعین نہیں ہوسکتی اس لئے او تخییر یہ سے نصف اور ثلث اور دوثلث میں جو مفہوم ہے او انقص منہ قلیلاً او زد علیہ کا جیسا کہ دوسرے رکوع سے معلوم ہوتا ہے اختیار دے کر مخاطب کی رائے پر چھوڑا گیا کہ اگر زیادہ قیام نہ ہوسکے تو تھوڑا ہی سہی حدیث میں ہے۔ وشیء من الدلجۃ اس اقتصاد میں ایک یہ بھی مصلحت ہے اور حکمت ہے کہ توسط میں دوام ہوسکتا ہے اور افراط میں دوام نہیں اور پہلے یہ قیام اللیل کہ مراد تہجد ہے فرض تھا بعد اس کے فرض منسوخ ہوکر مسنونیت باقی رہ گئی اور اقرب الی الدلیل

(c) ketabton.com: The Digital Library

تہجد کا سنت فرض تھا بعد اس کے فرض منسوخ ہو کر مسنونیت باقی رہ گئی اور اقرب الی الدلیل تہجد کا سنت موکدہ ہونا ہے تہجد سے محروم رہنے والوں کو اکثر غلطیاں ہونے لگی ہیں۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تہجد صرف اخیر شب کو ہوتا ہے اور اس وقت اٹھنا دشوار ہے اس لئے انہوں نے چھوڑ رکھا ہے کہ اگر اخیر شب میں نہ اٹھ سکو تو اول شب میں ہی پہلے پڑھنا جائز ہے بعض سمجھتے ہیں کہ تہجد کے بعد سونا نہیں چاہیے سونے سے تہجد جاتا رہتا ہے یہ لوگ اس لئے نہیں اٹھتے یہ بھی غلطی ہے تہجد کے بعد سونا بھی جائز ہے غرض اہل سلوک کے لئے تہجد کا یہ عمل بھی ضروری ہے اگر کبھی قضاء ہو جائے تو زیادہ غم میں نہ پڑے تہجد کی قضا بعد میں کر لے اس آیت سے یہی مراد ہے۔ وهو الذی جعل الليل و النهار خلفة لمن اراد ان يذكر الخ بعض لوگوں کا اگر تہجد قضا ہو جائے تو لوگ حد سے زیادہ پریشان ہو جاتے ہیں اور کراہتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں کہ ہمارا تہجد کبھی قضا نہ ہوا تھا یا درکھواتی پریشانی کا بعض اوقات یہ انجام ہوتا ہے کہ مطالعہ محبوب میں مشغول ہونے کی بجائے خود کے مطالعے میں مشغول ہو جاتے ہیں حالانکہ اس غم میں لگ کر اصل ذکر سے جو کہ مقصود ہے رہ جاتے ہیں اور انسان مطالعہ محبوب کے لئے پیدا ہوا ہے۔

ان ناشئة الليل الخ میں ارشاد ہے کہ رات کو اٹھنے کے وقت چونکہ شور اور شغب سے سکون ہوتا ہے اور معاش کا وقت بھی نہیں ہوتا اس لئے قلب میں یکسوئی ہوتی ہے اس لئے اس وقت جو کچھ زبان سے پڑھا جاتا ہے دل پر بھی تاثیر ہوتی ہے اس مضمون میں ماقبل والی آیت ورتل القرآن ترتيلا کی تعلیل ہے کہ اس وقت بوجہ اور اسباب کے حضور قلب زیادہ ہوتا ہے لہذا قیام لیل اور ترتیل کا فائدہ اس وقت پورے طور سے حاصل ہوگا اس کے بعد ان لک فی النهار الخ میں بطور حکمت بیان فرماتے ہیں کہ آپ کو دن میں اور بھی کام رہتے ہیں مثلاً تبلیغ دین اور تربیت خلائق خود بھی دین ہے لیکن چونکہ اس میں ایک قسم کا تعلق مخلوق سے ہوتا ہے لہذا اس میں خاص قسم کی توجہ الی اللہ پورے طور پر نہیں ہو سکتی جیسی خلوت میں ہو سکتی ہے۔

اہمیت تلاوت ونماز

اب دوسرا معمول اہل سلوک کا مذکور ہوتا ہے۔ ورتل القرآن ترتيلا ترتیل کے معنی ہیں تھام تھام کر پڑھنا صحابہؓ کے زمانہ میں ایک یہ بھی طریق حصول نسبت کا تھا کہ قرآن اور نماز پر مداومت اور محافظت کرتے تھے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خواب میں دریافت کرنا کہ آج کل کے صوفیہ کے طریقوں میں سے کون سا طریقہ آپ کے موافق ہے اور اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد کہ ہمارے زمانے میں تقرب کا ذریعہ ذکر کے ساتھ قرآن اور نماز بھی تھا اور اب صرف ذکر پر اکتفا کر لیا ہے مشہور ہے اور اس تغیر کی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ صحابہ کے قلوب بہ برکت صحبت نبویؐ اس قابل تھے

کہ ان کو اور قیود کو جو بعد میں حادث ہوئیں ضرورت نہ تھی ان کے قلوب میں صحبت نبویؐ کے فیض سے خلوص پیدا ہو چکا تھا وہ حضرات تلاوت قرآن اور کثرت نوافل سے بھی نسبت حاصل کر سکتے تھے ان کو اذکار کے قیود زائد کی حاجت نہ تھی برخلاف بعد کے لوگوں کے کہ ان میں وہ خلوص بدوں اہتمام کے پیدا نہیں ہو سکتا اس لئے صوفیہ کرام نے جو اپنے فن کے مجتہد گزرے ہیں اذکار اشغال خاصہ اور ان کی قیود ایجاد کیں اس وجہ سے کہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ خلوت میں جب ایک ہی اسم کا بتکرار ورد کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ضرب و جہر وغیرہ قیود مناسبہ کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے اور اس کی تاثیر نفس وقلب میں واقع واثبت ہوتی ہے اور رقت وسوز پیدا ہو کر موجب محبت ہو جاتا اور محبت سے عبادت میں اخلاص پیدا ہو جاتا ہے اور اللہ عبادت خالص کا حکم فرماتے ہیں۔ وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین و امرت ان اعبد الخ وغیرہ من الآیات

پس معلوم ہوا کہ حضرات صوفیہ نے یہ قیود ذکر کے طور پر معالجہ تجویز فرمائی ہیں اور اصل مقصد وہی اخلاص ہے پس اگر کسی شخص کو ان قیود سے مناسبت نہ ہو یا بغیر ان قیود کے کسی کو اذکار مسنونہ نوافل وتلاوت قرآن میں پورا اخلاص پیدا ہو سکتا ہے تو صوفیہ کرام ایسے شخص کے لئے ان قیود کی ضرورت نہیں سمجھتے پس اب معلوم ہو گیا کہ یہ تمام قیود اصلاح وتقویت کے واسطے علاجاً تجویز کئے گئے ہیں کوئی شرعی امر قربت مقصود نہیں سمجھا جاتا جو بدعت کہا جائے۔

اب کامل کی توجہ الی الخلق میں ایک شبہ رہا وہ یہ کہ اشتغال بالحق اس کو یاد حق سے مانع ہوگا سو اس شبہ کی منتہی کامل کے حق میں گنجائش نہیں کیوں کہ منتہی کی سبب وسعت صدر کے یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کو شغل خلق یاد حق سے مانع نہیں ہوتا اور نیز خلق کے ساتھ اس کا مشغول ہونا بھی بامر حق ہوتا ہے اور اس کو مقصود اس سے امتثال امر اور رضائے حق جل وعلا ہی ہوتی ہے اور خلق کی طرف اس کی توجہ خداہی کے لئے ہوتی ہے اس لئے اس کو اشتغال بالخلق مانع عن الحق نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اشتغال خود حقوق خلق سے ہے اور اس آیت میں سبحا طویلا بطور جملہ معترضہ کے مخلوق کے اس حق کی طرف اشارہ ہے اور مخلوق کا وہ حق یہ ہے کہ نفع عام تربیت ارشاد لیکن اس حق خلق میں حق خالق کو نہ بھولنا چاہیے چنانچہ یہاں بھی مخلوق کے حقوق کے بیان سے پہلے قم الیل الخ میں حقوق اللہ بیان کئے گئے تھے اور مخلوق کے حقوق کے بعد بھی واذکر اسم ربک فرمایا گیا ہے تو گویا یہ اشارہ ہے اس طرف کہ اس شغل میں ہمیں نہ بھول جانا اول آخر دونوں جگہ یاد دلایا گیا ہے اور واذکر اسم ربک میں اکثر مفسرین لفظ اسم کو زائد کہتے ہیں اور بعض زائد نہیں قرار دیتے اور اس اختلاف سے یہاں ایک عجیب مسئلہ مستفاد ہو گیا اور اختلاف امتی رحمۃ کا ظہور ہو گیا اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ زیادہ اہم قول کا تو موافق حالت منتہی کے ہے اور عدم زیادہ کا قول موافق حالت مبتدی کے ہے کیونکہ مبتدی کو خود مسمی اور مذکور کا تصور کم

جمتا ہے اس کے لئے یہی کافی ہے کہ اسم ہی کا تصور ہو جائے برخلاف منتہی کے کہ اس کو ملاحظہ ذات بلاواسطہ سہل ہے اور حدیث ان تعبدالله کانک تراہ میں مشہور توجیہ پر منتہی کا طریق اور اس کا بیان ہے اور عام کے لئے حضور کا ایک آسان اور سہل طریقہ خدا کے فضل سے سمجھ میں آیا ہے اور وہ یہ کہ آدمی یہ خیال کرلے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن کی مثلاً فرمائش کی ہے اور میں اس فرمائش پر اس کو سنا رہا ہوں اس سے بہت آسانی سے حضور میسر ہو جاتا ہے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ وتبتل الیہ تبتیلا اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ تبتل کو صرف واذکر اسم کے متعلق کیا جائے تو اس صورت میں تبتل سے اشارہ ہوگا مراقبہ کی طرف یعنی ذکر کیساتھ مراقبہ ہو اور ایک یہ کہ تبتل کو مستقل حکم کہا جائے مطلب یہ ہوگا کہ علاوہ احکام مذکورہ کے یہ بھی حکم ہے کہ سب سے قطع تعلق کرو بایں معنی کہ سب کا تعلق اللہ تعالیٰ کے تعلق علمی اور حبی سے مغلوب ہو جائے اور اثر اس مغلوبیت کا تعارض مقاصد کے وقت معلوم ہوتا ہے مثلاً ایک وقت میں دو کام تضاد پیش آئے ایک کام تو اللہ تعالیٰ کے متعلق کا ہے اور دوسر غیر اللہ کے متعلق کا اور دونوں کا جمع ہونا ممکن نہ ہو تو ایسے وقت پر اللہ کے کام کو اختیار کرنا اور خلاف مرضی حق کو چھوڑ دینا بس یہی معنی ہیں قطع تعلق کے نہ یہ کہ کسی سے کوئی واسطہ ہی نہ رکھے۔

تعلق حجاب است ذی حاصلے ۔ چو پیوندھا بگسلی واصلے

تعلق غیر اللہ حجاب لاحاصل ہیں ان تعلقات کو قطع کر کے تم واصل ہو جاؤ گے البتہ اخلاط میں افراط پیدا کرنا منع ہے اس کے آگے فرماتے ہیں مشرق اور مغرب کا وہی مالک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو اسی کو اپنے کام کرنے کے لئے معبود قرار دیتے ہیں۔

معمول اہل تصوف

جس کا حاصل تبلیغ دین اور ارشاد و تربیت اور ہے چونکہ موافقین سے تعلق محبت ہے اس کے حقوق بوجہ اس کے کہ وہ حالت طبعی ہے تقاضائے حب کی وجہ سے خود بخود ادا ہو جاتے ہیں اس لئے اس میں زیادہ اہتمام کی ضرورت نہ ہوئی البتہ مخالف کے معاملہ میں ممکن تھا کہ کچھ افراط تفریط ہو جاتی اس لئے اس کا بیان اہتمام سے فرماتے ہیں۔ واصبر علی مایقولون و اھجرھم ھجرا جمیلا مطلب یہ کہ مخالف کی ایذا پر صبر کیجئے اور ان سے علیحدہ رہئے اچھے طور پر کہیں ایسا نہ ہو کہ سختی سے ان کی آتش عناد اور بھڑک اٹھے اور زیادہ تکلیف پہنچائیں ہجر جمیل سے مراد قطع تعلق ہے اس طرح پر کہ قلب پر تنگی نہ ہو پھر جب صبر کی تعلیم دی گئی تو اس تسہیل کے لئے حضور ﷺ کو اپنے انتقام لینے کی خبر سنا کر آپ کو تسلی بھی فرمائی جاتی ہے کہ وذرنی والمکذبین اولی النعمۃ و مھلھم قلیلا یعنی مخالفین کے معاملے کو ہم پر چھوڑ دیجئے ہم ان سے پورا بدلہ لے لیں گے یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ اہل حق کے مخالفین سے پورا انتقام لیتے ہیں اس لئے بھی مناسب یہی ہے صبر اختیار کیا جائے کیونکہ جب اپنے سے بالا دست بدلہ لینے والا موجود ہے تو کیوں فکر کیجئے خدا تعالیٰ کی اس سنت کے مخالف کو آخرت اور دنیا دونوں میں رسوائی ہو جاتی ہے۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات ۔۔۔ با دردکشان ہر کہ در افتاد بر افتاد

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد ۔۔۔ تا دلے صاحب دلے نیامد بدرد

غرض اہل تصوف کی معمول یہ چند چیزیں ہوئیں جن کا بیان اس مقام پر ہوا قیام اللیل یعنی تہجد تلاوت قرآن تبلیغ دین ذکر وتبتل توکل صبر اس لئے اس مجموعہ بیان کو جو کہ اہل تصوف کے معمولات کو بفضلہ حاوی اور شامل ہے سیرۃ الصوفی کے لقب سے ملقب کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور یا یہا المزمل میں دو لطیفے معلوم ہوئے ایک یہ کہ جس طرح آپ بوجہ غایت حزن والم اپنے اوپر چادر اوڑھے ہوئے تھے اسی طرح بعض اہل طریق کا معمول ہوتا ہے کہ چادر ایسے طور پر لپیٹ لیتے ہیں کہ نظر منتشر نہ ہو اور اس کا قلب منتشر نہ ہو کہ جمعیت کے ساتھ ذکر میں لگا رہے دوسرا لطیفہ یہ المزمل کے معنی عام ہیں کمبل اوڑھنا بھی ہوتا ہے۔ تو یایہا المزمل میں اشارہ ہوگا یایہا الصوفی ہے کیونکہ لفظ صوفی میں گو اختلاف ہے مگر ظاہر یہی ہوتا ہے کہ مراد موٹا کپڑا کمبل وغیرہ مراد لیا جائے پس صوفی اور مزمل متقارب المعنیٰ ہوئے۔ (سیرت الصوفی)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝۸

ترجمہ: اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اس کی طرف متوجہ رہو۔

تفسیری نکات

انقطاع غیر اللہ

چنانچہ اس میں ایک جملہ تو واذکر اسم ربک ہے اس میں ذکر اللہ کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور لگاؤ ہوتا ہے اور تبتل الیہ تبتیلا میں انقطاع کا حکم ہے۔ کیونکہ لغت میں تبتل کے معنی انقطاع ہی کے ہیں۔ رہا یہ کہ انقطاع کس سے؟ تو ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ سے انقطاع تو مراد نہیں کیونکہ الیہ میں صلہ الیٰ خود بتلا رہا ہے کہ انقطاع کے بعد حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا امر ہے پس انقطاع غیر اللہ سے مراد ہوگا۔ بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو صرف تبتل الیہ ہی ایک جملہ دونوں باتوں سے بیان کے لئے کافی تھا کیونکہ جن لوگوں کی نظر عربیت پر ہے وہ جانتے ہیں کہ تبتل وانقطاع کا اصلی صلہ عن ہے جو اس چیز پر

داخل ہوتا ہے جس سے تعلق قطع کیا جاتا ہے اور اس کا اصلی صلہ الی نہیں ہے بلکہ یہ عارضی صلہ ہے اور جس وقت اس کے بعد الی ہوتا ہے اور اس وقت یہ معنی وصول کو متضمن ہوتا ہے اس کو اہل بلاغت تضمین کہتے ہیں پھر کبھی تو ایسے ہوتا ہے کہ متضمن و متضمن دونوں کا صلہ مذکور ہوتا ہے۔ اس وقت تبتل کا استعمال عن والی دونوں کے ساتھ ہوگا اور کبھی صرف الی مذکور ہوتا ہے جو کہ معنی وصول کا صلہ ہے جس کو تبتل کے ضمن میں لیا گیا ہے اور اس کا مدخول وہ ہوتا ہے جس سے وصل ہوگا۔ اور اصلی صلہ یعنی عن مع اپنے مدخول کے حذف کر دیا جاتا ہے مگر لفظوں ہی سے حذف ہوتا ہے ارادہ سے حذف نہیں ہوتا بلکہ ارادہ میں ملحوظ ہوتا ہے اور اس کو حذف اس لئے کر دیتے ہیں کہ وہ تو اس لفظ کا اصلی صلہ ہے اگر محذوف بھی ہوگا تو سننے والے خود سمجھ لیں گے چنانچہ یہاں ایسا ہی ہوا ہے کہ تبتل کا عارضی صلہ الی مذکور ہے اور اصل صلہ عن مقدر ہے لفظ الی سے معلوم ہو گیا کہ تبتل معنی وصل کو متضمن ہے پس معنی یہ ہوئے کہ تبتل عن الخلق الیہ یعنی مخلوق سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے تو چونکہ یہاں معنی انقطاع لفظ تبتل سے اور معنی وصل صلہ الی سے مفہوم ہو رہے ہیں۔ اس لئے یہی ایک جملہ وصل و فصل دونوں پر دلالت کر رہا ہے۔

طریق توجہ

اب سوال ہوگا کہ پھر واذکر اسم ربک کی کیا ضرورت تھی کہ کیا یہ زائد ہوا تو خوب سمجھ لو کہ یہ بھی زائد نہیں کیونکہ گو تبتل الیہ میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا امر ہو گیا مگر اس میں طریق توجہ کا ذکر نہ تھا واذکر اسم ربک میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور اس کے بتلانے کی ضرورت بھی تھی کیونکہ توجہ کے جتنے طریقے ہیں یہاں سب متعذر ہیں توجہ کا ایک طریقہ تو مشاہدہ یعنی رویت ہے اور یہاں حق تعالیٰ کا یہ مشاہدہ نہیں ہو سکتا ہاں آخرت میں ہوگا چنانچہ حدیث مسلم میں ہے لن ترو اربکم حتی تموتوا

ہرگز نہ دیکھو گے اپنے رب کو مرنے سے پہلے اس سے جیسے دنیا میں مشاہدہ کی نفی ہوئی ایسے ہی مرنے کے بعد رویت کا اثبات بھی ہو رہا ہے۔

تبتل الیہ میں وصل و فصل دونوں مذکور ہیں اور یہی خلاصہ ہے طریق کا مگر اس جگہ طریق کا مبتداء و منتہیٰ بتلایا گیا ہے کہ فصل مبداء طریق ہے اور وصل منتہی اور ان دونوں کے بیچ میں کچھ وسائط بھی ہیں کیونکہ فصل کے درجات ہیں ناقص اور متوسط اور اعلیٰ پھر جیسا جیسا فصل ہوتا جائے گا ویسا ویسا وصل حاصل ہوتا جائے گا جب تک فصل ناقص ہے وصل بھی ناقص ہے اور جب فصل متوسط ہوگا وصل بھی متوسط ہوتا جائے گا اور جس دن فصل کامل ہو جائے گا فوراً وصل بھی کامل ہو جائے گا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں دیکھتا ہوں کہ مشائخ کا مریدوں کے اجتماع وہجوم سے جی نہیں گھبراتا نہ ان کی تعظیم وتکریم سے الجھن ہوتی ہے حالانکہ ضرورت ہے کہ کوئی وقت ایسا ہو کہ جس میں مخلوق سے یکسو ہو کر خالق کی طرف متوجہ رہا جائے بھلا اور تو کس شمار میں ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی امر ہے وتبتل الیہ تبتیلا جس میں مفعول مطلق تاکید کے لئے حاصل یہ ہوا کہ مخلوق سے کامل طور پر منقطع ہو کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور ظاہر ہے کہ کامل توجہ بدوں تقلیل تعلقات کے ہرگز نہیں ہو سکتی تو مشائخ اور سالکین کو تعلقات قائم کرنے کا اہتمام نہ ہونا چاہیے اور لوگوں کے اجتماع وہجوم سے پریشانی اور تعظیم وغیرہ سے الجھن ہونی چاہیے یہ مذاق پیدا کرو کیونکہ کمال وصول بدوں اس کے نہیں ہو سکتا سو اگر ان آفات سے بچنا چاہتے ہو تو تجربہ کی بناء پر میری رائے یہ ہے کہ کٹے ملا بن کر رہو کہ نہ ہوحق ہو نہ تعویذ گنڈوں کا سلسلہ ہو درویشوں کا رنگ نہ اختیار کرو اس سے ہجوم خلق ہوتا ہے بلکہ ملانے بن کر رہو تا کہ لوگ صورت دیکھ کر یہ سمجھیں کہ یہ سب خشک مولوی ہیں اور متعلقین کو بھی ایسا بننے کی تاکید کرو۔

ضرورت وصل وفصل

خلاصہ یہ ہے کہ وصل وفصل دونوں کا اہتمام کرو۔ خدا سے تعلق بڑھاؤ اور غیر سے تعلق کم کرو اور اس کا طریقہ کسی محقق سے پوچھو اور اگر شیخ میسر نہ ہو تو محققین کی کتابوں کا مطالعہ کر کے کام شروع کرو۔ ان شاء اللہ ناکامی نہ ہوگی اور اگر مشائخ محققین موجود ہوں تو ان سے مل کر طریق معلوم کرو اگر ملنا نہ ہو سکے تو خط وکتابت سے مراجعت کرو اور عمل کا اہتمام کرو کیونکہ بدوں عمل کے باتیں یاد کر لینا اور تصوف کے مسائل رٹ لینا محض بےکار ہے اس طریق میں باتیں بنانے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ صاحب حال ہونے کی ضرورت ہے پھر حال بھی خود مطلوب نہیں بلکہ اصل مطلوب عمل ہے کیفیات واحوال کی ضرورت بھی عمل ہی کے لئے ہے ورنہ خود کیفیات احوال مقصود نہیں ہیں مگر چونکہ حال سے عمل میں سہولت ہو جاتی ہے اس لئے صاحب حال ہونے کی ضرورت ہے بدوں حال کے عادۃً کام نہیں چلتا۔

اور یاد رکھو کہ حال بھی عمل ہی سے پیدا ہوتا ہے بدوں عمل کے حال وغیرہ کچھ حاصل نہیں ہوتا عمل ہی کی برکت سے ظاہر حال بن جاتا ہے اس پر شاید یہ شبہ ہو کہ ابھی تو تم نے عمل کے لئے حال کی ضرورت بتلائی تھی اور اب حال کے لئے عمل کو ضروری کر دیا یہ تو دور ہو گیا تو بات یہ ہے کہ دور جب لازم آتا ہے کہ موقوف وموقوف علیہ متحد ہوں اور یہاں ایسا نہیں بلکہ یہاں حصول حال اختیار عمل پر موقوف نہیں عمل بدوں حال کے بھی ہو سکتا ہے گو مشقت سے ہو تو ایک جگہ حصول موقوف ہے اور دوسری جگہ سہولت ودوام اس لئے دور نہیں پس حاصل یہ ہوا کہ اول

(c) ketabton.com: The Digital Library

تو ہمت کر کے عمل میں لگے یہاں تک کہ حال پیدا ہو جائے پھر حال پیدا ہونے کے بعد عمل میں ہمت ومجاہدہ کی ضرورت نہ رہے گی بلکہ سہولت سے ہونے لگے گا۔

اب میں ختم کرتا ہوں دعا کرو کہ حق تعالیٰ ہم کو حال وعمل عطا فرمائیں۔ (آمین)

ذات حق کی طرف توجہ کا طریقہ

واذکر اسم ربک میں بھی یہی طریقہ بتلایا گیا ہے اس لئے یہ جملہ زیادہ نہیں۔ حاصل طریقہ کا یہ ہے کہ گو ذات حق کی طرف توجہ تام نہیں ہوسکتی مگر تم اس کو یاد ہی کرتے رہو۔ بس یہی توجہ ذکری کافی ہے۔ اور اسی سے مطلوب حاصل ہو جائے گا۔ گو ذکر کے وقت تمہارے ذہن میں ذات کا تصور حقیقی نہ ہوگا۔ بالوجہ ہی ادراک ہوگا۔ مگر یہی کافی ہے بلکہ اگر مسمی کا تصور بالکل نہ ہو۔ محض اسم اللہ ہی کا تصور ہو تو یہ بھی کافی ہے اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ اس جملہ میں لفظ اسم بھی زائد نہیں گو بعض نے اس کو زائد کہا ہے مگر اسلم وراجح یہ ہے کہ زائد نہ ہو کیونکہ توجہ الی اللہ کا طریقہ ابتداء میں یہی ہے۔ کہ توجہ الی الاسم کی جائے یہ عقدہ حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت سے حل ہوا۔ حضرت فرماتے تھے کہ ذکر میں اول تو توجہ الی المذکور چاہئے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو توجہ الی الذکر ہی کرلے اس سے بھی شدہ شدہ مذکور کی طرف توجہ ہو جاتی ہے گو اس کی توجہ ذکر کی طرف ہے بلکہ اگر توجہ الی المذکور کے ساتھ بھی توجہ الی الذکر ہو تب بھی اس کو توجہ الی المذکور میں مخل سمجھ کر اس کی نفی نہ کرے کیونکہ بالذات اس کی توجہ مذکور ہی کی طرف ہوگی اور ذکر کی طرف طبعاً توجہ ہے۔

کامل ذکر کیلئے خلوت ضروری ہے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان لک فی النہار سبحا طویلا واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا۔ تبتیل سے پہلے ان لک فی النہار سبحاً طویلا فرمایا یعنی دن میں کام زیادہ رہتا ہے اور اس وجہ سے ذکر و تبتیل کے لئے فراغ نہیں ہوتا اس لئے شب کا وقت اس کے واسطے تجویز کیا گیا اور اس کا راز یہ ہے کہ برکت تعلیم کے لئے ضرورت ہے نور کی اور نور پیدا ہوتا ہے ذکر کامل سے اور ذکر کامل کے لئے ضرورت ہے خلوت کی۔ اس لئے بزرگوں نے یہاں تک اہتمام کیا ہے کہ قلب کو بجز ذات واحد کے کسی طرف متوجہ نہ کرنا چاہیے اور وہ ذات حق تعالیٰ کی ہے اسی کو فرماتے ہیں۔

دلا را میکہ داری دل درو بند ۔۔۔ دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

دوسرے یہ کہ اذکرواللہ (اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو) یا واذکر اسم ربک (اپنے رب کے نام کی یاد کرو) میں حق تعالیٰ نے ذکر کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے خواہ لسان ہو یا اور کچھ نیز ذکر باعتبار لغت کے عام بھی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ذکر قلبی و ذکر لسانی دونوں کو بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ ذکر کے اصلی معنی ذکر قلبی ہی کے ہیں اور جہاں کہیں ذکر لسانی مراد ہے وہاں قرآن سے اس پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ ذکر کے معنی ہیں یاد اب دیکھ لیجئے کہ یاد کس کا فعل ہے زبان کا یا قلب کا۔ پس اب ذکر قلبی کے لئے تو ثبوت کی ضرورت نہ رہی۔ البتہ ذکر کا لسانی ہونا محتاج دلیل ہو گیا۔

اقسام ذکر

ذکر کے متعلق اہل علم کو ایک اور شبہ ہو گیا ہے وہ یہ کہ انہوں نے واذکر اسم ربک (اپنے رب کے نام کو یاد کرو) میں لفظ اسم کو زائد رکھا ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو زائد ماننے کی ضرورت نہیں ہے جس کی سہل توجیہ یہ ہے کہ ذاکر دو قسم کے ہیں ایک مبتدی اور ایک منتہی۔ تو اسم ربک میں مبتدی کی حالت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ کیونکہ مبتدی کی اور حالت ہے اور منتہی کی اور۔ اس لئے یوں کیوں نہ کہا جاوے کہ مبتدی کے لئے واذکر اسم ربک ہے اور منتہی کے لئے وتبتل الیہ تبتیلاً ہے کیونکہ مبتدی کے لئے یہی ذکر کا درجہ بہت ہے کہ محبوب کا نام اس کی زبان پر آ جاوے یا قلب میں نام آ جائے۔ ذکر لفظی کی بھی کئی صورتیں ہیں ایک ذکر لفظی زبان سے ایک قلب سے۔ ایک ذکر منطوق ہے اور ایک متصور۔ منطوق تو ظاہر ہے متصور مثال سے سمجھ لیجئے۔

اب ذکر کی اقسام چند ہو گئیں۔ ایک لسانی ایک قلبی اور ذکر قلبی کی خود دو قسمیں ہیں۔ ایک ذکر قلبی لفظی ایک ذکر قلبی نفسی اور ان اقسام میں سے ذکر لسانی بھی غیر موقت نہیں بلکہ بعض احوال کے لحاظ سے وہ بھی موقت ہے کیونکہ نیند کے غلبہ میں اور بول و براز و جماع و مواقع قاذورات میں زبان سے ذکر کرنے کی ممانعت ہے۔ البتہ ذکر قلبی کی کسی حال میں بھی ممانعت نہیں ہر وقت اجازت ہے یہ بیشک محیط کل اور ہر جہت سے غیر موقت ہے پس ذکر قلبی ہی اپنے دونوں قسموں کے ساتھ ایک ایسا مشغلہ ہے جو ہر وقت ہو سکتا ہے۔ گو سونے کے بعد نہ ہو۔ سو اس حالت میں انسان مکلف ہی نہیں۔ اس لئے اس کے متعلق سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ کھاتے وقت بھی ہو سکتا ہے بلکہ یہ ذکر لسانی سے بڑھا ہوا ہے مثلاً جہاں ریا کا شبہ ہو ایک شخص ہے کہ زبان سے تو ذکر کرتا ہے مگر قلب متوجہ نہیں ہوتا تو اس کے لئے یہ بہتر ہے کہ قلب سے ذکر کرے اور زبان سے نہ کرے تو ایسے شخص کے اعتبار سے محض ذکر قلبی ہی افضل ہے۔

مگر مہربانی کر کے اس مسئلہ کو نماز کی قراءت میں متعدی نہ کر لیجئے کیونکہ نماز میں قراءت و تکبیرات و تشہد وغیرہ اگر کوئی شخص قلب میں پڑھ لے اور زبان سے ادا نہ کرے تو نماز نہ ہوگی۔ ہاں گونگا البتہ معذور ہے اس کی نماز محض تصور ہی سے ہو جاوے گی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾

ترجمہ: وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے۔اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں تو اسی کو اپنے کام سپرد کر دینے کے لئے قرار دیئے رہو۔

قبض میں حال سلب نہیں ہوتا

مشرق و مغرب کے ذکر میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح شمس میں طلوع اور غروب ہوتا ہے اسی طرح حالات میں بھی قبض وبسط اسی کے مشابہ ہوتا ہے یعنی قبض میں حال سلب نہیں ہوتا بلکہ مستور ہو جاتا ہے مثل آفتاب کے کہ غروب ہو جاتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ

ترجمہ: آپ کے پروردگار کو معلوم ہے کہ آپ کبھی دو تہائی رات سے کچھ کم جاگتے ہیں کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات جاگتے ہیں اور ایک جماعت بھی ان لوگوں میں سے جو آپ کے ساتھ ہے۔

تفسیری نکات

تہجد کیلئے وقت متعین کرنا ضروری نہیں

اس کے بعد فرماتے ہیں واللہ یقدر اللیل والنھار کہ رات اور دن کا پورا اندازہ حق تعالیٰ ہی کرتے ہیں یہ جملہ بے کار نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم اندازہ ٹھیک طور پر نہیں کر سکتے۔ کہ ہمیشہ ایک ہی وقت پر اٹھو اس لئے کسی خاص وقت کی تعیین لازم نہیں کی جاتی جب آنکھ کھل جائے اسی وقت اٹھ جانا چاہیے یہی معنی ہیں اس کے جو فرمایا ہے علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرء وا ما تیسر من القرآن اور پھر بیماروں کو اور کسب معاش کرنے والوں کو وقت تھی انکی آنکھ بعض دفعہ صبح کے قریب کھلتی ہے تو ارشاد فرماتے ہیں۔

علم ان سیکون منکم مرضٰی وآخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ وآخرون یقاتلون فی سبیل اللہ فاقروٗ اما تیسّر منہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی بیماروں اور مسافروں کو زیادہ بیداری معاف ہے ان کی آنکھ کھل جائے صبح سے پہلے پہلے تو وہ جتنا قرآن پڑھ سکیں نماز میں پڑھ لیا کریں چاہے دو رکعت ہی پڑھ لیا کریں اس سے بھی کامل ثواب مل جائے گا اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو حدیث میں آتا ہے کہ بعد وتر کے دو رکعت پڑھ لیا کرے۔ اس کی نسبت کفتاہ وارد ہے جس کی تفسیر یہ ہے کہ اس سے بھی تہجد کا ثواب مل جاتا ہے۔ سبحان اللہ ہماری روٹیوں کی بھی رعایت ہے کہ تجارت کے لئے سفر کرو تو طویل بیداری معاف ہے جتنا ہو سکے کر لیا کرو کوئی طبیب ایسا ہے جو اسے یوں کہہ دے کہ اس نسخہ میں آدھا پی لو یا ربع پی لو تو صحت کے لئے کافی ہے ایسا کوئی طبیب نہ ملے گا وہ تو قدحے ہی پلا دے گا مگر حق تعالیٰ ایسے ہیں کہ رعایت فرماتے جاتے ہیں کہ زیادہ نہ ہو سکے تو اخیر شب میں دو رکعت ہی پڑھ لو اتنا بھی نہ ہو سکے تو سونے سے پہلے وتر کے بعد دو رکعت پڑھ لو یا رات کو دو تین بار سبحان اللہ ہی کہہ لو بس کافی ہے غرض یہاں بھی ترک منام کے ساتھ فعل مشروع ہوا ہے محض بیداری پر اکتفا نہیں فرمایا۔

تخلیہ مقدم ہے یا تحلیہ

البتہ شیوخ کا اس میں اختلاف ہے کہ تحلیہ کو مقدم کیا جائے اور تخلیہ کو موخر یا تحلیہ کو مقدم کیا جائے اور تخلیہ کو موخر اور مفید دونوں طریق ہیں خواہ تخلیہ کو مقدم کیا جائے یا تحلیہ کو کیونکہ ان دونوں میں جانبین سے استلزام ہے جیسے ایک بوتل میں پانی بھرا ہوا اور ہم پانی نکال کر اس میں ہوا بھرنا چاہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ پہلے پانی کو نکال دو ہوا خود بخود بھر جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی آلہ کے ذریعہ سے پہلے ہوا بھرنا شروع کرو پانی خود ہی نکل جائے گا۔ اسی طرح فضائل کے حاصل کرنے سے رذائل خود بخود زائل ہو جاتے ہیں مثلاً کسی نے سخاوت کی صفت حاصل کر لی تو بخل جاتا رہے گا اور رذائل کے زائل کرنے سے فضائل خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بخل زائل ہو گیا تو سخاوت حاصل ہو جائے گی غرض دونوں طریق مفید ہیں مگر چشتیہ نے تخلیہ کو مقدم کیا ہے (اور یہ آیت بظاہر موئید ہے) اور نقشبندیہ نے تحلیہ کو مقدم کیا اور آیت واذکر اسم ربک و تبتل الیہ تبتیلا (اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ) کا ظاہر ان کو موئید ہے۔ (زکوۃ النفس)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْقِيَامَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾
لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾
فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: بلکہ انسان خود اپنی حالت پر خود مطلع ہوگا گو بااقتضائے طبیعت اس وقت بھی) اپنے حیلے (حوالے) پیش لائے اور اے پیغمبر آپ قبل اختتام وحی قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی لیں ہمارے ذمہ ہے (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کر دینا اور پڑھوا دینا جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس کی پیروی کریں پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے۔

تفسیری نکات

قیامت میں ہر شخص اپنے اعمال پر مطلع ہو جائے گا

چنانچہ ایک آیت مجھے یاد آئی جس پر لوگوں نے غیر مرتبط ہونے کا اعتراض کیا ہے سورۃ قیامہ میں حق تعالیٰ نے قیامت کا حال بیان کیا ہے کہ انسان اس وقت بڑا پریشان ہوگا بھاگنے کا موقع ڈھونڈے گا اپنے اعمال پر اسے اطلاع ہوگی اس روز اس کو سب اگلے پچھلے کیے ہوئے کلام جتلا دیئے جائیں گے پھر فرماتے ہیں بل الانسان علی نفسه بصيرة ولو القى معاذيره۔ یعنی (انسان کا اپنے اعمال سے آگاہ ہونا کچھ اس جتلانے پر موقوف نہ ہوگا بلکہ اس دن انسان اپنے نفس (کے احوال و اعمال) سے خود واقف ہے (کیونکہ اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

وقت حقائق کا انکشاف ہو جائے گا اگر چہ وہ (باقتضائے طبیعت) کتنے ہی بہانے بنائے جیسے کفار کہیں گے واللہ! ہم تو مشرک نہ تھے مگر دل میں خود بھی جانیں گے کہ ہم جھوٹے ہیں۔ غرض انسان اس روز اپنے سب احوال کو خوب جانتا ہوگا اس لئے یہ جتلانا محض قطع جواب اور اتمام حجت اور دھمکی کے لئے ہوگا نہ کہ یاد دہانی کے لئے۔ یہاں تک تو قیامت ہی کے متعلق مضمون ہے اس کے بعد فرماتے ہیں۔ **لاتحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه و قرانه فاذا قرانٰه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه.**

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن نازل ہوتے ہوئے اس کو یاد کرنے کے خیال سے زبان نہ ہلایا کیجئے۔ ہمارے ذمہ ہے آپ کے دل میں قرآن کا جمادینا اور زبان سے پڑھوادینا۔ تو جب ہم قرآن نازل کریں اس وقت فرشتے کی قراءت کا اتباع کیجئے۔ پھر یہ بھی ہمارے ذمہ ہے کہ آپ قرآن کا مطلب بھی بیان کردیں گے۔ اس کے بعد پھر قیامت کا مضمون ہے۔ **کلا بل تحبون العاجلة و تذرون الاخرة** کہ تم لوگ دنیا کے طالب ہو اور آخرت کو چھوڑتے ہو پھر فرماتے ہیں **وجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة** ' بعضوں کے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ تو **لاتحرک به لسانک** سے اوپر بھی قیامت کا ذکر ہے اور بعد کو بھی اس کا ذکر ہے اور درمیان میں یہ مضمون ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے جلدی یاد کرنے کے لئے زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے۔ لوگ اس مقام کے ربط میں تھک تھک گئے ہیں اور بہت سی توجیہات بیان کی ہیں مگر سب میں تکلف ہے اور کسی نے خوب کہا ہے۔

کلامیکہ محتاج معنی باشد لا یعنی ست

تو جس کو حق تعالیٰ کے اس تعلق کا علم ہے جو حق تعالیٰ کو حضورؐ کے ساتھ ہے اس کو آفتاب کی طرح نظر آتا ہے کہ اس کلام کا درمیان میں کیا موقع ہے۔ صاحبو! اس کا وہی موقع ہے جیسے وہ باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا کہ بری صحبت میں نہیں بیٹھا کرتے اور اس کے مفاسد بیان کر رہا تھا کہ درمیان میں بیٹے کو بڑا سا لقمہ اٹھاتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا یہ کیا حرکت ہے لقمہ بڑا نہیں لیا کرتے تو ظاہر میں لقمہ کا ذکر ترتیب کلام سے بالکل بے ربط ہے لیکن جو باپ ہوا ہوگا وہ جانے گا کہ نصیحت کرتے درمیان میں لقمہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ لڑکے نے بڑا لقمہ لیا تھا باپ نے فرط شفقت سے درمیان کلام میں اس پر بھی تنبیہ کردی اس طرح یہاں بھی حق تعالیٰ قیامت کا ذکر فرما رہے تھے اور حضورؐ اس خیال سے کہ کہیں یہ آیتیں ذہن سے نہ نکل جائیں۔ جلدی جلدی ساتھ ساتھ پڑھ رہے تھے تو درمیان میں خدا تعالیٰ نے فرط شفقت سے اس کا بھی ذکر فرما دیا کہ آپ یاد کرنے کی فکر نہ کریں۔ یہ کام ہم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ آپ بے فکر ہو کر سنتے رہا کریں۔ قرآن آپ کے دل میں خود بخود محفوظ ہو جائے گا۔ تو اس مضمون کو درمیان میں ذکر فرمانے کی وجہ فرط شفقت ہے اور اس کا مقتضا یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

تھا کہ اگر یہاں بالکل بھی ربط نہ ہوتو یہ بے ربطی ہزار ربط سے افضل تھی مگر پھر بھی باوجود اس کے ایک مستقل ربط بھی ہے اور یہ خدا ہی کے کلام کا اعجاز ہے کہ جہاں ربط کی ضرورت نہ ہو وہاں بھی کلام میں ربط موجود ہے چنانچہ جو رسالے ربط کے باب میں لکھے گئے ہیں ان سے اس آیت کا مضمون قیامت سے ربط معلوم ہو سکتا ہے میں نے بھی اپنے ایک رسالہ عربی میں اور اپنی تفسیر کے اندر اردو میں اس کا ماقبل سے ارتباط بیان کیا ہے جو کہ تبرع اور احسان کے درجہ میں ہے ورنہ یہاں ربط کی ضرورت ہی نہ تھی۔

شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب ربط کی ضرورت نہ تھی تو ممکن ہے کہ یہ روابط سب مخترع ہوں پھر ان کی حاجت ہی کیا تھی؟ (کیونکہ تقریر سابق سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ فرط شفقت کا مقتضا یہ ہے کہ ترتب و ربط کا لحاظ نہ کیا جائے بلکہ مخاطب کی ضرورت کے موافق کلام کی جائے چاہے ربط ہو یا نہ ہو اور قرآن کا طرز کلام یہی ہے تو اس صورت میں جو کچھ ربط بیان کیا جائے گا وہ مخترع ہوگا کیونکہ متکلم نے ارتباط کا لحاظ کیا ہی نہیں) اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں باوجود طرز تصنیف اختیار نہ کرنے اور شفقت کا طرز اختیار کرنے کے پھر بھی ربط کا لحاظ کیا گیا ہے اس لئے مفسرین کے بیان کردہ روابط مخترع نہیں ہیں۔

کلام اللہ میں طرز نصیحت ہے طرز تصنیف نہیں

آیت کسی واقعہ کے متعلق نازل ہوتی تو جبرئیل بحکم خداوندی حضورؐ سے یہ کہتے کہ اس آیت کو مثلاً سورۃ بقرہ کی فلاں آیت کے بعد رکھا جائے اور اس کو فلاں آیت کے بعد اور اس کو فلاں سورت کیساتھ وعلٰی ہذا تو مصحف میں ترتیب آیات ترتیب نزول پر نہیں بلکہ اس کی ترتیب حق تعالیٰ نے دوسری رکھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کو بھی کسی آیت کیساتھ ملایا گیا ہے دونوں میں کوئی مستقل ربط اور مناسبت اور تعلق ضرور ہے کیونکہ اگر اب بھی دونوں میں کوئی ربط نہ ہوا تو ترتیب نزول کا بدلنا مفید نہ ہوگا تو عجیب بے نظیر کلام ہے کہ باوجود ضرورت ربط نہ ہونے کے پھر بھی اس میں ربط اور پورا ربط ہے پس خدا تعالیٰ کے کلام میں اس مستقل دلیل سے ہم ربط کے قائل ہیں لیکن اگر ربط نہ بھی ہوتا تب بھی قرآن پر اعتراض کی گنجائش نہ تھی۔ ہم کہہ سکتے تھے کہ قرآن میں طرز تصنیف نہیں اختیار کیا گیا بلکہ طرز نصیحت مع لحاظ شفقت اختیار کیا گیا ہے۔

قرآن کا طرز کلام

اس میں ضرورت مخاطب کے لحاظ سے گفتگو کی جاتی ہے جس کی بے ربطی ہزار ربط سے افضل ہوتی ہے اور یہی منشاء شفقت ہے اس امر کا کہ قرآن کی ہر تعلیم کامل ہے جس میں تمام پہلوؤں کی پوری پوری رعایت کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

جاتی ہے اور اسی وجہ سے حق تعالی ہر سورت میں بہت سے احکام بیان فرما کر اخیر میں ایسی بات بیان فرماتے ہیں جو سب کی جامع ہوتی ہے اور جس پر عمل کرنے سے تمام احکام مذکورہ میں سہولت ہو جاتی ہے۔

حدیث وحی غیر متلو ہے

پس حدیث تو چونکہ وحی ہے اگر چہ غیر متلو ہے اس لئے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن کی شرح ہے اور اس لئے اس کا حکم بھی قرآن شریف کا سا ہے اور مسائل فقہ چونکہ انہی اصول پر مبنی ہیں جو قرآن و حدیث میں ہیں اس لئے وہ بھی حکم میں وحی کے ہوں گے تو وحی کبھی جلی ہوتی ہے اور کبھی خفی۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ثم ان علینا بیانه چنانچہ جب حضورؐ پر آیت ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه یحاسبکم به الله۔

نازل ہوئی تو صحابہ نے یہ سمجھا کہ شاید وساوس پر بھی گرفت ہو۔ اس لئے بہت گھبرائے ان کی گھبراہٹ پر دوسری آیت نازل ہوئی جس نے اس کی تفسیر کر دی۔ لایکلف الله نفسا الا وسعها اس آیت نے بتلا دیا کہ وساوس پر جب تک کہ وہ وسوسے کے درجے میں رہیں مواخذہ نہ ہوگا نیز حدیث کے ذریعے سے حضورؐ نے اس کی تفسیر فرمائی۔

ان الله تجاوز عن امتی عماو سوست صدورها مانم تعمد او تتکلم او کما قال

پس حدیث قرآن کی تفسیر ہے کوئی نئی چیز نہیں ہے اور بعض چیزیں چونکہ حدیث میں بھی مجمل رہ گئی تھیں مثلاً مسائل ربوا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مثلاً بمثل یدابید و الفضل ربوا اور دوسری جگہ یہ فرمایا کہ دعوا الربوا والریبه اس سے معلوم ہوا کہ ربوا حرام ہے مگر اس کی جزئیات کا پتہ اس سے نہیں چلتا تھا۔ ہمارے فقہاء رحہم اللہ تعالیٰ نے بمثل اور یدابید سے سب جزئیات کو نکال دیا جن کو عوام الناس نہ سمجھ سکتے تھے اور اسی لئے علم اصول مدون کیا۔ نیز یہ بھی کہہ دیا کہ القیاس مظہر لا مثبت جس میں اس بات کا اقرار ہے کہ ہم نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ جو کچھ کہا ہے حدیث و قرآن ہی کی تفسیر ہے اسی طرح حضور ﷺ کے متعلق جا بجا قرآن میں یہ ارشاد فرمایا کہ جو کچھ آپؐ فرماتے ہیں وحی سے فرماتے ہیں کوئی بات وحی کے خلاف نہیں تو اس سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو حدیث یا فقہ کو نہیں مانتے اور محدثین اور فقہا پر اعتراض کرتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٢١﴾

ترجمہ: (اے منکرو) ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

تفسیری نکات

کسب دنیا اور حب دنیا

اصل یہ ہے کہ وہ حب دنیا ہے جس کی مذمت اس آیت میں ہے اور آیت سے حدیث حب الدنیا راس کل خطیئة (حب دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے) کی تصریح بھی ہوگئی ایک تو ہے کسب دنیا اور ایک ہے حب دنیا تو کسب دنیا تو جائز ہے حب دنیا ناجائز اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک تو پائخانہ میں بہ ضرورت طبیعت بیٹھنا اور ایک پائخانہ کو پیارا سمجھ کر اس میں جی لگا کر بیٹھنا پہلی صورت جائز دوسری ناجائز۔ اسی طرح دنیا کو کمانا تو جائز ہے لیکن اس کو مرغوب ومحبوب سمجھنا حرام ہے۔ قرآن شریف میں ان ہی الفاظ سے وضاحت کی گئی ہے یعنی **کلابل تحبون العاجلة و تذرون الاخرة** یعنی تم لوگ دنیا کو محبوب سمجھتے ہو اور آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہو اور اس خصوص میں ایک شبہ کا احتمال ہے یہ کہ بعضے آدمی یہ سن کر کہ یہ آیت کفار کے متعلق ہے کہنے لگتے ہیں کہ کفار کے متعلق آیات سے ہم کو کیا تعلق اسی طرح اگر وہ کسی ترجمہ قرآن میں دیکھ لیتے ہیں کہ یہ آیت مکی ہے وہ خیال کر لیتے ہیں کہ مکی آیت سے ہم کو کیا تعلق اس لئے اس پر اس کے متعلق بھی کچھ بیان کر دینا ضروری ہے خداوند تعالیٰ کو کسی کی ذات سے محبت وعداوت نہیں ہے بلکہ اس کی بناء اعمال ہیں اور گو بعض احکام کا مورد اگرچہ خاص ہوتا ہے لیکن الفاظ کے عموم سے حکم عام ہوتا ہے اس لئے کفار کی شان میں جو بعض آیات اتری ہیں وہ اگرچہ باعتبار مورد کے خاص ہیں لیکن ان کا حکم عام ہے جس عمل پر کفار کی شکایت ہے اگر وہ عمل ہم میں بھی ہے تو ہم کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

حب دنیا کا مغموم

مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں لوگوں کے جزئی شکوک اور شبہات کا جواب دوں لیکن تبرعاً خاص اس مقام کے اقتضاء سے اتنا کہوں کہ **تحبون العاجلة** بعد بطور تفسیر کے **تذرون الاخرة** بڑھا دینے سے حب الدنیا راس کل خطیئة کے متعلق شبہات کا جواب ہوگیا کہ حب دنیا وہی ہے جس میں ترک آخرت ہو نہ کہ کسب دنیا پس کسب دنیا جائز ہے اور حب دنیا ناجائز کسب اور حب میں وہی فرق ہے جو کہ غلیظ اور صاف کرنے اور کمانے اور اس کے کھانے میں کہ اول برا نہیں دوسرا برا اور معیوب ہے اور یہی وجہ ہے کہ **تحبون العاجلة** فرمایا **تکسبون العاجلة** نہیں فرمایا اب اپنے اوپر منطبق کر لیجئے اور دیکھئے کہ آپ تحبون کے مصداق ہیں یا

تکسبون کے۔اس انطباق میں عوام سے تو کچھ خوف اور اندیشہ اس لئے نہیں کہ ان کو کچھ خبر ہی نہیں ان بے چاروں سے جو بات کہہ دی گئی انہوں نے سن لی اور عمل کر لیا اور علماء سے اس لئے خوف نہیں کہ ان حضرات کی نظریں اصل حقیقت تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں البتہ ان نیم خواندہ لوگوں سے جو بوجہ نیم ہونے کے تلخ بھی ہیں ڈر لگتا ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ دیکھ کر یہ نہ کہہ دیں کہ ہم کو یہ آیت سن کر اپنی حالت پر منطبق کرنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ ہم اس کے مخاطب ہی نہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے لہذا کفار اس کے مخاطب ہوں گے ہم مسلمان اس کے مخاطب نہیں ہو سکتے ہم سے اس آیت کو کیا تعلق لہذا اس کے متعلق عرض کرتا ہوں اور میں نے اس مضمون کو متعدد مرتبہ اس کے قبل بھی بعض جلسوں میں بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اکثر لوگ آیات کے متعلق یہ سن کر کفار کو خطاب کیا گیا تھا بے فکر ہو جاتے ہیں حالانکہ اس سے بے فکر نہیں ہونا چاہیے بلکہ زیادہ فکر میں پڑ جانا چاہیے اور زیادہ اثر لینا چاہیے کیونکہ جب کوئی آیت عتابیہ کفار کی شان میں نازل ہوتی ہے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس آیت کے مضمون کا خطاب کفار کو ان کی ذات کی وجہ سے ہوا ہے یا کسی صفت کی وجہ سے ظاہر ہے کہ ذات کی وجہ سے یہ خطاب نہیں ہوا اور نہ ہر انسان کو گو وہ متقی ہی ہو اس کا خطاب ہوتا کیونکہ ذاتاً سب متحد ہیں اور لازم باطل ہے پس معلوم ہوا کہ کسی صفت کی وجہ سے یہ خطاب ہوا ہے اور کوئی حالت خاصہ اس مضمون کے ترتب کی علت ہے تو اگر وہ علت کفار کے علاوہ کسی دوسری جگہ بھی پائی جائے گی تو اس جگہ بھی یہ مضمون مرتب ہو گا مثلاً اسی آیت میں وعید کا مدار حب العاجلہ ہے لہذا اگر حب عاجلہ تمہارے اندر پائی جائے گی تو تم بھی وعید کے تحت داخل ہو گے پس اب غور کر لو اور اگر اپنے اندر حب عاجلہ دیکھو تو بہت جلد اس کا علاج کرو اور اپنی حالت پر افسوس کرو کہ جو امور اس زمانے میں کفار میں ہوتے تھے وہ آج تمہارے یعنی مسلمانوں کے اندر موجود ہیں۔اسی طرح حدیث من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر کسی نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر کا کام کیا) میں تاویل کر کے لوگ بے فکر ہو گئے ہیں حالانکہ یہ بے فکری کی بات نہیں بلکہ اگر تاویل اس میں نہ ہوتی اور حقیقی معنی مراد ہوتے تو کچھ زیادتی نہ تھی کیونکہ اگر کسی چمار کو چمار کہہ دیا جائے تو اس کو کچھ غیرت نہ آئے گی اور اگر کسی شریف کو چمار کہہ دیا جائے تو اس کو مر رہنا چاہیے تو تاویل کرنے سے وعید میں من وجہ زیادہ شدت ہو گئی اور زجر بڑھ گیا مگر افسوس ہے کہ ہم لوگ فہم سے کام نہیں لیتے بحمد اللہ نیم خوانوں کا شبہ تو رفع ہوا لیکن ایک شبہ تین پاؤ خوانوں کا رہ گیا ہے کہ تحبون اور تذرون سے مطلق محبت اور ترک مراد نہیں بلکہ یہ دونوں لفظ خاص ہیں یعنی وہ ترک مراد ہے جو اعتقاداً ہو اسی طرح محبت سے وہ محبت مراد ہے جو اعتقاداً بقائے دوام کے ساتھ ہو اور ہم میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں کیونکہ ہم بحمد اللہ قیامت کے قائل ہیں دنیا کو فانی جانتے ہیں اس کا جواب ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں کوئی قید نہیں اور تمہارے پاس قید کی کوئی دلیل نہیں اور بلا دلیل کوئی دعوے مسموع نہیں ہوتا پس اس قسم کی قید لگانا قرآن شریف کے مقصود کو باطل کرتا ہے اور یہ ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے کسی جگہ پر پہنچ کر ایک مجمع میں بیٹھ کر کہنا شروع کیا کہ میں جب یہاں آیا تو ایک عورت سے میری آشنائی ہوئی اور میں اس کے گھر

(c) ketabton.com: The Digital Library

جایا کرتا تھا اور اس کا گھر ایسا ایسا تھا اور اس کا شوہر ایک بار آ گیا تھا اور اس نے مجھ کو اس اس طرح چھپا دیا تھا اور اس موقعہ پر اس عورت کا شوہر بھی تھا اور اس کے پکڑنے کی فکر میں تھا اب یہ اقراری مجرم مجمع کے سامنے ہو گیا جرم ثابت ہونے میں کوئی حجت باقی نہ رہی اس عورت کو خبر ہوئی اور کچھ اشارہ کر دیا جس کو یہ سمجھ گیا اور تمام قصہ ختم کر کے اخیر میں کہہ دیا کہ بس اتنے میں آنکھ کھل گئی تو کچھ بھی نہ تھا لوگوں نے کہا کہ کیا یہ سب خواب تھا کہنے لگا اور نہیں تو بھلا میں غریب پردیسی مجھ کو کون پوچھتا ہے تو ایسی تاویل آپ حضرات ہی کو مبارک ہو ہمارا مذہب ہے کہ المطلق یجری علی اطلاقہ (جس میں کوئی شرط اور قید نہ ہو وہ عام ہی رہے گا البتہ اگر عمل کی اباحت کہیں قرآن شریف یا حدیث شریف میں مذکور ہوتی تو البتہ رفع تعارض کے لئے اس موقع پر قید مذکور لگا کر تاویل کی جاتی اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ مسئلہ اجرائی مطلق علی الاطلاق ہر جگہ نہیں بلکہ اس مقام پر ہے کہ جہاں مطلق کو اطلاق پر رکھنے میں کسی دوسری آیت یا حدیث سے تعارض واقع نہ ہو اور اگر تعارض ہوگا تو مطلق اپنے اطلاق پر نہ رہے گا غرض یہ ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنی مرضی کے موافق چاہیں اور جس طرح چاہیں کر لیں مگر افسوس ہے کہ ہم کو اس کی ذرا پروا نہیں وہ حالت رہی ہے کہ

ے برہوا تاویل قرآن میکنی پس و کژشد از تو معنی سنی

چوں ندارد جان تو قندیل ہا بہر بینش میکنی تاویلہا

کردہ تاویل لفظ بکر را خویش را تاویل کن نے ذکر را

(تیرے پاس روشنی کے لئے قندیلیں نہیں ہیں تو تو اپنی عقل کے لئے تاویلیں گھڑ رہا ہے)

اور میں علی سبیل التنزیل کہتا ہوں کہ اگر یہ معنے مطلق نہ بھی ہوں اور تذرون مقید ہو اعتقادی ترک کے ساتھ۔ تب بھی آپ کو بے فکری نہ ہونا چاہیے کیونکہ جس دل میں درد نہ ہوتا ہے اس کو تھوڑے سے التفات سے تنبہ ہو جاتا ہے گو وہاں دوسری ہی حالت کا بیان ہو مشہور ہے کہ ع عشق ست و ہزار بدگمانی

حضرت شبلی رحمۃ اللہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سبزی فروش صدا لگاتا ہوا نکلا الخیار العشرۃ بدانق جس کے معنی یہ ہیں کہ دس ککڑیاں ایک دانق کی عوض لیکن حضرت شبلی رحمۃ اللہ نے سن کر ایک چیخ ماری اور رونے لگے اور فرمایا کہ جب دس پسندیدہ آدمیوں کی یہ حالت ہے تو ہم گنہگار کس شمار میں ہیں۔ ان کا ذہن منتقل ہوا خیار کے دوسرے معنی کی طرف یعنی نیک لوگ۔ ان لوگوں کے دل میں ہر وقت وہی ایک بات رچی رہتی ہے حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بسکہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی ہر کہ پیدا میشود دور پندارم توئی

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾
ترجمہ: خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔

کلام پاک میں مکرر آیات کے اعتراض کا عجیب جواب

کسی مسلمان بادشاہ کے زمانہ میں ایک ملحد نے قرآن پر اعتراض کیا تھا کہ اس میں مکرر آیات بھی موجود ہیں۔ یہ خدا کا کلام نہیں معلوم ہوتا بادشاہ نے اس کو گرفتار کر کے بلایا اور پوچھا کہ قرآن پر تجھ کو کیا شبہ ہے بیان کر۔ اس نے یہی کہا کہ قرآن میں بعض جگہ مکررات موجود ہیں اس لئے یہ خدا کا کلام نہیں معلوم ہوتا۔ خدا تعالیٰ کو مکررات لانے کی کیا ضرورت تھی۔ بادشاہ نے جلاد کو حکم دیا کہ اس شخص کے اعضاء مکررہ میں سے ایک ایک کاٹ دو۔ ایک ہاتھ رہنے دو اور ایک پیر۔ ایک آنکھ رہنے دو اور ایک کان کیونکہ یہ خدا کا بنایا ہوا نہیں معلوم ہوتا خدا تعالیٰ کو مکررات کی کیا ضرورت تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس میں اضافہ کیا ہے لہذا مکررات کو حذف کر دو اور ایک ایک عضو رہنے دو۔ واقعی خوب سزا دی۔ اسی طرح آج کل ہمارے بھائیوں نے دین میں انتخاب کیا ہے کوئی نماز کو ضروری سمجھتا ہے اور نماز ہی کی پابندی کرتا ہے نہ زکوٰۃ دے نہ حج کرے نہ معاملات میں سود اور رشوت سے پرہیز کرے۔ کوئی روزہ کو ضروری سمجھتا ہے اور رمضان میں روزہ کا خوب اہتمام کرتا ہے اور بقیہ اعمال وطاعات کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے کوئی حج کو۔ (الہدیٰ والمغفرہ ملحقہ مواعظ فضائل علم ص ۱۴۶)

واما من خاف مقام ربه و نهى النفس عن الهوىٰ

اس میں دو کام فرماتے ہیں جو تمام طرق کو جامع ہیں۔ ایک اپنے مالک کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف۔ دوسرا و نہی النفس عن الهوىٰ الف لام عوض مضاف الیہ ہے اے عن هواها نفس کو اس کی خواہشوں سے روکنا۔ یہ دونوں عمل جملہ طرق حصول جنت کو جامع ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہر چند کہ یہ دونوں عمل افراد بہت سے رکھتے ہیں۔ اور تفصیل کرتے وقت افراد میں کچھ کمی نہ ہوگی مگر اس اختصار کی منفعت یہ ہے کہ جب یہ دونوں مضمون ذہن نشین ہو جائیں تو ہر فرد عمل میں اس کی رعایت رکھنے سے نیک و بد میں تمیز سہولت سے ہو جائے گی۔ گر میں یہی ہوا کرتا ہے کہ افراد کم نہیں ہو جاتے صرف طریق شناخت میں اختصار و سہولت ہو جاتی ہے۔

دیکھئے کتنی سہولت ہو گئی۔ جب آدمی کے دل میں خوف ہوگا کہ مجھے ہر ہر عمل پر حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہوگا تو ہر کام کو تامل کے ساتھ کرے گا اور خیال رکھے گا کہ یہ کام کہیں خلاف مرضی باری تعالیٰ نہ ہو۔ اس سے ایک بصیرت پیدا ہو جائے گی کہ ہر برے عمل کو پہچان لے گا۔ اور اس سے بچ جائے گا۔

(علاج الحرص ملحقہ مواعظ حقیقت مال و جاہ ص ۳۹۲)

اما من خاف مقام ربه و نهى النفس من الهوىٰ فان الجنة هي الماوىٰ (النزعات آیت نمبر ۳۹، ۴۰) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نفس بری بلا ہے اس سے ہر وقت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے عجیب بات ہے کہ جس قدر انسان ریاضات مجاہدات عبادات میں مشغول ہوتا ہے اسی قدر اس کے اندر بھی ایک طاقت ادراک کی پیدا ہوتی رہتی ہے اور اس لطافت سے اس کے کید بھی نہایت لطیف صورت میں پیدا ہونے لگتے ہیں اس لئے یہ بڑی ہی خطرناک چیز ہے۔ اور اس کا علاج بجز قوت اور ہمت کے کچھ نہیں شیطان تو لاحول سے بھاگ جاتا ہے مغلوب ہو جاتا ہے مگر یہ ظالم بجز مقابلہ کے اور وہ بھی ہمت اور قوت سے ہو قبضہ میں نہیں آتا اور ایک چیز سے تو یہ بالخاصہ بہت جلد پھول کر گدھا بن جاتا ہے۔ وہ یہ کہ جب اس کی مدح کی جاتی ہے اس لئے بزرگوں نے اس مدح سے بچنے کی خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ کوشش کی ہے۔ مدح سے اس میں فرعونیت پیدا ہوتی ہے یہ فرعون ہو جاتا ہے۔ نفس اور شیطان کے فرق میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے واما من خاف مقام ربه و نهى النفس عن الهوى فان الجنة هي الماوى جس سے نفس کی قوت معلوم ہوتی ہے کہ اس کے لئے کف اور ضبط کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ اور شیطان کے حق میں فرماتے ہیں ان کید الشیطان کان ضعیفاً اس کے لئے ضعف کو ثابت کیا ہے اور نفس کی یہ خاصیت کہ یہ مدح سے فرعون ہو جاتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

نفس از بس مدح فرعون شد | کن ذلیل النفس ہونا لاتسد

(الافاضات الیومیہ ج ۹ ص ۲۱۲۰)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ عَبَسَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ③
اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ④ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ⑤ فَاَنْتَ لَهٗ
تَصَدّٰى ⑥ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ⑦ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ⑧
وَهُوَ يَخْشٰى ⑨ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ⑩ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ⑪

ترجمہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم چیں بجبیں ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا شاید نابینا آپ کی تعلیم سے پورے طور پر سنور جاتا یا کسی خاص امر میں نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا (کچھ نہ کچھ) فائدہ پہنچاتا۔ تو جو شخص دین سے بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس دین کے شوق میں دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں (آپ آئندہ) ہرگز ایسا نہ کیجئے قرآن (محض ایک) نصیحت کی چیز ہے سو جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے۔

تفسیری نکات

تعلیم اکمل

اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام سے کبھی حقیقی غلطی نہیں ہوئی عرض کیا کہ حضرت والا مثال میں کوئی ایسا واقعہ بیان فرمائیں جس

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے اس کی توضیح ہو۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ جناب رسول ﷺ ایک کافر رئیس کو اسلام کی تعلیم فرمارہے تھے ایسے وقت میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم اعمٰی نے آکر آواز بلند عرض کیا علمنی یا رسول الله مما علمک الله یہ سن کر حضور کے چہرہ مبارک پر ترش روئی کے آثار پیدا ہو گئے جس کا منشا یہ تھا کہ میں اس وقت اصول اسلام کی تعلیم کررہا ہوں اور یہ فروع کی تعلیم چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ اصول مقدم ہیں فروع پر۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں عبس و تولی ان جاءہ الا عمی وما یدریک لعله یزکی. او یذکر فتنفعه الذکری. اما من استغنی فانت له تصدی. وما علیک الا یزکی. واما من جاءک یسعی. وهو یخشی. فانت عنه تلهی. کلا انها تذکرة. فمن شاء ذکره. اب دیکھ لیجئے کہ یہ تعلیم حضور کی طاعت تھی یا غیر طاعت ظاہر ہے کہ طاعت تھی لیکن یہ خطاب عتاب اصول کی تقدیم فروع پر علی الاطلاق نہیں بلکہ اس مقام پر ہے جہاں دونوں کا اثر متماثل ہو باقی تعلیم فروع کا نفع یقینی ہو اور تعلیم اصول کا محتمل وہاں یہ مقدم ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں ایسا ہی تھا اس لئے حق تعالیٰ نے شکایت فرمائی کہ طرق تعلیم میں افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کی طرف کیوں متوجہ ہوئے تو آپ کا عمل بھی طاعت تھا۔ مگر دوسری طاعات اس سے اکمل تھی اس سے ثابت ہوگیا کہ انبیاء علیہم السلام کے تمام اعمال فی نفسہ حسنات اور طاعات اس سے اکمل تھی اس سے ثابت ہوگیا کہ انبیاء علیہم السلام کے تمام اعمال فی نفسہ حسنات اور طاعات ہیں لیکن بڑی طاعت کے مقابلہ میں چھوٹی طاعت کو غلطی فرمایا۔ سائل نے عرض کیا کہ فی الحقیقت یہ مسئلہ خوب صاف ہوگیا۔ پھر عرض کیا کہ وہ صحابی تو خوش ہوئے ہوں گے کہ ہماری وجہ سے حق جل علی شانہ نے ایسا فرمایا۔ فرمایا کہ وہ حضرات اس پر خوش ہونے والے نہ تھے ان حضرات کو حضور سے اس قدر تعلق اور محبت تھی کہ ایسے موقع پر شرمندہ ہوتے تھے کہ ہماری وجہ سے حضور کو ایسا خطاب کیا گیا اپنے پر قیاس نہ کرنا چاہیے اس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ‏ ‏ ‏ ‏ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجتہادی غلطی پر تنبیہ

فرمایا عبس و تولی میں حضور ﷺ کی اجتہادی لغزش تھی کیونکہ یہاں دو قاعدے ہیں۔ ایک یہ کہ تعلیم اصول مقدم ہوتی ہے تعلیم فروع سے۔ اس قاعدہ کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کو تبلیغ فرمائی۔ کیونکہ اس کو حضور ﷺ تبلیغ فرمارہے تھے اور ابن مکتوم مسلمان تھے ان کو فروع کی تعلیم ہوتی۔ گو وہ فروع بھی کسی دوسری شے کی بہ نسبت اصل ہو۔ مگر اسلام کی نسبت تو فرع ہے جیسے اصول فقہ فقہ کے لئے اصل ہے مگر علم کلام کی بہ نسبت فرع ہے اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ نفع متیقن مقدم ہوتا ہے نفع متوہم سے۔ اس وقت اس قاعدہ کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

طرف توجہ نہ ہوئی۔ تو اب حاصل یہ ہے کہ تعلیم اصول فروع سے مقدم ہے بشرطیکہ تاثیر نفع میں دونوں برابر ہوں اور جب علم فروع میں نفع یقینی تو یہ مقدم ہوگی۔ اگر یہ شبہ ہو کہ اجتہادی لغزش پر حضور ﷺ کو ملامت کیوں فرمایا گیا تو جواب یہ ہے اگر حضور ﷺ پر ایک شبہ کا کہ حضور ﷺ نے اعمیٰ کی دل شکنی کی۔ لفظ اعمیٰ میں جواب کی طرف اشارہ کہ حضور ﷺ نے زبان سے کچھ نہیں فرمایا۔ صرف تیوری پر بل ڈالے اور چونکہ وہ نابینا تھے اس لئے ان کو تیوری چڑھانے کی خبر نہیں ہوئی تو ان کی دل شکنی بھی نہ ہوئی کیونکہ وہ تو اعمیٰ تھے ہاں اگر بینا ہوتے تو بیشک دل شکنی ہوتی۔ (الکلام الحسن)

عظمت سرکار دو عالم ﷺ

جس واقعہ میں نازل ہوئی ہے وہ کیسی معمولی بات تھی کہ جس پر عتاب ہونے کا وہم وگمان بھی نہ ہوسکتا تھا۔ مگر عتاب ہوا اور عتاب بھی عجیب وغریب عنوان سے کہ غائب کے صیغہ کے ساتھ عتاب فرمایا۔ معنی یہ ہیں کہ ایک شخص ہیں کہ انہوں نے ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا عبست وتولیت صیغہ حاضر کا نہیں لائے۔ اس میں آپ کی عظمت ووقعت کی کس قدر رعایت فرمائی کہ اوروں کو پتہ نہ چلے کہ کس کو عتاب ہوا۔

شان نزول

جس پر سورہ عبس و تولی نازل ہوئی کہ عبداللہ بن ام مکتوم آئے یہ نابینا تھے اور طالب تھے نابیناؤں کو بعض اوقات موقع کا اندازہ نہیں ہوتا۔ انہوں نے حضور سے کچھ پوچھنا چاہا اس وقت حضور کے پاس کچھ لوگ اور بیٹھے تھے آپ ان کی اصلاح کی طرف متوجہ تھے۔ انہوں نے کچھ سوال کیا آپ کو بے موقع سوال سے ایک گونہ ناگواری ہوئی کیونکہ آپ تبلیغ اصول میں مشغول تھے' اور یہ فروع کا سوال کرتے تھے اور اصول مقدم ہیں فروع پر لیکن یہاں سائل نابینا تھے جن کو حضور کا مشغول یا فارغ ہونا۔ معلوم نہ تھا اس لئے وہ بھی اس فعل میں معذور تھے۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں عتاب ہے اور بطور شکایت نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے برا مانا اور منہ پھیر لیا کیا مزہ کا عتاب ہے۔ جس میں آگے حضور کے عذر کا بھی بیان ہے کہ ایسا کیوں ہوا ان جاءہ الاعمی۔ اعمیٰ کے لفظ میں اشارہ ہوگیا کہ آپ کے عبوس کی اس سائل کو اطلاع بھی نہیں ہوئی جس سے ان کو ناگواری ہوتی۔ غرض کوئی تکلیف سائل کو نہیں ہوئی باقی یہ کہ پھر کیوں عتاب ہوا تو وہ عتاب اس پر ہوا کہ ایسی شکل بنائی کیونکہ اگر وہ سوجھا کا ہوتا تو برا مانتا کس قدر اخلاق کی تعلیم ہے کہ عبوس کی صورت بنانے سے بھی منع فرمایا گیا اور حضور کی شان محبت الٰہی کو دیکھئے کہ اس واقعہ کے بعد یہ حالت تھی کہ جب کبھی عبداللہ ابن ام مکتوم آتے تو آپ اپنی ردائے مبارک ان کے واسطے بچھا دیتے۔ اور فرماتے مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی یعنی

(c) ketabton.com: The Digital Library

مرحبا اس شخص کو جس کے بارہ میں مجھ پر میرے رب نے عتاب کیا اس پر لطف عتاب کا مزہ کوئی دوسرا کیا جان سکتا ہے میں کبھی کبھی بعضے اندھے آدمیوں کے پاس کو گزرتا ہوں تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ سلام نہیں کرتا اس خیال سے کہ وہ مجھے مشغول کرلیں گے مگر اس وقت سورہ عبس کو یاد کر کے شرما جاتا ہوں اور اسی واقعہ میں حضور کی شفقت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اس وقت جن لوگوں سے حضور بات کر رہے تھے وہ مسلمان نہ تھے حضور نے ان کو ایک اہل دین کے مقابلہ میں خطاب میں مقدم رکھا تو یہ کس قدر شفقت ہے کہ دشمنوں کے ساتھ برتاؤ ہے کہ دوستوں سے ان کو مقدم رکھا جاتا ہے۔ غرض یہ نظائر ہیں حضور کی شفقت اور نرمی اور اخلاق کے۔

ضرورت آزادی واعتدال

اور ایک مقام پر فرماتیں ہیں و ان کان کبر علیک اعراضھم فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض او سلما فی السماء فتاتیھم بآیة اور ایک جگہ فرماتے ہیں ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون غرض جابجا قرآن میں مصرح ہے کہ اس کا شدید اہتمام نہ کیجئے کہ ہدایت ہو ہی جائے اور اس تعلیم خداوندی میں ایک راز ہے وہ یہ کہ آزادی اور اعتدال سے کام کرتا رہے ورنہ جو کام کر رہا ہے غلو کرنے سے کہیں تنگ ہو کر اس کو چھوڑ نہ بیٹھے اور اعتدال کی صورت میں ہمیشہ کر سکتا ہے۔ اسی بنا پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس ثمرہ کے منتظر نہ رہنا چاہیے جس کو اہل ظاہر ثمرہ کہتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔ انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء سبحان اللہ کیا پاکیزہ اور پر مغز تعلیم ہے چنانچہ یہ فرما کر کہ ولقد نعلم انک یضیق صدرک اس سے بچا دیا کہ ضیق صدر میں کیوں مبتلا ہوا جائے چھوڑیے اس کو جیسے لڑکا پڑھنا نہ چاہے اور استاد پڑھانا چاہے تو سخت کوفت ہوتی ہے بس اس کا علاج یہ ہی ہے کہ ایک دوبار تقریر کردے اور کہہ دے کہ جاؤ بھاگو بلاضرورت دوسروں کی فکر میں پڑتا اس کی نسبت ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت کی بدولت کہیں اپنی گٹھڑی نہ اٹھوا دینا۔

اب ایک سوال یہ باقی رہا کہ جب حضور ﷺ ایک ایسے اہم کام میں مشغول تھے جو ان صحابی کی تعلیم سے مقدم تھا تو ان صحابی کا اس اہم کام میں مخل ہونا۔ ضرور موجب گرانی تھا۔ اور حضور ﷺ اس ناگواری میں مصیب تھے پھر عتاب آپ پر کیوں ہوا۔ ان صحابی پر ہونا چاہیے تھا کہ یہ ایسے ناوقت کیوں آئے اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ اعمٰی میں ان صحابی کا عذر مذکور ہے۔ کہ وہ بوجہ نابینا ہونے کے معذور تھے۔ ان کو یہ خبر نہ تھی کہ حضور اس وقت کس کام میں مشغول ہیں اور دوسرا جواب حق تعالیٰ نے آگے بیان فرمایا ہے۔ اما من استغنیٰ فانت لہ تصدی وما علیک ان لا یزکی جس کا حاصل یہ ہے کہ جن کفار کو آپ تبلیغ فرما رہے تھے وہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

طالب نہ تھے محض حضور کا دل چاہتا تھا۔ کہ وہ ایمان لے آئیں لیکن وہ خود حق سے اعراض کرتے تھے اور صحابی طالب حق تھے۔ اس صورت میں کفار کی اصلاح موہوم اور صحابی کی اصلاح متیقن تھی تو آپ نے اصلاح موہوم کا اس درجہ اہتمام کیوں فرمایا۔ کہ اس وقت طالب حق کا آنا گراں ہونے لگا۔ اگر ان غریبوں کے آنے سے وہ چلے جاتے۔ تو آپ ﷺ کی جوتی سے۔ آپ کو بھی ان کے ساتھ استغنا کا برتاؤ کرنا چاہیے تھا اور صحابی کی تعلیم میں مشغول ہو جانا چاہیے تھا جس کی اصلاح یقینی تھی پس یہاں سے یہ مسئلہ بتلا دیا گیا کہ منفعت موہومہ پر منفعت متیقنہ کو مقدم کرنا چاہیے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ التَّكْوِيْر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: اور تم بدوں خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔

تفسیری نکات

مشیت کی دو قسمیں

فرمایا مشیت دو ہیں مشیت عباد مشیت رب بندہ کے افعال بمشیت بندہ ہیں مگر وہ مشیت معلول ہے۔ مشیت رب قال اللہ تعالیٰ وما تشاء ون الا ان یشاء اللہ رب العالمین اور بندوں کے افعال مشیت بندہ کہلانے کی وجہ یہ کہ یہ مشیت اول افعال کی علت قریب ہے اور مشیت رب علت بعیدہ اور نسبت علت قریبہ کی طرف کیا کرتے ہیں قدریہ اور جبریہ ایک ایک مشیت پر نظر کر کے راہ حق سے بہک گئے۔ اہل سنت و جماعت کی نظر دونوں مشیتوں پر ہے صراط مستقیم پر قائم رہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: اور تم پر اپنے اعمال یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں۔

تفسیری نکات

کراماً کاتبین کے مقرر ہونے میں حکمت

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حق تعالیٰ عالم الغیب والشهادة اور قادر مطلق ہیں پھر باوجود اس کے جو اعمال لکھنے کے لئے یا عذاب کے لئے جو فرشتے مقرر فرمائے اس کی کیا وجہ ہے بظاہر تو یہ امر خلاف عقل معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ لکھنے کی تو جب ضرورت ہوتی جبکہ خود کو علم نہ ہوتا اور نیز دوسروں کے واسطے سے سزا دینے کی جب حاجت تھی جب کہ بالذات قدرت نہ ہوتی اور وہاں دونوں امر مفقود ہیں پھر اس کی کیا ضرورت ہے چنانچہ معتزلہ نے تو اسی بناء پر کتابت اعمال کا صاف انکار ہی کر دیا ہے۔ اور اہل سنت نے اس مسئلہ میں تحقیق کی ہے اور جن نصوص میں کتاب یا وزن اعمال کی خبر دی گئی ہے ان کا یا تو انکار کیا اور یا ان میں تاویل کی گئی ہے۔

علت سے متعلق ہمارا مذہب

اہل سنت کی طرف سے حقیقی جواب تو یہ ہے کہ نصوص میں جب وارد ہوا ہے تو حق ہے گو ہم کو اس کی علت معلوم نہیں اور نہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے ہمارا تو یہ مذہب ہے۔

زبان تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو!

آپ کا ذکر کرنا چاہیے نہ آپ کے کاموں کی علت

(c) ketabton.com: The Digital Library

بندوں کے ناز کا سبب

باقی حکمت کے مرتبہ میں جو بات حق تعالیٰ نے میرے قلب پر وارد فرمائی وہ یہ ہے کہ بندوں کو اپنے مالک تعالیٰ شانہ سے بے نہایت تعلق وخصوصیت ہے کہ اس قدر کسی سے نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور یہ خصوصیت اس درجہ پر ہے۔ کہ اس کی وجہ سے بندوں کو ایک ناز ہو گیا ہے۔

محبت کا مدار دیکھنے پر نہیں

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کو کیسے محبت ہو گئی ہم نے ان کو دیکھا تو ہے نہیں۔ میں نے کہا کہ محبت کا مدار دیکھنے پر نہیں ہے۔ دیکھو اپنی جان سے کیسی محبت ہے بلکہ حق تعالیٰ سے جان سے بھی زیادہ تعلق ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق اول ہوا ہے اور اس تعلق کی ہی وجہ سے اپنی جان سے تعلق ہوا (لان بینهما علاقة العلية) لیکن ہم کو غایت تعلق وقرب کی وجہ سے ہے اس کا احساس نہیں ہے اس کی مثال محسوسات میں موجود ہے مگر اس سے پہلے اول یہ معلوم کرنا چاہیے۔ کہ یہ فلسفی مسئلہ ہے اور نیز مشاہدہ ہے انسان کی قوت باصرہ ادراک مبصرات میں مستقل نہیں ہے بلکہ بواسطہ کسی خارجی نور کے ادراک کرتی ہے خواہ وہ نور شمس کا ہو یا چراغ کا نجوم کا اسی واسطے تاریک مکان میں خواہ کتنا ہی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں کچھ بھی نظر نہیں آتا پس اولاً ہم کو ادراک اس نور کا ہوتا ہے اور اس کے واسطے سے دوسری اشیاء ہم کو نظر آتی ہیں۔ اب سمجھئے کہ ہم نے مثلاً دیوار کو دیکھا تو ہم تو سمجھتے ہیں کہ اول ہم نے دیوار کو دیکھا اور دیوار کے سوا کوئی شئے ہم کو نظر نہیں آتی حالانکہ اول ادراک ضوء شمس کا ہوا اور اس کے واسطہ سے دیوار نظر آئی مگر ہم اس نور کو غایت قرب کی وجہ سے اس کو مدرک اول نہیں جانتے مری اول دیوار ہی کو جانتے ہیں اور جو اصلی علت رویت کی تھی وہ غایت قرب کی وجہ سے مدرک نہیں ہوتی لیکن وہ ضیاء ہو سکتی ہے انا اقرب الیک من الجدار یعنی اے دیکھنے والے میں تجھ سے دیوار کی نسبت قریب تر ہوں پس معلوم ہوا کہ غایت قرب بھی بعض اوقات مانع ادراک ہو جاتا ہے پس ایسا ہی تعلق وقرب ہم کو ذات باری تعالیٰ سے ہے کہ وہ اس قدر قوی ہے کہ غایت قوت کی وجہ سے اس کا ہم کو ادراک نہیں ہوتا اور تمام اشیاء کے ادراک کا وہ واسطہ ہے۔

کراماً کاتبین صفت ہے

ان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ماتفعلون یعنی بے شک تم پر نگہبان مسلط ہیں جو کریم الذات ہیں اور لکھنے والے ہیں جانتے ہیں وہ شے جو تم کرتے ہو اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کراماً

کاتبین ان کا نام نہیں ہے جیسا کہ عوام میں مشہور ہے بلکہ ان کی یہ صفت ہے اور اس صفت کا یہ بھی اثر ہے کہ وہ مخلوق کریم کسی سے کہتے نہیں صرف لکھنے والے ہیں اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید وہ لکھتے ہوں لیکن ہمارے کرتوت کی ان کو خبر نہ ہو پریس کی طرح کوئی شے ان کے پاس ہوگی کہ جب کوئی عمل ہم سے ہوا اور وہاں منطبع ہو گیا۔ اس کا جواب دیتے ہیں۔ یعلمون ماتفعلون یعنی جو کچھ کرتے ہو وہ اس کو جانتے بھی ہیں۔ صاحبو اگر یہ مضمون پیش نظر ہو جاوے کہ فرشتے ہمارے اعمال کو دیکھ رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں واللہ کوئی گناہ نہ ہو۔

شرم کا مبنیٰ

بڑے شرم کی بات ہے کہ ایک پاک مخلوق جو کہ ہماری جنس بھی نہیں مگر ذی شعور و ذی عقول ہیں ہماری نافرمانیاں اور ناپاکیاں دیکھے اور لکھے اور بالخصوص غیر قوم جو ہمارے ہم جنس نہیں ہیں ان سے تو اور بھی زیادہ شرمانا چاہیے۔ دیکھو اگر ہم پر کسی غیر قوم کی حکومت ہوتی تو ہم کو بہ نسبت اپنی قوم کے ان سے زیادہ خوف ہوتا ہے۔ یہ تو آیت کا حاصل ہوا اور جو مبنیٰ شرم کا اس آیت کی تقریر میں بیان کیا گیا ہے یعنی مخلوق کو اطلاع ہونا ہمارے اعمال کی اس کی تقویت کے لئے اور بھی بعض مخلوقات کے ہمارے اعمال پر مطلع ہونے کا مضمون بیان کیا جاتا ہے کہ اور بھی ایک دوسری جماعت ہے جو ہمارے افعال پر مطلع ہوتی ہے۔

حق تعالیٰ شانہ کا غایت قرب

اسی واسطے ارشاد ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید یعنی ہم انسان اس کی رگ جان سے زیادہ قریب تر ہیں اور فرماتے ہیں و نحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون یعنی ہم تمہارے تم سے بھی زیادہ قریب ہیں لیکن تم بصیرت نہیں رکھتے غرض حق تعالیٰ کے ساتھ جان سے بھی زیادہ محبت ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محبت اگر ہو سکتی ہے تو وہ خدا ہی کے ساتھ ہو سکتی ہے اور کسی شے کے ساتھ محبت نہیں ہو سکتی پس اس غایت قرب کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندوں کو اپنے خالق تعالیٰ شانہ پر ایک قسم کا ناز ہے جیسے بچہ کو غایت تعلق کی وجہ سے ماں پر ناز ہوتا ہے کہ شرم کم ہو جاتی ہے پس فی نفسہ تو اس سے بڑھ کر کوئی طریقہ گناہ سے بچنے کا نہ تھا کہ بندہ اپنے خالق تعالیٰ شانہ سے شرما کر گناہ کو چھوڑ دیتا لیکن ناز نے اس شرم کا اثر کم کر دیا اور نیز ہمارا قصور فہم بھی عارض ہو گیا اس لئے یہ طریقہ کافی نہ ہوا اور یہ قرب حاجب عن العصیان نہ ہوا۔ اس لئے ضرورت ہوئی ایسے طریقہ کی کہ جو اس کے تدارک تلافی کر سکے۔

اعمال لکھنے کیلئے فرشتوں کے مقرر کرنے کا سبب

اور وہ طریقہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمارے اعمال کی کتابت کے لئے فرشتے مقرر فرما دیئے اور پھر ہم کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس کی خبر کردی گویا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اعمال کی صرف ہم کو ہی خبر نہیں بلکہ فرشتوں کو بھی خبر ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے ان علیکم لحافظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون پس یہ معلوم ہو کہ ہمارے افعال کی ملائکہ کو بھی خبر ہے نہایت غیرت اور شرم آوے گی اور اس کا استحضار اگر تام ہو جائے تو بالیقین گناہ سے احتراز ہو جائے اسی طرح گناہ پر سزا خود بھی دے سکتے تھے۔ مثلاً گناہ کرتے ہی ایسا درد پیدا ہوتا کہ بے قرار ہو جاتا لیکن یہ طریقہ بھی کافی نہ ہوتا۔ دیکھ لیجئے اگر باپ بیٹے کو سزا دے تو وہ زاجر نہیں بخلاف اس کے کہ استاد یا غیر اس کو سزا دے کہ وہ کافی ہوتا ہے اس لئے سزا دینے کے لئے بھی ملائکہ کو بھی مقرر فرمایا پس یہ ہے وہ مضمون جس پر بے ساختہ مجھ کو یہ شعر یاد آتا ہے۔

خوشتر آن باشد کہ سر دلبراں   گفتہ آید در حدیث دیگراں

(اچھا یہ ہوتا ہے کہ دوستوں کی باتیں دوسروں کی باتوں کے دوران بیان کر دی جائیں)

علماء محققین ہی نے مقاصد قرآن کو سمجھا ہے

چنانچہ ارشاد ہے یاایھا الانسان ماغرک بربک الکریم یعنی اے انسان تجھ کو اپنے رب کریم کے ساتھ کس شے نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔ بعض اہل حال کو یہ آیت سن کر حال طاری ہو گیا ہے اور انہوں نے جواب میں کہا ہے غرنی کرمک یعنی آپ کے کرم نے ہم کو مغرور کر دیا ہے علماء محققین نے اس پر انکار بھی کیا ہے لیکن ان کا انکار بھی بے جا نہیں ان کا منصبی کام اور حق یہی ہے کہ علماء محققین ہی نے مقاصد قرآن کو سمجھا ہے بلکہ انتظام شرع تو اس کو مقتضی ہے کہ محض ظاہری علماء کے علوم کو بھی محض صوفیہ کے علوم پر مقدم رکھا جاوے اور احادیث سے مطلقاً حضرات علماء کے مناقب مفہوم ہوتے ہیں۔

بعض تو وہ تھے جن کو علم الٰہی سے تاثر ہوتا ہے ان کے لئے تو یہی کافی ہے ان کے لئے تو یہ ارشاد ہے ماغرک بربک الکریم بعض کو اس سے اثر ہوتا ہے کہ فرشتے دیکھ رہے ہیں ان کے لئے یہ ارشاد ہے وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین بعض وہ ہیں جو جزا و سزا ہونے سے خائف ہیں ان کے لئے ارشاد ہوا ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم. اب یہاں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ فرشتے تو ہر وقت ساتھ نہیں رہتے۔ چنانچہ جب پاخانہ میں جاتے ہیں تو فرشتے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور نیز مردوں کو بھی ضرور نہیں ہے کہ ہر وقت علم ہو۔ اس لئے اس کی ہم کو یہ بھی خبر دے دی کہ قیامت کے دن جب کہ تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے وہاں اعلان کیا جاوے گا کما قال تعالی و یقول الاشھاد ھو لاء الذین کذبوا علی ربھم الا لعنة الله علی الظالمین غرض جو مخلوق گناہوں کے جاننے سے باقی رہ گئی تھی وہ سب وہاں دیکھیں گے اور سنیں گے۔ اب آخرت کی نسبت شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ بہت دور ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

آخرت کے دو درجے

بات یہ ہے کہ آخرت کے دو درجے ہیں زمان آخرت اور مکان آخرت' سو زمان آخرۃ بھی گو کچھ دور تو نہیں ہے لیکن خیر اس کی نسبت بعید ہونے کا گمان ہو سکتا ہے لیکن مکان آخرت تو بالفعل ہی موجود ہے اس لئے اس آسمان دنیا سے آگے مکان آخرت ہی ہے تو اگر ذہن میں یہ مضمون جمالو کہ چھت پر گویا ایک کثیر مخلوق ہم کو دیکھ رہی ہے تو یہ مراقبہ بھی ان شاء اللہ گناہ سے بچنے کے لئے کافی ہوگا۔ اور آسمان کے چھت ہونے سے کوئی شبہ ہی نہیں چنانچہ ارشاد ہے۔

جعل لکم الارض فراشا و السماء بناء غرض یہ ہے کہ جس طرح ہو سکے گناہ سے بچو۔ (الافضاح لملحقہ وانجات)

اور اس جواب سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ پاخانہ کے وقت کے اعمال پر مطلع نہ ہونا فرشتوں کا تسلیم کر لیا گیا ہے بلکہ یہ جواب تو آخر جواب ہے باقی اس وقت کے اعمال پر بھی فرشتے مطلع ہو جاتے ہیں اب یہ کہ کیونکر مطلع ہو جاتے ہیں سو حق تعالیٰ کسی طریق سے مطلع فرما دیتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

1

سُوْرَةُ المُطَفِّفِین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں یہ لوگ اس روز (ایک تو) اپنے رب کا دیدار دیکھنے سے روک لئے جائیں گے پھر صرف اسی پر اکتفا نہ ہوگا بلکہ یہ دوزخ میں داخل ہوں گے۔

تفسیری نکات

دنیا کا کوئی انسان محبت خداوندی سے خالی نہیں

فرمایا کہ بعض اہل لطائف کا قول ہے کہ دنیا میں کوئی انسان خدا تعالیٰ کی محبت سے خالی نہیں ہے۔ مسلمؒ کا فرسب کو خدا تعالیٰ کی محبت ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ خدا تعالیٰ زجر و توبیخ کے لئے کفار کی شان میں فرماتے ہیں۔ کلا انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون (پس اگر کفار خدا تعالیٰ کو دوست نہیں رکھتے تو اس حجاب کی وعید سے ان کو کیا زجر ہوا) اور اسی کے ساتھ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے حکمت مشروعیت حج کی نقل کی کہ وہ فرماتے تھے کہ ہر مسلمان کو ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ سے شدت کے ساتھ محبت ہے اور محبت کا خاصہ ہے کہ اگر بالکل قرب و وصال نہ ہو تو یا محبت جاری رہتی ہے یا محبّ ہلاک ہو جاتا ہے اور دونوں مضر ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے محبت و محبّ کی حفاظت کی حکمت سے ایک مکان بنایا اور اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور جو معاملہ محبوب کے مشاہدے کے وقت عادۃً کیا جاتا ہے۔ یعنی طواف و تقبیل و التزام و مثل ذالک اس بیت کے ساتھ بھی مشروع فرمایا کہ محبین کو اگر پورا وصال نصیب نہ ہو تو اس معاملہ ہی سے کچھ تسکین ہو جائے اور اسی واسطے اس میں حجر اسود کو یمین اللہ کا لقب دیا کہ دست بوسی کے لئے بے قرار ہوں تو اس سے تسلی کر لیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

طواف کا حکم دیا کہ عاشق کی طبعی حالت ہے اور چونکہ عشق میں عادتاً مانع سے عداوت بھی ہوتی ہے اس لئے ایک مقام کو شیطان کی طرف سے منسوب کر کے اس کی رمی کا حکم دیا (رمی جمار) وغیرہ ذالک اور جب سفر حج اس حکمت سے مشروع ہوا تو اس سفر میں اگر ہزار ہا تکلیف بھی ہوں تو پروانہ کرنی چاہیے۔

ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے

اگر کوئی یہ کہے کہ نعوذ باللہ ہم کو تو خدا تعالیٰ سے محبت نہیں ہے تو میں کہوں گا تم غلط کہتے ہو کیونکہ ہر مسلمان کو خدا سے محبت ہے بلکہ کفار کو بھی اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ اسی لئے تو کفار کو اللہ تعالیٰ نے یہ دھمکی دی ہے۔ کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون کہ کفار قیامت کے دن اللہ تعالیٰ (کے دیدار) سے محجوب رہیں گے۔

اگر ان کو محبت نہ ہوتی تو یہ دھمکی نہ دی جاتی۔ کیونکہ یہ دھمکی محب ہی کے دل پر اثر کر سکتی ہے غیر محب پر اس سے اثر نہیں ہو سکتا بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جس کو غیر حق سے بھی محبت ہے اس کو بھی خدا ہی سے محبت ہے کیونکہ تمام مخلوق مظہر جمال الٰہی ہے۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو گنبد کے کلس پر آفتاب کی شاع پڑنے سے گنبد بھلا معلوم ہوا اور بار بار اس کی چمک کو دیکھنے لگے تو حقیقت میں اس کو گنبد سے محبت نہیں بلکہ آفتاب سے محبت ہے۔ گو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گنبد پر عاشق ہے۔

اسی طرح یہاں سمجھو کہ جس کسی کو کسی مخلوق کے ساتھ کسی کمال یا جمال کی وجہ سے محبت ہے حقیقت میں اس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے کیونکہ مخلوق میں جو کچھ جمال و کمال ہے وہ جمال حق کا آئینہ ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردہ   پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردہ

اپنے حسن کو تو نے خوبرو لوگوں کے چہرے سے ظاہر کیا اور پھر عاشقوں کی آنکھ سے اپنے آپ کو دیکھا ہے۔

(مواعظ فضائل صبر و شکر ص ۲۳۸۔ ماعلیہ الصبر ملحقہ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة البُرُوج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾

ترجمہ: قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔

تفسیری نکات

بروج کی تفسیر

فرمایا۔بعض مفسرین نے بروج کی تفسیر میں اہل ہیئت کا قول لے لیا ہے۔جس کا عربیہ میں کہیں نشان نہیں مزید برآں اس کے ساتھ نجوم کو بھی شامل کر لیا کہ خاص کواکب کا خاص بروج سے تعلق مانا اور یہ اہل نجوم کا خیال ہے اور وہ بھی محض اس وہمی بناء پر کہ مثلاً شمس گرم ہے اور اسد کا مزاج بھی گرم ہے تو شمس کا تعلق اسد سے ہوگا اور اس کا لغو ہونا ظاہر ہے کیونکہ اسد جو گرم ہے تو حیوان ہے نہ کہ شکل اسد جو کواکب کے اجتماع سے متخیل ہوگئی۔نیز اب وہ شکل بھی اہل فن کے نزدیک بروج میں مجتمع نہیں رہی۔(الکلام الحسن ج ۱ ص ۶۶ ،۶۷)

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: عرش کا مالک اور عظمت والا ہے۔

تفسیری نکات

اختلاف قراءت

فرمایا کہ غیر مقلدین اس امر کے مدعی ہیں کہ حضور ﷺ سے مواقع آیات میں وصل فرمانا یا غیر مواقع

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیات میں وقف فرمانا منقول نہیں ہے لیکن فواصل کا اختلاف قراءت اس دعوے کے ایک جزو کی قطعاً تردید کرتا ہے کیونکہ یہ امر مجمع علیہ ہیں۔ اختلاف قراءت آرائے امت سے نہیں بلکہ مسموع و منقول ہیں۔ حضور ﷺ سے اور اگر اجتہاد و رائے سے ہوتا تو اب بھی بہت سے مواقع ایسے ہیں جہاں متعدد اعراب ممکن ہیں۔ لیکن وہاں صرف ایک ہی قراءت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اب جن مقامات پر اختلاف ہے وہ مسموع ہے نیز علاوہ اجماع کے اختلاف قراءت متواتر منقول ہیں جن کے انکار کی گنجائش ہی نہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ذوالعرش المجید' مجید کی دال پر آیت یقیناً ہے لیکن پھر بھی اس میں صحابہ سے دو قراءت منقول ہیں متواتر ابکسر الدال علی انه صفة اللعرش و بضم الدال علی انه تابع لذو پس یہ اختلاف اس امر کو صاف بتلاتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس موقع پر گاہ گاہ وصل بھی فرمایا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْاَعْلٰی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾

ترجمہ: بامراد ہوا جو شخص (قرآن سن کر خبائث عقائد واخلاق) سے پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور ذکر کرتا رہا۔

تفسیری نکات

تین اعمال کا بیان

یہاں تین اعمال بیان کئے ہیں ایک تزکی ایک ذکر اسم ربہ ایک صلی یہاں پر تزکیہ سے عام مراد بھی لے سکتے ہیں ذمائم باطنی سے بھی تزکیہ ہو اور معاصی جوارح سے بھی۔ مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمائم باطنی سے پاکی مراد ہے چنانچہ ارشاد ہے **ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقواها قد افلح من زكها**۔ اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا اور پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگار (دونوں باتوں کا) اس کو القاء کیا۔ یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے (جان) کو پاک کر لیا۔ زکھا میں مفعول کی ضمیر نفس کی طرف ہے کہ نفس کا تزکیہ کر لیا۔ اس آیت میں تصریح ہے کہ مدار فلاح کا تزکیہ نفس پر ہے اور ظاہر ہے کہ نفس کا تزکیہ اور اس کی پاکی ذمائم باطنی کے ازالہ سے ہوتی ہے۔

پہلی آیت میں تو تزکیہ باطن کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں ایک ظاہر اور دوسرا من وجہ ظاہر اور من وجہ باطن دونوں کے تزکیہ کا ذکر ہے کیونکہ عمل تین حال سے خالی نہیں یا تو اس کا تعلق باطن سے ہے یا افعال جوارح سے اور یا زبان سے۔ اعمال جوارح تو ظاہر ہیں اور زبان برزخ ہے۔ من وجہ ظاہر اور من وجہ باطن اور حسا بھی چنانچہ اگر منہ بند رکھو تو زبان باطن میں داخل ہے اور منہ کھولو تو ظاہر میں خلاصہ دونوں آیتوں کا یہ ہوا کہ باطن کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

بھی اصلاح کرو اور ظاہر کی بھی۔ یعنی زبان جوارح اور قلب کی درستی اور بجائے اس ساری فہرست کے ذکر اسم ربہ فصلی فرمایا کہ اگر اس کو اختیار کرو گے تو با آسانی تمام امور کی درستی پر قادر ہو جاؤ گے۔ ان سب کی فہرست یاد رکھنے کی ضرورت نہ ہو گی۔

وساوس شیطان کا جواب

ذکر اسم ربہ فرمانے سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ ذات حق کا جب تصور نہیں ہو سکتا تو اس کی یاد کیسے ہو سکتی ہے۔ بعض سالکین کو اس قسم کے خطرات پیش آتے ہیں۔ یہ سب شیطان کے حیلے بہانے ہیں کہ وہ خدا کی یاد سے روکنا چاہتا ہے اس واسطے حق تعالیٰ نے اس جگہ اسم کا لفظ آیت میں بڑھا دیا کہ اگر مسمی کا ذکر نہیں ہے تو اسم کا تو ممکن ہے اسی واسطے قرآن شریف میں فاذکرونی اور واذکر ربک فی نفسک مطلب یہ کہ ذات کا تصور نہ ہو سکے تو صفات کا سہی اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اسم اور لفظ ہی کا سہی۔ اسی لفظی ذکر سے پھر حقیقی ذکر بھی نصیب ہو جاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس لفظی ذکر سے حقیقی ذکر کا قصد ہو۔ یہ قصد ہی ایسی چیز ہے کہ اس سے باطن میں اثر ضرور ہوتا ہے۔

ذکر نماز کا مقدمہ ہے

اس آیت میں ایک نکتہ اور ہے وہ یہ کہ فصلی میں تو ف لائے اور ذکر اسم ربہ میں واؤ۔ حالانکہ دونوں جگہ عطف ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز بعض وجوہ سے مقصود اعظم ہے کیونکہ ذکر پر نماز کی اس طرح تفریع کی ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر مقدمہ ہے نماز کا اور اصل مقصود (نماز ہے پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اول ذکر سے نماز کی قابلیت پیدا کی اور پھر نماز پڑھی۔ اس سے نماز کی مقصودیت عظمیٰ معلوم ہوئی دوسرے قد افلح من تزکیٰ کے ساتھ وذکر اسم ربہ فصلی کی قید لگانے سے اشارہ اس طرف ہے کہ گو تزکیہ بہت بڑا عمل ہے مگر بغیر نماز کے فلاح کے لئے کافی نہیں ہاں جب کہ تزکیہ کے ساتھ نماز بھی پڑھی تو اس وقت سمجھ لینا چاہیے کہ ہماری فلاح ہو گی نماز سبب عظمیٰ ہے فلاح کا۔ کیونکہ وہ بھی ذکر ہے۔ مگر یہ بات اسی وقت حاصل ہو گی جبکہ نماز کی تکمیل کرے وقت پر پڑھے جماعت کے ساتھ ادا کرے قرآن کی تصحیح کرے اور قلب کے متوجہ کرنے کی کوشش کرے اور دوسروں کو اس کی ترغیب دے مگر نرمی سے دوسرے کو ذلیل مت سمجھے اگر کسی کو سیاست کرنا پڑے تو اس کو حقیر نہ سمجھے۔ پس امر بالمعروف اس طرح ہونا چاہیے اور اس طرح دوسروں کو بھی اپنے ساتھ فلاح میں لاؤ۔ (الصلوٰۃ ملحقہ فضائل صوم وصلوٰۃ)

لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ یہاں بھی ذمائم باطنی ہی سے تزکیہ مراد ہو مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ظاہری اعمال کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ضرورت نہیں جیسا کہ بعض لوگ آج کل کہتے ہیں۔ سوتزکیہ باطن کا حکم دینے سے حق تعالی کا یہ مقصود نہیں کہ تزکیہ ظاہر ضروری نہیں۔ اگر یہ مقصود ہوتا تو آگے وذکر اسم ربه فصلی کیوں فرماتے بلکہ مقصود یہ ہے کہ نفس کا پاک کرنا اصل ہے اور ظاہر اس کی فرع ہے۔ اسی طرح ایک موقع پر یزکیھم فرمایا ہے تو اس سے بھی اسی قرینہ سے تزکیہ نفس مراد ہے کیونکہ اصل چیز تو تزکیہ باطن ہی ہے۔ اگر تزکیہ باطن اصل چیز نہ ہوتی تو آپ حدیث میں یہ کیوں فرماتے۔

التقوی ههنا و اشار الی صدره کہ تقوی یہاں پر ہے اور آپ نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ الغنی غنی النفس (کہ غنا نفس کا غنا ہے) اس کا یہ مطلب نہیں کہ غنا ظاہری چیز نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اصل غنا تو نفس ہی کا ہے اور جب نفس میں غنا ہوتا ہے تو پھر ویسے ہی افعال صادر ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ مطلب نہیں کہ تقوی ظاہری کوئی چیز نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ تقوی کی جڑ تو قلب میں ہے اور جب تقوی قلب میں ہوتا ہے تو افعال بھی اچھے ہی صادر ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے کہ اگر تقوی قلب میں نہ ہوگا تو اچھے افعال کے صادر ہونے کا تقاضا نہ ہوگا۔

پس وذکر اسم ربه فصلی میں تزکیہ ظاہر اور تزکیہ ماهوبین الظاهر والباطن (یعنی برزخ) دونوں کا ذکر ہوگیا۔ فصلی تو ظاہر کے متعلق ہے اور ذکر اسم ربه زبان کے متعلق جو کہ من وجہ ظاہر اور من وجہ باطن ہے غرض دونوں قسم کے تزکیہ کا ذکر اس آیت میں آ گیا۔

پس خلاصہ دونوں آیتوں کا یہ ہوا کہ باطن کی بھی اصلاح کرو اور ظاہر کی بھی اصلاح کرو اور ایسی چیز کی بھی اصلاح کرو جب من وجہ ظاہر اور من وجہ باطن ہے حاصل یہ تین فعل ہیں۔

۱۔ زبان کی درستی ۲۔ جوارح کی درستی ۳۔ قلب کی درستی

پس مطلب یہ ہوا کہ ہر قسم کی درستی کرو اور چونکہ وہ امور جن کی درستی ہونا چاہئے اتنے ہیں کہ ہر وقت ان کی تفصیل یاد رکھنا مشکل تھا اور بدوں استحضار درستی کا اہتمام مشکل۔ اسی لئے اس کی سہولت کے لئے بجائے اس ساری فہرست کے ذکر اسم ربه فصلی فرمادیا۔

راز اس کا یہ ہے کہ اس میں ایک ضابطہ بتلاتے ہیں کہ اگر اس کو اختیار کرلو گے تو بآسانی تمام امور کی درستی پر قادر ہو جاؤ گے۔ ان سب کی فہرست یاد رکھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

برائیوں سے بچنے کا طریق

اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اپنا اصل کام ذکر کو سمجھو گے تو خود بخود سب چیزوں سے رک جاؤ گے۔ غلطی ہماری یہ ہے کہ ہم اصل کام ذکر کو نہیں سمجھتے۔ اسی واسطے برائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ورنہ برائیوں میں بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

مبتلا نہ ہوں۔مشائخ برائیوں کے چھوڑنے کی تعلیم تفصیلاً بھی کرتے ہیں مگر سب سے سہل یہ طریقہ ہے کہ اپنے لئے ایک اصل کام تجویز کرلے پھر اس میں مشغول ہونے سے خود ہی سب برائیاں چھوٹ جائیں گی۔وہ اصل کام ذکر ہے۔تو جو چیزیں اس میں مخل ہوں گی خود بخود ان سے انقباض ہوگا تو بقدر ضرورت ہوگا اور ضرورت اسے کہتے ہیں کہ بدوں اس کے ضرر ہونے لگے۔

مثلاً نوکر کو کوئی ایسا کام بتلانا ہے کہ اگر نہ بتلائے تو گا ضرر ہوگا۔یہ ضرورت ہے پس اس کو تو وہ اختیار کرے گا اور ایک ہے مشغلہ کے طور پر باتیں ہانکنا۔لغو یہ غیر ضروری ہیں جو شخص ذکر کو اصلی کام سمجھے گا وہ کبھی اس میں مشغول نہ ہوگا۔

اہل علم کی نازک حالت

یہاں ظاہراً یہ مناسب معلوم ہوتا تھا کہ یوں فرماتے ذکر ربہ فصلی لفظ اسم کیوں بڑھایا۔وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر ذکر ربہ فرماتے تو اس میں بعض سالکین کو یہ شبہ ہوتا کہ خدا کو کیسے یاد کریں۔کیونکہ یاد کرنا موقوف ہے تصور پر اور تصور بڑا مشکل ہے کیونکہ ان تک ہمارے ذہن کی رسائی کہاں ہوسکتی ہے۔ان کی تو یہ شان ہے۔

اے برتراز خیال و قیاس و گمان و وہم ۔۔۔ وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدہ ایم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر ۔۔۔ ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

اور یہ شان ہے

در تصور ذات در انگنج کو ۔۔۔ مادر آید در تصور مثل او

غرض کہ ذکر اللہ کو بعض لوگ اس لئے بیکار سمجھتے ہیں کہ خدا تک ہماری رسائی کیسے ہوسکتی ہے۔پھر یاد کہاں۔اہل سلوک تک اس میں مبتلا ہیں۔اس واسطے حق تعالیٰ نے اس جگہ اسم کا لفظ آیت میں بڑھا دیا کہ اگر مسمی کا ذکر نہیں ہے تو اسم کا تو ممکن ہے اور بعض جگہ قرآن شریف میں ذات کے ذکر کرنے کو بھی فرمایا ہے جیسے فاذکرونی اور کہیں صفت کے ذکر کو لائے ہیں جیسے واذکر ربک فی نفسک مطلب یہ ہے کہ ذات کا تصور نہ ہوسکے تو صفات کا سہی۔اگر یہ بھی نہ ہو تو اسم اور لفظ ہی کا سہی۔لفظی ذکر سے پھر حقیقی ذکر بھی نصیب ہو جاتا ہے۔مگر شرط یہ ہے کہ اس لفظی ذکر سے حقیقی ذکر کا قصد ہو۔یہ قصد ہی ایسی چیز ہے کہ اس سے باطن میں ضرور اثر ہوتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۱۶﴾

ترجمہ: بلکہ تم ترجیح دیتے ہو دنیاوی زندگی کو

تفسیری نکات

فلاح کا طریقہ

بل توثرون الحیٰوة الدنیا بل اس میں اضراب کے واسطے ہے جس کے معنی ہیں اعراض کرنا ایک بات سے دوسری بات کی طرف۔ جیسے یوں کہیں جاء زید بل عمرو۔ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ زید کی طرف جو نسبت آنے کی تھی اس سے رجوع کر کے یہ نسبت عمرو کی طرف کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فلاح کا طریقہ تو وہ ہے جو بتلایا گیا۔ تمہیں اسی طریقے کو اختیار کرنا چاہیے تھا۔ اس کے اختیار کرنے سے فلاح حاصل ہوتی مگر اس کو اختیار نہیں کرتے۔ بل تؤثرون الحیواة الدنیا بلکہ تم اس سے اعراض کر کے اور اس کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہو۔ جس سے فلاح حاصل ہو سکتی ہے۔

اس میں مدعیان عقل کی غلطی بیان کر رہے ہیں کہ فلاح کا طریقہ وہ ہے جو ہم نے بیان کیا نہ کہ وہ جس کو تم نے اختیار کر رکھا ہے۔ یوں فلاح تو سب کو مطلوب ہے اس میں کسی کو کلام نہیں۔ مقصود اصلی سب کا یہی ہے باقی اس کے طریقے میں اختلاف ہے۔ مدعیان عقل تو فلاح کا طریقہ اور بتاتے ہیں اور حق تعالیٰ دوسرا طریقہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ اور بتلا رہے ہیں کہ اس طریقہ کو اختیار کرو گے تو فلاح ہوگی نہ اس طریقہ سے جس کو تم نے اختیار کر رکھا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ فلاح تو مطلوب عام ہے یعنی سب اسی کو چاہتے ہیں۔ کسی کو بھی اس میں تردد نہیں مگر اس کے طریقہ میں غلطی واقع ہوئی ہے۔

اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا (الاحزاب آیت ۵۳) جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو۔

مقلب به اجمع الکلام فی انفع النظام

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو اکثر اہل علم سے بھی امید بہت کم ہو گئی کہ آئندہ ایسے امور کی اصلاح کریں جن میں عام ابتلا ہے کیونکہ یہ لوگ خود ہی قابل تربیت ہیں ایک طالب علم آئے تھے مراد آباد سے انہوں نے یہاں سے جا کر اعتراض کے طور پر لکھا کہ تم نے جو اوقات کا انضباط کیا ہے خیر القرون میں یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

انضباط نہ تھا اس لئے بس سب بدعت ہے مگر جواب کے لئے نہ ٹکٹ تھا نہ کارڈ اگر ہوتا تو میں جواب لکھتا کہ تم نے جو مراد آباد کے مدرسہ میں پڑھا ہے وہاں پر بھی اسباق کے لئے اوقات کا انضباط تھا کہ ۸ بجے تک فلاں سبق اور ۹ بجے سے ۱۰ بجے تک فلاں سبق اور ۲ بجے سے ۴ بجے تک فلاں سبق یہ بھی خیر القرون میں نہ تھا لہذا یہ بھی بدعت ہوا سو اس بناء پر آپ کا سارا علم جو بدعتی طریق پر حاصل کیا گیا ہے نامبارک اور ظلماتی ہوا بلکہ اگر بدعت کے یہ معنی ہیں جو ان حضرت نے سمجھے ہیں کہ جو چیز خیر القرون میں نہ ہو تو خیر القرون میں تو ان کا بھی وجود نہ تھا پس یہ بھی مجسم بدعت ہوئے کیا خرافات ہے۔ تحصیل علم کرنے والوں کے فہم کی حالت ہے عوام بے چاروں کی تو کیا شکایت کی جائے جب کہ لکھے پڑھے علم کے مدعی اس زمانہ میں بکثرت اس قدر بدفہم اور کم عقل پیدا ہو رہے ہیں ان بزرگ کو بدعت کی تعریف بھی معلوم نہیں یہ انضباط کسی کے اعتقاد میں عبادت تو نہیں اس لئے ان کا خیر القرون میں نہ ہونا اور اب ہونا بدعت کو مستلزم نہیں میں نے حیوٰۃ المسلمین روح ہشتم (نمبر ۳) میں ایسے انتظامات کے متعلق لکھ دیا ہے چنانچہ ایک آیت میں ہے کہ اس بات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں (اور زبان سے نہیں فرماتے کہ اٹھ کر چلے جاؤ) اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے سے (کسی کا لحاظ نہیں کرتے) (سورۃ احزاب) اسی واسطے خود فرمادیا۔

اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا الایہ

اور اس مقام میں جس طرح شان انتظامی کی تعلیم کی ہے اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر دلالت سے جیسا کہ یستحیی سے معلوم ہوتا ہے اللہ اکبر کیا انتہا ہے آپ کی مروت کی کہ اپنے غلاموں کو بھی یہ فرماتے ہوئے شرماتے تھے کہ اب اپنے کاموں میں لگو مگر یہ لحاظ اپنے ذاتی معاملات میں تھا احکام کی تبلیغ میں نہ تھا اور اس باب میں بہت نصوص ہیں اب یہاں کے قواعد اور ان ضوابط کے متعلق ایک غیبی لطیفہ سنئے ایک صاحب مخلص اور دوست یہاں پر مہمان ہوئے ان کے ساتھ ان کا ملازم ایک بے ریش لڑکا تھا قانون یہاں پر یہ ہے کہ شب کو بے ریش لڑکا خانقاہ میں نہیں رہ سکتا مگر چونکہ ان سے بہت خصوصیت کا تعلق تھا اور ان کی نگرانی پر اعتماد بھی تھا اس لئے ان سے کچھ نہیں کہا گیا بلکہ کہتے ہوئے شرمایا غرضیکہ وہ شب کو مع اپنے اس ملازم کے خانقاہ میں مقیم رہے صبح کو بعد نماز فجر کہنے لگے کہ رات بڑی ہی طبیعت کو انتشار رہا وہ یہ کہ میں نے رات کو خواب میں حضرت حافظ ضامن صاحب کو دیکھا کہ بہت خفا ہوئے ہیں کہ بے ریش لڑکے کو لے کر خانقاہ میں کیوں قیام کیا میں نے کہا کہ قانون تو یہاں کا یہی ہے مگر محض آپ کے لحاظ سے اس کا اظہار نہیں کیا گیا مگر آج معلوم ہوا کہ یہاں زندہ ہی منتظم نہیں مردے بھی منتظم ہیں۔ (یہ مزاحاً کہا گیا) پھر میں نے کہا کہ اب سے امرد کو ساتھ مت لانا اور مجھ کو بھی اس خواب پر بڑا تعجب ہوا اس لئے کہ ان کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ معمول ہے اس لئے قوت متخیلہ کا بھی احتمال نہ تھا۔ (الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۱۲۰، ۱۲۱)

ذکر اللہ اور دنیا

اس آیت میں دو دعوے ہوئے ایک تو یہ کہ تم لوگ ترجیح دے رہے ہو دنیوی زندگی کو آخرت پر دوسرے یہ کہ اس سے فلاح حاصل نہ ہوگی۔ پہلا دعویٰ تو بدیہی بلکہ حسی ہے چنانچہ لوگوں کے معاملات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شب و روز دنیا ہی میں منہمک اور اس کی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ یہاں تک دین سے بے تعلقی ہے کہ اگر دین کو بھی اختیار کرتے ہیں تو اس میں بھی دنیا کی آمیزش ہوتی ہے حالانکہ مسلمان کی شان تو یہ ہونی چاہیے تھی کہ دنیا میں بھی دین ہی کی شان ہوتی چونکہ اہل ایمان کی شان کو ایک موقع پر حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ **لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله و اقام الصلوٰة و ايتاء الزكوٰة** یعنی ان کی یہ شان ہے کہ تجارت اور بیع ان کو ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتی۔

تجارت تو اس کو کہتے ہیں جو بڑا معاملہ ہو اور بیع چھوٹے اور بڑے معاملہ دونوں کو شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ بڑا معاملہ ان کو ذکر اللہ سے غافل کرتا ہے اور نہ چھوٹا معاملہ غافل کرتا ہے۔ سو یہ شان ہوا کرتی ہے اہل ایمان کی اور اس پر کچھ تعجب نہ کیجئے کہ ذکر اللہ اور دنیا میں اجتماع کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے نظائر موجود ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت **بل تؤثرون** الخ میں ترجیح کی مذمت ہے اور جہاں دنیا کے ارادہ پر مذمت آئی ہے تو اس سے مراد خاص ارادہ ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ **من كان يريد العاجلة عجلنا له فيها ما نشاء لمن نريد ثم جعلنا له جهنم.** یعنی جو دنیا کا ارادہ کرتا ہے تو ہم اس کو جس قدر چاہیں دے دیتے ہیں۔ پھر ہم اس کا ٹھکانا جہنم کو بناتے ہیں۔

اس آیت میں مطلق ارادہ مراد نہیں بلکہ ارادہ خاص مراد ہے کیونکہ آگے فرماتے ہیں۔ **ومن اراد الاخرة** ۔الایہ پس معلوم ہوا کہ وہ ارادہ دنیا ہے جو مقابل ہے **من اراد الاخرة** کے یعنی جس میں ارادہ آخرت نہ ہو پس ارادہ دنیا کی دو صورتیں ہوئیں۔ ایک وہ ارادہ دنیا جس کے ساتھ **لم يرد الاخرة** ہو پس اس آیت میں پہلا ارادہ مراد ہے۔ ایک اور موقع پر ہے **من كان يريد حرث الاخرة نزد له في حرثه و من كان يريد حرث الدنيا نؤته منها و ماله في الاخرة من نصيب.** یہاں بھی یہی معنی ہیں کہ **من كان يريد حرث الدنيا ولم يرد حرث الاخرة** تقابل قرینہ ہے اس کا۔ اگر کسی مقام پر قرینہ مذکور نہ ہو تو اس کو بھی اس آیت سے مقید کیا جائے گا۔ چنانچہ ایک موقع پر ارشاد ہے۔ **من كان يريد الحيوة الدنيا وزينتها نوف اليهم اعمالهم فيها وهم فيها لا يبخسون اولئك الذين ليس لهم في الاخرة الا النار وحبط ما صنعوا فيها و باطل ما كانوا يعملون.**

(c) ketabton.com: The Digital Library

گو کہ یہاں لفظوں میں تقابل نہیں مگر اس کو بھی دوسری آیت کی وجہ سے مقید کریں گے کہ مراد یہ ہے من کان یرید الحیوۃ الدنیا وزینتھا ولم یرد الاخرۃ بس یہ معلوم ہوگیا کہ دنیا کو دین پر ترجیح دینا مذموم ہے اور کسب دنیا مذموم نہیں۔ سو جن صاحبوں کا یہ گمان ہے کہ مولوی دنیا ہی کو چھوڑنا چاہتے ہیں میرے بیان سے ان کے خیال کا غلط ہونا ثابت ہوگیا۔

میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ دنیا کے ہم اتنے معتقد ہیں کہ معترضین بھی اتنے معتقد نہیں۔ آپ تو دنیا کو جائز ہی کہہ رہے ہیں اور ہم اس کو ضروری کہتے ہیں۔ لہٰذا ہم آپ سے دنیا کے زیادہ معتقد ہوئے۔ مگر ضروری ہونے کے ساتھ دوسرا مسئلہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ کہ ضروری چیز بقدر ضرورت اختیار کی جاتی ہے۔ سو دنیا ہے ضرورت کی چیز مگر بقدر ضرورت ہی اس کو اختیار کرنا چاہیے۔ بس قدر ضرورت اس کو حاصل کرلو۔ اس کو کون منع کرتا ہے اور زینت میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے وہ قابل ترک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ طالب ہیں زینت کے تو وہ دنیا کو ضرورت سے زیادہ چاہ رہے ہیں جو قاعدہ مذکورہ کی بناء پر قابل ترک ہے۔ آیت میں بھی وزینتھا کا لفظ جو بڑھایا ہے اس سے بھی اس کا مذموم ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس پر وعید فرمائی ہے۔

بس طلب کے دو درجے ہوئے۔ ایک طلب بقدر ضرورت یعنی دنیا کی طلب اس قدر جس سے ضرورت رفع ہو جاوے اور ایک طلب زینت یعنی دنیا کی طلب اس قدر جو ضرورت سے زائد ہو۔ سو اول کی مذمت نہیں ثانی کی مذمت ہے کیونکہ اصلی مقصود رفع ضرورت ہے اب جو دنیا اس کے لئے حاصل کی جائے گی وہ مقصود بالغیر ہوگی اور جو اس سے آگے بڑھے گا تو وہ مطلوب بالذات ہوگی اور دنیا کو مطلوب بالذات بنانا یہی قابل مذمت ہے۔

ایک شبہ کا جواب

منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرۃ. یہ قرآن کا جملہ ہے اس پر شبہ ہوتا ہے کہ بعض صحابہ دنیا کے بھی طالب تھے۔ اس کے علماء نے بہت سے جواب دیئے ہیں۔ مگر سب سے اچھا جواب ابن عطاء اسکندری کا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہم مان بھی لیں کہ بعض صحابہ دنیا کے طالب تھے تو جواب یہ ہے کہ ارادہ دنیا مطلقاً مذموم نہیں۔ ارادہ دنیا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ارادہ دنیا للدنیا اور ایک ارادہ دنیا للآخرت۔ پہلا ارادہ مذموم ہے دوسرا مذموم نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا جامی کا قصہ ہے کہ وہ خواجہ عبداللہ احرار کی خدمت میں بیعت کے ارادہ سے گئے خواجہ صاحب کے پاس بڑی ثروت تھی۔

مولانا جامی چونکہ طالب تھے اور طالب بے باک ہوا ہی کرتا ہے اس وجہ سے ان کی یہ حالت دیکھ کر مولانا جامی نے یہ مصرع پڑھا۔ ؎ نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور واپس چلے آئے اور مسجد میں آ کر سو رہے تھے خواب میں دیکھا کہ میدان حشر برپا ہے۔ اسی حالت میں کسی صاحب معاملہ نے آ کر ان کو پکڑ لیا اور کہا دو پیسے لاؤ۔ فلاں معاملہ میں دنیا میں تمہارے ذمہ رہ گئے تھے۔ اب یہ ہر چند پیچھا چھڑاتے ہیں وہ چھوڑتا نہیں۔ اتنے میں دیکھا کہ خواجہ صاحب کی سواری آئی آپ نے فرمایا کہ فقیر کو کیوں تنگ کر رکھا ہے۔ ہم نے جو یہاں خزانہ جمع کیا ہوا ہے وہ کس واسطے ہے ان کے ذمہ جتنا مطالبہ ہے اس میں سے ادا کر دو ان کے کہنے سے انہیں رہائی ملی۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو دیکھا خواجہ صاحب کی سواری آ رہی ہے۔ اب یہ بہت ہی محجوب ہیں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ وہ مصرعہ تو پڑھو جو تم نے پڑھا تھا۔ اب یہ شرم کے مارے پڑھتے نہیں اصرار کرنے پر پڑھا۔ ؎ نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد

آپ نے فرمایا کہ ابھی یہ ناتمام ہے۔ اس کے ساتھ یہ اور ہونا چاہیے ؎ اگر دارد برائے دوست دارد

طلب دنیا مذموم نہیں

تو اس مقام پر **تؤثرون** ارشاد فرمایا **تطلبون** یا **تکسبون** ارشاد نہیں فرمایا یعنی یہ نہیں فرمایا **بل تطلبون الحیوۃ الدنیا** کہ تم حیات دنیا کو طلب کرتے ہو یا **تکسبون الدنیا** کہ تم دنیا کماتے ہو بلکہ یہ فرمایا کہ تم ترجیح دیتے ہو حیات دنیا کو۔ سو اور الفاظ کو چھوڑ کر جو **تؤثرون** فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا چھوڑائی نہیں جاتی۔ دنیا کمانے کو منع نہیں کیا جاتا۔ قرآن شریف میں تو خود ہی ایسا لفظ موجود ہے۔ جس سے اشارہ ہو گیا اس طرف کہ دنیا کا طلب کرنا مذموم نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم جو مذمت کر رہے ہیں تو دنیا کی ترجیح دینے پر کر رہے ہیں۔ نہ دنیا کی طلب اور اس کی تحصل پر۔

حیات آخرت

اب ایک چھوٹی سی بات اس آیت کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ قرآن شریف میں دنیا کے ساتھ تو لفظ حیات لائے۔ مثلاً فرمایا **الحیوۃ الدنیا** اور آخرت کے ساتھ لفظ حیات نہ لائے۔ یوں نہیں فرمایا **وحیوۃ الاخرۃ خیر و ابقی** پر کیا بات ہے؟

سو اس میں یہ بتلایا ہے کہ آخرت حیات ہی حیات ہے وہاں ممات کا کچھ کام نہیں۔ پس اس میں حیات کا لفظ لانے کی ضرورت ہی نہیں۔ حیات آخرت تو جب کہا جاوے گا جب کہ اس میں غیر حیات کوئی اور شئے بھی ہو۔ پس جب کہ حیات آخرت ایسی چیز ہے اور لوگ پھر بھی اس کی طلب نہیں کرتے۔ تو اب میں کہہ سکتا ہوں کہ لوگوں نے آخرت کو پہچانا ہی نہیں ورنہ اس کی طرف توجہ تام کرتے بلکہ دنیا کو بھی نہیں پہچانا ورنہ اس کی طرف رخ بھی نہ کرتے۔ دنیا ہی کو پہچان لو۔ اسی کو سوچو۔ اگر اس کی پوری حقیقت سمجھو تو اس مردار کا نام بھی نہ لو۔ تم جو دنیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے عاشق ہوئے ہو۔ ذرا اس کو دیکھو تو سہی۔

اسی کی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی بدہیئت عورت نے پوڈر مل رکھا ہو اور دو چار چندے اس پر عاشق ہو جاویں۔ حضرت دنیا کی بالکل ایسی حالت ہے۔

حالت دنیا رابہ پرسیدم من از فرزانہ ۔۔۔ گفت یا خوابے ست یا بادے ست یا افسانہ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دلدروئے بہ بست ۔۔۔ گفت یا غولے ست یا دیوے ست یا دیوانہ

حقیقت میں دنیا کی ایسی مثال ہے۔ اسی واسطے حق تعالیٰ نے شکایت فرمائی ہے۔ بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والاخرۃ خیر و ابقی کہ دنیا ایسی رذیل چیز کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت خیر اور ابقی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کو ترجیح دینا یہ شکایت کی بات ہے نہ دنیا کو طلب کرنا۔ اسی لئے یوں ارشاد فرمایا بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا اور یہ نہیں فرمایا۔ بل تطلبون الدنیا آگے فرماتے ہیں والاخرۃ خیر و ابقی (یعنی تم دنیا کو ترجیح دیتے ہو) حالانکہ آخرت خیر بھی ہے اور ابقی بھی اس کو ترجیح دینا چاہئے نہ دنیا کو کیونکہ آخرت دووجہ سے دنیا پر فضیلت رکھتی ہے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ خیر یعنی بہتر ہے دنیا سے کہ محل اعلیٰ درجہ کے باغ 'نہریں' بہتی ہوئی جن کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا 'نہایت شیریں غرض ہر نعمت اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔ دوسرے اس وجہ سے کہ ابقی ہوگی کہ یہ تمام نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوں گی کبھی زائل نہ ہوں گی۔ تندرستی ایسی کہ کبھی سر میں درد تک نہ ہوگا۔

دنیوی زندگی کو آخرت پر مقدم کرنا

اس آیت میں حق تعالیٰ نے ہماری ایک حالت کا بیان فرمایا ہے پھر اس پر شکایت فرمائی ہے اور جس طرح اس حالت کے درجات مختلف ہیں کہ اس کا ایک درجہ کفار کے ساتھ مخصوص ہے اور ایک درجہ اہل ایمان و اہل کفر دونوں میں مشترک ہے اسی طرح شکایت کے بھی درجات مختلف ہیں بڑے درجہ میں زیادہ شکایت ہے اور چھوٹے درجہ میں کم لیکن چھوٹا درجہ اہل ایمان اور کفر میں مشترک ہے۔ اس لئے اس درجہ میں شکایت بھی مشترک ہے۔ اب سنیئے وہ حالت کیا ہے اور اس پر شکایت کیا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا (بلکہ تم نے دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی ہے) اس میں لفظ بل اعراض کے لئے ہے یعنی پہلی بات سے اعراض کر کے اس کے مقابل دوسری بات کا ذکر ہے اس سے پہلے ارشاد ہے قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی۔ اس میں فلاح کا طریقہ بتلایا ہے کہ بامراد ہوا وہ شخص جو (قرآن سن کر خبیث عقائد و اخلاق اور ناشائستہ اعمال سے) پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا۔ اس کے بعد لفظ بل اعراض کے لئے لایا گیا یعنی مگر اے منکرو تم قرآن سن کر اسے نہیں مانتے اور آخرت کا سامان نہیں کرتے بلکہ تم دنیوی

(c) ketabton.com: The Digital Library

زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو حاصل یہ ہوا کہ فلاح کے مقابل ہماری یہ حالت ہے گو اس میں مقابلہ کی تصریح نہیں مگر لفظ بل مقابلہ کو بتلاتا ہے کیونکہ وہ موضوع ہے اعراض کے لئے جس کی حقیقت ہے پہلے کی نفی اور دوسرے کا اثبات اور اثبات ونفی میں تقابل ظاہر ہے پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ دنیوی زندگی کو آخرت پر مقدم کرنا فلاح کے خلاف ہے اور اسے فلاح مبدل بہ خسران ہو جاتا ہے۔حق تعالیٰ اسی کی شکایت فرماتے ہیں کہ تم ترجیح دنیا علی الاخرۃ کے مرض میں مبتلا ہو فرماتے ہیں۔ بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا (ای علی الاخرۃ) والاخرۃ خیر و ابقی. بلکہ تم دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت دنیا سے بہتر ہے اور زیادہ پائیدار ہے۔یعنی تم اس کی کوشش کرتے ہو کہ دنیا میں عیش وعشرت اچھی طرح ہو آخرت چاہے کیسی ہے برباد ہو جائے۔اس جگہ آخرت کے متعلق ایک لفظ خیر کا فرمایا ہے جو کہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے مطلب یہ ہوا کہ آخرت دنیا سے بدر جہا بہتر ہے اور بہت بہتر ہے دوسرا لفظ ابقی فرمایا کہ وہ بھی اسم تفصیل ہے کہ آخرت بہ نسبت دنیا کے پائیدار بھی زیادہ ہے مگر پھر بھی تم دنیا کو اس پر ترجیح دیتے ہو اور آخرت سے بے فکری حالانکہ ایک امر یہ بھی مشاہد ہے کہ آخرت سے بے فکری کے ساتھ دنیا اور گندی ہو جاتی ہے۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے لفظ دنیا میں ہمارا عذر بیان فرمایا ہے کہ لو ہم تمہارے عذر کو بیان کئے دیتے ہیں۔کہ تم دنیا کو اس وجہ سے آخرت پر مقدم کرتے ہو کہ اس سے منافع قریب اور عاجل ہیں لیکن اس کا جواب بھی سن لو۔ والاخرۃ خیر و ابقی (آخرت بہتر اور بہت پائیدار ہے)اس میں جواب ہے اس عذر کا جس سے اس کا غلط ہونا معلوم ہو گیا۔حاصل جواب کا یہ ہے کہ کسی منفعت کا محض عاجل ہونا اس کی ترجیح کے لئے کافی نہیں بلکہ ترجیح کے اور اسباب بھی ہوتے ہیں سو دنیا میں ہر چند یہ صفت ہے کہ وہ عاجل ہے مگر آخرت میں اس کے مقابل دو صفتیں ہیں ایک خیریت دوسرے بقاء یعنی دنیا سے آخرت عمدہ اور کثیر بھی ہے اور پائیدار رہنے والی بھی ہے دنیا میں نہ وہ عمدگی اور زیادت ہے نہ پائیداری ہے اور ان دونوں میں سے ہر صفت ایسی ہے کہ اس کے مقابل وصف عاجل کو ہرگز کوئی ترجیح نہیں دیتا کیونکہ اگر عاجل ہونا ہمیشہ موجب ترجیح ہو تو پھر تجارت بھی نہ ہو سکے کیونکہ اس میں سرمایہ عاجلہ کو اس وقت لگانا پڑتا ہے اور نفع زائد آجل ہے لیکن تمام عقلاء اس وجہ سے تجارت کو موقوف نہیں کرتے کہ اس کا نفع بعد میں حاصل ہوتا ہے اور سرمایہ اس وقت موجود ہے بلکہ سب لوگ خوشی کے ساتھ موجود سرمایہ کو تجارت میں لگا دیتے ہیں محض اس امید پر کہ آئندہ نفع زائد ملے گا معلوم ہوا کہ زیادت و کثرت کے مقابلہ میں وصف عاجل نظر انداز کر دیا جاتا ہے پھر تم آخرت پر دنیا کو اس وجہ سے کیوں مقدم کرتے ہو کہ وہ عاجل ہے اور آخرت آجل ہے تم نے یہ بھی سوچا کہ آخرت دنیا سے کتنی زیادہ اور کتنی عمدہ ہے اسی طرح زراعت بھی دنیا میں نہ ہو سکتی کیونکہ اس میں بھی موجودہ غلہ کو آئندہ کی امید پر مٹی میں ملا دیا جاتا ہے اگر تم منفعت عاجلہ کے ایسے ہی عاشق ہو بس زراعت کو بھی جواب دے دو مگر تم ایسا نہیں کرتے بلکہ ہر سال زراعت

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرتے ہو کیونکہ اس میں زیادہ ملنے کی امید ہے پھر آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے اس وصف کو کیوں دیکھتے ہو کہ وہ عاجل ہے اور یہ آجل ہے ارے وہ آجل ایسی ہے کہ اس کے سامنے دنیا کسی قابل بھی نہیں اور دوسری صفت آخرت میں یہ ہے کہ وہ ابقی ہے بہت پائیدار ہے اور پائیداری بھی خود ایسا وصف ہے کہ اس کے مقابلہ میں وصف عجلت کوئی چیز نہیں چنانچہ دنیا میں اس کی صدہا نظیریں ہیں ایک شخص آپ کو مکان دینا چاہتا ہے مگر اس کے پاس دو مکان ہیں ایک تو کچا بنا ہوا ہے اور چھوٹا بھی ہے اور دوسرا پختہ اور عالیشان ہے اور وسیع بھی ہے وہ آپ سے کہتا ہے کہ اگر تم پختہ مکان لینا چاہو تو میں یہ بھی دے سکتا ہوں مگر چار سال کے بعد یہ واپس لے لیا جائے گا اور اگر کچا مکان لینا چاہو تو وہ ہمیشہ کے لئے تمہاری ملک کردوں گا اب بتلایئے آپ کیا کریں گے۔ یقیناً ہر عاقل یہی کہے گا کہ بھائی عالی شان محل سے جو عاریۃً ملتا ہو وہ کچا مکان اچھا جو دوامًا ملک ہو مگر افسوس تم دنیا و آخرت کے معاملہ میں اس فیصلہ کو نظر انداز کرتے ہو کہ آخرت کو جو دوامی ہے دنیا کے لئے چھوڑتے ہو جو چند روزہ ہے انسان کی حیات ہی کیا ہے۔ بعض لوگ رات کو اچھے خاصے سوئے اور صبح کو مرے ہوئے پائے گئے اس ناپائیدار مردار کے لئے تم اپنا اصلی وطن برباد کرتے ہو جو ہمیشہ کیلئے حق تعالیٰ تمہارے نام کرنا چاہتے ہیں۔ (ترجیح الاخرہ)

اس میں فلاح کے حصول تزکی پر موقوف فرمایا ہے بتلا دیا کہ گو مامور بہ تزکیہ ہے تزکی مامور بہ نہیں مگر تزکیہ وہی مامور بہا ہے جس پر تزکی مرتب ہو جائے اور وہ ایسا تزکیہ ہے جس میں تکمیل اعمال کا اہتمام ہو اختیار اسباب تکمیل سے غفلت اور تکاسل نہ ہو۔ حاصل یہ ہوا کہ ناقص عمل کو کافی مت سمجھو۔ بلکہ تکمیل اعمال میں کوشش کرتے رہو اور ان کو اس حد تک پہنچاؤ جس پر تزکی مرتب ہو جائے گی۔ اگرچہ تزکیہ کے وقت ثمرہ تزکی پر نظر نہ کرو بلکہ نظر عمل ہی پر رکھو لیکن عمل وہی اختیار کرو جو موثر ہو حصول تزکی میں۔

طالب جاہل اور قانع جاہل

پس ایک آیت میں طالب جاہل کی اصلاح ہے اور دوسری آیت میں قانع جاہل کی۔ طالب جاہل وہ ہے جو ثمرہ مرتب نہ ہونے سے عمل کو چھوڑ دے اور قانع جاہل وہ ہے جو ناقص عمل پر قناعت کرلے۔ اب یہاں ایک شبہ اور ہے وہ یہ کہ جب تزکی تدریجاً حاصل ہوتی ہے اور وہاں فلاح اس کی ہوگی جو تزکی حاصل کر چکا ہو۔ تو ممکن ہے کوئی شخص تزکیہ میں مشغول ہو اور تدریجاً اسے تزکی حاصل ہو رہی ہو جو درجہ کمال کو ابھی نہیں پہنچی تھی کہ یہ پہلے ہی مر گیا تو کیا اس کو فلاح نہ ہوگی۔ جواب اس کا یہ ہے کہ قد افلح من تزکی میں جو حصول تزکی پر فلاح کو موقوف کیا گیا ہے یہ اس شخص کے لئے جس کو اتنا وقت ملا تھا کہ اگر وہ برابر تزکیہ میں مشغول رہتا تو تزکی حاصل ہو جاتی۔ یہ شخص اگر اپنی سستی کی وجہ سے قبل حصول تزکی مر گیا تو ناکام مرے گا۔ اور جس کو اتنا وقت ہی نہ ملا جس میں تزکی حاصل کر لیتا وہ اگر قبل حصول مقصود مر جائے تو ناکام نہیں اس لئے قد افلح من زکھا

(c) ketabton.com: The Digital Library

(جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا وہ پاک ہوگیا) کے موافق یہ تزکیہ ہی تزکی کے حکم میں ہے۔ مگر بشرط عدم انقطاع نامرادی کو مولانا بحکم فرماتے ہیں۔

گر مرادت راندا ق شکر است بے مرادی نے مراد دلبر است

تخلیہ اور تحلیہ

حق تعالیٰ نے قد افلح من تزکی (جس نے تزکی حاصل کرلی کامیاب ہوگیا) کے بعد فرمایا ہے وذکر اسم ربہ فصلی (اپنے رب کا نام ذکر کیا پس نماز پڑھی) اس میں تزکی کو ذکر وصلوٰۃ پر مقدم کیا گیا ہے اس سے تصوف کا ایک مسئلہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ سلوک میں دو عمل ہوتے ہیں ایک تخلیہ ایک تحلیہ اور تخلیہ کو تجلیہ و تصفیہ بھی کہتے ہیں کیونکہ تخلیہ کے معنی ہیں رذائل کو زائل کرنا اور تحلیہ کے معنی ہیں فضائل کو حاصل کرنا تو لفظ تزکی میں اس طرف اشارہ ہے کہ رذائل کو زائل کرو اور ذکر اسم ربہ فصلی (اس نے اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پس نماز پڑھی) میں اس طرف اشارہ ہے کہ فضائل کو حاصل کرو اور ہر چند کہ تحصیل فضائل بھی تزکی میں داخل ہو سکتا ہے کیونکہ تزکی کے معنی ترک رذائل ہیں اور فضائل کا ترک بھی اس میں آگیا اور ترک الترک ایجاد ہے اس لئے تحصیل فضائل بھی تزکی میں داخل ہوگیا اور تحقیق اس کی یہ ہے کہ ترک کے دو درجے ہیں ایک ترک وجودی دوسرے ترک عدمی۔ ترک وجودی یہ ہے کہ کسی امر کو خواہ مامور بہ ہو یا منہی عنہ احتمال وجود کے وقت ترک کیا جائے مثلاً ایک عورت سامنے سے گزری اور اس نے نظر کو اس طرف سے ہٹالیا اور بالکل نظر نہ کی تو یہاں ترک نظر ترک منہی عنہ کی مثال ہے۔ یا نماز کا وقت آیا اور اس نے نماز ترک کردی یہ ترک صلوٰۃ ترک مامور بہ کی مثال ہے اور ترک عدمی یہ ہے کہ اسباب وجود کے نہ ہوں اور کسی کام کو ترک کیا جائے جیسے ایک وقت بہت سے افعال منہی عنہا سے آدمی بچا رہتا ہے اور احتراز کا قصد بھی نہیں ہوتا۔ پس پہلا ترک تو کبھی طاعت ہے اور کبھی معصیت اور دوسرا ترک نہ معصیت ہے نہ طاعت اس لئے تزکی سے ترک عدمی تو مراد ہو سکتا نہیں کیونکہ محل مدح میں فرمانا دلیل ہے اس کی اطاعت ہونے کی اور ترک عدمی طاعت بھی نہیں۔ پس یقیناً ترک وجودی ہی مراد ہے یعنی احتمال وجود کے وقت رذائل کا ترک کرنا اور معصیت بھی رذائل کا فرد ہے۔ پس تزکی میں تمام معاصی کا ترک داخل ہوگیا اور معاصی میں طاعت کا ترک بھی داخل ہے تو اس طرح سے قد افلح من تزکی (بامراد ہوا وہ شخص جو پاک ہوگیا) ہی میں ترک معاصی و امتثال طاعات سب داخل ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ یہ اشتمال ظاہر نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تحصیل طاعات کو وذکر اسم ربہ فصلی (اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا) میں ذکر فرمادیا۔ پس اب تزکی میں ترک منہیات ہی داخل رہا اور ان دونوں کے مجموعہ کو مدار فلاح ٹھہرایا گیا تو ثابت ہوا کہ فلاح کا مدار تخلیہ و تحلیہ دونوں کے مجموعہ پر ہے اور یہی صوفیہ کا قول ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بدوں ان دونوں کے سلوک کامل نہیں ہوسکتا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الغاشیۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾
وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح عجیب طور پر پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کی طرف کہ وہ کیسے بلند کر دیا گیا ہے اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ کیسے گاڑھ دیئے گئے اور زمین کی طرف کہ وہ کیسے بچھا دی گئی۔

تفسیری نکات

دلائل قدرت

اس میں سب سے پہلے اونٹ کا ذکر کیا گیا کیونکہ اہل عرب کثرت سے اسی پر سوار ہوتے ہیں اور راکب جمل کو زیادہ تلبس اونٹ ہی سے ہوتا ہے پھر اہل عرب کو اونٹ سے محبت بھی بہت ہے چنانچہ اپنے ایک شاعر اپنے محبوب کے خال رخسار کی تشبیہ میں کہتا ہے کہ رخسارہ پر تل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بالو کے میدان میں اونٹ کی مینگنی پڑی ہو اس سے اونٹ کے ساتھ اس کا تعلق ظاہر ہے اور ایک شاعر کہتا ہے۔

احبها و تحبنی و یحب ناقتها بعیری

میں محبوب سے محبت رکھتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور میرے اونٹ کو اسی کی اونٹنی سے محبت ہے۔

اس لئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا یہ لوگ ہمارے دلائل قدرت کو اونٹ میں نہیں دیکھتے کہ اس کو کیسا عجیب الخلقت بنایا ہے اور کیسا جفاکش اور صابر و بردبار کر دیا ہے۔ پھر اونٹ پر سوار ہوتے ہی آدمی اونچا ہو جاتا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے تو سامنے آسمان نظر آتا ہے اس لئے اس کے بعد فرماتے ہیں والی السماء کیف رفعت اور آسمان کو نہیں دیکھتے کیونکر بلند کیا گیا ہے پھر سفر شروع کرنے کے بعد دائیں بائیں پہاڑ نظر آتے ہیں تو آگے فرماتے ہیں والی الجبال کیف نصبت اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کس طرح زمین میں نصب کئے گئے ہیں پھر گاہے بگاہے سواری کی حالت میں زمین پر بھی نظر پڑ جاتی ہے سامنے بڑے بڑے میدان آتے ہیں جن کو مسافر طے کرتا جاتا ہے تو فرماتے ہیں والی الارض کیف سطحت اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی جو شخص کبھی اونٹ پر سوار ہوا ہو یا اس نے راکب جمل کی حالت میں تامل کیا ہو وہ اس ترتیب کی خوبی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ پہلے اونٹ کا ذکر کیا پھر آسمان کا پھر پہاڑوں کا پھر زمین کا کیونکہ رکوب کی حالت میں اکثر نظر اسی ترتیب سے واقع ہوتی ہے۔

امارد سے بدنظری کی مذمت

بقراط کی حکایت شیخ سعدی شیرازی نے لکھی ہے کہ چلا جا رہا تھا ایک شخص کو دیکھا کہ پسینہ پسینہ بے خود ہو رہا ہے پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے لوگوں نے کہا کہ یہ ایک بزرگ ہے اس نے ایک حسین لڑکے کو دیکھ لیا ہے اس میں حق تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ کر رہا ہے بقراط نے کہا کیا حق تعالیٰ نے صرف یہی لڑکا ہی اپنی قدرت کے اظہار کے لئے پیدا کیا ہوا ہے اور کوئی نہیں ایک دن کا بچہ بھی تو اس کا پیدا کیا ہوا ہے اس کو دیکھ کر حال متغیر نہ ہوا۔

محقق ہماں بیند اندر ابل　　　　کہ در خوب رویان چین و چگل

یعنی جو شخص حقیقت بین ہے وہ اونٹ میں بھی وہ دیکھتا ہے جو چین چگل میں خوبصورتوں میں دیکھتا ہے بلکہ اونٹ کے دیکھنے میں تو نفع محض ہے اور امرد کو دیکھنے میں فتنہ کا احتمال بھی غالب ہے اس لئے اونٹ کے دیکھنے کا امر ہے۔ جیسا آیت مذکورہ میں گزرا یہ نہیں فرمایا افلا ینظرون الی امارد کیف خلقوا (کیا وہ امردوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کئے گئے ہیں) یہ جہلا صوفیا کفار قریش سے بھی بڑھ گئے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الفَجْر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: سو آدمی کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی اس کو ظاہراً اکرام وانعام دیتا ہے تو وہ بطور فخر اً کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھادی اور جب اس کو دوسری طرح آزماتا ہے یعنی اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو وہ (شکایتاً) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹادی۔

تفسیری نکات

نیک وبد کی تمیز کا طریقہ

فرمایا کہ جو لوگ بلا اور مصیبت میں مبتلا ہوں ان کی نسبت یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ خدا کے نزدیک مبغوض ہیں اور ہم چونکہ بلا میں مبتلا نہیں اس لئے مرحوم ہیں اس لئے کہ کبھی نیک لوگوں پر بھی بلا نازل ہوتی ہے تاکہ پاک صاف ہو کر خدا تعالیٰ کے پاس جائیں اور بعض کو اتمام حجت عذاب کے لئے دنیا میں چھوڑ دیا جاتا ہے اور فرمایا کہ یہ نعمت و بلا نیک و بد کو پہچاننے کا طریقہ نہیں ہے چنانچہ اس کا علامت نہ ہونا ارشاد ہے فاما الانسان اذا ما ابتلاہ ربہ فاکرمه ونعمه فیقول ربی اکرمن واما اذا ما ابتلاہ فقدر علیه رزقه فیقول ربی اهانن کلا اس سے معلوم ہوا کہ تمیز کا طریقہ یہ نہیں ہے بلکہ طریقہ اس کا محض فرمانبرداری اور نافرمانی ہے۔(اشرف المقالات)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَتَأْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

ترجمہ: اور تم میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے تم لوگ بہت ہی محبت رکھتے ہو۔

تفسیری نکات

دو شکایات کا ذکر

اس آیت میں حق تعالیٰ نے دو شکایتیں فرمائی ہیں ایک یہ کہ پرایا حق کھا جاتے ہو دوسرے مال سے محبت رکھتے ہو یہ دونوں جدا جدا مضمون نہیں بلکہ ثانی اول کے لئے علت ہے یعنی حق تعالیٰ کو میراث کھا جانے کی وجہ بیان فرمانا بھی مقصود ہے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تم کو مال سے بہت محبت ہے اکل میراث کا مذموم ہونا گویا دو حیثیتوں سے بیان فرمایا کہ یہ فعل خود بھی برا ہے اور اس کا منشاء جس سے یہ پیدا ہوا ہے وہ بھی برا ہے جیسے کسی کی مذمت کرنا ہو تو کہتے ہیں کہ تم بھی نالائق ہو اور تمہارا باپ بھی نالائق تھا اس میں بلاغت زیادہ ہو جاتی ہے۔ پس جب موقع شکایت میں وتاکلون التراث فرمایا تو جس کی طبیعت میں ذرا بھی سلامتی ہو وہ خود سمجھ لے گا کہ یہ فعل برا ہے۔ نفس مذمومیت تو اسی سے سمجھ میں آ گئی لیکن حق تعالیٰ نے اس پر کفایت نہیں فرمائی بلکہ اس کا سبب بھی بتایا کہ وتحبون المال حبا جما۔ اور وہ سبب ایسا ہے کہ وہ خود بھی گناہ ہے تو اس سے اس کا مذموم ہونا اور زیادہ بوجہ ابلغ واضح ہو گیا۔ پس ایک حکمت تو علت بیان کرنے سے یہ تھی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مقام میں نظر صرف پرایا مال کھا جانے ہی پر متصور نہ رہے بلکہ اصل علت پر بھی نظر ہو جاوے تاکہ اس سے اس کے علاوہ جتنی شاخیں متفرع ہوتی ہیں سب پیش نظر ہو جاویں اور حق تعالیٰ کے نزدیک سب کا مذموم ہونا واضح ہو جاوے' تیسرے ایک اور حکمت اسی وقت سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ گناہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو ظاہر نظر میں بھی گناہ ہیں اور اکثر لوگ ان کو ہی گناہ سمجھتے ہیں جیسے چوری' زنا' قتل' ناحق ظلم' پرایا مال کھا جانا' شراب پینا وغیرہ۔ دوسرے وہ گناہ کہ لوگ ان کو گناہ نہیں سمجھتے اور نہ اس طرف کبھی ان کا ذہن جاتا ہے کہ یہ گناہ ہیں مثلاً مال کا لالچ ہونا خدا کے سوا کسی سے محبت ہونا اللہ کی یاد سے غافل ہونا یہ وہ چیزیں ہیں کہ ان کے گناہ ہونے کا شبہ تک بھی نہیں ہوتا چنانچہ جب کبھی اپنے گناہوں کو یاد کرتے ہیں تو ظلم چوری' چغلی' غیبت وغیرہ تو یاد آتے ہیں مگر یہ ہرگز یاد نہیں آتا کہ ہمارے دل میں لالچ ہے ہماری تمام عمر غفلت میں گزر گئی اور تمام عمر اس کوشش میں گزر گئی کہ ہم بڑے بن کر رہیں' ناک اونچی ہو ان کو وہی لوگ گناہ سمجھتے ہیں جو جاننے والے ہیں اور جاننے والوں سے میری مراد وہ ہیں جو علم دین کامل رکھتے ہیں نہ صرف حرف شناس یا مدعی جیسے بعضے جاہل یا اکثر عورتیں جو کچھ حرف شناس ہو جاتی ہیں وہ اپنے کو عالم اور محقق سمجھنے لگتی ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

جوارح اور دل کے گناہ

پس تاکلون التراث تو ہاتھ منہ کا گناہ ہے جس کے گناہ ہونے کو سب جانتے ہیں اور تحبون المال دل کا گناہ ہے جس سے یہ ظاہری گناہ متفرع ہوا۔

بلاغت کلام باری تعالیٰ

اور دیکھئے رحمت حق تعالیٰ کی کہ شکایت صرف حب مال کی نہیں فرمائی بلکہ اس کو مقید فرمایا ہے حبا جما سے مطلب یہ ہے کہ نفس حب مال کی ہم شکایت نہیں کرتے بلکہ شکایت اس بات کی ہے کہ مال کی بہت زیادہ محبت رکھتے ہو ان ہی رعایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام تو آدمی کا نہیں ہے۔ آدمی اپنے کلام میں خواہ کتنی ہی رعایت کرے مگر ہر پہلو پر اس کی نظر نہیں رہتی جس ایک پہلو کو لیتا ہے اس میں حد سے بڑھ جاتا ہے مثلاً ہم لوگ غصہ میں کسی کی توہین یا کسی کا نقص یا ملامت کریں گے تو حد اعتدال سے بہت آگے بڑھ جاتے ہیں اگر اس وقت حد پر رہنے کی کوئی تدبیر بھی کرنا چاہتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا یا ہمت نہیں ہوتی بخلاف کلام باری تعالیٰ کے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم لوگ تو مغلوب ہیں طبیعت کے اور حق تعالیٰ اس سے پاک ہیں دیکھئے ملامت فرمار ہے ہیں لیکن اس میں بھی کیا رحمت ہے کہ نفس حب پر ملامت نہیں اگر نفس حب مال پر شکایت ہوتی تو مخاطبین سخت سوچ اور فکر میں پڑ جاتے اس لئے کہ ایسا کون ہے جس کو مال سے تعلق نہیں اس لئے یہ فکر ہو جاتی کہ بس جی ہم تو بالکل ہی مردود ہیں' چنانچہ بعضے سالک جہل یا غلبہ حال سے یا ناواقف مشائخ کے ہاتھ میں پھنس جانے سے بھی سمجھ بیٹھے کہ غیر اللہ سے کسی درجہ کا بھی تعلق رکھنا مذموم ہے۔ بس ان کی یہ حالت ہوئی کہ بیوی کو چھوڑ دیا مال کو لٹا دیا اور تماشا ہے کہ ان کے ناواقف مشائخ اپنے مریدوں کی اس حالت پر ناز کرتے ہیں سو یہ لوگ خود ہی اس قابل ہیں کہ ان کی اصلاح کی جاوے خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اچھی کس کی تربیت ہوگی سو سن لیجئے ایک صحابی دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے اور شب کو قیام بہت کرتے۔ حضور ﷺ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے کمزور ہو جاؤ گے۔ آنکھ کا بھی حق ہے' مہمان کا بھی حق ہے خدا تعالیٰ کا بھی حق ادا کرو اور دوسرے حقوق بھی ادا کرو۔ حضور ﷺ کی تربیت تو یہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تربیت دیکھئے کہ دشمنوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ مال کی محبت تم کو زیادہ کیوں ہے اور یہی مذموم ہے باقی حب مال مطلقاً مذموم نہیں۔

گناہوں کی قسمیں

آیت مبارکہ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۙ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا کی ایک حکمت اسی وقت سمجھ میں آئی وہ یہ کہ گناہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو ظاہر میں بھی گناہ ہیں اور اکثر لوگ ان ہی کو گناہ سمجھتے ہیں جیسے چوری'

(c) ketabton.com: The Digital Library

زنا، قتل، ناحق ظلم پرایا مال کھانا جانا، شراب پینا وغیرہ۔ دوسرے وہ گناہ کہ لوگ ان کو گناہ نہیں سمجھتے اور نہ کبھی اس طرف ان کا ذہن جاتا ہے وہ یہ گناہ ہیں مثلاً مال کا لالچ ہونا خدا کے سوا کسی سے محبت ہونا، اللہ کی یاد سے غافل ہونا، یہ وہ چیزیں ہیں کہ ان کے گناہ ہونے کا شبہ تک بھی نہیں ہوتا۔ (آیت مبارکہ میں اسی پر تنبیہ ہے)

يَٰٓأَيَّتُهَا ٱلنَّفْسُ ٱلْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ٱرْجِعِىٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَٱدْخُلِى فِى عِبَٰدِى ﴿۲۹﴾ وَٱدْخُلِى جَنَّتِى ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اے نفس مطمئنہ تو اپنے پروردگار کی طرف واپس چل اس حال میں کہ تو اللہ تعالیٰ سے راضی ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہیں پس تو میرے خاص بندوں (کی جماعت) میں داخل ہو جا اور میری جنت میں پہنچ جاؤ۔

تفسیری نکات

دوستوں کی ملاقات میں عجیب لذت

اب ایک نکتہ بھی بیان کردوں وہ یہ کہ آیت میں ادخلی فی عبادی کو ادخلی جنتی پر مقدم کیا گیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ سو اس کی توجیہ حضرت امام شافعی کے قول سے سمجھ میں آتی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ جنت میں دوستوں کی زیارت اور ملاقات ہوگی اس وقت سے مجھے جنت کا اشتیاق ہو گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دوستوں ملاقات میں جنت سے بھی زیادہ لذت ہے مگر شطرنج باز گنجفہ باز دوست نہیں بلکہ امام شافعی جیسے دوست جو شافعی ہوں یا شافع ہوں۔ اور یا ء وعین دونوں جمع ہو جائیں تو نور علی نور ہے اور اگر ایسے دوست نہ ہوں بلکہ محض دنیوی دوستی ہو تو وہ آخرت میں مبدل بعداوت ہو جائے گی۔ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین تمام دنیاوی دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے سوائے خدا سے ڈرنے والوں کے۔ وہاں وہی دوستی باقی رہے گی جس کا منشاء دین اور تقویٰ ہو۔ بہر حال دوستوں کی ملاقات میں ایسی لذت ہے کہ اس کے بغیر جنت بھی خار ہے۔ یایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی اے ان اطمینان والی جس کو ذکر اللہ میں چین تھا آ جا اپنے رب کی طرف اور لفظ ارجعی میں ایک لطیفہ ہے یعنی اس میں اشارہ ہے کہ تم تو خدا ہی کے پاس تھے یہاں تو تم آ کر اجنبیوں میں مبتلا ہو گئے تو تمہارا امر نا اصل کی طرف واپس جانا ہے اسی کو فرماتے ہیں۔

ہر کسے کو دور ماند از وصل خویش ۔۔۔ باز جوید روزگار وصل خویش

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہر شخص کا قاعدہ ہے کہ جب اپنی اصل سے جدا ہوتا ہے تو اس زمانہ وصال کا جویاں ہوتا ہے۔ حضرت عارف جامی کہتے ہیں۔

دلا تا کے دریں کاخ مجازی کنی مانند طفلاں خاک بازی چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی چو دوناں چغد ایں ویرانہ

(اے دل تو کب تک اس مجازی یعنی عارضی محل میں لڑکوں کی طرح مٹی سے کھیلتا رہے گا اور اس آشیاں میں آخرت سے تو کیوں اجنبی بن گیا اور نااہل کی طرح سے اس دنیا کے ویرانہ کو الو بن کر رہ گیا)

دنیا سے حصہ آخرت لے آنے کی عجیب مثال

اب اس سے یہ بھی سمجھ لو کہ پھر تم کو کیا دنیا و آخرت کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے اور اس کو اس مثال سے سمجھو کہ تم کبھی جلال آباد سے مظفر نگر جاتے ہو تو جو چیز وہاں اچھی ہوتی ہے اس کو یہاں لا کر برتتے ہو پھر یہاں دنیا میں آ کر آخرت سے کیوں اجنبی ہو گئے۔ چاہیے یہ کہ دنیا بھی ملے تو آخرت ہی کے واسطے لے جاؤ۔ قارون کو خطاب ہے وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض الایۃ ترجمہ: دنیا میں سے کچھ حصہ آخرت کے لئے لے لے اور بھول مت اپنے اس حصہ کو۔ باہر جلال آباد کے تلاش معاش میں آتے ہو وہاں سے کما کر لاتے ہو اور یہاں کھاتے ہو اس طرح آخرت کے لئے یہاں سے کمائی کر کے اور بٹور بٹار کر وہاں لے جاؤ۔ یہاں سے ذخیرہ آخرت جمع کر کے اپنے رب کے پاس لوٹ جاؤ۔ دنیا میں آخرت کی فکر سے غافل مت رہو کیونکہ جہاں سے آئے تھے وہاں لوٹ کر جانا ہے اور یہاں سے لوٹ کر وہاں جاؤ تو کس طرح جاؤ۔ جس طرح آ گئے اس نفس کے خطاب میں فرماتے ہیں۔

اہل اللہ سے تعلق کی ضرورت

تم اللہ سے راضی ہو اللہ تم سے راضی دیکھئے بہت لوگ لاکھوں روپیہ حکام کی خوشنودی طلب کرنے کو خرچ کرتے ہیں۔ کیا ہر حاکم کی خوشنودی تو مطلوب ہو اور حاکم حقیقی ہی کی خوشنودی مطلوب نہ ہو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا؍ اے نفس مطمئنہ اور داخل ہو جا میری جنت میں حق تعالیٰ نے یہاں دو ثمرے ذکر فرمائے ہیں خاص بندوں میں شامل ہونا اور جنت میں داخل ہونا۔ ذرا غور کیجئے خاص بندوں میں داخل ہونے کو پہلے فرمایا ہے پھر جنت میں داخل ہونا مذکور ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اصل چیز خاص بندوں میں شامل ہونا ہے جس کی بدولت جنت ملے گی۔ اس جگہ اشارۃ یہ بات بھی ظاہر فرما دی کہ اگر ہمارے خاص بندوں کے ساتھ لگے لپٹے رہو گے تو جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ البَلَد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ﴿۴﴾ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ﴿۵﴾ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ ﴿۹﴾ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی اور (بطور جملہ معترضہ کے تسلی کے لئے پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ) آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے۔ اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے کیا وہ یہ خیال کرتا ہے اس پر کسی کا بس نہ چلے گا اور کہتا ہے کہ میں نے اتنا مال خرچ کر ڈالا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور ہم نے اس کو دونوں راستے (خیر و شر کے) بتلا دیئے۔

تفسیری نکات

اہل ذوق کے لئے ایک علمی نکتہ

لا اقسم میں لا زائد ہے اور لا بڑھانے میں یہ نکتہ ہوسکتا ہے کہ یہ بات قسم کھانے کی تو ہے نہیں مگر تمہارے فہم

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی رعایت سے کھائی جاتی ہے اور یہ علمی نکتہ ہے مگر اہل ذوق اس سے متاثر ہوتے ہیں ہمارا ذوق صحیح نہیں ہے ورنہ ہمارے بھی ہوش اڑ جاتے اور اہل ذوق نے ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ کو سن کر بھی گردنیں جھکا دیں۔

علمی اور تاریخی توجیہ

میں اس میں گفتگو کر رہا تھا کہ نزول کی حدیث میں ظاہر بین تو لفظ کی تحقیق میں پڑ گئے اور اہل بصیرت نے اس کے مقتضاء پر عمل کیا کہ اس وقت کی قدر کی۔ اسی طرح ہم لا اقسم میں لا کو زائد کہہ کر نازاں ہوں گے اور اپنے آپ کو محقق سمجھنے لگے اول تو محقق ہی کیا ہوئے اور ہوئے بھی تو الفاظ کے مگر یہاں تو دوسری چیز کی ضرورت ہے یعنی عمل کی کسی نے خوب کہا ہے۔

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا   واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

(دھوکہ مت کھاؤ توحید خدا کو ایک ماننے کا نام ہے نہ ایک کہنے کا)

واقعیت حاصل ہونی چاہیے یہ نرے الفاظ سے کام نہیں چلتا بہر حال ترکیب میں جب لا زائد ہو تو لا اقسم بھذا البلد کے معنی ہوئے میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی یعنی مکہ کی میں ہر لفظ کے ساتھ مختصر علوم بیان کرنا چاہتا ہوں اس میں یہ بات بیان کرنا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں رکھا گیا مگر حق تعالیٰ نے بہت جگہ غیر اللہ کی قسم کھائی ہے سو اول تو وہ حاکم ہے اس کے افعال میں چوں و چرا کی مجال نہیں اس لئے یہ سوال ہی بیکار ہے دوسری بات یہ ہے کہ حکمت اور غرض اصلی قسم کی تاکید کلام ہے اور تاکید کے دو طریق ہیں ایک تو معظم کی قسم کھانا اور دوسرا طریق ایسی چیز کا ذکر کرنا جس میں غور کرنے سے جواب قسم کی تائید جس سے یہ کلام بمنزلہ قضایا قیاساتہا معہا کے ہو جاتا ہے یعنی ایک ایسی چیز کا پتہ دے دینا کہ اس میں غور کرنے سے صدق کلام معلوم ہو جائے جب یہ سمجھ لیا تو سنو کہ پہلی قسم میں لازم ہے کہ مقسم بہ غیر اللہ نہ ہو کیونکہ ایسی تعظیم بالغ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور دوسری قسم میں غیر اللہ کی قسم بھی فی نفسہ جائز ہے اور اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ مخلوق کیلئے بھی یہ قسم جائز ہوتی مگر چونکہ یہ غرض مشہور و متعارف نہیں ہے اس لئے ذہن سبقت کرے گا پہلی قسم کی طرف اس واسطے سدا للباب وصونا عن الایھام مطلقاً غیر اللہ کی قسم کو ممنوع کر دیا گیا کیونکہ اعتبار غالب احوال کا ہوتا ہے اور غالب یہی ہے کہ معظم کی قسم کھا کر کلام کی تاکید کرتے ہیں اور حق تعالیٰ نے جو بعض مخلوق کی قسم کھائی ہے اس میں قسم اول کا تو شبہ بھی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس سے بڑا کون ہے اس لئے لامحالہ دوسری غرض کی طرف ذہن جاوے گا اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے اللہ کا شکر ہے کہ نئی بات سمجھا دی۔ جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو یہ شبہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

جاتا رہا کہ غیر اللہ کی قسم کیوں کھائی گئی بس اب غور کرنا چاہیے کہ مقسم بہ کو مقسم علیہ سے تائید کا کس طرح علاقہ ہے سو اس جگہ مقسم علیہ لقد خلقنا الانسان فی کبد ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے یعنی ہم نے انسان کو سختی میں پیدا کیا ہے اب مقسم بہ میں غور کیا جاوے کہ اس سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے یا نہیں سو مقسم بہ مکہ معظمہ ہے اور اس کی شان فی نفسہ و نیز باعتبار اضافت کے سخت ہے کیونکہ وہ وادغیر ذی زرع (جنگل بلا کھیتی والا) اور وہاں گرمی بھی بڑی سخت ہے بس اس سے خود مشقت کا پتہ لگتا ہے بس صاف معلوم ہو گیا کہ اس مقسم بہ کو دخل ہے مقسم علیہ کے اثبات میں بطور اثبات النظیر بالنظیر کے یہ تو اس کی شدت تھی فی نفسہ اور اضافی شدت یہ ہے کہ مکہ میں حضور ﷺ کا زمانہ بہت مشقت کا تھا تو اس کا ذکر مذکور ہو گیا مشقتوں کا خاص کر جبکہ حل بمعنی نازل کے ہو یعنی آپ کی اقامت مکہ کے زمانہ میں مکہ کی قسم کھائی یہ تو علمی اور تاریخی توجیہ ہے۔ اور عشاق نے اس انت حل سے کچھ اور سمجھا ہے اور قرآن مجید کی یہ حالت ہے۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ دارد برنگ اصحاب صورت رابوار باب معنی

عشاق نے یہ سمجھا کہ اس میں حضور اکرم ﷺ کی جلالت شان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ مطلقا مکہ کی قسم نہیں کھائی بلکہ جب آپ اس میں رونق افروز ہوں۔ عشاق کے محاورہ میں گویا آپ ﷺ کے خاک پا کی قسم کھائی اور اس میں عربیت متروک نہیں ہوئی بلکہ لغت سے متاید ہے اس لئے یہ محض نکتہ نہیں بس عشاق کا ذہن اس طرف گیا کہ آپ ﷺ کی ذات تو بہت بڑی ہے جبکہ آپ ﷺ کی ذات سے مکہ قابل قسم ہو گیا۔

شر کا بتلانا بھی نعمت ہے

ایحسب ان لم یرہ احد تک کا حاصل یہ ہوا کہ انسان کو نعم اور تکالیف سے تنبہ نہیں ہوا۔ آگے نعمتیں یاد دلاتے ہیں الم نجعل لہ عینین ولسانا وشفتین وھدینہ النجدین کہ اس کو نعیم سے بھی تنبہ نہیں ہوا۔ اس استفہام میں نکیر شدید ہے ان نعمتوں کے بھلا دینے پر اور یہی آیت اس وقت مقصود بالبیان ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ مقصود مطول ہو۔ اور اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کیا ہم نے اس (انسان) کے واسطے دو آنکھیں نہیں بنائیں اور کیا ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے اور اس کو دو راستے نہیں بتلائے اور دو راستوں سے مراد خیر و شر ہیں سو خیر تو اس لئے بتلائی کہ اس کو اختیار کیا جاوے۔ اور شر اس واسطے بتلایا کہ اس سے پرہیز کیا جاوے۔ پس شر کا بتلانا بھی نعمت ہے۔ وبضدھا تتبین الاشیاء (اپنی ضد سے چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور یہ تو بعد میں بتلاؤں گا کہ آیت میں کن کن نعمتوں کا بیان ہے پہلے یہ سمجھو کہ حق تعالیٰ نے سمع و بصر کو کہیں تو مفرد کے صیغوں سے بیان فرمایا ہے یعنی سمع و بصر اور کہیں جمع کے صیغوں سے یعنی ابصار و آذان بہر حال تثنیہ کہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں فرمایا گیا بجز اس جگہ کے سو اس میں کیا نکتہ ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال مگر میرے ذہن میں یہ آتا ہے کہ مخاطب غبی کو خاص تنبیہ کردی کہ آنکھ دی اور ایک پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دو عنایت کیں ہیں اور دوسرا نکتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اشارہ ہوا ایک مسئلہ طبیعہ کی طرف۔ قرآن شریف کی یہ شان ہے۔

بہار عالم حسنش دل و جان تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت رابو ارباب معنی را

(اس عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل و جاں کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل و جاں کو بو سے تازہ رکھتی ہے وہ مسئلہ دو ہیں مگر بمنزلہ ایک کے کیونکہ دونوں آنکھیں ایک وقت میں ایک ہی چیز کو دیکھ سکتی ہیں ایسے ہی شفتین کہ دونوں سے ایک ہی کلام ہوسکتا ہے یہ نہیں کہ ایک آنکھ سے ایک چیز کو دیکھ لیں اور دوسری سے دوسری کو ایک ہونٹ سے ایک بات کرتے رہیں اور دوسرے سے دوسری بات کرنے لگیں اور کوئی یہ نہ کہے کہ تم تو قرآن شریف میں حکمۃ طبعیہ کے مسائل نکالنے سے منع کیا کرتے ہو بات یہ ہے کہ قرآن شریف میں حکمت کے مسائل مقصود نہیں باقی کہیں نکل آویں تو اس سے مجھ کو انکار نہیں البتہ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ (ضروری بقدر ضرورت ہی ضروری ہوتی ہے) کا لحاظ ضروری امر ہے یہ تو نکتہ تثنیہ کا ہوا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الشَّمْس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿٧﴾
ترجمہ: قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اس کو پیدا کیا۔

تفسیری نکات

تفسیری نکتہ

ما بمعنی من ہے۔ اور یہاں نفس کے ساتھ قسم کو قسم بالرب پر جو مقدم کیا گیا ہے تو اس میں اشارہ ہوسکتا ہے اس امر کی طرف کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کہ نفس بڑی چیز ہے یہ ہماری قسم کا مقسم بہ بننے کے قابل ہے تم اس کو پہچانو اگر اس کو پہچان لوگے تو ہم بھی بھی پہچان لوگے چونکہ معرفت نفس وسیلہ ہے معرفت رب کا اس لئے نفس کی قسم کو مقدم کیا گیا جیسے مقدمہ ذکر میں مقدم ہوتا ہے گو مقصودیت میں موخر ہو اور یہ بھی نکتہ ہے کوئی علم مقصود نہیں۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے مسئلہ تقدیر کو بیان کرنے کے بعد صراحۃً یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس کی تصدیق کتاب اللہ کی اس آیت میں ہے پہلی حدیث میں یہ صراحت نہ تھی صرف اتنی بات تھی کہ آپ نے مسئلہ تقدیر کے بعد ایک آیت کی تلاوت کی تو وہاں اس بات پر کہ مسئلہ تقدیر کو اس آیت کے مضمون سے مناسبت حاصل ہے صرف قرینہ حالیہ تھا اور یہاں قرینہ مقالیہ موجود ہے مگر اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں بھی تقدیر کے مسئلہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کی اور خالق نفس کی قسم کھائی ہے اور اس کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا کہ **فالهمها فجورها و تقوها**۔

کہ خدا نے نفس کو پیدا کر کے اس کو خیر وشر کا الہام کیا یعنی انسان کے نفس میں نیکی اور بدی کی دو طاقتیں فطرتاً رکھ دی ہیں اس سے مسئلہ تقدیر کی تائید تصدیق کیونکر ہوئی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

شاہ صاحب نے یہاں بھی وہی جواب دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی علم اعتبار کے طور پر تشبیہ دی ہے کہ جس طرح فجور وتقویٰ القاہوا ہے اسی طرح اعمال کو مقدر بھی کر دیا ہے۔ پس بقول شاہ صاحب کے ان دو حدیثوں میں رسول علیہ ﷺ نے علم اعتبار کا استعمال فرمایا ہے بڑے شخص کے سر رکھ کر میں یہ کہہ رہا ہوں خود اتنی بڑی بات نہیں کہتا کیونکہ یہ بڑا دعویٰ ہے اور اگر کوئی شخص شاہ صاحب کے قول کو نہ مانے تو میں اس سے کہوں گا کہ پھر وہ ان حدیثوں کی شرح کر دے یقیناً ان حدیثوں اور آیتوں میں اور کوئی وجہ ربط بجز اس کے جو شاہ صاحب نے فرمایا بیان نہیں کر سکے گا۔ یہ شاہ صاحب کا علم وہبی ہے میں نے ان حدیثوں کا ایسا حل کسی کے کلام میں نہیں دیکھا۔ (غایت النکاح فی آیت النکاح ملحقہ حقوق الزوجین)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾
ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو رذائل سے پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا

تزکیہ کی فضیلت

بہر حال آیت کا مدلول عام لیا جاوے یا خاص مگر میرا مقصود یہاں پر وہ اعمال ہیں جن سے تزکیہ بلا واسطہ ہوتا ہے بیچ میں ایک شبہ کو دفع کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ شبہ عامیانہ ہے لیکن آج کل مصیبت یہ ہے کہ ہر شخص مجتہد ہے اگر ترجمہ اردو قرآن وحدیث کے دیکھنے کا شوق ہے یہ شوق تو برا نہیں لیکن ہر کام کی تدبیر اور قاعدہ دنیا میں ہے کہ ہر کام کا ایک استاد ہوتا ہے بہتر یہ ہے کہ کسی استاد سے یہ ترجمہ پڑھیں اپنی رائے کو دخل نہ دیں شبہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے یہاں تو تزکیہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور ایک مقام پر ارشاد ہے فلا تزکوا انفسکم تو بظاہر یہاں تزکیہ سے نہی ہے تو اس سے اردو ترجمہ دیکھنے والے کو جبکہ اس کو علم نہ ہو سخت حیرانی ہوتی ہے کہ یہ کیا بات ہے بات یہ ہے کہ تزکیہ کے دو معنی آتے ہیں۔ پاک کردن و پاک گفتن جہاں فضیلت بیان فرمائی ہے وہاں تو معنی اول مراد ہیں اور جہاں نہی ہے وہاں معنی ثانی اس لئے کہ یہ ایک حالت ہے کوئی مضمون علمی نہیں ہے جس پر وہ حالت گزرتی ہے وہ اس کا مشاہدہ کرتا ہے پس غرض فلا تزکوا انفسکم میں دعویٰ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے چنانچہ قرینہ اس کا یہ ہے کہ اس کے بعد فرماتے ہیں ھو اعلم بمن اتقی اگر پاک کردن کے معنے ہوتے تو اعلم نہ فرماتے پس دعوے کی ممانعت ہے واقعی اگر آدمی غور کرے تو اس کو معلوم ہو گا کہ جس درجہ کی بھی پاکی حاصل کرے حق تعالیٰ کی درگاہ کے لائق کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ (التہذیب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

فلاح کا مدار تزکیہ ہے

یہ ایک مختصری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تزکیہ کو مدار فلاح ٹھہرایا ہے جس سے تزکیہ کی ضرورت ظاہر ہے۔ کیونکہ فلاح کی ضرورت سب کو ہے اور اس کا مدار تزکیہ کو ٹھہرایا گیا ہے یہاں ایک خفیف سا شبہ ہے ممکن ہے کہ جن لوگوں نے درسیات باقاعدہ نہ پڑھی ہوں ان کو یہ شبہ ہو جائے اور ممکن ہے کہ وہ اس تقریر کے بعد بھی اپنے شبہ کو حل نہ کرسکیں کیونکہ قرآن سمجھنے کے لئے علوم عربیہ کی ضرورت ہے اور جو شخص عربیہ سے ناواقف ہے وہ قرآن کو نہیں سمجھ سکتا لیکن مجملاً اس تقریر سے ان کے شبہ کا غلط ہونا تو معلوم ہو جائے گا اور اتنا بھی کافی ہے وہ شبہ یہ ہے کہ یہاں پر تو اللہ تعالیٰ نے **قد افلح من زکھا** (جس نے اپنے نفس کو رذائل سے پاک کیا وہ کامیاب ہوگیا) فرمایا ہے جس سے تزکیہ کا مدار فلاح اور مامور بہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے **لاتزکوا انفسکم ھوا اعلم بمن اتقی** (تم اپنے نفسوں پر تزکیہ نہ کرو کیونکہ حق تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کون متقی ہے) جس کا ترجمہ ناواقف یوں کرے گا کہ اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو کیونکہ لاتزکوا نہی کا صیغہ ہے مشتق تزکیہ سے تو اب اس کو اشکال واقع ہوگا کہ ایک جگہ تو تزکیہ کا امر ہے اور ایک جگہ اس سے نہی ہے اس کے کیا معنی جواب اس کا یہ ہے کہ اگر اسی آیت میں **لاتزکوا انفسکم** (تم اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ بیان کرو) کو اس کے مابعد سے ملا کر غور کیا جائے تو شبہ حل ہو جائے گا۔ قرآن میں اکثر شبہات ماسبق اور مابعد کو نہ ملانے سے پیدا ہوتے ہیں اگر شبہ وارد ہونے کے وقت آیت کے ماسبق اور مابعد میں غور کرلیا کریں تو خود قرآن ہی سے شبہ رفع ہو جایا کرے اور اسی جگہ شبہ کا جواب موجود ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہر شبہ کا جواب بھی ساتھ ذکر فرما دیا ہے جیسا کہ تکوینیات میں بھی حق تعالیٰ کی یہی عادت ہے چنانچہ جن لوگوں نے خواص ادویہ کی تحقیق کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جن نباتات میں کسی قسم کا ضرر ہے جس مقام پر وہ پیدا ہوتی ہیں اسی مقام پر ایک دوسری نباتات بھی حق تعالیٰ پیدا کر دیتے ہیں جس میں اس ضرر کی اصلاح ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے سنا ہے کہ ایک گھاس زہریلی ہوتی ہے جس کو کہتے ہیں اس میں بچھو کی سی خاصیت ہے اس کے چھونے سے بچھو کا سا اثر ہوتا ہے تو جس مقام پر وہ پیدا ہوتی ہے اسی مقام پر اس کے پاس ہی اللہ تعالیٰ نے دوسری گھاس اس کی اصلاح کرنے والی پیدا کر دی ہے کہ اس کے ملنے سے وہ اثر زائل ہو جاتا ہے خیر تکوینیات میں تو ہم کو زیادہ تحقیق نہیں اور اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں کہ سب چیزوں کی خاصیات دریافت کی جائیں اور ہر قسم کی دوائیں جمع کی جائیں کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ عدم تحقیق کی وجہ سے کسی مضر کو استعمال کرلے گا اور اس کی مضرت کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ ہلاک ہو جائے گا تو ہلاک ہونا تو ایک دن ضروری ہے بدوں کسی مضر چیز کے استعمالات کئے بھی موت ایک دن آنی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

دینی ضرر ایک خسارہ عظیم ہے

مگر شرعیات میں یہ ضروری ہے کہ جو امور مضر ہیں ان کو جانے کیونکہ ان کے نہ جاننے سے دینی ضرر ہوتا ہے جو کہ خسارہ عظیم ہے اس کا ضرر موت سے بھی ختم نہ ہوگا بلکہ مرنے کے بعد بھی باقی رہے گا اور یہ سخت ضرر ہے جس کا تحمل نہیں ہوسکتا اسی لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کانو یسئلونه عن الخیر و کنت اسئله عن الشر مخافة ان یدر کنی یعنی اور صحابہ تو جناب رسول ﷺ سے خیر کی تحقیق کیا کرتے تھے اور میں شر کی تحقیق زیادہ کیا کرتا تھا اس خوف سے کہ کہیں شر میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ اس لئے جو چیز دین کو مضر ہو اس کی تحقیق کر لینا لازم ہے۔ من جملہ اس کے وہ شبہات بھی ہیں جو قرآن وحدیث میں لوگوں کو پیش آیا کرتے ہیں ان کا رفع کرنا ضروری ہے اور اس میں حق تعالیٰ نے یہ اعانت فرمائی ہے کہ جس جگہ قرآن میں شبہ ہوتا ہے وہیں جواب بھی مذکور ہوتا ہے لہذا شبہ کے وقت سیاق وسباق میں ضرور غور کر لینا چاہئے چنانچہ لاتزکوا انفسکم (تم اپنے نفسوں کا تزکیہ بیان نہ کرو) پر جو قد افلح من زکھا سے تعارض کا شبہ ہوا تھا اس کا جواب اسی جملہ کے ساتھ ساتھ دوسرے جملہ میں مذکور ہے یعنی ھو اعلم بمن اتقی (وہ خوب جانتے ہیں کہ کون متقی ہے) میں کیونکہ اس میں نہی مذکور کی علت کا ذکر ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ تم اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو کیونکہ حق تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کون متقی ہے۔ اس میں حق تعالیٰ نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک اپنا زیادہ علیم ہونا دوسرے من اتقی کے ساتھ علم کا متعلق ہونا۔

تقوی باطنی عمل ہے

نصوص شرعیہ میں غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ تقویٰ باطنی عمل ہے چنانچہ حدیث میں صراحۃً مذکور ہے الا ان التقوی ھھنا و اشار الی صدرہ یعنی حضور ﷺ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ سنو تقویٰ یہاں ہے۔

تقویٰ صلاحیت قلب کا نام ہے

نیز تقوی کے معنی لغت میں ڈرنے اور پرہیز کرنے کے ہیں یعنی معاصی سے بچنا اور ڈرنا تو ظاہر ہے کہ باطن کے متعلق ہے اور معاصی سے بچنے کی ڈر خود اصلاح باطنی ہے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں اس کی پوری تصریح ہے ان فی جسد ابن ادم مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله الاوھی القلب کہ انسان کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے۔ سن لو وہ دل ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس سب سے تقویٰ کی حقیقت واضح ہوگئی کہ تقویٰ صلاحیت قلب کا نام ہے پس اب تقویٰ اور تزکی دونوں مرادف ہوئے تو آیت کا حاصل یہ ہوا ھو اعلم بمن تزکی (وہ خود جانتے ہیں کہ کس نے تزکیہ نفس کیا ہے) ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔

تقویٰ فعل اختیاری ہے

اب یہ سمجھو کہ اس میں تزکی کو عبد کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس سے اس کا داخل اختیار ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ تو وہ مقدور ہوا پھر یہ کہ اعلم فرمایا۔ اقدر نہیں فرمایا (اس سے بھی) اشارۃ معلوم ہوا کہ بندہ کی قدرت کی نفی مقصود نہیں ہے پس اس سے بھی تقویٰ وتزکی کا مقدور عبد ہونا مفہوم ہوا ورنہ اعلم نہ فرماتے بلکہ اقدر علی جعلکم متقین یا اس کے مناسب اور کچھ فرماتے۔ جب تقویٰ اور تزکی ایک ٹھہرے اور مقدور عبد ٹھہرے اب غور کرنا چاہیے کہ ھو اعلم بمن اتقی لا تزکوا انفسکم کی علت بن سکتی ہے یا نہیں لا تزکوا کے معنی یہ لئے جائیں کہ نفس کا تزکیہ نہ کیا کرو یعنی نفس کو رذائل سے پاک کرنے کی کوشش نہ کرو تو ھو اعلم بمن اتقی (وہ خوب جانتے ہیں کہ متقی کون ہے) اس کی علت نہیں ہوسکتی کیونکہ ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے نفسوں کو رذائل سے پاک نہ کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کس نے تزکی اور تقویٰ کیا ہے اور ایک بے جوڑ سی بات ہے یہ تو ایسے ہوا جیسے یوں کہا جائے کہ نماز پڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کس نے نماز پڑھی ہے۔ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کا بندہ کے کسی فعل کو جاننا اس کے ترک کی علت نہیں ہوسکتی ورنہ پھر سب افعال کو ترک کردینا چاہیے کیونکہ حق تعالیٰ تو بندہ کے سبھی افعال کو جانتے ہیں بلکہ اس کے مناسب یہ علت ہوسکتی تھی کہ ھو اقدر علی جعلکم متقین او نحوہ (وہ اللہ زیادہ قادر ہیں تمہارے متقی بنانے پر) یعنی یوں فرماتے ہیں کہ تم نفس کو رذائل سے پاک نہ کرو کیونکہ تم کو متقی بنانے پر حق تعالیٰ زیادہ قادر ہیں تم پورے قادر نہیں ہو پھر کیوں کوشش کرتے ہو۔

اپنے نفس کو پاک کہنے کی ممانعت

جب یوں نہیں فرمایا بلکہ اعلم بمن اتقی (وہ زیادہ واقف ہیں کہ کون متقی ہے) فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں تزکیہ کے وہ معنی نہیں بلکہ کچھ اور معنی ہیں جس کے ترک کی علت ھو اعلم بن سکے سو وہ معنی یہ ہیں کہ اپنے نفسوں کو پاک نہ کہو یعنی پاکی کا دعویٰ نہ کرو کیونکہ حق تعالیٰ ہی کو خوب معلوم ہے کہ کون متقی ہے (اور کون پاک ہوا ہے) یہ بات تم کو معلوم نہیں اس لئے دعوے بلا تحقیق مت کرو۔ اب کلام میں پورا جوڑ ہے اور علت و معلول میں کامل ارتباط ہے۔ اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ تزکیہ باب تفعیل کا مصدر ہے اور تفعیل کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

خاصیتیں مختلف ہیں جس طرح اس کی ایک خاصیت تعدیہ ہے اسی طرح ایک خاصیت نسبت بھی ہے۔پس قد افلح من زکھا میں تزکیہ کا استعمال خاصیت تعدیہ کے ساتھ ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے نفس کو رذائل سے پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا اس میں نفس کو رذائل سے پاک کرنے کا امر ہے۔ لاتزکوا انفسکم میں تزکیہ کا استعمال خاصیت نسبت کے ساتھ ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے نفسوں کو پاک نہ کہو اس میں نفس کو پاک کہنے کی ممانعت ہے۔اب ان دونوں میں کچھ بھی تعارض نہیں کیونکہ جس چیز کا ایک جگہ امر ہے دوسری جگہ اسکی ممانعت نہیں بلکہ ایک نئی چیز کی ممانعت ہے۔حکم تو نفس کے پاک کرنے کا ہے اور ممانعت پاک کہنے سے ہے کہئے اب کیا اشکال رہا۔

فہم قرآن کے لئے عربیت سے واقفیت ضروری ہے

مگر اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو عربیت سے واقف ہے اس لئے فہم قرآن کے لئے عربی جاننے کی سخت ضرورت ہے۔بدوں زبان عربی کا کافی علم حاصل کئے قرآن کا صحیح ترجمہ سمجھ میں نہیں آسکتا۔اردو میں جب عربی زبان کا ترجمہ کیا جاتا ہے تو چونکہ اردو اور عربی زبانیں مختلف ہیں دونوں کے محاورات الگ ہیں اس لئے اگر کسی کو عربی علم کافی نہیں اس کے ترجمہ میں بعض جگہ ایہام رہ جائے گا جس سے شبہات پیدا ہوں گے اور بعض جگہ ترجمہ غلط ہو جائے گا۔

لفظ ضال کے دو معنی ہیں جیسے سورۃ والضحیٰ میں ضالا کا ترجمہ بعض نے گمراہ کر دیا جو باوجود فی نفسہ صحیح ہونے کے ایک عارض یہ ہے کہ ضال لفظ عربی ہے جس کا عربی میں مختلف استعمال ہوتا ہے یعنی اس میں بھی جس کو وضوح دلیل نہ ہوا ہو اور اس میں بھی جو بعد وضوح دلیل کے مخالفت کرے اور گمراہ ہمارے محاورہ میں صرف اس کو کہتے ہیں جو وضوح دلائل کے بعد حق کا اتباع نہ کرے اور لغت عربیہ کے اعتبار سے لفظ ضال دو معنی کو جیسا کہ مذکور ہوا عام ہے ایک معانی ضال کے وہ ہیں جو ہمارے محاورہ میں گمراہ کے ہیں اور دوسرے معنی بے خبر کے ہیں اور بے خبر اس کو کہتے ہیں جس پر دلائل ظاہر ہی نہیں ہوئے۔اور ظاہر ہے کہ رسول ﷺ سے وضوح حق کے بعد اس کا اتباع نہ کرنا محال ہے لہٰذا اس جگہ گمراہ سے ترجمہ کرنا غلط ہے بلکہ بے خبری سے ترجمہ کرنا مناسب ہے اور گو بے علمی بھی بے خبری کا مترادف ہے مگر اس سے بھی ترجمہ کرنا مناسب نہیں کیونکہ ہمارے محاورہ میں بے علم جاہل کو کہتے ہیں جو علوم صحیحہ سے بالکل عاری ہو اور رسول اللہ ﷺ نبوت سے پہلے گو علوم نبوت سے بے خبر ہوں مگر علوم عقلیہ میں کامل تھے (چنانچہ آپ نبوت سے پہلے بھی تمام عقلاء میں ممتاز صائب الرائے صحیح العقل کامل الفہم مشہور تھے۔ اور یہ محض دعوے ہی نہیں بلکہ واقعات تاریخیہ اس پر شاہد ہیں کہ نبوت سے پہلے اہم واقعات اور امور متنازعہ میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

لوگ حضور علیہ کی طرف بکثرت رجوع کرتے تھے) پس بے علمی سے بھی ترجمہ مناسب نہیں بلکہ بے خبری ہی سے ترجمہ کرنا مناسب ہے۔ اور کسی بات سے بے خبری کچھ عیب نہیں کیونکہ علم ذاتی علم محیط سوا خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہر شخص علم میں تعلیم الٰہی کا محتاج ہے (بالخصوص علوم سمعیہ نقلیہ میں جن کے ادراک کے لئے عقل محض نا کافی ہے) اور ہر شخص کو جو علم حاصل ہوتا ہے معلوم کرنے سے پہلے وہ غیر معمول ہی ہوتا ہے پس علم بعد عدم علم کوئی عیب نہیں۔

بے خبری کوئی عیب نہیں

چنانچہ حق تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں بھی فرماتے ہیں وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین (ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں تا کہ وہ عارف ہو جائیں اور تا کہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں) اس آیت سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت سموات والارض کا پہلے علم نہ تھا اللہ تعالیٰ کی تعلیم وارادات سے ان کو یہ علم حاصل ہوا پس بے خبری کچھ عیب نہیں تو مناسب ترجمہ ضالاً کا اس جگہ ناواقف ہے پس اس لفظ کا صحیح ترجمہ موجود تھا۔ مگر مترجمین کی نظر اس پر نہیں پہنچی اور وہ ضالاً کا ترجمہ گمراہ کر گئے حاصل یہ کہ الفاظ عربیہ کا ترجمہ ہر جگہ کافی نہیں ہوتا اور مقصود کے سمجھنے میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اس لئے ترجمہ کے لئے خود عربی کا بھی پوری طرح جاننا اور اس زبان کے محاورات سے بھی جس میں ترجمہ کیا جا رہا ہے پورا واقف ہونا ضروری ہے۔

انا مومن ان شاء اللہ کہنے میں اختلاف

یہ ایسا ہے جیسا کہ امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انا مومن حقا (میں یقیناً مومن ہوں) نہ کہنا چاہیے بلکہ انا مومن ان شاء الله (میں ان شاء اللہ مومن ہوں) کہنا چاہیے اور انہوں نے بھی حقیقت میں دعوے ہی سے منع کیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ انا مومن ان شاء اللہ کہنا چاہئے یا انا مومن حقا تو اشعری کے نزدیک انا مومن ان شاء اللہ (میں ان شاء اللہ مومن ہوں) کہنا چاہیے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انا مومن حقا (میں واقعی مومن ہوں) کہنا چاہیے مشہور قول میں تو اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ جن لوگوں نے انا مومن حقا سے منع فرمایا ہے اور انا مومن ان شاء اللہ کہنے کی تعلیم دی ہے۔ انہوں نے مآل پر نظر کی ہے اور چونکہ مآل معلوم نہیں کہ ہم مآل میں مومن ہیں یا نہیں اس لئے ان شاء اللہ بڑھانے کی تاکید کی ہے اور جن لوگوں نے کہا کہ انا مومن حقا کہنا چاہیے ان کی نظر حال پر ہے اور فی الحال اپنے ایمان میں تردد و شک کرنا کفر ہے اس لئے وہ ان شاء اللہ بڑھانے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انا مومن حقا کہنا چاہیے اے فی الحال اور یہ نزاع محض لفظی ہوگا کیونکہ مآل کے اعتبار سے ان شاء اللہ بڑھانے کو کوئی منع

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں کر سکتا اور رحال کے اعتبار سے انا مومن حقا سے کوئی روک نہیں سکتا۔ مگر میرے ذوق میں یہ ہے کہ جیسے انا مومن حقا حال کے اعتبار سے ہے اسی طرح انا مومن ان شاء اللہ بھی حال ہی کے اعتبار سے ہے مآل کے اعتبار سے نہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ حال کے اعتبار سے بھی انا مومن ان شاء اللہ ہی کہنا چاہیے اور مطلب اشعری کا یہ ہے کہ انا مومن حقا دعویٰ کے طور سے نہ کہنا چاہیے بلکہ دعویٰ سے بچنے کے لئے ان شاء اللہ کہنا چاہیے۔ اور یہ ان شاء اللہ محض برکت کے لئے ہوگا۔ تعلیق وتردد کے لئے نہیں ہوگا جس سے مقصود تفویض وتوکل ہے۔ کیونکہ ان شاء اللہ جیسے تعلیق فی المستقبل کے لئے آتا ہے کبھی حال کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جس سے تعلیق مقصود نہیں ہوتی چنانچہ اس آیت ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ (آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کروں گا مگر خدا کے چاہنے کو ملا دیا کیجئے) میں بھی حضور ﷺ کو برکت ہی کے لئے ان شاء اللہ کہنے کی تعلیم کی گئی ہے۔ یہ ان شاء اللہ تعلیق کے لئے نہیں ہے کیونکہ آگے ارشاد ہے واذکر ربک اذا نسیت (اپنے رب کا ذکر کرو جبکہ بھول جاؤ) کہ اگر کبھی ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے اسی وقت ان شاء اللہ کہہ لیا کرو۔ یعنی ایک بات کہہ کر دو گھنٹہ کے بعد ان شاء اللہ کا خیال آئے تو اس وقت بھی امر ہے کہ ان شاء اللہ کہہ لو تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ لفظ تعلیق کے لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ تعلیق کے لئے کلام سابق سے موصول ہونا عقلاً ضروری ہے اور اگر ان شاء اللہ کلام سے مفصول ہو تو تعلیق کو مفید نہیں ہو سکتا۔ قلت و بقید العقل خرج جوابا عما قیل ان ھذا انما یصلح الزاما علی الحنفیة القائلین بعدم جواز الفصل بان المعلق والتعلیق والقائل ان یقول ان لفظة الا ان یشاء اللہ فیہ التعلیق والاستثناء کما ھو الاصل فیھاثم قولہ واذکر ربک اذا نسیت یجیز الفصل بین المعلق والتعلیق والمستثنی منہ والا استثناء کما ھو مذھب ابن عباس رضی اللہ عنہ پس یہاں بھی یعنی انا مومن ان شاء اللہ میں لفظ ان شاء اللہ محض تفویض کے لئے ہے نہ کہ تعلیق وتردد کے لئے اور مطلب اشعری رحمۃ اللہ کا یہ ہے کہ انا مومن حق میں ایک قسم کا دعویٰ ہے۔

اپنے کو دعوے کے طور پر موحد نہ کہو

اس لئے دعوے سے بچنا چاہیے اور تفویض کے لئے ان شاء اللہ کہنا چاہیے یہی مطلب صوفیہ کا ہوگا اس قول سے

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا　　واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

(توحید خدا کا دعویٰ مت کرو کہ توحید خدا واحد جاننا ہے نہ واحد کہنا)

یہاں بھی واحد گفتن کے معنی دعوے کے کردن ہیں تو صوفیہ کی مراد یہ ہے کہ اپنے کو دعوے کے طور پر

(c) ketabton.com: The Digital Library

موحد نہ کہو اور جنہوں نے حقا کہنے کو فرمایا ہے مراد وہ کہنا ہے جو بطور اقرار بالایمان کے ہو اور یہی مطلب لاتزکوا کا ہے کہ دعوے کے طور پر اپنے کو پاک نہ کہو جس پر قرینہ ھو اعلم ہے یعنی خدا ہی کو خبر ہے کہ کون پاک ہے پس دعویٰ پاکی کا نہ کرو یہ قرینہ اس پر دال ہے کہ یہاں تزکیہ کے معنی پاک کہنے کے ہیں نہ پاک کرنے کے جیسا فصلا اوپر مذکور ہو چکا۔

بہر حال تزکیہ میں سالکین کو دو طرح کی غلطی واقع ہوتی ہے ایک یہ کہ تزکی کو مطلوب سمجھتا ہے اور جلدی مرتب عمل کامل نہ ہونے کی وجہ سے مغموم ہو کر عمل ہی سے معطل ہو جاتا ہے اور دوسری یہ کہ تزکی کو مطلب نہیں سمجھتا۔ اس لئے عمل ناقص پر جس پر تزکی مرتب نہیں ہوتی اکتفا کرتا ہے۔ سو یہ دونوں جماعتیں غلطی پر ہیں حق تعالیٰ نے پہلی جماعت کی غلطی کو قد افلح من زکھا (جس نے اپنے نفس کو تزکیہ کر لیا کامیاب ہو گیا) میں رفع فرمایا ہے کہ تم خود تزکیہ کو مقصود سمجھو تزکی کا انتظار نہ کرو ضرور کامیاب ہو جاؤ گے اور دوسری جماعت کی غلطی ایک دوسری آیت میں رفع فرما دی۔ قد افلح من تزکی (جس کا نفس پاک ہو گیا)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَۃُ الَّیْل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝۶

ترجمہ: سو جس نے اللہ کی راہ میں مال دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات یعنی ملت اسلام کو سچا سمجھا۔

تفسیری نکات

علم اعتبار

فرمایا کہ علم اعتبار کو شاہ ولی اللہ صاحب نے فوز الکبیر میں اس واقعہ سے ثابت فرمایا ہے **فاما من اعطی واتقی الایة** (والحدیث مذکور فی المشکوۃ) لیکن اس سے بھی زیادہ واضح طور سے اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے حضرت ابی کو پکارا اور وہ نماز میں تھے اس لئے انہوں نے جواب نہیں دیا بعد نماز کے جب وہ آئے اور انہوں نے نماز میں ہونے کا عذر کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی **یایھا الذین امنوا استجیبو اللہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم** تو اس آیت کا تلاوت فرمانا اور اس سے استدلال بطور علم اعتبار کے ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس آیت میں دعوت اور استجابۃ سے خاص دعوت اور خاص استجابۃ مراد ہے یعنی احکام شرعیہ میں اطاعت تو اس آیت کی تلاوت سے مقصود یہ تھا کہ تم تو عالم فقیہ ہو تم کو تو سمجھنا چاہیے تھا کہ یہ استجابۃ بھی مثل استجابۃ میں بڑی قباحت یہ ہے کہ اگر وہ دینوی مصالح کسی دوسرے طریقے سے حاصل ہونے لگیں اور اسلام پر ان کے مرتب ہونے کی توقع نہ رہے تو چونکہ اسلام کو مقصود بالعرض رکھا ہے اور مصالح دینویہ کو مقصود بالذات اس لئے نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام کو چھوڑ کر دوسرے طریقے کو اختیار کر لیں گے۔ تیسرے یہ مصالح ہیں تخمینی اور تخمیںیات بہت آسانی سے مخدوش ہو سکتے ہیں تو اگر یہ بھی مخدوش ہو

(c) ketabton.com: The Digital Library

جائیں تو چونکہ حکم شرعی اس پر مبنی سمجھا گیا تھا لہذا وہ حکم بھی مخدوش ہو جائے گا پھر فرمایا کہ اگر یہ علوم مقصود ہوتے تو حضرات صحابہؓ ان کی تحقیق کے زیادہ مستحق تھے لیکن صحابہ نے کبھی ایسے سوال نہیں کئے۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اگر بجز اپنے عالی شان پروردگار کی رضا جوئی کے (کہ اس کا مقصود یہی ہے) اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ اسے دینے سے اس کا بدلہ اتارنا مقصود ہو۔ اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جاوے گا۔

تفسیری نکات

شان صدیق اکبر

فرمایا کہ جو لوگ مصالح مخترعہ کو بناء احکام شرعیہ تعبدیہ کی قرار دیتے ہیں ان کا رد اس آیت سے ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف میں فرماتے ہیں جبکہ انہوں نے حضرت بلال کو خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ وما لاحد عنده من نعمة تجزى الا ابتغاء وجه ربه الا على تو اس میں ان کے فعل کا سبب نفی اور استثناء کر کے منحصر فرما دیا ہے۔ ابتغاء وجه ربه حالانکہ اس میں یہ بھی ایک مصلحت تھی کہ قومی ہمدردی ہے اور ایک کافر کے ظلم سے ان کو چھڑایا دوسرے اس مدلول آیۃ کے ہے۔ (اشرف المقالات)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَۃُ الضُّحٰی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالضُّحٰی ۙ﴿۱﴾ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ؕ﴿۳﴾ وَ
لَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ؕ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ؕ﴿۵﴾
اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۪﴿۶﴾ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ۪﴿۷﴾ وَ
وَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ؕ﴿۸﴾
ترجمہ: قسم ہے دن کی روشنی اور رات کی جبکہ وہ قرار پکڑے (آگے جواب قسم ہے) کہ آپ ﷺ کے پروردگار نے آپ کو چھوڑا نہ آپ سے دشمنی کی اور آخرت آپ کیلئے دنیا سے بدر جہا بہتر ہے (پس وہاں آپ کو اس سے زیادہ دولتیں ملیں گی) اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو آخرت میں بکثرت نعمتیں دے گا سو آپ کو خوش ہونا چاہیے کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر آپ کو ٹھکانا دیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا پھر آپ کو شریعت کا پتہ بتلا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا۔

تفسیری نکات

چنانچہ اس قسم کی بے چینی پر یہ سورۃ نازل ہوئی تھی جس کی آیتوں کی تلاوت کی گئی ہے جس کے نزول کا قصہ احادیث میں اس طرح آتا ہے کہ ایک مرتبہ چند روز تک وحی منقطع ہوگئی جس پر کفار طرح طرح کے طعن کرتے تھے بڑا طعن ان الفاظ میں تھا ترکک شیطانک (تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا) نعوذ باللہ آپ کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

انقطاع وحی سے بھی صدمہ ہوا جیسے محبوب کے خط میں دیر ہونے سے عاشق کو صدمہ ہوتا ہے اور محبوب دیر کیو ں کرتا ہے اس لئے تا کہ عشق کی آگ اور بھڑکے اس کے علاوہ اور بھی حکمتیں تھیں تو ایک صدمہ تو آپ کو انقطاع وحی سے تھا ہی مزید برآں یہ کہ کفار نے طعن دینا شروع کیا کہ بس خدا نے آپ کو چھوڑ دیا بعض نالائقوں نے خدا کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے اس کا بھی آپ کو صدمہ ہوا نہ اس واسطے کہ معتقد کم ہو جاویں گے یہ فکر تو ہم جیسوں کو ہوا کرتی ہے۔حضور ﷺ کی شان اس سے ارفع ہے دوسرے کفار معتقد ہی کہاں تھے بلکہ آپ کو کفار کی ان حرکات سے اس لئے صدمہ ہوا کہ آپ کو امت سے تعلق شفقت بہت ہی زیادہ ہے آپ کی خواہش وتمنا یہ تھی کہ میرا کوئی مخاطب جہنم میں نہ جائے سب کے سب جنتی بن جاویں پھر اس شفقت کے ساتھ کفار کی بدحالی پر جتنا رنج بھی آپ کو ہو تھوڑا ہے حق تعالیٰ نے بار بار اس رنج کو قرآن میں دور فرمایا ہے کہیں فرماتے ہیں **لاتسئل عن اصحاب الجحیم** (دوزخیوں کے بارہ میں آپ سے سوال نہ کیا جائے گا) کہ آپ کفار کی حرکات پر اتنا رنج کیوں کرتے ہیں آپ سے یہ سوال نہ ہوگا کہ اتنے آدمی جہنم میں کیوں گئے کہیں ارشاد ہوتا ہے **لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین** شاید آپ اس رنج میں اپنی جان کو ہلاک ہی کردیں گے کہ یہ کافر ایمان نہیں لاتے۔اس آیت سے اندازہ دے دیا ہے فرماتے ہیں **ان اللہ لایغیر ما بقوم حتی یغیروا مابانفسھم** یعنی حق تعالیٰ کسی قوم سے اپنا برتاؤ نہیں بدلتے جب تک کہ وہ لوگ خود ہی اپنا برتاؤ خدا تعالیٰ سے نہ بدل دیں پس جو لوگ مرتد ہو رہے ہیں یا نیکی وتقویٰ کے بعد معاصی میں مبتلا ہو رہے ہیں اول خود ان لوگوں نے اپنا تعلق منقطع کرلیا تب حق تعالیٰ نے بھی اپنی نعمت کو منقطع کردیا اب یہاں ایک مقدمہ اور ماننا پڑے گا وہ یہ کہ آپ نے اپنا تعلق حق تعالیٰ سے کم نہیں کیا اور مقدمہ بالا کی بناء پر کریم کی عادت ہے کہ وہ از خود اپنے برتاؤ کو نہیں بدلا کرتا۔اس مجموعہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ انقطاع وحی سے قطع تعلق کا وسوسہ ہرگز نہ لائیں رہا یہ سوال کہ پھر وحی منقطع کیوں ہوئی تھی اس میں کیا حکمت تھی جو اس کو حق تعالیٰ نے اس سورت کے شروع ہی میں اشارۃً بیان فرمادیا ہے **والضحیٰ واللیل اذا سجی**. قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جبکہ وہ قرار پکڑے) میں جس میں دن اور رات کی قسم ہے اس میں انقطاع وحی کی حکمت ہی کی طرف اشارہ ہے قرآن کی اقسام میں علوم ہوتے ہیں قسم سے محض تاکید کلام ہی مقصود نہیں ہوتی بلکہ ان میں جواب قسم پر استدلال ہوا کرتا ہے۔

ایک شبہ کا جواب

حضور ﷺ کے یتیم وفقیر ہونے کو بیان کرنے سے اظہار نقص کا شبہ ہوتا ہے اس کا جواب اول تو یہ ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ دیکھنا چاہیے کہ وہ ظاہر کرنے والا کون ہے حق تعالیٰ ہی تو ظاہر کر رہے ہیں سو محبوب اگر محبت کے متعلق کوئی نقص کی بات بھی کہہ دے اس سے جو خوشی ہوتی ہے اس کو عاشق ہی کا دل جانتا ہے بس جس کو آپ اظہار نقص سمجھتے ہیں اس کو حضور ﷺ کے دل سے پوچھنا چاہیے کہ آپ کو اس میں کیا لطف آیا ہوگا۔ سورہ عبس میں بظاہر حضور ﷺ کو کچھ عتاب فرمایا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ایک بار آپ کی مجلس میں رؤسائے قریش جو سرداران کفار تھے بیٹھے ہوئے تھے اور حضور ﷺ ان کے سمجھانے میں مشغول تھے کہ شاید ان کو ہدایت ہو جاوے۔ اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم صحابی نابینا حاضر ہوئے اور پکار کر عرض کیا یا نبی اللہ علمنی مما علمک اللہ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو سکھلایئے اس سے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے) حضور ﷺ کو اس وقت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو کفار کی بدحالی سے کس قدر صدمہ ہوتا تھا جس کے متعلق حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک ہی کر دیں گے جب کسی طرح آپ کا صدمہ کم نہ ہوا تو پھر صاف صاف فرما دیا کہ ہم کو ہی سب کا مسلمان ہونا منظور نہیں۔ ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین (اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے سو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس میں وہ ایمان ہی لے آویں) وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین (اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں اگرچہ آپ ان کے ایمان لانے کی حرص بھی کریں)

رسول اکرم ﷺ پر تین خصوصی احسانات کا ذکر

اور جب حضور ﷺ کے غلام نہیں چاہتے کہ ان کی وجہ سے کوئی دوزخ میں جاوے تو حضور ﷺ کب چاہ سکتے تھے اس لئے واقعہ انقطاع وحی میں ایک صدمہ تو ہوا محبت حق کی وجہ سے اور دوسرا مقدمہ ہوا شفقت علی الخلق کی وجہ سے سبب ثانی کا علاج بہت جگہ کر دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے لست علیھم بمصیطر (آپ ان پر مسلط نہیں ہیں) اور ولاتک فی ضیق مما یمکرون (اور جو کچھ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگ نہ ہوں جیسے یہاں اس مقام پر پہلے سبب کا ازالہ فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے آپ سے تعلق قطع نہیں کیا آپ دل کا وسوسہ نہ لائے پھر اس کی تائید کے لئے اپنے احسانات یاد دلاتے ہیں کہ ہم کو آج ہی نہیں بلکہ آپ کے ساتھ ہمیشہ سے تعلق ہے ہم ہمیشہ آپ کے اوپر عنایت و کرم کرتے رہے ہیں پھر آج آپ کو قطع تعلق کا وسوسہ کیوں پیدا ہوا اس جگہ جو احسانات حق تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں ان میں سب سے پہلے ایک جسمانی احسان کو بیان فرمایا ہے۔ الم یجدک یتیما فاوی کیا خدا نے آپ کو یتیم نہیں پایا تھا کہ پھر ٹھکانا دیا کہ آپ کے دادا عبدالمطلب اور چچا ابو طالب کو تربیت کے لئے مقرر فرمایا کہ انہوں نے آپ کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

یتیموں کی طرح نہیں پالا بلکہ اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھ کر پالا۔ دوسرا احسان باطنی ہے ووجدک ضالا فھدی یعنی خدا تعالیٰ نے آپ کو (امور قطعیہ سمعیہ سے) ناواقف پایا پھر خبردار کر دیا یہ قیود میں نے اس لئے بڑھائیں کہ امور عقلیہ کے علم میں انبیاء علیہم السلام بدو فطرت ہی سے کامل ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عقل میں سب لوگوں سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ ہر زمانہ کے عقلاء کو یہ بات تسلیم کرنا پڑی ہے کہ واقعی انبیاء علیہم السلام کامل العقل ہوتے ہیں پس آپ امور عقلیہ سے کسی وقت ناواقف نہ تھے۔ البتہ وہ علوم جو عقل کے ادراک سے باہر ہیں جیسے بعض صفات واجب واحوال جنت و نار و مقاد پر عبادات وغیرہ ان سے قبل از وحی آپ بے خبر تھے وحی کے بعد خبردار ہوئے اور بعض امور عقلیہ ظنیہ میں گو قبل از وحی بھی آپ کو علم حاصل تھا مگر ظنی تھا پھر وحی سے ان کی تاکید کر دی گئی تاکہ وحی سے وہ علم قطعی ہو جائے کیونکہ عقل سے بلاواسطہ جو علوم حاصل ہوتے ہیں ان میں خلط وہم کا اندیشہ رہتا ہے اور وحی میں کسی قسم کا احتمال نہیں اس لئے امور عقلیہ وحی کے بعد زیادہ قطعی ہو جاتے ہیں۔

انقطاع وحی میں حکمت

غرض اس جگہ حق تعالیٰ نے تین احسان بیان فرمائے ہیں ایک جسمانی بیچ میں روحانی اخیر میں پھر جسمانی یعنی ووجدک عائلاً فاغنیٰ کہ آپ کو حاجت مند پایا تو تونگر کر دیا اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر امور جسمانیہ کو امور روحانیہ سے تلبس ہو جاوے تو وہ جسمانیات بھی روحانیات ہی میں داخل ہو جاتے ہیں چنانچہ دنیا کو اگر دین کے کاموں میں صرف کیا جائے اور اس کو آخرت کے لئے معین بنایا جاوے تو اس وقت دنیا بھی دین میں داخل ہو جاتی ہے ان احسانات کی یاد دہانی سے مطلب یہ ہوا کہ ہم نے آپ پر یہ احسانات کئے ہیں اور ایک مقدمہ یہاں محذوف ہے اس کو ملا لیا جائے وہ یہ کہ کریم اپنی عادت کو نہیں بدلا کرتا ہے اس لئے آپ بے فکر رہیے کہ جو برتاؤ ہمارا آپ کے ساتھ اب تک رہا ہے ہمیشہ وہی برتاؤ رہے گا۔ اور اسی طرح آپ پر انعامات و احسانات ہوتے رہیں گے قطع تعلق کا کبھی وسوسہ نہ لایئے۔ شاید تم اس مقدمہ پر یہ کہو کہ ہم تو بعض دفعہ انقطاع نعمت دیکھتے ہیں سب سے بڑھ کر نعمت ایمان ہے ہم تو اس کا انقطاع بھی دیکھ رہے ہیں چنانچہ بعض لوگ دین سے مرتد ہو جاتے ہیں جن کی نظیریں آج کل بہت نظر آ رہی ہیں اس شبہ کا جواب ایک آیت میں خود حق تعالیٰ ہی نے کا آنا کسی قدر گراں ہوا کیونکہ غرباء کے ساتھ مل کر بیٹھنے کو رؤساء قریش گوارا نہ کرتے تھے تو آپ کو خیال ہوا کہ اب ان غریبوں کے آنے سے یہ کم بخت چلے جائیں گے اور ہدایت سے محروم رہیں گے۔ آپ کی نیت بالکل بجا تھی مگر غریب مسلمانوں کے مقابلہ میں حق تعالیٰ کو رؤسا کفار کی ہدایت کا اتنا اہتمام بھی گوارا نہیں جس سے غربا کا آنا کسی وقت بار خاطر ہو اس لئے سورہ عبس میں حضور ﷺ کو نہایت لطیف عنوان سے اس بات پر

(c) ketabton.com: The Digital Library

متنبہ کیا گیا ہے کہ نابینا کا حاضر مجلس ہونا حضور ﷺ پر گراں کیوں ہوا پھر اس خطاب میں آپ کو کیسا لطف آیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد جب کبھی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر مجلس ہوتے تو حضور ﷺ فرمایا کرتے مرحبا بمن عاتبنی فیه ربی مرحبا اس شخص کو جس کے متعلق میرے پروردگار نے مجھ پر عتاب فرمایا۔ محبوب کے عتاب آمیز خطاب میں جو لذت ہوتی ہے اس کو عشاق ہی جانتے ہیں ایک بزرگ کے مرید حج کو جا رہے تھے چلتے ہوئے شیخ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے حضور میں ہمارا سلام عرض کر دینا چنانچہ جب وہ حاضر روضہ اطہر ہوئے شیخ کا سلام عرض کیا وہاں سے جواب عطا ہوا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہہ دینا جب یہ شخص واپس آیا اور شیخ کی زیارت کو گیا انہوں نے پوچھا کہو بھائی ہمارا سلام عرض کیا تھا اس نے کہا جی ہاں عرض کیا تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے پیر کو ہمارا بھی سلام کہہ دینا مرید نے بدعتی کا لفظ نہ کہا۔ شیخ نے فرمایا کہ ایک لفظ کیوں چرالیا جو جان تھی خطاب کی کہا حضرت میں ادب کی وجہ سے وہ لفظ نہیں کہہ سکتا اور آپ کو تو معلوم ہی ہے پھر میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے فرمایا کہ سننے میں جو لطف ہے وہ جاننے میں تھوڑا ہی ہے۔ اور تم کو ادب یا بے ادبی سے کیا تعلق تم تو پیام رساں ہو تم کو وہی کہنا چاہیے جو حضور ﷺ نے فرمایا وہ تمہارا کہا ہوا نہ ہوگا بلکہ حضور ﷺ کا فرمودہ ہوگا چنانچہ مرید نے مجبور ہو کر کہا حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہہ دینا بس یہ سنتے ہی شیخ کو وجد آ گیا رقص کرتے تھے اور یوں کہتے تھے۔

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی ۔۔۔ جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

غنائے قلب کا مدار توکل اور تعلق مع اللہ پر ہے

اسی طرح جب آپ کو مفلس پایا تو حق تعالیٰ نے غنی کر دیا تو یہ غنا بھی کامل ہی ہوگا کیونکہ حق تعالیٰ خود اس کا اہتمام فرمایا اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ حضور ﷺ کے پاس مال اتنا زیادہ کہاں تھا جس سے آپ کے غنا کو کامل کہا جاوے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اول تو حضور ﷺ کو غنائے ظاہری کی ضرورت نہ تھی اور جو اصل غنا ہے یعنی غنائے قلب وہ تو آپ کے پاس بدو فطرت سے موجود تھی اور نبوت کے بعد اس میں اس قدر ترقی ہوئی کہ کسی کو بھی آپ کے برابر غنائے قلب حاصل نہ ہوگا۔ (کیونکہ اس کا مدار توکل اور تعلق مع اللہ پر ہے اور ان صفات میں حضور ﷺ سے زیادہ کوئی کامل نہیں اس لئے آپ کے غناء قلب کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا بلکہ ظاہری غنا سے تو اہل قلب کو اور پریشانی ہوتی ہے اور اس کے حقوق کا خیال کر کے یہ پریشانی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اسی کے ازالہ کے لئے حق تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ سے فرمایا هذا عطاء نا فامنن او امسک بغیر حساب (یہ بے شمار ہماری عطا ہے دو یا نہ دو) اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ هذا عطاء نا بغیر حساب یہ ہماری عطا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے اور بے حساب یعنی بے شمار بغیر حساب سے کثرت کا بتلانا مقصود ہے اور ایک تفسیر یہ ہے کہ بغیر حساب معمول ہے فامنن او امسک کا یعنی یہ ہماری عطا ہے خواہ دو یا نہ دو آپ سے اس کے حقوق کے متعلق کوئی سوال اور باز پرس نہ ہوگی دو یا نہ دو جس طرح چاہو تصرف کرو کلی اختیار ہے۔ دوسری تفسیر مجھے زیادہ پسند ہے اور واقعی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اتنی بڑی سلطنت اور اس کا ساز و سامان خار جان ہو جاتا اگر ان کی تسلی اس طرح نہ کی جاتی جب بغیر حساب فرما کر بارِ غم ہلکا کر دیا گیا اس کے بعد انہوں نے بے فکری سے سلطنت کی اس سے ظاہری سامان کی کثرت کا موجب پریشان ہونا ثابت ہو گیا تب ہی تو اس کا ازالہ کیا گیا اسی واسطے جب حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ چاہے نبی ملک ہونا اختیار کر لیں یا نبی عبد ہونا حضور ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کے مشورہ سے نبی عبد ہونا اختیار کیا اگر آپ بھی نبی ملک ہونا چاہتے تو آپ سے بھی یہی ارشاد ہوتا ھذا عطاؤنا فامنن او امسک بغیر حساب (یہ بے شمار ہماری عطا ہے دو یا نہ دو) اور اس سے آپ کی بھی تسلی کر دی جاتی مگر آپ نے سلطنت پر عبدیت کو ترجیح دی اور غنائے ظاہری کو اختیار نہیں فرمایا دوسرے اگر غنائے ظاہری ہی مراد لی جائے جیسا مشہور مفسرین میں یہی ہے تو گو آپ کے پاس مال جمع نہ رہتا تھا اور اسی سے شبہ عدم غناء ظاہری کا ہو سکتا ہے مگر جو مقصود ہے غنائے ظاہری سے کہ کوئی مصلحت ان کی نہ رہے وہ مقصود اس طرح حاصل تھا کہ وقتاً فوقتاً اس طرح مال آتا تھا کہ سلاطین و امراء کی طرح آپ خرچ فرماتے تھے جس میں یہ بھی حکمت تھی کہ آپ مقتداء تھے اور مقتداء کے لئے وقعت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ عرفاً تمول سے ہوتی ہے بشرطیکہ تمول پر تحول بھی مسلط ہو (یعنی سخاوت بھی ہو کہ لوگوں کو دیتا دلاتا رہے جس سے مال چلتا پھرتا رہے) چنانچہ حضور ﷺ کے ظاہری غنا کی بھی یہ حالت تھی کہ آپ نے حج وداع میں سو اونٹ قربانی کئے جن میں تریسٹھ اپنے دست مبارک سے نحر کئے جس کی کیفیت حدیث میں آتی ہے کلھن یزدلفن الیک کہ ہر اونٹ حضور ﷺ کی طرف اپنی گردن بڑھاتا تھا گویا ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ پہلے مجھے ذبح کیجئے سبحان اللہ کیا شان محبوبیت تھی۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

(جنگل کے تمام ہرنوں نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ لیا ہے اس امید پر کہ کسی دن تو شکار کو آوے گا)

یہ شعر حضور ﷺ ہی کی شان میں زیادہ چسپاں ہے واقعی آپ تو ایسے ہی تھے کہ جانور اپنی گردنیں خود آگے بڑھاتے تھے اور ہر ایک چاہتا تھا کہ کاش پہلے میں آپ کے ہاتھ سے ذبح ہو جاؤں تو اتنے اونٹوں کا ذبح ہونا بدوں ظاہری غنا کے کب ممکن ہے اسی طرح آپ کی عطاء اور سخاوت کی یہ حالت تھی کہ بعض دفعہ آپ نے سو سو دو دو سو اونٹ ایک ایک شخص کو عطا فرمائے ایک اعرابی کو بکریوں کا بھرا جنگل عنایت فرما دیا۔ بحرین سے جب مال آیا تو وہ اتنا تھا کہ مسجد میں سونے چاندی کا ڈھیر لگ گیا اور حضور ﷺ نے سب کا سب ایک دم

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے بانٹ دیا اور بعض صحابہ کو اتنا دیا جتنا وہ اٹھا سکتے تھے ایسی نظریں تو سلاطین کے یہاں بھی نہیں سنی جاتیں اس سے آپ کا غنائے ظاہری بھی ظاہر ہے کیونکہ غنائے ظاہری کی حقیقت مال کو رکھنا نہیں بلکہ مال کا خرچ کرنا ہے وہ بوجہ اکمل ثابت ہو گیا اس کے بعد ووجدک ضالاً فھدی اور آپ کو بے خبر پایا تو راستہ بتلا دیا) میں آپ کی کمال ہدایت کا بیان ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے خود آپ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرمایا تو ضرور ہے کہ اس کا درجہ بھی کامل ہو چنانچہ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا علم کتنا کچھ کامل تھا۔ بھلا جس نے بچپن میں کسی استاد سے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو نہ ایک حرف لکھا ہو اس کے علم کی یہ حالت کہ تمام دنیا کو علم سکھلا دیا عرب کے جاہلوں کو ارسطو افلاطون سے زیادہ حکیم بنا دیا یہ کمال ہدایت نہیں تو کیا ہے۔ حضور ﷺ کے علوم کا اندازہ احادیث کے پڑھنے اور قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے چنانچہ قرآن کے مطالب کو ایسا کوئی شخص حل نہیں کر سکا جیسا کہ حضور ﷺ اس کو جانتے تھے ادھر احادیث میں حضور ﷺ نے اصلاح اخلاق و تہذیب نفس و حسن معاشرت و تمدن و قضاء و امارت و سلطنت سے جو اصول قواعد بیان فرمائے ہیں ان کو دیکھ کر آپ کے علوم کا اندازہ ہو سکتا ہے بھلا کوئی شخص بھی ایسا جامع ہو سکتا ہے جو عبادات کی بھی کامل تعلیم دے اخلاق کی بھی معاملات کی بھی معاشرت کی بھی اور تمدن و سیاست کی بھی پھر تعلیم بھی کیسی پاکیزہ جس کی نظیر ملنا محال ہے پس حق تعالیٰ نے اس مقام پر حضور ﷺ کے نقائص کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ آپ کے احوال کی تکمیل و کمال کو بیان فرمایا ہے خوب سمجھ لو اشکال کا جواب تو ہو گیا۔ (ابوالیتامیٰ)

انقطاع وحی میں حکمت

والضحی واللیل اذا سجی میں جس میں دن اور رات کی قسم ہے اس میں انقطاع وحی کی حکمت ہی کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن کی اقسام میں علوم ہوتے ہیں قسم سے محض تاکید کلام ہی مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ ان میں جواب قسم پر استدلال ہوا کرتا ہے چنانچہ اس سورۃ میں بھی جو ضحیٰ و لیل کی قسم ہے تو اس میں بھی اشارہ ہے۔ انقطاع وحی کی حکمت پر جس سے شبہ ہو گیا تھا۔ قطع تعلق اور ناراضی حق کا۔ فرماتے ہیں اے محمد ﷺ وحی مثل چاشت کے ہے اور انقطاع وحی مثل رات کے ہے اور جس طرح عالم جسمانی کے لئے لیل و نہار کا تعاقب ناگزیر ہے۔ اور بہت سی حکمتوں پر مشتمل ہے اسی طرح عالم روحانی میں بھی قبض و بسط کا تعاقب ضروری ہے کیا آپ یوں چاہتے ہیں کہ تمام عمر دن ہی رہا کرے۔ تو اس صورت میں بھلا رات کی حکمتیں کیونکر حاصل ہوں گی۔ اگر ساری عمر دن رہا کرتا تو انسان ایسا اپنے کام کا حریص ہے کہ تمام دن کام کرنا چاہتا۔ تاجر تجارت میں لگا رہتا کاشتکار زراعت میں لگا رہتا۔ ہر پیشے والا اپنے پیشے میں مشغول رہتا چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جاڑوں میں چھوٹا دن ہوتا ہے اس میں تو تمام کام کرتے ہی ہیں۔ گرمیوں میں بڑا دن ہوتا ہے وہ بھی سارا کام ہی میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

صرف ہو جاتا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جتنا بھی بڑا دن ہوتا۔انسان اس کو اپنے کام ہی میں صرف کرتا۔جان کو آرام نہ دیتا حق تعالیٰ نے اس کی راحت کے لئے دن کے ساتھ رات بھی لگا دی جس میں چاہے کتنا ہی روشنی کا انتظام کیا جائے مگر دن کی طرح کام نہیں ہو سکتا۔پھر دن میں تو اگر نیند کو ٹالنا چاہو ٹال سکتے ہو مگر رات کو یہ ایسا چوکیدار ہے کہ خود بخود دفعۃً آنکھوں پر قبضہ کر لیتا ہے۔کتنا ہی ٹالو نہیں ٹل سکتا۔اسی طرح بسط میں عبادات کا شوق بہت ہوتا ہے طاعات میں خوب دل لگتا ہے۔کام اچھی طرح ہوتا ہے۔اگر سالک پر ہمیشہ بسط ہی رہا کرے تو یہ ہر وقت عبادات ہی میں مشغول رہنا چاہے اور اپنی جان کو آرام نہ دے۔اور ایسا کرنے سے شوق ختم ہو جاتا۔پھر عبادت سے معطل ہو جاتا۔کیونکہ طبعی امر ہے۔اگر سارا شوق ایک دم سے پورا کر لیا جاوے۔تو پھر وہ باقی نہیں رہ سکتا۔غرض چونکہ طاعات وعبادات کا کام ساری عمر کا ہے ایک دو دن کا نہیں اور بسط میں شوق زیادہ ہوتا ہے جس سے سالک ہر وقت کام لینا چاہتا اور اس کا انجام تعطل ہوتا اس لئے حق تعالیٰ کبھی کبھی قبض طاری کر دیتے ہیں جس میں چند روز کے لئے سالک کام کی زیادتی سے رک جاتا ہے۔کسی کام میں دل نہیں لگتا۔کیفیات وواردات میں کمی آ جاتی ہے کام کرنا بھی چاہتا ہے تو نہیں ہو سکتا۔جس میں سالک یہ سمجھتا ہے کہ طاعات میں کمی آ گئی مگر حقیقت میں وہ طاعات کی ترقی ہے۔کیونکہ قبض کے بعد جو بسط آئے گا تو پھر خوب ہی کام ہوگا۔اور اگر قبض بھی نہ ہوا کرے تو چند روز کے بعد شوق جب پورا ہو جائے گا پھر ساری عمر کام نہ ہو سکے گا۔کیونکہ انسان کی حالت یہ ہے کہ جب اس کا جوش اور شوق پورا ہو جاتا ہے پھر اس سے کام نہیں ہوتا۔اس لئے قبض بھی ضروری ہے تا کہ سارا شوق ایک ہی دفعہ ختم ہو جائے۔اس سے معلوم ہوا کہ قبض کا ورود دراصل بسط کے لئے ہے۔اس لئے قبض سے پریشان نہ ہونا چاہیے۔بلکہ اس کے بعد جو بسط آئے گا اس کا خیال کر کے دل کو تسلی دینا چاہیے۔اس کو مولانا فرماتے ہیں۔

چوں قبض آمد تو دروے بسط بیں   تازہ باش و چیں میفگن برجبیں

چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو   آں صلاح تست آیس دل مشو

یہ حکمت تھی انقطاع وحی میں جس کی طرف والضحی والیل اذا سجی میں قسم کے ضمن میں اشارہ

ووجدک ضالا فھدی

لفظ ضلالت کا مفہوم

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت حیران ہوا پایا۔سو اس نے آپ کو راہ سلوک دکھلائی۔مفسرین ضالا کی تفسیر میں بہت حیران ہوئے ہیں کسی نے کچھ کہا ہے کسی نے کچھ لیکن جو بات میرے دل کو لگتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ضلالت بھی حیرانی اور بھٹک ہے جو سالک کو کشود کار سے پہلے پیش آتی ہے اور فھدی میں سلوک کا بتدا مراد ہے اور الم

نشرح لک صدرک کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔ میں وصول مقصود ہے یہی ہے وہ بھٹک کہ جس کی وجہ سے حضور نے کئی مرتبہ خودکشی کا ارادہ فرمایا۔ اسی قسم کی بھٹک سالک کو پیش آتی ہے۔ تو اگر کوئی مرشد کامل موجود ہو تو وہ تسلی کرتا ہے اور کہتا ہے۔

کوئے نومیدی مرو کامید ہاست سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

ناامیدی کی راہ مت چلو کیونکہ خدا کے فضل سے بہت سی امیدیں ہیں ظلمت یعنی مدعیان مزور کی طرف مت جاؤ خورشید یعنی منور باطن لوگ موجود ہیں۔ اور یہ بھٹک ابتدا میں ہوتی ہے۔

لفظ ضلالت کا استعمال

چنانچہ وطن میں ایک شخص نے میرے سامنے ایک اشکال پیش کیا۔ اس طرح سے کہ پہلے مجھ سے پوچھا ووجدک ضالا فھدی کا ترجمہ کر دو۔ پھر اشکال کروں گا۔ میں سمجھ گیا کہ کیا اشکال ان کو پیش آیا ہے۔ منشاء اشکال کا یہ تھا کہ قرآن مجید کے بعض تراجم میں ضال کے معنی گمراہ کے لکھے ہوئے ہیں۔ پس شبہ یہ تھا کہ اس میں حضور کو گمراہ کہا گیا ہے میں نے کہا کہ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ پایا آپ کو ناواقف پس واقف بنا دیا۔ اب وہ میرا منہ تکنے لگا میں نے کہا میاں بتلاؤ کیا اشکال تھا؟ کہنے لگا اب تو کچھ بھی نہیں۔

اس جگہ راز یہ ہے کہ ضلالۃ کا استعمال دو معنی میں ہوتا ہے ایک مذموم میں چنانچہ ولا الضالین میں جو ضال کہا گیا ہے وہاں تو مذموم میں مستعمل ہے۔ یعنی جو بعد وضوح حق بھی اتباع حق نہ کرے اور ایک غیر مذموم ہے۔ یہ کہ اب تک وضوح حق نہیں ہوا۔ اس کے معنی ناواقفی کے ہیں جو نقص نہیں۔ کیوں کہ حضور پر ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جس میں آپ پر حقائق واضح نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان یعنی نزول وحی سے پہلے آپ ان علوم کو کچھ بھی نہیں جانتے تھے ووجدک ضالا فھدی میں یہی درجہ مراد ہے کہ پہلے آپ پر وضوح حقائق نہیں ہوا تھا۔ اب ہم نے وحی نازل کر کے حقائق کو واضح کر دیا اور ولا الضالین میں وہ درجہ مراد ہے کہ وضوح حق ہو چکا تھا مگر بعد وضوح حق بھی کجی اختیار کی تو جس طرح ضلالت کے دو معنی ہیں اسی طرح لفظ گمراہ بھی فارسی میں دونوں معنوں کو شامل ہے۔ اسی لحاظ سے بعض مترجموں نے ضال کا ترجمہ گمراہ کیا ہے مگر اب ہمارے محاورہ میں گمراہ کا لفظ زیادہ تر معنی ثانی میں مستعمل ہوتا ہے اس لئے اب ضرورت ہے ترجمہ بدلنے کی۔ کہ ایسے الفاظ سے ترجمہ نہ کیا جاوے۔ جس سے عوام دھوکہ میں پڑیں۔ اسی طرح لاتکونن من الجاھلین کے معنی یہ ہیں۔ کہ آپ نادانوں کی سی باتیں نہ کیجئے اس سے کچھ بھی ابہام نہیں ہوتا بلکہ پیار کا لفظ ہے۔ دیکھو اگر تم کسی کو کہو کہ او مرغ کہ بچے تو وہ بھڑک اٹھتا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے غضب ناک ہوتا ہے گویا آگ لگادی اور اگر کہو او چوزے تو ہنس دیتا ہے اور یہ لفظ کس قدر پیارا معلوم ہوتا ہے بلکہ اس کو گمان ہوتا ہے کہ کہیں یہ مجھ پر عاشق نہ ہوگیا ہو تو دیکھئے لغت کے بدلنے سے اثر بدل جاتا ہے اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ ترجمہ ایسا کیا جائے جس سے سامعین کو وحشت نہ ہو۔ (آداب تبلیغ)

سورۃ الضحیٰ کا لفظی ترجمہ

ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھ سے درخواست کی کہ ووجدک ضالا فھدی کا لفظی ترجمہ کر دو۔ پھر کچھ سوال کروں گا۔ وہ سمجھے تھے کہ ضال کا ترجمہ گمراہ کریں گے اور میں اعتراض کروں گا۔ میں نے ترجمہ یہ کیا۔ پایا آپ کو آپ کے رب نے ناواقف پس واقف بنادیا۔ اس ترجمے سے ان کے سب اعتراض پادر ہوا ہو گئے اور حقیقت میں لفظ ضال محاورۂ عرب میں عام ہے تجو و بعد الهدایت اور بے خبری قبل الہدایت کو اور اسی طرح لفظ گمراہ فارسی محاورہ میں عام ہے۔ مگر اردو میں اکثر استعمال اس کا معنی اول میں ہے اس لئے ہماری زبان کے اعتبار سے ترجمہ گمراہ منشاء اشکال ہوتا ہے۔ (الضحیٰ آیت نمبر ۷)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۶

ترجمہ: سو بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے

تفسیری نکات

مع العسر یسرا کی تفسیر

مکہ میں آپ ﷺ کو سخت ایذائیں پہنچتی تھیں جنکے متعلق اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپ کو تسلی فرمائی ہے فرماتے ہیں ان مع العسر یسرا اس میں الف لام عہد کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو ایذائیں اس وقت آپ کو دی جارہی ہیں اور جو دشواری اس وقت موجود ہے اس کے بعد آسانی ہونے والی ہے۔

یہ تفسیر حق تعالیٰ نے میرے قلب پر القاء فرمائی ہے۔ اس سے بہت سے اشکالات رفع ہو گئے اگر لام عہد کے لئے نہ مانا جائے تو ایک اشکال تو یہ ہوتا ہے کہ ہم بہت سی مشکلات کو آسان ہوتے ہوئے نہیں دیکھتے خیر مسلمانوں کے مصائب کے متعلق تو یہ جواب بھی دے سکتے ہیں کہ آخرت میں یسر ہو جائے گا۔ لیکن اگر العسر کو عام رکھا جائے تو اس میں کفار کے مصائب بھی داخل ہوں گے اور ظاہر ہے کہ ان کے مصائب قیامت میں بھی حل نہ ہوں گے۔ اب لام کو عہد کے لئے ماننے سے کوئی اشکال نہ رہا۔

لیکن اس پر یہ سوال باقی رہے گا کہ پھر بزرگوں نے اس کو عام طور پر ہر جگہ کیوں پیش کیا ہے۔

جیسا کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی پریشانی عرض کی تو آپ نے فرمایا لن یغلب عسر یسرین اور ظاہر ہے کہ یہ اشارہ اسی آیت کی طرف ہے کہ ایک عسر دو یسر پر غالب نہیں آسکتا بوستان کے ان اشعار میں۔

کے مشکلے بردپیش علیؓ ...... الخ

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہی حکایت مراد ہے بعض نے اس حکایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا تھا۔

اذا ضاقت بک البوی ففکر فی الم نشرح　　　فعسر بین یسرین اذا فکرته فافرح

اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یوں نہیں بلکہ اس طرح ہونا چاہیے۔ فبعد العسر یسر ان اذا فکرته فافرح آپ نے قبول فرمایا یہ دونوں شعر اس میں تو مشترک ہیں کہ عسر ایک ہے اور یسر دو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اصولی قاعدہ ہے کہ معرفہ کا اعادہ اگر تعریف کے ساتھ ہو وہ عین اول ہوتا ہے اور نکرہ کا اعادہ اگر تنکیر کے ساتھ ہوتا ہے تو وہ غیر اول ہوتا ہے تو آیت میں عسر تو ایک ہوا اور یسر دو ہوئے اس میں تو دونوں شعر مشترک ہیں اور اس میں مختلف ہیں کہ یہ یسر عسر واحد کے بعد ہیں یا اس کے طرفین میں ہیں۔ مگر اشکال مذکور دونوں صورتوں میں ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ قول اول تو بطریق اسناد حضرت علیؓ سے ثابت نہیں اور ثابت بھی ہو تو یہ علم اعتبار کے طور پر ارشاد فرمایا ہوگا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے معاملات کبھی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ایک عسر کے ساتھ یا بعد دو یسر عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ نص سے ثابت ہے اور دوسروں سے نفی نہیں تو امید رکھو کہ حق تعالیٰ تم سے بھی یہی معاملہ فرمائیں گے۔ وانا عندظن عبدی بی کو ملا کر یہ مضمون زیادہ قوی ہو گیا کہ اس امید سے ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ضرور ایسا ہی معاملہ ہوگا۔ تو اس سے تسلی حاصل کر و یہ حاصل ہوگا حضرت علیؓ کے قول کا۔ تو وہ میری تفسیر کے منافی نہیں۔

بہرحال اس آیت میں حضور کو تسلی ہے نیز میرے ذوق میں ظاہر یہ ہے کہ اس میں ان مع العسر یسرا کا تکرار محض تاکید کیلئے ہے اور تاکید میں نکتہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں مختلف قسم کی تکلیفیں تھیں تو ایک مرتبہ ان مع العسر یسرا فرمانے سے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید کسی خاص نوع عسر کے زوال کی خبر دی گئی ہے اس کے بعد یہ فکر ہوتا کہ نا معلوم کونسی عسر کے زوال کی خبر دی گئی ہے تکرار جملہ سے یہ شبہ رفع ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ ہر قسم کے عسر کے لئے آسانی کا وعدہ ہے اور یہ استغراق عہد کے منافی نہیں مراد افراد معہودہ کا استغراق وعموم ہے اور لفظ مع میں نکتہ یہ ہے کہ گو مراد معنی بعد ہے مگر لفظ بعد سے یہ وہم ہوتا ہے کہ نہ معلوم کتنی مدت کے بعد یسر ہوگا اس لئے لفظ مع اختیار فرمایا کہ کچھ زیادہ دیر نہیں۔ ایسی بعدیت ہے کہ گویا معیت ہی ہے یونس علیہ السلام کی وہ پستی اور نزول عین ترقی تھی تو ضد کے جالب ضد ہونے پر کیا شبہ کیا جائے بلکہ معاملات باطن میں تو ضد عین ضد بھی ہو جاتی ہے مگر باعتبارات مختلفہ اعتبارات کا ملانا ضروری ہے۔ ولو لا الاعتبار لبطلت الحکمة یہی وہ مضمون ہے جس کی طرف آیت ان مع العسر یسراً میں میرا ذہن منتقل ہوا کہ کبھی ضد بھی جالب ضد ہو جاتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سختی و دشواری کے ساتھ آسانی ہے تو اس میں لفظ مع کو سببیت پر دلالت نہیں کرتا محض اقتران پر دال ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقتران محض اتفاقی نہیں بلکہ عسر کو یسر

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں دخل ہے کیونکہ عسر سے نفس پامال ہوتا ہے اور عارف کو اس وقت اپنا عجز وفنا مشاہد ہوتا ہے نیز صبر جمیل ورضا بالقضا حاصل ہوتا ہے یہ سب یسر وفرح کا سبب بن جاتے ہیں اس کے ساتھ جب وہ حدیث ملالی جائے کہ انبیاء پر تکالیف وشدائد اس لئے زیادہ آتے ہیں تا کہ ان کے درجات بلند ہوں پھر تو عسر کے سبب یسر ہونے میں کوئی بھی اشکال نہ رہے گا اس کے ساتھ اتنا اور سمجھ لیجئے کہ عسر یسر باطنی کا سبب تو ہوتا ہی ہے کیونکہ درجات بڑھتے ہیں مگر اکثر یسر ظاہری کا بھی سبب ہو جاتا ہے۔ آخرت متقین کے واسطے ہے اور ہم اپنے رسولوں کی اور مومنین کی مدد ضرور کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے ایمان والوں سے اور جنہوں نے اچھے عمل کئے کہ ان کو ضرور زمین میں خلیفہ بناؤں گا اور بے شک زمین کے میرے بندے جانشیں ہوں گے۔

عموماً انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے ساتھ یہی معاملہ ہوا ہے کہ اول ان پر عسر ہوا پھر انجام کار ہر طرح یسر حاصل ہوا کہ ظاہر میں بھی وہ اپنے اعداء پر غالب ہوئے پس یسر باطنی کے اعتبار سے تو مع العسر یسرا میں مع اپنے حقیقی معنوں میں ہے کہ عسر کے ساتھ ساتھ یسر ہے کیونکہ انبیاء کی ترقی درجات عین عسر کی حالت میں ہوتی رہتی ہے۔

یسر ظاہری کے اعتبار سے بمعنی بعد سے تعبیر فرمایا جو تفسیر لیجئے گا ویسے ہی مع کے معنی لے لیجئے بہر حال اولاً یہ مسئلہ خود بخود میرے دل میں آیا تھا کہ ضد سبب ضد بھی ہو جاتی ہے پھر اس آیت میں بھی اس کی طرف ذہن چلا گیا جس کی تقریر ابھی کر چکا ہوں۔ الحمد للہ مضمون کلی بھی بیان ہو گیا اور آیت سے اس کا تعلق بھی بیان ہو گیا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ العَلَق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾

ترجمہ: جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔

کسی نے منی میں کیڑوں کا ثبوت قرآن سے دیا

ایک صاحب نے منی میں کیڑے ہونے کا ثبوت قرآن کریم سے دیا۔ سورۃ اقراء میں لفظ من علق جونک کو کہتے ہیں اور کیڑا ایک ہی چیز ہے ہمارے قرآن میں وہ چیزیں موجود ہیں جواب تیرہ سو برس کے بعد لوگوں کو معلوم ہوئیں۔ دین میں ایسی جرات ہوئی ہے لوگوں کو کہ ہر شخص دخل دینے کو تیار ہے لغت تک کے علم کی ضرورت نہیں رہی۔ ہر کیڑا تو جونک نہیں اور منی میں جونک نہیں اور مجاز کی کوئی دلیل نہیں پھر القرآن یفسر بعضہ بعضا اور دوسری آیات میں فرمایا ہے من نطفة ثم من علقه ثم من مضغة جس سے صاف واضح ہوا کہ علق ایسی کوئی چیز ہے جو نطفہ و مضغہ کے درمیان میں ہے تو وہ خون بستہ ہے اور وہ کیڑا تو نطفہ کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ نطفہ کے بعد اور مضغہ کے قبل پس علق کے معنی لغت عرب میں خون بستہ کے ہیں۔ کیا قرآن سے عقیدت اور محبت ہے کہ اس میں وہ چیزیں داخل کی جاتی ہیں جن کو اس کی زبان بھی شامل نہیں اور اس خرافات کو حمایت دین کہا جاتا ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ج ۲۰ ص ۱۸۶،۱۸۵)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾ السجدة

ترجمہ: اور (بدستور) نماز پڑھتے رہیے اور (خدا کا) قرب حاصل کرتے رہیے۔

تفسیری نکات

نماز کا اصلی مقصود

واسجدوا قترب اور نماز پڑھتے رہئے اور خدا کا قرب حاصل کرتے رہئے۔ سو نماز کا فائدہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں واسجدو اقترب یعنی سجدہ کرو اور اللہ کے قریب ہو جاؤ۔ پس نماز کا اصلی مقصود قرب ہے مولانا فرماتے ہیں۔

قرب تر پستی بہ بالا رفتن است بلکہ قرب از قید ہستی رستن ست

یعنی قرب اس کا نام نہیں ہے کہ نیچے سے اوپر کو چلے جاؤ بلکہ قرب یہ ہے کہ قید ہستی سے چھوٹ جاؤ اس لئے کہ اوپر جانا قرب جب ہوتا کہ خدا تعالیٰ کا مکان اوپر ہوتا۔ خدا تعالیٰ مکان سے پاک ہے۔ پس اس کا قرب یہی ہے کہ اپنی ہستی کو خاک میں ملا دو اسی کو وصل کہتے ہیں۔

بعض لوگ وصل کے خدا جانے کیا کیا معنی سمجھتے ہیں وصل کے معنی اہل فن سے پوچھئے شیخ شیرازی فرماتے ہیں۔

تعلق حجاب ست و بے حاصلی چو پیوند ہا بگسلی واصلی

یعنی غیر کے ساتھ علاقے جب قطع کر دو گے واصل ہو جاؤ گے۔ یہی تعلق حجاب ہے پس سجدہ کی غرض اپنی اس ہستی و تعلق کو مٹانا اور ہستی کا مٹانا یہ نہیں ہے کہ سنکھیا کھا کر مر رہو۔ مطلب یہ ہے کہ دعویٰ اور انانیت دماغ میں سے نکالو یہ سجدہ اسی کا سامان ہے اس لئے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور پھر تمام اعضاء انسان کے اندر اشرف چہرہ ہے اسی واسطے چہرہ پر مارنا حرام ہے۔

حکم ہے کہ مجرم کے بھی چہرہ پر مت مارو قتل کرنا جائز اور چہرہ پر مارنا ناجائز۔ اس لئے کہ چہرہ معظم ہے تو ایسے شریف عضو کو حکم ہے کہ ارذل الاشیاء کے سات ملصق کر دو یعنی زمین کے ساتھ جو بہت سے وجوہ سے اور نیز باعتبار چیز کے پس ترین مخلوق ہے تو یہ کا ہے کی تعلیم ہے اسی کی تعلیم ہے کہ اپنے کو مٹا دو اور ہستی کو کھو دو کہ تمہاری ہستی تمہارا حجاب بن رہی ہے حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

میاں عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست　　　تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

پس نماز کی یہ حکمت ہے۔ مگر جرمنی صاحب نے چونکہ ورزش اس کی حکمت بیان کی ہے تو ہمارے بھائی اس تحقیق پر غش ہیں۔

یاد رکھو! شارع علیہ السلام نے یہ حکمت نماز کی کہیں بیان نہیں کی اور جو چیز شریعت میں نہیں ہے وہ سب ہیچ ہے گو اس جرمنی کی زبان سے اتنا نکلنا بھی غنیمت ہے لیکن اے بھائیو! تم کو کیا ہو گیا ہے واسجد واقترب کے ہوتے ہوئے ایک جرمنی کافر کی تحقیقات کو پسند ہی نہیں بلکہ اس پر ناز کرتے ہو کیونکہ خواہ مخواہ گداگری کرتے ہو؟ تمہارے یہاں سب کچھ ہے آپ لوگوں کی وہ مثال ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں۔

یک سبد پر نان ترا فرق سر　　　تو ہمی جوئی لب ناں دربدر

تابزانوئے میاں قعر آب　　　وز عطش وز جوع گشتستی خراب

اے صاحبو! آپ کے یہاں ساری دولتیں موجود ہیں کیوں فقیروں سے مانگتے ہو کیوں جرمنیوں کا کاسہ لیس کرتے ہو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الْقَدْر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۳
ترجمہ: شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے

تفسیری نکات

شب قدر کا ثواب

اور یہی خیال میرا لیلۃ القدر کے متعلق ہے کہ وہاں جو الف شہر فرمایا وہ الف تحدید کے لئے نہیں بلکہ تکثیر کثیر کے لئے ہے گو وہ فی الواقع خدا کے نزدیک ضرور محدود ہوگا کیونکہ کل شیء عندہ بمقدار منصوص ہے اور جب خدا کے نزدیک محدود ہے تو واقع میں بھی محدود ہی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا علم واقع کے مطابق ہے (بلکہ یوں کہیے کہ واقع خدا تعالیٰ کے علم کے مطابق ہے) پس واقع میں تو ثواب لیلۃ القدر محدود ہے مگر یہاں تحدید مذکور نہیں اور اگر غیر محدود و غیر متناہی بمعنے لاتقف عند حد کہو تو یہ فی نفسہ ممکن ہے مگر لیلۃ القدر کے ثواب کا بایں معنی غیر متناہی ہونا محتاج دلیل ہے اور اس پر دلیل قائم ہونے کی ضرورت ہے جب دلیل نہیں تو اس کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا پس ظاہر بھی ہے کہ وہ واقع میں محدود بمعنی موقوف عند حد ہے مگر وہ حد الف نہیں اب یہ سوال رہا کہ جب الف کی تحدید نہیں تو الف شہر کیوں فرمایا اس کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ لغت عرب میں عدد کے لئے الف سے زیادہ کوئی لغت موضوع نہیں جیسے ہمارے یہاں مہاسنکھ سے آگے کوئی لفظ نہیں اس سے آگے کوئی شمار کرے تو ایک مہاسنکھ دو مہاسنکھ سو مہاسنکھ کہے گا کوئی اور لغت نہیں بیان کر سکتا اسی طرح اہل عرب الف کے آگے جس عدد کو بیان کریں گے لفظ الف ہی کے ذریعہ سے بیان کریں گے جیسے الف الف مائۃ الف وغیرہ جب یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ الفاظ عدد کا منتہی عرب میں الف ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو عدد

تمہارے نزدیک اعداد کی غایت اور منتہیٰ ہے لیلۃ القدر اس سے بھی بڑھ کر ہے پھر لفظ خیر اسم تفضیل ہے معنے یہ ہوئے کہ بہت بڑھ کر سو اب تو اگر الف تحدید کے لئے بھی تب بھی خیر عدم تحدید پر دال ہے خیر یہ تضاعف الی غیر المعدود تو قانونی طور پر نہیں بلکہ بطریق فضل ہے مگر دس گونہ ملنا تو قانون ہے جو کہ واقعہ صلوۃ میں شروع ہوا۔

عبادات شب قدر کا ثواب لامحدود ہے

ارشاد فرمایا کہ لیلۃ القدر خیر من الف شهر میں مراد الف کا عدد معین نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ لیلۃ القدر افضل اور بہتر ہے جمیع ازمنہ سے گو ان ازمنہ کی مقدار کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو یہ معنی اس لئے مراد لیا گیا ہے کہ عرب کے لوگوں میں حساب کی کمی کی وجہ سے الف سے زائد مقدار کے لئے کوئی لغت مفرد موضوع نہیں پس حاصل یہ ہے کہ زائد سے زائد مدت جو تم تصور کر سکتے ہو لیلۃ القدر اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ اب یہ شبہ کہ بجائے شہر سال کیوں نہیں فرمایا۔ اس کا یہ جواب ہے کہ کفار عرب کے ہاں چونکہ سال نسیئ کی وجہ سے کم و بیش ہوتا رہتا تھا۔ منضبط نہ تھا۔ اور شہر کا اہتمام و انضباط وہ کرتے تھے اس لئے شہر کو اختیار فرمایا۔ باقی سال ان کے ہاں ٹھیک نہ تھا۔ کبھی تیرہ مہینے کا بنا دیا۔ کبھی گیارہ کا کبھی پورا کبھی کسی مہینہ کو سال میں آگے کر دیا کبھی پیچھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۹ ہجری میں حج نہ کرنے کی ایک وجہ علاوہ شغل ہدایت وفود کے یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اس سال گو اصلی حساب سے وہ مہینہ ذی حج کا تھا مگر ان کفار کے حساب سے کچھ آگے پیچھے تھا۔ لہذا حضور نے بوجہ رفع تہمت اس سال حج نہیں کیا۔ شاید کفار یہ سمجھیں کہ یہ لوگ ملت ابراہیمی کے خلاف غیر موسم حج میں حج کرتے ہیں اس کی ویسی ہی مثال سمجھنی چاہیے جیسا کہ آنحضرت نے بناء قریش کو بایں وجہ رہنے دیا کہ یہ لوگ یہ نہ سمجھ جائیں کہ کعبہ کو گرادیا۔

ارشاد فرمایا کہ لیلۃ القدر خیر من الف شهر میں مراد الف کا عدد معین نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ لیلۃ القدر افضل اور بہتر ہے جمیع ازمنہ سے گو ان ازمنہ کی مقدار کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو یہ معنی اس لئے مراد لیا گیا ہے کہ عرب کے لوگوں میں حساب کی کمی کی وجہ سے الف سے زائد مقدار کے لئے کوئی لغت مفرد موضوع نہیں پس حاصل یہ ہے کہ زائد سے زائد مدت جو تم تصور کر سکتے ہو لیلۃ القدر اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے اب یہ شبہ کہ بجائے شہر کے سال کیوں نہیں فرمایا۔ اس کا یہ جواب ہے کہ کفار عرب کے ہاں چونکہ سال نسیئ کی وجہ سے کم وبیش ہوتا رہتا تھا۔ منضبط نہ تھا اور شہر کا اہتمام اور انضباط وہ کرتے تھے اس لئے شہر کو اختیار فرمایا باقی سال کا اہتمام ان کے ہاں کچھ ٹھیک نہ تھا کبھی تیرہ تیرہ مہینے کا بنا دیا کبھی گیارہ مہینے کا کبھی کسی مہینہ کو سال میں آگے کر دیا کبھی پیچھے۔ (مکالات حکمت ص ۱۰۹)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ ۝

ترجمہ: بے شک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ آتش دوزخ میں جائیں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔

تفسیری نکات

کفار اور مشرکین کو خلود فی النار کا ثبوت

ان اللہ لایغفران یشرک بہ (سورۃ نساء ۴۸)

مگر شاید کوئی اس پر یہ شبہ کرے کہ یہاں تو صرف شرک کا ذکر ہے کفر کا ذکر نہیں اور بعض کافر ایسے بھی ہیں جو شرک نہیں بلکہ موحد ہیں۔ مگر اسلام سے اباء کرتے ہیں ان کی مغفرت نہ ہونا اس آیت میں کہاں مذکور ہے؟

تو سنئے دوسری جگہ مذکور ہے ان الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین فی نار جھنم خلدین فیھا اولئک ھم شر البریہ (البینۃ ۶) اس میں کافر کو اہل کتاب و مشرکین کا مقسم قرار دیا گیا ہے اور دونوں کے لئے خلود فی جہنم مذکور ہے جس سے کافر کی مغفرت نہ ہونا بھی معلوم ہوگئی اور یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں تو صرف خلود کا ذکر ہے۔ جس کے معنے مکث طویل کے ہیں اور اس کے لئے دوام لازم نہیں۔

جواب یہ ہے کہ دوام خلود کے منافی بھی نہیں پس اگر کوئی قرینہ قائم ہو تو خلود سے دوام کا قصد ہو سکتا ہے اور یہاں خلود بمعنے دوام ہونے پر قرینہ قائم ہے۔ وہ یہ کہ مشرکین کے لئے خلود بمعنی دوام ہی ہوگا اور یہاں

(c) ketabton.com: The Digital Library

کافر و مشرک دونوں کا حکم مذکور ہے جب مشرک کے لئے خلود بمعنی دوام ہے تو کافر کے لئے بھی دوام ہی ہوگا۔ ورنہ کلام واحد میں ایک لفظ سے جدا جدا معنی کا قصد لازم آئے گا۔ اور یہ ممتنع ہے۔

علاوہ ازیں یہ کہ بعض آیات میں کافر کے لئے خلود کو دوام سے موصوف بھی کیا گیا ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے فالذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار الی قولہ تعالیٰ کلما ارادوا ان یخرجوا منھا من غم اعیدوا فیھا اور ارشاد ہے ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ ثم ماتوا وھم کفار فلن یغفر اللہ لھم پس اب کافر کا بھی ہمیشہ کیلئے معذب ہونا صاف طور پر معلوم ہوگیا جس سے اس کی عدم مغفرت بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی۔

اور یہاں سے ایک اشکال کے لئے مندفع ہونے پر تنبیہ کئے دیتا ہوں وہ یہ کہ خلود کے معنے مکث طویل ہونے سے اس آیت کی تفسیر واضح ہوگئی جو قاتل عمد کے بارہ میں وارد ہے ومن یقتل مومنا متعمد افجزاء جھنم خالداً فیھا کہ اس سے قتل عمد کی توبہ کا مقبول نہ ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ اس میں خلود بدوں قید دوام مذکور ہے اور خلود دوام کو مستلزم نہیں۔ نہ یہاں کوئی قرینہ ارادۂ دوام کے لئے مرجح ہے۔ اس لئے مدلول آیت صرف اس قدر ہے کہ قاتل عمد کو زمانہ دراز تک عذاب جہنم ہوگا (مگر کسی وقت نجات ہو جائے گی) گو مدت دراز کے بعد ہو اور جب وہ مستحق نجات ہے تو اس کی توبہ بھی قبول ہونی چاہیے اس میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک قاتل عمد کے لئے توبہ نہیں۔ مگر جمہور صحابہؓ کے نزدیک قبول ہے پھر صحابہ کے بعد تابعین و تبع تابعین و آئمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہوگیا کہ اس کی توبہ مقبول ہو سکتی ہے جب کہ قاعدہ شرعیہ سے ہو اور قاعدہ ہے کہ اجماع متاخر اختلاف متقدم کا رافع ہوتا ہے لہذا اب یہ مسئلہ اجماعی ہے مگر کفار و مشرکین کے لئے دوسری بعض آیات میں خلود کے ساتھ دوام بھی مذکور ہے اس لئے وہاں مغفرت کا کوئی احتمال نہیں کیونکہ خلود کے معنی بہت دن رہنا ہے اور ابد وہ ہے جس کا کبھی انقطاع نہ ہو حاصل یہ ہوا کہ کفار و مشرکین جہنم میں ایسی دراز مدت کے لئے داخل ہوں گے جس کا انقطاع ہی نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ کفر کہتے ہیں خلاف اسلام کو خواہ اس کے ساتھ شرک بھی ہو یا نہ ہو۔ دونوں کیلئے سزا ابدالآباد جہنم ہے۔

کفر سے بڑا جرم

جب ترک اسلام کی سزا یہ ہے کہ تو اس سے اسلام کی عظمت و فضیلت اور اس کی ضرورت کا درجہ معلوم ہو گیا اور ترک اسلام کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اول ہی سے اسلام قبول نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ بعد قبول کر کے ترک کر دے۔ دونوں صورتوں میں یہی سزا ہے بلکہ دوسری صورت پہلی سے اشد ہے چنانچہ قوانین

(c) ketabton.com: The Digital Library

سلطنت میں بھی باغی کی سزا ان لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے جو پہلے ہی سے اس سلطنت کی رعایا نہیں ہیں بلکہ کسی مخالف سلطنت کی رعایا ہیں ایسے لوگوں پر اگر کبھی غلبہ ہو جاوے تو ان کو غلام بنا لیتے ہیں یا احسان کر کے رہا کر دیتے ہیں یا عزت کے ساتھ نظر بند کر دیتے ہیں مگر باغی کے لئے بجز قتل یا عبور دریائے شور کے کچھ سزا ہی نہیں۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رعایا بن کر باغی ہو جانے میں سلطنت کی زیادہ توہین ہے اسی طرح اسلام لا کر مرتد ہو جانے میں اسلام کی سخت توہین ہے اور اس کی تعلیم کو دوسروں کی نظروں میں حقیر کرنا ہے۔ دیکھئے ایک تو وہ شخص ہے جس سے کبھی آپ کی دوستی نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ سے مخالفت ہے اس کی مخالفت سے آپ کا اتنا ضرر نہیں ہوتا اور کبھی وہ آپ کی مذمت وہجو کرے تو لوگوں کی نظروں میں اس کی کچھ وقعت نہیں ہوتی سب کہہ دیتے ہیں کہ میاں اس کو تو ہمیشہ سے اس کے ساتھ عداوت ہے۔ دشمنی میں ایسی باتیں کرتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جو سالہا سال آپ کا دوست رہا۔ پھر کسی وقت مخالف بن گیا اس کی مخالفت سے بہت ضرر پہنچتا ہے اور وہ جو کچھ برائیاں آپ کی کرتا ہے۔ لوگ ان پر توجہ کرتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ یہ شخص جو کہہ رہا ہے اس کا منشاء محض عداوت نہیں ہے اگر دشمن ہوتا تو سالہا سال تک دوست کیوں بنا؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو دوستی کے بعد فلاں شخص کے اترے پترے معلوم ہو گئے ہیں اس لئے مخالف ہو گیا (حالانکہ[1] یہ ضرور نہیں ہے کہ جو شخص دوستی کے بعد دشمن بنا ہو وہ اترے پترے معلوم کرنے کے بعد ہی دشمن بنا ہوگا۔ ممکن ہے کہ اس شخص نے دوستی ہی اس نیت سے کی ہو کہ لوگ دوستی کے زمانہ میں مجھے اس کا راز دار سمجھ لیں گے تو پھر مخالفت کی حالت میں جو کچھ کہوں گا اس کو یہ سمجھ کر قبول کر لیں گے کہ یہ شخص راز دار رہ چکا ہے اس کو ضرور کچھ ناگوار باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ اس لئے مخالف ہو گیا چنانچہ بعض یہود نے اسلام کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ **وقالت طائفة من اهل الكتاب امنوا بالذی انزل علی الذين امنوا وجه النهار واكفروا اخره لعلهم يرجعون** پس ہر چند کہ دوست کی مخالفت میں یہ احتمال بھی ہے مگر) عادۃً لوگ دوستوں کی مخالفت سے عموماً جلد متاثر ہو جاتے ہیں (اور اس احتمال پر نظر نہیں کرتے) اس لئے عقلاً وشرعاً وقانوناً وہ شخص بہت بڑا مجرم شمار ہوتا ہے جو موافقت کے بعد مخالفت کرے اسی لئے شریعت میں مرتد کے لئے دنیوی سزا بھی سخت ہے اور عذاب آخرت بھی اشد ہے۔

اس تقریر سے آیت کے ترجمہ وتفسیر کا بیان تو ہو گیا کیونکہ اس آیت میں اصل مقصود اسلام کی فضیلت ہی کا بیان ہے مگر مجھے اس وقت صرف بیان فضیلت پر اکتفا مقصود نہیں بلکہ اس پر ایک دوسرے مضمون کو مرتب کرنا ہے جس کو آئندہ بتلاؤں گا۔

---

[1] عبارت مابین القوسین من الجامع ۱۲

(c) ketabton.com: The Digital Library

محدود کفر پر غیر محدود عذاب شبہ کا جواب

اس سے پہلے ایک شبہ عقلی کا جواب دیدینا چاہتا ہوں۔ شبہ یہ ہے کہ شریعت میں کفر کی سزا دائمی عذاب جہنم کیوں ہے؟ حالانکہ سزا مناسب جنایت ہونی چاہیے۔ اور یہاں جنایت متناہی ہے کیونکہ عمر کافر کی متناہی ہے تو سزا بھی متناہی ہونی چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ مقدمہ تو مسلم ہے کہ سزا جنایت کے مناسب ہونی چاہیے مگر کیا تناسب کے یہ معنی ہیں کہ جنایت اور سزا دونوں کا زمانہ بھی مناسب ہو اگر یہی بات ہے تو چاہیے کہ جس جگہ دو گھنٹہ تک ڈکیتی پڑی ہو اور ڈاکو گرفتار ہو کر آئیں تو حاکم ڈاکوؤں کو صرف دو گھنٹہ کی سزا دے دے اگر حاکم ایسا کرے تو کیا آپ اس کو انصاف مانیں گے؟ اور سزا کو عنایت کے مناسب مانیں گے؟ ہرگز نہیں اس سے معلوم ہوا کہ سزا و جنایت میں مناسبت کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دونوں کا زمانہ مناسب ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سزا میں شدت بقدر شدت جرم ہو اب تم خود فیصلہ کرلو کہ شریعت نے کفر کی سزا میں جو شدت بیان کی ہے وہ شدت جرم کے مناسب ہے یا نہیں اور یہ جرم شدید ہے یا نہیں؟

جواب جزا و سزا میں نیت کا دخل

شاید آپ کہیں کہ جرم شدید تو ہے مگر نہ ایسا شدید کہ اس کی سزا ابدالآباد جہنم ہو میں کہوں گا کہ یہ خیال آپ کو اس لئے پیدا ہوا کہ تم نے صرف فعل کی سزا ظاہری صورت پر نظر کی ہے حالانکہ سزا و جزا کا مدار محض اس کی ظاہری صورت پر نہیں ہے بلکہ نیت کو بھی اس میں بہت بڑا دخل ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اصل مدار نیت ہی پر ہے چنانچہ اگر ایک شخص دھوکہ سے شراب پی لے تو اس کو گناہ نہیں ہوا گو صورت گناہ موجود ہے کیونکہ نیت نہ تھی اور اگر ایک شخص شراب پینے کے لئے دوکان پر جائے اور دوکاندار بجائے شراب کے کوئی شربت اس کو دیدے جسے یہ شراب سمجھ کر پی لے تو اس کو گناہ ہوگا کیونکہ اس کی نیت تو شراب پینے ہی کی تھی۔ اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت کرے مگر وہ اندھیرے میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ میری بیوی نہیں بلکہ کوئی اجنبی عورت ہے' تو اس کو گناہ ہوگا اسی طرح اگر مجامعت میں تصور کسی اجنبیہ کا کرے یعنی بیوی سے مجامعت کرتے ہوئے یہ تصور کرے کہ میں گویا فلاں اجنبیہ سے مجامعت کر رہا ہوں اور اس کی صورت ذہن میں حاضر کر کے اس سے لذت لے' تب بھی گناہ ہوگا اور اگر شب زفاف میں عورتوں نے اس کے پاس غلطی سے بجائے اس کی بیوی کے کسی دوسری عورت کو بھیج دیا جس کے ساتھ یہ شخص یہ سمجھ کر ہمبستر ہوا کہ یہی میری بیوی ہے تو اس کو گناہ نہ ہوگا اور یہ وطی زنا شمار نہ ہوگی بلکہ وطی بالشبہ ہوگی جس سے ثبوت نسب بھی ہو جاتا ہے اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

عدت بھی لازم ہوتی ہے جب یہ بات معلوم ہوگئی تو سمجھو کہ ظاہر میں کفر کا فر متناہی ہے مگر اس کی نیت یہ تھی کہ اگر زندہ رہا تو میں ابدلآ باد اسی حالت پر رہوں گا اس لئے اپنی نیت کے موافق اس کو ابدلآ باد جہنم کا عذاب ہوگا اور اسی طرح مسلمان کا اسلام گو بظاہر متناہی ہے مگر اس کی نیت یہ ہے کہ اگر میں ہمیشہ زندہ رہوں تو ہمیشہ اسلام پر مستقیم رہوں گا اس لئے اس کے لئے ابدلآ باد ثواب جنت ہے۔

اتلاف حقوق الٰہی کی سزا جواب

اور ایک دقیق جواب یہ ہے کہ کفر سے حقوق الٰہی کی تفویت ہے اور حقوق الٰہی غیر متناہی ہیں تو ان کی تفویت کی سزا بھی غیر متناہی ہونی چاہیے اور اسلام میں حقوق الٰہی کی رعایت ہے وہ غیر متناہی ہیں تو ان کی رعایت کا بدلہ بھی غیر متناہی ہونا چاہیے۔ الحمدللہ اب یہ اشکال بالکل مرتفع ہوگیا

اب میں اس مقصود کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو فضیلت اسلام پر مجھے متفرع کرنا ہے اور وہ دو مقصود ہیں ایک راجع ہے اپنی طرف دوسرا راجع ہے دوسروں کی طرف یعنی ایک مقصود لازم ہے ایک متعدی۔

(محاسن الاسلام ملحقہ مواعظ محاسن اسلام ص ۲۵۲، ۲۵۴)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الزلزال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸

ترجمہ: پس جو شخص ذرا برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرا برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

تفسیری نکات

اہل غفلت کی غلطیاں

اس آیت کا مضمون سمجھنے میں جو غلطیاں ہوئی ہیں وہ دو قسم کی ہیں ایک وہ جو اہل غفلت کو ہوتی ہیں دوسری وہ جو اہل ذکر کو پیش آتی ہیں۔ پھر اہل ذکر میں دو طبقہ ہیں ایک اہل ظاہر اور دوسرے اہل باطن۔ ان میں سے ہر ایک کو اس مضمون کے متعلق غلطی ہوئی ہے سو جو غلطیاں اہل غفلت کو ہوئی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ غلطی ہے کہ اس آیت کے جو دو جزو ہیں اول فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ اور دوسرے ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ان لوگوں کی دونوں پر نظر نہیں یہ بات تو نہیں کہ اس مضمون کا ان کو اعتقاد نہیں ہے اعتقاد اور علم تو ہے لیکن عمل سے ان کے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس طرف التفات نہیں ہے۔ اس سے غفلت ہے میں اس کا نام غفلت رکھتا ہوں حضرات صوفیہ اسی کا نام جہل رکھتے ہیں لیکن چونکہ جہل لفظ سے بگڑتے ہیں کیونکہ اپنے کو عالم اور معنی شناس جانتے ہیں اور کہتے ہیں ہم تو ذی علم ہیں ہم جاہل کدھر سے ہیں۔ اس لئے میں نے اس لفظ کو چھوڑ کر اس کو غفلت سے تعبیر کیا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اہل غفلت کا حال

ان لوگوں نے اپنے لئے تو فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره پر نظر رکھی یعنی خود اگر تھوڑا سا عمل نیک کیا تو اس پر نظر ہے اور دوسروں کے لئے ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره پیش نظر ہے یعنی ان کے اعمال نیک پر نظر نہ کر کے ان کے برے ہی اعمال پر نظر ہے اور سب کو حقیر جانتے ہیں ایک نماز انہوں نے کیا شروع کی کہ سارے جہان کو حقیر جاننے لگے اور خود ان حضرات کی حالت خواہ کچھ ہی ہو۔ چنانچہ بہت لوگ ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہیں اور وظیفے گھونٹتے ہیں اور اپنے کو مقدس جانتے ہیں اور حقوق العباد ضائع کر رہے ہیں۔ دھوکے دیکر لوگوں کے مال چھین رہے ہیں اور اس پر بھی دوسروں کو حقیر جانتے ہیں حالانکہ جیسے ترک صلوۃ حرام ہے حقوق العباد ادا نہ کرنا اور دوسروں کو حقیر جاننا اور ریا بھی حرام ہے۔ (عمل الذرہ)

عذاب تطہیر

خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن نہ کسی کی خیر اگر چہ وہ ذرا ہی سی ہو ضائع ہو جائے گی اور نہ کسی کی شر اگر چہ بہت کم ہو غائب ہوگی۔ میں نے خیر کے ساتھ ضائع کا لفظ اور شر کے لئے لفظ غائب اس لئے استعمال کیا ہے کہ خیر پر تو اللہ تعالیٰ جزا دیں گے اس لئے وہ ضائع نہ ہوگی۔ بخلاف شر کے کہ گو ظاہر ضرور ہوگی اللہ تعالیٰ سے کہیں چھپے گی نہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس پر ضرور ہی عتاب ہو۔ بلکہ اکثروں کے لئے امید یہ ہے کہ فضل وکرم سے معاف فرمادیں گے اور بعض کو سنا بھی دیں گے لیکن وہ بھی رحمت اور فضل وکرم ہی ہوگا مقبولین پر دنیا کے مصائب تو فضل ورحمت ہیں ہی کہ ان پر اجر وثواب ہے چنانچہ اس کو سب جانتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ مقبولین پر آخرت میں بھی اگر کوئی کلفت ہوگی تو وہ بھی رحمت ہی ہے اس کو سن کر شاید تعجب ہوا ہوگا۔ لیکن قرآن سے خود اس کا اثبات ہوتا ہے چنانچہ کفار کے بارہ میں ارشاد ہے لا یکلمهم الله یوم القیمة ولا یزکیهم یعنی اللہ تعالیٰ کفار سے قیامت کے روز نہ کلام فرمادیں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے۔ مفہوم مخالف تمام علماء کے نزدیک موقع وعید میں معتبر ہے پس معلوم ہوا کہ یہ آیت کفار کے ساتھ مخصوص ہے اور مسلمانوں سے کلام بھی فرمادیں گے اور ان کو پاک بھی کریں گے پس عذاب جو ہوگا وہ محض عذاب کی صورت میں ہے حقیقت میں پاک کرنا مقصود ہے گناہوں سے۔

آخرت کی تکالیف بھی مسلمانوں کے لئے رحمت ہیں

پس آخرت کی تکالیف بھی مسلمانوں کے لئے رحمت ہیں ان کے حق میں وہ جہنم نہیں ہے جہنم کفار کے لئے ہے چنانچہ اسی واسطے ارشاد ہے اعدت للکفرین یعنی تیار کی گئی ہے کفار کے لئے پس جہنم من حیث ھی جہنم اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

عقوبت من حیث ہی عقوبت صرف کافرین ہی کے لئے ہے اور ہمارے لئے وہ تزکیہ اور تطہیر ہے باقی تکلیف اس لئے ہوں گی کہ میل ہمارا بے حد ہے جب تک خوب تیز پانی سے غسل نہ دیا جاوے گا میل علیحدہ نہ ہوگا۔ اور میل کے رہتے ہوئے جنت میں جانا ممکن نہیں اس لئے کہ جنت کا خاصہ ہے کہ نجاست لے کر کوئی وہاں نہیں جا سکتا۔

خروج آدم کی حکمت

بعض حضرات محققین نے فرمایا ہے کہ آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے کا باعث حقیقت عتاب نہیں تھا بلکہ جس درخت سے کھانے کی ممانعت فرمائی گئی تھی اس کی خاصیت یہ تھی کہ اس کے کھانے سے فضلہ پیدا ہوتا تھا جب آدم علیہ السلام نے اس کو کھایا تو استنجے کی ضرورت ہوئی اور وہ محل اس کا تھا نہیں اس لئے نکلنے کا حکم ہوا اس لئے کہ جنت میں پولیس تو تھی نہیں یہاں دنیا میں پائخانہ پھرنے آئے تھے۔ واقع میں حقیقی عتاب اس کا سبب نہ ہوا تھا۔ مثلاً یہاں جامع مسجد میں کسی کو پائخانہ کی ضرورت ہو تو اس کو یہاں سے نکالیں گے۔ اس لئے کہ مسجد پائخانہ کی جگہ نہیں ایسی ہی جنت گندگی کی جگہ نہیں۔

اور اس پر ایک مقولہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کا یاد آ گیا فرماتے تھے کہ آدم علیہ السلام کا نکلنا واقع میں رحمت ہے کیونکہ اگر آدم علیہ السلام نہ نکلتے اور ان کی اولاد ہوتی تو اولاد میں سے ضرور ایسے ہوتے کہ وہ نکلتے اس لئے کہ جب آدم علیہ السلام ہی سے اس کے کھانے سے صبر نہ ہوا تو اولاد سے تو بطریق اولے نہ ہوتا۔ پھر اگر اولاد میں سے نکلتے تو ایسی حالت میں نکلتے کہ جنت بھری ہوئی ہوتی۔ وہ نکلنے والا کسی کا بیٹا ہوتا کسی کا باپ ہوتا کسی کی ماں ہوتی تو اس کے نکلنے سے ایک کہرام مچ جاتا اور جنت جنت نہ رہتی بلکہ زحمت ہو جاتی۔ حق تعالیٰ کی عجیب رحمت ہے کہ آدم علیہ السلام کو یہاں بھیج دیا اور اولاد کو حکم ہوا کہ پاک ہو کر ہمارے پاس آویں۔

چنانچہ ارشاد ہے ومن تزکی فانما یتزکی لنفسہ پس جس نے ان اوامر کو سمجھ لیا اور گناہوں اور شوائب نفس سے غسل کر کے پاک ہو گیا اور تقویٰ کا لباس پہنا وہ پھر جنت میں جو ہمارا اصلی ٹھکانہ ہے چلا جائے گا اور جس نے غسل نہ کیا اور نہ کپڑے بدلے تو اس کو حمام ضرور کرایا جاوے گا تاکہ جنت میں جانے کی اہلیت اس میں ہو جاوے پس مسلمانوں کے لئے دوزخ میں جانا بھی فضل ہوا۔

دلیل اس کی یہ آیت ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (جو شخص ایک ذرے کے برابر بھی کوئی بھلائی کرے گا اس کے (فائدے) کو دیکھے گا اور جو شخص ایک ذرا بھی برائی کرے گا وہ اس کو بھی نظر آئے گی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

مفہوم آیت

لفظ من عام ہے مطیعین کو بھی اور عاصین کو بھی تو جب یہ فرمایا کہ جو شخص کرے گا تو اس کے عموم میں گنہگار اور فرمانبردار دونوں داخل ہو گئے۔ اس سے صاف طور پر سے معلوم ہوا کہ نیک کام کرنے پر ہر حالت میں ثواب ملے گا کسی وقت میں اس کا ثواب ضائع نہ ہوگا اسی طرح دوسرے جملے میں بھی من عام ہے اور اس سے ناز کا علاج بھی ہو گیا جیسے پہلے من سے مایوسی کا علاج ہو گیا تھا دوسرے من میں فرمانبردار بھی داخل ہوں گے یعنی اگر کوئی بڑا ولی کامل بھی گناہ کرے تو اس کو بھی گناہ ہوگا۔ (الزلزال)

شاید کوئی یہ کہے کہ قرآن شریف میں ہے وانه لحب الخير لشديد (بیشک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے) کتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيرا الوصية (تم پر ضروری کی گئی ہے وصیت جب کسی کو موت آنے لگے اگر وہ مال چھوڑے) یہاں مال کو خیر فرمایا ہے۔ لہذا مال کی ترقی بھی خیر اور بھلائی میں ترقی ہوئی اور فاستبقوا الخيرات (بھلائیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو) میں یہ بھی آ گئی۔

جواب یہ ہے کہ الخیرات میں مطلق خیر مراد ہے یعنی جو ہر طرح بھلائی ہی بھلائی ہو۔ اور مال ہر طرح بھلائی نہیں اس کی بھلائی ہونے کی بہت سی شرطیں ہیں جن کی رعایت نہیں کی جاتی۔ اس لئے مالی ترقی کو بھلائی میں ترقی نہیں کہہ سکتے اور جس درجہ میں مال بھلائی ہے اس درجہ ترقی کو ہم بھی نہیں روکتے جائز بلکہ فرض کہتے ہیں۔

حضور کا ارشاد ہے كسب الحلال فريضة بعد الفريضة (حلال مال کمانا اور فرضوں کے بعد فرض ہے) (علاج الحرص)

نور قلب اور معاصی یکجا جمع نہیں ہوتے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ معصیت کیساتھ اعمال صالحہ تو جمع ہو سکتے ہیں فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره، ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره لیکن نور قلب اور معاصی ایک جگہ جمع نہیں ہوتے معاصی اس میں مخل ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ج۶ ص۷۵)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُورۃ العصر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

ترجمہ: قسم ہے زمانہ کی (جس میں نفع ونقصان واقع ہوتا ہے) کہ انسان (بوجہ تضییع عمر کے) بڑے خسارے میں ہے مگر جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے کہ (یہ مال ہے) اور ایک دوسرے کے (اعتقاد) حق پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال) کی پابندی کی فہمائش کرتے ہیں۔

تفسیری نکات

توضیح قسم

قسم کے ساتھ تاکید کلام کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جس چیز کی قسم کھائی جائے اس کے نام کی عظمت کی وجہ سے قسم کھانے والا جھوٹ سے رکتا اور ڈرتا ہے کہ اگر اس کا نام لے کر جھوٹ بولوں گا تو وبال میں گرفتار ہو جاؤں گا یہ صورت تو قرآن میں اللہ تعالیٰ کی کھائی ہوئی قسموں میں نہیں ہو سکتی کیونکہ مخلوق میں کوئی ایسا معظم نہیں جس کا نام لینا خدا کو کسی امر سے مانع ہو۔ دوسری صورت تاکید قسم کی یہ ہے کہ مقسم بہ سے جواب قسم کی توضیح مقصود ہو میں نے جہاں تک غور کیا تو اقسام قرآن میں یہی صورت معلوم ہوئی کہ مقسم بہ کو جواب قسم کی توضیح میں بڑا دخل ہے اور یہ بہت بڑا علم ہے لیکن ہر مقام پر سیاق وسباق کو دیکھنا اور غور کرنا پڑتا ہے اور غور کرنے سے قسم وجواب قسم میں ارتباط معلوم ہو جاتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اب سورۃ العصر کی قسم کو سمجھے کہ اس کو جواب قسم سے کیا مناسبت ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان دو چیزوں میں مقید ہے ایک زمان میں ایک مکان میں لیکن مکان مستقر ہے۔ یعنی اس کے لئے انقضا نہیں اور زمان غیر مستقر ہے یعنی اس کے لئے انقضاء ہے کہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ جو زمانہ گزر گیا قبضہ سے باہر ہو گیا تو حق تعالی اس قسم سے انسان کے خسارہ کی دلیل بتلاتے ہیں کہ یہ ایسا عاجز ہے کہ جس ظرف میں اس کا عمل مقید ہے وہ اس کے اختیار سے باہر ہے اگر کسی وقت میں کوئی عمل اس سے فوت ہو گیا تو اگر یہ اس کا تدارک بھی کرے گا تو دوسرے وقت میں کرے گا اور جو زمانہ عمل سے خالی گزر گیا وہ بے کار گیا۔ تو واقعی انسان بڑے خسارہ میں ہے البتہ مسلمان اس خسارہ سے بچا ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس ایمان کی دولت ایسی ہے کہ وہ ہر وقت میں باقی رہنے والی ہے کہ ایک دفعہ ایمان کو اختیار کر لینے سے جب تک معاذ اللہ اس کی ضد کا اعتقاد نہ ہو ایمان قائم رہے گا اور یہ ہر وقت میں مومن ہو گا۔ سوتے ہوئے بھی چلتے پھرتے بھی اور کھاتے پیتے ہوئے بھی غرض کوئی وقت اور کوئی ساعت مسلمان کی طاعت سے خالی نہیں گزرتی۔ اگر اس سے اور بھی کوئی عمل صادر نہ ہو۔ تب بھی ایمان تو ایسی طاعت ہے جو ہر وقت اس سے صادر ہو رہی ہے۔ اسی سے کافر کا خسارہ عظیمہ میں ہونا بھی معلوم ہو گیا۔ کہ اس کا کوئی وقت معصیت سے خالی نہیں گزرتا۔ اگر وہ اور بھی کچھ گناہ نہ کرے۔ تو کفر ہی اس سے ہر وقت صادر ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ کفر اختیار کرنے کے بعد جب تک ایمان نہ لائے کافر ہر وقت کافر ہے۔ کوئی ساعت اس کی کفر سے خالی نہیں گزرتی۔ بس اس قسم سے انسان کے خسارہ کی بڑی دلیل معلوم ہوئی۔ بدوں ایمان کے اس کے خسارہ کی کچھ انتہا نہیں کہ ہر سیکنڈ اور ہر منٹ میں اس کے سر پر عذاب بڑھتا جا رہا ہے اور ایمان کے بعد اس کے نفع کی کچھ انتہا نہیں۔ کہ ہر ساعت میں اس کی طاعت بڑھتی رہتی ہے خلاصہ یہ کہ تمام دنیا جانتی ہے کہ نفع اور خسارہ زمانہ ہی میں ہوتا ہے پس اس شخص سے بڑھ کر کوئی خسارہ میں نہیں۔ جس کا کوئی وقت سیکنڈ خسارہ سے خالی نہ ہو (اور یہ کافر ہے) اور اس شخص سے بڑھ کر کوئی نفع میں نہیں۔ جس کا کوئی وقت کوئی سیکنڈ کوئی حالت نفع سے خالی نہیں (اور وہ مومن ہے)

اور ہر چند کہ مسلمان کا نفع صرف ایمان ہی سے ہر وقت بڑھ رہا ہے مگر پورا نفع جب بڑھے گا جب کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی ہو۔ کیونکہ عمل صالح سے ایمان قوی ہوتا اور گناہوں سے کمزور ہوتا ہے پس مومن فاسق کا ہر وقت نفع کا بڑھنا ایسا ہے جیسے کسی شخص کو ہر سیکنڈ میں ایک پیسہ کا منافع بڑھتا ہو اور مومن صالح کا ہر وقت نفع بڑھنا ایسا ہے جیسے کسی کا ہر سیکنڈ میں ہزار روپیہ کا منافع بڑھتا ہو۔ ظاہر ہے کہ پورا نفع اسی کا بڑھ رہا ہے۔ جس کو ہر سیکنڈ میں ہزار روپیہ کا نفع ہوتا ہو۔ پس گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہایت ضروری ہے اور عمل صالح اختیار کرنا لازم ہے۔ تاکہ ہر سیکنڈ میں ہزاروں کی ترقی ہو اور ہزار روپیہ سے کمی ہو کر ایک پیسہ ہی نہ رہ جائے۔ کہ نفع عظیم کے مقابلہ میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ بھی خسارہ ہے گو کافر کے خسارہ کے مقابلہ میں نفس ایمان کا نفع بھی لاکھ درجہ افضل ہے۔

اور اگر معاملہ یہیں تک رہتا تب بھی کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ ہم کو ہزار کا نفع نہ سہی ایک پیسہ ہی کا سہی مگر مصیبت اور خطرہ تو یہ ہے کہ گناہوں کی وجہ سے بعض دفعہ ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے پھر وہ ایک پیسہ کی بھی ترقی نہیں رہتی بلکہ خسارہ ہی خسارہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کو کیوں بڑھایا۔ اس کی وجہ یہی ہے جو ہر ایمان کے محافظ ہیں اور گناہ و معاصی اس دولت کے دشمن ہیں جو شخص خود گناہ کرتا یا دوسروں کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر نصیحت نہیں کرتا۔ رفتہ رفتہ اس کے دل سے گناہوں کی نفرت کم ہو جاتی ہے اور پھر زائل ہو جاتی ہے اور وہ گناہوں کو ہلکی اور معمولی بات سمجھنے لگتا ہے اور یہی کفر ہے۔ غرض اس مقام پر زمانہ کی قسم کو جواب قسم کی توضیح میں بڑا دخل ہے کہ اس سے خسارہ کی دلیل معلوم ہو گی اور یہ دعویٰ مدلل ہو گیا کہ واقعی انسان بڑے خسارے میں ہے۔ اگر ایمان اور عمل صالح سے محروم ہو۔ (التواصی بالحق ملحقہ دعوت و تبلیغ)

مخلوق کی قسم قبیح لغیرہ ہے

اب سمجھئے کہ مخلوق کی قسم قبیح لغیرہ ہے قبیح لعینہ نہیں وہ قباحت عارضی ایسی ہے کہ اگر مخلوق مخلوق کی قسم کھائے تو قباحت ہے اور اگر خالق مخلوق کی قسم کھائے تو قباحت نہیں اور وہ شرک اور ایہام شرک ہے۔ اس طرح سے کہ اس میں شبہ ہوتا ہے تعظیم مخلوق کا کیونکہ عادتاً قسم معظم چیز کی کھائی جاتی ہے اس لئے ممانعت ہو گئی ہے قسم کھانے کی جیسے بعض مشرکین قسم کھاتے ہیں دریاؤں کی پہاڑوں کی مقصود ان کا یہ ہوتا ہے کہ اتنی بڑی چیز کا نام لے کر جھوٹ نہیں بولیں گے اس میں ایہام شرک ہے اور ایہام شرک کا شبہ اسی میں ہو سکتا ہے جو خود چھوٹا ہو اور اس سے دوسری چیز بڑی ہو اور خداوند جل جلالہ چونکہ سب سے بڑا ہے اس لئے اس میں یہ شبہ نہیں ہو سکتا چونکہ اس میں ایہام شرک نہیں اس لئے وہ عارضی قبح اس میں نہیں ایک سوال اور رہ گیا کہ قباحت تو لازم نہیں آتی مگر اپنی قسم چھوڑ کر چھوٹی شے کی قسم کیوں کھائی۔ بات یہ ہے کہ قسم سے تین غرضیں ہوتی ہیں غالب تو یہ کہ کسی شے کو معظم بتلانا اور یہ گمان کرنا کہ اگر ہم اس کا نام لے کر جھوٹ بولیں گے تو ہم پر اس کا وبال ہو گا۔ دوسری غرض یہ کہ اس مقسم بہ (جس کے ساتھ قسم کھائی گئی ہو) کا اپنے سے خاص تعلق ہے اگر جھوٹ بولیں تو ہمارے منافع اس سے منقطع ہو جائیں مثلاً بیٹے کی قسم تیسری غرض یہ کہ مقسم بہ کا کثیر النفع ہونا فی نفسہ بیان کرنا مقصود ہے کہ بڑے کام آتی ہے۔ ہر چند کہ مخلوق کی قسم کھانے سے تینوں احتمال ہو سکتے ہیں مگر شریعت میں احتیاط بہت کی گئی ہے کہ شبہ شرک تو ہر جگہ ہوتا ہی ہے رہا خداوند جل جلالہ جو کسی مخلوق کی قسم کھاتے ہیں اس کی حکمت کیا ہے بلفظ دیگر آج کل کی مخترع (من گھڑت) اصطلاح کے موافق یوں کہئے کہ اس کی فلاسفی کیا ہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

وہ یہ کہ پہلی اور دوسری غرض تو وہاں ہے نہیں لیکن تیسری غرض یعنی حکمت مذکورہ ہے اور غرض کی تفسیر حکمت سے اس لئے کی کہ حق تعالیٰ کو کسی کی کیا غرض ہوئی غرض تو مخلوق کو ہوا کرتی ہے وہاں حکمت ہوا کرتی ہے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

یعنی ہم نے اس لئے مخلوق کو نہیں پیدا کیا کہ ہم اس سے نفع اٹھائیں یا اس سے ہماری کوئی غرض انکی ہوئی ہے بلکہ محض اس لئے کہ مخلوق پر احسان کریں۔ پس خداوند عز و جل جلالہ جس چیز کی قسم کھاتے ہیں اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اے سننے والو یہ شئے کثیر النفع ہے اس کی طرف التفات کرو اور اس سے منتفع ہو۔

مفسدہ کا احتمال تو پہلے ہی دفع ہو چکا تھا۔ اب مصلحت کا سوال بھی ختم ہو چکا' خداوند جل جلالہ نے بہت کثرت سے مخلوق کی قسم کھائی ہے۔ مثلاً لا اقسم بیوم القیامة و لا اقسم بالنفس اللوامه (قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں میں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے ۱۲) فالعصفت عصفا یعنی قسم ہے ان ہواؤں کی جو تندی کے ساتھ چلتی ہیں (۱۲) والفجر (قسم ہے فجر کی ۱۲) والشمس (قسم ہے سورج کی ۱۲) ہر جگہ یہی مراد ہے کہ یہ اشیاء کثیر النفع ہیں ان کی جانب التفات کرو اور حق تعالیٰ کے مخلوق کی قسم کھانے میں ایک راز خاص اور ہے وہ یہ کہ جس مقام پر قسم کھائی ہے اس کے بعد ایک جواب قسم بھی ہوتا ہے تو غور کرنے سے معلوم ہوا کہ مقسم بہ جواب قسم کی جو ایک دعویٰ ہے بمنزلہ دلیل کے ہوتا ہے یعنی خداوند جل جلالہ نے جس چیز کی قسم کھائی ہے اس کے آگے جواب قسم سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ مقسم بہ اس دعویٰ کی دلیل ہے اسے ایک مثال سے سمجھئے مثلاً فرماتے ہیں والمرسلت عرفا الخ (قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں ۱۲) اس سے آگے فرماتے ہیں انما توعدون لواقع (یعنی جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے) قسم کھا کر فرماتے ہیں قیامت ضرور آنے والی ہے والنزعت غرقا الخ (یعنی قسم ہے ان فرشتوں کی جو کافروں کی جان سختی سے نکالتے ہیں ۱۲) یہاں بھی قسم کھا کر فرماتے ہیں قیامت ضرور آنے والی ہے اور اسی طور پر جابجا قسمیں کھائی ہیں خاص خاص اشیاء کی' یہاں ایک دعویٰ ہے قیامت ضرور آئے گی اب اس کی دلیل کی ضرورت ہے مثلاً ہوا ہے کہ اس کے اندر تغیر بتلایا ہے اور ہوا ایک ایسی بڑی چیز ہے جو دم بھر میں بڑے بڑے پہاڑوں کو ہلا دیتی ہے' جمے ہوئے درختوں کو اکھاڑ پھینکتی ہے کیا قدرت اور رحمت ہے جل جلالہ کی ہر وقت لاکھوں من ہوا ہمارے سر پر رہتی ہے کیونکہ جو (آسمان و زمین کے درمیان خلاء) میں تمام ہوا بھری ہوئی ہے جتنی جگہ ہمارے جسم سے رکی ہوئی ہے صرف وہ ہوا سے خالی ہے اور باقی تمام ہوا ہی ہوا ہے اور ہم کو محیط ہے اور ہم کچلنے نہیں دیتے مرتے نہیں تو اس تغیر سے معلوم ہوتا ہے کوئی بڑا قادر ہے جو ہوا جیسی طاقتور چیزوں کو دم بھر میں الٹ پلٹ کر دیتا ہے اس کو قیامت لانا کیا مشکل ہے یہاں منکرین کے پاس دو

(c) ketabton.com: The Digital Library

مقام ہیں ایک یہ کہ قیامت محال ہے اور یہ خیال تھا فلاسفہ کا اس کے مقابلے میں امکان ہے دوسرے یہ کہ ضرور ہے کہ ہر ممکن واقع ہی ہوا کرے جائز ہے کہ کسی شئے کا امکان تو ہو مگر وقوع اس کا مستبعد ہو اور یہ خیال تھا کہ مشرکین عرب کا فلاسفہ کے مقابلے میں تو امکان کا اثبات درکار ہے اور دفع استبعا ثبات امکان کو مستلزم تھا اور فلاسفہ قلیل بھی تھے۔ اس لئے استقلالاً ان کے شبہ سے تعرض نہیں کیا اور عوام الناس زیادہ ہیں اس لئے انہیں کے مذاق کے موافق دلائل بیان کئے گئے پس یہاں گفتگو ان لوگوں کے جواب میں ہے جو قیامت کو مستبعد سمجھتے ہیں چنانچہ کہا کرتے تھے کہ ء اذامتنا و کنا ترابا (یعنی کیا ہم جب مرجائیں گے اور ہو جائیں گے ہم مٹی) کیا ہماری ہڈیاں جب گل سڑ جائیں گی اور ہم بالکل خاک ہو چکیں گے اس وقت ہم پھر زندہ کئے جائیں گے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے' قرآن مجید میں اسی استبعاد کو دفع کیا گیا ہے اور جا بجا مذکور ہے کہ خدا نے جب ابتداً اپنی مخلوق کو پیدا کر دیا کہ اس وقت بظاہر زیادہ مشکل تھا گو واقع میں خداوند جل جلالہ کو کچھ بھی مشکل نہیں تو اب دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ پس جہاں کہیں قرآن مجید میں قسمیں وارد ہوئی ہیں ان قسموں سے ان کے جواب کا استبعاد رفع ہوتا ہے کہ جو ہوا کو جو ایسی طاقتور ہے دم بھر میں الٹ پلٹ کر دیتا ہے اس کو کیا مشکل اور مستبعد ہے جو سب کو الٹ پلٹ کر دے۔

بہر حال یہ راز تھا خداوند جل جلالہ کی قسموں کا۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ جن کی قسمیں کھائی ہیں ان کے احوال نہایت قابل تدبیر و تفکر ہیں۔ گو بظاہر وہ کیسی ہی سرسری و معمولی ہوں جب حق تعالیٰ نے ان کی قسم کھائی ہے وہ ضرور قابل اہتمام ہیں۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں کہیں تو ایسی چیزوں کی قسم کھائی ہے جو ظاہر میں باوقعت ہیں مثلاً والسماء (قسم ہے آسمان کی) والارض (قسم ہے زمین) اور کہیں ایسی چیزوں کی قسم کھائی ہے جو بظاہر بے وقعت میں مثلاً والتین یعنی قسم ہے انجیر کی مقصود یہاں بھی یہی ہے کہ انجیر کثیر النفع شے ہے۔ اس کے منافع کی طرف التفات کرو اسی طرح یہاں فرمایا والعصر یعنی قسم ہے زمانہ کی زمانہ کی زمانہ تو انجیر سے بھی نہایت کمتر ہے انجیر جوہر محسوس تو ہے زمانہ تو عرض غیر محسوس ہی ہے اسی وجہ سے متکلمین اور فلاسفہ میں زمانہ کی تحقیق میں اختلاف ہوا ہے فلاسفہ تو کہتے ہیں کہ زمانہ فلک الافلاک کی حرکت کا نام ہے اور متکلمین اسے امتداد موہوم مانتے ہیں یعنی زمانہ ایک وہمی اور خیالی شئے ہے سو گو وہ (زمانہ) محض موجود انتزاعی ہی ہو مگر ایک ایسی چیز جو قابل اہتمام ہے' اس واسطے کہ اس کا تعلق ہے واقعات سے اور ان کے خاص آثار ہوتے ہیں اور وہ قابل اہتمام ہوا کرتے ہیں۔ مگر چونکہ متلبس بالزماں ہیں اس لئے زمانہ بھی قابل نظر ہوا پس حق تعالیٰ اس زمانہ کی یا بلفظ دیگر وقت کی قسم کھاتے ہیں اور اس دوسرے عنوان کے اعتبار سے میرا یہ بیان صرف پرانے ہی خیال والوں کے مذاق پر منطبق نہ ہو گا بلکہ نئے خیال والوں کے مذاق کے بھی موافق ہو گا۔ یعنی وقت کیسی

(c) ketabton.com: The Digital Library

باوقعت چیز ہے نئے خیال والوں کو میرا ممنون ہونا چاہیے کہ میں نے وقت کے باوقعت ہونے کو قرآن سے ثابت کر دیا۔لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ اہل یورپ وقت کی بہت قدر کرتے ہیں اور اہل اسلام کے یہاں وقت کی قدر نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بڑی قدر ہے اگر نہ ہوتی تو قرآن مجید میں وقت کی قسم کیوں مذکور ہوتی۔مگر ہم لوگوں نے بالکل اسلام پر عمل ہی چھوڑ دیا ذرا آنکھ اٹھا کے بھی نہیں دیکھتے کہ اس میں کیا خوبیاں ہیں اور کیسی عمدہ تعلیم ہے اور جو خوبیاں اہل یورپ میں کہی جاتی ہیں وہ دراصل انہوں نے اسلام ہی سے لی ہیں اور ہم اپنے یہاں غور نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ انہیں کے ملک ہیں۔ ہاں اس معنی کر انہیں کی ملک ہیں جیسا کا شتکار بارہ برس تک اگر زمیندار کی زمین پر قبض رہے تو یہ قانون ہے کہ موروثی ہو کر کاشتکار بمنزلہ ملک سمجھی جاتی ہے۔اسی طرح اہل یورپ نے عرصہ سے ان خوبیوں پر قبضہ کر کے ان کو اپنا دستور العمل بنا لیا تو ہم یہ سمجھنے لگے کہ یہ موروثی ہو کر انہیں کی ملک ہو گئیں۔نہایت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ آج کل اہل یورپ کی تقلید کا اس قدر غلبہ ہو گیا کہ ان کے منہ سے کوئی بات نکلے اور قرآن میں اس کے خلاف ہو تو اہل یورپ کے قول کا یقین کر لیا جاتا ہے اور قرآن برخلاف واقع ہونے کا شبہ کیا جاتا ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ محمد ﷺ تو فرمائیں کہ انسان کی اصل انسان ہے اور ڈارون جو ایک ملحد ہے وہ کہے کہ سب سے پہلے ایک مادہ مطلقہ موجود تھا اور پھر تحرک سے اس میں حرارت پیدا ہوئی اور شمس وغیرہ بنا اور اس کے بعد پھر نباتات بنے پھر حیوانات بنے ان میں بندر بنا۔ یکا یک جست کر کے انسان بن گیا۔اسی طور پر وہ تمام حیوانات نباتات ہیں اسی کا قائل ہے کہ ایک دوسرے سے نکلتے چلے آئے تو محمد ﷺ کے فرمانے پر تو شبہ کیا جاتا ہے اور ڈارون کے کہنے پر یقین کر لیا جاتا ہے یہی ایمان ہے۔ ڈارون تو صانع کا قائل نہیں تھا اس لئے ایسی بعید اور بے ہودہ تاویلیں کرتا تھا مگر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ صانع کو مانتے ہیں اور پھر ایسی مہمل تاویلوں سے قرآن پر شبہ کرتے ہیں۔شاید کوئی یہاں کہے کہ ہم کو تحقیقات جدیدہ سے قرآن پر شبہ اس سے ہو جاتا ہے کہ حکماء کو تو مشاہدہ ہے اور اسی بناء پر ہم کو قرآن پر شبہ ہے کہ مشاہدہ کے خلاف کیوں ہے۔ یہ پہلے سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات ہے میں کہتا ہوں کہ آپ مشاہدہ کی حقیقت ہی کو نہیں جانتے میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ مادہ خود بخود متحرک ہو کر اس سے ایک صورت پیدا ہو گئی پھر شمس و کواکب ہوئے نباتات ہو گئی اور نباتات سے حیوانات میں ایک خاص نوع بندر بنے پھر بندر یکا یک جست کر کے انسان ہو گیا۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ خود ان مقرین بالقردویت (بندر ہونے کے اقرار کرنے والوں) کو بھی بندر نہ بننے دیں آدمی ہی بنائیں یہی مشاہدات ہیں انہیں ڈھکوسلوں اور مہمل اور وہمی باتوں کو مشاہدات قرار دے کر خدا اور رسول ﷺ پر شبہات اور پھر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔افسوس کی بات ہے کیا یہ مشاہدہ ہے کہ آفتاب کو سکون ہے۔ زمین کو حرکت ہے خیر ہمیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس سے بحث نہیں کہ کس کو سکون ہے اور کس کو حرکت کیونکہ یہ قرآن کے مخالف نہیں مگر یہ سوچ لو کہ اتنا بڑا دعویٰ کس بنا پر ہے دلیل کچھ بھی نہیں مگر ہم کہیں گے الشمس تجری (سورج چلتا رہتا ہے) چونکہ قرآن میں وارد ہوا ہے اس لئے آپ آفتاب کو ساکن محض ماننے سے گنہگار ہوں گے زمین کو چاہے آپ ساکن نہ مانئے متحرک محض مانئے مگر آفتاب کو بھی متحرک ماننا پڑے گا شاید کسی کو یہ شبہ ہو وجعلنا فی الارض رواسی الخ (یعنی اور ہم نے زمین میں اس لئے پہاڑ بنائے کہ زمین اور لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے) سے تو زمین کا سکون ثابت ہوتا ہے پھر یہ کیوں کہتے ہو کہ حرکت ارض کا ماننا قرآن کے خلاف نہیں جواب یہ ہے کہ اس سے نفی حرکت اضطرابیت کی مراد ہے' حرکت غیر اضطرابیہ کی نفی مراد نہیں۔ غرض اس کی آپ کو اجازت ہے کہ زمین کو اگر جی چاہے متحرک مانیں کچھ حرج نہیں۔ اسی طرح اس کی خبر دی گئی ہے کہ آسمان موجود ہے یہ کونسے مشاہدہ کے خلاف ہے گو اس نظام طلوع وغروب کے لئے سموات کی ضرورت نہ ہو لیکن نظام خاص کی ضرورت نہ ہونا نفی کی تو دلیل نہیں ہو سکتی آسمان دوسری مستقل دلیل سے ثابت ہے۔ اس کی نفی کرنا جائز نہیں یہ کس مشاہدہ سے ثابت ہوا کہ آسمان نہیں ہے بلکہ ہم آپ کے ممنون ہیں کہ آپ نے اس نیلگوں صورت کو حد نظر مان کر آسمان کی نفی کا ہمیں جواب سکھا دیا کیونکہ قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں آیا کہ یہ نیلا نیلا جو نظر آتا ہے یہی آسمان ہے پس اگر آپ کہیں گے کہ اگر آسمان کوئی چیز ہے تو نظر کیوں نہیں آتا۔ ہم یہ کہیں گے کہ نظر اس لئے نہیں آتا کہ آپ نے اس سقف نیلی کو حد نظر مان لیا پس جب یہ حد نظر ہے تو آسمان اس کے آگے ہے اور چونکہ نظر یہاں تک انتہا ہو جاتی ہے اس لئے آگے کچھ نظر نہیں آتا۔ اب آپ کو آسمان کے نفی کرنے کی بالکل گنجائش نہیں رہی اب اس شبہ کی بالکل گنجائش نہیں رہی کہ ہم حکماء کے قول پر قرآن کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ مشاہدہ کی بناء پر جس کی مثال میں یہ پیش کیا کرتے ہیں کہ مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے کہ غروب کے وقت آفتاب زمین کے اندر نہیں جاتا اور قرآن مجید میں سکندر ذوالقرنین کے قصہ میں مذکور ہے کہ آفتاب کو کیچڑ اور دلدل میں غروب ہوتے پایا بھلا دیکھو کتنا مشاہدہ کے خلاف ہے' آفتاب ایک جرم عظیم ہے۔ زمین سے کتنے ہی حصہ بڑا ہے کہیں زمین کی دلدل اور کیچڑ میں غروب ہو سکتا ہے لیکن اگر عقل ہو گی تو اس میں جواب نظر آئے گا یعنی قرآن مجید میں وجدا الخ وارد ہوا ہے۔ یعنی اس کو بادی النظر میں ایسا پایا۔ یعنی اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیچڑ میں دھنس رہا ہے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا غربت فی (کیچڑ میں ڈوب گیا) جہاز پر سوار ہو کر دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب سمندر میں سے نکلتا ہے اور اسی میں ڈوب رہا ہے' اسی طور پر ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں آفتاب کے طلوع وغروب کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمین ہی سے نکلا اور زمین ہی میں گھس گیا۔ پھر مشاہدہ کے خلاف کیا ہوا اب فرمائیے مشاہدہ سے کہاں تعارض ہے کہیں بھی نہیں۔ پھر افسوس ہے کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرتے ہیں اور قرآن اگر فیثا غورس کے قول کے مخالف ہو تو قرآن پر خلاف مشاہدہ کا شبہ کرتے ہیں فیثا غورس کے قول پر خلاف واقع ہونے کا شبہ نہیں ہوتا۔ اسلام کی عظمت قلوب سے جاتی رہی۔ غرض یہ ہے کہ نئے مذاق میں یہ خرابی ہوگئی ہے سائنس والے جو کہہ دیں اس پر آمنا و صدقنا (یعنی اس پر ہم ایمان لائے اور ہم نے اس کو سچ مان لیا) قرآن پر شبہات مگر وقت کے باوقعت ہونے میں تو فلسفہ وقرآن دونوں متفق ہوگئے کہ اس کی قسم کھانے سے خود اس کی وقعت پر دلالت ہوگئی۔ اب اس کو قاعدہ پر بھی منطبق کرنا چاہتا ہوں کہ مقسم دلیل ہوتی ہے جواب قسم کی سو یہاں جواب قسم میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان الانسان لفی خسر انسان بڑے خسارے میں ہے۔ الا الذین امنوا و عملوا الصلحت و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر یعنی خسارے سے وہ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے اور ایک دوسرے کو حق اور استقلال کے لئے کہتے اور سنتے رہے۔ یہاں چار چیزیں ذکر فرمائیں ایمان' اعمال صالحہ' تواصی بالحق اعتقاد حق پر ایک دوسرے کو قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہنا) تواصی بالصبر (ایک دوسرے کو پابندی اعمال کی فہمائش کرتے رہنا) سبحان اللہ کیسی جامع تعلیم ہے اصل یہ کہ انسان جن امور کا مکلف ہوا ہے وہ دو قسم کے ہیں ایک اصول۔ ایک فروع۔ اول عقائد میں دوسرے اعمال اصول وفروع اس لئے کہلاتے ہیں کہ اصل مدار ایمان کا عقائد ہیں۔ پھر اس کا مکمل اعمال مثلاً ایک شخص ہے کہ وہ گورنمنٹ کے شاہانہ اقتدار کو مانتا ہے مگر ہمیشہ قانون کے خلاف عمل کرتا ہے۔ چوری بھی کرتا ہے جوا بھی کھیلتا ہے اور بدتہذیب بھی ہے ایسے شخص کے قلب میں چونکہ گورنمنٹ کا اقتدار ہے اس لئے اسے بغاوت کی سزا نہ ہوگی اور ہمیشہ کے لئے مردود نظر نہ ہوگا بلکہ صرف انتقام سزائے معین اور اس کے بعد پھر وہ گورنمنٹ کی محبوب رعایا میں داخل ہو جائے گا برخلاف اس شخص کے کہ جو نہایت مہذب و متین ہو اور افعال قبیحہ خلاف قانون سے بھی بچتا ہو مگر گورنمنٹ کے اقتدار شاہانہ کو تسلیم نہ کرتا ہو تو اس کو بغاوت کی سزا ہوگی کہ عبور دریائے شور کر دیا جائے گا یا پھانسی دے دیا جائے گا اور ہمیشہ کے لئے معتوب رہے گا۔

اے صاحبو! سمجھ لیجئے کہ اسی طرح اسلامی قانون بھی ہے کہ جس کے عقائد اچھے نہیں وہ باغی ہے اگرچہ نماز وروزہ کرے اور کیسا ہی شائستہ ہو ہمیشہ کے لئے مردود بارگاہ ایزدی ہوگا اگر توبہ نہ کرے۔

وقت کی قدر کرنا چاہیے

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ایک برف فروش سے مجھ کو بہت عبرت ہوئی وہ جا رہا تھا کہ اے لوگو مجھ پر رحم کرو کہ میرے پاس ایسا سرمایہ ہے کہ ہر لحظہ تھوڑا تھوڑا ختم ہو جاتا ہے اسی طرح کہ ہماری بھی حالت ہے کہ ہر لحظہ برف کی طرح تھوڑی تھوڑی ختم ہو جاتا ہے۔ اسے گھلنے سے پہلے بیچنے کی کرو کس کے ہاتھ؟ جس نے فرمایا ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم الخ

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا کہ ان کو جنت ملے گی) اور اس عمر کو ضائع مت کرو۔

عمر عزیز قابل سوز و گداز نیست ایں رشتہ را مسوز کہ چندیں دراز نیست

(پیاری عمر ضائع و برباد کرنے کے لائق نہیں اس کو ضائع مت کرو اس کا سلسلہ اتنا دراز نہیں کہ اس کو فضولیات میں برباد کیا جائے)

والعصر ان الانسان لفی خسر

یہ ایک سورت چھوٹی سی ہے۔ گو الفاظ اس کے کم ہیں مگر اس میں مضمون بہت ضروری اور عام ضرورت کا ہے ویسے ہی جامع بھی ہے اور جامع اس معنی کر ہے کہ کوئی عمل اور کوئی حالت انسان کی ایسی نہیں جو فی الوقت نہ ہو اور اس وقت کے متعلق کوئی خاص حکم نہ ہو۔ اس واسطے اس وقت اس کو اختیار کیا گیا حق جل شانہ نے اپنی سورت کو شروع کیا ہے ایک قسم کے ساتھ آگے اس کے جواب قسم ہے اور قسم کھائی ہے ایک ایسی چیز کی جس کی کوئی وقعت بھی عام قلوب میں نہیں۔ اس کی طرف کوئی خاص التفات بھی نہیں۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو مخلوق کی قسم کھائی ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جو نہایت قابل التفات اور مہتم بالشان ہیں۔

اب رہا یہ کہ حق تعالیٰ نے اپنی سورت کو شروع کیا ہے ایک قسم کے ساتھ آگے اس کے جواب قسم ہے اور قسم کھائی ہے ایک ایسی چیز کی جس کی کوئی وقعت بھی عام قلوب میں نہیں۔ اس کی طرف کوئی خاص التفات بھی نہیں۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو مخلوق کی قسم کھائی ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جو نہایت قابل التفات اور مہتم بالشان ہیں۔

اب رہا یہ کہ حق تعالیٰ نے اپنی قسم چھوڑ کر مخلوق کی قسم کیوں کھائی۔ یہ ایک نہایت عجیب اور حل طلب سوال ہے سو ہم مختصراً یہ کہیں گے کہ خدا کو اختیار ہے جو جی چاہے کرے آپ کون ہوتے ہیں ہاں اگر کوئی اس سوال کو یوں بدل کر کہے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں غیر مخلوق کی قسم کھانے سے کیوں ممانعت کی۔ ممانعت تو اس چیز سے ہوا کرتی ہے جو بری ہو اور جو شے بری ہو حق تعالیٰ سے اس کا صدور کیسے ہو سکتا ہے البتہ اس عنوان سے سوال ہو سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ بعض چیزوں کا قبح بعینہ (اپنی ذات کے اعتبار سے) ہوتا ہے اور بعض کا لغیرہ (غیر کے اعتبار سے) ہوتا ہے۔ اور جو چیزیں قبیح بعینہ ہیں مثلاً زنا سرقہ وغیرہ ان کی اجازت کسی کو نہیں ہوتی اور ان کا صدور حکیم سے بھی نہیں ہو سکتا اور بعض چیزیں قبیح لغیرہ ہیں۔ یعنی ان میں کوئی خاص مفسدہ ہے اور وہی مانع ہے اجازت سے۔ جب وہ مرتفع ہو جائے گا قبح بھی مرتفع ہو جائے گا۔

اس کی ایک مثال سمجھ لیجئے کہ مثلاً اذان جمعہ کے وقت بیع و شراء (خرید و فروخت) کرنا کہ اگر جمعہ کی طرف

(c) ketabton.com: The Digital Library

چلتے ہوئے راہ میں بیع وشراء کریں تو جائز ہے۔ مگر افسوس ہمارے قصبہ میں عین جمعہ ہی کے وقت بازار لگتے ہیں شاید یہ کسی بڑے بوڑھے کی اچھی نیت تھی کہ گاؤں والے لوگ بھی آ کر نماز جمعہ میں شریک ہوسکیں گے۔ مگر حفظت شیئا و غابت عنک اشیاء (ایک چیز کا تو خیال کیا اور بہت سی چیزوں کو نظر انداز کردیا)

ایک چیز کا تو خیال کرلیا کہ نماز جمعہ میں شریک ہوسکیں گے مگر اس کا خیال نہ کیا کہ جب تک وہ گاؤں میں ہیں اس وقت تک ان پر جمعہ واجب نہیں۔ اگر جمعہ پڑھنے کے لئے یہاں نہ آئیں تو کچھ حرج نہیں اور جب یہاں آ گئے تو ان پر جمعہ واجب ہوگیا۔ اب اگر نہ پڑھیں گے تو گناہگار ہوں گے اور اذان جمعہ کے وقت بیع و شراء کرنا بھی حرام ہے اس حرام میں بھی مبتلا ہوں گے خیر اہل علم اس مسئلہ کو تو خوب جانتے ہیں۔

مگر ایک شخص نے مجھ سے ایک اور مسئلہ اس کے متعلق پوچھا کہ کیا اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا بھی حرام ہے۔ سو اس مسئلہ پر کسی کو التفات بھی نہیں حالانکہ وہ بھی حرام ہے۔ جس کے بعد اہل علم اس پر ناز نہ کریں کہ ہم کو بیع سے سابقہ ہی نہیں پڑتا۔ اس لئے ہم اس آیت کے خلاف سے محفوظ ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اذان جمعہ کے بعد جیسا بیع وشراء حرام ہے ویسا ہی کتاب دیکھنا بھی حرام ہے۔ پڑھانا بھی حرام ہے۔

رہا یہ کہ بعض اہل علم کو شاید شبہ ہو کہ قرآن میں تو وذروالبیع (خرید وفروخت ترک کرو) آیا ہے وذرالقراءۃ (پڑھنا ترک کردو) نہیں آیا ہے تو جناب فقہاء نے لکھ دیا ہے کہ تخصیص جریا علی العادۃ (بیع کی تخصیص قرآن پاک میں بیع کی عادت پڑنے کی وجہ سے) ہے۔ ورنہ حکم میں تخصیص نہیں حکم عام ہے۔ بیع صرف اس لئے حرام ہے کہ مخل سعی جمعہ ہے۔ تو جو چیز مخل سعی جمعہ ہوگی وہ حرام ہے۔ ہاں جب یہ مانع مرتفع ہوجائے گا حرمت بھی مرتفع ہوجائے گی۔ مثلاً تو شخص چلتے چلتے ایک قلمدان کی بیع کریں تو چونکہ یہ بیع مخل سعی نہیں اس لئے حرام بھی نہ ہوگی۔ یہ قبیح لغیرہ کہلاتی ہے۔

کمال دین دو باتوں پر موقوف ہے

سو اس سورت میں حق تعالیٰ نے اسی پر ہم کو متوجہ کیا ہے کہ جب تک تم دین کو کامل نہ کرو گے۔ خسارہ میں رہو گے اور دین کا کمال دو باتوں پر موقوف ہے۔ ایک اپنی تکمیل پھر دوسروں کی تکمیل۔ دوسروں کی تکمیل تو اصی اور تبلیغ سے ہوتی ہے اور اس کے دو مخل ہیں۔ دونوں کو حق تعالیٰ نے اس جگہ بیان فرمایا ہے ایک کو لفظ حق سے اور دوسرے کو لفظ صبر سے اوپر میں نے ان دونوں کے اندر فرق بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اب اس کو پورا کرتا ہوں۔ حق کہتے ہیں امر مطابق للواقع کو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی خبر ہے۔ سو سمجھ لیجئے کہ اس سے مراد عقائد ہیں اور عقائد حقہ جس قدر ہیں۔ وہ سب اخبارات ہی ہیں۔

اللہ احد الرسول صادق والقیامۃ اتیۃ لاریب فیھا والجنۃ حق والنار حق والقدر حق وغیرہ وغیرہ اور صبر سے مراد اعمال ہیں۔ کیونکہ صبر کے معنی ہیں مضبوطی اور پختگی اور حبس النفس علی من تکرھہ کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

نفس کو نا گوار باتوں پر جمانا اور اس میں استقلال و پختگی پیدا کرنا اور مشقت و نا گواری اعمال ہی میں ہوتی ہے۔ کیونکہ ان میں کچھ کرنا پڑتا ہے۔ عقائد میں کوئی دشواری نہیں کیونکہ ان میں تو صرف چند سچی باتوں کو جان لینا اور مان لینا ہے۔ اگر مشقت ہوتی ہے تو اپنے پہلے عقیدہ کے چھوڑنے میں ہوتی ہے۔ عقیدہ حقہ کے اختیار کرنے میں کوئی مشقت نہیں۔ مشکل اور دشواری اعمال میں ہوتی ہے اسی لئے ان کو صبر سے تعبیر کیا گیا۔ حاصل یہ ہوا کہ تواصی اور تبلیغ عقائد کی بھی کرو اور اعمال کی بھی۔

حق اور صبر کی مراد

دوسری عبارت میں یوں کہئے کہ حق سے مراد اصول ہیں اور صبر سے مراد فروع ہیں۔ اسی کو میں نے پہلے کہا تھا کہ تبلیغ اصولاً بھی فرض ہے اور فروعاً بھی۔ یا یوں کہئے حق سے مراد علوم ہیں اور صبر سے مراد اعمال۔ اور اس میں بڑا لطیفہ یہ ہے کہ لفظ حق آمنوا کے مناسب ہے اور لفظ صبر عملو االصلحت کے مناسب ہے۔ جس چیز کو پہلے ایمان و عمل صالح کے عنوان سے بیان فرمایا تھا۔ اسی کو اس جگہ دوسرے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

اب قسم کی توجیہ بتلاتا ہوں جس کا میں نے شروع میں وعدہ کیا تھا تو سمجھئے کہ قسم کے ساتھ تاکید کلام کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جس چیز کی قسم کھائی جائے اس کے نام کی عظمت کی وجہ سے قسم کھانے والا جھوٹ سے رکتا اور ڈرتا ہے۔ کہ اگر اس کا نام لے کر جھوٹ بولوں گا تو وبال میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ یہ صورت تو قرآن میں اللہ تعالیٰ کی کھائی ہوئی قسموں میں نہیں ہوسکتی کیونکہ مخلوق میں کوئی ایسا معظم نہیں۔ جس کا نام لینا خدا تعالیٰ کو کسی امر سے مانع ہو۔

دوسری صورت تاکید بقسم کی یہ کہ مقسم بہ سے جواب قسم کی توضیح مقصود ہو۔ میں نے جہاں تک غور کیا۔ تو اقسام قرآن میں یہی صورت معلوم ہوئی کہ مقسم بہ کو جواب قسم کی توضیح میں بڑا دخل ہے اور یہ بہت بڑا علم ہے لیکن ہر مقام پر سیاق و سباق کو دیکھنا اور غور کرنا پڑتا ہے اور غور کرنے سے قسم و جواب قسم میں ارتباط معلوم ہو جاتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا مگر غور کرنے کی اس کو اجازت ہے جس کے پاس آلات اعتبار ہوں۔

چنانچہ اس کی ایک مثال اس وقت ذہن میں آئی۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں والضحی واللیل اذا سجی ما ودعک ربک وما قلی یہ سورت ایک بار کی فترۃ وحی کے بعد نازل ہوئی ہے اور فترۃ وحی قبض کی صورت ہے اور نزول وحی بسط ہے تو حق تعالیٰ دن اور رات کی قسم کھا کر فرماتے ہیں۔ کہ آپ کو اے محمد ﷺ خدا تعالیٰ نے نہ چھوڑا نہ وہ آپ سے ناراض ہے۔ اس قسم کو جواب قسم کی توضیح میں اس طرح دخل ہے کہ بتلا دیا۔ کہ قبض کو علامت غیر مقبولیت نہ سمجھو جیسا کہ بعض سالکین اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کہ نزول واردات کو علامت رضا اور انسداد احوال و کیفیات کو علامت رد سمجھتے ہیں جیسا کہ دنیا والے قبض و بسط رزق کو بھی علامت رضا و عدم رضا کی سمجھتے ہیں۔ روزی والے کو سب لوگ بھاگوان کہتے ہیں اور تنگدست کو منحوس اور مبتلائے ادبار سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ اس کی حکایت فرماتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

فاما الانسان اذا ما بتلاہ ربہ فاکرمہ ونعمہ فیقول ربی اکرمن – واما اذا ما بتلاہ فقدر علیہ رزقہ فیقول ربی اھانن

اللہ تعالیٰ نے اس خیال کو سورہ والضحیٰ میں لیل ونہار کی قسم سے رفع فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قبض وبسط کی مثال لیل ونہار جیسی ہے بس جس طرح دن کے بعد رات کا آنا علامت رد نہیں۔ کیونکہ یہ غیر اختیاری بات ہے۔ اسی طرح بسط کے بعد قبض کا آنا علامت رد نہیں۔ اور جس طرح تعاقب لیل ونہار حکمت پر مبنی ہے۔ اسی طرح تعاقب قبض وبسط میں بھی حکمتیں ہیں۔ جیسے لیل ونہار کا تعاقب ناگزیر ہے کہ بدوں اس کے عالم کا انتظام درہم برہم ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح سالک پر قبضہ وبسط کا تعاقب ضروری ہے۔

الھٰکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر (التکاثر آیت ص ۱ ' ۲) فخر کرنا تم کو غافل کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو۔

قبروں کی پختگی پر قابل افسوس ہے

شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے' ناکہ ایک رئیس زادے اور غریب زادے میں گفتگو ہوئی رئیس زادے نے کہا کہ دیکھو ہمارے باپ کی قبر کیسی عمدہ اور مضبوط ہے جس پر شان وشوکت برستی ہے اور تمہارے باپ کی قبر کچی اور شکستہ ہے جس پر بے کسی برستی ہے غریب زادہ نے کہا بیشک یہ فرق تو ہے لیکن قیامت کے دن میرا باپ تو قبر میں سے آسانی سے نکل آئے گا اور تمہارا باپ پتھر ہی ہٹانے میں رہے گا وہ اتنے چٹانوں اور پتھروں کو ہی ہٹاتا رہے گا میرا باپ جنت میں جا پہنچے گا کچھ ٹھکانا ہے اس تفاخر کا کہ قبروں کی پختگی پر بھی فخر کیا جاتا ہے۔ اسی کو تو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے **الھٰکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر** (اے لوگوں تم کو تفاخر نے غافل کردیا یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ گئے) **زرتم المقابر** کے یا تو یہ معنے ہیں کہ تم اس تفاخر ہی کی حالت میں قبروں میں پہنچ گئے یعنی مرگئے یا یہ کہ تم تفاخر کے لئے قبروں کو دیکھنے گئے۔ جاہلیت میں عرب کی عجیب حالت تھی بعض دفعہ جب دو قبیلے باہم فخر کرتے ایک کہتا کہ ہماری قوم زیادہ ہے دوسرا کہتا کہ ہمارا جتھا زیادہ ہے اور اس کے بعد مردم شماری ہوتی اور ان میں سے کوئی ایک قبیلہ شمار میں کم ہوجاتا تو وہ کہتا کہ ہمارے آدمی لڑائی میں زیادہ کام آئے ہیں اس لئے ہم کم ہوگئے ورنہ ہماری شمار زیادہ تھی دوسرا قبیلہ کہتا کہ یہ بھی غلط ہے تمہارے مردے ہمارے مردوں سے زیادہ نہیں ہیں اس کے فیصلے کے لئے قبروں کی شمار کی جاتی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ تو کفار کی حالت تھی مگر افسوس آج کل مسلمانوں میں بھی یہ مرض پیدا ہوگیا ہے تو وہ قبروں کو شمار تو نہیں کرتے مگر ان کی پختگی اور خوبصورتی پر فخر کرتے ہیں چنانچہ اس لئے بعض لوگ خود اپنی قبر کے پختہ کرنے کی وصیت کرجاتے ہیں اس تفاخر ہی کی وجہ سے یہ تمام تکلفات پیدا ہوئے ہیں کہیں زیادہ روشنی کا اہتمام کیا جاتا ہے کہیں جھاڑ فانوس اور قندیل لٹکائے جاتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُورۃ الکافرون

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ
عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ﴿۳﴾ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ﴿۴﴾ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ
عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ﴿۵﴾ لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ﴿۶﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اے کافرو میں اس شے کی عبات نہ کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم عبادت کرو گے اس شے کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبات کرنے والا ہوں اس شے کی جس کی تم نے عبادت کی ہے۔ اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس شے کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے میرے لئے میرا دین۔

آج کل کی ایک بے ہودہ رسم

جیسا آج کل یہ بیہودہ رسم نکلی ہے کہ مسلمان کفار کے میلوں ٹھیلوں میں شریک ہوتے ہیں اور ان کو اپنی عید بقرعید کے موقع پر شریک کرتے ہیں یہ تو وہی قصہ ہے جیسا کہ اہل شرک نے حضور سے کہا تھا کہ اے محمد ہم اور آپ صلح کرلیں ایک سال آپ ہمارے دین کو اختیار کرلیں اور دوسرے سال ہم آپ کے دین کو اختیار کرلیں گے اسی وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں یعنی نہ میں تمہارا دین اختیار کروں گا اور نہ تم میرا دین قبول کرو گے۔ یہ بطور اخبار کے فرمایا پس لکم دینکم الخ کو اس تقریر پر منسوخ کہنے کی بھی ضرورت نہیں۔ پس کفار سے تو بالکل علیحدہ ہی رہنا چاہیے۔ یہاں چونکہ ایک جگہ رہتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آپس میں لڑیں نہیں باقی ان کے مذہبی میلے اور مجامع میں جانا بالکل بند کرنا چاہیے۔

جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

بعض لوگوں نے ایک غلطی کی ہے کہ لکم دینکم ولی دین کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ تمہارے واسطے تمہارا دین ہے ہمارے واسطے ہمارا دین ہے اور یہ تفسیر کر کے اسی آیت کے حکم کو باقی سمجھا ہے چنانچہ بعض صوفیہ نے اسی کو اپنا معمول بنالیا اور صلح کل اپنا مذہب بنالیا کہ موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدین خود کسی سے لڑنے جھگڑے کی ضرورت نہیں مگر یہ استدلال اس لئے غلط ہے کہ اول تو یہاں دین بمعنے مذہب ہونا مسلم نہیں بلکہ بمعنے جزا ہونا محتمل ہے یعنی جیسا تم کرو گے ویسا بھرو گے پس لکم دینکم ایسا ہے جیسا محاورہ میں کہتے ہیں کما تدین تدان اور اس صورت میں منسوخ ماننے کی بھی ضرورت نہ ہوگی اور اگر یہی تفسیر کی جاوے تو اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہوگی۔

احتیاط خطاب

کاندھلہ میں ایک بار مولویوں کے مجمع میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ کافر کو کافر کہنا کیسا ہے ایک جماعت یہ کہہ رہی تھی کہ تہذیب کے خلاف ہے اور ایک جماعت کہہ رہی تھی کہ جائز ہے کیونکہ قرآن میں بکثرت کافر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے پہلی جماعت نے اس کا یہ جواب دیا کہ قرآن میں خطاب کے موقعہ پر کافروں کو کافر نہیں کہا گیا (بلکہ یا یھا الناس سے خطاب کیا گیا ہے) اور گفتگو اس میں ہے کہ کافر کو کافر کہہ کر خطاب کرنا کیسا ہے پھر ایک مولوی صاحب کو حکم بنایا گیا کہ اس اختلاف کا فیصلہ کریں انہوں نے کہا کہ قرآن میں خطاب کے موقعہ پر بھی کافروں کو کافر کہا گیا ہے قل یایھا الکافرون لااعبد ما تعبدون مگر میں اس محاکمہ کا بھی محاکمہ کرتا ہوں کہ قرآن میں کفار کو کافر کہہ کر بلاضرورت خطاب نہیں کیا گیا اور جہاں اس لفظ سے خطاب کیا گیا ہے وہاں ضرورت تھی وہ یہ کہ ان ظالموں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بے ڈھنگی درخواست کی تھی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبات کرلیا کریں ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کرلیا کریں گے اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی کہ ان سے فرمادیجئے کہ اے کافرو! میں تمہارے معبودوں کی پرستش نہ کروں گا نہ تم میرے معبودوں کی عبادت کرو گے نہ اب نہ آئندہ تو یہاں ان لوگوں کی امیدیں قطع کرنے کے لئے سختی کے ساتھ کافر کہہ کر ان کو خطاب کیا گیا ہے باقی آیات میں اس لفظ سے خطاب نہیں کیا گیا کیونکہ ضرورت نہ تھی پس فیصلہ یہ ہوا کہ خشن خطاب بلاضرورت نہ کرنا چاہیے ہاں ضرورت سے ہو تو جائز ہے۔ (المرابطہ ملحقہ مواعظ حقیقت مال و جاہ ص ۶۵)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَۃُ النَّصر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ﴿۱﴾ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ
اللّٰہِ اَفْوَاجًا ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

ترجمہ: اے محمد ﷺ جب خدا کی مدد اور مکہ کی فتح (ملے اپنے آثار کے) آ پہنچے (یعنی واقع ہو جائے) اور (آثار جو اس پر متفرع ہونے والے ہیں کہ آپ لوگوں کو اللہ کے دین (یعنی اسلام) میں جوق در جوق داخل ہوا دیکھ لیں تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اس سے استغفار کی درخواست کیجئے۔

تفسیری نکات

رسول اکرم ﷺ کے قرب وصال کی خبر

اس صورت میں حضور ﷺ کی خبر دی گئی ہے آپ کی وفات شریفہ کے قریب ہونے کی جیسا کہ اور نصوص میں بھی بکثرت اس کی خبر دی ہے مثلاً انک میت وانھم میتون اور وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم

مگر ان میں مطلق وفات کی خبر ہے اور اس سورت میں اس کے قرب کی بھی خبر ہے جس میں بعض علامات کا ذکر کر کے ان علامات کے ظہور پر اس وقت کو بتلایا گیا ہے وہ علامت یہ ہیں کہ اذا جاء نصر اللہ والفتح (یعنی جب مدد الٰہی پہنچ جائے) اور مکہ فتح ہو جائے ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا (یعنی آپ لوگوں کو جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں) اور ایک تفسیر پر جبکہ اذا ماضی کے لئے ہو یعنی ہوں گے (کہ چونکہ نصرت و فتح معہود رویت و دخول افواج ہو چکی) چونکہ احادیث میں ہے کہ اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورت میں آپ کو قرب اجل کی خبر دی گئی ہے اور احادیث میں ان علامات کے علاوہ دوسری علامات بھی مذکور ہیں مثلاً اخیر سال میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مادہ رمضان میں قرآن کا دومرتبہ عرض کرنا (یعنی دور کرنا) وغیرہ وغیرہ ان واقعات کے ظہور پر آگے آپ کو تیاری آخرت کی تاکید کی گئی ہے کہ اس وقت خدا تعالیٰ کی حمد وتسبیح اور استغفار میں مشغول ہو جایئے۔ یہ حاصل ہے بیان کا۔ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سورۃ کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا ہے اور اس کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ دو برس اور زندہ رہے نزول سے پہلے تو ایک دو آدمی ہی روزانہ اسلام لاتے تھے اور فتح مکہ کے بعد دیہات کے دیہات اور ایک ایک دن میں ایک ہزار دو دو ہزار اسلام لانے لگے اور جب یہ خبر اچھی طرح پھیل گئی کہ مکہ والے مسلمان ہو گئے ہیں تو پھر قبائل عرب ایک دم سے امڈ پڑے اور جو لوگ بعد مسافت کی وجہ سے سب کے سب نہ آ سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی طرف سے وفود بھیجے کہ حضور کو جا کر ہمارے اسلام کی اطلاع کر دو اور وہاں سے احکام دریافت کر کے آؤ۔ چنانچہ اس لئے ۹ھ کو سنۃ الوفود کہتے ہیں اور اسی لئے آپ ۹ھ میں حج کو تشریف نہیں لے جاسکے حالانکہ فتح مکہ کے بعد حج فرض ہو گیا تھا کیونکہ اس سال آپ وفود کی تبلیغ وتکمیل میں مشغول تھے۔ پھر ۱۰ھ میں آپ نے حج ادا کیا جس میں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان آپ کے ساتھ تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سورت کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوا اور ایک روایت یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں اس کا نزول ہوا ہے۔ ان سب روایتوں میں جمع اس طرح ہو سکتا ہے کہ نزول تو فتح مکہ سے پہلے ہوا ہو مگر حضور نے فتح مکہ کے بعد یا حج وداع میں کثرت تسبیح وتحمید کی وجہ بیان فرماتے ہوئے اس سورت کو تلاوت فرمایا ہو۔ راوی نے یہ سمجھا کہ ابھی نزول ہوا ہے مگر جن راویوں نے اس کا نزول فتح مکہ کے بعد متصل یا حج وداع میں مانا ہے۔ ان پر یہ اشکال وارد ہوگا کہ اس میں لفظ اذا ہے جو مستقبل کے لئے آتا ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ نزول کے وقت فتح مکہ و دخول الناس افواجا کا وقوع نہ ہوا ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اذا کبھی ماضی کے واسطے بھی آتا ہے جیسے قرآن میں بھی دوسری جگہ ہے حتیٰ اذا جعله نارا اور حتی اذا ساوی بین الصدفین تو پہلی تقریر پر تو ترجمہ یہ تھا کہ جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح مکہ ہو جائے اور آپ لوگوں کو جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں تو تسبیح وتحمید میں مشغول ہو جایئے اور دوسری تقریر پر ترجمہ یوں ہوگا کہ جب اللہ کی مدد آ چکی ہو اور لوگوں کو اسلام میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا آپ نے دیکھ لیا ہو تو اب آخرت کی تیاری کیجئے۔

یہ تو ترجمہ اور توجیہ تھی اقوال مفسرین کی۔ اب میں وہ نعمتیں بتلاتا ہوں جو حضور کو یا تبعاً امت کو سفر آخرت کی وجہ سے عطا ہوئیں اور اس سورت میں ان پر دلالت ہے۔ نزول کے وقت نہ فتح مکہ ہوا نہ یدخلون فی دین الله

(c) ketabton.com: The Digital Library

افواجاً کاظہور ہوا تھا۔ اس سورت میں ان آیات میں پیشین گوئی ہے کہ ایسا ہونے والا ہے اس وقت سمجھ لیجئے۔

فتح مکہ پر اس مقصود کی تکمیل اس لئے موقوف تھی کہ عام لوگ اسلام لانے میں اہل مکہ کے اسلام کے منتظر تھے کہ دیکھئے نبی کی قوم بھی ان کی اطاعت کرتی ہے یا نہیں کیونکہ عوام کی یہ طبعی بات ہے عقلاء کی تو نہیں کہ وہ کسی شخص کے معتقد بننے میں یہ دیکھا کرتے ہیں کہ اس شخص کے خاندان اور بستی والے کیا چھا جانتے ہیں۔ وہ ایسے ایسے شخص کے معتقد نہیں ہوا کرتے۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ وہ سچے آدمی کے بھی معتقد نہ ہوں مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ جھوٹے آدمی کے معتقد ہو جائیں۔ خصوصاً خاندان والے تو بہت دیر میں معتقد ہوتے ہیں کیونکہ ان میں کوئی تو اس شخص کا چچا ہے کوئی ماموں ہے کوئی بھائی بھتیجا ہے۔ جن کو مساوات کا یا ناز کا دعویٰ ہوتا ہے یا بزرگی کا وہ اپنے سے چھوٹے یا برابر کی اطاعت جبھی کرسکتے ہیں جبکہ کھلم کھلا کوئی ایسی بات دیکھ لیں جو ان کی اطاعت پر مجبور کردے۔ مگر اس پر عوام ہی کی نظر ہوتی ہے کہ خاندان والوں کا کیا خیال ہے باقی عقلاء کو کسی کے اعتقاد اور عدم اعتقاد پر نظر نہیں ہوتی بلکہ وہ تو کمالات کو دیکھتے ہیں اگر ایک شخص میں کمالات موجود ہوں۔

چاہے خاندان اور بستی ہی کیا ساری دنیا بھی اس کی مخالفت کرتی ہو تب بھی معتقد ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ عقلاء صحابہ نے ایسا ہی کیا کہ انہوں نے اہل مکہ یا حضور کے قرابت داروں کی اطاعت کا مطلق انتظار نہیں کیا۔ بعض تو ایسے وقت اسلام لائے تھے کہ حضور کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا اور بعض نے ایسے وقت اطاعت اختیار کی کہ آپ کے ساتھ دو چار آدمی تھے البتہ عام لوگ اس کو دیکھتے ہیں کہ خاص بستی والے اور خاندان والے کیا برتاؤ کرتے ہیں۔ کیونکہ عوام کی نظر کمالات تک نہیں پہنچتی۔ اس لئے وہ ایسے ایسے قرائن کا انتظار کیا کرتے ہیں اسی قاعدہ کے مطابق عام طور پر اہل عرب کو اہل مکہ کے اسلام کا انتظار تھا کیونکہ وہاں آپ کی برادری تھی اور اسی لئے کم لوگ مسلمان ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا اور رسول ﷺ مکہ میں غالب ہو کر داخل ہوئے تو اس وقت بہت سے اہل مکہ مسلمان ہو گئے اور بعض نے غور و تامل کے لئے مہلت مانگی تو ان کو چار مہینے یا اس سے زائد کی مہلت دی گئی۔ کہ اس مدت میں یا اسلام لے آئیں یا مکہ سے نکل جائیں اسی وقت مکہ دار الاسلام ہو گیا اور چند روز میں وہاں ایک بھی کافر نہ رہا۔ اس وقت عام طور پر اہل عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

بشارت تکمیل دین

سو اس پر تو سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سورۃ کا نزول سفر آخرت کی تیاری کے لئے ہوا ہے اور اس کو متعلق کیا گیا ہے چند علامات پر جو کہ اس جگہ مذکور ہیں یعنی نصر و فتح مکہ و رویت دخول الناس فی الدین. تو ایک نعمت تو یہ ہوئی کہ آپ کا سفر آخرت سبب ہو گیا شیوع اسلام کا۔ گو ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیوع

(c) ketabton.com: The Digital Library

اسلام آپ کے سفرِ آخرت کا سبب ہوا کیونکہ سلاطین کی عادت بھی یہی ہے کہ کسی افسر کو کسی کام کی تکمیل کے لئے بھیجتے ہیں کام پورا ہونے کے بعد اس کو اپنے پاس بلا لیتے ہیں اور دلالت لفظ سے بھی یہی متبادر ہے۔

چنانچہ یہاں لفظ اذا بھی بتلا رہا ہے کیونکہ اذا تعلیق کے لئے ہے تو مجئی نصر فتح مکہ وغیرہ معلق علیہ ہے اور تیاری آخرت معلق اور ظاہر ہے کہ معلق علیہ سبب ہوا کرتا ہے معلق کا لیکن اگر نظر کو گہرا کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ واقع میں یہاں معلق سبب ہے معلق علیہ کا آگے اس کی دلیل آتی ہے۔ سو اس بناء پر یہاں معلق علیہ محض علامات کے درجہ میں ہوگا۔ اس کو معلق کے ساتھ سببیت یا علیت کا تعلق نہیں ہوگا۔

بس اس کی مثال بالکل ایسی ہے (جیسے ہم کسی کو کہیں بھیج کر اس سے کہہ دیں کہ جس وقت ہم جھنڈی ہلا دیں اس وقت واپس چلے آنا' تو ظاہر میں تو جھنڈی کے ہلنے کو دخل ہے اس شخص کی واپسی میں مگر حقیقت میں اس کی واپسی کو جو کہ اصل مقصود ہے دخل ہے جھنڈی کے ہلنے میں اور اس کی دوسری مثال یہ ہے)

جیسے کوئی بادشاہ ایک انجینئر کو جو کہ اس کا محبوب ومقرب ہے کسی جگہ بھیجے کہ وہاں جا کر ایک نہر کھدواؤ جس سے تمام ملک کو سیرابی حاصل ہو وہ گیا اور وہاں جا کر اس نے اپنے عملہ کے ساتھ کھدائی کا کام شروع کر دیا۔ چند روز کے بعد بادشاہ کو اس کا اپنے پاس جلد لانا مقصود ہوا۔ اس لئے ایک بہت بڑا عملہ اس کام کی تکمیل میں اس کی امداد کیلئے اس کی ماتحتی میں بھیج دیا جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں نہر کو کھود کر اور انجینئر کے حکم اور نقشہ کے مطابق بنا سنوار کر درست کر دیا اور اس نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ حضور کا کام پورا ہو گیا وہاں سے حکم ہوا کہ اچھا اب تم ہمارے پاس چلے آؤ۔ تو ظاہر میں تو تکمیل نہر کی اس کے بلانے کا سبب ہوا مگر حقیقت میں بادشاہ کا اس کو بلانا تکمیل نہر کا سبب ہوا۔ اگر وہ اس کو جلدی بلانا نہ چاہتا تو دوسرا عملہ کیوں بھیجتا۔

اب اس کی تحقیق باقی ہے جب تعلیق میں دونوں صورتیں ہوتی ہیں تو یہاں دونوں احتمال ہوئے ایک کی تعیین کی کیا دلیل؟

جواب یہ ہے کہ قرائن سے تعیین ہو جاتی ہے یہاں آپ کی محبوبیت قرینہ مرجحہ ہے اس احتمال کا۔ چنانچہ او ربیہقی کی حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کا مقولہ یا محمد ان اللہ قد اشتاق الی لقائک اس پر صریح دال ہے کہ بلانے کا سبب اشتیاق ہے۔ تو بلانا جن اسباب پر موقوف تھا ان کی تکمیل بھی اس اشتیاق کے سبب فرمائی۔ تو سبب ہوا بلانا اذا جاء نصر اللہ والفتح یہ ایک سورت ہے جو حضور اکرم ﷺ کی آخری عمر میں نازل ہوئی ہے جس کا مدلول ظاہری تو رسول ﷺ کا نعمت فائضہ پر مکہ کے مقابلہ میں مطالبہ شکر ہے کہ ایک بڑی نعمت یعنی فتح مکہ آپ کو عطا ہونے والی ہے یا ہو چکی ہے اس پر شکر کا مطالبہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس وقت وہ نعمت عطا ہو اس وقت شکر کیجئے یا یہ کہ وہ نعمت کاملہ چونکہ فائض ہو چکی ہے اس لئے شکر کیجئے۔ یا کلمہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

تردد میں نے اس واسطے کہا ہے کہ مفسرین کو اس میں گفتگو ہے کہ اس میں اذا مستقبل کے لئے ہے یا ماضی کے لئے جیسے اذا ساوی بین الصدفین اور اذا جعلہ نارا میں اور اس کا منشا یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ اس سورت کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا ہے یا بعد میں۔ مدلول ظاہری کلی تو سورت شریفہ کا یہ ہے اور مدلول خفی یہ ہے کہ جب آپ کی عمر ختم ہو جائے یعنی قریب ختم ہو جائے تو حمد و تسبیح میں مشغول ہو جایئے اور واسطہ اس ولادت کا یہ ہے کہ جب آپ کے فیوض کی تکمیل ہو جائے جس کی طرف اذا جاء نصر اللہ و رایت الناس میں اشارہ ہے تو اس وقت طاعت میں زیادہ مشغول ہو جایئے کیونکہ شکر وحمد بھی عنوان طاعت ہی ہے صرف عنوان کا تفاوت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت آخرت کی خاص تیاری کیجئے۔

تبت یدا ابی لھب و تب (ابولہب برباد ہو جیو) ما اغنی عنہ مالہ و ما کسب (اور اس بربادی سے نہ اس کا مال بچا سکتا ہے نہ اس کی کمائی و امرءتہ حمالۃ الحطب (اور اس کی بیوی لکڑیاں چننے والی ہے) بعض لوگوں نے تو اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ اس سے اس کا اظہار بخل مقصود ہے کہ باوجود مال و دولت کے پھر بھی اتنی کنجوس ہے کہ لکڑیاں خود چن کر لاتی ہے عرب میں بخل کو زنا سے بھی زیادہ قبیح سمجھتے تھے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ جنگل سے خاردار لکڑیاں چن کر لاتی تھی اور حضور کے راستہ میں بچھا دیتی تھی تاکہ آتے جاتے آپ کو تکلیف ہو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ الفَلَق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ﴿۴﴾

ترجمہ: آپ کہیے کہ میں ان عورتوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو گرھوں پر پڑھ پڑھ کر پھونک مارنے والی ہیں۔

تفسیری نکات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کئے جانے کا واقعہ

یہودیوں میں سحر (جادو) کا بہت چرچا تھا۔ اور وہ اس میں بڑے ماہر تھے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سحر کیا تھا اور وہ لبید کی بیٹیوں نے سحر کیا تھا۔ جس کا اثر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو گیا تھا۔ پھر وحی کے ذریعہ آپ کو مطلع کیا گیا کہ آپ پر فلاں شخص نے سحر کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ فلق میں اس طرف اشارہ ہے: وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ''آپ کہیے کہ میں ان عورتوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، جو گرھوں پر پڑھ پڑھ کر پھونک مارنے والی ہیں''۔

گرہوں پر پھونک مارنے کی تخصیص اس لئے ہے کہ حضور پر جو سحر ہوا تھا وہ اسی قسم کا تھا کہ ایک تانت کے ٹکڑے میں گیارہ گرہیں دی گئی تھیں اور گرہ پر کلمات سحر کو دم کیا گیا تھا۔ اور عورتوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ اس واقعہ میں عورتوں ہی نے سحر کیا تھا۔ دوسرے کچھ تجربے سے اور نیز علم طبعی کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا سحر بہ نسبت مردوں کے زیادہ موثر ہوتا ہے کیوں کہ سحر میں قوت خیالی کو زیادہ اثر ہے خواہ سحر حلال ہو یا سحر حرام۔ (تعمیم التعلیم، التبلیغ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

جادو کی دو قسمیں اور ان کا شرعی حکم

سحر (جادو) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سحر حرام۔ اور محاورات (یعنی اصطلاح میں اکثر اسی پر سحر کا اطلاق ہوتا ہے۔ دوسرے سحر حلال جیسے عملیات اور عزائم اور تعویذ وغیرہ کہ لغۃً یہ بھی سحر کی قسم میں داخل ہے۔ اور ان کو سحر حلال کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تعویذ و عزائم (عملیات) وغیرہ مطلقاً جائز نہیں بلکہ اس میں بھی تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر اس میں اسماء الٰہی سے استعانات (مدد حاصل کرنا ہو) اور مقصود بھی جائز ہو تو جائز ہے اور اگر مقصود نا جائز ہو تو حرام ہے۔

اور اگر شیاطین سے استعانت (مدد حاصل کرنا) ہو تو مطلقاً حرام ہے۔ خواہ مقصود اچھا ہو یا برا۔ بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ جب مقصود اچھا ہو تو شیاطین کے نام سے بھی استعانت (مدد حاصل کرنا) جائز ہے یہ بالکل غلط ہے۔ خوب سمجھ لو۔ (التبلیغ)

قرآنی سورتوں کے موکلوں کا کوئی ثبوت نہیں

بعض لوگوں نے موکلوں کے نام عجیب عجیب گھڑے ہیں۔ کلکائیل، دردائیل اور اسی طرح اس کے وزن پر بہت سے نام ہیں۔ اور غضب یہ ہے کہ ان ناموں کو سورہ فیل کے اندر ٹھونسا ہے۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ يا كلكائيل اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ يا دُرْدَائيل۔

یہ سخت واہیات ہے۔ اول تو یہ نام بے ڈھنگے ہیں نہ معلوم کلکائیل کہاں سے ان لوگوں نے گھڑا ہے۔ بس یہ لوگ رات دن کل کل ہی میں رہتے ہوں گے۔ پھر ان کو قرآن میں ٹھونسنا یہ دوسرا بے ڈھنگا پن ہے اور نہ معلوم یہ موکل ان لوگوں نے کہاں سے تجویز کیے ہیں۔ یہ سب محض خیالات ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ اس کا مصداق معلوم ہوتے ہیں۔ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ. (تعیم التعلیم)

سحر جادو وغیرہ سے حفاظت کی اہم دُعاء

بعض دعائیں ایسی ہیں کہ سحر (جادو) وغیرہ کے اثر سے محفوظ رکھتی ہیں۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چند کلمات کو اگر میں نہ کہتا رہتا تو یہود (سحر و جادو سے) مجھ کو گدھا بنا دیتے۔ کسی نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں انہوں نے یہ بتلائے:

اَعُوْذُ بِوَجْهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ لَيْسَ شَيْءٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَبِاَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰى مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ

(c) ketabton.com: The Digital Library

وِّبرًا۔ (روایت کیا ہے اس کو مالک نے جزء الاعمال)

یہ دعا کم از کم صبح و شام پابندی سے تین تین مرتبہ پڑھ کر دم کر لیا کریں انشاء اللہ مکمل حفاظت رہے گی۔

آسیب لپٹ جانا

ان آیتوں کو پڑھ کر بیمار کے کان میں دم کرے اور پانی پڑھ کر اس کو پلا وے۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۔ اور سورۃ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ سات بار کان میں دم کرنا اور داہنے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہنا بھی آسیب کو بھگا دیتا ہے۔

آسیب اور جادو

اگر کسی پر آسیب کا شبہ ہو تو آیات ذیل لکھ کر مریض کے گلے میں ڈال دیں اور پانی پر دم کر کے مریض پر چھڑک دیں اور اگر گھر میں اثر ہو تو ان کو پانی پر پڑھ کر گھر کے چاروں گوشوں میں چھڑک دیں۔ آیات یہ ہیں۔

(۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

(۲) الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(۳) وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ

(۴) اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ط اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَوْلِیٰٓئُهُمُ الطَّاغُوتُ یُخرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیهَا خَالِدُوْنَ

(۵) لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوا مَافِی اَنْفُسِکُمْ اَوْتُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُومِنُونَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیرُ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَاتُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِینَا اَوْاَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَینَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهُ عَلَی الَّذِینَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَومِ الکَافِرِینَ

(۶) شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِکَةُ وَاُوْلُوا العِلْمِ قَائِمًا بِالقِسْطِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ العَزِیْزُ الحَکِیْمُ

(۷) اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰهُ الَّذِی خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضَ فِی سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی العَرْشِ یُغْشِی الَّیلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهُ حَثِیثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ .

(۸) فَتَعٰلَی اللّٰهُ الْمَلِکُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهُ لَایُفْلِحُ الْکَافِرُوْنَ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِینَ .

(۹) وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا فَالزّٰجِرَاتِ زَجْرًا فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا اِنَّ اِلٰهَکُمْ لَوَاحِدٌ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَاوَرَبُّ الْمَشَارِقِ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِینَةِ نِ الکَوَاکِبِ وَحِفْظًا مِّنْ کُلِّ شَیْطَانٍ مَّارِدٍ لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاءِ الْاَعْلٰی وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا اِنَّا خَلَقْنَا هُمْ مِنْ طِینٍ لَّازِبٍ .

(۱۰) هُوَاللّٰهُ الَّذِی لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَالرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ هُوَ اللّٰهُ الَّذِی لَا اِلٰهَ اِلا هُوَ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِیُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَهُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ .

(c) ketabton.com: The Digital Library

(۱۱) وَاَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۔

(۱۲) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۔

(۱۳) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۔

(۱۴) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ يُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۔

حرز ابی دجانہ

ایضاً۔ کلمات ذیل کو لکھ کر مریض کے گلے میں ڈال دیا جائے (اس عمل کا نام حرز ابی دجانہ ہے) نہایت مجرب ہے۔ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اِلٰى مَنْ طَرَقَ الدَّارَ مِنَ الْعُمَّارِ وَالزُّوَّارِ وَالسَّائِحِيْنَ اِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَارَحْمٰنُ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ لَنَا وَلَكُمْ فِی الْحَقِّ سَعَةً فَاِنْ تَكُ عَاشِقًا مُوْلَعًا اَوْ فَاجِرًا مُقْتَحِمًا اَوْرَاعِيًا حَقًّا مُبْطِلًا هٰذَا كِتَابُ اللّٰهِ يَنْطِقُ عَلَيْنَا وَعَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اُتْرُكُوْا صَاحِبَ كِتَابِیْ هٰذَا وَانْطَلِقُوْا اِلٰى عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ وَالْاَصْنَامِ وَاِلٰى مَنْ يَزْعَمُ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ تُقْلَبُوْنَ حٰمٓ لَا تُنْصَرُوْنَ حٰمٓعٓسٓقٓ تفرق اَعْدَاءُ اللّٰهِ وَبَلَغَتْ حُجَّةُ اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. اس کو لکھ کر گلے میں ڈال دیا جائے۔

ایضاً۔ اگر آسیب کا اثر گھر میں معلوم ہو تو آیات ذیل پچیس بار چار کیلوں پر پڑھ کر گھر میں چاروں کونوں میں گاڑ دیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا.

برائے دفع سحر

آیات ذیل لکھ کر مریض کے گلے میں ڈال دیں اور پانی پر پڑھ کر اس کو پلا دیں، اگر نہلانا نقصان نہ کرتا ہو تو ان ہی آیات کو پانی پر پڑھ کر اس سے مریض کو نہلا دیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَلَمَّا اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ

(c) ketabton.com: The Digital Library

النَّاسِ مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۔

سحر کے لئے

۱۔ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُم بِهِ السِّحْرُ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿﴾ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿﴾ (پارہ ۱۱، رکوع ۱۳)

ترجمہ: سو جب انہوں نے (اپنا جادو کا سامان) ڈالا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ جو کچھ تم (بنا کر) لائے ہو جادو ہے یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (جادو) کو درہم برہم کئے دیتا ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ دلیل صحیح (یعنی معجزہ) کو اپنے وعدوں کے موافق ثابت کر دیتا ہے گو مجرم (اور کافر) لوگ کیسا ہی ناگوار سمجھیں۔

خاصیت: سحر کیلئے بہت مجرب ہے جس پر کسی نے سحر کیا ہو ان آیتوں کو لکھ کر اس کے گلے میں ڈالے یا طشتری پر لکھ کر پلائے انشاء اللہ تعالیٰ صحت یاب ہو جائے گا۔

۲۔ يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿﴾ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿﴾ (پارہ ۸، رکوع ۱۱)

ترجمہ: اے آدم کی اولاد تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو، آپ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے۔ آپ یہ کہہ دیجئے کہ یہ اشیاء اس طور پر کہ قیامت کے روز بھی خالص رہیں۔ دنیوی زندگی میں خالص اہل ایمان ہی کیلئے ہیں۔ ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھداروں کے واسطے صاف صاف بیان کیا کرتے ہیں۔ آپ فرمایئے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگا دو جس کی تم سند نہ رکھو۔

خاصیت: یہ آیت زہر و چشم و بد و سحر کے دفع کیلئے مفید ہے جو شخص اس کو انگور سبز کے عرق اور زعفران سے لکھ کر اولے کے پانی سے دھو کر غسل کرے چشم بد اور جادو اس سے دفع ہو اور جو کھانے میں ملا کر کھائے تو زہر سے مامون رہے اور سحر اور نظر بد سے بھی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

۳۔ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (پارہ ۱۱، رکوع ۱۳)

ترجمہ: سو جب وہ آئے (اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوا) موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم کو (میدان میں) ڈالنا ہے سو جب انہوں نے (اپنا جادو کا سامان) ڈالا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کچھ تم (بنا کر) لائے ہو جادو ہے۔ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (جادو) کو ابھی درہم برہم کئے دیتا ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا۔

خاصیت: سخت جادو کے دفع کرنے کیلئے نافع ہے ایک گھڑا بارش کے پانی کا لے کر ایسی جگہ سے جہاں برسنے کے وقت کسی کی نظر نہ پڑی ہو اور ایک گھڑا ایسے کنوئیں کے پانی کا لے جس میں سے کوئی پانی نہ بھرتا ہو پھر جمعہ کے روز ایسے درختوں کے سات پتے لے جن کا پھل نہ کھایا جاتا ہو۔ پھر دونوں پانی ملا کر اس میں ساتوں پتے ڈال دے پھر ان آیتوں کو کاغذ پر لکھ کر اس پانی سے دھو کر سکور کو کنارہ دریا پر لے جا کر پانی میں اس کو کھڑا کر کے رات کے وقت اس پانی سے اس کو غسل دیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ سحر باطل ہو جائے گا۔

وسوسہ شیطانی

۱۔ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ (پارہ ۹، رکوع ۱۴)

ترجمہ: اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ بلاشبہ وہ خوب سننے والا ہے۔ یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

خاصیت: جس کو وساوس اور خطرات وخیالات فاسدہ اور لرزہ قلب نے عاجز کر دیا ہو۔ ان آیات کو کلام و زعفران سے جمعہ کے روز طلوع شمس کے وقت سات پرچوں پر لکھ کر ہر روز ایک پرچہ نگل جائے اور اس پر ایک گھونٹ پانی کا پی لے انشاء اللہ تعالیٰ دفع ہو جائے گا۔

فائدہ: احادیث میں آیا ہے کہ وسوسہ کے وقت اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہے یا اعوذ باللہ پڑھ کر بائیں جانب تین مرتبہ تھتکارنا آیا ہے۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ پڑھے اس سے کسی کو نجات نہیں ہوتی اس کا غم نہ چاہیے۔ یا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بکثرت پڑھے۔ ابوسلیمانؒ دارانی نے عجیب تدبیر بتلائی ہے کہ جب وسوسہ آئے خوب خوش ہو۔ شیطان کو مسلمان کا خوش ہونا سخت ناگوار ہے وہ پھر وسوسہ نہ ڈالے گا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سُوْرَةُ النَّاس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳
مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۵ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ
صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

جادو کی کاٹ کے لئے معوذتین کا عمل

۱ – قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تین تین بار پانی پر دم کر کے مریض کو پلادیں اور زیادہ پانی پر دم کر کے اس پانی میں نہلادیں اور یہ دعا چالیس روز تک روزمرہ چینی کی تشتری پر لکھ کر پلایا کریں۔ یَاحَیُّ حِیْنَ لَا حَیَّ فِیْ دَیْمُوْمَةِ مُلْکِهٖ وَبَقَائِهٖ یَاحَیُّ انشاءاللہ تعالیٰ جادو کا اثر جاتا رہے گا اور یہ دعا ہر اس بیمار کے لئے بھی بہت مفید ہے جس کو حکیموں نے جواب دیدیا ہے۔

۲ – اکثر عوام اور خصوصا عورتیں چیچک (اسی طرح بعض اور امراض) کے علاج کرانے کو برا سمجھتے ہیں۔ اور بعض عوام اس مرض کو بھوت پریت کے اثر سے سمجھتے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔

۳ – بعض عوام سمجھتے ہیں کہ جو کوئی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کا وظیفہ پڑھے اس کا ناس ہو جاتا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ بلکہ اس کی برکت سے تو وہ مصیبتوں سے نجات پاتا ہے۔

۴ – اور بعض عوام کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر جمعرات کی شام کو مُردوں کی روحیں اپنے اپنے گھروں میں آتی ہیں، اور ایک کونے میں کھڑی ہو کر دیکھتی ہیں کہ ہم کو کون ثواب بخشتا ہے؟ اگر کچھ ثواب ملے گا تو خیر، ورنہ مایوس ہو کر لوٹ جاتی ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ (اغلاط العوام)

بالخیر

(c) ketabton.com: The Digital Library

رسالۃ وجیزۃ ومفیدۃ فی ربط الآیات

سبق الغایات
فی
نسق الآیات

تالیف

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ،
رئیس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة الزخرف

قال المسکین افتتح الله هذه السورة باثبات النبوة باثبات کون القراٰن منزلامن الله تعالیٰ مع الوعیدللمنکرین ولئن سالتهم الخ قال المسکین اثبات للتوحید مع الاشارة الی البعث اثراثبات النبوة وجعلواله من عباده الخ توبیخ علی اشراکهم باثبات الجزء له تعالیٰ و اثبات البنات له تعالیٰ لاسما جعل الملائکة بنات له وقالو الوشاء الرحمٰن الخ اعلم انه تعالیٰ حکی اخرمن کفرهم و شبهاتهم و اذقال ابراهیم الخ اعلم انه تعالیٰ لمابین فی الاٰیة انه لیس لاولئک الکفارداع یدعوهم الی تلک الاقاویل الباطلة الاتقلید الاٰباء والاسلاف ثم بین انه طریق باطل ومنهج فاسدو ان الرجوع الی الدلیل لولی من الاعتماد علی التقلید اردوفه بهذه الاٰیة والمقصود منها ذکروجه اخریدل علی فساد القول بالتقلید و تقریره انه تعالی حکی عن ابراهیم علیه السلام انه تبرع عن دین اٰباء ه

کان خاتمة السورة التی قبلها فی اثات التوحید و النبوة فکذا فاتحة هذه السورة فی اثبات الامرین ۱۲ منه عفی عنه

بناء علی الدلیل ثم قال تعالی بل متعت هؤلاء الخ وجه النظم انهم لماعولواعلی تقلید الاٰباء ولم یتفکروا فی الحجة اغتروابطول الامهال وامتاع الله اياهم بنعیم الدنیا فاعرضوا عن الحق وقالوا لولانزل هذا القراٰن الخ اعلم ان هذا من کفریاتهم التی حکاها الله تعالیٰ عنهم فی هذه السورة ثم ابطل الله تعالیٰ هذه الشبهة ولولا ان یکون الخ اعلم انه تعالیٰ اجاب عن الشبة التی ذکروها بناء علی تفضیل الغنی علی الفقیر وهوانه تعالیٰ بین ان منافع الدنیا و طیباتها حقیر خسیسة عندالله. و من یعش عن ذکرالرحمٰن الخ المراد منه التنبیه علی اٰفات الدنیا و ذلک ان من فازبالمال والجاه صارکالاعشی عن ذکر الله و من صار کذلک صارمن جلساء الشیاطین الضالین المضلین افانت تسمع الصم الخ اعلم انه تعالی لما و

(c) ketabton.com: The Digital Library

صفهم فی الأیة المتقدمة بالعشی و صفهم فی هذه الأیة بالصم والعمی فامانذهبن بک الخ اعلم ان هذا الکلام یفید کمال التسلیة للرسول علیه السلام لانه تعالی بین انهم لا توترفیهم دعوة والیاس احدی الراحتین ثم بین انه لابدو ان ینتقم لاحله منهم اماحال حیاته او بعد وفاته و ذلک ایضایوجب التسلیة فبعدهذا امره ان یتمسک بما امره الله تعالی فقال فاستمسک بما اوحی الیک الخ و لما بین تاثیرالتمسک بهذا الذین فی منافع الدین بین ایضاتاثیره فی منافع الدنیا فقال وانهٗ لذکرلک الخ و اعلم ان السبب الاقوی فی انکار الکفار لرسالة محمد صلی الله علیه وسلم ولبغضهم له انه کان ینکر عبادة الاصنام فبین تعالی ان انکار عبادة الاصنام لیس من خواص دین محمد صلی الله علیه وسلم بل کل الانبیاء والرسل مطبقین علی انکاره فقال واسأل من ارسلنا الخ قوله تعالیٰ ولقد ارسلنا موسی الخ اعلم ان المقصود من اعادة قصة موسی علیه السلام و فرعون فی هذا المقام تقریر برالکلام الذی تقدم و ذلک لان کفار قریش طعنوافی نبوة محمد صلی الله علیه وسلم بسبب کونه فقیراعدیم المال والجاه فبین الله تعالیٰ ان موسی علیه السلام بعد ان اورد المعجزات القاهرة الباهرة التی لایشک علی صحتها عاقل اورد فرعون علیه هذه الشبهة التی ذکرها کفار قریش ولما ضرب ابن مریم الخ قال المسکین حکایة لقصة عیسی علیه السلام اثر قصة موسی علیه السلام و المقصود تقریر امر التوحید ببیان کونه علیه السلام عبداوالجواب عن الشبهة التی تمسک بهاالنصاری من کون خلقه ابدع ببیان کون الملائکة فی خلقهم ابدع وکونهم مع ذلک عبادالله تعالیٰ مقهورین مسخرین قابلین لتصرفه تعالیٰ فیهم مع الاشارة فی اثناء الکلام الی صحة البعث بکونه علیه السلام علامة لها امابنزوله شرطامن اشراطها او بحدوثه بغیر اب اوباحیائه الموتی والتصریح بمجیئه علیه السلام بالبینات والتوحید ووعید المنکرین بعذاب الیوم الالیم وقوع الساعة بهم بغتة الاخلاء یومئذ الخ اعلم انه تعالیٰ لما قال هل ینظرون الخ ذکر عقبه بعض مایتعلق باحوال القیامة ان المجرمین فی عذاب الخ اعلم انه تعالیٰ لما ذکرالو عداردفه بالوعید علی الترتیب المستمر فی القران قل ان کان للرحمٰن ولد الخ قال المسکین عود الی تقریر التوحید مع الوعید للمشرکین و تسلیة علیه السلام الی اخرالسورة.

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الدخان[1]

حٰمٓ والکتٰب المبین الخ اعلم ان المقصود منها تعظیم القراٰن من ثلثة اوجه احدها بیان تعظیم القراٰن بحسب ذاته الثانی بیان تعظیمه بسبب شرف الوقت الذی نزل فیه الثالث بیان تعظیمه بحسب شرف منزله ثم انه تعالیٰ اراد ان یکونوا موقنین بقوله بل هم فی شک یلعبون وان اقرارهم غیر صادر عن علم و یقین فارتقب یوم تأتی السماء الخ قال المسکین بیان لوعید المصرین علی الکفرولقد فتنا قبلهم الخ اعلم انه تعالیٰ لمابین ان کفارمکة مصرون علی کفرهم بین ان کثیرا من المتقدمین کانوا کذلک فبین حصول هذه الصفة فی اکثرقوم فرعون ولقد نجینا الخ اعلم انه تعالی لمابین کیفیة اهلاک فرعون و قومه بین کیفیة احسانه الی موسی و قومه ان هؤلاء لیقولون الخ رجع الی الحدیث الاول و هوکون کفارمکة منکرین للبعث ولماحکی الله عنهم ذلک قال اهم خیرام قوم تبع الخ والمعنی ان کفارمکة لم یذکروافی نفی الحشر والنشر شبهة حتی یحتاج الی الجواب عنها ولکنهم اصرواعلی الجهل فهٰذا السبب اقتصرالله تعالیٰ علی الوعید فقال ان سائرالکفارکما نوا اقوی من هؤلاء ثم ان الله تعالیٰ اهلکهم فکذلک یهلک هؤلاء ثم انه تعالی ذکرالدلیل القاطع علی صحة القول بالبعث والقیٰمة فقال و ما خلقنا السموات الخ ولولم یحصل البعث لکان هذا الخلق لعبا و عبثا ان یوم الفصل الخ اعلم ان المقصود من قوله و ما خلقنا السموات الخ اثبات القول بالبعث والقیمة لاجرم ذکر عقبیه قوله ان یوم الفصل الخ ان المتقین فی مقام الخ اعلم انه تعالی لماذکرالوعید فی الأیات المتقدمة ذکرالوعد فی هذه الأیات ولما بین الله تعالی الدلائل وشرح الوعد والوعیدقال فانما یسرناه بلسانک الخ والمعنی انه وصف القراٰن فی اول هذه السورة بکونه کتابا مبینا ای کثیرالبیان والفائدة وذکر فی خاتمتها ما یؤکد ذلک فارتقب الخ قال المسکین هو تسلیلة له علیه السلام ای لیس علیک الاالبلغ لما نزل علیک و امرالانتقام الینافلیس لک الا الانتظار

[1] لماختم السورة السابقة بتقریر التوحید بدء هذه بتعظیم القراٰن الدال علی النبوة ولا یخفی تعانق التوحید والنبوة ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة الجاثیة[1]

قال المسکین افتتح الله هذه السورة بسرد الأیات التکوینیة و شرف الایات التنزیلیة الی قوله فبای حدیث بعده الخ ویل لکل افاک الخ اعلم انه تعالیٰ لمابین الأیات للکفاروبین انهم بای حدیث بعده یؤمنون اذالم یؤمنوابهامع ظهورها اتبعه بوعید عظیم لهم الله الذی سخر الخ قال المسکین عود الی ذکر بعض الأیات التکوینیة قل للذین اٰمنوا الخ اعلم انه تعالیٰ لما علم دلائل التوحید و القدرة و الحکمة اتبع ذلک بتعلیم الاخلاق الفاضلة و الافعال الحمیدة قال المسکین لما اصرّ الکفار علی الکفر بعد اقامة الدلائل القاطعة غاظ المؤمنون علیهم فامر الله تعالی بالمغفرة وتوکیل امورهم الی الله تعالیٰ ولقد اٰتینا بنی اسرائیل الخ اعلم انه تعالی بین انه انعم بنعم کثیرة علی بنی اسرائیل مع انه حصل بینهم الاختلاف علی سبیل الغی و الحسد و المقصود ان یبین ان طریقة قومه کطریقة من تقدم ولمابین تعالی انهم اعرضوا عن الحق لاجل

البغی والحسد امر رسوله صلی الله علیه و سلم بان یعدل عن تلک الطریقة و ان یتمسک بالحق و ان لایکون له غرض سوی اظهار الحق و تقریر الصدق فقال تعالیٰ ثم جعلناک علی شریعة الخ و لما بین الله تعالیٰ هذه البیانات الباقیة النافعة قال بهذا بصائر للناس و لمابین الله تعالی الفرق بین الظالمین و بین للمتقین من الوجه الذی تقدم بین الفرق بینهما من وجه اٰخر فقال ام حسب الذین قوله تعالیٰ و خلق الله السموات الخ اعلم انه تعالیٰ لما افتی بان المؤمن لایساوی الکافر فی درجات السعادات اتبعه بالدلالة الظاهرة علی صحة هذه الفتوی فقال و خلق الله السموات و الارض بالحق و لولم یوجد البعث لما کان ذلک بالحق بل کان بالباطل لانه تعالیٰ لما خلق الظالم وسلطه علی المظلوم الضعیف ثم لاینتقم للمظلوم من الظالم کان ظالما ولو کان ظالما لبطل انه خلق السموات و الارض بالحق ثم عاد تعالی الی شرح احوال الکفار و قبائح طرائقهم

[1] کان المذکور فی اٰخر الاولی امر التبلیغ فذکر فی اول هذه الاخری مایبلغه من الأیات منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

فقال افرایت من اتخذ الخ واعلم انه تعالیٰ حکی عنهم بعد ذلک سبهتهم فی انکار القیامة فی قوله تعالی و قالو اما هی الاحیاتنا الخ و اعلم انه تعالیٰ لما احتج بکونه قادرا علی الاحیاء فی المرة الاولی و علی کونه قادراعلی الاحیاء فی المرة الثانیة فی الایات المتقدمة عم الدلیل فقال ولله ملک السموات الخ ولمابین تعالیٰ امکان القول بالحشر والنشر بهذین الطریقین ذکر تفاصیل احوال القیٰمة ولماتم الکلام فی هذه المباحث الشریفة الروحانیة ختم السورة بتحمید الله تعالیٰ فقال فلله الحمد رب السموات الخ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة الاحقاف

حٰمٓ تنزيل الكتاب الخ اعلم ان نظم اول هذه السورة كنظم اول سورة الجاثية وما خلقنا السموٰت الخ هذا يدل على اثبات الاٰله لهذا العالم و يدل على ان القيٰمة حق قل ارائيتم ما تدعون الخ قال المسكين ابطال لمذهب عبدة الاصنام اثر اثبات التوحيد و اذا تتلى عليهم الخ اعلم انه تعالى لما تكلم فی تقرير التوحيد و نفی الاضداد و الانداد تكلم فی النبوة قل ما كنت بدعا من الرسل الخ حكى عنهم نوعا اٰخر من الشبهات و هو انهم كانوا يقترحون منه معجزات عجيبة قاهرة و يطالبونه بان يخبرهن المغيبات فاجاب الله تعالى عنه و قال الذين كفروا الخ هذه شبهة اخرى للقوم فی انكار نبوة محمد صلى الله عليه وسلم و من قبله كتاب موسى الخ قال ابو السعود هو لرد قولهم هذا افك قديم وابطاله بان كونه مصدقا الكتاب موسى مقرر لحقية قطعا ان الذين قالو الخ اعلم انه تعالى لما قرر دلائل التوحيد و النبوة و ذكر شبهات المنكرين و اجاب عنها ذكر بعد ذلك طريقة المحقين و المحققين و اعظم انواع هذا النوع الاحسان الى الوالدين لاجرم اردفه بهذا المعنى فقال تعالى و وصينا الانسان الخ قوله والذی قال لوالديه الخ اعلم انه تعالى لما وصف الولد البار بوالديه فی الأية المتقدمة وصف الوالد العاق بوالديه فی هذه الأية و ذكر من صفات ذلك الولد انه بلغ فی العقوق الى حيث لما دعاه ابواه الى الدين الحق و هو الاقرار بالبعث والقيامة اصر على الانكار و ابى و استكبر و عول فی ذلك الانكار على شبهات خسيسة و كلمات واهية و لكل درجات الخ عائد الى الفريقين و المعنى و لكل واحد من الفريقين درجات فی الايمان و الكفر و الطاعة و المعصيت و يوم يعرض الذين كفروا الخ لما بين الله تعالى انه يوصل حق كل احد اليه بين احوال اهل العقاب و اذكر اخا عاد الخ اعلم انه تعالى لما اورد انواع الدلائل فی اثبات التوحيد و النبوة و كان اهل مكة بسبب

ل كان خاتمة الجاثية فی اثبات المعاد و فاتحة الاحقاف فی اثبات التوحيد و هما متقارنان فی القرآن ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

استغرقهم فی لذات الدنیا والشعالهم بطلها اعرضوا عنها و لم یلتفتوا الیها و لهذا السبب قال تعالی فی حقهم اذهبتم طیباتکم فی الحیوٰة الدنیا فلما کان الامر کذلک بین ان قوم عاد کانوا الکثر اموالا و قوة و جاها منهم ثم ان الله تعالیٰ سلط العذاب علیهم بسبب شوم کفرهم فذکر هذه القصة ههنا لیعتبربها اهل مکة ولقد اهلکنا ماحوما لکم قال المسکین اخذامن الکبیر اشارة الی قصة اقوام اخری من قویی عاد و ثمود بالیمن و الشامرواذصرفنا الیک الخ اعلم انه تعالی لما بین ان فی الانس من امن و فیهم من کفربین ایضا ان الجن فیهم من امن و فیهم من کفروان مؤمنهم معرض للثواب و کافرهم معرض للعقاب اولم یروا الخ الی ههنا قدتم الالکلام فی التوحید و فی النبوة ثم ذکر عقیبهما تقریر مسئلة المعاد و من تأمل فی هذا البیان علم ان المقصود من کل القراٰن تقریر التوحید والنبوة والمعاد واما القصص فالمراد من ذکرها ما یجری مجری ضرب الامثال فی تقریر هذه الاصول فاصبر کما صبر الخ اعلم انه تعالیٰ لما قرر المطالب الثلثة و هی التوحید والنبوة والمعاد و اجاب عن الشبهات اردفه بما یجری مجری الواعظ والنصیحة للرسول صلی الله علیه وسلم

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم[1]

الذین کفروا الخ اول هذه السورة مناسب الأخر السورة المتقدمة فان اخرها قوله تعالی فهل یهلک الخ فان قال قائل کیف یهلک الفاسق وله اعمال صالحة کا طعام الطعام وصلة الارحام وغیر ذلک قال تعالی الذین کفرو الخ ای لم یبق لهم عمل ولم یوجد فلم یمتنع الاهلاک والذین امنوا الخ لمابین الله تعالی حال الکفاربین حال المؤمنین ذلک بان الذین کفروا الخ قال المسکین تعلیل للحکمین فاذالقیتم الذین کفروا الخ لما بین ان الذین کفروا اضل الله اعمالهم و اعتبار الانسان بالعمل و من لم یکن له عمل فهو همج فان صارمع ذلک یوذی حسن اعدامه فاذالقیتم بعد ظهوران لا حرمة لهم و بعد ابطال عملهم فاضربوا اعناقهم قال المسکین ثم رغب بقوله ان تنصروا الله ینصرکم الخ فی القتال ثم علل اباحة القتال بقوله ذلک بانهم کرهوا الخ ثم ذکر للعبرة عقوبة الکفار السابقین بقوله افلم یسیروافی الارض الخ لدفع استبعاد مشروعیة عقوبتهم بالقتال ثم علل بقوله ذلک بان الله مولی الذین امنوا الخ کون المؤمنین غالبین و کون الکفار مغلوبین ان الله یدخل الخ لمابین الله تعالی حال المؤمنین والکافرین فی الدنیا بین حالهم فی الأخرة وکاین من قریة الخ لماضرب الله تعالیٰ لهم مثلابقوله افلم یسیروا ضرب للنبی صلی الله علیه وسلم مثلا تسلیة له افمن کان علی بینة الخ قال ابو السعود تقریر لتبائن حالی فریق المؤمنین والکافرین و کون الاولین فی اعلی علیین والأخرین فی اسفل سافلین و بیان لعلة مالکل منهما من الحال مثل الجنة التی الخ لما بین الفرق بین الفریقین فی الاهتداء والضلال بین الفرق بینهما فی مرجهما و مالهما و منهم من یستمع الخ لما بین الله تعالیٰ حال الکافر ذکر حال المنافق بانه من الکفار والذین اهتدو الخ لمابین الله تعالیٰ ان المنافق یستمع ولا ینتفع و یستبعد و لا یستفید بین ان حال المؤمن المهتدی بخلافه فهل ینظرون الخ قال المسکین و عید للکفار والمنافقین فاعلم انه لا اله الا هو الخ قال

[1] تناسب السورتین مذکور فی المتن ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

ابو السعود ای اذا علمت ان مدار السعادة هو التوحید و الاطاعة و مناط الشقاوة هو الاشراک والعصیان فاثبت علی ما انت علیه من العلم بالواحدانیة و العمل بموجب ویقول الذین امنوا الخ لمابین الله حال المنافق و الکافر والمهتدی المؤمن عند استماع الأیات العلمیة من التوحید والحشر و غیرهما بقوله و منهم من یستمع الیک و قوله والذین اهتدو ازادهم هدی بین حالهم فی الأیات العلمیة فان المؤمن کان ینتظر ورودها و یطلب تزیلها و اذاتأخرعنه التکلیف کان یقول هلا امرت بشیء من العبادة خوفامن ان لایؤهل لها و المنافق اذا نزلت السورة والأیة و فیها تکلیف شق علیه فهل عسیتم الخ قال المسکین اخذامن ابی السعود تفریع علی اعراضهم و تقاعد هم عن الجهاد ضعفا فی الدین و حرصاعلی الدنیا و تقریره ان الجهاد احراز کل خیر و صلاح و دفع کل شروفساد فلما اعرضتم عنه وانتم مامورون و شانکم الطاعة والقول المعروف فالمتوقع منکم اذا اطلقت اعنتکم وصرتم امرین الافساد وقطع الارحام اولئک الذین لعنهم الخ قال المسکین و عید للمتصفین بالاوصاف المذکورة ثم امتدذکر هؤلاء المنافقین الی قوله تعالیٰ نبلوا اخبارکم ان الذین کفرو الخ قال المسکین ذم لکفار اهل الکتٰب الرذم المشرکین والمنافقین اوعود الی ذم المشرکین هما قولان یایها الذین امنوا الخ قال المسکین نهی للمؤمنین عن ان یکونو امثل هؤلاء المذکورین ان الذین کفروا وصدوا الخ قال المسکین من تتمة حال الکفار فلا تهنوا الخ قال ابوالسعود الفاء لترتیب النهی علی سبق من الامربالطاعة انما الحیوة الدنیا الخ قال المسکین ترغیب فی بذل الاموال اثر الترغیب فی بذل النفوس فبین حقارة الدنیا و انه تعالیٰ لایسألکم جمیع اموالکم لتبخلواوا نما یقتصر علی نذر یسیر منها و تدعون الی انفاقه فان بخلتم فانما تضرون انفسکم ثم ختم سورة ببیان استغناءه تعالیٰ عن الاموال والانفس بقوله و ان تتولو الخ

سورة الفتح

قال المسکین ذکر الله تعالی فی هذه السورة قصة الحدیبیة و ماروعی فیها من الحکم والمصالح مع البشارات للمؤمنین والتهدیدات للکافرین والمنافقین و هذه خلاصة السورة کلها متعانقة بعضها ببعض ولما کان وجه الارتباط جلیا غیر خفی لم یحتج الی التفصیل فماذکرنا من الاجمال کاف لمن یتدبرادنی تدبر ان شاء الله تعالیٰ و کذا اکثر السورمن ههناالی اخر القراٰن فافهم و تفکر ولا تهتم ولا تتحیر والعون من الله تعالی

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة الحجرات

قال المسکین هذه السورة فیها ارشاد للمؤمنین الی مکارم الاخلاق و حسن الادب والمعاشرة مع الرسول صلی الله علیه وسلم و مع اخوانهم المؤمنین فالنصف الاول فی ادب الرسول والنصف الثانی فی ادب الاخوان فتفکر

سورة قٓ

قال المسکین هذه السورة کلها فیها تقریر مسئلة المعاد و اقامة الدلائل علیها و بیان ما یتعلق بها فتدبر

سورة الذاریات

قال المسکین هذه السورة ایضا فیها تقریر المعاد و ما یعود الیه حال الکافرین والمؤمنین ولتهدید المکذبین ذکر بعض القصص و ختم السورة لتوحید و وعید المنکرین له وللحشرو غیره.

سورة الطور

هذه السورة مناسبة للسورة المتقدمة من حیث الافتتاح بالقسم و بیان الحشر و اول هذه السورة مناسب لأخر ما قبلها لان فی اخرها قوله تعالیٰ فویل للذین کفرو اوهذه السورة فی اولها فویل یومئذ للکمکذبین و فی اخر تلک السورة قال فان للذین ظلمو اذنو باالشارة الی العذاب وقال هنا ان عذاب ربک لواقع قال المسکین ان نصف السورة فی بیان الحشر و نصفها فی رفع شبهات الکفار فی صدق ما جاء به النبی صلی الله علیه وسلم من النبوة والمعاد لان رفع الشبهات یؤید وقوع الحشرثم ختم السورة بالاخبار عن یوم الحشر حیث قال فذرهم حتیٰ یلا قوا الخ

سورة النجم

قال المسکین هذه السورة لها اجزاء فی الجزء الاول و هو من اولها الی قوله لقد رأی من ایات ربه الکبری اثبات النبوة و فی الجزء الثانی الی قوله و هو اعلم بمن اهتدیٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

بیان التوحید والاعراض عن اهل الشرک و توکیل امر هوالی الله تعالی و فی الجزء الثالث اخر السورة بیان جزاء الاعمال و قیام الساعة فاشتملت السورة الاصول الثلثة التی هی ام مقاصد القراٰن التوحید والرسالة والحشر فتبصر

سورة القمر

قال المسکین مقصودالسورة الاخبار عن وقوع الساعة وعلامتها و ذم المکذبین بها و بعض قصص المکذبین للاعتبار فتدبر

سورة رحمٰن

اعلم اولاان مناسبة هذه السورة لما قبلها بوجهین احدها ان الله تعالی افتتح السورة المتقدمة بذکر معجزة تدل علی العزة والجبروت والهیبة وهو انشقاق القمر فان من یقدر علی شق القمر یقدر علی هدالجبال وفد الرجال وافتتح هذه السورة بذکر معجزة تدل علی الرحمة والرحموت وهو القراٰن الکریم فانه شفاء القلوب بالصفاء عن الذنوب ثانیهما انه تعالی ذکر فی السورة المتقدمة فکیف کان عذابی و نذر غیر مرة و ذکر فی هذه السورة فبای الاء ربکما تکذبان مرة بعد مرة لما بینا ان تلک السورة سورة اظهار الهیبة وهذه السورة سورة اظهار الرحمة ثم ان اول هذه السورة مناسب لأخرما قبلها حیث قال فی اٰخر تلک السورة عند ملیک مقتدر والا قتدرارالاشارة الی الهیبة والعظمة و قال ههنا الرحمٰن ای عزیز شدید منتقم مقتدر بالنسبة الی الکفار والفجار رحمٰن منعم غافر للابرار. قال المسکین جزء الله تعالی هذه السورة ثلثة اجزاء الجز الاول فی تعداد النعم الدنیویة الی قوله وله الجوار المنشئت فی البحر کالا علام الجزء الثانی فی النقم الاخرویة للکافر و هی نعم باعتبار التنبیه علی ماسیلقونه یوم القیامة للتحذیر عما یؤدی الی سوء الحساب والجزء الثالث و هو من قوله و لمن خاف مقام ربه الی اٰخر السورة فی بیان النعم الاخر و یةللمؤمنین فطرفاالسورة فی ذکر النعم ووسطها فی بیان النقم ولما کان للاکثر حکم الکل سیما اذا کان ذکر النقم فیه لطف و نعمة ببیان عاقبة ماهم علیه کانت السورة کلها مظهر الحظرة الجمال و من ثم سما هارسول الله صلی الله علیه وسلم عروس القراٰن فتامل ولا تتعطل

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة الواقعة[1]

اما تعلق هذه السورة بما قبلها فذلک من وجوه احدها ان تلک السورة مشملة علی تعدید النعم علی الانسان و مطالبة بالشکر و منعه عن التکذیب کما مر و هذه السورة مشتملة علی و کر الجزاء بالخیر لمن شکر و بالشر لمن کذب و کفر ثانیها ان تلک و السورة متضمنة للتنبیهات بذکر الألاء فی حق العباد و هذه السورة کذلک لذکر الجزاء فی حقهم یوم التناد ثالثها ان تلک السورة سورة اظهار الرحمة و هذه السورة سورة اظهار الهیبة علی عکس تلک السورة مع ما قبلها واما تعلق الاول بالآخر ففی اخر تلک السورة اشارة الی الصفات من باب النفی

سورة الحدید

قال المسکین اول هذه السورة فی التوحید الی قوله و هو علیم بذات الصدور و اوسطها فی ترغیب اعمال الخیر الاصلیة والفرعیة من الایمان والانفاق وما للعاملین من کل صنف من البشارات والانذار و تحقیر الدنیا نعمها و نقمها و تعظیم حال الأخرة لیسهل السعی فی الأخرها فی اثبات مسئلة الرسالة و ذکر بعض الرسل المتقدمین و امهم و هو من قوله ولقد رسلنا الی خاتمه السورة والله اعلم .

سورة المجادلة

قال المسکین کان مقصود السورة بیان احاطة علمه تعالی باحوال المنافقین فان اکثرها یشتمل علیها و ذکر سماع المجادلة تمهید له ای لایخفی علی الله تعالی نجوی موافق ولا منافق فتدبر ولا تتحیر

سورة الحشر

قال المسکین خلاصة السورة ذکر قصة بنی النضیر و اخوانهم من المنافقین و ختم السورة بارشاد المؤمنین الی ان لایکونوا امثالهم للتفاوت بین المطیع والمعاصی بل

[1] وجه المناسبة بین السورتین مذکور فی المتن بوجوه ۱۲ منه عفی عنه

(c) ketabton.com: The Digital Library

ليتقوا الله الذی هو متصف بصفات الجلال و الجمال

سورة الممتحنة

قال المسكين حاصل السورة النهی عن الاختلاط مع المشركين بالتزوج و التناكح فتناسب ماقبلها لان فيه التقاطع عن اهل الكتاب

سورة الصف

قال المسكين كان المذكور فی السورة السابقة الامر بمخالفة الكفار و فی هذه الامر بمقاتلتهم و الوعد بالثواب عليها

سورة الجمعة

قال المسكين اول السورة فی اثبات التوحيد و الرسالة و الالزام علی بعض منكری الرسالة و اخرها فی النهی عن الانهماک فی الدنيا لانه الموجب لاختلاط الكفار و هو المانع عن المخالفة و المقاتلة و الاعراض عن الدنيا هو المكمل لاعتقاد التوحيد و النبوة

سورة المنافقون

وجه تعلق اول هذه السورة بما قبلها هو ان تلک السورة مشتمله علی ذكر بعثة الرسول صلی الله عليه وسلم و ذكر من كان يكذبه قلبا و لسانا بضرب المثل كماقال مثل الذين حملوا التورٰة و هذه السورة علی ذكر من كان يكذبه قلبا دون اللسان و يصدقه لسانا دون القلب و اما الاول بالأخرة فذلک ان فی اخر تلک السورة تنبيها لاهل الايمان علی تعظيم الرسول صلی الله عليه وسلم و رعاية حقه بعد النداء لصلوة الجمعة و تقديم متابعة فی الاداء علی غيره و ان ترک التعظيم و المتابعة من شيم المنافقين و المنافقون هم الكاذبون كما قال فی اول هذه السورة قال المسكين و ختم السورة بالنهی للمؤمنين عن ان يكونوا كالمنافقين فی الهاء اموالهم و اولادهم عن ذكر الله و الاخلاص له

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة التغابن

قال المسكين خلاصة السورة التوحيد والرسالة والبعث والتوجه الى الله تعالىٰ بالتوكل والاعراض عمايلهى كاٰخرما قبلها

سورة الطلاق

قال المسكين لماذكر فيما قبل من عداوة الازواج ذكرههنا حقوقهن لئلايفرط فيها ثم نبه في الركوع الثاني ان الله تعالىٰ في المعاملات الدنيوية ايضا واجب الامتثال لاكز عم بعض الجهلة

سورة التحريم

اما التعلق بما قبلها فذلك لا شتراكهمافي الاحكام المخصوصة بالنساء قال المسكين امرالازواج المطهرات ان لا يكن لا لعامة عداوت البعل اى بعل و ليخفن الطلاق ان فعلن ذلك فنا سبت السورة سورة التغابن والطلاق

سورة الملك

قال المسكين فيهابيان التوحيد والجزاء على التصديق والتكذيب

سورة النون

قال المسكين ملخص السورة في اثبات الرسالة والجزاء على التصديق والتكذيب

سورة الحاقة

قال المسكين خلاصة السورة بيان يوم القيمة و حقيقة القرآن الجاء ى به

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة المعارج

قال المسکین فیها ذکر الحشر و موجبات الثواب و العذاب

سورة نوح علیه السلام

قال المسکین خلاصة السورہ بیان جزاء من یکذب الرسل فی ضمن قصة نوح علیه السلام

سورة الجن

قال المسکین خلاصة السورة التنبیه علی ان الجن الناریین المستکبرین قدامنوا فما بال البشرا الترابیین المستصغرین لایؤمنون وختم السورة باثبات التوحید الذی هو اصل الایمان

سورة المزمل

قال المسکین خلاصة السورة تعلیم تصفیة الباطن بعد اصلاح الظاهر والامر بالابتهال الی الله تعالی والاعراض من المنکرین وتوکیل امرهم الی الله تعالی فانه یجازیهم کیف یشاء فان شغل القلب بغیر الله تعالیٰ مما یخل بالذکر و صفاء الجوهر الروحانی

سورة المدثر

قال المسکین ملخص السورة الانذار

سورة القیمة

قال المسکین ملخص السورة اثبات البعث و لعله اتفق للرسول صلی الله علیه وسلم عندنزول هذه الأیات الاستعجال بالقراء ة فنهی عنه و علی قول القفال قوله تعالیٰ لا تحرک الخ

خطاب مع الانسان یوم القیمة وقت قراء ة کتاب اعماله فیکون من متعلقات البعث

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة الدهر

قال المسكين ملخصها اثبات جزاء الاعمال فكانه مناسب لقوله ايحسب الانسان ان يترک سدی لايجزی على الاعمال

سورة المرسلات

قال المسكين خلاصتها بيان ما يقع يوم القيامة وه ايتبعها

سورة النبأ

قال المسكين فيها ايضا احوال القيٰمة

سورة النزعٰت

قال المسكين فيها ايضاً اثبات البعث اماوجه المناسبة بين قصة موسى عليه السلام و بين ماقبلها فعلى ما فى الكبير من وجهين الاول انه تعالى حكى عن الكفار اصرارهم على انكار البعث حتى انتهوا فى ذلک الانكار الى حد الاستهزاء فى قولهم تلک اذاً كرة خاسرة و كان ذلک يشق على محمد صلى الله عليه و سلم فذكر قصة موسى عليه السلام و بين انه تحمل المشقة الكثيرة فى دعوة فرعون ليكون ذلک كالتسلية للرسول صلى الله عليه وسلم الثانى ان فرعون كان اقوى من كفار قريش واكثر جمعا و

(c) ketabton.com: The Digital Library

اشد شوكة فلما تمرد على موسى عليه السلام اخذه الله نكال الأخرة والاولى فكذلك هؤلاء المشركون فى تمردهم عليكم ان اصروا اخذهم الله تعالى و جعلهم نكالا

سورة عبس

قال المسكين فيهابيان احوال القيٰمة والامر بتذكيرمن يتذكر

سورة الانفطار

قال المسكين فيها اثبات البعث و بيان جزاء الاعمال والتقريع على الغفلة

سورة التطفيف

قال المسكين كان فيما قبل بيان حقوق الله تعالى و فى هذه بيان حقوق الناس من اموالهم واعراضهم و بيان تعظيم يوم مكافاة الحقوق

سورة الانشقاق

قال المسكين فيها بيان الجزاء الاعمال يوم القيٰمة

سورة البروج

السورة وردت فى تثبيت المؤمنين و تصبيرهم على اذى اهل مكة و تذكيرهم بما جرى على من تقدمهم من التعذيب على الايمان حتى يقتدوابهم و يصبرواعلى اذى

(c) ketabton.com: The Digital Library

قومهم و یعلموا ان کفار مکة عندالله بمنزله اولئک

سورة الطارق

قال المسکین فیهابیان حفظ الاعمال والجزاء بعد البعث و کونه حقا غیر هزل

سورة الاعلی

قال المسکین فیها بیان فناء الدنیا و بقاء الاخرة والامر بالتذکیر به بالقران و بیان النعم الباعثة علی الاطاعة فتأمل

سورة الغاشیة

قال المسکین فیها بیان القیمة والجنة والنار و الآیات الدالة علی وجود الصانع المنجی اعتقاده والمردی عناده

سورة الفجر

قال المسکین فیها ذکر جزاء المکذبین و عدم الاغترار بالدنیا الحاملة علی التکذیب و ایتاز یوم الجزاء

سورة البلد

قال المسکین فیهاذم صرف القوی الی الدنیا والامر بصرفها فی العقبیٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة الشمس

المقصود من هذه السورة الترغيب فى الطاعات والتحذير من المعاصى قال المسكين لان جواب القسم على ماقال ابو السعود قوله تعالىٰ قد افلح الخ

سورة الليل

اقسم تعالى ان اعمال عباده لشتى اى مختلفة فى الجزاء ثم بين معنى اختلاف الاعمال فيما قلناه من العاقبة المحمودة والمذمومة والثواب والعقاب

سورة الضحىٰ[1]

قال المسكين فيها بيان النعم على نبيه صلى الله عليه وسلم ليذهب حزنه بالتكذيب والامر باداء الشكر عليها

سورة الانشراح

قال المسكين فيها ايضاما فى الاولى مع الامر بالاجتهاد فى العبادة اداءً لشكر النعم

سورة التين

قال المسكين فيها بيان النعم على الانسان و شكر بعضهم عليها و كفر بعضهم بهاو بيان جزاء الفريقين

---

[1] اعلم ان الرازى رحمه الله تعالىٰ اورد فى تفسير الكوثر تقرير ايوخذ منه الارتباط بين سورة الضحىٰ الىٰ اخر القران المجيد فلنورده بعينه وهو هذا۔ ان هذه السورة كالتتمة لما قبلها من السورو كالاصل لما بعدها من السور اما انها كالتتمة لما قبلها من السور فلان الله تعالى جعل سورة والضحى فے مدح محمد عليه السلام و تفصيل احواله فذكر فى اول السورة ثلثة اشياء تتعلق بنبوة (اولها) قوله ماودعک ربک و ما قلى (وثانيها) قوله و للأخرة خير لک من الاولى (وثالثها) ولسوف يعطيک ربک فترضى ثم ختم هذه السورة بذكر ثلثة احوال من احواله عليه السلام فيما يتعلق بالدنيا و هى قوله الم يجدک يتيما فاوٰى وو جدک ضالاً فهدى وو جدک عائلاً فاغنىٰ ثم ذكر فى سورة الم نشرح انه شرفه بثلثة اشياء (اولها) الم نشرح لک صدرک (وثانيها)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة العلق

قال المسكين فيها حث على الطاعة والذكر شكر النعم و ذم وردع لمن كفر بها بطغيانه

سورة القدر

قال المسكين فيها تعظيم القرآن بتعظيم زمانه و هوا احد وجوه التعظيم

سورة البينة

قال المسكين فيها تعظيم الرسول و جزاء المصدقين والمطيعين له والمكذبين والعصاة

سورة الزلزال

انه تعالى لما قال جزاء هم عند ربهم فكان المكلف قال و متى يكون ذلك يا رب فقال اذا زلزلت الارض قال المسكين ففيها بيان الجزاء و وقته

سورة العاديات

قال المسكين فيها بيان سكون الانسان معترفابالقال او بالحال على نفسه باستحقاقه للجزاء لاعترافه بكونه كنودا كفوراً فلا تحكم فيه

سورة القارعة

اعلم انه تعالىٰ لما ختم السورة المتقدمة بقوله ان ربهم بهم يومئذ لخبير فكانه قيل و ما ذلك اليوم فقيل هى القارعة قال المسكين فى هذه السورة قانون الجزاء

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة التكاثر

قال المسكين فيها بيان ذم الغفلة عن الأخرة

سورة العصر

قال المسكين فيها بيان اسباب الخسران والربح فى الأخرة

سورة الهمزه

قال المسكين فيها بيان خصال العذاب

سورة الفيل

قال المسكين هذه السورة كالدليل على ان الهمزة اللمزة الطاعن فى النبى صلى الله عليه وسلم مستحق للعذاب فان الذى عذب من اهان بيته كيف يترک من اهان نبيه و هذا ماخوذ من الكبير

سورة قريش

قال المسكين فيها بيان النعمة العظيمة على قريش حيث جعلهم اهل بيت عظيم اهلک الله تعالى من اهانهم والقى حرمة فى قلوب الناس

سورة الماعون

قال المسكين فيها ذم خصال الكفار والمنافقين

سورة الكوثر

قال المسكين فيها تنويه لسان الرسول صلى الله عليه وسلم و تفضيح لعدوه

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة الکافرون

قال المسکین فیها النبذعلی السواء فی الدین لقطع الطمع عن التوافق فیه

سورة النصر وابی لهب

اعلم انه تعالیٰ قال وما خلقت الجن و الانس الالیعبدون ثم بین فی سورة قل یایهاالکافرون ان محمدا صلی الله علیه وسلم اطاع ربه و صرح بنفی عبادة الشرکاء والاضدادوان الکافر عصی ربه و اشتغل بعبادة الاضداد و الانداد فکانه قیل ما ثواب المطیع و ما عقاب العاصی فقال ثواب المطیع حصول النصر والفتح و استعلاء فی الدنیا والثواب الجریل فی العقبیٰ کمادل علیه سورة اذا جاء نصرالله واما عقاب العاصی فهوالخسار فی الدنیا والعقاب العظیم فی العقبیٰ کما دلت علیه سورة تبت

سورة اخلاص

قال المسکین فیها بیان التوحید و هواصل الدین

سورة الفلق

قال المسکین فیها الامر بالتوکل فی الحسیات

سورة الناس

قال المسکین فیها الامر بالتوکل فی العقلیات والتوکل هواصل الاعمال و مدارها فسبحانه ما اعظم شانه کیف ختم کتابه بذکر الاصول العظیمة لان الدین کله هوالاعتقاد والعمل لاغیر والاعمال یتوقف صدورها علی سلامة البدن و سلامة النفس فوجب التوکل علی الله تعالیٰ فی حفظهما عن الشرور والبوائق فجمع الله تعالی العقائد الصحیحة الحقة کلها فی سورة الاخلاص و امر بالتوکل فی سلامة البدن فی سورة الفلق

(c) ketabton.com: The Digital Library

و فی سلامة النفس فی سورة الناس و بماذکر تم امر الدین و الحمد لله رب العالمین ربنا اتمم لنانور ناواغفرلنا انک علی کل شیء قدیر و بالاجابة جدیر و صلی الله علی سیدنا محمد المبعوث بجوامع الکلم و منابع الحکم و علی جمیع الانبیاء والرسل و آلهم و صحبهم سراج السبیل ابدالابدین و دهر الداهرین

خاتمه

قدتم الکتاب والحمد لله الوهاب علی یدهذا التراب فی نحو مدة شهرین و اسبوعین وقدفرغ منه فی یوم الخمیس ثالث عشرمن شهر ربیع الأخر ۱۳۱۶ من الهجرة فی کورة تهانه بهون من مضافات مظفر نگر لازالت مصونة من الفتن وما موته من الشرو مقرنة بالخیر والظفر بحرمة سید البشر صلی الله علیه وعلیٰ آله وصحبه وسلم ما سارت الشمس والقمر .

حق تعالیٰ کی توفیق سے اشرف التفاسیر کی چوتھی اور آخری جلد بمطابق جمادی الاول ۱۴۲۰ھ ستمبر ۱۹۹۹ء مکمل ہوئی۔

اللهم لک الحمد کما ینبغی لجلال و جهک

(c) ketabton.com: The Digital Library

عام فہم اُردو تفسیر

انوار البیان

فی کشف اسرار القرآن

سلیس اور عام فہم زبان میں اُردو کی سب سے پہلی مفصل اور جامع تفسیر، تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام، دلنشین انداز میں احکام و مسائل اور مواعظ و نصائح کی تشریح، اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر و حدیث اور کتب فقہ کے حوالوں کیساتھ

محقق العصر
حضرۃ مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

کامل 9 جلد

ادارۂ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان، پاکستان فون: 540513

(c) ketabton.com: The Digital Library

علومِ قرآن کے شائقین کیلئے خوشخبری .... بیک وقت چھ تفاسیر کا مطالعہ

مصروفیت کے اس دور میں ضخیم تفاسیر کا مطالعہ بہت مشکل ہوگیا ہے اس لئے اکابر علمائے کرام اور مفتیان عظام کی آراء اور مشوروں کی راہنمائی کے تحت چھ مستند تفاسیر کے مضامین کا انتہائی معنی خیز منتخب عوام الناس اور علمائے کرام کی سہولت کیلئے یہ مجموعہ مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں ترتیب دیا گیا ہے

جدید کمپیوٹر کتابت

گلدستۂ تفاسیر

کامل ۷ جلد

مُرتّب حضرت الحاج عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہ العالی

اول مکمل تفسیر عثمانی ★ تفسیر مظہری ★ تفسیر عزیزی

تفسیر ابن کثیر معارف مفتی اعظم رحمہ اللہ ★ معارف کاندھلوی رحمہ اللہ

مع تفسیری افادات

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ

مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ

حضرت علامہ الاکرم شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

آخر میں 1400 سالہ مفسرین کی تاریخ

اس تفسیر کے متعلق علماء کی آراء

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ العالی — اس کاوش سے علماء طلباء اور عوام الناس کو بے حد نفع ہوگا

حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ — فہم قرآن کے شائقین کیلئے قرآنی علوم کا گلدستہ

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی — دورِ حاضر کی چھ شاہکار تفسیروں کا حاصل ''گلدستہ تفاسیر''

حضرت مولانا محمد موسیٰ کرماڈی مدظلہ العالی — یہ تفسیر عوام وخواص کیلئے نہایت مفید ہے

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہ العالی — یہ تفسیر اکابر کی تفاسیر کا نچوڑ ہے اور اس میں مسلکِ حق کی پوری پوری ترجمانی ہے

تقریباً 5000 صفحات پر مشتمل، بہترین سفید کاغذ غیر ملکی اسٹائل کی 7 جلدوں میں قیمت -/1995 روپے

محدود مدت کیلئے رعایتی قیمت صرف -/1100 روپے صرف فون کر کے بھی آپ وی پی منگوا سکتے ہیں ڈاک خرچہ -/100 روپے

ہر قسم کے قرآن مجید، تفاسیر اور اسلامی کتب کیلئے

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان

فون: 540513-519240

(c) ketabton.com: The Digital Library

پاکستان میں پہلی بار جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ بڑے سائز میں

کامل ۳ جلد

تفسیر مکمل بیان القرآن

۱۴۳۴ھ

و

رفع الشکوک از ترجمہ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک

وجوہ المثانی مع توجیہ الکلمات والمعانی (عربی)

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

تعارف وتقدیم فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی

عبد الشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالی

تفسیر بیان القرآن اور اس کے متعلقہ تمام رسائل کی جدید اشاعت کے لیے کمپوزنگ و ترتیب اس قدیم نسخہ کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔ جو خود حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا نظر فرمودہ ہے اور اس پر حضرت کی تصدیق اور دستخط ہیں نیز حضرت مولانا شبیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھی دستخط موجود ہیں یہ نسخہ ۱۳۵۳ھ میں مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون سے شائع ہوا تھا۔

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان 061-540513-519240 ✆

E-mail: ishaq90@hotmail.com//Website: www.taleefat-e-ashrafia.co

Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library